اللؤلؤ المکنون

جلد أول

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیہ اور اقوام و مذاہب
- سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت
- بعثت نبوی سے پہلے عرب کی ہمسایہ اقوام کے احوال
- سلطنتوں کے تاریخی، مذہبی اور سماجی حالات

دارُالسّلام
ریسرچ سنٹر

دارالسلام
DARUSSALAM

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے



اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

1

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اَللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ و السلام

- جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیہ اور اقوام و مذاہب
- سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت
- بعثت نبوی سے پہلے عرب کی ہمسایہ اقوام کے احوال
- سلطنتوں کے تاریخی، مذہبی اور سماجی حالات

1

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

جناب محسن فارانی | حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی | مولانا تنویر احمد

حافظ عبداللہ ناصر مدنی | حافظ اقبال صدیق | حافظ ابوبکر احمد خواجہ

تصحیح و تنقیح و نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری | پروفیسر محمد یحییٰ | مولانا محمد خالد سیف

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المكنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

جزیرہ نمائے عرب،
قبل از بعثت عالمی حالات

جلد 1

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ اقبال صدیق
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

مولانا ابوبکر احمد خواجہ
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

تصحیح و تنقیح / نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف ومحقق)

پروفیسر محمد یحییٰ
(بی اے آنرز، ایم اے عربی، سینئر ریسرچ سکالر دارالسلام)

مولانا محمد خالد سیف
(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

مولانا عبدالوہاب شہاب
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا عبدالبصیر خالد
(فاضل علوم اسلامیہ)

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان وادب)

جناب محمد انور اعوان
(ایم اے انگریزی وسیاسیات)

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دار السلام
موسوعة السيرة النبوية. / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ
ص: ٥٠٨ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٦-٨٢-٥٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(النص باللغة الاردية)
١. السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/١٥٢٦
رقم الإيداع: ١٤٣٣/١٥٢٦
ردمك: ٦-٨٢-٥٠٠٠-٦٠٣-٩٧٨

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04

الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966

ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • مارک انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091

• ہدی بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایکم الیس بک انٹرپرائز فون: 42157847 44 0091

سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372,24 400 372,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042

• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042

• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم

وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370

صحيح مسلم : 405-407

مدحت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وَاَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ
وَاَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اَقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اَقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

باب:1 جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیائی و تاریخی پس منظر 121

باب:2 جزیرہ نمائے عرب کے اقوام و قبائل 211

باب:3 جزیرہ نمائے عرب کی حکومتیں اور سلطنتیں 299

باب:4 جزیرہ نمائے عرب کے مذاہب اور مشرکانہ رسوم 339

باب:5 جزیرہ نمائے عرب کی معاشرت، تجارت اور ثقافت 363

باب:6 عرب کی ہمسایہ اقوام، سلطنتیں اور مذاہب 385

فہرست

عرض ناشر	31
اسلوبِ تحقیق و نگارش	39
■ اسلوبِ نگارش	39
■ اسلوبِ تحقیق و تخریج	41
■ اسلوبِ فہارس	42
مقدمہ	43
■ ایک مکمل انقلاب کی دعوت	45
■ دنیا کی کامیاب ترین ہستی	46
■ مرکزِ نگاہِ عالم	47
■ قریب ترین لوگوں کی فریفتگی	48
■ دشمنوں کی تسخیر	49
■ بیرونِ عرب کے مفتوحینِ نبوت	50
■ مرقعِ جمال کے گرویدہ و فریفتہ	51
■ شانِ رسالت کی لذتِ بیان	52
■ ام معبد اور حسان رضی اللہ عنہما کی مدّاحی	52
■ جمالِ عبدیت	53
■ غزوات اور جہاد و قتال	54
■ سیرت کا مفہوم	56
■ سِیَر و مغازی کی تدوین اور ارتقا	57
■ سِیَر و مغازی کے عینی شاہد	57
■ سیرت نبوی پر اولین صحیفے	62
■ تابعین اور سِیَر و مغازی کی تعلیم و تالیف	62
■ فنِ سیرت کا ارتقاء	65
■ مجروح سیرت نگار	67
■ سِیَر و مغازی کی تہذیب و ترتیب	67
■ فنِ سیرت اور محدثین	68
■ فنِ سیرت اور مؤرخین	70
■ المغرب اور اندلس کے سیرت نگار	70
■ چھٹی ساتویں صدی میں سیرت نگاری	71

- آٹھویں صدی میں سیرت نگاری 72
- سیرت نگاری میں تنوع 72
- صحیح البخاری میں سیرتِ نبوی 73
- امام مسلم اور سیرتِ رسول 74
- شمائلِ رسول اللہ ﷺ 74
- دلائل النبوۃ اور اعلام النبوۃ 76
- کتبِ سیرت کی شروح 77
- کتبِ سیرت میں جامعیت کا اہم مرحلہ 77
- سیرت اور مستشرقین 80
- متأثرینِ استشراق اور سیرت نگاری کا جدید دور 82
- مولانا شبلی اور سیرۃ النبی 83
- سیرت کے حوالے سے محدثین کا معیارِ صحت 84
- مسلمانوں کا سرمایۂ افتخار 87
- محدثین اور نقدِ متون 89
- اہلِ مغرب کے اصول غیر متعلق ہیں 90
- مولانا شبلی اور درایت 91
- مولانا شبلی کے دلائل کا تجزیہ 93
- بہتان اور خبر میں فرق 95
- آگ پر پکی چیز کھانے کا مسئلہ 96
- روایات کی صحت و ضعف کا فیصلہ 97
- محض عقل معیار نہیں 97
- صحابہ اور عقلی معیار 99
- روایتِ تیمم، عمار اور عمر رضی اللہ عنہما 101
- نوحہ کرنے پر مُردے کو عذاب اور سماعِ میت 102
- کم عمر صحابہ کی روایت 103
- ہجرت کے حوالے سے روایتِ عائشہ پر انحصار 105
- کم سن صحابہ کی سب روایات صحیح ہیں 105
- صحیح روایات خلافِ عقل نہیں، محدثین کا موقف 106
- محدثین پر ناروا اعتراض 107
- غزوات اور دیگر واقعات میں بھی محدثین کے اصولوں کی پابندی ضروری ہے 108
- استشراق اور عرب مصنفین 109
- اعجازِ نبوت کا انکار عناد اور کج فکری ہے 110
- نئے دور کی اہم عربی کتبِ سیرت 111
- صحیح حدیث اور صحیح تاریخی روایات 112
- سیرت کے معاملے میں تساہل کیوں؟ 114
- سیرت کی تدوین میں احتیاط و توازن 115
- ضعیف احادیث کی مدد سے گمشدہ کڑیوں کی تکمیل 116
- سیرتِ مبارکہ کی تدوین کے مآخذ اور معیارِ صحت 117
- مخالفانہ لٹریچر کا علمی و تحقیقی جائزہ 118

باب: 1

جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیائی و تاریخی پس منظر

عرب کا طبعی جغرافیہ	124
■ جزیرہ اور جزیرہ نما	124
■ عرب کی وجہ تسمیہ	125
■ عرب کا محل وقوع	126
نقشہ: جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ سیاسی تقسیم اور ہمسایہ ممالک	127
■ بیرونی حملوں سے محفوظ خطہ	129
■ حَرّاتِ عرب	129
■ صحرائے عرب	130
● النفود الکبیر	130
● الدہناء	130
● الجافورہ	130
نقشہ: عرب کے مشہور صحرا	131
● الربع الخالی	132
■ عرب کے مشہور پہاڑ	132
● ① جبال السراۃ	132
● جبل اُحد	132
● جبل ثور	133
● جبل النور (جبل حراء)	133
● جبل رضویٰ	133
● ② الجبل الاخضر	134
● ③ جبلِ طُبَیق	134
● جبال اَجا و سلمیٰ	134
● ④ جبل قطن	134
● جبل طویق	134
● جبل نُجران	135
■ صحرائی عربوں کی بود و باش	135
■ عرب کی بعض وادیاں اور مقامات	135
● وادی السرحان	135
● فرات کی معاون ندیاں	135
● وادی الباطن	136
● وادی الدواسر	136
● ذات اَطلاح	136
● تبوک	136
● دُومۃ الجندل	136
● بَرک الغماد (البرک)	137
■ عرب کی نباتات	137

■ حیوانات	138
■ عرب کی معدنیات	140
جزیرہ نمائے عرب کی طبعی و سیاسی تقسیم	141
تہامہ	142
■ تہامہ کی حدود	142
● ذات عرق (نخلہ شامیہ)	143
● وادی اِضم (الحمض)	143
عروض	144
■ بحرین	144
● بحرین میں اسلام، مجوسیت اور یہودیت	145
■ عُمان	146
نجد	147
■ نجد کا حدود اربعہ اور جغرافیائی تقسیم	147
■ نجد عالیہ اور نجد سافلہ	148
■ نجد کے بعض اہم مقامات	149
● جبال طے اور حائل	149
● القصیم	149
● اصحاب الرس کا مسکن	149
نقشہ: اصحاب الرس کا ممکنہ علاقہ	150
● عارض الیمامہ	151
● یمامہ کا محل وقوع	151
● حاکم یمامہ ثمامہ بن اُثال	151
● زرقاء الیمامہ اور یمامہ کی وجہ تسمیہ	153
● ضریہ	154
● ذات الرقاع	154
● غزوہ ذات الرقاع	155
■ جنگ بسوس کے چالیس برس	155
■ نجد میں دعوتِ اسلام	155
یمن	157
■ یمن کی وجہ تسمیہ	157
■ یمن کی وسعت	158
نقشہ: جمہوریہ یمن اور جنوبی عرب	159
■ یمن کے اضلاع	160
■ یمن کے لعل و جواہر اور تجارت	160
■ اہلِ یمن کی فضیلت	161
■ اہلِ یمن کی فضیلت قرآن میں	161
■ اہلِ یمن کی فضیلت احادیث میں	162
■ یمن کے مشہور مقامات	162
● صنعاء	162

قصہ باغ والوں کا	164
حضر موت	165
حضر موت میں آفتاب اسلام کی کرنیں	165
مآرب اور سبا	166
شبام اور تریم	167
نجران	167
یمن کی مشہور وادیاں	168
وادی نجران	168
دریائے حُجر	168
وادیِ حضر موت	168
حجاز	169
حجاز کے بلند پہاڑ	169
اہل حجاز کی فضیلت	170
مکہ مکرمہ	171
نقشہ: مکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں	172
مکہ مکرمہ کی وجہ تسمیہ	173
مکہ مکرمہ کے نام	174
سورۃ ال عمران میں لفظ ''بکہ'' کا ذکر	174
سورۃ الانعام میں ''ام القریٰ'' کا تذکرہ	174
سورۃ النحل میں مکہ کے لیے لفظ ''قریہ''	174
سورۃ الفتح میں لفظ ''مکہ'' کا ذکر	175
سورۃ البلد میں مکہ کے لیے لفظ ''البلد''	175
سورۃ التین میں ''البلد الامین'' کا ذکر	175
تاریخ میں مکہ کا اولین ذکر	175
مکہ مکرمہ کی فضیلت	176
مکہ روزِ اول سے حرم ہے	177
حُدودِ حرم	177
مکہ مکرمہ کے اہم مقامات	178
جبل ثور	178
خاکہ: حرم مکی کی حدود	179
جبل حرا	180
عرفات	180
منٰی	181
مزدلفہ	181
وادی مُحَسّر	182
مکہ کے اردگرد کی مشہور وادیاں اور مقامات	182
وادی نخلہ (نخلہ الشامیہ، نخلہ الیمانیہ)	182
وادی حنین (الشرائع)	183
الابطح	183
البطحاء	183

وادی عُرَنہ	183
الرجیع	184
ضَجَنان (بحرة المحسنية)	184
أَمَج	184
بطن سرف	185
مَرّ الظهران (وادی فاطمہ)	185
البیضاء (ثنية التنعيم)	185
وادي فخّ	185
ثنية غَزَال	185
ثنية لِفت (الفيت)	185
غُران	185
غدير خُم (الغُربہ)	186
مدینہ منورہ: شہرِ نبوی	187
نقشہ: مدینہ منورہ (عہد نبوی میں)	188
یثرب اور مدینہ کا ذکر قرآن میں	189
مدینہ کا محلِ وقوع	190
مدینہ کے چشمے، وادیاں اور پیداوار	191
وادی قناۃ	191
وادی رانوناء	191
وادی بطحان	191
وادی الرمہ	192
وادی الصفراء	192
وادی القریٰ	192
وادی الغمرہ	192
وادی العقیق	193
وادی بواط	193
یثرب اور اس کے باشندے	194
① یہود کا یثرب میں ورود	194
② اوس اور خزرج کا یثرب میں تمکن	195
حرمِ مدینہ منورہ	196
مدینہ منورہ بطور دارالخلافہ اور مابعد	196
مدینہ عثمانی اور سعودی ادوار میں	197
طائف اور بدر	199
طائف	199
عکاظ	200
بنو ثقیف طائف میں	200
طائف کی مشہور وادیاں	201
شوحطہ (خیبات بنوسعد)	201
وادی مُحرم	203
وادی لِیَہ	203

■ بدر 203

تہامہ، نجد اور حجاز کے بعض اہم مقامات 206

● منصرف 206

● بئر معونہ (دیار مطیر) 206

● قُدَید 206

● المُرَیسیع 206

● ذو اَمَر 206

● قرقرۃ الکُدر 207

● الابواء (الخُرَیبہ) 207

● خیبر 207

● فدک (الحائط) 208

● خیمہ ام معبد 208

● رَبَذہ 208

● مشلّل 208

نقشہ: تہامہ، نجد اور حجاز کے اہم مقامات 209

● ثنیۃ المُرّہ 209

● العیص 209

● الأصافر (الصُّفَر) 209

● الدَّبّہ 210

● وادی اوطاس 210

● الخرّار (غدیر خم) 210

● تبالہ 210

باب:2

جزیرہ نمائے عرب کی اقوام وقبائل

اقوامِ عرب کے تین طبقے 214

عرب بائدہ 215

1 قوم عاد 216

■ عاد کا نسب 216

■ عاد کا زمانہ 216

نقشہ: قوم عاد کے مساکن 217

■ عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ 218

■ کیا عادِ اولیٰ ہی عادِ ارم ہیں؟ 219

■ ابلائی تہذیب 221

■ عادِ ارم کی باقیات 222

■ شدّاد کا باغِ ارم؟ 222

■ عاد ثانیہ کا علاقہ 223

■ احقاف سے کون سا علاقہ مراد ہوسکتا ہے؟ 223

■ اہم نکات 228

■ قوم عاد کا مذہب 231

■ حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت 232

■ ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا رویہ 232

قوم کا مخالفانہ ردعمل	233
ہود علیہ السلام کا بتوں سے اعلانِ براءت	233
ہود علیہ السلام کی فریاد اور عذابِ الٰہی	233
2 قومِ ثمود	235
قومِ ثمود کا زمانہ	235
قومِ ثمود کے مساکن	235
الحجر اور مدائن صالح	237
غلط فہمی کا سبب	238
قومِ ثمود کا مذہب	239
صالح علیہ السلام کی دعوت اور اونٹنی والا معجزہ	239
قومِ ثمود پر نزولِ عذاب	240
نقشہ: صالح علیہ السلام اور قومِ ثمود کا علاقہ	241
ثمودِ ثانیہ کا ظہور	242
طسم و جدیس	243
بنو جرہم	244
عرب عاربہ	246
شجرہ: بنو قحطان اور ان کے ذیلی قبائل	247
ترکِ وطن کرنے والے کہلانی قبائل	248
① قبائل ازد	248
(ا) مازن بن ازد	248
① ثعلبہ بن عمرو مزیقیا	248
اوس وخزرج	248
نقشہ: یمنی قبائل کی ہجرت	249
بنو اوس کے ذیلی قبیلے	250
نقشہ: قبائل اوس وخزرج یثرب میں	251
بنو خزرج کے ذیلی قبیلے	252
شجرہ: بنو اوس اور بنو خزرج کا شجرۂ نسب	254
بُعاث کا خون ریز معرکہ	255
اوس وخزرج آلِ اسماعیل ہیں؟	256
بنو قحطان آلِ اسماعیل کیونکر؟	256
سید سلیمان ندوی کے دلائل	257
② حارثہ بن عمرو مزیقیا	258
③ عمران بن عمرو مزیقیا	259
④ جفنہ بن عمرو مزیقیا (آلِ غسان)	259
(ب) نصر (شنوءہ) بن ازد	259
② لخم وجذام	259
③ بنو طے	260
④ بنو کندہ	260
بنو حمیر کے معروف قبائل	261
① بنو قضاعہ	261
② بنو سکسک	261

③ زید الجمہور	261
عرب مستعربہ	262
ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام	263
ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام	263
ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش: کوثی	263
ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مشابہت	264
بت پرست باپ سے مکالمہ	265
اجرام فلکی کے غروب سے معرفتِ الٰہی	265
بُت پرستوں کو دعوتِ غور وفکر	266
نارِ نمرود کا سرد ہونا	267
اُور، حران اور فلسطین کی طرف ہجرت	267
سفرِ مصر اور حضرت ہاجرہ سے شادی	268
حضرت سارہ کی فرمائش اور حکمِ الٰہی	268
نقشہ: ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام	269
آلِ ابراہیم وادیِ غیر ذی زرع میں	270
چشمۂ زمزم کا جاری ہونا	270
بنو جرہم کی آمد اور وادیِ مکہ میں سکونت	271
اسماعیل علیہ السلام اور ذبحِ عظیم	273
شیطان کی نامرادی	273
باپ بیٹا قربان گاہ کی جانب	273
اللہ کے حضور سرخروئی	274
ذبیح کون تھے؟	274
اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور والد کی تشریف آوری	277
فرمانِ پدری کی تعمیل میں دوسری شادی	278
تعمیرِ کعبہ	279
بنو اسماعیل اور انباط	280
نبطیوں کا عروج	280
عدنان قیدار کی اولاد ہیں یا نابت کی؟	280
شجرہ: بنو عدنان اور ان کے ذیلی قبائل	281
بنو عدنان کے مختلف قبائل	283
قیسی قبائل	283
مضری قبائل	284
بنو تمیم، بنو مُدرِکہ اور بنو خُزیمہ	284
بنو کنانہ	284
قبیلہ قریش اور اس کی شاخیں	285
بنو غالب، بنو محارب اور بنو حارث	285
بنو عدی، بنو سہم اور بنو جمح	285
بنو تیم، بنو یقظہ اور بنو کلاب	285
بنو ہاشم، بنو عبدالدار اور بنو اسد	286
بنو عبد شمس اور بنو اُمیہ	286

● بنو نوفل اور بنو مطلب	286
■ آلِ عدنان کا عرب میں پھیلاؤ	287
قومِ لوط	289
■ لوط علیہ السلام کا نام ونسب	289
■ لوط علیہ السلام کی جائے نبوت	289
نقشہ: لوط علیہ السلام کی قوم کے مساکن	290
■ لوط علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا جواب	291
■ نزولِ عذاب	292
بنو قطورا: قومِ شعیب	293
نقشہ: قومِ شعیب (علیہ السلام) کے مقامات	294
■ اصحابِ ایکہ	295
■ شعیب علیہ السلام کی دعوت وتبلیغ	296
■ شعیب علیہ السلام کی قوم کو سرزنش	297
■ قومِ شعیب پر مختلف قسم کے عذاب	297
باب: 3 جزیرہ نمائے عرب کی حکومتیں اور سلطنتیں	
عرب کے حکمران	302
یمن کی سلطنتیں	303
■ دولتِ معین	303
■ سلطنتِ سبا	303
● ① مکاربِ سبا	303
نقشہ: یمن اور اکسوم کی سلطنتیں	304
■ اہلِ سبا کا مذہب	305
■ سدِّ مأرب اور اس کی تباہی	306
نقشہ: سدِّ مأرب اور سیلِ عرم	308
■ سبا کا عروج وزوال	309
● ② ملوکِ سبا	310
■ سلطنتِ قتبان (قِتبان)	310
■ مملکتِ حِمیَر	311
■ حِمیَر کا طبقۂ اُولیٰ اور حبشیوں کا تسلط	311
■ حِمیَر کا طبقۂ ثانیہ یا تبابعہ	312
■ تُبّع اسعد ابوکرب کا قبولِ اسلام	312
■ حبشیوں کا یمن پر دوبارہ تسلط	313
■ یمن پر ایرانی قبضہ	314
■ اصحابِ اُخدود	315
● خوفناک بلا کا صفایا	315
● درباری ایمان لے آیا	315
● بادشاہ سے مکالمہ	316
● راہب پر ظلم وستم	316

● پہاڑ پر دُعا	316
● سمندر میں نصرتِ الٰہی	316
● بِسْمِ اللهِ کے تیر سے شہادت	317
● مومن خندقوں کی آگ میں کود گئے	317
حیرہ (عراق) کی لخمی بادشاہت	319
■ عراق پر ایرانی، یونانی اور ساسانی تسلّط	319
■ حیرہ کی باجگزار بادشاہت	320
■ حیرہ کے لخمی حکمران	320
■ جنگ ذی قار میں عربوں کی فتح	320
شام کی غسانی بادشاہت	322
■ بُصری الشام کے غسانی حکمران	322
عُمان کی بادشاہت	324
■ شاہانِ عمان آغوشِ اسلام میں	324
سلطنتِ کندہ	326
■ کندہ کے حکمران اور جنگِ کُلاب	326
نقشہ: جزیرہ نمائے عرب کی سلطنتیں، قبائل اور مذاہب (قبل از اسلام)	327
■ الفاو: کندہ کا دارالحکومت	328
تدمر کی عرب سلطنت	329
■ سلطنتِ تدمر اور رومیوں کے ہاتھوں اس کی تباہی	329
حجاز کی امارت	320
■ بخت نصر کا عرب پر حملہ	320
■ مکہ پر بنوخزاعہ کا قبضہ	320
■ بنو جرہم نے چاہِ زم زم پاٹ دیا	331
■ مضری قبائل کی امارت میں شرکت	332
■ عدنانی قبائل کا حجاز کے باہر پھیلاؤ	332
■ قصی بن کلاب کی مکہ واپسی	333
■ تولیتِ کعبہ قصی کی تحویل میں	333
■ دارالندوہ کی تعمیر	334
■ اولادِ قصی میں مناصب کی تقسیم	334
■ ظہورِ اسلام کے وقت مکہ میں انتظامی عہدے	335
● ا: مذہبی خدمات	335
● ب: عدالتی خدمات	336
● ج: جنگی خدمات	336
عرب سرداریاں	337
■ سرداری نظامِ حکومت کی خصوصیات	337
■ سرداروں کے امتیازی حقوق	337

باب: 4

جزیرہ نمائے عرب کے مذاہب اور مشرکانہ رسوم

عرب میں بُت پرستی	342
▪ عربوں میں بُت پرستی کا آغاز	342
▪ سرزمین عرب کے بُت	343
• اساف و نائلہ	343
• اُقَیصر	343
• الجلسد	343
نقشہ: عربوں کے اصنام اور مورتیں	344
• ذوالخلصہ	345
• ذوالشریٰ	345
• ذوالکفّین	345
• سُواع	345
• الضَّیْزَنَان	346
• عائم	346
• العُزّٰی	346
• اَللّات	346
• منات	346
• نَسر	347
• ہُبل	347
• وَدّ	347
• یعوق	347
• یغوث	347
▪ عرب بُت پرستی کے اہم مراسم	348
• بَحیرہ اور سائبہ	349
• وصیلہ	349
• حام	349
عرب میں یہودیت	351
▪ یثرب میں یہود کی آمد	351
▪ ظہورِ اسلام کے وقت یہودی قبائل	351
▪ یہودیت یمن میں	352
عرب میں عیسائیت	354
▪ نجران میں عیسائیت	354
▪ یمن میں فروغ عیسائیت	355
عرب میں مجوسیت اور صابئیت	356
▪ مجوسیّت	356
▪ صابئیّت	356
عرب کی مشرکانہ رسوم وتوہمات	358
▪ حُمس کا خصوصی مقام	358

- حُمس کے لیے حالتِ احرام کی بندشیں 358
- حج یا عمرہ کرنے والے بیرونی زائرین کا کھانا 359
- برہنہ طواف کی قبیح رسم 359
- حالتِ احرام میں گھر کے عقب سے آنا 359
- فال گیری اور جوا 360
- کاہنوں، عرّافوں اور نجومیوں کی خبروں پر ایمان 361
- بدشگونی کا عقیدہ 362

باب: 5

جزیرہ نمائے عرب کی معاشرت، تجارت اور ثقافت

جزیرہ نمائے عرب کی معاشرت 366
- جاہلیت میں نکاح کی 4 صورتیں 366
- مرد وزن کے میل ملاپ کی دیگر صورتیں 367
- لڑکوں پر فخر اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا 368
- قبائلی عصبیت اور جنگیں 368

جاہلیت کی مشہور منڈیاں اور میلے 370
- دُومۃ الجندل 370
- مُشَقَّر 370
- صُحَار 370
- دَبَا 370
- شِحر 370
- سُوق عدن 370
- سوق صنعاء 370
- رابیہ 370
- عُکاظ 370
- ذُوالمجاز 371
- نطاۃ 371
- حَجْر 371

عربوں کے اچھے اخلاق 372
- کرم وسخاوت 372
- ایفائے عہد 373
- خودداری وعزتِ نفس 373
- جان پر کھیل کر عزائم کی تکمیل 373
- حِلم وبُردباری 373
- سچائی اور امانت داری 373

عربی زبان وادب 375
- عربی، سامی زبانوں کی ماں ہے 375
- عربی زبان کے مختلف ادوار 377
- ① عصرِ جاہلیت 377

② عصرِ صدرِ اسلام (بنی امیہ کا زمانہ)	377
③ عصرِ بنی العباس	377
④ دُوَل ترکیہ کا زمانہ	377
⑤ نہضتِ جدیدہ	377
عربی زبان کے اوصاف	377
عربی زبان کی ترقی کے اسباب	378
عدنانی عربی زبان	378
عربوں کے مختلف لہجے	379
عربوں کی خطابت	379
خطیبِ عرب قُس بن ساعدہ ایادی	379
عربی شاعری کا ظہور	381
عرب شعراء کے طبقات	381
① طبقۂ جاہلیین	382
② طبقۂ مخضرمین	382
③ طبقۂ اسلامیین	382
④ طبقۂ مولّدین یا مُحدَثین	382
امرؤالقیس: کندہ کا شہزادہ	382
امرؤالقیس کے اشعار	383

باب: 6

عرب کی ہمسایہ اقوام، سلطنتیں اور مذاہب

سلطنت ایران	388
آریہ، ایران میں	388
پارس، فارس اور ایران شہر	389
سلطنتِ ایران کی وسعت	390
جمشید و افراسیاب اور رستم و سہراب	390
کورش کبیر (سائرس اعظم) یا ذوالقرنین	390
نقشہ: خراسان	391
ہخامنشیوں کا اندازِ حکومت	393
کمبوجیہ کی دل پر تیراندازی	393
دارا اول یونان میں	394
کشتیوں کا عذاب	394
نقشہ: سائرس اعظم کی ہخامنشی سلطنت	395
ہخامنشی سلطنت کا انجام	396
ایران عہدِ ساسانیاں میں	396
شاہانِ ساسانیہ کے اُلوہی دعوے	397
نوشیرواں عادل کا ''عدل''	398
ہرمز چہارم کے مظالم اور بہرام چوبین	398
خسرو ثانی (خسرو پرویز) کی حکمرانی	399

- خسرو پرویز کا اعلانِ خدائی 399
- ساسانی دربار کے عجوبے 400

قدیم ایران کے مذاہب وعقائد 401

- ایران میں ''سچے رسول'' 401
- آتش پرستی اور مجوسیت 401
- جمشید کی جھوٹی خدائی اور مظالم 402
- کورش کبیر کا مذہب توحید 403
- زرتشت: مصلح یا رسول؟ 403
- خدائے واحد اہورمزدا 404
- یزداں: نیکی کا خدا 405
- اہرمن: بدی کا دیوتا 405
- حدیث قدریہ کی روشنی میں مجوسی ثنویت کا جائزہ 405
- جشنِ مہرگان یا مہرجان 406
- زہرہ، ناہید اور اناہیتا 406
- سروش اور بہرام 407
- مانی اور مانویت 407
- مزدک اور مزدکیت 408

نقشہ: ایران 410

- ایران میں آفتاب پرستی 411

عراق (بابل ونینویٰ) 412

- عراق کی وسعت 412
- حضرت نوح علیہ السلام اور طوفانِ عظیم 412
- سمیری، اکادی اور اموری حکومتیں 413
- وقت کے پیمانوں اور رسم الخط کی ایجاد 414
- حمورابی اور دنیا کا پہلا دستور 414
- ابراہیم علیہ السلام اور نمرود 414
- شمالی عراق میں اشوری سلطنت (نینویٰ) 415
- یونس (علیہ السلام) کی بعثت اور قوم کی توبہ 415
- اشوریوں کا بابل پر قبضہ 416

نقشہ: عراق 417

- عراق پر بخت نصر، سکندرِ اعظم اور ساسانیوں کا تسلط 418

صابئیت یا ستارہ پرستی 419

نقشہ: مجوسیوں اور صابیوں کے مقامات 420

شام اور لبنان 422

- آج کا شام 422

نقشہ: شام ولبنان 423

- شام، ارام (آرام) اور سُوریہ 424
- ابلا اور فنیقیہ 425
- دمشق کی آرامی حکومت 426
- اشوریوں سے رومیوں تک 426

مصر اور وادیٔ نیل	427
■ قدیم فراعنہ اور اہرامِ مصر	427
نقشہ: مصر اور دریائے نیل	428
■ مصری دیوتا اور آفتاب پرستی	429
■ درمیانی شاہی خاندان	429
■ مصر میں یوسف علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا اقتدار	429
■ جدید شاہی خاندان (1580 تا 332 ق م)	431
■ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دو فرعون	431
■ بنی اسرائیل کا مصر سے خروج	432
■ مصر پر ایرانی اور یونانی تسلط	432
■ مصر کے بطلیموسی حکمران	433
■ بطلیموس: ماہر فلکیات اور جغرافیہ دان	433
■ سارا پیس دیوتا کا شہر	434
■ مصر میں عیسائیت کا جبری نفاذ	434
فلسطین اور یہودیت	436
■ فلسطین کے اولین آبادکار	437
■ کنعان (فلسطین) میں بت پرستی	437
■ بنی اسرائیل کی دشت نوردی اور یہودیت کی تشکیل	438
نقشہ: موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے سفر	439
■ فلسطین پر بنی اسرائیل کا تسلط	440
نقشہ: بارہ اسرائیلی قبائل کی حدودِ سکونت	441
■ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت	442
نقشہ: داؤد و سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت	443
■ یہود کی دو سلطنتیں: یہودیہ اور اسرائیل	444
■ اشوریوں کے ہاتھوں اسرائیل کا خاتمہ	444
نقشہ: یہودیہ اور اسرائیل کی بادشاہتیں	445
■ بخت نصر کا حملہ اور ہیکل سلیمانی کی پہلی تباہی	446
■ بابل سے یہود کی واپسی اور ہیکل کی تعمیر ثانی	446
نقشہ: اشوری سلطنت، سلطنت بخت نصر	447
■ رومیوں کے زیرنگیں ہیرودیس کی بادشاہی	448
■ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت	448
■ ہیکل سلیمانی کی دوسری تباہی اور یہود کی جلاوطنی	449
نقشہ: فلسطین مسیح علیہ السلام کے زمانے میں	450
یہودیت اور جیوئش بائبل کی تالیف	451
■ حزقیل نبی کا صحیفہ	451
■ یہود اور بنی اسرائیل	451
■ یہود اور بت پرستی	452
■ بائبل اور تالمود کی تالیف و ترتیب	452
■ اسرائیلی ادبیات	453

عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائیت	455
■ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش	456
■ ولادت مسیح اور قرآن	457
■ مسیح علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ	458
نقشہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین و مصر میں	459
■ عیسیٰ علیہ السلام اور عقیدۂ توحید	460
■ بعثتِ مسیح اور معجزات	460
■ بائبل اور معجزاتِ مسیح	460
■ حواری کی ''غداری'' اور مسیح کی گرفتاری	461
■ ایلی ایلی لما شبقتنی؟	462
■ قرآن کا سچا بیان	462
■ سینٹ پال اور مسیحی الٰہیات	462
■ 15 صدیوں کے بعد عقیدۂ تثلیث کا راز فاش	463
■ سورج دیوتا کے تہوار کا نام کرسمس	463
■ بائبل کے 40 مصنفین	464
■ قدیم بائبل کے تین نسخے	465
■ پاپائے روم	465
■ بائبل کے متعلق اسلامی عقیدہ	466
■ رفعِ عیسیٰ علیہ السلام	475
■ نزولِ مسیح	476
یونان کی سلطنت و حکمت اور اصنام پرستی	477
■ لیڈیا، سپارٹا اور حکیم سولن	477
■ میراتھون کی تاریخی جنگ	478
■ مقدونیہ کا عروج اور سکندر اعظم	479
■ سکندر اعظم کے جانشین	479
■ حکمتِ یونان کی چھ صدیاں	480
■ یونانی اصنام پرستی اور اولمپک کھیل	480
■ مستی کا دیوتا اور اپالو	481
■ ڈیانا اور یوروپا دیوی	481
■ یونانی اخلاقیات کے گھناؤنے پہلو	482
سلطنتِ روم	483
■ روم یا رومہ (روما) اور رومی جمہوریت	483
■ روم اور قرطاجنہ (کارتھیج) کی جنگیں	483
■ ٹائبیریس، سیزر اور آگسٹس	483
■ رومی سلطنت کا آغاز	484
نقشہ: قدیم رومی سلطنت	485
■ قسطنطین اعظم عیسائیت کی آغوش میں	486
■ بازنطینی سلطنت (الروم) کا قیام	486
■ جسٹینین اور نوشیرواں	487
■ جسٹینین کا رومن لا	488
■ قیصر فوکاس کی وحشیانہ سنگدلی	488

- پوپ کا قصیدہ اور ظالم بادشاہ کا انجام 490
- ہرقل اور خسرو پرویز 490

نقشہ: عرب، روم اور فارس کی سلطنتیں 491

- سورۂ روم کی پیش گوئی پوری ہوگئی 492

روم و یورپ کی تہذیب کے تاریک پہلو 493

- رومیوں میں بدکاری اور درندگی کا چلن 493
- رومی اکھاڑے میں انسان اور درندے 494
- قدیم جرمنوں اور انگریزوں کی اخلاقی حالت 494
- فرانس میں بداخلاقی اور ظلم کے مظاہر 495
- پاپائیت ظلم کی حمایت پر کمربستہ 495
- پادریوں کے ظلم، عیاشی اور رہبانیت کے مکروہ پہلو 495
- یورپ کی مجموعی حالتِ زار 496

سلطنتِ حبشہ اور حبشی کلیسا 497

- سلطنتِ اکسوم 497
- کلیسائے حبشہ 498

ہندوستان 499

- سندھ اور ہند، سندھو اور ہندو 499

ہندومت 501

- رام چندر اور جنگ مہابھارت 501
- موریا سلطنت اور اشوک اعظم 502
- چانکیہ: مکاری اور فریب کا داعی 502
- پرش پور (پشاور) کی کشان سلطنت 502
- چندرگپت بکرماجیت اور رامائن اور مہابھارت کی تکمیل 503
- طلوع اسلام کے وقت ہندوستان میں طوائف الملوکی 503
- ہندومت کے 33 کروڑ خدا 504
- نبی ﷺ کا ہم عصر مہاراجہ ہرش 504
- تاریخ ہند کا بدترین دور 504
- ذات پات کا ظالمانہ نظام 505
- چنڈال اور اچھوت 505

جین مت 506

بدھ مت 507

- جب ہندوؤں نے بدھ مت کا صفایا کیا 507

حواشی 509

اعلام 509

اماکن 519

اقوام و قبائل 524

متفرقات 528



طلوعِ آفتابِ نبوّت

ساتویں صدی عیسوی میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ یہ تاریخ کا بدترین دور تھا اور انسانیت کے مستقبل اور اس کی بقا و ترقی کے لحاظ سے انتہائی تاریک اور مایوس کن ...... پوری انسانیت خودکشی کے راستے پر چل رہی تھی۔ انسان اپنے خالق اور مالک کو بھول چکا تھا اور خود اپنے آپ کو اور اپنے انجام کو فراموش کر چکا تھا۔ اس کے اندر بھلائی اور بُرائی میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت باقی نہ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے دل و دماغ کسی چیز میں کھو چکے ہیں۔ ان کو دین و آخرت کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہیں۔ روح و قلب کی غذا، اخروی فلاح، انسانیت کی خدمت اور اصلاحِ حال کے لیے ان کے پاس ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ بسا اوقات پورے کے پورے ملک میں ایک شخص بھی ایسا نظر نہ آتا جسے اپنے دین کی فکر ہو، جو ایک ربِ ذوالجلال کی پرستش کرتا ہو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراتا ہو، جس کے جگر میں انسانیت کا درد ہو اور اس کے ہولناک انجام پر کچھ بے چینی ہو۔ یہ صورتِ حال

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی ہو بہو تصویر تھی:

﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝ ﴾ (الروم 30:41)

"خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا، تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔"

اس عالم گیر فساد کی اصلاح کرنے اور بنی نوع انسان کو گمراہی کی دلدل سے نکال کر ہدایت کی راہ پر ڈالنے کے لیے ساتویں صدی عیسوی کے دسویں سال فخرِ موجودات سید الکونین حضرت محمد ﷺ کو منصبِ نبوت پر مامور فرمانا اللہ تعالیٰ کی مشیت تھی، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ ﴾

(آل عمرٰن 3:164)

"بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

اس عظیم حکمتِ الٰہی کے تحت خاتم النبیین ﷺ چھٹی صدی عیسوی کی آٹھویں دہائی (571ء) میں قریشِ مکہ کے ایک معزز خاندان میں تولد ہوئے جن کی تاباں و درخشاں سیرتِ طیبہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کے لیے پیش کی جارہی ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ.

عرض ناشر

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَ نَسْتَعِيْنُهٗ وَ نَسْتَغْفِرُهٗ وَ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ، وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ.

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○﴾
﴿يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ○﴾
﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ○ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو، جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمھیں موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔“ [1]

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا ہے اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیے، اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو، اور رشتے توڑنے سے ڈرو۔ بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے۔“ [2]

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی سچی بات کہا کرو۔ وہ (اللہ) تمھارے عمل درست کر دے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے تو یقیناً اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔“ [3]

[1] آل عمرٰن 102:3۔ [2] النسآء 1:4۔ [3] الأحزاب 71,70:33۔

أَمَّا بَعْدُ:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس کائنات کے باسیوں پر بے حد انعامات واحسانات ہیں جن کا کوئی شمار نہیں مگر ان میں سب سے افضل اور اعلیٰ انعام یہ ہے کہ اس نے ہمیں ایمان کی دولت سے مالامال کیا اور ہمیں اپنے آخری رسول ﷺ کا امتی بنایا۔ ہماری تمام تر کمزوریوں اور لغزشوں کے باوجود ہم پر اللہ کا بے پناہ کرم ہے کہ ہمیں سیدِ وَلَدِ آدم، سرورِ کائنات حضرت محمد ﷺ سے بے حد محبت ہے۔ ایک مومن کو آپ ﷺ اپنے والدین، اپنی بیوی بچوں اپنی جان حتی کہ ساری کائنات سے بڑھ کر محبوب ہوتے ہیں۔ اس کے بغیر کوئی انسان مسلمان نہیں ہوسکتا۔ اس شدید محبت کے باوجود جس کسی نے بھی آپ کی عظمت و رفعت، آپ کے محاسن و کمالات اور آپ کی سیرت کی بوقلموں خوبیوں کو بیان کرنے کی کوشش کی، اسی کو اعترافِ عجز کرنا پڑا ؎

زندگیاں بیت گئیں اور قلم ٹوٹ گئے
تیرے اوصاف کا اِک باب بھی پورا نہ ہوا

یہی بات ہر پڑھنے اور سننے والے پر بھی صادق آتی ہے۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک کو جتنی بار بھی پڑھا جائے اور بیان کرنے والوں سے سنا جائے، پیاس نہیں بجھتی۔ ہر مرتبہ نئی لذت اور نئی روشنی ملتی ہے۔ یہی آبِ حیات ہے جو ایک مشتِ خاک کو دائمی زندگی اور ابدی نعمتوں سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

آج کے آتش گیر دور میں امت مسلمہ کو بے شمار چیلنج درپیش ہیں۔ کفر پوری چالاکی، بے باکی اور سفاکی کے ساتھ اسلام کو ختم کرنے کے درپے ہے۔ اس کی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے دلوں سے اللہ تعالیٰ کا ابدی پیغام لانے والے رسول ﷺ کی محبت کا نقش مٹا دے، دنیا کی زیب و زینت، مادی زندگی کا عیش و تنعم اور بلامؤاخذہ جسمانی لذتوں کے مواقع فراہم کرکے وہ ہماری نوجوان نسل کو روحانی لذتوں سے بے بہرہ کر دے اور کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن رحمت سے دور کر دے اور آپ ﷺ کے ارشادات وتعلیمات کی اصل روح کو مسخ کر ڈالے۔ ہمارے نزدیک اس طاغوتی حربے کا مداوا یہی ہے کہ محبت و اطاعت کے اس رشتے کو مضبوط سے مضبوط تر کیا جائے، ہر دل میں نورِ حق کی محبت کو بڑھایا جائے اور ہر ذہن کو سیرت پاک کے نور سے منور کر دیا جائے۔

ان سطور کے راقم کو بھی اپنی تمام تر کمزوریوں اور خامیوں کے باوجود اسی بات پر فخر ہے کہ اسے اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ گہری محبت اور عقیدت سے نوازا ہے۔ میں بچپن ہی سے اللہ کے رسول ﷺ کی

سیرت کا قاری ہوں۔ طلبِ علم کے ایام میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری ؒ کی رحمۃ للعالمین میری پسندیدہ کتاب تھی۔ وقت کروٹیں بدلتا رہا، زندگی نشیب و فراز سے گزرتی رہی۔ الحمدللہ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ رسالت مآب ﷺ سے محبت وعقیدت کی گرم جوشیاں بھی بڑھتی گئیں اور زندگی کے اندھیروں میں رہبری کی روشنی مہیا کرتی رہیں۔ سعودی عرب آیا تو یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ اور نفیس سے نفیس تر کتابوں سے اس طرح بھی واسطہ پڑا کہ میں خود ناشر بن گیا۔ اس بات پر اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے کہ دارالسلام نے سیرت طیبہ پر بہت سی عمدہ کتابیں شائع کیں۔

یہ خالصتاً اللہ کا کرم ہے کہ میں سیرت طیبہ پر کتابوں کا ناشر ہی نہیں، ہر ادارے کی کتبِ سیرت کا مطالعہ کرتا ہوں اور ایمان ویقین کی حلاوت سے سرشار ہوتا ہوں۔ میں نے سیرت پر اردو اور عربی میں بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ مطالعے کے اس سفر میں مجھے الرحیق المختوم نے بڑا متاثر کیا، پھر ایک دن خوش بختی سے اس خوبصورت کتاب کے مؤلف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ؒ سے ملاقات ہوگئی۔ میں تو انھیں خوب جانتا تھا مگر یہ میرے لیے سعادت کے لمحات تھے جب انھوں نے بتایا کہ وہ بھی مجھے جانتے ہیں۔ یوں فاصلے گھٹتے اور قربتیں بڑھتی چلی گئیں۔ وہ اس وقت جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية میں کام کرتے تھے۔ ملاقاتیں جاری رہیں اور ایک وقت ایسا آیا کہ میری محبوب کتاب کے مؤلف مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری ؒ دارالسلام میں علمی کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے کام کرنے لگے۔ مجھے اعتراف ہے کہ میں اپنی مصروفیات کی وجہ سے ان سے کماحقہ استفادہ نہ کرسکا مگر پھر بھی جب کبھی وقت ملتا، میں ان کی کرسی کے قریب جا بیٹھتا' ان سے لمبی گفتگو ہوتی اور اُن کی مہیا کردہ رہنمائی کی روشنی میرے خیالوں کو مجلّا کرتی چلی جاتی۔

سیرت کے مطالعے کے دوران میں میرے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔ وہ یہ کہ محدثین، محققین اور مؤرخین نے سیرت طیبہ کے قریب قریب سارے واقعات بیان کردیے ہیں' لیکن ان واقعات کے اسالیب بیان کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ایک مؤرخ نے کوئی واقعہ لکھا تو اس نے اسے بڑا مختصر سا لکھ دیا۔ دوسرے سیرت نگار نے اسی واقعے کو بڑی تفصیل سے لکھا۔ تیسرے مؤلف نے اپنے انداز میں وہی واقعہ لکھا مگر اس واقعے کے حوالے سے چند احادیث اور چند مزید نکات کا اضافہ کردیا۔ میرے دل میں بے ساختہ یہ آرزو انگڑائی لیتی رہی کہ کاش سیرت کی کوئی ایسی جامع کتاب ہو جس میں ان تمام صحیح واقعات کو حُسنِ ترتیب سے ایک جگہ جمع کردیا جائے۔

ایک دن میں مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ موقع کی مناسبت سے میں نے موصوف سے اظہار تمنا کرتے ہوئے تمام واقعات و حالات پر مبنی جامع سیرت کی ضرورت، اہمیت اور اشاعت کا خیال ظاہر کیا۔

مولانا اپنے وقت کی یگانۂ روزگار شخصیت تھے۔ نہایت معاملہ فہم تھے۔ فوراً بات کی تہ تک پہنچ جاتے تھے۔ فرمانے لگے: اگر یہ کام ہو جائے تو بہت اچھا ہوگا......

تو گویا آپ بھی میری اس بات سے اتفاق کرتے ہیں، میں گویا ہوا۔ فرمانے لگے: کیوں نہیں، میں تو اس پر کچھ کام مدینہ طیبہ میں جامعہ اسلامیہ کے مرکز خدمة السنة والسيرة النبوية میں کرتا بھی رہا مگر وہ بوجوہ مکمل ہوا نہ شائع ہو سکا۔

مولانا! اگر یہ کام دارالسلام کر دے...... میری زبان سے یہ الفاظ پھسلتے پھسلتے رہ گئے۔ مجھے اپنی کم مائگی کا احساس تھا۔ یہ معمولی کام نہ تھا کہ سیرت کے صحیح واقعات کو مختلف مصادر سے اکٹھا کر کے ایک جگہ اس طرح شائع کر دیا جائے کہ اس کا انداز بھی آسان اور دلکش ہو اور نوجوان نسل کو سیرت کے بارے میں تمام معلومات بھی یکجا مل جائیں۔

محترم قارئین کرام! مجھے یہ عرض کرتے ہوئے خوشی ہو رہی ہے کہ اس دن جب میں مولانا کے پاس سے اٹھا تو طبیعت میں بڑی شادابی، آسودگی اور بے پناہ مسرت محسوس کر رہا تھا۔ مجھے اس خیال سے بڑی طمانیت نصیب ہوئی کہ میرے افکار سے مولانا بھی متفق ہیں۔ دراصل میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا کہ میں اس قسم کی سوچ سوچوں۔ رہ رہ کر خیال گزرتا تھا کہ کہاں اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ...... اور کہاں میں عاجز! بھلا میں اتنے وقیع و رفیع عنوان پر کیسے کام کروں۔ آپ ﷺ کی سیرت پاک کا مقام اور مرتبہ تو میرے تصور اور افکار سے کہیں ماورا ہے۔

کبھی کبھار علیحدگی میں بیٹھتا تو اپنی قسمت پر نازاں بھی ہوتا اور خود کلامی کے انداز میں اپنے آپ سے کہتا کہ یقیناً تمھاری سوچ مثبت ہے اور مولانا صفی الرحمن مبارکپوری جیسے ممتاز سیرت نگار نے اس سوچ اور فکر پر اپنی پسندیدگی کی مہر بھی لگا دی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کام نہایت ہی عالی قدر ہے اور ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تم یہ کام کرنے کے قابل ہو جاؤ گے۔

اس دوران میں واقعات کا تسلسل جاری رہا۔ دارالسلام میں کام بڑھتا چلا گیا، ذمہ داریوں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ کئی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ ہمارے سامنے پہلے سے جو اشاعتی منصوبے تھے، ہم ان میں مصروف ہوتے چلے گئے۔ میرے ذہن میں یہ منصوبہ تو بدستور درخشاں رہا مگر اس کے لیے بے پناہ مالی اور علمی وسائل کی ضرورت تھی اور سچ پوچھیے تو میں اپنے اندر یہ ہمت ہی نہ پا رہا تھا کہ اتنے بڑے کام کا آغاز کر دوں۔

پھر مولانا بیمار ہو گئے، علاج کے لیے ان کا بھارت آنا جانا لگا رہا۔ ہم ایک منصوبہ شروع کرتے تو اتنے میں دوسرا

سامنے آجاتا۔ پھر اچانک ایک انتہائی دلفگار واقعہ رونما ہوگیا۔ اس سے پوری دنیا میں ہنگامہ برپا ہوگیا۔2006ء میں ڈنمارک کے ایک ادنیٰ سے اخبار نے اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں ہرزہ سرائی کی اور ناپاک خاکے شائع کیے۔ ان خاکوں کے خلاف پوری دنیا کے مسلمانوں نے شدید احتجاج کیا۔ ہنگامے، جلسے اور جلوس شروع ہوئے۔ ہر ملت اور ہر خطے کے مہذب لوگوں نے اس گھناؤنی حرکت پر شدید نفرت کا اظہار کیا۔ دنیا بھر میں سیرت پاک پر سیمینار، کانفرنسیں اور پروگرام ہوئے۔ ارباب فکر و دانش نے اللہ کے رسول ﷺ کے روشن ترین کردار، آپ کے عظیم اعمال اور آپ کی زندگی کے پاکیزہ معاملات کو دنیا کے سامنے اجاگر کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔

دنیا بھر میں سیرت نبوی ﷺ کا ایک نئے انداز سے چرچا شروع ہوگیا۔ میری خوش قسمتی کہ میں نے بھی اسی حوالے سے اپنا چھوٹا سا کردار ادا کیا۔ جدہ کے روزنامہ اردو نیوز کے ایڈیٹر کو خط لکھا کہ آپ روزانہ اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت پاک پر کالم شائع کیا کریں۔ چند دنوں بعد اردو میگزین کے ایڈیٹر جناب رؤف طاہر کا فون آگیا کہ سیرت کے حوالے سے آپ کی تجویز اچھی ہے مگر عملاً ہر روز سیرت پر کالم لکھنا آسان بات نہیں، البتہ ہم اسے ہفتہ وار میگزین میں ضرور شائع کریں گے۔ ان کی تجویز تھی کہ یہ کالم میں خود لکھوں، چنانچہ میں نے اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوش قسمتی سمجھتے ہوئے یہ پیش کش قبول کر لی اور الحمدللہ 174 کالم لکھے۔اس دوران میں ابلاغ کے نقطۂ نظر سے سیرت پاک پر مطالعے کا نادر موقع میسر آیا جس سے زندگی فعال ہوگئی۔

دوران مطالعہ مجھے ''مقالات پروفیسر عبدالقیوم'' دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ بلا شبہ وہ اپنے وقت کی بہت بڑی شخصیت تھے۔ میری حیرت اور مسرت کی انتہا نہ رہی جب میں نے ایک مقالے میں سیرت مقدسہ کے سلسلے میں پروفیسر صاحب کا مرتب کردہ ایک خاکہ دیکھا۔ یہ خاکہ ٹھیک ٹھیک میرے خیالوں کا عکس تھا۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ سیرت پاک پر جس اسلوب کا کام میرے پیش نظر ہے، اسی انداز سے دوسرے اصحاب علم وفضل کا فکری سفر بھی جاری ہے۔ میرے دل سے پروفیسر عبدالقیوم رحمہ اللہ کے لیے خلوص بھری دعا نکلی اور جامع سیرت انسائیکلو پیڈیا کی تیاری کے لیے میرا ارادہ پہلے سے زیادہ پختہ ہوگیا۔

مگر اس کے فوری آغاز کی راہ میں مالی مشکلات حائل تھیں۔ میں اس سیرت انسائیکلو پیڈیا کو دس جلدوں میں لانا چاہتا تھا، پھر اس کے انگلش اور بعد ازاں دیگر زبانوں میں ترجمے کا پروگرام بھی پیش نظر تھا جو خاصی لمبی رقم کا متقاضی تھا۔

2007ء کا زمانہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے توفیق خاص سے نوازا اور میں نے کمرِ ہمت باندھ کر اس مبارک کام کو عملی

شکل دینے کی کوشش شروع کر دی۔ میں شام گیا۔ وہاں کے علمائے کرام سے ملا۔ اپنی کہی، اُن کی سُنی۔ پھر خوب پرکھ کر یہ کام ایک بڑی علمی شخصیت کے سپرد کیا کہ وہ علماء سے مشورہ کر کے اس منصوبے کا آغاز کر دیں۔ اس دوران میں ان سے رابطہ رہا۔ انھوں نے اس کام کے خطوط متعین کیے۔ کچھ کام آگے بڑھایا۔ کچھ مدت کے بعد شامی علمائے کرام کے کام کا جائزہ لیا تو مجھے اعتراف ہے کہ خاصا مایوس ہوا۔ یہ کام کسی بھی اعتبار سے مطلوبہ معیار کا نہ تھا۔ اس وقتی مایوسی کے باوجود میری ہمت نے ساتھ نہ چھوڑا، نہ میرے پائے شوق نے جواب دیا۔ میں نے مصر کے علماء سے رابطہ کیا۔ یہاں کے اجل علمائے کرام کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور اس مقدس موضوع کے مختلف پہلو اُجاگر کر کے کام شروع کرایا۔ کچھ عرصے بعد اس کام پر نظر ڈالی تو یہاں بھی گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔ یہ دوسرا موقع تھا کہ میری امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ یہ کام بھی مطلوبہ معیار کے مطابق نہ نکلا۔

ناکامیوں نے ہمیشہ کامیابیوں کی راہ ہموار کی ہے۔ اب توفیق ربانی سے خیالوں کا رخ دارالسلام لاہور کی طرف ہونے لگا۔ جلد ہی دارالسلام لاہور میں سیرت انسائیکلو پیڈیا کا خصوصی سیکشن قائم کر دیا گیا۔ جب میں نے اس سیکشن کے فاضل سکالرز کے ابتدائی کام کا تنقیدی جائزہ لیا تو محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے یہ کام بڑی حد تک میرے منشا کے مطابق ہے۔ چنانچہ اس کام کے باقاعدہ آغاز کے لیے میں خود لاہور پہنچا۔

ابتدائی طور پر مولانا محمد ذوالفقار ﷾ نے اس اہم کام کی ذمہ داری نبھائی۔ بعدازاں اس مقدس کام کے لیے دارالسلام ریسرچ سنٹر، لاہور کے جید علمائے کرام میں سے ایک فعال ٹیم کا انتخاب کیا گیا۔ اس میں بھی علمی اور انتظامی طور پر کئی بار تبدیلیاں کرنا پڑیں۔ حافظ ابوبکر احمد خواجہ (فاضل مدینہ یونیورسٹی)، مولانا عبدالوہاب شہاب (فاضل مدینہ یونیورسٹی)، مولانا عبدالبصیر خالد (فاضل عربی و فارسی) بھی تحقیق و تالیف میں شامل رہے۔ موجودہ ٹیم کے ارکان یہ ہیں: مولانا محمد ابراہیم طاہر بن عبدالسلام کیلانی (فاضل مدینہ یونیورسٹی)، حافظ اقبال صدیق (فاضل مدینہ یونیورسٹی)، مولانا تنویر احمد (فاضل علوم اسلامیہ)، مولانا محمد عبداللہ ناصر (فاضل علوم اسلامیہ)۔

میں اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ میں نے جب محدثین ؒ کے منہج کے مطابق اس مبارک کام کی علمی و تحقیقی تحریروں پر معروف محقق، مؤلف کتب کثیرہ اور استاد مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ سے کتاب کے مندرجات کی تحقیق، تنقیح اور تصحیح کی خواہش کی اور اسلامی نظریاتی کونسل کے سینئر ریسرچ سکالر (ر) اور معروف مترجم مولانا محمد خالد سیف ﷾ سے نظر ثانی کے کام میں شمولیت کی درخواست کی تو انھوں نے نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ علمی تعاون اور نظر ثانی کا خوب حق ادا کیا۔ جزاهم الله أحسن الجزاء. ان جید علمائے کرام نے صحیح اور ضعیف احادیث و آثار

کے فرق و امتیاز، تاریخی احوال اور دیگر اہم تقاضوں کی طرف ایک سے زائد بار اتنی وقیع رہنمائی فرمائی جس کے شکر و سپاس سے میں کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ ان کے علاوہ دارالسلام کے دیگر رفقائے کار خصوصاً بزرگ عالم اور مفسرِ قرآن حافظ صلاح الدین یوسف اور علوم عالیہ کے محرم اور دارالسلام کے سینئر ریسرچ سکالر پروفیسر محمد یحییٰ کے وقیع مشورے بھی اس تاریخی کام میں شامل ہیں۔ زبان و بیان میں یکسانی کے لیے اردو زبان کے ماہر سینئر صحافی جناب احمد کامران دہلوی بھی ہمہ وقتی فعال کردار ادا کر رہے ہیں۔

پہلی جلد میں سرِ آغاز قارئینِ کرام کی سہولت کے لیے ''اسلوبِ تحقیق و نگارش'' کے زیرِ عنوان ایک اہم مضمون پیش خدمت ہے۔ ان شاء اللہ یہ مضمون اس انسائیکلو پیڈیا کے نتیجہ خیز مطالعے میں بڑی مدد دے گا۔ اس کے معاً بعد محترم پروفیسر محمد یحییٰ حفظہ اللہ کے قلم سے ایک نہایت وقیع علمی اور جامع مقدمہ نظر نواز ہوگا۔ اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک علمائے امت نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے بیان، تحفظ، تدوین، ترتیب اور تنوع کے حوالے سے جو عظیم الشان خدمات انجام دیں، ان کا عہد بعہد جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس خدمت کے لیے محدثین اور دوسرے سیرت نگاروں نے جو اصول وضوابط پیشِ نظر رکھے اور جو اسالیب اختیار کیے، ان کا علمی تعارف ہے۔ عہد جدید میں اس حوالے سے جو مباحث اہل علم کے سامنے آئے، ان پر سیر حاصل تبصرہ ہے اور عصر حاضر کے علمی تقاضوں کی تکمیل کے لیے محدثینِ کرام کا اسلوب اور ان کے معیارِ صحت کو اپنانے کی ضرورت اُجاگر کی گئی ہے۔

رسالت مآب ﷺ کی سیرت مقدسہ کے مطالعے کے لیے اس زمانے کے عام حالات، قبائل عرب اور ہمسایہ قوموں کے احوال، جغرافیائی و تاریخی پس منظر، خصوصاً ان کی سماجی حالت اور ان کی سیاسی اور ذہنی تاریخ سے آگہی ضروری ہے۔ ان سب موضوعات کا بھرپور جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ محسن فارانی صاحب نے نادر نقشوں اور شجروں سے اہم مقامات اُجاگر کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ نقشوں کی تیاری میں ان کے ساتھ ادارے کے مخلص ساتھی جناب محمد انور اعوان (ایم۔اے انگلش، اسلامیات وسیاسیات) نے خصوصی تعاون کیا ہے۔

الحمدللہ! ان مراحل ومنازل سے گزرنے کے بعد اب سیرت انسائیکلو پیڈیا جلوہ گر ہو رہا ہے جس کے لیے میری جبینِ سپاس بارگاہِ رب العزت میں سجدہ ریز ہے۔ فی الجملہ رسالت مآب ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا کوئی واقعہ ایسا نہیں جس کی تحقیق وجستجو میں سیرت انسائیکلو پیڈیا کے فاضل قلم کاروں نے کوئی کوتاہی کی ہو اور اسے آسان سے آسان تر زبان اور بہترین اسلوب میں پیش کرنے کی سعی نہ کی ہو۔ بارك الله في جهودهم و جزاهم الله أحسن الجزاء.

یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اس عظیم کام کے دوران خیال آیا کہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کے ہر باب کا سرآغاز متعلقہ موضوع کی مناسبت سے سیرت پر قرآن کریم کی آیات سے سجایا جائے۔ آیاتِ سیرت کی خطاطی کا یہ شاہکار فریضہ ممتاز خطاط جناب عبدالرحمٰن، جو ''عبدہٗ'' کے نام سے معروف ہیں، نے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ اس ندرتِ خیال کو قبول فرما کر ہمیں اس کی برکات سے نوازے۔

میں اس سلسلے میں مدیر دارالسلام لاہور عزیزی حافظ عبدالعظیم اسد ﷾ کی خصوصی دلچسپی، نگرانی اور انتظامی مساعی جمیلہ کا معترف ہوں، نیز مولانا محمد ابراہیم طاہر کی سربراہی میں ریسرچ ٹیم کے علمائے کرام اور معاونین نے جس محنت اور باریک بینی سے اپنے اپنے عنوان اور اپنے اپنے ابواب پر کام کیا ہے، اس پر انھیں خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔ الحمدللہ! آرٹ ڈائریکٹرز جناب زاہد سلیم چوہدری، جناب محمد صفت الٰہی اور اُن کی ٹیم کے ارکان سینئر ڈیزائنرز محمد نعیم، عبدالواسع، ہارون الرشید اور زاہد محمود نے باتصویر ڈیزائننگ سے کتاب کے حسن میں قابل قدر اضافہ کیا اور کمپوزنگ کے لیے جناب عبدالخالق کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس عظیم منصوبے میں کسی بھی قسم کا تعاون کرنے والوں کو قیامت کے روز اللہ کے رسول ﷺ کی شفاعت نصیب ہو۔ ہم قیامت کے دن خدام قرآن و حدیث کی حیثیت سے اٹھائے جائیں اور سیرت مقدسہ کی یہ دستاویز دنیا بھر میں اسوۂ حسنہ کی نورافشانی کا باعث بنے۔ ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم. آمین یا رب العٰلمین!

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

(مینجنگ ڈائریکٹر: دارالسلام، الریاض، لاہور)

صفر 1433ھ / جنوری 2012ء

اسلوبِ تحقیق و نگارش

''اللؤلؤالمکنون'' سیرت انسائیکلو پیڈیا میں سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدائش سے لے کر آپ کی وفات تک کے احوال و آثار پوری جزئیات سمیت نہایت جامعیت سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ دعوتِ اسلام سے پہلے جزیرہ نمائے عرب کے باشندوں، ان کی بود و باش، سماجی رویوں اور جملہ خصائل کے علاوہ ارد گرد کی اقوام کے حالات بھی بیان کیے گئے ہیں تاکہ تاریخ انسانی کے سب سے عظیم اور سب سے روشن عہد کے آغاز کا پس منظر قارئین کے سامنے آجائے اور یہ حکمتِ الٰہی عیاں ہوجائے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت اور بعثت کے لیے جزیرہ نمائے عرب ہی کو خاص طور پر کیوں منتخب کیا گیا۔

''اللؤلؤالمکنون'' سیرت انسائیکلو پیڈیا میں علمی، منہجی اور فنی لحاظ سے بحد امکان بھرپور صلاحیتوں اور مہارت کو بروئے کار لایا گیا ہے تاکہ ہم سب فدایانِ رسول اپنی علمی، فکری اور عملی برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم اپنے محبوب رسول اور رہبرِ اعظم ﷺ کی ہر ادا کو اس طرح پڑھیں، دیکھیں اور سمجھیں گویا ہم رسالت مآب ﷺ ہی کے عہدِ مبارک میں سانس لے رہے ہیں۔

اللہ کرے سیرت انسائیکلو پیڈیا اپنے قاری کو ذہنی اور روحانی طور پر اُسی مقدس فضا میں پہنچا دے جب سید البشر فخرِ رسل ﷺ تاریخ انسانی کی کامیاب ترین جماعت، یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ کی بندگی اور آدابِ زندگی سکھا رہے تھے۔ اس غرض و غایت سے سیرت انسائیکلو پیڈیا میں نبیِ اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ ترتیبِ زمانی کے مطابق مدون کی گئی ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ یہ کتاب اسلوب اور تأثر کے اعتبار سے نبیِ اکرم ﷺ کی مبارک زندگی کے مختلف مراحل اور حالات و واقعات کو ایک خاص معنویت کے ساتھ اُجاگر کرے۔ اس کا اسلوبِ بیان انتہائی سادہ، آسان، دلنشیں اور مدلل ہو۔ ترتیب و تدوین میں جو مختلف اسالیب پیش نظر رکھے گئے ہیں ان کا تعارف یوں ہے:

اسلوبِ نگارش

1 کتاب کے شروع میں ایک جامع مقدمہ رقم کیا گیا ہے جس میں سیرت کے موضوع اور اس کے خصوصی مطالعے

کی اہمیت وضرورت کے اسباب بتائے گئے ہیں۔ مختلف ادوار میں متداول کتبِ سیرت اور سیرت نگاروں کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی ہے، نیز مستشرقین اور ان کے گرویدہ قلمی طائفے کا علمی محاسبہ کیا گیا ہے۔

2 سیرت کے مآخذ و مراجع میں تین چیزوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

1- قرآنِ کریم 2- کتبِ احادیث 3- کتبِ سیرت و مغازی

وضاحت اور تفصیلات کے لیے ہم نے مندرجہ ذیل مصادر کو بھی استعمال کیا ہے:

1- قرآنِ کریم کی تفاسیر 2- شروحِ احادیث 3- دوسرے ادیان کی مقدس کتابیں 4- کتبِ تاریخ و جغرافیہ 5- کتبِ شمائل 6- کتبِ دلائل و معجزات

3 ایک واقعے کی تمام روایات کو جمع کرنے کے بجائے مستند اور جامع روایت کا ذکر کیا گیا ہے، البتہ جہاں روایت مختصر ہو، وہاں متعدد روایات کو حوالوں سمیت یکجا کر دیا گیا ہے لیکن جہاں ایک واقعے میں متعدد روایات ہوں اور ہر روایت کا نتیجہ الگ ہو، وہاں جملہ روایات ذکر کر کے اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ ترجیح کس کو حاصل ہے۔

4 ہم نے روایات کی اسناد و متون کی صحت اور راویوں کے معتبر ہونے کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ وہی روایات لی جائیں جنھیں محدثینِ کرام نے سیرتِ طیبہ کے ضمن میں قابلِ اعتنا سمجھا ہے اور جہاں خلا پُر کرنے کے پیشِ نظر ضعیف روایات کا تذکرہ ضروری سمجھا گیا ہے، وہاں ان کا ضعف واضح کر دیا گیا ہے۔

5 سیرت کے مختلف عنوانات کو ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر باب کے عنوان کے بعد چند سطروں میں اس کے مندرجات کا تعارف ہے۔ بعض ابواب میں ذیلی عنوان شامل کیے گئے ہیں۔

6 تمام جلدوں میں ہر باب سے پہلے اس باب کے موضوع کی مطابقت میں ایک آیت نہایت خوبصورت خطاطی کی شکل میں سجا دی گئی ہے جو اس باب کے کلیدی خیال کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

7 ہر باب نئے صفحے سے شروع کیا گیا ہے۔ اس کے تحت ذیلی سرخیاں ہیں۔

8 ابواب کے تحت ہر جلی عنوان کا ہیڈر بنایا گیا ہے۔

9 متن میں جہاں اقتباسات آئے ہیں، انھیں واوین (Inverted Commas) میں درج کیا گیا ہے اور قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ کے تراجم اور کتابِ مقدس (بائبل) کے اقتباسات کو انڈینٹ (Indent) دے کر نمایاں کیا گیا ہے۔

10 بائبل کے اقتباسات میں جہاں نبیِ اکرم ﷺ کی صفات کا تذکرہ ہے اور ظہورِ قدسی کی بشارتیں دی گئی ہیں،

اس عبارت کو خاکی رنگ دے کر اُجاگر کیا گیا ہے، نیز ترتیب سے بشارات کا نتیجہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

11 قرآنی آیات اور عربی متون کو سرخ رنگ دے کر امتیازی حیثیت دی گئی ہے۔

12 متنِ کتاب میں مذکور مشکل الفاظ کی شرح، غیر معروف مقامات کی وضاحت و تعیین اور مختلف اعلام و قبائل کی تعریف مختصر حواشی میں کر دی گئی ہے۔ یہ حواشی ہر جلد کے آخر میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے مذکور ہیں۔ حواشی میں وضاحت کردہ الفاظ کو متن میں براؤن رنگ دے کر واضح کر دیا گیا ہے۔

13 متن میں جہاں موازنے کی ضرورت ہے، وہاں کالم بنا دیے گئے ہیں۔

14 قرآنی آیات اور احادیثِ نبویہ کو الگ الگ بریکٹوں میں رکھا گیا ہے۔

15 عدنانی اور قحطانی قبائل اور اوس و خزرج کے جداگانہ شجرے دیے گئے ہیں۔

16 اماکن کی تفہیم کے لیے نقشوں کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ بعض مقامات کی تعیین کے لیے خاکوں سے کام لیا گیا ہے۔

17 اہم مقامات کی جابجا تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

اسلوبِ تحقیق و تخریج

1 قرآنی آیات، احادیثِ نبویہ اور واقعاتِ سیرت و مغازی کی تخریج کا اہتمام اس طرح کیا گیا ہے:

(ا) قرآن کریم: سورت کا نام، نمبر اور آیت کا نمبر۔

(ب) تفاسیر: تفسیر کی کتاب، سورت کا نام، نمبر اور آیت کا نمبر۔

(ج) احادیث: صحیحین اور سننِ اربعہ کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام اور حدیث نمبر درج کیا گیا ہے۔ دیگر کتبِ احادیث کی تخریج میں کتاب کی جلد یا جز، صفحہ نمبر اور بعض اوقات حدیث کا نمبر بھی دیا گیا ہے۔

(د) شروحاتِ احادیث، کتبِ سیرت، کتبِ مغازی، کتبِ شمائل اور کتبِ دلائل و معجزات میں سے جو کتاب ایک جلد میں ہے، وہاں کتاب کا نام اور صفحہ نمبر درج کر دیا گیا ہے اور متعدد جلدوں والی کتاب میں اس کا نام، جلد نمبر اور صفحہ نمبر لکھ دیا گیا ہے۔

(ہ) بائبل کا حوالہ بائبل کی کتاب کے نام، باب نمبر اور آیت نمبر کے ذریعے سے دیا گیا ہے۔

2 مصادر و مراجع میں کتابوں کے علاوہ الیکٹرانک مکتبات اور انٹرنیٹ سے بھی مدد لی گئی ہے اور اس کی ویب سائٹ کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔ الیکٹرانک ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات کے تمام مندرجات مستند نہیں مانے جاتے، اس لیے ہم نے ان سے صرف وہ معلومات لی ہیں جو سہولت اور وضاحت کے لیے ضروری تھیں اور

جن کی دیگر مستند ذرائع سے تصدیق وتوثیق ہوتی ہے۔

3 تخریج میں عربی مصادر کے حوالے نسخ میں اور اردو مصادر کے حوالے نستعلیق میں دیے گئے ہیں۔ جہاں کہیں انگریزی حوالے کا تذکرہ ہوا ہے، اسے نئی لائن سے شروع کیا گیا ہے۔

اسلوب فہارس

1 ہر جلد کے شروع میں مندرجہ ذیل تین قسموں کی فہرستیں دی گئی ہیں:

(ا) کتاب کی اصل موضوعاتی فہرست: اس میں عناوین کتاب کے ساتھ ساتھ نقشوں، خاکوں اور شجروں کو بھی کتابی ترتیب کے لحاظ سے شامل کیا گیا ہے۔

(ب) نقشوں، خاکوں اور شجروں کی الگ فہرست بھی مرتب کر دی گئی ہے۔

2 سیرت انسائیکلوپیڈیا کی آخری جلد اشاریے پر مشتمل ہوگی جس میں قرآنی آیات، احادیث نبویہ، اقوال صحابہ، اشعار اور مضامین کی مکمل فہرستوں کے ساتھ اعلام، اماکن، قبائل اور مذاہب وفرق وغیرہ کی فہرستیں بھی بہ اعتبار حروف تہجی شامل ہوں گی، ان شاء اللہ۔ اشاریے ہی کی جلد میں سیرت انسائیکلوپیڈیا کے مصادر ومراجع کی تفصیلی فہرست بھی ہوگی۔

وَاللّٰهُ وَلِيُّ التَّوْفِيقِ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ وَبِهِ نَسْتَعِينُ وَنَسْتَغْفِرُهُ

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

وَصَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ

وَأَتْبَاعِهٖ أَجْمَعِينَ .

مقدمہ

سیدالانبیاء محمد ﷺ سرزمینِ عرب کی معزز ترین قوم قریش مکہ میں مبعوث ہوئے تاکہ انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے کر توحید ربانی کی لذتوں سے آشنا کر دیں اور پھر ان کے ذریعے بنی نوع انسان دین اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○﴾

''بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول (محمد ﷺ کو) بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔'' [1]

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○﴾

''وہ لوگ جو اس رسول اُمی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور انھیں برے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے، چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد

[1] آل عمران 3:164.

کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔ کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، جس کے پاس آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے، اس کے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے، لہٰذا تم اللہ پر اور اس کے رسول اُمی نبی پر ایمان لاؤ، جو (خود بھی) اللہ اور اس کے (تمام) کلمات پر ایمان لاتا ہے اور تم اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے انسانی تاریخ کا ایک بالکل نیا اور انوکھا دور شروع ہوا جس کی انسانیت نے کبھی کوئی مثال نہیں دیکھی۔ اس دور کا آغاز ریگستانوں اور بنجر پہاڑوں سے گھرے ہوئے عرب کے ایک چھوٹے سے شہر مکہ سے ہوا۔ مکہ مکرمہ میں اللہ کی عبادت کے لیے اللہ کا ایک گھر بنایا گیا تھا جو اب بتوں، تصویروں اور مقدس پتھروں سے بھرا ہوا تھا۔ اہلِ عرب نے اللہ کے ساتھ ان سب کی بھی عبادت شروع کر دی تھی۔ ان کے پاس، رہنمائی کے لیے کوئی آسمانی صحیفہ موجود نہ تھا۔ ہر خاص و عام فرد کے لیے مال و دولت کی فراوانی سے حاصل ہونے والی سہولتوں کا حصول ہی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ جوا، شراب، شہوانی لذتیں اور ان کے حصول کے لیے دوسروں کا استحصال، ناانصافی، فریب، جھوٹ اور کمزوروں پر ظلم و ستم روزمرہ کا معمول تھا۔ فطرت اس قدر مسخ ہو چکی تھی کہ احساسِ تفاخر یا رزق کی تنگی کے ڈر سے سگی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ پورے جزیرہ نمائے عرب میں، ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک، ہر وقت آپس میں لڑنے والے قبائل پھیلے ہوئے تھے۔ انسانی جان، مال اور عزت کچھ محفوظ نہ تھا۔ نہ کوئی نظام تھا، نہ مملکت اور نہ ادارے۔ نہ کہیں فریاد ہو سکتی تھی اور نہ دادرسی۔

مکہ میں چند ہی نفوس ایسے تھے جو اپنی فطرتِ سلیمہ کے باعث عام لوگوں کی طرح برائیوں میں غرق نہ تھے۔ وہ نیکیوں اور اچھائیوں کے قدر شناس بھی تھے۔ ان کے درمیان ایک فرد البتہ ایسا موجود تھا جو اردگرد کے سارے معاشرے سے یکسر مختلف تھا۔ وہ لاقانونیت، ظلم و ہوس، مکروفریب اور جھوٹ کے سمندر میں ضبطِ نفس، بے غرضی، انصاف، رحم، دیانت، امانت اور سچائی کا ایک پیکر جمیل تھا۔ اس کی عادات و صفات اور اعمال و اقوال کے جمال نے ہر انسان کے دل میں اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ رکھے تھے۔ اس محبوب اور معزز ہستی کو پورے معاشرے میں بے پناہ احترام حاصل تھا۔ لیکن اس تفوق کی بنا پر وہ محبوب و محترم انسان اپنے لیے نہ کسی قسم کے مالی فائدے کا خواہش مند تھا نہ کسی منصب کا طلب گار۔ اس کی ذات، اس کے مال اور اس کی پاکیزہ عادات سے پورے معاشرے کو فائدہ پہنچتا تھا۔ اس عظیم ہستی، اس فردِ فرید کا نام محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ...... صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الأعراف 7:157، 158۔

ایک مکمل انقلاب کی دعوت

حضرت محمد ﷺ نے عمرِ عزیز کے چالیس سال، انتہائی عزت و احترام سے، اس شہر کے باسیوں کے درمیان گزارے۔ اس کے بعد وہ ایک ایسے انوکھے اور عظیم الشان تجربے سے گزرے جس کے بارے میں پہلے سے ان کے ذہن میں کوئی تصور تک موجود نہ تھا۔ یہ تجربہ وحی لے کر آنے والے ناموسِ اعظم، یعنی جبریلِ امین سے ملاقات اور منصبِ نبوت پر فائز کیے جانے کا تھا۔ اس کے نتیجے میں انھوں نے اپنے عزیزوں، پھر شہر والوں، پھر تمام انسانوں کو یہ دعوت دینی شروع کر دی کہ وہ اپنے افکار، عقائد، عادات و عبادات، اطوار و خصائل، رہنے سہنے، کھانے پینے، پہننے برتنے، لینے دینے، خرید و فروخت، رشتے نبھانے اور بدلہ لینے، غرض پوری زندگی کو ازسرِنو اپنے پیدا کرنے والے رب کے ودیعت کردہ طریقوں کے مطابق درست بنیادوں پر استوار کریں۔ یہ بنی نوع انسان کے ایک ایک فرد کے لیے مکمل انقلاب کی دعوت تھی۔

اتنی بڑی تبدیلی لانے کے لیے داعیِ اسلام کے پاس اللہ کے پیغامِ حق اور اپنی ذات کے مثالی نمونے کے سوا اور کوئی سروسامان نہ تھا۔ نہ اتھارٹی، نہ اعوان و مددگار، نہ اقتدار، نہ فوج اور نہ اپنی ضرورتوں اور ذاتی اغراض کی تکمیل کی امید پر ساتھ دینے والوں کا کوئی ہجوم۔ چند کمزور نفوس تھے جنھوں نے ان کے پیغام کو اس کی سچائی کی بنا پر قبول کیا تھا اور ساتھ دے رہے تھے۔

مکہ میں مال و دولت، تجارتی مفادات اور قدیم مذہبی تفوق کی بنیاد پر ایک بندوبست قائم تھا۔ اس سے وابستہ چھوٹے بڑے لوگوں کو تبدیلی کے ایسے چیلنج کا سامنا کرنے کی توقع تک نہ تھی۔ وہ اس نئی دعوت کو اپنی جمی جمائی زندگی کے لیے شدید خطرہ سمجھ کر اس کو ہر صورت میں ختم کر دینے پر تل گئے۔ انھیں اپنا چلتا ہوا بندوبست بچانے کے لیے کسی بھی ظلم و ستم سے دریغ نہ تھا، چنانچہ اس نئے داعی، اس عظیم رسول ﷺ کے تیرہ سال مخلص ساتھیوں کی تلاش اور ان کی تربیت کرتے، انتہائی بے چارگی کے عالم میں ساتھیوں سمیت مکہ کے متکبروں کے ظلم و ستم سہتے اور دنیا میں اپنے لیے عافیت کا کوئی ٹھکانا ڈھونڈتے ہوئے گزر گئے۔

پھر جب مدینہ میں ایک ٹھکانا مل گیا تو وہ بھی مکمل طور پر گوشۂ عافیت ثابت نہ ہوا۔ مدینہ آ جانے کے بعد اگلے دس برسوں میں سے ایک لمبا عرصہ آپ ﷺ کو اہلِ مکہ بلکہ پورے عرب کے لشکروں سے اپنا دفاع کرتے ہوئے گزارنا پڑا۔ دفاع کے ساتھ ساتھ انہی دس برسوں میں آپ کو ایک آئیڈیل معاشرہ قائم کرنا اور پیغامِ حق قبول کرنے والوں کو ایک سچے عقیدے پر استوار کرنا تھا۔ آپس میں لڑنے والوں کو ایک طاقتور امت کے سانچے میں

ڈھالنا تھا۔ رجالِ کار تیار کرنے تھے، ادارے بنانے تھے اور ایک ایسا نظام قائم کرنا تھا کہ انسان کا اللہ سے جو خوبصورت تعلق قائم ہوا تھا اور ایک انسان کا دوسرے انسان سے خیر خواہی کا جو تعلق وجود میں آیا تھا، وہ ختم ہو کر نہ رہ جائے، نسل در نسل آگے بڑھتا چلا جائے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بے پروائی، فکری غفلت اور عملی کج روی کے سبب سے یہ تعلق زوال کا شکار ہو جائے تو بھی اس میں پھر سے تازہ ہو کر سرگرمِ عمل ہونے کی مکمل صلاحیت موجود اور محفوظ رہے۔

دنیا کی کامیاب ترین ہستی

اس مقصد کی تکمیل کے لیے جو چیزیں بہم ہوئیں، وہ یہ تھیں: ابدی اور مطلق سچائیوں کو واشگاف کرنے والی ایک جامع کتاب، محمد رسول اللہ ﷺ کی صورت میں ایک ایسی ہستی جس نے اس کتاب کے ہر لفظ پر پوری طرح عمل کر کے مکمل نمونۂ عمل پیش کیا، اس کے علاوہ براہِ راست آپ سے تربیت حاصل کرنے والی ایک مختصر سی جماعت تھی جس کے زیادہ تر افراد چرواہے، پھیری لگانے والے، راستوں اور بازاروں میں سامان رکھ کر بیچنے والے چھوٹے تاجر، لکڑہارے، چھوٹے باغبان، کاشت کار، مزدور، گلہ بان، غلام اور آزاد کردہ غلام تھے۔

یہی لوگ مختصر ترین عرصے میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تربیت پا کر کامیاب ترین حکمرانوں، دنیا کی عظیم ترین فوجوں کو شکست دینے والے سپہ سالاروں، عدالت شعار منصفوں، نئی روایات رقم کرنے والے سفارت کاروں، مستعد ترین کار پردازوں، دنیا کی تجارت پر چھا جانے والے تاجروں، عظیم سکالروں اور کامیاب ترین استادوں کی حیثیت سے فرائض سرانجام دینے کے لیے پوری طرح تیار ہو گئے۔ ان سب کے سامنے ہر میدان میں یقینی کامیابی کے حصول کے لیے نمونہ ایک ہی تھا۔ پوری کتابِ ہدایت پر ایک ہی عظیم ہستی کے عمل کا کامل ترین نمونہ جس میں کہیں جھول تھا نہ ابہام اور نہ کوئی پیچیدگی۔ ہر عمل کا طریق کار انتہائی اجلا اور غرض و غایت واضح تھی۔

ان دس برسوں کی جدوجہد کے نتیجے میں پورے جزیرہ نمائے عرب کے رہنے والے سرپھرے بدو، تند خو لڑاکے اور خودسر قبائل دیکھتے ہی دیکھتے فوج در فوج نئے دین میں شامل ہو گئے۔ اسلام کی عظیم کامیابیوں کے سامنے ان میں سے کسی کے لیے اس کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہ بچا تھا کہ وہ اپنے سابقہ عقیدے اور طرزِ حیات کو چھوڑ کر اللہ کے دین میں داخل ہو اور ایک امت کے نظم میں منسلک ہو جائے۔ اس امت کو انتہائی کٹھن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن آپ ﷺ کے کامل نمونے پر من و عن عمل کرنے والے قائدین کی قیادت میں اس امت نے ارتداد جیسی خطرناک اندرونی مشکلات پر قابو پاتے ہوئے بیس برس سے کم عرصے میں دنیا کی انتہائی طاقتور اور متمدن سلطنتوں پر غلبہ حاصل

کرلیا۔ یہ امت آیندہ کئی صدیوں تک دنیا کی ممتاز ترین قوت رہی جو خیر کی داعی، انصاف کی علمبردار اور بے مثال انسانی فلاح و بہبود کی ضامن تھی۔

مرکزِ نگاہِ عالم

مکہ میں تیرہ سال کی ستم رسیدگی کا زمانہ ہو، اس کے بعد محض دس سال میں پورے عرب کے باشندوں کی مسلم امت میں شمولیت ہو، پھر اگلے پندرہ بیس برسوں میں دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں کا خاتمہ اور ان کی رعایا کی رضا کارانہ بلکہ والہانہ انداز میں نئے دین میں شمولیت ہو، یہ سب ایسے حیرت انگیز واقعات ہیں جن کے سامنے انسانی عقل آج بھی حیرت زدہ ہے۔ یہ ایک فطری بات تھی کہ ان تمام مراحل کے دوران میں، لکیر کے دونوں طرف رہنے والے انسانوں نے، پورے تجسس کے ساتھ، ہر لمحے کا مشاہدہ کیا۔ اس کے ہر پہلو کا انتہائی گہری نظر سے جائزہ لیا اور مسلسل اس پر غور وفکر کیا۔ اس جائزے، مشاہدے اور غور وفکر کا اصل موضوع محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی تھی۔ اس کا سبب واضح تھا۔ جو کچھ ہو رہا تھا، آپ کی وجہ سے ہو رہا تھا۔ باطل کے جس جس ستون کو جو بھی غصہ تھا، آپ ہی کے کام پر اور آپ ہی کی کوششوں کے خلاف تھا۔ جن جن کے دل میں پسندیدگی بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ کر شدید محبت اور والہانہ ارادت تھی، وہ بھی آپ ہی کے اخلاق وعمل کی خوبصورتی کی بنا پر تھی۔

اب اس کے بارے میں بھی کسی کو اختلاف نہیں رہا کہ پوری انسانی تاریخ میں وہ ہستی صرف ایک ہی ہے جس کی زندگی ہی میں نہیں، رحلت کے بعد بھی، ہر زاویے سے، اس کی زندگی کے ہر پہلو کا مطالعہ کیا گیا۔ زندگی میں پیش آنے والے واقعات اور سوانح، آپ ﷺ کے افعال و اعمال اور ان افعال و اعمال کی تمام صورتوں، حتی کہ اپنے اقوال کے ساتھ ساتھ دوسرے لوگوں کے اعمال واقوال پر آپ کی رضا مندی اور ناراضی کا بھی پوری باریک بینی سے مشاہدہ کیا گیا، ان کو یاد رکھا گیا، ان کو حافظے میں اور لکھ کر محفوظ کیا گیا۔ مختلف مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف زاویوں سے ان پر غور وخوض کیا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کے لیے ان سے رہنمائی لی گئی اور قیامت تک لی جاتی رہے گی۔ وہ ہستی سلسلۂ نبوت کی آخری اور کامل ترین کڑی محمد رسول اللہ ﷺ کی ہے۔ آپ ﷺ ہی تاریخِ انسانی کے ایسے فردِ فرید اور گوہر یکتا ہیں جن کی خلوت وجلوت کے ہر پہلو کو انتہائی باریک بینی سے مشاہدے اور مطالعے کا موضوع بنایا گیا۔ صرف آپ ہی ہیں جنھوں نے اپنی زندگی کے ہر پہلو کے مشاہدے اور مطالعے اور امت کے لیے اسے عام کرنے کی اجازت دی۔ کوئی دوسرا اس کی ہمت بھی نہیں کرسکتا۔

بعثت کے بعد جب آپ کی زندگی وسیع مشاہدے اور مطالعے کا موضوع بنی تو آپ کے شہر مکہ میں ایسے لوگوں کی

تعداد بہت کم تھی جن کا مشاہدہ محبت اور احترام پر مبنی تھا۔ یہ کم تعداد کے لوگ وہی تھے جن کا آپ سے انتہائی قریبی تعلق تھا، مثلاً: گھر میں پلنے والا چچیرا بھائی، مختلف دوست، بیوی اور گھر کے دیگر افراد جیسے بیٹیاں، خادم اور قریب سے جاننے والے چند ایسے افراد جن کا تعلق امیر وغریب، آقا اور غلام، مختلف طبقات اور مختلف خاندانوں سے تھا۔ مکہ شہر کی باقی آبادی بعثت کے بعد سخت ترین مخالفوں میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اب اس ساری آبادی کا مشاہدہ اور مطالعہ ناقدانہ بلکہ سخت مخاصمانہ تھا۔

قریب ترین لوگوں کی فریفتگی

بیوی، گھر کے افراد، خدام اور دوست انسان کی خوبیوں کو دیکھتے تو ہیں لیکن اس میں زیادہ تحسین اور اعجاب کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہ زندگی کے معمولات کا حصہ اور روز کی بات ہوتی ہے۔ خامیوں اور کمزوریوں کا بھی مکمل علم ہوتا ہے، اس لیے یہ لوگ خوبیوں سے زیادہ مرعوب نہیں ہوتے۔ اگر کوئی ایسا شخص ہو جسے انتہائی قریب سے اچھی طرح جاننے والے اس سے والہانہ محبت کریں، ہر لمحے دل کی گہرائیوں سے اس کا بے انتہا احترام کریں تو اس کے کردار کی عظمت و رفعت میں کوئی شک باقی نہیں رہ جاتا۔

خامیوں پر سب سے کڑی تنقیدی نظر بیوی ڈالتی ہے۔ اسے خامیوں کا بھی پتہ ہوتا ہے اور اچھے کاموں کے اصل مقاصد کا بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازدواجی زندگی کے پہلے پچیس برس حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بسر کیے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کی شخصیت کی عظمت اور دلآویزی سے اس طرح متاثر ہوئیں کہ انھوں نے اپنی زندگی کی آخری سانس تک آپ ﷺ کو اپنی والہانہ محبت اور خدمت کا مرکز بنائے رکھا۔ عین اس لمحے میں جب آپ زندگی کے اہم ترین موڑ پر کھڑے تھے اور طرح طرح کے خدشات کا شکار تھے، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے دل کی گہرائیوں سے آپ کی عظیم اخلاقی صفات اور ہمہ گیر خوبیوں کی شہادت دی اور ان کی بنا پر، مستقبل میں مزید رفعتوں اور عظمتوں کے حصول کا یقین دلایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قریب ترین مشاہدے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اخلاق و کردار کی بے مثال خوبیوں پر فائز دیکھا۔ انھیں آپ کے روشن اور منور کردار پر کبھی کسی گہن کا شائبہ تک نظر نہ آیا تھا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد نو دس ازواجِ مطہرات نے آپ کی زندگی میں شامل ہو کر ہر اعتبار سے آپ ﷺ کو پرکھا۔ اللہ کی مشیت یہ تھی کہ ان ازواج میں شدید دشمنوں کی بیٹیوں، مختلف خاندانوں کی ذہین ترین خواتین اور پکے مشرک گھرانوں سے تعلق رکھنے والی بیبیوں کے ساتھ ساتھ بلند مرتبہ یہودی گھرانے کی صفیہ رضی اللہ عنہا اور مصر کے اعلیٰ

عیسائی طبقے سے تعلق رکھنے والی سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی شامل تھیں۔ الگ الگ معاشرتی اور مذہبی پس منظر، مختلف طرزِ فکر اور اپنی اپنی طرزِ زندگی کے سارے اختلافات کے باوجود وہ سب جس ایک نقطے پر پوری طرح متفق تھیں، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فکر و عمل اور کردار و گفتار کی دل نشینی تھی جس کی بدولت ان سب نے اپنی اپنی زندگی کو بعینہٖ آپ ہی کی زندگی کے سانچے میں ڈھال لیا۔ روز مرہ جس طرح آپ کو دیکھا تھا، اس کی خوشبو پوری دنیا میں پھیلانا انھوں نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا مقصد ٹھہرا لیا۔ سب دل و جان سے آپ ہی کے نمونۂ عمل کی اشاعت میں لگ گئیں۔

دنیا بھر میں کوئی اور ایسا خاندان نہیں ہوا جو اپنے سربراہ کے ساتھ اس طرح محبت کرتا ہو، اتنی شدت سے اس کی خوبیوں کا معترف اور شاہد ہو اور اس طرح اس طرزِ زندگی کو پوری دنیا میں عام کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ خانہ اور خدام نے کیا۔

یہی حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کا تھا۔ ان میں مکہ اور بعدازاں مدینہ کے سلیم الفطرت انسانوں کے شانہ بشانہ فارس کے مجوسی خاندان کے سلمان، روم کے عیسائی صہیب، مدینے کے یہودی عبداللہ بن سلام، حبشہ کے غریب الدیار غلام بلال، تہامہ کے سردار طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہم غرض مختلف معاشروں، مذہبوں اور نسلوں سے تعلق رکھنے والے شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا واضح نتیجہ یہ نکلا کہ یہ سب لوگ ایک ہی انداز میں آپ کے اسوۂ حسنہ کے جلال و جمال کے اسیر ہو گئے، اسی کو دل و جان سے اپنانے کی کوشش کی، خود کو اسی کے رنگ میں رنگ لیا اور اسی خوبصورت نمونۂ عمل کے داعی اور مبلغ بن گئے۔

دشمنوں کی تسخیر

وہ مذہبی مخالف جنھوں نے بعثت کے بعد شدید ترین عداوت و مخاصمت کا مظاہرہ کیا تھا، عرب کی تمام قوتوں کو اپنا حلیف بنا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، آپ کے دین کو اور آپ کے پیروکاروں کو نیست و نابود کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا تھا، انھوں نے بھی دشمنی، مخاصمت اور جنگ و جدل کے مختلف مرحلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کی عظمت اور انسانیت کے لیے آپ کی غیر مشروط اور غیر محدود خیر خواہی کے طلسم میں خود کو گرفتار پایا۔ ان کی بڑی اکثریت نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی طرح صرف اور صرف اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر یکے بعد دیگرے شفقت و رحمت اور خیر و برکت کے اسی دروازے کی چوکھٹ سے وابستگی اختیار کر لی۔

ابوجہل اپنی دشمنی کے عروج میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا عکرمہ (رضی اللہ عنہ)، اسی کی طرح کا دشمن، فتحِ مکہ کے دن سخت شرارت پر آمادہ ہوا۔ مخاصمت اور نفرت کی شدت میں عرب کی سرزمین چھوڑ کر یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اسے گرفتار

کرنے کے لیے کوئی دستہ نہ بھیجا گیا۔ وہ خود ہی آپ کے عفو وحلم کی زنجیروں میں جکڑا ہوا کشاں کشاں حاضر ہوا، حلقہ بگوش اسلام ہوا اور آپ کے لائے ہوئے دین کی سربلندی کے لیے جان قربان کر دی۔[1]

یہ کیفیت صرف عکرمہ رضی اللہ عنہ کی نہ تھی بلکہ ہر اس شخص کی ہوئی جو پہلے سخت دشمنی میں مبتلا تھا، پھر گرویدۂ فضل و کمال ہو کر، یا بے بس ہو کر، جس صورت سے بھی آپ کے قریب آیا، وہ آپ کی خوبیوں کا اسیر ہو گیا۔

بیرونِ عرب کے مفتوحینِ نبوت

عرب سے باہر کے مفتوحین کا بھی یہی حال ہوا۔ سابقہ متمدن سلطنتوں کے باشندے اسلام سے پہلے اپنی اپنی سلطنتوں کی عظمت وحشمت کے قائل تھے۔ خوبی اور خرابی کے اپنے اپنے نمونے ان کے سامنے تھے۔ ان کی سلطنت کی ہر فتح انھیں فخر وانبساط کی کیفیت سے سرشار کرتی تھی اور ہر ناکامی کے بعد وہ اس ناکامی کو کامیابی میں بدلنے کا عزم لے کر از سرنو کمر بستہ ہو جاتے تھے۔ وہ جن عربوں کو غیر متمدن، پسماندہ اور کمزور سمجھتے تھے، ان کی پیش قدمی کو پہلے انھوں نے جسارت سمجھا۔ انھیں عبرت ناک سزا دینی چاہی۔ پھر اپنی ناکامیوں اور ان کی پے در پے کامیابیوں سے وہ سب حیرت زدہ ہوئے، پھر ان پر بے بسی اور مرعوبیت طاری ہوئی، پھر جب اسلامی فتوحات سے مغلوب ہو گئے تو ان کے دل خوف کے ساتھ کینے اور مخاصمت سے بھی بھر گئے۔

انسانی تاریخ میں ہمیشہ سے یہ ہوتا آیا ہے کہ غالب مغلوبوں کو نشانِ عبرت بنا دیتے ہیں، لوٹ کر کنگال کر دیتے ہیں، عزت و ناموس کو پامال کر دیتے ہیں۔ لیکن تاریخِ اسلامی میں اس کے برعکس ہو رہا تھا۔ فاتحوں نے صدیوں کی لوٹ مار کے ذریعے سے بھرے ہوئے شاہی خزانوں کو رعایا میں تقسیم کر دیا۔ ان اموالِ طائلہ کے فوائد مفتوحین تک پہنچنے لگے۔ سابقہ بھاری ٹیکسوں کے بالمقابل بہت معمولی سا جزیہ تھا جو دفاعی فرائض سے چھوٹ کے عوض دینا پڑتا تھا۔ مفتوحین کو وہ تمام بنیادی انسانی حقوق حاصل ہو گئے جو خود فاتحوں کو حاصل تھے۔ انصاف کے پلڑے میں بھی سب یکساں اور برابر تھے۔ یہ زندگی کا نیا چلن اور حکومت کا نیا اسلوب تھا جس نے مفتوحوں کے دلوں میں ایک تجسس پیدا کر دیا۔

ان کو اپنے تجسس بھرے تمام سوالوں کا جواب یہ ملتا تھا کہ یہ سارا سبق اسی ایک ہستی کا سکھایا ہوا ہے جو پوری خلقت کے لیے رحیم وشفیق تھی۔ رنگ ونسل کی تمیز کے بغیر ہر انسان کی فلاح و بہبود اس کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد تھا۔ اس نے اپنے لیے کچھ نہ چاہا۔ سب کو جسم اور روح کی آسودگیاں اور دنیا اور آخرت کی سچی خوشیاں بخشیں۔

[1] سنن النسائي :4072، البداية والنهاية :297/4.

ہر کسی کا ہاتھ پکڑ کر اسے یقینی کامیابیوں کی راہ پر چلانا اس کا مشن تھا۔ مفتوحوں نے یہ ساری باتیں اپنی آنکھوں کے سامنے پوری ہوتی دیکھیں۔ اسلام کا دامنِ رحمت سب کے لیے کھلا دیکھا۔ نیکی، عمل کی خوبی اور سچائی کو فاتح اور مفتوح دونوں کے لیے یکساں معیارِ عزت پایا۔ ہر اچھی جدوجہد کے مواقع سب کے لیے یکساں دیکھے تو وہ بھی تاریخ کے سب سے بڑے دیالو، سب سے بڑھ کر سچے اور سب سے زیادہ شفیق انسان کی محبت میں مبتلا اور اس کی عظمتوں، رفعتوں اور بے مثال خوبیوں کے اسیر ہو کر رہ گئے۔

مرقعِ جمال کے گرویدہ وفریفتہ

مخاصمت وعناد کے بعد جس طرح تجسس، استعجاب اور تحسین سے بھری لاکھوں نگاہوں نے آپ ﷺ کے کردار و عمل کے ہر پہلو کو پرکھا، اس کی بھی دنیا میں اور کوئی نظیر نہیں۔ آپ کی زندگی کا کوئی پہلو دیکھنے والوں کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا۔ جلوت میں اگر دیکھنے اور پرکھنے والے دوست اور دشمن ہمہ وقت موجود رہتے تھے تو خلوتوں پر نظر رکھنے والی بیویوں نے بھی آپ کی حیاتِ مبارکہ کے ہر پہلو کو اچھی طرح کھنگالا۔ آپ نے خود اپنی زندگی کا کوئی پہلو چھپایا نہ دوستوں اور بیویوں سمیت کسی کو کوئی بات چھپانے کا حکم دیا۔ جس نے جو کچھ جس طرح دیکھا، اسے اسی طرح بیان کیا، کسی پر کوئی قدغن نہ تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ جس طرح خود دیکھ کر بیان کرنے والے اس مرقعِ جمال کے گرویدہ تھے، اسی طرح ان کے بیان کو سننے والوں نے بھی خود کو آپ کا والہ وشیفتہ پایا۔ حسن وخوبی کا ذوق رکھنے والے دنیا کے ہر انسان کی کیفیت وہی ہوتی ہے جو غالب نے بیان کی ؎

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا
بن گیا رقیب آخر، تھا جو رازداں اپنا

جمال کا ہر گرویدہ دوسرے گرویدہ کو رقیب خیال کرتا ہے۔ خود کو محبت کرنے کا استحقاق دیتا ہے۔ دوسروں کے اس استحقاق کی نفی کرتا ہے۔ یہاں معاملہ ایسا ہے کہ عقل حیرت واستعجاب میں گم ہے۔ ان سب کی کیفیت یہ ہو گئی کہ ؎

الگ ہے وضع مرے عشق کی زمانے سے
سبھی کو محوِ رخِ یار چاہتا ہوں میں

یہاں صدیوں پر صدیاں گزر رہی ہیں۔ ہر دور میں ایک خلقت ہے جو دل وجان سے اس پیکرِ عظمت وخوبی پر فریفتہ ہے اور زندگی میں یہی مقصد رکھتی ہے کہ دنیا کا ہر انسان اسی کا والہ وشیفتہ بن جائے۔

شانِ رسالت کی لذتِ بیان

ایسے پیکرِ خوبی و جمال کی رعنائیوں کے بیان سے کون پیچھے رہنا چاہے گا۔ آپ ﷺ کے ہزاروں ساتھیوں نے آپ کی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی خوبی اور حسن کو بیان کیا۔ ان سے سننے والوں کی کوشش یہ رہی کہ وہ زیادہ سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ دل پذیر بیان سنیں۔ بہت سوں نے اس بیان اور اس کی طلب کے لیے خود کو وقف کر دیا۔ ہر نسل میں لاکھوں انسانوں نے اس بیان کو حرزِ جان بنایا، اسے آگے پہنچایا اور اسے لکھ لکھ کر محفوظ کیا۔ دنیا کی ایک بھی ہستی ایسی نہیں جس کے اعمال واقوال، خصائل وشمائل اور عادات وفضائل کی تفصیلات کو ہر دور میں اتنے زیادہ لوگوں نے بیان کیا ہو، تحریر و کتابت، تالیف و تدوین اور تعلیم و تدریس کا موضوع بنایا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا مشاہدہ کسی بھی دوسرے انسان کی زندگی کے مشاہدے کی طرح نہ تھا۔ آپ مجسمۂ فضائل تو تھے ہی لیکن سب سے اہم پہلو یہ تھا کہ آپ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ظروف و احوال کے مطابق اللہ کا کلام نازل ہوتا تھا اور آپ کا عمل انتہائی خوبصورتی سے اس کے مطابق ڈھل جاتا تھا۔ وہی عمل تھا جو تمام کامیابیوں اور کامرانیوں کا ضامن تھا۔ مطالعہ کرنے والوں کی نگاہیں قرآنِ مجید کی رہنمائی اور محمد رسول اللہ ﷺ کے عمل و کردار میں کوئی مغایرت تلاش نہ کر سکتی تھیں۔ قرآن اور رسول اللہ ﷺ کا عمل، ایک ہی سچائی اور ایک ہی حقیقت کے دو پہلو تھے۔ دونوں کا تعلق اصول اور عمل، تھیوری (نظریے) اور پریکٹیکل (عمل) کا تھا۔ آپ کے ساتھی آپ کی زبانِ مبارک سے اللہ کا کلام سنتے تھے اور آپ کے اسوۂ حسنہ میں اس کا عملی نمونہ اپنی آنکھوں کے سامنے پاتے تھے۔ یہ کردار کے ایسے جمال اور صفات کی ایسی خوبصورتی کا مشاہدہ تھا جس کی کوئی نظیر نہ کبھی پائی گئی تھی نہ پائی جا سکتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ نہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں جیسی وارفتگی، محبت، وفاداری اور فریفتگی کی مثال دنیا کی تاریخ میں کوئی فرد یا کوئی گروہ پیش کر سکا نہ ان جیسے واضح، مکمل، خوبصورت اور دلنشیں بیان ہی پر کوئی دوسرا قادر ہو سکا۔

ام معبد اور حسان رضی اللہ عنہما کی مداحی

صحابہ کے بیان میں تطویل اور اطناب کہیں نظر نہیں آتے۔ انھوں نے جو دیکھا، بعینہٖ اسی طرح بیان کر دیا۔ ان کے بیان میں اوروں کی طرح لفظوں کی بھرمار خوبصورتی کا حجاب نہیں بنتی۔ خوبی اپنی جگہ اتنی کامل ہے کہ مبالغہ آرائی بجائے خود تنقیص و توہین کے زمرے میں آجاتی ہے۔ بیان میں تکلف کی ضرورت نہیں کیونکہ جمال دل

میں جاگزیں ہو کر خود بخود لفظوں میں ڈھلتا اور خود بخود زبان سے ادا ہوتا ہے۔ ام معبد نے بغیر کسی تکلف کے آپ ﷺ کی شخصیت اور کردار کی خوبصورتی کو بیان کیا۔ یہ اسی خوبصورتی کا کمال تھا کہ اس بدو خاتون کے سیدھے سادے لفظ موتیوں سے زیادہ آب دار ہو گئے۔ صدیاں گزر گئیں، ام معبد کے بیان کی دل کشی آج بھی پہلے دن کی طرح دلوں کی دنیا الٹ پلٹ دیتی ہے۔ بڑے سے بڑا عالم اور ادیب خود کو اس کے سحر کے آگے دم بخود پاتا ہے اور ایک سادہ دل دیہی باشندہ بھی اس کی رعنائیوں میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ راز سب سے پہلے خوش نصیب حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کھولا جنھوں نے آپ ﷺ کی زندگی ہی میں اپنے آپ کو آپ کی مدح کے لیے وقف کر دیا تھا۔ ان کا ایک شعر مدح کے بڑے بڑے دیوانوں پر بھاری ہے:

مَا إِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِي   لٰكِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِي بِمُحَمَّدٍ

''میں نے اپنے کلام سے محمد ﷺ کی مدح نہیں کی بلکہ محمد ﷺ کے ذکر سے میں نے اپنا کلام قابلِ مدح بنایا ہے۔''

جمالِ عبدیت

اخلاق و خصائلِ نبوی کا جمال دیکھنے والوں کو مبہوت کر دیتا ہے لیکن اس سے بھی بہت اونچا ''جمالِ عبدیت'' ہے۔ اخلاق و فضائل کا تعلق اس رشتے سے ہے جو نبیِ اکرم ﷺ اور باقی انسانوں کے درمیان تھا جبکہ عبدیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ رشتے کا نام ہے۔ جمالِ عبدیت کا عالم یہ تھا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی فصیح اللسان سے سوال ہوتا ہے:

كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ فِي رَمَضَانَ؟

''رمضان میں رسول اللہ ﷺ کی نماز کیسی ہوتی تھی؟''

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا گیارہ رکعتوں کی تعداد بتاتے ہوئے کہتی ہیں:

فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَ طُولِهِنَّ

''ان کی خوبصورتی اور طوالت کے بارے میں کچھ مت پوچھو۔''[1]

اس لیے کہ وہ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔

[1] صحيح البخاري: 1147، صحيح مسلم: 738.

یہ جمالِ عبادت تھا جس کا مشاہدہ کرنے اور اسے اپنا لینے کا باقاعدہ حکم صادر ہوا:

«صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي»

''اسی طرح نماز ادا کرو جس طرح تم نے مجھے نماز ادا کرتے دیکھا ہے۔'' [1]

اور «خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ»

''اپنے حج کے طریقے مجھ سے سیکھ لو۔'' [2]

اس جمال کا مشاہدہ کرنے والوں کی اپنی حالت دیدنی تھی:

﴿وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ يَدْعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ۝﴾

''اور یہ کہ جب کھڑا ہوا اللہ کا بندہ (محمد ﷺ) اس کو پکارتا ہوا تو قریب تھا کہ وہ اس پر انبوہ در انبوہ (جمع) ہو جائیں۔'' [3]

غزوات اور جہاد و قتال

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سب سے زیادہ باریک بینی سے حیاتِ طیبہ کے جس عملی پہلو کا مطالعہ کیا، وہ عبادات تھیں۔ اس کے بعد سب سے زیادہ اہمیت اس جدوجہد کی تھی جو آپ ﷺ کو دعوتِ دین کے تحفظ اور غلبۂ اسلام کے لیے جنگوں کے میدان میں کرنی پڑی، پھر معاملات، پھر اخلاق و آداب، پھر فضائلِ اعمال تھے۔ اسلامی تربیت کے لیے ترجیحات کی ترتیب بھی یہی بنتی ہے۔ انھی موضوعات کی ہر مسلمان مرد، عورت، بچے، جوان اور بوڑھے کے لیے ضرورت تھی اور ہے۔ تقریباً یہی وہ ترتیب ہے جسے ابتدائی جمع و تدوین کے بعد محدثین اور فقہاء نے اپنایا۔ ان میں سے غزوات کا معاملہ باقی موضوعات سے کسی حد تک مختلف ہے۔

غزوات میں بھی مرکزی کردار رسول اللہ ﷺ ہی کا تھا۔ قائد و سالار ہی نہیں شجاعت و ثبات کا قابلِ اتباع نمونہ بھی آپ ہی تھے۔ معرکوں کی شدت میں بڑے بڑے بہادر آپ ﷺ ہی کے پیچھے پناہ لیتے تھے۔ جیسے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما نے اعتراف کیا ہے:

كُنَّا وَاللَّهِ! إِذَا احْمَرَّ الْبَأْسُ نَتَّقِي بِهِ، وَإِنَّ الشُّجَاعَ مِنَّا لَلَّذِي يُحَاذِي بِهِ، يَعْنِي النَّبِيَّ ﷺ.

''ہم، اللہ کی قسم! جب معرکہ گرم ہوتا تو آپ ﷺ کے پیچھے پناہ لیتے، اور ہم میں سے بہادر وہی ہوتا جو

[1] صحيح البخاري: 631. [2] صحيح مسلم: 1297، السنن الكبرى للبيهقي: 125/5 واللفظ له. [3] الجن 19:72.

آپ ﷺ کا ساتھ دے سکتا۔'' [1]

جہاد اورلڑائی کے تمام معاملات میں نمونۂ عمل رسول اللہ ﷺ تھے۔ تمام بڑے فیصلے بھی آپ ہی کرتے تھے۔ جہاں مشورے کی ضرورت ہوتی، وہاں آپ مشورہ بھی طلب کرتے تھے۔

جہاد و قتال کے حوالے سے یہ سارے فیصلے آئندہ امت کے لیے اجتہاد و استنباط کی بنیاد ہیں۔ وہ ساری روایات جن سے احکام کا استنباط ہوسکتا ہے، ان کی سب سے زیادہ ضرورت محدثین اور فقہاء اور ان کے بعد مفسرین کوتھی اور انھی کی کتابوں میں ان کو جگہ ملی۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کی معیت میں میدانِ قتال میں بہادری کے جوہر دکھانے والے جاں نثاروں نے بھی آپ کے اتباع میں آپ کے ساتھ مل کر شجاعت وتہوّر اور عزیمت و جاں نثاری کی غیر معمولی داستانیں رقم کی تھیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے یہ کارنامے اللہ، اس کے رسول ﷺ اور پوری امت کے سامنے سرمایۂ افتخار تھے۔ آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت کرنے والوں نے جو کیا، وہ بھی عظیم تھا۔ جاں نثاری کا جو طریقہ اپنایا، وہ بھی بے مثل تھا۔ اسی طرح اپنے احساسات کو جس طرح اشعار کے قالب میں ڈھالا، وہ بھی دنیا کی رزمیہ شاعری میں اپنی مثال آپ ہے۔

دنیا بھر کا رزمیہ ادب مبالغے، شیخی، سخن آرائی حتی کہ جھوٹ سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے برعکس جہاد وغزوات کے دوران میں کی گئی شاعری مبالغے سے پاک، دل کے سچے جذبات کی ترجمان، پیش آنے والے واقعات کے سچے بیان پر مبنی اور جنگ کی حقیقی کیفیتوں کی صحیح آئینہ دار ہے۔ غزوات و جہاد میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے کارناموں کا بیان، رزمیہ شاعری سمیت، تاریخ کا سرمایہ تھا جس کی نئی نسل کے مُربیوں کو ضرورت تھی۔ جس طرح غزوات و جہاد کے حوالے سے صحابہ کی ان روایات کو، جن سے احکامِ جہاد اخذ کیے جا سکتے ہیں، محدثین، فقہاء اور مفسرین نے اپنی ضرورتوں کے لیے استعمال کیا، اسی طرح صحابہ کے عظیم الشان کارناموں اور ان سے متعلقہ اشعار کو مؤرخوں اور سیرت نگاروں نے زیادہ سے زیادہ تفصیلات سمیت اپنی ضرورت اور اپنے نقطۂ نظر سے اکٹھا کیا۔ فقہ اور سیرت و تاریخ دونوں محاذوں پر کام کرنے والے بنیادی طور پر محدثین ہی تھے۔ محدثین ہی نے ہر ضرورت کے لیے اور ہر عنوان سے احادیث و روایات جمع کیں، پھر حسبِ ضرورت الگ الگ انداز میں الگ الگ عناوین کے تحت ان کو مرتب کیا۔

علمِ حدیث کی تدوین وترتیب اپنے طور پر ارتقائی مراحل سے گزرتی رہی اور غزوات اور متعلقہ امور کی جمع و تدوین

[1] صحیح مسلم: (79)-1776.

کا سلسلہ مستقل طور پر بھی جاری رہا۔ جنگیں زیادہ تر مدینے سے باہر نکل کر کی گئیں۔ طویل اور پُر صعوبت سفر جہاد ہی کا حصہ تھے، اس لیے غزوات کے دوران میں میدانِ جنگ میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات و احوال کے علاوہ جہاد کی غرض سے کیے جانے والے سفر اور ان کے دوران میں پیش آنے والے واقعات بھی پوری روئیداد کا لازمی حصہ تھے۔ جہاد کا بیان سفر سے شروع ہوتا اور سفر ہی پر ختم ہوتا تھا۔

سیرت کا مفہوم

''سیرۃ'' کا مادہ ''س ی ر'' (سیر) ہے جس کے معنی چلنے اور فاصلہ طے کرنے کے ہیں۔ سیرۃ کی جمع سِیَر ہے۔ اوائلِ اسلام میں لفظ سِیَر کا اطلاق رسول اللہ ﷺ کے ان سفروں پر ہوا جو زیادہ تر غزوات کے لیے کیے جاتے تھے۔ چونکہ سفر اور غزوات ان دونوں کے احوال اکٹھے مدون کیے جاتے، اس لیے انھیں ملا کر ان پر ''مغازی و سِیَر'' کا اطلاق کیا جاتا تھا اور اس عنوان کے تحت آپ ﷺ کے غزوات اور ان کے لیے اختیار کردہ سفروں کا حال بیان کیا جاتا تھا۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ وہ روایات بھی جن کا تعلق نبی ﷺ کے مغازی اور سیر سے تھا، اپنی جگہ بہت سے اہم امور کے لیے اجتہاد و استنباط کی بنیاد تھیں۔ مؤرخین کے علاوہ فقہاء نے ''سِیَر'' کے نام سے جو کتابیں لکھیں، ان کا موضوع جہاد، غزوات اور ان کے متعلقہ امور کے احکام و مسائل تھے۔ ان کی مثالیں السیر للأوزاعي (م 157ھ) اور کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر لمحمد بن حسن الشیباني (م189ھ) ہیں۔ ان کتابوں کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بجا طور پر بین الاقوامی قانون کی کتابیں بھی قرار دیا ہے۔[1]

مؤرخین نے غزوات و سیر کے نام سے جو کتابیں لکھیں، ان کے محتویات میں بتدریج توسیع ہوتی گئی۔ مغازی کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہے گئے اشعار، آپ ﷺ کے تمام شخصی اور خاندانی حالات، رشتے، بعثت سے پہلے پیش آمدہ واقعات اور بعدازاں آپ کے فضائل و خصائل اور عادات و شمائل سب سیرت کے موضوع میں شامل ہوتے گئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ لفظِ سیرت کے مفہوم میں بجائے خود اتنی وسعت موجود ہے کہ مذکورہ بالا سب امور بلکہ ان سے مستنبط احکام اور ان کے تجزیے سے حاصل ہونے والے اسباق سب اس کے محتویات میں شامل ہو سکتے ہیں۔

---

[1] خطبات بہاول پور، خطبہ: 5، ص: 164-166، نیز دیکھیے: صحیح البخاري، کتاب الجهاد والسیر، وصحیح مسلم، کتاب الجهاد والسیر. امام بخاری نے جنگوں کے حالات اور ان کے دوران میں پیش آنے والے واقعات کتاب المغازي میں پیش کیے ہیں۔

لفظ سیرۃ، سَارَ یَسِیرُ سے اسم ہے۔ اس کا اردو مترادف ''چال ڈھال'' ہے۔ ''چال ڈھال'' کے لفظوں سے ذہن میں ہیئت اور حالت کا تصور ابھرتا ہے۔ قرآن کریم میں ''سیرۃ'' کا لفظ بالکل انھی معانی میں استعمال ہوا ہے۔ کوہِ طور پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے سانپ کی شکل اختیار کر لی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا:

﴿ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ۝ ﴾

''اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں، عنقریب ہم اسے اس کی پہلی ہیئت پر لوٹا دیں گے۔'' [1]

چونکہ ''سیرۃ'' کی جمع ''سِیَر'' ہے، اس لیے سِیَر کے معنی ''احوال'' ہی کے ہیں۔

سِیَر و مغازی کی تدوین اور ارتقا

رسول اللہ ﷺ کے احوالِ سفر کے بیان سے لے کر وسیع ترین معنی میں آپ کی سیرت کی تدوین و تالیف اور اس کے ارتقا کا جائزہ اپنی جگہ بہت دلچسپ اور علمی اعتبار سے انتہائی اہم ہے۔ اسلامی تاریخ کے اولین دور سے لے کر عہد بعہد جن خوش قسمت انسانوں نے خود کو رسول اللہ ﷺ کے احوال و اقوال اور شمائل و خصائل کے بیان کے لیے وقف کیا، مطالعۂ سیرت سے پہلے ان کے کارناموں پر ایک سرسری نگاہ بھی قاری کے لیے بے شمار علمی فوائد اور معنوی اعتبار سے ایک انوکھے لطف کا باعث ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں امت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی سیرت اور حدیث کی اہمیت کتنی تھی اور یہ بھی کہ علمائے اسلام نے صحیح سیرت کی ترتیب و تدوین کے لیے کس قدر اہتمام کیا۔

سِیَر و مغازی کے عینی شاہد

بحیثیتِ نبی و رسول محمد ﷺ کی شخصیت کے بنیادی خد و خال خود قرآنِ مجید کے مطالعے سے واضح ہو جاتے ہیں۔ لیکن آپ کے مغازی اور سیر کی تفصیلات کا اہم ماخذ ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے بیانات ہیں جو بذاتِ خود رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ ان مغازی میں شریک رہے۔ کتبِ صحاح و سنن میں نبی ﷺ کے غزوات کے زیادہ تر احوال حضرت علی، حضرت عباس، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابوموسیٰ اشعری، حضرت ابوقتادہ، حضرت سلمہ بن اکوع وغیرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے غزوۂ حنین کے بہت سے واقعات روایت کیے گئے ہیں۔ صحیح مسلم اور سنن ابی داود میں حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ

[1] طٰہٰ 21:20.

سے حدیبیہ کے سفر اور باقی احوال کے بارے میں مفصل معلومات مروی ہیں۔ اسی طرح غزوۂ ذی قرد اور خیبر کے بارے میں ان کی روایات بیانیہ انداز کی اور بہت مفصل ہیں۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جنگِ احد کے واقعات بیان فرمائے۔ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے جنگِ خندق کے واقعات مروی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی غزوات کے مفصل احوال روایت کیے گئے۔ بعض غزوات کی وہ ایک طرح سے خود شاہد تھیں، مثلاً: غزوۂ احد کی جس میں انھوں نے ابتدائی طبی امداد اور پانی پلانے کی خدمات سرانجام دیتے ہوئے شرکت کی۔ [1] صحیح بخاری میں ان سے جنگِ احد کی تفصیلات روایت ہوئیں۔ [2]

ان کے بعد نوجوان صحابہ آتے ہیں۔ ان میں عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عمرو بن عاص، انس بن مالک، براء بن عازب، عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی بہت سی تفصیلات مروی ہیں۔ وہ خیبر کے موقع پر مسلمان ہوئے اور بعد کی مہمات میں شامل رہے۔ بہت سی جنگوں کے احوال انھوں نے ساتھی صحابہ سے حاصل کیے۔ دوسرے نوجوان صحابہ نے بھی بعض جنگوں کی تفصیلات براہ راست ان صحابہ سے سن کر روایت کیں جو ان میں شریک تھے۔ بعض کے اپنے بزرگ غزوات میں شریک تھے۔ انھوں نے اپنے بزرگوں کے علاوہ دیگر شرکاء سے بھی تفصیلات سنیں۔ ان میں سے بعض نوجوان صحابہ آخری دور کے غزوات میں خود شریک ہوئے۔ انس بن مالک، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم غزوات کے احوال روایت کرنے میں دوسرے نوجوان صحابہ کی نسبت زیادہ آگے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم کی حیثیت سے جنگِ بدر میں بھی آپ کے ساتھ تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے انھیں قتال میں شریک نہیں کیا گیا۔ غزوۂ اُحد کے بھی وہ عینی شاہد تھے۔ ان کے فرزند موسیٰ بن انس رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے (بعدازاں) آٹھ غزوات میں شرکت کی۔ [3] انھوں نے مختلف جنگوں کی بیش از بیش تفصیلات روایت کی ہیں۔ ان میں سے کچھ تفصیلات انھوں نے دوسرے صحابہ سے لی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سب سے پہلے غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ پھر بیعتِ رضوان سمیت بعد کی جنگوں میں شامل رہے۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں وہ شام، عراق، بصرہ، فارس اور مصر کے جہاد میں شریک ہوئے۔ خندق سے پہلے کے غزوات کی معلومات انھوں نے اپنے والد اور دیگر بزرگوں سے سن کر بیان کیں۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جو اس امت کے حبر (بہت بڑے عالم) ہیں، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی

[1] صحیح البخاري :4064. [2] صحیح البخاري :4065 و4077. [3] الإصابة :276/1.

احادیث، آپ کی حیاتِ مبارکہ کے واقعات اور آپ کے غزوات کے حالات بیان کیے ہیں، حالانکہ صحیح ترین روایات کے مطابق رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ فتحِ مکہ والے سال تک وہ اپنے خاندان کے ساتھ مکہ ہی میں مقیم رہے، اسی سال مدینہ آئے۔ آیت: ﴿ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ ﴾ ''مگر وہ مرد، عورتیں اور بچے جو بے بس ہوں ......''[1] کی تفسیر کرتے ہوئے وہ خود کہتے ہیں:

كُنْتُ أَنَا وَأُمِّي مِنَ الْمُسْتَضْعَفِينَ : أَنَا مِنَ الْوِلْدَانِ وَأُمِّي مِنَ النِّسَاءِ .

''میں اور میری والدہ ان میں سے تھے جنھیں ضعیف سمجھا جاتا تھا (جو لوگ کمزوری اور بے چارگی کے عالم میں کافروں کے درمیان رہنے پر مجبور تھے)۔ میں بچوں میں سے اور میری والدہ عورتوں میں سے تھیں۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے غزوات اور رسول اللہ ﷺ کے سوانحِ حیات کے ضمن میں جو کچھ روایت کیا ہے، وہ انھوں نے، انتہائی رغبت اور شوق سے، بزرگ صحابہ سے اخذ کیا تھا۔ وہ اپنے شغف کے حوالے سے خود فرماتے ہیں:

''جب رسول اللہ ﷺ وفات پا گئے تو میں نے ایک انصاری سے کہا: آؤ اللہ کے رسول ﷺ کے صحابہ سے (آپ ﷺ کے اقوال و احوال کے بارے میں) پوچھیں، آج ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ وہ کہنے لگے: فرزندِ عباس! تمھارا حال عجیب ہے! تم سمجھتے ہو کہ لوگوں کو تمھاری ضرورت ہے جبکہ لوگوں میں اللہ کے رسول ﷺ کے وہ سب صحابہ موجود ہیں جنھیں تم دیکھ رہے ہو؟ چنانچہ میں نے انھیں نظر انداز کر دیا اور حصولِ علم میں لگ گیا۔ جب مجھے کسی شخص کی روایت کردہ حدیث کا پتہ چلتا تو میں اس کے ہاں حاضری دیتا۔ اگر وہ دوپہر کی نیند میں ہوتا، میں کمر اور گھٹنوں کے گرد چادر باندھ کر اس کے سہارے بیٹھ جاتا اور ہوا مجھ پر گرد پھینکتی رہتی۔ وہ باہر آتا، مجھے دیکھتا اور کہتا: اے رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد! آپ کس غرض سے آئے ہیں؟ آپ مجھے پیغام بھیجتے تو میں آپ کے ہاں چلا آتا۔ میں کہتا: نہیں، میں زیادہ حق رکھتا ہوں کہ میں آپ کے پاس آؤں۔ پس میں ان سے (رسول اللہ ﷺ کی) حدیث کے بارے میں سوال کرتا۔ وہ انصاری (جنھیں میں نے حصولِ علم میں اپنا ساتھ دینے کو کہا تھا) زندہ رہے حتی کہ (ایک وقت آیا جب)

[1] النسآء 4:98. [2] صحيح البخاري: 1357 و 4597، تفسير الطبري، النسآء 4:98.

انھوں نے دیکھا کہ میرے اردگرد لوگوں (طالبانِ حدیث) کا مجمع لگا ہوا ہے اور وہ مجھ سے سوال کر رہے ہیں۔ اس وقت انھوں نے کہا: یہ جوان مجھ سے زیادہ عقل مند نکلا۔'' [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کی نوجوان نسل اور پھر ان کے شاگرد جس علم کے طلبگار تھے اور جسے وہ آگے روایت کرتے تھے، وہ رسول اللہ ﷺ کی باتیں اور آپ ہی کے اقوال و احوال تھے۔ سیرت اور اس سے متعلقہ معلومات ابتدا ہی سے علم کا انتہائی اہم حصہ تھیں اور عہد بعہد ان کی اہمیت میں اضافہ ہوتا رہا۔

معروف تابعی، عکرمہ رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ''ابن عباس رضی اللہ عنہما علم کا سمندر تھے، کوئی (علمی) معاملہ ان کے لیے مشقت کا باعث نہ ہوتا تھا۔'' [2]

ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ خود رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں دعا کی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! عَلِّمْهُ الْكِتَابَ»

''اے اللہ! اسے قرآن مجید کا علم عطا کر دے۔'' [3]

اور «اَللّٰهُمَّ! عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ»

''اے اللہ! اسے حکمت سکھا دے۔'' [4]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے جن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے اخذ کیا، ان میں حضرات عمر، علی، معاذ، عباس بن عبدالمطلب، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوسفیان صخر بن حرب، ابوذر، ابی بن کعب اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے علاوہ بھی بہت سے صحابۂ کرام شامل ہیں۔ آگے جلیل القدر تابعین کی بہت بڑی جماعت ان کی شاگرد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زندگی میں لوگ ان کی مرویات لکھ لیتے تھے اور دوسرے ان سے نقل کرتے تھے۔ یہ بھی ہوتا کہ بعض ناقلین بعد ازاں موقع تلاش کر کے ان لکھی ہوئی احادیث کی توثیق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کروا لیتے۔

جب ابن عباس رضی اللہ عنہما نابینا ہو گئے تو ان کے پاس طائف کے اصحابِ علم حاضر ہوئے۔ وہ ان کی روایات لکھی ہوئی صورت میں اپنے ساتھ لائے اور براہِ راست آپ سے ان احادیث کے سماع کا مطالبہ کیا۔ آپ نے احادیث بیان کرنی شروع کیں تو ان کی ترتیب لکھی ہوئی کتابوں سے مختلف تھی، ان کے لیے آپ کو اپنی سنائی ہوئی احادیث

---

[1] الطبقات لابن سعد: 368,367/2، المستدرك للحاكم: 107,106/1، امام ذہبی نے اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ [2] سير أعلام النبلاء: 354/3. [3] صحيح البخاري: 75. [4] صحيح البخاري: 3756.

مقدم اور مؤخر کرنا پڑ رہی تھیں۔ آپ نے یہ حال دیکھا تو فرمایا: میں اپنی اس مصیبت سے حیران و پریشان ہو گیا ہوں۔ جس کے پاس میرا علم (میری بیان کردہ احادیث کا ذخیرہ) ہے، وہ خود پڑھے۔ میرا اقرار اس کے لیے اس بات کے مترادف ہو گا کہ میں نے اسے حدیث سنائی ہے۔ حاضر ہونے والوں نے اس کے مطابق آپ کے سامنے قراءت کی۔ [1]

حضرت براء بن عازب انصاری رضی اللہ عنہما بھی ایک نوعمر صحابی تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ہمجولی تھے۔ دونوں کو کم سنی کی بنا پر جنگِ بدر میں شمولیت کی اجازت نہ ملی تھی۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شامل نہ ہو سکے لیکن شرکاء سے ان کی حاصل کردہ تفصیلات اور اس جنگ کے حیران کر دینے والے امور کی طرف ان کی توجہ ان کی علمی جستجو کی دلیل ہے۔ بدر کے حوالے سے امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کی روایات اپنی صحیح میں شامل کیں۔ غزوۂ احد میں وہ شامل ہوئے اور اس کے متعدد وقائع بیان کیے جو صحیح بخاری میں مروی ہیں۔ اسی طرح عمرۃ القضاء کے سفر اور مناسکِ حج کی تفصیلات بخاری اور مسلم دونوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کے حوالے سے روایت کی ہیں۔ ان روایات میں ضمناً معاہدۂ حدیبیہ کی بہت سی تفصیلات بھی آ گئی ہیں۔ اسی طرح بخاری، مسلم، ترمذی اور ابو داود رحمہم اللہ نے ابو اسحاق السبیعی کے واسطے سے غزوۂ حنین کی کئی تفصیلات حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یمن کے مختلف علاقوں میں حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہما کی جنگی مہمات کے حوالے سے بھی بعض واقعات براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی وساطت سے روایت کیے ہیں۔ [2]

مجموعی طور پر حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما پندرہ غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ [3] اور ان کی تفصیلات بیان کیں۔ ان کی کل روایات کی تعداد پانچ سو تین ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خیبر کے موقع پر حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔ [4] دوسرے صحابہ کے ساتھ ساتھ انھوں نے بھی خیبر اور بعد کے غزوات کے حالات بیان کیے۔ انھوں نے پہلے کی بعض جنگوں کے واقعات بھی تفصیل سے بیان کیے، مثلاً: انھوں نے جنگِ رجیع کا واقعہ اور اس کے دوران میں عاصم بن عمر بن خطاب کے نانا حضرت عاصم بن ثابت انصاری کی شہادت اور حضرت خبیب اور حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کی گرفتاری، پھر حضرت خبیب کی شہادت کے واقعات تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ [5] ان کے دل میں علم کی جستجو اور اس کے حصول کی خواہش اس قدر تھی کہ انھوں نے پہلے ایمان لانے والے صحابہ سے ان واقعات کی تفصیلات جمع کیں اور انھیں پوری ذمہ داری سے آگے

[1] سیر أعلام النبلاء: 355,354/3. [2] جامع الترمذي: 1704. [3] مسند أبي داود الطیالسي: 92/2، الطبقات لابن سعد: 368/4، اس کی سند صحیح ہے۔ [4] الاستیعاب لابن عبدالبر، ص: 852. [5] صحیح البخاري: 4086، سنن أبي داود: 2660.

روایت کیا۔ ان حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ صحابہ بلکہ خود عہدِ نبوی میں نوجوانوں کے ہاں مغازی اور سِیَر کے واقعات کی تفصیلات جاننے، جمع کرنے، حفظ کرنے اور انھیں آگے بیان کرنے کا شوق کتنا فراواں تھا۔

سیرت نبوی پر اولین صحیفے

انتہائی نوعمر صحابہ میں، جنھیں دیگر احادیث کے ساتھ مغازی اور سِیَر کی روایات سے خصوصی شغف تھا، حضرت سہل بن ابی حثمہ (ولادت 3 ہجری) اور حضرت سعید بن سعد بن عبادہ خزرجی رضی اللہ عنہم نمایاں ہیں۔ ان دونوں نے مغازی اور سیر میں لکھے ہوئے صحیفے بھی چھوڑے جن سے بعد کے مصنفین امام احمد، طبری، بلاذری رحمہم اللہ وغیرہ نے استفادہ کیا۔

تابعین اور سِیَر و مغازی کی تعلیم و تالیف

عہدِ نبوی کے بعد کم عمر صحابہ کے ساتھ ساتھ تابعین نے بھی اس جستجو کو آگے بڑھایا۔ انھوں نے حدیث و سنن کے علاوہ مغازی میں بھی صحابہ کرام کی مرویات کو خود قلمبند کیا۔ یہ لوگ حفظ کے ساتھ کتابت سے بھی کام لیتے تھے، اس لیے انتہائی معتبر تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فتحِ مکہ کے سفر کی تفصیلات حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی روایت سے پیش کی ہیں۔[1] حضرت عروہ رحمہ اللہ 23 ہجری میں پیدا ہوئے۔[2]

امام مسلم نے فتح مکہ کی بعض تفصیلات عبداللہ بن رباح رحمہ اللہ کی روایت سے بیان کیں جو انھوں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حاصل کی تھیں۔[3]

- سعید بن مسیّب مخزومی رحمہ اللہ (م 94ھ) معروف تابعی، محدث اور فقیہ تھے۔ انھوں نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ اور فتوحات کے بارے میں تحریری سرمایہ چھوڑا۔ اس کا بیشتر حصہ، بعد ازاں امام طبری نے اپنی تاریخ میں شامل کیا۔
- ابان بن عثمان بن عفان رحمہ اللہ (م 101ھ) سے امام مالک نے غزوات کے حوالے سے روایات لیں۔ ان کی روایات کتب حدیث کے علاوہ طبقات ابن سعد، تاریخ طبری اور تاریخ یعقوبی میں محفوظ ہیں۔
- ابو فضالہ عبداللہ بن کعب بن مالک رحمہ اللہ (م 97ھ) سے اصحابِ مغازی میں سے ابن اسحاق اور طبری نے استفادہ کیا۔
- عامر بن شراحیل شعبی (م 103ھ) سے ابو اسحاق سبیعی، سعید بن مسروق ثوری، اعمش، قتادہ اور مجالد بن سعید رحمہم اللہ کے علاوہ ایک خلقت نے روایات بیان کیں۔

[1] صحيح البخاري: 4280. [2] سير أعلام النبلاء: 422/4. [3] صحيح مسلم: 1780.

- قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کی بیان کردہ روایات محدثین کی کتابوں کے علاوہ طبری، بلاذری، واقدی ﷭ وغیرہ مؤرخین کی تالیفات میں محفوظ ہیں۔
- وہب بن منبہ ﷫ (م 144ھ) کے صحیفۂ حدیث، جو ڈاکٹر حمید اللہ نے استنبول میں دریافت کیا، کے علاوہ ان کی مغازی کا بھی ایک حصہ جرمنی کے شہر ہائڈل برگ میں محفوظ ہے۔ ان کی روایات ابن اسحاق، ابن قتیبہ، مسعودی، مقدسی اور طبری وغیرہم کی تالیفات میں محفوظ ہیں۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز تک فن مغازی و سیر اہلِ علم تابعین کے ہاتھوں نکھر کر اور زیادہ مرتب صورت میں سامنے آیا اور آئندہ نسل کی تعلیم و تربیت کا حصہ بنا۔ وہب بن منبہ ﷫ کی طرح اس دور میں اور بہت سے تابعین تھے جو عمر میں ان سے کم تھے، انھوں نے احادیث و سنن کے ساتھ مغازی اور سیر میں بھی تخصص حاصل کیا۔ ان تابعین نے اس موضوع پر مختلف صحابہ اور بزرگ تابعین کی روایات جمع کر کے مرتب کیں۔ ان میں سے اکثر نے اس فن میں مستقل کتابیں بھی تالیف کیں۔

- تابعین کے اس طبقے میں عاصم بن عمر بن قتادہ ﷫ بہت اہم ہیں۔ عاصم معروف صحابی حضرت قتادہ بن نعمان ﷜ کے پوتے تھے۔ ان کی دادی حضرت رُمیثہ، جن سے انھوں نے روایات حاصل کیں، صحابیہ تھیں ﷞۔ اپنی دادی کے علاوہ انھوں نے حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت انس بن مالک ﷡ سے، جو غزوات میں خصوصی شغف رکھتے تھے، روایات جمع کیں۔ بکر بن اشج، ابن عجلان اور ابن اسحاق ﷭ جیسے لوگ ان کے شاگرد تھے۔ ابن اسحاق نے یہود کے ایمان لانے کا واقعہ اپنی کتاب میں انھی سے نقل کیا ہے۔ غزوات میں ان کی مہارت کی وجہ سے حضرت عمر بن عبدالعزیز ﷫ نے ان کو جامع مسجد دمشق میں مغازی اور مناقب کے درس کے لیے مامور کیا۔
- اس دور کی ایک اور بڑی شخصیت امام محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبداللہ بن شہاب زہری قرشی ﷫ ہیں۔ وہ 50ھ میں پیدا ہوئے اور 124ھ میں وفات پائی۔ امام زہری نے حضرات ابن عمر، سہل بن سعد، انس بن مالک، سائب بن یزید، عبداللہ بن ثعلبہ بن صُعَیر اور محمود بن ربیع ﷡ سے علم حاصل کیا۔ انھوں نے بزرگ تابعی سعید بن مسیّب ﷫ کے ساتھ بھی آٹھ سال گزارے۔ بہت سے دوسرے تابعین سے بھی روایات حاصل کیں جن میں زیادہ تر صحابہ کی اولاد ہیں، مثلاً: علی بن حسین، عروہ بن زبیر، سالم بن عبداللہ بن عمر، محمد بن جبیر بن مطعم، محمد بن نعمان بن بشیر، ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف، عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ، قاسم بن محمد، عامر بن سعد، خارجہ

بن زید بن ثابت، عبید اللہ بن کعب بن مالک اور ابان بن عثمان رحمہم اللہ۔

امام زہری نے سنن اور مغازی و سیر کی روایات اپنے اجل اساتذہ سے بہت کاوش کے ساتھ جمع کیں اور ان کا خوب اچھی طرح احاطہ کیا۔ مؤرخین کہتے ہیں: وہ مدینہ منورہ کے ایک ایک انصاری کے گھر جاتے۔ جوان، بوڑھے، عورت، مرد ہر ایک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور احوال دریافت کرتے یہاں تک کہ پردہ نشیں خواتین سے بھی پوچھتے۔[1] یہی سبب ہے کہ ان کے اساتذہ میں صحابہ کی ایک بڑی تعداد شامل ہے۔

امام زہری سے روایت کرنے والوں میں بھی اجل تابعین کے نام آتے ہیں، مثلاً: عطاء بن ابی رباح (وہ عمر میں امام زہری سے بڑے تھے)، عمر بن عبدالعزیز (زہری سے بہت سال پہلے فوت ہوئے)، عمرو بن دینار، عمرو بن شعیب، زید بن اسلم، منصور بن معتمر رحمہم اللہ۔ ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے ائمۂ حدیث، مثلاً: معمر بن راشد، اوزاعی، شعیب بن ابی حمزہ، سفیان بن عیینہ، مالک بن انس، لیث بن سعد رحمہم اللہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

فن مغازی اور سیر کے امام موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق رحمہما اللہ بھی امام زہری کے فیض یافتہ تھے۔ ان کے علاوہ یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار اور عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز، جو قدیم اہل علم کے ہاں اصحابِ مغازی کہلاتے ہیں، انھی کے شاگرد تھے۔ ان سب نے مغازی میں مفصل اور وقیع تحریری سرمایہ چھوڑا۔

امام زہری کے معاصرین میں ابو اسحاق سبیعی (م 127ھ)، یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ مدنی (م 128ھ)، ابو روح یزید بن رومان اسدی مدنی (130ھ) اور ابوالاسود محمد بن عبدالرحمٰن مدنی (م 131ھ یا 137ھ) شامل ہیں۔ مؤخر الذکر کی تحریروں سے اصحابِ کتبِ ستہ کے علاوہ ابن سعد، طبری، بلاذری، ابن حجر، ابن کثیر، ابن قیم اور ابن سید الناس رحمہم اللہ نے خوب استفادہ کیا۔ حافظ ابن حجر نے مغازی اور سیر میں ان کی کتاب سے 48 روایات اپنی کتاب الإصابة میں نقل کیں۔

- مغازی اور سِیَر کے حوالے سے اس دور کی ایک اور بہت بڑی شخصیت موسیٰ بن عقبہ (م 140 یا 141ھ) ہیں۔ وہ خاندانِ زبیر کے غلام تھے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تھا۔ حدیث میں حضرت امام مالک کے استاد تھے۔ امام مالک مغازی اور سیر میں ان کی مہارت کے معترف تھے اور لوگوں کو انھی سے یہ فن سیکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔ ان کی روایات کتبِ ستہ کے علاوہ ابنِ کثیر اور ابنِ حجر وغیرہ کی تصنیفات میں محفوظ ہیں۔ ایڈورڈ سخاؤ نے 1904ء میں ان کی مغازی کا ایک حصہ المنتقٰی من مغازي موسٰی بن عقبة کے نام سے طبع کرایا۔ اس کا نسخہ

[1] تهذيب التهذيب: 397/9.

انھیں برلن سے ملا تھا۔

- اسی دور میں مغازی کے بہت بڑے امام اور محدثین اور مؤرخین کے استاد عبد اللہ بن ابوبکر بن حزم (م130 یا 135ھ)، داود بن حصین اموی (م135ھ) اور سلیمان بن طرخان تیمی (م143ھ) ہوئے جن کی روایات کتبِ ستہ کے علاوہ ابنِ معتمر اشبیلی اور ابنِ حجر کی تصنیفات اور سہیلی کی الروض الأنف میں محفوظ ہیں۔

انھوں نے السیرۃ الصحیحۃ کے نام سے کتاب بھی تالیف کی۔ اس کے ستتر (77) صفحات معروف مستشرق وان کریمر کی کاوش سے1856ء میں واقدی کی کتاب المغازي کے ضمیمے کے طور پر طبع ہوئے۔

فنِ سیرت کا ارتقا

ان اولین اصحابِ مغازی و سیر سے جو مرویات بعد کے مؤلفین نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیں، ان پر نظر ڈالتے ہوئے فن سیرت کا ایک اہم ارتقائی مرحلہ سامنے آتا ہے۔ پہلی صدی ہجری کے آخر اور دوسری صدی ہجری کی پہلی چوتھائی تک پہنچتے پہنچتے ''سیرت'' کے مفہوم میں خاصی وسعت آچکی تھی۔ اس وقت تک سیرت محض رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور سفروں کے تذکرے تک محدود نہ رہی تھی بلکہ اس میں آپ ﷺ کے نسب، آپ کے زمانۂ ولادت اور اس سے ماقبل کے حالات، آپ کے بچپن، جوانی اور بعثت سے پہلے کے دیگر اہم واقعات کا تذکرہ بھی شامل نظر آتا ہے۔

جب ہمارے ہاتھ میں ابن اسحاق (م151ھ) کی مغازی کا پہلا حصہ آتا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں سیرت کا آغاز نبی کریم ﷺ کے نسبِ مبارک سے کیا گیا ہے جس کی تفصیلات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے شروع ہوتی ہیں، پھر اس میں یمن، وہاں کے قبائل اور بادشاہوں کے حالات ہیں۔ اس کے بعد عمرو بن لحی کے ذریعے سے بت پرستی کے رواج، بنوجرہم کے حالات اور ان کے ہاتھوں زم زم کے بند ہونے، پھر جناب عبدالمطلب کے ہاتھوں اس کی بازیافت، آپ ﷺ کی ننھیال کے حالات اور آپ کی ولادت، تبع حمیری کا واقعہ اور پھر اصحابِ فیل کے حملے اور اس کے حوالے سے اشعار کا ذکر ہے۔ اس کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی شادی کے واقعے اور احبار و رہبان، خصوصاً یہود کی طرف سے آخری نبی کی بعثت کے انتظار کا بھی تذکرہ ہے۔ اسی ضمن میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد کعبہ کی تعمیرِ جدید، بعثت سے قبل ورقہ بن نوفل کی عیسائیت، غار حراء میں نبی ﷺ کی خلوت، نزولِ وحی کی ابتدا، لیلۃ القدر کی تحدید، انقطاع وحی، السابقون الاولون کے ناموں، مشرکین کی طرف سے ایذا، نبی ﷺ کے

اقتصادی بائیکاٹ، ہجرتِ حبشہ، رسول اللہ ﷺ کی دعوت، جناب ابوطالب اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات، آپ ﷺ کی صاحبزادیوں کی شادیوں اور آپ کی اپنی تمام شادیوں کا تذکرہ یکجا ہے۔

اس کے بعد استہزا کرنے والے دشمنوں کا بیان ہے، پھر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی نشانیاں مذکور ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اہلِ یمن میں سے ام شریک دوسیہ اور ابوہریرہ دوسی، پھر عدی بن حاتم اور جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم کے ایمان لانے کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ یہ واقعات ترتیبِ زمانی کے اعتبار سے بہت بعد کے ہیں لیکن اہلِ یمن کے تذکرے کے ساتھ یکجا کر دیے گئے ہیں۔ ان کے بعد بیت المقدس تک آپ کے اسراء (رات کے ایک حصے میں مکہ مکرمہ سے بیت المقدس تک کے سفر) کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی آپ کے غزوات کے حالات شروع ہوجاتے ہیں۔ ابنِ اسحاق کی سیرت کا جو حصہ دستیاب ہوا ہے، وہ جنگِ احد کے واقعات پر ختم ہوجاتا ہے۔

- ابنِ اسحاق کے اساتذہ میں سے ایک اہم استاد مشہور صاحب مغازی عبدالملک بن محمد بن عمرو بن حزم مدنی ہیں۔ وہ ابنِ اسحاق کے بعد 176 یا 177ھ میں فوت ہوئے۔ ابنِ اسحاق کے معاصرین میں سے مشہور اور اہم معاصر معمر بن راشد (م 150 یا 153ھ) ہیں۔ ان کی کتابوں سے معروف ترین محدثین کے علاوہ بلاذری، ابن سعد اور طبری جیسے مؤرخین نے خوب استفادہ کیا۔ ان کی مغازی کا مکمل نسخہ شکاگو میں موجود ہے جسے نبیہہ عبود نے اضافہ کرکے شائع کیا ہے۔ ان کی کتاب کے ایک حصے کے نسخے استنبول، رباط اور دمشق میں بھی موجود ہیں۔
- ابنِ اسحاق کے دیگر معاصرین میں ابومحمد عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز حنیفی (م 162ھ)، محمد بن صالح بن دینار (م 168ھ)، عبداللہ بن جعفر مخرمی (م 170ھ) اور ابومعشر سندی (م 170ھ) ہیں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ بلند مرتبہ ماہرینِ سیرت سمجھے جاتے ہیں۔
- ابنِ اسحاق کے شاگردوں میں زیاد بن عبداللہ بکائی (م 183ھ)، سلمہ بن فضل ابرش انصاری (م 191ھ)، یونس بن بکیر شیبانی (م 199ھ) اور ابوالعباس وہب بن جریر بن حازم ازدی (م 206ھ) زیادہ معروف ہیں۔ انھی چاروں نے ابنِ اسحاق کی سیرت کو روایت کیا۔ بکائی سے استفادہ کرنے والوں میں امام احمد، احمد بن عَبْدَۃ ضبّی، ابوغسان نہدی، اسماعیل بن توبہ اور عمر بن زُرارہ جیسے محدثین اور ابنِ ہشام جیسے امامِ مغازی و سیر شامل ہیں۔ دوسری صدی ہجری سیرت نویسی کے عروج کی صدی ہے۔
- اس صدی کے دیگر ممتاز سیرت نگار، ابواسحاق ابراہیم بن محمد فزاری (م 186ھ)، یحییٰ بن سعید اموی (م 194ھ) اور ولید بن مسلم دمشقی (م 195 یا 196ھ) ہیں۔ ان تینوں نے سیرت پر مستقل کتابیں تصنیف کیں جو بعد کے مؤرخین اور اصحابِ سیر کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔

مجروح سیرت نگار

اس دور میں بہت سے ایسے لوگوں نے بھی سیرت پر کتابیں لکھیں جو علمائے جرح وتعدیل کے نزدیک انتہائی ضعیف ہیں، مثلاً:

- علی بن مجاہد بن مسلم قاضی کابلی (م 182ھ)۔ یہ متروک ہیں، البتہ امام ترمذی نے ان کی صرف وہ روایات قابلِ اعتماد شمار کی ہیں جو انھوں نے ثعلبہ کے حوالے سے بیان کی ہیں۔
- انھی میں معروف مؤرخ اور سیرت نگار محمد بن عمر واقدی (م 207ھ) ہیں۔ وہ بھی محدثین کے نزدیک متروک ہیں۔ بعض ائمہ جرح وتعدیل نے تو انھیں واضع اور کذّاب قرار دیا ہے۔
- واقدی کے ہم عصر ہیثم بن عدی بن عبد الرحمٰن ثعلبی (م 207ھ) کا شمار بھی انھی کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان کی مرویات طبری، بلاذری، ابنِ قتیبہ اور مسعودی کی مؤلفات میں ملتی ہیں لیکن ائمۂ جرح وتعدیل نے انھیں بھی کذّاب اور متروک قرار دیا ہے۔

سِیَر و مغازی کی تہذیب و ترتیب

- دوسری صدی ہجری کے اواخر اور تیسری صدی ہجری کے آغاز سے فنِ سیرت کا ایک اور اہم مرحلہ شروع ہوا جسے تنقیح، تہذیب اور ترتیب کا مرحلہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس کا آغاز معروف سیرت نگار عبد الملک بن ہشام بن ایوب حمیری (م 213 یا 218ھ) کے کام سے ہوتا ہے۔ انھوں نے ابنِ اسحاق کی سیرت کی عمدہ تہذیب و ترتیب کی اور اس میں وقیع اضافے کیے۔ اس کام کی وجہ سے ان کی کتاب السیرة النبویة لابن هشام کے مستقل نام سے مشہور ہوئی۔
- محمد بن سعد کاتبِ واقدی (م 230ھ) نے آٹھ جلدوں میں الطبقات مرتب کی۔ اس کی پہلی دو جلدیں سیرتِ رسول اللہ ﷺ پر ہیں۔ ان کا شمار محدثین میں ہوتا ہے۔ ائمہ جرح وتعدیل کے نزدیک ان کے استاد واقدی اگرچہ ناقابلِ اعتبار ہیں لیکن ابنِ سعد خود قابلِ اعتماد ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب میں واقدی کی روایات نقل کی ہیں لیکن چونکہ وہ ہر روایت کی سند ذکر کرتے ہیں، اس لیے نہ صرف واقدی کی روایات الگ ہوسکتی ہیں بلکہ ہر روایت کی صحت وضعف کا بھی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ اسناد ذکر کرنے کے علاوہ ابنِ سعد روایات کے انتخاب میں محتاط بھی ہیں۔

اس دور کی بعض کتبِ تاریخ وسیرت ایسی بھی ہیں جن کے مصنفین نے اسانید سرے سے ذکر ہی نہیں کیں۔ ان

میں ابن حبیب بغدادی (م245ھ) کی کتاب المحبَّر ہے۔ اس میں سیرت کے حوالے سے ایسی معلومات موجود ہیں جو دوسری کتب میں نہیں ملتیں۔ لیکن ان معلومات کی توثیق ایک مشکل کام ہے۔

- احمد بن جعفر بن وہب (م292ھ) کی تاریخ الیعقوبي اور اگلی صدی کے وسط میں وفات پانے والے ابوالحسن علی بن حسین مسعودی کی کتاب مروج الذهب و معادن الجوهر بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتی ہیں۔

فنِ سیرت اور محدثین

اس دور میں عام مؤرخین کے علاوہ بہت سے معروف محدثین نے بھی سیرت پر مستقل کتابیں تالیف کیں۔ یہ کتابیں خود تو ناپید ہیں لیکن ان کی معلومات بعد میں آنے والے مصنفین کی کتابوں میں محفوظ ہوگئی ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل نمایاں ہیں:

- سعید بن مغیرہ مصیصی (م220ھ)۔ ان کی مرویات سنن نسائی میں مذکور ہیں۔
- احمد بن محمد وَرّاق (م228ھ)۔ ان کی روایات سنن ابی داود، مسند ابی یعلیٰ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں نقل کی گئی ہیں۔
- محمد بن عائذ قرشی (م234ھ)۔ ابوداود اور نسائی نے ان کی روایات نقل کیں۔
- عبد اللہ بن محمد بن علی بن نفیل حرانی (م234ھ) نے بھی مغازی پر کتاب لکھی۔ ابوداود نے ان سے بہت سی روایات لیں۔ امام مسلم کے علاوہ دیگر محدثین نے ذُہلی کے واسطے سے ان کی روایات اپنی کتابوں میں شامل کیں۔
- امام حدیث ابوبکر ابن ابی شیبہ (م235ھ)۔ ان کی مرویات صحیحین کے علاوہ سنن ابی داود اور سنن نسائی میں بھی محفوظ ہیں۔ اپنے معروف مجموعۂ حدیث المصنف کے علاوہ انھوں نے أوائل الإسلام کے نام سے ایک کتاب مرتب کی تھی جس کا نسخہ برلن میں موجود ہے۔ ان کی کتاب المغازي بھی مطبوع ہے۔
- اس دور کی اہم کتابوں میں خلیفہ بن خیاط عصفری (م240ھ تقریباً) کی التاریخ ہے جس کی پہلی جلد سیرت پر مشتمل ہے۔ وہ شائع ہوچکی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے سنین کی ترتیب سے تالیف کی۔ ابتدا ہجری تاریخ کے آغاز سے کی گئی ہے، پھر سیرت پر ایک مختصر فصل ہے۔ انھوں نے بکر بن سلمان اور وہب بن جریر کی روایت کردہ سیرت ابنِ اسحاق پر اعتماد کیا ہے اور اسانید کا اہتمام کرتے ہوئے مختصر انداز میں صحیح اور قابلِ اعتماد روایات کی بنیاد پر سیرت کا خاکہ پیش کیا ہے۔ خلیفہ بن خیاط امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں۔
- ہشام بن عمار (م245ھ)۔ امام بخاری اور امام نسائی نے ان سے روایات لیں۔

- سعید بن یحییٰ بن سعید اموی (م249ھ) ثقہ اور محدث تھے۔ انھوں نے بھی مغازی پر ایک وقیع تصنیف چھوڑی تھی۔ [1]
- زبیر بن بکار (م256ھ) نے سیرت کے علاوہ ازواج النبی کے احوال پر بھی کتاب لکھی جو سیرت کا ایک اہم باب ہے۔
- احمد بن حارث خزّاز (م258ھ) انتہائی ثقہ محدث تھے۔ انھوں نے ایک وقیع کتاب مغازي النبيّ و سراياه وأزواجه چھوڑی۔
- عبدالملک بن محمد رقاشی بصری (م276ھ) نے مغازی پر مستقل کتاب تالیف کی۔ ابنِ ماجہ اور ابنِ خزیمہ وغیرہ نے ان سے روایات لیں۔
- ابوبکر احمد بن ابی خیثمہ زہیر بن حرب (م279ھ) نے التاریخ الکبیر کے نام سے ایک اہم کتاب تالیف کی۔ [2] اس میں انھوں نے سنین کی ترتیب سے مختصر سیرت بھی شامل کی۔ یہ طبری، ذہبی اور خطیب بغدادی کے مراجع میں سے ہے۔
- ابراہیم بن اسماعیل عنبری طوسی (م290ھ) نے بھی المغازي کے نام سے کتاب تالیف کی۔
- امام ابوزرعہ عبدالرحمٰن بن عمرو بن عبداللہ بن صفوان نصری دمشقی (م281ھ)۔ حدیث میں المصنّف کے علاوہ تاریخ میں بھی انھوں نے ایک اہم کتاب تالیف کی جس میں سیرتِ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ سیرۃ الخلفاء بھی شامل تھی۔ یہ کتاب تاریخ أبي زرعة الدمشقي کے نام سے مطبوع اور متداول ہے۔
- اسی دور میں سیرتِ طیبہ پر ایک اہم کتاب امام ابواسحاق ابراہیم بن اسحاق حربی (م 285ھ) نے تالیف کی۔ انھیں علم، زہد اور ورع میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے مثل قرار دیا جاتا تھا۔
- تیسری صدی کے ایک اور معروف مصنف ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری (م276ھ) نے محدثین ہی کے انداز میں کئی کتابیں تالیف کیں۔ ان میں سے دو کتابوں المعارف اور عیون الأخبار کا ذکر سیرت کے مآخذ میں کیا جاتا ہے۔ کتاب الإمامة والسیاسة کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کی تصنیف ہے یا کسی اور کی۔ خطیب بغدادی نے ان کے بارے میں لکھا ہے: كَانَ ثِقَةً دَيِّنًا فَاضِلًا [3] ان کے برعکس بیہقی اور حاکم نے ان پر جرح کی ہے۔ حافظ ذہبی نے بعض حضرات کی جرح سے ان کا دفاع بھی کیا ہے۔

---

[1] سیر أعلام النبلاء: 139/9، تهذيب التهذيب: 86/4. [2] تاريخ بغداد: 4/162-164، غاية النهاية في طبقات القراء، ص: 23، لسان الميزان: 277/1. [3] تاريخ بغداد: 170/10.

امام یعقوب بن سفیان فارسی فسوی (م 277ھ) کی کتاب ''المعرفة والتاريخ'' کا حصہ السيرة النبوية پر تھا۔ یہ حصہ اب مفقود ہے، البتہ کتاب کی تیسری جلد میں مختلف کتب سے اس کے مقتبسات اکٹھے کر کے جمع کر دیے گئے ہیں۔

فنِ سیرت اور مؤرخین

- اس دور کے ایک اور مؤلف جن کی کتابوں کو سیرت کے مآخذ میں شمار کیا جاتا ہے، احمد بن یحییٰ بلاذری (م 279ھ) ہیں۔ انھوں نے اپنی کتاب أنساب الأشراف میں نسب کے حوالے سے تاریخ بیان کی ہے۔ ان کی دوسری کتاب فتوح البلدان کا ایک امتیاز یہ ہے کہ اس میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے معاہدات اور امان نامے نقل کیے ہیں۔ انھوں نے محدثین کے طریق کے مطابق اسانید کا اہتمام کیا ہے جن میں سے بڑی تعداد صحیح اسانید کی ہے۔ لیکن خود ان کو علمائے جرح و تعدیل نے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔
- تیسری صدی کے آخر میں سیرت کے حوالے سے ایک اہم اور مفصل کتاب سامنے آئی ہے۔ وہ معروف محدث، مفسر اور مؤرخ محمد بن جریر طبری (م 310ھ) کی تاريخ الأمم والملوك ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ سیرتِ رسول اللہ ﷺ پر مشتمل ہے۔ انھوں نے محدثین کے اسلوب کے مطابق اسانید کا پورا اہتمام کیا ہے۔ ان کا اصل مقصود تمام روایات کو جمع کرنا تھا، وہ صحیح ہوں یا ضعیف۔ انھوں نے ان کی چھان پھٹک کا کام ان اہلِ علم پر چھوڑ دیا جو ان کی کتاب سے استفادہ کرنا چاہیں۔

محدثین نے سیرتِ رسول ﷺ پر جو کتابیں تالیف کیں، ان کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ دوسری کتبِ سیرت سے اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ انھوں نے اسانید کا اہتمام کیا ہے اور اس میں نقدِ روایت کے اصولوں سے کام لیتے ہوئے صحیح، حسن اور ان کے قریب المرتبہ روایات قبول کی ہیں جبکہ موضوع اور ناقابلِ قبول روایات سے احتراز کیا ہے۔

المغرب اور اندلس کے سیرت نگار

چوتھی صدی ہجری سے علم سیرت کے میدان میں محدثین ہی کے اسلوب کے مطابق المغرب اور اندلس کی بھرپور شرکت نمایاں ہوئی۔ یہ کہنا درست ہوگا کہ انھوں نے اس دور میں سیرت نگاری میں عالمِ اسلام کی نمائندگی کی۔ ان کے ہاں جمع اور تلخیص و تجزیہ دونوں رجحانات نمایاں نظر آتے ہیں۔

- المغرب میں ابو محمد عبداللہ بن ابی زید قیروانی (م 386ھ) نے کتاب الجامع في السنن والآداب والمغازي والتاريخ تصنیف کی۔
- اندلس میں امام ابن حزم اندلسی (م 456ھ) نے تلخیص و تجرید کا اسلوب اختیار کرتے ہوئے اپنے خصوصی مصادر سے جوامع السیرۃ النبویۃ مرتب کی۔

اسی زمانے میں حافظ ابن عبدالبر نمری قرطبی (م463ھ) کی الدرر في اختصار المغازي والسير سامنے آئی اور بعد کے دور میں ابوربیع سلیمان بن موسیٰ کلاعی اندلسی (م 634ھ) نے الاكتفاء بما تضمنه من مغازي رسول اللّٰه والثلاثة الخلفاء تالیف کی۔

چھٹی ساتویں صدی میں سیرت نگاری

- مشرق میں اس دور میں جو نمایاں کتابیں سامنے آئیں، ان میں عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن جعفر جوزی (م 597ھ) کی المنتظم في تاريخ الملوك و الأمم معروف ہے۔ اس کا آغاز انھوں نے زمین کی تخلیق سے کیا ہے۔ اس کے ضمن میں انھوں نے ملکوں، پہاڑوں، سمندروں، دریاؤں، زمین میں پائے جانے والے عجائبات اور جنات سمیت مختلف ادوار میں زمین پر آباد ہونے والوں کا تذکرہ کیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے اسی موقع پر جہنم کے حالات بھی بیان کیے ہیں۔ انسانوں کی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع کی ہے اور اس سارے پس منظر کو بیان کرنے کے بعد سنین کی ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر تفصیل سے لکھا ہے۔
- بعدازاں مشہور محدث ابن اثیر الجزری (م632ھ) کی الكامل في التاريخ سامنے آئی جس کا ایک حصہ سیرت کے لیے خاص ہے۔
- یحییٰ بن حُمیدہ (م630ھ) نے سیرت پر تین جلدوں میں کتاب تالیف کی جو سیرت ابن ابی طے کے نام سے مشہور ہے۔
- یہاں اس دور کے ایک بہت بڑے محدث اور مؤرخ امام ابو زکریا یحییٰ بن شرف نووی دمشقی (م676ھ) کی کتاب تهذيب الأسماء واللغات کا ذکر بھی ضروری ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس کتاب کا آغاز سرورِ کونین نبی رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نامِ نامی سے کیا ہے۔ یہ حصہ مختصر لیکن انتہائی وقیع ہے اور اس میں صحت کے التزام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور شمائل جمع کیے گئے ہیں۔ اب یہ حصہ تهذيب السيرة النبويه کے نام سے الگ طبع ہو چکا ہے۔

- ساتویں صدی ہجری کے مشہور شافعی مؤرخ علی بن محمد بن محمود کازرونی (فارسی نام ''گازرونی'' م697ھ) نے سترہ جلدوں میں ایک ضخیم تاریخ روضة الأريب کے نام سے لکھی۔ اس میں سیرت کا حصہ انتہائی مفصل ہے۔ اس کے علاوہ انھوں نے السيرة النبوية کے نام سے سیرت پر مستقل کتاب تالیف کی جو سیرتِ کازرونی کے نام سے مشہور ہے۔[1]

آٹھویں صدی میں سیرت نگاری

- حافظ عبدالمؤمن دمیاطی (م705ھ) نے المختصر في سيرة سيد البشر کے نام سے کتاب تالیف کی۔ اسے سیرت دمیاطی کے نام سے شہرت ملی۔ بعد کے مصنفین نے اس سے بہت استفادہ کیا۔
- علامہ علاء الدین علی بن محمد بن حسن خلاطی قادوس (م708ھ) کی کتاب جو سیرتِ خلاطی کے نام سے معروف ہے، اسی دور میں لکھی گئی۔[2]
- اس صدی کے مشہور ترین محدث اور مؤرخ حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی (م748ھ) نے اپنی ضخیم کتاب تاريخ الإسلام کا ایک حصہ سیرت کے مفصل تذکرے کے لیے خاص کیا۔
- اسی قبیل کی اہم ترین کتابوں میں سے حافظ ابن کثیر (م774ھ) کی انتہائی معتبر کتاب البداية والنهاية ہے جس کے ابتدائی چھ اجزاء سیرت پر مشتمل ہیں جو بعد میں علیحدہ طور پر السيرة النبوية کے نام سے بھی شائع ہوئی ہے۔

سیرت نگاری میں تنوع

محدثینِ کرام رحمہم اللہ کی تمام تر کاوشوں کا محور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہی ہے۔ انھوں نے آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ مختلف جہات اور مختلف زاویوں سے کیا۔ آپ ﷺ کے پیغام، آپ کی عبادات، آپ کے معاملات، آپ کے اخلاق اور آپ کے غزوات و سیر کے علاوہ آپ کے خصائل و عادات، فضائل و مناقب، آپ کے خانگی معاملات، کھانا پینا، پہننا، دینا، لینا اور دیگر شخصی امور محدثینِ کرام رحمہم اللہ کی خصوصی توجہ کا مرکز رہے۔

مؤرخین اور سیرت نگاروں کی توجہ بھی انھی امور کی طرف ہوتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ محدثین نے سنن کے نام سے جو کتابیں مرتب کیں، ان میں آغاز رسول اللہ ﷺ کے پیغام، عبادات اور معاملات سے ہوتا ہے۔ مختلف وجوہات کی بنا

[1] الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة: 119/3، معجم المؤلفين: 232/7. [2] الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة: 101/3.

پر ان کی تفصیلات بھی زیادہ بیان کی جاتی ہیں جبکہ سیر و مغازی اور شخصی احوال کا تذکرہ بعد میں آتا ہے۔ کتبِ سیرت نام ونسب، ولادت، پرورش، جوانی، شادی اور دوسرے شخصی امور کو پہلے بیان کرتی ہیں۔ ان امور کے ساتھ آپ کی جنگوں کے حالات کو بالخصوص زیادہ تفصیل سے بیان کرتی ہیں۔ اس بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کتبِ سنن میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ، بنیادی طور پر، بحیثیتِ رسول کیا جاتا ہے، اس لیے ترتیب میں امورِ رسالت پہلے آتے ہیں اور شخصی امور بعد میں۔ اس کے برعکس کتبِ سیرت میں مطالعے کا موضوع آپ کی شخصیت ہوتی ہے، اس لیے شخصی امور پہلے آتے ہیں۔ شخصیت ایک ہے۔ حیاتِ مبارکہ ایک ہے۔ بیان کرنے والوں کی طرف سے پیش کردہ حقائق بھی وہی ہیں۔ ترتیب الگ الگ ہے اور تفصیلات کی ترجیح بھی الگ الگ ہے۔

صحیح البخاری میں سیرت نبوی

- محدثین کے سرخیل حضرت امام بخاری رحمہ اللہ (م 256ھ) کی صحیح کا جائزہ لیں تو پہلی کتاب بدء الوحي پر ہے۔ اس کے بعد کتاب الإیمان اور کتاب العلم ہیں، پھر عبادات ہیں۔ ان سب کا تعلق رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کی عظیم ترین خصوصیت وفضیلت، یعنی رسالت سے ہے۔ کتاب الجهاد والسیر، کتاب المغازي سے الگ ہے۔ کتاب المناقب میں آپ کے شخصی فضائل، آپ کی عادات، اخلاق، احوال، مرض ووفات بیان ہوئے۔ امام بخاری نے نسب کے حوالے سے کنانہ، قریش اور بنوہاشم کی فضیلت اور عدنان تک نسابوں کا بیان کردہ نسب درست ہونے کی روایتیں پیش کی ہیں۔ جناب عبداللہ سے عدنان تک کے نام، نسابوں اور اربابِ سیرت کی کتابوں سے دستیاب ہیں۔ امام بخاری نے اپنی صحیح کی کتاب المناقب میں علامات النبوة پر مستقل باب قائم کیا۔ دوسرے مصنفین نے علاماتِ نبوت پر مستقل تالیفات سپردِ قلم کیں۔ کتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ اور کتاب مناقب الأنصار میں آپ ﷺ کے دوستوں، ساتھیوں اور آپ کے خاندان کے حالات کا تذکرہ ہے۔ کتاب الأطعمة، کتاب الذبائح والصید، کتاب الأضاحي اور کتاب الأشربة وغیرہ میں بیان کردہ تفصیلات بھی آپ ہی کی شخصیت کے گرد گھومتی ہیں۔ کتاب الدعوات اور کتاب الرقاق اپنے رب سے آپ ﷺ کی مناجاتوں اور آپ کے زہد وورع کی تفصیلات پر مشتمل ہیں۔

امام بخاری نے اپنی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے ہر پہلو کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنی کتاب کا نام بھی ایسا تجویز کیا جو اس وقت کے مروج ناموں سے بالکل مختلف اور اچھوتا ہے۔ اس نام سے واضح ہوجاتا ہے کہ ان کی کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا عکسِ جمیل ہر جہت اور ہر زاویے سے پیش کیا

گیا ہے۔ امام بخاری نے اس کا نام الجامع الصحيح المسند من حديث رسول اللهﷺ و سننه و أيامه رکھا۔ ایک اور روایت کے مطابق انھوں نے کتاب کا نام الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول اللهﷺ و سننه وأيامه رکھا۔ نام کے ذریعے سے انھوں نے واضح کیا کہ اس صحیح میں ہر حدیث سند کے ساتھ بیان ہوئی اور اس میں رسول اللہ ﷺ کے جملہ امور، آپ کا طریقِ زندگی اور آپ کی جنگوں کے احوال کا احاطہ کیا گیا ہے۔

امام مسلم اور سیرتِ رسول

■ امام مسلم بن حجاج قُشَیری رحمہ اللہ (م261ھ) نے اپنی کتاب میں دیگر شخصی امور کے علاوہ آپ ﷺ کے نسب مبارک، اخلاق و عادات، فضائل، معجزات، مکہ اور مدینہ میں آپ کے قیام، جہاد و سیر اور وفات کے بارے میں صحیح روایات جمع کی ہیں۔ صحیحین کے ابواب کے تحت وہی روایات لائی گئی ہیں جو امام بخاری اور امام مسلم کے اختیار کردہ معیار کے مطابق ہیں۔ ان کے ذریعے سے تمام تر تفصیلات سامنے نہیں آتیں، البتہ ہر موضوع کے بنیادی خدوخال واضح ہو جاتے ہیں۔ باقی ماندہ تفصیلات دیگر کتبِ حدیث، سِیَر اور تاریخ سے مہیا ہوتی ہیں۔

شمائلِ رسول اللہ ﷺ

بہت سے محدثین نے اپنی جامع کتبِ حدیث کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے شخصی احوال اور فضائل کو مستقل کتابوں میں پیش کیا ہے۔

■ امام بخاری رحمہ اللہ کے تلمیذِ خاص حضرت امام ترمذی رحمہ اللہ (م275ھ) نے اپنی سنن میں مذکورہ تمام امور کے حوالے سے احادیث پیش کیں اور اس کے ساتھ الشمائل النبوية و الخصائص المصطفوية کے نام سے ایک نفیس ترین کتاب الگ تالیف کی۔ اس میں شمائل، خصائل اور فضائل مفصل بیان ہوئے۔ اس کتاب کو امت میں ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ تقریباً ہر زمانے میں علمائے اعیان، خصوصاً اربابِ سیر نے اس سے استفادہ کیا۔ بار بار اس کی مفصل شرحیں لکھی گئیں اور وہ بھی اپنی اپنی جگہ مقبولیت کے عروج تک پہنچیں۔

رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و صفات پر امام ترمذی سے پہلے یا ان کے عہد کے دوسرے محدثین کی مختصر کتابوں کا بھی سراغ ملتا ہے، مثلاً: ابوالبختری وہب بن وہب اسدی (م200ھ) کی صفة النبي، ابوالحسن علی بن محمد مدائنی (م234ھ) کی صفة النبي اور ترمذی کے ہم عصر محدث داود بن علی اصفہانی کی صفة أخلاق النبي۔[1] یہ

[1] الفہرست لابن الندیم، ص: 272,271.

کتابیں خود محفوظ نہ رہ سکیں لیکن ان کی معلومات بعد کی جامع کتابوں کا حصہ بن گئیں۔

امام ترمذی کے بعد اور کئی محدثین نے شمائل پر کتابیں لکھیں۔ ان میں سے نمایاں مندرجہ ذیل ہیں:

- حافظ ابومحمد عبداللہ بن محمد بن جعفر بن حیان اصفہانی (م369ھ)، وہ "ابوالشیخ" کی کنیت سے معروف ہیں۔ ان کی کتاب کا نام أخلاق النبيﷺ و آدابه ہے۔
- ابوسعید عبدالملک بن محمد نیشاپوری (م406ھ) نے شرف المصطفیٰ کے نام سے، ابوالعباس جعفر بن محمد مستغفری (م433ھ) نے شمائل النبي کے نام سے اور ان کے بعد محدث کبیر، محی السنہ حسین بن مسعود بغوی (م510ھ) نے الأنوار في شمائل النبي المختار کے نام سے شمائل پر کتابیں تالیف کیں۔
- اس موضوع پر انتہائی مقبول اور اہم کتاب مشہور محدث، شارحِ صحیح مسلم قاضی عیاض یحصبی (م544ھ) کی الشّفاء بتعريف حقوق المصطفیٰ ہے۔ اس کتاب کو بھی امت میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہر دور میں اس کی شروح لکھی گئیں۔ اس میں رسولِ اکرمﷺ کے شمائل، حقوق اور آپ کی حیاتِ طیبہ کے گوناگوں پہلو بیان کیے گئے ہیں۔ تقی الدین احمد بن محمد شمنی حنفی (م832ھ)، ملا علی القاری (م1014ھ) اور شہاب خفاجی (م1096ھ) جیسے لوگ اس کتاب کے شارحین میں شامل ہیں۔[1]
- چھٹی صدی ہجری میں ہی اندلس کے ابن مقری غرناطی (م552ھ) نے الشمائل بالنور الساطع الكامل قلم بند کی۔
- اس حوالے سے اندلس ہی سے تعلق رکھنے والا ایک بہت بڑا نام الحافظ الامام ابوالفتح محمد بن سید الناس الیعمری (م734ھ) کا ہے۔ ان کی کتاب عيون الأثر في فنون المغازي والشمائل والسير ایک جامع اور مقبول کتاب ہے۔ علمائے امت، سیرت نگاروں اور مؤرخوں نے اس سے خوب استفادہ کیا۔ حافظ محمد بن سید الناس علمِ حدیث کے ائمہ میں سے ہیں۔ وہ اپنی کتاب میں محدثین کے منہج کے عین مطابق واقعاتِ سیرت کے حوالے سے تمام معروف روایات ذکر کرتے ہوئے ان کا تنقیدی جائزہ لیتے ہیں۔ دلائل کی روشنی میں جو روایات راجح ہیں، ان کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس اعتبار سے عيون الأثر سیرت کی انتہائی وقیع کتاب ہے۔ چونکہ یہ عرصہ تک نسبتاً کمیاب رہی، اس لیے متاخرین میں سے بہت سے لوگوں نے ان کی کتاب میں ذکر کی گئی مرجوح روایات کو مفید مطلب پاتے ہوئے ان کے حوالے دیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض اوقات، عام قارئین میں یہ تأثر پیدا ہوتا ہے کہ اس کتاب میں بھی ہر قسم کی روایات جمع کی گئی ہیں، حالانکہ حافظ ابن سید الناس نے صحیح روایات

[1] شرح الشفا للملاعلي القاري: 3/1.

کو ترجیح دینے ہی کی غرض سے دونوں قسم کی روایات کا احاطہ کیا ہے۔

- ان کے بعد شمائل کی کتابوں میں ابن کثیر (م774ھ) کی شمائل الرسول امتیازی مقام رکھتی ہے۔
- مجد الدین فیروز آبادی (م817ھ) کی سفر السعادة کا شمار بھی شمائل کی بہت مقبول کتابوں میں ہوتا ہے لیکن افسوس اس میں روایات کی صحت کا التزام نہیں کیا گیا۔

دلائل النبوة اور اعلام النبوة

شمائل کی طرح سیرت کے حوالے سے ایک اور اہم موضوع رسول اللہ ﷺ کے معجزات اور آپ کی نبوت کے دلائل کا ہے۔ محدثین کبار نے اپنی کتابوں میں اس موضوع پر مختلف عنوانات کے تحت روایات پیش کی ہیں۔

- دستیاب معلومات کے مطابق جس نے سب سے پہلے دلائل کو مستقل کتاب کا موضوع بنایا، وہ اپنے عہد کے ایک بہت بڑے محدث محمد بن یوسف فریابی (م212ھ) ہیں۔ اس موضوع پر سب سے پہلے مستقل کتاب تالیف کرنے کی فضیلت انھی کے نام منسوب کی جاتی ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب کا نام دلائل النبوة تجویز کیا۔
- ان کے بعد اس موضوع پر علی بن محمد مدائنی (م234ھ) کی کتاب آیات النبي کے نام سے اور داود بن علی الاصفہانی (م280ھ) کی کتاب أعلام النبوة کے نام سے سامنے آئیں۔ ان دونوں حضرات نے شمائل پر بھی کتابیں لکھیں، مدائنی نے صفة النبي کے نام سے اور اصفہانی نے صفة أخلاق النبي کے نام سے۔ ان دونوں کتابوں کا تذکرہ شمائل کے ضمن میں کیا جا چکا ہے۔
- ابن قتیبہ (م276ھ) نے أعلام رسول الله کے نام سے کتاب لکھی۔ ان کے بعد امام ابوبکر ابن ابی دنیا (م281ھ)، پھر امام ابوبکر جعفر بن محمد مستفاض فریابی (م301ھ) نے اس موضوع پر دلائل النبوة کے نام سے کتابیں تصنیف کیں۔ پھر ان کے بعد محدثِ شہیر ابن ابی حاتم (م327ھ) نے أعلام النبوة کے نام سے، حافظ ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن یحییٰ ابن مندہ (م395ھ) نے دلائل النبوة کے نام سے اور قاضی عبدالجبار معتزلی (م415ھ) نے تثبیت دلائل النبوة کے نام سے کتابیں لکھیں۔
- پانچویں صدی ہجری میں، ان کے بعد، ابونعیم احمد بن عبداللہ اصبہانی (م430ھ) نے دلائل النبوة تالیف کی اور ابوالحسن علی بن فہد ماوردی (م450ھ) نے أعلام النبوة کے نام سے نہایت عمدہ کتاب لکھی۔
- اسی صدی میں امام ابوبکر احمد بن حسین بن علی بیہقی (م458ھ) کی معروف ترین کتاب دلائل النبوة سامنے آئی اور ایک دنیا کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

- اندلس میں ابوعمر یوسف بن عبدالبر قرطبی (م535ھ) نے اس پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے سیرت پر ایک کتاب لکھی، پھر آٹھویں صدی میں عمر بن علی ابن ملقن (م804ھ) نے خصائص أفضل المخلوقین اور غایة السؤل في خصائص الرسول تالیف کیں۔
- ان کے بعد شارحِ بخاری شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبدالملک قسطلانی (م923ھ) کی المواھب اللدنیة بِالمِنَح المحمدیة نے بہت مقبولیت حاصل کی۔ یہ کتاب بہت عرصے تک متأخرین کے لیے سب سے بڑے علمی مصدر کے طور پر استعمال ہوئی۔ قسطلانی خود محدث ہیں لیکن اس کتاب میں انھوں نے ہر طرح کی روایات جمع کر دی ہیں۔
- اسی دور میں امام جلال الدین سیوطی (م911ھ) نے دلائل و شمائل میں الخصائص الکبریٰ کے نام سے مفصل کتاب قلم بند کی۔ یہ دلائل النبوة کے سلسلے کی چند اہم کتابیں ہیں۔

کتبِ سیرت کی شروح

ایک اور اہم سلسلہ سیرت کی بنیادی اور مقبول کتابوں کی شروح کا ہے۔ ان میں جہاں اصل روایات کے متون اور اشعار وغیرہ کی شرح کی گئی ہے، وہاں اصل کتابوں کے عنوانات کے تحت مزید معلومات بھی فراہم کی گئی ہیں۔

- ان شرحوں میں اہم ترین امام عبدالرحمٰن سہیلی کی الروض الأنف ہے جو سیرة ابن ھشام کی جامع شرح ہے۔
- بعد ازاں ساتویں صدی ہجری میں یمن کے زیدیوں کے مشہور امام یحییٰ بن حمزہ بن علی طالبی (م745ھ) نے الأنوار المضیئة في شرح الأخبار النبویة کے نام سے سیرة ابن ھشام کی شرح لکھی۔ انھوں نے سیرة ابن ھشام کی تلخیص بھی خلاصة السیرة کے نام سے سپرد قلم کی۔
- اسی طرح ابن سید الناس کی کتاب عیون الأثر کی شرح نور النبراس في سیرة ابن سید الناس بہت معروف اور اہم کتاب ہے۔ یہ ابوالوفا ابراہیم بن محمد بن خلیل طرابلسی حلبی (م841ھ) کی تصنیف ہے۔
- امام قسطلانی کی تالیف المواھب اللدنیة کی شرح محمد بن عبدالباقی زرقانی (م1122ھ) نے آٹھ جلدوں میں لکھی۔ یہ ایک مبسوط شرح ہے جو شرح الزرقاني علی المواھب کے نام سے زیادہ معروف ہے۔ یہ کتاب ہر قسم کی روایات کا مجموعہ ہے۔

کتبِ سیرت میں جامعیت کا اہم مرحلہ

یہ ایک حقیقت ہے کہ سب سے پہلے امام بخاری اور امام مسلم نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے حوالے

سے صحیحین کے ذریعے سے جامعیت کی بنیاد ڈالی۔ انھوں نے اپنے انداز میں رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ہر پہلو کا احاطہ کیا۔

- سیرت کا فن بھی مختلف ارتقائی مراحل طے کرنے کے بعد آٹھویں صدی ہجری میں جامعیت کی منزل تک آ پہنچا۔ اس کی عمدہ ترین مثال امام بخاری اور امام مسلم کے خوشہ چین شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے قابل ترین شاگرد امام ابن قیم رحمہ اللہ (م751ھ) کی زادالمعاد ہے۔ اپنے استادِ گرامی کی طرح ان کا مشن بھی یہی تھا کہ انسانیت مقامِ مصطفیٰ کو پہچانے، سعادتِ دارین کے حصول کے لیے آپ ﷺ کے راستے کو اپنائے اور اس سے ذرہ برابر روگردانی نہ کرے۔ سیرت پر اپنی ممتاز ترین کتاب زادالمعاد میں وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں:

فَهَدَى (اللّٰهُ) بِهِ إِلٰى أَقْوَمِ الطُّرُقِ وَ أَوْضَحِ السُّبُلِ، وَافْتَرَضَ عَلَى الْعِبَادِ طَاعَتَهُ وَ تَعْزِيرَهُ وَتَوْقِيرَهُ وَمَحَبَّتَهُ، وَالْقِيَامَ بِحُقُوقِهِ، وَسَدَّ دُونَ جَنَّتِهِ الطُّرُقَ، فَلَنْ تُفْتَحَ لِأَحَدٍ إِلَّا مِنْ طَرِيقِهِ.

”اللہ نے رسول ﷺ کے ذریعے سے سب سے مضبوط طریقے اور سب سے واضح راستے کی طرف رہنمائی کی۔ بندوں پر آپ ﷺ کی اطاعت، نصرت، توقیر، محبت اور آپ کے حقوق کی ادائیگی فرض کی۔ اپنی جنت میں داخلے کے راستے بند کر دیے کہ آپ کا راستہ اختیار کیے بغیر یہ کسی کے لیے نہیں کھلیں گے۔“[1]

سیرت کے بارے میں ابن قیم رحمہ اللہ کا تصور یہ نہیں کہ وہ محض رسول اللہ ﷺ کے شخصی احوال اور آپ کی جنگوں اور آپ کی حیاتِ مبارکہ میں پیش آنے والے بڑے بڑے واقعات پر مشتمل ہونی چاہیے۔ ان کے مطابق سیرت نجات اور سعادت کا مکمل راستہ واضح کرتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

وَإِذَا كَانَتْ سَعَادَةُ الْعَبْدِ فِي الدَّارَيْنِ مُعَلَّقَةً بِهَدْيِ النَّبِيِّ ﷺ، فَيَجِبُ عَلٰى كُلِّ مَنْ نَصَحَ نَفْسَهُ، وَأَحَبَّ نَجَاتَهَا وَسَعَادَتَهَا أَنْ يَعْرِفَ مِنْ هَدْيِهِ وَ سِيرَتِهِ وَ شَأْنِهِ مَا يَخْرُجُ بِهِ عَنِ الْجَاهِلِينَ بِهِ، وَ يَدْخُلُ بِهِ فِي عِدَادِ أَتْبَاعِهِ وَ شِيعَتِهِ وَ حِزْبِهِ.

”جب ایک انسان کے لیے دونوں جہانوں کی سعادت نبی ﷺ کی سیرت اور طریقے سے وابستہ ہے تو ہر اس شخص کے لیے جو اپنا خیر خواہ اور نجات اور سعادت کا طلبگار ہے، ضروری ہے کہ آپ ﷺ کے طریقے، آپ کی سیرت اور آپ کے احوال اس قدر ضرور جانے جن کے ذریعے سے وہ جاہلوں سے خارج ہو جائے اور آپ ﷺ کے متبعین، آپ کے حمایتیوں اور آپ کی جماعت میں اس کا شمار ہو۔“[2]

[1] زاد المعاد، مقدمة :35,34/1. [2] زاد المعاد، مقدمة :70,69/1.

امام ابن قیم رحمہ اللہ کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے بارے میں لکھی گئی کتاب ان تینوں چیزوں پر مشتمل ہونی چاہیے۔ اس لیے انھوں نے اپنی کتاب کا نام زادالمعاد في هدي خير العباد رکھا۔ اس کتاب میں جہاں نبی ﷺ کا نسب مبارک، آپ کے بچپن اور جوانی سمیت آپ کی حیاتِ مبارکہ کے واقعات، آپ کی ازواج، اولاد، خدام، آپ کے لباس، نعلین، مسواک، سلاح و اثاث اور سواریوں وغیرہ کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں، وہیں آپ کے اٹھنے بیٹھنے، سوار ہونے، بولنے اور سکوت فرمانے، وضو اور عبادت میں آپ کے اسلوب و طریق کو کھول کر بیان کیا گیا ہے۔ انھوں نے ان تفصیلات سے مختلف فقہی مسائل بھی اخذ کیے ہیں۔ جس طرح صحیح بخاری رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے، اسی طرح زادالمعاد بھی سیرت کی جامع کتاب ہے۔ فرق یہ ہے کہ ابن قیم رحمہ اللہ اصحابِ سنن کی طرح روایات جمع کرنے اور ان کی تبویب اور ترتیب سے اسوۂ حسنہ کو واضح کرنے کے بجائے بیانیہ انداز میں اسوۂ مبارکہ کو واضح کرتے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متون کو سمجھنے کے لیے شروح کی ضرورت ہے جبکہ زادالمعاد میں ابن قیم نے استنباط و استنتاج اور شرح و بسط سے بات واضح کی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ صحت کے معیار میں زادالمعاد صحیحین کے برابر نہیں۔ صحیحین کا معیارِ صحت انتہائی بلند اور ارفع ہے۔ امام بخاری کا استنباط و استنتاج بھی انتہائی دقیق اور لطیف ہے، البتہ زادالمعاد میں صحیحین سے خوب استفادہ کیا گیا ہے۔

- امام ابن قیم رحمہ اللہ کے بعد کوئی اور ان کے راستے پر نہ چلا، البتہ نویں اور دسویں صدی کے سیرت نگاروں میں سیرت کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ معلومات جمع کرنے کا رجحان سامنے آیا۔
- ان میں سب سے اہم نام محمد بن یوسف دمشقی شامی (م942ھ) کا ہے۔ انھوں نے سیرت کی تمام میسر کتابوں کی معلومات جمع کر کے ایک ضخیم موسوعہ مرتب کرنے کی ایک سنجیدہ علمی کوشش کی۔ انھوں نے اپنی کتاب سبل الهدٰى والرشاد في سيرة خير العباد میں سیرت کی 300 سے زیادہ کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ یہ چودہ جلدوں میں طبع ہوچکی ہے۔ یہ سب کتابوں کی جامع ہے۔ اس میں موضوع روایتوں سے اجتناب کیا گیا ہے لیکن صحت کا التزام پیشِ نظر نہیں رکھا گیا۔

ان کے بعد سب سے مشہور نام علی بن برہان الدین (ابراہیم) حلبی کا ہے۔ انھوں نے ”إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون“ تالیف کی جو السيرة الحلبية کے نام سے معروف ہے۔ لیکن اس میں ضعیف روایات اور اسرائیلی قصے بھرے ہوئے ہیں۔

اسلام کے پہلے ہزار سال میں سیرت نگاری اور اس کے ارتقا کا جائزہ لینے کے لیے ہم نے معروف، اہم اور ایسی

متداول کتبِ سیرت کے ناموں پر اکتفا کیا ہے جو مختلف زمانوں میں اہل علم کے ہاں بنیادی مراجع کے طور پر استعمال ہوئیں یا ہو رہی ہیں۔ ان صفحات میں نہ تمام کتب سیرت کا احاطہ مقصود تھا نہ اس تقدیم میں اس کی گنجائش ہے۔ اب ہم سیرت نگاری کے ایک نئے مرحلے کی طرف آتے ہیں۔ ہماری مراد مخالفین کی طرف سے رسول اللہ ﷺ پر کتابیں لکھنے اور سیرت نگاری پر ان کتابوں کے اثرات سے ہے۔

سیرت اور مستشرقین

تیرھویں صدی ہجری (انیسویں صدی عیسوی) میں مطالعۂ سیرت کے ایک نئے سلسلے کا آغاز ہوا، یعنی ان لوگوں کی طرف سے سیرت کا مطالعہ جو رسول اللہ ﷺ کے مخالف تھے۔ ہماری مراد یورپ کے عیسائی مستشرقین ہیں جنھوں نے عربی اور بعض دوسری مشرقی زبانیں سیکھ کر اپنی مصلحتوں اور مفادات کو آگے بڑھانے کے لیے مسلمانوں کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننا چاہا۔ جب یورپ میں علمی نشأۃِ ثانیہ کے بعد ان کا استعماری دور شروع ہوا تو انھوں نے استعماری مقاصد کے لیے اور مختلف فوجی، سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی وجوہ سے مسلمانوں کو قریب سے جاننے کی ضرورت شدت سے محسوس کی۔ انھیں معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے فکر و عمل، ان کی معاشرت، ان کی کمزوریوں اور خوبیوں سے آگاہی کے لیے سب سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں جاننا ضروری ہے جو مسلمانوں کے یقین، فکر اور عمل کا محور ہیں۔

اہلِ یورپ اگرچہ معروضیت اور غیر جانبداری کے دعویدار ہیں لیکن حقیقت میں اسلام کے ساتھ ان کے عناد اور مخاصمت کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ ان کے لیے اپنی تاریخی سوچ، اپنی اقدار اور اپنے مفادات سے غیر متعلق ہو کر پوری غیر جانب داری اختیار کرنا ممکن ہی نہیں، اس لیے سیرت کا مطالعہ کرتے وقت وہ تاریخی مخاصمت اور مخالفت کی عینک اپنی آنکھوں سے اتار نہ سکے۔

مسلمانوں کو اپنی تہذیب سے مغلوب کرنے کی غرض سے ان کے مفادات میں یہ بھی شامل تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ محبت، عقیدت اور اطاعت کا جو تعلق مسلمانوں کو ہے، اسے کمزور کیا جائے۔ مسلمانوں کے اندر اپنے ذہنی غلاموں کی آبیاری ان کی ضرورت تھی، اس لیے انھوں نے مطالعۂ سیرت کے نام پر اپنی مرضی کی خود ساختہ باتیں پھیلانے کے لیے اپنے ایجاد کردہ طریقوں کا استعمال کیا۔

اپنی مرضی کی باتیں پھیلانے کے لیے پہلے تو ان کے تمہیدی کلمات یہ ہوتے تھے کہ (نعوذ باللہ!) رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے بارے میں مستند معلومات سرے سے موجود ہی نہیں۔

- وہ یہ لکھتے رہے کہ اسلامی عقائد یہودیوں اور عیسائیوں سے اخذ کردہ ہیں۔
- قرآن (معاذ اللہ) نبی ﷺ کی تصنیف ہے۔
- اسلامی عبادات بھی دوسرے مذاہب کی عبادات کا چربہ ہیں۔
- حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی دولت کی حرص کی وجہ سے ہوئی۔
- آپ ﷺ نے دوسرے آسمانی مذاہب کو ماننے والوں کی مخالفت اس لیے کی کہ آپ خود کو منوانا چاہتے تھے۔
- آپ نے شروع میں بنی اسرائیل کے انبیاء کو مانا تاکہ لوگ متوجہ ہوں، پھر ان انبیاء کا سردار ہونے کا دعویٰ کر دیا۔
- سلسلۂ نسب حضرت اسماعیل علیہ السلام سے جوڑا۔
- مکی دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہیرو بنایا، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہیرو بنالیا۔
- مدنی زندگی میں رسالت بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔
- اسلام بزورِ شمشیر پھیلا۔
- کثرتِ ازدواج کا مقصد نفس پرستی تھا۔
- اسلامی سزائیں وحشت و بہیمیت کا مظہر ہیں۔
- مسلمان بنیادی طور پر قاتل اور لٹیرے ہیں۔
- کتبِ سیرت صدیوں بعد لکھی گئیں، اس لیے ناقابل اعتبار ہیں۔
- معجزات من گھڑت ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ تِلْكَ الْهَفَوَاتِ كُلِّهَا.

ان سب دعووں کا جھوٹ اس قدر نمایاں تھا کہ ان کی کتابیں مسلمان تو ایک طرف خود انصاف پسند عیسائیوں کے سامنے بھی، جو کسی طرح مسلمانوں کے ساتھ کچھ رابطہ رکھتے تھے، لکھنے والوں کو بددیانت اور فریب کار ثابت کرنے کے لیے کافی تھیں۔ پھر بتدریج ایسے مستشرقین سامنے آتے گئے جنھوں نے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے زیادہ لطیف طریقے اختیار کرنے کی ضرورت محسوس کی۔

- مارگولیتھ کی نسبت ولیم میور نے مختلف انداز اختیار کیا اور نرے جھوٹ کے بجائے سچ اور جھوٹ کی آمیزش کا طریق کار اپنایا۔
- جوزف شاخت نے عربی زبان وادب کی زیادہ مہارت بہم پہنچائی اور براہِ راست رسول اللہ ﷺ کی ذات پر حملہ آور ہونے کے بجائے حدیث وسنت، فقہ، اصولِ فقہ اور مسلمانوں کے اجتہادی کارناموں کو ہدفِ تنقید بنایا۔
- منٹگمری واٹ نے کارل مارکس کی جدلیاتی مادیت کو بنیاد بنا کر سیرت کا حلیہ تبدیل کرنے کی کوشش کی۔ یہ نمائندہ

مستشرقین ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھی شاگرد اور پیروکار ہیں جو اپنے اپنے میدان میں سرگرم عمل ہیں۔ ان سب کو سب سے زیادہ پرخاش حدیث اور علوم حدیث، خصوصاً علم الاسناد سے ہے۔ یہ علوم مسلمانوں کا طرۂ امتیاز ہیں، اس لیے سب سے زیادہ حسد انھی سے محسوس کیا جاتا ہے۔ زیادہ تر اعتراضات کا رخ بھی انھی کی طرف ہے۔ علم الاسناد کا مقام و مرتبہ گھٹانے کے لیے یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ مسلمان اہل علم اسانید کے سلسلے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ انھوں نے متون کی تنقید، یعنی جانچ پڑتال کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ اس پہلو پر تفصیلی بحث آئندہ صفحات میں آئے گی۔

مستشرقین تو محقق اور سکالر کہلاتے ہیں جبکہ اہل یورپ اپنے ان اوباشوں کا بھی دل و جان سے تحفظ کرتے ہیں جو محض گندگی اچھالتے ہیں۔ ان تمام کوششوں کے باوجود قرآن مجید، جس کے متعدد تراجم یورپی زبانوں میں طبع ہوئے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی سنت و سیرت، جس پر مسلمانوں کی لکھی ہوئی کئی کتابیں یورپی زبانوں میں شائع ہوئی ہیں، کی اثر انگیزی حیران کن ہے۔ مستشرقین کی ساری مخالفانہ مہم اور خود مسلمانوں کی طرف سے برے عملی نمونے کے باوجود کتاب اللہ اور سنت و سیرت رسول اللہ ﷺ کے مطالعے سے یورپ کے لاکھوں انسان حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔

متأثرین استشراق اور سیرت نگاری کا جدید دور

ابتدائی مراحل میں بہت سے ذہین مسلمان بھی مستشرقین کے افکار سے متأثر ہوئے، سب سے پہلے ان کے اثرات برصغیر میں نمودار ہوئے۔ عرب دنیا پر استعمار کا قبضہ برصغیر کے بعد ہوا، اس لیے وہاں مستشرقین سے متأثر ہونے والوں کا دور نسبتاً بعد میں شروع ہوا۔ برصغیر میں اس کی نمایاں مثال سرسید احمد خاں تھے۔ سرسید احمد خاں ایک طرف تو مستشرقین کے اعتراضات سے پریشان ہوئے اور رسول اللہ ﷺ پر لگائے گئے الزامات کا رد کرنے کی ٹھانی۔ دوسری طرف وہ مستشرقین کے عقلی اور مادی طرز استدلال سے سخت مرعوب بھی ہوئے۔ اس مرعوبیت نے ان کے جملہ افکار کو متأثر کیا۔ مسلمانوں، خصوصاً محدثین کرام نے علم الحدیث کے علاوہ سیرت اور تاریخ میں صحت کا جو انتہائی بلند معیار قائم کیا تھا، اس پر مستشرقین کے سطحی اعتراضات کا رد کرنے کے بجائے سرسید نے ان کا شدید اثر قبول کیا۔ انھوں نے اپنے مخصوص نظریات کے مطابق کتابیں لکھیں۔ ان کتابوں سے بھی بعض لوگ متأثر ہوئے لیکن اکثریت نے انھیں مسترد کر دیا۔

ان اعتراضات کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان اہل علم کے ہاں سنت کے گہرے مطالعے اور سیرت کے حقیقی

خدوخال واضح کرنے کی ضرورت کا احساس زیادہ ہوا اور سیرت پر بہتر سے بہتر تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ ہم بطورِ مثال برصغیر میں لکھی جانے والی اس دور کی ایک نمایاں کتاب ''رحمۃ للعالمین'' کا نام لیتے ہیں۔ اس کے مصنف قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری تھے۔ ان کا مقصود سیرتِ پاک کے حقیقی خدوخال واضح کرنا، عقلیت پرستوں کے پھیلائے ہوئے وساوس کو ذہنوں سے صاف کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سچی محبت کے رشتوں کو ٹھیک طور پر استوار کرنا تھا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے مغازی و سیر، دلائل، خصائل اور شمائل سب اصنافِ سیرت سے استفادہ کرتے ہوئے ایک عمدہ کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کا ایک ایک لفظ سیرتِ پاک کے جمال و کمال کو دل میں اتارتا ہے۔

محترم مصنف نے اب تک استعمال ہونے والے تمام مصادر کے علاوہ بہت سے نئے مصادر سے بھی استفادہ کیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے نقوش اجاگر کرنے کے لیے اسلامی مصادر کے علاوہ تورات اور انجیل سمیت دوسرے مذاہب کی مذہبی کتابوں کو سیرت کے مصادر میں شامل کیا۔ یہ سیرت نگاری میں توسیع کا ایک اہم مرحلہ تھا جس کا آغاز قاضی صاحب کے ذریعے سے ہوا۔ علاوہ ازیں انھوں نے جدید علوم، مثلاً: ریاضی، طبیعیات اور ہیئت سے سنین اور اوقات کے تعین کے لیے مدد لی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فضائل و شمائل، آپ پر نازل کردہ کتاب قرآن اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام کی اکملیت کو واضح کرنے کے لیے علم تقابلِ ادیان سے استفادہ کیا۔ دنیا کی دیگر تہذیبوں کے مطالعے اور علم الآثار وغیرہ سے بھی انھی مقاصد کے لیے فائدہ اٹھایا۔ ان خصوصیات کے ساتھ قاضی صاحب کی کتاب بنیادی طور پر صحیح اور مستند مصادر پر مبنی ہے اور ہر طرح کے غلو سے پاک ہے۔ اس میں احوال و واقعات کا صحیح علمی تجزیہ کیا گیا ہے۔ ''رحمۃ للعالمین'' نے سیرت نویسوں، خصوصاً برصغیر کے لکھنے والوں کو ایک نئی راہ دکھائی۔

ان کے بعد فرانسیسی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ کی لکھی ہوئی کتاب Le Prophete de l' Islam (پیغمبرِ اسلام) اہم ترین ہے۔ اس کے مطالعے سے ہزارہا کی تعداد میں پڑھے لکھے عیسائی نوجوان مسلمان ہوئے۔ ایسی کاوشوں کے نتیجے میں مستشرقین اور ان کے افکار سے متاثر ہونے والے مسلمان مؤرخوں، سیرت نگاروں اور مصنفوں کا جادو ٹوٹ چکا ہے۔

مولانا شبلی اور سیرۃ النبی

رحمۃ للعالمین کی پہلی جلد 1912ء (بمطابق 1330ھ) میں شائع ہوئی۔ مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے بقول

اسی سال (1330ھ) میں مولانا شبلی نے بھی سیرت پر ایک کتاب لکھنے کی ذمہ داری اٹھائی جس کا ارادہ وہ کئی سال پہلے باندھ چکے تھے۔[1] نومبر 1914ء میں علامہ شبلی کا انتقال ہوا تو پہلی جلد کا مسودہ مع مقدمہ مکمل ہو چکا تھا۔ اسے ان کے بعد سید سلیمان ندوی نے شائع کیا اور باقی کتاب مکمل کی۔ مولانا شبلی کا مقصود بھی یہی تھا کہ مستشرقین نے جو گرد اڑائی ہے، اسے صاف کیا جائے اور مستند مآخذ سے سیرت پر ایک تفصیلی کتاب مرتب کی جائے۔ مولانا نے اپنی تالیف میں مستشرقین کے اعتراضات کا رد کیا، ان کی غلط تعبیرات کی وضاحت کی اور زیادہ تر واقعاتِ سیرت صحیح مآخذ سے اخذ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جس طرح ان کے اکثر تذکرہ نویس کہتے ہیں کہ وہ اثر پذیر مزاج رکھتے تھے اور بہت سے معاملات میں سرسید سے متاثر اور ان کے مداح تھے، انھوں نے سرسید کے مذہبی نظریات کو تو قبول نہیں کیا لیکن سرسید کی طرح اسلامی مآخذ پر مستشرقین کی عقلی تنقید سے مرعوب ضرور ہوئے۔

مستشرقین نے کتبِ حدیث اور مسلمانوں کی لکھی ہوئی کتبِ سیرت پر نقدِ متون کے حوالے سے جو اعتراضات کیے، شبلی نے سرسید کی طرح ان کا جواب دینے کے لیے یہ طریقہ اپنایا کہ درایت کو مستشرقین کے نقدِ متون کے طریقوں کے مترادف قرار دیتے ہوئے، ویسے ہی طریقوں کے اثبات کے لیے دلائل تلاش کرنے کی کوشش کی جو مغربی محققین تاریخ نویسی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ مولانا شبلی کو اپنی آراء کے حق میں جو دلائل ملے، سیرت پر اپنی کتاب کے مقدمے میں انھوں نے ان کو خوب پھیلا کر پیش کیا۔ بعد ازاں ان کے نقطۂ نظر سے ان لوگوں نے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی جن کا مشن اپنی اپنی عقل کو معیار بنا کر صحیح ترین مرویات کو رد کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے لائے اور سمجھائے ہوئے اسلام کے بجائے اپنی خواہشات کے مطابق تیار کردہ خود ساختہ دین کو اسلام کا نام دینا تھا۔

مولانا شبلی کے تصورِ درایت کا جائزہ لینے سے پہلے مناسب ہوگا کہ قارئینِ کرام محدثینِ کرام کے معیارِ صحت پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس کے بعد مستشرقین کے اپنے طریقِ کار اور مولانا شبلی کے افکار کا جائزہ لینا موزوں رہے گا۔

سیرت کے حوالے سے محدثین کا معیارِ صحت

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو ہر مسلمان کے لیے ذریعۂ ہدایت اور نمونۂ عمل ہے۔ اس حوالے سے بنیادی ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ ﷺ کے بارے میں دی گئی ہر خبر درست اور مکمل طور پر قابلِ اعتماد ہو۔ احادیث بیان کرنے والوں نے اسی مقصد کے حصول کے لیے اسانید کا اہتمام کیا۔ محدثین نے اسی غرض سے نقدِ حدیث اور

[1] سیرۃ النبی ﷺ، دیباچہ طبع اول: 15/1۔

رواۃ کی جرح وتعدیل دونوں کے لیے بے مثال قواعد وضوابط وضع کیے جوفنِ اسماء الرجال اور اصولِ جرح وتعدیل کہلاتے ہیں۔ نقد وتحقیق کے ان اصولوں کے ذریعے سے امت کے لیے یہ ممکن ہوگیا کہ وہ صحیح احادیث سے اپنے لیے دین کے احکام معلوم کریں اور بوقتِ ضرورت نئے پیش آنے والے مسائل کے لیے اجتہاد کی بنیاد بنائیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور کبار تابعین رحمہم اللہ نے سیرت کے معاملے میں بھی روزِ اول سے یہی طریق کار اپنایا۔ لیکن جب سیرت کو مستقل حیثیت ملی اور اس کی مقبولیت میں بہت اضافہ ہوا تو محتاط محدثین کے علاوہ نسبتاً کم محتاط لوگ بھی اس میدان میں داخل ہو گئے۔ ایسے مؤلفین سیرت کی روایات کا وہ معیار برقرار نہ رکھ سکے جو صحابہ اور تابعین کے ابتدائی زمانے تک ملحوظ رکھا گیا تھا۔

امام زہری رحمہ اللہ کے شاگردوں ہی کے دور میں تساہل اور تسامح کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ اس کا اندازہ محدثین کی ان اخبار وآراء سے ہوسکتا ہے جو انھوں نے مرویاتِ سیرت کے حوالے سے امام زہری کے شاگرد اور مغازی کے امام ابنِ اسحاق کا مرتبہ متعین کرتے ہوئے بیان کیں۔ یحییٰ بن سعید اموی نے جو حدیث اور سیرت دونوں کے امام ہیں، ان کے بارے میں کہا: ''ابن اسحاق ناموں میں تصحیف (تلفظ اور املا کی غلطی) کرتے ہیں کیونکہ انھوں نے یہ نام (سرکاری) رجسٹر سے لیے۔''[1]

اس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جن شخصیات کے انھوں نے نام لیے، ان کو وہ جانتے تک نہ تھے۔ رجسٹر سے نام لے کر روایت بیان کر دی۔

ابنِ اسحاق پر یہ بھی الزام لگا کہ انھوں نے ہشام بن عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کی اہلیہ فاطمہ سے سیرت کی جو روایات بیان کیں، وہ انھوں نے ان سے نہیں سنی تھیں۔ لیکن تحقیق سے چونکہ ان پر غلط بیانی کا یہ الزام ثابت نہ ہوا، اس لیے امام احمد سمیت متعدد ائمۂ فن نے اس معاملے میں ان کا دفاع کیا۔

امام ذہبی نے ان کے بارے میں سب سے زیادہ مثبت رائے کا اظہار کیا ہے۔ لیکن وہ بھی ان کی مکمل توثیق نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں:

فَلَهُ ارْتِفَاعٌ بِحَسَبِهِ، وَلَا سِيَّمَا فِي السِّيَرِ، وَأَمَّا فِي أَحَادِيثِ الْأَحْكَامِ فَيَنْحَطُّ حَدِيثُهُ فِيهَا عَنْ رُتْبَةِ الصِّحَّةِ إِلٰى رُتْبَةِ الْحَسَنِ إِلَّا فِيمَا شَذَّ فِيهِ، فَإِنَّهُ يُعَدُّ مُنْكَرًا.[2]

وہ یہ بھی کہتے ہیں:

[1] تصحیفات المحدثین: 26/1، السیرة النبویة للعمري، مقدمة: 57/1. [2] سیر أعلام النبلاء: 41/7.

فَكِتَابُهُ مُحْتَاجٌ إِلَى تَنْقِيحٍ وَّ تَصْحِيحٍ وَّ رِوَايَةِ مَا فَاتَهُ.[1]

وہ مانتے ہیں کہ ابنِ اسحاق:

كَانَ أَحَدَ أَوْعِيَةِ الْعِلْمِ حِبْرًا فِي مَعْرِفَةِ الْمَغَازِي وَالسِّيَرِ وَلَيْسَ بِذَاكَ الْمُتْقِنِ فَانْحَطَّ حَدِيثُهُ عَنْ رُتْبَةِ الصِّحَّةِ، وَهُوَ صَدُوقٌ فِي نَفْسِهِ مَرْضِيٌّ.[2]

لیکن میزان الاعتدال میں ان کی سیرت کے حوالے سے یہ بھی کہتے ہیں:

صَالِحُ الْحَدِيثِ مَالَهُ عِنْدِي ذَنْبٌ إِلَّا مَا قَدْ حَشَا فِي السِّيرَةِ مِنَ الْأَشْيَاءِ الْمُنْكَرَةِ الْمُنْقَطِعَةِ.[3]

جب ایسے ماہرِ سیرت نے، جو فی نفسہ "صَدُوق" اور "مَرْضِي" ہے، سیرت پر مرتب کردہ اپنی کتاب میں منکر اور منقطع چیزیں بھر دی ہیں تو اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ سیرت کے معاملے میں دوسرے لوگوں کا حال کیا ہوگا؟

محتاط محدثین نے مغازی میں ابنِ اسحاق کی روایات خوب چھان پھٹک کے قبول کیں۔ صرف وہی روایات لیں جو قابلِ قبول ہوسکتی تھیں۔ کم درجے کی روایات مسترد کر دیں۔ سیرت عام تاریخ سے مختلف ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے احوال ہیں جن کی اتباع واجب ہے۔ آپ کی طرف کوئی بھی ایسی بات منسوب کرنا جو صحت کے اعتبار سے مشکوک ہو، انتہائی معیوب بات، بلکہ بہت بڑا گناہ ہے۔ اس لیے سیرت میں بھی محدثینِ کرام ہی کا معیار اپنانا ناگزیر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ادب کا تقاضا بھی یہی ہے۔ تصدیقِ اخبار میں، محدثین کا معیار انسانی تاریخ کا محتاط ترین معیار ہے۔

محدثین کے معیار کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان یا آپ کے بارے میں کوئی خبر اس صحابی سے لی جاتی ہے جو خود سامع یا عینی شاہد ہو۔ صحابہ کے بیان کرنے کا طریق کار یہ تھا کہ وہ حدیث کو مختلف مجالس میں لوگوں کے سامنے بار بار بیان کرتے تھے۔ ان سے سننے والے شاگرد (تابعین) عموماً اس بات کو بعینہٖ صحابی کے لفظوں ہی میں، حفظ و کتابت دونوں طریقوں سے، محفوظ کرتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ اصل موقع پر موجود دیگر صحابہ سے بھی اس حدیث کے بارے میں دریافت کرتے تاکہ تمام حالات وظروف اور تمام تر تفصیلات سامنے آجائیں۔ اگر کہیں اختلاف کا شائبہ ہوتا تو دوبارہ اسی صحابی سے رجوع کرتے جس سے پہلے سنا تھا اور وضاحت چاہتے۔ اس طرح

[1] سير أعلام النبلاء: 116/6. [2] تذكرة الحفاظ: 130/1. [3] ميزان الاعتدال: 469/3.

زیادہ سے زیادہ تفصیلات سامنے آنے سے پوری بات واضح ہو جاتی۔ کئی بار خود صحابہ بھی اپنے شاگردوں کو بیان کردہ واقعے کے دوران میں موجود دوسرے صحابہ کی طرف رجوع کرنے کی تلقین کرتے۔ اگر ایک صحابی خود موقع پر موجود نہ تھے تو جس سے انھوں نے حدیث سنی، اس کی طرف یا موقع پر موجود کسی دوسرے صحابی کی طرف رجوع کرنے کا کہتے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کا بیان کردہ واقعہ یا حدیث واضح اور یقینی صورت میں آگے پہنچے۔

صحابہ کے شاگردوں سے سننے والے تابعین اور اتباعِ تابعین بھی اسی طریقے سے احادیث حاصل کرتے تھے۔ اگر بیان کرنے والے صحابی زندہ ہوتے تو کوشش کی جاتی کہ بالواسطہ سننے کے بعد براہِ راست ان سے بھی وہی حدیث سنی جائے۔ اتباعِ تابعین نے یہ بھی اہتمام کیا کہ اپنے اساتذہ، یعنی تابعین کے مختلف زمانوں کے زیادہ سے زیادہ شاگردوں سے وہی حدیث سن کر اس بات کی توثیق کریں کہ بیان کرنے والے استاد نے زندگی کے ہر دور میں وہ حدیث ایک ہی طرح بیان کی، کبھی بیان میں اختلاط تو نہیں ہوا۔

صحابہ کے بعد ہر راوی کی عدالت (گواہی میں سچا ہونا)، ان کے حفظ، ضبط، ذاتی کردار اور خیالات و افکار حتی کہ مذہبی اور سیاسی میلانات تک کا جائزہ لیا گیا۔

محدثین نے ہزاروں راویوں کے بارے میں یہ سب تفصیلات جمع کیں اور اپنی کتابوں میں محفوظ کیں۔ اس بات تک کا ریکارڈ رکھا گیا کہ ایک بیان کرنے والا جس سے بیان کر رہا ہے، اس سے زندگی میں کبھی ملا بھی تھا یا نہیں؟ بعض محدثین اتنے زیادہ محتاط ہیں کہ صرف ملاقات کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ حدیث سننے کی وضاحت تلاش کرتے ہیں۔ اس بات کا ریکارڈ بھی محفوظ کیا گیا کہ کون سا راوی کس استاد سے کس دور میں ملا۔ یہ بھی محفوظ ہے کہ فلاں فلاں شاگرد اپنے استاد سے بڑھاپے میں ملے اور یہ بھی کہ بڑھاپے میں شیخ کے حافظے کا کیا عالم تھا؟ اس بات کا بھی ریکارڈ رکھا گیا اور صحت وضعف کا فیصلہ کرنے کے لیے اس کا جائزہ لیا گیا کہ کس راوی سے، تنقیدی نظر رکھنے والے کتنے ثقہ محدثین نے روایت کی اور کون ہے جس کی روایات کو محتاط لوگوں نے قابلِ توجہ نہ سمجھا۔

مسلمانوں کا سرمایۂ افتخار

رسول اللہ ﷺ کی اخبار و احادیث کے بارے میں یہ سب ریکارڈ اسلامی تاریخ کے ابتدائی دور کے محدثین کی مجموعی کاوشوں سے حاصل ہوا اور محفوظ رکھا گیا۔ مسلمانوں کے علاوہ کسی قوم نے اپنے دین، اپنے رسول کے فرامین و احوال اور اپنی تاریخ کو محفوظ رکھنے کے لیے ایسے کسی انتظام کے بارے میں سوچا تک نہیں۔ دوسری امتوں نے اپنے اپنے انبیاء کی جو تاریخ مرتب کی، وہ اصل واقعات سے کٹے ہوئے نامعلوم لوگوں کی تحریروں، سنی سنائی مبالغہ آمیز

باتوں اور عوامی داستان طرازوں کی کہانیوں سے عبارت ہے۔ اس میں جگہ جگہ داخلی تضادات نمایاں ہیں۔ اس قسم کے مواد کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک مغربی مؤرخ یا تذکرہ نویس مختلف قرائن کے ذریعے سے جن کی تفصیل آگے آرہی ہے، اس کا تنقیدی جائزہ لیتا ہے اور اس میں سے کچھ مواد کو قابلِ اعتماد اور کچھ کو ناقابلِ اعتماد قرار دیتا ہے۔ اس رد وقبول میں عموماً مؤرخ کے عقائد ونظریات، مختلف دینی، قومی اور معاشرتی مصلحتیں اور ذاتی میلانات جو ہر مؤرخ کے پیشِ نظر ہوتے ہیں، بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

ایک مغربی مؤرخ جب ازمنہ وسطیٰ یا ان سے پہلے کی تاریخ لکھنے بیٹھتا ہے تو اس دور کے تمدن، اس کی معاشرت، سیاسی اور اقتصادی حالت بلکہ اس دور کی اہم شخصیتوں کے افکار و احوال کا ایک خیالی نقشہ، جو زیادہ تر پرانے زمانے کے کھنڈروں سے ملنے والی اشیاء، کتبوں اور سکوں وغیرہ کے ذریعے سے بنایا گیا ہوتا ہے، اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتا ہے، پھر اس زمانے کے بارے میں معروف روایات یا بہت بعد کے مؤرخوں کے بیانات اور قصے کہانیوں کے ایسے حصے جو اس کے بنیادی تصور سے ٹکرانے والے نہیں ہوتے، ان کو الگ کر لیتا ہے، پھر جن باتوں کو ملا کر ایک مسلسل کہانی بن سکتی ہے، ان کو لے کر ایک کہانی تیار کر لیتا ہے۔ مغرب میں اسے نقدِ متون کا طریقِ تحقیق کہا جاتا ہے۔ اس طریقے سے تیار کردہ تاریخ میں مختلف لوگوں کی کاوشوں کے نتائج ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ان کے درمیان تضادات ناگزیر ہوتے ہیں۔ ہر نیا لکھنے والا پہلے لکھنے والوں کی پرزور تردید کرتا اور نئی ''تھیوری'' پیش کرتا ہے۔ ایسی تاریخ سمجھ دار قارئین کے ہاں کسی طور قابلِ اعتماد نہیں ٹھہر سکتی۔

نقدِ متون کے ان طریقوں کو اپنانے کے جو نتائج سامنے آئے ہیں، وہ خاصے عبرت ناک ہیں۔ مغرب کے بڑے بڑے سکالرز حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی شخصیتوں کے وجود اور عدمِ وجود تک کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہیں۔ جو لوگ ان پیغمبروں کے وجود کے قائل ہیں، وہ نقدِ متون کے مغربی طریق کو استعمال کرتے ہوئے جن نتائج تک پہنچے ہیں، ان کی رو سے حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسی شخصیتوں کے نقوشِ حیات پیغمبروں کی شخصیتوں سے بہت کم مرتبہ نظر آتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ماننے والے انھیں اور سب کچھ مان سکتے ہیں لیکن ایسی شخصیتیں نہیں مانتے جن کی غیر مشروط اطاعت کی جا سکے۔

دوسری طرف محدثین نے نقدِ سند کے ذریعے سے صحتِ نقل کا ایسا اہتمام کیا جس میں ذاتی رجحانات اور میلانات کا کوئی دخل نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ کی جلیل القدر شخصیتوں کے صحیح اور سچی باتوں پر مشتمل ایسے خدوخال سامنے آتے ہیں جن کی وجہ سے فطری طور پر انسانوں کے دلوں میں ان کے بارے میں انتہائی محبت اور حد درجہ

احترام کے جذبات ابھرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے نقوش اتنے فطری، اتنے تابناک اور اتنے واضح ہیں کہ غور سے ان کا مطالعہ کرنے والا ہر سلیم الطبع انسان آپ ﷺ پر ایمان لانے کو ناگزیر سمجھتا ہے۔

محدثین اور نقدِ متون

جس طرح پہلے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے نقدِ متون سے پہلے حفظِ متون کا انتظام کیا۔ اس کے لیے روایت کو زبانی اور لکھ کر دونوں طریقوں سے محفوظ کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اس کے بعد نقدِ متون کے اصول لاگو ہوئے۔ ہر لفظ کی متعدد بیان کرنے والوں سے توثیق کی گئی۔ جس روایت میں لفظی شذوذ نظر آیا، مسترد کر دی گئی۔ جس متن میں علت پائی گئی، مسترد ہوا۔ جس روایت کی زبان کمزور اور معنی کم مرتبہ ہو یا فصاحت اس درجے کی نہ ہو جو درجہ رسول اللہ ﷺ کی فصاحت کا تھا، اسے بھی اٹھا کر ایک طرف رکھ دیا گیا۔ متن کے اضطراب، مُدرج عبارات (اصل کے علاوہ دوسری عبارات کی شمولیت) حتی کہ تصحیف (نقطوں یا زیر زبر کی تبدیلی) تک کا خیال رکھا گیا۔ یہ سب نقدِ متون کی معقول ترین صورتیں ہیں۔ نقدِ متون میں محدثین کی احتیاط کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب کوئی محدث یہ کہتا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے تو وہ اشارہ کر رہا ہوتا ہے کہ اس نے سند کی صحت کی جانچ کر لی، اس کے متن میں کوئی بات ہوسکتی ہے جس کی تحقیق الگ سے ضروری ہوگی۔

مسلمانوں کے ہاں نقدِ متون کے اہتمام کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ محدث سب سے پہلے بیان کیے گئے قابلِ اعتماد متون کو جمع کرتا ہے اور ان کو مرتب کرتا ہے، پھر تفصیلات کی کمی کے سبب سے اگر کوئی تضاد سامنے آئے تو پھر وہ تمام ایسی روایات سے واقعے اور بیانات کی پوری تفصیلات جمع کرتا ہے جو انتہائی ضعیف، شاذ، منکر اور وضعی نہ ہوں۔ اگر ایک سے زیادہ بیان کرنے والوں سے ایسی تفصیلات مل جائیں جن سے تضاد یا اختلاف رفع ہوسکتا ہو تو ان پر غور کرتا ہے۔ کبھی اسے مختلف بیانات میں تطبیق کی ضرورت ہو تو اس کے لیے اس کے پاس تطبیقِ روایات کے انتہائی منطقی طریقے بھی موجود ہیں۔ صدیوں سے محدثین کے اصولوں کے مطابق نقدِ اسناد اور نقدِ متون کا سلسلہ جاری ہے۔ اس طریق کار پر عمل کرنے والوں کو آج تک کبھی ایسی روایات کو یکسر رد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی جو صحیح سند سے مروی ہوں۔

بعض اوقات جب مختلف درجے کی روایات کی بنا پر، واقعات کی تاریخوں (ماہ و سال) یا مختلف مقامات و حوادث کی ترتیب میں اختلاف سامنے آتا ہے تو ترجیح کی ضرورت پیش آتی ہے، مثلاً: اکثر اصحابِ مغازی نے غزوۂ بنی مصطلق کو چھ ہجری کا واقعہ بتایا ہے جبکہ محدث و مؤرخ موسیٰ بن عقبہ اور ان کے بعد ابن قیم اور ذہبی نے اس کا سن وقوع

چار ہجری قرار دیا ہے۔ انھوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ صحیح روایات کے مطابق، اس میں حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی شرکت ثابت ہے اور وہ غزوۂ بنوقریظہ کے بعد جلد ہی شہادت پا گئے تھے۔ یہ ترجیح کی مضبوط بنیاد ہے۔

اسی طرح امام بخاری نے ابنِ اسحاق اور واقدی جیسے اصحابِ مغازی کے برعکس اس بات کو ترجیح دی ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ صحیح تر روایات کے مطابق اس میں ابو موسیٰ اشعری اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی شرکت ثابت ہے اور وہ فتحِ خیبر کے فوراً بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ ترجیح کا اصول یہی ہے کہ صحیح روایت کو ضعیف پر اور صحیح تر کو صحیح پر تفوق حاصل ہے۔

ایک مسلمان محدث، مؤرخ اور سیرت نویس کے سامنے ایسا مواد موجود ہوتا ہے جو صحتِ سند اور صحتِ متن دونوں کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ اسے محض اٹکل پچو سے، ملے جلے اور زیادہ تر ناقابلِ اعتماد مواد میں سے نسبتاً بہتر اور قابلِ استعمال جزئیات منتخب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ وہ نقدِ متون کے حوالے سے اہلِ مغرب کے تخمینی طریقوں کا محتاج نہیں۔ وہ صحتِ نقل کے بہترین اہتمام کے ساتھ میسر انتہائی قابلِ اعتماد بیانات کو استعمال کرتا ہے۔ اسے جس قسم کے نقدِ متن کی ضرورت ہے، وہ یقیناً اہلِ مغرب کے نقدِ متن سے مختلف ہے۔

اہلِ مغرب کے اصول غیر متعلق ہیں

اہلِ مغرب کے سے عقلی معیاروں کو اپنانے کے نتائج خاصے مضحکہ خیز ہو سکتے ہیں، مثلاً: جو کچھ غزوۂ بدر میں پیش آیا، اسے اہلِ مغرب کی مادی عقلیت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں۔ ان کے مطابق عقلی طور پر یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ تین سو سے کچھ زائد لوگ جن کے پاس اس دور کا رائج اسلحہ بھی بہت کم مقدار میں موجود تھا، ایک ہزار کی پوری طرح مسلح فوج کو شکست دیں، ان میں سے ستر کو مار ڈالیں اور ستر کو قید کر لیں، چنانچہ وہ اس واقعے کے مادی اسباب کے بارے میں بہت دور کی کوڑیاں لانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مشرکین کی شکست کا سبب کبھی تو اس امکان کو ظاہر کرتے ہیں کہ ان کی فوج پیاس سے جاں بہ لب ہو گئی ہو گی جبکہ وہ لوگ بھی جو اس وقت مشرکین کی فوج میں شامل تھے، یہ تسلیم کرتے ہیں کہ جنگ سے ایک رات قبل خوب بارش ہوئی تھی۔ کافروں کو تو رسد کے اعلیٰ انتظامات کی بنا پر پہلے بھی پانی کا مسئلہ درپیش نہ تھا۔ وہ مسلمان تھے جنھیں پانی کی قلت کا مسئلہ درپیش تھا اور انھوں نے اس بارش سے اچھی طرح فائدہ اٹھایا۔

مقتولوں اور قیدیوں کی تعداد بھی ناقابلِ یقین ہے۔ لیکن اپنے مقتولین پر اہلِ مکہ کے مرثیے شہادت دیتے ہیں کہ مکہ کا کوئی گھرانہ ایسا نہ بچا تھا جس کا کوئی فرد قتل نہ ہوا ہو۔ دوسری طرف مسلمانوں نے اپنے مقتولین کی تعداد

کبھی گھٹا کر پیش نہ کی۔ بدر کے بعد اُحد میں جب قریش مکہ نے ستر مسلمان شہید کیے اور ابوسفیان نے پکار کر کہا: ''یہ دن بدر کے دن کا بدلہ ہے'' [1] تو مسلمانوں نے یہ نہ کہا کہ ہمارے مقتولوں کی تعداد تمھارے مقتولوں کی نسبت کم ہے۔ صحابہ نے خود بھی ہمیشہ یہی تعداد بتائی اور اُحد میں اپنے شدید نقصان کا اعتراف کیا اور اس کے حقیقی اسباب بھی بتائے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک غیر معمولی سالار تھے، جنگ احد میں ان کی چال سے مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ بعد کی تمام جنگوں کے نتائج دیکھتے ہوئے خالد خود ہی دل سے اس بات کے قائل ہو گئے کہ مسلمانوں کو، عام انسانی سوچ سے ماورا، جو کامیابیاں حاصل ہو رہی ہیں، ان کا سبب صرف اور صرف یہ ہے کہ وہ حق کے پیروکار ہیں۔ ان کا فلسفۂ زندگی (عقیدہ) اعلیٰ اور ارفع ہے اور انھیں اس پر پورا یقین ہے۔ اسی وجہ سے وہ بے دھڑک اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگا دیتے ہیں، پھر انھیں اللہ کی مدد بھی حاصل ہوتی ہے۔ اسی یقین کی بنا پر خالد رضی اللہ عنہ بغیر کسی لالچ یا اکراہ کے خود حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ اسلام کو اپنانے کے بعد ان کی صلاحیتوں کو چار چاند لگ گئے۔ بعد میں انھوں نے خود مسلمان فوج کی بہت کم تعداد کے ساتھ بہت بڑی، زیادہ مسلح اور انتہائی تجربہ کار افواج کو بار بار شکست دی اور دنیا کی عسکری تاریخ کا چمکتا ہوا ستارہ بن گئے۔ اسلام لانے کے بعد سچے نظریۂ زندگی کے غلبے کا معجزہ خود ان کے ہاتھوں سے ظہور پذیر ہونے لگا۔

کئی مسلمان سیرت نگار اور مؤرخ بھی نقدِ متن کے اس طریقے سے از حد مرعوب ہوئے جو اہلِ مغرب نے اپنی ضرورتوں اور خاص تعصب کے تحت اختیار کیا۔ عرب میں ''احمد امین'' اور ہندوستان میں ''علامہ شبلی نعمانی'' اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ دونوں حضرات اور ان کے مؤیدین یہ ثابت کرنے میں لگ گئے کہ مسلمانوں کے ہاں بھی عقلی بنیادوں پر نقدِ متن کا طریقہ موجود ہے۔

مولانا شبلی اور درایت

مولانا شبلی نے اس غرض سے محدثین کی اصطلاح ''درایت'' کو بنیاد بنایا۔ اس بات کی پوری تحقیق کرنے کے بجائے کہ محدثین اور ائمۂ فن کے نزدیک درایت کی اصطلاح کن معنوں میں استعمال ہوتی ہے، انھوں نے اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھ لیا کہ ''علم الروایہ'' جرح و تعدیل کے اصولوں کے مطابق اسانید کو پرکھنے اور ''علم الدرایہ'' عقل و قیاس سے صحیح روایات کو مسترد کرنے کا نام ہے، حالانکہ فقہائے محدثین اور ائمہ جرح و تعدیل سبھی اس بات پر متفق ہیں کہ

[1] صحيح البخاري :3039.

درایت نام ہی جرح و تعدیل کے اصولوں کے ذریعے سے سند اور راویوں کو پرکھنے اور ان کی بیان کردہ شرائط کی روشنی میں صحیح وضعیف روایات کا تعین کرنے کا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں علم الروایہ نام ہے رسول اللہ ﷺ کے اپنے اقوال و افعال اور ان کو روایت کرنے، یاد رکھنے اور سیکھ لینے کا۔

علامہ شبلی نے اس بحث میں سب سے زیادہ حوالے اصولِ حدیث میں امام سیوطی کی معروف کتاب تدریب الراوی سے دیے ہیں۔ اسی میں ابن الاکفانی (م794ھ) کے حوالے سے واضح طور پر لکھا ہوا ہے:

عِلْمُ الْحَدِيثِ الْخَاصُّ بِالرِّوَايَةِ: عِلْمٌ يَشْتَمِلُ عَلَى أَقْوَالِ النَّبِيِّ ﷺ وَ أَفْعَالِهِ وَرِوَايَتِهَا وَضَبْطِهَا وَ تَحْرِيرِ أَلْفَاظِهَا.

''علم الروایہ مشتمل ہے نبی کریم ﷺ کے اقوال و اعمال پر اور ان کو روایت کرنے، یاد رکھنے اور اس کے الفاظ کو لکھنے پر۔''

پھر علم الدرایہ کے بارے میں وہ لکھتے ہیں:

وَ عِلْمُ الْحَدِيثِ الْخَاصُّ بِالدِّرَايَةِ : عِلْمٌ يُعْرَفُ مِنْهُ حَقِيقَةُ الرِّوَايَةِ وَ شُرُوطُهَا وَ أَنْوَاعُهَا وَأَحْكَامُهَا وَ حَالُ الرُّوَاةِ وَ شُرُوطُهُمْ، وَ أَصْنَافُ الْمَرْوِيَّاتِ، وَمَا يَتَعَلَّقُ بِهَا.

''علم الدرایہ وہ علم ہے جس کے ذریعے سے روایت کی حقیقت، اس کی شروط، انواع، اس کے بارے میں احکام، راویوں کے حالات، ان کی شروط، مرویات کی اصناف اور متعلقہ امور کو جانا جاتا ہے۔''

امام سیوطی ؒ نے درایت کی اس تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا کہ حقیقت سے مراد سنت کو نقل کرنے کا طریقہ اور حَدَّثَنَا یا أَخْبَرَنَا جیسے الفاظ سے اس کی اسناد کو بیان کرنا ہے۔ درایت کی شروط سے مراد اس امر کی وضاحت ہے کہ کس طرح روایت حاصل کی گئی: سماع، عرض یا اجازت وغیرہ۔ انواع کے تحت یہ آتا ہے کہ روایت متصل ہے، منقطع ہے یا کیا ہے؟ روایت کے بارے میں احکام یہ ہوتے ہیں کہ وہ روایت قبول کی جا سکتی (صحیح) ہے یا مسترد (ضعیف)۔ راویوں کے حال سے مراد ان کے عادل یا مجروح ہونے کا بیان ہے۔ شروط سے مراد راوی کے حدیث حاصل کرنے اور آگے پہنچانے کی شروط ہیں۔ مرویات کی اصناف سے مراد کتبِ حدیث کا مُسْنَد یا مُعجم یا جزء وغیرہ کی صورت میں ہونا اور یہ کہ مرویات احادیثِ رسول اللہ ﷺ ہیں یا آثارِ صحابہ۔ متعلقہ امور سے مراد، فنِ مصطلح الحدیث ہے۔ [1]

[1] تدریب الراوي :22,21/1.

مختصر لفظوں میں علم درایت وہ علم ہے جس کے ذریعے سے راوی اور روایت کردہ حدیث کے بارے میں معلوم کیا جاتا ہے کہ وہ قابلِ قبول (صحیح) ہے یا مسترد کردینے کے قابل (ضعیف) ہے۔ [1]

مولانا شبلی کے دلائل کا تجزیہ

مولانا شبلی نے درایت کی اصطلاح بالکل الٹ مفہوم میں پیش کرتے ہوئے عقل و قیاس کی بنیاد پر صحیح روایت کو مسترد کرنے کے حق میں دلائل دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ اپنے اختیار کیے گئے مفہوم کے مطابق درایت کی ابتدا پر بات کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ عقل و قیاس کی بنا پر حدیث کو رد کرنے کا یہ اصول قرآن مجید نے قائم کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہ تک مغالطے میں آ گئے۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ بھی قاذفین میں شریک تھے اور اسی وجہ سے ان پر حدِ قذف جاری کی گئی۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تصریح ہے: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ﴾ ''جن لوگوں نے تہمت لگائی، وہ تمھارے گروہ میں سے ہیں۔'' [2]

تفسیر جلالین میں ﴿ مِّنكُمْ ﴾ کی تفسیر حسبِ ذیل کی ہے: جَمَاعَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی یہ تہمت لگانے والے مسلمانوں کا ایک گروہ ہے۔ [3]

قرآن مجید کی آیتیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئیں، ان میں سے ایک یہ ہے:

﴿ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴾

''اور جب تم نے سنا تو یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہیں، سبحان اللہ! یہ بڑا بہتان ہے۔'' [4]

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کیے جاتے، پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایہ ہیں یا نہیں؟ پھر ان کی شہادت لی جاتی لیکن اللہ نے اس آیت میں فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیوں نہیں کہہ دیا کہ یہ بہتان ہے۔ اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلافِ قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے، قطعاً سمجھ لینا چاہیے کہ غلط ہے۔ اس طرزِ تحقیق، یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں ہو چکی تھی۔'' [5]

---

[1] توجیه النظر إلی أصول الأثر :792/1. [2] النّور 11:24. [3] تفسیر الجلالین، النّور 11:24. [4] النّور 16:24. [5] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ :39/1.

علامہ شبلی نے ﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ ﴾ کا ترجمہ ''جن لوگوں نے تہمت لگائی'' کیا ہے۔ اس سے اگلی آیتوں کا ترجمہ بھی انھوں نے اسی کے مطابق کیا ہے۔ جبکہ شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کا ترجمہ اس طرح ہے: ''جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان۔'' ان الفاظ سے اور اس کے بعد قرآن کے پورے بیان سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو تہمت لگانے والے نہیں، لانے والے ہیں۔ یہ تہمت کہیں اور گھڑی گئی۔ کچھ لوگ چاہتے تھے کہ ایک بری تہمت مسلمانوں میں پھیلائی جائے۔ اسے مسلمانوں میں پھیلانے کے لیے کچھ سادہ مسلمانوں کو استعمال کیا گیا۔ قرآن مجید کی متعلقہ آیات اور ان کا ترجمہ یہ ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ○ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ○ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ○ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ○ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ○ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ○ ﴾

''جو لوگ لائے ہیں یہ طوفان تمھی میں ایک جماعت ہیں، تم اس کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو بلکہ تمھارے حق میں یہ بہتر ہے، ان میں سے ہر آدمی کو پہنچنا ہے جتنا گناہ اس نے کمایا اور ان میں سے جس نے اس کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے، اس کے لیے بڑا عذاب ہے۔ کیوں نہ (ہوا کہ) جب تم نے اس کو سنا تھا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے لوگوں کے بارے میں اچھا خیال کیا ہوتا اور کہا ہوتا: یہ صریح طوفان ہے۔ وہ لوگ اس بات پر چار گواہ کیوں نہ لائے؟ پھر جب وہ گواہ نہ لائے تو وہی لوگ اللہ کے ہاں جھوٹے ہیں۔ اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جو چرچا تم نے کیا، اس میں تم پر کوئی بہت بڑا عذاب پڑتا۔ جب تم اس کو اپنی زبانوں پر لینے لگے اور اپنے منہ سے بولنے لگے (وہ بات) جس کا تمھیں علم نہ تھا اور تم اسے ہلکی بات سمجھتے تھے جبکہ اللہ کے ہاں وہ بہت بڑی بات تھی۔ اور کیوں نہ (ہوا

کہ) جب تم نے اس کو سنا تھا تو کہا ہوتا: ہم کو لائق نہیں کہ ہم یہ بات بولیں، اللہ تو پاک ہے! یہ ایک بڑا بہتان ہے۔ اللہ تم کو سمجھاتا ہے کہ تم اگر مومن ہو تو ایسا کام کبھی نہ کرو اور اللہ بیان کرتا ہے تمھارے لیے آیتیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والا، حکمت والا ہے۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی (بری تہمت) کا چرچا ہو، ان کے لیے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے اور اللہ (ہر بات کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی اور یہ کہ اللہ نرمی کرنے والا مہربان ہے (تو تہمت لگانے والوں کو فوری عذاب ہو جاتا)۔'' [1]

ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ 1 یہ خبر نہ تھی، ایک بہت بڑا بہتان تھا۔ 2 بہتان تراشی کا مقصد اگرچہ فساد پھیلانا ہوتا ہے مگر اللہ نے اس کوشش کو بھی خیر میں بدل دیا۔ 3 جن لوگوں نے پیچھے رہ کر بہتان تراشا، وہ سب سے بڑے مجرم ہیں۔ 4 جب کسی مومن مرد یا عورت پر بہتان باندھا جائے تو اس کو سنتے ہی حسنِ ظن ختم نہیں کرنا چاہیے بلکہ اسے قائم رکھنا چاہیے۔ 5 جو لوگ بہتان باندھیں اور اس پر چار گواہ نہ لائیں تو وہی جھوٹے قرار پائیں گے۔ 6 لوگوں نے اس بہتان کا چرچا کیا، اس بہتان کو اپنی زبانوں سے دہرانے لگے۔ اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ان پر بڑا عذاب آ سکتا تھا کیونکہ یہ کوئی معمولی بات نہ تھی، بہت بڑی بات تھی۔ 7 جب اس کو سنا گیا تو کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ ایک بہتان ہے، ہم اس کو اپنی زبانوں سے آگے نہیں پھیلائیں گے۔

بہتان اور خبر میں فرق

معلوم نہیں یہ کیسے ہوا کہ اللہ نے قرآن میں جس بات کو بار بار بہتان قرار دیا، مولانا شبلی نے اس بہتان کو ایک خبر قرار دے دیا۔ اللہ نے فرمایا: ''بہتان پر چار گواہ کیوں نہ لائے!'' مولانا نے اس میں بھی ترمیم کر لی اور بہتان تراشنے والوں کو راوی قرار دیتے ہوئے بہتان پر پہلے خبر کے احکام منطبق کرنے کی شرط لگا دی۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس خبر کی تحقیق کا اصل طریقہ یہ تھا کہ پہلے راویوں کے نام دریافت کیے جاتے، پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایہ ہیں یا نہیں، پھر ان کی شہادت لی جاتی۔

مولانا بھول گئے کہ خبر اور چیز ہے، بہتان اور چیز ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے: کوئی شخص کہتا ہے کہ فلاں شخص کی بیٹی فلاں سکول میں پڑھتی ہے، تو یہ خبر ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ فلاں شخص کی بیٹی فلاں سکول جاتی ہے اس لیے (خدانخواستہ) وہ بدکردار ہے تو یہ بہتان ہے۔ قرآن نے آیت: ﴿إِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوٓا﴾

[1] النور 24:11-20.

''اگر کوئی فاسق تمھارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو'' [1] کے تحت خبر پر تحقیق کرنے اور سورہ نور کی پہلے بیان کردہ آیات کے تحت بہتان پر گواہ مانگنے کا حکم دیا ہے۔ لیکن مولانا کا خیال ہے کہ بہتان پر گواہ مانگنے کے بجائے پہلے اس پر خبر کے احکام جاری کیے جاتے، بہتان کے حکم کے مطابق شہادت کا مرحلہ اس کے بعد آنا چاہیے تھا۔ قرآن مجید سے اپنی درایت کے حق میں استدلال کرنے کے لیے مولانا کو یہ انداز اختیار کرنا پڑا۔

آگ پر پکی چیز کھانے کا مسئلہ

علامہ شبلی نے اپنے تصورِ درایت کے حق میں استدلال کرنے کے لیے آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹنے کے بارے میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والی گفتگو کا بھی حوالہ دیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان یہ تھا کہ اگر آگ پر پکی چیز کی وجہ سے وضو ضروری ہو تو کیا ہم گھی کھا کر وضو کریں؟ گرم پانی کی وجہ سے وضو کریں؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''بھتیجے! جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث سنو تو (اس پر عمل کرو) اس پر مثالیں مت دو۔'' [2] علامہ شبلی نے دو صحابہ کے درمیان ہونے والی اس عملی گفتگو کو یہ رنگ دے دیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت رد کر دی تھی۔ [3]

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے وہیں پر یہ وضاحت بھی کر دی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ام حبیبہ، ام سلمہ، زید بن ثابت، ابوطلحہ، ابوایوب اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے بھی اس مسئلے میں اسی کے مطابق احادیث مروی ہیں، گویا نہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تنہا راوی ہیں کہ سمجھنے میں غلطی لگی ہو، نہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس روایت اور اس کے ساتھ مذکورہ بالا چھ صحابہ کی روایت کو رد کیا ہے۔ انھوں نے اپنے سینئر ساتھی کے سامنے ایک علمی مشکل رکھی ہے۔ یہی مناقشۂ علمی کا طریقہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے موقف میں تنہا نہ تھے، متعدد اجل صحابہ، مثلاً: حضرت ابن عمر، ابوطلحہ، انس بن مالک، ابوموسیٰ، عائشہ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کرنے کے قائل تھے۔ [4]

دوسری طرف بھی کچھ صحابہ تھے۔ فریقین کے اپنے اپنے دلائل تھے جو دونوں طرف سے پیش کیے گئے۔ کسی نے کسی کی پیش کی گئی حدیث رد نہیں کی۔ فہم کے حوالے سے سب نے اپنے اپنے دلائل دیے۔ اس علمی مناقشے کے دوران میں کسی کی حدیث رد کرنے کا سوال تک نہ اٹھا۔

[1] الحجرٰت 6:49. [2] جامع الترمذي: 79، سنن ابن ماجه: 485. [3] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمہ: 40,39/1 و 54. [4] تحفة الأحوذي: 229/1.

علامہ شبلی کے استدلال کو درست مانا جائے تو مسائل کے حوالے سے صحابہ کے درمیان جتنے اختلافات ہوئے، سب میں ایک دوسرے کی روایت کردہ احادیث کو رد کرنا لازم ٹھہرے گا۔ یہ بات سراسر خلافِ حقیقت ہے۔ محدثین نے تحقیق کے بعد وضو کے بارے میں اختلاف کے حوالے سے یہ کہا ہے کہ وضو کرنے اور نہ کرنے میں آخری عمل جو رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے، وہ وضو نہ کرنا ہے۔[1]

روایات کی صحت وضعف کا فیصلہ

اسی طرح علامہ شبلی نے ابن جوزی اور ملا علی قاری (م 1014ھ) کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان کے نزدیک جن روایات کو مشاہدے، محسوسات اور مسلماتِ عقلیہ کے خلاف دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ احادیث ضعیف ہیں۔[2]
ان محدثین میں سے کسی کا بھی یہ موقف ہرگز نہیں کہ ہر انسان اپنی اپنی سوچ، اپنے اپنے محسوسات، مشاہدات اور خودساختہ عقلی اصولوں کو سامنے رکھ کر روایات کی صحت وضعف کا فیصلہ کرتا جائے۔
اصل صورت یہ ہے کہ محدثین نے اسانید کے حوالے سے تمام احادیث کا مجموعی جائزہ لیا اور ضعفِ سند کے علاوہ پائی جانے والی ضعفِ حدیث کی دوسری نشانیاں بھی اکٹھی کر دیں۔ انھوں نے بتایا کہ فلاں فلاں قسم کے مزید نقائص ان احادیث میں پائے جاتے ہیں جو سنداً ضعیف ہیں۔ ملا علی قاری نے اپنی کتاب میں علم الاسانید کے معیار کے مطابق موضوع روایتیں جمع کی ہیں اور آخر میں ان کے عمومی جائزے کے نتائج کے طور پر ان موضوع روایات کی کچھ مزید نشانیوں کو گنوایا ہے۔ ایک نشانی یہ ہے کہ ان میں ایسی باتیں کہی گئی ہوتی ہیں جو انسانی مشاہدے اور مجموعی طور پر انسانوں کے عقلی مسلمات کے خلاف ہوتی ہیں۔[3] گویا اس میں موضوع روایات میں پائی جانے والی ایک حقیقت کا بیان ہے، نہ یہ کہ اس میں احادیث کے پرکھنے کا اصول بتایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یہ نشانیاں کسی ایسی حدیث میں کبھی نہیں پائی جاتیں جو معتبر راویوں نے بیان کی ہو اور وہ حدیث شذوذ وعلل سے پاک ہو۔

محض عقل معیار نہیں

حقیقت یہ ہے کہ احادیثِ معراج سے لے کر باقی معجزات تک کے بارے میں مروی تمام صحیح احادیث مستشرقین سمیت بہت سے لوگوں کو خلافِ عقل معلوم ہوتی ہیں لیکن اہلِ ایمان کی عقلیں اس بات کی گواہی دیتی

[1] تحفة الأحوذي: 229/1. [2] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 41,40/1. [3] الموضوعات الكبير للملا علي القاري، ص: 155.

ہیں کہ جو اللہ انسان کو ماں کے پیٹ سے پیدا کرتا ہے، ہڈیوں سمیت اس کے جسم کو بڑھاتا ہے، اسے زمین پر زندہ رکھتا ہے، اسے بیماری سے شفا بخشتا ہے، وہ اللہ ان میں سے جسے چاہے آسمانوں پر بھی بلا سکتا ہے۔ صحابہ سے لے کر آج تک کے تمام محدثین، فقہاء و علماء، بشمول ابن جوزی اور ملا علی قاری، سبھی نے معراج، آپ کے دیگر معجزات اور پہلے انبیاء کے معجزات کو بالکل صحیح تسلیم کیا ہے۔

عقل کی حدود سے ماورا معجزاتی کوائف بیان کرنے والی کسی صحیح حدیث کو مستشرقین اور ان سے مرعوب متجددین کے علاوہ کسی اور نے خلاف عقل ہونے کے سبب نہ ضعیف کہا ہے، نہ رد کیا ہے۔ سائنس اور تحقیق جوں جوں آگے بڑھ رہی ہے، اس کے ذریعے سے انھی باتوں کی صحت کی زیادہ سے زیادہ شہادتیں سامنے آرہی ہیں جو پہلے بعض لوگوں کو خلافِ عقل لگتی تھیں۔ اگر محض عقل کو معیار قرار دے دیا جائے تو نہ وحی کا اقرار ممکن ہوگا، نہ فرشتوں کا، نہ موت کے بعد کی زندگی کا، نہ قیامت کا، نہ جنت اور دوزخ کا۔ جو لوگ عقل ہی کو معیار مانتے ہیں، وہ تو اللہ تعالیٰ کے وجود کا بھی انکار کر دیتے ہیں۔ ہر کسی کی عقل الگ الگ سوچتی اور فیصلہ کرتی ہے۔

ائمۂ فقہاء اور محدثین کے نزدیک یہ بات مسلّم ہے کہ جو احادیث سنداً صحیح ہیں، وہ ساری ایک ایمان دار انسان کی عقلِ سلیم کے مطابق ہیں۔ ساری خرابیاں ضعیف اور موضوع احادیث ہی میں پائی جاتی ہیں۔ ایک صاحبِ ایمان کو اس بات کا یقین مطلوب ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے جو خبر اس تک پہنچے، وہ سچی ہو، اس میں کسی جھوٹ کی آمیزش نہ ہو۔ اس کے بعد وہ کسی خاص فرد کی عقل میں آئے یا نہ آئے، اس پر ایمان اور اس کے مطابق عمل لازمی ہوتا ہے۔ محدثین نے جو معیار اپنایا، وہ اسی مقصود کو حاصل کرنے کے لیے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا جو فرمان اور آپ کا جو عمل روایت کیا گیا ہے، اس کی نسبت رسول اللہ ﷺ کی طرف صحیح ہو، کسی نے اس کے بیان میں کوئی ملاوٹ کی ہو نہ تبدیلی۔ محدثین کا معیار اپنانے سے یہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

عقلِ انسانی صحیح حدیث کے فہم اور اس کے مطابق راہِ عمل ڈھونڈنے کا ایک ذریعہ ہے، وہ اس پر جج نہیں۔ وہ استفادہ کرتی ہے، حدیثِ صحیح کے ذریعے سے اپنے فہم کی حدود میں وسعت لاتی ہے، اس کی خوبیوں کو سراہتی ہے اور اس کے لطائف کو ڈھونڈتی اور بیان کرتی ہے۔ اس پر عمل کرنے سے صاحبِ عقلِ سلیم کو سچی لذت حاصل ہوتی ہے جبکہ انکار، تشکیک وغیرہ سے عقل مزید درماندہ اور مضطرب ہوتی ہے، سکون حاصل نہیں کر پاتی۔

علامہ شبلی اپنے مقدمے میں آگے چل کر قیاس و درایت کے زیرِعنوان اپنے ہی موقف کے بارے میں خود لکھتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے راوی ثقہ اور

مستند ہوں اور سلسلۂ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو، وہ باوجود خلافِ عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں۔'' بطورِ مثال علامہ شبلی نے حافظ ابنِ حجر اور دوسرے معروف شارحِ بخاری علامہ قسطلانی کے اقوال پیش کیے ہیں جن کا مطلب یہی ہے کہ خلافِ عقل نظر آنے کی بنا پر صحیح حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔[1]

مولانا شبلی نے اتنے بڑے محدثین کے مدلل موقف کو ''عام خیال'' قرار دے دیا ہے جو کسی لحاظ سے مناسب نہیں، کیونکہ یہ ''عام خیال'' نہیں بلکہ اُن محدثین کے مسلمہ اصول ہیں جنھوں نے حفظ و تدوینِ حدیث اور شرحِ حدیث کا مہتم بالشان اور عدیم النظیر کام کیا اور احادیث و رجالِ حدیث کی نقد و تحقیق کے ایسے اصول و ضوابط مقرر کیے جن کی نظیر انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس لیے عقلِ سلیم کا تقاضا ہے کہ قبولِ حدیث اور عدمِ قبول میں محدثین ہی کی بات مانی جائے۔ مسئلہ زیرِ بحث میں ان کا فیصلہ یہی ہے جو خود مولانا شبلی نے مذکورہ اقتباس سے پہلے تحریر کیا ہے: ''عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے، حامیانِ روایت لکھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو وسعت دے دی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا، انکار کر دے گا کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہے۔''

صحابہ اور عقلی معیار

اس کے بعد مولانا شبلی نے صحابہ کے دو گروہ بناتے ہوئے ایک گروہ کے بارے میں خود اپنی طرف سے یہ فیصلہ دے دیا ہے کہ وہ ''دلائلِ عقلی اور قرائنِ حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تأمل کرتا ہے۔'' انھوں نے اس کی متعدد مثالیں دی ہیں۔ ایک مثال حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مذکورہ بالا مناقشے کی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ اور مثالیں بھی دی ہیں، مثلاً:

- حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے لکھے ہوئے کچھ فیصلے پیش کیے گئے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب تھے۔ حضرت ابنِ عباس ان کی نقل لیتے جاتے تھے اور بعض فیصلے یہ کہہ کر چھوڑتے جاتے تھے: ''اللہ کی قسم! حضرت علی نے یہ فیصلہ نہیں کیا، سوائے یہ کہ (خدانخواستہ) وہ راہ سے ہٹ گئے ہوں۔'' یہ بھی کہ علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب فیصلوں کی ایک کتاب لائی گئی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی سب کچھ مٹا دیا۔[2] مولانا شبلی فرماتے ہیں: ''ظاہر ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے صرف اُن فیصلوں کے مضمون سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ صحیح نہیں ہو سکتے، اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ رُواۃ اور سند کا پتہ لگائیں۔''[3]

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے سند کا پتہ لگانے کی ضرورت اس لیے نہ سمجھی کہ خود روایت کے الفاظ سے ثابت ہے

[1] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 54,53/1. [2] صحیح مسلم، مقدمۃ: 23,22. [3] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 55,54/1.

کہ وہ فیصلے غیر متعین ذرائع کی طرف سے لائے گئے تھے اور وہ لکھے ہوئے تھے، ان کا کوئی راوی یا گواہ نہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے زندگی کا بہت بڑا حصہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزارا تھا۔ حضرت علی کے فیصلوں سے ان کی نسبت زیادہ آگاہ اور کوئی نہ تھا۔ ایسی بے سند تحریر جب ان کے سامنے لائی گئی تو انھوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وہ فیصلے رہنے دیے جو انھیں معلوم تھا کہ صحیح ہیں، باقی سب قلم زد کر دیے۔ وہاں راویوں کا ذکر تک نہ تھا، وہ تحقیق کن کے بارے میں کرتے۔

- حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول پیش فرمایا کہ ''جو شخص لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے گا (اصل روایت میں ساتھ یہ الفاظ ہیں: يَبْتَغِي بِذٰلِكَ وَجْهَ اللّٰهِ ''وہ اس کے ساتھ اللہ کی رضا تلاش کرے'') تو اللہ تعالیٰ اس پر آگ حرام کر دے گا۔'' اس پر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جو تم کہتے ہو، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہوگا۔'' [1]

علامہ شبلی رحمہ اللہ اس پر فرماتے ہیں: ''اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان رضی اللہ عنہ) سے کر لی لیکن اس سے اصل مسئلے پر اثر نہیں پڑتا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو جن اسباب کی بنا پر محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی روایت میں شبہ پیدا ہوا، عتبان رضی اللہ عنہ پر بھی وہی شبہ پیدا ہو سکتا تھا۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ خدانخواستہ محمود رضی اللہ عنہ کو غلط گو نہیں سمجھتے تھے، بلکہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے روایت کا مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی۔'' [2]

محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے وقت محمود رضی اللہ عنہ پانچ سال کے تھے۔ انھوں نے حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث سنی تھی۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو پہلے سے یہ حدیث معلوم نہ تھی۔ انھوں نے ایسی بات پہلے نہ سننے اور حضرت محمود رضی اللہ عنہ کی صغر سنی کی بنا پر ایک خاص تبصرہ فرمایا۔ یہ مولانا شبلی کا محض اپنا مفروضہ ہے کہ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ اگر یہ روایت براہ راست عتبان رضی اللہ عنہ سے سنتے تو بھی یہی تبصرہ کرتے یا انھوں نے یہ تبصرہ حدیث کے درایتاً، عقل و قیاس کے خلاف ہونے کی بنا پر کیا تھا۔ یہ روایت کسی صورت عقل و قیاس کے خلاف ہے ہی نہیں۔ کیا اللہ شرک کے علاوہ دوسرے گناہ نہیں بخش سکتا؟

جو کچھ محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے روایت کیا، وہ تو مسلّمات دینیہ میں سے ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے:

---

[1] صحیح البخاري: 1186، صحیح مسلم: (264)-657. [2] سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، مقدمہ: 55/1.

﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ نہیں بخشتا کہ اس کا شریک ٹھہرایا جائے اور بخشتا ہے جو کچھ اس سے نیچے ہے، جس کے لیے چاہے۔'' [1]

قرآن مجید کی اس آیت کو حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ خلاف عقل کیونکر سمجھ سکتے تھے؟ اس معنی کی احادیث حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے علاوہ دیگر کئی صحابہ نے بھی روایت کی ہیں۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی بات کی نسبت کے بارے میں حد درجہ احتیاط کی تلقین کرنا تھا، اسی لیے حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ نے صحتِ نقل کے حوالے سے دوبارہ یقین حاصل کیا۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک صحت نقل کے بجائے عقل و قیاس پر انحصار کی گنجائش ہوتی تو حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کو دوبارہ جا کر حضرت عتبان رضی اللہ عنہ سے روایت کی تصدیق کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ وہ عقلی دلیل کے ذریعے سے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کو مطمئن کر دیتے۔

روایتِ تیمّم، عمار اور عمر رضی اللہ عنہما

- تیمّم کے بارے میں عمار رضی اللہ عنہ کی روایت سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تبصرہ: ''اِتَّقِ اللّٰهَ يَا عَمَّارُ!'' عقل و قیاس کی بنا پر صحیح احادیث کو رد کرنے کے لیے ہرگز نہ تھا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تسلی نہ ہونے کا تأثر بھی یکسر غلط ہے۔ واقعہ یہ تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حافظے میں تیمّم کی پوری جزئیات محفوظ نہ رہی تھیں، حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے ان کو یاد دلایا کہ سفر میں پانی نہ ملنے کے باعث تیمّم کی ضرورت خود انھیں، یعنی حضرت عمر اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دونوں کو ایک ساتھ پیش آئی تھی۔ دونوں کے لیے غسل واجب ہوگیا تھا لیکن پانی موجود نہ تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے طہارت نہ ہونے کی وجہ سے نماز نہ پڑھی جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے مٹی میں لوٹ لگائی اور واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب ماجرا سنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو وضو کے بدلے سکھائے گئے تیمّم کی تعلیم دے کر فرمایا: ''تمھارے لیے یہی کافی تھا۔'' حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے یاد دلانے کے باوجود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان یاد نہ آیا۔ [2] ان کی عدمِ تسلی کی حقیقت یہ تھی کہ انھیں سرے سے اپنے اور عمار رضی اللہ عنہ کے ساتھ گزرا واقعہ ہی یاد نہ رہا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کیفیت میں فرمایا: اِتَّقِ اللّٰهَ يَا عَمَّارُ! ''عمار! اللہ سے ڈرو۔'' مقصود یہ تھا کہ مجھے تو سرے سے واقعہ یاد ہی نہیں آ رہا۔ تم اس کے بیان کرنے میں پوری احتیاط ملحوظ رکھو۔ چونکہ یہ سارا معاملہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یاد تک نہ تھا، اس لیے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے اس موقع پر یہ بھی

[1] النسآء 4:48. [2] صحيح البخاري: 338 و 347.

فرمایا: إِنْ شِئْتَ لَمْ أُحَدِّثْ بِهِ ''اگر آپ چاہیں تو میں یہ حدیث بیان نہ کروں گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (سن کر یہ نہیں کہا: ہاں ٹھیک ہے بلکہ اس کے برعکس یہ) کہا: نُوَلِّيكَ مَا تَوَلَّيْتَ ''ہم اس ذمہ داری کو تمھارے ہی سپرد کرتے ہیں جو تم نے اٹھائی ہے۔'' [1] یعنی بشرطِ احتیاط ان سے روایت بیان کرنے کو کہا۔ اس صورت میں اس واقعے سے مولانا شبلی کا عقل و قیاس کی بنا پر حدیث رد کرنے کا استدلال کیسے درست ہو سکتا ہے!

نوحہ کرنے پر مُردے کو عذاب اور سماعِ میت

- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نوحہ کرنے سے مردے کو عذاب دینے والی روایت پر یہ اعتراض ضرور کیا کہ یہ قرآن کی آیت: ''کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا'' [2] کے خلاف ہے۔ [3] انھوں نے اسے عقل و قیاس کے خلاف قرار دیا نہ رد کیا۔ اس مسئلے پر صحابہ کا اختلاف ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اعتراض قرآن اور صحیح حدیث میں تطبیق سے رفع ہوسکتا ہے، چنانچہ محدثین نے بجا طور پر دونوں باتوں میں اس طرح تطبیق دی کہ اگر عرب کے پرانے جاہلی دستور کے مطابق مرنے والا اپنے پیچھے نوحہ کرنے کی تلقین کر جائے تو اس بات پر اسے عذاب ہوگا۔
- بدر کے کافر مقتولین کے بارے میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس وقت میں جو کہہ رہا ہوں، یہ سن رہے ہیں۔'' اس پر بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہی اعتراض کیا کہ یہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں ہیں۔ [4] انھوں نے اسے خلافِ عقل قرار دے کر مسترد نہیں کیا۔ ان کا یہ تبصرہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری بات نہ پہنچنے کے سبب سے تھا۔ پوری بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: ''اللہ نے اس موقع کے لیے ان کی روحیں لوٹا دی ہیں اور اس گھڑی وہ میری بات تم سے بھی زیادہ سن رہے ہیں۔'' روایت کے اس حصے کے سامنے آنے کے بعد یہ اعتراض رفع ہو جاتا ہے کہ یہ روایت قرآن کے خلاف ہے۔
- طلاق یافتہ عورت کی عدت کے دوران میں اس کے نان ونفقہ کے حوالے سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کی روایت پر عمل نہ کیا۔ اس کا سبب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہیں بتایا کہ یہ عقل و قیاس کے خلاف ہے، اس لیے اس پر عمل نہیں کریں گے۔ بلکہ واضح طور پر فرمایا: لَا نَدْرِي لَعَلَّهَا حَفِظَتْ أَوْنَسِيَتْ ''ہمیں معلوم

[1] صحيح مسلم: 368. [2] الأنعام 6:164. [3] صحيح البخاري: 1288. [4] صحيح البخاري: 3979-3981.

نہیں شاید انھوں (فاطمہ) نے بات ٹھیک طرح سے یاد رکھی یا بھول گئیں۔" پھر عمر رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کی آیت:
﴿لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّآ أَنْ يَّأْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ (الطلاق 65:1)
"تم انھیں ان کے گھروں سے نہ نکالو اور نہ وہ خود نکلیں مگر یہ کہ وہ کوئی کھلی بے حیائی کریں" کے عموم سے استدلال کیا کہ مطلقہ کو خرچ ملنا چاہیے۔ [1] گویا حضرت عمر کو اس کے بارے میں تردد اس لیے تھا کہ ممکن ہے فاطمہ بنت قیس کو نسیان ہوا ہو۔

محدثین نے وضاحت کی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث صحیح ہے جس سے مطلقہ ثلاثہ بائنہ کی بابت یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ وہ نان ونفقہ اور سکنیٰ کی مستحق نہیں اور قرآن کا جو حکم ہے، اس کا تعلق ان عورتوں سے ہے جو مطلقہ رجعیہ ہیں۔
حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا موقف وہی ہے جو فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا تھا اور وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس عورت کے لیے رہائش اور خرچ کا اثبات کہاں ہے جسے تین طلاقیں ہو چکی ہوں؟ اس حدیث سے چونکہ متعدد مسائل کا استنباط ہوتا ہے، اس لیے تمام ائمہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔
صحابہ نے، بعض اوقات پہلے سے معلوم نہ ہونے کی بنا پر، کسی صحیح خبر پر تعجب کا اظہار کیا یا تاکید چاہی یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح کسی کے حافظے کے بارے میں تردد کا اظہار کیا تو اس وجہ سے ان کی طرف یہ بات کسی صورت منسوب نہیں کی جا سکتی کہ انھوں نے عقل وقیاس کی بنیاد پر صحیح خبر کو رد کیا۔
بعض مشکل احادیث کے حوالے سے کچھ محدثین نے اگر یہ کہا ہے کہ ان کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا یا یہ کہا ہے کہ اس حوالے سے فلاں مشکل پیش آتی ہے تو یہ بھی صحیح حدیث کا رد نہیں، بلکہ اس کے برعکس یہ حدیث کی قبولیت اور اس کے مکمل فہم میں اپنی تقصیر کا اعتراف ہے۔ یہی درست طرزِ عمل بھی ہے۔

کم عمر صحابہ کی روایت

علامہ شبلی نے سیرت النبی ﷺ کے مقدمے میں ایک عنوان یہ قائم کیا ہے: "نوعیتِ واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار نہیں قائم کیا گیا۔" اس میں وہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی ثقہ راوی کوئی ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے تو بلا تکلف روایت تسلیم کر لی جائے گی لیکن کوئی اگر غیر معمولی، تجربۂ عام کے خلاف، گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہ رکھنے والا واقعہ بیان کرتا ہے تو "معمولی درجۂ وثوق" کافی نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں، مثلاً: "ایک بحث یہ ہے کہ روایت کرنے کے لیے کسی عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ 5 برس

[1] صحيح مسلم: 1480، فتح الباري: 595,594/9.

کا لڑکا حدیث روایت کرسکتا ہے یا مثلاً: اگر کسی صحابی نے 5 برس کی عمر میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابلِ اعتبار ہوگی؟'' [1]

یہاں مشکل یہ ہے کہ علامہ شبلی کے ہاں متعدد الگ الگ معاملات ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوگئے ہیں۔ انھوں نے عام کم عمر راوی اور کم سن صحابی دونوں کی روایت کی قبولیت کو مختلف فیہ قرار دیا ہے، حالانکہ قبولیتِ روایت کے لیے عمر کی بحث غیر صحابہ کے لیے ہے، صحابہ کے لیے نہیں۔ بلکہ جو محدثین کم عمر راوی کی قبولیت کے حق میں ہیں، انھوں نے اپنے موقف کے حق میں اسی بات سے استدلال کیا ہے کہ جب کم عمر صحابہ کی روایات سب کے نزدیک قابل قبول ہیں تو دوسرے کم عمر ثقہ راویوں کی روایت قبول کرنے میں کیا حرج ہے؟! نیز انھوں نے یہ استدلال صرف حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نہیں کیا بلکہ کم سن صحابہ کی ایک پوری جماعت ہے۔ ان سب صحابہ کرام کی روایات قبول کرنے پر تمام ائمۂ امت کا اجماع ہے۔ علامہ شبلی نے اپنے مقدمے میں جس کتاب (فتح المغیث) کے بار بار حوالے دیے ہیں، اسی میں پوری بات کی وضاحت ان الفاظ میں موجود ہے:

وَرُدَّ عَلَى الْقَائِلِينَ بِعَدَمِ قَبُولِ الصَّبِيِّ بِإِجْمَاعِ الْأَئِمَّةِ عَلٰى قَبُولِ حَدِيثِ جَمَاعَةٍ مِّنْ صِغَارِ الصَّحَابَةِ مِمَّا تَحَمَّلُوهُ فِي حَالِ الصِّغَرِ كَالسِّبْطَيْنِ وَهُمَا الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ ابْنَا ابْنَتِهٖ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ، وَالْعَبَادِلَةِ ابْنِ جَعْفَرِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، وَابْنِ الزُّبَيْرِ، وَابْنِ عَبَّاسٍ، وَالنُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ، وَالسَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، وَالْمِسْوَرِبْنِ مَخْرَمَةَ، وَأَنَسٍ، وَمَسْلَمَةَ بْنِ مُخَلَّدٍ، وَ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، وَيُوسُفَ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَلَامٍ، وَأَبِي الطُّفَيْلِ وَعَائِشَةَ وَنَحْوِهِمْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِّنْ غَيْرِ فَرْقٍ بَيْنَ مَا تَحَمَّلُوهُ قَبْلَ الْبُلُوغِ وَبَعْدَهُ.

''جن لوگوں نے بچے کی روایت قبول نہ کرنے کی بات کی ہے، ان کی تردید اس بات سے کی گئی ہے کہ تمام ائمہ کا کم عمر صحابہ کی پوری جماعت کی احادیث قبول کرنے پر اجماع ہے جو انھوں نے کم سنی کے عالم میں حاصل کیں (یا بیان کیں)، جیسے رسول اللہ ﷺ کے دونوں نواسے حسن اور حسین ہیں، جو آپ کی دختر سیدہ فاطمہ زہراء کے فرزند ہیں اور تینوں عبداللہ (یعنی) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عباس، نعمان بن بشیر، سائب بن یزید، مسور بن مخرمہ، انس، مسلمہ بن مخلد، عمر بن ابی سلمہ (ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے فرزند)، یوسف بن عبداللہ بن سلام، ابوطفیل، حضرت عائشہ اور دیگر (کم عمر صحابہ) ہیں رضی اللہ عنہم۔ اس بات

[1] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 48/1.

سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ انھوں نے حدیث بلوغت سے قبل لی (اور بیان کی) یا بعد میں۔" [1]

ہجرت کے حوالے سے روایتِ عائشہ پر انحصار

علامہ شبلی نے پانچ برس کے صحابی اور دوسرے کم عمر راویوں کو ایک ساتھ ملا کر کم عمر صحابہ کی روایات کو بھی نہ صرف ایک اختلافی مسئلہ بنا دیا ہے بلکہ اہم نوعیت کے واقعات کے لیے اسے کم معیار کی شہادت قرار دیا ہے۔ اب چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے موقف کے مطابق اپنی تالیف کردہ سیرت النبی میں کم سن صحابہ کی روایت پر انحصار نہ کرتے لیکن انھوں نے اکثر مقامات پر کم سن صحابہ کی روایات ہی کو بنیاد بنایا۔ اس کی ایک مثال رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کا واقعہ ہے، لکھتے ہیں: "(ہجرت کی) یہ داستان نہایت پُر اثر ہے اور اسی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی لکھا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گو اس وقت سات آٹھ برس کی تھیں لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ انھی سے سن کر کہا ہوگا اور ابتدائے واقعہ میں وہ خود بھی موجود تھیں۔" [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت چھ سال کی ہوئی تھیں، ساتویں کا آغاز ہی ہوا تھا۔ [3] سات آٹھ برس کہنا درست نہیں۔ نیز ان کے ایک ایک لفظ سے واضح ہوتا ہے کہ ابتدائے واقعہ کو وہ اپنے مشاہدے کے مطابق بیان کر رہی ہیں۔ مولانا شبلی نے ہجرت کے حوالے سے کم سن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اسی پورے بیان پر انحصار کیا ہے۔

کم سن صحابہ کی سب روایات صحیح ہیں

محدثین کے ہاں یہ بات مسلّم ہے کہ جن کم سن صحابہ نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا یا آپ سے سنا، اس وقت کے حالات وظروف کے عین مطابق، ان کی پوری توجہ مکمل طور پر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قول وعمل پر مرکوز تھی اور بعد میں بھی ساری زندگی رہی۔ انھوں نے اپنے خاندان کے افراد اور دوسرے صحابہ سے بھی انتہائی توجہ اور اہتمام سے روایات سنیں۔ بعد ازاں اپنی معلومات کی توثیق بھی کی اور ان میں توسیع بھی کی۔ انھوں نے جو بھی روایات بیان کیں، وہ سب کی سب صحیح ہیں۔

اس صورتِ حال میں ان کے مقدمے کا ایک قاری یہ سمجھ لینے میں حق بجانب ہے کہ کم سن صحابہ کی روایات کی قبولیت کو دیگر راویوں کے ساتھ خلط کرنے یا کسی راوی کی طرف سے اپنی روایات میں قیاس آرائی کی شمولیت کی

[1] فتح المغیث: 151,150/2۔ [2] سیرۃ النبی ﷺ: 161/1۔ [3] الإصابة: 232,231/8۔

بحث اور قیاس و درایت کی بنا پر احادیث کو قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں صحابہ کے دو گروہ بنانے کی کھکھیڑ انھوں نے اپنی کتاب سیرت النبی میں قبولِ روایات کا معیار واضح کرنے کے لیے نہیں اٹھائی بلکہ ان کا اصل مقصد اس مقدمے کے مباحث کے ذریعے سے بعض ایسے فقہی قیاسات کا دفاع کرنا تھا جن کے بارے میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ صحیح اور صریح احادیث کے خلاف ہیں۔

پہلے تو علامہ شبلی نے ''معمولی درجۂ وثوق'' رکھنے والے راوی سے ایسے واقعے کو قبول کرنے پر اعتراض کیا جو ''گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہیں رکھتا۔''[1] لیکن آگے چل کر وہ کہتے ہیں: ''یورپ کے اصولِ تنقیح شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح میں سخت اختلاف ہے۔ یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب؟ اس کے اخلاق و عادات کیا ہیں؟ حافظہ کیسا ہے؟ اس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ ممکن ہے نہ ضروری ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے یا نہیں؟ فرض کرو ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے جو قرائنِ موجودہ اور گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے اور کہیں سے نہیں اکھڑتا تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کرلی جائے گی۔

بخلاف اس کے مسلمان مؤرخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہیں کہ ''اسمائے رجال'' کے دفترِ تحقیقات میں اس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں؟[2] اگر نہیں ہے تو ان کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابلِ اعتنا ہے۔[3] بخلاف اس کے کہ اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو[4] اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو لیکن اس کی روایت قبول کرلی جائے گی۔''[5]

صحیح روایات خلافِ عقل نہیں، محدثین کا موقف

مولانا شبلی نے اپنے اس بیان میں بھی محدثین کے بارے میں جو کچھ فرمایا، وہ کلی طور پر درست نہیں، بلکہ محدثین

[1] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 48/1. [2] یہ نام بہت زیادہ تحقیق کے بعد درج ہوتا ہے اور اسی کا درج ہوتا ہے جس نے حقائق ثابتہ کے خلاف روایتیں بیان نہ کی ہوں۔ [3] ثقہ سے نیچے صدوق اور مقبول راویوں کی روایات کو بھی قابلِ قبول سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ اگر کم درجے کا ضعف ہے، جھوٹ یا روایات وضع کرنے کا الزام نہیں اور مضبوط شواہد موجود ہیں تو ان کی روایت بھی متن پر تنقیدی نظر ڈالنے کے بعد، قابلِ قبول سمجھی جاتی ہے۔ [4] اگر کسی راوی کی بیان کردہ روایات مضبوط قرائن اور مسلمات کے خلاف ہوں تو یہ بات خود اس کی ثقاہت پر اثر انداز ہوتی ہے۔
[5] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 70,69/1.

کے بارے میں ان کے اپنے ہی بیانات کے خلاف ہے۔ انھوں نے درایت کی اصطلاح کو اپنا مفہوم عطا کرتے ہوئے جو کچھ تحریر فرمایا، اس میں خود تسلیم کرتے ہیں کہ محدثین ہر وہ حدیث جو عقولِ انسانی کے خلاف ہو یا مسلمہ اصولوں کے خلاف، اس کے بارے میں یقین رکھتے ہیں کہ وہ موضوع ہے۔ انھوں نے اس حوالے سے امام ابن جوزی کی عبارت بھی نقل کی ہے۔[1]

امام ابن جوزی نے اپنی عبارت میں عقل کی مخالفت کے حوالے سے بہت محتاط الفاظ استعمال کیے ہیں۔ انھوں نے مخالفِ عقل حدیث نہیں کہا، مخالفِ عقول کہا ہے، یعنی جو سب لوگوں کی عقل کے خلاف ہو کیونکہ اس معاملے میں محض چند انسانوں یا کسی ایک انسان کی عقل معیار نہیں۔ وہ راوی جنھوں نے عقول، اصولِ کتاب وسنت اور اجماعِ قطعی کے خلاف روایات بیان کیں، وہی غیر معتبر راوی ہیں۔ معتبر راوی کوئی ایسی روایت بیان ہی نہیں کرتے جس میں مذکورہ بالا خامیاں پائی جاتی ہوں۔

جس طرح پہلے وضاحت ہو چکی، محدثین نے اصل معیار ثقاہت کو قرار دیا ہے اور ثقاہت کی انتہائی اہم شرط ہے کہ راوی مناکیر روایت نہ کرے۔ جن لوگوں نے عقول، اصول اور حس ومشاہدے کے خلاف روایات بیان کی ہیں، محدثین نے ان میں سے کسی کو ثقہ قرار نہیں دیا۔ اگر کوئی ایسے راویوں کے خلاف جرح ڈھونڈنے کا تکلف نہ بھی کرے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ استقرا سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسی روایات صرف مجروح لوگ ہی بیان کرتے ہیں۔

علامہ شبلی کی ان عبارتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ انھوں نے درایت وقیاس کے حوالے سے جو کچھ لکھا، اس کے ہر پہلو پر کما حقہ غور نہیں فرمایا۔ اس میں وہ ایک جگہ جو بات کہتے ہیں، دوسری جگہ خود اس کے خلاف موقف اختیار کر لیتے ہیں۔

انھوں نے قیاس ودرایت کا جو مفہوم خود متعین کیا ہے، اس کی کئی مثالیں دی ہیں جن میں سے بعض کی حقیقت ہم واضح کر آئے ہیں۔ جو دوسری مثالیں ہیں، ان کا تعلق بھی اختلافِ فہم سے ہے جو بعض مسائل میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان تھا، یا اس کا تعلق پوری حدیث کے علم یا اس کی جزئیات سے بے خبری پر ہے کیونکہ ان میں سے کسی بھی واقعے کا تعلق اس بات سے نہیں تھا کہ صحابہ نے اس حدیث کو عقل وقیاس کے خلاف سمجھا، اس لیے ردّ کر دیا۔

محدثین پر ناروا اعتراض

مولانا شبلی نے محدثین کے بارے میں بھی کئی اور باتیں خلافِ واقعہ کہہ دی ہیں، مثلاً: وہ لکھتے ہیں: ''اس لیے

[1] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 40/1.

ضروری ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کیے ہیں اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہیں، ان کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کی جائے۔“ [1]

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ روایات کی چھان پھٹک کے بارے میں محدثین کرام سے بڑھ کر احتیاط کرنے اور معیار کے بارے میں لچک نہ دکھانے والا طبقہ تاریخِ انسانی میں اور کوئی نہیں۔ وہ کبھی اپنے اصولوں کو نہیں بھولے۔ کاش! مولانا اصول کو فراموش کرنے کی کوئی ادنیٰ سی مثال تو پیش فرما دیتے۔ حقیقت صرف یہ ہے کہ درایت سے محدثین کی مراد کچھ اور ہے، وہ اسی کے اصولوں کے ہمیشہ پابند رہے جبکہ مولانا درایت کو محدثین کے برعکس اپنی مرضی کا مفہوم دینے کے لیے کوشاں ہیں، حالانکہ محدثین اس مفہوم کو مانتے ہیں نہ اس کے پابند ہو سکتے ہیں۔

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ محدثین نے کبھی اللہ پر ایمان رکھنے والے دانا اور سلیم الفطرت انسانوں کی عقول یا اصول یا حس و مشاہدے کے خلاف کوئی روایت قبول کی ہے۔ اصل مسئلہ محض اتنا ہے کہ بعض حضرات نے بعض معاملات میں صحیح احادیث کے خلاف اپنی آراء اور قیاسات کو ترجیح دی ہے۔ یہ ایسی آراء ہیں جن کی بنا پر محدثین صحیح احادیث کو مسترد کرنے کے روادار نہیں۔ مسئلہ عقولِ انسانی کا نہیں، بعض حضرات کی آراء کا ہے جو کبھی اتنی بڑی نہیں ہو سکتیں کہ ان کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے ثابت شدہ فرامین کو ترک کر دیا جائے۔

غزوات اور دیگر واقعات میں بھی محدثین کے اصولوں کی پابندی ضروری ہے

ان مباحث کے بعد علامہ شبلی نے اپنی کتاب میں ملحوظ رکھے جانے والے اصولِ تصنیف و ترتیب بیان فرمائے ہیں۔ انھوں نے سیرت کے حوالے سے سب سے مقدم قرآن مجید کو رکھا ہے، پھر احادیثِ صحیحہ کو، اور فرمایا کہ سیرت سے متعلقہ صحیح احادیث انھوں نے کتبِ حدیث سے جمع کی ہیں اور اس کام پر خوب محنت کی ہے۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ احادیثِ صحیحہ کے مقابلے میں انھوں نے اربابِ سِیَر کی روایات کی ضرورت نہیں سمجھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے روز مرہ اور عام واقعات میں سے ”جو واقعات کچھ بھی خاص اہمیت رکھتے ہیں، ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے۔“ [2] ان کے بیان کردہ یہ اصول متفق علیہ ہیں لیکن آگے ”استناد اور حوالے“ کے زیرِ عنوان یہ بھی فرماتے ہیں: ”جو واقعات کسی قدر اہم ہیں ان کے متعلق صرف صحیح حدیثوں یا مستند تاریخی روایتوں کا حوالہ دیا ہے۔ لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل میں محدثانہ کدّ و کاوش نہیں کی ہے۔“ [3]

ہم اس آخری بات سے متفق نہیں ہو سکتے کیونکہ ہماری نظر میں غزوات اور سیرت سے متعلق ہر واقعہ خاص اہمیت

---

[1] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 70/1. [2] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 71/1. [3] سیرۃ النبی ﷺ، مقدمہ: 72/1.

رکھتا ہے۔ آپ کی ہر بات قابلِ عمل اور ہر ادا قابلِ اتباع ہے۔ اس کے علاوہ یہ معاملہ کسی بھی بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کا ہے جس میں ذرہ برابر عدمِ احتیاط قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔

استشراق اور عرب مصنفین

جب مغربی استعمار نے مسلم ممالک تک اپنے پنجے پھیلا دیے اور ان میں اپنا نظامِ تعلیم رائج کر دیا تو عربی زبان میں بھی ایسی تصنیفات سامنے آنے لگیں جن پر مستشرقین کے اسلوب اور ان کے افکار کی چھاپ نمایاں تھی۔ اس سلسلے کی نمایاں کتابوں میں مصر کے معروف ادیب محمد حسین ہیکل کی کتاب ''حیاتِ محمد'' ہے۔ اپنی اس کتاب کے بارے میں وہ خود کہتے ہیں:

إِنِّي لَمْ آخُذْ بِمَا سَجَّلَتْهُ كُتُبُ السِّيرَةِ وَالْحَدِيثِ، لِأَنَّنِي فَضَّلْتُ أَنْ أَجْرِيَ فِي هٰذَا الْبَحْثِ عَلَى الطَّرِيقَةِ الْعِلْمِيَّةِ.

''جو کچھ سیرت اور حدیث کی کتابوں میں ریکارڈ کیا گیا ہے، میں نے اسے نہیں لیا کیونکہ میں اس تحقیق میں علمی اور سائنسی طریقے پر چلنا چاہتا تھا۔''

کیا علمی اور سائنسی طریقہ یہ ہے کہ جہاں حقائق موجود ہوں، ادھر کا رخ نہ کیا جائے بلکہ ظن وتخمین کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے خود تاریخ سازی کر کے دکھائی جائے؟

ایک اور معروف عرب قلمکار محمد فرید وجدی ہیں۔ انھوں نے السیرة المحمدیة تحت ضوء العلم والفلسفة (سیرتِ محمدیہ سائنس اور فلسفے کی روشنی میں) کے عنوان سے مقالات کا ایک سلسلہ سپردِ قلم کیا۔ ان کا مطمحِ نظر ان کے ان الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے:

وَقَدْ لَاحَظَ قُرَّاؤُنَا أَنَّنَا نَحْرِصُ كُلَّ الْحِرْصِ فِيمَا نَكْتُبُهُ فِي هٰذِهِ السِّيرَةِ عَلٰى أَلَّا نُسْرِفَ فِي كُلِّ نَاحِيَةٍ إِلٰى نَاحِيَةِ الْإِعْجَازِ، مَا دَامَ يُمْكِنُ تَعْلِيلُهَا بِالْأَسْبَابِ الْعَادِيَةِ، حَتّٰى وَلَوْ بِشَيْءٍ مِّنَ التَّكَلُّفِ.

''ہمارے قارئین نے ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ اس سیرت میں ہم نے جو لکھا، اس میں ہم اس بات کے شدید خواہش مند ہیں کہ جب تک عام اور معمول کے اسباب کے ذریعے سے اس کی تعلیل اور وضاحت ممکن ہو، اس کے ہر پہلو کو معجزانہ قرار دینے میں اسراف نہ کریں۔ چاہے ہمیں اس سلسلے میں کسی حد تک تکلف ہی

کیوں نہ کرنا پڑے۔''

یعنی وجدی صاحب کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے کارناموں کے غیر معمولی اور معجزانہ پہلوؤں کا انکار ضروری ہے، چاہے اس کے لیے ان کی تاویل کرنے میں کتنا ہی تکلف کیوں نہ کرنا پڑے، چنانچہ وہ ان تمام حقائق کی کوئی نہ کوئی ایسی تعبیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں جس کے ذریعے سے اعجاز کی نفی ہو سکے۔

نبوت کی واضح ترین دلیلوں میں سے ایک دلیل اعجاز ہے۔ وجدی صاحب نے سیرت پر ایسے مضامین لکھے ہیں جن کا اصل مقصود یہ ہے کہ سیرت طیبہ کے غیر معمولی اور ارفع و اعلیٰ پہلوؤں کا انکار کیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ہر پہلو اور آپ کا ہر کارنامہ اس قدر مکمل، بے مثال اور خوبصورت ہے کہ اس کے سوا اس کی کوئی اور توجیہ ممکن ہی نہیں کہ آپ عام انسان نہیں، نبی ہیں اور سلسلۂ انبیاء میں آپ سب سے افضل، تمام انبیاء کی صفاتِ جمیلہ کا مجموعہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ آپ نے زندگی کے ہر معاملے میں، وہ تمام انسانیت کی مکمل فلاح کے عظیم الشان مشن سے وابستگی ہو، اس کے لیے جان توڑ محنت ہو، اس کے سبب سے آنے والی مشکلات پر صبر ہو، سچائی پر استقامت ہو، مادی اور دنیوی مفادات سے لاتعلقی ہو، بدترین دشمنوں سے صلح جوئی کی کوششیں ہوں، ہر انسان کی بہبود کی مساعی ہوں، مشکل سے مشکل معاملے میں اخلاقِ عالیہ اور صفاتِ فاضلہ کا مظاہرہ ہو، غرض میدان کوئی بھی ہو، آپ نے ایسا طرزِ عمل اختیار کیا جس سے زیادہ خوبصورت، جس سے زیادہ کامیاب، جس سے زیادہ روشن دوسرا کوئی طرزِ عمل ہو نہیں سکتا۔ یہی تکمیلِ نبوت ہے، یہی سب سے بڑا اعجاز ہے۔

اعجازِ نبوت کا انکار عناد اور کج فکری ہے

دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا معاشرہ اور کوئی ایسی قوم نہیں جس نے اپنے اندر انبیاء کے وجود کا اعتراف نہ کیا ہو۔ کسی نے انھیں اوتار (سنسکرت) کہا، کسی نے وخشور (قدیم فارسی)، کسی نے Apostolos (یونانی) اور کسی نے شلیخ (بمعنی رسول، سخت پیغام لانے والا، عبرانی)[1] کہا۔ قرآن مجید نے کچھ انبیاء کا ذکر کیا، یہود اور نصاریٰ دونوں کے ہاں کچھ مزید انبیاء کے نام بھی آتے ہیں۔ دوسری اقوام کی تاریخ میں بھی کچھ ایسی ہستیوں کے نام موجود ہیں جن کے بارے میں یہی قرینِ قیاس ہے کہ انھوں نے توحید اور مکارمِ اخلاق کا درس دیا۔ ان کے بارے میں گمانِ غالب یہی ہے کہ وہ انبیاء تھے۔ اگرچہ ان کی تعلیمات صحیح طور پر محفوظ نہیں لیکن یہ بات طے ہے کہ دنیا کے ممتاز ترین لوگ جن پر کسی طرح بھی انگلی نہیں اٹھائی جا سکتی، جن کے نمونۂ عمل سے بہتر نمونۂ عمل کوئی اور پیش نہ کر سکا، جن کے

[1] قاموس الکتاب، ص: 435.

جن کے اخلاقِ عالیہ کی رفعتوں کے سامنے سب کا سر جھکتا ہے، جن کی صفاتِ حسنہ کی تحسین ہر سلیم الفطرت انسان دل کی گہرائیوں سے کرتا ہے اور جن کی مثال پیش کرنے سے انھی جیسے دوسرے انبیاء کے علاوہ کوئی بھی دوسرا شخص قاصر ہے، وہ انبیائے کرام ہی ہیں جن کی صفاتِ عالیہ کی بنا پر دنیا میں ان کے اعمال و افعال کے نتائج غیر معمولی اور حیران کن ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اعجاز کا ایک نمایاں پہلو آپ کی غیر معمولی کامیابیاں بھی ہیں جن کے حصول سے دوسرے عاجز ہیں۔ یہ انصاف نہیں، محض عناد اور کج فکری ہے کہ جان بوجھ کر، تکلف کر کے بھی، اس فضل و کمال سے جس کا دوسرا نام اعجازِ نبوت ہے، انکار کر دیا جائے۔

انکارِ فضل و کمال کی ان کوششوں کے بعد برصغیر (پاک و ہند) کی طرح عرب دنیا میں بھی ان مصنفین کا دور آیا جو اگرچہ کسی حد تک مغربی اسلوب سے متاثر تھے لیکن ان کے ذہنی غلام نہ تھے۔ ان کی اکثریت نئی عرب یونیورسٹیوں کے ساتھ وابستہ تھی۔ ان میں نمایاں محمد خضری بک ہیں۔ چار جلدوں میں ان کی محاضرات في تاریخ الأمم الإسلامیة معروف کتابوں میں سے ہے۔ اس کی پہلی نصف جلد سیرت کے بارے میں ہے۔ ان کی دوسری کتاب نور الیقین في سیرۃ سید المرسلین خالص سیرت کی کتاب ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن ہیں۔ ان کی تاریخ الاسلام کا ایک حصہ سیرت کے لیے خاص ہے۔ ان حضرات کو کسی حد تک علامہ شبلی نعمانی کا مماثل قرار دیا جا سکتا ہے۔

نئے دور کی اہم عربی کتب سیرت

ان کے بعد مستشرقین کے اسلوب کے جواب میں مختلف زبانوں میں لکھنے والے نئے سیرت نگاروں کی ایک کھیپ سامنے آئی۔ انھوں نے اسلامی اصولِ بحث و تحقیق کو اپنایا۔ عرب مصنفین میں سے بعض نے امام ابن قیم کے اسلوب کو اپناتے ہوئے یہ اہتمام کیا ہے کہ سیرت کی بنیاد مقبول روایت پر رکھنے کے ساتھ ساتھ احکام و مسائل کا استنباط بھی کیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے نمایاں فقہ السیرۃ کے نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک شیخ محمد غزالی کی تصنیف ہے اور دوسری شیخ محمد سعید رمضان بوطی کی۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب السیرۃ النبویة، دروس وعبر میں احکام نہیں بلکہ سیرت سے حاصل ہونے والے اسباق اور حکمتوں کا تذکرہ ہے۔

مستشرقین اور ان سے متاثر ہونے والوں کی کوششوں کے علی الرغم موجودہ دور میں علم حدیث کی کتابوں کی تحقیق اور محدثین کی بہت سی کتابیں شائع ہونے کے نتیجے میں یہ احساس پیدا ہوا کہ سیرت میں قرآن مجید اور اس کے بعد صرف احادیثِ صحیحہ اور تاریخ و سیرت کی سنداً صحیح روایات پر اعتماد کرنا چاہیے۔ شیخ غزالی نے جب اپنی مشہور کتاب

فقہ السیرۃ لکھی اور وہ مقبول ہوئی تو شیخ ناصر الدین البانی نے انھیں قائل کیا کہ ان کی کتاب میں بیان کی گئی روایات کی محدثین کے معیار کے مطابق تخریج ہونی چاہیے۔ ان کی رضا مندی سے جب شیخ البانی نے تحقیق کی تو شیخ غزالی اس پر خاصے اضطراب کا شکار ہوئے، انھوں نے اپنی کتاب کے نئے ایڈیشن میں شیخ البانی کی تحقیقات چھاپنے کی اجازت تو دی اور یہ ان کی علمی عظمت کی نشانی ہے لیکن ساتھ ہی یہ کوشش کی کہ جابجا شیخ البانی کی تحقیقات کے حوالے سے کسی طور پر اپنا دفاع کیا جائے۔ شیخ البانی نے اپنا کام جاری رکھا اور امام ترمذی کی الشمائل المحمدیۃ کی تحقیق کے بعد اپنے دور کے عظیم محدث، مفسر اور مؤرخ امام ابن کثیر کی السیرۃ النبویۃ کی روایات پر بھی تحقیق شروع کر دی۔ وہ اسراء اور معراج کے واقعے تک پہنچ پائے تھے کہ اللہ کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ ان کی تحقیق صحیح السیرۃ النبویۃ کے نام سے واقعہ معراج تک شائع ہوئی۔

برصغیر میں اس سے پہلے سیرت نویسی کے ارتقاء کے یہ مراحل گزر چکے تھے۔ علامہ شبلی رحمہ اللہ کی سیرت کے بعد مولانا عبدالرؤف دانا پوری نے 1932ء میں اردو میں اصح السیر کے نام سے کتاب لکھی۔ انھوں نے زیادہ انحصار سیرت کی بنیادی کتابوں ہی پر کیا لیکن، حتی المقدور، ان کی روایات کو محدثین کے معیار پر پرکھ کر مقبول روایات کو لیا۔ اگرچہ طریق محدثین پر ہر روایت کے صحیح یا حسن ہونے کا حکم ساتھ ساتھ نہیں لگایا اور مراجع کے حوالے بھی نہیں دیے لیکن عمومی طور پر صحت مراجع کا اہتمام کرنے کی کوشش کی۔

عربی زبان میں اس نوع کی کتابوں میں محمد ابوزہرہ کی خاتم النبیین، شیخ محمد عیسیٰ دروزہ کی سیرۃ رسول اللہ ﷺ صور مقتبسۃ من القرآن الکریم و تحلیلات و دراسات قرآنیۃ اور شیخ ابوالحسن علی ندوی کی السیرۃ النبویۃ نمایاں ہیں۔ اس دوران میں صحیح روایات سے مرتب کردہ سیرت کی متعدد کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان میں شیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری کی الرحیق المختوم، ڈاکٹر علی الصلابی کی السیرۃ النبویۃ، محمد صویانی کی السیرۃ النبویۃ کما جاءت في الأحادیث الصحیحۃ، ڈاکٹر مہدی رزق اللہ کی السیرۃ النبویۃ في ضوء المصادر الأصلیۃ اور ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کی السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ زیادہ اہم اور مقبول کتب ہیں۔ صحیح روایات پر مبنی ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتابیں سامنے آ رہی ہیں۔ سیرت کے مختلف موضوعات پر ڈاکٹر مہدی رزق اللہ اور غالباً ان سے بھی بڑھ کر ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری کی کتابیں، مثلاً: المجتمع المدني بھی سامنے آئی ہیں۔

صحیح حدیث اور صحیح تاریخی روایات

ڈاکٹر عمری نے السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ کے مقدمے میں لکھا ہے:

وَقَدْ ظَهَرَ جَلِيًّا أَنَّ الْاِعْتِمَادَ عَلٰى صَحِيحِ الرِّوَايَاتِ وَ حَسَنِهَا يَكْفُلُ تَوْضِيحَ الْأَبْعَادِ التَّارِيخِيَّةِ لِلسِّيرَةِ النَّبَوِيَّةِ دُونَ حَاجَةٍ إِلَى الضَّعِيفِ مِنَ الرِّوَايَاتِ.[1]

ڈاکٹر عمری نے الصحیح من الحدیث اور الروایة التاریخیة الصحیحة میں فرق کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

شَرْطُ الصَّحِيحِ مِنَ الْحَدِيثِ هُوَ أَنْ يَرْوِيَهُ الْعَدْلُ الضَّابِطُ عَنِ الْعَدْلِ الضَّابِطِ إِلٰى مُنْتَهَاهُ مِنْ غَيْرِ شُذُوذٍ وَّلَا عِلَّةٍ فَشَرْطُ الرِّوَايَةِ التَّارِيخِيَّةِ الصَّحِيحَةِ أَنَّ كُلَّ رُوَاتِهَا الْمُتَعَاقِبِينَ ـــ إِلٰى شَاهِدِ الْعِيَانِ ـــ مُتَدَيِّنُونَ تَدَيُّنًا صَحِيحًا وَّعِنْدَهُمْ مَلَكَةُ الْحِفْظِ الَّتِي تَمْنَعُ وُقُوعَهُمْ فِي الْأَوْهَامِ وَالتَّخْلِيطِ ......[2]

ڈاکٹر عمری نے تاریخی روایت کے لیے راویوں کے عدل وضبط کی جگہ ''تدیُّن'' کی جو صفت بیان کی ہے، اس کے بارے میں محدثین کا مشاہدہ تو یہ ہے کہ تدین کے ہوتے ہوئے بھی لوگوں کی زبان پر جھوٹ جاری رہتا ہے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح کے مقدمے میں اس بات کو اچھی طرح واضح کیا ہے۔ انھوں نے بیان کیا کہ عبداللہ بن مبارک نے اپنے استاد امام سفیان ثوری سے اس زمانے کے مشہور نیک اور متدین بزرگ عبّاد بن کثیر کے بارے میں پوچھا کہ نیکی کے باوجود وہ جب روایت کرتے ہیں تو غیر معمولی باتیں بیان کر دیتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ جب ان کا ذکر آئے تو میں لوگوں (طالبانِ حدیث) سے کہہ دیا کروں کہ لَا تَأْخُذُوا عَنْهُ ''اس سے روایت نہ لو۔'' انھوں نے فرمایا: کیوں نہیں! ابن مبارک فرماتے ہیں: پھر جب کسی مجلس میں میرے سامنے عباد کا ذکر ہوتا تو میں ان کی دین داری کے بارے میں تعریف کرتا لیکن (ساتھ ہی) کہتا: ان سے روایت نہ لو۔''

امام عبداللہ بن مبارک ہی نے بیان کیا کہ وہ امام شعبہ کی خدمت میں پہنچے تو انھوں نے (بھی) فرمایا: یہ عباد بن کثیر ہیں، ان سے دور رہو۔

اسی طرح امام مسلم یحییٰ بن سعید قطان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

لَمْ تَرَ أَهْلَ الْخَيْرِ فِي شَيْءٍ أَكْذَبَ مِنْهُمْ فِي الْحَدِيثِ.

''نیک لوگوں کو تم حدیث سے زیادہ کسی اور چیز میں غلط بیانی کرتے نہ دیکھو گے۔''

وہ کہا کرتے تھے: يَجْرِي الْكَذِبُ عَلٰى لِسَانِهِمْ وَلَا يَتَعَمَّدُونَ الْكَذِبَ.

[1] السيرة النبوية للعمري: 19/1. [2] السيرة النبوية للعمري: 39/1.

”جھوٹ ان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے، وہ عمداً ایسا نہیں کرتے۔“ [1]

اس کے اسباب میں نقد روایات میں مہارت کی کمی، لوگوں کا دل نرم کرنے کے لیے اپنے خیال کے مطابق غرائب کی طرف رغبت، مزاج کی سادگی بلکہ تحقیق علمی کے بجائے زہد وعبادات کی طرف زیادہ توجہ، ہو سکتے ہیں۔

سیرت کے معاملے میں تساہل کیوں؟

کسی بھی روایت کو قبول کرنے کے بارے میں محدثین نے جو اصول قائم کیے، عقل سلیم، دانائی اور معروضیت کے تقاضوں کے مطابق ان کی نسبت بہتر اصول قائم نہیں کیے جا سکتے۔ راویوں کے درجات قائم کرتے ہوئے انھوں نے ثقہ راویوں کے دو درجے قائم کیے ہیں۔ ان کے بعد صدوق کے دو درجے ہیں۔ ایک صَدُوق یا لَا بَأْسَ بِهٖ اور دوسرا صَدُوقٌ يَهِمُ ”سچا ہے کبھی وہم بھی لاحق ہو جاتا ہے۔“ اس کے بعد اس راوی کا درجہ ہے جس سے زیادہ احادیث مروی نہیں (کہ بہت سے لوگوں نے اس کے احوال کھنگالے ہوں) لیکن اس کے بارے میں ایسی کوئی بات ثابت نہیں جس کی وجہ سے اس کی حدیث ترک کرنا ضروری ہو۔ ایسے راوی کا کوئی متابع (مؤید) موجود ہو تو اسے ”مقبول“ کہا جاتا ہے اور اگر متابع نہ ہو تو اسے لَيِّنُ الْحَدِيث قرار دیا جاتا ہے۔ کسی بھی خبر یا گواہی کے حوالے سے اعتماد کا یہ آخری درجہ ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد مستور، ضعیف، مجہول، متروک الحدیث، کذّاب اور وضّاع کے درجات آتے ہیں۔ یہ سب ایسے ہیں کہ ان کی بیان کردہ کسی بات یا چیز کو رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت دینے کا کوئی جواز نہیں ہو سکتا۔ محدثین جن روایات کو قبول کرتے ہیں، احتیاطاً ان کے راویوں کا درجہ اور روایت کا مرتبہ بھی واضح کر دیتے ہیں۔ [2]

موجودہ دور میں ہمارے بہت سے محتاط سیرت نویس بھی یہ بات کہتے ہیں کہ سیرت پر لکھتے ہوئے وہ روایات جن سے مسائل اور احکام کا استنباط ہو سکتا ہے، ان کے بارے میں سخت احتیاط ضروری ہے لیکن جن روایات سے مسائل و احکام کا استنباط نہیں ہوتا، مثلاً: عمرانی امور، شہروں اور عمارتوں کی نقشہ بندی، نہروں کی کھدائی، یا جنگ کے میدانوں اور ان میں جہاد کرنے والے مجاہدین کی شجاعت اور جاں نثاری کے قصے تو ان میں تساہل برتا جا سکتا ہے۔ [3]

ہم اس معاملے میں ان حضرات سے متفق نہیں۔ عام تاریخ کی بات الگ ہے لیکن جب رسول اللہ ﷺ کی سیرت بیان کی جا رہی ہو تو آپ کی طرف کسی بھی بات، کام یا چیز کو منسوب کرنے میں کسی طرح کا تساہل نہیں برتا

[1] صحیح مسلم، مقدمة: 38 و 40. [2] مدارج رواۃ کے لیے دیکھیے: تقريب التهذيب، مقدمة المؤلف، ص :25,24.
[3] السيرة النبوية للعمري :40/1.

جا سکتا۔ نیز صحیح تر بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات سے استنباط ہو سکتا ہے۔ آج نہیں ہو سکتا تو کل ایسا ممکن ہے۔ مثال کے طور پر چیزوں یا عمارتوں کی لمبائی، چوڑائی اور اونچائی وغیرہ کے تناسب کا مسئلہ لیجیے کہ پہلے اس پر غور و خوض نہیں کیا جاتا تھا۔ اب ہندسہ اور ریاضی کی ترقی کے بعد ''سنہرے تناسب'' کا تصور سامنے آیا ہے۔ اگر کسی غیر صحیح روایت سے جسم وغیرہ میں بھی ''سنہرے تناسب'' کی نفی ہوتی ہو تو اس کی نسبت آپ ﷺ کی طرف کرنا غلط ہوگا۔ اس طرح جدید دور میں جسم اور سائز وغیرہ کے معاملات بھی انتہائی حزم و احتیاط کا تقاضا کرتے ہیں۔

سیرت کی تدوین میں احتیاط و توازن

محدثین کے حوالے سے یہ بات بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ انھوں نے احادیث کی نقل و روایت میں مکمل توازن قائم کیا ہے۔ ایک طرف تو وہ کسی بھی غلط چیز کی نسبت رسولِ اکرم ﷺ کی طرف کرنے کے معاملے میں انتہائی سخت ہیں، دوسری طرف وہ اس بات کا بھی پورا اہتمام کرتے ہیں کہ قابلِ اعتماد اطلاع (Information) کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے۔ وضاحت کے لیے ہم حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب العجاب في بيان الأسباب کے مخطوطے کی اس عبارت کا حوالہ دینا مناسب سمجھتے ہیں جو ڈاکٹر اکرم ضیاء عمری نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی لائبریری میں موجود نسخے سے نقل کی ہے۔ حافظ صاحب کی عبارت ہے:

فِي طُرُقِ هٰذِهِ الْقِصَّةِ الْقَوِيُّ وَالضَّعِيفُ، وَلَا سَبِيلَ إِلٰى رَدِّ الْجَمِيعِ فَإِنَّهُ يُنَادٰى عَلٰى مَنْ أَطْلَقَهُ بِقِلَّةِ الْاِطِّلَاعِ وَالْإِقْدَامِ عَلٰى رَدِّ مَا لَا يَعْلَمُهُ، لٰكِنِ الْأَوْلٰى أَنْ يُّنْظَرَ إِلٰى مَا اخْتَلَفَتْ فِيهِ بِالزِّيَادَةِ وَالنَّقْصِ، فَيُؤْخَذَ بِمَا اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ، وَيُؤْخَذَ مِنَ الْمُخْتَلَفِ مَا قَوِيَ، وَيُطْرَحَ مَا ضَعُفَ وَمَا اضْطَرَبَ، فَإِنَّ الْاِضْطِرَابَ إِذَا بَعُدَ بِهِ الْجَمْعُ بَيْنَ الْمُخْتَلَفِ، وَلَمْ يَتَرَجَّحْ شَيْءٌ مِّنْهُ، اِلْتَحَقَ بِالضَّعِيفِ الْمَرْدُودِ.

''اس قصے کے بارے میں مضبوط روایتیں بھی ہیں اور کمزور بھی، سبھی کو رد کر دینے کا کوئی طریقہ نہیں کیونکہ جو بھی علی الاطلاق ایسا کرے گا، اس کے بارے میں کم علمی کی اور جس چیز کا علم نہیں، اسے رد کر دینے کی بات پورے زور سے کہی جائے گی۔ بہتر یہ ہے کہ مختلف روایات میں جو زیادتی اور کمی ہے، اس پر غور کر کے اس حصے کو قبول کر لیا جائے جس پر اتفاق پایا جاتا ہے، اور جس پر اختلاف ہے، اس میں سے (سنداً) قوی کو لے لیا جائے اور ضعیف اور مضطرب کو رد کر دیا جائے کیونکہ اضطراب کی صورت میں جب ان

روایات کو جن میں اختلاف ہے جمع کرنا ممکن نہ ہو اور کسی کو ترجیح نہ دی جا سکتی ہو تو اسے (بھی) مسترد شدہ ضعیف کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔'' [1]

ہم سیرت انسائیکلو پیڈیا میں ان شاء اللہ اسی اصول پر عمل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ضعیف احادیث کی مدد سے گمشدہ کڑیوں کی تکمیل

السیرۃ النبویۃ الصحیحۃ کے مصنف نے سیرت کے بیان میں ''خلا پر کرنے'' (اکمال الفراغ) کی بات کرتے ہوئے فرمایا ہے:

أَمَّا الرِّوَايَاتُ الضَّعِيفَةُ الَّتِي لَا تَقْوٰى أَوْ تَعْتَضِدُ فَيُمْكِنُ الْإِفَادَةُ مِنْهَا فِي إِكْمَالِ الْفَرَاغِ الَّذِي لَا تَسُدُّهُ الرِّوَايَاتُ الصَّحِيحَةُ وَالْحَسَنَةُ عَلٰى أَلَّا تَتَعَلَّقَ بِجَانِبٍ عَقَدِيٍّ أَوْ شَرْعِيٍّ ......

''ایسی ضعیف روایات جن کو (شواہد وغیرہ کے ذریعے سے) قوی اور مضبوط کرنے کی کوئی صورت نہ ہو، ان سے ایسا خلا پُر کرنے کے لیے استفادہ کیا جا سکتا ہے جو صحیح اور حسن روایتیں پُر نہیں کر سکتیں بشرطیکہ ان کا عقیدے یا شرعی پہلو سے کوئی تعلق نہ ہو۔'' [2]

اس سلسلے میں پہلی اہم بات تو یہ ہے کہ ''فراغ'' سے مراد کیا ہے۔ اس کا درست طریقے سے تعین کرنا ضروری ہے، ورنہ بہت سی ضعیف احادیث، مثلاً: واقدی کی روایات، جو کسی نہ کسی پہلو سے کوئی نہ کوئی مزید تفصیل بیان کرتی ہیں، اکمالِ فراغ کے نام پر سیرت میں راہ پا جائیں گی۔ بلکہ بہت سے مصنفین کے ہاں راہ پا چکی ہیں۔ فراغ کے حوالے سے عدم تعیین اور ابہام، ہر قسم کی رطب و یابس روایات کو، سیرت کا حصہ بنانے کا دروازہ کھول دے گا۔

اگر فراغ سے مراد سیرت کے واقعات کی وہ کڑیاں لی جائیں جو سیرت کے فہم، واقعات کی ترتیب اور اس حوالے سے دیگر مشکلات کے حل، مثلاً: بظاہر ایک دوسری سے مختلف روایات کے مابین تطبیق کے لیے ضروری ہیں تو بات سمجھ میں آتی ہے۔ محدثین، مفسرین اور فقہاء کو سیرت کے علاوہ اسبابِ نزول کے واقعات کے حوالے سے بھی بعض اوقات کچھ کڑیاں ڈھونڈنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ محدثین نے سیرت سے متعلق میسر آنے والی ان روایات پر بھرپور کام کیا ہے جو بظاہر محدثین کے معیار پر پوری اترتی دکھائی نہیں دیتیں لیکن ان کے ذریعے سے واقعات کی گم شدہ کڑیاں مکمل کی جا سکتی ہیں، ان روایات کو محدثین نے بہت فحص و جستجو کے ساتھ جمع کیا ہے۔ ان کے مؤیدات تلاش کیے ہیں۔ ان کے متون یا متون کے ضروری اجزاء کی دیگر عقلی اور نقلی ذرائع سے توثیق کی کوشش

1 السيرة النبوية للعمري :41,40/1. 2 السيرة النبوية للعمري :40/1.

کی ہے۔ ان کی مساعیِ جمیلہ سے واقعات کی اکثر کڑیاں مکمل ہوگئیں۔

سیرتِ پاک کو غلط روایات سے محفوظ رکھنے اور ضروری کڑیوں کو مکمل کرنے کے لیے یہ اصول اختیار کیا جاسکتا ہے کہ اصل معیار سے کم درجے کی ایسی روایات جنھیں محدثین نے متفقہ طور پر یا ان کی اکثریت نے بحث و تحقیق کے بعد قابلِ اعتنا سمجھا ہے، انھیں بھی، ان کا مرتبہ واضح کرنے کے بعد، اس غرض سے استعمال کیا جائے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس حوالے سے بہت کام کیا، مثلاً: وہ ایسی مرسل روایات کو قابلِ اعتنا سمجھتے ہیں جو کسی صحیح روایت سے نہیں ٹکراتیں اور جن پر تمام اربابِ سیر کا اتفاق ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ ایسی کسی روایت کو بیان کرتے ہوئے جرح و تعدیل کے حوالے سے اس کے راویوں کا درجہ اور روایت کا مرتبہ متعین کر کے بتا دیا جائے۔

سیرتِ مبارکہ کی تدوین کے مآخذ اور معیارِ صحت

رسول اللہ ﷺ کی سیرت پر جو کام ہوا، اس کے عہد بعہد جائزے اور معیارِ صحت سمیت متعلقہ امور پر ضروری بحث کی روشنی میں ہم موجودہ عہد میں سیرت کی تالیف و ترتیب کے اسلوب اور بنیادی اصولوں کا تعین کر سکتے ہیں۔

سیرتِ پاک کا صحیح ترین اور ابدی ماخذ قرآن مجید ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی اسی کا عملی نمونہ ہے۔ قرآن مجید کے ذریعے سے آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے اہم واقعات کا بنیادی خاکہ سامنے آجاتا ہے۔

دوسرا ماخذ حدیث ہے۔ روزِ اول سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے صحیح احادیث و اخبارِ رسول اللہ ﷺ کے حفظ و بیان کا ایسا مضبوط، مستحکم اور بے عیب طریقہ اختیار کیا جس میں کسی پہلو سے کوئی کمزوری اور خامی موجود نہ تھی۔ احادیث کی کتابت کا آغاز رسول اللہ ﷺ کے حکم یا اجازت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہی کے ہاتھوں ہوا۔ تابعین اور اتباعِ تابعین نے حفظ و کتابت دونوں کا مکمل اہتمام کیا۔

غیر ذمہ دارانہ بیانات اور غیر محفوظ یا من گھڑت روایات کے استرداد کا باقاعدہ آغاز بھی صحابہ ہی کے ذریعے سے ہوا۔ صحابہ نے صحتِ روایت کا انتہائی سخت معیار اپنایا۔ بعد کے ادوار میں یہ اصول سخت سے سخت تر ہوتے گئے۔

تابعین اور اتباعِ تابعین اولین محدث تھے۔ ان کے شاگردوں نے مشرق و مغرب کے ہر محدث سے احادیث لیں اور ساتھ ہی ان تمام کتابوں، صحیفوں اور احادیث کے مجموعوں سے استفادہ کیا جو ان کے اساتذہ نے مرتب کیے تھے، پھر انھوں نے ہی احادیث مبارکہ کو مختلف ترتیبوں سے المصنف، المسند یا صحیح یا سنن کی صورت میں امت کے سامنے پیش کر دیا۔ یہی کتب آج بھی امت کے پاس ہیں اور اس کا انتہائی قیمتی سرمایہ ہیں۔

سیرت کے حوالے سے احادیث، اخبارِ مغازی، سِیَر، شمائل، خصائل اور دلائل النبوۃ کی کتابوں کی صورت میں

مرتب ہوئیں۔ ان تمام عنوانات سے ترتیب و تالیف کا سلسلہ مدتوں جاری رہا اور اب تک جاری ہے۔ ان تمام عنوانات کے تحت جو وقیع کتابیں اب تک سامنے آئیں، وہ سب کی سب سیرت کے بنیادی مآخذ میں شامل ہیں۔

مسلمانوں نے تاریخ میں بہت وقیع کام کیا۔ صحتِ اخبار کو مطمحِ نظر بنایا۔ تاریخ کی ایک اہم شاخ تاریخِ رجال کا انھوں نے آغاز کیا۔ شہروں، ان میں آباد ہونے والوں اور وہاں آنے جانے والوں کے حوالے سے تاریخ نویسی کا آغاز بھی مسلمانوں نے کیا۔ ابتدائی ادوار کے تاریخ نویسوں نے رسول اللہ ﷺ سے پہلے کے دور، آپ کے عہدِ مبارک اور آپ کی حیاتِ طیبہ کی تفصیلات کے لیے مفصل جلدیں خاص کیں۔ تاریخِ رجال خصوصاً صحابہ کے احوال میں رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک کی بیش از بیش تفصیلات ذکر ہوئیں۔ یہ سب ذخیرہ کتبِ سیرتِ طیبہ کے اہم مصادر میں شامل ہے۔

قدیم و جدید جغرافیہ دانوں اور موجودہ عہد کی اٹلسیں مرتب کرنے والوں نے جو بیش قیمت کام کیا، آج ان سے بھی استفادہ کیے بغیر چارہ نہیں۔

شعر و ادب کے دواوین میں آپ ﷺ کی بعثت سے قبل، آپ کے زمانے اور آپ سے فوری بعد کے زمانے کی شاعری اور نثر محفوظ ہوئی۔ سیرتِ طیبہ کی تدوین کے لیے ان سے بھی استفادہ ناگزیر ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے پہلے کی آسمانی کتابیں، دوسری اقوام کی قدیم کتابیں اور دوسرے ادیان کا لٹریچر جس صورت میں بھی محفوظ ہے، اس میں اب بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بکثرت پیش گوئیاں، آپ کے خصائل و صفات اور آپ کے عہدِ مبارک کے بارے میں واضح اشارات موجود ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت مرتب کرنے کے لیے ان سے استفادے کی طرح ڈالی جا چکی ہے۔ اب ان کتابوں کو بطورِ مصدرِ سیرت استعمال کرنا ناگزیر ہے۔

مخالفانہ لٹریچر کا علمی و تحقیقی جائزہ

مخالفانہ لٹریچر میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مشن کے بارے میں کہا گیا ہے، اس کا علمی اور تحقیقی جائزہ بھی ضروری ہے۔ جو کچھ اس میں کہا گیا ہے، اسی کی بنا پر سیرتِ طیبہ پر نئے نئے پہلوؤں سے غور وخوض کے دروازے کھلے ہیں اور مخالفین کے جواب میں اس تازہ غور وخوض کے نتیجے میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات اور آپ کے کردار عالمتاب کے نئے سے نئے پُرجمال پہلو سامنے آ رہے ہیں، آپ کے اقوال و اعمال کی نئی سے نئی حکمتیں جلوہ ریز ہو رہی ہیں، اس لیے یہ لٹریچر بھی سیرت کے ناگزیر مراجع میں شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا نمونۂ عمل ہدایت اور کامیابی کا ضامن ہے، اس لیے فقہائے محدثین اور ان تمام لوگوں کی

تالیفات جنھوں نے سیرتِ مبارکہ سے دروس، عبر اور احکام کا استخراج کیا، سیرت کے ہر مرتب کے پیش نظر رہنی چاہئیں۔ ان شاء اللہ سیرت انسائیکلو پیڈیا کی ترتیب میں یہ تمام مصادر و مراجع ہمارے پیشِ نظر رہیں گے۔

ہم اس بات کی بھی کوشش کریں گے کہ تمام روایات کی صحت کا فیصلہ محدثین کے معیار کے مطابق ہو۔ اکمال فراغ، یعنی نہ ملنے والی کڑیوں کی تکمیل کے لیے بھی حدِ قبول سے نیچے کی صرف وہی روایات لی جائیں جو کبار محدثین کی بے مثال تحقیقی کاوشوں کے بعد ان کے نزدیک قابلِ اعتنا ثابت ہوئیں، اور وہ بھی صحت کے اعتبار سے ان کا مرتبہ پوری طرح واضح کر دینے کی شرط کے ساتھ۔

اس طرح ہم امید کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم بے بضاعت اور کمزور انسانوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے گا کہ ہم سیرت انسائیکلو پیڈیا کی صورت میں ایسی کتاب قارئینِ کرام کی خدمت میں پیش کر سکیں جو ان کی روحوں کو ایمان باللہ اور ایمان بالرسول ﷺ کی دولت سے مالا مال کر دے، جو ان کے دلوں کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت سے سرشار کر دے، جو ان کے کردار و عمل کو جمالِ نبوت کے نور سے تابناک بنا دے، جو ان کے اخلاق کو رفعتوں سے ہمکنار کر دے، جو ان کی ہمتوں کو فولاد سے بڑھ کر مضبوط کر دے، جو ان کے اعضاء کو پُرخلوص سعی و محنت کی لذت سے آشنا کر دے اور جو ان کے مشامِ جان کو قرب و رضائے الٰہی کی نکہتوں سے معطر کر دے۔

سیرتِ پاک واحد ایسا نمونۂ عمل ہے جس کے ذریعے سے ہر صاحبِ ایمان روحانی رفعتوں کے بلند ترین مدارج تک پہنچ سکتا ہے۔ روحانی منزلیں طے کرنے کے لیے مختلف طریقے اپنانے والے اگر غور کریں تو اللہ تعالیٰ نے اصل منزل تک پہنچنے کے لیے صرف طریقۂ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی نشان دہی کی ہے جو سیرتِ پاک کے ذریعے سے ہر صاحبِ ایمان کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔ اصل منزل وہی ہے جہاں تک رسول اللہ ﷺ کا طریق پہنچاتا ہے۔ جو منزل اس راستے سے نہیں ملتی، وہ منزل، مقصود و مطلوب ہی نہیں۔ وہ سارے کے سارے پڑاؤ بھی انتہائی خطرناک ہیں جو ان دوسرے راستوں پر آتے ہیں۔ ''اَلْمَحَجَّةُ الْبَيْضَاءُ'' یعنی چمکتا ہوا سیدھا راستہ وہی ہے جس پر رسول اللہ ﷺ کے نقشِ قدم ثبت ہیں۔ محدثینِ کرام کی ساری کوششیں امت کو اسی راستے پر چلانے کے لیے ہیں۔

﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝﴾

''اور یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اسی کی پیروی کرو اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' [1]

[1] الأنعام 153:6.

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ

''یقیناً میں تمھیں روشن (شریعت) پر چھوڑ رہا ہوں۔ اس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے۔ میرے بعد اس سے صرف وہی کج روی اختیار کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔'' [1]

اَللّٰهُمَّ! وَفِّقْنَا لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى وَ اجْعَلْ آخِرَتَنَا خَيْرًا مِّنَ الْأُولٰى. اَللّٰهُمَّ! إِنَّا نَسْأَلُكَ حُبَّكَ وَ حُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ وَ حُبَّ عَمَلٍ صَالِحٍ يُّقَرِّبُنَا إِلَيْكَ.

اَللّٰهُمَّ! صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ. اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ.

پروفیسر محمد یحییٰ حفظہ اللہ

(سینئر ریسرچ سکالر دارالسلام لاہور)

صفر 1433ھ/ جنوری 2012ء

[1] سنن ابن ماجه: 43.

باب 1

جزیرہ نمائے عرب کا جغرافیائی و تاریخی پس منظر

جزیرہ نمائے عرب کا محل وقوع اور دورِ جاہلیت و عہد نبوی میں
عرب کے مختلف خطوں کے طبعی، جغرافیائی
اور تاریخی حالات

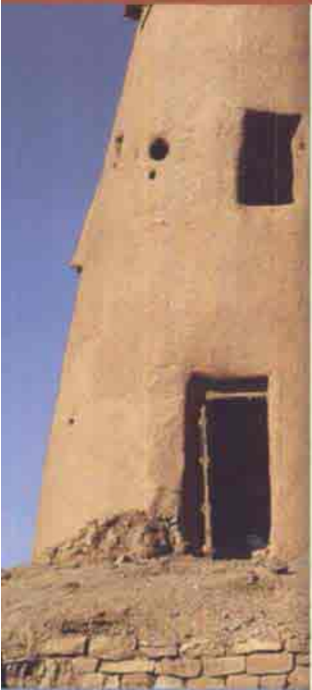
وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ

يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ

أَحْمَدُ

''اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے
بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔'' (الصف 6:61)

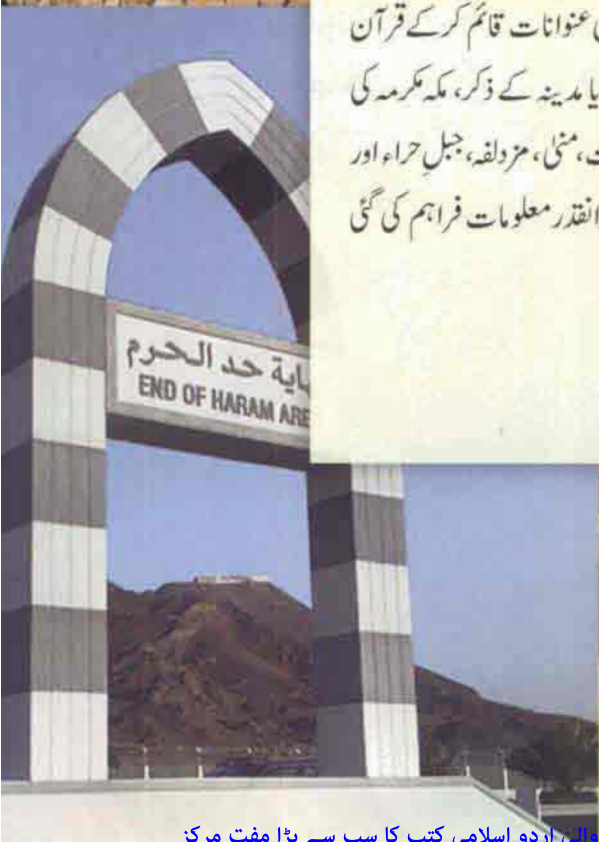
اس باب میں

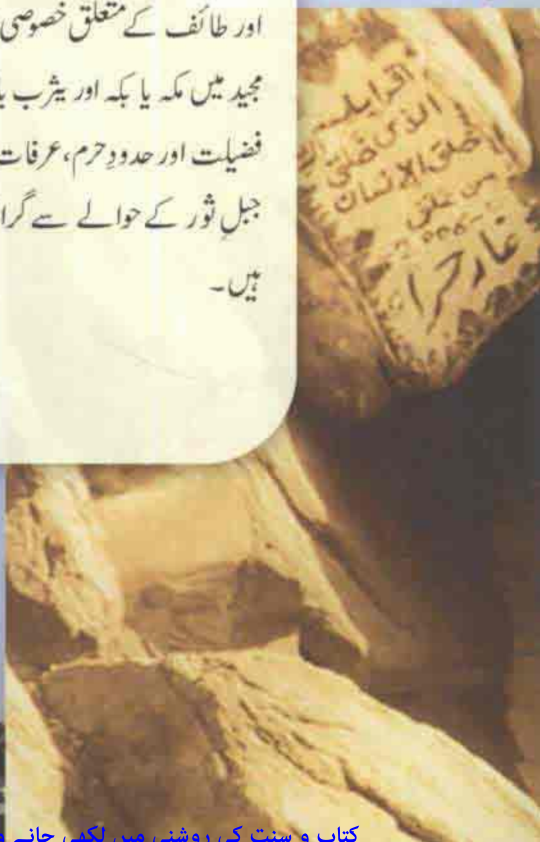




جزیرہ نمائے عرب کے طبعی جغرافیہ، یعنی آب و ہوا، پہاڑوں، صحراؤں، ندیوں، حرات (سنگلاخ چٹانوں سے بھرے ہوئے میدانوں)، نباتات، حیوانات، معدنیات اور عربوں کی بود و باش پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کے علاوہ جزیرہ نمائے عرب کی طبعی تقسیم بیان کرتے ہوئے تہامہ، بحرین، عمان، نجد، حجاز اور یمن کا مکمل تعارف کرایا گیا ہے اور ساتھ ساتھ وہاں کے سیاسی و سماجی حالات اور ان پر روشنی ڈالنے والے دلچسپ تاریخی واقعات جو عرب کے مختلف علاقوں میں عہد جاہلیت میں پیش آئے، بیان کیے گئے ہیں، نیز مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور طائف کے متعلق خصوصی عنوانات قائم کر کے قرآن مجید میں مکہ یا بکہ اور یثرب یا مدینہ کے ذکر، مکہ مکرمہ کی فضیلت اور حدودِ حرم، عرفات، منیٰ، مزدلفہ، جبلِ حراء اور جبلِ ثور کے حوالے سے گرانقدر معلومات فراہم کی گئی ہیں۔





1

عرب کا طبعی جغرافیہ

جزیرہ اور جزیرہ نما

جزیرہ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے پانی اُتر گیا ہو۔ یہ جَزَرَ الْمَاءُ عَنِ الْأَرْضِ ''پانی زمین سے اُتر گیا یا خشک ہوگیا'' سے ماخوذ ہے۔[1]

اصطلاحی طور پر جزیرہ (Island) سے مراد خشکی کا وہ ٹکڑا ہے جس کے چاروں طرف پانی ہو، جیسے جزیرہ قبرص، جزیرہ صقلیہ (سسلی)، جزیرہ کیوبا، جزیرہ جاوا۔ لیکن زمین کا ایسا قطعہ جس کے تین جانب پانی (سمندر) ہو اور چوتھی طرف وہ خشکی کے کسی بڑے قطعے سے ملا ہوا ہو، جزیرہ نما (Peninsula) کہلاتا ہے۔ عرب بھی ایک جزیرہ نما ہے کیونکہ اس کے تین اطراف (مشرق، مغرب اور جنوب) میں پانی ہے اور صرف شمال میں وہ خشکی سے ملا ہوا ہے۔ عربی میں اسے جزیرۃ العرب یا زیادہ صحیح طور پر شبہ الجزیرہ (Peninsula) کہا جاتا ہے۔

[1] المعجم الوسیط، مادۃ: جزر



حدیث میں عرب کے لیے جزیرۃ العرب یا ھٰذِہِ الجزیرۃ کے الفاظ آئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: «أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ» ''مشرکوں کو جزیرۃ العرب سے نکال دو۔''[1] صحیح مسلم کی روایت ہے:

«إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ أَيِسَ أَنْ يَعْبُدَهُ الْمُصَلُّونَ فِي جَزِيرَةِ الْعَرَبِ وَلَكِنْ فِي التَّحْرِيشِ بَيْنَهُمْ»

''بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہوگیا ہے کہ کبھی جزیرۃ العرب میں نمازی اس کی عبادت کریں گے لیکن وہ ان میں لڑائی کرواتا رہے گا۔''[2]

امام سیوطی نے ایک ضعیف روایت بیان کی ہے:

«لَقَدْ طَهَّرَ اللّٰهُ أَهْلَ هٰذِهِ الْجَزِيرَةِ مِنَ الشِّرْكِ إِنْ لَّمْ تُضِلَّهُمُ النُّجُومُ»

''اللہ نے اس جزیرہ (عرب) کے لوگوں کو شرک سے پاک کر دیا ہے اگر ستاروں (پر عقیدے) نے انھیں گمراہ نہ کر دیا۔''[3]

علامہ مقدسی اور یاقوت حموی نے اپنی کتبِ جغرافیہ میں اسے جزیرۃ العرب ہی لکھا ہے۔

ہشام کلبی نے اپنی سند سے ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول ذکر کیا ہے: ''عربوں نے جزیرہ (جزیرۃ العرب) کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے...... تہامہ، حجاز، نجد، عروض اور یمن۔'' کلبی مزید کہتے ہیں: ''بلاد العرب کا نام جزیرہ اس لیے رکھا گیا کہ یہ چاروں طرف سے دریاؤں اور سمندروں میں گھرا ہوا ہے۔'' پھر انھوں نے اس کی حدود دریائے فرات، سواد عراق، بصرہ، اُبلّہ، عبادان (ایران)، کاظمہ (کویت)، قطیف (سعودی عرب)، ہجر (بحرین)، قطر، عُمان، شحر (حضرموت)، اَبیَن، عدن، جزائر دہلک، جزائر فرسان (سعودی عرب)، جُدّہ، ساحل مکہ، ساحلِ مدینہ، ساحلِ طُور، خلیج اَیلہ (خلیج عقبہ)، قلزم مصر، دریائے نیل، بحر مصر و شام (بحیرۂ روم)، بلادِ فلسطین، عسقلان، صور (لبنان)، بیروت، ساحلِ حمص اور ساحلِ قنسرین (شام) تک بیان کی ہیں۔[4]

عرب کی وجہ تسمیہ

اس کے بارے میں قُدماء سے مختلف اقوال منقول ہیں کیونکہ علمائے لغت، ماہرین انساب اور اہلِ جغرافیہ نے

[1] صحیح البخاري: 3053. [2] صحیح مسلم: 2812. [3] السلسلة الضعیفة: 4316. [4] معجم البلدان، مادة: جزیرة العرب.

اپنے اپنے انداز میں عرب کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے:

1 علمائے انساب کہتے ہیں کہ اس ملک کا پہلا باشندہ یعرب بن قحطان تھا جو اہل یمن کا جد امجد تھا۔ اس کے نام کی مناسبت سے اس ملک اور اس میں بسنے والوں کو عرب کہا جانے لگا۔ لیکن یہ قول درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ اگر یہ بات درست ہوتی تو پہلے یمن، یعنی جنوبی عرب کو عرب کا نام دیا جاتا جبکہ یہ نام سب سے پہلے شمالی عرب کے لیے استعمال کیا گیا۔

2 بعض علمائے لغت کہتے ہیں کہ عرب ''اعراب'' سے مشتق ہے جس کے معنی فصاحت سے اپنی بات دوسرے تک پہنچانے کے ہیں۔ چونکہ اس جزیرہ نما کے رہنے والے ہمیشہ سے زبان و بیان کے ماہر تھے، اس لیے وہ عرب کہلائے۔ انھوں نے اپنے سوا باقی پوری دنیا کو عجم، یعنی ژولیدہ زباں یا گونگے کے نام سے پکارا۔

3 اہلِ جغرافیہ کے مطابق لفظِ عرب اصل میں عَرَبَۃ تھا جس کے معنی بے آب و گیاہ زمین اور صحرا کے ہیں۔ عبرانی زبان میں بھی عَرَبَۃ بیابان اور بنجر میدان کو کہتے ہیں۔[1] خود عرب شعراء نے بھی یہ لفظ اپنے اشعار میں اس معنی میں استعمال کیا ہے۔ نبی ﷺ کے چچا سردار ابوطالب بن عبدالمطلب نے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مدح و توصیف کرتے ہوئے لفظِ عربہ مکہ مکرمہ کے لیے استعمال کیا ہے:

وَعَرَبَةٌ دَارٌ لَّا يُحِلُّ حَرَامَهَا   مِنَ النَّاسِ إِلَّا اللَّوْذَعِيُّ الْحُلَاحِلُ

''عربہ وہ گھر (جگہ) ہے کہ لوگوں میں سے صرف صاحبِ فراست اور خوش بیان سردار ہی اس کی حرمت کو حلال کرسکتا ہے۔''

لگتا ہے قدیم زمانے میں لفظ عربہ کا اطلاق سب سے پہلے مکہ کے حوالے سے ہوا جو بنجر اور بے آب و گیاہ جزیرہ نمائے عرب کا سب سے اہم مقام تھا۔ پھر اس سارے جزیرہ نما کو یہی نام دے دیا گیا۔ بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد تہامہ کے مقام عربہ میں آباد ہوئی، لہٰذا بنو اسماعیل اس عربہ سے منسوب ہوکر عرب کہلائے۔[2]

عرب کا محل وقوع

جزیرہ نمائے عرب براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے مشرق میں خلیج عربی (خلیج فارس) اور خلیج عُمان واقع ہیں، مغرب میں بحیرۂ قلزم اور جنوب میں خلیج عدن اور بحیرۂ عرب ہیں۔ بحیرۂ عرب دراصل بحرِ ہند

1 معجم البلدان، مادة: عربة، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 1/14-19. 2 معجم البلدان، مادة: عربة.



جزیرہ نمائے عرب کی موجودہ سیاسی تقسیم اور ہمسایہ ممالک

ہی کا پھیلاؤ ہے۔

خلیج عربی (خلیج فارس) کے پار ایران اور آگے افغانستان اور ترکستان کے علاقے ہیں جن کا بڑا حصہ ماضی میں خراسان کہلاتا تھا۔ موجودہ ایران کے مغرب میں ترکی، عراق اور خلیج عربی ہیں، شمال میں ترکمانستان، آذر بائیجان، آرمینیا اور بحیرہ کیسپین، مشرق میں افغانستان اور پاکستان اور جنوب میں خلیج عمان ہے۔ ایران کا کل رقبہ 1648000 مربع کلومیٹر ہے۔ آگے ترکستان کے دریائے جیحون (آمو) کے پار واقع علاقوں کو عرب مؤرخین ماوراء النہر کہتے تھے جس میں نہر (دریا) سے مراد دریائے جیحون ہے۔ ترکستان (وسط ایشیا) ان دنوں ازبکستان، تاجکستان، کرغیزستان، قازاقستان اور ترکمانستان میں بٹا ہوا ہے۔ خلیج عُمان کے پار ماضی کا مکران (بلوچستان) ہے جو اب پاکستان اور ایران میں منقسم ہے۔ نبی ﷺ کے دور میں مکران سے متصل سندھ اور اس سے آگے ہند یا ہندوستان پھیلا ہوا تھا جس کے مغربی ساحل سے، بحیرۂ عرب اور بحر ہند کے راستے، عربوں کے تجارتی تعلقات قائم تھے۔

خلیج عدن کے جنوب میں قرنِ افریقہ (صومالیہ) ہے جو قرن (سینگ) کی طرح بحر ہند میں نکلا ہوا ہے۔ بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر) کے مغرب میں مصر، سوڈان، اری ٹیریا، جبوتی اور حبشہ (ایتھوپیا) واقع ہیں۔ اگرچہ حبشہ میں صدیوں سے عیسائیت کا غلبہ رہا ہے لیکن پھر بھی یہ سب شمالی افریقہ کے ساتھ مل کر مسلم اکثریت کا خطہ بناتے ہیں۔

جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں عراق اور اردن واقع ہیں جہاں صحرائے شام ان ملکوں میں پھیلتا چلا گیا ہے۔ اردن کے مغرب میں دریائے اردن، بحیرۂ مردار اور فلسطین، جنوب میں سعودی عرب اور خلیج عقبہ، مشرق میں عراق اور شمال میں سوریہ (شام) ہے۔ بہت سے صحابہ کی قبریں اردن میں ہیں۔ الکرک کے قریب جہاں معرکہ مؤتہ برپا ہوا، وہ مقام بھی اردن میں ہے۔ اس کا رقبہ 90740 مربع کلومیٹر ہے۔ شام اور عراق کے شمال میں ترکی واقع ہے جو عہد نبوی میں سلطنتِ روم کا حصہ تھا جسے عرب ''الروم'' کا نام دیتے تھے۔ اس بارے میں جغرافیہ دانوں میں بہت اختلاف ہے کہ شمال کی جانب عرب کہاں ختم ہوتا ہے اور شام کہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اکثر کا خیال یہ رہا ہے کہ شمال کی طرف عرب کی حد دریائے فرات تک ہے۔ یوں تقریباً چاروں طرف پانی کی موجودگی کی بنا پر یہ ملک جزیرہ کہلانے کا مستحق ہے۔ اس جزیرہ نما کا طول شمال مغرب سے جنوب مشرق کی طرف تقریباً 2200 کلومیٹر اور عرض تقریباً 1200 کلومیٹر ہے اور اس کا کل رقبہ، شمالی حد میں اختلاف کی بنا پر، دس تا تیرہ لاکھ مربع میل بنتا ہے۔ [1]

[1] عصر النبوة للكعبي، ص: 8,7، مكة و المدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص: 13.

بیرونی حملوں سے محفوظ خطہ

عرب کا زیادہ تر حصہ لق و دق صحرا پر مشتمل ہے۔ اس طرح قدرت نے اوائل ہی سے اس جزیرہ نما کو جغرافیائی لحاظ سے ایسا محفوظ خطہ بنادیا جہاں بیرونی حملہ آوروں کا خطرہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ کسی بھی بیرونی طاقت کے لیے یہاں کوئی اقتصادی مفاد تھا نہ اس پر قبضہ کر کے اسے برقرار رکھنا ممکن تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اندرونِ عرب کے باشندے زمانۂ قدیم سے مکمل طور پر آزادی اور خودمختاری کی زندگی بسر کرتے رہے۔ ظہورِ اسلام کے وقت یہ لوگ دو عظیم قوتوں سلطنتِ روم (بازنطینی سلطنت) اور سلطنتِ فارس (ایران) کے ہمسائے تھے لیکن ان میں سے کوئی قوت بھی، کنارے کے چند علاقوں کو چھوڑ کر، عرب میں رہنے والوں کو کبھی اپنا باجگزار نہ بنا سکی۔



رومی طلائی سکہ

جہاں تک حاشیے کے علاقوں کا تعلق ہے، جنوب مغرب میں باب المندب نامی تنگ آبنائے سے حبشی یمن پر حملہ آور ہوتے رہے۔ عہد نبوی میں یمن پر ایرانی قابض تھے جبکہ عُمان، بحرین اور حیرہ کے عرب حکمرانوں کو انھوں نے باجگزار بنا رکھا تھا۔ اسی طرح بُصریٰ الشام کے غسانی عرب رومیوں کے باجگزار تھے۔ تبوک کی جنگ کا سبب بھی روم کا اپنے مقبوضہ علاقوں کے تحفظ کا معاملہ تھا۔

حَرّاتِ عرب

عرب میں سنگلاخ چٹانی علاقے (حَرّات) آتش فشاں پہاڑوں کے لاوے سے وجود میں آئے۔ آتش فشانی لاوا نکلنے کا سلسلہ عہد نبوی کے بعد بھی جاری رہا۔ حجاز میں 654ھ/1256ء میں اسی قسم کا ایک آتش فشاں پہاڑ پھٹا تھا۔ اس سے کئی ہفتوں تک انگارے برستے رہے اور اس سے خارج ہونے والا آتشیں لاوا کئی میل تک بہتا چلا گیا۔ مدینہ منورہ کے مشرق اور مغرب کے حرات (حرہ واقم اور حرہ وبرہ)، حرۂ خیبر اور مکہ اور مدینہ کے مابین واقع حرۃ الرھط (حرۂ رہاط)، حرۃ الحجاز، حرۂ کشب، حرۂ بنی سُلَیم اور حرۃ الکراع مشہور ہیں۔ [1]

[1] مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص: 16،15، أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص: 33.



حرۂ رہاط کا ایک مردہ آتش فشانی دہانہ



حرۂ خیبر میں جبل البیضاء اور جبل العاقر

صحرائے عرب

عرب کا بہت بڑا حصہ صحراؤں پر مشتمل ہے۔ ان میں چار بڑے صحرا ہیں: النفود الکبیر، الدہناء، الجافورہ اور سب سے بڑا الربع الخالی۔

النفود الکبیر: یہ شمال میں الجوف سے شروع ہو کر جنوب میں حائل تک چلا گیا ہے۔ ''الجوف'' منطقہ (صوبہ) کا نام ہے۔ اس کا تاریخی شہر دومۃ الجندل الریاض سے کم وبیش 1200 کلومیٹر کی مسافت پر اور اردن کی سرحد سے تقریباً 250 کلومیٹر دور ہے۔ منطقہ الجوف کا دارالحکومت سکاکا ہے۔ النفود الکبیر کا رقبہ 64630 مربع کلومیٹر ہے۔ مشرق سے مغرب تک اس کی زیادہ سے زیادہ وسعت تقریباً 342 کلومیٹر اور شمال سے جنوب کی طرف تقریباً 572 کلومیٹر ہے۔ مشرق کی طرف اس کی شمالاً جنوباً وسعت کم ہوتے ہوتے 128 کلومیٹر رہ جاتی ہے۔ اس طرح النفود الکبیر ایک مثلث شکل کا صحرا ہے۔ یہاں ہوائیں متحرک ریت کے ٹیلوں کو ایک سے دوسری جگہ منتقل کرتی رہتی ہیں۔ بسا اوقات یہ ٹیلے 450 فٹ تک اونچے ہو جاتے ہیں۔ دومۃ الجندل کا تاریخی شہر النفود الکبیر کے شمال مغرب میں واقع ہے۔



الدہناء



النفود الکبیر کا ایک ٹیلا

الدہناء: یہ النفود الکبیر اور الربع الخالی کے درمیان ایک تنگ قوس کی شکل میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ تخمیناً 40789 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے مغربی جانب جبل طُوَیق اور مشرق میں سطح مرتفع الصُّمان واقع ہے۔ اس کی طوالت 1200 کلومیٹر اور چوڑائی 20 تا 60 کلومیٹر ہے۔ ایسی ہی دوسری صحرائی قوس جبل طُویق کے مغرب میں ہے۔ اسے نفود الدَّحیٰ کہا جاتا ہے۔[1] اس کو معروف صحرائے نجد شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہیں الریاض سے نجران اور ابہا کو جانے والی شاہراہ پر لیلیٰ نامی مقام موجود ہے۔

الجافورہ: یہ صحرا بھی النفود کے نیچے ساحل کے ساتھ ساتھ ایک تنگ پٹی کی شکل میں ہے جو سطح مرتفع الصُّمان کے مشرق کی

[1] أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 37.


عرب کے مشہور صحرا
مکمل صحرا
بین الاقوامی سرحد
جزوی صحرا
غیر معین سرحد
صحرائے شام
طریف
عرعر
الجوف
سکاکا
دومۃ الجندل
عراق
کویت
الرقعي
الخفجي
ایران
حائل
الجبیل
الدمام
بحرین
الخلیج العربي
بریدة
قطر
نفود العریق
نفود السر
الریاض
مدینہ منورہ
سلوی
الخرج
الدهناء
متحدہ عرب امارات
نفود السرة
عروق سبیع
نفود الدحي
لیلی
شیبطة
مکہ مکرمہ
طائف
سعودی عرب
الربع الخالي
باحہ
اللیث
القنفذة
الخرخیر
عمان
ابہا
نجران
شرورہ
الودیعة
جازان
بحیرۂ احمر
الطوال
حضرموت
یمن
اریٹیریا
بحیرۂ عرب
عدن
حبشہ


الربع الخالی

جانب ہے۔ یہ صحرائی پٹی جُبَیل کے شمال سے شروع ہوکر الربع الخالی تک چلی جاتی ہے۔ [1]

الربع الخالی: یہ دنیا کے بڑے صحراؤں میں سے ایک ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً 6 لاکھ مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا طول شرقاً غرباً تقریباً 1200 کلومیٹر ہے اور زیادہ سے زیادہ عرض 640 کلومیٹر ہے۔ اس میں بعض مقامات پر ریت کھودی جائے تو ٹھنڈے پانی کے چشمے بھی دریافت ہوتے ہیں۔ اسے الربع الخالی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ صحرا اس پورے جزیرہ نما کا وہ چوتھا حصہ ہے جو انسانی اور حیوانی زندگی سے تقریباً خالی ہے۔ الربع الخالی کے جنوبی حصے کو الأحقاف کہتے ہیں۔

عرب کے مشہور پہاڑ

جبال السراۃ: جزیرہ نمائے عرب کا طویل ترین پہاڑی سلسلہ جبال السراۃ یا جبال السروات کہلاتا ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ بحیرۂ احمر کے ساحل کے ساتھ ساتھ تہامہ کے نشیبی علاقے کے مشرق میں پھیلا ہوا ہے۔ کوہستان سراۃ کی اوسط بلندی کم و بیش دو ہزار میٹر ہے۔

اس سلسلے کے اہم پہاڑ درج ذیل ہیں:

جبل اُحد: مدینہ منورہ کی شمالی جانب واقع کوہ اُحد مسجد نبوی سے ساڑھے پانچ کلومیٹر دور ہے۔ مدینہ منورہ کی آبادی

[1] مسالك الممالك للإصطَخري، ص: 28,27، عصر النبوة للكعبي، ص: 10,9، أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 16.


جبل ثور


جبل احد

اب اس کے اردگرد تک پھیل گئی ہے۔ اُحد پہاڑ حرم میں داخل ہے کیونکہ حرم کی حد اس کے شمال میں ثور پہاڑ تک ہے۔ کوہ احد شرقاً غرباً تقریباً 6 کلومیٹر لمبا ہے۔ اس کے جنوبی جانب غزوۂ احد کے شہداء کی قبریں ہیں۔

جبل ثور: مکہ مکرمہ کے جنوب میں حرم پاک سے تقریباً 3 میل دور جبال السراۃ کی چوٹی ثور واقع ہے جس کے اندر غار میں رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کو ہجرت کرتے ہوئے تین راتیں گزاری تھیں۔ کوہ ثور 759 میٹر بلند ہے۔ چوٹی کی سطح تقریبا 30 مربع میٹر ہے۔ غار ثور کا چھوٹا دہانہ اندازاً نصف میٹر اور دوسری طرف کا بڑا دہانہ ایک میٹر کے لگ بھگ چوڑا ہے۔ غار کی لمبائی تقریباً 4 میٹر اور چوڑائی تقریباً اڑھائی میٹر ہے۔[1]

جبل النور (جبل حراء): مکہ مکرمہ کے مشرق میں تقریباً 4 کلومیٹر دور جبل النور (کوہ حرا) واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 639 میٹر ہے۔ کوہ نور کے اندر غار حرا ہے جس میں نبی ﷺ پر پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ غار حرا پہاڑ کے پہلو میں ہے جہاں کم و بیش نصف میٹر موٹے، پونے دو میٹر تک چوڑے اور تین چار میٹر لمبے چٹانی تختے پہاڑ کے ساتھ اس طرح ٹکے ہوئے ہیں کہ متساوی الساقین مثلث کے منہ والا غار بن گیا ہے جس کا ہر ضلع اڑھائی میٹر لمبا اور قاعدہ قریباً ایک میٹر ہے۔ غار کی لمبائی دو سوا دو میٹر ہے۔ پچھلے حصے کی طرح سامنے کا حصہ بھی کھلا ہے۔[2]

جبل رضوی: مدینے کے مغرب میں جبال السراۃ کے رضویٰ نامی پہاڑ کے پاس ربیع الاول 2 ہجری میں غزوۂ بواط پیش آیا۔ 1814 میٹر بلند جبل رضویٰ کا ذکر عرب شعراء کے کلام میں بھی ملتا ہے۔ ابوالطیب احمد بن حسین جعفی متنبّی، محمد بن اسحٰق تنوخی کی وفات پر مرثیہ خوانی کرتے ہوئے کہتا ہے:

مَا كُنْتُ آمُلُ قَبْلَ نَعْشِكَ أَنْ أَرٰى   رَضْوٰى عَلٰى أَيْدِي الرِّجَالِ تَسِيرُ

''تمھاری نعش (دیکھنے) سے پہلے مجھے امید نہیں تھی کہ میں رضویٰ (پہاڑ) کو لوگوں کے ہاتھوں پر چلتے ہوئے

[1] في منزل الوحي، محمد حسين هيكل. [2] اٹلس سیرت نبوی، ص: 115.







الجبل الاخضر



جبل اجا



جبل طویق

دیکھوں گا۔'' [1]

مکہ کے جنوب مشرق میں جبال السراۃ کی چند چوٹیاں 2500 میٹر سے زیادہ بلند ہیں۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جنوبی عَسیر اور یمن میں اپنی انتہائی بلندی کو پہنچ جاتا ہے۔ صنعاء کے مغرب میں ایک چوٹی کی بلندی 3760 میٹر ہے۔ جبال السراۃ کو شمال میں مدین کے پہاڑ، جنوب میں عَسیر کے پہاڑ اور درمیان میں حجاز کہا جاتا ہے۔ [2]

الجبل الاخضر: مشرق عُمان کا پہاڑی سلسلہ الجبل الاخضر خلیج عُمان کے ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلا ہوا ہے جس کی بلندترین چوٹی 3018 میٹر اونچی ہے۔ [3]

جبلِ طُبَیق: اردن اور سعودی عرب کے درمیان سرحدی علاقے میں واقع ہے۔

جبالِ اَجا و سلمٰی: صحرائے نفود کے جنوب میں صوبہ حائل کے اندر جبل اَجَا اور جبل سَلْمٰی واقع ہیں جو جنوب مغرب میں باہم مل کر جبل شمر کہلاتے ہیں۔ زمخشری کہتے ہیں: اَجَا اور سلمٰی دو پہاڑ ہیں جو تَمیراء کے بائیں جانب ہیں۔ اور ابوعبید سکونی نے فید کے مغرب میں واقع ان پہاڑوں کو بنو طے کے پہاڑ (جبال طے) بتایا ہے۔ ان کے نام اَجا نامی شخص اور اس کی محبوبہ سلمٰی کے نام پر رکھے گئے جنھیں اس علاقے میں سلمٰی کے بھائیوں نے قتل کر دیا تھا۔ [4]

جبل قَطَن: یہ مدینہ سے القصیم جانے والی شاہراہ کے شمال میں عقلۃ الصقور کے قریب واقع ہے۔ جبل قطن کے جنوبی دامن میں قصبہ قطن آباد ہے، یہاں بنو اسد کا چشمہ تھا۔ محرم 4 ھ میں یہاں سریۂ ابی سلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ پیش آیا تھا کیونکہ طلیحہ بن خویلد اسدی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا تھا۔ مجاہدین کی آمد پر وہ لوگ فرار ہو گئے۔ [5]

جبل طُوَیق: اسے نجد کی ریڑھ کی ہڈی کہا جا سکتا ہے۔ اس کی لمبائی الریاض کے مشرق میں خشم جزرہ سے الربع الخالی کے قریب خشم خمہ تک ایک ہزار کلومیٹر ہے۔ الدہناء کے مشرق میں الصَّمان کی نسبتاً کم بلند سنگلاخ سطح مرتفع واقع ہے۔

[1] ديوان المتنبي، ص: 71. [2] أطلس السيرة النبوية، ص: 17. [3] أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 10. [4] معجم البلدان، مادة: أجأ. [5] اٹلس سیرت نبوی، ص: 253، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 189.

جبل بُحْران: یہ وادی حَجر (قدیم نام السائرہ) اور وادی رابغ یا ''مَرّ'' کے سنگم میں واقع ایک پہاڑ ہے۔ رابغ سے اس کا فاصلہ 90 کلومیٹر بجانب مشرق ہے۔ یہاں جمادی الاولیٰ 3 ھ میں غزوہ بُحران پیش آیا تھا۔ وادی رابغ ماضی میں مَرِّ عُنَیب کہلاتی تھی۔[1]

صحرائی عربوں کی بود و باش

صحرائی علاقہ ہونے کی وجہ سے اندرونِ عرب کے باشندے ہمیشہ سے اونٹ اور بھیڑ بکریاں پالتے تھے۔ وہ پانی اور ہریالی کی تلاش میں صحراؤں اور ریتلی وادیوں میں پھرتے رہتے۔ یہ بادیہ نشین مستقل رہائش کے لیے مکان نہیں بناتے تھے بلکہ اونٹوں کے بالوں سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے اور جہاں جاتے، اپنے خیمے بھی ساتھ لے جاتے۔ اسی مناسبت سے ان کو اہل الوبر (بالوں سے بنے ہوئے خیموں والے) بھی کہا جاتا تھا۔

عرب کی بعض وادیاں اور مقامات

جزیرہ نمائے عرب کا اندرونی حصہ شدید گرمی کی زد میں رہتا ہے۔ پہاڑ بھی زیادہ تر خشک ہیں، لہٰذا یہاں ایک آدھ دریا ہی سارا سال بہتا ہے، البتہ وادی کے نام سے بہت سے برساتی ندی نالے پائے جاتے ہیں۔ مشہور وادیاں (ندیاں) درج ذیل ہیں:

وادی السرحان: عرب کے شمال میں اردن کی سرحد پر وادی السرحان ہے جو تقریباً 300 کلومیٹر لمبا اور 50 تا 70 کلومیٹر چوڑا ایک نشیب ہے۔ اس میں چھوٹے چھوٹے برساتی نالے آگرتے ہیں۔

فرات کی معاون ندیاں: عرب کے شمال مشرق کی طرف کئی وادیاں بہتی ہیں جن کا پانی دریائے فرات میں جا گرتا ہے۔ ان میں سے زیادہ اہم وادی الأبیض، وادی عرعر اور وادی الخور ہیں۔

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 40.


وادی الابیض


وادی الباطن کا پانی

وادی الباطن: صحرائے دہناء کے شمال میں وادی الباطن ہے۔ اس کا پانی کویت کی سرحد کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا خلیج عربی میں جا گرتا ہے۔


وادی الدواسر

وادی الدواسر: پہاڑی سلسلے جبال السراۃ کی مشرقی ڈھلان سے تین بڑی ندیاں نیچے اترتی ہیں جن کے نام: رَنْیۃ، بِیشۃ اور تثلیث ہیں۔ ان تینوں کے ملنے سے وادی الدَّواسِر بنتی ہے۔ وادی الدواسر کو عقیق الیمامہ یا عقیق تمرہ بھی کہا جاتا تھا۔ وہاں تمرہ نامی بستی آباد ہے۔ وادی الدَّواسِر میں کبھی کبھار غیر معمولی سیلاب آ جاتا ہے، پھر یہ پانی الربع الخالی کے ریگستان میں پھیل کر ختم ہو جاتا ہے۔


وادی ذات أطلاح کا ایک منظر

ذات أطلاح: یہ ارض شام (موجودہ اردن) کا علاقہ ہے۔ کعب بن عُمیر غِفاری رضی اللہ عنہ ربیع الاول 8 ھ میں ایک سریے کے قائد بن کر یہاں گئے تھے۔ ذات اطلاح ان دنوں ''طلاع'' یا ''ضحل'' کہلاتا ہے اور یہ غور الصافی سے 25 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ سریّہ ذات اطلاح میں صرف کعب رضی اللہ عنہ زخمی حالت میں بچ نکلے تھے جبکہ ان کے چودہ کے چودہ ساتھی شہید ہو گئے تھے۔ یہ سریہ اگلے ماہ پیش آنے والے غزوہ مؤتہ کا ایک سبب بنا تھا۔[1]


شہر الدیسہ (تبوک)

تبوک: عہدِ نبوی میں تبوک بنو قضاعہ کا علاقہ تھا جو سلطنت روم کے ماتحت تھے۔ یہ مدینہ سے 778 کلومیٹر شمال میں ہے اور تیماء اور خیبر کے راستے مدینہ سے ملا ہوا ہے۔ یہ سعودی عرب کا انتہائی شمالی شہر ہے جہاں بہت بڑی چھاؤنی ہے۔ اس کے شمال میں اردن کا شہر معان 238 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ غزوہ تبوک کے دوران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس جگہ اپنا خیمہ نصب فرمایا، وہاں بہت خوبصورت مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ تبوک 1312ھ/1894ء میں تعمیر شدہ حجاز ریلوے کا ایک اہم سٹیشن تھا۔[2]

دُومۃ الجندل: یہاں بنو قضاعہ کا قبیلہ کلب بن وبرہ آباد تھا۔ یہاں وَدّ نامی بت


دومۃ الجندل کے آثار

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 31,30.
naderatieh.maktoobblog.com

[2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 60,59.

کا تھان تھا۔ یہ سعودی منطقہ الجوف کا ایک شہر ہے اور ان دنوں دَومۃ الجندل کہلاتا ہے۔ یہاں اُکَیدر الکندی کے قلعہ حصن مارد کے آثار ہیں۔ الجوف کے دارالحکومت سکاکا سے اس کا فاصلہ 60 کلومیٹر ہے جبکہ تیماء سے دومۃ الجندل کا فاصلہ تقریباً 450 کلومیٹر ہے۔ یہ اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے دُوم یا دومان سے منسوب ہے۔ [1]

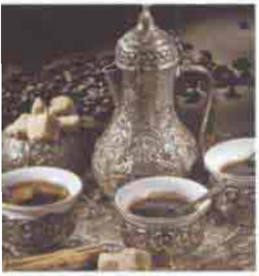
برک الغماد (البرک): یہ مکہ سے تقریباً 600 میل جنوب میں ساحل بحر پر ایک بندرگاہ ہے اور ان دنوں البَرْك کے نام سے معروف ہے۔ یہاں اس نام کی وادی بھی ہے۔ قصبہ ذہبان (عسیر) سے البرک 14 کلومیٹر شمال میں ہے۔ [2] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرتِ حبشہ کے لیے نکلے تو برک الغماد جا پہنچے تھے جہاں سے ابن دغنہ کی ترغیب پر مکہ واپس آئے تھے۔

عرب کی نباتات

جزیرہ نمائے عرب کا اکثر حصہ پتھریلا اور ریتلا ہے۔ اس جزیرہ نما کے جو علاقے ساحل سمندر کے قریب ہیں، وہاں شاداب وادیاں ہیں۔ جنوب مغربی یمن کا علاقہ قدیم زمانے میں بھی اپنی سرسبزی اور شادابی کے لیے ضرب المثل تھا۔ یمن چونکہ بحیرۂ قلزم اور بحیرۂ عرب دونوں کے ساحل پر واقع ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے ہر قسم کی پیداوار سے نواز رکھا ہے۔

یمن اور عسیر کا قہوہ (کافی) بہت مشہور ہے۔ یمن کی بندرگاہ مخا قدیم زمانے سے قہوے اور بخور (لوبان) کی تجارت کے لیے مشہور رہی ہے۔ لوبان اور دیگر خوشبودار چیزیں دو ہزار سال پہلے بھی شاہراہِ بخورات (Incense Road) کے ذریعے جنوبی عرب سے بحیرۂ روم کے ممالک کو برآمد کی جاتی تھیں۔

ایک یونانی مؤرخ لکھتا ہے: ''بخور سے یونانی لوگ اپنے مکانوں اور معابد میں اور رومی اپنے کاہنوں کی قبروں پر دھونی دیتے تھے۔ مصر کے بطلیموسی اور رومی حکمرانوں کے عہد میں مصری باشندے اسے ان عرب تاجروں سے خریدتے تھے جو بحیرۂ احمر کے راستے سے ان کے ہاں تجارت کے لیے آیا کرتے تھے۔ عرب تاجر اس کے عوض جواہرات اور عمدہ قسم کی معدنیات لیتے تھے جن سے وہ اپنے شہروں اور عبادت گاہوں کو مزین کرتے تھے۔'' [3]





لوبان آج کل بھی مہرہ (مشرقی یمن) میں اگتا ہے، تاہم اب زیادہ کارآمد پیداوار نیل کی ہے جس کے درخت کو حُوِیز اور رنگ کو نیل کہتے ہیں۔ املی، کیکر (Acacia)، عناب

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 127. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 42، أطلس المملكة العربية السعودية. [3] صناجة الطرب في تقدمات العرب لابن نوفل الطرابلسي.

(Ziziphus Spina) اور آملے کی ایک قسم فربیون (Euphourbia) کے درخت بھی ملتے ہیں۔ گیہوں، جو، جوار اور باجرہ اہم اناج ہیں۔ جانوروں کا چارہ الفلفہ (لوسن) ایک عام فصل ہے جو کھجور کے درختوں کے سائے میں اگائی جاتی ہے۔



جزیرہ نمائے عرب میں انگور بھی پیدا ہوتا تھا لیکن جو اہمیت کھجور کی تھی، وہ کسی اور کی نہ تھی۔ کھجور اور دودھ عربوں کی بنیادی غذا تھی۔ ظفار اور دوسرے مقامات پر ناریل کے درخت بھی اگتے تھے۔ جزیرہ نما کے سرسبز علاقوں میں سیب، انار، کشمش، آڑو، انجیر، کیلا اور تربوز بھی پائے جاتے تھے اور یہ پھل اب بھی وہاں کافی مقدار میں پیدا ہوتے ہیں۔[1] طائف اپنے گلابوں اور اناروں کے لیے مشہور ہے، الخرج تربوزوں کے لیے (تربوز نجد میں جح، حجاز میں جبجب اور شمال میں دبشی کہلاتا ہے) اور البریمی (متحدہ عرب امارات) آموں کے لیے۔

حیوانات

جزیرہ نمائے عرب میں متعدد اقسام کے حیوانات پائے جاتے ہیں۔ خشکی کے جانوروں میں اونٹ، گھوڑا، گائے، بکری، بھیڑ، ہرن، گدھا، نیل گائے اور خچر وغیرہ ہیں۔

اونٹ: اونٹ عرب میں نہایت کارآمد جانور سمجھا جاتا تھا۔ اسے ریگستانی جہاز بھی کہا جاتا تھا کیونکہ جدید دور کی شاہراہوں سے پہلے عرب کے لق ودق صحراؤں کو اونٹ کے بغیر عبور کرنا ممکن نہیں تھا۔ اونٹوں میں سب سے قیمتی سرخ اونٹ سمجھا جاتا تھا۔ اونٹ ہی مال تھا، دیت وغیرہ کا تعین اسی کے ذریعے کیا جاتا تھا۔



دودھ کے علاوہ اونٹ کا گوشت، کھال اور اون بھی بہت کارآمد ہے۔ اس کی مینگنیوں (دِمن) کو ایندھن کے طور پر جلایا جاتا تھا۔ اونٹوں کو بعض اوقات ہل چلانے اور کنویں سے پانی نکالنے کے لیے جوتا بھی جاتا۔ عربی میں اونٹوں کا عام نام اِلاِبِل ہے۔ سواری کے اونٹ کو ذَلول یا الرّکاب کہتے ہیں۔ اوارک

[1] حسن المحاضرة للسيوطي: 2/254.

(واحد مونث اُرکہ) وہ اونٹ ہیں جو اراک (پیلو) کے پتے کھاتے ہیں۔ اصیل (جمع اصائل) خالص نسل کے اونٹ ہیں۔ بہت سے عُمان کی نسلوں (عُمانیات) سے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کی سواری کی اونٹنیوں میں السمراء، العریس، الحناء اور الشقراء بھی تھیں۔ السمراء پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور العریس پر ام سلمہ رضی اللہ عنہا سوار ہوتی تھیں۔ القصواء نامی اونٹنی پر آپ ﷺ نے ہجرت کا سفر کیا اور حجۃ الوداع کا خطبہ الجدعاء پر سے دیا۔ ابوجہل کا مہری نامی اونٹ غنیمت میں نبی ﷺ کو ملا۔[1]

گھوڑا: عربی گھوڑا شکل وصورت اور دیگر خصوصیات کے اعتبار سے بھی امتیازی شان رکھتا تھا۔ گھوڑے کی بعض اقسام کو اہل عرب بہت پسند کرتے تھے۔ ان کا ذکر رسول اللہ ﷺ نے بھی کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُ الْخَيْلِ الْأَدْهَمُ، الْأَقْرَحُ، الْمُحَجَّلُ، الْأَرْثَمُ، طَلْقُ الْيَدِ الْيُمْنٰى، فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ أَدْهَمَ، فَكُمَيْتٌ عَلٰى هٰذِهِ الشِّيَةِ»

''بہترین گھوڑا وہ ہے جو سیاہ ہو، اس کی پیشانی پر تھوڑا سا سفید نشان ہو، چاروں پاؤں میں سفیدی ہو، ناک اور اوپر والا ہونٹ سفید ہو، اگلا دایاں پاؤں سفید نہ ہو۔ اگر سیاہ رنگ نہ ہو تو انھی صفات کا حامل کُمیت (سیاہی مائل سرخ رنگ کا) گھوڑا عمدہ ہے۔''[2]

ایک حدیث میں ہے: ''گھوڑوں میں برکت ان کے سرخ رنگ والوں میں ہے۔''[3]

رسول اللہ ﷺ نے شِکال گھوڑے کو ناپسند فرمایا ہے، یعنی وہ رنگ دار گھوڑا جس کی اگلی دائیں اور پچھلی بائیں ٹانگ یا اگلی بائیں اور پچھلی دائیں ٹانگ سفید ہو۔[4]

بھیڑ بکریاں: خانہ بدوش عرب بھیڑ بکریاں (غنم) بھی پالتے تھے۔ بھیڑوں کی مانگ عربی دعوتوں میں اہم ترین کھانے کی حیثیت سے ہوتی ہے۔ بھیڑ (نعجہ) یا بکری (عنز) کے دودھ سے سَمن یعنی مصفی مکھن تیار کیا جاتا ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے لڑکپن میں علاقہ بنوسعد میں بکریاں چرائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اتَّخِذُوا الْغَنَمَ فَإِنَّهَا بَرَكَةٌ»

''بھیڑ بکریاں پالو کیونکہ ان میں برکت ہے۔''[5]

کتب سیرت میں رسول اللہ ﷺ کی بکریوں کے نام عَجوہ، بَرکہ، قَمرہ، غَونہ اور زمزم ملتے ہیں۔

---

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 13/66. رسول اللہ ﷺ کے جانوروں کے متعلق مزید معلومات کے لیے دیکھیے: سبل الهدٰى والرشاد: 11/418-422. [2] سنن ابن ماجه: 2789. [3] سنن أبي داود: 2545. [4] صحيح مسلم: 1875. [5] الجامع الصغير: 2806.

جزیرہ نمائے عرب میں لنگور، بندر، خرگوش اور سیہ (خارپشت) بھی پائے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں عرب کے حشرات میں بچھو، مکڑی اور ٹڈی بھی شامل ہیں۔ شکاری پرندوں میں عقاب اور شکرا (صقر) ہیں۔ چھوٹے پرندوں میں ہدہد، بلبل، طوطا، ابابیل، ممولا، چنڈول (ایک خوش الحان اور تاجدار پرندہ) اور سرخ ٹانگوں کے لمبے لمبے بگلے بھی پائے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ حرم مکی کے کبوتر ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ [1]

کچھ عرصے سے شتر مرغ (نَعام) عرب میں ناپید ہوگیا ہے، حالانکہ صحراء میں اس کے انڈوں کے چھلکے پائے جاتے ہیں اور مقامات کے ناموں میں لفظ نَعام ملتا ہے۔ بحر ہند سے کبھی کبھی وہیل بھی خلیج فارس میں آجاتی ہے۔ غزوہ سیف البحر میں مجاہدین نے غالباً وہیل ہی کا گوشت اٹھارہ دن کھایا جس کی پسلی گاڑی گئی تو اس کے نیچے سے ایک اونٹ سوار گزر گیا۔ [2]



عرب کی معدنیات

بائبل میں عربوں کے سونے، چاندی اور جواہر کا تذکرہ جابجا موجود ہے۔ خصوصاً وسطی عرب کا مقام ''عُفر'' یا ''اوفیر'' بنی اسرائیل کے عروج کے زمانے میں زرِ خالص کے لیے بہت مشہور تھا۔ سبا کی ملکہ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو جو تحائف بھیجے، ان میں سونا، قیمتی جواہر اور خوشبودار چیزیں شامل تھیں۔ بائبل کی کتابوں تواریخ اور سلاطین میں یہ واقعہ تفصیل سے بیان ہوا ہے:

''جب سبا کی ملکہ نے سلیمان (علیہ السلام) کی شہرت سنی تو وہ مشکل سوالوں سے سلیمان (علیہ السلام) کو آزمانے کے لئے بہت بڑی جلو (کاروان) اور اونٹوں کے ساتھ جن پر مصالح (مسالے) اور باافراط سونا اور جواہر تھے یروشلیم میں آئی...... اور اس نے ایک سو بیس قنطار سونا اور مصالح کا بہت بڑا انبار اور جواہر سلیمان کو دیئے اور جو مصالح سبا کی ملکہ نے سلیمان بادشاہ کو دیئے ویسے پھر کبھی میسر نہ آئے۔ اور حورام کے نوکر بھی اور سلیمان کے نوکر جو اوفیر سے سونا لاتے تھے، وہ چندن (صندل) کے درخت (کی لکڑی) اور جواہر بھی لاتے تھے۔'' [3]

بحرین اور عُمان قدیم زمانے سے اپنے نایاب موتیوں (دُرَر) کی وجہ سے مشہور رہے ہیں۔ اسی طرح عقیق یمنی بھی قدیم زمانے سے دُنیا میں بہت مقبول چلا آرہا ہے۔

[1] عصر النبوة للكعبي، ص: 19,18، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 13/65-68. [2] صحيح البخاري: 4359. [3] کتاب مقدس (تواریخ-2) 9:1-10، (سلاطین-1) 10:1-11.

2

جزیرہ نمائے عرب کی طبعی و سیاسی تقسیم

علمائے جغرافیہ نے طبعی لحاظ سے جزیرہ نمائے عرب کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:

1 تہامہ 2 عروض 3 نجد 4 یمن 5 حجاز۔

مشہور عرب محقق شوقی ابوخلیل نے اطلس السیرۃ النبویہ میں حجاز کے بجائے جبال السراۃ کو جزیرۃ العرب کا پانچواں حصہ شمار کرتے ہوئے لکھا ہے: یہ خلیج عقبہ سے یمن تک وسیع ہے۔ شمال میں اسے جبال مدین، جنوب میں جبال عسیر اور وسط میں حجاز کہا جاتا ہے جہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ واقع ہیں۔[1]

علامہ اصطخری نے جزیرۃ العرب میں درج ذیل تین علاقے مزید شامل کیے ہیں:

1 بادیۃ العراق 2 بادیۃ الجزیرۃ 3 بادیۃ الشام۔[2]

بادیۃ العراق کو بادیۃ السماوہ بھی کہا جاتا ہے، نیز اصطخری نے بادیۃ الجزیرہ سے وسطی الجزیرہ کا وہ صحرائی علاقہ مراد لیا ہے جو دریائے فرات کے شمال میں واقع ہے۔

بادیۃ الشام یا صحرائے شام ایک وسیع ریگزار ہے جو جنوب مشرقی شام، شمال مشرقی اردن اور مغربی عراق میں پھیلا ہوا ہے۔[3] موجودہ شام (سوریہ) کا شہر تدمر تیسری صدی عیسوی میں ایک بڑی عرب سلطنت کا صدر مقام تھا اور اسے عروس الصحراء کہا جاتا تھا۔

1 اٹلس سیرت نبوی، ص:27. 2 مسالك الممالك للإصطخري، ص:21,20. 3 أطلس العالم، ص: 12.

سلطنت تدمر (شام) کے آثار



1 تہامہ

یہ نشیبی ساحلی پٹی ہے جو بحیرۂ احمر اور عرب کے جنوبی ساحل کے ساتھ ساتھ پھیلی ہوئی ہے۔ بعض جغرافیہ دانوں نے مکہ کو بھی تہامہ ہی میں شامل کیا ہے۔ تہامہ کی مشہور بندرگاہیں ینبع، جدہ، حدیدہ اور عدن ہیں۔ ساحل کے ساتھ ساتھ سمندر میں مونگے (مرجان) کی چٹانیں ہیں۔ اسی لیے اس ساحل پر بندرگاہوں کی کمی ہے۔



ینبع کا ساحل



جدہ کی بندرگاہ



بندرگاہ حدیدہ (یمن)



عدن (یمن)

تہامہ اَلتَّهَمْ سے مشتق ہے جس کے معنی سخت ترین گرمی اور ہوا رک جانے کے ہیں۔ اسے الغَور بھی کہتے ہیں جس کے معنی نشیب اور پست کے ہیں۔ اس علاقے میں ناقابلِ برداشت گرمی پڑتی ہے۔

تہامہ کی حدود

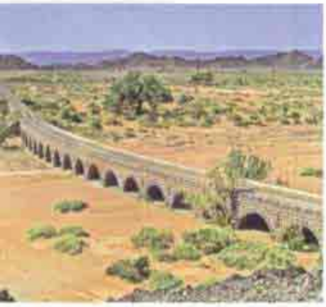
تہامہ کی حد بندی میں مختلف اقوال ہیں: علامہ اصمعی رحمہ اللہ کہتے ہیں: حجاز کی جانب تہامہ کا کنارہ مدارج العرج ہے۔ مدارج العرج طائف کی ایک وادی میں بلادِ ہُذیل کا ایک بڑا قصبہ ہے۔ نجد کی طرف تہامہ کا آغاز ذات عرق سے ہوتا ہے۔ عمارہ بن عقیل یربوعی کہتے ہیں کہ سمندر سے لے کر حرہ بنو سُلیم اور حرہ لیلیٰ تک پھیلے ہوئے علاقے کو تہامہ اور الغَور کہتے ہیں۔ مدائنی کہتے ہیں کہ جو شخص وَجرہ (مکہ سے بصرہ جانے والی شاہراہ پر ایک مقام)، غمرہ اور طائف سے گزر کر مکہ کی طرف آئے، وہ تہامہ کی سرزمین میں داخل ہو چکا۔[1]

[1] معجم البلدان، مادة: تهامة.

تہامہ کا نام جنوبی عرب کے کتبوں میں بھی ملتا ہے۔ اس کی چوڑائی مختلف مقامات پر ایک جیسی نہیں۔ کہیں بہت تنگ علاقہ ہے جیسا کہ قُنفُذہ اور لُحیّہ کے مقامات پر ہے۔ یمن کے علاقے میں تہامہ سطح سمندر سے دو ہزار (2000) فٹ تک بلند ہے۔ اس کی چوڑائی تیس میل (48 کلومیٹر) سے لے کر پچاس میل (80 کلومیٹر) تک ہے۔ مئی اور ستمبر میں تہامہ کا درجۂ حرارت 35 تا 43 سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ موسم گرما میں کبھی کبھار بارش کی وجہ سے درجۂ حرارت میں کچھ کمی آجاتی ہے۔ موسم سرما میں درجۂ حرارت 25 اور 35 سینٹی گریڈ کے درمیان رہتا ہے۔ کبھی کبھی 14 سینٹی گریڈ تک گر جاتا ہے۔ جنوبی تہامہ میں میفعہ اور لحج کے نخلستان بہت زرخیز ہیں۔ [1] میفعہ یمن کے صوبہ شبوہ کا ایک شہر ہے۔ یہ صنعاء سے 474 کلومیٹر مشرق میں بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع ہے۔ [2]

ذات عرق (نخلہ شامیہ): یہ اہلِ عراق کا میقات ہے جو نجد اور تہامہ کی سرحد پر اوطاس کے قریب واقع ہے۔ مکہ مکرمہ سے اس کا فاصلہ 90 کلومیٹر ہے۔ [3]

وادی اِضَم (اَلحمض): یہ جبال تہامہ (حجاز) کی ایک وادی ہے۔ مدینہ کے پاس اس کا نام القناۃ ہے۔ اس کی بالائی جانب سدّ کے پاس اسے الشظاۃ کہا جاتا ہے اور الشظاۃ سے نیچے سمندر تک اس کا نام اِضَم ہے۔ وادی اضم میں اشجع اور جُہینہ قبائل آباد ہیں۔ [4] وادی اضم ان دنوں وادی الحمض کہلاتی ہے۔ یہ حرہ خیبر کے جنوب مشرق سے نکل کر مدینہ کے پاس سے گزرتی ہے اور وادی عقیق اور دیگر وادیوں کو سمیٹ کر وادی القریٰ سے جا ملتی ہے۔ یہیں جنوب مغرب سے وادی العیص آکر الحمض سے ملتی ہے جس کے کنارے العیص نامی قصبہ آباد ہے جو ساحلی شہر املج سے 90 کلومیٹر مشرق میں ہے۔ رمضان 1 ھ میں سریّہ سیف البحر کے لیے حمزہ رضی اللہ عنہ کا لشکر العیص سے گزرا تھا۔ پھر الحمض مغرب کو بہہ کر الوجہ کے جنوب میں سمندر (بحیرۂ احمر) میں جا گرتی ہے۔ وہیں قدیم یونانی معبد کصر کریم کے آثار ہیں جو یونانی تجارتی جہازوں کے لیے بحری اڈے کا کام دیتا تھا۔ وادی الحمض کی لمبائی تقریباً 900 کلومیٹر ہے۔ [5] نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان 8 ھ میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کو بطن اضم کی طرف بھیجا جو مدینہ سے 58 کلومیٹر دور ہے۔ [6]



وادی اضم



وادی العیص کی بستی

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ:6/851-855. [2] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا. [3] أطلس الحدیث، ص :181. [4] معجم البلدان، مادة: إضم. [5] مكة والمدينة في الجاهلية وعهد الرسول ﷺ، ص :22. [6] اٹلس سیرت نبوی، ص:392.

2 عروض

جزیرہ نمائے عرب کا وہ حصہ جو مشرقی نجد اور حدود عراق سے خلیج فارس اور عُمان کے ساحل تک پھیلا ہوا ہے، عروض کہلاتا ہے۔ اسے عروض اس لیے کہتے ہیں کہ یہ ساحل خلیج کے ساتھ ساتھ مستطیل شکل میں فارس اور یمن و عرب کے درمیان حائل ہے۔[1] اس میں سطح مرتفع بھی ہے اور نشیب بھی، پہاڑ بھی ہیں اور وادیاں بھی۔ عروض میں بحرین اور عمان شامل ہیں۔

بحرین

البکری لکھتے ہیں: بحرین خلیج فارس کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مغرب میں یمامہ اور شمال میں بصرہ (عراق) ہے اور جنوبی حصہ عمان کے ساتھ ملا ہوا ہے۔[2]



قلعہ تاروت

ماضی کی مملکت بحرین میں موجودہ سعودی عرب کا مشرقی علاقہ اور جزیرہ نمائے قطر بھی شامل تھے۔ اس کی بندرگاہ دارین تھا جو سعودی عرب کے شہر القطیف کے مشرق میں جزیرہ نما تاروت پر واقع تھا۔ تاروت سعودی عرب کا ایک چھوٹا سا جزیرہ نما ہے جو خلیج عربی (خلیج فارس) میں واقع ہے۔ جزیرہ نما تاروت کے قصبوں کے نام دارین، سنابس، الربیعہ وغیرہ ہیں۔ قلعہ تاروت اس کے وسط میں واقع ہے۔ یہ قلعہ 921ھ/1515ء میں تعمیر ہوا تھا۔[3]

آج کل مملکت بحرین خلیج عربی کے اندر، سعودی عرب اور قطر کے مابین واقع جزیرہ ''بحرین'' اور چند چھوٹے چھوٹے جزائر کے مجموعے کا نام ہے۔ سب سے بڑا جزیرہ، عربی کے قدیم مآخذ میں، اُوال یا اَوال ملتا ہے۔ وہی آج کل البحرین کہلاتا ہے۔ اس ریاست کا دارالحکومت منامہ ہے۔[4] عدنانی قبائل میں سے بنوعبدالقیس

[1] معجم البلدان، مادة: عروض. [2] المسالك والممالك لأبي عبيد البكري:1/285. [3] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا [4] اٹلس سیرت نبوی، ص:30.

کا مسکن قدیم بحرین تھا۔ بنو ربیعہ کی بعض شاخیں بھی یہاں آ کر آباد ہو گئی تھیں۔ [1]

عاتق بن غیث البلادی لکھتے ہیں: قطر سے کویت تک پھیلے ہوئے ساحلِ نجد کا نام البحرین تھا۔ ہَجَر اس کا اہم شہر تھا جسے ان دنوں الھُفوف کہا جاتا ہے۔ اس علاقے کا نام پہلے الحسا تھا، پھر عہد عثمانی کے آخر میں اسے الاحساء کہا جانے لگا اور البحرین کا اطلاق اس بڑے جزیرے پر ہونے لگا جو ساحل کے مشرق میں واقع ہے۔ اس جزیرے کا نام اوال تھا اور آج کل وہ إمارة البحرين کہلاتا ہے۔ جب مملکت سعودی عرب کا قیام عمل میں آیا تو الاحساء کا نام المنطقة الشرقية رکھ دیا گیا۔ دمام اس منطقہ (صوبے) کا دارالحکومت ہے۔ [2]

بحرین میں اسلام، مجوسیت اور یہودیت: چھٹی صدی عیسوی سے بحرین ایرانیوں کے ماتحت تھا۔ سن 6 ھ/628ء میں نبی ﷺ کی طرف سے دعوت اسلام ملنے پر حاکم بحرین منذر بن ساویٰ اور اس کی بیشتر رعایا نے اسلام قبول کر لیا، تاہم خاصی تعداد میں یہاں کے مجوسی (پارسی) اور یہودی اپنے اپنے دین پر کار بند رہے جن سے نبی ﷺ کے حسب فرمان جزیہ وصول کیا گیا۔ [3]


حاکم بحرین کے نام رسول اللہ ﷺ کا خط

تیسری صدی ہجری میں بحرین کے مجوسیوں میں فرقہ قرامطہ کے بانی حمدان (قرمط) بن اشعث کی دعوت کو فروغ ملا۔ [4] قرامطہ باطنی فرقے کی ایک شاخ ہے۔ مجوسیوں، مزدکیوں، یہود اور ملحد فلاسفہ نے اسلام کی دعوت کمزور کرنے کے لیے اس کی داغ بیل ڈالی۔ قرامطہ کے عقائد فلاسفہ کے نظریات، مزدکیوں کے قواعد اور یہود کے عقائد سے اخذ کیے گئے تھے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو آلِ نبی کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ قرآن وسنت کے نصوص کے کچھ معانی ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ رموز و اسرار باطنی ہیں، لہٰذا ان کے ظاہر پر عمل کے بجائے امام معصوم کا اتباع کیا جائے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زمین پر آئیں گے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آئیں گے۔ قرامطہ کے نزدیک معبود بھی دو ہیں۔ اسلامی شعائر نماز، روزہ، حج اور زکاۃ وغیرہ معطل ہیں۔ محرمات سے نکاح جائز ہے۔ یہ تحریک 260ھ/873ء میں اپنے گمراہ کن عقائد لے کر ایران کے جنوبی

[1] تاريخ ابن خلدون: 346/2. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 41,40. [3] الطبقات لابن سعد: 263/1، موسوعة السيرة النبوية الشريفة (مرتبة ألفبائيا)، ص: 140. [4] البداية والنهاية: 66,65/11.



قرمطی دینار

علاقوں سے نمودار ہوئی اور رفتہ رفتہ عراق، شام، فلسطین اور بحرین تک پھیل گئی یہاں تک کہ قرامطہ نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ 317ھ/929ء میں قرمطیوں نے مکہ مکرمہ پر حملہ کر کے قتل و غارت کی اور حجر اسود اٹھا کر بحرین لے گئے۔ عباسی خلیفہ مطیع للہ کے دور میں 339ھ/951ء میں حجر اسود کو قرامطہ سے واپس لا کر دوبارہ خانہ کعبہ میں نصب کیا گیا۔ 470ھ/1077ء میں قرامطہ کی حکومت ختم ہوگئی لیکن ان کی تعلیمات کے اثرات ایران، فلسطین اور یمن میں ابھی تک موجود ہیں۔ [1]

عُمان

جزیرہ نمائے عرب کا یہ حصہ بحیرۂ عرب اور خلیج عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ اس کے مشرق کی جانب خلیج عمان، مغرب کی طرف الربع الخالی (سعودی عرب)، شمال کی جانب 92100 مربع کلومیٹر پر مشتمل متحدہ عرب امارات اور جنوب میں بحیرۂ عرب اور جنوب مغرب کی طرف حضرموت (یمن) ہے۔ اس کا رقبہ 3 لاکھ 10 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ [2] زمانۂ قدیم میں عمان کی وجہ شہرت اس کے تیز رفتار گھوڑے اور گدھے تھے۔ عمان کا شہر صُحار تجارت کا بڑا اہم مرکز تھا۔ علامہ مقدسی نے عمان کو بین الاقوامی تجارت کے لحاظ سے مصر اور عدن کا ہم پلہ قرار دیا ہے، نیز عمان اور ایران میں بندر عباس سے 380 کلومیٹر دور 977ء میں زلزلے سے تباہ ہونے والے سیراف کو چین کا دروازہ کہا ہے۔ [3]

عُمان کی بندرگاہ دِبا بھی تجارت کا بڑا مرکز تھی۔ ان دنوں اسے دِبا الحسن کہا جاتا ہے اور یہ آبنائے ہرمز پر واقع عُمان کے علاقے کے جنوب میں متحدہ عرب امارات کی سرحد کے نزدیک آباد ہے۔ یہیں 12ھ/633ء میں عہد صدیق میں حضرت حذیفہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے مدعی نبوت ذوالتاج لقیط کو شکست دی تھی۔ [4]

ان دنوں سلطنتِ عمان کا دارالحکومت مسقط ہے جو قدیم دارالحکومت صحار کے جنوب مشرق میں، تقریباً سوا دو سو کلومیٹر دور، خلیج عمان کے ساحل پر واقع ہے۔

[1] موسوعة الأديان، ص:405,404، الموسوعة الميسرة في الأديان و المذاهب:1/378-382. [2] أطلس العالم، ص:16و96. [3] أحسن التقاسيم، ص:35 و426.

[4] Oman, Sir Donald Hawley, p.35.





3 نجد

نجد کے لغوی معنی بلند اور سخت جگہ کے ہیں۔ اس کو نجد اس لیے کہتے ہیں کہ یہ سخت اور دوسرے علاقوں کی نسبت بلند علاقے پر مشتمل ہے۔ یہ سطح سمندر سے 750 تا 1500 میٹر بلندی پر واقع ہے۔[1] عدنانی قبیلۂ ہُذیل کی بولی میں نجد کو نُجُد کہتے تھے۔[2]

نجد کا حدودِ اربعہ اور جغرافیائی تقسیم

نجد تین اطراف سے بے آب و گیاہ صحراؤں سے گھرا ہوا ہے، اس لیے یہ علاقہ زیادہ تر بیرونی اثر ورسوخ اور حملہ آوروں سے محفوظ رہا ہے۔ اس کے شمال میں صحرائے شام، عراق اور اردن واقع ہیں۔ مغرب میں حجاز، مشرق میں صحرائے دہناء اور جنوب میں یمامہ کا علاقہ ہے۔ یمامہ کے جنوب میں الربع الخالی واقع ہے۔

اصطخری کے مطابق نجد سے بعض اوقات جزیرہ نمائے عرب کا وہ حصہ بھی مراد لیا جاتا تھا جس کی حدود یمامہ سے لے کر یثرب (مدینہ منورہ) تک، پھر بصرہ سے لے کر بحرین تک پھیلی ہوئی ہیں۔[3] جغرافیہ دان یاقوت حموی لکھتا ہے: نجد خندق کسریٰ (عراق) سے لے کر حرّہ (خیبر) تک پھیلا ہوا ہے۔ ایک قول کے مطابق نجد سے مراد وہ وسیع سرزمین ہے جس کے بلند علاقے (نجد علیا) تہامہ اور یمن ہیں اور پست علاقے (نجد سفلیٰ) عراق اور شام ہیں۔[4]

یہ بات طے ہے کہ نجد سے سطح مرتفع ہی مراد لی جاتی تھی جیسا کہ ان مقامات سے بھی واضح ہوتا ہے جن کے مرکب ناموں میں نجد کا ذکر آتا ہے۔ علامہ اصمعی ؒ کہتے ہیں کہ نجد کے نام سے کئی مقامات مشہور ہیں، مثلاً: نجد برق (جو یمامہ کی وادی ہے)، نجد الوذ (بلاد ہذیل)، نجد عُقاب، نجد اَجا، نجد شَریٰ، نجد خال (عراق)، نجد عُفر، نجد کبکب (جو عرفات کے قریب ہے)، نجد مَریع۔[5]

نجد کے شمال میں صحرائے نفود پھیلا ہوا ہے۔ اس (کے وسط) میں کوہستان طویق ہے۔ اسے کئی وادیاں (ندیاں)

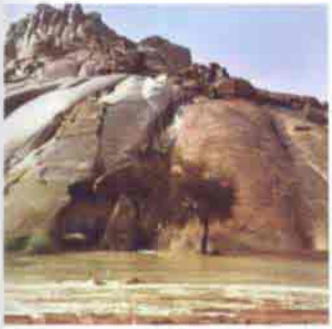
[1] الموسوعة العربية الميسرة: 1824/2، لسان العرب، مادة: نجد. [2] معجم البلدان، مادة: نجد. [3] مسالك الممالك للاصطخري: 14/1. [4] معجم البلدان، مادة: نجد. [5] معجم البلدان، مادة: نجد.



وادی الرمہ



وادی حنیفہ



جبل شمر

قطع کرتی ہیں جن میں سے اہم وادی الرُّمہ اور وادیِ حنیفہ ہیں۔ نجد کے معروف قبائل عنزہ، عتیبہ، حرب اور مطیر ہیں۔ جبل شمر، القصیم، سُدیر (وادی فقی)، وشم، عارض، الخرج، الحریق، الافلاج اور وادی الدواسر، نجد ہی کے علاقے میں ہیں۔ الخرج کا علاقہ بہت زرخیز ہے۔[1]

شعرائے عرب نے نجد کی زرخیزی اور آب و ہوا کی خوبی کی بنا پر اس کو اپنے اشعار میں بڑا ممتاز مقام دیا ہے۔ ایک بدوی شاعر کہتا ہے:

أَلَا حَبَّذَا نَجْدٌ وَّطِيبُ تُرَابِهَا وَغِلْظَةُ دُنْيَا أَهْلِ نَجْدٍ وَّلِينُهَا

''کیا خوب ہے نجد اور اس کی مٹی کی خوشبو اور اہلِ نجد کی امورِ دنیا میں سختی اور نجد کی شادابی!''[2]

ساعدہ بن جویہ ہذلی نجد شریٰ میں اپنے سفر کی یادوں کو اس طرح تازہ کرتا ہے:

تَحَمَّلْنَ مِنْ ذَاتِ السُّلَيْمِ كَأَنَّهَا سَفَائِنُ يَمٍّ تَنْتَحِيهَا دَبُورُهَا

مُيَمِّمَةً نَّجْدَ الشَّرٰى لَا تَرِيمُهُ وَكَانَتْ طَرِيقًا لَّا تَزَالُ تَسِيرُهَا

''بنوسُلیم کے علاقے سے سواریاں لدی پھندی آتی ہیں گویا وہ سمندری کشتیاں ہیں جنھیں مغرب سے آنے والی ہوا کے جھونکے آگے لیے جا رہے ہیں۔ وہ نجد شریٰ کا قصد کرنے والی ہیں اور اس سے ہٹنے والی نہیں۔ وہ ایک راستے پر مسلسل چل رہی ہیں۔''[3]

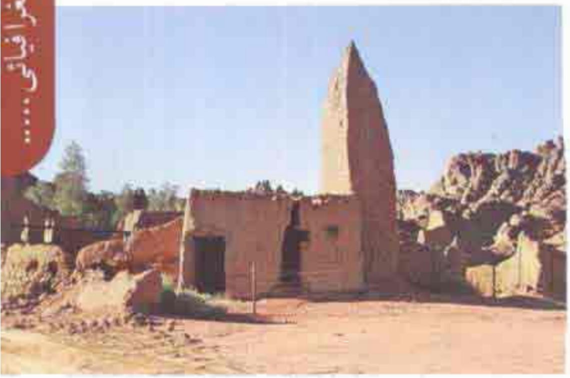
نجد عالیہ اور نجد سافلہ

عرب جغرافیہ دان نجد عالیہ اس علاقے کو کہتے ہیں جو حجاز اور تہامہ کے ساتھ ملا ہوا ہے اور نجد سافلہ وہ علاقہ ہے

[1] الموسوعة العربية المُيَسَّرة: 1824/2. [2] الزهرة لابن داود الأصبهاني: 104/1، معجم البلدان، مادة: نجد. [3] معجم البلدان، مادة: نجد.

جو عراق کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی میں نجد میں جنگلات اور ثمر آور درخت موجود تھے۔ خاص کر وادی الرمہ کے جنوب اور مکہ کے شمال مشرق میں الشَّرَبَّہ اور وجرہ کے علاقے اپنے پھل دار درختوں کی وجہ سے مشہور تھے۔[1]

نجد کے بعض اہم مقامات



حاتم طائی سے منسوب محل

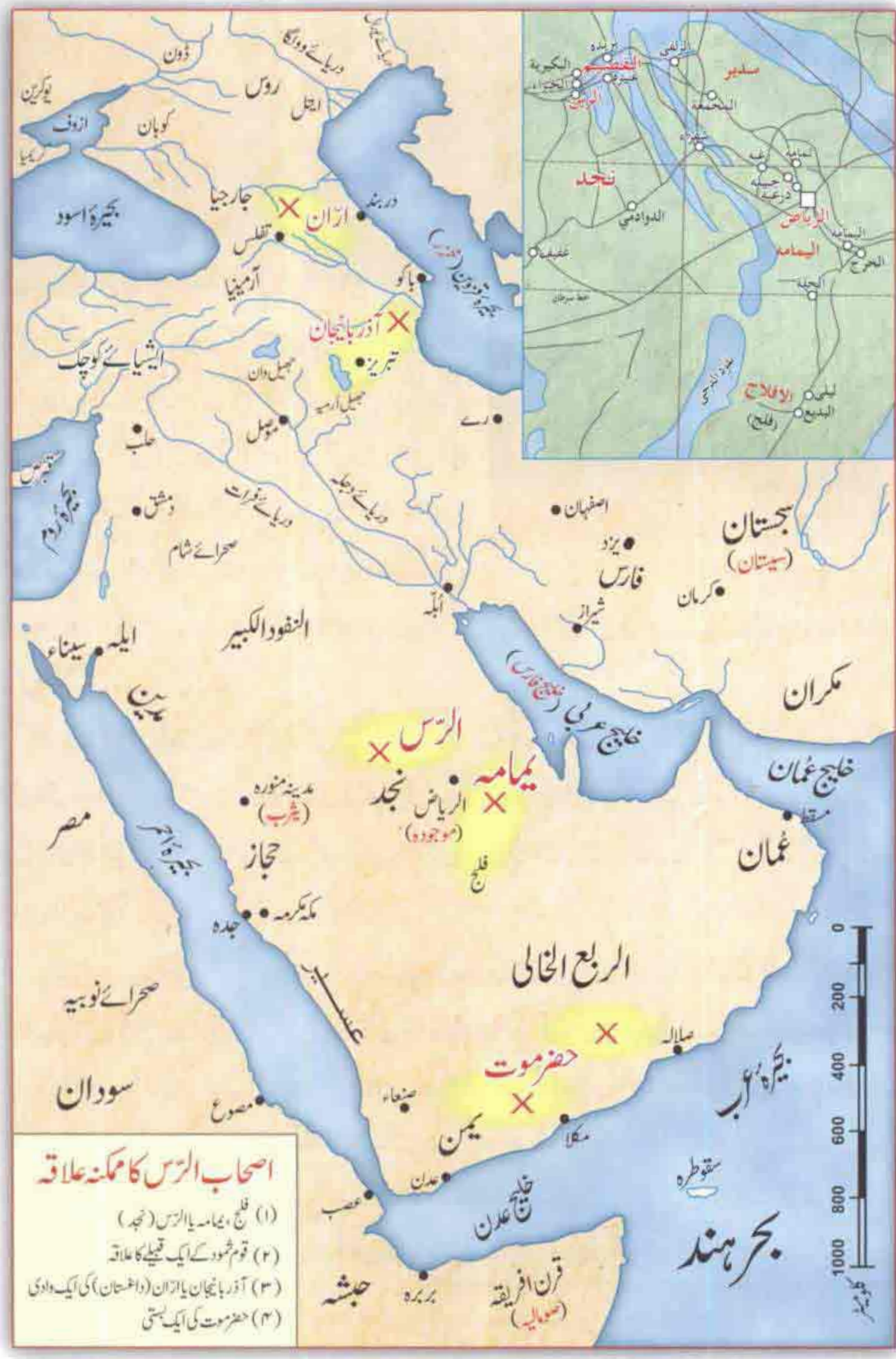
جبال طے اور حائل: بنو طے کے پہاڑ جبل اَجا اور جبل سلمٰی پر مشتمل ہیں۔ زمانۂ قدیم میں یہاں مشہور عرب سردار حاتم طائی کا مسکن تھا جس کی سخاوت، فیاضی اور مہمان نوازی ضرب المثل تھی۔ نجد کا خوبصورت شہر حائل یہیں آباد ہے۔ یہاں کی مشہور کھجور حلوۃ الجبل ہے۔ موجودہ سعودی صوبہ حائل کے اہم شہر جبہ، بقعاء، غزالہ، حلیفہ، السُّلیمی، السبعان اور المیاہ ہیں۔ حائل صوبائی دارالحکومت ہے جو جبل اَجا اور جبل سلمٰی کی طرف سے بہنے والی ندی (وادی حائل) کے کنارے واقع ہے۔[2]

القصیم: یہ نجد کا وسطی خطہ ہے جو وشم اور جبل طے (جبل شمر) کے درمیان واقع ہے۔ حرۂ خیبر اور جنوبی حائل سے آنے والی ندی (وادی الرمہ) صوبہ القصیم کے وسط میں بہتی ہے۔ بریدہ صوبائی دارالحکومت ہے۔ القصیم کے مغرب میں واقع جبل طامیہ 1286 میٹر بلند ہے۔ کھجور کی پیداوار میں یہ علاقہ ممتاز مقام رکھتا ہے۔ القصیم کے مشہور مقامات مندرجہ ذیل ہیں:

بُرَیْدَہ، عُنَیْزَہ، الرَّسّ، المِذْنَب، البُکَیْرِیَّہ، عُقْلَۃُ الصُّقُوْر، نَقرَہ، قُبَّہ، الخَبْرَاء.

اصحاب الرّس کا مسکن: قرآن مجید کی سورۂ فرقان (آیت 38) اور سورۂ ق (آیت 12) میں قوم نوح اور عاد و ثمود کے ساتھ اصحاب الرس (کنویں والوں) کا ذکر ہوا ہے۔ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور تباہی سے دو چار ہوئے۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ وہ اصحاب الرس کے نام سے اس لیے مشہور ہوئے کہ انھوں نے اپنے نبی کو کنویں میں پھینک دیا تھا۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اصحاب الرس اور اصحاب الاخدود ایک ہی ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ یمامہ کے علاقے میں ایک بستی تھی جسے فلج (یا فلج الافلاج) کہا جاتا تھا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ یہ قوم ثمود کے ایک قبیلے کا

1 المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 182/1. 2 تاريخ نجد لمحمود شكري، ص: 20,19.



اصحاب الرّس کا ممکنہ علاقہ
(۱) فلج، یمامہ یا الرّس (نجد)
(۲) قوم ثمود کے ایک قبیلے کا علاقہ
(۳) آذربائیجان یا ارّان (داغستان) کی ایک وادی
(۴) حضرموت کی ایک بستی
روس
ارّان
دربند
تفلس
جارجیا
بحیرۂ اسود
آرمینیا
باکو
آذربائیجان
تبریز
ایشیائے کوچک
موصل
حلب
دمشق
صحرائے شام
اصفہان
یزد
فارس
شیراز
بجستان
(سیستان)
کرمان
مکران
ابلہ
النفود الکبیر
ایلہ
سیناء
الرّس
یمامہ
نجد
الریاض
(موجودہ)
فلج
مدینہ منورہ
(یثرب)
حجاز
مصر
مکہ مکرمہ
جدہ
الربع الخالی
خلیج عربی
خلیج عمان
مسقط
عمان
حضرموت
صلالہ
صنعاء
یمن
مکلا
عدن
خلیج عدن
سقوطرہ
بحر ہند
حبشہ
بربرہ
قرن افریقہ
(صومالیہ)
صحرائے نوبیہ
سودان
مصوع
عصب
نجد
القصیم
سدیر
الریاض
الیمامہ
الافلاج
0
200
400
600
800
1000

رہائشی علاقہ ہے۔ [1] لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اصحاب الرس یمامہ میں رہنے والے تھے۔ فلج آج کل صرف الافلاج کہلاتا ہے۔



قدیم قصبہ الرس کے آثار

نجد میں صوبہ القصیم کے شہر بُریدہ سے تقریباً 70 کلومیٹر جنوب مغرب میں الرس نامی شہر آباد ہے۔ [2] صاحب معجم البلدان یاقوت حموی نے جہاں یہ ذکر کیا ہے کہ الرس یمامہ کی ایک بستی ہے، وہاں ابن دُرید کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ''الرّس اور الرُّسیس نجد کی دو وادیاں یا دو قصبے ہیں۔'' [3] چونکہ یمامہ بھی نجد میں شمار ہوتا ہے، اس لیے یہ قرینِ قیاس ہے کہ آج کے القصیم (نجد) میں واقع الرّس وہی قدیم قصبہ ہے جسے بعض علماء نے یمامہ کی ایک بستی قرار دیا۔

عارض الیمامہ: نجد العارض (عارض الیمامہ) 120 کلومیٹر لمبی وادی حنیفہ (العرض) اور یمامہ پر مشتمل ہے۔ اسی جگہ بعد میں درعیہ آباد ہوا جہاں سعودی مملکت کی بنیاد رکھی گئی۔

یمامہ کا محل وقوع: یمامہ کے مشرق میں عمان اور بحرین، شمال اور مغرب میں اصل نجد اور جنوب میں الربع الخالی ہے۔ بعض اہل علم نے یمامہ کو عروض میں شمار کیا ہے مگر بیشتر اسے نجد میں شامل کرتے ہیں۔ معروف جغرافیہ دان یاقوت حموی نے لکھا ہے: ''اسے نجد میں شمار کیا جاتا ہے اور اس کا مرکزی مقام حَجْر ہے۔'' [4] ان دنوں قصبہ یمامہ الخرج کے شمال مغربی مضافات میں الریاض سے تقریباً 80 کلومیٹر دور ہے۔



یمامہ کی بستی کے کھنڈر (الخرج)

حاکم یمامہ ثمامہ بن اُثال: بعثت نبوی کے وقت ثمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ اسی علاقے میں حاکم تھے۔ [5] انھوں نے جس طرح اسلام قبول کیا، اس کی روداد بہت دلچسپ ہے۔ وہ مشرک اور قریش کے حلیف تھے۔ 7 ھ میں عمرے کے لیے نکلے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں گرفتار کرلیا اور لاکر مسجد نبوی میں باندھ دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کا ارادہ

[1] أطلس القرآن، شوقی ابوخلیل، ص:220. [2] أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 14و 17. [3] معجم البلدان، مادة: الرسّ. [4] معجم البلدان، مادة: يمامة. [5] تاريخ ابن خلدون:2/348.

دریافت فرمایا تو انھوں نے آپ سے کہا:

[إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ، وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰى شَاكِرٍ]

''اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو میرا خون رائیگاں نہیں جائے گا (میرا بدلہ لینے والے بہت ہیں۔) اور اگر احسان کریں گے تو قدر دان پر احسان کریں گے۔''

دوسرے دن آپ نے پھر پوچھا: ''ثمامہ! اب تیرا کیا خیال ہے؟'' انھوں نے کہا: وہی جو پہلے کہہ چکا ہوں۔ تیسرے دن نبی ﷺ نے پھر کہا: ''ثمامہ! اب تو کیا سمجھتا ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: اب بھی وہی ہے جو میں پہلے آپ سے کہہ چکا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ ثمامہ کو کھول دو۔ رسی کھول دی گئی تو وہ مسجد نبوی کے قریب ایک باغ میں گئے اور غسل کر کے مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا:

[أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ]

''میں (اس حقیقت کی) گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر کہا:

[يَا مُحَمَّدُ! وَاللّٰهِ! مَاكَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَّجْهِكَ، فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ، وَاللّٰهِ! مَاكَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ، فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ، وَاللّٰهِ! مَاكَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ، فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ]

''اے محمد (ﷺ)! اللہ کی قسم! روئے زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کسی کے چہرے سے مجھے بغض نہ تھا اور اب آپ کے رخِ انور سے زیادہ کسی کا چہرہ مجھے محبوب نہیں۔ اللہ کی قسم! آپ کے دین سے زیادہ کوئی دین میرے نزدیک قابل نفرت نہ تھا اور اب مجھے آپ کا دین سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم! مجھے آپ کے شہر سے بڑھ کر کسی شہر سے نفرت نہ تھی، اب آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔''

پھر حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ عمرے کے لیے چلے گئے۔ جب آپ مکہ پہنچے تو لوگوں نے کہا: ثمامہ بے دین ہو گیا ہے۔ انھوں نے جواب دیا: نہیں، میں تو محمد ﷺ پر ایمان لایا ہوں۔ اور اب یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی اس وقت تک مکہ نہیں آئے گا جب تک نبی اکرم ﷺ اجازت نہ دے دیں۔ [1] ان دنوں الریاض سے 60 کلومیٹر شمال میں

[1] صحيح البخاري:4372، صحيح مسلم:1764.

ثمامہ نامی بستی اور وادی ثمامہ حضرت ثمامہ رضی اللہ عنہ کی یاد دلاتی ہیں۔

زرقاء الیمامہ اور یمامہ کی وجہ تسمیہ: یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ یمامہ پرانی اقوام طسم اور جدیس کا مسکن تھا۔ اسے پہلے "جوّ" کہا جاتا تھا۔ ان کا حاکم عملیق بن ہباش بن ہیلس تھا جس کا تعلق بنوطسم سے تھا۔ وہ نہایت بدطینت، جابر اور ظالم شخص تھا۔ اس نے حکم جاری کر رکھا تھا کہ جب بھی کسی لڑکی کی شادی ہو، خاوند سے پہلے اسے میرے پاس بھیجا جائے۔ قبیلہ جدیس کے سردار اسود بن غِفار کی بہن عفیرہ بنت غفار کی شادی ہوئی اور اسے حسب روایت عملیق کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس ظالم کے وحشیانہ سلوک پر اس نے اپنے بھائی اور اپنی قوم کو عار دلائی تو اس کی باتیں سن کر اسود کی آنکھوں میں غیظ و غضب کے شرارے کوندنے لگے۔ اس نے اپنی قوم کو پکارا تو انھوں نے بنوطسم کے تمام اشراف کو ہلاک کر دیا۔

بنوطسم کا ایک آدمی ریاح بن مرہ بھاگ کر تُبّع یمن (حسان بن تبع) کے پاس چلا گیا اور مدد چاہی۔ حسان ایک بڑا لشکر لے کر اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب وہ مقام "جوّ" کے قریب پہنچے تو ریاح بن مرّہ نے بادشاہ سے کہا: آپ یہیں ٹھہریں۔ میری ایک بہن کی شادی بنوجدیس میں ہوئی ہے۔ اللہ نے اسے عجیب بصارت سے نواز رکھا ہے۔ اسے یمامہ کہا جاتا ہے۔ وہ ایک دن اور ایک رات کی مسافت سے آدمی کو دیکھ لیتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہمیں دیکھ لے اور اپنی قوم کو خبردار کر دے۔ تبع رک گیا، اس نے ایک آدمی سے کہا: پہاڑ پر چڑھ کر حالات کا جائزہ لو۔ وہ اوپر چڑھا تو اس کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ وہ اسے صحیح کرنے کے لیے جھکا تو یمامہ نے اسے دیکھ لیا، اس نے قوم کے لوگوں کو بتایا لیکن انھوں نے اسے مذاق سمجھا۔

بعد ازاں لشکرِ یمن نے دھاوا بول کر بنوجدیس کو شکست فاش دی اور یمامہ کو گرفتار کر لیا۔ جب تبع کے حکم پر اس کی آنکھیں نکالی گئیں تو پتہ چلا کہ اس کی آنکھوں کے حلقے اثمد (سرمہ) سے بھرے ہوئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اثمد سب سے پہلے اسی نے استعمال کیا تھا۔ تبع نے حکم دیا کہ یمامہ کو "جوّ" کے دروازے پر سولی چڑھا دو، پھر اس کے حکم سے اس علاقے کا نام یمامہ رکھ دیا گیا۔ [1] بعد کے لوگوں نے اس عورت کو زرقاء الیمامہ (یمامہ کی نیلی آنکھوں والی) کے نام سے یاد رکھا۔ طسم و جدیس کے بعد بنوحنیفہ یمامہ میں برسرِ اقتدار آئے۔ یہ قبیلہ بنوبکر بن وائل سے ہے جو عدنانی ہیں۔ ان کا نسب حنیفہ بن لجیم بن صعب بن علی بن بکر بن وائل ہے۔ یہ یمامہ کے رہائشی تھے۔ انھی میں سے ہوذہ بن علی تھا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھا تھا اور اسلام کی دعوت دی تھی۔ [2] مسیلمہ کذاب

[1] معجم البلدان، مادة: يمامة. [2] نهاية الأرب، ص: 223.

بن ثمامہ بن کثیر بن حبیب کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ [1]



معرکہ یمامہ میں شہید ہونے والے صحابہ کرام کا قبرستان

مسیلمہ نے عہد رسالت کے آخری دنوں میں جھوٹی نبوت کا ڈھونگ رچایا۔ [2] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کا قلع قمع کرنے کے لیے لشکر بھیجا۔ مسیلمہ کذاب اسی جنگ کے دوران میں وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ [3] جس مقام پر معرکۂ یمامہ برپا ہوا تھا، وہ سعودی دارالحکومت الریاض سے 40 کلومیٹر شمال مغرب میں واقع ہے اور ان دنوں ''الجبیلہ'' کہلاتا ہے۔ الجبیلہ میں ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی قبریں ہیں جو مرتدین کے خلاف جنگ میں شہید ہوئے تھے۔



ربذہ یا ضریہ

ضرية: یہاں سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں محرم 5 ھ میں سریۂ قُرطاء پیش آیا تھا۔ قبیلہ قرطاء بنوبکر بن کلاب قیسی کی ایک شاخ تھا۔ ضریہ نجد کے وسط میں ایک چراگاہ ہے۔ ان دنوں ضریہ نامی قصبہ ربذہ سے 165 کلومیٹر اور الحناکیہ سے 247 کلومیٹر مشرق میں، البتراء (الحناکیہ عُنیزہ شاہراہ پر) سے 135 کلومیٹر جنوب میں اور العفیف سے تقریباً 90 کلومیٹر شمال میں ہے۔ [4]



وادی النخیل، الحناکیہ

ذات الرقاع: یہ نجد کا ایک پہاڑ ہے جس میں سرخ، سیاہ اور سفید رنگ کے قطعات (رقاع) ہیں۔ جبل ذات الرقاع مدینہ سے تقریباً 100 کلومیٹر شمال مشرق میں وادی الحناکیہ اور الشقرہ (موجودہ الشقران) کے درمیان واقع ہے۔ یہاں محرم 5 ھ میں غزوہ ذات الرقاع پیش آیا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قدم پیدل چلنے سے زخمی ہوگئے تھے، لہٰذا انھوں نے اپنے پیروں پر بوسیدہ کپڑوں کی دھجیاں لپیٹ لیں جنھیں عربی میں رقاع کہتے ہیں، اس لیے اس

[1] تاريخ ابن خلدون: 348/2. [2] فتح الباري: 464/7. [3] صحيح البخاري: 4072. [4] اٹلس سیرت نبوی، ص: 285، أطلس المملكة العربية السعودية، لوحه: 9.

غزوے کا نام ذات الرقاع پڑ گیا۔ اس کا مقام وقوع قصبہ الحناکیہ سے دس پندرہ کلومیٹر جنوب میں المرَیہ نامی بستی کے پاس ہے۔

غزوہ ذات الرقاع: وادیِ نخل میں پیش آیا تھا۔ نخل وہ وادی ہے جس میں قصبہ الحناکیہ واقع ہے۔ وادی نخل یا وادی الحناکیہ کے پاس ہی وادی النخیل ہے۔ یہیں موجودہ قصبہ النخیل آباد ہے جو الحناکیہ سے تقریباً 30 کلومیٹر شمال میں ہے۔ مدینہ سے قصیم جاتے ہوئے الحناکیہ سے آگے وادی النخیل دائیں طرف آتی ہے۔ [1]

جنگ بسوس کے چالیس برس

زمانۂ قدیم میں نجد عرب بائدہ کا مسکن تھا، پھر جزیرہ نمائے عرب کے جنوب سے قحطانی قبائل اور ان کے بعد حجاز سے عدنانی قبائل یہاں منتقل ہوئے۔ [2]

عدنانی قبائل میں بکر بن وائل بھی نجد میں آباد ہوئے تھے۔ عربی زبان میں جو مہارت بنوبکر کے حصے میں آئی، وہ شاید ہی کسی اور کو نصیب ہوئی ہو۔ بنوبکر کے برادر قبیلہ بنوتغلب کا سردار کلیب بن ربیعہ تغلبی تھا۔ اُسے بنوبکر کے جساس بن مرہ شیبانی نے قتل کر دیا۔ اس پر بنوبکر اور بنوتغلب میں چالیس سال خونریز جنگ ہوتی رہی جسے جنگ بسوس کہتے ہیں۔ [3]

اس علاقے میں عربی زبان کے ایسے ایسے قادر الکلام شعراء پیدا ہوئے جو اپنی مثال آپ تھے۔ کلیب بن ربیعہ تغلبی کا بھائی مہلہل جو عربی شاعری کا باوا آدم کہلاتا ہے، اسی نجد کی خاک سے پیدا ہوا تھا۔ نجد کے قبیلہ کندہ کا مقتول شہزادہ امرؤ القیس بن حُجر بن حارث جاہلی دور کا عظیم ترین شاعر سمجھا جاتا ہے۔ [4]

نجد میں دعوتِ اسلام

عہد نبوی میں مسلمانوں کے ساتھ قبائلِ نجد کے تعلقات آخر تک کشیدہ ہی رہے۔ بعثت کے دسویں سال ہجرت سے پہلے حج کے موقع پر اور عرب کے تجارتی بازاروں میں نبی اکرم ﷺ نے کم و بیش پندرہ قبائل کے لوگوں سے یکے بعد دیگرے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ وہ آپ کی حمایت کریں۔ اس موقع پر نجد کے بنوحنیفہ سب سے زیادہ درشت اور بداخلاق ثابت ہوئے تھے۔ [5] ربیع الاول 4 ھ میں نجد میں بئر معونہ کا دل گداز واقعہ پیش آیا جس میں 70

---

[1] الطبقات لابن سعد: 61/2، فتح الباري: 521/7، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية: 318,317، أطلس المملكة العربية السعودية: 189. [2] علماء نجد خلال ثمانية قرون: 9,8/1. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 305. [4] الكامل لابن الأثير: 609,608/1، إمتاع الأسماع للمقريزي: 49/1. [5] المنتظم: 138/2، تاريخ ابن خلدون: 347/2.

قرائے کرام کو بدعہدی اور دھوکے سے شہید کیا گیا۔ [1]

نبی اکرم ﷺ نے 7 ھ میں بنو حنیفہ کے شاعر، خطیب اور مذہباً نصرانی بادشاہ ہوذہ بن علی حنفی کو ایک خط لکھا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی تو اس نے جواب میں لکھا: ''......آپ کچھ اختیارات میرے سپرد کر دیں تو میں آپ کی اطاعت قبول کرلوں گا۔'' [2]

فتح مکہ کے بعد اگرچہ قبائل نجد نے اسلام قبول کرلیا تھا مگر پھر نبی کریم ﷺ کی زندگی ہی میں نجد میں فتنۂ ارتداد شروع ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس فتنے کی سرکوبی کے لیے ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک سریہ روانہ فرمایا۔ [3]

[1] دیکھیے: صحيح البخاري :4090. [2] الطبقات لابن سعد:262/1. [3] صحيح البخاري :4338، فتح الباري :70/8.

4 یمن

جزیرہ نمائے عرب کے جنوب مغرب میں واقع یمن مختلف ادوار میں ایک خود مختار مملکت رہا ہے۔ یہ جزیرہ نمائے عرب کا متمدن ترین علاقہ اور بنیادی طور پر قحطانی عربوں کا مسکن تھا۔

آثارِ قدیمہ اور کتبات سے پتا چلتا ہے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں باشندگانِ یمن کا کوئی ثانی نہیں تھا، اس لیے اسے الیمن السعیدۃ (خوش وخرم یمن) یا العربیۃ الغنیۃ (زرخیز عرب) بھی کہا جاتا تھا۔[1]

یمن کی وجہ تسمیہ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ''عرب اس جزیرہ نما کی مختلف سمتوں میں بکھر گئے، پھر جو دائیں طرف گئے، ان کے رخ کی مناسبت سے اس علاقے کا نام یمن رکھ دیا گیا۔'' (یمین عربی زبان میں دائیں طرف کو کہتے ہیں۔ اسی طرح یُمن کا معنی برکت بھی ہے، لہٰذا دائیں سمت مبارک خیال کی جاتی ہے۔) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب مکہ میں لوگوں کی کثرت ہوگئی اور وہاں مزید گنجائش نہ رہی تو دائیں طرف والے یمن کی طرف اکٹھے ہو گئے اور وہ ارضِ مکہ کے انتہائی دائیں جانب ہے، لہٰذا اس کا یہ نام پڑا۔[2]

1 قصة و تاريخ الحضارات العربية: 28/15۔ 2 معجم البلدان، مادة: يمن.



حراز (یمن) کا ایک پہاڑی گاؤں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی توجیہ خوبصورت ہے۔ وہ کہتے ہیں: مکہ مکرمہ کے پیچھے مغرب میں سمندر (بحیرۂ احمر) ہے لیکن مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے والوں کے سامنے نجد تھا، دائیں طرف یمن اور بائیں طرف شام، لہٰذا یمن کے مکہ مکرمہ سے دائیں طرف ہونے کے باعث اس علاقے کا نام یمن پڑ گیا۔ اسی وجہ سے بیت اللہ کے ایک رکن کا نام بھی رکنِ یمانی ہے۔

قدیم اہلِ عرب اسے العرب السعیدۃ یا الیمن الخضراء کے نام سے یاد کرتے تھے۔ [1] ابن یعقوب ہمدانی لکھتے ہیں کہ اسے یمن خضراء اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں درختوں، پھلوں اور فصلوں کی بہتات ہے۔ [2]

قدیم سبائی آثار میں یمن کا نام ''یمنات'' یا ''یمنت'' بیان کیا گیا ہے جس کے معنی خیر و برکت کے ہیں، چنانچہ رومی مصنفین نے اسے Arabia Felix لکھا ہے جس کے معنی العربیۃ السعیدۃ یا العربیۃ الخیریۃ (بہترین عرب) ہیں۔ [3]

یمن کی وسعت

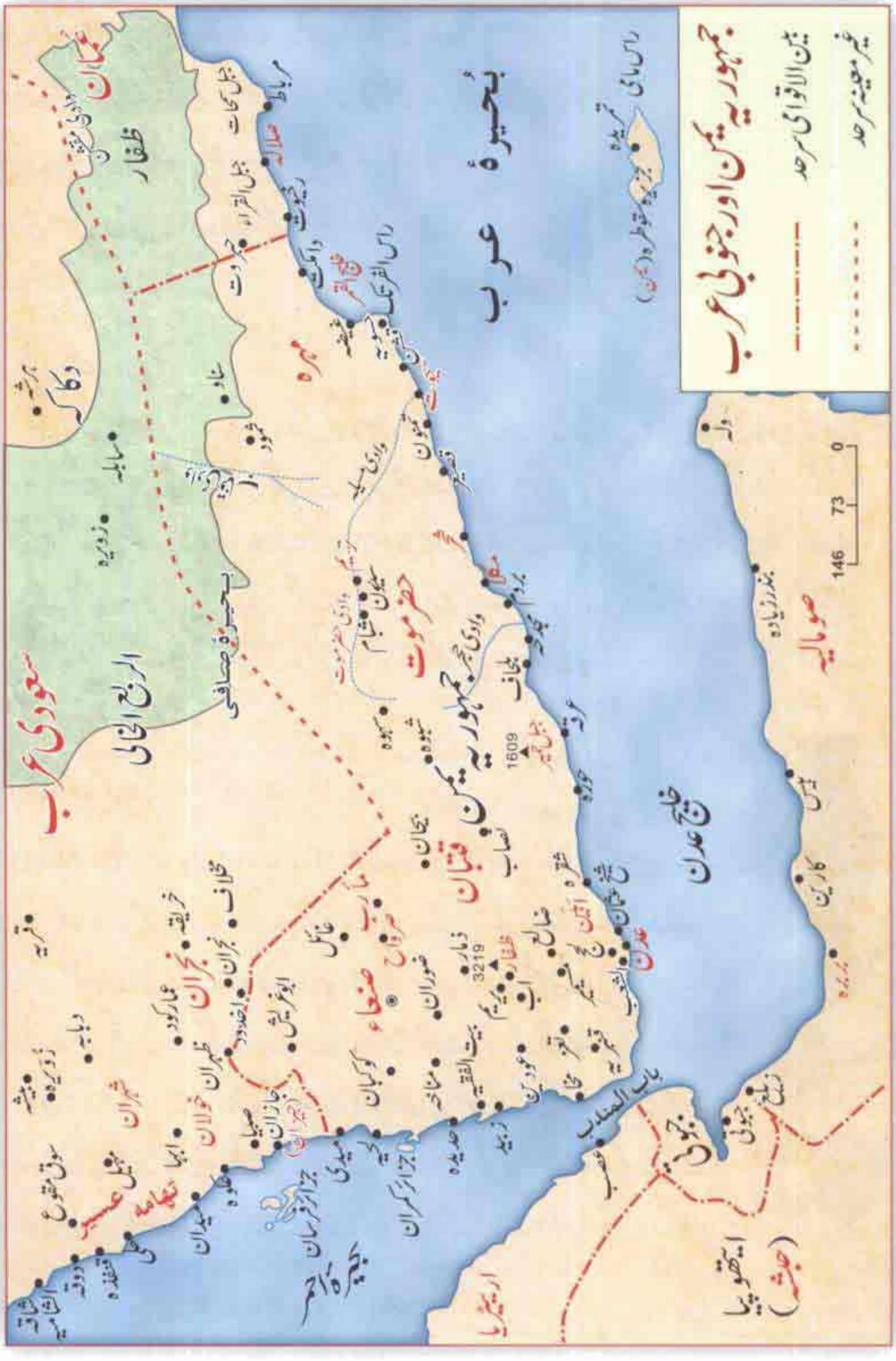
اس سرسبز و شاداب خطے کے جنوب میں خلیج عدن اور بحیرۂ عرب، مغرب میں بحیرۂ احمر (بحیرۂ قلزم)، شمال میں حجاز، نجد اور الربع الخالی اور مشرق میں عُمان واقع ہے۔ موجودہ یمن کا رقبہ 5 لاکھ 27 ہزار مربع کلومیٹر ہے۔ [4] اس کی حدود شمال میں نجران، یمنی بندرگاہ المکلا سے تقریباً 460 کلومیٹر شمال میں الودیعہ اور عروق الموارد (الربع الخالی) سے جنوب میں بحیرۂ عرب تک اور مغرب میں ساحل بحیرۂ قلزم (احمر) سے لے کر مشرق میں حضر موت (سلطنت عُمان) تک ہیں۔ ماضی کا نجرانِ یمن زیادہ تر سعودی عرب میں شامل ہے۔ [5]

یمن کی حدود مختلف ادوار میں مختلف رہی ہیں۔ ابن یعقوب ہمدانی نے یہ حدود عُمان و یبرین سے سرحدِ یمامہ تک، پھر الهُجَیرہ، تثلیث اور جُرَش سے تہامہ تک، پھر حَمِضَہ کے نزدیک کُدُمُّل نامی پہاڑ تک بیان کی ہیں۔ [6] تثلیث اور حَمِضَہ ان دنوں سعودی عرب کے صوبہ عسیر میں واقع ہیں جبکہ تثلیث موجودہ یمنی سرحد سے تقریباً 200 کلومیٹر شمال میں ہے۔

قدیم عرب جغرافیہ دان ابن حوقل جزیرہ نمائے عرب کا دو تہائی حصہ یمن میں شمار کرتے ہیں۔ وہ تہامہ، نجدِ یمن،

---

[1] عصر النبوة للكعبي، ص: 19. [2] صفة جزيرة العرب، ص: 90. [3] قصة و تاريخ الحضارات العربية: 25/15. [4] أطلس العالم، ص: 16 و 96. [5] أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 31,30. [6] صفة جزيرة العرب، ص: 90.


جمہوریہ یمن اور جنوبی عرب
بین الاقوامی سرحد
غیر معینہ سرحد
بحیرۂ عرب
خلیج عدن
سعودی عرب
الربع الخالی
حضر موت
عدن
صنعاء
صومالیہ
ایتھوپیا
(حبش)
باب المندب
146
73
0



میقات یلملم (السعدیہ)

عُمان، مہرہ، حضر موت، صنعاء، عدن اور یمن کے تمام اضلاع کو اس میں شامل بتاتے ہیں۔ انھوں نے اس کی شمالی حدود سِرَّین سے اہل یمن کے میقات یلملم اور طائف تک بیان کی ہیں، پھر وہ ان سرحدوں کو نجدِ یمن سے لے کر خلیج فارس تک لے جاتے ہیں۔[1]

یمن کے اضلاع

عباسی عہد میں یمن جزیرہ نمائے عرب کا وسیع و عریض صوبہ تھا۔ احمد بن اسحٰق یعقوبی (متوفی 292ھ) نے یمن کے 84 اضلاع بیان کیے ہیں جن میں سے اہم یہ تھے:

ذِمَار، جُرَش، صَعْدَہ، الحِجْر، المَعافِر، السَّکُون، مَأرِب، حَضُور، جَیْشان، بَیْش، السَّاعِد، زَبِید، لَحْج، أَبْیَن، حَضْرَمَوْت، عَنْس، بني عامر، مَاذَن، حُمْلان، خَوْلان، السَّرْو، الدَّثِینَہ، کُبَیْبَہ اور تَبالہ۔ اور ساحل کے ساتھ ملے ہوئے اضلاع یہ تھے: عَدَن، المَنْدَب، غَلافِقَہ، الحَمِضَہ اور السَّرَّیْن۔[2]

یمن کے لعل و جواہر اور تجارت



یونانی مؤرخ سٹرابو بیان کرتا ہے کہ جنوبی عرب (یمن) جزیرہ نمائے عرب کا سب سے مال دار حصہ ہے۔ یہاں کے باشندے عمدہ لباس زیب تن کرتے ہیں۔ سونے چاندی کے برتن ان کے ہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے گھروں کی زیبائش ہاتھی دانت، سونے، چاندی اور قیمتی پتھروں سے کرتے ہیں۔ ان کی دولت و ثروت کا راز ان کی تجارت میں ہے۔
یمنی تاجر عرب اور ہندوستان کی پیداوار کو قافلوں کی صورت میں مغرب کی طرف یا سمندری راستے سے بابل کی طرف لے جاتے تھے۔ ان کے جہاز بحر ہند میں چلتے تھے اور وہ بڑی بڑی کشتیوں میں دجلہ کے راستے "اوپیس" تک جاتے، پھر اس مال کو میڈیا

[1] تقويم البلدان، ص: 80. [2] تاريخ اليعقوبي: 173,172/1.

(شمال مغربی ایران)، آرمینیا اور اس کے نواح میں فروخت کرکے بھاری منافع کماتے تھے۔ [1]

اہلِ یمن کی فضیلت

یمن نہ صرف اپنی معیشت اور مادی اسباب کے اعتبار سے سرسبز و شاداب خطہ ہے بلکہ وہ معنوی خصوصیات اور دینی لحاظ سے بھی بڑا خوش قسمت ہے۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں اس خطے کا تذکرہ بہت خوبصورت اور تحسین آمیز انداز میں کیا گیا ہے۔

اہلِ یمن کی فضیلت قرآن میں

■ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۫ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىِٕمٍ ﴾

''اے ایمان والو! تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ عنقریب ایسے لوگ لے آئے گا کہ وہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اس سے محبت کریں گے۔ (وہ) مومنوں پر بہت نرم ہوں گے، کافروں پر بڑے سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ ان سے مراد کون لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن نے یہ کہا کہ ''اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مِّنَ الْيَمَنِ، ثُمَّ مِنْ كِنْدَةَ، ثُمَّ مِنَ السَّكُونِ، ثُمَّ مِنْ تُجَيْبٍ»

''ان لوگوں کا تعلق یمن سے، پھر بنوکندہ، پھر بنوسکون (بن اَشرس بن ثور)، پھر بنوتُجیب سے ہے۔'' [3]

■ سورۂ حج میں فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ ﴾

''اور لوگوں میں حج کا اعلان کردیں۔'' [4]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ

---

[1] قصة و تاريخ الحضارات العربية: 35/15. [2] المآئدة5:54. [3] تفسير ابن أبي حاتم، المآئدة5:54، المعجم الأوسط للطبراني:380/1، حديث: 1392. اس کی سند حسن ہے۔ دیکھیے: مجمع الزوائد: 16/7، حديث: 10977، السلسلة الصحيحة: 1103/7-1106. [4] الحج22:27.

لوگوں میں بیت اللہ کے حج کا اعلان کریں تو وہ (بیت اللہ کے قریب ترین) جبل ابوقبیس پر چڑھ گئے۔ انھوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈالیں، پھر اعلان کیا: بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، اس لیے تم اپنے رب کی پکار پر لبیک کہو! اس پکار کو ہر اُس شخص نے قبول کیا جو مردوں کی پشتوں اور عورتوں کے رحموں میں تھا۔ اس پکار پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے اہل یمن تھے۔ [1]

اہلِ یمن کی فضیلت احادیث میں

- ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْإِيمَانُ هٰهُنَا - وَأَشَارَ بِيَدِهِ إِلَى الْيَمَنِ»

''ایمان اس جگہ ہے۔ (یہ فرما کر) آپ نے اپنے دستِ مبارک سے یمن کی طرف اشارہ کیا۔'' [2]

- نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَتَاكُمْ أَهْلُ الْيَمَنِ، هُمْ أَرَقُّ أَفْئِدَةً، وَأَلْيَنُ قُلُوبًا، اَلْإِيمَانُ يَمَانٍ، وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ»

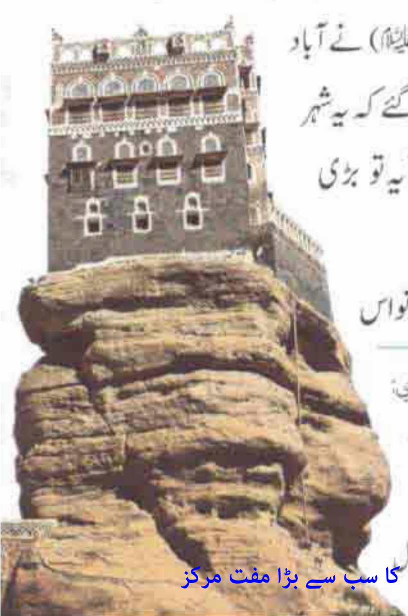
''تمھارے پاس اہل یمن آئے ہیں، وہ گداز دل والے اور رقیق القلب ہیں۔ ایمان یمنی ہے اور حکمت بھی یمنی ہے۔'' [3]

یمن کے مشہور مقامات

صنعاء: یہ یمن کا قلب ہی نہیں بلکہ قدیم ترین تمدن کی آماجگاہ بھی ہے۔ اس کا قدیم نام اُزال تھا۔ یہ روئے زمین کے قدیم ترین شہروں میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اسے سام بن نوح (علیہ السلام) نے آباد کیا تھا۔ [4] جب اہل حبش نے صنعاء پر قبضہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ شہر پتھروں سے بنایا گیا ہے۔ وہ بے اختیار بول اٹھے: «هٰذِهِ صَنْعَةٌ» ''یہ تو بڑی کاریگری ہے۔'' اس وجہ سے اس شہر کا نام صنعاء پڑ گیا۔ [5]

525ء میں حبشہ (اکسوم) کے عیسائی بادشاہ نے آخری حمیری حکمران ذونواس

[1] تفسير ابن أبي حاتم، تفسير البغوي، الحج22: 27,26. [2] صحيح البخاري: 4387، صحيح مسلم: 51. [3] صحيح البخاري: 4388، صحيح مسلم: 52.
[4] صفة جزيرة العرب، ص: 103,102. [5] معجم البلدان، مادة: صنعاء.



صنعاء میں ایک یمنی رئیس کا قدیم محل

کو شکست دے کر یمن میں اپنا عیسائی گورنر مقرر کیا تو اس نے صنعاء کو اپنا دارالحکومت بنایا۔[1] صنعاء اور اس کے قلعہ غمدان نے 537ء اور 548ء کے درمیان دارالحکومت کا درجہ پایا۔[2] صنعاء آج بھی جمہوریہ یمن کا دارالحکومت ہے۔ یہ سطح سمندر سے 2196 میٹر بلند ہے۔ صوبہ صنعاء میں عمران، الجوف، حوث، محویت، ریحہ، کوکبان اور حراز نامی اضلاع شامل ہیں۔[3]

صنعاء کی آب وہوا معتدل اور بڑی خوش گوار ہے۔ علامہ زکریا بن محمد قزوینی لکھتے ہیں کہ صنعاء فن تعمیر کا شاہکار ہے۔ یہ خوش گوار ہوا، شیریں پانی، پاکیزہ مٹی اور کم امراض والا شہر ہے۔ یہاں مکھی، مچھر اور دیگر کیڑے مکوڑے بہت کم ہوتے ہیں۔ کہیں کوئی انسان بیمار ہوجائے تو وہ صنعاء آکر بالکل تندرست ہوجاتا ہے۔ کہیں اونٹوں پر بیماری کا حملہ ہوتا ہے تو وہ صنعاء کی چراگاہوں میں لائے جاتے ہیں اور یہاں گھاس چرتے ہی ٹھیک ہوجاتے ہیں۔ یہاں کی خوشگوار فضا کا یہ عالم ہے کہ اگر گوشت ایک ہفتہ بھی پڑا رہے تو خراب نہیں ہوتا۔ علامہ ہمدانی فرماتے ہیں کہ اہل صنعاء سال میں دو مرتبہ موسم گرما اور دو دفعہ موسم سرما سے مستفید ہوتے ہیں۔[4]

عرب شاعر ابو محمد یزیدی نحوی بصری صنعاء کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے:

قُلْتُ وَنَفْسِي جَمٌّ تَأَوُّهُهَا تَصْبُو إِلَى أَهْلِهَا وَأَنْدُهِهَا
سُقْيًا لِصَنْعَاءَ لَا أَرَى بَلَدًا أَوْطَنَهُ الْمُوطِنُونَ يُشْبِهُهَا

''میرا دل اپنے وطن (صنعاء) کے شوقِ دید میں ٹھنڈی آہیں بھر رہا تھا۔ میں نے دل کو دلاسا دیا اور کہا: صنعاء پر رحمت کی برکھا برسے! میں نے ایسا کوئی شہر نہیں دیکھا جہاں بسنے والے بس گئے ہوں اور وہ صنعاء جیسا ہو۔''[5]

صنعائے یمن کی وادیاں اس قدر سرسبز وشاداب تھیں کہ حد نگاہ تک پھلوں کے باغات لہلہاتے نظر آتے تھے۔ قصر غمدان اس سرزمین پر فن تعمیر کا شاہکار تھا۔ اسے تُبّع لِیشرخ بن یحصب نے تعمیر کرایا تھا۔ قصر مربع شکل کا تھا۔ یہ محل ایک طرف سے سرخ، دوسری طرف سے سفید، تیسری طرف سے زرد اور چوتھی جانب سے سبز تھا۔ اس کے اندر ایک اور محل تھا۔ اس کی سات منزلیں تھیں۔ ہر منزل چالیس ہاتھ، یعنی تقریباً 60 فٹ بلند تھی۔ جب سورج طلوع ہوتا تھا تو اس محل (غمدان) کا سایہ تین میل تک پھیل جاتا تھا۔ لِیشرخ بن یحصب نے اس محل کی بالائی منزل پر ایک مجلسی دالان (میٹنگ ہال) بنوایا جو رنگین سنگ مرمر کا تھا۔ اس کی چھت سنگ مرمر کے ایک ہی تختے پر مشتمل تھی۔ اس

[1] قصة و تاريخ الحضارات العربية: 32/15 و 34. [2] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا. [3] المنجد في الأعلام، ص: 348. [4] آثار البلاد وأخبار العباد، ص: 50. [5] معجم البلدان، مادة: صنعاء.

کے ہرستون پر شیر کا مجسمہ بنا ہوا تھا۔ جب ہوا چلتی تھی تو ان مجسموں سے شیر کے دہاڑنے کی سی آواز سنائی دیتی تھی۔ رات کے وقت جب قصر غمدان میں چراغ روشن کیے جاتے تھے تو سارا محل یوں چمک اٹھتا تھا جیسے بادلوں کی اوٹ سے بجلیاں چمک رہی ہوں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ تبابعہ جب اس محل میں بیٹھتے اور شمعیں روشن کرتے تو اس کی روشنی کئی دنوں کی مسافت سے نظر آتی تھی۔ صنعاء کے پاس پھٹکری کا پہاڑ ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی سے ہر طرف پانی بہتا ہے جس کے زمین تک پہنچنے سے پہلے اس میں گھلی پھٹکری منجمد ہو جاتی ہے۔[1] اعلیٰ قسم کی یہ پھٹکری ''شبِّ یمانی'' کہلاتی ہے۔[2]



وادی ضروان (یمن)

قصہ باغ والوں کا: باغ والوں کا واقعہ، جس کا تذکرہ سورۂ قلم (33-17:68) میں آیا ہے، صنعاء کے قریب ضروان کے علاقے میں پیش آیا تھا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ لوگ ضروان کے رہنے والے تھے جو صنعاء سے چھ میل کے فاصلے پر ایک بستی ہے۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ اہلِ حبشہ تھے اور مذہباً اہل کتاب تھے۔ یہ باغ انھیں اپنے والد کے ورثے میں ملا تھا۔ اُس کا دستور تھا کہ باغ کی پیداوار میں سے باغ کا خرچ نکال کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے سال بھر کا خرچ رکھ لیتا تھا اور باقی نفع اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیتا تھا۔ اس کے انتقال کے بعد بیٹوں نے کہا کہ ہمارا باپ تو بے وقوف تھا جو اتنی بڑی رقم ادھر اُدھر دے دیتا تھا۔ ہم اگر فقیروں کو نہ دیں اور اپنا مال خود ہی سینت کر رکھیں تو بہت جلد دولت مند بن جائیں گے، چنانچہ صدقے سے رُوگردانی کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آیا جس کی زد میں

[1] آثار البلاد وأخبار العباد، ص :52,51. [2] اردو لغت، مادۃ: شبّ۔



صنعاء شہر کا ایک خوبصورت منظر

آکر ان کا اصل مال، یعنی باغ بھی برباد ہوگیا اور وہ بالکل خالی ہاتھ رہ گئے۔ [1]

حضر موت: یہ بھی یمن کے قدیم ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ اس کے مغرب میں عدن، مشرق میں عُمان، جنوب میں بحیرۂ عرب اور شمال میں الربع الخالی ہے۔ بحیرۂ عرب پر حضر موت کا طویل ساحل واقع ہے۔ اس کا رقبہ تقریباً 4500 مربع کلومیٹر ہے۔ [2]

مؤرخین نے اس علاقے کو مختلف ناموں سے یاد کیا ہے، مثلاً: بعض اسے ہزرماوت اور بعض حزرماوت (Hazarmaveth) کہتے ہیں لیکن اکثر مؤرخین اسے حضر موت ہی لکھتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی ہیں ''موت کا شہر'' چنانچہ یونانیوں میں یہ چرچا عام تھا کہ یہ موت کی وادی ہے۔ جنوبی عرب کے کتبات میں بھی اس کا نام ''حضر موت'' ہی ملتا ہے۔ [3] تورات میں اس کا نام ''حاضرمیت'' بتایا گیا ہے۔ [4] اس کے بھی وہی معنی ہیں۔

صلاح البکری کہتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں حضر موت الاحقاف کے نام سے جانا جاتا تھا۔ بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ عامر بن قحطان پہلا شخص تھا جو احقاف میں داخل ہوا۔ اس کی وجہ شہرت یہ تھی کہ وہ جس جنگ میں شریک ہوتا، کشتوں کے پشتے لگا دیتا تھا، چنانچہ جہاں بھی جاتا، لوگ کہتے: حَضَرَ مَوْت (موت آ گئی)۔ یہی اس کا لقب ٹھہرا جو اس قدر مشہور ہوگیا کہ لوگ اس خطۂ زمین کو بھی حضر موت کہنے لگے جہاں اس کا قبیلہ رہتا تھا۔ [5]

پرانے زمانے میں یہاں تاریخ عرب کی عظیم الشان حکومتیں قائم ہوئیں۔ قومِ عاد، اقیالِ تبابعہ، حمیر، کندہ اور معین جیسی نامور قوتوں کا مسکن یہی علاقہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جو بادشاہ حضر موت پر حکومت کرتے تھے، ان کا لقب ''عباہلہ'' تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط دے کر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو اقیال (ملوک) اور عباہلہ کی طرف بھیجا اور انھیں حضر موت کا گورنر بنایا تھا۔ [6]

حضر موت میں ایک مقام ہے جو قبر ہود کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، تاہم اکثر مؤرخین کی رائے یہی ہے کہ ہود علیہ السلام کو حضر موت ہی میں دفن کیا گیا تھا۔ [7] چوتھی صدی ہجری کے مؤرخ ہمدانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کو وادی احقاف کے زیریں حصے میں ایک سرخ ٹیلے کے بلند غار میں دفن کیا گیا تھا۔ [8] حضر موت میں کئی کھنڈر ایسے ہیں جو دارِ عاد کہلاتے ہیں۔

حضر موت میں آفتاب اسلام کی کرنیں: حضر موت کے باشندے بت پرست تھے۔ ان کے بت کا نام مرحب

[1] تفسير الطبري، القلم 68:17-33. [2] تاريخ حضرموت السياسي لصلاح البكري، ص: 1,2. [3] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 130/2. [4] تاريخ حضرموت السياسي، ص: 30. [5] تاريخ حضر موت السياسي، ص: 30. [6] تاج العروس، مادة: عبهل. [7] جامع الحديث للسيوطي: 315/29. [8] صفة جزيرة العرب، ص: 170.

تھا۔ [1] جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے محمد بن عبداللہ ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرمایا تو اہل حضرموت کے دلوں میں دین اسلام کی محبت گھر کر گئی۔ انھوں نے حضرت وائل بن حجر حضرمی قحطانی رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں ایک وفد رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ جب حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا پرتپاک استقبال کیا اوران کے لیے دعا فرمائی۔ [2]

حضرموت میں آباد قبیلۂ کندہ کا سردار اشعث بن قیس بھی دسویں ہجری میں ستر افراد کی سربراہی کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اس کی عزت افزائی فرمائی۔ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ جب نبی کریم ﷺ وفات پاگئے تو یہ مبتلائے فتنہ ہوکر ارتداد کا شکار ہوگیا، پھر جب اشعث کو گرفتار کرکے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا تو انھوں نے سچے دل سے توبہ کرلی اور دوبارہ حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے۔ اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے کوفے میں وفات پائی اور سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ [3] ان کی وفات کے دن حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان اتفاق ہوا تھا۔

مأرب اور سبا: مأرب ایک تاریخی شہر ہے جو یمن کے دارالحکومت صنعاء سے تقریباً 70 کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ یہ مملکت سبا کا دارالحکومت تھا جو 1000 ق م کے لگ بھگ قائم ہوئی تھی۔ قوم سبا کی ملکہ بلقیس مشہور حکمران تھی جس



مأرب میں ملکہ سبا کے محل کے کھنڈر

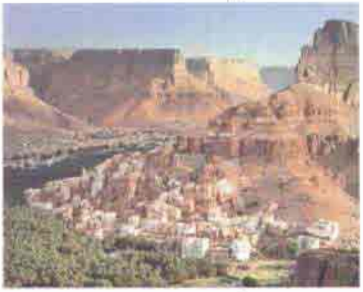
نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہوئے اسلام قبول کرلیا تھا۔ مملکت سبا اپنے عہدِ عروج (650 ق م تا 115 ق م) میں حبشہ (اریٹریا و ایتھوپیا) تک پھیل گئی تھی۔ قوم سبا نے مأرب کے قریب ایک بڑا آبی بند تعمیر کیا تھا جو 542-570ء کے عرصے میں تباہ ہوگیا۔ [4] ان دنوں مأرب محافظہ (صوبہ) البیضاء کا دارالحکومت ہے۔

[1] معجم البلدان، مادة: مرحب، المحبر لابن حبيب، ص: 318. [2] عون المعبود: 413/2، تحت حديث: 723. [3] تاريخ دمشق الكبير: 93/9، التعديل و التجريح: 388/1، معجم البلدان، مادة: حضرموت. [4] المنجد في الأعلام، مادة: مأرب و سبا.

شبام اور تریم: عدن سے تقریباً 500 کلومیٹر شمال مشرق میں المکلا نامی بندرگاہ ہے۔ المکلا سے تقریباً 65 کلومیٹر مشرق میں الشّحر کی بندرگاہ ہے۔ المکلا اور الشحر سے تقریباً 150 کلومیٹر شمال میں وادی حضرموت ہے۔ اس وادی کے کنارے البحر الصافی اور شبام اور تریم کے تاریخی شہر واقع ہیں۔


شبام (وادی حضرموت)

شبام کا شہر اہل شبوہ نے حضرموت آکر آباد کیا۔[1] شبام کے مشرق میں تقریباً 40 کلومیٹر دور تریم کا تاریخی شہر ہے۔ یہ شہر صنعاء سے 735 کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ آج کل اسے مسجدوں کا شہر کہا جاتا ہے۔


تریم (وادی حضرموت)

نجران: یہ قدیم یمن کا تاریخی شہر ہے جو صنعاء سے تقریباً 250 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ ان دنوں نجران سعودی سرحد کے اندر واقع ہے۔ یہ انتہائی سرسبز وشاداب خطہ ہے جو پرانے زمانے میں تجارتی قافلوں کی گزرگاہ تھا۔[2]


نجران کا نخلستان

یاقوت حموی لکھتے ہیں کہ نجران بن زیدان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کے نام پر اس علاقے کو نجران کہا جاتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص تھا جس نے یہ علاقہ آباد کیا۔[3]

9ھ/630ء میں ساٹھ افراد پر مشتمل نجران کا مسیحی وفد رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ جس میں چوبیس افراد اشرافِ نجران میں سے تھے اور تین سردار بھی وفد میں شامل تھے۔ ایک عاقب (عبدالمسیح) کہلاتا تھا جس کی حیثیت قوم کے حکمران کی سی تھی۔ دوسرا سید کہلاتا تھا، اس کا نام ایہم یا شرحبیل تھا، یہ ان کے تمدنی، ثقافتی اور سیاسی امور کی نگرانی کرتا تھا اور تیسرا اسقف (بشپ ابوحارثہ بن علقمہ) تھا جس سے روحانی اور مذہبی پیشوائی متعلق تھی۔ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے مناظرہ کرنا چاہا تو سورۂ آل عمران کی آیات 33 تا 36 پر مشتمل ایک خطبہ نازل ہوا۔ اس میں عقیدۂ الوہیتِ مسیح کی تردید اور توحید کی دعوت تھی۔ نہ ماننے کی صورت میں انھیں مباہلے کی دعوت بھی دی گئی، لیکن وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہوگئے۔[4]

[1] معجم البلدان، مادة: شبوة. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 507/2. [3] معجم البلدان، مادة: نجران.
[4] الرحيق المختوم، ص: 454,453، السيرة النبوية لأبي شهبة: 546/2-548.

یمن کی مشہور وادیاں

وادی نجران: یمن کے شمال کی طرف نجران میں وادی نجران بہتی ہے۔ اس کا پانی جبل طُوَیق کے جنوب میں الربع الخالی میں جذب ہوجاتا ہے۔

دریائے حجر: حضرموت کے جنوب میں واقع وادی حجر جزیرہ نمائے عرب کا واحد دریا ہے جو پورا سال بہتا اور بحیرۂ عرب میں گرتا ہے لیکن اس کی لمبائی 100 کلومیٹر سے زیادہ نہیں ہے۔

وادیِ حضرموت: حضرموت کے شمال مشرق میں وادی حضرموت ہے۔ یہ شمال اور جنوب کی طرف سے آنے والی ندیوں سے مل کر وادی المسیلہ کہلاتی ہے جو سیحوت کے قریب بحیرۂ عرب میں جا گرتی ہے۔ سیحوت یمن کے مشرقی صوبے مہرہ کا ایک شہر ہے۔ یہ بحیرۂ عرب کے ساحل پر مکلا سے 522 کلومیٹر اور صنعاء سے 1318 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہاں کشتیاں بنانے کا کام بھی ہوتا ہے۔[1]



وادی نجران



دریائے حجر کا ایک منظر (یمن)



وادیٔ حضرموت (یمن)

[1] المعرفة، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا۔

5 حجاز

حجاز امتِ مسلمہ کے نزدیک سب سے زیادہ روحانی، اقتصادی اور ثقافتی اہمیت کا حامل علاقہ ہے۔ یہیں سے آفتابِ اسلام طلوع ہوا۔ اسی میں رسول اکرم ﷺ کا وطن مالوف اور مہبطِ وحی مکہ مکرمہ اور دارالہجرت اور آپ کا مدفن مدینہ طیبہ واقع ہیں۔

حجاز مسلمانوں کی ارض مقدس ہے۔ اس کے مشرق میں نجد، مغرب میں تہامہ، شمال میں شام اور جنوب میں یمن واقع ہے۔ حجاز درحقیقت وہ پہاڑی سلسلہ ہے جسے جبال سراۃ کہتے ہیں۔ یہ کوہستانی سلسلہ جنوبی شام (دریائے یرموک) سے شروع ہوتا ہے اور یمن میں نجران تک چلا گیا ہے۔ اس میں کئی وادیاں ہیں جو برسات میں ندیوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ اسے حجاز اس لیے کہتے ہیں کہ یہ نجد اور تہامہ کے درمیان حد فاصل (حاجز) ہے۔[1]

حجاز کا طول شمالاً جنوباً، العلاء سے سرحد یمن تک، تقریباً 700 میل (1120 کلومیٹر) ہے۔ اس کا عرض مشرق سے مغرب تک تقریباً 350 میل (560 کلومیٹر) ہے۔ عرفِ عام میں تہامہ کو ارضِ حجاز میں شامل سمجھا جاتا ہے اور بعض علماء نے تبوک اور فلسطین کو بھی ارضِ حجاز میں شامل کیا ہے۔ جبال سراۃ کو جزیرہ نمائے عرب کی ریڑھ کی ہڈی سمجھا جاتا ہے۔ یمن کی طرف اس کی بعض چوٹیاں خاصی بلند ہیں جہاں سردی کے موسم میں برف باری بھی ہوتی ہے۔

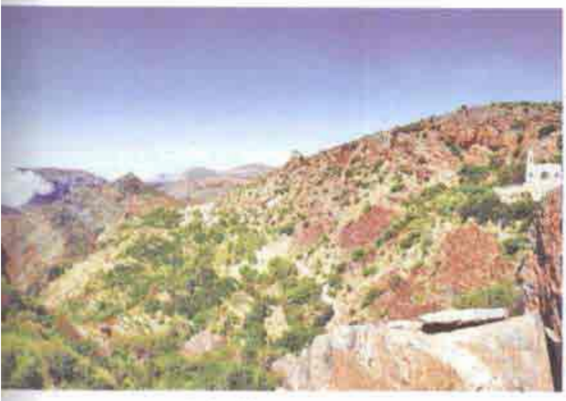
حجاز کے بلند پہاڑ

صنعاء کے مغرب میں واقع معروف چوٹی ''حضور النبی شعیب'' 3760 میٹر بلند ہے۔[2] مکہ مکرمہ کے نزدیک یہ پہاڑی سلسلہ نسبتاً کم بلند ہے، پھر طائف کی طرف بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ مکہ اور طائف کے درمیان جبل کرا، 2 ہزار میٹر بلند ہے۔[3] اسی طرح



حضور النبی شعیب (یمن)

[1] تاریخ الإسلام لحسن إبراهيم: 10/1۔ [2] أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 17 و19۔ [3] مكة والمدينة في الجاهلية و عهد الرسول ﷺ، ص: 21،20۔



جبل رضوی



جبل کرا

مدینہ اور ینبع کے درمیان جبل رضوی کی بلندی 1814 میٹر ہے۔ الباحہ اور طائف کے درمیان اس پہاڑی سلسلے (جبال سراۃ) کی ایک چوٹی کی بلندی 2595 میٹر بلند ہے۔ ابہا کے شمال مغرب میں جبال سراۃ کی ایک چوٹی 2910 میٹر اونچی ہے۔[1]

سیاسی لحاظ سے حجاز ان دنوں سعودی صوبوں تبوک، المدینۃ المنورۃ، مکۃ المکرمۃ، الباحہ، عسیر اور جازان میں بٹا ہوا ہے جبکہ اس کا کچھ حصہ صوبہ نجران میں شامل ہے۔[2] حجاز کا سب سے بڑا ساحلی شہر جدہ ہے جو مکہ کی بندرگاہ ہے۔ اس کے بعد دوسرا بڑا ساحلی مقام ینبع ہے جو مدینہ منورہ کی بندرگاہ ہے۔[3]

اہل حجاز کی فضیلت

نبی کریم ﷺ نے اہل حجاز کے بارے میں فرمایا:

«غِلَظُ الْقُلُوبِ وَالْجَفَاءُ فِي الْمَشْرِقِ وَالْإِيمَانُ فِي أَهْلِ الْحِجَازِ»

''دلوں کی سختی اور کھردرا پن مشرق والوں میں ہے اور ایمان حجاز والوں میں ہے۔''[4]

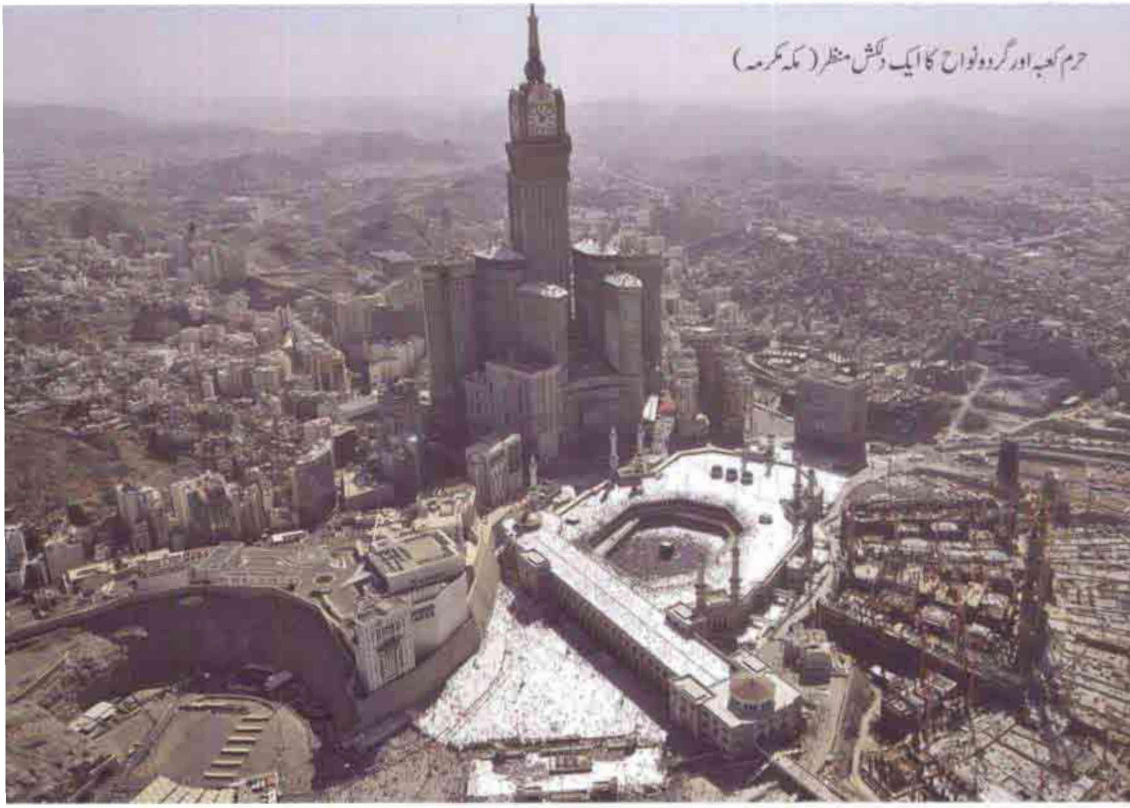
حجاز کے تاریخی شہر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور طائف ہیں۔

[1] أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 17و19. [2] أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 15 و 17 و 19.
[3] تاریخ ارض القرآن (کامل): 81/1. [4] صحیح مسلم: 53.

مکہ مکرمہ

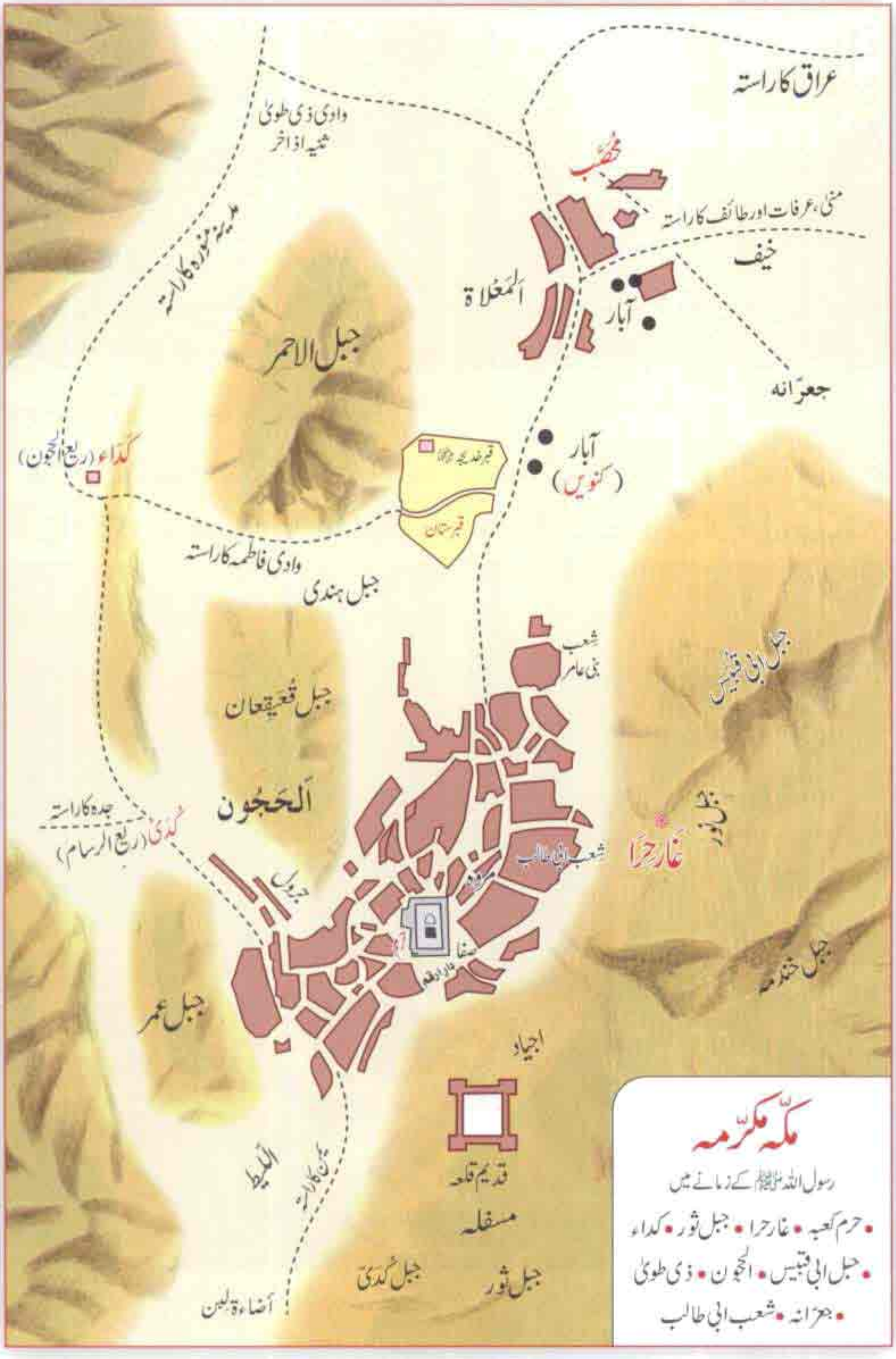
خشک پہاڑوں اور بے آب و گیاہ زمین پر آباد شہر مکہ کے بانی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بقول سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ: ''یہ شہر ایک بوڑھے پیغمبر (ابراہیم علیہ السلام) کی بنا، ایک نوجوان پیغمبر (اسمٰعیل علیہ السلام) کی ہجرت گاہ اور ایک یتیم پیغمبر (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا مولد ہے۔''[1]

مکہ معظمہ 21 درجے 25 دقیقے عرض بلد شمالی اور 39 درجے 49 دقیقے طول بلد مشرقی پر واقع ہے اور سطح سمندر سے قریباً 300 میٹر بلند ہے۔ یہ وادیٔ ابراہیم میں آباد ہے جو چاروں طرف سے پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے۔ اس



حرم کعبہ اور گردونواح کا ایک دلکش منظر (مکہ مکرمہ)

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 81/1.


عراق کا راستہ
وادی ذی طویٰ
ثنیہ اذاخر
محصّب
منیٰ، عرفات اور طائف کا راستہ
خیف
المعلاۃ
آبار
مدینہ منورہ کا راستہ
جبل الاحمر
جعرانہ
کداء (ربع الحجون)
قبر خدیجہ رضی اللہ عنہا
قبرستان
آبار (کنوئیں)
وادی فاطمہ کا راستہ
جبل ہندی
شعب بنی عامر
جبل ابی قبیس
جبل قعیقعان
الحجون
جدہ کا راستہ
کُدیٰ (ربع الرسام)
غار حرا
شعب ابی طالب
مروہ
جرول
صفا
دار ارقم
جبل خندمہ
جبل عمر
اجیاد
قدیم قلعہ
مسفلہ
اللیط
یمن کا راستہ
جبل کُدیٰ
جبل ثور
أضاءة لبن
مکہ مکرمہ
رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں
• حرم کعبہ • غار حرا • جبل ثور • کداء
• جبل ابی قبیس • الحجون • ذی طویٰ
• جعرانہ • شعب ابی طالب



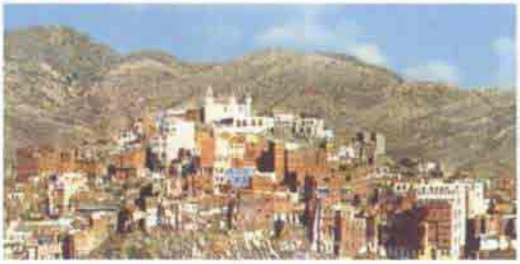
جبل قُعَیقعان



جبل کُدَیٰ



جبل اَلحَجُون



جبل ابوقبیس

کے مغربی جانب جبل قُعَیقعان ہے۔ جنوب مشرق میں جبل ثور اور جنوب میں جبل کُدَیٰ واقع ہیں۔ مشرق میں 420 میٹر بلند جبل ابوقبیس اور اس کے پیچھے کوہ خندمہ ہیں۔[1]

شمال مغرب میں جبل اَلحَجُون واقع ہے جس کی کَداء (موجودہ ریع الحجون) نامی گھاٹی کی طرف سے نبی ﷺ فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے۔ شمال مشرق میں جبل حراء سطح سمندر سے 642 میٹر بلند ہے جبکہ جبل ثور کی بلندی 728 میٹر ہے جو مسجد الحرام سے 4.123 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

مکہ کی آبادی پہاڑوں کے درمیان ہلال کی شکل میں لمبائی کے رُخ پھیلی ہوئی ہے۔ وادیٔ مکہ کے جنوبی علاقے کو بطحاء قریش یا صرف بطحاء کہا جاتا ہے۔ حرم سے نیچے کی نشیبی آبادی مسفلہ کہلاتی ہے اور بالائی علاقے کو معلاۃ یا المعلّٰی کہا جاتا ہے۔ مشرق میں شعب علی (شعب ابی طالب) ہے جو ''عقبہ'' کے راستے مکہ سے ملی ہوئی ہے۔ اسے دورِ جاہلیت میں شعب بنی ہاشم کہا جاتا تھا۔[2]

مکہ مکرمہ کی وجہ تسمیہ

مکہ کے لغوی معنی کے بارے میں مختلف اقوال ہیں:

1 یہ مکك سے مشتق ہے جس کے معنی ختم کر دینے کے ہیں۔ چونکہ مکہ لوگوں کے گناہوں کو ختم کر دیتا ہے، اس

1 المنجد في الأعلام، ص:21. 2 تاريخ العرب في الجاهلية، ص:350,349، معجم البلدان، مادة: مكة.

لیے اس کا نام مکہ پڑ گیا۔

2 اس کے معنی جذب کرنا ہیں۔ چونکہ یہ اطراف زمین میں بسنے والے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اس لیے اسے مکہ کہا جاتا ہے۔

3 مکہ ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں پانی کم ہو۔ یہاں پانی کی قلت تھی، اس لیے اسے مکہ کہا جانے لگا۔ [1]

مکہ مکرمہ کے نام

اس مقدس شہر کے پچاس نام ہیں۔ [2] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بھی ان میں سے بعض ناموں کا ذکر کیا ہے، مثلاً: مکہ، بکہ، قریہ، ام القریٰ اور البلد الأمین۔

سورۂ آل عمران میں لفظ ''بکہ'' کا ذکر

﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ ۝ ﴾

''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو بکہ میں ہے، وہ تمام دنیا کے لیے برکت و ہدایت والا ہے۔'' [3]

سورۃ الانعام میں ''ام القریٰ'' کا تذکرہ

قرآن میں مکہ مکرمہ کا نام ''اُم القریٰ'' (بستیوں کی ماں) اس آیت میں ہے:

﴿ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾

''اور تاکہ آپ ام القریٰ (مکہ) اور اس کے آس پاس والوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائیں۔'' [4]

سورۃ النحل میں مکہ کے لیے لفظ ''قریہ''

قرآن حکیم میں تاریخ کے رشتے سے اس مقدس شہر کا ذکر ''قریہ'' کے زیر عنوان آیا ہے:

﴿ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْیَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَىِٕنَّةً ﴾

''اور اللہ نے مثال بیان کی ایک بستی (قریہ) کی جو امن اور چین والی تھی۔'' [5]

---

1 التفسير الكبير للرازي، آل عمرٰن 3:96. 2 شفاء الغرام:1/48-53. 3 آل عمرٰن 3:96. 4 الأنعام 6:92. 5 النحل 16:112.

سورۃ الفتح میں لفظ ''مکہ'' کا ذکر

﴿وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾

''اور وہ (اللہ) ہی تو ہے جس نے وادیِ مکہ میں ان (کفار) کے ہاتھ تم سے اور تمھارے ہاتھ ان سے روک دیے بعد اس کے کہ اس نے تمھیں ان پر کامیابی دی تھی۔''[1] (یہاں مکہ کے پُر امن طور پر فتح ہونے کی طرف اشارہ ہے۔)

سورۃ البلد میں مکہ کے لیے لفظ ''البلد''

اللہ تعالیٰ نے اس شہر (البلد) کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا:

﴿لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝﴾

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی!''[2]

سورۃ التین میں ''البلد الامین'' کا ذکر

سورۃ التین میں مکہ مکرمہ کو ''البلد الامین'' کہا گیا ہے:

﴿وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝﴾

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس پُرامن شہر (مکہ) کی!''[3]

تاریخ میں مکہ کا اولین ذکر

لفظ مکہ لوگوں کی زبان سے کس وقت ادا ہونے لگا اور کتابوں کی زینت کب بنا، اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ''لفظ عرب دسویں صدی ق م میں پیدا ہوا ہے۔ حجاز کا لفظ اس کے بھی بعد کا ہے۔ مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے ہاں سب سے پہلے ''مکاربا'' کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی لیے تورات نے اس کا نام ''مدبار'' یعنی بادیہ بتایا ہے۔ اور قرآن مجید نے اسے (ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے) وادیِ غیر ذی زرع (بن کھیتی زمین) کہا کہ اس وقت اس کے سوا اس کا کوئی دوسرا نام نہ تھا۔ ...... لفظ عرب کے لغوی معنی بھی بادیہ وصحرا کے ہیں۔ یوں مدبار (بادیہ)، وادیٔ غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہیں، اس لیے تورات کا یہ کہنا کہ اسمٰعیل علیہ السلام نے بادیہ میں سکونت کی، بالکل یہ معنی رکھتا ہے کہ انھوں نے عرب میں سکونت اختیار کی۔''[4]

[1] الفتح 24:48. [2] البلد 1:90. [3] التین 95:1-3. [4] تاریخ ارض القرآن (کامل): 37/2.

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ''فج سے تنعیم تک کا علاقہ مکہ کہلاتا ہے اور بیت اللہ سے بطحاء تک کا علاقہ بکہ کہلاتا ہے۔'' امام شعبہ رحمہ اللہ ابراہیم نخعی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ''بیت اللہ اور مسجد کا نام بکہ ہے۔'' امام زہری کا قول بھی یہی ہے۔ عکرمہ اور میمون بن مہران کا قول ہے کہ بیت اللہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ بکہ ہے۔ اس کے باہر کا علاقہ مکہ ہے، البتہ ابو مالک، ابوصالح، ابراہیم نخعی، عطیہ عوفی اور مقاتل بن حیان نے کہا ہے کہ بکہ صرف بیت اللہ شریف ہے اور اس کے ماسوا سارا شہر مکہ ہے۔ [1] بکہ، یعنی بیت اللہ کے اردگرد ہی وہ مخصوص مقام ہے جہاں طواف کیا جا سکتا ہے۔ مسجد الحرام سے باہر بکہ نہیں بلکہ مکہ ہے۔ [2]

مکہ مکرمہ کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے مکہ کو تمام شہروں پر فضیلت عطا فرمائی اور اس کا ذکر قرآن میں کئی جگہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکہ کے مقام و مرتبہ کا جو ذکر فرمایا، اس سے مکہ کی فضیلت خوب عیاں ہو جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ وَأَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

''اللہ کی قسم! تو اللہ کی سب سے بہتر اور اس کی سب سے محبوب زمین ہے اور اگر مجھے تجھ سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا۔'' [3]

مکہ کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ یہاں اللہ کا گھر ہے۔ یہی وہ اولین گھر ﴿ أَوَّلَ بَيْتٍ ﴾ ہے جو صرف اللہ کی عبادت کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کے اردگرد مسجد الحرام ہے۔ اس میں پڑھی گئی نماز دوسری ہر جگہ کی نماز سے افضل ہے جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«صَلَاةٌ فِي مَسْجِدِي هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ، وَ صَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ»

''میری اس مسجد (نبوی) میں ایک نماز مسجد الحرام کے سوا دیگر مساجد میں ہزار نماز سے بہتر ہے، البتہ مسجد الحرام میں ایک نماز ایک لاکھ نماز سے بڑھ کر ہے۔'' [4]

---

[1] تفسير ابن كثير، آل عمرٰن 3:96. [2] تفسير الطبري، آل عمرٰن 3:96. [3] المستدرك للحاكم: 3/7، حديث: 4270.
[4] مسند أحمد: 3/343.

مکہ روزِ اول سے حرم ہے

مکہ مکرمہ کو ”البلد الحرام“ کہا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت ہی سے حرم ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے لیے مکہ فتح فرما دیا تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں ہاتھیوں کو آنے سے روک دیا تھا لیکن اب اپنے رسول اور مومنین کو مکہ پر قابض فرما دیا ہے۔ مجھ سے پہلے مکہ مکرمہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور نہ میرے بعد کسی کے لیے حلال ہوگا۔ میرے لیے بھی کچھ وقت تک کے لیے حلال کیا گیا تھا۔ (خبردار!) اس کے کسی شکار کو ڈرا کر بھگایا نہ جائے۔ اس کے کانٹے دار درخت نہ کاٹے جائیں۔ اس میں گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے، البتہ جو اعلان کرے، وہ اٹھا سکتا ہے۔ جس شخص کا کوئی رشتے دار قتل ہو جائے، اسے دو چیزوں (قتل اور دیت) میں سے بہتر کا اختیار ہے (جو وہ بہتر سمجھے، اسے اختیار کر سکتا ہے۔)“ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے گزارش کی: ”اللہ کے رسول! اِذخر (خوشبودار گھاس) کو مستثنیٰ فرما دیجیے کیونکہ ہم اسے گھروں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں اذخر مستثنیٰ ہے (اسے کاٹا جا سکتا ہے)۔“ [1]

حدودِ حرم


حدود حرم (وادیٔ تنعیم)

سب سے پہلے حرم کی حدود سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے مقرر فرمائیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا جبریل علیہ السلام کی ہدایات کے مطابق حرم کی برجیاں نصب کیں، پھر ان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی حتی کہ قُصَی نے انھی کی تجدید کی، پھر رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے سال سیدنا تمیم بن اسد خزاعی رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انھوں نے ان برجیوں کو نئے سرے سے بنایا، پھر ان میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی حتی کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے چار قریشیوں کو مقرر فرمایا جنھوں نے ان برجیوں کی پھر سے تجدید کی۔ [2]

مکہ مکرمہ اور اس کے گرد ونواح کا علاقہ حرم ہے، البتہ اس کی حدود ہر طرف ایک جیسے فاصلے پر نہیں۔ مکہ مکرمہ کی

[1] صحیح البخاري:2434، صحیح مسلم:1355. [2] أخبار مکة للأزرقي :684/2.

طرف آنے والے بڑے بڑے راستوں پر حدود حرم کے نشانات لگا دیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

1 مغرب کی طرف جدہ روڈ پر مقام شُمَيْسِي ہے جسے پہلے حُدَيْبِيَه کہا جاتا تھا۔ یہ مکہ مکرمہ سے 22 کلومیٹر دور ہے۔

2 جنوب کی طرف تہامہ سے یمن کے راستے پر مقام اَضَاءَةُ لِبْن ہے۔ اضاءۃ کا معنی ہے زمین اور ''لبن'' ایک پہاڑ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے 12 کلومیٹر دور ہے۔

3 مشرق کی طرف وَادِی عُرَنَہ کا مغربی کنارہ ہے جو مکہ مکرمہ سے 15 کلومیٹر دور ہے۔

4 شمال مشرق کی طرف جِعِرَّانَہ کے راستے پر بستی شرائع المجاہدین ہے۔ یہ مکہ مکرمہ سے 16 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ بستی ان مجاہدین کی طرف منسوب ہے جو شاہ عبدالعزیز آل سعود کے ساتھ فتح حجاز میں شریک تھے۔[1]

5 شمال کی طرف مقام تَنْعِيم ہے جو مکہ سے 7 کلومیٹر دور طریق المدینہ (طريق الهجره) پر واقع ہے۔[2]

اب مکہ شہر ان حدود سے باہر تک پھیلتا جا رہا ہے۔

مکہ مکرمہ کے اہم مقامات

جبل ثور: جبل ثور پرانے مکہ سے تقریباً 3 میل کے فاصلے پر ہے۔ اس میں غار ثور واقع ہے جس کے اندر نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہجرت کے دوران میں تین راتیں مقیم رہے تھے۔ اس کا طول 18 بالشت (4.014 میٹر) اور عرض 11 بالشت (2.053 میٹر) ہے۔ غار کا ایک منہ دو ثلث بالشت (15.2 سم) اور دوسرا پانچ بالشت (1.15 میٹر) چوڑا ہے۔[3]

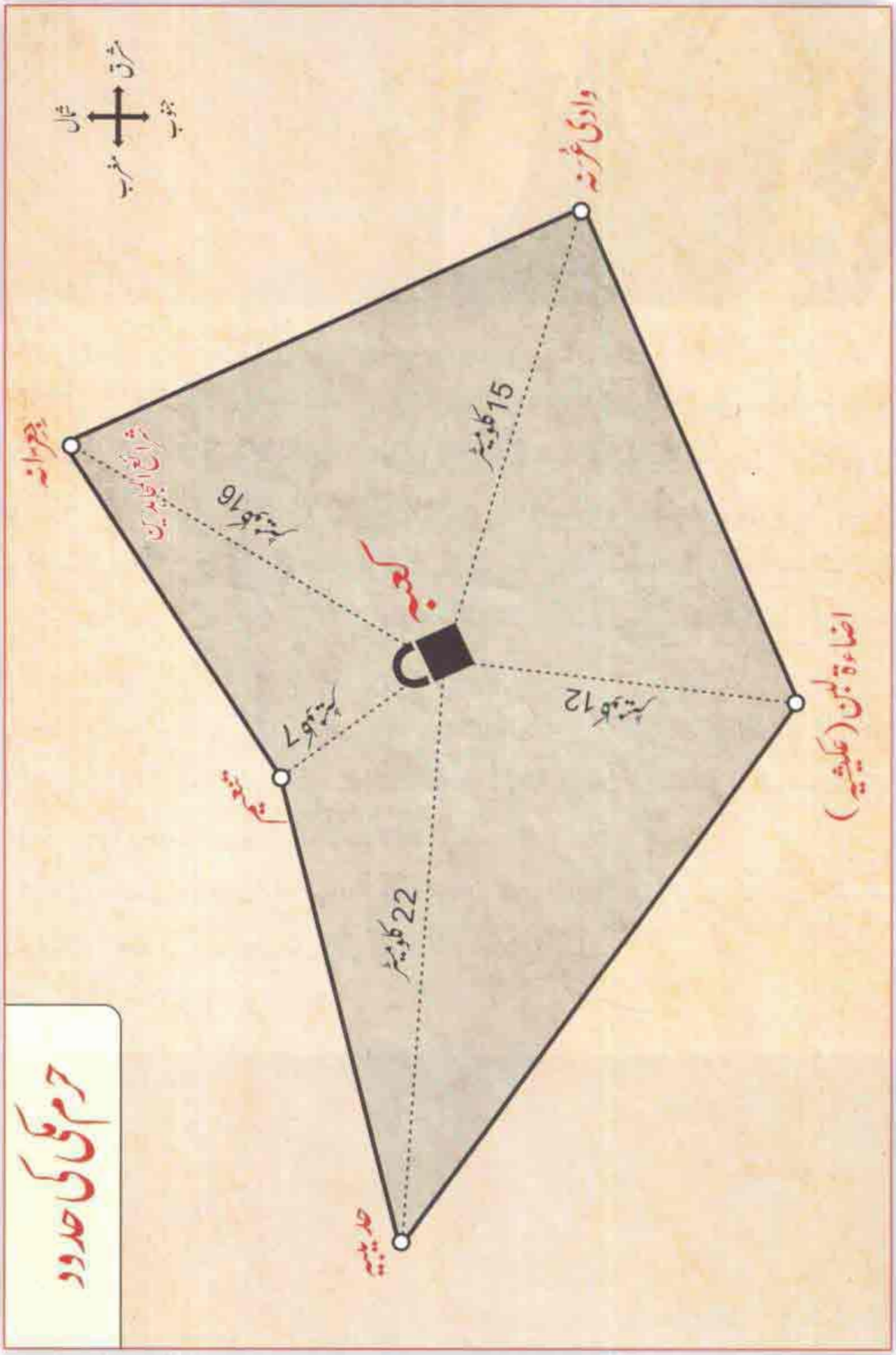


غار ثور



جبل ثور

1 وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔ 2 تاریخ مکہ مکرمہ، ص:19. 3 رحلة ابن جبير الأندلسي، ص:54.



حرم مکی کی حدود
شمال
جنوب
مشرق
مغرب
وادی نخلہ
جعرانہ
تنعیم
حدیبیہ
اضاءۃ لبن (عکیشیہ)
کعبہ
15 کلومیٹر
16 کلومیٹر
7 کلومیٹر
12 کلومیٹر
22 کلومیٹر



کوہ حرا (جبل نور)



غار حرا (جبل نور)

جبل حرا: جبل حرا کو جبل نور بھی کہا جاتا ہے۔ مسجد الحرام سے اس کا فاصلہ قریباً چار کلومیٹر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے شمال مشرق میں منیٰ اور عرفات جانے والی شاہراہ کے بائیں جانب واقع ہے۔ اس کی چوٹی سے قریباً ساٹھ میٹر نیچے پہلو میں غار حرا واقع ہے۔ کم و بیش نصف میٹر موٹے، زیادہ سے زیادہ پونے دو میٹر چوڑے اور تین چار میٹر لمبے پتھر کے چھوٹے بڑے خاکستری تختے پہاڑ کے ساتھ اس طرح ٹک گئے ہیں کہ ایک متساوی الساقین مثلث جیسے منہ والا غار بن گیا ہے جس کا ہر ضلع اڑھائی میٹر لمبا ہے اور قاعدہ ایک میٹر کے لگ بھگ ہے۔ غار اندر تک دو یا سوا دو میٹر چلا گیا ہے اور اس کی اونچائی آگے کو بتدریج کم ہوتی جاتی ہے۔ [1]

عرفات: مکہ مکرمہ کے جنوب مشرق میں جبل رحمت کے دامن میں عرفہ یا عرفات کا میدان واقع ہے جہاں حج کا بنیادی رکن وقوفِ عرفات ادا کیا جاتا ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے 9 ذوالحجہ کو زوال شمس سے غروب شمس تک یہاں قیام فرمایا تھا۔ یہ میدان مکہ سے تقریباً 22 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

میدان عرفات کی حدود وادی عرنہ، ثویہ اور نمرہ کے میدان سے ذوالمجاز تک اور مازمان کے آخری موقف تک ہیں۔ میدان عرفات کی مشہور جگہوں میں وادیِ نمرہ اور جبلِ رحمت شامل ہیں۔

[1] آنحضور ﷺ کے نقشِ قدم پر (حرم مکہ): 152/3.



جبل رحمت (عرفات)

عرفات کی وجہ تسمیہ کے بارے میں ایک سے زیادہ اقوال ہیں، مثلاً: مصنف عبدالرزاق میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھیجا تو آپ نے ان کے ساتھ حج کیا حتی کہ جب آپ عرفہ تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: قَدْ عَرَفْتُ "میں نے اسے پہچان لیا ہے۔" کیونکہ آپ ایک بار اس سے پہلے بھی یہاں تشریف لائے تھے۔ اسی وجہ سے اسے عرفہ کہا جانے لگا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما، عطاء بن ابی رباح اور ابومجلز رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ [1]

امام رازی رحمہ اللہ نے عرفات کے بارے میں آٹھ اقوال ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور حواء علیہما السلام کو زمین پر اتارا تو یہ برسوں بعد میدان عرفات میں ایک دوسرے سے ملے اور دونوں نے وہاں ایک دوسرے کو پہچان لیا، اس لیے اسے عرفہ کہا جاتا ہے۔ [2]

منیٰ: اس مقام پر حاجیوں کو عرفہ کی رات طلوع شمس تک ٹھہرنے، یوم نحر کو واپس منیٰ آنے اور بعد والے ایام تشریق میں یہاں ٹھہرنے اور ان کی راتیں گزارنے کا حکم ہے۔ یہیں حجاج کرام جمرات کو کنکریاں مارتے ہیں۔ منیٰ کی حد وادیِ مُحَسِّر کے کنارے سے لے کر اس گھاٹی تک ہے جس کے پاس مکہ کی طرف والا آخری جمرہ ہے۔ اسے جمرۂ عقبہ کہا جاتا ہے۔ [3]

مزدلفہ: مزدلفہ وہ جگہ ہے جہاں حج کے دوران میں عرفات سے واپسی پر نو اور دس ذوالحجہ کی درمیانی رات ٹھہرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ عرفہ اور وادیِ مُحَسِّر کے دو تنگ پہاڑی راستوں کا درمیانی علاقہ ہے۔ مزدلفہ کو جَمْعٌ بھی کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ اس میدان میں جمع ہوتے ہیں۔ اس کے قریب ہی اَلْمَشْعَرُ الْحَرام کا پہاڑی مقام ہے جس کے بارے میں قرآن کریم نے کہا ہے:

﴿فَإِذَآ أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَٰتٍ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ عِندَ ٱلْمَشْعَرِ ٱلْحَرَامِ﴾ (البقرۃ 2:198)

[1] المصنف لعبد الرزاق: 96/5، تفسیر ابن کثیر، البقرۃ 2:198. [2] التفسیر الکبیر للرازي، البقرۃ 2:198. [3] دیکھیے: معجم البلدان، مادۃ: منی.


مسجد مشعر الحرام (مزدلفہ)


منیٰ میں مسجد خیف اور خیموں کی بستی

"جب تم عرفات سے واپس آؤ تو مشعرِ حرام کے پاس (ٹھہر کر) اللہ کا ذکر کرو۔"[1]

وادی مُحَسّر: یہ وہ جگہ ہے جہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جانا ضروری ہے۔ مُحَسِّر منیٰ اور مزدلفہ کے درمیان ایک وادی ہے۔ یہ منیٰ میں شامل ہے نہ مزدلفہ میں۔ اسے وادی مُهَلِّل بھی کہا جاتا ہے۔ حج کے دوران میں لوگ جب یہاں پہنچتے ہیں تو تکبیریں پڑھتے ہوئے تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کا عمل بھی یہی تھا۔ اسی جگہ ہاتھی والوں پر عذاب نازل کیا گیا۔ جن قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تھا، ان کے علاقوں میں جانے کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"ایسے لوگوں کے گھروں (علاقے) میں داخل نہ ہوا کرو جنھیں عذاب دیا گیا تھا مگر اس حالت میں کہ تم رو رہے ہو۔ اگر رونا نہ آئے تو ان میں داخل نہ ہو، کہیں تم بھی اس عذاب کی گرفت میں نہ آ جاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔"[2]

مکہ کے اردگرد کی مشہور وادیاں اور مقامات

وادی نخلہ (نخلہ الشامیہ، نخلہ الیمانیہ): بنو ہُذیل کی دو وادیاں نخلہ کہلاتی ہیں: نخلہ الشامیہ (بطن نخلہ) اور نخلہ الیمانیہ۔ ان دونوں کا سنگم مکہ مکرمہ سے تقریباً 43 کلومیٹر شمال مشرق میں بطن مَرّ اور سبوحہ (نخلہ الیمانیہ کی ایک شاخ) کے پاس ہے۔ نخلہ الیمانیہ قرن المنازل سے اترتی ہے جسے قرن الثعالب بھی کہتے ہیں۔ قرن المنازل مکہ سے 80 کلومیٹر دور مشرق میں ہے۔ نخلہ الشامیہ الریان کے پاس وادی فاطمہ سے ملتی ہے جو جدہ سے مکہ جانے والی شاہراہ کو قطع کر کے تہامہ میں جا نکلتی ہے۔ نخلہ الیمانیہ عموماً وادی نخلہ کہلاتی ہے جو الزیمہ سے چند کلومیٹر شمال میں نخلۃ الشامیہ سے جا ملتی ہے۔ سفر طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے نخلہ میں قیام فرمایا تھا جہاں جنوں نے نبی اکرم ﷺ سے قرآن سنا۔ سید مودودی لکھتے ہیں کہ "وہ مقام الزیمہ تھا یا السیل الکبیر۔ یہ دونوں مقام وادی نخلہ میں واقع ہیں اور ان کے درمیان تقریباً 35 کلومیٹر کا فاصلہ ہے۔" رجب 2 ھ میں بطن نخلہ میں سریہ عبداللہ بن جحش پیش آیا جو غزوۂ بدر کا ایک سبب بنا۔



وادی نخلہ الشامیہ

[1] تاریخ مکہ مکرمہ، ص: 123، 124، دیکھیے: معجم البلدان، مادة: مزدلفة. [2] صحیح البخاري: 4702، صحیح مسلم: 2980.

وادي حنين (الشرائع): یہ وادی مکہ کی وادیوں میں شمار ہوتی ہے اور یہ مکہ سے تقریباً 30 کلومیٹر مشرق میں ہے۔ ان دنوں اس کا نام الشرائع ہے اور اس کا بالائی حصہ آج بھی حنین کہلاتا ہے۔ اس کا پانی وادی المُغمّس کے ذریعے سے سیل عُرنہ میں جا گرتا ہے۔ مکہ سے طائف کو طریق الیمانیہ پر جائیں تو مسجد الحرام سے 28 کلومیٹر کے فاصلے پر وادی الشرائع آتی ہے۔ یہاں الشرائع نامی ایک چشمہ اور بستی ہے جن سے یہ وادی منسوب ہے۔ اس چشمے کا نام پہلے المشاش تھا جہاں سے ملکہ زبیدہ نے مکہ کی طرف نہر زبیدہ جاری کی تھی جو بعد میں بند ہوگئی۔ ان دنوں یہاں چند خاص لوگ ہی حُنین کے نام سے واقف ہیں۔[1]

الابطح: یہاں زمانۂ جاہلیت میں قُصی، خزاعہ اور بکر کے مابین لڑائیاں ہوئی تھیں۔ وادی مکہ کے موڑ سے لے کر الحجون تک کا علاقہ الابطح کہلاتا ہے، پھر اس کے بعد مسجد الحرام تک البطحاء ہے اور یہ دونوں المُعلاۃ میں شمار ہوتے ہیں۔ مکہ میں کئی گھاٹیاں ہیں جن کا پانی ابطح میں آکر ملتا ہے۔ وادی مکہ کے موڑ (المنحنی) سے ریع الحجون تک سڑک شارع الابطح کہلاتی ہے۔ مسجد الحرام سے منیٰ جانے والے حاجی یہیں سے گزرتے ہیں۔[2]

البطحاء: اگرچہ بطحاء ہر اس وادی کو کہا جاتا ہے جس میں سے سیلاب گزرنے کے باعث اس کی زمین ریتلی ہوگئی ہو مگر علماء ''البطحاء'' سے وادی مکہ کا وہ حصہ مراد لیتے ہیں جو الحجون سے مسجد الحرام تک تھا۔ اس میں الغزہ اور سوق اللیل شامل تھے۔ اسے بطحاء مکہ بھی کہا جاتا ہے۔ اب اس کے کوئی آثار باقی نہیں۔ اس کے علاوہ بطحاء قریش تھا جو کوہ ثور کے پاس واقع تھا۔[3]

وادي عُرنه: یہ وہ وادی ہے کہ اگر مسجد نمرہ (مسجد عَرَفہ) کی قبلے والی دیوار گرے تو وہ اس وادی میں گرے گی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ دیوار اور امام کا مصلیٰ عَرفہ میں شمار ہوتے ہیں لیکن دراصل یہ عَرفہ کے باہر ہیں۔ وادی عرنہ پر، عرفات

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:107. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:13، 14. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:46.


وادی عرنہ اور مسجد نمرہ


وادی حنین (الشرائع)



وادی اَمج



وادی غران



بطن سرف

سے پہلے، قریباً ایک کلومیٹر کے اندر چودہ کشادہ پل بنے ہوئے ہیں۔ محرم 4 ھ میں سریہ عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ عرنہ کے پاس پیش آیا تھا۔ وادی عرنہ درحقیقت ایک بڑی وادی ہے جو ارض مغمس سے نکلتی ہے اور عرفات کے مغرب میں مسجد نمرہ کے پاس سے گزرتی ہے۔ کچھ دور جا کر وادی نعمان اس سے آملتی ہے اور پھر آگے اس کا نام وادی عرنہ ہی ہے جو مکہ کے جنوب سے ہو کر مغرب کا رُخ کرتی ہے حتی کہ جدہ سے تقریباً تیس میل جنوب میں سمندر سے جا ملتی ہے۔ [1]

الرجیع: یہ ایک چشمہ ہے جو آج کل الوطیہ کہلاتا ہے اور مکہ سے تقریبا 70 کلومیٹر شمال میں وادی شامیہ ابن حمادی کے شمالی جانب حرہ بنی جابر کی ڈھلان پر واقع ہے۔ وادی شامیہ دراصل وادی الھَدَہ (ہدی الشام) کا نچلا حصہ ہے، اس پر قصبہ شامیہ آباد ہے۔ الوطیہ عُسفان کے مشرق میں 8 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اسے الوطیہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہاں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی نے قدم رکھے تھے۔ وادی شامیہ مکہ عسفان شاہراہ کے دائیں طرف بہتی ہوئی ذہبان کے بالائی جانب سمندر میں جا گرتی ہے۔ قبائل عضل اور قارہ کے لوگوں نے سریہ رجیع (صفر 4 ھ) میں مرثد بن ابی مرثد رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو یہاں شہید کر دیا تھا۔ [2]

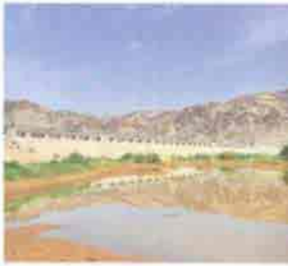
ضجنان (بحرۃ المحسنیۃ): اس کا ذکر سفرِ معراج (حدیث الاسراء) میں آیا ہے۔ ضجنان ایک حرہ ہے جو مکہ سے 54 کلومیٹر شمال میں واقع ہے۔ طریق المدینہ اس کے نشیب و فراز سے گزرتا ہے۔ آج کل اس کا نام بحرۃ المحسنیۃ ہے۔ [3]

اَمج: یہ مکہ سے 100 کلومیٹر شمال میں جادۂ عظمیٰ (مین روڈ) پر واقع ایک زرعی وادی ہے۔ قصبہ اَمج، خُلَیص کے جنوب میں 2 میل کی مسافت پر معروف ہے۔ نبی ﷺ سفرِ ہجرت میں یہاں سے گزرے تھے۔ اس جگہ بنو کنانہ آباد تھے مگر ان دنوں یہاں بنو حرب رہتے ہیں۔ [4] اَمج اور غُران دو وادیاں ہیں جو حرہ بنی سلیم سے نکل کر سمندر

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 205. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 138.
[3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 183. [4] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 32، معجم ما استعجم: 956/3.


ثنیۃ الغزال


مسجد عائشہ (تنعیم)


وادی فاطمہ

میں جا گرتی ہیں۔[1]

بطن سرف: یہ ایک وادی ہے جو جعرانہ کے پاس سے نکل کر مکہ سے 12 کلومیٹر شمال میں بہتی ہے۔ یہاں 38ھ میں ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا نے وفات پائی اور یہیں دفن ہوئیں۔[2]

مَرّالظهران (وادئ فاطمہ): یہ حجاز کی ایک بڑی وادی ہے جو نخلتین سے پانی حاصل کرتی ہے اور مکہ سے 22 کلومیٹر شمال میں گزرتی ہے۔ یہ جدہ سے تقریباً 20 کلومیٹر جنوب میں سمندر میں جا گرتی ہے۔ اس میں حداء، بحرہ اور الجموم نامی بستیاں واقع ہیں۔ ان دنوں اسے وادی فاطمہ کہا جاتا ہے۔[3]

البیضاء (ثنیۃ التنعیم): اس گھاٹی کا ذکر نبی ﷺ کے سفرِ اسراء میں آتا ہے۔ مدینہ سے آنے والا راستہ یہاں سے مکہ کی وادی فخ میں اُترتا ہے۔ یہاں مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے جہاں کسی عذر کی بنا پر زائرین حج یا عمرے کا احرام باندھتے ہیں۔ ثنیۃ التنعیم کو المکان العمرۃ یا عمرۃ التنعیم بھی کہا جاتا ہے۔ ان دنوں اسے البیضاء کے نام سے کوئی نہیں جانتا۔ وادی التنعیم اس گھاٹی سے نکل کر وادی یاجج میں اور یاجج وادی مرّ الظہران میں گرتی ہے۔[4]

فخ: یہ مکہ کی ایک بڑی وادی ہے جو التنعیم اور مسجد الحرام کے درمیان واقع ہے۔ اسے وادی الظاہر بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں بلال رضی اللہ عنہ کو ہجرت سے پہلے بخار چڑھا تھا جس کا انھوں نے ایک شعر میں ذکر کیا۔[5]

ثنیۃ غزال: یہ عُسفان کے شمال میں واقع ایک گھاٹی ہے۔ اس کے دوسری طرف وادئ غُرّان ہے۔

ثنیۃ لفت (الفیت): ثنیۃ غَزال کے بالمقابل واقع یہ گھاٹی ان دنوں ثنیۃ الفیت کہلاتی ہے۔ یہ خُلَیص کے شمال میں 30 کلومیٹر سے زیادہ فاصلے پر ہے۔ آج کل ریت کے ٹیلوں نے اس کا راستہ مسدود کر رکھا ہے۔

غُران: یہ اَمج اور عُسفان کے درمیان ایک بڑی وادی ہے۔ مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے وادی غران 87 کلومیٹر کی

[1] معجم البلدان، مادة: أمج. [2] أطلس الحديث النبوي، ص: 72. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 288، أطلس المملكة العربية السعودية، لوح: 12. [4] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 55,54. [5] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 234.

مسافت پر آتی ہے اور یہ ثنیۃ غزال کے قریب ہے۔[1]

غدیر خم (الغربة): یہ الجحفة سے 8 کلومیٹر مشرق میں واقع ہے۔ ان دنوں اس کا نام الغُربہ ہے۔ یہاں خزاعہ اور کنانہ کے لوگ آباد ہیں۔ وادی غدیر خم کے پاس نبی ﷺ نے یمن کے وفد سے خطاب فرمایا تھا۔[2]



چشمہ غدیر خم (الغربہ)

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص :225. [2] معجم البلدان، مادة: خم، أطلس الحديث النبوي، ص :285.

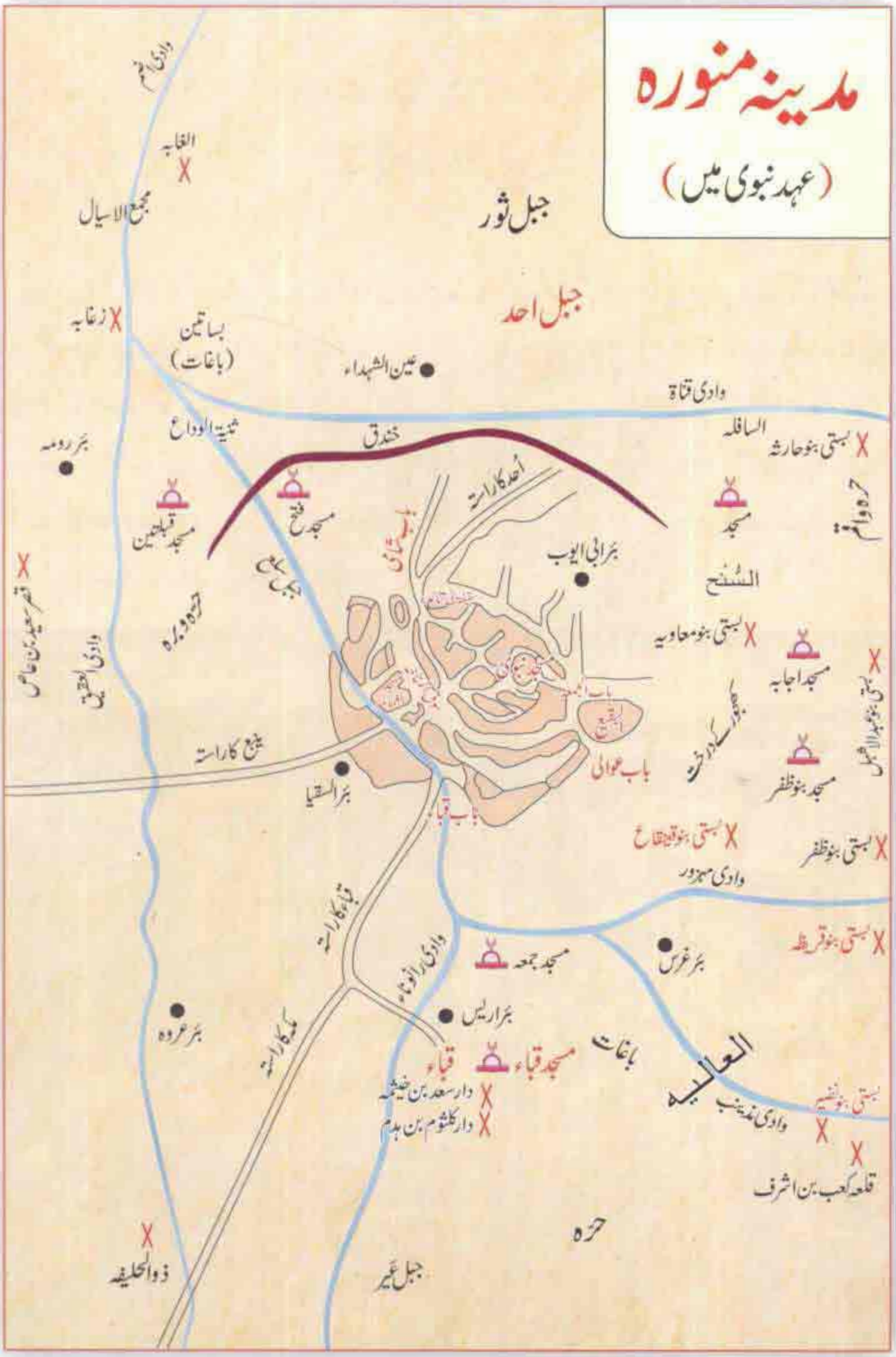
مدینہ منورہ: شہرِ نبوی

یہ رسول اللہ ﷺ کا شہر ہے۔ آپ نے خود اس کا نام مدینۃ النبی رکھا۔ یہ ان دنوں سعودی عرب کے صوبہ مدینہ کا دارالحکومت ہے۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کو ملا کر حرمین شریفین (دو بلند مرتبہ قابلِ احترام مقامات) کہا جاتا ہے۔
مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ صحیحین میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
''میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ مکرمہ چھوڑ کر ایسے علاقے کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جس میں کھجوروں کے باغات بہت زیادہ ہیں۔ میں نے سمجھا شاید یہ ''یمامہ'' یا ''ہجر'' ہو لیکن وہ مدینہ، یعنی یثرب ہے۔''[1]

[1] صحیح البخاري: 3622، صحیح مسلم: 2272.

مسجد نبوی اور میدان بقیع (مدینہ منورہ)




مدینہ منورہ
(عہد نبوی میں)
جبل ثور
جبل احد
الغابہ
مجمع الاسیال
زغابہ
بساتین (باغات)
عین الشہداء
وادی قناۃ
ثنیۃ الوداع
خندق
بئر رومہ
مسجد قبلتین
مسجد فتح
السافلہ
بستی بنوحارثہ
مسجد
بئر ابی ایوب
السنح
بستی بنومعاویہ
مسجد اجابہ
ینبع کا راستہ
بئر السقیا
باب قباء
باب عوالی
مسجد بنوظفر
بستی بنوقینقاع
بستی بنوظفر
وادی مہزور
بستی بنوقریظہ
مسجد جمعہ
بئر غرس
بئر اریس
بئر عروہ
قباء
مسجد قباء
باغات
العالیہ
دار سعد بن خیثمہ
دار کلثوم بن ہدم
وادی مذینب
بستی بنونضیر
قلعہ کعب بن اشرف
حرہ
جبل عیر
ذوالحلیفہ
احد کا راستہ

ابوالقاسم زجاجی کہتے ہیں: سام بن نوح علیہ السلام کی نسل سے ایک آدمی یثرب بن قاینہ یا ''قانیہ'' نے اس شہر کی بنیاد رکھی اوراس کی نسبت سے اس جگہ کا نام یثرب پڑ گیا۔ [1]

بطلیموس کے جغرافیہ میں اس کا نام یثربہ (Jathripa) آیا ہے۔ غالبًا اسے ''مدینۂ یثرب'' بھی کہا جاتا تھا جیسا کہ اسٹیفن بازنطینی نے اس کا نام Medinta (مدینہ) لکھا ہے جسے مدینۂ یثرب کا اختصار سمجھنا چاہیے۔ جنوبی عرب کی زبان میں یہ شہر ''ہگر'' کہلاتا تھا جیسا کہ یمن کے معینی کتبات میں رقم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر یثرب آئے تو یہ مدينة النبي کہلایا، کثرت استعمال سے فقط مدینہ کہلانے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کو ''طیبہ'' اور ''طابہ'' بھی کہا۔ [2] طابہ اور طیبہ، طیب (پاک) کے معنی میں ہیں کیونکہ اسلام کی برکت سے یہ شہر شرک سے پاک ہو گیا۔ ممکن ہے کہ نام کی تبدیلی کا سبب یہ بنا ہو کہ لغت میں ''یثرب'' کے معنی ملامت، فساد اور خرابی کے ہیں۔

یثرب اور مدینہ کا ذکر قرآن میں

قرآن مجید میں اس شہر کے نام یثرب اور مدینہ دونوں آئے ہیں:

- جب غزوۂ خندق کے موقع پر قریش مکہ اور دیگر قبائل کے متحدہ لشکروں نے مدینے پر چڑھائی کی تو منافقین نے مسلمانوں کا ساتھ نہیں دیا اور گھروں میں جا بیٹھے بلکہ انھوں نے مسلمانوں کو بھی بد دل کرنا چاہا۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں آیا ہے:

﴿ وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ﴾

''اور جب ان (منافقوں) میں سے ایک گروہ نے کہا تھا: اے اہل یثرب! (آج) تمھارے لیے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) ٹھہرنے کا موقع نہیں، لہٰذا تم لوٹ چلو۔'' [3]

- غزوۂ تبوک کے موقع پر جو منافقین اس غزوے میں شرکت سے دانستہ محروم رہے، ان کی مذمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَٰفِقُونَ ۖ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ ﴾

''اور تمھارے آس پاس جو دیہاتی ہیں، ان میں بعض منافق ہیں اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔'' [4]

[1] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 128/4. [2] اٹلس سیرت نبوی، ص:154، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 130/4، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 228/20. [3] الأحزاب 13:33. [4] التوبة 101:9.

﴿مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ﴾

''اہل مدینہ اور ان کے آس پاس رہنے والے دیہاتیوں کے لائق نہیں تھا کہ وہ (جہاد میں) اللہ کے رسول (ﷺ) سے پیچھے رہ جاتے۔''[1]

- مدینہ میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں اور شرارتیں کرنے والے منافقوں کو انتباہ کیا گیا:

﴿لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَاۤ اِلَّا قَلِيْلًا ۝﴾

''(اے نبی!) اگر منافقین اور جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں پھیلانے والے باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے، پھر وہ آپ کے پاس اس (مدینہ) میں تھوڑی مدت ہی رہ سکیں گے۔''[2]

- غزوۂ بنو مصطلق سے واپسی پر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی نے مہاجرین کے بارے میں جو ہرزہ سرائی کی تھی، اس پر ان الفاظ میں گرفت کی گئی:

﴿يَقُوْلُوْنَ لَىِٕنْ رَّجَعْنَاۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''وہ (منافقین) کہتے ہیں: البتہ اگر ہم لوٹ کر مدینے گئے تو معزز ترین لوگ (انصار) وہاں سے ذلیل ترین لوگوں (مہاجرین) کو نکال دیں گے۔ اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے، مگر منافق یہ نہیں جانتے۔''[3]

مدینہ منورہ کے مزید فضائل ''ہجرت مدینہ'' سے متصل باب ''فضائل مدینہ'' کے تحت دیکھیں۔

مدینہ کا محلِ وقوع

مدینہ منورہ 39 درجے 50 دقیقے طول بلد مشرقی اور 24 درجے 32 دقیقے عرض بلد شمالی پر خط سرطان کے شمال میں واقع ہے۔ یہ مکہ سے تقریباً 427 کلومیٹر[4] شمال میں اور ینبع سے 209 کلومیٹر مشرق میں سطح سمندر سے 600 میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔ مدینے سے 4 کلومیٹر شمال میں جبل احد، جنوب میں قبا اور جنوب مغرب میں تقریباً 6 کلومیٹر دور جبل عیر واقع ہے۔ شہر کے مغرب میں حرہ وَبْرہ اور مشرق میں حرہ واقم ہیں جو چھوٹے بڑے جلے ہوئے

[1] التوبة 9:120. [2] الأحزاب 33:60. [3] المنٰفقون 63:8. [4] أطلس المملكة العربية السعودية، ص:142.



جبل احد

سیاہ پتھروں کے میدان ہیں اور میلوں کی مسافت میں پھیلے ہوئے ہیں۔[1]

مدینہ کے چشمے، وادیاں اور پیداوار



عین الزرقا

مدینہ منورہ میں چوبیس سے زیادہ پانی کے چشمے ہیں جن میں اہم ترین عین الزرقا ہے۔ شہر کے اردگرد کئی وادیاں (برساتی ندیاں) ہیں جن میں وادی العقیق کے علاوہ وادی رانوناء، وادی مہزور، وادی بطحان، وادی القناۃ، وادی مذینب (یا مذینیب) اور وادی قمی قابلِ ذکر ہیں۔

وادی قناۃ: یہ وادی مشرقی حجاز میں مہدالذہب کے جنوب سے حرۃ النار (موجودہ حرہ خیبر) کے وسط تک وسیع علاقے میں بہتی ہے۔ اس کی لمبائی قریباً 200 کلومیٹر ہے۔ مشرق سے الرَّبذہ، رَحرحان اور الشُّقران کے پانی اس میں ملتے ہیں۔ وادی قناۃ مدینہ اور احد کے درمیان سے گزر کر بطحان اور عقیق المدینہ سے جاملتی ہے اور ان سب کے ملاپ سے وادی اضم بنتی ہے۔ جب نجد کی طرف سے وادی قناۃ بہتی تھی تو اس کا دھارا تقریباً ایک ماہ تک مدینے کے پاس سے گزرتا رہتا تھا۔[2]



وادی قناۃ

وادی رانوناء: یہ جنوب میں جبل عَیر سے نکلتی ہے اور حرہ قباء کے پاس سے گزر کر مسجد الغمام کے جنوب میں وادی بطحان سے جاملتی ہے۔ اب اس وادی کا نام بس چند لوگ جانتے ہیں، البتہ یہاں مسجد الجمعہ معروف ہے جہاں نبی ﷺ نے دورانِ ہجرت بستی بنی سالم بن عوف میں جمعہ پڑھایا تھا۔ یہ مدینہ میں پڑھا جانے والا پہلا جمعہ تھا۔[3]



وادی رانوناء

وادی بطحان: یہ وادی الحرۃ الشرقیہ کی طرف سے آکر مسجد نبوی کے مغرب میں بہتی تھی اور جمادات کے شمال میں وادی العقیق سے جاملتی تھی۔ وادی بطحان اور وادی العقیق کے درمیان ثنیۃ الوبرہ (حرۃ الغربیۃ) واقع ہے۔[4]



وادی بطحان

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 228/20. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 258,257. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 135. [4] أطلس الحديث النبوي، ص: 70.


وادی الرمہ


وادی الصفراء


وادی القریٰ

بطحان دراصل مشرق سے آنے والی دو وادیوں مہزور اور مذینب کے ملاپ سے بنتی تھی جہاں بالترتیب یہود بنوقریظہ اور بنونضیر آباد تھے۔

وادی الرمہ: مدینہ کے شمال مشرق کی طرف حرہ فدک کے قریب وادی الرُّمّہ واقع ہے جو مشرق میں القصیم سے جا ملتی ہے۔ وادی الرمہ کی لمبائی 950 کلومیٹر سے زیادہ ہے۔

وادی الصفراء: یہ حجاز کی ایک وادی ہے جو طریق الحاج (حاجیوں کے راستے) میں پڑتی ہے۔ اس میں بکثرت کھجور کے باغات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ ایک سے زیادہ مرتبہ یہاں سے گزرے۔ اس پر الصفراء نامی بستی آباد ہے۔ یہ وادی جبل ورقان سے نکل کر المسیجید کے پاس بہتی ہے اور اس کا پانی ینبع کی طرف جا نکلتا ہے۔ یہاں جُہینہ، انصار، بنوفہر، نہد اور رضویٰ کے لوگ آباد تھے۔[1]

وادی القریٰ: یہ اہم وادی تبوک اور خیبر کے درمیان شام کو جانے والی قدیم تجارتی شاہراہ پر واقع ہے اور وادی دیدبان کے نام سے معروف ہے۔ یہ دو ندیوں، یعنی وادی الجزل اور وادی الحمض کی خشک گزرگاہ ہے جو اس کے وسط میں باہم ملتی ہیں۔ اس کے مشرق میں العُلا نامی شہر واقع ہے۔ العُلا کے دائیں جانب سے وادی السلسلہ الجزل سے آملتی ہے۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: غالباً العلا ہی وہ جگہ ہے جس کا ذکر کتب حدیث و تاریخ میں وادی القریٰ کے نام سے ملتا ہے۔ مدائن صالح العلا سے تقریباً 30 میل کے فاصلے پر ہے۔[2] غزوۂ خیبر (محرم 7ھ) کے بعد رسول اللہ ﷺ وادی القریٰ تشریف لے گئے اور یہاں کے یہود کو دعوتِ اسلام دی۔ انھوں نے دو روزہ لڑائی میں شکست کھا کر اطاعت قبول کر لی۔[3] وادی القریٰ (العُلا) مدینے سے 350 کلومیٹر شمال میں ہے۔

وادی الغمرہ: یہ وادی الحمض کی ایک معاون ندی ہے جو خیبر کے شمال میں حرہ خیبر سے نکل کر آتی ہے۔ قصبہ غمرہ جو ماضی میں الغمر یا غمر مرزوق کے نام سے معروف تھا، مدینہ سے تقریباً 195 کلومیٹر شمال میں خیبر سے تیماء جانے والی

[1] معجم البلدان، مادۃ: الصفراء، معجم مااستعجم: 836/3. [2] سفرنامہ ارض القرآن (کامل): 206/1. [3] اٹلس سیرت نبوی، ص: 331، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 566/22.


وادی الغمرہ


وادی العقیق


وادی بواط

شاہراہ پر واقع ہے۔ ربیع الاول 6 ھ میں نبی ﷺ نے عُکاشہ بن محصن اسدی رضی اللہ عنہ کو بنو اسد کے کنویں غمر مرزوق کی طرف بھیجا تھا، اسے سریہ غمر کہا جاتا ہے۔[1]

وادی العقیق: یہ وادی مدینے کے عین مغرب سے گزرتی ہے۔ العقیق مدینے سے تقریباً 140 کلومیٹر جنوب میں جبال قدس اور حرۃ الحجاز سے پانی لیتی ہے۔ بالائی جانب یہ وادی النقیع کہلاتی ہے۔ جبل عیر اور حمراء الاسد کے درمیان اس کا نام الحسا ہے اور ذوالحلیفہ سے آگے یہ العقیق کہلاتی ہے۔ اس وادی اور مدینے کے درمیان حرۃ الوبرہ حائل ہے۔ یہ شمال کی طرف وادی الحمض (اِضَم) سے جاملتی ہے۔ مدینے کے جنوب میں کوہِ عیر وادی العقیق کے دائیں کنارے ہے۔ ایک متفق علیہ حدیث میں العقیق کو مبارک وادی کہا گیا ہے جہاں فرشتے نے رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھنے کو کہا۔ بئر رومہ اور بئر عروہ اسی وادی میں تھے۔ مدینے کی وادیوں مہزور، مذینیب، قناۃ اور بطحان کا پانی جہاں وادی العقیق سے ملتا ہے، اسے مجمع الاسیال کہا جاتا ہے۔ ایک اور وادی العقیق طائف کے قرب و جوار سے شروع ہو کر شمال کو بہتی ہے اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے درمیان دلدلی طاس العاقول میں جاگرتی ہے۔[2]

وادی بواط: مدینے کے شمال مغرب میں ایک وادی بواط جبل بواط (موجودہ جبال الاجرد) سے نکل کر وادی الحمض سے آملتی ہے اور دوسری جبل رضویٰ کے مشرق سے ینبع النخل کی طرف بہتی ہے۔ یہاں ربیع الاول 2 ھ میں غزوہ بواط پیش آیا۔ وادی الحمض پر قصبہ بواط آباد ہے جو مدینہ سے 42 کلومیٹر دور طریق خیبر پر واقع ہے۔

ان وادیوں میں بہت سے باغات اور کھیت ہیں۔ مدینے کا پانی ہلکا، سرد اور شیریں ہے۔ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب کھجور، انگور اور انار بکثرت ہوتے ہیں۔ جنوب میں قبا، عوالی اور عقیق کی سیاہ مٹی میں گندم، جو، انار، رنگ برنگ کے پھول اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں۔[3]

[1] اٹلس سیرت نبوی، ص: 292. [2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 414/13، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 213. [3] جغرافية شبه جزيرة العرب لعمر رضا كحالة، ص: 137-147.

یثرب اور اس کے باشندے

یاقوت حموی لکھتے ہیں: ''مدینہ (یثرب) میں سب سے پہلے جن لوگوں نے کھیتی باڑی کی اور کھجور کے باغات لگائے، وہ عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے۔ انھیں عمالیق کہا جاتا تھا۔''[1] جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج بیت اللہ کیا تو ان کے ہمراہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگ بھی تھے۔ حج سے واپسی پر وہ یثرب پہنچے تو انھیں اس جگہ آخری نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر کی صفات نظر آئیں جن کے متعلق تورات میں خبر دی گئی تھی کہ وہ خاتم النبیین ہوں گے۔ ان میں سے ایک گروہ نے باہم مشورہ کرکے اس مقام پر سکونت اختیار کر لی، یہ جگہ بعد میں سوق بنی قینقاع کہلائی۔ ابن زبالہ[2] کے بقول سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے عمالیق کی سرکشی کے سدِّ باب کے لیے ایک لشکر حجاز بھیجا تھا اور سیدنا داود علیہ السلام نے مدینے کے قبائل صعل اور فالج کے خلاف لشکر کشی کی تھی۔[3]

1 یہود کا یثرب میں ورود

زیادہ تر مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ یثرب کے اکثر یہودی فلسطین سے ہجرت کرکے آنے والوں کی نسل سے تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ بیت المقدس پر بُختِ نَصَّر کے حملے (586ق م) کے بعد بھاگ کر آئے تھے۔ پھر 70ء اور 135ء میں رومیوں نے یہود کو تشدد کا نشانہ بنایا تو بنوقریظہ اور ان کے بھائی بند بنوہدل اور ان کے بعد بنونضیر ہجرت کرکے حجاز چلے آئے اور یثرب کی وادیوں ''مہزور'' اور ''مُذَینب'' میں آ بسے۔[4] بنوقینقاع جو وادی مہزور کے شمال میں بستے تھے، سیدنا یوسف علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔


قلعہ کعب بن اشرف

مدینہ اور قبا کے درمیان یہود کی قلعہ نما آطام، یعنی گڑھیاں (بلند مکان) واقع تھیں۔ قبا کی آبادی میں بنونضیر کی گڑھی ''عاصم'' کے اندر ایک کنواں تھا جسے قبا کہا جاتا تھا۔ کعب بن اشرف بنو نضیر ہی کا سردار تھا۔ ابن نجار کے بقول یثرب میں یہودی آطام کی کل تعداد 59 تھی۔[5] ان گڑھیوں کے دروازوں پر بازار بھی لگتے تھے۔

1 معجم البلدان، مادة: مدينة. 2 ابن زبالہ (م: 180ھ/796ء): ابوالحسن محمد بن حسن بن زبالہ مدنی کو محدثین نے کذاب قرار دیا ہے۔ (تقريب التهذيب، ص: 836) 3 وفاء الوفا للسمهودي:1/157-159. 4 دیکھیے: وفاء الوفا للسمهودي:1/160،161. 5 وفاء الوفا للسمهودي:1/164،165.

یہود کی مادری زبان عبرانی تھی مگر حجاز آ کر ان کی زبان رفتہ رفتہ عربی ہوگئی تھی اور وہ اسی زبان میں روزمرہ کا کام کرتے تھے۔ عبرانی ان کی مذہبی اور تعلیمی زبان تھی۔ یہود کے علاوہ مدینے میں کچھ عیسائی بھی بستے تھے۔ قبائلِ اوس مدینہ منورہ کے جنوب و مشرق میں اور خزرج وسطی اور شمالی علاقے میں آباد تھے۔ یہود ان دونوں قبیلوں کو لڑاتے رہتے تھے تاکہ وہ ان کا استحصال کرتے رہیں۔ مدینے کا سب سے اہم بازار سوقِ بنی قینقاع تھا جو سونے چاندی کے زیورات، مختلف مصنوعات اور کپڑے کا خاص بازار تھا۔ [1]

2 اوس اور خزرج کا یثرب میں تمکن

جب اوس اور خزرج ہجرت کر کے یثرب پہنچے تو انھوں نے یہاں کا سارا معاشی و اقتصادی نظام یہود کے ہاتھ میں پایا۔ اوس و خزرج نے یہود کے ساتھ صلح اور امن و آشتی کے معاہدے کیے اور وہ لمبا عرصہ اکٹھے رہے یہاں تک کہ یہود نے عہد شکنی کی اور یثرب پر اپنا تسلط جمالیا۔ تب اوس اور خزرج نے اپنے اقرباء کے ساتھ مل کر یہود پر دھاوا بول دیا اور ان پر غلبہ پالیا۔ [2]

جب اوس و خزرج یثرب میں یہودیوں کے زیردست تھے اور انھیں جلاوطن ہونے کا خطرہ درپیش تھا تو انھوں نے مالک بن عجلان خزرجی کو اپنا سردار بنالیا۔ تب فِطیَون یا فیطوان یہودِ یثرب کا حکمران تھا۔ اس کے ظلم و تعدی کا یہ عالم تھا کہ اوس و خزرج کی ہر دلہن اپنے شوہر کے پاس جانے سے پہلے فِطیَون کے ہاں رات گزارنے پر مجبور تھی۔ مالک بن عجلان کی بہن کی شادی اس کے ایک ہم قوم سے ہوئی تھی۔ مالک اپنے قبیلے کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ اس کی بہن دامن لٹکائے وہاں سے گزری۔ مالک بڑا شرمسار ہوا اور اس نے گھر جا کر بہن کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ وہ بولی: جب مجھے غیر کے پاس بھیجا جائے گا اور میرے ساتھ جو کچھ ہونے والا ہے، وہ کہیں بدتر ہے۔ اس پر مالک نے تلوار لی اور سرِ شام عورت کا بھیس بدل کر اپنی بہن کے ساتھ فطیون کے محل میں داخل ہوگیا اور موقع پا کر اسے قتل کر دیا۔ اس کے بعد مالک بن عجلان نے شاہِ غسان ابوجُبیلہ سے یہودیوں کے خلاف مدد مانگی۔ ابوجُبیلہ ایک بڑا لشکر لے کر آیا اور اس نے یہود یثرب کے سرداروں کو قتل کر کے وہاں اوس و خزرج کو معزز بنا دیا۔ [3]

ابن قُتیبہ لکھتے ہیں کہ یثرب کے لوگ تُبّع الاصغر شاہ یمن کے پاس گئے تھے اور یہود کی زیادتیوں کی شکایت کی تھی، چنانچہ تُبّع نے یثرب پر لشکر کشی کی اور یہود کے 350 افراد باندھ کر قتل کر دیے۔ وہ یثرب (مدینہ منورہ) کو تباہ و برباد کر دینا چاہتا تھا مگر ایک بہت بوڑھا یہودی بولا: ''اے بادشاہ! غضب نہ دکھا۔ تو اس بستی کو تباہ نہیں کر سکتا

[1] التراتيب الإدارية:97/1. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:130,129/4. [3] وفاء الوفا للسمهودي:180-178/1.

کیونکہ یہ اسماعیل (علیہ السلام) کی اولاد میں سے مہاجر نبی (ﷺ) کی ہجرت گاہ ہے جو بیت الحرام (مکہ) میں مبعوث ہوگا۔" اس پر تُبّع اپنے ارادے سے باز آیا۔ اس نے اُس حبر (یہودی عالم) کے علاوہ ایک اور حبر کو ساتھ لیا اور مکہ آ کر کعبے پر غلاف چڑھایا اور لوگوں کی ضیافت کی۔ [1]



حدود حرم مدینہ

حرمِ مدینہ منورہ

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے بعد مدینہ کو کئی اعتبار سے شرف و فضیلت حاصل ہوئی۔ ایک شرف یہ بھی ہے کہ مدینہ اپنے اردگرد کے علاقے سمیت حرم ہے۔ مدینہ منورہ کا حرم ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ نے صراحت سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا اور اس کے لیے دعا کی۔ میں نے اسی طرح مدینہ کو حرم قرار دیا ہے جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا۔ میں نے اس کے لیے اس کے مد اور صاع (غلہ ماپنے کے دو پیمانے) کی برکت کے لیے دعا کی جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے دعا کی تھی۔" [2]

صحیحین میں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَّا بَيْنَ عَيْرٍ إِلٰى ثَوْرٍ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ اٰوٰى مُحْدِثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا وَّلَا عَدْلًا»

"مدینہ عیر پہاڑ سے ثور پہاڑ تک حرم ہے۔ جو شخص اس میں بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو ٹھکانہ مہیا کرے، اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس سے کوئی فرض اور نفل عمل قبول نہیں فرمائے گا۔" [3]

مدینہ منورہ بطور دار الخلافہ اور مابعد

نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی مرکزیت قائم رکھی اور خلافتِ اسلامیہ کا پہلا دار الخلافہ 11ھ تا 36ھ مدینہ منورہ ہی رہا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں مرکزی بیت المال قائم کیا۔

[1] المعارف لابن قتيبة، ص:276. [2] صحيح البخاري:2129. [3] صحيح البخاري:1870، صحيح مسلم:1370.

مسجد نبوی میں توسیع کی۔ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تک ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کرائے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا بھی ایک اہم کارنامہ مسجد نبوی کی مزید توسیع و تعمیر ہے۔ انھوں نے ساری مسجد میں منقش پتھر لگوائے اور ستونوں کو سیسے سے مضبوط کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی مسجد سے عہد صدیقی میں قرآن مجید کے مدون نسخے کی نقلیں کرا کے اسلامی مملکت کے ہر علاقے میں بھجوائیں۔


حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب مصحف کا ایک قلمی نسخہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جنگِ جمل کے بعد کوفہ واپس آ کر مدینہ کے بجائے کوفے کو مرکزِ خلافت قرار دیا۔ علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حسن رضی اللہ عنہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے خلافت سے دستبردار ہو گئے تو مرکز خلافت دمشق منتقل ہو گیا۔ یوں مدینہ کی حیثیت ایک صوبائی شہر کی رہ گئی لیکن اس کی علمی اور دینی مرکزیت اب بھی باقی تھی۔ حسن رضی اللہ عنہ بھی دستبرداری کے بعد مدینہ چلے آئے۔ مدینہ ہی میں نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک ہے اور یہ ایسا شرف ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی اور خطہ نہیں کر سکتا۔ امہات المؤمنین، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم، آپ کی بنات طاہرات اور پہلے تین خلفائے راشدین اور بے شمار صحابہ اور صحابیات رضی اللہ عنہم، امام مالک اور دیگر تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ کی قبریں بھی مدینہ میں ہیں۔

مدینہ عثمانی اور سعودی ادوار میں

مدینہ منورہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں اموی، عباسی، عبیدی (فاطمی)، زنگی، ایوبی، مملوک اور عثمانی سلطنتوں میں شامل رہا۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک، خلیفہ مہدی عباسی، مملوک سلطان اشرف قایتبائی اور عثمانی خلیفہ عبدالمجید اول کے ادوار میں مسجد نبوی میں توسیع کی گئی۔ ترکوں نے 1908ء میں دمشق مدینہ ریلوے لائن مکمل کر لی جو

خلافت عثمانیہ کے عہد میں مدینہ منورہ



پہلی جنگ عظیم کے دوران میں تباہ کر دی گئی اور شریف مکہ الحسین نے حجاز میں اپنی بادشاہت قائم کر لی۔ موجودہ سعودی حکومت کے بانی شاہ عبدالعزیز نے 1924ء میں حجاز پر قبضہ کرنے کے بعد مَلِک النجد والحجاز کا لقب اختیار کر کے ملک میں امن و امان قائم کیا۔



شاہ عبدالعزیز کے دور کا سکہ

1930ء کی دہائی میں تیل کی دریافت اور برآمد سے ملک کی خوشحالی اور اقتصادی ترقی کا نیا دور شروع ہوا۔ مدینہ منورہ کی موجودہ ترقی و خوشحالی شاہ فیصل بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اور ان کے جانشینوں شاہ خالد اور شاہ فہد رحمہما اللہ کی رہینِ منت ہے جنھوں نے مسجد نبوی کی توسیع و تزئین پر کروڑوں پونڈ صرف کیے اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی بنیاد رکھی اور توسیع و تکمیل کی۔ مدینہ منورہ میں پاک و ہند کے، بخاری (ترکستانی) اور شامی مہاجرین کی خاصی تعداد آباد ہے۔[1]

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 20/238-244.



مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ کا ایک منظر

طائف اور بدر

طائف

مکہ کے جنوب مشرق میں جبل غزوان پر واقع طائف عرب کے قدیم ترین شہروں میں سے ایک ہے۔ ماضی میں یہ شہر چمڑا رنگنے میں خاصی شہرت رکھتا تھا حتی کہ اس کا نام ہی بلدالدباغ (چمڑا رنگنے کا شہر) پڑ گیا۔[1] اس کے علاوہ اہل طائف دیگر حجازیوں سے ہٹ کر لکڑی اور لوہے کے کام میں خوب مہارت رکھتے تھے۔[2] طائف اچھی آب و ہوا اور زرخیزی و شادابی کے لیے مشہور ہے۔ یہاں پھل دار درختوں کی کثرت ہے۔ زیادہ تر انگور، منقی، کیلا اور انار پیدا ہوتا ہے۔ موسم سرما میں جبل غزوان کی چوٹی پر پانی برف بن جاتا ہے۔

طائف سرد علاقہ ہے، اس لیے زمانۂ قدیم سے یہ شہر اہل مکہ کا مصیف (گرمائی مقام) رہا ہے۔ ان دنوں بھی یہ سعودی حکومت کا گرمائی صدر مقام ہے۔[3] طائف مکہ سے تقریباً 65 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ سطح سمندر سے تقریباً 1630 میٹر بلند ہے۔ طائف میں جس جگہ لات (بنوثقیف کے بت) کا معبد تھا، وہاں اب شاندار دارالضیافہ

[1] صفة جزيرة العرب، ص:233. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:4/153. [3] المنجد في الأعلام، ص:354.

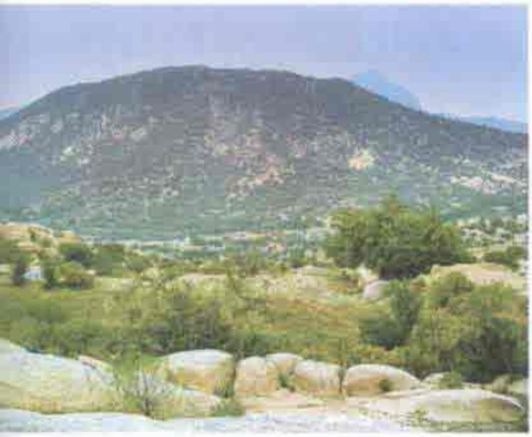
طائف شہر کا ایک خوبصورت منظر



بنا ہوا ہے۔ طائف کے اردگرد وادی القیم، وادی خشرب، وادی المحرم، وادی المادین، وادی لِیّہ اور وادی وج نامی ندیاں بہتی ہیں جبکہ طائف کا محلّہ الشہداء غزوۂ طائف (8ھ) کے شہداء کی یاد دلاتا ہے۔ [1]

عُکاظ: یہ طائف کے شمال میں ایک وادی میں واقع نخلستان تھا جہاں اُشیداء کے مقام پر عربوں کا ایک بازار (سوق) لگتا تھا۔ یہیں حربِ فجار برپا ہوئی تھی۔ اُشیداء ان دنوں الحویہ کہلاتا ہے جو طائف سے 35 کلومیٹر دور طریق الریاض پر ایک اہم قصبہ ہے۔ وادی شَرِب اور وادی العرج اس کے قریب باہم ملتی ہیں۔ طائف کا ہوائی اڈا الحویہ ہی میں واقع ہے۔ [2] عُکاظ موجودہ قصبہ الحوِیّہ کے شمال مشرق میں واقع تھا۔

بنوثقیف طائف میں



بنوثقیف کا علاقہ

شروع میں طائف عمالقہ کے ایک سردار وَج بن عبدالحی کے نام پر ''وَجّ'' کہلاتا تھا۔ عمالقہ کی نسبت عملاق (عُملیق) بن ارفخشد بن سام بن نوح کی طرف ہے جو عرب عاربہ سے تھے۔ ان کا مسکن بابل تھا جس پر فارس نے قبضہ کر لیا، پھر یہ جزیرہ نمائے عرب اور شام میں بکھر گئے۔ ان کی نسل سے عراق اور الجزیرہ کے بادشاہ پیدا ہوئے۔ جبابرۂ شام اور فراعنۂ مصر بھی انھی میں سے تھے۔ امام طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''عمالقہ عرب اور عربی زبان بولنے والے تھے۔'' [3] ان کے بعد یہاں عدنانی قبیلہ بنوعدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان کو غلبہ حاصل ہوا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: ثقیف (قَسی بن منبہ بن بکر بن ہوازن) اور نخع (جَسر) خالہ زاد بھائی تھے۔ دونوں چراگاہ کی تلاش میں نکلے تو شاہ یمن کے کارندے سے جھگڑا ہو گیا جسے انھوں نے قتل کر دیا۔ تب انھوں نے مختلف سمتوں میں ہجرت کا فیصلہ کیا۔ نخع یمن چلا گیا اور قسی ام القریٰ میں ایک لاولد یہودیہ کے پاس جا پہنچا جس نے اسے اپنا بیٹا بنا لیا۔ اس نے مرتے وقت اسے کچھ دینار اور انگور کی شاخ دی۔ قسی وہ لے کر وج چلا آیا۔ یہاں اس نے عامر بن ظرب عدوانی کی لونڈی کے بتائے ہوئے حیلے سے کام لے کر اس

[1] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 152/4. [2] معجم البلدان، مادة: عكاظ، أطلس الحديث، ص: 274، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 215. [3] البداية والنهاية: 119/1، الأعلام: 88/5.

کے پاس پناہ لے لی۔ بعدازاں عامر نے اپنی بیٹی اس سے بیاہ دی۔ چونکہ قسی نے حیلہ جوئی سے یہ کامیابی حاصل کی تھی، اس لیے اس کا نام ثقیف (چالاک و ہوشیار) مشہور ہوا۔ ثقیف کی اولاد وج میں خوب پھلی پھولی حتی کہ انھوں نے بنو عدوان کو طائف سے نکال باہر کیا اور وہ لوگ تہامہ کی طرف چلے گئے۔ بعد میں بنو صدف [1] کا ایک مالدار مفرور آدمی وَج پہنچا جو اپنے چچا زاد کا قاتل تھا۔ اس نے شہر کو عرب قبائل کی یلغار اور لوٹ مار سے بچاؤ کے لیے ایک دیوار بنانے کی تجویز دی، چنانچہ اس کی مدد سے بنوثقیف نے دیوار بنا کر ''وَج'' کو قلعے کی شکل دے دی۔ چونکہ یہ دیوار چاروں طرف شہر کو گھیرے ہوئے تھی، اس لیے وہ اسے طائف کہنے لگے۔ [2]

ظہورِ اسلام کے زمانے میں بنوثقیف دو گروہوں بنو مالک اور احلاف میں بٹے ہوئے تھے۔ لفظِ احلاف قریش کے ان چھ قبائل کے لیے بولا جاتا ہے: عبدالدار، کعب، جمح، سہم، مخزوم اور عدی۔ ثقیف کی ایک قوم کا نام بھی احلاف ہے۔ ایک لڑائی میں احلاف نے بنو مالک کو طائف کے پیچھے وادیٔ لحب میں دھکیل دیا، چنانچہ بنو مالک احلاف کے خلاف دوس اور خثعم کے حلیف بن گئے۔ [3]

مشہور تاریخی شخصیت حجاج بن یوسف ثقفی کا تعلق بھی اسی شہر سے تھا۔ فاتح سندھ محمد بن قاسم ثقفی حجاج بن یوسف ثقفی کے عم زاد بھائی قاسم کے بیٹے تھے۔ [4] اس سے پہلے عہد فاروقی میں عراق میں رزم آرا اسلامی فوج کے سالار ابوعبید بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ (م 13ھ/634ء) کا تعلق بھی یہیں سے تھا۔ انھوں نے فارسیوں کے خلاف معرکۂ جسر (13ھ) میں مجاہدینِ اسلام کی قیادت کرتے ہوئے شہادت پائی۔ [5]

طائف کی مشہور وادیاں

شوحطہ (خیبات بنوسعد): نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلہ بنو سعد کا علاقہ طائف کے جنوب مشرق میں تقریباً 70 کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ عبدالرحمٰن عبد اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں: ''طائف سے بیس کلومیٹر آئے ہوں گے کہ طریق یمن کو چھوڑ کر دائیں جانب کی سڑک پر ہو لیے ...... بنو سعد کا علاقہ میلوں تک پھیلا ہوا

[1] بنوصدف کے نام سے تین قبیلے مشہور ہیں: 1 صدف بن اسلم، یہ حضرموتی قحطانی قبیلہ ہے۔ 2 صدف بن عمرو، یہ حمیری قبیلہ ہے۔ 3 صدف بن مالک، یہ کندہ کی شاخ ہے جو قحطانی الاصل ہے۔ (معجم قبائل العرب: 637/2) [2] معجم ما استعجم: 64/1-67. [3] الکامل لابن الأثیر: 543,542/1. [4] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 345/19. [5] أسد الغابة: 37/5، البدایة والنهایة: 121/7.



بنوسعد کا علاقہ جہاں نبی ﷺ نے پرورش پائی

ہے۔ اس میں سے خاص حلیمہ سعدیہ کا علاقہ خیبات کہلاتا ہے اور ان کی خاص بستی کا نام الشطہ ہے۔ خیبات میں آ کر الصحن کے مقام پر گاڑی سے اترے۔ آگے جا کر پکی سڑک ختم ہوگئی اور کچی سڑک پر ایک جگہ بنوسعد کا بورڈ لگا دیکھا۔'' [1]

مینیجنگ ڈائریکٹر دارالسلام جناب عبدالمالک مجاہد اپنے سفرنامے میں لکھتے ہیں: ''سیدہ حلیمہ کے گاؤں کا نام شوطہ ہے۔ بعض وقائع نگار اسے شطہ بھی لکھتے ہیں مگر شوطہ ہی صحیح ہے۔ یہ سڑک کے راستے مکہ سے 160 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ طریق یمن پر واقع شُقصان سے وہاں تک کچا راستہ پندرہ بیس کلومیٹر تو ضرور ہوگا۔ دور سے ایک وادی کی طرف محترم سیف الرحمٰن نے اشارہ کیا کہ یہ رہا سیدہ حلیمہ کا گاؤں۔ گاڑی نے سیدھی طرف سے ایک چکر لگایا اور قدرے اونچے ٹیلے پر چڑھ گئی۔ پچھلی جانب شوطہ نامی گاؤں نظر آ رہا تھا جو دو فرلانگ کے فاصلے پر ہوگا۔ گاڑی اوپر چڑھتی چلی گئی۔ نیچے قبرستان اور خشک کھیتیاں تھیں۔ سامنے چھوٹی سے پہاڑی کے دامن میں کچھ آثار نظر آئے کہ یہاں کبھی آبادی ہوتی تھی، یہ کوئی بڑی وادی نہیں، پندرہ بیس ایکڑ پر محیط ہوگی۔ پتھروں کے نشانات ہیں۔ چھوٹی چھوٹی چار دیواریاں ہیں۔ پہاڑی کے اوپر پیدل الٹی طرف چڑھتے ہوئے دو تین مقامات کی طرف اشارہ کر کے ہمیں بتایا گیا کہ یہاں سیدہ حلیمہ کے قبیلے والوں کے گھر تھے۔ کسی پاکستانی نے سفیدی سے

[1] آنحضور ﷺ کے نقش قدم پر (حرم عرفات): 65/4.

شکستہ خط میں لکھا ہوا تھا: بیتِ حلیمہ۔ نہایت چھوٹے چھوٹے کمرے تھے۔'' [1]

وادی مُحرِم: یہ ان دنوں طائف سے آنے والے حجاج کے لیے میقات ہے جو مکہ سے آنے والی جدید شاہراہ پر طائف سے تقریباً 10 کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس کے قریب سے وادی محرم نکل کر شمال کو بہتی ہے جو السیل الکبیر کے پاس وادی نخلہ الشامیہ سے جا ملتی ہے۔ وہیں میقات قرن المنازل ہے۔ غزوۂ طائف سے مکہ آتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ نے اسی مقام پر عمرے کے لیے احرام باندھا تھا۔ ہیکل نے ''منزل الوحی'' میں موجودہ السیل الکبیر کو قرن المنازل لکھا ہے۔



وادی محرم



میقات قرن المنازل



وادی لیہ

وادی لیّہ: یہ طائف کی بڑی وادیوں میں شمار ہوتی ہے اور طائف کے جنوب مغرب میں واقع جبل السراۃ سے نکلتی ہے جہاں سے بنو ہذیل اور بنو ثقیف کا علاقہ شروع ہوتا ہے۔ پھر یہ مشرق کا رُخ کر کے طائف کے جنوب مشرق میں 15 کلومیٹر کے فاصلے سے گزرتی ہے جہاں بنو سعد کے علاقے اور یمن کو جانے والی شاہراہ اسے پار کرتی ہے۔ [2]

بدر

بدر میں 17 رمضان 2 ھ کو حق اور باطل میں فیصلہ کن معرکہ برپا ہوا تھا۔ یہاں بنو غِفار کا گھاٹ تھا جس نے بعد میں چشمے کی شکل اختیار کر لی۔ یہ بحیرۂ احمر کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ شام و مصر سے آنے والے قافلوں کے راستے میں پڑتا تھا۔ فروغِ اسلام کے بعد یہ حجاج کی آمد و رفت کا مرکز بن گیا۔ ان دنوں بدر ایک بڑا قصبہ ہے جو زیریں وادی الصفراء (وادی الصریر) میں واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے بدر کا فاصلہ 155 کلومیٹر

1 ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' مارچ 2011ء. 2 معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 274.

اور مکہ مکرمہ سے 310 کلومیٹر ہے۔ ساحلِ سمندر سے یہ 75 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ اسے الجار نامی بندرگاہ لگتی تھی۔ جب وہ اُجڑ گئی تو اس کے قریب الرایس نامی موجودہ قصبہ آباد ہوگیا جہاں سے سمندری مچھلی بدر پہنچتی ہے۔ بدر سے تقریباً 5 کلومیٹر جنوب مغرب میں الغزلان نامی مقام ہے جہاں سے مکہ، جدہ اور ینبع کی شاہراہیں نکلتی ہیں۔[1]

زمانۂ جاہلیت میں بدر میں ہر سال یکم ذوالقعدہ سے آٹھ روز تک ایک بڑا میلا لگتا تھا۔ بدر بیضوی شکل کا ساڑھے پانچ میل لمبا اور ساڑھے چار میل چوڑا وسیع میدان ہے جس کے اردگرد اونچے پہاڑ ہیں۔ اس کے دونوں سروں (شمال مغرب اور جنوب مشرق) پر سورۂ انفال میں مذکور العدوۃ الدنیا (قریبی ٹیلا) اور العدوۃ القصویٰ (دور کا ٹیلا) ہیں۔ ان کے درمیان جنوب مغرب میں خاصا بلند پہاڑ جبل اسفل واقع ہے جس کی بلندی سے سمندر (بحیرۂ قلزم) صاف نظر آتا ہے۔ بدر میں ایک ٹیلے پر جہاں نبی ﷺ کا خیمہ نصب تھا، وہاں مسجد العریش (مسجد غمامہ) تعمیر کی گئی ہے۔ بدر کے چھوٹے سے نخلستان کے خاتمے پر قبرستان موجود ہے اور اسی کی ایک جانب شہدائے بدر کا چھوٹا سا احاطہ ہے۔[2]

مولانا عبدالمالک مجاہد ''مقام بدر اور غزوۂ بدر'' کے عنوان سے اپنے سفری مشاہدات میں لکھتے ہیں: ''بدر شہر میں 120 مساجد ہیں۔ شہر کی آبادی 40 ہزار سے متجاوز ہے۔ سعودیوں کے علاوہ اس شہر میں 2000 کے قریب بنگلہ دیشی، 2000 پاکستانی اور تقریباً 1000 دیگر ممالک کے لوگ بستے ہیں۔ میدانِ بدر کوئی بہت بڑا نہیں ہے۔ قبرستان اور معرکے کی جگہ میں فاصلہ کوئی آدھ کلومیٹر کا ہوگا۔ چودہ سو سال سے زائد عرصے میں اس میدان کی ہیئت بدل چکی ہے۔ اب یہاں کھجوروں کا باغ ہے۔ ایک طرف دیکھا تو لڑکے فٹ بال کھیل رہے تھے۔ مدینہ منورہ کی طرف وادی بدر کا کنارہ العُدوۃ الدنیا ہے، یہاں مسلمانوں کا لشکر تھا۔ العدوۃ القصویٰ دور کا کنارہ ہے جہاں کافروں کا لشکر تھا اور یہ مکہ کی جانب تھا۔ مسلمانوں نے بارش کے پانی کا جو حوض بنالیا تھا، وہ غالباً العریش کے پیچھے تھا۔ مسجد العریش کے عقب میں دورویہ سڑک ہے۔ اس کے پچھلی جانب سوق قدیم کے کھنڈر ہیں جہاں نبی ﷺ 4 ہجری میں 1500 مجاہدین کے ساتھ آئے تھے۔ وہیں کہیں ''قلیب بدر'' نامی پُرانا کنواں تھا جس میں مشرکین کے مقتول سرداروں کو پھینکا گیا تھا۔''[3]

---

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 42,41، أطلس المملكة العربية السعودية. [2] آنحضور ﷺ کے نقشِ قدم پر (حرم مدینہ): 42,41/2. [3] ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' رمضان 1432ھ / اگست 2011ء۔



بدر کا قبرستان



العدوۃ الدنیا (بدر)



مسجد العریش (جہاں نبی ﷺ کا خیمہ نصب تھا)



العدوۃ القصویٰ (بدر)

تہامہ، نجد اور حجاز کے بعض اہم مقامات

منصرف: یہ ان دنوں المُسَیْجِید کہلاتا ہے جو مسجد رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے۔ اس مسجد کے آثار موجود ہیں۔ المسیجید مدینہ سے 80 کلومیٹر دور طریق مکہ پر واقع ہے۔ 2ھ میں بدر کو جاتے ہوئے نبی ﷺ منصرف پہنچے تو آپ ﷺ نے شاہراہ مکہ بائیں طرف چھوڑ کر نازیہ کے راستے الصفراء کا سفر کیا تھا۔[1]

بئرمعونہ (دیار مطیر): ان دنوں بئرِ معونہ دیار مطیر کہلاتا ہے۔ یہ جبال اُبلیٰ کے دامن میں واقع ہے۔ ابلیٰ سیاہ پہاڑوں کا سلسلہ ہے جو مہد الذہب (معدن بنی سُلیم) کے شمال مغرب میں حرۃ الحجاز سے متصل ہے۔ عہدِ نبوی میں بئرمعونہ کے نام پر یہ علاقہ بھی بئرمعونہ کہلاتا تھا۔ یہاں صفر 4ھ میں بنوسُلیم نے 70 قراء شہید کر دیے تھے۔[2]

قُدَید: یہ حجاز وتہامہ کی ایک زرخیز وادی ہے اور ''حرہ ذَرَہ'' سے نکلتی ہے۔ اس وادی کا بالائی حصہ ''سِتارہ'' اور زیریں حصہ ''قُدَید'' کہلاتا ہے۔ یہ وادی مکہ مدینہ شاہراہ کو تقریباً 120 کلومیٹر پر کاٹتی ہوئی القضیمہ کے پاس سمندر میں جا گرتی ہے۔ نبی ﷺ سفرِ ہجرت کے دوران میں اور غزوہ مریسیع کو جاتے ہوئے قدید سے گزرے تھے۔ یہاں حرب اور بنوسلیم کی بستیاں تھیں۔[3]

المُرَیسیع: یہ وادی ستارہ (قُدید) کی ایک ندی ''خَورہ'' کا ایک چشمہ ہے جہاں غزوہ بنی مصطلق (5ھ) پیش آیا تھا۔ یہاں ان دنوں بنومصطلق (خزاعی) کے بجائے بنوسلیم کی بستیاں ہیں۔ المریسیع سمندر سے تقریباً 80 کلومیٹر دور جبالِ تہامہ (حجاز) میں واقع ہے۔[4] جدید طریقِ مکہ مدینہ پر السَّلیم نامی بستی وادی ستارہ کے مشرق میں آباد ہے۔ یہ مدینہ سے تقریباً 250 کلومیٹر جنوب میں ہے۔

ذوأمَر: یہاں ربیع الاول 3ھ میں غزوۂ غطفان پیش آیا تھا۔ قدیم مؤرخین کے بقول ذوامر الحناکیہ سے تقریباً 15 کلومیٹر شمال میں النخیل کے پاس واقع تھا۔ النخیل ایک بستی اور وادی کا نام ہے۔ الحناکیہ مدینہ سے تقریباً 90 کلومیٹر دور طریق الریاض پر واقع ہے۔ آج کل ذوامَر کے بارے میں یہاں کوئی نہیں جانتا۔[5]

---

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 303. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 53,52.
[3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 249. [4] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 290.
[5] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 33، أطلس المملكة العربية السعودية، لوحة: 9.

قَرقَرۃ الکُدر: یہ مدینہ کے مشرق میں 40 کلومیٹر دور ایک نشیبی طاس (قاع) ہے جس میں کئی وادیاں آکر ملتی ہیں۔ ان دنوں اسے قاع الحضوضاء کہا جاتا ہے۔ مدینہ سے الحنا کیہ جاتے ہوئے پچاس پچپن کلومیٹر پر ایک مقام الصویدرہ آتا ہے جس کے جنوب میں الحضوضاء کا وسیع طاس مہد الذہب تک پھیلا ہوا ہے۔[1] نبی ﷺ نے غزوۂ سَوِیق (ذوالحجہ 2ھ) میں ابوسفیان کے لشکر کا قرقرۃ الکُدر تک پیچھا کیا تھا۔

الابواء (الخُرَیبہ): یہ حجاز تہامیہ کی ایک وادی ہے جو وادی الفرع اور وادی القاحہ (وادی النخل) کے ملاپ سے بنتی ہے۔ پھر وادی الابواء ودان کے کھنڈروں کو بائیں طرف چھوڑ کر قصبہ مستورہ کے پاس سمندر میں جا گرتی ہے۔ آج کل اس کا نام وادی الخریبہ ہے، تاہم اہل علم میں الابواء ہی کے نام سے معروف ہے۔[2] موجودہ قصبہ الابواء مستورہ سے تیس پینتیس کلومیٹر مشرق میں ہے۔ یہاں نبی ﷺ کی والدہ محترمہ آمنہ نے وفات پائی تھی۔

خیبر: یہ مدینہ سے 165 کلومیٹر شمال میں تیماء کے راستے میں آتا ہے۔ یہاں کئی وادیاں ہیں اور پانی کی فراوانی ہے اور یہ سرسبز فصلوں خصوصاً کھجور کے لیے مشہور ہے۔ اسے ریف الحجاز کہا جاتا تھا۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک شعر میں خیبر کا ذکر یوں کیا ہے:


وادی المصرف


وادی قدید


وادی المریسیع


قاع حضوضاء (قرقرۃ الکدر)


وادی الابواء (الخریبہ)


خیبر کا ایک منظر

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 251، أطلس المملكة العربية السعودية، لوحة: 10,9. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 14.

فَإِنَّا وَمَنْ يُهْدِي الْقَصَائِدَ نَحْوَنَا كَمُسْتَبْضِعٍ تَمْرًا إِلٰى أَهْلِ خَيْبَرَا

''بلاشبہ ہماری اور اس آدمی کی مثال جو ہمیں قصیدے سناتا ہے، اس طرح ہے جیسے کوئی اہل خیبر کو کھجور فروخت کرنے والا ہو۔'' [1]

یہاں قبیلہ عنزہ کے لوگ آباد ہیں۔ خیبر کا مرکزی مقام الشریف کہلاتا ہے۔ [2]

فدک (الحائط): یہ خیبر کے مشرق میں تقریباً 115 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک وادی میں آباد قصبہ ہے جو وادی الرمہ کی طرف جانکلتی ہے۔ ان دنوں یہ الحائط کے نام سے معروف ہے۔ فتح خیبر (6ھ) کے بعد اہلِ فدک نے نبی ﷺ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ [3] فدک طریق القصیم پر واقع قصبہ الحلیفۃ السفلٰی سے بجانبِ مغرب تقریباً 35 کلومیٹر دور ہے۔

خیمہ ام معبد: یہاں نبی ﷺ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سفرِ ہجرت میں ام معبد خزاعیہ رضی اللہ عنہا نے ان کی دودھ سے تواضع کی تھی۔ ان دنوں یہ مقام ''خیمہ ام معبد'' ہی کے نام سے معروف ہے۔ یہ ساحل کی طرف وادی قُدید کے شمالی کنارے پر واقع ہے اور ثنیۃ المشلل اس کے شمال میں ہے۔ [4]

رَبذہ: یہاں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ دفن ہیں۔ یہ شاہراہِ حجاج (دربِ زبیدہ) پر واقع تھا۔ 319ھ میں قرامطہ نے اسے تباہ کر دیا۔ یہاں اب صرف بِرکہ ابو سُلیم مشہور ہے اور رَبذہ کا نام مقامی لوگ نہیں جانتے۔ یہ الحناکیہ کے جنوب مشرق میں تقریباً 80 کلومیٹر دور واقع ہے اور مہد الذہب سے 150 کلومیٹر شمال میں ہے۔

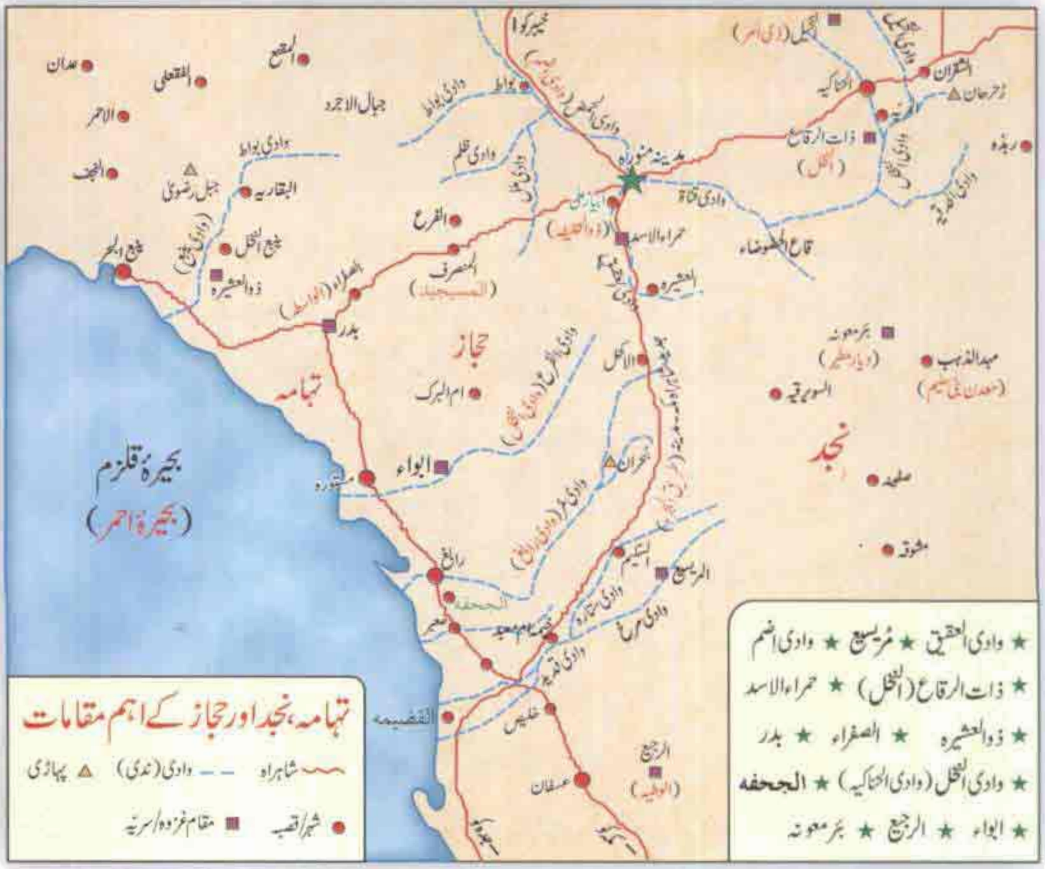
مشلّل: یہ ایک گھاٹی ہے جو قدید کے شمال میں واقع ہے۔ قصبہ صعر سے جو رابغ اور القضیمہ کے درمیان ہے،


وادی فدک (الحائط)


مقام ربذہ


وادی العیص

[1] ديوان حسان بن ثابت الأنصاري، ص: 109. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 118. [3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 235، أطلس المملكة العربية السعودية، لوحة: 9. [4] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 120,119.



حرۂ مشلّل نظر آتا ہے جہاں مناۃ کا بُت نصب تھا۔ مشلّل ہی میں غسّان نامی چشمہ تھا جو اب معروف نہیں۔ [1]

ثنیة المُرّہ: یہ مقام سفرِ ہجرت نبوی میں الخرّار اور لِقف کے درمیان آیا تھا۔ ثنیۃ المرۃ آج تک غدیرِ خُم اور الفُرع کے درمیان معروف ہے۔ [2]

العیص: یہ مدینہ اور سمندر کے درمیان بنو جُہینہ کی وادی ہے جس کے نواح میں رمضان 1 ھ میں سریۂ حمزہ رضی اللہ عنہ پیش آیا تھا۔ یہ وادی جبل الاجرد الغربیہ اور خرار کی طرف سے آکر وادی اضم (الحمض) میں بائیں جانب سے ملتی ہے۔ شہر العیص ان دنوں مرکزِ امارت ہے جہاں مدارس، پولیس سٹیشن اور شرعی عدالت واقع ہے۔ العیص مدینے سے تقریباً 180 کلومیٹر شمال مغرب میں ہے جبکہ ساحلی شہر املج سے تقریباً 80 کلومیٹر مشرق میں ہے۔

الاصافر (الصُّفر): نبی ﷺ بدر کو جاتے ہوئے ذفران کے بعد الاَصافر کی گھاٹیوں سے گزرے تھے اور پھر نیچے اتر

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 298. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 289.

کر الدَّبّہ نامی بستی کی طرف ہو لیے تھے۔ الاصافر آج کل الصُّفُر کے نام سے معروف ہے۔[1]

الدَّبّہ: ان دنوں الدّبّہ کا تعین مشکل ہے۔ مدینے کی جانب سے اصافر یا الصُّفُر کی گھاٹیوں سے اتر کر آئیں تو سامنے البرکۃ نامی قصبہ آتا ہے جس کے ایک طرف ایک ''دبّہ'' ہے جبکہ اہلِ حجاز ریت کے گول ہموار ٹیلے کو ''دبہ'' کہتے ہیں۔ کتب سیرت میں مذکور دبہ یہی ہوگا۔ لیکن اب جو الدَّبّہ کے نام سے قصبہ معروف ہے، وہ بدر سے قبلے کی جانب (جنوب میں) ہے اور بدر کے مقامی لوگ اسی کو سیرت میں مذکور الدّبّہ بتاتے ہیں۔[2]

وادي اوطاس: غزوہ حنین (شوال 8ھ) میں اس وادی کا ذکر آتا ہے۔ درید بن صمہ کے ایک قول سے بعض کو شبہ ہوا کہ اوطاس وادی حنین میں ہے، حالانکہ یہ اس سے دور ہے۔ اوطاس ایک میدان تھا جو عراق سے آنے والے حاجیوں کے راستے میں پڑتا تھا۔ وہ برکہ زبیدہ (برکۃ العقیق) پہنچ کر وادی عقیق میں اترتے تھے۔ پھر ایک ساعت میں اوطاس پہنچ جاتے جو عقیق الیسریٰ کا ایک کنارہ ہے۔ پھر وہ حرہ کی چڑھائی چڑھ کر میقات کی محصول (چنگی) کا رخ کرتے جو قصبہ عشیرہ کے شمال میں اور مکہ سے تقریباً 160 کلومیٹر شمال مشرق میں ہے۔ مکہ مکرمہ سے اوطاس پہنچ کر حجاج کے دو راستے ہو جاتے۔ بصرہ والے دایاں راستہ اختیار کرتے اور کوفہ و بغداد والے بائیں راستے چلتے۔[3]

الخرّار (غدیر خُم): یہ ایک وادی ہے جسے وادی الجحفہ یا غدیر خُم کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ قصبہ الخرار رابغ کے مشرق میں تقریباً 25 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ اس کے قریب ہی غدیر خُم ہے۔ ہجرت کے دوران میں نبی ﷺ خرار سے گزر کر ثنیۃ المرہ کی طرف گئے تھے۔[4]

تبالہ: یہ ایک بڑی وادی ہے جو طائف کے جنوب مشرق میں تقریباً 200 کلومیٹر دور ہے۔ یہ الباحہ کے نواح میں سراۃ غامد، بلقرن اور بلجرش سے بہتی ہوئی مشرق کا رُخ کر کے وادی بیشہ میں جا گرتی ہے۔ یہاں کے باسی اب شہران کہلاتے ہیں۔[5]

[1] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 125. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 125.
[3] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 35,34. [4] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 112.
[5] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 56.


وادی تبالہ

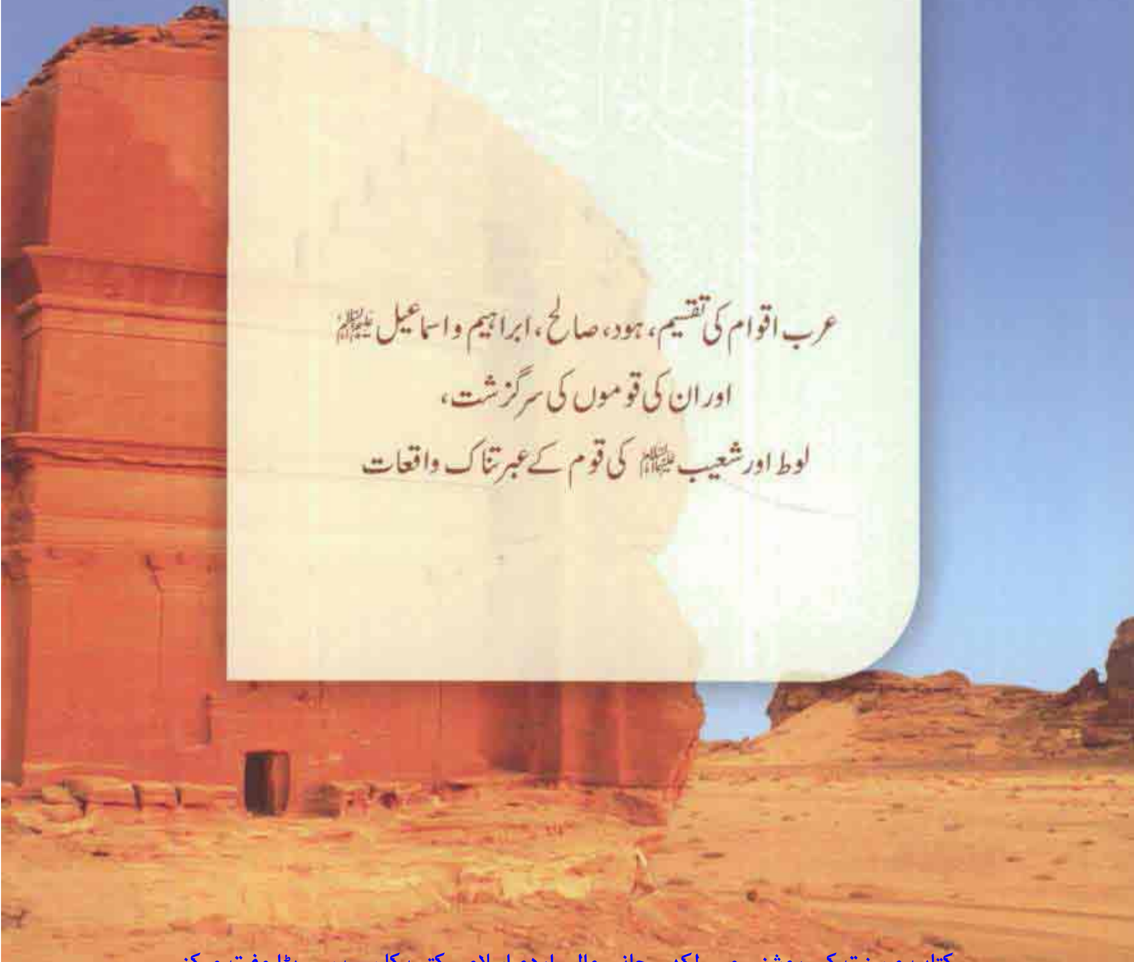

وادی الخرار (وادی الجحفہ)

جزیرہ نمائے عرب کی اقوام و قبائل

عرب اقوام کی تقسیم، ہود، صالح، ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام

اوران کی قوموں کی سرگزشت،

لوط اور شعیب علیہما السلام کی قوم کے عبرتناک واقعات



مَا كَانَ

مُحَمَّدٌ

أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن

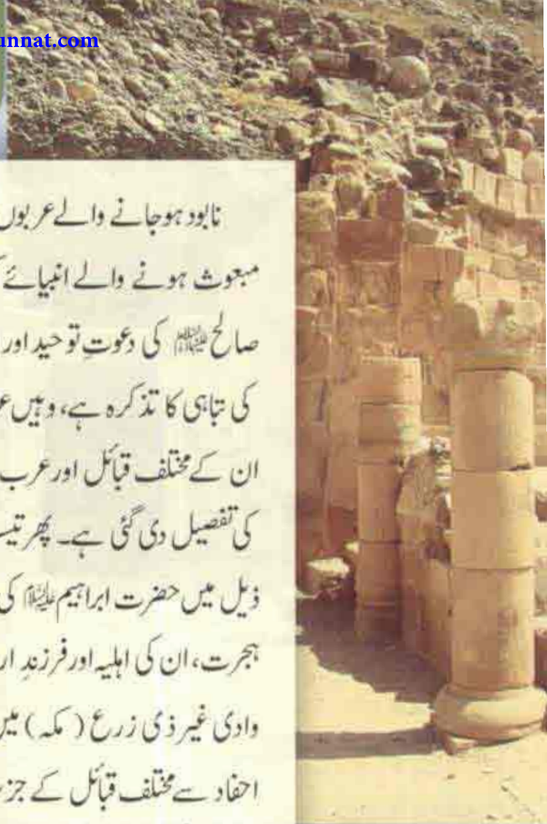
رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

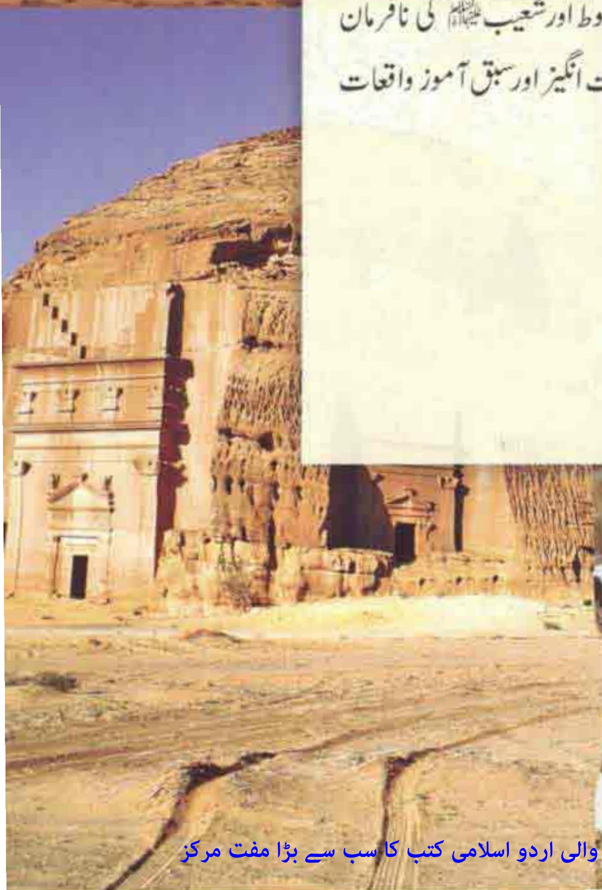
"محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول
اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔" (الأحزاب 33:40)

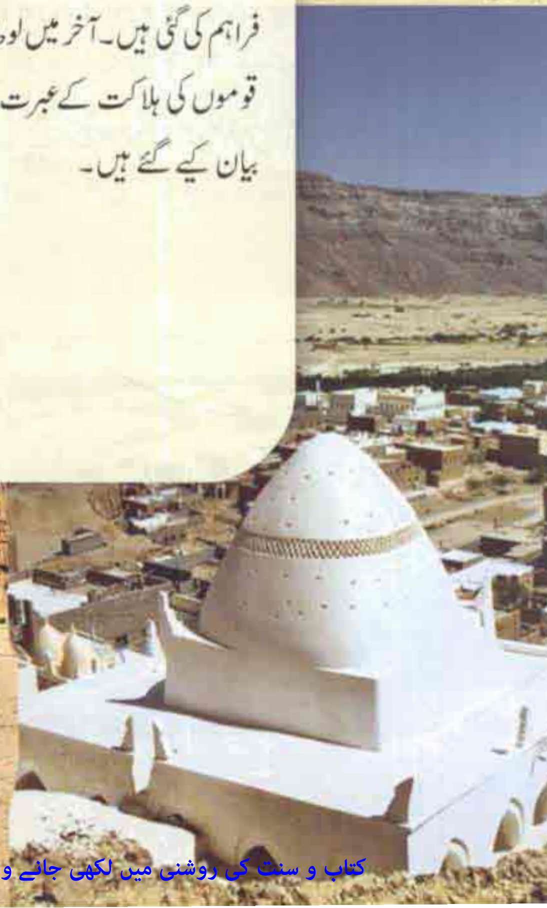
اس باب میں





نابود ہوجانے والے عربوں (عرب بائدہ) اور ان میں مبعوث ہونے والے انبیائے کرام حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام کی دعوتِ توحید اور اس دعوت کی مخالف قوموں کی تباہی کا تذکرہ ہے، وہیں عرب عاربہ، یعنی آلِ قحطان، ان کے مختلف قبائل اور عرب میں ان کے دور تک پھیلنے کی تفصیل دی گئی ہے۔ پھر تیسرے طبقے عرب مستعربہ کے ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت، ان کی اہلیہ اور فرزندِ ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے وادی غیر ذی زرع (مکہ) میں بسنے اور پھر ان کی اولاد و احفاد سے مختلف قبائل کے جزیرہ نما میں پھیلنے کی تفصیلات فراہم کی گئی ہیں۔ آخر میں لوط اور شعیب علیہما السلام کی نافرمان قوموں کی ہلاکت کے عبرت انگیز اور سبق آموز واقعات بیان کیے گئے ہیں۔





اقوامِ عرب کے تین طبقے

اکثر مؤرخین نے جزیرہ نمائے عرب میں بسنے والی اقوام کی تین قسمیں بتائی ہیں: عرب بائدہ، عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔[1] علامہ ابن خلدون نے عرب اقوام کو ابتدا سے لے کر اپنے زمانے تک چار طبقوں میں تقسیم کیا ہے: عرب عاربہ، عرب مستعربہ، العرب التابعة للعرب اور عرب مستعجمہ۔[2]

ان سب کے برعکس حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے عرب اقوام کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: عرب عاربہ اور عرب مستعربہ۔ انھوں نے عرب بائدہ ہی کو اصل عرب (عرب عاربہ) قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ قدیم ترین باشندوں میں سے کچھ قبائل، مثلاً: عاد، ثمود، طسم، جدیس، عمالقہ، اُمیم، جرہم اور قحطان وغیرہ اپنا الگ وجود کھو بیٹھے، ان کی نسلیں دوسرے قبائل میں خلط ملط ہو گئیں اور نئے قبائلی ناموں سے ان کا سلسلہ آگے چلا۔ ان کے نزدیک عربوں کی دوسری قسم مستعربہ ہے جس میں بنو اسماعیل شامل ہیں۔[3]

تاہم زیادہ تر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے اسلام سے پہلے کے عربوں کو تین طبقوں، یعنی عرب بائدہ، عاربہ اور مستعربہ میں تقسیم کیا ہے۔[4]

---

[1] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 294/1. [2] تاريخ ابن خلدون: 2/20-23. [3] البداية والنهاية : 145/2.
[4] تاريخ قريش للدكتور حسين مؤنس، ص: 18.

1

عرب بائدہ

یہ قدیم عرب اقوام ہیں جو بالکل ناپید ہوگئیں لیکن ان کے نام اور کچھ حالات نسل در نسل منتقل ہوتے رہے اور بعثت نبوی کے وقت بھی یہ نام لوگوں میں معروف تھے۔ قرآن حکیم میں عبرت اور نصیحت کے لیے عرب میں بسنے والی متعدد سابقہ امتوں کے حالات و واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان قوموں میں سے اکثر نے اللہ کے پیغمبروں کی دعوت مسترد کردی۔ بہت کم افراد ایسے تھے جنھوں نے پیغمبروں کی دعوت پر لبیک کہا۔ اکثریت نے نہ صرف پیغامِ ہدایت کو رد کیا بلکہ انھیں اور ان کی پیروی کرنے والوں کو شدید اذیتیں دیں۔ انبیاء ﷺ پر کذب و افترا، جادوگری، پاگل پن، خودنمائی اور نفع اندوزی کے جھوٹے الزامات لگائے۔ ان نافرمانوں کے سرغنوں نے بعض انبیاء ﷺ کو قتل بھی کیا۔ اسی سرکشی کے باعث نافرمان قوموں پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور وہ صفحۂ ہستی سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دی گئیں۔ ان میں سے بعض کے آثار، عبرت کی کہانیاں سنانے کے لیے، باقی رہ گئے۔ ان تباہ شدہ اقوام میں سے قوم عاد، ثمود، عمالقہ، طَسم، جدیس، اُمَیم، یثرب میں مقیم عبیل اور جرہم عربوں میں معروف تھیں۔

سب سے پہلے انھی مٹ جانے والی بعض اقوام کے احوال پیش کیے جائیں گے۔ اس کے بعد عرب عاربہ اور مستعربہ کا ذکر ہوگا۔

1 قومِ عاد

قوم عاد نوح علیہ السلام کے بعد رُونما ہونے والی سب سے قدیم اور انتہائی طاقتور قوم تھی جسے عرب کی سرزمین پر شان و شوکت اور عظمت حاصل ہوئی۔

عاد کا نسب

ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں: عاد کا نسب اس طرح بیان کیا جاتا ہے: عاد بن عوض [1] بن ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام)۔ قومِ عاد کا قدیم ترین ہونا اہلِ عرب کے ہاں ضرب المثل تھا۔ وہ جب کسی چیز کو انتہائی قدیم قرار دینا چاہتے تو اسے عاد سے منسوب کر دیتے اور کہتے تھے: إِنَّهُ عَادِيٌّ (بے شک یہ چیز عاد کے زمانے کی ہے۔) کوئی سال خوردہ عمارت نظر آتی اور اس کے مالک کا علم نہ ہوتا تو کہتے: إِنَّهُ بِنَاءٌ عَادِيٌّ (یقیناً یہ قومِ عاد کی عمارت ہے۔) [2]

قرآن کریم میں بھی قومِ نوح، عاد اور ثمود کا تذکرہ قدیم اقوام کے طور پر کیا گیا ہے:

﴿ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ﴾

''کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے تھے، یعنی قومِ نوح کی اور عاد اور ثمود کی اور ان لوگوں کی جو ان کے بعد تھے۔'' [3]

عاد کا زمانہ

سورۂ اعراف میں عاد کو قومِ نوح کا جانشین کہا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد سرزمینِ شام و عرب کی دوبارہ آبادی اور بنوسام کی ترقی عاد سے شروع ہوتی ہے۔ اس آیت سے نہ صرف زمانے کا کسی حد تک اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس بات کی بھی تائید ہوتی ہے کہ سامیہ اولیٰ اور عاد ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ اسی لیے

---

[1] بائبل میں عاد کا نام عوض (Uz) آیا ہے۔ سید سلیمان ندوی کی رائے یہ ہے: عربوں کو عاد بن ارم سے واقفیت تھی۔ یہود نے عوض بن ارم کہا تو عربوں نے دونوں ناموں کو جوڑ کر عاد بن عوض بن ارم کہہ دیا، حالانکہ ''عاد'' اور ''عوض'' ایک ہی نام ہے۔ (تاریخ ارض القرآن (کامل): 106/1) [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 309,308/1. [3] إبرٰهيم 9:14.


قوم عاد کے مساکن
(1) شام یا آرام (عاد اولیٰ یا عاد وارم)
(2) احقاف یمن (عاد ثانیہ یا قوم ہود)
سعودی عرب
بحیرۂ قلزم (احمر)
خلیج فارس (خلیج العربی)
خلیج عمان
عمان
فارس (ایران)
عراق
بابل
بغداد
الاحساء
نجد
حجاز
مدین
یمن
عسیر
صنعاء
الربع الخالی
احقاف
حضرموت
اردن
صحرائے شام
عاد وارم
حبش
اریٹیریا
سوڈان
اسوان
قاہرہ
دمشق
عمان
القدس
مکہ مکرمہ
مدینہ منورہ
جدہ
بحیرۂ عرب
0 100 200 400 600 800 1000
کلومیٹر

قرآن کریم نے انھیں عاد اولیٰ کہا ہے۔ قرائن سے ان کا زمانہ 3000 ق م سے کچھ پہلے کا بنتا ہے۔

آج کل کے مؤرخین عموماً یہ کہتے ہیں کہ بنوسام کی معلوم ترقی کا عہد 2200 ق م تا 2000 ق م تھا اور سامی اقوام کے بابل اور مصر پر حملہ کرنے کی تاریخ بھی یہی ہے۔ اپنے عروج کا زمانہ گزارنے کے بعد یہ لوگ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی تباہ ہو گئے۔ قرآن کریم کے بیان سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر در پردہ ایمان لانے والا ایک اہم شخص فرعون کے دربار میں کہتا ہے:

﴿ يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ (المؤمن40:30، 31)

''اے میری قوم! بلاشبہ مجھے تمھاری نسبت دوسرے گروہوں (سابقہ امتوں) جیسے دن (کے عذاب) کا ڈر ہے، جیسے قومِ نوح کا حال (ہوا) اور عاد اور ثمود اور ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوئے۔''[1]

عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ

مسلمان مؤرخین نے قوم عاد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: عاد اولیٰ اور عاد ثانیہ۔ قوم عاد کی یہ تقسیم سورۂ نجم سے لی گئی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿ وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَا ࣙالْاُوْلٰى ۝ ﴾ ''اور یہ کہ بے شک اسی نے عاد اولیٰ کو ہلاک کیا۔''[2]

عاد اولیٰ یا قدیم قوم عاد اپنے کفر و شرک کی بنا پر جب عذاب میں مبتلا ہوئی تو کچھ لوگ باقی بچے جو اہل ایمان تھے۔ وہ عذاب زدہ علاقے سے نکل کر دور ایسی جگہ آباد ہو گئے جو کسی حد تک ان کے ابتدائی وطن سے ملتی جلتی تھی۔ انھوں نے بھی عروج پایا، پھر سابقہ اقوام کی طرح کفر اور بے راہ روی کا شکار ہو کر تباہ ہو گئے۔ عاد ثانیہ کی اس نسل کا ذکر ان کے وطن کے حوالے سے کیا گیا جیسا کہ بعد کے صفحات میں واضح ہوگا۔

قدیم اور جدید مفسرین اور مؤرخین نے قرآن مجید کی اصطلاح ''عاد اولیٰ'' کو سامنے رکھتے ہوئے عادِ ثانیہ کا تذکرہ کیا اور اپنی اپنی رائے کے مطابق ان کا تعین کرنے کی کوشش کی۔ انھیں تاریخ میں عاد اخریٰ یا عاد ثانیہ کے نام سے یاد کیا گیا۔[3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ عاد ارم سے مراد عاد اولیٰ ہے۔[4] علامہ بیضاوی رحمہ اللہ نے عاد ارم کو قوم ہود قرار دیا ہے اور مسعودی رحمہ اللہ نے عاد ارم کو عاد ثانیہ لکھا ہے۔[5]

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 106/1، 107. [2] النجم53:50. [3] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:301/1. [4] دیکھیے: البداية والنهاية:117/1. [5] تفسير البيضاوي، الفجر89:7، مروج الذهب:44/2.

سید طنطاوی کہتے ہیں: عاد اولیٰ سے مراد قوم ہود اور عاد ثانیہ سے مراد قوم ثمود ہے اور ان دونوں کے درمیان تقریباً ایک سو سال کا فرق ہے۔[1] عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے کہ عاد ثانیہ سے مراد قوم ثمود ہے۔[2]

کیا عادِ اولیٰ ہی عادِ ارم ہیں؟

عہد جدید کے اکتشافات، کتبات، غیر عرب لیکن ہم عصر مؤرخین کے بیانات اور مختلف تہذیبوں اور قوموں کی تاریخ کے تفصیلی مطالعے کی روشنی میں وہی رائے صحیح لگتی ہے جو ابن کثیر رحمہ اللہ اور ابن خلدون نے اختیار کی کہ عاد اولیٰ اور عاد ارم ایک ہیں۔ قرین قیاس یہی ہے کہ طوفان نوح کے بعد سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد اسی علاقے میں آباد ہوئی جو طوفان عظیم کی سرزمین، یعنی وادیِ دجلہ وفرات، سے متصل تھا اور عراق سے لے کر شام و فلسطین اور شمالی عرب تک پھیلا ہوا تھا۔ تاریخی شواہد اسی کی تائید کرتے ہیں۔

علمائے انساب نے عاد (یا عوض) کو ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد بتایا ہے، چنانچہ اس حوالے سے عاد اولیٰ وہی ہیں جو اِرم بن سام (Shem) بن نوح (علیہ السلام) کی قریب ترین نسل ہیں۔ سام کی نسبت سے ملک سُوریہ (Syria) کو شام کہا گیا۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں: ''مؤرخین کے مطابق یہ نام (شام) نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کے نام پر ہے۔''[3]

شام کا ایک اور قدیم نام ''اِرم'' یا ''ارام'' یا ''آرام'' (Aram) بھی ہے جو سام بن نوح (علیہ السلام) کے بیٹے ارم کے نام پر ہے۔ وہ خود اور اس کے بعد اس کی اولاد اسی جگہ آباد رہے۔ اردو بائبل کے عہد نامہ قدیم میں جہاں جہاں لفظ ''ارام'' آیا ہے، اس کی جگہ انگلش بائبل میں Syria (سیریا) لکھا ہے۔ گویا عہدِ قدیم سے آرام یا سیریا ایک ہی علاقے کو کہا جاتا تھا۔

قرین قیاس یہی ہے کہ ارامی سامی خاندان جن جن مقامات میں پھیلے، ان علاقوں کا نام ''ارم'' یا ''ارام'' ہو گیا، چنانچہ تورات کی زبان میں میسوپوٹیمیا (مابین النہرین) یا عراق کا نام ''ارم نہرائم'' یا ''پدان ارام'' (عربی میں ''فدان آرام'') بتایا گیا ہے۔ شام کو ''ارام'' کے علاوہ ''ارام دمشق'' بھی کہا گیا ہے۔ سارے شمالی عرب کو بھی ''ارام'' سے موسوم کیا گیا ہے۔[4]

---

[1] تفسير الوسيط لمحمد سيد طنطاوي، الأعراف 65:7. [2] تيسير اللطيف المنان في خلاصة تفسير القرآن، قصة صالح عليه السلام 347/1:. [3] معجم البلدان، مادة: شأم. [4] ملاحظہ فرمائیں: کتاب مقدس (پیدائش) 23,22:10 و 15:46، (سلاطین-1) 31-1:22,43-1:20

ایک اور قوی شہادت یہ بھی ہے کہ بابل (عراق)، اشور (الجزیرہ)، شام، کنعان (فلسطین)، فنیقیہ (لبنان) اور شمالی عرب میں جو قدیم کتبات پائے گئے ہیں، ان میں سے اکثر کی زبان آرامی ہے یا ان میں آرامی الفاظ کثرت سے موجود ہیں۔ [1]

عرب جغرافیہ دانوں کے بیانات سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں: ''حِسْمٰی اِرم نامی پہاڑ جبال طے کے پاس واقع ہے۔ اس کی بلندی پر عاد و ارم کے مساکن ہیں جہاں پتھروں میں تصویریں کھدی ہیں۔'' [2] یہاں یاقوت رحمہ اللہ نے عاد اور ارم کا ذکر کیا ہے لیکن صحیح تر بات یہ ہے کہ عاد اور ارم کے الفاظ کے درمیان واؤ کا اضافہ کسی کاتب کا سہو ہے۔ جاہلی شعراء طرفہ وائلی، نابغہ، [3] زہیر بن ابی سلمٰی مزنی مضری، شعرائے ہذلیین، طفیل بن عوف غنوی، متمّم بن نویرہ، اس کے بھائی مالک بن نویرہ اور امیہ بن ابی صلت کے اشعار میں بھی مساکنِ عاد کا ذکر انھی مقامات کے حوالے سے ہوا ہے جو عرب کے شمالی حصوں میں پائے جاتے ہیں۔ 1932ء میں اردن کے محکمہ آثار قدیمہ کے زیر اہتمام ہارس فیلڈ نے ''جبل رم'' کے مقام پر کھدائی کی جو عقبہ سے 25 میل مشرق میں واقع ہے۔ ہارس فیلڈ، سافیناک (Savignac) اور ایچ ڈبلیو گلیڈن نے یہاں سے نکلنے والے کتبات کو پڑھ کر جو رائے دی ہے، اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ یہی علاقہ ارم ہے جس

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ [2] معجم البلدان، مادة: حِسْمٰی. [3] ابن اثیر رحمہ اللہ نے اسے نابغہ جَعْدی لکھا ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''نابغہ'' قبیلۂ عدی بن نجار میں سے تھا۔ شعراء کی ایک جماعت کا لقب بھی ''نابغہ'' ہے۔ (الطبقات لابن سعد:1/99، تاریخ الطبري: 2/8، الكامل لابن الأثير:1/548)



جبل رَم (اردن)

کا ذکر قرآن میں عاد کے حوالے سے آیا ہے۔ [1]

ڈاکٹر جواد علی مزید لکھتے ہیں: ''بطلیموس نے جن عاد (Oaditae) کا ذکر کیا ہے، وہی عاد ہیں جو جزیرہ نمائے عرب کے شمال مغربی علاقے (بالائی حجاز) میں حِسمَی کے آس پاس رہتے تھے۔ معروف ماہر آثار قدیمہ موریتس کا کہنا بھی یہی ہے کہ بطلیموس کے جغرافیے میں آراموا (Aramaua) نامی جس مقام کا ذکر ہوا ہے، وہ ارم یا ارم ذات العماد ہے جسے ان دنوں ''رم'' کہا جاتا ہے۔ [2]


باب جیرون ۔ دمشق

ابن خلدون، مسعودی اور بعض دیگر عرب مؤرخین نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ دمشق ہی ''ارم'' یا ''ارم ذات العماد'' ہے کیونکہ دمشق آرامیوں کا اہم ترین مرکز تھا۔ مسعودی کے مطابق یہ شہر جیرون بن سعد بن عاد نے تعمیر کیا تھا اور اس کا نام ارم رکھا تھا۔ اس جیرون کے نام پر دمشق کا ایک دروازہ اب بھی باب جیرون کہلاتا ہے۔ [3]

ابلائی تہذیب


ابلا (شام) کے کھنڈروں سے ملنے والی تختی

1964-75ء کے دوران میں اطالوی ماہرین آثار قدیمہ نے شام کے شہر تل مردیخ کے پاس کھدائی کی تو قدیم شہر ''عبیل'' یا ''ابلا'' (Ebla) کے کھنڈر دریافت ہوئے جس کا ذکر مصری اور اکادی کتبوں میں آیا ہے۔ ان کھنڈروں سے 15 ہزار کے قریب تختیاں برآمد ہوئیں جن پر میخی رسم الخط میں سامی بولی ''ابلائی'' (Eblaite) کی تحریریں پائی گئیں۔ ان ابلائی تختیوں پر آدم، حوا، ابراما (ابراہیم)، اشائیل (اسماعیل)، اسورائیل، میکائیل یا ''میکایا''، عیسو، ساؤل (طالوت)، ڈیوڈ (داود) علیہم السلام، بیناٸی، یروسلوم (بیت المقدس)، جوپا (یافا)، اُور، سدوم اور عامورہ (Gomorrah) کے نام پائے گئے۔ ابلا کے حکمران مالیکوم یا مَلِکوم (بادشاہ) کہلاتے تھے۔ ایک بادشاہ کا نام ''ابریئم'' تھا۔ ابلائی زبان کے بہت سے مشترک الفاظ عربی زبان میں آج بھی زندہ ہیں، مثلاً: کتب، ملک، ید، قَمْح (گندم)، جزر (گاجر)، تین (انجیر)،

[1] المفصّل في تاريخ العرب قبل الإسلام :307,306/1. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام :305/1. [3] تاريخ ابن خلدون :25/2.



شام کے قدیم شہر ابلا کے کھنڈر

مائۃ (عدد 100)۔ ان تختیوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شہر حلب ان دنوں ارمی (Armi) کہلاتا تھا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حلب بھی اس علاقے میں واقع دیگر آرامی شہروں کی طرح عاد ارم ہی کا ایک شہر ہے۔

ابلائی (عبیلائی) معاشرہ 2500 ق م میں پروان چڑھا تھا، پھر اس قوم کو تباہی نے آلیا۔ دوسری بار انھوں نے 1850 ق م تا 1600 ق م عروج حاصل کیا۔ 1750 ق م میں حمورابی نے اور پھر حتّی بادشاہ مرسیلی اول نے انھیں تباہ و برباد کردیا۔[1]

عاد ارم کی باقیات

ان شواہد کی روشنی میں قرین قیاس یہی ہے کہ عاد ارم سے مراد وہی قدیم قوم (ارم بن سام کی اولاد) ہے جسے سورۂ فجر (7,6:89) میں عاد ارم اور سورۂ نجم (50:53) میں عاد اولیٰ کہا گیا ہے۔ اسی ارم کی اولاد میں سے ایک شاخ ثمود نے عاد ارم کے اصل وطن سے ذرا ہٹ کر کسی قدر جنوب (اَلحِجر، شمالی عرب) میں اپنا ٹھکانا بنایا اور بہت عروج حاصل کیا اور پھر تباہی کا شکار ہوگئے۔ باقی آرامیوں (Aramaeans) کا ایک حصہ شام کے علاقوں ہی میں آباد رہا۔ آرامی کے نام سے انھیں پھر سے تیرہویں صدی قبل مسیح میں عروج حاصل ہوا۔ ان کی زبان آرامی دیگر سامی زبانوں میں بڑا اہم مقام رکھتی تھی۔[2]

انھی کا کچھ حصہ جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی زرخیز علاقوں کی طرف چلا گیا اور وہاں قابض ہوکر ایک بار پھر عروج حاصل کیا۔ تفصیل عاد ثانیہ کے تحت آگے آئے گی۔

شدّاد کا باغِ ارم؟

بعض مفسرین نے ''ارم'' سے ایک عجیب الخلقت باغ مراد لیا ہے جو شداد نے جنت کے مقابلے میں تیار کرایا

1 أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص: 9، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا۔ 2 اطلس القرآن (اردو)، ص: 57.

تھا۔[1] اس نے اس شہر کا نام ''ارم'' رکھا تھا۔[2] یاقوت حموی نے شداد کی ''جنت'' (باغ ارم) کی تصویر کشی کرتے ہوئے اس کی جائے وقوع یمن میں حضر موت اور صنعاء کے مابین بتائی ہے۔[3]

اس سے ثابت ہوا کہ بعض مؤرخین اور جغرافیہ دان اگرچہ عادِ اولیٰ اور عادِ ثانیہ کے علاقوں کا صحیح طور پر تعین نہیں کر پائے لیکن ان کے ہاں قوم عاد کے مساکن کے حوالے سے دونوں طرح کی روایات موجود تھیں۔ ایک یہ کہ عاد کا علاقہ شام اور جزیرہ نمائے عرب کا شمالی علاقہ ہے۔ دوسری یہ کہ وہ جنوبی عرب کے باشندے تھے۔ حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ ان دونوں علاقوں میں اپنے اپنے عہد میں قومِ عاد نے عروج حاصل کیا، پھر اپنی بداعتقادی اور برے اعمال کی بنا پر عذاب کا شکار ہوئے۔

عادِ ثانیہ کا علاقہ

قرآن مجید کے مطابق قوم عاد کے رسول نے ان کو احقاف میں ان کے برے اعمال کے نتائج سے ڈرایا اور سیدھے راستے پر آنے کی تلقین کی۔ موجودہ دور میں احقاف جزیرہ نمائے عرب کے نقشے میں الربع الخالی اور حضر موت کے درمیان دکھایا جاتا ہے۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ عاد، عرب کے ان تمام حصوں پر جو اس زمانے میں بہترین تھے، قابض ہوئے۔ ان کے علاقے حجاز کے شمال سے لے کر حضر موت اور یمن تک پھیلے ہوئے تھے۔ فرمانِ الٰہی: ﴿وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ۭ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ﴾ ''اور عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجیے جب اس نے احقاف میں اپنی قوم کو ڈرایا''[4] سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد کا مرکزی مسکن احقاف تھا۔

احقاف سے کون سا علاقہ مراد ہو سکتا ہے؟

اگرچہ اکثر مفسرین اور مؤرخین احقاف کی جائے وقوع جنوبی عرب ہی میں بتاتے ہیں مگر اس ضمن میں دیگر اقوال بھی ہیں: مجاہد رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ﴿اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ﴾ میں احقاف سے مراد حِسمٰی کے علاقے میں حشاف (میدانی زمین میں نرم چٹانیں) ہیں۔[5] یاقوت حموی نے جہاں ابن اسحاق کے حوالے سے احقاف کو عُمان اور حضر موت کے درمیان اور قتادہ کی روایت میں شحر (جنوبی یمن کے ساحلی شہر) کے پاس بتایا ہے، وہیں ضحاک کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ احقاف شام کے ایک پہاڑ کا نام ہے۔[6]

---

[1] آثار البلاد وأخبار العباد، ص: 16,15. [2] تاريخ ابن خلدون، المقدمة: 14/1. [3] معجم البلدان، مادة: إرم. [4] الأحقاف 21:46. [5] تفسير القرطبي، الأحقاف 21:46. [6] معجم البلدان، مادة: الأحقاف.

اس سلسلے میں سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: ''احقاف ریگستان کو کہتے ہیں۔ یہ صحرا جنوبی اور شمالی عرب میں دونوں طرف واقع ہے۔ اس بنا پر پیغمبرِ عاد کے مقامِ بعثت کی جنوبی صحرا (یمن) کے ساتھ تخصیص کا کوئی سبب نہیں۔'' [1]

جس طرح جنوبی صحرا الربع الخالی میں ریت کے ٹیلے (احقاف) ہیں، اس طرح کے ٹیلے شمالی صحرا (نفود اور بادیۂ شام) میں بھی پائے جاتے ہیں۔

دراصل احقاف سے صرف ریگستان یا محض ریت کے ٹیلے مراد نہیں لیے جا سکتے بلکہ احقاف سے مراد ریت کے وہ مخصوص ٹیلے ہیں جو لمبے اور مڑے ہوئے ہوں۔ لسان العرب میں ہے:

اَلْحِقْفُ مِنَ الرَّمْلِ: اَلْمُعْوَجُّ ...... وَقَدِ احْقَوْقَفَ الرَّمْلُ إِذَا طَالَ وَاعْوَجَّ.

''احقاف ریت کے ان ٹیلوں کو کہتے ہیں جو بہت لمبے ہوں اور مڑے ہوئے ہوں۔'' [2]

ماوردی اپنی تفسیر میں واضح کرتے ہیں:

اَلْأَحْقَافُ: وَهِيَ جَمْعُ حِقْفٍ، وَهُوَ مَا اسْتَطَالَ وَاعْوَجَّ مِنَ الرَّمْلِ الْعَظِيمِ، وَلَا يَبْلُغُ أَنْ يَكُونَ جَبَلًا.

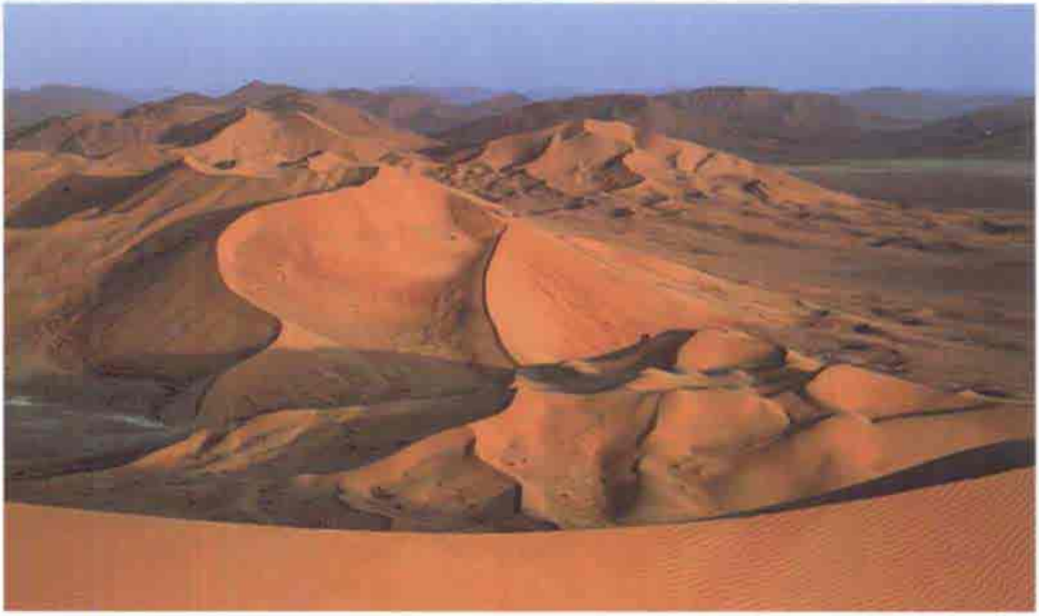
''احقاف حقف کی جمع ہے اور اس سے مراد ریت کا وہ عظیم ٹیلا ہے جو بہت لمبا اور مڑا ہوا ہو مگر وہ پہاڑ کے درجے تک نہ پہنچا ہو۔'' [3]

اس طرح کے لمبے اور مڑے ہوئے ریتلے ٹیلے الربع الخالی کے جنوبی کنارے کے سوا پورے جزیرہ نمائے عرب، شام اور عراق وغیرہ میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ آج بھی جنوبی عرب کا علاقہ ہی الاحقاف کے نام سے معروف ہے۔ یہ عجیب وغریب ٹیلے یمن و سعودی عرب سرحد کے دونوں طرف، سعودی عرب و عُمان سرحد کے دونوں طرف اور عرب امارات میں مغرب سے مشرق کی طرف جاتی ہوئی ایک پٹی کی شکل میں موجود ہیں۔ اس پٹی کی لمبائی تقریباً 1200 کلومیٹر بنتی ہے۔ اس کی چوڑائی 50 کلومیٹر سے لے کر 300 کلومیٹر تک ہے۔ یہ ٹیلے یمن میں صنعاء سے تقریباً 150 کلومیٹر کے فاصلے سے شروع ہوتے ہیں، پھر عُمان اور سعودی عرب کی سرحد کے دونوں طرف پھیلتے ہوئے متحدہ عرب امارات میں خلیج فارس پر واقع شہر العین سے تقریباً 100 کلومیٹر پہلے ختم ہوتے ہیں۔ احقاف کی اس پٹی میں سے 150 کلومیٹر حصہ یمن میں واقع ہے۔ 600 کلومیٹر یمن اور سعودی عرب کی مشترکہ سرحد کے دونوں طرف، 200 کلومیٹر سعودی عرب اور عمان کی سرحد کے دونوں طرف، آگے 300 کلومیٹر سعودی عرب میں اور

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 134/1. [2] لسان العرب، مادة: حقف. [3] تفسير الماوردي، الأحقاف 21:46.

آخری 50 کلومیٹر کا حصہ عرب امارات میں واقع ہے۔

ان میں سے ہر لمبے ٹیلے کی چوڑائی ایک آدھ کلومیٹر ہے جبکہ اونچائی 50 تا 150 میٹر ہے۔ ان مڑے ہوئے لمبے ٹیلوں میں سے بعض کی لمبائی بغیر کسی انقطاع کے سیکڑوں کلومیٹر تک ہے۔ مندرجہ ذیل تصویروں سے اوپر بیان کی گئی ساری تفصیلات بالکل واضح ہوجاتی ہیں:



الاحقاف (الربع الخالی) کے لمبے مڑے ہوئے ٹیلے

یہ بات واضح رہے کہ تصویروں میں یہ لمبے مڑے ہوئے ٹیلے چاہے دیکھنے والوں کو سخت چٹانوں سے بنے ہوئے معلوم ہوں، حقیقت میں یہ سب کے سب انتہائی نرم ریت سے بنے ہوئے ہیں اور حیرت ناک بات ہے کہ یہ ٹیلے اپنی بناوٹ اور اپنے اندر کے کیمیائی مادوں کی وجہ سے شدید آندھیوں کے باوجود اپنی شکل برقرار رکھتے ہیں۔ آج تک جزیرہ نمائے عرب کے اسی حصے کا نام الاحقاف ہے۔

ماہرین طبقات الارض (Geologists) واضح کرتے ہیں کہ الاحقاف میں زیرزمین پانی کی ایک بہت بڑی مقدار موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یمن اور عُمان کے پہاڑی سلسلوں میں بحیرۂ عرب سے آنے والی مون سون ہوائیں جو بارش برساتی ہیں، اس کا پانی رحوت اور اعرابہ جیسی معروف وادیوں کے ذریعے الربع الخالی کے لمبے مڑے ہوئے ٹیلوں والے اسی جنوبی حصے میں گم ہو جاتا ہے، دوسرے لفظوں میں زیرزمین چلا جاتا ہے۔ ان اونچے اونچے ٹیلوں



الربع الخالی میں پانی کا وجود

کے درمیان، نشیبی علاقے میں، جہاں پانی سطح زمین کے قریب ہے یا چشموں کی شکل میں ملتا ہے، صدیوں سے انسان آباد ہیں، وہاں کے لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ ان علاقوں میں سرسبز نخلستان اور جانوروں کے ریوڑ پائے جاتے ہیں۔

اب قرآن مجید کی ان آیات پر غور کریں جن میں سیدنا ہود علیہ السلام کی زبانی قوم عاد کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ان میں بعینہ وہی نقشہ دکھایا گیا ہے جو اب سائنس دانوں کے ایجاد کردہ خلائی کیمروں کی مدد سے Google Earth ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔ یہاں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ مفید ہوگا:

﴿ أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ ﴾

''کیا تم ہر اونچی جگہ پر بطور کھیل تماشا یادگاریں بناتے ہو؟ اور تم مضبوط محل بناتے ہو، شاید تم ہمیشہ (یہیں) رہو گے۔ اور جب تم (کسی پر) ہاتھ ڈالتے ہو تو سرکش بن کر ہی ہاتھ ڈالتے ہو۔ لہٰذا تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور تم اس ذات سے ڈرو جس نے تمھیں ان چیزوں میں بڑھایا (امداد دی) ہے جو تم جانتے ہو۔ اس نے تمھیں بڑھایا ہے مویشیوں اور بیٹوں میں۔ اور باغوں اور چشموں میں۔''[1]

﴿ فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هَٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا ۚ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ ۖ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ ...... ﴾

''پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ ان کی وادیوں کے سامنے ایک بادل چلا آ رہا ہے (تو) وہ

[1] الشعرآء 26:128-134.

کہنے لگے: یہ بادل ہم پر بارش برسانے والا ہے (ہود علیہ السلام نے کہا: نہیں!) بلکہ یہ تو وہ عذاب ہے جسے تم جلدی طلب کرتے تھے۔ (یہ) آندھی ہے، اس میں نہایت دردناک عذاب ہے۔ وہ اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کر دے گی، پھر وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا وہاں کچھ بھی دکھائی نہ دیتا تھا......۔''[1]

سورۃ الحاقہ میں صحرائی علاقوں میں صرصر (تند و تیز اور یخ ٹھنڈی ہوا) کے عذاب کا پورا منظر بتایا گیا اور واضح کیا گیا کہ آخر کار ان کا نام و نشان تک مٹ گیا:

﴿وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝ سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْ بَاقِيَةٍ ۝﴾

''اور جو عاد تھے تو وہ یخ تند و تیز بے قابو آندھی سے ہلاک ہوئے۔ اللہ نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن جڑ کاٹنے (فنا کرنے) کے لیے مسلط رکھا، پھر تم اس قوم کو پچھاڑے (ہلاک کیے) ہوئے دیکھتے ہو گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔ پھر کیا آپ ان کی کوئی باقیات دیکھتے ہیں؟''[2]

﴿فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝﴾

''چنانچہ ہم نے ان پر منحوس (ثابت ہونے والے) دنوں میں طوفانی ہوا بھیجی تاکہ ہم انھیں دنیاوی زندگی ہی میں ذلت و رسوائی کے عذاب کا مزہ چکھائیں اور بلاشبہ آخرت کا عذاب سب سے زیادہ رسوا کن ہے اور ان کی مدد نہیں کی جائے گی۔''[3]

سیدنا ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کے وطن اور دیگر کوائف کے تعین کے لیے قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات کا مطالعہ مفید ہوگا:

﴿وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ۝ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝﴾

[1] الأحقاف 46:24،25۔ [2] الحآقّة 69:6-8۔ [3] حٰم السجدة 41:16۔

''اور ہم نے قومِ عاد کی طرف ان کے بھائی ہود (علیہ السلام) کو بھیجا۔ اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارے لیے کوئی معبود نہیں، کیا پھر تم ڈرتے نہیں؟ اس کی قوم میں سے کافر وڈیرے کہنے لگے: بے شک ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں اور بے شک ہم تجھے جھوٹوں میں شمار کرتے ہیں۔ ہود (علیہ السلام) نے کہا: اے میری قوم! میں بے وقوف نہیں ہوں بلکہ میں تو سب جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔ میں اپنے رب کے پیغامات تمھیں پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا خیرخواہ اور امین ہوں۔ کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمھارے رب کی طرف سے تمھارے پاس ایک ایسے آدمی کے ذریعے سے نصیحت آئی ہے جو تمھی میں سے ہے تاکہ وہ تمھیں ڈرائے؟ اور یاد کرو! جب اس نے قومِ نوح کے بعد تمھیں زمین میں ایک دوسرے کا جانشین بنایا اور تمھیں قد و قامت میں بڑھوتری دی، لہٰذا تم اللہ کی نعمتیں (احسانات) یاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔''[1]

﴿ كَذَّبَتْ عَادُ ۨ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝﴾

''(قوم) عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا: کیا تم (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے نہیں؟''[2]

﴿ وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝﴾

''اور عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کیجیے جب اس نے احقاف (یمن) میں اپنی قوم کو ڈرایا اور یقیناً اس سے پہلے بھی کئی ڈرانے والے گزر چکے اور اس کے بعد بھی، کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، بلاشبہ میں تم پر ایک عظیم دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔''[3]

﴿ وَتِلْكَ عَادٌ ڐ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝﴾

''اور (دیکھو) یہ عاد تھے، انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا تھا اور اللہ کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش اور (حق سے) عناد رکھنے والے کا کہا مانا۔''[4]

اہم نکات

ان آیاتِ مبارکہ سے چند باتیں واضح ہوتی ہیں:

[1] الأعراف 7:65-69. [2] الشعرآء 26:123، 124. [3] الأحقاف 46:21. [4] ہود 11:59.

1 عاد ایک ایسی قوم تھی جسے بار بار عروج حاصل ہوا۔ جب عاد کی ابتدائی نسلوں کو عروج حاصل ہوا، اس وقت بھی وہ فساد کا شکار ہوئے اور اللہ نے انھیں ہلاک کر دیا۔

2 جب حضرت ہود علیہ السلام کو عاد کی طرف بھیجا گیا تو انھوں نے حق کی دعوت دیتے ہوئے ان کے سامنے انھی کی تاریخ کا حوالہ دیا اور اللہ کی نعمتیں یاد دلائیں کہ کس طرح اللہ نے انھیں زمین پر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا جانشین بنایا تھا اور ان کی نسل کو وسعت اور تنومندی عطا کی تھی۔ یہ قوم عاد کے عروج کے ابتدائی مرحلے کا تذکرہ ہے اور اس میں یہ بھی ہے کہ ان کی طاقتور نسل کو قد و قامت اور وسعت میں بڑھایا گیا، یعنی وہ دور دور تک پھیل گئے۔

3 یہ بھی قوم عاد کی تاریخ تھی کہ وہ ہمیشہ اللہ کی نعمتوں کے اقرار کے بجائے ان کا انکار کرتے رہے۔ ان کے پاس رسول آئے مگر وہ ان کی نافرمانی اور ان کے بالمقابل سخت قسم کے سرکشوں کی فرمانبرداری کر کے فساد پھیلاتے رہے۔

4 قوم عاد اپنی تاریخ میں پہلے بھی رسولوں کو جھٹلا چکی تھی۔ جب حضرت ہود علیہ السلام نے آ کر انھیں تقویٰ اختیار کرنے کی دعوت دی تو انھوں نے پھر وہی روش اختیار کی۔

5 حضرت ہود علیہ السلام کو عاد کی اس نسل میں مبعوث کیا گیا جو الاحقاف میں قیام پذیر تھی۔

ان آیات کی روشنی میں یہ کہنا درست ہوگا کہ عاد اولیٰ یا عاد ارم شمالی عرب اور شام میں آباد تھے۔[1] عروج حاصل کرنے والی ان کی پہلی نسل اپنے کفر و تمرد اور سرکشی کے باعث عذاب الٰہی کی لپیٹ میں آ کر نیست و نابود ہوگئی۔ اس کے برعکس عاد ثانیہ یا عاد اخریٰ وہ ہو سکتے ہیں جو جزیرہ نمائے عرب کے اندر یمن میں حضرموت کے قریب الاحقاف میں آباد تھے۔



الاحقاف کے ٹیلوں کے نیچے سے برآمد ہونے والے قوم عاد کے آثار

1 المعارف لابن قتیبة، ص: 14.

مسند احمد (482/3) کی ایک حدیث جس کی سند حسن ہے، اس میں ہے کہ حارث بن حسان بکری کہتے ہیں کہ میں اور علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلے...... اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں...... میں نے کہا: ''میں اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں آتا ہوں کہ میں عاد کے قاصد کی طرح ہو جاؤں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''عاد کے قاصد کا کیا معاملہ ہے؟'' حالانکہ آپ اس کے متعلق خوب جانتے تھے لیکن آپ لطف کے طور پر اس سے پوچھ رہے تھے۔

حارث بن حسان کہتے ہیں: ''میں نے کہا: بے شک عاد قحط میں مبتلا کر دیے گئے تو انھوں نے قیل بن عنزہ کو مکہ میں معاویہ بن بکر کی طرف بھیجا کہ وہ ان کے لیے بارش طلب کرے، چنانچہ (ان کا قاصد) قیل وہاں ایک مہینہ معاویہ کا مہمان بن کر ٹھہرا رہا۔ دو گانے والیاں اسے گانا سناتی رہتیں۔ جب ایک مہینہ گزر گیا تو وہ نکلا اور بڑا غمگین ہوا اور ان (قوم عاد) کے لیے بارش طلب کی تو چند بادل آئے۔ اس نے ان میں سے سیاہ بادل کا انتخاب کیا تو آواز دی گئی کہ لے لے اسے اس حال میں کہ یہ راکھ ہے جلی ہوئی جو عاد میں سے کسی کو نہیں چھوڑے گی۔''

جامع ترمذی میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔ اس سے مزید واضح ہو جاتا ہے کہ یہی لوگ تھے جن پر ﴿ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ﴾ ''نسل کاٹنے والی آندھی'' کا عذاب نازل ہوا تھا۔[1]

اس قوم کا ایک کتبہ 1834ء میں حصن غراب سے ملا تھا۔ یہ مقام عدن کے قریب واقع ہے۔ اس کتبے میں رقم ہے کہ ان کے بادشاہ شریروں کو ہود علیہ السلام کی شریعت کے مطابق سزا دیتے تھے۔ یہی یا اسی طرح کا کتبہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اس دور کے علمائے آثار نے پڑھا تھا۔ اس کتبے سے بھی اسی قول کی تائید ہوتی ہے کہ ہود علیہ السلام عاد الاخیرہ کی طرف مبعوث کیے گئے۔ ریورنڈ فارسٹر کے بقول اس کتبے کا زمانہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اٹھارہ سو برس قبل کا بنتا ہے۔[2] ظاہر ہے حضرت ہود کا زمانہ اس سے پہلے کا ہوگا۔

بہت سے مفسرین اور مؤرخین نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے منقول ایک اثر کا حوالہ دیا ہے کہ ہود علیہ السلام کی قبر حضر موت میں کثیب احمر (سرخ ٹیلے) پر ہے اور ان کے سرہانے جھاؤ کا درخت ہے۔[3] یہ اثر سنداً تو کمزور ہے لیکن بحیرۂ عرب کے ساحل پر واقع شہر المکلا سے تقریباً 200 کلومیٹر شمال کی جانب حضر موت کے ایک مقام پر وہاں کے لوگوں نے حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کی موجودگی مشہور کر رکھی ہے۔ ان کے بالمقابل اہل فلسطین بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر فلسطین میں ہے۔ مقام کے تعین کے بارے میں تو حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا لیکن اہل حضر موت کا

---

[1] جامع الترمذي: 3273. [2] تاریخ ارض القرآن (کامل): 32/1، Historical Geography of Arabia, P: 90,91 [3] المستدرك للحاكم: 564/2.



حضرموت میں حضرت ہود علیہ السلام سے منسوب قبر



دار عاد (حضرموت)

دعویٰ اہل فلسطین کے دعوے کے مقابلے میں زیادہ قرین صحت ہے کیونکہ حضرت ہود علیہ السلام کے اسی علاقے میں مبعوث ہونے کے قرائن مضبوط تر ہیں۔

حضرموت میں کئی اور ایسے کھنڈر ہیں جنھیں مقامی باشندے آج تک دارِ عاد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ [1]

گویا ہزاروں برس پہلے احقاف میں ایک شاندار تمدن رکھنے والی قوم عاد (عاد ثانیہ) آباد تھی جو تباہ ہوگئی۔ 1843ء میں بوریا (جرمنی) کا ایک فوجی حضرموت کے پاس اس خطے کے جنوبی کنارے تک پہنچا۔ اس کے بقول حضرموت کی شمالی سطح پر کھڑے ہوکر دیکھا جائے تو یہ صحرا ایک ہزار فٹ نشیب میں نظر آتا ہے۔ اس میں جگہ جگہ ایسے سفید ریتلے قطعے ہیں جن میں کوئی چیز گر جائے تو وہ ریت میں غرق ہوتی چلی جاتی ہے کیونکہ یہ ریت بالکل باریک سفوف کی طرح ہے۔ [2]

ایسا لگتا ہے کہ وہ اسی علاقے میں پہنچا تھا جہاں مساکنِ عاد پر ریح عقیم کا طوفان آیا جس طرح کہ قرآن نے کہا ہے:

﴿وَفِيْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ ۚ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ ۝﴾

"اور عاد (کے قصے) میں (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر بے خیر و برکت ہوا بھیجی، وہ جس چیز پر سے بھی گزرتی، اسے گلی سڑی ہڈی کے مانند ریزہ ریزہ کر ڈالتی۔" [3]

قوم عاد کا مذہب

قوم عاد اولیٰ ہو یا ثانیہ، بتوں کی پوجا ہی میں لگی رہی۔ عرب مؤرخین نے ذکر کیا ہے کہ ان کے تین بڑے بت

1 المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 305,304/1، البداية والنهاية: 113/1.

2 Arabia and the Isles, Harold Ingrams, London, 1946.

3 الذّٰريٰت 51:42.

تھے: صدا، صمود اور ہباء (یا ہراء)۔ یہ پہلی قوم ہے جس کے افراد نے طوفانِ نوح کے بعد بتوں کی عبادت کا آغاز کیا۔ قومِ عاد دنیا کی بہت بڑی کافر، بت پرست اور دیگر بتوں کے ساتھ چاند کی پوجا کرنے والی عرب قوم تھی۔ [1]

حضرت ہود علیہ السلام کی بعثت

قرآن نے عاد اولیٰ کا تذکرہ تو مختصر انداز میں کیا، البتہ جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے میں بسنے والی قوم عاد، اس کے کردار اور پھر اس کے عبرت ناک انجام کو مختلف مقامات پر خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ جب یہ قوم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور سرکشی میں حد سے بڑھ گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انھی میں سے اپنے پیغمبر ہود علیہ السلام کو بھیجا اور انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ ﴾

”اور (اسی طرح) قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ انھوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟“ [2]

ہود علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا رویہ

جب ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا حکم دیا، اس کے احکام کی تعمیل اور اس سے مغفرت طلب کرنے کی ترغیب دی اور ایمان نہ لانے کی صورت میں دنیا اور آخرت میں سزا کی وعید سنائی تو قوم کے کافر سرداروں نے کہا: ﴿ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ ﴾ ”بلاشبہ ہم تجھے بے وقوفی میں پڑا دیکھتے ہیں۔“ [3]

گویا ہود علیہ السلام انھیں جس عقیدے کی دعوت دے رہے تھے، ان کے خیال میں وہ حماقت پر مبنی تھا اور بُت پرستی صحیح راستہ تھا۔ انھوں نے ہود علیہ السلام سے یہ بھی کہا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے، آپ کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس پر ہود علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

”اے میری قوم! مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔“ [4]

---

[1] تاريخ الطبري: 150/1، البداية والنهاية: 113/1. [2] الأعراف 65:7. [3] الأعراف 66:7. [4] الأعراف 67:7.

قوم کا مخالفانہ ردعمل

آپ کی قوم کے لوگوں نے نہ صرف آپ کی نبوت کا انکار کیا بلکہ وہ یوم آخرت کو بھی جھوٹی بات تصور کرتے تھے اور اُن کے نزدیک یہ بات بھی خلافِ عقل اور بعید از قیاس تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کو رسول بنا کر مبعوث کرسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے باطل قیاسات اس طرح بیان فرمائے ہیں:

﴿وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ۝﴾

"اور اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے انھیں آسودگی دے رکھی تھی، کہنے لگے کہ یہ تو تمھارے جیسا آدمی ہے۔ جو کھانا تم کھاتے ہو، اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور جو پانی تم پیتے ہو، اسی قسم کا (پانی) یہ بھی پیتا ہے اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھاٹے میں پڑ جاؤ گے۔ کیا وہ تمھیں وعدہ دیتا ہے کہ جب تم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں بن گئے تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے؟" [1]

ہود علیہ السلام کا بتوں سے اعلانِ براءت

جب قوم نے دعوتِ حق کو تسلیم نہ کیا تو ہود علیہ السلام نے ان کے معبودانِ باطلہ سے بے زاری اور براءت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿اِنِّیْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝﴾

"بے شک میں اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں بری ہوں ان سے جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس (اللہ) کے سوا۔ چنانچہ تم سب مل کر میرے بارے میں تدبیر کرلو، پھر تم مجھے مہلت نہ دو۔" [2]

ہود علیہ السلام کی فریاد اور عذابِ الٰہی

قوم کی ہٹ دھرمی اور دعوتِ حق کو مسلسل جھٹلانے پر حضرت ہود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کی تو

[1] المؤمنون 23:33-35. [2] هود 11:54،55.

قوم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا:

﴿ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ۝ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾

''ہود (علیہ السلام) نے کہا: اے پروردگار! تو میری مدد فرما، اس لیے کہ انھوں نے میری تکذیب کی۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ وہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہوکر رہ جائیں گے۔ پھر انھیں انصاف کے ساتھ چنگھاڑ نے آ پکڑا تو ہم نے انھیں کوڑا کر ڈالا، پس ظالم لوگوں کے لیے دوری ہو۔''[1]

جب ان پر عذاب نازل ہونے کا وقت آیا تو وہ خوش ہوئے کہ بارش بھرے بادل ہماری طرف آرہے ہیں لیکن درحقیقت وہ اللہ کا عذاب تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ۭ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ۭ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۢ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰٓى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ﴾

''پھر جب انھوں نے اس (عذاب) کو دیکھا کہ بادل (کی صورت میں) اُن کی وادیوں کی طرف آرہا ہے تو کہنے لگے: یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا۔ (نہیں!) بلکہ یہ وہ عذاب ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے، یعنی آندھی ہے جس میں دردناک عذاب بھرا ہوا ہے، جو ہر چیز کو اپنے پروردگار کے حکم سے تباہ کردے گی، پھر وہ ایسے ہو گئے کہ اُن کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا۔ گناہ گار لوگوں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔''[2]

ساری مجرم قوم بری طرح تباہ ہوگئی لیکن اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والوں کو محفوظ رکھا:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ ﴾

''اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ اُن کے ساتھ ایمان لائے تھے، انھیں اپنی مہربانی سے بچالیا اور انھیں عذابِ شدید سے نجات دی۔''[3]

قرآن مجید کے مطابق عاد پر تند و تیز، یخ بستہ اور نسل کاٹنے والی آندھی کا عذاب مسلسل سات راتیں اور آٹھ دن مسلط رہا جس نے انھیں تہس نہس کر دیا حتی کہ اُن کے لاشے اس طرح گرے پڑے تھے جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے ہوں۔[4]

[1] المؤمنون 23:39-41. [2] الأحقاف 46:24,25. [3] ھود 11:58. [4] الحآقّة 69:7.

2 قومِ ثمود

ثمود عرب کے ایک مشہور اور قدیم قبیلے کا نام ہے۔ ان کے جدِّ امجد ثمود بھی ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد میں سے تھے۔ قومِ ثمود عروج اور خوشحالی کے زمانے میں جب سرکشی اور نافرمانی کی حدیں پار کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنے بندے صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔ مؤرخین نے مختلف ذرائع سے ان کا نسب نامہ اس طرح بیان کیا ہے: صالح بن عبید بن اسف بن ماسخ بن عبید بن خادر بن ثمود بن جاثر (عابر) بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔[1]

قومِ ثمود کا زمانہ

یہ قوم بھی عرب بائدہ میں شمار ہوتی ہے۔ تاریخ اس کے زمانے کا ٹھیک ٹھیک تعین کرنے سے قاصر ہے، تاہم آسمانی کتابوں کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ قومِ ثمود سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی بعثت سے پہلے ہلاک ہو چکی تھی۔

قومِ عاد کی طرح ثمود بھی سام بن نوح (علیہ السلام) کی اولاد میں سے تھے، لہٰذا وہ عاد کے سیاسی جانشین بنے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَاذْكُرُوٓا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنۢ بَعْدِ عَادٍ﴾

''اور یاد کرو جب اس نے تمھیں عاد کے بعد جانشین بنایا۔''[2]

قومِ ثمود کے مساکن

قومِ ثمود الحجر کے علاقے میں پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے۔ ان کا تذکرہ قرآن نے اس طرح کیا ہے:

﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَٰبُ ٱلْحِجْرِ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝ وَءَاتَيْنَٰهُمْ ءَايَٰتِنَا فَكَانُوا۟ عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۝ وَكَانُوا۟ يَنْحِتُونَ مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا ءَامِنِينَ ۝﴾

''اور بلاشبہ یقیناً ''حجر'' والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔ ہم نے انھیں اپنی نشانیاں عطا کیں، پھر وہ ان سے منہ

[1] تاریخ الطبري: 158/1، مزید دیکھیے: البدایة والنهایة: 123/1۔ [2] الأعراف 74:7۔

موڑتے تھے۔ اور وہ بے خوف ہو کر پہاڑوں سے گھر تراشتے تھے۔'' [1]

اس سے پتا چلتا ہے کہ ''الحجر'' قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا۔ اس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں ''العلاء'' سے کچھ فاصلے پر واقع ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تبوک کو تشریف لے جاتے وقت جب الحجر سے گزرے تو آپ نے اپنی چادر سے اپنا سر مبارک ڈھانپ لیا، اپنی سواری کی رفتار تیز کر دی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا: ''ان لوگوں کے گھروں (علاقے) میں داخل نہ ہوا کرو جنھیں عذاب دیا گیا تھا مگر اس حالت میں کہ تم رو رہے ہو اور اگر رونا نہ آئے تو ان میں داخل نہ ہو، کہیں تم بھی اس عذاب کی گرفت میں نہ آجاؤ جس میں وہ مبتلا ہوئے تھے۔'' [2]

قرآن کریم میں دوسری جگہ وادی القریٰ کو ثمود کی جائے سکونت بتایا گیا ہے:

﴿ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ ﴾

''اور (آپ کے رب نے) ثمود کے ساتھ (کیسا سلوک کیا) جو وادی میں چٹانیں تراشتے تھے۔'' [3]

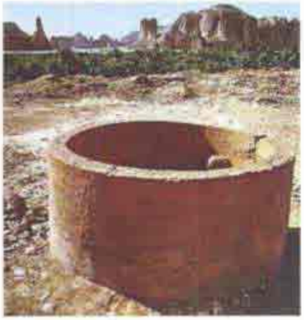
مفسرین بیان کرتے ہیں کہ ﴿ بِالْوَادِ ﴾ میں ''واد'' سے مراد وادی القریٰ ہے، جہاں قوم ثمود کی چٹانوں میں تراشی ہوئی رہائش گاہیں تھیں۔ [4]

بعض جغرافیہ دانوں اور سیاحوں نے اس جگہ کو دیکھا اور بیان کیا ہے۔ سید ابو الاعلیٰ مودودی کے شریک سفر محمد عاصم الحداد لکھتے ہیں: ان مکانات کے دروازے باقاعدہ تراشے ہوئے ہیں اور ان پر بعض جانوروں (گھوڑوں، عقاب وغیرہ) کی تصاویر بھی کندہ ہیں۔ ایک مکان کے دروازے کے اوپر عبارت بھی موجود ہے ...... بعض مکانات کے اندر الماریاں اور سامان رکھنے کی جگہیں بھی بنی ہوئی ہیں۔ چوکھٹ کسی مکان کے دروازے پر نہیں ہے۔ [5]

[1] الحجر 15:80-82. [2] صحيح البخاري: 4419 و 4702، صحيح مسلم: 2980. [3] الفجر 89:9. [4] تفسير القرطبي، الفجر 89:9. [5] سفرنامہ ارض القرآن: 1/209،210.



قوم ثمود کے حجری آثار


ثمود کا کنواں (بئر ثمود)

یہاں ایک کنواں بھی ہے جو ''بئر ثمود'' کے نام سے معروف ہے۔[1] ثمودی کتبات سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود ''العلاء'' اور اس کے نواح میں اور اردن اور حجاز کے درمیانی علاقوں میں رہتی تھی۔

بعض کتبات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ثمودی حائل، تبوک، تیماء، مدائنِ صالح اور حجاز کے متعدد علاقوں پر قابض تھے اور بعض نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ طائف اور حجاز کے ساحلی شہر ''الوجہ'' تک بھی رہائش پذیر رہے۔ بعض کتبات و آثار میں ثمود کی رہائش گاہیں یمن میں بھی بتائی گئی ہیں۔ ممکن ہے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں قومِ ثمود کے بعض قبائل جنوبی عرب (یمن) تک چلے گئے ہوں اور وہاں انھوں نے اپنی آبادیاں بسائی ہوں۔[2] شاید اسی لیے بعض علماء نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ثمود عاد ثانیہ ہیں۔

رابغ سے عقبہ تک اور مدینہ وخیبر سے تیماء اور تبوک تک کا سارا علاقہ ثمود کے آثار سے بھرا پڑا ہے۔ جنوب میں خیبر تک اور شمال میں اردن کے اندر 50 کلومیٹر تک قاش قاش پہاڑ پائے جاتے ہیں گویا عہدِ قدیم میں یہاں جو زلزلہ آیا تھا، اس نے تقریباً 500 کلومیٹر لمبے اور تقریباً 150 کلومیٹر چوڑے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔[3]

الحجر اور مدائن صالح

ان دنوں الحجر کو مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ یہ عوام میں رائج ایک ایسی بات ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ متقدمین میں سے کسی نے الحجر کو مدائن صالح نہیں کہا۔ سعد بن عبداللہ بن جنیدل دورِ حاضر کے ایک محقق عالم حمد الجاسر کی تحقیق کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''آج کل لوگ وادی الحجر کو، جو العلاء شہر کے شمال میں واقع ہے، مدائن صالح کا نام دیتے ہیں۔ یہ دراصل ایک بڑی غلط فہمی ہے جس میں عرصے سے لوگ مبتلا ہیں۔ حقیقت اس طرح ہے:

1. الحجر ایک ایسی قوم کی وادی ہے جس پر ظہورِ اسلام سے پہلے اللہ تعالیٰ کا خوفناک عذاب نازل ہوا تھا۔ اسی لیے اس جگہ کے پانی تک کو استعمال کرنے سے روکا گیا ہے۔
2. العلاء شہر کے جنوب میں تقریباً 55 کلومیٹر کی دوری پر پرانی عمارتوں کے کھنڈر ملتے ہیں جنھیں آج کل ''المابیات''

[1] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام :1/324. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام :1/328,329. [3] آنحضور ﷺ کے نقش قدم پر (حرم مدینہ) :2/117.



المابيات کے کھنڈر (علاقہ ثمود)

کہتے ہیں۔ یہ اس جگہ کا نیا نام ہے جبکہ ساتویں صدی ہجری کے لگ بھگ یہ جگہ مدینۂ صالح کہلاتی تھی، پھر مدائنِ صالح کے نام سے معروف ہوئی۔

ساتویں صدی ہجری سے پہلے غالباً اس جگہ کا نام الرُّحبہ تھا۔ یہ نام اکثر سفرناموں اور معاجم میں آیا ہے۔ پھر کچھ عرصے بعد الرحبہ کی طرح مدینۂ صالح یا مدائنِ صالح کا نام بھی طاقِ نسیان کی زینت بن گیا اور یہ جگہ وادی العطاس کے نام سے مشہور ہوئی۔ ابن بطوطہ کے سفرنامے میں اس جگہ کا ذکر اسی نام سے آیا ہے۔ ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری میں سفر کرتا اس علاقے میں آیا تھا جبکہ یہ جگہ عرب وعجم کی کتابوں میں وادیِ دَیدان، ددان اور دادان کے نام سے معروف تھی۔ یاقوت حموی لکھتے ہیں: الرُّحبہ، مدینہ اور شام کے درمیان وادی القریٰ کے نزدیک ایک بستی ہے۔[1]

وادیِ دیدان جس میں مدینہ صالح واقع ہے اور جو مدائن صالح کے نام سے بھی مشہور ہوئی، وادی الحجر سے متصل نہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان خاصا فاصلہ ہے۔

غلط فہمی کا سبب

مرورِ ایام سے العلاء کے شمال میں واقع وادی الحجر کے پرانے آثار اور اوائلِ اسلام میں العلاء کے جنوب کی طرف وجود میں آنے والے آثار و مظاہر دونوں خلط ملط ہو گئے۔

العلاء کے جنوب میں واقع مدینہ صالح دراصل بنوعباس کے ایک شخص ''صالح'' کی طرف منسوب تھا جو اس شہر کا بانی تھا۔ یہ شہر چوتھی صدی ہجری تک آباد رہا۔ اس کے برعکس الحجر کے باشندے قومِ صالح کے نام سے معروف تھے۔ یہاں کا ایک کنواں بئر ناقہ کہلاتا تھا اور ایک مقام مسجد صالح کے نام سے مشہور تھا، اس لیے الحجر کو غلط طور پر مدائنِ صالح کا نام دے دیا گیا۔

میں نے جس قدیم ترین کتاب میں یہ غلطی لکھی پائی، وہ ترکی زبان کی ایک کتاب کا عربی ترجمہ ہے۔ اس کا نام بهجة المنازل یا نهجة المنازل ہے۔ اس کے ترک مؤلف کا نام محمد ادیب ہے جو عثمانی سلطنت کا وقائع نگار تھا جیسا کہ ایضاح المکنون میں درج ہے۔[2] اس کے مطابق الحجر مدائنِ صالح یا قُریٰ صالح یا عدال کے نام سے

[1] معجم البلدان، مادة: رحبة. [2] دیکھیے: إيضاح المكنون في الذيل على كشف الظنون: 696/2.

معروف تھا۔ ان دونوں مقامات کو سب سے پہلے جس نے باہم خلط ملط کیا اور العلاء کے جنوب میں واقع مقام (مدائن صالح) کو قوم ثمود کا الحجر قرار دیا، وہ اندلسی سیاح البلوی تھا جس نے 738ھ میں شام کی طرف سے الکرک کے حجاج کے ساتھ سفرِ حج اختیار کیا تھا۔''[1]

حمد الجاسر کی اس تحقیق سے یہ معلوم ہوا کہ ماضی میں الحجر اور مدائنِ صالح الگ الگ جگہوں کے نام تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ العلاء کے جنوب میں واقع مدائن صالح کا نام بھلا دیا گیا اور اب الحجر ہی کو مدائن صالح کہا جاتا ہے۔ انگریز سیاح ڈاوٹی نے بھی اسی بات کی تائید کی ہے کہ الحجر اور مدائن صالح دو الگ الگ جگہیں تھیں۔[2]

قوم ثمود کا مذہب

ثمود بت پرست قوم تھی۔ وہ لوگ اللہ وحدہٗ لاشریک کو چھوڑ کر بہت سارے معبودوں کی پرستش میں مبتلا تھے۔ ثمود کے کتبات میں درج بعض مشہور بتوں کے نام یہ ہیں:

ودّ، یغوث، شمس، مناف، مناۃ، بعلہ یا بعل، ہبل، قین، الہٰ، اَلی، الہی، اللات، ذوشریٰ۔[3] ودّ اور یغوث نامی بتوں کو عربوں سے پہلے قومِ نوح نے پوجا۔ اس کے بعد عربوں سمیت بہت سی مشرک اقوام میں ان کی پوجا رائج رہی۔ یہی حال قوم نوح کے بت نسر اور دوسرے بتوں کا رہا۔ یہ نام قرآن میں اس طرح آئے ہیں: ''اور انھوں (کفار) نے کہا: تم اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔ اور نہ چھوڑو تم ودّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو۔''[4] بعل فنیقیوں کے معبود کا نام ہے۔ اس کے بارے میں وہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ زرخیزی پیدا کرتا ہے۔[5]

صالح علیہ السلام کی دعوت اور اونٹنی والا معجزہ

جب قوم ثمود کفر و شرک کی دلدل میں دھنس گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف سیدنا صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔ انھوں نے قوم کو اللہ وحدہٗ لاشریک کی طرف بلایا تو کچھ لوگ ایمان لے آئے لیکن قوم کے خوش حال لوگوں نے مومنوں کا مذاق اڑایا۔ کفار کے تکبر اور انکارِ حق کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ○ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○﴾

[1] معجم الأمكنة الوارد ذكرها في القرآن الكريم لسعد بن عبدالله بن جنيدل، ص: 118-120. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 326/1. [3] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 329/1-331. [4] نوح 71:23. [5] المنجد في الأعلام، ص: 130.

''ان (صالح علیہ السلام) کی قوم کے وڈیرے جنھوں نے تکبر کیا، ان میں سے کمزور سمجھے جانے والے ایمانداروں سے کہنے لگے: کیا تم سمجھتے ہو کہ واقعی صالح (علیہ السلام) اپنے رب کی طرف سے بھیجا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا: (ہاں) بلاشبہ ہم اس چیز پر ایمان لانے والے ہیں جس کے ساتھ اسے بھیجا گیا ہے۔ ان لوگوں نے کہا جنھوں نے تکبر کیا: بے شک ہم اس چیز کا انکار کرنے والے ہیں جس پر تم ایمان لائے ہو۔''[1]

قوم نے دعوتِ حق کے جواب میں صالح علیہ السلام کو سحر زدہ کہا اور ساتھ ہی کوئی نشانی پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک اونٹنی کی نشانی مقرر کی لیکن سرکش قوم نے اس کی بے حرمتی کی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝ ﴾

''صالح (علیہ السلام) نے کہا: یہ اونٹنی (معجزہ) ہے، (ایک دن) اس کے پینے کی باری ہے اور ایک مقرر دن تمھارے پینے کی باری ہے اور اسے بری نیت سے ہاتھ نہ لگانا ورنہ تمھیں بڑے دن کا عذاب آ پکڑے گا، پھر انھوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پھر وہ نادم ہوئے۔''[2]

قوم جب کفر و سرکشی کی تمام حدیں پار کر گئی تو صالح علیہ السلام نے فرمایا:

﴿ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ﴾

''اپنے گھروں میں تین دن فائدہ اٹھالو۔''[3]

قومِ ثمود پر نزولِ عذاب

جب قوم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں نکلا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۝ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾

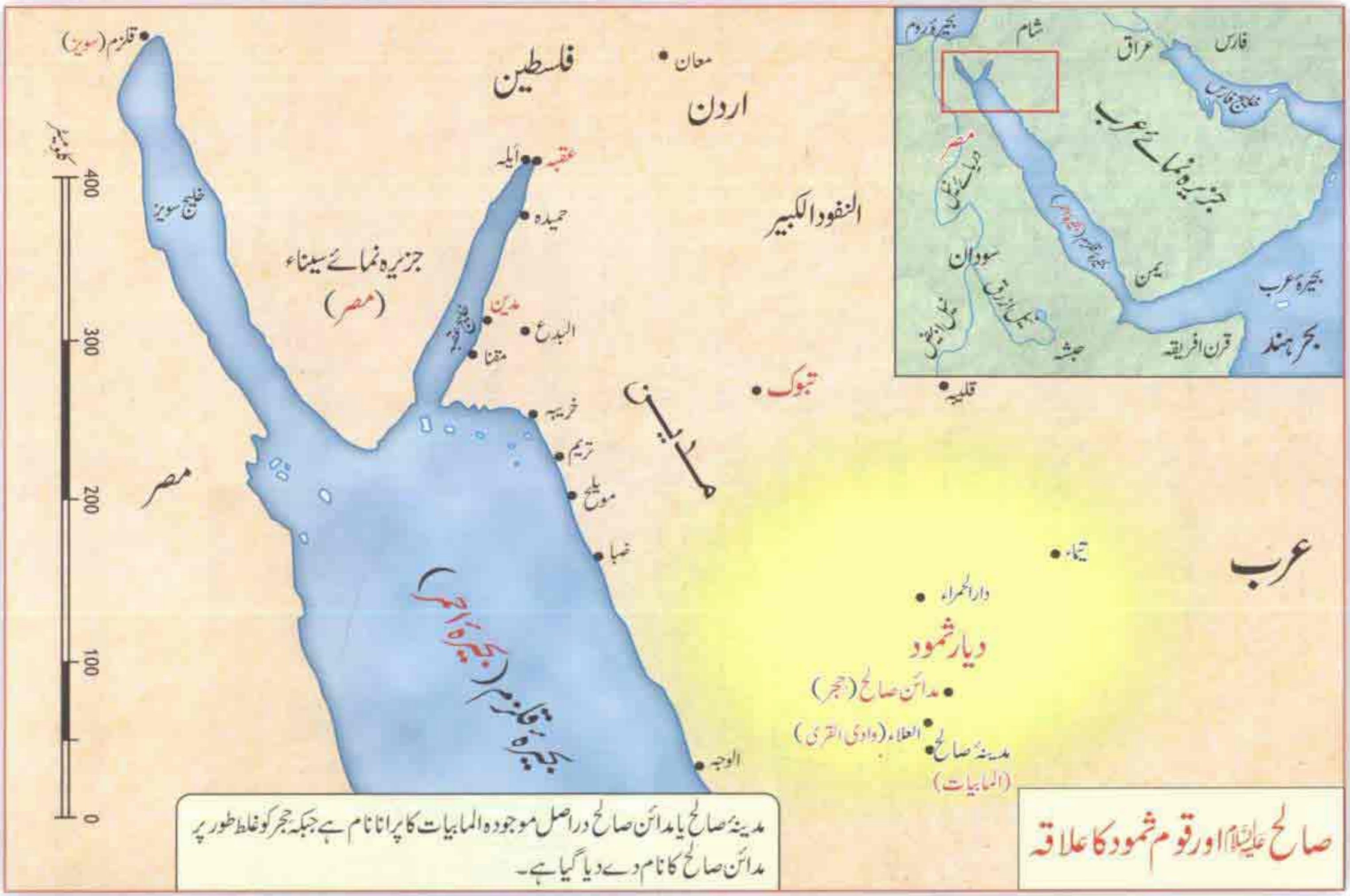
''چنانچہ انھیں صبح ہوتے ہی چنگھاڑ نے آ پکڑا۔ پھر ان کے کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔''[4]

دوسری جگہ عذاب کی کیفیت یوں بیان کی گئی:

﴿ اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ ﴾

''بلاشبہ ہم نے ان پر ایک ہی چنگھاڑ بھیجی تو وہ باڑ لگانے والے کی روندی ہوئی باڑ کی طرح (چُور چُور) ہو گئے۔''[5]

[1] الأعراف 7:75،76۔ [2] الشعراء 26:155-157۔ [3] ھود 11:65۔ [4] الحجر 15:83،84۔ [5] القمر 54:31۔


صالح علیہ السلام اور قوم ثمود کا علاقہ
مدینۂ صالح یا مدائن صالح دراصل موجودہ المابیات کا پرانا نام ہے جبکہ حِجر کو غلط طور پر مدائن صالح کا نام دے دیا گیا ہے۔
فلسطین
اردن
معان
النفود الکبیر
تبوک
قلیبہ
مدین
عرب
تیماء
دار الحمراء
دیارِ ثمود
مدائن صالح (حِجر)
العلاء (وادی القریٰ)
مدینۂ صالح
(المابیات)
الوجہ
ضبا
مویلح
تریم
خریبہ
مقنا
البدع
مدین
حمیدہ
عقبہ
ایلہ
جزیرہ نمائے سیناء
(مصر)
مصر
خلیج سویز
قلزم (سویز)
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
کلومیٹر
400
300
200
100
0
بحیرۂ روم
شام
عراق
فارس
خلیج فارس
جزیرہ نمائے عرب
مصر
سوڈان
یمن
بحیرۂ عرب
بحر ہند
قرن افریقہ
حبشہ

اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو اپنے پیروکاروں سمیت بچالیا، فرمان الٰہی ہے:

﴿ وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ○ ﴾

"اور ہم نے ان لوگوں کو نجات دی جو ایمان لائے اور وہ (اللہ سے) ڈرتے تھے۔"[1]

ثمودِ ثانیہ کا ظہور

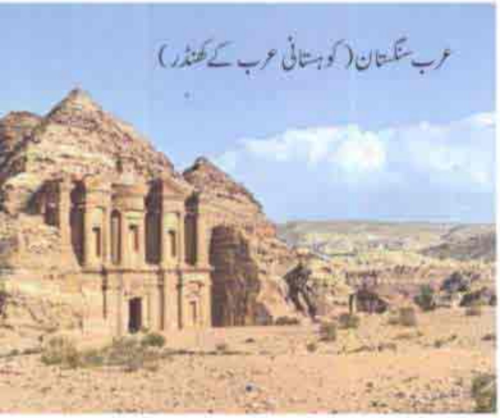
جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی، تاریخ میں انھیں ثمود ثانیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

تاریخ میں ثمود ثانیہ کا نام ایک طرف تو اسیریا (اشور) کے کتبوں میں نظر آتا ہے اور دوسری طرف رومیوں کی تاریخ میں۔ شاہِ اشور سرجون یا شرغون ثانی (722 ق م تا 705 ق م) کے کتبۂ فتح میں جن محکوم عرب قبائل کا ذکر ہے، ان میں ثمود کا نام بھی ہے۔

یونانی مؤرخ ڈائیڈورس نے ثمود کا تلفظ تھموڈینی (Thamudeni) اور بطلیموس نے تھموڈیٹی (Thamuditae) کیا ہے۔ ایک دوسرے یونانی مصنف اورانوس (Uranus) کا کہنا ہے کہ ثمود انباط کے پہلو میں آباد تھے۔

قیصر جسٹینین کے عہد (527ء تا 565ء) میں 300 ثمودی عرب بھی رومی فوج میں شامل تھے۔ ان کے لمبے نیزے اور سواری کے اونٹ معروف تھے۔ ثمود کے ملک کا اکثر حصہ چونکہ پہلے اہل مدین نے دبا لیا تھا اور باقی حصے پر بعد میں انباط قابض ہوگئے تھے، لہٰذا مسیح علیہ السلام سے کچھ پہلے جب رومیوں نے عرب سنگستان (Arabia Petra)[2] پر قبضہ کیا تو انباط کی مخالفت میں ثمود نے شمالی ہمسایوں کے ہاں پناہ لی اور انھیں کا ساتھ دیا۔

جب اسلام آیا تو عرب میں ثمود کا نام ونشان نہ تھا۔ ان کے علاقوں میں قبائل جہینہ، بَلِیّ اور یہود آباد تھے۔[3]



عرب سنگستان (کوہستانی عرب کے کھنڈر)

---

[1] النمل 53:27. [2] اردن کا موجودہ شہر البتراء (Petra) عرب سنگستان (Arabia Petra) کی یاد دلاتا ہے۔ [3] تاریخ ارض القرآن (کامل): 160,159/1، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 325/1.

3 طسم و جدیس

طسم اور جدیس ان قوموں میں سے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے خوشحالی سے نوازا لیکن انھوں نے بھی عاد اور ثمود کی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور کفر و شرک کی دلدل میں پھنس گئے۔ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انھیں نیست و نابود کر دیا۔

علمائے انساب طسم و جدیس کے مورث لاوُذ کا نسب یوں بیان کرتے ہیں: لاوُذ بن ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام)۔ طسم اور جدیس دونوں بھائی تھے اور ان کی اولاد یمامہ میں سکونت پذیر تھی۔

ان کی بدعملیوں کی سزا انھیں باہمی مخاصمت کی صورت میں ملی۔ کہا جاتا ہے کہ بنو جدیس نے بنو طسم سے تعلق رکھنے والے حکمران عملوق (یا عملیق) کے ظلم کے ردِعمل میں بنو طسم کا قتل عام کیا تو ان کا ایک آدمی رباح بن مرہ بچ نکلا۔ اس نے حسان بن تبع سے فریاد کی تو اس نے بنو جدیس پر حملہ کر کے انھیں نیست و نابود کر دیا۔[1] واقعے کی تفصیل ''زرقاء الیمامہ اور یمامہ کی وجہ تسمیہ'' کے ذیل میں دیکھیے۔


طسم و جدیس کے علاقے کی ایک بستی

حَجر یمامہ طسم اور جدیس کی بارونق اور شاندار بستی تھی۔ وہ قومیں تو ہلاک ہو گئیں لیکن عظیم الشان محلات اور باغات چھوڑ گئیں۔ حجر سے نصف فرسخ کے فاصلے پر بعد میں بنو یربوع بن ثعلبہ بن الدول بن حنیفہ کی بستی ''بادیہ'' آباد ہوئی۔[2]

[1] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 1/334-339، وفاء الوفا للسمهودي: 1/183-186. [2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 3/870.

4 بنو جُرہم

جُرہم کی قومیت کیا تھی اور اس کا نسب کس سے ملتا تھا، اس سلسلے میں ہمدانی بیان کرتے ہیں کہ جرہم دو تھے: جُرہم اولی کا تعلق امم سامیہ اولی سے تھا اور جُرہم ثانیہ قحطانی تھے۔ جرہم اولی کا وجود مٹا دیا گیا۔ یہ عاد اور ثمود کے ہم عصر تھے۔[1]

جُرہم ثانیہ قحطان کے بیٹے جرہم کی نسل سے ہیں۔ جرہم کا دوسرا بھائی یعرب بن قحطان تھا جو یمن کا مالک تھا جبکہ جُرہم بن قحطان کے حصے میں حجاز کا خطہ آیا اور یہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے سسرال ہیں۔[2] سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے مضاض جرہمی کی بیٹی سے دوسری شادی کی جس سے ان کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔[3] ان میں سے نابت اور قیدار تاریخ میں زندۂ جاوید رہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات کے بعد بیت اللہ کی تولیت نابت بن اسماعیل کے ہاتھ آئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ پہلے قیدار بیت اللہ کے متولی بنے، پھر نابت بن اسماعیل نے یہ منصب سنبھالا۔ اسماعیل علیہ السلام کی زیادہ اولاد کشائشِ رزق کے لیے ادھر ادھر نکل گئی، تاہم ایک گروہ حرمِ کعبہ کے پاس ہی مقیم رہا۔ جب نابت کی وفات ہوئی، اس وقت بنواسماعیل منتشر ہو چکے تھے اور جو مکہ میں رہتے تھے، وہ تعداد میں کم اور عمروں میں چھوٹے تھے، لہٰذا بیت اللہ کی دیکھ بھال مضاض (ثانی) بن عمرو جرہمی نے سنبھالی۔ تولیتِ کعبہ کے معاملے میں عمالقہ میں سے سُمیدع بن ہوبر نے اس سے جھگڑا کیا لیکن مضاض غالب رہا۔ سمیدع شام چلا گیا اور یوں مکہ کی حکمرانی اور بیت اللہ کی تولیت مضاض کے ہاتھ رہی حتی کہ وہ فوت ہو گئے۔

بنواسماعیل عرب میں جہاں بھی گئے غالب رہے، تاہم وہ اپنے اخوال (ننھیال) بنوجرہم کی حکومت تسلیم کرتے تھے اور بنو جرہم ان کی بات مانتے تھے۔ بنو جرہم کے زمانے میں امور کعبہ کی نگرانی بنو اسماعیل کے ہاتھ میں تھی کیونکہ بنوجرہم اِن کی بہت تعظیم کرتے اور ان کے مرتبے سے آشنا تھے۔ نابت بن اسماعیل کے جانشین امین، پھر یشجب بن امین، پھر ہَمَیسع، پھر اُدد ہوئے۔ اس دوران میں بنوجرہم نے ظلم و بغاوت اور فسق و فجور کی روش اختیار کی جسے اُدد

[1] الإكليل للهمداني:78/1. [2] صحيح البخاري:3364. [3] تاريخ اليعقوبي:190/1.

سخت ناپسند کرتے تھے۔ مضاض جرہمی کی نسل میں سے حارث بن مضاض ثانی بن عمرو، بنو جرہم کا آخری بادشاہ تھا۔ اس کے عہد میں وہ لوگ ظلم و سرکشی کی تمام حدیں پار کر گئے، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انھیں چیونٹیوں کے عذاب میں مبتلا کر دیا اور وہ سب اُدد کی زندگی ہی میں ہلاک ہو گئے۔[1]

[1] تاريخ اليعقوبي:1/190,191.

2

عرب عارِبہ

یہ عرب قبائل سبا بن یشجب بن یَعرُب بن قحطان کی نسل سے ہیں۔ انھیں قحطانی عرب کہا جاتا ہے۔ اکثر اہل علم قحطان کا نسب ارم بن سام بن نوح (علیہ السلام) سے ملاتے ہیں جبکہ بعض انھیں عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) سے منسوب کرتے ہیں۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے قحطان کے آلِ اسماعیل ہونے کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ قحطان کو ابوالیمن بھی کہا جاتا ہے کیونکہ قحطانی عربوں کا اصل گہوارہ ملک یمن تھا۔ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کے دو بیٹوں حمیر اور کہلان کے ناموں سے دو قبیلوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔

بنوحمیر کی مشہور شاخیں زید الجمہور، قضاعہ اور سکسک تھیں۔

بنوکہلان کی مشہور شاخیں مندرجہ ذیل ہیں:

ہمدان، انمار، طے، خزاعہ، مذحج، کندہ، لخم و جذام، ازد، اوس، خزرج اور جفنہ۔

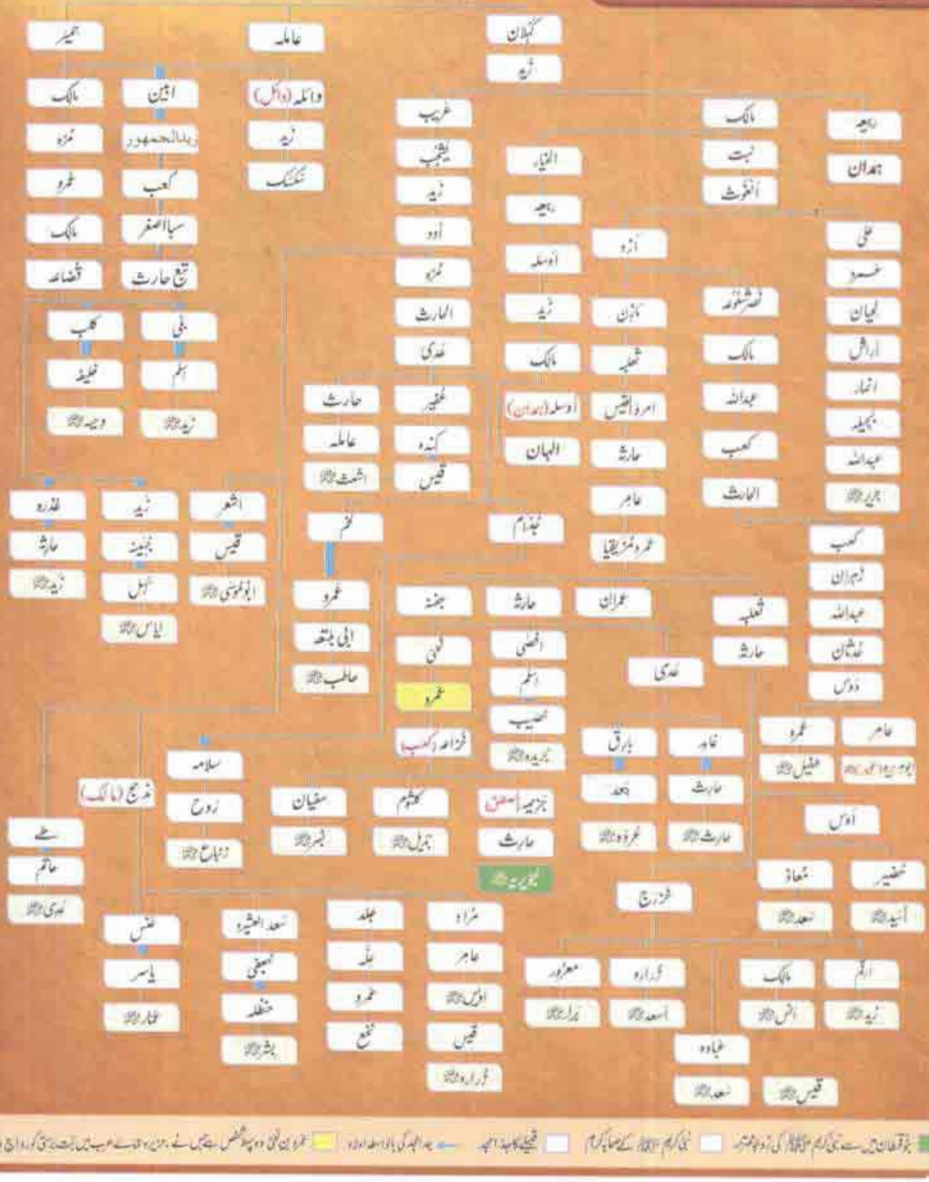
عام کہلانی قبائل نے بعد میں یمن چھوڑ دیا اور جزیرہ نمائے عرب کے مختلف اطراف میں پھیل گئے۔ ان کے عمومی ترکِ وطن کا واقعہ سیلِ عَرِم سے کسی قدر پہلے اس وقت پیش آیا جب رومیوں نے مصر و شام پر قبضہ کر کے اہلِ یمن کی تجارت کے بحری راستے پر اپنا تسلط جما لیا۔ لیکن حمیری قبائل اپنی جگہ برقرار رہے۔



عرب عاربہ کے علاقے مأرب کی ایک بستی

بنو قحطان
اور ان کے ذیلی قبائل

عرب کے قدیم ترین قبائل میں سے بنو قحطان کا جد امجد قحطان (ارم بن سام یا عابر بن شالخ بن سام) بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھا۔ بعض اسے اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے بتاتے ہیں۔ بنو قحطان نجران، یمن، عسیر اور جنوبی نجد میں آباد تھے۔ ان کی آبادیاں صنعاء، مکلی، تثلیث، شہران، تبیع، دو امرہ بیشم اور حجر، بحرین میں واقع تھیں۔ سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان کے نام پر قدیم یمن کو سبا کہا جاتا تھا۔ قرآن مجید کی سورت نمبر 34 بھی سبا کے نام سے موسوم ہے۔



بنو قحطان میں سے نبی کریم ﷺ کی زوجہ محترمہ | نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام | قبیلے کا جد امجد | بعد الجد کی بالواسطہ اولاد | عمرو بن لحی وہ پہلا شخص ہے جس نے عرب میں بت پرستی کو رواج دیا

مآخذ: الأطلس التاريخي لسيرة الرسول * معجم قبائل العرب * أسد الغابة * معجم ما استعجم * كتاب الشجرة النبوية * مسالك الذهب

ترک وطن کرنے والے کہلانی قبائل

جن کہلانی قبائل نے یمن سے ترکِ وطن کیا، ان کی چار شاخیں معروف ہیں:

1 ازد 2 لخم و جذام 3 بنو طے 4 بنو کندہ۔

1 قبائل ازد

ازد کا نسب ازد بن الغوث بن نبت بن مالک بن زید بن کہلان ہے۔ ازد کے بیٹے مازن، نصر، عبداللہ، عمرو، الہنوء اور الحارث تھے۔[1]

(ا) مازن بن ازد

بنو مازن بن ازد نے اپنے سردار عمران بن عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء کے مشورے پر ترکِ وطن کیا۔ یہ پہلے تو یمن ہی میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہے۔ بعد میں انھوں نے شمال کا رُخ کیا اور مختلف شاخیں مختلف جگہ سکونت پذیر ہوئیں۔ عمرو مزیقیا کے چار بیٹوں میں انصار مدینہ کے جد امجد ثعلبہ بہلول، بنو خزاعہ کے جدامجد حارثہ، عمران (ازدعمان) اور جفنہ (آل غسان) اور ان کی اولاد کے ترکِ وطن کی تفصیل درج ذیل ہے:

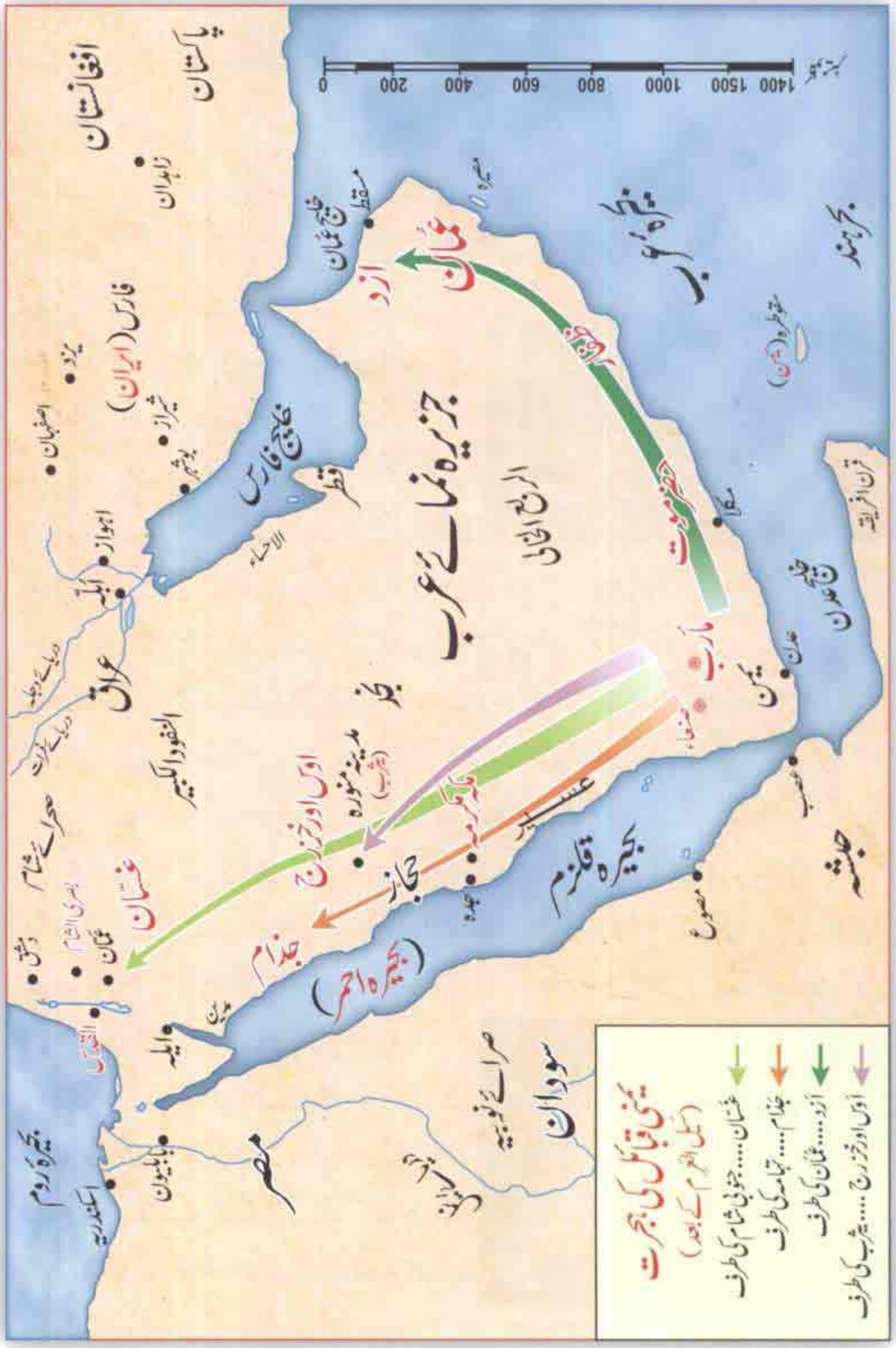
1 ثعلبہ بن عمرو مزیقیا

اس نے اپنے خاندان سمیت اولاً حجاز کا رُخ کیا اور ثعلبیہ اور ذی قار کے درمیان اقامت اختیار کی، پھر اس کی اولاد نے یثرب (مدینہ) کی طرف کوچ کیا اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ علمائے انساب (کی اکثریت) کے مطابق حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو کی نسل ہی سے اوس اور خزرج ہیں۔[2]

اوس وخزرج

عرب قبیلے اوس اور خزرج حارثہ بن ثعلبہ بُہلُول بن عمرو مُزَیقیا بن عامر ماء السّماء بن حارثہ الغطریف کی اولاد ہیں۔ جو علماء انھیں ازدی قحطانی قرار دیتے ہیں، وہ ان کا اُوپر کا نسب یوں لکھتے ہیں: حارثہ الغطریف بن امرؤالقیس بن ثعلبہ بن مازن (بن عبداللہ) بن ازد۔ حارثہ کے بیٹوں اوس اور خزرج کی والدہ کا نام قَیلہ تھا، لہٰذا انھیں بنو قیلہ بھی کہا جاتا ہے۔ ابن کلبی اور یاقوت کے بقول جاہلیت میں اوس اور خزرج کو مجموعی طور پر ''خزرج'' کہا جاتا تھا۔

1 سبائك الذهب، ص: 270۔ 2 الرحيق المختوم، ص: 17,16۔


یمنی قبائل کی ہجرت
(سیل العرم کے بعد)
غسان ..... جنوبی شام کی طرف
جذام ..... تہامہ کی طرف
ازد ..... عمان کی طرف
اوس اور خزرج ..... یثرب کی طرف
جزیرہ نمائے عرب
الربع الخالی
بحیرہ احمر
بحیرہ قلزم
بحیرۂ عرب
بحیرۂ روم
خلیج فارس
خلیج عمان
خلیج عدن
بحر ہند
افغانستان
پاکستان
فارس (ایران)
عراق
مصر
سوڈان
حبشہ
حجاز
نجد
یمن
عمان
حضرموت
مارب
صنعاء
مدینہ منورہ
جدہ
غسان
جذام
ازد
اوس اور خزرج
صحرائے شام
صحرائے نوبیہ
1400 1500 1000 800 600 400 200 0

بنوخزرج کے جدِّ امجد خزرج بن حارثہ خزرج اکبر کہلاتے تھے۔

بنواوس کے ذیلی قبیلے

1 بنوحارثہ بن حارث بن خزرج اصغر بن عمرو (نبیت) بن مالک بن اوس: حرہ شرقیہ کے پاس دار بنی عبدالاشہل میں ان کی گڑھی "المسیر" کہلاتی تھی۔ بعد میں انھوں نے شمال مغرب میں جا کر الریان نامی گڑھی تعمیر کی۔ براء بن عازب رضی اللہ عنہما اسی قبیلے سے تھے۔



حرہ واقم (نزد مدینہ)

2 بنوعبدالاشہل بن جشم بن حارث بن خزرج اصغر: یہ بھی حرہ شرقیہ (حرہ واقم) کے پاس آباد تھے۔ ان کی گڑھی کا نام "واقم" تھا۔ جب بنو حارثہ ان سے لڑ جھگڑ کر مشہد حمزہ (شہادت گاہِ حمزہ رضی اللہ عنہ) کے مغرب میں منتقل ہوگئے تو بنوعبدالاشہل المسیر میں مقیم ہوگئے۔ دار بنی عبدالاشہل موجودہ مقام شیخین کے قریب تھا جہاں احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا معسکر (کیمپ) تھا۔

بنو زعوراء بن جُشم بھی ان کے بھائی بند تھے۔ اوس کے سردار سعد بن معاذ اور اُسید بن حضیر رضی اللہ عنہما بنوعبدالاشہل سے تھے۔ بنو حارثہ، عبدالاشہل، بنو زعوراء اور بنوظفر کو "نبیت" کہا جاتا تھا۔

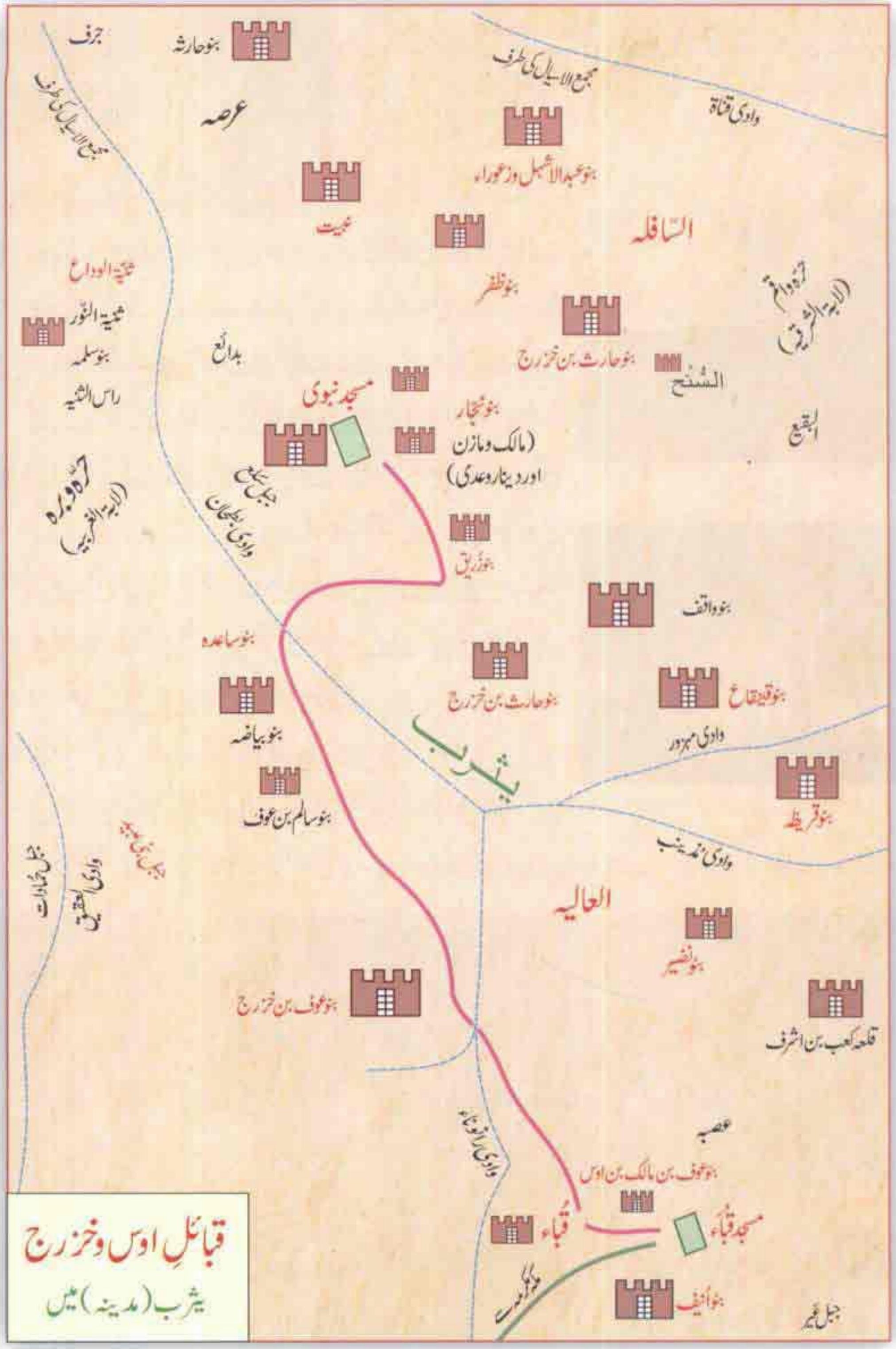
3 بنوظفر (کعب) بن خزرج اصغر: یہ بقیع کے مشرق میں عبدالاشہل کے پڑوس میں مقیم تھے۔ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تھے جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد میں حاسر (بے زرہ، برہنہ سر) کا لقب دیا۔

4 بنوعمرو بن عوف بن مالک بن اوس: ان کا مسکن قبا تھا۔ وہاں ان کی گڑھی "الشُّنَیف" کہلاتی تھی۔ عاصم بن ثابت بن ابوالاقلح رضی اللہ عنہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا اور کلثوم بن ہدم بن امرؤالقیس رضی اللہ عنہ بھی اسی قبیلے سے تھے جن کے ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے پڑاؤ کیا تھا۔



مسجد اجابہ (مدینہ)

5 بنو معاویہ بن مالک بن عوف بن عمرو بن عوف بن مالک بن اوس: یہ مدینہ کے مشہور قبرستان بقیع الغرقد کے پیچھے اسی نام کے محلے میں آباد تھے۔ مسجد اجابہ انھی کی بستی میں بنی۔ عبداللہ بن عبداللہ بن ثابت بن قیس اور سُبَیع بن حاطب بن قیس رضی اللہ عنہم اسی قبیلے سے تھے۔


قبائلِ اوس وخزرج
یثرب (مدینہ) میں
جرف
بنو حارثہ
مجمع الاسیال کی طرف
مجمع الاسیال کی طرف
وادی قناۃ
عرصہ
بنو عبد الاشہل و زعوراء
السافلہ
ثنیۃ الوداع
بنو ظفر
بنو سلمہ
راس الثنیہ
بدائع
بنو حارث بن خزرج
السُّنح
حرۂ واقم (الحرۃ الشرقیۃ)
مسجد نبوی
بنو نجار
(مالک ومازن
اور دینار وعدی)
البقیع
حرۂ وبرہ (الحرۃ الغربیۃ)
جبل سلع
وادی بطحان
بنو زریق
بنو واقف
بنو ساعدہ
بنو حارث بن خزرج
بنو قینقاع
یثرب
وادی مہزور
بنو بیاضہ
بنو قریظہ
بنو سالم بن عوف
وادی مذینب
العالیہ
وادی العقیق
بنو نضیر
بنو عوف بن خزرج
قلعہ کعب بن اشرف
وادی رانوناء
عصبہ
بنو عوف بن مالک بن اوس
قباء
مسجد قباء
بنو انیف
جبل عیر

6 بنوامیہ بن زید بن قیس بن عامر بن مُرّہ بن مالک بن اوس: مذینب نامی ندی ان کی بستی کے درمیان سے گزرتی تھی۔ ان کے بھائی بند بنووائل بن زید کی گڑھی ''الموجا'' کہلاتی تھی۔

بنوخزرج کے ذیلی قبیلے


وادی بطحان


مسجد جمعہ (مدینہ)

1 بنوحارث بن خزرج اکبر بن حارثہ: یہ وادیٔ بطحان کے مشرق میں عوالی میں رہتے تھے۔ حارث بن خزرج کے جڑواں بیٹے جشم اور زید محلّہ السُّنح میں مقیم تھے۔ عبداللہ بن زید بن عبدربہ رضی اللہ عنہما اسی قبیلے سے تھے جنھیں خواب میں اذان سنائی گئی۔

2 سالم و غنم ابنائے عوف بن عمرو بن عوف بن خزرج اکبر: یہ حرہ غربیہ کی طرف وادی رانوناء میں دار بنی سالم میں مقیم تھے جہاں مسجد جمعہ واقع ہے۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تھے۔ بنوسالم کی گڑھی ''المزدلف'' کہلاتی تھی۔ بنوسالم کے حارث بن خزمہ رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی ڈھونڈ کر لائے۔

3 بنوحبلٰی (مالک) بن سالم: بنوسالم کی یہ شاخ قباء اور دار بنی حارث بن خزرج اکبر کے درمیان قیام پذیر تھی۔ دار بنی حبلٰی میں ''مزاحم'' نامی گڑھی کا مالک منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول تھا۔

اس قبیلے میں سے بدری صحابہ رضی اللہ عنہم کی خاصی تعداد ہے۔ ان میں عبداللہ بن عبداللہ بن اُبَی اور اوس بن خولی رضی اللہ عنہما شامل ہیں۔

4 بنوجُشم بن خزرج اکبر کی شاخ بنوسَلِمہ بن سعد: یہ مسجد قبلتین اور اطم بنی حرام کے درمیان آباد تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بستی ''دارخُربیٰ'' کا نام بدل کر ''صُلحہ'' رکھا۔ ابوالیَسَر کعب بن عمرو سَلمی رضی اللہ عنہ نے غزوۂ بدر میں عمِ رسول عباس رضی اللہ عنہ کو گرفتار کیا تھا۔ ان کا تعلق بنوسلمہ سے تھا۔ بنوسَلِمہ اور بنوحرام کے باغات اور کھیت مسجد قبلتین اور مسجد الخربہ کے درمیان واقع تھے۔

5 بنوعبید بن عدی بن غنم: یہ بنوسلمہ کی ذیلی شاخ تھی۔ یہ لوگ مسجد الخربہ کے پاس آباد تھے۔ ان کے سردار براء بن معرور رضی اللہ عنہ کی گڑھی ''الْاَشْنَقْ'' کہلاتی تھی۔ جابر بن عبداللہ بن رِئاب رضی اللہ عنہ بھی اسی قبیلے سے تھے۔



مسجد بنی حرام (مدینہ)

6 بنوحرام بن کعب بن عدی: یہ بھی بنوسلمہ سے تھے۔ یہ مقبرہ بنی سلمہ سے مذاد تک بستے تھے۔ جابر بن عبداللہ بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہما اس قبیلے سے تھے۔ مسجد "بنی حرام الصغیر" میں نبی ﷺ نے نماز ادا کی تھی۔ ان کی دوسری مسجد "بنی حرام الکبیر" جبل سلع کے قریب واقع تھی۔

7 بنو مالک بن غضب بن جُشم بن خزرج اکبر: ان کی پانچ ذیلی شاخیں بنو بیاضہ وزُرَیق، بنوحبیب، بنوعذارہ، بنواللبین اور بنواجدع تھیں۔ یہ مسجد جمعہ کے پاس واقع دار بنی سالم سے وادی بطحان تک آباد تھے۔ ان کی 19 گڑھیاں تھیں۔ سلمہ بن صخر بن سلمان رضی اللہ عنہ بنو مالک میں سے تھے۔ زیاد بن لبید بن سِنان بدری رضی اللہ عنہ بنو بیاضہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ذکوان بن عبدقیس بن خلدہ رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوزریق سے تھا۔

8 بنوساعدہ بن کعب بن خزرج اکبر کی دو شاخیں بنوعمرو اور بنوثعلبہ دار بنی ساعدہ میں آباد تھیں جو سوق مدینہ اور محلّہ بنی ضمرہ کے مابین واقع تھا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ بنوثعلبہ سے تعلق رکھتے تھے۔

9 بنوساعدہ کی ایک شاخ بنوابی خزیمہ بن ثعلبہ، سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کا قبیلہ تھا۔ ان کا محلّہ شہر کے شمال میں تھا جو سقیفہ بنی ساعدہ کہلاتا تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ مسجد نبوی کے شمال مغرب میں قبیلہ خزرج کی شاخ بنوساعدہ کے علاقے میں ایک سایہ دار چبوترہ تھا۔ لوگ دھوپ سے بچنے کے لیے یہاں آبیٹھتے تھے۔ اسی جگہ لوگ اکٹھے ہو کر اپنے معاملات کے فیصلے کرتے اور ایک دوسرے کے حال احوال دریافت کرتے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ ہی میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بیعت کی گئی۔ [1] بنوساعدہ ہی میں سے بنووقش اور بنوعناق تھے جن کا محلّہ بنوطریف (یا بنوساعدہ) کہلاتا تھا۔

[1] معجم البلدان، مادة: سقيفة بني ساعدة، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔



سقیفہ بنوساعدہ (مدینہ) کا باغیچہ


بنواوس اور بنوخزرج
کا شجرہ نسب
حارثہ
اوس
بنواوس کا جدِ امجد
مالک
خزرج الاکبر
بنوخزرج کا جدِ امجد
محمد رسول اللہ

10 بنونجار کا جد امجد نجار (تیم اللہ) بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج اکبر تھا۔ یہ نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا ننھیالی قبیلہ تھا۔ بنونجار کی چار شاخیں تھیں: بنو مالک، بنوعدی، بنو مازن اور بنو دینار۔ بنوعدی مسجد نبوی کے مغرب میں رہتے تھے جبکہ بنو دینار وادیِ بطحان کے پیچھے آباد تھے۔ مسجد بنو دینار کے پیچھے ان کی گڑھی ''المنیف'' واقع تھی۔ بصرہ میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی خادم رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ بنوعدی بن نجار میں سے تھے۔ سلیط بن قیس عدوی رضی اللہ عنہ عراق کی جنگ ''یوم جسر'' میں شہید ہوئے۔ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بنو مالک بن نجار سے تعلق رکھتے تھے۔ اُن کی گڑھی کا نام ''فارع'' تھا۔ بنو مالک کے سہل بن عتیک رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ سہیل بن رافع اور سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہما کا تعلق بھی بنو مالک سے تھا۔ بدری صحابی قیس بن مخلد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ بنو مازن میں سے تھے اور حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی اسی قبیلے سے تھا۔ حارث بن ابی صعصعہ مازنی رضی اللہ عنہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور ان کے دو بھائیوں ابوکلاب اور جعفر رضی اللہ عنہما نے غزوہ موتہ میں شہادت پائی تھی۔ انھیں اللہ کے رسول ﷺ نے یمامہ میں مسیلمہ کذاب کی طرف قاصد بنا کر بھیجا تھا۔ بدری صحابہ نعمان بن عبد، عمرو بن مسعود اور ان کے بھائی ضحاک، نیز کعب بن زید بن قیس اور عبداللہ بن ابوخالد بن قیس رضی اللہ عنہم کا تعلق بنو دینار سے تھا۔[1]

بُعاث کا خون ریز معرکہ

اسلام سے پہلے یہودیوں کی سازشوں کے باعث اوس اور خزرج میں 120 برس تک وقتاً فوقتاً لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ان میں سے مشہور یہ ہیں: حربِ سُمیر، حربِ کعب بن عمرو، یوم السرارہ، یوم الدّیک اور حربِ بُعاث۔ بیشتر جنگوں میں خزرج فتح یاب رہے۔ آخر کار اوس نے یہود بنوقریظہ سے اتحاد کر لیا اور جب خزرج نے یہود کو جنگ کی دھمکی دی تو انھوں نے غیر جانبداری ظاہر کی۔ اس پر خزرج نے یہود سے یرغمال مانگے تو انھوں نے اپنے چالیس نوجوان خزرج کے حوالے کر دیے جو ان کے مختلف قبیلوں نے بانٹ لیے۔ اس کے بعد قبائل خزرج نے متحد ہو کر اوس پر حملہ کر دیا جس میں بہت سے اوسی مارے گئے۔

ابوالفرج اصفہانی کہتے ہیں کہ اوس کے ایک شخص نے خزرج کے ایک حلیف کو قتل کر دیا۔ انھوں نے قصاص یا خون بہا مانگا تو اوس نے انکار کر دیا، یوں ان میں جنگ چھڑ گئی جو جنگ بعاث کہلاتی ہے۔

یہ جنگ 7 نبوی/617ء میں نخلستانِ عوالی کے شمال مغرب میں بنوقریظہ کے علاقے بُعاث میں لڑی گئی۔[2] اوس کا سالار حضیر بن سماک (اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کا والد) تھا۔ اس کا مدِّ مقابل سردار عمرو بن نعمان تھا۔ اس کے ساتھیوں

[1] ملخص از وفاء الوفا للسمهودي:1/190-214. [2] معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص:47.

میں بڑی تعداد تو خزرج کی تھی لیکن بنو جُہینہ کے کچھ بدوی بھی ان کے ساتھ آ ملے تھے۔ دوسری طرف تمام اوسی قبائل رزم آرا تھے، سوائے بنو حارثہ کے جنھیں عبدالاشہل نے ان کے علاقے سے نکال دیا تھا۔ جنگ میں اوّل اوّل اوس کو پیچھے ہٹا دیا گیا تھا لیکن انجام کار انھوں نے اپنے مخالفوں کو بھگا دیا۔ اگرچہ دونوں طرف کے سالار لڑائی میں ہلاک ہوگئے، پھر بھی کوئی قطعی تصفیہ نہ ہوسکا بلکہ لڑائی کا خاتمہ ایک غیر تسلی بخش عارضی صلح پر ہوا حتی کہ اسلام نے آکر اوس اور خزرج کو باہم شیر و شکر کر دیا۔ [1]

اوس و خزرج آلِ اسماعیل ہیں؟

انصار کے قبائل اوس اور خزرج کے نسب کے بارے میں ماہرین انساب میں خاصا اختلاف ہے۔ عام مؤرخین اور اہلِ انساب کا کہنا ہے کہ اوس اور خزرج یمن سے آئے تھے اور وہ قحطان کی اولاد سے ہیں جو عرب متعربہ (عرب عاربہ) یعنی تمام اہلِ یمن کا جد امجد تھا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (م 852ھ) نے فتح الباری میں صحیح البخاری کے باب "نسبة اليمن إلى إسماعيل" کی شرح میں اس پر خاصی بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں: "قحطان کے نسب میں اختلاف ہے۔ اکثر اہل علم کا خیال ہے کہ قحطان، عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) کا بیٹا یا ہود علیہ السلام کی اولاد یا ان کا بھتیجا تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے عربی میں کلام کیا اور وہ عرب متعربہ کا جد اعلیٰ ہے جبکہ اسماعیل علیہ السلام عرب مستعربہ کے جدِ امجد تھے...... لیکن زبیر بن بکار کے خیال میں خود قحطان، اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے تھا اور اس کا نسب یہ ہے: قحطان بن ہمیسع بن تیم بن نبت بن اسماعیل۔" [2]

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ قصۂ ہاجرہ سے بھی واضح ہے جبکہ انھوں نے انصار سے کہا تھا: فَتِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِي مَاءِ السَّمَاءِ! "اے آسمانی پانی کے بیٹو! وہ تمھاری ماں تھیں۔" [3] امام ابوحاتم ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تمام اولادِ ہاجرہ بنی ماء السماء کہلاتی ہے کیونکہ اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بیٹے ہیں اور انھوں نے آبِ زمزم سے پرورش پائی جو آسمان سے اترنے والا پانی ہے۔ [4]

بنو قحطان آلِ اسماعیل کیونکر؟

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک قحطان کے آل اسماعیل ہونے کی بات راجح ہے کیونکہ کبار (انصاری)

[1] وفاء الوفا للسمهودي:1/215-218، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ:4/623. [2] فتح الباري:6/657. [3] صحيح البخاري: 3358. [4] صحيح ابن حبان (الإحسان):7/496.

صحابہ اور قحطان کے مابین آباء کی تعداد اس تعداد کے لگ بھگ ہے جو کبار (قریشی) صحابہ اور عدنان کے درمیان آباء کی ہے۔ اس کے بعد ابن حجر رحمہ اللہ نے عدنان اور اسماعیل علیہ السلام کے مابین سلسلۂ نسب کے دس سے زیادہ مختلف اقوال بیان کیے ہیں جن میں نسبی کڑیوں کی تعداد چار پانچ سے لے کر چالیس تک بتائی گئی ہے۔[1] ہم ان شدید اختلافات سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں: حدیث سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ میں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمنی قبیلہ بنو اسلم خزاعی قحطانی سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ وہ بنو اسماعیل سے ہیں۔ ابن عبدالبر قرطبی نے قعقاع بن ابی حدرد رضی اللہ عنہ[2] کی روایت میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو اسلم اور خزاعہ کے ایک گروہ سے جو تیر اندازی کا مقابلہ کر رہے تھے، کہا تھا: ''اے بنو اسماعیل! تیر چلاؤ۔'' بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان میں بنو خزاعہ (اسماعیلی) زیادہ تھے، شاید اس لیے آپ نے ان سب کو بنو اسماعیل کہہ کر پکارا۔ اس بات سے اختلاف کرنے والے ہمدانی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بنو اسلم اور بنو خزاعہ کو بنو اسماعیل کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اپنے باپوں کی طرف سے اولادِ اسماعیل ہیں، بلکہ ہوسکتا ہے وہ ماؤں کی طرف سے اولادِ اسماعیل ہوں کیونکہ قحطانی اور عدنانی باہم رشتے ناتے کر کے گھل مل گئے تھے۔ یوں آلِ قحطان ماؤں کی طرف سے بنو اسماعیل ہوسکتے ہیں۔ اہلِ یمن کے بنو اسماعیل سے ہونے کی ایک دلیل سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دادا ابن منذر بن عمرو بن حرام[3] کے یہ اشعار بھی ہیں:

وَرِثْنَا مِنَ الْبُهْلُولِ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ ... وَ حَارِثَةَ الْغِطْرِيفِ مَجْدًا مُؤَثَّلَا
مَآثِرَ مِنْ آلِ نَبْتِ ابْنِ مَالِكٍ ... وَنَبْتِ ابْنِ إِسْمٰعِيلَ مَا إِنْ تَحَوَّلَا

''ہم نے بہلول عمرو (ثعلبہ) بن عامر اور حارثہ الغطریف کی حقیقی بزرگی ورثے میں پائی۔ اگر تحول (تبدیل) کر کے نسب نبت بن مالک[4] اور نبت بن اسماعیل میں سے کسی کے ساتھ بھی جوڑا جائے تو ہمیں ان دونوں کی وراثت ملی ہے۔''[5]

سید سلیمان ندوی کے دلائل

معروف محقق اور مؤرخ سید سلیمان ندوی نے انسابِ عرب پر بڑی تحقیق کی ہے۔ وہ ہشام بن محمد بن سائب کلبی

[1] فتح الباري:6/657-659. [2] بعض علماء نے ان کا نام قعقاع بن عبداللہ بن ابی حدرد اسلمی رضی اللہ عنہ بتایا ہے۔ امام بخاری نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ [3] أسدالغابة (7/2) اور الإصابة (55/2) میں حسان رضی اللہ عنہ کے دادا کا نام ''منذر بن حرام بن عمرو'' ہے۔ [4] یہ نبت بن مالک قحطانی اور ازد بن غوث کے دادا تھے۔ (سبائك الذهب، ص: 118)۔ [5] فتح الباري:6/659.

اور ابن ہشام کی آراء کو مسترد کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے کی مطابقت میں اوس اور خزرج کے اسماعیلی ہونے پر درج ذیل مضبوط دلائل پیش کرتے ہیں:

1 صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے انصار کے ایک مجمع کو مخاطب کر کے حضرت ہاجرہ کا قصہ سُنایا اور آخر میں کہا: ''اے آسمان کے پانی کے بیٹو (پاک نسب والو)! یہ تھیں تمھاری ماں۔'' محدثین کو اس حدیث کی تاویل میں نہایت دقتیں پیش آئیں لیکن آج جدید تحقیق نے تاویل و اشتباہ کا پردہ چاک کر دیا ہے۔

2 تمام علمائے انساب اس بات پر متفق ہیں کہ اوس اور خزرج، غسان کے ہم نسب ہیں اور اوس اور خزرج کا بھی بجائے خود یہی دعویٰ ہے، لہٰذا غسان کے نابتی الاصل (اسماعیلی) ہونے کے دلائل بعینہٖ اوس اور خزرج کے نابتی ہونے پر بھی دلالت کرتے ہیں۔

3 اوس وخزرج کے اسماعیلی ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ قریش سے ان کے رشتے ناتے تھے اور وہ ہر سال پابندی سے حج کو آتے تھے۔

4 منذر بن حرام (حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا دادا) جو زمانۂ جاہلیت میں تھا اور خزرج کے قبیلے سے تھا، (مذکورہ بالا) اشعار میں اپنا نسب نابت (یا نبت) بن اسماعیل تک پہنچاتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے۔

5 عمرو (مزیقیا) بن عامر بن حارثہ غسان اور اوس وخزرج دونوں کے پدرِ اعلیٰ تھے۔ غسان نے شام کا رُخ کیا اور اوس وخزرج نے حجاز کے شہر یثرب میں سکونت اختیار کی۔ [1]

2 حارثہ بن عمرو مزیقیا


وادی مرالظہران (وادی فاطمہ)

بنو حارثہ بن عمرو مزیقیا میں خزاعہ بن عمرو بن لحی بن حارثہ کی اولاد بنو خزاعہ کہلائی۔ یہ لوگ پہلے سرزمین حجاز میں گھومتے ہوئے مَرّ الظّہران میں خیمہ زن ہوئے، پھر حرم پر دھاوا بول دیا اور بنو جرہم کو نکال کر خود مکہ میں بود و باش اختیار کر لی۔ عمرو بن لُحی ہی نے سب سے پہلے مکہ میں بُت پرستی کو رواج دیا۔ اُم المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ بنو مصطلق (جُزیمہ) انھی میں سے تھا۔ بنو حارثہ کی دیگر شاخیں اسلم،

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 66,65/2.

بارق اور غامد تھیں۔ بنو اسلم میں بُریدہ بن حُصیب اسلمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہوئے۔

3 عمران بن عمرو مزیقیا

عمران اور اس کی اولاد نے عُمان میں سکونت اختیار کی، اس لیے یہ لوگ ازد عمان کہلاتے ہیں۔ [1]

4 جفنہ بن عمرو مزیقیا (آل غسّان)

جفنہ نے شام کا رُخ کیا اور اپنی اولاد سمیت وہاں مقیم ہوگیا۔ انھیں آلِ غسّان اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کے ازدی اجداد نے شام منتقل ہونے سے پہلے مشلّل (تہامہ) یا یمن میں غسّان نامی چشمے پر کچھ عرصہ قیام کیا تھا۔ بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ مازن بن ازد کا نام غسان تھا جو غسانیوں کا جدِّ اعلیٰ ہے۔ [2]

علمائے انساب اوس و خزرج کی طرح غسانیوں کو بھی قحطانی قرار دیتے ہیں مگر ابوطاہر مقدسی البدء والاخبار میں لکھتے ہیں: ''سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے دادا منذر بن حرام جو زمانۂ جاہلیت کے شاعر تھے، ان (اوس وخزرج) کا نسب غسان تک، پھر ثابت بن مالک تک اور پھر ثابت بن اسماعیل بن ابراہیم علیہ السلام تک بیان کرتے ہیں۔'' سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ انھیں عدنانی قرار دیتے ہوئے اس کی ایک یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ آل غسان کی زبان شمالی عربی اور خط تحریر نبطی ہے۔ اگر یہ قحطانی خاندان ہوتا تو زبان و خط دونوں حمیری ہوتے۔ [3]

(ب) نصر (شنوءہ) بن ازد

اس سے تعلق رکھنے والے قبائل نے تہامہ میں قیام کیا۔ یہ لوگ اَزدِ شَنُوءَہ کہلاتے ہیں۔ [4] نصر شنوءہ کی اولاد میں بنودوس نے شہرت پائی۔ طُفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ اسی قبیلے سے تھے۔

2 لخم و جذام

زید بن کہلان کی اولاد میں عدی بن حارث بن مُرّہ بن اُدد بن زید کے چار بیٹے تھے: لَخم (مالک)، جُذام، عاملہ (حارث) اور عُفیر۔ لَخم کی بستیاں شام و فلسطین میں اور جُذام کی بستیاں مدین سے تبوک تک تھیں۔ قبول اسلام کے بعد بنولَخم مصر، المغرب (مراکش)، جولان (شام) اور کنعان (فلسطین) میں بکھرے ہوئے تھے۔ عراق میں آل منذر (غسانی) اور مغرب و اندلس میں بنوعباد انھی میں سے تھے۔ قبل از اسلام یہ مشتری سیارے کی عبادت کرتے

[1] محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 15/1. [2] معجم قبائل العرب: 884/3، محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 15/1.
[3] تاریخ ارض القرآن (کامل): 61,60/2. [4] محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 15/1.

تھے۔ ان کے بُت کا نام اقیصر تھا۔

3 بنو طے

یہ طے (جلہمہ) بن اُدَد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کہلان کی اولاد ہیں۔ اس قبیلے نے بنو اُزد کے ترکِ وطن کے بعد شمال کا رخ کیا اور اجا اور سلمٰی نامی دو پہاڑوں کے اطراف میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو گیا یہاں تک کہ یہ دونوں پہاڑ قبیلہ طے کی نسبت سے مشہور ہو گئے۔ مشہورِ عالم، سخی عرب سردار حاتم طائی کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ ان کے فرزند عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور جلیل القدر صحابہ میں شمار ہوئے۔

4 بنو کندہ

یہ لوگ لخم و جذام کے بھائی عفیر بن عدی بن حارث بن مرہ بن ادد بن زید بن یشجب کی نسل سے تھے۔ یہ پہلے بحرین (موجودہ اَلْاَحْسَاء) میں خیمہ زن ہوئے لیکن مجبورًا وہاں سے منتقل ہو کر حضرموت چلے گئے، تاہم انھیں وہاں بھی امان نہ ملی اور آخر کار نجد میں ڈیرے ڈالنے پڑے، پھر یہاں ان لوگوں نے ایک عظیم الشان حکومت کی داغ بیل ڈالی۔



بنو حمیر کے معروف قبائل

بنو حمیر کے تین قبائل زیادہ مشہور ہوئے: 1 بنو قضاعہ 2 بنو سکسک 3 زید الجمہور۔

1 بنو قضاعہ

مالک بن حمیر کی اولاد میں سے قبیلہ قضاعہ مشہور ہے (اگرچہ اس کا حمیری ہونا مختلف فیہ ہے)۔ انھوں نے یمن سے ترکِ وطن کر کے حدودِ عراق میں بادیہ سماوہ کے اندر بود و باش اختیار کی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں قضاعہ کی شاخیں بلی، کلب، عذرہ اور جُہینہ مشہور تھیں۔

2 بنو سکسک

زید بن وائلہ (وائل) بن حمیر کے بیٹے سکسک کی اولاد سکاسک کہلائی۔ سکسک یمن کا بادشاہ تھا، اس کا لقب مُقَعْقِعُ الْعُمُد (بہت زیادہ سفر کرنے والا) تھا۔ اس نے عراق میں وفات پائی اور یمن میں دفن کیا گیا۔[1] (بنو کندہ کی ایک شاخ حُمیس السکسک کہلاتی تھی۔)[2]

3 زید الجمہور

ان کا نسب نامہ زید الجمہور بن سہل بن عمرو بن قیس بن معاویہ بن جشم بن عبد شمس بن وائل بن الغوث بن قطن بن عریب بن ایمن بن حمیر ہے۔

---

[1] معجم البلدان، مادة: السكاسك، معجم قبائل العرب: 527/2، الأعلام: 105/3. [2] ان قبائل کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: قلب جزيرة العرب، ص: 231-236، محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 16,15/1.

3

عرب مستعربہ

بیشتر مؤرخین کے مطابق عرب بائدہ اور عرب عاربہ کے بعد عربوں کا تیسرا بڑا نسلی گروہ عرب مستعربہ ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام سُریانی عبرانی زبان بولتے تھے اور مکہ میں قحطانی قبیلہ بنوجرہم کے ساتھ رہ کر انھوں نے اور ان کی اولاد نے عربی زبان سیکھ لی، لہٰذا وہ عرب مستعربہ کہلائے۔ لیکن شام کے محقق شوقی ابوخلیل اس نظریے کو تسلیم نہیں کرتے اور یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی زبان بذات خود عربی تھی۔ وہ لکھتے ہیں: ”عرب مستعربہ والی بات ایک خود ساختہ کہانی ہے جو بعض مؤرخین نے بیان کی اور چلی آرہی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا دور بذاتِ خود عربی دور ہے، اس کا سُریانی زبان بولنے والوں یا یہود سے کوئی تعلق نہیں...... ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں اس خطے کی زبان ایک ہی (لغت ام، یعنی مادری زبان) تھی اور جزیرہ نمائے عرب کے لوگ ہلال خصیب (Fertile Crescent) کی طرف ہجرت کرنے سے پہلے وہی زبان (عربی) بولتے تھے۔ اس وقت ابھی اس زبان کی مختلف بولیاں، جیسے کنعانی، آرامی اور عموری وجود میں نہیں آئی تھیں۔ یوں آرامی قبائل جن سے ابراہیم علیہ السلام تعلق رکھتے تھے، ان کی زبان بھی وہی تھی جسے فلسطین کے کنعانی اور عموری بولتے تھے اور وہ لغت اُم (عربی آرامی) کے بہت قریب تھی...... سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام عربی آرامی قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو کہ اسرائیلیوں، موسویوں اور یہود کے وجود میں آنے سے صدیوں پہلے اس خطے میں آباد تھے...... ”سامی“ اور ”غیر سامی“ کی اصطلاحات کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ”سامی“ کا شوشہ سب سے پہلے جرمن عالم اے ایل شلوتسر نے، یہودی دعاوی کی حمایت میں، اپنی کتاب ”توراتی و مشرقی ادب کی فہرست“ (مطبوعہ 1781ء) میں چھوڑا تھا۔“[1]



آرامی عربی کا عکس

عرب مستعربہ کا آغاز سیدنا ابراہیم اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام سے ہوتا ہے، اس لیے ان دونوں برگزیدہ ہستیوں کے مختصر احوال یہاں پیش خدمت ہیں۔

[1] اطلس القرآن، ص: 44-47.

1 ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا نسب نامہ بائبل میں یوں ہے:

ابراہیم بن تارخ (آزر) بن ناحور بن شاروغ بن ارغوا بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح (علیہما السلام)۔[1] اُردو بائبل میں والد کا نام ''تارح'' درج ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام

ارشاد باری ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾

''اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا: کیا تم بتوں کو معبود ٹھہراتے ہو؟''[2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما اور اکثر علمائے انساب کا یہ کہنا ہے کہ اس کا اصل نام تارح تھا۔[3] امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ اس کا نام آزر تھا۔ ممکن ہے، اسے دو ناموں سے پکارا جاتا ہو۔[4] قرآن مجید نے صراحت سے آزر کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا باپ کہا ہے۔ علاوہ ازیں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابراہیم (علیہ السلام) کی روز قیامت اپنے باپ آزر سے ملاقات ہوگی، جب کہ آزر کے چہرے پر سیاہی اور گرد پڑ رہی ہوگی۔''[5] یوں کتاب و سنت دونوں ابراہیم علیہ السلام کے باپ کے نام ''آزر'' پر متفق ہیں، لہٰذا صحیح ترین قول یہی ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش: کوثیٰ

یہ بات مشہور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش بابل (عراق) کا شہر ''اُور'' تھا۔ دراصل آپ کی پیدائش بابل کے شمال مشرق میں واقع ''کوثیٰ'' نامی قصبے میں ہوئی، البتہ آگ سے صحیح سلامت بچ نکلنے کے بعد آپ اُور چلے

---

[1] المعارف لابن قتیبة، ص: 15، کتاب مقدس (پیدائش) 11:10-27. [2] الأنعام 6:74. [3] البدایة والنهایة: 1/134. [4] تفسیر الطبري، الأنعام 6:74. [5] صحیح البخاري: 3350.



حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منسوب شہر ''اور''

آئے اور وہیں سے آپ نے پہلے حران کی طرف اور پھر حران سے فلسطین کی طرف ہجرت کی تھی۔[1] کوثیٰ کا بابل شہر سے فاصلہ تقریباً 40 کلومیٹر ہے۔ معجم البلدان میں کوثیٰ کے ذیل میں لکھا ہے:

''یہ نہر کوثیٰ کے کنارے واقع تھا جو بنوارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) میں سے کوثیٰ نامی شخص سے موسوم تھی۔ وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی والدہ بونا بنت کرنبا بن کوثیٰ کے دادا تھے۔ نہر کوثیٰ فرات سے نکالی گئی پہلی نہر تھی۔ مشہور تابعی عبیدہ سلمانی رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ ہم کوثیٰ کے نبطی ہیں۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ قول مروی ہے کہ ہم خاندانِ قریش، نبط کوثیٰ کی ایک شاخ ہیں۔ عہد فاروقی میں فتح قادسیہ کے بعد سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حکم پر سیدنا زہرہ بن حَوِیَّہ رضی اللہ عنہ نے کوثیٰ پر حملہ کیا اور وہاں کے حاکم شہر یار کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ مقامی روایت کے مطابق یہ وہی جگہ تھی جہاں نمرود اور اس کے اہل وطن نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا۔ سعد رضی اللہ عنہ نے بابل سے کوثیٰ جا کر اس شہر کی زیارت کی۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام پر درود بھیجا اور آیت پڑھی:

﴿ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ﴾ (آل عمرٰن 3:140)

''ہم زمانے کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔''[2]

ابراہیم علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مشابہت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''سیدنا ابراہیم علیہ السلام (کا حلیہ معلوم کرنے) کے لیے اپنے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لو۔ رہے موسیٰ علیہ السلام تو وہ گھنگریالے بالوں والے، گندمی رنگت کے تھے، سرخ اونٹ پر سوار تھے جس کی نکیل کھجور کے پتوں کی تھی،

[1] اٹلس سیرت نبوی (دارالسلام)، ص: 43. [2] اٹلس سیرت نبوی، ص: 44،43، معجم البلدان، مادۃ: کوثی.

گویا میں انھیں دیکھ رہا ہوں کہ وادی کے نشیب میں اتر رہے ہیں۔''[1]

بت پرست باپ سے مکالمہ

ابراہیم علیہ السلام کا والد بتوں کا پجاری تھا، پجاری ہی نہیں بت تراش بھی تھا، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اسی کو دعوتِ توحید دی۔ آپ نے پیار بھرے حکیمانہ انداز میں توحید کا درس دیا مگر باپ نے انتہائی سخت رویہ اختیار کیا اور ابراہیم علیہ السلام کو سخت دھمکی دی۔ ارشاد باری ہے:

﴿ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـًٔا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ۝ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖۗ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا ۝ ﴾

''جب اس (ابراہیم علیہ السلام) نے اپنے باپ سے کہا: اے میرے باپ! تو اس کی عبادت کیوں کرتا ہے جو نہ سنے، نہ دیکھے اور نہ تیرے کچھ کام آئے؟ اے میرے باپ! بے شک میرے پاس وہ علم آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا' لہٰذا تو میرا اتباع کر، میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں گا۔ اے میرے باپ! تو شیطان کی عبادت نہ کر، بلاشبہ شیطان رحمٰن کا سخت نافرمان ہے۔ اے ابا جان! بے شک میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے عذاب آ پکڑے، پھر تو شیطان کا ساتھی ہو جائے۔ وہ (آزر) کہنے لگا: اے ابراہیم! کیا تو میرے معبودوں سے منہ پھیرے ہوئے ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے ضرور رجم کردوں گا اور تو لمبا عرصہ مجھ سے دور چلا جا۔ اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا: تجھ پر سلامتی ہو' عنقریب میں تیرے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا' بے شک وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ اور میں کنارہ کش ہوتا ہوں تم سے اور اُن سے جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اور میں تو اپنے رب ہی کو پکارتا ہوں۔ امید ہے کہ میں اپنے رب کو پکار کر محروم نہ رہوں گا۔''[2]

اجرامِ فلکی کے غروب سے معرفتِ الٰہی

اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مظاہرِ قدرت کے حکیمانہ مشاہدے کے ذریعے سے ایمان و یقین کا اعلیٰ ترین

[1] صحيح البخاري: 3355. [2] مريم 19:42-48.

رتبہ عطا فرمایا تا کہ آپ پُر زور طریقے سے اور دلائل کی روشنی میں دعوتِ توحید دے سکیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾

”اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہی دکھاتے تھے، تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے، چنانچہ جب اس پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ اس نے کہا: یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں سے محبت نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا۔ چنانچہ جب اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ پھر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف مرکوز کر لیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“ [1]

بُت پرستوں کو بت شکن کی طرف سے دعوتِ غور وفکر

اہلِ بابل بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایک روز اُن سے بت پرستی کے بارے میں مناظرہ کیا اور وہ لوگ ہٹ دھرم ثابت ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کے بتوں کو توڑ پھوڑ کر قوم کے سامنے ان کا باطل ہونا واضح فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ○ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَاۤ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ○ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِيْمُ ○ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ○ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ○ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ○ فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ○ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ ○ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ○

[1] الأنعام 6:75-79.

﴿أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○﴾

''چنانچہ اس نے ان کے بڑے (بت) کو چھوڑ کر باقی سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا تا کہ وہ اس کی طرف رجوع کریں۔ وہ (آئے اور) کہنے لگے: کس نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے؟ بلاشبہ وہ ضرور ظالموں میں سے ہے۔ لوگوں نے بتایا: ہم نے ایک نوجوان کو ان کا ذکر کرتے سنا تھا، اسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔ انھوں نے کہا: پھر تم اسے لوگوں کے سامنے لے آؤ تا کہ وہ دیکھیں۔ (ابراہیم علیہ السلام بُلانے پر آئے تو) انھوں نے پوچھا: اے ابراہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے؟ انھوں نے کہا: (نہیں) بلکہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے، لہٰذا تم ان سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ پھر انھوں نے اپنے دل میں سوچا تو (باہم) کہنے لگے: بے شک تم ہی ظالم ہو۔ پھر وہ (شرمندگی کے مارے) اپنے سر ڈال کر اوندھے ہو رہے (اور کہا:) بلاشبہ تو جانتا ہے کہ یہ (بت) بولتے نہیں۔ ابراہیم نے کہا: کیا پھر تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھیں کچھ نفع نہیں دے سکتے اور نہ تمھیں نقصان دے سکتے ہیں۔ تُف ہے تم پر اور ان پر جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، کیا پھر تم عقل نہیں رکھتے؟''[1]

نارِ نمرود کا سرد ہونا

گمراہ قوم نے لاجواب ہونے پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو نشانِ عبرت بنانے کا پروگرام بنایا۔ انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈال دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر سے اپنے خلیل کو بچا کر اپنی قدرت کاملہ کا اظہار اور اہل ایمان کے لیے وعدۂ نصرت کا اثبات فرمایا۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿قَالُوا حَرِّقُوهُ وَانصُرُوا آلِهَتَكُمْ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ○ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ○ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ ○﴾

''انھوں نے کہا: اگر تمھیں کچھ کرنا ہے تو اس (ابراہیم) کو جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ اور انھوں نے ابراہیم کا برا چاہا تھا، تو ہم نے انھیں ہی بہت خسارے میں ڈال دیا۔''[2]

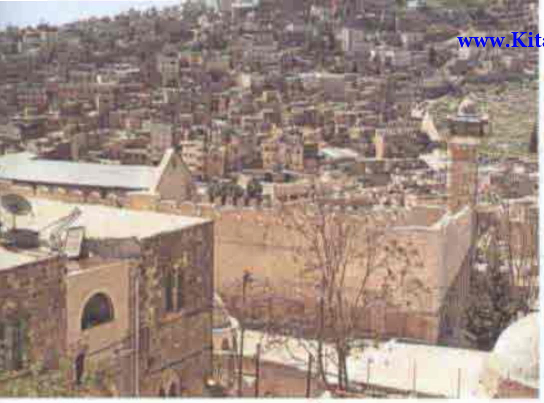
اُور، حران اور فلسطین کی طرف ہجرت

سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے والد اور قوم سے جدا ہو کر فرات کے دائیں کنارے ایک بستی میں چلے گئے جو ''اُور کلدانیہ''

[1] الأنبیآء 21:58-67. [2] الأنبیآء 21:68-70.



حران (ترکی) کے آثار



الخلیل میں مسجد ابراہیمی

کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ ان کے بھتیجے لوط علیہ السلام اور زوجہ سارہ علیہا السلام ان کے ہمراہ تھے۔ کچھ دنوں بعد یہاں سے حران (الجزیرہ) کی راہ لی اور وہاں جا کر دین حنیف کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام حلب (شام) سے ہوتے ہوئے فلسطین جا پہنچے اور اسے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنالیا۔[1]

سفرِ مصر اور حضرت ہاجرہ سے شادی

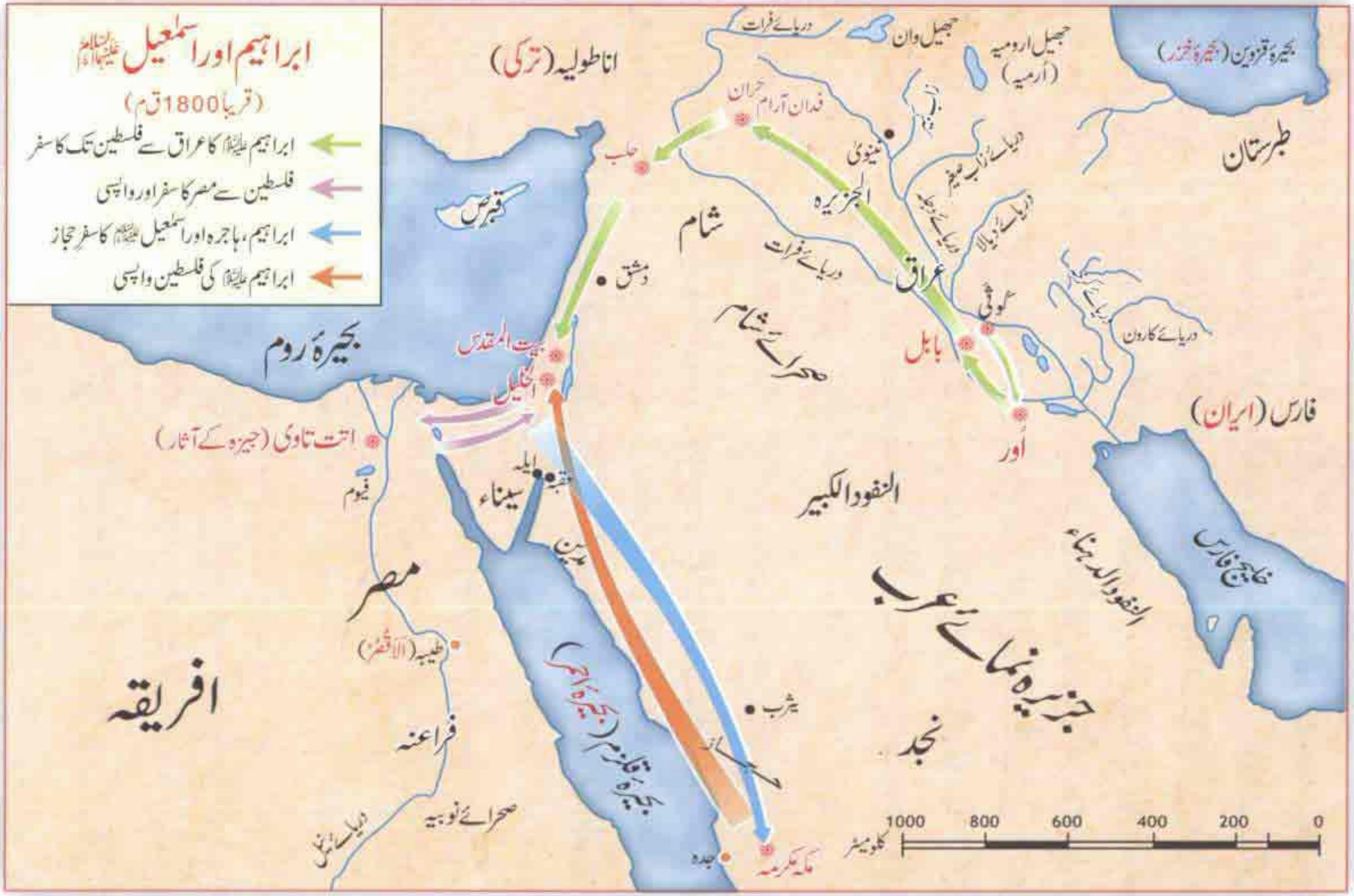
سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فلسطین کو دعوت و تبلیغ کا مرکز بنا لیا تھا۔ اس سلسلے میں ایک بار آپ مصر تشریف لے گئے۔ آپ کی بیوی سیدہ سارہ علیہا السلام بھی ہمراہ تھیں۔ وہاں کے جابر بادشاہ کو ان کے بہت حسین ہونے کے بارے میں بتایا گیا تو وہ بدنیت ہوگیا اور انھیں اپنے پاس بُرے ارادے سے بلایا لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدہ سارہ علیہا السلام کی دعا کے نتیجے میں اسے اپنی شدید گرفت میں لے لیا تو وہ برے ارادے سے باز آ گیا اور اس نے ایک شہزادی ہاجرہ علیہا السلام کو ان کی خدمت میں دے دیا۔ پھر سیدہ سارہ علیہا السلام نے سیدہ ہاجرہ علیہا السلام کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی زوجیت میں دے دیا۔[2]

مشہور ہے کہ سیدہ ہاجرہ علیہا السلام لونڈی تھیں لیکن علامہ سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے مفصل تحقیق کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ وہ لونڈی نہیں بلکہ آزاد تھیں اور شہزادی تھیں۔[3]

حضرت سارہ کی فرمائش اور حکمِ الٰہی

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدہ سارہ علیہا السلام کو ہمراہ لے کر فلسطین واپس تشریف لائے، پھر اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو سیدہ ہاجرہ کے بطن سے ایک فرزند ارجمند اسماعیل علیہ السلام عطا فرمایا لیکن بشری تقاضے سے سیدہ سارہ کو، جو بے اولاد تھیں، اپنی محرومی کا شدید احساس ہوا اور انھوں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو مجبور کیا کہ ہاجرہ کو ان کے نوزائیدہ بچے سمیت کسی اور جگہ بسائیں۔ یہ سیدہ سارہ ہی کی خواہش نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کو چونکہ اپنے گھر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کو

[1] اطلس القرآن (اردو)، ص:74 و80. [2] صحیح البخاري: 2217 و 3358. [3] دیکھیے: رحمۃ للعالمین: 2/38-41.


ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام
(قریباً 1800 ق م)
ابراہیم علیہ السلام کا عراق سے فلسطین تک کا سفر
فلسطین سے مصر کا سفر اور واپسی
ابراہیم، ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہما السلام کا سفرِ حجاز
ابراہیم علیہ السلام کی فلسطین واپسی
اناطولیہ (ترکی)
دریائے فرات
جھیل وان
جھیل ارومیہ (ارمیہ)
بحیرۂ قزوین (بحیرۂ خزر)
طبرستان
فدان آرام حران
حلب
نینویٰ
الجزیرہ
شام
قبرص
دمشق
عراق
کوثی
بابل
دریائے کارون
فارس (ایران)
اُور
بحیرۂ روم
بیت المقدس
الخلیل
صحرائے شام
النفود الکبیر
النفود الدہناء
خلیج فارس
اتت تاوی (جیزہ کے آثار)
فیوم
ایلہ
سیناء
مدین
مصر
جزیرہ نمائے عرب
طیبہ (الاقصر)
افریقہ
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
یثرب
نجد
فراعنہ
صحرائے نوبیہ
دریائے نیل
جدہ
مکہ مکرمہ
کلومیٹر
1000
800
600
400
200
0

آباد کرنا مقصود تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی یہی تھی جس کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ہمراہ لے کر حجاز تشریف لائے اور وہاں ایک بے آب و گیاہ وادی میں بیت اللہ کے قریب ٹھہرا دیا۔ اُس وقت بیت اللہ شریف نہ تھا، صرف ٹیلے کی طرح اُبھری ہوئی زمین تھی۔ سیلاب آتا تو پانی دائیں بائیں سے نکل جاتا تھا۔ وہیں ایک بہت بڑا درخت تھا۔ آپ نے اسی درخت کے پاس سیدہ ہاجرہ اور سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑا اور ایک توشہ دان میں کھجوریں اور ایک مشکیزے میں پانی ان کے لیے رکھ دیا اور واپس چل پڑے۔ سیدہ ہاجرہ ان کے پیچھے بھاگیں اور پوچھا: ابراہیم! آپ ہمیں اس ویران وادی میں چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ مگر ان کے بار بار پکارنے پر جواب دینا تو کجا ابراہیم علیہ السلام نے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ آخر کار وہ کہنے لگیں: کیا آپ کو ہمیں یہاں چھوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: ہاں! سیدہ ہاجرہ یہ سن کر لوٹ آئیں اور کہنے لگیں: ''تب اللہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔''

آلِ ابراہیم وادیِ غیر ذی زرع میں

ابراہیم علیہ السلام چلتے گئے حتی کہ جب ایک گھاٹی کے پاس پہنچے اور بیوی بچے ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو بیت اللہ کی طرف منہ کیا اور یہ دعا کی:

﴿رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ○﴾

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد ایک بے زراعت وادی میں بسائی ہے، تیرے محترم گھر (کعبے) کے پاس تاکہ اے ہمارے رب! وہ نماز قائم کریں، لہٰذا تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں۔''[1]

چشمۂ زمزم کا جاری ہونا

چند دنوں میں پانی ختم ہو گیا۔ حضرت ہاجرہ اور ان کا بیٹا پیاس اور بھوک سے بے چین ہو گئے۔ بلکتا بچہ ماں سے دیکھا نہ گیا، وہ بھاگیں اور قریبی پہاڑی صفا پر چڑھیں اور وادی میں ادھر ادھر دیکھنے لگیں، شاید کوئی نظر آجائے لیکن اس سنسان فضا میں کوئی نظر نہ آیا۔ وہ صفا سے اتریں، ہموار زمین پر آئیں اور دامن اٹھا کر کچھ دور تیزی سے

[1] إبرٰهيم 37:14.

بھاگیں، پھر مروہ پہاڑی پر جا کھڑی ہوئیں۔ وہاں بھی کوئی نظر نہ آیا تو نیچے اتر آئیں۔ وہ بے قراری کے عالم میں اسی طرح دونوں پہاڑیوں کے درمیان چکر لگاتی رہیں اور اس طرح انھوں نے سات چکر لگائے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: ''حج اور عمرے میں سعی کرنے کی بنیاد یہی ہے۔'' (ساتویں چکر میں) جب حضرت ہاجرہ مروہ پر چڑھیں تو جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور زمزم کی جگہ پر اپنی ایڑی یا پر رگڑنے لگے حتی کہ وہاں سے پانی نکل آیا۔ وہ دیکھ کر بھاگیں اور آکر حوض سا بنانے لگیں تاکہ پانی محفوظ ہو جائے۔ انھوں نے پانی جلدی جلدی اپنے مشکیزے میں بھرا جو فوارے کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

«يَرْحَمُ اللّٰهُ أُمَّ إِسْمٰعِيلَ، لَوْ تَرَكَتْ زَمْزَمَ - أَوْ قَالَ: لَوْلَمْ تَغْرِفْ مِنْ زَمْزَمَ - لَكَانَتْ زَمْزَمُ عَيْنًا مَّعِينًا»

''اللہ تعالیٰ ام اسماعیل پر رحمتیں نازل فرمائے! اگر وہ زمزم چھوڑ دیتیں (بہنے دیتیں) یا فرمایا: اگر وہ زمزم سے چلو نہ بھرتیں تو زمزم ایک جاری چشمہ ہوتا۔''

حضرت ہاجرہ نے وہ پانی پیا اور اپنے بیٹے کو دودھ پلایا۔ اس کے بعد فرشتے نے ان سے کہا: اپنے ہلاک ہونے کا بالکل خوف نہ کرنا کیونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا باپ تعمیر کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضائع نہیں کرتا۔

بنوجرہم کی آمد اور وادیِ مکہ میں سکونت

اس طرح وہاں ماں بیٹے کے شب و روز گزرتے رہے۔ آخر ایک دن قبیلۂ جرہم کی ایک جماعت یا چند گھرانے اس راستے سے گزرے، انھوں نے قریب ہی مقام کداء (مکہ کا بالائی حصہ) کے راستے سے گزر کر مکہ کے نشیبی علاقے میں پڑاؤ کیا۔ (قریب ہی) آسمان پر منڈلاتے ہوئے کچھ پرندے دیکھے تو انھوں نے کہا: یہ پرندے ضرور پانی پر منڈلا رہے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے جب بھی ہم اس جگہ سے گزرے ہیں، یہاں پانی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ آخر انھوں نے اپنے ایک دو آدمی بھیجے۔ انھوں نے واپس آکر ساتھیوں کو پانی موجود ہونے کی اطلاع دی۔ اب یہ سب لوگ یہاں آئے۔ اس وقت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ پانی ہی کے قریب بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں نے کہا: کیا آپ ہمیں اپنے پڑوس میں پڑاؤ ڈالنے کی اجازت دیں گی؟ ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا: ہاں! لیکن پانی پر تمھارا کوئی حق

(ملکیت) نہیں ہوگا۔ انھوں نے یہ شرط تسلیم کر لی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اب ام اسماعیل علیہا السلام کو پڑوسی مل گئے۔ وہ انسانوں کی موجودگی کو پسند کرتی تھیں۔'' ان لوگوں نے خود بھی یہاں قیام کیا اور اپنے قبیلے کے باقی لوگوں کو بھی پیغام بھیج کر بلا لیا، اس طرح وہاں ان کے کئی گھرانے آباد ہو گئے۔ [1]

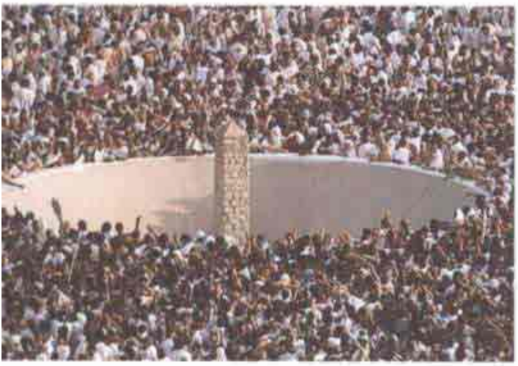
[1] صحیح البخاري: 3364.

2 اسماعیل علیہ السلام اور ذبحِ عظیم

سیدنا ابراہیم علیہ السلام وقتاً فوقتاً مکہ تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دکھایا کہ وہ اپنے صاحبزادے (اسماعیل) کو ذبح کر رہے ہیں۔ پیغمبر کو معلوم ہوگیا کہ یہ حکمِ الٰہی ہے۔ اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر سات سال تھی۔

شیطان کی نامرادی

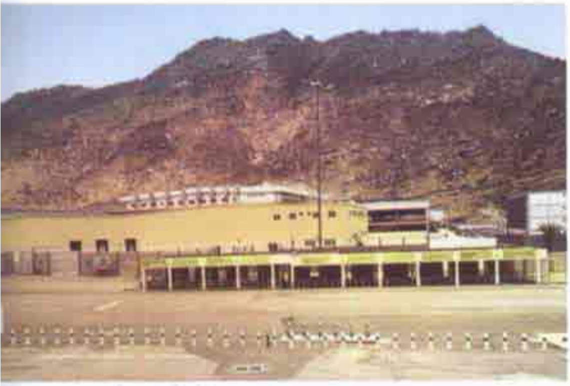
جب باپ بیٹا دونوں اس حکمِ الٰہی کی تعمیل کے لیے تیار ہوگئے اور دونوں نے سرِ تسلیم خم کر دیا تو شیطان ایک آدمی کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابراہیم! تو کہاں جانا چاہتا ہے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: میں اپنے کام کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔ شیطان کہنے لگا: تُو چاہتا ہے کہ اسماعیل کو ذبح کرے؟ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: تمھارا خیال ہے کہ باپ اپنے بیٹے کو ذبح کر سکتا ہے؟ شیطان کہنے لگا: ہاں! تم اسے ذبح کرنے جا رہے ہو۔ وہ فرمانے لگے: یہ کیسے ممکن ہے؟ شیطان کہنے لگا: تمھارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں حکم دیا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام فرمانے لگے: اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے تو پھر ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ شیطان نامراد لوٹ گیا۔ پھر وہ سیدہ ہاجرہ کے پاس گیا اور ان سے اسی طرح بات کی اور انھوں نے بھی سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی طرح جواب دیا۔ پھر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پاس آیا اور ان سے بھی وہی بات کہی۔ انھوں نے بھی کہا: اگر اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے تو ہم اس کی تعمیل کریں گے۔ شیطان رسوا ہو کر نامراد لوٹ گیا۔



جمرات وہ مقام ہے جہاں شیطان نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی۔ مسلمان فریضہ حج کے دوران میں اس جگہ کنکریاں مارتے ہیں

باپ بیٹا قربان گاہ کی جانب

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو لے کر منیٰ کی طرف چل دیے جہاں اللہ نے (اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے



میدانِ منیٰ میں وہ جگہ جہاں قربانی کی جاتی ہے

کا) حکم دیا تھا۔ یہی جگہ ہے جہاں آج کل قربانیاں کی جاتی ہیں۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اے میرے بیٹے! اللہ جل جلالہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں ذبح کروں۔ اسماعیل علیہ السلام کہنے لگے: اللہ کے حکم کی تعمیل کیجیے کیونکہ ہر قسم کی بھلائی اسی کی تعمیل میں ہے، پھر پوچھا: کیا میری والدہ کو اس کا علم ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں! اسماعیل علیہ السلام کہنے لگے: آپ نے اچھا کیا کیونکہ مجھے ان کے غمگین ہونے کا خدشہ تھا، لیکن اے میرے والد محترم! جب آپ چھری چلائیں تو اپنا چہرہ دوسری طرف کر لیں، اس طرح آپ مجھے نہیں دیکھیں گے اور صبر کریں گے۔

اللہ کے حضور سرخروئی

اس کے بعد باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر چھری چلانے لگے لیکن چھری گلا نہ کاٹ سکی۔ حضرت ابراہیم نے دو یا تین مرتبہ چھری کو پتھر پر تیز کیا لیکن ہر مرتبہ چھری نے عمل نہ کیا۔ اس وقت اللہ نے پکارا: ''اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب سچ کر دکھایا۔ بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ یقیناً یہ ایک کھلی آزمائش تھی اور ہم نے اس (اسماعیل) کے بدلے میں ایک عظیم ذبیحہ عطا فرمایا۔''[1] (الصّٰفّٰت 37 : 102-107)

ذبیح کون تھے؟

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

﴿فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ○ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ○ وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ○ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰۗؤُا الْمُبِيْنُ ○ وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ○ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ○﴾

''پھر جب وہ (لڑکا) اس کے ساتھ دوڑنے بھاگنے (کی عمر) کو پہنچا تو اس نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے!

[1] [ضعیف] المستدرك للحاكم: 556,555/2، حدیث: 4040۔

بلا شبہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ بے شک میں تجھے ذبح کر رہا ہوں، اب تو دیکھ! تیری کیا رائے ہے؟ اس (بیٹے) نے کہا: ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، کر گزریں، اگر اللہ نے چاہا تو عنقریب آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے، پھر جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس (باپ) نے اس (بیٹے) کو پیشانی کی ایک جانب لٹا دیا اور ہم نے اسے پکارا: اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا، بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بلا شبہ یہ تو کھلی آزمائش ہی ہے اور ہم نے اس (اسمٰعیل) کے بدلے میں ایک عظیم القدر (جانور) ذبح کرنے کو دیا اور ہم نے اس (ابراہیم علیہ السلام کے ذکرِ خیر) کو پیچھے آنے والوں میں باقی رکھا۔''[1]

اہلِ کتاب اس کے برعکس یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ذبیح اسحٰق علیہ السلام تھے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں جہاں سیدنا اسماعیل کا نام تھا، وہاں اسحٰق لکھ دیا۔ لیکن موجودہ تحریف شدہ بائبل کے دوسرے مقامات سے بھی اس کی تردید ہوتی ہے۔ حضرت اسحٰق علیہ السلام کا نام ڈالنے کی وجہ سے بائبل کی عبارات میں اس معاملے میں واضح تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ ایک طرف اکلوتے فرزند کے ساتھ اسماعیل کی بجائے اسحٰق لکھا گیا اور دوسری طرف واضح طور پر موجود ہے کہ اسحاق سے تیرہ یا چودہ سال پہلے ابراہیم علیہ السلام کے ہاں اسماعیل پیدا ہوئے تھے۔ بائبل کا پہلا اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''اِن باتوں کے بعد یوں ہوا کہ خدا نے اَبرہام (ابرام) کو آزمایا اور اُسے کہا: اے ابرہام! اُس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ تب اُس نے کہا کہ تو اپنے بیٹے اِضحاق کو جو تیرا اکلوتا ہے اور جسے تو پیار کرتا ہے ساتھ لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں اُسے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا سوختنی قربانی کے طور پر چڑھا۔ تب ابرہام نے صبح سویرے اُٹھ کر اپنے گدھے پر چار جامہ کسا اور اپنے ساتھ دو جوانوں اور اپنے بیٹے اضحاق کو لیا اور سوختنی قربانی کے لئے لکڑیاں چیریں اور اُٹھ کر اُس جگہ کو جو خدا نے اُسے بتائی تھی روانہ ہوا۔ تیسرے دن ابرہام نے نگاہ کی اور اُس جگہ کو دور سے دیکھا۔ تب ابرہام نے اپنے جوانوں سے کہا: تم یہیں گدھے کے پاس ٹھہرو۔ میں اور یہ لڑکا دونوں ذرا وہاں تک جاتے ہیں اور سجدہ کر کے پھر تمھارے پاس لوٹ آئیں گے۔ اور ابرہام نے سوختنی قربانی کی لکڑیاں لے کر اپنے بیٹے اضحاق پر رکھیں اور آگ اور چھری اپنے ہاتھ میں لی اور دونوں اکٹھے روانہ ہوئے۔ تب اضحاق نے اپنے باپ ابرہام سے کہا: اے باپ! اُس نے جواب دیا کہ اے میرے بیٹے! میں حاضر ہوں۔ اُس نے کہا: دیکھ آگ اور لکڑیاں تو ہیں پر سوختنی قربانی کے لیے برّہ کہاں ہے؟ ابرہام نے کہا: اے میرے بیٹے! خدا آپ ہی اپنے واسطے سوختنی قربانی کے لئے برہ مہیا کرے گا۔ سو وہ دونوں آگے

[1] الصّٰٓفّٰت 37:102-108۔

چلتے گئے۔ اور اُس جگہ پہنچے جو خدا نے بتائی تھی۔ وہاں ابرہام نے قربان گاہ بنائی اور اُس پر لکڑیاں چنیں اور اپنے بیٹے اضحاق کو باندھا اور اُسے قربان گاہ پر لکڑیوں کے اوپر رکھا۔ اور ابرہام نے ہاتھ بڑھا کر چھری لی کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ تب خداوند کے فرشتہ نے اُسے آسمان سے پکارا کہ اے ابرہام! اے ابرہام! اُس نے کہا: میں حاضر ہوں۔ پھر اُس نے کہا: تو اپنا ہاتھ لڑکے پر نہ چلا اور نہ اُس سے کچھ کر کیونکہ میں اب جان گیا کہ تو خدا سے ڈرتا ہے، اس لیے کہ تو نے اپنے بیٹے کو بھی جو تیرا اکلوتا ہے مجھ سے دریغ نہ کیا۔'' [1]

مذکورہ بالا اقتباس کی تردید بائبل ہی سے ملاحظہ ہو:

''اور ابرام کی بیوی ساری کے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اُس کی ایک مصری لونڈی تھی جس کا نام ہاجرہ تھا۔ اور ساری نے ابرام سے کہا کہ دیکھ خداوند نے مجھے اولاد سے محروم رکھا ہے سو تو میری لونڈی کے پاس جا شاید اُس سے میرا گھر آباد ہو اور ابرام نے ساری کی بات مانی۔ اور ابرام کو ملک کنعان (فلسطین اور فنیقیہ) میں رہتے دس برس ہو گئے تھے جب اُس کی بیوی ساری نے اپنی مصری لونڈی اُسے دی کہ اُس کی بیوی بنے۔ اور وہ ہاجرہ کے پاس گیا اور وہ حاملہ ہوئی اور جب اُسے معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہوگئی تو اپنی بی بی کو حقیر جاننے لگی۔'' [2]

اسی باب کی آیت نمبر 11 میں ہے:

''اور خداوند کے فرشتہ نے اُس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور تیرے بیٹا ہوگا۔ اُس کا نام اسماعیل رکھنا، اِس لیے کہ خداوند نے تیرا دُکھ سن لیا۔''

بائبل کی رو سے جب اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاسی (86) سال تھی:

''اور جب ابرام سے ہاجرہ کے اسماعیل پیدا ہوا تب ابرام چھیاسی برس کا تھا۔'' [3]

اور جس وقت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے، اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس تھی:

''اور جب اُس کا بیٹا اضحاق اُس سے پیدا ہوا تو ابرہام سو برس کا تھا۔'' [4]

جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کی بشارت دی تو کہا:

''ساری جو تیری بیوی ہے، سو اُس کو ساری نہ پکارنا۔ اُس کا نام سارہ ہوگا۔ اور میں اُسے برکت دوں گا

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 22: 1-12. [2] کتاب مقدس (پیدائش) 16: 1-4. [3] کتاب مقدس (پیدائش) 16: 16. [4] کتاب مقدس (پیدائش) 21: 5.

اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔ یقیناً میں اسے برکت دوں گا کہ قومیں اُس کی نسل سے ہوں گی اور عالم کے بادشاہ اُس سے پیدا ہوں گے۔ تب ابرہام سرنگوں ہوا اور ہنس کر دل میں کہنے لگا کہ ''کیا سو برس کے بڈھے سے کوئی بچہ ہوگا اور کیا سارہ کے جو نوّے برس کی ہے اولاد ہوگی؟'' اور ابرہام نے خدا سے کہا کہ ''کاش! اسمٰعیل ہی تیرے حضور جیتا رہے۔'' تب خدا نے فرمایا کہ ''بے شک تیری بیوی سارہ کے تجھ سے بیٹا ہوگا۔ تو اُس کا نام اضحاق رکھنا اور میں اُس سے اور پھر اُس کی اولاد سے اپنا عہد جو ابدی عہد ہے باندھوں گا۔''[1]

اس اقتباس میں اسحاق علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی ان کی زندگی اور اولاد کے بارے میں بتایا جا رہا ہے، پھر کیسی قربانی اور کیسی آزمائش؟

امام ابن القیم نے زاد المعاد میں بیس قطعی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ذبیح اسماعیل علیہ السلام تھے، اسحاق علیہ السلام نہیں تھے۔[2]

اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور والد مکرم کی تشریف آوری

حضرت اسماعیل علیہ السلام بنو جرہم کے بچوں میں جوان ہوئے۔ وہ ان کے ساتھ عربی زبان بولتے تھے۔ جوانی میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام اتنے خوبصورت تھے کہ سب کی نظریں آپ کی طرف اٹھتی تھیں۔ آپ سب سے زیادہ بھلے لگتے تھے، چنانچہ جرہم والوں نے آپ کی اپنے قبیلے میں شادی کر دی، پھر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ ایک روز سیدنا ابراہیم علیہ السلام اپنے خاندان کو دیکھنے آئے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام گھر پر نہ تھے، اس لیے آپ نے ان کی بیوی سے ان کے متعلق پوچھا تو اُس نے بتایا کہ روزی کی تلاش میں کہیں گئے ہیں۔ پھر آپ نے اس سے ان کی معاش وغیرہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: حالت اچھی نہیں ہے، بڑی مشکل سے گزر اوقات ہوتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: جب تمھارے شوہر آئیں تو انھیں میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہنا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل ڈالیں۔

پھر جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو جیسے انھوں نے کوئی چیز محسوس کی اور دریافت کیا: کیا یہاں کوئی صاحب آئے تھے؟ ان کی بیوی نے بتایا کہ ہاں، ایک بزرگ اس اس حلیے کے آئے تھے اور آپ کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ میں نے انھیں بتایا، پھر انھوں نے پوچھا کہ تمھاری گزر اوقات کا کیا حال ہے؟ میں نے کہا کہ ہماری گزر اوقات بڑی تنگی سے ہوتی ہے۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ انھوں نے تم سے کچھ کہا بھی ہے؟ بیوی

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 17: 15-19۔ [2] زاد المعاد: 1/71-75۔

نے کہا: ہاں، انھوں نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ کو ان کا سلام اور یہ پیغام پہنچادوں کہ آپ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔

فرمانِ پدری کی تعمیل میں دوسری شادی

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے بیوی سے فرمایا: وہ بزرگ میرے والد تھے اور مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمھیں جدا کردوں، اب تم اپنے گھر جا سکتی ہو۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے اسے طلاق دے دی اور بنوجرہم ہی کے ایک شخص مضاض کی بیٹی سے شادی کرلی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کچھ عرصے کے بعد دوبارہ تشریف لائے تو اس مرتبہ بھی اسماعیل علیہ السلام گھر پر موجود نہ تھے۔ آپ نے ان کی نئی بیوی سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ ہمارے لیے روزی تلاش کرنے گئے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گزر بسر اور دوسرے حالات کے متعلق پوچھا۔ اس نے بتایا کہ ہمارا حال بہت اچھا ہے، بڑی فراخی ہے، نیز اس نے ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا: تم کھاتے کیا ہو؟ اس نے بتایا: گوشت۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ پیتے کیا ہو؟ بتایا کہ پانی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے دعا کی: ''اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان دنوں ان کے ہاں اناج نہیں تھا۔ اگر اناج بھی ان کے کھانے میں شامل ہوتا تو ضرور آپ اس میں بھی برکت کی دعا فرماتے۔'' چنانچہ صرف گوشت اور پانی کی خوراک پر گزارا کرنا مکہ کے سوا کہیں بھی موافق نہیں آتا۔

ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: جب تمھارے شوہر واپس آجائیں تو ان سے میرا سلام کہنا اور ان سے کہہ دینا کہ وہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رکھیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام واپس تشریف لائے تو انھیں کسی کی آمد محسوس ہوئی، انھوں نے پوچھا: کیا یہاں کوئی آیا تھا؟ بیوی نے بتایا: جی ہاں! ایک بزرگ بڑی اچھی شکل وصورت کے آئے تھے۔ اس نے بزرگ کی تعریف کی اور کہا: انھوں نے مجھ سے آپ کے متعلق پوچھا تو میں نے بتادیا، پھر انھوں نے پوچھا: تمھاری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ میں نے بتایا کہ ہم اچھی حالت میں ہیں۔ سیدنا اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا: کیا انھوں نے تمھیں کوئی نصیحت بھی کی تھی؟ اس نے کہا: جی ہاں! انھوں نے آپ کو سلام کہا تھا اور یہ کہا تھا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ کی حفاظت کریں۔

اسماعیل علیہ السلام نے فرمایا: یہ بزرگ میرے والد تھے۔ چوکھٹ تم ہو اور وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تمھیں

اپنے ساتھ رکھوں۔

تعمیرِ کعبہ

اس کے بعد جب ابراہیم علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لائے تو دیکھا کہ اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک بڑے درخت کے سائے میں (جہاں ابراہیم علیہ السلام انھیں چھوڑ گئے تھے) اپنے تیر بنا رہے ہیں۔ جب اسماعیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے استقبال کو کھڑے ہوگئے۔ باپ بیٹا محبت سے ملے، پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اسماعیل! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس مقام پر اللہ تعالیٰ کا ایک گھر بناؤں اور یہ کہہ کر آپ نے ایک اونچے ٹیلے اور اس کے اردگرد کی طرف اشارہ کیا۔

اس جگہ ان دونوں نے بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے اور ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے جاتے تھے۔ جب دیواریں بلند ہوگئیں تو اسماعیل علیہ السلام یہ پتھر (مقام ابراہیم) لے آئے جس پر کھڑے ہوکر سیدنا ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرنے لگے۔ اسماعیل علیہ السلام پتھر دیے جاتے تھے۔ وہ دونوں اس کے گرد گھوم گھوم کر تعمیر کرتے ہوئے یہ دعا پڑھتے جاتے:

﴿ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴾ (البقرة 2:127)

”اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی) قبول کر لے، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“[1]



مقام ابراہیم (حرم کعبہ)

[1] صحيح البخاري:3364.

3 بنو اسماعیل اور انباط

اللہ تعالیٰ نے بنت مضاض سے اسماعیل علیہ السلام کو بارہ بیٹے عطا فرمائے جن کے نام یہ تھے: نابت یا نبایوت (نبت، نبط یا نبایوط)، قیدار، ادبائیل، مبشام، مشماع، دوما، میشا، حدر یا حدد، تیما، یطور، نفیس، قیدمان۔ انھوں نے مکہ ہی میں بودوباش اختیار کی۔ ان کی معیشت کا دار و مدار زیادہ تر یمن اور مصر و شام کے علاقوں سے تجارت پر تھا۔ بعد میں یہ لوگ جزیرہ نمائے عرب کے مختلف اطراف میں بلکہ بیرونِ عرب بھی پھیل گئے۔ ان میں صرف نابت اور قیدار کی اولاد نے تاریخ میں شہرت پائی۔ [1] یاد رہے کہ اسماعیل علیہ السلام کے علاتی بھائی اسحق علیہ السلام کے بھی بارہ بیٹے تھے۔

نبطیوں کا عروج

نابت (نبط) کی اولاد کو نبطی یا انباط کہا جاتا ہے۔ نبطیوں کے تمدن کو شمالی حجاز میں عروج حاصل ہوا۔ انھوں نے ایک طاقتور حکومت قائم کر کے گرد و پیش کے تمام لوگوں پر اپنی حکومت قائم کر لی اور دوسری ریاستوں کو اپنا باجگزار بنالیا۔ پطرا (Petra) ان کا دارالحکومت تھا (جس کے کھنڈر جنوب مغربی اردن میں موجود ہیں)۔ پھر رومیوں کا دور آیا اور انھوں نے نبطیوں سے سلطنت چھین لی۔ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ثابت کیا ہے کہ آلِ غسان اور انصار، یعنی اوس و خزرج قحطانی عرب نہ تھے بلکہ اس علاقے میں نابت بن اسماعیل علیہ السلام کی جو نسل بچی کھچی رہ گئی تھی، آل غسان اور اوس و خزرج انھیں میں سے تھے۔ [2]

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل مکہ میں پھلتی پھولتی رہی یہاں تک کہ عدنان اور پھر ان کے بیٹے مَعَدّ کا زمانہ آ گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ عدنانی عربوں کا سلسلۂ نسب صحیح طور پر یہیں تک محفوظ ہے۔

عدنان قیدار کی اولاد ہیں یا نابت کی؟

نابت حضرت اسماعیل علیہ السلام کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی اور ان کے بھائی قیدار کی اولاد نے عرب میں

---

[1] قلب جزيرة العرب، ص: 230. نابت بن اسماعیل (علیہ السلام) کے بعد بیت اللہ کی تولیت بنوجرہم کو مل گئی تھی، تاہم امورِ کعبہ کی نگرانی بدستور بنواسماعیل کے پاس رہی جو ان کے نزدیک معزز و محترم تھے۔ [2] دیکھیے: تاریخ ارض القرآن (کامل): 2/60-69.



مآخذ: الأطلس التاريخي لسيرة الرسول ★ معجم قبائل العرب ★ أسد الغابة ★ معجم ما استعجم ★ كتاب الشجرة النبوية ★ سبائك الذهب

پرورش پائی۔ عدنان کے نسب کے بارے میں مؤرخین میں خاصا اختلاف ہے۔ ابن اسحاق، ابن ہشام اور امام بخاری رحمہ اللہ نے ان کو نابت کی اولاد میں شمار کیا ہے جبکہ ابن سعد اور ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے انھیں قیدار کی اولاد بتایا ہے۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہوسکتا ہے کہ ابن سعد اور طبری رحمہ اللہ نے ان کا نسب اہلِ کتاب سے لیا ہے جیسا کہ ابن سعد نے وضاحت کی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ بعض روایات میں عدنان کو نابت بن قیدار بن اسماعیل کی اولاد بتایا گیا ہے جیسا کہ قصی بن کلاب نے اپنے ایک شعر میں کہا ہے:

''مکے میں قیدار اور نبیت (نابت) کی اولاد بستی ہے۔'' گویا نابت بن اسماعیل (علیہ السلام) کے ایک بھتیجے نابت بن قیدار بن اسماعیل (علیہ السلام) تھے جو عدنان کے جد امجد تھے اور یہ بات طبری نے بھی لکھی ہے۔ یاد رہے، سارے مؤرخین اور محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ عدنان سے اسماعیل علیہ السلام تک نسب کی کئی کڑیاں گم ہیں جس کی وجہ سے عدنان کے نسب میں اختلاف در آیا ہے۔[1]

[1] السیرة لابن إسحاق: 17/1، السیرة لابن هشام: 34/1، الطبقات لابن سعد: 56/1، تاریخ الطبري: 28/2، التاریخ الکبیر: 5/1.

بنو عدنان کے مختلف قبائل

عدنان، نبیِ اکرم ﷺ کے سلسلۂ نسب میں اکیسویں پشت پر ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ ﷺ جب اپنا سلسلۂ نسب بیان فرماتے تو عدنان پر پہنچ کر رک جاتے اور آگے نہ بڑھتے بلکہ فرماتے کہ آگے اہل انساب غلط کہتے ہیں۔[1] علماء کی ایک جماعت کے مطابق عدنان اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان چالیس پشتیں ہیں۔ یہ بھی روایت ہے کہ عدنان کے بیٹے معد، شاہِ بابل بخت نصر کے ہم عصر تھے۔ قاضی سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن رسول اللہ ﷺ سے لے کر اس دور تک اتنے کم واسطے ہیں کہ یہ معاصرت ممکن نظر نہیں آتی۔ واللہ اعلم بالصواب!

امام ابنِ قتیبہ فرماتے ہیں کہ معد بن عدنان کے آٹھ بیٹے تھے۔ ان میں سے چار مشہور ہوئے۔ ان چاروں کے نام یہ ہیں: قضاعہ، نزار، قنص اور ایاد۔ قضاعہ سے حمیری قبائل پھلے پھولے۔ شاہانِ حیرہ قنص کی نسل سے تھے۔ ایاد کی نسل سے کوئی قابلِ ذکر قبائل نہیں ملتے۔ نزار نے ان میں سب سے زیادہ شہرت حاصل کی۔[2] نزار کے چار بیٹے تھے: ایاد، انمار، ربیعہ اور مُضر۔[3]

ان میں سے مؤخر الذکر دو قبیلوں نے بڑی شہرت حاصل کی۔ ربیعہ سے عبدالقیس اور وائل، ان سے بکر اور تغلب اور بکر سے بنو حنیفہ اور بنو عجل نے تاریخِ عرب میں خاص مقام حاصل کیا۔

قیسی قبائل

مُضر کی اولاد دو بڑے قبیلوں میں تقسیم ہوئی: 1 قیس بن عیلان بن مضر 2 الیاس بن مضر۔

قیس عیلان کی نسل سے بہت زیادہ قبائل نکلے، مثلاً: بنو غطفان، بنو سلیم، بنو ہوازن اور بنو مازن۔ بنو غطفان سے عبس، ذبیان، غنی (بنو اعصر) اور اشجع قبائل وجود میں آئے۔ نبی ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ رضی اللہ عنہا سعد بن بکر بن ہوازن

---

1 تاريخ الطبري: 2/28-32، الأعلام: 4/218، السلسلة الضعيفة: 1/229,228، حديث: 111. 2 المعارف لابن قتيبة، ص: 29. 3 الأنساب للسمعاني: 1/23، الروض الأنف: 1/160.

سے تھیں جبکہ امہات المؤمنین میمونہ بنت حارث اور زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا تعلق ہوازن کی شاخ بنو ہلال سے تھا۔ بنومحارب اور بنوثقیف بھی قیس عیلان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بنوفزارہ، بنوذبیان کی شاخ ہیں اور عدوان اور باہلہ بھی قیس عیلان کے ذیلی قبیلے ہیں۔ رِعل، ذکوان اور عصیہ بنوسُلیم کی شاخیں ہیں۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبائل بنوسلیم کی طرف ستر (70) قرآئے کرام دین کی تعلیم کے لیے روانہ کیے تو انھوں نے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دھوکے سے شہید کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کے خلاف ایک ماہ اور دوسری روایت کے الفاظ ہیں کہ چالیس دن بد دعا کی۔[2]

مضری قبائل

بنوتمیم، بنومُدرِکہ اور بنوخُزیمہ: الیاس بن مُضر کے بیٹے مدرکہ اور ان کے بیٹے خزیمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں تھے۔ طابخہ بن الیاس بن مضر سے مشہور قبیلہ تمیم بن مُر اور مُدرکہ بن الیاس سے ہُذَیل بن مدرکہ، بنو اسد بن خُزیمہ اور کِنانہ بن خُزیمہ ہیں۔ ابوذر غِفاری رضی اللہ عنہ کا تعلق بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ سے تھا۔

کنانہ اور اسد کے علاوہ خزیمہ کے ایک اور بیٹے ہون تھے۔ بنواسد اور قارہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خُزیمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ عضل بن ہُون بن خزیمہ اور دیش بن ہون بن خزیمہ دونوں قبیلوں کو ملا کر قارہ (یا عضل و قارہ) کہا جاتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بنواسد سے تعلق رکھتی تھیں۔ مُدرکہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنوہُذیل ملتے ہیں۔ مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اسی قبیلے کے ایک ممتاز فرد ہیں۔ بنوتمیم اور مُزَینہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ الیاس میں ملتے ہیں۔

بنوکنانہ: بنوکنانہ بن خُزیمہ بن مُدرکہ بن الیاس بن مُضر ایک بڑے عرب قبیلے کا نام ہے جس کی خیمہ گاہیں آغاز اسلام کے وقت مکے کے گرد و نواح کے اس علاقے میں تھیں جو شہر کے جنوب مغرب میں تہامہ سے لے کر شہر کے شمال مشرق تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی اور عرب نسابوں کی نظر میں ان کی خاص اہمیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلہ قریش کا نسب اوپر جا کر اسی قبیلے کنانہ سے مل جاتا ہے۔ فہر (قریش)، کنانہ کے پڑپوتے تھے۔

بنوکنانہ حرم کعبہ کے پڑوس میں رہتے تھے، اس لیے زمانۂ قبل از اسلام کی تاریخ میں ان کا نہایت اہم کردار رہا۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ خاندان قریش کے سردار قُصَی نے شہر مکہ کی حکومت بنوخزاعہ سے خریدی تھی۔ بعد ازاں

[1] مختصر سیرۃ الرسول (اردو)، ص: 28,27۔ [2] صحیح البخاري: 1300 و 2801۔

اس سلسلے میں جھگڑا کھڑا ہوا تو کنانہ کے شیخ یعمر بن عوف کو آخری فیصلہ دینے کے لیے منتخب کیا گیا۔ انھوں نے دلائل وشواہد کی روشنی میں کنانہ ہی کی دوسری شاخ ''قریش'' کے حق میں فیصلہ صادر کیا۔ اسی فیصلے کے باعث انھیں الشدّاخ کا لقب ملا۔ ابن ہشام کے بقول انھیں الشُدّاخ بھی کہا گیا ہے کیونکہ انھوں نے اپنے فیصلے کے ذریعے سے اس جھگڑے کو کچل دیا تھا۔[1]

بنوکنانہ میں قریش کے علاوہ بنوبکر، بنومُدلج، بنولیث، بنوضمرہ اور بنوحارث (جن میں سے احابیش ہوئے) شامل ہیں۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بنوضمرہ میں سے تھے۔

قبیلہ قریش اور اس کی شاخیں

بنوکنانہ ہی کی ایک شاخ قریش ہے۔ یہ قبیلہ، فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ کی اولاد ہے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دسویں جدامجد تھے۔ قریش بھی مختلف شاخوں میں تقسیم ہوئے۔ مشہور قریشی شاخوں کے نام یہ ہیں: حارث، محارب، غالب، جُمح، سہم، عامر، عدی، مخزوم، تیم، کلاب، زُہرہ، اسد، ہاشم اور اُمیّہ۔

بنو غالب، بنو محارب اور بنو حارث: فہر کے تین بیٹے غالب، محارب اور حارث تھے۔ غالب کی اولاد میں سے لُؤیّ نمایاں تھے اور ان کی اولاد میں بنوکعب اور بنوعامر مشہور ہوئے۔ ام المؤمنین سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا بنوعامر میں سے تھیں۔ ابوعُبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بنوحارث بن فہر میں سے تھے جبکہ بدری صحابی ضرار بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بنومحارب تھا۔ کعب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتویں جدِّ امجد تھے۔

بنوعدی، بنوسہم اور بنوجمح: کعب بن لؤی کے تین فرزند تھے: عدی، مُرّہ اور ہُصَیص۔ بنوعدی میں آگے چل کر خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے شہرت پائی۔ ہصیص کی اولاد میں بنوسہم اور بنوجمح نامور ہوئے۔ عمرو بن عاص اور عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہما سہمی تھے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نسب آٹھویں پشت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کعب بن لؤی پر جا ملتا ہے۔ مکہ کی شہری ریاست میں سفارت اور تصفیۂ مقدمات کے شعبے بنوعدی کو حاصل تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی یہ اعزازات ملے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے چچا زاد زید بن عمرو بن نفیل اپنے زمانے میں دین ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ ان کے بیٹے سعید بن زید رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

بنوتیم، بنویقظہ اور بنوکلاب: مُرّہ بن کعب کے تین فرزند کلاب، تیم اور یقظہ تھے۔ کلاب کے فرزند قصی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چوتھے جدِّامجد تھے۔ کلاب کے دوسرے بیٹے زہرہ کی اولاد بنوزہرہ کہلائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 17/411، 412، السیرۃ لابن ہشام: 1/124۔

اور آپ کے مشہور ساتھیوں سعد بن ابی وقاص اور عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کا تعلق بنو زہرہ سے تھا۔ بنوتیم میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نمایاں ہوئے جن کا نسب ان کی ساتویں پشت میں مُرہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔ یقظہ بن مُرہ کے بیٹے مخزوم کی اولاد میں ام المومنین ام سلمہ، خالد بن ولید اور ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہم اور ابوجہل (عمرو) بن ہشام تھے۔

بنو ہاشم، بنوعبدالدار اور بنو اسد: قُصی بن کلاب کے چار بیٹے تھے: عبدالعزیٰ، عبدمناف، عبدالدار اور عبد (عبدقصی)۔ عبدمناف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مورثِ اعلیٰ تھے۔ بنوعبدالدار کے پاس سقایہ اور رفادہ کے مناصب رہے۔ [1] عبدالعزیٰ کے بیٹے اسد تھے۔ بنو اسد میں سے ام المومنین سیدہ خدیجہ بنت خویلد بن اسد رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ محترمہ تھیں۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھتیجے تھے۔

بنوعبدشمس اور بنو اُمیّہ: عبدمناف بن قُصی کے چار فرزند تھے: عبدشمس، نوفل، ہاشم اور المطلب۔ ان کی اولاد میں سے بنوعبدشمس اور بنو ہاشم زیادہ مشہور ہوئے۔ عبدشمس کے بیٹے امیہ کی اولاد بنوامیہ کہلائی جن میں ابوالعاص، عاص اور حرب نمایاں تھے۔ خلیفۂ ثالث سیدنا عثمان بن عفان، ابوسفیان اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کا تعلق بنو امیہ ہی سے تھا۔ امیہ ہاشم کے سگے بھتیجے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد عفان بن ابی العاص بن امیہ اور ابوسفیان بن حرب بن امیہ باہم چچازاد تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی والدہ اروی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں۔ [2] سعید بن عاص بن سعید بن عاص بن امیّہ رضی اللہ عنہ ہجرتِ نبوی کے سال پیدا ہوئے، ان کے والد عاص جنگِ بدر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارے گئے۔ [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے اسماعیل علیہ السلام کا انتخاب فرمایا، پھر اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا اور کنانہ کی نسل سے قریش کو چنا، پھر قریش میں سے بنو ہاشم کا انتخاب کیا اور بنوہاشم میں سے میرا انتخاب کیا۔'' [4]

بنونوفل اور بنومطلب: نوفل بن عبدمناف کی اولاد میں عدی بن خیار بن عدی بن نوفل رضی اللہ عنہ مشہور صحابی تھے جبکہ قَیس بن مَخرَمہ اور قاسم بن مخرمہ رضی اللہ عنہما اور شہیدِ بدر عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ مطّلب بن عبدمناف کے پوتے تھے۔ مطلب اپنے دونوں بھائیوں ہاشم اور عبدشمس سے بڑے تھے۔ ان کی والدہ کا نام عاتِکہ بنت مُرّہ بن ہلال ہے۔ ہاشم کے بعد یہ

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 31,30. [2] اٹلس سیرتِ نبوی، ص: 57. [3] أسد الغابة: 328/2. [4] صحيح مسلم: 2276، جامع الترمذي: 3605.

حاجیوں کو پانی پلانے اور بیت اللہ کی صفائی ستھرائی کے ذمے دار ٹھہرے۔ تجارت کے لیے یمن گئے اور وہیں رَدمان کے علاقے میں انتقال کر گئے۔[1]

آلِ عدنان کا عرب میں پھیلاؤ

عدنان کی نسل جب زیادہ بڑھ گئی تو وہ چارے پانی کی تلاش میں عرب کے مختلف اطراف میں بکھر گئی، چنانچہ آلِ ربیعہ میں قبیلہ عبدالقیس اور بکر بن وائل کی کئی شاخوں اور بنوطابخہ بن الیاس بن مضر کی شاخ بنوتمیم کے خاندانوں نے بحرین (الأحساء) کا رُخ کیا اور مشرقی عرب کے علاقے میں جا بسے۔

بنوحنیفہ بن صعب بن علی بن بکر نے یمامہ کا رُخ کیا اور اس کے مرکز حَجر میں سکونت پذیر ہوگئے۔ بکر بن وائل کی بقیہ شاخوں نے، یمامہ سے لے کر بحرین، ساحل کاظمہ (موجودہ کویت)، خلیج، سوادِ عراق، اُبُلّہ اور ہیت (عراق) تک کے علاقوں میں بودوباش اختیار کی۔

بنوتغلب بن وائل جزیرہ فراتیہ (الجزیرہ) میں اقامت گزیں ہوئے، البتہ ان کی بعض شاخوں نے بنوبکر کے ساتھ سکونت اختیار کی۔ بنوتمیم نجد اور بصرہ، یمامہ اور عُذَیب نزد کوفہ تک پھیل گئے۔

بنوقیس کے قبیلے بنوسُلَیم نے یثرب (مدینہ) کے قریب ڈیرے ڈالے۔ ان کا مسکن وادی القریٰ سے شروع ہوکر خیبر اور مدینہ کے مشرق سے ہوتا ہوا حرّہ بنوسلیم سے متصل دو پہاڑوں تک پھیلا ہوا تھا۔

بنوثقیف نے طائف کو وطن بنا لیا اور بنوہوازن نے مکہ کے مشرق میں وادیِ اَوطاس کے گرد و پیش ڈیرے ڈالے۔ بنوثقیف دراصل بنوہوازن ہی کی ایک شاخ ہیں۔ ان کے جد امجد ثقیف بن منبہ بن بکر بن ہوازن تھے۔

[1] محاضرات تاریخ الأمم الإسلامیة: 1/17-19، مزید دیکھیے: معجم قبائل العرب، الجمهرة لابن حزم.


بلادِ بنو ثقیف


حرۂ بنی سلیم

بنو اسد بن خزیمہ تیماء (صوبہ تبوک) کے مشرق اور کوفہ کے مغرب میں خیمہ زن ہوئے۔ ان کے اور تیماء کے درمیان بنو طے کا ایک خاندان مستقر آباد تھا۔ بنو اسد کی آبادی اور کوفے کے درمیان پانچ دن کی مسافت تھی۔ بنو ذبیان تیماء کے قریب اور حوران (شام) کے اطراف میں آباد ہوئے۔

تہامہ میں بنو کنانہ کے خاندان رہ گئے تھے۔ ان میں سے قرشی خاندانوں کی بود و باش مکہ اور اس کے اطراف میں تھی۔ یہ لوگ پراگندہ رہے حتی کہ قُصَیّ بن کلاب نے قرشیوں کو متحد کر کے شرف و عزت اور بلندی و وقار سے بہرہ ور کیا۔[1]



بنو کنانہ کا علاقہ

[1] الطبقات لابن سعد: 1/81-83، السیرۃ لابن ہشام: 1/106، تاریخ الطبري: 2/14.

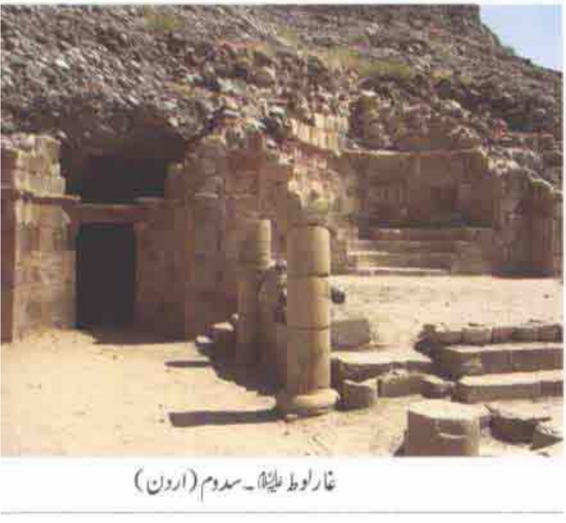
4 قومِ لوط

لوط علیہ السلام کا نام و نسب

حضرت لوط علیہ السلام ہاران کے بیٹے اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ ہاران یا حاران تارح (تارخ) کے سب سے چھوٹے بیٹے، سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بھائی اور سیدنا لوط علیہ السلام کے باپ تھے۔ وہ اپنے باپ سے پہلے اُور میں فوت ہوئے۔[1] سیدنا ابراہیم علیہ السلام، ہاران اور ناحور آپس میں بھائی تھے۔[2] حضرت لوط علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اور اُنھی کے ساتھ عراق سے حاران یا حرّان (ترکی) کی طرف ہجرت کی تھی۔ وہاں سے فلسطین آئے اور بیت المقدس (بیتِ ایل) کے مشرق میں واقع پہاڑی پر ڈیرا لگایا۔ لوط علیہ السلام کی اہلیہ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔ چرواہے بادشاہوں کے دور میں وہ لوگ مصر پہنچے مگر وہاں حالات ناسازگار پائے تو واپس فلسطین کی راہ لی۔[3]

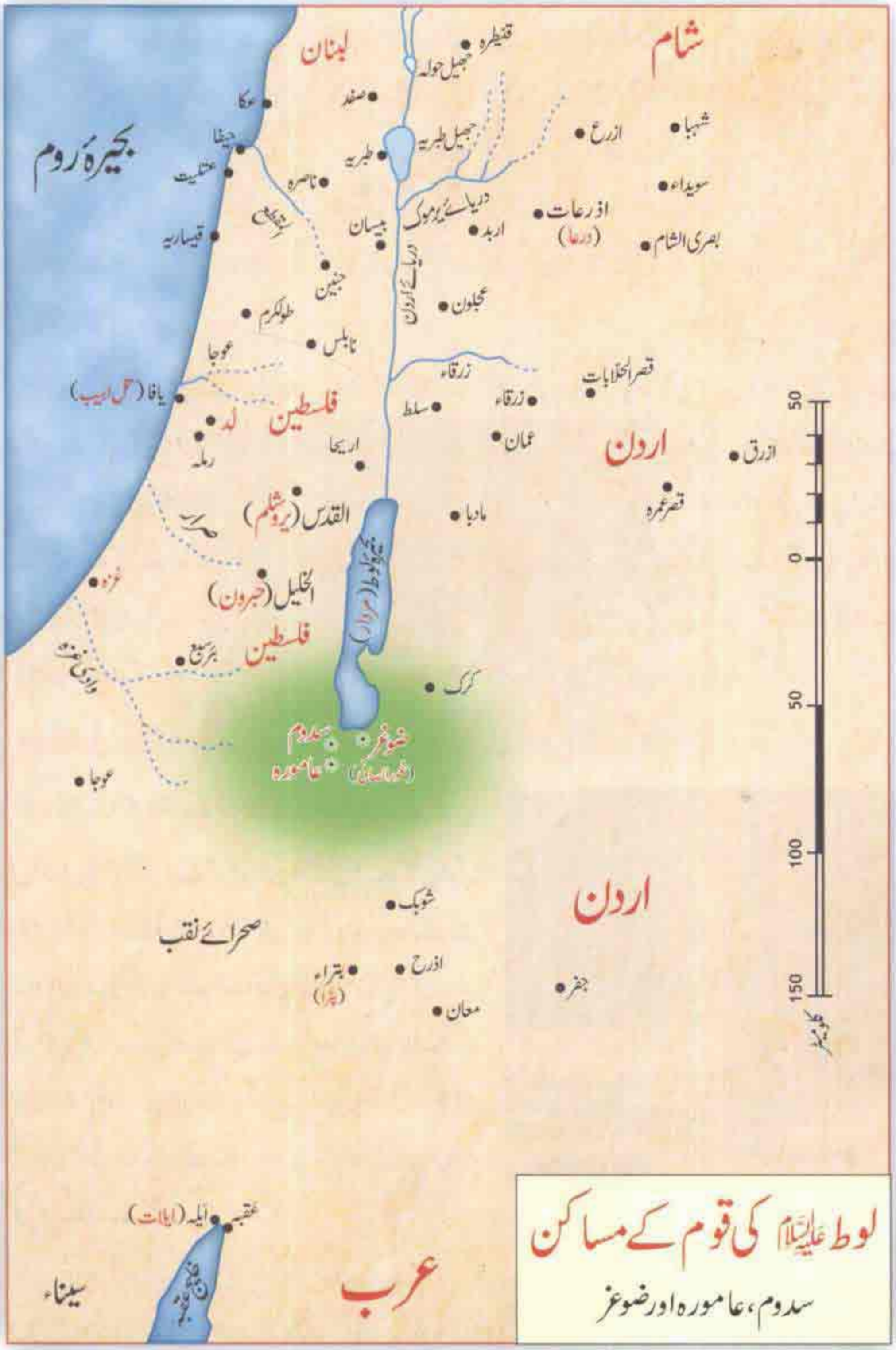
لوط علیہ السلام کی جائے نبوت

لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے توسط سے اللہ تعالیٰ کے حکم پر ارضِ مقدس (فلسطین) کے شہر حبرون (الخلیل) سے منتقل ہو کر غورزغر (ضوغر) کے شہر ''سدوم'' میں رہائش پذیر ہو گئے تھے تاکہ وہاں کے لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچائیں۔ یہ علاقہ بحیرۂ مردار کے جنوب میں ہے۔ سدوم اس علاقے کا مرکزی مقام تھا۔ یہاں کے باشندے انتہائی فاسق و فاجر، کافر اور انتہائی بدکردار تھے۔ وہ راہزنی کے عادی اور سرعام بدفعلی کرنے والے تھے۔[4]



غارلوط علیہ السلام۔ سدوم (اردن)

[1] قاموس الکتاب، ص: 316، الروض الأنف: 40/1. [2] البدایة والنهایة: 132/1. [3] کتاب مقدس (پیدائش)، باب: 11-13، اطلس القرآن (اردو)، ص: 104-106. [4] دیکھیے: البدایة والنهایة: 144/1.



لوط علیہ السلام کی قوم کے مساکن

سدوم، عامورہ اور ضوعز

لوط علیہ السلام کی دعوت اور قوم کا جواب

اہلِ سدوم بے حیائی میں اس قدر حد سے گزر گئے کہ وہ نفسانی خواہش عورتوں کے بجائے مردوں سے پوری کرتے۔ لوط علیہ السلام نے انھیں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی طرف بلایا اور ان تمام برائیوں سے باز رہنے کی تلقین کی تو انھوں نے پیغمبر کو جھٹلایا اور ان کا مذاق اڑایا۔ اس جرم کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ ان کا ذکر کیا ہے، چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ○ ﴾

''اور (ہم نے) لوط کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا: کیا تم ایسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہو جو تم سے پہلے سارے جہان میں کسی نے نہیں کی۔ بے شک تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔''[1]

دوسری جگہ ارشاد باری ہے:

﴿ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ○ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ○ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ○ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

''لوط کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان کے بھائی لوط نے ان سے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟ بے شک میں تمھارے لیے ایک امانت دار رسول ہوں۔ پس اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں تم سے اس پر کسی اجر کا سوال نہیں کرتا۔ میرا اجر تو رب العالمین کے ذمے ہے۔''[2]

قوم کے لوگوں نے اپنے نبی کی کوئی بات نہ مانی اور نہ آپ پر ایمان لائے بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے رسول کو بستی سے نکال دینے کا ارادہ کرلیا، وہ کہنے لگے:

﴿ اَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○ ﴾

''لوط کے پیروکاروں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ بلاشبہ یہ ایسے لوگ ہیں جو بہت پاکباز بنتے ہیں۔''[3]

[1] الأعراف 7:80، 81. [2] الشعرآء 26:160-164. [3] النمل 27:56.

نزولِ عذاب

جب قوم نے گناہوں سے توبہ کرنے کے بجائے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ ''ہم پر اللہ کا عذاب لے آؤ اگر تم سچے ہو۔''[1] تو عذابِ الٰہی ان پر مسلط کر دیا گیا اور آپ کی نافرمان بیوی بھی اسی عذاب میں مبتلا ہوگئی۔ عذاب اس طرح آیا:

﴿ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ۝ ﴾

''پھر جب ہمارا حکم آیا تو ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو اس کا نیچا کر دیا اور ان پر تہ بہ تہ کھنگر کے پتھر برسائے۔ جو تیرے رب کے ہاں سے نشان لگائے ہوئے تھے اور وہ (بستی) ان ظالموں (قریشِ مکہ) سے کچھ دور نہیں۔''[2]

یوں قومِ لوط پتھروں کی بارش سے نیست و نابود کر دی گئی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی کی رودادِ سفر میں لکھا ہے: ''ہم بحرِ میت کے مشرقی ساحل پر اس جگہ پہنچے جسے اللسان کہا جاتا ہے۔ اسی کے قریب جنوب کی طرف بحرِ میت کا وہ حصہ ہے جس کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہاں سدوم اور قومِ لوط کے دوسرے شہر غرق ہوئے تھے۔ اسی لیے بحرِ میت کے اس حصے کو بحیرۂ لوط کہا جاتا ہے۔ بحرِ میت کے گرد و پیش پورے علاقے کو دیکھ کر آج بھی صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہاں زبردست عذاب نے زمین کو جگہ جگہ سے شق کر دیا ہے اور جگہ جگہ زمین دھنس گئی ہے۔''[3]

[1] العنکبوت 29:29. [2] ہود 11:82,83. [3] سفرنامۂ ارض القرآن، ص: 236.

بحرِ میت کے جنوب کا وہ علاقہ جہاں قومِ لوط پر پتھروں کے عذاب سے زمین شق ہوگئی



5 بنو قطورا: قومِ شعیب

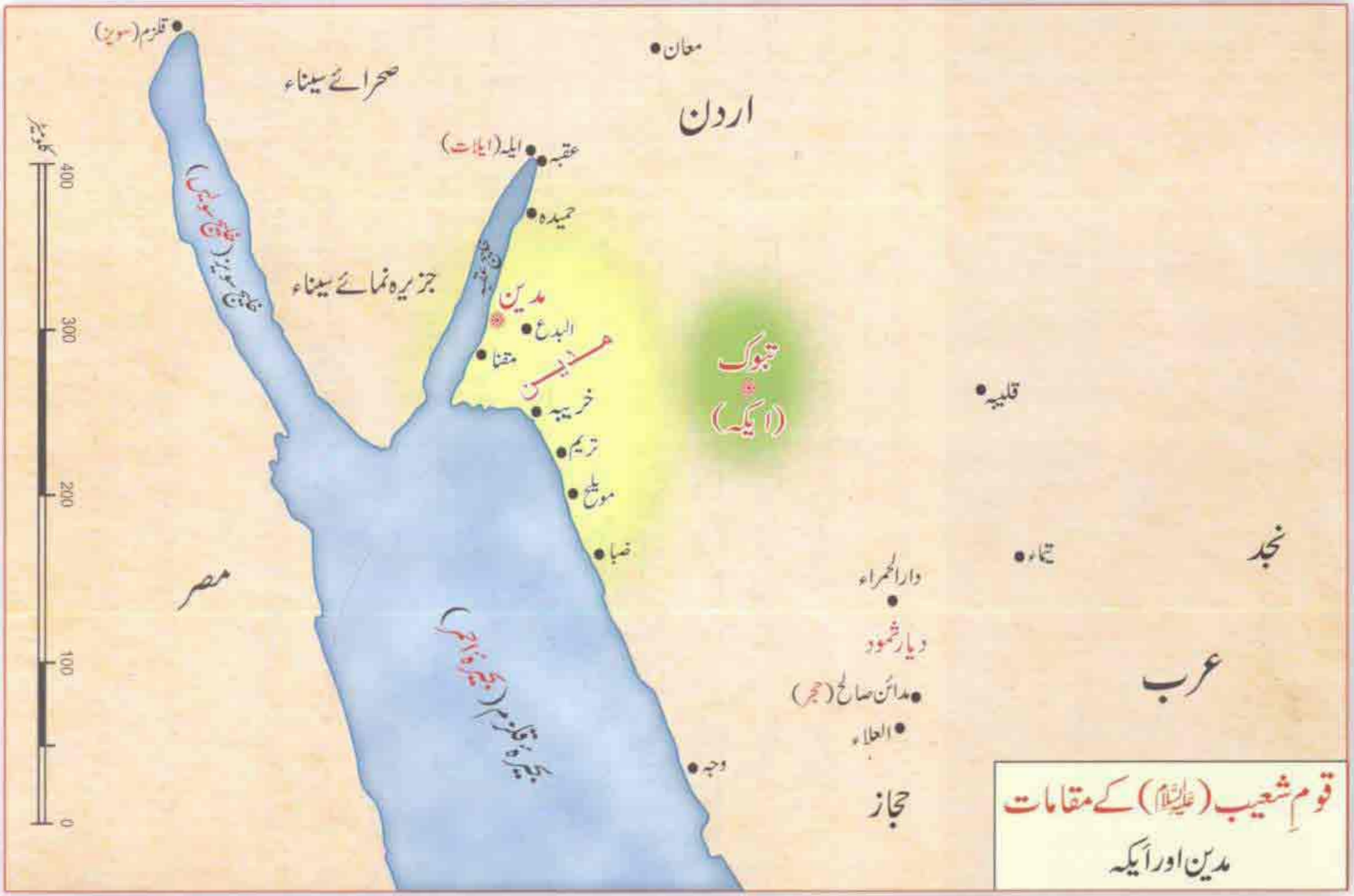
حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت مدین (مدیان) میں ہوئی۔ مدین دراصل ایک قبیلے کا نام ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا۔ مدین یا مدیان ابراہیم علیہ السلام کی تیسری بیوی ''قطورا'' سے پیدا ہوئے، اس لیے ان کا خاندان بنوقطورا کہلاتا تھا۔

اہلِ مدین عرب باشندے تھے۔ [1] ان کی بستیاں خلیج عقبہ کی بندرگاہ اَیلہ کے جنوب میں خلیج عقبہ اور بحیرۂ قلزم کے ساتھ ساتھ اور مشرق میں تبوک تک واقع تھیں۔ ایلہ یہود کا شہر تھا جن پر اللہ تعالیٰ نے ہفتے (سبت) کے دن کے شکار کی حرمت نازل فرمائی تھی لیکن انھوں نے اس کی مخالفت کی۔ اس شہر کا نام ایلہ بنت مدین کے نام پر رکھا گیا۔ [2] ان دنوں یہ علاقہ اسرائیل کے تسلط میں ہے اور ایلات کہلاتا ہے۔ اہل مدین کی جگہ شام (اردن) سے متصل حجاز کا آخری حصہ تھی۔ عہد نبوی میں حجاز والوں کو شام، فلسطین اور مصر تک جاتے ہوئے مدین کے کھنڈر راہ میں پڑتے تھے۔ مدین سے گزرنے والے اہلِ حجاز کے تجارتی راستے کو قرآن مجید میں ''امام مبین'' (کھلی اور صاف شاہراہ) قرار دیا گیا ہے۔ [3] یہ شاہراہ قومِ لوط اور اہلِ مدین دونوں کے علاقوں سے گزرتی تھی۔ مدین کے علاقے میں آج کل البدع، الحمیدہ، مقنا، الخریبہ، تریم، مویلح اور ضَبَا نامی بستیاں آباد ہیں۔ [4]

---

[1] البداية والنهاية: 173/1. [2] معجم البلدان، مادة: أيلة. [3] دیکھیے: الحجر 15:79. [4] اطلس القرآن (اردو)، ص: 128.


البدع کا علاقہ جہاں قوم شعیب آباد تھی


قومِ شعیب (علیہ السلام) کے مقامات
مدین اور اَیکہ
قلزم (سویز)
صحرائے سیناء
جزیرہ نمائے سیناء
مصر
معان
اردن
ایلہ (ایلات)
عقبہ
حمیدہ
مدین
البدع
مقنا
مدین
خریبہ
تریم
مویلح
ضبا
وجہ
تبوک
(اَیکہ)
قلیبہ
تیماء
نجد
عرب
دار الحمراء
دیارِ ثمود
مدائن صالح (حجر)
العلاء
حجاز
کلومیٹر
400
300
200
100
0

اصحابِ اَیکہ

اکثر مؤرخین کے نزدیک قومِ مدین اور اصحابِ اَیکہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں جو باپ کی نسبت سے مدین کہلائی اور زمین کی طبعی و جغرافیائی حیثیت سے اصحابِ اَیکہ کے لقب سے مشہور ہوئی۔ بعض اہلِ علم کا خیال ہے کہ قومِ مدین اور اصحابِ اَیکہ الگ الگ دو اقوام ہیں جن کی طرف شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ پہلے شعیب علیہ السلام کی بعثت قومِ مدین کی طرف ہوئی اور بعد میں اصحاب ایکہ کے لیے بھی انھی کو رسول بنایا گیا۔[1]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝﴾

''اصحابِ اَیکہ نے رسولوں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب نے کہا: کیا تم ڈرتے نہیں؟''[2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''صحیح قول کے مطابق اصحاب ایکہ سے مراد اہل مدین ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا تعلق بھی انھی سے تھا۔ یہاں سورۂ اعراف کی طرح شعیب علیہ السلام کے لیے ''ان (قوم مدین) کے بھائی'' کے الفاظ استعمال نہیں کیے گئے بلکہ ان لوگوں کی یہاں اَیکہ (بَن) کی عبادت کی طرف نسبت کی گئی ہے۔ بن ایک درخت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جھنڈ کی طرح گھنے درخت تھے جن کی وہ عبادت کرتے تھے، اس لیے جب یہ فرمایا:

﴿ كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝﴾ (الشعراء 176:26)

''بن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔''

تو یہ نہیں کہا: جب ان سے ان کے بھائی شعیب نے کہا بلکہ صرف یہ فرمایا:

﴿ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ ﴾ (الشعراء 177:26)

''جب شعیب نے ان سے کہا۔''

جس سبب سے ان کی نسبت بن کی طرف کی گئی ہے، حضرت شعیب علیہ السلام سے اس نسبت کو قطع کرنے کی غرض سے یہاں انھیں ان کا بھائی قرار نہیں دیا گیا، گو وہ نسبی طور پر ان کے بھائی ہی تھے۔ کچھ لوگ جو اس نکتے کو نہیں سمجھ سکے، انھوں نے یہ گمان کیا ہے کہ اصحاب ایکہ اصحاب مدین نہیں، نیز ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دو امتوں کی طرف بھیجا تھا۔ اس طرح کچھ لوگوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپ کو تین امتوں کی طرف مبعوث فرمایا گیا تھا۔[3]

[1] المنتظم: 324/1. [2] الشعراء 26:176،177. [3] تفسیر ابن کثیر، الشعراء 26:176-180.

حدیث میں شعیب علیہ السلام کو خطیب الانبیاء کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دیتے وقت فصاحت و بلاغت اور اعلیٰ زبان سے کام لیتے تھے۔ [1]

مدین کے لوگ بُت پرست کافر تھے۔ رہزنی کرتے، مسافروں میں دہشت پھیلاتے اور اَیکہ نامی درخت کی پوجا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا لین دین کا معاملہ بھی بہت برا تھا۔ ناپ تول میں کمی کرتے تھے۔ لیتے وقت بڑے پیمانے سے ماپتے اور بڑے باٹوں سے تولتے اور دیتے وقت چھوٹے پیمانے اور کم وزن کے باٹ استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے انھی میں سے ایک عظیم شخصیت شعیب علیہ السلام کو منصبِ رسالت پر فائز کیا۔

شعیب علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ

سیدنا شعیب علیہ السلام نے اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی اور انھیں حکم دیا کہ وہ ناپ تول میں کمی نہ کریں، نیز آپ نے انھیں زمین میں فتنہ وفساد پھیلانے سے منع کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۝ ﴾

”اور (ہم نے) مدین والوں کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا)، اس نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں اور تم ناپ تول میں کمی نہ کرو، بے شک میں تمھیں خوشحال دیکھتا ہوں اور بے شک مجھے تم پر گھیرنے والے دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔“ [2]

سیدنا شعیب علیہ السلام نے قوم کی ہر طرح سے خیر خواہی کی، انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل شدہ خیر و برکت یاد دلائی اور برائیوں سے روکا مگر قوم نے ماننے کے بجائے آپ کو سنگسار کرنے اور بستی سے نکال دینے کی دھمکیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ یٰشُعَیْبُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْیَتِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا ﴾

”اس کی قوم میں سے جو سردار تکبر کرتے تھے، انھوں نے کہا: اے شعیب! ہم تمھیں اور ان لوگوں کو جو تمھارے ساتھ ایمان لائے ہیں، اپنی بستی سے ضرور ہی نکال دیں گے یا بہر صورت تم ہمارے دین میں واپس آؤ گے۔“ [3]

[1] المستدرك للحاكم:568/2. [2] هود84:11. [3] الأعراف88:7.

شعیب علیہ السلام کی قوم کو سرزنش

اللہ تعالیٰ کے نبی شعیب علیہ السلام جب قوم سے مایوس ہو گئے تو فرمایا:

﴿ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْۤا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ ﴾

"اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ عمل کرو، بے شک میں بھی عمل کر رہا ہوں۔ جلد تم جان لو گے کہ کس پر رسوا کن عذاب آتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔ اور تم انتظار کرو، بے شک میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں۔"[1]

قومِ شعیب پر مختلف قسم کے عذاب

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ ﴾

"اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے، انھیں تو اپنی رحمت سے

[1] هود 11:93.



قوم شعیب کے مساکن (البدع)

بچالیا اور جو ظالم تھے، انھیں زبردست چیخ نے آدبوچا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔“[1]

یہاں ﴿الصَّيْحَةُ﴾ کا لفظ ہے جس کے معنی زبردست چیخ کے ہیں۔ سورۂ اعراف (91:7) میں ﴿الرَّجْفَةُ﴾ کا لفظ ہے جس کے معنی بھونچال کے ہیں اور سورۂ شعراء (189:26) میں ﴿عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾ ”سائبان کے دن کا عذاب“ کے الفاظ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عذاب الٰہی کی ان تینوں صورتوں میں مبتلا ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں سات دن بے حد شدید گرمی میں مبتلا رکھا، پھر ایک بادل آکر ان کے سروں پر سایہ فگن ہوگیا اور وہ گرمی سے بچنے کے لیے اس کے سائے میں جا کھڑے ہوئے۔ جب وہ سب کے سب جمع ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر آگ کے شعلوں اور انگاروں کی بارش کر دی، زمین پر زلزلہ طاری ہوگیا، پھر ایک زوردار چیخ بھی سنائی دی جس کی وجہ سے ان کے جسموں سے روحیں نکل گئیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّهُ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝﴾ (الشعرآء 189:26)

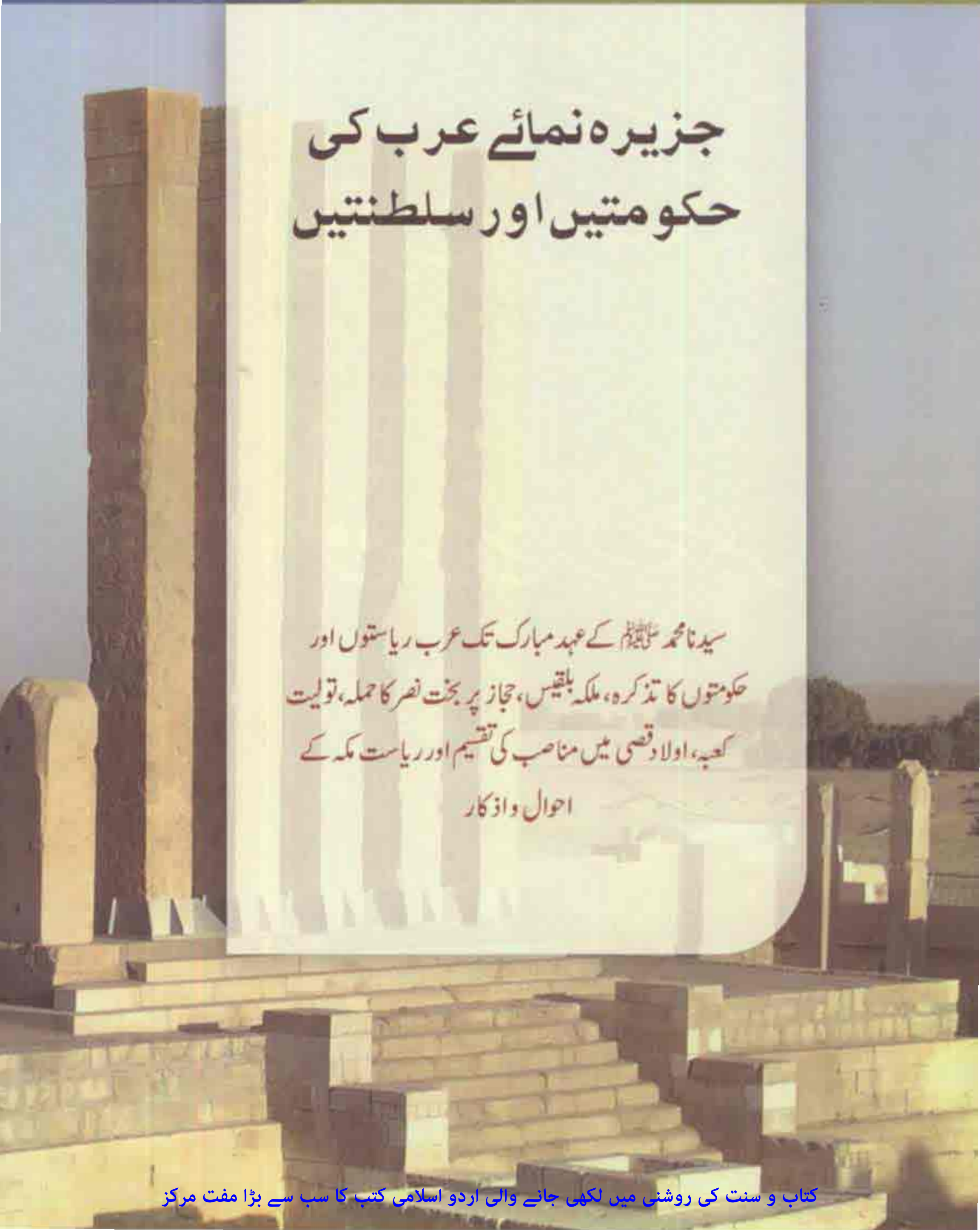
”بے شک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا۔“[2]

[1] ھود 94:11. [2] تفسیر ابن کثیر، الشعرآء 185:26-191.

باب 3

جزیرہ نمائے عرب کی حکومتیں اور سلطنتیں

سیدنا محمد ﷺ کے عہد مبارک تک عرب ریاستوں اور حکومتوں کا تذکرہ، ملکہ بلقیس، حجاز پر بخت نصر کا حملہ، تولیت کعبہ، اولاد قصی میں مناصب کی تقسیم اور ریاست مکہ کے احوال و اذکار



لَقَدْ جَآءَكُمْ
رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ
عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم
بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

''(لوگو!) تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آ گیا ہے، اس پر تمھارا تکلیف میں مبتلا ہونا گراں (گزرتا) ہے، تمھارے لیے (بھلائی کا) حریص ہے، مومنوں پر نہایت شفیق، بہت رحم کرنے والا ہے۔'' (التوبة 9:128)

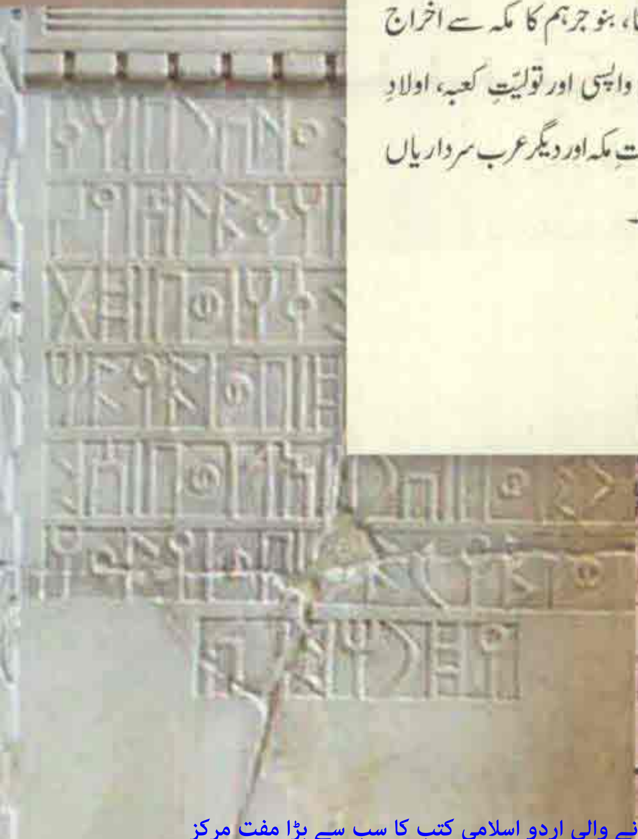
اس باب میں

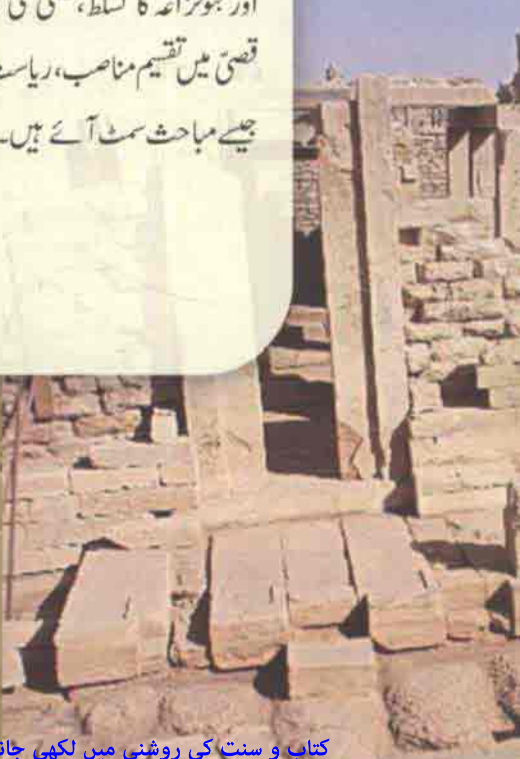




جزیرہ نمائے عرب میں عہد نبوی تک قائم ہونے والی عرب سلطنتوں اور حکومتوں کی تاریخ کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یمن کی سلطنتوں، دولتِ معین، سلطنتِ سبا اور اس کے مذہب، ملکہ بلقیس، سلطنتِ قتبان، مملکتِ حمیر، سدِّ مأرب کی تعمیر اور اس کے انہدام، جاہلیت میں تبع اسعد ابوکرب کے قبول اسلام، یمن پر حبشیوں اور پھر ایرانیوں کے تسلط، حیرہ کی لخمی بادشاہت اور جنگ ذی قار میں عربوں کی فتح کا تذکرہ ہے۔

علاوہ ازیں اس میں شام کی غسانی بادشاہت، عمان کی بادشاہت، سلطنتِ کندہ، حجاز پر بخت نصر کا حملہ اور معد بن عدنان کو اپنے ہمراہ لے جانا، بنو جرہم کا مکہ سے اخراج اور بنوخزاعہ کا تسلط، قُصیّ کی واپسی اور تولیتِ کعبہ، اولادِ قصیّ میں تقسیم مناصب، ریاستِ مکہ اور دیگر عرب سرداریاں جیسے مباحث سمٹ آئے ہیں۔





عرب کے حکمران

جزیرہ نمائے عرب میں قدیم زمانے سے یمن، بحرین، عمان، حیرہ، شام اور کِندہ کی بادشاہتیں چلی آ رہی تھیں، تاہم جس وقت خورشید اسلام کی شعاعیں ضوفگن ہوئیں، یہاں تین قسم کے حکمران تھے:

1 تاج پوش بادشاہ جو حقیقت میں مکمل طور پر آزاد و خودمختار نہ تھے بلکہ اس دور کی دو بڑی طاقتوں روم اور فارس میں سے کسی ایک کے باجگزار تھے۔

تاج پوش حکمران یہ تھے: شاہانِ بحرین، شاہانِ عُمان، شاہانِ آلِ غسان (شام) اور شاہانِ حیرہ (عراق)۔

2 قبائلی حکمران اور سردار جنھیں داخلی طور پر وہی حیثیت حاصل تھی جو تاج پوش بادشاہوں کی تھی لیکن ان کی اکثریت کو ایک مزید امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ وہ پورے طور پر آزاد اور خودمختار تھے، کسی بڑی سلطنت کے باجگزار نہ تھے۔

3 یمن کے گورنر جو براہِ راست دربارِ فارس کے نامزد تھے۔

علاوہ ازیں جزیرہ نمائے عرب کے وسط میں کِندہ کی بادشاہت 425ء سے 550ء تک برقرار رہی تھی جو اپنے عروج کے زمانے میں یمن سے لے کر شمال میں دومۃ الجندل تک پھیلی ہوئی تھی۔

اگلے صفحات میں ہم ان سلطنتوں، قبائلی امارتوں اور سرداریوں کی اہمیت کے پیشِ نظر ان کا تاریخی پس منظر بیان کیے دیتے ہیں۔

1

یمن کی سلطنتیں

عرب عاربہ میں سے جو قدیم ترین یمانی قوم سامنے آتی ہے، وہ قومِ سبا ہے۔ اُور (عراق) سے جو کتبات برآمد ہوئے ہیں، ان میں ڈھائی ہزار سال قبل مسیح میں اس قوم کا ذکر ملتا ہے۔ سبا (قوم) اور سبا (ملک) دونوں عبدشمس سبا سے منسوب ہیں جسے اہلِ نسب نے قحطان کا پرپوتا لکھا ہے۔

قدیم یمن میں یکے بعد دیگرے چار سلطنتیں قائم ہوئیں: معین، سبا، قتبان اور حمیر۔

دولتِ معین



دولت معین کے دور کا کتبہ

یمن کی تاریخ میں پہلی باقاعدہ سلطنت معین تھی جو 1600 ق م کے لگ بھگ احقافِ یمن (وادی الجوف) میں قائم ہوئی۔ اس کے مشرق میں حضرموت اور جنوب مغرب میں سبا واقع تھا۔ اپنے عہد عروج میں یہ سلطنت خلیج (عدن) سے حجاز تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا دارالحکومت معین یا القرن صنعاء کے شمال مشرق میں واقع تھا جس سے یہ مملکت منسوب ہوئی۔ اس کے کھنڈروں میں عشتار دیوی کا معبد ہے۔ ساتویں صدی ق م میں دولت معین کی جگہ سلطنت سبا نے لے لی۔ [1]

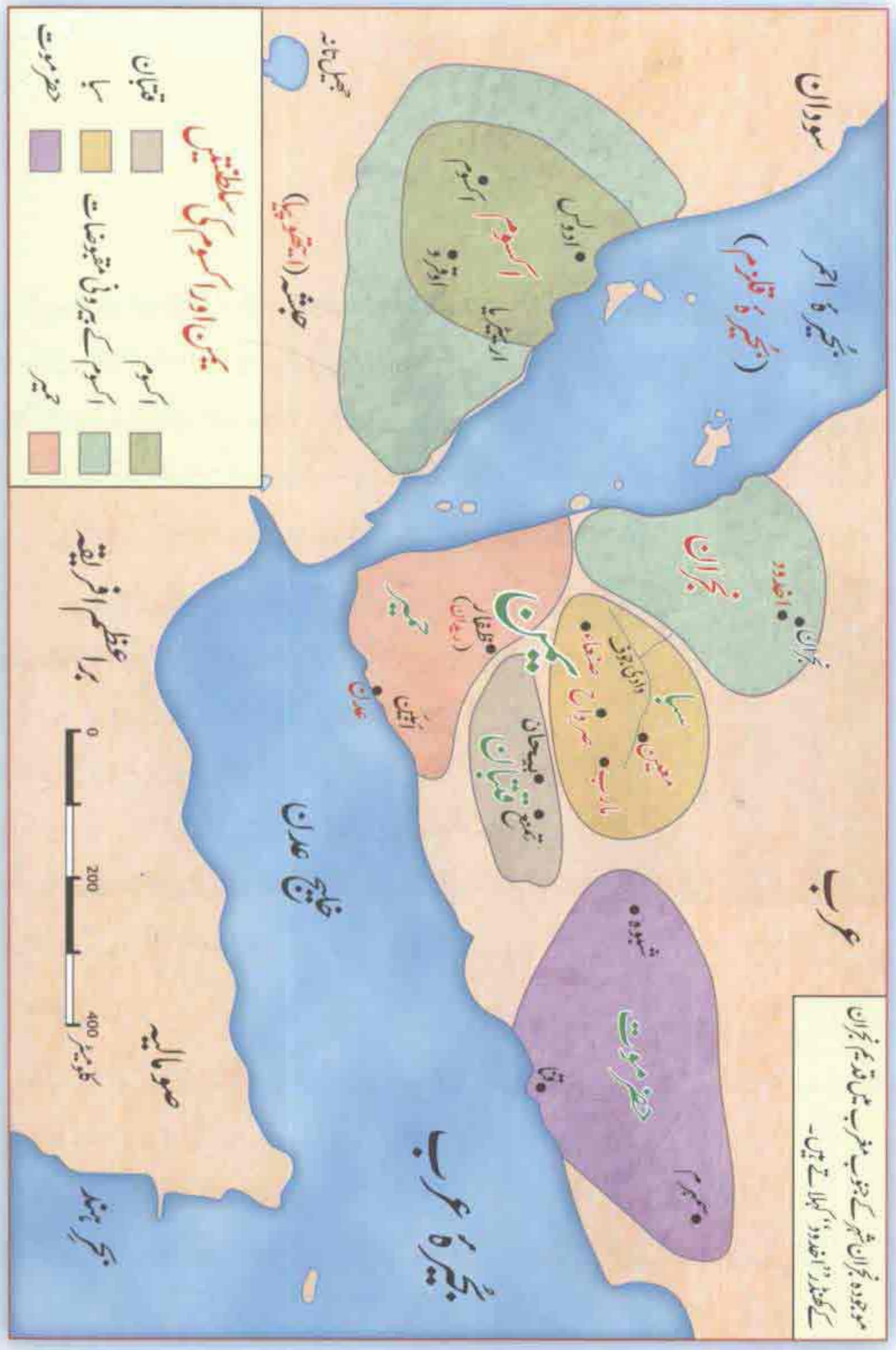
سلطنتِ سبا

مُلکِ سبا عبدشمس سبا سے منسوب ہے جس کا نسب اہلِ انساب کے نزدیک سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے۔ سبائے یمن کی تاریخ کے دو ادوار ہیں:

1 مکاربِ سبا 2 ملوکِ سبا

1 **مکاربِ سبا (1000 ق م تا 650 ق م):** شاہانِ سَبا کا لقب ''مکارب'' یا ''مکرب'' تھا۔ سبائی زبان میں ''رب'' کا

1 المنجد في الأعلام، ص: 538، قصة و تاريخ الحضارات العربية: 29/15.


یمن اور اکسوم کی سلطنتیں
اکسوم
قتبان
سبا
حمیر
حضرموت
سوڈان
بحیرۂ احمر
(بحیرۂ قلزم)
حبش (ایتھوپیا)
اکسوم
ادولس
اریٹیریا
نجران
الاخدود
یمن
سبا
معین
مأرب
صنعاء
قتبان
بیحان
تمنع
حمیر
ظفار
(ریدان)
ابین
عدن
حضرموت
شبوہ
قنا
عرب
خلیج عدن
صومالیہ
براعظم افریقہ
بحیرۂ عرب
بحر ہند
0
200
400
کلومیٹر
موجودہ نجران شہر کے جنوب مغرب میں قدیم نجران
کے کھنڈر "الاخدود" کہلاتے ہیں۔



معنی ہے ''بڑا'' یا ''بادشاہ'' اور ''مکارب'' کے معنی ہیں ''کاہن بادشاہ''۔ مکاربینِ سبا کا پایۂ تخت صرواح تھا جس کے کھنڈر آج بھی مَأرب اور صنعاء کے درمیان وادی واکفہ میں پائے جاتے ہیں اور خُریبہ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی دور میں مَأرب کے مشہور بند کی بنیاد رکھی گئی جسے عربِ حجاز ''سد'' اور عربِ یمن ''عَرِم'' کہتے تھے۔

عرم جنوبی عرب کی زبان کے لفظ عرمن سے ماخوذ ہے جس کے معنی بند کے ہیں۔ یمن کے قدیم کتبات میں یہ لفظ اس معنی میں بکثرت استعمال ہوا ہے، مثلاً: 542ء یا 543ء کا ایک کتبہ جو یمن کے حبشی گورنر ابرہہ نے سد مَأرب کی مرمت کرانے کے بعد نصب کرایا تھا۔ اس میں وہ اس لفظ کو بار بار ''بند'' کے معنی میں استعمال کرتا ہے۔[1]

سد مَأرب تقریباً 800 ق م میں تعمیر کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس دور میں سلطنتِ سبا کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ انھوں نے عرب کے اندر اور عرب کے باہر جگہ جگہ اپنی نو آبادیاں قائم کر لی تھیں۔

اہلِ سبا کا مذہب

اہل سبا کا مذہب آفتاب پرستی تھا جیسا کہ ہُد ہُد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو سبا کی ملکہ بلقیس کی خبر دیتے ہوئے کہا تھا: ﴿ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ''میں نے اسے (ملکۂ سبا) اور اس کی قوم کو دیکھا کہ وہ اللہ کے سوا سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔''[2]

یہودیوں کی کتاب ترگوم میں بھی ملکہ بلقیس کے سورج کی عبادت کرنے کا ذکر ہے اور یونانی مؤرخ تھیوفراسٹینس ''آفتاب کے ہیکل'' میں بخورات کے ڈھیر کا ذکر کرتا ہے، نیز قبیلۂ سبا کے بانی کا لقب ''عبدشمس'' مشہور ہے جس کے معنی ''پرستارِ آفتاب'' کے ہیں۔ اوائل اسلام میں یمن کی ایک عمارت کے کتبے پر یہ عبارت منقوش پائی گئی:

[1] تفہیم القرآن: 192/4. [2] النمل 24:27.

بِسْمِ اللّٰهِ هٰذَا مَا بَنَاهُ شَمَّرَ يَرْعَشْ لِسَيِّدَةِ الشَّمْسِ

''اللہ کے نام سے، یہ وہ عمارت ہے جسے بادشاہ شمّر یرعش نے سورج دیوی کے لیے بنایا۔''[1]

ملکہ بلقیس نے سیدنا سلیمان علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا تھا۔[2] بعد میں قومِ سبا دوبارہ گمراہی کا شکار ہو گئی۔

تاریخی آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے سے قومِ سبا میں ایک ایسا عُنصر موجود تھا جو خدائے واحد کو مانتا تھا۔ تقریباً 650 ق م کے بعض کتبات بتاتے ہیں کہ سبا کے متعدد مقامات پر اس معبود کا نام ملکن ذُسموی (آسمانوں کا مالک بادشاہ) لکھا گیا ہے، نیز 378ء کے ایک کتبے میں الٰہ ذوسموی کے نام سے ایک عبادت گاہ کی تعمیر کا ذکر ملتا ہے۔ پھر 465ء کے ایک کتبے میں یہ الفاظ مرقوم ہیں: بنصر و ردا الٰهن بعل سمين وارضين (اس الٰہ کی مدد اور تائید سے جو آسمانوں اور زمین کا مالک ہے۔) ایک اور کتبے (458ء) میں اسی الٰہ کے لیے رحمٰن کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ اصل الفاظ ہیں: بردا رحمنن (رحمٰن کی مدد سے)۔[3]

سدِ مأرب اور اس کی تباہی

اہلِ سبا نے جو سدِ مأرب (ڈیم) تیار کیا تھا، وہ مأرب شہر کے مشرق میں وادی اُذَینہ میں واقع تھا۔[4] قومِ سبا اور اس کے تعمیر کردہ بند کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہوا ہے:

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 215,214/1، ملوك الأرض، ص: 110۔ [2] النمل 27:44۔ [3] تفہیم القرآن: 194/4۔ [4] اطلس القرآن (اردو)، ص: 173، المنجد في الأعلام، ص: 510۔



سدِ مأرب کے آثار

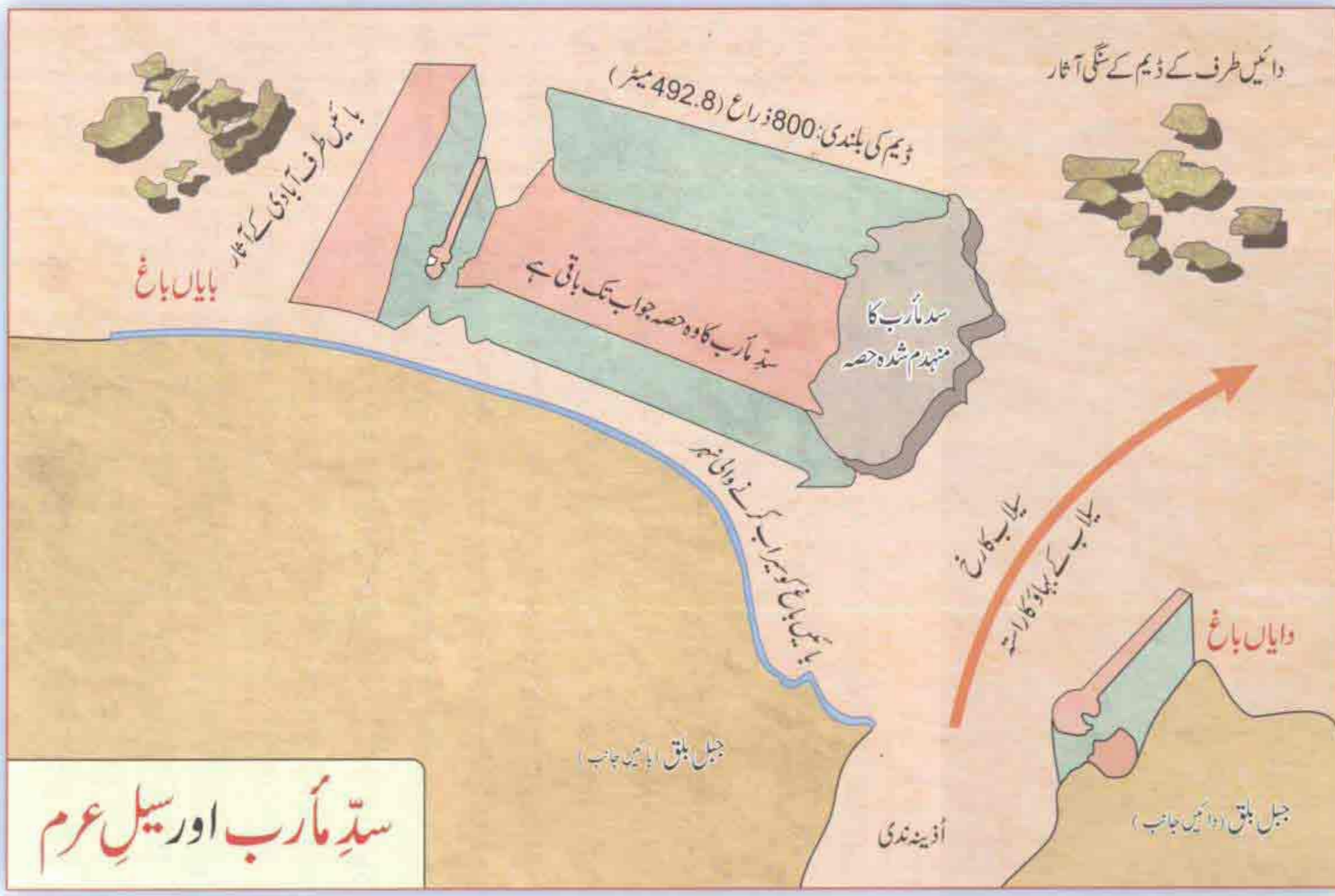
﴿لَقَدۡ كَانَ لِسَبَاٍ فِیۡ مَسۡكَنِهِمۡ اٰيَةٌ ۚ جَنَّتٰنِ عَنۡ يَّمِيۡنٍ وَّشِمَالٍ ۚ كُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِ رَبِّكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا
لَهٗ ؕ بَلۡدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّرَبٌّ غَفُوۡرٌ ○ فَاَعۡرَضُوۡا فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سَيۡلَ الۡعَرِمِ وَبَدَّلۡنٰهُمۡ بِجَنَّتَيۡهِمۡ جَنَّتَيۡنِ
ذَوَاتَىۡ اُكُلٍ خَمۡطٍ وَّاَثۡلٍ وَّشَیۡءٍ مِّنۡ سِدۡرٍ قَلِيۡلٍ ○ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِمَا كَفَرُوۡا ؕ وَهَلۡ نُجٰزِیۡۤ اِلَّا الۡكَفُوۡرَ ○ وَجَعَلۡنَا
بَيۡنَهُمۡ وَبَيۡنَ الۡقُرَى الَّتِیۡ بٰرَكۡنَا فِيۡهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّقَدَّرۡنَا فِيۡهَا السَّيۡرَ ؕ سِيۡرُوۡا فِيۡهَا لَيَالِیَ وَاَيَّامًا
اٰمِنِيۡنَ ○ فَقَالُوۡا رَبَّنَا بٰعِدۡ بَيۡنَ اَسۡفَارِنَا وَظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فَجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ وَمَزَّقۡنٰهُمۡ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ
اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ○﴾

"سبا (قوم) کے لیے ان کی بستی میں یقیناً ایک عظیم نشانی تھی، دائیں اور بائیں طرف دو باغ تھے، (ہم نے کہا:) تم اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر ادا کرو، (یہ) پاکیزہ شہر ہے اور رب بڑا بخشنے والا ہے۔ پھر انھوں نے (جب ہدایت سے) منہ موڑا تو ہم نے ان پر بند (ڈیم) کا سیلاب بھیج دیا اور ان کے دونوں باغوں کے بدلے میں ہم نے انھیں دو ایسے باغ دیے جو بد مزہ پھل، (بکثرت) جھاؤ اور کچھ بیریوں والے تھے۔ یہ ہم نے انھیں ان کی ناشکری کی سزا دی اور ہم ناشکروں ہی کو سزا دیتے ہیں۔ اور ہم نے ان (اہل سبا) کے اور ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت رکھی تھی، کئی بستیاں باہم متصل (سرِراہ آباد) رکھی تھیں اور ان میں ہم نے چلنے (آنے جانے) کی منزلیں مقرر کر دی تھیں، (ہم نے کہا:) تم ان میں راتوں اور دنوں کو امن سے سفر کرو۔ پھر انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمارے سفروں میں دوری پیدا کر دے اور انھوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا، چنانچہ ہم نے انھیں افسانے بنا ڈالا اور انھیں مکمل طور پر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، بلاشبہ اس میں ہر صابر و شاکر کے لیے عظیم نشانیاں ہیں۔"[1]

[1] سبا 34:15-19.



مآرب کے کھنڈر



سدِّ مأرب اور سیلِ عرم
دائیں طرف کے ڈیم کے سنگی آثار
ڈیم کی بلندی: 800 ذراع (492.8 میٹر)
بائیں طرف آبادی کے آثار
بایاں باغ
سدِ مأرب کا وہ حصہ جواب تک باقی ہے
سد مأرب کا منہدم شدہ حصہ
بائیں باغ کو سیراب کرنے والی نہر
سیلاب کا رخ
سیلاب کے بہاؤ کا راستہ
دایاں باغ
جبل بلق (بائیں جانب)
جبل بلق (دائیں جانب)
اُذینہ ندی

سبا کا عروج و زوال

ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: قومِ سبا کا عروج دراصل دو بنیادوں پر قائم تھا: ایک زراعت، دوسری تجارت۔ زراعت کو انھوں نے آب پاشی کے ایک بہترین نظام کے ذریعے سے ترقی دی تھی جس کے مثل کوئی دوسرا نظامِ آب پاشی بابل کے سوا قدیم زمانے میں کہیں نہ پایا جاتا تھا۔ ان کی سرزمین میں قدرتی دریا نہ تھے۔ بارش کے زمانے میں پہاڑوں سے برساتی نالے بہ نکلتے تھے۔ انھی نالوں پر سارے ملک میں جگہ جگہ بند باندھ کر انھوں نے تالاب بنا لیے تھے اور ان سے نہریں نکال نکال کر پورے ملک کو اس طرح سیراب کر دیا تھا کہ قرآن مجید کی تعبیر کے مطابق ہر طرف باغ ہی باغ نظر آتے تھے۔ اس نظامِ آب پاشی کا سب سے بڑا مخزنِ آب وہ تالاب تھا جو شہر مأرب کے قریب کوہ بلق کی درمیانی ندی پر بند باندھ کر تیار کیا گیا تھا۔ مگر جب اللہ کی نظرِ عنایت ان سے پھر گئی تو پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہ عظیم الشان بند ٹوٹ گیا اور اس سے نکلنے والا سیلاب راستے میں بند پر بند توڑتا چلا گیا یہاں تک کہ ملک کا پورا نظامِ آب پاشی تباہ ہو کر رہ گیا، پھر کوئی اسے بحال نہ کر سکا۔

ایک ہزار برس سے زیادہ مدت تک یہ قوم مشرق اور مغرب کے درمیان تجارت کا واسطہ بنی رہی۔ ایک طرف ان کی بندرگاہوں میں چین کا ریشم، انڈونیشیا اور مالا بار کے گرم مسالے، ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، مشرقی افریقہ کے زنگی غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے تھے اور دوسری طرف یہ ان چیزوں کو مصر اور شام کی منڈیوں میں پہنچاتے تھے جہاں سے روم و یونان تک یہ مال روانہ کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ خود ان کے علاقے میں لوبان، عود، عنبر، مشک، مُرّ، قرفہ، قصب الذّریرہ، سلیخہ اور دوسری اُن خوشبودار چیزوں کی بڑی پیداوار تھی جنھیں مصر و شام اور روم و یونان کے لوگ ہاتھوں ہاتھ لیتے تھے۔

اس عظیم الشان تجارت کے دو بڑے راستے تھے: ایک بحری، دوسرا برّی۔ بحری تجارت کا اجارہ ہزار سال تک انھی سبائیوں کے ہاتھ میں تھا کیونکہ بُحیرۂ احمر کی موسمی ہواؤں، زیر آب چٹانوں اور لنگر اندازی کے مقامات کا راز یہی لوگ جانتے تھے اور دوسری کوئی قوم اس خطرناک سمندر میں جہاز چلانے کی ہمت نہ رکھتی تھی۔ اس بحری راستے سے یہ لوگ اردن اور مصر کی بندرگاہوں تک اپنا مال پہنچایا کرتے تھے۔ برّی راستے عدن اور حضرموت سے مأرب پر جا کر ملتے تھے اور پھر وہاں سے ایک شاہراہ مکہ، جدہ، یثرب، العُلا، تبوک اور اَیلہ سے گزرتی ہوئی پٹرا تک پہنچتی تھی۔ اس کے بعد ایک راستہ مصر کی طرف اور دوسرا راستہ شام کی طرف جاتا تھا۔ اس برّی راستے پر جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہوا ہے، یمن سے حدودِ شام تک سبائیوں کی نو آبادیاں مسلسل قائم تھیں اور شب و روز اُن کے تجارتی قافلے یہاں

سے گزرتے رہتے تھے۔ آج تک ان میں سے بہت سی نو آبادیوں کے آثار اس علاقے میں موجود ہیں اور وہاں سبائی و حمیری زبان کے کتبات مل رہے ہیں۔[1]



ام عمرو بن معدیکرب سے منسوب کتبہ (مأرب)

علامہ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں: شہر مأرب کے جنوب میں دائیں بائیں دو پہاڑ ہیں جن کا نام کوہ بلق ہے۔ دونوں پہاڑوں کے بیچ میں وادیِ اذینہ ہے۔ پہاڑوں سے پانی جمع ہوکر وادیِ اذینہ میں ایک دریا جاری ہوجاتا ہے۔ سبا نے ان دونوں پہاڑوں کے بیچ میں تقریباً 800 ق م میں سدِ مأرب تعمیر کیا تھا۔ سدِ مأرب کے بقیہ حصے پر جو کتبات ہیں، ان میں اس کے بانیوں (مکاربین سبا) کے نام یثع امر بین، سمہعلی ینوف، کرب ایل بین، ذمرعلی اور یدع ایل پڑھے گئے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سد طویل زمانے میں مختلف سلاطینِ یمن کے عہد میں تعمیر ہوا ہے۔ اس نظام آب رسانی سے اس ریگستان کے اندر 200 مربع میل میں سینکڑوں کوس تک بہشت زار تیار ہوگئی تھی جس میں انواع واقسام کے میوے اور خوشبودار درخت تھے۔ سدِ مأرب 542ء اور 570ء کے درمیان تباہ ہوگیا۔[2]

2 **ملوکِ سبا** (650 تا 115 ق م): اس دور میں شاہانِ سَبا نے مَلِک (بادشاہ) کا لقب اختیار کر لیا اور مأرب کو دارالسلطنت بنایا۔ اس کا دوسرا نام شہرِ سبا تھا۔ مأرب کا قصرِ شاہی سَلْحِین تھا جس کے کھنڈر صنعاء سے 60 میل مشرق میں پائے جاتے ہیں۔[3] ماضی قریب میں مأرب صوبہ بیضاء کا صدر مقام تھا۔ بیضاء یمن کے دارالحکومت صنعاء سے 130 میل کے فاصلے پر جنوب مشرق میں واقع ہے۔ آج کل مأرب بجائے خود ایک صوبہ ہے۔

سلطنت قتبان (قِتبان)



سلطنت قتبان کا سکہ

بنوقتبان کا جد امجد قتبان بن ردمان بن وائل بن غوث حمیری تھا۔[4] یمن کی یہ سلطنت 500 ق م سے لے کر 200ء تک سبا کے جنوب مشرق میں وادیٔ بیحان میں قائم رہی۔ اس کا ذکر جنوبی عرب کے قدیم کتبوں اور یونانی اور رومی ادب میں ملتا ہے۔ اس

[1] تفہیم القرآن: 198،197/4. [2] تاریخ ارض القرآن (کامل): 202/1؛ المنجد في الأعلام، ص: 510؛ المفصل في تاریخ العرب قبل الإسلام: 285/2. [3] تاریخ ارض القرآن (کامل): 188/1-196. [4] المفصل في تاریخ العرب قبل الإسلام: 173/2.

کا دارالحکومت تمنع تھا جو اس تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو حضرموت، سبا اور معین کی سلطنتوں میں سے گزرتی تھی۔ ان کا سب سے بڑا دیوتا عَم تھا جس کی نسبت سے وہ لوگ بنوعَم کہلائے۔ اس سلطنت کے حکمران مکرب کہلاتے تھے۔ [1]

مملکتِ حمیر

بنوحمیر آلِ سبا میں سے تھے اور یہ مغربی یمن میں بحیرۂ احمر اور بحیرۂ عرب کے متصل آباد تھے۔ ان پر ''ذو'' (امیر) حکومت کرتے تھے۔ قلعہ ریدان ان کا مسکن تھا۔ یہ قلعہ پایۂ تخت ظفار کے متصل تھا۔ ظفار کے آثار صنعاء کے جنوب میں شہر ''یریم'' کے قریب ایک مُدوَّر پہاڑی پر پائے جاتے ہیں۔ سبا کی تباہی کے بعد حمیر نے مأرب تک اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اس وقت ان کا لقبِ شاہی ''ملک سبا و ذو ریدان'' تھا۔ اسی دور میں سلطنت کے ایک حصے کی حیثیت سے پہلی مرتبہ لفظ ''یمنت'' اور ''یمنات'' کا استعمال شروع ہوا اور رفتہ رفتہ یمن اس پورے علاقے کا نام ہوگیا جو عسیر سے عدن تک اور باب المندب سے حضرموت تک واقع ہے۔



حمیری دور کے سکے

اہلِ حبش کے بعض کتبات میں ''حمیر'' اور ''ارض حمیر'' کے الفاظ ملتے ہیں، نیز یونانی مؤرخین نے حمیر کا پہلی بار ذکر 20 ق م میں کیا ہے۔ حمیر عربی اور حبشی زبان میں ''حُمر'' (سرخ) سے مشتق ہوگا۔ چونکہ عرب اہلِ حبش کو اسود اور سودان کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں اہلِ حبش عربوں کو حمیر، یعنی گورے رنگ کے کہتے ہوں گے۔ یمن کے حبشی فاتح ابرہہ کے ایک کتبے میں لکھا ہے: ''بادشاہ حبشی حمیری فوج لے آیا۔'' گویا کالی گوری دونوں پلٹنیں آئیں۔

حمیر کا طبقۂ اُولیٰ اور حبشیوں کا تسلط

سبائے حمیر کی تاریخ دوسری صدی ق م کے اواخر (115 ق م) یا پہلی صدی ق م کے وسط سے شروع ہوتی ہے۔ پہلی صدی ق م سے تیسری صدی عیسوی کے اواخر تک حمیر کا طبقۂ اول فرمانروائی کرتا رہا۔ ان سلاطین کا لقب ''ملک سبا و ذو ریدان'' تھا۔ دوسری صدی عیسوی سے سبائی الاصل اکسومی حبشیوں نے یمن پر حملے شروع کیے، تاہم تبع اکبر حارث الرائش (شمر یہرعش 280ء تا 315ء) نے انھیں حضرموت سے نکال باہر کیا اور یمن اور حضرموت دونوں کا پہلا بادشاہ بنا۔ پھر 340ء سے 375ء



شاہ اُذینہ کے دور کے سکے

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 266/1/16، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا۔

تک اکسومی حبشی اکسوم سے یمن (حمیر) اور حضر موت پر قابض رہے۔ اس دوران شاہ اذینہ اور اس کے جانشین خود کو "ملک اکسوم وحمیر وریدان واثیو بیا وسبا وزیلع" کہتے تھے۔ [1]

حمیر کا طبقۂ ثانیہ یا تبابعہ

حمیر کے طبقۂ ثانیہ کے سلاطین جن کا لقب "ملک سبا وذوریدان وحضر موت" ہے، عرب ان کو تبع (جمع تبابعہ) کہتے ہیں۔ ممکن ہے "تبع" عربی لفظ "متبوع" کے معنی میں ہو جس کی لوگ پیروی یا اطاعت کرتے ہیں لیکن بہ تحقیق جدید یہ حبشی لفظ ہے۔ حبشی زبان میں تبع کے معنی "قادر، جبار اور صاحبِ قوت" ہیں۔ پہلا تبع کلیکرب یا کتبات کے مطابق ملک یکرب تھا جس نے 375ء میں اکسومیوں کو نکال کر یمن وحضر موت پر اپنی حکومت قائم کی۔ [2]

تبع اسعد ابوکرب کا قبولِ اسلام

تبابعۂ یمن میں سے تین زیادہ مشہور ہوئے: تبع اکبر حارث الرائش (280ء تا 315ء)، تبع اوسط اسعد ابوکرب بن کلیکرب (400ء تا 425ء) اور تبع اصغر حسان بن تبع (425ء تا 455ء)۔ [3] تبع اسعد ابوکرب نے یہودیت قبول کر لی تھی۔

سمہودی لکھتے ہیں: "جب تُبّع اول تبان اسعد ابوکرب بن کلیکرب مدینہ (یثرب) سے گزرا، اس کے ہمراہ چار سو علماء تھے۔ انھوں نے اسی شہر میں رہنے کا فیصلہ کیا۔ تبع اسعد نے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ہم نے اپنی کتابوں میں لکھا پایا ہے کہ آخری اور عظیم ترین نبی جس کا نام احمد اور محمد (ﷺ) ہوگا، ہجرت کر کے اس شہر میں آئے گا، لہٰذا ہم یہیں قیام کریں گے، شاید ان سے ملاقات ہو جائے۔ تبع نے ان سب کے لیے گھر بار بنا دیے، پھر اس نے ایک مکتوب لکھا جس میں اپنے قبولِ اسلام کا ذکر کیا اور اس میں یہ شعر بھی رقم کیے:

شَهِدْتُ عَلٰی أَحْمَدَ أَنَّهٗ ۔۔۔ رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِئِ النَّسَمِ

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِي إِلٰی عُمْرِهٖ ۔۔۔ لَكُنْتُ وَزِيرًا لَّهٗ وَ ابْنَ عَمّْ

"میں احمد (ﷺ) کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ خالق کائنات کی طرف سے رسول ہیں۔ اگر میں نے ان کا زمانہ پایا تو میں ان کا معاون اور قرابتدار بنوں گا۔"

[1] ملخص از تاریخ ارض القرآن (کامل): 1/221-228. زیلع ان دنوں صومالیہ میں خلیج عدن کے ساحل پر واقع ہے۔ [2] تاریخ ارض القرآن (کامل): 1/229,228. [3] تاریخ ارض القرآن (کامل): 1/231,230.

اس نے مکتوب پر سونے کی مہر لگائی اور سب سے بڑے عالم کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ نبی ﷺ کا زمانہ پائے تو انھیں دے دے اور اگر وہ ان کا عہد نہ پائے تو اس کے بیٹے یا پوتے یہ کام انجام دیں۔ اس نے نبی ﷺ کے لیے ایک مکان تعمیر کیا تاکہ آپ جب مدینہ تشریف لائیں تو اس میں قیام فرمائیں۔ وقت گزرنے پر اس مکان کے مالک ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بنے جو اسی عالم کی اولاد میں سے تھے۔ [1]

امام احمد، سہل بن سعد انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت مرفوعاً بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا تُبَّعًا فَإِنَّهُ قَدْ كَانَ أَسْلَمَ»

''تبع کو بُرا بھلا مت کہو۔ بے شک اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔'' [2]

تبابعہ کے عہد اول کے آخر میں رومیوں نے یمن کی سب سے بڑی بندرگاہ عدن پر فوجی تسلط قائم کر لیا اور ان کی مدد سے اکسومی حبشیوں نے حمیر و ہمدان کی باہمی کشاکش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے 340ء میں پہلی بار یمن پر قبضہ کیا جو 375ء تک برقرار رہا۔

اس کے بعد یمن کی آزادی تو بحال ہوگئی مگر ''مأرب'' کے مشہور بند میں رخنے پڑنا شروع ہوگئے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا 542ء اور 570ء کے درمیان یہ بند ٹوٹ گیا۔ [3] اور وہ عظیم سیلاب آیا جس کا ذکر قرآن مجید میں سَیلِ عَرِم کے نام سے کیا گیا ہے۔ [4] اس سیلاب میں بستیوں کی بستیاں ویران ہوگئیں اور بہت سے قبائل اِدھر اُدھر بکھر گئے۔

حبشیوں کا یمن پر دوبارہ تسلط



ابرہہ کے سکے

قیصر روم نے اپنے باجگزار شاہِ حبش کو یمن پر حملے کی ترغیب دیتے ہوئے بحری بیڑہ مہیا کیا۔ یوں 525ء میں ارياط کے زیر قیادت ستر ہزار حبشی فوج نے حملہ کر کے یمن پر قبضہ کر لیا۔ کچھ عرصہ شاہ حبش کے گورنر کی حیثیت سے ارياط نے یمن پر حکمرانی کی۔ پھر اس کی فوج کے ایک ماتحت کمانڈر ابْرَہَہ اشرم (ابرہہ نکٹا) نے اسے قتل کر کے خود اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ عام الفیل میں ابرہہ کی ہلاکت کے بعد اس کے دو بیٹے یکسوم اور مسروق یکے بعد دیگرے فرمانروائے یمن ہوئے۔

[1] وفاء الوفا للسمهودي :1/189,188. [2] مسند أحمد :5/340، السلسلة الصحيحة :2423. [3] المنجد في الأعلام، ص: 510، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:2/285. [4] سبا 34:16.

یمن پر ایرانی قبضہ

چند سال بعد یمنیوں نے علمِ بغاوت بلند کر کے سیف ذی یزن حمیری کے بیٹے معدیکرب کی قیادت میں حبشیوں کو ملک سے نکال باہر کیا۔ یہ 575ء کا واقعہ ہے۔ شاہ معدیکرب نے کچھ حبشیوں کو اپنی خدمت اور شاہی جلوس کی زینت کے لیے روک لیا لیکن یہ شوق مہنگا ثابت ہوا۔ ان حبشیوں نے ایک روز معدیکرب کو دھوکے سے قتل کر دیا۔

اب سیف ذی یزن نے کسریٰ نوشیرواں کے دربار میں پہنچ کر فریاد کی کہ کوّوں نے ہمارا ملک تاراج کر دیا ہے۔ نوشیرواں نے پوچھا: کون سے کوے، حبشی یا ہندوستانی؟ سیف بولا: یہ کوے حبش سے آئے ہیں۔ نوشیرواں نے جواب دیا: ہمیں تمھارے دور دراز ملک پر قبضہ کرنے کی ہوس نہیں۔ اس میں بھیڑوں اور اونٹوں کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ پھر اس نے سفیرِ یمن کو دس ہزار درہم اور خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ سیف نے دربار سے باہر نکلتے ہی درہموں کے دسوں توڑے شاہی محل کے غلاموں، کنیزوں اور دربانوں میں لٹا دیے۔ نوشیرواں کو پتہ چلا تو اس نے سیف کو واپس بلا کر شاہی عطیے کی اس بے توقیری کا سبب پوچھا۔ اس نے جواب دیا: میں تمھارے ان سیم و زر کے سکوں کے تحفے کو کیا کرتا! جس ملک سے میں آیا ہوں، وہاں تو پہاڑ بھی سونے چاندی کے ہیں۔ نوشیرواں نے نرم پڑ کر اسے کچھ دن اور ٹھہرا لیا۔


ضام (یمن) کی ایک شاندار مسجد

مشاورت ہوئی تو وزرائے سلطنت نے رائے دی کہ شاہی بندی خانوں کے قیدی اس کے ہمراہ کر دیے جائیں کہ اگر یہ سارا گروہ مارا بھی گیا تو کچھ مجرم ہی کیفرِ کردار کو پہنچیں گے۔ نوشیرواں کو یہ رائے پسند آئی، چنانچہ آٹھ سو خونیں مجرم قید خانوں سے نکال کر سالخوردہ فوجی افسر وہرز کی کمان میں سیف کو دے دیے گئے۔ وہ انھیں چند جہازوں میں سوار کر کے حضرموت کے ساحل پر اُترا۔ یمنیوں کی جمعیت بھی اس ایرانی فوج سے آملی۔ ابرہہ کا بیٹا مسروق مقابلے کو نکلا مگر وہرز کے ہاتھوں مارا گیا اور حبشی فوج بھاگ نکلی۔ یوں کسریٰ نے یمن کو فارس کا ایک صوبہ بنا لیا۔ وہرز یمن کا پہلا ایرانی گورنر مقرر ہوا۔ آخری عجمی گورنر باذان نے 628ء میں اسلام قبول کر لیا اور اس کے ساتھ ہی یمن فارسی اقتدار سے آزاد ہو کر اسلام کی عملداری میں آ گیا۔[1]

[1] محاضرات تاریخ الأمم الإسلامية:1/30،29، غلبۂ روم، مولانا ظفر علی خان، ص:16-18۔

اصحابِ اُخدود

نجران یمن کے حوالے سے کتبِ احادیث میں ایک حیرت انگیز واقعہ بیان ہوا ہے۔ امام مسلم اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم سے پہلے لوگوں میں ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک جادوگر تھا۔ جادوگر بوڑھا ہوگیا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ میری عمر زیادہ ہوگئی ہے، موت قریب آ گئی ہے، لہٰذا ایک بچہ میرے سپرد کردو تاکہ میں اسے جادو سکھادوں۔ بادشاہ نے ایک بچہ اس کے حوالے کردیا اور اس نے بچے کو جادو سکھانا شروع کردیا۔ جادوگر (کے ٹھکانے) اور بادشاہ کے (محل کے) درمیان ایک راہب بھی رہتا تھا۔ بچہ راستے میں راہب کے پاس رک جاتا اور اس کی گفتگو سنتا، اسے راہب کا طریقہ اور گفتگو بہت اچھی لگتی۔ جب وہ جادوگر کے پاس جاتا تو جادوگر اسے مارتا اور پوچھتا کہ دیر سے کیوں آئے ہو؟ اسی طرح جب وہ اپنے گھر جاتا تو گھر والے بھی پٹائی کرتے اور پوچھتے کہ دیر سے کیوں آئے ہو؟ اس نے اس امر کی شکایت راہب سے کی۔ راہب نے کہا کہ جب جادوگر تمھیں مارنے لگے تو اس سے کہہ دیا کرو کہ گھر والوں نے روک لیا تھا اور اسی طرح جب گھر والے مارنے لگیں تو کہہ دیا کرو کہ مجھے جادوگر کے پاس دیر ہوگئی۔ اس طرح دن گزرتے رہے۔

خوفناک بلا کا صفایا: ایک دن اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے خوفناک جانور نے لوگوں کا راستہ روک رکھا ہے اور لوگ اس کے خوف کی وجہ سے راستہ عبور نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا: آج میں جان لوں گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب افضل ہے، چنانچہ اس نے ایک پتھر پکڑا اور کہا: اے اللہ! اگر راہب کا دین جادوگر کے دین کی نسبت تجھے زیادہ پسندیدہ ہے تو اس جانور کو ہلاک کردے تاکہ لوگ راستے سے گزر جائیں۔ یہ کہہ کر اس نے پتھر مارا اور اس جانور کو ہلاک کردیا۔ راستہ صاف ہوگیا اور لوگ گزرنے لگے۔ اس نے راہب کو یہ خبر دی تو اس نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! اب تم مجھ سے بھی (آگے) بڑھ گئے ہو اور یقیناً عنقریب تم آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔ اگر تمھیں آزمایا جائے تو میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔

درباری ایمان لے آیا: اب یہ بچہ مادر زاد اندھوں اور پھلبہری (ایک بیماری جس سے بدن پر سفید داغ پڑجاتے ہیں) اور دیگر بیماریوں میں مبتلا مریضوں کا علاج کرتا اور انھیں شفا نصیب ہوجاتی تھی۔ بادشاہ کا ایک ہم نشین تھا، وہ اندھا ہوگیا۔ اس نے اس بچے کی شہرت سنی، وہ اس کے پاس بہت سے تحائف لے کر آیا۔ اس نے کہا کہ مجھے شفا دے دو تو یہ تمام سامان تمھارا ہوگا۔ بچے نے کہا کہ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفا دینا تو

صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر تم اللہ پر ایمان لے آؤ تو میں دعا کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمھیں شفا عطا فرما دے گا، چنانچہ وہ ایمان لے آیا۔ بچے نے اس کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا عطا فرما دی۔

بادشاہ سے مکالمہ: یہ شخص اب بادشاہ کے پاس جا کر اسی طرح بیٹھنے لگا جس طرح پہلے بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: اے فلاں! تمھاری نظر کس نے ٹھیک کی ہے؟ اس نے جواب دیا: میرے رب نے۔ بادشاہ نے پوچھا: میں نے ٹھیک کی ہے؟ اس نے کہا: نہیں، بلکہ اس نے جو میرا بھی رب ہے اور تیرا بھی رب ہے۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا میرے علاوہ تیرا کوئی اور بھی رب ہے؟ اس نے جواب دیا: ہاں، میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ اس کے بعد بادشاہ اسے سزا دیتا رہا حتی کہ اس نے بچے کے بارے میں بتا دیا۔ بادشاہ نے بچے کو بلایا اور کہا: بیٹا! اب تمھارا جادو اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ تم نے مادر زاد اندھے پن، پھلبہری اور دوسری بیماریوں کا علاج کر کے بیماروں کو شفا دینی شروع کر دی ہے۔ بچے نے جواب دیا: میں کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا دینا تو صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ بادشاہ نے کہا: میرا کام ہے! بچے نے جواب دیا: نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا: کیا میرے سوا تیرا کوئی اور بھی رب ہے؟ بچے نے جواب دیا: ہاں، میرا اور تیرا رب تو اللہ ہے۔ اس پر بادشاہ اسے پکڑ کر سخت تکلیفیں دیتا رہا یہاں تک کہ بچے نے راہب کے بارے میں بتا دیا۔

راہب پر ظلم وستم: اب راہب کو لایا گیا۔ تب بادشاہ نے اس سے کہا کہ اپنے دین سے باز آ جاؤ تو اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اس کے سر پر آرا رکھ کر اسے دو ٹکڑے کر دیا، پھر بادشاہ کے ہم نشین کو لایا گیا، اس سے بھی کہا گیا کہ اپنے اس دین کو چھوڑ دو۔ اس نے انکار کر دیا تو بادشاہ نے اس کے سر پر آرا رکھ کر اسے بھی چیر دیا حتی کہ اس کے جسم کے دو حصے ہو کر زمین پر گر گئے۔

پہاڑ پر دُعا: اب اس نے اس بچے سے کہا کہ تم بھی اپنے دین کو ترک کر دو۔ اس نے بھی انکار کیا تو بادشاہ نے اسے ایک جماعت کے سپرد کر کے ایک پہاڑ کی طرف بھیج دیا اور کہا کہ جب تم اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جاؤ تو (اس بچے سے پوچھو کہ کیا تو اپنا دین چھوڑتا ہے) اگر یہ اپنا دین چھوڑ دے تو بہتر ورنہ اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دو۔ وہ اسے لے گئے اور جب اسے لے کر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھے تو بچے نے دعا کی: اَللّٰهُمَّ! اكْفِنِيهِمْ بِمَا شِئْتَ ''اے اللہ! تو ان کے مقابلے میں، جیسے تو چاہے، میرے لیے کافی ہو جا۔'' اس سے پہاڑ لرزنے لگا اور وہ سب کے سب نیچے گر گئے (اور مر گئے)۔

سمندر میں نصرتِ الٰہی: بچہ صحیح سلامت واپس آ گیا حتی کہ وہ بادشاہ کے دربار میں داخل ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا: تیرے ساتھیوں نے کیا کیا؟ (کیا انھوں نے تجھے پہاڑ کی چوٹی سے نہیں گرایا؟) بچے نے جواب دیا

کہ ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ میرے لیے کافی ہوگیا۔ بادشاہ نے اسے ایک اور جماعت کے ساتھ ایک طویل و عریض کشتی پر سوار کرایا اور کہا کہ جب تم اسے لے کر سمندر کے درمیان پہنچ جاؤ تو (اس سے پوچھنا) اگر یہ اپنے دین سے باز آ جائے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں غرق کر دینا۔ جب وہ اسے لے کر سمندر میں داخل ہوئے تو بچے نے پھر وہی دعا کی: ''اے اللہ! تو ان کے مقابلے میں، جیسے تو چاہے، میرے لیے کافی ہو جا۔'' چنانچہ وہ سب کے سب غرق ہو گئے مگر بچہ محفوظ رہا۔

بِسْمِ اللّٰہِ کے تیر سے شہادت: بچہ صحیح سلامت واپس آ گیا اور بادشاہ کے دربار میں جا پہنچا۔ بادشاہ نے پوچھا: تیرے ساتھیوں نے کیا کیا؟ (کیا انھوں نے تجھے سمندر میں نہیں پھینکا؟) بچے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے مقابلے میں میرے لیے کافی ہوگیا، پھر اس نے بادشاہ سے کہا کہ تو مجھے اس وقت تک قتل نہیں کر سکتا جب تک تو وہ کام نہ کر لے جس کا میں تجھے حکم دوں۔ اگر تو نے وہ کام کیا، تب تو مجھے قتل کر سکتا ہے ورنہ تُو مجھے قتل نہیں کر سکتا۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ بچے نے جواب دیا کہ سب لوگوں کو ایک کھلے میدان میں جمع کر، پھر مجھے ایک درخت کے تنے کے ساتھ لٹکا اور میرے ہی ترکش سے ایک تیر نکال اور پھر تیر کو کمان میں رکھ کر یہ پڑھ کر مجھے تیر مار: بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ ''بچے کے رب، اللہ کے نام سے۔'' اگر تو نے ایسا کیا تو یقیناً تو مجھے قتل کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا، تیر کمان کے درمیان رکھا، پھر بچے کی طرف پھینکا اور کہا: بِاسْمِ اللّٰهِ رَبِّ الْغُلَامِ تیر بچے کی کنپٹی پر لگا، اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھا جہاں اسے تیر لگا تھا، پھر وہ فوت ہو گیا۔

مومن خندقوں کی آگ میں کود گئے: لوگوں نے یہ منظر دیکھا تو بے ساختہ پکار اٹھے کہ ہم اس بچے کے رب پر ایمان لے آئے۔ ہم اس بچے کے رب پر ایمان لائے۔ ہم اس بچے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ سے کہا گیا: دیکھ وہی ہوا جس سے تُو ڈرتا تھا۔ اب تو سب لوگ اللہ پر ایمان لے آئے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا اور تمام گلیوں کے دہانوں پر خندقیں کھودی گئیں اور ان میں آگ بھڑکا دی گئی، بادشاہ نے کہا کہ جو اس دین سے باز آ جائے، اسے چھوڑ دو ورنہ خندق کی آگ میں پھینک دو۔ لوگوں نے دوڑتے ہوئے ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر ان خندقوں میں چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔ ایک عورت اپنے شیر خوار بچے کے ساتھ آئی۔ وہ آگ میں چھلانگ لگانے سے جھجکی تو بچہ فوراً بول اٹھا: اماں! صبر کر، تُو یقیناً حق پر ہے۔''[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے ''سیرت'' میں اس قصے کو ایک دوسرے انداز میں بیان کیا ہے۔ اس قصے کو بیان کرنے کے بعد ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بچے کے قتل کے بعد اہل نجران نے بچے کا دین، یعنی دین نصرانیت قبول کر لیا (جو اس

[1] صحيح مسلم: 3005، مسند أحمد: 6/16-18.

وقت تحریف اور شرک کی آمیزش سے پاک تھا)، پھر ذونواس اپنے لشکر سمیت ان کے پاس آیا اور اس نے انھیں دعوت دی کہ یہودیت قبول کر لو یا پھر قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ تو ان لوگوں نے یہودیت قبول کرنے کے بجائے قتل ہونے کو ترجیح دی جس پر اس نے انھیں آگ میں جلایا اور تلوار سے ان کا قتل عام اور مثلہ کیا حتی کہ بیس ہزار کے قریب انسان قتل ہوئے، چنانچہ ذونواس اور اس کے لشکر کے بارے ہی میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی ہیں:

﴿ قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝ ﴾ (البروج 85:4-9)

"خندقوں والے ہلاک کیے گئے، (ان خندقوں میں) ایندھن والی آگ تھی، جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے تھے اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ کر رہے تھے، اسے دیکھ رہے تھے۔ اور انھوں نے ان (مومنوں) سے اس کے سوا کسی چیز کا بدلہ نہیں لیا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے تھے جو بڑا زبردست، نہایت قابلِ تعریف ہے، وہ ذات کہ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور اللہ ہی ہر چیز کو دیکھنے والا ہے۔"[1]

ابن اسحاق، ابن ہشام رحمہ اللہ اور دیگر مؤرخین نے اس بادشاہ کا نام ذونواس قرار دیا ہے اور اصحاب الاخدود کی شہادت کا سبب یہودیت قبول کرنے سے انکار بتایا ہے۔ لیکن صحیح حدیث کی روشنی میں ان کی بات درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ذِونواس یہودی تھا اور اصحاب الاخدود کو شہید کرنے والا بادشاہ مشرک تھا جو اپنے رب ہونے کا دعویدار تھا۔ نجران کے لوگوں میں اب تک وہ جگہ معروف ہے جہاں اصحاب الاخدود کا واقعہ پیش آیا تھا۔

[1] السیرۃ لابن إسحاق: 1/36,37، السیرۃ لابن ھشام: 1/34-36.



2

حیرہ (عراق) کی لخمی بادشاہت

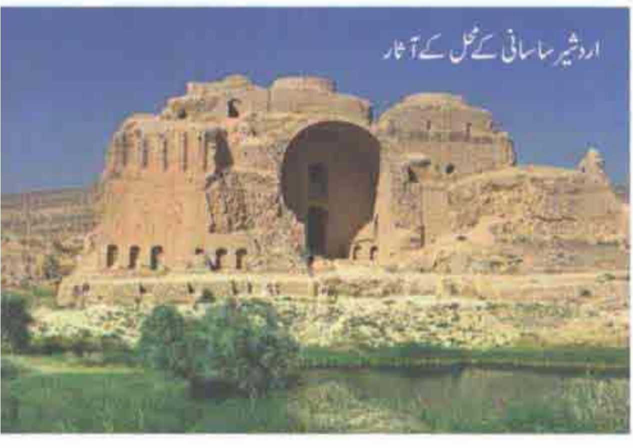
عراق پر ایرانی، یونانی اور ساسانی تسلّط

عراق اور اس کے نواحی علاقوں پر ہخامنشی بادشاہ کوروش کبیر (سائرس یا ذوالقرنین) کے زمانے (557 ق م تا 529 ق م) ہی سے اہلِ فارس کی حکمرانی چلی آرہی تھی یہاں تک کہ 330 ق م میں سکندر مقدُونی نے دارا سوم کو شکست دے کر فارسیوں کی طاقت توڑ دی جس کے نتیجے میں ہخامنشی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی۔

323 ق م میں بابل میں سکندر اعظم کی وفات پر اس کی ایشیائی میراث سلوکیوں کے قبضے میں آئی۔ اس یونانی سلطنت کا بانی سکندر اعظم کا جرنیل سلوکس تھا۔ انھوں نے اپنا دارالحکومت سلوکیہ دجلہ کے مغربی کنارے آباد کیا۔ پھر 171 ق م سے 226ء تک شمالی ایران کے پارتھی وہاں حکمران رہے۔ اس دوران میں قحطانی قبائل نے ترکِ وطن کر کے عراق کے ایک بہت بڑے شاداب سرحدی علاقے میں بودوباش اختیار کی، پھر عدنانی تارکینِ وطن (مُضر، ربیعہ اور بنوبکر) کا ریلا آیا اور انھوں نے لڑبھڑ کر جزیرہ فراتیہ (الجزیرہ) کے ایک حصے کو اپنا مسکن بنالیا۔



سلوکی عہد کا سکہ



اردشیر ساسانی کے محل کے آثار

226ء میں اردشیر نے ایران میں ساسانی حکومت کی داغ بیل ڈالی اور اپنے ملک کی سرحد پر آباد عربوں کو زیر کیا تو قبیلہ قضاعہ نے ملکِ شام کی راہ لی، جبکہ حیرہ اور اَنبار کے عرب باشندوں نے باجگزار بننا گوارا کیا۔[1] اَنبار بغداد کے مغرب میں دریائے فرات کے کنارے 55 کلومیٹر کے فاصلے پر ایک شہر ہے۔ اسی شہر میں بخت نصر نے بنی اسرائیل کے قیدی رکھے

[1] محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية:1/31,30.

تھے۔ ان دنوں عراق کا مغربی صوبہ انبار کہلاتا ہے۔[1]


اردشیر سوم کے سکے

اردشیر سوم، نوشیرواں (خسرو اوّل)، ہرمز چہارم اور خسرو پرویز (خسرو ثانی) ساسانیوں کے مشہور حکمران تھے۔ (''خُسرَو'' کو عربی میں ''کسریٰ'' کہتے ہیں۔) ان کا دارالحکومت مدائن سلوکیہ (سلوقیہ) کے بالمقابل دجلہ کے مشرقی کنارے آباد تھا۔ نبی ﷺ نوشیرواں عادل (م:579ء) کے عہد میں پیدا ہوئے۔

حیرہ کی باجگزار بادشاہت

اَردشیر اول کے عہد میں حیرہ، بادیۃ العراق (صحرائے سماوہ) اور الجزیرہ کے ربیعی اور مُضَری قبائل پر جذیمۃ الوضاح کی حکمرانی تھی۔ دراصل اَردشیر نے محسوس کر لیا تھا کہ عرب باشندوں پر براہِ راست حکومت کرنا اور انھیں سرحد پر لوٹ مار سے باز رکھنا ممکن نہیں، لہٰذا اس نے انھی میں سے جذیمہ کو حکمران بنا دیا تاکہ بوقت ضرورت رومیوں کے خلاف ان سے مدد لی جا سکے، چنانچہ شاہانِ حیرہ کے پاس فارسی فوج کی ایک یونٹ ہمیشہ رہا کرتی تھی جس سے بادیہ نشین عرب باغیوں کی سرکوبی کا کام بھی لیا جاتا تھا۔

حیرہ کے لخمی حکمران

268ء میں جذیمہ فوت ہوگیا اور عَمرو بن عدی بن نصر لخمی اس کا جانشین ہوا۔ یہ شاپور ساسانی کا ہم عصر تھا۔ اس کے بعد قباد بن فیروز کے عہد تک حیرہ پر لخمیوں کی مسلسل حکمرانی رہی۔ قباد کے عہد میں مُزدک کا ظہور ہوا جو اباحیت کا علمبردار تھا۔ قباد اور اس کی بہت سی رعایا نے مُزدک کی ہمنوائی کی۔ قباد نے حیرہ کے بادشاہ منذر بن ماء السماء کو پیغام بھیجا کہ تم بھی یہی مذہب اختیار کرلو۔ منذر بڑا غیرت مند تھا، انکار کر بیٹھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قباد نے اس کو معزول کرکے اس کی جگہ مُزدکی دعوت کے ایک پیروکار حارث بن عمرو بن حجر کندی کو حیرہ کی حکمرانی سونپ دی۔

قباد کے بعد فارس کی باگ ڈور کسریٰ نوشیرواں کے ہاتھ آئی۔ اسے مزدکیّت سے سخت نفرت تھی۔ اس نے مُزدک اور اس کے ہمنواؤں کی ایک بڑی تعداد کو قتل کروا دیا اور منذر کو دوبارہ حیرہ کا حکمران بنا دیا۔

جنگ ذی قار میں عربوں کی فتح

مُنذر بن ماء السماء کے بعد نعمان بن منذر (م:15 قبل ہجرت/608ء) کے عہد تک حیرہ کی حکمرانی اسی کی نسل

[1] معجم البلدان، مادة: أنبار، المنجد في الأعلام، ص:72.

میں رہی، پھر زید بن عدی بن زید عبادی نے کسریٰ (خسرو پرویز) سے نُعمان بن منذر کی ایک جھوٹی شکایت کی جس پر کسریٰ بھڑک اٹھا اور نعمان کو اپنے پاس طلب کیا۔ نعمان چپکے سے بَنُو شَیبان کے سردار ہانی بن مسعود کے پاس پہنچا اور اپنے اہل وعیال اور مال و دولت کو اس کی امانت میں دے کر کسریٰ کے پاس گیا۔ کسریٰ نے اسے قید کر دیا اور وہ قید ہی میں فوت ہوگیا۔ عدی ہی وہ شخص ہے جس نے کسریٰ کے دیوان شاہی میں عربی تحریروں کا آغاز کیا تھا۔

ادھر کسریٰ نے نعمان کو قید کرنے کے بعد اس کی جگہ ایاس بن قَبِیصہ طائی کو حیرہ کا حکمران بنایا اور اسے حکم دیا کہ ہانی بن مسعود سے نعمان کی امانت طلب کرے۔ ہانی غیرت مند تھا، اس نے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اعلانِ جنگ بھی کر دیا۔ پھر کیا تھا، ایاس اپنے جلو میں کسریٰ کے لاؤ لشکر اور مرزبانوں کی جماعت لے کر روانہ ہوا اور ذی قار کے میدان میں فریقین کے درمیان گھمسان کی جنگ ہوئی جس میں بَنُو شَیبان کو فتح حاصل ہوئی اور فارسیوں نے شرمناک شکست کھائی۔ یہ پہلا موقع تھا جب عرب نے عجم پر فتح حاصل کی تھی۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے تھوڑا عرصہ بعد کا ہے۔ آپ ﷺ کی بعثت حیرہ پر ایاس کی حکمرانی کے آٹھ ماہ بعد ہوئی تھی۔

ایاس کے بعد کسریٰ نے حیرہ پر ایک فارسی حاکم مقرر کیا لیکن 632ء میں لخمیوں کا اقتدار پھر بحال ہوگیا اور مُنذر بن معرور نے باگ ڈور سنبھالی مگر ابھی اسے برسر اقتدار آئے صرف آٹھ ماہ ہوئے تھے کہ عہد صدیقی میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ مجاہدین اسلام کی قیادت کرتے ہوئے حیرہ میں داخل ہوگئے اور لخمی سلطنت ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔[1] پھر دو تین سال کے اندر پورا عراق اسلامی خلافت کا حصہ بن گیا۔

[1] تاریخ الطبري: 609/1، الکامل في التاریخ: 379/1، محاضرات تاریخ الأمم الإسلامیة: 30/1-33، المنجد في الأعلام، ص: 257، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 55/10.

3

شام کی غسانی بادشاہت

جس زمانے میں عرب قبائل کی ہجرت زوروں پر تھی، قبیلہ قضاعہ کی چند شاخیں حدودِ شام میں آ کر آباد ہو گئیں۔ ان کا تعلق بنی سَلیح بن حلوان سے تھا اور انھی کی ایک شاخ بنو ضجعم بن سلیح تھی جسے ضَجَاعِمہ کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ رومیوں نے عرب کے بدوؤں کی لوٹ مار روکنے اور فارسیوں کے خلاف استعمال کرنے کے لیے ان کے سر پر دیارِ شام کی حکمرانی کا تاج رکھ دیا۔

بُصریٰ الشام کے غسانی حکمران

ضَجَاعِمہ کا دورِ حکومت پوری دوسری صدی عیسوی پر محیط رہا۔ اس کے بعد آلِ غسان نے بنو ضجعم کو شکست دی تو رومیوں نے انھیں دیارِ شام (موجودہ جنوب مشرقی شام اور اُردن) کے عرب باشندوں کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ آلِ غسان کی حکومت میں تدمر، رقیم (بطراء)، عمّان، معان وغیرہ شہر آباد تھے۔ اس کا پایہ تخت بُصریٰ (بصری الشام) تھا اور



مکتوب نبی ﷺ بنام ابوشمر غسانی

رومیوں کے آلۂ کار کی حیثیت سے دیارِ شام پر ان کی حکمرانی مسلسل قائم رہی۔ غسّانی، جنھوں نے عموماً عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، ایران و روم کے معرکوں میں روم کے ساتھ تھے۔ حارث بن جبلہ (متوفی 569ء) نہایت شجاع اور فراخ دل بادشاہ تھا۔ رومیوں نے اس کے جانشین منذر کے سر پر تاج رکھا۔ عہدِ نبوی میں حارث بن

ابوشمر غسانی حکمران تھا۔ وہ غوطہ (دمشق) میں مقیم تھا جب نبی ﷺ کے سفیر شجاع بن وہب اسدی رضی اللہ عنہ نے اُسے مکتوبِ نبوی پہنچایا۔



وادی یرموک کا ایک منظر

انھی دنوں بلقاء کے حاکم شُرَحْبیل بن عمرو غسانی نے نبی کریم ﷺ کے سفیر حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا جس کے نتیجے میں غزوۂ مؤتہ پیش آیا۔ پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں 15ھ/636ء میں یرموک کی جنگ پیش آئی اور آلِ غسان کا آخری حکمران جبلہ بن اَیہم غسانی (م:20ھ/641ء) حلقہ بگوشِ اسلام ہوگیا۔ اگرچہ اس کا غرورِ حکمرانی اسلامی مساوات کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکا اور وہ عہدِ فاروقی میں مرتد ہوکر شاہِ روم کے پاس چلا گیا۔[1]

اس کے ارتداد کی تفصیل کچھ اس طرح ہے: ایک حج کے موقع پر جبلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ طواف کر رہا تھا۔ اس دوران میں ایک فزاری شخص کا پاؤں اس کی چادر پر آ گیا۔ اس پر جبلہ نے اسے تھپڑ مار کر اس کی ناک پھوڑ دی۔ فزاری نے عمر رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ امیرالمؤمنین نے جبلہ سے قصاص کا مطالبہ کیا تو وہ بولا: ''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ میں بادشاہ ہوں اور یہ گھٹیا آدمی ہے۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اسلام مساوات کا سبق دیتا ہے۔'' وہ کہنے لگا: ''میرا تو خیال تھا کہ قبول اسلام کے بعد میرا مقام پہلے سے بلند ہوجائے گا۔'' اس پر جبلہ نے عیسائیت قبول کرنے کی دھمکی دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ارتداد کی صورت میں تمھیں قتل کر دیا جائے گا۔'' جبلہ نے ایک رات کی مہلت مانگی جو مل گئی مگر وہ اسی رات اپنے لاؤلشکر سمیت فرار ہوکر پہلے شام اور پھر قسطنطنیہ چلا گیا۔ قیصر نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ کچھ عرصہ بعد جبلہ نے اپنے اس فعل پر بہت ندامت ظاہر کی لیکن کفر کی حالت ہی میں وفات پا گیا۔[2]

[1] محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية:35/1، تاریخ ارض القرآن (کامل):2/62-64. [2] البداية والنهاية:8/65-69.

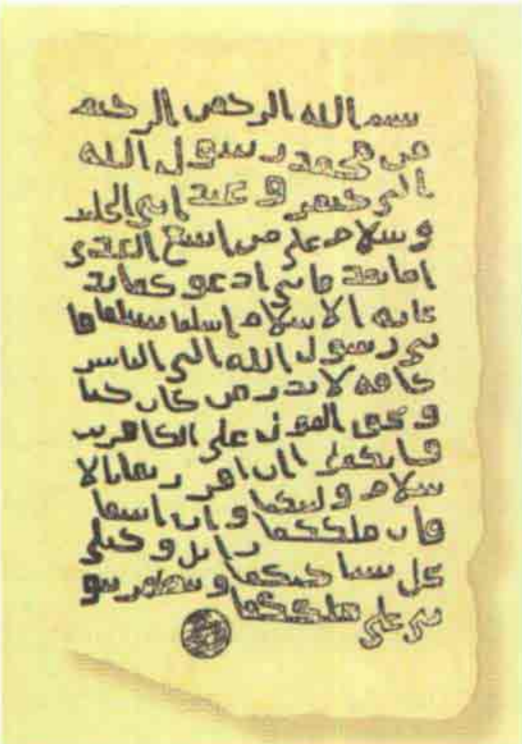
4

عُمان کی بادشاہت

نبی ﷺ سے دو تین پشت پہلے بنو مستکبر نے عُمان میں ایک وسیع حکومت قائم کر لی تھی جو ساسانی ایرانیوں کے ماتحت تھی۔ یہاں کا حکمران جُلندیٰ بن مستکبر عربی ادبیات میں خاصا مشہور ہے۔ عہدِ نبوی میں جلندیٰ بن مستکبر کے بیٹے جیفر اور عبد مشترکہ طور پر عُمان کے حکمران تھے۔ جیفر بادشاہ تھا اور اس کا چھوٹا بھائی عبد امورِ سلطنت میں اس کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ ان کا دارالحکومت صُحار خلیج عُمان کے ساحل پر واقع تھا جو موجودہ دارالحکومت مسقط سے سوا دو سو کلو میٹر شمال مغرب میں ہے۔

شاہانِ عمان آغوشِ اسلام میں

نبی کریم ﷺ کی دعوت پر جب عبد اور جیفر نے اسلام قبول کر لیا تو نبیِ کریم ﷺ نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو ان کے دربار میں اپنا وکیل مقرر فرمایا۔[1] جلد ہی اہلِ عُمان بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔[2] لقیط بن مالک ازدی ذوالتاج نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اسے یا اس کے باپ کو یہ خطاب غالبًا کسرائے ایران سے ملا ہو گا۔ یہاں دما کے مقام پر بستجان نامی ایرانی اسوار (فوجی گورنر) رہتا تھا۔ عمان میں ازد کے علاوہ ثمالہ اور حدان نامی قبائل بھی رہتے تھے۔ ان کے نام رسول اللہ ﷺ کا ایک مکتوب بھی ملتا ہے۔



مکتوب نبی ﷺ بنام جیفر وعبد (شاہانِ عمان)

[1] الوثائق السياسية، عدد: 46. [2] موسوعة العالم الإسلامي، ص: 130.

عُمان میں صحار کا میلا یکم رجب کو شروع ہو کر پانچ دن رہتا تھا۔ یہاں بنومستکبر بکری پر دس فیصد محصول وصول کرتے تھے۔ اس کے بعد دَبا (عمان) کا میلا لگتا تھا۔[1]

بنو امیہ کے عہد میں عُمان کے لوگوں نے خارجی عقائد اختیار کر لیے اور وہ اتنے طاقتور ہو گئے کہ آلِ جلندیٰ نے حجاج بن یوسف ثقفی کے لشکر کو شکست دی۔ بعد میں وہ اموی لشکر سے شکست کھا کر جزیرہ زنجبار (مشرقی افریقہ) کی طرف بھاگ گئے۔[2]

1 اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 14/ 2/ 199.

2 Histoire des Arabes, Cl. Huart:2/257-282

5

سلطنت کندہ

نجد میں کندہ کے نام سے ایک عرب حکومت 425ء سے 550ء تک قائم رہی جو مناذرہ، یعنی ملوک حیرہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھی۔ بنوکہلان میں ثور (کندہ) بن عُفیر کی اولاد میں سے حُجر بن عمرو ملقب بہ آکلُ المُرار حمیری بادشاہ حسان بن تبع کا سوتیلا بھائی تھا۔ حسان نے جب اندرونِ عرب لشکر کشی کی اور وہاں متعدد قبائل کو مطیع کر لیا تو حجر بن عمرو کو مفتوحہ قبائل کا حکمران مقرر کر دیا۔ کِندہ ایک عظیم قحطانی قبیلہ ہے جو ثور (کندہ) بن عُفیر بن عدی بن حارث بن مرہ بن اُدَد کی طرف منسوب ہے۔ اسے کِندہ کا لقب اپنے والد کی نافرمانی کی وجہ سے ملا۔ اس کی یہ تین بڑی شاخیں معروف ہوئیں: معاویہ بن کندہ، السَّکون اور سکسک۔ [1]



مملکت کندہ کے قدیم قلعے کے آثار

کندہ کے حکمران اور جنگِ کُلاب

حُجر بن عمرو سلطنت کندہ کا بانی ٹھہرا، پھر اس کا بیٹا عمرو بن حُجر جانشین ہوا اور عمرو کے بعد حارث بن عمرو حکمران ہوا جو ساسانی بادشاہ قباد کے زمانے میں کچھ عرصہ حیرہ کا حاکم بھی رہا مگر نوشیرواں عادل کی تخت نشینی (531ء) کے بعد یہ حکومت اس کے ہاتھ سے نکل گئی۔ حارث نے 528ء میں سلطنتِ کندہ اپنے چار بیٹوں حُجر، شُرحبیل، معدی کرب اور سلمہ میں بانٹ دی تھی۔ بنواسد پر حُجر کی حکومت قائم ہوئی۔ شرحبیل بنوبکر، حنظلہ، عمرو بن تمیم اور رباب کے قبائل کا حاکم ہوگیا۔ سلمہ بنوتغلب اور نمر بن قاسط پر حکومت کرنے لگا اور سعد بن زید مناۃ، بنوقیس اور بنوکنانہ معدی کرب کے زیرِ فرمان آگئے۔ کچھ عرصہ بعد ان میں جنگ کلاب برپا ہوئی جس میں شرحبیل مارا گیا۔ حُجر نے اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ 540ء میں بنوکلب قضاعی نے حارث بن عمرو کو قتل کر دیا۔ بنواسد عدنانی پر اس کے بیٹے حجر کی حکومت رہی۔ پھر 550ء میں حجر بنواسد کے ہاتھوں دھوکے سے مارا گیا تو اس کا بیٹا امرؤالقیس فرار ہوگیا اور قیصر سے امداد

[1] معجم قبائل العرب: 998/3، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 315/3.



بحیرۂ عرب
بحیرۂ روم
بحیرۂ احمر

لینے کے لیے قسطنطنیہ پہنچا مگر قیصر کے رویے سے اسے مایوسی ہوئی۔ آخر کار 560ء میں قیصر نے اسے انگورہ (انقرہ Ankara) میں مروادیا۔ [1] انقرہ شہر شمال مغربی اناطولیہ میں واقع ہے۔ 1341ھ/1923ء سے ترکی کا دارالحکومت ہے۔ اس شہر کو پہلے انگورہ (Angora) یا انکوریہ (Ankyra) کہتے تھے۔ ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں شاہِ ایران خسرو پرویز نے اسے فتح کیا۔ 33ھ/654ء میں مسلم فاتحین یہاں پہنچے۔ 190ھ/806ء میں ہارون الرشید نے اسے دوبارہ فتح کیا۔ 464ھ/1071ء میں سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے رومی حکمران دیوجانوس رومانوس کو شکست دے کر انقرہ سمیت پورے اناطولیہ کو اسلامی سلطنت میں شامل کرلیا۔ امیر تیمور نے 804ھ/1402ء میں جنگِ انگورہ میں عثمانی سلطان بایزید اوّل یلدرم کو شکست دے کر قید کرلیا تھا۔ [2]

الفاو: کندہ کا دارالحکومت

کندہ کا دارالحکومت الفاو آج کل ''قریہ'' کہلاتا ہے۔ یہ ان قافلوں کی تجارتی شاہراہ پر واقع تھا جو سبا، معین، قتبان، حضرموت اور حمیر سے شمال مشرق کو جاتے تھے۔ یہ ریاست شمال میں دومۃ الجندل سے جنوب میں الربع الخالی تک پھیلی ہوئی تھی۔ 1972ء میں جامعۃ الریاض کی ایک ٹیم نے الفاو میں کھدائی کا آغاز کیا اور یہاں بازار، محل، معبد اور مکانات کھود نکالے۔ [3] الفاو نجران کے شمال مشرق میں 120 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ [4]

[1] تاریخ ابن خلدون:2/316-320، الکامل لابن الأثیر:1/316,315، العرب قبل الإسلام:1/216-218، معجم قبائل العرب:2/516,515. [2] معجم البلدان، مادۃ: أنقرۃ، المنجد فی الأعلام، ص:78، الموسوعۃ العربیۃ المیسرۃ:1/248، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ:3/450، Oxford English Reference Dictionary. [3] اٹلس سیرت نبوی، ص:66. [4] المفصل فی تاریخ العرب قبل الإسلام:1/178.



سلطنت کندہ کے دارالحکومت الفاو کے دریافت شدہ کھنڈر

6

تدمر کی عرب سلطنت

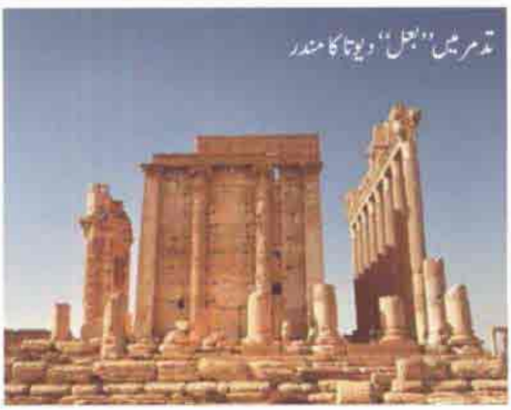
صحرائے شام کے اندر واقع شہر تدمر (Palmyra) عروس الصحراء کہلاتا تھا۔ عربوں میں مشہور تھا کہ تدمر کی تعمیر میں جنوں نے سلیمان علیہ السلام کی مدد کی تھی۔ پہلی صدی عیسوی میں یہاں ایک طاقتور عرب مملکت قائم ہوئی جسے شاہ اذینہ ثانی اور ملکہ زنوبیا (زینب) کے عہد میں عروج حاصل ہوا۔ قیصر جالینوس (Gallienus) کے باجگزار کی حیثیت سے اذینہ (Odenathus) سلطنتِ روم کے تمام مشرقی مقبوضات کا فرمانروا بن گیا اور قیصر نے اسے آگسٹس کا خطاب دیا۔ 67-266ء میں اس کے قتل پر ملکہ زنوبیا نے مصر فتح کر کے سلطنت کو وسیع کیا۔



ملک زنوبیا (زینب) کا سکہ

سلطنتِ تدمر اور رومیوں کے ہاتھوں اس کی تباہی

فتح مصر کے کچھ عرصہ بعد تدمر نے رومیوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ 270ء میں زنوبیا نے شکست کھائی اور تدمر نے ہتھیار ڈال دیے لیکن 272ء میں جب اس نے دوبارہ بغاوت کی تو رومی حکمران اورلیان نے اس پر حملہ کیا اور ملکہ زنوبیا کو گرفتار کر کے روم بھیج دیا اور شہر تباہ کر دیا۔ اس کے آثار میں ''بعل'' دیوتا کا مندر مشہور ہے۔ رومی اقتدار کی ساڑھے تین صدیوں میں تدمر میں عیسائیت کو فروغ ملا۔ اس عرصے میں پورے شام میں عیسائیت پھیل گئی۔ عہدِ فاروقی میں شام اسلامی خلافت کا حصہ بن گیا۔[1]



تدمر میں ''بعل'' دیوتا کا مندر

[1] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 65,64/2، اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 116 و 179 و 186، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 573,572/5.

7

حجاز کی امارت

مکہ میں آبادی کا آغاز سیدنا اسماعیل علیہ السلام سے ہوا تھا۔ آپ نے 137 سال کی عمر پائی [1] اور تاحیات مکہ کے سربراہ اور بیت اللہ کے متولی رہے۔ آپ کے بعد آپ کے دو صاحبزادگان نابت، پھر قیدار (یا قیدار پھر نابت) یکے بعد دیگرے مکہ کے والی ہوئے۔ ان کے بعد ان کے نانا مضاض بن عمرو جُرہُمی نے زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس طرح مکہ کی سربراہی بنو جرہم کی طرف منتقل ہوگئی۔ [2]

بخت نصر کا عرب پر حملہ


بخت نصر دوم کا سکہ

عراق میں بُخت نصّر کے ظہور سے کچھ پہلے بنو جرہم کی طاقت کمزور پڑ گئی اور مکہ کے افق پر عدنان کا سیاسی ستارہ جگمگانے لگا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بُخت نصّر نے ذاتِ عرق میں عربوں سے جو معرکہ آرائی کی تھی، اس میں عرب فوج کا کمانڈر جرہمی نہ تھا۔ [3]

پھر بُخت نصّر دوم نے 586 ق م میں دوسرا حملہ کیا تو بنو عدنان یمن بھاگ گئے۔ اس وقت بنو اسرائیل کے نبی یرمیاہ علیہ السلام تھے۔ وہ عدنان کے بیٹے مَعَدّ کو اپنے ساتھ ملکِ شام لے گئے اور جب بُخت نصّر کا زور ختم ہوا اور معد مکہ آئے تو انھوں نے قبیلہ جرہم کے ایک شخص جوشم (جرشم یا جوشن) بن جلہمہ کی لڑکی معانہ سے شادی کی اور اسی کے بطن سے نزار پیدا ہوئے۔ [4]

مکہ پر بنوخزاعہ کا قبضہ

مکہ میں بنو جرہم نے زائرینِ بیت اللہ پر زیادتیاں شروع کر دیں اور خانہ کعبہ کا مال کھانے سے بھی دریغ نہ کیا، چنانچہ جب بنوخزاعہ نے عمرو بن لُحَی کی قیادت میں مَرُّ الظّہران میں پڑاؤ کیا تو انھوں نے حالات سے فائدہ اٹھاتے

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 17:25۔ [2] قلب جزيرة العرب، ص: 230. ابن ہشام نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف نابت کی تولیت کا ذکر کیا ہے۔ [3] قلب جزيرة العرب، ص: 230. [4] الكامل لابن الأثير: 207،206/1، الروض الأنف: 33/1.


مَرُّ الظَّہران کا علاقہ

ہوئے ایک مُضری عدنانی قبیلے (بنوبکر بن عبد مناف بن کنانہ) کو ساتھ لے کر بنو جرہم کے خلاف جنگ چھیڑ دی اور انھیں مکہ سے نکال کر اقتدار پر خود قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ دوسری صدی عیسوی کے وسط کا ہے۔[1]

بنو جرہم نے چاہِ زم زم پاٹ دیا

بنو جرہم نے مکہ چھوڑتے وقت زمزم کا کنواں پاٹ دیا اور اس میں کئی تاریخی چیزیں دفن کر کے اس کے نشانات بھی مٹا دیے۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی[2] نے خانہ کعبہ کے دو ہرن اور اس کے کونے میں لگا ہوا پتھر (حجر اسود) نکال کر زمزم کے کنویں میں دفن کر دیے اور اپنے قبیلے بنو جرہم کو ساتھ لے کر یمن چلا گیا۔ مسعودی نے لکھا ہے کہ اہلِ فارس پچھلے دور میں خانہ کعبہ کے لیے اموال و جواہرات بھیجتے رہتے تھے۔ ساسان بن بابک نے سونے کے بنے ہوئے دو ہرن، جواہرات، تلواریں اور بہت سا سونا بھیجا تھا۔ عمرو نے یہ سب زمزم کے کنویں میں ڈال دیا تھا۔[3] بنو جرہم کو مکہ سے جلاوطنی اور وہاں کی حکومت سے محروم ہونے کا بڑا قلق تھا، چنانچہ عمرو مذکور نے اسی سلسلے میں یہ اشعار کہے:

كَأَنْ لَّمْ يَكُنْ بَيْنَ الْحَجُونِ إِلَى الصَّفَا أَنِيسٌ وَّ لَمْ يَسْمُرْ بِمَكَّةَ سَامِرُ
بَلٰى نَحْنُ كُنَّا أَهْلَهَا فَأَزَالَنَا صُرُوفُ اللَّيَالِي وَالْجُدُودُ الْعَوَاثِرُ

''لگتا ہے حجون سے صَفَا تک کوئی آشنا تھا ہی نہیں اور نہ کسی قصہ گو نے مکہ کی شبانہ محفلوں میں قصہ گوئی کی۔ کیوں نہیں! یقیناً ہم ہی اس کے باشندے تھے لیکن زمانے کی گردشوں اور ٹوٹی ہوئی قسمتوں نے

1 قلب جزيرة العرب، ص:232،231۔ 2 یہ وہ مضاض جرہمی نہیں جس کا ذکر سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے واقعے میں گزر چکا ہے۔
3 مروج الذهب:250/1۔

ہمیں اکھاڑ پھینکا۔‘‘[1]

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا زمانہ تقریباً 1800 قبلِ مسیح ہے۔ اس حساب سے مکہ میں قبیلہ جرہم کی حکمرانی لگ بھگ دو ہزار برس رہی۔

مضری قبائل کی امارت میں شرکت

بنوخزاعہ نے مکہ پر قبضہ کرنے کے بعد بنو بکر کو شامل کیے بغیر تنہا اپنی حکمرانی قائم کی، البتہ تین اہم اور امتیازی مناصب ایسے تھے جو مُضری قبائل کے حصے میں آئے:

1 حاجیوں کو عرفات سے مزدلفہ لے جانا اور یوم النفر، یعنی 13 ذی الحجہ کو منیٰ سے روانگی کا پروانہ دینا۔ یہ اعزاز الیاس بن مُضر کے خاندان بنوغوث بن مُرّ کو حاصل تھا جو صوفہ کہلاتے تھے۔ 13 ذی الحجہ کو حاجی کنکریاں نہ مار سکتے تھے جب تک کہ پہلے صوفہ کا ایک مخصوص آدمی کنکریاں نہ مار لیتا۔ پھر حاجی کنکریاں مار کر فارغ ہوجاتے اور منیٰ سے روانگی کا ارادہ کرتے تو صوفہ کے لوگ منیٰ کی واحد گزرگاہ عقبہ کے دونوں جانب گھیرا ڈال کر کھڑے ہو جاتے اور جب تک خود گزر نہ لیتے، کسی کو گزرنے نہ دیتے۔ جب صوفہ ختم ہوگئے تو یہ اعزاز ایک عدنانی خاندان بنوسعد بن زید مناۃ تمیمی کی طرف منتقل ہوگیا۔

2 10 ذی الحجہ کی صبح مزدلفہ سے منیٰ کی جانب افاضہ (روانگی)۔ یہ اعزاز بنوعدوان کو حاصل تھا۔

3 حرام مہینوں کو آگے پیچھے کرنا۔ یہ کام جس کو وہ اعزاز سمجھتے تھے، بنوکنانہ کی ایک شاخ بنوفُقَیم بن عدی کے سپرد تھا۔[2]

عدنانی قبائل کا حجاز کے باہر پھیلاؤ

مکہ پر بنوخزاعہ کا اقتدار کوئی تین سو برس قائم رہا[3] اور یہی زمانہ تھا جب عدنانی قبائل مکہ اور حجاز سے نکل کر نجد، اطراف عراق اور بحرین وغیرہ میں پھیلے اور مکہ کے اطراف میں صرف قریش کی چند شاخیں باقی رہیں جو خانہ بدوش تھیں۔ یہ بنوکنانہ کے چند متفرق گھرانے تھے مگر مکہ کی حکومت اور بیت اللہ کی تولیت میں ان کا کوئی حصہ نہ تھا یہاں تک کہ قُصی بن کلاب کا ظہور ہوا۔[4]

1 السيرة لابن هشام:115,114/1. 2 السيرة لابن هشام:44/1 و 119-122. 3 معجم البلدان، مادة: مكة. 4 محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية:36/1.

قصی بن کلاب کی مکہ واپسی

قُصی ابھی گود ہی میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد ان کی والدہ نے بنوعُذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام سے شادی کرلی۔ یہ قبیلہ چونکہ ملک شام کے اطراف میں رہتا تھا، اس لیے قُصی کی والدہ وہیں چلی گئیں اور وہ قُصی کو بھی اپنے ساتھ لے گئیں۔ جب قُصی جوان ہوئے تو مکہ واپس آئے۔ اس وقت مکہ کا والی حُلَیل بن حُبْشِیہ خزاعی تھا۔ قُصی نے اس کی بیٹی حُبَّی سے نکاح کے لیے پیغام بھیجا۔ حُلَیل نے منظور کرلیا اور شادی کردی۔ [1]

تولیتِ کعبہ قصی کی تحویل میں



کعبہ کا پرانا تالا اور چابی

جب حُلَیل کا انتقال ہوگیا تو قُصی نے قریش اور کنانہ کے لوگوں کو ہمراہ لیا اور صوفہ کے اختیارات کو چیلنج کرتے ہوئے کہا: تم سے زیادہ ہم اس اعزاز کے حقدار ہیں۔ اس پر صوفہ نے لڑائی چھیڑ دی مگر قُصی نے انھیں مغلوب کرکے ان کا اعزاز چھین لیا۔ یہی موقع تھا جب بنوخزاعہ اور بنوبکر نے قُصی سے دامن کشی اختیار کرلی۔ اس پر قُصی نے انھیں بھی للکارا۔ پھر کیا تھا، سخت جنگ چھڑ گئی اور طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے۔ اس کے بعد صلح کی آوازیں بلند ہوئیں اور بنوبکر کے ایک شخص یعمر بن عوف کو حَکَم بنایا گیا۔ یعمر نے فیصلہ کیا کہ خزاعہ کے بجائے قُصی خانہ کعبہ کی تولیت اور مکہ کے اقتدار کا زیادہ حقدار ہے، نیز قُصی نے جتنا خون بہایا ہے، سب رائیگاں قرار دے کر میں پاؤں تلے روندتا ہوں، البتہ خزاعہ اور بنوبکر نے جن لوگوں کو قتل کیا ہے، ان کی دِیَت ادا کریں اور خانہ کعبہ کو بلاحیل وحجت قُصی کے حوالے کردیں۔ اسی فیصلے کی وجہ سے یعمر کا لقب شدّاخ پڑ گیا۔ [2] شدّاخ کے معنی ہیں: خون کو رائیگاں قرار دینے والا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں قُصی اور قریش کو مکہ کی سیادت حاصل ہوگئی۔ مکہ پر قُصی کے تسلُّط کا یہ واقعہ 440ء کا ہے۔ [3]

قُصی نے مکہ کا بندوبست اس طرح کیا کہ قریش کو اطرافِ مکہ سے بلا کر پورا شہر ان پر تقسیم کردیا اور ہر خاندان کی بودوباش کا ٹھکانا مقرر کردیا، البتہ مہینے آگے پیچھے کرنے والوں کو، نیز آلِ صفوان جمحی، بنوعدوان اور بنومرہ بن

[1] السیرۃ لابن ہشام: 118,117/1. [2] السیرۃ لابن ہشام: 124,123/1. [3] قلب جزیرۃ العرب، ص: 232.

عوف کو ان کے مناصب پر برقرار رکھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی دین ہے جس میں رد و بدل کرنا درست نہیں۔ [1]

دارالندوہ کی تعمیر

قُصی کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے حرم کعبہ کے شمال میں دارالندوہ تعمیر کیا۔ اس کا دروازہ مسجد کی طرف تھا۔ دارالندوہ درحقیقت قریش کی پارلیمنٹ تھی جہاں تمام بڑے بڑے اور اہم معاملات کے فیصلے ہوتے تھے۔ قریش پر دارالندوہ کے بڑے احسانات ہیں کیونکہ یہ ان کی وحدت کا ضامن تھا اور یہیں ان کے الجھے ہوئے مسائل بحسن وخوبی طے ہوتے تھے۔ [2]

قُصیّ کو سربراہی کے حسب ذیل اختیارات حاصل تھے:

1. دارالندوہ کی صدارت، جہاں بڑے بڑے معاملات کے متعلق مشورے ہوتے اور لوگ اپنی لڑکیوں کی شادیاں منعقد کرتے تھے۔
2. لِواء، یعنی جنگ کا پرچم قُصی ہی کے ہاتھوں باندھا جاتا تھا۔
3. حجابہ، یعنی خانہ کعبہ کی پاسبانی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خانہ کعبہ کا دروازہ قصی ہی کھولتے تھے اور وہی خانہ کعبہ کی خدمت اور کلید برداری کا کام انجام دیتے۔
4. سقایہ (پانی پلانا اور کھانا کھلانا)۔ حوض میں حاجیوں کے لیے پانی بھر دیا جاتا اور اس میں کھجور اور کشمش ڈال کر اسے شیریں بنا دیا جاتا۔
5. رِفادہ (حاجیوں کی میزبانی کا انتظام)۔ اس مقصد کے لیے قُصی نے قریش پر ایک خاص رقم عائد کر رکھی تھی۔ اس رقم سے وہ حاجیوں کے لیے کھانا تیار کراتے تھے۔ [3]

اولادِ قصی میں مناصب کی تقسیم

قُصی کا پہلا بیٹا عبدالدار تھا، مگر اس کے بجائے دوسرا بیٹا عبد مناف باپ کی زندگی ہی میں شرف و سیادت کے مقام پر پہنچ گیا تھا، تاہم قُصی نے اپنے سارے مناصب اور اعزازات کی وصیت عبدالدار کے لیے کر دی، یعنی دارالندوہ کی ریاست، خانہ کعبہ کی حجابت، لواء، سِقایہ اور رفادہ سب کچھ اسے دے دیا۔ اس کی وفات کے بعد اس

[1] السيرة لابن هشام: 125/1، محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 36/1. [2] السيرة لابن هشام: 125,124/1 و 130، محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 37,36/1. [3] السيرة لابن هشام: 125,124/1.

کے بیٹوں نے کسی نزاع کے بغیر اس کی وصیت پر عمل کیا۔ لیکن جب عبدمناف کی وفات ہوگئی تو اس کے بیٹوں کا ان مناصب کے سلسلے میں اپنے چچیرے بھائیوں، یعنی عبدالدار کی اولاد سے جھگڑا ہوا۔ اس باہمی چشمک کے نتیجے میں قریش دو گروہوں میں بٹ گئے۔ قریب تھا کہ دونوں میں جنگ ہو جاتی لیکن پھر انھوں نے صلح کی آواز بلند کی اور ان مناصب کو باہم تقسیم کر لیا، چنانچہ سقایہ اور رفادہ کے مناصب بنوعبد مناف کو دیے گئے اور دارالندوہ کی سربراہی، لواء اور حجابت بنوعبدالدار کے ہاتھ میں رہی۔ پھر بنوعبدمناف نے اپنے حاصل شدہ مناصب کے لیے قرعہ ڈالا تو قرعہ ہاشم بن عبدمناف کے نام نکلا، لہٰذا ہاشم ہی نے زندگی بھر سقایہ و رفادہ کا انتظام کیا، البتہ جب ہاشم بن عبد مناف کا انتقال ہوگیا تو اُن کے بھائی مُطّلِب نے ان کی جانشینی کی، مگر مُطّلِب کے بعد ان کے بھتیجے عبدالمطلب بن ہاشم نے، جو رسول اللہ ﷺ کے دادا تھے، یہ منصب سنبھالا اور ان کے بعد ان کی اولاد ان کی جانشین ہوئی۔ جب اسلام کا دور آیا تو نبیِ اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اس منصبِ جلیل پر فائز تھے۔[1]

ظہورِ اسلام کے وقت مکہ میں انتظامی عہدے

ظہورِ اسلام کے وقت مکہ کی شہری حکومت میں کل چودہ عہدے تھے جو دس عہدیداروں میں منقسم تھے۔ دس عہدیدار قریش کے دس قبائل سے منتخب ہوئے تھے۔ ان عہدوں کی تقسیم اس طرح تھی:

ا: مذہبی خدمات

1 سقایہ (حاجیوں کے کھانے پینے اور ان کی میزبانی کا انتظام): عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (بنوہاشم)

2 رفادہ (حاجیوں کی مالی اعانت کا انتظام): حارث بن عامر (بنونوفل)

3 عمارہ (خانہ کعبہ کو آباد کرنے کا انتظام): عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (بنوہاشم)

4 سدانہ (خانہ کعبہ کی دربانی وکلید برداری): عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ (بنوعبدالدار)

5 ایسار (فال گیری یا قسمت دریافت کرنے کے لیے بتوں کے پاس رکھے گئے تیروں کی تولیت): صفوان بن اُمیہ رضی اللہ عنہ (بنوجمح)

6 اموال مُحَجَّرہ (بتوں کے نذرانوں اور جائدادوں کا انتظام): حارث بن قیس رضی اللہ عنہ (بنوسہم)

[1] السيرة لابن هشام:1/129- 132و 135- 137و 142و 179,178، محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية:37/1.

ب: عدالتی خدمات

7 ندوہ (عدالت اور مشورہ گاہ کا انتظام): عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ (بنوعبدالدار)

8 مشورہ (شوریٰ): یزید بن زمعہ اسدی رضی اللہ عنہ (بنواسد)

9 اَشناق (دِیَت، جرمانوں کا نظم): ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (بنوتیم)

10 حکومہ (مقدمات کا فیصلہ): حارث بن قیس رضی اللہ عنہ (بنوسہم)

ج: جنگی خدمات

11 عقاب (لواء، یعنی قومی پرچم کی علمبرداری): ابوسفیان رضی اللہ عنہ (بنوامیہ)

12 قبّہ (فوجی کیمپ کا انتظام): خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (بنومخزوم)

13 اعِنّہ (شہسواروں کی سپہ سالاری): خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (بنومخزوم)

14 سفارت: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (بنوعدی) [1]

[1] الرحیق المختوم، ص:41,40، تاریخ ارض القرآن (کامل):2/80,79، الطبقات لابن سعد:1/66-73.

8

عرب سرداریاں

جو عرب قبائل حیرہ کے ارد گرد آباد تھے، انھیں حکومتِ حیرہ کے تابع مانا جاتا تھا۔ جن قبائل نے بادیۃ الشام (صحرائے شام) میں سکونت اختیار کی تھی، انھیں غسانی حکمرانوں کے تابع قرار دیا گیا مگر یہ ماتحتی صرف نام کی تھی، عملاً نہ تھی۔ ان دو مقامات کو چھوڑ کر اندرون عرب آباد قبائل بہر طور آزاد تھے۔

سرداری نظام حکومت کی خصوصیات

عرب قبائل میں سرداری نظام رائج تھا۔ سیاسی وجود و تحفظ کی بنیاد قبائلی وحدت پر مبنی عصبیت اور اپنی سرزمین کی حفاظت و دفاع کے مشترکہ مفادات تھے۔ قبائلی سرداروں کا درجہ اپنی قوم میں بادشاہوں جیسا تھا۔ قبیلہ صلح و جنگ میں بہر حال اپنے سردار کے فیصلے کے تابع ہوتا تھا اور کسی حال میں اس سے سرتابی نہیں کر سکتا تھا۔ بعض سرداروں کا یہ حال تھا کہ اگر وہ بگڑ جاتے تو ہزاروں تلواریں یہ پوچھے بغیر بے نیام ہو جاتیں کہ سردار کے غصے کا سبب کیا ہے۔

چونکہ ایک ہی کنبے کے چچیرے بھائیوں میں سرداری کے لیے کشاکش بھی ہوا کرتی تھی، اس لیے اس کا تقاضا تھا کہ سردار اپنے قبائلی عوام کے ساتھ روا داری برتے، خوب مال خرچ کرے، مہمان نوازی میں پیش پیش رہے، کرم و بُردباری سے کام لے، شجاعت کا عملی مظاہرہ کرے اور غیرتمندانہ اُمور میں اُن کا دفاع کرے تاکہ لوگوں کی نظر میں عموماً اور شعراء کی نظر میں خصوصاً، خوبی و کمالات کا جامع بن جائے (کیونکہ شعراء اس دور میں قبیلے کی زبان ہوا کرتے تھے) اور اس طرح اپنے مد مقابل حضرات سے بلند و بالا درجہ حاصل کر لے۔

سرداروں کے امتیازی حقوق

سرداروں کے کچھ مخصوص اور امتیازی حقوق بھی ہوا کرتے تھے جنھیں ایک شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

لَكَ الْمِرْبَاعُ مِنْهَا وَالصَّفَايَا وَحُكْمُكَ وَالنَّشِيطَةُ وَالْفُضُولُ

"(اے سردار!) تمھارے لیے مالِ غنیمت کا ایک چوتھائی حصہ ہے، منتخب مال اور وہ مال ہے جس کا تم فیصلہ

کر دو، جو سرِ راہ ہاتھ آ جائے اور جو تقسیم سے بچ رہے۔''

مرباع: مالِ غنیمت کا چوتھائی حصہ مرباع کہلاتا تھا۔

صفی: یہ وہ مال تھا جسے تقسیم سے پہلے ہی سردار اپنے لیے منتخب کر لیتا تھا۔ (صفی کی جمع صفایا ہے۔)

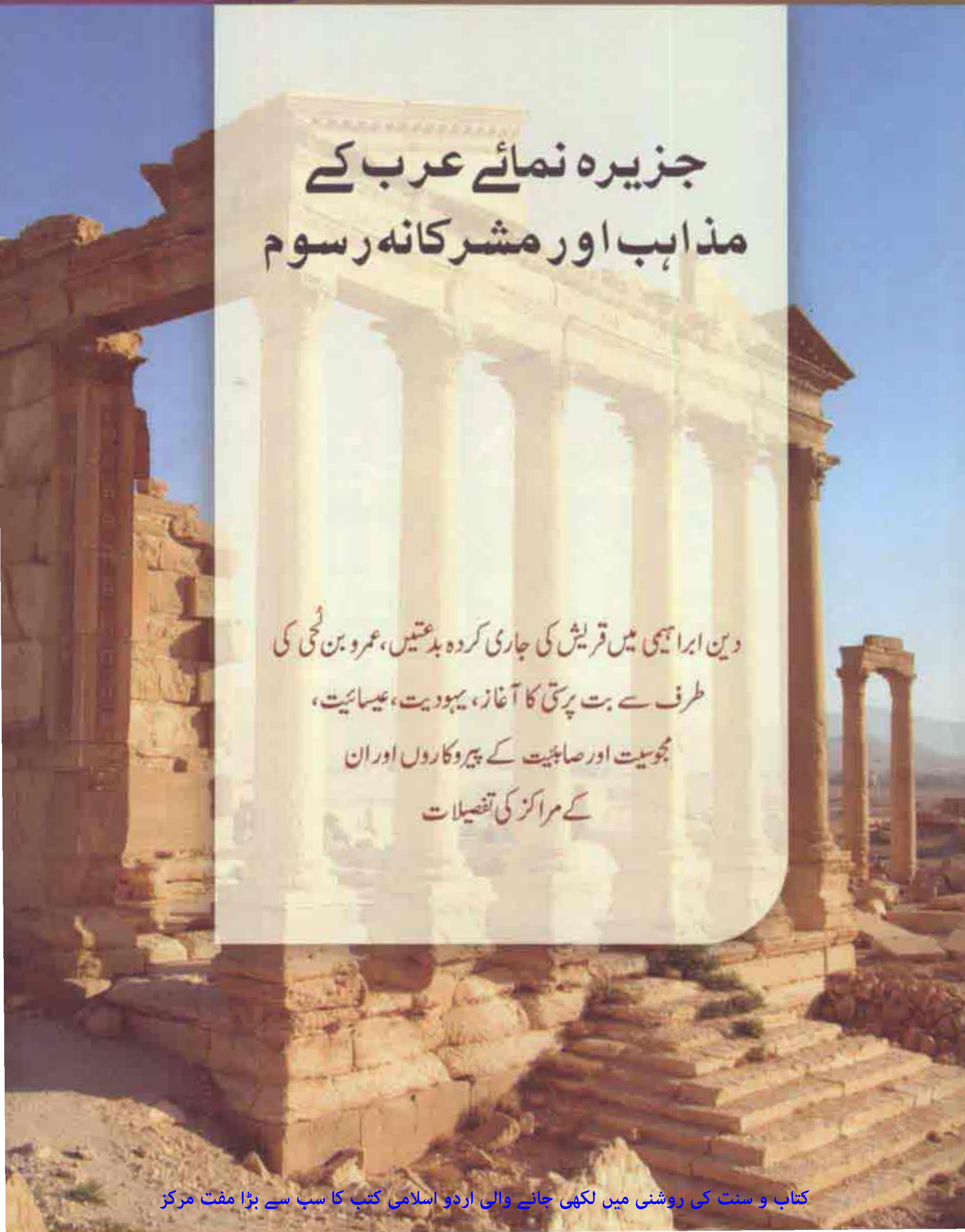
نشیطہ: اس مال کو نشیطہ کہتے تھے جو اصل قوم تک پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں سردار کے ہاتھ لگ جائے۔

فضول: یہ وہ مال تھا جو تقسیم کے بعد بچ رہے اور لڑنے والوں کی تعداد پر برابر تقسیم نہ ہو، مثلاً: تقسیم سے بچے ہوئے اونٹ گھوڑے وغیرہ۔

یہ سب اقسام کے مال سردارِ قبیلہ کا حق ہوا کرتے تھے۔ [1]

[1] الروض الأنف: 78/4، الرحيق المختوم، ص: 42

باب 4



جزیرہ نمائے عرب کے مذاہب اور مشرکانہ رسوم

دین ابراہیمی میں قریش کی جاری کردہ بدعتیں، عمرو بن لُحی کی طرف سے بت پرستی کا آغاز، یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور صابئیت کے پیروکاروں اور ان کے مراکز کی تفصیلات

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ

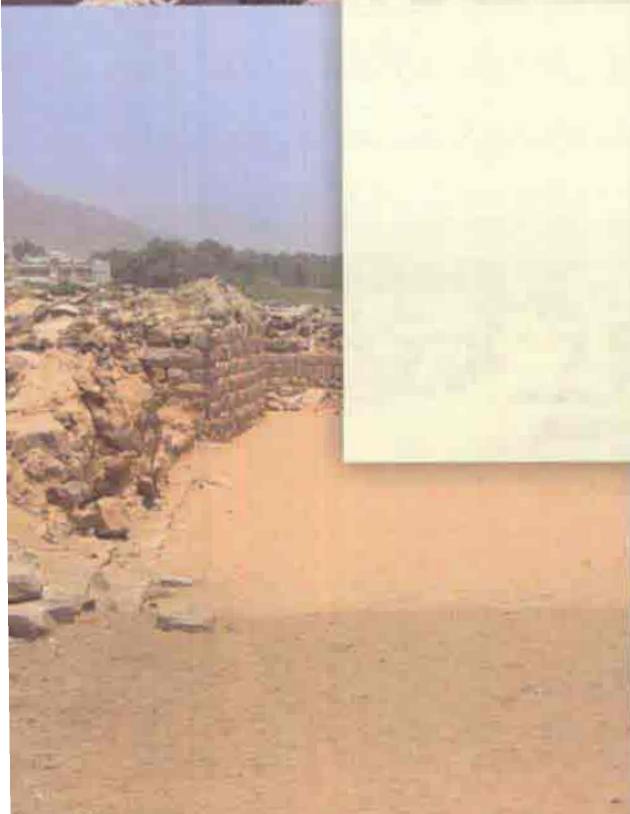
إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

”اے ہمارے رب! ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج، وہ ان کے سامنے
تیری آیتیں تلاوت کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے،
بے شک تو ہی غالب، خوب حکمت والا ہے۔“ (البقرۃ 2:129)

اس باب میں




جزیرہ نمائے عرب میں عمرو بن لُحی کے ذریعے سے رائج ہونے والی بت پرستی، پُوجے جانے والے بتوں اور عرب کے مختلف علاقوں میں اُن کے استھانوں کا تذکرہ ہے، نیز بُت پرستی کی اہم رسوم کا تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ قریش نے دینِ ابراہیمی میں جو بدعات شامل کر دی تھیں ان پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر یہودیت، عیسائیت، مجوسیت اور صابئیت اور ان کے پیرو کاروں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ یہ مذاہب جزیرہ نمائے عرب میں کب متعارف ہوئے اور عہدِ نبوی میں ان کے مراکز کہاں کہاں تھے۔




1

عرب میں بُت پرستی

عام باشندگانِ عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کے نتیجے میں دین ابراہیمی کے پیروکار بن گئے تھے، اس لیے وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرتے تھے اور توحید پر کاربند تھے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے خدائی درس و نصیحت کا ایک حصہ بھلا دیا، پھر بھی ان کے اندر توحید اور دین ابراہیمی کے بعض شعائر باقی رہے حتی کہ بنوخزاعہ کا سردار عَمرو بن لُحَی منظر عام پر آیا۔

عربوں میں بُت پرستی کا آغاز

عمرو بن لُحَی نے ملکِ شام کا سفر کیا تو دیکھا کہ وہاں بتوں کی پوجا کی جا رہی تھی۔ اس نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا: ہم ان (بتوں) کے ذریعے سے بارش حاصل کرتے ہیں اور اپنے دشمن کے خلاف مدد طلب کرتے ہیں۔ اس نے کہا: یہ بت مجھے بھی دے دیں۔ انھوں نے عمرو بن لحی کو ایک بت تحفے میں دے دیا، چنانچہ واپسی پر وہ بھی اپنے ساتھ ''ہبل'' بت لے آیا۔ اسے خانہ کعبہ کے اندر نصب کر دیا اور اہلِ مکہ کو اس کی پوجا کی دعوت دی۔ اہل مکہ نے اس پر لبیک کہا۔ اس کے بعد بہت جلد دیگر باشندگانِ حجاز بھی اہلِ مکہ کے نقشِ قدم پر چل پڑے۔[1] اس طرح عرب میں بُت پرستی کا آغاز ہوا۔

ہبل کے علاوہ عرب کے قدیم ترین بتوں میں سے ''مَنَاۃ'' تھا۔ اس کے بعد طائف میں ''لات'' نامی بت وجود میں آیا، پھر وادیِ نخلہ میں ''عُزّیٰ'' کی تنصیب عمل میں آئی۔ یہ چاروں عرب کے سب سے بڑے بُت تھے۔ اس کے بعد حجاز کے ہر خطے میں شرک کی کثرت اور بتوں کی بھرمار ہوگئی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک جن عَمرو بن لُحَی کے تابع یا اس کا ساتھی تھا، اس نے بتایا کہ قومِ نوح کے بُت ...... وَد، سواع، یغوث، یعوق اور نسر ...... جدہ میں مدفون ہیں۔ اس اطلاع پر عمرو بن لُحَی جدہ گیا اور ان بتوں کو کھود نکالا، پھر انھیں تہامہ لایا اور جب حج کا زمانہ آیا تو انھیں مختلف قبائل کے حوالے کیا۔ یہ قبائل ان بتوں کو اپنے اپنے علاقوں میں لے گئے۔ اس طرح ہر قبیلے میں، پھر ہر گھر

[1] أخبار مكة للأزرقي: 117/1، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام: 77/6۔

میں ایک ایک بت ہوگیا۔ پھر مشرکین نے مسجد الحرام کو بھی بتوں سے بھر دیا، چنانچہ جب مکہ فتح کیا گیا تو بیت اللہ کے اندر اور ارد گرد تین سو ساٹھ بت تھے۔ [1]

سرزمین عرب کے بُت

اساف و نائلہ: یہ انسانی شکل کے بت تھے۔ عمرو بن لحی نے انھیں زمزم کے پاس رکھ دیا تھا۔ لوگ ان کا طواف کرتے اور ساتھ قربانی بھی کرتے تھے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اساف نامی مرد اور نائلہ نامی عورت کعبہ میں زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ جب لوگوں نے آکر انھیں دیکھا تو وہ پتھر بن چکے تھے۔ لوگوں نے انھیں عبرت کے لیے صفا اور مروہ پر رکھ دیا تھا مگر عمرو بن لُحَی نے حرم میں ان کی پوجا شروع کر دی۔ [2]

اُقَیصِر: زمانۂ جاہلیت میں عربوں کے ایک معبود کا نام تھا۔ قبائل قضاعہ، لَخم، جذام، عاملہ اور غطفان اس کی پوجا کرتے تھے۔ شام کی سطح مرتفع (مشارف) میں اس کا استھان تھا۔ ہشام نے کہا ہے: قضاعہ، لَخم، جذام اور اہلِ شام اس کا حج کرتے تھے اور اس کے پاس سر منڈاتے تھے۔ [3]

الجلسد: یہ حضر موت کے علاقے میں کندہ کا بت تھا۔ اس کے خادم و متولی بنی شُکامہ بن شبیب کندی تھے۔ اس بت کے نام ایک چراگاہ تھی جس میں اس پر چڑھائے جانے والے جانور چرتے تھے۔ اس کی شکل ایک ضخیم انسان کی سی تھی۔

[1] أخبار مكة للأزرقي:121,120/1، إغاثة اللهفان:269/2. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:266/6-268، إغاثة اللهفان:264/2. [3] إغاثة اللهفان:265/2، معجم البلدان، مادة: أقيصر.


بعل دیوتا کا مندر (تدمر)


عربوں کے اصنام اور مورتیں
1 سواع
2 العزی
3 اللات
4 مناۃ
5 نسر
6 ود
7 یعوق
8 یغوث
وہ بت جن کا ذکر قرآن کریم میں نہیں
9 ہبل
10 ذوالخلصہ
11 ذوالشری
12 ذوالکفین
13 إساف و نائلہ
14 الجلسد
مصر
صحرائے نوبیہ
سوڈان
حبشہ
مدین
بحیرۂ احمر
بحیرۂ قلزم
جزیرہ نمائے عرب
نجد
حجاز
عسیر
الاحساء
الربع الخالی
یمن
حضرموت
تریم
عمان
فارس (ایران)
عراق
شیراز
زاہدان
بوشہر
کاظمہ
دارین
خلیج فارس
خلیج عرب
دبا
صحار
مسقط
خلیج عمان
مصیرہ
ظفار
مکلا
عدن
خلیج عدن
بحیرۂ عرب
بحر ہند
قرن افریقہ
مخا
عصب
حدیدہ
صنعاء
جیزان
نجران
مصوع
جدہ
طائف
مکہ مکرمہ
رابغ
ینبع
مدینہ منورہ
تبوک
النفود الکبیر
دومۃ الجندل
عقبہ
ایلہ
سیناء
قاہرہ
اسکندریہ
فیوم
بحیرۂ روم
بحیرۂ مردار
دریائے نیل
0
200
400
600
800
1000

اسے سفید پتھر سے تراش کر بنایا گیا تھا۔ [1] دومۃ الجندل کا بادشاہ اکیدر بنو شکامہ ہی سے تھا جسے رسول اللہ ﷺ نے لکھ کر امان دی اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ مرتد ہو کر پھر عیسائی بن گیا تھا۔ [2]

ذوالخلصہ: زمانۂ جاہلیت میں مکہ اور یمن کے درمیان ''تبالہ'' کے مقام پر ذوالخلصہ نامی مکان میں یہ بت نصب تھا۔ قبائل دوس، خثعم اور بجیلہ اس کی پوجا کرتے تھے۔ اسے ''کعبہ یمانیہ یا کعبہ شامیہ'' کہا جاتا تھا۔ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے اسے فتح مکہ کے بعد توڑا۔ [3] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ دوس قبیلے کی عورتوں کی سرینیں ذوالخلصہ پر حرکت کریں گی۔'' (وہ اس کا طواف کریں گی) [4]



تبالہ کے مقام پر کعبہ یمانیہ کے آثار

ذوالشریٰ: یہ دوس اور ازد قبائل کا دیوتا تھا اور عسیر کے علاقے میں اس کی پوجا ہوتی تھی۔ شریٰ تہامہ میں ایک پہاڑی مقام تھا۔ نبطیوں میں ذوالشریٰ اور حریس دیوتاؤں کا جوڑا تھا۔ ادوم (اردن) کے ایک پہاڑی مقام کا نام بھی ''شریٰ'' تھا اور یہاں بھی خصوصاً پٹرا (بطرا) میں ذوالشریٰ کو پوجا جاتا تھا۔ [5]

ذوالکفّین: یہ قبیلہ دوس کے سردار عمرو بن حممہ کا دیوتا تھا۔ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے بعد نبی اکرم ﷺ کی اجازت سے واپس گئے اور جا کر ذوالکفین کو جلا دیا۔ [6]

سُواع: قرآن مجید کی سورۂ نوح میں ود، یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کے ساتھ سُواع کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی قوم نوح

---

[1] نهاية الأرب، ص:281,280، الأعلام: 171/3. [2] تاريخ دمشق الكبير:148/9. [3] صحيح البخاري :2823 و4357، صحيح ابن حبان (ابن بلبان) : 150/15، السيرة لابن هشام:86/1. [4] صحيح البخاري : 7116، صحيح مسلم :2906. [5] اٹلس سیرت نبوی، ص:60، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ:45,44/10. [6] إغاثة اللهفان:265/2، اٹلس سیرت نبوی، ص:60.

ان پانچوں بتوں کو پوجتی تھی۔ عہد اسلام سے پہلے یثرب کے مغرب میں ینبع کے قریب رُہاط کے مقام پر سُواع کی پوجا ہوتی تھی، نیز دومۃ الجندل میں قبیلہ ہُذیل کے لوگ بھی اسے پوجتے تھے۔ سواع کی شکل عورت کی تھی۔ [1]

الضَّيْزَنَان: یہ ''ضَيْزَنْ'' سے تثنیہ کا صیغہ ہے۔ لغت عرب میں ضیزن مزاحمت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ دو بت تھے جنھیں جذیمہ الابرش یا منذر الاکبر نے حیرہ (عراق) کے دروازے پر نصب کیا تھا تاکہ جو بھی حیرہ میں داخل ہو، انھیں سجدہ کرے اور اس سے مقصود یہ تھا کہ آنے والے کی اطاعت کا امتحان لیا جائے۔ [2]

عائم: علامہ یاقوت لکھتے ہیں: ''کلبی نے کہا ہے کہ ''ازدسراۃ'' کے بت کا نام ''عائم'' تھا۔'' [3]

العُزّٰی: یہ نام أَعَزُّ کی تانیث اور تفضیل کا صیغہ ہے جبکہ اَعَزُّ بمعنی عزیز اور عُزّٰی بمعنی عزیزہ لیا گیا ہے۔ مکہ سے چند میل دور وادیِ نخلہ میں ببول کا ایک درخت تھا جس کے نیچے عزّٰی کا تھان (آستانہ) تھا۔ عزّٰی کا بت حرم کعبہ میں بھی رکھا ہوا تھا جسے فتح مکہ کے وقت توڑا گیا۔ وادیِ نخلہ میں بنوکنانہ عزّٰی کو پوجتے تھے اور اسے توڑنے کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا تھا۔ [4]

اَللَّات: طائف میں بنوثقیف اس کی عبادت کرتے تھے۔ ''لات'' کے معنی ہیں: ''پانی وغیرہ میں ستو گھولنے والا۔'' یہ ایک شخص تھا جو حاجیوں کو ستو گھول کر پلایا کرتا تھا۔ اس کی وفات کے طویل عرصہ بعد عمرو بن لُحَی کے ایما پر اس کا بت بنا کر اس کی پوجا کی جانے لگی۔ قریش سونے سے پہلے لات اور عزّٰی کی پوجا پاٹ کرتے اور انھی کی قسم کھایا کرتے تھے۔ [5]

لات ایک مربع چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا اور بنومُعَتِّب (یا بنوعتاب) ثقفی اس کے مجاور تھے۔ انھوں نے اس پر ایک عمارت بنا رکھی تھی۔ قریش اور دیگر عرب بھی اس کی تعظیم اور طواف کرتے تھے۔ فتح طائف کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے اسے مسمار کر دیا۔ لات کے استھان (آستانے) کی جگہ اب جامع مسجد طائف کا مینار واقع ہے۔ [6]

منات: یہ بت قدیم ترین تھا اور بحیرۂ احمر کے ساحل پر قُدَید کے قریب مُشَلَّل میں نصب تھا۔ [7] لات، منات اور عزّٰی عرب کے سب سے بڑے بت تھے۔ ان تینوں کے نام سورۂ نجم میں آئے ہیں۔ منات کی پوجا کا آغاز بھی عمرو بن لُحَی نے کیا تھا۔ تمام عرب خصوصاً اوس اور خزرج اس کی انتہائی تعظیم کرتے تھے۔ بنوازد اور غسان منات کا حج بھی کرتے تھے۔ اوس اور خزرج حج کے بعد منات کے پاس آکر احرام اتارتے تھے۔ فتح مکہ کے لیے جاتے

---

[1] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام :6/257-259، اٹلس سیرت نبوی،ص:59. [2] تاريخ الطبري :1/440، لسان العرب، مادة : ضزن. [3] إغاثة اللهفان :2/266، معجم البلدان، مادة : عائم. [4] لسان العرب، مادة: عزز، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام :6/235. [5] مسند أحمد :4/222 و 5/362، تفسير ابن كثير، النجم 53:19، جوامع السيرة لابن حزم، ص : 257. [6] السيرة لابن هشام: 4/186، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:6/227-229. [7] صحيح البخاري:1643و1790.

ہوئے نبیِ اکرم ﷺ کے حکم پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس بت کو منہدم کر دیا۔ [1]

نَسر: حمیر (یمن) کے علاقے میں نجران کے پاس قبیلہ ذی الکلاع کے لوگ اس کی پوجا کرتے تھے۔ آج کل نجران سعودی عرب کا شہر ہے جو سرحدِ یمن کی طرف واقع ہے۔ نسر پرندے (گدھ) کی شکل کا بت تھا۔ [2]

ہُبَل: قریش کے سب سے بڑے دیوتا کا نام ہے۔ ہبل دراصل ہُبْعل (بعل) تھا جسے عربوں نے معرب کر لیا۔ [3]



بعل دیوتا کا مندر (بعلبک، لبنان)

''بعل'' اہلِ شام کا دیوتا تھا۔ اس سے منسوب ''بعلبک'' لبنان کا قدیم شہر ہے۔ ''بعل'' کے لغوی معنی قوت کے ہیں اور مجازاً آقا کے معنی لیے جاتے ہیں۔ اسی لیے قرآن میں ''بعل'' شوہر کے معنی میں استعمالِ ہوا ہے۔ یہ بت قریش کو انسانی مورت کی شکل میں ملا تھا جو سرخ عقیق سے تراشا گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا، قریش نے وہ سونے کا بنوا کر لگا دیا۔ ''ہبل'' خاص کعبہ میں نصب تھا۔ فال کے پانسے اسی کے آگے ڈالے جاتے تھے۔ قریش جنگوں میں (أُعْلُ هُبَل) ''ہبل کی جے'' کا نعرہ لگاتے تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے توڑ دیا تھا۔ [4]

وَدّ: یہ بت دومۃ الجندل میں نصب تھا اور بنوکلب اس کی پوجا کرتے تھے۔ قریش بھی اس بت کو پوجتے تھے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اسے توڑا تھا۔ [5]

یعوق: یہ بھی ان پانچ بتوں میں شامل تھا جو جدہ میں دفن تھے۔ یعوق کے معنی ہیں: ''مصیبت روکنے والا۔'' اس کی شکل گھوڑے کی تھی۔ یعوق یمن میں ارحب کے مقام پر نصب تھا۔ بنوہمدان و خولان اس کی پوجا کرتے تھے۔ ارحب صنعاء سے دو راتوں کے فاصلے پر مکہ کی جانب واقع تھا۔ [6]

یغوث: یہ بت اکمۂ مذحج (یمن) میں نصب تھا اور بنو مذحج اور ہمدان اس کی پوجا کرتے تھے۔ قبیلۂ طے کی شاخ انعم، مراد اور بنوغُطیف بھی اسے پوجتے تھے۔ یغوث کے معنی ہیں: ''فریاد کو پہنچنے والا'' اور اس کی شکل شیر کی تھی۔ [7]

[1] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:6/246-249. [2] المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:6/263. [3] تاریخ ارض القرآن (کامل):2/137. [4] الرحيق المختوم، ص:45، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:6/250-253. [5] الرحيق المختوم، ص:46، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:6/255-257. [6] معجم البلدان، مادة: يعوق، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:6/262,263. [7] معجم البلدان، مادة: يغوث، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:6/260-262.

عرب بُت پرستی کے اہم مراسم

اہل جاہلیت کے ہاں بت پرستی کے ایسے خاص طریقے اور مراسم رائج تھے جو زیادہ تر عمرو بن لُحَی کی اختراع تھے۔ وہ لوگ سمجھتے تھے کہ عمرو بن لُحَی کی اختراعات دینِ ابراہیمی میں تبدیلی نہیں بلکہ بدعتِ حسنہ ہیں۔ ان کے ہاں رائج بُت پرستی کے چند اہم مراسم درج ذیل ہیں:

1 دورِ جاہلیت کے مشرکین بتوں کے پاس مجاور بن کر بیٹھتے تھے۔ وہ ان کی پناہ ڈھونڈتے، انھیں زور زور سے پکارتے، حاجت روائی و مشکل کشائی کے لیے ان سے التجائیں کرتے اور سمجھتے تھے کہ وہ اللہ سے سفارش کر کے ہماری مراد پوری کرا دیں گے۔

2 وہ بتوں کا حج وطواف کرتے تھے، ان کے سامنے عجز و نیاز سے پیش آتے تھے اور انھیں سجدہ کرتے تھے۔

3 وہ بتوں کے لیے نذرانے اور قربانیاں پیش کرتے تھے اور قربانی کے جانور کبھی بتوں کے آستانوں پر لے جا کر ذبح کرتے اور کبھی کسی بھی جگہ ذبح کر لیتے مگر بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ ذبح کی ان دونوں صورتوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾

''اور (وہ جانور بھی حرام ہیں) جو آستانوں پر ذبح کیے گئے ہوں۔''[1]

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ﴾

''اور اُس جانور کا گوشت مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔''[2]

4 بتوں سے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مشرکین اپنی صوابدید کے مطابق اپنے کھانے پینے کی چیزوں اور اپنی کھیتی اور چوپاؤں کی پیداوار کا ایک حصہ بتوں کے لیے خاص کر دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی خاص کر دیتے، پھر مختلف اسباب کی بنا پر اللہ تعالیٰ کا حصہ تو بتوں کی طرف منتقل کر دیتے تھے لیکن بتوں کا حصہ کسی بھی حال میں اللہ تعالیٰ کی طرف منتقل نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا ۖ فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ ۖ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾

[1] المآئدة 3:5. [2] الأنعام 121:6.

''اور انھوں نے اس میں سے اللہ کے لیے ایک حصہ ٹھہرایا جو اس نے کھیتی اور چوپایوں کی شکل میں پیدا کیا، پھر اپنے خیال کے مطابق کہنے لگے: یہ اللہ کے لیے ہے اور یہ ہمارے شرکاء (دیوتاؤں) کے لیے ہے، چنانچہ جو ان کے شرکاء کے لیے ہوتا ہے، وہ تو اللہ تک نہیں پہنچتا (مگر) جو اللہ کے لیے ہوتا ہے، وہ ان کے شرکاء تک پہنچ جاتا ہے۔ کتنا برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''[1]

5 بتوں کے تقرب کا ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ مشرکین کھیتی اور چوپائے کے اندر مختلف قسم کی نذریں مانتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ﴾

''اور ان مشرکین نے اپنے (جھوٹے) خیال کے مطابق کہا: یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع ہیں۔ انھیں بس وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں اور بعض چوپائے ہیں جن کی پشت (پر سواری) حرام کر دی گئی ہے اور کچھ چوپائے ایسے ہیں جن پر وہ لوگ (بوقتِ ذبح) اللہ کا نام نہیں لیتے، یہ سب وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہوئے کرتے ہیں۔''[2]

6 انھی جانوروں میں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام تھے۔

بحیرہ اور سائبہ: ابنِ اسحاق کہتے ہیں کہ بحیرہ، سائبہ کی بچی کو کہا جاتا ہے۔ سائبہ اس اونٹنی کو کہا جاتا ہے جس سے دس بار پے دَر پے مادہ بچے پیدا ہوں، درمیان میں کوئی نَر پیدا نہ ہو۔ ایسی اونٹنی کو آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس پر سواری نہیں کی جاتی تھی۔ اس کے بال نہیں کاٹے جاتے تھے اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہیں پیتا تھا۔ اس کے بعد یہ اونٹنی جو مادہ بچہ جنتی، اس کا کان چیر دیا جاتا اور اسے بھی اس کی ماں کے ساتھ آزاد چھوڑ دیا جاتا۔ اس پر سواری نہ کی جاتی، اس کے بال نہ کاٹے جاتے اور مہمان کے سوا کوئی اس کا دودھ نہ پیتا۔ یہی بحیرہ ہے اور اس کی ماں سائبہ ہے۔

وصیلہ: اُس بکری کو کہا جاتا تھا جو پانچ دفعہ پے در پے دو دو مادہ بچے جنتی (پانچ بار میں دس مادہ بچے پیدا ہوتے)، درمیان میں کوئی نَر پیدا نہ ہوتا۔ اس بکری کو اس لیے وصیلہ کہا جاتا تھا کہ وہ سارے مادہ بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ دیتی تھی۔ اس کے بعد اس بکری سے جو بچے پیدا ہوتے، ان کا گوشت صرف مرد کھا سکتے تھے، عورتیں نہیں کھا سکتی تھیں، البتہ اگر کوئی بچہ مُردہ پیدا ہوتا تو اسے مرد عورت سبھی کھا سکتے تھے۔

حام: اُس نَر اونٹ کو کہتے تھے جس کی جفتی سے پے در پے دس مادہ بچے پیدا ہوتے، درمیان میں کوئی نَر پیدا نہ ہوتا۔

[1] الأنعام 136:6. [2] الأنعام 138:6.

ایسے اونٹ کی پیٹھ محفوظ کر دی جاتی تھی۔ اس پر سواری کی جاتی تھی نہ اس کے بال کاٹے جاتے تھے بلکہ اسے اونٹوں کے ریوڑ میں جفتی کے لیے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے سوا اس سے کوئی دوسرا فائدہ نہ اٹھایا جاتا تھا۔ دورِ جاہلیت کی بُت پرستی کے ان طریقوں کی تردید کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآىِٕبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝﴾ (المآئدة 103:5)

"اللہ نے نہ کوئی بحیرہ، نہ کوئی سائبہ، نہ کوئی وصیلہ اور نہ کوئی حام بنایا ہے لیکن جن لوگوں نے کفر کیا، وہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔"

ایک دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ﴾ (الأنعام 139:6)

"اور ان مشرکین نے کہا کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے، وہ خالص ہمارے مَردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے، البتہ اگر وہ مردہ ہو تو اس میں (مرد اور عورتیں) سب شریک ہیں۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "عَمرو بن لُحَی پہلا شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑے۔" سید التابعین سعید بن مُسَیَّب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ ان جانوروں کا دودھ ان کے بتوں کے لیے وقف تھا۔[2]

عرب اپنے بتوں کے ساتھ یہ سب کچھ اس غلط عقیدے کے ساتھ کرتے تھے کہ یہ بت انھیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کے حضور ان کی سفارش کریں گے، چنانچہ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ مشرکین کہتے تھے:

﴿مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى﴾

"ہم ان (بتوں) کی عبادت محض اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے زیادہ قریب کر دیں۔"[3]

﴿هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ﴾

"یہ (بت) اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں۔"[4]

[1] السيرة لابن هشام: 89/1، الرحيق المختوم، ص: 49,48. [2] صحيح البخاري: 4623. [3] الزمر 3:39. [4] يونس 18:10.

2

عرب میں یہودیت

جزیرہ نمائے عرب میں یہود بھی آباد تھے۔ عرب کی طرف ان کی ہجرت دو بار عمل میں آئی تھی۔ 722 ق م میں شاہِ اشور سارگون دوم نے شمالی فلسطین کی یہودی ریاست ''اسرائیل'' کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو یہود کو ترکِ وطن کرنا پڑا۔ پھر شاہِ بابل بخت نصر دوم کے ہاتھوں 586 ق م میں یروشلم کی تباہی، ہیکل سلیمانی کی بربادی اور ایک لاکھ یہودیوں کی عراق جلا وطنی کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہود کی ایک جماعت فلسطین چھوڑ کر حجاز کے شمالی اطراف میں آبسی۔

یثرب میں یہود کی آمد

جب ٹائٹس (Titus) کی زیرِقیادت 70ء میں رومیوں نے فلسطین پر قبضہ کیا اور یروشلم اور ہیکل سلیمانی دوسری مرتبہ برباد ہوئے تو متعدد یہودی قبیلے حجاز بھاگ آئے اور یثرب، خیبر اور تیماء میں اپنی باقاعدہ بستیاں بسا لیں اور قلعے اور گڑھیاں تعمیر کرلیں۔ انھی تارکین وطن یہود کے ذریعے سے عرب باشندوں میں بھی کسی قدر یہودی مذہب کا رواج ہوا۔

ظہورِ اسلام کے وقت یہودی قبائل

ظہورِ اسلام کے وقت مشہور یہودی قبائل یہ تھے: بنونضیر، بنومصطلق، بنوقریظہ اور بنوقینقاع۔ [1] سمہودی نے بیان کیا ہے

[1] قلب جزيرة العرب، ص:251.



آثار بنوقریظہ (خیبر)

کہ پہلے اور بعد میں آکر بسنے والے یہودی قبائل کی تعداد بیس سے زیادہ تھی۔[1]

یہودیت یمن میں

یہودیت کو یمن میں بھی فروغ حاصل ہوا۔ یہاں اس کے پھیلنے کا سبب تبان (تبع) اسعد ابوکرب تھا۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جب تبان اسعد مشرق کی مہم سے فارغ ہو کر واپس یثرب پہنچا تو اس نے بنو قریظہ کے دو یہودی علماء کی فہمائش پر یہودیت قبول کر لی اور پھر انھیں اپنے ساتھ یمن لے گیا اور ان کے ذریعے سے یہودیت کو یمن میں وسعت



یمن میں یہودی بستی بیت باس عبد

اور پھیلاؤ حاصل ہوا۔ ابوکرب کے بعد اس کا بیٹا یوسف ذونواس یمن کا حاکم ہوا تو اس نے یہودیت کے جوش میں نجران کے عیسائیوں پر حملہ بول دیا اور انھیں مجبور کیا کہ یہودیت قبول کریں، مگر انھوں نے انکار کر دیا۔ اس پر ذونواس نے خندق کھدوائی اور اس میں آگ جلا کر بوڑھے، بچے، مرد، عورتیں سب بلاتمیز آگ کے الاؤ میں جھونک دیے۔ کہا جاتا ہے کہ اس حادثے کا شکار ہونے والوں کی تعداد بیس سے چالیس ہزار کے درمیان تھی۔ یہ اکتوبر 523ء کا واقعہ ہے۔ قرآنِ مجید نے سورۂ بروج میں اسی واقعے کا ذکر کیا ہے۔[2]

اصحاب الاخدود کی شہادت کے ذمہ دار بادشاہ کے بارے میں بعض مؤرخین نے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذونواس یہودی تھا جبکہ اصحاب الأخدود کی شہادت کا ذمہ دار مشرک بادشاہ تھا جو اپنے رب ہونے کا دعویدار تھا۔[3]

دارالسلام کے منیجنگ ڈائریکٹر مولانا عبدالمالک مجاہد اپنے سفرِ نجران (ستمبر 2011ء) کے مشاہدات میں لکھتے ہیں:

"جب ہم اصحاب الاخدود کے علاقے میں داخل ہوئے تو سامنے مٹیالے رنگ کے پہاڑ نظر آ رہے تھے۔ یہ علاقہ دس مربع کلومیٹر ضرور ہوگا۔ آدھا کلومیٹر سے کچھ زیادہ چلنے کے بعد وہ گھاٹیاں شروع ہو جاتی ہیں

[1] وفاء الوفا للسمهودي: 165/1. [2] السيرة لابن هشام: 1/20-36. [3] دیکھیے: "یمن کی سلطنتیں" کے ذیل میں "اصحاب اخدود"۔

جہاں اصحاب الاخدود کا واقعہ پیش آیا تھا۔ بڑے بڑے پتھروں سے چھوٹے چھوٹے کمرے بنے ہوئے تھے جن میں بعض دیواریں چندفٹ بلند تھیں۔ یہ کٹی پھٹی جگہ تھی۔ بعض اونچی جگہیں ٹیلوں کے مشابہ تھیں۔ کم وبیش ایک کلومیٹر لمبی اور 300 میٹر چوڑی جگہ پر یہ خندقیں کھودی گئی تھیں اور پھر ان کی چھوٹی چھوٹی چار دیواریاں بنائی گئی تھیں کہ ان میں آگ دہکائی جا سکے ...... ان کھائیوں کے دائیں جانب ایک بڑا سا دائرہ نما گڑھا نظر آیا جس میں کئی سو افراد بیٹھ کر تماشا دیکھ سکتے تھے۔ غالباً اسی جگہ بادشاہ اور اعیانِ مملکت ان مظلوموں کو شہید ہوتے دیکھ رہے تھے۔'' [1]

[1] ماہنامہ ''ضیائے حدیث'' لاہور (ستمبر 2011ء)



اخدود نامی بستی کے قدیم آثار (نجران)

3

عرب میں عیسائیت

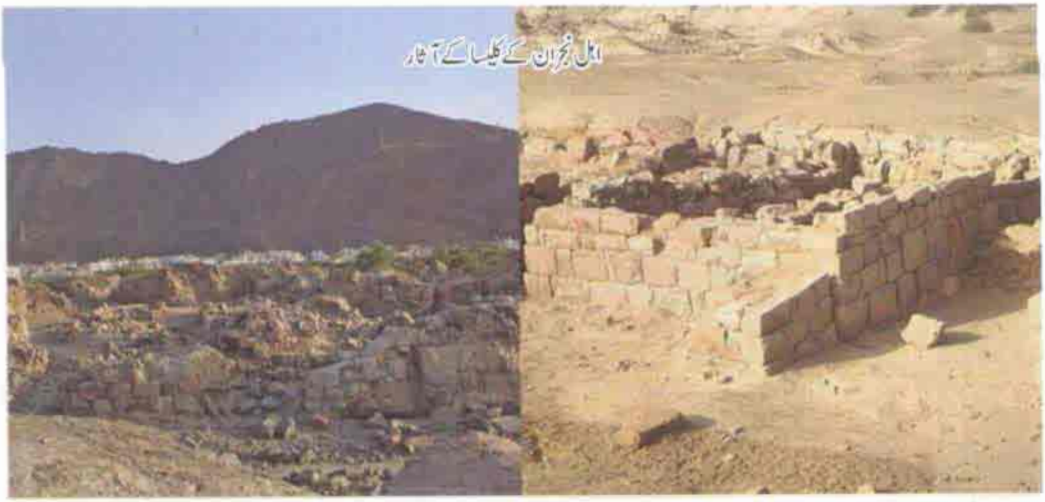
بلادِ عرب میں عیسائی مذہب کی آمد حبشی اور رومی قبضہ گیروں اور فاتحین کے ذریعے سے ہوئی۔ یمن پر حبشیوں کا قبضہ پہلی بار 340ء میں ہوا اور 378ء تک برقرار رہا۔ اس دوران میں یمن میں مسیحی مشن کام کرتا رہا۔

نجران میں عیسائیت

یمن پر حبشی تسلط کے زمانے میں ایک مستجاب الدعوات اور صاحب کرامات زاہد جس کا نام فیمیون تھا، نجران پہنچا اور وہاں کے باشندوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کی۔ اہلِ نجران نے اس کی اور اس کے دین کی سچائی کی کچھ ایسی علامات دیکھیں کہ وہ عیسائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ [1]

نجران میں کعبہ مشرفہ (مکہ مکرمہ) کی طرز پر بنائے گئے کلیسا کے آثار ابھی تک ملتے ہیں جسے اہلِ نجران "کعبہ" کہتے تھے۔ عرب مشرکین 40 سال اس کی زیارت کو آتے رہے۔ کعبۂ نجران جاہلیت میں شہر نجران سے تقریباً 35 کلو میٹر شمال مشرق میں کوہ تصلال پر بنوعبدالمدان حارثی نے تعمیر کیا تھا۔ یہ ابرہہ اشرم کے صنعاء میں بنائے گئے کعبۂ یمن سے الگ تھا۔

[1] السيرة لابن هشام:1/31-34.



یمن میں فروغِ عیسائیت

یمنی حکمرانوں میں سے صرف تُبّع عبدکلیل نے عیسائیت قبول کی تھی۔ باقی تبابعہ اکثر یہودی اور کم تر ستارہ پرست تھے۔ [1]

جب حبشیوں نے 525ء میں دوبارہ یمن پر قبضہ کیا اور اَبْرَہَہ اشرم نے حکومتِ یمن کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو اس نے بڑے جوش وخروش کے ساتھ عیسائیت کوفروغ دینے کی کوشش کی، اس نے صنعاء میں ایک کلیسا تعمیر کیا اور کوشش کی کہ اہلِ عرب کو مکہ مکرمہ میں واقع بیت اللہ سے روک کر کلیسائے یمن کا حج کرائے اور بیت اللہ کو ڈھا دے۔ لیکن اس کی اس جرأت پر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسی سزا دی کہ وہ قیامت تک کے لیے عبرت بن گیا۔ [2]

دوسری طرف رومی علاقوں کی ہمسائیگی کے سبب آلِ غسان، بنوتغلب اور بنوطے وغیرہ قبائلِ عرب میں بھی عیسائیت پھیل گئی تھی بلکہ حیرہ کے بعض عرب بادشاہوں نے بھی عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا۔ [3]

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 234/1. [2] دیکھیے: متداول کتب تفاسیر میں سورۂ فیل کی تفسیر اور کتاب ہٰذا کا باب "عام الفیل"۔
[3] الرحیق المختوم، ص: 53.



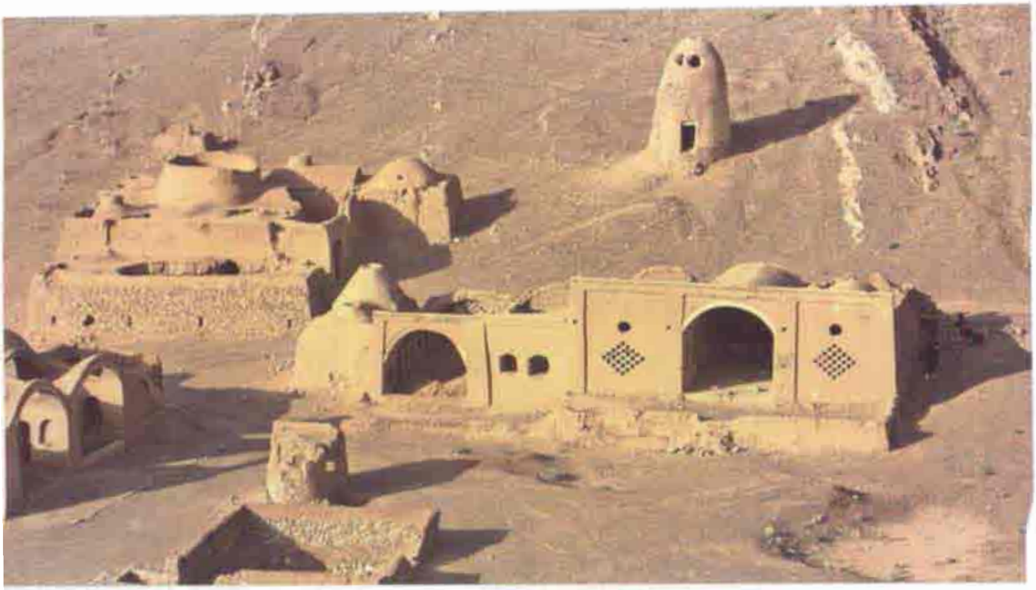
صنعا میں ابرہہ کے تعمیر شدہ کلیسا کے آثار

4

عرب میں مجوسیت اور صابئیت

مجوسیت

مجوسی مذہب کو زیادہ تر اہلِ فارس کے ہمسایہ عربوں میں فروغ حاصل ہوا تھا، مثلاً: عراقِ عرب، بحرین (الاحساء)، ہجر اور خلیج عربی کے ساحلی علاقے۔ ان کے علاوہ یمن پر فارسی قبضے کے دوران میں وہاں بھی اکا دُکا افراد نے مجوسیت قبول کی۔[1]



وسطی ایران میں مجوسی آتش کدہ

صابئیت

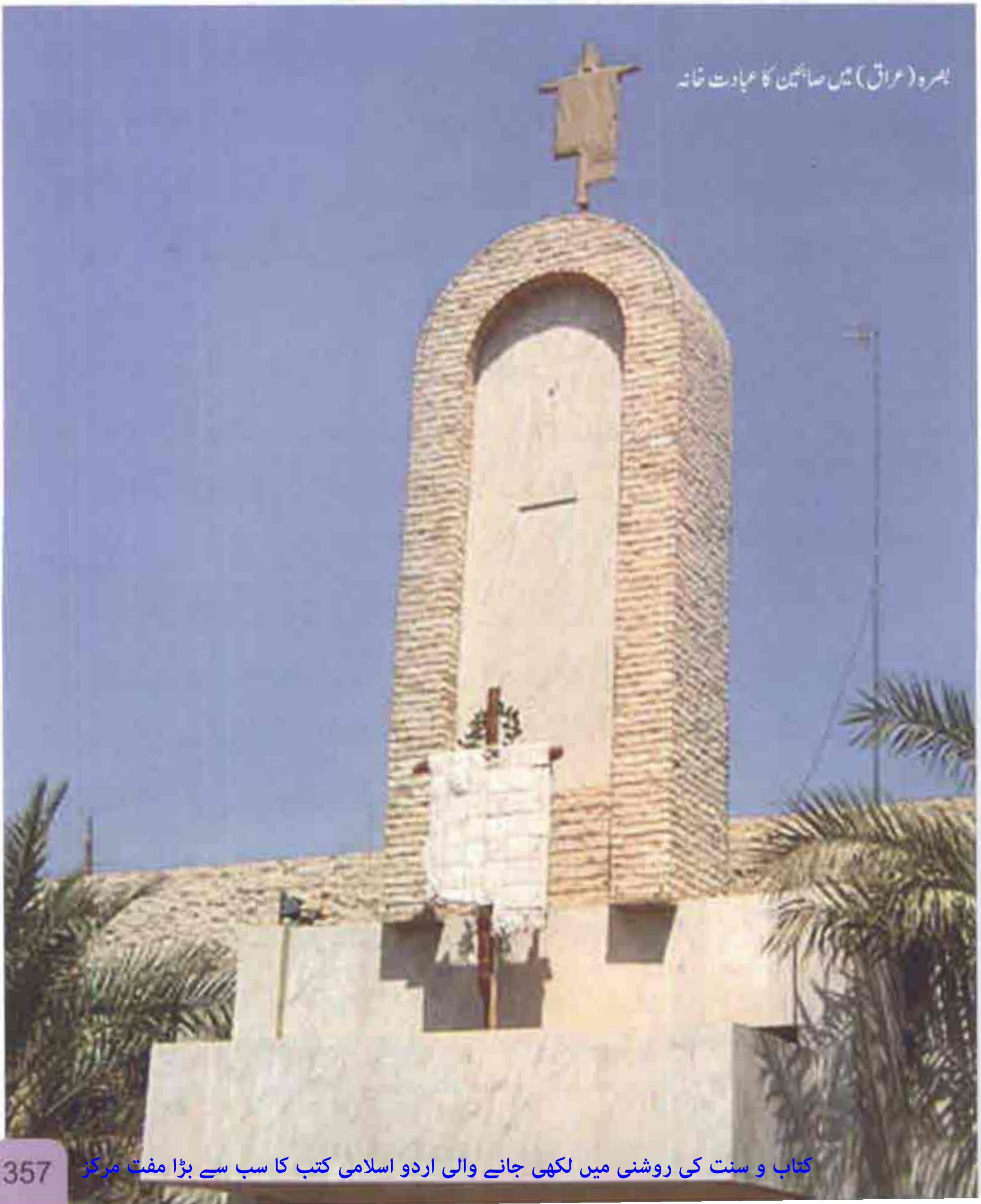
صابئین ستارہ پرست قوم تھی۔ عراق وغیرہ کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے دوران میں جو کتبات برآمد ہوئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کلدانی قوم کا مذہب صابئیت تھا۔ دورِ قدیم میں شام و یمن کے بہت

[1] الرحيق المختوم، ص: 54.

سے باشندے بھی اسی مذہب کے پیرُو تھے۔ لیکن جب یہودیت اور پھر عیسائیت کا دور دورہ ہوا تو صابی مذہب مٹتا چلا گیا، تاہم مجوس کے ساتھ خلط ملط ہو کر یا ان کے پڑوس میں عراقِ عرب اور خلیج عربی کے ساحل پر اس مذہب کے کچھ نہ کچھ پیروکار باقی رہے۔[1]

مجوسیت اور صابئیت اور ان کے عقائد کی مزید تفصیل "عرب کی ہمسایہ اقوام، سلطنتیں اور مذاہب" میں ملاحظہ کیجیے۔

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 2/193-208، الرحیق المختوم، ص: 54.


بصرہ (عراق) میں صابئین کا عبادت خانہ

عرب کی مشرکانہ رسوم وتوہمات

جاہلیت کے عقائد واعمال کے باوجود قریش میں دینِ ابراہیمی کی کچھ باقیات بھی موجود تھیں، انھوں نے یہ دین پورے طور پر نہیں چھوڑا تھا۔ وہ بیت اللہ کی تعظیم اور اس کا طواف کرتے، حج وعمرہ ادا کرتے اور ہدی کے جانوروں کی قربانی کرتے تھے، البتہ انھوں نے دینِ ابراہیمی میں بہت سی بدعتیں ایجاد کر کے شامل کر دی تھیں، مثلاً:

حُمس کا خصوصی مقام

قریش کی ایک بدعت یہ تھی کہ وہ کہتے تھے: ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد، حرم کے پاسبان، بیت اللہ کے والی اور مکہ کے باشندے ہیں۔ کوئی شخص ہمارا ہم مرتبہ نہیں اور نہ کسی کے حقوق ہمارے حقوق کے مساوی ہیں...... اسی بنا پر وہ اپنا نام حُمس (بہادر اور گرم جوش) رکھتے تھے...... لہٰذا ہمارے شایانِ شان نہیں کہ ہم حدودِ حرم سے باہر جائیں، چنانچہ حج کے دوران میں یہ لوگ عرفات نہیں جاتے تھے اور نہ وہاں سے اِفاضَہ کرتے تھے بلکہ مُزْدَلِفَہ ہی میں ٹھہر کر وہیں سے افاضہ کر لیتے تھے۔[1] اللہ تعالیٰ نے اس بدعت کی اصلاح کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ﴾ (البقرة 2:199)

”پھر تم لوگ بھی وہیں سے اِفاضَہ کرو (لوٹو) جہاں سے سارے لوگ افاضہ کرتے ہیں۔“[2]

حُمس میں ان لوگوں کو بھی شامل کیا جاتا تھا جو حِل (بیرونِ حرم) یا حرم کے عرب باسیوں کی اولاد ہوتی۔ ان کے احکام بھی وہی ہوتے جو قریش مکہ کے ہوتے تھے۔ جو چیزیں قریش کے لیے حلال ہوتیں، ان کے لیے بھی حلال ہوتیں اور جو قریش پر حرام ہوتیں، ان کے لیے بھی حرام ہوتیں۔[3]

حُمس کے لیے حالتِ احرام کی بندشیں

قریش کہتے تھے کہ حُمس کے لیے احرام کی حالت میں پنیر اور گھی بنانا درست نہیں، نیز وہ بال والے گھر (کمبل کے

---

[1] عرفہ کے دن سورج غروب ہونے کے بعد میدانِ عرفات سے مزدلفہ جانا، وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع اور قصر کر کے ادا کرنا، رات مزدلفہ میں بسر کرنا اور صبح فجر کی نماز مزدلفہ ہی میں ادا کرنا، یہ سب اعمال افاضہ کہلاتے ہیں۔ (معجم لغة الفقهاء، ص: 79) [2] السيرة لابن هشام: 199/1، صحيح البخاري: 1665، صحيح مسلم: 1219. [3] السيرة لابن هشام: 199/1.

خیمے) میں داخل ہو سکتے ہیں نہ سایہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر سایہ حاصل کرنا ہو تو چمڑے کے خیمے میں حاصل کریں۔ [1]

حج یا عمرہ کرنے والے بیرونی زائرین کا کھانا

وہ کہتے تھے کہ بیرونِ حَرم کے باشندے حج یا عمرہ کرنے آئیں اور وہ اپنے ساتھ حِل سے کھانے پینے کی کوئی چیز لے کر آئیں تو اہل حِل کے لیے اسے کھانا درست نہیں۔ [2]

برہنہ طواف کی قبیح رسم

قریش نے بیرونِ حرم کے باشندوں کو حکم دے رکھا تھا کہ وہ حرم میں آنے کے بعد پہلا طواف حُمس سے حاصل کیے ہوئے کپڑوں ہی میں کریں، چنانچہ اگر ان کا کپڑا دستیاب نہ ہوتا تو مرد ننگے طواف کرتے اور عورتیں اپنے کپڑے اتار کر صرف ایک چھوٹا سا کھلا ہوا کرتا پہن لیتیں اور اسی میں طواف کرتیں اور دورانِ طواف یہ شعر پڑھتی تھیں:

اَلْيَوْمَ يَبْدُو بَعْضُهُ أَوْ كُلُّهُ   وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا أُحِلُّهُ

''آج جسم کا کچھ حصہ برہنہ ہوگا یا سارا لیکن جو برہنہ ہو، میں دوسروں کے لیے اسے حلال نہیں کروں گی۔''

اللہ تعالیٰ نے اس خرافات کے خاتمے کے لیے فرمایا:

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ ﴾ (الأعراف 31:7)

''اے آدم کے بیٹو! ہر مسجد کے پاس اپنی زینت (ساتر لباس) اختیار کر لیا کرو۔''

بہر حال اگر کوئی عورت یا مرد برتر اور معزز بن کر بیرونِ حرم سے لائے ہوئے اپنے ہی کپڑوں میں طواف کر لیتا تو طواف کے بعد ان کپڑوں کو پھینک دیتا، ان سے نہ خود فائدہ اٹھاتا نہ کوئی اور۔ [3]

حالتِ احرام میں گھر کے عقب سے آنا

قریش حالتِ احرام میں گھر کے اندر دروازے سے داخل نہ ہوتے بلکہ گھر کے پچھواڑے ایک بڑا سا سوراخ بنا لیتے اور اسی سے آتے جاتے اور اپنے اس اُجڈپن کو نیکی سمجھتے۔ قرآن کریم نے اس سے بھی منع فرمایا، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾ (البقرة 189:2)

[1] السيرة لابن هشام: 202/1. [2] السيرة لابن هشام: 202/1. [3] السيرة لابن هشام: 203,202/1، صحيح البخاري: 1665.

''اور نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی پرہیز گاری اختیار کرے اور تم اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور تم اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔''

یہی شرک، بُت پرستی اور توہمات وخرافات پر مبنی عقیدہ و عمل والا دین اہلِ عرب کا تھا۔ [1]

فال گیری اور جوا

مشرکینِ عرب ازلام، یعنی فال کے تیر بھی استعمال کرتے تھے۔ (أَزْلَام ، زَلَمْ کی جمع ہے۔ زَلَمْ اُس تیر کو کہتے ہیں جس کے پَر نہ لگے ہوں۔) فال گیری کے لیے استعمال ہونے والے یہ تیر تین قسم کے ہوتے تھے۔ ایک وہ جن پر صرف ''ہاں'' یا ''نہیں'' لکھا ہوتا تھا۔ اس قسم کے تیر سفر اور نکاح وغیرہ جیسے کاموں کے لیے استعمال کیے جاتے تھے۔ اگر فال میں ''ہاں'' نکلتا تو مطلوبہ کام کر لیا جاتا، اگر ''نہیں'' نکلتا تو سال بھر کے لیے ملتوی کر دیا جاتا اور آیندہ سال پھر فال نکالی جاتی۔

فال گیری کے تیروں کی دوسری قسم وہ تھی جن پر پانی، یعنی نیا کنواں کھودنے اور دِیَت وغیرہ کے معاملات درج ہوتے تھے۔ تیسری قسم وہ تھی جن پر یہ درج ہوتا تھا کہ ''تم میں سے ہے'' یا ''تمھارے غیر سے ہے'' یا ''ملحق'' ہے۔ ان تیروں کا مصرف یہ تھا کہ جب کسی کے نسب میں شبہ ہوتا تو اسے ایک سو درہم اور ایک اونٹ سمیت ہُبَل کے پاس لے جاتے۔ اونٹ اور درہم کو تیر والے مُہنت کے حوالے کرتے۔ وہ تمام تیروں کو ایک ساتھ ملا کر گھماتا، جھنجھوڑتا، پھر ایک تیر نکالتا۔ اب اگر یہ نکلتا کہ ''تم میں سے ہے۔'' تو وہ ان کے قبیلے کا ایک معزز فرد قرار پاتا اور اگر یہ برآمد ہوتا کہ ''تمھارے غیر سے ہے'' تو حلیف قرار پاتا اور اگر یہ نکلتا کہ ''ملحق'' ہے تو ان کے اندر اپنی حیثیت پر برقرار رہتا، نہ قبیلے کا فرد مانا جاتا نہ حلیف۔ [2]

اس سے ملتا جلتا ایک رواج مشرکین میں جوا کھیلنے اور جوئے کے تیر استعمال کرنے کا تھا۔ تیر کی نشاندہی پر وہ جوئے کا اُونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت بانٹتے تھے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ جوا کھیلنے والے ایک اونٹ ذبح کر کے اسے دس یا اٹھائیس حصوں میں تقسیم کرتے، پھر تیروں سے قرعہ اندازی کرتے۔ کسی تیر پر جیت کا نشان بنا ہوتا اور کوئی تیر بے نشان ہوتا۔ جس کے نام پر جیت کے نشان والا تیر نکلتا، وہ تو کامیاب مانا جاتا اور اپنا حصہ لیتا اور جس کے نام پر بے نشان تیر نکلتا، اسے قیمت دینی پڑتی۔

[1] الرحيق المختوم، ص:52,51. [2] السيرة لابن إسحاق:86,85/1، السيرة لابن هشام:153,152/1، فتح الباري:351/8.

کاہنوں، عرّافوں اور نجومیوں کی خبروں پر ایمان

مشرکینِ عرب کاہنوں، عرّافوں اور نجومیوں کی خبروں پر بھی ایمان رکھتے تھے۔ کاہن اسے کہتے ہیں جو آنے والے واقعات کی پیش گوئی کرے اور راز ہائے سربستہ سے واقفیت کا دعویدار ہو۔ بعض کاہنوں کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ ایک جن ان کے تابع ہے جو انھیں خبریں پہنچاتا رہتا ہے۔ بعض کاہن کہتے تھے کہ انھیں ایسا فہم عطا کیا گیا ہے جس کے ذریعے سے وہ غیب کا پتا لگا لیتے ہیں۔ عرّاف اس بات کے مدعی تھے کہ جو آدمی ان سے کوئی بات پوچھنے آتا ہے، اس کے قول و فعل سے یا اس کی حالت سے، کچھ مقدمات اور اسباب کے ذریعے سے وہ جائے واردات کا پتا لگا لیتے ہیں۔ نجومی اسے کہتے ہیں جو ستاروں پر غور کرکے اور ان کی رفتار و اوقات کا حساب لگا کر پتا لگاتا ہے کہ دنیا میں آیندہ کیا حالات و واقعات پیش آئیں گے۔[1]

اسی طرح ان نجومیوں کی خبروں کو ماننا درحقیقت ستاروں پر ایمان لانا ہے اور ستاروں پر ایمان لانے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ مشرکینِ عرب نچھتروں پر ایمان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم پر فلاں اور فلاں نچھتر (ستارے کی برکت) سے بارش ہوئی ہے۔[2]

اسلام نے ان کاہنوں اور عرّافوں کے پاس جانے سے سختی سے منع کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتٰى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً»

''جو شخص کسی نجومی کے پاس جائے اور اس سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کرے تو اس کی چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔''[3]

اسی طرح مسند احمد میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ أَتٰى كَاهِنًا أَوْ عَرَّافًا فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ، فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ ﷺ»

''جو شخص کسی نجومی یا قیافہ شناس کے پاس آئے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے گویا محمد ﷺ پر اُتاری گئی شریعت کا انکار کیا۔''[4]

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَطَيَّرَ أَوْ تُطُيِّرَ لَهُ، أَوْ تَكَهَّنَ أَوْ تُكُهِّنَ لَهُ أَوْ سَحَرَ أَوْ سُحِرَ لَهُ، وَمَنْ أَتٰى كَاهِنًا

[1] مرعاة المفاتيح :248/2. [2] شرح النووي على صحيح مسلم:80,79/2. [3] صحيح مسلم:2230. [4] مسند أحمد: 429/2.

فَصَدَّقَهُ بِمَا يَقُولُ فَقَدْ كَفَرَ بِمَا أُنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ ﷺ»

''وہ شخص جو بُرا شگون لے یا اس کے لیے براشگون لیا جائے، کہانت کرے یا اس کے لیے کہانت کی جائے، جادو کرے یا اس کے لیے جادو کیا جائے، وہ ہم میں سے نہیں اور جو شخص کسی کاہن کے پاس آئے اور اس کی بات کی تصدیق کرے تو اس نے گویا محمد ﷺ پر نازل شدہ شریعت کا انکار کیا۔''[1]

بدشگونی کا عقیدہ

مشرکین میں بدشگونی کا بھی رواج تھا۔ اسے عربی میں طِیَرَۃ کہتے ہیں۔ اس کی صورت یہ تھی کہ مشرکین کسی چڑیا یا ہرن کے پاس جا کر اسے بھگاتے تھے۔ اگر وہ داہنی جانب بھاگتا تو اسے اچھائی اور کامیابی کی علامت سمجھ کر اپنا کام کر گزرتے اور اگر بائیں جانب بھاگتا تو اسے نحوست کی علامت سمجھ کر اپنے کام سے باز رہتے۔ اسی طرح اگر کوئی چڑیا یا جانور راستہ کاٹ دیتا تو اسے بھی منحوس سمجھتے۔

اسی سے ملتی جلتی ایک حرکت یہ بھی تھی کہ مشرکین خرگوش کے ٹخنے کی ہڈی لٹکاتے تھے اور بعض دنوں، مہینوں، جانوروں، گھروں اور عورتوں کو منحوس سمجھتے تھے۔ بیماریوں کی چھوت کے قائل تھے اور رُوح کے اُلّو بن جانے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب تک مقتول کا بدلہ نہ لیا جائے، اسے سکون نہیں ملتا اور اس کی روح اُلّو بن کر بیابانوں میں گردش کرتی رہتی ہے اور ''پیاس، پیاس'' یا ''مجھے پلاؤ، مجھے پلاؤ'' کی صدا لگاتی رہتی ہے۔ جب اس کا بدلہ لے لیا جاتا ہے تو اسے راحت اور سکون مل جاتا ہے۔[2] نبی اکرم محمد ﷺ کے لائے ہوئے اسلام نے ان تمام مشرکانہ عقائد اور خرافات کی جڑ کاٹ دی اور اللہ تعالیٰ کا خالص دین دنیا میں جاری و ساری ہو گیا۔

[1] صحیح الترغیب والترهیب للألباني: 3041. [2] فتح الباري: 323/7 و 297/10، الرحیق المختوم، ص: 51.

باب 5

جزیرہ نمائے عرب کی معاشرت، تجارت اور ثقافت

زمانۂ جاہلیت میں شادی بیاہ، اختلاط مرد و زن کی متعدد صورتوں، قبائلی تعصبات، تجارتی میلوں اور عربی شعر و ادب کے مختلف لہجوں اور ارتقائی مدارج کا جائزہ

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ

''اور یقیناً آپ خُلق عظیم پر (کاربند) ہیں۔'' (القلم 68:4)

اس باب میں

عرب کے معاشرتی حالات، جاہلیت میں نکاح اور اختلاطِ مرد وزن کی مختلف صورتوں کا تذکرہ ہے، نیز قبائلی عصبیت، جاہلیت کے تجارتی میلوں، عربوں کے بعض اعلیٰ اخلاق اور عربی زبان و ادب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اُمّ الالسنہ عربی کی مختلف ذیلی شاخوں کا جائزہ لیتے ہوئے شمالی و جنوبی عربی کے فرق، عربی زبان کے مختلف ادوار، اس کی ترقی کے اسباب اور عربوں کی فطری خطابت، مختلف لب ولہجہ، خطیب عرب قُس بن ساعِدہ، عرب شعراء کے طبقات کا تعارف اور کندہ کے شہزادے امرؤالقیس کے منتخب اشعار پیش کرکے قارئین کرام کی خدمت میں مرقعِ معلومات تیار کیا گیا ہے۔

1

جزیرہ نمائے عرب کی معاشرت

عرب کے طبقۂ اشراف میں مرد و عورت کا تعلق خاصا ترقی یافتہ تھا۔ عورت کو بڑی خود مختاری حاصل تھی۔ اس کی بات مانی جاتی تھی اور اس کا اتنا احترام اور تحفظ کیا جاتا تھا کہ اس کی خاطر تلواریں نکل پڑتی تھیں۔ اس کے باوجود بلا نزاع مرد ہی خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا اور اس کی بات فیصلہ کن ہوا کرتی تھی۔ اس طبقے میں مرد اور عورت کا تعلق عقدِ نکاح کے ذریعے سے ہوتا تھا اور یہ نکاح عورت کے ولی کی زیر نگرانی انجام پاتا تھا۔

جاہلیت میں نکاح کی 4 صورتیں

دوسرے طبقوں میں مرد و عورت کے اختلاط کی اور بھی کئی صورتیں تھیں جنھیں بدکاری و زناکاری کے سوا کوئی اور نام نہیں دیا جاسکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں تھیں۔ ایک تو وہی صورت تھی جو آج بھی لوگوں میں رائج ہے کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کو اس کی زیرِ ولایت لڑکی کے لیے نکاح کا پیغام دیتا، پھر منظوری کے بعد مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔

دوسری صورت یہ تھی کہ عورت جب حیض سے پاک ہوتی تو اس کا شوہر کہتا کہ فلاں شخص کو بلا کر اس سے صحبت کرو۔ شوہر خود اس سے الگ تھلگ رہتا اور اس کے قریب نہ جاتا یہاں تک کہ واضح ہوجاتا کہ جس آدمی سے صحبت کی تھی، اس سے حمل ٹھہر گیا ہے۔ جب حمل واضح ہوجاتا تو اس کے بعد اگر شوہر چاہتا تو اس عورت کے پاس جاتا۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہ لڑکا شریف اور باکمال پیدا ہو۔ اس نکاح کو نکاحِ استبضاع کہا جاتا تھا (اور اسی کو ہندومت میں نیوگ کہتے تھے۔ [1])

نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ دس آدمیوں سے کم کی ایک جماعت اکٹھی ہوتی۔ سب کے سب ایک ہی عورت کے پاس جاتے اور بدکاری کرتے۔ جب وہ عورت حاملہ ہوجاتی اور بچہ پیدا ہوتا تو پیدائش کے چند دن بعد وہ عورت سب کو بلا بھیجتی اور سب کو آنا پڑتا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی نہ آئے۔ اس کے بعد وہ عورت کہتی کہ آپ لوگوں کا جو

[1] منودھرم شاستر، ص: 212.

معاملہ تھا، وہ تو آپ جانتے ہی ہیں اور اب میرے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے اور اے فلاں! وہ تیرا بیٹا ہے۔ وہ عورت ان میں سے جس کا نام چاہتی، لیتی اور وہ اُس کا لڑکا مان لیا جاتا۔

چوتھا نکاح یہ تھا کہ بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے اور کسی عورت کے پاس جاتے۔ وہ اپنے پاس کسی آنے والے کو انکار نہ کرتی۔ یہ رنڈیاں ہوتی تھیں جو اپنے دروازوں پر جھنڈیاں گاڑے رکھتی تھیں تاکہ نشانی کا کام دیں اور جو ان کے پاس جانا چاہے، بے دھڑک چلا جائے۔ جب ایسی عورت حاملہ ہوتی اور بچہ پیدا ہوتا تو سب کے سب اس کے پاس جمع ہوتے اور قیافہ شناس کو بلاتے۔ قیافہ شناس اپنی رائے کے مطابق اس لڑکے کو کسی بھی شخص کے ساتھ ملحق کر دیتا، پھر یہ اسی سے منسوب ہو جاتا اور اسی کا لڑکا کہلاتا، وہ اس سے انکار نہ کر سکتا تھا...... جب اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جاہلیت کے سارے نکاح فسخ کر دیے۔ صرف ایک نکاح باقی رہا جو آج بھی رائج ہے۔ [1]

مرد و زن کے میل ملاپ کی دیگر صورتیں

عرب میں مرد و عورت کے ارتباط کی بعض صورتیں ایسی بھی تھیں جو تلوار کی دھار اور نیزے کی نوک پر وجود میں آتی تھیں، یعنی قبائلی جنگوں میں غالب آنے والا قبیلہ مغلوب قبیلے کی عورتوں کو قید کر کے اپنے حرم میں داخل کر لیتا تھا لیکن ایسی عورت سے پیدا ہونے والی اولاد زندگی بھر عار محسوس کرتی تھی۔

زمانۂ جاہلیت میں کسی تحدید کے بغیر متعدد بیویاں رکھنا بھی ایک معروف بات تھی۔ [2] لوگ ایسی دو عورتیں بھی بیک وقت نکاح میں رکھ لیتے تھے جو آپس میں سگی بہنیں ہوتی تھیں۔ باپ کے طلاق دینے یا وفات پانے کے بعد بیٹا اپنی سوتیلی ماں سے بھی نکاح کر لیتا تھا۔ [3] طلاق کا اختیار بھی مرد کو حاصل تھا اور اس کی کوئی حد متعین نہ تھی۔ [4]

زناکاری تمام طبقات میں عروج پر تھی۔ کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ نہ تھی، البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنھیں اپنی بڑائی کا احساس زنا سے باز رکھتا تھا۔ اس سلسلے میں آزاد عورتوں کا حال لونڈیوں کے مقابل نسبتاً اچھا تھا۔ اہلِ جاہلیت کی غالب اکثریت اس برائی کی طرف منسوب ہونے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتی تھی، چنانچہ سنن ابو داود میں مروی ہے کہ ایک دفعہ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا: ''اے اللہ کے رسول! فلاں شخص میرا بیٹا ہے۔ میں نے جاہلیت میں اس کی ماں سے زنا کیا تھا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام میں ایسے دعوے کی گنجائش نہیں۔ جاہلیت کی بات گئی، اب تو لڑکا اسی کا ہوگا جس کی بیوی یا لونڈی سے پیدا ہوا اور زناکار کے لیے پتھر ہیں۔'' [5]

---

[1] صحیح البخاري: 5127. [2] سنن أبي داود: 2242،2241. [3] السنن الکبرٰی للبیهقي: 163/7. [4] سنن أبي داود: 2195. [5] سنن أبي داود: 2274.

فتح مکہ کے موقع پر سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد بن زَمْعَہ رضی اللہ عنہ کے درمیان زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کے بارے میں جھگڑا ہوا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ میرا بھتیجا ہے، میرے بھائی نے مجھ سے اس کے متعلق عہد لیا تھا۔'' عبد بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یہ میرا بھائی ہے، میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے اور اسی کے بستر پر پیدا ہوا ہے۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اے عبد بن زمعہ! وہ تیرا بھائی ہے...... بچہ اسی کا ہوتا ہے جس کے بستر پر پیدا ہو، البتہ زانی کے لیے پتھر ہیں۔'' [1]

لڑکوں پر فخر اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا

جاہلیت میں باپ اور اولاد کا تعلق بھی مختلف نوعیت کا تھا۔ کچھ تو ایسے تھے جو کہتے تھے:

إِنَّمَا أَوْلَادُنَا بَيْنَنَا أَكْبَادُنَا تَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ

''ہمارے درمیان ہماری اولاد ہمارے کلیجے ہیں جو روئے زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔''

لیکن دوسری طرف کچھ ایسے بھی تھے جو لڑکیوں کی پیدائش کو اپنے لیے باعثِ رسوائی خیال کرتے ہوئے انھیں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ [2] بعض لوگ اپنے بچوں کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار ڈالتے تھے۔ [3] لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سنگ دلی بڑے پیمانے پہ رائج تھی کیونکہ عرب اپنے دشمن سے اپنی حفاظت کے لیے دوسروں کی بہ نسبت کہیں زیادہ اولاد کے محتاج تھے اور اس کا احساس بھی رکھتے تھے۔ [4]

قبائلی عصبیت اور جنگیں

عربوں کی قبائلی عصبیت اور قرابت کا تعلق ہی ان کے سماجی نظام کی بنیاد تھا۔ وہ لوگ اس مشہور مثل پر عمل پیرا تھے کہ اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا ''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' [5] اس مثل کے معنی میں ابھی وہ اصلاح نہیں ہوئی تھی جو بعد میں اسلام کے ذریعے سے کی گئی، یعنی ظالم کی مدد یہ ہے کہ اُسے ظلم سے باز رکھا جائے، البتہ شرف و سرداری میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کا جذبہ اکثر قبائل کے درمیان جنگ کا سبب بن جایا کرتا تھا جیسا کہ اوس و خزرج، عبس و ذبیان اور بکر و تغلب وغیرہ کے واقعات میں دیکھا جا سکتا ہے۔

[1] صحيح البخاري: 2053. [2] النحل 16:58، 59. [3] بني إسرآءيل 17:31. [4] الرحيق المختوم، ص: 57. [5] یہ صرف عربی ضرب المثل نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی زبان اطہر سے ادا ہونے والی ایک حدیث بن چکی ہے، دیکھیے: صحيح البخاري: 2443، 2444.

دین اور خرافات کے آمیزے سے تیار شدہ بعض رسوم و عادات کی بدولت بسا اوقات جنگ کی حدّت و شدّت میں کمی آجاتی تھی اور بعض حالات میں موالات، حلف اور تابعداری کے اصولوں پر مختلف قبائل یکجا ہو جاتے تھے۔ علاوہ ازیں حرمت والے مہینوں میں لڑائی رک جاتی تھی جو کہ حصولِ معاش کے لیے سراپا رحمت ثابت ہوتے تھے۔[1]

[1] صحيح البخاري:4376، فتح الباري:114/8، نیز دیکھیے: الرحيق المختوم، ص:57.

2

جاہلیت کی مشہور منڈیاں اور میلے

دُومۃ الجندل: یہ بازار یکم ربیع الاول سے 15 ربیع الاول تک منعقد ہوتا تھا، پھر نرم پڑ جاتا اور کچھ نہ کچھ آخر ماہ تک جاری رہتا تھا۔ بنوطے، بنو جدیلہ اور بنو کلب اس کے اردگرد رہتے تھے۔

مُشَقَّر: یہ منڈی بحرین (موجودہ الاحساء) میں ہَجر کے قریب لگتی تھی اور جمادی الآخرہ کے شروع سے آخر ماہ تک جاری رہتی تھی۔ اس میں فارس کے لوگ اپنا تجارتی سامان لے کر آتے تھے۔ عبدالقیس اور تمیم کے قبائل اس کے اردگرد مقیم تھے۔

صُحار: یہ منڈی عُمان میں رجب کی پہلی تاریخ سے 5 دن تک لگا کرتی تھی۔

دَبا: یہ منڈی بھی عُمان کے ساحل پر رجب کے آخری دن لگتی تھی۔ اس میں سندھ، ہند، چین اور مشرق و مغرب کے تاجر شریک ہوتے تھے۔

شِحر: یہ منڈی مہرہ (حضرموت) کے علاقے میں اس پہاڑ کے دامن میں منعقد ہوتی تھی جس پر ہود علیہ السلام کی قبر مشہور ہے۔ بنو محارب اس کے اردگرد رہتے تھے۔ یہ نصف شعبان سے شروع ہوتی تھی۔

سُوق عدن: یہ بازار رمضان المبارک کی یکم تاریخ سے شروع ہو کر دس دن تک جاری رہتا تھا۔

سوق صنعاء: یہ بازار نصف رمضان سے مہینے کے اخیر تک جاری رہتا تھا۔

رابیہ: یہ بازار کندہ قبیلے کے علاقے کے قریب حضرموت میں لگتا تھا۔ یہ عکاظ کی منڈی کے عین ساتھ ذوالقعدہ کے نصف سے آخر ماہ تک رہتا تھا۔

عُکاظ: یہ بازار عرفات کے قریب لگتا تھا اور یہ عرب کی سب سے بڑی تجارتی منڈی تھی۔ اس میں قریش، غطفان، ہوازن، بنو اسلم، خزاعہ، عُقل، مصطلق اور دوسرے قبائل شریک ہوتے تھے۔ اس میں شعراء اپنے قصائد سناتے، خطباء تقریریں کرتے، حُکام اپنے فیصلے سناتے اور شیوخ معاہدے کی دفعات طے کرتے تھے۔ یہ میلہ ذوالقعدہ کے نصف سے آخر ماہ تک جاری رہتا تھا۔

ذُوالمجاز: یہ منڈی بھی عکاظ کے قریب ہی لگتی تھی۔ ذوالحجہ کی پہلی تاریخ سے شروع ہو کر یوم تَروِیَہ (8 ذوالحجہ) تک جاری رہتی تھی، پھر لوگ منٰی چلے جاتے تھے۔ ذوالمجاز کے شمال میں مَجِنَّہ کی منڈی بھی لگتی تھی۔

نطاۃ: یہ منڈی خیبر میں لگتی تھی اور یوم عاشوراء (10 محرم) سے آخر محرم الحرام تک جاری رہتی تھی۔

حَجْر: یہ میلہ یمامہ میں عاشوراء سے محرم کے آخر تک لگتا تھا۔[1]



سوق عکاظ کے آثار



خیبر میں قلعہ نطاۃ کے کھنڈر

[1] الأزمنة والأمكنة للمرزوقي: 2/161-170.

3

عربوں کے اچھے اخلاق

یہ بات تو اپنی جگہ مُسلّم ہے کہ اہلِ جاہلیت میں خسیس و رَذِیل عادتیں اور وجدان و شعور اور عقلِ سلیم کے خلاف باتیں پائی جاتی تھیں۔ لیکن ان میں ایسے پسندیدہ اخلاقِ فاضلہ بھی تھے جنھیں دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے، مثلاً:

کرم وسخاوت

اس وصف میں عرب ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرتے تھے اور اس پر اس طرح فخر کرتے تھے کہ عرب کے آدھے اشعار اسی کی نذر ہوگئے ہیں۔ سخت جاڑے اور بھوک کے زمانے میں کسی کے گھر کوئی مہمان آجاتا اور اس کے پاس اپنی اس ایک اونٹنی کے سوا کچھ نہ ہوتا جو اس کی اور اس کے کنبے کی زندگی کا واحد ذریعہ ہوتی، پھر بھی اس پر سخاوت کا جوش غالب آجاتا اور وہ اٹھ کر اپنے مہمان کے لیے اپنی اونٹنی ذبح کر دیتا۔ عرب معاشرے میں اس کی کئی مثالیں ہیں اور حاتم طائی کی سخاوت تو دنیا میں ضرب المثل ہے۔

عرب اشراف بڑی بڑی دِیَت اور مالی ذمہ داریاں اٹھا لیتے اور اس طرح انسانوں کو بربادی اور خونریزی سے بچا کر دوسرے رئیسوں اور سرداروں پر اظہارِ تفاخر کرتے تھے۔ وہ شراب نوشی پر اس لیے فخر کرتے تھے کہ یہ کرم وسخاوت کو آسان کر دیتی تھی اور نشے کی حالت میں مال لٹانا انسانی طبیعت پر گراں نہیں گزرتا، اسی لیے یہ لوگ انگور کے درخت کو الکرم اور انگور کی شراب کو ''بنت الکرم'' کہتے تھے۔ عنترہ بن عمرو بن شداد عبسی اپنے مُعلّقہ میں کہتا ہے:

فَإِذَا شَرِبْتُ فَإِنَّنِي مُسْتَهْلِكٌ مَالِي، وَعِرْضِي وَافِرٌ لَمْ يُكْلَمِ
وَإِذَا صَحَوْتُ فَمَا أُقَصِّرُ عَنْ نَّدًى وَكَمَا عَلِمْتِ شَمَائِلِي وَ تَكَرُّمِي

''جب میں پی لیتا ہوں تو اپنا مال لٹا ڈالتا ہوں لیکن میری عزت وآبرو محفوظ رہتی ہے اور اس پر کوئی زد نہیں آتی۔ اور جب میں ہوش میں آتا ہوں تب بھی سخاوت میں کوتاہی نہیں کرتا، جیسا کہ (اے محبوبہ!) تجھے میرا اخلاق وکرم معلوم ہے۔''[1]

[1] السبع المعلقات، معلقة عنترة بن شداد.

وہ جوا کھیلتے تھے تو اسے بھی سخاوت کا ذریعہ سمجھتے تھے کیونکہ انھیں جو نفع حاصل ہوتا یا نفع حاصل کرنے والوں کے حصے سے جو کچھ بچ رہتا، اسے مسکینوں کو دے دیتے تھے۔ اسی لیے قرآنِ پاک نے شراب اور جوئے کے نفع کا انکار نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا: ﴿وَإِثْمُهُمَآ أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ ''اور ان دونوں کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے۔''[1]

ایفائے عہد

دورِ جاہلیت کے اخلاقِ فاضلہ میں ایفائے عہد کو دین کی حیثیت حاصل تھی جس پر وہ بہرحال کاربند رہتے تھے اور اس راہ میں اپنی اولاد کا خون اور اپنے گھر بار کی تباہی بھی ہیچ سمجھتے تھے۔ اسے سمجھنے کے لیے ہانی بن مسعود شیبانی، سموأل بن عادیا اور حاجب بن زرارہ کے واقعات کافی ہیں۔[2]

خودداری و عزتِ نفس

اپنی خودداری برقرار رکھنا اور ظلم و جبر برداشت نہ کرنا بھی جاہلیت کے معروف اخلاق میں سے تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کی شجاعت و غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ وہ فوراً بھڑک اٹھتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر جس سے ذلت و اہانت کی بو آتی، شمشیر و سنان اٹھا لیتے اور نہایت خون ریز جنگ چھیڑ دیتے۔ انھیں اس راہ میں اپنی جان کی قطعاً پروا نہ رہتی۔

جان پر کھیل کر عزائم کی تکمیل

اہلِ جاہلیت کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جب وہ کسی کام کو مجد و افتخار کا ذریعہ سمجھ کر انجام دینے پر تُل جاتے تو پھر کوئی رکاوٹ انھیں روک نہیں سکتی تھی۔ وہ اپنی جان پر کھیل کر اس کام کو انجام دے ڈالتے تھے۔

حِلم و بُردباری

یہ بھی اہلِ جاہلیت کے نزدیک قابلِ ستائش خوبی تھی، مگر یہ ان کی حد سے بڑھی ہوئی شجاعت اور جنگ کے لیے ہمہ وقت آمادگی کی عادت کے سبب کمیاب تھی۔

سچائی اور امانت داری

تمدن کی آلائشوں اور داؤ پیچ سے ناواقفیت اور دوری کا نتیجہ یہ تھا کہ ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔ وہ

[1] البقرۃ 2:219. [2] دیکھیے: ''حیرہ (عراق) کی لخمی بادشاہت'' کے زیرِ عنوان، ''جنگ ذی قار میں عربوں کی فتح'' کے تحت ہانی بن مسعود کا واقعہ۔

فریب کاری و بدعہدی سے دور اور متنفر تھے۔

جزیرہ نمائے عرب کو ساری دنیا سے جو جغرافیائی نسبت تھی، اس کے علاوہ یہی وہ قیمتی اخلاق تھے جن کی وجہ سے اہل عرب کو بنی نوع انسان کی قیادت اور رسالتِ عامہ کا بوجھ اُٹھانے کے لیے منتخب کیا گیا کیونکہ یہ اخلاق اگرچہ بعض اوقات شَر وفساد کا سبب بن جاتے تھے اور ان کی وجہ سے المناک حادثات پیش آجاتے تھے لیکن یہ فی نفسہ بڑے قیمتی اخلاق تھے جو تھوڑی سی اصلاح کے بعد انسانی معاشرے کے لیے نہایت مفید بن سکتے تھے اور یہی کام اسلام نے انجام دیا۔[1]

[1] الرحیق المختوم، ص:58-60۔

4

عربی زبان و ادب

زبان و ادب سے مراد وہ ذہنی اور عقلی کارنامے ہیں جو کسی زبان کے بولنے والوں کی نظم و نثر میں درج ہوتے ہیں، یعنی ان کی عقلوں کے افکار و تخیلات اور ان کے بیانات جو نفس کی تہذیب، عقل کی درستی اور زبان کی اصلاح کے کام آتے ہیں۔

عربی زبان ان سامی زبانوں [1] میں سے ایک ہے جو جزیرہ نمائے عرب کی مشہور عربی قوموں کی زبانیں تھیں۔

عربی، سامی زبانوں کی ماں ہے

سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: بنو سام کا اصل مسکن عرب تھا، اس لیے اصل سامی زبان کا نام جو کچھ بھی ہو لیکن جغرافیائی حیثیت سے اس کا نام عربی ہی ہوگا جسے قومی حیثیت سے آرامی کہنا چاہیے۔ چونکہ سامی قبائل میں سب سے پہلا نامور اور ممتاز قبیلہ بنو ارم بن سام تھا جس کا سراغ عرب، عراق اور شام میں ہر جگہ ملتا ہے، اس بنا پر عربی زبان کی پہلی شاخ آرامی ہوگی، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان آرامی عربی تھی جیسا کہ مدرسہ مارونیہ (رومیہ) کا عربی و سریانی کا عیسائی پروفیسر قس جبرئیل فرواحی سریانی سے متعلق اپنی کتاب میں لکھتا ہے:

''آرامی، عبرانیوں کے پدر اعلیٰ ابراہیم کی زبان ہے۔'' اس بنا پر حضرت اسماعیل علیہ السلام کی آبائی زبان عبرانی نہیں بلکہ آرامی عربی تھی۔ [2] البتہ بنو جرہم کے ساتھ رہتے ہوئے انھوں نے فصیح عربی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ [3]

یورپی محقق تھیو ڈور نولڈیکی کہتا ہے کہ ''آرامی زبان عراق، شام اور عراق عرب میں بولی جاتی تھی بلکہ مصر اور ایران کی زبانوں میں بھی اس کے آثار ملتے ہیں۔''



آرامی زبان کا ایک کتبہ

[1] سامی زبانوں سے مراد وہ زبانیں ہیں جنھیں سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد کے مختلف قبائل بولا کرتے تھے۔ [2] تاریخ ارض القرآن (کامل): 99,98/2۔ [3] فتح الباري: 488/6۔







سبائی کتبہ — حمیری زبان کا کتبہ — حبشی زبان کا کتبہ

سبائی، حمیری اور حبشی جنوبی عرب کی زبانیں تھیں۔ سبائی بہت پہلے مُردہ ہو چکی تھی مگر حمیری اور حبشی ظہورِ اسلام تک بولی جاتی تھیں۔ حمیری اصحاب الاخدود کی زبان تھی جبکہ حبشی اصحاب الفیل کی۔

قرآن مجید میں سبائی حمیری زبان کا ایک لفظ ''عَرِم'' (بند) سبا کے قصے میں آیا ہے جبکہ حبشی زبان کے کئی الفاظ عرب کے عیسائیوں میں مستعمل تھے، چنانچہ قرآنی عربی میں بھی وہی الفاظ چلے آئے، مثلاً:

نفاق، صحف، برہان، مرج (چراگاہ)، مائدہ (دسترخوان)، مشکاۃ (چراغ)، سورۃ، حواری، استبرق (ریشم)، ورق۔

شمالی و جنوبی عربی میں بعض الفاظ کے معانی کا فرق دیکھیے:

لفظ	شمالی عربی	جنوبی عربی
ذو:	والا (جیسے ذوالحجہ)	بادشاہ (جیسے ذوریدان)
بیت:	گھر (جیسے بیت اللہ)	قلعہ
حضر:	مستقل آبادی	شہر

نبطی جو اصحاب الحجر کی زبان تھی، وہ قرآنی عربی سے بہت قریب ہے۔ نبطی خط بھی قدیم عربی خط بلکہ کوفی خط سے مشابہ ہے۔ شمالی عرب کے مختلف قبائل میں لہجے، تلفظ اور الفاظ کی حرکات میں اختلاف تھا، مثلاً:

1 بنو تمیم ہمزۂ ابتدا کو عین کر دیتے تھے، جیسے ''اسلم'' کو ''عسلم'' اور وہ ''گ'' بھی بولتے تھے جو عام عربی میں نہیں، جیسے ''جبر'' کو ''گبر''

2 بنو قضاعہ ''ی'' کو جیم کر دیتے تھے، جیسے ''تمیمی'' کو ''تمیمج''

3 بنو سعد ''ع'' کو نون بولتے تھے، جیسے ''أعطیٰ'' کو ''أنطیٰ''

4 قریش اور اسد کی زبان میں یائے مضارع پر فتحہ یا ضمہ ہوتا ہے، ان کے علاوہ دیگر قبائل کسرہ دیتے تھے۔ وہ یَفْعَل کو یِفْعَل کہتے تھے۔

5 ربیعہ اور مضر مؤنث میں کافِ خطاب کے بعد ''ش'' بڑھا دیتے تھے، جیسے عَلَیْكِ کی جگہ عَلَیْکِشْ۔ [1]

عربی زبان کے مختلف ادوار

ادبِ عربی کی تاریخ پانچ ادوار میں تقسیم ہے:

1 **عصرِ جاہلیت:** اس کی مدت تقریباً 150 برس، یعنی ظہورِ اسلام تک ہے۔

2 **عصرِ صدرِ اسلام** (بنی امیہ کا زمانہ): یہ دور ظہورِ اسلام سے شروع ہو کر دولتِ بنی عباس کے قیام، یعنی 132ھ/749ء پر ختم ہو جاتا ہے۔

3 **عصرِ بنی العباس:** اس کی وسعت سلطنت عباسیہ کے قیام سے تاتاریوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی، یعنی 656ھ/1258ء تک ہے۔ تاتاری اُن تورانی قوموں میں سے ایک ہیں جو پہلے چین کے شمال میں منگولیا وغیرہ میں سکونت پذیر تھیں اور بعد ازاں چنگیز خانی لشکروں کی صورت میں وسطی و مغربی ایشیا اور مشرقی یورپ میں پھیل گئیں۔

4 **دُوَل ترکیہ کا زمانہ:** یہ دور سقوطِ بغداد سے شروع ہو کر نہضت جدیدہ (تحریکِ جدید) کے آغاز، یعنی 1220ھ/1805ء تک ختم ہوتا ہے۔ دول ترکیہ میں سلاجقہ، مصر و شام کی سلطنتِ ممالیک، ایشیا میں تاتاریوں کی بنا کردہ حکومتیں اور تین قدیم براعظموں (ایشیا، یورپ اور افریقہ) میں پھیلی ہوئی دولت عثمانیہ شامل ہیں۔

5 **نہضتِ جدیدہ:** اس کی ابتدا مصر میں محمد علی پاشا کی حکومت کے قیام (1220ھ/1805ء) سے ہوتی ہے اور یہ ہمارے موجودہ وقت تک محیط ہے۔

عربی زبان کے اوصاف

عربی زبان قدامت میں سب سے بڑھی ہوئی اور اپنے الفاظ و کلمات کے لحاظ سے سب زبانوں سے زیادہ سرمایہ دار ہے۔ یہ زبان بلحاظ گویائی سب سے شیریں، بلحاظ اسلوب سب سے سلیس، تاثیر میں سب سے عجیب اور محسوسات اور دلی جذبات و تاثرات پر محیط ہونے میں سب سے وسیع ہے۔ عربی ایک اُمّی (ان پڑھ) قوم کی زبان ہے جس میں نہ تو یونان جیسی حکمت تھی اور نہ چین جیسی صنعت و حرفت۔ وہ لوگ خود تو دنیا سے ناپید ہو گئے مگر ان کی زبان ہر گروہ کے ساتھ ساتھ چلی اور ہر زمان و مکان کے مناسبِ حال رہی۔ اگر اس کے اندر ایک روحِ عظیم جلوہ گر

1 تاریخ ارض القرآن (کامل): 103/2.

نہ ہوتی تو ایسا ہرگز نہ ہوتا کہ وہ تو زندہ اور قائم رہی اور اس کی ہمسر زبانیں مٹ گئیں۔

عربی زبان کی ترقی کے اسباب

عربی زبان کی نشو ونما کے لیے ایسے ذرائع اور ترقی و بقا کے ایسے اسباب موجود تھے جو دوسری زبانوں کو بہت کم میسر آسکتے ہیں، مثلاً: اس میں وضع الفاظ اور دلالت علی المعانی کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ کلمات میں تصریف و اشتقاق کی باقاعدگی، مجاز و کنایہ کی گونا گونی اور مترادفات کی بہتات ہے۔ علاوہ ازیں قلب، ابدال اور نحت و تعریب [1] کے قواعد جاری ہیں اور سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اسی زبان میں نازل ہوا اور سنت نبویہ کے خزانے بھی اسی میں موجود ہیں۔



سنن ابی داؤد کے قلمی نسخے کا ایک ورق



قرآن مجید کے خوبصورت نسخے کا ایک ورق

عدنانی عربی زبان

ائمہ لغت کی روایت سے جو عربی زبان ہم تک پہنچی ہے اور قرآن حکیم اور احادیث نے جو زبان پیش کی ہے، وہ

[1] قلب: ایک حرف کو دوسرے حرف سے مقدم و مؤخر کرنے کو کہتے ہیں، جیسے: یَئِسَ سے أَیِسَ۔ ابدال: ایک حرف کو دوسرے حرف سے یا ایک حرکت کو دوسری حرکت سے بدلنے کو کہتے ہیں، جیسے: قَوَلَ سے قَالَ اور تَلَقُّوْ سے تَلَوْ۔ نحت: بعض حروف کم کر کے دو کلموں سے ایک کلمہ بنا لینے کو کہتے ہیں جیسے: بِسْمِ اللّٰهِ سے بَسْمَلَة اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ سے حَمْدَلَة۔ تعریب: کسی غیر عربی لفظ کو عربی الفاظ کی شکل میں منتقل کر لینے کو کہتے ہیں، جیسے: ہندی لفظ کپور سے کافور اور ''کرن پھل'' سے قَرَنْفُل۔

اُن قبائل کی زبانوں کی باہمی آمیزش کا نتیجہ ہے جو جزیرہ نمائے عرب میں سکونت رکھتے تھے۔

عربوں کے مختلف لہجے

امتِ عربیہ کی تشکیل دو بڑے قبیلوں (قحطانی اور عدنانی) کے ملنے سے ہوئی تھی جو مختلف ذیلی قبائل اور گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ان قبائل کے لہجے اصول میں تو متحد تھے مگر فروعات میں اختلاف تھا۔ یمن میں حمیری زبان غالب رہی اور اس کے بعد مٹ گئی مگر اس کے بعض الفاظ، جو عدنانی میں شامل ہو گئے تھے، باقی رہ گئے۔
دوسری طرف عدنانی زبان جو بعد میں مُضری زبان میں متشکل ہوئی، اردگرد کی دوسری زبانوں پر غالب آ گئی تھی بلکہ اس نے حمیری پر بھی اس کے وطن میں غلبہ حاصل کر لیا۔

عربوں کی خطابت

عرب کے اکثر لوگ ناخواندہ تھے۔ ان کے اکثر لڑائی جھگڑے سالہا سال جاری رہتے تھے۔ ہر قبیلہ اپنے افراد کو لڑائی پر ابھارنے اور بدلہ لینے پر اکسانے کے لیے خطیب کی خدمات حاصل کرتا تھا۔ لڑائی چھڑنے کو ہوتی تو خطیب باہمی تعلقات کی اصلاح پر خطبہ دیتا اور لڑائی کی ہولناکیوں اور اس کے خطرناک نتائج کا تذکرہ کرتا۔ کبھی خطیب اپنے اپنے قبیلے کے فخر و مباہات اور نسبی برتری کا اظہار کرتے اور ان کے کارناموں کی عظمت بیان کرتے۔
خطبائے عرب میں سے قُس بن ساعدہ ایادی، کعب بن لؤی، ذوالاِصبع حرثان بن محرث، قیس بن خارجہ بن سِنان ذبیانی، خویلد بن عمرو غطفانی اور اکثم بن صیفی بہت مشہور تھے۔ کعب بن لؤی نبی ﷺ کے پردادا تھے۔

خطیبِ عرب قُس بن ساعِدہ اِیادی

قُس بن ساعدہ اِیادی کو تمام عرب کا خطیب تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ بلاغت، حکمت اور مَوعِظَہ حَسَنہ میں ضرب المثل تھا۔ توحید کا قائل تھا اور حشر و نشر پر ایمان رکھتا تھا۔ عربوں کو بُت پرستی ترک کرنے کی دعوت دیتا، اللہ واحد کی عبادت کی طرف رہنمائی کرتا اور عام مجلسوں اور میلوں میں اس مضمون پر خطبے دیا کرتا تھا۔
کہتے ہیں کہ یہ پہلا شخص ہے جس نے اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور سب سے پہلے خطبے میں أَمَّا بَعْدُ کا استعمال کیا[1] اور یہی پہلا شخص ہے جس نے خطبے کے وقت تلوار یا لاٹھی پر ٹیک لگائی۔ لوگ اس کے پاس اپنے مقدمے لاتے تو وہ اپنی درست رائے اور حکمِ صائب سے صحیح فیصلہ کر دیتا تھا۔

[1] حافظ ابن حجر ؒ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے أَمَّا بَعْدُ کہنے والے کے بارے میں بہت اختلاف ہے۔ اس ضمن میں یعقوب علیہ السلام، داود علیہ السلام، یعرب بن قحطان، کعب بن لؤی، سحبان بن وائل اور قس بن ساعدہ کے نام لیے جاتے ہیں۔ (فتح الباري: 520/2)

قُس قیصر روم سے ملاقات کے لیے بھی جایا کرتا تھا۔ ایک دن قیصر نے پوچھا: ''افضل ترین عقل کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''انسان کا اپنے آپ کو پہچاننا۔'' قیصر نے پوچھا: ''افضل علم کیا ہے؟'' اس نے کہا: ''انسان کا اپنے علم کی حد پر ٹھہر جانا۔'' پوچھا: ''بہترین مروت (مردانگی) کیا ہے؟'' کہنے لگا: ''انسان کا اپنی آبرو کو باقی رکھنا۔'' پھر قیصر نے دریافت کیا کہ افضل مال کیا ہے؟ کہنے لگا: ''جس سے حقوق پورے کیے جائیں۔''

نبی کریم ﷺ نے بعثت سے پہلے اسے ایک خاکستری رنگ کے اونٹ پر سوار ہوکر بازارِ عُکاظ میں خطبہ دیتے ہوئے سنا تو اس کے حسنِ کلام پر تعجب کیا، اس کی درست رائے کو بہت پسند فرمایا اور اس کی تعریف کی۔ قُس نے بہت لمبی عمر پائی اور بعثت سے تھوڑی مدت پہلے فوت ہوا۔

اس کے الفاظ نہایت جچے تلے اور مہذب اور کلام پُر تاثیر اور حشو و زوائد سے مبرا تھا۔ اس کے سجع[1] میں چھوٹے چھوٹے فواصل ہوتے تھے اور وہ (سجع) اس کے کلام مرسل پر غالب ہوتا تھا۔

احمد بن علی بن احمد بن عبداللہ قلقشندی کی کتاب صبح الاعشیٰ میں اس کا خطبہ بذیل مذکور ہے جو اس نے بازارِ عُکاظ میں دیا تھا:

[أَيُّهَا النَّاسُ! اِسْمَعُوا وَعُوا، مَنْ عَاشَ مَاتَ، وَمَنْ مَّاتَ فَاتَ، وَكُلُّ مَا هُوَ آتٍ آتٍ، لَيْلٌ دَاجٍ وَّنَهَارٌ سَاجٍ، وَسَمَاءٌ ذَاتُ أَبْرَاجٍ، وَ نُجُومٌ تَزْهَرُ، وَبِحَارٌ تَزْخَرُ، وَجِبَالٌ مُّرْسَاةٌ، وَأَرْضٌ مُّدْحَاةٌ، وَأَنْهَارٌ مُّجْرَاةٌ، إِنَّ فِي السَّمَاءِ لَخَبَرًا، وَإِنَّ فِي الْأَرْضِ لَعِبَرًا، مَابَالُ النَّاسِ يَذْهَبُونَ وَلَا يَرْجِعُونَ، أَرَضُوا فَأَقَامُوا أَمْ تُرِكُوا فَنَامُوا؟ يُقْسِمُ قُسٌّ بِاللّٰهِ قَسَمًا لَا إِثْمَ فِيهِ! إِنَّ لِلّٰهِ دِينًا هُوَ أَرْضٰى لَكُمْ وَ أَفْضَلُ مِنْ دِينِكُمُ الَّذِي أَنْتُمْ عَلَيْهِ، إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ مِنَ الْأَمْرِ مُنْكَرًا]

''اے لوگو! سنو اور یاد رکھو۔ جو جیا وہ مر گیا اور جو مر گیا وہ گزر گیا (جا چکا) اور جو کچھ پیش آنے والا ہے، ضرور پیش آئے گا۔ رات تاریک ہے اور دن ساکن۔ آسمان برجوں والا ہے اور ستارے جگمگا رہے ہیں اور سمندر موج زن ہیں۔ پہاڑ اپنی جگہ پر گڑے ہوئے ہیں، زمین بچھی ہوئی ہے اور دریا بہہ رہے ہیں۔ بلاشبہ آسمان (کی پیدائش) میں ایک عظیم الشان خبر (صانعِ عالم کے وجود کی دلیل) ہے اور زمین میں بڑی عبرتیں ہیں۔ لوگوں کا کیا حال ہے کہ جو جاتے ہیں، وہ واپس نہیں آتے۔ کیا انھیں وہ جگہ پسند آگئی، اس لیے وہیں

[1] سجع نثر کی ایسی عبارت آرائی ہے جس میں ہر جملے کے آخری حروف ایک جیسے ہوتے ہیں جس طرح شعر میں قافیہ ہوتا ہے۔ (المعجم الوسیط، مادۃ: سجع، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ٹھہر گئے ہیں یا انھیں چھوڑ دیا گیا اور وہیں سو گئے ہیں؟ قُس اللہ کی ایسی قسم کھاتا ہے جس میں کوئی گناہ نہیں! بے شک اللہ کا ایک ایسا دین بھی ہے جو تمھارے لیے زیادہ پسندیدہ ہے اور تمھارے اس دین سے جس پر تم قائم ہو، افضل ہے۔ بلاشبہ تم لوگ ایک بہت بُرے امر کے مرتکب ہو رہے ہو۔''

یہ بھی روایت ہے کہ قُس نے اس خطبے کے بعد درج ذیل اشعار بھی پڑھے تھے:

فِي الذَّاهِبِينَ الْأَوَّلِي نَ مِنَ الْقُرُونِ لَنَا بَصَائِرُ

''بلاشبہ ہم سے پہلے جانے والے گروہوں میں ہمارے لیے بڑی بصیرتیں اور عبرتیں ہیں۔''

لَمَّا رَأَيْتُ مَوَارِدًا لِلْمَوْتِ لَيْسَ لَهَا مَصَادِرُ

''جب میں نے دیکھا کہ موت میں داخل ہونے کے دروازے تو ہیں مگر اُن سے واپسی کے راستے نہیں ملتے۔''

وَرَأَيْتُ قَوْمِي نَحْوَهَا تَمْضِي الْأَكَابِرُ وَالْأَصَاغِرُ

''اور میں نے دیکھا کہ میری قوم کے چھوٹے بڑے موت کی طرف جا رہے ہیں۔''

لَا يَرْجِعُ الْمَاضِي إِلَيَّ وَلَا مِنَ الْبَاقِينَ غَابِرُ

''نہ تو جانے والوں میں سے کوئی میری طرف واپس آتا ہے اور نہ باقی رہنے والوں میں سے کوئی ٹھہرا رہتا ہے۔''[1]

عربی شاعری کا ظہور

عرب فطری طور پر شاعر تھے کیونکہ ان کی بدویانہ زندگی اور بود و باش تربیتِ خیال سے پوری مناسبت رکھتی تھی۔ دوسری قوموں کی نسبت ان کا شعری ذوق بہت اعلیٰ تھا۔ وہ شعر گوئی میں دوسری قوموں پر اس لیے فوقیت لے گئے کہ وہ ان پڑھ تھے اور اپنے کارناموں کو ہمیشہ قائم رکھنے کے لیے شعر گوئی کو انھوں نے اپنے علم اور دانائی کے اظہار کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔

عرب شعراء کے طبقات

زمانے کے لحاظ سے عرب شعراء کے چار طبقے ہیں:

[1] صبح الأعشی: 255/1.

1 طبقۂ جاہلیین: ان سے مراد وہ شعراء ہیں جنھوں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں شعر کہے۔

2 طبقۂ مخضرمین: ان سے مراد وہ شعراء ہیں جنھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں شعر کہے۔

3 طبقۂ اسلامیین: یہ وہ شعراء ہیں جنھوں نے اسلام میں نشوونما پائی اور اُن کا سلیقۂ عربیت فاسد نہیں ہوا۔ وہ شعرائے بنی اُمیہ ہیں۔

4 طبقۂ مُولَّدین یا مُحْدَثین: ان میں وہ شعراء ہیں جن کا ظہور فسادِ عربیت کے وقت ہوا جبکہ عرب عجمیوں کے ساتھ مل جل گئے تھے اگرچہ وہ خود خالص عربی النسل تھے۔ یہ طبقہ عہدِ عباسیہ سے لے کر موجودہ زمانے تک کے شعراء پر مشتمل ہے۔

جاہلی شعراء میں سے یہاں ہم صرف امرؤالقیس کا ذکر کریں گے جو شعرائے جاہلیت کا سردار مانا جاتا ہے۔

امرؤالقیس: کندہ کا شہزادہ

اس کا لقب المَلِکُ الضِّلِّیل (گمراہ بادشاہ)، کنیت ابوالحارث اور نام حُندُج بن حُجر کندی ہے۔ یہ یمن کا معروف شاعر اور جاہلی شعراء کا پیشرو تسلیم کیا جاتا ہے۔ اس کے آباء و اجداد قبیلۂ کندہ کے اشراف و ملوک میں سے تھے۔ ماں کا نام فاطمہ بنتِ ربیعہ ہے جو کُلَیب و مُہَلہِل تغلبی کی ہمشیرہ تھی۔ امرؤالقیس کا باپ حُجر بنوکِندہ کا آخری بادشاہ تھا۔

امرؤالقیس نے سرزمین نجد میں بنو اسد کے درمیان پرورش پائی جو اُس کے باپ کی رعایا تھے اور وہی روش اختیار کی جو عموماً بادشاہوں کی عیش پسند اولاد کیا کرتی ہے۔ وہ کھیل کود میں مصروف رہتا۔ شراب نوشی اور حسینوں سے عشق بازی کرتا بلکہ اپنا بیشتر وقت عورتوں کی تشبیب میں گزارتا حتی کہ اس نے صریح فحش گوئی اختیار کر لی، نیز اُن تمام امور سے یکسر اعراض کیا جو حکومت کی اہلیت پیدا کرنے کے لیے ضروری تھے۔ اس کا باپ اُسے لہو ولعب اور عورتوں کی تشبیب سے روکتا مگر جب ان باتوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوا تو اُسے گھر سے نکال دیا۔ وہ باہر نکلا تو کنگلوں نے اُسے گھیر لیا جو عیش وطرب کے دلدادہ تھے۔

وہ ان لوگوں کے ساتھ یمن کے شہر دمون میں شراب نوشی کی محفل میں مصروف تھا کہ اچانک اطلاع ملی، بنو اسد نے بغاوت کر کے اس کے باپ کو قتل کر دیا ہے کیونکہ وہ اُن سے ظالمانہ سلوک کرتا اور وہ لوگ جو خراج اُسے ادا کرتے تھے، اُس کی وصولی میں حدِ اعتدال سے تجاوز کر جاتا تھا۔ امرؤالقیس نے یہ خبر سنی تو اس خیال سے کہ اس کے رفقاء کا عیش مکدر نہ ہو، کسی فوری بے چینی اور اضطراب کا اظہار نہ کیا، پھر کہنے لگا: ''باپ نے میرے لڑکپن میں مجھے ضائع کیا (میری اچھی تربیت نہ کی) اور بڑا ہوا تو اپنے خون کا انتقام مجھ پر لاد دیا۔ آج تو بدمستی سے ہوش نہیں ہوگا

اور کل شراب نوشی سے مستی نہ ہوگی۔ آج شراب نوشی ہوگی اور کل حکومت۔'' بعد ازاں اس نے انتقام لینے کے لیے ساز و سامان جمع کرنا شروع کیا اور مختلف قبائل کی مدد سے بنو اسد پر فوج کشی کر کے بہت سوں کو قتل کر ڈالا لیکن اس سے اس کے انتقام کی پیاس نہ بجھی۔

شاہِ حیرہ مُنذِر کو امرؤالقیس کے خاندان سے دشمنی تھی کیونکہ جب مَناذِرہ (شاہانِ حیرہ) اور کسریٰ کیقباد میں اختلاف پیدا ہوا تھا تو امرؤالقیس کے دادا حارث نے کسریٰ کی طرف سے خود حیرہ کا نائب (گورنر) بننے کے لیے شاہانِ مناذرہ کی مخالفت کی تھی۔ اس بنا پر مُنذِر نے قبائل عرب میں سے ایاد، بہراء اور تنوخ کو امرؤالقیس کے خلاف جمع کیا۔ کسریٰ نوشیرواں بن کیقباد نے بھی ایرانی سواروں کا ایک لشکر مُنذر کی مدد کے لیے بھیج دیا۔ امرؤالقیس میں اس کے مقابلے کی طاقت نہ تھی، اس لیے اُس کے ہمراہی مقابلے کی تاب نہ لا کر تتر بتر ہوگئے، پھر وہ یکے بعد دیگرے مختلف قبائل کی پناہ لیتا رہا۔ آخر کار سموّال بن عادیا (م:65 قبل ہجرت/تقریباً 560ء) کے ہاں جا اُترا اور اپنی بیٹی، زرہیں اور دیگر اَوزار اس کے پاس امانت رکھ کر درخواست کی کہ شام میں حارث بن ابی شمر غسانی کے نام خط تحریر کر دیا جائے کہ وہ اُسے قیصر تک پہنچا دے۔ یوں وہ قیصر کے پاس پہنچا اور اپنے دشمنوں کے خلاف مدد کی درخواست کی۔ قیصر نے اس کی مدد کے لیے ایک لشکر تیار کر دیا۔ لیکن ابھی امرؤالقیس اُس لشکر کو لے کر سلطنتِ روم سے روانہ نہیں ہوا تھا کہ قیصر کے دل میں کوئی خیال آ گیا، اُس نے لشکر کو واپس بلا لیا اور امرؤالقیس کے لیے زہر آلود پوشاک بھجوائی۔ امرؤالقیس نے اسے پہنا تو اس کے جسم پر آبلے نمودار ہوگئے اور اس مرض نے شدت اختیار کی جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور انگورہ (موجودہ انقرہ) پہنچ کر مر گیا اور وہیں دفن ہوا۔

امرؤالقیس کے اشعار: امرؤالقیس جاہلیت کے شعراء میں سے مقدم اور افضل تسلیم کیا جاتا ہے اگرچہ ابو داود ایادی اور امرؤالقیس کے ماموں مُہَلہِل بن ربیعہ جیسے شعراء اس سے بھی پہلے گزرے تھے۔

امرؤالقیس پہلا شخص ہے جس نے اپنے ہمراہیوں کو کھنڈروں پر ٹھہرانے، دیارِ محبوب پر رونے اور عورتوں کو ہرنوں، نیل گایوں اور انڈوں سے تشبیہ دینے کے مضامین کو نہایت عمدگی سے ادا کیا ہے۔ پہلے اسی نے گھوڑے کے وصف میں قَیْدُ الْاَوَابِد کی صفت کو استعمال کیا، تشبیب [1] کو رقت آمیز بنایا اور عمدہ استعارات اور تشبیہات کو اس خوبی سے برتا کہ ظنِ غالب یہی ہے کہ وہ ان میں سے اکثر کا موجد ہے۔

اس کے اشعار میں تشبیب، عہدِ شباب کی آوارہ مزاجی، جورِ زمانہ کی شکایت اور بوقتِ مصیبت دوستوں کی بے رخی

[1] تشبیب: اس کا مطلب اپنے محبوب یا ممدوح کی تعریف و توصیف اور اس کی عظمت و شان کا اظہار ہے، جیسے قصیدۂ مدحیہ میں ہوتا ہے۔

کا تذکرہ غالب ہے مگر کبھی عورتوں سے متعلق تشبیہات اور ان کی نسبت بات چیت کرنے میں فحش باتیں بھی کہہ جاتا ہے۔ اس کے اشعار سے ذکاوت و نجابت ٹپکتی ہے اور حکومت و سرداری کے تأثرات بھی نظر آتے ہیں، وہ کہتا ہے:

فَظَلَّ الْعَذَارٰى يَرْتَمِينَ بِلَحْمِهَا ۔۔۔ وَشَحْمٍ كَهُدَّابِ الدِّمَقْسِ الْمُفَتَّلِ

''پس وہ کنواری لڑکیاں اس اونٹنی کے گوشت اور اس کی چربی کو جو مضبوط بٹے ہوئے ریشم کے پھندنوں کی طرح تھی، دل لگی کے طور پر ایک دوسری پر پھینکنے لگیں۔''

وَلَوْ أَنَّ مَا أَسْعٰى لِأَدْنٰى مَعِيشَةٍ ۔۔۔ كَفَانِي وَلَمْ أَطْلُبْ قَلِيلٌ مِّنَ الْمَالِ

وَلٰكِنَّمَا أَسْعٰى لِمَجْدٍ مُّؤَثَّلٍ ۔۔۔ وَقَدْ يُدْرِكُ الْمَجْدَ الْمُؤَثَّلَ أَمْثَالِي

''اگر میں معمولی گزر اوقات کے لیے کوشش کرتا تو تھوڑا سا مال بھی مجھے کفایت کر جاتا اور میں (کچھ اور) طلب نہ کرتا۔ لیکن میں تو پائدار بزرگی کے لیے کوشش کر رہا ہوں اور میرے جیسے (باہمت لوگ) پائدار بزرگی حاصل کر بھی لیا کرتے ہیں۔''

امرؤالقیس کے اشعار اگرچہ عبارت کی درشتی، الفاظ کی خشونت اور معانی کی نازیبائی کے لحاظ سے بدویانہ لباس میں ملبوس ہیں مگر بعض دفعہ تمہید کی خوبی، معنی آفرینی، رقت، تغزل، قریب الفہم ہونے اور سہولتِ ماخذ کے اعتبار سے وہ ایسی پوشاک میں جلوہ گر ہوتے ہیں کہ بعد میں آنے والوں کے لیے بہترین نمونہ ہیں۔ وہ اپنی محبوبہ کے وصف میں کہتا ہے:

وَإِذْ هِيَ تَمْشِي كَمَشْيِ النَّزِيفِ ۔۔۔ يَصْرَعُهُ بِالْكَثِيبِ الْبُهُرْ

بَرَهْرَهَةٌ رُّخْصَةٌ رُّودَةٌ ۔۔۔ كَخُرْعُوبَةِ الْبَانَةِ الْمُنْفَطِرْ

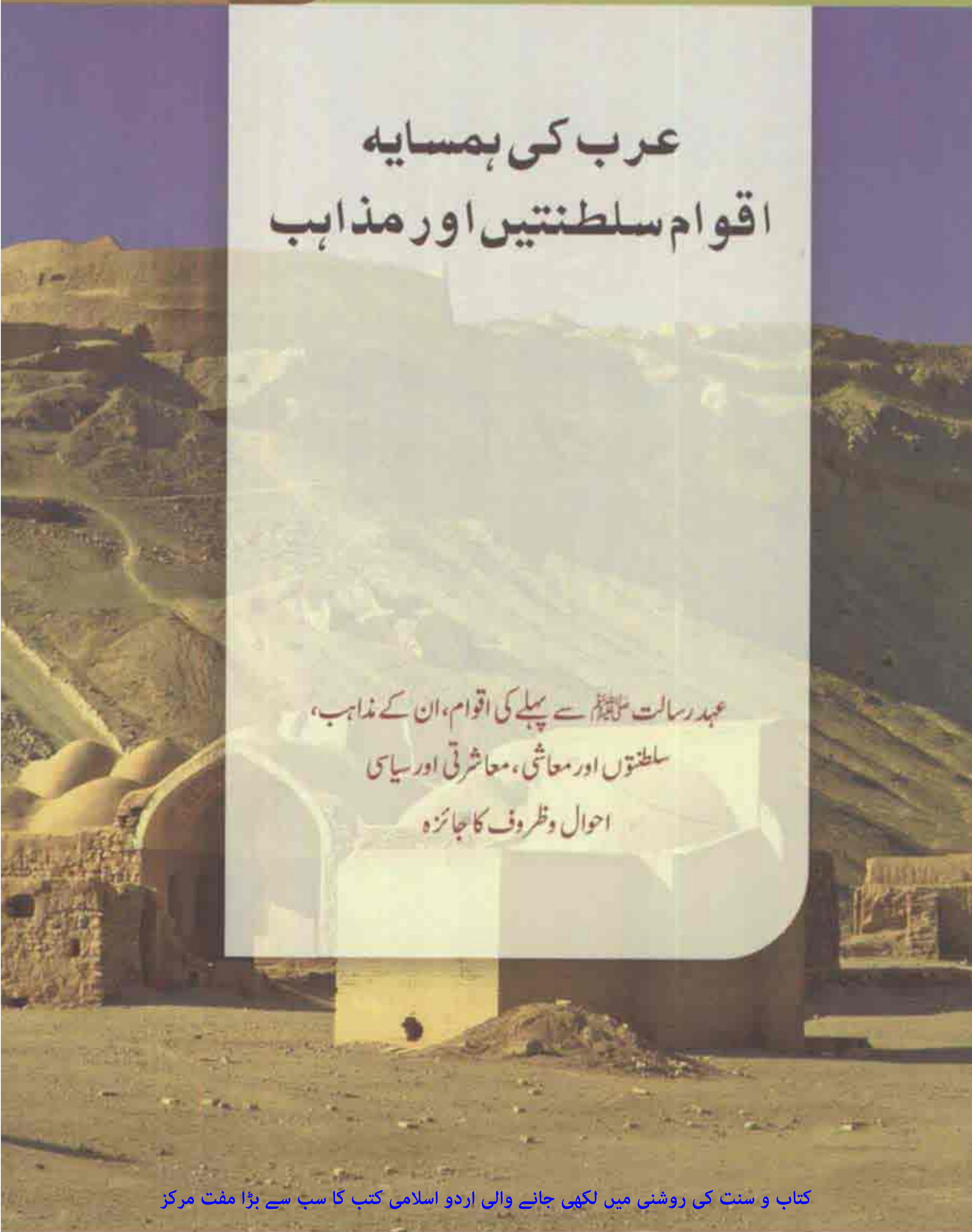
''اور جب وہ ایسے شخص کی طرح چل رہی تھی جو زیادہ خون نکلنے سے کمزور ہو گیا ہو، اور سانس پھولنے کی وجہ سے ریت کے ٹیلے پر گرتا پڑتا چلے۔ وہ ملائم جسم والی، نوجوان اور نازک اندام ہے اور درخت بید کی اس ٹہنی کی طرح ہے جو نئی پھوٹی ہو۔''[1]

[1] تاریخ ادب عربی (اردو)، ص: 14-17 و 21 و 42 64-67 و 130-137 مزید دیکھیے: الشعر والشعراء لابن قتيبة، ص: 23-37.

باب 6

سیرت انسائیکلوپیڈیا

عرب کی ہمسایہ اقوام سلطنتیں اور مذاہب



عہد رسالت ﷺ سے پہلے کی اقوام، ان کے مذاہب،
سلطنتوں اور معاشی، معاشرتی اور سیاسی
احوال وظروف کا جائزہ

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ

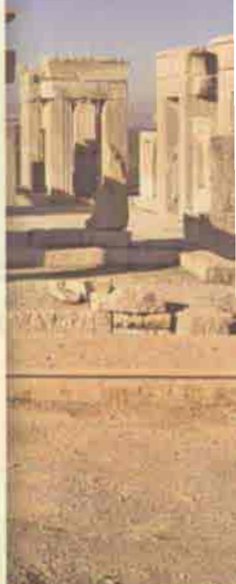
”وہ لوگ جو اس رسول اُمّی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں
جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں۔“ (الأعراف 7:157)

اس باب میں



محمد رسول اللہ ﷺ تاریخ انسانی کی وہ عظیم ترین ہستی ہیں جن کے ذریعے سے دنیا میں سب سے بڑی، دور رس، مثبت اور نتیجہ خیز تبدیلی رونما ہوئی۔ آپ ﷺ کی سیرت اور آپ کے مشن کے باقاعدہ مطالعے سے قبل ضروری ہے کہ آپ کے زمانۂ بعثت اور اس سے پہلے کے عالمی حالات پر ایک تفصیلی نگاہ ڈالی جائے۔ اس کے بغیر تاریخ کے اس اہم ترین دور کے مختلف پہلوؤں کو درست طور پر سمجھنا اور انسانی تہذیب و تمدن کی اس انقلاب آفرین اور بے مثال تبدیلی کا درست ادراک کرنا ممکن نہیں کیونکہ یہ حیات آفریں انقلاب ہے جو عالمگیر تبدیلی کا پیام لے کر آیا اور اِس کی جلوہ گری نے دیکھتے ہی دیکھتے تمام عالم کو خیرہ کر دیا۔

اس مقصد کے پیش نظر ہم زیر نظر باب میں اُس دور کی متمدن اقوام، ان کے مذاہب، ان کی سلطنتوں، ان کے معاشرتی و معاشی اور سیاسی حالات کا جائزہ لیں گے تاکہ انقلابِ نبوی کی ضرورت، اہمیت اور ہمہ گیری کا اندازہ کرنے میں آسانی رہے۔





1

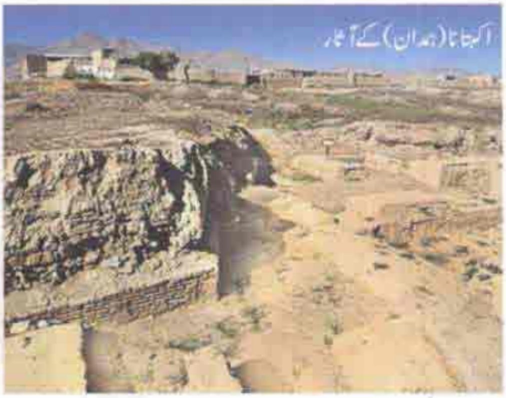
سلطنت ایران

آریہ، ایران میں

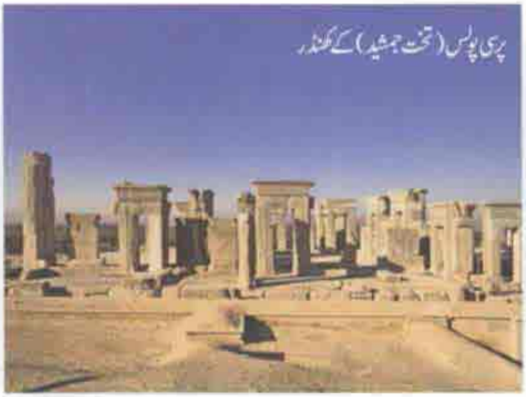
قدیم دنیا کے لوگ دو بڑی نسلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ایک سامی النسل باشندے تھے جو دجلہ وفرات کی وادی میں بس گئے تھے۔ دوسرے آریائی نسل کے لوگ جن کا سب سے پہلا معلوم مرکز وسط ایشیا تھا۔ وہ تقریباً 5000 ق م میں خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے اور ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل ہوتے رہتے تھے، چنانچہ آریائی نسل کے کچھ قبائل بحیرۂ کیپیئن (قزوین) کے اردگرد بس گئے تھے۔ 2000 ق م کے لگ بھگ یہ دو بڑے گروہوں میں بٹ گئے۔ آریوں کے ایک گروہ نے جنوب اور جنوب مشرق کی طرف ہجرت کی اور اُن ملکوں میں آباد ہوا جو بعد میں ایران اور ہندوستان کہلائے۔ دوسرا گروہ مغرب کی طرف کوچ کر گیا جو یونان، جرمنی اور اٹلی وغیرہ میں آباد ہوا۔ اول الذکر گروہ کے بعض قبائل اُن پہاڑوں اور وادیوں میں آباد ہوئے جو دجلہ وفرات کے مشرق میں تھیں۔ ان کے ملک کا نام ان کے نام کی مناسبت سے ایران رکھا گیا۔[1]

ایران آنے والی آریائی نسل کی جو شاخ مغربی ایران کے سلسلۂ کوہ زاغروس کے وسطی علاقے میڈیا (مادہ) میں آباد ہوئی، وہ لوگ ''ماذ'' (Medes) کہلائے۔ دوسری شاخ کے لوگ صوبہ خراسان سے ہوتے ہوئے جنوبی ایران

[1] قدیم تہذیبیں اور مذاہب، ص: 104.



اکبتانا (ہمدان) کے آثار



پرسی پولس (تخت جمشید) کے کھنڈر

(پارس یا فارس) آئے اور پارسی کہلائے۔ [1]

پارس، فارس اور ایران شہر

ایران کے جنوب مغرب میں ایک ولایت پرسس (Persis) تھی جو اسی نام کے ایک قبیلے سے موسوم تھی۔ مشہور رومی ادیب پلاؤٹس (Plaoutus) نے اپنی ایک تحریر میں 'پرشیا' کا نام استعمال کیا ہے۔ ایران کے لیے استعمال ہونے والا لفظ پارس یا پرشیا یونانی رومی لقب پرسی (Persae) سے مشتق ہے جو قدیم ایران میں ہخامنشی خانوادے کے بادشاہوں کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

یہ عہدِ قدیم کا پرسس (Persis) یا پارس موجودہ زمانے کا فارس یا ایران ہے۔ لفظ فارِس یا فارْس کا اطلاق مسلمانوں کے زمانے میں اسی خطّے پر ہوتا تھا۔ اسی طرح اَلفُرْس کا لفظ جو قدیم عربی ادبیات میں ملتا ہے، ایران کی پوری آبادی کے لیے بولا جاتا تھا۔ یہ لفظ اکثر عربی اصطلاح العجم کے مترادف شمار ہوتا ہے۔

ایران جو آریانہ یا ایریانہ (Aryana) سے مشتق ہے، کبھی جنوبی ایران کے لیے، کبھی پورے ایران کے لیے اور ساسانیوں کے زمانے میں ان کی سلطنت کے مرکزی حصے کے لیے استعمال ہوا۔ وہ اپنے آپ کو 'شاہانِ ایران و انیران' کہا کرتے تھے۔ [2]

یاقوت حموی ''ایران شہر'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں: ''بلادِ عراق، فارس، جبال اور خراسان کو مجموعی طور پر ''ایران شہر'' (ملک ایران) کہا جاتا ہے جبکہ اصمعی کے بقول ارضِ عراق ''دلِ ایران شہر'' کہلاتی تھی۔ ان کے خیال کے مطابق عرب اس کے درمیانی لفظ ''ایران'' کو معرب کر کے ''عراق'' کہنے لگے۔ دوسری طرف عہد اسلامی کے اہلِ فارس کا دعویٰ یہ تھا کہ ''ایران'' ارفخشد بن سام بن نوح (علیہ السلام) کا نام تھا، گویا ان کے خیال کے مطابق ''ایران شہر'' کے معنی ہیں ''بلادِ ارفخشد۔'' [3]

اساطیری روایات یہ کہتی ہیں کہ کیومرث کے بیٹے ہوشنگ نے اپنے ملک کا نام 'ایران' رکھا تھا۔ جب اُس کا بیٹا پارس تخت نشین ہوا تو اس کا ملک بھی 'ملکِ پارس' کہلانے لگا۔ عہدِ اسلامی میں شاہنامۂ فردوسی کے ذریعے سے جب قدیم اساطیری روایات دوبارہ لوگوں کے سامنے پیش ہوئیں تو ایران کا نام پھر سے مقبول ہوگیا۔ انشائے ابوالفضل بن ملا مبارک دفتر اوّل میں ''شاہ عباس صفوی (1587ء-1629ء) تخت نشین کشورِ ایران'' کے الفاظ ملتے ہیں، تاہم عرب مؤرخین نے اس کے بعد تک سلطنتِ ایران کو 'مملکتِ فارس' ہی کے نام سے یاد کیا۔ 1935ء

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 635/3. [2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 627/3. [3] معجم البلدان، مادة: إيران



پہلوی دور کا سکہ

میں سرکاری طور پر موجودہ ملکِ ایران کا نام ایران قرار پایا اور اب یہ عربی سمیت ہر زبان میں ایران کہلاتا ہے۔[1]

سلطنتِ ایران کی وسعت

قدیم ایران کے بادشاہ پارس ابنِ ہوشنگ کے زمانے میں ایرانی سلطنت موجودہ بلوچستان، کیچ، مکران، کرمان، غور، بامیان، کابلستان، سیستان، زابلستان (افغانستان)، خراسان، ماوراءالنہر، رشت، اصفہان، مازندران، استرآباد، گرگان (جرجان)، فارس، لارستان، خوزستان، پنجاب، کردستان، شیروان (آذربائیجان)، بابل، موصل (عراق) اور دیارِ بکر (ترکی) کے علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔[2]

جمشید و افراسیاب اور رستم و سہراب

ایران کی تاریخ کے اساطیری دور کا ایک اہم نام جمشید یا ''جم'' ہے۔ اس کی حکومت کا خاتمہ ضحاک کے ہاتھوں ہوا، پھر آلِ جمشید میں سے فریدون نے کاوہ لوہار کی مدد سے ظالم بادشاہ ضحاک کو شکست دی اور ایران کا اقتدار سنبھالا۔ بعد ازاں سلطنتِ ایران دو حصوں میں تقسیم ہوئی۔ دریائے جیحون کے کنارے تک منوچہر کی حکومت قائم ہوئی اور جیحون کے پار (ماوراءالنہر) کا علاقہ افراسیاب کو ملا جو توران (ترکستان) کہلایا۔ امکانی طور پر یہ زمانہ 2500 ق م سے 2200 ق م تک محیط تھا۔ بعد میں ایرانی سلطنت گھٹتے گھٹتے مرکزی حصے صوبۂ فارس تک محدود ہوگئی۔ اس کے بعد کیانی بادشاہوں کیقباد، کیکاؤس، کیخسرو، لہراسپ، گشتاسپ اور اسفندیار کا دور آیا۔ زال بن سام کا بیٹا رستم، کیکاؤس کے عہد کا مشہور پہلوان تھا۔ رستم کا بیٹا سہراب دربارِ توران سے وابستہ تھا۔ وہ نادانستگی میں ایران توران جنگ کے دوران میں اپنے باپ کے ہاتھوں مارا گیا۔[3]

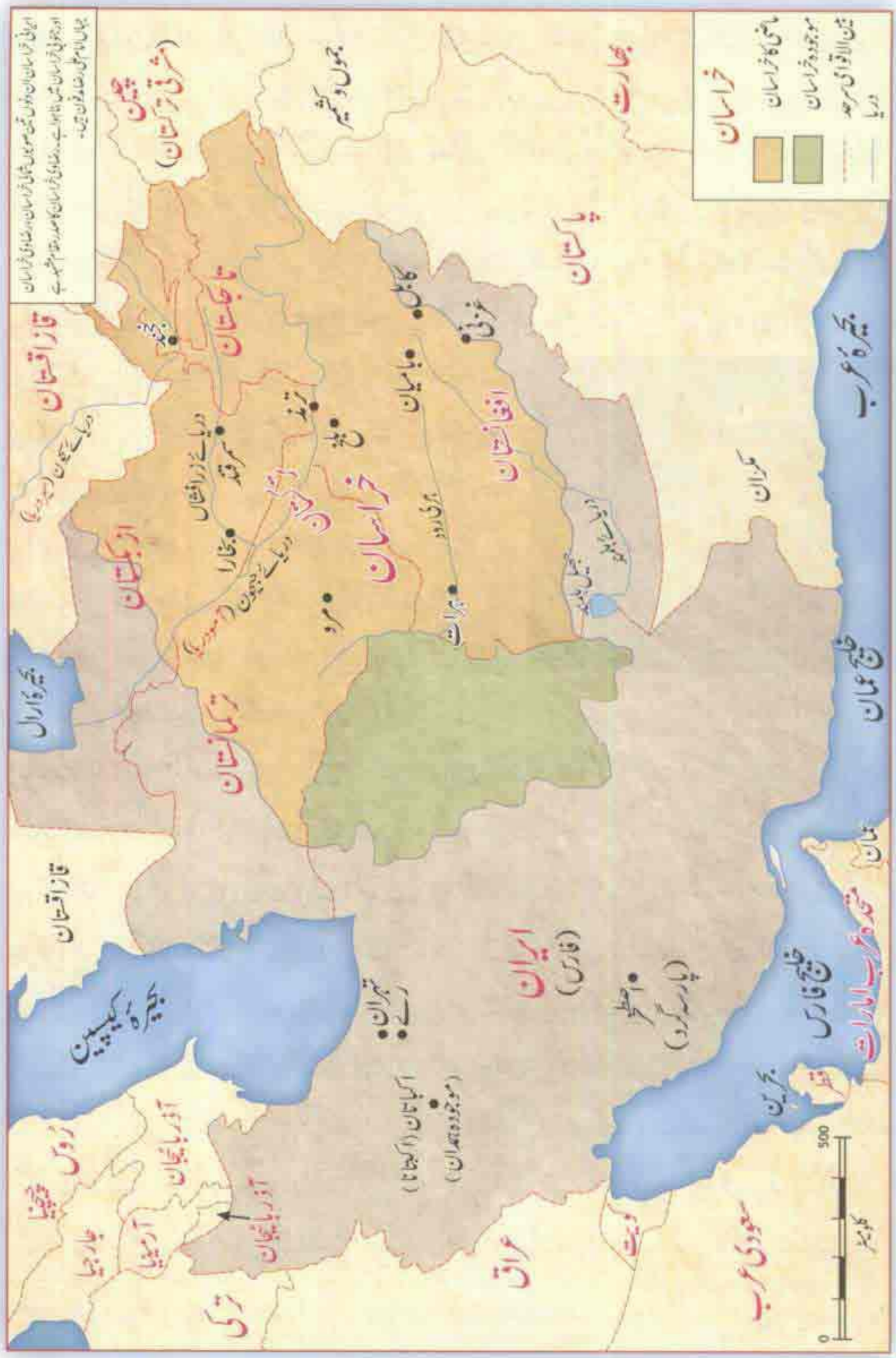


نقشِ رستم (اصطخر، ایران)

کورش کبیر (سائرس اعظم) یا ذوالقرنین

گورش یا کورش پارس کے ہخامنشی (Achaemenid) خاندان کا ایک نوجوان تھا جسے یونانیوں نے سائرس (Cyrus)،

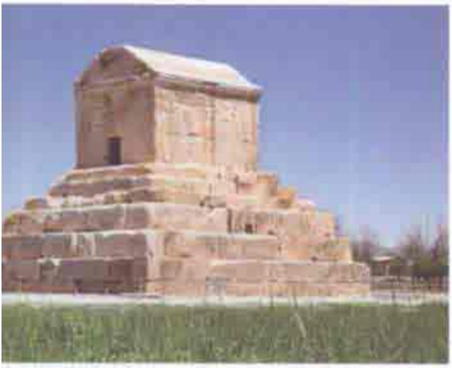
[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 628,627/3. [2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 627/3. [3] حسن اللغات (فارسی)، مادہ: رستم اور سہراب.



خراسان
ماضی کا خراسان
موجودہ خراسان
بین الاقوامی سرحد
دریا
خراسان
ایران
(فارس)
افغانستان
پاکستان
بھارت
جموں و کشمیر
تاجکستان
ازبکستان
ترکمانستان
قازقستان
بحیرۂ کیسپین
بحیرۂ ارال
بحیرۂ عرب
خلیج عمان
خلیج فارس
عراق
سعودی عرب
ترکی
روس
آرمینیا
سمرقند
بخارا
مرو
ہرات
بلخ
ترمذ
بامیان
کابل
غزنی
بحرین
قطر
عمان
کویت

عبرانیوں نے خورس یا کورش اور عربوں نے قوروش (قورُش) کے نام سے پکارا۔ قدیم فارسی میں اسے خرس کہا گیا جبکہ جدید فارسی میں کورش کبیر یا کوروش بزرگ لکھا جاتا ہے۔[1]

549 ق م میں فارس کے بادشاہ کورش نے ایران کے شمال مغربی علاقے میڈیا (مادہ) کو فتح کیا اور پورے ایران پر اپنی حکومت قائم کر لی اور ہخامنشی سلطنت کی بنیاد رکھی۔ سائرس نے 546 ق م میں لیڈیا (ایشیائے کوچک) پر قبضہ کرلیا اور 539 ق م میں اُس کی فوجیں عراق (کالڈیا Chaldea یا کلدانیہ) کے شہر بابل میں فاتحانہ داخل ہوئیں۔ اس کے بعد طلوع اسلام تک عراق سلطنتِ ایران میں شامل رہا۔ عہد حاضر کے مشہور مفسرین مولانا ابوالکلام آزاد اور سید ابوالاعلیٰ مودودی کے نزدیک سائرس ہی وہ موحّد بادشاہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں ذوالقرنین کے نام سے آیا ہے۔ ایرانی آج کل اسے کورش کبیر لکھتے ہیں۔ کوروش کبیر یا سائرس اعظم نے ان یہودیوں کو فلسطین واپسی کی اجازت دی جنھیں 586 ق م میں بخت نصر ہانک کر عراق لے آیا تھا۔ سائرس کے بعد اُس کے فرزند کمبوجیہ (Cambyses) (529 تا 521 ق م) نے مصر پر فوج کشی کی اور اُسے ایرانی سلطنت میں شامل کرلیا۔



مقبرہ سائرس اعظم (ذوالقرنین)

مولانا ابوالکلام آزاد ''ذوالقرنین'' کے زیرعنوان لکھتے ہیں: چونکہ فتوحات کی وسعت اور مغرب و مشرق کی حکمرانی کے لحاظ سے سکندر مقدونی کی شخصیت سب سے زیادہ مشہور رہی ہے، اس لیے سورۂ کہف میں مذکور ذوالقرنین کے باب میں متاخرین کی نظریں اس کی طرف اُٹھ گئیں، چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ نے بھی سکندر ہی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے، حالانکہ کسی اعتبار سے بھی قرآن کا ذوالقرنین سکندر مقدونی نہیں ہوسکتا۔ نہ تو وہ خدا پرست تھا، نہ عادل تھا، نہ مفتوح قوموں کے لیے فیاض تھا اور نہ اس نے کوئی سد (دیوار) بنائی۔ اس کے برعکس صحابہ و سلف سے ﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ﴾ کی تفسیر منقول ہے کہ ذوالقرنین نبی تھا اور متاخرین میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بھی اس تفسیر کی تائید کرتے ہیں۔ جہاں تک کورش یا سائرس کا تعلق ہے، وہ مذہب زردشت کا حکمران، پیغمبر اور ہخامنشی خانوادے کا پہلا تاجدار تھا۔ یونانی مؤرخ زینوفن کے الفاظ میں ''وہ صرف بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ انسانوں کا شفیق، مربی اور قوموں کا رحیم باپ بھی تھا۔'' اس نے آشوری اور بابلی بادشاہوں کے تمام مظالم کے اثرات یک قلم

[1] اصحاب کہف اور یاجوج و ماجوج از ابوالکلام آزاد، ص:32، صحیفہ دانیال 1:21، دائرۃ المعارف جوان (فارسی)، ص:369,368.

محو کر دیے۔ اس کے متعلق یسعیاہ علیہ السلام کی کتاب میں ہے کہ خداوند کہتا ہے: ''خورس میرا چرواہا ہے۔'' اور ''وہ میرا مسیح ہے۔'' یرمیاہ علیہ السلام نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ بنی اسرائیل کو بابلیوں کے ظلم سے نجات دلائے گا۔

جہاں تک لقب ''ذوالقرنین'' کا تعلق ہے، اصطخر کے کھنڈروں سے سائرس کی جو سنگی تمثال (پتھر کی مورتی) برآمد ہوئی ہے، اس کے دونوں طرف عقاب کی طرح پر نکلے ہوئے ہیں اور سر پر مینڈھے کی طرح دو سینگ ہیں جبکہ دانیال علیہ السلام کے خواب میں بھی دو سینگوں والے مینڈھے کی شکل دکھائی گئی تھی اور اس کی تعبیر جبریل علیہ السلام نے یہ کی تھی کہ دو سینگوں والا مینڈھا مادہ (میڈیا) اور فارس کی بادشاہت ہے جبکہ ''ذوالقرنین'' کے معنی بھی ''دو سینگوں والا'' ہیں۔

قرآنی تصریح کے مطابق ذوالقرنین اللہ تعالیٰ اور آخرت پر یقین رکھتا تھا، احکام الٰہی کے مطابق عمل کرتا اور اپنی تمام کامرانیوں کو اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم سمجھتا تھا۔ سائرس کا بھی ایسا ہی اعتقاد و عمل تھا۔ قرآن میں مذکورہ ذوالقرنین کی مشرقی اور مغربی مہمات کی طرح سائرس نے بھی مشرقی اور مغربی مہمات سر کیں اور اس کی نسبت ہیروڈوٹس اور زینوفن کی شہادت موجود ہے کہ اس نے منگول نسل کی سیتھین قوم (یاجوج و ماجوج) کے سرحدی حملوں کی روک تھام کی، مگر سکندر کی نسبت کوئی ایسی شہادت موجود نہیں۔ اس سے یہ تاریخی قرینہ پیدا ہوتا ہے کہ سدِّ یاجوج و ماجوج سائرس ہی نے تعمیر کی تھی۔ علاوہ ازیں کاکیشیا (قفقاز) میں ایک دریا کا نام قدیم سے کورش (موجودہ کور Kur) چلا آتا ہے جسے رومی نوشتوں میں سائرس کے نام سے پکارا گیا ہے۔ انتھونی جنکنسن (1557ء) سمیت یورپی سیاحوں نے بھی اس دریا کو ''سائرس'' ہی لکھا ہے جبکہ ارمنی نوشتوں میں اس سدّ کا نام پھاک کورائی (کور کا دروازہ) آیا ہے۔ ظاہر ہے ''کور'' دراصل گورش کی بدلی شکل ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا ذوالقرنین اور گورش (خورس) یا سائرس دراصل ایک ہی شخصیت ہے۔[1]

ہخامنشیوں کا اندازِ حکومت

ذوالقرنین تو موحد اور عادل تھا مگر اس کے جانشینوں میں وہ کردار عنقا تھا۔ ایران کے ان نامور بادشاہوں کے زمانے میں حکومت کرنے کا طریقہ کیسا تھا، اس کا اندازہ ان واقعات سے ہوسکتا ہے جنھیں قدیم مؤرخین نے بطور خاص ذکر کرنا مناسب خیال کیا۔

کمبوجیہ کی دل پر تیراندازی

یونانی مؤرخ ہیروڈوٹس نے ہخامنشی بادشاہ کمبوجیہ کے متعلق ایک عجیب واقعہ لکھا ہے:

[1] ملخص از اصحاب کہف اور یاجوج و ماجوج۔

''کمبوجیہ نے ایک روز اپنے ایک درباری پراکساپس سے پوچھا کہ ایرانی رعایا کا اس کے بارے میں کیا خیال ہے۔ اس نے جواب دیا: سب لوگ جہاں پناہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، البتہ یہ کہتے ہیں کہ جہاں پناہ شراب بہت پیتے ہیں۔ اس پر کمبوجیہ آگ بگولا ہوکر بولا: دیکھو، تمھارا بیٹا سامنے کھڑا ہے۔ اگر میں ایسا تیر ماروں جو اس کے دل میں ترازو ہو جائے تو ایرانیوں کا یہ خیال صحیح نہیں ہوگا اور اگر میرا نشانہ چوک گیا، تب وہ ٹھیک کہتے ہیں کہ شراب نے میرے حواس مختل کر دیے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک تیر چلّے میں رکھا اور نشانے پر پھینکا۔ پراکساپس کا جوان بیٹا وہیں ڈھیر ہوگیا۔

کمبوجیہ نے حکم دیا کہ اس کا سینہ چاک کیا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی اور زخم کو جانچا گیا تو معلوم ہوا کہ تیر مقتول کے عین دل میں پیوست تھا۔ یہ دیکھ کر کمبوجیہ باغ باغ ہوگیا اور پراکساپس سے بولا: ''یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ایرانیوں کے اپنے حواس بجا نہیں۔'' خوفزدہ پراکساپس نے سنجیدگی سے کہا: ''ایسا بے خطا نشانہ صرف جہاں پناہ کا ہوسکتا ہے۔'' [1]

دارا اول یونان میں



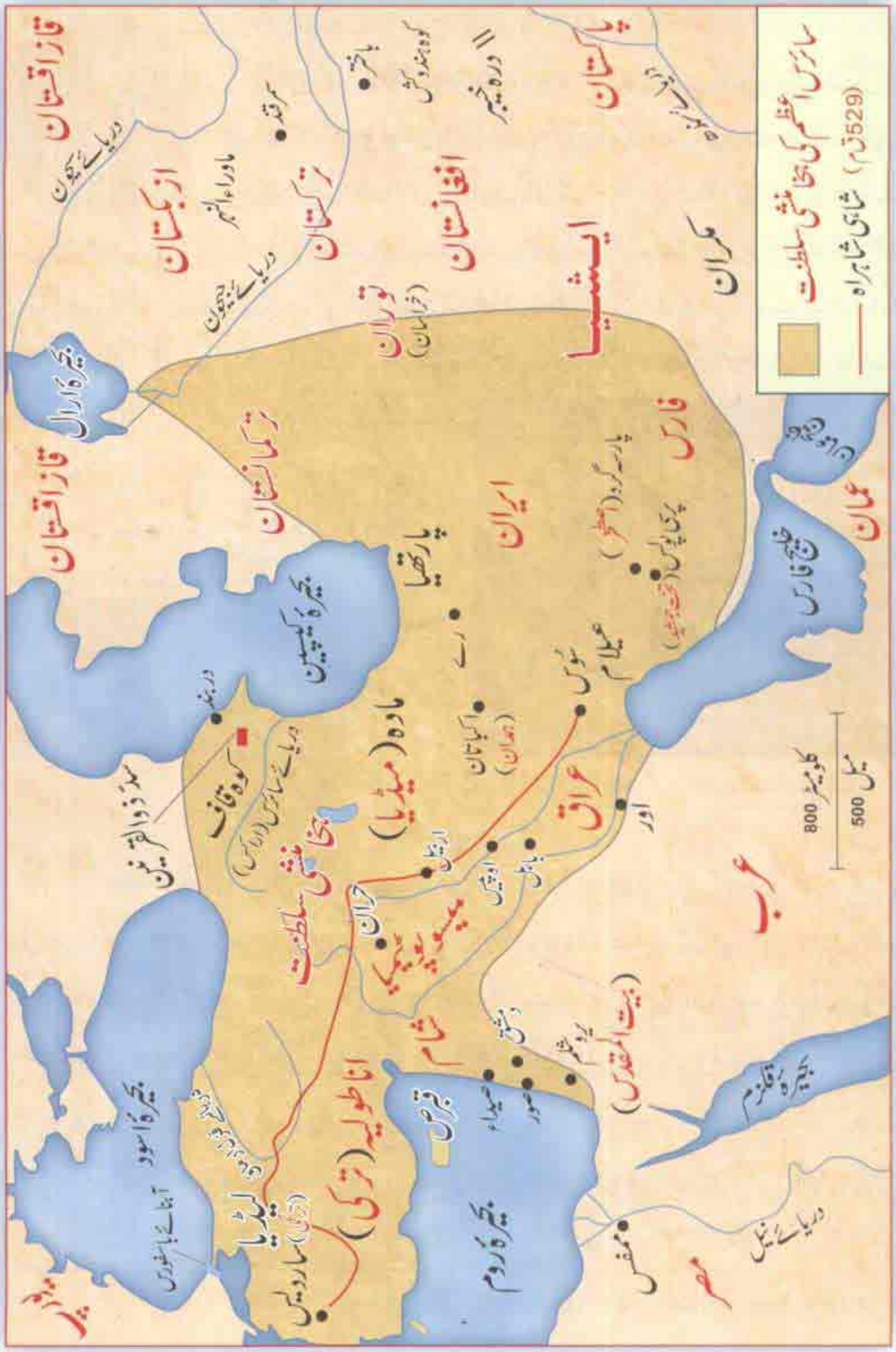
دارا اول کا سکہ

کمبوجیہ کے جانشین داریوش یا دارا اول (Darius I) نے گندھارا (شمالی پنجاب اور سرحد)، سندھ، تھریس، مقدونیہ اور یونان فتح کیے، تاہم کچھ عرصہ بعد جنگ میراتھون (490 ق م) میں یونانیوں سے شکست کھائی۔ داریوش اول کا ایک کارنامہ یہ تھا کہ اس نے دریائے نیل سے بحیرۂ احمر تک ایک نہر کھدوائی۔ یوں بحیرۂ روم سے دریائے نیل کے راستے خلیج فارس تک کشتیاں چلنے لگیں۔ [2] اس کے بعد خشیارشاہ (Xerxes)، اردشیر (Artaxerxes) دراز دست، داریوش دوم، اردشیر دوم، اردشیر سوم اور داریوش سوم حکمران رہے۔

کشتیوں کا عذاب

شاہانِ ایران اپنی توہین و تضحیک پر موت کی سزا دیتے تھے۔ بعض سزائیں نہایت وحشیانہ تھیں، جیسے مجرموں کو دیوار میں زندہ گاڑنا، زندہ کھال کھنچوانا، چومیخہ کرنا وغیرہ۔ ان میں سے کشتیوں کا عذاب سب سے خوفناک تھا۔ اردشیر سوم ہخامنشی کے چھوٹے بھائی کوروش نے اس کے خلاف بغاوت کی۔ دونوں کی فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ کوروش لڑتا ہوا بادشاہ کے پاس پہنچ گیا اور اس پر حملہ کر دیا لیکن ایک سپاہی مہرداد کے ہاتھوں مارا گیا۔ بادشاہ نے اعلان کیا

[1] روایاتِ تمدنِ قدیم، ص: 178،177. [2] دائرۃ المعارف جوان (فارسی)، ص: 371.



سائرس اعظم کی ہخامنشی سلطنت
شاہی شاہراہ (529ق م)
قازاقستان
ازبکستان
ترکمانستان
افغانستان
پاکستان
ایشیا
ایران
فارس
عراق
عرب
شام
مصر
عمان
اناطولیہ (ترکی)
بحیرۂ ارال
بحیرۂ کیسپین
بحیرۂ اسود
بحیرۂ روم
بحیرۂ قلزم
خلیج فارس
کوہ قاف
سد ذوالقرنین
ماوراء النہر
دریائے نیل
بابل
اُور
سُوس
عیلام
پارتھیا
بیت المقدس
قبرص
800 کلومیٹر
500 میل

کہ اُس نے اپنے ہاتھ سے باغی کو قتل کیا ہے۔

ایک دن مہرداد شراب کے نشے میں بنکارنے لگا کہ بادشاہ خواہ مخواہ جوانمرد بنا پھرتا ہے، کوروش کو میں نے قتل کیا تھا۔ اردشیر کو خبر ملی تو اس نے غضبناک ہوکر حکم دیا کہ اس گستاخی پر مہرداد کو کشتیوں کا عذاب دیا جائے، چنانچہ دو کشتیاں اس طرح بنوائی گئیں کہ ایک دوسری پر ٹھیک جفت ہوتی تھی۔ ایک کشتی میں مہرداد کو لٹا کر دوسری اس پر مضبوطی سے جڑ دی گئی۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور منہ کشتی سے باہر رہے۔ پھر اسے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا گیا اور ساتھ ہی مسہل بھی دیا گیا۔ اس کے چہرے پر شہد مل دیا گیا جس سے کیڑے مکوڑے اور مکھیاں ہجوم کر آئیں اور اس کے لب و رخسار کو کاٹنے لگیں۔ ادھر مسہل نے اپنا کام کیا تو نچلی کشتی غلاظت سے بھر گئی۔ دن گزرنے کے ساتھ اس میں کرم (کیڑے) پیدا ہوگئے جو مہرداد کی انتڑیوں، دل اور جگر کو چاٹنے لگے۔

وہ بدنصیب سترہ دن اس عذاب میں تڑپتا رہا اور مر گیا۔ [1]



ہخامنشی دارالحکومت تخت جمشید کے کھنڈر

ہخامنشیوں کے دور میں سلطنتِ فارس کا دارالحکومت پرسی پولس (تختِ جمشید) تھا جس کے کھنڈر شیراز کے قریب شمال مشرق میں واقع ہیں۔ اس کے بعد سوس یا شوش (Susa) دارالحکومت بنا۔ ہخامنشی سلطنت اپنے عہد عروج میں 21 صوبوں اور 46 اقوام پر مشتمل تھی۔

ہخامنشی سلطنت کا انجام

داریوش (دارا) سوم آخری ہخامنشی بادشاہ ثابت ہوا۔ اس نے 330 ق م میں یونانی فاتح سکندر اعظم سے شکست کھائی اور مارا گیا۔ سکندر کے بعد ایران اس کے جرنیل سلیوکس (Seleucus) کے تسلط میں آیا۔ وہاں 185 ق م تک سلیوکی (Seleucid) حکومت قائم رہی۔ [2] سلیوکیوں سے حکومت پارتھیوں (اشکانیوں) کے ہاتھ آئی۔ پارتھی سلطنت اپنے عہد عروج میں دریائے سندھ سے دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ [3]

ایران عہدِ ساسانیاں میں

226ء میں اردشیر بابکان نے اشکانی بادشاہ اردوان کو شکست دے کر ساسانی حکومت کی بنیاد رکھی۔ اردشیر

[1] روایات تمدن قدیم، ص: 159,158. [2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 636,635/3.
[3] Oxford English Reference Dictionary.



سکہ شاپور اول

بابکان کے دادا کا نام ساسان تھا اور وہ خود کو ہخامنشی خانوادے سے منسوب کرتا تھا۔ اردشیر کے بیٹے شاپور اول نے 258ء میں ایشیائے کوچک پر چڑھائی کر کے انطاکیہ فتح کیا اور رومی قیصر ولیرین کو ہزاروں یونانیوں سمیت گرفتار کرلیا۔ کیا عبرت انگیز تماشا تھا کہ شاپور ہر بار اپنے گھوڑے پر سوار ہونے سے پہلے قیدی بادشاہ ولیرین کی گردن پر قدم رکھتا تھا۔ ولیرین کی موت پر شاپور نے اس کی کھال کھنچوا کر اس میں بھُس بھروایا اور اسے ایران کے سب سے بڑے آتش کدہ میں بطور یادگار رکھوا دیا۔[1] شاپور اول کے بعد ہرمز اول، بہرام اول، بہرام دوم، بہرام سوم، نرسی، ہرمز دوم اور آذر نرسی برسرِ اقتدار رہے۔[2]

شاہانِ ساسانیہ کے اُلوہی دعوے

ساسانی تاجدار اپنے آپ کو پیکرِ الوہیت سمجھتے تھے۔ حاجی آباد کے پہلوی کتبے میں شاپور (اول) ساسانی کے القاب یوں درج ہیں:



حاجی آباد کا پہلوی کتبہ

''پرستارِ ارمزد، پیکرِ الوہیت شاپور شہنشاہ ایران و ماورائے ایران ازنسل آفریدگار، پسر پرستارِ ارمزد، پیکرِ الوہیت ارتخشتر شہنشاہ ایران ازنسل آفریدگار، نبیرۂ پیکرِ الوہیت شاہ بابک۔''[3]

شاہ بابک سے مراد اردشیر بابکان (ارتخشتر) کا باپ بابک ہے جس کا نبیرہ (پوتا) شاپور تھا، اور ''ارمزد'' دراصل ''اہورمزدا'' یعنی خدائے واحد ہے۔ شاپور نے خود کو اور اپنے باپ دادا کو ''پیکرِ اُلوہیت'' اور ''اہورمزدا کے پرستار'' لکھوایا۔

ہرمز دوم کے بیٹے شاپور ثانی (309ء تا 379ء) نے، جو شاپور اعظم کہلاتا تھا، رومیوں سے دوسری جنگ میں دجلہ پار کے وہ تمام صوبے واپس لے لیے جو نرسی کے عہد میں چھن گئے تھے۔ اس نے آرمینیا بھی فتح کرلیا۔ اس کے بعد اردشیر دوم، شاپور سوم، بہرام چہارم اور یزدگرد اول نے حکمرانی کی۔ گورخر (جنگلی گدھا) کے شکار کا شوقین بہرام گور یا بہرام پنجم (420ء تا 440ء) یزدگرد اول کا بیٹا تھا۔ وہ رومیوں سے شکست کھا کر صلح پر مجبور ہوا، تاہم اس نے ماوراء النہر سے حملہ آور قوم سفید ہنوں کو شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ پھر یزدگرد دوم، ہرمز سوم، فیروز، بلاش اور قباد

[1] دائرۃ المعارف جوان، ص: 377,376، غلبۂ روم، ص: 30. [2] دائرۃ المعارف جوان، ص: 377. [3] غلبۂ روم، ص: 170.

یکے بعد دیگرے بادشاہ بنے۔ [1] شاہ قباد (487ء تا 531ء) کے عہد میں مزدک کا ظہور ہوا اور 523ء میں مزدکیوں کا قتلِ عام کیا گیا۔

نوشیرواں عادل کا ''عدل''


سکہ نوشیرواں عادل

قباد کے بیٹے خسرو اول یا نوشیرواں عادل (531ء تا 579ء) کا وزیر بزرگ مہر (عربی میں ''بزرجمہر'') بہت اچھا منتظم تھا۔ نوشیرواں کے عہد میں نبی ﷺ کی ولادت ہوئی۔ رومی قیصر جسٹینین کے زمانے میں ایرانیوں سے تین جنگیں ہوئیں۔ نوشیرواں نے سارا شام پامال کر ڈالا اور جسٹینین کے جانشین جسٹن ثانی (565ء-573ء) نے تاوان دے کر صلح کی۔ جندی شاپور (جندی سابور) کا دارالعلم نوشیرواں ہی کے عہد کی یادگار تھا۔ [2]

نوشیرواں کا ''عدل'' دنیا میں بہت مشہور ہے، تاہم یہ سارا عدل رعایا کے درمیان ہوتا تھا۔ جب معاملہ بادشاہ اور رعایا کے درمیان ہوتا تو اس عدل کی شکل مختلف ہوتی۔ بعض اوقات وہ رعایا کے اہم افراد اور اہلِ علم کو بلاوجہ قتل کروا دیتا۔ [3]

اس سلسلے میں ایک دلچسپ حکایت بیان کی جاتی ہے: ''بادشاہ نے ایک مجلس مشاورت منعقد کی اور دبیرِ خراج کو حکم دیا کہ لگان کی نئی شرحیں بآوازِ بلند پڑھ کر سنائے۔ جب وہ پڑھ چکا تو خسرو نے تین بار حاضرین سے پوچھا کہ کسی کو اعتراض تو نہیں۔ ایک شخص کھڑا ہوا اور تعظیم کے ساتھ پوچھنے لگا کہ آیا بادشاہ کا منشا یہ ہے کہ ناپائیدار چیزوں پر دائمی ٹیکس لگائے جو مرورِ ایام سے ناانصافی پر منتج ہوگا۔ اس پر بادشاہ نے گرج کر کہا: اے مردِ ملعون! تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں دبیر (منشی) ہوں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے قلمدانوں سے پیٹ پیٹ کر مار ڈالو۔ اس پر ہر دبیر نے اپنے قلمدان سے اسے مارنا شروع کیا حتی کہ وہ بیچارہ مر گیا۔ اس کے بعد سب نے کہا: عالی جاہ! جتنے ٹیکس آپ نے ہم پر لگائے ہیں، وہ ہمارے نزدیک سب انصاف پر مبنی ہیں۔'' [4]

ہرمز چہارم کے مظالم اور بہرام چوبیں

نوشیرواں کے جانشین ہرمز چہارم کے عہد میں رعایا کے درمیان ہونے والا عدلِ نوشیروانی خواب و خیال ہوگیا۔

[1] دائرۃ المعارف جوان، ص: 377. [2] المنجد في الأعلام، ص: 159، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 130/2، غلبۂ روم، ص: 93.
[3] تاریخ ابن خلدون: 205/2. [4] نبی رحمت ﷺ، ص: 65.


سکہ ہرمز چہارم

بادشاہ ظلم پر اُتر آیا۔ شکایت کرنے والوں کو باغی قرار دے کر اُن کی گردنیں اڑا دی جاتیں، چنانچہ تھوڑے ہی عرصے میں 13 ہزار ناکردہ گناہوں کی گردنیں تیغۂ جلاّد کی نذر ہوگئیں۔ اس پر بابل، سوس اور کرمان کے صوبوں میں لوگوں نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ اس سے فائدہ اُٹھا کر رومیوں نے ایران کے مغربی صوبوں پر حملے شروع کر دیے۔ دوسری طرف چار لاکھ ترکوں کے لشکرِ عظیم نے یورش کی جسے ایرانی سپہ سالار بہرام چوبیں کے 12 ہزار سورماؤں نے درۂ مازندران میں شکستِ فاش دی مگر جب اسی بہرام چوبیں [1] نے رُودِارس (دریائے اراس Araks) کے کنارے رومیوں سے شکست کھائی تو بادشاہ نے اسے زنانہ لباس پہن کر ہاتھ میں چرخہ لیے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ اس تذلیل پر بہرام نے بغاوت کردی، ہرمز کے قاصد کو ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا اور خود ہرمز کو اس کے محل میں گرفتار کر کے قتل کر دیا۔ [2]

خسرو ثانی (خسرو پرویز) کی حکمرانی

ہرمز چہارم کے قتل کے بعد اس کا بڑا بیٹا خسرو پرویز، یعنی خسرو ثانی (589ء تا 628ء) تخت نشین ہوا مگر جلد ہی بہرام سے شکست کھا کر اسے دشمن رومیوں کے ہاں پناہ لینی پڑی۔ قیصر ماریس نے دونوں سلطنتوں میں قیام امن کے امکان کے پیشِ نظر کسریٰ (خسرو) کی درخواست پر ایک فوج اس کے ساتھ کردی جس کی مدد سے اس نے کھویا ہوا اقتدار حاصل کرلیا۔ بہرام شکست کھا کر ترکستان کی طرف فرار ہوگیا۔ اس کرم فرمائی پر خسرو پرویز، ماریس کو از رہِ احترام باپ کہہ کر پکارتا تھا، چنانچہ جب فوکاس نامی غاصب جرنیل نے رومی تخت پر قبضہ کر کے قیصر ماریس اور اس کی آل اولاد کو وحشیانہ طریقوں سے قتل کر دیا تو خسرو پرویز نے روم کے خلاف وہ جنگ چھیڑ دی جس کا سلسلہ بیس برس تک چلتا رہا۔ یہ جنگ آخرکار ایرانیوں کی شکست پر منتج ہوئی۔

خسرو پرویز کا اعلانِ خدائی

پادشاہانِ ساسانیہ خود کو عام انسانوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔ بادشاہ آسمانی خداؤں کی نسل سے تسلیم کیا جاتا تھا۔ خسرو پرویز اپنے نام کے ساتھ حسب ذیل القاب لکھتا تھا:

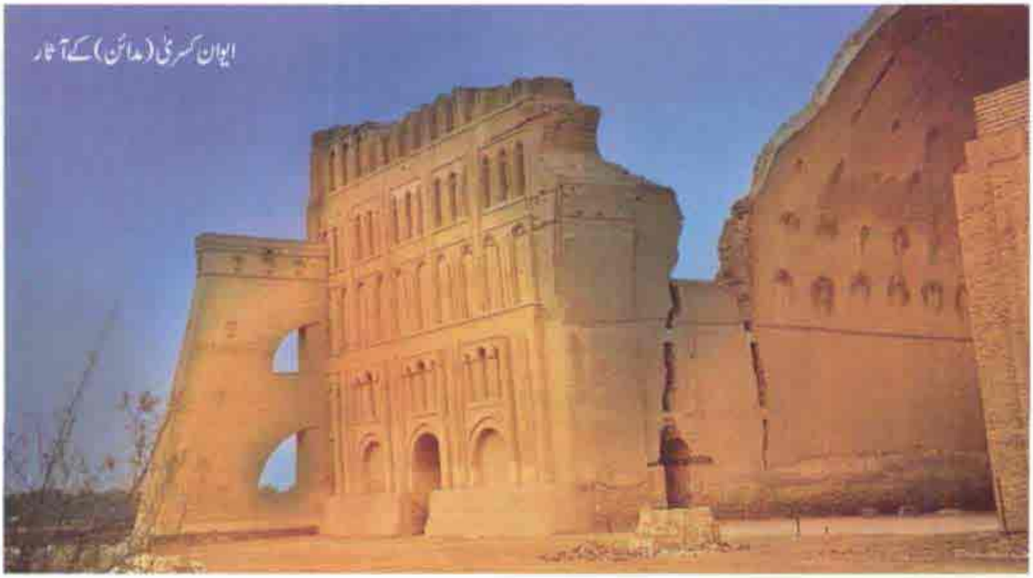
[1] بہرام دبلا پتلا ہونے کے باعث چوبیں (لکڑی جیسا) کہلاتا تھا۔ (حسن اللغات) [2] غلبۂ روم، ص: 97-104.

''خداؤں میں انسانِ غیر فانی اور انسانوں میں خدائے لاثانی، اس کے نام کا بول بالا، آفتاب کے ساتھ طلوع ہونے والا، شب کی آنکھوں کا اجالا۔''[1]

ساسانی دربار کے عجوبے

ملک کی تمام دولت اور آمدنی کے تمام وسائل ساسانی بادشاہوں کی ملکیت سمجھے جاتے تھے۔ مدائن میں ایوانِ کسریٰ، بہارِ کسریٰ (وہ قالین جس پر موسم بہار میں شاہانِ ایران شراب نوشی کیا کرتے تھے)، تاجِ کسریٰ اور دربار سے وابستہ خدم و حشم، بیویوں اور لونڈیوں، خدمت گار لڑکوں، باورچیوں اور خانساماؤں، پرندوں اور درندوں کے سدھانے والوں اور سامانِ شکار اور شاہی ظروف کی افسانوی تفصیلات و جزئیات حیرت انگیز ہیں۔[2] جب اسلامی فتوحات کے نتیجے میں ایران کا آخری تاجدار یزدگرد اپنے دارالحکومت مدائن سے فرار ہوا تو اس حالت میں بھی اس کے ساتھ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار مغنی اور ایک ہزار چیتوں کے منتظم تھے اور شکروں کی دیکھ بھال کرنے والے ایک ہزار ماہروں اور خدم و حشم اور مصاحبین کی ایک بڑی تعداد تھی۔ اتنے بڑے لاؤ لشکر کے باوجود وہ محسوس کرتا تھا کہ مصاحبین و ملازمین کی تعداد اور تعیش و تفریح کے سامان کی کمی کے باعث اس کی حالت انتہائی قابلِ رحم ہے۔[3]

[1] ایران بعہدِ ساسانیاں، ص:339. متکبر بادشاہ خسرو پرویز نے رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی وصول کرنے کے بعد توہین رسالت کا ارتکاب کیا اور عبرتناک انجام کو پہنچا۔ تفصیلات ''شاہانِ عالم کو دعوتِ اسلام'' کے باب میں ملاحظہ کیجیے۔ [2] تاریخ الطبري: 4/178. [3] تاریخ ایران، ص:498.



قدیم ایران کے مذاہب وعقائد

ایران میں ''سچے رسول''

ایران کی معلوم تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ ہمیشہ توحید کا پرچار کرنے والوں کو مبعوث فرماتا رہا۔ اُن کے ذریعے سے اپنی حجت قائم کرتا رہا۔ قدیم ایران کی مذہبی کتابوں میں اللہ کے اِن برگزیدہ بندوں کو 'وخشور' یا 'شت وخشور' کہا گیا ہے۔ اس کے معنی 'رسول' یا 'سچا رسول' کے ہیں۔

ایرانیوں کے ہاں مروجہ روایات کے مطابق مہ ابد، آزر ابد، جے افرام اور جے ابد اوّلیں وخشور تھے۔ یہ عہدِ جمشید سے بہت پہلے ہوئے۔ مہ ابد نے اپنی قوم میں توحید الٰہی کا پرچار کیا تھا لیکن تیرہ پشتوں کے بعد لوگ پھر گمراہ ہو گئے۔

کیومرث اور اس کے بعد ہوشنگ بھی اپنے زمانے کے 'وخشور' یا رسول بیان کیے جاتے ہیں۔ بعض مؤرخین کیومرث کو نوح علیہ السلام کی اولاد میں بتاتے ہیں۔ ہوشنگ کی ایک الہامی کتاب کا نام 'جاوداں خرد' تھا۔ خلیفہ مامون الرشید کے زمانے میں حسن بن سہل نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا تھا۔ ہوشنگ کے عہد میں ان کی تبلیغ سے عدل وانصاف اپنی معراج کو پہنچ گیا، چنانچہ لوگوں نے اُس کا لقب 'پیش داذ' یعنی 'عادل اوّل' رکھ دیا تھا۔ یوں ہوشنگ سے پیش دادوں کے خاندان کا آغاز ہوا مگر منکرینِ توحید دیووں (بڑے شیاطین) نے ہوشنگ کو اللہ کی عبادت کے دوران میں پتھر برسا کر شہید کر دیا۔ [1]

آتش پرستی اور مجوسیت

اولادِ آدم نے آگ کب اور کہاں دریافت کی، اس سلسلے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ شاید کرۂ ارض پر جگہ جگہ معدنی تیل (پٹرولیم) اور گیس کے علاقوں میں جو آگ بھڑکتی تھی، سب سے پہلے انسان نے اسی سے کام لیا ہو یا پھر چقماق پتھر (Flint) کی رگڑ سے پہلی بار آگ حاصل کی ہو۔ چقماق ایک سخت خاکستری پتھر ہے جو تقریباً خالص سلیکا (سلیکون ڈائی آکسائڈ) پر مشتمل ہوتا ہے اور چاک یا کیلشیم کاربونیٹ کے اندر گٹھلوں یا پٹیوں کی شکل میں پایا

[1] قدیم مذہبی تاریخ، ص: 99,98.


مجوسیوں کا آتش کدہ

جاتا ہے۔[1] قدیم دور کے انسان پتھر کے علاوہ خاص قسم کی لکڑی کو باہم رگڑ کر بھی آگ جلا لیتے تھے۔ آج بھی جنگلوں میں رہنے والے بعض قبائل آگ حاصل کرنے کے لیے یہ طریقہ استعمال کرتے ہیں۔

ایران میں آگ کو پوجنے کی روایت قدیم زمانے سے چلی آرہی ہے۔ شاہنامۂ ایران کے مصنف فردوسی لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے آگ کا ظہور ہوشنگ کے زمانے میں ہوا جو دو پتھروں کے اتفاقاً رگڑ کھانے سے پیدا ہوگئی تھی۔ ہوشنگ نے آگ کی دریافت پر اللہ کا شکر ادا کیا۔ جس دن آگ دریافت ہوئی، اُسے ایرانی قوم کا خاص تہوار 'جشن سدہ' قرار دے دیا گیا۔ نیک طینت ہوشنگ کے بعد ان کی لائی ہوئی ہدایت تحریف کا شکار ہوگئی اور بتدریج یہ تہوار آتش پرستی میں تبدیل ہوگیا۔ اس طرح ایران میں آتش پرستی کا آغاز ہوا۔

آگ کی دریافت اور آتش پرستی کے آغاز کے بارے میں تو فردوسی کا بیان قابل اعتماد نہیں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر انسانی معاشرے کی طرح ایران میں بھی پیغمبروں کی سچی تعلیمات تحریف کا شکار ہوئیں اور شرک نے توحید کی جگہ لی۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

''اہل فارس کا نبی وفات پا گیا تو ابلیس نے اُن کو مجوسیت لکھ دی۔''[2]

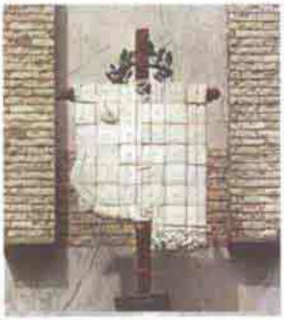
قدیم ایرانی مجوسیوں کے ہاں ایک خدا کا تصور موجود نہ تھا۔ وہ خیر کو روشنی اور شر کو تاریکی خیال کرتے تھے، اس لیے آگ کو روشنی کا سرچشمہ جانتے ہوئے، یزداں (مجوسیوں کے ہاں خیر کا دیوتا، زرتشتیوں کا فرشتہ) کی قربت حاصل کرنے کے لیے، قابلِ پرستش سمجھا گیا اور آتش پرستی کو مذہب کا جزوِ اعظم بنایا گیا جس کے پیروکار (مجوس) کہلائے۔

ہوشنگ کے بعد طہمورث دیوبند ایران کا بادشاہ ہوا۔ اس کے زمانے میں ایک نامعلوم مہلک وبا پھیل گئی۔ بزرگوں اور عزیزوں کے مرنے کے بعد لوگ ان کی تصویریں اور مورتیں یادگار کے طور پر رکھنے لگے۔ یہیں سے قدیم ایران کے مذہب میں بت پرستی شامل ہوئی۔

جمشید کی جھوٹی خدائی اور مظالم

جمشید نے اپنی بادشاہت کی ابتدا میں بتوں کا صفایا کیا لیکن پھر وہ خود گمراہ ہوگیا اور غرور میں آکر اپنے آپ کو

[1] آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری۔ [2] سنن أبي داود:3042.


صابئین کا معبد

زمین کا خدا کہنے لگا۔ اس نے پرستش کے لیے اپنے بت بنوائے اور رعایا میں تقسیم کر دیے۔ جو لوگ جمشید کی عبادت سے انکار کرتے، اُن پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے۔ بہت سوں کو آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔

جمشید سے ایرانی بادشاہت چھیننے والا ضحاک بھی ظالم اور مشرک تھا۔ فردوسی نے اسے شیطان کا چیلا اور جادو پرست لکھا ہے۔ ایرانیوں میں ستاروں کی پوجا بھی ضحاک ہی کے دورِ حکومت میں شروع ہوئی۔ صابئین، یعنی ستارہ پرست سات ستاروں یا سیاروں کی مورتیاں بنا کر اپنے معبدوں میں رکھتے تھے۔ یہ معبد یا "پیکرستان شیداں" کیوان (زحل)، ہُرمُز (مشتری)، بہرام (مریخ)، آفتاب، ناہید (زہرہ)، تیر (عطارد) اور چاند کی عبادت کے لیے تعمیر کیے گئے تھے۔[1]

کورش کبیر کا مذہبِ توحید

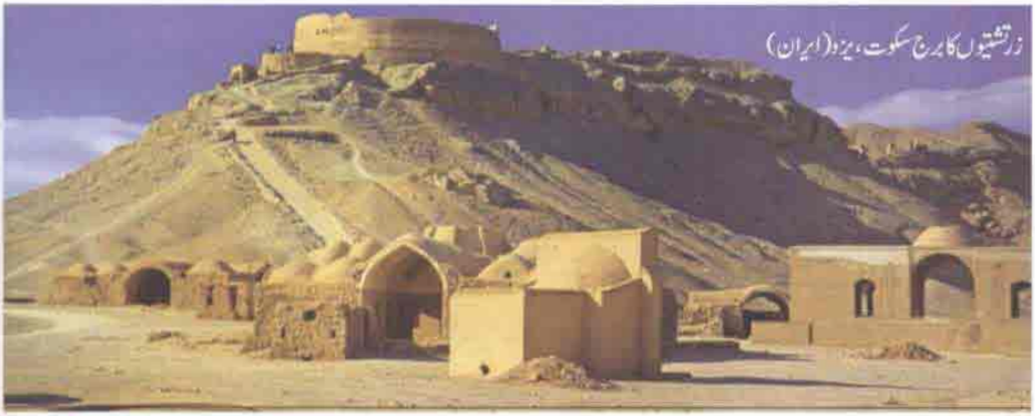
ہخامنشی سلطنت کے بانی کورش کبیر (سائرس اعظم یا ذوالقرنین) نے تخت پر بیٹھ کر ایک بار پھر توحید کو رواج دیا۔ اسے ایرانی اس عہد کا 'شت وخشور' کہتے ہیں۔ ایران میں ذوالقرنین کے مذہبِ توحید کا اثر ایک ڈیڑھ صدی تک رہا۔ اس کے بعد اردشیر دوم کے دورِ حکومت (404-359 ق م) میں ایرانی دوبارہ باطل پرستی میں مبتلا ہو گئے۔

زرتشت: مصلح یا رسول؟

مذہبی مصلح زرتشت یا زردشت 660 ق م کے لگ بھگ علاقہ مادہ (شمال مغربی ایران) کے شہر ارمیا میں پیدا ہوا تھا۔ زرتشت کے لغوی معنی ہیں "خدا پرست"۔ پروفیسر جیکسن کے بقول وہ مادیوں کے ایک قبیلے میگی (مجوس) کا فرد تھا۔ وہ 583 ق م میں فوت ہوا یا بروایتِ مجوس اسے برق و رعد میں آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ زرتشت نے معاشرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور توحید پر مبنی ایک نئے مذہب کی بنیاد رکھی جو اس کے نام پر زرتشتیت (فارسی میں 'زردشتی' اور انگریزی میں Zoroastrianism) کہلاتا ہے لیکن شدید تحریفات کا شکار ہو چکا ہے۔ اس مذہب کو باختر (شمالی افغانستان) میں خاصا فروغ ملا۔ شاہ دارا گشتاسپ اس پر ایمان لے آیا اور آہستہ آہستہ یہ مذہب سارے ملک میں پھیل گیا۔ شہرستانی لکھتا ہے: "زردشت جب تیس سال کا ہوا تو خدا نے اسے نبوت دی اور تمام مخلوق کے لیے رسول قرار دیا۔"

زردشت نے قدیم دیوتاؤں کی پوجا سے منع کیا اور اہورمزدا (آقائے دانش) کی عبادت کی دعوت دی۔ اس زمانے میں ایران میں متھرا پرستی کا اس قدر اثر تھا کہ زرتشت کو دس برس چھپ چھپا کر متھرا پرستی اور بیل کی قربانی

[1] روایات تمدن قدیم، ص: 162.



زرتشتیوں کا برج سکوت، یزد (ایران)

کی مخالفت کرنی پڑی۔ قدیم ہند اور ایران میں مترا یا متھرا روشنی کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ زرتشت سے پہلے ایرانی مجوسیوں کے ہاں متھرا سورج دیوتا کہلاتا تھا اور اسے حلف برداری اور قانونی معاہدے طے کرتے وقت گواہ بنایا جاتا، نیز اس کے لیے بیل کی قربانی دی جاتی۔ [1]

ہخامنشی بادشاہ اردشیر دوم کا دور آتے آتے دینِ زرتشت میں تحریف کر دی گئی تھی اور اس میں متھرا پرستی شامل کر دی گئی تھی، چنانچہ پرسی پولس (ایرانی نام: تختِ جمشید) میں واقع اردشیر کے محل کی شمالی دیوار پر یہ عبارت کندہ ہے:



اردشیر دوم کے محل کا کتبہ

''اہور مزدا اور خدائے متھرا میرے نام کو، اس ملک کو اور میرے کارہائے نمایاں کو رہتی دنیا تک باقی رکھے۔'' [2]

خدائے واحد اَہُورَ مَزدا

قدیم مجوسیّت (Magianism) ایک مشرکانہ مذہب تھا۔ اس میں جن خداؤں کی پرستش کی جاتی رہی، اُن میں ایک اَن دیکھے خدا کو مرکزی حیثیت حاصل تھی جو خدائے اعلیٰ تھا۔ وہ 'اہورمزدا' یا 'اَہُورا مَزدا' کہلاتا تھا۔ نبی و مصلح زرتشت نے بھی باقی سب خداؤں کو چھوڑ کر صرف اسی خدائے واحد اہورمزدا کی پرستش کا احیا کیا تھا۔ گات ہا جو زرتشت کے حمد یہ گیتوں کا مجموعہ ہے اور جس کے متعلق خیال ہے کہ وہ زرتشت کا کلام ہے، اُس کے مطابق اہورَ مزدا ہی آسمان و زمین کا خالق ہے۔ وہ نور و ظلمت کے الٹ پھیر کا سرچشمہ ہے، یعنی نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور میں بدلتا ہے۔ وہی مقتدر اعلیٰ، قانون ساز اور فطرت کا مرکزی نقطہ ہے۔ کُل دنیا کا منصف اور اصول اخلاق کا بانی بھی وہی

[1] Encyclopedia of World Religions, p:742.

[2] ہزارہ ہائے گمشدہ: 330/1.

ہے۔[1] اہورمزدا کو'اورمزدْ (Ormazd)'، 'ہرمزْد' اور 'ہُرمُز' بھی کہا جاتا ہے۔[2]

یزداں: نیکی کا خدا

فارسی میں یزداں 'یزدْ' کی جمع ہے جس کے معنی 'فرشتہ' یا 'خدا' کے ہیں لیکن 'یزداں' بطور مفرد 'خدا' یا 'نیکی کا خدا' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔[3] 'ایزدْ' بھی 'خدا' یا 'فرشتہ' کے معنی دیتا ہے۔ یہ فرشتوں کی اُس مخصوص جماعت کا سربراہ قرار دیا جاتا ہے جسے 'اہورا مزدا' نے دنیا کا نظام چلانے اور اہرمن (شیطان) کی افواج کا مقابلہ کرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ یزداں اور اہرمن دو دیوتاؤں کا عقیدہ ثنویّت (دُوئی) کہلاتا ہے۔

اہرمن: بدی کا دیوتا

اہرمن (AHRIMAN) کو قدیم ایران میں بدی کے دیوتا کی حیثیت سے جانا اور پوجا جاتا تھا۔ زرتشتیوں کا دوئی پرست مکتبۂ فکر اسے 'روحِ خبیثہ' کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ قدیم ایرانیوں کے نزدیک اُس کے غیظ و غضب سے بچاؤ کا صرف ایک طریقہ تھا کہ اُس کی پوجا کی جائے۔

زرتشت نے اہرمن کو شیاطین (DEMONS) کا سردار قرار دیا تھا۔ اہرمن کا اَوستائی نام اَنگرامَینیو (ANGRA MAINYU) ہے۔ اس کے معنی ہیں: ''تباہ کن بھوت۔'' زرتشتیوں کا خیال ہے کہ اہورامزدا قیامت کے روز اہرمن کا خاتمہ کر دے گا۔

حدیث قدریہ کی روشنی میں مجوسی ثنویت کا جائزہ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''قدریہ (تقدیر کے منکر) اس اُمت کے مجوسی ہیں۔ اگر بیمار ہو جائیں تو ان کی عیادت کو مت جاؤ اور اگر مر جائیں تو ان کے جنازے میں شریک نہ ہو۔''

مولانا عمر فاروق سعیدی رحمہ اللہ اس حدیث (4691) کی ذیل میں فوائد و مسائل کے عنوان سے لکھتے ہیں: مجوس دو معبودوں (خداؤں) کے قائل ہیں۔ ایک خالقِ خیر جسے وہ یزداں کہتے ہیں اور دوسرا خالقِ شر جسے وہ اہرمن کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح تقدیر کے منکر خیر کو اللہ کی اور شر کو غیر اللہ کی تخلیق سمجھتے ہیں، حالانکہ خلق اور ایجاد میں اللہ عزوجل

[1] Encyclopedia of World Religions, P: 1165.

[2] المعجم الوسیط، مادۃ: ھرمز۔ [3] فرہنگ فارسی، مادۃ: ایزد.

کا کوئی شریک نہیں اور نہ کوئی اس پر غالب ہے۔

اس نے اپنی حکمت کے تحت شر اور شیطان کو پیدا کیا ہے اور انسان اللہ کی مشیت کے تحت ہی سب کچھ کرتا ہے۔ مشیت اور ارادے کے معنی ہمیشہ رضامندی نہیں ہوتے، اس لیے کہ مشیت اور رضامندی دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ جو کچھ بھی ہوتا ہے، وہ یقیناً مشیت الٰہی ہی سے ہوتا ہے، اس کے بغیر اچھا یا برا کوئی کام بھی نہیں ہوتا لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ کام اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بھی ہو۔ اللہ تعالیٰ کو تو صرف وہی کام پسند ہیں جن کے کرنے کا اس نے حکم دیا ہے، باقی کام ناپسندیدہ ہیں، گو ہوتے وہ بھی اس کی مشیت ہی سے ہیں۔ [1]

جشنِ مہرگان یا مہرجان

قدیم ایران میں موسمِ خزاں کے سولہویں دن متھرا کا جشن منایا جاتا تھا۔ اس جشن کو مہرگان یا متھرا گان کہا جاتا ہے۔ مہرگان کا مطلب 'مہر (متھرا) کا مہینہ' ہے۔ عید نوروز کے بعد ایرانیوں کے ہاں یہ سب سے بڑا جشن تھا۔ غلّے کی کاشت اور مویشی بانی سے فارغ ہو کر ایرانی اس مہینے میں آرام کرتے اور متھرا کے لیے قربانی دیتے تھے۔ قربانی کے ساتھ بڑے پیمانے پر سوم بوٹی کا نشہ آور رس بھی پیا جاتا تھا۔

مہرگان کو عربی میں مہرجان کہتے ہیں۔ آج کل ہر قسم کے میلے اور جشن کے لیے عربی میں 'مہرجان' ہی کا لفظ مروّج ہے۔

زہرہ، ناہید اور اناہیتا

قدیم ایرانیوں کے ہاں اناہیتی دریاؤں، سمندروں اور ہریالی و شادابی کی دیوی تھی، چنانچہ اس کے معبد میں انار، سرسبز ڈالیاں اور گائے کی بچھڑیاں پیش کی جاتیں۔ اناہیتی سامی النسل اقوام کی دیوی عشتار کے مشابہ تھی۔ زرتشت نے اہور مزدا کے سوا تمام خداؤں کو ناقابلِ پرستش قرار دیا، تاہم، دستیاب معلومات کے مطابق، انھوں نے اناہیتی کو اہور مزدا کا فرشتہ بتایا۔ اگر زرتشت سچے پیغمبر تھے تو غالباً ان کا نام لینے والوں نے ان کے تصورِ میکائیل پر اناہیتا کا نام چسپاں کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اردشیر دوم کے عہد (404-359 ق م) میں اناہیتی کی پرستش کا ازسرِ نو آغاز ہوا اور سلطنت میں ہر کہیں اس کی مورتیاں نظر آنے لگیں۔

بنی ساسان کے کتبوں میں اناہیتی کو 'اناہید بانو' اور 'اردوی سور بانو' کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ میڈیا (مادہ) کے

[1] سنن ابو داود (اردو) دارالسلام: 4/561.

شہر اکباتان (Ecbatana موجودہ ہمدان) میں واقع اناہیتی کا معبد کسی زمانے میں دنیا کا سب سے عظیم الشان معبد تھا۔ سونے چاندی کی اینٹوں سے مزین یہ معبد سکندر مقدونی اور سلیوکی بادشاہوں نے مسخر کر کے تاراج کر دیا۔

کوہ قاف، آذربائیجان، افغانستان، وسطی ایشیا اور ایران کے مختلف علاقوں میں بیسیوں پل، قلعے اور عمارتیں ''دختر'' کے نام سے منسوب ہیں، مثلاً: پلِ دختر، قلعۂ دختر، دیزِ دختر اور آبِ دختر۔ 'دختر' دراصل اُناہیتی ہی کا قدیم لقب ہے۔

سروش اور بہرام

زرتشتیوں کے نزدیک 'سروش' (SRAOSHA) ایک فرشتہ ہے۔ 'اہورامزدا' کا کلام سن کر لوگوں تک پہنچانا اُس کے بنیادی فرائض میں شامل ہے۔ اُن کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ سروش کی حاضری کے بغیر کوئی مذہبی رسم پوری نہیں ہوتی۔

قدیم ایران کا دیوتا بہرام فتح کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ بہرام کا ہندی ہم مثل جنگ کا دیوتا 'اندر' (INDAR) ہے۔ بہرام کے نام پر روشن کی جانے والی آگ کو مقدس ترین سمجھا جاتا تھا جو ان کے نزدیک سولہ قسم کے شعلوں کا مجموعہ ہوتی تھی۔ ساسانیوں کے پانچ بادشاہوں نے اپنے لیے بہرام کا نام اختیار کیا۔ دیومالائی خرافات کے مطابق بہرام وقتاً فوقتاً ریچھ، شکاری پرندے، بیل، اونٹ اور طلائی تلوار کے حامل نوجوان جنگجو کا بہروپ بھرتا ہے۔ قدیم ایرانیوں نے مہینے کا بیسواں دن بہرام کے نام منسوب کر رکھا تھا۔

مانی اور مانویت


مذہب مانویت کا پرانا مخطوط

مانی 215ء میں بابل میں پیدا ہوا۔ وہ ایرانی نژاد تھا اور ابتدائے عمر میں زردشت کے مذہب کا ایک پیشوا تھا۔ اس نے قدیم مجوسیت، بُدھ مت اور عیسائیت میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی اور ایک ایسا مذہب مرتب کیا جسے اسی کے نام پر مانویت کہا جاتا ہے۔ اس مذہب کی اصل بنیاد زرتشت سے پہلے کی ثنویت پر رکھی گئی ہے۔

یعقوبی اس کی تعلیمات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''مانی ابن حماد، شاپور اول بن اردشیر ساسانی کے عہد میں ظاہر ہوا۔ اس نے شاپور کے (زردشتی) مذہب کو باطل ٹھہرایا اور اسے اپنی تعلیم ثنویت کی طرف بلایا۔ مانی کہتا تھا کہ کائنات میں متصرف ازلی و ابدی دو عناصر ہیں: نور اور

ظلمت۔ خالق بھی دو ہیں: خالقِ خیر (یزداں) اور خالقِ شر (اہرمن)۔"[1]

مانی نے بدھ مت اور دیگر مذاہب کی رہبانیت کے زیرِ اثر تجرد، ترکِ دنیا اور نسل کُشی کی ترغیب دی تاکہ نہ اولاد پیدا ہو اور نہ شر پھیل سکے۔ اس رہبانیت کے خلاف ردِعمل پیدا ہوا اور زرتشتی، جو اکثریت میں تھے، اُس کے دشمن بن گئے۔ زردشت نے توالد و تکاثر کی دعوت دی تھی۔ مانویہ دن میں چار دفعہ نماز پڑھتے تھے۔ بُت پرستی کے قائل نہیں تھے۔ جھوٹ، لالچ، قتل، زنا، چوری، سحر اور ریاکاری سے منع کرتے تھے اور مہینے میں سات روزے رکھتے تھے۔ مانی نے اپنی کتابوں کے لیے ایک نیا رسم الخط ایجاد کیا۔ وہ اپنی کتابیں، جن میں شاپورکاں (شاپور کے نام پر) مشہور ہوئی، سونے چاندی کے حروف میں لکھتا تھا اور جلد بندی میں بھی سونا استعمال کرتا تھا۔ جب اس کی کتابیں جلائی گئیں تو سونا چاندی ان میں سے پگھل پگھل کر گرتے تھے۔ مانی ایک عظیم مصور بھی تھا۔ وسطی ایشیا کے اویغور ترکوں نے بھی مانویت اختیار کر لی اور بہت عرصہ اس پر قائم رہے۔

مانی کی دعوت پر اگرچہ بادشاہ شاپور اول نے اس کا مذہب قبول کر لیا تھا لیکن موبدِ موبداں (آتش پرستوں کا سب سے بڑا رہنما) کے سامنے مانی کی کچھ پیش نہ گئی۔ موبد کی مخالفت سے بچنے کے لیے مانی ہندوستان چلا آیا۔ یہاں سے لوٹنے پر شاہ بہرام اول نے اسے اذیت ناک طریقے سے قتل کرادیا۔ اس نے مانویہ کا استیصال تو کر دیا لیکن ان کے عقائد صدیوں تک دوسرے مذاہب پر اثر انداز ہوتے رہے۔ عیسائی راہبوں اور مسلمان صوفیوں کے عقائد پر بھی مانویہ کی فاقہ کشی اور ترکِ علائق کی تعلیم کا اثر ہوا۔ بعد کے معروف شعراء ابوالعتاہیہ، ابوالعلا معرّی اور عمر خیام مانی کی قنوطیت سے متاثر ہوئے۔[2] بنوامیہ اور بنوعباس کے زمانے میں کئی اشخاص ایسے تھے جو بظاہر اسلام کا دم بھرتے تھے لیکن باطن میں مانوی تھے۔ مانویہ کو زندیق کہا جاتا تھا۔ صاحب الفہرست کے مطابق جعد بن درہم، بشار بن برد اور ابنِ الزیّات مانوی تھے۔ مانویہ کا کھوج لگانے کے لیے خلیفہ منصور نے ایک محکمہ قائم کر رکھا تھا جس کے سربراہ کا لقب صاحب الزنادقہ ہوتا تھا۔[3]

مزدک اور مزدکیت

مزدک کا ظہور شاہ قباد ساسانی (487ء-531ء) کے عہدِ حکومت میں ہوا۔ قباد شروع شروع میں اس کے افکار کا قائل ہوگیا لیکن موبدوں اور اپنے بیٹے نوشیرواں کی شدید مخالفت کے باعث اس نے مزدک کا مذہب جلد ترک کر دیا۔ مزدک کے خیال میں ہر برے کام کا باعث حسد، غصہ یا لالچ ہے اور یہی تین رذائل ایسے ہیں جنھوں نے خدا

[1] روایات تمدن قدیم، ص: 169۔ [2] روایات تمدن قدیم، ص: 171۔ [3] روایات تمدن قدیم، ص: 171، 172۔

کی مرضی اور حکم کے خلاف مساواتِ انسانی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ انسان کو لالچ، حسد اور غصے سے نجات دلانے کے لیے ضروری ہے کہ اسے جن چیزوں کی ضرورت ہے، وہ سب انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دی جائیں اور سب میں برابر تقسیم ہوں، ان میں ہر قسم کی املاک تقسیم کر دی جائیں۔ اس کے ساتھ اس نے افلاطون کے مانند اشتراکِ نسواں کی بھی دعوت دی۔ اس کی دعوت نے جلد ہی قوت پکڑ لی اور حالت یہ ہوگئی کہ لوگ جس کے گھر میں چاہتے بے تکلف گھس جاتے اور اس کے مال و اسباب اور عورتوں پر قبضہ کر لیتے۔ [1] رہبانیت کا عنصر مزدک کے مذہب میں بھی موجود تھا۔

شاہ قباد کا اپنا بیٹا خسرو (نوشیرواں) مزدک کی تعلیم کو مملکت اور معاشرے کے لیے تباہ کن سمجھتا تھا اور مزدک کی اشتراکیت اور اباحتِ نسواں کا سخت مخالف تھا۔ جب وہ جوان ہو کر با اثر بن گیا تو اس کے اصرار پر شاہ قباد نے مزدکیت کے استیصال کا بیڑا اٹھایا اور مزدکیوں کا قتلِ عام کروایا۔ نوشیرواں نے مزدک کو زندہ دفن کرا دیا اور مزدکی مذہب کی حکماً ممانعت کر دی۔ نوشیرواں نے اپنے بیٹے نوش زاد کو قید میں ڈال دیا کیونکہ وہ عقیدۂ تثلیث کی طرف مائل تھا مگر شہزادہ قید سے نکل بھاگا اور پھر فوج سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اسی دینی خدمت پر موبدوں نے خسرو کو نوشین رواں (غیر فانی روح) کا لقب بخشا تھا جو بتدریج ''نوشیرواں'' میں ڈھل گیا۔

نظام الملک طوسی اپنی کتاب ''سیاست نامہ'' میں لکھتا ہے:

''مزدک کی تعلیمات بعد ازاں بہت سے اسلامی فرقوں میں بھی نفوذ کر گئیں۔ مقنع (م 163ھ)، بابک (م 224ھ) اور محمد بن علی شلمغانی (322ھ)، جنھوں نے دور عباسیہ میں علمِ بغاوت بلند کیا تھا، مزدک کی طرح اشتراکیتِ املاک اور اباحتِ نسواں کے داعی تھے۔'' باطنیہ میں بھی مزدکیت موجود ہے۔ [2] انیسویں صدی عیسوی میں جرمن یہودی کارل مارکس نے مزدک کی طرح اشتراکِ املاک پر مبنی نظریۂ اشتمالیت (Communism) پیش کیا جس کے عبوری مرحلے کو اشتراکیت (Socialism) کا نام دیا گیا۔ اسی لیے علامہ اقبال نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں کارل مارکس کو ابلیس کے ایک مشیر کی زبانی ''روحِ مزدک کا بروز'' قرار دیا ہے اور پھر خود ابلیس کی زبانی اشتراکیت (مزدکیت) کے بارے میں کہلوایا ہے ع

مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے [3]

[1] نبی رحمت ﷺ، ص: 48. [2] روایات تمدن قدیم، ص: 173,172. [3] کلیات اقبال (ارمغان حجاز)، ص: 654-656.



ایران میں آفتاب پرستی

دنیا کے باقی ادیان کی طرح زرتشت کے نام سے موسوم ہونے والے دین میں بھی عقیدے اور عمل کی وہ ساری بدعتیں شامل ہوتی گئیں جن کے خلاف زرتشت نے علم اٹھایا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، ایرانی مذہب میں آفتاب پرستی بھی شامل ہوگئی تھی۔ سورج انھیں روشنی اور حرارت کا سب سے بڑا منبع نظر آتا تھا، اسی بنیاد پر اس کی پوجا ہونے لگی۔

''ایران بعہدِ ساسانیان'' کا مصنف آرتھر کرسٹین سین لکھتا ہے:

''سرکاری ملازمین کے لیے لازمی تھا کہ وہ دن میں چار بار سورج کی پوجا کریں۔ چاند، آگ اور پانی کی پوجا اس کے علاوہ تھی۔ سونے جاگنے، نہانے، جنیو پہننے، کھانے پینے، چھینکنے، حجامت بنوانے، ناخن ترشوانے، قضائے حاجت اور شمع جلانے، غرض ہر کام کے لیے الگ الگ دعائیں تھیں اور ان کا اہتمام کرنا ضروری تھا۔ ان کو یہ احکام دیے گئے کہ آتش کدوں کی آگ کسی وقت بجھنے نہ پائے اور آگ اور پانی ایک دوسرے سے نہ ملیں، دھات کو زنگ نہ لگے، اس لیے کہ معدنیات بھی ان کی نگاہوں میں مقدس تھیں۔''[1]

ایران کے آخری بادشاہ یزدگرد نے ایک مرتبہ سورج کی قسم کھاتے ہوئے یہ جملہ کہا تھا کہ ''میں سورج کی قسم کھاتا ہوں جو سب سے بڑا معبود ہے۔'' اس نے ان عیسائیوں کو جو عیسائیت سے توبہ کر چکے تھے، اس کا پابند کیا تھا کہ وہ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے سورج کی پوجا کیا کریں۔[2]



زرتشتی معبد پر بنی ہوئی علامت

[1] ایران بعہدِ ساسانیان، ص: 155۔ [2] ایران بعہدِ ساسانیان، ص: 187,186۔

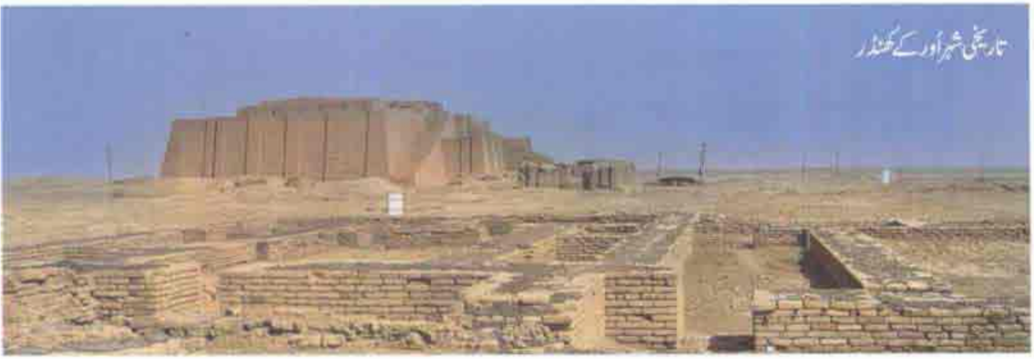
2

عراق (بابل و نینویٰ)

عراق کی وسعت

میسوپوٹیمیا (بلادِ رافدَین یا مابین النہرین یا الجزیرہ) یعنی عراق کا میدان سطح مرتفع آرمینیا کی جنوبی ڈھلانوں (جنوب مشرقی ترکی) سے خلیج فارس تک تقریباً چھ سو میل کی لمبائی میں پھیلا ہوا تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب تاریخی شہر "اُور" یا "اُر" خلیج کے قریب واقع تھا۔ ہزاروں سال دجلہ وفرات کی سیلابی مٹی جمع ہوتے رہنے کی بنا پر جنوب میں ساحلِ خلیج ساٹھ میل پیچھے ہٹ گیا ہے۔ شرقاً غرباً عراق کی وسعت کوہ زاغروس (ایران) اور بادیۂ شام کے درمیان ہے۔

زمانۂ قدیم میں یہ میدان تمدنی اعتبار سے بڑی قوموں کا وطن تھا۔ یہ دو حصوں میں منقسم تھا: شمالی حصے میں اشور واقع تھا اور جنوبی حصے میں بابل آباد تھا۔ اشور کے شہروں میں نینویٰ، خورس آباد اور اربیلا (موجودہ اربیل) بطور خاص نمایاں تھے، جبکہ بابل کے شہروں میں سے خود بابل، کِش، اکاد اور انتہائی جنوبی حصے میں "اُور" قابل ذکر تھے۔ اشور کے شہر دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھے اور بابل کے شہر دریائے فرات کے کنارے یا اس کے قریب تھے۔



تاریخی شہر اُور کے کھنڈر

حضرت نوح علیہ السلام اور طوفانِ عظیم

عہدِ قدیم میں حضرت شیث بن آدم علیہما السلام کی آٹھویں نسل میں حضرت نوح علیہ السلام موجودہ کوفہ (عراق) کے آس پاس آباد قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے جو وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر نامی بتوں کی پجاری تھی۔ آپ نے



ارارات کی چوٹی (ترکی)

ساڑھے نو سو سال رشد و ہدایت کا فریضہ انجام دیا مگر قوم بُت پرستی سے باز نہ آئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس سرکش قوم کو ایک عظیم سیلاب میں غرق کر دیا۔ حضرت نوح علیہ السلام اور تقریباً چالیس مومنوں کی جماعت اس کشتی میں محفوظ رہی جو انھوں نے حکمِ الٰہی سے تیار کی تھی اور انھی سے نسل انسانی کا سلسلہ آگے چلا۔ طوفان میں خود نوح علیہ السلام کا نافرمان بیٹا کنعان بھی غرق ہوگیا۔ کشتیٔ نوح کوہِ جودی پر اتری تھی جو ترکی اور آرمینیا کی سرحد پر پھیلے ہوئے پہاڑی سلسلہ اراراط (ارارات) کی ایک چوٹی ہے۔ آٹھویں صدی عیسوی تک اس جگہ ایک معبد اور ہیکل موجود تھا جسے کشتی کا معبد کہا جاتا تھا۔[1]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ نوح علیہ السلام کا کافر بیٹا کنعان طوفانِ عظیم میں غرق ہوگیا تھا، لہٰذا اس کی کوئی نسل نہیں چلی، البتہ کنعان بن سام یا کنعان بن حام بن نوح کی نسل آگے چلی۔ اس کی طرف منسوب اقوام میں شام (فلسطین) کے جابر حکمران شامل ہیں۔ بائبل میں اس کا تذکرہ بکثرت ملتا ہے۔[2]

تاریخی آثار کے مطابق پتھر اور پیتل کے دور کے آخر میں دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے (بلاد الرافدین یا میسوپوٹیمیا) کو عظیم طوفان نے آلیا تھا۔ اس دور کے آثار جرمو (نزد سلیمانیہ)، تل حَسُّونہ (جنوبِ موصل)، تل العبید (نزد ''اُور'')، اوروک (ورکاء)، شروباک (فارہ) اور بابل کے مشرق میں جمدۂ نصر (نزد کیش) میں ملتے ہیں۔ جرمو کے آثار کا زمانہ ماہرین نے 6500 ق م بتایا ہے جبکہ تل حسونہ کا زمانہ 5750 ق م بتایا جاتا ہے۔[3] قوم نوح کے آثار انھی میں ہوسکتے ہیں۔

سمیری، اکادی اور اموری حکومتیں

مسیح علیہ السلام سے تقریباً چار ہزار سال قبل عراق کے جنوبی حصے میں سمیری اور شمالی حصے میں اکادی آباد تھے جنھیں عام طور پر سامی سمجھا جاتا ہے۔ تیسری ہزاری قبل مسیح میں شمالی شام سے اموری بابل وارد ہوئے اور 1900 ق م کے لگ بھگ پہلی اموری حکومت کا قیام عمل میں آیا۔ 1600 ق م کے آس پاس حتیوں (Hittites) نے بابل پر یورش کی، پھر کسّیوں

[1] قصص القرآن:1/63-85. [2] معجم البلدان، مادۃ: کنعان، سبائك الذهب، ص: 30، الجمهرة لابن حزم، ص: 463، کتاب مقدس (پیدائش) 10:6-20، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا. [3] اطلس القرآن (اردو)، ص:45.

(Kassites) نے اسے فتح کرلیا۔1100 ق م کے قریب آرامیوں نے ملک کو پامال کیا اور دریائے فرات کے ساتھ ساتھ پورے علاقے پر قابض ہوگئے۔ یہ بھی سامی النسل تھے۔

وقت کے پیمانوں اور رسم الخط کی ایجاد

سمیریوں میں پہلے شش گانہ عددی نظام رائج تھا، مثلاً: گنتی میں درجن وغیرہ یا آج کل کے حساب کے مطابق دن کے چوبیس گھنٹے اور گھنٹے کے ساٹھ منٹ، منٹ کے ساٹھ سیکنڈ۔ اس کے ساتھ بہت جلد دہ گانہ (اعشاری) نظام شامل کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح ابتدا میں سمیریوں کے ہاں تصویری رسم الخط رائج تھا، پھر انھوں نے پیکانی (میخی) رسم الخط ایجاد کیا جو مٹی کی تختیوں پر کندہ کرنے کے لیے بہت موزوں تھا۔

حمورابی اور دنیا کا پہلا دستور



شاہ حمورابی کا ایک کتبہ

بابل کی اموری سلطنت کا چھٹا بادشاہ حمورابی (لگ بھگ 1800 ق م) تھا۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ حمورابی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہم عصر تھا۔ اس نے پورے عراق کو مسخر کیا اور قوانین کا ایک مجموعہ مرتب کیا جسے دنیا کا پہلا دستور کہا جاتا ہے۔ اس نے جو قوانین بنائے، رومی سلطنت کے زمانے تک ان کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ [1] بلکہ رومیوں نے بھی بنیادی طور پر حمورابی ہی کے مجموعۂ قوانین سے استفادہ کیا۔

ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

امام ابن جریر طبری نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے جہاں یہ مروج قول نقل کیا کہ وہ ارض سواد (جنوبی عراق) میں بابل کے مقام پر پیدا ہوئے تھے، وہاں بعض محقق علماء کا یہ قول بھی نقل کیا کہ آپ کی پیدائش سواد میں کوثیٰ کے مقام پر ہوئی۔ اس وقت بابل کا بادشاہ نمرود بن کوش (یا نمرود بن کنعان بن کوش) بن سام بن نوح تھا۔ جبکہ بعض دیگر علماء کا خیال ہے کہ "نمرود" لقب تھا اور بادشاہ کا اصل نام ذرہی بن طہماسفان تھا۔ [2] بائبل میں بھی اسے نمرود کہا گیا ہے۔ (سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ عنوان "عرب مستعربہ" میں ملاحظہ کیجیے)

[1] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 2/42-46. [2] تاريخ الطبري: 1/162,163.

شمالی عراق میں اشوری سلطنت (نینویٰ)

اٹھارویں صدی ق م میں نینویٰ (موجودہ موصل کے قریب) میں اشوری بادشاہت قائم ہوئی۔ دسویں صدی ق م میں ان کی سلطنت عراق اور شام کے علاقوں میں پھیلنی شروع ہوئی۔ ''اشور'' ان کے قومی دیوتا کا نام تھا جس کی یہ پرستش کرتے تھے۔ بعد میں یہ لوگ عشتار (اشتر) دیوی کی پوجا بھی کرنے لگے۔ اشوریہ کے عروج کا پہلا دور 933 ق م میں شروع ہوا۔ شاہِ اشور نصرپال ثانی نے بحیرۂ روم تک کے علاقے فتح کر لیے۔ اسی کے عہد میں قلعے توڑنے والی منجنیق اور محاصروں میں کام دینے والے آلات استعمال ہونے لگے۔ دوسرا بڑا اشوری بادشاہ شلمنسر دوم تھا۔ اس نے بحیرۂ روم کے ساحل پر واقع دو شہروں صور، صیداء اور یہودی ریاست اسرائیل سے خراج لیا۔ شلمنسر سوم (911 تا 891 ق م) نے جنگ قرقار میں شاہِ اسرائیل احاب اور شاہِ دمشق حدادایزر سے شکست کھائی۔[1]



شلمنسر دوم اشوری کا کتبہ

یونس (علیہ السلام) کی بعثت اور قوم کی توبہ

اشوری قوم کی ہدایت کے لیے حضرت یونس علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ یونس علیہ السلام کا زمانہ 860 تا 784 ق م بتایا جاتا ہے۔ اشوریوں کا مرکز نینویٰ 60 میل کی مسافت پر محیط دائروی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے ایک مدت تک اپنی قوم کو پیغامِ حق سنایا اور توحید کی طرف بلایا لیکن قوم مسلسل اللہ کی نافرمانی وسرکشی کی راہ پر گامزن رہی۔ مایوس ہوکر یونس علیہ السلام نے ان کے لیے عذابِ الٰہی کی بددعا کی اور خفگی کے عالم میں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ شام سے ہوکر آپ یافا پہنچے اور ایک کشتی میں سوار ہوئے جو راستے میں طوفانی موجوں میں گھر گئی اور قریب تھا کہ لہروں کی نذر ہوجائے۔ کشتی والوں نے قرعہ نکالا تو وہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام نکلا اور تین بار ایسا ہی ہوا۔ آخر حضرت یونس علیہ السلام نے سمندر میں چھلانگ لگادی اور ایک بڑی مچھلی (غالباً وہیل) نے آپ کو نگل لیا۔ غم اور ندامت کے مارے آپ نے مچھلی کے پیٹ ہی میں اللہ کے سامنے فریاد کی:

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾ (الأنبیاء 87:21)

---

[1] History of the World, P:52، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 48,47/2.



”تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں۔“

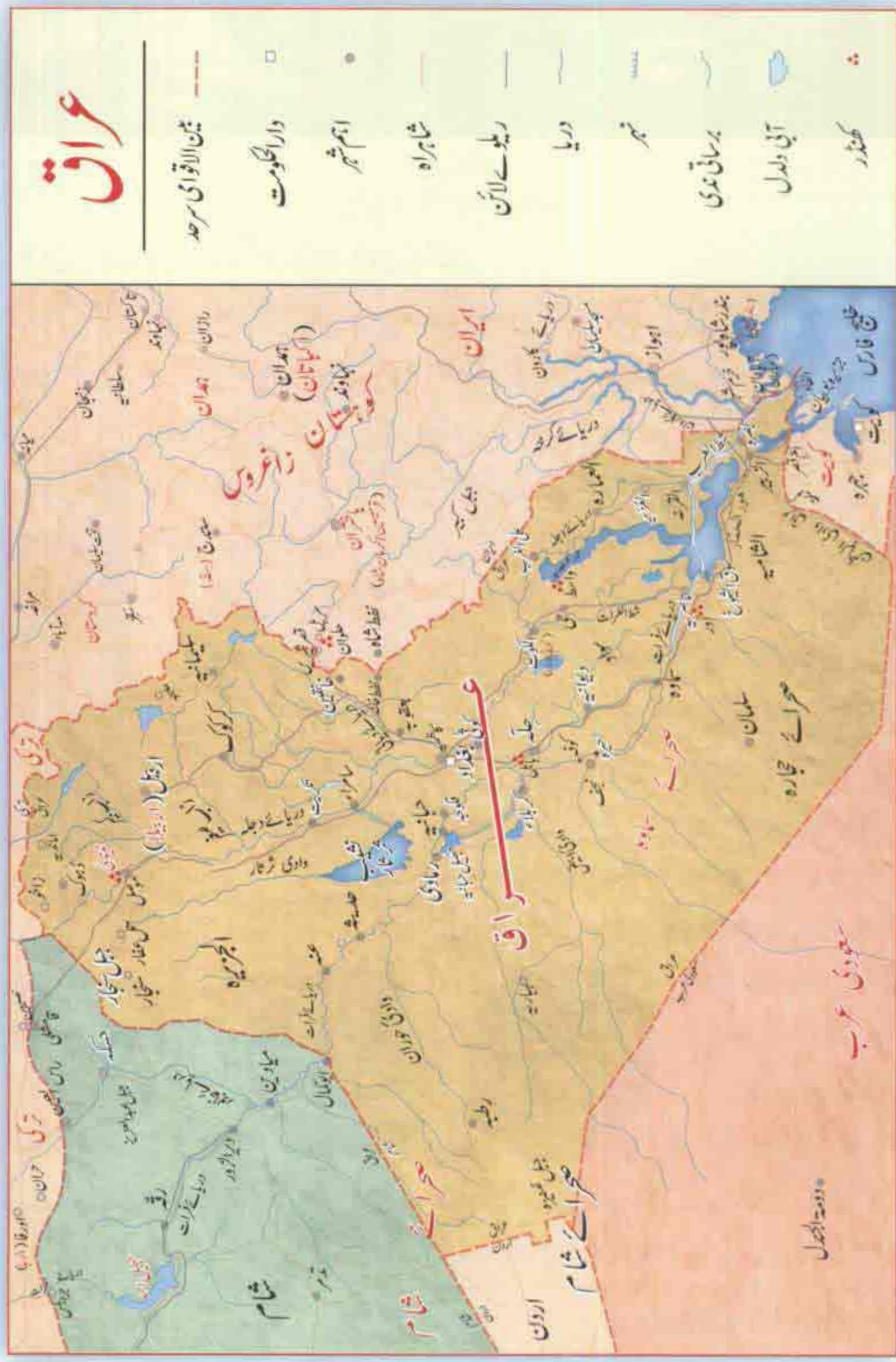
اللہ تعالیٰ کے حکم سے مچھلی نے آپ کو ایک صاف جگہ اگل دیا۔ وہاں ایک بیل دار پودے کے سائے میں آپ کو پناہ اور کھانا ملا، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اب قوم کے پاس جائیں اور ان کی رہنمائی کریں۔ اس دوران میں قومِ یونس نے عذاب کے آثار دیکھے تو میدان میں نکل کر گڑگڑائے، اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی اور شرک و بت پرستی سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ یہ واحد قوم تھی جسے عذاب دکھائے جانے کے بعد بخش دیا گیا۔ [1]

اشوریوں کا بابل پر قبضہ

745 ق م میں اشوریوں کی عظمت کا نیا دور شروع ہوا۔ تغلت پلسر سوم نے شام اور آرمیبیا فتح کر لیے اور بابل کو اشوری سلطنت میں ضم کیا۔ سارگون (سرجون) دوم (721 تا 704 ق م) کے بیٹے سنحارب (704 تا 681 ق م) نے 689 ق م میں بابل کو تاخت و تاراج کیا۔ سنحارب کو اس کے بیٹے اسرحدون نے قتل کر کے خود تخت سنبھالا۔ اس نے بابل کو دوبارہ تعمیر کیا۔ اشور بنی پال (668 تا 627 ق م) اشوریہ کا آخری بڑا بادشاہ تھا۔ اس کے بعد بابل نے بغاوت کر دی اور 612 ق م میں بابل اور مادہ (ایران) کی فوجوں نے مل کر نینویٰ اور دیگر اشوری شہروں کو تاراج کر ڈالا۔ [2]

[1] اطلس القرآن (اردو)، ص: 184-186.

[2] History of the World, P:57,58.


عراق
بین الاقوامی سرحد
دارالحکومت
اہم شہر
شاہراہ
ریلوے لائن
دریا
نہر
برساتی ندی
آبی دلدل
کھنڈر



بابل شہر کے کھنڈر

عراق پر بخت نصر، سکندر اعظم اور ساسانیوں کا تسلط

729ق م سے 625 ق م تک بابل اشوری سلطنت کا حصہ بنا رہا۔ اس کے بعد کلدانی آرامی بابل میں برسرِاقتدار آئے اور پھر پورے عراق پر چھاگئے۔ ان کا مشہور بادشاہ بخت نصر دوم 605 ق م سے561ق م تک حکمران رہا۔ اس نے586ق م میں ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) کو تباہ کر دیا اور مصریوں کو شکست دی۔ بنی اسرائیل کی سلطنتِ یہودیہ کو بابلی سلطنت میں ضم کرلیا اور ایک لاکھ یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے آیا۔ اس نے بابل کے اردگرد عالیشان فصیلیں بنائیں اور عمارتیں تعمیر کرائیں۔ بابل میں بخت نصر کے بلندی پر لگائے ہوئے معلّق باغات قدیم دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔

539ق م میں ایران کے حکمران سائرس (ذوالقرنین) نے بابل سمیت پورے عراق کو فتح کیا اور پھر دو صدیوں تک یہ ملک ایرانیوں ہی کے قبضے میں رہا حتی کہ 332ق م میں سکندر اعظم مقدونی (یونانی) نے بابل فتح کر کے اسے اپنی سلطنت کا مرکز بنالیا۔ سکندر کے بعد اس کی ایشیائی میراث یونانی سلیوکیوں کے قبضے میں آئی۔ ان کے بعد 171ق م سے 226ء تک ایرانی پارتھی عراق پر حکمران رہے۔ بعد ازاں ایران کے ساسانی بادشاہ اس پر قابض ہوگئے۔ آخر کار37-636ء میں عرب مسلمانوں نے عراق فتح کر لیا۔



عباسی دور کے سکے کے دو رُخ

صابئیت یا ستارہ پرستی

ستارہ پرستی شرک کی قدیم ترین صورتوں میں سے ایک ہے۔ ستارہ پرستوں کو صابی (جمع صابئین) کہا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں عراق میں یہی مشرکانہ مذہب رائج تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور توحید کی دعوت دی جو کامیاب رہی لیکن یہ فرقہ مٹا نہیں، کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا۔



معبد صابئیت (عراق)

صابی ابتدا میں ایران، عراق اور جنوبی ترکی میں پھیلے ہوئے تھے۔ ترکی میں ان کا مرکز حران تھا جسے قدماء "کاریا" یا "کرہی" (Carrhe) کہتے تھے۔[1] ان کی زبان سریانی تھی۔ اس فرقے کا آغاز بعض علماء کے نزدیک بابل سے ہوا جہاں انھوں نے اسرائیلی جادوئی رسوم، ایرانی تقویم اور مندوی (Mandaic) زبان کے لیے ایرانی الفاظ اخذ کیے۔ دیگر اہلِ علم کہتے ہیں کہ ان کی ابتدا شام و فلسطین سے ہوئی جیسا کہ اس فرقے کی کتاب حاران گویتا (Haran Gawaitha) میں لکھا ہے کہ پہلی صدی عیسوی کے مندوی صابی علماء (Nasoreans) نے فلسطین سے الجزیرہ (میسوپوٹیمیا) کی طرف خروج کیا۔ ان کی مذہبی تحریروں میں عہد نامہ عتیق کا رنگ ہے اور ان کے اخلاق اور شادی بیاہ کے سخت ضابطے یہودی نوعیت کے ہیں۔[2]

عہد اسلام میں صابیوں (Sabians) کے دو مختلف فرقے تھے:

1. مَنْدَیا (Mandaeans) یا مندویون (مغتسلہ) جو صَبّوہ (سُبّہ Subbas) بھی کہلاتے تھے۔ یہ عراق کا ایک ایسا فرقہ تھا جس کے عقائد اور اعمال کی بنیاد خاصی حد تک یہودی و عیسائی مذہبی تصورات پر تھی۔ وہ رسم اصطباغ کے بھی پابند تھے۔
2. صابئہ حران، یعنی قدیم صابی عقائد کا حامل وہ مشرک فرقہ جو عیسیٰ علیہ السلام کو مسیح نہیں مانتے تھے اور یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) کی حُرمت کے قائل تھے۔ یہ فرقہ اپنے عقائد اور ان ذہین فضلاء کی وجہ سے جو اس میں پیدا ہوئے، عرصے تک باقی رہا۔ ان فاضل لوگوں میں ممتاز مہندس، ہیئت دان اور فلسفی ثابت بن قرہ، طبیب اور ماہر فلکیات

---

1. جغرافیہ خلافت مشرقی، ص: 103(130)۔
2. Encyclopedia of World Religions, p:688.



مجوسیوں اور صابیوں کے مقامات
مجوسیوں (زرتشتیوں) کے مراکز
صابیوں کے مراکز
بازنطینی سلطنت (روم)
ساسانی سلطنت
غسانی سلطنت
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ عرب
خراسان
فارس
کرمان
افغانستان
بلوچستان
عمان
حضرموت
حبشہ
1200
900
600
300
0

سنان بن ثابت، ابو اسحاق بن ہلال، البتانی اور ابو جعفر خازن جیسے لوگ نمایاں ہیں۔

259ھ/872ء میں ثابت بن قرہ کا اپنے ہم مذہبوں سے اختلاف ہوگیا، چنانچہ اسے حران کی صابی جماعت سے خارج کر دیا گیا۔ وہ بغداد آ گیا جہاں اس نے صابئیت کی ایک اور شاخ قائم کر لی۔ کچھ عرصے بعد خلیفہ قاہر باللہ کے عہد حکومت میں ثابت کے بیٹے سنان نے اسلام قبول کرلیا۔ تقریباً 364ھ/975ء میں خلیفہ مطیع للہ اور خلیفہ طائع للہ کے کاتب ابو اسحاق بن ہلال صابی نے حران، رقہ اور دیار مضر میں رہنے والے ہم مذہبوں کے حق میں ایک فرمان جاری کرالیا جس کی رو سے اس کے بغدادی ہم مذہبوں سمیت تمام صابئین کو اہل ذمہ میں شمار کرلیا گیا۔

گیارہویں صدی عیسوی کے آغاز میں بغداد اور حران میں بہت سے صابی موجود تھے مگر 424ھ/1033ء تک حران میں صرف ایک چاند کا معبد باقی رہ گیا تھا جو ایک قلعے کی شکل میں تھا۔ اسی سال اس معبد پر مصری فاطمیوں نے قبضہ کرلیا۔ گیارہویں صدی عیسوی کے وسط کے بعد حران میں صابیوں کا کوئی سراغ نہیں ملتا، گو اس صدی کے آخر تک وہ بغداد میں پائے جاتے تھے۔

شہرستانی کے بیان کے مطابق، تمام صابئین تین نمازیں پڑھتے تھے۔ کسی میت کو چھونے کے بعد وہ اپنے آپ کو غسل کے ذریعے سے پاک کرتے تھے۔ سور، کتے، نیز پنجے والے پرندوں اور کبوتر کا گوشت ان کے ہاں حرام تھا۔ ختنے کی رسم موجود نہ تھی۔ طلاق صرف قاضی کے حکم سے واقع ہوتی اور ایک آدمی کے نکاح میں دو عورتیں نہیں ہوسکتی تھیں۔ [1]

سید ابو الاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

"صابئین کے نام سے قدیم زمانے میں دو گروہ مشہور تھے۔ ایک حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پیرو جو بالائی عراق، یعنی الجزیرہ کے علاقے میں اچھی خاصی تعداد میں پائے جاتے تھے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیروی میں اصطباغ کے طریقے پر عمل کرتے تھے۔ دوسرے ستارہ پرست لوگ جو اپنے دین کو حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہما السلام کی طرف منسوب کرتے تھے اور عناصر پر سیاروں اور ستاروں کی فرماں روائی کے قائل تھے۔ ان کا مرکز حران تھا اور عراق کے مختلف حصوں میں ان کی شاخیں پھیلی ہوئی تھیں۔ یہ دوسرا گروہ اپنے فلسفہ و سائنس اور فن وطب کے کمالات کی وجہ سے زیادہ مشہور ہوا اور وہ غالباً نزول قرآن کے زمانے میں اس نام سے موسوم نہ تھا۔" [2]



صابئین کا قدیم مخطوطہ

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 12/3-6۔ [2] تفہیم القرآن، الحج 17:22۔

3

شام اور لبنان

شام بشمول لبنان و فلسطین اور مصر ماضی قدیم میں فرعونی، یونانی اور رومی تہذیبوں کے خطے تھے ۔ اور یہاں اصنام پرستی کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ یہیں آج سے تقریبا سوا تین ہزار سال پہلے یہودیت نے جنم لیا اور یہیں دوہزار سال قبل عیسائیت پروان چڑھی۔ اس حوالے سے ہم یہاں ان ممالک کی تاریخ و تہذیب اور مذاہب کی تفصیل بیان کر رہے ہیں ۔

شام وسیع معنی میں اس علاقے کو کہا جاتا تھا جو کوہ طارس (جنوبی ترکی) کے جنوب میں مشرقی بحیرۂ روم اور دریائے فرات کے درمیان واقع ہے لیکن بعد میں یہ نام مذکورہ علاقے کے صرف شمال مشرقی حصے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ فنیقیہ (لبنان)، فلسطین اور اردن کو اس سے الگ کر دیا گیا۔ قدیم شام کے مشہور شہر یہ تھے: دمشق، ارپد (تل ارنود)، حلب، انطاکیہ، قادس (Kadesh)، حماۃ اور تدمر (Palmyra)۔ [1] دمشق دنیا کے قدیم ترین شہروں میں شمار ہوتا ہے۔

آج کا شام

موجودہ عرب جمہوریہ سوریہ (شام) بحیرۂ روم، لبنان، ترکی، فلسطین، اردن اور عراق میں گھرا ہوا ہے۔ اس کا دارالحکومت دمشق ہے۔ موجودہ شام 13 صوبوں میں منقسم ہے: دمشق، حلب، حماۃ، حمص، لاذقیہ (Latakia)، اِدلب، حسکہ، دیرالزور، درعا، سُویداء، طرطوس، رقہ اور قُنَیطرہ۔ جنوبی شام میں حوران کی سطح مرتفع ہے۔ اُردو میں ماضی کے ملک شام کو آج بھی ''شام'' ہی لکھا جاتا ہے۔ یاد رہے موجودہ شام میں الجزیرہ کا مغربی حصہ بھی شامل ہے

[1] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 64/2.



دمشق شہر کا ایک منظر


شام ولبنان
دارالحکومت
ریلوے لائن
نہر
بین الاقوامی سرحد
شاہراہ
اہم شہر
دریا
برساتی ندی
ترکی میں شامل علاقہ جس پر شام کا دعویٰ ہے
کھنڈر
عرب جمہوریہ سوریہ
(شام)
صحرائے شام
عراق
اردن
لبنان
فلسطین
بحیرۂ روم
اناطولیہ (ترکی)
حلب
حمص
حماۃ
دمشق
درعا
سویدا
لاذقیہ
طرطوس
بانیاس
جبلہ
ادلب
رقہ
دیرالزور
تدمر
ابوکمال
حسکہ
قامشلی
رصافہ
بصیرہ
صالحیہ
سنجار
تل عفار
بیروت
طرابلس
صیدا
صور
اردن

جو ابوکمال (برلبِ فرات) سے لے کر دجلہ کے کنارے عین دیوار اور مغرب میں جرابلس (کرکمیش) تک واقع ہے۔

شام، ارام (آرام) اور سُوریہ

معروف محقق ڈاکٹر سید رضوان علی واسطی لکھتے ہیں: ''جنگ عظیم اول کے بعد سے اس ملک کا سرکاری نام سُوریہ ہے۔ قدیم عرب تواریخ اور جاہلی عرب شعراء کے اشعار میں اس کا نام شام ہے۔ یاقوت لکھتے ہیں: مؤرخین کے مطابق یہ نام (شام) حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کے نام پر ہے۔ (انگریزی تورات میں سام کا نام Shem آیا ہے)۔[1]

ایک روایت کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کی سلطنت کے شمالی حصے میں 9 اسرائیلی اسباط کی جو حکومت قائم ہوئی، اس کا نام شامین تھا۔ اسلام سے قبل عرب تجار نے ''شامین'' کو مختصر کر کے ''شام'' کر دیا۔

ماضی کے ''شام'' میں وہ سارا علاقہ شامل تھا جو جنوبی ترکی اور دریائے فرات سے لے کر غزہ کے مغرب میں العریش تک اور بحیرۂ روم سے جزیرہ نمائے عرب کے شمال میں جبل طے تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ترکی کے سرحدی شہر مصیصہ، طرسوس، اضنہ (Adana) اور انطاکیہ وغیرہ بھی شامل تھے۔ بعض مفسرین نے سورۂ بنی اسرائیل کی پہلی آیت کے الفاظ: ﴿بَٰرَكۡنَا حَوۡلَهُۥ﴾ سے سارا ملک شام بشمول فلسطین مراد لیا ہے۔ سورۂ قریش کی آیت: ﴿رِحۡلَةَ ٱلشِّتَآءِ وَٱلصَّيۡفِ﴾ میں رحلتِ صَیف (گرمائی کوچ) کی تفسیر بھی ملک شام کی طرف سفر سے کی گئی ہے۔ صحیح بخاری کی حدیث کے الفاظ «اَللّٰهُمَّ! بَارِكْ لَنَا فِي شَامِنَا» ''اے اللہ! ہمارے شام میں برکت عطا فرما''[2] میں گویا فتحِ شام کی خوشخبری موجود ہے۔

''سوریہ'' شام کا قدیم یونانی نام ہے جس کی تصدیق انجیل لوقا سے بھی ہوتی ہے۔ اس کا ایک اور قدیم نام ''ارام'' (یا ''اِرم'') تھا جو دراصل سام بن نوح کے ایک بیٹے کا نام تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں اردو بائبل کے عہدنامہ قدیم میں لفظ ''ارام'' آیا ہے، وہاں انگلش بائبل میں Syria (سیریا) کا لفظ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اردو مترجمین کے سامنے یونانی بائبل بھی تھی جس سے انگریزی میں ترجمہ کیا گیا تھا۔ اسی لیے انجیل لوقا (اردو بائبل) میں شام کا اصل یونانی نام ''سوریہ'' باقی رکھا گیا ہے۔[3]

OLD TESTAMENT

THE BOOK OF JUDGES

- Chapter 10 -

6) And the children of Israel did evil again in the sight of the LORD, and served Baalim, and Ashtaroth, and the gods of Syria, and the gods of Zidon, and the gods of Moab, and the gods of the children of Ammon, and the gods of the Philistines, and forsook the LORD, and served not him

انگریزی بائبل میں شام (سیریا) کا ذکر

---

[1] NIV Study Bible, P:19.

[2] صحيح البخاري: 1037. [3] اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 179.

یاقوت حموی نے لکھا ہے کہ ”یہ خناصرہ (نواح حلب) اور سَلَمیہ (نواح حمص) کے مابین ایک علاقہ ہے۔“ جب مسلمان دیار شام کو فتح کرتے ہوئے قنسرین پہنچ گئے تو انطاکیہ میں مقیم قیصر ہرقل نے حسرت سے کہا تھا: ”اے سوریہ (شام)! تجھے الوداع کہنے والے کا سلام، جسے اُمید نہیں کہ وہ کبھی لوٹ کر تیرے ہاں آئے گا۔“ [1]

1950ء میں دمشق کے جنوب مشرق میں تل الصالحیہ کے مقام پر جو کھدائی ہوئی، اس سے یہاں چار ہزار سال قبل مسیح کے ایک شہری مرکز کا انکشاف ہوا ہے۔ تل الامرنہ کے کتبوں میں دمشق کا نام دمشکا (Dimashka) درج ہے جبکہ فرعونِ مصر رعمسیس سوم کے کتبے میں یہ نام درمسک (Darmesek) کی شکل میں ملتا ہے۔ [2]

ابلا اور فنیقیہ

4000 ق م کے لگ بھگ شام کے شمالی ساحل پر ایک تجارت پیشہ قوم نے اغاریت نامی شہر بسایا۔ پھر تقریباً 3000 ق م میں ببلوس (موجودہ جبل) اور ابلا (شمال مغربی شام) کے شہر آباد ہوئے۔ ابلا (Ebla) کے کھنڈروں سے 15 ہزار سے زائد مٹی کی تختیاں برآمد ہوئی ہیں جن پر کندہ میخی رسم الخط کی تحریروں سے اس عہد کے واقعات معلوم ہوتے ہیں۔ [3] 1500 ق م کے لگ بھگ لبنان کے ساحل پر صور (Tyre)، صیداء (Sidon) اور طرابلس (Tripoli) جیسے شہر بسائے گئے اور اس خطے کا نام فنیقیہ (Phoenicia) پڑ گیا۔ یہ نام ایک یونانی لفظ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ارغوانی (Purple) کیونکہ یہاں کے لوگ ایک مہنگے طریقے سے کپڑوں کو ارغوانی رنگ دیتے تھے۔ یوں تاریخ میں یہ قوم فنیقی (Phoenician) مشہور ہوئی۔ فنیقی بعل دیوتا کی پوجا کرتے تھے۔ دسویں صدی ق م میں ابی بعل کا فرزند حیرام فنیقیہ کا بادشاہ تھا۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام بحیرۂ روم کی تجارت کے لیے ایک بیڑا تیار کرانا چاہتے تھے تو حیرام نے انھیں تعمیر کا سامان اور اچھے کاریگر مہیا کیے تھے۔ [4]



قدیم شامی شہر ابلا سے برآمد شدہ مٹی کی تختی

1000 ق م کے بعد فنیقیوں نے شمالی افریقہ جا کر نئے شہر آباد کیے، مثلاً: ٹریپولی یا طرابلس (لیبیا) جس کا نام انھوں نے شام کے مشہور شہر کے نام پر رکھا۔ ان کا آباد کیا ہوا دوسرا مشہور شہر قرطاجہ یا قرطاجنہ (Carthage) تھا جس کی بنیاد 814 ق م میں رکھی گئی۔ قرطاجنہ کے کھنڈر تیونس میں واقع ہیں۔ فنیقیوں نے جب شمالی افریقہ سے

[1] معجم البلدان، مادۃ: سوریۃ. [2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 398/9. [3] وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا. [4] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 62/2.



قرطاجنہ (تیونس) کے کھنڈر

آگے بڑھ کر اسپین کے مشرقی ساحل پر قبضہ کیا تو وہاں بھی ایک قرطاجنہ یا کارٹاہینا (Cartagena) بسایا جس کے نام سے کولمبیا (جنوبی امریکہ) میں ہسپانویوں کا آباد کردہ ایک شہر بھی موجود ہے۔ [1]

دمشق کی آرامی حکومت

شام میں سب سے پہلے سامی النسل آرامیوں کی آبادی کا نشان ملتا ہے۔ مختلف اوقات میں یہاں اکادی، اہل اُر، حمورابی اور فراعنۂ مصر قابض رہے۔ فرعون تھتموسس سوم نے پندرھویں صدی ق م میں دمشق فتح کیا تھا۔ یہ شہر 1450 ق م سے لے کر ایک سو سال مصریوں کے تسلط میں رہا، پھر اس پر حتیوں نے قبضہ کر لیا۔ ان کے بعد پھر مصری قابض رہے۔ دسویں صدی ق م میں اس شہر کو داود علیہ السلام نے فتح کیا۔ اس کے بعد یہ شہر ایک مضبوط آرامی سلطنت کا مرکز بنا جو 732ء تک قائم رہی۔ بائبل کی کتاب سلاطین 2 میں لکھا ہے کہ حضرت الیسع (الیشع) علیہ السلام کے کہنے پر شاہ آرام کے سپہ سالار نعمان ابرص نے دریائے اردن میں سات غوطے لگائے تو کوڑھ سے نجات پائی۔

اشوریوں سے رومیوں تک

732 قبل مسیح میں اشوریوں نے آرامیوں کو شکست دے کر شام فتح کر لیا اور دمشق کا معبد اور محل لوٹ لیا۔ چھٹی صدی ق م کے اوائل میں کلدانی حکمران بخت نصر نے شام پر یورش کی۔ 539 ق م میں شاہ فارس کوروش کبیر (ذوالقرنین) نے اس پر قبضہ کر لیا۔ 332 ق م میں سکندر اعظم نے شام پر تسلط جمایا اور اس کے بعد (اس کے یونانی جانشین) بطلیموس (Ptolemy) اور اینٹی گونس یکے بعد دیگرے دمشق کے مالک بنے، پھر یونانی سلیوکیوں نے اس پر قبضہ کر کے دمشق کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ 64 ق م میں جب رومی سپہ سالار پومپی نے شام کو رومی سلطنت میں شامل کیا تو صوبائی دارالحکومت انطاکیہ ٹھہرا۔

[1] Philips Illustrated Atlas: p.55,144.

4

مصر اور وادیِ نیل

مصر شمالاً جنوباً وادیٔ نیل کے اس حصے پر مشتمل ہے جو بحیرۂ روم میں نیل کے ڈیلٹا سے اسوان اور وادی حلفا (سودان) تک پھیلا ہوا ہے۔ مشرق میں مصر بحیرۂ احمر (قلزم) کے ساحل تک ہے اور مغرب میں اس کی حدود لیبیا تک وسیع ہیں۔ شمال مشرق میں صحرائے سیناء بھی مصر میں شامل ہے۔ قدیم مصری زبان میں اس علاقے کو کیمٹ کہتے تھے جس کے معنی ہیں ''سیاہی مائل زمین''۔ وادی کی پوری لمبائی ساڑھے پانچ سو میل ہے۔ جنوب میں اس کی چوڑائی کا اوسط بارہ میل کے قریب ہے۔ ابتدا میں وادی کے دو حصے تھے: ایک ڈیلٹا، یعنی مصر زیریں، دوسرا اصل وادی، یعنی مصر بالا یا مصر صعید۔ بادشاہ مینس کے زمانے سے پہلے دونوں حصوں میں دو جداگانہ سلطنتیں قائم تھیں۔ ہیروڈوٹس نے مصر کو ''عطیۂ نیل'' قرار دیا ہے۔

قدیم فراعنہ اور اہرامِ مصر

مصر قدیم میں شمسی سال 365 دن کا مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے اجرا کی اغلب تاریخ 2781 ق م ہے۔ تحریر کا کام تصویروں سے لیا جاتا تھا، پھر کچھ نشانات مقرر ہوگئے۔ ہیروغلفی اور شکستہ خط کا دستور ابتدائی زمانے سے چلا آتا تھا۔ قدیم بادشاہی کے دور (2900 تا 2100 ق م) میں فرعون کو خدا مانا جاتا تھا، زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی۔ فرعون ''پراؤ'' (Per-o) یعنی خانوادۂ اعظم سے مرکب ہے۔ اولیں فرعونوں کے معماروں نے بڑے بڑے اہرام، شاندار ستونوں والے محل اور مندر تعمیر کرنے شروع کیے۔ [1] جیزہ میں فرعون خوفو کا ہرم سب سے بڑا ہے۔ یہ 486 فٹ

[1] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 2/35-37.


جیزہ (مصر) میں فراعنہ کے اہرام


مصر اور دریائے نیل
بین الاقوامی سرحد
اہم شہر
شاہراہ
دارالحکومت
ریلوے لائن
پہاڑی چوٹی
نہر
دریا
کلومیٹر
0 40 80 120 160 200
بحیرۂ روم
فلسطین
اردن
سعودی عرب
مصر
مغربی صحرا
وادی جدید
سوڈان
بحیرۂ احمر
میدان تیہ
جزیرہ نمائے سینا
اسکندریہ
قاہرہ
بیت المقدس
عمان
غزہ
العریش
نقب
رشید
دمیاط
بورسعید
طنطا
زقازیق
اسماعیلیہ
سویس
حلوان
جیزہ
العالمین
الفیوم
بنی سویف
مغاغہ
منیا
ملوی
اسیوط
سوہاج
قنا
قوص
الاقصر
اسنا
ادفو
کوم امبو
اسوان
باریس
خارجہ
نخلستان خارجہ
نخلستان داخلہ
نخلستان فرافرہ
نخلستان بحریہ
جبل طور
طور
عقبہ
طابا
مدین
راس محمد
غردقہ
سفاجہ
قصیر
مرسی علم
راس بناس
جبل علبہ
جبل حماطہ
جبل شایب
جبل غارب
جبل جلالہ قبلیہ
جبل جلالہ بحریہ
برکہ قارون
وادی نطرون
دریائے نیل
جھیل ناصر
وادی حلفا
بحیرات مرہ
قنطرہ
نہر سویز
جھیل منزلہ
جھیل برلس
منصورہ
دمنہور
سد العالی اسوان (اسوان ہائی ڈیم)
الاقصر (تھیبس)
یافا
تل ابیب
حقل
ابوزنیمہ
جبل کترینہ
نجع حمادی
دشنا
بویطی
الفصر
موط
مشرقی صحرا

(148 میٹر) اونچا اور تقریباً 23 لاکھ حجری سلوں سے بنا ہوا ہے۔ [1] بادشاہوں کی نعشوں کو خاص مسالے لگا کر اہرام میں دفن کیا جاتا تھا اور ان کے مقبروں میں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ زندگی کے دیگر لوازمات بھی رکھے جاتے تھے۔ مصریوں کے خیال کے مطابق موت کے بعد روح کا ایک نیا سفر شروع ہوتا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اجسام کو محفوظ کر کے اور زندگی کے لوازمات ساتھ رکھ کر وہ اس روحانی سفر میں جسم کو بھی ساتھ دینے کے قابل بنا رہے ہیں۔

مصری دیوتا اور آفتاب پرستی

ابتدائی زمانے میں ہر شہر کا اپنا دیوتا تھا اور ان میں سے اکثر کی شکلیں مختلف جانوروں کی سی تھیں۔ چند اہم دیوتاؤں کے نام تاہ، اتوم، ہورس، آمون (عمون) اور رِع تھے۔ ہورس مصر کا شاہی دیوتا تھا، اس کی شکل عقاب کی تھی۔ پہلے اُسے آسمانوں کا دیوتا مانا جاتا تھا، پھر سورج دیوتا کہنے لگے۔ مصر میں آفتاب پرستی کا آغاز ہیلیو پولس سے ہوا۔ یونانی زبان میں ہیلیو پولس کے لفظی معنی بھی ''شہرِ آفتاب'' کے ہیں۔ اسی شہر کے مذہبی پیشواؤں نے مصر میں پہلا مذہبی نظام تیار کیا اور دیوتا رع (Re) کی پرستش کو سرکاری مذہب بنا دیا۔

درمیانی شاہی خاندان (2100 تا 1580 ق م)

مصری حکمرانوں کے بارہویں خاندان کے بادشاہوں نے نوبیا (سودان) کو فتح کیا اور فلسطین پر بھی یورش کی۔ چودھویں خاندان کے زمانے میں باہر سے حملے شروع ہوئے اور 1650 ق م کے لگ بھگ مصر پر ان لوگوں نے قبضہ کر لیا جو تاریخ میں ہکسوس (Hyksos) یا چرواہے بادشاہ کے نام سے مشہور ہیں۔ عرب مؤرخ ان کے لیے عمالیق کا نام استعمال کرتے ہیں۔ یہ سامی نسل سے تھے اور فلسطین و شام سے مصر پہنچے تھے۔ یہی لوگ سب سے پہلے مصر میں گھوڑے لے کر گئے۔


ہکسوس بادشاہ اپوفیس کی مہر

مصر میں یوسف علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا اقتدار

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یعقوب علیہ السلام کنعان (فلسطین) میں رہتے تھے۔ ان کے بارہ فرزندوں میں سے یوسف علیہ السلام باپ کے بہت چہیتے تھے۔ ان کے سوتیلے بھائیوں نے حسد میں مبتلا ہو کر سیدنا یوسف علیہ السلام کو ایک کنویں میں پھینک دیا۔ وہاں سے گزرنے والے ایک قافلے نے انھیں کنویں سے نکالا اور مصر لے جا کر بیچ دیا۔ یوں یوسف علیہ السلام کو ہکسوس بادشاہ اپوفیس کے عہد میں مصر کے دارالحکومت افاریس (تانیس) میں فروخت کیا گیا۔ افاریس آج کل

[1] History of the World, P:37.


صان الحجر (افاریس) کے کھنڈر (مصر)

صان الحجر کہلاتا ہے جو کہ بحیرۂ منزلہ (بحیرۂ تانیس) کے قریب واقع ہے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام کو ''عزیز'' (فوطیفار) نے خریدا تھا جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق شاہی خزانے کا افسر تھا۔ فوطیفار کی بیوی زلیخا کی طرف سے یوسف علیہ السلام کے ساتھ جو معاملہ ہوا، اس کے نتیجے میں انھیں نو دس برس قید بھگتنی پڑی۔ آپ خوابوں کی تعبیر کا علم رکھتے تھے، چنانچہ آپ نے دو قیدیوں کے خوابوں کی بالکل صحیح تعبیر بتائی۔ ان میں سے ایک جو رہا ہوا، اس نے برسوں بعد جیل میں آ کر آپ سے بادشاہ کے ایک خواب کی تعبیر پوچھی۔ آپ نے جو تعبیر بتائی اسے سن کر بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو دربار میں بلا بھیجا اور انھیں نائبِ شاہ یا نائب السلطنت (رومی اصطلاح میں ڈکٹیٹر) مقرر کر دیا جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے خود کو ملکی خزانوں پر مامور کیے جانے کا تقاضا کیا تھا۔

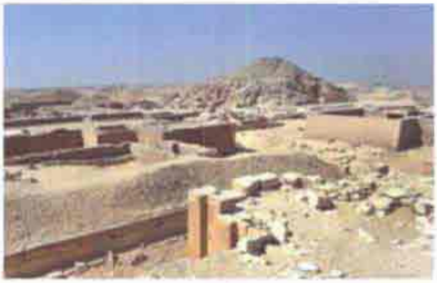
سورۂ یوسف میں ان کے لیے ''مَلِک'' (بادشاہ) اور ''عزیز'' (صاحبِ اقتدار) کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے شاہی خواب کی اپنی دی گئی تعبیر کے مطابق آنے والے قحط کے زمانے میں رعایا کو غلہ فراہم کرنے کے بہترین انتظامات کیے حتی کہ ان کے علاتی (پدری) بھائی ملک کنعان سے غلہ لینے کی غرض سے آنے والے قافلے کے ساتھ مصر آئے۔ دوسری بار وہ یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لائے جنھیں یوسف علیہ السلام نے تدبیر سے اپنے پاس ٹھہرا لیا۔

جب آپ کے بھائی تیسری بار غلے کے لیے آئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کے سامنے اپنی شخصیت کا انکشاف کیا اور وہ برسرِ اقتدار بھائی کو دیکھ کر اپنے سابقہ رویے پر نادم ہوئے۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد اور بھائیوں کو بھی مصر بلا لیا۔ آل یعقوب (بنی اسرائیل) جشن کے علاقے میں بلبیس (موجودہ سفط الحنہ) کے مقام پر آباد ہوئے۔ یوں بنی اسرائیل کو سیدنا یوسف علیہ السلام کی وجہ سے مصر میں اقتدار ملا اور ان کے بعد بھی ہکسوس دور میں اقتدار عملاً بنی اسرائیل کے ہاتھ میں رہا۔[1] سترہویں شاہی خاندان کے زمانے میں ہکسوس کے خلاف رزم و پیکار کا سلسلہ شروع ہوا اور 1532 ق م میں انھیں مصر سے نکال دیا گیا۔[2]

1 اطلس القرآن (اردو)، ص: 116-119، تفہیم القرآن، یوسف 12:87، قصص القرآن: 224/1۔
2 Oxford English Reference Dictionary.

جدید شاہی خاندان (1580 تا 332 ق م)

اخناتون (1375 تا 1358 ق م) اٹھارویں شاہی خاندان کا بادشاہ تھا۔ اس زمانے میں فلسطین، شام اور فنیقیہ کے شہر مصریوں کے قبضے سے نکلنے لگے۔ اخناتون کے بعد یکے بعد دیگرے اس کے دو داماد تخت نشین ہوئے۔ ان میں سے توتنخ آمون خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ وادیِ شاہاں سے اس کی لاش کے علاوہ مقبرے کی ہر شے 1922ء میں محفوظ نکل آئی اور وہ تمام اشیاء قاہرہ کے مصری عجائب خانے میں موجود ہیں۔ [1]


مصر کا قدیم دار الحکومت تل الامرنہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دو فرعون

جب ہکسوس بادشاہوں کا دورِ حکومت ختم ہوگیا تو اہل مصر (قبطی) بنی اسرائیل کو اجنبی سمجھتے ہوئے ان پر ظلم کرنے لگے اور انھیں غلام بنالیا۔ ایک عجیب واقعہ فرعون رعمسیس ثانی کے عہد میں پیش آیا جس کا دارالحکومت طیبہ (Thebes) تھا۔ نجومیوں نے اسے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تمھاری سلطنت کے خاتمے کا باعث بنے گا۔ اس خدشے کے پیش نظر فرعون نے بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے لڑکے قتل کروانے شروع کر دیے مگر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں معجزانہ طور پر بچا لیا اور بالآخر انھوں نے فرعون ہی کے محل میں پرورش پائی۔

جب موسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو انھیں اپنے ہم قوم بنی اسرائیل کے آلام و مصائب دیکھ کر بڑا دکھ ہوتا تھا، چنانچہ ایک روز ان کے ہاتھوں ایک قبطی مارا گیا جو بنی اسرائیل کے ایک فرد کو پیٹ رہا تھا۔ اس قبطی کے قتل کی خبر جب دربار فرعون تک پہنچی تو امراء نے موسیٰ علیہ السلام کی گرفتاری کا مشورہ دیا، تاہم وہ پیشگی اطلاع ملنے پر مصر سے نکل آئے اور مدین کی راہ لی۔

مشہور روایت کے مطابق ان دنوں مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے۔ موسیٰ علیہ السلام ان کی خدمت میں دس سال رہے اور شعیب علیہ السلام نے اپنی ایک بیٹی ان سے بیاہ دی۔ آٹھ یا دس سال بعد جب وہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ مصر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں سردی کے باعث آگ لینے یا راستہ دریافت کرنے کی غرض

[1] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 2/38-40.



کوہِ طور جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز کیا گیا

سے کوہِ طور پر گئے۔ وہاں انھیں نبوت سے سرفراز کیا گیا اور فرعون کے پاس جا کر اللہ کا پیغام پہنچانے کا حکم ملا۔ موسیٰ علیہ السلام کی خواہش پر اُن کے بھائی ہارون علیہ السلام کو ان کا معاون بنایا گیا۔ اس دوران میں رعمسیس ثانی فوت ہو چکا تھا اور اس کا بیٹا منفتاح ممفس میں حکمران تھا، وہ اپنے آپ کو خدا کہلواتا تھا۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج

موسیٰ اور ہارون علیہما السلام نے فرعون منفتاح کو اللہ کا پیغام پہنچایا جس میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کردے مگر وہ بدستور اپنی خدائی کے زعم اور تکبر میں مبتلا رہا۔ بنی اسرائیل پر بدستور مظالم ڈھائے جاتے رہے۔ ایک رات اللہ کے حکم سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے چل پڑے۔ فرعون کو پتا چلا تو وہ لشکر لے کر تعاقب میں روانہ ہوا، راستے میں پانی (بحیرۂ قلزم) حائل تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل تو پانی کے بحرِ زخار کو پار کر گئے مگر فرعون اور اس کے لشکری اس میں غرق ہوگئے۔ یہ واقعہ 1224 ق م میں پیش آیا۔ فرعونیوں کی غرقابی جس مقام پر ہوئی، آج کل اُسے بحیرات مرّہ کہا جاتا ہے جن میں سے نہر سویز گزاری گئی ہے۔[1]



نہر سویز اور بحیرۂ قلزم کا فضائی منظر جہاں فرعون غرق ہوا

(بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کے بقیہ احوال ''فلسطین اور یہودیت'' کے ضمن میں ملاحظہ کیجیے۔)

مصر پر ایرانی اور یونانی تسلط

526 ق م میں ہخامنشی بادشاہ کمبوجیہ نے مصر پر یلغار کی اور اسے سلطنتِ ایران میں شامل کر لیا۔ دو سو برس بعد اسکندر اعظم شاہ ایران دارا سوم کو اناطولیہ میں شکست دینے کے بعد ساحلِ شام اور فلسطین کو فتح کرتا ہوا مصر کی طرف بڑھا۔ اس نے اعلان کیا کہ وہ مصریوں کو ایرانیوں کے پنجے سے آزاد کرانے آیا ہے۔

مصر پر اسکندر کا قبضہ ہوگیا تو مصری پروہتوں نے اسے آمون (عمون) دیوتا کا بیٹا اور فراعنہ کا وارث قرار دے

[1] اطلس القرآن، ص: 139-142.

دیا۔ اسکندر نے اپنے ایک مہندس (انجینئر) قراطیس سے ساحل بحر پر اپنے نام سے ایک شہر اسکندریہ تعمیر کرایا اور مصر میں اقلیونیدس کو اپنا نائب مقرر کیا اور خود ایشیا کی تسخیر کے لیے روانہ ہوگیا۔ [1]

مصر کے بطلیموسی حکمران

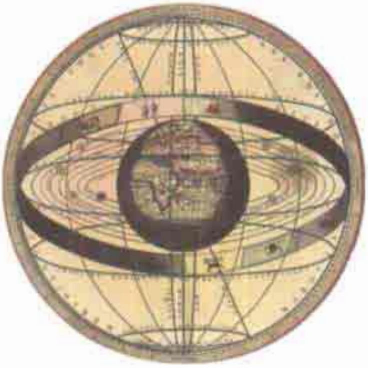
بطلیموسی خاندان کی بنیاد 305 ق م میں بطلیموس اول یونانی نے رکھی تھی جسے سکندر اعظم نے بابل کا گورنر مقرر کیا تھا۔ بطلیموس دوم (285 تا 246 ق م) نے قدیم مصری فرعونوں کی طرح بہن بھائی کی شادی کو رواج دیا۔ دراصل اسے اپنی بہن سے بہت محبت تھی اور وہ اسے ہر حال میں اپنی بیوی بنانا چاہتا تھا۔ اس کے بعد اس خاندان کی ہر لڑکی کی شادی حکمران بھائی سے ہوتی رہی۔ بطلیموس سیزدہم اس خاندان کا آخری بادشاہ تھا جس کی شادی اس کی بہن قلوپطرا سے ہوئی تھی۔ یہ شادی رومی حکمران جولیس سیزر نے کرائی تھی جو مصر پر قابض ہو چکا تھا۔ 44 ق م میں سیزر مارا گیا تو قلوپطرا نے اپنے شوہر کو قتل کرا دیا اور خود مختار حکمران (47 تا 30 ق م) بن گئی۔ جب جولیس سیزر کے جانشین آگسٹس سیزر نے مصر پر حملہ کیا تو قلوپطرا نے اپنے آپ کو زہریلے سانپ سے ڈسوا کر موت کو گلے لگا لیا اور مصر رومی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا۔ [2]



بطلیموس دوم کا سکہ

بطلیموس: ماہر فلکیات اور جغرافیہ دان

اسکندریہ کا مشہور ہیئت دان و جغرافیہ نویس بطلیموس (Ptolemy) دوسری صدی عیسوی میں پیدا ہوا۔ اس نے تمام دنیائے معلوم کا ایک نقشہ تیار کیا اور پھر اس کی تشریح و تفصیل کے لیے ایک کتاب (جغرافیہ) Geography لکھی۔ سب سے پہلے اسی نے دنیا کو طول بلد اور عرض بلد میں منقسم کیا اور ان کے ذریعے سے مقامات کا تعین کیا۔ علم فلکیات پر اس کی کتاب کا عربی ترجمہ المجسطی (Almagest) کے نام سے مشہور ہے جس میں 1022 ستاروں اور سیاروں کے مقامات اور ان کی پیمائشیں دی گئی ہیں۔ [3]



بطلیموس کا بنایا ہوا نقشہ

[1] تاریخ و تہذیب عالم، ص: 46، تاریخ مصر، ص: 37. [2] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 107,106/2. [3] تاریخ ارض القرآن (کامل): 30,29/1،...... Oxford English Reference Dictionary,p:166

سارا پیس دیوتا کا شہر

عہد موسوی سے رومی دور تک مصر میں جن دیوتاؤں کی پرستش کی جاتی تھی، ان میں اوسیرس اور اس کی بیوی آئسیس کو خاص امتیاز حاصل تھا۔ علاوہ ازیں سارا پیس نامی دیوتا کا عظیم الشان مندر دارالحکومت اسکندریہ میں واقع تھا۔ سارا پیس کا قوی ہیکل بُت سونے، چاندی اور مختلف دھاتوں کی بہت سی تختیوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ وہ بالکل مشتری کے بُت کے مانند تھا سوائے اس کے کہ اس کے سر پر ایک ٹوکری یا پیمانہ رکھا ہوا تھا۔ اس کے سیدھے ہاتھ میں بہت بڑا تین دُم کا سانپ تھا جس کے سر بھی تین تھے، یعنی کتے، شیر اور بھیڑیے کے سر۔ مصری سارا پیس کو زمین کا خدا سمجھ کر پوجتے تھے حتیٰ کہ لوگ اسکندریہ کو اس کے نام پر ''سارا پیس کا شہر'' کہنے لگے تھے۔

مصر میں عیسائیت کا جبری نفاذ

جب عیسائیت نے تثلیثی صورت اختیار کر لی، اس وقت سے مصر میں اس مذہب کے عقائد پھیلنے لگے تھے۔ بت پرست رومی حکمران ڈیوکلیٹن کے عہد میں جہاں سلطنت کے اور حصوں میں تثلیثی عیسائیوں پر ظلم ہوتا تھا، وہاں مصر میں بھی اس عقیدے والوں کو داروگیر کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ شاہی حکم سے ہزاروں مصری عیسائی قتل کر دیے گئے، تاہم جب عیسائیت سلطنت روم (بازنطینی سلطنت) کا سرکاری مذہب قرار پایا تو قیصر تھیوڈوسیس اول نے تمام رومی رعایا کو تثلیثی مذہب اختیار کرنے کا حکم دے دیا اور بت اور بت خانے تباہ کیے جانے لگے۔ اسکندریہ کا آرچ بشپ تھیوفلس اپنے معتقدین کی فوج لے کر مندر سارا پیس پر چڑھ دوڑا۔ اس مذہبی خانہ جنگی میں طرفین کے سینکڑوں افراد مارے گئے اور مندر کو آگ لگا دی گئی جس کے ساتھ ہی اسکندریہ کی عظیم الشان لائبریری جل کر خاک ہوگئی۔ اس کتب خانے کی تباہی کا الزام مسلمانوں کے سر تھوپا جاتا ہے مگر عیسائی مؤرخ ایڈورڈ گبن نے کیتھولک عیسائیوں کے ہاتھوں اسکندریہ کی بیش قیمت لائبریری کے لوٹے جانے اور تباہی کا حال بیان کرتے ہوئے اپنا غصہ ظاہر کیا ہے۔ [1] علوم وفنون کی ماہر ہپاتیا زہرہ جبیں کو مریم کے بُت کے سامنے عیسائیوں نے لاٹھیوں سے مار ڈالا۔ [2] اس کے بعد دیگر تثلیثی فرقوں کی باری آئی۔



تھیوڈوسیس اول کا سکہ

ان دنوں مصر کی قبطی آبادی کا مذہب زیادہ تر یعقوبی تثلیثی عقیدے پر مبنی تھا جو رومن کیتھولک عقیدے کے خلاف

[1] قدیم مذہبی تاریخ، ص:78,77. [2] تاریخ مصر از مفتی حکیم انتظام اللہ شہابی، ص:39.

سمجھا جاتا تھا۔ اس تھوڑے اختلاف کی بنا پر قیصر جسٹینین کے عہد میں صرف اسکندریہ میں دو لاکھ یعقوبی عیسائی قتل کرڈالے گئے۔ جو مصری رومن کیتھولک عقیدہ نہیں مانتے تھے، بعض اوقات انھیں سمندر میں ڈبو دیا جاتا تھا۔ [1]

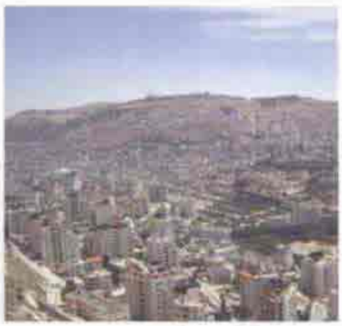
[1] قدیم مذہبی تاریخ، ص:79,78۔



فلسطین اور یہودیت

قدیم فلسطین جغرافیائی تقسیم کے لحاظ سے شام کا جنوب مغربی حصہ تھا جو عرض میں بحیرۂ روم سے بادیۂ شام تک پھیلا ہوا تھا۔ یہ طول میں کوہ حرمون (جبل الشیخ) سے بحیرۂ لوط (بحیرۂ مردار) کے جنوب میں بئر سبع تک تھا۔ اس کا نام فلسطین اس لیے پڑا کہ یہاں وہ لوگ رہتے تھے جنھیں ہیروڈوٹس نے ''فلستی'' (فلسطینی) قرار دیا۔ عبرانی زبان میں دریائے اردن کے مغرب میں واقع سرزمین کا نام کنعان (فلسطین) ہے۔

جغرافیائی طور پر قدیم فلسطین چار مختلف خطوں میں بٹا ہوا تھا: پہلا وہ میدانی علاقہ ہے جو ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ سطح مرتفع کی پٹی کے مغرب میں واقع ہے۔ دوسرا حصہ اس مغربی سطح مرتفع پر مشتمل ہے جس کے شمال میں جبال الجلیل (گلیل) یا طبریہ اور جنوب میں کوہستان افرائیم (جبال نابلس) اور کوہستان یہودیہ (جبال الخلیل) واقع ہیں۔



جبال الجلیل اور شہر طبریہ



کوہستان افرائیم



کوہستان یہودیہ

تیسرا حصہ دریائے اردن کی وادی ہے۔ بعض مقامات پر یہ وادی سطح سمندر سے سوفٹ نیچی ہے۔ اس کے جنوب میں بحیرۂ مردار سطح سمندر سے 1200 فٹ نیچے ہے۔ اب یہ تینوں حصے جدید جغرافیائی تقسیم میں فلسطین کہلاتے ہیں۔ چوتھا حصہ دریائے اردن کی مشرقی سطح مرتفع ہے جس میں دریائے یرموک، یبوق (زرقاء) اور ارنون (موجب) وغیرہ بہتے ہیں۔ اس حصے میں آرامی، بنی عمون اور موابی آباد تھے۔ بعد میں اس کے بعض حصوں میں بنی اسرائیل کے کچھ قبیلے بھی بس گئے، مثلاً: روبن، جد اور قبیلۂ منسا (منشے یا منسے) کا ایک حصہ۔

فلسطین کے اولین آبادکار

فلسطین میں سامی زبانیں بولنے والے قبیلوں کی آمد کا سلسلہ زمانۂ قدیم ہی سے شروع ہو چکا تھا۔2000 ق م میں اموری یہاں وارد ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام 1800 ق م میں اپنے وطن سے نکل آنے کے بعد یہاں پہنچے۔ ان کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے بیٹے عیسو کی اولاد یہیں آباد ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے بیٹے کچھ عرصہ یہاں رہنے کے بعد مصر میں جا آباد ہوئے۔ مصر سے واپسی کے بعد وہ بھی عیسو بن اسحاق علیہ السلام سے اپنی رشتہ داری کی بنا پر ان کے ساتھ رہنے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ ساری اولاد جو فلسطین میں مقیم رہی، عبری کہلائی۔ اس دوران میں تیرہویں صدی ق م میں فلستی یا فلسطینی اس علاقے میں آن آباد ہوئے تھے۔ بائبل میں عبرانی لوگوں کے لیے لفظ ''عبری'' استعمال ہوا ہے۔ [1] ''عبر'' یا ''عابر'' کے معنی عبرانی میں ''پار کے علاقے'' کے ہیں۔ اس نام سے عبرانیوں کو شاید اس لیے پکارا گیا کہ وہ دریائے فرات کے پار کے علاقے سے آئے تھے یا اس لیے کہ وہ عابر کی اولاد تھے۔ عابر، سلح (شالخ) کا بیٹا اور سیم (سام) کا پوتا تھا۔ یہ فلج اور یقطان کا باپ تھا۔ [2]

عہد نامۂ قدیم کے مطابق عبریوں میں وہ تمام قومیں شریک ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہونے کی دعویدار ہیں، مثلاً: اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کے دونوں بیٹوں اسرائیل (یعقوب) اور عیسو (ادوم [3]) کی اولاد، نیز حضرت لوط علیہ السلام کے بیٹوں موآب اور عمون کی اولاد۔ آل ادوم اور آل لوط بحیرۂ مردار کے جنوب میں آباد ہوئے۔ آرامیوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بھائی ناحور کی اولاد ہیں۔ سامیوں کے علاوہ جو دوسرے گروہ فلسطین پر حملہ آور ہوئے، وہ یا تو حوری ہیں جو ادومیوں سے پیشتر سرزمین ادوم پر قابض تھے یا حتّی (Hittites) اور فلسطینی۔ [4]

کنعان (فلسطین) میں بت پرستی

کنعان میں اس دور میں جو زبان رائج تھی، وہ عبرانی کہلائی۔ یہ سامی بول چال کی شمال مغربی شکل تھی جو فنیقی، موابی اور اموری بول چال سے مشابہ تھی۔ اس ملک کی تہذیب پر بابلی تہذیب کا اثر سب سے زیادہ پڑا۔ مصر سے تعویذ، منتر اور بعض مذہبی اعمال یہاں پہنچ گئے۔ ہر علاقے کا ایک الگ بت تھا جسے ''بعل'' کہتے تھے۔ اسے کسی

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 14:39. [2] کتاب مقدس (پیدائش) 10:24,25. [3] عیسو کا نام ''ادوم'' (لال) اس لیے پڑا کہ جب وہ جنگل سے تھکا ہوا آیا تو اس نے اپنے بھائی یعقوب سے وہ لال لال چیز جو وہ پکا رہا تھا، مانگی۔ (پیدائش 25:30) [4] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 51/2.

پہاڑی پر اونچی جگہ رکھ لیا جاتا تھا۔ عمارت کوئی نہ بنائی جاتی، البتہ آس پاس کے مقام کو بہت مقدس مانا جاتا۔ ایک دیوی کی پوجا بھی کی جاتی تھی جس کا نام عستارات (عشتار) تھا۔ آخری برنجی دور (2100 ق م تا 1500 ق م) میں فلسطین پر مصر کے چرواہے بادشاہ (ہکسوس) حکومت کرتے رہے۔ ابتدائی آہنی دور (1200 ق م تا 900 ق م) میں اسرائیلیوں نے کوہستان افرائیم پر قبضہ کرلیا۔ فلستی جو بنی اسرائیل سے پہلے یہاں آباد تھے، ساحلی علاقے پر قابض رہے جہاں انھوں نے پانچ شہری سلطنتیں منظم کرلیں، یعنی عسقلان (Ashkelon)، اشدود، عقرون (Ekron)، جات (Gath) اور غزہ۔[1]


سلطنتِ عسقلان کے قدیم آثار


سلطنتِ عقرون کا قدیم کتبہ


سلطنتِ جات کے کھنڈر

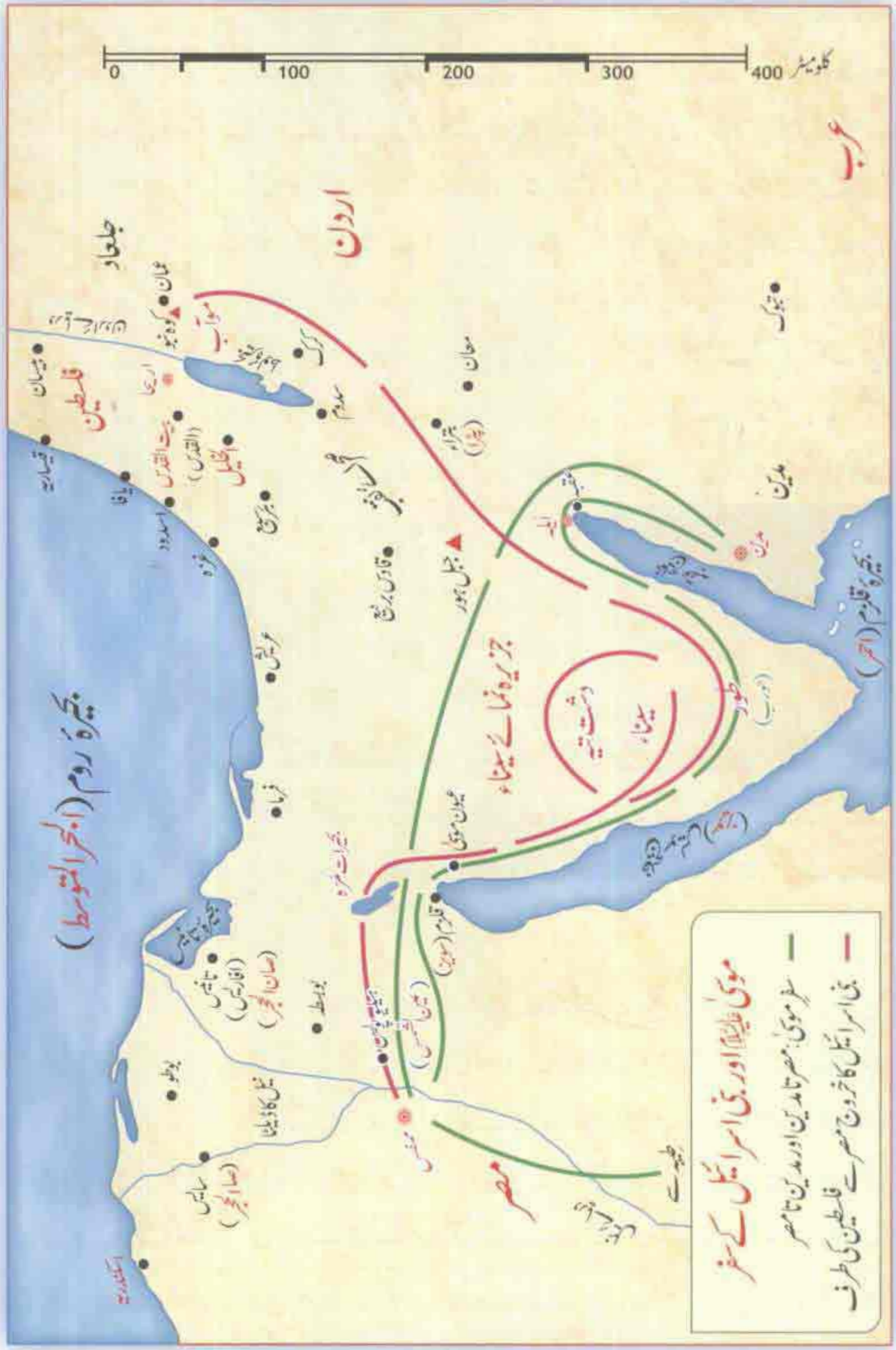
بنی اسرائیل کی دشت نوردی اور یہودیت کی تشکیل

تیرہویں صدی ق م میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلیوں کو اہل مصر کی غلامی سے نجات دلائی تھی اور آپ کی تبلیغ سے وہ یہوواہ (اللہ) کی پرستش کرنے لگے تھے، یعنی توحید کے قائل ہوگئے تھے۔

مصر سے فلسطین جاتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جزیرہ نمائے سینا میں کوہ طور (حورب) پر چالیس راتوں کا میقات پورا کیا۔ ذاتِ الٰہی کو دیکھنے کی خواہش پر انھیں تجلیِ ذات کے اثرات کا مشاہدہ کرایا گیا اور پھر تختیوں کی شکل میں تورات عطا کی گئی۔ اس دوران میں بنی اسرائیل نے میدانِ راحہ میں سامری کے فریب میں آکر بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام کے روکنے سے بھی نہ رُکے۔ ان کے لیے اس ارتداد کی توبہ کا طریقہ یہ تجویز ہوا کہ وہ خود اپنے ہاتھوں قتل ہوں۔ اسرائیلی روایات کے مطابق شرک نہ کرنے والوں نے اپنے قریبی عزیزوں کو قتل کیا۔[2] اس طرح تورات کے مطابق ستر ہزار بنی اسرائیل قتل ہوئے۔

بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ حورب سے روانہ ہو کر قادس (قادیش) برنیع پہنچے۔ وہاں انھوں نے کنعانیوں کے ناقابلِ تسخیر ہونے کی باتیں سنیں تو ارض مقدس فلسطین میں داخل ہونے سے انکار کر دیا۔ اس پر اللہ

[1] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 52/2. [2] تفسیر ابن کثیر، البقرة 2:54.


موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے سفر
سفر موسیٰ: مصر تا مدین اور مدین تا مصر
بنی اسرائیل کا خروج مصر سے فلسطین کی طرف
0
100
200
300
400 کلومیٹر
بحیرۂ روم (البحر المتوسط)
اردن
عرب
مصر
فلسطین
جزیرہ نمائے سیناء
وادئ تیہ
بحیرۂ قلزم (احمر)

نے ان کے لیے سزا مقرر کر دی کہ وہ چالیس برس دشتِ تیہ (بیابانِ سین) میں بھٹکتے پھریں گے۔[1] تیہ کی دشت نوردی کے دوران میں بنی اسرائیل کے بارہ قبائل کے لیے بارہ چشمے جاری ہوئے اور وہیں ان پر من وسلویٰ نازل ہوا۔ بارہ قبیلے یہ تھے: شمعون، یہودہ، روبین، بنیامین، دان، افرائیم، جاد، منسے، یساکر، زبلون، آشیر اور نفتالی۔ ان میں سے افرائیم اور منسے حضرت یوسف علیہ السلام کے دو بیٹوں کے ناموں سے منسوب تھے جبکہ باقی یوسف علیہ السلام کے دس بھائیوں کے ناموں سے منسوب ہوئے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی لاوی کی اولاد ان بارہ قبائل میں شمار نہ ہوئی کیونکہ انھیں شہادت کے مسکن (الواحِ تورات) کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔[2] بعض مفسرین کے نزدیک دشتِ تیہ ہی میں بنی اسرائیل کے متکبر اور مالدار شخص قارون کے اپنے خزانوں سمیت دھنس جانے کا واقعہ پیش آیا۔[3] اسی زمانے میں کوہِ ہور کے پاس حضرت ہارون علیہ السلام نے 123 برس کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے بعد بنی اسرائیل ایلہ (موجودہ ایلات) اور عصیون جابر (موجودہ عقبہ) سے ہوکر موآب (اردن) میں جا خیمہ زن ہوئے جو اریحا (فلسطین) کے بالمقابل ہے۔



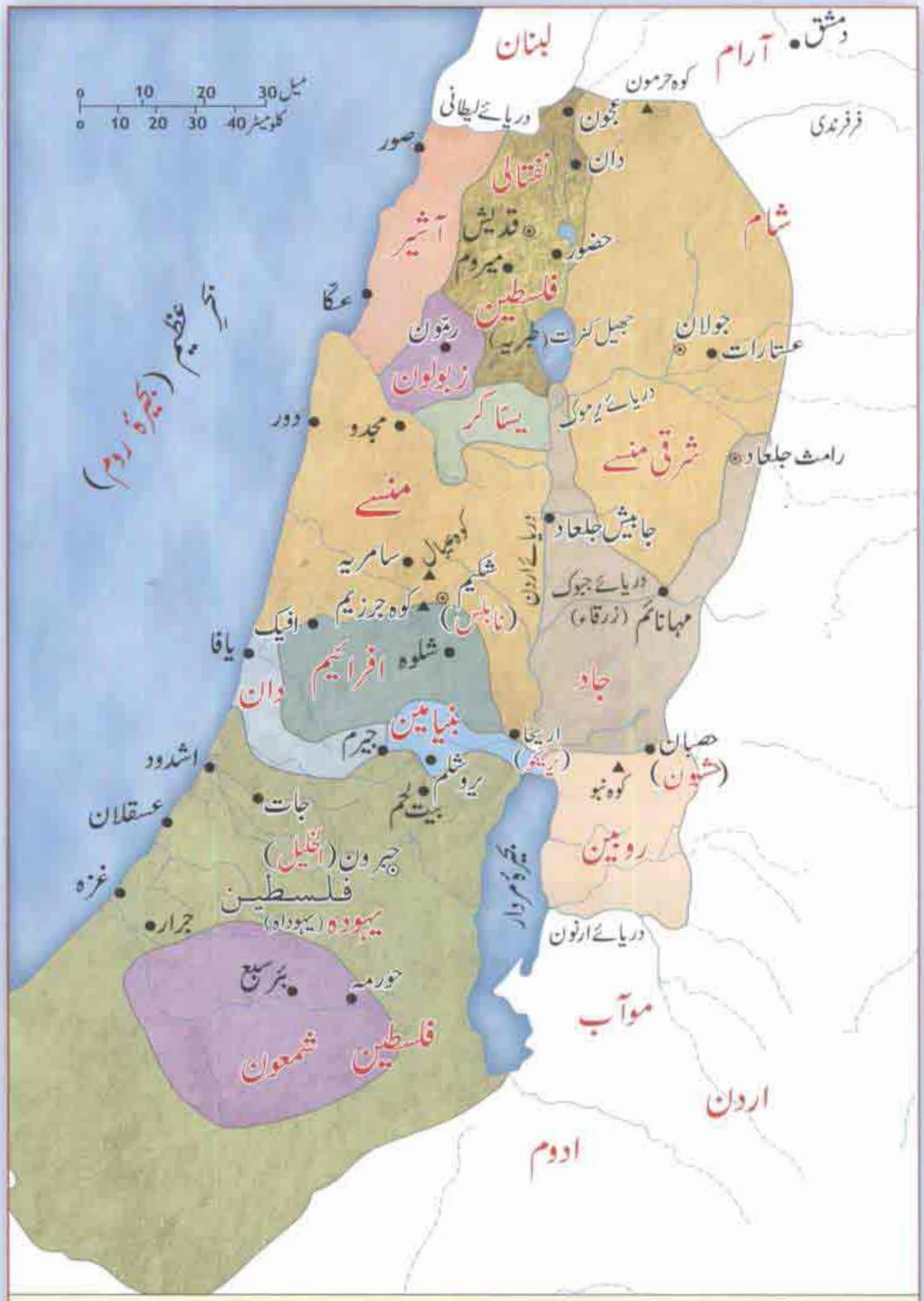
موآب (اردن) کے پہاڑ

حضرت موسیٰ علیہ السلام تیہ کی دشت نوردی، ادوم کے پہاڑوں اور موآب کے میدانوں میں مسلسل تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرتے آئے تھے، نیز تورات نازل ہوچکی تھی۔ اب داعیِ اجل کو لبیک کہنے کا وقت آپہنچا تھا۔ عہد نامۂ قدیم میں لکھا ہے: ”خداوند کے بندے موسیٰ (علیہ السلام) نے موآب کے ملک میں کوہ نبو کے اوپر پسگہ کی چوٹی پر وفات پائی اور بیت فغور کے مقابل دفن ہوئے۔ وفات کے وقت وہ 120 برس کے تھے۔“[4]

فلسطین پر بنی اسرائیل کا تسلط

بارہویں صدی ق م کے وسط میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع (یشوع) علیہ السلام بنی اسرائیل کے قائد و رہنما بنے۔ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کے فرزند افرائیم کی اولاد سے تھے۔ انھی کی زیر قیادت فلسطین کی تسخیر شروع ہوئی اور اس کے مختلف حصوں میں اسرائیلی قبیلوں کو آباد کرنے کا آغاز ہوا۔ اس عہد کو عہد نامۂ قدیم میں قاضیوں (اختیار رکھنے اور فیصلے کرنے والے رہنماؤں) کا عہد قرار دیا گیا ہے۔ اسی عہد میں فلستیوں سے بنی اسرائیل کی لڑائیاں ہوئیں یہاں تک کہ فلستی ان سے تابوت سکینہ بھی چھین کر لے گئے جس میں کتاب مقدس کی تختیاں اور

[1] المآئدۃ 5:21-26. [2] کتاب مقدس (گنتی) 1:53. [3] تفسیر الطبري، القصص 28:81، قصص القرآن: 1/427، اطلس القرآن (اردو)، ص: 145. [4] کتاب مقدس (استثنا) 34:1 و 5-7. اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتب موسیٰ علیہ السلام کے بعد لکھی گئیں۔



بارہ اسرائیلی قبائل کی حدودِ سکونت

پیغمبروں کے تبرکات رکھے تھے۔ اس زمانے میں حضرت سیموئیل (شمویل) علیہ السلام نبی تھے۔

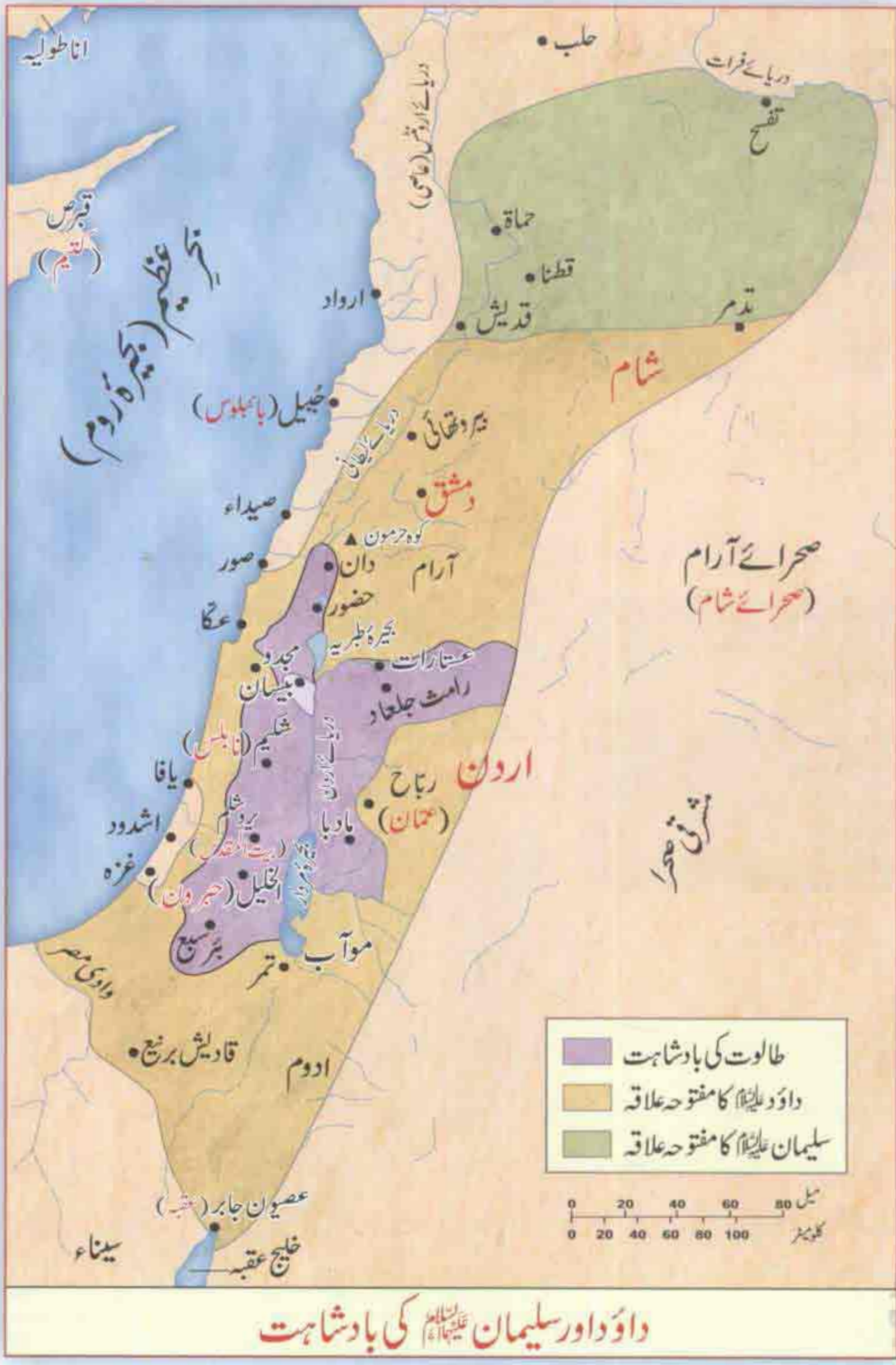
اسرائیلیوں نے ان سے کہہ کر اپنے لیے بادشاہ کا انتظام کرایا تاکہ پوری قوت یکجا ہو جائے، چنانچہ طالوت کو یہودیوں کا بادشاہ بنایا گیا اور انھوں نے فلستیوں کو شکست دے کر تابوت سکینہ واپس لیا۔ فلستیوں کا مشہور پہلوان جالوت (Goliath) تھا جسے حضرت داوٗد علیہ السلام نے قتل کیا۔ [1]

حضرت داوٗد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت

1013 ق م میں طالوت کا انتقال ہوا تو ان کے بعد سات سال تک ان کا بیٹا دریائے اردن کے مشرقی علاقے میں حکمران رہا جبکہ یہودیہ کی حکومت حضرت داوٗد علیہ السلام کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے یروشلم کو فتح کیا اور اسے اپنی سلطنت کا مرکز بنایا۔ تھوڑے ہی عرصے میں انھوں نے اس علاقے میں بسنے والے شورش پسند فلستیوں اور دوسرے سرکش قبیلوں کو مسخر کر لیا۔ داوٗد علیہ السلام نے 40 سال حکومت کرنے کے بعد 973 ق م میں 100 سال کی عمر میں وفات پائی۔ [2] ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام (973 تا 933 ق م) بادشاہ ہوئے۔ انھوں نے یروشلم میں ہیکل تعمیر کرایا اور دیگر بڑی بڑی عمارتیں بنوائیں۔ اسرائیلی روایت کے مطابق بیت المقدس اور ہیکل کی تعمیر میں سات سال لگے۔ اس عہد میں فلسطین کی خوش حالی و فارغ البالی درجۂ کمال پر پہنچ گئی۔

[1] البقرۃ 2:247-251. [2] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 2/56. نیو انٹرنیشنل ورژن (NIV) سٹڈی بائبل (Old Testament Chronolog) میں طالوت اور داوٗد علیہ السلام کے سالِ وفات علی الترتیب 1010 ق م اور 970 ق م دیے گئے ہیں۔


بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کا ایک منظر



داوٗد اور سلیمان علیہما السلام کی بادشاہت

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں میں لوہا ڈھل جاتا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ وہ چرند پرند کی بولیاں سمجھ لیتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا بھی مسخر کر دی گئی تھی، نیز انسانوں اور حیوانوں کے علاوہ جن بھی ان کے تابع فرمان تھے۔ سلیمان علیہ السلام اور سبا کی ملکہ (بلقیس) کا واقعہ قرآن میں مذکور ہے۔ بلقیس آفتاب پرستی سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور سلیمان علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئی۔ سورۂ نمل میں جس وادیِ نمل (چیونٹیوں کی وادی) کا ذکر آیا ہے، وہ فلسطین میں عسقلان کے نزدیک بتائی جاتی ہے۔ [1]



وادیِ نمل (عسقلان)

یہود کی دو سلطنتیں: یہودیہ اور اسرائیل

حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد ان کا فرزند رحبعام مسند نشین ہوا لیکن شمالی سمت کے اسرائیلی قبیلوں نے یربعام کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ یوں سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی۔ تاریخ میں جنوب میں واقع پہلی سلطنت کو یہودیہ اور شمال میں واقع دوسری سلطنت کو اسرائیل کہتے ہیں۔ یہودیہ کا دارالحکومت یروشلم تھا۔ اس کے دیگر شہروں میں حبرون (الخلیل)، بیت لحم، بئر سبع اور قادس برنیع شامل تھے۔ شمال میں سلطنت اسرائیل کا دارالحکومت سامریہ تھا اور یریحو (اریحا)، بیسان، نابلس، قدیش، حسبان اور رباح (عمان) مشہور شہر تھے۔

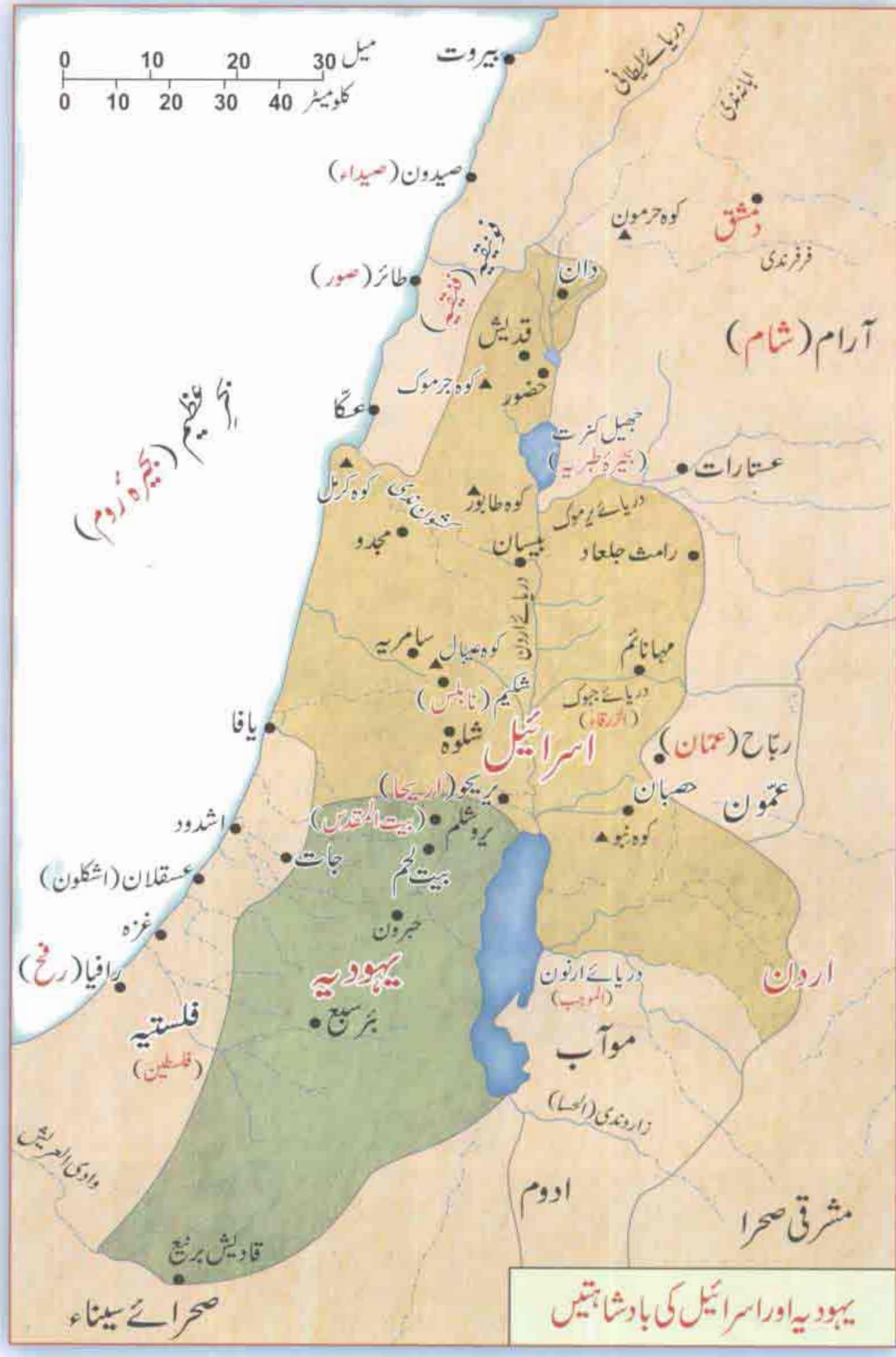


سامریہ شہر کے کھنڈر

اشوریوں کے ہاتھوں اسرائیل کا خاتمہ

یربعام بن سلیمان نے شکیم کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا، پھر سامریہ مرکز بن گیا۔ کچھ عرصہ سلطنت اسرائیل اشوریہ کے بادشاہ شلمنسر کی باجگزار رہی۔ اسرائیلی بادشاہ ہوسیع نے 732 ق م میں خراج ادا کرنے سے انکار کیا تو اُسے تخت سے اتار دیا گیا۔ سرجون دوم اشوری نے 725 تا 722 ق م سامریہ کا محاصرہ کر کے اسے مسخر کر لیا۔ اس نے ستره سال میں 27290 یہودیوں کو نینویٰ اور اکباتان (ہمدان) کی طرف جلا وطن کیا اور یوں اسرائیلی سلطنت ختم ہوگئی۔ [2] سامریہ، بعد ازاں اسلامی دور میں، سبسطیہ کہلایا۔

[1] اطلس القرآن (اردو)، ص: 170-174. [2] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 57/2.



یہودیہ اور اسرائیل کی بادشاہتیں

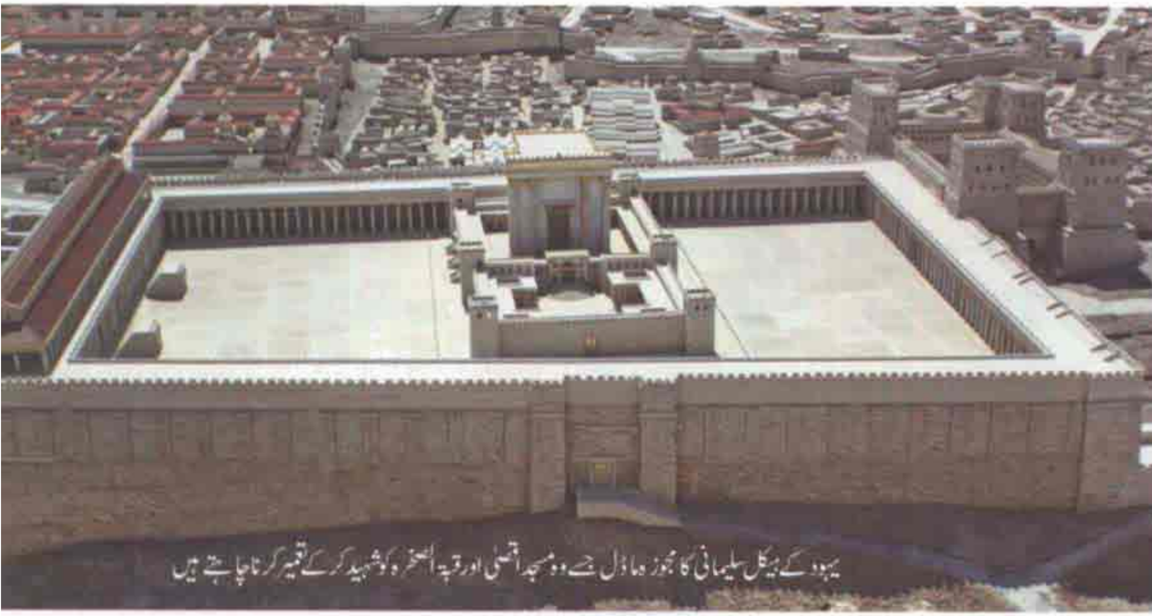
بخت نصر کا حملہ اور ہیکل سلیمانی کی پہلی تباہی

سلطنت یہودیہ 930 ق م سے 586 ق م تک قائم رہی۔ اس پر 735 ق م میں اشوریہ کے بادشاہ تغلت پلسر نے حملہ کیا۔ یوسیع [1] نبی نے مذہبی احیا کا کام انجام دیا اور ہیکل کو پوری سلطنت میں مرکزی حیثیت دے دی۔ 609 ق م میں یوسیع فرعونِ مصر کے خلاف جنگ کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ بابل کا حکمران بخت نصر دوم تین مرتبہ فلسطین پر حملہ آور ہوا۔ 597 ق م میں وہ جن یہودی پیشواؤں کو اپنے ساتھ بابل لے گیا، ان میں حزقی ایل نبی بھی تھے۔ صدقیاہ سلطنت یہودیہ کا آخری بادشاہ تھا۔ یرمیاہ نبی نے اسے مشورہ دیا تھا کہ بخت نصر کی مخالفت نہ کی جائے۔ صدقیاہ نے اس مشورے پر عمل نہ کیا، چنانچہ بخت نصر نے 586 ق م میں یروشلم کو تباہ اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی سلطنت یہودیہ بھی ختم ہوگئی۔ [2] بخت نصر ایک لاکھ یہودیوں کو غلام بنا کر عراق لے گیا تھا۔

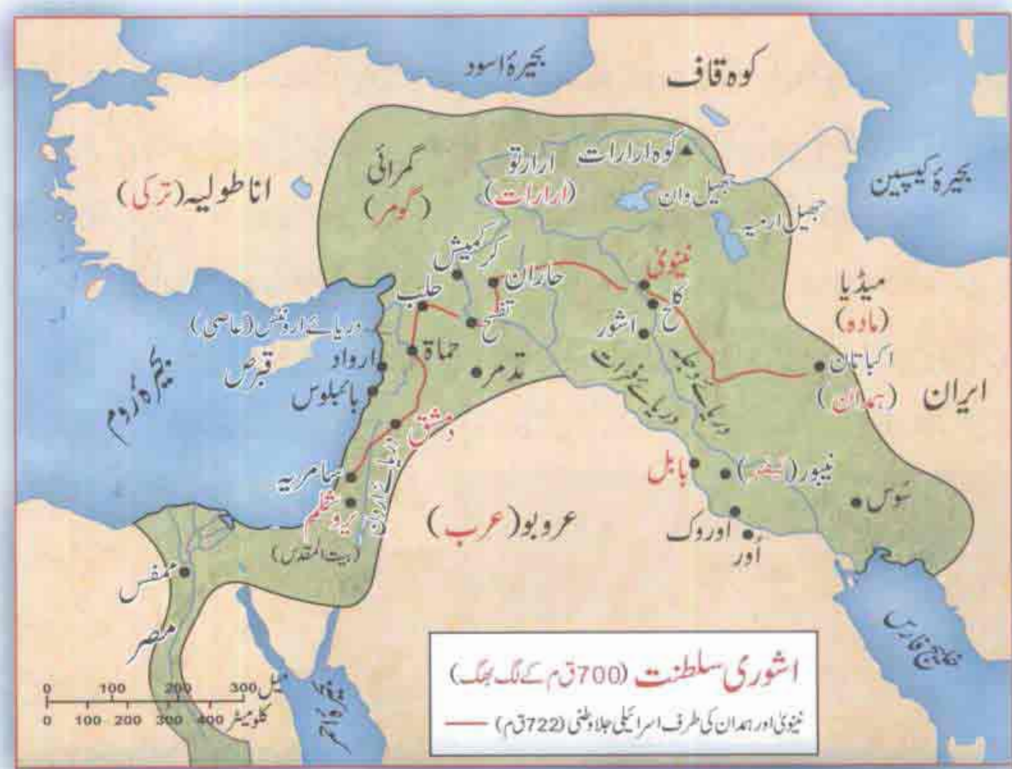
بابل سے یہود کی واپسی اور ہیکل کی تعمیر ثانی

538 ق م میں سائرس (ذوالقرنین) نے یروشلم پر قبضہ کر کے یہودیوں کو ازسرنو ہیکل تعمیر کرنے کی اجازت دے دی، چنانچہ نحمیاہ نبی نے 537 ق م میں ہیکل کی تعمیرِ ثانی کے علاوہ یروشلم کی فصیلیں بنوائیں اور شرعی قانون نافذ کیے۔

[1] قاموس الکتاب میں یوسیع نبی کا نام ہوسیع، ہوشع یا ہوشیع دیا گیا ہے۔ یہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ کا پہلا نام تھا، موسیٰ علیہ السلام نے بدل کر یشوع (عربی میں یوشع) کر دیا۔ (قاموس الکتاب، ص:1085) [2] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم:57/2.



یہود کے ہیکل سلیمانی کا مجوزہ ماڈل جسے وہ مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ کو شہید کر کے تعمیر کرنا چاہتے ہیں



بحیرۂ اسود
کوہ قاف
بحیرۂ کیسپین
اناطولیہ (ترکی)
گمرائی (گومر)
ارارتو (ارارات)
کوہ ارارات
جھیل وان
جھیل ارمیہ
کرکمیش
حاران
نینویٰ
کلخ
اشور
حلب
تفسح
حماۃ
تدمر
اکباتان (ہمدان)
میڈیا (مادہ)
ایران
دریائے ارونٹس (عاصی)
ارواد
قبرص
بائبلوس
بحیرۂ روم
دمشق
سامریہ
یروشلم (بیت المقدس)
بابل
نیبور
سوس
اوروک
اُور
عروبو (عرب)
ممفس
مصر
خلیج فارس
میل 100 200 300
کلومیٹر 0 100 200 300 400
اشوری سلطنت (700ق م کے لگ بھگ)
نینویٰ اور ہمدان کی طرف اسرائیلی جلاوطنی (722ق م)



بحیرۂ اسود
کوہ قاف
بحیرۂ کیسپین
اناطولیہ (ترکی)
ارارتو (ارارات)
جھیل وان
جھیل ارمیہ
کرکمیش
حاران
نینویٰ
اربیلا
اشور
حلب
میڈیا (مادہ)
اکباتان (اکبتانا)
بیستون
ایران
دریائے ارونٹس (عاصی)
ارواد
حماۃ
تدمر
قبرص
بائبلوس
بحیرۂ روم
دمشق
بابل
نیبور
سوس
یروشلم (بیت المقدس)
اوروک
اُور
ممفس
مصر
خلیج فارس
میل 100 200 300
کلومیٹر 0 100 200 300 400
سلطنت بخت نصر (600ق م کے لگ بھگ)
مغربی اسرائیل: یہودیہ سے بابل کی قید تک (605, 597, 586ق م)
جلاوطن یہودیوں کی بابل سے فلسطین واپسی (537ق م)
عزیر علیہ السلام (458ق م) اور نحمیاہ (445ق م) کے زیر قیادت واپسی

538 ق م سے 332 ق م تک یہودی ایرانی حکومت کے ماتحت رہے۔ دو سو برس کے ایرانی اقتدار کے بعد 332 ق م میں سکندر اعظم فلسطین میں وارد ہوا اور اس کے بعد یہ بطلیموسی بادشاہوں کے تسلط میں رہا، پھر 198 تا 168 ق م ان پر یونانی سلیوکی مسلط رہے۔ اس کے بعد یہودا مکابی کی قیادت میں یہود نے لڑ کر آزادی حاصل کر لی۔ [1]

رومیوں کے زیر نگیں ہیرودیس کی بادشاہی

63 ق م میں فلسطین رومیوں کے زیر اثر آ گیا اور 395ء تک ان کے ماتحت رہا۔ 37 ق م میں یہودی سردار ہیرودیس نے رومی حکومت سے یہودیہ کی حکومت کا پروانہ حاصل کیا۔ وہ ہیرودا عظم کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے یروشلم میں ہیکل سلیمانی کی عمارت از سر نو بنوائی اور قیصر آگسٹس کے لیے سامریہ میں ایک ہیکل (معبد) تعمیر کرایا۔ اسی کے عہد میں حضرت مسیح علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ہیرودیس کے بعد سلطنت اس کے بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔ ہیرودا عظم کے جانشین ہیرودیس ارخلاؤس نے 4 ق م تا 6ء حکومت کی۔



سامریہ میں قیصر آگسٹس کے معبد کے آثار

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت

ہیرودا عظم کے سب سے چھوٹے بیٹے ہیرودیس انتپاس کو گلیل اور پریہ (شرق اردن) کے علاقے ملے تھے۔ اس نے نباتی (نبطی) بادشاہ ارتاس کی بیٹی سے شادی کی، پھر اپنے سوتیلے بھائی ہیرودیس فلپس کی بیوی ہیرودیاس سے شادی کرنے کے لیے اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) نے اس کی دوسری شادی ناجائز قرار دی کیونکہ ہیرودیاس اس کی غیر منکوحہ بیوی تھی۔ اس پر یوحنا، انتپاس کے غضب کا شکار ہوئے اور ان کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس کے برعکس یہودی مؤرخ یوسیفس یوحنا کی شہادت کو ہیرودیس کے حسد کا نتیجہ بتاتا ہے کیونکہ وہ عوام میں بڑے ہر دلعزیز تھے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو بیت المقدس میں صخرہ پر ذبح کیا گیا اور ان کا سر کاٹ کر دمشق لے جایا گیا۔ دمشق کی ''مسجد اموی'' میں ان کا مدفن موجود ہے۔ [2]

[1] تلخیص از انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 2/49-58. [2] قاموس الکتاب، ص: 1090-1162، اطلس القرآن، ص: 200.

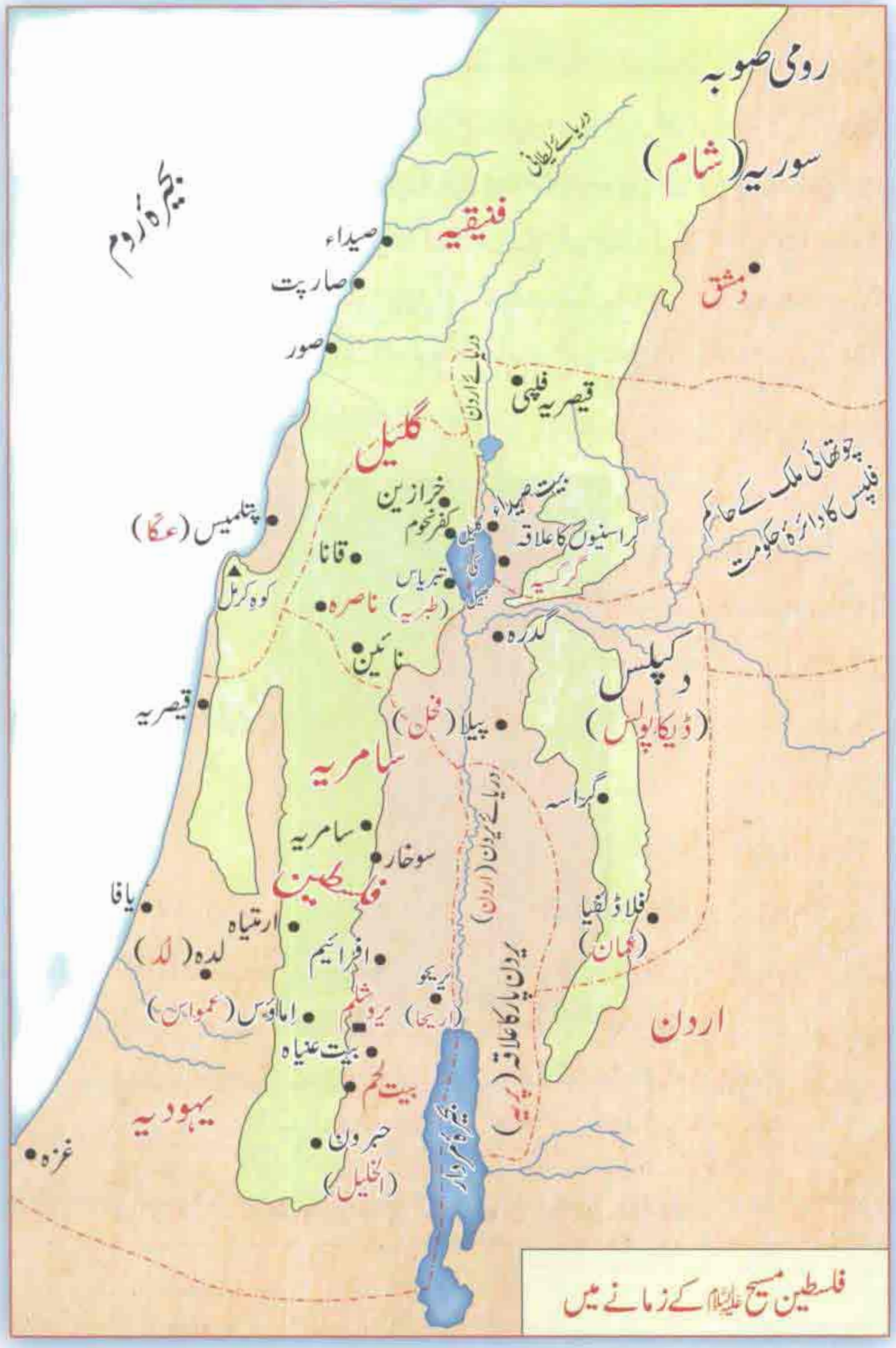
ہیکل سلیمانی کی دوسری تباہی اور یہود کی جلاوطنی

66ء میں یہودیوں نے رومیوں کے خلاف سرکشی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 70ء میں رومی جرنیل ٹائٹس نے یلغار کر کے یروشلم اور ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔ 132ء میں یہودیوں نے پھر ایک بار رومی حکمران ہیڈرین کے خلاف بغاوت کر دی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ رومیوں نے ہیکل سلیمانی کی جگہ مشتری دیوتا (جوپیٹر) کا مندر بنا دیا تھا۔ ہیڈرین نے بغاوت فرو کر کے یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کر دیا۔[1] اب کوئی یہودی سال بھر میں ایک مرتبہ کے سوا یروشلم (بیت المقدس) کے اندر نہ جاسکتا تھا۔ اس طرح یہودیوں کی اٹھارہ صدیوں سے زائد عرصے پر محیط مستقل جلاوطنی (Diaspora) کا آغاز ہوا۔



مسجد اقصیٰ کی جنوبی دیوار کے نیچے رومی دور کے دوہرے دروازے (ہلدہ) کے آثار جس میں بعد میں اینٹیں چن دی گئیں۔ ''ہلدہ'' کے لینٹر کے پاس ہی شاہ ہیڈرین کے جانشین انٹونیئس کے نام کی ایک سل نصب ہے جو بت پرست رومیوں کے تعمیر کردہ مشتری مندر کی باقیات میں سے ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے مسجد اقصیٰ مشتری مندر کے کھنڈر پر تعمیر کی جسے چوتھی صدی عیسوی میں مسیحی رومیوں نے گرا دیا تھا۔

[1] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم:59,58/2 .



فلسطین مسیح علیہ السلام کے زمانے میں

یہودیت اور جیوئش بائبل کی تالیف

حزقیل نبی کا صحیفہ

انبیائے بنی اسرائیل میں سے حزقیل (Ezekiel) نبی ان یہودیوں میں شامل تھے جنھیں بخت نصر نے 597 ق م میں بابل کی طرف جلاوطن کر دیا تھا۔[1] حزقیل (حزقی ایل) نے انبیاء کی تعلیمات کو پیش نظر رکھ کر ایک کتاب تیار کی جس میں عقیدہ و عبادات کی تمام تفصیلات درج تھیں۔ یہ یہودیت کا مستقل آغاز تھا۔ اہل کتاب کے نزدیک حزقیل خود بھی نبی تھے لیکن انھوں نے یہ کتاب دوسرے انبیاء کے الہامی صحیفوں سے مرتب کی۔ اس میں وہ قانون بھی شامل کیا جو اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا تھا اور جو کتاب استثنا میں بیان ہوا ہے۔[2]


حزقیل نبی کی بائبل کا قدیم نسخہ

یہود اور بنی اسرائیل

یعقوب علیہ السلام کی اولاد ان کے لقب اسرائیل کی نسبت سے بنی اسرائیل کہلاتی تھی، چنانچہ عہد عتیق کی کتب میں یرمیاہ نبی کے زمانے سے پہلے ان کے لیے ''یہودی'' یا ''یہود'' کے الفاظ استعمال نہیں ہوئے۔ ابتدا میں یہود سے مراد وہ لوگ تھے جو قبیلہ یہوداہ یا جنوبی ریاست (یہودیہ) سے تعلق رکھتے تھے لیکن بعد میں اس کا اطلاق عبرانی نسل کے تمام لوگوں پر ہونے لگا جو بابل کی اسیری (605-537 ق م) سے واپس آئے تھے اگرچہ زیادہ تر اسیر عبرانی یہودیہ سے بابل لے جائے گئے تھے۔ بالآخر یہ اصطلاح تمام دنیا میں عبرانی نسل کے لوگوں کے لیے استعمال ہونے لگی۔ حزقیاہ بادشاہ (724-695 ق م) کے زمانے سے یہودیہ کی زبان بھی یہودی کہلانے لگی تھی۔[3]

[1] قاموس الکتاب، ص: 323. [2] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 53/2. [3] قاموس الکتاب، ص: 1187.

یہود اور بُت پرستی

عقیدۂ توحید جو دینِ ابراہیمی کی بنیاد تھی اور جس کی وصیت حضرت ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام نے اپنے بیٹوں کو کی تھی، ان کی اولاد بعد میں اس پر قائم نہ رہ سکی۔ یہودیوں نے اپنی پڑوسی قوموں کے اثر سے یا غالب و فاتح قوموں کے دباؤ سے ان کے بہت سے عقائد قبول کر لیے اور ان کی بہت سی مُشرکانہ اور جاہلی روایات اختیار کر لیں۔ اس کا اعتراف بعض منصف مزاج یہودی مؤرخین خود کرتے ہیں۔ ''جیوئش انسائیکلوپیڈیا'' کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''بت پرستی کے خلاف نبیوں کا غیظ و غضب یہ ظاہر کرتا ہے کہ دیوتاؤں کی پرستش اسرائیلی عوام کے دلوں میں گھر کر چکی تھی اور بابل کی جلاوطنی سے واپس آنے کے وقت تک پوری طرح اس کا استیصال نہیں ہوا تھا۔ تو ہم پرستی اور سحر کے ذریعہ بہت سے مشرکانہ خیالات اور رسوم دوبارہ عوام نے قبول کر لیے تھے۔ تالمود سے بھی اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ بُت پرستی میں یہود کے لیے بڑی جاذبیت اور کشش تھی۔''[1]

بابل کی تالمود جو یہودیوں میں حد درجہ مقدس سمجھی جاتی ہے اور جسے بعض اوقات تورات پر بھی ترجیح دی گئی ہے، چھٹی صدی عیسوی میں یہودیوں میں رائج اور مقبول تھی۔ یہ کتاب یہود کی بدزبانی، خدا کے حضور جسارت و گستاخی اور حقائق و مُسلّمات اور دین و عقل کے ساتھ تمسخر کے ایسے عجیب و غریب نمونوں سے بھری ہوئی ہے جنھیں دیکھ کر اس صدی میں یہودی معاشرے کی ذہنی پستی اور مذہبی ذوق کے بگاڑ کا پورا اندازہ ہوتا ہے۔[2] تالمود یہودیوں کے مذہب اور آداب کی تعلیم کی کتاب ہے۔ اس کی تفسیر و تشریح علماء (حاخامات) کرتے رہے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں: المشنہ (المشنا) اور جمارا (جمارہ)۔ المشنہ نص کا درجہ رکھتی ہے جبکہ جمارا اس کی تفسیر ہے۔[3]

بائبل اور تالمود کی تالیف و ترتیب

بائبل کے عہد نامہ قدیم کی کتابت اور تہذیب و ترتیب 1150 ق م سے شروع ہوئی اور 130 ق م تک تمام صحیفے اس میں شامل کر لیے گئے۔ موجودہ تورات کی پانچ کتابیں پہلی مرتبہ 400 ق م کے آس پاس مرتب ہوئیں۔ اس کے بعد تاریخی اسفار (کتاب یوشع، کتاب قضاۃ، کتاب سیموئیل نبی اور سلاطین) کو بھی مذہبی تالیفات قرار دیا گیا۔ حضرت طالوت اور حضرت داوٗد علیہ السلام کے سوانح حیات کے ابتدائی حصے سیموئیل کی کتابوں سے لیے گئے اور ان

[1] Jewish Encyclopedia, Vol.xii, pp:568,569.

[2] دیکھیے: ''یہودی تالمود کی روشنی میں'' از ڈاکٹر بلنگ اور اس کا عربی ترجمہ ''الكنز المرصود في قواعد التلمود'' از ڈاکٹر یوسف حنا۔

[3] الموسوعة العربية الميسرة :543/1.


کتاب دانیال کا ایک ورق


عہد نامہ قدیم کا ایک نسخہ


تالمود کے صفحات کا عکس

کی تاریخ تالیف 950 ق م ہے۔ بنی اسرائیل کے بڑے بڑے انبیاء کا دور 750 ق م سے 550 ق م تک ہے۔ یہ عاموس، ہوسیع، یسعیاہ، میکاہ، یرمیاہ اور حزقی ایل کا دور ہے۔ ان کے صحیفوں، نیز بعض دوسرے صحیفوں کو 200 ق م کے لگ بھگ تورات میں شامل کیا گیا۔ دانیال نبی کی کتاب 164 ق م میں شامل ہوئی۔ زبور، کتاب امثال اور کتاب ایوب (Job) 586 ق م میں مرتب ہوئیں۔

عہد نامۂ قدیم کے باقی حصوں کا تعلق ایرانی اور یونانی اقتدار کے زمانے سے ہے۔ بعض کتابوں کو یہودی خود اسفارِ مُحرَّفہ کہتے ہیں، یعنی ان کے آسمانی ہونے میں شبہ ظاہر کرتے ہیں۔ ان کتابوں کا تعلق 180 ق م سے ہے۔ یہودیوں کی فقہی کتاب تالمود کی ترتیب 500ء کے آس پاس عمل میں آئی۔ یہودیوں کی قانونی کتاب مِشناہ 200ء کے قریب جمع ہوئی۔

اسرائیلی ادبیات

یہودیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے 600ء تک متعدد مذہبی کتابیں وحی الٰہی سے نازل ہوئیں یا قوتِ انسانی سے ترتیب پائیں۔ ان ادبیاتِ اسرائیلیہ کا مجموعہ تورات، کتبیم، نبیّیم، ترگوم، مدراش اور تالمود سے عبارت ہے۔ تورات ایک عبری لفظ ہے جس کے معنی شریعت اور قانون کے ہیں۔ اس نام کا اطلاق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ کتابوں پر ہوتا ہے، یعنی سِفر[1] تکوین (در ذکر ابتدائے کائنات، آدم وحواء، نوح، ابراہیم، اسحاق، اسماعیل، یعقوب، یوسف)، سِفر خروج (موسیٰ، فرعون، بنی اسرائیل کا ذکر اور قانون)، سِفر الاحبار (شریعت و قانون، حلال و حرام)، سِفر العدد (مصر سے خروج کے وقت بنی اسرائیل کی تعداد وغزواتِ موسیٰ وبعض احکام شریعت)، سِفر الاستثناء (قوانین و احکام شریعت)۔

[1] سِفر: عربی میں اَلسِّفْرُ کے معنی کتاب یا تورات کے اجزاء میں سے ایک جز ہیں۔ اس کی جمع اسفار ہے۔ (القاموس الوحید، مادۃ: سفر)

نبیِّم عبرانی میں نبی کی جمع ہے، عربی قاعدہ سے نبیِّین کہنا چاہیے۔ نبیِّم انبیائے بنی اسرائیل کے کلام و مواعظ و مراثی کا مجموعہ ہے جن میں بہت سی تاریخی باتیں بھی ضمناً مذکور ہیں۔ سفر یوشع و سفر القضاۃ و سفر سموال و سفر الایام [1] و سفر الملوک میں صرف تاریخی واقعات ہیں۔ اکثر تورات کا اطلاق تورات اور نبیِّم دونوں پر ہوتا ہے اور ان میں سے بعض کو کتبیم بھی کہتے ہیں۔



ترگوم کا ایک صفحہ

ترگوم یا ترجوم کا معنی ترجمہ و بیان ہے۔ یہ آرامی زبان میں تورات و نبیِّم کی تفسیر و توضیح ہے جو ربیّوں (ائمۂ یہود) نے انبیاء کی زبانی یادداشتوں اور روایات کو بنیاد بنا کر مرتب کی۔ اس کی تصنیف کا زمانہ 600 ق م سے 100ء تک کا ہے۔

مدراش مختلف انبیاء اور علماء کی باتیں اور خطبے وغیرہ ہیں۔ ان کا درجہ ہمارے ہاں کی احادیث اور آثار کا ہے۔ لفظ مدراس (مدراش) اور عربی کا لفظ ''درس'' ایک ہی چیز ہے جس کے معنی تعلیم و تدریس کے ہیں۔

تالمود یا تلمود اسرائیلی فقہ ہے جس کی بنیاد سابقہ کتب پر ہے اور جس کی ترتیب ابواب پر قائم کی گئی ہے۔ لفظ تلمود عربی میں تلمیذ ہے جس کے معنی ''تعلیم و علم'' کے ہیں۔ یروشلم کی تباہی کے بعد تالمود کے نسخے پانچویں صدی عیسوی میں یہودی تعلیمات کے مراکز طبریہ اور بابل میں مرتب ہوئے۔ [2]

یہود کے ہاں یہ تمام کتابیں مستند ہیں۔ نصاریٰ صرف تورات، کتبیم اور نبیِّم کو تسلیم کرتے ہیں اور ان ہی کے مجموعہ کو وہ عہد نامۂ عتیق کہتے ہیں۔ اسلام میں جو اسرائیلیات کا سرمایہ ہے، وہ زیادہ تر ترگوم، مدراش اور تالمود سے ماخوذ ہے۔ [3]

[1] سفر سموال: یہ دراصل شمویل (سموئیل Samuel) نبی سے منسوب کتاب ہے اور ''سفر الایام'' یا ''تواریخ'' اصل میں روزنامچہ (Chronicles) ہے۔ [2] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 59/2. [3] تاریخ ارض القرآن (کامل): 27,26/1.

عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائیت

عیسائیوں کے ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت کا بنیادی ماخذ 'نیا عہد نامہ' ہے۔ یہ اناجیل اربعہ، رسولوں (حواریوں) کے اعمال، کتاب مکاشفہ اور حواریوں اور ان کے ساتھیوں کے تبلیغی خطوط کا مجموعہ ہے۔ ان کتابوں میں جو حالات مذکور ہیں، وہ ہر اعتبار سے ناکافی اور انتہائی تشنہ ہیں۔ نئے عہد نامے کی کتابیں بنیادی معلومات کے اعتبار سے باہم مختلف بلکہ متضاد ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عیسائی سیرت نگاروں کے لیے سب سے مشکل امر یہ تھا کہ وہ ان کتابوں میں بیان کردہ متضاد باتوں میں سے کس کو کس بنا پر ترجیح دیں اور کس کو کس بنیاد پر مسترد کریں۔ معروف اسلامی سکالر اور محقق پروفیسر ساجد میر حفظہ اللہ نے اپنی کتاب ''عیسائیت'' کے دوسرے باب میں عیسائیوں کے ہاں معیاری سمجھے جانے والے مقبول مصادر کو بنیاد بنا کر ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور عیسائیت'' کا جو تعارف مرتب کیا ہے، علمی اور تحقیقی اعتبار سے انتہائی وقیع ہے۔ عیسائیوں کے نقطۂ نظر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مختصر سیرت اس سے بہتر انداز میں پیش نہیں کی جا سکتی۔ ذیل میں جو معلومات پیش کی گئی ہیں، ان کا بنیادی ماخذ ان کی کتاب کا دوسرا باب ہے۔


عہد نامہ جدید کا قدیم نسخہ

یسوع، یشوع یا یوشع (Jesus, Jeshua, Joshua) کا معنی ہے: ''یہوواہ نجات ہے۔'' (Jehovah is Salvation)۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا ہی مُنجی یا نجات دہندہ ہے۔ [1] حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اصل نام یشوع (Jeshua or Joshua) تھا۔ وہ ایسے زمانے میں پیدا ہوئے جب بنی اسرائیل صدیوں سے اشوریوں (Assyrians) اور اہل بابل کی لائی ہوئی تباہی، جنگوں اور جلاوطنی کا شکار تھے۔ عام خیال یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام سن 1ء میں پیدا ہوئے لیکن جب لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ مسیح اس سے چار یا پانچ سال پہلے پیدا ہوئے تو انھیں تعجب ہوتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عیسوی کیلنڈر چھٹی صدی عیسوی میں مرتب کیا گیا۔ راہب ڈایونیسیس اکسی گوس نے 562ء

[1] ڈیوس (Davis) کی ڈکشنری آف بائبل، لندن، 1972ء، ص: 402,401.

میں حساب لگا کر سنِ عیسوی کا اعلان کیا۔ اس نے مسیح کی پیدائش رومی کیلنڈر کے سال 754 میں رکھی۔ لیکن ہیرودیس اعظم جس نے بیت لحم کے معصوم بچوں کا قتلِ عام کیا تھا، رومی سال 750 میں فوت ہوا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ مسیح کی پیدائش 750 سے کم از کم چند ماہ پہلے ہوئی ہوگی۔ غالباً وہ رومی سن 749 کے شروع میں پیدا ہوئے تھے، یعنی 5 ق م کے آخر میں۔ [1]

تاریخ کے اس مشکل ترین دور میں یہودی ایک مُنجی اور مسیحا کے منتظر تھے جو انھیں غلامی اور جور وستم سے نجات دلا کر ان کی قومی عزت کو بحال کرے اور ان کی معیشت و معاشرت کو سربلندی عطا کرے۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ یہ آنے والا اللہ تعالیٰ کی خصوصی برکت کا حامل ہوگا۔ اسی لیے اسے ''مسیح'' عبرانی میں ''مسیحا'' (Messiah)، یعنی ''مسح کیا ہوا'' (Anointed)، آرامی زبان میں مشیحا (Meshiah) اور یونانی میں کرائسٹس یا خرستس (Christ) کہا گیا۔ یہودیوں میں دستور تھا کہ وہ اپنے بادشاہ اور خاص مذہبی رہنما کے سر پر 'مقدس تیل' لگاتے تھے۔ یہ اس بات کی علامت ہوتی کہ اسے خدا نے ان کی رہنمائی کے لیے چنا ہے۔ [2]

عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں اختلاف ہے کہ اصل پیدائش سن عیسوی کے آغاز سے کتنے سال قبل ہوئی۔ مختلف اقوال کے مطابق آپ کی پیدائش 8 تا 4 قبل مسیح کے کسی سال میں ہوئی۔ [3]
انجیل لوقا کے مطابق یہودیہ (Judea) کے بادشاہ ہیرودیس (Herod) کے زمانہ میں ''جبریل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل (Galilee) کے ایک شہر میں، جس کا نام ناصرہ (Nazereth) تھا، ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داؤد کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نامی سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا۔'' [4]

فرشتہ نے بقول متی، یوسف کو [5] اور بقول لوقا، مریم کو [6] بغیر باپ کے پیدا ہونے والے ایک مبارک بیٹے کی خوشخبری دی اور وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوئیں۔ [7] ان دنوں قیصر آگسٹس (Augustus) کی طرف سے مردم شماری کا حکم جاری ہوا۔ اس سلسلے میں یوسف اور مریم نے ناصرہ سے بیت لحم کی بستی کا سفر کیا اور سیدنا عیسیٰ وہیں پیدا ہوئے۔ [8] متی کے بیان کے مطابق کچھ ستارہ شناس مجوسی (Magi) مسیح کی تعظیم کرنے کے لیے آئے

[1] قاموس الکتاب، ص: 912.
[2] In Search of Historic Jesus, By L. Roddy And C.E. Sellier, New York, p:3 [3] Jesus In His Time, p:104.
[4] کتاب مقدس (لوقا) 1:5،1:26-28. ''مریم'' کے معنی نیک خاتون یا خدا کی پسندیدہ ہیں۔ (Jesus In His Time, p:104) [5] کتاب مقدس (متی) 1:20،21. [6] کتاب مقدس (لوقا) 1:30،31. [7] کتاب مقدس (متی) 1:20. [8] کتاب مقدس (لوقا) 2:1-7.


بیت لحم (فلسطین) کا ایک منظر

جب کہ وہ ابھی چھوٹے بچے تھے۔ ان سے یہ سن کر کہ ''یہودیوں کا بادشاہ'' پیدا ہوا ہے، ہیرودیس بادشاہ متنبہ ہوا اور بچے کی ٹوہ میں لگا۔ مگر جب مجوسی اسے کچھ بتائے بغیر چلے گئے تو اس نے بیت لحم اور اس کے آس پاس کے علاقوں میں دو برس اور اس سے چھوٹی عمر کے بچوں کو قتل کروا دیا۔ لیکن یوسف اور مریم خواب میں ملنے والے ایک اشارے کے پیش نظر پہلے ہی بھاگ کر مصر جا چکے تھے، جہاں وہ ہیرودیس کے مرنے تک مقیم رہے۔ [1]

ولادتِ مسیح اور قرآن

مسلمان حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔ وہ انھیں ان اولوالعزم انبیائے کرام میں شمار کرتے ہیں جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے۔

قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ وہ کنواری مریم (Mary یا Maria) کے بطن سے پیدا ہوئے۔ قرآن کی ایک پوری سورت مریم کے نام سے موسوم ہے جس میں ان کے اور عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ حالات بیان ہوئے ہیں۔ قرآن ایک اور سورت آل عمران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی تفصیل ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿ إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ قَالَتْ رَبِّ أَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۚ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ إِذَا قَضٰٓى أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ ﴾

''جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ تمھیں اپنی طرف سے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے، اس کا نام مسیح، عیسیٰ ابن مریم ہوگا۔ وہ دنیا اور آخرت میں بڑے مرتبے والا اور اللہ کے قریبی بندوں میں سے ہو گا۔ اور وہ ماں کی گود میں اور بڑی عمر میں بھی لوگوں سے کلام کرے گا اور نیکو کاروں میں سے ہوگا۔ مریم نے

[1] کتاب مقدس (متی) 2:6-18.

کہا: اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا، حالانکہ مجھے کسی شخص نے چھوا تک نہیں۔ فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو اس کے لیے صرف یہ کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔''[1]

اسلامی عقیدے کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام بالکل اسی طرح اللہ کے حکم سے معجزاتی طور پر بغیر باپ کے پیدا ہوئے جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ نے بغیر ماں اور باپ کے مٹی سے پیدا کیا تھا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ ﴾

''بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے۔ اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا: ہو جا، تو وہ ہو گیا۔[2]

مسیح علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ

مسیح علیہ السلام نے تقریباً تیس برس کی عمر میں یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) سے بپتسمہ لے کر تعلیم و تبلیغ شروع کی اور بقول لوقا، اس وقت مسیح پر ایک کبوتر کی شکل میں روح القدس کا جسمانی طور پر نزول ہوا۔[3] اس کے بعد مسیح نے چالیس دن تک جسمانی اور روحانی ریاضت کی اور بیابان کی تنہائی میں شیطان نے انھیں آزمایا۔ اس آزمائش میں آپ ثابت قدم اور خداوند کے وفادار رہے۔[4]

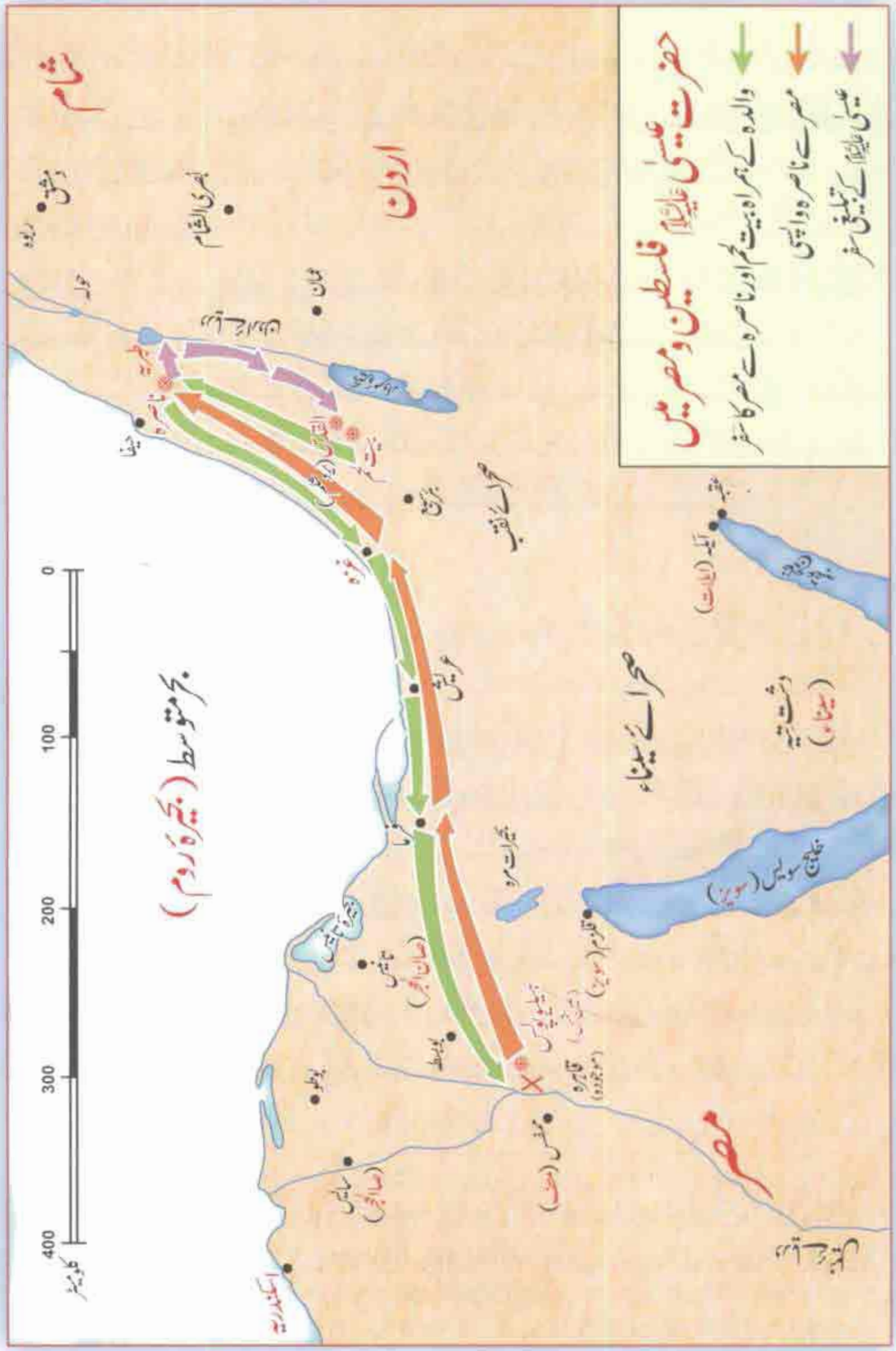


گلیل کا علاقہ اور جھیل طبریہ

اس کے بعد مسیح نے گلیل کے علاقے کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا جہاں وہ یہودی عبادت خانوں میں گھوم پھر کر تعلیم و تبلیغ میں مصروف رہے۔[5] گلیل کی بستی ناصرہ کے علاوہ اسی علاقے کا ایک دوسرا شہر کفرنحوم (Capernaum) بھی ان کی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنا۔ وہ گلیل کے مختلف عبادت خانوں میں تبلیغ و منادی کرتے رہے۔[6]

---

[1] آل عمرٰن 3:45-47. [2] آل عمرٰن 3:59. [3] کتاب مقدس (لوقا) 3:21,22. [4] کتاب مقدس (متی) 4:1-11، کتاب مقدس (مرقس) 1:12,13، کتاب مقدس (لوقا) 4:1-13. [5] کتاب مقدس (لوقا) 4:14-16. [6] کتاب مقدس (مرقس) 1:21، کتاب مقدس (متی) 4:23، کتاب مقدس (لوقا) 4:21-44.


حضرت عیسیٰ علیہ السلام فلسطین و مصر میں
والدہ کے ہمراہ بیت لحم اور ناصرہ سے مصر کا سفر
مصر سے ناصرہ واپسی
عیسیٰ علیہ السلام کے تبلیغی سفر
شام
دمشق
اردن
بحر متوسط (بحیرۂ روم)
صحرائے سینا
صحرائے نقب
خلیج سویس (سویز)
مصر
غزہ
حیفا
ناصرہ
بیت لحم
اسکندریہ
قاہرہ
کلومیٹر
0
100
200
300
400

عیسیٰ علیہ السلام اور عقیدۂ توحید

تمام پیغمبروں کے مشن کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی یہی مشن تھا۔ وہ اس مشن میں کوئی تبدیلی کرنے نہیں آئے تھے۔ انھوں نے عقیدۂ توحید پر مبنی اسی پیغمبرانہ مشن کی توثیق و تجدید کی۔ [1]

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے پیچھے عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب (یعنی) توریت کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انھیں انجیل عطا فرمائی جس میں نور اور ہدایت تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب توریت کی تصدیق کرتی تھی اور ہدایت اور نصیحت تھی متقی لوگوں کے لیے۔'' [2]

بعثتِ مسیح اور معجزات

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے پیغام کا قائل کرنے کے لیے، فریضۂ نبوت ادا کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کئی معجزے دکھائے۔ قرآن مجید میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا:

﴿ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـــَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ﴾

''بے شک میں تمھارے پاس تمھارے رب کی نشانی لے کر آیا ہوں۔ بے شک میں تمھارے لیے گارے سے پرندے کی شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو اللہ کے حکم سے وہ (واقعی) پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے پیدائشی اندھے اور برص (پھلبہری) والے کو اچھا کرتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور میں تمھیں بتاتا ہوں جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو۔'' [3]

بائبل اور معجزاتِ مسیح

معجزاتِ مسیح کے حوالے سے بائبل کہتی ہے: انھوں نے بیماروں کو شفا دینے، بدروحوں اور شیاطین کو بیمار جسموں سے نکالنے، کوڑھ اور فالج وغیرہ کو ٹھیک کرنے، اندھوں کو بینائی اور گونگوں کو گویائی دینے کے معجزات بھی دکھائے۔ [4]

[1] آل عمرٰن 50:3. [2] المآئدۃ 47,46:5. [3] آل عمرٰن 49:3. [4] کتاب مقدس (لوقا) 4:40، 41، 5:12، 13، 5:18-25.

س سے ان کی شہرت پھیل گئی اور لوگوں کی ایک ''بڑی بھیڑ ان کے پیچھے ہولی۔'' مسیح نے اپنے پیروکاروں میں سے بارہ خاص شاگرد (حواری) چنے [1] جبکہ عیسائی لٹریچر میں انھیں ''مسیح کے رسول'' کہا گیا ہے۔ [2] مسیح کے بارہ حواریوں کے نام یہ ہیں: شمعون (پطرس یا پیٹر) اور اس کا بھائی اندریاس، یعقوب، یوحنا (John)، فلپس، برتلمائی (بارتھولومیو)، متی (میتھیو)، توما (تھامس)، یعقوب بن حلفئی، شمعون زیلوتیس، یعقوب کا بھائی یہوداہ اور یہوداہ اسکریوتی۔ متی اور مرقس میں یعقوب کے بھائی یہوداہ کے بجائے تدّی کو رسول بتایا گیا ہے۔ [3]

ان معجزات سے یہودیوں نے سمجھ لیا کہ جس نجات دہندہ کا انھیں انتظار تھا، وہ یہی ہیں، اس لیے انھوں نے مسیح کو بادشاہ بنانا چاہا مگر آپ صرف ''آسمانی'' یعنی روحانی رہنما تھے، اس لیے آپ نے انکار کیا۔ یہود نے مسیح علیہ السلام کے ذریعے سے اپنی دنیاوی توقعات پوری نہ ہونے اور ان کے روحانی مواعظ سے تنگ آکر ان کو سنگسار کرنے کی کوشش کی، [4] پھر وہ ان کے قتل کے مشورے کرنے لگے۔ [5] اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے خاص شاگردوں کے ساتھ جنگل کے قریب جا بسے۔

حواری کی ''غداری'' اور مسیح کی گرفتاری

عیسائیوں کے ہاں رائج نئے عہد نامے کے مطابق یہودی مذہبی رہنماؤں نے حکم جاری کیا کہ ''اگر کسی کو معلوم ہو کہ وہ (عیسیٰ علیہ السلام) کہاں ہے، تو وہ اطلاع دے تاکہ اسے پکڑ لیں۔'' [6] اس اعلان کے بعد حضرت مسیح علیہ السلام کے بارہ خاص شاگردوں میں سے ایک یہوداہ اسکریوتی (Judas Iscariot) (اسلام لانے والے اہل کتاب کے مطابق یودس زکریا یوحنا) نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پکڑوانے کے لیے تیس روپے لیے اور موقع کی تلاش میں رہا۔ [7] ایک روز یہوداہ (یودس) یہود کے مذہبی رہنماؤں کے فرستادوں اور سپاہیوں کو لے کر آیا اور انھیں گرفتار کروا دیا۔ ''اس پر سب شاگرد اسے (مسیح علیہ السلام کو) چھوڑ کر بھاگ گئے۔'' [8]

گرفتاری کے بعد مسیح کو الگ الگ مذہبی رہنماؤں [9] اور پھر ان کی نمائندہ مجلس [10] (Sanhedrin) کے سامنے پیش کیا گیا۔ مذہبی رہنماؤں نے آپ کو سزائے موت دلوانے کے لیے رومی حاکم پُنطیُس پیلاطُس کے حوالے کر دیا۔ [11] رومی حاکم سزا دینے میں متامل تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ انھوں نے اس کو حسد سے پکڑوایا ہے۔ [12] مگر

---

[1] آل عمرٰن 52:3، الصف 14:61. [2] کتاب مقدس (متی) 10:1-4، لوقا 6:13-16. [3] کتاب مقدس (متی) 10:2-4، کتاب مقدس (مرقس) 3:16-19. [4] کتاب مقدس (لوقا) 6:13-16. [5] کتاب مقدس (یوحنا) 10:30. [6] کتاب مقدس (یوحنا) 11:47-53. [7] کتاب مقدس (یوحنا) 11:57. کتاب مقدس (متی) 26:14-16، کتاب مقدس (لوقا) 22:3-6. [8] کتاب مقدس (متی) 26:47-56، کتاب مقدس (لوقا) 22:54. [9] کتاب مقدس (یوحنا) 18:13 و 24، کتاب مقدس (لوقا) 22:54. [10] کتاب مقدس (لوقا) 22:66. [11] کتاب مقدس (متی) 27:2. [12] کتاب مقدس (متی) 27:18.

اسے بھڑکانے کے لیے مذہبی رہنماؤں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر الزام لگایا کہ وہ لوگوں کو سرکاری ٹیکس دینے سے منع کرتے اور خود کو بادشاہ قرار دیتے ہیں۔ [1]

لوگ مسیح کو سزا دلوانے پر مُصر رہے اور انھوں نے پیلاطس کی اس تجویز کو بھی قبول نہیں کیا کہ عیدِ فصح کے احترام میں کسی قیدی کو چھوڑنے کے دستور کے مطابق مسیح کو چھوڑ دیا جائے۔ [2] حتیٰ کہ انھوں نے ایک قاتل اور باغی براباَ (Barabba) کو عید کی خوشی میں چھوڑنا منظور کر لیا مگر مسیح کو چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے۔ [3]

ایلی ایلی لما شبقتنی؟

بالآخر پیلاطس نے مسیح کو صلیب دینے کے لیے سپاہیوں کے حوالے کر دیا۔ [4] چنانچہ آپ کو گلگتا (Golgotha لفظی معنی: کھوپڑی کی جگہ) لے جایا گیا اور بقول اناجیل، طرح طرح کی اذیتیں اور طعنے دے کر مصلوب کر دیا گیا۔ [5] ''اور یسوع نے بڑی آواز سے چلاتے ہوئے ایلی ایلی لما شبقتنی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ کہتے ہوئے جان دے دی۔'' [6]



گلگتا کی پہاڑی

قرآن کا سچا بیان

قرآن مجید نے مسیح کو صلیب دیے جانے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ ''اور انھوں نے اسے (مسیح کو) نہ قتل کیا اور نہ سولی دی اور لیکن ان کے لیے اس (مسیح) کا شبیہ بنا دیا گیا۔'' [7] نیز فرمایا: ﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ﴾ ''بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا۔'' [8]

سینٹ پال اور مسیحی الٰہیات

بطور مذہب موجودہ مسیحیت کی ابتدائی تشکیل یہودی النسل سینٹ پال (پولوس، م: 64ء) نے انجام دی۔ ''سو عظیم

---

[1] کتاب مقدس (لوقا) 2:23. [2] کتاب مقدس (یوحنا) 40,39:18. [3] کتاب مقدس (لوقا) 19,18:23، کتاب مقدس (یوحنا) 40:18.
[4] کتاب مقدس (لوقا) 25:23، کتاب مقدس (متی) 26:27. [5] کتاب مقدس (متی) 44-32:27، کتاب مقدس (مرقس) 26-16:15، کتاب مقدس (لوقا) 38-26:23، کتاب مقدس (یوحنا) 24-1:19. [6] کتاب مقدس (متی) 46:27، کتاب مقدس (مرقس) 34:15.
[7] النسآء 157:4. [8] النسآء 158:4، مزید تفصیل شہادت القرآن (مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی) اور عیسائیت: تجزیہ و مطالعہ (پروفیسر ساجد میر) میں ملاحظہ کریں۔

آدمی" (THE 100) کا مصنف مائیکل ہارٹ لکھتا ہے:

"یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) جوانی ہی میں چل بسے۔ ان کی وفات کے وقت ان کے چند پیروکار (حواری) ان کے پاس تھے لیکن مسیحی الٰہیات کو وضع کرنے کا کام بنیادی طور پر سینٹ پال نے سرانجام دیا۔ یسوع نے ایک روحانی پیغام دیا۔ پال نے اس میں یسوع کی پوجا پاٹ کا اضافہ کر دیا۔ سینٹ پال ہی عہد نامہ جدید کے ایک بڑے حصے کا مصنف ہے۔"[1]

15 صدیوں کے بعد عقیدۂ تثلیث کا راز فاش

عیسائیت اپنے دورِ اول ہی میں انتہا پسندوں کی تحریف، جاہلوں کی تاویل اور رومی نصرانیوں کی بت پرستی کا شکار ہوگئی تھی۔

ایک عیسائی فاضل لکھتا ہے:

"یہ عقیدہ کہ خدائے واحد تین اقانیم سے مرکب ہے، عیسائی دنیا کی پوری زندگی اور افکار میں چوتھی صدی کے آخر ہی میں سرایت کر چکا تھا اور طویل عرصے تک سرکاری اور تسلیم شدہ عقیدے کی حیثیت سے، جس کو پوری مسیحی دنیا مانتی تھی، باقی رہا یہاں تک کہ انیسویں صدی عیسوی کے نصف ثانی میں راز فاش ہوا کہ یہ عقیدہ مسلسل بدلتا رہا اور آخر کار اس نے موجودہ (تثلیث کی) شکل اختیار کر لی۔"[2]

سورج دیوتا کے تہوار کا نام کرسمس

عیسائیت میں پُرانے مشرکانہ عقائد کس طرح شامل کر لیے گئے، اس کی مثال بیان کرتے ہوئے عیسائی مؤرخ جیمز ہیوسٹن بیکسٹر رقمطراز ہے:

"بت پرستی (عیسائیت میں) جذب کر لی گئی۔ تقریباً سب ہی کچھ جو بت پرستی میں تھا، عیسائیت کے نام سے چلتا رہا۔ جن لوگوں کو اپنے دیوتاؤں اور مشاہیر سے ہاتھ دھونے پڑے تھے، انھوں نے غیر شعوری طور پر کسی شہید کو پُرانے دیوتاؤں کے اوصاف سے متصف کر کے کسی مقامی مُجسّمے کو اس کا نام دے دیا اور اس طرح کافرانہ مسلک اور دیومالا ان مقامی شُہداء کے نام منتقل ہوگئی۔ ان اولیاء نے ایک جانب تو آریوسی عقائد کی بنا پر انسان اور خدا کے درمیان شانِ ایزدی رکھنے والے انسانوں کی شکل اختیار کر لی اور دوسری

[1] سو عظیم آدمی، ص: 37.

[2] New Catholic Encyclopedia, Vol:14, 1967.

جانب یہ قرونِ وسطیٰ کے تقدس اور پارسائی کے نشان بن گئے۔ بت پرستانہ تیوہار قبول کر کے ان کے نام بدل دیے گئے یہاں تک کہ 400ء تک پہنچتے پہنچتے سورج دیوتا کے قدیم تیوہار نے مسیح کے یوم پیدائش کی شکل اختیار کر لی۔"[1]

بائبل کے 40 مصنفین

مسیحی بائبل عیسائیوں کی مقدس کتاب ہے۔ لفظ بائبل (Bible) یونانی زبان کے لفظ ببلوس (Bublos) یا بائبلوس (Biblus) سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کتابوں کا مجموعہ۔ ابتدا میں بائبل دو زبانوں میں لکھی گئی: عبرانی (Hebrew) اور یونانی (Greek) میں۔



یونانی زبان میں بائبل کا قدیم نسخہ



عبرانی بائبل

بائبل کو تقریباً 1600 سال کے عرصے میں 40 مصنفین نے مرتب کیا۔ ان افراد کا تعلق دنیا کے مختلف حصوں سے تھا۔ آخری مصنف پہلے مصنف کی وفات کے 1450 برس بعد پیدا ہوا تھا۔ کیتھولک چرچ کے نزدیک بائبل 72 کتابوں کا مجموعہ ہے جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ اسے 66 کتابوں پر مشتمل مانتا ہے اور اسے دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، یعنی عہد نامہ قدیم (Old Testament) اور عہد نامہ جدید (New Testament)۔ کیتھولک چرچ کے نزدیک عہد نامہ قدیم میں 45 اور عہد نامہ جدید میں 27 کتابیں ہیں، جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ عہد نامہ قدیم کو 39 اور عہد نامہ جدید کو 27 کتابوں کا مجموعہ مانتا ہے۔ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں تورات (Torah) کہلاتی ہیں۔ پرانا عہد نامہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا جس میں کتاب دانی ایل (دانیال) اور کتاب عزرا (عُزیر) کے کچھ حصے آرامی زبان میں تھے۔ نیا عہد نامہ مکمل طور پر یونانی زبان میں لکھا گیا۔ 420ء میں کیتھولک چرچ کو کچھ صحیفے ملے جنھیں وقت کے پوپ کے فرمان کے مطابق محفوظ کر لیا گیا مگر اس سے پہلے ان کا ترجمہ عبرانی اور یونانی سے لاطینی زبان (Latin) میں کیا گیا۔ پوپ کا یہ حکم بھی تھا کہ آج کے بعد ان قدیم صحیفوں کو ہاتھ نہیں لگایا جائے گا،

[1] Rev. James Houston Baxter, The History of Christianity in The Light of Modern Knowledge (Glasgow.1929), P: 407.

چنانچہ اس فرمان کے مطابق آج تک کوئی انھیں چھو نہیں سکا۔[1]

قدیم بائبل کے تین نسخے

اس وقت قدیم ترین بائبل کے تین نسخے موجود ہیں:

1. نسخہ ویٹیکن: یہ چوتھی صدی عیسوی کا نسخہ ہے اور روم (اٹلی) میں محفوظ ہے۔
2. سینائی نسخہ: یہ بھی چوتھی صدی عیسوی کا نسخہ ہے اور سینٹ پیٹرز برگ (روس) میں محفوظ ہے۔
3. نسخہ اسکندریہ: یہ پانچویں صدی عیسوی میں مرتب ہوا اور لندن میں محفوظ ہے۔


ویٹی کن بائبل


سینائی بائبل کا نسخہ


نسخۂ اسکندریہ

عہد نامہ جدید کی کتب 50ء کے بعد لکھی گئیں۔ متی، مرقس، لوقا اور یوحنا چاروں 50ء تا 115ء کے دور میں لکھی گئیں۔ مقدس برناباس (حواری) نے بھی ایک انجیل لکھی جو 55ء کے زمانے کی ہے۔[2]

پاپائے روم

پہلی صدی عیسوی میں حوارِ مسیح پطرس (Peter) اور بانیِ عیسائیت پولوس (سینٹ پال) روم میں قتل ہوئے تھے، لہٰذا آگے چل کر روم کلیسائی نظام کا مرکز بن گیا۔ یہاں پطرس (سینٹ پیٹر) کے نام سے گرجا کیتھولک مسیحیت کا مقدس مقام ہے۔ عیسائیوں کے بڑے پادری[3] اُسقف (Bishop) کہلاتے تھے۔ 341ء میں پوری مسیحی دنیا کے اندر پانچ بڑے اُسقف تھے۔ یہ روم، قسطنطنیہ، یروشلم، انطاکیہ اور اسکندریہ کے اُسقف تھے۔ 425ء تک انھیں پاپا کہا جاتا تھا۔ بعد میں روم کے بشپ کو خاص طور پر ''پاپا'' یا ''پوپ'' کہا جانے لگا۔ آہستہ آہستہ روم کا کلیسا مغرب کا واحد بڑا مذہبی مرکز ٹھہرا۔ تب روم کے اُسقفوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم لوگ پطرس رسول اور

1 اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، ص: 324,323۔ 2 بائبل کی تاریخ (انگریزی) از پادری برکت مسیح۔ 3 لفظ ''پادری'' پرتگالی زبان سے برصغیر میں متعارف ہوا۔ اس کے معنی وہی ہیں جو فادر (Father) کے ہیں۔

پولوس رسول کے مقبروں کے مجاور ہیں۔ متی کی انجیل کے بعض کلمات سے یہ مطلب نکالا گیا کہ پطرس رسول کو حضرت مسیح علیہ السلام نے کلیسائی نظام کی بنیاد قرار دیا تھا، چنانچہ روم کے اسقفوں نے دعویٰ کیا کہ وہ پطرس رسول کے وارث ہیں۔ اس نظریے کو پہلے پہل پوپ سیلسٹائن اول (422ء تا 432ء) نے رواج عام دیا۔ یوں روم کا اسقف فائق و برتر مذہبی پیشوا (پوپ) بن گیا۔[1]

بائبل کے متعلق اسلامی عقیدہ

بائبل میں تحریف ہو چکی ہے اور اس میں مختلف مقامات پر تضاد پایا جاتا ہے۔ یہ بات خود عیسائی تسلیم کرتے ہیں۔ بائبل کے متعلق مسلمان یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایک آسمانی کتاب نازل کی تھی جو انجیل کہلاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ آج اس کے بعض اجزاء عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ الوہی تعلیمات کی صورت میں عہد نامہ جدید میں شامل ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمان اس بائبل پر ایمان رکھتے ہیں جو آج ہمارے سامنے ہے کیونکہ یہ اصل کتب کا مجموعہ نہیں جو اللہ نے نازل کی تھیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان میں ترمیمات، تحریفات اور اضافے کر ڈالے۔ یہ بات اس کمیٹی نے بھی تسلیم کی جو بائبل مقدس (ترمیم شدہ معیاری ایڈیشن) پر نظر ثانی کے لیے قائم کی گئی تھی۔ یہ کمیٹی 32 علماء پر مشتمل تھی جو اس کے رکن تھے۔ انھوں نے تعاون کرنے والے فرقوں کے پچاس نمائندوں پر مشتمل مشاورتی بورڈ کے تاثرات اور مشورے اپنی رپورٹ میں شامل کیے۔ کمیٹی نے بائبل مقدس کے مقدمے میں کہا: ''بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ متن میں سے کچھ حصے حذف کر دیے گئے ہیں لیکن کسی نسخے میں بھی حذف شدہ حصے قابل اطمینان طور پر بحال نہیں کیے گئے۔ اصل متن کی انتہائی امکانی تشکیل جدید کے لیے فاضل علماء نے جو بہترین قیاس پیش کیے ہیں، اب ہمیں انھی پر اکتفا کرنا ہے۔'' کمیٹی نے مقدمے میں یہ بھی لکھا: ''عبارات کا اضافہ کیا گیا ہے جن سے قدیم مستند نسخوں میں اہم تبدیلیوں، اضافوں اور تحریفات کا پتہ چلتا ہے۔''[2]

اس بائبل کی بنیاد پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی تعلیمات کے بارے میں جو کچھ سامنے آتا ہے، اس کا ایک نقش آپ کے سامنے ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مسلمان اللہ کا سچا نبی مانتے ہیں۔ تمام انبیاء کی نبوت اور حقانیت ان کے ایمان کا حصہ ہے۔ اسلام حقیقت میں اس دین کی سچی اور مکمل صورت ہے جو تمام انبیائے کرام کے ذریعے سے بھیجا گیا۔ قرآن میں ہدایت و حکمت کے نمونوں کے طور پر جن انبیاء کا تذکرہ ہے، ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل ہیں۔ احادیث میں واضح کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دین اسلام کی مکمل ترین صورت کے ساتھ وابستگی اور اس کی

[1] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 152/2. [2] اسلام کی سچائی اور سائنس کے اعترافات، ص: 324-326.

گواہی کے لیے تمام انبیائے کرام کی نمائندگی کریں گے۔ اللہ کے دین کی فیصلہ کن فتح کے آخری مرحلے میں وہ اسی طرح آسمانوں سے زمین پر نازل ہوں گے جس طرح آسمانوں پر اٹھائے گئے تھے، دین اسلام پر عمل کریں گے اور اس سے وابستہ تمام لوگوں کے لیے عدل کرنے والے حَکَم ہوں گے۔ قرآن مجید، احادیث رسول اور مستند آثارِ صحابہ کے ذریعے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ کا جو نقش سامنے آتا ہے، وہ عیسائی مآخذ کی بنیاد پر مرتب ہونے والے نقش سے کہیں زیادہ خوبصورت، دل کش اور مؤثر ہے۔ اس نقش کے ذریعے سے جہاں عیسائیوں میں رائج سیرتِ عیسیٰ کے بعض پہلوؤں کی تصدیق ہوتی ہے وہاں بعض پہلوؤں خصوصاً خدا یا خدا کا بیٹا ہونے، مصلوب ہونے، اللہ تعالیٰ کے سامنے شکایت کرنے اور حواریوں کی غداری کا سامنا کرنے جیسے متعدد پہلوؤں کی تردید ہوتی ہے اور سیرتِ عیسیٰ کے صحیح پہلو سامنے آتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا تعلق انتہائی عالی مرتبت اور بابرکت گھرانے 'آلِ عمران' سے تھا۔ یہ گھرانا اللہ تعالیٰ کی طرف سے چنیدہ اور برگزیدہ تھا۔ حضرت عمران کی اہلیہ، مریم کی والدہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلبگار رہتی تھیں۔ [1] وہ انبیائے کرام اور صالحین سے محبت رکھتی تھیں اور انھوں نے اپنے بچوں کے نام انبیاء اور ان کے گھر والوں کے ناموں پر رکھے تھے۔ [2]

ایک بار انھوں نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ (دنیا کے کاموں سے) آزاد کر کے اس کی نذر کریں گی اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اس نذر کو قبول فرمائے۔ جب انھوں نے ایک بچی کو جنم دیا تو کہنے لگیں: "اے میرے رب! میں نے (تو) ایک بچی کو جنم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ زیادہ اچھی طرح جانتا تھا کہ انھوں نے کس کو جنم دیا ہے اور کوئی لڑکا (اس) لڑکی جیسا نہ تھا۔ (وہ کہنے لگیں:) میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود (کے شر) سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی (بچی) کو اچھے طریقے سے قبول کر لیا اور اسے اچھی طرح پروان چڑھایا۔" [3]

عبادت گاہ میں عبادت کرنے والوں کا اس بات پر جھگڑا ہوا کہ مریم بنت عمران (علیہا السلام) کی کفالت کون کرے گا۔ انھوں نے اس بات کے لیے کہ کون مریم (علیہا السلام) کا کفیل ہوگا، اپنے قلموں کے ذریعے سے قرعہ اندازی کی۔ [4] بالآخر ان کی کفالت حضرت زکریا علیہ السلام کے حصے میں آئی۔ [5]

یہ ایسی بابرکت اور برگزیدہ بچی تھیں کہ زکریا جب بھی اس گوشے میں جاتے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی

---

[1] آل عمرٰن 3:33. [2] صحیح مسلم: 2135، مسند أحمد: 4/252. [3] آل عمرٰن 3:33-37. [4] آل عمرٰن 3:44.
[5] آل عمرٰن 3:37.

تھیں تو ہمیشہ ان کے ہاں (اعلیٰ اور نایاب) رزق موجود پاتے۔ انھوں نے جب (بھی) پوچھا: مریم! یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا تو وہ کہتیں: یہ اللہ کے ہاں سے آیا ہے اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے (موسموں اور مقداروں کے) حساب کے بغیر رزق دیتا ہے۔ اسی کو دیکھ کر زکریا علیہ السلام نے شدید بڑھاپے اور اپنی بیوی کے بانجھ پن کے باوجود اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اولاد کی دعا کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں فرشتوں کے ذریعے سے یحییٰ (علیہ السلام) کی خوش خبری سنائی جو سردار، پاکباز اور صالحین میں سے نبی ہوگا۔ [1]

اس بچی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ عظیم سے اتنی اچھی طرح قبول فرمایا کہ اسے اپنی ضرورتوں کے لیے کفالت کرنے والوں کا محتاج نہ بنایا بلکہ اس کے برعکس وہ ان کے لیے نرالی برکت اور بے پناہ سعادت کا سبب بنیں۔

اللہ تعالیٰ اس بچی کی پرورش اس طرح کر رہا تھا کہ ان کے پاس فرشتوں کو بھیجتا جو انھیں بتاتے کہ وہ ایک عام بچی نہیں ہیں۔ انھیں اللہ نے بہت بڑے مقصد کے لیے چنا ہے، پاک کیا ہے اور سارے جہانوں کی عورتوں پر فضیلت دی ہے۔ فرشتے انھیں اس بات کی تعلیم دیتے کہ وہ اپنے رب کی فرماں برداری کریں، سجدے کریں اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کریں۔ [2]

فرشتوں نے انھیں (براہِ راست) اللہ کے حکم (سے پیدا ہونے والے بچے) کی خوشخبری دی جس کا نام المسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا جو دنیا میں وجاہت والا، آخرت میں مقربین میں سے ہوگا۔ لوگوں سے باتیں کرے گا جب گود میں ہوگا اور جب پوری عمر کا ہوگا، صالحین میں سے ہوگا۔ [3]

پھر اللہ کی طرف سے ایسے سخت ترین امتحان کا مرحلہ آگیا، اس سے زیادہ اذیت ناک اور کڑا امتحان ایک انتہائی معزز خاندان کی حیادار اور پروردگار عالم کی خصوصی نگہداشت میں عبادت الٰہی کے اعلیٰ ترین ذوق کے ساتھ پرورش پانے والی بچی کے لیے اور کوئی نہ ہوسکتا تھا جس کی رگ رگ میں برائی کے خلاف نفرت بھری ہوئی تھی۔

وہ ایک دن اپنی رہائش گاہ سے مشرق کی جانب گئیں اور لوگوں کی نظروں سے حجاب میں ہوئیں تو اللہ نے ان کی طرف اپنے فرشتے روح القدس کو بھیجا جنھوں نے ہوبہو ایک انسان کی شکل اختیار کر لی۔ وہ کہنے لگیں: اگر تم اللہ کا خوف رکھنے والے ہو تو میں تم سے اللہ کی حفاظت میں آتی ہوں (انھیں پتہ تھا کہ ایک متقی اللہ کی حفاظت کا کلمہ سن کر ہی اللہ سے ڈر جائے گا)۔ انھوں نے کہا: میں تو بس تیرے رب کا قاصد ہوں (اس لیے آیا ہوں) تا کہ تمھیں ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں۔ وہ بولیں: میرے لیے بیٹا کہاں سے ہوگا؟ مجھے تو کسی انسان نے کبھی چھوا تک نہیں اور نہ میں کبھی گناہ کرنے والی رہی۔ اس (روح القدس) نے کہا: ایسے ہوگا، تیرے رب نے کہا کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔ [4]

1 آل عمرٰن 3:37-39، 2 آل عمرٰن [illegible]

روح القدس (جبریل) نے مزید کہا: اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتا ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم کو بتایا گیا کہ ہم اسے انسانوں کے لیے ایک عظیم نشانی بنائیں گے۔ وہ ہماری طرف سے (سراپا) مہرورحمت ہوگا اور اس سب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

''مریم (ایک پھونک کے ذریعے سے) حاملہ ہوگئیں اور اپنے اس حمل کے ساتھ دور کی جگہ پر چلی گئیں۔ پھر بچہ جننے کا درد انھیں کھجور کے ایک تنے کے پاس لے آیا۔ وہ کہنے لگیں: کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوجاتی۔ پھر اس (فرشتے) نے نشیب کی طرف سے اسے آواز دی کہ غم نہ کرو، تمھارے رب نے (تو) تمھارے نیچے ایک چشمہ جاری کر دیا ہے اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، تم پر پکی کھجوریں گریں گی۔ پس کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو، پھر اگر انسانوں میں سے کسی کو دیکھو تو کہنا: میں نے رب رحمٰن (کی رضا) کے لیے ایک روزہ مانا ہے، اس لیے آج میں کسی انسان سے کلام نہ کروں گی۔''[2]

حضرت مسیح پیدا ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحانی حفاظت کے لیے ان کے گرد ایک حجاب قائم کر دیا۔ صحیحین میں ہے: ''جو بھی بچہ پیدا ہوتا ہے، شیطان اس کے پہلو میں انگلی چبھوتا ہے تو وہ بچہ رونا شروع کر دیتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے کے۔ وہ (شیطان) عیسیٰ علیہ السلام کو انگلی چبھونے لگا تو حجاب میں چبھوئی (عیسیٰ علیہ السلام تک نہ پہنچ سکی)۔[3]

معراج کے دوران میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محمد رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان الفاظ میں عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ بیان کیا:

«رَبْعَةٌ أَحْمَرُ كَأَنَّمَا خَرَجَ مِنْ دِيمَاسٍ»

''(عیسیٰ علیہ السلام) درمیانے قد والے اور سرخ و سفید تھے جیسے ابھی ابھی غسل خانے سے باہر آئے ہوں۔''[4]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، نبی کریم ﷺ کو خواب میں (طواف کرتے ہوئے) بیت اللہ کے قریب بھی دکھائے گئے۔ نبی ﷺ نے ان الفاظ میں آپ کا حلیہ بیان فرمایا: ''گندمی رنگ کے مرد، جتنا کوئی خوبصورت ترین گندمی انسان نظروں میں آسکتا ہے، زلفیں کندھوں کے درمیان لٹکتی ہوئی، بال سیدھے سنورے ہوئے، سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ دو آدمیوں کے کندھوں پر رکھے ہوئے تھے۔''[5]

حضرت مریم فرشتوں کے ذریعے سے اپنے بچے کی وجاہت و برکت کا پہلے سن چکی تھیں، اب پینے کے لیے چشمہ

[1] آل عمرٰن 3:47. [2] مریم 19:21-26. [3] صحيح البخاري:3286، 3431، صحيح مسلم:2366. [4] صحيح البخاري:3437، صحيح مسلم:168. [5] صحيح البخاري:3440، صحيح مسلم:169.

چھوٹا، کھانے کا انتظام ہوا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ کسی بھی انسان کے سامنے وضاحت پیش کرنے کی بھی آپ کو ضرورت نہیں تو ہمت بندھی اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ طاقت اور یقین کے ساتھ قوم کا سامنا کرنے کو تیار ہو گئیں۔
اس بیان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس شک وشبہ میں ڈالنے والی بات کی بھی تردید کر دی کہ یوسف نجار کسی بھی مرحلے میں حضرت مریم کے ساتھ تھا۔ مریم حمل سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش تک اور پیدائش کے بعد قوم کا سامنا کرنے تک اکیلی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود مریم علیہا السلام کی نصرت کی اور ان کے شیر خوار بچے کے ذریعے سے ان کی پاکبازی، عظمت اور صداقت کی گواہی دلوائی۔

پھر حضرت مریم اس (بچے) کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس لائیں۔ لوگوں نے کہا: اے مریم! تو ایک دہشت زدہ کرنے والی چیز لے آئی ہے۔ اے ہارون (جیسے نیک انسان) کی بہن! نہ تمھارا باپ برائی کرنے والا آدمی تھا نہ تمھاری ماں بدکار تھی! تب انھوں نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: ہم اس سے کیونکر بات کریں جو گود میں چھوٹا سا بچہ ہے! اس پر وہ بول پڑا: یقیناً میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی اور مجھے نبی بنایا۔ میں جہاں بھی ہوں مجھے برکت والا بنایا اور مجھے زندگی بھر نماز اور زکاۃ کی ادائیگی کی تاکید کی۔ میں اپنی والدہ سے حسنِ سلوک کرنے والا ہوں، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جبر کرنے والا بدبخت نہیں بنایا۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا، جس دن مروں اور جس دن کھڑا ہوں جی کر۔ یہ ہے مریم کا بیٹا عیسیٰ، (اس کے بارے میں یہی ہے) سچی بات جس میں تم جھگڑتے ہو۔ اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ کوئی بیٹا بنائے۔ وہ تو جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے: ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ ہی میرا رب ہے اور وہی تمھارا رب ہے۔ عبادت اسی کی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ (انھوں نے ان سے کہا:) میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے بہت بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں تمھارے لیے مٹی سے پرندے جیسی ایک صورت بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ اور میں اللہ کے حکم سے اندھے اور برص والے کو اچھا کر دیتا ہوں اور مُردوں کو زندہ کر دیتا ہوں اور تمھیں بتاتا ہوں جو تم اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو بچا کر رکھتے ہو۔ اس میں تمھارے لیے بہت بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔ اور میں سچائی واضح کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے کی ہے اور اس لیے کہ میں تمھارے لیے بعض وہ چیزیں حلال

[1] مریم 19:27-35۔

کروں جو تم پر حرام کر دی گئیں اور میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے بڑی نشانی لے کر آیا ہوں، اس لیے اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ میری پیروی کرو، بے شک اللہ ہی میرا اور تمھارا پروردگار ہے۔ اسی کی بندگی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔[1]

یہودی برخود غلط، سرکش اور متکبر لوگ تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام کی صدیقیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عظمت اور ان کے اعجاز کے متعدد مظاہرے دیکھنے کے باوجود کفر پر ڈٹے رہے۔ وہ مریم علیہا السلام پر بدترین الزام لگا کر اس پر مُصر تھے۔ بنی اسرائیل حضرت مریم کی طرف سے یہ بات ماننے کو تیار نہ ہوتے تھے کہ انھیں عیسیٰ کا حمل ایک پھونک سے ٹھہرا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بڑے ہو کر انھیں دکھایا کہ اللہ کا حکم ہو تو جیتی جاگتی عورت تو کجا، ایک پھونک کے ذریعے سے مٹی کا معمولی سا مجسمہ زندہ اور اڑنے والا پرندہ بن جاتا ہے۔ انھوں نے انسانی زندگی کے حوالے سے اور بھی بہت سے کام، مثلاً: اندھے کو بینا کرنا، کوڑھی کو تندرست کرنا حتی کہ مردوں کو زندہ کر دینا، محض اللہ کے حکم سے کرنے شروع کر دیے۔ وہ سرتاپا اللہ کی نشانی اور اللہ کا حکم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد یہودیوں کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت سے انکار کرنے اور مریم صدیقہ کے دامن پر الزام لگانے کی کوئی گنجائش باقی نہ چھوڑی۔ اب عیسیٰ علیہ السلام پہ ایمان نہ لانے والے یہودی اور ان سے اتفاق کرنے والے محض ہٹ دھرمی، سرکشی اور انکار پر قائم رہے۔ حجت تمام ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعے سے مسلمانوں کو واضح طور پر بتایا کہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم کی سی ہے۔ اس نے آدم کو مٹی سے بنایا، پھر کہا: ہو جا تو وہ ہو گیا۔[2]

جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی طرف سے کفر و انکار محسوس کیا تو کہا: کون ہیں جو اللہ کی راہ میں میرے مددگار ہوں گے؟ حواریوں نے کہا: ہم ہیں اللہ کی مدد کرنے والے، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ (انھوں نے کہا:) اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے اس (کتاب) پر جو تو نے نازل کی اور ہم نے اتباع کی رسول کی، اس لیے ہمیں (سچائی کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔[3]

اللہ ہی نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ اللہ پر اور اس کے بھیجے ہوئے رسول پر ایمان لائیں، انھوں نے کہا: ہم ایمان لے آئے۔[4]

یہ حواری بڑے مرتبے کے لوگ تھے۔ ''جب حواریوں نے کہا: اے عیسیٰ! کیا تمھارا رب یہ بھی کر سکتا ہے کہ آسمان سے ہمارے اوپر ایک بھرا ہوا دستر خوان اتارے تو حضرت عیسیٰ نے یہ جواب دیا کہ اگر ایمان رکھنے والے ہو تو اللہ سے ڈرو (تم نے یہ کیسا سوال کیا اور کیا مطالبہ کیا!) انھوں نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں

[1] آل عمرٰن 3:49-51. [2] آل عمرٰن 3:59. [3] آل عمرٰن 3:52،53. [4] المآئدة 5:111.

اور ہمیں (ایمان سے آگے) اطمینان قلب حاصل ہو اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہمیں سچ بتایا اور ہم اس (سچ) پر گواہ بن جائیں۔" [1] بنیادی طور پر یہ اطمینان قلب کے حصول کی خواہش تھی جو ایمان کے بعد اس بات کے مشاہدے سے (بھی) حاصل ہوتا ہے کہ اللہ کی قدرت کس طریقے سے بروئے کار آتی ہے۔ اسی طرح سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہ دیکھنا چاہا تھا کہ مردوں کو دوبارہ زندگی کس طرح ملتی ہے۔

"عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے میرے اللہ! اے ہم سب کے پالنے والے! تو آسمان سے ہم پر ایک دسترخوان اتار دے کہ وہ ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری طرف سے ایک بہت بڑی نشانی اور ہمیں (ایسی نرالی) روزی (بھی) دے اور تو ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا: میں اسے تم پر اتاروں گا، پھر اس کے بعد تم میں سے جو بھی انکار (سرکشی) کرے گا تو میں اس کو ایسا عذاب دوں گا جو سب جہانوں میں سے کسی (اور) کو نہ دوں گا۔ [2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام، ان کی والدہ اور ان کے لائے ہوئے پیغامِ ہدایت کے حوالے سے خود نصاریٰ کے ہاں جو غلط روایات رائج ہیں، وہ کسی طور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کے شایانِ شان نہیں۔ ان روایات سے حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مشن کا مرتبہ اصل سے کہیں کم نظر آتا ہے۔ صحیح اسلامی مراجع سے ان تمام روایات کی نفی ہوتی ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابدی پیغام کے صحیح خدوخال سامنے آتے ہیں اور حضرت عیسیٰ اور ان کے خاندان کی پیغمبرانہ عظمت نمایاں ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کے بارے میں نہ صرف نصاریٰ بلکہ مسلمان مفسرین کے ہاں جو روایات مروج ہیں اور جو اسلام لانے والے عیسائی علماء ہی کے ذریعے سے تفسیر اور تاریخ کی کتابوں میں شامل ہوئی ہیں، ان حواریّین کے شایانِ شان نہیں۔ ان روایات سے حواریّین کے کردار کی یہ تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ غدار اور بزدل تھے۔ ایک حواری یہوداہ اسکریوتی (عربی مراجع کے مطابق "یودس زکریا یوحنا") نے غداری کی۔ اس کے نتیجے میں اس کی شکل عیسیٰ علیہ السلام کی شکل جیسی ہوگئی اور عیسائی روایات کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ جی اٹھنے کے بعد اسی کو پکڑ کر قتل کر دیا گیا لیکن اسلام نے ان حواریوں کے بارے میں مشہور کی جانے والی غلط روایات کے جھوٹ کی بھی قلعی کھول دی۔ قرآن نے جہاں یہ کہا کہ حواریّین کا ایمان لانا اللہ کی توفیق سے تھا، وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے گواہی، جو وہ قیامت کے روز دنیا میں اپنی پہلی زندگی کے دوران میں ان کے توحید پر قائم رہنے کے بارے میں دیں گے، ان الفاظ میں ذکر کر دی:

﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ "اور میں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں رہا۔" [3]

[1] المآئدة 5:112-113. [2] المآئدة 5: 114-115 [3] المائدة 5:117.

امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ (م:327ھ) اور ان سے اخذ کرتے ہوئے ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی اپنی تفسیر میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے اور اس موقع پر حواریین، خصوصاً ایک حواری کے عظیم الشان کردار، قربانی اور جاں نثاری کے بارے میں صحیح سند کے ساتھ اِس امت کے حبر ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ایک قول نقل کیا ہے۔ یہ قول رائج اسرائیلی روایات کے بالکل برعکس ہے۔ اس سے اندازہ یہی ہوتا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما چونکہ یہ خبر اپنی طرف سے نہیں دے سکتے تھے، اس لیے انھوں نے غالباً یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوگی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تو آپ اپنے ساتھیوں (اصحاب) کے پاس تشریف لائے، مکان میں اس وقت بارہ حواری تھے۔ حضرت عیسیٰ اس چشمے کے اندر سے نکل کر آئے جو گھر میں آتا تھا۔ آپ کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ آپ نے فرمایا: بلاشبہ تم میں سے ایک ایسا ہے جو مجھ پر ایمان لانے کے بعد بارہ دفعہ انکار (کفر) کرے گا۔ آپ نے پوچھا: تم میں سے کس پر میری مشابہت طاری کی جائے جس کے بعد وہ میری جگہ قتل ہو اور (جنت میں) میرے ساتھ میرے درجے میں آجائے؟ اس پر سب سے کم عمر حواری کھڑا ہوگیا۔ آپ نے فرمایا: تم بیٹھ جاؤ۔ آپ نے پھر ان کے سامنے بات دہرائی۔ وہی نوجوان کھڑا ہوا اور کہا: میں۔ تب آپ نے فرمایا: وہ تُمھی ہو۔ اس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مشابہت طاری ہوگئی۔ حضرت عیسیٰ کمرے کے ایک روشن دان کے راستے آسمان کی طرف اٹھالیے گئے۔ تب آپ کے متلاشی یہودی پہنچ گئے۔ انھوں نے حضرت عیسیٰ کے ہم شکل کو پکڑ لیا، پھر اسے قتل کر کے صلیب پر لٹکا دیا۔ ان میں سے ایک نے آپ پر ایمان لانے کے بعد بارہ مرتبہ کفر کیا۔ آپ کے بعد لوگ تین فرقوں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک فرقے نے کہا: اللہ ہمارے درمیان رہا جب تک چاہا، پھر آسمان کی طرف بلند ہوگیا۔ یہ یعقوبی ہیں۔ ایک فرقے نے کہا: بیٹا ہمارے درمیان رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، پھر اس نے اسے اٹھا لیا، یہ نسطوری ہیں۔ اور ایک فرقے نے کہا: اللہ کا بندہ اور رسول ہم میں رہا جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، پھر اسے اللہ تعالیٰ ہی نے اٹھا لیا۔ یہ مسلم تھے۔ کافر فرقوں نے مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر انھیں ختم کر دیا۔ اس کے بعد اسلام مٹا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ [1]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن ابی حاتم سے یہ روایت نقل کرنے کے بعد کہا: اس کی سند سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما تک صحیح ہے۔ [2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی طرح ایک اولوالعزم پیغمبر تھے جس طرح ان سے پہلے گزر چکے۔ ان کی والدہ ''صِدّیقہ'' تھیں۔ [3] عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ سچ بولا، سچ کو اپنایا اور سچ پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتاب انجیل نازل فرمائی جو

[1] تفسیر ابن أبي حاتم، النسآء4:157. [2] تفسیر ابن کثیر، النسآء4:157. [3] المآئدة5:75.

اب اپنی زبان اور اصل شکل میں موجود نہیں۔ اس کے بجائے مدتوں بعد کے کئی لوگوں کی لکھی ہوئی اناجیل ہیں۔ ان میں بھی، خود نصاریٰ کے اعترافات کے مطابق، مختلف ادوار میں لفظی اور معنوی تبدیلیاں کی جاتی رہیں۔ یہی حال تورات اور زبور کا ہے۔ یہی وہ تحریفات ہیں جو قرآن مجید میں اہل کتاب کی طرف منسوب ہوئیں:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾

''یہودیوں میں سے کچھ لوگ الفاظ کو ان کے موقع محل سے پھیر دیتے ہیں۔''[1]

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دانا اور حکیم بنایا تھا۔ ان کی دعوت اور تربیت کا طریقہ انتہائی حکیمانہ تھا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی کو چوری کرتے دیکھا تو فرمایا: ''اے فلاں! تو نے چوری کی؟'' اس نے کہا: ''نہیں، اللہ کی قسم! میں نے چوری نہیں کی۔'' فرمایا: ''میں اللہ پر ایمان لایا، اپنی آنکھ کو جھٹلا دیا۔''[2]

آپ نے جو کہا، اس سے اسے اللہ تعالیٰ کا مقام سمجھایا۔ جھوٹی قسم کھانے والے کو ایسی ہی تعلیم کی ضرورت ہوتی ہے۔ انداز میں تواضع ایسی تھی کہ سننے والے کے دل پر اثر نہ ہونا مشکل تھا۔

ابن کثیر رحمہ اللہ نے امام ابن عساکر رحمہ اللہ کے حوالے سے حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے روایت نقل کی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے: ''سچے موتی خنزیر کی طرف مت پھینکو، خنزیر ان موتیوں سے کچھ نہ کرے گا اور دانائی اسے عطا نہ کرو جو اس کا طلبگار نہ ہو کیونکہ دانائی موتیوں سے بہتر ہے اور جو اس کا طلبگار نہیں وہ خنزیر سے بدتر ہے۔''[3]

ان کا یہ فرمان بھی منقول ہے: ''اے علمائے سوء! تم نے دنیا کو سر کے اوپر کر دیا اور آخرت کو پاؤں کے نیچے۔ تمھارا کہا شفا ہے لیکن تمھارا عمل بیماری ہے۔ تمھاری مثال دفلی کے (خوشنما زہریلے) درخت کی ہے، جو دیکھے خوش ہو جائے اور جو کھا لے مر جائے۔''

وہب بن منبہ رحمہ اللہ کے حوالے سے عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان بھی منقول ہے: ''اے علمائے سوء! تم نے جنت کے دروازوں پر دھرنا دیا ہوا ہے، نہ خود اندر داخل ہوتے ہو نہ مسکینوں کو اندر داخل ہونے دیتے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین شخص وہ عالم ہے جو اپنے علم کے ذریعے سے دنیا کا طلبگار ہے۔''[4]

انھی سے منقول ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی ایک قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ میت کو قبر میں اتارا جا رہا تھا تو انھوں نے قبر کے اندھیرے، اس کی وحشت اور اس کی تنگی پر باتیں شروع کر دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

[1] النسآء 4:46. [2] مسند أحمد 2/383. [3] عیسیٰ علیہ السلام کے اسی قول سے انگریزی کی کہاوت To cast pearls before swine (ناقدرے کو خزانہ دینا) بنی ہے۔ [4] الدر المنثور، آل عمرٰن 3:48.

فرمایا: ”تم اس سے زیادہ تنگ جگہ رحمِ مادر میں تھے۔ جب اللہ فراخ کرنا چاہے تو فراخ کر دیتا ہے۔“ [1]

رفعِ عیسیٰ علیہ السلام

یہودی اپنی سازشوں کے ذریعے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کرنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد یہ بھی تھا کہ وہ پھانسی کی موت دلوا کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کمی کریں اور جو کچھ جھوٹے الزامات انھوں نے حضرت عیسیٰ پر لگائے تھے، پھانسی کی سزا کے ذریعے سے لوگوں کو ان کے سچ ہونے کا تاثر دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہودیوں نے اپنے مکروفریب کا جال پھیلایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کو توڑنے کے لیے دوسرا انتظام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿يٰعِيسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ○﴾

”اے عیسیٰ! میں تمھیں پورا پورا لینے والا، تمھیں اپنی طرف اٹھانے والا، تمھیں ان (کے شر) سے پاک کرنے والا ہوں جنھوں نے اللہ سے کفر کیا اور تمھارے ماننے والوں کو قیامت تک کافروں سے بلند کرنے والا ہوں۔ اس کے بعد تم سب کا لوٹنا میری طرف ہوگا اور میں ہی تمھارے درمیان ان معاملات کا فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔“ [2]

اللہ نے یہ بھی فرمایا:

﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ○ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ○﴾

”حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان لوگوں کے لیے اس (مسیح) کا شبیہ بنا دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا اور اللہ بڑا زبردست بہت حکمت والا ہے۔ اور اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے دن وہ ان سب پر گواہ ہوں گے۔“ [3]

[1] الدر المنثور، آل عمرٰن48:3. [2] آل عمرٰن55:3. [3] النسآء157:4-159.

نزولِ مسیح

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر ہیں۔ امت محمدیہ کے آخری دور میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دوبارہ زمین پر بھیجے گا۔ ان کے نزول کا وقت صبح کی نماز کا ہوگا۔ دمشق کی جامع مسجد (اموی) میں تکبیر کہی جا چکی ہوگی کہ وہ اتر کر اگلی صف میں تشریف لے آئیں گے۔ مسلمانوں کا امام تکریماً عرض کرے گا: اے روح اللہ! آئیں، نماز پڑھائیں۔ وہ فرمائیں گے: نہیں! بلکہ تم ایک دوسرے پر امیر ہو۔ یہ وہ اعزاز ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا کیا ہے۔ [1]

ان کے نزول کے بعد دل سے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو ماننے والے اہل کتاب ان پر ایمان لائیں گے۔ وہ انھیں امت محمدیہ کا حصہ بنانے کے لیے خنزیر کے قتل، صلیبوں کو توڑنے اور اپنے ساتھ ایمان لانے والوں سے جزیہ ختم کرنے کا حکم دیں گے۔ دجال جو اپنے دجل وفریب کے ذریعے سے جھوٹا مسیح بنا ہوا ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام باب لُد پر اس کو جہنم واصل کریں گے۔ لُد (Lydda) بیت المقدس کے مغرب میں ساحلی شہر تل ابیب یافو سے رام اللہ جانے والی شاہراہ پر فلسطین کا اہم شہر ہے جہاں اسرائیل نے ایک بڑا فضائی اڈا قائم کر رکھا ہے۔ [2] حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسلامی شریعت کے مطابق شادی کریں گے، ان کی اولاد ہوگی۔ امت کے عادل ترین سب سے بڑے جج ہوں گے اور یاجوج و ماجوج کے فتنۂ عظمیٰ سے بچنے کے لیے مسلمانوں کی قیادت فرمائیں گے۔

[1] صحیح مسلم: 156۔ [2] اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 169 و 189۔



اموی مسجد (دمشق) کا سفید مینار

5

یونان کی سلطنت وحکمت اور اصنام پرستی

یونان ''آئیونین'' یا آئیونیا'' سے معرب ہے۔ یونانی دیوی آئیو (Io) کے نام پر آئیونین قوم اور علاقہ آئیونیا (Ionia) کے نام پڑے۔ آئیونین قوم جس علاقے میں آباد ہوئی، اس میں جنوب مشرقی یونان (Greece) کی ریاست اٹیکا (Attica)، جزائر ایجیئن، ایشیائے کوچک کا مغربی ساحلی علاقہ ''آئیونیا'' اور یونان کے مغربی ساحل پر بحیرۂ آئیونین میں واقع جزائر شامل تھے۔[1] آج بھی شمال مغربی یونان میں ایک شہر کا نام آئیونینا ہے۔

جنوب مشرقی یورپ کا ملک یونان جزیرہ نمائے بلقان کا جنوب کی طرف بڑھا ہوا حصہ ہے۔ اس کے مشرق میں بحیرۂ ایجیہ (ایجیئن) اسے ایشیائے کوچک یا اناطولیہ (ترکی) سے جدا کرتا ہے۔ مغرب میں بحیرۂ آئیونیا اسے اٹلی سے الگ کرتا ہے۔ اس کے جنوب میں بحیرۂ روم واقع ہے۔ یونان کے شمال میں بلغاریہ، مقدونیہ اور البانیہ ہیں جبکہ شمال مشرق میں یورپی ترکی (تھریس یا تراقیہ) واقع ہے۔

لیڈیا، سپارٹا اور حکیم سولن



لیڈیا (ترکی) کے دارالحکومت سادریس کے کھنڈر

تیسری ہزاری ق م میں یونانی قبیلے جزیرۂ کریٹ، قبرص، بحیرۂ ایجیہ کے جزائر، نیز سمرنا (موجودہ ازمیر) یا ایشیائے کوچک کے دوسرے مقامات پر آباد ہوئے۔ 800 تا600 ق م مصر، سسلی، اٹلی اور شمالی افریقہ وغیرہ میں بہت سی یونانی نوآبادیاں بن گئیں۔ ایشیائے کوچک میں فرجیا (705 ق م) اور لیڈیا (Lydia) کی یونانی سلطنتیں قائم ہوئیں۔ 546 ق م میں سائرس اعظم (ذوالقرنین) نے لیڈیا کے آخری بادشاہ کروئسس کوشکست دے کر اسے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

[1] The Oxford English Reference Dictionary, p: 741.

دریں اثنا خاص یونانی ریاستوں میں سے ریاست سپارٹا (سپارٹی)، جو جنوبی یونان کے جزیرہ نما پیلو پونیز (Peloponnese) کے جنوبی حصے میں واقع تھی، اور ایٹیکا (ایتھنز) نے بہت شہرت حاصل کی۔ 593 ق م میں حکیم سولن (639 تا 559 ق م) ریاست ایتھنز کے نظم و نسق کا مختار بنا۔ اس نے ضمانت کے طور پر رکھی گئی زمینوں کے قرضے منسوخ کر دیے، غلاموں کو آزاد کر دیا اور قتل کے سوا تمام جرائم کی سزائیں نرم کر دیں۔ حکیم سولن نے 612 ق م میں جس طرز حکومت کو جمہوریت (Democracy) کا نام دیا تھا، اس کے مطابق اس نے عام آدمی (Demos) کو حکومت کے انتظامی امور میں شریک کرنے کا راستہ ہموار کیا۔ وہ نظام آج بدلی ہوئی شکل میں دنیا کے بیشتر ممالک میں نظر آتا ہے۔ [1]

میراتھون کی تاریخی جنگ

498 ق م میں ایشیائے کوچک کے مغربی ساحل کی یونانی ریاستوں نے ایران کے خلاف بغاوت کر دی تو شاہ ایران دارا گشتاسپ (داریوش اول) نے یونان کو فتح کرنے کے لیے ایک بڑی فوج بھیجی۔ 490 ق م میں ایتھنز سے بائیس میل دور میراتھون کے میدان جنگ میں یونانی جرنیل ملٹیاڈیز نے ایرانیوں کو شکست فاش دی۔ ایک روایت کے مطابق فتح میراتھون کی خبر لے کر ایک خبر رساں مسلسل 35 کلومیٹر تک دوڑتا ہوا ایتھنز آیا تھا مگر وہاں پہنچتے ہی اس نے گر کر جان دے دی تھی۔ اس کی یاد میں اولمپک کھیلوں میں میراتھون ریس شامل کی گئی ہے۔ [2] ایک بار پھر دارا کا جانشین خشیارشاہ (Xerxes) 480 ق م میں ایک لاکھ 80 ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ تھریس اور مقدونیہ میں سے ہو کر ایرانی ایتھنز کی طرف بڑھے مگر درہ تھرما پلی کے اندر لیونی داس کی قیادت میں 300 جوانمرد، جو سب نرینہ اولاد رکھنے والے تھے، مقابلے میں ڈٹ گئے۔ وہ سب موت کے گھاٹ اتر گئے لیکن اس سے ایتھنز والوں کو شہر خالی کر کے بھاگنے کا موقع مل گیا۔ اس دوران میں سلیمس کی جنگ میں ایرانی بیڑے کو شکست فاش ہوئی اور خشیارشاہ صرف ایک تہائی فوج بچا کر واپس ایران پہنچ سکا۔ اگلے سال ایرانیوں کو پلاٹائیا کی لڑائی میں پھر شکست ہوئی۔ لڑائیوں کا یہ سلسلہ سکندر اعظم کے حملے تک جاری رہا۔ دریں اثنا



میراتھون کا تاریخی میدان جنگ

[1] ''یونان کا ادبی ورثہ'' از احمد عقیل روبی، ص:15. [2] آکسفورڈ انگلش ریفرنس ڈکشنری، ص:880.

460 ق م میں یونانی ریاستوں ایتھنز اور سپارٹا میں پیلو پونیز جنگوں کا سلسلہ شروع ہوا جو 405 ق م میں ایتھنز کے سقوط پر منتج ہوا۔ سپارٹا والوں نے ایتھنز شہر کی فصیلیں منہدم کر دیں۔

مقدونیہ کا عروج اور سکندر اعظم



سکندر اعظم کا سکہ

مقدونیہ کا حکمران فلپ (فیلقوس) 359ق م میں تخت نشین ہوا۔ اس نے 337ق م میں یونانی ریاستوں کی متحدہ فوج کو شکست دے کر انھیں اپنی سلطنت میں ضم کر لیا اور یوں قدیم یونان صفحۂ تاریخ سے غائب ہوگیا۔ پھر فلپ نے ایران کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ اگلے سال وہ اچانک مارا گیا اور اس کا بیٹا سکندر سوم (336 تا 323ق م) تخت نشین ہوا جو تاریخ عالم میں سکندر اعظم (Alexander the Great) کے نام سے مشہور ہے۔ 334ق م میں وہ 32 ہزار پیادوں اور 5 ہزار سواروں کے ساتھ دنیا کی تسخیر کے لیے نکل پڑا۔ چھوٹے بڑے 160 بحری جہاز ہمراہ تھے۔ اس نے ایشیائے کوچک میں گرینی کس اور اسوس (Issus) کی جنگوں میں ایرانیوں کو شکست دی۔ اس کے بعد سکندر اعظم نے شام و فلسطین اور مصر فتح کیے اور دوبارہ ایران پر چڑھائی کر دی۔ شاہ ایران دارا سوم یکم اکتوبر 331 ق م کو جنگ اربیلا (عراق) میں شکست کھا کر بھاگا اور اپنے درباریوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس کے بعد سکندر اعظم نے باختر (افغانستان) اور ترکستان فتح کیے اور وہاں کے ایک بڑے سردار کی بیٹی روشنک (Roxana رخسانہ) سے شادی کی۔ وہ 326ق م میں برصغیر پر حملہ آور ہوا۔ پنجاب میں دوآبہ چج کے راجہ پورس کو شکست دینے کے بعد اس نے ملتان فتح کیا، پھر دریائے بیاس پر پہنچا تو فوج نے مزید آگے جانے سے انکار کر دیا، چنانچہ سکندر اعظم 323ق م میں سندھ اور مکران کے راستے لوٹا اور بابل پہنچ کر فوت ہوگیا۔ اس نے مختلف مقامات پر اپنے نام سے 25 شہر آباد کیے جن میں سے اسکندریہ (مصر) اور اسکندرون (ترکی) آج بھی معروف ہیں۔ ہرات بھی الیگزینڈریا کے ابتدائی نام سے اسی نے آباد کیا تھا۔

سکندر اعظم کے جانشین

سکندر اعظم کے جانشینوں میں بطلیموس اور سلیوکس (Seleucus) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ بطلیموس نے مصر اور شام کے ایک حصے پر قبضہ مستحکم کیا جبکہ سلیوکس نے 305ق م میں ایک سلطنت قائم کی جس کا مرکز ابتدا میں سلیوکیہ تھا۔ اسی کا نام بعد میں مدائن مشہور ہوا۔ بعد کے سلیوکی حکمرانوں نے اپنا دارالحکومت انطاکیہ بنا لیا۔ 64 ق م میں روما کے جرنیل پومپی نے سلیوکی خاندان کا خاتمہ کر دیا اور اس کے تمام مقبوضات رومی سلطنت میں شامل کر لیے۔

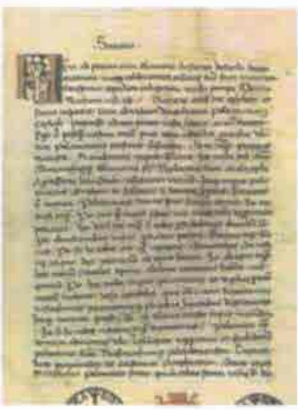
حکمت یونان کی چھ صدیاں

چھٹی تا پہلی صدی ق م یونانی علم و ادب کا سنہری دور تھا۔ اس زمانے میں ریاضی دان فیثا غورث (560 تا480ق م)، مؤرخ ہیروڈوٹس (پ484ق م)، جمہوریت پسند سیاستدان پیریکلیز (495 تا429ق م)، موحد فلسفی سقراط (469 تا 399ق م)، افلاطون (428 تا347ق م)، نظریۂ ایٹم کا بانی دیموقریطس (460 تا370ق م)، مؤرخ زینوفن (435 تا 354ق م)، بابائے طبّ بقراط (460 تا377ق م)، فلسفی اور مفکر ارسطو (384 تا322ق م) اور ریاضی اور طبیعیات کے ماہر ارشمیدس (287 تا212 ق م) کو بہت شہرت ملی۔ فیثا غورث پہلا شخص تھا جس نے کرۂ ارض کو گول کہا اور سورج اور چاند گرہن کی عملی تشریح کی۔ سقراط کے زمانے میں یونانی توحید اور خدا پرستی کے اس قدر مخالف تھے کہ ان لوگوں نے اپنی قوم کے ہادی سقراط کو صرف اس جرم میں زہر کا جام پلا کر مروا ڈالا کہ یہ نامور فلسفی بُت پرستی کا مخالف تھا اور توحید کی تلقین کرتا تھا۔[1]



فیثا غورث کی جیومیٹری کی تختی

افلاطون کی تصنیف ''جمہوریہ''(Republic) اعلیٰ درجے کے مکالمات کا مجموعہ ہے جس میں اس کے استاد سقراط کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ افلاطون کے شاگرد ارسطو نے335ق م میں ایتھنز کے باہر لائسیم (سکول و لائبریری) کی بنیاد رکھی۔ اُنیسویں صدی عیسوی میں ڈارون نے ارسطو کے خیالات ہی کی بنا پر نظریہ ارتقا (Evolution Theory) پیش کیا۔ منطق میں ارسطو نے استقرائی طریقہ (Inductive Method) وضع کیا۔ سکندر اعظم ارسطو کا شاگرد تھا۔[2]



افلاطون کی تصنیف ''جمہوریہ'' کا ایک ورق

کثافت کا ''اصول ارشمیدس'' اور قطر اور محیط کی نسبت پائی (π یا $\frac{22}{7}$) یونانی ریاضی دان ارشمیدس کی دریافتیں ہیں۔[3] اس نے سائرا کیوز (سسلی) کے محاصرے میں رومی جہازوں کو آگ لگانے کے لیے آتشی شیشہ استعمال کیا۔ ارشمیدس اس وقت بھی ریت پر ہندسی اشکال بنانے میں منہمک تھا جب ایک رومی سپاہی نے آکر اسے قتل کر دیا۔

یونانی اصنام پرستی اور اولمپک کھیل

سقراط کی طرف سے نظریۂ توحید کی حمایت اور تلقین کے باوجود اہل یونان دیوی دیوتاؤں کے پجاری رہے۔ ان کا

[1] قدیم مذہبی تاریخ، ص:21، روایاتِ تمدنِ قدیم، ص:131۔
[2] Oxford English Reference Dictionary, p:71. [3] Oxford English Reference Dictionary, p:69.

مشرکانہ عقیدہ تھا کہ دیوتا انسانوں کے کرتوتوں پر نگاہ رکھتے اور بروں کو سزائیں دیتے ہیں۔ وہ سمجھتے تھے کہ سارے فطری مظاہر ان دیوتاؤں ہی کے قبضے میں ہیں۔ بعد میں سقراط کے شاگرد افلاطون کی تعلیمات سے یہ تصور مضبوط ہوتا گیا کہ بعد از موت انسانوں کو جزا اور سزا کے مراحل سے گزرنا پڑے گا۔ یونانی توہمات کے مطابق دیوتا یا تو اولمپس پہاڑ پر رہتے تھے یا اپنے معبدوں میں۔ اولمپس گیارہ بڑے دیوتاؤں کا مسکن تھا جہاں زیوس دیوتا کا دربار تھا۔ جنوبی یونان میں اولیپیا نامی میدان میں زیوس کی آمد و رفت تھی۔ یہیں 776 ق م سے ہر چار سال بعد کھیلوں کا میلا منعقد ہوتا تھا جس میں مختلف دوڑوں، موسیقی اور ادب کے مقابلے ہوتے تھے۔ مسیحی رومی بادشاہ تھیوڈوسیس اول نے 393ء میں ان کھیلوں پر پابندی لگادی۔ پھر 1896ء میں ایتھنز میں جدید اولمپک کھیلوں کے انعقاد سے یہ سلسلہ ازسرِ نو جاری ہوا۔

مستی کا دیوتا اور اپالو

یونان میں ڈائیونیسس شراب اور مستی کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ موسم بہار میں عورتیں پہاڑوں پر نکل جاتیں۔ وہاں دن رات دل کھول کر شراب پیتیں اور نشے میں مدہوش دیوانہ وار جھومتی اور ناچتی ہوئی جلوس نکالتیں۔ اس حالت میں کسی بکرے یا بیل کو ڈائیونیسس دیوتا کا اوتار سمجھ کر پکڑ لیتیں اور اسے دانتوں سے کاٹ کاٹ کر کچا چبا جاتی تھیں۔ ان کا عقیدہ تھا کہ اس طرح دیوتا اُن کے اندر حلول کر جاتا ہے۔ یہی تصور بعد میں کلیسائے روم کے عشائے ربانی کی صورت میں نمودار ہوا جس میں روٹی کو جناب مسیح کا گوشت سمجھ کر کھایا جاتا ہے اور شراب کو ان کا خون سمجھ کر پیا جاتا ہے۔[1]

یونانی رزمیہ نگار ہومر کے ہاں اُلو کی شکل والی ایتھینا دیوی اور گائے کی شکل والی ہیرا دیوی کا ذکر بھی ملتا ہے۔ ایتھنز شہر ایتھینا دیوی ہی کے نام سے منسوب ہے۔ زیوس کا بیٹا اپالو سورج کا دیوتا شمار ہوتا تھا۔ موسیقی، شعری جذبہ، تیر اندازی اور پیش گوئی اس کی عطا سمجھی جاتی تھی۔

ڈیانا اور یوروپا دیوی

یونانی توہمات کے مطابق اپالو کی بہن آرٹیمس شکاری دیوی تھی۔ پیدائش، تولید اور زرخیزی اس کی طرف منسوب تھی۔ افسوس (ترکی) میں آرٹیمس کا مندر دنیا کے سات قدیم عجائبات میں شمار ہوا۔ رومیوں کے ہاں آرٹیمس کو ڈیانا

1 روایاتِ تمدن قدیم، ص: 127.

کا نام دیا گیا تھا۔ شاہ اگیمینون نے اپنے وحشی مشرکانہ عقیدے کے تحت اپنی بیٹی آرٹیمس دیوی کے حضور قربان کر دی۔ یونانی مشرکین زیوس کے متعلق یہ بے ہودہ تصور رکھتے تھے کہ اس نے پہلے سانڈ کی شکل اختیار کی، پھر ہنس کی صورت میں یوروپا دیوی کے ساتھ مباشرت کی۔ براعظم یورپ اسی دیوی کے نام سے موسوم ہے۔

یونان میں ہر کہیں انسانی لِنگ (عضوتناسل) کی پوجا ہوتی تھی۔ ڈائیونیسُس کے تہوار میں عورتیں لِنگ کے مجسمے اٹھا کر فحش گیت گاتی ہوئی جلوس نکالتی تھیں۔ یونانی دیومالا میں ایک عالمگیر سیلاب کی روایت موجود تھی۔ اس کے مطابق صرف دیوکیلین اور اس کی بیوی پرہا کشتی میں بیٹھ کر اپنی جانیں بچانے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ہیلن (Hellen) انھی کا بیٹا تھا جس کے نام پر یونانی ہیلینی (Hellene) کہلاتے تھے اور یونانی تہذیب Hellenistic کہلاتی ہے۔ [1]

یونانی اخلاقیات کے گھناؤنے پہلو

یونان ایک طرف حکمت و فلسفہ کا معلم بنا ہوا تھا تو دوسری طرف بد اخلاقی کی اتھاہ گہرائیوں میں غرق تھا۔ عصمت فروشی یونانی مذہب کا جزو بن گئی تھی۔ محبت کی دیوی ایفروڈائٹ کے مندر کی پجارنیں بدکار عورتیں ہوتی تھیں۔ مشہور نقاش پرکزتیلس نے اپنی آشنا فرائنی کا بت تیار کر کے اپالو کے مندر میں رکھ دیا تھا۔ بڑی بڑی دعوتوں میں خواصیں مادر زاد ننگی ہو کر کھانا کھلانے کو آتی تھیں۔ مردوں میں خلاف وضع فطری بدکاری عام تھی۔ رواقیہ اخلاق فلسفہ کا بانی زینو اس لت میں مبتلا تھا۔ مشہور نقاش اپیلس نے سکندر اعظم کی معشوقہ لائس کا مجسمہ بناتے ہوئے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ سکندر کو خبر ہوئی تو اس نے بلاتکلف اپنی معشوقہ اپیلس کے حوالے کر دی۔ سپارٹا میں قانون تھا کہ بوڑھے مرد کی جوان عورت علیحدہ کر کے کسی جوان کو دے دی جاتی تاکہ مضبوط نسل پیدا کی جا سکے۔

عظیم فلسفی ارسطو کا قول تھا: ''یونانیوں کے لیے غیر ملکیوں کے ساتھ وہی برتاؤ واجب ہے جو وہ حیوانات کے ساتھ کرتے ہیں۔'' چنانچہ سکندر اعظم نے لبنان کے شہر صور (ٹائر) میں بیس ہزار آدمیوں کو پکڑ کر قتل کرا دیا اور تیس ہزار کو غلام بنا کر بازاروں میں بکوا دیا۔ [2]



لبنان کے شہر صور (ٹائر) کا ایک منظر

[1] روایات تمدن قدیم، ص: 128. [2] قدیم مذہبی تاریخ، ص: 53-55.

6

سلطنتِ روم

روم یا رومہ (روما) اور رومی جمہوریت

انتہائی قدیم شہر روم موجودہ اٹلی کا دارالحکومت ہے۔ اس کی بنیاد 753 ق م میں رومولس نے رکھی۔ پہلے یہاں رومن بادشاہ حکمران رہے، پھر 510 ق م میں رومن ری پبلک (رومی جمہوریہ) قائم ہوئی جس کا انتظام سینیٹ کے ہاتھ میں تھا۔

روم اور قرطاجنہ (کارتھیج) کی جنگیں

تیسری اور دوسری صدی ق م میں شمالی افریقہ کے اہل قرطاجنہ اور رومیوں میں تین پیونک جنگیں لڑی گئیں۔ دوسری پیونک وار یا فنیقی جنگ (218 تا 201 ق م) میں قرطاجنی جرنیل ہنی بال 30 ہزار سپاہیوں اور 40 ہاتھیوں کا لشکر اسپین اور فرانس سے گزار کر اٹلی پر حملہ آور ہُوا لیکن کئی لڑائیوں میں فتح پانے کے باوجود بالآخر اسے پسپا ہونا پڑا اور 202 ق م میں جنگِ زاما (تیونس) میں رُومیوں نے اسے تباہ کن شکست دی۔ ہنی بال فرار ہو کر انطاکیہ چلا آیا اور آخر کار 183 ق م میں بتھینیا (ایشیائے کوچک) میں اس نے زہر کا پیالہ پی کر خودکشی کر لی۔ قرطاجنی اپنے سورج دیوتا بعل ہمّون کے استھان پر زندہ بچوں کو قربان کر دیتے تھے۔ تیسری پیونک جنگ (149-146 ق م) میں رومیوں نے ان کے دارالحکومت قرطاجنہ کو نذرِ آتش کر دیا۔[1] 147-146 ق م میں یونان فتح کر لیا۔


قرطاجنہ کے کھنڈر

ٹائبیریس، سیزر اور آگسٹس

133 ق م میں ٹائبیریس نے غریب کسانوں کے حق میں زرعی اصلاحات کیں تو امراء نے اسے 300 ہمنواؤں کے ساتھ انتخابات میں قتل کر دیا۔ 121 ق م میں اس کے بھائی گیئس کا بھی یہی حشر ہوا۔ پہلی صدی ق م میں روم کو

[1] History of the World, P:71.

پونٹس (ایشیائے کوچک) میں متھری ڈے ٹیز سے لڑائیاں پیش آئیں۔ 88 تا 84 ق م کی جنگ میں اس نے ایک دن میں 30 ہزار رومی موت کے گھاٹ اتار دیے۔ آخرکار تیسری جنگ (74-64 ق م) میں رومیوں نے اسے شکست دے کر ایشیائے کوچک، شام اور فلسطین فتح کر لیے۔



جولیس سیزر کا سکہ

60 ق م میں اربابِ ثلاثہ کی مجلس، یعنی تین جرنیلوں پومپی، کریس اور جولیس سیزر پر مشتمل حکمران کونسل قائم ہوئی۔ جولیس سیزر نے اختیارات ملتے ہی پورا گال (فرانس) فتح کر لیا اور برطانیہ پر بھی حملہ کیا۔ پومپی نے ہسپانیہ فتح کر لیا۔ 53 ق م میں کریس اشکانیوں (ایرانیوں) سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ پھر پومپی اور جولیس سیزر میں کشاکش ہوئی۔ پومپی فرار ہو کر مصر پہنچا جہاں بطلیموس دواز دہم کے وزیر نے اسے قتل کر دیا۔

جولیس سیزر نے شام میں متھری ڈے ٹیز کے بیٹے اور اسپین میں پومپی کے دو بیٹوں کو شکستیں دیں۔ اب سیزر مختارِ کل بن چکا تھا۔ 15 مارچ 44 ق م کو اس کے سر پر تاج رکھا جانے والا تھا کہ ایک سازش کے تحت جس میں جولیس سیزر کا دوست بروٹس شریک تھا، اسے خنجر مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس وقت زخمی سیزر نے قاتل کی طرف مڑ کر تاریخی جملہ کہا تھا: ''بروٹس تم؟''

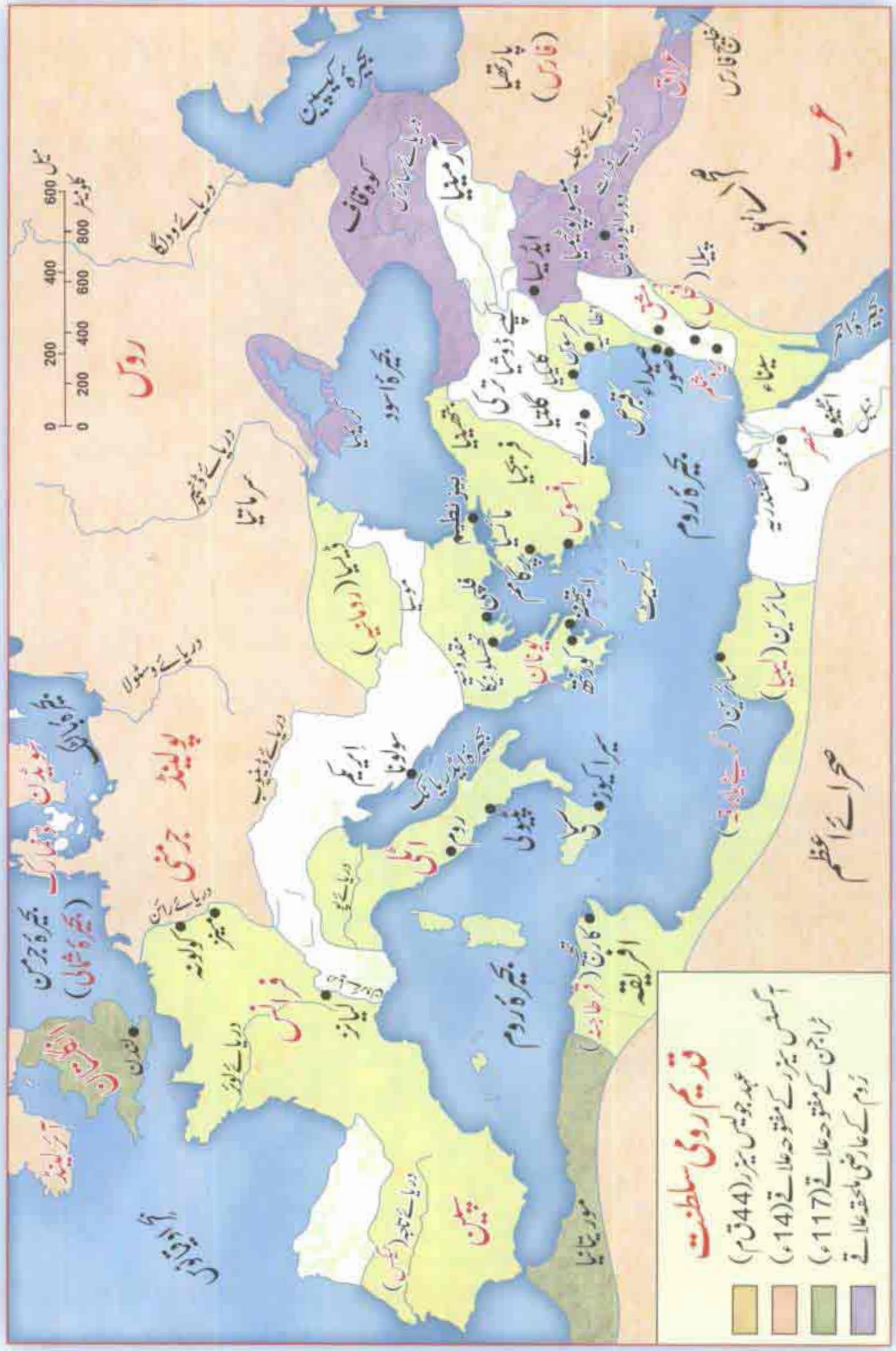
رومی سلطنت کا آغاز

اب اربابِ ثلاثہ کی دوسری مجلس قائم ہوئی جس میں آکٹیوین، مارک اینٹونی اور لیپی ڈس شامل تھے۔ بروٹس آکٹیوین اور اینٹونی کے ہاتھوں یونان میں شکست کھا کر خودکشی پر مجبور ہوا۔ مارک اینٹونی مصر چلا گیا جہاں ملکہ قلوپطرا کے عشق میں مبتلا ہو کر رہ گیا۔ اس پر آکٹیوین نے مصر پہنچ کر مصری بیڑے کو شکست دی۔ اینٹونی اور قلوپطرا نے یکے بعد دیگرے خودکشی کر لی۔


جنگِ فلپی کے بعد قیصر آگسٹس کا تعمیر کردہ مندر

جنوری 31 ق م میں آکٹیوین نے سینیٹ سے خاص اختیارات حاصل کر لیے جن کی سینیٹ تجدید کرتی رہی اور اسے آگسٹس کا لقب بھی دے دیا۔ جنوری 16 ق م میں اس نے Emperor (شہنشاہ) ہونے کا اعلان کر دیا۔ یوں رومی جمہوریت دوبارہ باقاعدہ بادشاہت میں تبدیل ہوگئی۔ اس سلطنت کا پہلا حکمران آگسٹس سیزر (آکٹیوین) تھا۔[1] آگسٹس کے عہد میں

[1] Oxford English Reference Dictionary,p:89,90.


قدیم رومی سلطنت
عہد جولیس سیزر (44ق م)
آگسٹس سیزر کے مفتوحہ علاقے (14ء)
ٹراجن کے مفتوحہ علاقے (117ء)
روم کے عارضی ماتحت علاقے
بحیرۂ روم
بحیرۂ اسود
بحیرۂ کیسپین
روس
پولینڈ
جرمنی
فرانس
سپین
اٹلی
روم
عرب
صحرائے اعظم
مصر
یونان

رومی سلطنت اٹلی، فرانس، اسپین، یونان، بلقان، اناطولیہ، شام، فلسطین، مصر، طرابلس (لیبیا)، تیونس اور الجزائر وغیرہ تک وسیع تھی۔ اگست کا مہینہ آگسٹس سیزر کی یاد دلاتا ہے۔

آگسٹس کے جانشین ٹائبیریس (14ء تا 37ء) کے عہد میں رومی گورنر پیلاطس نے یہودیوں کے اصرار پر مسیح علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کا حکم سنایا۔ رومی بادشاہ کلاڈیس (41ء تا 54ء) نے 43ء میں انگلستان فتح کیا۔ کلاڈیس نے اپنی بیوہ بھتیجی سے شادی کی تھی جس سے اس کا بیٹا نیرو اس کا جانشین ہوا۔ نیرو نے اپنی ماں اور بیوی سمیت سینکڑوں افراد مروا دیے۔ 64ء میں روم کا بڑا حصہ آگ کی نذر ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ آگ نیرو نے خود لگوائی تھی۔ مشہور ہے کہ روم جل رہا تھا اور نیرو بنسری بجا رہا تھا۔ اسی سال سینٹ پال کو روم میں مار ڈالا گیا جس نے ابنیتِ مسیح اور کفارہ کے عقیدے عیسائیت میں داخل کیے تھے۔ 68ء میں اپنے خلاف بلوہ ہونے پر نیرو نے خودکشی کر لی۔[1] 70ء میں رومی جرنیل ٹائٹس نے فلسطین میں یہودیوں کی بغاوت کچل دی اور ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا۔

قسطنطین اعظم عیسائیت کی آغوش میں

تین صدیوں تک رومی سلطنت میں عیسائیت کے پیروکار دار و گیر اور ظلم کا شکار ہوتے رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رومی حکمران دیوی دیوتاؤں کے پجاری تھے۔ پہلا رومی حکمران جس نے مسیحیت قبول کی، وہ قسطنطین اعظم (306ء تا 337ء) تھا۔ اس نے عیسائیت کو رومی سلطنت کا سرکاری مذہب قرار دیا اور اپنی نگرانی میں بڑے بڑے پادریوں کی کونسلیں منعقد کیں۔ ان کونسلوں نے مسیحی عقائد و اعمال کے متعلق وہ سارے فیصلے کیے جن پر موجودہ عیسائیت کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ قسطنطین نے 11 مئی 330ء کو بیزنطیم کے مقام پر نئے دارالحکومت کی بنیاد رکھی جو اس کے نام پر قسطنطنیہ (Constantinople) کہلایا۔ آج کل اس کا نام استنبول ہے۔[2]


استنبول کی قدیم فصیل

بازنطینی سلطنت (الروم) کا قیام

رومی حکمران تھیوڈوسیس اول (388ء تا 395ء) کی وفات پر سلطنت اس کے دو بیٹوں میں تقسیم ہوگئی۔[3] مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت روم قرار پایا جبکہ مشرقی رومی سلطنت کا دارالحکومت قسطنطنیہ رہا۔ اس کے سابق نام بیزنطیم

[1] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 2/114-123. [2] انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم: 2/125,126.

[3] History of the World, P:95.

کی نسبت سے مشرقی سلطنت کو بازنطینی سلطنت (Byzantine Empire) بھی کہا گیا۔ عرب اسی مشرقی رومی سلطنت کے ہمسائے تھے اور اسی کو رومی سلطنت کہتے تھے۔ قرآن نے بھی اسی کو الروم کہا ہے۔


بازنطینی گرجے کے کھنڈر، جرش (اردن)

گبن لکھتا ہے: ''بازنطینی سلطنت کے پہلے حکمران آرکیڈیس کے عہد میں سینٹ اینڈریو، سینٹ لیوک (لوقا) اور سینٹ ٹموتھی کی نعشیں تین سو برس بعد قسطنطنیہ لا کر کنیسہ حوارئین میں دفن کی گئیں۔ اسی طرح سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ہڈیاں مبینہ طور پر فلسطین سے برآمد کر کے ایک طلائی برتن میں ریشمی چادر سے ڈھک کر عظیم الشان جلوس کے ہمراہ قسطنطنیہ لے جائی گئیں جن کی زیارت کے لیے فلسطین سے قسطنطنیہ تک زائرین کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ تصور یہ تھا کہ ولیوں اور شہداء کی ہڈیاں سونے چاندی سے زیادہ بیش قیمت ہیں۔''[1]

ملحوظہ: یہ تو غیر مسلموں کی روایت ہے مگر حدیث میں ہے کہ انبیاء کی نعشیں سلامت رہتی ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''اللہ عزّ وجل نے انبیاء علیہم السلام کے اجساد کو کھانا زمین پر حرام ٹھہرایا ہے۔''[2]

جسٹینین اور نوشیرواں

مغربی رومی سلطنت 476ء میں شمال کے حملہ آوروں کے ہاتھوں کمزور ہوتے ہوتے کلیتاً ختم ہوگئی اور مشرقی رومی سلطنت بتدریج تقریباً ان تمام علاقوں پر محیط ہوگئی جو کبھی قدیم رومی سلطنت میں شامل تھے۔ جسٹینین (527ء تا 565ء) نے شمالی افریقہ، اٹلی اور اسپین کو مسخر کیا۔ 540ء میں روم اور ایران کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوا جو بارہ سال جاری رہا۔ جسٹینین نے قسطنطنیہ میں ایا صوفیا کا گرجا تعمیر کرایا۔ اس کے جانشینوں کے زمانے میں بھی ایران سے لڑائیاں جاری رہیں۔


ایا صوفیا چرچ جو بعد میں مسجد بنا اور اب میوزیم ہے

575ء میں فرمانروائے فارس نوشیرواں کی فوجوں نے کپاڈوشیا (اناطولیہ) کا رومی علاقہ پامال کیا۔ نوشیرواں کے پوتے خسرو پرویز نے جب باغیوں کے مقابلے میں راہ فرار اختیار کی تو قسطنطنیہ کے حکمران مارلیس نے اسے دوبارہ تاج و تخت حاصل کرنے میں مدد دی۔[3]

[1] قدیم مذہبی تاریخ، ص:32،31۔ [2] سنن النسائي: 1375۔ [3] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم: 174/2۔



قیصر جسٹینین کے رومن لا کا مخطوطہ

جسٹینین کا رومن لا

جسٹینین کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے رومن لا کی تکمیل، تجدید اور تدوین (Codification) کی۔ اس کا قانون رومن لا کا اہم ترین سنگ میل تصور کیا جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت اس کے جانشین جَسٹِن دوم (یوستینوس ثانی) کے زمانے میں ہوئی۔

جسٹینین لا اور شریعتِ محمدیہ کا موازنہ ایک سلیم الفطرت انسان کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ رومن لا، جس میں یقیناً وحی کے ذریعے سے عطا کردہ کچھ چیزیں شامل ہوں گی، انسانی فطری ارتقا کا نمونہ ہے۔ اس وقت تک کسی انسانی قانون میں عالمگیر مساوات، عورت مرد کے حقوق اور انسان ہونے کے ناتے مفتوحوں اور غلاموں کے حقوق کا کوئی تصور تک موجود نہ تھا۔ عورت کو ملکیت اور خرید وفروخت کی اجازت نہ تھی۔ قانوناً وہ خود قابلِ ملکیت اور قابل خرید وفروخت چیز (Commodity) تھی۔ رومن قومیت رکھنے والوں کے سوا کسی انسان کی جان و آبرو کی کوئی قیمت نہ تھی۔ تجارت پر شدید پابندیاں عائد تھیں اور اس کے مقابلے میں محمد رسول اللہ ﷺ نے وحی پر مبنی ایک ایسی شریعت عطا کی جو آج کے معیار کے مطابق بھی انتہائی ترقی یافتہ، مبنی بر عدل و فلاح اور سب انسانوں کے تمام حقوق کا ضامن قانون ہے جس کی دنیا بھر کے قانون دان نقل کرتے چلے آرہے ہیں جب کہ انسانیت کے لیے اپنے وضعی قوانین کے ذریعے اس کے بلند ترین معیار تک پہنچنا ممکن ہی نہیں۔

قیصر فوکاس کی وحشیانہ سنگدلی



قیصر فوکاس کا سکہ

نبی ﷺ کی نبوت سے آٹھ سال پہلے (602ء میں) فوکاس نامی غاصب جرنیل نے قیصر روم مارلیس کے خلاف بغاوت کر دی اور تختِ سلطنت پر قابض ہوگیا۔ مارلیس نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ گرجے میں پناہ لی تھی۔ اسے پانچ بیٹوں کے ساتھ گھسیٹ کر لایا گیا۔ باپ کے قتل سے پہلے اس کے سامنے بیٹے تہ تیغ کیے گئے۔ ایک انّا (دایہ) نے ازرہِ جاں نثاری مارلیس کے دودھ پیتے بچے کی جگہ اپنے بچے کی گردن جلاد کی چھری کے نیچے رکھ دی۔ اس دردناک منظر پر خود قیصر مارلیس کے قتل نے اپنا خونچکاں پردہ ڈال دیا۔

باپ بیٹوں کے دھڑ باسفورس کی موجوں میں پھینک دیے گئے اور ان کے کٹے ہوئے سر قسطنطنیہ کے دروازوں پر

لٹکا دیے گئے۔ شہزادہ تھیوڈوسیس کو جو اپنے مظلوم باپ کا پیغام لے کر عازم مدائن ہوا تھا، عجمی سرحد میں داخل ہونے سے پہلے پکڑ کر آناً فاناً اس کا کام تمام کر دیا گیا۔ ملکہ کانسٹنشیا اور اس کی تین بیٹیاں پہلے ایک صومعہ میں نظر بند کی گئیں، بعد میں سازش کے شبہ پر ان کے لیے موت کا حکم صادر ہوا اور سزا دہی کا انتہائی ظالمانہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ پہلے ان کی آنکھیں تکلوں سے چھیدی گئیں، پھر زبانیں گدی سے کھینچ کر قاتلوں کے پاؤں میں مسلی گئیں، پھر یکے بعد دیگرے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے گئے، پھر ان کے برہنہ جسموں پر تازیانے برسائے گئے، پھر ان کو نیزوں سے چھلنی کیا گیا، پھر انھیں جلتے الاؤ میں جھونک دیا گیا۔[1] رومیوں میں ایسے ظالمانہ اور وحشیانہ طریقے معمول کی بات تھے۔

ابن عساکر رحمہ اللہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک لشکر سلطنت روم کی طرف بھیجا جس میں عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ رومیوں نے انھیں قید کر لیا۔ شاہِ روم نے ان سے کہا کہ عیسائی ہو جاؤ ورنہ میں تمھیں تانبے کی دیگ میں ڈال دوں گا۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ تانبے کی بڑی دیگ منگوائی گئی، اسے تیل سے بھرا گیا اور جب تیل گرم ہو کر جوش مارنے لگا تو بادشاہ نے ایک اور مسلمان قیدی کو بلایا اور اسے عیسائیت قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس نے بھی انکار کر دیا۔ بادشاہ نے اسے کھولتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ اس بیچارے کا گوشت گل گیا اور ہڈیاں نکل آئیں۔ اس کے بعد بادشاہ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے پھر کہا: عیسائی ہو جاؤ ورنہ میں تمھیں بھی اسی دیگ میں ڈال دوں گا۔ انھوں نے کہا: میں ہرگز اپنے دین کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بادشاہ نے حکم دیا: اسے بھی دیگ میں ڈال دو۔ جب سپاہی عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دیگ کی طرف لے جانے لگے تو وہ رو دیے۔ لوگوں نے کہا: ڈر گیا ہے، اس لیے رو پڑا ہے۔ قیصر نے کہا کہ اسے واپس لاؤ، پھر پوچھا: روئے کیوں تھے؟ انھوں نے کہا: یہ مت خیال کرنا کہ میں تیرے فیصلے سے ڈرتے ہوئے رویا ہوں، میں تو اس لیے رویا ہوں کہ میری ایک ہی جان ہے جو اللہ کی راہ میں اس طرح قربان ہو رہی ہے۔ میری خواہش ہے کہ میرے جسم پر جتنے بال ہیں، اتنی ہی میری جانیں ہوں اور وہ ایک ایک کر کے اسی طرح اللہ کی راہ میں قربان ہو جائیں۔ شاہِ روم نے بڑا تعجب کیا اور عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آزاد کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے ان سے کہا: میرے سر کو بوسہ دو تو میں تمھیں آزاد کر دوں گا۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں ایسا نہیں کروں گا۔ قیصر نے کہا: عیسائیت قبول کر لو۔ میں تمھاری شادی اپنی بیٹی سے کر دوں گا اور تمھیں اپنی بادشاہت میں شریک کر لوں گا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس پیش کش کو بھی ٹھکرا دیا۔ اس نے پھر کہا: میرے سر کو بوسہ دو تو میں تمھارے ساتھ 80 مسلمانوں کو رہا کر دوں گا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں! یہ بات ٹھیک ہے، پھر انھوں نے قیصر کے سر کو بوسہ دیا تو اس نے سب مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیا۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ

[1] غلبۂ روم، ص: 68,67۔

تک بھی پہنچی۔ پھر جب عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے تو امیر المؤمنین اُٹھے اور ان کا سر چوم لیا۔ [1]

پوپ کا قصیدہ اور ظالم بادشاہ کا انجام

مسیحیت کے پیشوا پوپ گریگوری اعظم نے فوکاس کی بدکرداریوں پر پشیمان ہونے کا درس دینے کے بجائے ظالم بادشاہ کے زہد و اتقا اور جود و کرم کی تعریف کرتے ہوئے دعا مانگی کہ ''فوکاس کو ایک طویل، پُرشکوہ اور بامراد عہد حکومت عطا ہو جس کے خاتمے پر وہ اخروی فوز و فلاح سے بھی بہرہ ور ہو۔'' آخرکار فوکاس کا عہدِ ستم اس وقت ختم ہوا جب مصر سے ہرقل کا لشکر قسطنطنیہ آن وارد ہوا۔ فوکاس کو گرفتار کر لیا گیا اور غضبناک عوام نے اسے طرح طرح کی عقوبتیں دے کر اس کا سر تن سے جدا کر دیا، پھر اس سر کو تو اس منظر عام پر لٹکا دیا جہاں کبھی ماریس اور اس کے معصوم بیٹوں کے سروں کی نمائش ہوئی تھی اور اس کا دھڑ ایک دہکتے ہوئے الاؤ کے لپکتے شعلوں کے حوالے کر دیا۔ [2]

ہرقل اور خسرو پرویز

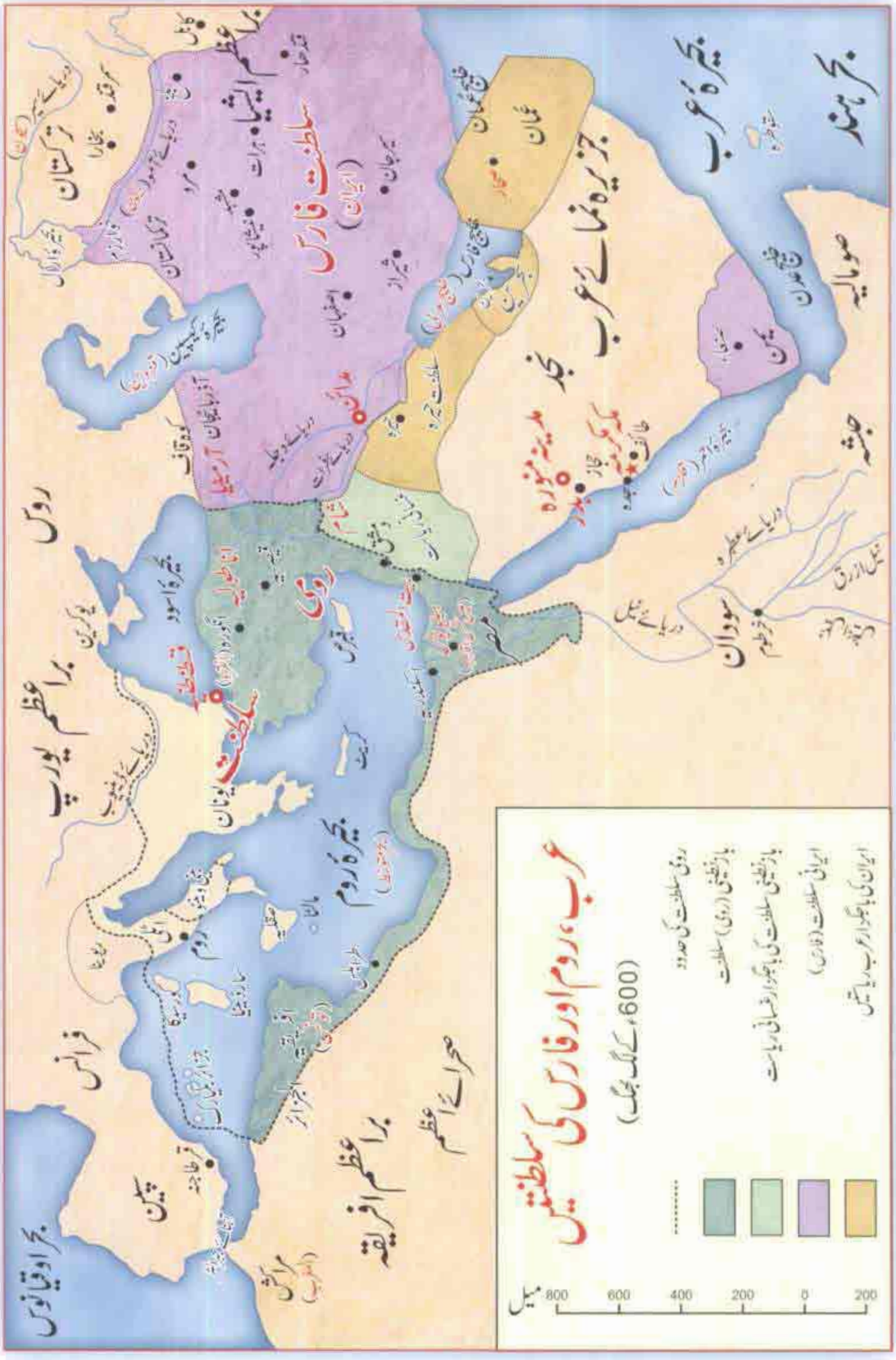


ہرقل کا طلائی سکہ

یونانی نژاد ہرقل اول (610ء تا 641ء) سے قسطنطنیہ میں یونانی نسل کے بادشاہوں کا دور شروع ہوا۔ ہرقل اول نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شاہِ ایران خسرو پرویز کا ہم عصر تھا۔ 603ء سے خسرو پرویز کی چھیڑی ہوئی جنگ ہرقل کے عہد میں بھی جاری رہی۔ 613ء میں رومی فوج کو ایرانیوں کے ہاتھوں انطاکیہ کے مقام پر بُری طرح شکست ہوئی اور اسی برس ایرانی دمشق پر قابض ہو گئے۔ 614ء میں ایرانیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کر کے عیسائیوں کا مقدس ترین کلیسا، کنیسۃ القیامہ (Holy Sepulchre) یعنی ''قبر مقدس کا گرجا'' برباد کر دیا۔ یہ کنیسہ اس جگہ تعمیر کیا گیا ہے جہاں مسیحی عقیدے کے مطابق مسیح علیہ السلام کو سولی دی گئی تھی۔ [3]

90 ہزار عیسائی اس شہر میں قتل کیے گئے۔ ایرانی یروشلم سے مقدس صلیب اٹھا کر اپنے دارالسلطنت مدائن لے آئے۔ اس صلیب کے بارے میں مشہور تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اسی پر سولی چڑھایا گیا تھا۔ اس فتح کے ایک سال کے اندر اندر ایرانی فوجیں اردن، فلسطین اور سیناء کے علاقے پر قابض ہونے کے بعد مصر پہنچ گئیں۔ دوسری طرف ایرانی فوج ایشیائے کوچک میں رومیوں کو دباتی ہوئی 617ء میں قسطنطنیہ کے عین سامنے خلقیدون (موجودہ قاضی کوئی) پر جا قابض ہوئی۔ اس پر ہرقل اتنا ہراساں ہوا کہ قسطنطنیہ چھوڑ کر بھاگ جانے کو تیار ہو گیا۔

[1] تاریخ دمشق الکبیر: 29/245، 246، اسد الغابۃ: 2/578 [2] ...


عرب، روم اور فارس کی سلطنتیں
(600ء کے لگ بھگ)
رومی سلطنت کی حدود
بازنطینی (رومی) سلطنت
بازنطینی سلطنت کی باجگزار قبائلی ریاست
ایرانی سلطنت (فارس)
ایران کی باجگزار عرب ریاستیں
میل
800 600 400 200 0 200

سورۂ روم کی پیش گوئی پوری ہوگئی

دریں اثنا 615ء میں مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کو اپنا گھر بار چھوڑ کر روم کی حلیف عیسائی سلطنت حبشہ میں پناہ لینی پڑی۔ ان دنوں سلطنت روم پر ایران کے غلبے کا بڑا چرچا تھا۔ کفارِ مکہ نے آتش پرست ایرانیوں کے ہاتھوں اہلِ کتاب رومیوں کی شکست پر بہت اظہار مسرت کیا۔ اس وقت یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ رومی جلد اہل فارس کو شکست دیں گے لیکن قرآن نے اعلان کیا کہ رومی بِضْعِ سِنِيْنَ (3 تا 9 سال) کے اندر فتح یاب ہوں گے۔ آخر کار ہرقل نے قوت جمع کی اور بحیرۂ اسود کے راستے آرمینیا پر حملہ آور ہوا۔

622ء میں آرمینیا میں روم و فارس کی پھر ٹکر ہوئی اور ہرقل کے بھائی تھیوڈور نے ایرانیوں کو شکست دی۔ 624ء میں ایرانیوں کو فلسطین میں بدترین شکست ہوئی۔ عین اس موقع پر بدر کے مقام پر کفارِ قریش نے مسلمانوں کے ہاتھوں عبرتناک شکست کھائی اور یوں قرآن مجید کی سورۂ روم میں رومیوں اور مسلمانوں کے حق میں دی گئی دوہری خوشخبری پوری ہوگئی۔ اس کے بعد ہرقل نے عراق پر ہلہ بول دیا اور 627ء میں نینویٰ کے قریب لشکر فارس کو شکست دی۔ خسرو پرویز میدان جنگ سے بھاگا اور ہرقل نے آگے بڑھ کر تبریز پر قبضہ کر لیا۔ اس ذلت آمیز شکست پر ایرانی خسرو پرویز کے خلاف ہوگئے اور خود اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے قتل کر کے ہرقل سے صلح کر لی۔ تمام مفتوحہ رومی علاقے واپس کر دیے گئے، نیز مقدس صلیب لوٹا دی گئی۔

روم و یورپ کی تہذیب کے تاریک پہلو

رومیوں میں بدکاری اور درندگی کا چلن

بدچلنی اور زنا کاری میں روم نے یونان کو بھی مات کر دیا تھا۔ لیکی لکھتا ہے: تمام جگہوں سے رومی فاتح لوگوں کو اسیر کر کے اپنے ہاں لانے لگے تو روما کی حالت عصمت فروشی کے بازار کی ہوگئی۔ یونانی اور اسکندریہ کے غلام حسن و جمال میں لا جواب ہوتے تھے۔ زہرہ دیوی کے مندروں میں بدکاری مباح تھی۔ دوسری صدی عیسوی کی بدکار ملکہ فوسٹینا نے اپنے متعدد عاشقوں کو سلطنت کے بڑے بڑے عہدوں پر ترقی دی۔ رومی سینیٹ کی منظوری سے اسے دیوی کا درجہ دیا گیا حتی کہ روم کے مندروں میں جونو، وینس (زہرہ)، کیرس اور دیگر دیوتاؤں کے ساتھ فوسٹینا کا بت بھی پوجا کے لیے رکھ دیا گیا۔ یونان کے مانند روم میں بھی اسقاطِ حمل کوئی مجرمانہ فعل نہ تھا۔


کولوسیم ایمفی تھیٹر (روم)

رومی سلطنت میں باپ کو اپنی اولاد مار ڈالنے کا اختیار تھا۔ اس کی کوئی باز پُرس نہیں تھی اور علانیہ اولاد کُشی کا کثرت سے رواج تھا۔ اکھاڑوں (ایمفی تھیٹروں) میں دو یا متعدد شخص تلواریں وغیرہ لے کر باہم لڑتے تھے یہاں تک کہ ایک شخص دوسرے کو جان سے مار ڈالتا تھا۔ لڑنے کے لیے پیشہ ور تلوَزیوں کو چاندی کی تلواریں مہیا کی جاتی تھیں۔ ٹائبیریس (14ء تا 37ء) کے عہد میں ایک فدنڈوے کی عمارت (ایمفی تھیٹر) گر جانے سے اس کے نیچے بیس ہزار آدمی دب کر مر گئے۔ لوگ اپنے مردہ عزیزوں کی روحوں کو خوش کرنے کی غرض سے جنازے کے ساتھ تلوَزیوں کے جوڑ لڑوانا کارِ ثواب سمجھتے تھے۔

غلاموں کے معاملے میں رومی اس قدر ظالم تھے کہ ایک مرتبہ فلامینیس نے اپنے مہمان کی تفریح کے لیے اسے ایک غلام کو ذبح کیے جانے کا تماشا دکھایا جبکہ ویڈیس بولیو نامی شخص اپنی پالتو مچھلیوں کو اپنے غلاموں کا گوشت کھلایا کرتا

تھا۔ بروٹس نے اپنے ایک مقروض کو بھاری سود ادا نہ کرنے کے جرم میں قید کرا دیا اور جیل میں اسے بھوکا مروا ڈالا۔ رومی اس قدر سنگدل تھے کہ گیارہ لاکھ انسانوں کا خون جولیئس سیزر کی ہوسِ فتوحات کی نذر ہو چکا تھا۔ رومیوں نے نیرو کے باغ کی روشنی کا تماشا نہایت دلچسپی سے دیکھا تھا جو عیسائی قیدیوں کے کرتوں پر تیل چھڑک کر آگ لگانے سے پیدا ہوئی تھی جس سے وہ مظلوم جل کر مر گئے۔ شاہ گیلرس اور ہیلیو گیوس کھانا کھاتے وقت قیدیوں کو جنگلی جانوروں سے نچوانے کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ [1]

رومی اکھاڑے میں انسان اور درندے



کولوسیم (روم) کا اندرونی منظر

رومی حکمرانوں نے روم میں ایک بہت بڑا گول اکھاڑہ ''کولوسیم'' (Colosseum) بنایا تھا جس میں نیم دائروی سیڑھیوں پر 50 ہزار تماشائی بیٹھ سکتے تھے۔ اس کی تعمیر کا آغاز بادشاہ ویسپاسین کے دور میں 75ء کے لگ بھگ ہوا اور ٹائٹس اور دومیٹین کے زمانے میں اس کی تکمیل ہوئی۔ اکھاڑے میں مسلح جنگجوؤں اور وحشی درندوں میں مقابلے ہوتے۔ [2] نہتے باغیوں اور غلاموں کو اکھاڑے میں دھکیل کر ان پر بھوکے شیر اور چیتے چھوڑ دیے جاتے تھے۔ رومیوں کی یہ تفریح انسانی خونریزی اور ظلم و شقاوت کی بدترین شکل تھی۔

قدیم جرمنوں اور انگریزوں کی اخلاقی حالت

جرمن قوم کی اخلاقی حالت بھی نہایت پست تھی۔ وہ شراب کے نشے میں بدمست ہو کر اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو قتل کر دیتے تھے۔ سکینڈے نیویا کے جرمن اپنے دشمن کو ذبح کر کے اس کی کھوپڑی میں شراب پینا فخر سمجھتے تھے۔ جرمن لوگ جنگی قیدیوں اور جنگی غلاموں کو اپنے بتوں کے استھان پر ذبح کر ڈالتے تھے۔ 105 ق م میں کیمبرین لوگوں نے اوروسیو کے مقام پر فتح پا کر تمام رومی قیدی اپنے دیوتا پر قربان کر دیے۔ اسی طرح اینگلو سیکسن کی ایک فتح کے موقع پر پوری برطانوی فوج کے قیدی دیوتا کی بھینٹ چڑھائے گئے۔ انگلستان میں سوتیلی ماں سے شادی کر لینے کا رواج عام تھا حتی کہ عیسائیت کے حلقہ بگوش ہونے کے باوجود آڈبولڈ نے اپنے باپ اتھلبرٹ شاہِ انگلستان کے مرنے پر اپنی

1 قدیم مذہبی تاریخ، ص: 56-59.

2 Oxford English Reference Dictionary,p:286.

سوتیلی ماں کو بیوی بنا لیا۔

فرانس میں بداخلاقی اور ظلم کے مظاہر

گال (فرانس) میں بھی آوارگی اور اوباشی کی گرم بازاری تھی۔ پانچویں صدی عیسوی میں شاہ یورک نے بورڈو شہر میں دربار منعقد کیا تو اس میں ہیرولی قوم کے لوگ مادرزاد ننگے شریک ہوئے جن کے بدن صرف رنگوں سے رنگے ہوئے تھے۔ شاہ برگنڈی جنڈوبالڈ نے اپنے تین بھائی قتل کرا دیے اور اس کے بیٹے سجسمنڈ کو اس کی بیوی اور دو بیٹوں کے ہمراہ آرلین کے ایک کنویں میں زندہ دفن کر دیا گیا۔ خود سجسمنڈ نے اپنے بیٹے کو صرف اس لیے قتل کرا دیا تھا کہ اس کی سوتیلی ماں خوش ہو جائے۔ گال کے نامور فرینک بادشاہ کلوویس نے مارونجین خاندان کے تمام شہزادے قتل کرا دیے تاکہ کوئی اس کا حریف نہ رہے۔ ایک بادشاہ نے اپنے باغی بیٹے، اپنی بہو اور اپنی پوتیوں کو زندہ جلا دیا تھا۔

گال کے مجسٹریٹ شہادت کے باوجود مشتبہ ملزم کو جلتی آگ میں ڈال کر یا گہرے پانی میں غوطہ دے کر جرم سرزد ہونے کا تعین کرتے تھے۔ اس طرح ہزاروں ملزم انصاف کی کچہری کے سامنے مار ڈالے جاتے تھے۔ گال میں مالکوں کو مطلق اختیار تھا کہ اپنے غلاموں کو مار ڈالیں۔ متمول لوگوں کی لڑکیوں کی شادیوں کے موقع پر جہیز میں غلاموں کی ایک لمبی قطار بھی زنجیروں میں باندھ کر ساتھ کر دی جاتی تھی گئے۔

پاپائیت ظلم کی حمایت پر کمربستہ

پاپائے روم گریگوری اعظم نے انگلستان سے آئے ہوئے غلاموں کی خریداری کا حکم دے کر اس وحشیانہ تجارت کی ہمت افزائی کی۔ ظالم شاہ کلوویس کی وفات پر گریگوری نے لکھا: ''کلوویس دل سے تثلیث پر ایمان رکھتا تھا۔ اسی جذبۂ ایمانی سے اس نے کفار پر فتح پائی۔'' ان ''کفار'' میں وہ مسیحی فرقے بھی تھے جن پر اسے فتحیابی ہوئی تھی۔ اور تو اور سجسمنڈ جو کہ اپنے بے قصور بیٹے کا قاتل تھا، خود اس کے قتل کے بعد اسے سینٹ (ولی) کا درجہ دے کر اس سے معجزات منسوب کر دیے گئے۔

پادریوں کے ظلم، عیاشی اور رہبانیت کے مکروہ پہلو

تثلیث کے پیشوا بھی کھلے بندوں بداخلاقیوں کے مرتکب ہوتے تھے۔ ایک پادری نے اپنے ایک ماتحت کی جائداد غصب کرنے کے لیے اسے زندہ دفن کرا دیا مگر وہ قبر سے نکل بھاگا۔ اتنے سنگین جرم پر پادری کو صرف تنبیہ کرنا کافی سمجھا گیا۔ ایک اُسقف نے ایک شخص کو گھر سے نکال کر اس کی بیوی سے منہ کالا کیا۔ ربی ابراہم نامی راہب

نے پچاس برس تک اپنا منہ نہ دھویا۔ ایک دوشیزہ راہبہ نے ساٹھ برس کی عمر تک اپنی انگلیوں کے سوا جسم کے کسی حصے پر پانی نہ لگنے دیا۔ سینٹ سمولس نامی راہب نے اپنے جسم کے گرد ایک رسی کس کر باندھ لی تھی جو گوشت کے اندر گھس گئی اور اس سے گوشت اس قدر سڑ گیا کہ پاس بیٹھنے والے برداشت نہ کر پاتے۔ ایک راہب جو دورانِ عبادت ایک عورت سے ملوث ہوگیا تھا، اس نے بطور کفارہ جلتی آگ میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی۔ مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن چھٹی صدی عیسوی سے پہلے کے مسیحی پیشواؤں کے بارے میں لکھتا ہے: ''ولیوں، دینداروں اور مردہ لاشوں کی پوجا نے سیدھے سادے اور خالص عیسوی مذہب کا خانہ خراب کر دیا تھا۔'' ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ رَهْبَانِيَّةَ ۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○﴾

''اور رہبانیت تو انھوں نے از خود ہی ایجاد کر لی تھی، ہم نے تو ان پر اسے فرض نہیں کیا تھا مگر یہ کہ رضائے الٰہی تلاش کریں، پھر انھوں نے اس کا خیال نہ رکھا جیسا اس کا خیال رکھنے کا حق تھا، پھر ہم نے ان لوگوں کو جو ان میں سے ایمان لائے ان کا اجر دیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہیں۔''[1]

یورپ کی مجموعی حالت زار

چھٹی ساتویں صدی عیسوی میں یورپی اقوام جہالت و ناخواندگی کے مُہیب سائے میں زندگی گزار رہی تھیں۔ حکومتیں خون ریز جنگوں میں مشغول تھیں۔ وہ تمدن انسانی کے کارواں میں دنیا سے بہت پیچھے اور علوم وفنون سے بہت دور تھیں۔ ان کے جسم گندے اور دماغ اوہام و خُرافات سے بھرے ہوئے تھے،[2] صفائی کے لیے پانی کا استعمال انتہائی کم تھا۔ ان کے پادری اور راہب جسم کو اذیت پہنچاتے اور انسانوں سے فرار میں نہایت درجہ متشدد اور انتہا پسند تھے۔[3] ان کے یہاں ابھی تک یہی بات طے نہیں ہوئی تھی کہ عورت انسان ہے یا حیوان؟ اس کے اندر ابدی و غیر فانی روح ہے یا نہیں؟ عورتوں کو ملکیت اور بیع و شرا کا حق حاصل نہ تھا۔ رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے: ''پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی رہی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی۔ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی سی تھی جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گزشتہ زمانے میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔''[4]

[1] الحدید 27:57.

[2] Thilly: History of Philosophy, (New York 1945). [3] Lecky, W. E. H. History of European Morals. (New York 1855). [4] The Making of Humanity, P: 1164.

7

سلطنتِ حبشہ اور حبشی کلیسا

آج کا ایتھوپیا ماضی میں حبشہ (Abyssinia) کہلاتا تھا۔ ان دنوں ایتھوپیا ایک خشکی بند ملک ہے جو اریٹیریا، سوڈان، کینیا، صومالیہ اور جبوتی (سابق فرانسیسی صومالی لینڈ) میں گھرا ہوا ہے، تاہم اریٹیریا کی آزادی (1993ء) سے پہلے اس کی حدود بحیرۂ قلزم تک وسیع تھیں۔ ایتھوپیا کا دارالحکومت ان دنوں ادیس ابابا ہے۔ امہارک قومی زبان ہے۔ آبادی کی اکثریت مسلمان ہے مگر صدیوں سے یہاں عیسائی برسرِاقتدار چلے آرہے ہیں۔

حبشہ میں عیسائیت کے پہنچنے کا پہلا ذکر عہدنامہ جدید میں آتا ہے جب حواری فلپس نے حبشیوں کی ملکہ "کندا کے" (Hendeke VII) کے خزانہ دار کو بپتسمہ دیا جو یروشلم کی زیارت کو آیا تھا۔

سلطنتِ اکسوم


شاہ اذینہ کا طلائی سکہ

پہلی صدی عیسوی میں سبا (یمن) سے آنے والوں نے مشرقی افریقہ میں بحیرۂ قلزم کے ساحل پر سلطنت اکسوم کی بنیاد رکھی جو موجودہ اریٹیریا اور ایتھوپیا کے بڑے حصے پر محیط تھی۔ اکسوم کے لوگ شروع میں اپنے ہی دیوتاؤں کی پوجا کرتے تھے لیکن 300ء کے لگ بھگ ان کے ایک حکمران شاہ اذینہ (Ezana) نے ابا سلامہ (پدرِامن) فرومنتیس نامی شامی یونانی کی تبلیغ سے عیسائیت قبول کرلی اور چوتھی صدی کے اختتام تک حبشہ کے بیشتر باشندے اس نئے مذہب کے حلقہ بگوش ہو چکے تھے۔ یہیں سے عیسائیت اردگرد کے کئی ممالک میں بھی پھیلی اور سلطنت اکسوم ملک سبا تک وسیع ہوگئی۔ ان دنوں اکسوم ایک بڑی تجارتی ریاست تھی اور ان لوگوں کے تجارتی تعلقات مصر، عرب، فارس اور ہندوستان تک وسیع تھے۔ سلطنتِ اکسوم کی زبان گائیز (Ge'ez) تھی۔ یہ سلطنت ساتویں صدی عیسوی تک قائم رہی۔ اس کے حکمران نجاشی (Negus) کہلاتے تھے۔ نجاشی اصحمہ نبی ﷺ کا ہم عصر تھا جس نے 6 یا 7 ہجری (628ء) میں آپ کی دعوت پر اسلام قبول کیا۔

مخلوط سبائی عربوں کی اس سلطنت کا پایۂ تخت اکسوم حبشہ کے صوبہ تجرے میں 14.07 درجے عرض بلد شمالی اور


اکسوم (حبشہ) کا ایک منظر

38.31 درجے طول بلد مشرقی پر واقع ہے۔ [1] شاہانِ حبش کی تاجپوشی اسی مقدس شہر میں ہوتی تھی۔ حبشی سلطنت کے عہد عروج میں اکسوم میں 100 سے زیادہ پتھر کے تراشے ہوئے چوپہلو مخروطی ستون نصب کیے گئے جن میں سے بعض کی بلندی 30 میٹر تک تھی۔ ان میں سے کئی آج بھی ایستادہ ہیں جبکہ دیو قامت ستونوں میں سے صرف ایک باقی ہے۔ غالباً یہ ستون شاہی مقابر کے ساتھ بطور یادگار تعمیر کیے گئے تھے۔ [2]

کلیسائے حبشہ

ایتھوپین آرتھوڈکس چرچ کی بنیاد شاہ اذینہ کے دور میں پڑی جب اسکندریہ کے بطریق نے فرومنتیس [3] عرف ابا سلامہ کو ''ابونا سلامہ'' (ہمارا باپ سلامہ) کے خطاب سے حبشہ کا بشپ مقرر کیا۔ یوں حبشی آرتھوڈکس عیسائیت سلطنت اکسوم کا مذہب ٹھہری جسے مقامی زبان میں ''یَتِیو پیا آرتوداکس توحیدو بیتے کرِستِین'' یعنی ''ایتھوپیا کا آرتھوڈکس توحیدی مسیحی کلیسا'' کہا جاتا ہے۔ اسے ''توحیدو'' اس معنی میں کہا گیا ہے کہ یہ مسیح کی ایک وحدانی فطرت پر یقین رکھتا ہے گویا ان کی واحد شخصیت میں مبینہ طور پر الوہی اور انسانی دونوں جبلتوں کا مکمل فطری ملاپ ہوا ہے۔ اس کے برعکس رومن کیتھولک اور مشرقی کلیسا (قسطنطنیہ) والوں کا عقیدہ ہے کہ مسیح کی الوہی اور انسانی فطرتیں الگ الگ ہیں مگر انھیں ایک دوسری سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ایتھوپین آرتھوڈکس چرچ اسکندریہ (مصر) کے قبطی کلیسا (کاپٹک آرتھوڈکس چرچ) کا ذیلی کلیسا شمار ہوتا رہا ہے، چنانچہ ماضی میں ہمیشہ کسی قبطی کو ایتھوپین چرچ کا ابونا یا آرچ بشپ مقرر کیا جاتا تھا حتی کہ 1959ء میں اسکندریہ کے قبطی آرتھوڈکس پوپ سائرل ششم نے حبشی کلیسا کو خود اپنا بطریق (Patriarch) چننے کا اختیار دے دیا۔ اکسومی زبان گائیز آج بھی حبشی کلیسا کی زبان ہے۔ [4] حبشی کلیسا کے پیروکار ایتھوپیا کے علاوہ اریٹیریا، جمیکا (ویسٹ انڈیز) اور گائیانا (جنوبی امریکہ) میں بستے ہیں۔ [5]


گائیز زبان کی انجیل

[1] تاریخ ارض القرآن (کامل): 240/2.

[2] History of the World, P:102, World Almanac, P:469.

[3] ایتھوپیا میں سینٹ فرومنتیس کا مقبرہ چٹان کو کھود کر بنایا گیا ہے۔ (Encyclopedia of World Religions.) [4] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا.

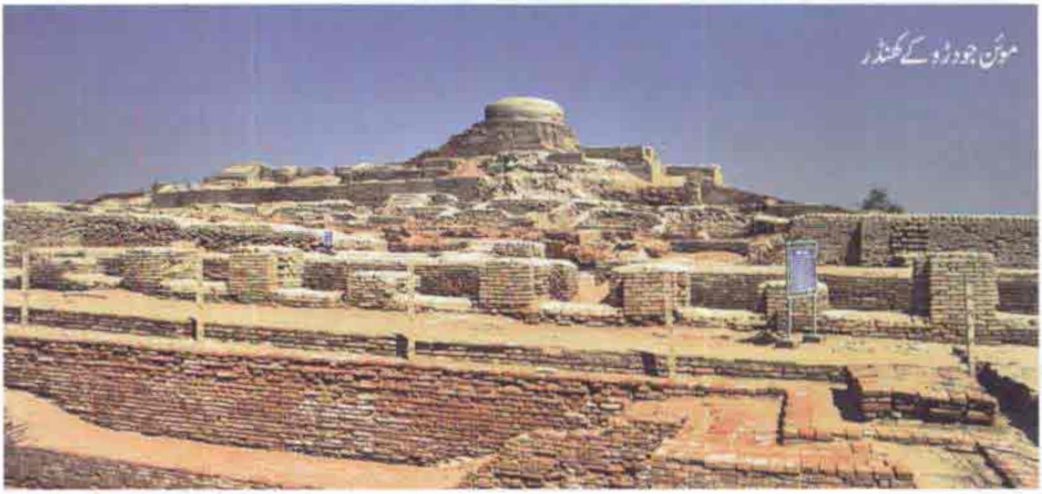
[5] Encyclopedia of World Religions, P:336.

8

ہندوستان

برصغیر پاک و ہند جو اب بھارت (India)، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال اور بھوٹان میں بٹا ہوا ہے، 1947ء سے پہلے صدیوں تک ہندوستان (India) کہلاتا رہا ہے۔

ہندوستان کے قدیم تمدن کے آثار ہڑپہ (پنجاب) اور موئن جو دڑو (سندھ) سے ملے ہیں۔ موئن جو دڑو کے معنی ''مردوں کا ٹیلا'' ہیں۔ یہاں کھدائی سے کئی بار بسایا گیا شہر برآمد ہوا۔ پہلا شہر غالباً 3300 ق م کا ہے، دوسرا



3000 ق م کا اور تیسرا کم و بیش 2900 ق م کا۔ یہاں سے بُت، تانبے کے اوزار اور برتن بھی ملے ہیں۔ ہڑپہ سے 5 ہزار سال پرانے گندم کے دانے بھی برآمد ہوئے۔ جب مصر میں بڑا ہرم (Pyramid) تعمیر کیا گیا، اس وقت ہڑپہ اور موئن جو دڑو کا تمدن عروج پر تھا۔ یہ بُت پرست لوگ تاریخ میں دراوڑ کہلاتے ہیں۔

سندھ اور ہند، سندھو اور ہندو

2000 تا 1500 ق م کے دوران میں آریائی قبائل وسط ایشیا اور ایران سے وادیِ سندھ میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ ان کی زبان میں دریا کو ''سندھ'' کہتے تھے، چنانچہ دریائے سندھ کا نام انھی کا دیا ہوا ہے۔ اس کی نسبت سے

وہ ملک (وادیِ سندھ) کو ''سندھو'' یا ''سندھ'' کہنے لگے جسے یونانی مؤرخوں نے ''انڈس'' کہا اور اسی لفظ سے ''انڈ''، ''ہند'' اور ''انڈیا'' ماخوذ ہیں۔ ایرانیوں اور پھر عربوں نے دریائے سندھ کو ''مہران'' کے نام سے موسوم کیا اور اسی وجہ سے سندھ ''وادیِ مہران'' کے نام سے مشہور ہے۔[1]

آریہ تقریباً پانچ سو سال پنجاب میں مقیم رہے،[2] پھر وادیٔ گنگ وجمن کی طرف بڑھ گئے اور اس کا نام آریہ ورت رکھا۔ ''پُرانوں'' میں اسے بھارت ورش کہا گیا۔ سیام (تھائی لینڈ)، سراندیپ (سری لنکا) اور برما (میانمار) والوں نے ہندوستان کو اندریا کہا لیکن سندھی اپنے ملک کو ''سندھ'' ہی کہتے رہے جبکہ غیر ملکیوں نے اس کے دو حصے کر ڈالے: سندھ اور ہند۔[3] ایرانیوں نے ''سندھ'' کو ''ہند'' کہا اور یونانیوں نے ''ہ'' کو قریب المخرج حرف ہمزہ (الف) سے بدل دیا جو انگریزی میں ''انڈیا'' بن گیا۔[4]

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 329/11. [2] روایات تمدن قدیم، ص: 187. [3] آریہ لوگ پنجاب اور سرحد کو ''سپت سندھو'' یعنی سات دریاؤں کی سرزمین کہتے تھے جہاں کابل، سندھ، جہلم، چناب، راوی، بیاس اور ستلج بہتے تھے۔ [4] تاریخ سندھ از اعجاز الحق قدوسی، ص: 2.

1 ہندومت

نو وارد آریائی قبائل ملکی باشندوں (دراوڑوں) کو شکست دے کر وادیِ سندھ اور پنجاب میں آباد ہو گئے۔ یہ ویدوں کا زمانہ (1500 تا 1000 ق م) کہلایا جس میں چار کتابیں رگ وید، یجر وید، سام وید اور اتھر وید لکھی گئیں۔ آریہ پدری نظامِ معاشرت پر کاربند تھے۔ انھوں نے ملکی تمدن میں گھوڑے، رتھ، لوہے اور اگنی پوجا (آتش پرستی) کا اضافہ


رگ وید


یجر وید


سام وید


اتھر وید

کیا۔ اگنی دیوتا کے علاوہ انھوں نے مزید مقامی دیوتا سوریہ (سورج دیوتا)، اندرا (بارش اور جنگ کا دیوتا) اور پرتھوی (زمین کا دیوتا) بھی اپنا لیے۔ اس دوران میں گنگا کے میدان میں آریہ راجاؤں نے اپنی اپنی راجدھانیاں قائم کر لیں۔ ویدوں کے زمانے میں ذات پات کا نظام رائج ہوا جس کے مطابق چار ذاتیں وجود میں آئیں۔[1]

رام چندر اور جنگ مہابھارت

1000 ق م کے لگ بھگ آریہ گنگا و جمنا کی وادی میں آ بسے۔ انھوں نے مقامی باشندوں کو یا تو غلام بنا لیا یا انھیں مزید جنوب کی جانب دھکیل دیا۔ اس دور کو عہدِ شجاعت (1000 تا 500 ق م) کہا جاتا ہے جس میں رامائن کی افسانوی داستان نے جنم لیا۔ ایودھیا کے راجہ رام چندر کی بیوی سیتا کو لنکا کا راجہ اغوا کر کے لے گیا، چنانچہ رام اور ہنومان کی بندروں کی فوج نے لنکا پر چڑھائی کر کے سیتا کو رہائی دلائی۔ اسی دور میں مہابھارت کی جنگ لڑی گئی۔ کورو برادران ہار گئے اور پانڈوؤں نے جنگ جیت لی۔ اسی عہد میں اُپنشد اور پُران لکھے گئے۔ وشنو اور شیو کی پوجا شروع ہوئی۔ کائنات کے خالق برہما کے ساتھ وشنو اور شیو کو اکٹھا کر کے ''تری مورتی'' کہا جاتا ہے۔ چھٹی صدی ق م میں

[1] روایات تمدن قدیم، ص: 187، قدیم تہذیبیں اور مذاہب، ص: 79,78.

گوتم بدھ اور مہاویر نے برہمنوں کی اجارہ داری کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا۔ اس زمانے میں شمال مغربی علاقوں اور پنجاب پر ایرانیوں کا تسلط ہو گیا اور وہ اسے گندھارا کہنے لگے۔ [1]

موریا سلطنت اور اشوک اعظم

جب سکندر اعظم فاتحانہ یلغار کرتا ہوا گندھارا پہنچا تو برصغیر چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ سکندر کی واپسی پر چندر گپت موریا نے شمالی ہند میں ایک وسیع سلطنت قائم کر لی۔ اس کے جانشین اشوک اعظم نے اسے جنوبی ہند تک وسعت دی۔ کالنگا کی لڑائی (265 ق م) میں ہونے والی خونریزی پر اشوک نے آزردہ خاطر ہو کر ہندومت ترک کر دیا اور بدھ مت قبول کر کے اس کی اشاعت کرنے لگا۔ اشوک کا دارالحکومت پاٹلی پتر (موجودہ پٹنہ) تھا اور جنوب کے ایک چھوٹے سے علاقے کے سوا سارا ہندوستان اس کے زیرِ نگیں تھا۔

چانکیہ: مکاری اور فریب کا داعی

چانکیہ (350 تا 283 ق م) چندر گپت موریا کا مشیر اور وزیر اعظم تھا۔ اس کی تصنیف ''ارتھ شاستر'' میں اس کے نام کوٹلیا اور وشنو گپتا دیے گئے ہیں۔ وہ ٹیکشا شلا (ٹیکسلا) کی خانقاہ میں استاد تھا۔ چانکیہ نے ''ارتھ شاستر'' میں حکمرانی کے جو ''اصول'' بتائے ہیں، اُن میں وعدہ خلافی، فریب کاری، ہمسائے سے دشمنی اور ہمسائے کے ہمسائے سے دوستی [2] جیسے ''نادر'' اصول شامل ہیں جن پر ہندو حکمران دل و جان سے عمل کرتے آئے ہیں اور آج بھی کر رہے ہیں۔

پرش پور (پشاور) کی کشان سلطنت

موریا خاندان کے بعد باختری یونانیوں نے اپنی سلطنت مالوہ (وسطی ہند)، گجرات اور کشمیر تک پھیلا لی۔ پہلی صدی عیسوی میں شمالی ہندوستان میں کشان برسرِ اقتدار آئے۔ ان کا مہاراجہ کنشک علم دوست تھا۔ اس کے عہد میں چرک نے ہندی طب (آیور ویدک) کی تدوین کی۔ کنشک نے بھی بدھ مت قبول کیا اور اس کی سرپرستی کی بنا پر دور دراز کے ممالک (وسطی اور جنوب مشرقی ایشیا) تک کے لوگ بُدھ فرقے ''مہایان'' کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ کنشک کی سلطنت وسط ایشیا سے لے کر جنوب میں بنارس اور کوہ بندھیاچل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا دارالحکومت پرش پور (پشاور) تھا۔ اس زمانے میں جنوبی ہند کی آندھرا سلطنت خلیج بنگال سے بحیرۂ عرب تک وسیع تھی۔ کوہستان

[1] روایات تمدن قدیم، ص: 188، دنیا کے بڑے مذاہب، ص: 32. [2] وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔

بندھیاچل شمالی ہند اور دکن کے درمیان حائل ہے۔ اس کے جنوب میں تاریخی شہر بھوپال ہے جو مدھیا پردیش کا دارالحکومت ہے۔1947ء سے پہلے بھوپال تقریباً دوسو برس اسلامی ریاست رہا۔

چندر گپت بکرماجیت اور رامائن اور مہابھارت کی تکمیل

چوتھی صدی عیسوی میں شمالی ہند میں گپت خاندان کو عروج حاصل ہوا۔ سمدرگپت اپنی راجدھانی پاٹلی پتر سے اجودھیا لے آیا۔ مہاراجہ چندر گپت دوم بکرماجیت (376ء تا415ء) گپت بادشاہت کا سب سے بڑا حکمران تھا۔ گپت عہد میں تمثیل نگار کالی داس اور ماہرِحساب و فلکیات آریہ بھٹ نے شہرت حاصل کی۔ اسی زمانے میں پُرانوں کی بنیاد پر ہندومت کا احیا ہوا۔ منو نے مذہبی قوانین پر مبنی دھرم شاستر تیار کیا اور طویل رزمیہ نظموں رامائن اور مہابھارت کی تکمیل



ہندو پُران کا ایک نسخہ

ہوئی۔ علاوہ ازیں500ء تک 18 پُران لکھے جا چکے تھے۔ ان میں کم و بیش 4 لاکھ اشعار ہیں۔ آج کل کے ہندوؤں کی اکثریت پُرانوں ہی کو مانتی ہے۔[1] ہندو دنیا میں بار بار کے جنم (آواگون) پر یقین رکھتے ہیں۔

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس عہد کو ''گپتا دور میں ہندو سامراج'' کا عنوان دیا ہے کیونکہ اس دور میں ہندوستان میں بُدھ مت کا خاتمہ ہوگیا اور ہندو دھرم نے رفتہ رفتہ اسے اپنے اندر جذب کرلیا۔[2]

مہابھارت کا سب سے اہم حصہ بھگوت گیتا ہے جو کرشن جی کا ایک اپدیش یا وعظ ہے۔ بکرماجیت کے عہد کے حالات چینی سیاح فاہیان نے لکھے ہیں جو بدھ مت کے آثار و علوم کی جستجو میں ہندوستان آیا تھا۔ پانچویں صدی کے اواخر میں شمال مغرب سے سفید ہنوں کے حملے نے گپت خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

طلوعِ اسلام کے وقت ہندوستان میں طوائف الملوکی

اسلام کی آمد کے وقت بیشتر ہندوستان میں طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ حملہ آور ہنوں، سیتھیوں، کشانوں اور باختریوں کی نسل سے جو سردار شمال مغربی ہندوستان کے مختلف حصوں پر حکومت کر رہے تھے، راجپوت کہلانے لگے اور برہمنوں نے ان کا شجرۂ نسب سورج اور چاند سے ملا کر انھیں کھشتریوں کے جانشین تسلیم کرلیا۔ یوں وہ چندر بنسی اور سورج بنسی راجپوت کہلائے۔

[1] روایاتِ تمدنِ قدیم، ص:190۔ [2] تاریخ عالم پر ایک نظر:170/1۔

ہندومت کے 33 کروڑ خدا

چھٹی صدی عیسوی میں ہندوستان کے اندر بت پرستی پورے شباب پر تھی۔ اس صدی میں ہندوؤں کے معبودوں کی تعداد تینتیس (33) کروڑ تک بتائی جاتی ہے۔ غرض ہر عظیم یا ہیبت ناک یا نفع پہنچانے والی شے معبود تھی۔ بت تراشی اور مجسمہ سازی کا فن بھی نقطۂ عروج پر تھا۔[1]

او میلے نامی یورپی فاضل لکھتا ہے: ''(ہندوؤں میں) خدا سازی کا عمل یہیں پر ختم نہیں ہوگیا بلکہ مختلف زمانوں میں اس خدائی اکاڈمی یا کونسل میں اتنی بڑی تعداد کا اضافہ ہوگیا کہ اس کا شمار مشکل ہے۔ ان میں بہت سے ہندوستان کے قدیم باشندوں کے معبود تھے جن کو ہندو مذہب کے دیوتاؤں اور خداؤں میں شامل کر لیا گیا تھا، ان کی کل تعداد تیس کروڑ بتائی جاتی ہے۔''[2]

نبی ﷺ کا ہم عصر مہاراجہ ہرش



مہاراجہ ہرش کا سکہ

ساتویں صدی کے نصف اول میں شمالی ہند میں مہاراجہ ہرش وردھن (وفات 648ء) کی حکومت تھی۔ اس کا دارالحکومت قنوج تھا جو ان دنوں کانپور سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ ہرش کی حکومت کوہ ہمالیہ سے وندھیاچل تک محیط تھی۔ وہ بدھ مت کا پکا حامی تھا۔ اس کے دور میں بُدھ مت کا پیروکار چینی سیاح ہیون سانگ 32-630ء میں ہندوستان آیا تھا جس نے اس زمانے کے ہندوستان کے حالات رقم کیے۔[3]

تاریخ ہند کا بدترین دور

مذہبی، اخلاقی اور اجتماعی طور پر ہندوستان کی تاریخ کا سب سے تاریک اور بدترین دور چھٹی صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے۔[4] بے حیائی اور عیاشی سے ان کی عبادت گاہیں بھی پاک نہ تھیں۔ مذہب نے ان شرمناک کاموں کو تقدیس اور عبادت کا رنگ دے دیا تھا۔[5] عورت کی کوئی قدر تھی نہ عزت وعصمت باقی تھی۔ شوہر اپنی بیوی کو جوئے میں ہار جاتا تھا۔[6] اگر ہندو عورت کا شوہر مرجاتا تھا تو وہ اس کے ساتھ زندہ جلادی جاتی یا زندہ درگور کر دی جاتی کیونکہ وہ شادی کر سکتی تھی نہ اسے کوئی عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ شوہر کے انتقال پر عورت کے ستی ہوجانے

[1] دیکھیے: آر، سی دت کی انگریزی کتاب ''قدیم ہندوستان'' (Ancient India): 276/3.

[2] L.S.S. O'malley C.I.E. I.C.S. Popular Hinduism-The Religion of The Masses (Cambridge, 1935), P: 6,7.

[3] تاریخ عالم پر ایک نظر: 197,196/1. [4] قدیم ہندوستان ("Ancient India.")، ج: 3 مؤلفہ آر، سی، دت. [5] ستیارتھ پرکاش، ص: 344.

[6] دیکھیے: مہابھارت کا ابتدائی حصہ.

کی یہ بدترین رسم مسلمانوں نے بند کی اور آخر کار انگریزی اقتدار کی آمد پر ختم سمجھی گئی لیکن خفیہ طور پر جاری رہی۔ [1]

ذات پات کا ظالمانہ نظام

ہندوستان میں ویدک دور میں طبقاتی عدم مساوات کا جو بے رحمانہ نظام رائج ہوا، اس نے یہاں کے باشندوں کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا:

1. مذہب کے اجارہ دار اور پروہت برہمن کہلائے۔
2. فوج میں بھرتی ہونے والے افراد چھتری یا کھشتری کے نام سے موسوم ہوئے۔
3. زراعت پیشہ اور تجارت کرنے والے ویش کہلائے۔
4. نوکر چاکر اور خدمت گار ''اچھوت'' کے ارذل ترین منصب پر پہنچائے گئے۔

یہ آخری طبقہ (جو سب سے بڑی تعداد میں تھا) مظلومیت کی انتہا تک پہنچا دیا گیا۔ اس کے متعلق یہ تصور رائج کیا گیا کہ وہ خالقِ کائنات ''برہما'' کے پاؤں سے پیدا ہوا، اس لیے اس کا کام صرف دیگر تینوں طبقوں کی خدمت کرنا اور ان کو آرام و راحت پہنچانا ہے۔ اس کے برعکس برہمنوں کو اتنے حقوق حاصل تھے کہ کوئی دوسرا ان کی برابری کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ برہمن کے سارے گناہ معاف تھے۔ اس پر کوئی ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ اس کو کسی صورت میں بھی سزائے موت نہیں دی جا سکتی تھی۔ اس کے برعکس اچھوت کچھ کما سکتے تھے نہ جمع کر سکتے تھے۔ کسی برہمن کے قریب بیٹھ سکتے تھے نہ اس کے بدن کو چھو سکتے تھے، نہ مقدس کتابوں کا پڑھنا ان کے لیے جائز تھا۔ [2] دیوتاؤں اور برہمنوں پر شودر کا سایہ پڑنا بھی گناہ تھا۔ کسی اشلوک یا منتر کے الفاظ ان کے کانوں میں پڑ جاتے تو سزا کے طور پر ان کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈال دیا جاتا تھا۔ [3]

چنڈال اور اچھوت

اہلِ حرفہ اور خدمت کرنے والے طبقے کے لوگ (جو چنڈال کہلاتے تھے) شہر سے باہر رہتے تھے۔ رات کو (خواہ کوئی موسم ہو) ان کا شہر میں رہنا ممکن نہ تھا۔ شہر کی چہار دیواری میں طلوع آفتاب کے بعد وہ کام کرنے کے لیے داخل ہوتے تھے اور غروب سے پہلے ان کو باہر نکل جانا پڑتا تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک کے عہد (1206-1210ء) میں یہ جابرانہ نظام ختم ہوا اور شہر کی چہار دیواری طبقاتی تقسیم کی نشانی ہونے کے بجائے ''شہر پناہ'' بن کر رہ گئی اور شہروں میں امراء کے محلات اور فقراء کے جھونپڑے ایک ساتھ لگے۔ [4]

---

[1] دیکھیے: فرانسیسی سیاح برنیر کا سفرنامہ، نیز قرون وسطیٰ کے راجگان کی تاریخ۔ [2] منودھرم شاستر، باب: 1، 2 و 8-11. [3] قدیم تہذیبیں اور مذاہب، ص: 83. [4] نبی رحمت ﷺ، ص: 53.

2 جین مت



جین مت کی علامت

چھٹی صدی قبل مسیح میں ہندوستان میں جین مت رائج ہوا جس کا بانی وردھمن (599 تا 527 ق م) مہاویر (عظیم ہیرو) کہلایا۔ وہ ریاست بہار میں پٹنہ کے قریب ایک کھشتری سردار کے ہاں پیدا ہوا تھا اور پاواپوری (بہار) میں فوت ہوا۔ مہاویر ہندوؤں کی بعض غیر معتدل رسوم اور ذات پات کے نظام کے خلاف تھا۔ لفظ ''جین'' سنسکرت کے لفظ ''جے'' (فتح) سے مشتق ہے جو نفسانی خواہشات پر قابو پانے کا اشارہ ہے تاکہ روحانی صفائی اور گیان حاصل ہو۔ جیوہتیا (جانور کُشی) جینیوں کے مذہب میں ناجائز ہے۔ انھوں نے اپنے لیے الگ مندر بنائے۔ ان کے دو فرقے ہیں: سوِتامبرا (سفید پوش) اور ڈگمبرا (آسمان پوش، یعنی ننگے)۔ ڈگمبرا کپڑے پہننے کے قائل نہیں۔ جین مت کے بڑے بڑے مندر چومکھا (رانک پور، راجستھان) اور سَرَ ون بیلگولا (کرناٹکا) ہیں۔ چومکھا مندر سنگ مرمر کے 1444 ستونوں پر قائم ہے جن پر پیچیدہ کندہ کاری کی گئی ہے۔

جینیوں کے نزدیک ان کا مذہب 24 تیرتھنکروں (مصلحین) کے ذریعے الہام کیا گیا۔ پہلا تیرتھنکر رشبھا تھا جس کا ذکر ویدوں اور پُرانوں میں آیا ہے جبکہ 24 واں تیرتھنکر مہاویر جین مت کا اصل بانی شمار ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اب 12 چکراورتن (فاتحین عالم)، 9 واسودیو (ہندو دیوتا کرشن کے مثیل)، 54 مہاپُرش (عظیم روحیں)، 9 بلدیو (کرشن کے بھائی بلرام کے مثیل) اور 24 کام دیو (محبت کے خدا) بھی جین مت کے ان گنت خداؤں میں شامل ہیں۔ جینی بھی دنیا میں آواگون (بار بار کے جنم) پر یقین رکھتے ہیں۔[1]

[1] Merriam Webster's Encyclopedia of World Religions, pp: 549-553.

3 بُدھ مت


بدھ مت کی علامت

بُدھ مت کا بانی گوتم بُدھ تھا۔ اس کی ولادت 483 ق م میں بتائی جاتی ہے۔ اس کا اصل نام سدھارتھ تھا۔ وہ ہندو ریاست کپل وستو (نیپال) کا راجکمار تھا مگر جوانی ہی میں راج پاٹ اور بیوی بچے چھوڑ کر درویشی اختیار کرلی اور گیا (بہار) میں ایک پیپل کے درخت کے نیچے چلہ کشی کرتے ہوئے اسے نروان (روشنی) ملا۔ اس نے عالمگیر انسانی دکھ درد دور کرنے کے لیے ایک اخلاقی نظام قائم کیا اور گیان دھیان پر زور دیا۔ عبادت کے لیے ''وہارا'' تعمیر کرائے۔ مہاتما بدھ ذات پات اور برہمنوں کی برتری کے خلاف تھے۔[1] آواگون ہندو مت اور جین مت کی طرح بُدھوں کا بھی ایک بنیادی عقیدہ ہے۔

مرورِ ایام سے بدھ مت میں بُت پرستی در آئی اور اس کے پیروکار بھی گوتم بدھ اور دیگر مذہبی ہستیوں کی مورتیوں کو سجانے، ان کے سامنے اظہارِ بندگی کے لیے ہاتھ جوڑ کر ماتھا ٹیکنے اور ان سے اپنی مرادیں مانگنے لگے۔[2] ویدیا نامی ہندو فاضل ''قرونِ وسطیٰ کے ہندوستان کی تاریخ'' میں راجہ ہرش وردھن کے عہد (606-648ء) کے حوالے سے لکھتا ہے:

''بُدھ مت بت پرستی میں ہندو مذہب سے بھی آگے بڑھ گیا تھا۔ یہ مذہب خدا کے انکار سے شروع ہوا لیکن آخر کار اس نے بدھ ہی کو سب سے بڑا خدا بنالیا۔ بعد میں دوسرے خداؤں، مثلاً: بودھی ستوا کا اضافہ ہوتا گیا اور خصوصاً مہایان فرقے میں بت پرستی نے مضبوطی سے قدم جمالیے۔ ہندوستان کے بدھ پیروکاروں میں بت پرستی کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ بعض مشرقی زبانوں میں بدھ کا نام ہی بت کا ہم معنی ہوگیا۔''[3]

جب ہندوؤں نے بدھ مت کا صفایا کیا

کشان عہد میں بدھ مت کے دو فرقے بن گئے تھے: مہایان (بڑا حلقہ) اور ہنایان (چھوٹا حلقہ)۔ مہایان کا

[1] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 174/23. [2] دنیا کے بڑے مذاہب، ص: 107

[3] History of Medieval Hindu India, Poona, 1924:1/ 101

زور شمالی ہند میں رہا اور ہنایان کا جنوبی ہند میں، تاہم گپت دور میں، پنڈت نہرو کے بقول ''برہمن مت نے بدھ مت پر بڑی ترکیب سے حملہ کیا، تھوڑا بہت تشدد ہوا'' اور ''آخر کار برہمن مت بدھ مت کو اس کی جنم بھومی سے نکال دینے میں کامیاب ہو گیا۔''[1]

بدھ مت آٹھ نو سو برس تک ہندوستان میں رائج رہا، پھر ہندوؤں نے دہشت گردی اور تشدد سے اسے نیست و نابود کر دیا، تاہم برصغیر کے باہر آج بدھ مت کا بڑا حلقہ (مہایان) وسطی ایشیا (منگولیا)، چین، کوریا، جاپان اور جنوب مشرقی ایشیا میں معقول حد تک چھایا ہوا ہے۔[2] جبکہ ہنایان (چھوٹا حلقہ) صرف برما (میانمار)، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، ویت نام اور سری لنکا میں پایا جاتا ہے۔

[1] تاریخ عالم پر ایک نظر: 128/1۔ [2] اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 174،173/23۔

اعلام، اماکن، قبائل واقوام اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

ابن اسحاق (م:150ھ/768ء): امام ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن یَسار مطلبی مدنی رحمہ اللہ سِیَر ومغازی کے امام ہیں۔ ان کا دادا یسار، قیس بن مخرمہ مُطلبی رضی اللہ عنہ کا مولی تھا۔ آپ فارسی الاصل تھے۔ مدینہ منورہ میں مقیم رہے۔ الجزیرہ، عراق، کوفہ، بغداد اور رَے کا سفر کیا، پھر بغداد میں رہنے لگے اور وہیں وفات پائی۔ (الطبقات لابن سعد:322,321/7، وفيات الأعيان:277,276/4، تاریخ بغداد:1/215-234)

ابن القیم (691-751ھ/1291-1350ء): شمس الدین ابوعبداللہ محمد بن ابوبکر بن ایوب بن سعد بن جریر دمشقی زُرعی ابن قیم الجوزیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے کسب فیض کیا۔ زہد و ورع کا نمونہ تھے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے ساتھ قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔ زادالمعاد، إعلام الموقعين، بدائع الفوائد جیسی وقیع علمی کتابیں تحریر کیں۔ (ذيل طبقات الحنابلة:447/4، البدر الطالع:137/2، الدرر الكامنة:400/3، التاج المكلّل، ص:425)

ابن جریر طبری (م:310ھ/923ء): ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید طبری رحمہ اللہ طبرستان (ایران) کے دارالحکومت آمُل میں پیدا ہوئے۔ تفسیر اور تاریخ میں مرجع خلائق تھے۔ تحصیل علم کے بعد بغداد کو جائے اقامت بنالیا اور بغداد ہی میں فوت ہوئے۔ تفسير الطبري اور تاريخ الطبري انھی کی بلند پایہ تصانیف ہیں۔ (تاريخ بغداد:166/2، معجم الأدباء:275/5، وفيات الأعيان:191/4)

ابن حجر (773-852ھ/1372-1449ء): ابوالفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد کنانی عسقلانی مصری رحمہ اللہ ابن حجر کے نام سے معروف ہیں۔ حدیث، تاریخ، علم رجال اور ادب میں امام تھے۔ حصول علم کے لیے یمن اور حجاز کا سفر کیا۔ ان کی کتابوں کی تعداد تقریباً 150 ہے۔ ان میں سے فتح الباري، الإصابة، تهذيب التهذيب نے بہت شہرت حاصل کی۔ (تعجيل المنفعة، ص:19، الدرر الكامنة:492/4، معجم المؤلفين:20/2)

ابن حوقل (م:371ھ/981ء): ابوالقاسم محمد بن حوقل رحمہ اللہ دسویں صدی عیسوی کا مشہور مؤرخ، جغرافیہ دان اور سیاح تھا۔ یہ جنوبی ترکی کے شہر نصیبین میں پیدا ہوا۔ بعد میں بغداد میں رہنے لگا۔ اس کی مشہور کتاب صورة الأرض، اصطخری کی کتاب مسالك الممالك کا خلاصہ ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص:7، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ابن عبدالبر (368-463ھ/978-1071ء): ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبر قرطبی رحمہ اللہ قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابن حزم رحمہ اللہ کے ساتھی تھے۔ ابن حزم نے ان سے علم حدیث سیکھا۔ آپ کی تصنیفات میں سے الاستیعاب، التمهيد اور الاستذکار بہت معروف ہیں۔ (سير أعلام النبلاء:18/153-163، وفيات الأعيان:7/66)

ابن نجار (578-643ھ/1183-1245ء): ابوعبداللہ محب الدین محمد بن محمود بن حسن بن ہبۃ اللہ بن محاسن بغدادی رحمہ اللہ ابن نجار کے نام سے معروف ہیں۔ بہت بڑے محدث، حافظ اور مؤرخ تھے۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تالیف کیں، مثلاً: القمر المنير في المسند الكبير، كنز الأنام في السنن والأحكام وغیرہ۔ (شذرات الذهب:5/226,227، الأعلام:7/86)

ابن ہشام (م:213ھ/828ء): مشہور سیرت نگار ابومحمد عبدالملک بن ہشام بن ایوب حمیری معافری رحمہ اللہ ابن ہشام کے نام سے معروف ہیں۔ انھوں نے ابن اسحاق کی کتاب سیر و مغازی کی تہذیب و تلخیص کی جو ”سیرت ابن ہشام“ کے نام سے معروف ہے، نیز بنو حمیر اور ان کے بادشاہوں کے نسب پر ایک کتاب مرتب کی۔ مصر میں وفات پائی۔ (الروض الأنف:1/22، وفيات الأعيان:3/177)

ابن یعقوب ہمدانی (280-334ھ/893-945ء): حسن بن احمد بن یعقوب رحمہ اللہ یمنی ہیں اور ابن یعقوب، ابن حائک اور ابن ذو دینہ کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں۔ بہت سے فنون کے ماہر تھے۔ انھوں نے جغرافیہ، تاریخ، نسب اور دیگر علوم میں کتابیں لکھیں جن میں صفة جزيرة العرب اور الإكليل مشہور ہیں۔ (صفة جزيرة العرب، ص:7-33، الأعلام:2/179)

ابو القاسم زجاجی (352-415ھ/963-1024ء): ابوالقاسم یوسف بن عبداللہ زجاجی رحمہ اللہ بہت بڑے محدث، ادیب اور لغوی تھے۔ شیشے کے کام کی وجہ سے ان کی نسبت زجاجی رکھی گئی۔ انھوں نے کئی کتابیں تالیف کیں جن میں عمدة الكتاب وعدة ذوي الألباب، الرياحين اور اشتقاق الأسماء وغیرہ شامل ہیں۔ زجاجی شمال مشرقی ایران کے علاقے استرآباد میں فوت ہوئے۔ (الأعلام:8/239)

ابومجلز: ابومجلز لاحق بن حمید بن سعید (یا شعبہ) بن خالد بن کثیر سدوسی بصری رحمہ اللہ اہل بصرہ میں سے تھے۔ ان کا شمار ثقہ راویوں میں ہوتا ہے۔ ان سے کئی احادیث مروی ہیں۔ وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت میں حسن بصری رحمہ اللہ سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ابومحمد یزیدی (720-817ء): ابومحمد یحییٰ بن مبارک عدوی یزیدی رحمہ اللہ عربی ادب کے عالم اور بصرہ کے بہت بڑے نحوی تھے۔ یہ یزیدی خاندان کے جد امجد ہیں۔ یزید بن منصور کے ساتھ رہنے کی وجہ سے انھیں یزیدی کہا جاتا تھا۔ کتاب النوادر اور المقصور والممدود انھی کی تالیفات ہیں۔ (المنجد في الأعلام، ص:619)

ابوالاعلیٰ مودودی (1322-1399ھ/1903-1979ء): سید ابوالاعلیٰ مودودی بن سید احمد حسن رحمہ اللہ پاکستان کی جماعت اسلامی (بنا کردہ 1941ء) کے بانی، اورنگ آباد (حیدر آباد دکن) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد اخبارات میں ادارتی فرائض انجام دیتے رہے۔ 1932ء میں مجلہ ترجمان القرآن شائع کرنا شروع کیا۔ مختلف دینی اور سیاسی موضوعات پر بہت سی کتابیں تحریر کیں۔ ان کی تفسیر ”تفہیم القرآن“ بہت مشہور ہے۔ (ذيل الأعلام، ص:39,40، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ابوالفضل علامی (م:1011ھ/1602ء): ابوالفضل بن ملا مبارک مغل بادشاہ اکبراعظم کے 9 رتنوں (وزیروں) میں شامل تھا۔

اشرف قایتبائی (815-901ھ/1412-1496ء): ابونصر سیف الدین قایتبائی محمودی اشرفی ظاہری مصر کے چرکسی سلاطین میں سے تھا۔ یہ غلام تھا۔ اسے سلطان اشرف برسبائی نے مصر میں خریدا۔ پھر سلطان ابوسعید ظاہر چقماق نے اسے خریدا اور آزاد کر کے اپنی فوج میں عہدہ دیا۔ 872ھ میں ممالیک نے سلطان تمربغا کی حکومت ختم کر کے اشرف قایتبائی کو سلطان بنا دیا۔ (الأعلام:5/188)

اشعث بن قیس (23 قبل ہجرت۔40ھ/600-661ء): ابومحمد اشعث بن قیس بن معدیکرب بن معاویہ کندی رضی اللہ عنہ جاہلیت اور اسلام میں کندہ کے امیر رہے۔ دسویں ہجری میں ستر افراد پر مشتمل ایک وفد کی سربراہی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حسن اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے اتفاق کے دن وفات پائی۔ (الإصابة:1/239، الأعلام:1/332)

اصمعی (122-216ھ/740-831ء): ابوسعید عبدالملک بن قُریب بن علی بن اصمع باہلی اصمعی رحمہ اللہ بصرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ عربی لغت کے مشہور امام ہیں۔ عربی کے شاعر اور چند کتابوں کے مؤلف بھی ہیں۔ ان کتابوں میں الوحوش وصفاتها، النبات والشجر، الخیل وغیرہ معروف ہیں۔ (الأعلام:4/162)

امام ابن قتیبہ (213-276ھ/828-889ء): ابومحمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ دینوری رحمہ اللہ بغداد میں پیدا ہوئے، پھر کوفہ میں رہے۔ کچھ مدت تک دینور کے قاضی رہے۔ المعارف، أدب الکاتب، عیون الأخبار آپ ہی کے علمی کارنامے ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی 28 کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ آپ نے بغداد ہی میں وفات پائی۔ (سیر أعلام النبلاء:13/296-302، وفیات الأعیان: 3/42-44)

امام مالک (93-179ھ/712-795ء): امام دارالہجرۃ ابوعبداللہ مالک بن انس بن مالک حمیری اصبحی مدنی رحمہ اللہ اہل سنت کے چار مشہور اماموں میں سے ہیں۔ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، معمر، ابوداود رحمہم اللہ ان کے ہم عصر تھے۔ نوجوانی میں علم حاصل کیا اور تدریس و افتاء کے منصب پر فائز رہے۔ آپ درسِ حدیث کے لیے ہمیشہ غسل کر کے اور خوشبو لگا کر تشریف لاتے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست بڑی طویل ہے۔ صحیح بخاری سے پہلے آپ کی کتاب ''الموطأ'' کو قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب کا درجہ حاصل تھا۔ مدینہ میں پیدا ہوئے اور وفات بھی مدینہ میں ہوئی۔ بقیع میں مدفون ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء:8/48-135، تهذیب التهذیب:10/5)

امام مسلم (204-261ھ/820-875ء): حافظ محدث امام ابوحسین مسلم بن حجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری رحمہ اللہ نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ حجاز، عراق، شام، مصر اور بغداد میں تعلیم پائی۔ امام بخاری اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ جیسے جید اساتذہ کے شاگرد ہیں۔ تین لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے صحیح مسلم مرتب کی جس میں بلا تکرار 3033 احادیث ہیں۔ آپ نیشاپور کے محلے نصرآباد میں مدفون ہیں۔ (تاریخ بغداد:13/100، وفیات الأعیان:5/194،195)

انس بن مالک (10 قبل ہجرت۔93ھ/612-712ء): ابوحمزہ انس بن مالک بن نضر بن ضمضم انصاری رضی اللہ عنہ خزرجی قبیلہ بنونجار سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک آپ کے خادم رہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے مال و عمر کی کثرت اور جنت کی دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں بہت زیادہ مال اور اولاد سے نوازا۔ آپ نے سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ یہ بصرہ میں سب سے آخری صحابی تھے۔ آپ سے بہت سی روایات منقول ہیں۔ کتب حدیث میں ان کی تعداد 2286 ہے۔ (الطبقات لابن سعد:7/17-26، الأعلام:2/24)

ایاد: ایاد بن نزار بن معد بن عدنان بنو ایاد کے جد اعلیٰ ہیں۔ بنوایاد میں بہت سے قبائل ہیں۔ بنوحذافہ، بنوذعمی اور بنوطماح بھی انھی سے ہیں۔ یہ حرم کے اردگرد اور تہامہ اور حدود نجران کے درمیان رہتے تھے۔(الأعلام:2/32)

اُمَیم: یہ وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے گھروں پر لکڑی کی چھت ڈالی۔ یہ بادشاہ تھا اور اس کا نام فارسیوں کے ہاں آدم تھا۔ اس کے بیٹے کا نام وبار تھا۔ بنواُمیم ریگستانی طوفانی ہوا سے ہلاک ہوئے اور ان کے آثار ختم ہو گئے۔ (ویب سائٹ: الاسلام)

براء بن عازب: ان کے والد عازب بن حارث رضی اللہ عنہ بھی صحابی تھے۔ براء رضی اللہ عنہ نے اُحد، خندق اور دیگر غزوات میں شرکت کی۔ اُنھوں نے 24ھ میں رَے فتح کیا۔(أسد الغابة:1/199و2/506)

بیضاوی (م:685ھ/1286ء): ابوسعید ناصر الدین عبد اللہ بن عمیر بن محمد بن علی بیضاوی شیرازی رحمہ اللہ شیراز کے قریب علاقہ بیضاء میں پیدا ہوئے۔ یہ ایک مدت تک شیراز کے قاضی رہے۔انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر أنوار التنزيل و أسرار التأويل لکھی جو تفسیر البیضاوی کے نام سے معروف ہے۔ ان کی اہم کتابوں میں منهاج الوصول إلى علم الأصول اور طوالع الأنوار قابل ذکر ہیں۔ (معجم المؤلفين:6/98,97، المنجد في الأعلام، ص:161)

جابر بن عبداللہ (16 قبل ہجرت-78ھ/607-698ء): جابر بن عبداللہ بن عمرو بن حرام خزرجی سلمی رضی اللہ عنہما مدینہ میں پیدا ہوئے۔ دوسری بیعت عقبہ میں اپنے والد کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ 19 غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔ آپ سے1540 احادیث مروی ہیں۔(أسد الغابة:1/294، الإصابة:1/546)

جریر بن عبداللہ بجلی (م:51ھ/671ء): ابوعبداللہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ یہ بہت حسین تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کے حسن کی وجہ سے انھیں يُوسُفُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ "اس امت کا یوسف" کہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کریم الیمن کہا ہے اور آپ ﷺ نے انھیں یمن کے بعض علاقوں کا گورنر بھی بنایا تھا۔ ذوالخلصہ نامی بُت کو آپ ہی نے گرایا۔ جنگ قادسیہ میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔ سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین سفیر رہے۔ فرات کے قریب قرقیسیاء میں وفات پائی۔(الإصابة:1/581-583، أسد الغابة:1/319-321، سير أعلام النبلاء:2/530-537)

حارثہ غطریف: یہ عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء کے دادا تھے۔ عمرو کے پوتے حارثہ بن ثعلبہ اوس وخزرج کے جدِّ امجد تھے۔ (سبائك الذهب، ص:281)

حافظ ابن کثیر(701-774ھ/1302-1373ء): ابو الفداء عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن درع قرشی بصروی دمشقی رحمہ اللہ معروف مفسر، مؤرخ، حافظ حدیث اور فقیہ ہیں۔ قریہ مجیدل میں پیدا ہوئے جو شام کے شہر بُصریٰ کے مضافات میں ہے، پھر اپنے بھائی کے ساتھ دمشق منتقل ہو گئے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ حصول علم کے لیے مختلف سفر کیے۔ دمشق ہی میں وفات پائی۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں جن میں سے تفسير القرآن العظيم، البداية والنهاية، الباعث الحثيث معروف ہیں۔(الأعلام:1/320، الدرر الكامنة:1/373,374)

حجاج بن یوسف(40-95ھ/660-714ء): ابومحمد حجاج بن یوسف بن حکم بن ابوعقیل بن مسعود ثقفی کُلیب کے لقب سے معروف تھا۔ اموی خاندان کا وفادار خادم تھا۔ طائف میں پیدا ہوا۔ یہیں پرورش پائی۔ طائف میں بچوں کو پڑھاتا رہا۔ عبدالملک بن مروان

کے عہدِ حکومت میں دمشق جا کر سپاہی بھرتی ہوا۔ 71 ھ میں حجاج نے مکہ کا محاصرہ کیا اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت پائی۔ انتظامی امور میں مستعدی کی بنا پر عبدالملک نے اسے عراق کا گورنر بنا دیا۔ 20 سال تک گورنر رہا۔ سرطانِ معدہ کے مرض میں مبتلا ہوکر واسط میں فوت ہوا۔ (المعارف لابن قتیبة، ص: 173، العقد الفرید: 13/5، مروج الذهب: 151/3، تاریخ بغداد: 240/8)

حَرْب بن اُمَیَّہ: ابوعمرو حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصی قرشی، ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا باپ تھا۔ حرب عبدالمطلب بن ہاشم کا ہم عصر اور جنگ فجار میں قریش کا سپہ سالار تھا۔ حرب آخری معرکۂ فجار کے چند مہینے بعد 586ء میں شام میں فوت ہوا۔ (تاریخ الیعقوبي: 12/2، مروج الذهب: 174/2، الروض الأنف: 319/1)

زکریا بن محمد قزوینی (605-682ھ/1208-1283ء): زکریا بن محمد بن محمود انصاری نجاری قزوینی رحمہ اللہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ یہ مشہور مؤرخ اور جغرافیہ دان تھے۔ شام اور عراق کا سفر کیا۔ مستعصم باللہ کے زمانے میں واسط اور حلہ کے قاضی رہے۔ آپ کی تصانیف میں سے آثار البلاد و أخبار العباد بہت مشہور ہے۔ (الأعلام: 46/3)

زُہَیر (13 قبل ہجرت/609ء): زہیر بن ابی سُلمٰی بن ربیعہ بن اُبی رباح مزنی مضری۔ زمانۂ جاہلیت کے مشہور شعراء میں سے ہے۔ بعض علمائے ادب نے اسے تمام شعرائے عرب پر ترجیح دی ہے۔ اس کے والد، خالہ، دونوں بہنیں (سلمٰی، خنساء) اور دونوں بیٹے (کعب اور بجیر) بھی شاعر تھے۔ زہیر نے حاجر (نجد) میں رہائش اختیار کی۔ اس کے قصائد "الحولیات" کے نام سے مشہور ہیں۔ (الأعلام: 52/3)

سعید بن جبیر (45-95ھ/665-714ء): ابوعبداللہ سعید بن جُبیر بن ہشام اسدی رحمہ اللہ، کوفہ کے کبار تابعین میں سے تھے۔ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم کے شاگرد تھے۔ دیر جماجم کی لڑائی میں عبدالرحمٰن بن اشعث کندی کا ساتھ دیا اور فرار ہوکر مکہ چلے آئے جہاں انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ حجاج بن یوسف نے انھیں شہید کرا دیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً پچاس برس تھی۔ (الطبقات لابن سعد: 256/6-267، الثقات لابن حبان: 275/4، وفیات الأعیان: 371/2)

سعید بن مُسَیَّب (م 91ھ/710ء): سید التابعین ابومحمد سعید بن مسیّب بن حَزن قرشی مخزومی رحمہ اللہ مدینہ کے مشہور سات فقہاء میں سے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوسرے سال پیدا ہوئے۔ زہد و ورع کی زندگی بسر کی۔ خواب کی تعبیر خوب بتاتے تھے۔ 75 برس کی عمر پا کر مدینہ میں فوت ہوئے۔ (الطبقات لابن سعد: 119/5-143، وفیات الأعیان: 375/2-378، سیر أعلام النبلاء: 245/4)

سلمہ بن اکوع (م 74ھ/693ء): سلمہ بن عمرو بن سنان اکوع اسلمی رضی اللہ عنہ نہایت بہادر، بہترین تیرانداز اور تیز دوڑنے والے صحابی ہیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ سات غزوات میں شریک ہوئے۔ ایک عرصہ ربذہ میں رہے۔ مدینہ میں وفات پائی۔ کتب احادیث میں ان سے مروی 77 حدیثیں موجود ہیں۔ (الإصابة: 127/3، أسد الغابة: 353/2، الأعلام: 113/3)

سمَوْال بن عادیاء (م 65 قبل ہجرت/تقریباً 560ء): سموال (شموئیل) بن غریض بن عادیاء ازدی کا تعلق بنو دیان سے تھا۔ یہ زمانۂ جاہلیت کا یہودی تھا۔ شاعر اور حکیم تھا۔ چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں زندہ تھا۔ خیبر میں رہائش پذیر تھا۔ اس کا ابلق نامی

ایک محل تھا۔ امرؤالقیس سے اس کی وفاداری کا قصہ مشہور ہے۔ اس کا ایک دیوان بھی موجود ہے۔ (الأعلام: 140/3، المنجد في الأعلام، ص: 309، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

سمہودی (844-911ھ/1440-1506ء): ابوالحسن نورالدین علی بن عبداللہ بن احمد حسنی شافعی سمہودی مصری رحمہ اللہ سمہود (صعید مصر) میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں پرورش پائی۔ 873ھ میں مدینہ آئے اور یہاں کے مفتی اور مؤرخ کہلائے۔ ان کی وفات مدینہ منورہ ہی میں ہوئی۔ ان کی بہت سی تصانیف تھیں لیکن اکثر جل کر ضائع ہوگئیں۔ ان کی ایک کتاب وفاء الوفا مشہور ہے۔ (شذرات الذهب: 51,50/8، الأعلام: 307/4، المنجد في الأعلام، ص: 309، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

سہل بن سعد (م: 91ھ/710ء): سہل بن سعد بن مالک ساعدی خزرجی رضی اللہ عنہما کے والد بھی صحابی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سہل رضی اللہ عنہ کی عمر 15 سال تھی۔ انھوں نے تقریباً سو سال کی عمر پائی۔ یہ مدینہ میں وفات پانے والے سب سے آخری صحابی تھے۔ ان سے 188 حدیثیں مروی ہیں۔ (الإصابة: 167/3، أسد الغابة: 390/2، الأعلام: 143/3)

سید طنطاوی (1347-1431ھ/1928-2010ء): ڈاکٹر محمد سید عطیہ طنطاوی رحمہ اللہ مصر کے علاقے سوہاج میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسکندریہ میں حاصل کی۔ شافعی المسلک تھے۔ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں تدریسی خدمات سرانجام دیں، پھر جامعہ ازہر مصر کے شیخ بنے اور 1996ء سے وفات تک مصر کے مفتی عام رہے۔ تفسیر الوسیط ان کا اہم علمی کارنامہ ہے۔ 2010ء میں شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے انھیں ملک فیصل ایوارڈ سے نوازا۔ 24 ربیع الاول 1431ھ کو سعودی عرب میں حرکت قلب بند ہونے سے وفات پائی۔ مسجد نبوی میں ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی اور بقیع الغرقد میں دفن کیے گئے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

شاہ عباس صفوی (1587ء-1629ء): ایران کے صفوی خاندان کا مشہور ترین حکمران عباس اعظم مغل بادشاہوں اکبر اور جہانگیر کا ہم عصر تھا۔

شاہ عبدالعزیز (1293-1373ھ/1876-1953ء): عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود رحمہ اللہ بنو ذہل بن شیبان کی شاخ ربیعہ سے تھے۔ یہ موجودہ سعودی حکومت کے بانی تھے۔ ریاض میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے ساتھ کویت میں جلاوطن رہے، پھر آل رشید پر حملہ کرکے 1319ھ/1902ء میں الریاض پر قبضہ کرلیا، پھر تقریباً 30 سال میں پورے جزیرہ نمائے عرب پر ان کی حکومت قائم ہوگئی۔ 1351ھ/1932ء میں اس حکومت کا نام المملكة العربية السعودية رکھا گیا۔ سعودی عرب میں تیل انھی کے عہد میں دریافت ہوا۔ (ان کے فرزند سعود، فیصل، خالد، فہد اور عبداللہ (موجودہ خادم الحرمین) یکے بعد دیگرے ان کے جانشین بنے۔) (الأعلام: 20,19/4، الموسوعة العربية الميسرة: 1183/2، المنجد في الأعلام، ص: 366)

شجاع بن وہب اسدی: ابووہب شجاع بن وہب بن ربیعہ بن اسد اسدی غنمی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ یہ بنو عبدشمس کے حلیف تھے۔ آپ نے ہجرت حبشہ میں دونوں مرتبہ شرکت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں کئی بار لشکروں کی قیادت سونپی۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ 7ھ میں انھوں نے حارث بن ابی شمر غسانی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پہنچایا۔ 12ھ/633ء میں جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (الطبقات لابن سعد: 95,94/3، الإصابة: 256/3، أسد الغابة: 414/2، الأعلام: 158/3)

شریف مکہ الحسین (1270-1350ھ/1854-1931ء): حسین بن علی بن محمد بن عبدالمعین بن عون ہاشمی حسنی۔ یہ حجاز کے ہاشمی

اشراف کا آخری حکمران تھا۔ استنبول میں پیدا ہوا۔ 1326ھ/1908ء میں مکہ کا امیر مقرر ہوا۔ جون 1916ء میں ترکوں کے خلاف بغاوت کرتے ہوئے حجاز کی آزادی کا اعلان کیا۔ اگست 1924ء میں ابن سعود نے طائف پر قبضہ کرلیا تو حسین نے اپنے بیٹے علی کو امیر مقرر کیا اور خود جدہ چلا گیا۔ 1344ھ/1925ء میں قبرص جا پہنچا۔ وہاں سے عمان (اردن) چلا آیا اور یہیں وفات پا گیا۔ اسے بیت المقدس میں دفن کیا گیا۔ (الأعلام: 2/250,249)

شکامہ بن شبیب: بنوقحطان سے شکامہ بن شبیب بن سکون بن اشرس کندی بنوشکامہ کا جد امجد تھا۔ دومۃ الجندل کا عیسائی بادشاہ اکیدر بنوشکامہ ہی سے تھا۔ (نهاية الأرب، ص: 281,280، الأعلام: 3/171)

طرفہ (86-60 قبل ہجرت/538-564ء): ابوعمرو طرفہ بن عبد بن سفیان بن سعد بکری وائلی کا شمار جاہلی شاعروں کے اولین طبقے میں ہوتا ہے۔ بادیۃ البحرین میں پیدا ہوا۔ نجد کے مختلف علاقوں کا سفر کیا۔ بادشاہ عمرو بن ہند نے اسے اپنے ساتھیوں میں شامل کرلیا، پھر اس کو اپنے ماتحت بحرین کے گورنر مکعبر کی طرف خط دے کر روانہ کیا تو اس نے اسے ہجر میں قتل کردیا کیونکہ اس نے بادشاہ کی ہجو کی تھی۔ اس کا ایک قصیدہ سات مشہور "معلقات" میں شامل ہے۔ اس کے شعروں میں ہجو اور حکمت کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ (الشعر والشعراء، ص: 60,59، الأعلام: 3/225، الجمهرة لابن حزم، ص: 320)

عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی (1307-1376ھ/1889-1956ء): عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ عنیزہ میں پیدا ہوئے جو سعودی عرب کا شہر ہے۔ ان کا شمار کبار علماء میں ہوتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے ان سے علمی استفادہ کیا۔ ابن سعدی رحمہ اللہ نے بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں تفسیر سعدی بہت مشہور ہے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

عبداللہ بن سلام (م: 43ھ/663ء): ابو یوسف عبداللہ بن سلام بن حارث قینقاعی رضی اللہ عنہ بنوخزرج کے حلیف اور یوسف علیہ السلام کی نسل سے تھے۔ مسلمان ہونے سے پہلے ان کا نام حصین تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بدل کر نیا نام عبداللہ رکھ دیا۔ بیت المقدس اور جابیہ کی فتح میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک تھے۔ ان سے 25 احادیث مروی ہیں۔ (الإصابة: 4/102، الاستيعاب، ص: 460، الأعلام: 4/90)

عبدکلیل: شاہ یمن عبدکلیل (یا عبدکلال) بن مثوب (ینوف) حمیری عیسائی تھا۔ عمرو بن تبان بن اسعد کے بعد یمن کا بادشاہ بنا۔ اس کا دور حکومت 64 برس پر محیط ہے۔ یہ امرؤالقیس کے والد کا ہم عصر تھا۔ (الأعلام: 4/57)

عدی بن زید عبادی (م 590ء): عدی بن زید بن حماد بن زید عبادی تمیمی جاہلی شاعر تھا۔ عربی اور فارسی کا ماہر تھا۔ کسریٰ کے دیوان شاہی میں عربی تحریروں کا آغاز سب سے پہلے اسی نے کیا۔ یہ کسریٰ کا عربی ترجمان تھا۔ (الأعلام: 4/220، النجوم الزاهرة: 1/249، الكامل لابن الأثير: 1/71)

عطاء بن ابی رباح (27-114ھ/647-732ء): ابومحمد عطاء بن ابی رباح اسلم بن صفوان قرشی رحمہ اللہ بنوفہر یا بنوجمح کے غلام تھے، نوبی الاصل تھے۔ یمن میں پیدا ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں پرورش پائی۔ مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کیا۔ مکہ کے مفتی اور محدث تھے۔ ان سے مجاہد، اوزاعی، ابن جریر، ابوحنیفہ اور لیث رحمہم اللہ روایت کرتے ہیں۔ یہ سیاہ فام تھے اور کبار فقہاء میں شمار ہوتے تھے۔ (تهذيب التهذيب: 7/179-183، وفيات الأعيان: 3/262,261، الأعلام: 4/235)

علامہ مقدسی (336-380ھ/947-990ء): ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن ابوبکر البناء مقدسی بشاری رحمہ اللہ ماہر جغرافیہ دان اور معروف سیاح تھے۔ فلسطین کے شہر القدس میں پیدا ہوئے، اس لیے انھیں ''المقدسی'' کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب أحسن التقاسیم في معرفة الأقالیم بہت مشہور ہے۔ (الأعلام: 312/5)

علاء بن حضرمی (م: 21ھ/642ء): علاء (عبداللہ) بن حضرمی (عماد) بن اکبر بن ربیعہ حضرمی رضی اللہ عنہ مکہ میں پیدا ہوئے۔ حضرموت میں رہائش اختیار کی۔ 8ھ/629ء میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی گورنر کے عہدے پر فائز رہے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ روانہ کیا تو راستے ہی میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ (الإصابة: 445/4، أسد الغابة: 272/3، الأعلام: 245/4)

عمارہ بن عقیل (182-239ھ/798-853ء) عمارہ بن عقیل یربوعی تمیمی بڑے فصیح و بلیغ شاعر تھے۔ مشہور شاعر جریر کے نواسے تھے۔ بصرہ کے نحوی علماء ان سے لغت سیکھتے تھے۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے۔ ان کے قصائد کو شاکر العاشور نے کتابی شکل دی ہے۔ (الأعلام: 37/5، المنجد في الأعلام، ص: 379، تاریخ بغداد: 282/12)

عمران بن عمرو: عمران بن عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء کی نسل سے بنوعتیک بہت مشہور ہوئے جو ان کے پوتے عتیک بن اسد کی اولاد ہیں۔ یہ موجودہ عمان میں رہتے تھے۔ عمان کے موجودہ بادشاہ بھی اسی ازدی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (سبائك الذهب، ص: 285، معجم قبائل العرب: 753/2)

عمرو بن لُحی: اس کا نسب عمرو بن عامر بن لُحی بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن قمعہ بن الیاس بن مضر ہے۔ اس کے نسب کے بارے میں علمائے انساب میں اختلاف ہے۔ کچھ اسے قحطانی اور کچھ عدنانی کہتے ہیں لیکن راجح یہی ہے کہ یہ عدنانی ہے۔ اسی نے عرب میں سب سے پہلے دینِ ابراہیمی کو تبدیل کر کے بُت پرستی رائج کی تھی۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 233-235، الأعلام: 84/5، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

عمرو مزیقیا: عمرو مزیقیا بن عامر ماء السماء بن حارثہ الغطریف کا شمار تبابعہ میں ہوتا ہے۔ یہ مأرب کا بادشاہ تھا، پھر یہ کہلانی بدوؤں کے حملوں سے تنگ آکر غسان چلا گیا۔ اس کے بعد عک میں رہا اور وہیں وفات پا گیا۔ عمرو مزیقیا کی اولاد میں حارثہ بن ثعلبہ بہلول انصار مدینہ کا جد امجد ہے۔ (تاج العروس، مادة: مزق، الأعلام: 80/5)

عنترہ بن عمرو بن شداد (م: 22 قبل ہجرت/600ء) عنترہ بن عمرو بن شداد بن عمرو بن معاویہ عبسی۔ یہ بہت سخی، بہادر، جنگجو اور عربوں کا بہت مشہور شہسوار تھا۔ یہ شعراء کے پہلے طبقے کا شاعر تھا۔ اس کا کلام معلقة الذهبية کے نام سے مشہور ہے۔ (الشعر و الشعراء، ص: 87، الأعلام: 91/5، المنجد في الأعلام، ص: 381)

فردوسی: ابوالقاسم فردوسی کا شمار ایران کے پانچ بڑے شعراء میں ہوتا ہے۔ ایرانی اُسے شاعر شاہنامہ کہتے ہیں۔ فردوسی 329 یا 330ھ میں طوس کے مضافاتی قصبے باز میں پیدا ہوا۔ 365ھ میں اُس نے شاہنامہ لکھا جس میں ایرانی اساطیر کی بنیاد پر آفرینش عالم سے اپنے دور تک کی ایرانی تاریخ بیان کی۔ شاہنامہ کا پیرایۂ بیان نہایت دلآویز اور بلیغ ہے اگرچہ اس کی بیان کردہ تفصیلات محض اساطیر پر مبنی، نسلی تعصب سے آلودہ اور انتہائی مبالغہ آمیز ہیں۔ اکثر تاریخی تفصیلات خیالی اور من گھڑت ہیں۔ فردوسی نے 411 یا 416ھ میں

محمود غزنوی کے عہد میں وفات پائی۔

قتادہ (60-117ھ/680-736ء): ابوخطاب قتادہ بن دعامہ بن قتادہ بن عزیز سدوسی بصری رحمہ اللہ مفسر، محدث، ادیب اور لغوی تھے۔ آپ قدری مذہب کی طرف مائل تھے۔ روایت میں تدلیس کرتے تھے۔ لغت، نسب اور تاریخ عرب میں بہت ماہر تھے۔ آخرِ عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ طاعون کی وجہ سے واسط میں وفات پا گئے۔ (سیر أعلام النبلاء:5/269-283، وفیات الأعیان:4/85، میزان الاعتدال:3/385)

قضاعہ: یہ بنو قضاعہ کا جد اعلیٰ ہے۔ بعض مؤرخین اسے عدنانی بتاتے ہیں۔ اکثر نے قحطانی بتایا ہے۔ اس کا نسب یہ ہے: قضاعہ بن مالک بن عمرو بن مرہ بن زید بن مالک بن حمیر۔ یہ لوگ جاہلیت میں اقیصر نامی بت کی پوجا کرتے تھے۔ (نهاية الأرب، ص:358، معجم قبائل العرب:3/957، الأعلام:5/199)

قیس بن خارجہ بن سنان ذبیانی: بعض علماء نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ ان سے ایک روایت بھی مروی ہے۔ (الإصابة:5/353، أسد الغابة:3/494، الجمهرة لابن حزم، ص:252)

قیس بن مخرمہ: ابومحمد قیس بن مخرمہ بن مطلب بن عبدمناف بن قصی قرشی مطلبی رضی اللہ عنہ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی ولادت کے سال عام الفیل میں ہوئی۔ نبی کریم ﷺ نے انھیں خیبر کے مال غنیمت سے تالیف قلب کے لیے غلہ بھی مرحمت فرمایا۔ (جامع الترمذي:3619، أسد الغابة:3/510، الإصابة:5/379)

کلبی (م:204ھ/819ء): ابومنذر ہشام بن محمد بن سائب کلبی رحمہ اللہ کوفی ہیں۔ آپ کا نسب آٹھویں پشت میں مشہور جاہلی شاعر امرؤ القیس سے جا ملتا ہے۔ بغداد آئے تو حدیث بیان کرتے رہے۔ آپ علم حدیث اور علم نسب کے ماہر تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد تقریباً 150 ہے۔ (تاریخ بغداد:14/45، وفیات الأعیان:4/309-313 و6/82-84)

متنبی (303-354ھ/915-965ء): ابوطیب احمد بن حسین بن حسن بن عبدالصمد جعفی کندی متنبی عربی ادب اور شاعری میں ممتاز مقام رکھتا تھا۔ کوفہ کے محلے کندہ میں پیدا ہوا اور اسی کی طرف اس کی نسبت ہے۔ شام میں نشو ونما پائی۔ بادیۂ شام میں تعلیم حاصل کی۔ اپنی زندگی کے ایک دور میں اُس نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا لیکن پھر توبہ کر لی۔ اس کی کتاب دیوان متنبی معروف ہے۔ علماء نے جہاں متنبی کی لغزشیں بیان کی ہیں، وہیں اس کی مدح بھی کی ہے۔ (الأعلام:1/115)

محمد بن قاسم (62-98ھ/681-717ء): سندھ کے فاتح اور گورنر محمد بن قاسم بن محمد بن حکم بن ابوعقیل ثقفی رحمہ اللہ عظیم قائد اور بنی مروان کے عہد کے مشاہیر میں سے ہیں۔ حجاج بن یوسف نے 92ھ/711ء میں محمد بن قاسم کو سندھ کی فتح پر مامور کیا تھا۔ انھوں نے مکران کے راستے سندھ پر یلغار کی، دیبل فتح کیا اور راوڑ کی جنگ (93ھ/712ء) میں راجہ داہر کو شکست دی، پھر ان کی فتوحات کا سلسلہ ملتان تک پہنچ گیا۔ اس وقت یہ نوعمر تھے۔ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک کے عہد میں واسط کے قید خانے میں وفات پائی۔ (فتوح البلدان للبلاذري، ص:224، الأعلام:6/333، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ:19/347)۔

مسعودی (م:346ھ/957ء): ابوالحسن علی بن حسین بن علی مسعودی بغدادی مصری رحمہ اللہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے تھے۔ تاریخ اور بحث و تحقیق کے ماہر تھے۔ بغداد میں پیدا ہوئے۔ مصر میں وفات پائی۔ عقیدتاً معتزلی تھے۔ کچھ لوگوں نے انھیں

شیعوں میں شمار کیا ہے۔ اعیان الشیعہ نامی کتاب میں ان کا نام بھی موجود ہے۔ ان کی چند مشہور کتابیں یہ ہیں: مروج الذهب، أخبار الزمان، التنبیه والإشراف. (ان کے تیار کردہ دنیا کے نقشے میں افریقہ کے نیچے سمندر پار ارض مجہولہ (انٹارکٹیکا) دکھایا گیا ہے۔) (الفهرست لابن النديم، ص:171، سير أعلام النبلاء:569/15، طبقات الشافعية:456/3)

مغیرہ بن شعبہ (20 قبل ہجرت-50ھ/603-670ء): ابوعبداللہ مغیرہ بن شعبہ بن ابو عامر بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ طائف میں پیدا ہوئے۔ یہ عربوں میں مغیرۃ الرأی کے لقب سے مشہور تھے۔ 5ھ/626ء میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حدیبیہ اور ما بعد کے غزوات میں شریک رہے۔ ایران، نہاوند اور ہمدان کی فتوحات میں بھی شریک تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں بصرہ، پھر کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا۔ علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے معاملے میں شریک نہ تھے لیکن فیصلے میں حَکَم تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں کوفہ کا گورنر بنا دیا۔ اسی منصب پر کام کرتے ہوئے وفات پا گئے۔ ان سے 136 حدیثیں مروی ہیں۔ (الإصابة:6/156-158، أسدالغابة: 181/4، الأعلام:277/7)

مہدی عباسی (127-169ھ/744-785ء): ابوعبداللہ محمد المہدی بن عبداللہ منصور بن محمد بن علی عباسی رحمہ اللہ اہواز میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد 158ھ تا 169ھ-775ء تا 785ء خلیفہ رہے۔ یہ بڑے سخی اور بہادر تھے۔ بغداد کی جامع مسجد الرصافہ انھی نے تعمیر کرائی تھی۔ (مروج الذهب:377/4، الكامل لابن الأثير:259/5، الأعلام:221/6)

نعمان بن منذر (م:15 قبل ہجرت/608ء): ابوقابوس نعمان بن منذر بن امرؤالقیس لخمی حیرہ کے بادشاہوں میں سے تھا۔ دجلہ کے دائیں کنارے پر نعمانیہ شہر اسی نے آباد کیا۔ اس پر کسریٰ پرویز کا عتاب نازل ہوا اور اسے قید کر دیا گیا اور قید ہی میں اس نے وفات پائی۔ (الأعلام:43/8)

وائل بن حجر (م:50ھ/670ء): ابوہنیدہ وائل بن حجر بن ربیعہ بن وائل بن یعمر حضرمی قحطانی رضی اللہ عنہ کے والد یمن کے بادشاہ تھے۔ وائل رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے تو آپ نے ان کے لیے دعا کی اور حضرموت کا گورنر بنایا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں وائل رضی اللہ عنہ ان کی زیارت کے لیے گئے تو امیرالمؤمنین نے انھیں اپنے تخت پر بٹھایا۔ مشہور مؤرخ ابن خلدون اُنھی کی نسل سے ہیں۔ (الإصابة:467,466/6، أسدالغابة:306,305/4، الأعلام:106/8)

وج بن عبدالحی: یہ شخص طائف شہر کا بانی اور اَجَأ کا بھائی تھا جس کی طرف اَجَأ و سَلْمٰی (حائل) کے پہاڑ منسوب ہیں۔ (معجم البلدان، مادة: الطائف، الروض الأنف :318,317/4)

وحشی بن حرب (م:25ھ/645ء): ابودسمہ وحشی بن حرب حبشی مولیٰ بنونوفل رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ مکہ کے سوڈانی غلاموں میں سے تھے۔ انھوں نے جنگ احد میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ یہ اہل طائف کے وفد کے ساتھ مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنا چہرہ مجھ سے چھپائے رکھنا۔'' انھوں نے یمامہ کے معرکے میں مسیلمہ بن کذاب کو قتل کیا۔ حمص میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ (صحيح البخاري:4072، الإصابة:470/6، أسد الغابة: 307/4-309، الأعلام:111/8)

ولید بن عبدالملک (48-96ھ/668-715ء): ابوعباس ولید بن عبدالملک بن مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ رحمہ اللہ 48ھ

میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے بعد 86 تا 96ھ خلیفہ رہے۔ تابعین میں شمار ہوتے تھے۔ انھوں نے شام میں جامع مسجد اموی تعمیر کرائی اور مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں توسیع کرائی۔ ان کے زمانے میں بہت زیادہ فتوحات ہوئیں۔ آپ نے دیر مران میں وفات پائی اور دمشق میں دفن ہوئے۔ ان کی انگوٹھی کا نقش تھا: یَا وَلِیدُ! إِنَّكَ مَیِّتٌ ''اے ولید! بے شک تو مرنے والا ہے۔'' (البدایة والنهایة:9/168-173، الأعلام:8/121)

ہوذہ بن علی حنفی (م: 8ھ/630ء): ہوذہ بن علی بن ثمامہ بن عمرو حنفی کا بکر بن وائل کے قبیلے سے تعلق تھا۔ یمامہ کا بادشاہ مذہباً نصرانی تھا۔ یہ شاعر بھی تھا۔ دعوتِ اسلام سے پہلے بنوحنیفہ کا خطیب تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایک مکتوب گرامی کے ذریعے اسلام کی دعوت دی مگر اس نے قبول نہیں کی۔ (الأعلام:8/102، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

یاقوت حموی (574-626ھ/1178-1229ء): ابوعبداللہ شہاب الدین یاقوت بن عبداللہ رومی حموی رحمہ اللہ ثقہ مؤرخ اور جغرافیہ کے ماہر تھے۔ لغت اور ادب میں بھی ماہرانہ دستگاہ رکھتے تھے۔ اصلاً رومی تھے۔ بغداد کے ایک حموی تاجر کے غلام تھے۔ اُس نے انھیں 596ھ میں آزاد کر دیا۔ یاقوت اجرت پر کتابیں لکھتے تھے۔ انھوں نے علمی جستجو میں خراسان، خوارزم، موصل اور حلب کا سفر کیا۔ ان کی تصانیف میں معجم البلدان بہت مشہور ہے۔ (الأعلام:8/131، وفیات الأعیان:6/127-139)

یزید بن زمعہ اسدی (م: 8ھ/630ء): ان کا نسب یزید بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ اسدی قرشی رضی اللہ عنہ ہے۔ جاہلیت میں یہ قریش کے ممتاز ترین سردار تھے۔ السابقون الاولون میں سے تھے۔ حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی۔ یوم حنین یا طائف میں شہید ہوئے۔ (الإصابة:6/515، أسدالغابة:4/339، الأعلام:8/183)

اماکن

ابلا: یہ حلب سے 55 کلومیٹر جنوب مغرب میں آباد تھا۔ آج کل اسے تل مردیخ کہتے ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ابوقبیس: مکہ کے مشرق میں واقع یہ پہاڑ مسجد الحرام کے قریب ترین ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص:21)

ارحب: یہ یمن میں ایک زرعی علاقہ ہے جو ایک بڑے قبیلے ہمدان کے نام سے موسوم ہے۔ (معجم البلدان، مادة: أرحب)

اردن: یہ قدیم شام کا حصہ رہا ہے۔ اس کے مغرب میں دریائے اردن، بحیرۂ مردار اور فلسطین، جنوب میں سعودی عرب اور خلیج عقبہ، مشرق میں عراق اور شمال میں سوریہ (شام) ہے۔ دارالحکومت عمّان ہے۔ بہت سے صحابہ کی قبریں اردن میں ہیں۔ الکرک کے قریب جہاں معرکۂ مؤتہ برپا ہوا، وہ مقام بھی اسی ملک میں ہے۔ اس کا رقبہ 90740 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کے تاریخی شہر الکرک، عجلون، ازرق اور عمان ہیں۔ (موسوعة العالم الإسلامي، ص:54-58، المنجد في الأعلام، ص:36،37)

الاحساء: یہ سعودی عرب کا مشرقی علاقہ ہے جو کویت اور قطر کے درمیان ہے۔ الاحساء ان دنوں منطقہ شرقیہ میں شامل ہے۔ اس کے مشہور شہر القطیف، الخبر، جبیل اور الظہران اور دمام ہیں۔ سعودی عرب میں تیل کا بڑا ذخیرہ اسی علاقے میں ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص:28)

الباحہ: یہ صوبہ سعودی عرب کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے شمال مغرب میں صوبہ مکۃ المکرمۃ اور جنوب مشرق میں صوبہ عسیر ہے۔ اس کا رقبہ 10362 مربع کلومیٹر ہے۔ شریف مکہ نے اسے حجاز کے باغ کا لقب دیا تھا۔ (أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 19,18، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

الجوف: دارالسلام کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب عبدالمالک مجاہد دومۃ الجندل کی سیاحت کے بعد اپنے سفر نامے میں لکھتے ہیں: ''الجوف منطقہ (صوبہ) کا نام ہے۔ اس کا تاریخی شہر دومۃ الجندل ریاض سے کم و بیش 1200 کلومیٹر کی مسافت پر ہے، اردن کی سرحد سے تقریباً 250 کلومیٹر دور ہے۔ منطقہ الجوف کا دارالحکومت سکاکا ہے۔ سکاکا سے 60 کلومیٹر پر دومۃ الجندل ہے۔'' (ماہنامہ ''ضیائے حدیث''، لاہور مئی 2011ء)

الشُّلیمی: یہ قصبہ سعودی عرب کے صوبہ حائل میں وادی الرمہ کے شمال میں واقع ہے اور حائل شہر سے 170 کلومیٹر دور ہے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

الشَّرَبَّہ: یہ سعودی صوبہ القصیم کے مغرب میں السلیلہ اور الربذہ کے درمیان نجد کا قدیم علاقہ ہے جہاں درختوں کی بہتات ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الشربة)

القطیف: یہ شہر سعودی عرب کے ساحلی شہر الدمام سے 25 کلومیٹر شمال مغرب میں واقع ہے۔ قطیف اُنھی قرامطہ کا علاقہ ہے جنھوں نے کعبہ سے حجر اسود چُرا لیا تھا۔ یہ شہر پٹرولیم کی صنعت کا مرکز ہے۔ (معجم البلدان، مادة: القطيف، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

المذنب: یہ سعودی صوبہ القصیم کا ایک قصبہ ہے جو القصیم شہر سے جنوب کی جانب 65 کلومیٹر پر اور دارالحکومت الریاض کے شمال میں تقریباً 300 کلومیٹر دور واقع ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس کا نام ''فُیجان'' یا ''الذنائب'' تھا۔ یہ ذَنَبٌ سے ہے جس کے معنی دُم ہیں۔ (معجم البلدان، مادة: المذنب، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

المَنْدَب: یہ یمن کی اہم بندرگاہ ہے۔ باب المندب نامی آبنائے اسی کے نام سے منسوب ہے۔ یہ آبنائے خلیج عدن اور بحر ہند کو بحیرۂ احمر سے ملاتی ہے اور ایشیا کو افریقہ سے اور یمن کو جبوتی سے الگ کرتی ہے۔ (معجم البلدان، مادة: المندب، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

الودیعہ: یہ ربع الخالی کے اندر سعودی حدود میں واقع ہے۔ یہ صحرائی قصبہ نجران شہر کے جنوب مشرق میں تقریباً 350 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے اور یمنی بندرگاہ المکلا سے تقریباً 460 کلومیٹر شمال میں ہے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

آرمینیا: یہ ملک جبال قفقاز کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ سوویت یونین میں دسمبر 1991ء تک شامل رہا۔ کل رقبہ 29,800 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا دارالحکومت یریوان ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 39) آذربائیجان، جارجیا، ترکی اور ایران اس کے ہمسائے ہیں۔

بحیرۂ قلزم: لفظ ''قلزم'' لاطینی زبان کے لفظ کلیز ما کی تعریب ہے جو بحیرۂ احمر کا پرانا رومی نام تھا۔ بحیرۂ احمر جو جزیرہ نمائے عرب اور براعظم افریقہ کے درمیان واقع ہے، جنوب میں باب المندب کے ذریعے سے بحیرۂ عرب سے ملتا ہے اور شمال میں یہ خلیج عقبہ اور خلیج

سویس (سویز) میں بٹ جاتا ہے۔ اس کی لمبائی 1900 کلومیٹر اور عرض 200 تا 325 کلومیٹر ہے۔ بحیرۂ قلزم کا رقبہ 450000 مربع کلومیٹر ہے۔ (معجم البلدان، مادة: القلزم، المنجد في الأعلام، ص: 113)

بحیرۂ لوط: اسے عربی میں البحر المیّت (بحیرۂ مردار) بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا پانی بے حد نمکین ہے۔ یہ فلسطین اور اردن کے درمیان ہے۔ اس کی زیادہ سے زیادہ گہرائی 393 میٹر ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 114)

بصرہ: یہ سوادِ عراق کا ایک شہر ہے جو فرات اور دجلہ کے سنگم سے 90 کلومیٹر جنوب میں شط العرب کے کنارے واقع ہے۔ 636ء میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ عباسیوں کے دور میں یہ لغت کا گہوارہ اور ثقافت کا مرکز بن گیا۔ الفاو، القرنہ، ام قصر وغیرہ محافظ بصرہ کے اضلاع ہیں۔ (المنجد في الأعلام، ص: 129)

بقیع الغرقد: غرقد کانٹے دار جھاڑی کو کہتے ہیں۔ حدیث میں اس کو شجر الیہود کہا گیا ہے۔ اہل مدینہ کے قبرستان (بقیع) میں یہ درخت بکثرت پایا جاتا تھا۔ یہ مدینہ منورہ کا قبرستان ہے جو مسجد نبوی کے مشرق میں واقع ہے۔ بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی قبرستان میں مدفون ہیں۔ (صحیح مسلم: 2922، معجم البلدان، مادة: بقيع، المنجد في الأعلام، ص: 132)

بئر معونہ: یہ حرہ بنو عامر اور حرہ بنو سلیم کے درمیان اور حرہ بنو سلیم سے زیادہ قریب ہے۔ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے اُبلی کے پہاڑوں کے درمیان آتا تھا۔ سریہ رجیع اسی کے نزدیک پیش آیا تھا۔ (معجم البلدان، مادة: بئر معونة)

تنعیم: یہ مکہ کے قریب حدود حرم کے باہر شارعِ مکہ مدینہ پر ایک مقام ہے۔ یہیں مسجد عائشہ واقع ہے۔ اسے تنعیم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے دائیں جانب پہاڑ ہے جس کا نام نُعَیم ہے۔ ایک اور پہاڑ اس کے شمال میں ہے جسے ناعم کہا جاتا ہے اور وادی کا نام نَعمان ہے۔ (معجم البلدان، مادة: تنعيم، معجم لغة الفقهاء، ص: 148)

خراسان: ماضی میں ایران کے مشرق میں خراسان کا وسیع و عریض صوبہ تھا۔ اس کی سرحدیں ماوراء النہر سے ملتی تھیں۔ بلخ (باختر) خراسان کا سب سے بڑا شہر تھا۔ اس کے علاوہ سرخس، ہرات، مرو، طوس اور نیشاپور مشہور شہر تھے، تاہم آج کا خراسان، جو ایران کا مشرقی صوبہ ہے، محدود علاقے پر مشتمل ہے۔

رومیہ: استنبول یا قسطنطنیہ کو عربی میں سلطنت روم کی نسبت سے رومیہ بھی کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ میں قسطنطنیہ اور رومیہ کے علاوہ اس کا نام مدینہ ہرقل بھی آیا ہے۔ (مسند أحمد: 176/2، سنن الدارمي: 503، السلسلة الصحيحة: 4)

سیراف: یہ شہر خلیج فارس کے کنارے پر بندر بوشہر سے 240 کلومیٹر اور بندر عباس سے 380 کلومیٹر دور تھا۔ سیراف اور بصرہ کے درمیان سات دن کا سفر تھا۔ 977ء میں یہ زلزلے کے باعث تباہ ہو گیا۔ (معجم البلدان، مادة: سيراف، المنجد في الأعلام، ص: 320)

سُدیر: اس کا پرانا نام وادی فقی ہے۔ یہ الریاض کے شمال میں 120 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ (معجم البلدان، مادة: السدير، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

صور (Tyre): یہ تاریخی شہر جنوبی لبنان میں بحیرۂ روم کے کنارے پر واقع ہے۔ یہ فنیقیوں کے زمانے میں آباد ہوا۔ بیروت سے

83 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بلا مقابلہ فتح ہوا۔ صور اور صیداء کا تذکرہ بائبل میں جا بجا ملتا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: صور، Oxford English Reference Dictionary,p: 1558، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

صیداء (Sidon): فنیقیوں کا آباد کیا ہوا یہ شہر بحیرۂ روم کے ساحل پر صوبہ صیداء کا دارالحکومت ہے۔ بیروت سے 50 کلومیٹر اور صور سے 40 کلومیٹر دور ہے۔ اسے صیدون بھی کہا جاتا ہے۔ عبرانی میں اسے صیدو کہتے ہیں۔ یہ شہر صیدون بن صدقاء بن کنعان کی طرف منسوب ہے۔ 46ھ/667ء میں فتح ہوا۔ (معجم البلدان، مادة: صيداء، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

صَعْدَہ: یہ یمن کے دارالحکومت صنعاء کے شمال میں 243 کلومیٹر دور واقع قدیم شہر اور صوبائی صدر مقام ہے۔ یہاں بارش بہت ہوتی ہے۔ سطح سمندر سے 1800 میٹر بلند ہے اور زیدی رافضیوں کا گڑھ ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 345، الموسوعة العربية الميسرة: 1123/2)

ضُبا: یہ سعودی صوبہ تبوک میں ساحل بحیرۂ احمر پر سمندر کے راستے آنے والے مصری حاجیوں کی بندرگاہ تھی۔ یہاں سے مملوک سلطان اشرف قایتبائی گزرا۔ اس نے ایک بڑی شاندار عمارت تعمیر کرائی جو دارالسلطان کے نام سے مشہور ہوگئی۔ آج کل یہ بہت بڑا تجارتی مرکز ہے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

عدن: یہ یمن کی سب سے بڑی بندرگاہ ہے جو خلیج عدن کے ساحل پر واقع ہے۔ شہر عدن جزیرہ نما عدن پر عُز عدن نامی آتش فشاں پہاڑ (550 میٹر بلند) کے دامن میں آباد ہے۔ اسے عدن ابین بھی کہتے ہیں۔ عدن کی بنا شداد بن عاد سے منسوب ہے۔ 10ھ/631ء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ عدن تشریف لائے اور وہاں کے منبر پر لوگوں سے خطاب کیا۔

عسیر: یہ سعودی عرب کے جنوب مغرب میں واقع صوبہ ہے۔ اس کا دارالحکومت ابہا ہے۔ اس کے جنوب میں یمن اور صوبہ جازان، شمال میں صوبہ الریاض اور صوبہ مكة المكرمة، مشرق میں صوبہ نجران اور مغرب میں صوبہ الباحہ اور صوبہ مكة المكرمة کا کچھ حصہ واقع ہے۔ یہ خوبصورت اور زرخیز پہاڑی علاقہ ہے۔ (الموسوعة العربية الميسرة: 1212/2، المنجد في الأعلام، ص: 375، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

غلافقہ: یہ یمن کے جنوب مغرب میں زبید کے بالمقابل بحیرۂ احمر کے ساحل پر بارونق بندرگاہ تھی۔ اس کے شکستہ آثار آج بھی نظر آتے ہیں۔ (معجم البلدان، مادة: غلافقة، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 2-551,550/14)

قطر: یہ جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں واقع چھوٹا سا جزیرہ نما ہے۔ اس ملک کی جنوبی سرحد سعودی عرب سے ملتی ہے۔ باقی تین طرف سمندر (خلیج فارس) ہے۔ اس کا کل رقبہ 11,438 مربع کلومیٹر ہے۔ قطر کا دارالحکومت دوحہ ہے۔ قطر نے 1971ء میں برطانیہ سے آزادی حاصل کی۔ (معجم البلدان، مادة: قطر، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

کاظمہ: یہ ایک تاریخی شہر ہے۔ کویت کے شہر الجہراء سے 40 کلومیٹر دور ساحل جون الکویت (کویت کی کھاڑی) پر واقع ہے۔ یہاں بنو ایاد اور بکر بن وائل رہتے تھے۔ یہیں معرکہ ذات السلاسل (12ھ/633ء) میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے فتح پائی۔ حال ہی میں یہاں پرانے کھنڈر دریافت ہوئے ہیں۔ (معجم البلدان، مادة: كاظمة، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

متحدہ عرب امارات: اس کے شمال میں خلیج عربی (خلیج فارس)، مشرق میں خلیج عمان اور سلطنت عمان اور جنوب اور مغرب میں سعودی عرب ہے۔ اس کا رقبہ 92100 مربع کلومیٹر ہے۔ متحدہ عرب امارات میں سات ریاستیں ابوظبی، دبی، راُس الخیمہ، عجمان، ام القیوین، شارقہ (شارجہ) اور الفجیرہ شامل ہیں۔ ان میں تقریباً 3000 مساجد ہیں۔ متحدہ عرب امارات کا دارالحکومت ابوظبی ہے۔ (موسوعة العالم الإسلامي، ص: 62-64)

مدارج العرج: یہ طائف کی ایک نواحی وادی میں بلادِ ہذیل کا ایک بڑا قصبہ ہے۔ آلِ عثمان میں شاعر عبداللہ بن عمر بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان العرجی اسی سے منسوب ہوئے۔ یہاں سے تہامہ شروع ہوتا ہے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک بڑی وادی کا نام بھی العرج ہے جو مدینہ سے 113 کلومیٹر جنوب میں ہے۔ (معجم البلدان، مادة: العرج، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 203)

مدین: یہ سعودی عرب کے صوبہ تبوک سے تقریباً دو سو کلومیٹر مغرب کی جانب خلیج عقبہ اور بحیرۂ قلزم کے ساحل سے متصل علاقہ ہے۔ آج کل مدین مغایرِ شعیب کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شعیب علیہ السلام کی قوم کا علاقہ تھا۔ ''مدین'' ایک قبیلے کا نام بھی ہے۔ (معجم البلدان، مادة: مدين، معجم قبائل العرب: 1062/3، اطلس القرآن (اردو)، ص: 129)

ملک کنعان: ارض کنعان سے مراد فلسطین اور فنیقیہ کی سرزمین ہے جو کنعانیوں، یعنی کنعان بن سام یا کنعان بن حام بن نوح کی نسل سے منسوب ہے۔ کنعانی جنوب مشرقی عرب کے قدیم باشندے تھے جو چوتھی اور تیسری ہزاری ق م کے درمیان ہجرت کر کے فلسطین و شام میں جا بسے تھے۔ شکیم (نابلس)، مجدو، اریحا، بیسان، عکا اور یافا ان کے مشہور شہر تھے۔ (معجم البلدان، مادة: كنعان، سبائك الذهب، ص: 30، کتاب مقدس (پیدائش) 6:10-20، معجم مفردات مقرر مادة التاريخ، ص: 226)

میسو پوٹیمیا: دجلہ اور فرات، دو دریاؤں کے درمیان واقع سرزمین زمانۂ قدیم سے میسو پوٹیمیا یا الجزیرہ یا مابین النہرین کہلاتی ہے۔ میسو پوٹیمیا یونانی نام ہے جو دو لفظوں Mesos (درمیان) اور Potomos (دریا) سے مرکب ہے۔ گویا میسو پوٹیمیا کے معنی ہیں ''دو دریاؤں کے درمیان کی سرزمین۔'' (اطلس القرآن (اردو)، ص: 22)

وادی حنیفہ: اس کا پرانا نام العرض ہے۔ یہ منطقہ العارض (نجد) کی ایک ندی ہے جو بنو حنیفہ کے علاقے الخرج سے گزرتی ہے۔ اس کی لمبائی 120 کلومیٹر ہے۔ سدوس، درعیہ، عیینہ، الحائر، العماریہ اور منفوحہ اسی وادی کے قصبے ہیں۔ (معجم البلدان، مادة: العرض، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

وادی عُرنہ: یہ وادی مکہ کے مشرق میں میدان عرفات کی حدود سے متصل ہے اور عرفات اور مسجد نمرہ کے درمیان واقع ہے۔ یہ وادی حدودِ حرم میں شامل نہیں۔ (معجم البلدان، مادة: عرنة، بحوث في الفقه المعاصر)

وجرہ: مکہ کے شمال مشرق میں عراق کے میقات ''ذات عرق'' (جو مکہ سے 92 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے) کے قریب ایک جگہ کا نام وجرہ ہے۔ یہ بنو سلیم کا علاقہ تھا۔ (معجم البلدان، مادة: وجرة)

یلملم: یہ مکہ مکرمہ سے جنوب کی طرف 92 کلومیٹر دور ایک وادی ہے جو اہل یمن اور جنوب کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔ (معجم البلدان، مادة: يلملم، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ینبع: یہ بحیرۂ احمر کے ساحل پر صوبہ مدینہ منورہ کا ایک بڑا شہر ہے جو مدینہ سے 250 کلومیٹر دور ہے۔ ینبع جدہ سے 350 کلومیٹر شمال میں ہے۔ ینبع کے علاقے میں 370 چشمے ہیں جس کی وجہ سے اس کا نام ینبع پڑ گیا۔ ینبع دراصل ''ینبوع'' ہے جس کا مطلب چشمہ ہے۔ یہاں سے معدنی تیل برآمد کیا جاتا ہے۔ (معجم البلدان، مادۃ: ینبع، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

اقوام و قبائل

المَعافِر: یہ کہلانی یمنی قبیلہ ہے۔ اس کا نسب معافر بن یعفر بن مالک بن حارث بن مرہ ہے۔ معافر نام کا صوبہ انھی لوگوں کی طرف منسوب ہے۔ (معجم البلدان، مادۃ: المعافر، معجم قبائل العرب: 1115/3)

آل صفوان: یہ بنو جمح ہیں جن میں امیہ بن خلف، ابی بن خلف اور وہب بن خلف وغیرہ شامل ہیں۔ (بنو جمح قریشی قبیلہ جُمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لوی سے منسوب ہے۔) (الجمھرۃ لابن الکلبی، ص: 95,94)

آل منذر: یہ قبیلہ منذر بن حارث بن جبلہ غسانی کی طرف منسوب ہے۔ منذر بن حارث دعوتِ اسلام کے آغاز سے پہلے بادیۂ شام کا امیر اور رومیوں کا باجگزار تھا۔ اس کے اور شاہانِ حیرہ کے درمیان، جو فارسیوں کے ماتحت تھے، کئی جنگیں ہوئیں۔ بعد ازاں منذر کو رومیوں ہی نے حیلے سے قتل کر دیا۔ (الأعلام: 293,292/7)

بارق: یہ ازدی قحطانی قبیلہ ہے۔ ان کا نسب نامہ بنو بارق بن عدی بن حارثہ بن عمرو مزیقیا ہے۔ انھی میں سے ام الخیر بنت الحریش البارقیہ شاعرہ تھیں جنھوں نے جنگ صفین کے دن معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف فصیح و بلیغ خطبہ دیا تھا۔ (نھایۃ الأرب، ص: 162، معجم قبائل العرب: 57/1)

باہلہ: یہ بنو عدنان سے قیس بن عیلان کا بہت بڑا قبیلہ ہے۔ باہلہ کا نام منبہ بن سعد بن قیس عیلان ہے۔ یہ یمامہ میں رہائش پذیر تھے۔ (معجم قبائل العرب: 60/1)

بجیلہ: یہ بہت بڑا قبیلہ ہے جو قحطان میں سے ہے۔ ان کا نسب بنو انمار بن اراش بن کہلان ہے۔ یہ اپنی ماں بجیلہ بنت صعب بن سعد کی طرف منسوب ہیں۔ اسلام سے قبل یہ حجاز اور بحرین میں رہائش پذیر تھے۔ ان کے بت کا نام ذوالخلصہ تھا۔ فتوحاتِ اسلامیہ کے زمانے میں ان لوگوں کی اکثریت اپنے علاقوں سے نکل بھاگی اور پسماندگان میں بہت کم لوگ رہ گئے۔ معروف صحابی جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ انھیں لوگوں میں سے تھے۔ (نھایۃ الأرب، ص: 164، الأعلام: 43/2)

بنو اسد: یہ بنو عدنان کا ایک معروف قبیلہ ہے۔ اس کا نسب نامہ بنو اسد بن ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔ اسد کے تین بیٹے تھے: جدیلہ، عنزہ اور عُمیرہ۔ بنو عمیرہ میں سے طریف بن ابان وفد لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تھے۔ طریف رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے عامر بن مسلم سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ شہید ہوئے۔ (الجمھرۃ لابن حزم، ص: 293)

بنو اسد بن خزیمہ: یہ قبیلہ اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر عدنانی کی طرف منسوب ہے۔ یہ نجد میں کرخ کے علاقے میں بنو طے کے پڑوس میں رہتے تھے، پھر یہ لوگ عراق چلے گئے۔ وہاں 19ھ سے 588ھ تک رہے۔ 9ھ میں ان کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ (نھایۃ الأرب، ص: 47، معجم قبائل العرب: 1/21-23)

بنو اسلم: یہ خزاعہ کی شاخ ہے۔ ان کا نسب بنو اسلم بن افصیٰ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ہے جو قحطانی قبیلے سے تھے۔ ان کی بستیوں میں سے ایک بستی کا نام ''وبرہ'' تھا جو مدینہ کے باہر کھجوروں کے باغات پر مشتمل تھی۔ (معجم قبائل العرب:1/26)

بنو بکر: یہ عدنانیوں کا بہت بڑا قبیلہ ہے جو بکر بن وائل بن قاسط کی طرف منسوب ہے۔ اس کا علاقہ یمامہ سے بحرین اور عراق کی طرف ہے۔ یہ بڑے جنگجو قبیلوں میں سے تھا۔ اس قبیلے نے اسلام سے پہلے اور بعد میں بہت سی تاریخی لڑائیاں لڑی ہیں۔ (معجم قبائل العرب :1/93-98)

بنو تُجیب: یہ بنو سکون کا ذیلی قبیلہ ہے۔ ان کا نسب بنو اشرس بن شبیب بن سکون بن اشرس بن کندہ ہے۔ عدی و سعد ابنائے اشرس کی ماں کا نام تُجیب تھا۔ یہ حضرموت کے درمیان کسر کے علاقے میں رہتے تھے۔ تجیب کے 13 آدمیوں کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آیا اور اپنے ساتھ زکاۃ کا مال بھی لایا۔ رسول اللہ ﷺ خوش ہوئے اور ان کا اکرام کیا۔ (معجم قبائل العرب:1/116، معجم البلدان، مادۃ: تجیب)

بنو عبدالقیس: بنو عبدالقیس بن افصیٰ بن دعمی بن جدیلہ بن اسد عدنانی قبیلے کی شاخ ہے۔ یہ تہامہ میں رہتے تھے، پھر بحرین چلے گئے۔ ان کے بہت سے ذیلی قبائل ہیں۔ یہ لوگ پرامن طریقے سے برضا و رغبت مسلمان ہوئے تھے۔ (نھایۃ الأرب، ص: 307، الأعلام:4/49)

بنو عدوان: یہ قبیلہ قیس عیلان سے ہے جو عدنانی ہیں۔ عدوان کا نام حارث بن عمرو بن قیس ہے۔ اسے عدوان اس لیے کہا گیا کہ اس نے اپنے بھائی کو ناحق قتل کیا تھا۔ بنو عدوان طائف میں رہتے تھے۔ ثقیف نے ان پر غلبہ حاصل کیا تو یہ تہامہ کی طرف نکل گئے۔ (نھایۃ الأرب، ص:322)

بنو نضیر: یہ مدینہ کے یہودی قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا۔ غزوۂ بدر (رمضان 2ھ) کے بعد انھوں نے نبی ﷺ سے کیا گیا عہد توڑ دیا۔ اس پر نبی ﷺ نے انھیں جلاوطن کر دیا، پھر ان کی املاک پر قبضہ کر لیا گیا۔ (المنجد فی الأعلام، ص: 574)

بنو امیہ: یہ امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی کی طرف نسبت ہے جو قریش میں امویوں کے جدِ امجد ہیں۔ امیہ جنگوں میں قریش کی قیادت کرتے تھے۔ نبی ﷺ کی ولادت کے بعد تک زندہ رہے۔ (الأعلام:2/23)

بنو تمیم: یہ عظیم عدنانی قبیلہ تمیم بن مُرّ بن اُدّ بن طابخہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معد بن عدنان سے منسوب تھا۔ یہ نجد میں بصرہ، بحرین اور یمامہ تک آباد تھا۔ یہ کئی شاخوں میں منقسم تھا، مثلاً حارث، عنبر، زید مناۃ، مالک، عمرو، سعد، حنظلہ، عوف، یربوع، ریاح، امرؤ القیس، حارث الاعرج، ربیعہ۔ بعد میں بنو تمیم نجد سے نکل کر دور دور تک پھیل گئے اور آباد نجد اور جبل شمر کے علاقے میں اس قبیلے کی تین شاخیں رہ گئیں: حنظلہ بن مالک بن زید مناۃ بن تمیم، سعد بن زید مناۃ بن تمیم، عمرو بن تمیم۔ جنگ قادسیہ (عراق) میں حضرت قعقاع بن عمرو رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بنو تمیم نے بہادری کے جوہر دکھا کر جنگ کا پانسا پلٹ دیا تھا۔ امام محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان (1115-1206ھ/1703-1792ء) بنو تمیم کی شاخ بنو حنظلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ الریاض سے 40 کلومیٹر دور شمال مغرب میں واقع قصبہ عیینہ (نجد) میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے شام، بصرہ اور حجاز کا سفر کیا۔ اپنے والد کے بعد حریملاء کے قاضی رہے۔ 1143ھ میں علانیہ دعوت حق کا آغاز اپنے آبائی قصبے عیینہ سے کیا۔ اس کے نتیجے میں بہت سے مصلح لوگ اکٹھے ہو گئے۔

1157ھ/1744ء میں درعیہ گئے اور محمد بن سعود سے مل کر دعوت کو مزید آگے بڑھایا۔ انگریزوں نے بدنیتی سے انھیں اور ان کے ساتھیوں کو "وہابی" کا لقب دیا (حالانکہ یہ لقب صدیوں پہلے شمالی افریقہ کے ایک گمراہ خارجی سردار عبدالوہاب رستمی کی نسبت سے ان کے پیروکاروں کو دیا گیا تھا۔) محمد بن عبدالوہاب نے درعیہ میں وفات پائی۔ ان کی اولاد آل الشیخ کے نام سے معروف ہے۔ انھوں نے بہت مفید دینی اور اصلاحی کتابیں لکھیں۔ کتاب التوحید، کشف الشبہات اور نواقض الإسلام ان کی بڑی معروف کتابیں ہیں۔ (الأعلام: 257/6، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا) تفصیلی حالات کے لیے ملاحظہ کریں: محمد بن عبدالوہاب "ایک مظلوم اور بدنام مصلح" از مسعود عالم ندوی۔

بنو جمح: یہ قریشی قبیلہ بنو ہصیص سے ہے جو عدنانی ہیں۔ ان کا نسب نامہ جمح بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر ہے۔ ردم کے مقام پر بنو محارب بن فہر سے ان کی خون ریز لڑائی معروف ہے۔ (معجم قبائل العرب: 203,202/1)

بنو سعد: اس عدنانی قبیلے کا نسب یہ ہے: سعد بن زید مناۃ بن تمیم۔ ان کے مقامات وسطی عرب میں یمامہ، دہناء اور جرباء تھے۔ ان کی بنو شیبان سے لڑائی ہوئی جس میں یہ غالب آئے۔ معدیکرب بن حارث بن عمرو ان کا بادشاہ رہا۔ (معجم قبائل العرب: 515/2)

بنو سکون: یہ کندہ کا ذیلی قبیلہ ہے جو قحطانیوں میں سے ہیں۔ ان کا نسب بنو سکون بن اشرس بن ثور (کندہ) بن عفیر بن عدی بن حارث بن مرہ ہے۔ بنو سکون دومۃ الجندل کے بادشاہ تھے۔ نبی کریم ﷺ نے دومۃ الجندل کے جس بادشاہ کے پاس خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا تھا، اس کا نام اُکیدِر تھا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسے قید کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے تھے، پھر جزیے پر مصالحت ہوگئی اور انھیں آزاد کر دیا گیا۔ (سبائك الذهب في معرفة قبائل العرب، ص: 219، الرحيق المختوم، ص 438)

بنو سہم: یہ قریشی قبیلہ ہے۔ ان کا نسب نامہ سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک ہے۔ بنو سہم کے لوگ فسطاط مصر میں رہائش پذیر ہوئے۔ ان کا ایک گروہ مصر صعید میں مقیم ہوا۔ مصر کے گورنر عمرو بن عاص سہمی رضی اللہ عنہ نے فسطاط مصر میں جو مسجد (جامع عمرو بن عاص) تعمیر کرائی، اس کے آس پاس بنو سہم کی آبادی تھی۔ (معجم قبائل العرب: 560/2)

بنو سُلیم: یہ قبیلہ سُلیم بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس عیلان کی طرف منسوب ہے۔ یہ عدنانی الاصل ہے۔ اس کی طرف نسبت سُلمی ہے۔ یہ لوگ نجد عالیہ، حرہ سلیم، حرۃ النار، وادی القریٰ اور تیماء میں رہتے تھے۔ (نهاية الأرب، ص: 271)

بنو شیبان: یہ قحطانی قبیلہ حمیر کی شاخ ہیں اور شیبان بن عوف کی طرف منسوب ہیں جو بنی زہیر بن ایمن بن ہمیسع بن حمیر بن سبا میں سے تھا۔ (نهاية الأرب، ص: 283)

بنو عدی: یہ عدنانی قبیلہ ہے۔ ان کا نسب نامہ بنو عدی بن کعب بن لؤی بن غالب بن فہر ہے۔ عدی کے دو لڑکے تھے: رزاح اور عویج۔ بنو رزاح سے امیر المؤمنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے اور بنو عویج سے نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے جو النحام کے لقب سے معروف تھے۔ (نهاية الأرب، ص: 325)

بنو غطفان: غطفان بن سعد بن قیس بن عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان مشہور عدنانی قبیلے بنو غطفان کا جد امجد تھا۔ اس کی نسل سے بکثرت قبائل وجود میں آئے۔ ان کی تین بڑی شاخیں یہ ہیں: اشجع، عبس اور ذبیان۔ (نهاية الأرب، ص: 348، معجم قبائل العرب: 888/3)

بنوکلب: ان کا نسب کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحافی بن قضاعہ ہے۔ اس نام کے اور بھی قبائل تھے لیکن یہ زیادہ مشہور ہوا۔ ان کی بستیاں کوفہ اور دمشق کے درمیان السماوہ میں تھیں۔ دومۃ الجندل میں انھوں نے ''وذ'' بت نصب کر رکھا تھا۔ یہ بنوامیہ کے ساتھی تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنوکلب کی ایک خاتون میسون سے شادی کی تھی۔ (نهاية الأرب، ص:365، معجم قبائل العرب:992,991/3، الجمهرة لابن حزم، ص:455)

بنومخزوم: یہ قریشی قبیلہ بنو یقظہ بن مرہ بن کعب سے ہے۔ عمر (عمرو) بن مخزوم، خالد بن ولید بن مغیرہ رضی اللہ عنہ کے جد امجد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا دشمن ابوجہل (عمرو بن ہشام بن مغیرہ) بھی اسی قبیلے سے تھا جو بدر میں قتل ہوا۔ (نهاية الأرب، ص:371، الجمهرة لابن الكلبي، ص:85)

بہراء: بہراء قبیلہ قضاعہ کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب بہراء بن عمرو بن الحاف بن قضاعہ بن مالک بن حمیر ہے۔ یہ قبیلہ خوب پھلا پھولا، اس کے افراد شام، حبشہ، عراق وغیرہ کئی ملکوں میں آباد تھے۔ انھی میں سے قبائل عشیرۂ مقداد، جس سے معروف صحابی مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ تھے، عشیرہ قمزان اور عشیرہ بومہیر ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

تنوخ: جوہری کا قول ہے کہ تنوخ یمنی قبیلہ ہے جو قحطان سے ہیں۔ مؤید جو تاریخ دان ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تنوخ قضاعہ سے ہیں۔ ابوعبید کا قول ہے کہ تنوخ تین قبائل: نزار، أحلاف اور فہمی کا مجموعہ ہیں۔ انھیں تنوخ اس لیے کہا جاتا ہے کہ انھوں نے شام کے مقام تَنَنُّخ میں باہم رہنے کا عہد و پیمان کیا تھا جس کی وجہ سے انھیں تنوخ کہا جانے لگا۔ (نهاية الأرب، ص:178، الجمهرة لابن حزم، ص:453)

عاملہ: بنوعاملہ قحطانی قبیلہ ہے۔ یہ حارث (عاملہ) بن مرہ بن ادد بن زید بن یشجب بن زید بن کہلان کی طرف منسوب ہے۔ حارث لخم اور جذام کا بھائی ہے۔ بنوعاملہ شام میں جبل عاملہ میں رہتے تھے۔ ان کے بت کا نام اقیصر تھا۔ یہ لوگ اس کا حج کرتے تھے۔ (نهاية الأرب، ص:303، معجم قبائل العرب:714/2، المفصل في تاريخ العرب قبل الإسلام:275/6)

عباہلہ: یہ یمن کے وہ بادشاہ ہیں جنھیں برقرار رہنے کا حکم ملا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک خط دے کر وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کو اقیال (ملوک) اور عباہلہ کی طرف بھیجا تھا۔ (تاج العروس، مادة: عبهل)

عبیل: یہ عبیل بن مہلائیل بن عوض بن ارم بن سام بن نوح کی طرف منسوب عرب بائدہ کے ایک قبیلے کا نام ہے۔ یہ لوگ مدینہ منورہ (یثرب) میں رہتے تھے۔ (نهاية الأرب، ص:317، معجم قبائل العرب:748/2، لسان العرب، مادة: عبل)

عذرہ: بنو قضاعہ کی شاخ بنو عذرہ کا جدّ امجد عذرہ بن سعد ہذیم بن زید بن لیث ہے۔ بنوعامر، کاہل، ایاس، عوف اور رفاعہ قبائل بنوعذرہ کی شاخیں ہیں۔ یہ لوگ محبت اور پاکدامنی میں مشہور ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں ان کے بعض افراد شمس نامی بت کی پوجا کرتے تھے۔ (سبائك الذهب، ص:87، نهاية الأرب، ص:326، معجم قبائل العرب:768/2)

عضل (بنوقارہ): عضل بن ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس مضری قبیلہ بنوکنانہ کی شاخ بنوعضل کا جد امجد ہے۔ اس کی اولاد اس کے بھائی الدیش کی اولاد کے ساتھ گھل مل گئی تھی اور وہ اپنی دادی قارہ کے نام کی مناسبت سے بنوقارہ مشہور تھے۔ یہ لوگ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ (نهاية الأرب، ص:329، معجم قبائل العرب:787/2، الأعلام:235,234/4)

غامد: اس کے جدِ امجد کا نام عمرو بن عبداللہ بن کعب بن حارث ازدی ہے۔ یہ قحطانی قبیلہ ہوازد کی ایک شاخ تھا۔ ان کا علاقہ کوہستان سراۃ تھا۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 277، معجم قبائل العرب: 876/3)

بنو غُطیف: یہ بنو طے کا ایک ذیلی قبیلہ تھا۔ اس کا نسب یہ ہے: غُطیف بن حارثہ بن سعد بن حشرج بن امرؤالقیس بن عدی بن اخزم بن ہزومہ بن ربیعہ بن جرول الطائی۔ (تاج العروس، مادة: غطف)

قیس عیلان: قیس بن عیلان بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان کی طرف منسوب لوگوں کو قیس عیلان کہا جاتا ہے۔ ہوازن، سُلیم، غطفان، مازن، فہم، عدوان، باہلہ اور غنی قیس عیلان سے ہیں۔ جب قیس یمن بولا جاتا ہے تو اس میں سارے عدنانی قبائل شمار ہوتے ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قیس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''اللہ تعالیٰ قیس پر رحم فرمائے۔ بے شک وہ ہمارے باپ اسماعیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔'' (نهاية الأرب، ص: 362، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 311، الأعلام: 207/5، معجم قبائل العرب: 972/3)

مراد: ان کا نسب مراد بن مالک (مذحج) بن اُدَد بن زید بن یشجب ہے۔ یہ کہلانی، قحطانی قبیلہ ہے۔ یہ لوگ یمن کے علاقے زبید کے قریب رہتے تھے۔ اسلام سے پہلے ان کے اور ہمدان کے درمیان لڑائی ہوئی تھی جو یوم الرزم کے نام سے مشہور ہے۔ (نهاية الأرب، ص: 373، معجم قبائل العرب: 1066/3)

ہُذیل: یہ ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار کی اولاد سے ہیں اور عدنانی الاصل ہیں۔ یہ لوگ جبل غزوان (طائف) تک پھیلے ہوئے تھے۔ نجد اور تہامہ میں بھی موجود تھے، ان کی دو بڑی شاخیں: سعد بن ہذیل اور لحیان بن ہذیل ہیں۔ (نهاية الأرب، ص: 387، معجم قبائل العرب: 1213/3، الأعلام: 80/8)

متفرقات

آطام: یہ أُطُم کی جمع ہے، جس کے معنی قلعہ یا بلند مکان کے ہیں۔ یہ لفظ زیادہ تر مدینہ کے قلعوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (القاموس الوحيد، مادة: أطم، معجم البلدان، مادة، أطم)

صبح الاعشیٰ: یہ احمد بن علی بن احمد بن عبداللہ قلقشندی کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں املاء کے قواعد وضوابط، ادب و تاریخ اور جغرافیہ کی معلومات ہیں۔ ان کی دیگر کتابیں نهاية الأرب في معرفة أنساب العرب اور حلية الفضل وزين الكرم ہیں۔ (معجم المؤلفين: 317/1، المنجد في الأعلام، ص: 343)

وہیل: علم الحیات کے مطابق وہیل، مچھلی نہیں بلکہ دودھیل (ممالیہ) ہے، تاہم عام زبان میں اسے مچھلی ہی کہا جاتا ہے۔ وہیل انڈے نہیں بلکہ بچے دیتی ہے۔ نیلی وہیل دنیا کا سب سے بڑا حیوان ہے جس کے پیٹ میں ہاتھی کھڑا ہو سکتا ہے۔



سیرت انسائیکلوپیڈیا ﷺ

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کے اس ہجومِ نجوم میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد ہے۔ اس میں آپ عرب بالخصوص مکہ و مدینہ کی مستند تاریخ اور جغرافیہ ملاحظہ کریں گے، اہلِ عرب کی بودوباش اور ثقافت و تہذیب سے آشنا ہوں گے۔ عاد، ثمود، جرہم، طسم و جدیس جیسی مغضوب قوموں کی تباہی میں ہمارے لیے کیسے کیسے اسباق اور عبرتیں موجود ہیں؟ ان کا کامل مشاہدہ پائیں گے ...... اسی طرح سابقہ انبیاء ہود، صالح، ابراہیم، اسمٰعیل، شعیب اور لوط علیہم السلام کے دل آویز اور ایمان افروز تذکرے آپ کے لیے موعظت و نصیحت کے دریچے کھولیں گے۔ مزید برآں آپ عرب سلطنتوں، عربی زبان و ادب، خطابت و شاعری، اس وقت کی بڑی طاقتوں ایران، روم، حبشہ کا ذکر اور بڑے بڑے مذاہب بت پرستی، عیسائیت، یہودیت اور صابئیت کے احوال پڑھیں گے۔ اس طرح آپ پر یہ حقیقت روشن ہوگی کہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ نے کفر، شرک، اصنام اور اوہام پرستی کے کس قدر تاریک ظلمت زار میں کتنی دانائی اور دلیری سے اسلام کی فطری اور عالم گیر صداقت پیش کی۔

دارالسلام DARUSSALAM

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

9786035000826

اللؤلؤ المکنون

جلد دوم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- محمد رسول اللہ ﷺ کا خاندان اور آپ کی ولادت اور لڑکپن کا زمانہ
- حُروبِ فجار اور حلف الفضول
- تجارت کا آغاز اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح
- خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر میں محمد ﷺ کا تاریخی کردار
- بشارات نبوت و رسالت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں علماءِ اہل کتاب کی گواہی

دار السلام
DARUSSALAM

دار السلام
ریسرچ سنٹر

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبها الصلاة والسلام

2

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام

- محمد رسول اللہ ﷺ کا خاندان اور آپ کی ولادت اور لڑکپن کا زمانہ
- حروب فجار اور حلف الفضول
- تجارت کا آغاز اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح
- خانہ کعبہ کی ازسرنو تعمیر میں محمد ﷺ کا تاریخی کردار
- بشارات نبوت و رسالت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں علمائے اہل کتاب کی گواہی

2

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

جناب محسن فارانی　حافظ محمد ابراہیم طاہر گیلانی

مولانا تنویر احمد　حافظ عبداللہ ناصر مدنی　حافظ اقبال صدیق

تصحیح و تنقیح و نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری　پروفیسر محمد یحییٰ　مولانا محمد خالد سیف

دار السلام
DARUSSALAM

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

محمد رسول اللہ ﷺ کا خاندان،
آپ کی ولادت سے بعثت تک کے حالات،
بشارات نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کے
بارے میں اہل کتاب کی گواہی

جلد 2

نگرانِ علی: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ و لسانیات)

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ اقبال صدیق
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/ نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف و محقق)

پروفیسر محمد یحیٰ
(بی اے آنرز، ایم اے عربی، سینئر ریسرچ سکالر دارالسلام)

مولانا محمد خالد سیف
(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

جناب محمد انور اعوان
(ایم اے انگریزی و سیاسیات)

ڈیزائننگ

زاہد سلیم چودھری
(آرٹ ڈائریکٹر)

محمد نعیم
(سینئر ڈیزائنر)

عبدالواسع
(سینئر ڈیزائنر)

ابوہریرہ
(ڈیزائنر)

عبدالخالق
(کمپوزر)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 4033962-4043432 1 00966 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 4614483 1 00966 فیکس: 4644945 • الملز فون: 4735220 1 00966 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 4286641 1 00966 • سویلم فون/فیکس: 2860422 1 00966

جدہ فون: 6879254 2 00966 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 8234446,8230038 4 00966 فیکس: 8151121 04
الخبر فون: 8692900 3 00966 فیکس: 8691551 3 00966 خمیس مشیط فون/فیکس: 2207055 7 00966
ینبع البحر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 3696124 6 00966

امریکہ • نیویارک فون: 5925 625 718 001 • ہیوسٹن: 0419 722 713 001 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 4186619 416 001
لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 77252246 20 0044-85394885 20 0044 • دارالسلام انٹرنیشنل: 7739309 0121 0044
متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 5632623 6 00971 فیکس: 5632624 فرانس فون: 52928 480 01 0033 فیکس: 52997 480 01 0033
انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 45566249 44 0091 موبائل: 12041 98841 0091 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 4180 2373 22 0091
• نیو بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 4892 2451 40 0091 موبائل: 30850 98493 0091 • ایم اے انٹرپرائز فون: 42157847 44 0091
سری لنکا • دارالکتاب فون: 358712 115 0094 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 2669197 114 0094

پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ لاہور فون: 00 4 32 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 72 540 373 042
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 54 200 371 42 0092 فیکس: 03 207 373 042
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 10 926 356 42 0092

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 36 939 343 21 0092 فیکس: 37 939 343 21 0092

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 13 815 22 51 0092
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دارالسلام
موسوعة السيرة النبوية الجزء ٢ / مكتبة دارالسلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ
ص: ٦١٦ مقاس: ٢١×١٤ سم
ردمك: ٦-٠٩٥-٠٠٠-٥٠٣-٦٠٣-٩٧٨
(الكتاب باللغة الاردية)
١. السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٢٩٠٨
رقم الإيداع: ١٤٣٣/٢٩٠٨
ردمك: ٦-٠٩٥-٠٠٠-٥٠٣-٦٠٣-٩٧٨

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

اللهم صل على

محمد

وعلى آل محمد كما صليت على إبراهيم

وعلى آل إبراهيم إنك حميد مجيد

اللهم بارك على محمد وعلى آل محمد

كما باركت على إبراهيم وعلى آل إبراهيم

إنك حميد مجيد

صحيح البخاري : 3370

صحيح مسلم : 405-407

مدحت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وأحسن منك لم ترقط عيني
وأجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من كل عيب
كأنك قد خلقت كما تشاء

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

باب:1	حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نسب اور خاندان	29
باب:2	رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی عظیم نشانیاں	83
باب:3	سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت	97
باب:4	رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن	145
باب:5	حروبِ فجار اور حلف الفضول	203
باب:6	تجارت کا آغاز	227
باب:7	رسول اللہ ﷺ کی پہلی شادی	247
باب:8	تعمیرِ کعبہ	275
باب:9	بشاراتِ نبوت و رسالت	313

فہرست

باب: 1

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نسب اور خاندان

محمد رسول اللہ ﷺ کا حسب نسب	32
▪ قرآن میں نسب کی اہمیت	32
▪ حدیث میں نسب کی اہمیت	32
▪ ① رسول اللہ ﷺ سے عدنان تک	33
▪ ② عدنان سے ابراہیم علیہ السلام تک	34
▪ ③ ابراہیم علیہ السلام سے آدم علیہ السلام تک	34
▪ رسول اللہ ﷺ کے نسب کے بارے میں روایات	35
اعلیٰ نسب	36
قریش کی خصوصیات	38
شجرہ: قبائل قریش جنھیں نبی اکرم ﷺ نے دعوت اسلام دی	40
رسول اللہ ﷺ کے اجداد کا تعارف	41
عدنان	41
▪ مَعَدّ بن عدنان	42
▪ نزار بن معد	43
▪ مُضَر بن نزار	43
▪ الیاس بن مضر	44
▪ مُدرِکہ بن الیاس	44
▪ خُزیمہ بن مدرکہ	45
▪ کنانہ بن خزیمہ	45
▪ نضر بن کنانہ	46
▪ مالک بن نضر	46
▪ فہر بن مالک	46
▪ قریش کی وجہ تسمیہ	47
شجرہ: شجرہ طیبہ امام الانبیاء ﷺ	48
▪ غالب بن فہر	49
▪ لُؤی بن غالب	49
▪ کعب بن لُؤی	50

- مُرّہ بن کعب 50
- کِلاب بن مُرّہ 51
- قُصَیّ بن کلاب 51
- بیت اللہ قُصَی کی تحویل میں 52
- قریشِ مکہ کے پہلے باقاعدہ حکمران 52
- دارالندوہ کی تعمیر 53
- سالانہ ٹیکس ''رفادہ'' کا نفاذ 54
- عبدالدار کی جانشینی 54
- عبدِمَناف بن قُصَی 55
- بنوعبدمناف اور بنوعبدالدار میں کشاکش 55
- ہاشم بن عبدمناف 57
- ہاشم کی وجہ تسمیہ 57
- ہاشم کے سفر اور تجارتی معاہدے 58

نقشہ: عربوں کی تجارت کے قدیم راستے 58

- اُمیّہ کا حسد اور جلاوطنی 60
- امدادِ باہمی کی نادر مثال 60

عبدالمطلب بن ہاشم 62

- عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ 63
- عبدالمطلب کی سیرت کے نمایاں اوصاف 63
- حرب اور عبدالمطلب کے تنازع میں نُفَیل کا فیصلہ 64
- قصہ حذافہ عدوی کی رہائی کا 65
- زم زم کے کنویں کی کھدائی 65
- عبدالمطلب کا خواب 66
- خواب کی عملی تعبیر 67
- زم زم کی تولیت 67
- صحرائے شام میں قدرت کا معجزہ 67
- سونے کے ہرن اور بابِ کعبہ 68
- بیٹے کی قربانی 69
- قرعہ اندازی اور 100 اونٹوں کی دِیَت 70
- عبدالمطلب کی اولاد 72
- جدِّ رسول کی محبت اور وصیت 72
- نبی ﷺ دادا کی وفات پر رو دیے 72

عبداللہ بن عبدالمطلب 74

- عبدالمطلب کا یمن میں ایک فیصلہ 75
- نبی ﷺ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی ننھیال 76
- پدرِ بزرگوار عبداللہ کی وفات 76
- حضرت آمنہ کا مرثیہ 76
- عبداللہ کا ترکہ 77

آمنہ بنت وہب 78

شجرہ: شجرہ طیبہ امام الانبیاء اور سیدہ آمنہ 78

- مبارک ومسعود بچہ 79

- حضرت آمنہ کی وفات 79

نقشہ: نبی ﷺ اور حضرت آمنہ کا سفرِ یثرب 80

- والدہ کی قبر کی زیارت 81

باب: 2

رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی عظیم نشانیاں

واقعۂ اصحابِ فیل 86

- کلیسا کی تعمیر 86
- ابرہہ کی یمن سے پیش قدمی 87
- بنوثقیف کا ابرہہ سے تعاون 87
- ابرہہ کی لوٹ مار 88
- عبدالمطلب ابرہہ کے روبرو 88
- حرم میں قریشی سرداروں کی دعائیں 88

نقشہ: ابرہہ کا مکہ مکرمہ پر ناکام حملہ 90

- ابرہہ کا کعبے پر ناکام حملہ اور اس کا بھیانک انجام 91

ولادت نبوی کی دیگر علامات 92

- روایات ظہور اور ان کا جائزہ 94
- ہنڈیا کا دو حصے ہونا 95
- ہاتف غیب کا خوش خبری دینا 95
- یہود کا خبر دینا 95
- راہب کا خبر دینا 95

باب: 3

سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت با سعادت

رسول اللہ ﷺ کی ولادت با سعادت 100

- طلوعِ آفتابِ ہدایت 100
- پیدائش کا سال 100
- پیدائش کا مہینہ 101
- پیدائش کا دن 101
- تاریخِ پیدائش 101
- جائے پیدائش: مکہ مکرمہ 103

نبیِ کریم ﷺ کا ختنہ 105

- ختنہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے 105
- کیا نبیِ کریم ﷺ مختون پیدا ہوئے؟ 106
- کیا جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کا ختنہ کیا؟ 106
- دادا کی طرف سے ختنے کا اہتمام 107

رسول اللہ ﷺ کے اسمائے مبارکہ 109

- قرآنِ کریم نے رسول اللہ ﷺ کو محمد اور احمد کے نام سے موسوم کیا 109
- انجیل برناباس میں اسم گرامی محمد ﷺ کا تذکرہ 110

- ایک نورانی خواب 111
- والدہ محترمہ کو "احمد" اور "محمد" نام رکھنے کا حکم 112
- آپ ﷺ کا نام "محمد" کیوں رکھا گیا؟ 112
- "احمد" اور "محمد" (ﷺ) کے معنی 114
- بعثت نبوی سے پہلے کے "محمد" نامی دوسرے افراد 115
- پانچ مبارک نام 117
- نبیِ اکرم ﷺ کے چند اور نام 117
- قرآن مجید میں نبیِ اکرم ﷺ کے صفاتی نام 117
- یٰسٓ اور طٰہٰ نبیِ اکرم ﷺ کے نام نہیں 119

رسول اللہ ﷺ کی کنیت 120

نبیِ کریم ﷺ کا عقیقہ 122

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت و پرورش 124

- عرب میں رضاعت 124
- سب سے پہلے والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا 124
- رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ام ایمن کا درجہ 125
- محترمہ ثُوَیبہ 126
- ام فروہ 128
- حلیمہ سعدیہ 129
- حلیمہ رضی اللہ عنہا کی دلنشین باتیں 129
- نقشہ: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنوسعد کا علاقہ 130
- (ا) جسمانی صحت، طہارتِ قلب اور عقل و شعور پر دیہی ماحول کا اثر 134
- (ب) فصاحت و بلاغت 135
- حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا پر برکات کا نزول 137
- خاندانِ حلیمہ کی عزت افزائی 137
- اللہ تعالیٰ کے برحق اور بابرکت فیصلے 138
- نبی ﷺ کے رضاعی عزیز واقارب 139
- نبیِ کریم ﷺ کا رضاعی باپ 140
- ابو کبشہ کون ہیں؟ 140
- رضاعی ماں باپ کی تکریم 141
- رضاعی بہن بھائی سے نبی ﷺ کا مثالی سلوک 142
- سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے رضاعی رشتہ 143
- رضاعی والدین کا قبولِ اسلام 143

باب: 4

رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن

رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن اور شق صدر 148

- شقِ صدر 149
- شقِ صدر کا واقعہ کب پیش آیا؟ 151
- شقِ صدر کتنی مرتبہ ہوا؟ 152
- شقِ صدر کی حکمتیں 153

■ شقِ صدر کے بارے میں بودے شکوک وشبہات	155
■ نشانِ مہر نبوت	156
■ ماں کی آغوشِ محبت میں	156
■ والدہ محترمہ کے ساتھ یثرب کا سفر	157
نقشہ: والدینِ رسول اللہ ﷺ کے مقاماتِ وفات	158
■ سائے پسند آئے نہ پروردگار کو	159
■ دادا کی کفالت	159
■ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت	160
■ دادا بھی ساتھ چھوڑ گئے	161
■ شفیق چچا کی سرپرستی میں	162
■ قیافہ شناس کی پیش گوئی	163
■ بارانِ رحمت کی دعا	163
گلہ بانی سے جہاں بانی تک	167
■ گلہ بانی کے تربیتی فوائد	169
● صبر	169
● تواضع	169
● شجاعت	170
● شفقت ورحمت	170
● محنت سے روزی کمانے کا جذبہ	171
بحیرا راہب سے ملاقات	173
نقشہ: رسول اللہ ﷺ کا چچا کے ساتھ سفر	174
■ نبی ﷺ کی تلاش میں رومیوں کی آمد	176
■ بحیرا کے واقعے پر مستشرقین کا ردِعمل	176
■ محدثین کا تبصرہ	178
■ واقعۂ بُصریٰ کی اہمیت	181
■ رومیوں (مسیحیوں) کی دشمنی کے اسباب	182
■ یہودیوں کی اسلام دشمنی	182
■ نبیِ کریم ﷺ کا سفرِ یمن	184
محمد ﷺ کی بتوں اور برے اخلاق سے بیزاری	188
■ بُت پرستی سے نفرت	188
■ مستشرقین کی بددیانتی	190
■ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بتوں کی حقیقت کس طرح کھلی؟	191
■ نبوت سے پہلے ہی بتوں سے اجتناب کی نصیحت	191
■ قریش کی عید میں شرکت سے انکار	192
■ نبوت سے پہلے بھی غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ نہیں کھایا	193
■ جھوٹ سے اجتناب	194
■ بے پردگی سے وحشت	198
■ شرابِ خانہ خراب سے نفرت	200
■ کبھی گانا سننے کا خیال بھی نہیں گزرا	201

باب: 5

حروبِ فجار اور حلف الفضول

جنگِ فجار اور اس کا انجام	206
▪ حرمت والے مہینے اور فجار	206
▪ نبی کریم ﷺ کی آخری جنگِ فجار میں شرکت	208
نقشہ: جنگِ فجار	209
▪ حرب فجار کے وقت نبی کریم ﷺ کی عمر	210
▪ آخری حربِ فجار کا پس منظر	211
▪ عروہ بن عتبہ کا قتل	212
▪ براض بن قیس کنانی کی چالبازی	213
▪ وفدِ قریش اور ابو براء قیسی	214
▪ آخری جنگِ فجار کے واقعات	214
▪ حرب فجار کا انجام	216
حِلف الفضول	217
▪ معاہدے کی وجہ تسمیہ	217
▪ مطیّبین اور احلاف کی وجہ تسمیہ	218
▪ معاہدہ کس طرح ہوا؟	219
▪ حلف الفضول کے مفید اثرات ونتائج	221
▪ عبداللہ بن جدعان...... ایک مِلا جُلا کردار	221
▪ ایمان کے بغیر فیاضی بے کار ہے	223

باب: 6

تجارت کا آغاز

تجارتی سفر جو آپ ﷺ کی شادی کی نوید بن گیا	230
نقشہ: قریش مکہ کے سفر	231
▪ نبی ﷺ کا شام کی طرف تجارتی سفر	232
▪ سفر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟	233
▪ رسول اللہ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مابین تجارتی معاہدہ	234
▪ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بحیثیت سوداگر	234
▪ سامانِ تجارت کیا تھا؟	234
▪ روانگی کے لمحات	235
▪ مکہ سے بُصریٰ تک	236
▪ بُصریٰ میں عجیب وغریب واقعات کا ظہور	236
▪ بھاری منافع	238
▪ شام سے واپسی	238
▪ سفر کی سرگزشت	239
▪ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کی خدمت میں	239
▪ آخری نبی کے بارے میں ورقہ بن نوفل کا اعلان	240
▪ رسول اللہ ﷺ کے دیگر تجارتی سفر	240
نقشہ: نبی ﷺ کے دیگر تجارتی سفر	241

- رسول اللہ ﷺ کے کاروباری ساجھی 244

باب: 7

رسول اللہ ﷺ کی پہلی شادی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 250
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب 251
- خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ولادت 252
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سابق ازدواجی زندگی 252
شجرہ: شجرۂ طیبہ امام الانبیاء اور ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا 253
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلے شوہروں سے اولاد 254
- بڑے بڑے سرداروں کا پیغام نکاح مسترد 255
- نبی ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی طرف رجحان 255
- سیدہ نے پیغامِ نکاح بھیج دیا 257
- پیغام کس طرح بھیجا؟ 257
- نکاح کی تاریخ 259
- نکاح کے وقت زوجین کی عمر 259
- تقریب نکاح 259
- شرکائے تقریب نکاح 260
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے سرپرست 260
- خطبۂ نکاح اور نکاح خواں 261
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر 262
- ورقہ بن نوفل کا جوابی خطبہ 262
- نبی ﷺ کا پہلا ولیمہ 263
- خدیجہ رضی اللہ عنہا عظمت کی معراج پر 264
- خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف آوری 265
- کیا نکاح کا سبب حُبِّ مال تھا؟ 266
- سیدنا علی رضی اللہ عنہ، محمد ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سایۂ عاطفت میں 268
- حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مثالی سلوک 269
- رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں منفرد تحفہ 270
- زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا نبی ﷺ کی خدمت میں 270
- زید رضی اللہ عنہ کا حُسنِ انتخاب 271
- مستدرک حاکم کا بیان 272
- رسول اللہ ﷺ پر کسی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی 273
- رسول اللہ ﷺ کی خدیجہ رضی اللہ عنہا سے اولاد 274

باب: 8

تعمیرِ کعبہ

کعبہ کی تعمیر نو میں محمد رسول اللہ ﷺ کا کردار 278
- بیت اللہ کتنی دفعہ بنا؟ 278
- خانہ کعبہ کی تعمیر میں نبی ﷺ کی شرکت 279

■ بیت اللہ کی تعمیرِ نو کے اسباب	280
■ قریش کو ابو وہب اور ولید بن مغیرہ کا مشورہ	281
■ بیت اللہ کی نئی تعمیر کے مراحل	282
■ تعمیر کعبہ کے وقت نبیِ اکرم ﷺ کی عمر مبارک	283
■ نبیِ اکرم ﷺ نے پتھر ڈھوئے	283
■ بیت اللہ کا معمار	284
■ تعمیرِ کعبہ کے کام کی تقسیم	285
خاکہ: تعمیرِ کعبہ کے کام کی تقسیم (تعمیرِ قریش کے وقت)	286
■ انہدامِ کعبہ کا نازک مرحلہ	287
■ ولید بن مغیرہ کا اقدام	287
■ حجر اسود نصب کرنے پر زبردست اختلاف	288
■ حجر اسود کی اہمیت وفضیلت	289
■ ابوامیہ بن مغیرہ کی رائے پر اتفاق	292
■ نبی ﷺ کے ناخنِ تدبیر سے فتنے کا خاتمہ	292
■ ابلیس کی شرانگیزی ناکام ہوگئی	293
■ نئی تعمیر کے نمایاں پہلو	294
■ غلافِ کعبہ کا اہتمام	294
■ تعمیرِ کعبہ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی آرزو	295
■ اصل چیز رفعِ فساد ہے	297
■ ابراہیمی بنیاد پر کعبہ کی تعمیرِ نو کا اشارہ	298
■ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی زیرِ نگرانی تعمیر کعبہ	298
■ ابنِ زبیر رضی اللہ عنہما کا استخارہ	299
خاکہ: عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر بیت اللہ کا خاکہ دو دروازوں کے ساتھ بشمول حطیم	302
■ حجاج نے کعبہ کی عمارت کو حسب سابق بنا دیا	303
■ عبدالملک بن مروان کا اظہار ندامت	305
■ سلیمان بن عبدالملک کی آرزو	307
■ بنوعباس کے دور میں کعبہ کی صورتِ حال	307
عثمانی عہد میں کعبہ کی تعمیرِ نو	307
خاکہ: کعبہ کی موجودہ عمارت کا خاکہ اور اس کے ابعاد	308
■ کعبہ پیمائشوں کے آئینے میں	309
خاکہ: کعبہ شریف کی دیواروں کی لمبائی، چوڑائی اور درمیانی فاصلے	310
خاکہ: حطیم، بیت اللہ کے گرد چبوترے اور بیت اللہ کے اندرون کی پیمائش	311

باب: 9

بشاراتِ نبوت و رسالت

سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ	319
■ انبیاء علیہم السلام کا باہمی رشتہ	319
■ تمام انبیاء ایک ہی دین کے پرچارک تھے	319

■ نبی ﷺ کے متعلق انبیاء ؊ سے لیا گیا عہد 319
■ نبیِ اکرم ﷺ دعائے خلیل علیہ السلام ہیں 321
■ تورات و انجیل میں نبی ﷺ کا تذکرہ اور قرآنِ کریم کی تصدیق 321
■ اصل انجیل میں ''احمد'' کا تذکرہ 322
■ علمائے اہلِ کتاب نبی ﷺ کی صفات سے آگاہ تھے 322
■ صفات نبوی کے بارے میں یہود کی راز داری 323
■ یہودی عالم کے بیٹے کی گواہی 324
■ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور کعب احبار کی صراحت 324

یہود و نصاریٰ کی تحریف 326

■ قرآنِ کریم کی شہادت 326
■ حدیثِ رسول سے گواہی 327
■ یہودی عالم ابن صوریا کی شہادت 328
■ بائبل کے متعلق 32 عیسائی علماء کی رپورٹ 328
■ بائبل ہی کی عبارتوں سے تحریف کی گواہیاں 329
■ ① بہت سی باتوں کا اضافہ 329
■ ② لکھنے والوں کے باطل قلم 331
■ ③ تم نے اللہ کا کلام باطل کر ڈالا 331
■ ④ تم نے اللہ کا کلام بگاڑ دیا 331

بائبل کا تعارف 333

■ بائبل کے مؤلفین 333
● متی (Matthew) 334
● مرقس (یوحنا) 334
● یوحنا عارف 335
● لوقا (St.Luke) 336
● برناباس 336
● دانی ایل یا دانیال 336
● عزیر (عزرا) علیہ السلام 337
■ بائبل کے تین قدیم نسخے 338
● ① نسخہ ویٹیکن 338
● ② سینائی نسخہ 338
● ③ نسخہ اسکندریہ 338
■ اسرائیلی روایات 339

بائبل کی پیش گوئیاں اور اہلِ کتاب کی ہیرا پھیری 341

■ توراتی بشارات اور محمد رسول اللہ ﷺ سے چشم پوشی 342
■ نبی ﷺ کے بارے میں اہلِ کتاب کے تین نظریات 343
■ نصرانیت سے جنم لینے والی صہیونیت 344

تورات کی بشارات 348

▪ تورات کی پہلی پیش گوئی 348

● ① ''ان ہی کے بھائیوں میں سے ...... ایک نبی'' 349

● ② ''تیری مانند ایک نبی'' 349

▪ موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند مشترک خصوصیات 350

● ③ ''اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا'' 351

● ④ ''وہ میرا نام لے کر کہے گا'' 352

▪ تورات کی دوسری پیش گوئی 352

نقشہ: سیناء، شعیر (سعیر) اور فاران 354

● ① ''وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا'' 355

● ② ''اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا'' 356

▪ بائبل میں تحریف در تحریف 356

زبور کی بشارات 360

▪ زبور کی پہلی پیش گوئی 360

● ① ''تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے'' 361

● ② ''خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا'' 363

● ③ ''اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت وشوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر'' 364

● ④ ''تیری معزز خواتین میں شہزادیاں ہیں'' 365

● ⑤ ''ملکہ تیرے دہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے'' 365

● ⑥ ''اور صُور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی'' 366

● ⑦ ''قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے'' 366

▪ زبور کی دوسری پیش گوئی 367

نقشہ: دریائے جیحون اور دریائے فرات 368

● ① ''اُس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریای فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی'' 369

نقشہ: فتوحات اسلامیہ کی وسعت 370

● ② ''بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے'' 370

● ③ ''ترسیس ...... سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے'' 370

● ④ ''سب بادشاہ اُس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اُس کی مطیع ہوں گی'' 371

● ⑤ ''وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائے گا'' 371
● ⑥ ''وہ فدیہ دے کر ان کی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائے گا'' 372
● ⑦ ''لوگ برابر اُس کے حق میں دُعا کریں گے'' 373
● ⑧ ''اُس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا'' 373
■ زبور کی تیسری پیش گوئی 374
● ① ''مبارک ہے وہ ...... جس کے دل میں صیّون کی شاہراہیں ہیں۔'' 374
● ② ''وہ وادیِ بُکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔'' 375
■ زبور کی چوتھی پیش گوئی 377
● ''وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت ......'' 377
غزل الغزلات سلیمان علیہ السلام کی بشارت 380
● ① ''میرا محبوب سرخ و سفید ہے'' 381
■ بائبل میں فتح مکہ کا اشارہ 382
● ② ''وہ دس ہزار میں ممتاز ہے'' 382
نقشہ: فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دس ہزار صحابہ کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے 382
● ③ ''اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں'' 383
● ④ ''وہ سراپا عشق انگیز ہے'' 383
● ''محمدیم'' کے معنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں 383
● ''مَحْمادْ'' اور ''محمدیم'' 384
● ⑤ ''اے یروشلیم کی بیٹیو!'' 384
● ⑥ ''یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا'' 387
صحیفۂ یسعیاہ کی بشارات 390
■ یسعیاہ کی پہلی پیش گوئی 390
● ① ''میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں'' 392
● ② ''وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا......'' 393
● ③ ''جزیرے اُس کی شریعت کا انتظار کریں گے'' 394
● ④ ''لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے......'' 395
■ یسعیاہ کی دوسری پیش گوئی 396
● ① ''قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں'' 396
● ② ''سلع کے بسنے والے گیت گائیں'' 396
■ یسعیاہ کی تیسری پیش گوئی 397

- ① ”تاریکی زمین پر چھا جائے گی ...... سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے“ 397
- ② ”وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں...... تیرے بیٹے دور سے آئیں گے......“ 398
- ③ ”اُونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آکر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔......“ 399
- ④ ”خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے......“ 399
- ⑤ ”قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔......“ 399
- ⑥ ”بیگانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائیں گے۔“ 401
- ⑦ ”اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے۔“ 402
- ⑧ ”تیرے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ وہ دن رات کبھی بند نہ ہوں گے......“ 402
- یسعیاہ کی چوتھی پیش گوئی 403
- ① ”اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر!“ 403
- قبلے کی تبدیلی 403
- ② ”بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے“ 405
- ③ ”دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا......“ 405
- ④ ”تو راست بازی سے پایدار ہو جائے گی۔ تو ظلم سے دور رہے گی......“ 405
- یروشلم کی بار بار تباہی اور مکہ جائے امن 405
- عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلیم کی بربادی کی خبر دی 408
- یسعیاہ کی پانچویں پیش گوئی 408
- ① ”جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے اُنھوں نے بڑی روشنی دیکھی“ 409
- ② ”جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے اُن پر نور چمکا“ 409
- دربارِ نجاشی میں صحابی رسول کا اعلانِ حق 409
- ③ ”تو نے قوم کو بڑھایا۔ تو نے اُن کی شادمانی کو زیادہ کیا“ 410
- نقشہ: دنیائے اسلام کی وسعت 411
- ④ ”اُن پر ظلم کرنے والے کے عصا کو ایسا توڑا ہے جیسا مِدیان کے دن میں کیا تھا“ 412
- ⑤ ”سلطنت اُس کے کندھے پر ہوگی“ 412
- ⑥ ”سلامتی کا شاہزادہ ہوگا۔“ 412
- ⑦ ”وہ داوٗد کے تخت اور اُس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا“ 413

■ مسیح (علیہ السلام) داود (علیہ السلام) کے خلف ہیں	413
■ اسلام انسانیت کے لیے پیغامِ امن	414
صحیفۂ دانیال کی بشارات	418
■ فتح تستر اور دانیال کی میت	418
■ دانیال کی پہلی پیش گوئی	419
■ بخت نصر کا خواب دانیال پر آشکار	419
■ ابدی سلطنت کی بشارت	420
● ① ''آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی''	421
● ② ''بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی......''	421
■ سب سے سچا مشہور ترین خواب	422
■ ''امن کے بادشاہ'' کا انتظار	422
■ اور پانچویں سلطنت قائم ہوگئی	423
نقشہ: عہد صدیقی و فاروقی میں شام وفلسطین کی فتح	423
■ سلطنتِ اسلام کو تسلیم کرنے سے یہود و نصاریٰ کا گریز	424
■ چار حیوانوں کے خواب سے لیے گئے کل پرزے	425
■ دانیال کی دوسری پیش گوئی	426
● ① ''سب لوگ اور اُمتیں اور اہل لغت اُس کی خدمت گزاری کریں''	427
● ② ''اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اس کی مملکت لازوال ہوگی''	427
■ دس بادشاہ عہدِ نپولین کے یا یورپی یونین؟	429
نقشہ: دنیائے اسلام (2012ء)	429
■ دانیال کی پیش گوئی میں اسرائیل کا تذکرہ	430
صحیفۂ حبقوق کی بشارت	434
● ① ''خدا تیمان سے آیا اور قدُّوس کوہ فاران سے''	434
■ وادیِ مکہ ہی فاران ہے	435
■ بائبل میں ''قدوس'' سے مراد محمد ﷺ ہیں	435
● ② ''زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی''	435
● ③ ''اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں ...... اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے''	436
● ④ ''اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں''	437
صحیفہ حجّی کی بشارت	440
● ① ''اُن کی مرغوب چیزیں آئیں گی''	440

■ عبرانی ''محماد'' عربی میں محمد (ﷺ) ہے 441

● ② ''اس پچھلے گھر کی رونق پہلے گھر کی رونق سے زیادہ ہوگی'' 441

● ③ ''میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا'' 442

صحیفۂ ملاکی کی بشارت 446

■ الیاس اور ایلیاہ 446

● ① ''جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا'' 448

● ② ''سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کی مانند'' 450

● ③ ''سردار'' اور ''عہد کا رسول'' 450

■ موسیٰ علیہ السلام کی وصیت 451

■ ''ختنے والا پیغمبر'' 452

انجیل کی بشارات 456

■ انجیل کی پہلی پیش گوئی 456

■ ''وہ نبی'' کون؟ 458

■ مسیح سے کیا مراد ہے؟ 459

■ عیسیٰ علیہ السلام کا مسیح ہونے سے انکار 461

■ عیسیٰ علیہ السلام مسیح منتظر نہیں تھے 462

■ مسیح منتظر: محمد ﷺ 462

■ انجیل کی دوسری پیش گوئی 464

● ① ''مددگار'' یا فارقلیط؟ 464

■ ''فارقلیط'' اور ''محمد'' ہم معنی ہیں 465

● ② ''ابد تک تمھارے ساتھ رہے'' 467

● ③ ''جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا'' 467

■ بائبل میں عقیدۂ توحید 467

● ④ ''روح حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا'' 468

● ⑤ ''تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا'' 469

● ⑥ ''وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا'' 470

■ انجیل کی تیسری پیش گوئی 470

● ''کونے کے سرے کا پتھر'' 470

■ انجیل کی چوتھی پیش گوئی 472

● ''خدا کی بادشاہی'' 472

● ''خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائیگی'' 472

■ یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا اعلان 474

■ ''آسمان کی بادشاہی'' کس کے لیے؟ 475

■ ایلی، ایلی، لما شبقتنی؟ 476

- ''خدا کی بادشاہی'' کے اصل مصداق: محمد ﷺ 479
- انجیل کی پانچویں پیش گوئی 479
  - آخری نبی کی آمد کی بشارت 479
- انجیل کی چھٹی پیش گوئی 480
  - ① ''جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے'' 481
  - ② ''وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا'' 481
- انجیل کی ساتویں پیش گوئی 482
  - ''بیش قیمت موتی ملا تو ...... اسے مول لے لیا'' 482

پطرس کی بشارت 486

- پطرس کے خطاب سے ماخوذ امور 487

شجرہ: شجرہ طیبہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام 489

مکاشفہ یوحنا کی بشارات 492

- یوحنا کی پہلی پیش گوئی 492
  - ① ''جو سچا اور برحق کہلاتا ہے'' 492
  - ② ''وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے'' 492
- دشمنوں سے برتاؤ کی اسلامی اقدار 493
  - ③ ''اور اُس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں'' 494
  - ④ ''اُس کے سر پر بہت سے تاج ہیں'' 495
  - ⑤ ''آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار ......اُس کے پیچھے پیچھے ہیں'' 495
- یوحنا کی دوسری پیش گوئی 497
  - ''وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا'' 497
- یوحنا کی تیسری پیش گوئی 498
  - ① ''وہ بڑہ صیُّون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اُس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں'' 499
  - ② ''جن کے ماتھے پر اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے'' 499
  - ③ ''ایک ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی......'' 500
  - ④ ''اُن ایک لاکھ چوالیس ہزار شخصوں کے سوا جو دنیا میں سے خرید لیے گئے تھے......'' 501
  - ⑤ ''یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں'' 502
  - ⑥ ''یہ وہ ہیں جو بڑہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے'' 502
  - ⑦ ''یہ خُدا اور بڑہ کے لیے پہلے پھل ہونے

کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں" 503

● ⑧ "اُن کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں" 504

نبیِ آخر الزماں ﷺ کا ذکر مبارک انجیل برناباس میں 508

■ اناجیل اربعہ اور انجیل برناباس 508

■ رومی عقائد پر مبنی عیسائیت میں انجیل برناباس پر پابندی 509

■ حواری برناباس کا درجہ 510

نقشہ: پولس (St. paul) کے سفر 512

نقشہ: پولس کا رومہ (روم) کا سفر 513

■ انجیل برناباس تاریخِ عیسائیت میں 514

■ انجیل برناباس پر اعتراضات اور ان کا جواب 516

انجیل برناباس کی واضح بشارات 520

● ① "بے شک وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہے۔" 520

● ② "میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں" 520

● ③ "تمام نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی" 520

● ④ "وہ بہت جلد کلام حق کے ساتھ آئے گا" 520

● ⑤ "وہ زمین کی ان تمام قوموں کے لیے خلاص اور رحمت لائے گا" 521

● ⑥ "بت پرستی کو نیست کر دے گا۔" 522

● ⑦ "جو دکھن سے طاقت کے ساتھ آئے گا۔" 523

● ⑧ "رسول نجات بنا کر بھیجوں گا" 524

● ⑨ بعثتِ محمد سے سولی چڑھائے جانے کی بدنامی دور ہوگی 524

● ⑩ خدا کا رسول انجیل کی ناپاکی (تحریف) دور کرے گا۔ 525

● ⑪ "نبیوں کے سرتاج" 525

● ⑫ نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج پردے کی باتوں کو واضح کرے گا۔ 525

● ⑬ "میں خدا کا خادم ہوں اور خدا کے رسول کی ...... خدمت کرنے کا خواہاں ہوں۔" 526

● ⑭ "دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج۔" 527

نبیِ کریم ﷺ کی نبوت پر علمائے اہلِ کتاب کی شہادتیں 528

■ یہودی عالم زید بن سَعْنہ کی تصدیق 529

■ یہودی عالم مُخَیْرِیق کا ایثار 532

■ سردارِ یہود حُیَیّ بن اَخطب کی تصدیق اور حسد 533

▪ شام کے یہودی عالم ابن الھیّبان کی وصیت	535
▪ یہودی عالم عبداللہ بن صوریا کی تصدیق	536
▪ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی گواہی	537
▪ قیصرِ روم ہرقل کی تصدیق	539
▪ ختنہ کرنے والوں کے بادشاہ کے ظہور کا اعلان	542
▪ یہودی کا نیک بخت بیٹا	543
▪ ستر ہزار اُمتی بغیر حساب جنتی	543
▪ قیصر روم کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تصویریں	546
▪ یمنی یہودی عالم کی تصدیق اور کداء سے گھوڑوں کی آمد کی بشارت	547
▪ شام کے مسیحی عالم کی طرف سے ظہور مبارک کی پیش گوئی	550
▪ مُقوقِس والی مصر کی تصدیق اور مغیرہ بن شعبہ کا اسلام	552
▪ خیبر کے یہودیوں کے نام مکتوب گرامی	555
▪ یہودیوں کا انکارِ حق	557
▪ بدبخت یہودی کا سعادت مند بیٹا	560
ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ	561
▪ ہندومت کا تعارف	561
▪ کلکی اوتار	562
▪ کلکی اوتار کا تعارف اور خصوصیات	562
▪ کلکی اوتار: ''سروانما'' یا ''محمد''	562
▪ سومتی (آمنہ) اور وِیشنو یش (عبداللہ)	563
▪ ''شنبل گرام'' یا بلد الامین	563
▪ کلکی اوتار (آخری رسول) کی تاریخِ پیدائش	563
▪ کلکی اوتار کے والد اور والدہ کی وفات	564
▪ ''سالمل دیپ'' کی سیدہ سے شادی	564
▪ پہاڑی غار میں ''پرشورام'' (روح القدس) کی آمد	564
▪ ''شنبل گرام'' میں دعوت، ہجرت اور فتح	565
▪ اُڑن گھوڑا (براق) اور معراج	565
▪ دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد	566
نقشہ: غزوات رسول ﷺ	566
▪ فرشتوں کے ذریعے کلکی اوتار کی مدد	567
▪ چار خلفاء سے تائید	567
▪ ''جگت پتی'' یا دنیا کا سردار	568
▪ کلکی اوتار پر نبوت کا خاتمہ	568
▪ حسن و جمال کی اعلیٰ مثال	568
▪ مہکتا ہوا (معطر) رسول	568
▪ کلکی اوتار کی آٹھ ربانی صفات	569
▪ اتھر وید اور رگ وید میں محمد (ﷺ) کا نام	570

- نراشنس اور رییھ: محمد اور احمد (ﷺ) 571
- میٹھی زبان اور قربانیوں والا محبوب 577
- ''نراشنس'': بہت بڑا رہنما 577
- ''سورچی'' یا ''صاحب جمال'' 577
- ''کوی'' یا ''صاحب علم و معرفت'' 578
- دس ہزار دشمنوں کی لڑائی کے بغیر شکست 579
- دس ہزار جانباز صحابیوں کے ساتھ ممتاز 580
- عرب کا عظیم مقدس شخص اور راجہ بھوج 580
- کافر دشمنوں کی ہدایت اور فلاح میں مشغول شخصیت 582
- محمد (ﷺ) کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی 582

پارسیوں کے صحیفے میں محمد ﷺ کا تذکرہ 585

ایرانی پیش گوئی اور دستورِ اعظم کا خواب 587

نقشہ: عہدِ فاروقی میں وادی ساوہ اور بقیہ ایران کی فتوحات 589

حواشی 590

- اعلام 590
- اماکن 610
- قبائل 613
- متفرقات 614

باب 1

سیرت انسائیکلوپیڈیا

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا نسب اور خاندان

آپ ﷺ کی نسبی عظمت اور آپ ﷺ کے جلیل القدر خاندان کا ذکرِ جمیل

لقد من الله على المؤمنين إذ
بعث فيهم رسولا من أنفسهم
يتلوا عليهم آيته ويزكيهم
ويعلمهم الكتب والحكمة

”بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔“

(آل عمران 3:164)

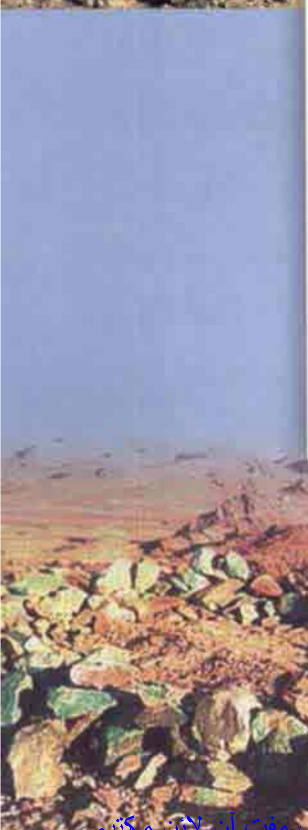
اس باب میں





نسبی عظمت انسان کا نہایت قیمتی اثاثہ ہے۔ دنیا کی ہر قوم، ہر نسل اور ہر مذہب نے خاندانی طہارت ونجابت کی اہمیت تسلیم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جتنے بھی پیغمبر بھیجے، انھیں نہایت باعظمت اور باوقار خاندانوں میں مبعوث فرمایا، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ بنو اسماعیل کے سب سے معزز خاندان قریش میں پیدا ہوئے۔ قرآن اور دیگر کتبِ سماوی میں نسب کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ بائبل کے عہد نامۂ قدیم کی ایک کتاب "گنتی" (Numbers) تو دراصل نسب ناموں ہی پر مشتمل ہے۔

اگلے صفحات میں آپ رسول اللہ ﷺ کے حسب نسب، والدین اور اجداد کرام کے احوال ملاحظہ فرمائیں گے۔





محمد رسول اللہ ﷺ کا حسب نسب

قرآن میں نسب کی اہمیت

اسلام میں نسب کی اہمیت ایک مختلف زاویے سے بیان کی گئی ہے۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ ﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھیں قومیں اور قبیلے بنایا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے، بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔''[1]

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاۗءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ﴾

''اور وہی (اللہ) ہے جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا، پھر اسے نسب اور سسرال (والا) بنا دیا۔''[2]

نسب ایک بہت بڑا اعتبار ہے۔ اسی پر خاندانی خصوصیات سمیت ہر انسان کی پہچان کا انحصار ہے۔ پہچان ختم ہو جائے تو دھوکے اور فریب کا لامتناہی سلسلہ شروع ہونے کا خدشہ پیدا ہو جاتا ہے حتی کہ رشتوں کی حرمت کا تحفظ بھی مخدوش ہو جاتا ہے۔

حدیث میں نسب کی اہمیت

نسب کی اسی اہمیت کے پیش نظر اسلام نسب تبدیل کرنے کو ایک کبیرہ گناہ اور جہنم میں جانے کا باعث قرار دیتا ہے۔ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنْ رَّجُلٍ ادَّعٰى لِغَيْرِ أَبِيهِ وَهُوَ يَعْلَمُهُ إِلَّا كَفَرَ بِاللّٰهِ، وَمَنِ ادَّعٰى قَوْمًا لَّيْسَ لَهُ فِيهِمْ

[1] الحجرٰت 13:49. [2] الفرقان 54:25.

نَسَبٌ، فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

''جس شخص نے جانتے ہوئے اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کیا تو اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور جس شخص نے اپنا نسب کسی ایسی قوم سے ملایا جس سے اس کا کوئی نسبی تعلق نہیں تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔''[1]

نسب تبدیل کرنا اپنے والدین اور جن کی طرف نسبت اختیار کی گئی، دونوں پر بہتان لگانے کے مترادف ہے۔ دمشق میں فوت ہونے والے آخری صحابی واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْفِرٰى أَنْ يَدَّعِيَ الرَّجُلُ إِلٰى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ يُرِيَ عَيْنَهُ مَا لَمْ تَرَ، أَوْ يَقُولَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَا لَمْ يَقُلْ»

''بے شک سب سے بڑا بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا کسی اور کی طرف منسوب کرے یا جو چیز اس نے خواب میں نہیں دیکھی، اُسے دیکھنے کا دعویٰ کرے یا رسول اللہ ﷺ کی طرف ایسی بات منسوب کرے جو آپ نے نہ فرمائی ہو۔''[2]

صلہ رحمی اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ہے اور یہ نسب کو یاد رکھے بغیر ممکن نہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«تَعَلَّمُوا مِنْ أَنْسَابِكُمْ مَا تَصِلُونَ بِهِ أَرْحَامَكُمْ، فَإِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِي الْأَهْلِ، مَثْرَاةٌ فِي الْمَالِ، مَنْسَأَةٌ فِي الْأَثَرِ»

''تم اپنے نسب کے متعلق اتنی معلومات (ضرور) حاصل کرو جس سے تم صلہ رحمی کر سکو، بے شک صلہ رحمی کرنے سے رشتے داروں میں محبت بڑھتی ہے، مال اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔''[3]

نبی کریم ﷺ کے نسب کے حسبِ ذیل تین طبقات ہیں:

1 رسول اللہ ﷺ سے عدنان تک

اس طبقے کی صحت پر محدثین، سیرت نگاروں اور ماہرینِ انساب کا اتفاق ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ (شَيْبَةِ الْحَمْدِ) بْنِ هَاشِمِ (عَمْرِو) بْنِ عَبْدِمَنَافِ (مُغِيرَةَ)

[1] صحيح البخاري: 3508. [2] صحيح البخاري: 3509. [3] جامع الترمذي: 1979.

ابْنِ قُصَيِّ (زَيْدٍ) بْنِ كِلَابِ بْنِ مُرَّةَ بْنِ كَعْبِ بْنِ لُؤَيِّ بْنِ غَالِبِ بْنِ فِهْرٍ (قُرَيْشٍ) بْنِ مَالِكِ ابْنِ النَّضْرِ (قَيْسٍ) بْنِ كِنَانَةَ بْنِ خُزَيْمَةَ بْنِ مُدْرِكَةَ (عَمْرٍو) بْنِ إِلْيَاسَ بْنِ مُضَرَ بْنِ نِزَارِ بْنِ مَعَدِّ بْنِ عَدْنَانَ.[1]

2 عدنان سے ابراہیم علیہ السلام تک

اس طبقے میں محدثین کرام، مؤرخین اور سیرت نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ عدنان سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام تک کتنی پشتیں ہیں۔ ابن اسحاق اور ابن ہشام نے محض چند نام لکھے ہیں:

عَدْنَانُ بْنُ أُدَدَ (أُدّ) بْنِ مُقَوِّمِ بْنِ نَاحُورَ بْنِ تَيْرَحَ (تَارَحَ) بْنِ يَعْرُبَ بْنِ يَشْجُبَ بْنِ نَابِتِ (نَبَايُوتَ) بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.[2]

ابن سعد اور ابن جریر نے بروایت کلبی اُدَد کا نسب اس طرح بیان کیا ہے:

أُدَدُ بْنُ الْهَمَيْسَعِ بْنِ سَلَامَانَ بْنِ عَوْصِ بْنِ يَوْزَ (بُوز) بْنِ قَمْوَالَ بْنِ أُبَيِّ بْنِ الْعَوَّامِ بْنِ نَاشِدِ بْنِ حَزَا بْنِ بَلْدَاسَ بْنِ تَدْلَافَ (يَدْلَافَ) بْنِ طَابِخَ بْنِ جَاحِمَ بْنِ نَاحِشَ (تَاحَشَ) بْنِ مَاخِي بْنِ عَبَقَى (عَيْفَى) بْنِ عَبْقَرَ بْنِ عُبَيْدِ بْنِ الدَّعَا بْنِ حَمْدَانَ بْنِ سَنْبَرَ بْنِ يَثْرِبَى بْنِ نَحْزَنَ (يَحْزَنَ) بْنِ يَلْحَنَ بْنِ أَرْعَوِيِّ بْنِ عَيْفَى بْنِ دِيشَانَ بْنِ عِيصَرَ بْنِ أَقْنَادَ بْنِ أَبْهَامَ (إِيْهَامَ) بْنِ مُقْصِيِّ (مُقْصَرٍ) بْنِ نَاحِثَ بْنِ زَارِحَ بْنِ شَمَّى بْنِ مَزَّى بْنِ عَوْصَ بْنِ عَرَّامَ بْنِ قَيْذَرَ (قَيْدَارَ) بْنِ إِسْمَاعِيلَ بْنِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ.[3]

3 ابراہیم علیہ السلام سے آدم علیہ السلام تک

نسب کے اس طبقے میں سے کئی کڑیاں غائب ہیں اور کچھ غلطیاں ہیں۔ مختلف سیرت نگاروں نے جو کچھ بیان کیا ہے، وہ یہ ہے:

إِبْرَاهِيمُ عليه السلام بْنُ تَارَحَ (آزَرَ) بْنِ نَاحُورَ بْنِ سَارُوغَ بْنِ رَاعُو بْنِ فَالَخَ بْنِ عَيْبَرَ (عَابِرٍ) بْنِ

---

1 صحيح البخاري، قبل الحديث: 3851، فتح الباري: 647,646/6، السيرة لابن هشام: 2,1/1. 2 السيرة لابن إسحاق: 17/1، السيرة لابن هشام: 2/1. 3 الطبقات لابن سعد: 56/1، تاريخ الطبري: 29,28/2.

شَالَخَ بْنِ أَرْفَخْشَذَ بْنِ سَامِ بْنِ نُوحٍ علیہ السلام بْنِ لَمْكَ بْنِ مَتُوشَلَخَ بْنِ أَخْنُوخَ (کہا جاتا ہے کہ یہی ادریس علیہ السلام ہیں۔) ابْنِ يَرْدَ بْنِ مَهْلِيلَ بْنِ قَيْنَنَ بْنِ يَانَشَ بْنِ شِيثَ بْنِ آدَمَ علیہ السلام۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے نسب کے بارے میں روایات

محمد رسول اللہ ﷺ کا معد بن عدنان بن اُدد سے پہلے کا نسب کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں اور جن روایات میں عدنان بن اُدد سے پہلے کا نسب بیان کیا گیا ہے، وہ تمام روایات ضعیف اور غیر مستند ہیں، مثلاً: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نسب بیان کرتے تھے تو مَعَدّ بن عدنان بن اُدَد پر رُک جاتے اور فرماتے تھے:

«كَذَبَ النَّسَّابُونَ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ: ﴿وَقُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا﴾» (الفرقان 38:25)

''نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا، اللہ عزوجل نے فرمایا ہے: ''اور ان (قوم عاد وثمود اور کنویں والوں) کے درمیان (دیگر) بہت سی اُمتوں کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا۔)''[2]

یہ روایت رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہیں۔[3] تاہم قرآن کریم کی آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد وثمود اور کنویں والوں کے درمیان کا طویل زمانہ اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب یہ آیت پڑھتے:

﴿وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ﴾ (ابرٰھیم 9:14)

''(کیا تمھیں ان کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے، یعنی قوم نوح) اور عاد اور ثمود (کی قوم) کی اور (ان کی) جو ان کے بعد تھے؟ انھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔''

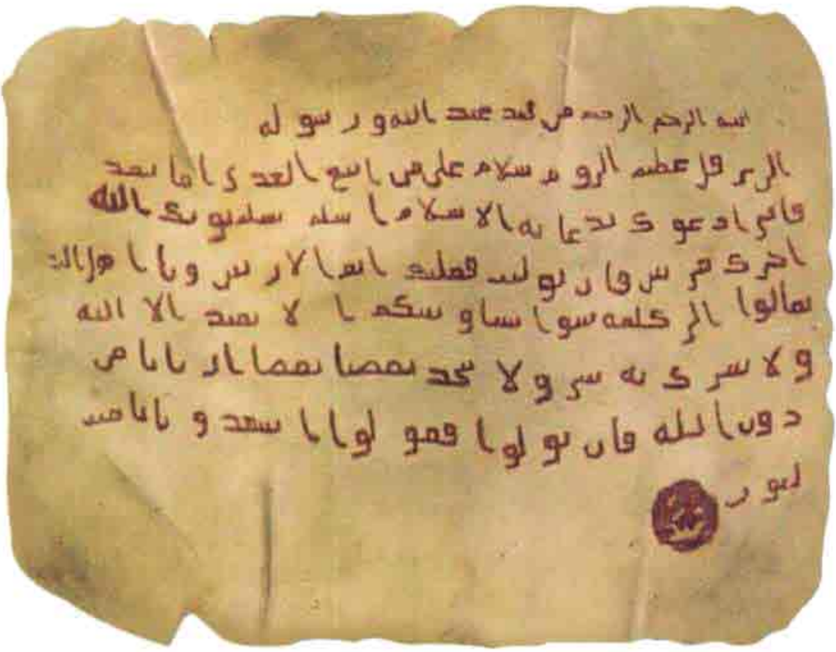
تو کہا کرتے تھے کہ نسب بیان کرنے والوں نے جھوٹ بولا ہے۔[4] یعنی اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: ''انھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔'' پھر یہ لوگ جاننے کا دعویٰ کس طرح کر سکتے ہیں؟ یہ روایت بھی انتہائی ضعیف ہے۔ بنا بریں نسب نامۂ نبوی کا پہلا حصہ ہی محفوظ ہے اور دوسرا حصہ غیر محفوظ، جیسے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''عدنان اور قحطان سے اُوپر والا نسب جاننے والا ہمیں کوئی شخص نہیں ملا۔''[5]

---

[1] السيرة لابن إسحاق: 17/1، السيرة لابن هشام: 3,2/1. نسب میں مذکور ناموں کے ضبط کے بارے میں قدرے اختلاف ہے، الطبقات لابن سعد: 54/1-56، تاريخ الطبري: 32,31/2. [2] الطبقات لابن سعد: 56/1. [3] السلسلة الضعيفة: 229,228/1. [4] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 19، الطبقات لابن سعد: 56/1. [5] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 18، الطبقات لابن سعد: 58/1.

اعلیٰ نسب

رسول اللہ ﷺ کے سلسلۂ نسب کی ہر کڑی طہارت، نجابت، شرافت، عزت اور نیک نامی کا پیکر ہے۔ آپ ﷺ کے تمام آباء واجداد اور آپ کی تمام اُمہات، یعنی والدہ ماجدہ، نانیاں اور دادیاں سب نہایت پاکباز اور باوقار خواتین تھیں۔ آپ کا تمام تر سلسلۂ نسب محترم اور نامور بزرگوں پر مشتمل ہے۔ وہ سب سردار اور قائدانہ خوبیوں کے مالک تھے اور معاشرے میں بڑی معزز حیثیت رکھتے تھے۔ اس بات کی دوٹوک گواہی ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے ہرقل کے سامنے اس وقت دی جب نبی ﷺ کا خط ہرقل کو پہنچا اور ہرقل نے ابوسفیان سے آپ ﷺ کی نبوت کی حقیقت


بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبد الله و رسو له
الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى اما بعد
فانى ادعوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم يوتك الله
اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم الاريسيين و يا اهل الكتاب
تعالوا الى كلمة سواء بيننا و بينكم الا نعبد الا الله
ولا نشرك به شيئا ولا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من
دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون

ہرقل کے نام نبی ﷺ کے خط کا عکس

جاننے کے لیے کئی سوالات کیے۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا: ”تمھارے مابین اُن کا حسب ونسب کیسا ہے؟“ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا، پھر بھی انھوں نے کہا: ”وہ ہم میں اعلیٰ حسب ونسب والے ہیں۔“

یہ سن کر قیصر روم نے کہا:

وَكَذٰلِكَ الرُّسُلُ تُبْعَثُ فِي أَحْسَابِ قَوْمِهَا

’’اور اسی طرح پیغمبر ہمیشہ اپنی قوم کے اعلیٰ خاندان ہی میں مبعوث ہوتے ہیں۔‘‘ [1]

سیدنا واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نسب کا شرف اس طرح بیان فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِّنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰى مِنْ قُرَيْشٍ بَنِي هَاشِمٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ»

’’بے شک اللہ عزوجل نے اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو منتخب کیا، کنانہ میں سے قریش کو، قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے منتخب کیا۔‘‘ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى كُنْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ مِنْهُ»

’’مجھے عہد بہ عہد بنی آدم کی بہترین نسلوں میں سے مبعوث کیا گیا یہاں تک کہ میں اس نسل میں (پیدا) ہوا جس میں مجھے (پیدا) ہونا تھا۔‘‘ [3]

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی: ’’اے اللہ کے رسول! قریش نے اپنے نسب کا ذکر کیا اور آپ کو کھجور کے ایسے درخت سے تشبیہ دی جو بنجر زمین میں ہو۔‘‘ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ فَجَعَلَنِي مِنْ [خَيْرِهِمْ] مِّنْ خَيْرِ فِرَقِهِمْ وَخَيْرِ الْفَرِيقَيْنِ، ثُمَّ خَيَّرَ الْقَبَائِلَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ الْقَبِيلَةِ، ثُمَّ خَيَّرَ الْبُيُوتَ فَجَعَلَنِي مِنْ خَيْرِ بُيُوتِهِمْ فَأَنَا خَيْرُهُمْ نَفْسًا وَّخَيْرُهُمْ بَيْتًا»

’’بے شک اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا تو مجھے، اُن میں سے بہترین مخلوق میں، ان کے بہترین گروہوں میں رکھا، پھر دو گروہوں (اولادِ اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام) میں سے بہترین گروہ میں پیدا کیا، پھر قبیلوں کو منتخب کیا تو مجھے بہترین قبیلے میں رکھا، پھر گھرانوں کو چنا تو مجھے بہترین گھرانے میں رکھا، سو میں ذات کے اعتبار سے بھی ان سب میں بہتر ہوں اور گھرانے کے اعتبار سے بھی۔‘‘ [4]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

---

1 صحيح البخاري: 7 و 4553. 2 صحيح مسلم: 2276. 3 صحيح البخاري: 3557. 4 جامع الترمذي: 3607. یہ روایت ضعیف ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 75،74/7)

«خَرَجْتُ مِنْ نِكَاحٍ وَلَمْ أَخْرُجْ مِنْ سِفَاحٍ مِنْ لَدُنْ آدَمَ إِلَى أَنْ وَلَدَنِي أَبِي وَأُمِّي، لَمْ يُصِبْنِي مِنْ سِفَاحِ الْجَاهِلِيَّةِ شَيْءٌ»

''آدم علیہ السلام سے لے کر میرے والدین کے مجھے جنم دینے تک میرا تمام نسب نکاح کے ساتھ چلا، اس میں زنا کا شائبہ تک نہ تھا۔ میرا نسب زمانۂ جاہلیت کے نسلی عیب سے بالکل محفوظ رہا۔'' [1]

آدم علیہ السلام سے لے کر نبیِ کریم ﷺ تک جس قدر انبیاء و رسل علیہم السلام گزرے، اُن کی پاکیزہ نسبی پر کبھی کسی نے الزام نہیں لگایا، البتہ یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی عفیفہ، طاہرہ اور صدیقہ ماں پر تہمت لگائی۔ [2] اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس جھوٹی تہمت کی تردید فرمائی اور مریم علیہا السلام کی پاکدامنی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت کی کیفیت تفصیل سے بیان کی اور پاکباز ماں بیٹے پر تہمت لگانے والوں کی مذمت فرمائی۔ [3]

قریش کی خصوصیات

نبی کریم ﷺ سے نسبی تعلق کی وجہ سے قریش تاریخ کے صفحات میں زندۂ جاوید ہو گئے اور ان کی قابل فخر صفات بنی نوع انسان کے سامنے عیاں ہوئیں۔ احادیث میں بھی ان کی اعلیٰ صفات کے تذکرے موجود ہیں۔

1 حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ سے بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَضَّلَ اللّٰهُ قُرَيْشًا بِسَبْعِ خِصَالٍ: 1 فَضَّلَهُمْ بِأَنَّهُمْ عَبَدُوا اللّٰهَ عَشْرَ سِنِينَ لَا يَعْبُدُهُ إِلَّا قُرَشِيٌّ 2 وَفَضَّلَهُمْ بِأَنَّهُ نَصَرَهُمْ يَوْمَ الْفِيلِ وَهُمْ مُشْرِكُونَ 3 وَفَضَّلَهُمْ بِأَنَّهُ نَزَلَتْ فِيهِمْ سُورَةٌ مِنَ الْقُرْآنِ لَمْ يَدْخُلْ فِيهِمْ غَيْرُهُمْ: ﴿لِإِيلٰفِ قُرَيْشٍ﴾ 4 وَفَضَّلَهُمْ بِأَنَّ فِيهِمُ النُّبُوَّةَ 5 وَالْخِلَافَةَ 6 وَالْحِجَابَةَ 7 وَالسِّقَايَةَ»

''اللہ تعالیٰ نے قریش کو سات باتوں میں دوسروں سے ممتاز رکھا ہے:

- یہی اکیلے دس سال تک اللہ کی عبادت کرتے رہے، کوئی اس کی عبادت نہ کرتا تھا سوائے قرشی مسلمانوں کے۔ (اس سے مراد آغاز اسلام کے دس سال ہیں۔ اگرچہ دوسرے قبائل کے چند افراد بھی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے لیکن اُن کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ قریش، مخالفت میں بھی پیش پیش تھے اور حق قبول کرنے والے بھی انھی

1 المعجم الأوسط للطبراني: 324,323/3، حديث: 4728، صحيح الجامع الصغير: 613/1، حديث: 3225، نیز دیکھیے: إرواء الغليل: 331,330/6. 2 تفسير الطبري، النسآء 156:4. 3 دیکھیے: مريم 19:16-34.

میں سے تھے۔)

- اگرچہ یہ مشرک تھے، پھر بھی اللہ نے ہاتھی والوں کے خلاف ان کی مدد فرمائی۔
- ان کے بارے میں قرآن مجید کی ایک سورت ﴿ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝ ﴾ نازل ہوئی اور ان کے ساتھ اس سورت میں اللہ نے کسی اور کو شریک نہیں کیا۔
- انھیں یہ فضیلت عطا کی کہ (آخری) نبی انھی میں سے ہے۔
- انھیں خلافت کی مسند سے نوازا۔
- بیت اللہ کی نگرانی کی سعادت بخشی۔
- اور انھیں حاجیوں کو پانی پلانے کا شرف عطا کیا۔'' [1]

2 حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ فِي هٰذَا الشَّأْنِ، مُسْلِمُهُمْ تَبَعٌ لِمُسْلِمِهِمْ، وَكَافِرُهُمْ تَبَعٌ لِكَافِرِهِمْ»

''اس (دین کی پیروی کے) معاملے میں لوگ قریش کے تابع ہیں۔ عام مسلمان، قریشی مسلمانوں کے تابع ہیں اور عام کفار، کفار قریش کے تابع رہے۔'' [2]

3 طاؤس بن کیسان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت: ﴿ إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ ﴾ (الشورٰی 42:23) ''مگر قرابت داری کی محبت (ضرور چاہتا ہوں۔)'' کے متعلق پوچھا گیا تو اُن کے جواب دینے سے پہلے ہی سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرنے لگے: ''اس سے آلِ محمد (ﷺ) کی قرابت داری مراد ہے۔'' ابن عباس رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ''تم نے جلد بازی کی ہے۔ قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں رسول اللہ ﷺ کی قرابت داری نہ ہو۔ اس سے رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی:

إِلَّا أَنْ تَصِلُوا مَا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ مِنَ الْقَرَابَةِ

''میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ میرے اور تمھارے درمیان جو قرابت داری ہے، اسے قائم رکھو۔'' [3]

4 اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علانیہ تبلیغ کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

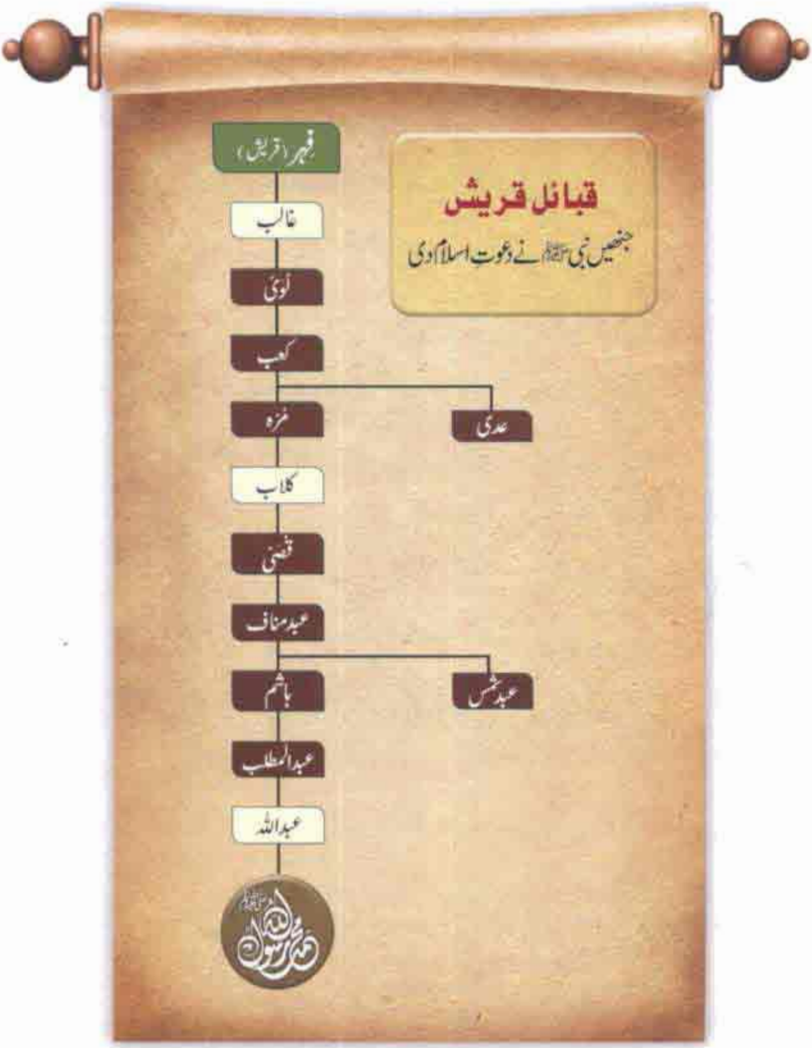
﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ ﴾

---

[1] السلسلة الصحيحة:4/585، حديث:1944، المعجم الكبير للطبراني:24/409، حديث:994. [2] صحيح البخاري: 3495. [3] صحيح البخاري:4818.

''اورآپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔''[1]

اس پر عمل کرتے ہوئے نبیِ کریم ﷺ نے قریش کے قبیلوں کو، جو فہر کی اولاد میں سے تھے، دعوت دی۔ یہ بات انتہائی قابل غور ہے کہ نبیِ کریم ﷺ اور فہر کے درمیان دس واسطے ہیں اور عشیرۃ کا لفظ بھی عشر سے بنا ہے۔ امام راغب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشیرہ سے مراد کسی شخص کی برادری کے وہ تمام لوگ ہیں جن سے خاندان کی کثرت بنتی ہے۔[2]



[1] الشعرآء 214:26. [2] المفردات للأصفهاني، ص:338.

رسول اللہ ﷺ کے اجداد کا تعارف

عدنان

ان کی کنیت ابومَعَدّ تھی۔ [1] کہا جاتا ہے کہ یہی وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا۔ [2] نبی کریم ﷺ ان کی اکیسویں نسل میں ہیں۔ بعض مؤرخین نے ایسی روایات نقل کی ہیں جن میں عدنان کی بخت نصر کے ساتھ جنگ کا ذکر ہے۔ ان میں ہے کہ جب بُخت نصر نے عدنان سے پہلے دیگر عرب قبائل پر حملہ کیا تو سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں عربوں نے شکست کھائی۔ اس کے بعد بخت نصر نے حجاز کا رخ کیا اور ذات عرق کے مقام پر عدنان سے



ذات عرق کا علاقہ

شدید لڑائی ہوئی۔ بعدازاں عدنان کا لشکر شکست کھا کر قلعہ بند ہوگیا، پھر دیگر عرب اُن سے آملے۔ فریقین نے خندقیں کھود لیں اور کچھ عرصہ لڑائی جاری رہی، آخر کار بخت نصر نے لڑائی روک کر واپسی کی راہ لی۔ [3]

عدنان کے پانچ بیٹے تھے: مَعَدّ، الدِّيث، أُبَيّ، العَيّ اور عُدَيْن (عُدَيّ)۔ [4]

---

[1] سبل الهدٰى والرشاد :295/1، أنساب الأشراف :18/1. [2] أنساب الأشراف :20/1. [3] تاريخ الطبري :397/1-399، الكامل لابن الأثير :206/1، 207. [4] أنساب الأشراف :18/1.

مَعَدّ بن عدنان

ان کی کنیت ابو قضاعہ یا ابو نزار تھی۔[1] ان کی والدہ کا نام مَهْدَد بِنت اللّهَم تھا۔[2] یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ عرب پر بخت نصر کے دوسرے حملے کے وقت معد کی عمر بارہ سال تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حملے سے پہلے یرمیاہ (ارمیا) علیہ السلام (585ق م) انھیں اپنے ساتھ شام (یا حرّان) لے گئے تھے۔[3]



جب بُخت نصر حجاز سے چلا گیا تو معد واپس مکہ آ گئے۔ انھوں نے بنو جرہم کے خاندان کو تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے صرف جرشم (جوشم، جوشن) بن جلہمہ باقی ہے۔ انھوں نے اس کی بیٹی معانہ سے شادی کر لی جس سے نزار پیدا ہوئے۔[4] عیسائی مؤرخین یرمیاہ علیہ السلام کا زمانہ 588 قبل مسیح قرار دیتے ہیں۔[5]



چھٹی صدی ق م کے نبی یرمیاہ کے منشی باروک (یا برکیاہ) سے منسوب مہر

اس حساب سے معد جنھیں یرمیاہ علیہ السلام کا ہم عصر بتایا گیا، ان کے اور نبی کریم ﷺ کے درمیان تقریباً 1158 سال کا فاصلہ بنتا ہے۔ نبی کریم ﷺ سے معد تک کل 21 پشتیں ہیں۔ اگرچہ سلیمان منصور پوری کہتے ہیں کہ اس طرح ہر پشت کی اوسط عمر 55 سال بنتی ہے جسے درست تسلیم کیا جا سکتا ہے۔[6] لیکن یہ بات تاریخ کے مطالعے سے ثابت ہونے والے مسلمہ اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتی۔ ایک صدی میں کم از کم

---

[1] سبل الهدى والرشاد: 293/1. [2] أنساب الأشراف: 18/1. [3] الروض الأنف: 33/1، تاريخ الطبري: 398/1. [4] تاريخ الطبري: 399/1، الروض الأنف: 33/1، الكامل لابن الأثير: 207/1.

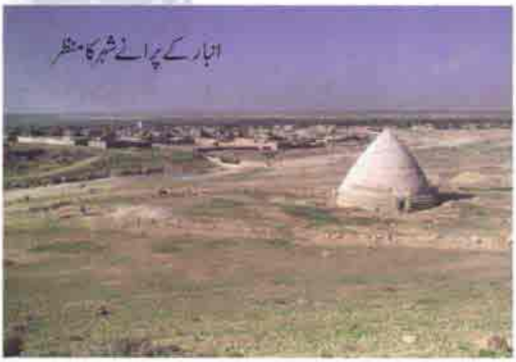
[5] Life Application Study Bible, P: 118.

[6] رحمۃ للعالمین: 48/2.

تین، بالعموم چار یا پانچ نسلیں وجود میں آجاتی ہیں۔ اوسط عمر کا حساب بھی درست نہیں کیونکہ حقیقتاً یہ دونسلوں کا درمیانی فاصلہ ہے۔ اگر اسے اوسط عمر قرار دے دیا جائے تو ہر اگلی نسل پہلی نسل کی وفات کے وقت پیدا ہوگی۔ واللّٰہ أعلم.

نزار بن معد

نزار، نزر سے ہے جو قلیل اور نادر کے معنی میں آتا ہے۔ ابوالفرج اصفہانی نے کہا ہے کہ ان کا یہ نام اپنے زمانے میں یکتا ہونے کی وجہ سے رکھا گیا۔[1] ان کی کنیت ابو إیاد یا ابو ربیعہ تھی۔ ان کی والدہ کا نام مُعانہ بنت جوشم تھا۔[2] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا نسب ان سے جا ملتا ہے۔[3] ان کی دو بیویاں اور چار بیٹے تھے: سودہ بنت عَکّ سے مُضَر اور ایاد پیدا ہوئے اور جُرہم قبیلے سے ان کے ماموں کی بیٹی حذالہ بنت وَعلان بن جوشم سے ربیعہ اور انمار پیدا ہوئے۔[4] مُضَر اور ربیعہ کی نسل حجاز (وسط عرب) میں، انمار کی اولاد اطراف حجاز اور نجد میں اور إیاد کی اولاد کاظمہ، خورنق، تکریت، دیراعور اور انبار سے آگے وادیِ اُباغ کے آس پاس جا آباد ہوئی۔ وادیِ اباغ میں بنو ایاد بکثرت آباد تھے۔[5]



انبار کے پرانے شہر کا منظر

مُضَر بن نزار

ان کا نام عمرو اور کنیت ابو الیاس تھی۔ مضر ان کا لقب تھا جو ان کی خوبصورتی، رعنائی اور سفید رنگت کی وجہ سے دیا گیا اور یہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔[6] ان کے والد نے میراث کی تقسیم میں تمام سرخ رنگ کی چیزیں (اونٹ، خیمہ اور دینار وغیرہ) انھیں دی تھیں، اس لیے تاریخ میں ان کا نام مضر حمراء مشہور ہوگیا۔[7]

بلاذری بیان کرتے ہیں کہ اُونٹوں کے لیے حُدی انھوں نے ایجاد کی۔ حدی کی ایجاد کا واقعہ بھی دلچسپ پیرائے میں بیان کیا گیا ہے: ایک مرتبہ یہ اُونٹ سے گر پڑے تو ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا۔ ان کی آواز بہت سریلی تھی۔ وہ اپنی درد بھری آواز سے یَا یَدَاہْ! یَا یَدَاہْ! ''ہائے میرا ہاتھ! ہائے میرا ہاتھ!'' پکارنے لگے تو چراگاہ میں چرنے والے

[1] فتح الباري:206/7، الروض الأنف:30/1. [2] تاريخ الطبري:27/2، أنساب الأشراف:20/1. [3] سير أعلام النبلاء: 178/11. [4] أنساب الأشراف:28/1. [5] معجم قبائل العرب:52/1-55، معجم البلدان، مادة: أباغ. [6] سبل الهدٰى والرشاد: 289/1. [7] تاريخ الطبري:26/2.

اونٹ ان کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ جب یہ صحت یاب ہو گئے تو انھوں نے اونٹوں کے لیے حدی خوانی کا طریقہ استعمال کرنا شروع کر دیا جو بعدازاں عربوں کا معمول بن گیا۔ [1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تاریخ ابن حبیب کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ اثر نقل کیا ہے کہ عدنان، ان کے والد (اُدد)، معد، ربیعہ، مضر، قیس، تمیم، ضَبّہ اور اسد اسلام، یعنی ملت ابراہیم پر فوت ہوئے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی تائید میں زبیر بن بکار رحمہ اللہ کے حوالے سے ایک اور سند کے ساتھ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول: لَا تَسُبُّوا مُضَرَ وَلَا رَبِيعَةَ فَإِنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ ''مضر اور ربیعہ کو گالی مت دو کیونکہ وہ دونوں مسلمان (ملت ابراہیم پر) تھے۔'' اور ابن سعد کے حوالے سے عبداللہ بن خالد کی ایک مرسل روایت بھی نقل کی ہے۔ [2]

بنو عدنان میں مضر سب سے زیادہ صاحب ثروت تھے۔ ان کی شادی رَباب بنت حیدہ بن معد سے ہوئی جن سے ان کے دو بیٹے الیاس اور عَیلان (ناس) پیدا ہوئے۔ [3]

الیاس بن مضر

ان کی کنیت ابوعمرو تھی۔ الیاس دین ابراہیمی کے سچے پیروکار تھے۔ یہ گمراہ لوگوں کو ٹوکتے تھے۔ بدعات اور دینِ ابراہیم میں ردو بدل کرنے کی وجہ سے اُن پر کڑی تنقید کرتے تھے۔ ان کی تبلیغ کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور بہت سے لوگ اصل دینِ ابراہیم کی طرف واپس آ گئے۔ عربوں کے ہاں ان کا بڑا مقام اور مرتبہ تھا۔ وہ انھیں لقمان حکیم کی طرح ایک دانا آدمی سمجھتے تھے اور ان کی تعظیم کرتے تھے۔ [4] یہ پہلے شخص تھے جنھوں نے حج کے موقع پر اُونٹوں کی قربانی دی۔ [5] مقام ابراہیم طوفان کی وجہ سے گم ہو گیا تھا۔ انھوں نے اسے تلاش کر کے اس کی جگہ پر رکھا۔ [6] الیاس کے تین بیٹے تھے: مُدرِکہ، طابخہ اور قَمعہ۔ [7]

مُدرِکہ بن الیاس

ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ علامہ بلاذری، امام ابن جریر طبری اور حافظ ابن کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں: ان کا نام عمرو اور کنیت ابو ہذیل تھی۔ [8] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جمہور ان کا نام عمرو قرار دیتے ہیں۔ [9] عمرو کا نام مدرکہ اور ان کے بھائی عامر کا نام طابخہ پڑنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ یہ اور ان کے بھائی جنگل میں

[1] أنساب الأشراف:37/1، الروض الأنف:160/1. [2] فتح الباري:647/6. [3] أنساب الأشراف:37/1، سبل الهدٰى والرشاد:292/1، السيرة لابن إسحاق:59/1. [4] سبل الهدٰى والرشاد:289/1. [5] الروض الأنف:30/1. [6] الشجرة الزكية، ص:73. [7] السيرة لابن إسحاق:59/1. [8] أنساب الأشراف:41/1، تاريخ الطبري:24/2، البداية والنهاية:237/2. [9] فتح الباري:206/7.

اونٹوں کی حفاظت پر مامور تھے، ایک دفعہ اونٹ بھاگ گئے، عمرو تعاقب میں دور تک نکل گئے اور اُونٹوں کو جا لیا۔ عامر نے ان کی واپسی پر کھانا تیار کیا، چنانچہ عمرو کو مُدرِکہ اور عامر کو طابخہ کا نام دیا گیا۔ مدرکہ کے معنی پا لینے والا اور طابخہ کے معنی پکانے والا کے ہیں۔ یہ لقب شہرت پا کر اصل ناموں پر غالب آ گئے۔ [1] ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت حلوان بن عمران اور لقب خِندِف تھا۔ [2] مدرکہ کے دو بیٹے تھے: خزیمہ اور ہذیل۔ [3] مشہور صحابی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نسب گیارہ واسطوں سے ہذیل سے جا ملتا ہے۔ [4]

خُزیمہ بن مدرکہ

ان کی کنیت ابو اسد تھی۔ [5] ان کی والدہ سلمیٰ بنت اسلم بن الحاف بن قضاعہ تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی والدہ سلمیٰ بنت اسد بن ربیعہ تھیں۔ [6] خزیمہ انتہائی اعلیٰ اخلاق و کردار کے حامل اور عقیدۂ توحید (ملت ابراہیم) کے سچے پیروکار تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

مَاتَ خُزَيْمَةُ عَلٰى مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.

"خزیمہ دینِ ابراہیم پر فوت ہوئے۔" [7]

ان کی دو بیویاں اور پانچ بیٹے تھے۔ پہلی بیوی کے نام میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں: ان کا نام عوانہ بنت سعد بن قیس بن عیلان بن مضر تھا اور بعض ہند بنت عمرو بن قیس بن عیلان کہتے ہیں۔ اس بیوی سے ان کا بیٹا کنانہ پیدا ہوا۔ ان کی دوسری بیوی سے اسد، اَسَدَہ، عبداللہ اور ہون پیدا ہوئے۔ [8]

کنانہ بن خزیمہ

کنانہ کے معنی ترکش کے ہیں۔ جس طرح تیر ترکش میں محفوظ رکھے جاتے ہیں، اسی طرح یہ اپنی قوم کے لیے جائے پناہ تھے۔ اپنی قوم میں ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا۔ لوگ ان کی دانائی اور فضل کی وجہ سے ہر اہم معاملے میں ان کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ ان کی کنیت ابو نضر تھی۔ [9] علامہ بلاذری اور امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے مطابق کنانہ کی شادیوں اور اولاد کی تفصیل یہ ہے:

(: برّة بنت مُرّ بن أدّ سے نضر، نُضَير، مالك، مِلْكان، عامر، عمرو، حارث، سعد، عَوف، غنم،

---

[1] تاريخ الطبري :25/2. [2] تاريخ الطبري :24/2. [3] أنساب الأشراف :41/1. [4] سير أعلام النبلاء :461/1. [5] أنساب الأشراف :41/1. [6] تاريخ الطبري :24/2، سبل الهدٰى والرشاد :287/1. [7] سبل الهدٰى والرشاد :287/1. [8] أنساب الأشراف :41/1. [9] فتح الباري:206/7، سبل الهدٰى والرشاد:287,286/1.

مخرمة، جَرْوَل، غزوان (عَزْوان)، حُدال (حُذال).

ب: فُكَيْهَة یا فكهة بنت هني بن بليّ بن عَمرو بن الحاف بن قضاعة سے عبد مناة پیدا ہوئے۔ فُكَيْهَة کا پسینہ خوشبودار تھا، اس لیے ان کا لقب ذفراء پڑ گیا۔ [1]

نضر بن کنانہ

ان کا نام قیس تھا۔ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انھیں نضر کا لقب دیا گیا جس کا مطلب شاداب اور خوبصورت ہے۔ یہ لقب ان کے اصل نام پر غالب آ گیا اور ان کا نام سمجھا جانے لگا۔ ان کی کنیت ابو یخلد تھی۔ [2] ان کے تین بیٹے تھے: مالک، یخلد اور صلت۔ [3] ابن ہشام کہتے ہیں: ''نضر کا لقب قریش ہے اور جو اس کی اولاد میں سے ہو، صرف وہی قریشی ہے۔'' [4] لیکن زیادہ مشہور اور درست روایت یہی ہے کہ ان کے پوتے فہر بن مالک کا لقب قریش تھا۔ [5]

مالک بن نضر

ان کی کنیت ابو حارث تھی۔ [6] ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان اور لقب عِكْرِشَة تھا۔ [7] علامہ بلاذری کے مطابق ان کی بیوی کا نام جَنْدَلَة بنت عامر بن حارث بن مُضَاض جُرْهُمِي تھا۔ ان کے دو بیٹے تھے: فہر اور حارث۔ [8] مالک کی حکمت بھری باتیں اہل عرب میں بہت مشہور تھیں، مثلاً:

رُبَّ صُورَةٍ تُخَالِفُ الْمَخْبَرَةَ، قَدْ غَرَّتْ بِجَمَالِهَا وَاخْتُبِرَ قَبِيحُ أَفْعَالِهَا، فَاحْذَرِ الصُّوَرَ وَاطْلُبِ الْخَبَرَ وَلَا تَدَبَّرْ أَعْجَازَ الْأُمُورِ فَتَفْجُرَ.

''بہت سی صورتیں حقیقتِ حال کے بالکل برعکس ہوتی ہیں۔ وہ اپنے جمال کی وجہ سے دھوکہ دیتی ہیں اور ان کی سیاہ کاریاں پرکھ لی جاتی ہیں، لہٰذا ظاہری صورتوں سے بچو اور حقائق تلاش کرو۔ ہر معاملے کے انجام کے پیچھے نہ پڑو ورنہ گناہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔'' [9]

فہر بن مالک

ان کی کنیت ابو غالب تھی۔ [10] یہ اپنے زمانے میں اہل مکہ کے سردار تھے۔ ایک مرتبہ حسان بن عبد کلال حمیری

---

1 تاريخ الطبري :23/2، قوسین والے نام أنساب الأشراف:44,43/1 کے مطابق ہیں۔ 2 سبل الهدى والرشاد:284/1.
3 أنساب الأشراف :44/1. 4 السيرة لابن هشام:93/1. 5 الجمهرة لابن الكلبي، ص:21، أنساب الأشراف:45/1.
6 أنساب الأشراف :45/1. 7 الجمهرة لابن الكلبي، ص:21، تاريخ الطبري :22/2. 8 أنساب الأشراف :45/1. 9 سبل الهدى والرشاد:284/1، أنساب الأشراف:46/1. 10 أنساب الأشراف:45/1.

اپنے قبیلے حمیر اور یمن کے دوسرے قبائل کو ساتھ لے کر اس نیت سے مکہ آیا کہ کعبہ کے پتھر اُٹھا کر لے جائے اور اپنے علاقے میں کعبہ تعمیر کرے تا کہ لوگ حج کے لیے اُن کے علاقے کا رُخ کریں۔ اس طرح انھیں عرب کی سیادت بھی مل جائے اور تجارتی فوائد بھی حاصل ہوں۔ یہ لوگ مکہ کے قریب پہنچ کر لوگوں کے مویشی لوٹنے اور راہ گیروں پر ڈاکے ڈالنے لگے لیکن انھیں مکہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔

فہر کو اس بات کا پتہ چلا تو اُنھوں نے کنانہ، خزیمہ، اسد، جذام اور مُضر کے لوگوں کو ساتھ لے کر ان پر شدید حملہ کیا اور انھیں شکست فاش سے دوچار کرنے کے بعد حسان بن عبدکلال حمیری کو قید کر لیا۔ اسے فہر کے بیٹے حارث نے گرفتار کیا تھا۔ حسان تین سال تک مکہ میں قید رہا، پھر فدیہ دے کر آزاد ہوا لیکن یمن کی طرف جاتے ہوئے یمن اور مکہ کے درمیان مر گیا۔ اس جنگ کے مقتولین میں فہر کا پوتا قیس بن غالب بھی شامل تھا۔ اس فتح سے پورے عرب میں فہر کی قوت، عظمت اور شوکت کی دھاک بیٹھ گئی۔ [1]

قریش کی وجہ تسمیہ

قریش کی وجہ تسمیہ کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا تو اُنھوں نے بتایا:

سُمِّيَ قُرَيْشٌ بِدَابَّةٍ عَظِيمَةٍ فِي الْبَحْرِ مِنْ أَقْوٰى دَوَابِّهِ، سُمِّيَتْ بِهِ قُرَيْشٌ لِقُوَّتِهَا، لِأَنَّهَا تَأْكُلُ وَلَا تُؤْكَلُ، وَتَعْلُو وَلَا تُعْلٰى

”قریش کا نام سمندر کے ایک بڑے اور سب سے طاقتور جانور (وہیل مچھلی) کے نام پر ہے۔ قریش کو اُس کی قوت کی وجہ سے یہ نام دیا گیا کیونکہ وہ دوسروں کو کھا جاتی ہے، اُسے کوئی نہیں کھا سکتا۔ وہ غالب رہتی ہے، کبھی مغلوب نہیں ہوتی۔“

اس کے لیے اُنھوں نے قریش کے مشہور شاعر وہب بن زمعہ بن اُسید جُمَحی کے اشعار سے بھی استدلال کیا:

وَقُرَيْشٌ هِيَ الَّتِي تَسْكُنُ الْبَحْرَ ... بِهَا سُمِّيَتْ قُرَيْشٌ قُرَيْشَا
سُلِّطَتْ بِالْعُلُوِّ فِي لُجَّةِ الْبَحْرِ ... عَلٰى سَاكِنِي الْبُحُورِ جُيُوشَا
تَأْكُلُ الْغَثَّ وَالسَّمِينَ وَلَا تَتْـ ... ـرُكُ يَوْمًا لِّذِي الْجَنَاحَيْنِ رِيشَا

[1] تاريخ الطبري: 2/22،21.


وما أرسلناك إلا رحمة للعالمين
شجرۂ طیبہ امام الانبیاء
صلی اللہ علیہ وسلم
خاندانِ قریش
فہر (قریش)
غالب
لؤی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبد المطلب
عبد اللہ
محمد رسول اللہ
قاسم
عبد اللہ
زینب
رقیہ
ام کلثوم
فاطمہ
ابراہیم
فہر (قریش) سے محمد ﷺ تک شجرۂ نسب
صحابہ و صحابیات
جنت کی بشارت پانے والے صحابہ کرام
قبائل کے بانی سردار
نبی کریم ﷺ کی اولاد
خلفائے راشدین
نبی کریم ﷺ کی قرشی ازواج
عبد المطلب کی اولاد
مآخذ: الأطلس التاريخي لسيرة الرسول * معجم قبائل العرب * أسد الغابة * معجم ما استعجم * الشجرة الزكية

هٰكَذَا فِي الْعِبَادِ حَيُّ قُرَيْشٍ يَأْكُلُونَ الْبِلَادَ أَكْلًا كَشِيشًا

''قریش وہ مچھلی ہے جو سمندر میں رہتی ہے، اسی کے نام پر قریش کا نام قریش رکھا گیا ہے۔ سمندر کی تاریکیوں میں رہنے والے سارے لشکروں پر وہ غالب ہوتی ہے۔ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کھا جاتی ہے اور کسی دن بھی دو پروں والوں کے لیے کوئی چیز باقی نہیں چھوڑتی۔ اسی طرح انسانوں میں قبیلۂ قریش کے لوگ شہروں کو اژدہے کے کھانے کی طرح کھا جاتے ہیں۔''

لفظ قریش کی اور بھی کئی توجیہات بیان کی گئی ہیں:

- قریش، تقریش سے ماخوذ ہے۔ تقریش کے معنی تفتیش اور جانچ پڑتال کے بھی ہیں۔ قریش دوسروں کی ضروریات کے بارے میں تحقیق اور جانچ پڑتال کیا کرتے تھے تاکہ اُنھیں پورا کر سکیں۔
- اخلاق سے گری ہوئی باتوں سے اجتناب کی وجہ سے یہ نام دیا گیا۔
- دشمنوں کے خلاف بلیغ ہجو میں مہارت کی وجہ سے اُنھیں یہ نام دیا گیا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا اصل نام قریش اور فہر لقب تھا۔ ان کی والدہ نے ان کا نام قریش ہی رکھا تھا۔ لیکن مؤرخین کے ہاں پہلی بات زیادہ مشہور ہے اور وہی معتبر معلوم ہوتی ہے۔ ان کے سات بیٹے تھے: غالب، حارث، اسد، عوف، ذِئب (ذئب)، جَون اور مُحارِث (محارب)۔ ان کی ایک بیٹی بھی تھی، اس کا نام جَنْدلہ تھا۔[1]

غالب بن فہر

ان کی کنیت ابو تیم تھی۔ ان کی والدہ کا نام لیلیٰ بنت حارث بن تمیم بن ہذیل بن مُدرِکہ تھا۔ یہ کہانت بھی کرتے تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے: لُؤی اور تیم جو تیم الادرم کے نام سے مشہور تھے کیونکہ ان کے جبڑے کی ہڈی ایک طرف سے ناقص تھی۔[2]

لُؤی بن غالب

ان کی کنیت ابو کعب اور والدہ کا نام عاتکہ بنت یَخْلُد تھا۔[3] سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ اور ام المؤمنین سودہ بنت

---

[1] سبل الهدٰى والرشاد:1/283,282، تاريخ دمشق الكبير:44/63,62، تاريخ الطبري:2/22، فتح الباري:6/654,653. بریکٹ والے نام أنساب الأشراف:1/45 کے مطابق ہیں۔ [2] الجمهرة لابن الكلبي، ص:22، أنساب الأشراف:1/46.
[3] أنساب الأشراف:1/47,46، سبل الهدٰى والرشاد:1/280.

زمعہ رضی اللہ عنہا کا نسب بھی ان تک پہنچتا ہے۔[1] لؤی انتہائی بردبار اور دانا آدمی تھے۔ وہ چھوٹی سی عمر ہی میں دانائی کی باتیں کرنے لگے تھے۔[2] ان کے سات بیٹے تھے: کعب، عامر، سامہ، عوف، خزیمہ، سعد اور حارث۔[3]

کعب بن لؤی

ان کی کنیت ابوہُصَیص تھی اور ان کی والدہ کا نام ماویہ بنت کعب بن قین قضاعیہ تھا۔ یہ سیادت کی صفات سے متصف اور مشہور و مقبول تھے۔ عربوں میں کعب بہت بڑا مقام رکھتے تھے، اس لیے اہل عرب اپنے سال کا آغاز ان کے روزِ پیدائش سے کرتے تھے۔ یہ سلسلہ واقعۂ فیل تک جاری رہا۔[4]

کعب بن لؤی پہلے شخص تھے جنھوں نے عروبہ کے دن لوگوں کو جمع کیا۔ اس دن وہ اپنی قوم سے خطاب کیا کرتے اور انھیں نبی کریم ﷺ کی بعثت کے متعلق بتاتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ آخری نبی انھی کی نسل سے ہوں گے۔ وہ لوگوں کو نبی ﷺ کی پیروی اور ان پر ایمان لانے کا حکم بھی دیتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ یہی پہلے شخص تھے جنھوں نے عَرُوبہ نامی دن کا نام بدل کر جمعہ رکھا۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ انھوں نے عروبہ نامی دن کا نام جمعہ نہیں رکھا بلکہ اس کا نام جمعہ اس وقت رکھا گیا جب اسلام آیا۔[5]

کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے أَمَّا بَعْدُ کے الفاظ بھی انھوں نے استعمال کیے۔[6] ان کی دو بیویاں اور تین بیٹے تھے: مَخْشِیَہ بنت شَیبان بن محارب سے مُرّہ اور ہُصَیص پیدا ہوئے اور رَقاش بنت رُکبة بن بَلْبَلة بن کعب سے عدی پیدا ہوئے۔[7] کعب کے بیٹے عدی کی نسل سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ہُصیص کی نسل سے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ تھے۔

مُرّہ بن کعب

ان کی کنیت ابو یَقَظَہ تھی۔ ان کی دو بیویاں اور تین بیٹے تھے: ہند بنت سریر بن ثعلبہ سے کلاب اور اسماء بنت سعد بن عدی سے یَقَظَہ اور تیم پیدا ہوئے۔[8]

خلیفۂ اول ابوبکر صدیق[9] اور طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما[10] کا نسب تیم سے اور ام المؤمنین ام سلمہ،[11] خالد بن ولید رضی اللہ عنہما[12]

[1] أسد الغابة:396/2 و 318/5، الطبقات لابن سعد:52/8. [2] سبل الهدٰى والرشاد:280/1. [3] أنساب الأشراف:47/1.
[4] أنساب الأشراف:47/1، سبل الهدٰى والرشاد :278/1. [5] الروض الأنف:26/1. [6] سبل الهدٰى والرشاد:279/1.
[7] أنساب الأشراف:53/1. [8] أنساب الأشراف:53/1. [9] أسد الغابة:20/3. [10] أسد الغابة:490/2. [11] أسد الغابة:453/5. [12] أسد الغابة:98/2.

اورسعید بن مسیب رحمہ اللہ [1] کا سلسلۂ نسب ان کے پوتے مخزوم بن یقظہ سے جا ملتا ہے۔

کلاب بن مُرّہ

ان کا نام حکیم یا مُہَذَّب یا عروہ تھا۔ ان کی کنیت ابو زہرہ تھی۔ کلاب کلب کی جمع ہے جس کے معنی ''کتا'' یا ''کاٹنے والا درندہ'' کے ہیں۔ کلاب ان کا لقب تھا کیونکہ یہ کتوں سے شکار کرنے کے بہت شوقین تھے۔ [2] کلاب آسمان پر ستاروں کے ایک مجموعے کا نام بھی ہے۔ وادی کے پانی میں پہلے اضافے کو بھی کلاب کہتے ہیں۔ اسی طرح گھوڑے کی پیٹھ پر خط کی صورت میں ابھری ہوئی ہڈی کو بھی کلاب کہتے ہیں۔ ایک اعرابی ابورُقَیش کلابی سے پوچھا گیا: تم اپنے بیٹوں کے بُرے بُرے نام کلب، ذِئب (بھیڑیا) وغیرہ رکھتے ہو جبکہ اپنے غلاموں کے اچھے اچھے نام رکھتے ہو، جیسے: رباح (مفید)، مرزوق (آسودہ حال) وغیرہ، وہ کہنے لگا: ''ہم غلاموں کے نام اپنے لیے رکھتے ہیں تاکہ وہ ہمارے لیے مفید ثابت ہوں اور اپنے بیٹوں کے نام دشمنوں کے لیے رکھتے ہیں تاکہ وہ اُن کے لیے نقصان دہ ثابت ہوں۔'' [3]

ان کے دو بیٹے: قُصَیّ اور زُہْرہ تھے۔ [4] نبی کریم ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب کا نسب زہرہ بن کلاب کے ذریعے سے آپ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ [5]

قُصَیّ بن کلاب

ان کا اصل نام زید تھا۔ یہ ابھی ماں کی گود میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ ماں نے دوسرا نکاح بنوعذرہ کے ایک شخص ربیعہ بن حرام بن ضِنّہ (ضِنَّہ) سے کر لیا۔ اس کا قبیلہ شام کی سرحد پر سکونت پذیر تھا۔ قصی نے اپنی ماں کے پاس وہیں پرورش پائی۔ وطن اور عزیز و اقارب سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا نام قصی (وطن سے دور رہنے والا کم سن) پڑ گیا۔ ان کی والدہ کا نام فاطمہ بنت سعد بن سَیَل تھا۔ [6]

ایک مرتبہ قصی اور ربیعہ کے خاندان کے ایک فرد کے درمیان کسی بات پر تنازع ہو گیا۔ وہ انھیں طعنہ دینے لگا: ''تم اپنی قوم میں کیوں نہیں چلے جاتے؟'' انھیں اس پر بڑا صدمہ پہنچا کیونکہ یہ تو ربیعہ ہی کو اپنا باپ اور اسی کے خاندان کو اپنا خاندان سمجھتے تھے۔ پوچھنے پر ان کی والدہ نے انھیں بتایا کہ تم تو انتہائی اعلیٰ خاندان کے چشم و چراغ ہو۔ یہ سن کر وہ فوراً مکہ جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ ان کی والدہ کہنے لگیں: اس وقت تمھارا جانا مناسب

---

[1] سير أعلام النبلاء: 217/4. [2] فتح الباري: 205/7، سبل الهدٰى والرشاد: 277,276/1. [3] الروض الأنف: 26/1.
[4] أنساب الأشراف: 54/1. [5] السيرة لابن إسحاق: 94/1. [6] أنساب الأشراف: 55/1.

نہیں۔ جب حرمت والے مہینوں کا آغاز ہوگا اور لوگ حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوں گے تو تم اُن کے ساتھ چلے جانا۔ قصی راضی ہو گئے اور حرمت والے مہینوں کا انتظار کرنے لگے۔ بالآخر یہ مکہ پہنچے، اپنے بڑے بھائی زہرہ سے ملے، وہ نابینا ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے قصی کو اُن کی آواز سے پہچان لیا کیونکہ ان کی آواز بالکل اپنے باپ کلاب جیسی تھی۔

بیت اللہ قُصَی کی تحویل میں

ان دنوں مکہ پر بنوخزاعہ کی حکومت تھی۔ قُصی نے حُلَیل بن حُبْشِیہ خزاعی سے اُس کی بیٹی حُبّٰی کا رشتہ مانگا۔ حُلَیل نے قُصی کے اعلیٰ نسب کے پیش نظر یہ رشتہ منظور کرلیا اور اپنی بیٹی قُصی سے بیاہ دی۔ مزید برآں بیت اللہ کا حق تولیت بھی اپنی بیٹی کو عطا کر دیا۔ بیٹی کے اس منصب کو قبول نہ کرنے پر اُس نے ابوغُبشان کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ حلیل کے مرنے کے بعد ابوغُبشان (المحترش) نے حق وکالت قصی کے ہاتھ شراب کے ایک مشکیزے اور ایک مریل سے اونٹ کے بدلے فروخت کر دیا۔ اس طرح بیت اللہ پر قصی کا کنٹرول قائم ہو گیا۔

قصی نے مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے قریش کے بادیہ نشینوں کو مکہ میں جمع کیا اور اپنی قوم اور اہل مکہ کے حکمران بن گئے۔ قصی نے اہل عرب کو اپنے اپنے رسم و رواج پر قائم رہنے کی آزادی دے دی کیونکہ وہ اِسے اُن کا حق اور اُن کا دین سمجھتے تھے۔ اسی نقطۂ نظر سے انھوں نے حج میں آل صفوان کی خدمت گزاری کا حق بھی بحال رکھا۔ [1]

ابن اسحاق کے مطابق عہدوں کی پرانی تقسیم کی رُو سے صفوان حج کے موقع پر لوگوں کو عرفات سے واپس جانے کی اجازت دیتا تھا۔ اس کے بعد ان کے بیٹے یہ ذمے داری ادا کرتے رہے حتی کہ اسلام کی عملداری شروع ہوئی۔ اس وقت اُن کا آخری شخص کُرِب بن صفوان یہ ذمہ داری نبھا رہا تھا۔ [2] اسی طرح قصی نے مزدلفہ سے حجاج کو واپس لانے کا حق بنوعَدْوان کے لیے محفوظ رکھا اور یہ حق ان کی کئی نسلوں تک متواتر باقی رہا۔ دعوت اسلام کے وقت ان کا آخری شخص ابوسیارہ (عمیلہ بن اَعْزَل) یہ فریضہ انجام دے رہا تھا۔ [3] اسلام آیا تو اُس نے جاہلیت کے تمام آثار اور رسوم و رواج ختم کر دیے اور حج کو ہر طرح کی خرافات اور بدعات سے آزاد کرا دیا۔

قریشِ مکہ کے پہلے باقاعدہ حکمران

قُصَیّ پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنی قوم پر باقاعدہ حکومت کی۔ ان کی قوم نے بھی دل و جان سے ان کی حکومت

[1] سبل الھدٰی والرشاد:274,273/1، الروض الأنف:225,224/1. [2] السیرۃ لابن ھشام:121/1. [3] السیرۃ لابن ھشام: 122/1.

قبول کی اور ان کے ہر حکم کی تعمیل کی۔ بیت اللہ کی نگرانی، دربانی، حجاج کو پانی پلانا، کھانا کھلانا، دارالندوہ کی صدارت اور جنگ کے وقت جھنڈے کی تفویض جیسے باوقار عہدے انھی کے پاس تھے۔ اُنھوں نے مکہ معظمہ کے اندر سکونت کے حوالے سے نئے سرے سے بندوبست کیا اور قریش کے سب قبیلوں کو منظم طریقے سے مکہ مکرمہ میں آباد کیا۔

پہلے قریش کے لوگ حدودِ حرم میں موجود اپنے گھروں کے اندر سے بھی درخت کاٹنے سے ڈرتے تھے مگر قصی نے اس وقت کی شدید ضرورت کی بنا پر اپنے حمایتیوں سے مل کر خود اپنے ہاتھ سے گھروں کے اندر کے درخت کاٹ کر اُن کا ڈر دور کیا۔ قریش کو باعزت اور منظم طریقے سے مکہ میں آباد کرنے کی وجہ سے لوگ قصی کو مُجَمِّع ''جمع کرنے والے'' کے لقب سے موسوم کرنے لگے۔ وہ اُن کی سربراہی کو بڑا بابرکت سمجھتے تھے۔ کسی کی شادی اُن کے مشورے کے بغیر نہیں ہوتی تھی۔ ہر پیش آنے والی مصیبت کا مداوا انھی کے گھر بیٹھ کر تلاش کیا جاتا تھا۔ لڑائی کی نوبت آتی تو قصی یا ان کی موجودگی میں ان کا کوئی لڑکا جھنڈا باندھنے کی رسم ادا کرتا۔ جب کوئی لڑکی بالغ ہو جاتی تو قصی کے گھر لڑکی کی ناپ کے مطابق قمیص تیار کی جاتی، پھر اُسے پہنا کر عزت و شفقت سے اس کے والدین کے حوالے کیا جاتا۔ غرض ان کی قوم ان کے ہر حکم کو دین کا حکم سمجھ کر اُس پر عمل پیرا ہوتی تھی۔

دارالندوہ کی تعمیر

قصی نے ایک دارالندوہ تعمیر کیا اور اس کا دروازہ خانہ کعبہ کی طرف رکھا۔ قریش اس میں بیٹھ کر اپنے تمام امور مشورے سے طے کرنے لگے۔[1] امام سُہَیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''الندوة کا لفظ النَّدِيّ، النادی اور المنتدی سے ماخوذ ہے۔ یہ اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں لوگ اپنے معاملات کا حل تلاش کرنے کے لیے بار بار جاتے ہیں اور کسی نہ کسی نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں۔ دارالندوہ کی یہی عمارت بعد میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں آ گئی۔ انھوں نے اسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں ایک لاکھ درہم کے عوض فروخت کر دیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں ملامت کی: تم نے ایک ایسا گھر بیچ دیا جس سے تمھارے بزرگوں کے فخر و مباہات اور تعظیم کی داستانیں وابستہ ہیں۔ حکیم رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اسلام آنے کے بعد زمانۂ جاہلیت کے ہر طرح کے مفاخر مٹ گئے ہیں۔ اب عزت و وقار صرف تقویٰ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی قسم! میں نے زمانۂ جاہلیت میں اسے شراب کے ایک مشکیزے کے بدلے خریدا تھا اور اب ایک لاکھ درہم میں بیچ دیا ہے۔ آپ گواہ رہیں کہ میں نے یہ ساری رقم اللہ

[1] السيرة لابن هشام :123/1-125، الروض الأنف:234,233/1، تاريخ الطبري :18,17/2.

کی راہ میں وقف کر دی ہے۔ اب بتائیے! نقصان میں کون رہا؟ [1]

سالانہ ٹیکس ''رفادہ'' کا نفاذ

قصی نے رفادہ کے نام سے قریش پر ایک سالانہ ٹیکس عائد کیا جس سے وہ نادار اور زادِ راہ سے محروم حاجیوں کے لیے کھانا تیار کرایا کرتے تھے۔ یہ ٹیکس قصی نے قریش پر یہ کہہ کر فرض کر دیا تھا: ''اے قریش! تم اللہ کے گھر کے ہمسائے اور اُس کے خادم ہو۔ حرم کے بسنے والے ہو جبکہ حجاج کرام اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کی زیارت کرنے والے ہیں۔ یہ سب مہمانوں سے زیادہ عزت اور احترام کے مستحق ہیں۔ حج کے دنوں میں واپسی تک ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا کرو۔'' قریش نے قصی کی اپیل منظور کر لی اور ہر سال باقاعدہ اسی مقصد کے لیے ٹیکس ادا کرنے لگے۔ اس سے قصی مِنٰی کے ایام میں حاجیوں کی ضیافت کرتے اور انھیں پرتکلف کھانا کھلاتے تھے۔ اسلام آنے تک یہ نظام کسی نہ کسی صورت میں جاری رہا، پھر یہ ذمہ داری اسلامی حکومت نے اُٹھالی۔ [2]

قُصی سے پہلے لوگ لؤی بن غالب کے کھدوائے گئے کنویں سے پانی پیتے تھے، یہ مکہ سے بہت دور تھا۔ دوسرا کنواں مرہ بن کعب نے عرفہ کے قریب کھدوایا تھا۔ کنویں دور ہونے کی وجہ سے اہل مکہ کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ اس کے علاوہ انھیں مختلف حوضوں اور وادیوں میں اکٹھا ہونے والا بارش کا پانی بھی استعمال کرنا پڑتا تھا۔ قصی نے اہل مکہ کی سہولت کے لیے ایک کنواں کھدوایا اور اس کا نام العَجُول رکھا۔ یہ پہلا کنواں تھا جو مکہ کے اندر کھودا گیا۔ [3]

عبدالدار کی جانشینی

قُصی کے ہاں حُبّٰی بنت حُلَیل بن حُبْشِیَہ خزاعیہ سے چار بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ بیٹوں کے نام عبدمناف، عبدالدار، عبدالعزیٰ، عبدقصی اور بیٹیوں کے نام تَخْمُر اور بَرّہ تھے۔ [4] قصی جب بوڑھے ہو گئے تو انھوں نے وہ سارے مناصب جن پر فخر کیا جاتا تھا، جیسے: بیت اللہ کی دربانی، علم برداری، سقایہ (حاجیوں کو پانی پلانا)، رفادہ (ٹیکس کی وصولی) اور حاجیوں کی ضیافتیں کرنے کا اہتمام، اپنے بڑے بیٹے عبدالدار کے سپرد کر دیے۔ [5]

غیر مسلم مؤرخین قصی کی کامیابی کو بہت بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ یہی شخص تھا جس نے حکومت کو جمہوری اصولوں پر قائم کیا تھا۔ [6] درپردہ ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کی تعلیمات کو انھی اصلاحات کی تشریح وتجدید

---

[1] الروض الأنف: 235/1. [2] تاريخ الطبري: 19/2، السيرة لابن هشام: 130/1. [3] أنساب الأشراف: 58/1. [4] السيرة لابن إسحاق: 74/1، السيرة لابن هشام: 106,105/1. [5] السيرة لابن هشام: 130,129/1.

[6] The Life of Mohamet, William Muir: 1/295.

قرار دیں۔ لیکن جو شخص بھی تاریخ کا مطالعہ کرے گا، اُسے آسانی سے معلوم ہو جائے گا کہ قصی نے اپنی قابل افتخار وراثت کی تقسیم میں نہ انصاف کے اصولوں کا خیال رکھا نہ صلاحیتوں کا۔ انھوں نے سب کچھ اپنے بڑے بیٹے کے سپرد کر دیا۔ اسی لیے اُن کے بیٹوں کی اولاد کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے۔

قصی مکہ میں فوت ہوئے اور الحجون میں دفن کیے گئے۔ [1]

عبدِ مناف بن قُصَی

ان کا اصل نام مغیرہ تھا۔ ان کی والدہ حُبّٰی بنت حُلَیل بن حُبْشِیَہ نے ایک بت ''منات'' سے اپنی عقیدت کی بنا پر انھیں عبد منات کہنا شروع کر دیا۔ ان کے باپ قصی نے جب دیکھا کہ کنانہ کے بیٹے کا نام پہلے ہی عبد منات رکھا جا چکا ہے تو اُس نے ان کا نام ایک اور بت کے نام پر عبد مناف رکھ دیا۔ یہ اسی نام سے مشہور ہو گئے اور ان کا اصل نام پس منظر میں چلا گیا۔ ان کی کنیت ابوشمس تھی۔ انھیں ان کے حسن و جمال کی وجہ سے قمر البطحاء، یعنی وادیِ بطحاء کا چاند بھی کہا جاتا تھا۔ [2]

عبد مناف کی تین بیویاں، پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ عاتکہ کبریٰ بنت مُرّہ بن ہلال کے بطن سے تین بیٹے: مطلب، ہاشم (عمرو)، عبد شمس اور پانچ بیٹیاں: تماضُر، بَرّہ، حَیّہ (حَنّہ)، ہالہ اور قلابہ پیدا ہوئیں۔ دوسری بیوی وَاقِدہ بنت عامر بن عبد نُہم مازِنِیّہ سے نوفل اور ابوعمرو (جن کا نام ابوعبید تھا) نے جنم لیا اور تیسری بیوی نافذہ سے ایک ہی بیٹی رَیطَہ پیدا ہوئی۔ [3]

ابن سعد کے مطابق عبد مناف کے چھ بیٹے اور چھ بیٹیاں تھیں۔ وہ ابوعبید کو چھٹا بیٹا شمار کرتے ہیں۔ [4] جبکہ ابن اسحاق کے مطابق ان کے چار بیٹے تھے۔ اُنھوں نے ابوعمرو اور ابوعبید کا واقدہ بنت عامر کے بیٹوں میں تذکرہ نہیں کیا۔ [5]

ابن ہشام نے ابن اسحاق کی روایت نقل کرنے کے بعد بتایا: ''ان کا اس کے علاوہ ایک بیٹا ابوعمرو بھی تھا جس کی والدہ ریطہ ثقفیہ تھیں۔'' وہ مزید لکھتے ہیں: ''ان کی سب بیٹیوں کی ماں عاتکہ کبریٰ تھیں۔'' [6]

بنوعبد مناف اور بنوعبد الدار میں کشاکش

قصی کی زندگی میں ان کا ہر حکم قوم کے لیے حرف آخر کی حیثیت رکھتا تھا۔ کسی کو ان کے جاری کردہ نظام اور احکام پر تنقید کی مجال نہیں تھی۔ ان کے انتقال کے بعد کچھ عرصے تک ان کے بیٹے باہمی اتفاق کے ساتھ اسی راستے

---

[1] الكامل لابن الأثير:1/558. [2] تاريخ الطبري:2/14، الروض الأنف:1/25,24، سبل الهدٰى والرشاد:1/272,271.
[3] أنساب الأشراف:1/69. [4] الطبقات لابن سعد:1/75. [5] السيرة لابن إسحاق:1/74. [6] السيرة لابن هشام:1/107.

پر گامزن رہے، پھر عبد مناف اور عبدالدار کے بیٹوں میں اختلاف پیدا ہوا۔ عبد مناف کی اولاد عبدالدار کے بیٹوں سے اس اعزاز میں سے اپنا حصہ حاصل کرنا چاہتی تھی جو انھیں اُن کے جدّ اعلیٰ کی طرف سے تفویض ہوا تھا۔

بنو عبد مناف مال و دولت، عز و شرف، اعلیٰ صلاحیتوں اور لوگوں میں مقبولیت کی وجہ سے اپنے آپ کو اس کا زیادہ اہل سمجھتے تھے۔ قریش کے دوسرے قبائل ان دونوں فریقوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے دو دھڑوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ عبد مناف کے ساتھ مل گئے اور بعض نے عبدالدار کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ دونوں فریقوں نے اپنے اپنے حلیفوں سے بڑے پختہ عہد و پیمان کیے اور کہا:

''جب تک سمندر میں پانی کا ایک قطرہ بھی موجود ہے، وہ اپنے اپنے ساتھیوں کی مدد سے منہ موڑیں گے نہ اپنے حلیفوں کو دشمن کے رحم و کرم پر چھوڑیں گے۔''

عبد مناف کی ایک عورت خوشبو سے بھرا ہوا پیالہ لے آئی۔ سُہیلی نے زُبیر بن بکّار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ عبد مناف کی جس خاتون نے پیالہ نکالا تھا، وہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی اُمّ حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب تھیں۔ وہ آپ ﷺ کے والد عبداللہ کی جڑواں بہن تھیں۔ [1] اس پیالے کو اُنھوں نے خانہ کعبہ کے پاس رکھا اور بنو عبد مناف اور ان کے حلیفوں سے عہد و پیمان کی پختگی کے لیے اس پیالے میں ہاتھ ڈبوئے۔ اسی وجہ سے وہ مُطَیَّبِین (معطر شدہ) کہلائے۔ دونوں طرف بڑے جوش و خروش سے لڑائی کی تیاری ہوتی رہی لیکن خوش قسمتی سے جنگ کی نوبت نہ آئی۔ ان میں مصالحت کی تحریک چلی۔ اس کے نتیجے میں سقایہ اور رفادہ کے عہدے بنو عبد مناف کو دے دیے گئے، جبکہ حجابہ، ندوہ اور لواء کے عہدے بدستور عبدالدار کے قبضے میں رہے۔ اس تقسیم پر دونوں فریق رضا مند ہو گئے اور قریش کے قبائل اسلام کی آمد تک بدستور اپنے اپنے حلیف فریق ہی کی دوستی پر قائم رہے۔ [2] یہ حلف مثبت تھے۔ دونوں طرف کے حلیف اپنے دائرے میں رہ کر حجاج کے حوالے سے ضروری خدمات سرانجام دینے میں باہمی تعاون کرتے تھے۔ ایسے معاہدوں ہی کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا كَانَ مِنْ حِلْفٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ لَمْ يَزِدْهُ الْإِسْلَامُ إِلَّا حِدَّةً وَّشِدَّةً»

''(مختلف قبائل کے درمیان دوستی اور باہمی تعاون کے) جو معاہدے زمانۂ جاہلیت میں ہوئے تھے، اسلام نے ان کی مضبوطی اور استحکام میں اضافہ ہی کیا ہے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے اسی معاہدے کی پابندی کرتے ہوئے پرانے سب انتظامات ختم ہو جانے کے باوجود بنو عبدالدار

[1] الروض الأنف: 240/1. [2] السيرة لابن هشام: 130/1-132، الروض الأنف: 240,239/1. [3] مسند أحمد: 329/1.

ہی کو بیت اللہ کا کلید بردار رکھا۔


کعبہ کی چابی کا عکس

ہاشم بن عبدمناف

ہاشم کا نام عمرو اور انھیں عمرو العلا بھی پکارا جاتا تھا۔ العلا کے معنی اعلیٰ، بلند اور بزرگوار کے ہیں۔[1] ان کی کنیت ابونضلہ تھی۔[2] بیان کیا جاتا ہے: ''ہاشم اور عبدشمس جڑواں پیدا ہوئے تھے۔'' اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان میں سے ایک کی انگلی دوسرے سے جڑی ہوئی تھی۔ اسے علیحدہ کیا گیا تو اس میں سے خون بہنے لگا۔ بعض لوگوں نے اس سے یہ بدشگونی لی کہ ان کے درمیان خون ریزی ہوگی۔[3]

ہاشم کی وجہ تسمیہ

عمرو بن عبدمناف ہاشم کے لقب سے زیادہ معروف ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ایک موقع پر انھوں نے سنا کہ مکہ میں قحط پڑا ہوا ہے۔ اس وقت ہاشم مالِ تجارت لے کر شام گئے ہوئے تھے۔ واپسی پر آپ بہت سا آٹا اور روٹیاں خرید لائے اور مکہ پہنچ کر سب کو عمدہ کھانا کھلانا شروع کیا۔ گوشت اور شوربے میں روٹیاں توڑ کر ڈالی جاتیں۔ یہ عرب کی مشہور اور مرغوب ڈش ''ثرید'' تھی۔ ھشم خشک اور کھوکھلی چیز کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ کا نام ہاشم مشہور ہوگیا۔[4] ان کے بارے میں ایک شاعر عبداللہ بن زبعری کہتا ہے:

عَمْرُو الَّذِي هَشَمَ الثَّرِيدَ لِقَوْمِهِ قَوْمٍ بِمَكَّةَ مُسْنِتِينَ عِجَافِ

سُنَّتْ إِلَيْهِ الرِّحْلَتَانِ كِلَاهُمَا سَفَرُ الشِّتَاءِ وَرِحْلَةُ الْأَصْيَافِ

''یہ عمرو (ہاشم) ہی ہیں جنھوں نے قحط کی ماری ہوئی اپنی لاغر قوم کو مکہ میں روٹیاں توڑ کر شوربے میں ڈال کر کھلائیں اور سردی اور گرمی کے دونوں سفروں کا طریقہ انھی سے شروع ہوا۔''[5]

وہ ہر سال حج کے لیے آنے والوں کی بھی دعوت کیا کرتے تھے۔ زمزم کی کھدائی سے پہلے وہ چمڑے کے مشکیزے پانی سے بھر کر حجاج کے لیے رکھوا دیا کرتے تھے اور مکہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات ہر جگہ ثرید، ستوؤں اور کھجوروں

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 268/1. [2] الكامل لابن الأثير: 553/1. [3] تاريخ الطبري: 13/2، البداية والنهاية: 236/2.
[4] الطبقات لابن سعد: 76,75/1. [5] السيرة لابن هشام: 136/1.

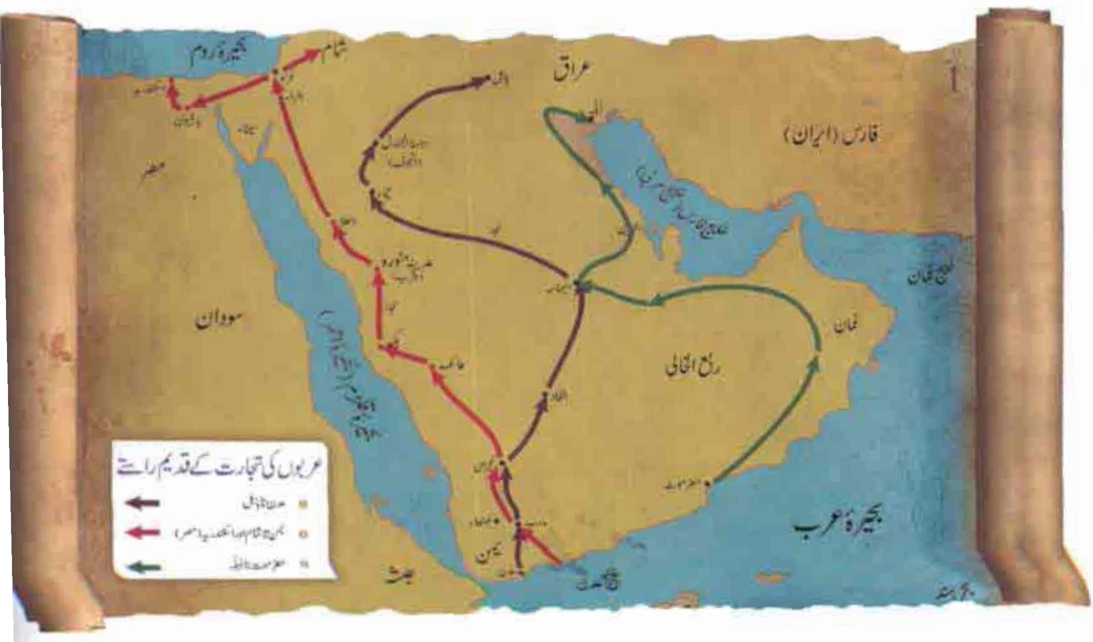
سے حجاج کرام کی ضیافت کیا کرتے تھے۔ [1]

ہاشم کے سفر اور تجارتی معاہدے

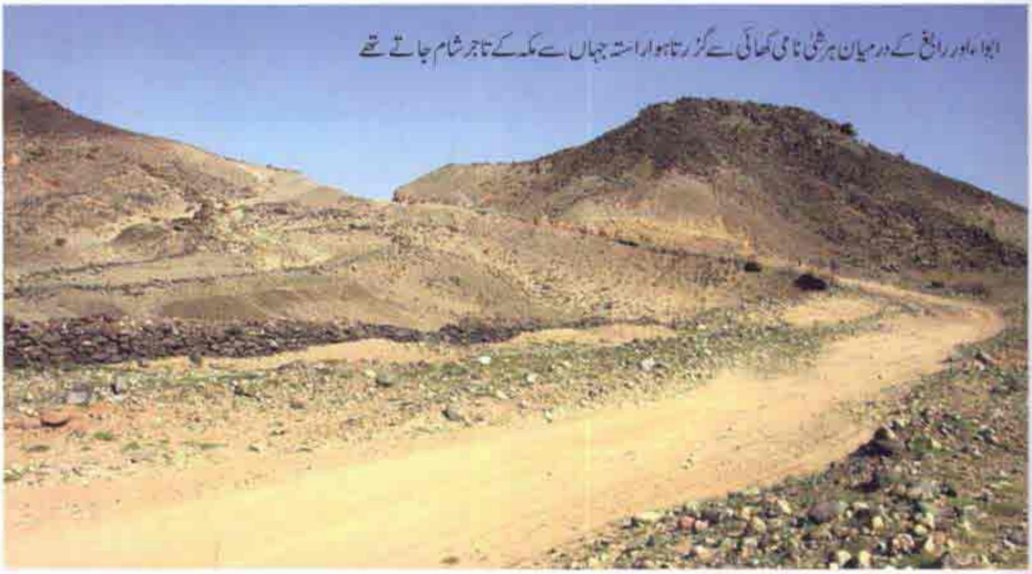
ہاشم وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے قریش کے لیے موسم سرما اور گرما میں دو علیحدہ علیحدہ تجارتی سفروں کا اہتمام کیا۔ انھوں نے اس مقصد کے لیے شاہِ حبشہ نجاشی اور شاہِ روم قیصر سے معاہدے کر کے اپنے تجارتی قافلوں کے لیے مراعات حاصل کیں۔ قیصر کے دربار میں ہاشم کو خصوصی مقام حاصل تھا۔ اُنھیں بہت سے تحفے تحائف سے نوازا جاتا تھا۔ سردیوں میں یہ تجارتی قافلے یمن اور حبشہ اور گرمیوں میں شام اور غزہ کی طرف جاتے تھے۔ بعض اوقات ان کی آخری منزل انگورہ (انقرہ) ہوتی تھی۔ [2] اللہ تعالیٰ نے قریش کے ان دونوں سفروں کا تذکرہ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿ لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ ۝ إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ۝ فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ ۝ الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ ۝ ﴾

''قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے، (یعنی) ان کے سردی اور گرمی کے سفر (سفرِ تجارت) سے مانوس ہونے



[1] سبل الهدٰى والرشاد: 270/1. [2] الطبقات لابن سعد: 75/1 و 78.



کی وجہ سے، ان پر لازم ہے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے مالک کی عبادت کریں جس نے بھوک میں انھیں کھلایا اور خوف سے امن دیا۔''[1]

ایک مرتبہ ہاشم شام کی طرف جاتے ہوئے مدینہ کے بازار (نبط) سے گزرے۔ وہاں اُنھوں نے ایک انتہائی حسین وجمیل خاتون دیکھی۔ وہ خریداری میں مصروف تھی۔ ذہانت و فطانت اُس کے چہرے سے عیاں تھی۔ اُنھوں نے اس عورت کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اُنھیں بتایا گیا: یہ سردارِ خزرج عمرو بن زید نجاری کی بیٹی سلمیٰ ہے۔ پہلے اس کی اُحَیحَہ بن جُلاح سے شادی ہوئی تھی جس سے دو بیٹے عمرو اور معبد ہوئے، پھر دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ اس کے قبیلے والے اس کی قدرومنزلت کی وجہ سے شادی کے لیے یہ شرط عائد کرتے ہیں کہ یہ جب بھی چاہے گی، اسے نکاح ختم کرنے کا اختیار ہوگا۔

ہاشم نے سلمیٰ کے والد کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ اُنھوں نے ہاشم کے شرف اور اعلیٰ نسب کی وجہ سے ان کا پیغام قبول کر لیا۔ نکاح ہونے کے بعد مدینہ والوں اور اہلِ قافلہ کی ضیافت کی گئی۔ یہ قافلہ قریش کے مختلف قبائل، یعنی بنوعبدمناف، بنومخزوم اور بنوسہم کے چالیس افراد پر مشتمل تھا۔ قافلہ کئی دن وہاں ٹھہرا رہا، پھر اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ بعد میں سلمیٰ بنت عمرو نے ایک لڑکے کو جنم دیا۔ اس بچے کے سر پر پیدائشی طور پر کچھ سفید بال تھے جن کی وجہ سے ان کی والدہ نے ان کا نام شیبہ رکھ دیا۔ شیبہ کے معنی ہیں: ''سفید بالوں والا۔''[2]

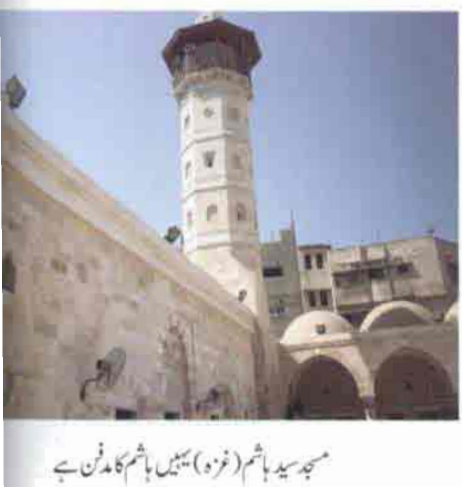
[1] قریش 106:1-4. [2] الطبقات لابن سعد :79,78/1، البداية والنهاية:236,235/2.

اُمیہ کا حسد اور جلا وطنی

امیہ بن عبدشمس بڑا مالدار آدمی تھا۔ اُس کے دل میں بھی شوق پیدا ہوا کہ وہ بھی ہاشم کی طرح لوگوں کی ضیافت کر کے نام کمائے لیکن وہ اس سے عاجز آ گیا۔ قریش کے لوگ امیہ کے عاجز آ جانے سے بڑے خوش ہوئے اور اس کی وجہ سے اسے معیوب ٹھہرایا تو امیہ کے دل میں ہاشم کے خلاف حسد اور بغض پیدا ہو گیا۔ اس کے نتیجے میں بالآخر دونوں میں جھگڑا ہوا۔ جب جھگڑا بڑھ گیا تو مکہ سے 75 کلومیٹر شمال کی جانب عسفان کے ایک کاہن کو منصف ٹھہرایا گیا۔ اس نے ہاشم کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس فیصلے کے نتیجے میں اُمیہ کو پچاس اُونٹ بطور تاوان دینے کے علاوہ دس سال کے لیے جلاوطن بھی ہونا پڑا۔ [1]

امدادِ باہمی کی نادر مثال

ہاشم کے کارناموں میں ہمیں امدادِ باہمی کا ایک بے مثال نمونہ بھی ملتا ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: قریش میں سے اگر کسی کا مال تباہ ہو جاتا تھا تو وہ کسی ویرانے میں خیمہ لگا لیتا تھا تا کہ دوسرے لوگ اُس کے فقر و فاقہ اور محتاجی سے آگاہ نہ ہو سکیں۔ ہاشم کو یہ بات معلوم ہوئی تو انھوں نے قریش سے کہا: تم مال و اسباب، مرتبے اور تعداد میں اہل عرب میں سب سے بڑھ کر ہو۔ اس کے باوجود تمھارے ہی کئی افراد مالی بحران میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یہ اچھی بات نہیں، ہمیں اس کا کوئی حل ڈھونڈنا چاہیے۔ لوگ کہنے لگے: اگر آپ کے پاس اس مسئلے کا کوئی حل ہے تو بتائیے۔ وہ کہنے لگے: ہمیں سارے فقراء کو اپنے اہل و عیال کی طرح اپنے خاندان کا حصہ بنا لینا چاہیے اور اُنھیں اپنے مال اور تجارت میں شریک کر لینا چاہیے، اس طرح اُنھیں اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع مل جائے گا۔ سب لوگوں نے ہاشم سے اتفاق کیا اور یہ مسئلہ خوش اسلوبی سے حل ہو گیا۔ [2]



مسجد سید ہاشم (غزہ) یہیں ہاشم کا مدفن ہے

شام کے ایک اور سفر کے دوران غزہ پہنچ کر ہاشم بیمار ہو گئے۔ یہ بیماری ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوئی۔ اُن کے ساتھی اُنھیں وہیں دفن کر کے اُن کا ترکہ واپس لے آئے۔ [3] عبدمناف کی

---

[1] الطبقات لابن سعد: 76/1، أنساب الأشراف: 68/1. [2] سبل الهدٰی والرشاد: 270,269/1. [3] البداية والنهاية: 236/2.

اولاد میں ہاشم سب سے پہلے فوت ہوئے۔[1] وفات کے وقت ہاشم کی عمر بیس یا راجح قول کے مطابق پچیس سال تھی۔[2] کہا جاتا ہے کہ اُن کا تجارتی ترکہ قبیلہ بنوعامر بن لؤی کے بیس سالہ نوجوان ابو رُہم بن عبدالعزّٰی بن ابو قیس لائے تھے۔[3]

اس سفر میں آپ کی بیوی سلمٰی بھی یثرب تک آپ کی شریکِ سفر رہی تھیں۔ ہاشم کا ارادہ تھا کہ شام سے واپسی پر انھیں اپنے ساتھ مکہ لے جائیں گے لیکن کاتبِ تقدیر کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ہاشم کا یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا اور وہ اپنے بچے کے ساتھ اپنے والدین ہی کے پاس مدینہ میں رہنے لگیں۔[4]

ہاشم نے پانچ عورتوں سے شادی کی جن سے چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ سلمٰی بنت عمرو بن زید نجاریہ سے آپ کا بیٹا شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) اور بیٹی رقیہ (جو بچپن ہی میں فوت ہوگئی) پیدا ہوئی۔ ہند بنت عمرو بن ثعلبہ خزرجیہ سے آپ کا بیٹا ابوصیفی اور بیٹی حَیّہ نے جنم لیا۔ قیلہ بنت عامر بن مالک خزاعیہ (ان کی بڑی جسامت کی وجہ سے انھیں جَزُور کہا جاتا تھا) کے بطن سے ایک ہی بیٹا اسد پیدا ہوا۔ امیمہ بنت عدی بن عبداللہ بن دینار قضاعیہ سے ایک بیٹا نضلہ اور ایک بیٹی شِفاء پیدا ہوئی اور واقدہ بنت ابوعُدَی مازنیہ سے دو بیٹیاں خالدہ اور ضعیفہ پیدا ہوئیں۔[5]

بیویوں اور اولاد کی مذکورہ تفصیل ابن ہشام کے مطابق ہے جبکہ طبقات ابن سعد میں ان کی ایک اور بیوی عُدَیّ بنت حبیب بن حارث ثقفیہ کا بھی ذکر ہے جن سے اُن کی بیٹی حَنّہ پیدا ہوئی۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ہند بنت عمرو کے دو بیٹوں ابوصیفی اور صَیفی کا ذکر کرتے ہیں جبکہ حیّہ کو اُن کی بیٹی شمار نہیں کرتے۔ اسی طرح وہ اُمیمہ کے تین بچوں: ایک بیٹے نضلہ اور دو بیٹیوں شفاء اور رقیہ کا ذکر کرتے ہیں۔

ابن سعد کی پیش کردہ محمد بن سائب کلبی کی روایت کے مطابق ہاشم کے پانچ بیٹے اور چھ بیٹیاں بنتی ہیں جبکہ کلبی کی روایت کے آغاز میں یہ عبارت بھی ہے: وَوَلَدُ هَاشِمِ بْنِ عَبْدِ مَنَافٍ أَرْبَعَةُ نَفَرٍ وَّخَمْسُ نِسْوَةٍ ''ہاشم بن عبدمناف کی اولاد چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں پر مشتمل ہے۔''[6] اس لیے ابن ہشام کی تفصیلات ہی درست معلوم ہوتی ہیں۔ ہاشم کی اولاد میں سے صرف عبدالمطلب (شیبہ) کی نسل باقی رہی۔[7]

---

[1] أعلام النبوة للماوردي:215/1. [2] أنساب الأشراف:70/1. [3] الطبقات لابن سعد:79/1، أنساب الأشراف :70/1.
[4] أنساب الأشراف:71/1. [5] السيرة لابن هشام :108,107/1، الطبقات لابن سعد:80,79/1. [6] الطبقات لابن سعد: 80,79/1. [7] الجمهرة لابن حزم، ص: 14، المعارف لابن قتيبة، ص:33.

عبدالمطلب بن ہاشم

نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا نام شیبۃ الحمد اور کنیت ابو حارث اور ابو بطحا تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کا نام عامر اور لقب شیبہ تھا۔[1] امام سہیلی کہتے ہیں: ''درست بات یہی ہے کہ ان کا نام شیبہ ہے۔''[2] یہ انتہائی حسین و جمیل تھے۔ حذافہ بن غانم عدوی نے ان کے بارے میں کہا ہے:

وَأَوْلَادُهُ بِيضُ الْوُجُوهِ وُجُوهُهُمْ تُضِيءُ ظَلَامَ اللَّيْلِ كَالْقَمَرِ الْبَدْرِ

''ان (شیبہ) کی اولاد کے چہرے سفید ہیں۔ وہ چودھویں کے چاند کی طرح رات کی تاریکی کو روشن کر دیتے ہیں۔''[3]

جب عبدالمطلب کے والد ہاشم کا انتقال ہوا تو یہ اپنی والدہ کے ساتھ اپنی ننھیال میں تھے۔ کئی سال تک وہیں مقیم رہے۔ ایک مرتبہ ثابت بن منذر بن حرام (شاعرِ رسول حسان رضی اللہ عنہ کا والد) عمرے کے لیے مکہ آیا تو اپنے دوست مُطّلب بن عبد مناف سے ملا اور ان سے کہا: اگر تم اپنے بھتیجے کو دیکھو تو تمھیں اُس میں خوبصورتی، ہیبت اور شرف کا حسین امتزاج نظر آئے گا۔ میں نے اُسے بچوں کے ساتھ تیر اندازی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ خاندانی نجابت و شرافت اُس کے چہرے سے عیاں ہے۔

یہ بات سن کر مُطلب اُسی وقت اپنے بھتیجے کو لینے کے لیے روانہ ہوگئے۔ پہلے تو ان کی والدہ نے انکار کیا۔ مطلب نے کہا: انکار نہ کریں، میں اپنے بھتیجے کو ہر حال میں اپنے ساتھ مکہ لے کر جاؤں گا۔ اب یہ بالغ ہو چکا ہے اور یہاں اجنبی ہے، اسے اپنی قوم میں جانے دیں۔ یہ اعلیٰ حسب و نسب والا ہے، وہاں اس کا مقام و مرتبہ یہاں کی نسبت بہت بلند ہوگا۔ یہ جہاں بھی رہا، آپ ہی کا بیٹا ہوگا۔ جب سلمیٰ نے دیکھا کہ یہ اپنے بھتیجے کو لیے بغیر نہیں جائیں گے تو انھوں نے تین دن بچے کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت طلب کی، چنانچہ تین دن کے قیام کے بعد مطلب انھیں اپنے ساتھ مکہ لے آئے۔

---

[1] سبل الهدٰى والرشاد:262/1. [2] الروض الأنف:23/1. [3] أنساب الأشراف:74,73/1.

عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ

جب مطلب بچے کو سواری پر اپنے پیچھے بٹھائے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچے تو لوگ یہ سمجھ کر کہ مطلب کوئی نیا غلام خرید لائے ہیں، کہنے لگے: هٰذَا عَبْدُ الْمُطَّلِبِ ''یہ مطلب کا غلام ہے۔'' یہ سن کر انھوں نے وضاحت کی: ''یہ میرے بھائی ہاشم کا بیٹا ہے۔ اس کا نام شیبہ بن عمرو ہے۔'' [1]

ایک اور روایت میں عبدالمطلب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب مطلب انھیں لے کر واپس آ رہے تھے تو مکہ میں داخل ہوتے وقت شیبہ اپنے چچا مطلب کے پیچھے اونٹ پر سوار تھے۔ شیبہ کے کپڑے سفر کی وجہ سے گرد آلود تھے۔ لوگوں نے مطلب سے دریافت کیا: ''یہ کون ہے؟'' مطلب نے حیا کی وجہ سے کہہ دیا: ''یہ میرا غلام ہے۔'' یہ بات انھوں نے اس لیے کہہ دی مبادا لوگ کہیں: ان کا بھتیجا ایسے میلے کپڑے کیوں پہنے ہوئے ہے؟ چنانچہ انھوں نے سب سے پہلے اُن کے لیے مکہ مکرمہ کے بازار حَزْوَرہ سے ایک عمدہ لباس خریدا، پھر اپنی بیوی خدیجہ بنت سعید بن سعد کے پاس لے کر گئے، پھر شام کو عمدہ لباس پہنا کر اُنھیں قریش کی مجلس میں لائے اور انھیں بتایا: ''یہ میرا بھتیجا ہے۔'' چونکہ مطلب نے پہلے ان کے متعلق کہا تھا: هٰذَا عَبْدِي اس وجہ سے لوگوں نے انھیں عبدالمطلب کہنا شروع کر دیا حتی کہ یہی نام ان کی پہچان بن گیا اور شیبہ متروک ہو گیا۔ [2]

ابن سعد بیان کرتے ہیں: عبدالمطلب قریش میں سب سے زیادہ حسین و جمیل، انتہائی قوی، جسیم، بہت بُردبار، حد درجہ سخی اور کریم تھے۔ وہ شر اور فتنے سے دور بھاگتے تھے۔ کوئی بادشاہ بھی آپ سے ملتا تو آپ کی مسحور کن شخصیت کی وجہ سے عزت و احترام سے پیش آتا۔ آپ ساری زندگی قریش کے مُسلَّمہ سردار رہے۔ [3] عبدالمطلب عرب میں پہلے شخص تھے جنھوں نے اپنے بالوں کو خضاب لگانا شروع کیا تھا۔ ان کے بال بچپن ہی سے سفید تھے۔ یہ یمن کے ایک بادشاہ کے پاس گئے تو اس نے بالوں کو خضاب لگانے کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی۔ [4]

عبدالمطلب کی سیرت کے نمایاں اوصاف

عبدالمطلب کا جود و کرم اپنے باپ ہاشم سے بھی کہیں زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ عبدالمطلب کی مہمان نوازی انسان تو انسان جانوروں اور پرندوں تک جا پہنچی تھی۔ اسی وجہ سے عرب اُنھیں فَیّاض اور مُطْعِمُ طَيْرِ السَّمَاءِ ''آسمان کے پرندوں کو کھلانے والے'' کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ [5] زمانۂ جاہلیت میں چند افراد کے سوا ساری قوم شراب کی

[1] الطبقات لابن سعد: 83,82/1. [2] أنساب الأشراف: 72/1، سبل الهدٰى والرشاد: 263/1. [3] الطبقات لابن سعد: 85/1. [4] أنساب الأشراف: 73/1. [5] الشجرة الزكية، ص: 48,47.

رسیا تھی۔ امام رشاطی ﷫ نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب اُن معدودے چند افراد میں سے ایک تھے جو اپنے لیے شراب کو حرام سمجھتے تھے۔ [1]

حرب اور عبدالمطلب کے تنازع میں نُفَیل کا فیصلہ

علامہ بلاذری ﷫ بیان کرتے ہیں: عبدالمطلب انتہائی بردبار، دانا اور انصاف کے علمبردار تھے۔ حرب بن اُمیہ بن عبدشمس ان کا ہم نوالہ وہم پیالہ تھا۔ عبدالمطلب کی پناہ میں اُذینہ نامی ایک یہودی رہتا تھا۔ وہ تہامہ کے بازار


تہامہ کا ایک قدیم علاقہ

میں خرید وفروخت کیا کرتا تھا۔ حرب کو یہ بات اچھی نہیں لگتی تھی۔ اُس نے قریش کے نوجوانوں کو ترغیب دی: اگر تم اس یہودی کو قتل کر کے اس کے مال پر قبضہ کرلو تو یہاں کوئی اُس کے خون کا مطالبہ کرنے والا ہے نہ اُس کا مال طلب کرنے والا۔

دو نوجوانوں ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار اور صخر بن عامر بن کعب نے حرب کی باتوں میں آکر اُسے قتل کر دیا۔ عبدالمطلب کو اس جرم سے بہت تکلیف پہنچی۔ انھوں نے اس قتل کا سراغ لگا لیا اور حرب بن اُمیہ سے اُس یہودی کے قاتلوں کو پیش کرنے کا مطالبہ کیا۔ حرب نے قاتلوں کو چھپا دیا اور اُنھیں عبدالمطلب کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ دونوں کے درمیان تلخ کلامی بھی ہوئی۔ معاملہ سنگین نوعیت اختیار کر گیا تو ان دونوں نے نجاشی کو حَکَم مان لیا کہ وہ جو فیصلہ کرے گا، ہمیں منظور ہوگا لیکن نجاشی ان کا فیصل بننے کے لیے تیار نہ ہوا، پھر انھوں نے سیدنا عمر بن خطاب ﷛ کے جد امجد نُفَیل بن عبدالعزیٰ بن رِیاح کو حَکَم مان لیا۔ نفیل حرب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 267/1.

''اے ابوعمرو! کیا تم ایک ایسے آدمی سے اختلاف کر رہے ہو جو قامت میں تم سے لمبا، صورت میں تم سے زیادہ حسین اور سرداری میں تم سے بڑھ کر ہے۔ اسے ملامت کرنے والے تم سے تھوڑے ہیں، اس کی اولاد تم سے زیادہ ہے۔ وہ صلہ رحمی میں تم سے بڑھ کر ہے اور اس کا دسترخوان تم سے وسیع تر ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تم حلیم ہو، تمھاری عرب میں شہرت ہے۔ تم دوراندیش ہو، تمھارے قبیلے والے تم سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن تم ایک ایسے آدمی کے مقابلے میں آئے ہو جو تم سے بہت ممتاز ہے۔''

نفیل نے عبدالمطلب کے حق میں فیصلہ کر دیا لیکن حرب نے اُس کا فیصلہ تسلیم نہ کیا۔ عبدالمطلب نے یہ معاملہ عبداللہ بن جدعان کے سپرد کر دیا۔ عبداللہ بن جدعان حرب کے پیچھے پڑے رہے یہاں تک کہ مقتول یہودی کے چچازاد کو اس سے دیت دلوائی۔ [1]

قصہ حذافہ عدوی کی رہائی کا

ایک مرتبہ جذام قبیلے کے لوگ حج کے لیے آئے تو اُن کا ایک فرد مکہ میں قتل کر دیا گیا۔ اُنھیں راستے میں حذافہ بن غانم عدوی ملا، اُنھوں نے اُسے گرفتار کرلیا۔ عبدالمطلب ابولہب کے ساتھ طائف سے واپس آئے تو اُنھیں اس ماجرے کا پتہ چلا، اُس وقت ان کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ عبدالمطلب نے بنوجذام سے کہا: تمھیں میری تجارت اور مال کا اندازہ ہے۔ میں حلف اُٹھاتا ہوں کہ تمھیں بیس اوقیہ سونا یا دس اونٹ یا جس پر تم راضی ہو، ادا کردوں گا، تم حذافہ کو چھوڑ دو، میری یہ چادر تمھارے پاس گروی ہے۔ اُنھوں نے عبدالمطلب کی بات مانتے ہوئے حذافہ کو چھوڑ دیا۔ عبدالمطلب حذافہ کو اپنے ساتھ سواری پر بٹھا کر مکہ لے آئے اور اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ [2]

زم زم کے کنویں کی کھدائی

حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کے پاس سب سے پہلے آباد ہونے والے بنوجرہم کی بے اعتدالیاں جب حد سے بڑھ گئیں، مکہ آنے والے حاجیوں پر اُن کے ظلم اور زیادتیوں میں بہت اضافہ ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اُن سے اقتدار چھیننے اور اُنھیں مکہ سے نکالنے کے اسباب مہیا کر دیے۔ اُن کے آخری سردار عمرو بن حارث جرہمی نے کعبے کے نفیس اور قیمتی تحائف اور رکن یمانی کا پتھر چاہِ زمزم میں پھینک دیے اور چاہِ زمزم کو توڑ پھوڑ کر اس طرح بھرا کہ اس کا نشان ہی مٹا دیا اور خود یمن کی طرف بھاگ گیا۔ اس پر مدتیں بیت چکی تھیں۔ زمزم اور اُس

[1] أنساب الأشراف :82,81/1، المنمق في أخبار قريش، ص:63,62، سبل الهدٰى والرشاد :264,263/1 . [2] أنساب الأشراف :73/1.

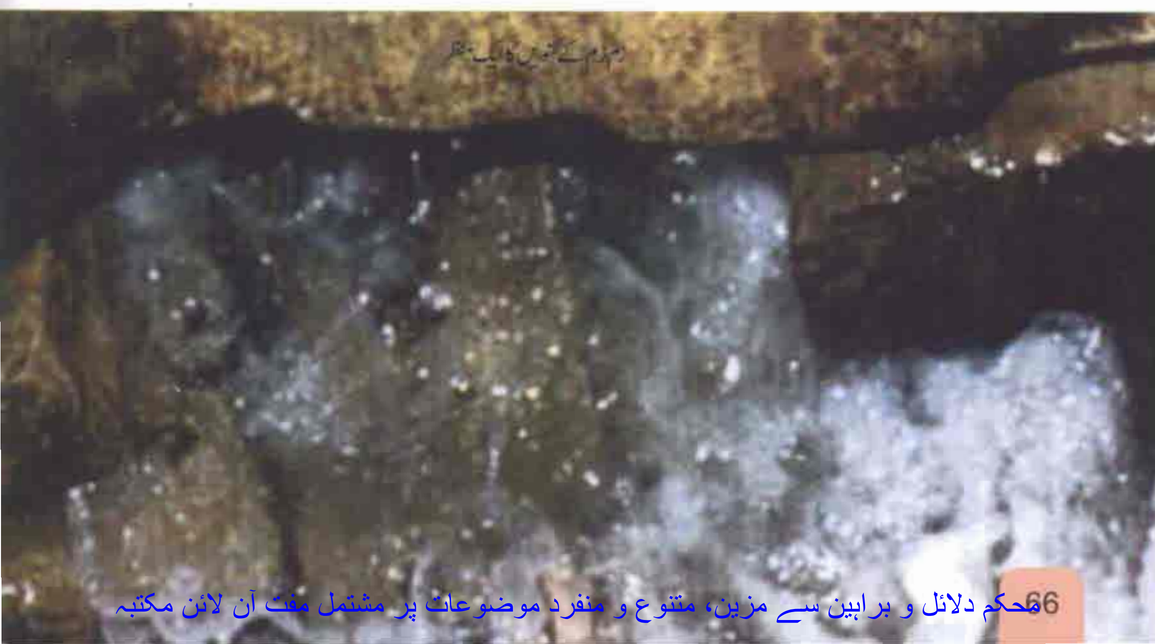
کا محل وقوع لوگوں کے ذہنوں تک سے محو ہو گیا تھا۔ [1] لیکن اب ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے وہ فرد فرید اس دنیا میں آنے والا تھا جو خود اور اس کے ماننے والے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کے بعد آبِ زمزم کے سب سے زیادہ حق دار تھے۔

عبدالمطلب کا خواب

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عبدالمطلب کو خواب کے ذریعے سے اس جگہ کے کھودنے کا حکم دیا گیا اور اس جگہ کی علامات اور نشانات خواب ہی میں بتائے گئے۔ عبدالمطلب نے بیان کیا: میں حطیم میں سو رہا تھا۔ خواب میں ایک آنے والا میرے پاس آیا اور مجھ سے کہا: اِحْفِرْ بَرَّةَ ''برّہ کھودو۔'' میں نے دریافت کیا: وَمَا بَرَّةُ؟ ''برہ کیا ہے؟'' تو وہ شخص چلا گیا۔ اگلے روز میں پھر اسی جگہ سویا۔ میں نے پھر خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: اِحْفِرِ الْمَضْنُونَةَ ''مضنونہ کھودو۔'' میں نے دریافت کیا: وَمَا الْمَضْنُونَةُ؟ ''مضنونہ کیا ہے؟'' وہ شخص جواب دیے بغیر چلا گیا۔

تیسرے روز پھر اسی جگہ خواب میں دیکھا کہ وہ شخص کہہ رہا ہے: اِحْفِرْ طَيْبَةَ ''طیبہ کھودو۔'' میں نے پوچھا: وَمَا طَيْبَةُ؟ ''طیبہ کیا ہے؟'' وہ شخص پھر چلا گیا۔ چوتھے روز پھر اسی جگہ یہ خواب دیکھا تو وہ شخص کہنے لگا: اِحْفِرْ زَمْزَمَ ''زمزم کھودو۔'' میں نے کہا: وَمَا زَمْزَمُ؟ ''زمزم کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: لَا تَنْزِفُ أَبَدًا وَلَا تُذَمُّ، تَسْقِي الْحَجِيجَ الْأَعْظَمَ ''وہ (کنواں ہے جس کا پانی) نہ کبھی ختم ہوگا نہ کبھی کم ہوگا اور وہ حاجیوں کی بہت بڑی تعداد کو سیراب کرے گا۔''

[1] سبل الهدٰى والرشاد: 187/1۔



زمزم کے کنویں کا ایک منظر

پھر اُس جگہ کے کچھ نشانات اور علامات بتائی گئیں کہ وہاں چیونٹیوں کا بل ہوگا اور وہ گوبر اور خون کے درمیان ہے جہاں سفید پروں والا ایک کوا چونچ مار رہا ہوگا۔ یہ جگہ دو بتوں اساف اور نائلہ کے درمیان تھی جہاں قریش اپنے جانوروں کو ذبح کیا کرتے تھے۔ اس طرح بار بار دیکھنے اور نشانات اُجاگر ہونے سے عبدالمطلب کو یقین ہو گیا کہ یہ خواب سچا ہے۔ یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کی پیدائش سے پہلے پیش آیا۔

خواب کی عملی تعبیر

عبدالمطلب نے قریش کو اپنا خواب سنایا اور کہا: میرا ارادہ اس جگہ کو کھودنے کا ہے۔ قریش نے مخالفت کی مگر عبدالمطلب نے مخالفت کی کوئی پروا نہ کی۔ وہ اپنے بیٹے حارث کے ساتھ اس جگہ پہنچ گئے اور بتائے گئے نشان کے مطابق وہ جگہ کھودنی شروع کر دی۔ عبدالمطلب کھودتے جاتے تھے اور حارث مٹی اُٹھا اُٹھا کر پھینکتے جاتے تھے۔ تین روز کے بعد اُس کے کچھ آثار نظر آئے تو عبدالمطلب نے خوشی سے نعرہ لگایا: هٰذَا طَوِيُّ إِسْمٰعِيلَ ''یہی اسمٰعیل (علیہ السلام) کا کنواں ہے۔''

زم زم کی تولیت

قریش کو پتہ چلا کہ عبدالمطلب اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہیں تو وہ سب مل کر آئے اور کہنے لگے: اے عبدالمطلب! یہ کنواں ہمارے باپ اسماعیل (علیہ السلام) کا ہے۔ اس پر ہمارا بھی حق ہے، اس لیے اس کے جملہ حقوق میں ہمیں بھی شرکت کا موقع دو۔ عبدالمطلب نے جواب دیا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ یہ فضیلت میرے ہی لیے خاص کی گئی ہے۔ تمھارا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ لیکن قریش اپنے دعوے پر اصرار کرتے رہے، آخرکار یہ طے پایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ بنو سعد ہذیم کی ایک کاہنہ سے کرایا جائے۔ یہ عورت شام کی سرحد کے پاس رہتی تھی۔

صحرائے شام میں قدرت کا معجزہ

عبدالمطلب اور قریش کے چند دیگر افراد کاہنہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جب یہ قافلہ شام اور حجاز کے درمیان پہنچا تو ان کے پانی کا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ جب صحرا کی شدید گرمی اور پیاس نے انھیں ستایا تو انھیں اپنی موت یقینی نظر آنے لگی۔ عبدالمطلب نے یہ صورت حال دیکھی تو اپنے ساتھیوں سے پوچھا: ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ وہ کہنے لگے: موجودہ اضطراب انگیز حالت میں تو ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا، تم ہی کچھ بتاؤ۔ عبدالمطلب کہنے لگے: ہمیں باقی ماندہ توانائی مجتمع کر کے اپنی اپنی قبریں کھودنی چاہئیں۔ ہم میں سے جو شخص فوت ہو جائے، اُس کے ساتھی مل کر اُسے دفن



دشوار گزار صحرائے شام (شمالی عرب) کا ایک منظر

کر دیں یہاں تک کہ آخر میں جو شخص بچ جائے، وہ دفن ہونے سے رہ بھی جائے تو کوئی حرج نہیں۔ سب کے جثے ضائع ہونے سے بہتر یہی ہے کہ کوئی ایک ضائع ہو۔ انھوں نے کہا: تمھاری بات ٹھیک ہے، چنانچہ وہ سب اپنی اپنی قبر کھودنے لگے۔ انھیں موت سامنے دکھائی دے رہی تھی۔

اس کے بعد عبدالمطلب نے اُن سے کہا: اس طرح بیٹھ کر موت کا انتظار کرنے سے بہتر ہے کہ ہم پانی کی تلاش جاری رکھیں، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ پانی کی طرف ہماری رہنمائی کر دے۔ وہ اس ارادے سے اپنی سواریوں کی طرف بڑھے۔ جب عبدالمطلب نے اپنے اونٹ کو اُٹھایا تو اُس کے پاؤں کے نیچے سے میٹھے پانی کا چشمہ جاری ہو گیا۔ یہ دیکھ کر سب نے بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہا۔ انھوں نے خود بھی پانی پیا، اپنی سواریوں کو بھی پلایا اور اپنے مشکیزوں میں بھی بھر لیا، پھر وہ سب کہنے لگے: اے عبدالمطلب! ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو گیا ہے۔ اب اُس کاہنہ کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ ہم تم سے زمزم کے بارے میں کبھی نہیں جھگڑیں گے۔ اب زمزم پر تمھارا ہی حق مسلّم ہے۔

سونے کے ہرن اور بابِ کعبہ

ابن ہشام کے مطابق زمزم کی کھدائی کے وقت سونے کے دو ہرن اور کچھ تلواریں اور زرہیں بھی ملیں۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا: اے عبدالمطلب! ان چیزوں پر ہمارا بھی حق ہے۔ عبدالمطلب نے ان چیزوں میں اُن کا حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا: اگر تم حصہ لینے پر مُصر ہو تو آؤ فال کے تیر نکلوائیں۔ جس کا تیر نکل آئے، وہ حقدار ہو گا اور جس کا نہ نکلے، وہ محروم تصور کیا جائے گا۔ انھوں نے پوچھا: یہ فال گیری کیسے ہو گی؟ عبدالمطلب نے کہا: دو تیر کعبہ کے، دو میرے اور دو تمھارے لیے ہوں گے۔ جس کے تیر جس چیز پر نکل آئے، وہ چیز اسے مل جائے گی اور جس کے نہ نکلے، وہ اس سے محروم رہے گا۔ سب نے کہا: یہ ٹھیک ہے اور انصاف کی بات ہے۔

اس پر عبدالمطلب نے دو زرد تیر کعبہ کے لیے اور دو سیاہ تیر اپنے لیے اور دو سفید تیر قریش کے لیے تیار کیے، پھر سب سے بڑے بت ہُبَل کے پاس جا کر وہ تیر پانسہ دار کے حوالے کیے اور خود عبدالمطلب کھڑے ہو کر دعا کرنے لگے۔ پانسہ دار نے فال نکالی تو کعبہ کے دو زرد تیر ہرنوں کے نام نکلے اور عبدالمطلب کے دو سیاہ تیر تلواروں اور زرہوں کے لیے نکلے مگر قریش کے تیر ناکام رہے۔ عبدالمطلب نے ان تلواروں سے بیت اللہ کا دروازہ بنا دیا اور سونے کے دو ہرن، جو کعبے کے حصے میں آئے تھے، انھیں پگھلا کر کعبے کا دروازہ سونے سے مرصّع کر دیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کعبے کا دروازہ سونے سے مزین کیا گیا۔ عبدالمطلب نے زمزم کو بلاتخصیص سب لوگوں کے لیے وقف کر دیا۔ [1]



کعبہ شریف کا موجودہ دروازہ

بیٹے کی قربانی

عبدالمطلب جب کنواں کھود رہے تھے، اُس وقت اُن کا ایک ہی بیٹا حارث تھا۔ اس موقع پر جب قریش نے ان کا مذاق اُڑایا تو انھوں نے نذر مانی کہ اللہ تعالیٰ نے اگر انھیں دس بیٹے عطا کیے اور وہ ان کے لیے قوت کا ذریعہ بنے اور دشمن سے مدافعت میں کام آئے تو وہ ایک بیٹے کو کعبہ کے پاس ذبح کر دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عبدالمطلب کو دس بیٹے عطا کر دیے۔ جب اُنھوں نے محسوس کیا کہ اب وہ مناسب قوت کے مالک ہو گئے ہیں اور دشمن کا آسانی سے مقابلہ کر سکتے ہیں تو انھوں نے سب لڑکوں کو جمع کیا۔ انھیں اپنی نذر سے آگاہ کیا اور نذر پوری کرنے کی ترغیب بھی دی۔ فرمانبردار بیٹوں نے باپ کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا اور پوچھا: اب یہ نذر پوری کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ اُنھوں نے کہا: تم سب ایک ایک تیر پر اپنا اپنا نام لکھ کر لاؤ۔ جب سب نے اپنا اپنا نام لکھ کر تیر پیش کر دیے تو وہ ان سب بیٹوں کو لے کر ہُبَل بت کے قرعہ انداز کے پاس آئے اور اسے اپنی نذر سے آگاہ کر کے کہا: ان سے تیر لے کر قرعہ ڈالو۔ جس کے نام پر قرعہ نکلے گا، نذر پوری کرنے کے لیے اسے ذبح کر دیا جائے گا۔ عبدالمطلب کو اپنے بیٹوں میں سب سے زیادہ محبت عبداللہ سے تھی۔ اُن کی آرزو تھی کہ قرعہ ان کے نام نہ نکلے، اس لیے جب

[1] دیکھیے: السیرة لابن هشام:1/143-147، السیرة لابن إسحاق:1/77-80، الطبقات لابن سعد:1/83-85.

قرعہ انداز نے سب سے تیر لے کر قرعہ ڈالنے کی تیاری کی تو عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنے میں مصروف ہو گئے۔ قرعہ انداز نے قرعہ نکالا تو وہ عبداللہ کے نام نکلا۔

عبدالمطلب نے نذر پوری کرنے کے لیے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا، چھری سنبھالی اور انھیں لے کر ذبح کرنے کے لیے اِساف اور نائلہ کی طرف چل پڑے۔ قریش یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ وہ اپنی مجلسوں سے اُٹھے، بھاگے بھاگے آئے اور انھیں اس اقدام سے روکا۔ عبداللہ کے ماموں زاد مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو مخزومی کہنے لگے: اللہ کی قسم! جب تک بچاؤ کی تمام تدبیریں ناکام نہ ہو جائیں، تم اسے ذبح نہیں کر سکتے۔ اس کی جان بچانے کے لیے ہمیں اپنا سارا مال بھی قربان کرنا پڑا تو ہم دریغ نہ کریں گے۔

قرعہ اندازی اور 100 اونٹوں کی دِیَت

پھر وہ سب مل کر ایک کاہنہ کے پاس گئے اور اس سے اس مسئلے کا حل پوچھا۔ وہ بولی: ایک آدمی کے قتل کی تم کیا دیت دیتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا: ''دس اونٹ۔'' یہ سن کر وہ عورت بولی: تم اپنے گھر واپس جاؤ اور اس بچے اور دس اُونٹوں پر قرعہ اندازی کرو۔ اگر قرعہ بچے کے نام کا نکلے تو دس اُونٹ اور زیادہ کر کے پھر قرعہ ڈالو، اسی طرح دس دس اُونٹ بڑھاتے جاؤ۔ جب اُونٹوں کے نام قرعہ نکلے تو انھیں ذبح کر دو اور سمجھو کہ اللہ راضی ہو گیا ہے اور تمھارے بیٹے کی جان بچ گئی ہے۔

یہ لوگ کاہنہ کے پاس سے واپس آ گئے۔ عبدالمطلب ہبل کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کرنے لگے۔ اِدھر قریش نے عبداللہ اور دس اُونٹوں پر قرعہ ڈالا تو قرعہ عبداللہ کے نام نکلا، پھر وہ دس دس اُونٹ بڑھاتے گئے اور قرعہ نکالتے رہے مگر قرعہ عبداللہ ہی کے نام نکلتا رہا۔ جب اُنھوں نے سو اُونٹ پورے کیے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکل آیا، اب اُنھوں نے اپنی تسلی کے لیے تین دفعہ قرعہ نکالا۔ تینوں مرتبہ اُونٹوں ہی پر قرعہ نکلا، چنانچہ سو اُونٹ ذبح کر دیے گئے اور ان کا گوشت سب کے لیے وقف کر دیا گیا۔ عبدالمطلب اور ان کی اولاد میں سے کسی نے بھی اس گوشت میں سے ایک بوٹی بھی نہ لی۔ جو شخص جتنا چاہتا، گوشت لے جاتا، کسی کے لیے ممانعت نہ تھی۔ اس کے بعد نہ صرف قریش بلکہ سارے عرب میں انسانی جان کی دیت سو اونٹ مقرر ہو گئی۔[1] اسلام نے بھی اسی کو بحال رکھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ

[1] دیکھیے: السيرة لابن هشام: 1/151-155، الطبقات لابن سعد: 1/88,89.

وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ؕ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ؕ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۫ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ○﴾

''اور کسی مومن کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسرے مومن کو قتل کرے، مگر غلطی سے (ہو جائے تو اور بات ہے) اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے، اس پر ایک مومن غلام آزاد کرنا اور مقتول کے رشتے داروں کو خون بہا ادا کرنا (لازم) ہے۔ ہاں، اگر وہ معاف کر دیں (تو اور بات ہے) پھر اگر وہ مقتول ایسی قوم میں سے ہو جو تمھاری دشمن ہو جبکہ وہ خود مومن ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرنا (لازم) ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم میں سے ہو کہ تمھارے اور ان کے درمیان معاہدہ ہو چکا ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام آزاد کرنا ہوگا، پھر جو شخص غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو، وہ دو ماہ لگاتار روزے رکھے، یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے توبہ (قبول کرنے کا ذریعہ) ہے۔ اور اللہ خوب جاننے والا، بہت حکمت والا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے دیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

«مَنْ قَتَلَ [مُؤْمِنًا] مُتَعَمِّدًا دُفِعَ إِلٰى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ، فَإِنْ شَاءُوا قَتَلُوا، وَإِنْ شَاءُوا أَخَذُوا الدِّيَةَ وَهِيَ ثَلَاثُونَ حِقَّةً وَثَلَاثُونَ جَذَعَةً وَأَرْبَعُونَ خَلِفَةً، وَمَا صَالَحُوا عَلَيْهِ فَهُوَ لَهُمْ»

''جو شخص جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کر دے، اُسے مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دیا جائے گا۔ وہ چاہیں تو قصاص میں اُسے قتل کر دیں۔ اگر وہ دیت لینا چاہیں تو اُنھیں اس کا بھی اختیار ہے۔ (پھر آپ نے دیت میں اُونٹوں کی تعداد اور ان کی عمروں کی بھی وضاحت فرمادی) دیت اس طرح ہے: تیس حقہ (وہ اُونٹنیاں جو چوتھے سال میں داخل ہوں)، تیس جذعہ (جو پانچویں سال میں داخل ہوں) اور چالیس حاملہ اُونٹنیاں۔ دونوں فریق اس حوالے سے آپس میں کوئی مصالحت کر لیں تو انھیں اس کا حق حاصل ہے۔''[2]

جس طرح نبی کریم ﷺ کے جد اعلیٰ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کے لیے پیش کیا گیا، آپ کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کو بھی قربانی کے لیے پیش کیا گیا تھا، اسی وجہ سے آپ ﷺ کو ابن الذبیحَیْن بھی کہا جاتا ہے۔[3] یہ الفاظ نبی کریم ﷺ سے مرفوعاً بھی بیان کیے گئے ہیں لیکن اس روایت کی سند ضعیف ہے۔[4]

[1] النسآء 4:92. [2] جامع الترمذي: 1387. [3] سبل الهدى والرشاد: 246/1. [4] السلسلة الضعيفة: 173,172/4، حديث: 1677.

عبدالمطلب کی اولاد

عبدالمطلب نے پانچ شادیاں کیں جن سے آپ کے دس بیٹے اور چھ بیٹیاں ہوئیں: 1 نُتَیلہ بنت جناب بن کلیب خزرجیہ سے آپ کے دو بیٹے عباس اور ضرار نے جنم لیا۔ 2 ہالہ بنت وُہیب زہریہ سے حمزہ، مقوم، حجل (یا غیداق) اور ایک بیٹی صفیہ پیدا ہوئیں۔ 3 فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ سے تین بیٹے عبداللہ (رسول اللہ ﷺ کے والد)، ابوطالب (عبدمناف)، زبیر اور پانچ بیٹیاں ام حکیم بیضاء، عاتکہ، اُمیمہ، اروی اور برہ پیدا ہوئیں۔ 4 سمراء بنت جندب ہوازنیہ سے ایک بیٹا حارث پیدا ہوا۔ 5 لُبنیٰ بنت ہاجر بن عبدمناف خزاعیہ سے ابولہب پیدا ہوا۔[1]

مذکورہ تفصیل ابن ہشام کے مطابق ہے جبکہ ابن سعد 12 بیٹوں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن جب ہم ابن سعد کی بیان کردہ تفصیل دیکھتے ہیں تو اُس میں 12 کے بجائے 13 بیٹوں کے نام ہیں۔ سب سے بڑے بیٹے حارث تھے۔ دیگر بیٹوں میں عبدالکعبہ، قُثَم اور حجل کے علاوہ مصعب یا غَیداق بتائے گئے ہیں۔ قُثَم کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ اُن کی والدہ کا نام نُتَیلہ تھا اور غیداق یا مصعب کی والدہ کا نام مُمَنَّعَہ بنت عمرو بن مالک خزاعیہ بتایا گیا ہے۔ ابن سعد اور بلاذری ﷭ نے حارث کی والدہ کا نام صفیہ بنت جُنیدب بن حُجَیر ہوازنیہ ذکر کیا ہے۔ ابن ہشام کی بیان کردہ بیویوں کی فہرست میں اس بیوی کا نام بھی شامل نہیں۔[2]

جدِّ رسول کی محبت اور وصیت

نبی کریم ﷺ کا نام "محمد (ﷺ)" عبدالمطلب ہی نے رکھا تھا۔ آپ ﷺ کی والدہ کی وفات کے بعد آپ کی کفالت کی ذمہ داری بھی انھی نے سنبھال لی تھی۔ عبدالمطلب کو نبی کریم ﷺ سے بے حد محبت تھی۔ عبدالمطلب نے مرض الموت میں ابو طالب کو بلا کر رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت کرنے کی خصوصی وصیت کی۔ جب عبدالمطلب فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی عمر آٹھ سال تھی۔[3]

نبی ﷺ دادا کی وفات پر رو دیے

عبدالمطلب کو الحجون میں دفن کیا گیا۔ وفات کے وقت اُن کی عمر 82 یا 85 سال تھی۔ بعض روایات میں اُن کی عمر 110 سال بتائی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: "کیا آپ کو عبدالمطلب کی وفات کے بارے میں

1 السيرة لابن هشام: 1/108-110. 2 الطبقات لابن سعد: 1/93,92، أنساب الأشراف: 1/96-99. 3 البداية والنهاية: 262/2، دلائل النبوة للبيهقي: 22/2، السيرة لابن إسحاق: 116/1.

کچھ یاد ہے؟'' تو آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، أَنَا يَوْمَئِذٍ ابْنُ ثَمَانِي سِنِينَ»

''ہاں! اُس وقت میری عمر 8 سال تھی۔''

ام ایمن بیان کرتی ہیں: ''میں نے عبدالمطلب کی وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کو عبدالمطلب کی چارپائی کے پیچھے روتے ہوئے دیکھا تھا۔''[1]

[1] الطبقات لابن سعد: 119/1، أنساب الأشراف: 93,92/1.



الحجون جہاں پر عبدالمطلب مدفون ہیں

عبداللہ بن عبدالمطلب

سردار عبداللہ بن عبدالمطلب کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو بن عائذ بن عمران بن مخزوم قرشیہ ہے۔[1] جناب عبداللہ انتہائی حسین اور اپنے والد کے چہیتے تھے۔[2] عرب میں ہر طرف عبدالعزیٰ، عبد مناۃ اور عبد وُدّ جیسے ناموں کی بھرمار تھی۔ لیکن اس مشرکانہ ماحول کے باوجود آپ کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ناموں میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَحَبُّ الْأَسْمَاءِ إِلَى اللّٰهِ عَبْدُاللّٰهِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ، وَأَصْدَقُهَا حَارِثٌ وَهَمَّامٌ، وَأَقْبَحُهَا حَرْبٌ وَمُرَّةٌ»

''اللہ کے ہاں پسندیدہ ترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں، سب سے سچے نام حارث (کمائی کرنے والا) اور ہمام (قصد و ارادہ کرنے والا) ہیں اور انتہائی ناپسندیدہ نام حرب (لڑاکا) اور مُرہ (کڑوا) ہیں۔''[3]

جناب عبداللہ کے متعلق عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ آپ عبدالمطلب کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔[4] لیکن امام سہیلی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ بات ٹھیک نہیں کیونکہ حمزہ رضی اللہ عنہ جناب عبداللہ سے اور عباس رضی اللہ عنہ حمزہ رضی اللہ عنہ سے چھوٹے تھے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ عبدالمطلب کی اہلیہ فاطمہ بنت عمرو کی اولاد میں سب سے چھوٹے تھے۔[5]

عبداللہ بن عبدالمطلب کی قربانی کا ذکر گزر چکا ہے۔ قربانی کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہونے کے بعد عبداللہ اپنے والد عبدالمطلب کے ساتھ واپس آرہے تھے تو راستے میں اُنھیں اس زمانے کے بہت بڑے عالم، دانا اور آسمانی کتابوں کے ماہر ورقہ بن نوفل کی بہن ام قتال رقیہ بنت نوفل نے شادی کی پیش کش کی، انھوں نے اپنے بھائی ورقہ بن نوفل سے سن رکھا تھا کہ جناب عبداللہ کی نسل سے اس امت کا نبی پیدا ہوگا۔ بعض مؤرخین نے خاتون کا نام فاطمہ بنت مُرّ خثعمیہ ذکر کیا ہے۔[6] عبداللہ کہنے لگے: اس کے بارے میں میرے والد ہی فیصلہ کریں گے، میں اُن کی رائے کے خلاف نہیں جاسکتا۔

---

[1] السيرة لابن هشام: 109/1. [2] السيرة لابن هشام: 153/1. [3] سنن أبي داود: 4950. [4] السيرة لابن إسحاق: 86/1.
[5] الروض الأنف: 271/1. [6] السيرة لابن هشام: 156/1، الروض الأنف: 275/1، الطبقات لابن سعد: 96,95/1.

عبدالمطلب، عبداللہ کو وہب بن عبدمناف بن زہرہ کے پاس لے گئے اور اُن کے لیے وہب کی بیٹی آمنہ کا رشتہ طلب کیا۔ سیدہ آمنہ اُس وقت قریش کی خواتین میں نسب اور مرتبے کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ شخصیت تھیں۔ ان کے والد نے اس رشتے کو منظور کرلیا اور سیدہ آمنہ کی شادی جناب عبداللہ سے کر دی۔ یوں نبیِ کریم ﷺ پورے قریش میں والد اور والدہ دونوں جانب سے انتہائی نجیب اور عالی نسب ہیں۔ [1]

عبدالمطلب کا یمن میں ایک فیصلہ

امام سہیلی رحمہ اللہ جناب عبداللہ کی آمنہ بنت وہب سے شادی کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں: عبدالمطلب یمن آیا کرتے تھے اور یہاں ایک رئیس کے ہاں قیام کرتے تھے۔ ایک دفعہ وہ یمن آئے تو جس رئیس کے پاس انھوں نے قیام کیا، اس کے پاس ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ وہ عبدالمطلب سے کہنے لگا: مجھے اجازت دیں۔ میں آپ کی ناک کا اچھی طرح معاینہ کروں۔ عبدالمطلب نے کہا: ''دیکھ لو!'' اس نے ان کی ناک دیکھنے کے بعد کہا: مجھے نبوت اور بادشاہت نظر آرہی ہے اور میں یہ نبوت اور بادشاہت دو منافوں میں دیکھتا ہوں۔ ایک عبدمناف بن قصی اور دوسرے عبدمناف بن زہرہ ہیں۔ عبدالمطلب جب یہ سن کر واپس مکہ پہنچے تو اپنے صاحبزادے عبداللہ کی شادی آمنہ بنت وہب سے کر دی۔ [2]

شادی کے بعد جب عبداللہ کی ورقہ بن نوفل کی بہن سے دوبارہ ملاقات ہوئی تو شادی کی بات چلی۔ وہ کہنے لگیں: اب میں آپ سے شادی کے لیے تیار نہیں۔ پہلے میں اس وجہ سے آپ سے شادی کی آرزو مند تھی کہ میں نے آپ کی آنکھوں کے درمیان ایک خاص طرح کا نور پھوٹتا ہوا دیکھا تھا جو اب نہیں، لہٰذا اب مجھے اس کی کوئی آرزو نہیں۔ [3]

ان کے علاوہ ایسی کئی عورتوں کا ذکر ملتا ہے جنھوں نے جناب عبد اللہ کو شادی کی پیش کش کی تھی مگر ان کی شادی آمنہ بنت وہب سے ہو جانے کے بعد وہ کہنے لگیں: اب ہمیں آپ کی پیشانی میں وہ نور نظر نہیں آرہا جس کی وجہ سے ہم آپ سے شادی کرنے کی آرزو مند تھیں۔ اس بات کی حتمی تصدیق کے لیے کوئی یقینی، عقلی یا نقلی دلیل دستیاب نہیں۔ [4]

[1] السيرة لابن إسحاق:1/94. [2] الروض الأنف:1/274. [3] السيرة لابن هشام:1/157,156، السيرة لابن إسحاق:1/94، الطبقات لابن سعد:1/97,96. [4] السيرة النبوية للعمري:1/95,94.

نبی ﷺ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی ننھیال

جس دن عبداللہ کی شادی وہب کی بیٹی آمنہ سے ہوئی، اسی دن عبدالمطلب نے آمنہ بنت وہب کی چچا زاد بہن ہالہ بنت وُہَیب سے شادی کی۔ اس سے حمزہ بن عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ [1] سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی والدہ ہالہ کے والد وہیب اور نبی کریم ﷺ کے نانا وہب سگے بھائی تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچا ہونے کے ساتھ ساتھ رشتے کی خالہ کے بیٹے اور رضاعی بھائی بھی تھے۔ ابولہب کی لونڈی ثُوَیبَہ نے نبی کریم ﷺ اور سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ دونوں کو دودھ پلایا تھا۔ [2]

پدرِ بزرگوار عبداللہ کی وفات

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب قریش کے ایک قافلے کے ساتھ بغرضِ تجارت شام گئے۔ دورانِ سفر بیمار ہو گئے۔ واپسی پر یہ قافلہ مدینہ کے پاس سے گزرا تو عبداللہ بیمار ہونے کی وجہ سے مدینہ ہی میں اپنے والد عبدالمطلب کی ننھیال بنو عدی بن نجار کے ہاں ٹھہر گئے۔ قافلہ مکہ پہنچا تو عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھا، قافلے والوں نے بتایا: وہ بیمار تھے، اس لیے واپسی پر مدینہ ٹھہر گئے ہیں۔ عبدالمطلب نے اپنے سب سے بڑے بیٹے حارث کو عبداللہ کی خبر لینے بھیجا لیکن حارث کے پہنچنے سے پہلے عبداللہ فوت ہو چکے تھے اور انھیں دارالنابغہ میں دفن کر دیا گیا تھا۔ حارث نے واپس آ کر یہ افسوس ناک خبر دی تو عبدالمطلب، اُن کے بھائی، بیٹے، بھتیجے غرضیکہ سارا خاندان انتہائی غم زدہ ہو گیا۔ وفات کے وقت عبداللہ کی عمر پچیس سال تھی اور رسول اللہ ﷺ اس وقت شکم مادر میں تھے۔ [3]

واقدی رحمہ اللہ کہتے ہیں: عبداللہ کی وفات اور اُن کی عمر کے بارے میں یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ کلبی اور عوانہ بن حکم کا خیال ہے کہ جب عبداللہ فوت ہوئے تو نبی کریم ﷺ کی عمر 28 ماہ تھی۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ آپ کی عمر سات ماہ تھی۔ ابن سعد کہتے ہیں: صحیح بات وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی ہے کہ عبداللہ کی وفات کے وقت آپ ﷺ شکم مادر میں تھے۔ [4] اس کے علاوہ بھی جناب عبداللہ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں، مثلاً: 28,25,30 اور 18۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے 18 برس کو ترجیح دی ہے۔ [5]

حضرت آمنہ کا مرثیہ

جب حضرت آمنہ کو عبداللہ کی وفات کی خبر ملی تو اُنھوں نے اپنے غم کا اظہار ان اشعار کے ذریعے سے کیا:

[1] الطبقات لابن سعد:95/1. [2] أسد الغابة:50/2. [3] الطبقات لابن سعد:99/1، المستدرك للحاكم:605/2، حديث: 4191. [4] الطبقات لابن سعد:100,99/1، سبل الهدى والرشاد:331/1. [5] شرح الزرقاني على المواهب:204/1.

عَفَا جَانِبُ الْبَطْحَاءِ مِنِ ابْنِ هَاشِمٍ ... وَجَاوَرَ لَحْدًا خَارِجًا فِي الْغَمَاغِمِ

دَعَتْهُ الْمَنَايَا دَعْوَةً فَأَجَابَهَا ... وَمَا تَرَكَتْ فِي النَّاسِ مِثْلَ ابْنِ هَاشِمٍ

عَشِيَّةَ رَاحُوا يَحْمِلُونَ سَرِيرَهُ ... تَعَاوَرَهُ أَصْحَابُهُ فِي التَّزَاحُمِ

فَإِنْ يَكُ غَالَتْهُ الْمَنَايَا وَرَيْبُهَا ... فَقَدْ كَانَ مِعْطَاءً كَثِيرَ التَّرَاحُمِ

’’مکہ کی سرزمین ابن ہاشم سے خالی ہوگئی۔ اب وہ مکہ سے باہر شور وغل والی جگہ میں قبر کے مکین بن گئے ہیں۔ موت نے اُنھیں بلایا تو اُنھوں نے اُس کی دعوت قبول کر لی۔ موت نے لوگوں میں ابن ہاشم جیسا کوئی نہیں چھوڑا۔ پچھلے پہر لوگ اُن کی چارپائی اُٹھا کر چلے، ان کے ساتھی ہجوم کی صورت میں ان کے اردگرد جمع تھے۔ اگرچہ موت اور حوادثِ زمانہ نے ان کا خاتمہ کر دیا لیکن (ان کے کردار کے نقوش نہیں مٹائے جاسکتے کیونکہ) وہ بہت زیادہ عطا کرنے والے، رحم دلی کرنے والے تھے۔‘‘[1]

عبداللہ کا ترکہ

عبداللہ کا ترکہ ایک سیاہ فام لونڈی ام ایمن، پانچ اُونٹ اور چند بکریوں پر مشتمل تھا۔ یہی ام ایمن تھیں جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی آغوش میں کھلایا تھا۔[2]

[1] الطبقات لابن سعد: 100/1. [2] الطبقات لابن سعد: 100/1، الإصابة: 8/358-360.

آمنہ بنت وہب

حضرت آمنہ بنت وہب بن عبد مناف کی والدہ کا نام بَرّہ بنت عبدالعزیٰ بن عثمان بن عبدالدار بن قُصَیّ ہے۔[1] حضرت آمنہ کے والد وہب بنو زُہرہ کے سردار تھے۔ انھیں قریش میں انتہائی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ آمنہ نے اپنے چچا وُہَیب کے ہاں پرورش پائی۔ وُہَیب بھی اپنے بھائی کی طرح انتہائی معزز سردار تھے۔ حضرت آمنہ کا نسب اُن کی چوتھی پشت میں کلاب پر جناب عبداللہ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ زُہرہ قُصَی کے حقیقی بھائی تھے۔ یہ قصی سے بڑے تھے اور یہ دونوں کلاب کے بیٹے تھے۔ حضرت آمنہ اپنی والدہ سے جناب وہب کی اکیلی بیٹی تھیں۔ آمنہ کے والد وہب کی ایک اور بیوی ضعیفہ بنت ہاشم بن عبد مناف سے اُن کے دو بیٹے عبد یغوث اور عبید یغوث تھے۔[2] نبیِ کریم ﷺ کا کوئی حقیقی ماموں نہ تھا، البتہ یہ دونوں آپ کے سوتیلے ماموں تھے۔ بنو زہرہ کے لوگ کہا کرتے تھے کہ ہم نبیِ کریم ﷺ کے ماموں ہیں کیونکہ حضرت آمنہ بنو زہرہ سے تھیں۔[3] نبی کریم ﷺ کو یہ تعلق بہت عزیز تھا۔ آپ اس تعلق کا گاہے گاہے ذکر فرماتے تھے۔[4] عشرہ مبشرہ میں شامل مشہور صحابی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا تعلق بھی بنو زہرہ سے تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ پر جان چھڑکتے تھے۔[5] ایک مرتبہ وہ نبیِ کریم ﷺ



[1] السيرة لابن هشام:156/1، المنمق في أخبار قريش، ص:27. [2] شرف المصطفى:340/1، ذخائر العقبى:258/1، المنمق في أخبار قريش، ص:27. [3] السيرة لابن حبان:39/1. [4] ذخائر العقبى:258/1. [5] سير أعلام النبلاء:92,91/1.

کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا:

«هٰذَا خَالِي فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ»

''یہ میرے ماموں ہیں۔ کسی کا ماموں ان جیسا ہو تو مجھے دکھائے۔'' [1]

مبارک و مسعود بچہ

حضرت آمنہ کو خواب میں بتایا گیا تھا کہ اپنے پیدا ہونے والے بچے کا نام احمد رکھیں۔ امام ابن سعد یہ روایت بیان کرتے ہیں:

أُمِرَتْ آمِنَةُ، وَهِيَ حَامِلٌ بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَنْ تُسَمِّيَهُ أَحْمَدَ.

''رسول اللہ ﷺ ابھی والدہ کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ آمنہ کو حکم دیا گیا کہ اس بچے کا نام احمد رکھیں۔'' [2]

اس خواب کے بعد حضرت آمنہ کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کے بطن سے جنم لینے والا بیٹا نہایت مبارک و مسعود ہو گا، چنانچہ جب حلیمہ سعدیہ نے رسول اللہ ﷺ کو لینے سے محض اس لیے تأمل کیا کہ آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ نے فرمایا: ''اے دایہ! اس بچے سے مطمئن رہ، عنقریب اس کی شان بہت بلند ہو گی۔'' حلیمہ بچے کو لے کر چلیں تو رخصت کرتے ہوئے سیدہ آمنہ کے دل کی دعائیں ان اشعار میں ڈھل گئیں:

أُعِيذُهُ بِاللّٰهِ ذِي الْجَلَالِ مِنْ شَرِّ مَا مَرَّ عَلَى الْجِبَالِ
حَتّٰى أَرَاهُ حَامِلَ الْحِلَالِ وَيَفْعَلَ الْعُرْفَ إِلَى الْمَوَالِي
وَغَيْرِهِمْ مِّنْ حَشْوَةِ الرِّجَالِ

''میں اپنے بچے کو اللہ ذوالجلال کی پناہ میں دیتی ہوں، اُس شر سے جو پہاڑوں پر واقع ہوا یہاں تک کہ میں اسے اونٹ پر سوار دیکھوں اور دیکھ لوں کہ وہ غلاموں اور ان کے علاوہ درماندہ لوگوں کے ساتھ احسان کرنے والا ہے۔'' [3]

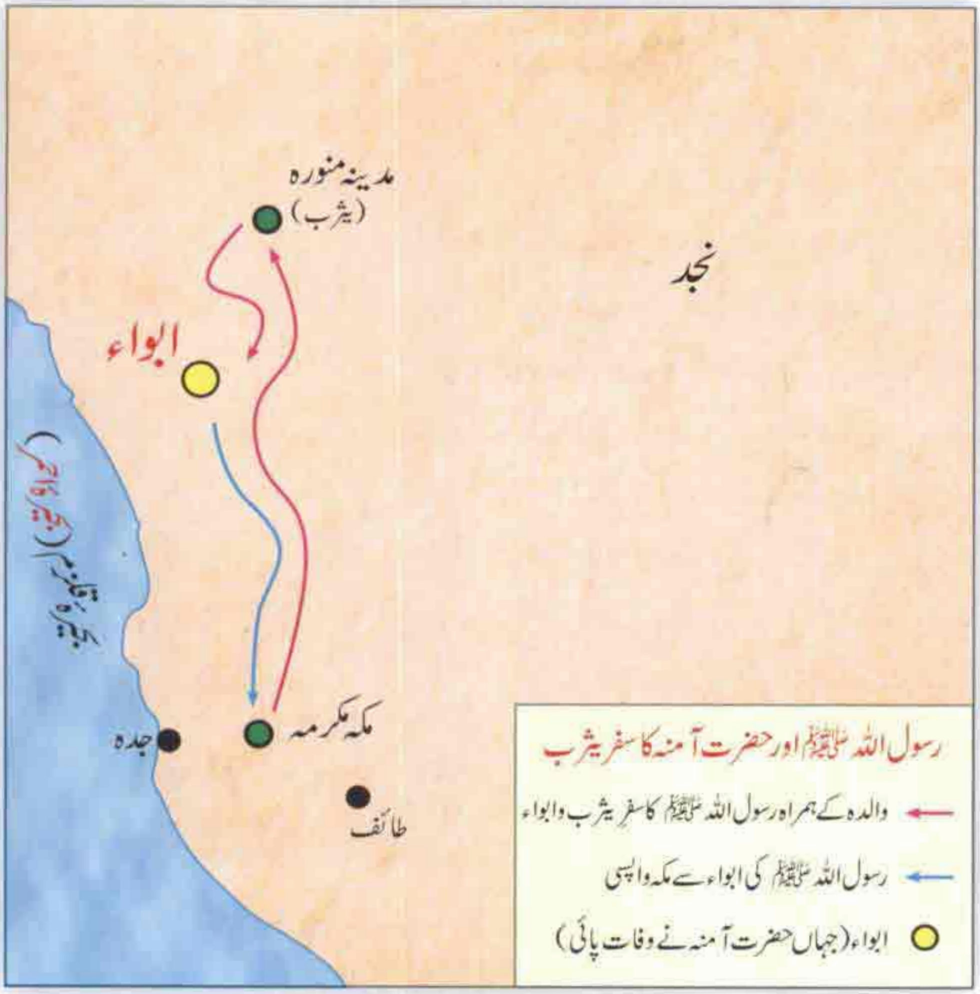
حضرت آمنہ کی وفات

جب نبی کریم ﷺ چھ سال کی عمر کو پہنچے تو آپ کی والدہ ماجدہ آمنہ آپ کو آپ کی ننھیال سے ملانے کے لیے

[1] جامع الترمذي: 3752. [2] الطبقات لابن سعد: 104/1. [3] الطبقات لابن سعد: 111/1.

مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔ اس سفر میں سواری کے لیے دو اونٹ تھے۔ ام ایمن بھی شریکِ سفر تھیں۔ حضرت آمنہ نے وہاں ایک مہینے تک دارالنابغہ میں قیام کیا جہاں جناب عبداللہ مدفون تھے۔ [1]

بعض سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ حضرت آمنہ رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لے کر غالباً اس لیے مدینہ گئی تھیں کہ وہاں وہ اپنے خاوند اور ان کے فرزند اپنے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر کی زیارت کر سکیں۔ [2] آمنہ اپنے عزیزوں سے ملاقات کے بعد رسول اللہ ﷺ کو واپس مکہ مکرمہ لا رہی تھیں کہ اسی دوران میں بیماری نے آلیا۔ بیماری شدت اختیار کرتی گئی یہاں تک کہ آپ مکہ اور مدینہ کے درمیان ابواء کے مقام پر فوت ہوگئیں اور آپ کو وہیں دفن کر دیا گیا۔ [3]



[1] الطبقات لابن سعد: 116/1. [2] دیکھیے: محاضرات تاریخ الأمم الإسلامية: 61/1. [3] الطبقات لابن سعد: 116/1.



ابواء مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جانے والی شاہراہ پر مدینہ کے جنوب میں تقریباً 200 کلومیٹر اور اہل شام کے میقات جُحفہ سے تقریباً 45 کلومیٹر کے فاصلے پر بنوخزاعہ اور بنوضمرہ کے علاقے الفُرع میں ہے۔ بکثرت سیلاب آنے کی وجہ سے اس کا نام ابواء پڑ گیا۔ یہاں ایک چھوٹی سی پہاڑی پر سیدہ آمنہ کی قبر ہے۔[1]

والدہ کی قبر کی زیارت

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ امام مسلم نے اپنی صحیح میں یہ واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

زَارَ النَّبِيُّ ﷺ قَبْرَ أُمِّهِ، فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ.

''نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی۔ (اس موقع پر) آپ روئے اور آپ نے اپنے اردگرد موجود لوگوں کو بھی رلا دیا۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ

[1] معجم البلدان، مادة: أبوى، تاريخ المكة المكرمة، محمد عبدالمعبود، ص: 215-219.



لِي، فَزُورُوا الْقُبُورَ، فَإِنَّهَا تُذَكِّرُكُمُ الْمَوْتَ»

''میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کی مغفرت کے لیے دعا کی اجازت مانگی تو مجھے اجازت نہ ملی۔ میں نے اُن کی قبر پر جانے کی اجازت مانگی تو مل گئی، چنانچہ تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ تمھیں موت کی یاد دلاتی ہیں۔''[1]

حضرت آمنہ جب فوت ہوئیں تو ان کی عمر تیس سال کے قریب اور نبیِ کریم ﷺ کی عمر چھ سال تھی۔[2] ممتاز سیرت نگار محمود شاکر لکھتے ہیں: ''وفات کے وقت نبیِ کریم ﷺ کے والد اور والدہ دونوں کی عمر تیس سال سے کم تھی۔''[3]

[1] صحیح مسلم: 976. [2] الشجرة الزكية، ص: 155. [3] السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص: 72.

رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی عظیم نشانیاں

ابرہہ کی مکہ مکرمہ پر ناکام چڑھائی، نبی کریم ﷺ کے دادا عبدالمطلب کا جرأت مندانہ کردار اور رسول اللہ ﷺ کے ظہور کی دیگر عظیم الشان علامات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ

وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ

تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ

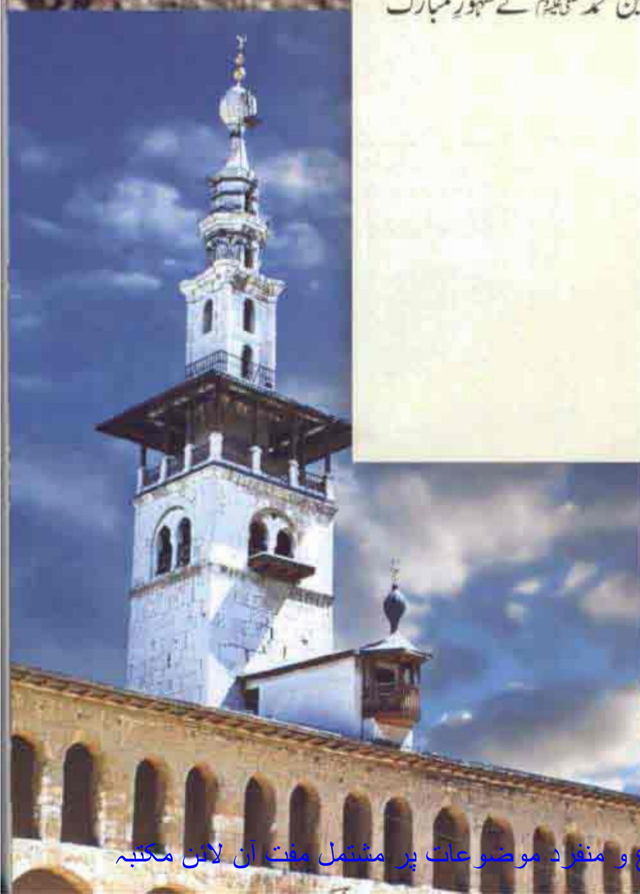
”اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (اے نبی!) کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا اس نے ان کی چال کو بے کار نہیں کر دیا؟ اور اس نے ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے۔ جو ان پر کھنگر کی کنکریاں پھینک رہے تھے۔ پھر اللہ نے انھیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔“ (الفیل 105:1-5)

اس باب میں





اس باب میں مسیحی بادشاہ ابرہہ الاشرم کی طرف سے صنعاء میں گرجے کی تعمیر، حج کعبہ کو روکنے کے اعلان اور پھر تخریبی ارادے سے مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی، طائف میں بنوثقیف کے تعاون، ابرہہ کے روبرو سردارِ قریش عبدالمطلب کی کھری کھری بے باک گفتگو، اہلِ مکہ کے شہر چھوڑ جانے کا واقعہ، سردارانِ قریش کی حرم میں دعاؤں، سردار عبدالمطلب کے دعائیہ اشعار اور ابابیلوں کے ذریعے سے یمنی فوج کی تباہی کے احوال وظروف بیان کیے گئے ہیں، مزید برآں دیگر کئی اہم نشانیوں کی حقیقت بھی اسی باب میں بہ تمام وکمال بیان کر دی گئی ہے جو خاتم النبیین محمد ﷺ کے ظہورِ مبارک کا پیش خیمہ ثابت ہوئیں۔





واقعۂ اصحابِ فیل

چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں نجران میں یمن کے حمیری فرمانروا ذونواس نے عیسائیوں پر جو ظلم کیا، اس کا بدلہ لینے کے لیے حبش کی عیسائی سلطنت نے یمن پر حملہ کرکے حمیری حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا اور 525ء میں اس پورے علاقے پر حبشی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ بعض مؤرخین کے بقول اسی حبشی فوج میں ابرہہ بھی تھا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ابرہہ اس فوج کا سپہ سالار تھا، رفتہ رفتہ وہ یمن کا خودمختار بادشاہ بن گیا مگر اس نے برائے نام شاہ حبش کی بالادستی تسلیم کر رکھی تھی اور اپنے آپ کو نائبِ شاہ لکھتا تھا۔ یمن میں پوری طرح اقتدار مضبوط کر لینے کے بعد ابرہہ نے رومی سلطنت اور اس کے حلیف حبشی عیسائیوں کے اس مشن کے لیے کام شروع کر دیا جو ابتدا ہی سے ان کے پیش نظر تھا، یعنی عربوں کی تجارت پر قبضہ جمانا اور عرب میں عیسائیت پھیلانا۔

کلیسا کی تعمیر

ابرہہ نے اس مقصد کے لیے یمن کے دارالسلطنت صنعاء میں ایک عظیم الشان کلیسا تعمیر کرایا جسے عرب مؤرخین



ابرہہ کے تعمیر کردہ کلیسا سے منسوب مقام



ابرہہ کا سکہ

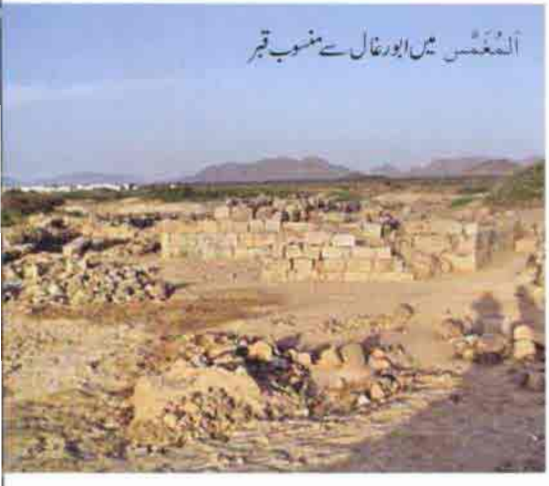
القلیس یا القُلّیس یا القَلّیس اور یونانی میں اکلیسیا (Ekklesia) کہتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ اس کام کی تکمیل کے بعد اس نے شاہِ حبش کو لکھا کہ عربوں کا رُخ حج کعبہ سے اس کلیسا کی طرف موڑے بغیر نہ رہوں گا۔

ابرہہ کی یمن سے پیش قدمی

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابرہہ الاشرم نے یمن میں علی الاعلان اپنے اس ارادے کا اظہار کیا اور اس کی منادی کرادی۔ اس کے اس اعلان پر ایک عرب (حجازی) غضبناک ہو کر کسی نہ کسی طرح کلیسا میں گھس گیا اور رفعِ حاجت کر گیا۔ اپنے کلیسا کی اس توہین پر اس نے قسم کھائی کہ میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک کعبے کو ڈھا نہ دوں۔ اس کے بعد 570ء یا 571ء میں ابرہہ ساٹھ ہزار فوج اور 13 ہاتھی لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں پہلے یمن کے سردار ذونفر نے، پھر بنوخثعم کے سردار نفیل بن حبیب خثعمی نے مقابلہ کیا مگر وہ شکست کھا گئے۔

بنوثقیف کا ابرہہ سے تعاون

ابرہہ طائف کے قریب پہنچا تو بنوثقیف کا ایک سردار مسعود وفد لے کر اس سے ملا اور کہا: ہمارا بت کدہ وہ معبد نہیں جسے آپ ڈھانے آئے ہیں، وہ تو مکہ میں ہے، اس لیے آپ ہمارے معبد کو چھوڑ دیں۔ ہم مکہ کا راستہ بتانے کے لیے آپ کو رہنما فراہم کیے دیتے ہیں۔ ابرہہ نے یہ بات قبول کر لی اور بنوثقیف نے ابو رغال نامی ایک آدمی کو اس کے ساتھ کر دیا۔



اَلْمُغَمِّس میں ابورغال سے منسوب قبر

جب مکہ تین کوس رہ گیا تو اَلْمُغَمِّس نامی مقام پر پہنچ کر ابورغال مر گیا۔ عرب مدتوں اس کی قبر پر سنگ باری کرتے رہے۔ بنوثقیف کو بھی وہ سالہا سال تک طعنے دیتے رہے کہ انھوں نے لات کا مندر بچانے کے لیے بیت اللہ پر حملہ کرنے والوں سے تعاون کیا۔

ابرہہ کی لوٹ مار

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ المُغَمَّس سے ابرہہ نے اپنے مقدمۃ الجیش (ہراول دستہ) کو آگے بڑھایا جس نے اہلِ تہامہ اور قریش کے بہت سے مویشی لوٹ لیے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے بھی دو سو اونٹ تھے۔ لوٹ مار کے بعد ابرہہ نے اپنے ایک ایلچی کو مکہ بھیجا اور اس کے ذریعے سے اہل مکہ کو یہ پیغام دیا کہ میں تم سے لڑنے نہیں آیا بلکہ اس گھر (کعبہ) کو ڈھانے آیا ہوں۔ اگر تم نہ لڑو تو میں تمھارے جان و مال سے کوئی تعرض نہ کروں گا۔

عبدالمطلب ابرہہ کے روبرو

مکہ کے سب سے بڑے سردار اس وقت عبدالمطلب تھے۔ ایلچی نے ان سے مل کر ابرہہ کا پیغام پہنچایا۔ انھوں نے کہا کہ ہم میں ابرہہ سے لڑنے کی طاقت نہیں، یہ اللہ کا گھر ہے، وہ چاہے گا تو اپنے گھر کو بچا لے گا۔ ایلچی نے کہا کہ آپ میرے ساتھ ابرہہ کے پاس چلیں۔ وہ اس پر راضی ہو گئے اور اس کے ساتھ چلے گئے۔ عبدالمطلب اس قدر وجیہ اور پُرعظمت شخص تھے کہ ابرہہ انھیں دیکھ کر بہت متاثر ہوا اور اپنے تخت سے اتر کر ان کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

ابرہہ نے سردار عبدالمطلب سے پوچھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ میرے جو اونٹ پکڑ لیے گئے ہیں، وہ مجھے واپس دے دیے جائیں۔ ابرہہ نے کہا کہ آپ اپنے اونٹوں کا مطالبہ تو کر رہے ہیں اور یہ گھر جو آپ کا اور آپ کے آبائی دین کا مرکز ہے، اس کے بارے میں کچھ نہیں کہتے۔ انھوں نے کہا: ''میں تو صرف اپنے اونٹوں کا مالک ہوں اور انھی کے بارے میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں۔ رہا یہ گھر، تو اس کا ایک رب ہے، وہ خود اس کی حفاظت کر لے گا۔'' ابرہہ نے جواب دیا: ''وہ اس کو مجھ سے نہ بچا سکے گا۔'' عبدالمطلب نے کہا: ''آپ جانیں اور وہ جانے۔'' دورانِ گفتگو عبدالمطلب نے یہ بھی کہا: ''یہ اللہ کا گھر ہے۔ آج تک اُس نے کسی کو اس پر مسلط نہیں ہونے دیا۔'' یہ کہہ کر وہ ابرہہ کے پاس سے اٹھ آئے اور اس نے ان کے اونٹ واپس کر دیے۔

حرم میں قریشی سرداروں کی دعائیں

قریش مکہ اتنی بڑی فوج سے لڑ کر کعبے کو بچانے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ عبدالمطلب نے لوگوں سے کہا کہ اپنے بال بچوں کو لے کر پہاڑوں میں چلے جائیں تاکہ ان کا قتل عام نہ ہو۔ سردار عبدالمطلب قریش کے چند سرداروں کے ہمراہ حرم میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور دعائیں مانگیں کہ وہ اپنے گھر کی خود حفاظت فرمائے۔ ابن ہشام، سہیلی

اور ابن جریر رحمہ اللہ نے عبدالمطلب کے جو دعائیہ اشعار نقل کیے ہیں، وہ یہ ہیں:

لَاهُمَّ إِنَّ الْعَبْدَ يَمْـ نَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكْ

''الٰہی! بندہ اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تُو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما۔''

لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ غَدْوًا مِّحَالَكْ

''کل ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت کے مقابلے میں غالب نہ آنے پائے۔''

إِنْ كُنْتَ تَارِكَهُمْ وَقِبْـ لَتَنَا فَأَمْرٌ مَّا بَدَالَكْ

''اگر تو ہمارے قبلے کو چھوڑ دینا چاہتا ہے تو پھر تو جو چاہے کر۔''

يَا رَبِّ لَا أَرْجُو لَهُمْ سِوَاكَا يَا رَبِّ فَامْنَعْ مِنْهُمْ حِمَاكَا

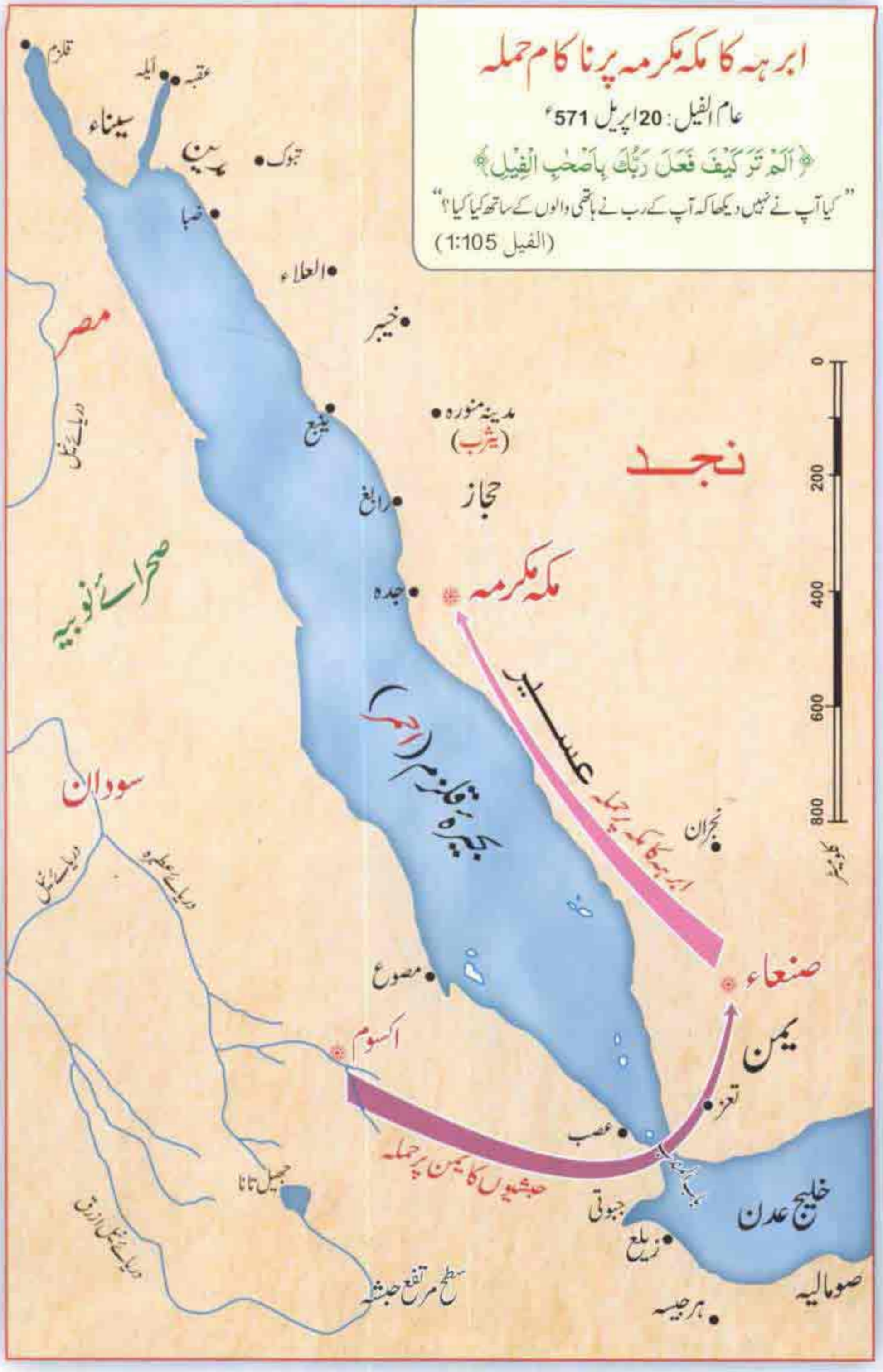
''اے میرے رب! میں ان کے مقابلے میں تیرے سوا کسی سے امید نہیں رکھتا۔ اے میرے رب! ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما۔''

إِنَّ عَدُوَّ الْبَيْتِ مَنْ عَادَاكَا فَامْنَعْهُمْ أَنْ يُخَرِّبُوا قُرَاكَا

''اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے، لہٰذا اپنی بستی کو تباہ کرنے سے انھیں روک۔''

یہ دعائیں مانگ کر عبدالمطلب اور ان کے ساتھی بھی پہاڑوں میں چلے گئے۔

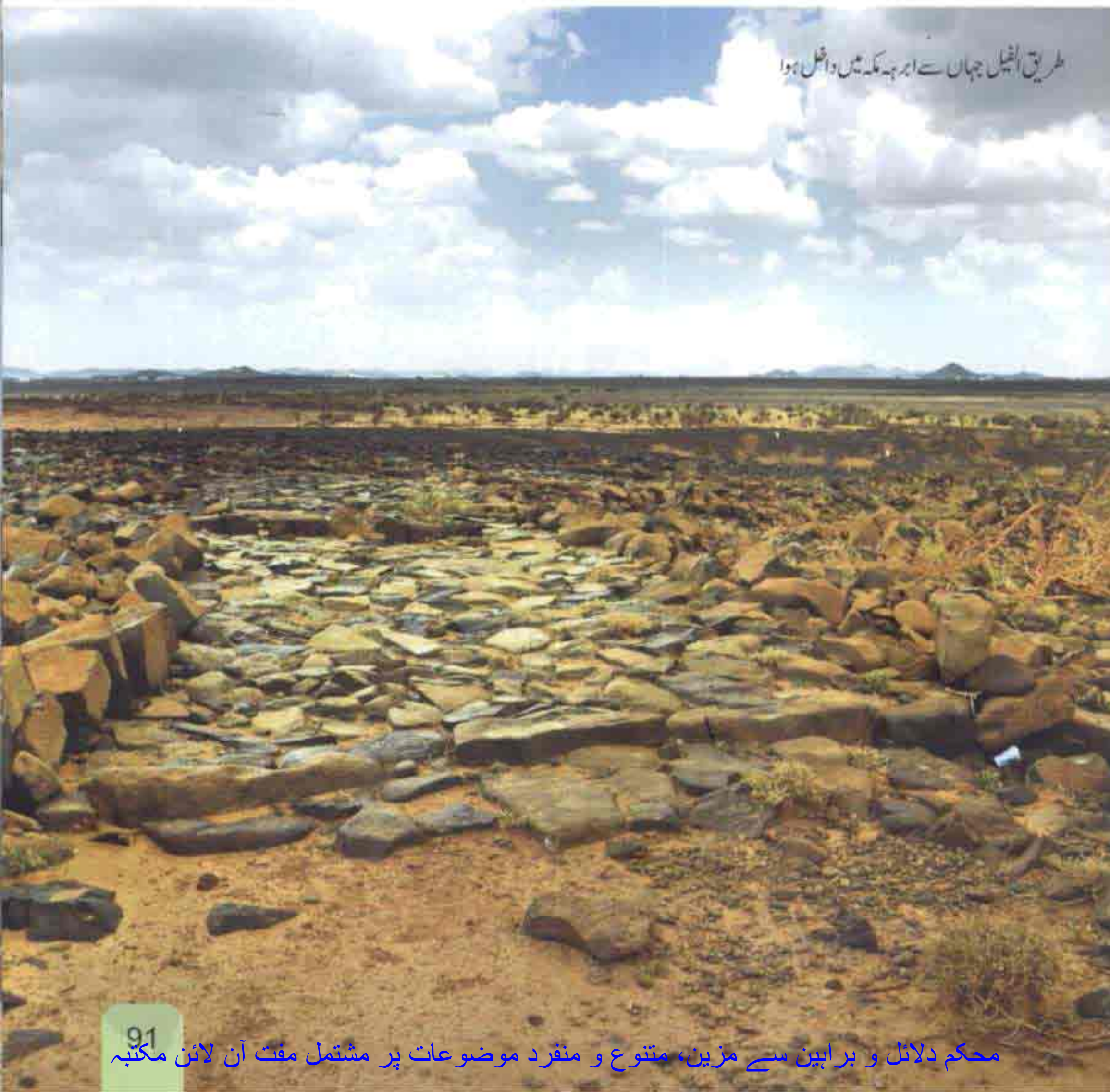

کعبہ کے نزدیک مکہ کے پہاڑ


ابرہہ کا مکہ مکرمہ پر ناکام حملہ
عام الفیل: 20 اپریل 571ء
﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ﴾
”کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟“
(الفیل 105:1)
قلزم
ایلہ
عقبہ
سیناء
مدین
تبوک
ضبا
العلاء
مصر
خیبر
دریائے نیل
ینبع
مدینہ منورہ
(یثرب)
نجد
رابغ
حجاز
صحرائے نوبیہ
جدہ
مکہ مکرمہ
عسیر
بحیرۂ قلزم (احمر)
سوڈان
نجران
ابرہہ کا مکہ پر حملہ
دریائے عطبرہ
صنعاء
مصوع
اکسوم
یمن
تعز
عصب
حبشیوں کا یمن پر حملہ
باب المندب
جبیل تانا
جبوتی
خلیج عدن
زیلع
دریائے نیل ازرق
سطح مرتفع حبشہ
صومالیہ
ہرجیسہ
0
200
400
600
800
کلومیٹر

ابرہہ کا کعبے پر ناکام حملہ اور اس کا بھیانک انجام

دوسرے روز ابرہہ مکے میں داخل ہونے کے لیے آگے بڑھا مگر اس کا خاص ہاتھی محمود، جو آگے آگے تھا، یکا یک بیٹھ گیا۔ بہت کوشش کی مگر وہ نہ ہلا۔ اتنے میں پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی چونچوں اور پنجوں میں سنگریزے لیے ہوئے آئے اور انھوں نے اس لشکر پر ان سنگریزوں کی بارش کر دی جس سے سارا لشکر ہلاک و برباد ہو گیا۔ یہ واقعہ مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان وادی مُحَصَّب کے قریب مُحَسِّر کے مقام پر پیش آیا۔ [1]

[1] تاریخ الطبري: 1/550-557، السیرة لابن إسحاق: 1/41-55، السیرة لابن هشام: 1/43-51.



طریق الفیل جہاں سے ابرہہ مکہ میں داخل ہوا

ولادت نبوی کی دیگر علامات

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے وقت بڑے عظیم الشان آثار ظاہر ہوئے۔ ان سے سب کے دلوں میں یہ تأثر پیدا ہوا کہ پیدا ہونے والا یہ بچہ کوئی غیر معمولی ہستی ہے۔ ان عظیم علامات میں سے ایک علامت واقعہ فیل بھی ہے جس کا ذکر پیچھے ہو چکا ہے۔

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى قَوْمَهُ، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ، وَكَذٰلِكَ تَرٰى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ»

”میں اللہ کا بندہ ہوں۔ آدم کی تخلیق سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مجھے خاتم النبیین لکھ دیا تھا۔ میں تمھیں اس کی حقیقت بتاتا ہوں۔ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو بشارت اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔“ [1]

اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے امام ابن رجب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس نور کا نکلنا اُس نور کی جانب اشارہ تھا جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے، جس سے روئے زمین کے لوگوں نے ہدایت حاصل کی اور اس خطۂ ارضی سے شرک کی تاریکیاں ختم ہو گئیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

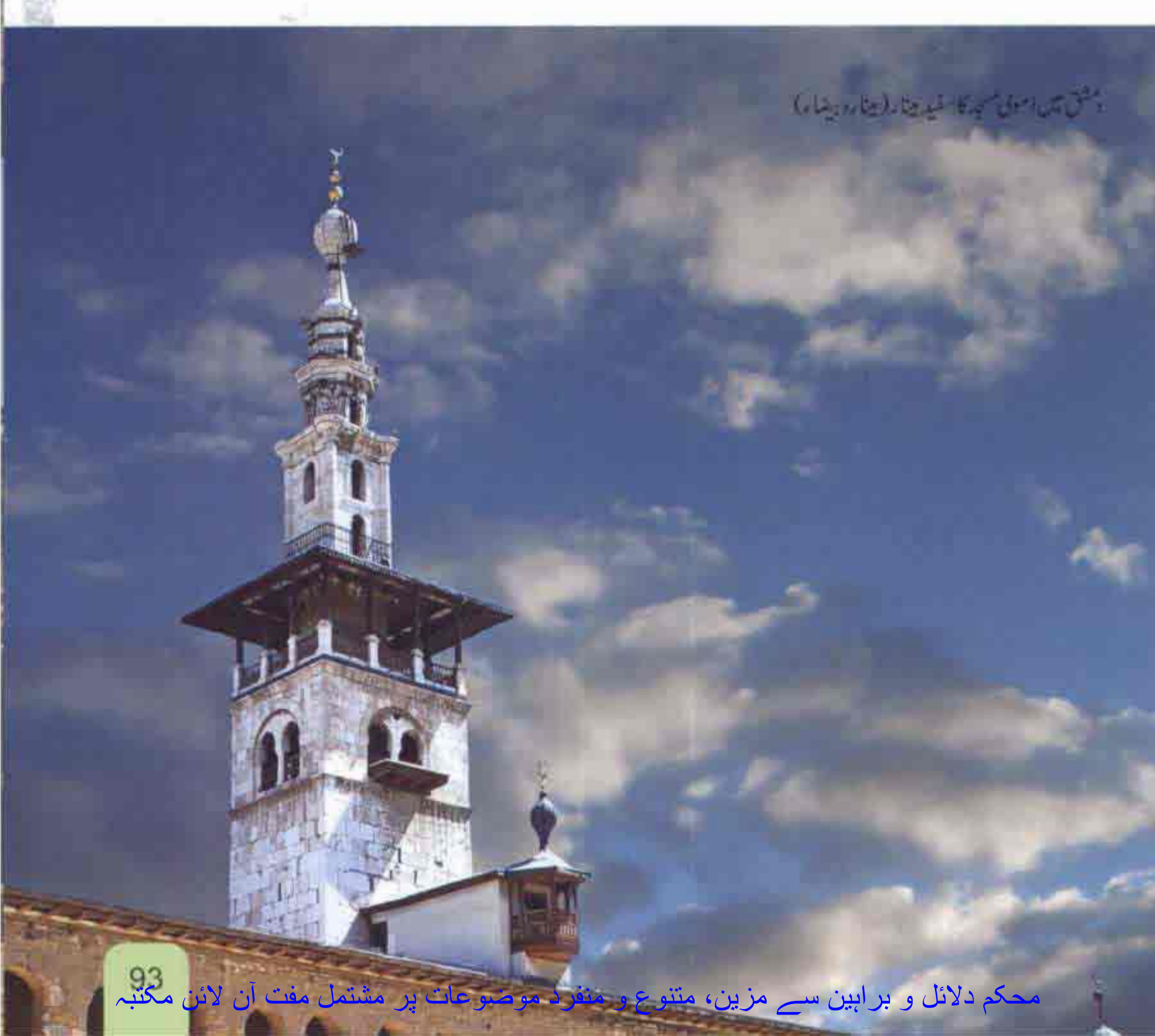
﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ ﴾ (المآئدة 5:15)

[1] مسند أحمد: 4/128. یہ روایت حسن ہے۔ البتہ علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کے آخری الفاظ ”انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی ہیں۔“ کو منکر قرار دیا ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 2085)

''اے اہل کتاب ! تمھارے پاس ہمارا رسول آ گیا ہے، وہ تمھارے لیے اللہ کی کتاب کی بہت سی ایسی باتیں ظاہر کرتا ہے جنھیں تم چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر بھی کرتا ہے۔ یقیناً تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کرنے والی کتاب آ گئی ہے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نورِ نبوت کے ظہور کو ملک شام کے ساتھ خاص کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آپ کا دین شام کے علاقے میں خوب مضبوط ہوگا۔ (صحیح احادیث کے مطابق) آخری زمانے میں شام کا علاقہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے ایک مضبوط قلعہ ہو گا۔ یہیں دمشق کے مشرق میں منارۂ بیضاء کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول ہوگا۔[2] عمیر بن ہانی نے بیان کیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ

[1] السيرة النبوية للصلابي: 63/1، سبل الهدٰى والرشاد: 342/1. [2] تفسير ابن كثير، البقرة 129:2، صحيح مسلم: 2937، البداية والنهاية: 92/2 و 262/6.



دمشق میں اموی مسجد کا سفید مینار (منارۂ بیضاء)

سے سنا، آپ فرما رہے تھے:

«لَا تَزَالُ مِنْ أُمَّتِي أُمَّةٌ قَائِمَةٌ بِأَمْرِ اللّٰهِ، لَا يَضُرُّهُمْ مَّنْ خَذَلَهُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَهُمْ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ»

''میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا۔ انھیں بے یارو مددگار چھوڑنے والے اور ان کی مخالفت کرنے والے انھیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ اللہ کا حکم (قیامت) آنے تک وہ اسی حال میں رہیں گے۔''

عمیر بن ہانی کہتے ہیں کہ مالک بن یُخامِر نے کہا کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: ''وہ شام کے علاقے میں ہوں گے۔''[1]

روایات ظہور اور ان کا جائزہ

محمد رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے حوالے سے بہت سی روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت میں نبیِ اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ بیان کرتی ہیں کہ ''مجھے محسوس ہی نہیں ہوا کہ میں حاملہ ہوگئی ہوں۔ میں نے اس حمل کو بوجھل نہیں پایا جیسا کہ عورتیں پاتی ہیں۔'' انھیں خواب میں بشارت دی گئی کہ اس بچے کا مقام و مرتبہ نہایت اعلیٰ اور عظیم الشان ہو گا۔ انھیں یہ بھی حکم دیا گیا کہ اس بچے کا نام احمد (ﷺ) رکھیں۔

یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ سیدہ آمنہ نے دورانِ حمل میں تعویذ پہنے ہوئے تھے جو خود بخود کٹ گئے، یا ایک مرتبہ آپ نیند سے بیدار ہوئیں تو دیکھا کہ اُن کے پاس سونے کا ایک صحیفہ پڑا ہے جس میں آپ کے لیے دعائیہ اشعار لکھے ہوئے ہیں۔[2] ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کہتے ہیں: ''ان میں سے کچھ بھی ثابت نہیں۔''[3] ایک روایت یہ بھی ہے کہ جب نبی ﷺ پیدا ہوئے تو آپ نے اپنے ہاتھ زمین پر رکھ لیے اور اپنا چہرہ آسمان کی طرف اُٹھا لیا۔ یہ حلیمہ سعدیہ کی طویل روایت کا حصہ ہے جسے ابن اسحاق نے بیان کیا ہے۔[4]

ڈاکٹر اکرم ضیاء العمری کے بقول اس کی سند بھی انتہائی ضعیف ہے۔ اس میں جہم بن ابوجہم مجہول راوی ہے۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اسے قوی ثابت کرنے کے لیے واقدی کی روایات کا سہارا لینے کی کوشش کی ہے۔[5]

[1] صحيح البخاري: 3641، صحيح مسلم: 1920 و 1037، بعد الحديث: 1923. [2] الطبقات لابن سعد: 99,98/1، الخصائص الكبرٰى للسيوطي: 82,81/1، المواهب اللدنية: 121,120/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 137,136/1. [3] السيرة النبوية للعمري: 99,98/1. [4] السيرة لابن إسحاق: 102/1. [5] الطبقات لابن سعد: 101/1-103.

لیکن واقدی کی روایات اس کے لیے باعثِ تقویت نہیں بن سکتیں کیونکہ وہ خود متروک راوی ہے۔ [1] اس کے شواہد میں حسان بن عطیہ، اسحاق بن عبداللہ اور داود بن ابی ہند رحمہ اللہ کی روایات پیش کی گئیں لیکن وہ سب مرسل ہیں۔ [2] ان سے بھی اس روایت کو تقویت نہیں ملتی۔

ہنڈیا کا دو حصے ہونا

ایک روایت یہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ نبی ﷺ کو پتھر کی ایک ہنڈیا کے نیچے رکھا گیا تو وہ ہنڈیا دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ آپ کی والدہ نے دیکھا تو آپ ﷺ کی نظریں آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی تھیں۔ [3] ڈاکٹر العمری کہتے ہیں کہ اس طرح کی تمام روایات مرسل ہیں۔ دلائل النبوۃ بیہقی میں یہ روایت ابوحکم تنوخی سے مُرسلاً مروی ہے، وہ مجہول تابعی ہیں، نیز اس کی سند میں راوی عبداللہ بن صالح صدوق ہیں اور اکثر غلطیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ [4]

ہاتفِ غیب کا خوش خبری دینا

اس طرح کی روایات بھی ہیں کہ نبی ﷺ کی پیدائش کی رات ایک ہاتفِ غیب (جن) نے آپ ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری دی اور مکہ میں قریش کا بڑا بت اوندھا ہوگیا۔ [5] ان کی اسناد میں عبداللہ بن محمد بلوی اور عمارہ بن زید ہیں جو روایات گھڑنے میں معروف ہیں۔ [6]

یہود کا خبر دینا

یہودیوں نے نبی ﷺ کی پیدائش کی رات آپ ﷺ کے ظہور کے بارے میں خبر دی۔ [7] اس کی سند میں ابن اسحاق مدلّس ہیں اور اُن کے سماع کی وضاحت نہیں۔ [8]

راہب کا خبر دینا

مکہ کے شمال میں 22 کلومیٹر دور مرالظہران قصبہ ہے۔ مرعلاقے کا نام اور ظہران وادی کا نام ہے۔ یہاں اسلم، ہذیل اور غاضرہ قبائل کے بہت سے چشمے ہیں۔ [9] عیصا راہب نے مرالظہران میں آپ ﷺ کی پیدائش کی

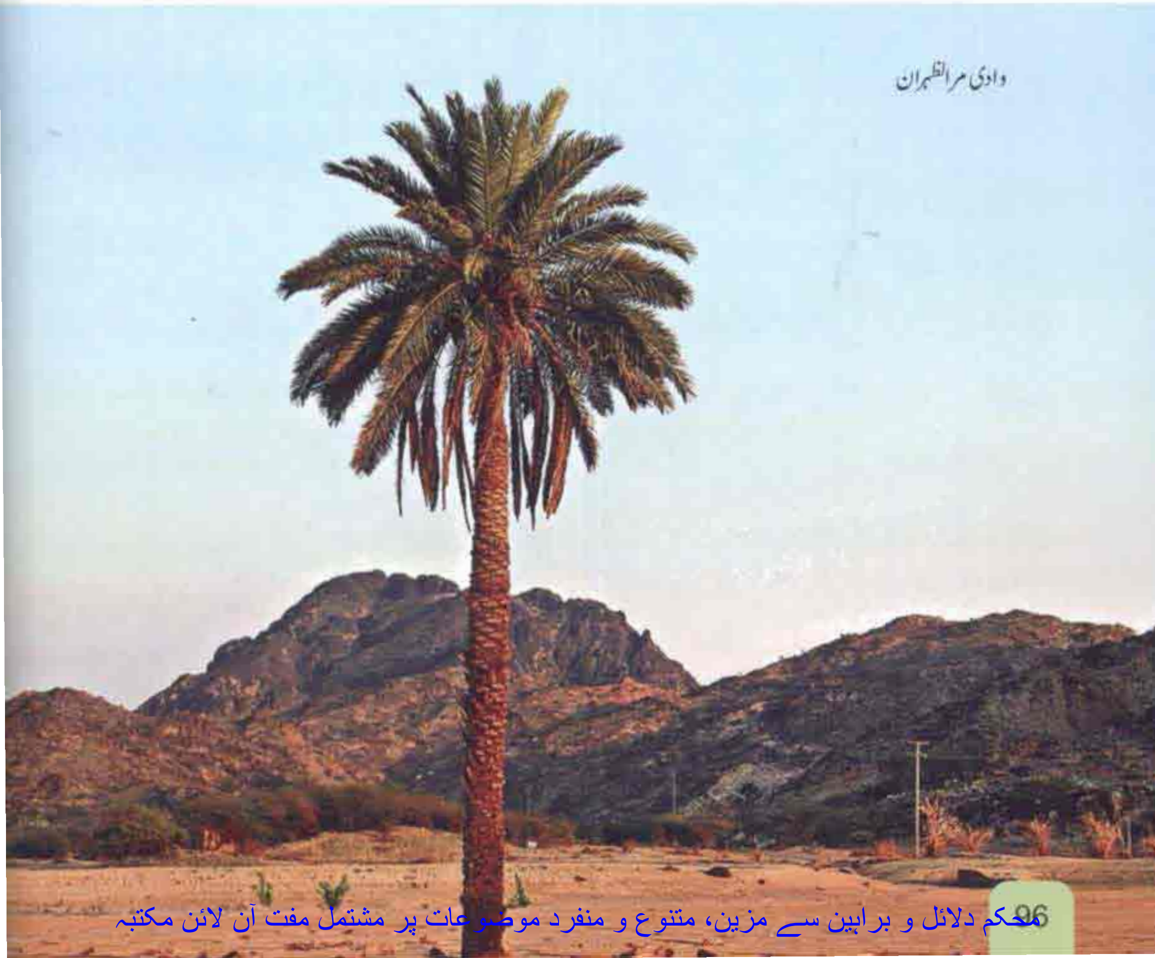
---

[1] ميزان الاعتدال: 3/662- 666. [2] الطبقات لابن سعد: 1/103,102، دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/138. [3] الطبقات لابن سعد: 1/102. [4] ميزان الاعتدال: 2/440-445، تقريب التهذيب: 1/501. [5] تاريخ دمشق الكبير: 3/240,239، البداية والنهاية: 2/316,315 و 321. [6] ميزان الاعتدال: 2/491 و 3/177. [7] المستدرك للحاكم: 2/602,601. [8] طبقات المدلسين، ص: 63. [9] معجم البلدان، مادة: مر.

خبر دی۔ ابن کثیر کہتے ہیں: ''اس میں غرابت ہے۔'' [1] اس میں مسیب بن شریک راوی متروک ہے۔ [2]

نبی ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ پنگھوڑے میں چاند سے کھیل رہے تھے۔'' امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اسے بیان کرنے میں احمد بن ابراہیم منفرد ہے اور وہ مجہول ہے۔ [3] بلکہ امام ابوحاتم رحمہ اللہ نے کہا ہے: اس کی بیان کردہ ساری روایات باطل اور موضوع ہیں، ان کی اصل نہیں۔ اس کی روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کذاب ہے۔ [4]

[1] البداية والنهاية: 253/2، تاريخ دمشق: 242,241/3. [2] ميزان الاعتدال: 115,114/4. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 41/2.
[4] الجرح والتعديل: 40/2، مزید دیکھیے: السيرة النبوية للعمري: 98/1-101.



وادی مرالظہران

سید الاولین والآخرین محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت

سید ولد آدم محمد رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دن، تاریخِ ولادت،
اسمائے مبارکہ اور عقیقہ و رضاعت کا تذکرہ

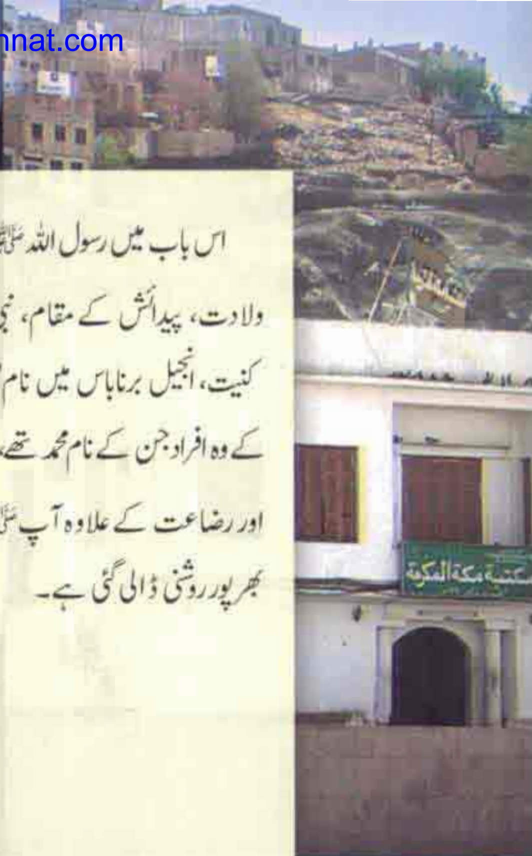


أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ

”کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر ٹھکانا دیا۔“ (الضحیٰ 6:93)

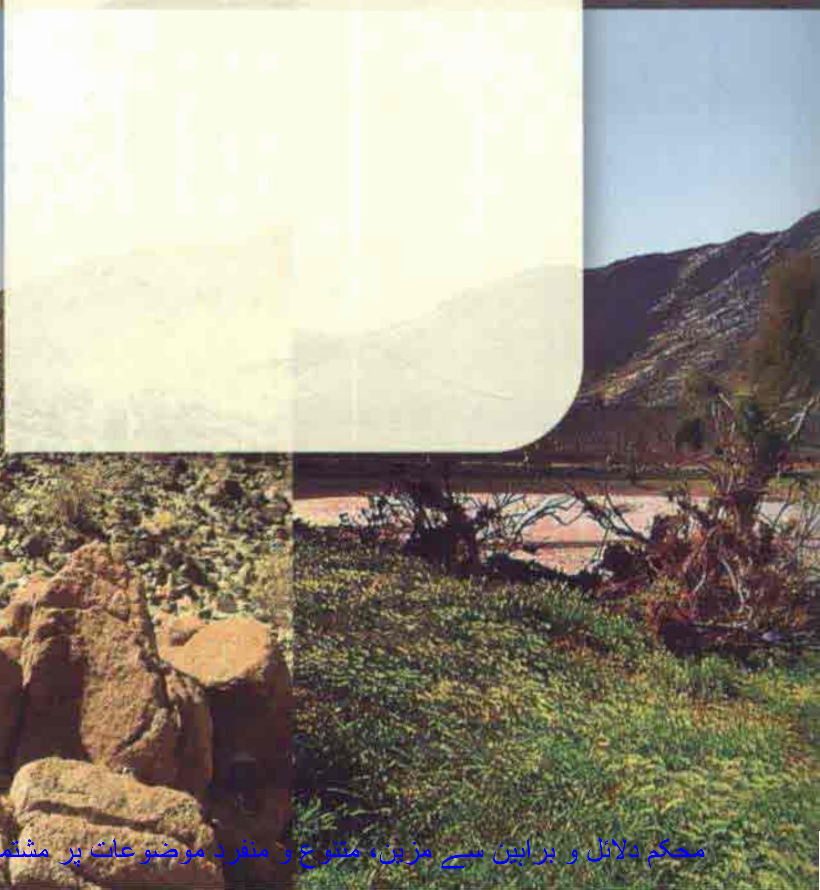
اس باب میں





اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے دن، تاریخِ ولادت، پیدائش کے مقام، نبی ﷺ کے اسمائے مبارکہ اور کنیت، انجیل برناباس میں نام "محمد"، بعثت نبوی سے پہلے کے وہ افراد جن کے نام محمد تھے، نبی کریم ﷺ کے عقیقے، ختنے اور رضاعت کے علاوہ آپ ﷺ کی اناؤں کے تعارف پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔





رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت

طلوعِ آفتابِ ہدایت

اللہ تعالیٰ نے سید البشر حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرما کر دنیائے انسانیت پر سب سے بڑا احسان کیا۔ آپ ﷺ نے انسان کو شیطان سے بچنے کے طریقے بتائے۔ کفر، شرک، بدعت، معصیت، جہالت، خوف اور حُزن سے محفوظ رہنے کے سلیقے سکھائے اور اللہ رب العزت کی بندگی سے روشناس کرا کر قافلۂ انسانیت کو فلاح و کامیابی کی صراطِ مستقیم پر ڈال دیا۔ اس اعتبار سے آپ تا ابد پورے عالمِ انسانیت کے محسنِ اعظم ہیں اور آپ کی پیدائش تاریخ کائنات کا انتہائی مبارک اور اہم ترین واقعہ ہے۔

پیدائش کا سال

آپ ﷺ کب اور کس سال پیدا ہوئے؟ اس بارے میں آپ ﷺ ہی کے ہم عمر ایک صحابی قیس بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا بیان سنیے۔ وہ فرماتے ہیں:

وُلِدْتُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَامَ الْفِيلِ، فَنَحْنُ لِدَانِ

''میں اور رسول اللہ ﷺ عام الفیل میں پیدا ہوئے، ہم دونوں ہم عمر ہیں۔''[1]

مندرجہ بالا جملے میں عام الفیل کے الفاظ آئے ہیں۔ یہ الفاظ گورنر یمن ابرہہ حبشی کے اُس اقدام کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب وہ ہاتھیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ پر حملہ کرنے آیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ابابیل بھیج کر اس کے ناپاک ارادے خاک میں ملا دیے تھے۔ اس زبردست واقعے کو اہلِ مکہ نے اپنے لیے ایک طرح کا کیلنڈر بنا لیا۔ اکثر مؤرخین نے لکھا ہے: رسول اللہ ﷺ عام الفیل بمطابق 571ء میں پیدا ہوئے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے ہے۔ اکثر سیرت نگاروں کے نزدیک یہ ایک متفقہ مسئلہ ہے۔ اس کے خلاف جس نے بھی جو رائے ظاہر کی ہے، اُس کی بنیاد محض ظن و تخمین اور اٹکل پچو پر ہے۔ مشہور بات یہی ہے کہ آپ فیل والے واقعے کے پچاس دن

[1] مسند أحمد: 215/4، السيرة لابن هشام: 159/1. امام حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ (المستدرك للحاكم: 603/2)

بعد پیدا ہوئے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی نبوت کا پیش خیمہ تھا۔ ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں:

''ہاتھیوں والے عیسائی اہلِ کتاب تھے۔ اُن کا دین اُس وقت کے اہل مکہ سے بہتر تھا، اس لیے کہ اہلِ مکہ بتوں کے پجاری تھے۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ نے اہلِ کتاب کے مقابلے میں اُن کی ایسی بے مثال مدد فرمائی جو انسانوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ یہ واقعہ اس شہر سے مبعوث ہونے والے نبی کے ظہور کی نشانی اور اس محترم شہر کی زبردست عظمت وفضیلت کے اظہار کا ذریعہ بن گیا۔'' [1]

پیدائش کا مہینہ

اس بارے میں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں: ''آپ رمضان میں پیدا ہوئے۔'' بعض سیرت نگاروں کا خیال ہے: ''آپ محرم میں پیدا ہوئے۔'' بعض کی رائے ہے کہ ''آپ صفر میں پیدا ہوئے۔'' جمہور علماء کے نزدیک: ''آپ ربیع الاول میں پیدا ہوئے۔'' ابن جوزی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ثقہ علماء کا اسی مہینے پر اتفاق ہے۔ [2]

پیدائش کا دن

اس بات پر بھی تمام مؤرخین اور سیرت نگار متفق ہیں کہ رسول اکرم ﷺ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ خود آپ ﷺ کا معمولِ مبارک یہ تھا کہ آپ پیر کے دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا:

«فِيهِ وُلِدْتُ، وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ»

''میں پیر کے دن پیدا ہوا تھا اور اسی دن مجھ پر وحی نازل ہونی شروع ہوئی۔'' [3]

ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ آپ اکثر پیر کے دن روزہ رکھتے ہیں، اس کا کیا سبب ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَوْمٌ وُلِدْتُ فِيهِ، وَيَوْمٌ أَمُوتُ فِيهِ»

''میں اسی دن پیدا ہوا تھا اور اسی دن میری وفات ہوگی۔'' [4]

تاریخ پیدائش

رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ ولادت کے بارے میں بھی مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں:

[1] المواهب اللدنية: 140,139/1، زاد المعاد: 76/1. [2] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 7، المواهب اللدنية: 140/1. [3] صحيح مسلم: (198)-1162. [4] صحيح ابن خزيمة: 299,298/3، حديث: 2117.

''نبی ﷺ 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے تھے۔''[1] لیکن یہ روایت بلاسند ہے، اس لیے قابل اعتماد نہیں۔[2] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن ابی شیبہ کی سند سے حضرت جابر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کا یہی قول نقل کیا ہے۔ اس کی سند بظاہر صحیح معلوم ہوتی ہے مگر حقیقتاً وہ منقطع ہے۔ اس کی وضاحت حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے خود بھی کی ہے۔[3]

بعض نے دو ربیع الاول، بعض نے آٹھ، بعض نے نو، بعض نے دس، بعض نے سترہ اور بعض نے اٹھارہ ربیع الاول کو آپ ﷺ کی تاریخ پیدائش بتایا ہے۔[4] لیکن صحیح بات یہی ہے کہ آپ 9 ربیع الاول بمطابق 20 اپریل 571ء کو پیدا ہوئے۔

قطب الدین قسطلانی کہتے ہیں کہ اکثر محدثین نے یہی لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی صحیح تاریخ پیدائش 9 ربیع الاول ہی ہے۔ ابن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی قول منسوب ہے۔ حُمیدی اور اُن کے شیخ ابن حزم رحمہما اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام قضاعی نے اہلِ میقات سے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ نے اسے محمد بن جبیر بن مطعم کے حوالے سے بیان کیا ہے اور محمد بن جبیر نے یہ قول اپنے والد جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے لیا ہے۔ محمد بن جبیر نسب اور تاریخ عرب کے ماہر تھے۔[5]

مصر کے مشہور ہیئت دان محمود پاشا فلکی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ آپ ﷺ کی ولادت 9 ربیع الاول کو ہوئی۔ اسی تاریخ کو پیر کا دن بنتا ہے۔ اس دن اپریل کی 20 تاریخ تھی اور سن 571ء تھا۔ اُن کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:



قمری آسٹرولیب

- صحیح بخاری (حدیث:1043) میں ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کے بیٹے ابراہیم رضی اللہ عنہ کے انتقال کے وقت سورج گرہن ہوا تھا۔ یہ 10 ہجری کا واقعہ ہے۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر کا تریسٹھواں سال تھا۔
- ریاضی کے قاعدے کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ 10 ہجری کا گرہن 7 جنوری 632ء کو صبح 8 بج کر 30 منٹ پر لگا تھا۔
- اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری سال کے حساب سے 63 برس پیچھے ہٹیں تو آپ کی پیدائش کا سال 571ء بنتا ہے جس میں از روئے قواعدِ ہیئت، ربیع الاول کی پہلی تاریخ 12 اپریل 571ء کے مطابق تھی۔

[1] السيرة لابن هشام :158/1. [2] السيرة النبوية للعمري :98/1. [3] دیکھیے: البداية والنهاية:107/3. [4] سبل الهدٰى والرشاد :334/1. [5] المواهب اللدنية:141,140/1، البداية والنهاية:242/2.

- اس میں شک نہیں کہ تاریخ ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اس امر پر اکثر سیرت نگاروں کا اتفاق ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ تھا، پیر کا دن تھا اور 8 سے لے کر 12 تک کے دوران کی تاریخ تھی۔
- ربیع الاول کی ان مذکورہ تاریخوں میں پیر کا دن 9 تاریخ ہی کو آتا ہے۔ ان وجوہ کی بنیاد پر تاریخ ولادت قطعی طور پر 20 اپریل 571ء تھی۔ [1]

گریگورین اور جولین تقویم کے حساب کے مختلف ہونے کی وجہ سے بعض کتابوں میں 20 اپریل کے بجائے 22 اپریل ہے۔ جولین کیلنڈر 46 ق م میں گائس جولیئس سیزر (Julius Caesar) کے عہد حکومت میں متعارف کرایا گیا۔ 1582ء تک عیسائی دُنیا میں اسی پر عمل ہوتا رہا، پھر 1582ء میں پوپ گریگوری سیزدہم (Pope Gregory XIII) نے ایک نیا کیلنڈر متعارف کرایا جو اُسی کے نام سے منسوب ہو کر گریگورین کیلنڈر کہلایا۔ [2]

جائے پیدائش: مکہ مکرمہ

جمہور اہل علم کے مطابق آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں کس جگہ پیدا ہوئے؟ اس بارے میں چار اقوال معروف ہیں۔ ان چاروں اقوال میں آپ کی جائے پیدائش جداگانہ بتائی گئی ہے۔ یہاں ان چاروں مقامات کے نام درج کیے جاتے ہیں:

1. شعب بنی ہاشم (شِعب ابی طالب)
2. رَدْم (مکہ میں بنوجُمح کا محلّہ)
3. عُسفان
4. والد گرامی عبداللہ بن عبدالمطلب کے گھر [3]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ (عبداللہ بن عبدالمطلب کا) گھر ہاشم بن عبدمناف کا تھا۔ بعدازاں یہ گھر عبدالمطلب کے حصے میں آیا۔ عبدالمطلب نے یہ گھر اپنی زندگی ہی میں تقسیم کر دیا جس کے نتیجے میں یہ گھر محمد ﷺ کے والد ماجد عبداللہ کی ملکیت بن گیا اور یہیں آپ پیدا ہوئے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں: آپ مکہ میں واقع اس گھر میں پیدا ہوئے جو ہجرت کے بعد ابوطالب کے بیٹوں عقیل اور طالب کی ملکیت میں آ گیا تھا۔ بعدازاں عقیل نے یہ گھر فروخت کر دیا۔

[1] سیرۃ النبی ﷺ، (حاشیہ):1/124، محاضرات تاریخ الأمم الإسلامیة:1/60، نیز دیکھیے: رحمۃ للعالمین (حاشیہ):1/47. [2] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا، Oxford English Reference Dictionary [3] سبل الهدیٰ والرشاد:1/338.

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فاکہی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ گھر عقیل کے بعد ان کی اولاد کی ملکیت بن گیا۔ ان کے بعد ان کے بیٹوں نے یہ گھر حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے ہاتھ ایک لاکھ دینار کے عوض بیچ دیا۔ [1]

راجح بات بھی یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں واقع اُسی گھر میں پیدا ہوئے تھے جو آپ کے والد گرامی کی ملکیت میں تھا اور بعد میں حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف نے خرید لیا تھا۔ [2] ڈاکٹر ابوشہبہ محمد بن محمد کہتے ہیں کہ حجاج کے بھائی محمد بن یوسف ثقفی نے اس گھر کو اپنے مکان میں ضم کر لیا۔ اس مکان کا نام بیضاء تھا، پھر یہ گھر مدت تک اسی طرح رہا۔ جب پانچویں عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ خیزران بنت عطاء رحمہا اللہ حج کے لیے مکہ آئیں تو انھوں نے اسے خرید لیا، پھر اس جگہ مسجد بنا دی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ گھر ہارون کی والدہ نے نہیں بلکہ ان کی بیوی زبیدہ بنت جعفر بن منصور رحمہا اللہ نے خریدا تھا اور اس جگہ مسجد بنائی تھی۔ [3]

[1] فتح الباري :3/571,570، الصارم المسلول، ص: 122-125. [2] المستدرك للحاكم :2/602. [3] السيرة النبوية لأبي شهبة (حاشية): 1/175,174.



مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش

نبی کریم ﷺ کا ختنہ

ختنہ تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے

ختنہ بنی نوع انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ، وَالْاسْتِحْدَادُ، وَنَتْفُ الْإِبْطِ، وَقَصُّ الشَّارِبِ، وَتَقْلِيمُ الْأَظْفَارِ»

''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال مونڈنا، بغلوں کے بال نوچنا، مونچھیں چھوٹی کرنا اور ناخن کاٹنا۔''[1]

دین ابراہیمی میں بھی ختنے کا طریقہ جاری تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا ختنہ خود کیا تھا۔[2] ابراہیم علیہ السلام کو ماننے والی تمام قومیں اس مسنون طریقے پر عمل کرتی تھیں۔ یہودیوں میں بھی ختنے کا رواج تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کا بھی ختنہ ہوا۔ اس کا ثبوت بار بار ردوبدل کی مشق کے باوجود موجودہ بائبل میں بھی موجود ہے:

''جب آٹھ دن پورے ہوئے اور اُس کے ختنے کا وقت آیا تو اُس کا نام یسوع رکھا گیا جو فرشتے نے اُس کے رحم میں پڑنے سے پہلے رکھا تھا۔''[3]

اس کے علاوہ بائبل ہی میں ختنے کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ طریقہ ہمیشہ کے لیے ایک اٹل عہد ہے، اسے کبھی نہ توڑا جائے:

''اور میرا عہد جو میرے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان ہے اور جسے تم مانو گے سو یہ ہے کہ تم میں سے ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے۔ اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کیا کرنا۔ اور یہ اُس عہد کا نشان ہوگا جو میرے اور تمھارے درمیان ہے۔ تمھارے ہاں پشت در پشت ہر لڑکے کا ختنہ جب وہ آٹھ روز کا ہو، کیا جائے۔ خواہ وہ گھر میں پیدا ہو، خواہ اُسے کسی پردیسی سے خریدا ہو جو تیری نسل سے نہیں۔ لازم ہے کہ تیرے خانہ زاد اور تیرے زرخرید کا ختنہ کیا جائے اور میرا عہد تمھارے

[1] صحيح البخاري: 6297. [2] صحيح البخاري: 6298. [3] کتاب مقدس (لوقا) 21:2.

جسم میں ابدی عہد ہو گا۔ اور وہ فرزند نرینہ جس کا ختنہ نہ ہوا ہو، اپنے لوگوں میں سے کاٹ ڈالا جائے کیونکہ اُس نے میرا عہد توڑا۔''[1]

نبی ﷺ کے ختنے کے حوالے سے مختلف روایات اور کئی باتیں منقول ہیں۔ بعض سیرت نگاروں کا کہنا ہے کہ آپ قدرتی طور پر مختون پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے آپ کے ختنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ اس کے برعکس بعض محققین نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ کے ختنے کا فرض آپ کے دادا عبدالمطلب نے ادا کیا تھا۔ امام ابن قیم نے وضاحت سے لکھا ہے کہ اس سلسلے میں تین باتیں منقول ہیں:

1 نبی ﷺ ختنہ شدہ حالت میں پیدا ہوئے تھے۔

2 جب آپ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں رہ رہے تھے، جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کے شق صدر کے ساتھ ساتھ آپ کا ختنہ بھی کیا تھا۔

3 آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے آپ ﷺ کے پیدا ہونے کے بعد ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا، اس تقریب میں انھوں نے بہت بڑی دعوت کی۔ اس میں ہر خاص و عام کو پُر تکلف کھانا کھلایا۔ پھر اسی تقریب میں انھوں نے آپ ﷺ کا نام محمد رکھا۔[2]

کیا نبی کریم ﷺ مختون پیدا ہوئے؟

نبی کریم ﷺ کے مختون پیدا ہونے کے بارے میں ایک حدیث بیان کی جاتی ہے۔ یہ حدیث وضعی (من گھڑت) ہے، صحیح نہیں ہے۔[3] امام ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے اپنی تالیف العلل المتناهية میں شامل کیا ہے۔[4] امر واقعہ بھی یہی ہے کہ اس کے بارے میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ مختون پیدا ہونا آپ ﷺ کی خصوصیات میں شامل نہیں ہے۔ اکثر حالتوں میں مختلف مقامات پر ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض لوگ قدرتی طور پر مختون پیدا ہوتے ہیں۔

کیا جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کا ختنہ کیا؟

بعض حلقوں کا خیال یہ ہے کہ محمد ﷺ کے ختنے جبریل علیہ السلام نے کیے تھے۔ اس بارے میں ایک روایت بھی موجود

1 کتاب مقدس (پیدائش) 17 : 10-14. 2 زاد المعاد: 82,81/1. 3 المعجم الأوسط: 332/4، حديث: 6148. 4 العلل المتناهية: 166,165/1، رقم: 264.

ہے۔ [1] اکرم ضیاء العمری اس روایت کی تخریج و تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عیینہ بصری مجہول ہے۔ [2] اسی طرح مَسلمہ بن مُحارب اور مُحارب زیادی کا تذکرہ امام بخاری اور ابن ابی حاتم ﷭ نے کیا ہے لیکن ان کے بارے میں کوئی جرح یا تعدیل نہیں کی۔ [3] اگرچہ ابن حبان ﷫ نے مسلمہ اور ان کے والد محارب کا تذکرہ اپنی کتاب الثقات میں کیا ہے [4] لیکن ابن حبان ﷫ بعض اوقات تساہل سے کام لیتے ہیں اور مجہول راویوں کو بھی ثقہ قرار دے دیتے ہیں۔ [5] امام ذہبی نے اُس روایت کو منکر قرار دیا ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ختنہ جبریل علیہ السلام نے کیا تھا۔ [6]

دادا کی طرف سے ختنے کا اہتمام

تیسرا قول یہ ہے کہ نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ساتویں دن آپ کے عقیقے کا اہتمام کیا۔ اسی دن آپ کا ختنہ کیا گیا اور آپ کا نام محمد (ﷺ) رکھا گیا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر العمری لکھتے ہیں: اس کے باوجود کہ اس آخری روایت میں بھی شدید ضعف پایا جاتا ہے، حافظ ذہبی کہتے ہیں: ''یہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ والی اُس روایت سے زیادہ صحیح ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے۔'' [7]

گویا یہ روایت بھی سخت ضعیف ہے، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ تاہم زیر بحث مسئلے سے آپ کی عظمت و فضیلت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ہم اس معاملے کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتے جس کے لیے کوئی واضح دلیل نہ ہو۔

یہی وہ حقیقت ہے جس کی نسبت قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

﴿ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ﴾

''اور جس بات کا آپ کو علم ہی نہیں، اس کے پیچھے مت پڑیے۔'' [8]

ہمارے لیے بس یہی بات کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ختنے کی تاکید فرمائی ہے اور واضح الفاظ میں آگاہ کر دیا ہے کہ ختنہ کرنا فطرت کا حصہ ہے۔ اگر کوئی بچہ مختون پیدا ہو تو اُس کے ختنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اس

[1] المعجم الأوسط: 232/4، حديث: 5821. [2] السلسلة الضعيفة: 584/13. [3] التاريخ الكبير: 387/7 و 29/8، الجرح والتعديل: 266/8 و 417. [4] الثقات لابن حبان: 490/7. [5] المقترح: 32/1، السلسلة الصحيحة: 275/2. [6] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 28. [7] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 27، نیز دیکھیے: (السيرة النبوية للعمري: 100,99/1، السلسلة الضعيفة: 13/575-587) [8] بنيّ إسرآءيل 17:36.

طرح اس کے والدین ایک مشقت اور بڑی ذمہ داری سے بچ جاتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ محض ایک سہولت ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ مختون پیدا ہونا عظمت وفضیلت کا معیار نہیں ہے، اس سے کسی کی شان اور رتبے میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ مختون پیدا ہونے کی مثالیں ہر دور میں ملتی آئی ہیں۔ [1]

[1] زاد المعاد: 81/1.

رسول اللہ ﷺ کے اسمائے مبارکہ

قرآنِ کریم نے رسول اللہ ﷺ کو محمد اور احمد کے نام سے موسوم کیا

رحمۃ للعالمین ﷺ کے سب ناموں میں آپ کے ذاتی نام محمد اور احمد ﷺ ہی معروف اور ممتاز ہیں اور ان دونوں ناموں میں بھی ''محمد'' ہی عالمگیر پیمانے پر زیادہ مشہور، معروف اور مقبول ترین اسمِ گرامی ہے۔ یہ نام قرآن مجید میں چار مرتبہ آیا ہے اور ہر مرتبہ آپ ﷺ کے منصبِ رسالت ہی کے سیاق و سباق میں آیا ہے:

﴿ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾

''اور محمد (ﷺ) ایک رسول ہی تو ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ اگر ان کا انتقال ہو جائے یا یہ شہید کر دیے جائیں تو کیا تم (سلام سے) اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے؟ اور جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھر جائے، وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ اور اللہ شکر ادا کرنے والوں کو جلد جزا دے گا۔'' [1]

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمًا ۝﴾

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔'' [2]

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝﴾

''اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے اور وہ اس (قرآن) پر بھی ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کیا گیا اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے، اللہ نے ان سے ان کی برائیاں دور کر دیں اور ان کے حال کی اصلاح کر دی۔'' [3]

[1] آل عمرٰن 3:144. [2] الأحزاب 33:40. [3] محمد 47:2.

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ټ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ټ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۭ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ؀﴾

''محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں (اور) آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضا تلاش کرتے ہیں، ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ صفت تورات میں بھی ہے اور انجیل میں بھی۔ ان کی صفت اس کھیتی کی طرح ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) سخت ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا، وہ کسانوں کو خوش کرتا ہے، (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم) کی وجہ سے کفار کو خوب جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا نام نامی ''احمد'' قرآن مجید میں صرف ایک جگہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کے بیان میں آیا ہے:

﴿وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ؀﴾

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: ''اے بنی اسرائیل! بے شک میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں اس (کتاب) تورات کی جو مجھ سے پہلے ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا، پھر جب وہ (رسول) ان کے پاس کھلی نشانیوں کے ساتھ آیا تو وہ بولے: یہ تو کھلا جادو ہے۔''[2]

انجیل برناباس میں اسم گرامی محمد ﷺ کا تذکرہ

عبدالمطلب یا حضرت آمنہ نے آپ ﷺ کا نام محمد اور احمد ﷺ تجویز کیا۔ درحقیقت ان کی تجویز سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے یہی اسمائے گرامی تجویز فرما دیے تھے اور پہلے انبیاء، خصوصاً سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے خود آپ ﷺ کا نام گرامی لے کر آپ کے بارے میں پیش گوئی کی تھی جو کئی بار رد و بدل کی زد میں آنے والی بائبل

[1] الفتح 29:48. [2] الصفّ 6:61.

میں آج بھی موجود ہے۔

انجیل برناباس میں نہایت واضح لفظوں میں درج ہے:

''شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا۔ جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟'' یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا۔'' بے شک وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہیں۔''[1]

اسی انجیل میں ایک اور مقام پر دیکھیے کہ آپ کا اسم گرامی کس شان سے جگمگا رہا ہے:

''اور جبکہ میں نے اس کو دیکھا، میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا: ''اے محمد (ﷺ)! اللہ تیرے ساتھ ہو۔ اور مجھے اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ (شرف) حاصل کر لوں تو بڑا نبی اور اللہ کا قدوس ہو جاؤں گا اور جبکہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔''[2]

اس سلسلے میں مزید تفصیلات اس جلد کے باب ''بشاراتِ نبوت و رسالت'' میں ملاحظہ کیجیے۔

رسول اللہ ﷺ ٹھیک ٹھیک عیسیٰ علیہ السلام کی بشاراتِ نبوت و رسالت کے مطابق ہی مبعوث ہوئے۔ اس وقت کے اہل کتاب، علمائے تورات و انجیل، راہِ حق کے متلاشیوں اور بادشاہوں تک نے آپ ﷺ کو اچھی طرح پہچان لیا۔ بعض لوگوں نے پیامِ حق قبول بھی کر لیا لیکن عیسائیوں کا انوکھا مزاج تھا۔ ان کی بڑی اکثریت اجتماعی طور پر یہودیوں کے نقش قدم پر چل پڑی۔ دنیا کی مصلحتیں اور مفادات ان کے پاؤں کی زنجیر بن گئے۔ اس طرح وہ راہِ حق پر قدم نہ رکھ سکے اور گمراہی کے گڑھے میں گر پڑے۔

مختلف انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے عہد اور اپنے اپنے مقام پر لوگوں کو واضح طور پر محمد رسول اللہ ﷺ کے کئی نام بتائے اور آپ ﷺ کے ظہور مبارک کی صاف صاف پیش گوئی کر دی تھی، یہی اسمائے گرامی عبدالمطلب اور سیدہ آمنہ کو بھا گئے، اس لیے انھوں نے آپ ﷺ کو انھی مبارک ناموں سے موسوم کر دیا۔

ایک نورانی خواب

عبدالمطلب نے محمد رسول اللہ ﷺ کی ولادت سے پہلے ایک خواب دیکھا۔ انھوں نے دیکھا کہ اُن کی پشت پر چاندی کی ایک زنجیر نمودار ہوئی ہے جس کے کئی سرے ہیں۔ ایک سرا آسمان، ایک زمین، ایک مشرق اور ایک مغرب میں ہے۔ کچھ دیر بعد یہی زنجیر ایک درخت کی شکل میں بدل گئی جس کے ہر پتے پر نور کا ہالہ تھا اور مشرق و مغرب

[1] انجیل برناباس 163:7,8۔ [2] انجیل برناباس 44:30-32۔

کے لوگ اس کی شاخوں سے لپٹے ہوئے تھے۔

تعبیر بتانے والوں نے عبدالمطلب کو اس خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ تمھاری نسل سے ایک بے مثال لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کی نرالی شان ہوگی، مشرق سے مغرب تک لوگ اُس کی اتباع کریں گے اور آسمان و زمین والے اس کی تعریف (حمد) کریں گے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے آپ کا نام ''محمد'' (ﷺ) رکھا۔ [1]

والدہ محترمہ کو ''احمد'' اور ''محمد'' نام رکھنے کا حکم

سیدنا بُریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی والدہ سیدہ آمنہ بنت وہب نے ایک خواب دیکھا۔ آپ کو خواب میں بتایا گیا کہ آپ ایک ایسے صاحبزادے کو جنم دینے والی ہیں جو سید البشر اور فخرِ موجودات ہوگا۔ جب آپ کے ہاں یہ بے مثل فرزند پیدا ہو جائے تو آپ اُس کا نام ''احمد'' اور ''محمد'' رکھیے۔ [2]

آپ ﷺ کا نام ''محمد'' کیوں رکھا گیا؟

ابوالحکم تنوخی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''جب نبیِ کریم ﷺ کی پیدائش کا ساتواں دن ہوا تو عبدالمطلب نے جانور ذبح کیے اور قریش کو کھانے پر بلایا۔ وہ لوگ کھانا کھا چکے تو انھوں نے پوچھا: ''اے عبدالمطلب! آپ نے اس بچے کا کیا نام رکھا ہے؟'' عبدالمطلب نے جواب دیا: ''میں نے اس کا نام ''محمد'' رکھا ہے۔'' وہ بولے: ''آپ نے اپنے خاندانی ناموں کو نظر انداز کر کے یہ نام کیوں رکھا؟'' عبدالمطلب نے کہا: ''میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں میں اس بے مثال بچے کی تعریف کرے اور اللہ کی مخلوق زمین پر اس کے لیے رطب اللسان رہے۔'' [3]

ہر چند یہ روایات سنداً قوی نہیں لیکن قرآن مجید میں مذکور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی پیش گوئیاں متقاضی تھیں کہ اللہ عزوجل آپ ﷺ کی والدہ اور دادا کی انھی مبارک ناموں کی طرف رہنمائی فرمائے۔ آپ ﷺ کے والد گرامی آپ کی پیدائش سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے، اس لیے نام رکھنے کی ذمہ داری آپ کی والدہ محترمہ اور دادا جان پر آ گئی، چنانچہ یہی دونوں شخصیتیں آپ ﷺ کا نام رکھنے کی مجاز تھیں۔ امام نووی رحمہ اللہ ابن فارس رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَبِهِ سُمِّيَ نَبِيُّنَا ﷺ مُحَمَّدًا وَّ أَحْمَدَ أَيْ أَلْهَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى أَهْلَهُ أَنْ سَمُّوهُ بِهِ لِمَا عُلِمَ مِنْ جَمِيلِ صِفَاتِهِ

[1] الروض الأنف: 280/1. [2] دلائل النبوة لأبي نُعيم: 136/1. [3] دلائل النبوة للبيهقي: 113/1.


ادخلوها بسلام آمنين

''ہمارے نبی کریم ﷺ کا نام محمد اور احمد اس لیے رکھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آپ ﷺ کے گھر والوں کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ آپ ﷺ کا نام ''محمد'' اور ''احمد'' ہی رکھیں۔ یہ مبارک نام رکھنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ آپ کی یگانہ صفات (اسی وقت سے ہویدا ہو رہی تھیں اور دم بدم) احاطۂ علم میں آ رہی تھیں۔''[1]

''احمد'' اور ''محمد'' (ﷺ) کے معنی

دونوں اسمائے گرامی ''احمد اور محمد'' میں سے ''محمد'' کی معنوی تشریح و توضیح خود رسول اللہ ﷺ نے بڑے لطیف پیرائے میں بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَّلَعْنَهُمْ؟ يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَّيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَّأَنَا مُحَمَّدٌ»

''کیا تمھیں تعجب نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح قریش کی گالیوں اور طعنوں کا رُخ میری طرف سے پھیر دیا! وہ لوگ مذمم کو گالیاں اور طعنے دیتے ہیں جبکہ میں تو محمد ہوں۔''[2] (مُذَمَّم کے معنی ہیں: وہ شخص جس کی مذمت کی جائے۔)

رسول اللہ ﷺ کا نام احمد ''حمد'' سے ہے۔ یہ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ اس کا مطلب ہے: اللہ کی مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد و ستائش کرنے والا۔

رسول اللہ ﷺ کا اسم مبارک ''محمد'' باب تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ یہ یہاں محمود (تعریف کیا گیا) کے مفہوم میں ہے۔ اس میں مبالغے کے معنی پائے جاتے ہیں۔[3] امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب ''التاریخ الصغیر'' میں علی بن زید کے طریق سے روایت کرتے ہیں کہ ابو طالب کہا کرتے تھے:

فَشَقَّ لَهٗ مِنِ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدٌ

''اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنے نام سے اخذ کر کے رکھا ہے تا کہ اسے بھی عظمت عطا کرے۔ سو صاحب عرش محمود (سزاوار حمد) ہے اور آپ محمد ہیں، یعنی جس کی بہت زیادہ، بار بار تعریف کی جائے۔''[4]

ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محمد وہ ہے جس کی بار بار مدح کی جائے۔ نامور عرب شاعر الاعشیٰ شاہِ حیرہ نعمان سے

---

[1] شرح النووي علی صحیح مسلم: 153,152/15. [2] صحیح البخاري: 3533. [3] فتح الباري: 678/6، الروض الأنف: 281/1. [4] التاریخ الصغیر: 38/1. سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہ شعر منقول ہے۔ (دیوان حسان بن ثابت، ص: 47)

مخاطب ہو کر کہتا ہے:

إِلَيْكَ أَبَيْتَ اللَّعْنَ كَانَ وَجِيفُهَا إِلَى الْمَاجِدِ الْقَرْمِ الْجَوَادِ الْمُحَمَّدِ

(اے نعمان بن منذر!) ''تو ہر قسم کی مذمت سے بچے، تجھ جیسے سخی اور بار بار تعریف کیے جانے والے برگزیدہ سردار ہی کے پاس (لیلیٰ) پناہ لے سکتی تھی۔'' [1]

لہٰذا لفظ ''محمد'' کا مطلب ایسی ہستی ہے جس میں تمام اچھی باتیں جمع ہو جائیں۔ [2] آپ کے اسمائے گرامی محمد اور احمد کا مادہ ''حمد'' ہے۔ حمد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کے اخلاق حسنہ، اوصاف حمیدہ، کمالات جمیلہ اور فضائل و محاسن نہایت محبت، عقیدت اور عظمت کے ساتھ بیان کیے جائیں۔ ابن قیم رحمہ اللہ ''محمد'' کے معانی واضح کرنے کے بعد کہتے ہیں: پس محمد وہ ہے جس کی حمد کرنے والوں نے بار بار حمد کی ہو اور وہ جو غیر منقطع طور پر مسلسل لگاتار حمد کیے جانے کا مستحق ہو۔ [3]

اصل حقیقت یہ ہے کہ لفظ ''حمد'' کا آپ کی ذاتِ گرامی سے بڑا گہرا معنوی تعلق ہے۔ آپ کو سورۃ الحمد عطا کی گئی، لواء الحمد، یعنی الحمد نامی علَم مبارک بخشا گیا اور مقام محمود سے سرفراز کیا گیا۔ آپ کے لیے کھانے پینے اور سفر سے واپس آنے کے بعد کی دُعا الحمدللہ ہی مقرر کی گئی۔ مزید برآں آپ کی اُمت کو ''الحمادون'' کا خطاب دیا گیا، یعنی ایسی امت جو ہر آن اپنے مقدس خالق و مالک کی تعریف و توصیف کرتی ہے۔ دین اسلام بھی درحقیقت اللہ رب العزت کی حمد و ثنا اور شکر و سپاس ہی کا نام ہے۔ [4]

بعثت نبوی سے پہلے کے ''محمد'' نامی دوسرے افراد

زمانۂ جاہلیت میں اہل عرب کاہنوں پر بڑا اعتقاد رکھتے تھے اور علمائے اہل کتاب کی شہادتوں کو بہت اہمیت دیتے تھے۔ انھی لوگوں کے کہنے پر اہل عرب نے اپنے متعدد بیٹوں کے نام محمد رکھے۔ امام سُہیلی نے ایسے تین افراد کے نام بتائے ہیں جن کا نام محمد تھا۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

1. محمد بن سفیان بن مُجاشع دارمی تمیمی۔ یہ دورِ جاہلیت کے عرب سرداروں میں سے تھے۔ مشہور شاعر فرزدق کا سلسلۂ نسب انھی سے جاملتا ہے۔
2. محمد بن (عقبہ بن) اُحَیحہ بن جُلاح بن حریش اوسی۔

---

[1] دیوان الأعشیٰ الکبیر، ص:131. دیوان میں وجیفھا کے بجائے کَلاَلُھَا اور القرم کے بجائے الفَرْع کے الفاظ آئے ہیں۔
[2] فتح الباري:678/6. [3] جلاء الأفھام، ص:277. [4] فتح الباري:679,678/6.

3 محمد بن حُمران بن ربیعہ جعفی (اَلشُّوَیْعِر)۔ یہ دورِ جاہلیت کے شاعر اور امرؤ القیس کے ہم عصر تھے۔

ان تینوں، یعنی محمد بن سفیان، محمد بن احیحہ اور محمد بن حمران کے باپ اکٹھے ہو کر کسی بادشاہ کے پاس گئے تھے۔ وہ بادشاہ پہلی کتابوں کے بارے میں بڑی معلومات رکھتا تھا۔ اُس نے انھیں بتایا کہ عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اُس کا نام محمد ہوگا، چنانچہ ان تینوں نے اپنے ہاں پیدا ہونے والے بچوں کا نام محمد رکھا۔ [1]

لغت کی کتابوں میں ایسے سات آدمیوں کا تذکرہ بھی موجود ہے جن کا نام زمانۂ جاہلیت میں محمد رکھا گیا تھا۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: بعثت سے پہلے جن افراد کا نام محمد رکھا گیا تھا، میں نے ان کی ایک علیحدہ فہرست بنائی۔ ان کی تعداد بیس تک پہنچ گئی لیکن ان میں سے بعض افراد کے نام میں گڑ بڑ اور تکرار تھی، انھیں حذف کر کے ان میں سے پندرہ افراد باقی بچے جن کا نام محمد رکھا گیا تھا۔ ان میں سے زیادہ مشہور محمد بن عدی بن ربیعہ تمیمی ہیں۔

ابو سویہ اپنے والد خلیفہ بن عبدہ مِنْقَری سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: میں نے محمد بن عدی بن ربیعہ سے پوچھا: تمھارے باپ نے زمانۂ جاہلیت میں تمھارا نام محمد کس طرح رکھ دیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں نے یہی بات اپنے باپ سے پوچھی تھی۔ انھوں نے بتایا: ہم بنو تمیم کے چار افراد تھے، یعنی اُن میں میرے علاوہ میرے ساتھ سفیان بن مجاشع، یزید بن عمرو بن ربیعہ اور اُسامہ بن مالک بن حبیب موجود تھے، ہم عمرو بن جفنہ غسانی سے ملنے شام گئے۔ راستے میں ہم نے ایک یہودی خانقاہ کے پاس ایک تالاب پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں موجود راہب نے ہمیں دیکھا تو کہنے لگا: عنقریب تمھارے ہاں ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے، لہٰذا اس کی پیروی کرنے میں جلدی کرنا۔ ہم نے پوچھا: اُس کا نام کیا ہوگا؟ اس نے بتایا: محمد (ﷺ)۔ پھر ہم واپس آئے تو ہم میں سے ہر ایک نے اپنے پیدا ہونے والے بیٹے کا نام محمد رکھ دیا۔ ان میں سے صرف محمد بن عدی کو صحابیت کا شرف حاصل ہوا۔ ابن سعد نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ [3]

معلومہ تاریخی حقائق کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے پہلے کسی شخص کا نام ''احمد'' نہیں تھا، نیز آپ ﷺ کے علاوہ ''محمد'' نام کے ان لوگوں میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی بے محل نہ ہوگا کہ عمرو بن جفنہ شام کے غسانی بادشاہوں میں وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے تاج پہنا۔ اس نے بلقاء میں رومیوں سے جنگ کی اور فتح یاب رہا۔ بعد میں اس نے اپنی کمزوری کی وجہ سے خراج دینے کی شرط پر قیصر سے صلح کر لی مگر کچھ عرصہ بعد موقع پا کر قیصر سے پھر بغاوت کر دی۔ قیصر نے مصلحتاً بادیۃ الشام

[1] الروض الأنف :280/1. [2] لسان العرب، مادة: حمد، تاج العروس، مادة: حمد. [3] فتح الباري:680,679/6.

کی بادشاہت مستقل طور پر اُسی کو سونپ دی۔ وہ پندرہ سال تک برسرِ اقتدار رہا۔ وہ دوسری صدی عیسوی کا فرمانروا تھا۔ [1]

پانچ مبارک نام

اللہ کے رسول ﷺ کے معروف ذاتی نام ''محمد'' اور ''احمد'' ہی ہیں جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ آئے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے صفاتی نام بھی ہیں جو احادیث اور سیرت مطہرہ کی کتابوں میں بتائے گئے ہیں۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لِي خَمْسَةُ أَسْمَاءٍ: أَنَا مُحَمَّدٌ وَّ أَحْمَدُ وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمِيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي»

''میرے پانچ نام ہیں: محمد، احمد، ماحی، میرے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں، قیامت کے دن سب لوگ میرے بعد اُٹھائے جائیں گے۔ میں عاقب ہوں، یعنی سب سے آخر میں مبعوث ہونے والا نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔'' [2]

نبیِ اکرم ﷺ کے چند اور نام

امام مسلم رحمہ اللہ نے آپ ﷺ کے وصفی ناموں میں اَلْمُقَفِّي (سب کے بعد آنے والے)، نَبِيُّ التَّوْبَة اور نَبِيُّ الرَّحْمَة کا اضافہ کیا ہے۔ [3] اسی طرح امام ترمذی نے آپ ﷺ کے صفاتی اسمائے گرامی میں نَبِيُّ الْمَلَاحِم (میدان کارزار میں سرگرم رہنے والا نبی) کا اضافہ کیا ہے۔ [4]

امام ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ناموں کی دو قسمیں ہیں:

1 وہ نام جن میں دوسرے انبیاء علیہم السلام شریک نہیں، جیسے: محمد، احمد، عاقب وغیرہ۔

2 وہ نام جن میں دیگر انبیاء علیہم السلام بھی شریک ہیں، جیسے: نبی، عبد، شاہد، مبشر، نذیر، نبی الرحمہ، نبی التوبہ وغیرہ۔ لیکن ان صفات میں بھی آپ اوجِ کمال پر فائز ہونے کی وجہ سے دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ [5]

قرآن مجید میں نبیِ اکرم ﷺ کے صفاتی نام

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے ذاتی اسمائے مبارکہ محمد اور احمد کے علاوہ کئی صفاتی ناموں کا ذکرِ جمیل موجود ہے، ملاحظہ فرمائیے:

---

[1] الأعلام: 75/5. [2] صحيح البخاري: 3532. [3] صحيح مسلم: 2355. [4] الشمائل النبوية للترمذي، ص: 448، 449.
[5] زاد المعاد: 88/1.

	نام	معنی ومفہوم	سورت / آیت
1	مُصَدِّق	اپنے سے پہلے کی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والے	آل عمرٰن 81:3
2	شَهِيد	گواہ/ گواہی دینے والے	النسآء 41:4
3	بَشِير	خوشخبری دینے والے	المآئدۃ 19:5
4	اَلْمُسْلِم	اطاعت گزار	الأنعام 163:6
5	اَلْأُمِّيّ	ان پڑھ...... آپ ﷺ کو کسی انسان نے کچھ نہیں پڑھایا۔ آپ ﷺ کو خود اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے تعلیم دی۔	الأعراف 157:7
6	ثَانِيَ اثْنَيْن	دو افراد کے دوسرے	التوبۃ 40:9
7	عَبْد	بندگی کرنے والے	بنيَ إسرآءيل 1:17
8	بَشَر	انسان...... آپ کو اللہ تعالیٰ نے سید البشر قرار دیا	الكهف 110:18
9	رَحْمَةٌ لِّلْعَالَمِين	تمام جہانوں کے لیے رحمت	الأنبيآء 107:21
10	اَلنَّبِيّ	پیغمبر...... قیامت، آخرت، جنت، دوزخ، برزخ اور پل صراط جیسی سچی اور پکی خبریں دینے والے	الأحزاب 6:33
11	خَاتَمُ النَّبِيِّين	سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی، یعنی تمام انبیائے کرام کے بعد تشریف لانے والے آخری رسول محمد ﷺ	الأحزاب 40:33
12	شَاهِد	گواہی دینے والے	الأحزاب 45:33
13	مُبَشِّر	اللہ تعالیٰ کے انعامات اور جنت کی بشارت دینے والے	الأحزاب 45:33
14	نَذِير	اللہ کے عذاب اور دوزخ سے ڈرانے والے	الأحزاب 45:33
15	دَاعِي إِلَى اللّٰه	اللہ کی طرف دعوت دینے والے	الأحزاب 46:33
16	سِرَاجٌ مُّنِير	روشن چراغ	الأحزاب 46:33
17	مُبِين	کھول کھول کر وضاحت سے بیان کرنے والے	الزخرف 29:43
18	رَسُولُ اللّٰه	اللہ کے رسول	الفتح 29:48

19	کَرِیم	نہایت معزز	الحآقة 40:69
20	عَبْدُاللّٰه	اللہ کے بندے	الجن 19:72
21	اَلْمُزَّمِّل	کملی والے	المزمل 1:73
22	اَلْمُدَّثِّر	لحاف اوڑھنے والے	المدثر 1:74
23	مُذَکِّر	نصیحت کرنے والے	الغاشية 21:88
24	اَلْبَیِّنَة	روشن دلیل	البينة 1:98 [1]

ان صفاتی ناموں کے علاوہ بھی قرآن مجید میں آپ کی کئی صفاتِ عالیہ مخصوص سیاق وسباق میں بیان ہوئی ہیں لیکن ان سے آپ کا نام اخذ کرنا اور انھیں صفاتی ناموں میں شامل کرنا صحیح نہیں،[2] جیسے حَرِیص، رَءُوف اور رَحِیم۔ ان میں سے ہر ایک اسم مبارک کے جداگانہ مستقل معنی ہیں۔ یہی الفاظ قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ بابرکات کے لیے اس طرح آئے ہیں:

﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝﴾

''(لوگو!) یقیناً تمھارے پاس تمھی میں سے ایک رسول آچکا ہے، اس پر تمھارا ہلاکت میں پڑنا بہت شاق گزرتا ہے، وہ تمھاری بھلائی کا حریص اور اہلِ ایمان کے لیے سراپا شفقت ورحمت ہے۔''[3]

اس آیت مقدسہ میں حَرِیص، رَءُوف اور رَحِیم کو سیاق وسباق کی عبارت سے جدا کر کے رسول اللہ ﷺ کے ناموں میں شامل کرنا صحیح نہیں۔

یٰسٓ اور طٰہٰ نبی اکرم ﷺ کے نام نہیں

عوام میں یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ یٰسٓ اور طٰہٰ نبی اکرم ﷺ ہی کے ناموں میں سے ہیں لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ یہ دونوں الفاظ نبی اکرم ﷺ کے ناموں کے طور پر کسی بھی صحیح، حسن اور مرسل حدیث سے ثابت نہیں، نہ یہ کسی صحابی سے منقول ہیں۔ ان کے بارے میں بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ الفاظ قرآن مجید کے حروفِ مقطعات میں سے ہیں۔[4]

[1] رسول اللہ ﷺ کے ناموں کے متعلق دیکھیے: أحكام القرآن لابن العربي، الأحزاب 46,45:33، فتح الباري: 682,681/6، سبل الهدى والرشاد: 1/400-535، الخصائص الكبرى للسيوطي 1/132-134، الشفا للقاضي عياض: 1/311-336، صفة الصفوة: 1/54-56. [2] دیکھیے: فتاوى الدين الخالص: 63/2، الماتريدية للشمس السلفي الأفغاني: 403/2. [3] التوبة 128:9. [4] تحفة المودود، ص: 122.

رسول اللہ ﷺ کی کنیت

عربوں میں نام کے علاوہ کنیت رکھنے کا بھی رواج تھا اور یہ عمل باعثِ تکریم سمجھا جاتا تھا، اس لیے جن کی اولاد نہیں تھی، وہ بھی کنیت رکھتے تھے۔ کنیت عموماً بڑے بیٹے کے نام پر رکھی جاتی تھی۔ بعض اوقات یہ کنیت کسی پیشے، میلان و رجحان یا امتیازی خصوصیت اور فضل و کمال کی وجہ سے بھی رکھی جاتی تھی، جیسے: ابو بکر، ابو ہریرہ، ابو شامہ وغیرہ۔

نبیِ کریم ﷺ کی ایک کنیت اپنے بڑے بیٹے قاسم کے نام پر ''ابوالقاسم'' ہے۔ دوسری کنیت دوسرے صاحبزادے کی مناسبت سے ''ابوابراہیم'' ہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے نبیِ اکرم ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو جبرئیل علیہ السلام آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان الفاظ میں سلام عرض کیا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا أَبَا إِبْرَاهِيمَ!

''سلامتی ہو آپ پر اے ابوابراہیم!''[1]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابوالقاسم ﷺ نے فرمایا:

«سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي»

''میرے نام پر نام رکھو، لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن نبیِ کریم ﷺ بازار گئے ہوئے تھے کہ ایک آدمی نے پکارا: ''اے ابوالقاسم!'' آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو وہ بولا: ''میں نے آپ کو نہیں بلکہ فلاں شخص کو آواز دی ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكَنَّوْا بِكُنْيَتِي»

''میرے نام پر نام رکھو لیکن میری کنیت پر کنیت نہ رکھو۔''[3]

[1] المستدرك للحاكم: 604/2، حديث: 4188. [2] صحيح البخاري: 3539. [3] صحيح البخاري: 2120.

نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں آپ ﷺ کی کنیت اختیار کرنا جائز نہ تھا مگر جمہور علماء کا خیال ہے کہ آپ ﷺ کے بعد اب آپ کا نام اور کنیت دونوں رکھے جا سکتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! اگر آپ کے بعد میرے ہاں بچہ پیدا ہو تو کیا میں اس کا نام اور کنیت آپ کے نام اور کنیت پر رکھ سکتا ہوں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں۔''[1]

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ رخصت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مخصوص تھی۔ لیکن یہ بات ٹھیک معلوم نہیں ہوتی کیونکہ کئی اور صحابہ، مثلاً: طلحہ بن عبیداللہ، ابوبکر، سعد، جعفر بن ابی طالب، عبدالرحمٰن بن عوف، مشہور بدری صحابی حاطب بن ابی بلتعہ اور اشعث بن قیس رضی اللہ عنہم نے اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا اور اُن کی کنیت بھی ابوالقاسم رکھی۔[2]

[1] سنن أبي داود: 4967. [2] فتح الباري: 703/10.

نبیِ کریم ﷺ کا عقیقہ

یہاں پہلے یہ بات سمجھ لیجیے کہ عقیقہ کا مطلب کیا ہے۔ عقیقہ اس جانور کو کہتے ہیں جو بچے کی پیدائش کے ساتویں دن بچے کے بال کاٹنے کے بعد ذبح کیا جاتا ہے۔[1]

ملتِ ابراہیمی کے جن چند احکام پر اہل عرب عمل پیرا تھے، اُن میں سے ایک عقیقہ بھی تھا جو حسبِ روایت بچے کی پیدائش کے بعد ساتویں دن کیا جاتا تھا۔ اس بارے میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی:

«مَعَ الْغُلَامِ عَقِيقَةٌ، فَأَهْرِيقُوا عَنْهُ دَمًا وَّأَمِيطُوا عَنْهُ الْأَذٰى»

''بچے (کی پیدائش) پر عقیقہ ہے۔ اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے اذیٰ کو دور کرو۔''[2] یعنی جانور ذبح کرو، بچے کا سر مونڈو اور ختنہ کرو۔

حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«كُلُّ غُلَامٍ رَّهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهٖ، تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعِهٖ، وَيُحْلَقُ وَيُسَمّٰى»

''ہر بچہ اپنے عقیقے کے عوض گروی ہوتا ہے۔ (لہٰذا) ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے، اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔''[3]

صلح حدیبیہ کے دن مسلمان ہونے والی اُم کرز خزاعیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ، وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ، لَا يَضُرُّكُمْ أَذُكْرَانًا كُنَّ أَمْ إِنَاثًا»

''لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کی جائے۔ اس بات میں تمھارے لیے کوئی حرج نہیں کہ ذبح کیے جانے والے جانور چاہے نر ہوں یا مادہ۔''[4]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ (عرب کے دستور کے مطابق) جناب عبدالمطلب نے رسول اللہ ﷺ کے عقیقے کے لیے

[1] المعجم الوسيط، مادة: عق. [2] صحيح البخاري: 5472. [3] سنن أبي داود: 2838. [4] سنن أبي داود: 2835.

ساتویں دن جانور ذبح کیے اور قریش کو ضیافت دی۔ [1] تاہم سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

عَقَّ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَنْ نَفْسِهِ بَعْدَ مَا بُعِثَ بِالنُّبُوَّةِ

"رسول اللہ ﷺ نے شرف نبوت پانے کے بعد اپنا عقیقہ خود کیا۔" [2]

[1] [ضعيف] دلائل النبوة للبيهقي: 113/1. [2] المصنف لعبد الرزاق: 329/4، حديث: 7960، السلسلة الصحيحة: 502/6-506، حديث: 2726. ختنہ، عقیقہ اور نام تجویز کرنے کے علاوہ نومولود بچے کے بارے میں دوسرے مفصل احکام و مسائل جاننے کے لیے امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب تحفة المودود بأحكام المولود اور مکتبہ دارالسلام لاہور کی اسلامی ناموں کی ڈکشنری کا مطالعہ فرمایئے۔

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت اور پرورش

عرب میں رضاعت

عرب کے ممتاز گھرانوں کا دستور تھا کہ وہ اپنے بچوں کو شہری اور وبائی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کے لیے دودھ پلانے والی بدوی عورتوں کے حوالے کردیا کرتے تھے تاکہ وہ تندرست رہیں، ان کے جسم طاقتور اور اعصاب مضبوط ہوجائیں۔ مزید برآں وہ اپنے گہوارے ہی میں ٹھیٹھ عربی زبان کا ذوق پیدا کرلیں اور صحیح لب و لہجہ کے ساتھ بخوبی بولنے لگیں۔ [1] شرفائے عرب نے یہ روایت جاری رکھی حتی کہ مدتوں بعد بنواُمیہ کے دور اقتدار میں بھی یہ روایت بدستور جاری رہی۔ بنوامیہ نے دمشق کو دارالحکومت بنا دیا اور شاہانہ شان و شوکت اختیار کرلی۔ پھر بھی یہ روایت نہیں بدلی اور شاہانِ بنوامیہ کے بچے بادیہ نشین بدوؤں ہی کے گھروں میں دودھ پیتے اور پلتے رہے۔ صرف خلیفہ ولید بن عبدالملک وہ چھٹا اموی حکمران تھا جو مخصوص اسباب کی وجہ سے صحرائی ماحول میں نہ جاسکا، وہ شاہی حرم ہی میں پلا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خاندان بنی اُمیہ میں وہی اکیلا شخص تھا جو فصیح عربی کے ذوق سے ناآشنا رہا۔ اس کی حالت یہ تھی کہ وہ صحیح عربی بولنے سے بھی قاصر تھا۔ [2]

سب سے پہلے والدہ ماجدہ نے دودھ پلایا

رسول اللہ ﷺ پیدا ہوئے تو سب سے پہلے آپ ﷺ کو آپ کی والدہ ماجدہ ہی نے اپنا دودھ پلایا، پھر وہ اپنے بے مثل لختِ جگر ﷺ کو متواتر سات دن تک دودھ پلاتی رہیں۔ [3] یہ ایک معلوم و معروف حقیقت ہے کہ جب کسی خاتون کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے تو اس وقت اُسے دوسری خواتین کے تعاون کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت آمنہ اس مرحلے سے گزریں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کرنے اور جناب رسالت مآب ﷺ کو دودھ پلانے کے لیے کئی مہذب اور مہربان خواتین کا اہتمام فرما دیا۔ آیئے! اب ان عظیم خوش نصیب خواتین کے حالات پڑھیے جنھوں نے حضرت آمنہ کا ہاتھ بٹایا اور آپ ﷺ کو دودھ پلایا۔

[1] محاضرات تاریخ الأمم الإسلامیۃ: 61/1. [2] سیرۃ النبی ﷺ: 125,124/1، مزید دیکھیے: البدایۃ والنہایۃ: 168/9. [3] سبل الھدیٰ والرشاد: 375/1.

رسول اللہ ﷺ کی نظر میں ام ایمن کا درجہ

ام ایمن رضی اللہ عنہا وہ نیک نہاد اور خوش نصیب خاتون ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے نبیِ کریم ﷺ کو گود میں کھلانے کا شرف عطا فرمایا۔

نبی ﷺ کے پیدا ہوتے ہی ام ایمن آپ ﷺ کی دیکھ بھال میں لگ گئیں۔ انھوں نے آپ ﷺ کی خبر گیری کے لیے حضرت آمنہ کا خوب ہاتھ بٹایا۔ پھر آپ ﷺ کو شیر خواری کے لیے بنو سعد بھیج دیا گیا، آپ ﷺ وہاں سے



بنو سعد کا پرانا علاقہ

واپس آئے تو ام ایمن رضی اللہ عنہا ہی نے آپ کی نگہداشت کا فرض انجام دیا اور آپ کی والدہ محترمہ کے ساتھ مل کر آپ ﷺ کی ہر ممکن خدمت کی۔ حضرت آمنہ رحلت فرما گئیں تو آپ ﷺ کی دیکھ بھال تنِ تنہا سیدہ ام ایمن ہی نے کی۔ اس وقت ام ایمن کو بھلا کیا اندازہ ہوسکتا تھا کہ میری گود میں عالم انسانیت کی سب سے بڑی ہستی سانس لے رہی ہے۔ اور یہ وہ عظیم الشان اعزاز و امتیاز ہے جو رب العزت نے محض اپنے فضل و کرم سے میرے نصیب میں لکھ دیا ہے۔ وہ آپ ﷺ سے بے حد محبت کرتی تھیں اور یہ ایسا مبارک اور محترم رشتہ تھا کہ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«أُمُّ أَيْمَنَ أُمِّي بَعْدَ أُمِّي»

''میری ماں کے بعد اُم اَیمن ہی میری ماں ہیں۔''[1]

[1] [ضعیف] السلسلة الضعيفة:7059، الإصابة:359/8، الاستيعاب، ص:863، تهذيب الكمال:447/22.

نبی کریم ﷺ ام ایمن کا بہت خیال رکھتے تھے۔ ان سے ملنے کے لیے خود تشریف لے جاتے تھے اور ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔ وہ بڑی دانا خاتون تھیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد ایک دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''آؤ، ہم ام ایمن سے اسی طرح ملنے چلیں جس طرح رسول اللہ ﷺ اُن سے ملنے تشریف لے جاتے تھے۔'' جب ہم ان کی خدمت میں پہنچے تو اُم ایمن رضی اللہ عنہا رو پڑیں۔ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: ''(ام ایمن!) آپ کیوں رو پڑیں؟ جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے (اس دنیا کی ہر متاع سے کہیں زیادہ) بہتر ہے۔'' وہ فرمانے لگیں: ''میں اس حقیقت سے بے خبر نہیں کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے بہت بہتر ہے:

وَلٰكِنْ أَبْكِي أَنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَاءِ

''میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی اُترنے کا مبارک سلسلہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔''

اُم ایمن رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما بھی بے اختیار رو پڑے۔ [1]

محترمہ ثُوَیبہ

حضرت آمنہ کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کو ابتدائی دنوں میں ابولہب کی ثویبہ نامی لونڈی نے بھی دودھ پلایا تھا۔ ام المؤمنین ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک بار میں نے سید الانبیاء ﷺ سے درخواست کی: ''اے اللہ کے رسول! میری بہن، ابوسفیان کی بیٹی، سے نکاح کر لیجیے۔'' آپ ﷺ نے معاً فرمایا: ''کیا تم یہ بات پسند کرو گی کہ تمھاری بہن تمھاری سوکن بنے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں! میں آپ کے نکاح میں تنہا نہیں ہوں۔ میں اپنے ساتھ ہر خیر میں شریک کرنے کے لیے اپنی بہن کو سب سے زیادہ محبوب رکھتی ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ میرے لیے حلال نہیں۔'' سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مزید کہا: ''اے اللہ کے رسول! لوگ کہتے ہیں کہ آپ ابوسلمہ کی بیٹی جو ام سلمہ ہی کے بطن سے ہے، سے نکاح کرنے والے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر وہ میری ربیبہ (بیوی کی بیٹی) اور میری پرورش میں نہ بھی ہوتی، تب بھی میرا اُس سے شادی کرنا جائز نہ ہوتا کیونکہ وہ میرے رضاعی بھائی کی بیٹی ہے۔ مجھے اور ابوسلمہ دونوں کو ثویبہ نے دودھ پلایا تھا۔ یہ بات یاد رکھو کہ تم مجھے اپنی بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کی پیش کش نہ کیا کرو۔'' [2]

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کے علاوہ ثویبہ نے نبی ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بھی دودھ پلایا

[1] صحيح مسلم:2454. [2] صحيح البخاري:5101.

تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دودھ پینے میں ثویبہ کا بیٹا مسروح بھی شریک تھا۔ [1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا حدیث کے بعد عروہ کا ایک قول بیان کیا ہے کہ ثویبہ ابولہب کی لونڈی تھی۔ ابولہب نے اُسے آزاد کر دیا تھا اور اس نے نبی ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔ ابولہب مر گیا تو اس کے کسی عزیز نے اُسے خواب میں بہت بری حالت میں دیکھا۔ پوچھا: ''کیا حال ہے، تم پر کیا گزری؟'' وہ کہنے لگا: ''میں جب سے تم سے جدا ہوا ہوں مجھے کبھی آرام نہیں ملا، ہاں! میں نے ثویبہ کو آزاد کرتے ہوئے اس (انگلی) سے جو اشارہ کیا تھا، اُس کی وجہ سے تھوڑا سا پانی پینے کو مل جاتا ہے۔'' [2] امام سہیلی نے لکھا ہے کہ ثویبہ نے ابولہب کو نبی اکرم ﷺ کی پیدائش کی خوش خبری دی تو ابولہب نے اسے اُسی وقت آزاد کر دیا۔ [3] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابولہب نے ثویبہ کو فوراً نہیں بلکہ کچھ عرصہ بعد آزاد کیا تھا۔ [4]

عیسائیوں کی عید ''کرسمس'' کی پیروی میں بعض لوگوں نے عروہ (تابعی) کے اس قول سے متاخرین کی ایجاد کردہ رسم ''عید میلاد النبی'' کا جواز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے جو بالکل غلط اور مضحکہ خیز ہے۔ کیا کوئی مسلمان رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمن ابولہب کے ایسے عمل سے استدلال کے بارے میں سوچ بھی سکتا ہے جسے خود رسول اللہ ﷺ، آپ کے چچا حضرت عباس یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما یا کسی بھی صحابی، تابعی، مجتہد یا محدث نے ہیچ اور ناقابل توجہ سمجھا ہو۔ حضرت عروہ نے خواب دیکھنے والے شخص کا نام نہیں بتایا، تاہم امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بخاری کے علاوہ دیگر روایات میں بتایا گیا ہے کہ یہ خواب عباس رضی اللہ عنہ نے ابولہب کی وفات کے ایک سال بعد دیکھا تھا۔ [5]

اگر رسول اللہ ﷺ نے خود اس بات کی خبر دی ہوتی، تب بھی اسے زیادہ سے زیادہ جناب ابوطالب پر تخفیف عذاب کی طرح رسول اللہ ﷺ کے ایک اور ایمان نہ لانے والے چچا کی خصوصیت کہہ دیا جاتا۔ یہاں حالت یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے نے صرف ابولہب کو دیکھا اور اسی کی زبانی یہ خبر سن لی جبکہ فقہاء اور محدثین کا کہنا یہ ہے کہ چاہے کوئی خود رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھے اور ان سے کوئی بات سنے تو اسے بھی کسی معاملے کا جواز یا عدم جواز اور کسی شرعی مسئلے کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ امام محمد ابن الحاج فاسی رحمہ اللہ اپنی کتاب المدخل (304-302/4) میں فرماتے ہیں: ''اس فتنے سے بچنا چاہیے جس میں آج کل بعض لوگ مبتلا ہیں۔ کوئی شخص اپنے خیال میں نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھتا ہے، آپ ﷺ اُسے کسی بات کا حکم دیتے ہیں یا کسی بات سے منع کرتے ہیں، وہ بیدار ہو کر بے دھڑک

[1] الطبقات لابن سعد:108/1، الروض الأنف:285/1، زاد المعاد:83,82/1. [2] صحيح البخاري، بعد الحديث:5101.
[3] الروض الأنف:99/3. [4] فتح الباري: 181/9. [5] الروض الأنف:98/3.

اپنے خواب پر عمل کرنا شروع کر دیتا ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ یہ بات قرآن وسنت اور اسلاف کے فہم کے مطابق ہے یا نہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النسآء 59:4)

''اگر تمھارے مابین کسی معاملے پر کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اُس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔''

اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی کتاب سے رجوع کرو اور رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں آپ کی ذات بابرکات اور وفات کے بعد آپ کی سنت کی طرف رجوع کرو۔ ائمۂ تفسیر اس سے یہی مراد لیتے ہیں۔[1]

ابوولید محمد بن احمد بن رشد قرطبی رحمہ اللہ سے ایک حاکم کے بارے میں پوچھا گیا کہ اس حاکم کے سامنے دو عادل آدمیوں نے کسی معاملے میں گواہی دی، پھر حاکم سو گیا، اُس نے خواب میں نبیِ کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں: ''ان کی گواہی قبول نہ کرنا، یہ گواہی باطل ہے۔'' ابن رشد رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''اُس حاکم کا فرض یہ ہے کہ وہ عادل لوگوں کی گواہی قبول کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یہ خواب کے ذریعے سے شریعت کے احکام کو باطل کرنے والی بات ہوگی کیونکہ یہ اندازِ فکر یکسر غلط اور گمراہ کن ہے۔ خواب کے ذریعے سے صرف انبیاء علیہم السلام ہی کو علم حاصل ہو سکتا ہے کیونکہ اُن کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔''[2]

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ اس امر پر فقہاء اور محدثین کا اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ ان کے سوا کسی اور انسان کے کسی بھی قسم کے خواب سے کوئی شرعی مسئلہ اور کسی کام کا جواز یا عدم جواز اخذ نہیں کیا جا سکتا۔

ام فروہ

ام فروہ رضی اللہ عنہا بھی رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماؤں کی فہرست میں شامل کی گئی ہیں۔ شیعی مؤرخ جعفر بن محمد مستغفری نے لکھا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ کی دایہ ام فروہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ تاکید فرمائی:

«إِذَا أَوَيْتِ إِلٰى فِرَاشِكِ فَاقْرَئِي ﴿قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○﴾ فَإِنَّهَا بَرَاءَةٌ مِّنَ الشِّرْكِ»

''جب تم بستر پر لیٹو تو سورۂ ﴿قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○﴾ پڑھو۔ یہ شرک سے بیزاری ہے۔''[3]

لیکن یہ روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، چہ جائیکہ اس سے ام فروہ رضی اللہ عنہا کا رضاعی ماں ہونا ثابت کیا جائے۔

[1] رسائل في حكم الاحتفال بالمولد النبوي: 542/2. [2] رسائل في حكم الاحتفال بالمولد النبوي: 546/2، الاعتصام للشاطبي: 335/1. [3] أسد الغابة: 480/5، الإصابة: 451/8.

ابوموسیٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے راوی کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے فروہ بیان کیا ہے، بعض نے ابوفروہ اور بعض نے نوفل۔ ام فروہ والا قول سب سے غریب ہے بلکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے صریحاً غلط قرار دیا ہے اور انھیں صحابیہ شمار نہیں کیا۔[1]

یہ روایت بیان کرنے والوں میں امام ابوداود، ترمذی، نسائی، حاکم، ابن حبان اور دارمی رحمہم اللہ وغیرہ شامل ہیں۔ ان حضرات نے یہ روایت اپنی اپنی کتاب میں نقل کی ہے لیکن ان کے ہاں ظِئر (دودھ پلانے والی دایہ) کا لفظ نہیں۔[2] ظِئر کا لفظ صرف جعفر مستغفری بیان کرتے ہیں۔ مستغفری کے بارے میں محدثین کہتے ہیں کہ ہر چند یہ خود صدوق تھے لیکن اُنھیں حدیث کی کما حقہ پہچان نہ تھی، موضوعات بھی روایت کر دیا کرتے تھے۔[3] اس لیے صرف مستغفری پر اعتماد کرتے ہوئے ام فروہ کو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماؤں میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔

بعض سیرت نگاروں نے نبی کریم ﷺ کی رضاعی ماؤں میں اُم بردہ خولہ بنت منذر انصاریہ نجاریہ کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ بات ٹھیک نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی رضاعی ماں تھیں۔[4]

ان کے علاوہ بنی سُلَیم کی تین عورتوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ انھوں نے بھی نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا۔[5] لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

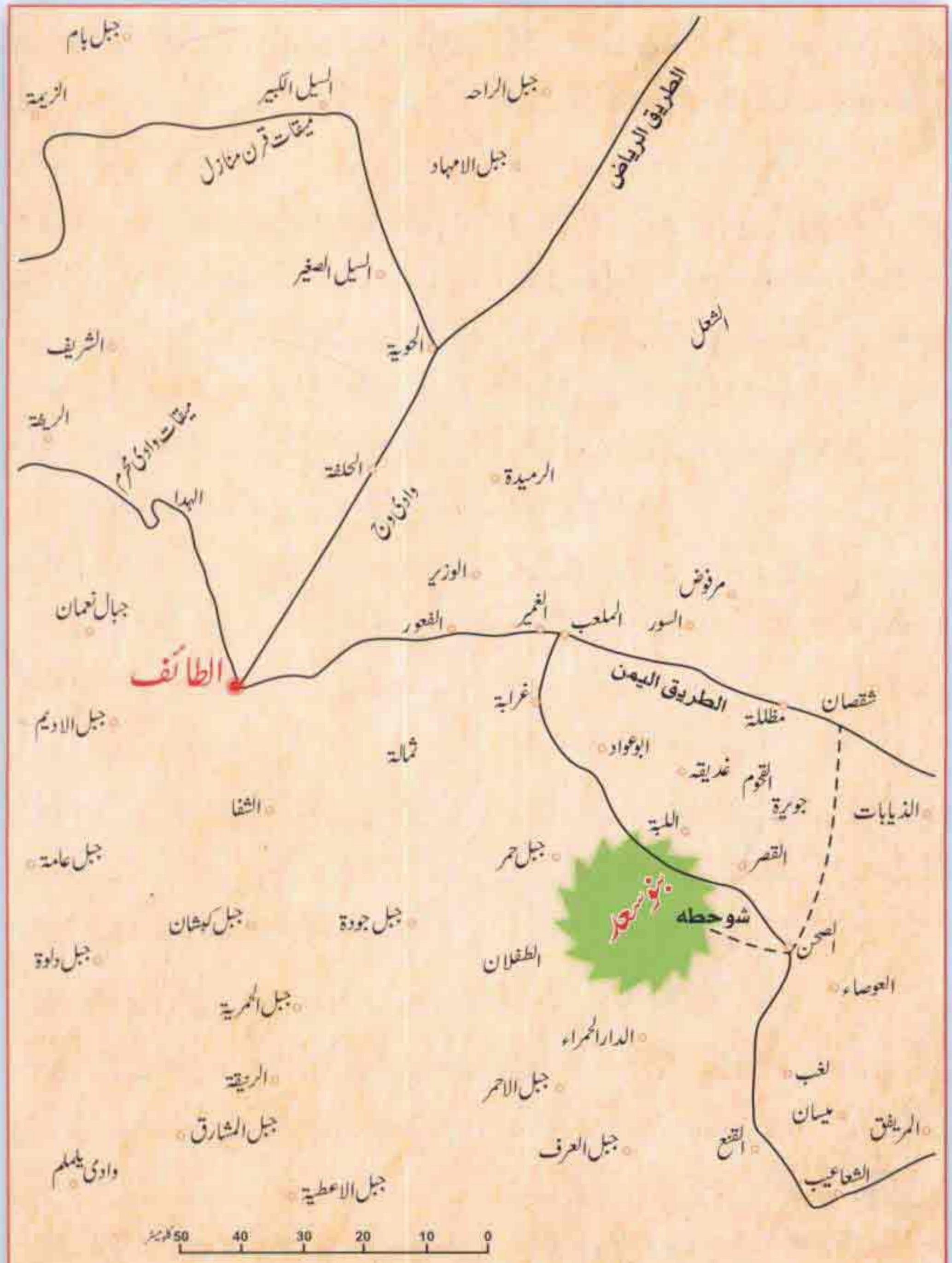
حلیمہ سعدیہ

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں کہ بنوسعد بن بکر بن ہوازن کی خاتون حلیمہ بنت ابی ذُؤَیب نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ ابوذُؤَیب کا نام عبداللہ بن حارث بن شِجْنة ہے۔[6] ان کا تعلق قیس عیلان قبیلے سے ہے۔ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا اور بنوہوازن کا علاقہ طائف کے مضافات میں تھا۔[7]

حلیمہ رضی اللہ عنہا کی دلنشین باتیں

ابن اسحاق نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس رضاعت کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے: حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اپنے شوہر حارث بن عبدالعزیٰ کے ساتھ اپنا ایک دودھ پیتا بچہ لے کر بنوسعد کی عورتوں کے قافلے میں

[1] الإصابة: 452,451/8. [2] سنن أبي داود: 5055، جامع الترمذي: 3403، السنن الكبرٰى للنسائي: 200/6، المستدرك للحاكم: 538/2، صحيح ابن حبان (الإحسان): 82,81/2، سنن الدارمي: 309/2. [3] تذكرة الحفاظ: 200/3، سير أعلام النبلاء: 565,564/17. [4] الإصابة: 120/8، دلائل النبوة للبيهقي (حاشية): 131/1، سبل الهدٰى والرشاد: 378,377/1. [5] دلائل النبوة للبيهقي (حاشية): 131/1، سبل الهدٰى والرشاد: 378/1. [6] السيرة لابن إسحاق: 100/1، الإصابة: 87/8. [7] السيرة النبوية للمهدي، ص: 114.



حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے قبیلے بنوسعد کا علاقہ



حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے علاقہ بنو سعد کا منظر

شامل ہوئی۔ پھر اپنی بستی سے باہر دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں نکلی۔ یہ قحط سالی کے دن تھے۔ قحط نے کچھ باقی نہ چھوڑا تھا۔ میں اپنی ایک سفید گدھی پر سوار تھی۔ ہمارے ساتھ ہماری ایک اونٹنی بھی تھی لیکن واللہ! وہ دودھ کی ایک بُوند بھی نہیں دیتی تھی۔ ادھر بچہ بھوک سے اس قدر بلکتا تھا کہ اس کی وجہ سے ہم رات کو سو بھی نہیں سکتے تھے۔ میری چھاتی سے دُودھ اُترتا تھا نہ اونٹنی دودھ دیتی تھی۔ بس ہم بارش اور خوشحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ میں اپنی گدھی پر سوار ہو کر چلی تو وہ کمزوری اور دُبلے پن کے سبب اتنی سست رفتار تھی کہ اس سے سارا قافلہ تنگ آ گیا۔ خیر ہم کسی نہ کسی طرح دودھ پینے والے بچوں کی تلاش میں مکہ پہنچ گئے، پھر ہم میں سے ہر عورت کو محمد (ﷺ) کو گود لینے کی پیش کش ہوئی مگر جب اسے بتایا جاتا کہ آپ ﷺ یتیم ہیں تو وہ آپ کو لینے سے انکار کر دیتی تھی کیونکہ ہم تو بچے کے والد ہی سے انعام و اکرام کی اُمید رکھتے تھے۔ ہم نے سوچا کہ یہ بچہ تو یتیم ہے، بھلا اس کی بیوہ ماں اور اس کے دادا کیا دے سکتے ہیں؟ بس اسی وجہ سے ہم آپ ﷺ کو نہیں لینا چاہتے تھے۔

ادھر جتنی عورتیں میرے ساتھ آئی تھیں اُن سب کو کوئی نہ کوئی بچہ مل گیا، بس اکیلی میں ہی تھی جسے کوئی بچہ نہ مل سکا۔ واپسی کا وقت آیا تو میں نے اپنے شوہر سے کہا: ’’اللہ کی قسم! مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میرے ساتھ آنے والی عورتیں تو بچے لے کر جائیں اور میں کوئی بچہ لیے بغیر ہی خالی گود واپس چلی جاؤں، اس لیے میں تو اب اسی یتیم بچے کو لے چلتی ہوں۔‘‘ شوہر نے کہا: ’’ہاں ہاں! اس میں کوئی حرج نہیں۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسی میں ہمارے لیے برکت ڈال دے۔‘‘ اس کے بعد میں نے محمد ﷺ کو لے لیا اور اس بنا پر لے لیا کہ ہمیں کوئی اور بچہ مل ہی نہ سکا تھا۔

جب میں اس بچے کو لے کر مکہ کے قریب اپنے ٹھکانے پر واپس آئی اور اسے اپنی آغوش میں لے کر بیٹھی تو میری چھاتی سے دفعتاً دُودھ چھلک پڑا۔ اس بچے نے خوب پیٹ بھر کر دودھ پیا اور اس کے ساتھ اس کے (رضاعی) بھائی، یعنی میرے حقیقی بیٹے نے بھی جی بھر کر دودھ پیا، پھر دونوں سو گئے۔ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ ہم اپنے بچے کے ساتھ سو بھی نہیں سکتے تھے۔ ادھر میرے شوہر اونٹنی دوہنے گئے تو دیکھا کہ اس کے تھن دودھ سے لبریز ہیں، انھوں نے اتنا دودھ دوہا کہ ہم دونوں نے خوب جی بھر کر پیا۔ پھر بڑے آرام سے رات گزاری۔ صبح ہوئی تو میرے شوہر نے کہا: ''حلیمہ! اللہ کی قسم! تم نے بڑی بابرکت روح حاصل کی ہے۔'' میں نے کہا: ''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔''

اس کے بعد ہمارا قافلہ روانہ ہوا۔ میں نے اس بچے کو گود میں لیا اور اپنی خستہ حال مریل گدھی پر بیٹھ گئی۔ اللہ کی قسم! وہی مریل گدھی جس کی ٹانگیں کانپتی تھیں، اب پورے قافلے کا راستہ کاٹ کر اس برق رفتاری سے آگے نکل گئی کہ قافلے کا کوئی گدھا اس کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔ میری سہیلیاں حیران ہو کر مجھ سے کہنے لگیں: ''اے ابوذؤیب کی بیٹی! یہ کیا؟ ذرا ہم پر مہربانی کر، بتا کیا یہ تیری وہی گدھی نہیں جس پر تو سوار ہو کر آئی تھی؟'' میں نے جواب دیا: ''ہاں ہاں! واللہ! یہ وہی ہے۔'' وہ کہنے لگیں: ''ہو نہ ہو اس کے ساتھ ضرور کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔'' پھر ہم بنوسعد پہنچے اور اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔

روئے زمین کا شاید ہی کوئی خطہ ایسا ہو جو ہمارے علاقے سے زیادہ قحط زدہ ہو۔ لیکن ہمارے واپس آنے کے بعد اچانک حالت ہی بدل گئی۔ اب میری بکریاں چرنے جاتیں تو خوب سیر ہو کر دودھ سے لبریز واپس آتیں۔ ہم ان کا دودھ دوہتے اور پیتے جبکہ ہماری بستی میں کسی اور شخص کو دودھ کا ایک قطرہ بھی نصیب نہ ہوتا۔ ان کے جانوروں کے تھنوں میں سرے سے دودھ ہوتا ہی نہ تھا۔ ہماری قوم کے لوگ اپنے چرواہوں سے کہتے تھے: ''ارے کم بختو! جانور وہیں چرانے جایا کرو جہاں ابوذؤیب کی بیٹی کا چرواہا جاتا ہے۔'' لیکن پھر بھی ان کی بکریاں بھوکی سوکھی ہی واپس آتیں۔ ان کے تھنوں میں دودھ کا نام و نشان بھی نہ ہوتا جبکہ میری بکریاں خوب سیر اور دودھ سے لبریز ہو کر واپس آتی تھیں۔

اس طرح ہم اللہ کی طرف سے مسلسل ہونے والی خیر و برکت کا مشاہدہ کرتے رہے یہاں تک کہ اس بچے کے دو سال پورے ہو گئے۔ میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا۔ یہ بچہ دوسرے بچوں کے مقابلے میں اس طرح بڑھ رہا تھا کہ دو سال پورے ہوتے ہی وہ خوب توانا، تندرست اور مضبوط ہو چکا تھا۔ اس کے بعد ہم اس بچے کو اس کی ماں کے

پاس لے گئے۔ لیکن اس کی جو برکت ہم لگاتار دیکھتے چلے آئے تھے، اس کی وجہ سے ہماری طلب اور تڑپ یہ تھی کہ یہ بچہ ہمارے پاس ہی رہے، چنانچہ ہم نے اس کی ماں سے درخواست کی: ''آپ اپنے نونہال کو میرے پاس ہی رہنے دیجیے تاکہ یہ مزید تنومند ہو جائے؟ مجھے اس کی بڑی فکر ہے۔ مکہ کی آب و ہوا اس کے لیے مُضر ہے۔'' غرض ہمارے مسلسل اصرار پر انھوں نے یہ بابرکت بچہ ہمیں واپس دے دیا۔[1] اس دوران میں حلیمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کو ہر چھٹے مہینے آپ کی والدہ ماجدہ اور دیگر عزیز و اقارب سے ملانے کے لیے لاتی تھیں۔[2]

حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے دودھ پلانے اور اُن کے ہاں رہنے کا مفصل واقعہ صرف ابن اسحاق رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے جسے ابن کثیر رحمہ اللہ نے سیرت نگاروں اور مؤرخین کے ہاں مشہور اور متداول احادیث میں شمار کیا ہے۔[3] تاہم سیرت ابن ہشام کے محققین اور شیخ محمد ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے اس واقعے کی سند کو جہم کے مجہول ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے۔[4] جہم کو صرف ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے۔[5] اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس واقعے کے لیے بہت سے شواہد اور قرائن ہیں جو اس کی صحت پر دلالت کرتے ہیں، جیسے صحیح مسلم کی روایت ہے کہ جب شق صدر کا واقعہ رُونما ہوا، اُس وقت آپ اپنی رضاعی ماں کے ہاں قیام پذیر تھے۔[6]


جعرانہ کا علاقہ

اسی طرح امام احمد اور ابن اسحاق رحمہما اللہ کی ایک روایت ہے: جب نبی ﷺ غزوۂ حنین سے واپسی پر جِعِرَّانَہ نامی مقام پر ٹھہرے ہوئے تھے، اس وقت بنوہوازن کے وفد نے آپ ﷺ سے استدعا کی تھی: ''حضور! ان قیدیوں میں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور خادمائیں بھی ہیں جو آپ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔''[7]

اس روایت میں یہ صراحت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنوہوازن کے ہاں دودھ پیا تھا۔ حلیمہ بنت ابی ذؤیب کی قوم بنوسعد بھی بنوہوازن میں سے تھی۔ ابن سعد نے ابن قبطیہ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ بنوسعد بن بکر

[1] السيرة لابن إسحاق :1/100-102، السيرة لابن هشام :1/162-164، البداية والنهاية:2/254، 255. اس روایت کی سند میں جہم بن ابوجہم مجہول راوی ہے۔ [2] رحمة للعالمين :1/48. [3] السيرة النبوية لابن كثير، ص :40. [4] دفاع عن الحديث النبوي والسيرة للألباني، ص :38-40، السيرة لابن هشام (محقق) :1/211-214. [5] كتاب الثقات لابن حبان : 4/113. [6] صحيح مسلم :(261)-162. [7] مسند أحمد :2/218، السيرة لابن هشام : 4/131، واللفظ له.

کے ہاں دودھ پیتے رہے۔ [1] ابن سعد ہی کی ایک دوسری روایت میں ہے: نبی کریم ﷺ کی والدہ محترمہ نے آپ کو بنوسعد کی ایک خاتون حلیمہ بنت ابی ذؤیب کے سپرد کیا تھا جس نے آپ کو دودھ پلایا۔ [2]

ان روایات کے علاوہ ایسی روایات بھی موجود ہیں جو بتاتی ہیں کہ آپ کے رضاعی ماں باپ بھی آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے اپنی رضاعی بہن شیماء کو پہچان لیا تھا جو غزوۂ حنین کے قیدیوں کی سفارش کے لیے آئی تھی (ان روایات کا تفصیلی ذکر اپنے محل پر آگے آئے گا۔) ان مضبوط شواہد کی وجہ سے تمام مؤرخین اور سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ سیدہ حلیمہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں تھیں اور آپ ﷺ نے ابتدائی عمر میں انھی کے ہاں پرورش پائی۔

رسول اللہ ﷺ کی رضاعت کا یہ دور جو بنوسعد کے ہاں گزرا، انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں بے شمار حکمتیں تھیں۔ اس دور کے نہ صرف آپ ﷺ کی مبارک زندگی پر بہت اچھے اثرات مرتب ہوئے بلکہ یہ بنوسعد، خصوصاً حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاندان کے لیے لازوال برکتوں اور رحمتوں کا سبب بن گیا۔

(ل) جسمانی صحت، طہارتِ قلب اور عقل و شعور پر دیہی ماحول کا اثر

الشیخ محمد الغزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ دیہی ماحول میں بچوں کی پرورش کے بے شمار فائدے ہیں۔ اس سے ان کی فطری صلاحیتیں نشوونما پاتی ہیں۔ وہ فطرت کی آغوش میں پروان چڑھتے ہیں۔ شفاف آب وہوا اور کھلی فضا سے مستفید ہوتے ہیں۔ اعضاء مضبوط اور بھرپور ہوتے ہیں، نت نئے احساسات جنم لیتے ہیں اور افکار ونظریات میں حریت پیدا ہوتی ہے۔

یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمارے بچے کئی کئی منزلہ عمارتوں کے تنگ و تاریک فلیٹوں میں رہتے ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے انھیں کسی ڈبے میں بند کر کے تازہ ہوا میں سانس لینے کے حق سے بھی محروم کر دیا گیا ہے۔ جدید سہولتوں سے آراستہ شہری زندگی اپنے غیر فطری اسلوب کی بنا پر اپنے باسیوں خصوصاً معصوم بچوں کے لیے اعصابی تناؤ، بدہضمی اور دیگر کئی طرح کی بیماریوں کا باعث بن رہی ہے۔ ان بیماریوں کا بنیادی سبب فطری ماحول سے دوری اور نئی تہذیب کی نمائشی بودوباش ہے۔

اہل مکہ کی یہ خواہش قابل قدر تھی کہ ان کے بچے دیہی ماحول میں پرورش پائیں اور ان کی ابتدائی تربیت آزاد فضا میں ہو۔ اکثر ماہرین نفسیات (Psychologists) زور دیتے ہیں کہ بچے کی پرورش کے لیے فطری ماحول ہی مہیا ہونا چاہیے تاکہ اس کا شعور اس کائنات کی حقیقتوں سے ہم آہنگ ہو۔ لیکن یوں لگتا ہے کہ اب اس خواب کی تعبیر بہت مشکل ہے۔ [3]

---

[1] الطبقات لابن سعد: 113/1. [2] الطبقات لابن سعد: 111,110/1. [3] فقه السيرة للغزالي، ص: 66,65.

(ب) فصاحت و بلاغت

رسول اللہ ﷺ میں فصاحت و بلاغت کی شان فطری طور پر موجود تھی۔ بنو سعد میں پرورش پانے کی وجہ سے اس صلاحیت کو چار چاند لگ گئے جو آپ کی آنے والی زندگی کے لیے ایک ضروری عنصر تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے واقعے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک نبی کو دعوت دینے کے لیے فصاحت و بلاغت کی کس قدر ضرورت تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پر اعتراض کرتے ہوئے فرعون نے کہا تھا:

﴿ اَمْ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ مَهِیْنٌ ۙ۬ وَّلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ۝﴾

''بلکہ میں تو اس (موسیٰ) سے کہیں بہتر ہوں جو حقیر ہے اور صاف بول بھی نہیں سکتا۔''[1]

فرعون کا سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو ﴿ مَهِیْنٌ ﴾ ''حقیر'' کہنا سفید جھوٹ تھا کیونکہ تخلیق، اخلاق اور دین کے اعتبار سے مہین اور حقیر تو وہ خود تھا جبکہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام شریف، صادق، عظیم، نیکوکار اور ہدایت یافتہ تھے۔ اسی طرح اس کا ﴿ وَلَا یَكَادُ یُبِیْنُ ﴾ ''اور وہ صاف بول نہیں سکتا۔'' کہنا بھی افترا پردازی ہے، اگرچہ بچپن میں زبان پر آگ کا انگارا لگنے کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت پیدا ہوگئی تھی مگر انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ ان کی زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ ان کی بات کو سمجھ سکیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعا کو بھی قبول فرما لیا تھا۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ ان کی زبان میں کچھ لکنت باقی رہ گئی تھی تو تخلیقی اشیاء، جو آدمی کا اپنا فعل نہیں، کی بنیاد پر کوئی الزام دیا جا سکتا ہے نہ کوئی مذمت کی جا سکتی ہے۔[2]

موسیٰ علیہ السلام نے اسی بات کا اظہار کیا تھا جسے قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْٓ ۫ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝﴾

''اور میرا بھائی ہارون زبان کے لحاظ سے مجھ سے زیادہ فصیح ہے، لہٰذا تو اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج دے تاکہ وہ میری تصدیق کرے۔ یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔''[3]

موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے بنیادی طور پر یہی دو درخواستیں کیں:

1. اے اللہ! مجھے شرح صدر کے ساتھ طلاقتِ لسانی اور فصاحت و بلاغت عطا کر کے میرا کام آسان کر دے۔
2. اے اللہ! میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر اور مددگار بنا دے۔

موسیٰ علیہ السلام کی دونوں درخواستیں قرآن مجید ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

[1] الزخرف 52:43۔ [2] تفسیر ابن کثیر، الزخرف 52:43۔ [3] القصص 34:28۔

﴿قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ۝ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ۝ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن لِّسَانِي ۝ يَفْقَهُوا قَوْلِي ۝ وَاجْعَل لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي ۝ هَارُونَ أَخِي ۝ اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ۝ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ۝ كَيْ نُسَبِّحَكَ كَثِيرًا ۝ وَنَذْكُرَكَ كَثِيرًا ۝ إِنَّكَ كُنتَ بِنَا بَصِيرًا ۝ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَىٰ ۝﴾

''موسیٰ نے کہا: اے میرے رب! میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور میرے لیے میرا کام آسان کردے۔ اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ (تاکہ) وہ میری بات سمجھ سکیں۔ اور میرے لیے میرے کنبے میں سے ایک وزیر بنادے۔ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو۔ اس کے ساتھ میری کمر مضبوط کردے۔ اور اسے میرے کام (نبوت) میں شریک کردے۔ تاکہ ہم بکثرت تیری تسبیح کریں۔ اور بکثرت تجھے یاد کریں۔ بے شک تو ہمیں خوب دیکھتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ! جو کچھ تو نے مانگا، تجھے دے دیا گیا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا نصب العین قیامت تک کی پوری انسانیت کے لیے تھا۔ جتنا یہ مشن عظیم الشان تھا، اسی حساب سے آپ کو فصاحت و بلاغت عطا کی گئی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ»

''مجھے جامع کلام دے کر بھیجا گیا ہے۔''[2]

یعنی آپ ﷺ کو ایسا حُسنِ کلام عطا کیا گیا جس کے الفاظ بہت محدود مگر معانی نہایت وسیع اور عظیم الشان ہیں۔ آپ کی خوش کلامی کی شان یہ تھی کہ لسانِ مبارک سے نکلا ہوا ہر جملہ نپا تُلا، ایمان پرور اور بصیرت افروز ہوتا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے نبی! میں نے آپ سے بڑا فصیح کوئی نہیں دیکھا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَا يَمْنَعُنِي، وَأَنَا مِنْ قُرَيْشٍ وَأُرْضِعْتُ فِي بَنِي سَعْدٍ»

[1] طٰهٰ 20:25-36. [2] صحيح البخاري: 2977.



بنو سعد کا علاقہ جہاں کے قدرتی ماحول میں آپ ﷺ نے پرورش پائی

''میں ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ میں خود قریش سے ہوں اور میری رضاعت بنوسعد میں ہوئی ہے۔''[1]

اس ارشادِ گرامی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بنوسعد میں سیدہ حلیمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں بیتے ہوئے دن رسول اللہ ﷺ کے مبارک حافظے میں کس طرح جگمگاتے تھے اور آپ ان دنوں کا کہاں کہاں کس شگفتہ پیرائے میں تذکرہ فرماتے تھے۔ حق یہ ہے کہ سید الانبیاء کو دودھ پلانا حضرت حلیمہ پر اللہ تعالیٰ کا وہ نادر فضل و کرم ہے جس نے محترمہ حلیمہ کو ابدی عزت بخشی اور لازوال فضائل و برکات سے سرفراز کردیا۔

آیئے، ذرا حضرت حلیمہ پر اترنے والی برکتوں اور رحمتوں پر ایک نظر ڈالیں۔

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا پر برکات کا نزول

- حضرت حلیمہ سعدیہ پر طرح طرح کی برکات مختلف طریقوں سے ظاہر ہوئیں۔ ان کی چھاتی سے وافر دودھ اُترنا نبی ﷺ ہی کی برکت کا ایک مظہر تھا۔ آپ سے پہلے تو حلیمہ کا دودھ اتنا قلیل ہوتا تھا کہ خود ان کے اپنے بیٹے کے لیے بھی ناکافی تھا مگر اب دونوں بچوں کے لیے بڑی مقدار میں دودھ فراہم ہوگیا۔
- یہ بھی آپ ﷺ ہی کی برکت تھی کہ حلیمہ سعدیہ کے بیٹے کو اطمینان نصیب ہوا ورنہ پہلے تو وہ روتا ہی رہتا تھا، اپنی ماں کے لیے بے چینی اور پریشانی کا سبب بنتا تھا، انھیں سونے ہی نہیں دیتا تھا۔ اب اسے پیٹ بھر کے دودھ ملنے لگا تو وہ خود بھی آرام سے سونے لگا اور ماں کو بھی میٹھی نیند نصیب ہوئی۔
- آپ ﷺ کی برکت حلیمہ رضی اللہ عنہا کی کمزور اونٹنی اور بکریوں میں بھی ظاہر ہوئی۔ وہ پہلے دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں دیتی تھیں اور اب حیرت انگیز حد تک بکثرت دودھ دینے لگیں۔

خاندانِ حلیمہ کی عزت افزائی

یہ برکات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی تکریم کے بڑے روشن مظاہر ہیں۔ آپ ﷺ کو دودھ پلانے کی سعادت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے حلیمہ سعدیہ اور ان کے خاندان کی عزت افزائی فرمائی۔[2] اس میں حکمت یہ تھی کہ حلیمہ سعدیہ کے خاندان کے دل میں اس بے مثل بچے کی محبت پیدا ہو، اہلِ خاندان آپ ﷺ سے شفقت سے پیش آئیں، آپ کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داری بخوبی نبھائیں اور پوری توجہ سے آپ کی دیکھ بھال کریں، چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان لوگوں نے اپنی اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ پر اپنی محبت کا اثاثہ نچھاور کیا اور آپ ﷺ کو انتہائی محبت و شفقت کی گود میں پالا۔

[1] الروض الأنف :287/1. [2] فقه السيرة للبوطي، ص:72.

اللہ تعالیٰ کے برحق اور بابرکت فیصلے

بندے کے حق میں اللہ تعالیٰ ہی کا فیصلہ بہرحال بہتر اور بابرکت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ تھا کہ یہ منفرد یتیم بچہ حلیمہ سعدیہ کو ملے جبکہ انھوں نے کوئی اور بچہ نہ ملنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو بحالت مجبوری لیا تھا۔ حلیمہ اس بچے کی رضاعت کی برکت سے نہ صرف تاریخ کے اوراق میں زندۂ جاوید ہوگئیں بلکہ قحط سالی کے کٹھن دور میں وافر دودھ اور عمدہ خوراک سے بھی مستفید ہوتی رہیں۔ اس کے برعکس وہ خواتین جن کے مقابلے میں شروع شروع حلیمہ سعدیہ کو اپنی محرومی کا احساس ہوتا تھا، انھیں نہ صرف شدید قحط سالی کا سامنا کرنا پڑا بلکہ وہ آئینۂ تاریخ ہی سے اوجھل ہوگئیں۔

اس واقعے میں ہر مسلمان کے لیے یہ سبق جگمگا رہا ہے کہ ہمیں تقدیر اور اللہ کے فیصلوں پر پوری طرح مطمئن ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے مقدر میں جو چیز نہیں لکھی اور وہ ہمیں نہیں مل سکی، اس پر کسی غم اور احساس محرومی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔ [1] اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ○ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰي مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ○﴾

”جتنی مصیبتیں پہلی قوموں پر اور خود تم پر نازل ہوئیں وہ سب ہم نے (ایک منضبط قانون کی شکل میں) ایک کتاب میں لکھ رکھی ہیں اس سے پہلے کہ ہم انھیں پیدا کریں۔ بے شک ایسا کرنا اللہ کے لیے کوئی مشکل بات نہیں تھی۔ یہ اس لیے (بتا دیا) ہے کہ جو چیز تمھارے ہاتھ نہ لگے، اُس پر افسردہ دل نہ ہو جاؤ اور جو کچھ وہ تمھیں عطا فرمائے، اُس پر نہ اتراؤ۔ اور اللہ تعالیٰ کسی خود پسند فخر کرنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔“ [2]

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـــًٔا وَّھُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَـيْـــًٔا وَّھُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○﴾

”اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ [3]

[1] دیکھیے: السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 119,118. [2] الحديد 57:23,22. [3] البقرة 2:216.

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«...... وَ ارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰهُ لَكَ تَكُنْ أَغْنَى النَّاسِ ...... »

''......اور اللہ نے جو کچھ تیرے لیے تقسیم (مقدر) کر دیا ہے، اس پر راضی ہو جا تو سب لوگوں سے زیادہ دولت مند ہو جائے گا......۔''[1]

نبی ﷺ کے رضاعی عزیز و اقارب

رضاعی ماں کے خاوند، اولاد اور دیگر عزیز و اقارب کے ساتھ بھی حقیقی والد، بہن بھائیوں اور عزیز و اقارب جیسا معاملہ ہوتا ہے۔ جو رشتے ولادت کی وجہ سے حرمت والے ہیں، وہی رضاعت کی وجہ سے بھی حرمت والے قرار دیے گئے ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے رضاعی چچا (اَفْلَح) آئے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اُن سے کہا: ''جب تک میں رسول اللہ ﷺ سے نہ پوچھ لوں، آپ کو آنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' پھر آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے اُن کے بارے میں پوچھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ عَمُّكِ فَأْذَنِي لَهُ»

''بے شک وہ تمھارے (رضاعی) چچا ہیں، انھیں اجازت دے دو۔''

میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے تو ایک خاتون نے دودھ پلایا ہے، مرد نے تو نہیں پلایا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ»

''(بہرحال) وہ تمھارے چچا ہی ہیں، اس لیے وہ تمھارے پاس آ جائیں (اس میں کوئی ممانعت نہیں)۔''

یہ واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔[2]

رضاعت کے مسئلے میں ایک انتہائی اہم نکتہ یہ ہے کہ رضاعت متعدی نہیں ہوتی۔ ایک بچے کے دودھ پینے کا اثر اُس کے بہن بھائیوں اور دیگر عزیز و اقارب پر نہیں پڑتا، مثلاً: ایک بچے نے کسی خاتون کا دودھ پیا ہے، اُس کی اپنی رضاعی بہن سے شادی نہیں ہو سکتی۔ وہ اُس کے لیے حقیقی بہن کی طرح ہے۔ لیکن اس دودھ پینے والے بچے کے بھائی کی اس سے شادی ہو سکتی ہے۔[3]

[1] جامع الترمذي: 2305. [2] صحيح البخاري: 5239. [3] المغني لابن قدامة: 202/9.

نبی کریم ﷺ کا رضاعی باپ

حضرت حلیمہ کے خاوند رسول اللہ ﷺ کے رضاعی والد تھے۔ ان کا نام یہ ہے:

حَارِثُ بْنُ عَبْدِالْعُزّٰی بْنِ رِفَاعَةَ بْنِ مَلَّانَ بْنِ نَاصِرَةَ بْنِ فُصَيَّةَ بْنِ نَصْرِ بْنِ سَعْدِ بْنِ بَكْرِ ابْنِ هَوَازِنَ ۔ ابن ہشام کہتے ہیں: "بعض لوگ مَلَّان بن نَاصِرَہ کو هِلَال بن نَاصِرَہ کہتے ہیں۔" [1]

ابو کبشہ کون ہیں؟

مشرکین نبی کریم ﷺ کو ابن ابی کبشہ (ابو کبشہ کا بیٹا) بھی کہا کرتے تھے۔ جب ابوسفیان اور ہرقل کا مکالمہ ہوا تو ابوسفیان نے ہرقل کے دربار سے باہر نکلتے ہی یہ جملہ کہا:

لَقَدْ أَمِرَ أَمْرُ ابْنِ أَبِي كَبْشَةَ إِنَّهُ يَخَافُهُ مَلِكُ بَنِي الْأَصْفَرِ

"ابن ابی کبشہ (محمد ﷺ) کا معاملہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ اُن سے تو بنو اصفر (رومیوں) کا بادشاہ بھی خوف زدہ ہے۔" [2]

بنو اصفر روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) کی نسل سے ہیں۔ لوگ اسے زرد رنگ کی وجہ سے اصفر (گورا) کہتے تھے۔ [3]

قدیم سیرت نگاروں کا اس امر پر اختلاف ہے کہ ابو کبشہ سے مراد وہ کون صاحب ہیں جن کی طرف قریش رسول اللہ ﷺ کو اظہارِ عداوت کے لیے منسوب کرتے تھے۔ اس سلسلے میں سیرت نگاروں کی مختلف آراء ملاحظہ فرمائیے:

- ابو کبشہ آپ کے اجداد میں سے کسی فرد کی کنیت تھی۔ اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جب وہ کسی کی تنقیص کرنا چاہتے تھے تو کسی غیر معروف جد کی طرف نسبت کر دیتے تھے۔
- نبی ﷺ کے نانا کا نام وہب تھا اور وہب کے نانا کی کنیت ابو کبشہ تھی۔ لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ وہب کی والدہ کا نام عاتکہ بنت اوقص بن مرہ بن ہلال ہے اور علمائے نسب میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اوقص کی کنیت ابو کبشہ تھی۔
- عبدالمطلب کے نانا کی کنیت ابو کبشہ تھی۔ لیکن یہ بات بھی محل نظر ہے کیونکہ عبدالمطلب کی والدہ کا نام سلمٰی بنت عمرو بن زید خزرجی ہے۔ علمائے نسب میں سے کسی نے بھی یہ نہیں لکھا کہ عمرو بن زید کی کنیت ابو کبشہ تھی۔

[1] السيرة لابن هشام: 161/1. [2] صحيح البخاري: 7. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 511، فتح الباري: 56/1.

- اندلس کے معروف عالم اور کثیر کتب کے مؤلف ابن حبیب نے المجتبیٰ میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کے والد اور والدہ کے آباء و اجداد میں سے کئی افراد کی کنیت ابوکبشہ تھی۔
- امام ابن قتیبہ، سنن ابوداود کے شارح خطابی اور امام ابوالحسن علی دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ خزاعہ قبیلے کے ایک شخص وجز بن عامر بن غالب الخزاعی کی کنیت تھی۔ اس نے قریش کی مخالفت کی تھی۔ بت پرستی چھوڑ دی تھی اور شعریٰ ستارے کی پوجا شروع کر دی تھی۔ قریش محض مخالفت میں اشتراک کی بنا پر نبیِ کریم ﷺ کو اس کی طرف منسوب کر کے اپنے دل کی بھڑاس نکالا کرتے تھے۔ انساب اور اخبار عرب کے جید عالم زبیر بن بکار رحمہ اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔
- ابوالفتح ازدی اور صاحب الإکمال ابن ماکولا کہتے ہیں کہ ابوکبشہ نبی کریم ﷺ کے رضاعی والد حارث بن عبدالعزیٰ کی کنیت ہے۔ اسی نسبت سے آپ کو ابن ابی کبشہ کہا جاتا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حافظ الحدیث یونس بن بکیر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے حوالے سے روایت کی ہے کہ یہ اسلام لے آئے تھے، ان کی ایک بیٹی کا نام کبشہ تھا، اسی سے ان کی کنیت ابوکبشہ تھی۔ [1]

رضاعی ماں باپ کی تکریم

تمام صحابہ میں سب سے آخر میں وفات پانے والے ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو جِعِرّانہ کے مقام پر گوشت تقسیم کرتے دیکھا۔ میں ان دنوں نوخیز لڑکا تھا، اونٹ کی ہڈی اُٹھا سکتا تھا۔ اچانک ایک عورت آئی اور نبی ﷺ کے قریب پہنچ گئی۔ آپ نے اس کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی تو وہ اس پر بیٹھ گئی۔ میں نے پوچھا: ''یہ خاتون کون تھی؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی وہ ماں تھیں جنھوں نے آپ کو دودھ پلایا تھا۔ [2]

عمر بن سائب مصری رحمہ اللہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا: ''مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ ﷺ کے رضاعی والد آئے۔ آپ ﷺ نے اپنی چادر کا ایک حصہ ان کے لیے بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئے، پھر آپ ﷺ کی رضاعی والدہ آئیں۔ آپ ﷺ نے چادر کا دوسرا حصہ ان کے لیے بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گئیں، پھر آپ ﷺ کے رضاعی بھائی آئے تو رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور انھیں اپنے سامنے بٹھالیا۔'' [3]

[1] فتح الباري :56,55/1. [2] [ضعيف] سنن أبي داود :5144. [3] [ضعيف] سنن أبي داود :5145، السلسلة الضعيفة : 1120.

پہلی روایت کے راوی عمارہ بن ثوبان اور جعفر بن یحییٰ بن عمارہ مستور ہیں۔ اور دوسری حدیث کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اشارہ کیا کہ وہ مرسل ہے [1] تاہم رضاعی والدین اور بہن بھائیوں کا احترام اسی طرح کرنا چاہیے جس کا نمونہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے دکھایا۔ رضاعی عزیز و اقارب کے ساتھ صلہ رحمی کرنا شرعی واجبات میں سے ہے۔

ابن جوزی رحمہ اللہ الحدائق میں لکھتے ہیں: ”حلیمہ سعدیہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کی والدہ کے سپرد کرنے کے بعد دو مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ وہ پہلی مرتبہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کی شادی کے بعد آئی تھیں۔ اُس وقت اُن کے علاقے میں شدید قحط پڑا ہوا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان کی مدد کے لیے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو اُنھوں نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو ایک اونٹ اور چالیس بکریاں عنایت فرمائیں۔ دوسری مرتبہ وہ نبوت کے بعد تشریف لائیں۔ اس موقع پر انھوں نے اسلام قبول کیا اور آپ ﷺ سے بیعت کی۔ اُن کے خاوند حارث نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔“ [2]

رضاعی بہن بھائی سے رسول اللہ ﷺ کا مثالی سلوک

حارث کے بیٹے اور بیٹیاں رضاعت کے ناتے رسول اللہ ﷺ کے بہن بھائی تھے۔ ان کے نام یہ تھے: عبداللہ، اُنیسہ، حذافہ (جدامہ یا خذامہ) انھی کا لقب شَیماء تھا اور وہ اسی نام سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گود میں کھلایا کرتی تھیں۔ [3]

قتادہ کی روایت میں آپ کی رضاعی بہن شیماء بنت حارث کا نام لیا گیا ہے۔ وہ حنین کے قیدیوں میں شامل تھیں۔ جب انھیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا اور انھوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ میں آپ کی بہن شیماء بنت حارث ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر یہ بات ہے تو اپنی بات کے ثبوت میں کوئی نشانی بتائیے۔“ شیماء نے معاً اپنے بازو سے کپڑا ہٹایا اور کہا: اللہ کے رسول! آپ کے بچپن کے دن تھے، میں نے آپ کو اپنے بازوؤں میں اُٹھا رکھا تھا، اُس وقت آپ نے اچانک اس جگہ کاٹ لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ یہ نشانی دیکھ کر انھیں فوراً پہچان گئے، پھر آپ نے ان کی بڑی عزت افزائی فرمائی۔ اپنی چادر مبارک بچھائی۔ انھیں احترام سے بٹھایا، پھر ارشاد فرمایا: ”مانگو، تمھیں عطا کیا جائے گا۔ کسی کی سفارش کرنا چاہو تو کرو، تمھاری سفارش قبول کی جائے گی۔“ [4]
اس روایت کی سند کمزور ہے کیونکہ قتادہ نے اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ وہ یہ واقعہ کس سے بیان کرتے ہیں۔

[1] البداية والنهاية: 363/4. [2] سبل الهدى والرشاد: 383/1. [3] السيرة لابن هشام: 161/1، مختصر سنن أبي داود للمنذري: 40,39/8، الإصابة: 205/8. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 200,199/5.

ان کے علاوہ وہ حضرات بھی آپ ﷺ کے رضاعی بھائی ہیں جنھوں نے ثویبہ کا دودھ پیا۔ ان میں ابوسلمہ، [1] آپ کے چچا حمزہ، عبداللہ بن جحش اور ثویبہ کا بیٹا مسروح شامل ہیں۔ [2]

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سے رضاعی رشتہ

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی بھی باقاعدہ رضاعت رسول اللہ ﷺ ہی کی طرح بنوسعد میں ہوئی۔ ایک دن بنوسعد کی اس خاتون نے بھی جو حمزہ رضی اللہ عنہ کی رضاعی والدہ تھیں، رسولِ اکرم ﷺ کو دودھ پلایا۔ اس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سے آپ کا رضاعی رشتہ قائم ہو گیا۔ ایک طرف سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے چچا بھی تھے اور دوسری طرف وہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے اور یہ رضاعت بھی دوہری تھی۔ ایک اس مذکورہ سعدیہ خاتون کے واسطے سے اور دوسرا ثویبہ کی طرف سے دودھ پلانے کے ناتے سے۔ رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی حلیمہ سعدیہ کے واسطے سے آپ کے رضاعی بھائی تھے۔ دورِ نبوت کی ابتدا میں وہ رسول اللہ ﷺ سے شدید عداوت رکھتے تھے۔ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے اور جلیل القدر صحابی ثابت ہوئے۔ [3]

رضاعی والدین کا قبولِ اسلام

حافظ منذری ''مختصر سنن ابی داود'' میں بیان کرتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں حلیمہ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور انھوں نے آپ سے احادیث بھی بیان کیں۔ [4] حافظ ابن عبدالبر، ابن اثیر، ابن جوزی اور ابن حجر رحمہ اللہ جیسے حفاظ حدیث اور ماہرین جرح و تعدیل نے حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو صحابیات میں شمار کیا ہے۔ [5]

رسول اللہ ﷺ کے رضاعی باپ حارث بن عبدالعزّٰی رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اُنھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ یونس بن بکیر نے ابن اسحاق سے روایت کیا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد ایک مرتبہ آپ ﷺ کے رضاعی والد مکہ آئے۔ قریش اُن سے کہنے لگے: ''اے حارث! کیا تم نے سنا کہ تمھارا بیٹا کیا کہتا ہے؟ اُس کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا، پھر نیک لوگوں کو اُن کے اعمال کی جزا میں جنت اور برے لوگوں کو اُن کے اعمال کی سزا میں جہنم میں بھیج دیا جائے گا۔ اُس نے ہماری

---

[1] صحيح البخاري: 5101. [2] الروض الأنف: 285/1، زاد المعاد: 83,82/1. [3] زاد المعاد: 83/1. [4] مختصر سنن أبي داود للمنذري: 40,39/8. [5] الاستيعاب، ص: 872، أسد الغابة: 252,251/5، صفة الصفوة: 62,61/1، الإصابة: 88,87/8.

صفوں میں اختلاف کا بیج بودیا ہے اور ہمارے اتحاد کو پارہ پارہ کردیا ہے۔“

حارث نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور کہنے لگے: ”اے میرے بیٹے! قوم تمھارے بارے میں یہ کیسی شکایتیں کررہی ہے؟ لوگ کہتے ہیں: تمھارا دعویٰ یہ ہے کہ انسان موت کے بعد دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔ نیک لوگوں کو جنت اور برے لوگوں کو جہنم میں بھیجا جائے گا۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جی ہاں، میرا یہی ایمان ہے۔ اگر اُس دن میری آپ سے ملاقات ہوئی تو میں آپ کا بازو پکڑ کر آپ کو ان باتوں کی حقیقت کا مشاہدہ کراؤں گا۔“ اس کے بعد حارث مسلمان ہوگئے اور بڑے اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔ مسلمان ہونے کے بعد وہ کہا کرتے تھے: ”کاش! اُس دن میرا بیٹا میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ان چیزوں کی حقیقت سے روشناس کرائے، پھر وہ جنت میں داخل کرائے بغیر میرا ہاتھ نہ چھوڑے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ابن سعد نے ایک اور مرسل حدیث میں یہ قصہ آپ ﷺ کے رضاعی بھائی کے بارے میں روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: اس بات کا قوی احتمال ہے کہ یہ قصہ آپ کے رضاعی والد اور بھائی دونوں کے ساتھ پیش آیا ہوگا۔ [1]

[1] الروض الأنف:1/284,283، الإصابة :1/677,676، أسد الغابة :1/384، یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔

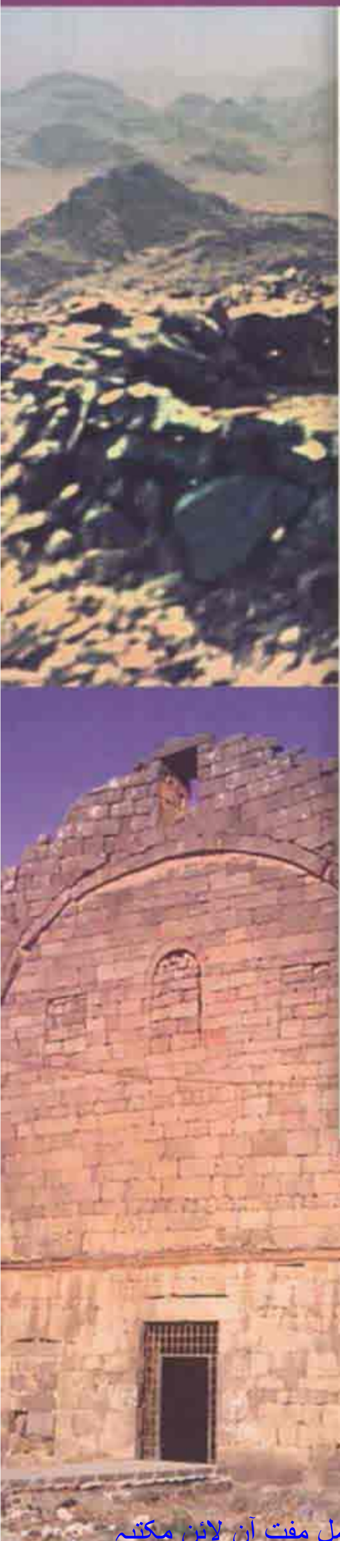
رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن

رسول اللہ ﷺ کے بچپن، شقِ صدر، مہرِ نبوت، چچا ابو طالب کے ساتھ
شام کے سفر اور زمانہ جاہلیت میں بھی بُرائیوں سے اجتناب
اور بتوں سے دور رہنے کے واقعات وتفصیلات

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ
وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ

”(اے نبی!) کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کا سینہ نہیں کھول دیا؟ اور ہم نے آپ سے آپ کا بھاری بوجھ اتار دیا۔“ (ألم نشرح 94:1-2)

اس باب میں





اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے بچپن کے حالات، گلہ بانی، کئی مرتبہ شق صدر اور اس کی حکمتیں، شق صدر کے بارے میں پیدا کیے جانے والے شکوک وشبہات کا جواب، مہر نبوت، آپ کی والدہ اور دادا کی وفات کے علاوہ ابوطالب کے ساتھ شام کے سفر میں بحیرا راہب سے آپ ﷺ کی ملاقات کی سرگزشت تفصیل سے بتائی گئی ہے۔ مزید برآں آپ ﷺ جس طرح شروع ہی سے برائیوں سے دور اور بتوں سے متنفر رہے، اس کا سبق آموز تذکرہ بھی پوری شرح وبسط سے کیا گیا ہے۔



رسول اللہ ﷺ کا لڑکپن اور شقِ صدر

رسول اللہ ﷺ بچپن ہی سے بے حد مہذب اور متین تھے۔ عام بچوں کی طرح آپ ﷺ نے کبھی کسی بات کی ضد نہیں کی۔ کسی سے کوئی لڑائی جھگڑا نہیں کیا۔ کبھی کھیل کود کے متوالے نہیں ہوئے۔ زبان مبارک سے کبھی کوئی نازیبا جملہ نہیں کہا۔ حق یہ ہے کہ آپ ﷺ اس طرح کی باتوں سے ہمیشہ دور رہے۔ حلیمہ اور ان کے عزیز و اقارب یہ دیکھ کر ہکا بکا ہو گئے کہ محمد (ﷺ) عام بچوں سے بالکل مختلف اور ممتاز ہیں، نہ کسی سے لڑنا جھگڑنا، نہ چیخنا چلانا، نہ کسی سے رُوٹھنا، نہ کسی کو پریشان کرنا، نہ کھیل کود کے درپے رہنا، غرضیکہ محمد ﷺ میں بچوں جیسی کوئی چنچل عادت ہی نہیں بلکہ وہ سراسر شرافت و متانت کا مرقع ہیں۔ ان کی ساری سیر و تفریح صرف یہ ہے کہ رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے نکل جاتے ہیں اور صحرا کی وسعتوں میں دور تک گھوم پھر کر واپس آ جاتے ہیں۔ حلیمہ اور ان کے شوہر یہ تو نہیں سمجھ سکے کہ اِس حسین و جمیل منفرد بچے کے بچپن کے پیچھے ساری دنیا کی قیادت و امامت اور عظمت و فضیلت کے کرشمے کھڑے ہیں، البتہ وہ یہ حقیقت خوب سمجھ گئے کہ ''ہونہار بروے کے چکنے چکنے پات''، یعنی یہ مقدس بچہ انتہائی بابرکت، امین، متین اور اقبال مند ہے۔

پھر جب آپ ﷺ بچپن کی دہلیز پار کر کے عنفوان شباب کی منزل تک پہنچے، تب بھی آپ ﷺ کی شخصیت اندھیروں میں روشنی کی طرح چمکتی رہی۔ یہ وہ وقت تھا جب مکہ میں ہر طرف شاعروں کا کلام گونجتا تھا۔ موسیقی اور داستان گوئی کی محفلیں جمتی تھیں، شرابِ ناب کے جام چھلکتے تھے۔ بلا مواخذہ تعیش کے تمام راستے کھلے ہوئے تھے۔ کفر اور شرک کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ گھر گھر بت پوجے جاتے تھے حتی کہ بتوں کی بہتات سے خانہ کعبہ کی دیواریں چھپ گئی تھیں۔ اِس فضا میں بھی محمد ﷺ کی جوانی چاند کی چاندنی سے زیادہ روشن اور پھولوں سے زیادہ پاکیزہ تھی۔ آپ ﷺ کبھی نہیں بھٹکے۔ ادنیٰ درجے کی کوئی حرکت نہیں کی۔ لہو و لعب کی کسی محفل میں نہیں گئے۔ شراب کے قریب بھی نہیں پھٹکے۔ بتوں سے اس قدر بیزار رہے کہ ان کے پاس سے گزرنا بھی گوارا نہ کیا۔ مکہ کے اس دور کے پس منظر میں آپ کی درخشاں شخصیت کو دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے کوئلوں کے ڈھیر میں کوئی ہیرا دمک رہا ہے۔ اپنا یا پرایا، چھوٹا یا بڑا جو بھی آپ ﷺ کی ذاتِ والا صفات کو دیکھتا تھا، بے اختیار بول اُٹھتا تھا کہ آپ ﷺ

صادق ہیں۔ آپ ﷺ امین ہیں۔ آپ ﷺ کریم ہیں۔ آپ ﷺ سب کی بھلائی اور سب کی خیر خواہی کرنے والے ہیں۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ جسے کچھ بنانا ہوتا ہے، وہ پہلے خود بنتا ہے اور اس کی ذہنی بناوٹ میں دوسرے انسانوں سے گہری ہمدردی کا جذبہ شامل ہو جاتا ہے۔ محمد ﷺ کو تو پوری انسانیت کی تربیت اور قیادت کرنی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ سیدالانبیاء کو بچپن ہی سے ایک عظیم مقصد کے لیے تیار فرما رہا تھا۔ سب انبیاء کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ پیش آیا۔ ان کی زندگی پیغمبری سے پہلے بھی قدرتی طور پر انھی خطوط پر استوار ہوئی جن پر انھیں پیغمبر بننے کے بعد چلنا تھا۔ ان کی دونوں زندگیوں میں کوئی تضاد نہیں ہوتا تھا۔ قبل از بعثت زندگی ایسا گلستان ہوتی تھی جس سے بعد از بعثت زندگی کی بہار کا اندازہ کیا جا سکتا تھا۔ اولیاء اور انبیاء میں یہی بڑا فرق ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ایک شخص ابتدا میں پکا شیطان ہو، مشرک ہو، رہزن ہو، شرابی ہو، بدکار ہو، سب کچھ ہو اور پھر اچانک اس کی زندگی میں ایسا انقلاب آ جائے کہ نہ صرف اس کی ساری بدکرداریوں کی تلافی ہو جائے بلکہ اس کا نام مقربین میں سرفہرست لکھ دیا جائے۔ لیکن اس قسم کا کوئی تضاد نبی کی زندگی میں کبھی رُونما نہیں ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ کی ابتدائی زندگی ہر قسم کے منفی جذبوں سے پاک تھی۔ اس دور میں بھی آپ سارے خاندان، سارے قبیلے بلکہ سارے اہل مکہ کی آنکھوں کا تارا تھے۔ سبھی آپ سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ ہر انسان سے محبت کرتے تھے، سب کی فلاح کے متمنی اور سب کے خیر خواہ تھے۔

آپ ﷺ کے بچپن کی زندگی کا ایک بہت اہم واقعہ شقِ صدر تھا۔ یہ واقعہ کس فضا میں، کس زمانے میں، کس طرح پیش آیا؟ آیئے! یہ واقعہ خود اللہ کے رسول ﷺ ہی کی زبانِ حقیقت ترجمان سے سنتے ہیں۔

شقِ صدر

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نبیِ کریم ﷺ کو رضاعت کے بعد آپ کی والدہ کے پاس مکہ لے گئی تھیں۔ جب وہ آپ ﷺ کو دوبارہ اپنے علاقے بنوسعد میں لے آئیں تو اس مرحلے میں نبی ﷺ کو شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ امام ابن کثیر، ابونُعیم اصفہانی کی روایت بیان کرتے ہیں:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! پہلی دفعہ آپ کا شق صدر کس طرح ہوا تھا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اپنی رضاعی والدہ کے پاس بنوسعد میں تھا۔ ایک دفعہ میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا۔ ہم کھانے پینے کی کوئی چیز لے کر نہیں گئے تھے۔ میں نے اپنے



بھائی سے کہا: ''جاؤ! اماں جان سے کھانا لے آؤ۔'' میرا بھائی چلا گیا۔ میں (دوسرے چرواہے بچوں کے ساتھ) بکریوں کے پاس ٹھہر گیا۔ اچانک دو سفید پرندے اُڑتے دکھائی دیے۔ اُن کی شکل گدھ جیسی تھی۔ اُن میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا: ''کیا یہ وہی ہیں؟'' اُس نے اثبات میں جواب دیا، پھر وہ سیدھے میری طرف آگئے۔ اُنھوں نے مجھے چت لٹا دیا، میرا سینہ چیرا، میرا دل نکالا، اُسے بھی چیر دیا اور سیاہ رنگ کے خون کے دو ٹکڑے نکال کر پھینک دیے، پھر ان میں سے ایک دوسرے سے کہنے لگا: ''برف والا پانی لاؤ۔'' وہ پانی لایا، پھر اُنھوں نے میرا سینہ دھویا، پھر اُس نے کہا: ''ٹھنڈا پانی لاؤ۔'' وہ پانی لایا، اُنھوں نے اُس پانی سے میرا دل دھویا، پھر کہا: ''سکینت لاؤ۔'' پھر اسے میرے دل میں ڈال دیا، پھر ایک نے دوسرے سے کہا: ''اسے سی دو۔'' اُس نے سی دیا اور میرے دل پر مہرِ نبوت لگا دی۔ بعد ازاں اُن میں سے ایک اپنے ساتھی سے کہنے لگا: ''اسے ترازو کے ایک پلڑے میں ڈالو اور دوسرے پلڑے میں اُمت کے ایک ہزار افراد ڈالو۔'' میں نے دیکھا کہ میرا پلڑا جھک گیا اور دوسرے پلڑے کے ایک ہزار افراد میرے سر سے اُوپر متحرک نظر آئے۔ میں ان کا پلڑا ہلتا دیکھ رہا تھا۔ مجھے ڈر لگا مبادا ان میں سے کچھ افراد میرے اوپر گر پڑیں، پھر وہ کہنے لگا: ''اگر تم دوسرے پلڑے میں ساری اُمت کو بھی ڈال دو، پھر بھی انھی کا

پلڑا بھاری رہے گا۔'' پھر وہ دونوں مجھے چھوڑ کر چل دیے۔

میں گھبرا گیا۔ سیدھا اپنی رضاعی ماں کے پاس پہنچا، اُنھیں سارا واقعہ بتایا تو وہ بھی گھبرا گئیں، فرمانے لگیں کہ یہ کوئی شیطانی کارروائی نہ ہو، پھر انھوں نے مجھ سے فرمایا: ''میں تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دیتی ہوں۔'' اس کے بعد اُنھوں نے اونٹ پر پالان کسا، مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور ہم چل دیے یہاں تک کہ انھوں نے مجھے میری حقیقی والدہ ماجدہ کے پاس پہنچا دیا۔ ان سے حلیمہ نے کہا: ''میں نے آپ کی امانت لوٹا دی ہے اور اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگئی ہوں۔'' پھر اُنھوں نے مجھ پر بیتنے والا سارا واقعہ سنایا۔ میری والدہ محترمہ بالکل پریشان نہ ہوئیں بلکہ انھوں نے فرمایا:

إِنِّي رَأَيْتُ خَرَجَ مِنِّي نُورٌ أَضَاءَتْ مِنْهُ قُصُورُ الشَّامِ

''(جس وقت میں نے اسے جنم دیا تھا اُسی وقت) میں نے دیکھ لیا تھا کہ میرے وجود سے ایک روشنی نکلی ہے جس سے شام کے محلات چمک اُٹھے ہیں۔''[1]

امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اُنھوں نے اس واقعے کے محل وقوع کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ اُس وقت آپ ﷺ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کو پکڑ کر لٹایا۔ سینہ چاک کیا۔ دل نکالا، پھر دل سے ایک لوتھڑا نکال کر کہا: ''یہ آپ کے بدن سے شیطان کا حصہ (نکالا گیا) ہے۔'' پھر انھوں نے آپ ﷺ کے دل کو سونے کے ایک طشت میں رکھ کر زمزم کے پانی سے دھویا، پھر اسے جوڑ کر اس کی جگہ پر لگا دیا۔ یہ منظر دیکھ کر دوسرے بچے بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ آپ کی رضاعی ماں کے پاس پہنچے اور کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا۔'' یہ وحشت اثر خبر سن کر حلیمہ کے گھر کے لوگ سرپٹ بھاگے۔ آپ کے پاس پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ آپ ﷺ کا رنگ اُڑا ہوا ہے۔[2]

شقِ صدر کا واقعہ کب پیش آیا؟

اس بات کا تعین نہیں کیا گیا کہ جب یہ واقعہ رونما ہوا، اُس وقت رسول اکرم ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی۔ ہر چند مختلف علماء نے تحدید کی ہے مگر کسی معین عمر پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ ابن اسحاق کی روایت سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اُس

[1] مسند أحمد: 185,184/4، البداية والنهاية: 256/2، السلسلة الصحيحة: 373. [2] صحيح مسلم: (261)-162.

وقت آپ کی عمر دو سال سے کچھ اوپر تھی۔ حضرت حلیمہ کہتی ہیں: ''دو سال کی عمر تک آپ کا جسم خاصا مضبوط ہو چکا تھا۔ ہم انھیں ان کی والدہ محترمہ کی خدمت میں لے گئے۔ ہم ان کے پاس بادل ناخواستہ گئے تھے کیونکہ ہماری دلی تمنا تھی کہ آپ ہمارے ہاں مزید قیام کریں...... اور یہ تو آپ کو اپنے گھر دوبارہ لانے کے دو یا تین مہینے بعد کی بات ہے کہ آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ ہمارے گھر کے پچھواڑے بکریاں چرا رہے تھے......'' [1]

ابن سعد کی روایت کے مطابق اس واقعے کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر چار سال تھی۔ [2] علامہ زرقانی اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ [3] ابونعیم بھی یہی کہتے ہیں لیکن ان کی بیان کردہ روایت کی سند مرسل ضعیف ہے۔ بعض دوسرے حضرات نے اسے پانچویں سال یا اس سے بھی بعد کا واقعہ قرار دیا ہے۔ ابونعیم اصفہانی نے پانچ سال والی بات ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کی ہے لیکن اس کی کوئی سند بیان نہیں کی۔ [4]

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ مذکورہ روایات کے بارے میں کہتے ہیں: ہم علامہ زرقانی کی بات سے اتفاق کرتے ہیں اور ابن سعد کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ واقعہ چار سال کی عمر میں پیش آیا کیونکہ کم سے کم اسی عمر میں بکریاں چرانے کا کام کیا جا سکتا ہے اور اردگرد کے واقعات کو سمجھا جا سکتا ہے۔ [5]

شقِ صدر کتنی مرتبہ ہوا؟

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں شق صدر کا واقعہ چار مرتبہ پیش آیا:

1 اولاً اُس موقع پر جب آپ بنوسعد میں قیام پذیر تھے۔

2 ثانیاً دس سال کی عمر میں۔

اس کی دلیل کاتب وحی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کرنے میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہم سب سے آگے تھے۔ وہ آپ ﷺ سے ایسی باتیں بھی پوچھ لیا کرتے تھے جنھیں کوئی اور شخص پوچھنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ایک مرتبہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی! آپ نے نبوت کے سلسلے میں سب سے پہلے کیا چیز ملاحظہ فرمائی تھی؟'' آپ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ پھر فرمایا: ''ابوہریرہ! اب تم نے پوچھ ہی لیا ہے تو سنو: میری عمر دس سال سے اُوپر تھی۔ میں صحرا میں تھا۔ اچانک میں نے اپنے سر سے اُوپر باتیں ہوتی سُنیں۔ ایک آدمی

[1] السيرة لابن إسحاق: 102,101/1. [2] الطبقات لابن سعد: 112/1. [3] شرح الزرقاني على المواهب اللدنية: 282/1. [4] دلائل النبوة لأبي نعيم: 162,161/1. [5] السيرة النبوية للمهدي، ص: 117.

دوسرے شخص سے پوچھ رہا تھا: ''کیا یہ وہی ہے؟'' دوسرے نے جواب دیا: ''ہاں!'' پھر وہ میرے سامنے اس شکل میں آئے کہ ایسے لوگ میں نے کبھی نہیں دیکھے۔ اُن سے ایسی خوشبو آرہی تھی کہ اس سے پہلے کبھی کسی مخلوق سے نہیں سونگھی، نہ کبھی ان جیسا لباس دیکھا۔

وہ دونوں میرے پاس آگئے۔ انھوں نے مجھے بازوؤں سے پکڑ لیا لیکن میں اُن کی گرفت محسوس نہ کرسکا۔ اُن میں سے ایک شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: ''انھیں لٹا دو۔'' اُنھوں نے مجھے آرام سے لٹا دیا، پھر اس نے اپنے ساتھی سے کہا: ''ان کا سینہ چیرو۔'' اُس نے میرا سینہ چیر دیا۔ خون نکلا نہ مجھے کوئی تکلیف ہوئی، پھر اس شخص نے اپنے ساتھی سے کہا: ''اس میں سے حسد اور کینے کا مادہ نکال دو۔'' اُس نے لوتھڑے جیسی کوئی چیز نکالی اور باہر پھینک دی، پھر وہ بولا: ''اب اس میں نرمی اور شفقت بھر دو۔'' اس نے چاندی جیسی کوئی چیز نکالی (اور اُسے میرے سینے میں سمو دیا۔) پھر اُس نے میرے دائیں پاؤں کے انگوٹھے کو حرکت دی اور کہا: ''جاؤ، سلامت رہو۔'' میں واپس آگیا۔ (اُسی وقت سے) میرا دل چھوٹوں کے لیے شفقت اور بڑوں کے لیے رحمت کے جذبوں سے چھلک رہا ہے۔'' [1]

یہ لگ بھگ اُسی زمانے کی بات ہے جب آپ جناب ابو طالب کے خاندان کی کفالت کے لیے اجرت پر مکہ کے لوگوں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

3 شق صدر کا واقعہ بعثت کے وقت بھی پیش آیا تھا۔ [2]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بعثت کے وقت بھی شق صدر ثابت ہے۔ [3]

اس کی سند کے بارے میں علامہ ہیثمی نے کہا ہے کہ اس میں جعفر بن عبداللہ بن عثمان مکی ہے۔ اُسے امام احمد اور ابن حبان ثقہ قرار دیتے ہیں۔ [4]

4 شق صدر کا واقعہ معراج کے موقع پر بھی ظہور میں آیا۔ اس کی تفصیل اسراء و معراج کے واقعے کے تناظر میں بیان کی جائے گی۔

شق صدر کی حکمتیں

آپ نے شق صدر کے واقعات ملاحظہ فرما لیے۔ آیئے! اب اس کی حکمتوں کا جائزہ لیں:

1 جب نبیِ کریم ﷺ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں قیام فرما تھے، آپ کا قلبِ اطہر پہلی دفعہ چاک کرکے ایک سیاہ ٹکڑا

[1] [ضعیف] مسند أحمد: 139/5، مجمع الزوائد: 408/8، حدیث: 13843. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 221/1.
[3] فتح الباري: 257/7. [4] الجرح والتعديل: 483،482/2، الثقات لابن حبان: 159/8.

نکالا گیا۔اس کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ شیطان کا حصہ ہے۔ یہ درحقیقت گناہ کا مادہ تھا جس سے آپ کا قلبِ اطہر بالکل پاک کر کے آپ کو شیطانی حربوں، حیلوں اور چالبازیوں سے پوری طرح محفوظ کر دیا گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف فرما تھے۔ اچانک آپ اُٹھے اور گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ یہ فطری بات تھی کہ میں آپ کے اس طرح یکا یک چلے جانے سے بہت آزردہ ہوئی۔ آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے مجھ پر نگاہ ڈالتے ہی میرے غم و غیرت کے جذبات صاف محسوس فرمالیے۔ آپ ﷺ نے پوچھا: «مَالَكِ، يَاعَائِشَةُ! أَغِرْتِ؟»''عائشہ! تمھیں کیا ہوا؟ کیا (اس وقت میرے باہر جانے پر) تمھیں غیرت نے آلیا؟'' میں نے عرض کی کہ مجھ جیسی سوکن دار خاتون کو آپ جیسے عظیم شوہر کے باہر تشریف لے جانے پر غیرت و آزردگی کا احساس کیوں نہ ہوگا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَقَدْ جَاءَكِ شَيْطَانُكِ؟» ''کیا تمھارے پاس تمھارا شیطان آ گیا تھا؟'' میں نے پوچھا: ''اے اللہ کے رسول! کیا میرے ساتھ بھی شیطان ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں نے مزید پوچھا: ''کیا ہر انسان کے ساتھ شیطان ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں نے پھر دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟'' آپ نے فرمایا: «نَعَمْ، وَلٰكِنْ رَبِّي أَعَانَنِي عَلَيْهِ حَتّٰى أَسْلَمَ» ''ہاں! لیکن اللہ تعالیٰ نے اُس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے، یہاں تک کہ وہ مطیع ہو گیا ہے۔''[1]

2 دوسری بار دس سال کی عمر میں آپ ﷺ کا سینہ چاک کیا گیا تو اس کا مقصد یہ تھا کہ اس اٹھتی عمر ہی میں آپ کے دل کو بنی نوع انسان کے بارے میں ہر طرح کے منفی جذبات سے پاک کر دیا جائے کیونکہ اس عمر کے بچے میں یہ سرگوشی شروع ہو جاتی ہے کہ دوسرے بچوں کا لباس، رہن سہن اور کھانا پینا کیسا ہے؟ چلو، ان سب سے آگے بڑھو، سب سے بڑھیا کپڑے پہنو، سب سے اچھا کھاؤ۔...... لیکن اس عمر میں محمد (ﷺ) پر اس انداز فکر کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے شق صدر کا انتظام فرما کر آپ ﷺ کو حرص و ہوس، لایعنی مسابقت اور مجادلے کے جذبوں سے ماورا کر دیا اور آپ کے قلبِ اطہر کو تمام بنی نوع انسان کے لیے بھلائی، خیر خواہی، شفقت اور محبت کے جذبوں سے معمور کر دیا۔ یوں جوانی کے دن شروع ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ کے قلبِ مبارک پر گھٹیا جذبات اور لہو ولعب کی طرف رغبت و رجحان کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔

3 تیسری بار جب بعثت کے وقت دل چاک کیا گیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ قلب مبارک وحی اور علوم الٰہیہ کا متحمل ہو جائے۔

[1] صحیح مسلم: 2815.

4 چوتھی مرتبہ معراج کے وقت سینۂ مبارک اس لیے چاک کیا گیا تا کہ قلب مبارک عالمِ ملکوت کی سیر، تجلیات الٰہیہ اور آیات ربانیہ کے مشاہدے اور رب ذوالجلال سے کلام کرنے کا اہل ہو جائے۔

شقِ صدر کے بارے میں بودے شکوک وشبہات

شقِ صدر کے بارے میں غیر مسلموں بلکہ خود نئی تہذیب کے متوالے بعض ''روشن خیال'' مسلمانوں کی طرف سے طرح طرح کے شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ محض ایک تخیلاتی یا روحانی تجربہ تھا، حقیقتاً ایسا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔ یہ بات کئی وجوہ سے محل نظر ہے:

1 حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا نے اس واقعے کے معاً بعد نبی کریم ﷺ کو آپ کی والدہ محترمہ کے پاس پہنچا دیا۔

2 نبی کریم ﷺ کے ساتھ بکریاں چرانے والے بچے سراسیمگی کی حالت میں یہ کہتے ہوئے آئے کہ محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا گیا۔

3 اس واقعے کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ بہ چشم دید حالت بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ كُنْتُ أَرٰى أَثَرَ ذٰلِكَ الْمِخْيَطِ فِي صَدْرِهِ

''میں (شق صدر کی) سلائی کے نشان آپ ﷺ کے سینۂ مبارک پر دیکھتا تھا۔''[1]

یہ تینوں باتیں شق صدر کی بڑی پکی گواہی ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا سینۂ مبارک شق کیا گیا اور اس کے نشانات بھی موجود رہے۔

اس کے علاوہ واقعۂ شقِ صدر پر کچھ عرصہ پہلے تک ناممکن ہونے کی تخیلاتی بنیاد پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے، انسانی علم کی پیش قدمی نے اب وہ بنیاد ہی نابود کر دی ہے۔ آج بہت سے سرجن دل کا آپریشن کرتے ہوئے مریض کا دل سینے سے باہر نکال کر الگ رکھ دیتے ہیں، پھر اس کا آپریشن کرتے ہیں۔ دل کی باریک باریک رگوں سے کثافت نکالتے ہیں، پھر ضروری اصلاح اور پیوندکاری کے بعد دل کو دوبارہ اس کی جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔ انسان اس پورے عرصے میں نہ صرف زندہ رہتا ہے بلکہ صحت یاب ہو کر پہلے سے بہتر ہشاش بشاش زندگی گزارنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

جب ایک سرجن کو سینہ چیر کر دل ٹھیک کر دینے کی مہارت حاصل ہے تو پھر اُس حکیم و بصیر قادر مطلق کی قدرت و قُدرت کا کیا اندازہ کیا جا سکتا ہے جو اس پورے کارخانۂ زندگی کا خالق و مالک ہے۔ بحیثیت مسلمان ہم سو فیصد یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام کے شق صدر کا اہتمام خود اپنے ارادے سے کیا تھا، پس ہمارے

1 صحیح مسلم: 162-(261).

لیے تو تحقیق طلب امر صرف یہ ہے کہ شقِ صدر کا واقعہ قابل اعتماد ذرائع سے پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے یا نہیں؟ اگر مصدقہ روایات موجود ہیں تو اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ واقعہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم سے وقوع پذیر ہوا جس میں اہلِ نظر کو اس کی قدرت، حکمت اور بصیرت کے ان گنت جلوے نظر آتے ہیں۔

نشانِ مہر نبوت

مہر نبوت رسول اللہ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک نمایاں نشان تھا۔ اس نشان کا تذکرہ بنی اسرائیل کے ہاں ہوتا تھا اور وہ اسی سے رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے تھے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ آپ کے جسم اطہر پر یہ مہر شقِ صدر کے بعد لگائی گئی۔ زیادہ تر روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ مہر نبوت آپ کے جسدِ اطہر پر شروع ہی سے پیدائشی طور پر موجود تھی۔ [1]

ماں کی آغوشِ محبت میں

بنو سعد میں شقِ صدر کے واقعے کے بعد حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا قدرتی طور پر انتہائی فکر مند ہوئیں۔ انھیں شدت سے احساس ہو گیا کہ اب وہ محمد (ﷺ) کی نگہداشت کی ذمہ داریاں نہیں نبھا سکیں گی۔

ابن اسحاق کہتے ہیں: لوگ نبی کریم ﷺ کے بارے میں جو واقعات بیان کرتے ہیں، اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حلیمہ سعدیہ حضرت محمد ﷺ کو آپ کی والدہ کے پاس واپس لا رہی تھیں۔ اسی دوران میں آپ ﷺ مکہ کے قریب کہیں کھو گئے۔ حلیمہ نے بہت تلاش کیا لیکن آپ کہیں نظر نہیں آئے۔ وہ بہت پریشان ہوئیں۔ عبدالمطلب کے پاس پہنچیں اور بتایا: ''میں محمد (ﷺ) کو اپنے ساتھ لا رہی تھی، ابھی مکہ کے بالائی علاقے ہی میں تھی کہ وہ کہیں گم ہو گئے۔ اللہ کی قسم! میں نہیں جانتی کہ وہ کہاں ہیں؟'' عبدالمطلب فوراً خانہ کعبہ میں گئے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا شروع کر دی: ''اے اللہ! محمد (ﷺ) کو واپس لے آ۔''

ادھر یہ دُعا جاری تھی اُدھر آپ ﷺ اللہ کی مہربانی سے ورقہ بن نوفل اور قریش کے ایک اور آدمی کو مل گئے۔ وہ آپ ﷺ کو عبدالمطلب کے پاس لے آئے۔ انھوں نے بتایا کہ آپ کا بیٹا ہمیں مکہ کے بالائی علاقے سے ملا ہے۔ عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگایا۔ بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے آپ کی حفاظت کے لیے دُعائیں کیں، پھر آپ ﷺ کو حضرت آمنہ کے پاس بھیج دیا۔ [2]

---

[1] دیکھیے: البداية والنهاية:256/2، شرح الزرقاني على المواهب:302/1-306. [2] السيرة لابن هشام:167/1.

شق صدر اور گم شدگی کے تسلسل پر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ بھی فیصلہ ہو چکا تھا کہ محمد ﷺ اس مہلت کے دوران دادا کی سرپرستی اور اپنی والدہ کی آغوش محبت میں کچھ وقت بسر کریں تا کہ ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ہو جائے۔ حضرت آمنہ کی ماتا کے مرکز تنہا آپ تھے اور سردار عبدالمطلب کا دل آپ کی محبت سے لبریز تھا۔ مکہ واپسی کے بعد کا یہ عرصہ آپ نے اس طرح بسر کیا جس طرح ایک بہت لاڈلا اور انتہائی محبوب سعادت مند بیٹا بسر کرتا ہے۔ اس دور کی زندگی کا نقش آپ کے قلبِ مبارک پر اس طرح ثبت ہو گیا کہ ساری عمر روشن رہا۔

والدہ محترمہ کے ساتھ یثرب کا سفر

رسول اللہ ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی آغوش محبت اور دادا کے سایۂ عاطفت میں بخیر و خوبی پرورش پاتے رہے۔ جب آپ ﷺ کی عمر چھ برس کی ہوئی تو حضرت آمنہ کو مدینہ جانے کا خیال آیا۔ مدینہ آپ کے انتہائی شفیق دادا کی نھیال تھا اور وہیں آپ کے والد محترم کی قبر بھی تھی۔ بنو عدی بن نجار عبدالمطلب کی نھیال تھے۔ عبدالمطلب کی والدہ سلمیٰ بنت عمرو کا تعلق بنونجار سے تھا۔ اسی رشتے کی بنا پر وہ نبیِ کریم ﷺ کی بھی نھیال قرار پائے۔[1]

حضرت آمنہ کے دل میں خاوند کی قبر کی زیارت کرنے کی تمنا بھی تھی بلکہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ وہ سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے خاوند کی قبر کی زیارت کے لیے ضرور جایا کرتی تھیں۔ ان کا سفر اکثر اوقات عبدالمطلب کی معیت میں ہوتا تھا۔ یہ سفر بھی حسب معمول عبدالمطلب کے ساتھ ہوا۔ سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی ہمراہ تھیں۔ یہ سفر اس قدر ناقابلِ فراموش تھا کہ پچاس سال بعد بھی اس کی یادیں آپ ﷺ کے حافظے میں جگمگاتی رہیں۔ ہجرت کے بعد آپ ﷺ نے صحابہ کو مدینہ میں اپنے قیام کے دنوں کی رُوداد سنائی۔

مدینہ سے واپسی پر جب یہ مختصر سا قافلہ ابواء نامی جگہ پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ کی والدہ محترمہ علیل ہو گئیں۔ وہ اس مرض سے جانبر نہ ہو سکیں اور خالقِ حقیقی سے جا ملیں۔ انھیں ابواء ہی میں سپرد خاک کر دیا گیا۔[2]

نبی کریم ﷺ کے سر پر والد کا سایہ پہلے ہی نہ تھا، اب والدہ کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔ حکمت الٰہی کا یہی تقاضا تھا کہ آپ ﷺ یتیمی کی حالت میں پرورش پائیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت آپ کے شامل حال رہے۔ باپ کی محبت تو مل نہ سکی، اب جلد ہی والدہ کے لاڈ پیار کی چھاؤں سے بھی دور ہو جائیں۔ ابتدا ہی سے زندگی کی مشکلات کا سامنا کرنے کا سبق سیکھیں اور ناز و نعمت کے عادی نہ ہو جائیں۔ آپ کے دل میں مال و منصب کی محبت جنم نہ

[1] السيرة لابن هشام: 168/1. [2] السيرة لابن هشام: 168/1، أنساب الأشراف: 103/1، محاضرات تاريخ الأمم الإسلامية: 61/1، نیز دیکھیے: الطبقات لابن سعد: 117,116/1.



والدینِ رسول اللہ ﷺ کے مقاماتِ وفات
عبداللہ بن عبدالمطلب (یثرب)
آمنہ بنت وہب (ابواء)
جناب عبداللہ کی شام سے یثرب واپسی
مکہ مکرمہ اور یثرب کے مابین تجارتی راستہ
یثرب جہاں حضرت عبداللہ نے وفات پائی
ابواء (جہاں حضرت آمنہ نے وفات پائی)
بحیرۂ روم (البحر المتوسط)
بیروت
دمشق
شام
بُصریٰ
القدس
غزہ ہاشم
اسکندریہ
وادی سرحان
اردن
صحرائے شام
طیسفون
(مدائن)
بابل
عراق
دومۃ الجندل
معان
عقبہ
ایلہ
سیناء
الفیوم
مصر
صحرائے اعظم
اسیوط
تبوک
تیماء
النفود الکبیر
العلا
الوجہ
خیبر
عرب
مدینہ منورہ
(یثرب)
نجد
ابواء
مکہ مکرمہ
جدہ
طائف
سوڈان
200
100
0
200
400
600

لے، نہ آپ سرداری کے تحکمانہ ماحول سے متاثر ہوں۔ بصورتِ دیگر لوگوں کے لیے نبوت کے تقدس اور دنیاوی جاہ وجلال میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا اور انھیں یہ کہنے کا موقع ملتا کہ آپ ﷺ نے اپنے منصب کی دلآویزیوں میں اضافے کے لیے نبوت کا دعویٰ کر ڈالا ہے۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے والدین کی عین جوانی کے عالم میں وفات ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے والدین کو صرف اس لیے اپنے پاس بلالیا تھا کہ اُن کی تخلیق کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ وہ اس دنیا میں رسول اللہ ﷺ کے ظہورِ مبارک کا ذریعہ بنے تھے۔ اب آپ ﷺ کی ذات بابرکات جہالت کے اندھیروں میں بھٹکنے والے بے یار و مددگار لوگوں کے لیے سہارا اور ملجا و ماویٰ بننے والی تھی۔

سائے پسند آئے نہ پروردگار کو

چونکہ محمد ﷺ ساری دنیا کے لیے فیض بخشی کا شجر سایہ دار بننے والے تھے، اس لیے ہمارا کریم پروردگار آپ کی تربیت اپنے ہی سایۂ رحمت میں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو والدین اور دیگر بزرگوں کے سائے سے محروم کر دیا تا کہ سب کی آنکھیں یہ دیکھ لیں کہ ہر دنیاوی سہارے کے فقدان کے باوجود محمد ﷺ کتنے بلند اخلاق، کتنے پاکیزہ کردار اور کیسی زبردست بصیرت و دانائی کے حامل ہیں تا کہ یہ بات اس حقیقت کا بیّن ثبوت بن جائے کہ آپ کی تعلیم و تربیت خود رب العالمین ہی نے براہِ راست فرمائی ہے۔

والدین کے سہارے سے محروم کرنے میں یہ مشیت ایزدی بھی کارفرما تھی کہ نبی ﷺ نہایت محکم اور ناقابل تسخیر ارادے کے مالک بن جائیں۔ اپنے معاملات میں اللہ رب العزت کے سوا کسی کا محتاج بننے کا خیال تک دل میں نہ لائیں حتی کہ آپ ﷺ کی دعوت میں بھی والدین کی اعانت کا کوئی شائبہ نظر نہ آئے۔ آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت میں کسی انسانی کوشش کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ یہ تربیت سراسر محض اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کی جانب سے ہو۔ جاہلانہ نظریات اور رسوم ورواج کا آپ ﷺ کی شخصیت پر کوئی اثر نہ ہو۔ آپ کی ہر سوچ اور ہر فکر صرف اُسی ذاتِ عالی کی عطا کردہ ہو جو علیم و خبیر ہے۔ اُسی نے آپ ﷺ کے تمام ظاہری سہارے اور اسباب چھین کر آپ کو بے سروسامان کر دیا اور آپ کی ذہنی، فکری اور اخلاقی تربیت مکمل طور پر اپنے ذمے رکھی۔ [2]

دادا کی کفالت

حضرت آمنہ کو دفن کر کے جب یہ سوگوار قافلہ مکہ پہنچا تو عبدالمطلب کا دل اپنے پوتے کی محبت سے چھلک رہا تھا۔

[1] فقه السيرة للبوطي، ص: 72. [2] فقه السيرة للغضبان، ص: 85,84، السيرة النبوية للصلابي: 60/1.

اس ننھے سے دل پر چھوٹی سی عمر ہی میں کئی چر کے لگ چکے تھے۔ پیدا ہوئے تو باپ کی شکل دیکھنا نصیب نہ ہوئی۔ اب والدہ بھی ساتھ چھوڑ گئیں۔ ان محسوسات کے ساتھ عبدالمطلب کے دل میں نبی کریم ﷺ کے لیے ایسی والہانہ محبت پیدا ہوگئی جو انھیں اپنے سگے بیٹوں سے بھی نہ تھی۔ ابتدا ہی سے عجیب و غریب واقعات اور نشانیوں کا ظہور ہورہا تھا۔ عبدالمطلب کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوگئی تھی کہ آپ مستقبل میں انتہائی غیر معمولی شخصیت کے مالک ہوں گے۔ اسی بنا پر عبدالمطلب آپ ﷺ کو حد سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔

ابن ہشام رحمہ اللہ کی روایت ہے: عبدالمطلب کے لیے خانہ کعبہ کے سائے میں ایک مسند سجائی جاتی تھی۔ ان کے سارے بیٹے اس مسند کے اردگرد بیٹھ جاتے تھے۔ عبدالمطلب تشریف لاتے تو اپنی مسند پر بیٹھ جاتے۔ ان کے ادب و احترام کے پیش نظر ان کا کوئی بیٹا مسند پر نہ بیٹھتا لیکن رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو عبدالمطلب کے ساتھ ہی مسند پر بیٹھ جاتے۔ آپ کم عمر تھے، لہٰذا آپ ﷺ کے کئی چچا آپ کو پکڑ کر مسند سے اُتارنے کی کوشش کرتے تھے لیکن جب عبدالمطلب اُنھیں ایسا کرتے دیکھتے تو فوراً فرماتے: ”میرے اس بیٹے کو یہیں چھوڑ دو۔ واللہ! اس کی شان نرالی ہے۔“ پھر انھیں اپنے ساتھ ہی مسند پر بٹھالیتے۔ آپ کی کمر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے اور آپ کی نقل و حرکت دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ [1]


حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان

سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے مشابہت

بنو مدلج قیافہ شناسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اُنھوں نے بچپن میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے قدموں کو دیکھ کر عبدالمطلب کو تاکید کی کہ اپنے اس بیٹے کی اچھی طرح حفاظت کرنا۔ یہ بڑا مبارک بچہ ہے۔ مقام ابراہیم پر ثبت قدموں کی سب سے زیادہ مشابہت اسی بچے کے قدموں سے ہے۔

عبدالمطلب نے بنو مدلج کی یہ بات سنی تو ابوطالب سے کہا: ”سنو! یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟“ اس کے بعد ابوطالب نے آپ کا خاص خیال رکھنا شروع کردیا۔ عبدالمطلب نے وفات سے پہلے ام ایمن کو بھی تاکید کی: ”اے برکہ! میرے اس بیٹے کی پرورش میں ذرا بھی غفلت نہ برتنا۔ اہلِ کتاب کا خیال ہے کہ میرا یہ بیٹا اس اُمت کا نبی ہوگا۔“ عبدالمطلب جب بھی کھانا کھانے لگتے تو کہتے: ”پہلے میرے بیٹے کو لاؤ۔“ [2]

[1] السيرة لابن هشام: 168/1، [2] الطبقات لابن سعد: 118/1، البداية والنهاية: 262/2.

بنو مدلج کی اس بات کی تائید خود بہ نفسِ نفیس رسول اللہ ﷺ کے ارشاد مبارک سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو انبیائے کرام کے حلیوں کی شناخت کرادی تھی، چنانچہ آپ نے صحابۂ کرام ؓ سے سابقہ انبیائے کرام کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

«أَمَّا إِبْرَاهِيمُ فَانْظُرُوا إِلٰى صَاحِبِكُمْ»

''ابراہیم ؑ کو دیکھنا ہو تو مجھے دیکھ لو (میں ان سے سب سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔)''[1]

کندیر بن سعید اپنے باپ سے بیان کرتے ہیں: ''میں ایک مرتبہ زمانۂ جاہلیت میں حج کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک بزرگ آدمی بیت اللہ کا طواف کرتے ہوئے والہانہ انداز میں یہ اشعار پڑھ رہا ہے:

رَبِّ! رُدَّ . إِلَيَّ رَاكِبِي مُحَمَّدًا یَا رَبِّ! رُدَّهُ وَاصْطَنِعْ عِنْدِي يَدًا

''اے میرے رب! میرے سوار محمد (ﷺ) کو واپس لے آ۔ اے میرے رب! مجھ پر احسان فرما اور اُسے لوٹا دے۔''

میں نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' لوگوں نے بتایا: ''یہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ اُنھوں نے اپنے پوتے محمد (ﷺ) کو گم شدہ اُونٹ تلاش کرنے بھیجا ہے۔ یہ جب بھی اُسے کسی کام کے لیے بھیجتے ہیں تو وہ ہمیشہ کامیاب لوٹتا ہے۔ آج اُسے دیر ہوگئی ہے۔ ابھی تک واپس نہیں آیا۔ یہ بزرگ اسی وجہ سے پریشان ہیں۔'' ابھی عبدالمطلب وہیں کھڑے تھے کہ محمد ﷺ اُونٹ لے کر آگئے۔ عبدالمطلب نے آپ کو گلے لگایا اور کہا: ''اے میرے بیٹے! کیا بتاؤں میں تمھارے لیے کس قدر پریشان تھا۔ میں کسی کے لیے کبھی اتنا پریشان نہیں ہوا۔ اللہ کی قسم! اب میں تمھیں کسی کام کے لیے نہیں بھیجوں گا، نہ تم مجھ سے کبھی جدا ہونا۔''[2]

دادا بھی ساتھ چھوڑ گئے

جناب عبدالمطلب نے تو رسول اللہ ﷺ سے تاکیداً کہا کہ تم مجھ سے کبھی جدا نہ ہونا لیکن ابھی نبی کریم ﷺ کی عمر 8 سال ہی ہوئی تھی کہ خود عبدالمطلب دنیا سے رخصت ہو کر سب سے جدا ہوگئے۔ یوں آپ کے سر سے دادا کا سایہ بھی اُٹھ گیا۔[3]

عبدالمطلب کی وفات سے بنو ہاشم کے وقار پر گہری ضرب لگی۔ ایسا محسوس ہوا گویا زندگی کی مضبوط طناب ٹوٹ

[1] صحيح البخاري: 5913، فتح الباري: 471/6. [2] المستدرك للحاكم: 604,603/2، حديث: 4184، دلائل النبوة للبيهقي: 21,20/2. [3] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 13.

گئی ہے۔ ساری بہاریں انھی کے دم سے تھیں۔ آج دنیا ان کی نظر میں تاریک ہوگئی اور زندگی کے وہ تمام سہارے نابود ہو گئے جن پر ان کا سارا خاندان فخر کرتا تھا۔ عبدالمطلب کے بیٹوں میں سے نہ تو کسی میں باپ کا سا عزم اور قوت تھی، نہ ان کی سی دور اندیشی، نہ ویسی سخاوت و بخشش اور نہ کسی کا ان کی طرح رعب و اقتدار تھا۔ عبدالمطلب حاجیوں کی ضیافت کرتے تھے۔ ان کے پینے کے لیے شیریں پانی فراہم کرتے تھے۔ اہل مکہ پر ان کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جب بھی ان پر بری گھڑی آتی تو عبدالمطلب ان کی حمایت میں سینہ سپر ہوجاتے۔ ان کے بیٹوں میں کوئی بھی صحیح معنوں میں پوری طرح باپ کا جانشین نہ بن سکا۔ بعض نادار ہونے کی وجہ سے بے بس تھے اور بعض اپنی دولت بڑھانے کے لیے کوشاں تھے۔

عبدالمطلب کی موت بنوہاشم کے لیے بہت بڑی محرومی کا باعث تھی۔ خاص طور پر اس صدمے کا سب سے گہرا اثر محمد ﷺ پر ہوا تھا۔ عبدالمطلب کا جنازہ اُٹھا تو آپ ﷺ بھی ساتھ تھے اور شفیق دادا کے فراق میں رو رہے تھے۔ آپ نے یہ روح فرسا صدمہ بھی اُسی صبر و استقلال سے جھیلا جس طرح اپنی والدہ ماجدہ کی وفات کا صدمہ اٹھایا تھا۔ [1]

شفیق چچا کی سرپرستی میں

عبدالمطلب کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی نگہداشت کی ذمہ داری ابوطالب کے حصے میں آئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ نگہداشت زبیر اور ابوطالب دونوں کے ذمے تھی۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کے حقیقی چچا تھے۔ زبیر جلد ہی فوت ہو گئے جبکہ ابوطالب طویل عمر پا کر فوت ہوئے، اس لیے آپ ﷺ کو اپنے سایۂ عاطفت میں رکھنے کی سعادت صرف ابوطالب کو نصیب ہوئی۔

ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی۔ وہ عیال دار تھے۔ تنگ دست رہتے تھے۔ محمد ﷺ ان کے ساتھ رہنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کی خستہ حالی دیکھ کر خود حصولِ معاش کی جدوجہد کا فیصلہ کرلیا۔ آپ بنوسعد میں بکریاں چرانے کی تربیت پاچکے تھے، اب وہ تربیت کام آئی اور آپ ﷺ نے اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرانی شروع کر دیں۔ یوں آپ اپنے شفیق چچا کے خاندان کی کفالت میں ان کا ہاتھ بٹانے لگے اور یہ گھرانہ آپ ﷺ کی برکتوں سے فیض یاب ہونے لگا۔ آپ کی برکت کا ایک کھلا نظارہ اُس وقت نظر آتا تھا جب کھانا کھانے کا وقت ہوتا تھا۔ اگر آپ اس وقت گھر میں تشریف فرما نہ ہوتے تو ابوطالب کے گھر والے کھانا کھا لینے کے باوجود بھوکے رہتے تھے۔ اور جب وہ آپ ﷺ کی معیت میں دسترخوان لگاتے اور کھانا کھاتے تو خوب سیر ہوکر کھاتے تھے۔ اسی لیے

[1] الطبقات لابن سعد: 119/1، القدوة في السيرة النبوية، ص: 71,70.

ابوطالب آپ سے کہا کرتے تھے: إِنَّكَ لَمُبَارَكٌ ''تم بڑے باعث برکت ہو۔''

حقیقت بھی یہی ہے کہ عام بچوں کے مقابلے میں آپ کی شخصیت بالکل جداگانہ نظر آتی تھی۔ عالم یہ تھا کہ جب دوسرے بچے بیدار ہوتے تو اُن کے بال بکھرے ہوئے، آنکھیں مُندی ہوئی اور چہرے کملائے ہوئے ہوتے تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ سوتے جاگتے ہمیشہ ہر حال میں نہایت صاف ستھرے، تروتازہ اور شاداب دکھائی دیتے تھے۔ [1]

ابوطالب بچوں کو صبح کے وقت ناشتہ دیتے تو وہ چھینا جھپٹی کرتے۔ یہ صورتحال دیکھ کر نبی کریم ﷺ فوراً اپنا ہاتھ روک لیتے تھے اور وقار کے ساتھ خاموش بیٹھ جاتے تھے۔ چھینا جھپٹی میں کبھی شریک نہیں ہوتے تھے۔ ابوطالب نے یہ صورت حال دیکھی تو انھوں نے آپ ﷺ کو الگ ناشتہ فراہم کرنا شروع کر دیا۔ [2]

قیافہ شناس کی پیش گوئی

خاندانِ بنولہب بن اجحن ازدی کا ایک ماہر قیافہ شناس مکہ آیا کرتا تھا۔ قریش کے آدمی اپنے بچے اس کے پاس لے جاتے تھے۔ وہ قیافے کی مدد سے اُن کے بچوں کے مستقبل کے بارے میں بتاتا تھا۔ ایک دفعہ وہ مکہ آیا۔ ابوطالب نبی کریم ﷺ کو اس کے پاس لے گئے۔ اس نے آپ ﷺ کو ایک نظر دیکھا، پھر کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گیا۔ فارغ ہوا تو کہنے لگا: ''ابھی ابھی میں نے یہاں ایک بچہ دیکھا تھا، وہ کہاں ہے؟ اسے میرے پاس لاؤ۔''

ابوطالب کو حضرت محمد ﷺ کے بارے میں اس کا یہ اصرار پسند نہ آیا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو چھپا دیا۔ وہ بار بار کہتا رہا: ''وہ بچہ میرے پاس لاؤ۔ واللہ! اس کی شان بڑی بلند ہوگی۔'' لیکن ابوطالب نے آپ ﷺ کو دوبارہ اس کے سامنے نہیں آنے دیا۔ [3]

ابوطالب نے بہت جلد دیکھ لیا کہ محمد ﷺ نیکی، ذہانت، شرافت، شجاعت، محنت، احساس ذمہ داری اور حسن کردار میں اُن کے حقیقی بیٹوں سے بہت آگے، منفرد اور ممتاز ہیں۔ وقت کی رفتار کے ساتھ ساتھ ابوطالب کے دل میں آپ ﷺ کی محبت راسخ ہوتی چلی گئی۔ وہ آپ ﷺ کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو اپنے پاس سلاتے، کبھی جدا نہ ہونے دیتے، ہر جگہ آپ کو ساتھ لے جاتے۔

بارانِ رحمت کی دعا

ابن عساکر نے جَلْهَمَه بن عُرْفُطَه سے روایت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں مکہ گیا۔ لوگ قحط سے دوچار تھے۔

[1] البداية والنهاية: 262/2. [2] البداية والنهاية: 263/2. [3] السيرة لابن هشام: 180,179/1.

عرصۂ دراز سے بارش کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکی تھی۔ اہل مکہ میں سے ایک آدمی کہنے لگا: ''آؤ! لات وعزّٰی کے پاس جا کر فریاد کریں۔'' ایک خوبرو اور خوش اندام بزرگ کہنے لگے: ''ارے تم کہاں بھٹکتے پھر رہے ہو؟ تمھارے پاس ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی درخشاں یادگار موجود ہے؟'' لوگوں نے کہا: ''تمھارا کیا مطلب ہے؟ کیا ہم ابوطالب کے پاس جائیں؟'' بزرگ نے کہا: ''ہاں۔'' سب لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ کھڑا ہوگیا۔ پھر ہم ابوطالب کے گھر پہنچے۔ دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابوطالب باہر نکلے۔ ہم نے کہا: ''ابوطالب! وادی قحط کا شکار ہے۔ بال بچے کال کی زد میں ہیں۔ چلیے بارش کی دعا کیجیے۔''

ابوطالب کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا۔ اُس کا چہرہ آفتاب کی طرح جگمگا رہا تھا۔ اس کے ارد گرد اور بچے بھی تھے۔ ابوطالب نے اس بچے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی کمر کعبہ کی دیوار سے لگادی۔ بچے نے اپنے چھوٹے چھوٹے خوبصورت ہاتھ دُعا کے لیے اُٹھا دیے۔ اس وقت مطلع صاف تھا۔ دور دور تک بادل کا کوئی ٹکڑا نہ تھا لیکن جونہی اس بچے نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، ہر طرف بادل منڈلانے لگے، پھر ایسی موسلادھار بارش ہوئی کہ وادی میں سیلاب آگیا اور شہر و بیاباں جل تھل ہوگئے۔ بعدازاں ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کی مدح میں اسی واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ ثِمَالَ الْيَتَامٰى عِصْمَةً لِّلْأَرَامِلِ

''وہ سفید رنگت والا جس کے چہرے کے ذریعے سے بارش طلب کی جاتی ہے، وہ یتیموں کا سہارا اور بیواؤں کی آبرو کا محافظ ہے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ لوگوں نے آپ سے قحط سالی کے مصائب بیان کیے۔ آپ نے نماز استسقا ادا کی یا محض دُعا مانگی تو اللہ تعالیٰ نے فوراً باران رحمت سے نواز دیا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی مبارک زندگی میں ایک مرتبہ لوگ قحط سالی کا شکار تھے۔ خطبۂ جمعہ کے دوران میں ایک دیہی باشندہ کھڑا ہوگیا، کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! جانور ہلاک ہو رہے ہیں، بچے بھوک کا شکار ہیں، آپ ہمارے لیے بارش کی دُعا کریں۔ آپ نے اُسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیے۔ اس وقت آسمان پر بادل کا نام و نشان تک نہ تھا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! آپ نے ابھی اپنے ہاتھ نیچے نہیں کیے تھے کہ

[1] المواهب اللدنية: 1/184، 185، صحيح البخاري: 1008 مختصرًا، فتح الباري: 2/638، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 52، 53.

ہر طرف پہاڑوں جیسے بادل چھا گئے۔ ابھی آپ ﷺ منبر سے نہیں اُترے تھے کہ موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ مسجد کی چھت ٹپکنے لگی۔ میں نے بارش کے قطرے نبی کریم ﷺ کی داڑھی پر گرتے دیکھے۔ کئی دنوں تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی یہاں تک کہ اگلا جمعہ آ گیا۔ وہی اعرابی یا کوئی اور شخص کھڑا ہو گیا، کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! گھر منہدم ہو رہے ہیں، مال غرق ہونے لگے ہیں، آپ ہمارے حق میں اللہ سے دُعا کریں۔'' آپ ﷺ نے ہاتھ بلند کیے اور انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے التجا کی:

«اَللّٰهُمَّ! حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا»

''اے اللہ! ہمارے اردگرد بارش برسا دے، ہم پر نہ برسا۔''

رسول اللہ ﷺ کی انگلی جس طرف گھومتی گئی، وہیں سے بادل چھٹتے گئے۔ مدینہ ایک تاج کے مانند ہو گیا۔ مدینہ کے اردگرد تو بارش ہو رہی تھی مگر مدینہ کا موسم بالکل صاف تھا۔ وادیِ قناۃ کی ندی ایک مہینے تک بہتی رہی۔ پھر جس علاقے سے بھی جہاں سے بھی کوئی شخص مدینہ آیا، اُس نے یہی کہا کہ ہمارے علاقے میں بہت بارش ہوئی ہے۔ [1]

وادیِ قناۃ مدینہ منورہ اور جبل احد کے درمیان بہتی ہے۔ آگے چل کر وادیِ قناۃ، وادیِ بطحان اور وادیِ عقیق اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس مقام پر اسے اضم کہا جاتا ہے۔ یہ اَلوجہ کے علاقے سے گزرتی ہوئی بحیرۂ احمر میں ضم ہو جاتی ہے۔ [2]

بارش کے لیے دُعا کا معاملہ صرف ایک دفعہ کا واقعہ نہ تھا۔ جب بھی قحط سالی کا سامنا ہوا، آپ کی دُعا کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور پریشان حال لوگوں کی پریشانی دور فرما دی۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور میں جب کبھی قحط برپا ہوتا، وہ عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے جا کر بارش کی دُعا کرتے اور کہتے:

[1] صحيح البخاري: 933. [2] معجم البلدان، مادة: قناة، أطلس الحديث النبوي، ص: 310، المعالم الجغرافية الواردة في السيرة النبوية: 118/1.


وادیِ عقیق


وادیِ بطحان


وادیِ قناۃ

اَللّٰهُمَّ! إِنَّا كُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّنَا ﷺ فَتَسْقِينَا، وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَيْكَ بِعَمِّ نَبِيِّنَا فَاسْقِنَا

''اے اللہ! ہم اپنے نبی ﷺ کی وساطت (دعا) سے تجھ سے بارش کی درخواست کرتے تھے اور تو ہمیں بارانِ رحمت سے سیراب فرماتا تھا۔ اب ہم اپنے نبی کے چچا کی وساطت (دعا) سے تجھ سے بارش کی التجا کرتے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں بارش سے نواز۔''

پھر بارش ہوجایا کرتی تھی۔ [1]

[1] صحيح البخاري: 1010.

گلہ بانی سے جہاں بانی تک

گلہ بانی ابتدا ہی سے ایک معزز پیشہ رہا ہے۔ ابوطالب کی مالی حالت اچھی نہیں تھی، اس لیے آپ ﷺ نے اپنے چچا سے بھیڑ بکریاں چرانے کی اجازت چاہی۔ پہلے تو ابوطالب تیار نہ ہوئے لیکن آپ کے مسلسل اصرار پر اُنھوں نے اجازت دے دی۔ واضح رہے کہ عرب میں بھیڑ بکریاں چرانا کوئی معیوب کام نہ تھا۔ بڑے بڑے شرفاء اور امراء کے بچے بھیڑ بکریاں چراتے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی بھیڑ بکریاں چرائیں جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بکریاں چرانے کا ذکر ہے۔[1] مزید برآں سورۃ النحل میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ ۝﴾

''اور تمھارے لیے ان (جانوروں) میں خوبصورتی (بھی) ہے جب تم شام کو چرا کر لاتے ہو اور جب صبح چرانے کو لے جاتے ہو۔''[2]

جب آپ ﷺ اپنے چچا کو مالی سہارا دینے کے لیے بکریاں چرانے نکلے تو درحقیقت یہ جہاں بانی کی تربیت کا آغاز تھا۔ زمانۂ رسالت میں آپ اس سادہ اور پرلطف مشغلے کا ذکر فرمایا کرتے تھے۔ جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مرالظہر ان سے گزر رہے تھے۔ ہم وہاں سے پیلو کے پھل چننے لگے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

[1] طٰہٰ 18:20۔ [2] النحل 6:16.



وادی مرالظہران

«عَلَيْكُمْ بِالْأَسْوَدِ مِنْهُ فَإِنَّهُ أَطْيَبُ»

''جو کالا ہو وہ توڑو کیونکہ وہ زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔''

نبی ﷺ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ بھیڑ بکریاں چراتے رہے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، وَهَلْ مِنْ نَبِيٍّ إِلَّا رَعَاهَا»

''ہاں! اور ہر نبی نے بھیڑ بکریاں چرائی ہیں۔''[1]

اسی طرح ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا إِلَّا رَعَى الْغَنَمَ»

''اللہ تعالیٰ نے جو نبی بھی مبعوث فرمایا، اس نے گلہ بانی ضرور کی ہے۔''

صحابہ نے پوچھا: ''اللہ کے رسول! کیا آپ نے بھی گلہ بانی کی ہے؟'' آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، كُنْتُ أَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيطَ لِأَهْلِ مَكَّةَ»

''ہاں، میں چند قراریط کے عوض اہل مکہ کی بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔''[2]

یہاں قراریط کا مطلب سمجھ لیجیے۔ قراریط کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے۔ قیراط درہم کے بارہویں حصے کو کہتے ہیں۔ یہ جواہرات اور سونے کے لیے وزن کی اکائی ہے۔ یہ یونانی زبان کے لفظ keration (کیراٹیون) سے مشتق ہے جو carob (کیروب) نامی درخت کا بیج ہے۔[3] امام ابن ماجہ رحمہ اللہ کے اُستاد سوید بن سعید کہتے ہیں کہ ہر بھیڑ بکری چرانے کی اُجرت ایک قیراط ہوتی تھی۔[4]

ایک لیڈر کے لیے سب سے مشکل اور صبر آزما کام اپنے پیروکاروں کو کنٹرول میں رکھنا ہوتا ہے۔ بھیڑ بکریوں کو کنٹرول کرنا بھی بڑا محنت طلب، صبر آزما اور تھکا دینے والا کام ہے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو اس تربیتی کورس سے رُوشناس کرایا گیا تاکہ وہ اپنے پیروکاروں کی تنظیم، تعلیم، تربیت، تزکیے اور نگہداشت کی گراں بار ذمہ داری نبھانے کی سعیِ مسلسل سے بخیر وخوبی عہدہ برآ ہوسکیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو نبوت کی ذمے داری کو بھی بھیڑیں چرانے سے تعبیر کیا:

''اس (یسوع) نے کہا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔''[5]

---

[1] صحيح البخاري: 5453، صحيح مسلم: 2050. [2] صحيح البخاري: 2262.

[3] Oxford English Reference Dictionary, p: 218.

[4] فتح الباري: 4/557. [5] کتاب مقدس (متی) 15:24.

یسوع علیہ السلام نے اپنے حواریوں کو تلقین کرتے ہوئے کہا:

"غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔"[1]

گلہ بانی کے تربیتی فوائد

صبر: بھیڑ بکریاں چرانے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ صبح سے شام تک انتہائی صبر و استقامت کے ساتھ ڈیوٹی دے تاکہ بھیڑ بکریوں کو پیٹ بھر کے چارہ میسر آسکے۔ اگر چرواہا صبر و تحمل کا مظاہرہ نہیں کرے گا تو بھیڑ بکریاں بھوکی رہ جائیں گی۔ اسی طرح انسانوں کی تربیت کرنے والے افراد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لیں۔

تواضع: چرواہے کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے کہ وہ بھیڑ بکریوں کی خدمت کرتا ہے، ان کی نسل بڑھانے کا اہتمام کرتا ہے، ان کی حفاظت کا بندوبست کرتا ہے اور خبر گیری کی خاطر ان کے قریب سوتا ہے۔ اگر کبھی اس کے ہاتھ پاؤں یا کپڑے ان کے بول و براز سے آلودہ بھی ہو جائیں، تب بھی تنگ دل نہیں ہوتا۔ زندگی کے یہ سادہ طور طریقے اس کے نفس کو تکبر اور غرور سے پاک کر کے اس میں تواضع اور انکسار پیدا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ كِبْرٍ»

"جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو، وہ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"

ایک شخص نے پوچھا: "اے اللہ کے نبی! انسان کا جی چاہتا ہے کہ اُس کا لباس اچھا ہو اور اُس کے جوتے عمدہ ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ. اَلْكِبْرُ: بَطَرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

"بے شک اللہ تعالیٰ جمیل ہے، وہ خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ تکبر حق کو جھٹلانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔"[2]

رسول اللہ ﷺ انتہائی متواضع تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کے درمیان بے تکلفی سے بیٹھا کرتے تھے۔ کوئی اجنبی آتا تو اسے پتہ ہی نہ چلتا کہ رسول اللہ ﷺ کون ہیں۔ ہم نے آپ سے درخواست کی کہ ہم آپ کے لیے خاص نشست بنا دیں تاکہ کوئی اجنبی آئے تو آپ کو آسانی سے پہچان لیا کرے، چنانچہ ہم نے آپ کے لیے گارے کا ایک چبوترہ بنا دیا۔ آپ اس پر بیٹھ جاتے اور ہم اس کے اردگرد بیٹھ جاتے۔[3]

[1] کتاب مقدس (متی) 10:5،6۔ [2] صحيح مسلم: 91. [3] سنن أبي داود: 4698.

اسی طرح انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص محبوب نہ تھا۔ اس کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو رسمِ تعظیم کے طور پر کھڑے نہیں ہوتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تشریف آوری پر ہمارا اپنی جگہ پر کھڑا ہو جانا پسند نہیں کرتے۔ [1]

شجاعت: چرواہے کو بسا اوقات بھیڑ بکریوں اور خود اپنی جان کے تحفظ کے لیے جنگلی درندوں کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے، اس لیے اُس میں بہادری بدرجۂ اتم ہونی چاہیے۔ تاریخ گواہ ہے کہ حق کے مخالفین میں وحشت اور درندگی حلول کر جاتی ہے۔ وہ حق کو دبانے کے لیے حیوانی سطح پر بھی اُتر آتے ہیں، ایسی صورت میں درندگی کا ازالہ ضروری ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شجاعت انبیاء علیہم السلام کی سیرت کا بڑا ممتاز اور ناگزیر وصف ہوتا ہے۔

نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خوبی میں بھی عدیم النظیر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے حالات و حوادث پیش آئے جن سے بہادر ترین آدمی کا دل بھی لرز اُٹھتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کبھی متزلزل نہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سے بڑے خطرے کو بھی خاطر میں نہ لائے۔ آپ ان خطروں کے سامنے پوری مضبوطی سے یوں ثابت قدم رہے جیسے یہ معمولی بات ہے۔ گلہ بانی کی تربیت نے آپ کی فطری شجاعت کو چار چاند لگائے۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں غیر معمولی شجاعت نہ ہوتی تو مسلمانوں کو وہ شاندار کامیابیاں حاصل نہ ہوتیں جو انھیں حاصل ہوئیں اور ساری دنیا کو حیرت زدہ کر گئیں۔

شفقت و رحمت: ایک چرواہا بھیڑ بکریوں کے تمام اُمور کی نگرانی کرتا ہے۔ اگر کوئی بکری بیمار ہو جائے، اُسے چوٹ لگ جائے یا اس کی کوئی ہڈی وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس صورت حال کا فوری تقاضا یہ ہوتا ہے کہ بکری کا علاج کیا جائے اور اس کے ساتھ شفقت سے پیش آیا جائے۔ جب ایک چرواہا ان تمام ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہوتا ہے تو قدرتی طور پر اُس کے دل میں شفقت اور رحمت کا جذبہ پروان چڑھتا ہے۔ اس تناظر میں اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ شخص جو جانوروں کے ساتھ بھی شفقت سے پیش آتا ہو، بھلا وہ انسانوں سے سنگ دلی کا مظاہرہ کس طرح کر سکتا ہے؟ بالخصوص وہ ذات گرامی جس کی تعلیمات اور سیرت تمام انسانوں کے لیے مشعلِ راہ بننے والی تھی، جس کا منصب ہی انسانیت کی بے لوث خدمت تھا، جس کا نصب العین ہی انسانوں کو آگ سے بچانا اور دونوں جہانوں کی سعادتوں سے سرفراز کرنا تھا، اس ہستی میں ان صفات کا اوج کمال پر ہونا ضروری تھا۔

رسولِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بے پایاں شفقت و رحمت سے کسی کو محروم نہیں رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رأفت و رحمت کی درخشاں مثالیں قائم فرمائیں اور عمر بھر کریمانہ اخلاق اور رحیمانہ رویوں کو فروغ دیا۔ یہ صفات آپ کی ابدی تعلیمات

[1] جامع الترمذي: 2754.

کا لازمی حصہ تھیں۔ جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ»

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا، اس پر اللہ بھی رحم نہیں فرماتا۔''[1]

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ»

''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''[2]

محنت سے روزی کمانے کا جذبہ: اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو نبیِ کریم ﷺ کو بھیڑ بکریاں چرانے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ لیکن یہ بھیڑ بکریاں چرانے کا معاملہ آپ ﷺ کی ہمہ گیر تربیت کا ایک حصہ تھا۔ اس سے اُمت کو یہ سبق دیا گیا کہ وقار اور خودداری کی زندگی بسر کرو۔ رزق کے لیے دوسروں کے عطیات کا انتظار نہ کرو بلکہ خود اپنی قوتِ بازو سے کام لو۔ محنت کرو، رزقِ حلال کماؤ۔ خود کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔

ایک داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ کامل معنوں میں خوددار اور باوقار ہو، اُس کی نظر دوسروں کے مال پر نہ ہو بلکہ وہ خود اپنے دست و بازو سے اپنی روزی کا اہتمام کرے۔ اس سے اُس کی قدر بڑھے گی اور مرتبے میں اضافہ ہوگا۔ انبیائے کرام علیہم السلام متاعِ عیش کے کبھی طلب گار نہیں رہے۔ انھوں نے ہمیشہ دوٹوک اعلان کیا کہ وہ کسی سے بھی دنیاوی اجر کے خواستگار نہیں:

﴿وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

''اور میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر تو رب العالمین ہی کے ذمے ہے۔''[3]

سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ»

''کسی شخص نے کبھی اس سے بہتر روزی نہیں کھائی جو وہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھائے۔ اللہ کے نبی داود علیہ السلام بھی خود اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتے تھے۔''[4]

---

[1] صحيح البخاري: 7376. [2] سنن أبي داود: 4941، دیکھیے: السيرة النبوية لأبي فارس، ص: 130,129. [3] الشعرآء 109:26 و 127 و 145 و 164 و 180. [4] صحيح البخاري: 2072.

نبی کریم ﷺ کو اپنے عظیم الشان مشن کی تکمیل کے لیے جس صبر، استقامت، متانت، سنجیدگی اور ٹھہراؤ کی ضرورت تھی، گلہ بانی کے زمانے میں آپ ﷺ کو ان سب صفات کو مضبوط و مستحکم کرنے کا موقع میسر آیا۔ آپ ﷺ صحرا کی فطری خوبصورتی سے آگاہ ہوئے۔ خالقِ کائنات کی شانِ تخلیق کے مظاہر آپ پر آشکارا ہوئے۔ چاندنی راتوں کی ٹھنڈی ہوا اور خاموش فضا میں آپ ﷺ کو اپنے محبوب پروردگار سے راز و نیاز کی نہایت بیش قیمت اور پُرسکون ساعات میسر آتی تھیں۔ اسی فضا میں آپ ﷺ تزکیۂ نفس، صبر، استقامت، بردباری، تحمل، نرمی، نوازش، شفقت و رحمت اور اسی طرح کی دیگر عالی صفات سے متصف ہوئے۔ [1]

[1] محمد رسول اللہ ﷺ لمحمد صادق عرجون: 177/1.

بَحیرا راہب سے ملاقات

رسول اللہ ﷺ کی عمر بارہ برس دو مہینے دس دن تھی۔ ابوطالب قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام کے سفر پر نکلے۔ [1] دور دراز کے سفر کی صعوبتوں اور مشکلات کی وجہ سے ابوطالب آپ ﷺ کو ساتھ لے جانے کے حق میں نہ تھے مگر عین روانگی کے وقت جب اُنھوں نے آپ ﷺ کے چہرے پر کربِ جدائی کے آثار دیکھے تو آپ کو اپنے ساتھ شریکِ سفر کر لیا۔ [2]

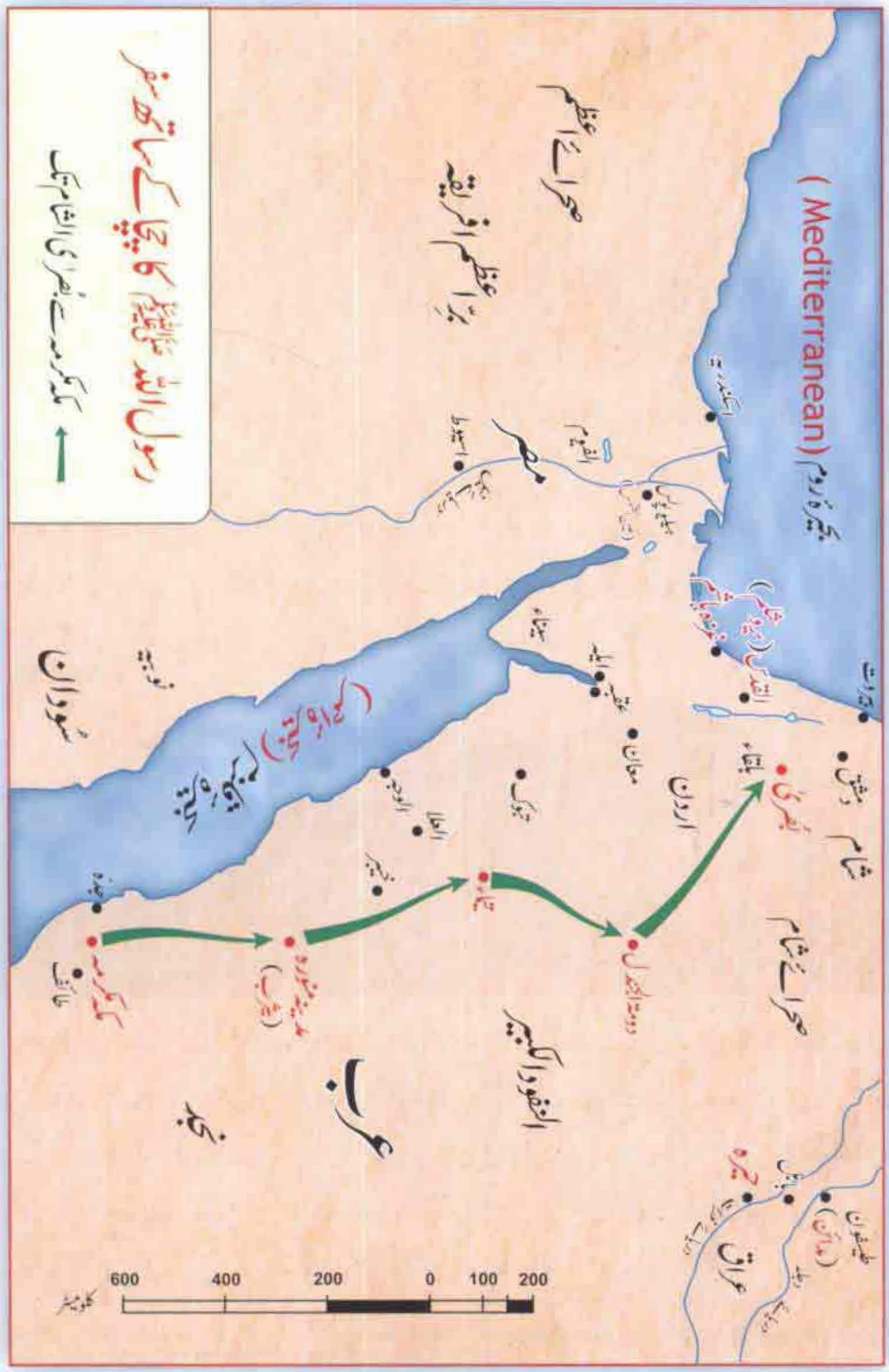
یہ قافلہ شام کے ایک شہر ''بُصریٰ'' پہنچا جو ''حوران'' کا مرکزی شہر ہے۔ اس وقت یہ شہر جزیرۃ العرب کے رومی مقبوضات کا دارالحکومت تھا۔ یہ شام (سوریہ) کے جنوب میں مضافاتِ دمشق میں واقع ہے۔ رومی اور یونانی زمانے



شام کا پرانا شہر بصریٰ

میں یہ شہر بوریقس کے نام سے مشہور تھا۔ تورات میں اس کا نام باشان آیا ہے۔ [3] اسی حوران کے علاقے میں ایک راہب رہتا تھا۔ اُس کا نام جرجیس تھا لیکن وہ بُحیرا کے لقب سے مشہور تھا۔ اس سے پہلے قریش بارہا اس راستے سے گزرتے اور یہاں قیام کرتے رہے لیکن اس راہب نے ان کی طرف کبھی توجہ نہیں دی۔ اس مرتبہ قریش کا قافلہ وہاں ٹھہرا تو وہ راہب خلاف معمول گرجے سے باہر نکل آیا اور سب کو تجسس سے دیکھنے لگا۔ اچانک اُس کی نظر حضرت محمد ﷺ پر پڑی۔ اُس نے لپک کر آپ کا ہاتھ تھام لیا اور کہنے لگا:

[1] تلقیح فهوم أهل الأثر، ص:13. [2] السيرة لابن هشام:180/1. [3] معجم البلدان، مادة: حوران، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا.


(Mediterranean)
600
400
200
0
100
200



کے تاریخی شہر بصریٰ میں بحیرا راہب کی خانقاہ کا بیرونی منظر

هٰذَا سَيِّدُ الْعَالَمِينَ ، هٰذَا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ، يَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

''یہ جہانوں کے سردار ہیں، یہ رب العالمین کے پیغمبر ہیں، اللہ تعالیٰ انھیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا۔''

قریش کے اکابر پوچھنے لگے: ''یہ بات آپ کو کیسے معلوم ہوئی؟'' اُس نے بتایا: ''جس وقت آپ لوگ گھاٹی سے نکلے تو سارے درخت اور پتھر ان کے لیے سجدہ ریز ہوگئے۔ یہ کسی نبی ہی کے لیے سجدہ ریز ہو سکتے ہیں۔ میں انھیں مہر نبوت سے بھی پہچانتا ہوں۔ یہ آپ کے شانے کی نچلی جانب ہے اور سیب کی طرح ہے۔''

پھر راہب واپس گیا، اس نے اُن کے لیے کھانے کا اہتمام کیا۔ قریش کھانا کھانے چلے گئے اور محمد (ﷺ) کو چھوٹا بچہ سمجھتے ہوئے اُونٹوں کی نگرانی کے لیے چھوڑ گئے۔ راہب نے دستر خوان پر آپ کو نہ پایا تو کہنے لگا: ''اُنھیں فوراً بلاؤ۔'' جب آپ تشریف لا رہے تھے تو ایک بادل آپ پر سایہ فگن تھا۔ آپ ﷺ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ آپ سے پہلے ہی ایک درخت کے سائے میں بیٹھ چکے ہیں اور اب کوئی سایہ دار جگہ موجود نہیں مگر جب آپ بیٹھے تو درخت

کا سایہ آپ کی طرف جھک گیا۔ راہب بولا: ''دیکھو یہ درخت ان پر کس طرح اپنی چھاؤں نچھاور کر رہا ہے۔'' پھر اس نے تاکید کی کہ آپ لوگ انھیں روم نہ لے جائیں۔ اگر رومیوں نے دیکھ لیا تو خدشہ ہے کہ وہ انھیں ان کی علامات سے پہچان لیں گے اور قتل کر دیں گے۔

نبی ﷺ کی تلاش میں رومیوں کی آمد

راہب کا یہ اندیشہ بلاوجہ نہ تھا، ابھی وہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر روم کی طرف سے آنے والے سات آدمیوں پر پڑی۔ وہ قریب آ گئے۔ راہب نے پوچھا: ''کس لیے آئے ہو؟'' رومیوں نے کہا: ''ہم اس نبی کی تلاش میں نکلے ہیں جس کی تورات اور انجیل میں بشارت دی گئی ہے۔ ہمیں پتہ چلا ہے کہ وہ اس مہینے سفر کے لیے نکلا ہے۔ ہم نے اس کی تلاش میں ہر طرف اپنے آدمی بھیجے ہیں۔'' راہب نے پوچھا: ''کیا تم میں کوئی زیادہ باخبر آدمی موجود نہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''ہم اچھی طرح باخبر ہیں۔ ہمیں پکی خبر ملی ہے کہ وہ اسی راستے سے آئے گا۔'' یہ بات سن کر راہب نے پوچھا: ''ارے اللہ کے بندو! اگر اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ کر لے تو کیا دُنیا کی کوئی طاقت اُسے روک سکتی ہے؟'' وہ بولے: ''ہرگز نہیں!'' پھر اُنھوں نے راہب سے عہد کیا کہ ہم آیندہ اس نبی کے درپے آزار نہیں ہوں گے۔ بعدازاں وہ لوگ راہب ہی کے پاس ٹھہر گئے۔

راہب نے قریشیوں سے کہا: ''میں تمھیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، بتاؤ! اس کا سرپرست کون ہے؟'' اُنھوں نے کہا: ''ابوطالب!'' اُس نے ابوطالب سے نہایت اصرار کے ساتھ درخواست کی: ''ازراہِ کرم اس بچے کو فوراً واپس بھیج دیجیے۔'' ابوطالب رضامند ہو گئے اور آپ کو واپس روانہ کر دیا۔[1]

بحیرا کے واقعے پر مستشرقین کا ردعمل

اس روایت پر دوطرح کا انتہا پسندانہ ردعمل ہوا۔ پہلا ردعمل مستشرقین کی طرف سے تھا۔ ''بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' انھیں اس واقعے کی بدولت ایک موقع ہاتھ آ گیا۔ اُنھوں نے بحیرا راہب سے اس مختصر سی سرراہے ملاقات کو حسب منشا مبالغہ آرائی کا پہاڑ بنا دیا اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ عقیدۂ توحید کی صاف شفاف اور بے لاگ تعلیمات آپ ﷺ نے دراصل اسی عیسائی عالم سے حاصل کیں۔ اس سے زیادہ قابل تعجب بات یہ ہے کہ ایک فرانسیسی مستشرق کرا ڈی ویو (Carra de Vaux) نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب تصنیف کر ڈالی۔ اس کا

[1] جامع الترمذي:3620، السيرة لابن إسحاق:1/122-124، السيرة لابن هشام:1/180-183. بعض روایات میں سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا ذکر ملتا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''یہ حدیث سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے ذکر کے بغیر صحیح ہے۔'' دیکھیے: (صحيح سنن الترمذي:3/486، 487)

عنوان ''مصنفِ قرآن'' رکھا۔ اس کتاب میں اُس نے دعویٰ کیا کہ اس ملاقات میں بحیرا نے محمد (ﷺ) کو پورا قرآن املا (Dictate) کرا دیا تھا۔

یہ بات نہ صرف حقائق سے بعید ہے بلکہ مضحکہ خیز بھی ہے۔ کیا کسی کی عقل باور کر سکتی ہے کہ ایک کم سن بچہ جس کی عمر نو سال یا زیادہ سے زیادہ بارہ سال بتائی گئی ہے، ایک ایسے بوڑھے شخص سے جس کی زبان سے بھی وہ ناآشنا ہے اور جسے صرف ایک ہی وقت کے کھانے پر اس کے ساتھ بیٹھنے کا موقع ملا ہے، وہ ایسے دقیق، اہم مسائل اور ان کی نازک تفصیلات پر تبادلہ خیال کرے گا اور چھٹی صدی عیسوی میں تحریف شدہ عیسائیت کے مشرکانہ عقائد و افکار کی اُن باریکیوں سے واقف ہو جائے گا جن تک پروٹسٹنٹ مذہب کے بڑے بڑے پادریوں اور عالموں کی بھی رسائی نہ ہو سکی، پھر تیس چالیس سال بعد وہ ان سب باتوں کو قرآن کی شکل میں مرتب کر دے گا؟ ایسی غلط اور نامعقول بات صرف وہی شخص کہہ سکتا ہے جسے تعصب نے اندھا کر دیا ہو یا وہ فرضی باتیں گھڑنے میں اُتارُو ہو۔

جھوٹی باتیں گھڑنے کی اس ٹکسال میں برطانوی مؤرخ جان ولیم ڈریپر صاحب سب سے زیادہ تیز نکلے۔ وہ اپنی کتاب ''معرکۂ علم و مذہب'' میں لکھتے ہیں کہ بحیرا راہب نے بُصریٰ کی خانقاہ میں محمد (ﷺ) کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی اور آپ کے اَخاذ دماغ نے اپنے اتالیق کے مذہبی افکار اور فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا۔ [1]

ولیم میور (William Muir) نے بھی اس واقعے پر بڑی حاشیہ آرائی کی ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ محمد (ﷺ) کو وادیِ حجر، بحیرۂ مردار، یہودیوں اور خصوصاً عیسائیوں کے متعلق معلومات اسی سفر کے ذریعے سے حاصل ہوئیں۔ [2]

[1] سیرۃ النبی ﷺ، (حاشیہ): 128/1. یہ ''معرکۂ علم و مذہب'' وہی کتاب ہے جس کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے ''معرکۂ مذہب و سائنس'' کے نام سے کیا ہے۔

[2] The Life Of Mohamet :2/13,14.


بحیرہ مردار کا منظر


وادی حجر

دوسرا انتہا پسندانہ ردعمل یہ ہوا کہ مستشرقین کی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے بہت سے مسلم سکالرز نے سرے سے اس واقعے کی صحت ہی کا انکار کردیا جبکہ محض مستشرقین کی کارستانیوں کی بنا پر اس واقعے کی صحت کا انکار قرینِ دانش نہیں۔ مشہور سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ اس واقعے کی توجیہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئیوں کے مطابق اس زمانے میں کسی اہم انقلاب کا انتظار تھا۔ (یوحنا 16:14 و 16-7:16) یہودیوں کو بھی آنے والے ایسے مسیحا کا انتظار تھا جسے بنی اسرائیل کے بھائیوں کے خاندان (بنواسماعیل) سے ہونا چاہیے تھا۔ (استثنا 18:18) سردارانِ قریش کی ضیافت سے بحیرا راہب کا مقصد سہ گونہ ہو جاتا ہے: مسافر پروری، تبلیغ نصرانیت اور تسلی دہندہ کی تلاش۔ لیکن بہرحال اس کے وہ مقاصد نہ تھے جن کا مغربی سکالرز تذکرہ کرتے ہیں۔ اس ایک ملاقات سے، جو سب کے سامنے ہوئی، اتنا گہرا تاثر پیدا ہوجانا کہ اس کی بنیاد پر نئے دین کا دعویٰ کیا جاسکے، محض بیمار ذہنوں کی اختراع ہے۔''[1]

قابل غور بات یہ ہے کہ عقیدۂ تثلیث کا رد، یسوع کے ابن اللہ ہونے کی تردید، واقعۂ صلیب کا انکار وغیرہ اگر واقعی اُن کے بزرگ بحیرا راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہیں تو پھر عیسائی سکالر اور جملہ مستشرقین مسلمانوں کا یہ موقف کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ عقیدۂ تثلیث اور ابن اللہ ہونے کے دعووں کا عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات سے کوئی واسطہ نہیں۔

محدثین کا تبصرہ

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ابوطالب سے بحیرا راہب کی بات چیت کی نسبت محدثین کرام نے کیا لکھا ہے؟ آیئے اس کا جائزہ لیں۔

قدیم علماء کے مابین بحیرا راہب والی روایت کی صحت اور عدم صحت کے بارے میں شدید اختلاف ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو حسن غریب[2] اور حاکم نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: ''یہ امام بخاری و مسلم کی شروط کے مطابق ہے۔''[3] البانی، عرجون، شعیب ارناؤط اور عبدالقادر ارناؤط نے بھی امام حاکم کی تائید کی ہے۔[4] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''اس روایت کے راوی ثقہ ہیں۔ سیدنا ابوبکر اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہما کے ذکر کے علاوہ اس میں کوئی سقم نظر نہیں آتا، ہوسکتا ہے کسی راوی نے کسی اور روایت کے الفاظ اس میں غلطی سے بیان کردیے ہوں۔''[5]

[1] سیرۃ خیر الانام، ص:85-87. [2] جامع الترمذي: 3620. [3] المستدرك للحاكم: 616/2، حديث: 4229. [4] صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 29-31، فقه السيرة للغزالي (حاشية)، ص: 71، محمد رسول الله ﷺ: 169/1-171، زاد المعاد (حاشية): 76/1. [5] الإصابة: 475/1، 476.

ابن قیم رحمہ اللہ بھی کہتے ہیں: ''یہ واضح غلطی ہے۔''[1] ان کے علاوہ امام ابن کثیر اور ابن سید الناس رحمہ اللہ نے بھی ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کے ذکر پر اعتراض کیا ہے اور اس تذکرے کے بغیر اس روایت کو قبول کیا ہے۔[2]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے مستدرک حاکم کی تلخیص میں کہا ہے کہ میں اس روایت کو من گھڑت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے کچھ حصے یکسر باطل ہیں۔[3] وہ السيرة النبوية میں اس روایت کے بارے میں کہتے ہیں: ''یہ روایت انتہائی ضعیف ہے۔ ابوبکر کہاں سے آ گئے؟ اُن کی عمر اُس وقت بمشکل دس سال ہوگی۔ وہ نبی کریم ﷺ سے اڑھائی سال چھوٹے تھے۔ بلال اُس وقت کہاں تھے؟ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اُنھیں بعثت کے بعد خریدا تھا۔ وہ تو اُس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اگر بادل آپ پر سایہ فگن تھا تو پھر درخت کے سائے کے کیا معنی؟ ہم نے کہیں نہیں پڑھا کہ نبی کریم ﷺ نے ابوطالب کو کبھی بحیرا کا واقعہ یاد دلایا ہو، نہ قریش نے کبھی اس کا ذکر کیا، حالانکہ یہ ایسا واقعہ تھا جو فوراً مشہور ہو جانا چاہیے تھا کیونکہ وہ لوگ اس طرح کے واقعات نقل کرنے میں بڑے مستعد اور پرجوش تھے۔

پھر نبی کریم ﷺ کو بھی اپنے نبی ہونے کا یقین رہتا۔ جب پہلی مرتبہ غار حراء میں وحی آئی تو اس وقت آپ قطعاً پریشان نہ ہوتے اور ڈرتے ڈرتے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس نہ آتے ......۔ مزید برآں اگر ابوطالب نے راہب کی باتوں سے ڈر کر آپ ﷺ کو واپس بھیج دیا تھا تو پھر وہ دوبارہ آپ ﷺ سے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال شام لے جانے کی بات کیوں کرتے؟ اس حدیث کی زبان بھی عجیب سی ہے۔ یہ صوفیاء کی زبان اور انھی کی اصطلاحات سے ملتی جلتی ہے۔ ابن عائذ نے اسی کے ہم معنی ایک روایت اپنی کتاب ''المغازی'' میں سیدنا ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما کے ذکر کے بغیر نقل کی ہے۔''[4]


غار حراء

ڈاکٹر مہدی رزق اللہ نے کہا ہے: ''ہمارا رجحان اُن لوگوں کی طرف ہے جنھوں نے یہ حدیث قبول کی ہے۔ ان میں امام ترمذی، حاکم، ابن سید الناس، ابن اثیر جزری، ابن کثیر، ابن حجر عسقلانی، سیوطی، البانی اور دیگر قدیم و جدید علماء شامل ہیں۔''[5] باقی رہے امام ذہبی رحمہ اللہ کے متن پر اعتراضات تو محدثین کے طریق پر ان کی توضیح و تطبیق اس طرح ممکن ہے:

[1] زاد المعاد: 76/1. [2] البداية والنهاية: 265/2، عيون الأثر، ص: 30. [3] المستدرك للحاكم: 616,615/2، حديث: 4229. [4] تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 57. [5] السيرة النبوية للمهدي: 122,121/1.

- نبیِ کریم ﷺ کی پیدائش سے لے کر اس واقعے تک کئی نشانیوں کا ظہور ہو چکا تھا جن میں شقِ صدر کا واقعہ بھی شامل ہے جو اس سے زیادہ محیر العقول ہے، اس لیے قریش کو راہب کی باتیں سن کر زیادہ تعجب نہیں ہوا۔
- ابوطالب کو اس واقعے کی یاد دہانی کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ انھوں نے نبیِ کریم ﷺ کی نبوت کے بارے میں کبھی شک کا اظہار نہیں کیا جیسا کہ اُن کے اشعار سے ثابت ہے:

وَاللّٰهِ! لَنْ يَّصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا

''واللہ! جب تک میں زمین میں دفن نہ ہو جاؤں، یہ سب مل کر بھی تمھارا بال بیکا نہیں کر سکتے۔''

فَاصْدَعْ بِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ وَأَبْشِرْ بِذَاكَ وَقَرَّ مِنْكَ عُيُونَا

''اپنے دین کی علی الاعلان تبلیغ کرو، اس میں تمھارے لیے کوئی عار نہیں۔ اس کامیابی پر خوش ہو جاؤ اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر لو۔''

وَدَعَوْتَنِي وَزَعَمْتَ أَنَّكَ نَاصِحِي فَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ قَبْلُ أَمِينَا

''تم نے مجھے دعوت دی اور تم سمجھتے ہو کہ تم میرے خیر خواہ ہو۔ تم نے بالکل سچ کہا، تم شروع ہی سے امین ہو۔''

وَعَرَضْتَ دِينًا قَدْ عَرَفْتُ بِأَنَّهُ مِنْ خَيْرِ أَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِينَا

''تم نے جو دین پیش کیا ہے، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ کائنات کے تمام ادیان سے بہتر ہے۔''

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حِذَارُ مَسَبَّةٍ لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ يَقِينَا

''اگر مجھے ملامت اور گالی گلوچ کا خوف نہ ہوتا تو تم دیکھ لیتے کہ میں بڑی خوش دلی سے اسے قبول کرنے کا اعلان کر دیتا۔''[1]

ابوطالب کو نبیِ کریم ﷺ کی نبوت اور سچائی کا پورا یقین تھا، اسی وجہ سے وہ آپ کی حمایت میں ہمیشہ سرگرم رہے۔ ایک جگہ تو اُنھوں نے یہاں تک کہا:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ! نُبْزَى مُحَمَّدًا وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهُ وَنُنَاضِلِ

''بیت اللہ کی قسم! تمھاری یہ بات باطل ہے کہ محمد (ﷺ) کو کوئی ہم سے چھین سکتا ہے۔ ارے! ابھی تو ہمیں محمد ﷺ کے دفاع میں نیزے اُٹھانے اور شمشیریں چلانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔''

[1] دلائل النبوة للبيهقي (حاشية):341/2.

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَائِنَا وَالْحَلَائِلِ

”(یہ جھوٹ ہے کہ) ہم انھیں تمھارے حوالے کریں گے، یہاں تک کہ ہم ان کے اردگرد ہلاک کر دیے جائیں۔ ہم (اُن کی حفاظت کے لیے) اپنے بیوی بچوں کو بھی فراموش کر دیں گے۔“[1]

غور کا مقام ہے، ابوطالب کہہ رہے ہیں کہ وہ آپ کی حفاظت کے لیے اپنے اہل وعیال بھی قربان کر دیں گے۔ کیا انھیں جھوٹا سمجھنے کی صورت میں وہ یہ بات کہہ سکتے تھے؟

- نبی کریم ﷺ وحی کے جلال اور فرشتے سے ملاقات کی ہیبت سے گھبرا کر گھر پہنچے تھے، آپ کسی آسیب یا شیطانی حملے سے خوف زدہ نہیں ہوئے تھے۔
- یہ اعتراض کہ ابوطالب نے نبی کریم ﷺ کو دوسری مرتبہ شام کیوں جانے دیا؟ اس کی کئی وجوہ ہیں:

1. اس واقعے کو گزرے ہوئے طویل عرصہ بیت چکا تھا۔ اب نبی کریم ﷺ جوان تھے، اپنی حفاظت آپ کر سکتے تھے۔
2. نبی کریم ﷺ کو نبی آخرالزمان بننا تھا۔ اللہ تعالیٰ خود آپ ﷺ کی حفاظت فرما رہا تھا۔ یہی بات بحیرا راہب نے ان رومیوں سے کہی جو نبی کریم ﷺ کو قتل کرنے کے ناپاک ارادے سے نکلے تھے۔ راہب نے اُن سے کہا: ”ذرا سوچو! اگر اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا فیصلہ کر لیا ہے تو کیا کوئی شخص اسے روک سکتا ہے؟“ وہ کہنے لگے: ”نہیں!“
3. ابوطالب تو اس یقین کی بنا پر اُس وقت بھی آپ ﷺ کو واپس نہیں بھیجنا چاہتے تھے۔ انھوں نے بحیرا راہب کے خدشے اور اصرار ہی پر آپ ﷺ کو واپس بھیجا۔

واقعۂ بُصریٰ کی اہمیت

بُصریٰ میں بحیرا راہب کی بات چیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب رسول اللہ ﷺ کی عظیم الشان صفات اور آپ کے زمانے کو اچھی طرح پہچانتے تھے، یہ سب کچھ اُن کی کتابوں میں لکھا ہوا تھا۔ یہ واقعہ قرآن مجید کی اُس آیت کی بھی تفسیر کرتا ہے جو یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝﴾

”وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی، اسے (نبی کریم ﷺ کو اسی طرح) پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں سے کچھ لوگ یقیناً جانے بوجھے حق کو چھپاتے ہیں۔“[2]

[1] البداية والنهاية :3/51,52. [2] البقرة 2:146.

بلکہ نبی کریم ﷺ کے ظہور سے پہلے وہ ان نشانیوں کی بنا پر عربوں کو دھمکیاں بھی دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

''اور جب ان (اہلِ کتاب) کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب (قرآن) آ گئی جو اس (سابقہ کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ حق آ گیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

یہی بات حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا باعث بنی تھی۔ اُنھوں نے یکے بعد دیگرے کئی عیسائی راہبوں اور یہودی عالموں سے تعلیم حاصل کی تھی اور ان سے نبیِ آخر الزماں ﷺ کی صفات کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی تھیں۔

رومیوں (مسیحیوں) کی دشمنی کے اسباب



قیصر روم ہرقل کا سکہ

ہر استعماری قوت بہت سے موہوم خطروں اور وسوسوں میں مبتلا رہتی ہے۔ رومیوں نے بھی عربوں کے بہت سے علاقوں بالخصوص شام و اُردن پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا تھا۔ وہ شام کے غلے، پھلوں، دودھ اور شہد پر خوب عیش کر رہے تھے۔ اُنھیں خطرہ تھا کہ آنے والا نبی اور اُس کے ساتھی ہمیں ان ثمر بار علاقوں سے محروم کر دیں گے۔ رومیوں کے یہ خدشات صحیح ثابت ہوئے اور غزوۂ موتہ اور تبوک کے بعد رسول اللہ ﷺ کے صحابہ نے شام کے علاقے فتح کر لیے اور وہاں کے باشندوں کو جو عربوں ہی کے رشتہ دار تھے، رومیوں کے ظلم و استحصال سے نجات دلائی۔

یہودیوں کی اسلام دشمنی

یثرب، وادی القریٰ، خیبر اور اس کے آس پاس بہت سے یہودی آباد تھے۔ یہ مختلف علاقوں، خصوصاً شام سے ہجرت کر کے اس علاقے میں آئے تھے۔ یہودی علماء وقتاً فوقتاً اس علاقے میں اپنے آنے کی وجہ یہ بیان کرتے تھے کہ

[1] البقرة 2:89.



نبی آخرالزمان کا ظہور اسی علاقے سے ہونے والا ہے۔ ان کی یہ بھی آرزو تھی کہ آنے والا نبی انھی میں سے ہو۔ وہ اس نبی کے شدت سے منتظر تھے اور اس کے ظہور کی صورت میں دوبارہ اپنے عروج کے خواب دیکھ رہے تھے جیسا کہ بائبل میں درج ہے:

''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس (یوحنا) کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اُنھوں نے اُس سے پوچھا: ''پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟'' اُس نے کہا: ''میں نہیں ہوں۔'' کیا تُو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس اُنھوں نے اُس سے کہا: ''پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جواب دیں، تُو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟'' اُس نے کہا: میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اُنھوں نے اُس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے، نہ ایلیاہ، نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟''[1]

کاہن اور لاوی کی اصطلاحیں موسیٰ علیہ السلام کی پرانی شریعت میں استعمال ہوئی ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ ہر لاوی کاہن ہوسکتا ہے لیکن ہر کاہن لاوی نہیں ہوسکتا۔ عربی میں لاوی (Levi) کی جمع لاویین (Levites) ہے۔ یہ لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہم السلام سے منسوب ہیں۔[2]

یہودی مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ ایک اور نبی کے بھی منتظر تھے اور یہ چاہتے تھے کہ وہ انھی میں سے ہو۔ لیکن جب

[1] کتاب مقدس (یوحنا) 1: 19-25. [2] قاموس الکتاب، ص: 853، المنجد في الأعلام، ص: 491.

اُنھوں نے دیکھا کہ اس کا تعلق یہود سے نہیں تو وہ شدید حسد اور بغض میں مبتلا ہو گئے۔ قرآن حکیم کا بیان ہے:

﴿ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴾

"یا وہ لوگوں سے اس بنا پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے، ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت عطا فرمائی اور ہم نے انھیں بہت بڑی سلطنت عطا فرمائی۔"[1]

یہودیوں نے صدیوں سے دُنیا میں انسانیت کُش سودی نظام کا جال پھیلا رکھا ہے۔ قرونِ وسطیٰ ہی میں یہود سودی استحصال کے نتیجے میں اس قدر مردم خور بن گئے تھے کہ سولہویں صدی عیسوی کے انگریز ڈراما نویس ولیم شیکسپیئر نے ایک سود خور یہودی کردار شائیلاک تخلیق کر کے ان کی اس ظالمانہ استحصالی فطرت کو عالمی ادب کا مستقل عنوان بنا دیا۔ شیکسپیئر کے ڈرامے "وینس کے سوداگر" (Merchant of Venice) میں شائیلاک انٹونیو کو قرض دیتے وقت یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر تم معینہ وقت کے اندر قرض واپس نہ کر سکے تو تمھیں اپنے جسم کا ایک پونڈ گوشت مجھے دینا ہوگا۔[2]

جب یہود نے اپنے شائیلا کی سودی نظام کی شدید مذمت اور خود ساختہ رسوم و عقائد کے بخیے اُدھڑتے دیکھے اور پھر اُن کے تبحر علمی کا بھرم بھی ٹوٹنے لگا تو وہ نبیِ کریم ﷺ اور اسلام کے شدید دشمن بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾

"(اے نبی!) یقیناً آپ اہل ایمان کی عداوت میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہودیوں اور مشرکوں کو پائیں گے اور اہل ایمان کے لیے دوستی رکھنے میں قریب ترین یقیناً ان لوگوں کو پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک ان میں کچھ پختہ دانش مند (عالم) ہیں اور کچھ دنیا سے الگ تھلگ رہنے والے ہیں اور یہ کہ وہ غرور نہیں کرتے۔"[3]

نبیِ کریم ﷺ کا سفرِ یمن

امام ابن کثیر اور امام ابن جوزی ؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں نبیِ کریم ﷺ کے سفرِ یمن کا حال

[1] النسآء 4:54.

[2] Oxford English Reference Dictionary, p:1344.

[3] المآئدة 5:82.

بیان کیا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جب نبیِ کریم ﷺ کی عمر تیرہ یا چودہ سال کی تھی تو آپ ﷺ نے جناب زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ یمن کی طرف ایک تجارتی سفر کیا۔ قافلے والوں نے بتایا کہ انھوں نے اس سفر میں کئی غیرمعمولی نشانیاں دیکھی ہیں، مثلاً: انھوں نے بتایا کہ ہم جس راستے سے گزر رہے تھے، وہاں ایک خوفناک اڑیل اونٹ ملا، وہ راستہ روکے کھڑا تھا۔ جونہی اس اونٹ نے محمد (ﷺ) کو دیکھا، وہ فوراً بیٹھ گیا اور ادب و عاجزی سے اپنا سینہ زمین پر رگڑنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ اس پر سوار ہو گئے۔ اسی طرح ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ راستے میں شدید سیلاب آ گیا۔ محمد (ﷺ) کی معیت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے سارا پانی خشک کر دیا اور ہم وادی سے صحیح سلامت گزر گئے۔ [1]

یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ امام ابن کثیر اور ابن جوزی رحمہما اللہ کے سوا کسی مشہور سیرت نگار یا مؤرخ نے اس روایت کا ذکر نہیں کیا۔ ہم یہ تو یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ آپ نے یمن کا سفر کیا لیکن روایت کے دوسرے حصے میں جانوروں کی طرف سے آپ کے احترام کا جو ذکر ہے، اس کی تصدیق متعدد صحیح روایات سے ہوتی ہے جیسا کہ عبداللہ بن قُرط رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

وَقُرِّبَ لِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ بَدَنَاتٌ خَمْسٌ أَوْ سِتٌّ فَطَفِقْنَ يَزْدَلِفْنَ إِلَيْهِ بِأَيَّتِهِنَّ يَبْدَأُ

''رسول اللہ ﷺ کے سامنے پانچ یا چھ اونٹنیاں لائی گئیں۔ وہ آپ کے قریب سے قریب تر ہونے لگیں تاکہ آپ ﷺ اسی سے ذبح کرنے کی ابتدا کریں۔'' [2]

یہ فدویت اور ...... ''ترے ہاتھوں سے مرنا زندگی ہے!'' ...... کا بڑا نادر مظاہرہ ہے۔ یہ فدویت صرف سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی خدمت میں پیش کی گئی۔ آپ ﷺ کے علاوہ دنیا کی کسی اور شخصیت کو ایسی محبت اور جاں سپاری کبھی میسر نہیں آئی۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے۔ ایک انصاری خاندان کے پاس ایک اونٹ تھا، اس خاندان کے لوگ اس اونٹ سے باربرداری کا کام لیتے تھے، وہ کنویں سے پانی نکالتے تھے اور اس اونٹ پر لاد کر لایا کرتے تھے۔ اچانک ایک دن یہ اونٹ سرکش ہو گیا، اس نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ جونہی وہ لوگ اس پر سامان لادتے، وہ بیٹھ جاتا، پھر اٹھنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ یوں ان کا سارا کاروبار ٹھپ ہو گیا، غریب لوگ تھے، دوسرا اونٹ لینے کی سکت نہ تھی۔ بہت پریشان ہوئے، آخر کار مجبور ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے، عرض کی: ''یارسول اللہ! ہمارے پاس

[1] البداية والنهاية: 258/2، السيرة الحلبية: 191/1. [2] سنن أبي داود: 1765.

صرف ایک ہی اونٹ ہے، اسی پر ہم پانی بھر کے لاتے تھے، وہ سرکش ہوگیا ہے، اپنی پیٹھ پر کوئی چیز نہیں رکھنے دیتا، نتیجہ یہ ہے کہ ہماری فصلیں مرجھا گئی ہیں اور کھجوریں خشک ہوگئی ہیں۔'' آپ ﷺ نے صحابۂ کرام سے فرمایا: ''اٹھو!'' سب اٹھے اور آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے، باغ میں قدم رکھا تو دیکھا کہ وہ اونٹ ایک کنارے پر الگ تھلگ کھڑا ہے، آپ ﷺ اس کی جانب چل پڑے، خوف کے مارے انصاریوں کے دل دھڑکنے لگے مبادا اونٹ آپ کو نقصان پہنچادے، وہ گھبرا گئے اور چلا کر کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! یہ اونٹ تو باؤلے کتے کی طرح (وحشی) ہو چکا ہے۔ ہمیں ڈر ہے، وہ آپ پر حملہ کردے گا۔'' آپ ﷺ نے اطمینان سے فرمایا: «لَیْسَ عَلَيَّ مِنْهُ بَأْسٌ» ''مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں۔''

جب اونٹ کی نگاہ آپ ﷺ پر پڑی تو وہ بھاگا بھاگا آیا اور آپ کے قریب پہنچ کر سجدہ کرکے آپ کے قدموں میں گر پڑا، آپ نے اسے پیشانی سے پکڑا اور کام پر لگا دیا۔ صحابہ کو بڑی حیرت ہوئی، انھوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! ایک جانور نادان ہونے کے باوجود آپ کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے گر پڑا ہے، ہم تو انسان اور صاحبِ عقل و دانش ہیں، ہمیں تو بالاولیٰ آپ کے سامنے سربسجود ہوجانا چاہیے،' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ، وَلَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

''کسی انسان کو زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی پیشانی کسی انسان کے آگے جھکائے، اگر کسی انسان کے لیے سجدے کی اجازت ہوتی تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کے سامنے سربسجود ہوجائے، اس لیے کہ خاوند کے بیوی پر بہت زیادہ حقوق ہیں۔''[1]

یعلیٰ بن مرہ ثقفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے، دورانِ سفر ہم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے۔ اس پر پانی لاد کر لایا جا رہا تھا، جیسے ہی اونٹ کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی تو وہ فوراً اپنی گردن آپ کے قدموں میں جھکا کر یوں بلبلانے لگا جیسے وہ آپ ﷺ سے کوئی گزارش کر رہا ہے، آپ ﷺ وہیں ٹھہر گئے اور دریافت فرمایا:

«أَيْنَ صَاحِبُ هٰذَا الْبَعِيرِ؟»

''اس اونٹ کا مالک کہاں ہے؟''

[1] مسند أحمد: 159,158/3.

وہ آ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «بِعْنِيهِ» ''یہ اونٹ میرے ہاتھ بیچ دو۔'' اس نے کہا: ''جی نہیں! میں اسے بیچوں گا نہیں بلکہ میں یہ اونٹ آپ کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کرتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «لَا، بِعْنِيهِ» ''نہیں، تم اسے میرے ہاتھ فروخت کرو۔'' اس نے کہا: ''میں تو یہ اونٹ آپ کو بطور ہدیہ پیش کرتا ہوں، یہ اونٹ ایک ایسے گھر والوں کا ہے جن کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ معاش نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا إِذْ ذَكَرْتَ هٰذَا مِنْ أَمْرِهِ فَإِنَّهُ شَكٰى كَثْرَةَ الْعَمَلِ وَ قِلَّةَ الْعَلَفِ فَأَحْسِنُوا إِلَيْهِ»

''اگر معاملہ ایسا ہی ہے تو سنو! یہ اونٹ شکایت کر رہا ہے کہ اس کا مالک اس سے کام زیادہ لیتا ہے اور خوراک تھوڑی دیتا ہے، لہٰذا تم اس سے حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔''[1]

[1] مسند أحمد: 173/4.

محمد ﷺ کی بتوں اور برے اخلاق سے بیزاری

نبی کریم ﷺ ابتدا ہی سے اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگرانی اور حفاظت میں تھے۔ زمانۂ رضاعت کے دوران ہی میں شقِ صدر کر کے آپ ﷺ کے قلب اطہر کو شیطانی وسوسوں اور فتنوں سے محفوظ کر دیا گیا تھا۔ زندگی کے ہر موڑ پر خصوصی نگہداشت کا یہ انتظام سدا آپ کے ساتھ ساتھ رہا۔ یوں آپ ﷺ کا دامن بچپن، لڑکپن، جوانی غرض ہر دور میں زمانۂ جاہلیت کی اُن آلائشوں سے یکسر پاک رہا جن میں سارا عرب بُری طرح لت پت تھا۔

بُت پرستی سے نفرت

آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا مرکزی نکتہ یہی تھا کہ کائنات کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے، کوئی غیر اس کا شریک نہیں، اس حقیقتِ عظمیٰ کے ساتھ ساتھ انبیائے کرام علیہم السلام یہ بھی بتاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو بہت فضیلت دی ہے۔ آدم کی اولاد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی پرستش نہ کرے، نہ خود ایک دوسرے کا رب بننے کی کوشش کرے۔ انسان کی پیشانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حضور جھکنی چاہیے۔ یہی انسان کی فضیلت ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ»

''ہر بچہ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے والدین ہی ہیں جو اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''[1]

جس کی فطرت سلیم ہو، وہ ناموافق حالات کے باوجود حق تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی ایک روشن مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے۔ وہ کتنے کٹھن اور کیسے کیسے نازک حالات سے گزرے لیکن ہر لمحے اُن کا کردار منور نظر آیا۔ ساری قوم مظاہر پرستی، توہم پرستی اور بت پرستی میں مبتلا تھی۔ خود اُن کا اپنا گھر بت پرستی کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اُن کے باپ کا پیشہ ہی بت بنا کر فروخت کرنا تھا۔ مگر یہ ساری باتیں مل کر بھی ابراہیم علیہ السلام کی فطرت سلیمہ کو بدل نہ سکیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی کا رخ ہمیشہ ایک ہی خالق و مالک کی طرف رکھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح البخاري: 1385.

﴿ اِنِّیۡ وَجَّہۡتُ وَجۡہِیَ لِلَّذِیۡ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ حَنِیۡفًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ۚ﴿﴾ وَحَآجَّہٗ قَوۡمُہٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّیۡ فِی اللّٰہِ وَ قَدۡ ہَدٰىنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِکُوۡنَ بِہٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ رَبِّیۡ شَیۡئًا ؕ وَسِعَ رَبِّیۡ کُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوۡنَ ﴿﴾ وَکَیۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَکۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّکُمۡ اَشۡرَکۡتُمۡ بِاللّٰہِ مَا لَمۡ یُنَزِّلۡ بِہٖ عَلَیۡکُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَیُّ الۡفَرِیۡقَیۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ ۚ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿﴾ ﴾

”(ابراہیم علیہ السلام نے کہا:) بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف مرکوز کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اس (ابراہیم) کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا تو اس نے کہا: کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کرتے ہو، حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی ہے اور میں ان سے نہیں ڈرتا جنھیں تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ہاں، اگر میرا رب کچھ چاہے (تو وہ ضرور ہوسکتا ہے)، میرے رب کا علم ہر چیز پر چھایا ہوا ہے۔ کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ اور میں ان سے کیوں ڈروں جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو جبکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم انھیں اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو جن کی اس نے تم پر کوئی دلیل نہیں اُتاری؟ پس دونوں فریقوں میں سے کون امن کا زیادہ حقدار ہے؟ اگر تم جانتے ہو (تو بتاؤ)۔“ [1]

محمد ﷺ بھی اسی فطرت سلیمہ پر قائم رہے۔ آپ ابراہیم علیہ السلام کی آل سے تھے۔ انھی کی دعا تھے۔ آپ نہ صرف ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے عہد پر قائم رہے بلکہ اولاد آدم کو اسی فطرت پر واپس لانے اور ان کے اس پر قائم رہنے کے سب سے بڑے داعی اور مربی بنائے گئے۔ قیامت تک فطرتِ سلیمہ کی طرف واپسی کا ذریعہ آپ ﷺ ہی کی تعلیمات ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا طبعی رجحان اور رویے بچپن ہی سے سب سے جداگانہ اور ممتاز تھے۔ آپ ﷺ بتوں سے شدید نفرت کرتے تھے۔ بتوں سے یہ نفرت اُس وقت بڑی وضاحت سے نمایاں ہو کر سامنے آئی جب بحیرا راہب آپ ﷺ سے باتیں کر رہا تھا۔ باتیں کرتے کرتے اُس نے قریش کے طریقے کے مطابق لات اور عزّیٰ کی قسم کھائی تو آپ ﷺ نے اُسے فوراً ٹوک دیا، فرمایا:

«لَا تَسْأَلْنِي بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى شَيْئًا، فَوَاللّٰهِ! مَا أَبْغَضْتُ بُغْضَهُمَا شَيْئًا قَطُّ»

”لات وعزّیٰ کا حلف دے کر مجھ سے کچھ نہ پوچھیے۔ اللہ کی قسم! مجھے ان بتوں سے جس قدر شدید بغض اور نفرت ہے، اتنی کسی اور شے سے نہیں۔“ [2]

عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ”مجھے خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے پڑوسی نے بتایا کہ ایک دفعہ اُس نے نبیِ کریم ﷺ

[1] الأنعام 6:79-81. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 169/1، دلائل النبوة للبيهقي: 35/2.

کو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے گفتگو فرماتے سنا، آپ ﷺ خدیجہ سے فرما رہے تھے:

« وَاللّٰهِ! لَا أَعْبُدُ اللَّاتَ أَبَدًا وَّاللّٰهِ! لَا أَعْبُدُ الْعُزّٰى أَبَدًا»

''اللہ کی قسم! میں کبھی لات کی پوجا نہیں کروں گا۔ اللہ کی قسم! میں ہرگز عُزّیٰ کی پوجا نہیں کروں گا۔''

خدیجہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''عُزّیٰ کو چھوڑیے۔'' عزّیٰ کے بارے میں عروہ کہتے ہیں کہ یہ اُن (کفار قریش) کا بت تھا جس کی وہ رات کو سونے سے پہلے پوجا کیا کرتے تھے۔[1]

مستشرقین کی بددیانتی

مستشرقین کو اسلام سے جو دشمنی ہے، وہ کسی پڑھے لکھے آدمی سے پوشیدہ نہیں۔ وہ ہمیشہ ہر موقع پر مفروضات اور بے اصل باتوں کی بنیاد پر طومار باندھنے میں بڑی تیزی دکھاتے ہیں، انھوں نے اس روایت کے حوالے سے بھی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہودی مستشرق پروفیسر ڈیوڈ سیموئیل مارگولیتھ (David Samuel Margolioth) کہتا ہے کہ اس حدیث میں عروہ کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ (نعوذ باللّٰہ) نبی کریم ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سونے سے پہلے روزانہ لات اور عزّیٰ کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حوالے کے طور پر اس نے یہی عروہ کی روایت پیش کر دی ہے، حالانکہ عربی زبان سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا بھی جانتا ہے کہ اس وضاحتی فقرے میں تمام صیغے جمع کے ہیں:

كَانَتْ صَنَمَهُمُ الَّتِي كَانُوا يَعْبُدُونَ، ثُمَّ يَضْطَجِعُونَ.

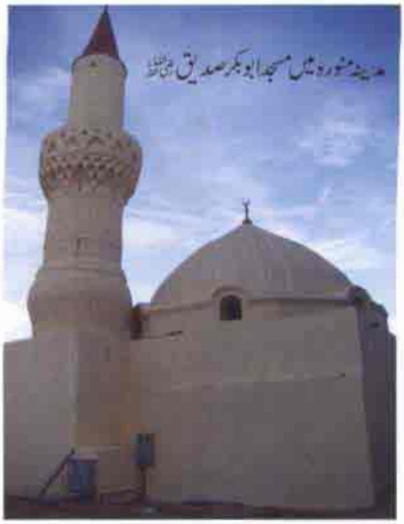
''یہ اُن کا بت تھا جس کی وہ سونے سے پہلے پوجا کیا کرتے تھے۔''[2]

(ا۔ روایت میں دو افراد کا ذکر ہے جن کے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔ ظاہر ہے اگر ان دونوں کے بارے میں خبر دینی مقصود ہوتی تو ان کے لیے تثنیہ کا صیغہ لایا جاتا، نہ کہ جمع کا۔

ب۔ یہ وضاحتی فقرہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پڑوسی کا نہیں بلکہ عروہ رحمہ اللہ کا ہے جو عربوں کے رواج کے بارے میں بتلا رہے ہیں۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں اس رسم بد سے براءت اور بیزاری کا اظہار کر رہے ہیں۔

بحیرا راہب کی گفتگو والی روایت مستشرقین کی من بھاتی روایت ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے بانگ دہل اعلان فرمایا ہے کہ ''مجھے دنیا میں سب سے زیادہ نفرت لات و عزّیٰ سے ہے۔'' جب آپ کو بتوں سے اتنی شدید نفرت تھی تو پھر آپ ﷺ ان کی عبادت کیسے کر سکتے تھے؟

[1] مسند أحمد: 222/4 و 362/5. [2] مسند أحمد: 222/4 و 362/5.


مدینہ منورہ میں مسجد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

ابوبکر رضی اللہ عنہ پر بتوں کی حقیقت کس طرح کھلی؟

قریش میں محمد ﷺ کی طرح کئی اور سلیم الفطرت افراد بھی موجود تھے جو بت پرستی کی طرف کبھی مائل نہیں ہوئے۔ ان میں سے ایک نمایاں شخصیت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی جنھوں نے ایام جاہلیت میں بھی کبھی بت نہیں پوجے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود فرماتے ہیں کہ میں نے اسلام سے پہلے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا۔ یہ سن کر لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی کیونکہ بتوں سے اٹے ہوئے ماحول میں رہ کر بت پرستی سے بچ جانا فی الواقع بڑے تعجب کی بات تھی۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا: میں بلوغت کے قریب تھا، ایک دن میرے والد ابوقحافہ مجھے بت خانے لے گئے، انھوں نے بتوں کی طرف اشارہ کیا، پھر مجھ سے کہنے لگے: ''یہ تمھارے معبود ہیں۔'' میں فطری طور پر ذہین تھا۔ میں نے بتوں کو آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔ میں ایک بت کے قریب گیا اور اس سے کہا: ''میں بھوکا ہوں، مجھے کھانا کھلاؤ۔'' بت نے کوئی جواب نہ دیا، پھر میں نے کہا: ''میرے پاس ڈھنگ کے کپڑے نہیں ہیں، مجھے اچھا سا لباس فراہم کرو۔'' اس کا بھی جواب نہ ملا۔ میں نے ایک پتھر اُٹھا کر بت پر مارا۔ وہ ایک دم منہ کے بل گر پڑا۔ یوں مجھ پر بتوں کی حقیقت کھل گئی، میں جان گیا کہ ان بے حس وحرکت بتوں کی پوجا بہت بڑی حماقت ہے۔[1]

جب بت پرستی کے سلسلے میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حالت یہ تھی تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بتوں کی نسبت اُس مقدس ہستی کا ردعمل کیا ہوگا جس کے سر پر انسانیت کی رہنمائی کا تاج سجنے والا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ نبی ﷺ نبوت سے پہلے بھی نہ صرف خود بتوں سے ہمیشہ دور اور نفور رہے بلکہ دوسروں کو بھی بت پرستی سے منع کرتے رہے۔

نبوت سے پہلے ہی بتوں سے اجتناب کی نصیحت

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ قریش طواف کرتے ہوئے برکت کے لیے اپنے بت اِساف یا نائلہ کو بھی ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ یہ دونوں بت تانبے کے بنے ہوئے تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ کے ساتھ میں نے بھی طواف کیا۔ جب میں ایک بت کے پاس سے گزرا تو میں نے اسے ہاتھ لگایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔'' میں نے دل میں کہا کہ میں تو اسے ضرور ہاتھ لگاؤں گا تاکہ دیکھوں اس کا ردعمل کیا

[1] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 29/3.

ہوتا ہے۔ میں نے اسے پھر ہاتھ لگا دیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا: ''کیا تمھیں (اس حرکت سے) منع نہیں کیا گیا؟''
زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

فَوَالَّذِي هُوَ أَكْرَمَهُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ! مَااسْتَلَمَ صَنَمًا حَتّٰى أَكْرَمَهُ اللّٰهُ بِالَّذِي أَكْرَمَهُ وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ.

''اُس ذات کی قسم جس نے نبی ﷺ کو معزز بنایا اور آپ پر کتاب نازل کی! آپ ﷺ نے کبھی کسی بت کو نہیں چُھوا یہاں تک کہ اللہ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا اور آپ پر قرآن نازل کیا۔''[1]

یہ اس شخص کی شہادت ہے جو آپ ﷺ کو بیٹوں کی طرح عزیز تھا اور سفر و حضر میں ہر وقت آپ کے ساتھ رہتا تھا۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے اِساف اور نائلہ نامی جن دو بتوں کا ذکر کیا ہے، وہ ایک جوڑا تھا۔ قریش کے ہاں مشہور تھا کہ یہ مرد اور عورت تھے۔ دونوں نے کعبہ کے اندر زنا کا ارتکاب کیا۔ دونوں مسخ ہو کر پتھر بن گئے تھے۔[2] مشرکین نے اس جوڑے کے تانبے کے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی تھی۔

قریش کی عید میں شرکت سے انکار

''بوانہ'' ینبع کے پیچھے ایک چوٹی ہے جو بحیرۂ احمر کے ساحل کے قریب ہے۔ اس کے قریب دو چشمے ہیں جن کا نام

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 34/2، البداية والنهاية: 267/2، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 70,69. [2] السيرة لابن هشام: 83,82/1.



بحیرۂ احمر کے ساحل کے قریب بوانہ کی چوٹی

قصیبہ اور المجاز ہے۔[1] قریش ہر سال ''بوانہ'' پر اپنے ایک بت کے پاس عید منایا کرتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے اس بت کے پاس جانے سے صاف انکار کردیا۔ اس وجہ سے آپ کی پھوپھیاں اور چچا ابوطالب آپ سے بہت ناراض ہوئے۔ آپ نے مجبوراً اُن کی بات مان لینے کا ارادہ کرلیا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے آپ ﷺ کو اس نجاست سے بچالیا۔ لمبے قد کا ایک سفید رُو آدمی آپ کے سامنے ظاہر ہوا۔ اس نے آپ ﷺ کو بت چھونے سے روک دیا۔ پھر آپ نے زندگی بھر قریش کی کسی عید میں شرکت نہیں کی۔[2]

بیہقی کی روایت سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ آغازِ وحی سے پہلے کے زمانے میں دو فرشتوں نے آپ ﷺ کو مشرکین کے ساتھ اُن کے میلوں میں جانے سے روک دیا تھا، چنانچہ آپ کبھی کسی میلے اور کھیل تماشے میں نہیں گئے۔[3]

نبوت سے پہلے بھی غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ نہیں کھایا

اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کیے گئے جانور کا گوشت کھانا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾

''مردہ جانور، خون، سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، تمھارے لیے حرام کیے گئے ہیں۔''[4]

نبیِ کریم ﷺ کی نبوت سے پہلے بھی یہی عادت مبارک تھی کہ آپ غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والے جانور کا گوشت نہیں کھاتے تھے۔ نبوت سے پہلے بلدح کے نشیب میں نبی اکرم ﷺ کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی۔ بلدح مکہ کے مغرب میں ایک ندی (وادی) ہے اور جبل حراء سے شروع ہوکر مرالظہران میں ختم ہوتی ہے اور حدیبیہ (شُمَیسی) کے شمال سے گزرتی ہے۔[5] اس موقع پر آپ کے سامنے ایک دسترخوان آراستہ کیا گیا۔ اس پر ایک بت کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت رکھا ہوا تھا۔ آپ نے اُسے کھانے سے انکار کردیا۔ زید بن عمرو نے (بھی) کہا: ''میں بھی ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جنھیں قریش بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں۔ میں صرف وہی گوشت کھاتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو۔'' بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنے کی وجہ سے زید بن عمرو قریش کی مذمت کیا کرتے تھے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ بکری اللہ نے پیدا کی، پھر اللہ تعالیٰ

---

1 معجم البلدان، مادة: بوانة. 2 الطبقات لابن سعد: 158/1. 3 دلائل النبوة للبيهقي: 35/2، البداية والنهاية: 268/2.
4 المآئدة 3:5. 5 معجم البلدان، مادة: بلدح، معجم المعالم الجغرافية، مادة: بلادح.

ہی نے اس کے لیے بارش برسائی اور اسی نے اس کے لیے سبز چارہ اُگایا، پھر تم لوگ اُسے غیر اللہ کے نام پر کیوں ذبح کرتے ہو؟[1]

جھوٹ سے اجتناب

سچائی کا سب سے بڑا حسن یہی ہے کہ وہ سچائی ہے۔ سچائی کو کسی خوف یا طمع کے زیر اثر نہیں بلکہ صرف سچائی کے لیے اختیار کرنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب سے شعور کی آنکھیں کھولیں، سچائی ہی کو اپنا شعار بنایا۔ آپ ﷺ نے ہر طمع سے بے نیاز اور ہر خوف سے بے پروا ہو کر سچائی کو صرف سچائی کے لیے اختیار فرمایا۔ جب کہ آپ ﷺ کی ولادت اور بعثت کے دور میں عرب کے مشرکانہ معاشرے میں جھوٹ کی گرم بازاری تھی۔ لوگ اپنا درجہ بڑھانے، عیب چھپانے، دوسروں کا مال ہتھیانے، تجارت بڑھانے، رشتہ داروں اور دوستوں کو مطمئن کرنے اور اپنے جرائم پر پردہ ڈالنے کے لیے دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے تھے بلکہ بعض اوقات خواہ مخواہ دوسروں کو بھٹکا کر یا بیوقوف بنا کر لطف اندوز ہونے کے لیے جھوٹی باتیں بناتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی معاشرے میں آنکھ کھولی اور اسی بستی میں پرورش پائی لیکن آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔

اہل مکہ اور اردگرد کے علاقوں کے سارے باشندے آپ ﷺ کی سیرت مقدسہ کے اس گرانقدر پہلو سے خوب آگاہ تھے کہ آپ ﷺ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ اسی لیے وہ آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ یہ وصف آپ کے نام نامی کی طرح مشہور ہو گیا تھا۔ سچائی وہ اعلیٰ ترین اخلاقی خوبی ہے جو تمام صفاتِ حسنہ کی بنیاد ہے۔ بنیادی طور پر یہ اللہ تعالیٰ کی اپنی عظیم صفت ہے جو وہ اپنے محبوب بندوں کو بھی ودیعت کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ۝ ﴾

”اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے؟“[2]

اللہ تعالیٰ سچا ہے، اس کا پیغام بھی سچا ہے، لہٰذا جو لوگ اس پیغام کے حامل ہیں، اسے دوسروں تک پہنچانے کے ذمہ دار ہیں اور اس پر عمل کرنے کا عہد کرتے ہیں، وہ بھی لازماً سچے ہیں۔ صداقت انبیائے کرام ﷺ کی وہ سب سے اہم اور روشن ترین خوبی ہے جس پر نہ صرف ان کی نبوت کا انحصار ہے بلکہ ساری شریعت اور پیغمبرانہ جدوجہد کی عمارت

[1] صحيح البخاري:3826. [2] النسآء 4:87.

بھی اسی پر قائم ہے، اسی لیے قرآن پاک نے انبیاء علیہم السلام کے تعارف میں ان کی بے داغ سچائی ہی کو بنیادی صفت اور دلیل کے طور پر پیش کیا ہے:

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ ﴾

''اور کتاب میں ابراہیم (علیہ السلام) کا ذکر کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔''[1]

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ ﴾

''اور کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا ذکر کرو، بے شک وہ وعدے کے سچے اور ہمارے بھیجے ہوئے نبی تھے۔''[2]

﴿ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ ﴾

''اور کتاب میں ادریس (علیہ السلام) کا ذکر کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔''[3]

نبی کریم ﷺ اس صفت میں بھی یکتا تھے۔ سب انسانوں سے بڑھ کر بے لاگ سچ بولتے تھے۔ بچپن ہی سے آپ کی زبانِ صداقت ترجمان سے ہمیشہ سچائی ہی کا اظہار واعلان ہوتا رہا۔ کبھی کسی صورت کوئی ایسی بات لب مبارک سے نہیں نکلی جو سچائی کے منافی ہو۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو بھی ارشاد فرماتے تھے، میں اُسے لکھ لیا کرتا تھا۔ ایسا میں اس لیے کرتا تھا تاکہ آپ کی تمام باتوں کو اچھی طرح محفوظ کرلوں۔ قریش کے کچھ لوگ کہنے لگے: ''ارے بھئی! تم ہر بات لکھ لیتے ہو، حالانکہ نبی کریم ﷺ انسان ہیں۔ کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں اور کبھی ناراضی کی حالت میں بھی ہوتے ہیں......'' یہ بات سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا، بعد کو میں نے یہی بات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کر دی۔ آپ ﷺ نے اپنی انگلی سے اپنے دہنِ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

«اُكْتُبْ! فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ! مَايَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ»

''تم لکھا کرو! اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اس زبان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔''[4]

نبوت کا اعلان کرتے وقت رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے اپنے مخاطبین سے اپنی سچائی کے بارے میں گواہی طلب کی تو سب لوگوں نے بلا تأمل یک زبان ہوکر کہا: مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا ''ہم نے آپ کو جب بھی آزمایا، ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔''[5]

---

[1] مریم 19:41. [2] مریم 19:54. [3] مریم 19:56. [4] سنن أبي داود: 3646. [5] صحيح البخاري: 4770.

نبی ﷺ کے بدترین مخالفین بھی آپ کی سچائی کا لوہا مانتے تھے۔ وہ آپ پر جھوٹ بولنے کا الزام لگانے کی کبھی جرأت نہ کر سکے۔ زمانۂ جاہلیت میں جب ابوسفیان رسول اللہ ﷺ کے سب سے بڑے دشمن تھے اور ہرقل کی طلبی پر اس کے دربار میں گئے تھے، اس موقع پر ہرقل نے اُن سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں نے محمد (ﷺ) کے دعوائے نبوت سے پہلے ان پر کبھی جھوٹ کی تہمت لگائی ہے؟ ابوسفیان نے فوراً جواب دیا: ''کبھی نہیں۔''[1]



میدان بدر کا منظر

رسول اللہ ﷺ کی سچائی کے بارے میں یہی شہادت اس اُمت کے فرعون ابوجہل نے بھی دی۔ جنگ بدر کے موقع پر گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ اسی دوران اخنس بن شَریق اور ابوجہل کو تنہائی کے لمحات میسر آئے۔ اخنس نے ابوجہل سے کہا کہ دیکھو، اس وقت یہاں میرے اور تمھارے سوا کوئی تیسرا شخص موجود نہیں۔ سچ سچ بتاؤ تم فی الحقیقت محمد (ﷺ) کو سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ ابوجہل نے فوراً جواب دیا: ''اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) بالکل سچے انسان ہیں، انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اصل بات یہ ہے کہ جب جھنڈے کی ذمے داری، حاجیوں کو پانی پلانے کی فضیلت، بیت اللہ کی دربانی اور اب نبوت کا منصب سب کچھ بنوقصی ہی کے قبضے میں چلا جائے تو تم ہی بتاؤ پھر دوسرے قریشیوں کے

[1] صحيح البخاري: 7.

پلے کیا رہ جائے گا؟''[1]

ابوجہل نبی کریم ﷺ کو بالکل سچا اور کھرا سمجھتا تھا۔ وہ محض رشتے داری کی چشمک، جاہ وحشمت کی طلب اور حسد کی وجہ سے آپ ﷺ کی نبوت کا اعتراف کرنے سے انکار کرتا تھا۔ یہی حقیقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ ﴾

''(اے نبی!) تحقیق ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں، یقیناً وہ بات آپ کو غمگین کرتی ہے۔ بلاشبہ وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ وہ ظالم اللہ کی آیات ہی کا انکار کرتے ہیں۔''[2]

ایک مرتبہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر ٹھہرا۔ قافلے والوں کے پاس ایک سرخ رنگ کا اونٹ تھا۔ اتفاقاً آپ ﷺ ادھر سے گزرے۔ آپ نے اُس اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگوں نے قیمت بتادی۔ رسول اللہ ﷺ نے کوئی مول تول کیے بغیر وہی قیمت منظور کرلی۔ شام کو قیمت بھجوانے کا وعدہ فرمایا اور اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف روانہ ہوگئے۔ بعد میں ان لوگوں کو خیال آیا کہ ہم نے بغیر جان پہچان کے اُنھیں اونٹ کیوں دے دیا؟ سب پریشان تھے۔ قافلے کے ساتھ ایک خاتون بھی تھیں، وہ کہنے لگیں: ''مطمئن رہو، ہم نے اُس شخص سے زیادہ روشن چہرے والا آدمی کبھی نہیں دیکھا۔ ایسا شخص دغا نہیں کرے گا۔'' رات ہوئی تو آپ ﷺ نے اُن سب لوگوں کے لیے کھانا اور حسب وعدہ اونٹ کی قیمت کے برابر کھجوریں بھجوادیں۔[3]

آپ کی سچائی کی صفت اس قدر کامل تھی کہ اس کا نور آپ کے چہرے سے جھلکتا تھا۔ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ میں بھی لوگوں کے ساتھ آپ سے ملاقات کے لیے پہنچا۔ جونہی میری نظر آپ کے چہرے پر پڑی، میرے دل نے اُسی وقت گواہی دی کہ یہ کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ اس موقع پر سب سے پہلی بات جو آپ نے فرمائی، وہ یہ تھی:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوا الطَّعَامَ، وَصَلُّوا وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ»

''اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ اور جب لوگ نیند کی گود میں انگڑائیاں لے رہے ہوں تم نماز پڑھو،

[1] تفسیر ابن کثیر، الأنعام 33:6. [2] الأنعام 33:6. [3] المستدرك للحاكم: 612,611/2، حديث: 4219، سنن الدارقطني: 44/3، حديث: 2957.

جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔'' [1]

بے پردگی سے وحشت

عربوں کی اکثریت ناخواندہ اور تہذیبی حُسن سے بے خبر تھی۔ یوں گرد و پیش کے ممالک کی طرح عرب میں بھی شرم و حیا کا لحاظ کم تھا۔ ننگے نہانا عام بات تھی۔ باہر سے آنے والے لوگ کپڑے نہ خرید سکتے تو عریاں حالت ہی میں کعبے کا طواف کر لیا کرتے تھے۔ میدانوں میں سرعام ایک دوسرے کے سامنے قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جاتے تھے اور بے تکلفی سے فحش باتیں کرتے تھے۔ اس ماحول میں محمد رسول اللہ ﷺ ہی وہ فرد فرید تھے جو بچپن ہی سے عریانی سے مکمل طور پر محفوظ تھے۔ آپ ایک کنواری لڑکی سے بھی زیادہ حیادار تھے۔ نظر، قول اور عمل میں انتہائی پاکباز تھے۔ آپ ﷺ کے حُسنِ کردار کی یہ حالت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے عیاں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا.

''نبی کریم ﷺ پردہ دار کنواری لڑکی سے بھی زیادہ صاحبِ حیا تھے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ»

''حیا سے بھلائی ہی حاصل ہوتی ہے۔'' [3]

جب کسی شخص میں شرم و حیا باقی نہ رہے تو اُس سے ہر غیر اخلاقی حرکت متوقع ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَاشِئْتَ»

''پہلی نبوتوں کے کلام سے لوگوں کو جو (علمی سرمایہ) حاصل ہوا ہے، اُس میں یہ بات بھی شامل ہے: جب تم میں حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرو۔'' [4]

لوگوں کی نظروں سے بہت دور، پوشیدہ ہو کر بول و براز کرنا بھی حیا کی علامت ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا أَرَادَ الْبَرَازَ انْطَلَقَ حَتّٰى لَا يَرَاهُ أَحَدٌ.

''نبی کریم ﷺ جب قضائے حاجت کے ارادے سے نکلتے تو دور چلے جاتے تھے یہاں تک کہ کوئی آپ کو

[1] جامع الترمذي: 2485. [2] صحيح البخاري: 3562. [3] صحيح البخاري: 6117. [4] صحيح البخاري: 6120.

دیکھ نہیں سکتا تھا۔'' [1]

اسی طرح سیدنا یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ کھلی جگہ میں تہبند باندھے بغیر نہا رہا تھا۔ بعدازاں آپ منبر پر تشریف لائے اور اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ حَيِيٌّ سِتِّيرٌ يُحِبُّ الْحَيَاءَ وَالسَّتْرَ، فَإِذَا اغْتَسَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْتَتِرْ»

''بے شک اللہ بہت حیا فرمانے والا اور پردہ پوش ہے، وہ حیا اور پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے، اس لیے جب تم میں سے کوئی غسل کرنے لگے تو پردہ کرلے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ ابتدا ہی سے اپنی فطرتِ سلیمہ کی وجہ سے شرم وحیا کے سب سے اونچے درجے پر فائز رہے۔ اگر کہیں کسی وجہ سے اتفاقاً ایسی صورت پیدا ہوگئی جس کے باعث مکمل ستر پوشی میں کچھ کمی ہوگئی تو فرطِ حیا سے آپ کی جان پر بن گئی، آپ ﷺ بے ہوش ہو کر گر گئے اور آنکھیں اوپر چڑھ گئیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب بیت اللہ تعمیر کیا جا رہا تھا، اُس وقت نبیِ کریم ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ بھی پتھر اُٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے۔ عباس رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے کہنے لگے: ''اپنے تہبند کو کندھے پر رکھ لیجیے۔ اس طرح آپ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے لگے تو دفعتاً زمین پر گر گئے۔ آپ کی آنکھیں اوپر چڑھ گئیں۔ جب آپ کو ہوش آیا تو آپ کہہ رہے تھے: «إِزَارِي، إِزَارِي» ''میرا تہبند، میرا تہبند۔'' پھر آپ نے اپنا تہبند خوب اچھی طرح کس کر باندھ لیا۔ [3]

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحفظ کا عجیب انتظام تھا کہ جس عریانی کو اس وقت کے لوگ معمولی سی بات سمجھتے تھے، اُس کے خلاف اللہ کے رسول ﷺ کے دل میں اتنی شدید نفرت بھر دی گئی اور حیا کی ایسی پاسداری ڈال دی گئی کہ وہ آپ کی سیرتِ مقدسہ کا سب سے قیمتی جوہر بن گئی۔ حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عزت وتوقیر کے اعلیٰ معیار کے مطابق تخلیق فرمایا تھا اور ایسی ناقابلِ تسخیر فطرتِ سلیمہ عطا فرمائی تھی کہ اس پر ماحول کی خرابی ذرا بھی اثر انداز نہ ہو سکی۔

رسول اللہ ﷺ کے بچپن کا زمانہ تھا۔ ایک دن آپ قریش کے بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ کسی ضرورت کے تحت پتھر اٹھانے کی نوبت آگئی۔ آپ نے اپنا تہبند کھولا اور گردن پر رکھ لیا۔ جونہی ننگے ہوئے، عین اسی لمحے کسی

[1] سنن أبي داود: 2. [2] سنن أبي داود: 4012. [3] صحيح البخاري: 364 و 3829.

غیبی قوت نے آپ کو زور سے دھکا دیا اور کہا: ''اپنا تہبند باندھو۔'' آپ نے فوراً باندھ لیا۔[1]

شرابِ خانہ خراب سے نفرت

نبی کریم ﷺ نے جس ماحول میں پرورش پائی، شراب اُس کا جزوِ لازم تھی۔ عرب شراب کے بڑے دلدادہ تھے۔ اس کے بغیر وہ زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کی شاعری کا بہت بڑا حصہ شرابِ خانہ خراب کے بارے میں ہے۔ لیکن یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ منشیات، بالخصوص شراب، انسانی خصائل و فضائل کو بُری طرح مسخ کر دیتی ہے، اسی لیے اسلام نے شراب نوشی کو گھناؤنا شیطانی فعل قرار دیا ہے اور اس سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِنَّمَا ٱلۡخَمۡرُ وَٱلۡمَيۡسِرُ وَٱلۡأَنصَابُ وَٱلۡأَزۡلَٰمُ رِجۡسٞ مِّنۡ عَمَلِ ٱلشَّيۡطَٰنِ فَٱجۡتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُونَ ۝ إِنَّمَا يُرِيدُ ٱلشَّيۡطَٰنُ أَن يُوقِعَ بَيۡنَكُمُ ٱلۡعَدَٰوَةَ وَٱلۡبَغۡضَآءَ فِي ٱلۡخَمۡرِ وَٱلۡمَيۡسِرِ وَيَصُدَّكُمۡ عَن ذِكۡرِ ٱللَّهِ وَعَنِ ٱلصَّلَوٰةِۖ فَهَلۡ أَنتُم مُّنتَهُونَ ۝﴾

''اے ایمان والو! حقیقت یہی ہے کہ شراب اور جوا اور شرک کے لیے نصب کردہ چیزیں اور فال کے تیر سراسر پلید اور شیطانی کام ہیں، ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمھارے درمیان دشمنی اور بغض ڈال دے اور تمھیں اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے۔ کیا تم باز آنے والے ہو؟''[2]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَعَنَ اللّٰهُ الْخَمْرَ وَشَارِبَهَا وَسَاقِيَهَا وَبَائِعَهَا وَمُبْتَاعَهَا وَعَاصِرَهَا وَمُعْتَصِرَهَا وَحَامِلَهَا وَالْمَحْمُولَةَ إِلَيْهِ»

''اللہ تعالیٰ نے شراب، اس کے پینے والے، پلانے والے، بیچنے والے، خریدنے والے، نچوڑنے والے، نچڑوانے والے، اسے اٹھانے والے اور جس کی طرف اٹھا کر لے جائی جا رہی ہو، ان سب پر لعنت کی ہے۔''[3]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مُخَمِّرٍ خَمْرٌ، وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ، وَمَنْ شَرِبَ مُسْكِرًا بُخِسَتْ صَلَاتُهُ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا، فَإِنْ تَابَ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، فَإِنْ عَادَ الرَّابِعَةَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ»

''ہر وہ چیز جو عقل پر پردہ ڈال دے، وہ خمر (شراب) ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے۔ جس نے کوئی نشہ آور

1 [ضعيف] السيرة لابن هشام:183/1، البداية والنهاية:266/2. 2 المآئدة5:91,90. 3 سنن أبي داود:3674.

چیز استعمال کی، اس کی چالیس دن کی نمازیں تلف کردی جائیں گی۔ اگر اس نے توبہ کی تو اللہ اس کی توبہ قبول فرمالے گا (اگر تین بار یہ مکروہ فعل کرلیا اور معاً اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرلی تو معافی تلافی ہوجائے گی)۔ اگر اس نے چوتھی بار پھر (یہ گندی اور حرام چیز) پی تو اللہ پر لازم ہوگا کہ اسے طِينَةُ الْخَبَالِ پلائے۔''

پوچھا گیا: ''اے اللہ کے رسول! طِينَةُ الْخَبَالِ سے کیا مراد ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدِيدُ أَهْلِ النَّارِ، وَمَنْ سَقَاهُ صَغِيرًا لَّا يَعْرِفُ حَلَالَهُ مِنْ حَرَامِهِ كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ أَنْ يَّسْقِيَهُ مِنْ طِينَةِ الْخَبَالِ»

''یہ جہنمیوں کے جسم سے نکلنے والی پیپ ہے اور جس نے کسی ایسے کم عمر کو شراب پلادی جسے حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ کے ذمے لازم ہے کہ پلانے والے کو طِينَةُ الْخَبَالِ پلائے۔''[1]

نبیِ کریم ﷺ شراب کی حرمت کا علم ہونے سے پہلے بھی کبھی شراب کے قریب نہیں پھٹکے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا: ''کیا آپ نے کبھی بت پرستی کی ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں۔'' پھر پوچھا گیا: ''کیا آپ نے کبھی شراب پی ہے؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا! وَمَازِلْتُ أَعْرِفُ أَنَّ الَّذِي هُمْ عَلَيْهِ كُفْرٌ وَّمَا كُنْتُ أَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ»

''نہیں! بلکہ میں تو ہمیشہ سے جانتا تھا کہ جس چیز پر یہ لوگ عمل پیرا ہیں، وہ کفر ہے، حالانکہ (اُس وقت) مجھے کتاب اور ایمان کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔''[2]

کبھی گانا سننے کا خیال بھی نہیں گزرا

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اہل جاہلیت جو کام کرتے تھے، مجھے دو دفعہ کے علاوہ کبھی ان کا خیال بھی نہیں گزرا۔ دونوں مرتبہ اللہ تعالیٰ نے میری حفاظت فرمائی۔ (ایک دفعہ) میں نے اپنے ساتھی چرواہے سے، جو میرے ساتھ مکہ کے بالائی علاقے میں قریش کی بکریاں چراتا تھا، کہا: ''ذرا تم میری بکریوں کا خیال رکھو تاکہ میں مکہ جاؤں اور دوسرے نوجوانوں کی طرح قصہ گوئی کی محفل میں شرکت کروں۔'' وہ بولا: ''ٹھیک ہے۔'' جب میں مکہ کے قریب پہنچا تو میں نے گانے بجانے کی آواز سنی، میں نے لوگوں سے پوچھا: ''یہ کیا ہے؟'' انھوں نے بتایا کہ فلاں قریشی شخص کی فلاں خاتون سے شادی ہورہی ہے، گانے بجانے کی یہ محفل وہیں جمی

[1] سنن أبي داود: 3680. [2] الخصائص الكبرىٰ: 150/1، سبل الهدىٰ والرشاد: 149/2.

ہوئی ہے۔ میں وہاں پہنچا تو مجھے نیند آ گئی، پھر سورج کی تمازت سے میری آنکھ کھلی۔ میں اپنے ساتھی کے پاس واپس چلا گیا۔ دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَوَاللّٰهِ! مَاهَمَمْتُ بَعْدَهَا أَبَدًا بِسُوءٍ مِّمَّا يَعْمَلُ أَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ حَتّٰى أَكْرَمَنِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِنُبُوَّتِهِ»

''واللہ! اس کے بعد میں زمانۂ جاہلیت کی کسی بُرائی کی طرف کبھی راغب نہیں ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنی نبوت سے سرفراز فرما دیا۔'' [1]

[1] صحیح ابن حبان: 57,56/8، حدیث: 6239، المستدرك للحاكم: 245/4، حدیث: 7619.

باب 5

حروبِ فجار اور حلف الفضول

دورِ جاہلیت میں بنو قیس اور بنو کنانہ کی باہمی جنگوں، ان کے
اسباب وعوامل، جنگ فجار میں محمد رسول اللہ ﷺ کی شرکت،
حرمت والے مہینوں اور حلف الفضول کے اثرات کا
تذکرہ اور سردارِ قریش عبداللہ بن جدعان
کے کردار کا جائزہ

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا
اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ

”اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے (حق پر) قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کرو، یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو۔“ (المآئدۃ 5:8)

اس باب میں





اس باب میں قیسی اور کنانی قبائل کے مابین حروبِ فجار کا جائزہ، قبیلہ قیس عیلان کے سردار عروہ بن عتبہ کے قتل پر چھڑنے والی چوتھی جنگ فجار، اس کے اسباب و انجام اور اس میں قریش اور نبی ﷺ کی شرکت کا تذکرہ ہے۔ ضمناً حرمت والے مہینوں میں قریش کی طرف سے من مانی تبدیلیاں کرنے کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ مزید برآں حلف الفضول کی وجہ تسمیہ، حلف مطیبین اور احلاف، حلف الفضول طے پانے کی تفصیل، اس کے مثبت اثرات اور سردارِ قریش عبداللہ بن جدعان کی مصالحتی خدمات جیسے موضوعات سمٹ آئے ہیں۔



جنگِ فجار اور اس کا انجام

انسانی فطرت میں جہاں الفت و محبت کے جذبات رکھے گئے ہیں، وہیں غیرت، غصے اور انتقام کا عنصر بھی سمو دیا گیا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان بے حسی اور بزدلی کی زندگی بسر نہ کرے، اعلیٰ اقدار کی حفاظت کرے۔ اگر ظالم ظلم اور فساد برپا کرے، غریبوں اور ناتوانوں کو ستائے، ان کے جان و مال اور آبرو پر ڈاکہ ڈالے تو اس سے ڈٹ کر لڑائی لڑی جائے تاکہ اللہ کی زمین پر حق اور انصاف کا بول بالا ہو۔

عرب بہادر بھی تھے، لڑاکے بھی تھے، ان میں غیرت کا مادہ بھی تھا۔ مگر انسان کی گمراہیوں کی داستان عجیب ہے۔ عربوں نے اپنی دلیری اور جنگجوئی کی خوبیاں بھی جہالت کے الاؤ میں جھونک دیں۔ یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ عربوں کا معاشرہ خانہ بدوشوں کا قبائلی معاشرہ تھا۔ وہ تپتے ہوئے صحراؤں کی وسعتوں میں ناپتے پھرتے تھے۔ جہاں کہیں پانی کا ذخیرہ اور عمدہ چراگاہ دیکھ لیتے، وہیں ڈیرے ڈال دیتے تھے۔ پھر کوئی دوسرا طاقتور قبیلہ مٹرگشت کرتا ہوا آتا تو پہلے سے قابض لوگوں سے پانی اور چراگاہ چھیننے کے لیے ان پر حملہ کر دیتا، اُنھیں لوٹ لیتا، مار بھگاتا، ان کی عورتوں اور بچوں کو لونڈی غلام بنا لیتا۔ عرب اسی سرکشی اور لاقانونیت کی فضا میں رہتے تھے۔ وہ قافلے لوٹ لیتے تھے۔ کوئی غریب تاجر آ جاتا تو اس کا سامان اُڑن چھو کر دیتے تھے۔ تجارتی شاہراہوں پر قبضہ کر لیتے تھے۔ جھوٹی انا اور غرور سے سرشار رہتے تھے۔ لڑنا بھڑنا اور ظلم ڈھانا ہی ان کا مزاج بن گیا۔ ان کے ہاتھوں کسی بھلے مانس کی عزت محفوظ نہیں تھی۔ وہ معمولی معمولی باتوں پر تلواریں سونت لیتے تھے۔

اس معاشرے میں کچھ اچھے اور حساس لوگ بھی تھے۔ وہ اس ظلمت زار میں جگنوؤں کی طرح چمکتے تھے۔ یہ لوگ ظالمانہ لڑائیوں اور غریبوں اور بے گناہوں کی خونریزی پر کڑھتے رہتے تھے۔ یہ چاہتے تھے کہ ظلم اور فساد کا دروازہ بند ہو جائے اور کوئی ستم گر کسی شریف آدمی کو نہ ستائے۔ اس شریفانہ مقصد کے لیے یہ لوگ سر جوڑ کر بیٹھے۔ یہ باب ایسے ہی مہذب افراد کی ایمان افروز روداد ہے۔ یہ داستان سُننے سے پہلے یہ جان لیجیے کہ ''فجار'' کا مطلب کیا ہے۔

حرمت والے مہینے اور فجار

فجار کا مادہ (ف۔ ج۔ ر) فَجَرَ يَفْجُرُ ہے۔ اس سے مراد کسی شخص کا راہِ حق و صداقت سے ہٹ جانا ہے۔ ان

جنگوں کو فجار اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ حرمت والے مہینوں میں لڑی گئی تھیں۔ قریش نے خود ان جنگوں کا نام فجار رکھا۔[1] اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے کے حرمت والے امور کو حلال سمجھ لیا تھا۔ حرمت والے مہینوں کا احترام شریعت ابراہیمی کا ایک حکم تھا۔ یہ حکم قرآن کریم میں ان الفاظِ مبارک میں دیا گیا ہے:

﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾

''بے شک مہینوں کی گنتی، اللہ کے نزدیک، اللہ کی کتاب میں بارہ ہے، جس دن سے اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، ان میں سے چار حرمت والے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔''[2]

حرمت والے تین مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ایک دوسرے سے متصل ہیں اور چوتھا رجب ہے جو الگ ہے۔ سیدنا ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ، اَلسَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ، ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُوالْقَعْدَةِ، وَ ذُوالْحِجَّةِ، وَالْمُحَرَّمُ، وَرَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَ شَعْبَانَ»

''خبردار! زمانہ اپنی ہیئت پر آ گیا ہے جس پر وہ اس دن تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ سال بارہ مہینے کا ہوتا ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں، تین تو مسلسل ہیں: ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر ہے جو جمادیٰ اور شعبان کے درمیان ہے۔''[3]

عرب کے لوگ ان مہینوں کا احترام کرتے تھے لیکن اپنی مطلب برآری کے لیے ان میں تبدیلیاں بھی کر دیتے تھے۔ مشہور تابعی مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ہر سال موسم حج میں بنوکنانہ کا ایک شخص اپنے گدھے پر سوار ہو کر آتا تھا اور یہ اعلان کرتا تھا: ''لوگو! مجھ پر کوئی عیب لگایا جا سکتا ہے نہ مجھے مجرم قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ میری بات ٹالی جا سکتی ہے۔ ہم نے محرم کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور صفر کو مؤخر کر دیا ہے۔'' پھر اگلے سال بھی آ کر وہ یہی کلمات دہراتا اور کہتا کہ اس سال ہم نے صفر کو حرمت والا مہینہ قرار دے دیا ہے اور محرم کو مؤخر کر دیا ہے۔[4]

یہ لوگ مسلسل تین حرمت والے مہینوں میں سے تیسرے مہینے محرم کو کبھی حرمت والا مہینہ قرار دیتے تھے اور کبھی اس کے بجائے صفر کو حرمت والا مہینہ ٹھہراتے تھے۔

[1] لسان العرب، مادة: فجر. [2] التوبة 9:36. [3] صحيح البخاري: 4662. [4] تفسير ابن كثير، التوبة 9:37.

اللہ تعالیٰ نے اُن کے اس طرزِ عمل کو مسترد کر دیا اور فرمایا:

﴿ اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ يُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْۗءُ اَعْمَالِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''بلاشبہ (کسی مہینے کو) آگے پیچھے کر دینا کفر میں زیادتی ہے، اس کی وجہ سے کافر گمراہ کیے جاتے ہیں، وہ ایک سال اسے حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اسے حرام ٹھہراتے ہیں تاکہ ان (مہینوں) کی تعداد پوری کریں جو اللہ نے حرام ٹھہرائے ہیں، پھر وہ حلال ٹھہرا لیں جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے۔ اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[1]

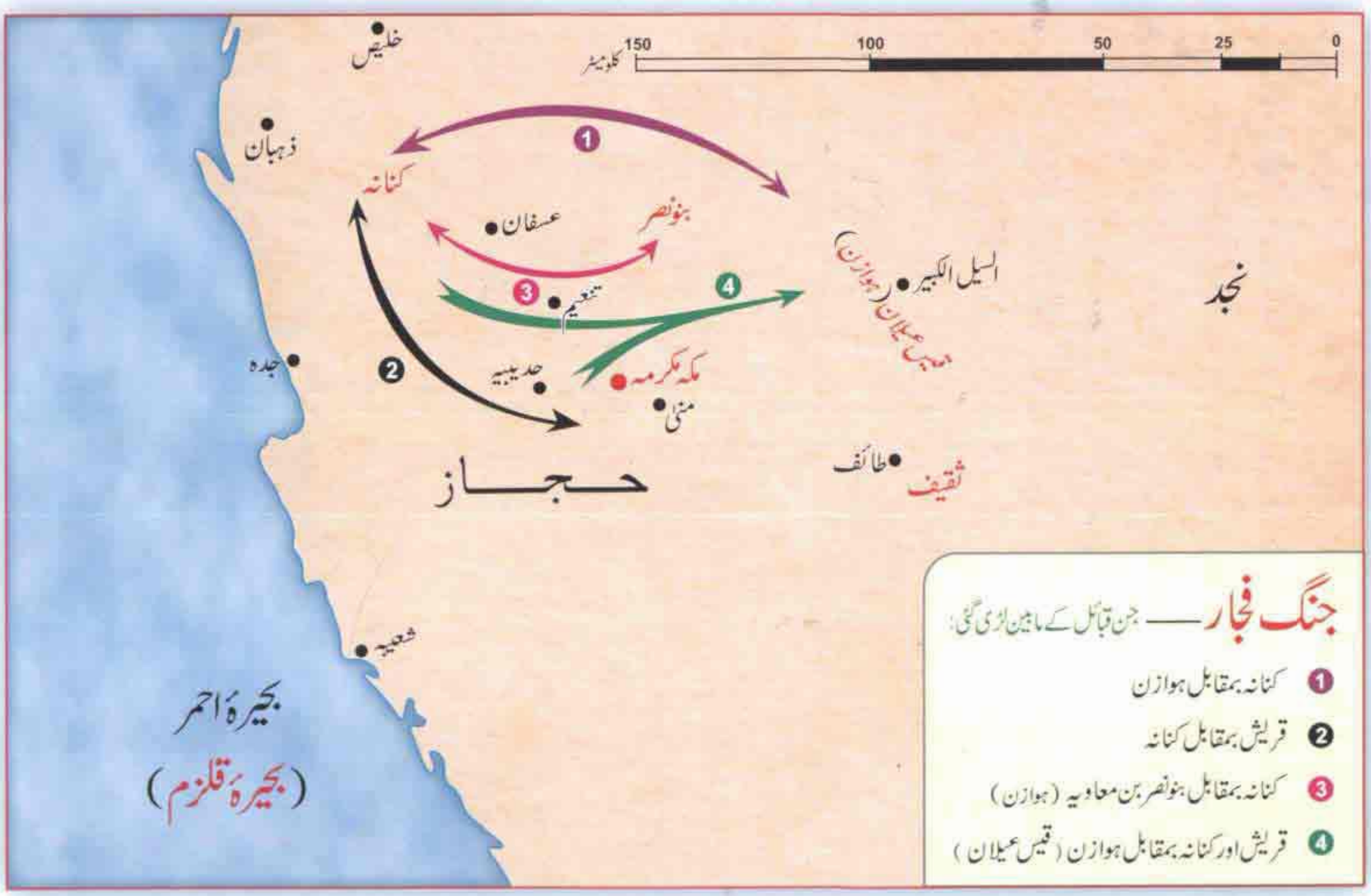
نبیِ کریم ﷺ کی آخری جنگِ فجار میں شرکت

فجار نامی جنگیں قیس عیلان، قریش اور بنو کنانہ کے درمیان عسفان اور تنعیم کے درمیان مکہ کے شمال اور مشرق میں لڑی گئیں۔ مسعودی کہتے ہیں کہ فجار نامی لڑائیوں کی تعداد چار ہے: 1 فجار بدر بن معشر 2 فجار القرد (بندر کو مارنے کے سبب) 3 فجار المرأة (ایک عورت کو سر بازار رسوا کرنے کے سبب) 4 فجار البرّاض۔[2]

1 التوبة 9:37. 2 مروج الذهب 2/290 و 294.



عسفان کا علاقہ



جنگ فجار —— جن قبائل کے مابین لڑی گئی:
1 کنانہ بمقابل ہوازن
2 قریش بمقابل کنانہ
3 کنانہ بمقابل بنونصر بن معاویہ (ہوازن)
4 قریش اور کنانہ بمقابل ہوازن (قیس عیلان)
150 100 50 25 0
کلومیٹر
خلیص
ذہبان
کنانہ
عسفان
بنونصر
تنعیم
جدہ
حدیبیہ
مکہ مکرمہ
منیٰ
السیل الکبیر
قیس عیلان (ہوازن)
نجد
طائف
ثقیف
حجاز
شعیبہ
بحیرۂ احمر
(بحیرۂ قلزم)

ان میں سے آخری لڑائی فجار البرّاض زیادہ مشہور ہے جس میں نبی ﷺ بھی شریک ہوئے۔ ابن اثیر نے اسے دوسری حربِ فجار کہا ہے۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے اس حرب فجار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس جنگ میں اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک تھا، میں اُنھیں تیر اُٹھا اُٹھا کر پکڑاتا تھا۔ [2] ایک روایت میں آپ ﷺ کے تیر چلانے کا بھی ذکر ہے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو حرب فجار کے موقع پر دیکھا تھا، آپ وہاں موجود تھے۔'' [3]

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے اس لڑائی میں کوئی حصہ نہیں لیا بلکہ خود کو صرف تیر پکڑانے تک محدود رکھا کیونکہ اس میں حصہ لینے والے دونوں فریق کافر تھے اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو صرف اعلائے کلمۃ اللہ ہی کے لیے لڑنے کی اجازت دی ہے۔ [4] امام سہیلی رحمہ اللہ کی یہ بات محلِ نظر ہے کیونکہ تیر پکڑانا بھی تو جنگ میں شرکت ہی ہے۔ عرب شاعروں کے اشعار میں حرب فجار کا ذکر کثرت سے ملتا ہے۔

حربِ فجار کے وقت نبیِ کریم ﷺ کی عمر

ابن ہشام کہتے ہیں کہ حرب فجار کے وقت نبیِ کریم ﷺ کی عمر چودہ یا پندرہ سال تھی۔ [5] ابن اسحاق کے مطابق اُس وقت آپ کی عمر بیس برس تھی۔ [6] ابن اثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حرب فجار اصحابِ فیل کے واقعے کے بیس سال بعد اور عبدالمطلب کی وفات کے بارہ سال بعد لڑی گئی۔ [7] ان کی بات سے بھی ابن اسحاق کی تائید ہوتی ہے۔

امام ابن اسحاق اور ابن ہشام رحمہما اللہ کی باتوں میں بظاہر فرق موجود ہے لیکن درحقیقت کوئی فرق نہیں۔ جب پہلی حرب فجار ہوئی، اُس وقت نبیِ کریم ﷺ کی عمر چودہ یا پندرہ سال تھی۔ جب آخری حرب فجار ہوئی جس میں آپ ﷺ نے شرکت فرمائی، اُس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی۔ [8]

اہل عرب عرصۂ دراز سے اس طرح کی بے مقصد لڑائیوں میں الجھے ہوئے تھے۔ معمولی معمولی باتوں پر لڑائی شروع ہوتی اور سالہا سال جاری رہتی۔ یوں وہ باہمی جدال وقتال کی آگ میں جلتے رہتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن پر احسان فرمایا اور انھیں نبیِ کریم ﷺ کی ذات بابرکات کے ذریعے سے پیکرِ اخوت ومحبت بنا دیا:

﴿ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

[1] الروض الأنف:319/1، الكامل لابن الأثير:468/1. [2] السيرة لابن هشام:186/1. [3] الطبقات لابن سعد:128/1.
[4] الروض الأنف:319/1. [5] السيرة لابن هشام:184/1. [6] السيرة لابن هشام:186/1. [7] الكامل لابن الأثير:468/1.
[8] السيرة النبوية للمهدي، ص:129.

﴿اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

”اور اس نے ان (مومنوں) کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ اگر آپ دنیا بھر کے سب خزانے خرچ کر دیتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت نہ ڈال سکتے تھے۔ لیکن اللہ نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی۔ بے شک وہ سب پر غالب (اور) کمالِ حکمت والا ہے۔“[1]

خاندانی دشمنیاں اور قبائلی عصبیتیں اہلِ عرب کے لیے ناسور بن چکی تھیں۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس آگ میں جلنے پر مجبور تھے۔ یہ لڑائیاں انھیں مکمل تباہی کی طرف لے جا رہی تھیں جیسا کہ ذیل کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝﴾

”اور تم اپنے آپ پر اللہ کی نعمت (احسان) کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) بن گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے، پھر اس نے تمھیں اس میں گرنے سے بچا لیا۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیتیں بیان کرتا ہے، شاید تم ہدایت پاؤ۔“[2]



سلطنتِ حیرہ کے محل کے آثار

آخری حربِ فجار کا پس منظر

حیرہ کے حکمران نعمان بن منذر کا ایک قافلہ ہر سال مُشک اور دیگر سامان لے کر عکاظ کے بازار میں آتا تھا اور ادھر سے چمڑا، رسے اور یمن کے بنے ہوئے زربفتی (ریشمی) کپڑوں کے تھان خرید کر حیرہ لے جاتا تھا۔[3]

حیرہ کا قافلہ عکاظ جاتے ہوئے بہت سے صحرا نشین قبائل کی بستیوں سے گزرتا تھا۔ یہ لوگ قافلوں کو لوٹ لیا کرتے تھے، اس لیے نعمان بن منذر ہر سال اپنا تجارتی قافلہ عرب کے کسی نہ کسی رئیس کی پناہ میں بھیجتا تھا۔ ان رئیسوں اور ان کے قبیلوں کی ہیبت کی وجہ سے ڈاکوؤں کو نعمان

[1] الأنفال 63:8، [2] آل عمرٰن 103:3، [3] حیات محمد ﷺ، ص: 129۔

کا قافلہ لوٹنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ عرصۂ دراز سے یہ سلسلہ یوں ہی چلا آرہا تھا۔ اسی مقصد کے لیے نعمان کو ایک بار پھر کسی ایسے فرد کی ضرورت درپیش تھی جو اُس کا قافلہ بحفاظت عکاظ لے جائے اور واپسی پر بھی حیرہ تک صحیح سلامت پہنچنے میں اُس کی مدد کرے۔

عروہ بن عتبہ کا قتل

ابن اثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اُنھی دنوں برّاض بن قیس بن رافع کنانی ضمری، نعمان بن منذر کے پاس پہنچا۔ یہ انتہائی شریر اور بدمعاش آدمی تھا۔ اس کے قبیلے والوں نے اس کی آئے دن کی شرارتوں سے تنگ آ کر اس سے قطع تعلق کرلیا۔ اُس وقت نعمان بن منذر کے پاس عروہ بن عتبہ بن جعفر بن کلاب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ شخص رَحّال (بہت سفر کرنے والا) کے لقب سے مشہور تھا۔ اسے یہ لقب بادشاہوں کے پاس بکثرت آنے جانے کی وجہ سے ملا تھا۔ نعمان بن منذر نے پوچھا: ''اس دفعہ کون ہمارا قافلہ عکاظ لے کر جائے گا؟'' برّاض کہنے لگا: ''بنوکنانہ کی طرف سے تو میں اسے اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔'' نعمان کہنے لگا: ''مجھے تو ایسے آدمی کی تلاش ہے جو کنانہ اور قیس دونوں کی طرف سے میرا قافلہ بحفاظت لے جائے۔'' اس موقع پر عروہ نے مداخلت کرتے ہوئے کہا: ''کیا ایک دھتکارا ہوا کتا تمھارا قافلہ لے جائے گا؟ میں تمھارے قافلے کو الشیح، القیصوم، تہامہ اور نجد والوں کے پاس سے بحفاظت لے جاؤں گا۔'' برّاض نے غضب ناک ہوکر پوچھا: ''عروہ! کیا تم قافلہ لے کر کنانہ کے علاقے سے بھی گزرو گے؟'' عروہ بولا: ''ہاں، میں اسے کنانہ ہی سے نہیں، تمام قبیلوں کے پاس سے صحیح سلامت لے جاؤں گا۔''



جبل تہامہ کا منظر

نعمان بن منذر نے اپنا قافلہ عروہ کی پناہ میں روانہ کردیا۔ اُدھر برّاض بھی اُس کے تعاقب میں نکل کھڑا ہوا۔ عروہ برّاض کی فطرت سے بخوبی واقف تھا مگر وہ بالکل بے خوف وخطر جارہا تھا۔ جب عروہ فدک کے پاس تیمن ذی ظلال پہنچا تو برّاض نے تعاقب کرتے ہوئے اُسے جالیا۔ پھر اُس نے قسمت آزمائی کے تیر نکالے اور یہ جائزہ لینے لگا کہ اُسے عروہ کو قتل کرنے کا اشارہ ملتا ہے یا نہیں۔ عروہ نے اُسے ایسا کرتے دیکھا تو پوچھا: ''یہ کیا کررہے ہو؟'' برّاض

بولا: ''میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ مجھے تمھارے قتل کی اجازت ملتی ہے یا نہیں۔'' عروہ نے کہا: ''یہ تمھارے بس کی بات نہیں۔'' یہ سن کر براض اچانک اُس پر ٹوٹ پڑا اور تلوار کے وار سے اُسے قتل کر دیا۔ اہل قافلہ نے یہ صورت حال دیکھی تو قافلہ چھوڑ کر فرار ہونے لگے۔ برّاض نے انھیں حفاظت کی یقین دہانی کرائی اور قافلے کو خیبر لے آیا۔

برّاض بن قیس کنانی کی چالبازی

مساور بن مالک غطفانی اور اسد بن جوین غنوی براض کی تلاش میں نکلے۔ وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے خیبر پہنچ گئے۔ یہاں سب سے پہلے جس شخص سے اُن کی ملاقات ہوئی، وہ خود براض تھا۔ اس نے پوچھا: ''تم کون ہو اور کس مقصد کے لیے آئے ہو؟'' انھوں نے بتایا: ''ہم قیس قبیلے سے ہیں اور براض کو قتل کرنے آئے ہیں۔'' براض کہنے لگا: ''بہت اچھا، اپنی سواریوں سے اُترو اور اُنھیں یہاں باندھ دو۔ میں تمھیں اُس کے پاس لے چلتا ہوں۔'' پھر اس نے پوچھا: ''تم میں سے زیادہ بہادر اور ماہر شمشیر زن کون ہے؟'' غطفانی کہنے لگا: ''میں ہوں۔'' براض نے کہا: ''اچھا میرے ساتھ آؤ۔'' وہ اسے خیبر کی آبادی سے باہر کھنڈر میں لے گیا، پھر غطفانی سے کہنے لگا کہ برّاض اسی کھنڈر میں چھپا ہوا ہے۔ تم یہیں ٹھہرو، میں اُسے دیکھ کر آتا ہوں۔ غطفانی وہیں ٹھہر گیا۔ براض اندر سے چکر لگا کر آیا اور اُسے بتایا: ''ہاں، وہ یہیں سو رہا ہے۔ ذرا اپنی تلوار تو دکھاؤ، تم اس سے براض کو قتل بھی کر سکو گے یا نہیں۔'' اُس نے تلوار دے دی۔ براض نے تلوار ہاتھ میں لیتے ہی فوراً غطفانی پر چلا دی اور وہیں اُس کا کام تمام کر دیا، پھر اس نے تلوار چھپا دی اور غنوی کے پاس پہنچ گیا۔



خیبر کے کھنڈر

براض نے غنوی سے کہا: ''تمھارا ساتھی تو بہت بزدل نکلا۔ براض ایک گھر میں اکیلا سو رہا تھا، وہ پھر بھی اُسے قتل نہیں کر سکا۔'' غنوی کہنے لگا: ''تم کوئی آدمی دیکھو جو میری سواریوں کا خیال رکھے، میں اُسے جا کر قتل کرتا ہوں۔'' براض کہنے لگا: ''تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں ان کا خیال رکھوں گا۔ تم جاؤ اور اپنا کام کرو۔'' یوں براض نے اُسے بھی کھنڈر میں پہنچا دیا اور دھوکے سے قتل کر دیا۔

پھر وہ قافلے کو لے کر مکہ کی طرف چل دیا۔ راستے میں اُس کی ملاقات بنو اسد بن خزیمہ کے ایک آدمی سے ہوئی۔

براض نے اُس سے کہا: ''میرا ایک کام کردو۔ میں اس کے بدلے میں تمھیں دس اُونٹ دوں گا۔ تم حرب بن اُمیہ اور میری قوم کو، جو خود تمھاری قوم بھی ہے، عکاظ کے میلے میں جا کر بتاؤ کہ براض نے عروۃ الرَّحّال کو قتل کردیا ہے، لہٰذا آپ لوگ بنوقیس کے انتقام سے بچنے کا انتظام کرلیں۔'' اسدی نے عکاظ آکر حرب بن اُمیہ کو اس واقعے کی خبر دی۔ حرب نے عبداللہ بن جُدعان تیمی، ہشام بن مغیرہ مخزومی (ابوجہل کے باپ) اور حُلَیس بن یزید حارثی کو پیغامات بھیج دیے۔ یہ معزز اور عمر رسیدہ افراد تھے۔ ان کے علاوہ قریش کے تمام قبیلوں کو بھی مطلع کردیا گیا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ بنوقیس صرف ایک راندۂ درگاہ کنانی کو قتل کر کے مطمئن نہیں ہوں گے بلکہ وہ دوسروں سے بھی انتقام لینے کی کوشش کریں گے۔

وفدِ قریش اور ابو براء قیسی

پھر وہ اس رائے پر متفق ہوئے کہ ہمیں ابو براء عامر بن مالک قیسی سے ملنا چاہیے اور اُسے بتانا چاہیے کہ نجد اور تہامہ کے درمیان ایک واقعہ پیش آیا ہے۔ اُس کی تفصیل ہم تک نہیں پہنچی، لہٰذا آپ لوگوں میں اس کا اعلان کردیں، چنانچہ چند قریشیوں نے ابوبراء کے پاس جا کر یہی بات کہی جو اس نے لوگوں کے سامنے بیان کردی۔ اسی اثنا میں بعض قریشیوں نے خطرہ محسوس کیا تو قیسیوں سے کہا: ''اے اہل عکاظ! مکہ میں ہماری قوم کو ایک سانحہ پیش آگیا ہے۔ اس کی خبر ہمیں ابھی ابھی ملی ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ اگر ہم اپنی قوم سے دُور رہے تو معاملہ بہت بگڑ جائے گا، اس لیے ہمارے واپس کوچ کرجانے سے تمھیں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔'' پھر وہ بھاگم بھاگ مکہ پہنچے۔ جب دن کے آخری پہر عامر بن مالک کو قریش کی اس چالبازی کی خبر ملی تو وہ کہنے لگا: ''قریش نے غداری کی ہے۔ حرب بن اُمیہ نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ واللہ! اب کنانہ کبھی عکاظ نہ آسکیں گے۔''



نخلہ کا علاقہ

آخری جنگِ فِجار کے واقعات

قیسی، قریش کے تعاقب میں نکلے اور نخلہ کے مقام پر اُنھیں جالیا۔ وہاں لڑائی چھڑ گئی۔ بنوقیس غالب آنے لگے، قریش کو شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، چنانچہ وہ حسبِ معمول راتوں رات اپنے تحفظ کے لیے حرم میں داخل ہوگئے۔ اس موقع پر محمد ﷺ بھی اُن کے ساتھ تھے۔

زہری کہتے ہیں: ''نبی ﷺ اُن کے ساتھ نہیں تھے۔ اگر آپ ساتھ ہوتے تو اُنھیں شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔'' اس تاویل کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ وحی اور رسالت کے بعد بھی آپ ﷺ کے صحابہ کو شکست اور شہادت کا سامنا کرنا پڑا، اس لیے یہ بعید نہیں تھا کہ نبی ﷺ ایک جماعت کے ساتھ ہوں اور اسے شکست سے دوچار ہونا پڑے۔

جب قریش حرم میں داخل ہوگئے تو قیس کے لوگ ٹھہر گئے۔ انھوں نے اعلان کیا کہ ہم عروہ کا خون معاف نہیں کریں گے اور آیندہ سال عکاظ میں جنگ ہوگی، اس کے بعد وہ لوٹ گئے۔ اس دوران میں فریقین نے جنگ کی بھرپور تیاری شروع کر دی۔ قریشی سردار عبداللہ بن جُدعان نے سو آدمیوں کو مسلح کیا۔

اگلے سال عکاظ میں قیسی اور قریشی برسرِپیکار ہوئے۔ قیسیوں کے ساتھ بنوثقیف تھے جبکہ قریش کے ساتھ کنانہ، بنواسد بن خزیمہ اور احابیش تھے۔ احابیش تَحَبُّش سے بنا ہے جس کے معنی تَجَمُّع (جمع کرنے) کے ہیں۔ یہ


سُوقِ عکاظ کے کھنڈر

مختلف قبائل کے مجموعے کا نام تھا۔ ان میں بنوحارث بن عبد مناۃ بن کنانہ، عضل، قارّہ، دیش (ان کا تعلق بنوہون بن خزیمہ سے ہے) اور مُصطلق بن خزاعہ شامل تھے۔ قریش کے لشکر کا سالارِ اعلیٰ حرب بن اُمیہ تھا۔

حرب بن اُمیہ کے ساتھ اُس کے بھائی سفیان، ابوسفیان، عاص اور ابوالعاص بھی تھے۔ اُس دن حرب، سفیان اور ابوالعاص نے اپنے آپ کو ایک دوسرے سے باندھ رکھا تھا کہ فتح یا موت، ان دو باتوں کے سوا ہم کوئی اور صورت قبول نہیں کریں گے۔ پہلے پہل قیس کا پلڑا بھاری رہا لیکن قریش نے بھی جان کی بازی لگادی۔ وہ اتنی پامردی سے لڑے کہ حریف کے پاؤں اُکھڑ گئے۔[1]

[1] الکامل لابن الأثیر: 1/468-471.

حرب فجار کا انجام

فریقین ہوازن (قیسی) اور کنانہ (قریشی) نے اگلے سال پھر عکاظ کے مقام پر جنگ جاری رکھنے کا اعلان کیا۔ سردار قریش حرب بن اُمیہ، عتبہ بن ربیعہ کا سرپرست تھا جو یتیم ہونے کی وجہ سے اس کے ہاں پرورش پا رہا تھا۔ یہ ابھی چھوٹا تھا، اس لیے حرب نے اسے جنگ میں شرکت سے منع کر دیا۔ عتبہ اُس کی اجازت کے بغیر ہی میدان جنگ میں جا پہنچا۔ وہ دونوں صفوں کے بیچ میں کھڑا ہو گیا اور بلند آہنگی سے بولا: ''اے آل مضر! تم آپس میں کیوں لڑتے ہو؟'' بنو ہوازن نے پوچھا: ''تم کس چیز کی طرف بلاتے ہو؟'' عتبہ نے کہا: ''صلح کی طرف۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم تمھارے مقتولوں کی دِیَت ادا کریں اور اپنے مقتولوں کا خون بہا معاف کر دیں۔''

بنو ہوازن نے پوچھا: ''ہم تمھاری بات پر کیونکر یقین کریں؟'' عتبہ نے جواب دیا کہ ہم بطور ضمانت اپنے افراد تمھارے پاس رکھیں گے۔ اُنھوں نے پھر پوچھا کہ اس کی ذمہ داری کون اُٹھاتا ہے؟ عتبہ نے جواب دیا: ''میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔'' بنو ہوازن نے دریافت کیا: ''تم کون ہو؟'' عتبہ نے جواب دیا: ''میں عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس ہوں۔'' بنو ہوازن نے مذکورہ شرائط قبول کر لیں تو بنو کنانہ نے بھی انھیں تسلیم کر لیا اور چالیس آدمی بطورِ یرغمال بھیج دیے۔ ان میں حکیم بن حزام بن خویلد (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ بنو عامر بن صعصعہ (بنو ہوازن) نے دیکھا کہ واقعی یرغمال اُن کے پاس پہنچ گئے ہیں تو اُنھوں نے بھی خون بہا معاف کر دیا۔ اس طرح یہ خون ریز جنگ اپنے انجام کو پہنچی۔ قریش میں صرف مالداروں ہی کو سردار بنایا جاتا تھا لیکن عتبہ اور ابوطالب مالدار نہ ہونے کے باوجود سردار مانے گئے۔ [1]

[1] الروض الأنف: 321/1.

حِلف الفضول

عرب کے دیگر علاقوں کی طرح مکہ میں بھی قبائلی نظام کارفرما تھا۔ قبائلی نظام میں عموماً ''جس کی لاٹھی اُس کی بھینس'' کا قانون چلتا تھا۔ عرب میں جس کی پشت پر مضبوط قبیلہ ہوتا، اُسے تو اپنا حق مل جاتا تھا، مگر جسے کسی قبیلے کی حمایت حاصل نہ ہوتی یا اُس کا قبیلہ کمزور ہوتا، وہ اپنا حق لینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، خصوصاً پردیسیوں کا تو کوئی پُرسانِ حال ہی نہیں تھا۔ ایسے کمزور کسمپرس لوگوں پر صریحاً ظلم وستم کے پے در پے واقعات رونما ہوئے تو منصف مزاج اور سلیم الفطرت اشخاص اپنے ضمیر کی سرزنش گوارا نہ کرسکے۔ وہ مظلوموں کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اُن کی طرف سے دادرسی کی کوششیں ایک تحریک کی شکل اختیار کرگئیں جو بالآخر حلف الفضول پر منتج ہوئیں۔

حلف الفضول حرب فجار کے چار ماہ بعد طے پایا۔ حرب فجار شعبان میں ہوئی تھی جبکہ حلف الفضول ذی القعدہ میں ہوا۔ یہ بعثت سے بیس سال پہلے کا واقعہ ہے۔[1] اُس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر تقریباً بیس سال تھی۔[2]

معاہدے کی وجہ تسمیہ

امام ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ قریش سے پہلے بنوجُرہم نے مظلوموں کی حمایت کے لیے ایک انجمن بنائی تھی۔ اس کام میں تین افراد پیش پیش تھے: فضل بن فضالہ، فضل بن وَدَاعہ اور فُضَیل بن حارث۔ بعض ان ناموں میں اختلاف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''اُن کے نام فُضَیل بن شُرَاعہ، فضل بن وَدَاعہ اور فضل بن قُضَاعہ تھے۔ ان سب کے نام میں ''فضل'' کا مادہ مشترک تھا، اسی اشتراک کی وجہ سے اس واقعے کو حلف الفضول کا نام دیا گیا تھا۔ قریش نے جب اسی سے ملتا جلتا معاہدہ کیا تو اُس کا نام بھی حلف الفضول رکھ دیا۔''

اس کی یہ توجیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قریش نے اس معاہدے کا نام حلف الفضول اس لیے رکھا کہ وہ ایک فضیلت والے کام میں شامل ہوئے تھے۔[3] اِس معاہدے میں اللہ کے رسول ﷺ بھی شریک ہوئے تھے۔ ماضی

[1] الروض الأنف:242/1، [2] السيرة لابن هشام:186/1، [3] البداية والنهاية:271/2.

کی یاد سبھی کو عزیز ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ بھی اپنے عہد ماضی کے اس شریفانہ کارنامے کو بڑی مسرت سے یاد فرماتے تھے۔ ایک دن آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَقَدْ شَهِدْتُ فِي دَارِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ حِلْفًا لَوْ دُعِيتُ بِهِ فِي الْإِسْلَامِ لَأَجَبْتُ، تَحَالَفُوا أَنْ تُرَدَّ الْفُضُولُ عَلٰى أَهْلِهَا، وَأَلَّا يَعُزَّ ظَالِمٌ مَظْلُومًا»

''میں عبداللہ بن جُدعان کے گھر پر ایک معاہدے میں شریک ہوا۔ اگر اب دورِ اسلام میں بھی مجھے اس کی بنا پر پکارا جائے تو میں لبیک کہوں گا۔ اس معاہدے کے تحت سبھی نے یہ حلف اُٹھایا تھا کہ جس کا کوئی حق کسی کے پاس ہوگا، وہ حق دار کو لوٹا دیا جائے گا اور کوئی ظالم کسی مظلوم پر غالب نہیں آئے گا۔''[1]

اس معاہدے کو حلف مطیبین بھی کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«شَهِدْتُ حِلْفَ الْمُطَيَّبِينَ مَعَ عُمُومَتِي، وَأَنَا غُلَامٌ، فَمَا أُحِبُّ أَنَّ لِي حُمْرَ النَّعَمِ وَأَنِّي أَنْكُثُهُ»

''میں اپنے چچاؤں کے ساتھ حلفِ مطیبین کی تقریب میں گیا تھا۔ یہ میرے لڑکپن کا زمانہ تھا۔ مجھے کوئی سرخ اونٹوں کا ریوڑ بھی دے تو میں وہ عہد توڑنا گوارا نہیں کروں گا۔''[2]

بیہقی کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا شَهِدْتُ حِلْفًا لِّقُرَيْشٍ إِلَّا حِلْفَ الْمُطَيَّبِينَ»

''میں حلفِ مطیبین کے سوا قریش کے کسی معاہدے میں شریک نہیں ہوا۔''

امام بیہقی نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ چند سیرت نگاروں نے کہا ہے: ''اس عہد سے مراد وہ معاہدہ ہے جو عموماً حلف الفضول کے نام سے معروف ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اصل حلفِ مطیبین کا دور نہیں پایا۔''[3]

مطیبین اور احلاف کی وجہ تسمیہ

قصی کی وفات کے بعد قریشی قبائل کا آپس میں اختلاف ہوگیا۔ اس کے نتیجے میں قریش کے دو فریق ایک دوسرے کے مدمقابل آگئے۔ پہلا فریق بنو عبد مناف اور ان کے حلیفوں اور دوسرا فریق بنو عبد الدار اور اُن کے حلیفوں پر مشتمل تھا۔ بنو عبد مناف خوشبو سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ کعبہ میں لائے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ خوشبو میں ڈال کر حلف

[1] الروض الأنف:242/1. [2] مسند أحمد:190/1. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي:367/6، دلائل النبوة للبيهقي:38/2-41.

اٹھایا، پھر بطور تاکید اپنے معطر ہاتھ کعبہ سے مَس کیے۔ عربی زبان میں خوشبو کو طِیب کہتے ہیں، چنانچہ بنوعبد مناف، ہاشم، امیہ، زہرہ اور مخزوم اور ان کی اولاد مطیّبین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ دوسری طرف بنوعبدالدار اور ان کے حلیف قبائل نے بھی کعبہ میں یہ حلف اُٹھایا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑیں گے نہ ہم میں سے کوئی اپنے کسی حلیف کو دشمن کے حوالے کرے گا۔ یہ لوگ احلاف کہلائے۔ [1] رسول اللہ ﷺ نے جس معاہدے میں شرکت فرمائی، وہ مطیّبین ہی کے افراد کے درمیان تھا، اس لیے آپ نے بجا طور پر حلف مطیّبین کہا۔ اس معاہدے کو بنوجرہم کے دور کے حلف الفضول کے نام سے موسوم کرنے کے بجائے آپ نے اسے صحیح نام سے موسوم فرمایا۔ یہ مطیّبین ہی کا ایک نیا معاہدہ تھا۔

معاہدہ کس طرح ہوا؟

زبید قبیلے کا ایک آدمی اپنا تجارتی سامان لے کر مکہ مکرمہ آیا۔ عاص بن وائل سَہمی نے اس سے وہ سامان خرید لیا۔ عاص بن وائل بہت بڑا سردار تھا۔ اپنی سرداری کے زعم میں اس نے اس غریب تاجر کی رقم دبا لی۔ وہ شخص اس صریح ظلم کی شکایت لے کر احلاف کے قبائل عبدالدار، مخزوم، جُمَح، سَہم اور عدی بن کعب کے پاس گیا اور ان سے عاص بن وائل سَہمی سے رقم دلوانے کے لیے مدد طلب کی۔ انھوں نے نہ صرف اس بے چارے کی کوئی مدد نہیں کی بلکہ اسے ڈانٹ ڈپٹ بھی کی۔ اس تکلیف دہ صورتحال سے یہ غریب تاجر بہت مایوس اور دُکھی ہوا۔ چار و ناچار وہ طلوع آفتاب کے وقت جبل ابوقبیس پر چڑھ گیا۔ اس وقت قریش کے لوگ کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اس

[1] السيرة لابن هشام: 132,131/1.



جبل ابی قبیس (مکہ)

شخص نے بڑی رِقت اور بلند آہنگی سے یہ اشعار پڑھے:

يَا آلَ فِهْرٍ لِّمَظْلُومٍ بِضَاعَتُهُ ۔۔۔ بِبَطْنِ مَكَّةَ نَائِي الدَّارِ وَالنَّفَرِ

وَمُحْرِمٍ أَشْعَثٍ لَّمْ يَقْضِ عُمْرَتَهُ ۔۔۔ يَا لَلرِّجَالِ وَبَيْنَ الْحِجْرِ وَالْحَجَرِ

إِنَّ الْحَرَامَ لِمَنْ تَمَّتْ كَرَامَتُهُ ۔۔۔ وَلَا حَرَامَ لِثَوْبِ الْفَاجِرِ الْغُدَرِ

''اے آلِ فہر (قریشیو!) اس مظلوم کی مدد کرو جس کا تجارتی مال وادیِ مکہ میں چھین لیا گیا۔ وہ یہاں غریب الوطن ہے، اپنے عزیز و اقارب سے دور ہے۔ اس نے احرام باندھ رکھا ہے۔ پراگندہ سر ہے۔ اس نے ابھی عمرہ بھی پورا نہیں کیا۔ اے حُجرِ اسود اور حِجْر (حطیم) کے مابین تشریف فرما لوگو! (میری مدد کرو۔) عزت و حرمت صرف اُسی شخص کی ہے جس کے کام اچھے ہیں۔ دھوکے باز اور بدکار (عاص بن وائل) کی چادر کی کوئی عزت نہیں۔''

یہ دردناک فریاد سن کر زبیر بن عبدالمطلب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: ''کیا اس مظلوم کو بے یار و مددگار چھوڑا جا سکتا ہے؟'' اس پر ہاشم، زہرہ اور تیم بن مرہ، عبداللہ بن جُدعان کے گھر اکٹھے ہوئے۔ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ ہم مظلوم کی مدد کے لیے متحد اور یک جان رہیں گے یہاں تک کہ ظالم مظلوم کا حق ادا کردے۔ ہم اس معاہدے پر اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک سمندر میں پانی کی ایک بوند اور ثبیر و حراء کے پہاڑوں کا ثبات باقی ہے۔ مزید برآں ہم روزمرہ کے معاملات میں بھی ایک دوسرے کی ڈھارس بندھائیں گے۔[1]

حلف الفضول کا اجتماع کوئی معمولی واقعہ نہ تھا۔ اُس دورِ جاہلیت میں یہ تصور ہی بڑا عجیب تھا کہ ایک طاقتور ظالم سے کسی بے یار و مددگار مظلوم کا نقصان پورا کرایا جائے یا اس کا حق دلایا جائے۔ اُس وقت حالت یہ تھی کہ اگر کوئی مظلوم کسی طاقتور قبیلے کا فرد ہوتا یا اُس کا قبیلہ انتقام لینے کے لیے سردھڑ کی بازی لگانے کو تیار ہو جاتا، تب وہ ظالم سے اپنا حق لے سکتا تھا ورنہ اُس کا حق تلف ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اُس مقتول کا خون بھی رائیگاں چلا جاتا تھا جس کا قبیلہ طاقتور نہ ہوتا یا وہ سردھڑ کی بازی لگانے پر تُل نہ جاتا۔ کوئی کمزور حقدار حق تلفی کرنے والے ظالم سے اپنا حق لینے کا تصور ہی نہیں کرسکتا تھا۔ وہ لوگ اس ناانصافی کو ایک فطری بات سمجھتے تھے کہ طاقتور ظالم سے اپنا حق وصول نہیں کیا جاسکتا۔ اس فضا میں حلف الفضول ایسا مینارۂ نور بن گیا جس کی روشنی میں مظلوم کی دادرسی کے لیے اجتماعی قدم اُٹھانا شرف و سعادت سمجھا جانے لگا اور اس دور کے بہت سے مظلوم اس معاہدے کے زیر اثر اپنا حق پانے میں کامیاب ہوگئے۔

[1] الروض الأنف: 243,242/1.

حلف الفضول کے مفید اثرات و نتائج

قاسم بن ثابت نے بیان کیا ہے کہ خثعم قبیلے کا ایک شخص حج یا عمرہ ادا کرنے آیا۔ اُس کے ساتھ اُس کی حسین و جمیل بیٹی بھی تھی۔ نُبَیہ بن حجاج سہمی نے اُسے اغوا کر کے غائب کر دیا۔ خثعمی فریاد کرنے لگا کہ مجھے اس شخص کے ظلم سے کون



بچائے گا؟ کسی نے اُسے بتایا کہ حلف الفضول کا حوالہ دے کر مدد طلب کرو، تمھاری داد رسی ضرور ہوگی۔ اُس نے حلف الفضول کا حوالہ دے کر فریاد کی تو ہر طرف سے لوگ مسلح ہو کر اُس کی مدد کے لیے پہنچ گئے۔ انھوں نے پوچھا: ''بتاؤ کیا معاملہ ہے؟'' اُس نے بتایا کہ نُبَیہ بن حجاج نے میری بیٹی کو اغوا کر کے اپنے گھر میں بند کر دیا ہے۔ میری بیٹی کو اُس کے چنگل سے چھڑایا جائے۔ وہ سب اُس کے ساتھ چل دیے۔ نُبَیہ کے دروازے پر دستک دی، وہ باہر نکلا تو ان لوگوں نے کہا: ''اس کی بیٹی فوراً اس کے حوالے کرو، تمھیں پتہ نہیں کہ ہم کون ہیں اور ہم نے کس بات پر معاہدہ کر رکھا ہے؟'' وہ کہنے لگا: ''میں اسے واپس کر دوں گا، بس ایک رات اسے میرے پاس رہنے دو۔'' لوگوں نے کہا: ''واللہ! ہم تمھیں ایک لمحے کی بھی اجازت نہیں دیں گے۔'' مجبوراً نُبَیہ کو لوگوں کے اجتماعی مطالبے کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا اور اُس نے مغویہ کو رہا کر دیا۔[1]

عبداللہ بن جُدعان ...... ایک مِلا جُلا کردار

حلف الفضول میں مرکزی کردار عبداللہ بن جُدعان کا تھا۔ اسی کے گھر میں یہ معاہدہ ہوا۔ عبداللہ بن جُدعان بن

[1] الروض الأنف: 243/1.

عمرو بن کعب بن سعد بن تیم رشتے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا چچا لگتا تھا۔ اس کا نسب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عمرو بن کعب پر جا ملتا ہے۔ اس کا شمار زمانۂ جاہلیت کے اُن لوگوں میں ہوتا تھا جو لوگوں کو کھانا کھلانے اور امداد فراہم کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ ابتدا میں عبداللہ بن جُدعان ایک کنگال اور بدچلن آدمی تھا اور گناہ کے کاموں میں اکثر ملوث رہنا اس کی فطرت تھی۔ اس کی اخلاقی پستی اور شرارتوں سے لوگ تنگ آ گئے تھے۔ اس کے خاندان اور قبیلے والے بھی اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے حتی کہ اس کا باپ بھی اس سے نفرت کرتا تھا۔

گھر، خاندان اور قبیلے کی نفرت بھری نگاہوں کی تاب نہ لاکر ایک دن وہ مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل گیا۔ اس کی نظر پہاڑ کی ایک کھوہ پر پڑی۔ اس نے سوچا ممکن ہے اس کے اندر کوئی موذی جانور ہو جو مجھے موت کے گھاٹ اتار دے، چنانچہ وہ جانے بوجھے کھوہ کی طرف چل دیا تاکہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے دے اور خاندان اور قبیلے کی طرف سے جس نفرت کا اسے سامنا کرنا پڑ رہا ہے، اس سے ہمیشہ کے لیے نجات پا جائے۔

وہ غار کے قریب پہنچا تو اسے ایک اژدہا نظر آیا۔ لگتا تھا جیسے وہ اسی کی طرف لپکنے والا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ کسی خطرے کی پروا کیے بغیر اژدہے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اژدہے کے قریب پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ تو سونے کا بنا ہوا ہے اور اس کی آنکھوں میں یاقوت چمک رہے ہیں۔ وہ غار کے اندر داخل ہوا۔ غار میں قبیلہ جرہم کے بادشاہوں کی چند قبریں تھیں۔ ایک قبر حارث بن مضاض کی بھی تھی جو طویل مدت پہلے غائب ہو گیا تھا اور کسی کو معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں گیا، اسے آسمان نے اچک لیا یا زمین کھا گئی۔

عبداللہ بن جُدعان کو ان قبروں کے سرہانے سونے کی ایک تختی ملی۔ اس پر ان بادشاہوں کی تاریخ وفات اور ان کی مدت حکومت کی تفصیل درج تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ ان کی قبروں کے پاس ہیرے جواہرات اور سونے چاندی کا ڈھیر بھی لگا ہوا تھا۔ عبداللہ بن جُدعان نے غار کے اندر جی بھر کے ہیرے جواہرات سمیٹے۔ پہچان کے لیے غار کے منہ پر نشان لگایا اور واپس چلا آیا۔

جب وہ لوٹ کر اپنی قوم کے پاس پہنچا تو سب کو دولت سے خوب نوازا۔ اس عمل کی وجہ سے سب لوگ اسے محبوب جاننے لگے اور اسے اپنا سردار تسلیم کر لیا۔ عبداللہ بن جُدعان لوگوں کو کھانا کھلاتا تھا اور جب اس کے پاس دولت ختم ہو جاتی تھی تو غار میں جا کر حسبِ خواہش ہیرے جواہرات اور سونا چاندی نکال لاتا تھا۔ وہ لوگوں کو کھجوریں اور ستو کھلاتا اور دودھ پلاتا تھا۔

عبداللہ بن جُدعان نے ملک شام کی طرف دو ہزار اونٹ بھیجے۔ ان پر گیہوں، شہد اور گھی لاد کر مکہ لایا گیا، پھر

اس نے ایک منادی مقرر کر دیا کہ وہ روزانہ رات کو خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر لوگوں کے لیے عام دعوت کا اعلان کرے، چنانچہ ہر رات منادی کرنے والا یہ اعلان کرتا: هَلُمُّوا إِلٰى جَفْنَةِ ابْنِ جُدْعَانَ ''لوگو! عبداللہ بن جدعان کی دیگ کی طرف آؤ۔''

ابن جدعان کی دعوت طعام والی دیگ اتنی اونچی اور اتنی بڑی تھی کہ اُونٹ سوار سواری پر بیٹھے بیٹھے ہی اس میں سے کھانا نکال کر کھا لیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک حادثہ ہوا، ایک بچہ اس میں گر کر غرق ہو گیا۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ كُنْتُ أَسْتَظِلُّ بِظِلِّ جَفْنَةِ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جُدْعَانَ صَكَّةَ عُمَيٍّ»

''میں آنکھیں چندھیانے والی شدید گرمی میں عبداللہ بن جُدعان کی دیگ کی چھاؤں تلے سایہ حاصل کرتا تھا۔'' [1]

ایمان کے بغیر فیاضی بے کار ہے

عبداللہ بن جُدعان اس قدر فیاضی اور ہر خاص و عام کو کھانا کھلانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخرو نہ ہو سکا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سرخروئی کا جو فارمولا ہے، اسے اس نے فراموش کر دیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! ابن جُدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور مسکینوں کو کھانا کھلایا کرتا تھا، کیا یہ سب باتیں اس کے حق میں نفع بخش ثابت ہوں گی؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَنْفَعُهُ، إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا: رَبِّ! اغْفِرْلِي خَطِيئَتِي يَوْمَ الدِّينِ»

''(نہیں!) یہ سب کچھ اس کے کسی کام نہ آئے گا کیونکہ اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ اے میرے پروردگار! قیامت کے دن میری خطاؤں کو معاف کر دینا۔'' [2]

اس کی سخاوت کے پیچھے صرف یہ خواہش کار فرما تھی کہ لوگ اُسے اچھا آدمی کہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا طلبگار نہ تھا۔ وہ حالتِ کفر میں مرا۔ آخرت میں کفار کے اعمال پراگندہ گرد و غبار کی طرح ہوں گے جن کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَقَدِمْنَآ إِلٰى مَا عَمِلُوا۟ مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنثُورًا ۝﴾

---

[1] غريب الحديث لابن قتيبة: 185/1، البداية والنهاية: 202/2، الروض الأنف: 244/1-246، النهاية لابن الأثير: 43/3، جمهرة لابن الكلبي، ص: 82. [2] صحيح مسلم: 214.

''اور اُنھوں نے جو (بظاہر نیک) عمل کیے ہوں گے، ہم ان کی طرف متوجہ ہوکر انھیں اڑتا ہوا پراگندہ گرد و غبار بنادیں گے۔''[1]

نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿مَثَلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ۝﴾

''جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا، ان کے (نیک) اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلی۔ جو کچھ انھوں نے کمایا، وہ اس پر ہرگز قدرت نہیں رکھیں گے۔ یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے۔''[2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کافروں کے اعمال کی ایک مثال بیان فرمائی ہے جنھوں نے غیر اللہ کی عبادت کی، اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب کی اور اعمال کو غلط بنیاد پر استوار کیا، جس کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال اس دن رائیگاں ہو جائیں گے جب انھیں ان کی شدید ضرورت ہوگی جیسا کہ اس راکھ سے کچھ حاصل نہیں ہوتا جس پر آندھی کے دن زور کی ہوا چلے اور وہ اسے اڑا لے جائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے کافروں کے اعمال برباد ہو جانے کی دو اور مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ۝ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ۝﴾

''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال چٹیل میدان میں سراب (چمکتی ریت) جیسے ہیں، پیاسا اس (ریت) کو پانی سمجھتا رہا حتی کہ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے وہاں کچھ بھی نہ پایا اور اللہ کو اپنے پاس پایا، پھر اللہ نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ یا (کافروں کے اعمال) گہرے سمندر میں اندھیروں کی طرح ہیں، جسے ایک موج ڈھانپتی ہو، اس کے اوپر ایک اور موج ہو، اس کے اوپر بادل ہو، (غرض) اوپر تلے اندھیرے (ہی اندھیرے) ہوں، جب وہ اپنا ہاتھ نکالے تو لگتا نہیں

[1] الفرقان 23:25. [2] إبرٰهيم 18:14.

کہ اسے دیکھ سکے اور جس کے لیے اللہ نے نور نہیں بنایا تو اس کے لیے (کہیں بھی) کوئی نور نہیں۔‘‘ [1]

ان میں سے پہلی مثال ان کفار کی ہے جو اپنے کفر کے داعی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے کچھ اعمال و اعتقادات بھی ہیں، حالانکہ درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں۔ ان کی مثال اس سراب کی سی ہے جو زمین کے میدانی علاقوں میں دور سے یوں نظر آتا ہے گویا پانی سے چھلکتا ہوا سمندر ہو، جب پیاسا سراب دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ پانی ہے، پھر وہ اس کا قصد کرتا ہے تاکہ وہاں جا کر پانی پی لے مگر جب وہاں پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی ہاتھ نہیں آتا، اسی طرح کافر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے اچھا کام کیا ہے اور کچھ حاصل کر لیا ہے مگر جب روز قیامت وہ اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کرے گا اور اس کے اعمال کے بارے میں اس سے باز پرس فرمائے گا تو وہ دیکھے گا کہ اس کا کوئی عمل بھی قبول نہیں ہوا۔ یہ جہل مرکب (خلاف واقع کسی چیز کا پختہ اعتقاد رکھنا) والے کافروں کی مثال ہے۔

دوسری مثال جہل بسیط والوں کی ہے، یعنی ان لوگوں کی جو ایسی حقیقت سے ناواقف رہتے ہیں جس کا علم ہونا چاہیے۔ بالفاظِ دیگر یہ ائمۂ کفر کے مقلدوں، بہروں، گونگوں اور بے وقوف کافروں کی مثال ہے جو اپنے قائدین کا حال نہ جانتے ہوں اور یہ بھی نہ جانتے ہوں کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ مثال کے طور پر جاہل سے پوچھا جاتا ہے کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ تو وہ کہتا ہے کہ ان کے ساتھ اور جب اس سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ [2]

کفار کے اچھے اعمال بھی آخرت میں نہ صرف رائیگاں ہوں گے بلکہ ان کے لیے کوئی وزن ہی قائم نہیں کیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ۝ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۝﴾

’’یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، چنانچہ ان کے اعمال برباد ہو گئے، لہٰذا روز قیامت ہم ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔ یہ ہے ان کی سزا جہنم، اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو ٹھٹھا بنایا۔‘‘ [3]

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

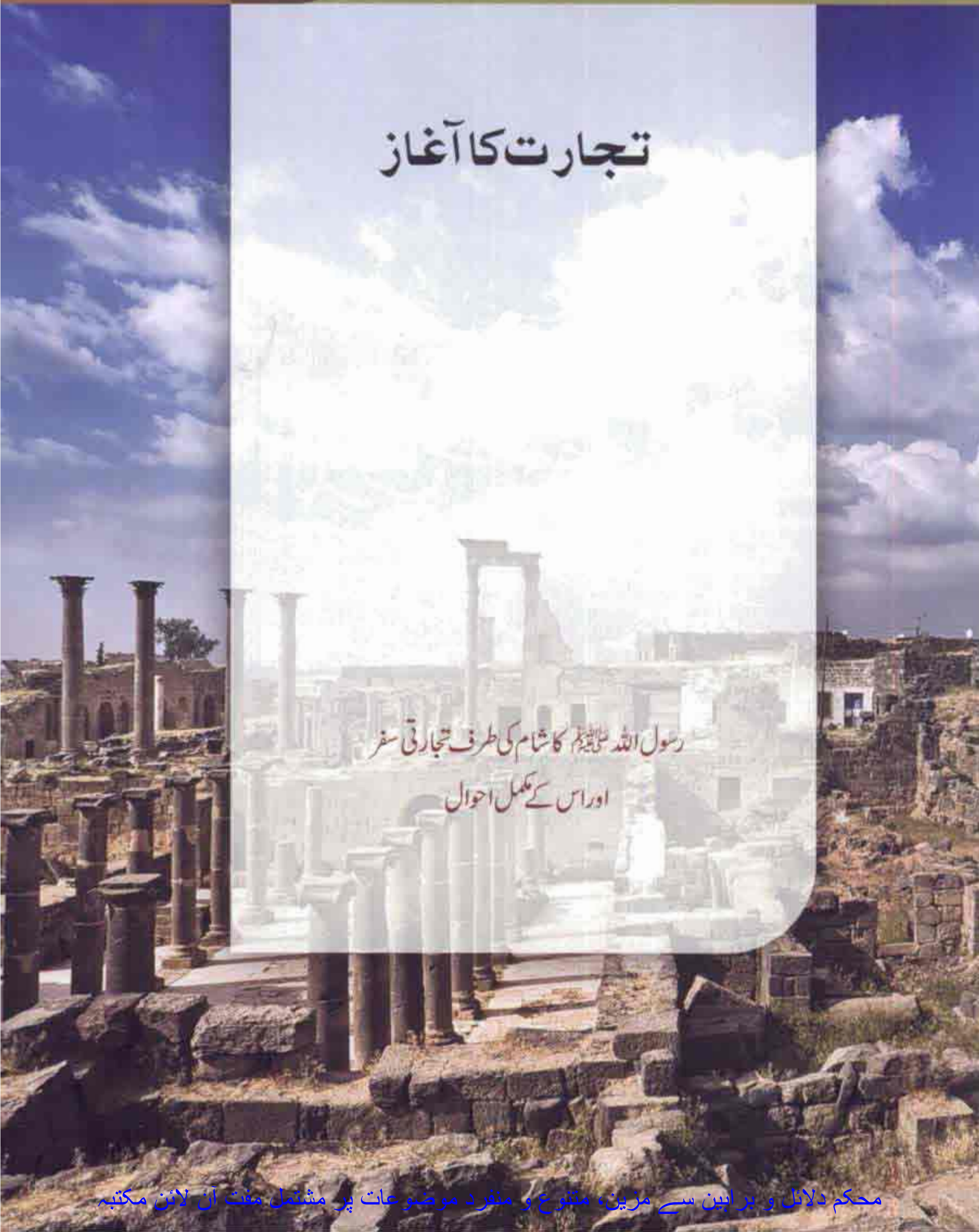
[1] النور 40,39:24. [2] تفسیر ابن کثیر، النور 40,39:24. [3] الکہف 106,105:18.

«إِنَّهُ لَيَأْتِي الرَّجُلُ الْعَظِيمُ السَّمِينُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يَزِنُ عِنْدَاللّٰهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ وَّ قَالَ: اقْرَءُوا: ﴿فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ○﴾»

''قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور موٹا تازہ آدمی آئے گا مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا وزن مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہوگا، (پھر) آپ نے فرمایا: یہ آیت کریمہ پڑھو: ''پس ہم قیامت کے دن ان کے لیے ترازو ہی قائم نہیں کریں گے۔''[1]

[1] صحيح البخاري: 4729، صحيح مسلم: 2785.

تجارت کا آغاز



رسول اللہ ﷺ کا شام کی طرف تجارتی سفر
اور اس کے مکمل احوال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ

وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ

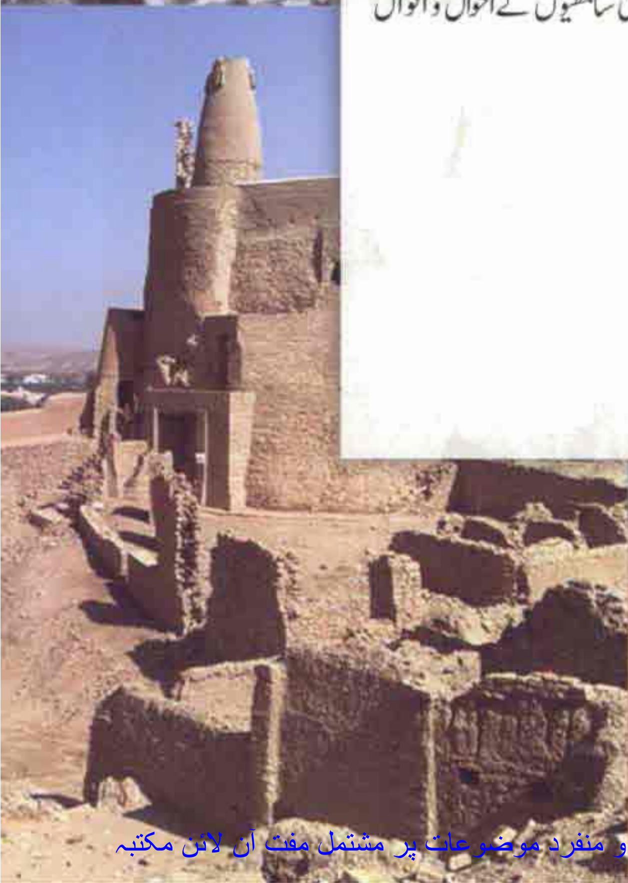
’’اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ قریش کے مانوس ہونے کی وجہ سے۔ (یعنی) ان کے سردی (میں یمن) اور گرمی (میں شام و فلسطین) کے (تجارتی) سفر سے مانوس ہونے کی وجہ سے۔ لہٰذا انھیں چاہیے کہ وہ اس گھر (کعبہ) کے رب کی عبادت کریں۔ جس نے انھیں بھوک میں کھانا کھلایا اور انھیں خوف سے امن دیا۔‘‘ (قریش 106:1-4)

اس باب میں





گرمیوں اور سردیوں میں قریش مکہ کے تجارتی قافلوں کی آمد و رفت، وسیلہ معاش کے طور پر نبیِ اکرم ﷺ کی اپنے خاندانی پیشے تجارت سے وابستگی، مکہ کی باوقار مالدار خاتون سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تجارتی کاروبار اور اس سلسلے میں حضرت محمد ﷺ کو اپنے غلام میسرہ کے ساتھ مالِ تجارت دے کر شام بھیجنا، اس سفر تجارت کی حیرت انگیز سرگزشت، راہب نسطورا کی پیش گوئی، بُصریٰ (شام) میں عجیب و غریب واقعات کا ظہور، اس تجارت کا زبردست نفع، ورقہ بن نوفل کی زبانی آپ ﷺ کے بارے میں بحیثیت آخری نبی ظہور کی پیش گوئی اور آپ ﷺ کے کاروباری ساتھیوں کے احوال و اقوال اس باب کی زینت ہیں۔





تجارتی سفر جو آپ ﷺ کی شادی کی نوید بن گیا

مکہ مکرمہ بے آب و گیاہ بستی تھی۔ قرآن کریم نے اسے وادی غیر ذی زرع کے نام سے موسوم کر کے اس قریہ جلال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے۔ وہاں کوئی زراعت تھی نہ صنعت، اس لیے وہاں کے اکثر باشندے تجارت ہی سے منسلک تھے۔ تجارت نبی اکرم ﷺ کا خاندانی پیشہ تھا۔ آپ ﷺ کے والد بھی تجارت کرتے تھے۔ ان کی وفات ملک شام کے تجارتی سفر سے واپسی کے دوران میں ہوئی تھی۔ قریش کی شام کی طرف تجارتی نقل و حرکت کی ازسرنو داغ بیل آپ ﷺ کے پردادا ہاشم بن عبد مناف ہی نے ڈالی تھی۔ ہاشم ہر سال بغرضِ تجارت شام اور فلسطین جایا کرتے تھے حتی کہ شام ہی کے سفر میں وہ غزہ (فلسطین) کے مقام پر انتقال کر گئے اور وہیں دفن ہوئے۔ قریش کے ہاں تجارت

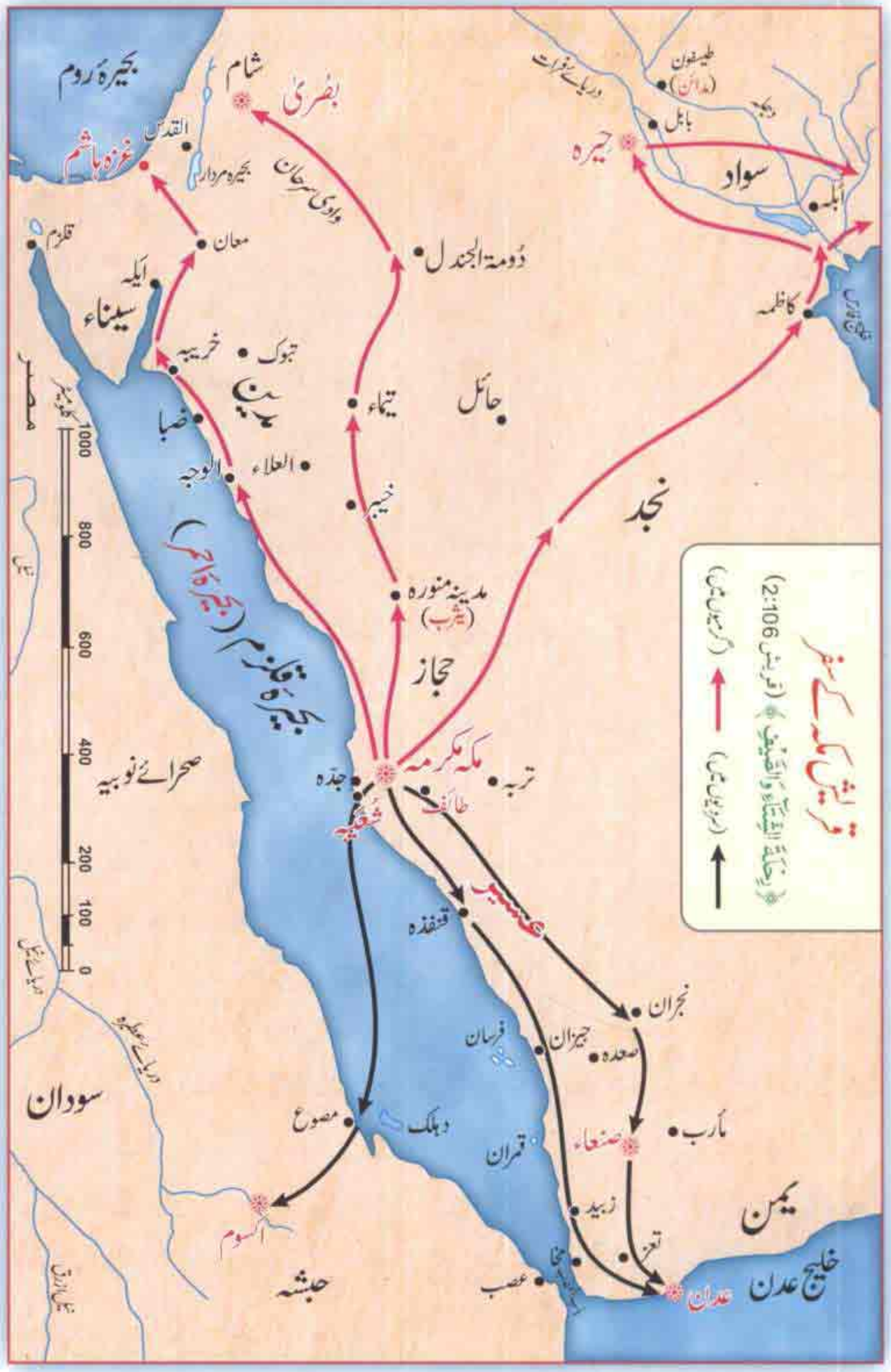


غزہ کے قدیم شہر کا منظر

کی بے حد اہمیت اور قدر و منزلت تھی۔ ان میں سے جو شخص تجارت پیشہ نہیں تھا، اس کی ان کے نزدیک کوئی خاص وقعت نہیں تھی۔ [1]

نبی کریم ﷺ نے معاش کی خاطر بالخصوص اپنے چچا جناب ابوطالب کی اقتصادی حالت کے پیشِ نظر انھیں سہارا

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1۔


قریش کا سفر
رحلة الشتاء والصيف (قریش 106:2)
(گرمیوں میں)
(سردیوں میں)
بحیرۂ روم
شام
بصریٰ
القدس
غزہ ہاشم
بحیرہ مردار
بروی سرحان
معان
قلزم
ایلہ
سیناء
خریبہ
تبوک
مدین
ضبا
الوجہ
العلاء
تیماء
خیبر
دومۃ الجندل
جائل
نجد
مدینہ منورہ
(یثرب)
حجاز
مکہ مکرمہ
تربہ
طائف
جدّہ
شعیبہ
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
صحرائے نوبیہ
مصر
عسیر
قنفذہ
نجران
صعدہ
جیزان
فرسان
مأرب
صنعاء
دہلک
مصوع
قمران
زبید
تعز
مخا
عصب
عدن
خلیج عدن
یمن
سودان
حبشہ
اکسوم
طیسفون
(مدائن)
دریائے فرات
بابل
دجلہ
حیرہ
سواد
ابلہ
کاظمہ
0
100
200
400
600
800
1000
کلومیٹر

دینے کے لیے ابتدا میں اہل مکہ کی بکریاں بھی چرائی تھیں لیکن اس مشغلے کو آپ ﷺ نے اپنا مستقل وسیلۂ معاش نہیں بنایا۔

بعدازاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مثالی انسانی صفات کی تکمیل تجارتی اسفار کے تجربات کے ذریعے کرائی۔ سفر ہمیشہ سے وسیلہ ظفر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ جس فردِ فرید کو قیامت تک دائمی نبوت سے سرفراز کرنا ہے اور جسے زمان و مکان کے ہر موڑ پر ہر شعبۂ زندگی میں تمام انسانوں کے لیے ہدایت کی روشنی فراہم کرنی ہے، وہ ہر لحاظ سے اجمل و اکمل، جامع الجہات، جامع الصفات اور جامع الحسنات شخصیت کا مالک ہوتا کہ ایک عام انسان سے لے کر بڑے سے بڑے صاحبِ منصب تک سبھی اُس کی بے داغ صداقت، بصیرت، لیاقت اور قیادت سے مستفید ہوں۔

نبی ﷺ کا شام کی طرف تجارتی سفر

یہ آپ کے اور ہمارے سامنے کی آنکھوں دیکھی بات ہے کہ عالمِ شباب میں نوجوانوں کے رویے اور رجحانات کیا ہوتے ہیں۔ انھیں کچھ نہیں سوجھتا۔ وہ اپنے وارداتِ شباب کا شکار ہوتے ہیں اور عشرتِ شباب کی سرگرمیوں میں مصروف رہتے ہیں مگر جب محمد ﷺ پر جوانی کی فصل بہار آئی تو ان کی بے داغ طہارت، متانت، بصیرت اور عظمتِ کردار دیکھ کر سب کی آنکھیں حیرت زدہ ہوگئیں۔ کوئی پکار اُٹھا کہ آپ ﷺ صادق ہیں۔ کسی نے کہا کہ آپ امین ہیں۔ کوئی بولا کہ آپ کریم ابنِ کریم ہیں۔ انھی بے مثل صفات و کمالات کے متاثرین میں مکہ کی انتہائی باوقار اور سرمایہ دار خاتون سیدہ خدیجہ بھی شامل تھیں۔ انھوں نے دیکھا کہ محمد (ﷺ) 25 برس کے ہیں۔ ان کے حُسن اور جوانی کا ماہتاب پورے جوبن کے ساتھ چمک رہا ہے۔ اُن کے درخشاں چہرے پر نہایت خوبصورت پرکشش آنکھیں ہیں مگر یہ بڑی بڑی آنکھیں بے حد شرمیلی ہیں۔ حیا کے بوجھ سے جھکی رہتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ آپ نہایت دیانت دار ہیں۔ آپ کے معاملات میں صفائی ہے، گفتگو میں دلربائی ہے، بصیرت میں گہرائی ہے اور کردار میں پارسائی ہے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کے کردار کی بلندی پر ریجھ گئیں، پھر انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں شادی کی درخواست پیش کر دی۔ یہ معاملہ کس طرح شروع ہوا؟ آئیے یہ دلنشین سرگزشت سنیے۔

نبی اکرم ﷺ جب اپنی عمر مبارک کے پچیسویں سال میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ کی معیت میں شام کا دوسرا تجارتی سفر کیا۔[1] اس سے پہلے آپ ﷺ نے بارہ سال کی عمر میں اپنے چچا

[1] الطبقات لابن سعد: 129/1، السيرة الحلبية: 216/1.

ابوطالب کے ساتھ شام کا سفر کیا تھا لیکن بحیرا راہب کے اصرار پر چچا آپ کو شام لے کر نہیں گئے بلکہ انھوں نے راستے ہی سے آپ ﷺ کو واپس بھیج دیا تھا۔ [1]

سفر کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

شام کے تجارتی سفر کا سبب یہ تھا کہ نبی اکرم ﷺ کے چچا ابوطالب غریب آدمی تھے۔ معاشی طور پر چنداں مستحکم نہیں تھے۔ انھوں نے اپنے معاشی حالات کی تنگی اور غربت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے بھتیجے کو تجارت کی راہ دکھائی۔ انھوں نے کہا:



مکہ میں وہ جگہ جہاں ابوطالب کا گھر تھا

''پیارے بھتیجے! میں مالدار نہیں ہوں۔ ہمارے حالات دشوار سے دشوار تر ہو رہے ہیں۔ افلاس نے ڈیرے ڈال دیے ہیں۔ ہمارے پاس دولت ہے نہ کوئی تجارت۔ تمھاری قوم (قریش) کا قافلہ شام جانے کو تیار ہے۔ خدیجہ بنت خویلد بعض لوگوں کو قافلے کی صورت میں بھیجتی ہیں جو ان کے لیے انھی کے مال سے تجارت کرتے اور نفع کماتے ہیں۔ اگر تم ان کے پاس جاؤ اور اپنی خدمات پیش کرو تو وہ یقیناً تمھیں اس کام کے لیے منتخب کر لیں گی اور تمھیں سب پر ترجیح دیں گی کیونکہ وہ تمھاری پاکیزگی کے چرچے سے بے خبر نہیں ہیں۔ ہر چند میں تمھارا شام جانا مناسب نہیں سمجھتا۔ میں تمھارے بارے میں یہودیوں سے خائف بھی ہوں مگر اب اس (نقل و حرکت) کے سوا کوئی چارۂ کار بھی نہیں رہا۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کی بات سن کر انتہائی حکیمانہ جواب دیا، فرمایا:

«فَلَعَلَّهَا أَنْ تُرْسِلَ إِلَيَّ فِي ذٰلِكَ»

''شاید خدیجہ خود ہی اس کے بارے میں میری طرف پیغام بھیج دیں۔''

ابوطالب کہنے لگے: مجھے خدشہ ہے کہ وہ تمھارے علاوہ کسی اور کو بھیج دیں اور تم پیچھے رہ جاؤ۔

[1] الطبقات لابن سعد: 121/1.

رسول اللہ ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مابین تجارتی معاہدہ

چچے اور بھتیجے کے مابین جو بات چیت ہوئی، اُس کی سُن گن سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بھی مل گئی۔ انھوں نے فوراً حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ میں آپ کی راست بازی، امانت داری اور اعلیٰ اخلاق کے پیش نظر آپ کو تجارتی سفر پر بھیجنا چاہتی ہوں اور حق خدمت کے طور پر آپ کی قوم کے دوسرے لوگوں کو جو کچھ دیتی ہوں، اس سے دُگنا معاوضہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گی۔ آپ ﷺ نے یہ پیش کش منظور کر لی اور اپنے چچا کو اس معاملے سے آگاہ کر دیا۔ ابوطالب کہنے لگے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رزق ہے جو اس نے آپ کے نصیب میں لکھ دیا ہے۔ [1]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بحیثیت سوداگر

خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا عالی نسب، نہایت شریف اور بہت مالدار خاتون تھیں۔ ان کے والد خویلد بن اسد تجارت پیشہ تھے۔ والد کی طرح سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تجارت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ وہ بے حد پُروقار اور حیادار خاتون تھیں۔ اس اعتبار سے وہ خود تجارتی معاملات کے لیے کہیں آنا جانا پسند نہیں فرماتی تھیں۔ اس مقصد کے لیے وہ لوگوں کو اپنا تجارتی مال دے کر روانہ کرتیں اور انھیں منافع میں سے مناسب حصہ عطا فرماتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں خوب برکت سے نوازا۔ ان کی تجارت کا کاروبار اتنا وسیع تھا کہ صرف ان کا کاروانِ تجارت قریش کے عمومی قافلوں کے برابر ہوتا تھا۔ [2]

خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہی دولت تھی جو حضرت محمد ﷺ کے منصبِ رسالت پر فائز ہونے کے بعد دینِ حنیف کی تبلیغ و ترویج کے کام آئی۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا خاص کرم تھا کہ انھیں اپنے تجارتی کاروبار میں محمد بن عبداللہ (ﷺ) جیسے ''صادق و امین'' کا تعاون نصیب ہوا اور اپنی دولت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے آپ ﷺ جیسا ''قاسم'' ملا۔

سامانِ تجارت کیا تھا؟

قریش کی سوداگری کیا تھی، وہ کیا بیچتے تھے، کیا خریدتے تھے اور کون کون سی چیزیں درآمد اور برآمد کرتے تھے؟ اس سوال کے جواب سے ہم یہ اندازہ کر سکیں گے کہ حضرت محمد ﷺ سیدہ خدیجہ کا جو سامانِ تجارت لے کر شام گئے، وہ کیا تھا؟

[1] الطبقات لابن سعد: 130,129/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173,172/1، المنتظم: 313/2، 314. [2] الطبقات لابن سعد: 16/8، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173,172/1.

قریش کے تجارتی قافلے ہر طرف آتے جاتے رہتے تھے۔ اس نقل و حمل کے نتیجے میں وہ ہر علاقے کی مصنوعات لے آتے تھے اور اپنے ہاں کی اشیاء دوسرے علاقوں میں بیچ آتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾

''کیا ہم نے انھیں پر امن حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطور رزق لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان کے اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔''[1]

تجارت کا مال عموماً تین اقسام پر مشتمل ہوتا تھا:

1. مسالے، خوشبودار چیزیں، عطریات، ریشم، کتان (ایک نفیس باریک کپڑا)، زعفران، پکی کھجوریں اور منقّٰی وغیرہ۔
2. سونا، چاندی، ہیرے، تانبے اور لوہے کے برتن۔
3. چمڑا، کھال، زین پوش، اون، ہاتھی دانت اور بھیڑ بکریاں وغیرہ۔

شام کی جانب سے زیادہ تر گندم، آٹا، زیتون کا تیل اور فنیقیہ (لبنان) کی مصنوعات بلادِ عرب میں درآمد کی جاتی تھیں۔ برآمدات میں بلادِ عرب کی پیداواری اشیاء، روغنیات، پکی کھجوریں، کیکر نما درخت قَرَظ کے پتے جو چمڑا رنگنے کے کام آتے تھے، اونٹ اور دیگر جانوروں کے بال، چمڑا اور گھی وغیرہ شامل تھے۔ اس کے علاوہ طائف کا منقّٰی بھی برآمد کیا جاتا تھا۔ مکہ کے تاجر عام طور پر یہ اشیاء سردیوں میں یمن اور گرمیوں میں شام لے جاتے تھے۔[2]

مذکورہ بالا تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضرت محمد ﷺ کے ذریعے سے یقیناً وہی اشیاء بیچنے کے لیے بھیجی ہوں گی جو جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوتی تھیں اور جن کی شام میں مانگ تھی۔

روانگی کے لمحات

رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ کا تجارتی معاہدہ طے پا گیا اور وہ دن آ گیا جس دن قافلے کو شام روانہ ہونا تھا۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے اپنا غلام مَیسرہ آپ ﷺ کے ساتھ روانہ کیا اور اُسے تاکید فرمائی کہ ان کی حکم عدولی ہرگز نہ کرنا، نہ ان کی رائے کی مخالفت کرنا۔[3] سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے میسرہ کو آپ ﷺ کی خدمت پر اس لیے مامور کیا کہ وہ بڑا سمجھدار، تجربہ کار اور باادب کارکن تھا۔ وہ پہلے بھی شام کا سفر کر چکا تھا اور وہاں کے تجارتی مراکز سے اچھی

[1] القصص 28:57. [2] تاریخ المکة المکرمة: 1/437، مکة والمدینة في الجاهلیة وعهد الرسول ﷺ، ص: 175 و 179، تاریخ الطبري: 2/125. [3] شرف المصطفٰی ﷺ: 1/408.

طرح آگاہ تھا۔ اس موقع پر نبی ﷺ کے چچاؤں نے قافلے والوں کو آپ ﷺ کا خاص طور پر دھیان رکھنے کی تلقین کی اور قافلہ روانہ ہو گیا۔[1]

مکہ سے بُصریٰ تک

نبی اکرم ﷺ کے سفر کی ابتدا ذوالحجہ کے وسط میں ہوئی تھی۔[2] یہ گرمی کا موسم تھا۔ قافلہ مدینہ کے قریب سے گزر کر خیبر، تیماء، دومۃ الجندل، وادی سرحان سے ہوتا ہوا شام کی طرف بڑھتا گیا، شام رومیوں کی وسیع سلطنت


خیبر


تیماء


دومۃ الجندل

کا حصہ تھا، رسول اللہ ﷺ میسرہ سمیت شام کے شہر ''بُصریٰ'' پہنچے۔ یہ شہر مکہ مکرمہ سے تقریباً سولہ سو کلومیٹر شمال میں ہے۔

بُصریٰ میں عجیب وغریب واقعات کا ظہور

حضرت محمد ﷺ بُصریٰ پہنچ کر ایک راہب کے گرجے کے پاس درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ اس راہب کا نام نسطورا یا بعض روایات کے مطابق نسطور تھا۔ نسطورا کی میسرہ سے پہلے ہی جان پہچان تھی۔ یہ راہب محمد ﷺ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اُس نے میسرہ سے پوچھا: ''میسرہ! اس درخت کے نیچے جو صاحب جلوہ افروز ہیں، وہ کون ہیں؟''

میسرہ نے جواب دیا: ''یہ صاحب قریش کے ایک فرد اور اہلِ حرم سے ہیں۔''

نسطورا کہنے لگا: ''اس درخت کے نیچے تو نبی کے سوا کبھی کوئی شخص اس طرح نہیں ٹھہرا۔'' پھر پوچھا: ''کیا ان کی

[1] الطبقات لابن سعد: 130/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1، المنتظم: 314/2. [2] المواهب اللدنية: 190/1، سبل الهدٰى والرشاد: 158/2.

آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں؟''

میسرہ بولا: ''جی ہاں! سرخ ڈورے تو ان کی آنکھوں میں ہر وقت جلوہ نما رہتے ہیں۔''

نسطورا کہنے لگا: ''یہ وہی ہیں، یہ آخری نبی ہیں۔ کاش! میں انھیں اس وقت پا جاؤں جب یہ مبعوث ہوں گے۔''

میسرہ نسطورا کی باتیں غور سے سنتا رہا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ بُصریٰ کے بازار پہنچے۔ آپ اپنے سامان کا سودا کرنے لگے۔ اسی دوران ایک شخص کا سوداگری کے معاملے میں آپ ﷺ سے اختلاف ہوگیا۔ بحث وتکرار کرتے کرتے اس شخص نے اچانک آپ ﷺ سے کہا کہ آپ لات وعزیٰ (بتوں) کی قسم کھائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا حَلَفْتُ بِهِمَا قَطُّ، وَإِنِّي لَأَمُرُّ بِهِمَا فَأُعْرِضُ عَنْهُمَا»

''میں نے کبھی ان کی قسم نہیں کھائی۔ کبھی ان کے پاس سے گزرنے کی نوبت آ بھی جاتی ہے تو میں ان کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیتا ہوں۔''

آپ ﷺ کا یہ ارشاد سن کر اس شخص نے کہا:

''فی الواقع آپ کی بات فیصلہ کن ہے۔'' پھر وہ شخص میسرہ کو علیحدگی میں لے گیا اور راز داری سے کہنے لگا:

''واللہ! یہ نبی ہیں۔ ان کے اوصاف ہمارے اَحبار (علماء) اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔''

میسرہ نے اس سفر میں ایک عجیب اور غیر معمولی چیز یہ دیکھی کہ جب دوپہر ہوتی اور دھوپ کی تمازت میں شدت آجاتی تو دو فرشتے فوراً حضرت محمد ﷺ پر چھاؤں کر دیتے تھے۔ میسرہ نے یہ سارے مناظر حیرت سے دیکھے اور ذہن نشین کر لیے۔[1]

اس روایت کے مطابق انبیاء کا اس درخت کے نیچے ٹھہرنا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جنوبی امریکہ میں ہوہوبا (JOJOBA) کا درخت نو صدیوں تک برگ و بار لاتا ہے۔ زیتون کا درخت ہزاروں سال کی عمر پاتا ہے۔ کھجور کے درخت کی عمر بھی صدیوں پر محیط ہوتی ہے۔ مزید برآں انبیائے کرام ﷺ سے معجزوں کا ظہور کسی بھی وقت اور کسی بھی پیرائے میں عین ممکن تھا۔ معجزے اپنے ظہور کے لیے مخصوص حالات یا لگے بندھے معمولات کے محتاج نہیں ہوتے۔ یہ قادر مطلق ہی کے منشا کے مطابق ظہور میں آتے ہیں۔[2]

[1] السيرة لابن إسحاق: 129,128/1، الطبقات لابن سعد: 130/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1، واللفظ له. [2] دیکھیے: السيرة الحلبية: 218/1.

بھاری منافع

آپ کی تحویل میں جتنا سامان تھا، وہ سارا بُصریٰ کے بازار میں نہایت نفع بخش نرخوں پر فروخت ہوگیا۔ عام تاجر جتنا نفع کماتے تھے، آپ نے اس سے دگنا نفع کمایا۔[1] اس قدر نفع دیکھ کر میسرہ بے اختیار بول اٹھا: اے محمد! ہم تو مدت سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کی تجارت کر رہے ہیں مگر ہمیں کبھی اتنا نفع نہیں ہوا جو اس دفعہ آپ کی تشریف آوری کی وجہ سے ہوا ہے۔[2] نبیِ اکرم ﷺ کی یہ کامیابی یقیناً آپ کی برکت، کھرے معاملے، سچائی، دانائی، محنت اور معاملہ فہمی کا نتیجہ تھی۔

حضرت محمد ﷺ نے اس موقع پر ایک دانا اور دور اندیش تاجر ہونے کا ثبوت دیا۔ آپ ﷺ نے لگے ہاتھوں وہ ضروری سامان بھی خرید لیا جس کی مکہ مکرمہ میں مانگ تھی۔ بعد ازاں یہ سامان سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے مکہ میں فروخت کیا تو انھیں بھاری منافع ہوا۔[3]

شام سے واپسی

تجارتی قافلے نے بصریٰ سے واپسی کا رخت سفر باندھا۔ نبیِ اکرم ﷺ ایک کامیاب تاجر کی حیثیت سے خوش وخرم

[1] الطبقات لابن سعد: 130/1، دلائل النبوة لأبي نعيم: 173/1، 174، المنتظم: 314/2. [2] شرف المصطفى ﷺ: 410/1، 411. [3] السيرة لابن إسحاق: 129/1، أسد الغابة: 261/5.



بصریٰ شام کا قدیم شہر


وادی مرالظہران

واپس تشریف لا رہے تھے۔ مکہ آتے ہوئے جب آپ ﷺ مرّالظہران پہنچے تو میسرہ تھوڑی دیر کے لیے رُکا۔ اُس نے آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ ہمارے قائد ہیں۔ آپ ہمارے آگے آگے چلیں۔ آپ ﷺ علیحدہ ایک سرخ اونٹ پر سوار ہو کر چل پڑے اور میسرہ سے پہلے مکہ پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ کھلی فضا تھی۔ خاموش ہوا تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی سہیلیوں کے ساتھ اپنے بالاخانے پر بیٹھی تھیں۔ اچانک خدیجہ رضی اللہ عنہا کی نظر رسول اللہ ﷺ پر پڑی۔ انھوں نے دیکھا کہ حضرت محمد ﷺ عجیب شان سے مکہ میں داخل ہو رہے ہیں۔

آپ ﷺ کا اونٹ تیزی سے دوڑ رہا ہے اور دو فرشتے آپ ﷺ کے وجود اطہر پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ حضرت خدیجہ بہت خوش ہوئیں۔ انھوں نے یہ منظر وہاں موجود اپنی سہیلیوں کو بھی دکھایا تو وہ حیران رہ گئیں۔

سفر کی سرگزشت

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی منتظر تھیں۔ وہ آپ سے تجارتی حساب کتاب معلوم کرنے کی خواہش مند تھیں۔ حضرت محمد ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے شام کے تجارتی سفر میں جو کچھ کمایا تھا، وہ ان کے حوالے کر دیا۔ میسرہ ابھی تک نہیں پہنچے تھے۔ وہ آئے تو انھوں نے سفر میں جو کچھ دیکھا تھا، خدیجہ رضی اللہ عنہا سے من وعن بیان کر دیا۔ اس سرگزشت میں انھوں نے نسطورا راہب سے ملاقات اور اس کی بشارت اور جھگڑا کرنے والے شخص کی پیش گوئی کا واقعہ بھی سنا دیا۔ سیدہ خدیجہ نے میسرہ کی باتیں بڑے انہماک سے سُنیں۔ انھیں یہ دیکھ کر حیرت انگیز مسرت ہوئی کہ ان کے سابق تجارتی ایجنٹ جتنا منافع لا کر دیتے تھے، محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کے برعکس دوگنا منافع پیش کیا ہے، چنانچہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کو طے شدہ معاوضے سے بھی بڑھ کر معاوضہ پیش کر دیا۔ [1]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ورقہ بن نوفل کی خدمت میں

سیدہ خدیجہ کو اپنے غلام میسرہ کی زبانی سفر کی سرگزشت سن کر رسول اللہ ﷺ کے عظیم کردار اور حسنِ معاملہ کے علاوہ آپ کے علوِّ مرتبت کا علم ہوا تو وہ بے حد متاثر ہوئیں۔ وہ آپ ﷺ کے احوال و آثار سنانے کے لیے اپنے عہد

[1] الطبقات لابن سعد: 131,130/1، المنتظم: 314/2، سبل الهدٰى والرشاد: 160,159/2.

کے نامور مسیحی عالم ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں۔ ورقہ بن نوفل سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد تھے۔ وہ آسمانی کتابوں کے عالم تھے۔ یہ کتابیں اگرچہ تحریف شدہ تھیں لیکن ان میں آخری پیغمبر کی بشارتیں اور نشانیاں واضح طور پر موجود تھیں۔

آخری نبی کے بارے میں ورقہ بن نوفل کا اعلان

جب فضا خاموش ہوتی ہے اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے دم بدم آنے لگتے ہیں تو کسان ان جھونکوں کو سونگھتے ہی بتا دیتے ہیں کہ اب بادل آئیں گے، بارش ہوگی اور زمین جل تھل ہوجائے گی۔ جزیرۃ العرب کی بھی یہی حالت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں کو کفر و شرک، ظلم و غارت گری، خونریزی اور آخرت کے عذاب الیم سے بچانے کے لیے صراط مستقیم دکھانے کا اہتمام فرمایا اور آخری رسول حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی طرح طرح کی نشانیاں دکھانی شروع کر دیں۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ بن نوفل کو شام میں حضرت محمد ﷺ پر بیتے ہوئے حیرت انگیز واقعات بتائے اور نسطورا راہب کے یہ الفاظ خاص طور پر سنائے کہ جس درخت کے نیچے محمد (ﷺ) تشریف فرما ہیں، وہاں تو بس نبی ہی ٹھہر سکتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ دو فرشتے اُن پر سایہ کیا کرتے تھے۔ یہ باتیں سن کر ورقہ بن نوفل فوراً بول اُٹھے:

"خدیجہ! جو کچھ تم نے بیان کیا، اگر یہ سچ ہے تو یقیناً محمد (ﷺ) اس امت کے نبی ہیں۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ اس امت میں ایک نبی آنے والا ہے جس کا انتظار ہو رہا ہے، یہ اُسی (کی بعثت) کا زمانہ ہے۔"[1]

رسول اللہ ﷺ کے دیگر تجارتی سفر



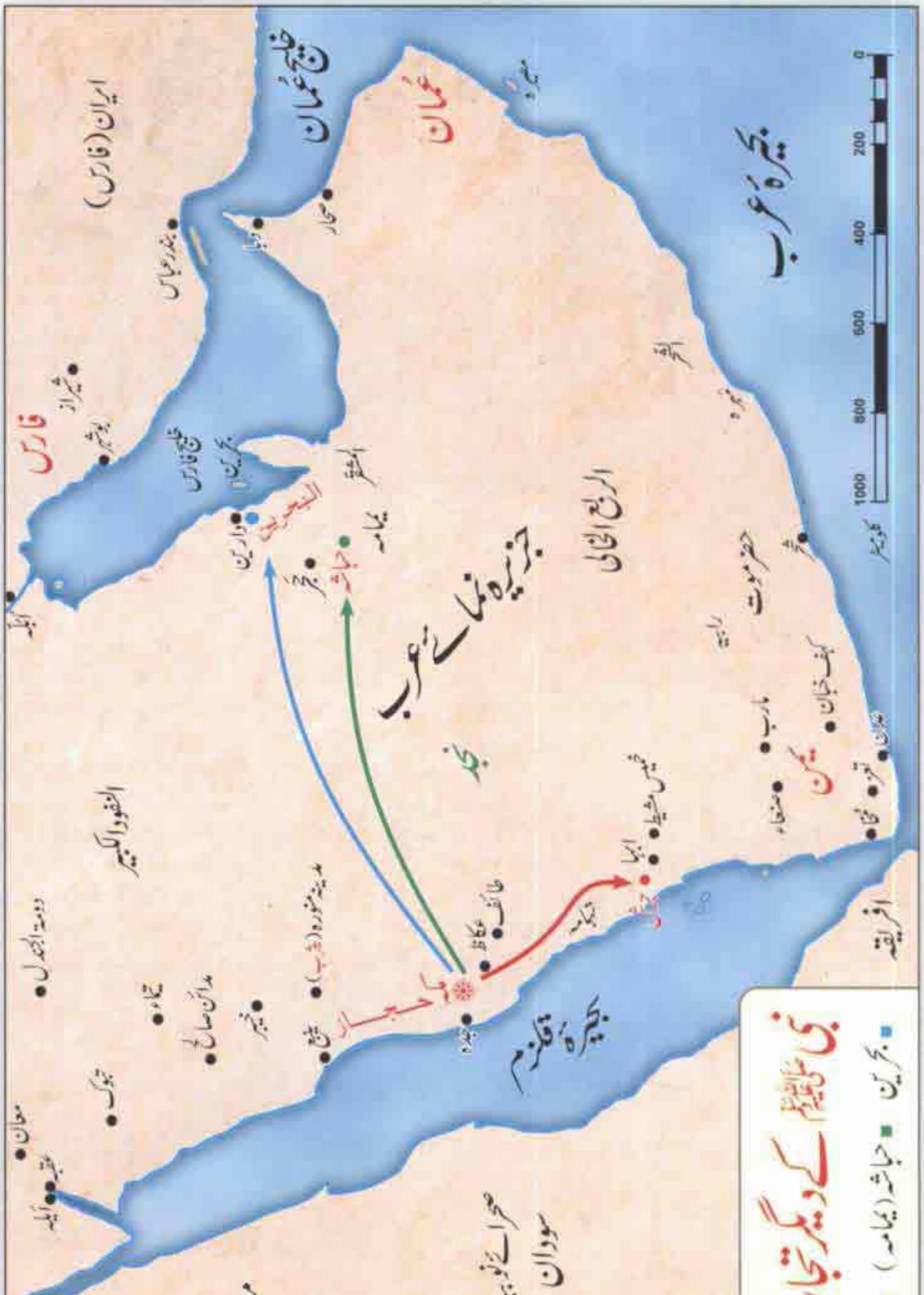
سعودی عرب میں قدیم شہر جرش کے کھنڈر

نبی اکرم ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا سامانِ تجارت بیچنے کے لیے سفرِ شام کے علاوہ اور بھی کئی سفر کیے۔

آپ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر دو دفعہ "جُرَش" کا سفر کیا۔[2] جُرش یمن کا بہت پرانا شہر تھا۔ یہ پانچویں چھٹی صدی ہجری تک آباد تھا۔ آج کل اس کے کھنڈر سعودی عرب کے صوبہ عسیر میں کوہِ سراۃ کے مشرق میں واقع خمیس مشیط اور ابہاء کے مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ ابتدائی عہد اسلام میں جرشِ یمن منجنیق اور دبابے کی صنعت کے لیے مشہور تھا، چنانچہ

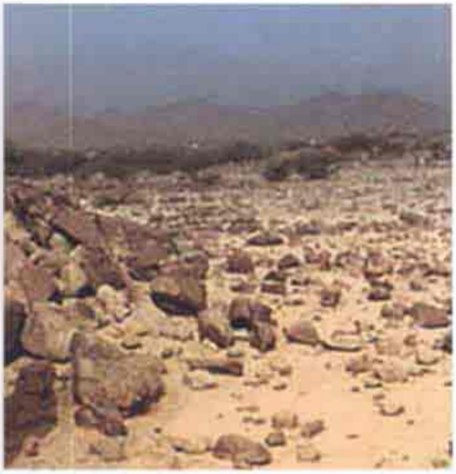
---

[1] السيرة لابن هشام: 191/1. [2] المستدرك للحاكم: 182/3، السلسلة الضعيفة: 675,674/3، حديث: 1483.



نبی ﷺ کے دیگر تجارتی سفر
بحرین
جاشر (یمامہ)
جرش یمن
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ قلزم
بحیرۂ عرب
خلیج عمان
خلیج فارس
عمان
فارس
ایران (فارس)
مکہ
طائف
عکاظ
جدہ
مدینہ منورہ (یثرب)
البحرین
نجد
یمن
صنعاء
مارب
عدن
حضرموت
الربع الخالی
افریقہ
سوڈان
صحرائے نوبیہ
مصر
دومۃ الجندل
تبوک
تیماء
خیبر
مدائن صالح
النفود الکبیر
تہامہ
ابہا
خمیس مشیط
صحار
شیراز
0
200
400
600
800
1000

نبی ﷺ کے حکم پر حضرت خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ جُرش سے ایک دبابہ لائے تھے جسے محاصرۂ طائف میں استعمال کیا گیا۔ نبیِ کریم ﷺ کے آخری ایام میں جُرش ایک صلح نامے کے ذریعے اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا۔ یہ چمڑے (ادیم جُرشی) اور ناقہ جُرشیہ کے لیے مشہور تھا۔ نبی ﷺ نے ایک خط کے ذریعے اہلِ جرش کو منقّی اور کھجور کی آمیزش سے منع فرمایا۔[1]



تہامہ میں حباشہ نامی بازار کے کھنڈر

رسول اللہ ﷺ کاروباری سلسلے میں نواحِ مکہ میں تہامہ کے ''حباشہ'' نامی بازار بھی گئے۔[2]

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو حباشہ کے بازار میں دیکھا تھا اور آپ سے میں نے تہامہ کا ایک کپڑا بھی خریدا تھا۔''[3] اس موقع پر آپ ﷺ کے ساتھ قریش کا ایک اور آدمی بھی تھا۔[4] حُبَاشہ کے لفظی معنی ''جمع ہونا'' ہیں۔ یہ عرب کا مشہور بازار تھا جو تہامہ میں بنو بارق کے علاقہ وادیِ قنونا میں منعقد ہوتا تھا۔ یہ مکہ سے یمن جانے والے راستے پر رجب کے ابتدائی آٹھ دنوں میں لگتا تھا۔ 197ھ/812ء تک یہ بازار لگتا رہا۔[5]

عام الوفود (9ھ) میں بحرین سے آنے والے وفد عبدالقیس سے گفتگو فرماتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے اس علاقے کے مختلف مقامات کے نام لیے۔ اس وفد میں اشجّ عبدالقیس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ انھوں نے حیرت سے کہا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر میرے ماں باپ قربان! آپ تو ہمارے علاقوں کے نام ہم سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «إِنِّي قَدْ وَطِئْتُ بِلَادَكُمْ» ''تمھارا علاقہ میرا دیکھا بھالا ہے۔''[6] اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بحرین کا بھی سفر کیا تھا۔

یہاں ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ سعودی عرب کا مشرقی ساحلی علاقہ، جو ان دنوں الاحساء (الحساء) کہلاتا ہے، عہدِ نبوی میں اسے البحرین کہا جاتا تھا۔ یاقوت حموی کے بقول ''بحرِ ہند (خلیج فارس) کے ساحل پر بصرہ سے لے کر عُمان تک تمام علاقہ بحرین کہلاتا ہے۔'' صحیح بخاری (حدیث:892) میں ہے کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلا جمعہ بحرین

[1] مسند أحمد:224/1، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ:168/7، معجم البلدان، مادۃ: جرش، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا [2] دلائل النبوۃ للبیھقي:68/2. یہ روایت ضعیف ہے۔ [3] معجم ما استعجم:418/2. [4] تاریخ الطبري:36,35/2. [5] معجم البلدان، مادۃ: حباشة، معجم ما استعجم:418/2. [6] مسند أحمد:432/3.



بحرین کی ایک بستی جواثی میں مسجد عبدالقیس

کی ایک بستی جواثی کی مسجد عبدالقیس میں ادا کیا گیا۔ بحرین کا حکمران منذر بن ساویٰ ایران وعراق کی ساسانی سلطنت کا باجگزار تھا۔ اس نے 6 یا 8ھ میں سفیر نبوت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ 9ھ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفدِ عبدالقیس کے سربراہ منذر بن عائذ عرف اشج سے گفتگو کرتے ہوئے الصفا، المشقر، ہَجَر اور بحرین کی دیگر بستیوں کے نام لیے تھے۔ ایرانی عہدِ حکومت میں بحرین کا عرب امیر ایرانی گورنر (مرزبان) کے ماتحت ہوا کرتا تھا جو ہَجَر بلکہ اس کے متصل قلعہ مشقر میں رہتا تھا۔ عہد نبوی میں یہاں کا مرزبان سیبُخت تھا۔ اس نے امیر منذر کے ساتھ ہی اسلام قبول کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حیرہ کے شاہی خاندان کے ایک فرد الغرور (منذر بن نعمان) نے ہَجَر میں علم بغاوت بلند کیا جسے حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے زیر کر لیا۔



دارین کی بندرگاہ

913-14ء میں ابوسعید قرمطی نے ہَجَر فتح کر لیا۔ یاد رہے بعض اوقات اس پورے علاقے کو ہَجَر یا الھجر کہہ دیتے تھے۔ بقول یاقوت حموی بحرین کی بندرگاہ دَارِین میں ہندوستان سے کستوری پہنچتی تھی۔ دارین سعودی شہر القطیف کے مشرق میں جزیرہ نما تاروت پر واقع ہے۔

آج کی مملکت بحرین خلیج عربی (خلیج فارس) کے اندر سعودی عرب اور قطر کے مابین واقع جزائر کا مجموعہ ہے جن میں سب سے بڑا جزیرہ بحرین ہے جو ماضی میں اُوال اور ماضی قدیم میں دلمون کہلاتا تھا۔ مملکت بحرین کا رقبہ 598 مربع کلومیٹر ہے۔ اس کا دارالحکومت منامہ ہے۔ جزیرہ بحرین ایک طویل



بحرین کو سعودی عرب سے ملانے والا طویل پل

پل کے ذریعے سے سعودی عرب کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ کتاب سیف کے حوالے سے معجم البلدان میں ''دارین'' کے زیرِ عنوان لکھا ہے: ''مسلمانوں نے علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کے ساتھ دارین البحر (جزیرہ بحرین) پر یلغار کی۔ وہ اس خلیج (فارس) کو اللہ کے کرم سے پار کر گئے۔ وہ اور اُن کے اونٹ زیرِ آب نرم سمندری ریت پر بڑی آسانی اور روانی سے چل رہے تھے۔ ساحل اور دارین البحر کے درمیان بعض حالات میں ایک دن رات کا سفر ہے۔ لڑائی میں انھوں نے جو کفار قتل اور گرفتار کیے، ان میں سے سوار سات ہزار اور پیدل دو ہزار تھے۔''

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یاقوت حموی کہتے ہیں کہ ''یہ ذکر (ساحلِ عرب پر واقع شہر دارین کا نہیں) اُوال کا ہے جو آج البحرین کا سب سے مشہور شہر ہے اور شاید اس وقت اس کا نام اُوال و دارین ہوگا۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں 12 ھ میں فتح ہوا۔'' جہاں تک بحرین (الاحساء) کا تعلق ہے جب علاء بن عبداللہ بن عماد الحضرمی رضی اللہ عنہ کی دعوت پر منذر بن ساویٰ اور مرزبان سیبخت دونوں اسلام لے آئے تو ان کے ساتھ ہی تمام عربی اور بعض عجمی باشندوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ عربوں، مجوسیوں اور یہود و نصاریٰ سب نے صلح نامہ تسلیم کر لیا۔ علاء رضی اللہ عنہ نے بحرین سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال بھیجا، اس کی مالیت اسی ہزار (دینار) تھی۔ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابان بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو حاکم بحرین مقرر فرمایا۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اہلِ بحرین کی درخواست پر علاء رضی اللہ عنہ کو دوبارہ بحرین کا حاکم بنا دیا۔ وہ 20 ھ میں اپنی وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاروباری ساجھی

صنعت و تجارت کے مختلف شعبوں میں اکثر لوگ مشترکہ طور پر سرمایہ لگا کر ساجھے کاری (Partnership) کی بنیاد پر کاروبار کرتے ہیں۔ اکثر اوقات اس کے جو افسوسناک نتائج سامنے آتے ہیں، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔

[1] مسند أحمد: 432/3، معجم البلدان، مادة: البحرين و مادة: دارين، موسوعة العالم الإسلامية، ص: 68، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 86,85/4 و 114,113/2.

معلم انسانیت حضرت محمد ﷺ نے اس گوشے میں بھی اپنے عمل مبارک سے ہمارے لیے رہنمائی کی قندیل روشن کر دی ہے۔ دیکھیے شراکت کے کاروبار میں رسول اللہ ﷺ کے نقوش عمل کیسے تھے۔

بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے کاروباری شریکوں کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: فتح مکہ کے دن مجھے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اور نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی عاتکہ کے بیٹے، ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ مخزومی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ اس موقع پر لوگ میری تعریف کرنے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُعَلِّمُونِي بِهِ قَدْ كَانَ صَاحِبِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ»

''(میں ان سے خوب واقف ہوں) تم مجھے ان کے بارے میں (کچھ) نہ بتاؤ۔ یہ تو زمانۂ جاہلیت میں میرے (کاروباری) ساجھی تھے۔''

سائب بولے: جی ہاں، اللہ کے رسول! آپ نے بجا فرمایا، یقیناً ایسا ہی ہے۔ آپ کتنے اچھے ساتھی تھے! یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ نے فوراً فرمایا:

«يَاسَائِبُ! انْظُرْ أَخْلَاقَكَ الَّتِي كُنْتَ تَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَاجْعَلْهَا فِي الْإِسْلَامِ، أَقْرِ الضَّيْفَ، وَأَكْرِمِ الْيَتِيمَ، وَأَحْسِنْ إِلَى جَارِكَ»

''اے سائب! اپنے دور جاہلیت کے حُسنِ اخلاق پر غور کرو اور اسے اسلام میں بھی جاری رکھو۔ مہمانوں کی مہمان نوازی کرو، یتیموں کی عزت کرو اور اپنے ہمسائے سے حسنِ سلوک کرو۔''[1]

سنن ابو داود اور مسند احمد کی ایک اور روایت میں ہے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں فرمایا کہ آپ میرے کاروباری ساتھی تھے اور کیا خوب ساتھی تھے۔ آپ میں مخالفت کرنے اور لڑنے جھگڑنے والی کوئی بات ہی نہیں تھی۔[2]

ایک اور روایت میں ہے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

[1] مسند أحمد:3/425. اس میں سائب بن عبداللہ درج ہے۔ جبکہ امام ابن کثیر نے انھیں سائب ابوعبداللہ قرار دیا ہے کیونکہ یہ عبداللہ بن سائب کے والد سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ تھے۔ (جامع المسانید:5/27,26، مزید دیکھیے: الإصابة :3/19,18) [2] سنن أبي داود: 4836، مسند أحمد :3/425.

«مَرْحَبًا بِأَخِي وَشَرِيكِي، كَانَ لَا يُدَارِي وَلَا يُمَارِي»

''اپنے بھائی اور کاروباری ساتھی کو خوش آمدید! یہ کبھی مخالفت کرتا تھا نہ لڑائی جھگڑا۔''[1]

امام مجاہد بن جبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ سائب مخزومی کے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہما نے مجھے غلامی سے نجات دلائی تھی۔ انھوں نے بتایا کہ میں جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کا شریک کار تھا۔ جب میں مدینہ منورہ پہنچا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «تَعْرِفُنِي؟» ''کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟'' میں نے عرض کی: ''جی ہاں! ہم اکٹھے کام کرتے رہے ہیں۔ آپ کتنے اچھے کاروباری ساتھی ثابت ہوئے۔ آپ نے کبھی کوئی لڑائی جھگڑا ہی نہیں کیا۔''[2]

ان روایات میں سائب بن ابی سائب اور ان کے بیٹے عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما دونوں کے رسول اللہ ﷺ کے کاروباری ساتھی ہونے کا ذکر ہے۔ علامہ ضیاء مقدسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ باپ بیٹے دونوں ہی نے اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ کاروباری شراکت کی ہو اور آپ نے الگ الگ موقع پر ان دونوں کی تعریف کی ہو یا انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اچھے تاثرات بیان کیے ہوں، اس لیے کہ سائب بن ابی سائب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر آئے جبکہ عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ وہ مدینہ منورہ گئے تو سائب رضی اللہ عنہ کا قصہ اپنے بیٹے کے قصے سے مختلف ہوا۔ جو شخص کسی کا کاروباری شریک ہو، اُس کے بیٹے کی بھی اپنے والد کے ساتھ کاروبار میں معاونت اور شراکت کوئی ناممکن بات نہیں۔ واللّٰہ أعلم.[3]

علاوہ ازیں بعض دیگر روایات میں ایک اور صحابی قیس بن سائب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ہے کہ وہ نبی ﷺ کے کاروباری شریک تھے۔[4] یہ سائب بن ابی سائب صیفی رضی اللہ عنہ کے بیٹے نہیں تھے بلکہ سائب بن عویمر کے بیٹے تھے۔[5] ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کی کاروباری شراکت والی روایت میں بہت اضطراب ہے۔ اس سے کسی کی تخصیص نہیں ہوتی اور نہ کسی کے لیے کوئی حجت قائم ہوتی ہے۔[6]

[1] الأحاديث المختارة: 397/9. [2] الأحاديث المختارة: 397/9. [3] الأحاديث المختارة: 398/9. [4] المعجم الكبير للطبراني: 363/18، معجم الصحابة للبغوي: 9/5. [5] الجمهرة لابن حزم، ص: 141. [6] الاستيعاب لابن عبدالبر، ص: 299، مزید دیکھیے: علل الحديث لابن أبي حاتم: 127,126/1، أسد الغابة: 606/2، الإصابة: 359,358/5، نصب الراية للزيلعي: 722,721/3، السيرة الحلبية: 223,222/1، الروض الأنف: 172,171/3 و 182. مذکورہ بالا روایات میں اضطراب اس امر کے بارے میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے شریکِ تجارت کا نام سائب تھا یا عبداللہ بن سائب، یا قیس بن سائب بن عویمر؟ ایسا نہیں ہے کہ شراکت کا واقعہ ہی مضطرب ہے۔ ابن ابی خیثمہ نے قیس بن سائب رضی اللہ عنہ کی روایت کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ان کے احوال میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ دیکھیے: (الإصابة: 359,358/5)

رسول اللہ ﷺ کی پہلی شادی

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے محمد ﷺ کی خدمت میں پیغامِ نکاح، تقریبِ نکاح میں ابوطالب کا دلآویز خطبہ، حق مہر اور ام المؤمنین کی طرف سے نبی ﷺ کی خدمت میں شاندار تحائف کا مسرت بخش تذکرہ

النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم

”نبی (ﷺ) مومنوں پر ان کی (اپنی) جانوں سے زیادہ حق رکھتے ہیں اور نبی (ﷺ) کی بیویاں
ان کی مائیں ہیں۔“ (الأحزاب 6:33)

اس باب میں

سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) کے عنفوان شباب کی پچیسویں بہار، قبائل کی آپ سے شرفِ قرابت کی تمنا، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پسندیدگی اور اپنی سہیلی نفیسہ کے ذریعے آپ کی خدمت میں پیغامِ نکاح، نبیِ کریم ﷺ کا اپنے چچاؤں سے مشورہ اور پیغام نکاح کی منظوری، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب، نکاح کے موقع پر زوجین کریمین کی عمر، تقریب نکاح، سرپرست نکاح، نکاح خواں اور حق مہر کی مقدار کے علاوہ زیرنظر باب میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تحفے پیش کرنے، علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی کفالت اور حلیمہ سعدیہ سے مثالی سلوک جیسے واقعات کا ذکرِ جمیل تفصیل سے موجود ہے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

انسان بالغ ہوجاتا ہے تو فطرت، سماج اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی رُو سے شادی ضروری ہو جاتی ہے۔ محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک نہایت حسین اور سبق آموز پہلو آپ کی ازدواجی زندگی ہے۔ آپ عمر مبارک کی 25 بہاریں دیکھ چکے تھے مگر ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے رفاقت کا رشتہ جوڑنے کا اولین اعزاز جس خوش نصیب خاتون کے حصے میں آیا، وہ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یہ شادی کس طرح ہوئی؟ یہ بڑی دلچسپ سرگزشت ہے۔ آئیے، سنیے۔

اس شادی کا اہم واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ کی طرف سے سونپی گئی تجارتی ذمہ داریاں بڑے وقار اور خودداری سے ادا کر رہے تھے۔ اسی تجارتی دھندے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ کردار کا آفتاب چمکا تو سیدہ خدیجہ کو آپ کے جمال وکمال کی آشنائی نصیب ہوئی۔ سیدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و وجاہت کی معترف ہوگئیں، انھوں نے فوراً اپنی ایک سہیلی نفیسہ کو بلایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور نکاح کی آرزومندی کا پیغام دے دیا۔ گویا اس شادی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم طالب نہیں، مطلوب تھے۔ محبّ نہیں محبوب تھے۔ ہمیشہ ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔ چراغ کو جہاں بھی رکھ دیا جاتا ہے، وہ روشنی دیتا ہے اور اندھیروں کو نابود کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں تھے تو تنگ دست چچا کو سہارا دینے کے لیے بکریاں چراتے تھے اور چچا کے کام آتے تھے۔ چراگاہ جاتے تھے تو بکریاں چرانے والے دوسرے ساتھیوں کے آرام و راحت کا خیال رکھتے تھے۔ آپ سیدہ خدیجہ کے ایوان تجارت میں پہنچے تو انھیں اپنے پاکیزہ کردار، دیانت، محنت اور معاملہ فہمی سے مسخر کر لیا۔

قارئین کرام! آپ کو عظمت اور کامیابی کے راستے پر بڑھنے سے کس نے روکا ہے؟ آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ صفات اپنایئے اور ہر طرح کی کامیابیاں حاصل کر لیجیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفرِ شام میں آپ کی جو بے مثل خوبیاں آشکار ہوئیں، وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی ہوجانے کا وسیلہ بن گئیں۔ یہ شادی بہت کامیاب اور نہایت بابرکت ثابت ہوئی۔ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے

قائد انسانیت نبی مکرم ﷺ سے رفاقت کا حق اتنے احسن طریقے سے ادا کیا کہ ان کی یاد رسالت مآب ﷺ کے حافظے میں آخر دم تک جگمگاتی رہی۔

اس پہلی شادی کے وقت آپ ﷺ نبوت کے وقیع منصب پر فائز نہ تھے، پھر بھی آپ کی تقریبِ نکاح لغو اور بے ہودہ رسم و رواج سے پاک تھی کیونکہ آپ کی ازدواجی زندگی قیامت تک بنی نوع انسان کے لیے ایک مثال بننے والی تھی۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے کسی قسم کے تکلفات کا بالکل کوئی اہتمام نہ کیا۔ نکاح پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت رہا ہے، لہٰذا آپ بھی زندگی کے اس اہم فریضے سے عہدہ برآ ہوئے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ آپ بہر حال ایک مثالی انسان تھے۔

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب

محترم قارئین! آپ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوہر گرامی قدر ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں کا حال پڑھا ہے اور آیندہ بھی پڑھیں گے۔ اب آگے چلتے چلتے تھوڑی دیر کے لیے یہاں رک جائیے اور سید الانبیاء محمد ﷺ کی پہلی دلہن سیدہ خدیجہ کے نامور بزرگوں کی فہرست پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نسب نامہ یوں ہے:

خديجة بنت خُوَيلد بن أسد بن عبدالعُزّٰى بن قُصَيّ بن كِلاب بن مُرَّة بن كَعْب بن لُؤَيّ بن غالب بن فِهْر الأسدية القرشية.

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی والدہ فاطمة بنت زائدة بن الأصمّ (جندب) بن هَرِم (هِدْم) بن رَوَاحة بن حَجَر بن عبد بن مَعِيص بن عامر بن لؤيّ بن غالب بن فِهْر العامرية القرشية تھیں۔ [1]

حضرت خدیجہ کا نسب چوتھی پشت (قصی) پر جا کر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔ یہ سلسلۂ نسب ایسا مایۂ ناز اور قابلِ رشک ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسی سے آخری نبی ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی اسی سلسلۂ نسب کی دختر بلند اختر تھیں جو بلاشبہ نہایت پاکیزہ، باعظمت اور باوقار تھا۔ قصی کی نسل سے آپ ﷺ کے عقد میں آنے کا شرف صرف ام المؤمنین سیدہ خدیجہ اور سیدہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے حصے میں آیا۔ [2]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے ان کے دوسرے خاوند ابوہالہ تمیمی کے بیٹے ہند کی وجہ سے ان کی کنیت اُمّ ہند تھی۔ [3]

[1] أسد الغابة: 260/5، السيرة لابن هشام: 187/1، الطبقات لابن سعد: 14/8، الروض الأنف: 327/1، الاستيعاب، ص: 874. [2] فتح الباري: 168/7. [3] الطبقات لابن سعد: 19/8.

سیدہ خدیجہ ؓ عفت وحمیت اور طہارت و نظافت کا پیکر تھیں۔ اُن کی پاکیزہ سیرت کی وجہ سے زمانۂ جاہلیت میں بھی اُنھیں ''طاہرہ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔[1] انھیں سَيِّدَةُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ ''سربراہِ خواتینِ قریش'' بھی کہا جاتا تھا۔[2]

خدیجہ ؓ کی ولادت

سیدہ خدیجہ ؓ کی ولادت مکہ مکرمہ کے بڑے بلند مرتبہ گھرانے میں ہوئی۔ ان کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد ؓ[3] فرماتے تھے: ''خدیجہ ؓ مجھ سے دوسال بڑی تھیں۔ وہ واقعۂ اصحابِ فیل سے پندرہ برس پہلے (556ء میں) پیدا ہوئیں۔ میں اس واقعے سے تیرہ سال پہلے (558ء میں) پیدا ہوا۔''[4]

سیدہ خدیجہ ؓ کے والد اپنی قوم میں اعلیٰ مرتبے کے انسان تھے۔ مکہ معظّمہ ہی میں رہتے تھے۔ انھوں نے بنوعبدالدار بن قصی سے باہمی تعاون کا معاہدہ کر رکھا تھا۔[5]

سیدہ خدیجہ ؓ کی سابق ازدواجی زندگی

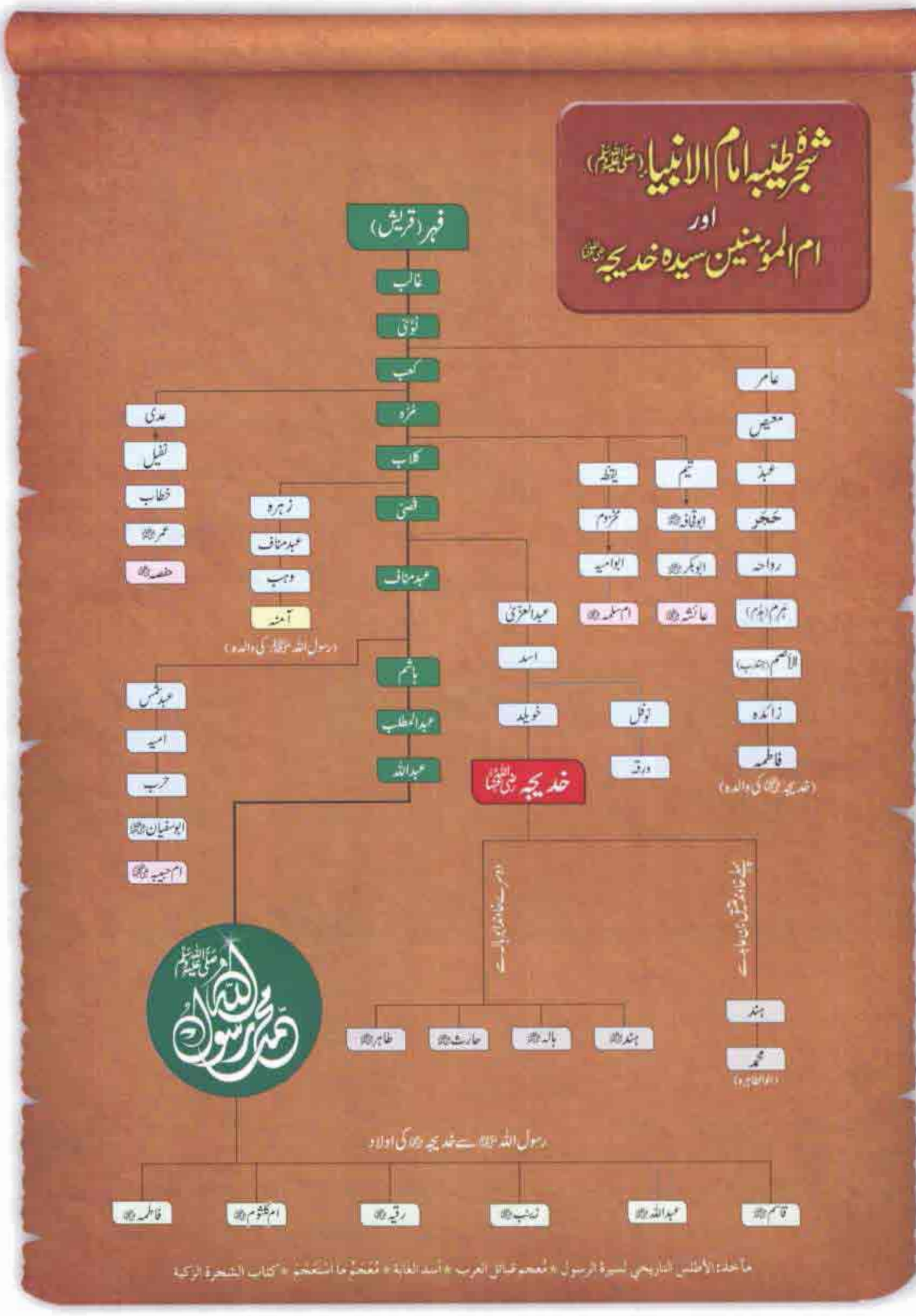
رسول اللہ ﷺ سے شادی سے پہلے سیدہ خدیجہ ؓ کی دو شادیاں ہوچکی تھیں۔ پہلے ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ سے ان کے رشتے کی بات چلی لیکن شادی نہ ہوسکی،[6] چنانچہ خدیجہ ؓ کی پہلی شادی ورقہ بن نوفل کے بجائے عتیق بن عابد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے ہوئی۔ بعض مؤرخین نے عابد اور بعض نے عائذ لکھا ہے۔ محقق شعیب الارناؤط لکھتے ہیں کہ یہ عابد ہی ہے جیسا کہ بہت سے محققین نے اسے ضبط کیا ہے۔ زبیر بن بکار نے کہا ہے کہ جو عمر بن مخزوم کی اولاد میں سے تھا، وہ عابد تھا اور جو اُن کے بھائی عمران بن مخزوم کی اولاد میں سے تھا، وہ عائذ تھا جیسا کہ الإكمال لابن ماكولا :1/6 اور تبصير المنتبه لابن حجر :887/3 میں ہے۔ اسی عابد کو غلطی سے عائذ لکھ دیا گیا ہے۔[7]

عتیق بن عابد کی وفات کے بعد ابوہالہ بن زُرارہ بن نبّاش اُسَیدی (اَسدی) تمیمی سے سیدہ خدیجہ کی شادی ہوئی۔ وہ بھی فوت ہوگئے۔[8] پھر سیدہ خدیجہ ؓ کی تیسری شادی نبی کریم ﷺ سے ہوئی۔

بعض اہلِ سیر نے، جن میں ابن عبدالبر ؒ بھی ہیں، ابوہالہ کو سیدہ خدیجہ ؓ کا پہلا اور عتیق بن عابد کو دوسرا

---

[1] فتح الباري : 168/7، أسد الغابة : 260/5. [2] تاريخ دمشق الكبير : 14/66، الروض الأنف : 327/1. [3] الجمهرة لابن حزم، ص : 121,120. [4] الطبقات لابن سعد : 17/8. [5] الطبقات لابن سعد : 14/8. [6] الطبقات لابن سعد : 14/8. [7] سير أعلام النبلاء (حاشية) : 111/2. [8] أسد الغابة: 260/5، فتح الباري : 168/7.



شجرۂ طیبہ امام الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم)
اور
ام المؤمنین سیدہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا)
فہر (قریش)
غالب
لؤی
کعب
مرہ
کلاب
قصی
عبد مناف
ہاشم
عبدالمطلب
عبداللہ
عدی
نفیل
خطاب
عمر
حفصہ
زہرہ
عبد مناف
وہب
آمنہ
(رسول اللہ ﷺ کی والدہ)
عبد شمس
امیہ
حرب
ابوسفیان
ام حبیبہ
عامر
معیص
عبد
حجر
رواحہ
ہرم
الاصم
زائدہ
فاطمہ
(خدیجہ کی والدہ)
تیم
ابوقحافہ
ابوبکر
عائشہ
یقظہ
مخزوم
ابوامیہ
ام سلمہ
عبدالعزیٰ
اسد
خویلد
نوفل
ورقہ
خدیجہ رضی اللہ عنہا
دوسرے خاوند ابو ہالہ سے
پہلے خاوند عتیق بن عابد سے
ہند
حارث
ہالہ
طاہر
ہند
محمد
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللہ ﷺ سے خدیجہ کی اولاد
قاسم
عبداللہ
زینب
رقیہ
ام کلثوم
فاطمہ
مآخذ: الأطلس التاريخي لسيرة الرسول * معجم قبائل العرب * أسد الغابة * معجم ما استعجم * كتاب الشجرة الزكية

خاوند بتایا ہے۔ [1] لیکن بعض اربابِ تحقیق نے لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ کے پہلے شوہر عتیق بن عابد ہی تھے۔ [2]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلے شوہروں سے اولاد

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پہلے دونوں شوہروں سے بچوں کی کل تعداد پانچ ہے۔ اس کی تفصیل اس طرح ہے: عتیق بن عابد مخزومی سے سیدہ خدیجہ کی ایک بیٹی تھی۔ اُس کا نام ہند اور کنیت ام محمد تھی۔ اس کی شادی اپنے چچا زاد صیفی بن امیہ بن عابد سے ہوئی۔ وہ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں مرگیا۔ ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا نام انھوں نے محمد رکھا۔ اسی محمد کی اولاد کو حضرت خدیجہ کی طرف نسبت کی وجہ سے ''بنوالطاہرۃ'' کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ [3]

دوسرے خاوند ابوہالہ کے چار بیٹے تھے۔ ان کے نام بالترتیب ہند، ہالہ، حارث اور طاہر تھے۔ یہ سب نہایت سعادت مند تھے اور سب کے سب شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔

اب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادوں کا مختصر تعارف پڑھیے:

1 ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: انھوں نے معرکۂ بدر میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔ جنگِ احد میں بھی شریک ہوئے۔ 36ھ میں واقعہ جمل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ وہ بڑے فصیح و بلیغ تھے۔ رسول اللہ ﷺ



میدان بدر



میدان احد



میدان جمل (بصرہ)

کے بڑے پرجوش مداح تھے۔ ان سے چند مرفوع احادیث بھی مروی ہیں۔ [4]

2 ہالہ بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: رسول اللہ ﷺ ان سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سو رہے تھے۔ یہ

[1] الطبقات لابن سعد: 15،14/8، الاستیعاب، ص: 874، المواهب اللدنية: 191،190/1، المحبر، ص: 79،78. [2] السيرة لابن هشام: 294/4، الروض الأنف: 328/1، جوامع السيرة لابن حزم، ص: 32،31، عيون الأثر: 73/1، فتح الباري: 168/7، السيرة الحلبية: 229/1. [3] الطبقات لابن سعد: 15/8، الجمهرة لابن حزم، ص: 143،142. [4] جامع المسانيد والسنن لابن كثير: 12/303-309، أسد الغابة: 294/4، 295، الإصابة: 437،436/6، الاستيعاب، ص: 739،738.

آ گئے۔ آپ کی آنکھ کھلی تو فوراً انھیں اپنے سینۂ مبارک سے لگا لیا اور بڑے لاڈ سے تواتر کے ساتھ فرمایا: ''ہالہ! ہالہ! ہالہ!'' [1]

یاد رہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کا نام بھی ''ہالہ بنتِ خویلد رضی اللہ عنہا'' تھا۔ [2]

3 حارث بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: وہ اپنے اسلام کا کھلم کھلا اظہار کرتے تھے۔ دعوتِ اسلام کے ابتدائی دنوں میں رکن یمانی کے قریب جوش و خروش سے اسلام کی دعوت دے رہے تھے کہ کفار و مشرکین نے حملہ کر کے انھیں شہید کر دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ نبیِ اکرم ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ وہ اسلام کے لیے جان دینے والے اولین سپوت تھے۔ [3]

4 طاہر بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ: یہ بھی اسلام کے شیدائی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں بعض دیگر ساتھیوں سمیت یمن کے کچھ حصے کی زکاۃ وغیرہ کی وصولی کے لیے عامل بنا کر روانہ فرمایا تھا۔ [4]

بڑے بڑے سرداروں کا پیغام نکاح مسترد

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دوسرے خاوند ابوہالہ کی وفات کے بعد بہت سے لوگوں نے انھیں نکاح کے پیغامات بھیجے۔ ان کے اپنے خاندان کے ممتاز افراد اور بعض بڑے بڑے سردار ان سے شادی کی درخواست کرتے رہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے مال و منال بھی خرچ کیا لیکن خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سب کو صاف جواب دے دیا اور کسی سے شادی نہیں کی۔ [5]

نبی ﷺ کی ذاتِ بابرکات کی طرف رجحان

حضرت محمد ﷺ شام کے تجارتی سفر سے واپس تشریف لائے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنے غلام میسرہ کی زبانی آپ ﷺ کی صفاتِ عالیہ کا چرچا سنتی رہیں۔ جب اُس نے بتایا کہ بادلوں کا سایہ کس طرح آپ کے ساتھ ساتھ چلتا تھا۔ نسطورا راہب آپ کی علاماتِ نبوت کیسے پہچان گیا اور لات و عزیٰ کی قسم نہ کھانے پر ایک شخص نے آپ کو آیندہ ملنے والی نبوت کی نوید کس طرح دی۔ یہ باتیں سن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں آپ ﷺ کی عظمت جاگزیں ہوگئی۔ پھر جب ورقہ بن نوفل نے حضرت محمد ﷺ کے بارے میں بتایا کہ یہی وہ نبی ہیں جن کی آمد کی خبر آسمانی کتابوں میں

1 أسد الغابة:268/4، الإصابة:406/6، المستدرك للحاكم :640/3. 2 صحيح البخاري:3821، فتح الباري:175/7.
3 الإصابة:696/1، أنساب الأشراف : 66,65/13. 4 أسد الغابة:482/2، الإصابة:418/3. 5 الطبقات لابن سعد: 131/1.

دی گئی ہے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی رفیقۂ حیات بننے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ بات شام کے سفر کے علاوہ درج ذیل واقعات سے بھی اُجاگر ہوتی ہے:

- حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ بکریاں چرایا کرتے تھے، بکریاں مہنگی ہوگئیں تو آپ نے یہ کام چھوڑ دیا۔ پھر آپ ایک ساتھی کے ساتھ مل کر اجرت پر اونٹ چرانے لگے، اسی دوران خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن نے بھی اپنے اونٹ اُجرت پر چرانے کے لیے آپ ﷺ اور آپ کے ساتھی کو دے دیے۔ آپ ان کے اُونٹ چرا کر واپس لے آئے تو خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن نے آپ کے ساتھی کو مزدوری ادا کی مگر اُجرت کا کچھ حصہ موصوفہ کے ذمے باقی رہ گیا۔

بعد کو آپ ﷺ کا ساتھی خدیجہ کی بہن کے پاس جاتا تھا اور واجب الادا بقایا اُجرت کا تقاضا کرتا تھا۔ وہ آپ ﷺ سے بھی اصرار کرتا تھا کہ آپ بھی چلیے اور اُجرت کا مطالبہ کیجیے مگر آپ اجرت لینے نہیں گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے ساتھی سے فرمایا:

«اِذْهَبْ أَنْتَ فَإِنِّي أَسْتَحْيِي»

''تم ہی چلے جاؤ، مجھے تو حیا آتی ہے (کہ میں تقاضا کروں)۔''

ایک دن نبی کریم ﷺ کا یہ شریکِ کار سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن کے پاس پہنچا تو انھوں نے پوچھا: محمد (ﷺ) کہاں ہیں؟ وہ تمھارے ساتھ کیوں نہیں آتے؟ وہ کہنے لگا: میں تو ان سے بہت کہتا ہوں کہ آئیے میرے ساتھ چلیے مگر وہ نہایت خود دار ہیں۔ ان میں شرم و حیا بہت ہے۔ وہ کہنے لگی: ہاں! میں نے ان سے زیادہ شرم و حیا والا، پاک دامن اور ذمہ دار شخص کبھی نہیں دیکھا۔ یہی بات تھی جو خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دل میں اُتر گئی۔ [1]

- ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ قریش کی عورتوں کی ایک عید ہوتی تھی جس میں وہ سب ایک عبادت خانے میں جمع ہوتی تھیں۔ ایک دن سب خواتین وہاں جمع تھیں۔ اچانک ایک یہودی آیا اور کہنے لگا: ''اے قریشی عورتو! تم میں ایک نبی آنے والا ہے، لہٰذا تم میں سے جو کوئی اس سے نکاح کرنا چاہے، ضرور کرلے۔'' یہ سُن کر عورتوں نے اس پر کنکریاں برسانی شروع کر دیں، اسے بہت برا بھلا کہا۔ اس موقع پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی موجود تھیں، انھوں نے اس یہودی کی بات بڑی سنجیدگی سے سُنی اور پلّے باندھ لی۔

[1] المعجم الكبير للطبراني: 209/2، حديث: 1858، مسند البزار: 205,204/10، حديث: 4293، مجمع الزوائد: 261,260/9، حديث: 15266.

پھر جب وہ وقت آیا کہ میسرہ نے بھی نبی ﷺ کی غیر معمولی صفات کا ذکر کیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود بھی آپ ﷺ کی سیرت کا مشاہدہ کیا تو وہ بے اختیار بول اُٹھیں: ''اگر اُس یہودی کی بات سچ ہے تو پھر وہ رفیع الشان نبی یہی ہیں۔''[1]

یہ واقعہ ابن سعد نے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے۔ اس میں یہ صراحت ہے کہ دورِ جاہلیت میں ہر سال رجب کے مہینے میں خوشی کی ایک تقریب ہوتی تھی۔ دیرینہ روایت کے مطابق اس دن بھی خواتین اپنے بت کے پاس بیٹھی تھیں......[2]

سیدہ نے پیغامِ نکاح بھیج دیا

- مذکورہ بالا واقعات کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی خدمت میں یہ پیغام بھیجا: ''میرے عم زاد! میں آپ سے شادی کی آرزو مند ہوں، آپ میرے قریبی عزیز ہیں، صاحبِ شرف و وقار ہیں۔ نسب میں بہت ممتاز ہیں۔ امانت، حسن خلق اور صدق و صفا آپ کا طرّۂ امتیاز ہے۔''[3]

پیغام کس طرح بھیجا؟

آئیے! اب یہ معلوم کرتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں نکاح کا پیغام کس طرح بھیجا؟ اس سلسلے میں سیرت نگاروں نے کئی روایات بیان کی ہیں۔ ان کی تفصیل سُن لیجیے:

1. یعلی بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کی بہن نفیسہ بنت اُمیہ رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلی تھیں، وہ کہتی ہیں کہ حضرت خدیجہ نے پیغام نکاح دینے کے لیے مجھے چپکے سے محمد (ﷺ) کی خدمت میں بھیجا۔ یہ آپ کے شام کے تجارتی سفر سے واپس آجانے کے بعد کی بات ہے۔ میں نے محمد ﷺ سے عرض کی: آپ کو نکاح کرنے میں کیا رُکاوٹ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے کہ میں نکاح کرلوں!'' میں نے عرض کی: اگر آپ کی یہ ضرورت پوری کردی جائے اور آپ کی خدمت میں مال ومنال، جمال و کمال اور شرف و وقار کے ساتھ برابری کی بنیاد پر نکاح کی پیش کش کی جائے تو کیا آپ اسے قبول فرمالیں گے؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ (خاتون) کون ہے؟'' میں نے کہا: ''خدیجہ!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''بھلا میرے لیے یہ کیسے ممکن ہے؟'' میں نے عرض کی: آپ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیجیے۔ بس اب یہ میرا کام ہے۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے رضامندی ظاہر فرمادی۔

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 164/2. [2] الطبقات لابن سعد: 15/8. [3] السيرة لابن إسحاق: 129/1.

نفیسہ ؓ کہتی ہیں: میں بھاگم بھاگ خدیجہ کے پاس پہنچی اور انھیں سب کچھ بتا دیا۔ میری باتیں سُن کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ فلاں فلاں وقت ہمارے ہاں تشریف لے آئیے۔ ساتھ ہی انھوں نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بھی بلا بھیجا۔ وہ آئے تو سیدہ نے ان سے گزارش کی کہ آپ میرا نکاح (محمد ﷺ سے) کر دیں۔ ادھر محمد (ﷺ) بھی اپنے چچاؤں کے ساتھ تشریف لے آئے۔ یوں بخیر وخوبی نکاح ہو گیا۔[1]

2 ایک روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جب سیدہ خدیجہ ؓ نے نکاح کی پیش کش کی تو آپ ﷺ نے اپنے چچاؤں سے مشورہ کیا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب ؓ بڑے مستعد نکلے، فوراً آپ ﷺ کے ساتھ چل پڑے، خدیجہ ؓ کے والد خویلد بن اسد کے پاس پہنچے، ان سے سیدہ خدیجہ کے رشتے کے بارے میں بات چیت کی، بالآخر رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔[2]

3 ابو مِجْلَز ؒ کہتے ہیں کہ خدیجہ ؓ نے اپنی بہن سے کہا: محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ اور میرے بارے میں بات کرو۔ وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور حضرت خدیجہ کی درخواست پیش کی۔ آپ ﷺ نے اس کی بات سُنی اور بڑے مہذب اسلوب میں اپنی رضامندی ظاہر فرما دی۔ خدیجہ ؓ کے گھر والے اس مبارک شادی پر بخوشی متفق ہو گئے۔[3]

4 اب سیدنا عمار بن یاسر ؓ کی روایت سنیے، وہ فرماتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کی حضرت خدیجہ ؓ سے شادی کا واقعہ سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ میں اور رسول اللہ ﷺ باہم دوست تھے۔ ہم دونوں صفا و مروہ کے بیچ سے گزر رہے تھے کہ اچانک ہمارے سامنے سیدہ خدیجہ ؓ اور ان کی بہن ہالہ ؓ نمودار ہوئیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو ہالہ بنت خویلد آگے آ گئیں، انھوں نے مجھے بلایا تو میں اُن کی طرف چلا گیا جبکہ نبی ﷺ جس جگہ تھے، اسی جگہ رک گئے اور میرا انتظار فرمانے لگے۔ ہالہ ؓ نے مجھ سے پوچھا: کیا آپ کے دوست خدیجہ سے شادی کی رغبت رکھتے ہیں؟ میں نے کہا: واللہ! مجھے تو اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ میں واپس آیا اور رسول اللہ ﷺ کو ہالہ کی بات بتائی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیوں نہیں! تم جاؤ اور ان سے مشورہ کر کے کوئی دن طے کر لو تا کہ اُس دن ہم ان کے ہاں چلے جائیں۔'' میں نے یہ بات خدیجہ ؓ کی بہن

1 الطبقات لابن سعد :1/132,131، سبل الهدٰى والرشاد:2/165,164. 2 السيرة لابن إسحاق :1/130. اس میں خویلد بن اسد کے بجائے اسد بن اسد لکھا ہے جبکہ سیرت نگاروں نے ابن اسحاق سے خویلد بن اسد کا ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے، دیکھیے: (السيرة لابن هشام:1/190، السيرة لابن كثير، ص:52,51، أسد الغابة:5/261، تاريخ الطبري:2/35,34) 3 الطبقات لابن سعد: 1/132.

سے کہی۔ وہ کہنے لگیں: آپ حضرات صبح ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ ہم اگلی صبح ان کے پاس پہنچ گئے۔...... خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بھی بلا رکھا تھا۔ ہم پہنچے تو دیکھا کہ انھوں نے ایک گائے ذبح کر رکھی ہے اور خیر النساء سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا عروسی لباس پہن کر تشریف فرما ہیں۔ [1]

نکاح کی تاریخ

اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نبی ﷺ کا نکاح سفر شام سے واپسی کے بعد ہی ہوا تھا۔ [2] بعض روایات میں اس شادی کی تاریخ کا تعین بھی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب نبیِ اکرم ﷺ شام کے سفر سے واپس تشریف لائے تو اس کے دو مہینے پچیس دن بعد ماہِ صفر کے آخر میں یہ مبارک نکاح ہوا۔ یہ 26 عام الفیل کی بات ہے۔ [3] امام ابن عبدالبر اور امام قسطلانی رحمہ اللہ نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ [4]

نکاح کے وقت زوجین کی عمر

نکاح کے وقت حضرت محمد ﷺ کی عمر مبارک پچیس اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی عمر چالیس برس تھی۔ اکثر مؤرخین اور سیرت نگاروں نے یہی عمریں لکھی ہیں۔ ان میں ابن ہشام، ابن سعد، طبری، ابن جوزی اور دیگر اہلِ علم شامل ہیں۔ [5] بعض مؤرخین نے زوجین کی عمروں کے بارے میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں مگر وہ چنداں قابلِ ذکر نہیں۔

تقریبِ نکاح

نکاح کی تقریب سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدے پر منعقد ہوئی تھی۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

جب طے شدہ دن چڑھا تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنے چچا عمرو بن اسد کو بُلا بھیجا۔ ادھر رسول اللہ ﷺ بھی اپنے چچا صاحبان کے ساتھ تشریف لائے۔ ان میں جناب ابوطالب سب سے آگے تھے۔ [6]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہی کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ جب ہم پہنچے تو انھوں نے ایک گائے ذبح کی ہوئی تھی اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عمدہ پوشاک زیب تن فرما رکھی تھی۔ [7]

[1] دیکھیے: تاریخ الیعقوبي: 14/2، سبل الهدٰی والرشاد: 164/2. [2] الطبقات لابن سعد: 16/8، السیرۃ لابن هشام: 188/1-190، تاریخ الطبري: 35/2. [3] سبل الهدٰی والرشاد: 165/2. [4] الاستیعاب، ص: 55، المواهب اللدنیة: 190/1. [5] السیرۃ لابن هشام: 187/1، الطبقات لابن سعد: 17/8، تاریخ الطبري: 34/2، المنتظم: 315/2. [6] تاریخ الیعقوبي: 14/2. [7] سبل الهدٰی والرشاد: 164/2.

شرکائے تقریب نکاح

نبی کریم ﷺ کے ساتھ تقریبِ نکاح میں قریش کے سرداروں کے تقریباً دس افراد شریک تھے۔ [1] ان میں سرِفہرست آپ کے چچا جناب ابوطالب اور حمزہ بن عبدالمطلب ﷠ تھے۔ [2]

بعض روایات کی روشنی میں حضرت خدیجہ ﷞ کی طرف سے اس تقریب میں ان کے چچا عمرو بن اسد کے علاوہ ورقہ بن نوفل بھی شریک تھے۔ اس تقریب میں عمار بن یاسر ﷠ کی شرکت کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ [3]

سیدہ خدیجہ ﷞ کے نکاح کے سرپرست

سیدہ خدیجہ ﷞ کے نکاح کے سرپرست کے حوالے سے روایات مختلف ہیں۔ کسی مؤرخ نے ان کے چچا عمرو بن اسد کو سرپرستِ نکاح بتایا ہے تو کسی نے ان کے والد خویلد بن اسد کو۔

امام زہری، محمد بن اسحاق، ابن ہشام، قسطلانی اور ذہبی نے خویلد بن اسد کو تقریب نکاح کا سرپرست بتایا ہے۔ [4] اس کے برعکس مؤملی نے کہا ہے کہ یہ بات متفقہ طور پر مسلّمہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا خدیجہ ﷞ سے نکاح ان کے چچا عمرو بن اسد ہی نے کرایا تھا۔ [5] یہی بات امام ابن عبدالبر، ابن سید الناس، بلاذری، محمد بن حبیب ہاشمی، حلبی، حافظ ابن حجر، ابن جوزی اور امام ابو سعد نیشاپوری ﷫ نے بھی اختیار کی ہے۔ [6] یہاں تک کہ ابن سعد نے بھی اپنے استاد واقدی کا اِسی بات پر اصرار نقل کیا ہے۔ [7]

اس بات کو مزید تقویت اور تائید امام صالحی کے تحقیقی نتائج سے بھی ملتی ہے۔ انھوں نے سیدہ خدیجہ ﷞ کے چچا عمرو بن اسد ہی کو نکاح کا سرپرست ٹھہرایا ہے اور فرمایا ہے کہ اکثر سیرت نگاروں نے یہی بات بیان کی ہے۔ [8] امام سہیلی کہتے ہیں کہ یہی بات صحیح ہے اور امام طبری نے جبیر بن مطعم، ابن عباس اور ام المومنین عائشہ ﷞ سے جو روایات نقل کی ہیں، ان میں ان سب نے یہی کہا ہے کہ عمرو بن اسد ہی نے سیدہ خدیجہ کا نکاح حضرت محمد ﷺ سے کیا۔ جبکہ خویلد بن اسد تو جنگ فجار سے پہلے ہی فوت ہوگئے تھے۔ [9] عمار بن یاسر ﷠ اور نفیسہ ﷞ نے بھی

---

[1] شرف المصطفیٰ ﷺ: 413/1، المواهب اللدنية: 192/1. [2] تاريخ الطبري: 35/2، السيرة الحلبية: 227/1.
[3] السيرة الحلبية: 227/1، سبل الهدٰى والرشاد: 165,164/2. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 69/2، السيرة لابن هشام: 190/1، المواهب اللدنية: 192,191/1، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 65. [5] البداية و النهاية: 274/2.
[6] الاستيعاب، ص: 874، عيون الأثر: 72/1، أنساب الأشراف: 107,106/1، المحبر، ص: 78، الإصابة: 101/8، السيرةالحلبية: 225/1، صفة الصفوة: 74/1، شرف المصطفیٰ: 413,412/1. [7] الطبقات لابن سعد: 133/1. [8] سبل الهدٰى والرشاد: 166,165/2. [9] الروض الأنف: 325/1، تاريخ الطبري: 36/2، شرف المصطفیٰ (حاشية): 412/1-414.

عمرو بن اسد ہی کو نکاح کا سرپرست قرار دیا ہے۔[1] واللّٰه أعلم.

خطبہ نکاح اور نکاح خواں

نکاح کا خطبہ رسول اکرم ﷺ کے چچا ابوطالب نے پڑھا۔ اِس خطبے کے جو الفاظ متعدد روایات سے ماخوذ ہیں، وہ یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَنَا مِنْ زَرْعِ إِبْرَاهِيمَ، وَذُرِّيَّةِ إِسْمَاعِيلَ، (وَضِئْضِئِي مَعَدٍّ وَعُنْصُرِ مُضَرَ وَجَعَلَنَا حَضَنَةَ بَيْتِهِ، وَسُوَّاسَ حَرَمِهِ) وَجَعَلَ لَنَا بَيْتًا مَّحْجُوجًا وَّحَرَمًا آمِنًا، وَجَعَلَنَا الْحُكَّامَ عَلَى النَّاسِ، وَبَارَكَ لَنَا فِي بَلَدِنَا الَّذِي نَحْنُ بِهِ.

ثُمَّ إِنَّ ابْنَ أَخِي مُحَمَّدَبْنَ عَبْدِاللّٰهِ لَا يُوزَنُ بِرَجُلٍ مِّنْ قُرَيْشٍ [شَرَفًا وَّنُبْلًا وَّفَضْلًا وَّعَقْلًا] إِلَّا رَجَحَ، وَلَا يُقَاسُ بِأَحَدٍ إِلَّا عَظُمَ عَنْهُ، وَإِنْ كَانَ فِي الْمَالِ قُلٌّ فَإِنَّ الْمَالَ رِزْقٌ حَائِلٌ وَّظِلٌّ زَائِلٌ [وَعَارِيَةٌ مُّسْتَرْجَعَةٌ] (وَمُحَمَّدٌ مَّنْ قَدْ عَرَفْتُمْ قَرَابَتَهُ)، وَلَهُ فِي خَدِيجَةَ رَغْبَةٌ وَّلَهَا فِيهِ رَغْبَةٌ. وَصَدَاقُ مَاسَأَلْتُمُوهُ عَاجِلُهُ مِنْ مَّالِي، وَلَهُ وَاللّٰهِ! خَطْبٌ عَظِيمٌ، وَنَبَأٌ شَائِعٌ.

"سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی کھیتی سے، اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے، معدّ کی اصل سے اور مُضَر کے نسب سے پیدا فرمایا۔ ہمیں بیت اللہ کا پاسبان، حرم شریف کا رکھوالا اور منتظم بنایا۔ ہمارے لیے ایسا گھر بنایا جس کا حج کیا جاتا ہے۔ ہمیں ایسے حرم سے نوازا جو امن کا گہوارہ ہے۔ ہمیں لوگوں کا حکمران بنایا اور جس شہر میں ہم رہتے ہیں، اسے برکات سے نوازا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ میرے بھتیجے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کے شرف ووقار، اعلیٰ ظرفی اور فضیلت و دانائی کا قریش کے کسی بھی آدمی سے موازنہ کیا جائے تو محمد (ﷺ) ہی کا پلڑا بھاری نکلے گا۔ جس سے بھی مقابلہ کیا جائے، یہ اُس سے بڑھ کر عظمت والے ثابت ہوں گے۔ اگر ان کے پاس مال کم ہے تو مال تو آنی جانی چیز ہے، ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، عارضی متاع واپسی ہے۔ محمد (ﷺ) وہی ہیں جن کی قرابت داری سے تم سب بخوبی آگاہ ہو۔ وہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) سے شادی کے خواہشمند ہیں اور خدیجہ بھی ان کی طرف رغبت رکھتی ہیں۔ جو حق مہر تم لوگوں نے طلب کیا ہے، وہ میرے مال سے فی الفور ادا کیا جائے گا۔ اللہ کی قسم! وہ (محمد ﷺ) بہت بلند شان

[1] تاريخ اليعقوبي: 14/2، الطبقات لابن سعد: 132,131/1.

کے حامل ہوں گے اور ان کی خبر ہر سو پھیل جائے گی۔“ [1]

سیدہ خدیجہ ﷞ کا حق مہر

مختلف روایات میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مذکورہ خطبۂ نکاح میں ابوطالب نے یہ اعلان کیا کہ محمد (ﷺ) نے ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (مالیتی پانچ سو درہم بہ وزن 1487.5 گرام [2]) مہر مقرر کیا ہے اور یہ خدیجہ کی طلب پر موقوف ہے، فوری طور پر بھی ادا کیا جا سکتا ہے اور تاخیر سے بھی۔

سیرت نگار علامہ صالحی ﷫ نے علامہ بلاذری اور دمیاطی ﷮ کے حوالے سے سیدہ خدیجہ ﷞ کا حق مہر ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی ہی لکھا ہے۔ [3] محب طبری اور دولابی نے چاندی کے بجائے ساڑھے بارہ اوقیہ ”سونا“ لکھا ہے۔ [4] معروف سیرت نگار ابن ہشام نے بتایا ہے کہ سیدہ خدیجہ کا حق مہر بیس اونٹنیاں تھیں۔ ان کا یہ قول دیگر مؤرخین نے بھی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ [5]

حق مہر کی مقدار میں اختلاف کوئی عجیب یا پیچیدہ بات نہیں۔ ممکن ہے اُس دور میں بیس اونٹنیاں ساڑھے بارہ اوقیہ سونے یا چاندی، یا پانچ سو درہم مالیت ہی کی ہوتی ہوں گی۔ کسی نے اس کا حساب لگا کر مہر کی مالیت درہموں کی صورت میں لکھ دی اور کئی سیرت نگاروں نے ”بیس اونٹنیاں“ ہی جوں کی توں رہنے دیں۔

ورقہ بن نوفل کا جوابی خطبہ

تقریب نکاح بدستور جاری تھی۔ ابوطالب کا خطبہ نکاح ختم ہوا، پھر ورقہ بن نوفل نے جوابی خطبہ دیا۔ انھوں نے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَنَا كَمَا ذَكَرْتَ، وَفَضَّلَنَا عَلٰى مَا عَدَدْتَ، فَنَحْنُ سَادَةُ الْعَرَبِ وَقَادَتُهَا، وَأَنْتُمْ أَهْلُ ذٰلِكَ كُلِّهِ، لَا يُنْكِرُ الْعَرَبُ فَضْلَكُمْ، وَلَا يَرُدُّ أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ فَخْرَكُمْ وَشَرَفَكُمْ وَرَغِبْنَا فِي الْاِتِّصَالِ بِحَبْلِكُمْ وَشَرَفِكُمْ، فَاشْهَدُوا عَلَيَّ مَعَاشِرَ قُرَيْشٍ! أَنِّي قَدْ زَوَّجْتُ خَدِيجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ مِّنْ مُّحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ.

[1] تاریخ الیعقوبي: 14/2، البتہ قوسین والے الفاظ المنتظم: 315/2 اور بریکٹ والے الفاظ سبل الھدٰی والرشاد: 165/2 سے ماخوذ ہیں۔ [2] فقه الزكاة للقرضاوي: 259/1. [3] سبل الھدٰی والرشاد: 165/2، أنساب الأشراف: 107/1. [4] سبل الھدٰی والرشاد: 165/1، السمط الثمين، ص: 53، المواهب اللدنية: 193/1. [5] السيرة لابن هشام: 191/1، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 65، البداية والنهاية: 273/2، سبل الھدٰی والرشاد: 165/2.

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں ویسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے بیان کیا۔ ہمیں ان چیزوں کے ذریعے سے فضیلت بخشی جنھیں آپ نے شمار کیا ہے۔ پس ہم عرب کے سردار اور قائد ہیں اور تم اس سب کچھ کے اہل اور لائق ہو۔ عرب تمھاری فضیلت کا انکار نہیں کرتے۔ تمھارے خاندانی شرف و وقار کو کوئی نظر انداز نہیں کرسکتا۔ تم سے یہ رشتہ استوار کرنے اور تمھارے شرف میں شامل ہونے کے لیے ہماری آرزومندی کا بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا، لہٰذا قریش کی جماعتو! گواہ رہو، میں نے خدیجہ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے کیا ہے۔''

پھر ورقہ بن نوفل نے حق مہر کا بھی ذکر کیا۔ ان کا یہ خطبہ سن کر ابوطالب کہنے لگے: ''میری خواہش ہے کہ اس مبارک کام کے موقع پر خدیجہ کے چچا عمرو بن اسد بھی آپ کے ساتھ شریک ہوں۔'' عمرو بن اسد فوراً بولے:

اِشْهَدُوا عَلَيَّ مَعَاشِرَ قُرَيْشٍ! أَنِّي قَدْ أَنْكَحْتُ مُحَمَّدَ بْنَ عَبْدِ اللهِ خَدِيجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ.

''اے قریش کی جماعتو! گواہ رہو، میں نے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا نکاح خدیجہ بنت خویلد سے کردیا ہے۔''

بعض روایات میں اس موقع پر عمرو بن اسد کے یہ الفاظ بھی منقول ہیں:

هُوَ الْفَحْلُ لَا يُقْدَعُ أَنْفُهُ.

''یہ تو ایسی محترم شخصیت ہیں جنھیں کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔'' [1]

نکاح کے بعد سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کی خدمت میں چاندی یا سونے کے دو اوقیے بھیجے اور کہا کہ اس کی عمدہ پوشاک خرید کر مجھے ہدیہ کیجیے، چند مینڈھے اور متفرق اشیائے ضرورت بھی خرید لیجیے، چنانچہ نبیِ اکرم ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ [2]

نبی ﷺ کا پہلا ولیمہ

رسول اللہ ﷺ نے ولیمہ کیا۔ اس موقع پر ایک یا دو اونٹ نحر کیے گئے اور لوگوں کی ضیافت کی گئی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے دف کا انتظام بھی کیا گیا جسے چھوٹی بچیاں بجا رہی تھیں۔ [3]

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ شریعت نے شادی اور عید کے موقع پر دف بجانے کی اجازت دی ہے لیکن اس کے لیے حسب ذیل شرطیں ضروری ہیں: 1 اس مقصد کے لیے دف ہی استعمال ہو۔ اسے بعض لوگ ''طار'' کے نام سے

[1] السيرة الحلبية: 227/1، سبل الهدٰى والرشاد: 165/2. [2] المعجم الكبير للطبراني: 210,209/2، كشف الأستار: 238,237/3، حديث: 2657. [3] السيرة الحلبية: 227/1.

بھی موسوم کرتے ہیں۔ یہ ایک طرف سے بند ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں طرف سے بند ہو تو پھر اس کا نام ڈھول ہوگا جو آلاتِ موسیقی میں سے ہے اور تمام آلاتِ موسیقی حرام ہیں۔ 2 دف کے ساتھ کوئی حرام چیز شامل نہ ہو، مثلاً: ایسے گانے نہ ہوں جو فحش اور جنسی جذبات بھڑکانے والے ہوں۔ 3 اس سے کوئی فتنہ رونما نہ ہو، یعنی خوبصورت آوازیں سن کر مردوں کے فتنے میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو۔ 4 اس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ 5 دف بجانے کی اجازت مردوں کے لیے نہیں ہے، صرف نابالغ بچیوں کے لیے ہے۔ [1]

علامہ محبّ طبری ﷫ نے لکھا ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جب حضرت خدیجہ ﷞ سے شادی کر لی اور آپ ﷺ واپس جانے کے لیے روانہ ہوئے تو سیدہ خدیجہ ﷞ نے عرض کی: ''اے محمد! کہاں کا ارادہ ہے؟ آپ جائیں ایک یا دو اونٹ نحر کریں اور لوگوں کو کھلائیں۔'' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا پہلا ولیمہ تھا۔ [2]

اس موقع پر ابوطالب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اظہارِ تشکر کے لیے کہا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْكَرْبَ وَدَفَعَ عَنَّا الْغُمُومَ

''تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہماری پریشانیاں اور تفکرات دُور فرما دیے۔'' [3]

اس دور میں ولیمے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں ہوتا تھا۔ ولیمہ کئی کئی دن جاری رہتا تھا۔ یہ بھی ضروری نہ تھا کہ دولھا والے اپنے گھر یا علاقے ہی میں ولیمہ کرنے کے پابند ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کے پردادا ہاشم بن عبد مناف نے شام جاتے ہوئے عبدالمطلب کی والدہ سلمٰی بنت عمرو نجاریہ سے مدینہ منورہ میں شادی کی۔ وہیں ولیمے کا اہتمام کیا اور قافلے کے شرکاء کو ضیافت دی۔ یہ کم و بیش چالیس افراد تھے۔ اُن کے علاوہ خزرج کے کچھ لوگوں کو بھی مدعو کیا، پھر اپنے رفقاء سمیت چند روز وہاں مقیم رہے۔ [4]

خدیجہ ﷞ عظمت کی معراج پر

سیدہ خدیجہ ﷞ بڑی عظیم اور عقل مند خاتون تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے زندگی کی رفاقت کا رشتہ قائم کر کے ان کے شرف و مجد کو چار چاند لگا دیے۔

سیدہ خدیجہ ﷞ کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے بھرپور تعاون کیا اور دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں اپنا مال بے دریغ صرف فرمایا۔ اُن کی احسن خدمات پر اللہ تعالیٰ نے

1 فتاوٰی إسلامیة : 186/3، تحریم آلات الطرب للألباني، مسنون نکاح از : حافظ صلاح الدین یوسف. 2 السمط الثمین، ص : 54. 3 السیرة الحلبیة : 227/1. 4 الطبقات لابن سعد : 79/1.

جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے انھیں سلام بھیجا اور انھیں جنت میں یاقوت جڑے موتیوں سے بنے ہوئے ایک بے مثل محل کی بشارت دی۔ خود جبریل علیہ السلام نے اپنی طرف سے بھی ان کو سلام پیش کیا۔ [1] یہ سلام رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو پہنچایا۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اس سلام کا انتہائی حکیمانہ جواب دیا، آپ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ وَعَلٰى جِبْرِيلَ السَّلَامُ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ

''یقیناً اللہ تعالیٰ خود ہی السلام (سلامتی دینے والا) ہے اور جبریل پر سلامتی ہو اور (اے اللہ کے رسول!) آپ پر سلامتی، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکات ہوں۔'' [2]

علمائے کرام نے کہا ہے کہ اس جواب سے ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی غیر معمولی بصیرت، فقاہت اور دانائی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سلام کے جواب میں وَعَلَيْهِ السَّلَامُ نہیں کہا جیسے ابتدا میں بعض صحابہ تشہد میں اَلسَّلَامُ عَلَى اللّٰهِ کہتے تھے جس پر نبی اکرم ﷺ نے انھیں منع کیا اور فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّلَامُ، وَلٰكِنْ قُولُوا: اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ......»

''بے شک اللہ تعالیٰ خود ہی السلام (سلامتی والا) ہے، تم یہ کہا کرو: تمام تعظیم اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے......''

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اپنی بصیرت اور دور اندیشی کی وجہ سے خوب جانتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کو سلام کا جواب اس طرح نہیں دیا جاتا جس طرح مخلوق کو دیا جاتا ہے، اس لیے کہ السلام اللہ تعالیٰ کے نہایت مقدس ناموں میں سے ایک نام ہے اور اس میں سلامتی کے معنی بھی موجود ہیں۔ [3]

خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف آوری

عربوں کے ہاں رواج تھا کہ دولہا تین دن تک دلھن کے گھر قیام کرتا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے والد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب بھی اپنی شادی کے موقع پر آپ ﷺ کی والدہ آمنہ کے ہاں تین دن تک ٹھہرے تھے۔ [4]

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد مستقل طور پر انھی کے گھر میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ مؤرخ ابو ولید ازرقی رحمہ اللہ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے:

''نبی کریم ﷺ کی اہلیہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کا گھر وہی تھا جس میں رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رہتے تھے۔ اسی

[1] صحیح البخاري: 3820، صحیح مسلم: 2432، فتح الباري: 173/7. [2] السنن الکبرٰی للنسائي: 94/5، حدیث: 8359 و 101/6، حدیث: 10206. [3] صحیح البخاري: 7381، صحیح مسلم: 402، فتح الباري: 174/7، الروض الأنف: 419/1. [4] الطبقات لابن سعد: 95/1.

گھر میں آپ ﷺ نے ان سے شادی کی، وہیں ان کی تمام اولاد پیدا ہوئی، پھر اسی میں خدیجہ رضی اللہ عنہا نے وفات پائی۔ رسول اللہ ﷺ ہجرتِ مدینہ تک یہیں قیام فرما رہے۔ امام ازرقی نے لکھا ہے کہ جس گھر میں آپ سیدہ خدیجہ سے نکاح کے بعد مقیم رہے، وہ گھر آپ کے مدینہ ہجرت فرما جانے کے بعد معتب بن ابی لہب رضی اللہ عنہ کے قبضے میں آ گیا۔ یہ رسالت مآب ﷺ کے ہمسائے تھے۔"[1]

کیا نکاح کا سبب حُبِّ مال تھا؟

مستشرقین اپنی مذموم روش کے مطابق نبی ﷺ کی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بارے میں لغو اور بے بنیاد باتیں بناتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح مال و دولت سے محبت کی وجہ سے کیا، حالانکہ یہ بات قطعی غلط ہے۔ مشہور مستشرق ولیم میور آپ ﷺ کے بارے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی رغبت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

"But there was a charm in the dark and pensive eye, in the noble features and in the graceful form of her assiduous agent, as he stood before her, which pleased her even more than her good fortune."

"سفرِ تجارت سے واپسی پر جب آپ (ﷺ) خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کھڑے تھے تو انھوں نے اپنے محنتی تجارتی نمائندے کی گہری تفکر آمیز سیاہ آنکھوں، شریفانہ خدوخال اور پُر وقار شخصیت میں بڑی کشش پائی جو ان کے لیے مالی منافع سے بھی زیادہ خوشی، فرحت اور رغبت کا باعث بن گئی۔"[2]

پچھلے صفحات میں یہ گزر چکا ہے کہ اس نکاح کی بنیاد خود حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی رغبت تھی۔ وہ آپ ﷺ کے حُسنِ سیرت، اخلاق اور اعلیٰ اوصاف سے متاثر ہوئیں اور نکاح کی جستجو کرنے لگیں۔ سیدہ خدیجہ ہی نے بہ نفسِ نفیس مختلف ذرائع سے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی نے پہلے نفیسہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے سے محمد ﷺ کا دلی رجحان معلوم کرایا اور بعد میں نبی کریم ﷺ کے چچا ابوطالب کے ہاں اس معاملے کی اطلاع بھیجی۔ جتنی بھی معتبر روایات کتبِ تاریخ میں نکاح کے حوالے سے آئی ہیں، ان میں کہیں بھی ایسی کوئی بات نہیں ملتی کہ اس نکاح کے سلسلے میں آپ ﷺ نے از خود کوئی ابتدا کی تھی بلکہ اللہ کے رسول ﷺ نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کریں گے۔ جب آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی

[1] أخبار مكة للأزرقي: 199/2.

[2] The Life of Mohamet: 2/40.

طرف سے شادی کا پیغام سُنا تو آپ ﷺ نے تعجب کا اظہار فرمایا تھا۔ مال کی ہوس اور نفس پرستی تو دنیا داروں کا شیوہ ہے، آپ ﷺ نے تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد سارا مال غریب لوگوں کی ضروریات پر خرچ کیا۔

نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد جب آپ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو قریشِ مکہ نے آپ کو مختلف ترغیبات اور لالچ دیے۔ مکہ کا سردار عتبہ بن ربیعہ آپ ﷺ کے پاس آیا۔ اس نے آپ کو جو پیش کشیں کیں، ان میں یہ بات بھی شامل تھی: ''اگر آپ مال چاہتے ہیں تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیں گے کہ آپ ہم میں سب سے زیادہ مالدار ہو جائیں گے۔'' نبی ﷺ نے اس کی پیش کش کو ہیچ اور ناقابلِ توجہ سمجھا اور جواب میں یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ○ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَ فِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ○ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ تَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ○ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَ لِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 41:1-13)

''شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ حٰمٓ۔ (یہ قرآن) رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں درآں حالیکہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے) منہ موڑ لیا، وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگی ہوئی ہے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم (اپنا) کام کرنے والے ہیں۔ کہہ دیجیے: بس میں تو

تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی طرف یکسوئی سے متوجہ رہو اور اسی سے بخشش مانگو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے۔ جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ آپ کہہ دیجیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کر دیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں غذاؤں کا (ٹھیک ٹھیک) اندازہ رکھا، (یہ کام) چار دنوں میں (ہوا) پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک (جواب) ہوگیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا، اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔ پھر (اللہ نے) انھیں دو روز میں سات آسمان بنا دیا اور ہر آسمان میں اس کا کام الہام کر دیا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت دی اور (اس کی خوب) حفاظت کی، یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔‘‘ [1]

مستشرق ولیم میور نے اپنی کتاب ’’The Life of Mohamet‘‘ میں نبیِ اکرم ﷺ کے بارے میں اس حوالے سے لکھا ہے:

"Mohamet was never covetous of wealth, or at any period of his career energetic in the pursuit of riches for their own sake"

’’محمد (ﷺ) کو دولت کی کبھی کوئی طلب نہیں رہی، وہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر مال و دولت کے پیچھے نہیں بھاگے۔‘‘ [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ محمد ﷺ اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سایۂ عاطفت میں

یہاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذکر جمیل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کفالت اور تعلیم و تربیت کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تاریخ اسلام کی جلیل القدر شخصیت اور امتِ مسلمہ کے چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ ایک طرف ان کی علمی وسعتیں بے پایاں تھیں، دوسری طرف وہ للّٰہیت، صداقت، شجاعت، جرأت و بسالت اور تقویٰ و پرہیز گاری کے

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 2/202-204.

[2] The Life of Mohamet:2/38.

اوصافِ جمیلہ سے مالا مال تھے۔ انھی اوصاف کی بدولت انھوں نے تاریخ اسلام میں اپنے لیے بہت اونچی جگہ بنالی۔ انھیں یہ عظمت وفضیلت کس طرح ملی؟ آپ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے نکلیں گے تو آپ کو ان کی کفالت اور تعلیم و تربیت میں رسول اللہ ﷺ کے عظیم معلمانہ کردار کے ساتھ ساتھ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ کی شفقت و مرحمت کی جھلکیاں بھی صاف نظر آئیں گی۔ آیئے ذرا مختصر طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا پس منظر دیکھیں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے دس سال پہلے اور خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے نکاح کے پانچ سال بعد ہوئی۔ [1] اس وقت آپ ﷺ معاشی پریشانیوں سے محفوظ تھے۔ سیرت ابن ہشام میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کا خاندان خاصا بڑا تھا۔ مکہ میں قریش قحط کا شکار ہوگئے۔ اس صورتحال میں آپ ﷺ اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے۔ ان دنوں بنو ہاشم میں ان کی اقتصادی حالت سب سے اچھی تھی۔ آپ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

> ''چچا جان! آپ کے بھائی ابوطالب کا کنبہ بڑا ہے، قحط سالی کا دور دورہ ہے، ہمیں ان کے پاس جانا چاہیے اور ان کے خاندان کا بوجھ ہلکا کرنا چاہیے۔ میں ان کے ایک صاحبزادے کو اپنے پاس رکھ لیتا ہوں، آپ بھی ان کی اولاد میں سے ایک بچہ رکھ لیں، یوں ہم ان کی کفالت کریں۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے اتفاق کیا۔ وہ آپ ﷺ کے ساتھ ابوطالب کے پاس پہنچے اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے خاندان کا بوجھ ہلکا کریں یہاں تک کہ موجودہ حالات ٹھیک ہوجائیں۔ ابوطالب نے جواب دیا کہ اگر تم میرے پاس عقیل کو، ایک دوسری روایت کے مطابق طالب کو بھی، رہنے دو تو باقی بچوں کے بارے میں اجازت ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی کفالت میں لے لیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی کفالت شروع کردی۔ حضرت علی آپ ﷺ کی کفالت میں رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا اور پھر سیدنا علی اور سیدنا جعفر رضی اللہ عنہما دونوں اولین مسلمانوں میں شامل ہوگئے۔ [2]

حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا سے خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مثالی سلوک

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کے عزیزوں اور قرابت داروں سے بڑے حسن سلوک سے پیش آتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی جناب علی رضی اللہ عنہ کی کفالت و سرپرستی میں بھرپور حصہ لیا اور کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ بعثت سے پہلے آپ ﷺ کی رضاعی والدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا ملنے آئیں۔ انھوں نے اپنی

[1] الإصابة:4/464. [2] السيرة لابن هشام:1/246.

تنگدستی کا ذکر کیا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان کی دل کھول کر مدد کی۔ انھیں چالیس بکریاں اور ایک اونٹ مرحمت فرمایا اور نہایت احترام سے رخصت کیا۔[1] امام سہیلی رحمہ اللہ نے ایک اونٹ کے بجائے کئی اونٹوں کے عطیے کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے محترمہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کو بیس بکریاں اور متعدد اونٹ مرحمت فرمائے تھے۔[2]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منفرد تحفہ

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شادی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک غلام بطورِ ہدیہ پیش کیا۔ اس غلام کو تاریخ اسلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے نام سے جانتی ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ اور ابن عساکر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا تو انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو بطور تحفہ پیش کیا۔[3]

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نہایت سمجھدار، وفا شعار، مخلص اور مؤدب خدمت گزار تھے۔ وہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ہو کر رہ گئے۔ انھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت تھی کہ وہ آپ کے سایۂ عاطفت کے مقابلے میں اپنے عزیز ترین خونی رشتوں کو بھی ناقابلِ ترجیح سمجھتے تھے۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی والدہ سُعدیٰ، قحطانی قبیلے بنو طے کے ایک ذیلی قبیلے **بنومعن** سے تھیں۔ وہ اپنے بیٹے زید کے ساتھ اپنے قبیلے کے لوگوں سے ملنے گئیں۔ اس وقت بنوقَین بن جسر کے گھڑ سوار کسی علاقے پر حملہ کرنے جا رہے تھے۔ وہ بنومعن کی بستی سے گزرے۔ یہاں انھوں نے زید کو اغوا کر لیا۔ زید ان دنوں عنفوان شباب میں تھے اور کام کاج کرنے کی عمر کو پہنچ گئے تھے۔ زید کو اغوا کرنے کے بعد وہ انھیں فروخت کرنے کے لیے عکاظ کے مشہور بازار لے گئے۔ وہاں انھیں سیدہ خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام بن خویلد رضی اللہ عنہ نے چار سو درہم میں خرید لیا اور انھیں اپنی پھوپھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پیش کر دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو انھوں نے سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے ہبہ کر دیا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں قبول فرما لیا۔

زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

اِدھر زید رضی اللہ عنہ کے والد **حارثہ بن شراحیل** رضی اللہ عنہ نے زید کو غائب پایا تو غم کے مارے ان کی دنیا اندھیر ہو گئی۔ کلب قبیلے کے کچھ لوگ حج کرنے آئے تو انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کو دیکھ لیا۔ سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے اُنھیں اور انھوں نے زید کو

[1] الطبقات لابن سعد: 114,113/1، سبل الهدٰى والرشاد: 383/1. [2] الروض الأنف: 294/1. [3] المستدرك للحاكم: 213/3، تاريخ دمشق الكبير: 243/21.

پہچان لیا۔ زید رضی اللہ عنہ نے ان کے ہاتھ اپنی قوم کو اپنی خیریت کا پیغام بھجوا دیا۔

کلب قبیلے کے لوگ واپس گئے تو انھوں نے زید رضی اللہ عنہ کے والد گرامی حارثہ بن شراحیل رضی اللہ عنہ کو زید کے بارے میں سب کچھ بتا دیا کہ آپ کا بیٹا کہاں ہے اور کس حال میں ہے۔ حارثہ کہنے لگے: ''ربّ کعبہ کی قسم! میرا بیٹا اور مجھ سے اس قدر دور!'' چنانچہ شراحیل کے دونوں بیٹے حارثہ اور کعب، یعنی زید رضی اللہ عنہ کے والد اور چچا زید رضی اللہ عنہ کا فدیہ ادا کرنے اور انھیں غلامی سے نجات دلانے کے لیے مکہ پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی انھوں نے مقامی باشندوں سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کہاں تشریف فرما ہیں؟ انھیں بتایا گیا کہ آپ ﷺ مسجد الحرام میں جلوہ افروز ہیں۔ وہ دونوں حرم پاک میں گئے، آپ ﷺ سے ملے اور عرض کرنے لگے: ''اے عبدالمطلب کے چشم و چراغ! ہاشم کے فرزند اور اپنی قوم (قریش) کے سردار کے لخت جگر! آپ اللہ کے حرم کے رکھوالے ہیں۔ حرم کی ہمسائیگی کا اعزاز رکھتے ہیں اور بیت اللہ کے جوار میں رہتے ہیں۔ آپ گردنیں آزاد کرنے والے ہیں۔ آپ قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لیے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ سے آپ کا غلام خرید لیں۔ وہ ہمارا بیٹا ہے۔ آپ ہمارے ساتھ حسن سلوک کریں۔ ہم پر احسان فرمائیں، اس کا فدیہ وصول کر لیں، ہم آپ کی خدمت میں اس کا زرِ فدیہ بڑھ چڑھ کر پیش کریں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: «مَا هُوَ؟» ''آپ کی مراد کون ہے؟'' وہ بولے: ''زید بن حارثہ۔'' اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «فَهَلَّا غَيْرَ ذٰلِكَ؟» ''اس کے لیے ایک مختلف طریقہ کیوں نہ اختیار کر لیا جائے؟'' انھوں نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' رحمت عالم ﷺ نے فرمایا:

«دَعُوهُ فَخَيِّرُوهُ فَإِنِ اخْتَارَكُمْ فَهُوَ لَكُمَا بِغَيْرِ فِدَاءٍ، وَ إِنِ اخْتَارَنِي فَوَاللّٰهِ! مَا أَنَا بِالَّذِي أَخْتَارُ عَلٰى مَنِ اخْتَارَنِي أَحَدًا»

''اسے اپنا فیصلہ خود کرنے کا اختیار دے دو۔ اگر وہ تمھیں اختیار کر لے تو وہ بلا عوض ہی تمھارا ہوا اور اگر وہ میرے پاس ہی رہنا پسند کرے تو اللہ کی قسم! میں ایسا شخص نہیں کہ جو شخص میرے پاس رہنا چاہتا ہوں، اس پر کسی اور کو اختیار کر لوں۔''

زید رضی اللہ عنہ کا حُسنِ انتخاب

نبی ﷺ کا صاف اور صریح ارشاد سن کر حارثہ اور کعب کہنے لگے: ''آپ (ﷺ) نے تو انصاف کے تقاضوں سے بھی کہیں بڑھ کر تعاون کا اظہار فرمایا ہے اور ہمیں اپنا احسان مند بنا لیا ہے۔'' رسول اللہ ﷺ نے زید رضی اللہ عنہ کو بلایا، وہ آ گئے تو دریافت فرمایا: «هَلْ تَعْرِفُ هٰؤُلَاءِ؟» ''کیا تم انھیں پہچانتے ہو؟'' زید نے جواب دیا: ''جی ہاں!''

آپ ﷺ نے پوچھا: «مَنْ هُمَا؟» ''یہ دونوں کون ہیں؟'' زید نے عرض کی: ''یہ میرے والد صاحب ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔'' نبیِ رحمت ﷺ نے فرمایا: «فَأَنَا مَنْ قَدْ عَلِمْتَ وَرَأَيْتَ صُحْبَتِي لَكَ فَاخْتَرْنِي أَوِ اخْتَرْهُمَا» ''تم مجھے بھی خوب جانتے ہو اور اپنے ساتھ میرے برتاؤ اور رہن سہن کا بھی مشاہدہ کر چکے ہو۔ اب چاہو تو میرے ساتھ رہو اور چاہو تو ان دونوں صاحبان کے ساتھ چلے جاؤ (تمھیں پورا اختیار ہے۔)''

یہ سن کر زید ؓ نے فوراً جواب دیا: میں تو آپ کے مقابلے میں کسی کو ترجیح نہیں دوں گا۔ آپ ہی میرے والد اور چچا کے مقام پر ہیں۔ یہ سن کر وہ دونوں بول پڑے: زید! تم پر افسوس ہے۔ تم آزادی کے مقابلے میں غلامی کو ترجیح دے رہے ہو؟ اپنے والد، چچا اور دیگر گھر والوں پر انھیں فوقیت دے رہے ہو؟ زید بولے: ''جی ہاں! میں ان کی ذاتِ گرامی میں اتنی عظیم خوبیاں دیکھ چکا ہوں کہ اب ان کے مقابلے میں میرے لیے کوئی قابل ترجیح نہیں۔''

رسول اکرم ﷺ نے جب زید کا یہ جذبۂ فدویت و محبت دیکھا تو انھیں ساتھ لے کر حطیم تشریف لے گئے اور انھیں اپنا مُتَبَنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنانے کا اعلان فرمایا۔

یہ ایسا زبردست ایمان فروز اور رُوح پرور منظر تھا کہ زید کے والد حارثہ ؓ اور چچا کعب بھی یہ نظارۂ وفا دیکھ کر جھوم اُٹھے اور ہنسی خوشی واپس چلے گئے۔ ادھر سارے مکے میں زید بن حارثہ ؓ کی دھوم مچ گئی اور لوگ انھیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے حتی کہ وہ وقت آ گیا کہ دعوتِ اسلام کا ظہور ہو گیا۔[1]

مستدرک حاکم کا بیان

امام حاکم نے بعثت سے پہلے کے اس واقعے کو ایک دوسرے انداز سے بیان کیا ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زید ؓ کو عکاظ کے بازار میں دیکھا تو سیدہ خدیجہ ؓ سے فرمایا: ''میں نے بازار میں ایک لڑکا دیکھا ہے۔ اس میں بہت سی خوبیاں ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے اس کی سوجھ بوجھ، ادب آداب، رکھ رکھاؤ اور حسن و جمال کی خصوصیات بیان فرمائیں، پھر فرمایا: ''میرے پاس رقم ہوتی تو میں اسے خرید لیتا۔''

شوہر گرامی ﷺ کی یہ خواہش سیدہ خدیجہ ؓ نے فوراً ورقہ بن نوفل تک پہنچا دی اور زید ؓ کو خریدنے کی تمنا سے مطلع کر دیا۔ وہ سیدہ خدیجہ ؓ کی رقم سے اسے خرید لائے۔ زید کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «يَا خَدِيجَةُ! هَبِي لِي هٰذَا الْغُلَامَ بِطِيبٍ مِّنْ نَّفْسِكِ» ''اے خدیجہ! تم اپنا یہ غلام بخوشی مجھے ہدیہ کر دو۔''

خدیجہ ؓ نے عرض کی: ''یہ لڑکا بہت خوبصورت ہے۔ مجھے ڈر ہے مبادا آپ اسے فروخت کر دیں یا کسی کو بطور ہدیہ

[1] تاریخ دمشق الکبیر: 244,243/21، الطبقات لابن سعد: 3/40-42.

دے دیں؟'' یہ سن کر نبی ﷺ نے فرمایا: «يَامُوَفَّقَةُ! مَا أَرَدْتُ إِلَّا لِأَتَبَنَّاهُ» ''اے مُوَفَّقَہ! یعنی توفیق ربانی سے نوازی گئی خدیجہ! میں تو اسے اپنا منہ بولا بیٹا بنانا چاہتا ہوں۔''

خدیجہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: ''اے محمد! آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کی پرورش کی اور انھیں اپنا بیٹا بنا لیا، یوں انھیں زید بن محمد کہا جانے لگا۔ [1] ...... اس دوسرے واقعے کی بجائے اکثر مؤرخین نے پہلے واقعے ہی کا تذکرہ کیا ہے۔ [2]

رسول اللہ ﷺ پر کسی کو ترجیح نہیں دی جا سکتی

جب رسالت مآب ﷺ نے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تو زید رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی اپنی معراج پر پہنچ گئی۔ بعدازاں زید رضی اللہ عنہ کی یہی خوش بختی اللہ کی طرف سے ایک نہایت اہم حکم کے نزول کا سبب بن گئی۔ جس کے تحت لے پالک بیٹوں کو اُن کے سگے باپ کی نسبت سے پکارنے کا حکم دے دیا گیا، ہوا یوں کہ جب زید رضی اللہ عنہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ نہیں گئے تو ان کے بھائی جَبَلَہ بن حارثہ رضی اللہ عنہما انھیں لینے کے لیے چلے آئے۔ جَبَلَہ رضی اللہ عنہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے درخواست کی: ''اللہ کے رسول! میرے بھائی زید کو میرے ساتھ بھیج دیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: «هُوَذَا، فَإِنِ انْطَلَقَ مَعَكَ لَمْ أَمْنَعْهُ» ''وہ ٹھہرا زید۔ اگر وہ تمھارے ساتھ جانے پر راضی ہو تو میں اسے نہیں روکوں گا۔'' یہ سن کر زید رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ! وَاللّٰهِ! لَا أَخْتَارُ عَلَيْكَ أَحَدًا

''اللہ کے رسول! ربِّ ذوالجلال کی قسم! آپ کی ذاتِ گرامی کے مقابلے میں میرے لیے کوئی قابلِ ترجیح نہیں۔''

جَبَلَہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اپنے بھائی کی رائے کو اپنی رائے سے افضل جانا۔'' [3]

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی طرف سے زید رضی اللہ عنہ کو متبنّٰی بنانے کی بات ہے تو یہ رسم بعدازاں منسوخ کر دی گئی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾

''تم ان (لے پالکوں) کو ان کے باپوں کی طرف (نسبت دے کر) پکارو، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف

[1] المستدرك للحاكم: 213/3. [2] السيرة لابن هشام: 248,247/1، سيرة خير العباد لابن القيم، ص: 31,30، الاستيعاب، ص: 287,286، أسد الغابة: 239,238/2، الإصابة: 496,495/2، مختصر سيرة الرسول ﷺ لمحمد بن عبدالوهاب، ص: 76. [3] جامع الترمذي: 3815.

والی بات ہے۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی خدیجہ ﷞ سے اولاد

نبی اکرم ﷺ کی اولاد کے بارے میں مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ بعثت سے پہلے آپ ﷺ کا ایک بیٹا قاسم پیدا ہوا تھا۔ اُسی کے نام پر آپ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ اُس کے علاوہ آپ ﷺ کی چار بیٹیاں زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ ﷢ تھیں۔ [2] بیٹا قاسم اوائلِ عمر ہی میں وفات پا گیا لیکن چاروں بیٹیوں نے اسلامی دور پایا اور ہجرت بھی کی۔ [3]

ابن اسحاق نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے بیٹے قاسم کے علاوہ دو اور بیٹوں کا ذکر بھی کیا ہے جن کے نام طیب اور طاہر تھے جو بعثت سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ [4] لیکن حافظ ابن حجر، علامہ ابن قیم، امام ابن جوزی، امام سہیلی، علامہ قسطلانی ﷭ اور مشہور سیرت نگار ڈاکٹر صلابی وغیرہ نے ابن اسحاق کے اس قول کی تردید کی ہے اور بتایا ہے کہ طیب و طاہر یہ دونوں آپ ﷺ کے بیٹے عبداللہ کے القاب تھے۔ [5] یہ بیٹا راجح قول کے مطابق بعثت کے بعد پیدا ہوا اور ابتدائی عمر ہی میں وفات پا گیا۔ [6]

اکثر مؤرخین کی یہ بات کہ طیب اور طاہر، عبداللہ کے القاب ہیں، زیادہ معتبر معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

---

[1] الأحزاب 5:33. [2] فتح الباري : 172/7. [3] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص : 30-33، دلائل النبوة للبيهقي : 69/2.
[4] السيرة لابن إسحاق:130/1. [5] فتح الباري:172/7، سيرة خير العباد لابن القيم، ص:631، تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 30، الروض الأنف:326/1، المواهب اللدنية:59,58/2و 68، السيرة النبوية للصلابي:70/1. [6] الطبقات لابن سعد: 133/1.

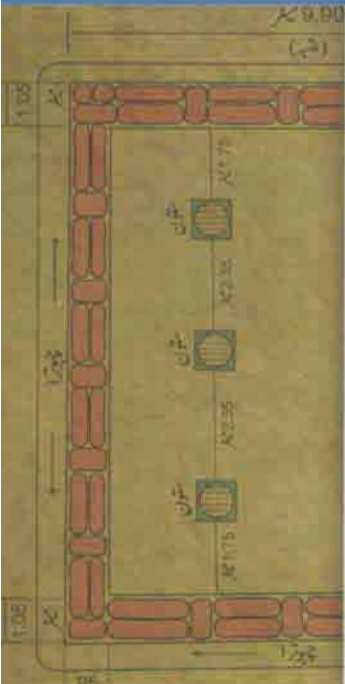
تعمیرِ کعبہ

مختلف ادوار میں تعمیراتِ کعبہ، حجرِ اسود کی فضیلت، نبی ﷺ
کی عظیم حکمت عملی، اس موقع پر نبی ﷺ کی
عمرِ مبارک اور کعبے کی پیمائشوں
کی تفصیلات

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ

”بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔ وہ تمام دنیا
کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔“ (آل عمرٰن 3:96)

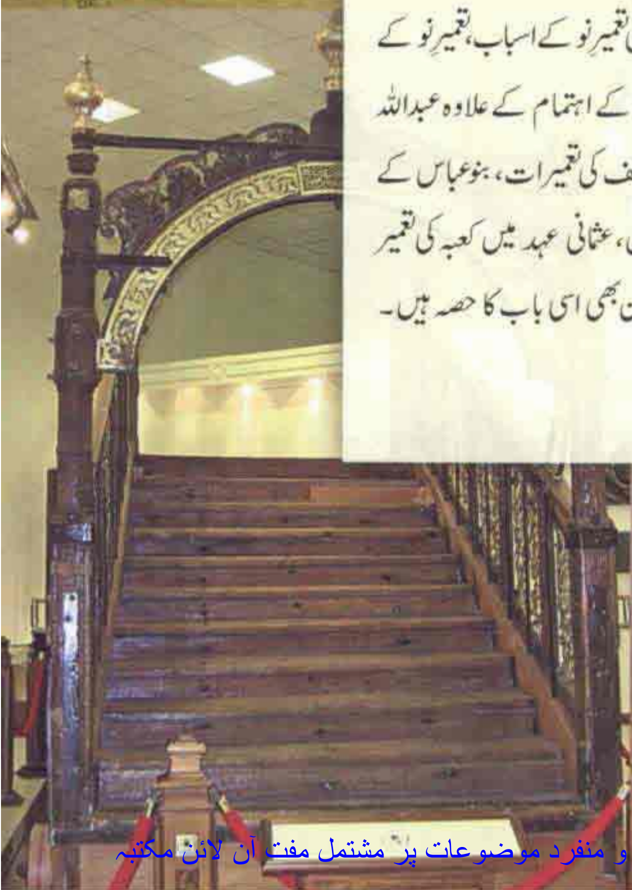
اس باب میں

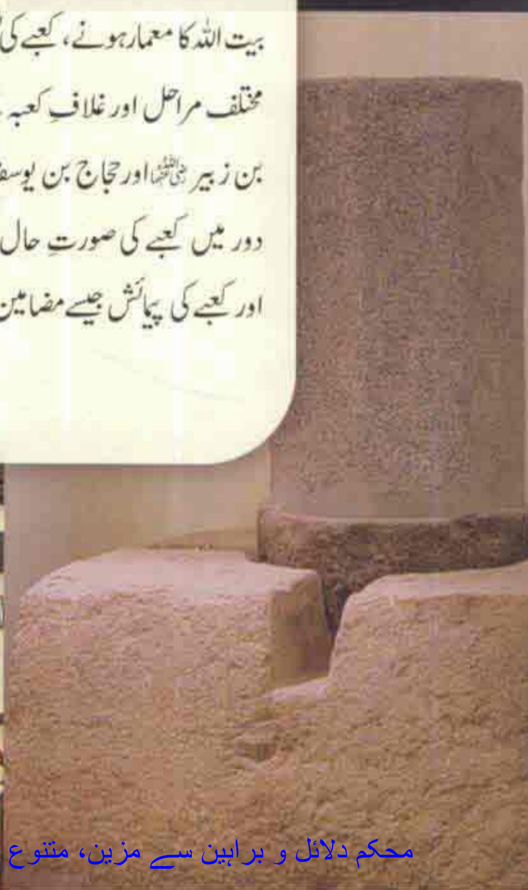




مختلف ادوار میں کعبہ مشرفہ کی تعمیرات کے تذکرے کے ساتھ ساتھ قریش مکہ کے ہاتھوں کعبے کی تعمیرِ نو کا حال قلم بند کیا گیا ہے، بالخصوص حجرِ اسود کی عظمت، اہمیت اور فضیلت کے پیشِ نظر اسے نصب کرتے ہوئے قریش میں جو زبردست اختلاف رُونما ہوا، اُس نازک موقع پر نبی ﷺ کی حکمت وتدبر سے یہ معاملہ کس طرح حل ہوا؟ اس کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ ﷺ کے حکیمانہ طرزِ عمل سے کتنی بڑی خونریزی کا خطرہ ٹل گیا اور قریش کی چمکتی ہوئی تلواریں نیاموں میں واپس چلی گئیں۔

اس موقع پر نبی کریم ﷺ کی عمر مبارک، آپ ﷺ کے بیت اللہ کا معمار ہونے، کعبے کی تعمیرِ نو کے اسباب، تعمیرِ نو کے مختلف مراحل اور غلافِ کعبہ کے اہتمام کے علاوہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حجاج بن یوسف کی تعمیرات، بنوعباس کے دور میں کعبے کی صورتِ حال، عثمانی عہد میں کعبہ کی تعمیر اور کعبے کی پیمائش جیسے مضامین بھی اسی باب کا حصہ ہیں۔





کعبہ کی تعمیرِ نو میں محمد رسول اللہ ﷺ کا کردار

کائنات میں سب سے زیادہ عظیم الشان، اہم ترین اور بابرکت گھر ''بیت اللہ'' ہے۔ اللہ عزوجل نے اسے ایسی عظمتِ دوام عطا فرمائی ہے کہ ہزاروں برس کے حالات و حوادث کا الٹ پھیر بھی اس کی شانِ جلالت پر اثر انداز نہیں ہو سکا۔ یہ گھر تمام مسلمانوں کا قبلہ ہے اور اہل قبلہ کو اس بات پر بجا طور پر ناز ہے کہ روئے زمین پر اس سے زیادہ قدیم اور عظیم عمارت اور کوئی نہیں۔ اس کی بنیاد برگزیدہ نبیوں اور ملائکہ نے رکھی۔ یہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنایا جانے والا سب سے پہلا گھر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ھُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ۝﴾

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا، وہی ہے جو (بکہ) مکہ میں ہے۔ وہ عالم والوں کے لیے برکت اور ہدایت کا مرکز ہے۔''[1]

بیت اللہ کتنی دفعہ بنا؟

قریش مکہ سے پہلے بھی مختلف افراد نے مختلف ادوار میں بیت اللہ کی عمارت کی مرمت اور تعمیرِ نو میں حصہ لیا۔

- سب سے پہلے بیت اللہ کی تعمیر کی فضیلت فرشتوں کو حاصل ہوئی تھی۔[2] سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرشتے آدم علیہ السلام سے پہلے بیت اللہ کا حج کرتے تھے، پھر سیدنا آدم علیہ السلام نے حج کیا۔ سیدنا آدم علیہ السلام کی فرشتوں سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے آپ سے پوچھا: ''اے آدم! آپ کہاں سے آرہے ہیں؟'' فرمایا: ''بیت اللہ کا حج کر کے۔'' فرشتے کہنے لگے کہ آپ سے پہلے فرشتوں نے اس مقدس گھر کا حج کیا ہے۔[3]
- فرشتوں کی تعمیر کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تعمیر کا حکم دیا تو انھوں نے بیت اللہ تعمیر کیا۔[4]
- پھر حضرت شیث بن آدم علیہما السلام نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔[5]
- چوتھی مرتبہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے بیت اللہ کی عمارت بنائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

---

[1] آل عمرٰن3:96. [2] أخبار مكة للأزرقي:6/1. [3] السنن الكبرٰى للبيهقي:176/5 و 177. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 45/2، أخبار مكة للأزرقي:6/1. [5] أخبار مكة للأزرقي:6/1.

﴿ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَـٰعِيلُ ﴾

''اور جب ابراہیم اور اسماعیل (علیہما السلام) بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے......'' [1]



بنیادِ ابراہیمی پر قائم کعبے کا خاکہ

- پانچویں اور چھٹی مرتبہ عمالقہ اور جرہم نے بیت اللہ کی تعمیر کی۔
- ساتویں مرتبہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے جدّ امجد قصی بن کلاب نے اپنے دور میں از سرنو بیت اللہ کی عمارت بنائی۔ [2]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ بیت اللہ کی پہلی تعمیر کے حوالے سے ایک اور موقف بیان کرتے ہیں۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اللہ کا گھر بنایا۔ وہ لکھتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے کوئی ایسی صحیح روایت منقول نہیں جس سے یہ بات ثابت ہو کہ کبھی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے بھی بیت اللہ کا وجود تھا، البتہ یہ جگہ اللہ جل شانہ کے علم میں تھی، چنانچہ اس جگہ کا ہمیشہ سے ہر دور میں ہر طرح سے احترام کیا گیا۔ واللہ أعلم. [3]

خانہ کعبہ کی تعمیر میں نبی ﷺ کی شرکت

جب حیاتِ نبوی میں، بعثت سے پہلے، اللہ تعالیٰ کے اِس مبارک گھر کی تعمیرِ نو کا مرحلہ پیش آیا تو اس وقت قریش شرک کی نجاست میں مبتلا تھے، تاہم یہ لوگ اپنی ذہنی پستی کے باوجود خوب سمجھتے تھے کہ پورے کرۂ ارض پر بیت اللہ سے زیادہ اہم اور بابرکت جگہ اور کوئی نہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ ان کی تجارت و معیشت، عرب کی سرزمین

[1] البقرۃ 2:127. [2] أخبار مكة للأزرقي: 6/1، سبل الهدى والرشاد: 1/163,164. [3] البداية والنهاية: 1/277.

بے آئین میں ان کا تحفظ اور پورے عرب میں ان کا اعلیٰ ترین مرتبہ، صرف اسی بات پر منحصر تھا کہ وہ بیت اللہ کے خدام اور متولی ہیں۔

یہ واقعہ نبیِ اکرم ﷺ کی جوانی کے دور میں، آپ کی بعثت سے پانچ سال پہلے حضرت خدیجہ ؓ سے نکاح کے بعد پیش آیا۔ قریش بیت اللہ کی تعمیرِ نو کے لیے جمع ہوئے۔ اس تعمیر میں محمد رسول اللہ ﷺ کا کردار بہت ممتاز اور نمایاں تھا۔[1]

بیت اللہ کی تعمیرِ نو کے اسباب

بیت اللہ کی عمارت بہت بوسیدہ ہوگئی تھی۔ اس کی چنائی گارے کے بغیر ہوئی تھی۔ دروازہ زمین سے متصل تھا۔ اس وقت بیت اللہ کی چھت بھی موجود نہیں تھی۔[2] قریش مکہ کو ہر آن بیت اللہ کی عمارت منہدم ہونے کا دھڑکا لگا رہتا تھا، اس لیے اس کی از سرِ نو تعمیر کے بارے میں سوچ بچار کرتے رہتے تھے۔

جلد ہی ایسے اسباب پیدا ہوئے جو فوری تعمیرِ نو کے متقاضی تھے۔ ایک سبب یہ تھا کہ بیت اللہ شہر کے نشیبی علاقے میں واقع تھا۔ سیلاب سے بچاؤ کے لیے مکہ کی بالائی جانب پہاڑوں میں ایک بند باندھا گیا تھا مگر بارش کا پانی سیلاب کی صورت میں اتنے تیز بہاؤ سے آتا تھا کہ بند کو پھلانگ کر نیچے آجاتا تھا اور بیت اللہ کی عمارت سے ٹکراتا تھا۔ قریش کو خدشہ ہوتا کہ مبادا پانی کعبہ میں داخل ہوجائے۔ اس بار جو سیلاب آیا تو پانی کعبہ میں داخل ہوگیا۔ اس سے بیت اللہ کی عمارت کو شدید نقصان پہنچا اور اس کی پرانی دیواروں میں دراڑیں پڑ گئیں۔ کعبہ کی دیواریں عام آدمی کے قد سے کچھ زیادہ اونچی تھیں اور اردگرد کوئی حفاظتی دیوار نہیں تھی۔[3]

ایک اور سبب امام زہری نے یہ بیان کیا ہے کہ ایک عورت بیت اللہ کو بخور (خوشبو) کی دھونی دے رہی تھی کہ اچانک ایک شرارہ اڑ کر غلافِ کعبہ پر جا پڑا، اس سے آگ بھڑک اٹھی اور بیت اللہ کی عمارت کو آگ سے شدید نقصان پہنچا۔[4]

تیسرا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ بیت اللہ کے اندر ایک کنویں میں بیت اللہ کا پرانا خزانہ پڑا ہوا تھا۔ یہ ان اموال پر مشتمل تھا جو لوگ کعبہ کی نذر کرتے رہتے تھے۔[5] وہ خزانہ چوری ہوگیا۔ اس خزانے میں سونے کے دو ہرن

[1] أخبار مكة للأزرقي: 164/1، الطبقات لابن سعد: 146/1. [2] أخبار مكة للأزرقي: 159/1. [3] أخبار مكة للأزرقي: 160/1، الطبقات لابن سعد: 145/1، دلائل النبوة للبيهقي: 58/2، فتح الباري: 189/7. [4] أخبار مكة للأزرقي: 158/1، فتح الباري: 184/7، المصنف لعبدالرزاق: 99/5. [5] أخبار مكة للأزرقي: 158/1.

بھی تھے۔[1] مسروقہ مال بنی ملیح بن عمرو خزاعی کے غلام دُوَیک سے برآمد ہوگیا اور چوری کے جرم میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔[2] اس سلسلے میں جو افراد مشکوک گردانے گئے، ان میں بدر کے دن جہنم رسید ہونے والا حارث بن عامر بن نوفل، حارث کا اَخیافی، یعنی مادری بھائی ابواہاب بن عزیز اور ابولہب بن عبدالمطلب شامل تھے۔[3] بعدازاں تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اصل چور حارث تھا جس نے خزانہ چُرا کر دُوَیک کے پاس رکھ چھوڑا تھا، چنانچہ حارث کو مجرم قرار دے کر دس برس کے لیے مکہ بدر کر دیا گیا۔[4]

قریش نے ان اسباب کی بنا پر باہمی مشاورت سے کعبہ کی فوری تعمیر نو کا فیصلہ کیا۔ طے پایا کہ بیت اللہ کی دیواریں مضبوط اور بلند کر دی جائیں۔ اوپر چھت ڈال دی جائے۔ دروازے کو بلند کرنے کے ساتھ ساتھ مُقفّل بھی کیا جائے تاکہ اہل حل و عقد جسے چاہیں بیت اللہ میں داخل ہونے کی اجازت دیں اور جس کے بارے میں غیر مطمئن ہوں، اسے باہر ہی روک دیں تاکہ کسی قسم کا کوئی ناگوار واقعہ رونما نہ ہو اور ان کا شرف و فضل بھی قائم رہے۔ بصورت دیگر اس بات کا ہر وقت خطرہ رہتا تھا کہ کوئی شخص سازش کر کے اس بوسیدہ عمارت کو گرائے یا اس کی بے حرمتی کرے۔[5]

قریش کو ابووہب اور ولید بن مغیرہ کا مشورہ

ابن اسحاق رحمہ اللہ نے لکھا ہے: جب قریشِ مکہ نے بیت اللہ کی تعمیرِ نو پر اتفاق کر لیا تو رسول اللہ ﷺ کے والد جناب عبداللہ کے ماموں ابووہب بن عمرو بن عائذ مخزومی[6] نے بیت اللہ کا ایک پتھر اُکھاڑا مگر وہ ان کے ہاتھ سے اچھل کر واپس اپنی جگہ پہنچ گیا، تب ابووہب نے کہا: ''اے قبیلۂ قریش! بیت اللہ کی مقدس تعمیر میں ہر شخص صرف اپنی حلال اور طیب کمائی ہی کا مال خرچ کرے۔ اس تعمیر میں بدکاری، سودی بیوپار اور ظلم و ستم سے حاصل کردہ مال ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔''[7]

علامہ ازرقی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ جب قریش نے تعمیرِ کعبہ کے لیے سامان، پتھر اور لکڑیاں جمع کر لیں تو پھر وہ کعبۃ اللہ کی دیوار گرانے لگے۔ اس دوران کعبہ کے اندر سے ایک بہت بڑا سانپ نکل آیا۔ وہ بیت اللہ کی حفاظت کر رہا تھا۔ قریش جونہی آگے بڑھتے، وہ انھیں بیت اللہ کی طرف آنے سے روکتا تھا۔ جب قریش نے یہ منظر دیکھا تو وہ مقام ابراہیم کے پاس اکٹھے ہوگئے۔ ولید بن مغیرہ نے ان سے کہا: اے میری قوم قریش! کیا تم لوگ اسے

---

[1] الكامل لابن الأثير: 571/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 150/1. [3] الكامل لابن الأثير: 572/1. [4] السيرة لابن إسحاق: 150/1، تاريخ الطبري: 39/2. [5] السيرة الحلبية: 230/1. [6] الجمهرة لابن حزم، ص: 141، البداية والنهاية: 280/2. [7] السيرة لابن إسحاق: 151/1.

بھلائی کی نیت سے مسمار کرنا چاہتے ہو؟ لوگوں نے کہا: بالکل ہم بھلائی چاہتے ہیں۔ ولید نے کہا: پھر کوئی کھٹکا نہیں۔ اللہ تعالیٰ مصلحین کو ہلاک نہیں کرے گا لیکن تم اپنے رب کے گھر کی تعمیر میں اپنے پاکیزہ اموال لگانا۔ اس میں سود کا پیسہ یا جوئے اور زنا کی کمائی نہ لگانا اور ہر قسم کے گندے اور حرام مال سے پرہیز کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ طیب مال ہی قبول کرتا ہے۔ چنانچہ تمام لوگوں نے اتفاق کیا کہ کعبہ کی تعمیر میں صرف حلال اور پاکیزہ مال ہی خرچ کیا جائے گا۔ [1]

بیت اللہ کی نئی تعمیر کے مراحل

بیت اللہ کی تعمیرِ نو کے سلسلے میں قریش میں مشاورت جاری تھی کہ تعمیر کس طرح کی جائے، تعمیری کام کے لیے کون کون سے ذرائع اختیار کیے جائیں اور اس کام میں کن کن چیزوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اتفاق سے انھی دنوں رومیوں کا ایک مال بردار بحری جہاز (جدہ کے جنوب میں) شُعَیبہ کے ساحل سے ٹکرا کر پاش پاش ہوگیا۔ یہ مال بردار جہاز مختلف قسم کے ساز وسامان سے لدا ہوا تھا۔ اس میں حبشہ کے گرجے کی تعمیر کے لیے لدی ہوئی بیش قیمت لکڑی بھی تھی۔ [2] قریش کو جب اس حادثے اور جہاز میں موجود قیمتی لکڑی کے بارے میں علم ہوا تو انھوں نے اسے



جدہ کے جنوب میں شعیبہ کا ساحل

خریدنے کے لیے ولید بن مغیرہ کی قیادت میں ایک وفد روانہ کردیا۔ [3] وفد نے جب جہاز کے رومی تاجروں سے لکڑی خریدنے کی بات کی تو انھوں نے یہ شرط رکھی کہ قریش اپنے تجارتی قافلے کے ساتھ ان کا تجارتی ساز وسامان بھی برّی راستے سے شام لے جائیں گے۔ [4]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ قریش نے ان رومیوں کو بغیر کسی ٹیکس کے مکہ میں اپنا سامان بیچنے کی پیشکش کی

[1] أخبار مكة للأزرقي: 162,161/1، الطبقات لابن سعد: 146,145/1، المصنف لعبدالرزاق: 102/5. [2] السيرة لابن كثير، ص: 55، المصنف لعبدالرزاق: 102/5، حديث: 9106، السيرة الحلبية: 233/1، سبل الهدٰى والرشاد: 169/2. [3] الطبقات لابن سعد: 145/1. [4] المصنف لعبدالرزاق: 98/5، حديث: 9103، فتح الباري: 558/3.

تاکہ وہ لکڑی بیچنے کے لیے راضی ہوجائیں۔ تجارتی ٹیکس کا طریقۂ کار یہ تھا کہ جو رومی تاجر مکہ آتا، قریش اس سے دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرتے تھے۔ اسی طرح کوئی قریشی تاجر روم جاتا تو رومی بھی اس سے دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کرتے تھے۔ [1] بہرحال قریش نے لکڑی کے مالکوں سے اپنے حلال مال کے بدلے یہ لکڑی خرید لی اور اسے بیت اللہ کی تعمیر میں استعمال کیا۔

تعمیر کعبہ کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر مبارک

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت نبی اکرم ﷺ کی عمر پینتیس سال تھی۔ [2] امام بیہقی اور ابن کثیر رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کی روایت بیان کی ہے کہ تعمیر کعبہ بعثت سے پندرہ برس پہلے ہوئی۔ یہی قول عروہ بن زبیر، محمد بن جُبیر بن مطعم، مجاہد رحمہ اللہ اور دیگر اہل علم سے منقول ہے۔ [3] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ کا ایک اور قول نقل کیا ہے کہ جنگِ فِجار اور تعمیرِ کعبہ کے درمیان پندرہ برس کا زمانی فاصلہ ہے۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اپنی رائے دیتے ہوئے فرماتے ہیں: جنگِ فِجار اور حلف الفضول دونوں واقعے ایک ہی سال پیش آئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر بیس سال تھی۔ موسیٰ بن عقبہ کے اس دوسرے قول سے ابن اسحاق کے قول کی تائید ہوتی ہے کہ تعمیرِ کعبہ کے وقت نبیِ اکرم ﷺ کی عمر مبارک پینتیس برس تھی۔ [4] امام طبری، ابن اثیر، بیہقی، ذہبی، سہیلی، ابن حجر، حلبی اور حضرمی رحمہ اللہ نے اسی بیان کو راجح قرار دیا ہے۔ [5]

نبیِ اکرم ﷺ نے پتھر ڈھوئے


شارع اجیاد

قریش تعمیرِ کعبہ کے لیے استعمال ہونے والا پتھر مکہ کے نشیب میں واقع گھاٹی اجیاد سے لا رہے تھے۔ [6] اجیاد کوہِ صفا سے متصل بیت اللہ کا سب سے قریبی محلّہ ہے۔ اس کام میں رسول اللہ ﷺ نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

---

[1] أخبار مكة للأزرقي :160/1. [2] السيرة لابن إسحاق : 151/1 و 156,155. [3] المصنف لعبد الرزاق : 98/5، حديث : 9103، دلائل النبوة للبيهقي : 62/2. [4] السيرة لابن كثير، ص: 55، دلائل النبوة للبيهقي: 58/2. [5] تاريخ الطبري: 37,36/2 و 41,40، دلائل النبوة للبيهقي: 62/2، الكامل لابن الأثير: 571/1، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 66، الروض الأنف: 336/1، السيرة الحلبية: 229/1، فتح الباري: 557/3، 558، حدائق الأنوار، ص: 119. [6] أخبار مكة للفاكهي: 227/5.

لَمَّا بُنِيَتِ الْكَعْبَةُ ذَهَبَ النَّبِيُّ ﷺ وَعَبَّاسٌ يَنْقُلَانِ الْحِجَارَةَ، فَقَالَ الْعَبَّاسُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: اِجْعَلْ إِزَارَكَ عَلٰى رَقَبَتِكَ، فَخَرَّ إِلَى الْأَرْضِ، وَطَمَحَتْ عَيْنَاهُ إِلَى السَّمَاءِ، فَقَالَ: أَرِنِي إِزَارِي، فَشَدَّهُ عَلَيْهِ.

''جب کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو نبی اکرم ﷺ اور عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ اپنا ازار اپنے کندھے پر رکھ لیجیے (تاکہ پتھروں کا بوجھ اٹھانا آسان ہو جائے۔) آپ ﷺ نے ازار اتار کر کندھوں پر رکھا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور آپ کی آنکھیں آسمان پر گڑ گئیں۔ آپ جب سنبھلے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے میرا ازار دے دیجیے۔'' پھر آپ نے اسے اچھی طرح کس کر باندھ لیا۔''[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت میں ہے کہ نبی ﷺ اور عباس رضی اللہ عنہ تعمیر کعبہ کے لیے نہایت مستعدی سے سرگرم عمل تھے۔ وہ پتھر ڈھو ڈھو کر لا رہے تھے۔ اسی دوران عباس رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے کہا:

اِجْعَلْ إِزَارَكَ عَلٰى رَقَبَتِكَ يَقِكَ مِنَ الْحِجَارَةِ

''اپنا تہبند کندھے پر رکھ لیجیے، وہ آپ کو پتھروں (کی چبھن) سے محفوظ رکھے گا۔''

آپ نے ایسا کیا تو اسی وقت بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑے اور آپ کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، جب افاقہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: «إِزَارِي إِزَارِي» ''میرا تہبند! میرا تہبند!'' آپ ﷺ نے اپنا تہبند لے کر اچھی طرح کس کر باندھ لیا۔ یہ لحاظی بے پردگی آپ کی زندگی کا پہلا اور آخری موقع تھا۔[2]

بیت اللہ کا معمار

بیت اللہ تعمیر کرنے والا کاریگر کون تھا؟ ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ مکہ میں ایک قبطی معمار تھا، اس نے تعمیر کا کام کیا تھا۔[3] ابن ہشام، ابن کثیر اور طبری رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی اس بات کی موافقت کرتے ہوئے قبطی معمار کا ذکر کیا ہے۔[4] ازرقی، فاکہی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے باقوم رومی کو معمار قرار دیا ہے۔[5]

[1] صحيح البخاري:1582، صحيح مسلم:340. [2] صحيح البخاري:364 و3829، صحيح مسلم:340. [3] السيرة لابن إسحاق:1/150. [4] السيرة لابن هشام:1/193، السيرة لابن كثير، ص:56، تاريخ الطبري:2/39. [5] أخبار مكة للأزرقي:1/157، أخبار مكة للفاكهي:5/227، فتح الباري:3/557.

باقوم رومی ایک غلام تھا جو اس بحری جہاز پر سوار تھا جو مکہ کے ساحلی مقام شُعَیبہ کے پاس سمندر میں غرق ہوگیا تھا۔ وہ بڑھئی اور ماہرِ تعمیر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ باقوم نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بنو امیہ کا غلام رہا۔ باقوم ہی نے مدینہ میں نبی ﷺ کا تین سیڑھیوں والا منبر بنایا تھا۔[1] علامہ زرقانی رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ ایک کی نہیں، متعدد افراد کی بات ہے۔ ہوسکتا ہے یہ دو افراد ہوں اور دونوں نے تعمیر میں حصہ لیا ہو۔ ایک نے دیواریں اٹھائی ہوں اور دوسرے نے چھت ڈالی ہو۔[2]

رومی بحری جہاز جب شُعَیبہ کے ساحل سے ٹکرا کر تباہ ہوا تو قریش نے اس کے سامان سے بیت اللہ کی تعمیر کے لیے لکڑی خریدی۔ یہ جہاز باقوم رومی قیصر کے حکم سے حبشہ میں گرجا بنانے کے لیے لے جا رہا تھا۔ اسی دوران باقوم رومی کو آمادہ کیا گیا کہ وہ بیت اللہ کے تعمیراتی کام کی رہنمائی کرے۔[3]

باقوم رومی اپنے فن میں طاق تھا۔ وہ مکہ آیا۔ اس نے قریش کی مدد سے بیت اللہ کی تعمیر کا کام کیا۔ کام کرتے کرتے اس نے قریش سے پوچھا کہ بیت اللہ کی چھت کس طرح کی بناؤں؟ انھوں نے جواب دیا کہ چھت ہموار بناؤ، چنانچہ اس نے بیت اللہ کی چھت ہموار بنائی۔[4]

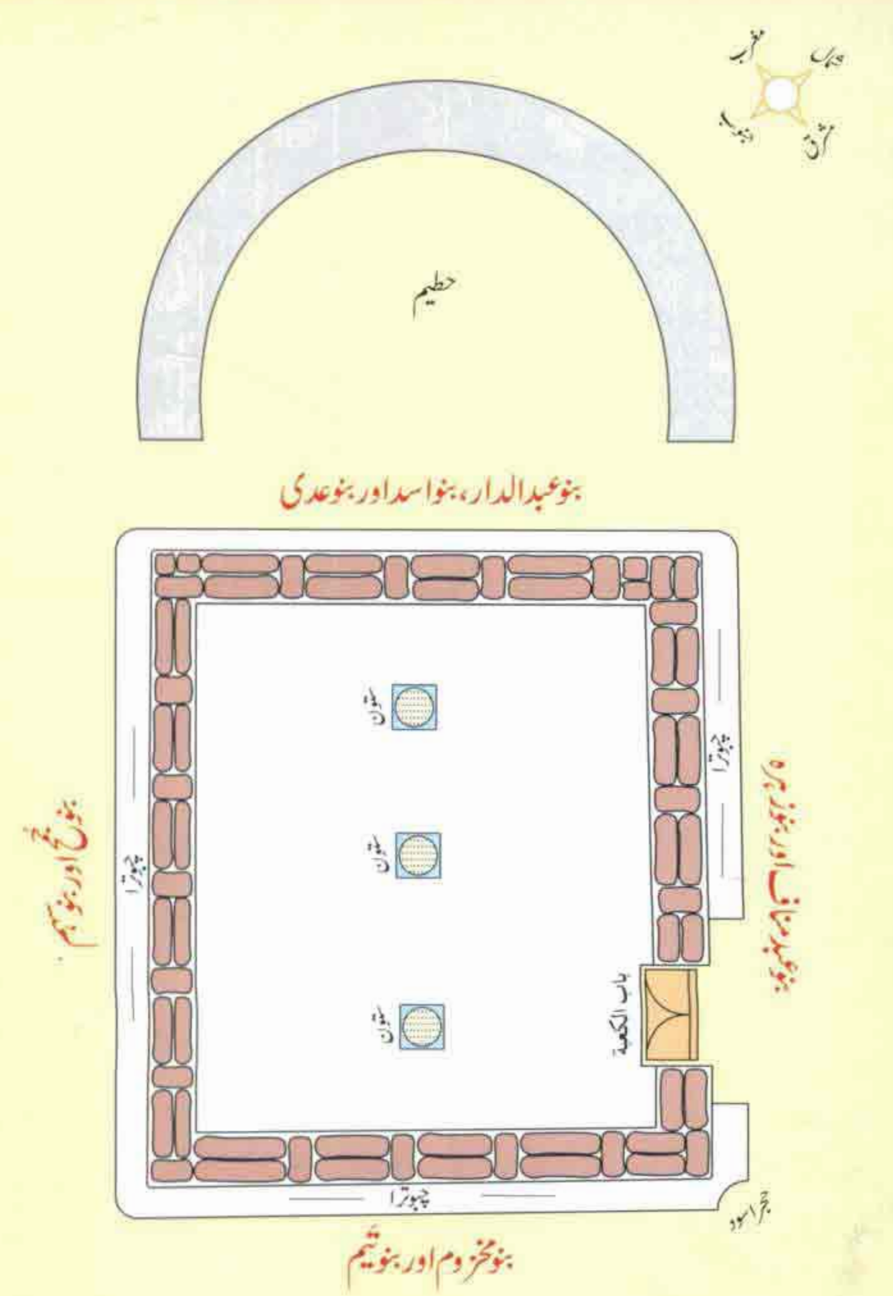
اس تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ مؤرخین معمار کے بارے میں دو مختلف آراء رکھتے ہیں۔ اس تعارض کو حل کرنے کے لیے امام حلبی رحمہ اللہ نے تفصیلی بحث کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مکہ میں سعید بن عاص کے ایک قبطی غلام اور باقوم رومی دونوں ہی نے تعمیر کا کام کیا۔ بعد ازاں باقوم رومی نبیِ اکرم ﷺ کی بعثت کے بعد اسلام لایا اور مکہ ہی میں بغیر وارث کے فوت ہوگیا۔ اس وقت یہ باقوم رومی اور سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کا قبطی غلام دونوں اپنے فن کے مانے ہوئے کاریگر تھے۔[5] واللّٰه أعلم بالصواب.

تعمیرِ کعبہ کے کام کی تقسیم

قریش نے کعبہ کی تعمیر کا کام آپس میں قرعہ اندازی کے ذریعے سے بانٹ لیا۔ یہ قرعہ اندازی کعبہ کے اندر ہبل بت کے پاس ہوئی۔ دروازے والی مشرقی جانب کا کام بنوعبد مناف اور بنوزہرہ کے حصے میں آیا۔ حجرِ اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ بنومخزوم، بنوتیم اور ان کے ساتھ شامل ہونے والے کچھ دوسرے قریشی قبائل کے ذمے لگا۔ پشت والی مغربی جانب کی تعمیر بنوجُمح اور بنوسہم کے حصے میں آئی۔ یہ دونوں عمرو بن ہُصَیص بن کعب بن لؤی کی اولاد میں سے

---

[1] أخبار مكة للأزرقي: 243/1، أسد الغابة: 190/1. [2] الإصابة: 400,399/1، شرح الزرقاني على المواهب: 380/1. [3] المصنف لعبدالرزاق: 98/5، حديث: 9103 و 9106، مجمع الزوائد: 289/3، حديث: 5729. [4] أخبار مكة للأزرقي: 164/1. [5] السيرة الحلبية: 234/1، 235.



تعمیرِ کعبہ کے کام کی تقسیم (تعمیرِ قریش کے وقت)

تھے۔ شام یا شمال کی طرف، یعنی حطیم والی جانب کا کام بنوعبدالدار، بنواسد اور بنوعدی کو سونپا گیا۔ [1]

انہدامِ کعبہ کا نازک مرحلہ

اب سب سے پہلا مرحلہ کعبہ کی پرانی عمارت کو ڈھانے کا تھا تا کہ اس کی جگہ نئی عمارت تعمیر کی جا سکے۔ پرانی عمارت کو ڈھانا آسان نہ تھا۔ قریش کو خوف تھا کہ مبادا اسے ڈھانے والا عذابِ الٰہی کا شکار ہو جائے۔ اس سے پہلے وہ ابرہہ اور اس کے لشکر کا انجام دیکھ چکے تھے جو کعبہ کو مسمار کرنے آیا تھا۔

علاوہ ازیں کعبہ کے اندر ایک کنواں تھا، اُس میں روزانہ کعبہ کی نذر کیے گئے تحفے ڈالے جاتے تھے۔ اس کنویں میں ایک اژدہا رہتا تھا۔ وہ روزانہ دھوپ تاپنے کے لیے کعبہ کی دیوار پر آ جاتا تھا۔ جو بھی کعبہ کے اس حصے کے قریب جاتا تھا، وہ اپنا سر اٹھا کر پھنکارتا اور اسے ہڑپ کرنے کے لیے اپنا جبڑا کھول دیتا تھا۔ قریش اس اژدہے سے بھی بہت خوفزدہ تھے۔ اس بلا سے نجات حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مقامِ ابراہیم کے پاس کھڑے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں دعا کی: اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ لَكَ فِي هَدْمِهَا رِضًا فَأَتِمَّهُ وَاشْغَلْ عَنَّا هٰذَا الثُّعْبَانَ. ''اے اللہ! (یہ تیرا گھر ہے۔) اس وقت اِسے گرانے میں اگر تو راضی ہے تو اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا اور اس سانپ کو ہم سے دور بھگا دے۔''

ایک دن عجیب معاملہ پیش آیا۔ اژدہا حسبِ معمول دھوپ تاپنے کے لیے کعبہ کی دیوار پر آیا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا پرندہ بھیج دیا۔ وہ اسے اچک کر لے گیا۔ یہ دیکھ کر قریش کے حوصلے بلند ہوئے۔ وہ کہنے لگے: ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام سے، جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے، راضی ہے۔ ہمیں اس کے لیے مہربان کاریگر کی خدمات اور بہترین لکڑی میسر آ گئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں اژدہے سے بھی نجات دے دی ہے۔ [2]

ولید بن مغیرہ کا اقدام

اس کے باوجود وہ خوف کی وجہ سے کعبہ کو گرانے پر پوری طرح آمادہ نہ ہوئے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ولید بن مغیرہ کہنے لگا کہ میں اسے ڈھانے کی ابتدا کرتا ہوں۔ اس نے کدال پکڑی، کعبہ کی دیوار پر چڑھ گیا اور کہنے لگا:

اَللّٰهُمَّ! لَمْ تُرَعْ، اَللّٰهُمَّ! إِنَّا لَا نُرِيدُ إِلَّا الْخَيْرَ.

---

[1] الطبقات لابن سعد: 146/1، السيرة لابن إسحاق: 152/1، السيرة لابن هشام: 195/1، أخبار مكة للأزرقي: 161/1.

[2] أخبار مكة للأزرقي: 162/1، السيرة لابن إسحاق: 151,150/1، السيرة لابن هشام: 193/1، تاريخ الطبري: 40,39/2.

"اے اللہ! کعبے کی مسماری سے لوگوں میں دہشت پھیلانا ہمارا مقصود نہیں بلکہ اے اللہ! ہم اسے نئے سرے سے بنا کر بھلائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔"

ایک روایت میں لَمْ تُرَعْ کے بجائے لَمْ نَزِغْ کے الفاظ ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ "ہم اپنے دین سے (جس میں بیت اللہ کا احترام شرطِ لازم کی حیثیت رکھتا ہے) دست بردار نہیں ہوئے۔"

پھر اس نے حجر اسود اور رکنِ یمانی کی طرف سے کعبہ کی دیوار ڈھانی شروع کی۔ لوگوں نے جب یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے کہ آج رات ہم انتظار کریں گے۔ اگر ولید بن مغیرہ کو کچھ ہوگیا تو ہم کعبہ کو بالکل نہیں گرائیں گے۔ جس طرح یہ ولید کے ڈھانے سے پہلے تھا، اسے ویسا ہی بنا دیں گے۔ اگر اسے کچھ نہ ہوا تو ہم سمجھیں گے کہ اللہ تعالی ہمارے اس کام سے راضی ہے، پھر ہم کعبہ کی پرانی عمارت گرا دیں گے۔ رات خیر و عافیت سے گزر گئی اور اُسے کچھ نہ ہوا۔ ولید نے صبح ہوتے ہی دوبارہ کعبہ کی خستہ عمارت گرانی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔ دیوار ڈھاتے ڈھاتے وہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیاد کے سبز پتھروں تک پہنچ گئے۔ وہ پتھر ایک دوسرے سے پیوست تھے۔ ایک قریشی نے ان میں سے دو پتھروں کے درمیان کدال ڈال کر انھیں اکھاڑنا چاہا تو سارا مکہ لرز اُٹھا۔ یہ منظر دیکھ کر وہ لوگ خوفزدہ ہوگئے۔ انھوں نے فوراً کھدائی روک دی اور بنیاد کے پتھروں کو چھیڑنے کے بجائے اس کے اوپر نئی تعمیر کا فیصلہ کیا۔[1]

حجرِ اسود نصب کرنے پر زبردست اختلاف

قریش نے بڑے جوش و خروش سے اصل بنیادوں پر کعبہ کی ازسرِنو تعمیر کا آغاز کیا تھا۔ ہر قبیلہ اپنے حصے کی تعمیر میں مگن ہوگیا۔ تعمیر کرتے کرتے جب وہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے جہاں حجر اسود نصب کرنا تھا تو ان میں اس بات پر شدید اختلاف پیدا ہوگیا کہ حجر اسود کو اس کے مقام پر کون نصب کرے گا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کا اعزاز صرف اُسی کو حاصل ہو۔ بنو عبد مناف اور بنو زہرہ جن کے حصے میں کعبہ کے دروازے والی سمت آئی تھی، انھوں نے کہا کہ حجر اسود ہماری طرف کے حصے میں آتا ہے۔ بنو تیم اور بنو مخزوم، جو حجر اسود اور رکن یمانی کا درمیانی حصہ تعمیر کر رہے تھے، بولے: حجر اسود ہمارے رُخ پر ہے، اس لیے یہ عظیم کام ہم ہی انجام دیں گے۔ یہ سُن کر باقی قبیلوں کے لوگ کہنے لگے: تعمیرِ کعبہ کا جو کام ہمارے حصے میں آیا، اس میں

[1] السيرة لابن إسحاق: 152/1، السيرة لابن هشام: 196,195/1، تاريخ الطبري: 41,40/2.

حجر اسود تھا ہی نہیں۔[1]

بات بہت بڑھ گئی۔ تعمیری کام رک گیا حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ ہر قبیلے نے باہم لڑنے مرنے کی قسم کھائی۔ بنوعبدالدار خون سے لبریز پیالہ لے آئے۔ انھوں نے بنو عدی بن کعب کے ساتھ مل کر اس خون میں اپنے ہاتھ ڈبوئے اور کٹ مرنے کا عہد کیا۔ اسی بنا پر ان کا لقب لَعَقَةُ الدَّمِ ''خون چاٹنے والے'' پڑ گیا۔[2]

حجر اسود کی اہمیت و فضیلت

قریش کے مذکورہ جھگڑے کی بنیادی وجہ حجر اسود کی بے انتہا اہمیت اور فضیلت تھی جس سے وہ بخوبی آگاہ تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبہ کی تعمیر کرتے کرتے حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئے تو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ایک موزوں پتھر ڈھونڈ کر لاؤ۔ وہ پتھر ڈھونڈنے چلے گئے۔ واپس آئے تو دیکھا کہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کیا جا چکا ہے۔ انھوں نے اپنے والد محترم سے پوچھا: ''ابا جان! یہ پتھر آپ کو کس نے لا کر دیا ہے؟'' ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ''اسے وہ لائے ہیں جو تمھاری تعمیر کے محتاج نہیں۔ اسے جبریل علیہ السلام آسمان سے لائے ہیں۔''[3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَزَلَ الْحَجَرُ الْأَسْوَدُ مِنَ الْجَنَّةِ وَهُوَ أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ، فَسَوَّدَتْهُ خَطَايَا بَنِي آدَمَ»

''حجر اسود جنت سے اترا تھا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا، بنی آدم کی خطاؤں نے اسے سیاہ کر دیا۔''[4]

شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس حدیث میں «أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ اللَّبَنِ» ''وہ دودھ سے زیادہ سفید تھا۔'' کے الفاظ شاذ ہیں۔ «أَشَدُّ بَيَاضًا مِّنَ الثَّلْجِ» ''وہ برف سے زیادہ سفید تھا'' کے الفاظ محفوظ اور زیادہ صحیح ہیں۔[5]

سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے تین بار اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اور اپنی انگلیوں سے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ الرُّكْنَ وَالْمَقَامَ يَاقُوتَتَانِ مِنْ يَاقُوتِ الْجَنَّةِ، طَمَسَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ نُورَهُمَا، وَلَوْلَا أَنَّ اللّٰهَ طَمَسَ نُورَهُمَا لَأَضَاءَتَا مَا بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ»

[1] أخبار مكة للأزرقي: 163/1. [2] السيرة لابن هشام: 197,196/1. [3] تاريخ الطبري: 176/1، شعب الإيمان للبيهقي: 437,436/3، رقم: 3991. [4] جامع الترمذي: 877. [5] السلسلة الصحيحة: 230/6، حديث: 2618.

’’بے شک حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نور ختم کر دیا۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کا نور ختم نہ کرتا تو یہ مشرق و مغرب کے مابین ہر چیز کو روشن کر دیتے۔‘‘ [1]



حجرِ اسود اور مقامِ ابراہیم

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا مَامَسَّهُ مِنْ أَنْجَاسِ الْجَاهِلِيَّةِ مَا مَسَّهُ ذُو عَاهَةٍ إِلَّا شُفِيَ، وَمَا عَلَى الْأَرْضِ شَيْءٌ مِّنَ الْجَنَّةِ غَيْرُهُ»

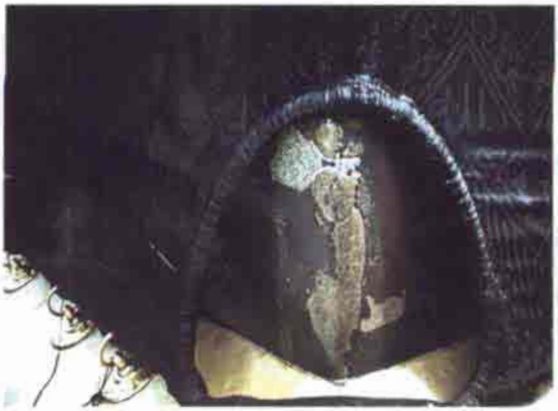
’’اگر حجرِ اسود کو عہدِ جاہلیت کی نجاستیں نہ چھوتیں تو جو بھی بیمار اسے چھوتا، وہ شفایاب ہو جاتا۔ زمین پر (اس جیسی) اس کے سوا جنت کی کوئی چیز نہیں۔‘‘ [2]

قریش کے لوگ زمانۂ قدیم سے حجرِ اسود کی بے پناہ تعظیم کرتے تھے۔ وہ طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود کا استلام بھی کیا کرتے تھے۔ [3] اسلام نے بھی یہ عمل احسن انداز میں جاری رکھا، چنانچہ طواف کا آغاز حجرِ اسود کے استلام سے ہوتا ہے اور ہر چکر میں اس کا استلام کیا جاتا ہے، نیز طواف کا اختتام بھی حجرِ اسود پر ہوتا ہے۔ استلام کی اہمیت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس روایت سے واضح ہوتی ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَسْحَ الرُّكْنِ الْيَمَانِيِّ وَالرُّكْنِ الْأَسْوَدِ يَحُطُّ الْخَطَايَا حَطًّا»

---

[1] جامع الترمذي: 878، مسند أحمد: 2/214,213، المستدرك للحاكم: 1/456، صحيح ابن خزيمة: 4/219، حديث: 2731. [2] السنن الكبرىٰ للبيهقي: 5/75. [3] أخبار مكة للأزرقي: 1/178.



رکن یمانی



حجر اسود

''بلاشبہ رکن یمانی اور حجر اسود کو چھونے سے گناہ خوب جھڑتے ہیں۔''[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجرِ اسود کے بارے میں فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَيَبْعَثَنَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَهُ عَيْنَانِ يُبْصِرُ بِهِمَا، وَلِسَانٌ يَنْطِقُ بِهِ، يَشْهَدُ عَلٰى مَنِ اسْتَلَمَهُ بِحَقٍّ»

''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حجرِ اسود کو یقیناً اس حال میں ظاہر فرمائے گا کہ اس کی دو آنکھیں ہوں گی جن سے وہ دیکھے گا اور ایک زبان ہوگی جس سے وہ بولے گا۔ وہ ہر اس شخص کے لیے گواہی دے گا جس نے اللہ کی رضا کے لیے ایمان کے ساتھ اس کا استلام کیا ہوگا۔''[2]

حجرِ اسود کے استلام سے مراد یہ ہے کہ اسے چھوا جائے اور بوسہ دیا جائے۔ اگر بھیڑ ہو اور یہ ممکن نہ ہو تو اسے ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دیا جائے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ سے چھو کر اسے بوسہ دے دیا جائے۔ اگر ایسا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو محض اس کی طرف اشارہ کر دینے ہی سے استلام ہو جائے گا۔

حجر اسود کی اہمیت و فضیلت میں اس وجہ سے بھی مزید اضافہ ہوگیا کہ خود نبیِ اکرم ﷺ کے دستِ مبارک اس پر لگے اور آپ ﷺ نے اسے بوسہ دیا۔ امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حجر اسود کو بوسہ دیا اور کہا:

إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ.

[1] مسند أحمد: 89/2. [2] جامع الترمذي: 961، صحيح ابن خزيمة: 220/4، حديث: 2735، صحيح ابن حبان (الإحسان): 10/6، حديث: 3703، 3704.

”بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے۔ تو نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع دے سکتا ہے۔ اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے بوسہ نہ دیتا۔“ [1]

قریش حجر اسود کے فضائل اتنی تفصیل اور جُزرسی کے ساتھ تو نہیں جانتے تھے لیکن انھیں اس کی زبردست فضیلت کا احساس بڑی شدت سے تھا، اس لیے ان کا کوئی قبیلہ حجر اسود کو اس کی جگہ پر نصب کرنے کے غیر معمولی اعزاز و افتخار سے دستبردار ہونے کو تیار نہ تھا۔ وہ حجر اسود نصب کرنے کے اعزاز کی خاطر ایک دوسرے کو مرنے مارنے پر تُل گئے تھے، اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے جو بھی یہ اعزاز حاصل کرے گا، وہ رہتی دنیا تک کے لیے شرف و مجد کا تاج پہن لے گا۔

ابوامیہ بن مغیرہ کی رائے پر اتفاق

قریش کی باہمی جنگ کا خطرہ بڑھتا جا رہا تھا۔ چار پانچ دن تک صورتِ حال بہت کشیدہ رہی۔ بالآخر انھوں نے یہ مسئلہ باہمی مشاورت سے حل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد کے لیے وہ مسجد الحرام میں جمع ہو گئے۔ ابوامیہ بن مغیرہ قریش میں سب سے عمر رسیدہ اور دانا سردار تھا۔ یہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا والد تھا۔ [2] اس نے سب کو مخاطب کر کے کہا: ”اے قریش کی جماعت! تم لوگوں میں جس معاملے میں اختلاف ہو گیا ہے، اس کا فیصلہ کرنے کے لیے اس شخص کو اپنا حَکَم بنا لو جو سب سے پہلے مسجد کے باب بنوشیبہ سے داخل ہو۔“ ابوامیہ کی یہ رائے سب کو پسند آئی اور اس پر اتفاق ہو گیا۔ [3]

اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت تھی کہ باب بنوشیبہ سے سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں۔ نبی اکرم ﷺ کی شخصیت قریش کے ہاں مسلّمہ طور پر انتہائی مکرم تھی۔ وہ آپ کی بے داغ صداقت شعاری اور امانت داری کی وجہ سے آپ کو ”صادق و امین“ کے لقب سے یاد کرتے تھے۔ سب کو آپ پر مکمل اعتماد تھا۔ جب انھوں نے آپ کو دروازے سے آتے دیکھا تو نہایت خوش ہوئے اور بے ساختہ پکار اٹھے: هٰذَا الْأَمِينُ قَدْ رَضِينَا بِمَا قَضٰى بَيْنَنَا ”یہ امین ہمارے مابین جو فیصلہ فرمائیں گے، ہم اس پر راضی ہیں۔“

نبی ﷺ کے ناخنِ تدبیر سے فتنے کا خاتمہ

نبی ﷺ ان کے قریب پہنچے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں سارا ماجرا کہہ سنایا۔ آپ ﷺ نے سکون سے ان

[1] صحيح البخاري: 1597، صحيح مسلم: 1270. [2] أسد الغابة: 453/5، الإصابة: 404/8. [3] السيرة لابن إسحاق: 155,154/1، السيرة لابن هشام: 197/1، الطبقات لابن سعد: 146/1.

کی بات سنی۔ بعد ازاں فرمایا: «هَلُمَّ إِلَيَّ ثَوْبًا» ''میرے پاس ایک کپڑا لے آؤ۔''

کپڑا لایا گیا تو آپ ﷺ نے اسے بچھایا اور اپنے دست مبارک سے حجر اسود اُٹھا کر اس کپڑے پر رکھ دیا، پھر فرمایا:

«لِتَأْخُذْ كُلُّ قَبِيلَةٍ بِنَاحِيَةٍ مِنَ الثَّوْبِ، ثُمَّ ارْفَعُوهُ جَمِيعًا»

''ہر قبیلہ (کا نمائندہ) کپڑے کا ایک ایک کنارہ تھام لے، پھر سب مل کر اسے اٹھاؤ۔''

بنوعبدمناف سے عتبہ بن ربیعہ نے، بنواسد سے زمعہ بن اسود بن مطلب نے، بنومخزوم سے ابوحذیفہ بن مغیرہ نے اور بنوسہم سے قیس بن عدی نے ایک ایک کنارہ پکڑ لیا، پھر وہ اسے اٹھا کر اس کی جگہ تک لے آئے۔ اب نبی اکرم ﷺ نے حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے اٹھایا اور اس کی جگہ نصب کر دیا، پھر اس سے آگے کی تعمیر کا کام جاری ہوا۔[1]

یہ واقعہ نبی اکرم ﷺ کی فراست اور عظمت و رفعت کی روشن دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حجر اسود کو اس کی جگہ نصب کرنے کے لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات کا انتخاب فرمایا کیونکہ اس عظیم کام کے سب سے زیادہ اہل آپ ہی تھے۔ یوں حجر اسود ایسے مقدس اور مبارک ہاتھوں سے اپنے ٹھکانے پر رکھا گیا جنھوں نے کبھی کسی کو ذرہ بھر تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ نبی اکرم ﷺ نے اس اعزاز میں باقی سب قبائل کو بھی شریک فرمایا۔ آپ کے اس دانش مندانہ فیصلے سے نہ صرف فتنہ وفساد کی آگ بجھی اور جنگ کا خطرہ ٹلا بلکہ سب نے اس خوبصورت مدبرانہ فیصلے کو سراہا۔

ابلیس کی شرانگیزی ناکام ہوگئی

حجر اسود کی تنصیب کے موقع پر ایک اجنبی شخص سامنے آیا۔ اُس نے ایک بزرگ کا روپ دھار رکھا تھا۔ وہ ایک پتھر اٹھا کر نبی اکرم ﷺ کو دینے لگا تاکہ آپ اس کے ساتھ حجر اسود کو مضبوطی سے اس کی جگہ پر جما دیں۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے اسے روک دیا اور اس ضرورت کے لیے خود ایک پتھر لے کر نبی اکرم ﷺ کے حوالے کیا۔ اس پیرِ فرتوت کو بہت غصہ آیا۔ اس وقت نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَيْسَ يَبْنِي مَعَنَا فِي الْبَيْتِ إِلَّا مِنَّا»

''ہمارے ساتھ بیت اللہ کی تعمیر میں صرف وہی شخص شریک ہوگا جو ہم (قریش) میں سے ہو۔''

یہ سن کر وہ بوڑھا طیش میں آ گیا۔ اُس نے قریش کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی غرض سے کہا: اصحابِ شرف، عقل مند، عمر رسیدہ اور مالدار لوگوں پر تعجب ہے! انھوں نے ایسے شخص پر اعتماد کیا ہے جو ان سے عمر میں بہت چھوٹا ہے

[1] الطبقات لابن سعد: 146/1، السيرة لابن هشام: 197/1، تاريخ الطبري: 41/2، الجمهرة لابن حزم، ص: 165.

اور مال و دولت کے لحاظ سے بھی کم تر ہے۔ انھوں نے اپنے اہم ترین کام اور پناہ گاہ (کی تعمیر) کے معاملے میں اسے اس طرح اپنا سردار مان لیا ہے گویا یہ سب اس کے نوکر ہیں۔ اللہ کی قسم! یہ انھیں مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر ڈالے گا۔

اس ''بزرگ'' شخص کی اس بات پر کسی نے کان نہ دھرا۔ یہ ساری شرانگیزی ابلیس کی تھی جو ناکام ہوگئی اور اُسے شدید مایوسی اور نامُرادی کا سامنا کرنا پڑا۔[1]

نئی تعمیر کے نمایاں پہلو

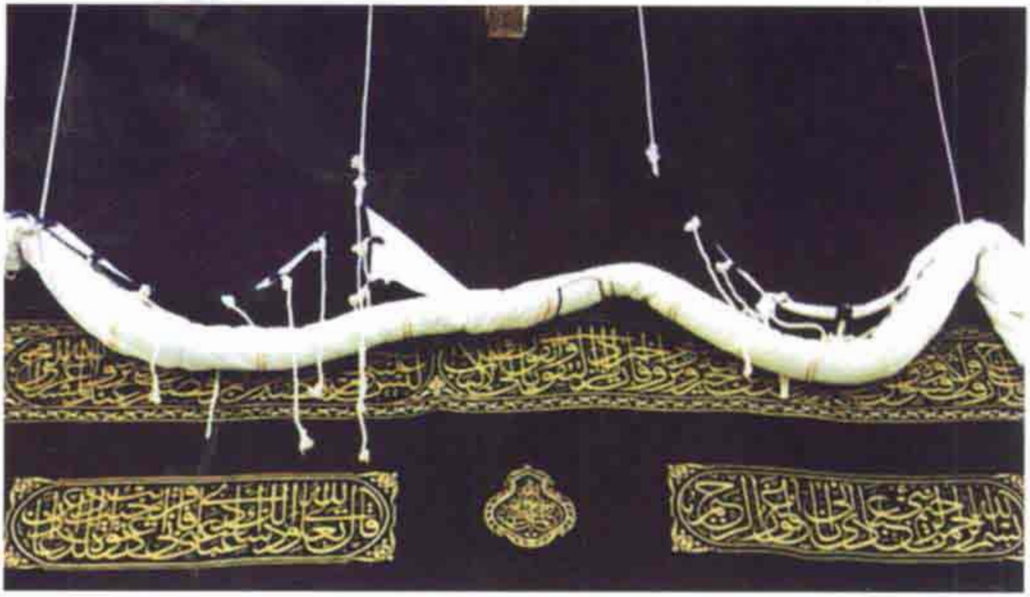
قریش مکہ نے بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر کے لیے جو حلال مال جمع کیا تھا، وہ کم پڑ گیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ کعبہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادوں پر اُسی حد تک تعمیر کیا جائے جتنا سامان ان کے پاس موجود ہے، چنانچہ انھوں نے کعبۂ مشرفہ کے شمالی رُخ سے تقریباً چھ ہاتھ اور ایک بالشت جگہ نئی تعمیر کی حدود سے باہر رہنے دی۔ اس حصے پر ایک چھوٹی سی گول دیوار بنا دی گئی تا کہ لوگ اس کے پیچھے سے طواف کریں۔ یہ ٹکڑا حِجْر اور حَطِیم کہلاتا ہے۔ انھوں نے کعبہ کی بلندی اٹھارہ ہاتھ رکھی جبکہ اس سے پہلے یہ بلندی نو ہاتھ تھی۔ اندر چھت کے لیے دو صفوں میں چھ ستون کھڑے کیے۔ حطیم سے لے کر حجر اسود اور رکن یمانی والی جانب تک ہر صف میں تین ستون تھے۔ لکڑی کی ہموار چھت ڈالی گئی جبکہ پہلے چھت نہیں تھی۔ چھت پر چڑھنے کے لیے رکن شامی کی اندرونی جانب لکڑی کی سیڑھی بنائی گئی۔ چھت، دیواروں اور ستونوں کو خوب آراستہ کیا گیا۔ نصارٰی کے دستور کے مطابق ستونوں پر نبیوں، فرشتوں اور درختوں کی تصویریں بھی بنائی گئیں۔ بیت اللہ کا ایک دروازہ بنایا گیا۔ اسے زمین سے بلند رکھا گیا تا کہ سیلاب کا پانی اندر نہ جانے پائے، کعبہ میں داخلہ سیڑھی کے ذریعے سے ہو اور صرف وہی شخص داخل ہو جسے وہ اجازت دیں جبکہ اس سے پہلے زمین کے برابر دو دروازوں کی جگہ چھوڑی گئی تھی۔ ایک پرنالا بھی بنایا گیا جس کا رخ حطیم کی جانب رکھا۔[2]

غلافِ کعبہ کا اہتمام

قریش نے کعبہ کی تعمیر مکمل کرنے کے بعد اس پر دھاری دار یمنی چادروں کا غلاف چڑھایا۔[3] اس سے پہلے

[1] الطبقات لابن سعد:1/147,146، أخبار مكة للأزرقي:1/164، الروض الأنف:1/346. [2] المنتظم :2/327، أخبار مكة للأزرقي :1/66 و 163-165، الطبقات لابن سعد :1/147، سبل الهدٰى والرشاد :2/172 و 1/155-157. [3] أخبار مكة للأزرقي :1/167.

کعبہ پر قبطی کپڑے کا غلاف چڑھایا جاتا تھا۔ یہ ایک سفید کپڑا تھا جو مصر میں تیار ہوتا تھا۔ تعمیر نو کے بعد کعبہ پر دھاری دار یمنی چادروں ہی کا غلاف چڑھایا جاتا رہا۔ بعد ازاں ریشمی غلاف چڑھایا جانے لگا۔ [1]


غلاف کعبہ

تعمیر کعبہ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی آرزو

نبی اکرم ﷺ قریش کی تعمیرِ کعبہ سے مکمل طور پر مطمئن نہیں تھے۔ اس کی چند وجوہ تھیں:

1. قریش نے حلال مال کم پڑ جانے کی وجہ سے کعبہ کی اصل بنیادوں میں سے خاصا بڑا حصہ ویسے ہی چھوڑ دیا اور کعبے کا رقبہ کم کر دیا۔
2. قریش نے کعبہ کا ایک ہی دروازہ رکھا۔
3. کعبہ کا دروازہ اونچا کر دیا تاکہ صرف وہی شخص داخل ہو سکے جسے وہ اجازت دیں۔

یوں قریش نے کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی پوری بنیادوں پر تعمیر نہیں کیا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام ہی کی ڈالی گئی پوری بنیادوں پر تعمیر کیا جائے۔ آپ ﷺ نے بعثت کے بعد اس دلی خواہش کا اظہار بھی فرمایا لیکن حکمت و مصلحت کے تحت اسے عملی جامہ نہ پہنایا۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ تھی کہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ ان کے ترک کفر و شرک پر ابھی زیادہ مدت نہیں گزری تھی۔ نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی بے خطا فراست

1 السیرۃ لابن ہشام: 199/1.

سے بھانپ لیا تھا کہ اگر کعبہ کو گرا کر دوبارہ تعمیر کیا گیا تو ہوسکتا ہے بعض لوگ اسے دل سے قبول نہ کریں۔ اس طرح ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس خدشے کے پیش نظر آپ ﷺ نے کعبہ کو قریش کی بنائی ہوئی عمارت ہی پر برقرار رکھا اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔

ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے نبی ﷺ سے حطیم کے متعلق پوچھا: ''کیا یہ بیت اللہ کا حصہ ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں!'' میں نے پوچھا: ''پھر قریش نے اسے بیت اللہ میں شامل کیوں نہیں کیا؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قَوْمَكِ قَصَّرَتْ بِهِمُ النَّفَقَةُ»

''بلاشبہ تمھاری قوم کے پاس (تعمیر کے وقت حلال) خرچ کم پڑ گیا تھا۔''

میں نے پوچھا: ''اس کا دروازہ اونچا کیوں ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَعَلَ ذٰلِكِ قَوْمُكِ، لِيُدْخِلُوا مَنْ شَاءُوا وَيَمْنَعُوا مَنْ شَاءُوا، وَلَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِجَاهِلِيَّةٍ، فَأَخَافُ أَنْ تُنْكِرَ قُلُوبُهُمْ أَنْ أُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ، وَ أَنْ أُلْصِقَ بَابَهُ بِالْأَرْضِ»

''تمھاری قوم نے یہ کام اس لیے کیا کہ وہ جسے چاہیں (بیت اللہ میں) داخل ہونے دیں اور جسے چاہیں روک دیں۔ اگر تمھاری قوم کا عہد زمانۂ جاہلیت کے قریب نہ ہوتا اور مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ میری طرف سے حطیم کو بیت اللہ میں شامل کرنا اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دینا ان پر شاق گزرے گا (تو میں ایسا ضرور کرتا۔)''[1]

ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

«يَا عَائِشَةُ! لَوْلَا أَنَّ قَوْمَكِ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ لَأَمَرْتُ بِالْبَيْتِ فَهُدِمَ، فَأَدْخَلْتُ فِيهِ مَا أُخْرِجَ مِنْهُ، وَأَلْزَقْتُهُ بِالْأَرْضِ، وَجَعَلْتُ لَهُ بَابَيْنِ، بَابًا شَرْقِيًّا وَ بَابًا غَرْبِيًّا، فَبَلَغْتُ بِهِ أَسَاسَ إِبْرَاهِيمَ»

''عائشہ! اگر تمھاری قوم زمانۂ جاہلیت کے قریب نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کو گرانے کا حکم دیتا، پھر میں اس

[1] صحيح البخاري: 1584، صحيح مسلم: 1333.

میں وہ حصہ شامل کر دیتا جو اس سے نکال دیا گیا تھا۔ میں اس کے دروازے کو بھی زمین سے ملا دیتا اور اس کے دو دروازے بناتا، ایک دروازہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ یوں میں اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا۔"[1]

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«..... لَأَنْفَقْتُ كَنْزَ الْكَعْبَةِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ»

"..... میں کعبے کا (نذرانوں پر مبنی) خزانہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیتا۔"[2]

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو دوبارہ تعمیر نہ کرنے کی ایک اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ میرے پاس تعمیراتی مصارف کے لیے مطلوبہ سرمایہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

« ..... وَلَيْسَ عِنْدِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يُقَوِّينِي عَلٰى بِنَائِهِ»

"..... اور میرے پاس اتنا خرچ بھی نہیں جس سے میں کعبہ کی تعمیر کر سکوں۔"[3]

اصل چیز رفعِ فساد ہے

کعبہ کی عمارت دوبارہ تعمیر نہ کرنے کی سب سے اہم وجہ، جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے بیان فرمایا، یہی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نومسلموں کے بدک جانے کا خدشہ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دین کے کسی مبنی بر مصلحت کام میں لوگوں کی طرف سے کسی فتنے یا فساد کا اندیشہ ہو تو اسے چھوڑ دینا ہی مناسب ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری میں کتاب العلم میں اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے: بَابُ مَنْ تَرَكَ بَعْضَ الْاِخْتِيَارِ مَخَافَةَ أَنْ يَقْصُرَ فَهْمُ بَعْضِ النَّاسِ عَنْهُ فَيَقَعُوا فِي أَشَدَّ مِنْهُ "کسی بہتر عمل کو اس خوف کے پیش نظر چھوڑ دو مبادا کچھ لوگوں کی کم عقلی اسے سمجھنے سے قاصر رہے اور وہ اس سے زیادہ سخت امر (فتنے) میں مبتلا ہو جائیں۔"

فقہائے کرام نے اسی سے یہ قاعدہ اخذ کیا ہے:

دَرْءُ الْمَفَاسِدِ أَوْلٰى مِنْ جَلْبِ الْمَصَالِحِ.

"حصولِ مصالح کی نسبت دفعِ مفاسد قابلِ ترجیح ہے۔"[4]

[1] صحيح البخاري: 1586. [2] صحيح مسلم: (400)-1333. [3] صحيح مسلم: (402)-1333. [4] القواعد الفقهية لابن تيمية، ص: 384-390.

تاہم جب لوگوں کی طرف سے فتنہ وفساد کا خوف باقی نہ رہے تو مصلحتاً چھوڑا ہوا عمل کر لینا مستحب ہے۔ [1]

ابراہیمی بنیاد پر کعبہ کی تعمیرِ نو کا اشارہ

ہر چند نبی اکرم ﷺ نے مذکورہ وجوہ کی بنا پر کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرنے کا فیصلہ تو نہ فرمایا لیکن آپ کے الفاظِ مبارکہ میں یہ اشارہ موجود تھا کہ جب لوگوں کی طرف سے فتنے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے اور وسائل بھی میسر ہوں تو اسے از سرِ نو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کر لینا بہتر ہوگا۔ آپ ﷺ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہاں تک فرما دیا:

«فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكِ مِنْ بَعْدِي أَنْ يَبْنُوهُ فَهَلُمِّي لِأُرِيَكِ مَا تَرَكُوا مِنْهُ»

''اگر میرے بعد تمھاری قوم بیت اللہ کو تعمیر کرنا چاہے تو آؤ، میں تمھیں وہ جگہ دکھا دوں جو قریش نے اس میں سے چھوڑ دی ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو حطیم کی سات ہاتھ کے قریب جگہ دکھائی۔ [2]

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی زیرِ نگرانی تعمیرِ کعبہ

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے یزید بن معاویہ کی بیعت کرنے سے انکار کر دیا اور مکہ مکرمہ آ کر ان کی مخالفت شروع کر دی تو یزید نے انھیں مطیع کرنے کے لیے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کی قیادت حُصین بن نمیر کر رہا تھا۔ حصین بن نمیر نے مکہ مکرمہ پہنچ کر لڑائی چھیڑ دی۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اپنے ساتھیوں سمیت مسجد الحرام کے اندر خیموں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ حصین نے ان کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقوں کے ذریعے سے ان پر پتھراؤ کیا۔ کچھ پتھر کعبہ کو بھی لگے جس سے اس کا غلاف پھٹ گیا اور کعبہ کی عمارت کمزور ہو گئی۔

اس دوران ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ایک ساتھی نے خیمے میں آگ جلائی تو اچانک ایک شرارہ اڑ کر خیمے پر جا پڑا۔ اس کی وجہ سے پورا خیمہ آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس دن ہوا بہت تیز چل رہی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آگ بھڑک کر دور تک پھیل گئی حتی کہ کعبہ تک پہنچ گئی۔ قریش نے کعبہ کی تعمیر میں ایک رَدّا پتھروں کا اور ایک رَدّا ساگوان کی بہت قیمتی لکڑی کا لگا رکھا تھا۔ اس کے اوپر غلاف تھا۔ غلاف آگ کی لپیٹ میں آیا تو کعبہ کی دیواروں میں لگی ہوئی قیمتی لکڑی بھی جل گئی۔ آگ سے حجر اسود جھلس گیا۔ اس میں تین دراڑیں پڑ گئی تھیں۔ بیت اللہ کی عمارت بہت بوسیدہ

[1] فتح الباري: 566/3. [2] صحيح مسلم: (403)-1333.

ہوگئی۔ حالت یہ تھی کہ کوئی کبوتر بھی اس پر آبیٹھتا تو دیوار سے پتھر گرنے لگتے تھے۔ کعبہ کے جلنے کا یہ الم انگیز واقعہ 3 ربیع الاول 64ھ کو بروز ہفتہ پیش آیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر اہل مکہ و شام بہت خوفزدہ ہوگئے۔ کچھ ہی دنوں بعد 14 ربیع الاول کو یزید فوت ہوگیا۔ اس کی وفات کی خبر کعبہ کی آتشزدگی کے ستائیس دن بعد ربیع الآخر کے شروع میں پیر کی رات مکہ پہنچی۔ یزید کے فوت ہونے کی وجہ سے حصین بن نمیر کو اپنا لشکر لے کر واپس شام جانا پڑا۔ [1]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی عمارت کو آتش زدہ حالت میں رہنے دیا یہاں تک کہ حج کا موسم آگیا اور لوگ جمع ہوگئے۔ وہ لوگوں کو اہل شام کے خلاف غیظ وغضب دلانا چاہتے تھے۔ جب لوگ حج سے فارغ ہوکر واپس جانے لگے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا: لوگو! مجھے کعبہ کے بارے میں مشورہ دو۔ کیا میں اسے گرا کر ازسرِ نو تعمیر کروں یا صرف متاثرہ حصوں ہی کی مرمت کروں؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بولے: میری تو یہی رائے ہے کہ آپ صرف کعبہ کے کمزور حصوں کی مرمت کرا دیں۔ بیت اللہ اور اس کے پتھروں کو ٹھیک اسی حالت میں رہنے دیں جس پر لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا اور نبی ﷺ کی بعثت ہوئی تھی۔

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اسے اسی حالت پر رہنے دیجیے جس پر رسول اللہ ﷺ نے اسے برقرار رکھا تھا۔ بلاشبہ مجھے ڈر ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا شخص آجائے جو اسے گرا دے گا، پھر ہمیشہ کے لیے ایک چکر چل پڑے گا۔ اسے گرا گرا کر بنایا جائے گا اور بنا بنا کر گرایا جائے گا۔ اس طرح لوگوں کے دل میں اس کی عزت وحرمت باقی نہیں رہے گی، لہٰذا میں اس کی نئے سرے سے تعمیر پسند نہیں کرتا۔ [2]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما کا استخارہ

یہ بات سن کر ابن زبیر رضی اللہ عنہما کہنے لگے: ”اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جائے تو وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھتا جب تک اسے نیا نہ بنالے، پھر تمھارے پروردگار کے گھر کو جدید کیوں نہ بنایا جائے؟ میں اپنے رب سے تین دن تک استخارہ کروں گا، پھر اپنے کام کا پکا ارادہ کرلوں گا۔“

تین دن گزر گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے یہی فیصلہ کیا کہ وہ کعبہ کو گرا کر دوبارہ تعمیر کریں گے۔ [3] انھیں جابر بن

[1] ملخص از أخبار مكة للأزرقي: 1/201-208. [2] أخبار مكة للأزرقي: 1/204 و 217. [3] صحيح مسلم: (402)-1333.

عبداللہ، عبید بن عمیر اور عبداللہ بن صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہم نے بھی گرانے کا مشورہ دیا تھا۔ [1] ان سے پہلے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہما کی بھی یہی رائے تھی۔ [2] یہ حصین بن نمیر کے محاصرے کے دوران میں اُسی دن شہید ہوئے جب یزید کی وفات کی خبر آئی۔ [3]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مذکورہ خدشے کے پیش نظر کعبہ کی محض مرمت کرانے کا مشورہ دیا تھا، گرانے کو پسند نہیں کیا تھا لیکن بعد میں وہ بھی شرح صدر کے ساتھ حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے متفق ہو کر ان کے ہمنوا ہو گئے کہ کعبہ ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر ہونا چاہیے۔

مرثد بن شرحبیل سے، جو تعمیر کعبہ کے اس موقع پر موجود تھے، روایت ہے کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: اگر میں اس کام کا ذمہ دار ہوتا جس طرح کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما حجر (حطیم) کے معاملے کے ذمہ دار تھے تو میں بھی سارے حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیتا۔ اگر حطیم کعبہ کا حصہ نہیں تو اس کا طواف کیوں کیا جاتا ہے؟ [4]

ابن زبیر رضی اللہ عنہما چاہتے تھے کہ وہ خانہ کعبہ کی از سر نو تعمیر کر کے نبی اکرم ﷺ کی آرزو کو عملی جامہ پہنائیں اور اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کریں، چنانچہ انھوں نے لوگوں سے کہا: ”میں نے (ام المؤمنین) عائشہ رضی اللہ عنہا کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَوْلَا أَنَّ النَّاسَ حَدِيثٌ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ، وَلَيْسَ عِنْدِي مِنَ النَّفَقَةِ مَا يُقَوِّينِي عَلٰى بِنَائِهِ، لَكُنْتُ أَدْخَلْتُ فِيهِ مِنَ الْحِجْرِ خَمْسَةَ أَذْرُعٍ، وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابًا يَدْخُلُ النَّاسُ مِنْهُ، وَبَابًا يَخْرُجُونَ مِنْهُ»

”اگر لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس اتنا سرمایہ ہوتا کہ میں اس سے کعبہ کی تعمیر کر سکوں تو میں حطیم والی طرف سے پانچ ہاتھ جگہ کعبہ میں شامل کر دیتا اور ایک دروازہ بناتا جس سے لوگ داخل ہوتے اور دوسرا دروازہ بناتا جس سے لوگ باہر نکلتے۔“

یہ حدیث سنا کر ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: آج میرے پاس خرچ بھی موجود ہے اور اب مجھے لوگوں کے اسلام

[1] أخبار مكة للأزرقي: 205,204/1. [2] أخبار مكة للأزرقي: 217/1. [3] الإصابة: 95/6. [4] المصنف لعبد الرزاق: 132-130/5، حديث: 9157.

سے بدکنے کا بھی ڈر نہیں۔ [1]

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما قریش کے ستر منتخب اور معزز لوگوں کو لے کر ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انھیں بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ فرمایا تھا:

«لَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِ قَوْمِكِ بِالشِّرْكِ لَبَنَيْتُ الْبَيْتَ عَلٰى قَوَاعِدِ إِبْرَاهِيمَ وَ إِسْمَاعِيلَ .....»

''اگر تمھاری قوم کے شرک کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ کو ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی بنیادوں پر تعمیر کرتا......'' [2]

اس موقع پر کعبہ کی تعمیرِ نو کے لیے سب سے پہلے پتھر جمع کیے گئے۔ اب اگلا مرحلہ کعبہ کی دیواریں ڈھانے کا تھا۔ اکثر لوگ اس ڈر سے مکہ چھوڑ کر منیٰ چلے گئے مبادا کعبہ کو گرانے کی وجہ سے عذاب نازل ہوجائے۔ جو لوگ باقی رہ گئے، وہ بھی کعبہ کو گرانے کے کام سے اس خوف کے باعث پیچھے ہٹ گئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو شخص سب سے پہلے کعبہ کی عمارت پر چڑھے، اس پر آسمان سے کوئی مصیبت ٹوٹ پڑے۔ جب کوئی بھی اس کام کے لیے تیار نہ ہوا تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما خود کدال لے کر آگے بڑھے اور کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر اسے گرانا شروع کر دیا۔ انھوں نے اپنے ساتھ کچھ حبشی غلاموں کو بھی اس خیال کے تحت کعبہ پر چڑھایا کہ شاید ان میں اس حبشی کی صفت ہو جس کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربِ قیامت کی علامات کے ضمن میں فرمایا ہے:

«يُخَرِّبُ الْكَعْبَةَ ذُوالسُّوَيْقَتَيْنِ مِنَ الْحَبَشَةِ»

''پتلی پتلی پنڈلیوں والا حبشی کعبہ کو منہدم کرے گا۔'' [3]

لوگوں نے جب دیکھا کہ ان حبشیوں کو کچھ نہیں ہوا تو وہ بھی اس کام میں شریک ہوگئے۔ انھوں نے دیواروں کو مسمار کر دیا اور ابراہیم علیہ السلام کی ڈالی ہوئی بنیاد تک پہنچ گئے۔ اس کے پتھر ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ انھوں نے دیکھا کہ اس بنیاد میں حطیم کی تقریباً چھ ہاتھ اور ایک بالشت جگہ بھی شامل تھی۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے قریش کے پچاس معزز اور با اثر لوگوں کو بلا کر یہ بنیاد دکھائی اور انھیں اس پر گواہ ٹھہرایا۔

---

[1] صحیح مسلم: 1333۔(402). اس حدیث میں حطیم کی جگہ پانچ ہاتھ بتائی گئی ہے۔ یہ ایک تخمینہ ہے جبکہ دیگر احادیث میں تعیین کی گئی ہے کہ یہ جگہ چھ ہاتھ سے زیادہ اور سات ہاتھ سے کم تھی۔ (فتح الباري: 560/3) ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے جب کعبہ کی کھدائی کرائی تو اس وقت بھی حطیم کی جگہ چھ ہاتھ اور ایک بالشت کے قریب ظاہر ہوئی، لہٰذا اتنی ہی جگہ کعبہ میں شامل کی گئی۔ (أخبار مكة للأزرقي: 206/1) [2] المصنف لعبدالرزاق: 131،130/5، حديث: 9157. [3] صحيح البخاري: 1596.



عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی تعمیر بیت اللہ کا خاکہ
دو دروازوں کے ساتھ بشمول حطیم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو پیغام بھیجا کہ آپ کعبہ کے ارد گرد لکڑیاں نصب کر دیں اور ان پر پردے ڈال دیں تاکہ لوگوں کو کعبے کی جگہ کا علم رہے، وہ ان کے پیچھے طواف کرتے رہیں اور انھی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہیں۔ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایسا ہی کیا۔ پردوں کے پیچھے کعبہ کی عمارت تعمیر ہوتی رہی یہاں تک کہ وہ ایک مخصوص بلندی تک پہنچ کر مکمل ہوگئی۔ کعبہ کی اونچائی ابراہیم علیہ السلام نے نو ہاتھ رکھی تھی۔ قریش نے اس میں نو ہاتھ اور اضافہ کر کے کل اونچائی اٹھارہ ہاتھ کر دی۔ جب ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے حطیم کو کعبہ میں شامل کر دیا تو کعبہ کی لمبائی اور چوڑائی زیادہ اور اونچائی کم محسوس ہونے لگی، لہٰذا انھوں نے تناسب قائم کرتے ہوئے اس کی اونچائی میں مزید دس ہاتھ کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح کل اونچائی اٹھائیس ہاتھ ہوگئی۔ [1]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے حجر اسود کے تین ٹکڑوں کو چاندی کے مضبوط پتروں سے جوڑ کر اسے اس کے اصل مقام پر رکھ دیا۔ [2] کعبہ کی دیواروں کو دو ہاتھ (تقریباً ایک میٹر) چوڑا رکھا۔ اس کے اندر وسط میں تین ستون بنائے گئے جبکہ اس سے پہلے قریش نے چھ ستون بنائے تھے۔ چھت میں ایک روشن دان بنایا گیا جس میں صنعاء سے سنگ مرمر منگوا کر لگایا گیا۔ چھت پر چڑھنے کے لیے رکنِ شامی کی اندرونی جانب لکڑی کی سیڑھی بنائی گئی۔ پہلے کعبہ کے مشرقی دروازے کا ایک ہی پٹ تھا۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے اس کے دو پٹ بنا دیے، ان کی لمبائی گیارہ ہاتھ تھی۔ اس کے بالمقابل مغربی جانب اسی طرح کا ایک اور دروازہ بنا دیا گیا۔ یہ دونوں دروازے زمین کے برابر تھے۔ لوگ مشرقی دروازے سے داخل ہوتے اور مغربی دروازے سے باہر نکلتے تھے۔ [3]

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو انھوں نے کعبہ کے اندر اور باہر کے در و بام پر خوشبو لگائی۔ اسے قبطی غلاف پہنایا اور اس کام کی تکمیل پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ [4]

حجاج نے کعبہ کی عمارت کو حسب سابق بنا دیا

کچھ عرصہ بعد جمادی الاولیٰ 73 ہجری میں سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما شہید کر دیے گئے۔ [5] حجاج بن یوسف مکہ پر قابض ہو گیا۔ اس نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو خط لکھا کہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کعبہ کی عمارت ایسی بنیاد پر کھڑی کی ہے جسے مکہ کے عادل لوگوں نے دیکھا تھا۔ انھوں نے کعبہ میں وہ جگہ بھی شامل کر دی ہے جو سابقہ عمارت میں شامل نہیں تھی۔ انھوں نے اس میں ایک نئے دروازے کا اضافہ بھی کر دیا ہے۔ حجاج بن یوسف نے عبدالملک بن

[1] صحیح مسلم: (402)-1333، أخبار مكة للأزرقي: 1/205-207. [2] أخبار مكة للأزرقي: 1/216 و 219. [3] أخبار مكة للأزرقي: 1/209 و 216. [4] أخبار مكة للأزرقي: 1/216. [5] الإصابة: 4/82.

مکہ میوزیم میں محفوظ سیدنا عبداللہ بن زبیر کے دور میں کعبہ کی تعمیر کے آثار





کعبے کا ستون



کعبے کی چھت کا مکمل ستون

کعبے کے اندر استعمال ہونے والا کھجور کا ستون

مروان سے درخواست کی کہ اب مجھے کعبہ کی ویسی ہی عمارت تعمیر کرنے کی اجازت دی جائے جیسی عمارت قریش نے تعمیر کی تھی۔

عبدالملک نے جواب میں لکھا: ہم ابن زبیر کی گڑ بڑ میں بالکل شریک نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے کعبہ کی اونچائی میں جو اضافہ کیا ہے، اسے رہنے دو، البتہ حطیم کا جو حصہ انھوں نے کعبہ میں شامل کیا ہے، اسے ختم کر کے پہلے کی طرح کر دو۔ انھوں نے جو نیا دروازہ کھولا ہے، اسے بھی بند کر دو، چنانچہ حجاج نے حطیم کی طرف کی عمارت گرا کر اسے پہلے کی طرح کر دیا۔ مغربی دروازہ بند کر دیا اور مشرقی دروازے کی لمبائی جو گیارہ ہاتھ تھی، اسے چار ہاتھ اور ایک بالشت گھٹا کر سطحِ زمین سے اُونچا کر دیا۔ باقی عمارت کو ویسے ہی رہنے دیا۔ [1]

عبدالملک بن مروان کا اظہارِ ندامت


سکہ خلیفہ عبدالملک بن مروان

خلیفہ عبدالملک بن مروان نے حجاج بن یوسف کو تعمیرِ کعبہ کے سلسلے کی متذکرہ اجازت اس لیے دی تھی کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی حدیث کا پوری طرح علم نہ تھا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کو ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی لیکن آپ اس پر عمل نہ کر سکے اور یہ کام اپنے بعد آنے والوں کے لیے چھوڑ گئے۔ بعد میں جب عبدالملک کے علم میں یہ حدیث آئی تو اسے اپنے فعل پر بڑی ندامت ہوئی۔

حارث بن عبداللہ، عبدالملک بن مروان کے دورِ خلافت میں اس کے پاس گئے تو عبدالملک نے کہا: میرا خیال ہے کہ ابوخبیب (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ حدیث نہیں سنی جسے سننے کا وہ دعویٰ کرتے تھے۔

حارث نے کہا: کیوں نہیں! عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ حدیث تو خود میں نے بھی سنی ہے۔

عبدالملک نے پوچھا: تم نے انھیں کیا کہتے سنا؟

حارث نے کہا: انھوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ قَوْمَكِ اسْتَقْصَرُوا مِنْ بُنْيَانِ الْبَيْتِ، وَلَوْلَا حَدَاثَةُ عَهْدِهِمْ بِالشِّرْكِ أَعَدْتُ مَا تَرَكُوا مِنْهُ،

[1] صحیح مسلم: (402)-1333، أخبار مكة للأزرقي: 1/210، 211

فَإِنْ بَدَا لِقَوْمِكِ مِنْ بَعْدِي أَنْ يَبْنُوهُ فَهَلُمِّي لِأُرِيَكِ مَا تَرَكُوا مِنْهُ»

"بے شک تیری قوم نے بیت اللہ کی عمارت چھوٹی کر دی ہے۔ اگر ان کے شرک کا زمانہ تازہ نہ ہوتا تو کعبہ کا جتنا حصہ انھوں نے چھوڑا ہے، میں اسے تعمیر کر دیتا۔ اگر میرے بعد تمھاری قوم اسے تعمیر کرنا چاہے تو آؤ، میں تمھیں وہ جگہ دکھا دوں جو انھوں نے بیت اللہ میں سے چھوڑ دی ہے۔"

نبی ﷺ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو سات ہاتھ کے قریب وہ جگہ دکھائی، پھر آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

«وَلَجَعَلْتُ لَهَا بَابَيْنِ مَوْضُوعَيْنِ فِي الْأَرْضِ شَرْقِيًّا وَّ غَرْبِيًّا، وَهَلْ تَدْرِينَ لِمَ كَانَ قَوْمُكِ رَفَعُوا بَابَهَا؟»

"اور میں زمین میں اس کے دو دروازے بنا دیتا۔ ایک مشرقی طرف اور دوسرا مغربی جانب۔ کیا تم جانتی ہو کہ تمھاری قوم نے اس کا دروازہ اونچا کیوں کیا؟"

عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: نہیں (میں نہیں جانتی)۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«تَعَزُّزًا أَنْ لَا يَدْخُلَهَا إِلَّا مَنْ أَرَادُوا، فَكَانَ الرَّجُلُ إِذَا هُوَ أَرَادَ أَنْ يَدْخُلَهَا يَدَعُونَهُ يَرْتَقِي، حَتّٰى إِذَا كَادَ أَنْ يَدْخُلَ دَفَعُوهُ فَسَقَطَ»

"ایسا انھوں نے تکبر اور فخر کی وجہ سے کیا تاکہ کعبہ میں صرف وہی داخل ہو سکے جسے وہ چاہیں۔ جب کوئی شخص کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ کرتا تھا تو وہ اسے چڑھنے دیتے حتی کہ جب وہ اندر جانے لگتا تو اسے دھکا دے دیتے تھے اور وہ نیچے گر جاتا تھا۔"

یہ سن کر عبدالملک نے حارث سے پھر پوچھا: کیا آپ نے خود انھیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے؟ انھوں نے کہا: جی ہاں! اس پر عبدالملک نے غور و فکر کے انداز میں کچھ دیر زمین کو اپنی لاٹھی سے کریدا، پھر کہا: کاش! میں انھیں (ابن زبیر رضی اللہ عنہما) اور اُس ذمہ داری کو جو انھوں نے اٹھائی، چھوڑ دیتا۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ عبدالملک بن مروان نے کہا:

اگر میں یہ حدیث حطیم کے حصے والی عمارت گرانے سے پہلے سن لیتا تو کعبہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہی کی بنائی ہوئی عمارت کے مطابق رہنے دیتا۔[2] اس کے علاوہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کی بھی مذمت کی۔[3]

[1] صحيح مسلم: (403)-1333. [2] صحيح مسلم: (404)-1333. [3] أخبار مكة للفاكهي: 230/5.

سلیمان بن عبدالملک کی آرزو


سکہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک

بعد ازاں 96ھ/715ء میں عبدالملک بن مروان کا بیٹا سلیمان اپنے بھائی ولید کی وفات کے بعد خلیفہ بنا۔[1] اس نے اپنے دورِ خلافت میں حج کیا۔ اس موقع پر اُس نے کعبہ کو ابراہیمی بنیاد پر تعمیر کرنے کی تمنا کرتے ہوئے کہا:

''اگر یہ امیر المؤمنین (عبدالملک بن مروان) کا کیا ہوا کام نہ ہوتا تو میری خواہش تھی کہ میں کعبہ کو ابن زبیر رضی اللہ عنہما کی بنائی ہوئی عمارت کے مطابق از سرِ نو تعمیر کرا دیتا۔''

یہی وجہ ہے کہ سلیمان بن عبدالملک نے کعبہ کو اسی حالت میں رہنے دیا۔[2]

بنو عباس کے دور میں کعبہ کی صورتِ حال

بنو عباس کا دورِ حکومت آیا تو خلیفہ ابو جعفر منصور، اس کے بیٹے مہدی یا مہدی کے بیٹے ہارون رشید، تینوں میں سے کسی نے کعبہ کو اسی طرح ابراہیمی بنیاد پر تعمیر کرنا چاہا جس طرح ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے کیا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں امام مالک رحمہ اللہ سے مشورہ کیا جو مذکورہ تینوں خلفاء کے ہم عصر تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا:

''امیر المؤمنین! میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں، بیت اللہ کو اپنے بعد آنے والے بادشاہوں کے لیے کھلونا نہ بنائیے کہ ان میں سے جس کا جی چاہے اس میں تبدیلی کردے۔ اس طرح لوگوں کے دلوں سے کعبہ کی ہیبت جاتی رہے گی۔''

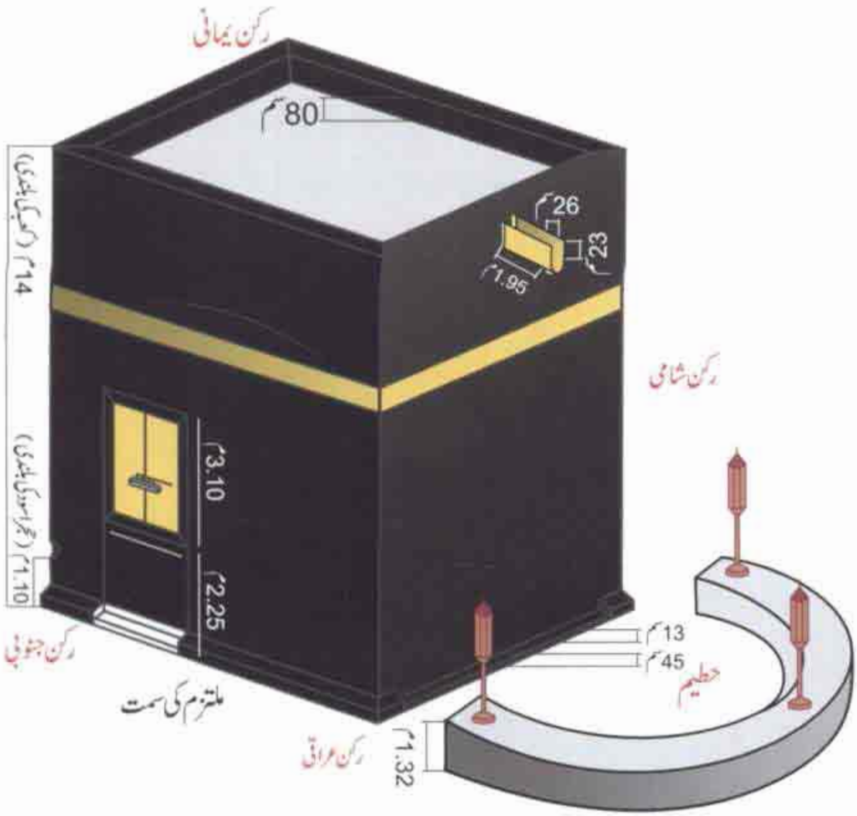
یہ سن کر خلیفہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔[3]

عثمانی عہد میں کعبہ کی تعمیرِ نو


سکہ عثمانی خلیفہ مراد خان

نویں عثمانی خلیفہ مراد خان نے 1040ھ/1630ء میں کعبہ کی تعمیرِ نو کرائی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ ایک زبردست سیلاب آیا جس کی زد میں آکر کعبہ کی عمارت کے کچھ حصے منہدم ہوگئے، چنانچہ کعبہ کی عمارت کو اسی اسلوب کے مطابق از سرِ نو تعمیر کیا گیا جس طرح حجاج بن یوسف نے اسے چھوڑا تھا۔[4]

[1] البداية والنهاية:9/173. [2] أخبار مكة للأزرقي:1/221. [3] الروض الأنف:1/339، فتح الباري:3/566، السيرة لابن كثير، ص:58. [4] السيرة النبوية للمهدي:1/51، تاريخ مكة المكرمة:2/96-102.



کعبہ شریف کی بلندی	14.00 میٹر
ملتزم کی جانب کعبہ کی لمبائی	12.84 میٹر
حطیم کی جانب کعبہ کی لمبائی	11.28 میٹر
رکن یمانی اور حطیم کا فاصلہ	12.11 میٹر
رکن یمانی اور رکن جنوبی کے مابین فاصلہ	11.52 میٹر

کعبہ کی موجودہ عمارت کا خاکہ اور اس کے ابعاد


عثمانی ترکوں کے عہد میں کعبہ کی سیڑھیاں


ترکانِ عثمانی کے عہد میں بئر زم زم

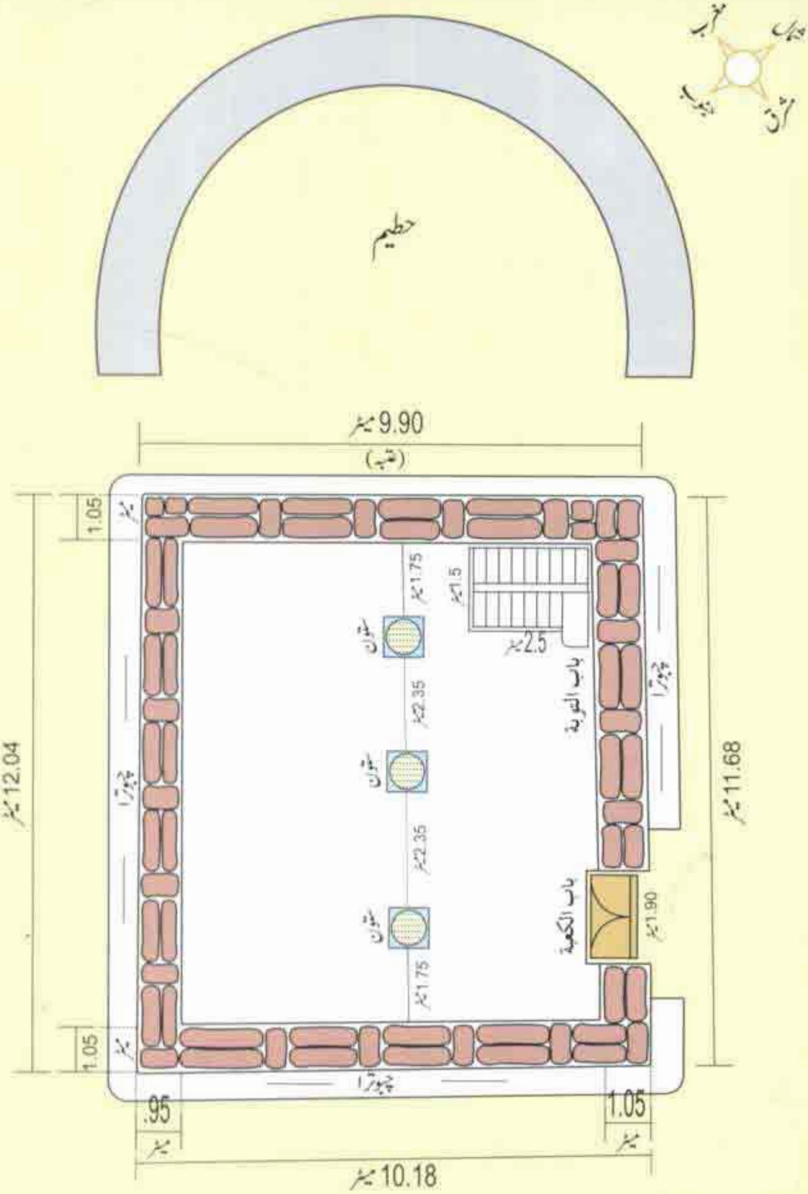

ترکانِ عثمانی کے عہد کا حجر اسود کا خول

آج بھی کعبہ کی عمارت ٹھیک اُسی حالت میں موجود ہے، البتہ تزئین و آرائش میں وقتاً فوقتاً مختلف تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔

کعبہ پیمائشوں کے آئینے میں

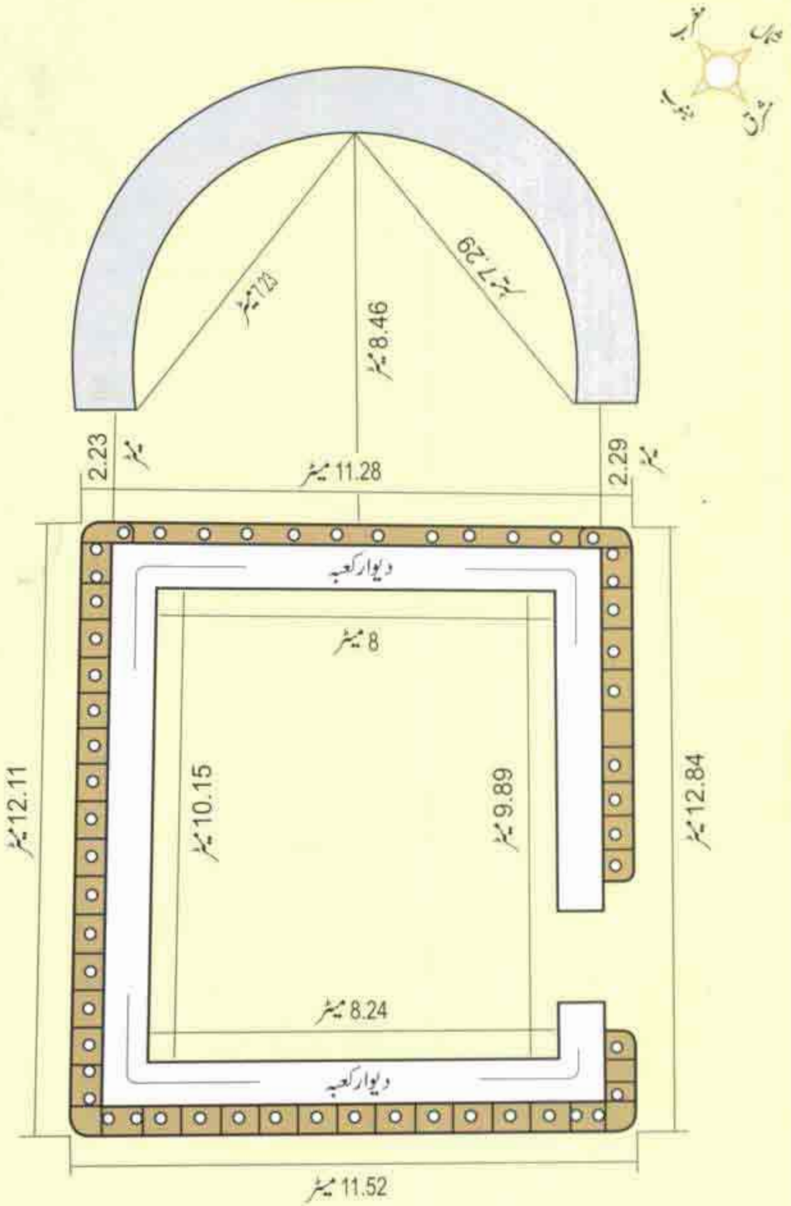
جلال و جمال کے حامل کعبہ مشرفہ کی موجودہ پیمائشیں درج ذیل ہیں:

- کعبہ کی بلندی 14 میٹر ہے۔
- ملتزم یا دروازے والی سمت کا ضلع بیرونی جانب سے 12.84 میٹر اور اندرونی جانب سے 9.89 میٹر ہے۔
- حطیم کی جانب (رکن شامی اور رکن عراقی کے درمیان) کا ضلع بیرونی جانب سے 11.28 میٹر اور اندرونی طرف سے 8 میٹر ہے۔
- رکن یمانی اور حطیم (رکن شامی) والی جانب کا درمیانی ضلع بیرونی جانب سے 12.11 میٹر اور اندرونی طرف سے 10.15 میٹر ہے۔
- رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان کا ضلع بیرونی جانب سے 11.25 میٹر اور اندرونی جانب سے 8.24 میٹر ہے۔
- حطیم کی لمبائی 8.77 میٹر ہے۔
- حطیم کی دیوار سے کعبہ کی دیوار تک کا فاصلہ 8.46 میٹر ہے۔
- حطیم میں داخل ہونے کا راستہ رکن عراقی کی طرف سے 2.29 میٹر اور رکن شامی کی جانب سے 2.23 میٹر ہے۔
- حطیم کی دیوار کا بیرونی گھیرا 21.57 میٹر ہے۔
- حطیم کی دیوار کی اونچائی 1.32 میٹر اور چوڑائی 1.6 میٹر ہے۔
- کعبہ کی دیواریں 1.05 میٹر چوڑی ہیں، البتہ رکن یمانی سے رکن شامی تک کی دیوار 95 سینٹی میٹر چوڑی ہے۔



کعبہ شریف کی دیوار اور اس کے صحن کا نقشہ: اس نقشے میں دیوار کے ساتھ نیچے کا چبوترا پیمائش میں شامل نہیں۔ نقشے میں توبہ کے دروازے، سیڑھی اور ستونوں کی جگہ اور ان کے درمیانی فاصلے کی نشان دہی کر دی گئی ہے

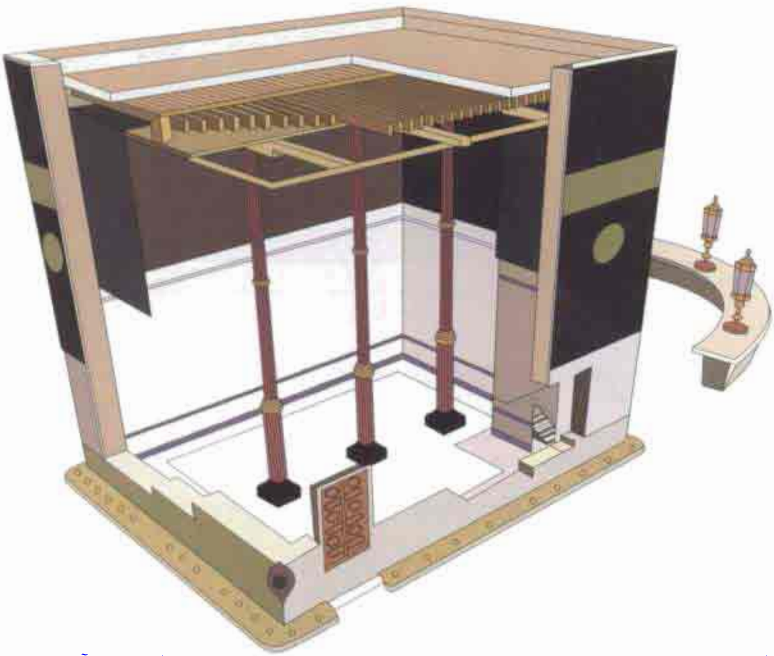
کعبہ شریف کی دیواروں کی لمبائی، چوڑائی اور درمیانی فاصلے



حطیم، بیت اللہ کے گرد چبوترے اور بیت اللہ کے اندرون کی پیمائش

(چبوترے کے ساتھ غلاف کعبہ کو باندھنے کے لیے حلقے لگے ہوئے ہیں)

- چھت کی منڈیر کی اونچائی 80 سینٹی میٹر ہے۔
- کعبہ کا پرنالا حطیم کی طرف بہتا ہے۔ پرنالے کی لمبائی 2.53 میٹر، چوڑائی 26 سینٹی میٹر اور گہرائی 23 سینٹی میٹر ہے۔ یہ کعبہ کی دیوار سے 1.95 میٹر تک باہر نکلا ہوا ہے اور 58 سینٹی میٹر دیوار کے اندر ہے۔
- کعبے کا دروازہ مطاف سے 2.25 میٹر کی بلندی پر نصب ہے۔ اس کی لمبائی 3.10 میٹر اور چوڑائی 1.90 میٹر ہے۔ دروازے کے دو پٹ ہیں۔
- دروازے کے بائیں طرف حجرِ اسود زمین سے 1.10 میٹر کی بلندی پر ہے۔
- کعبہ کے چاروں اضلاع کی بیرونی جانب ڈھلوان پر حاشیہ بنا ہوا ہے جو زمین سے 13 سینٹی میٹر اونچا ہے۔ اس کی چوڑائی 45 سینٹی میٹر ہے۔ اس پر کعبے کا غلاف اور پردے باندھنے کے لیے تانبے کے 55 کڑے لگے ہوئے ہیں۔
- رکن عراقی کے اندرونی طرف چھت پر چڑھنے کے لیے سیڑھی موجود ہے۔ سیڑھی کے قدمچے کی لمبائی 2.5 میٹر اور چوڑائی 1.5 میٹر ہے۔ سیڑھی کے شروع میں ایک دروازہ ہے جسے باب التوبہ کہا جاتا ہے۔ اس دروازے کی اونچائی 2.30 میٹر اور چوڑائی 70 سینٹی میٹر ہے۔
- کعبہ کے اندر ایک قطار میں تین ستون ہیں۔ کعبہ کی دیوار سے ہر بیرونی ستون تک کا فاصلہ 1.75 میٹر ہے۔ ایک ستون سے دوسرے ستون تک کا درمیانی فاصلہ 2.35 میٹر ہے۔



باب

9

سیرت انسائیکلوپیڈیا

بشارات نبوت و رسالت

تورات، زبور، انجیل اور دیگر آسمانی صحائف میں بعثتِ محمد رسول اللہ ﷺ
کی بشارات، ہندومت اور مجوس کی مذہبی کتابوں میں آخری نبی
کے ظہور کی پیش گوئیاں اور اہلِ کتاب کے اشارات

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ

يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ

أَحْمَدُ

”اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے
بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔“ (الصف 6:61)

اس باب میں

اسلام ایک آفاقی اور ابدی دین ہے۔ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾

(الأعراف 7:158)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾

(سبا 34:28)

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے۔''

اہلِ کتاب، یعنی یہود و نصاریٰ ایک آنے والے نبی (مسیحا) کے منتظر تھے۔ ان کی مذہبی کتابوں تورات، زبور، انجیل اور دیگر صحائف میں اس آخری اور عالمی نبی حضرت محمد ﷺ کی آمد کے متعلق واضح پیش گوئیاں موجود تھیں۔ اس کے باوجود جب محمد ﷺ عرب میں مبعوث ہوئے تو یہود و نصاریٰ نے نسلی و نظری تعصب کی بنا پر آپ ﷺ »

کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور انکار کرنے کی ٹھان لی، بالخصوص یہود نے بدترین عناد کا مظاہرہ کیا۔ گنے چنے یہودی ہی مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حق یہ ہے کہ یہودی انتہائی مکار، سازشی اور وعدہ شکن لوگ تھے۔ ان کی اکثریت اپنی قبیح عادات کی وجہ سے ساقط الاعتبار تھی۔ ان کی سازشیں ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ اس لیے بہت سے فتنہ پرور یہودی عرب سے نکال دیے گئے اور جو یہودی ناقابلِ اصلاح حد تک فسادی اور فتنہ گر تھے، وہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں جب دور ونزدیک فتوحاتِ اسلامیہ کے پرچم لہرائے تو شام، فلسطین، مصر، یمن، اردن، سوڈان، طرابلس (لیبیا)، الجزائر اور مراکش کے بیشتر عیسائی مسلمانوں کے حسنِ کردار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ نہ صرف اسلام کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے بلکہ وہ اپنی مادری زبانیں بھول کر اسلام کی زبان عربی بولنے لگے، چنانچہ اب یہ سب عرب ممالک ہی کہلاتے ہیں۔

یورپ کے عیسائی جن میں سے بیشتر عیسائیت میں نو وارد، جہالت کے پروردہ اور بہت متشدّد تھے، انھوں نے یہود سے بھی بڑھ کر اسلام دشمنی کا مظاہرہ کیا اور پانچویں صدی ہجری / گیارھویں صدی عیسوی کے اواخر میں لاکھوں کی تعداد میں ساحلِ شام اور فلسطین پر چڑھ دوڑے تاکہ ''ارض مقدس'' کو مسلمانوں سے چھین لیں۔ ان جنونی صلیبیوں نے اسلامی شہروں انطاکیہ، معرۃ النعمان، بیت المقدس، عکہ اور دمیاط میں مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہادیں اور حیوانیت کا ایسا مظاہرہ کیا جس پر تمام انصاف پسند انسان تاقیامت نفرین کرتے رہیں گے۔

اس کشت وخون کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس دوران میں عیسائی پادریوں، راہبوں اور اسقفوں نے اسلام اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں نہایت مذموم جھوٹا پروپیگنڈہ کر کے جاہل عیسائیوں کے ذہن بُری طرح مسموم کر دیے تھے حتی کہ انھوں نے بائبل کی مختلف کتابوں میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی بعثت کے متعلق آیات اور ان کے معانی بھی بدل دیے تھے تاکہ عیسائیت کے پیروکار حق اور باطل میں تمیز نہ کر سکیں اور اسلام کے حیات آفریں پیغام سے دور رہیں۔

لیکن بعض ایسے صاحبِ ضمیر حقیقت شناس انسان ضرور ہوتے ہیں جو بہر حال حق بات کہہ گزرتے ہیں۔ دیکھیے اُنیسویں صدی عیسوی کا مشہور ادیب، مؤرخ اور فلسفی تھامس کارلائل (1795-1881ء) کیا کہتا ہے۔ اس نے 8 مئی 1840ء کو برطانوی کلیسا کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''ایمان میں بڑی طاقت ہے۔ واقعی یہ حیات انگیز ہے۔ یقین محکم ہو تو قوموں کی سوچ میں اخلاقی بلندی پیدا ہوتی ہے۔ ان کی روح ارفع ہو جاتی ہے اور ایسی قوم کی تاریخ ثمرات سے بھر جاتی ہے۔ دنیائے عرب پر غور کرو۔ اس شخص محمد ﷺ کو دیکھو اور بس ایک صدی کا اندازہ کرو۔ کیا ایسا نہیں لگتا جیسے بجلی کا کوندا سا لپک گیا ہو اس سرزمین پر جسے صدیوں سے کوئی شخص ایک لق ودق تاریک صحرا سے زیادہ کچھ نہ گردانتا تھا مگر اب یہی

ریت ایک بارود بن گئی جس کے شعلوں کو غرناطہ سے لے کر دہلی تک دیکھا جا سکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اس عظیم شخص کی روشنی سے سارا جہاں ہمیشہ کے لیے منور ہوگیا۔ باقی لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ایندھن کے طور پر اس کے انتظار میں رہتے تھے جنھیں بالآخر خود بھی شعلہ بن کر بھڑکنا تھا۔'' (خطبات شیخ احمد دیدات، ص: 114,113)

بنا بریں ''اللؤلؤ المکنون'' سیرت انسائیکلوپیڈیا کے زیر نظر باب ''بشاراتِ نبوت و رسالت'' میں خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے متعلق ان پیش گوئیوں کا اندراج کیا جا رہا ہے جو سابقہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں میں وارد ہوئی ہیں مگر یہودی اور مسیحی علماء نے متن میں تحریف کر کے حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ اس میں زیر بحث آنے والے نکات و موضوعات کی خصوصیات درج ذیل ہیں:

- بائبل اور اس کے اجزاء و صحائف کے متعلق بنیادی معلومات فراہم کی گئی ہیں، نیز موضوعات کی مناسبت سے بائبل میں مذکور انبیاء کا مختصر تعارف دیا گیا ہے۔
- بائبل میں کی گئی متن و معانی کی تحریفات کی واضح مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ اس سلسلے میں بائبل کے عبرانی و یونانی مآخذ سے بھی رجوع کیا گیا ہے۔
- بائبل سے نبی ﷺ کے بارے میں کی گئی پیش گوئیاں بیان کر کے یہود و نصاریٰ کے جھوٹے پروپیگنڈے کا ابطال کیا گیا ہے۔
- انڈینٹ میں بائبل کے اقتباسات دے کر ان منتخب آیات اور فقروں کو علیحدہ رنگ دیا گیا ہے جن میں نبی ﷺ کی بعثت کا تذکرہ یا اشارات موجود ہیں۔
- نیچے ترتیب وار ہر بشارت یا پیش گوئی کو سرخی بنا کر اس پر مدلل تبصرہ کیا گیا ہے۔ بائبل کے شارحین اس کے متعلق جو دُور از کار باتیں کہتے ہیں، ان کا ذکر کر کے دلائل کے ساتھ تردید کی گئی ہے۔
- یوں شارحین بائبل کی کذب بیانی واضح کرتے ہوئے قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور رسول اکرم ﷺ کی سیرت کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے کہ اس بشارت کے مصداق صرف نبیِ عربی محمد ﷺ ہیں۔
- باب ''بشاراتِ نبوت و رسالت'' کو مختلف فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے اور بائبل کے سلسلے میں زمانی ترتیب پیشِ نظر رکھی گئی ہے۔ ایک فصل ''انجیل برنباس کی واضح بشارات'' پر ہے جسے منکرینِ حق مسیحی علماء صحیح انجیل تسلیم نہیں کرتے کیونکہ وہ ان کے غلط عقائد کی تردید کرتی ہے۔
- ایک فصل میں نبوتِ محمدی پر علمائے اہل کتاب کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں، مزید برآں حسد کی بنا پر یہود کا انکارِ حق، قیصرِ روم ہرقل اور شاہِ مصر مقوقس کی تصدیقات، بیت المقدس (یروشلم) میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی ہرقل سے گفتگو، مصر

میں مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا مقوقس سے مکالمہ اور یہودِ خیبر پر نبی ﷺ کا اتمامِ حُجت بھی اس فصل میں شامل ہیں۔ آخر میں ایک فصل میں ''ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں محمد ﷺ کا تذکرہ'' اور دوسری فصل میں ''پارسیوں کے صحیفے میں محمد ﷺ کا تذکرہ'' ہے۔

اس باب میں تقابل کی خاطر بائبل کے مندرجات کے وہ اقتباسات دیے گئے جن میں نبی کریم ﷺ کی آمد کی پیش گوئیاں ہیں مگر یہود ونصاریٰ نے اپنے اپنے مطلب کی خاطر ان کی مخصوص تعبیریں کی ہیں تاکہ انھیں نبی ﷺ کی صداقت کو تسلیم نہ کرنا پڑے۔ تقابل کا مقصد حضرت موسیٰ، حضرت داوٗد، حضرت سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے مقام و مرتبہ کا استخفاف ہرگز نہیں کیونکہ یہ اسلام ہی ہے جس نے یہود ونصاریٰ کے برعکس ان جلیل القدر انبیائے کرام کا احترام ملحوظ خاطر رکھا ہے اور ان کے حقیقی مراتب اجاگر کیے ہیں۔ اہل اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے تھے اور ہم اس آیت قرآنی کے مطابق ان کی نبوت و رسالت پر کامل ایمان رکھتے ہیں:

﴿ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ﴾

''رسول (ﷺ) اس (ہدایت) پر ایمان لائے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی ہے اور سارے مومن، سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) ہم اس کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی فرق نہیں کرتے۔'' (البقرۃ 2:285)

غرضیکہ ''اللؤلؤ المکنون'' سیرت انسائیکلوپیڈیا میں سابقہ مذہبی کتابوں میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں بشارات کا باب اس لیے شامل کیا گیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ربّیوں، پادریوں، اُسقفوں اور راہبوں کے جھوٹے دعووں پر مبنی مذموم پروپیگنڈے کا پردہ چاک کر کے وہ آبدار حقائق دنیا کے سامنے پیش کر دیے جائیں جنھیں حق شناس انسان قبول کر کے اپنی دنیا و آخرت سنوار سکتے ہیں۔

سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی محمد رسول اللہ ﷺ

اس وحدۂ لاشریک پروردگار کی عظمتوں اور رفعتوں کا کیا پوچھنا جو ہم سب کا خالق و مالک ہے اور تمام جہانوں کا قادر مطلق فرمانروا ہے۔ وہ انسانوں کو اپنے اوامر ونواہی سے آگاہ کرنے کے لیے اپنے قاصد بھیجتا رہا۔ اللہ تعالیٰ کے قاصد نبی اور رسول کہلاتے ہیں، اسی سلسلۂ رسل کے آخری اور عالم گیر نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی کے احکام ارسال فرمائے۔



انبیاء علیہم السلام کا باہمی رشتہ

درحقیقت تمام انبیائے کرام علیہم السلام ایک ہی سلسلۂ نبوت کی مختلف کڑیاں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«......وَالْأَنْبِيَاءُ إِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ، أُمَّهَاتُهُمْ شَتَّى وَدِينُهُمْ وَاحِدٌ»

''...... اور انبیاء علیہم السلام علاتی بھائیوں کی طرح ہیں۔ ان کی مائیں (فروعی مسائل) مختلف ہیں اور ان کا دین (توحید) ایک ہے۔''[1]

تمام انبیاء ایک ہی دین کے پرچارک تھے

حالات کے تقاضوں کے مطابق دنیا میں انبیائے کرام علیہم السلام آتے رہے۔ ان کے مقامات مختلف تھے۔ ان کے آنے کا زمانہ مختلف تھا، ان کی بولیاں مختلف تھیں۔ ان کے احکام مختلف تھے لیکن ان سب کا پیغامِ بندگی ایک تھا، ان کا دین ایک تھا۔ عقیدۂ توحید ایک تھا، یعنی تمام آسمانی مذاہب اصول میں متفق تھے۔ قرآن مجید عقیدۂ توحید کے تسلسل کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

[1] صحيح البخاري:3443، صحيح مسلم:2365.

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾

''اس نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جسے (اے نبی!) ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم اس دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔''[1]

نبی ﷺ کے متعلق انبیاء ؊ سے لیا گیا عہد

نبی کریم ﷺ خاتم النبیین، یعنی سلسلۂ نبوت کے آخری نبی ہیں، لہٰذا آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے جاری و ساری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام ؊ سے عہد لیا تھا کہ اگر تم میں سے کسی کی موجودگی میں محمد رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو جائے تو تم پر اُن کی تصدیق کرنا اور اُن پر ایمان لانا واجب ہے:

﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝﴾

''اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس ایک رسول (محمد ﷺ) آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔''[2]

حضرت علی بن ابی طالب ؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر بھی حضرات انبیائے کرام ؊ مبعوث فرمائے، ان میں سے ہر ایک سے یہ عہد و پیمان لیا کہ اگر ان کی زندگی میں محمد ﷺ مبعوث ہوں تو انھیں آپ ﷺ پر ضرور ایمان لانا اور آپ ﷺ کی مدد کرنا ہوگی۔[3] اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ وہ اپنی امت سے بھی یہ عہد و پیمان لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوں تو انھیں آپ پر ایمان لانا اور آپ کی مدد کرنا ہوگی۔[4]

[1] الشوریٰ 13:42. [2] آل عمرٰن 81:3. [3] تفسیر الطبري، آل عمرٰن 81:3. [4] تفسیر ابن کثیر، آل عمرٰن 81:3.

نبیِ اکرم ﷺ دعائے خلیل علیہ السلام ہیں

سید الانبیاء حضرت محمد ﷺ اپنے جدِ امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا تھے جیسا کہ ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝﴾

''اے ہمارے رب! اور ان لوگوں کے لیے انھی میں سے ایک رسول بھیج، وہ ان کے سامنے تیری آیتیں تلاوت کرے اور انھیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاک کرے، بے شک تو ہی غالب، خوب حکمت والا ہے۔''[1]

یہ دعائے مستجاب اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے مطابق تھی جس میں پہلے سے یہ تعین کیا جا چکا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو عرب وعجم کے تمام انسانوں اور جنوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا جائے گا جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَإِنَّ آدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِأَوَّلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى بِي، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ، وَكَذٰلِكَ أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ تَرَيْنَ»

''میں اللہ کا بندہ ہوں، میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب آدم علیہ السلام کا خمیر ابھی مٹی میں گندھا ہوا تھا، میں تمھیں ابتدائی بات بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی میرے بارے میں بشارت اور اپنی ماں کا خواب ہوں جو انھوں نے خواب دیکھا تھا۔ اور انبیائے کرام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی تھیں۔''[2]

تورات وانجیل میں نبی ﷺ کا تذکرہ اور قرآنِ کریم کی تصدیق

قرآن کریم نے نبیِ کریم ﷺ کی ایسی واضح اور بنیادی صفات بیان کی ہیں جو تورات اور انجیل میں بھی موجود ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

[1] البقرۃ 2:129۔ [2] مسند أحمد: 4/127۔ اس روایت کا آخری جملہ ضعیف ہے۔ (السلسلة الضعیفة: 5/104)

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ۫ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ ﴾

''وہ لوگ جو اس رسول اُمی نبی (محمد ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جس کا ذکر وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔ اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام ٹھہراتا ہے اور ان پر سے ان کے بوجھ اور وہ طوق اتارتا ہے جو ان پر تھے، چنانچہ جو لوگ اس پر ایمان لائے اور انھوں نے اس کی تعظیم کی اور اس کی مدد کی اور اس نور (ہدایت) کی پیروی کی جو اس پر نازل کیا گیا، تو وہی فلاح پانے والے ہیں۔''[1]

اصل انجیل میں ''احمد'' کا تذکرہ

بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو بنی اسرائیل سے خطاب کرتے ہوئے باقاعدہ واضح طور پر آپ کا اسم گرامی بتایا اور آپ کی آمد کی بشارت دی جسے قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ﴾

''اور جب عیسیٰ ابن مریم نے کہا: اے بنی اسرائیل! بلاشبہ میں تمھاری طرف اللہ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرنے والا ہوں جو مجھ سے پہلے تورات (کی صورت میں) ہے اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہے۔''[2]

سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی کتابوں میں محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی واضح خوشخبری موجود تھی۔ یہ خوشخبری انھوں نے اپنی امتوں کو سُنائی تھی اور آپ کی اتباع کا حکم دیا تھا، یہ ایسی اٹل سچائی تھی جسے ان کے علماء و احبار خوب جانتے تھے۔

علمائے اہل کتاب نبی ﷺ کی صفات سے آگاہ تھے

احبارِ یہود اور علمائے نصاریٰ میں جن کے پاس صحیح معنوں میں پہلی کتابوں کا علم تھا، وہ اپنی کتابوں میں درج

[1] الأعراف 157:7. [2] الصّف 6:61.

نبی کریم ﷺ کے نام گرامی اور صفاتِ عالیہ سے بخوبی آگاہ تھے۔ قرآن نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ○ ﴾

''اور کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں ہو۔ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے مابین بطور گواہ اللہ ہی کافی ہے اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''[1]

حافظ ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان علمائے اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اپنی پہلی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کی صفت و نعت اور آپ کے بارے میں سابقہ انبیائے کرام کی بشارتیں لکھی ہوئی پاتے تھے۔[2]

نبی کریم ﷺ کے بارے میں پہلی آسمانی کتابوں میں مندرجہ نشانیاں اتنی نمایاں تھیں کہ علمائے بنی اسرائیل آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے تھے جیسے وہ اپنی اولاد کو پہچانتے تھے، فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ○ ﴾

''وہ لوگ جنھیں ہم نے کتاب دی، اسے (نبی آخرالزماں کو) پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور بے شک ان میں سے ایک گروہ یقیناً حق کو چھپاتا ہے، حالانکہ وہ جانتے ہیں۔''[3]

صفاتِ نبوی کے بارے میں یہود کی راز داری

یہودی اپنی کتابوں میں خاتم النبیین ﷺ کی آمد کی پیش گوئی کے بارے میں ایک دوسرے سے کہا کرتے تھے کہ ہمارا یہ راز مسلمانوں تک نہیں پہنچنا چاہیے، چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا:

﴿ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ ﴾

''وہ (یہودی جب آپس میں تنہا ہوتے تو) کہتے: کیا تم انھیں (مسلمانوں کو) وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھول دی ہیں تاکہ وہ تمھارے رب کے ہاں تمھارے خلاف وہ باتیں بطور حجت پیش کریں؟ کیا تم عقل نہیں رکھتے؟''[4]

﴿ أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ﴾ کے بارے میں مفسرین کہتے ہیں:

[1] الرعد 43:13. [2] تفسیر ابن کثیر، الرعد 43:13. [3] البقرة 146:2. [4] البقرة 76:2.

اس سے نبیِ کریم ﷺ کی وہ صفاتِ عالیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ نے تورات میں بیان فرمائی ہیں۔ [1]

یہودی عالم کے بیٹے کی گواہی

امام احمد رحمہ اللہ نے ابوصخر عقیلی کی روایت بیان کی ہے کہ مجھے ایک اعرابی ملا۔ اُس نے بتایا کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں دودھ دینے والے جانور مدینہ لے گیا۔ جب میں انھیں بیچ کر فارغ ہوا تو میں نے اپنے من میں کہا کہ میں اُن صاحب سے ضرور ملوں گا اور ان کی بات سنوں گا جن کا تذکرہ زبان زد عام ہے۔ پس میں آپ ﷺ سے ملاقات کے لیے چل دیا۔ پھر آپ ﷺ سے میری ملاقات اس حالت میں ہوئی کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے درمیان چل رہے تھے۔ میں بھی پیچھے پیچھے ہولیا۔ یہ حضرات ایک یہودی کے پاس پہنچے۔ وہ تورات پڑھ رہا تھا۔ اس سے وہ اپنے بیٹے کے بارے میں تسکین و تسلی حاصل کر رہا تھا، اس کا بیٹا بڑا خوبصورت نوجوان تھا اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس سے مخاطب ہوکر دریافت فرمایا:

«أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ ذَا صِفَتِي وَ مَخْرَجِي؟»

''میں تجھے اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات نازل فرمائی! کیا تو اپنی اس کتاب میں میری صفات اور میری بعثت کا ذکر موجود پاتا ہے؟''

اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا کہ نہیں مگر اس کا بیٹا بول پڑا۔ کہنے لگا: ہاں ہاں! اس ذات کی قسم جس نے تورات نازل فرمائی! ہم اپنی کتاب میں آپ کے اوصاف کا تذکرہ اور آپ کی بعثت کی خبر موجود پاتے ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہودیوں کو اپنے بھائی کے پاس سے اٹھادو۔'' پھر آپ نے اس کے کفن دفن کا اہتمام فرمایا اور اس کی نماز جنازہ ادا فرمائی۔ [2]

عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما اور کعب احبار کی صراحت

امام ابن جریر نے عطاء بن یسار سے روایت کیا ہے کہ میں نے عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور ان سے کہا: مجھے یہ بتائیے کہ تورات میں رسول اللہ ﷺ کے کیا اوصاف لکھے ہوئے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ کے وہی اوصاف بیان کیے گئے ہیں جو قرآن مجید میں بتائے گئے ہیں:

[1] تفسير الطبري، تفسير ابن كثير، روح المعاني، البقرة 2:76. [2] مسند أحمد: 411/5.

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ (الأحزاب 45:33)

”اے پیغمبر! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔“ اور آپ ان پڑھوں کے لیے محافظ اور میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ نہ آپ بدخو ہیں، نہ سخت دل ہیں، نہ بازاروں میں شور مچانے والے ہیں، نہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ہیں بلکہ معاف فرمانے اور درگزر کرنے والے ہیں۔ ہم اس وقت تک آپ کو اپنے پاس نہیں بلائیں گے جب تک کج رو ملت کو آپ کے ذریعے سے سیدھا نہ کر دیں حتیٰ کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے لگے۔ ہم آپ کے ذریعے سے بند دلوں، بہرے کانوں اور اندھی آنکھوں کو ٹھیک کر دیں گے۔“

عطاء بیان کرتے ہیں کہ اس کے بعد میں کعب سے ملا اور ان سے بھی یہ سوال کیا تو انھوں نے بھی بعینہٖ یہی جواب دیا......۔[1]

[1] تفسیر الطبري، الأعراف 157:7. اسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (صحیح البخاري: 2125)

یہود و نصاریٰ کی تحریف

بنی اسرائیل اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے چہیتے اور محبوب سمجھتے ہیں، اسی ذہنی گمراہی کی وجہ سے وہ شروع ہی سے من مانی کرتے آئے ہیں۔ اپنی خواہشات کی پیروی کے لیے احکامِ الٰہی میں رد و بدل کرنا اور انبیاء کو قتل کرنا ان کا شیوہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید سے پہلے بنی اسرائیل کی طرف جتنی بھی آسمانی کتابیں اور صحائف نازل فرمائے، یہود و نصاریٰ نے ان میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کر کے اللہ کی حدود سے تجاوز کیا اور ان کی حرمت پامال کی۔ قرآن مجید، احادیث نبویہ، خود علمائے یہود اور بائبل اس پر شاہد ہیں۔ یہاں اس بارے میں چند دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

قرآنِ کریم کی شہادت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۖ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝﴾

"پس ان لوگوں کے لیے بڑی ہلاکت ہے جو اپنے ہاتھوں سے (من مانی شریعت کی) کتاب لکھتے ہیں، پھر دعویٰ کرتے ہیں: یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت حاصل کریں، پس ان کے لیے بڑی ہلاکت ہے اس چیز کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے لکھی اور ان کے لیے بڑی ہلاکت ہے اس چیز کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں۔"[1]

سورۂ نساء میں اہلِ کتاب کی تحریف کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ﴾

"یہودیوں میں سے کچھ لوگ الفاظ کو ان کے موقع محل سے ہٹا دیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم

[1] البقرة2:79.

نے نافرمانی کی اور (کہتے ہیں:) سنو اگرچہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمھیں کچھ سنایا جائے۔" [1]

ایک اور مقام پر ان کی تحریف کا تذکرہ اس طرح آیا ہے:

﴿وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِندِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾

"اور بے شک ان میں سے ایک گروہ کتاب پڑھتے ہوئے زبان کو توڑتا مروڑتا ہے تاکہ تم اسے کتاب کا حصہ سمجھو، حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں اور وہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔" [2]

حدیث رسول سے گواہی

یہودی تورات میں تحریف کرنے اور حق کو چھپانے میں کس قدر دلیر تھے، اس کا اندازہ درج ذیل واقعے سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھوں نے آپ کو بتایا کہ ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت نے زنا کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا:

«مَا تَجِدُونَ فِي التَّوْرَاةِ فِي شَأْنِ الرَّجْمِ؟»

"تم رجم (سنگسار کرنے) کے بارے میں تورات میں کیا حکم پاتے ہو؟"

وہ بولے: "(تورات میں ہم دیکھتے ہیں کہ) ہم انھیں رسوا کریں اور انھیں کوڑے لگائیں۔" اس پر سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا: "تم نے جھوٹ بولا ہے، بلاشبہ اس میں رجم کا حکم موجود ہے۔" پھر یہودی تورات لائے اور اسے کھولا تو ان میں سے ایک یہودی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور اس سے پہلے اور اس کے بعد والی عبارت پڑھی۔ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: "اپنا ہاتھ اٹھاؤ۔" اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو وہاں رجم کی آیت موجود تھی۔ یہودی کہنے لگے: "اے محمد! عبداللہ بن سلام نے سچ کہا ہے۔ بے شک تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔" چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے لیے (رجم کا) حکم دیا تو انھیں رجم کر دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے (رجم کے وقت) یہودی مرد کو دیکھا، وہ خود پتھر کھا رہا تھا اور اس عورت پر جھک جھک کر اسے پتھروں کی مار سے بچا رہا تھا۔ [3]

[1] النسآء 4:46. [2] آل عمران 3:78. [3] صحیح البخاري: 3635.

یہودی عالم ابن صوریا کی شہادت

ایک اور روایت میں ہے کہ نبی ﷺ یہودی علماء سے استفسار کے لیے ان کے دارالعلوم تشریف لے گئے، اس وقت تین یہودی علماء آپ کے سامنے پیش ہوئے۔ اُن کے نام عبداللہ بن صوریا، ابویاسر اور وہب بن یہودا تھے۔ آپ نے ان میں سے عبداللہ بن صوریا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تم سے پوچھتا ہوں، کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں شادی شدہ افراد کے لیے زنا کی سزا رجم مقرر کی ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ''ابوالقاسم! یہودی خوب جانتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں مگر یہ لوگ آپ سے حسد کرتے ہیں۔''[1]

جب یہودیوں نے زنا کی سزا کے لیے تورات میں موجود حکم کو چھپانے کی ناکام کوشش کی تو اسی مقدمے کی کارروائی کے دوران آپ نے یہودیوں سے اس قانون کو چھپانے کی وجہ پوچھی کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو کیوں ترک کر دیا جو تمھارے پاس موجود ہے، انھوں نے بتایا کہ کچھ عرصہ جرم زنا کی سزا تورات کے قانون کے مطابق دی جاتی رہی حتی کہ شاہی خاندان کے ایک شخص نے زنا کا ارتکاب کیا تو بادشاہ نے اسے رجم کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد جب ایک اور کم تر نسب کے شخص نے زنا کیا اور بادشاہ نے اسے رجم کی سزا دینا چاہی تو لوگوں نے کہا کہ نہیں، اسے اس وقت تک رجم نہیں کیا جا سکتا جب تک شاہی خاندان کے فلاں شخص کو بھی رجم نہ کیا جائے، جب انھوں نے اس پر اصرار کیا تو بالآخر سب نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ زنا کے مجرموں کو رجم کی بجائے کوڑے لگائے جائیں، منہ کالا کیا جائے اور گدھے پر دم کی طرف منہ کر کے سوار کیا جائے۔ اس طرح انھوں نے رجم کے حکم پر عمل ترک کر دیا تھا۔ تورات کا قانون پوشیدہ رکھنے کا یہ سبب معلوم کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَللّٰهُمَّ! إِنِّي أَوَّلُ مَنْ أَحْيَا أَمْرَكَ إِذْ أَمَاتُوهُ»

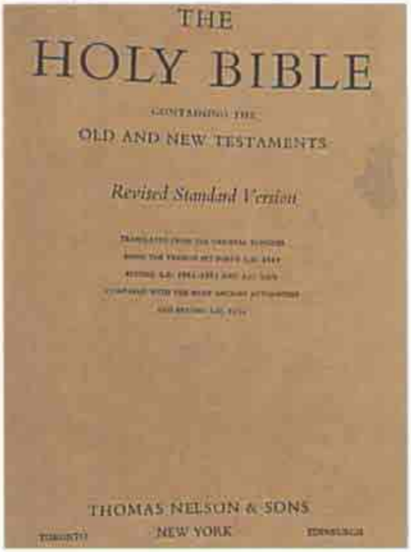
''اے اللہ! میں تیرے حکم کو زندہ کرنے والا پہلا شخص ہوں، جب کہ انھوں نے اسے ختم کر دیا تھا۔''[2]

بائبل کے متعلق 32 عیسائی علماء کی رپورٹ

اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر ایک آسمانی کتاب نازل کی تھی جو انجیل کہلاتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ آج اس کے بعض

[1] السیرۃ لابن ہشام:2/565,564. [2] صحیح مسلم :1700، السیرۃ لابن ہشام :2/566.

اجزاء عیسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ الوہی تعلیمات کی صورت میں عہد نامہ جدید میں شامل ہوں۔ یہی کیفیت تورات اور دیگر صحیفوں کی ہے۔ مسلمان تورات، زبور اور انجیل پر ایمان رکھتے ہیں لیکن آج کل کی بائبل جس شکل میں ہمارے سامنے ہے، اُس پر بعینہٖ ایمان نہیں رکھتے کیونکہ موجودہ بائبل اُن اصل کتب کا مجموعہ نہیں جو اللہ نے نازل کی تھیں بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں نے ان میں وقتاً فوقتاً طرح طرح کی ترمیمیں اور تحریفیں کیں اور من مانے اضافے کر ڈالے۔ یہ بات



نظرثانی شدہ سٹنڈی بائبل کا سرورق

امریکہ میں نیشنل کونسل آف چرچز (NCC) کی اس کمیٹی نے بھی تسلیم کی جو بائبل مقدس کے ترمیم شدہ معیاری ایڈیشن پر نظر ثانی کے لیے 1937ء میں قائم کی گئی تھی۔ یہ کمیٹی 32 عیسائی علماء پر مشتمل تھی۔[1] انھوں نے تعاون کرنے والے فرقوں کے پچاس نمائندوں پر مشتمل مشاورتی بورڈ کے تاثرات، تجاویز اور مشورے اپنی رپورٹ میں شامل کیے۔ کمیٹی نے بائبل مقدس کے مقدمے میں لکھا: ''بعض اوقات یوں لگتا ہے کہ متن میں سے کچھ حصے حذف کر دیے گئے ہیں لیکن کسی نسخے میں بھی حذف شدہ حصے قابل اطمینان طور پر بحال نہیں کیے گئے۔ اصل متن کی انتہائی امکانی تشکیل جدید کے لیے فاضل علماء نے جو بہترین قیاسات پیش کیے ہیں، اب ہم انھی پر اکتفا کریں گے۔'' کمیٹی نے مقدمے میں یہ بھی لکھا: ''اس میں عبارات کا اضافہ کیا گیا ہے جن سے قدیم مستند نسخوں میں اہم تبدیلیوں، اضافوں اور تحریفات کا پتہ چلتا ہے۔''

بائبل ہی کی عبارتوں سے تحریف کی گواہیاں

اہلِ کتاب نے من مانی تحریف کا جو بازار گرم کیا، اس کا ذکر صرف قرآن ہی میں نہیں بلکہ خود آج کی مروجہ بائبل میں بھی موجود ہے۔ بائبل قرآن کی بتائی ہوئی حقیقت کو تسلیم کرتی ہے۔ بائبل کے ہمہ جہت تعارف کے بعد اب آپ اہل کتاب کی تحریفوں کے بارے میں خود بائبل ہی کی گواہیاں پڑھ لیجیے:

1 بہت سی باتوں کا اضافہ

''تب یرمیاہ نے دوسرا طومار لیا اور باروک بن نیریاہ منشی کو دیا اور اُس نے اُس کتاب کی سب باتیں

[1] وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا (En,wikipedia.org/wiki/Revised_Standard_Version)

جسے شاہِ یہوداہ یہویقیم نے آگ میں جلایا تھا یرمیاہ کی زبانی اُس میں لکھیں اور اُن کے سوا ویسی ہی اور بہت سی باتیں اُن میں بڑھا دی گئیں۔'' [1]

یہاں یہ عرض کرنا بے محل نہ ہوگا کہ یرمیاہ (Jeremiah) (ارمیاہ) کا عہدِ نبوت 626 ق م سے 587 ق م میں یروشلیم کی بربادی تک چالیس برسوں پر محیط ہے۔ یرمیاہ نے ایک دیندار کاہن کے خاندان میں پرورش پائی۔ امون شاہ یہوداہ (یہودیہ) کے مختصر عہد میں بت پرستی کا احیا ہو چکا تھا۔ ہیکل میں بھی بت رکھے ہوئے تھے اور یروشلیم کے نواح میں بعل اور مولک کے نام پر بچوں کو قربان کیا جاتا تھا۔ یرمیاہ نے منظم دینی واخلاقی اصلاحات کا آغاز کیا۔ نبوکدنضر (بخت نصر شاہ بابل) نے کرکمیس (شام) کی لڑائی میں فرعون نکوہ کو شکست دینے کے بعد 604 ق م میں اسقلون (عسقلان) کو زمین بوس کر دیا تھا۔ اس پر یروشلیم میں روزہ کی منادی کی گئی اور یرمیاہ کا پیغام توحید سنایا گیا مگر شاہ یہویقیم نے بدستور بُت پرستانہ رسم و رواج کی حوصلہ افزائی کی۔ آخر کار 597 ق م میں بابل نے یہودیہ پر مکمل طور پر قبضہ کر لیا۔ بخت نصر کے دوسرے محاصرۂ یروشلیم (587 ق م) کے دوران میں یہودیوں نے یرمیاہ نبی پر غداری کا الزام لگا کر انھیں ایک دلدلی حوض میں پھینک دیا لیکن عبد ملک کی بروقت مداخلت نے انھیں موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ یروشلیم کی بربادی کے بعد نبوکدنضر (نبوکدرضر) یرمیاہ کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا۔ بابل اور یہوداہ میں جھوٹے نبیوں نے یرمیاہ کو قتل کرانے کی کوششیں کیں۔ آخری عمر میں وہ مصر چلے گئے اور وہاں بھی یہودیوں کو بت پرستی سے باز آنے کی تلقین کرتے رہے۔ [2]



تختی یرمیاہ علیہ السلام

کتاب مقدس (یرمیاہ) کے متذکرہ بالا اقتباس میں یہوداہ یہویقیم کا ذکر آیا ہے۔ اس کی نسبت یہ جان لینا کافی ہے کہ یہ یہودیہ کے نیک بادشاہ یوسیاہ کا بیٹا تھا۔ اس کا پہلا نام الیاقیم تھا لیکن فرعون نکوہ نے اسے بادشاہ بنا کر خراج دینے پر مجبور کیا اور اس کا نام بدل کر یہویقیم رکھا۔ اس نے گیارہ سال حکومت کی۔ وہ بڑا ظالم اور بدکار تھا۔ یرمیاہ نبی نے پیش گوئی کی تھی کہ ''یہ شخص گدھے کی طرح دفن ہوگا۔'' [3]

1 کتاب مقدس (یرمیاہ) 36:32. 2 قاموس الکتاب، ص: 1106-1109. 3 قاموس الکتاب، ص: 1191.

2 لکھنے والوں کے باطل قلم

"تم کیونکر کہتے ہو کہ ہم تو دانشمند ہیں اور خداوند کی شریعت ہمارے پاس ہے؟ لیکن دیکھ لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ دانشمند شرمندہ ہوئے۔ وہ حیران ہوئے اور پکڑے گئے۔ دیکھ انھوں نے خداوند کے کلام کو رد کیا۔"[1]

3 تم نے اللہ کا کلام باطل کر ڈالا

"پس تم نے اپنی روایت سے خدا کا کلام باطل کر دیا۔ اے ریاکارو! یسعیاہ نے تمھارے حق میں کیا خوب نبوت کی کہ یہ امت زبان سے تو میری عزت کرتی ہے مگر ان کا دل مجھ سے دور ہے۔ اور یہ بے فائدہ میری پرستش کرتے ہیں کیونکہ انسانی احکام کی تعلیم دیتے ہیں۔"[2]

4 تم نے اللہ کا کلام بگاڑ دیا

"پر خداوند کی طرف سے بار نبوت کا ذکر تم کبھی نہ کرنا اس لیے کہ ہر ایک آدمی کی اپنی ہی باتیں اُس پر بارہوں گی کیونکہ تم نے زندہ خدا رب الافواج ہمارے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔"[3]

بائبل کی اُن تمام تحریفات کے باوجود، جن کا خصوصی ہدف آسمانی کتابوں کے وہ حصے رہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی آمد کا صاف صاف ذکر تھا، آج بھی بائبل میں ایسی پیش گوئیاں موجود ہیں جن کا مصداق صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔

بنی اسرائیل یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کے علاوہ بھی ایک نبی کے شدت سے منتظر تھے۔ اس نبی کے ورود مسعود کی صورت میں وہ دوبارہ غلبہ اور عظمت رفتہ حاصل کرنا چاہتے تھے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○﴾

"اور جب ان کے پاس اللہ کے ہاں سے ایک کتاب آگئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے ان لوگوں پر (رسول موعود کے ذریعے سے) فتح طلب کیا کرتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (رسول برحق) آگیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے

---

1 کتاب مقدس (یرمیاہ) 8:8,9. 2 کتاب مقدس (متی) 15:6-9. 3 کتاب مقدس (یرمیاہ) 36:23.

اس کے ساتھ کفر کیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

- بائبل کی تحریفات پر مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے وزٹ کیجیے:

www.islam-guide.com/bible

- حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام اور اسلام کے حوالے سے مزید معلومات کے لیے وزٹ کیجیے:

www.islam-guide.com/jesus

- اس سلسلے میں دارالسلام لاہور سے شائع ہونے والی سینئر پروفیسر ساجد میر کی معرکہ آرا کتاب ''عیسائیت'' کا مطالعہ ان شاء اللہ بہت آگہی بخش اور چشم کشا ثابت ہوگا۔

[1] البقرة 2:89.

بائبل کا تعارف

نبی مکرم ﷺ پر قرآن کریم نازل کرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے جو صحیفے اور کتابیں نازل فرمائیں، ان کے مجموعے کو عرفِ عام میں بائبل (Bible) کہا جاتا ہے۔ اس کے دو حصے ہیں: 1 عہد نامہ قدیم (Old Testament): اس میں تورات، زبور اور دیگر انبیاء کے صحیفے شامل ہیں۔ اسے یہودی اور عیسائی دونوں مانتے ہیں۔ 2 عہد نامہ جدید (New Testament): یہ چار انجیلوں متی، مرقس، یوحنا، لوقا اور رسولوں (عیسیٰ مسیح علیہ السلام کے حواریوں) کے اعمال اور خطوط پر مشتمل ہے، اسے صرف عیسائی مانتے ہیں۔ اگرچہ حواریِ مسیح برناباس نے بھی 55ء میں ایک انجیل لکھی تھی مگر عیسائی اسے وضعی قرار دیتے ہیں۔



عہد نامہ قدیم کا نسخہ



عہد نامہ جدید کا نسخہ

لفظ بائبل (Bible) یونانی زبان کے لفظ ببلوس (Bublos) یا بائبلوس (Biblus) سے مشتق ہے۔ اس کے معنی ہیں کتابوں کا مجموعہ۔ ابتدا میں بائبل دو زبانوں پہلے عبرانی (Hebrew) پھر یونانی (Greek) میں لکھی گئی۔

بائبل کے مؤلفین

تقریباً 1600 سال کے عرصے میں 40 مؤلفین نے بائبل کی مختلف کتابیں مرتب کیں۔ ان افراد کا تعلق دنیا کے مختلف حصوں سے تھا۔ آخری مصنف پہلے مصنف کی وفات کے 1450 برس بعد پیدا ہوا تھا۔ عیسائیوں کے کیتھولک فرقے (کیتھولک چرچ) کے مطابق بائبل 72 کتابوں کا مجموعہ ہے جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ اسے 66 کتابوں کا مجموعہ مانتا ہے۔ کیتھولک چرچ کے نزدیک عہد نامہ قدیم میں 45 اور عہد نامہ جدید میں 27 کتابیں ہیں، جبکہ پروٹسٹنٹ چرچ عہد نامہ قدیم کو 39 اور عہد نامہ جدید کو 27 کتابوں کا مجموعہ مانتا

ہے۔ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں تورات (Torah) کہلاتی ہیں۔ پرانا عہد نامہ عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا جس میں کتاب دانی ایل (دانیال) اور کتاب عزرا (عُزیر) کے کچھ حصے آرامی زبان میں تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب نیا عہد نامہ مکمل طور پر یونانی زبان میں لکھا گیا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود یونانی زبان سے واقف تک نہ تھے۔ 420ء میں کیتھولک چرچ کو کچھ صحیفے ملے جنھیں ردو بدل کے بعد نئے عہد نامے ہی میں شامل کر دیا گیا اور ان صحیفوں کو محفوظ کر لیا گیا۔ موجودہ دور میں جو قدیم نسخے موجود ہیں، وہ چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں مرتب کیے گئے۔

بائبل کی مختلف کتب مرتب کرنے والے جن افراد کا ذکر آیا ہے، یہاں ضمناً ان کا ترتیب وار تعارف پیش خدمت ہے:



انجیل متی کا قدیم نسخہ

متی (Matthew): یونانی میں اس کے معنی ''خدا کی بخشش'' ہیں۔ حلفئ کا بیٹا جو لاوی کہلاتا تھا، جب مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد بنا تو اس نے اپنا نام متی رکھ لیا۔ جدت پسند علماء اس روایت کو قبول کرنے سے ہچکچاتے ہیں کہ انجیل متی کا مصنف متی رسول (حواری مسیح) تھا کیونکہ متی نے ایک ایسے رسالے (مرقس کی انجیل) کو بطور ماخذ استعمال کیا جس کا مصنف رسول نہیں تھا۔ متی کی انجیل یونانی بولنے والے یہودی مسیحیوں کے لیے لکھی گئی۔ اس انجیل کی بڑی مشکلات میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں یسوع مسیح (علیہ السلام) موسوی شریعت کو صحیح قرار دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی وہ بعض اوقات اس کے بالکل برعکس کام کرتے بھی نظر آتے ہیں۔[1]

مرقس (یوحنا): یہ شخص انگریزی میں (St. Mark) کے نام سے معروف ہے۔ مُرقُس (مرقص) یا یوحنا لاطینی میں مارکوس (Marcus) کہلاتا ہے۔ یروشلیم میں پیدا ہوا۔ یہ برناباس (برنباس) کا عم زاد تھا۔ یوحنا اس کا یہودی نام تھا۔ یہ پطرس رسول کے وسیلے سے عیسائی ہوگیا۔ اسکندریہ کا کنیسہ مرقس ہی نے تعمیر کرایا اور وہ 43ء تا 63ء اس کا بطریق رہا۔ انجیل مرقس میں عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے بجائے ان کے معجزات پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ مرقس نے یسوع مسیح کو ''یہوواہ''[2] کا

[1] قاموس الکتاب، ص: 877-880. [2] عبرانی میں ''یہوواہ'' یا ''یہوہ'' کے معنی ہیں قائم بالذات یا زندگی دینے والا، عربی میں حی: جو خدا ◄◄



انجیل مرقس کا قدیم نسخہ

خادم'' کے طور پر پیش کیا ہے جبکہ متی انھیں بطور ''بادشاہ''، لوقا بطور ''انسان'' اور یوحنا بطور ''خدا کا بیٹا'' پیش کرتے ہیں۔ جب برناباس اور پولس قحط کی وجہ سے مالی مدد پہنچانے یروشلیم گئے تو وہ یوحنا مرقس کو بھی ساتھ لے گئے۔ یوں اسے ان کے ساتھ پہلے بشارتی (تبلیغی) سفر میں جانے کا موقع مل گیا۔ یہ سفر انطاکیہ سے کُپرس، پرگہ، پسدیہ کے انطاکیہ (ترکی) کی طرف کیا گیا مگر مرقس پرگہ (موجودہ احسانیہ) سے یروشلیم لوٹ آیا، لہٰذا دوسرے بشارتی سفر میں پولس نے اسے ساتھ لے جانے سے انکار کر دیا، تب برناباس اسے اپنے ساتھ کپرس (قبرص) لے گیا۔ دوسری مرتبہ مرقس ایک اہم خدمت گزار کے طور پر پولس کے ساتھ رومہ (Rome) میں نظر آتا ہے۔ پطرس اسے ''میرا بیٹا'' کہہ کر پکارتا ہے۔ اس نے روم میں انجیل رومی ماحول میں لکھی۔ مرقس نے 68ء میں اسکندریہ میں وفات پائی۔ عیسائی مرقس کا تہوار 25 اپریل کو مناتے ہیں۔ [1]



انجیل یوحنا کا قدیم نسخہ

یوحنا عارف: یہ (حواریِ مسیح) زبدی کا بیٹا اور یعقوب رسول (حواری) کا بھائی تھا۔ اُسے یہودی بادشاہ ہیرودیس اگرپا اول نے تقریباً 44ء میں شہید کرا دیا۔ اس کی ماں سلومی، مقدسہ مریم (والدۂ مسیح علیہ السلام) کی ہمشیرہ تھی۔ اس کا آبائی پیشہ ماہی گیری تھا۔ یوحنا پہلے یوحنا اصطباغی (یحییٰ علیہ السلام) کا شاگرد تھا، پھر مسیح (علیہ السلام) کا شاگرد بنا۔ نئے عہدنامہ کی پانچ کتابیں، یعنی چوتھی انجیل، تین خط اور مکاشفہ کی کتاب اس سے منسوب ہیں۔ اس نے اپنے آخری ایام اِفِسُس (Ephesus) میں بسر کیے (جو مغربی ترکی میں واقع ہے)۔ اس نے مکاشفہ کی کتاب پتمُس کے جزیرے میں لکھی جہاں وہ خدا کے کلام اور مسیح کی

»» کا ایک نام ہے۔ یہود کے نزدیک یہ خداوند تعالیٰ کا ایک پاک ترین نام تھا۔ اسے زبان پر لانا بھی تورات کے تیسرے حکم کی خلاف ورزی سمجھا جاتا تھا (قاموس الکتاب: 1190)۔ اسے ''یہوداہ'' یا ''یہودہ'' (یہودا) سے گڈمڈ نہ کیا جائے جس کے معنی ہیں ''ممدوح، جس کی تعریف کی گئی۔'' یہودہ یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے کا نام تھا جس کے نام پر ''یہودی'' اور ریاست ''یہودیہ'' کے نام پڑے۔ (قاموس الکتاب: 1185-1187)

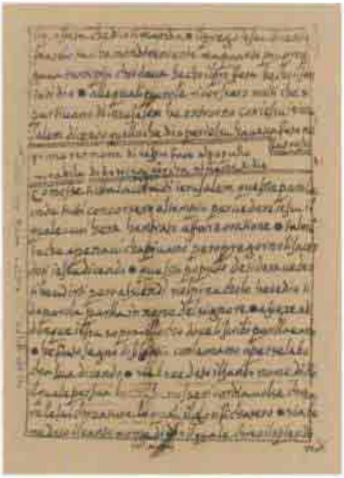
[1] المنجد في الأعلام، ص: 529، Encyclopedia of World Religions، قاموس الکتاب، ص: 899، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔

گواہی دینے کی وجہ سے قید تھا۔ اس نے اپنی انجیل ترکی کے علاقہ آسیہ(Asia، ایشیائے کوچک) میں رہ کر لکھی اور وہیں اِفُسس میں پہلی صدی کے آخر میں وفات پائی۔ [1]



انجیل لوقا کا قدیم نسخہ

لوقا(St.Luke): یونانی زبان میں اسے لوکاس کہتے ہیں۔ یہ پولس کا ساتھی تھا۔ اس نے عہدنامہ جدید کی دو کتابیں انجیل لوقا (67ء) اور رسولوں کے اعمال (68-85ء) تحریر کیں جن سے اس کی علمِ طبّ اور جہاز رانی میں دلچسپی ظاہر ہوتی ہے۔ ایک روایت کے مطابق وہ انطاکیہ کا رہنے والا تھا جبکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فلپی (مقدونیہ) کا باشندہ تھا۔ اصلاً وہ طبیب تھا۔ 90ء میں قیصرِروم نے اسے قتل کر دیا۔ ایک روایت کے مطابق اسے یونان میں قتل کیا گیا۔ کیتھولک عیسائی 18 اکتوبر کو لوقا (سینٹ لوک) کی عید مناتے ہیں۔ [2]



انجیل برناباس کا نسخہ

برناباس: بائبل کی رو سے برناباس کا نام یوسف تھا، پھر رسولوں (حواریوں) نے اسے برنابا کے نام سے موسوم کیا۔ برنابا کے معنی ارامی زبان میں "وعظ کا بیٹا" ہیں۔ یہ نسباً لاوی اور قبرص کا رہنے والا تھا۔ موجودہ بائبل کی ایک کتاب رسولوں کے اعمال میں اس کا اچھا تذکرہ ہے۔ اس نے یروشلم میں پولس کا استقبال کیا اور پھر انطاکیہ میں تبشیر (عیسائیت کی دعوت) کا فریضہ انجام دیتا رہا۔ پھر برناباس اور پولس دونوں نے مل کر پسدیہ کے انطاکیہ، اِکُنیم (قونیہ)، لُسترہ اور دِربے میں تبلیغی کام کیا۔ بعد میں برناباس کا پولس سے اختلاف ہوا اور برناباس اپنے رشتہ دار مرقس (حواری) کو لے کر کُپرس چلا گیا۔ بعض سکالروں کا خیال ہے کہ عبرانیوں کے نام خط کا مصنف برناباس ہے۔ [3]

دانی ایل یا دانیال: عبرانی میں اس کے معنی "خدا میرا منصف ہے" ہیں۔ یہ ان نوجوان اسیروں میں سے تھا جنھیں

[1] قاموس الکتاب، ص:1159،1160. [2] المنجد في الأعلام، ص:498، قاموس الکتاب، ص:865، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا.
[3] قاموس الکتاب، ص:146،147.


کتاب دانیال کا نسخہ

بخت نصر (نبوکدنضر) 605 ق م میں قید کر کے بابل لے گیا۔ اس کا بابلی نام بیلطشضر رکھا گیا، یہ ایک بُت کا نام تھا لیکن دانی ایل اور اس کے دوست اپنے آباء و اجداد کے دین پر قائم رہے۔ دانی ایل کو خوابوں کی تعبیر بتانے کی صلاحیت بھی دی گئی تھی۔ دانی ایل نے نبوکدنضر کے خواب کی تعبیر بتائی تو اس نے دانی ایل کو اپنے حکیموں پر سردار مقرر کر دیا۔ خورس (سائرس اعظم) نے بابل پر قبضے (539 ق م) کے بعد دارا مادی (Darius, the Mede) کو بابل کا بادشاہ مقرر کیا تو اس نے دانیال کو اپنا وزیر بنالیا۔ بعد میں حاسدوں نے اسے معزول کرانے کے لیے بادشاہ سے فرمان جاری کرایا کہ کوئی شخص تیس دن تک دارا کے سوا کسی اور ہستی سے دعا کر سکتا ہے نہ کوئی درخواست۔ جلد ہی دانی ایل اپنے خدا سے دعا کرتا پکڑا گیا۔ اس پر دارا نے اسے شیروں کے بھٹ میں ڈال دیا لیکن خدا نے شیروں کے منہ بند کر دیے، تاہم جب ان حاسدوں کو ان کے سامنے پھینکا گیا تو انھوں نے انھیں فوراً پھاڑ کھایا۔ دارا بادشاہ کے اسی سال اول میں یہودیوں کی ستر برس کی اسیری ختم ہوئی اور یروشلیم کی دوبارہ تعمیر کا فرمان جاری ہوا۔ [1]


کتاب عزرا کا قدیم نسخہ

عزیر (عزرا) علیہ السلام: ان کے تعارف میں سید ابوالاعلیٰ مودودی قرآن کی آیت: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ﴾ (التوبۃ 9:30) ''اور یہود نے کہا: عزیر اللہ کے بیٹے ہیں'' کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''عزیر سے مراد عزرا (Ezra) ہیں جن کو یہودی اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں۔ ان کا زمانہ 450 ق م کے لگ بھگ بتایا جاتا ہے۔ اسرائیلی روایات کے مطابق سلیمان علیہ السلام کے بعد جو دورِ ابتلا بنی اسرائیل پر آیا، اس میں نہ صرف یہ کہ تورات دُنیا سے گم ہوگئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے نا آشنا کر دیا تھا۔ آخر کار انھی عزیر یا عزرا نے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور شریعت کی تجدید کی۔ اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور یہ تعظیم اس حد تک بڑھ گئی کہ بعض یہودی گروہوں نے ان کو ابن اللہ (اللہ کا بیٹا) تک بنا دیا۔ یہاں قرآن مجید کے

[1] قاموس الکتاب، ص: 388، 389۔

ارشاد کا مقصود یہ نہیں کہ تمام یہودیوں نے بالاتفاق عزرا کاہن کو خدا کا بیٹا بنایا ہے بلکہ مقصود یہ بتانا ہے کہ خدا کے متعلق یہود کے اعتقادات میں جو خرابی رُونما ہوئی، وہ اس حد تک تجاوز کر گئی کہ عزرا کو خدا کا بیٹا قرار دینے والے بھی ان میں پیدا ہوئے۔[1]

بائبل کے تین قدیم نسخے

اس وقت بائبل کے تین قدیم ترین نسخے موجود ہیں:


نسخہ ویٹیکن


سینائی نسخہ


نسخہ اسکندریہ

1 نسخہ ویٹیکن: یہ چوتھی صدی عیسوی کا نسخہ ہے اور روم (اٹلی) میں محفوظ ہے۔ ویٹیکن (Vatican) اٹلی کے شہر روم میں پاپائے روم کی ریاست اور رومن کیتھولک چرچ کا صدر مقام ہے۔ یہیں پاپائے روم کا مسکن ہے۔ اس کا رقبہ 109 ایکڑ اور آبادی بمطابق مردم شماری (1991ء) ایک ہزار ہے۔ یہیں سینٹ پیٹر کا مشہور گرجا واقع ہے۔ 1929ء میں اٹلی کے آمر مسولینی نے ویٹیکن میں پاپائے روم کی حاکمیت تسلیم کر لی تھی۔[2]

2 سینائی نسخہ: یہ بھی چوتھی صدی عیسوی کا نسخہ ہے اور سینٹ پیٹرز برگ (روس) میں محفوظ ہے۔...... سینٹ پیٹرز برگ شمال مغربی روس کی اہم ترین بندرگاہ ہے جو خلیج فن لینڈ (بحیرۂ بالٹک) میں گرنے والے دریائے نیوا کے دہانے پر واقع ہے۔ اس کی آبادی 50 لاکھ سے زائد ہے۔ زار روس پیٹر اعظم نے 1703ء میں اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ 1712ء سے انقلاب روس (1917ء) تک یہ روس کا صدر مقام رہا حتیٰ کہ ماسکو دارالحکومت قرار پایا۔[3]

3 نسخہ اسکندریہ: یہ پانچویں صدی عیسوی میں مرتب ہوا اور لندن میں محفوظ ہے۔

[1] تفہیم القرآن، التوبۃ 30:9.

[2] Oxford English Reference Dic, p:1599. [3] Oxford English Refernce Dic, p:1274.

اسرائیلی روایات

علمائے یہود نے جو روایات لکھیں یا بیان کی ہیں، وہ روایات علمائے اسلام نے بھی مختلف ضرورتوں کے تحت نقل کی ہیں۔ انھی روایات کو عرفِ عام میں اسرائیلی روایات یا اسرائیلیات کہا جاتا ہے۔ ان روایات کا بہت بڑا حصہ ساقط الاعتبار ہے۔ تاہم اگر ان روایات میں کوئی ایسی بات موجود ہو جس کی تائید قرآن کریم اور سنتِ رسول ﷺ سے ہوتی ہو، وہ یقیناً ہمارے لیے بھی واجب الاحترام ہے۔ لیکن قرآن وسنت جن روایات و مطالب کے بارے میں خاموش ہیں، نہ ان کی تائید کرتے ہیں نہ تکذیب، ٹھیک یہی بات ہم پر بھی لازم ہے کہ ہم بھی ایسی باتوں پر سکوت ہی اختیار کریں۔

ہر چند بائبل میں تحریف ہو چکی ہے اور اس میں مختلف مقامات پر تضاد پایا جاتا ہے، لیکن پھر بھی اس میں حق کے آثار موجود ہیں۔ آئیے! ہم دیکھیں کہ اس بارے میں ہمارے رہبر اعظم محمد رسول اللہ ﷺ نے اہلِ کتاب کی نسبت کیا ارشاد فرمایا ہے۔ ارشادِ عالی ہے:

«لَا تَسْأَلُوهُمْ عَنْ شَيْءٍ فَيُخْبِرُوكُمْ بِحَقٍّ فَتُكَذِّبُوا بِهِ، أَوْبِبَاطِلٍ فَتُصَدِّقُوا بِهِ»

''تم ان سے کسی چیز کے بارے میں کچھ نہ پوچھو کیونکہ وہ تمھیں حق کی خبر دیں گے تو تم اسے جھٹلا دو گے یا باطل کی خبر دیں گے تو تم اس کی تصدیق کر دو گے۔''[1]

اسرائیلی روایات کی تین قسمیں ہیں:

1. جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ وہ صحیح ہیں کیونکہ کتاب وسنت (یا ان کے اصول) ان کے صحیح ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔
2. جن کے بارے میں ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ اسرائیلی روایات جھوٹی ہیں کیونکہ کتاب وسنت کے اصول سے ان کی مخالفت ثابت ہے۔
3. وہ اسرائیلی روایات جن کے بارے میں کتاب وسنت کے اصول خاموش ہیں۔ یہ روایات نہ پہلی قسم میں سے ہیں اور نہ دوسری قسم میں سے، لہٰذا ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب، البتہ صحیح بخاری کی درج ذیل حدیث کے پیشِ نظر انھیں بیان کرنا جائز ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً، وَحَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ، وَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا

[1] مسند أحمد: 387/3، إرواء الغليل: 6/34-38.

فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ»

”مجھ سے آگے پہنچاؤ، خواہ (تمھیں) ایک آیت (ہی معلوم) ہو اور بنی اسرائیل سے بیان کرو، اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن جس نے جان بوجھ کر میری طرف کوئی جھوٹی بات منسوب کی تو وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنا لے۔“ [1]

لیکن ان میں سے اکثر و بیشتر روایات بے سُود ہیں۔ اُن سے کسی طرح کا کوئی دینی یا علمی فائدہ نہیں۔ [2]

بائبل سے روایات پیش کرتے ہوئے اس امر کا اطمینان کر لیا جائے کہ وہ روایات قرآن مجید اور احادیث نبویہ سے متصادم نہ ہوں، ایسی صورت میں ہمیں حوالہ دینے میں بھی متامّل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خود قرآنِ مجید میں آسمانی کتب میں ہدایت اور روشنی کی موجودگی کا ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا أَنزَلْنَا التَّوْرَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ﴾

”بے شک ہم ہی نے تورات نازل کی، اس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق اللہ کی اطاعت کرنے والے انبیاء، ربانی علماء اور فقہاء یہود کے معاملات کے فیصلے کرتے تھے، اس لیے کہ وہ اللہ کی کتاب کے نگران بنائے گئے تھے اور اس پر گواہ ٹھہرائے گئے تھے۔“ [3]

﴿وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ ۖ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَاةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۝﴾

”اور ہم نے ان (رسولوں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے نازل شدہ کتاب تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ اور ہم نے انھیں انجیل دی جس میں ہدایت اور روشنی تھی اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والی تھی اور پرہیز گاروں کے لیے سراسر ہدایت اور نصیحت تھی۔“ [4]

[1] صحيح البخاري: 3461. [2] المصباح المنیر، تہذیب و تحقیق تفسیر ابن کثیر (اردو): 72/1. [3] المآئدة 5:44. [4] المآئدة 5:46.

بائبل کی پیش گوئیاں اور اہلِ کتاب کی ہیرا پھیری

توراتی صحیفوں خصوصاً بنی اسرائیل کے دور اسیری کے انبیاء سے منسوب صحائف کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صحیفے یہود کے بارے میں آخری زمانے کی پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں۔ مزید برآں ان سے چار باتیں اور معلوم ہوتی ہیں۔ پہلی یہ کہ یہودی آخری زمانے تک باقی رہیں گے، دوسری یہ کہ یہودیوں کی آخری زمانے میں یکجائی ہوگی، تیسری یہ کہ فلسطین میں ان کی ایک اور سلطنت قائم ہوگی اور چوتھی بات یہ کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی طاقتور امت کے ذریعے سے ان پر اپنا غضب نازل کرے گا جو روئے زمین کے تمام اطراف سے آ کر ان پر چڑھائی کرے گی۔

ان پیش گوئیوں کے مفسرین کی آراء عموماً دو طرح کے نقطۂ نظر پر مشتمل ہیں:

1 ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ یہ پیش گوئیاں ماضی ہی میں پوری ہو چکی ہیں، چنانچہ یہودی ہر دور میں ان پیش گوئیوں کو اسی رائے پر محمول کرتے رہے ہیں تاکہ اب وہ پوری یکسوئی سے بس ایک نجات دہندہ کی آمد کا انتظار کریں۔

اسی طرح انجیل متی کے مؤلف کی یہ رائے ہے کہ یہ پیش گوئیاں مسیح علیہ السلام کی پہلی بار کی آمد ہی سے متعلق ہیں۔ اس رائے سے کیتھولک عیسائی متاثر ہوئے اور ان کی اکثریت اسی کی جانب مائل رہی۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ اسلامی تاریخ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیش گوئیوں کی بابت یہ کہہ دیا گیا کہ یہ پوری ہو چکی ہیں، مثلاً: بعض طبقوں نے مہدی منتظر کی آمد کو سلطنت بنی عبید یا سلطنت موحدین پر چسپاں کر کے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ مہدی آ چکے بلکہ آ کر گزر بھی چکے ہیں۔ اس نظریے پر بہت سے لوگوں نے یقین کر لیا۔ ان کے پیروکار آج بھی پائے جاتے ہیں۔

اہل کتاب کے بعض طبقوں کی اسی رائے پر دور حاضر کے ''کتاب مقدس کے تاریخی نقد و نظر والے'' مکتبۂ فکر نے اپنے خیالات کی بنیاد رکھی حتی کہ ان میں سے بعض انتہا پسندی میں یہاں تک چلے گئے کہ انھوں نے کہا: ان انبیاء کا سارا کلام ہی ماضی کی تاریخ پر مبنی ہے۔ اس میں مستقبل کے بارے میں کوئی پیش گوئی نہیں ہے۔ اس رائے کی رو سے انبیاء ماضی کے واقعات کے راوی قرار پائیں گے، لہٰذا انھیں آیندہ کا پیش گو نہیں مانا جا سکتا۔

اہل کتاب کی روش درحقیقت ان پیش گوئیوں کی نص سے بھی متصادم ہے اور ان کی روح سے بھی۔ آخر اس بات

کا کیا مطلب سمجھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی سے فرمائے: اٹھو! اور بنی اسرائیل کو یہ پیش گوئی کرو، یا اہلِ مصر کو وہ پیش گوئی کرو یا ادوم کو پیش گوئی کرو...... جبکہ وہ ماضی کا واقعہ ہو اور نبی کے کہنے سے پہلے ہی پیش آ چکا ہو؟ اس بات پر کوئی تاریخی دلیل بھی موجود نہیں کہ ان انبیاء کی بعثت ان واقعات کے بعد ہوئی جن کی ان انبیاء نے پیش گوئی کی تھی۔

آج تاریخ کا علم پہلے سے کہیں زیادہ ترقی کر گیا ہے جس کی روشنی میں اب تاریخی واقعات آسانی سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ چونکہ تاریخ ایسے واقعات کے ظہور میں آ چکنے کی تائید نہیں کرتی، لہٰذا یہ نقطۂ نظر کہ اب یہ پیش گوئیاں مستقبل میں ظاہر نہیں ہوں گی کیونکہ یہ ماضی میں وقوع پذیر ہو چکیں، خود بخود بے وزن ہو جاتا ہے۔

2 دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ان پیش گوئیوں کو ان کے ظواہر ہی کے اعتبار سے دیکھا جائے اور ان کے مستقبل ہی میں پیش آنے کے مفہوم کو ترجیح دی جائے۔ یہی احتمال صحیح اور منطقی ہے، خاص طور پر اس لیے کہ ان پیش گوئیوں کو مسیح علیہ السلام کی آمد اول پر منطبق کر دینا نہ عقلی لحاظ سے ٹھیک ہے نہ تاریخی اعتبار سے کیونکہ یہ پیش گوئیاں ایسے اقتدار، سلطنتوں اور جنگوں کے بارے میں ہیں جو مسیح علیہ السلام کے دور میں وقوع پذیر نہیں ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ یہود اور نصاریٰ کے اکثر شارحینِ بائبل، خصوصاً ان آخری صدیوں میں پائے جانے والے شارحین، ان پیش گوئیوں کو ''عہد خلاصی'' پر (جسے یہ مسیحا کا دور کہتے ہیں) منطبق کرتے ہیں، یعنی آخری زمانے کے وہ واقعات جو قیامت سے تھوڑی دیر پہلے یا عین اُسی وقت رونما ہوں گے۔ یہ ''عہد خلاصی'' نصاریٰ کے ہاں مسیح علیہ السلام کی دوبارہ آمد سے مشروط ہے جبکہ یہودی عقیدے کی رو سے یہ ایک ''بادشاہ'' کے آنے سے مشروط ہے۔ وہ بادشاہ داود علیہ السلام کی نسل سے ہوگا۔ جس کا لقب ان کے ہاں ''شاہِ امن'' ہے۔

تو راتی بشارات اور محمد رسول اللہ ﷺ سے چشم پوشی

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اہلِ کتاب کے یہ دونوں مکاتبِ فکر بلکہ یوں کہیے کہ توراتی پیش گوئیوں کی تفسیر کرنے والے دونوں فریق اس بات پر بہرحال متفق ہیں کہ مسیح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر یا اس کے کچھ دیر بعد سے اب تک تاریخ کے واقعات میں ایسی کوئی بات نہیں ملتی جس پر یہ پیش گوئیاں صادق آتی ہوں اور یہ کہ یہ معاملہ قربِ قیامت کے بڑے بڑے واقعات رُونما ہونے تک اسی طرح جاری رہے گا۔

آخر اہلِ کتاب کو خواہ مخواہ اتنا بڑا تاریخی خلا چھوڑ دینے پر اس قدر اصرار کیوں ہے؟ حیرت ہے کہ وہ اپنے سامنے تاریخِ انسانی کا سب سے بڑا اور تاریخ کی سب سے زیادہ توجہ لینے والا واقعہ صاف رونما ہوتا دیکھتے ہیں، یعنی محمد ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کے دین کا سب ادیان پر چھا جانا مگر وہ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان باتوں پر ایمان ہی

نہیں لاتے جو ان کے انبیاء کی پیش گوئیوں میں محمد ﷺ کے بارے میں پائی جاتی ہیں۔ ان پیش گوئیوں میں انھوں نے ہر اُس چیز سے جس کا نبی ﷺ یا دینِ اسلام سے کوئی تعلق بنتا ہے، بالکل آنکھیں میچ لی ہیں اور اُسے اس ڈھٹائی سے چھپانے کی ناکام کوشش کی ہے کہ دیکھنے والا سر پکڑ کر رہ جائے۔

نبی ﷺ کے بارے میں اہلِ کتاب کے تین نظریات

ازمنہ وسطی کے محققین جو اس (امت محمد ﷺ کے مرحلے) سے صرفِ نظر کیے بغیر نہیں رہ سکے، وہ اس کی تفسیر میں مختلف نقطہ ہائے نظر میں بٹ گئے۔

1 ان میں سے کچھ نے تو اپنے آپ کو بالکل مجبور پایا اور وہ یہ جسارت نہ کر سکے کہ محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیں۔ انھیں یہ بھی خوب اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ آپ ﷺ کی بعثت اور آپ کی امت کا شہرہ و اقتدار بھی واقعتاً دنیا کی تاریخ کا عظیم ترین انقلابی واقعہ ہے۔ ان کو یہ بات بھی کھٹکی کہ ان کی یہ عظیم مذہبی پیش گوئیاں بنی اسرائیل کی ایک چھوٹی سی کنبہ نما قوم سے تو بحث کریں اور تاریخ کے اس اہم ترین عظیم الشان انقلابی واقعے کو نظر انداز کر دیں جس نے دنیا بھر کے بت خانے الٹ دیے، دنیا کی بڑی بڑی بت پرست سلطنتوں کو زیر و زبر کر کے رکھ دیا اور تمام مشرک تہذیبوں اور طاغوتی سلطنتوں کو پاؤں تلے روند کر کرۂ ارض پر توحید کا پرچم لہرایا اور وہ عظیم اسلامی مملکت قائم کی جو روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنتِ الٰہیہ تھی جہاں اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت اور اس کے سب رسولوں کی تعظیم و تقدیس کی جاتی تھی۔ یہ وہی اسلامی مملکت تھی جس نے توحید، امن اور انصاف کے مینارے روشن کر دیے اور زمین کے بہت بڑے حصے پر انسانوں کے دین اور ان کے جان و مال کا تحفظ یقینی بنا دیا۔ ان لوگوں کو تاریخ انسانی کے یہ روشن حقائق اپنے اس اندھے تعصب سے متصادم نظر آئے جو یہ اپنے دین کے لیے روا رکھتے تھے۔ انھوں نے اس الجھن سے نکلنے کی راہ یہ نکالی کہ یہ نبوت تو ہے مگر وہ اس شریعت کے مخاطب نہیں اور یہ کہ دینِ اسلام بطور خاص صرف عرب کے لیے آیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر اختیار کرنے والوں میں مشہور ترین شخص پال راہب ہے جس کا شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں رد کیا تھا۔ واضح رہے کہ اس پال راہب سے مراد وہ پال نہیں جو عیسائیت کی تاریخ کا بڑا کردار اور موجودہ عیسائیت کا بانی ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے پہلے گزرا ہے۔ جبکہ یہ پال راہب رسول اللہ ﷺ کے بعد کے دور (بارھویں صدی عیسوی) کا ہے۔ یہ انطاکیہ میں پیدا ہوا اور بحیثیت راہب شہرت پائی۔[1]

[1] الجواب الصحیح (حاشیۃ): 99/1.

2 ان میں سے ایک گروہ کو محمد ﷺ کی نبوت و رسالت کا اثبات گراں گزرا۔ انھوں نے آپ ﷺ کو بخت نصر (Nebuchadnezzar) اور سخارب (Sencharib) جیسے بادشاہوں کی طرح کا ایک بادشاہ قرار دیا اور یہ عقیدہ اختیار کیا کہ آپ ﷺ کی امت کا صدیوں پر پھیلا ہوا اقتدار انھی بت پرست سلطنتوں کا ایک تسلسل ہے۔

3 ان میں سے کچھ غالی معاندین نے اصل حقیقت کو یکسر مسخ کر دیا۔ انھوں نے دعویٰ کیا کہ (معاذ اللہ! نقل کفر کفر نباشد) خاتم المرسلین ﷺ وہ 'دجال' یا 'جھوٹا نبی' یا 'درندہ' ہے جس کا بائبل کی پیش گوئیوں میں ذکر ہے اور یہ کہ اس سے اور اس کی امت سے جنگ کرنے والے لوگ ہی پاکباز اور فرشتہ صفت نیکوکار ہیں (جو آخری زمانے میں دجال سے جنگ کریں گے۔) اس شرمناک تفسیر پر چلنے والے وہ پوپ اور پادری تھے جو عالم اسلام پر صلیبی حملوں کے محرک تھے اور جو یورپی اقوام کو بڑے پیمانے پر بے وقوف بنانے اور ان کے جذبات کو تموج میں لا کر انھیں مسلم ملکوں پر چڑھا لانے میں کامیاب ہو گئے تھے۔[1]

نصرانیت سے جنم لینے والی صہیونیت

یہ سب نقطہ ہائے نظر اس قدر واضح منفی نتائج کے حامل ثابت ہوئے کہ بعد میں آنے والے بہت سے محققین نے اس معاملے پر چپ سادھ لی، صہیونی تحریک کی ولادت نے ان مردہ آراء کو ازسرنو زندہ کر دیا اور ان سب مسائل کو مذہب، ایمانیات اور فکری جدلیات کا ازسرنو موضوع بنا دیا۔ عجیب بات یہ کہ اس صہیونی تحریک کی تخلیق ایک یہودی تحریک کے طور پر نہیں ہوئی تھی بلکہ اس تحریک نے دراصل نصرانیت کی کوکھ سے جنم لیا تھا۔ یہودیوں میں اس تحریک کے داعی بعد میں پیدا ہوئے جو سب کے سب سیکولر، یعنی لادین تھے۔ دراصل عیسائی بنیاد پرستی کی صورت میں سامنے آنے والی یہی نصرانی صہیونیت ہے جس نے بائبل کی پیش گوئیوں کی من گھڑت تاویلات کو ایک نئے انداز سے رواج دیا اور ابھی تک اسی کام میں مصروف ہے۔ اسی نے یہ نظریہ اُجاگر کیا کہ فلسطین میں ایک یہودی ریاست کا قیام دراصل

[1] "In Pursuit of the Millennium" by: Norman Cohen.



صہیونیت کے قبضے میں بیت المقدس

نزولِ مسیح کی تمہید ہے۔

ان کی مذہبی کتابوں کی پیش گوئیاں نجات، عدل اور امن کے دور کے بارے میں ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اس امت کا ذکر بھی کرتی ہیں جسے اللہ تعالیٰ شر کی قوتوں کے خلاف اپنے انتقام کا ذریعہ بنائے گا اور شرک، کفر، ظلم اور فساد کی قوتوں پر مسلط کرے گا...... یہ سب پیش گوئیاں ان کے بقول آخری زمانے کے بارے میں ہیں اور مسیح علیہ السلام کے ہاتھوں پوری ہونے والی ہیں۔ اسی طرح دوسری طرف اسی دعوے کا یہ کہہ کر انکار کیا جا رہا ہے کہ اسرائیل کا قیام اور نئی ہزاری (Millenium) کا شروع ہو جانا دراصل زمانے کے خاتمے کی ابتدا ہے اور یہ کہ وہ انہونا مستقبل، جس کی پیش گوئی کی گئی ہے، وہ دراصل یہی حال کا زمانہ ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ اس تعارض کا اصل سبب اہل کتاب کے افکار کا اپنا تناقض ہے جس میں ان کے ایک گروہ نے اس بڑے تاریخی خلا کی بحث چھیڑ دی ہے اور ان کا ایک دوسرا گروہ اس خلا کو پر کرنے کی ہر غیر معقول اور غیر منطقی کوشش کر رہا ہے۔ یوں اہل کتاب کے ہاں ان دو رویوں، یعنی اس تجاہل عارفانہ کے ساتھ ساتھ قصداً تحریف کے بیچ اصل سچائی روپوش ہو جاتی ہے اور اللہ کی یہ بات ان پر پوری طرح صادق آتی ہے:

﴿ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبٰطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ ﴾ (آل عمرٰن 71:3)

”اے اہل کتاب! آخر تم حق اور باطل کو خلط ملط کیوں کرتے ہو؟ اور تم جانتے بوجھتے ہوئے حق کو چھپاتے ہو۔“[1]

[1] روزِ غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی / حامد کمال الدین، ص: 92-100.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ

''اور وہ (محمد ﷺ) اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو بس وحی ہی ہے جو اُن پر نازل کی جاتی ہے۔''

(النجم 53:3,4)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

أُقِيمُ لَهُمْ نَبِيًّا مِنْ وَسَطِ إِخْوَتِهِمْ مِثْلَكَ وَأَجْعَلُ
كَلَامِي فِي فَمِهِ فَيُكَلِّمُهُمْ بِكُلِّ مَا أُوصِيهِ بِهِ

''میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔''

کتاب مقدس (استثناء) 18:18

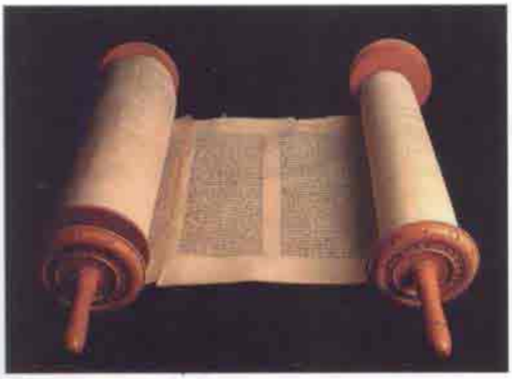
وَأَمَّا مَتَى جَاءَ ذَاكَ رُوحُ الْحَقِّ فَهُوَ يُرْشِدُكُمْ
إِلَى جَمِيعِ الْحَقِّ لِأَنَّهُ لَا يَتَكَلَّمُ مِنْ نَفْسِهِ بَلْ
كُلُّ مَا يَسْمَعُ يَتَكَلَّمُ بِهِ وَيُخْبِرُكُمْ بِأُمُورٍ آتِيَةٍ

''لیکن جب وہ یعنی روحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آیندہ کی خبریں دے گا۔''

کتاب مقدس (یوحنا) 13:16

تورات کی بشارات

آپ نے پچھلے اوراق میں بائبل کی ترتیب و تدوین، اس کے مضامین و مفاہیم اور تحریف و ترمیم کی سرگزشت پڑھی۔ پھر وقتاً فوقتاً اس کے مضامین و مطالب گھٹانے بڑھانے والوں کے احوال کا مطالعہ بھی کیا۔ اس منظر نامے کے باوجود آپ دیکھیں گے کہ سچائی کسی طرح بھی چھپائے نہیں چھپ سکتی اور بائبل کی عبارتیں اپنے تغیر و تبدل اور صدیوں کی فرسودگی کے باوجود رہ کر یہ حقیقت اُجاگر کر دیتی ہیں کہ اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ کے ظہور مبارک کی پکی اور سچی خبر بائبل کے دامن میں موجود ہے۔ آیئے! اب تورات کا جائزہ لیں۔



تورات کا قدیم نسخہ

تورات (توریت) کو عبرانی میں تورہ (Torah) کہا جاتا ہے۔ اس کے معنی ''شریعت'' ہیں۔ توریت موسیٰ نبی (علیہ السلام) کی پانچ کتابوں پیدائش (تکوین)، خروج، احبار، گنتی (عدد) اور استثنا (تثنیۂ شرع) پر مشتمل ہے۔ ''پیدائش'' میں تخلیق کائنات سے لے کر بزرگوں کے زمانے (ابرہام، اضحاق، یعقوب اور یوسف علیہم السلام تک) کے احوال ہیں۔ خروج (ابواب 1 تا 19) میں موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کے مصر سے کوہ سینا تک کے واقعات ہیں۔ بقیہ خروج تا گنتی (باب 10 تک) میں کوہ سینا پر تقریباً ایک سالہ قیام کا تذکرہ ہے۔ گنتی (ابواب 10 تا 21) میں بنی اسرائیل کے بیابان (تیہ) میں بھٹکنے کا ذکر ہے اور بقیہ گنتی تا استثنا (باب 34 تک) میں کنعان (فلسطین) میں بنی اسرائیل کے داخل ہونے سے پہلے (وفات موسیٰ تک) ایک سال کے واقعات درج ہیں۔[1]

تورات کی پہلی پیش گوئی

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

[1] قاموس الکتاب، ص: 266.

''میں اُن کے لیے اُن ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری اُن باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سنے تو میں اُن کا حساب اُس سے لوں گا۔''[1]

1 ''اُن ہی کے بھائیوں میں سے...... ایک نبی'': یہاں بھائیوں سے بنی اسماعیل مراد ہیں کیونکہ بنی اسرائیل، جو یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور بنی اسماعیل دونوں کے جدِّ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ بائبل میں یہ بات جابجا بیان ہوئی ہے کہ بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسماعیل ہیں۔ ایک جگہ عبارت یوں ہے:

''اور اسماعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس برس کی ہوئی تب اُس نے دم چھوڑ دیا اور وفات پائی اور اپنے لوگوں میں جاملا۔ اور اُس کی اولاد حویلہ سے شور تک، جو مصر کے سامنے اُس راستہ پر ہے جس سے اسور (Asshur) کو جاتے ہیں، آباد تھی۔ یہ لوگ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بسے ہوئے تھے۔''[2]



تورات کی اس پیش گوئی کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام قطعاً نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ بنی اسرائیل سے تھے، ''ان کے بھائیوں (بنی اسماعیل)'' میں سے نہیں تھے۔

2 ''تیری مانند ایک نبی'': عیسیٰ علیہ السلام ''تیری مانند'' کا مصداق بھی نہیں کیونکہ بائبل ہی میں یہ صراحت موجود ہے:

1 کتاب مقدس (استثنا) 18:18، 19. 2 کتاب مقدس (پیدائش) 25:17، 18.

''بنی اسرائیل میں کوئی نبی موسیٰ کی مانند جس سے خداوند نے رُوبرو باتیں کیں، نہیں اُٹھا۔''[1]

نبی کریم ﷺ بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسماعیل میں سے ہیں اور بہت سی صفات وکمالات اور شرعی احکام میں موسیٰ علیہ السلام ''کی مانند'' ہیں جبکہ عیسیٰ علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام ''کی مانند'' نہیں تھے۔ اس پیش گوئی کا مصداق حضرت مسیح اس لیے بھی نہیں ہیں کہ عہد نامہ جدید میں ''رسولوں کے اعمال'' (24-20:3) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس پیش گوئی کا ذکر ہے جس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسیح (علیہ السلام) کا اُس وقت تک آسمان میں رہنا ضروری ہے جب تک یہ پیش گوئی پوری نہ ہو۔

موسیٰ علیہ السلام اور نبیِ کریم ﷺ کی چند مشترک خصوصیات

مولانا رحمت اللہ عثمانی کیرانوی رحمہ اللہ نے اپنی عربی تصنیف ''اظہار الحق'' میں تورات کی اس پیش گوئی کے حوالے سے موسیٰ علیہ السلام اور نبیِ کریم ﷺ کے مابین جو مشابہتیں بیان کی ہیں، ان میں سے نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں:

1. ماں باپ سے پیدا ہونا۔
2. شادی شدہ اور صاحبِ اولاد ہونا۔
3. شریعت کا تمدنی سیاست پر مشتمل ہونا۔
4. غلبۂ دین کے لیے جہاد کا اجرا۔
5. زنا کی سزا میں ایک ہی طرح کا حکم دینا۔
6. حدود، قصاص اور تعزیری سزاؤں کی تعیین۔
7. ان سزاؤں کے نفاذ پر قادر ہونا۔
8. سود کو حرام قرار دینا۔
9. بستر پر وفات پانا۔
10. موسیٰ علیہ السلام کی طرح نبی ﷺ کا مدفون ہونا۔
11. موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ بھی قابلِ اطاعت سربراہ تھے اور اپنے اوامر ونواہی کے نفاذ پر قادر تھے۔[2]

موسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ میں دو مزید مماثلتیں درج ذیل ہیں:

12. دین کی خاطر ہجرت کرنا۔
13. موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی اور آپ ﷺ نے ﴿فِرْعَوْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ﴾ ''اس اُمت کے

[1] کتاب مقدس (استثنا) 10:34. [2] إظهار الحق: 1123,1122/4.

فرعون''یعنی ابوجہل اور اُس کے اوباش ساتھیوں کو شکست دی۔

غرض دونوں شریعتوں میں اس قسم کی اور بہت سی مشترک چیزیں ہیں جن کی طرف قرآنِ کریم میں اس طرح اشارہ کیا گیا ہے:

﴿ اِنَّآ اَرۡسَلۡنَآ اِلَیۡکُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاہِدًا عَلَیۡکُمۡ کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ؕ﴾

(المزّمّل 15:73)

''بلاشبہ ہم نے تمھاری طرف ایک پیغام پہنچانے والا بھیجا جو تم پر گواہی دینے والا ہے، جس طرح ہم نے فرعون کی طرف ایک پیغام پہنچانے والا بھیجا۔'' [1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایسی مشترک خصوصیات ہی کی وجہ سے شاید ورقہ بن نوفل نے اس وقت جب کہ پہلی وحی کے نزول کے بعد نبیِ کریم ﷺ نے انھیں وحی اُترنے کی خبر بتائی تھی، یہ کہا تھا:

هٰذَا النَّامُوسُ الَّذِي نَزَّلَ اللّٰهُ عَلٰى مُوسٰى.

''یہ وہی ناموس ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ (علیہ السلام) پر نازل کیا تھا۔'' [2]

یہاں ناموس سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ ورقہ نے عیسائی ہونے کے باوجود اس موقع پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام اس لیے لیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے برعکس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب اکثر احکام پر مشتمل تھی جیسا کہ نبی اکرم ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب میں بھی اکثر احکام و مسائل کا بیان ہے، یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں فرعون اور اس کے ساتھیوں کی تباہی و بربادی ہوئی، اسی طرح رسول اکرم علیہ الصلاۃ والسلام کے ذریعے سے اس امت کے فرعون ابوجہل عمرو بن ہشام اور اس کے ساتھیوں کی بدر میں ہلاکت ہوئی تھی، یا اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جبریل امین کا نزول اہل کتاب کے ہاں متفق تھا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بہت سے یہودی منکر ہیں۔ [3]

3 ''اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ اُن سے کہے گا'': قرآن کریم میں نبیِ کریم ﷺ کی اسی طرح کی صفات یوں بیان کی گئی ہیں:

﴿ وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡہَوٰی ؕ﴿۳﴾ اِنۡ ہُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰی ۙ﴿۴﴾﴾

''اور وہ (نبی) اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو صرف وحی ہی ہے جو (اُن پر) نازل کی جاتی ہے۔'' [4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

[1] إظهار الحق: 1124/4. [2] صحيح البخاري: 3. [3] فتح الباري: 35/1. [4] النّجم 53: 3، 4.

«مَا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعْطِيَ مِنَ الْآيَاتِ مَا مِثْلُهُ آمَنَ عَلَيْهِ الْبَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُهُ وَحْيًا أَوْحَاهُ اللّٰهُ إِلَيَّ، فَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَكْثَرَهُمْ تَابِعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''انبیاء میں سے ہر نبی کو ایسے معجزات دیے گئے جن پر لوگ ایمان لاتے رہے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے، وہ وحی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میری طرف نازل فرمایا ہے۔ مجھے امید ہے کہ روز قیامت میرے پیروکاروں کی تعداد سب سے زیادہ ہوگی۔''[1]

4 ''وہ میرا نام لے کر کہے گا'': یہ ایک نمایاں حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتدا بھی اللہ کے نام سے ہوئی: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ ﴾ ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے۔''[2] نیز قرآن مجید کی 113 سورتیں اللہ کے پاک نام سے شروع ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کے سوا دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جو اپنے روزمرہ کے امور ﴿ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ ''اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔'' جیسے مقدس جملے سے شروع کرتی ہو۔ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر اچھے قول اور عمل کا آغاز بسم اللہ پڑھ کر کریں۔

ان دلائل سے صاف ظاہر ہے کہ تورات کی یہ پیش گوئی نبیِ اکرم ﷺ کے سوا کسی اور کے لیے ہو ہی نہیں سکتی۔

تورات کی دوسری پیش گوئی

''اور مردِ خدا موسیٰ نے جو دُعائے خیر دے کر اپنی وفات سے پہلے بنی اسرائیل کو برکت دی وہ یہ ہے۔

اور اُس نے کہا:

خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔ اُس کے دہنے ہاتھ پر اُن کے لیے آتشی شریعت تھی۔''[3]

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو جس پہاڑ پر نبوت سے سرفراز فرمایا گیا، اسے سینا کہا گیا ہے۔

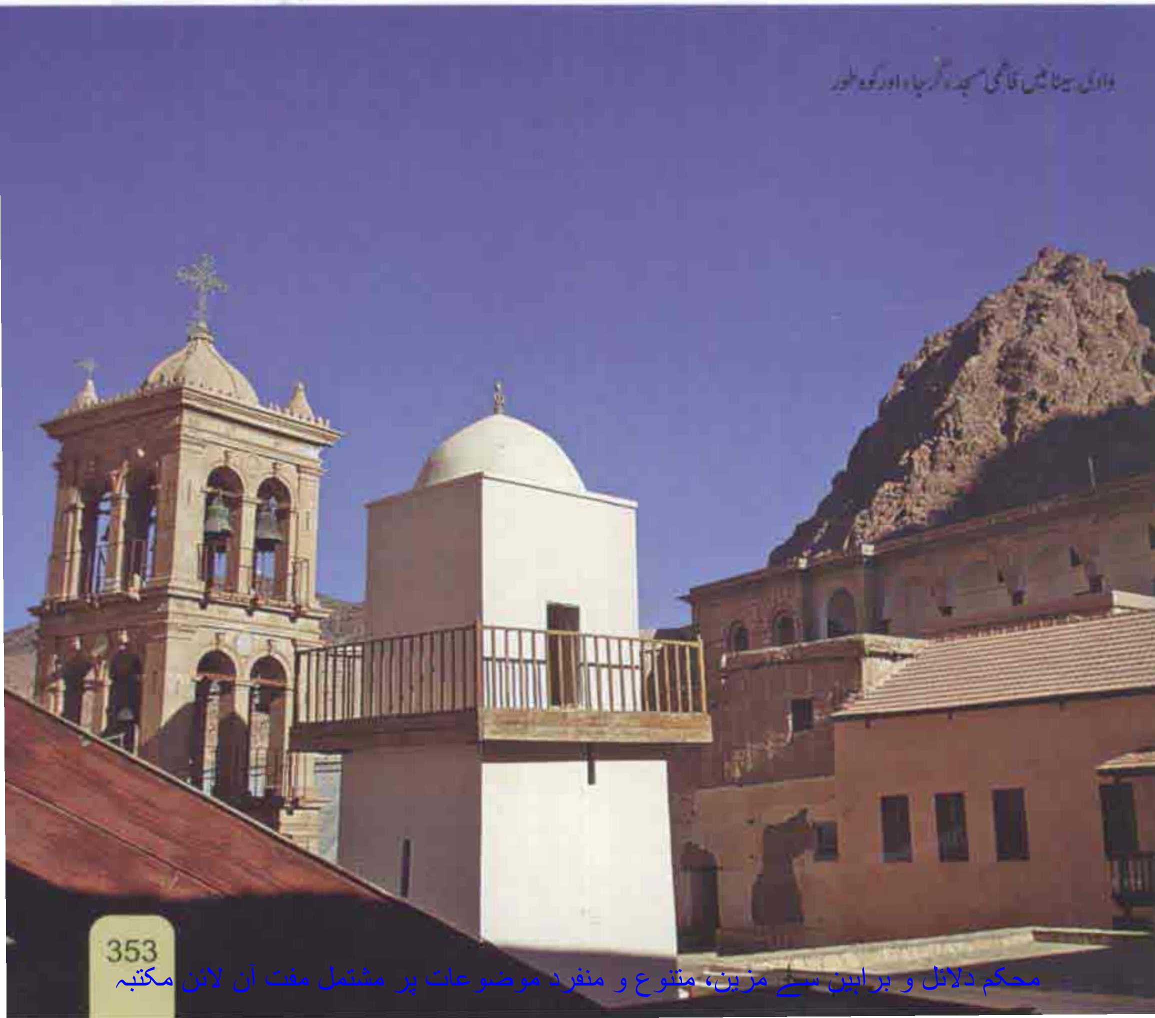
سیناء عام طور پر کوہِ طور کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مصری جزیرہ نمائے سیناء (Senai) کے جنوب میں واقع ہے۔ اسے جبل طور بھی کہتے ہیں۔ بائبل میں اسے حورب کا پہاڑ لکھا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اسے ﴿ الطُّوْرِ ﴾ (الطور 52:1)، ﴿ طُوْرِ سَيْنَآءَ ﴾ (المؤمنون 23:20) اور ﴿ طُوْرِ سِيْنِيْنَ ﴾ (التين 95:2) کہا گیا ہے۔

سید ابو الاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''طور کے اصل معنی پہاڑ کے ہیں۔ اور الطور سے مراد وہ خاص پہاڑ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔''[4] وہ مزید لکھتے ہیں: ''یہ مقام جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

[1] صحیح البخاري: 4981 و 7274. [2] العلق 96:1. [3] کتاب مقدس (استثنا) 33:1، 2. [4] تفہیم القرآن، الطور 52:1.

جھاڑی میں آگ لگی ہوئی دیکھی تھی، کوہ طور کے دامن میں سطح سمندر سے تقریباً 5 ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ رومی سلطنت کے پہلے عیسائی بادشاہ قسطنطین نے لگ بھگ ٹھیک اس مقام پر ایک کنیسہ تعمیر کرا دیا تھا جہاں موسیٰ علیہ السلام نے آگ سی لگی دیکھی تھی۔ اس کے دوسو برس بعد قیصر جسٹینین نے 527ء میں یہاں ایک دَیر (خانقاہ، Monastery) تعمیر کرایا جس کے اندر قسطنطین کے بنائے ہوئے کنیسہ کو بھی شامل کر لیا۔ اس دیر اور کنیسہ پر یونانی کلیسا کے راہبوں کا قبضہ ہے۔[1] ''سیناء (طور) کے بلند پہاڑ کا بالائی حصہ اکثر بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے اور جس کی بلندی 7359 فٹ ہے، اس پہاڑ کی چوٹی پر آج تک وہ کھوہ زیارت گاہ عام بنی ہوئی ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن بسر فرمائے تھے۔ اس کے قریب مسلمانوں کی ایک مسجد اور عیسائیوں کا ایک گرجا ہے اور پہاڑی کے دامن میں رومی قیصر جسٹینین کے زمانے کی ایک خانقاہ بھی آج تک موجود ہے۔''[2]

[1] تفہیم القرآن، النمل 7:27. [2] تفہیم القرآن، الأعراف: 142:7.


وادی سینا میں فاطمی مسجد، گرجا، اور کوہ طور



سیناء، شعیر (سعیر) اور فاران

1 ''وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا'': اللہ تعالیٰ نے قرآن میں سیناء، شعیر اور فاران کے تین مقامات مقدسہ کا ذکر اس طرح کیا ہے:

﴿ وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝ وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝ ﴾

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی اور طور سیناء کی اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی!''[1]

تورات میں تینوں کا ذکر ترتیب زمانی سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام پر وحی کا آغاز سیناء (طورِ سینین) پر ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام پر انجیر اور زیتون کی سرزمین شعیر یا سعیر (فلسطین میں یروشلیم سے 10 میل دور پہاڑی) میں اور آخری رسول محمد ﷺ پر بلدِ امین (مکہ) کے پاس غار حراء میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے نزول کا آغاز ہوا۔ یہ بلد امین کوہ فاران[2] کے دامن میں ہے۔ قرآن نے ترتیب زمانی کے بجائے فضل وشرف کے اعتبار سے ادنی سے اعلیٰ کی ترتیب ملحوظ رکھ کر تینوں کا

1 التین: 95:1-3. 2 اس کی تفصیل ''صحیفۂ حبقوق کی بشارت'' کے ذیل میں عنوان ''وادی مکہ ہی فاران ہے'' کے تحت دیکھیں۔


سرزمین سعیر (فلسطین)


جبل طور (مصر)


جبل نور (مکہ)

ذکر کیا۔ پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر نزولِ انجیل کا ذکر ہوا جو تورات ہی کی مؤید تھی، پھر تورات کے مقامِ نزول سینا کا ذکر کیا جس کی شریعت یہودیوں اور عیسائیوں دونوں کے لیے تھی، پھر مکہ میں قرآن مجید کے نزول کا ذکر کیا جس کا درجہ سب سے بلند ہے، جو مکمل ترین ہے اور ساری انسانیت کے لیے ہدایت کی ابدی دستاویز ہے۔ [1]

2 ''اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا'': اہلِ کتاب نے اس خدشے کے پیشِ نظر کہ کہیں نبیِ کریم ﷺ اس پیش گوئی کے مصداق نہ بن جائیں، بائبل کی اس پیش گوئی میں کئی بار تحریف کی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

موجودہ بائبل	قدیم بائبل
''خداوند سینا سے آیا (یعنی خود اللہ آیا)۔''	''خداوند سینا سے لایا۔''
''اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔'' [2]	''دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔'' [3]

بائبل میں تحریف در تحریف

1 قدیم بائبل میں جو لفظ درج تھا وہ ''لایا'' تھا، اسے ''آیا'' سے بدل دیا گیا اور نئی بائبل میں ''دس ہزار قدسیوں'' کو پہلے ''ہزاروں قدسیوں'' اور پھر ''لاکھوں قدسیوں'' بنا دیا گیا جبکہ غزل الغزلات 10:5 میں آج بھی یہ عبارت موجود ہے: ''میرا محبوب سُرخ و سفید ہے، وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔''

2 ''کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان'' کی شائع کردہ بائبل ''کلام مقدس'' میں تو تحریف کی انتہا کر دی گئی ہے۔ اس میں سرے سے وہ آیت ہی غائب کر دی گئی ہے جس میں فتح مکہ کے وقت ہزاروں قدسیوں (صحابہ) کے ساتھ نبی ﷺ کے آنے کا واضح تذکرہ تھا، اس کی جگہ ایک مجہول آیت شامل کر دی گئی ہے جو یوں ہے:

''اور مریبہ قادیش میں آیا۔'' [4]

گویا ''کاتھولک بائبل'' میں ''لاکھوں قدسیوں'' کو ''مریبہ قادیش'' میں بدل دیا گیا ہے جبکہ ہولی بائبل (نیو انٹرنیشنل ورژن) میں وہی آیت یوں ہے:

He came with myriads of holy ones.

انگریزی ڈکشنری (Chamber's 21st Century Dictionary) میں myriad یا myriads کے معنی an exceedingly great number ''بہت بڑی تعداد'' دیے گئے ہیں جبکہ اس کی اصل یونانی لفظ میریاس (Myrias)

---

1 تفصیل کے لیے دیکھیے: (الجواب الصحیح: 5/202-204، 207، 208). 2 کتاب مقدس (استثنا) 2:33 (پاکستان بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور 2008ء) 3 کتاب مقدس (استثنا) 2:33 (مطبوعہ آرفن سکول مرزا پور انڈیا 1870ء۔ Old Bibles, Londod.R.Dare بائبل مطبوعہ لدھیانہ 1908ء) 4 ''کلام مقدس'' تثنیۂ شرع (استثنا) 2:33.

ہے جس کے معنی ''دس ہزار'' بتائے گئے ہیں۔ اسی سے لفظ myriad سولھویں صدی عیسوی میں انگریزی میں شامل ہوا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ''دس ہزار'' کو ''لاکھوں'' یا ''مریبہ قادیش'' میں بدل کر کھلی تحریف کی گئی ہے۔

فتح مکہ کے موقع پر نبیِ اکرم ﷺ دس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ شان کے ساتھ تشریف لائے۔ بنابریں یہ پیش گوئی بھی نبی ﷺ ہی پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت و صداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ

"اور بلاشبہ ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا ہے کہ زمین کے وارث میرے نیک بندے ہی ہوں گے۔"

(الأنبیآء ،21:105)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

اسْأَلْنِي فَأُعْطِيَكَ الْأُمَمَ مِيرَاثًا لَكَ
وَأَقَاصِيَ الْأَرْضِ مُلْكًا لَكَ

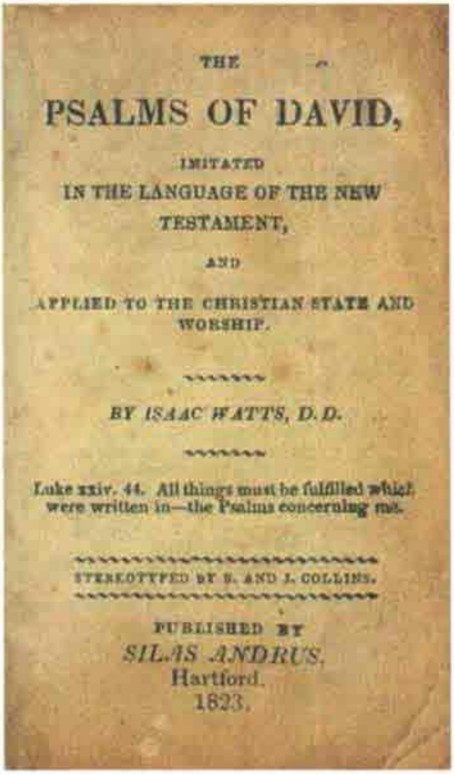
"مجھ سے مانگ اور میں قوموں کو تیری میراث کے لئے اور زمین کے انتہائی حصے تیری ملکیت کے لیے تجھے بخشوں گا۔"

کتاب مقدس (زبور) 8:2

زبور کی بشارات

زبور کی پہلی پیش گوئی

''تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے۔ تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے اس لیے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا۔ اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت وشوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر اور سچائی اور حلم وصداقت کی خاطر اپنی شان وشوکت میں اقبال مندی سے سوار ہو...... تیری سلطنت کا عصا راستی کا عصا ہے۔ تو نے صداقت سے محبت رکھی اور بدکاری سے نفرت، اسی لیے خدا تیرے خدا نے شادمانی کے تیل سے تجھ کو تیرے ہمسروں سے زیادہ مسح کیا ہے۔ تیرے ہر لباس سے مُر اور عود(Oud) اور تج (Cossia) کی خوشبو آتی ہے۔ ہاتھی دانت کے محلوں میں سے تاردار سازوں نے تجھے خوش کیا ہے۔ تیری معزز خواتین میں شہزادیاں ہیں۔ ملکہ تیرے دہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے۔ اے بیٹی! سُن۔ غور کر اور کان لگا۔ اپنی قوم اور اپنے باپ کے گھر کو بھول جا۔ اور بادشاہ تیرے حسن کا مشتاق



THE
PSALMS OF DAVID,
IMITATED
IN THE LANGUAGE OF THE NEW
TESTAMENT,
AND
APPLIED TO THE CHRISTIAN STATE AND
WORSHIP.
BY ISAAC WATTS, D.D.
Luke xxiv. 44. All things must be fulfilled which were written in—the Psalms concerning me.
STEREOTYPED BY E. AND J. COLLINS.
PUBLISHED BY
SILAS ANDRUS,
Hartford.
1823.

زبور داود کا سرورق 1823ء

ہوگا۔ کیونکہ وہ تیرا خداوند ہے، اور صُور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی۔ قوم کے دولت مند تیری رضاجوئی

کریں گے۔"[1]

"تو بنی آدم میں سب سے حسین ہے": عیسائی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ نص آنے والے نبی مسیحا(Messiah) کے بارے میں ہے اور اُن کا دعویٰ ہے کہ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے[2] لیکن بائبل کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام اس کا مصداق نہیں بنتے۔ بائبل کی کتاب یسعیاہ میں مسیحا (Messiah) کے متعلق لکھا ہے:

"نہ اُس کی کوئی شکل و صورت ہے نہ خوبصورتی اور جب ہم اُس پر نگاہ کریں تو کچھ حسن و جمال نہیں کہ ہم اُس کے مشتاق ہوں۔ وہ آدمیوں میں حقیر و مردود، مرد غمناک اور رنج کا آشنا تھا۔ لوگ اُس سے گویا رُوپوش تھے اُس کی تحقیر کی گئی اور ہم نے اُس کی کچھ قدر نہ جانی۔ تو بھی اس نے ہماری مشقتیں اٹھالیں اور ہمارے غموں کو برداشت کیا۔ پر ہم نے اُسے خدا کا مارا کوٹا اور ستایا ہوا سمجھا۔ حالانکہ وہ ہماری خطاؤں کے سبب سے گھایل کیا گیا اور ہماری بدکرداری کے باعث کچلا گیا۔ ہماری ہی سلامتی کے لیے اُس پر سیاست ہوئی تا کہ اُس کے مار کھانے سے ہم شفا پائیں۔ ہم سب بھیڑوں کی مانند بھٹک گئے۔ ہم میں سے ہر ایک اپنی راہ کو پھرا پر خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اُس پر لادی۔"[3]

عیسائی علماء بھی اس بات کی تائید کرتے ہیں۔ یونانی مسیحی مفکر کلیمنٹ اسکندرانی (150ء-215ء) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق لکھتا ہے:

"اُن کی خوبصورتی روح اور اعمال میں تھی۔ اُن کی ظاہری ہیئت حقیر تھی۔"

اسی طرح کیتھولک مفکر ٹرٹلین (160-250ء) کہتا ہے:

"وہ ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے حسین نہیں تھے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ وہ ہر قسم کی جسمانی وجاہت سے محروم تھے۔"

مارٹر اور ریگائس وغیرہ بھی یہی بات کہتے ہیں۔[4]

ہم ان کی بات سے اتفاق نہیں کرتے کیونکہ انبیاء علیہم السلام حسین ہوتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی حسین لوگوں میں شمار

---

[1] کتاب مقدس (زبور) 45:2-12.

[2] NIV Study Bible, p: 835, FN 45:6.

[3] کتاب مقدس (یسعیاہ) 53: 2-6، 1105 [4] Life Application Study Bible, P: هل بشر الكتاب المقدس بمحمد ﷺ؟ للدكتور منقذ محمود السقار، ص: 90,89.

ہوتے تھے۔ اُن کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَرَانِي اللَّيْلَةَ فِي الْمَنَامِ عِنْدَ الْكَعْبَةِ، فَإِذَا رَجُلٌ آدَمُ كَأَحْسَنِ مَا تَرٰى مِنْ أُدْمِ الرِّجَالِ، تَضْرِبُ لِمَّتُهُ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ، رَجِلُ الشَّعْرِ، يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً، وَاضِعًا يَدَيْهِ عَلٰى مَنْكِبَيْ رَجُلَيْنِ، وَهُوَ بَيْنَهُمَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، فَقُلْتُ: مَنْ هٰذَا؟ فَقَالُوا: هٰذَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ»

''میں نے ایک رات خواب میں اپنے آپ کو کعبہ کے پاس پایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گندمی رنگ کے آدمیوں میں سے ایک انتہائی حسین وجمیل گندمی رنگ کا قدرے گھنگھریالے بالوں والا شخص تھا۔ اُس کے بال کندھوں پر پڑ رہے تھے اور سر (کے بالوں) سے پانی کے قطرے گر رہے تھے (جیسے ابھی نہا کر آرہا ہو۔) وہ دو بندوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہے؟ انھوں نے بتایا: یہ مسیح ابن مریم ہیں۔'' [1]

انبیائے کرام ﷺ کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ جب حضرت محمد ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ میں نے خواب میں عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ وہ نہایت خوبصورت تھے، لہٰذا پوری طرح یقین کر لینا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک حسین وجمیل شخص تھے۔ اس سے مختلف بات چاہے کہیں بھی کہی گئی ہو، وہ بہر حال غلط ہے۔ لیکن زبور کی اس پیش گوئی میں بنی آدم میں سب سے حسین کا ذکر ہے اور وہ صرف نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ہی کی ذات گرامی کے بارے میں ہے۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهًا وَّأَحْسَنَهُ خَلْقًا، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ.

''رسول اللہ ﷺ کا چہرہ لوگوں میں سب سے زیادہ حسین تھا۔ آپ ظاہری شکل وصورت میں سب سے زیادہ خوبصورت تھے۔ آپ کا قد زیادہ لمبا تھا نہ بہت چھوٹا۔'' [2]

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت میں ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ مَرْبُوعًا بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَهُ شَعْرٌ يَبْلُغُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ، رَأَيْتُهُ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ لَمْ أَرَشَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ.

''نبی کریم ﷺ میانہ قد تھے۔ آپ کا سینہ کشادہ تھا۔ آپ کے (سر کے) بال کانوں کی لو تک تھے۔ میں نے

[1] صحيح مسلم: (274)-169. [2] صحيح البخاري: 3549.

نبی کریم ﷺ کو ایک مرتبہ سرخ لباس زیب تن کیے دیکھا۔ میں نے آپ سے بڑھ کر کوئی حسین و جمیل نہیں دیکھا۔''[1]

2 ''خدا نے تجھے ہمیشہ کے لیے مبارک کیا'': قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت یوں بیان کی گئی ہے: ﴿وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ﴾ ''اور اس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں۔''[2] آپ کی نبوت بلا شک و شبہ بابرکت تھی مگر وہ دائمی نہیں تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو خود اعلان کیا ہے کہ میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں ہی کی طرف بھیجا گیا ہوں۔[3] لہٰذا وہ اس پیش گوئی کے مصداق نہیں ہو سکتے۔ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آئیں گے تو وہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی کے اطاعت گزار ہوں گے۔

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ پیش گوئی کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے رسول اللہ ﷺ ہیں جو قیامت تک پورے عالم انسانیت کے لیے نبی اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا﴾

''کہہ دیجیے: اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔''[4]

یہ بھی رسول اللہ ﷺ کے شرف و عظمت کی دلیل ہے کہ آپ کو کائنات انسانی کے تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''[5]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾

''کہہ دیجیے کہ اللہ ہی میرے اور تمھارے درمیان گواہ ہے اور یہ قرآن مجھ پر اس لیے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تم کو اور جس شخص تک یہ پہنچ سکے، اسے ڈراؤں۔''[6]

1 صحیح البخاري:3551. 2 مریم 19:31. 3 کتاب مقدس (متی) 15:24 و 10:5,6. 4 الأعراف 7:158. 5 سبا 34:28.
6 الأنعام 6:19.

اور فرمایا:

﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾

''اور جو کوئی دوسرے گروہوں میں سے اس (محمد ﷺ) کا منکر ہو تو اس کا ٹھکانا آگ (جہنم) ہے۔''[1]

اور فرمایا:

﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ﴾

''اور (اے نبی!) اہل کتاب سے اور ان پڑھ لوگوں سے پوچھیں کہ کیا تم بھی (اللہ کے فرماں بردار بنتے اور) اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر یہ لوگ اسلام قبول کر لیں تو بے شک یہ ہدایت پا گئے اور اگر پھر جائیں تو آپ کا کام صرف (اللہ کا) پیغام پہنچا دینا ہے۔''[2]

خود امام الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

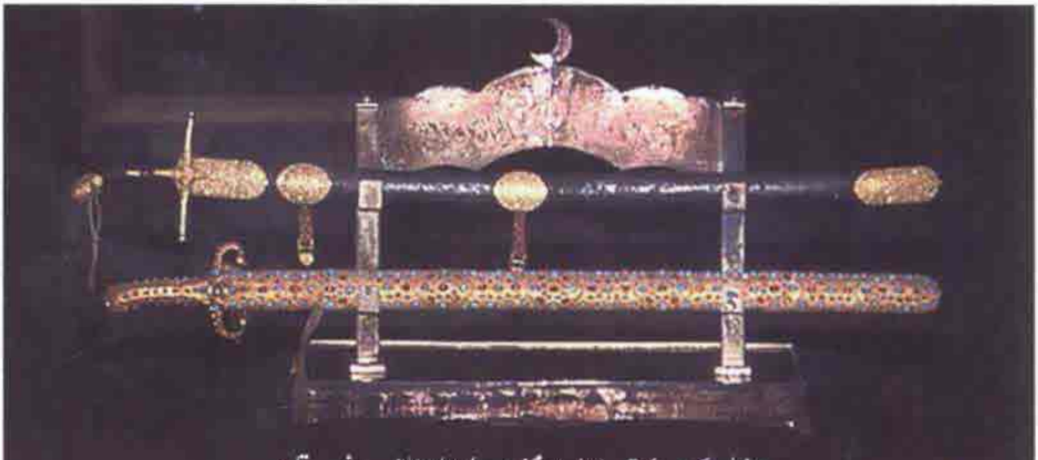
«أُعْطِيتُ خَمْسًا لَّمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ قَبْلِي: ...... وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلٰى قَوْمِهِ خَاصَّةً وَّبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ عَامَّةً»

''مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں: ...... اور (ان میں سے پانچویں یہ ہے کہ) پہلے نبی خاص اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوا کرتا تھا لیکن میں تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''[3]

3 ''اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر'': تلوار قوت، اقتدار اور سپہ سالاری کی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام کا یہ ''ممدوح الامم'' تلوار سے مسلح ہو کر میدان جنگ میں اُترے گا۔ اس کے مصداق بھی رسول اللہ ﷺ ہی ہیں۔ آپ نے دین اسلام کے فروغ کے لیے تلوار اٹھائی، سپہ سالار بنے اور بہت سے غزوات میں حصہ لیا، نیز مکہ کے پہلوان رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف کو پچھاڑنے کا واقعہ[4] آپ ﷺ کی طاقت و قوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«بُعِثْتُ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ بِالسَّيْفِ حَتّٰى يُعْبَدَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَجُعِلَ رِزْقِي

[1] هود 17:11. [2] آل عمرٰن 20:3. [3] صحيح البخاري: 335. [4] دیکھیے: السيرة لابن هشام: 391/1.



استنبول کے میوزیم توپ کاپی میں محفوظ رسول اللہ ﷺ سے منسوب تلوار

تَحْتَ ظِلِّ رُمْحِي»

”مجھے قیامت سے پہلے تلوار دے کر بھیجا گیا ہے یہاں تک کہ اللہ کی عبادت کی جائے جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے رکھا گیا ہے۔“ [1]

تلوار کے ساتھ آپ کو اس لیے بھیجا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۚ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾

”اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور ان پر سختی کیجیے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔“ [2]

اُس دور میں تلوار آلاتِ حرب و ضرب میں بے حد اہمیت کی حامل تھی، اسی لیے فرمایا: ”اے زبردست! تو اپنی تلوار کو جو تیری حشمت و شوکت ہے اپنی کمر سے حمائل کر۔“

4 **”تیری معزز خواتین میں شہزادیاں ہیں“**: رسول اللہ ﷺ نے خدیجہ بنت خویلد، صفیہ بنت حُیَیّ بن اَخطب، ام حبیبہ بنت ابی سفیان اور جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہن سے شادیاں کیں۔ یہ محترم خواتین اپنی اپنی قوم کے سرداروں کی بیٹیاں تھیں۔ اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام کی قریبی خواتین میں ایسی کوئی خاتون نہیں تھی۔

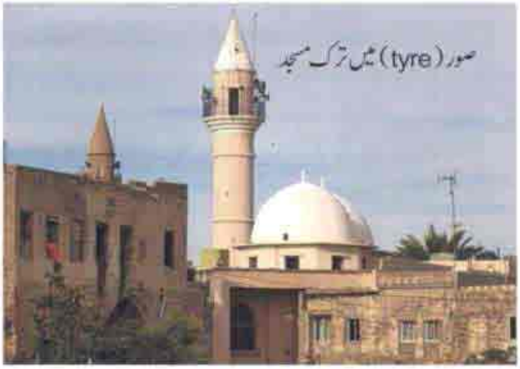
5 **”ملکہ تیرے دہنے ہاتھ اوفیر کے سونے سے آراستہ کھڑی ہے“**: بائبل کے طرزِ کلام میں جگہ جگہ استعارے استعمال ہوئے ہیں۔ ”اوفیر کے سونے سے آراستہ ملکہ“ بھی ایک استعارہ ہے جس سے دولت اور سلطنت کی خوشحالی

---

[1] مسند أحمد: 50/2، إرواء الغليل: 5/109-111. [2] التوبة 9:73.

مراد ہے۔ یمن نبی ﷺ کی زندگی ہی میں مدینہ کی اسلامی خلافت کا حصہ بن گیا تھا اور اوفیر (یمن) کا سونا زکاۃ و صدقات کی مد میں اسلامی بیت المال میں پہنچنے لگا تھا۔ ''اوفیر کے سونے'' سے یمن کے محاصل کی طرف اشارہ ہے، لہٰذا یہ پیش گوئی نبی ﷺ ہی پر صادق آتی ہے۔ اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے اصحاب نے کوئی ریاست قائم نہیں کی، لہٰذا اوفیر کے سونے کی آمد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

6 ''اور صُور کی بیٹی ہدیہ لے کر حاضر ہوگی'': نبیِ کریم ﷺ کی وفات کے بعد ایک دہائی کے اندر اندر شام و لبنان، عراق، فلسطین، ایران اور مصر اسلامی خلافت میں شامل ہوگئے، چنانچہ فنیقیوں کے دور میں بحیرۂ روم کے کنارے واقع جنوبی لبنان کے صور (Tyre) اور صیداء (Sidon) جیسے تاریخی شہر خلافتِ اسلامیہ کا حصہ بن گئے اور



صور (tyre) میں ترک مسجد



صیداء کی جامع مسجد

ان کے محاصل مدینہ پہنچنے لگے۔ ''صور کا ہدیہ (محصول) پہنچنے میں'' دراصل نبی ﷺ کے دین کے فروغ و اشاعت کی طرف اشارہ ہے۔

7 ''قوم کے دولت مند تیری رضا جوئی کریں گے'': حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جماعت میں تو کوئی دولت مند شامل ہی نہیں ہوسکتا تھا جیسا کہ انجیل میں آیا ہے:

> ''یسوع نے اس کو دیکھ کر کہا کہ دولت مندوں کا خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا کیسا مشکل ہے! کیونکہ اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہی میں داخل ہو۔''[1]

اس کے برعکس نبیِ اکرم ﷺ پر ایمان لانے والوں میں قریش کی انتہائی مالدار خاتون سیدہ خدیجہ بنت خویلد کے علاوہ ابوبکر صدیق، عثمان غنی اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسے مالدار لوگ بھی تھے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا جوئی

[1] کتاب مقدس (لوقا) 18:24،25۔

کے لیے ہر آن، ہر گھڑی کوشاں رہتے تھے۔

زبور کی دوسری پیش گوئی

زبورِ داود میں شامل سلیمان (علیہ السلام) کے گیت میں لکھا ہے:

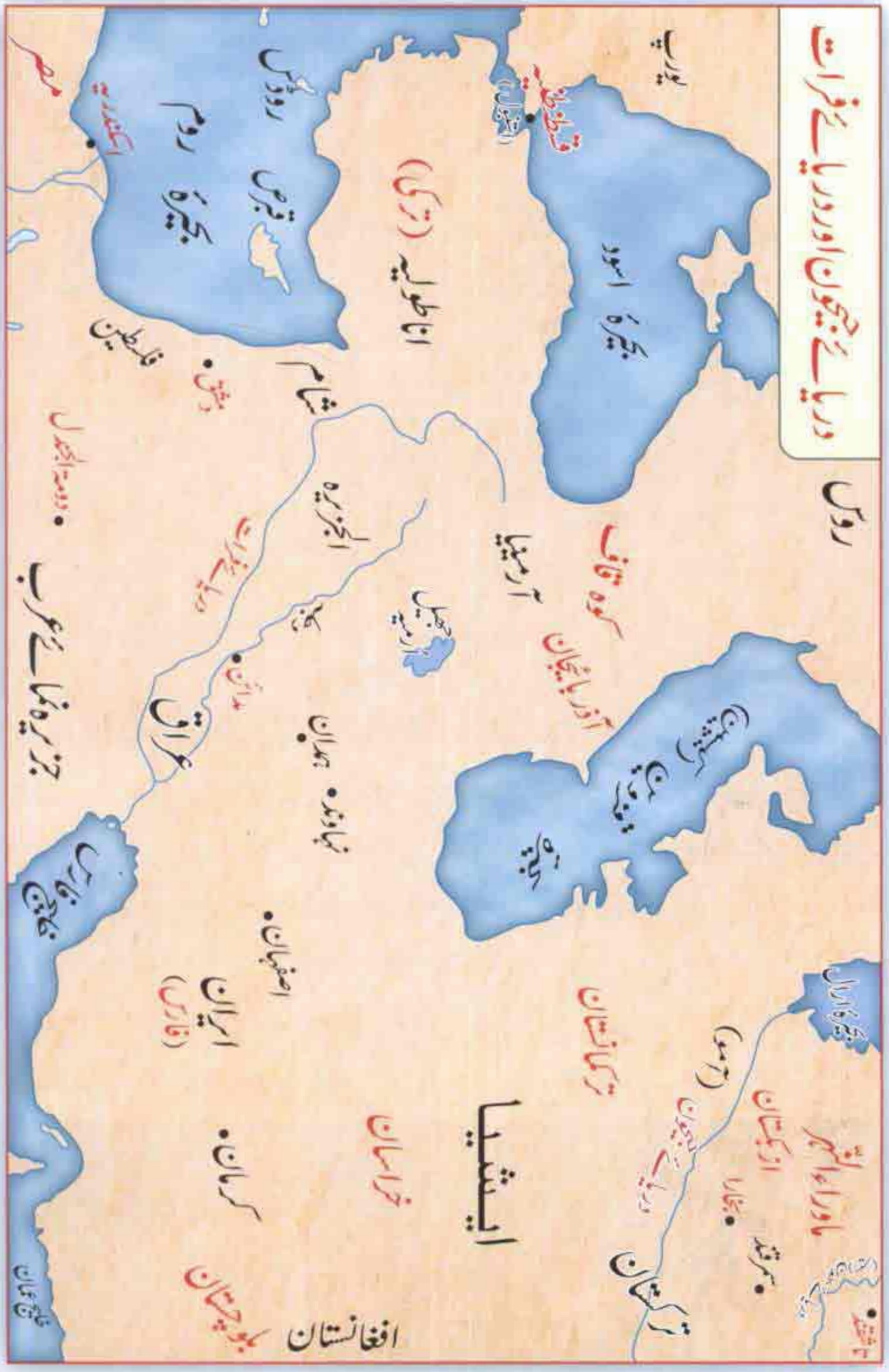
''اُس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریای فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔ بیابان کے رہنے والے اُس کے آگے جھکیں گے اور اُس کے دشمن خاک چاٹیں گے۔ ترسیس (Tershish) کے اور جزیروں کے بادشاہ نذریں گذرانیں گے۔ سبا (Sheba) اور سیبا (Siba) کے بادشاہ ہدیے لائیں گے۔ بلکہ سب بادشاہ اُس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اُس کی مطیع ہوں گی۔ کیونکہ وہ محتاج کو جب وہ فریاد کرے۔ اور غریب کو جس کا کوئی مددگار نہیں چھڑائے گا۔ وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائے گا۔ اور محتاجوں کی جان کو بچائے گا۔ وہ فدیہ دیکر اُن کی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائے گا اور اُن کا خون اُس کی نظر میں بیش قیمت ہوگا۔ وہ جیتے رہیں گے اور سبا کا سونا اُس کو دیا جائے گا۔ لوگ برابر اس کے حق میں دعا کریں گے۔ ...... اُس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اُس کا نام رہے گا۔ اور لوگ اُس کے وسیلہ سے برکت پائیں گے۔''[1]

مندرجہ بالا عبارت میں دریائے فرات اور ترسیس کا تذکرہ آیا ہے۔ ان دونوں مقامات کے بارے میں مختصر سی وضاحت ضروری ہے۔ عربی اور انگریزی بائبل میں دریائے فرات کا تعین نہیں ہے بلکہ صرف النھر، یعنی دریا (The River) کے الفاظ آئے ہیں، اگرچہ NIV Study Bible میں حاشیے میں لکھا ہے کہ ''دریا سے مراد دریائے فرات ہے'' مگر اردو بائبل (''کتاب مقدس'' پاکستان بائبل سوسائٹی، لاہور) کے متن ہی میں ''دریای فرات'' کے الفاظ درج کر دیے گئے ہیں۔ یہ بائبل میں تحریف کی ایک واضح مثال ہے۔ یہاں ''دریا'' (النھر) سے مراد وسطی ایشیا کا النھر (دریائے جیحون یا آمودریا) ہوسکتا ہے جیسا کہ ماوراء النّہر (Transoxiana) کی اصطلاح سے عیاں ہے۔

[1] کتاب مقدس (زبور) 72:8 - 17۔


دریائے جیحون (وسط ایشیا)


دریائے فرات (عراق)


دریائے جیحون اور دریائے فرات
یورپ
روس
بحیرۂ اسود
قسطنطنیہ
روڈس
قبرص
بحیرۂ روم
اسکندریہ
مصر
اناطولیہ (ترکی)
شام
دمشق
فلسطین
دومۃ الجندل
جزیرہ نمائے عرب
الجزیرہ
آرمینیا
کوہ قاف
آذربائیجان
عراق
ہمدان
نہاوند
اصفہان
ایران (فارس)
کرمان
خراسان
ایشیا
ترکمانستان
بلوچستان
افغانستان
ماوراء النہر
ازبکستان
بخارا
سمرقند
تاجکستان
خلیج عمان

اسی طرح ترسیس یا ترشیش (Tershish) بحیرۂ روم یا بحر اوقیانوس میں ایک بندرگاہ ہے جہاں یوناہ (یونس علیہ السلام) خدا کے حکم کے خلاف بھاگ گیا تھا۔[1] NIV Study Bible, P:866 میں ترشیش کو "بحیرہ روم کی ایک دُور دراز بندرگاہ، شاید مغرب میں دور ساحلِ سپین پر واقع" بتایا گیا ہے۔ یاقوت حموی نے ترشیش کو "افریقیہ میں تونس کا ایک شہر" لکھا ہے۔[2]

1 "اُس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی": نبی ﷺ کی وفات کے وقت اسلامی ریاست ایک طرف خلیج فارس اور خلیج عُمان، دوسری طرف بحیرۂ قلزم (احمر) اور تیسری طرف بحیرۂ عرب اور خلیج عدن اور چوتھی طرف دریائے فرات کے نواح تک پھیل چکی تھی اور عہدِ فاروقی میں اس کی حدود بحیرۂ روم تک وسیع ہوگئیں۔

الغرض رسول اللہ ﷺ کی وفات سے پہلے مکہ، خیبر، بحرین، سارا جزیرہ نمائے عرب اور سارا ملک یمن فتح ہوگیا تھا، آپ نے ہَجَر کے مجوسیوں اور شام کے بعض علاقوں سے جزیہ بھی وصول فرمایا۔ ہرقل شاہ روم، مقوقس شاہ مصر و اسکندریہ، شاہانِ عمان اور اصحمہ رحمه الله وأكرمهٗ کے بعد بادشاہ بننے والے نجاشیِ حبشہ نے آپ کی خدمت میں تحائف ارسال کیے تھے۔

رسول اللہ ﷺ جب وفات پاگئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے اسی عدیم النظیر عزت وشوکت کو پسند کرلیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہِ عالی میں آپ کے لیے تیار فرما رکھی تھی تو بعدازاں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے خلیفہ بنے۔ انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہونے والے حالات پر قابو پایا، جزیرہ نمائے عرب کو مطیع کیا اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک لشکر بلادِ فارس کی طرف روانہ فرمایا، انھوں نے سلطنت حیرہ اور عراق عرب کے بہت سے علاقے فتح کیے۔ دوسری طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ، حضرت عمرو بن عاص، یزید بن ابی سفیان اور شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہم کی قیادت میں اردن، شام اور فلسطین کی طرف لشکر بھیجے جنھوں نے بصریٰ، دمشق، حوران اور گردونواح کے علاقے فتح کرلیے۔

دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بلادِ شام کے تمام علاقوں، مصر اور فارس پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، آپ نے کسریٰ اور قیصر کی شان وشوکت خاک میں ملا دی اور قیصر ہرقل شام کو خیرباد کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف بھاگ گیا۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں اسلامی سرحدیں قبرص، طرابلس الغرب اور افریقیہ تک

1 قاموس الکتاب، ص:246. 2 معجم البلدان، مادة: ترشيش.



پھیل گئیں۔ کسریٰ یزدگرد قتل ہوگیا اور ساسانی سلطنت کے تمام علاقے، ترکستان اور خوارزم اسلامی خلافت میں شامل ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا، میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور زمین کو جہاں تک سمیٹ کر مجھے دکھایا گیا، وہاں تک یقیناً میری امت کی حکومت پہنچے گی۔"[1] اس سے معلوم ہوا کہ زبور کی اس پیش گوئی کہ "اس کی سلطنت سمندر سے سمندر تک اور دریائے فرات سے زمین کی انتہا تک ہوگی۔" کی مصداق صرف خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔

2 **"بیابان کے رہنے والے اس کے آگے جھکیں گے":** تاریخ گواہ ہے کہ صرف دس برس کی مدت میں صحرائے عرب کے تمام قبائل نبی ﷺ کے مطیع ہوگئے اور آپ کے دشمن خاک چاٹنے لگے، لہٰذا یہ پیش گوئی بھی پیغمبر اسلام ﷺ پر پوری طرح صادق آتی ہے۔

3 **"ترسیس ...... سبا اور سیبا کے بادشاہ ہدیے لائیں گے":** سبا (sheba) یمن کا خراج نبی ﷺ کی خدمت میں مدینہ لایا گیا۔ جزیرہ بحرین مملکت البحرین میں شامل تھا جس کے حکمران منذر بن ساویٰ نے فتح مکہ سے قبل اسلام قبول کر لیا تھا۔ سیبا (سودان) (Siba) جو دریائے نیل اور دریائے اتبارا (عطبرہ) کے درمیان واقع تھا، عبرانی

[1] صحیح مسلم: 2889.


سواکن (سوڈان) کی ایک خوبصورت مسجد


وان (تیونس) کی مسجد سیدی عقبہ

میں اسے کُوش کہتے تھے۔ یہاں مصر سے نیچے واقع سُوڈان کا علاقہ مقصود ہے۔ [1] یہ عہدِ عثمانی میں فتح ہوا اور ترسیس (تیونس) عہدِ معاویہ رضی اللہ عنہ میں فتح ہو کر اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

اس بشارت میں اسلامی ریاست کی حدود کے ترسیس (تونس یا اسپین) سے لے کر سیبا (سُوڈان)، سبا (یمن) اور ماوراء النہر (ترکستان) تک وسیع ہونے کا واضح اشارہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر کسی طور صادق نہیں آتا۔

4 **"سب بادشاہ اُس کے سامنے سرنگوں ہوں گے۔ کل قومیں اُس کی مطیع ہوں گی"**: بلاشبہ یہ پیش گوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی دو بڑی سلطنتیں روم اور ایران آپ کے پیروکاروں کے سامنے سرنگوں ہوگئیں۔ اہلِ حیرہ، غسانی، بیت المقدس کے مسیحی اکابر، شاہانِ بحرین وعُمان، شاہِ مصر اور دیگر چھوٹے بڑے بادشاہ اور سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے مطیع ہوگئے تھے۔ عہدِ فاروقی میں صحرائے شام اور دشتِ لوط وکویر (ایران) کے باشندے بھی اسلامی رعایا بن گئے۔

5 **"وہ غریب اور محتاج پر ترس کھائے گا"**: غریبوں، محتاجوں اور ناداروں کی مدد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا بڑا نمایاں پہلو ہے۔ جناب ابوطالب نے اپنے شعر میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے:

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْيَتَامٰى عِصْمَةٌ لِّلْأَرَامِلِ

"وہ سفید رنگت والے جن کے چہرے کے وسیلے سے بارش کی دُعا کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کے ماویٰ اور بیواؤں کی آبرو کے محافظ ہیں۔" [2]

پہلی وحی کے نازل ہونے کے بعد جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرائے ہوئے گھر آئے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو ان الفاظ سے تسلی دی:

وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ،

[1] قاموس الکتاب،ص:498، 10: 72 NIV Study Bible, p:866 FN [2] صحیح البخاري:1008.

وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ

''واللہ! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کی راہ میں آنے والے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہنے والوں میں بڑی تعداد غریبوں اور غلاموں کی تھی۔ آپ یتیموں اور بیواؤں کا خاص خیال رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے یتیموں کی جائیداد اور ان کے مال کے تحفظ کا انتظام کیا اور فرمایا:

«أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا»

''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔''

یہ ارشاد فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے اپنی شہادت والی اور درمیانی انگلی کو باہم ملا کر دکھایا۔[2] آپ نے بیواؤں کو ورثے کا حقدار قرار دیا۔ ان کے دوبارہ نکاح کے لیے اصول وضع کیے تاکہ وہ معاشرے میں باعزت زندگی بسر کر سکیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِينِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، أَوْ كَالَّذِي يَصُومُ النَّهَارَ وَيَقُومُ اللَّيْلَ»

''بیوہ اور مسکین کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا اُس شخص کی طرح ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات کو قیام کرتا ہے۔''[3]

6 ''وہ فدیہ دے کر ان کی جان کو ظلم اور جبر سے چھڑائے گا'': نبی کریم ﷺ کی خواہش پر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان اور دیگر مالدار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ظلم کی چکی میں پسنے والے بہت سے غلام آزاد کرائے۔ خود رسول اللہ ﷺ غلاموں پر خصوصی شفقت فرماتے تھے۔ اس کا بخوبی اندازہ درج ذیل واقعے سے لگایا جا سکتا ہے:

معرور بن سوید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ربذہ میں ملاقات کی۔ وہ ایک عمدہ جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ ان کے غلام نے بھی بہت عمدہ جوڑا پہن رکھا تھا۔ میں نے ان سے غلام کو اس قدر نوازنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''میں نے ایک شخص (غلام) کو برا بھلا کہا اور اسے اس کی ماں کے ساتھ عار دلائی۔ یہ صورتحال دیکھ کر نبیِ اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

[1] صحيح البخاري: 3. [2] صحيح البخاري: 6005، سنن أبي داود: 5150. [3] صحيح البخاري: 6006.

«يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ، إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ»

''اے ابوذر! کیا تم نے اسے اس کی ماں سے عار دلائی ہے؟ بلاشبہ تم ایسے آدمی ہو کہ تم میں ابھی تک جاہلیت موجود ہے۔ تمھارے غلام تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھارے ماتحت بنایا ہے۔ پس جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو وہ اسے وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی پہنائے جو خود پہنتا ہے اور انھیں ایسے کام کی تکلیف نہ دو جو ان پر گراں گزرے۔ اگر ایسے کام کی انھیں زحمت دو تو خود بھی ان کی مدد کرو۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی ملکیت میں جو غلام آئے، آپ ﷺ نے نہ صرف انھیں آزاد کر دیا بلکہ غلام آزاد کرنے کے عمل کو سب سے بڑی نیکیوں میں شامل کیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«أَيُّمَا رَجُلٍ أَعْتَقَ امْرَءًا مُّسْلِمًا، اِسْتَنْقَذَ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِّنَ النَّارِ»

''جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا، اللہ تعالیٰ اس (آزاد کردہ غلام) کے ہر عضو کے بدلے اس کے ہر عضو کو جہنم کی آگ سے نجات عطا فرمائے گا۔'' [2]

7 **''لوگ برابر اُس کے حق میں دُعا کریں گے''**: اس پیش گوئی کی مصداق بھی صرف رسول اللہ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ دنیا بھر میں کروڑوں مسلمان روزانہ آپ ﷺ پر درود بھیجتے اور آپ کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ آپ کی بعثت سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بھی جناب رسالت مآب ﷺ پر رحمت بھیجتا ہے۔ اُس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تمام اہلِ ایمان کو آپ ﷺ کی ذات گرامی پر رحمت بھیجنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝﴾

''اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں، مومنو! تم بھی پیغمبر پر درود اور سلام بھیجا کرو۔'' [3]

8 **''اُس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا''**: دُنیا بھر میں پندرہ صدیوں سے روزانہ اذان میں پانچ مرتبہ اللہ کے نام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا نام بھی گونجتا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا جو اس پیش گوئی کا زندۂ جاوید ثبوت ہے۔ قرآن مجید بھی یہی کہتا ہے:

[1] صحيح البخاري: 30. [2] صحيح البخاري: 2517. [3] الأحزاب 56:33.

﴿ وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ ۝ ﴾

''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔''[1]

یہی صدائے دلنواز حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے کلام میں بھی گونجتی ہے۔ اُنھوں نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتے ہوئے کتنے خوبصورت شعر کہے ہیں:

وَضَمَّ الْإِلٰهُ اسْمَ النَّبِيِّ إِلَى اسْمِهِ ... إِذَا قَالَ فِي الْخَمْسِ الْمُؤَذِّنُ أَشْهَدُ

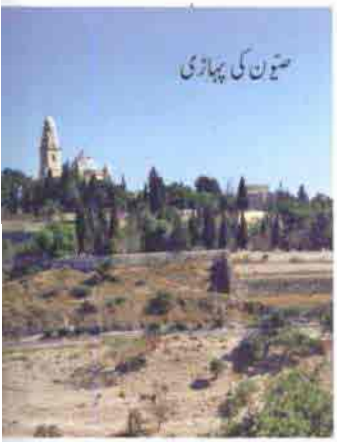
وَشَقَّ لَهُ مِنِ اسْمِهِ لِيُجِلَّهُ ... فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُودٌ وَّهٰذَا مُحَمَّدُ

''معبود برحق نے اپنے نبی کا نام اپنے نام کے ساتھ ملا لیا، (اس کا ایمان افروز مظاہرہ اُس وقت ہوتا ہے) جب مؤذن پانچ وقت أشهد ''میں گواہی دیتا ہوں'' کی صدا لگاتا ہے۔ اور اس نے اپنے اسم گرامی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی بھی ہویدا کر دیا تاکہ اسے بھی عظمت عطا کر دے۔ سو صاحب عرش محمود، یعنی علی الدوام سزاوارِ حمد ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم محمد ہیں، یعنی جن کی بار بار، رہ رہ کر بہت تعریف و توصیف کی جائے۔''[2]

زبور کی تیسری پیش گوئی

زبور کے ایک گیت میں ہے:

''مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے۔ جس کے دل میں صِیُّون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادیِ بُکا سے گزر کر اُسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔ بلکہ پہلی بارش اُسے برکتوں سے معمور کر دیتی ہے۔ وہ طاقت پر طاقت پاتے ہیں۔''[3]



1 ''مبارک ہے وہ......جس کے دل میں صیّون کی شاہراہیں ہیں۔'':

صیّون (Zion) یا صِہیَون ایک پہاڑی کا نام ہے جس پر شروع شروع یروشلم (بیت المقدس) آباد ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات مکہ مکرمہ سے بُراق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس تشریف لے گئے۔ یہ مبارک سفر آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ کیا۔ مسجد اقصیٰ کے احاطے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی۔ پھر جبریل علیہ السلام کی رہنمائی میں عالمِ بالا تشریف لے گئے۔

[1] ألم نشرح 94:4. [2] ديوان حسان بن ثابت الأنصاري، ص: 47. [3] کتاب مقدس (زبور) 84:5-7.

2 ''وہ وادیِ بُکا سے گزر کر اسے چشموں کی جگہ بنا لیتے ہیں۔'': اُردو بائبل کی طرح عربی ''الکتاب المقدس'' میں بھی وادی البُکَاء (رونے کی وادی) سے گزرنے کا ذکر ہے، تاہم بائبل کے New International Version میں اس وادی کا نام Valley of Baca ہی درج ہے جبکہ King James Version میں اسے Valley of Weeping (وادی البُکاء) سے بدل دیا گیا ہے لیکن حاشیے میں Valley of Baca بھی لکھ دیا گیا ہے۔ اسے لبنان کی سرسبز اور وافر پانی والی وادی بقاع (Valley of Bekaa) بھی نہیں گردانا جاسکتا کیونکہ بائبل میں لبنان کے حوالے سے اس نام کی وادی کا کوئی ذکر نہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس مزمورِ داود میں بکا (Baca) یا بکّہ کا ذکر ہے اور یہ مکہ ہی کا ایک نام ہے۔ بکہ اور مکہ دونوں نام بلدالحرام ہی کے لیے آتے ہیں، اس لیے کہ عربی زبان میں میم اور ب میں اکثر تبادلہ ہوتا رہتا ہے، جیسے لازم اور لازب اور ملیط اور بلیط۔ [1] قرآن مجید میں بھی مکہ کو بکہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے:



﴿ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ﴾

''بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے۔ وہ ساری دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔'' [2]

اس سے صریحاً یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ زبور کی اس پیش گوئی میں وادیِ بکّہ یا مکہ کا ذکر ہے جہاں زمزم کا چشمہ ہے جو

[1] حاشیہ نبی رحمت ﷺ، ص:69. [2] آل عمرٰن 3:96.

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے سے جاری ہے اور یہیں سے پیغمبر اسلام محمد ﷺ نے معراج کی رات صیون (صہیون)، یعنی بیت المقدس کا سفر کیا جیسا کہ قرآن مجید نے بیان فرمایا ہے:

﴿ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴾

''پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تا کہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ بے شک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[1]

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ''نبیٔ رحمت ﷺ'' میں لکھتے ہیں: بائبل ''عہد عتیق'' میں اس قدر تحریف کے باوجود ''وادی بکہ'' کے الفاظ آج تک موجود ہیں لیکن مترجمین نے اسے ''وادی البُکاء'' بنا دیا ہے اور علَم کے بجائے نکرہ کر دیا ہے۔ ''مزامیرِ داود'' کے الفاظ جو عربی (ترجمے) میں آتے ہیں، وہ یہ ہیں:

طُوبٰی لِأُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ، طُرُقُ بَيْتِكَ فِي قُلُوبِهِمْ . عَابِرِينَ فِي وَادِي الْبُكَاءِ يُصَيِّرُونَهُ يَنْبُوعًا. (مزامیر 6,5:84) الكتاب المقدس في ساحة أستور من مدينة نيويارك، لندن (1804ء).

''مبارک ہیں وہ انسان جن میں قوت تجھ سے ہے، ان کے دل میں تیری راہیں ہیں۔ وہ بُکا کی وادی میں گزرتے ہوئے اسے ایک کنواں بناتے ہیں۔''[2]

لیکن علمائے یہود کو صدیوں کے بعد احساس ہوا کہ یہ ترجمہ غلط ہے، چنانچہ جیوئش انسائیکلوپیڈیا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ وہ ایک مخصوص وادی ہے جس میں پانی نہ ملتا تھا اور جس نے یہ (مذکورہ بالا) عبارت لکھی ہے، اس کے ذہن میں ایک ایسی وادی کی تصویر تھی جس کے خاص قدرتی حالات تھے جن کی ترجمانی اس نے ان الفاظ سے کی ہے۔

ان صحیفوں کے انگریزی مترجموں نے ترجمے میں صحت و احتیاط کا عربی مترجموں سے زیادہ ثبوت دیا ہے۔ انھوں نے ''بکہ'' کا لفظ اسی طرح باقی رکھا ہے جیسا کہ اصل صحیفے میں تھا۔ انھوں نے اس کو حرف ''B'' نہ کہ ''b'' سے لکھا ہے (Baca) جیسے عام طور پر اسماء و اعلام کو لکھا جاتا ہے، یہ انگریزی ترجمہ درج ذیل ہے:

Blessed is the man whose strength is in Thee; in whose heart are the ways of them, who passing through the valley of Baca make it a well. (Psalm 84: 5,6)[3]

---

[1] بنیٓ إسرآءیل 1:17۔ [2] کتاب مقدس (زبور) 6,5:84، برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی، بحوالہ ''نبیٔ رحمت''، ص: 69۔ [3] نبی رحمت ﷺ، ص: 70,69۔

زبور کی چوتھی پیش گوئی

''مزمورِ سلیمان'' نامی دعا میں لکھا ہے:

''اے خدا! بادشاہ کو اپنے احکام اور شاہزادہ کو اپنی صداقت عطا فرما۔ وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ ان لوگوں کے لیے پہاڑوں سے سلامتی کے اور پہاڑیوں سے صداقت کے پھل پیدا ہوں گے۔ وہ ان لوگوں کے غریبوں کی عدالت کرے گا۔ وہ محتاجوں کی اولاد کو بچائے گا اور ظالم کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ جب تک سورج اور چاند قائم ہیں لوگ نسل در نسل تجھ سے ڈرتے رہیں گے۔ وہ کٹی ہوئی گھاس پر مینہ کی مانند اور زمین کو سیراب کرنے والی بارش کی طرح نازل ہوگا۔''[1]

''وہ صداقت سے تیرے لوگوں کی اور انصاف سے تیرے غریبوں کی عدالت کرے گا'': یہ پیش گوئی بھی صریحاً نبیِ آخرالزمان محمد رسول اللہ ﷺ کی تشریف آوری کی طرف اشارہ کرتی ہے جنھوں نے سچائی اور انصاف کے ذریعے لوگوں میں عدالت قائم کی۔ اخلاقی اقدار کی بلند پایہ روایات قائم کیں، محبت و الفت کو اسلامی اخوت و مساوات کی لڑی میں پرو دیا۔ آپ کی قائم کردہ اسلامی ریاست میں سلامتی اور سچائی کا دور دورہ تھا۔ اسلامی ریاست کی بنیاد ان شرعی احکام کے اصول وضوابط پر مستحکم ہوئی جس پر الٰہی مہر ثبت تھی، کائنات کی تمام رعنائیاں امن و سلامتی کی فضا میں ہر انسان کی ضروریات پوری کرتی رہیں۔ آپ ﷺ نے غریبوں کو انصاف دیا، محتاجوں کی دستگیری کی اور ظالموں کا استیصال کیا۔ جب تک سورج اور چاند اپنے طلوع و غروب کے نظارے دکھائیں گے، نبی ﷺ کا احترام قائم رہے گا۔ آپ ﷺ کا فیض قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے بارش کی طرح عام ہوا۔ عہدِ نبوت سے لے کر اس وقت تک کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرا جس میں یہ امت اپنے نبی محمد ﷺ سے منقطع ہوئی ہو۔ زندگی کے ہر شعبے اور ہر گوشے میں ہر لحظہ سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی سیرت عمل کا بہترین نمونہ، کامل ضابطۂ حیات اور مسلمانوں کے لیے ملجا و ماویٰ ہے۔

یہ خصوصیات صرف اور صرف نبیِ کریم ﷺ کی ذاتِ بابرکات میں پائی جاتی ہیں۔ یہود کے موعود ''مسیحا'' یا نصاریٰ کے ''مسیح'' کی زندگی میں ان خصوصیات کا کوئی نشان نہیں ملتا!

[1] کتاب مقدس (زبور) 72:1-6.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کر دیا۔''

(ألم نشرح 4:94)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

أَنسَكَبَتِ ٱلنِّعْمَةُ عَلَىٰ شَفَتَيْكَ لِذَٰلِكَ
بَارَكَكَ ٱللَّهُ إِلَى ٱلْأَبَدِ

''تیرے ہونٹوں میں لطافت بھری ہے اس لئے خدا نے تجھے ہمیشہ کے لئے مبارک کیا۔''

کتاب مقدس (زبور) 2:45

غزل الغزلات سلیمان علیہ السلام کی بشارت

حضرت سلیمان علیہ السلام سے منسوب غزل الغزلات (یا نشید الانشاد) کے حوالے سے یہاں چند باتوں کا تذکرہ ضروری ہے:

1 علمائے بائبل کے ہاں یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ''غزل الغزلات کے مصنف بادشاہ اور نبی سلیمان (علیہ السلام)'' ہیں، تاہم ان کا سارا متن اُن سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

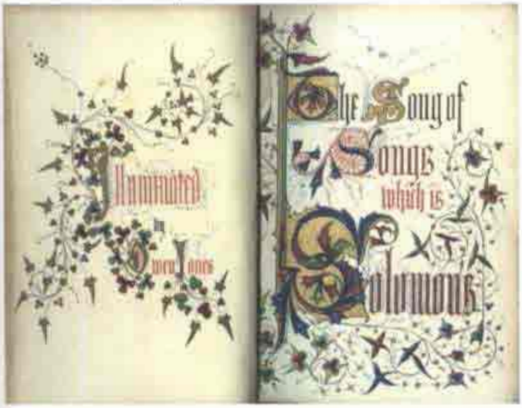
2 سلیمان علیہ السلام نے مبینہ طور پر یہ گیت دسویں صدی ق م کے وسط میں نظم کیے، تاہم ان کی حتمی ترتیب و تحریف غالباً تیسری چوتھی صدی ق م میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔

3 بعض تحریف کرنے والوں نے ان میں کھلم کھلا فحش مواد شامل کر دیا۔

4 فحش اور ناشائستہ مواد شامل ہونے کے باعث قدیم و جدید یہودی علماء نے یہ ضروری سمجھا کہ عورتوں اور تیس سال سے کم عمر کے مردوں کے لیے ان غزلات کا مطالعہ ممنوع قرار دے دیا جائے۔

5 متن کی نحوی ترکیب میں ہم آہنگی کے فقدان کے باعث انھیں ''آزاد غزلوں کا مرقع'' کہا جا سکتا ہے۔[1]

6 پہلی صدی عیسوی کے آخر میں ربی اکیبا نے لکھا: ''بائبل کی تمام تحریریں مقدس ہیں مگر غزل الغزلات مقدس ترین ہے۔'' اس دور کے ایک اور ربّی نے یہ مبالغہ آمیز رائے دی: ''اگر اللہ بنی اسرائیل کو تورات



غزل الغزلات

[1] Muhammad Foretold in the Bible by Name, pp: 4,5.

نہ دیتا تو غزل الغزلات دُنیا پر حکمرانی کے لیے کافی تھی۔"[1]

حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک فرمودے کے الفاظ یہ ہیں:

"میرا محبوب سُرخ و سفید ہے۔
وہ دس ہزار میں ممتاز ہے۔
اس کا سر خالص سونا ہے۔
اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں۔
اس کی آنکھیں ان کبوتروں کی مانند ہیں جو دودھ میں نہا کر لبِ دریا تمکنت سے بیٹھے ہوں۔
اس کے رخسار پھولوں کے چمن اور بلسان کی ابھری ہوئی کیاریاں ہیں۔
اس کے ہونٹ سوسن ہیں جن سے رقیق مُر ٹپکتا ہے۔
اس کے ہاتھ زبرجد سے مرصّع سونے کے حلقے ہیں۔
اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا کام ہے جس پر نیلم کے پھول بنے ہوں۔
اس کی ٹانگیں کندن کے پایوں پر سنگ مرمر کے ستون ہیں۔
وہ دیکھنے میں لُبنان اور خوبی میں رشکِ سرو ہے۔
اس کا منہ ازبس شیریں ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے یروشلیم کی بیٹیو! یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا۔"[2]

آیئے! اب اس ارشاد کے بین السطور کا جائزہ لیجیے۔

1 **"میرا محبوب سرخ و سفید ہے":** بعض علمائے بائبل کہتے ہیں کہ غزل الغزلات کی مذکورہ آیات میں عیسیٰ (علیہ السلام) کی آمد کی پیش گوئی کی گئی ہے اور اس میں "محبوب" کا اشارہ مسیحی کلیسا کی طرف ہے جبکہ یسوع اس کے محبّ (Lover) ہیں لیکن یہ بات دُور از کار اور محلِ نظر ہے۔

"میرا محبوب" عبرانی لفظ Dodee (דודי) کا ترجمہ ہے جس کے معنی سٹرانگز ڈکشنری میں یوں دیے گئے ہیں:
محبّ (Lover)، دوست، محبوب (Beloved)، خصوصاً چچا، باپ کا بھائی۔[3]

---

[1] The International Bible. Com, An Ecumonical Comuontary For the 21st Contury, ed William R. Farmer (Bangalore, TPI, 2004.)

[2] کتاب مقدس (غزل الغزلات) 5:10-16.

[3] James Strong, A Concise Dic of the Words in the Hebrew Bible.

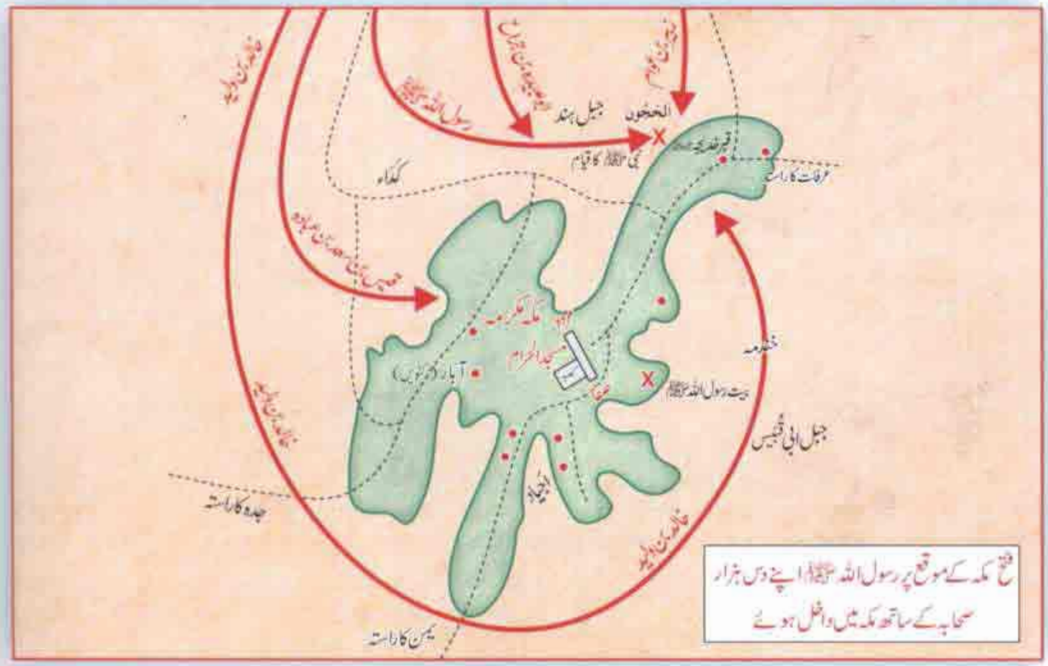
حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت اسحاق علیہ السلام کے بڑے بھائی ہونے کی حیثیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے چچا ہوئے کیونکہ سلیمان علیہ السلام آلِ اسحاق میں سے ہیں۔ یوں ''دودی'' (چچا یا مجازاً ''چچا کی اولاد'') کا اشارہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے جو آلِ اسماعیل میں سے ہیں۔ اس کے برعکس عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے، ان کا کوئی پدری رشتہ نہیں بنتا جو اس پیش گوئی کے مصداق ہو۔ ان کی والدہ مریم بھی سلیمان علیہ السلام کے والد داود علیہ السلام کی نسل سے تھیں[1] اور وہ داود کے کسی بھائی کی اولاد سے نہ تھیں۔

بائبل میں فتح مکہ کا اشارہ

صحیفہ سلیمان (غزل الغزلات) کی عبرانی عبارت میں آخری نبی کے ہاتھوں فتح مکہ کا صاف ذکر تھا اور دس ہزار قدوسیوں (صحابہ) کے الفاظ تھے جنھیں تحریف کرنے والوں نے بدل کر کچھ کا کچھ بنا دیا۔ ملاحظہ کیجیے:

2 ''وہ دس ہزار میں ممتاز ہے'': عبرانی بائبل کا اصلی لفظ Dagal (דגל) ہے جس کا ترجمہ ''ممتاز'' کیا گیا ہے اگرچہ سٹرانگز ڈکشنری میں اس کے معنی Conspicuous (منفرد) اور Chiefest (ممتاز ترین) دیے گئے ہیں۔ ''دس ہزار'' عبرانی لفظ ربابہ rebawbah یا rebobah (רבבה) کا ترجمہ ہے جس کے معنی Myriad (دس ہزار) ہیں۔ گویا اس فقرے میں فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے جب 10 ہزار صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب تھے۔

[1] قاموس الکتاب، ص: 905.



3 ’’اس کی زلفیں پیچ در پیچ اور کوّے سی کالی ہیں‘‘: بائبل میں تحریف کرنے والوں کا کمال دیکھیے کہ انھوں نے لفظ عرب (معرفہ) کو نکرہ کر کے الغراب یا Raven (بڑا سیاہی مائل نیلا کوّا) بنا دیا ہے جبکہ عبرانی بائبل میں آیت کے آخری الفاظ دراصل یوں ہیں:

’קְוּצּוֹתָיו תַּלְתַּלִּים שְׁחֹרוֹת כָּעוֹרֵב‘

قَوْس وَهِوْ طَلطَلِس شَهرُت كَعَرَب

(Qawswahiv taltalis shahrut ka 'arab)

عبرانی میں سیاہ کوے کے لیے لفظ arab (عرب) ہی استعمال ہوتا ہے مگر وہ نکرہ ہے جبکہ یہاں دراصل معرفہ Arab بمعنی عرب کا باشندہ (شَهرُت كَعَرَب) استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس آیت کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا:

There is a slight curl in his locks and they are extremely black. He is an inhabitant of Arabia.

’’اس کی زلفیں ہلکے ہلکے گھونگر والی ہیں اور بے حد سیاہ ہیں، وہ عرب کا باشندہ ہے۔‘‘ [1]

حضرت سلیمان علیہ السلام آخری نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل بیان کرتے ہوئے تخصیص کرتے ہیں کہ وہ عرب میں مبعوث ہوں گے مگر اہل کتاب نے تحریف کر کے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا۔ مسیحیوں نے معنوی تحریف کر کے سلیمان علیہ السلام کے الفاظ کو عیسیٰ علیہ السلام کا کلام بنا دیا اور سلیمان علیہ السلام کے ’’محبوب‘‘ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے بجائے مسیحی کلیسا کو ’’محبوبِ مسیح‘‘ بنا کر پیش کر دیا۔

4 ’’وہ سراپا عشق انگیز ہے‘‘: یہ آیت عبرانی میں یوں ہے: וכלו מחמדים (وَكُلُّ محمديم)۔ اسے عربی میں یوں پڑھیں گے: هو كله محمد۔

انگریزی اور اُردو بائبل میں ’’کُلُّ‘‘ کا ترجمہ Altogether (سراپا) اور ’’محمدیم‘‘ کا ترجمہ Lovely (عشق انگیز) کر دیا گیا ہے جو کسی طور درست نہیں۔ عبرانی میں اصل لفظ מחמדים (M+H+M+D+I+M) ہے جو ’מחמד‘ (M+H+M+D یعنی محمد) کی احترامی جمع ہے جس کے معنی سٹرانگز ڈکشنری اور آکسفورڈ (انگلش اردو) ڈکشنری میں درج ذیل ہیں:

Delightful (مسرت بخش)، a Delight (فرحت بخش، شادمانی)، Desire (تمنا)، Beloved (محبوب)، Goodly (وجیہ، خوبصورت)، Lovely (پیارا)، Pleasant (پُر لطف) [2]

’’محمدیم‘‘ کے معنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں: پوری بائبل میں لفظ מחמדים (محمدیم) یہیں ایک جگہ آیا ہے۔ اس کے آخری دو

[1] Muhammad Foretold in the Bible by Name, P: 47. [2] Strong's Dictionary of the Heb. Bible, entry 4261, P: 64, Oxford, (English-Urdu) Dictionary.

حروف 'یم' (ים) جمع کی علامت ہیں جو جمع احترامی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے ''محمدیم'' کا صحیح ترجمہ Muhammad the Magnificent (محمد عالیشان) ہوگا۔ یہاں ''محمد'' اسم معرفہ ہے مگر بائبل کے تحریف کنندگان نے اسے نکرہ بنا کر اس کے مختلف ترجمے کر ڈالے۔ اس پوری آیت (وکل محمدیم) کا صحیح ترجمہ یوں ہوگا: He is exactly Muhammad the Magnificent. (وہ سراسر محمد عالیشان ہے۔)[1]

''مَحْماد'' اور ''محمدیم'': بائبل کے بیشتر اسمائے معرفہ بامعنی الفاظ ہوتے ہیں اور ان کے سیاق وسباق سے یہ تعین ہوتا ہے، آیا کوئی لفظ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ہوا ہے یا صرف بامعنی لفظ کے طور پر۔ بائبل میں نو جگہ لفظ ''مَحْماد'' (Mahmad) یا ''محمد'' بطور اسمِ نکرہ آیا ہے جہاں مترجمین نے اس کے معنی Pleasant (پسندیدہ)، Desire (تمنا) اور Beloved (محبوب) بتائے ہیں۔[2] لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس گیت (غزل) میں لفظ ''محمد'' بطور اسم معرفہ آیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میرے محبوب نبی ''محمدیم'' یا ''محمد عالیشان'' (ﷺ) بنو اسماعیل میں سے ہوں گے اور وہ عرب میں مبعوث ہوں گے۔ یہ خبر دیتے ہوئے سلیمان علیہ السلام نے خاتم الانبیاء ﷺ کی جو صفات بیان کی ہیں، وہ احادیث میں مذکور شمائل نبوی کے عین مطابق ہیں۔ یوں حضرت سلیمان علیہ السلام کی یہ پیش گوئی صرف محمد رسول اللہ ﷺ ہی کی ذات ستودہ صفات کے بارے میں ہے لیکن مترجمین نے اس میں تحریف کرکے اسے زبردستی ''یسوع مسیح اور ان کے محبوب کلیسا'' پر چسپاں کر دیا ہے۔

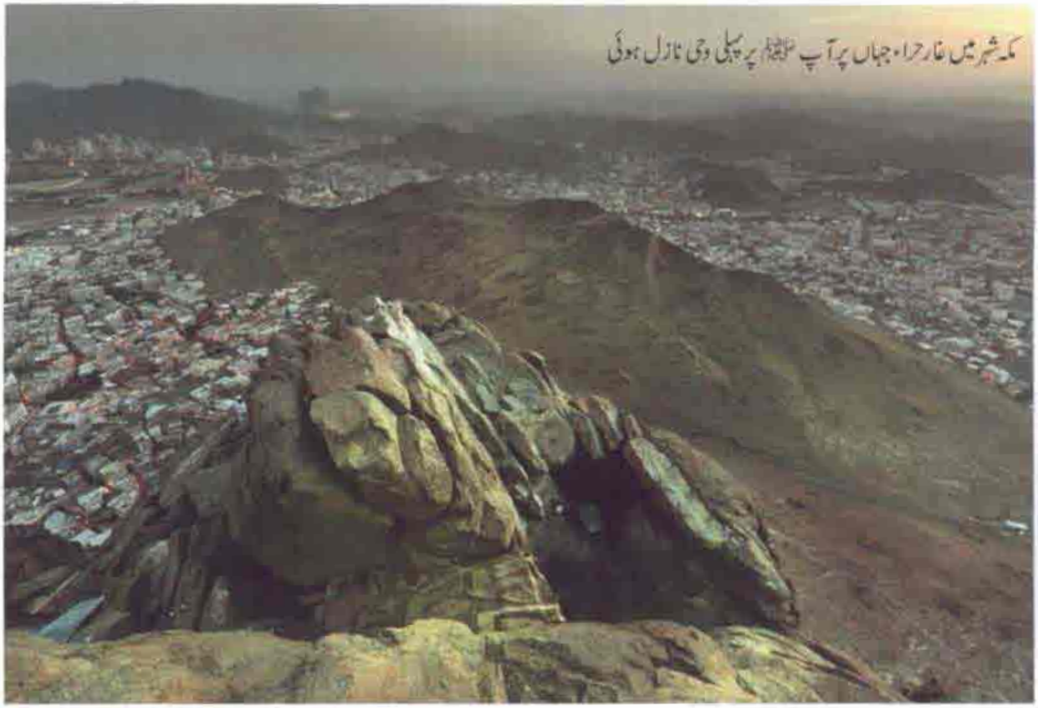
5 ''اے یروشلیم کی بیٹیو!'': اس پیش گوئی کے آخر میں ''یروشلیم کی بیٹیوں'' کا ذکر ہے جو تحریف کا نتیجہ ہے۔ یہاں اصل عبرانی لفظ ירושלים (Yer-oo-shaw-lah-yim یروشالائیم) تثنیہ ہے جس کے معنی سٹرانگز ڈکشنری میں یہ بتائے گئے ہیں:

A dual (in allusion to its two main hills); Founded Peaceful; Jerushalaim or Jarushalem, the Capital City of Palestine, Jerusalem.

لیکن ہیسٹنگز ڈکشنری آف بائبل (Hasting's Dic. of Bible) میں کہا گیا ہے: تلّ العمرنة (مصر) کے مجموعے میں یروشلم کے ایک اولین حکمران کے خطوط سے پتہ چلا ہے کہ یہ نام (یروشلم یا یروشلیم) فلسطین کی عبرانیوں (بنی اسرائیل) کے ہاتھوں فتح سے بھی پہلے موجود تھا اور اس کا تلفظ Uru-salem یا Uru-salim (اُوروسلم) تھا جس کے معنی ''شہرِسلام'' (بلد الامین یا دارالسلام) یا ''پُرامن شہر'' کے ہیں اور یہ یوشع (بن نون) علیہ السلام کی فتح کے زمانے

[1] Muhammad Foretold in the Bible by Name, pp.117-120. [2] Muhammad Foretold in the Bible by Name, pp. 121,122.

سے Jerusalem (یروشلم) کہلاتا تھا۔ پیش گوئی میں یہ نام تثنیہ کی شکل میں آیا ہے، چنانچہ یروشلائیم کے معنی ہیں ''دو یروشلم'' یا ''دو شہرِ امن۔'' [1] اس سے آیت کا مطلب نکلتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام فلسطینی شہرِ سلام (بیت المقدس) اور عربی شہرِ سلام بلد الامین (مکہ مکرمہ) دونوں کے باشندوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ میرا محبوب (خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب عرب میں مبعوث ہوگا تو بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل دونوں کے لیے اس کی اطاعت اور پیروی لازم ہوگی۔


مکہ شہر میں غارِ حرا، جہاں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی

یروشلم یا یروشلیم سامی نام ہے۔1400 ق م کے لگ بھگ اسے اوروسلم (Urusalim) کہا جاتا تھا جس کا عام مطلب ''سلامتی کا شہر'' ہے۔ عبرانی بائبل میں یہ لفظ سب سے پہلے یشوع 1:10 میں استعمال ہوا ہے جہاں اس کے ہجے یروشلائیم (Yerushalayim) ہیں۔ عزرا 4: 51,24,20,8 کی ارامی عبارت میں اس کے ہجے یروشلیم (Yarushalem) ہیں۔ شاہ سنحیرب (سنخارب) کے ریکارڈ میں اسے اورسلیمو (Ursalimu) کہا گیا ہے۔ سریانی زبان میں اسے اُوریشلم (Urishalem) اور (بائبل کے) ہفتادی ترجمے میں اسے ہیروسلیم (Hierousalem) بتایا گیا ہے۔ 135ء میں رومیوں نے اس کا نام ایلیا کیپٹولینا (Aelia Capitolina) رکھا۔ پرانے عہد نامہ میں یروشلیم کا نام

[1] Muhammad Foretold in The Bible by Name, pp. 127,128.

600 مرتبہ آیا ہے۔ یسعیاہ، نحمیاہ اور انجیل متی میں اسے ''شہر قدس'' یا ''شہر مقدس'' بھی کہا گیا ہے۔ ''سالم'' اس شہر کا ابتدائی نام تھا جو ابرہام (ابراہیم علیہ السلام) اور ملک صدق کی گفتگو کے دوران میں آیا ہے جہاں ملک صدق کو ''سالم کا بادشاہ'' بتایا گیا ہے۔ لفظ ''سالم'' عبرانی ''شالوم'' اور عربی ''سلام'' کی بنیاد ہے۔ یروشلیم کے علاوہ اس کے لیے جو نام سب سے زیادہ استعمال ہوا ہے، وہ صیّون ہے جو پُرانے عہد نامہ میں 100 مرتبہ استعمال ہوا ہے۔ صیُّون یا صہیَون (Zion) ان پہاڑیوں میں سے ایک ہے جن پر یروشلم واقع ہے۔ پرانے عہد نامہ میں اس کا ذکر یبوسیوں کے قلعے کے طور پر کیا گیا ہے۔ داود بادشاہ (علیہ السلام) نے اس پر قبضہ کر لیا اور اس کا نام داود کا شہر رکھا۔ اس وقت یہ قلعہ ہیکل (مسجد اقصیٰ) کے جنوب کی طرف طویل چٹان پر واقع تھا۔ اثریات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شہر عہد داود سے بہت پہلے آباد تھا اور یہی اصل صیّون ہے۔ داود بادشاہ (علیہ السلام) عہد کے صندوق (تابوت سکینہ) کو صیّون میں لائے اور اس وقت سے یہ پہاڑی متبرک سمجھی جانے لگی۔ بعد میں جب سلیمان بادشاہ (علیہ السلام) عہد کے صندوق کو نزدیک ہی کوہ موریاہ پر ہیکل (مسجد اقصیٰ) میں لے گئے تو وہ علاقہ بھی صیّون کہلانے لگا۔ بعد میں تمام یروشلم کو صیون کہا جانے لگا۔ آج سے ایک صدی پہلے عربوں نے اسے القدس الشریف کہنا شروع کیا۔ یہ بحیرۂ روم کے مشرق میں 33 میل پر اور بحیرہ مردار کے مغرب میں 14 میل پر سطح سمندر سے 2550 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔


القدس شریف

یہ تین پہاڑیوں پر آباد ہے۔ ان دونوں پہاڑیوں کے مشرق میں گہری وادی کو قدرون کی وادی کہا جاتا تھا۔ یروشلیم حبرون (Hebron الخلیل) کے شمال میں 19 میل پر اور سامریہ کے جنوب میں 30 میل پر تھا۔ [1]

6 ''یہ ہے میرا محبوب، یہ ہے میرا پیارا'': سلیمان علیہ السلام نے اس پیش گوئی کے آخر میں ''دودی'' (چچا یا مجازاً ''چچا کی اولاد'') کے علاوہ ریع یا ریاع (Rea یا Reya) استعمال کیا ہے جس کا ترجمہ ''میرا دوست'' یا ''میرا پیارا'' کیا گیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا ''محمدیم'' ان کا ساتھی (نبی)، راعی یا متصل ہمسایہ ہے اور وہ ان کے خاندان (اسرائیلیوں) سے کوئی تعلق نہیں رکھتا بلکہ وہ غیر اسرائیلی ہے۔ اگر سلیمان علیہ السلام کا مقصود یہ ہوتا کہ اس محمدیم کا تعلق ان کے اپنے خاندان بنی اسرائیل سے ہے تو وہ اس کے لیے مناسب لفظ 'ידיד' (Yedeed یدید) استعمال کرتے۔ اور اگر یہ ''محمدیم'' اجنبی ہوتا تو وہ اس کے لیے موزوں لفظ 'אהב' (احاب) استعمال کرتے۔ لیکن انھوں نے دود (דוד) اور ریع (רע) کے الفاظ کے استعمال سے واضح کر دیا کہ ان کا محبوب ''محمدیم'' بنی اسرائیل سے ہے نہ کوئی اجنبی بلکہ وہ ان کے چچا بزرگ اسماعیل کی اولاد سے ہوگا اور اس کا تعلق عرب سے ہوگا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی اس پیش گوئی کے مصداق صرف آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ [2]

---

[1] قاموس الکتاب، ص: 605 و 1112،1113۔

[2] Muhammad Foretold in the Bible by Name, p. 126.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ إِنَّآ أَرۡسَلۡنَٰكَ شَٰهِدٗا وَمُبَشِّرٗا وَنَذِيرٗا وَدَاعِيًا إِلَى ٱللَّهِ بِإِذۡنِهِۦ وَسِرَاجٗا مُّنِيرٗا

''اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔''

(الأحزاب33:45،46)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

هُوَذَا عَبْدِيَ ٱلَّذِي أَعْضُدُهُ مُخْتَارِيَ ٱلَّذِي سُرَّتْ بِهِ نَفْسِي. وَضَعْتُ رُوحِي عَلَيْهِ فَيُخْرِجُ ٱلْحَقَّ لِلْأُمَمِ. لَا يَصِيحُ وَلَا يَرْفَعُ وَلَا يُسْمِعُ فِي ٱلشَّارِعِ صَوْتَهُ. قَصَبَةً مَرْضُوضَةً لَا يَقْصِفُ وَفَتِيلَةً خَامِدَةً لَا يُطْفِئُ. إِلَى ٱلْأَمَانِ يُخْرِجُ ٱلْحَقَّ. لَا يَكِلُّ وَلَا يَنْكَسِرُ حَتَّى يَضَعَ ٱلْحَقَّ فِي ٱلْأَرْضِ وَتَنْتَظِرُ ٱلْجَزَائِرُ شَرِيعَتَهُ

"دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ میں نے اپنی روح اس پر ڈالی۔ وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلّائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائے دی گی وہ مسلے ہوئے سرکنڈے کو نہ توڑے گا اور ٹمٹماتی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے جزیرے اس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔"

کتاب مقدس (یسعیاہ) 42:1-4

صحیفۂ یسعیاہ کی بشارات

یسعیاہ (Isaiah) کے عبرانی نام ''یشاعیاہوٗ'' کے معنی ہیں: ''یہوواہ (اللہ) نجات ہے۔'' آموص کے بیٹے یسعیاہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ جس سال عزیاہ بادشاہ (790 تا740 ق م) نے وفات پائی، اسی سال یسعیاہ کو نبوت کا منصب عطا ہوا۔ بائبل میں انھیں ''طائرانِ نبوت کا شاہین'' اور ''قدوسیت کا نبی'' کہا گیا ہے۔ یسعیاہ نے بنی اسرائیل کے عوام وخواص کو گناہوں پر ملامت کی، خصوصاً بُت پرستی سے روکا اور یہوداہ (یہودیہ) اور یروشلیم پر قہرِ الٰہی نازل ہونے کی پیش گوئی کی جو (ڈیڑھ سو سال بعد) یروشلیم کی تباہی کی صورت میں پوری ہوئی۔ وہ فرماتے تھے کہ غیر معبودوں پر توکل لاحاصل ہے اور مورتوں (بتوں) کو پوجنا احمقانہ گناہ ہے۔ یسعیاہ اعلان کرتے تھے کہ گناہ کا ارتکاب خدا کی ذات کو چیلنج کرنا ہے۔ وہ ظاہرداری کی دینی رسوم اور عبادت میں بت پرستانہ روش کی شدید مذمت کرتے تھے۔ انھوں نے پیش گوئی کی تھی کہ خورس (ذوالقرنین) بابل کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا جو539ء میں پوری ہوئی۔ یہودیہ کے بادشاہ منسّی کے عہدِ حکومت (697 تا642 ق م) میں یسعیاہ کو آرے سے چیرا گیا۔ [1]



صحیفہ یسعیاہ کا قدیم نسخہ

یسعیاہ کی پہلی پیش گوئی

یسعیاہ (Isaiah) نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

''دیکھو میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں۔ میرا برگزیدہ جس سے میرا دل خوش ہے۔ ...... وہ قوموں میں عدالت جاری کرے گا۔ وہ نہ چلّائے گا اور نہ شور کرے گا اور نہ بازاروں میں اس کی آواز سنائی

[1] قاموس الکتاب، ص: 1122-1127.

دے گی ...... وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کر لے۔ جزیرے اُس کی شریعت کا انتظار کریں گے۔ ...... خداوند خدا یوں فرماتا ہے۔ میں خداوند نے تجھے صداقت سے بلایا۔ میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا اور تیری حفاظت کروں گا اور لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا۔ کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانہ سے چھڑائے۔''[1]

مسلمانوں میں اس مفہوم کی روایت چودہ سو سال سے مشہور چلی آرہی ہے جبکہ عہد نامہ قدیم (Old Testament) کا قدیم ترین عربی ترجمہ 9 صدی عیسوی میں ہوا۔[2] عہد نامہ جدید (New Testament) کا قدیم ترین عربی ترجمہ 253ھ بمطابق 867ء میں ہوا۔[3]


عہد نامہ جدید کا عربی ترجمہ


عہد نامہ قدیم کا عربی ترجمہ

اس سلسلے میں ام المؤمنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے غلام عطاء بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ملا اور درخواست کی: ''مجھے بتایئے: تورات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفت لکھی ہوئی ہے؟'' انھوں نے کہا:

أَجَلْ، وَاللّٰهِ! إِنَّهُ لَمَوْصُوفٌ فِي التَّوْرَاةِ بِبَعْضِ صِفَتِهِ فِي الْقُرْآنِ: ﴿ يَآأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ

[1] کتاب مقدس (یسعیاہ) 42: 1-7.

[2] www.islamic_awareness.org [3] Sidney H. Griffith, "The Gospel in Arabic: An Enquiry into its Appearance in the First Abbasid Century", Oriens Christianus, Vol: 69, PP: 131,132.

شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ ﴾ (الأحزاب 45:33) وَحِرْزًا لِّلْأُمِّيِّينَ، أَنْتَ عَبْدِي وَ رَسُولِي، سَمَّيْتُكَ الْمُتَوَكِّلَ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا يَدْفَعُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَ لٰكِنْ يَّعْفُو وَيَغْفِرُ وَلَنْ يَّقْبِضَهُ اللّٰهُ حَتّٰى يُقِيمَ بِهِ الْمِلَّةَ الْعَوْجَاءَ بِأَنْ يَّقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ يَفْتَحُ بِهَا أَعْيُنٌ عُمْيٌ وَّآذَانٌ صُمٌّ وَّ قُلُوبٌ غُلْفٌ.

''ضرور، اللہ کی قسم! تورات میں بھی آپ ﷺ کی بعض صفات وہی بیان ہوئی ہیں جو قرآن مجید میں موجود ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا:) ''اے نبی! ہم نے بلاشبہ آپ کو گواہی دینے والا اور خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔'' اور ان پڑھوں (عربوں) کے لیے محافظ بنایا ہے۔ آپ میرے بندے اور رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا ہے۔ وہ (نبی ﷺ) بدخو، سخت دل اور بازاروں میں شور کرنے والے نہیں، برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیتے ہیں اور بخش دیتے ہیں۔ اس وقت تک اللہ تعالیٰ انھیں دنیا سے نہیں بلائے گا جب تک وہ ان کے ذریعے سے کج رو ملت (ملتِ کفر) کو سیدھا نہیں کر دیتا کہ وہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنا شروع کر دیں۔ اس کلمے کے ذریعے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور پردے میں بند دلوں کو کھول دیا جائے گا۔''[1]

حدیث نبوی کی روشنی میں یسعیاہ کی مذکورہ بالا پیش گوئی کے مندرجات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اس کا مصداق نبی آخر الزمان محمد ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔

1 ''میرا خادم جس کو میں سنبھالتا ہوں'': ''خادم'' یا عبد (بندہ) نبیِ کریم ﷺ کی اہم صفت ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ ﴾ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی۔''[2] ٹھیک اسی طرح قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو سنبھالنے اور بچانے کا واضح ذکر موجود ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''اے رسول! جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے، وہ (لوگوں تک) پہنچا دیجیے اور اگر آپ نے (ایسا) نہ کیا تو آپ نے (گویا) اس کا پیغام نہیں پہنچایا اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔ بے شک اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔''[3]

[1] صحیح البخاري: 2125، مسند أحمد: 174/2. [2] الكهف 1:18. [3] المآئدة 67:5.

ایک اور مقام پر یوں فرمایا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾

''اے نبی! آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور ان لوگوں کے لیے بھی جنھوں نے مومنوں میں سے آپ کی پیروی کی۔''[1]

2 ''وہ راستی سے عدالت کرے گا۔ وہ ماندہ نہ ہوگا اور ہمت نہ ہارے گا جب تک کہ عدالت کو زمین پر قائم نہ کرلے'': قرآن مجید میں عدل و انصاف پر بہت زور دیا گیا ہے بلکہ یوں کہیے کہ قرآن مجید ہی نے عدل و انصاف کا وہ منفرد تصور دیا ہے کہ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۚ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝﴾

''اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، کچھ شک نہیں کہ اللہ تمھارے اعمال سے خبردار ہے۔''[2]

عدل کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے فرمودات اور آپ کے عدالتی فیصلے ان آیات کریمہ کی عملی تفسیر ہیں جن میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ کی سیرت و سنت کے مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ آپ نے عدل و انصاف کے لیے نہ صرف بنیادی اصول عطا فرمائے بلکہ ان پر خود عمل پیرا ہو کر قانون کی عمل داری کا اعلیٰ نمونہ پیش فرمایا۔ کسی شخص کا سماجی، سیاسی یا مذہبی رتبہ کتنا ہی اونچا ہوتا، وہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے میں آپ کی راہ میں حائل نہیں ہوسکتا تھا۔ خاندانِ مخزوم کی فاطمہ نامی عورت کی چوری کے مقدمے کے فیصلے میں آپ کے یہ الفاظ آج بھی منصف مزاج لوگوں کے دِلوں کو گرماتے ہیں اور حکمرانوں اور کرسیِ عدل پر فائز لوگوں کے لیے خاص طور پر مشعلِ راہ ہیں:

«فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ، تَرَكُوهُ، وَ إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ، أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ»

''تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا کہ ان میں جب کوئی طاقتور چوری کرتا، تو اسے چھوڑ دیتے اور ان میں جب کوئی کمزور چوری کرتا تھا تو اس پر حد قائم کر دیتے تھے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے جو الفاظ ارشاد فرمائے، وہ رہتی دنیا تک جگمگاتے رہیں گے۔ آپ نے فرمایا:

1 الأنفال8:64. 2 المآئدة5:8.

«وَإِنِّي وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا»

''اور جہاں تک میری بات ہے، تو اس ذات پاک کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''[1]

آپ نے جو بھی عدالتی فیصلے فرمائے، وہ اس قدر صاف شفاف اور مبنی بر عدل تھے کہ عدل و انصاف کا اس سے بڑھ کر کوئی تصور انسانی ذہن میں نہیں آیا۔ مقدمات کا فیصلہ آپ بہت جلد فرما دیتے تھے۔ اس میں کسی قسم کی تاخیر سے کام نہ لیتے کیونکہ انصاف کی فراہمی اور مقدمات کے فیصلوں میں تاخیر بجائے خود ظلم ہے، اسی طرح آپ نے فیصلوں کے نفاذ کا بھی پورا پورا اہتمام فرما رکھا تھا، آپ کے تمام فیصلے باقاعدہ نافذ ہوئے۔ زانی رجم کیے گئے، چوروں کے ہاتھ کاٹے گئے، قاتل قصاصاً قتل کیے گئے۔ اسی طرح دیوانی مقدمات کے فیصلے بھی باقاعدہ نافذ کیے گئے کیونکہ عملی نفاذ کے بغیر فیصلے بے معنی ہوتے ہیں۔ آپ کے قائم کردہ عدل و انصاف کے باعث دنیا امن، چین اور سکون کا گہوارہ بن گئی، لہٰذا یسعیاہ نبی کی مذکورہ بالا پیش گوئی آپ کی ذات گرامی کے سوا کسی اور پر صادق نہیں آسکتی۔

3 ''جزیرے اُس کی شریعت کا انتظار کریں گے'': جزیرہ نمائے عرب، الجزیرہ (عراق و شام وغیرہ) اور الجزیرہ (سودان) کے علاوہ جزیرہ نمائے آئی بیریا (اندلس، پرتگال) اور دنیا کے بہت سے جزائر جیسے صقلیہ (سسلی)، کریٹ،

[1] صحیح مسلم: 1688.


کریٹ کے ساحل پر ایک مسجد


پتریا جا مسجد کوالالمپور (ملائیشیا)


کرسٹل مسجد (مالدیپ)


سلیمیہ مسجد نکوشیہ (قبرص)

انڈونیشیا، ملائیشیا، مالدیپ، فلپائن، لکادیپ، قبرص وغیرہ نے جس طرح اسلام کے لیے اپنا دامن کشادہ کر دیا، اُس کے پیشِ نظر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ نبی (ﷺ) اور آپ کے لائے ہوئے دین اسلام ہی کا انتظار کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝﴾

''یا وہ کہتے ہیں کہ اس (نبی) نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے۔ بلکہ وہی آپ کے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ وہ راہ پائیں۔''[1]

4 ''لوگوں کے عہد اور قوموں کے نور کے لیے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور اسیروں کو قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں قید خانے سے چھڑائے'': اس کی وضاحت بھی قرآن مجید میں صاف صاف موجود ہے:

﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

''بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔ جس کے ذریعے اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔''[2]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝﴾

''الٓرٰ، (اے نبی! یہ) عظیم الشان کتاب ہے، یہ ہم نے آپ کی طرف اس لیے اُتاری ہے تاکہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لائیں، ان کے رب کے اذن سے عزیز وحمید پروردگار کے راستے کی طرف۔''[3]

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلٰى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ بَعْدِي عَنْهَا إِلَّا هَالِكٌ»

[1] السّجدة 32:3. [2] المآئدة 5:15، 16. [3] إبرٰهيم 14:1.

’’میں نے تمھیں ایسی منور شریعت پر چھوڑا ہے جس کی رات بھی اس کے دن کی طرح روشن ہے۔ میرے بعد اس سے کوئی ہلاک ہونے والا ہی کج روی کر سکتا ہے۔‘‘ [1]

یسعیاہ کی دوسری پیش گوئی

یسعیاہ نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

’’قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں۔ سلع کے بسنے والے گیت گائیں۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر کریں اور جزیروں میں اُس کی ثنا خوانی کریں۔‘‘ [2]

1 ’’قیدار کے آباد گاؤں اپنی آواز بلند کریں‘‘: آل اسماعیل میں قیدار کی اولاد، یعنی قبائل کنانہ، قریش، قیس عیلان، بنوتمیم وغیرہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور ان کے نعرہ ہائے تکبیر سے بیابانِ عرب کی بستیاں گونج اُٹھیں۔

2 ’’سلع کے بسنے والے گیت گائیں‘‘: تاریخ شاہد ہے کہ سَلع، یعنی مدینہ اور اس کے آس پاس رہنے والے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور انھوں نے اسلام کی خاطر عظیم خدمات انجام دیں۔ جبل سلع مدینہ کے مغرب میں اس جگہ واقع ہے جہاں سے 5 ھ میں غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کی کھدائی کا آغاز ہوا تھا۔ وہیں ثنیۃ الوداع ہے۔ سلع کو انگریزی بائبل میں Sela لکھا گیا ہے۔ [3] جب نبی مکرم ﷺ 622ء میں مکہ سے ہجرت کر کے یثرب

1 كتاب السنة لابن أبي عاصم، ص: 44. 2 کتاب مقدس (یسعیاہ) 42:11، 12. 3 معجم البلدان، مادة: سلع، أطلس القرآن، ص: 388، Holy Bible, Isaiah 42:11



جبل سلع اور مسجد سبع مساجد (مدینہ منورہ)

(مدینہ) پہنچے تو جبل سلع پر کھڑے ہو کر عورتیں اور بچے یہ گیت گا رہے تھے:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''ہم پر الوداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہوا ہے۔ جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارے، ہم پر (اس کا) شکر واجب ہے۔''[1]

یہ پیش گوئی نبی ﷺ کی ذاتِ گرامی پر من وعن صادق آتی ہے۔

یسعیاہ کی تیسری پیش گوئی

یسعیاہ نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

''اُٹھ منور ہو کیونکہ تیرا نور آ گیا اور خداوند کا جلال تجھ پر ظاہر ہوا۔ کیونکہ دیکھ تاریکی زمین پر چھا جائے گی اور تیرگی اُمتوں پر لیکن خداوند تجھ پر طالع ہوگا اور اُس کا جلال تجھ پر نمایاں ہوگا۔ اور قومیں تیری روشنی کی طرف آئیں گی اور سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے۔ وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں اور تیرے پاس آتے ہیں۔ تیرے بیٹے دور سے آئیں گے ...... اُونٹوں کی قطاریں اور مِدیان اور عیفہ (Ephah) کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لُبان (Incense) لائیں گے اور خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے۔ قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے ...... اور بیگانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائیں گے اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے۔ ...... اور تیرے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ وہ دن رات کبھی بند نہ ہوں گے تاکہ قوموں کی دولت اور اُن کے بادشاہوں کو تیرے پاس لائیں۔''[2]

1 ''تاریکی زمین پر چھا جائے گی ...... سلاطین تیرے طلوع کی تجلی میں چلیں گے'': نبی کریم محمد ﷺ کی بعثت سے پہلے دُنیا میں کفر وشرک اور جہل وظلم کے گھٹا ٹوپ اندھیرے چھائے ہوئے تھے جو آپ ﷺ کے طفیل چھٹ گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 507,506/2. [2] کتاب مقدس (یسعیاہ) 60:1-11.

''وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیات پڑھ کر سُناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بلاشبہ اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا نور اور اس کا جلال نمایاں ہوا اور قومیں اس نور ہدایت کی طرف کھنچی چلی آئیں۔ قیصر و کسریٰ کی پُر شکوہ سلطنتیں اور دیگر بادشاہتیں اسلام کی پیشرفت کے آگے ڈھیر ہوتی چلی گئیں۔ یوں کتاب یسعیاہ کی واضح پیش گوئی عظیم اسلامی انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

2 ''وہ سب کے سب اکٹھے ہوتے ہیں...... تیرے بیٹے دور سے آئیں گے......'': حج کے موقع پر دنیا بھر سے افراد اکٹھے ہوکر خانہ کعبہ کی رونق بڑھاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ اَذِّنۡ فِی النَّاسِ بِالۡحَجِّ یَاۡتُوۡکَ رِجَالًا وَّ عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاۡتِیۡنَ مِنۡ کُلِّ فَجٍّ عَمِیۡقٍ ۝﴾

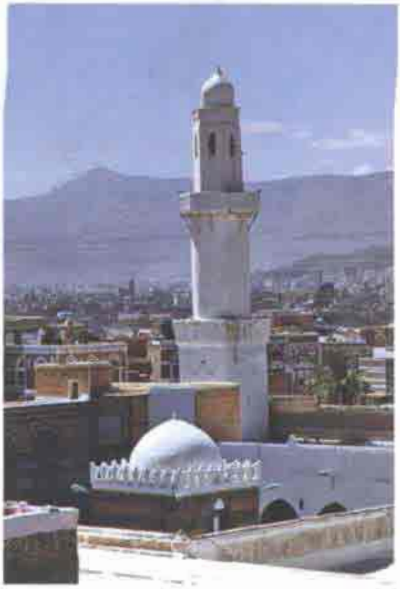
''اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دے، وہ تیرے پاس پیدل (چل کر) اور لاغر اونٹنیوں پر (سوار ہوکر) آئیں گے جو ہر دور دراز راستے سے آئیں گی۔'' [2]

[1] الجمعة 62:2. [2] الحج 22:27.



پوری انسانیت کا مرکز و محور

3 ''اُونٹوں کی قطاریں اور مدیان اور عیفہ کی سانڈنیاں آ کر تیرے گرد بے شمار ہوں گی۔ وہ سب سبا سے آئیں گے اور سونا اور لبان لائیں گے'': نبی ﷺ کی زندگی ہی میں پورا جزیرہ نمائے عرب مدین اور سبا (یمن) سمیت اسلامی ریاست میں شامل ہوگیا تھا۔ مدین، یعنی شمال مغربی عرب اور اردن کے قبائل غزوۂ تبوک کے بعد مطیع ہو گئے تھے۔ یمنی قبائل اشعر، مُراد، زبید، کندہ، صُداء، بَجیلہ اور شاہان حمیر اور شاہانِ حضرموت کے اخلاف نے عام الوفود (9ھ) میں اطاعت قبول کر لی۔ رمضان 10ھ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی کے نتیجے میں یمن کے بنومذحج دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سبا کے علاقے ہی سے آئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ قربانی کے اونٹ اور جزیہ و خراج کی رقم بھی لائے تھے جبکہ خوشبودار لوبان صدیوں سے یمن اور عُمان کی جنسِ تجارت رہا ہے۔



صنعاء میں 7ویں عیسوی کی قدیم ترین مسجد

4 ''خداوند کی حمد کا اعلان کریں گے......'': مسلمان ہر نماز میں اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ حج اور عمرہ ادا کرنے والے تلبیہ پڑھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی حمد کا اعلان کرتے ہیں۔

5 ''قیدار کی سب بھیڑیں تیرے پاس جمع ہوں گی۔ نبایوت کے مینڈھے تیری خدمت میں حاضر ہوں گے'': بائبل کے شارحین لکھتے ہیں:

"The places mentioned belonged to obscure tribes in the Arabian Desert hundreds of miles from Israel. All people would come to Jerusalem because God would be living there, and they would be attracted to his light".

''اس پیش گوئی میں اسرائیل سے سینکڑوں میل دور صحرائے عرب کے غیر معروف قبائل کے مقامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ تمام لوگ یروشلیم کی طرف کھنچے چلے آئیں گے کیونکہ وہاں خدا ظہور پذیر ہوگا اور لوگ اُس کے نور کی طرف متوجہ ہوں گے۔''[1]

قیدار حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دوسرے بیٹے تھے۔ ان کی اولاد جزیرہ نمائے عرب میں پھلی پھولی۔ قیدار کی اولاد میں

[1] Life Application Study Bible, p:1110.

عدنان تھے جن سے قیس عیلان، بنوتمیم، ربیعہ، بنوکنانہ، قریش اور دیگر قبائل وجود میں آئے۔ بنوکنانہ مکہ کے شمال میں جبال یلملم اور وصیف کے آس پاس آباد تھے۔[1] بائبل کی رو سے قیدار اور نبایوت دونوں اسماعیل علیہ السلام کے بیٹے اور عرب کے دو بڑے قبیلوں کے جد امجد ہیں۔ قیدار کی اولاد میں عدنان ہوئے جو قریش اور نبی ﷺ کے جدِّ بزرگوار تھے۔ تورات کا بیان ہے:

''اور اسماعیل کے بیٹوں کے نام یہ ہیں۔ یہ نام ترتیب وار اُن کی پیدائش کے مطابق ہیں۔ اسماعیل کا پہلوٹھا نبایوت تھا۔ پھر قیدار اور ادبئیل اور مِبسام۔ اور مِشماع اور دُومہ اور مسّا۔ حدد اور تیما اور یطور اور نفیس اور قِدمہ۔ یہ اسماعیل کے بیٹے ہیں اور ان ہی کے ناموں سے ان کی بستیاں اور چھاؤنیاں نامزد ہوئیں اور یہی بارہ اپنے اپنے قبیلہ کے سردار ہوئے۔''[2]

یہ بات تاریخی طور پر مسلمہ ہے کہ بنو اسماعیل کا قبلہ خانہ کعبہ تھا جو اُن کے باپ اور دادا نے مل کر تعمیر کیا تھا۔ فرمان باری ہے:

﴿ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ۭ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴾

''اور (یاد کرو) جب ابراہیم اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (اور دعا کر رہے تھے:) اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی) قبول کر لے، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت کا وعدہ کیا:

''اور اسماعیل کے حق میں بھی میں نے تیری دُعا سنی۔ دیکھ میں اُسے برکت دُوں گا اور اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا اور اُس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اُسے بڑی قوم بناؤں گا۔''[4]

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں بھی برکت کا وعدہ کیا گیا تھا:

''اور ابرہام کی وفات کے بعد خدا نے اُس کے بیٹے اضحاق کو برکت بخشی اور اضحاق بیرلحی روئی (Beer Lahai Roi) کے نزدیک رہتا تھا۔''[5]

عبرانی میں ''بیرلحی روئی'' کے معنی ہیں: ''اس کا کنواں جو زندہ ہے اور مجھے دیکھتا ہے۔'' قاموس الکتاب کے

[1] معجم قبائل العرب :997/3، أخبار مكة للأزرقي: 408/2. [2] کتاب مقدس (پیدائش) 25:13-16. [3] البقرة 127:2.
[4] کتاب مقدس (پیدائش) 20:17. [5] کتاب مقدس (پیدائش) 11:25.


قادیش کا علاقہ

مطابق ''یہ ایک کنویں کا نام ہے جو غالباً قادس یا (قادیش برنیع Kadesh Barnaea) کے نزدیک ہے جہاں خداوند ہاجرہ پر ظاہر ہوا تھا۔'' [1] اس سے پہلے اللہ کے فرشتے نے ہاجرہ کو اسماعیل کی پیدائش کی خوشخبری دی تھی۔ [2] بیرلحی روئی قادس اور برد کے درمیان ہے۔ [3]

بنی اسرائیل کے مسلمہ ضابطے کے مطابق اضحاق (اسحاق علیہ السلام) سے برکت کا وعدہ تو اُن کی اولاد میں نبوت کی صورت میں پورا ہوا۔

اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں برکت کا وعدہ کیسے پورا ہوا؟ تعداد میں اضافے کے لیے تو علیحدہ وعدہ ہے: ''اُسے برومند کروں گا اور اُسے بہت بڑھاؤں گا۔'' [4] لہٰذا یہاں برکت سے مراد یقیناً نبوت ہے جو آل اسماعیل میں سے خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی ہے۔

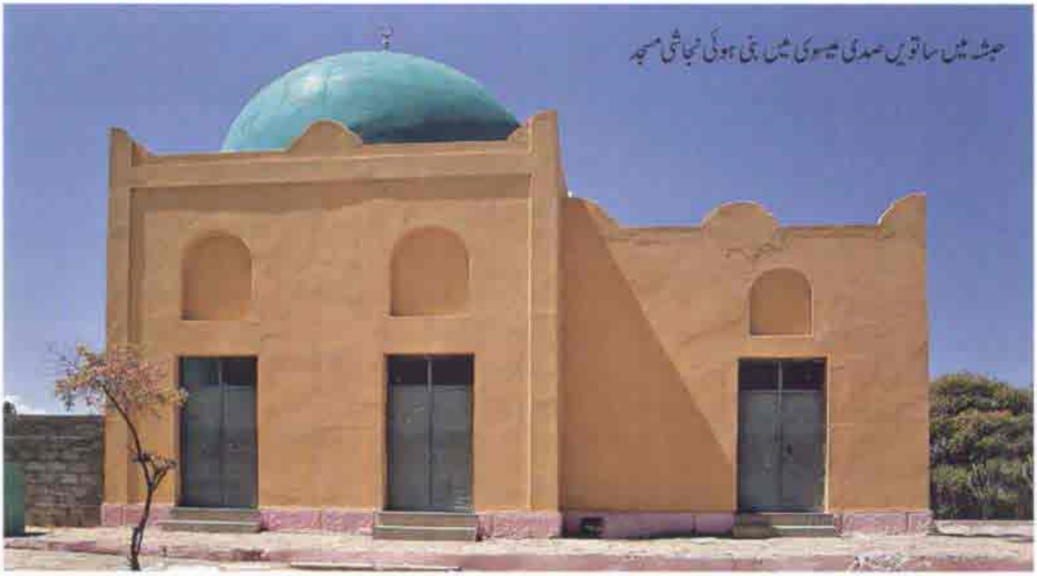

عثمانی ترک کا تعمیر کردہ باب کعبہ

6 ''بیگانوں کے بیٹے تیری دیواریں بنائیں گے۔'': سلجوقی ترک، ممالیکِ مصر اور عثمانی ترک جو عرب اقوام کے لیے بیگانے اور اجنبی تھے، قبولِ اسلام کے بعد انھیں اقتدار ملا تو انھوں نے شاندار مساجد اور قلعے تعمیر کرائے۔ ممالیک اور عثمانیوں نے اپنے اپنے دور میں بڑے اخلاص سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور خدمت دین اور سپاس گزاری کی تاریخ رقم کردی۔ 802ھ/1400ء میں مسجد الحرام میں آگ لگ گئی تو مملوک حکومت نے مسجد الحرام کی تعمیرِ نو کی اور حسب سابق ساگوان کی چھت ڈال دی، پھر عثمانی خلیفہ سلیم ثانی نے چھت کی تعمیر کا آغاز گنبدوں کی شکل میں کیا جس کی تکمیل خلیفہ مراد ثالث کے عہد 984ھ/1576ء میں ہوئی۔ [5] اُن کے علاوہ بھی بڑے بڑے ملوک وسلاطین خود کو خادمِ حرمین شریفین کہلانے میں فخر محسوس

1 قاموس الکتاب، ص: 169. 2 کتاب مقدس (پیدائش) 11:16. 3 کتاب مقدس (پیدائش) 14:16. 4 کتاب مقدس (پیدائش) 20:17. 5 تاریخ مکہ مکرمہ (دارالسلام)، ص: 104، بحوالہ اخبار مکہ، ازرقی، ضمیمہ نمبر 1: (مطبوعہ دارالثقافہ)

کرتے تھے۔

7 ''اور ان کے بادشاہ تیری خدمت گزاری کریں گے۔'': یہ پیش گوئی بھی نبیِ اکرم ﷺ ہی پر صادق آتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس پیش گوئی کے مصداق نہیں بنتے کیونکہ آپ کے حواریوں میں کسی بادشاہ کا ذکر نہیں ملتا جبکہ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والوں میں بادشاہ اور سردار بھی شامل ہیں۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے اسلام قبول کیا اور آپ



کے لیے تحائف بھیجے، پھر جب قیصر روم اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے مابین رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مکالمہ ہوا تو آخر میں قیصر روم نے کہا: ''یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو، اگر سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا مالک بن جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں۔'' پھر کہا: ''مجھے یہ تو معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے مگر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اُس سے ملنے کے لیے ہر تکلیف گوارا کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔''[1] لہٰذا یہ پیش گوئی صرف پیغمبر آخرالزمان ﷺ ہی پر منطبق ہوتی ہے۔

8 ''تیرے پھاٹک ہمیشہ کھلے رہیں گے۔ وہ دن رات کبھی بند نہ ہوں گے تاکہ قوموں کی دولت اور اُن کے بادشاہوں کو تیرے پاس لائیں'': اس کا مصداق صرف خانہ کعبہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

[1] صحيح البخاري: 7.

''کیا ہم نے انھیں (اہلِ مکہ کو) پُر امن حرم میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر قسم کے پھل ہماری طرف سے بطورِ رزق کھینچ کر لائے جاتے ہیں؟ لیکن ان (کُفّار) کے اکثر (لوگ) نہیں جانتے۔''[1]

یوں اس پیش گوئی کے تمام نکات اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اس کے مصداق صرف آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہی ہیں۔ آپ کے علاوہ کوئی اور شخصیت اس باب میں پوری نہیں اُترتی۔

یسعیاہ کی چوتھی پیش گوئی

یسعیاہ نبی نے بتایا کہ خداوند فرماتا ہے:

''اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر! تو جس نے ولادت کا درد برداشت نہیں کیا خوشی سے گا اور زور سے چلّا کیونکہ خداوند فرماتا ہے کہ بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے۔ اپنی خیمہ گاہ کو وسیع کردے ہاں اپنے مسکنوں کے پردے پھیلا۔ دریغ نہ کر۔ اپنی ڈوریاں لمبی اور اپنی میخیں مضبوط کر۔ اس لیے کہ تو دہنی اور بائیں طرف بڑھے گی اور تیری نسل قوموں کی وارث ہوگی اور ویران شہروں کو بسائے گی۔ ...... دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا اور تیری بنیاد نیلم سے ڈالوں گا۔ میں تیرے کنگروں کو لعلوں اور تیرے پھاٹکوں کو شب چراغ اور تیری ساری فصیل بیش قیمت پتھروں سے بناؤں گا۔ اور تیرے سب فرزند خداوند سے تعلیم پائیں گے اور تیرے فرزندوں کی سلامتی کامل ہوگی۔ تو راست بازی سے پایدار ہو جائے گی۔ تو ظلم سے دور رہے گی کیونکہ تو بے خوف ہوگی اور دہشت سے دور رہے گی۔''[2]

1 ''اے بانجھ تو جو بے اولاد تھی نغمہ سرائی کر!'': بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ اس سے مراد یروشلیم ہے بلکہ بعض نے تو یہاں تک جسارت کی ہے کہ متن ہی میں (O Jerusalem۔ اے یروشلیم) لکھ دیا ہے۔[3] لیکن اگر ان آیات پر غور کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ بانجھ نبوت سے محرومی کا اشارہ ہے اور اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے جہاں اسماعیل علیہ السلام کے بعد کوئی پیغمبر آیا نہ وحی نازل ہوئی۔ اس کے برعکس یروشلیم میں کثرت سے پیغمبر مبعوث ہوتے رہے۔

قبلے کی تبدیلی

عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلیم کے بجائے ایک اور قبلے کے بارے میں بھی لوگوں کو مطلع کردیا تھا:

---

[1] القصص 57:28. [2] کتاب مقدس (یسعیاہ) 54:1 - 14.

[3] Life Application Study Bible, P:1105.

''ہمارے باپ دادا نے اس پہاڑ پر پرستش کی اور تم کہتے ہو کہ وہ جگہ جہاں پرستش کرنا چاہیے یروشلیم میں ہے۔ یسوع نے اُس سے کہا اے عورت! میری بات کا یقین کر کہ وہ وقت آتا ہے کہ تم نہ تو اس پہاڑ پر باپ کی پرستش کرو گے اور نہ یروشلیم میں۔''[1]

یہی بات قرآن مجید میں بھی بہ اسلوبِ دیگر بیان کی گئی ہے:

﴿قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ﴾

''تحقیق ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اُٹھنا دیکھ رہے ہیں، سو ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں، پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں بھی تم ہو اپنے منہ اس کی طرف پھیر لو۔''[2]

نبی ﷺ اور آپ کے پیروکار برسوں مسجد اقصیٰ (بیت المقدس یا یروشلم) کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر نبی ﷺ کے دل میں یہ آرزو موجزن رہی کہ ابوالانبیاء ابراہیم علیہ السلام نے جسے قبلہ بنایا تھا، وہی مسلمانوں کا قبلہ ہو جائے، چنانچہ جب 2ھ میں وحی آگئی کہ اپنا رخ مسجد الحرام (کعبہ) کی طرف پھیر دیجیے تو نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً نئے قبلے کی طرف منہ کر لیا۔

[1] کتاب مقدس (یوحنا) 4:20، 21. [2] البقرۃ 2:144.



2 ''بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد شوہر والی کی اولاد سے زیادہ ہے'': بے کس چھوڑی ہوئی کی اولاد سے مراد حضرت ہاجرہ کی اولاد ہے کیونکہ اُنھی پر یہ بات صادق آتی ہے۔ وہ اس مطلقہ عورت کی طرح تھیں جو علیحدہ ہو کر جنگل میں رہنے لگی ہو۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس وعدے میں جو ہاجرہ سے اسماعیل کے حق میں کیا گیا تھا، یہ الفاظ کہے گئے تھے: ''وہ گورخر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔'' [1]

''شوہر والی کی اولاد'' سے حضرت سارہ کی اولاد مراد ہے۔

3 ''دیکھ میں تیرے پتھروں کو سیاہ ریختہ میں لگاؤں گا......'': یہ بات خانہ کعبہ ہی پر صادق آتی ہے۔ بنوعباس کے خلیفہ مہدی، اُس سے پہلے کے خلفاء اور بعد کے خلفاء و سلاطین نے خانہ کعبہ اور مسجد الحرام کی توسیع کے لیے بے دریغ خطیر رقوم خرچ کیں بلکہ اس مقصد کے لیے لوگوں نے ہیرے جواہرات اور سونے کے تاج بھی نذر کر دیے۔ کعبہ کی موجودہ عمارت عثمانی خلیفہ مراد خاں رابع کے عہد (1032ھ تا 1049ھ) میں تعمیر ہوئی تھی جس میں سیاہ مسالا (ریختہ) استعمال ہوا ہے۔

4 ''تو راست بازی سے پایدار ہو جائے گی۔ تو ظلم سے دور رہے گی......'': یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ یہ بات خانہ کعبہ اور مکہ مکرمہ کے بارے میں کہی گئی ہے کیونکہ وہ جائے امن ہے، وہاں ظلم بپا نہیں ہوتا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝ فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا﴾

''بے شک پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو بکہ (مکہ) میں ہے، بہت بابرکت اور جہانوں کے لیے ہدایت ہے۔ اس میں واضح نشانیاں (اور) مقام ابراہیم ہے اور جو کوئی اس میں داخل ہوا، وہ امن والا ہو گیا۔'' [2]

یروشلم کی بار بار تباہی اور مکہ جائے امن

تاریخ شاہد ہے جس نے خانہ کعبہ یا اُس کے امن کو غارت کرنے کی کوشش کی، وہ خود نیست و نابود ہو گیا جبکہ یروشلیم بار بار تباہ ہوتا رہا۔ بائبل میں یروشلم کی بار بار تباہی کا ذکر ہوا ہے۔

- 917 ق م میں شاہ مصر سیسق نے یروشلیم پر چڑھائی کی اور خداوند کے گھر کے خزانوں اور شاہی محل کے خزانوں کو لے لیا اور سونے کی وہ سب ڈھالیں بھی لے گیا جو سلیمان علیہ السلام نے بنائی تھیں۔ [3]

---

[1] کتاب مقدس (پیدائش) 12:16. [2] آل عمرٰن 3:96,97. [3] کتاب مقدس (سلاطین-1) 26:14.

- یہورام کے عہد حکومت (850-843 ق م) میں عرب اور فلستی یہوداہ (یہودیہ) پر چڑھائی کر کے اس میں گھس آئے اور بادشاہ کا سارا مال اور اس کے بیٹوں اور بیویوں کو بھی لے گئے۔ [1]
- اسرائیل کے (یہودی) بادشاہ یہوآس (801-786 ق م) نے یروشلیم آ کر مغربی دیوار کو 600 فٹ تک گرا دیا۔ اور اس نے سب سونے اور چاندی کو اور سب برتنوں کو جو خداوند کی ہیکل اور شاہی محل کے خزانوں میں ملے اور کفیلوں کو بھی ساتھ لیا اور (اپنے دارالحکومت) سامریہ کو لَوٹا۔ [2]
- شاہ یہوداہ آخز کے دورِ حکومت (732-715 ق م) میں یروشلیم پر ایک ناکام حملہ ہوا۔ شاہ ارام رضین اور شاہ اسرائیل رملیاہ نے مل کر چڑھائی کی اور ہیکل پر قبضہ کرنے کی کوشش کی۔ [3]
- شاہ اسور تگلت پلاسر سوم (745-727 ق م) نے یروشلیم پر حملہ کیا اور آخز نے خداوند کے گھر اور بادشاہ اور سرداروں کے محلوں سے مال لے کر شاہ اسور کو دیا تو بھی اس کی کچھ مدد نہ ہوئی۔ [4]
- 701 ق م میں شاہ اسور سنحیرب نے یہودیہ پر حملہ کیا۔ اس کے کتبے میں لکھا ہے: ''میں نے (شاہ) حزقیاہ یہودی کے 46 شہر ایک ایک کر کے فتح کر لیے اور 200,150 آدمی کھدیڑ ڈالے اور ان کے بادشاہ کو پنجرے میں بند پرندے کی طرح یروشلیم میں قیدی بنا لیا۔'' تاہم بائبل کہتی ہے کہ ''شاہ اسور یروشلیم میں داخل نہ ہو پایا...... رات کو خداوند کے فرشتہ نے نکل کر اسور کی لشکرگاہ میں ایک لاکھ پچاسی ہزار آدمی مار ڈالے...... تب شاہ اسور نینوہ لوٹ گیا۔'' [5]
- چھٹی صدی قبل مسیح کے اوائل (597 ق م) میں بابل کے حکمران نبوکدنضر (بخت نصر) نے یروشلیم پر چڑھائی کی، شاہ یہویقیم کو گرفتار کر کے بابل لے گیا، صدقیاہ کو شاہ یہودیہ نامزد کیا اور ہزاروں یہودی جلاوطن کر دیے۔ 587 ق م میں بخت نصر نے پھر حملہ آور ہو کر یروشلیم کا محاصرہ کر لیا۔ طویل محاصرے اور بھوک سے تنگ آ کر شاہ صدقیاہ اور اس کی فوج ایک رات عربہ (اردن) کی طرف بھاگ نکلی مگر بخت نصر نے انھیں اریحا کے میدان

[1] کتاب مقدس (تواریخ-2) 17,16:21۔ [2] کتاب مقدس (سلاطین-2) 14,13:14۔ [3] کتاب مقدس (سلاطین-2) 5:16۔ [4] کتاب مقدس (تواریخ-2) 21,20:28۔ [5] کتاب مقدس (سلاطین-2) 19:33-36، NIV Study Bible,p: 551، قاموس الکتاب، ص: 1114, 1115۔


یروشلم شہر کا منظر

میں جا گھیرا۔ صدقیاہ کو زنجیروں میں جکڑ کر ربلہ (شام) لے گیا جہاں اس کے بیٹے اس کے سامنے ذبح کیے گئے۔ پھر صدقیاہ کو اندھا کر کے بابل لے جایا گیا۔

بخت نصر نے اس بار یروشلیم پر قبضہ کر کے ہیکل سلیمانی کو جلا دیا اور یروشلیم کو پیوندِ زمین کر دیا۔ اس نے یہودیوں کے تمام صحیفے نذر آتش کر دیے اور تقریباً ایک لاکھ یہودیوں کو گرفتار کر کے بابل لے گیا۔ پھر قریباً نصف صدی بعد 539 ق م میں فرمانروائے فارس سائرس اعظم (ذوالقرنین) نے بابل فتح کر کے یہودیوں کو رہائی بخشی اور انھوں نے واپس جا کر ہیکل سلیمانی دوبارہ تعمیر کیا۔

- سکندر اعظم کی وفات (323 ق م) کے تین سال بعد یروشلیم یونانی بطلیموسی بادشاہ سوتیر اول کے ہاتھ آیا۔ ایک سو سال بعد یہ شہر سلوقیوں کے قبضے میں آ گیا۔
- 199 ق م میں شاہِ مصر نے فلسطین اور یروشلیم پر قبضہ کر لیا۔ ایک سال بعد سلوقی انطاکس اعظم سوم اس شہر پر قابض ہو گیا اور یہودیوں نے اسے خوش آمدید کہا۔
- 169-168 ق م میں مثیلِ مخالفِ مسیح انطاکس چہارم (یونانی) نے ہیکل میں خنزیر کی قربانی چڑھا کر اسے ناپاک کیا اور یہودی قربانیوں اور ختنے اور سبت کی پابندی کو ممنوع قرار دیا اور ایک فرمان جاری کیا کہ اگر کسی یہودی کے پاس کلامِ پاک ملا تو قتل کیا جائے گا، لہٰذا بے شمار یہودی قتل ہوئے۔
- 163 ق م میں انطاکس پنجم نے یروشلیم کی دیواروں اور ہیکل کو توڑ دیا۔
- رومی جرنیل ٹائٹس (Titus) نے 70ء میں ایک طویل محاصرے کے بعد بیت المقدس پر قبضہ کر لیا تو اس کا عالیشان معبد (ہیکل) ایک بار پھر جلا دیا گیا۔ رومی سپاہیوں نے شہر پر قبضہ کر لینے کے بعد بڑی بے رحمی سے اس کو غارت کیا۔ چھ لاکھ یہودی مقتول ہوئے اور ہزاروں گرفتار کر لیے گئے۔
- یروشلم میں جو کچھ بچ رہا تھا، قیصر ہیڈرین (Hadrian) کے عہد (135ء) میں اسے بھی پیوندِ خاک کر دیا گیا یہاں تک کہ بنیادوں کو بھی اکھاڑ دیا گیا۔ یہودیوں کو فلسطین سے جلاوطن کر کے بیت المقدس کو مکمل طور پر بت پرستوں



کے شہر میں بدل دیا گیا۔ دو سال بعد رومیوں نے نیا شہر تعمیر کیا تو اس میں دو سو برس تک یہودیوں کو آباد ہونے کی اجازت نہ ملی۔

- 614ء میں شاہ فارس خسرو دوم (خسرو پرویز) کے ایک سپہ سالار نے یروشلیم پر قبضہ کر کے 60 ہزار مسیحی قتل کر دیے اور 35 ہزار کو غلام بنا لیا۔ شہر اور اس کے ارد گرد اس قدر تباہی و بربادی تھی کہ پھر وہ پوری طرح کبھی بحال نہ ہو سکا۔[1]

عیسیٰ علیہ السلام نے یروشلیم کی بربادی کی خبر دی

یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) نے خود ہیکل سلیمانی اور یروشلیم کی بربادی کی خبر دی تھی:

''اور یسوع ہیکل سے نکل کر جا رہا تھا کہ اُس کے شاگرد اُس کے پاس آئے تاکہ اُسے ہیکل کی عمارتیں دکھائیں۔ اُس نے جواب میں اُن سے کہا: کیا تم ان سب چیزوں کو نہیں دیکھتے؟ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہاں کسی پتھر پر پتھر باقی نہ رہے گا جو گرایا نہ جائے گا۔''[2]

ان تاریخی حقائق کے ہوتے ہوئے یروشلیم کیسے صحیفہ یسعیاہ کی اس پیش گوئی کا مصداق ہو سکتا ہے؟

یسعیاہ کی پانچویں پیش گوئی

خداوند نے یسعیاہ نبی کی معرفت فرمایا:

''جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے اُنھوں نے بڑی روشنی دیکھی۔ جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے اُن پر نور چمکا۔ تو نے قوم کو بڑھایا۔ تو نے اُن کی شادمانی کو زیادہ کیا۔ وہ تیرے حضور ایسے خوش ہیں جیسے فصل کاٹتے وقت اور غنیمت کی تقسیم کے وقت لوگ خوش ہوتے ہیں۔ کیونکہ تو نے اُن کے بوجھ کے جوئے اور اُن کے کندھے کے لٹھ اور اُن پر ظلم کرنے والے کے عصا کو ایسا توڑا ہے جیسا مِدیان کے دن میں کیا تھا۔ کیونکہ جنگ میں مسلح مردوں کے تمام سلاح اور خون آلودہ کپڑے جلانے کے لیے آگ کا ایندھن ہوں گے۔ اس لیے ہمارے لیے ایک لڑکا تولّد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا اور سلطنت اُس کے کندھے پر ہوگی اور اُس کا نام عجیب مشیر خدای قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شاہزادہ ہوگا۔ اُس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہا نہ ہوگی۔ وہ داؤد کے تخت اور اُس کی مملکت پر

[1] اردو دائرہ معارف اسلامیہ: 16-(1)/296، قاموس الکتاب، ص: 1114-1117، 573 :NIV Study Bible. [2] کتاب مقدس (متی) 2,1:24.

آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اُسے قیام بخشے گا۔"[1]

بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے کی گئی ہے۔[2] لیکن اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو اس کی کسی بھی لحاظ سے عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی مناسبت ثابت نہیں ہوتی۔

1 "جو لوگ تاریکی میں چلتے تھے اُنھوں نے بڑی روشنی دیکھی": قرآن مجید میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں:

﴿قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾

"بے شک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور واضح کتاب آئی ہے۔ جس کے ساتھ اللہ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے پیچھے چلیں، سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے اور انھیں اپنے حکم سے اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور انھیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔"[3]

2 "جو موت کے سایہ کے ملک میں رہتے تھے اُن پر نور چمکا": عرب میں خاندانی دشمنیوں، قبائلی عصبیتوں اور جاہلانہ مشاغل کی وجہ سے لوگوں پر موت کا سایہ مسلط رہتا تھا اور ہر طرف رقص ابلیس جاری تھا۔ لیکن بعثتِ نبوی کی روشنی کے بعد بھائی چارے کی ایسی فضا بن گئی جس کی دُنیا میں مثال نہیں ملتی۔ فرمان باری ہے:

﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾

"اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت (احسان) یاد کرو۔ جب تم (آپس میں) دشمن تھے، پھر اس نے تمھارے دلوں میں الفت ڈال دی تو تم اُس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے۔"[4]

دربارِ نجاشی میں صحابیِ رسول کا اعلانِ حق

سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت کی تاریکی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد اسلام کی نور افشانیوں کا نقشہ شاہِ حبشہ نجاشی کے دربار میں اس طرح کھینچا تھا:

أَيُّهَا الْمَلِكُ! كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيءُ الْجِوَارَ، يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى بَعَثَ

1 کتاب مقدس (یسعیاہ) 9:2-7۔

2 Life Application Study Bible, P: 1059

3 المآئدۃ 5:15،16۔ 4 آل عمرٰن 3:103۔

اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِّنَّا نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ وَ أَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ، فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ وَنَعْبُدَهُ، وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّورِ وَأَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَأَمَرَنَا أَنْ نَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا نُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَ أَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ - قَالَتْ: فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ - فَصَدَّقْنَاهُ وَ آمَنَّا بِهِ وَاتَّبَعْنَاهُ عَلَى مَا جَاءَ بِهِ، فَعَبَدْنَا اللّٰهَ وَحْدَهُ، فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَ حَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا، وَ أَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا ......

”اے بادشاہ! ہم ایک ایسی قوم تھے جو جاہلیت میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بے حیائی کے کام کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے، ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف ہم ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا۔ ہم اس کی عالی نسبی، سچائی، امانت داری اور پاک دامنی سے خوب واقف ہیں۔ سو اس نے ہمیں دعوت دی کہ ہم اللہ کو ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے سوا جن پتھروں اور بتوں کی پرستش کرتے تھے، انھیں چھوڑ دیں۔ اس (رسول) نے ہمیں سچی بات کرنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے، حرام کاموں اور خونریزی سے باز رہنے کا حکم دیا۔ بے حیائی کے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورت پر تہمت لگانے سے روکا۔ اس نے ہمیں حکم دیا کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اس نے ہمیں نماز، زکاۃ اور روزے رکھنے کا حکم دیا۔“

(......اس حدیث کی راویہ) ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کو اسلام کے امور گنوائے۔ (پھر کہا:) ”ہم نے اس (رسول) کی تصدیق کی، اس پر ایمان لائے اور جو وہ لایا تھا، اس میں اس کی پیروی کی۔ ہم نے ایک اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جس چیز کو اس نے ہم پر حرام کیا، ہم نے اسے حرام جانا اور جسے ہمارے لیے حلال کیا، ہم نے اسے حلال مانا......“[1]

3 ”تو نے قوم کو بڑھایا۔ تو نے اُن کی شادمانی کو زیادہ کیا“: یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کو اس دنیا میں قیام کے دوران

[1] مسند أحمد :1/201-203.

میں یہ مقام کبھی حاصل نہیں ہوا بلکہ ان کی قوم بنی اسرائیل ان کی جان کے درپے تھی اور وہ اپنے چند شاگردوں کے ساتھ بنی اسرائیل کے لوگوں سے چھپتے رہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ آپ کی امت کو زمین میں خلفاء، یعنی لوگوں کے امام اور حکمران بنا دے گا۔ پھر علاقوں کی فلاح و بہبود انھی کی وجہ سے ہوگی، بندگانِ الٰہی ان کے تابع فرمان ہو جائیں گے اور خوف کے بعد انھیں امن اور اقتدار عطا فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے یہ سارے وعدے پورے فرما دیے تھے۔ لوگوں نے موج در موج اور فوج در فوج اللہ تعالیٰ کے دین کو قبول کر لیا تھا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۚ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝﴾

"جب اللہ کی مدد اور فتح آجائے گی اور آپ لوگوں کو دیکھیں گے کہ وہ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہو رہے ہیں تو آپ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے اور اس سے بخشش مانگیے، بلاشبہ وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔"[1]

فتح سے یہاں مراد فتح مکہ ہے۔ عرب قبائل اسلام قبول کرنے کے لیے فتح مکہ کے منتظر تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ اپنی قوم پر غالب آگئے تو پھر اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مکہ کی فتح سے بھی سرفراز فرما دیا تو لوگ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگے اور ابھی دو سال کی مدت بھی نہ گزری تھی کہ سارا جزیرۃ العرب نورِ ایمان سے چمک اُٹھا۔ تمام قبائلِ عرب مشرف بہ اسلام ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا۔ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو دیکھا اور زمین کو جہاں تک سمیٹ کر مجھے

[1] النصر 110:1-3.



دکھایا گیا، وہاں تک میری امت کی حکومت پہنچے گی۔"[1] لہٰذا یسعیاہ نبی کی اس پیش گوئی کہ "تو نے قوم کو بڑھایا۔ تو نے ان کی شادمانی کو زیادہ کیا" کے مصداق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی دوسرے نبی نہیں ہو سکتے، اس کے مصداق صرف امام کائنات، فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

4 "اُن پر ظلم کرنے والے کے عصا کو ایسا توڑا ہے جیسا مدیان کے دن میں کیا تھا"[2]: یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کو اس دنیا میں یہ مقام بھی نہ حاصل ہو سکا۔ بائبل کے مطابق وہ تو خود "ایلی۔ ایلی۔ لما شبقتنی" "اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"[3] کہتے ہوئے سولی چڑھ گئے۔

اس کے برعکس مسلمانوں پر جبر و تشدد اور ظلم و ستم کرنے والے بدر کے میدان میں مارے گئے اور ان کے باقی ماندہ افراد و قبائل فتح مکہ کے موقع پر مطیع ہو گئے۔ اس طرح یہ پیش گوئی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے۔

5 "سلطنت اُس کے کندھے پر ہوگی": اس کے برعکس بائبل میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ یسوع علیہ السلام کا دنیاوی سلطنت سے کوئی تعلق ہی نہیں[4] بلکہ یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) تو دو افراد کے درمیان بھی منصف بننے کے لیے تیار نہیں تھے:

"پھر بھیڑ میں سے ایک نے اُس سے کہا اے اُستاد! میرے بھائی سے کہہ کہ میراث کا میرا حصہ مجھے دے۔ اُس نے اُس سے کہا میاں! کس نے مجھے تمہارا منصف یا بانٹنے والا مقرر کیا ہے؟"[5]

6 "سلامتی کا شاہزادہ ہوگا۔": عیسائی شارحین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ بائبل ہی کی رو سے یسوع علیہ السلام اس کے مصداق نہیں بنتے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں ایک بڑی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ سلامتی کا شاہزادہ ہوگا، یعنی اُس کا مقصد امن و سلامتی پھیلانا ہوگا لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق بائبل میں بتایا گیا ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صلح کرانے آیا ہوں۔ صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں۔"[6]

مزید برآں یسوع نے تلوار خریدنے کی ترغیب دیتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اس کے لیے اگر اپنی پوشاک بھی بیچنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کیا جائے:

"اس نے اُن سے کہا مگر اب جس کے پاس بٹوا ہو وہ اُسے لے اور اسی طرح جھولی بھی اور جس کے پاس نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے۔"[7]

1 صحیح مسلم: 2889. 2 "جدعون اُن (ظالم مدیانیوں) پر حملہ کر کے ان پر غالب آیا۔ اس نے ان کے سرداروں عوریب اور زئیب اور ان کے بادشاہ زبح اور ضلمنع کو بھی قتل کیا۔" (کتاب مقدس (قضاۃ) 7:21-25 و 8:5-21) 3 کتاب مقدس (متی) 46:27. 4 کتاب مقدس (یوحنا) 36:18. 5 کتاب مقدس (لوقا) 14,13:12. 6 کتاب مقدس (متی) 34:10. 7 کتاب مقدس (لوقا) 36:22.

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ بشارت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نہیں بلکہ اس کے مصداق نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو امن و سلامتی اور صلح و خیر خواہی کے پیغام بر ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات امن کے داعیوں کے لیے مینارۂ نور ہیں۔

7 ''وہ داؤد کے تخت اور اُس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا'': تاریخ گواہ ہے کہ یسوع (علیہ السلام) کو داود (علیہ السلام) کے تخت پر ایک دن بھی بیٹھنا نصیب نہیں ہوا بلکہ یسوع (علیہ السلام) تو رومیوں کو جزیہ دیتے رہے۔[1] کہاں داود (علیہ السلام) کا تخت اور کہاں رومیوں کو جزیے کی ادائیگی!

بائبل کی رو سے یسوع (علیہ السلام) داود (علیہ السلام) کے وارث ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ یہویقیم کی اولاد کے لیے داود (علیہ السلام) کا تخت ہمیشہ کے لیے حرام ہے:

''اس لیے شاہ یہوداہ یہویقیم کی بابت خداوند یوں فرماتا ہے کہ اُس کی نسل میں سے کوئی نہ رہے گا جو داؤد کے تخت پر بیٹھے۔''[2]

انجیل متی میں ''یسوع مسیح ابن داؤد ابن ابرہام'' (علیہم السلام) کے نسب نامے کی جو تفصیل دی گئی ہے، اس میں آخری شاہ یہودیہ صدقیاہ سے لے کر داود (علیہ السلام) تک نسب یوں ہے: صدقیاہ بن یکونیاہ بن یوسیاہ بن امون بن مُنسّی بن حزقیاہ بن آخز بن یُتام بن عُزیاہ بن یُورام بن یہوسفط بن آسا بن اَبیّاہ بن رُحبعام بن سلیمان بن داؤد (علیہما السلام)۔[3]

لیکن عہد نامہ عتیق میں نسب ''صدقیاہ بن یکونیاہ بن یہویقیم بن یوسیاہ...... دیا گیا ہے:

''اور یوسیاہ کے بیٹے یہ تھے۔ پہلوٹھا یوحنان۔ دوسرا یہویقیم۔ تیسرا صدقیاہ۔ چوتھا سلوم۔ اور بنی یہویقیم۔ اُس کا بیٹا یکونیاہ۔ اُس کا بیٹا صدقیاہ۔''[4]

اگرچہ انجیل متی میں یسوع (علیہ السلام) کے نسب نامہ میں یہویقیم کا نام حذف کر کے دادا کے بعد پوتے کا ذکر کیا گیا ہے:

''اور امون سے یوسیاہ پیدا ہوا۔ اور گرفتار ہوکر بابل جانے کے زمانہ میں یوسیاہ سے یکونیاہ اور اُس کے بھائی پیدا ہوئے۔''[5]

مسیح (علیہ السلام) داود (علیہ السلام) کے خلف ہیں

شارحینِ بائبل کا کہنا ہے کہ یہاں یہویقیم کا نام اُسی طرح حذف کیا گیا ہے جس طرح بالعموم پوتے کو باپ کا ذکر کیے بغیر براہِ راست دادا سے منسوب کر دیا جاتا ہے، تاہم NIV Study Bible کے شارح نے یہ وضاحت بھی کی

[1] کتابِ مقدس (متی) 24:17-27. [2] کتابِ مقدس (یرمیاہ) 30:36. [3] کتابِ مقدس (متی) 1:1-16. [4] کتابِ مقدس (تواریخ) 3: 15، 16. [5] کتابِ مقدس (متی) 1:10، 11.

ہے کہ یسوع مسیح (علیہ السلام) کے شجرۂ نسب میں "متی" نے یہ نہیں کہا کہ یوسف نجار یسوع کا باپ تھا بلکہ اسے صرف مریم کا شوہر بتایا ہے۔ گویا یسوع (علیہ السلام) یوسف (نجار) کا صُلبی بیٹا نہیں بلکہ قانونی بیٹا ہے، لہٰذا وہ داود (علیہ السلام) کا ایک خلف ہے۔ [1] یوسف نجار کی نسبت ''لوقا'' میں ہے کہ جب فرشتے نے مریم کو یسوع مسیح کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو مقدسہ مریم گلیل میں ناصرۃ کے مقام پر رہائش پذیر تھیں۔ ان کی منگنی ایک نجار (ترکھان) یوسف سے ہوچکی تھی۔ [2] لوقا ہمیں بتاتا ہے کہ یوسف داوٗد کی نسل سے تھا۔ اگرچہ مریم کے حسب نسب کے متعلق صاف نہیں بتایا گیا، پھر بھی وہ اسی نسل سے تعلق رکھتی تھیں کیونکہ لوقا باب 3 میں جو نسب نامہ دیا گیا ہے، اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ مقدسہ مریم کے حمل کو بتوسّط پاک رُوح بتایا گیا ہے۔ [3]

چلیے، یسوع مسیح (علیہ السلام) کو یہویقیم کی قانونی اولاد اور داود (علیہ السلام) کا خلف مانا ہے تو یرمیاہ (30:36) کی صراحت، یعنی شاہِ یہوداہ یہویقیم کے بارے میں خداوند یوں فرماتا ہے کہ اس کی نسل سے کوئی نہ رہے گا جو داوٗد کے تخت پر بیٹھے، اس کی رو سے وہ داود (علیہ السلام) کے وارث بہرحال نہیں ہوسکتے۔ یوں اس پیش گوئی کی رو سے اس کا صحیح مصداق نبی آخرالزمان محمد ﷺ ہی ہیں۔

اسلام انسانیت کے لیے پیغامِ امن

رسول اللہ ﷺ کا دین تمام بنی نوع انسان کو امن کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ ایک انسان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل اور ایک جان بچانے کو تمام انسانوں کی جان بچانے کے مترادف ٹھہراتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا﴾

''اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو قتل کردے، سوائے اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد کرنے والا ہو، تو گویا اُس نے تمام لوگوں کو قتل کردیا اور جو شخص کسی ایک جان کو (ناحق قتل ہونے سے) بچائے، تو گویا اُس نے تمام لوگوں کی جان بچائی۔'' [4]

اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کے لیے یہ ضابطہ تھا کہ کسی انسان کا ناحق قتل، ساری انسانیت کا قتل ہے۔ اسلام کا بھی یہی ضابطہ ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ»

[1] NIV Study Bible, p: 1466.
[2] کتاب مقدس (لوقا) 27,26:1. [3] کتاب مقدس (متی) 18:1، قاموس الکتاب، ص: 905. [4] المآئدۃ 32:5.

''مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔''[1]

اس سے کسی کو یہ غلط فہمی نہیں ہونی چاہیے کہ اسلام میں بس مسلمانوں ہی کے حقوق محفوظ ہیں اور کسی کے نہیں، جیسا کہ یہودیوں کے ہاں ہے۔ ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کے ایک اور فرمان کی رُو سے یہ غلط فہمی دور ہوجاتی ہے:

«وَالْمُؤْمِنُ مَنْ أَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى دِمَائِهِمْ وَ أَمْوَالِهِمْ»

''اور مومن وہ شخص ہے جس سے لوگوں کے خون اور مال محفوظ ہوں۔''[2]

یہاں ''اَلنَّاس'' فرمایا ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم سب شامل ہیں۔

امن وسلامتی نبیِ کریم ﷺ کی تعلیمات کی معروف ومسلم بنیاد ہے یہاں تک کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملاقات کرتے وقت ''السلام علیکم'' کہتا ہے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے لیے سلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے عرب سے بدامنی اور جنگ وجدال کا خاتمہ کرکے امن وسلامتی کی مثالی فضا پیدا کر دی، لہٰذا ''سلامتی کا شہزادہ'' ہونے کا خطاب آپ ﷺ ہی پر صادق آتا ہے۔ آپ ﷺ سید الانبیاء اور خاتم النبیین ہونے کے ناتے تمام انبیاء کی میراث کے وارث ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی ذات میں نبوت وریاست کو جمع کردیا۔ داود اور سلیمان ؑ بھی نبی ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی ریاست کے فرمانروا تھے۔

اس لحاظ سے آپ داود ؑ کے تخت کے وارث بھی ہیں۔ آپ نے اسے قیامت تک کے لیے خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کی صورت میں نمایاں کردیا۔ اس کی بنیاد اُسی بات پر ہے جس کا اس پیش گوئی میں ذکر ہے: ''وہ داوٗد کے تخت اور اُس کی مملکت پر آج سے ابد تک حکمران رہے گا اور عدالت اور صداقت سے اُسے قیام بخشے گا۔''

[1] صحيح البخاري: 10. [2] جامع الترمذي: 2627.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

”اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر اونچا کر دیا۔“

(الم نشرح 94:4)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

يَكُونُ ٱسْمُهُ إِلَى ٱلدَّهْرِ. قُدَّامَ ٱلشَّمْسِ يَمْتَدُّ ٱسْمُهُ

''اس کا نام ہمیشہ قائم رہے گا۔ جب تک سورج ہے اس کا نام رہے گا۔''

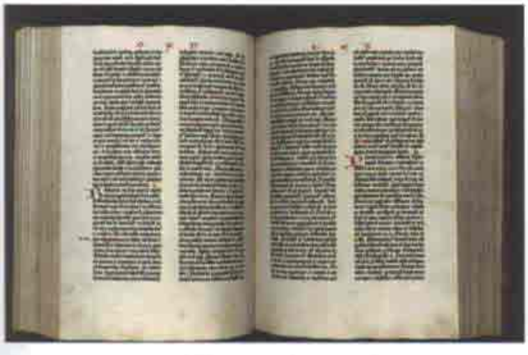
کتاب مقدس (زبور) 17:72

صحیفۂ دانیال کی بشارات

دانیال علیہ السلام (دانی ایل) بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ایک نبی تھے۔ وہ یوسف علیہ السلام سے بہت مشابہ تھے۔ یوسف علیہ السلام ہی کی طرح بابل میں پردیسی اور مظلوم تھے مگر اللہ تعالیٰ نے انھیں علم اور خوابوں کی تعبیر عنایت فرما کر بادشاہ کی نظر میں ان کی بڑی قدر و منزلت پیدا کر دی۔ وہ ہمیشہ توحید کے داعی رہے۔ زمانے اور زندگی کا کوئی فتنہ انھیں دعوت الی اللہ کے مقدس مقصد سے نہ ہٹا سکا۔

فتح تستر اور دانیال کی میت

اسلامی تاریخ میں دانیال علیہ السلام کی نسبت سے ایک واقعہ مشہور ہے جسے امام ابن اسحاق، ابن ابی شیبہ، بیہقی رحمہم اللہ وغیرہ نے ان تابعین سے روایت کیا ہے جو شوشتر (تستر) کی فتح میں شریک تھے۔ ان میں ابوالعالیہ اور مطرف بن مالک کا بھی ذکر آتا ہے۔ ہخامنشی دور میں سلطنت فارس کا دارالحکومت شوشتر تھا۔ عہد فاروقی میں سیدنا براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا تھا۔ مسلمان فوج نے دانیال علیہ السلام کی میت ایک تختے پر پڑی ہوئی پائی۔ میت جوں کی توں اپنی اصل حالت میں تھی۔ گُدی کے چند بالوں کے سوا اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میت کے سرہانے ایک صحیفہ تھا۔ مسلمان فوج نے وہ صحیفہ اٹھا کر امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے (یہود میں سے اسلام قبول کرنے والے عالم) کعب الاحبار کو طلب فرمایا۔ کعب نے اس صحیفے کو عربی رسم الخط میں لکھ دیا۔ ابوالعالیہ کہتے ہیں: میں پہلا شخص تھا جس نے وہ صحیفہ پڑھا۔ راوی، جو ابوالعالیہ سے روایت کرتا ہے، کہتا ہے: میں نے ابوالعالیہ سے دریافت کیا: صحیفے میں کیا لکھا تھا؟ کہا: ''تمھاری سب سیرت، تمھارے تمام امور، تمھارے کلام



کتاب دانیال (عہد نامہ قدیم)

کے لیے اور جو کچھ آئندہ پیش آنے والا ہے۔" [1]

دانیال کی پہلی پیش گوئی

عبرانی زبان کے ماہر کعب الاحبار کی سعیِ بلیغ سے دانیال کے صحیفے کا ترجمہ باقاعدہ عربی میں ہوا۔ اسے بہت سے لوگوں نے پڑھا۔ بعید نہیں وہ علمائے اسلام جنھوں نے کتب سابقہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق بشارتوں پر تالیفات مُرتب کی ہیں، مثلاً: ابن قتیبہ اور ابن ظفر وغیرہ، وہ اس صحیفے سے واقف ہوں، البتہ اگر ایسا نہ ہو اور ان کی معلومات کا مصدر تورات کے وہ صحیفے ہوں جو ان کے دور میں پائے گئے تو یہ کہیں زیادہ قوی اور بامعنی بات قرار پائے گی کیونکہ یہ مسلم مصنفین کبھی غلط بات نقل کرنے کے موردِ الزام نہیں پائے گئے حتی کہ ان کے معاصر اہل کتاب نے بھی ان کو اس معاملے میں کبھی نہیں جھٹلایا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی "الجواب الصحیح" میں ابن قتیبہ کا یہ قول نقل کیا ہے: "اور (محمد ﷺ کے بارے میں دانیال کی) یہ پیش گوئی یہود اور نصاریٰ کے ہاں آج بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اسے پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں مذکور شخص ابھی ظاہر نہیں ہوا۔"

بخت نصر کا خواب دانیال پر آشکار

پیش گوئی کا پس منظر یوں ہے کہ بابل کا بادشاہ نبوکدنضر (بخت نصر) 586 ق م میں یروشلم کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد ایک لاکھ کے قریب یہودیوں کو اسیر کر کے عراق لے گیا تھا۔ ان میں دانیال علیہ السلام اور ان کے ساتھی حننیاہ، میسا ایل اور عزریاہ بھی تھے جنھیں بخت نصر کے دربار میں حاضری کے لیے منتخب کیا گیا۔ ایک روز بخت نصر نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے وہ پریشان ہوگیا۔ بادشاہ نے جادوگروں اور فال گیروں کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کا یہ خواب بوجھیں اور اس کی تعبیر بھی بتائیں۔ سب عاجز آ گئے مگر دانیال علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عجز و انکسار سے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کا وہ خواب اور اس کی تعبیر دانیال کو الہام کر دی، چنانچہ وہ شاہی اہلکار اریوک کی وساطت سے بادشاہ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے:


بابل (عراق) کا قدیم شہر

[1] البداية والنهاية :38,37/1، دلائل النبوة للبيهقي:382,381/1، المصنف لابن أبي شيبة:23,22/7، شفاء الصدور، ص:336.

''اے بادشاہ! تو نے ایک بڑی مورت دیکھی۔ وہ بڑی مورت جس کی رونق بے نہایت تھی تیرے سامنے کھڑی ہوئی اور اس کی صورت ہیبت ناک تھی۔ اس مورت کا سر خالص سونے کا تھا، اُس کا سینہ اور اس کے بازو چاندی کے۔ اس کا شکم اور اس کی رانیں تانبے کی تھیں۔ اُس کی ٹانگیں لوہے کی اور اس کے پاؤں کچھ لوہے کے اور کچھ مٹی کے تھے۔ تو اسے دیکھتا رہا یہاں تک کہ ایک پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی کاٹا گیا اور اس مورت کے پاؤں پر جو لوہے اور مٹی کے تھے لگا اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تب لوہا اور مٹی اور تانبا اور چاندی اور سونا ٹکڑے ٹکڑے کیے گئے اور تابستانی کھلیہان (کھلیان) کے بھوسے کی مانند ہوئے اور ہوا ان کو اڑا لے گئی یہاں تک کہ ان کا پتہ نہ ملا اور وہ پتھر جس نے اس مورت کو توڑا ایک بڑا پہاڑ بن گیا اور تمام زمین میں پھیل گیا۔

وہ خواب یہ ہے اور اس کی تعبیر بادشاہ کے حضور بیان کرتا ہوں۔ اے بادشاہ! تو شہنشاہ ہے جس کو آسمان کے خدا نے بادشاہی و توانائی اور قدرت و شوکت بخشی ہے۔ اور جہاں کہیں بنی آدم سکونت کرتے ہیں اس نے میدان کے چرندے اور ہوا کے پرندے تیرے حوالہ کر کے تجھ کو ان سب کا حاکم بنایا ہے۔ وہ سونے کا سر تو ہی ہے۔ اور تیرے بعد ایک اور سلطنت برپا ہوگی جو تجھ سے چھوٹی ہوگی اور اس کے بعد ایک اور سلطنت تانبے کی جو تمام زمین پر حکومت کرے گی اور چوتھی سلطنت لوہے کی مانند مضبوط ہوگی اور جس طرح لوہا توڑ ڈالتا ہے اور سب چیزوں پر غالب آتا ہے ہاں جس طرح لوہا سب چیزوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرتا اور کچلتا ہے اسی طرح وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گی اور کچل ڈالے گی۔ اور جو تو نے دیکھا کہ اس کے پاؤں اور انگلیاں کچھ تو کمہار کی مٹی کی اور کچھ لوہے کی تھیں سو اس سلطنت میں تفرقہ ہوگا۔''[1]

ابدی سلطنت کی بشارت

دانی ایل نے مزید کہا:

''اور ان بادشاہوں کے ایام میں آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی اور اس کی حکومت کسی دوسری قوم کے حوالہ نہ کی جائے گی بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی اور وہی ابد تک قائم رہے گی۔ جیسا تو نے دیکھا کہ وہ پتھر ہاتھ لگائے بغیر ہی پہاڑ سے کاٹا گیا اور اس نے لوہے اور تانبے اور مٹی اور چاندی اور سونے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ خدا تعالیٰ نے بادشاہ

[1] کتاب مقدس (دانی ایل) 2:31-41.

کو وہ کچھ دکھایا جو آگے کو ہونے والا ہے اور یہ خواب یقینی ہے اور اس کی تعبیر یقینی۔
تب نبوکدنضر بادشاہ نے منہ کے بل گر کر دانی ایل کو سجدہ کیا اور حکم دیا کہ اسے ہدیہ دیں اور اس کے سامنے بخور جلائیں۔ بادشاہ نے دانی ایل سے کہا: فی الحقیقت تیرا خدا معبودوں کا معبود اور بادشاہوں کا خداوند اور بھیدوں کا کھولنے والا ہے کیونکہ تو اس راز کو کھول سکا۔" [1]

یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ گزشتہ شریعتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا جیسا کہ قرآن میں ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا تھا (یوسف 12:100) مگر شریعتِ اسلامیہ نے اسے روا نہیں رکھا اور ممنوع قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ، وَلَوْ صَلَحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

"کسی انسان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے۔ اگر کسی انسان کے لیے کسی انسان کو سجدہ کرنا ٹھیک ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، کیونکہ خاوند کا اس پر بہت بڑا حق ہے۔" [2]

دانیال کی پیش گوئی مندرجہ ذیل ہے:

1 **"آسمان کا خدا ایک سلطنت برپا کرے گا جو تا ابد نیست نہ ہوگی"**: اس پیش گوئی کے مطابق آخری نبی ﷺ کے ذریعے اللہ کے دین کی تکمیل ہوئی اور اسلام کی خلافت و سلطنت قائم ہوئی جو پچھلے ڈیڑھ ہزار سال سے چلی آرہی ہے اور تا ابد فروغ پائے گی لیکن مسیحی مصنفین اسے تسلیم کرنے کے بجائے اس پیش گوئی کی مختلف تاویلیں کرتے ہیں جبکہ مسیح علیہ السلام کے سوا تین سو سال بعد تک عیسائیوں کی کوئی سلطنت قائم نہ ہوسکی۔ خود یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) نے لوگوں کو بتایا کہ "میں اپنے باپ (رب) کے پاس جا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا جو ابد تک تمھارے ساتھ رہے گا۔" [3] اس قول کے بعد اب یسوع کی بات کو صحیح مانا جائے یا بائبل کے شارحین کی بات کو؟

2 **"بلکہ وہ ان تمام مملکتوں کو ٹکڑے ٹکڑے اور نیست کرے گی ......"**: اس پیش گوئی کے مصداق مسلمانوں نے اپنے عہد کی بڑی بڑی مملکتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جبکہ یسوع (علیہ السلام) بار بار کہتے رہے کہ "میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔" [4] پیش گوئی میں لوہے کی دو ٹانگوں سے مراد مشرقی اور مغربی شاخوں میں بٹی رومی سلطنت تھی جس میں بظاہر

[1] کتاب مقدس (دانی ایل) 2:44-47. [2] مسند أحمد: 3/159,158. [3] دیکھیے: کتاب مقدس (یوحنا) 16:14 و 7:16. [4] دیکھیے: کتاب مقدس (یوحنا) 18:36.

لوہے کی سی مضبوطی تھی مگر وہ ایک نئی طاقت، یعنی آخری نبی حضرت محمد ﷺ کے دین اسلام کی قوت کے آگے ڈھیر ہو جانے والی تھی۔ شارحین بائبل کھینچ تان کر ''خدا کی بادشاہت'' کو مسیح کی بادشاہت پر منطبق کرتے ہیں، حالانکہ اس سے مراد نبی ﷺ کی بعثت اور اسلام کی سلطنت ہے۔ دین اسلام کی پیش رفت نے روم و فارس کی عظیم الشان سلطنتیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیں اور اس خطے میں اسلام کو مستقل غلبہ حاصل ہو گیا۔

سب سے سچا مشہور ترین خواب

بخت نصر نے جو خواب دیکھا اور دانیال علیہ السلام کو خواب میں اس کی جو تعبیر بتائی گئی، اس کے حوالے سے شیخ سفر الحوالی لکھتے ہیں: اس خواب کا ہمیشہ یہ وصف بیان کیا گیا ہے کہ اہل کتاب کے صحیفوں میں تاریخ کی بابت پایا جانے والا یہ سب سے سچا مشہور ترین خواب ہے۔ اہل کتاب کئی صدیوں تک اس خواب اور اس کی تعبیر کو مانتے رہے۔ اس دوران میں ان کو اس پر شک نہ ہوا کہ یہ پیش گوئی اپنے ظاہر ہی پر محمول ہونی چاہیے اور یہ کہ اس پیش گوئی میں مذکور پہلی مملکت (سونے کا سر) بابل کی کلدانی سلطنت ہے اور دوسری مملکت (چاندی کا سینہ) فارس کی ہخامنشی سلطنت ہے جو بابلی سلطنت کے بعد قائم ہوئی اور عراق، شام اور مصر تک اس کا سکہ چلتا رہا اور تیسری مملکت (تانبے کی رانیں) سلطنتِ یونان ہے جس نے سکندر مقدونی کی بادشاہت (336 ق م تا 323 ق م) میں سلطنت فارس کو روند ڈالا اور چوتھی مملکت (ٹانگیں لوہے کی اور پاؤں کچھ لوہے اور کچھ مٹی کے) سلطنت روما (Roman Empire) ہے جو بعد ازاں دو حصوں میں بٹ گئی: ایک مضبوط مشرقی سلطنت جس کا پایۂ تخت بیزنطیم (قسطنطنیہ) تھا (جو 1453ء میں عثمانی ترکوں کے ہاتھوں ختم ہوئی۔) دوسری کمزور مغربی سلطنت جس کا پایۂ تخت روم (اٹلی) تھا (جو 476ء میں جرمانک حملہ آور اوڈوکر کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔)



ہخامنشی حکمران خشیار شاہ کا سکہ



مقدونی سلطنت کا شاہی نشان



رومی حکمران قسطنطین اعظم کا سکہ

''امن کے بادشاہ'' کا انتظار

اہل کتاب اس خواب پر اس قدر گہرا ایمان رکھتے تھے کہ وہ بڑی بے تابی سے پانچویں مملکت (''خدائی سلطنت'')

کا انتظار کر رہے تھے جو شرک، کفر اور ظلم کی سلطنتوں کو تہ و بالا کر کے رکھ دے گی۔ ان کی بے صبری خاص طور پر اس لیے بھی تھی کہ اس چوتھی سلطنت، یعنی سلطنتِ روم نے اہل کتاب پر بے انتہا ظلم ڈھائے تھے۔ اسی نے 70ء میں بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو برباد کیا اور یہود کو ذلیل و خوار کر کے دیس نکالا دیا تھا، پھر یہ رومی ان عیسائیوں کو تین صدیوں تک ظلم و اذیت کی چکی میں پیستے رہے یہاں تک کہ رومی حکمران قسطنطین نے تحریف شدہ عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کیا مگر وہ ظلم جو یہود اور نصاریٰ کے موحد طبقوں اور رومیوں کے مخالف سب فرقوں پر روا رکھا جاتا تھا، وہ بدستور جاری رہا۔

اہل کتاب یقینی طور پر جانتے تھے کہ وہ پانچویں سلطنت نبی آخر الزمان ﷺ کے ہاتھوں قائم ہوگی، اُسے یہ ارکون السلام (امن کا بادشاہ) کہتے تھے، اس کے بارے میں یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے کندھے پر نبوت کی مہر ہوگی۔ انھیں معلوم تھا کہ تمام انبیائے کرام اُس کی آمد کی بشارت دے کر گئے ہیں، یہاں تک کہ اہل کتاب میں سے جن علماء کو ہدایت نصیب ہوئی، انھوں نے صرف ایک یسعیاہ نبی ہی کے صحیفے سے آپ ﷺ کی بابت تیس بشارتیں اکٹھی کیں۔

اور پانچویں سلطنت قائم ہوگئی

اہل کتاب بہت سی تاریخی اور واقعاتی نشانیوں سے بھی یہ جانتے تھے کہ اس آخری نبی کی آمد قریب آگئی ہے۔ وہ ان نشانیوں کی تاک میں لگے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ دن آگیا جب ان کے قیصر ہرقل نے جو بذاتِ خود بہت عبادت گزار اور اپنے دین کا عالم تھا، یہ اعلان کیا: قَدْ ظَهَرَ مَلِكُ أُمَّةِ الْخِتَانِ. ''ختنہ کرانے والی امت کے بادشاہ کا ظہور ہوگیا ہے۔'' اُسے آپ ﷺ کی بابت یقین ہوگیا تھا اور یہ شہادت اس نے کفارِ مکہ کے سربراہ (ابوسفیان) کے منہ پر دے دی تھی کہ ''جہاں میں پیر رکھ کر کھڑا ہوں، اس کی بادشاہت یہاں تک آپہنچے گی۔''[1]



عہد صدیقی و فاروقی میں شام و فلسطین کی فتح

اور واقعتاً یہ ''پانچویں مملکت'' یا ''خدائی سلطنت'' قائم ہوئی اور ہرقل کے پیروں کی جگہ (شام و فلسطین) کی مالک

[1] صحیح البخاري: 7.

بن کر رہی۔ ہرقل کو شام چھوڑنا پڑا اور بوقتِ رخصت اس کے یہ الفاظ تاریخ کا حصہ بن گئے: سَلَامٌ عَلَيْكِ يَا سُورِيَةُ، سَلَامٌ لَّا لِقَاءَ بَعْدَهُ ''الوداع، اے سرزمینِ شام! الوداع، اب تجھ سے کبھی ملاقات نہیں ہوگی۔''[1]

یہ ''خدائی مملکت'' بُت پرست تہذیبوں اور سلطنتوں کو روندتی ہوئی رُوئے زمین پر ہر طرف بڑھتی چلی گئی۔ یہ اس وقت کی آباد زمین کے ایک بڑے حصے پر حکمران ہوئی اور بنی نوع انسان کو توحید اور امن و انصاف کا پیغام دیتی رہی۔

یہاں آ کر اس ''پانچویں سلطنت'' کی تفسیر پر اہل کتاب میں بہت زیادہ اختلاف ہوگیا اور وہ تفرقے میں پڑ گئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝﴾

''اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی انھوں نے اپنے پاس روشن دلیل آجانے کے بعد تفرقہ کیا۔''[2]

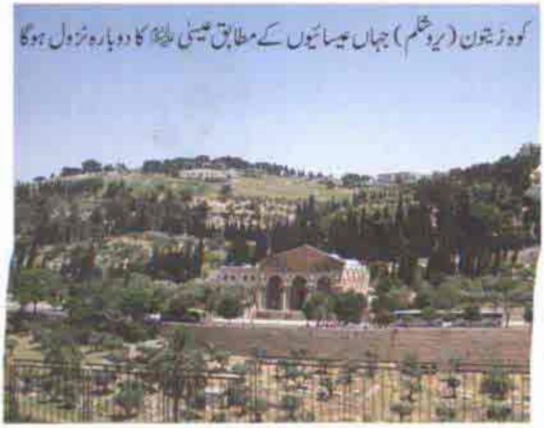
سلطنتِ اسلام کو تسلیم کرنے سے یہود و نصاریٰ کا گریز

اہلِ کتاب میں سے کچھ ایسے ہوئے جو ایمان لائے اور ہدایت پا گئے۔ یہ بھی کوئی کم تعداد میں نہیں تھے۔ کچھ ایسے ہوئے جو گریز و فرار اور انکار کر گئے اور اپنے کفر و انکار کی توجیہ کرتے کرتے اتنے گروہوں میں بٹ گئے جو حدِ شمار سے باہر ہیں۔

اس سے پہلے ان میں اس پر کوئی اختلاف نہ تھا کہ دانیال علیہ السلام کی پیش گوئی میں مذکور ''چوتھی سلطنت'' دراصل سلطنتِ روما ہے مگر اب وہ اس تعبیر کو بدلنے لگے، اس کے رومی سلطنت پر منطبق ہونے کی حقیقت سے انکار کرنے لگے اور اِسے عمداً مؤخر کرنے کے درپے ہوگئے تاکہ کسی طرح اس آخری (خدائی) مملکت کا صاف صاف اقرار کرنے سے بچ جائیں اور محمد ﷺ کی امت کے اس صدیوں پر محیط دورِ اقتدار کو اس پیش گوئی کے ذیل میں آنے سے روک دیں۔

خواب پر مبنی دانیال کی یہ پیش گوئی کفر کی سلطنتوں کی معنی خیز انداز میں تصویر کشی کرتی ہے۔ یہ سب سلطنتیں ایک معبودِ حقیقی کو چھوڑ کر اپنے تراشے ہوئے بتوں اور مورتیوں کو پوجتی رہیں، چنانچہ پیش گوئی پر مبنی اس خواب میں ان سب تہذیبوں اور سلطنتوں کو ایک مورت بتایا گیا ہے۔ کوئی اس مورت کا سر ہے، کوئی اس کا سینہ ہے، کوئی اس کی ران ہے، کوئی اس کی ٹانگیں ہیں اور کچھ اس کے پاؤں کی انگلیاں ہیں۔ یہ ایک بت ہے جو شرک کی مجسم شکل پیش کرتا ہے تاکہ اس کے بالمقابل دوسری طرف کی تصویر واضح ہو جائے۔ یہ ایک پتھر ہے جو اس مورت کو توڑتا ہے اور پھر اس کی جگہ لے کر ایک پہاڑ کی صورت میں پوری زمین پر اپنا وجود گاڑتا ہے اور ہمیشہ کے لیے ناقابلِ تسخیر ہو جاتا ہے۔

[1] معجم البلدان، مادة: سورية. [2] البينة 98:4.


کوہ زیتون (یروشلم) جہاں عیسائیوں کے مطابق عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہوگا

یہود اور نصاریٰ نے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے پیش گوئی میں مذکور اس پہاڑ کو وہ ملینیم (Millennium) قرار دیا جس میں عیسائی عقیدے کے مطابق مسیح علیہ السلام کا دوبارہ نزول ہونا ہے یا پھر یہودی عقیدے کے مطابق اس پہاڑ کو داؤدی سلطنتِ عظمیٰ ٹھہرایا جس کی قیادت مسیح الیہود جلد آکر کرے گا۔ انھوں نے یہ رائے اختیار کی کہ دانیال علیہ السلام کی پیش گوئی میں دراصل کوئی چیز ذکر ہونے سے رہ گئی ہے اور اسے ڈھونڈ کر مورت کی ٹانگوں اور پیروں کے درمیان فٹ کر دیا۔ اب دیکھیے اس مورت کے سر (سلطنتِ بابل) سے لے کر اس کی ٹانگوں (سلطنتِ روما) تک آنے میں تو تاریخ کے صرف چھ سو سال لگتے ہیں مگر وہ فاصلہ جو یہ اپنی طرف سے مورت کی ٹانگوں اور پیروں کے درمیان فرض کر رہے ہیں، دو ہزار سال کا بنتا ہے جو دو ہزار سال گزر جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوا۔ یہ بدستور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے اور قیامت تک بڑھتا چلا جائے گا۔[1]

چار حیوانوں کے خواب سے لیے گئے کل پرزے

تاریخ کے تسلسل میں رہ جانے والا یہ خلا پُر کرنے کے لیے انھیں ایک اور مُورت سے "کل پرزے" چُرانے پڑے۔ صحیفۂ دانیال کے ساتویں باب میں ایک خواب ہے جو شیر ببر، ریچھ، تیندوے اور ایک چوتھے ہیبت ناک حیوان کے بارے میں ہے۔ انھوں نے وہاں سے چوتھا جانور چرایا اور پہلے خواب کی مورت کے ٹخنوں میں فٹ کر دیا، حالانکہ اس چوتھے حیوان کے بارے میں صاف لکھا ہے:

> "کیا دیکھتا ہوں کہ چوتھا حیوان ہولناک اور ہیبت ناک اور نہایت زبردست ہے اور اس کے دانت لوہے کے اور بڑے بڑے تھے۔ وہ نگل جاتا اور ٹکڑے ٹکڑے کرتا تھا اور جو کچھ باقی بچتا اس کو پاؤں سے لتاڑتا تھا اور یہ ان سب پہلے حیوانوں سے مختلف تھا اور اس کے دس سینگ تھے۔ میں نے ان سینگوں پر غور سے نظر کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ان کے درمیان سے ایک اور چھوٹا سا سینگ نکلا جس کے آگے پہلوں میں سے تین سینگ جڑ سے اکھاڑے گئے اور کیا دیکھتا ہوں کہ اس سینگ میں انسان کی سی

[1] روزِ غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی / حامد کمال الدین، ص: 106-111.

آنکھیں ہیں اور ایک منہ ہے جس سے گھمنڈ (کفروالحاد) کی باتیں نکلتی ہیں۔'' [1]

یہاں یہ بات خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ روم کو ہمارے نبی ﷺ نے ''ذات قرون'' کہا ہے، یعنی روم کے بہت سے سینگ ہوں گے، چنانچہ حدیث میں آتا ہے:

«فَارِسُ نَطْحَةٌ أَوْ نَطْحَتَانِ ثُمَّ لَا فَارِسَ بَعْدَهَا أَبَدًا وَّ الرُّومُ ذَاتُ الْقُرُونِ أَصْحَابُ بَحْرٍ وَّصَخْرٍ كُلَّمَا ذَهَبَ قَرْنٌ خَلَفَ قَرْنٌ آخَرُ»

''فارس بس ایک یا دو ٹکر کی مار ہے، پھر اس کے بعد فارس کا نام ونشان مٹ جائے گا، البتہ روم کے بہت سینگ ہوں گے۔ یہ سمندر اور پتھر والے ہیں۔ جب اس کا ایک سینگ تباہ ہوگا تو اس کی جگہ دوسرا سینگ ابھر آئے گا۔'' [2]

دوسری بات یہ کہ روم (اہلِ مغرب) کے ساتھ ہماری جیت ہار چلتی رہے گی تا آنکہ آخری دور میں روم مکمل طور پر مفتوح ہوگا تب عیسیٰ علیہ السلام کا نزول بھی ہوجائے گا۔ ایسا بالفعل کب ہوگا؟ اس کا یقینی علم صرف اللہ کے پاس ہے۔ ہوسکتا ہے دوسری پیش گوئی میں سینگوں کی مذکورہ تعداد 'دس' کوئی خاص مفہوم نہ رکھتی ہو بلکہ یہ محض رمز ہو (اور بہت زیادہ تعداد کے لیے دس کا لفظ بولا گیا ہو)۔ اہلِ کتاب کے ہاں کتاب مقدس کی تفسیر میں ایک باقاعدہ مذہب پایا جاتا ہے کہ اعداد کو ظاہری معنی میں نہ لیا جائے بلکہ ان کو رموز پر محمول کیا جائے ...... یہ توجیہ بھی اس صورت میں ہوگی اگر ہم اس امکان کو خارج کر دیں کہ پیش گوئی کے متن میں کوئی تحریف یا اضافہ نہیں کیا گیا۔

دانیال کی دوسری پیش گوئی

دانی ایل (دانیال) نبی نے اپنے اس خواب کے سلسلے میں بتایا:

''میں دیکھ ہی رہا تھا کہ اس سینگ کی گھمنڈ کی باتوں کی آواز کے سبب سے میرے دیکھتے ہوئے وہ حیوان مارا گیا اور اس کا بدن ہلاک کر کے شعلہ زن آگ میں ڈالا گیا۔ اور باقی حیوانوں کی سلطنت بھی ان سے لے لی گئی لیکن وہ ایک زمانہ اور ایک دور زندہ رہے۔ میں نے رات کو رؤیا (خواب) میں دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص آدم زاد کی مانند آسمان کے بادلوں کے ساتھ آیا اور قدیم الایام (اللہ) تک پہنچا۔ وہ (فرشتے) اُسے اُس کے حضور لائے۔ اور سلطنت اور حشمت اور مملکت اُسے دی گئی

[1] کتاب مقدس (دانی ایل) 8,7:7. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 212/4، بغية الباحث عن زوائد مسند الحارث: 713/2، الفتن لنعيم بن حماد، ص:331.

تا کہ سب لوگ اور اُمتیں اور اہل لغت اُس کی خدمت گزاری کریں۔ اُس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اُس کی مملکت لازوال ہوگی۔'' [1]

1 ''سب لوگ اور اُمتیں اور اہل لغت اُس کی خدمت گزاری کریں'': بائبل کے شارحین کا خیال ہے کہ یہ پیش گوئی بھی ان کی مفروضہ ''خدا کی بادشاہی'' کے بارے میں ہے اور اُن کے نزدیک اس میں بیان کردہ شخص یسوع ہیں۔ [2] لیکن بائبل کی رو سے یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) اس کے مصداق نہیں بنتے کیونکہ اس میں سب اُمتوں اور اہل لغت (مختلف زبانیں بولنے والوں) کی خدمت گزاری کا ذکر ہے جبکہ عیسیٰ علیہ السلام تو سب لوگوں اور اُمتوں کی طرف بھیجے ہی نہیں گئے۔ [3]

اس کے برعکس رسول اللہ ﷺ کو تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہے جیسا کہ ''زبور کی پہلی پیش گوئی'' میں قرآنی آیات اور حدیث نبوی کی روشنی میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔ ادھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اس لیے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآنِ کریم میں فرمایا گیا ہے:

﴿ وَ إِذْ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ ﴾

''اور وہ وقت بھی یاد کرو جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں تمھارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں۔'' [4]

یعنی اے بنی اسرائیل! مجھے صرف تمھارے ہی لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے، ساری دنیا کے لیے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انجیل آج بھی جس صورت میں موجود ہے، وہ احکام و مسائل، شریعت، قوانین اور ان کی دفعات سے بالکل خالی ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ احکام و مسائل، شریعت اور قانون کے لیے اس کے بعد کسی اور کتاب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد لامحالہ کسی اور رسول کی ضرورت تھی، اسی لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد ایک رسول آئے گا۔ انجیل برناباس میں یہ پیش گوئیاں بہت صاف اور واضح الفاظ میں موجود ہیں، اور انجیل یوحنا (16:14 و 26:15 و 7:16) میں بھی یہ پیش گوئیاں درج ہیں۔

2 ''اس کی سلطنت ابدی سلطنت ہے جو جاتی نہ رہے گی اور اس کی مملکت لازوال ہوگی'': اس پر بحث دانیال کی پہلی پیش گوئی میں گزر چکی ہے۔

---

1 کتاب مقدس (دانی ایل) 14,11:7.

2 Life Application Study Bible, P: 1279 & 1268.

3 ملاحظہ ہو: کتاب مقدس (متی) 15:21-24 و 6,5:10. 4 الصّف 6:61.

حضرت دانیال علیہ السلام کی دوسری پیش گوئی کے سلسلے میں شیخ سفرالحوالی لکھتے ہیں: دانیال (علیہ السلام) کی اپنی ہی روایت نے یہ واضح کیا ہے کہ وہ چوتھا حیوان چوتھی مملکت ہے جو زمین پر اقتدار پائے گی۔ یہ باقی تینوں مملکتوں سے مختلف ہوگی، زمین کے وسائل کو کھائے گی بھی اور پاؤں سے لتاڑے گی بھی۔ اسی روایت میں آگے چل کر اس کے دس سینگوں کی تفسیر دس بادشاہوں کی صورت میں ہوتی ہے، چنانچہ دانیال کے الفاظ ہیں:

''اور وہ دس سینگ دس بادشاہ ہیں جو اس سلطنت میں برپا ہوں گے اور ان کے بعد ایک اور برپا ہوگا اور وہ پہلوں سے مختلف ہوگا اور تین بادشاہوں کو زیر کرے گا اور وہ حق تعالیٰ کے خلاف باتیں کرے گا۔''[1]

صحیفہ دانیال باب ہفتم کی اگلی آیت (27) میں ہے کہ اس حیوان کا اقتدار آخر کار ''حق تعالیٰ کے قدوسوں'' (مسلمانوں) کے ہاتھوں ختم ہوگا جن کی ایسی مملکت قائم ہوگی جو صفحۂ ہستی سے کبھی روپوش نہ ہوگی۔

اب چونکہ اس پیش گوئی میں چوتھے حیوان کے لوہے کے دانت ہیں اور پہلی پیش گوئی میں جس چوتھی مملکت کا ذکر ہوا تھا (پیر اور ٹانگیں) وہ لوہے کی بیان کی گئی تھی ...... سو اس سے شارحینِ بائبل نے یہ نتیجہ نکالا کہ چوتھی مملکت چوتھا حیوان تو ہے مگر یہاں رمزی طور پر یورپ کا ذکر ہوا ہے جس کی دس قومی ریاستیں ہوں گی اور جس کے آگے ...... نزول مسیح سے پیشتر ...... پوری دنیا سرنگوں ہوگی! اب اس تفسیر کی رو سے پانچویں مملکت ان کا مفروضہ 'ہزار سالہ دورِ خوش بختی' (مقدس ملینیم) قرار پائے گی جس میں مسیح علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ اس رائے کا بطلان بہت واضح ہے:

- چوتھے حیوان کی اگر یہی تعبیر ہے تو آخر پہلے تین حیوانوں کی آپ کیا تعبیر کریں گے؟ یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس کی جو بھی تعبیر کریں، وہ دانیال کی اپنی تفسیر سے متصادم ہونے کی صورت میں صحیح نہیں ہوسکتی جو صحیفۂ دانیال میں ان کی اپنی زبان سے کر دی گئی ہے۔ آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ پے درپے کی تین قدیم سلطنتیں (بابل، فارس، یونان) آپ مورت والی پیش گوئی سے لیں اور صرف ایک چوتھی سلطنت کے لیے حیوانات والی پیش گوئی لے کر اس سے جدید یورپ کو ثابت کر دیں۔
- دوسری پیش گوئی کے چاروں حیوان سمندر (بحر محیط یا بحر اوقیانوس) سے نمودار ہوتے ہیں۔ جبکہ پہلی پیش گوئی کی چاروں سلطنتیں مشرق میں قائم ہوتی ہیں اور پانچویں (اسلامی سلطنت) بھی اسی خطے میں قائم ہوتی ہے جو مشرق سے مغرب تک ہر طرف پھیل جاتی ہے یہاں تک کہ عثمانی ترکوں کے دور میں وسطی یورپ تک چلی جاتی ہے اور پورا جنوب مشرقی یورپ اس کے زیرنگیں آجاتا ہے۔

[1] کتاب مقدس (صحیفہ دانی ایل) 25,24:7.

- دوسری پیش گوئی کے تینوں حیوانات پر چوتھا حیوان غالب ضرور آجاتا ہے مگر وہ تین حیوان بدستور باقی رہتے ہیں۔ مگر پہلی پیش گوئی کی تینوں سلطنتیں یکے بعد دیگرے ایک دوسرے پر غالب آتی اور پھر ختم ہو جاتی ہیں۔

بائبل کے اسلوب میں دس بادشاہوں سے ان کی کثرت مراد ہے جیسا کہ انگریزی بائبل میں دس سینگوں کو ''سلطنت کی عملداری کے بکثرت علاقوں پر محیط ہونے کا اشارہ'' بتایا گیا ہے۔[1] چنانچہ رومی سلطنت کے قیام سے لے کر عہد نبوی کے قیصر ہرقل تک 70 کے لگ بھگ حکمران ہوئے اور پھر بازنطینی رومی سلطنت کے خاتمے (857ھ/1453ء) تک بہت سے اور بادشاہ گزرے۔ یوحنا عارف کے مکاشفے میں بھی بتایا گیا ہے: ''دس سینگ محض علامتی ہیں اور ان سے مراد سیاسی اقتدار کی کلّیت ہے۔''[2]

دس بادشاہ عہدِ نپولین کے یا یورپی یونین؟

اس بنا پر غالب آنے والے جانور کے دس سینگوں کی یہ تفسیر کہ یہ نپولین دور کے یورپی اتحاد کی دس ریاستیں ہیں (جیسا کہ T.B.Bates کہتا ہے) یا یہ کہ یہ آج کا یورپی اتحاد (EU) ہے، جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین کا خیال ہے، کسی طور درست نہیں۔ اکیلا امریکہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور ہے، پھر یورپی اتحاد اب دس ممالک پر مشتمل نہیں بلکہ اس میں شامل یورپی ملکوں کی تعداد پچیس ہوگئی ہے۔

صحیفۂ دانیال کی دوسری پیش گوئی میں چونکا دینے والی بات ایک چھوٹے سے سینگ کا ذکر ہے جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ الحاد اور کفر بکے گا۔ اہلِ کتاب کے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ اس سے مراد اسلامی مملکت ہے اور ''کفر والحاد بکنے'' سے مراد مسلمانوں کا مسیح کی الوہیت ماننے سے انکار ہے۔ اسلام کا نصف کرۂ ارض اور صدیوں پر

[1] NIV Study Bible, p: 1331. [2] NIV Study Bible, p: 1985.



محیط اقتدار (جو درحقیقت پہلی پیش گوئی کی رو سے پانچویں مملکت بنتی ہے) بھلا ایک ''چھوٹا سا'' سینگ کیسے کہلا سکتا ہے، وہ بھی کہیں چار حیوانوں میں سے چوتھے کے سر پر، اس طرح کہ اس حیوان کے سر پر اس سے کہیں بڑے بڑے دس سینگ اور بھی ہیں اور یہ ان کے مقابلے میں چھوٹا سا سینگ ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ امت اسلامیہ جس میں عرب، فارس، ترک، بربر، حبش، ہند اور تاتار وغیرہ ممالک اور اقوام شامل رہیں، وہ سب کی سب مل کر روم کا ایک سینگ بنیں اور وہ بھی ایک چھوٹا سا سینگ۔[1]

ان میں سے ایک گروہ نے یہ رائے اختیار کی کہ یہ ''چھوٹا سینگ'' دراصل وہ درندہ ہے جو یوحنا عارف کے مکاشفے میں پایا جاتا ہے اور جس میں لکھا ہے:

> ''اور میں نے ایک حیوان کو سمندر سے نکلتے دیکھا۔ اس کے دس سینگ اور سات سر تھے اور اس کے سینگوں پر دس تاج اور اس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے (کفر و الحاد رقم تھا۔) اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کی سی تھی اور پاؤں ریچھ کے سے اور منہ ببر کا سا۔''[2]

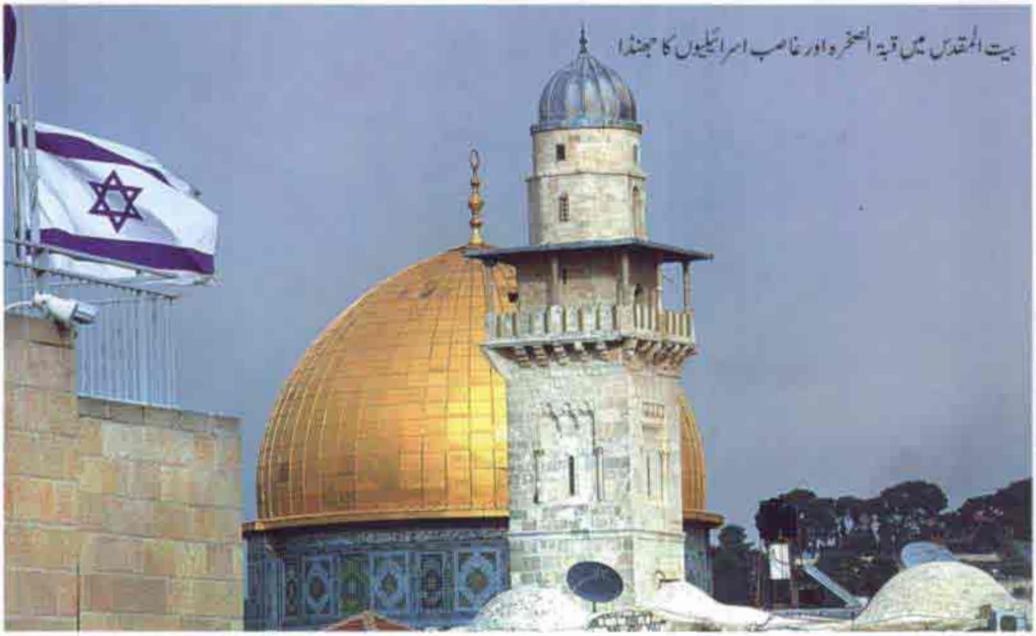
دانیال کی پیش گوئی میں اسرائیل کا تذکرہ

بائبل کا مفسر بیٹس (Bates) جو اسرائیل کے قیام سے بہت پہلے وفات پا گیا، یہ موقف اختیار کرتا ہے کہ ''یوحنا عارف کے مکاشفے میں مذکور ''درندہ'' اور دانیال کے صحیفے میں مذکور ''چھوٹا سینگ'' ایک ہی چیز ہے (جبکہ یوحنا کے مکاشفے میں ایک نہیں دو جانوروں کا ذکر آتا ہے) اور اس سے مراد وہ نئی شکل ہے جو سلطنت روما نزول مسیح علیہ السلام سے پہلے اختیار کرے گی اور دنیا کو حیران کر دے گی۔'' تب مسیح علیہ السلام...... بیٹس کے بقول ...... وہ آخری مملکت قائم کریں گے جو ابدی ہوگی۔ بیٹس کے نزدیک ''مکاشفۂ یوحنا کا درندہ یروشلیم میں ہوگا اور بنی اسرائیل سے تعلق رکھتا ہوگا مگر نہ تو اس کو یہوواہ (خدا) کا کوئی پاس ہوگا نہ مسایا (مسیح موعود منتظر) کا، نیز اس درندے کا عالمی قوت کے مرکز سلطنتِ روما سے اتحاد ہوگا اور اس درندے کی حکومت ملحد اور مغربی طرز کی ہوگی۔ مشرق کے حکمران اپنی فوجیں جمع کریں گے تاکہ درندے کی قلمرو پر حملہ آور ہوں۔ دوسری طرف درندہ مغرب کے بادشاہوں سے مل کر اپنی فوجیں جمع کرے گا اور ہر مجدون (Armageddon) یعنی آخری زمانے کی جنگوں کی طرف بڑھے گا۔''

ان اشارات کی روشنی میں اگر ہم غور کریں کہ صحیفۂ دانیال میں مذکور منحوس ''چھوٹا سینگ'' کیا ہے تو ان نتائج پر پہنچتے ہیں: (1) موجودہ اسرائیل وہ 'چھوٹا سینگ' ہے یا صحیفۂ دانیال ہی کے الفاظ میں ''بربادی کا منحوس پیش خیمہ'' جو روم

[1] روزِ غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی/ حامد کمال الدین، ص: 113-118. [2] کتاب مقدس (یوحنا عارف کا مکاشفہ) 2,1:13.

(یورپی و مغربی اقوام) کے ہاں سے برآمد ہوا ہے جبکہ اس کے بڑے بڑے استعماری سینگ کئی اور ہیں۔ 2 ''درندہ'' یا ''دو درندے'' جو پیش گوئی میں مذکور ہیں، صہیونیت ہے جس کے دراصل دو چہرے ہیں: ایک یہودی، دوسرا نصرانی۔ 3 یہودی عموماً اور صہیونی خاص طور پر، دور حاضر میں زمین کے اندر الحاد اور فساد کے داعی بن کر اٹھے ہیں۔ بیشتر الحادی نظریات کے بانی انھی میں سے ہوئے ہیں، مثلاً: مارکس، فرائڈ، ڈارکایم، نیتشے، ایڈلر، مارکوس (Marcuse)، شیلر، برکستن، مارٹن بوبر وغیرہ۔ 4 بیت المقدس (یروشلم) میں رجسة خراب (بربادی کا منحوس



بیت المقدس میں قبۃ الصخرہ اور غاصب اسرائیلیوں کا جھنڈا

پیش خیمہ) کا قیام دراصل صہیونی یہودیوں کا بیت المقدس پر قابض ہونا اور اسے اپنا پایۂ تخت بنانا ہے۔ 5 جدید سلطنتِ روما سے مراد ریاستہائے متحدہ امریکہ ہے، یا پورا مغرب کہہ لیجیے۔ 6 مشرق سے آنے والا لشکر مسلم مجاہدین ہیں۔

بیٹس چونکہ اول و آخر مسیحی ہے اور تثلیث نے صرف ان لوگوں کا عقیدہ ہی خراب نہیں کیا بلکہ ان کی عقلوں کو بھی بری طرح متاثر کیا ہے، اس لیے وہ اپنی کتاب کے صفحہ 211 پر اپنی ہی کہی ہوئی باتیں بھول کر یہ کہنے لگتا ہے کہ یہ تین اشخاص جن کو پیش گوئیوں میں ''چھوٹا سینگ''، ''درندہ'' اور ''سلطنت کا رئیس'' کہا گیا ہے، دراصل ایک ہی شخص ہیں۔ [1]

[1] روزِ غضب از ڈاکٹر سفر الحوالی / حامد کمال الدین، ص: 129,128.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت و صداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ
وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ
وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی۔ اور طور سیناء کی۔ اور اس پُر امن شہر (مکہ) کی۔''

(التین 95:1-3)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

جَاءَ الرَّبُّ مِنْ سِينَاءَ وَأَشْرَقَ لَهُمْ مِنْ سَعِيرَ
وَتَلَأْلَأَ مِنْ جَبَلِ فَارَانَ

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔"

کتاب مقدس (استثنا) 2:33

صحیفۂ حبقوق کی بشارت

حبقوق نام غالباً عبرانی ''حبق'' بمعنی ''بغل گیر ہونا'' یا پھر ایک اُسوری بوٹی ''حمبا قو قو'' سے مشتق ہے۔ اس کا سن ساتویں صدی ق م کے اواخر، یعنی جنگ کرکمیش (شام) کے فوراً بعد (605 ق م) کا متعین کیا جاتا ہے جب کسدیوں (کلدانیوں) نے فرات کے کنارے خیمہ زن فرعون مصر نکو کی فوجوں کو کچلتے ہوئے مغرب کی جانب بڑھ کر یہویا کین شاہِ یہودا کو باجگزار بنا لیا تھا۔ [1]



صحیفۂ حبقوق کا قدیم صفحہ

حبقوق نبی نے فرمایا:

''خدا تیمان سے آیا اور قدُّوس کوہ فاران سے۔ سِلاہ اُس کا جلال آسمان پر چھا گیا اور زمین اُس کی حمد سے معمور ہوگئی۔ اُس کی جگمگاہٹ نور کی مانند تھی۔ اُس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں اور اس میں اُس کی قدرت نہاں تھی۔ وبا اُس کے آگے آگے چلتی تھی اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے۔ وہ کھڑا ہوا اور زمین تھرّا گئی۔ اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں۔'' [2]

1 ''خدا تیمان سے آیا اور قدُّوس کوہ فاران سے'': تیما اسماعیل (علیہ السلام) کا ایک بیٹا اور قبیلے کا بانی ہے۔ [3] اسی کے نام پر تیما یا تیمان کا شہر ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر سے تبوک اور شام جانے والی شاہراہ پر واقع

[1] قاموس الکتاب، ص:318. [2] کتاب مقدس (حبقوق)3:3-6. [3] دیکھیے: کتاب مقدس (پیدائش)25:15،16.



مدینہ منورہ اور تبوک کے درمیان تیما کا شہر

ہے۔[1] یہاں تیمان کا ذکر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کے حجاز میں آباد ہونے کے سلسلے میں آیا ہے اور بنو اسمٰعیل میں آخری نبی حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے۔

وادیٔ مکہ ہی فاران ہے

فاران مکہ ہی کا ایک نام ہے جس کا ذکر تورات میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مکہ کے پہاڑوں کا نام ہے۔[2] یہ وہی بیابان ہے جہاں اٹھارویں صدی ق م میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اہلیہ ہاجرہ اور اپنے فرزند اسماعیل علیہ السلام کو حکم ربی سے یہاں لا کر آباد کیا۔ وہاں پانی کا ایک کنواں بھی تھا جو معجزانہ طور پر وجود میں آیا تھا۔ وادی فاران کے متعلق تورات میں رقم ہے، جیسا کہ ''تورات کی دوسری پیش گوئی'' میں ذکر ہوا، کہ یہاں سے ایک نبی کا ظہور ہوگا:

''خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے اُن پر آشکارا ہوا۔ وہ کوہ فاران سے جلوہ گر ہوا۔''[3]

بائبل میں ''قدوس'' سے مراد محمد ﷺ ہیں

بائبل کے الفاظ میں ''قدوس'' سے مراد آخری نبی محمد ﷺ ہیں جو ''کوہ فاران سے آئے'' یعنی مکہ مکرمہ میں مبعوث ہوئے جبکہ آپ کے جد امجد (اللہ کے پیغمبر اسماعیل علیہ السلام) کی اولاد تیمان یا تیما میں بھی آباد رہی۔

2 ''زمین اس کی حمد سے معمور ہوگئی'': اس جملے کا مفہوم عین وہی ہے جو آخری نبی کے نام گرامی ''محمد'' کا ہے جن کی ہر دور میں حمد کی گئی اور کرۂ ارض نبی ﷺ کی تعریف و توصیف سے معمور ہوگیا جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا:

﴿ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ ﴾ ''اور ہم نے آپ کے لیے آپ کا ذکر بلند کیا۔''[4]

امام مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے معنی یہ ہیں کہ جب میرا ذکر کیا جائے گا تو ساتھ ہی آپ کا ذکر بھی کیا جائے گا، یعنی جب کوئی أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے گا تو وہ ساتھ ہی أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہے گا۔ امام قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذکر کو دنیا و آخرت میں بلند کر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب بھی کوئی خطیب، تشہد پڑھنے والا یا نماز ادا کرنے والا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہتا ہے تو وہ ساتھ ہی پکار اٹھتا ہے کہ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ۔[5]

---

[1] معجم البلدان، مادة: تيماء، أطلس المملكة العربية السعودية والعالم، ص: 11. [2] معجم البلدان، مادة: فاران. [3] کتاب مقدس (استثنا) 2:33. [4] ألم نشرح 4:94. [5] تفسير الطبري، ألم نشرح 4:94.

اللہ جل جلالہ نے محمد رسول اللہ ﷺ کا ذکرِ جمیل سارے عالمِ انسانیت میں بلند فرمایا ہے، نبی ﷺ کی پیدائش سے قبل آپ کا ذکر اس وقت بلند فرمایا جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے محمد ﷺ کی اتباع کا عہد لیا اور انھیں حکم دیا کہ ان پر ایمان لائیں اور آپ ﷺ کی پیدائش کے بعد آپ کی امت میں آپ کا نام اس طرح بلند فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے ساتھ فوراً آپ ﷺ کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔[1]

رفع ذکر کی ایک نمایاں صورت یہ بھی ہے کہ افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں سے لے کر سوئٹزر لینڈ کی منجمد



سوئٹزر لینڈ میں ترک مسجد



صحرائے لیبیا میں واقع مسجد العتیق (اوجلہ)

فضاؤں تک چہار دانگ عالم میں روزانہ پانچ مرتبہ اذان کی نورانی ندا بلند ہوتی ہے اور پوری فضا أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ ہی أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کی صدائے دلآویز سے گونج اٹھتی ہے۔

3 ''اس کے ہاتھ سے کرنیں نکلتی تھیں ...... اور آتشی تیر اس کے قدموں سے نکلتے تھے'': اس میں نبی ﷺ کی

[1] تفسیر ابن کثیر، ألم نشرح 4:94۔

زندگی ہی میں اسلام کے فروغ اور غلبے کی طرف اشارہ ہے۔

4 **"اس نے نگاہ کی اور قومیں پراگندہ ہوگئیں":** خاتم النبیین ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین نے جو اسلامی حکومت قائم کی، اس کے آگے اقوام و قبائل اور سلطنتیں ڈھیر اور زیر ہوتی چلی گئیں۔ فتح مکہ کے بعد پورا جزیرہ نمائے عرب نبی ﷺ کی زندگی ہی میں اسلام کے پرچم تلے آ گیا۔

ان تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ بائبل کی اس پیش گوئی کے مصداق نبی آخر الزمان محمد ﷺ کے سوا اور کوئی شخصیت نہیں۔

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إن أول بيت وضع للناس للذي ببكة مباركا وهدى للعالمين

”بے شک (اللہ کا) پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔
وہ تمام دنیا کے لیے بڑی برکت اور ہدایت والا ہے۔“

(آل عمران 96:3)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

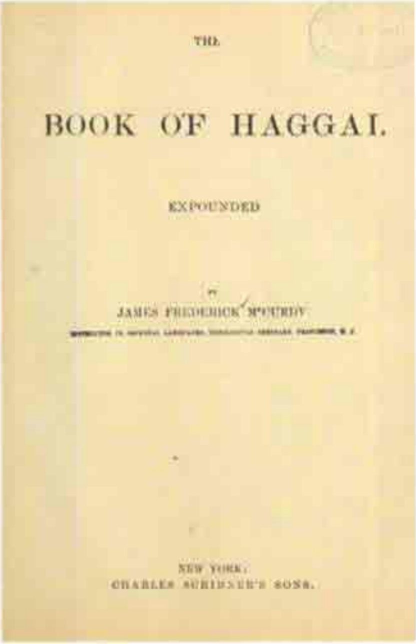
طُوبَى لِأُنَاسٍ عِزُّهُمْ بِكَ. طُرُقُ بَيْتِكَ فِي قُلُوبِهِمْ. عَابِرِينَ فِي وَادِي الْبُكَاءِ يُصَيِّرُونَهُ يَنْبُوعًا

"مبارک ہے وہ آدمی جس کی قوت تجھ سے ہے۔ جس کے دل میں صیّون کی شاہراہیں ہیں۔ وہ وادی بُکا سے گزر کراسے چشموں کی جگہ بنالیتے ہیں۔"

کتاب مقدس (زبور)6,5:84

صحیفہ حَجَّی کی بشارت

حجی، جد کا بیٹا اور یعقوب کا پوتا تھا جس کے نام سے حجیوں کا خاندان چلا۔ 537 ق م میں بابل کی اسیری سے واپسی کے بعد جن دو نبیوں کا نام پہلے آتا ہے، وہ حجی اور زکریاہ ہی ہیں۔ گمان ہے کہ حجّی 520 ق م کے لگ بھگ اسیروں کے ایک نئے جتھے کے ساتھ فلسطین آئے۔[1]



کتاب حجی کا سرورق (1899، نیویارک)

حَجّی نبی نے بنی اسرائیل کی قید سے واپسی پر اللہ کی طرف سے بشارت دی:

''کیونکہ ربُّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ میں تھوڑی دیر میں پھر ایک بار آسمان و زمین اور بحروبر کو ہلا دُوں گا۔ میں سب قوموں کو ہلادوں گا اور اُن کی مرغوب چیزیں آئیں گی ...... اس پچھلے گھر کی رونق پہلے گھر کی رونق سے زیادہ ہوگی۔ ربُّ الافواج فرماتا ہے اور میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا۔''[2]

1 ''اُن کی مرغوب چیزیں آئیں گی'': اردو بائبل کے الفاظ ''اُن کی مرغوب چیزیں'' عبرانی زبان کے لفظ ''مَحْمَاد'' کا ترجمہ ہیں۔ عربی بائبل میں اس کا ترجمہ مُشْتَهَى الْأُمَم (قوموں کی طرف سے چاہا گیا) کیا گیا۔

بائبل کے ''نئے زندہ ترجمے'' (New Living Translation) میں محماد کے معنی میں یوں تحریف کی گئی ہے:

"The treasures of all the nations" (تمام اقوام کے خزانے)

1 قاموس الکتاب، ص: 319۔ 2 کتاب مقدس (حَجّی) 2: 6-9.

جبکہ بائبل کی ''نئی بین الاقوامی اشاعت'' (New International Version) میں ہے:

"The desired of all nations" [1] (تمام اقوام کا چاہا گیا)

سابق پادری عبدالاحد داؤد قدیم زبانوں کے ماہر ہیں، وہ مذکورہ بالا جملے کی اصل عبرانی عبارت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''تمام قوموں کا مَحماد آئے گا۔'' گویا عبرانی بائبل میں لفظ ''مَحماد'' آیا ہے یا ''حمدات'' جیسا کہ بعض جدید نسخوں میں لکھا ہے۔ مَحْماد کا لفظ عبرانی زبان میں ''سب سے بڑی چاہت'' یا ''جس کا بندہ سب سے زیادہ خواہش مند ہو'' کے لیے آتا ہے۔ موجودہ عبرانی میں اس کا ترجمہ: فباؤا حمدات کول ھا جوییم ہے۔ [2]

عبرانی ''مَحماد'' عربی میں محمد (ﷺ) ہے

اگر ہم نام کا ترجمہ کیے بغیر اسے اپنی اصل حالت میں باقی رکھیں تو یہ مَحْمَاد ہے جو ''محمد'' ہی کی عبرانی شکل ہے مگر مترجمین نے اپنی مرضی کے ترجمے کر کے اس کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

عبرانی بائبل کی ڈکشنری میں لفظ ''مَحماد'' 'מחמד' (m+h+m+d) کے یہ معنی دیے گئے ہیں: delightful یا delight (فرحت بخش)، beloved (محبوب)، object of affection or desire (چیز جس کی محبت یا خواہش ہو)، desire (خواہش یا مقصود)، goodly (خوبصورت)، lovely (پیارا)۔ اس کا مادہ (primary root) 'حمد' (h+m+d) ہے۔ [3]

عبدالستار غوری کی انگریزی کی تصنیف ''بائبل میں محمد ﷺ کا نام کے ساتھ ذکر'' میں لکھا ہے:

'מחמד' (m+h+m+d) can be pronounced either as (i) Mahmad or (ii) Muhammad. The primary root of 'מחמד' is 'חמד' (h+m+d)

''מחמד کا تلفظ ''مَحماد'' یا ''محمد'' کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مادہ حمد (חמד) ہے۔'' [4]

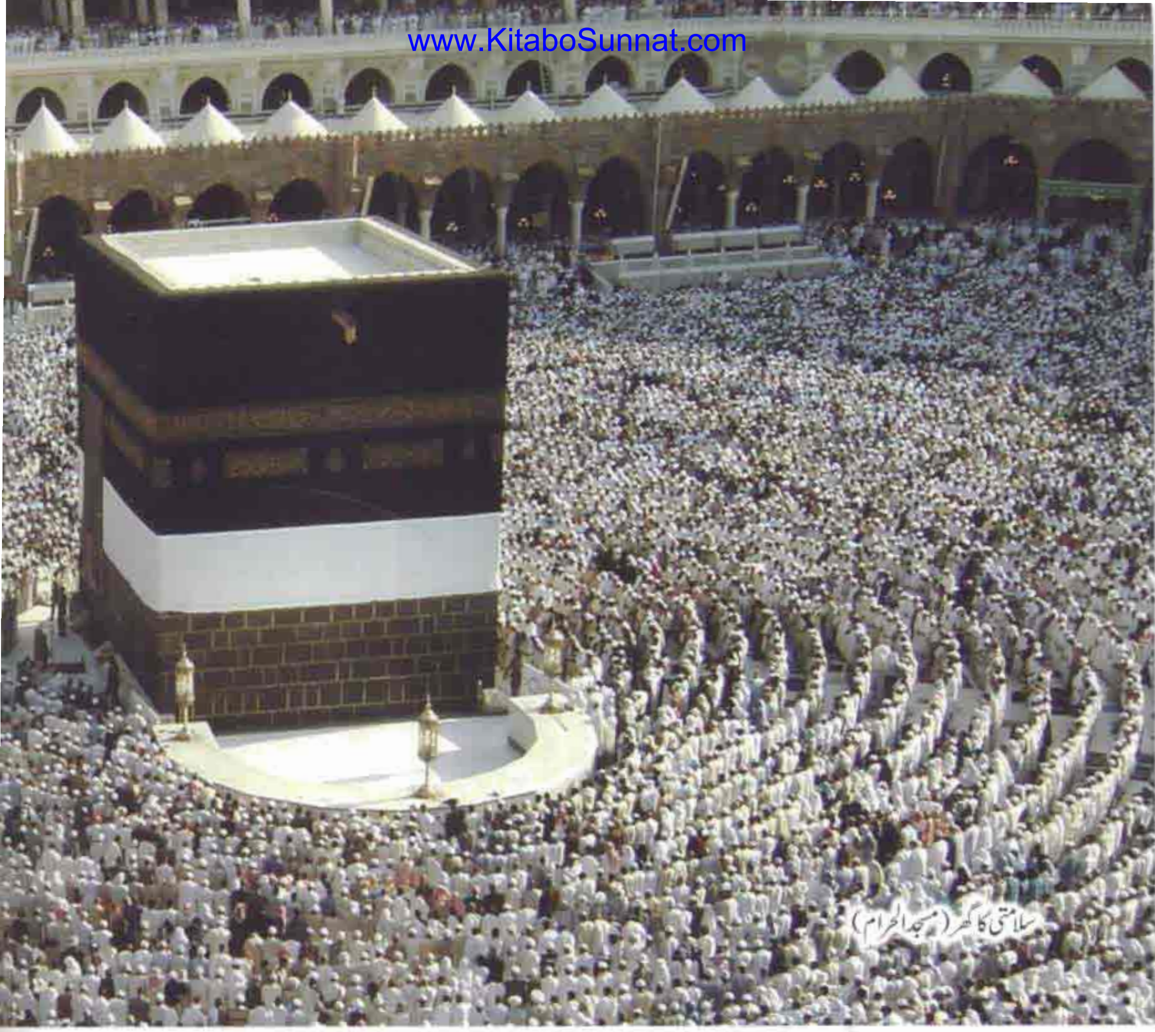
یاد رہے عبرانی دائیں سے بائیں پڑھی جاتی ہے۔

2 ''اس پچھلے گھر کی رونق پہلے گھر کی رونق سے زیادہ ہوگی'': یہاں پہلے گھر سے مراد یروشلیم (بیت المقدس) میں واقع قبلہ (ہیکل سلیمانی یا مسجد اقصیٰ) ہے۔ 70ء میں ہیکلِ سلیمانی کی تباہی اور 2ھ/624ء میں قبلے کی تبدیلی کے بعد پچھلے گھر سے مراد خانہ کعبہ ہے۔ (مکہ مکرمہ) خانہ کعبہ اور مسجد حرام کی رونقیں اس کی شاہد ہیں۔

[1] NIV Study Bible, Haggai: 2/7.

[2] هل بشر الكتاب المقدس بمحمد ﷺ؟، ص: 111.

[3] Strong's Dic. of Heb. Bible, entry 4261; pp: 40,64. [4] Muhammad Foretold in the Bible by Name, P: 122



3 ''میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا'': قرآن مجید میں بھی خانہ کعبہ کی سب سے بڑی صفت یہاں کا امن بیان کی گئی ہے:

﴿ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرٰهِـۧمَ مُصَلًّى ﴾

''اور جب ہم نے بیت اللہ کو لوگوں کے لیے بار بار لوٹ کر آنے کی اور امن کی جگہ بنایا اور (حکم دیا کہ) تم مقام ابراہیم کو جائے نماز بناؤ۔'' [1]

عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں: لوگ اس گھر میں آئیں گے لیکن ان کا دل نہیں بھرے گا، چنانچہ وہ اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو دوبارہ سہ بارہ آئیں گے۔ [2]

[1] البقرة 2: 125. [2] تفسير الطبري، البقرة 2: 125.



﴿مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ کے معنی ہیں لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ، یعنی اسے ایک ایسا مقام بنا دیا ہے کہ روحیں اس کے لیے اس قدر مشتاق اور بے قرار رہتی ہیں کہ وہ اس سے کبھی سیر ہی نہیں ہوتیں، چاہے ہر سال یہاں حاضری دیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے بارے میں اپنے خلیل کی اس دعا کو بھی شرف قبولیت سے نواز دیا تھا کہ ﴿فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾ ''پس تو بعض لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف جھکے رہیں۔'' [1] نیز اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو اس قدر امن اور سکون کا گہوارہ بنا دیا کہ جو اس میں داخل ہو جائے، وہ آغوشِ امن میں آ جاتا ہے، چاہے وہ کتنا ہی بڑا جرم کر کے آیا ہو، اُسے بیت اللہ کی حدود میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ یہی معنی ہیں صحیفہ حبقوق کی اس پیش گوئی کے کہ ''میں اس مکان میں سلامتی بخشوں گا۔''

[1] إبرٰهيم 37:14.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ

يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ

أَحْمَدُ

"اور ایک رسول کی بشارت دینے والا ہوں، وہ میرے بعد آئے گا، اس کا نام احمد ہوگا۔"

(الصف 6:61)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

لَا أَتَكَلَّمُ أَيْضًا مَعَكُمْ كَثِيرًا لِأَنَّ رَئِيسَ هَذَا الْعَالَمِ يَأْتِي
وَلَيْسَ لَهُ فِيَّ شَيْءٌ.

"(عیسیٰ علیہ السلام نے کہا) اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔"

کتاب مقدس (یوحنا) 30:14

وَأَمَّا الْمُعَزِّي الرُّوحُ الْقُدُسُ الَّذِي سَيُرْسِلُهُ الْآبُ بِاسْمِي
فَهُوَ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ وَيُذَكِّرُكُمْ بِكُلِّ مَا قُلْتُهُ لَكُمْ

"لیکن مددگار یعنی روح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمہیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمہیں یاد دلائے گا۔"

کتاب مقدس (یوحنا) 26:14

لَكِنِّي أَقُولُ لَكُمُ الْحَقَّ إِنَّهُ خَيْرٌ لَكُمْ أَنْ أَنْطَلِقَ. لِأَنَّهُ إِنْ
لَمْ أَنْطَلِقْ لَا يَأْتِيكُمُ الْمُعَزِّي. وَلَكِنْ إِنْ ذَهَبْتُ أُرْسِلُهُ إِلَيْكُمْ

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔"

کتاب مقدس (یوحنا) 7:16

صحیفۂ ملاکی کی بشارت

اللہ تعالیٰ نے صحفِ مقدسہ میں خاتم النبیین ﷺ کے لیے جو نام استعمال کیے ہیں، ان میں سے ایک ایلیاء بھی ہے جس کے اعداد یہودی حساب سے 53 بنتے ہیں اور ''أحمد'' کے اعداد اس کے مساوی ہیں۔ [1]

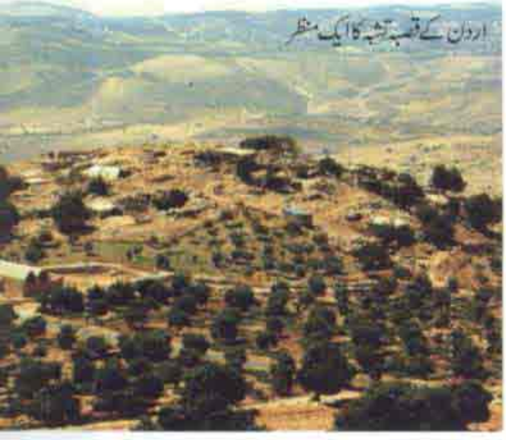
الیاس اور ایلیاہ

ایلیاہ نام کے ایک عظیم نبی جنھیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا تھا، ان کا عہد نویں صدی ق م تھا۔ قرآن میں انھیں ''الیاس'' کہا گیا ہے:

﴿ وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ ﴾

''اور بلاشبہ الیاس یقیناً رسولوں میں سے تھا۔'' [2]

ایک ''ایلیاہ'' یا ''ملاکی'' ان کے سات سو سال بعد مبعوث ہوئے [3] جنھوں نے اپنے مختصر صحیفے میں بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کے خطرناک نتائج سے آگاہ کیا۔ [4]



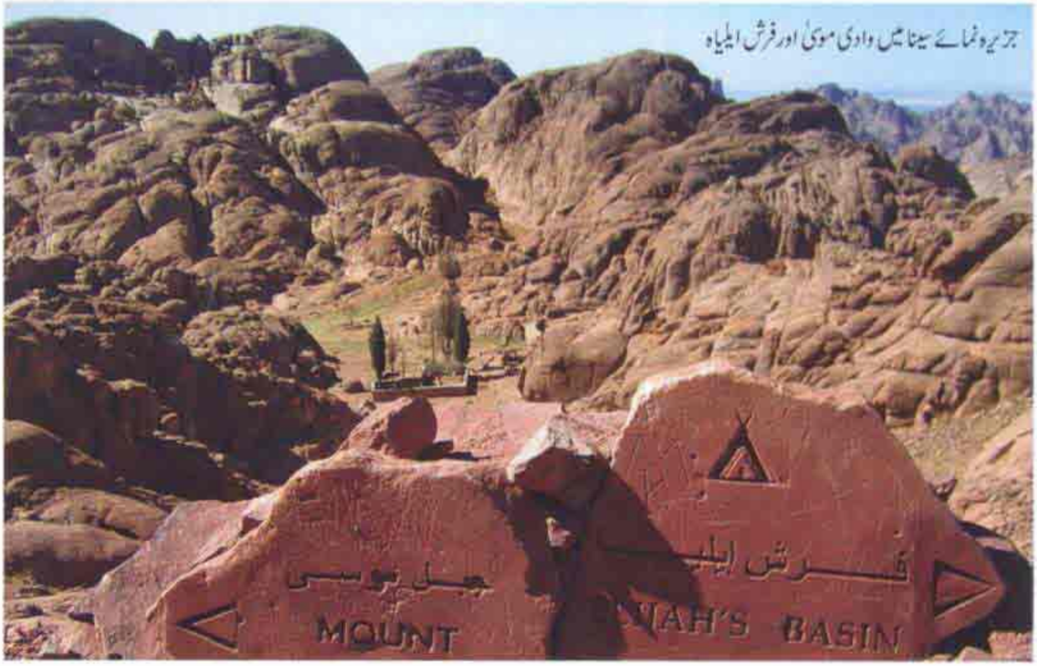
اردن کے قصبہ تشبہ کا ایک منظر

ایلیاہ (Elijah بمعنی ''اللہ میرا معبود ہے'') جلعاد (اردن) کے قصبہ تشبہ (Tishbe) کے رہنے والے تھے۔ انھیں بعل نامی بُت کے پجاریوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ یہود کی شمالی ریاست اسرائیل کا شاہ احاب یا اخی اب (874 تا 853 ق م) کھلم کھلا بعل کی پوجا کو فروغ دینے لگا تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرح الیاس علیہ السلام کو

---

[1] ایلیاء (إ=1، ی=10، ل=30، ی=10، ا=1، أ=1)=53، أحمد (أ=1، ح=8، م=40، د=4)=53. [2] الصّٰفّٰت 37:123.
[3] ملاکی: کتاب مقدس (بائبل) میں ملاکی نبی کی کتاب کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح بتایا گیا ہے جب یروشلیم میں ہیکل دوبارہ تعمیر ہو چکا تھا (کتاب مقدس، ص: 1145) یعنی ملاکی، الیاس علیہ السلام کے چار سو سال بعد مبعوث ہوئے۔ [4] هل بشر الكتاب المقدس بمحمد؟، ص: 115.

مبعوث فرمایا۔ کوہ کرمل پر الیاس علیہ السلام کی طرف سے بیل کی سوختنی قربانی قبول ہونے کا معجزہ دکھانے پر لوگ بعل کی پوجا کرنے سے باز آ گئے اور بعل کے 450 پروہت قتل کر دیے گئے۔ ایلیاہ کی دعا سے خشک سالی دور ہوئی۔ شاہ اخاب کی بت پرست ملکہ ایزبل کو بعل کے پروہتوں کے قتل کا علم ہوا۔ نتیجتاً اس نے ایلیاہ (علیہ السلام) کو قتل کرنے کی دھمکی دی۔ اس صورت حال میں وہ پہلے بئر سبع گئے اور پھر جواب (سینا) کے غار میں جا چھپے۔ خدا نے انھیں دمشق کے بیابان



جزیرہ نمائے سینا میں وادی موسیٰ اور فرش ایلیاہ

جانے کی ہدایت کی۔ راستے میں انھوں نے الیشع بن سافط (الیسع علیہ السلام) کو مسح کیا اور وہ ان کی جگہ نبی ہوئے۔ ایلیاہ الیشع کے ہمراہ بیت ایل (بیت المقدس) اور اریحا سے ہوتے ہوئے دریائے یردن (اردن) کے کنارے پر پہنچ گئے۔ ایلیاہ نے اپنی چادر لپیٹ کر پانی پر ماری تو وہ دو حصے ہو گیا اور وہ دریا پار کر گئے۔ پھر خداوند نے ایلیاہ کو بگولے میں آسمان پر اٹھا لیا۔[1] یوحنا بپتسمہ دینے والے (یحییٰ علیہ السلام) کو بھی ایلیاہ کہا گیا ہے۔[2] الیاس علیہ السلام اسرائیلی نبی تھے جو الیسع علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ قرآن میں ان کا نام الیاسین بھی آیا ہے۔[3]

صحیفہ ملاکی میں لکھا ہے:

”دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا اور وہ میرے آگے راہ درست کرے گا اور خداوند جس کے تم طالب

1 کتاب مقدس (سلاطین-1) 17، 18، 19 اور 2- سلاطین باب 2. NIV Study Bible, p: 509. 2 کتاب مقدس (متی) 14:11، 3 الصّٰفّٰت 37:130۔

ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا۔ ہاں عہد کا رسول جس کے تم آرزومند ہو آئے گا رب الافواج فرماتا ہے۔ پر اُس کے آنے کے دِن کی کس میں تاب ہے؟ اور جب اُس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟ کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کی مانند ہے۔" [1]



صحیفۂ "ملاکی" کا ایک ورق

1 "جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آموجود ہوگا":

"ملاکی" عہد نامہ قدیم کی آخری کتاب ہے۔ بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ اس پیش گوئی میں دو نبیوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک یوحنا (یحیٰی علیہ السلام) اور دوسرے عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں۔ [2] ہیکل کے لغوی معانی میں "بڑی عمارت، بت خانہ، یہودیوں کا بڑا مقدس معبد یا کلیسائی قربان گاہ" شامل ہیں۔ [3] یروشلیم میں کوہ موریاہ پر یکے بعد دیگرے تین ہیکلیں تعمیر ہوئیں۔ آج کل اس جگہ کو حرم الشریف کہتے ہیں (جہاں مسجد اقصیٰ اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں)۔ پہلی ہیکل سلیمان بادشاہ (علیہ السلام) نے تعمیر کی تھی۔ دوسری زرُبّابل اور ان یہودیوں نے تعمیر کی جو بابل کی اسیری سے واپس آئے تھے۔ تیسری ہیکل جو مسیح (علیہ السلام) کے زمانے میں موجود تھی، اسے ہیرودیس بادشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ مجدّو اور حصور میں جو کنعانی مندر ملے ہیں، وہ نقشے کے لحاظ سے عبرانی ہیکل سے بڑی حد تک ملتے جلتے تھے لیکن یروشلیم کی ہیکل اس لحاظ سے منفرد تھی کہ اس کے اندرونی عبادت خانہ میں بت نہیں تھے بلکہ ایک صندوق (جسے عہد کا صندوق کہتے تھے) رکھا ہوا تھا جس میں شریعت کی دو تختیاں تھیں اور صندوق کے سرپوش پر سونے سے گھڑے ہوئے بحالت پرستش دو فرشتے تھے۔ [4]

نوٹ: زَرُبّابل (زروب بابل: بابل کی شاخ یا بیج، یعنی بابل میں پیدا ہوا): جب شاہِ فارس خورس (سائرس یا ذوالقرنین) نے یہودیوں کو (538 ق م میں) وطن واپس جانے کی اجازت دی تو زَرُبّابل کو یہوداہ (ریاست یہودیہ) کا ناظم مقرر کیا۔ یروشلیم پہنچنے پر زربابل نے سوختنی قربانی کا مذبح بنایا اور ہیکل کی بنیاد ڈالی مگر یہودیوں نے شاہِ فارس سے شکایت کر کے کام رکوا دیا۔ 520 ق م میں یہ کام پھر شروع ہوا اور چار سال میں

1 کتاب مقدس (ملاکی) 2,1:3۔

2 Life Application Study Bible, P: 1389.

3 المعجم الوسيط، مادة: هكل۔ 4 قاموس الکتاب، ص:1091۔


مسجد الاقصیٰ اور قبۃ الصخرہ جہاں یکے بعد دیگرے 3 ہیکلیں تعمیر ہوئیں

مکمل کیا گیا۔[1]

بائبل کے شارحین کی باتوں میں عجیب تضاد ہے۔ ایک طرف وہ یسوع کو خدا کا بیٹا، خدا اور اقانیم ثلاثہ میں سے ایک اقنوم قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف بائبل میں جہاں کہیں انبیاء اور رسولوں کے متعلق پیش گوئیاں نظر آتی ہیں، انھیں بھی یسوع پر چسپاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ''جس کے تم طالب ہو ناگہاں اپنی ہیکل میں آ موجود ہوگا'' اس پیش گوئی میں واضح طور پر موجود ہے کہ ''جب اُس کا ظہور ہوگا تو کون کھڑا رہ سکے گا؟'' یسوع اور یوحنا دونوں میں سے کسی نے نہ تو ہیکل پر غلبہ پایا، نہ اُنھیں ایسی پوزیشن ملی کہ اُن کے سامنے کوئی کھڑا نہ ہو سکے؟

یوں عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام اس پیش گوئی کے مصداق نہیں بنتے، لامحالہ اس سے نبی کریم ﷺ ہی مراد ہیں۔ جب آپ نے مکہ فتح کیا تو گویا ''اپنی ہیکل'' (کعبہ) کو واگزار کرایا۔ یاد رہے پیش گوئی میں ہیکل سلیمانی کا ذکر نہیں بلکہ ''اپنی ہیکل'' کے الفاظ مذکور ہیں۔ اُس ظہور (فتح مکہ) کے وقت سب کی گردنیں آپ کے سامنے جھکی ہوئی تھیں۔ کسی میں جرأت نہیں تھی کہ نبی کریم ﷺ کے سامنے کھڑا ہو سکے۔

نبی ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: ''تم مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟'' جواباً ان جھکی گردنوں والوں نے کہا تھا: ''بھلائی کی! آپ ہمارے کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔'' اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا:

«اِذْهَبُوا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

''جاؤ! تم سب آزاد ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَقُولُ كَمَا قَالَ يُوسُفُ : ﴿لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾ (یوسف 92:12)»

[1] قاموس الکتاب، ص 478,477.

''میں وہی کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے کہا تھا: ''تم پر آج کوئی ملامت نہیں، اللہ تمھاری مغفرت کرے اور وہ ارحم الراحمین ہے۔''[1]

2 **''سنار کی آگ اور دھوبی کے صابون کی مانند'':** مذکورہ پیش گوئی میں ''سنار کی آگ'' اور ''دھوبی کے صابون'' کے الفاظ بھی نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ آپ نے تمام کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا، باطل کے اندھیرے چھٹ گئے اور حق روشن ہو کر دُنیا کے سامنے آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾

''اور (اے نبی!) کہہ دیجیے کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل تو مٹنے ہی والا ہے۔''[2]

﴿قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ﴾

''آپ کہہ دیجیے: حق آ گیا اور باطل نہ پہلی بار ابھرا نہ دوبارہ ابھرے گا۔''[3]

سیدنا عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ»

''یقیناً میں تمھیں روشن (شریعت) پر چھوڑ رہا ہوں۔ اس کی رات بھی دن کی طرح (روشن) ہے۔ میرے بعد اس سے صرف وہی کج روی اختیار کرے گا جو ہلاک ہونے والا ہے۔''[4]

3 **''سردار'' اور ''عہد کا رسول'':** دکتور منقذ محمود السقار لکھتے ہیں:

ملاکی نبی کے صحیفے (ملاکی 2,1:3) میں دو آدمیوں کے بارے میں پیش گوئی کی گئی ہے۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو رب کی طرف سے آنے والے کے لیے ''راہ درست کرے گا۔'' دوسرا وہ ہے جو ''ناگہاں اپنی ہیکل میں آ موجود ہوگا۔'' اور اس صحیفے میں اس کے لیے ''سردار''[5] اور ''عہد کا رسول'' کے القاب استعمال ہوئے ہیں۔ بنی اسرائیل اسی کی آمد کے متمنی اور منتظر تھے۔

ملاکی نبی اپنے صحیفے کے آخر میں اس آنے والے کے متعلق کہتے ہیں: ''تم میرے بندہ موسیٰ کی شریعت، یعنی ان فرائض و احکام کو، جو میں نے حورب پر تمام بنی اسرائیل کے لیے فرمائے یاد رکھو۔ دیکھو خداوند کے بزرگ اور

1 السنن الكبرٰى للبيهقي: 9/118، السنن الكبرٰى للنسائي :6/382,383. 2 بني إسرآءيل 17:81. 3 سبا 34:49.
4 سنن ابن ماجه :43. 5 عربی بائبل ''الکتاب المقدس'' میں لقب السید (سردار) اور انگریزی بائبل (NIV Study Bible) میں لفظ Lord موجود ہے جسے اردو بائبل (کتاب مقدس) میں حذف کر دیا گیا ہے۔

ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمھارے پاس بھیجوں گا۔ اور وہ باپ کا دل بیٹے کی طرف اور بیٹے کا باپ کی طرف مائل کرے گا۔ مبادا میں آؤں اور زمین کو ملعون کروں۔'' [1]

موسیٰ علیہ السلام کی وصیت

ملاکی نبی نے یہاں کوہِ حوریب (حورب) پر بنی اسرائیل کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی وصیت کا تذکرہ کیا ہے جس میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جیسے آنے والے ایک نبی کا ذکر کیا جو بنی اسرائیل کے بھائیوں (بنی اسماعیل) میں سے ہوگا۔ ملاکی نبی نے اس آنے والے نبی کا نام ایلیاء (ایلیاہ) بتایا۔ تحفۃ الجیل کے مصنف نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: ''صحیفۂ ملاکی کے آخری حصے میں مذکور ایلیاء نبی کا کردار ایک معما ہے اور وہ دنیا کا سب سے بڑا عالم ہے جو آخری زمانے میں آنے والا ہے۔''

عیسائیوں کے خیال میں وہ پیغمبر جس نے آنے والے کے لیے راستہ ہموار کیا، وہ یوحنا اصطباغی موسوم بہ ایلیاء ہے جیسا کہ انجیل مرقس میں لکھا ہے: ''دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیار کرے گا۔ بیابان میں پکارنے والے کی آواز آتی ہے کہ خداوند کی راہ تیار کرو۔ اس کے راستے سیدھے بناؤ۔ یوحنا آیا اور بیابان میں بپتسمہ دیتا اور گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کے بپتسمہ کی منادی کرتا تھا۔ اور یہودیہ کے ملک کے سب لوگ اور یروشلیم کے سب رہنے والے نکل کر اس کے پاس گئے اور انھوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے دریائے یردن

[1] کتاب مقدس (ملاکی) 4:4-6.

بائبل کے مطابق دریائے اردن پر وہ جگہ جہاں یوحنا نے لوگوں کو بپتسمہ دیا



میں اس سے بپتسمہ لیا۔ اور یوحنا اونٹ کے بالوں کا لباس پہنے اور چمڑے کا پٹکا اپنی کمر سے باندھے رہتا اور ٹڈیاں اور جنگلی شہد کھاتا تھا۔ اور منادی کرتا تھا کہ میرے بعد وہ شخص آنے والا ہے جو مجھ سے زور آور ہے۔ میں اس لائق نہیں کہ جھک کر اس کی جوتیوں کا تسمہ کھولوں۔ میں نے تو تم کو پانی سے بپتسمہ دیا مگر وہ تم کو روح القدس سے بپتسمہ دے گا۔'' [1]

ایسی ہی بات انجیل لوقا میں مسیح (علیہ السلام) کی زبانی نقل کی گئی ہے: ''تو پھر تم کیا دیکھنے گئے تھے؟ کیا ایک نبی؟ ہاں میں تم سے کہتا ہوں بلکہ نبی سے بڑے (رسول) کو۔ یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔'' [2]

عیسائیوں کے خیال میں راستہ ہموار کرنے والا یوحنا اصطباغی ہے اور جس کے لیے راستہ ہموار کیا گیا ہے، وہ یسوع مسیح (عیسیٰ علیہ السلام) ہیں اور یہ لوگ (نصاریٰ) یوحنا کو ایلیاء کے نام سے یاد کرتے ہیں جیسے کہ متی نے بھی مسیح علیہ السلام کی زبان سے یوحنا اصطباغی کے بارے میں بیان کیا ہے۔ [3]

''ختنے والا پیغمبر''

صحیح بات یہ ہے کہ ایلیاء آنے والے نبی کی طرف اشارہ ہے اور اس سے مراد راستہ ہموار کرنے والا نبی نہیں۔ دکتور السقار لکھتے ہیں: ''اس سے پہلے کہ ہم اس آنے والے نبی کا تعین کریں، ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ موجودہ بائبل کے متن میں بے تحاشا تحریف ہو چکی ہے جیسے صحیفۂ ملاکی میں آنے والے نبی کو ''عہد کا رسول'' کہا گیا ہے جبکہ بائبل کے پرانے ترجموں میں اسے ''ختنے والا پیغمبر'' قرار دیا گیا ہے۔ بائبل کے جدید ترجمے میں عبارت ہے ''ملاکی نے بھیجا'' جبکہ پرانے نسخے میں یہ الفاظ آئے ہیں: ''میں اپنا رسول بھیجوں گا۔'' بعض نسخوں میں ''سردار آئے گا'' کے الفاظ رقم ہوئے ہیں جبکہ بعض میں اسے ''دوست'' اور بعض میں ''ایلیاء'' کہا گیا ہے۔

اناجیل میں صحیفۂ ملاکی کی اس عبارت میں بھی تحریف کر دی گئی ہے: ''وہ میرے آگے راہ درست کرے گا۔'' یہاں ''میرے'' ضمیر متکلم ہے، اس کے بجائے اناجیل میں ضمیر مسیح (علیہ السلام) کی طرف لوٹا دی گئی ہے، چنانچہ لوقا کی عبارت ہے: ''یہ وہی ہے جس کی بابت لکھا ہے کہ دیکھ میں اپنا پیغمبر تیرے آگے بھیجتا ہوں جو تیری راہ تیرے آگے تیار کرے گا۔'' [4]

موجودہ بائبل کی تحریف شدہ عبارات سے آنے والے نبی کا تعین ناممکن ہے کیونکہ یہ عبارات بائبل ہی کی دیگر عبارات

[1] کتاب مقدس (مرقس) 2:1-9. [2] کتاب مقدس (لوقا) 26:7-27. [3] کتاب مقدس (متی) 9:11-15. [4] کتاب مقدس (لوقا) 27:7.

سے متضاد ہیں جن میں آنے والے نبی کی واضح بشارت دی گئی ہے۔

اس بحث کا حتمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ''عہد کا رسول'' جس کی بشارت دی گئی ہے، وہ محمد ﷺ ہی کی ذات گرامی ہے۔ نبی ﷺ ہی معراج کی رات بیت المقدس کی سرزمین میں ہیکل (مسجد اقصیٰ) تشریف لے گئے تھے۔ اس کے برعکس مسیح (علیہ السلام) اور یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) دونوں اسی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے اور وہیں انھوں نے پرورش پائی۔ محمد ﷺ ہی کو بائبل کے مختلف نسخوں میں ''ختنے والا پیغمبر'' قرار دیا گیا ہے جنھوں نے اپنی امت کو ختنے کی ترغیب دی اور اس عمل کو فطری ہدایت ٹھہرایا ہے اور مسلمان اس وقت سے آج تک اس پر عمل پیرا ہیں۔[1]

[1] هل بشر الكتاب المقدس بمحمد ﷺ، ص: 115-122.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت و صداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَا كَانَ

مُحَمَّدٌ

أَبَآ أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن

رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّـۧنَ

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا

"محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، اور لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔"

(الأحزاب 33:40)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

قَالَ لَهُمْ يَسُوعُ أَمَا قَرَأْتُمْ قَطُّ فِي الْكُتُبِ.
الْحَجَرُ الَّذِي رَفَضَهُ الْبَنَّاؤُونَ هُوَ قَدْ
صَارَ رَأْسَ الزَّاوِيَةِ

''یسوع نے ان سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔''

کتاب مقدس (متی) 42:21

انجیل کی بشارات

انجیل (Evangel) یونانی لفظ euangelion کا معرب ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ ہے: ''خوشخبری۔'' یہ لفظ غالباً براستہ حبش (ایتھوپیا) عربی میں آیا۔ نئے عہدنامہ میں اس لفظ کا یہی مفہوم (خوشخبری) ہے۔ کسی آیت میں اس کا مطلب ''کتاب'' یا ''صحیفہ'' نہیں ہے۔ 150ء کے بعد اس لفظ کو کتاب (نیا عہد نامہ) کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔ یہ لفظ نئے عہدنامہ یونانی میں تقریباً سو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور پروٹسٹنٹ اردو ترجمہ میں صرف گیارہ مرتبہ۔ باقی جگہ اس کا متبادل اردو لفظ ''خوشخبری'' درج کیا گیا ہے۔ (کیتھولک ترجمہ میں ہر جگہ انجیل ہی ہے)۔[1]



انجیل (عہد نامہ جدید) کا ایک قدیم نسخہ

جس طرح تورات اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفوں میں یہود نے بکثرت تحریف کر ڈالی، اسی طرح اناجیل اربعہ میں بھی عیسائیوں نے تحریف کر کے کلامِ الٰہی اور اس کی تعلیمات کو مسخ کر دیا، تاہم تحریف و ترمیم کے باوجود اناجیل میں اب بھی ایسے اشارات بکثرت ملتے ہیں جن سے محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور ختمِ نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں انجیل کی پیش گوئیاں ملاحظہ کیجیے:

انجیل کی پہلی پیش گوئی

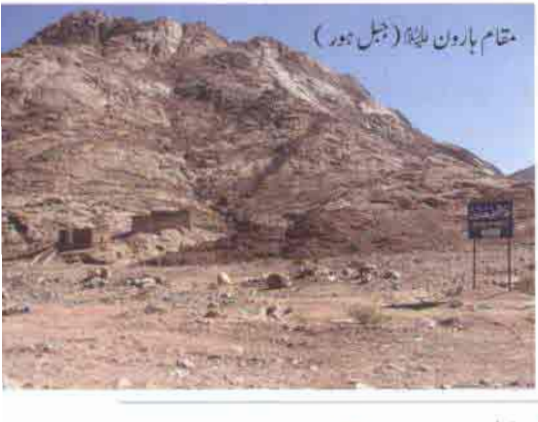
''اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلیم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے؟ تو اُس نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں تو مسیح نہیں ہوں۔ اُنھوں نے اُس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس اُنھوں نے اُس سے کہا پھر تو ہے کون؟ تاکہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو

[1] قاموس الکتاب، ص: 93.

جواب دیں۔ تو اپنے حق میں کیا کہتا ہے؟ اُس نے کہا میں جیسا یسعیاہ نبی نے کہا ہے بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں کہ تم خداوند کی راہ کو سیدھا کرو۔ یہ فریسیوں کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ اُنھوں نے اُس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے؟''[1]

مندرجہ بالا اقتباس میں ''لاوی'' کا نام آیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ جان لینا چاہیے کہ درحقیقت لاوی (Levi) حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک بیٹے کا نام ہے۔ بعد میں لاوی کی اولاد میں سے یہودی علماء (احبار) کو لاوی کہا جانے لگا، چنانچہ اس حوالے سے بائبل کی ایک کتاب بھی احبار (Leviticus) کہلاتی ہے۔ بائبل کے مطابق ہارون علیہ السلام ''بنی اسرائیل کے پہلے سردار کاہن'' (First HighPriest) تھے۔ ان کے کاہنوں (Priests) اور احبار کے لیے ضروری تھا کہ وہ بنولاوی بلکہ بنو ہارون میں سے ہوں۔[2]

بنو ہارون کی نسبت ہارون علیہ السلام سے ہے۔ وہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی خواہش پر اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر ان کو نبی مامور فرمایا: ﴿ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ۝ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝﴾ ''تم اور تمھارا بھائی میرے (دیے ہوئے) معجزات کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔ تم دونوں فرعون کی طرف جاؤ، بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے۔''[3] یوں حضرت ہارون علیہ السلام کو بھی جو فرعون کی مجلسِ وزراء کے رُکن تھے، منصبِ رسالت سپرد ہوا۔ ہرچند وہ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کی طرح شریعتِ موسوی ہی کے تابع تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں جب یہودیوں نے سامری کے کہنے پر سنہرے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی تو ہارون علیہ السلام نے انھیں اس سے منع کیا۔


مقام ہارون علیہ السلام (جبل ہور)

محرفینِ تورات نے اس موقع پر خواہ مخواہ ہارون علیہ السلام کو گوسالہ پرستی (بچھڑے کی پوجا) میں ملوث کرنے کی ناپاک کوشش کی مگر قرآن حکیم نے ان کی پیغمبرانہ عظمت پوری طرح محفوظ رکھی۔ دشت تیہ (صحرائے سینا) میں بنی اسرائیل کی چالیس سالہ صحرا نوردی کے دوران میں ہارون علیہ السلام نے وفات پائی اور جبل ہُور پر دفن ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر 123 برس تھی۔[4]

---

1 کتاب مقدس (یوحنا) 1: 19-25. 2 قاموس الکتاب، ص: 854,853. 3 طٰهٰ 20: 43,42. 4 اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 84,83/23، اطلس القرآن (اردو)، ص: 145.

''وہ نبی'' کون؟

یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) سے یہودیوں نے تین افراد کے متعلق پوچھا: مسیح، ایلیاہ اور ''وہ نبی۔'' ''وہ نبی'' اُن کے درمیان اتنا مشہور تھا کہ اُنھوں نے اس کی مزید وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔ یہودی اخنوخ (ادریس)، یعقوب، موسیٰ، داود اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بشارات کی وجہ سے ایک ایسے نبی کے منتظر تھے جو نبی ہونے کے ساتھ ساتھ صاحبِ اختیار و اقتدار بھی ہوگا۔ اُس کی آمد کی صورت میں وہ اپنی نشأۃ ثانیہ اور دوبارہ غلبہ دیکھ رہے تھے۔ اس کے بارے میں فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ○ ﴾

''اور جب ان کے پاس اللہ کے ہاں سے ایک کتاب آ گئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف (رسول موعود کے ذریعے سے) فتح طلب کیا کرتے تھے جنھوں نے کفر کیا، پھر جب ان کے پاس وہ (رسول برحق) آ گیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

اس آیت مبارک میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی گھٹیا ذہنیت بے نقاب کی ہے اور بتایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور مبارک اور نزولِ قرآن سے پہلے یہودیوں کا طرزِ عمل یہ تھا کہ جب وہ اپنے مشرک دشمنوں سے جنگ کرتے تو اس رسول کی تشریف آوری کے وسیلے سے کافروں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اب اس آخری زمانے میں اللہ کے ایک نبی مبعوث ہوں گے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم سے لڑائی کریں گے اور تمھیں اسی طرح نیست و نابود کر دیں گے جس طرح عاد اور ارم کی قوموں کو تباہ و برباد کر دیا گیا تھا...... لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور اور قرآن کریم نازل ہوا تو ان کا رویہ بدل گیا۔

محمد بن اسحاق نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود آپ کے وسیلے سے اوس اور خزرج کے خلاف مدد طلب کیا کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو عربوں میں مبعوث فرما دیا تو انھوں نے اپنی باتوں کے برعکس عناد اور کفر کی راہ اختیار کر لی۔ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور خاندان بنوسلمہ کے بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کرلو، جب ہم مشرک تھے تو تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم

[1] البقرة 2:89.

کے وسیلے سے ہمارے خلاف مدد مانگا کرتے تھے اور تمھیں بتایا کرتے تھے کہ اس نبی کی بعثت ہونے والی ہے اور تم ان کی نشانیاں بھی بیان کرتے تھے۔ اس کے جواب میں بنو نضیر کے سلام بن مِشکم نے کہا: ''آپ ﷺ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچانتے ہوں۔ یہ وہ نبی نہیں جن کا ہم تمھارے سامنے ذکر کیا کرتے تھے۔'' تب ان کے بارے میں مذکورہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ [1]

بائبل بھی یہی کہتی ہے:

''اور دیکھو یروشلیم میں شمعون نام ایک آدمی تھا اور وہ آدمی راستباز اور خدا ترس اور اسرائیل کی تسلی کا منتظر تھا اور روح القدس اُس پر تھا۔'' [2]

''اُنھوں نے اُس (یسوع) سے کہا یسوع ناصری کا ماجرا جو خدا اور ساری اُمت کے نزدیک کام اور کلام میں قدرت والا نبی تھا۔ اور سردار کاہنوں اور ہمارے حاکموں نے اُس کو پکڑوا دیا تاکہ اُس پر قتل کا حکم دیا جائے اور اُسے مصلوب کیا۔ لیکن ہم کو اُمید تھی کہ اسرائیل کو مخلصی یہی دے گا۔'' [3]

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوگئی کہ شاید یسوع ہی وہ بادشاہ نبی ہیں جن کے ذریعے سے ہمیں دوبارہ عروج، ترقی اور اقتدار ملنے والا ہے جیسا کہ مذکورہ پیش گوئی میں ہے۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ اس کی تردید کرتے رہے۔ یہودیوں کے ہاں تو یہ بات واضح تھی کہ مسیح اور نبی منتظر دو جُدا گانہ شخصیتیں ہیں لیکن عیسائیوں نے اسے خلط ملط کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی وجہ سے بائبل کی کئی پیش گوئیوں میں تضادات نمایاں ہوگئے۔

مسیح سے کیا مراد ہے؟

بنی اسرائیل کے ہاں پُرانا طریقہ یہ تھا کہ کسی چیز یا کسی شخص کو جب کسی مقدس مقصد کے لیے مختص کیا جاتا تو اُس چیز پر یا اُس شخص کے سر پر تیل مل کر اُسے متبرک (Consecrate) کر دیا جاتا تھا۔ عبرانی میں تیل ملنے کے اس فعل کو مَسح کہتے تھے۔ جس شخص پر تیل ملا جاتا تھا، اُسے مسیح یا میسیا (Messiah) کہا جاتا تھا۔ [4] عبادت گاہ کے ظروف اسی طریقے سے مسح کر کے عبادت کے لیے وقف کیے جاتے تھے۔ کاہنوں کو کہانت (Priesthood) کے منصب پر مامور کرتے وقت بھی مسح کیا جاتا تھا۔ بادشاہ اور نبی بھی جب اللہ کی طرف سے بادشاہت یا نبوت کے لیے نامزد کیے جاتے تو اُنھیں بھی مسح کیا جاتا، چنانچہ بائبل کی رو سے بنی اسرائیل کی تاریخ میں مسیح بکثرت پائے جاتے ہیں۔ [5]

---

[1] تفسیر ابن کثیر، البقرۃ 89:2. [2] کتاب مقدس (لوقا) 25:2. [3] کتاب مقدس (لوقا) 24:19-21.

[4] The International Standard Bible Encyclopedia, Messiah.

[5] دیکھیے: کتاب مقدس (سموئیل-1) 26:7-11، کتاب مقدس (زبور) 18:50 و 105:15.

یہودی عقائد کی رو سے ہارون (علیہ السلام) کاہن کی حیثیت سے مسیح تھے۔ موسیٰ (علیہ السلام) کاہن اور نبی ہونے کے لحاظ سے، طالوت بادشاہ کے اعتبار سے، حضرت داود (علیہ السلام) بادشاہ اور نبی کے منصب پر فائز ہونے کی وجہ سے اور الیسع (علیہ السلام) نبی کی حیثیت سے مسیح تھے۔ بعد میں یہ بھی ضروری نہ رہا تھا کہ تیل مل کر ہی کسی کو مامور کیا جائے بلکہ محض کسی کا مامور من اللہ ہونا ہی مسیح کا ہم معنی بن گیا۔

قرآنِ کریم میں الیشع نبی کا نام الیسع آیا ہے۔[1] طبری کے بیان کے مطابق الیسع علیہ السلام حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے۔ وہ الیاس علیہ السلام کے خلیفہ بھی تھے اور ان کے بعد نبی بنے۔ انھوں نے بعلبک میں زندگی گزاری اور وہیں فوت ہوئے۔[2]



خدا نے ایلیاہ (الیاس علیہ السلام) کو حکم دیا:

”خداوند نے اُسے فرمایا تو اپنے راستہ لوٹ کر دمشق کے بیابان کو جا اور جب تو وہاں پہنچے تو تو حزائیل کو مسح کر کہ ارام کا بادشاہ ہو۔ اور نمسی کے بیٹے یاہو کو مسح کر کہ اسرائیل کا بادشاہ ہو اور ابیل محولہ کے الیشع بن سافط کو مسح کر کہ تیری جگہ نبی ہو۔“[3]

ان لوگوں میں سے کسی کے سر پر تیل نہیں ملا گیا۔ بس خدا کی طرف سے ان کی ماموریت کا فیصلہ سنا دینا ہی گویا انھیں مسح کر دینا تھا۔ اسرائیلی تصور کے مطابق لفظ مسیح درحقیقت ”مامور من اللہ“ کا ہم معنی تھا اور انھی معنوں میں

[1] الأنعام 86:6، صٓ 48:38۔ [2] اطلس القرآن (اردو)، ص: 155-159۔ [3] کتاب مقدس (سلاطین-1) 19:15، 16۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ''نبیِ منتظر'' کے لیے استعمال کیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ تردید کرتے رہے کہ وہ ''نبیِ منتظر'' یا وہ ''مسیح'' نہیں تھے جن کے ذریعے سے بنی اسرائیل دوبارہ اپنے غلبے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا مسیح ہونے سے انکار

''پھر یسوع اور اُس کے شاگرد قیصریہ فلپی کے گاؤں میں چلے گئے اور راہ میں اُس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں؟ اُنھوں نے جواب دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیاہ اور بعض نبیوں میں سے کوئی۔ اُس نے اُن سے پوچھا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں اُس سے کہا تو مسیح ہے۔ پھر اُس نے اُن کو تاکید کی کہ میری بابت کسی سے یہ نہ کہنا۔'' [1]

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر ''یسوع'' وہی ''مسیح'' تھے جس کے ذریعے سے بنی اسرائیل اپنے غلبے اور عروج کے خواب دیکھ رہے تھے تو پھر وہ اپنے ''مسیح'' ہونے کو چھپا کیوں رہے تھے۔

[1] کتاب مقدس (مرقس) 8:27-30.



قیصریہ فلپی کا خوبصورت علاقہ

عیسیٰ علیہ السلام مسیح منتظر نہیں تھے

درحقیقت عیسائیوں کے بقول سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دکھ اُٹھانا اور قتل ہونا یقینی تھا، پھر ڈر کیسا؟ یسوع نے تو ان لوگوں کو جو انھیں مسیح منتظر سمجھتے تھے، شیطان تک کہہ دیا:

''اُس وقت سے یسوع اپنے شاگردوں پر ظاہر کرنے لگا کہ اُسے ضرور ہے کہ یروشلیم کو جائے اور بزرگوں اور سردار کاہنوں اور فقیہوں کی طرف سے بہت دُکھ اُٹھائے اور قتل کیا جائے اور تیسرے دن جی اُٹھے۔ اِس پر پطرس اُس کو الگ لے جا کر ملامت کرنے لگا کہ اے خداوند خدا نہ کرے۔ یہ تجھ پر ہرگز نہیں آنے کا۔ اُس نے پھر کر پطرس سے کہا اے شیطان! میرے سامنے سے دور ہو۔ تو میرے لیے ٹھوکر کا باعث ہے کیونکہ تو خدا کی باتوں کا نہیں بلکہ آدمیوں کی باتوں کا خیال رکھتا ہے۔''[1]

عیسیٰ علیہ السلام ہمیشہ لوگوں کی اس غلط فہمی کی تردید کرتے رہے کہ وہ ''وہی نبی'' یا اُن کی اصطلاح میں ''مسیح'' ہیں جس کے ظہور کی صورت میں وہ دوبارہ اپنا غلبہ دیکھ رہے ہیں:

''پس جو معجزہ اُس نے دکھایا وہ لوگ اُسے دیکھ کر کہنے لگے جو نبی دنیا میں آنے والا تھا فی الحقیقت یہی ہے۔ پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آ کر مجھے بادشاہ بنانے کے لیے پکڑا چاہتے ہیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا۔''[2]

اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی مسیح منتظر تھے تو وہ فرار کیوں ہوئے؟ اور اس کے اظہار کے بجائے وہ اکیلے پہاڑ پر کیوں چلے گئے؟ صاف ظاہر ہے وہ خود کو مسیح منتظر نہیں سمجھتے تھے۔

مسیح منتظر: محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آپ ہی وہ نبی منتظر ہیں جن کا پہلی آسمانی کتابوں میں بار بار ذکر کیا گیا ہے۔ پہلے انبیاء کی کتابوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بشارات کے علاوہ خود قرآن مجید کی تصدیق اس کا بین ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴾

[1] کتاب مقدس (متی) 16:21-23. [2] کتاب مقدس (یوحنا) 6:14،15.

''اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔'' [1]

حضرت علی بن ابی طالب اور ان کے عم زاد حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیائے کرام مبعوث فرمائے، ان میں سے ہر نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو انھیں آپ پر ضرور ایمان لانا ہوگا اور آپ کی لازماً مدد کرنی ہوگی۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو یہ بھی حکم دیا کہ وہ اپنی اُمت کے لوگوں سے عہد لیں کہ اگر ان کی زندگی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں تو ان کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔ [2]

خاتم الانبیاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی امام اعظم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر اُمت کے ہر فرد پر فرض عین ہے۔ آپ کی ذات گرامی تمام انبیاء سے مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب شب معراج تمام انبیائے کرام علیہم السلام بیت المقدس میں جمع ہوئے تو ان کی امامت کا تاج محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سر مبارک پر رکھا گیا تھا۔ [3]

اسی طرح میدانِ حشر میں بھی اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو شفاعتِ کُبریٰ کا اعزاز حاصل ہوگا جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے مابین فیصلہ کرنے کے لیے جلوہ افروز ہوگا۔ یہی وہ مقام محمود ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے خاص ہے۔ [4]

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ، وَ إِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى قَوْمَهُ، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ، وَكَذٰلِكَ تَرٰى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ»

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ آدم علیہ السلام جب مٹی کا ڈھانچہ تھے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں میرا نام

[1] آل عمرٰن 81:3. [2] تفسير الطبري، آل عمرٰن 81:3، تفسير ابن كثير، آل عمرٰن 81:3، 82. [3] صحيح مسلم: 172، مسند أحمد: 257/1. [4] صحيح البخاري: 4712، نیز دیکھیے: (تحفة الأحوذي: 485/8)

خاتم النبیین کی حیثیت سے لکھ دیا تھا۔ میں تمھیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دُعا ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو دی گئی بشارت ہوں اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسے ہی خواب دیکھا کرتی ہیں۔" [1]

انجیل کی دوسری پیش گوئی

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے شاگردوں کو بتایا:

"اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے۔" [2]

"لیکن مددگار یعنی رُوح القدس جسے باپ میرے نام سے بھیجے گا وہی تمھیں سب باتیں سکھائے گا اور جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا۔" [3]

"لیکن جب وہ مددگار آئے گا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی روحِ حق جو باپ سے صادر ہوتا ہے تو وہ میری گواہی دے گا۔ اور تم بھی گواہ ہو کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔" [4]

عیسیٰ علیہ السلام نے مزید فرمایا:

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمھارے لیے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اُسے تمھارے پاس بھیج دوں گا۔ ...... مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے مگر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی رُوحِ حق آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دِکھائے گا۔ اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آیندہ کی خبریں دے گا۔" [5]

[1] **"مددگار" یا فارقلیط؟:** بائبل کے اُردو ترجمے "کلام مقدس" (بائبل سوسائٹی، لاہور) کی مذکورہ آیات میں لفظ "مددگار" ہے۔ انگریزی بائبل (نیوانٹرنیشنل ورژن) میں اس کے لیے لفظ Counselor ہے جس کے معنی آکسفورڈ ڈکشنری میں صلاح کار، مشیر، قانونی مشیر یا سفارتکار کے لکھے ہیں۔ عربی بائبل میں لفظ اَلْمُعَزِّی ہے۔ اس کے معنی "تسلی دینے

[1] مسند أحمد: 128/4. [2] کتاب مقدس (یوحنا) 16:14. [3] کتاب مقدس (یوحنا) 26:14. [4] کتاب مقدس (یوحنا) 27,26:15.
[5] کتاب مقدس (یوحنا) 16: 7 - 13.

والے'' اور ''ڈھارس بندھانے والے'' کے ہیں۔ اس کے برعکس ''کلام مقدس'' (شائع کردہ کاتھولک بائبل کمیشن پاکستان) میں ''مددگار'' کے بجائے لفظ ''وکیل'' استعمال ہوا ہے۔ یوں تینوں زبانوں میں الگ الگ مفہوم کے حامل الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ نے هِدَايَةُ الْحَيَارٰی میں انجیل یوحنا کے اقتباسات نقل کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں اصل لفظ ''بارقلیط'' یا ''فارقلیط'' ہے۔ اُس وقت کی عربی انجیل میں یوحنا باب 14 کی آیت نمبر 16 اس طرح تھی:

وَأَنَا أَطْلُبُ مِنَ الْآبِ أَنْ يُّعْطِيَكُمْ بَارَ قَلِيطًا آخَرَ، يَثْبُتُ مَعَكُمْ إِلَى الْأَبَدِ.

اسی باب کی آیت نمبر 26 اس طرح تھی:

وَالْبَارَ قَلِيطُ، رُوحُ الْحَقِّ الَّذِي يُرْسِلُهُ أَبِي، وَهُوَ يُعَلِّمُكُمْ كُلَّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُذَكِّرُكُمْ كُلَّ مَا قُلْتُ لَكُمْ.

یوحنا باب 16 کی آیات 12 اور 13 اس طرح تھیں:

إِنَّ لِي كَلَامًا كَثِيرًا أُرِيدُ أَنْ أَقُولَهُ لَكُمْ، وَلٰكِنَّكُمْ لَا تَسْتَطِيعُونَ حَمْلَهُ، لٰكِنْ إِذَا جَاءَ رُوحُ الْحَقِّ، ذَاكَ يُرْشِدُكُمْ إِلٰى جَمِيعِ الْحَقِّ، لِأَنَّهُ لَيْسَ يَنْطِقُ مِنْ عِنْدِهِ بَلْ يَتَكَلَّمُ بِمَا يَسْمَعُ وَيُخْبِرُكُمْ بِكُلِّ مَا يَأْتِي، وَيُعَرِّفُكُمْ جَمِيعَ مَا لِلْآبِ.

یوحنا باب 14 کی آیت 30 اس طرح تھی:

قَالَ الْمَسِيحُ: إِنَّ أَرْكُونَ الْعَالَمِ سَيَأْتِي، وَلَيْسَ لِي شَيْءٌ.

''مسیح علیہ السلام نے کہا: بے شک دنیا کا سردار آئے گا، مجھے کوئی اختیار نہیں۔'' [1]

لیکن جدید عربی بائبل ''الکتاب المقدس'' میں یہ آیت یوں دی گئی ہے:

لِأَنَّ رَئِيسَ هٰذَا الْعَالَمِ يَأْتِي وَلَيْسَ لَهُ فِيَّ شَيْءٌ.

''کیونکہ اس دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔''

''فارقلیط'' اور ''محمد'' ہم معنی ہیں

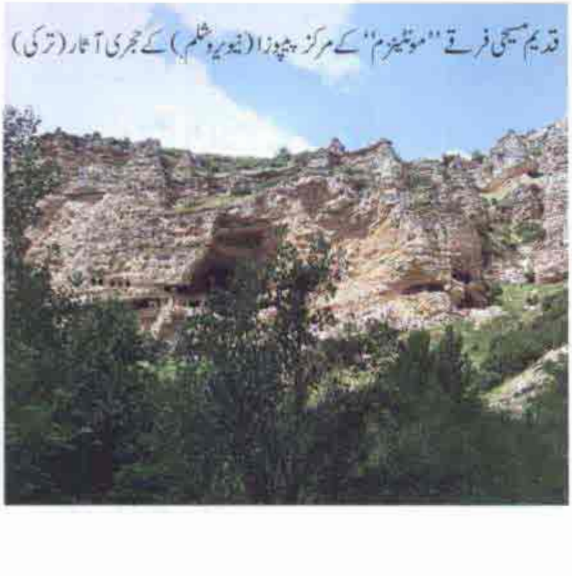
اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ 751ھ/1350ء میں ابن قیم رحمہ اللہ کی وفات کے بعد ان آیات میں صریحاً تحریف

[1] هداية الحيارٰى في أجوبة اليهود و النصارٰى، ص:74.

کی گئی اور لفظ ''بارقلیط'' یا ''فارقلیط'' جس کے معنی ''محمد'' یا ''احمد'' بنتے ہیں، کو بدلنے کے لیے مختلف مفہوم کے الفاظ اختیار کرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کسی ایک ہی لفظ پر اتفاق نہیں ہو سکا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اب تک مختلف زبانوں میں مختلف مطالب و مفاہیم کے حامل الفاظ استعمال کیے جا رہے ہیں۔

اہلِ کتاب چاہے قدیم ہوں یا جدید، ان کی عادت ہے کہ وہ اپنے تراجم میں ناموں کا بھی ترجمہ کرتے ہیں اور اصل ناموں کے بجائے اُن کے معانی بیان کرتے ہیں۔ کبھی کبھی تفسیر کے طور پر اس کلام میں، جو اُن کے نزدیک خدائی کلام ہے، اپنی جانب سے کچھ بڑھا بھی دیتے ہیں اور دونوں طرح کے کلام میں فرق و امتیاز کے لیے کسی طرح کا کوئی اشارہ بھی نہیں کرتے۔ یہ دونوں باتیں ان کی عادت ثانیہ بن گئی ہیں۔ جو شخص اُن مترجمین کے مختلف زبانوں میں پائے جانے والے ترجموں پر غور کرے گا، اُسے ہمارے دعوے کی تصدیق کے بہت سے شواہد مل جائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام آرامی زبان بولتے تھے، نہ کہ یونانی۔ اس کے بعد اس بات میں کوئی شک نہیں رہتا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے جس شخص کی تشریف آوری کی بشارت دی تھی، مترجمین نے اپنی عادت کے مطابق اس کا یونانی میں ترجمہ کر ڈالا۔ یونانی میں یہ لفظ ''پیرکلوطوس'' تھا جس کے معنی ''محمد'' اور ''احمد'' کے قریب ہیں یا یہ لفظ ''پاراکلی طوس'' تھا۔ اس کے معنی معین و مددگار، کارساز و وکیل کے ہیں۔ دونوں لفظوں میں بہت معمولی سا فرق ہے۔ عربی مترجمین نے اس کو مُعرّب کر کے ''فارقلیط'' یا ''بارقلیط'' بنا دیا۔ یہ لفظ چاہے کتنی ہی ارتقائی منازل سے گزرا ہو، یہ بات بہرحال واضح ہے کہ یسوع نے ایک نبی کی بشارت دی تھی۔ کچھ لوگوں نے ظہور محمدی سے پہلے دعویٰ کیا کہ لفظ ''فارقلیط'' کا مصداق ہم لوگ ہیں، مثلاً: دوسری صدی عیسوی میں مونٹینس (Montanus) نامی ایک عیسائی نے، جو بڑا عبادت گزار اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا متقی تھا، ایشیائے کوچک میں 177ء کے قریب دعویٰ کیا کہ جس ''فارقلیط'' کے آنے کا عیسیٰ علیہ السلام وعدہ کر گئے ہیں وہ میں ہی ہوں، چنانچہ بہت سے لوگ اُس کے متبع ہو گئے۔[1]


قدیم مسیحی فرقے ''مونٹینزم'' کے مرکز پیپوزا (نیو یروشلم) کے حجری آثار (ترکی)

واضح رہے کہ پاراکلی طوس کا عبرانی مترادف

[1] إظهار الحق: 4/1187،1188.

مناحم מְנַחֵם ($m^{ə}naḥḥēm$) ہے۔ یونانی زبان میں اس کا تلفظ, $\Pi\alpha\rho\acute{\alpha}\kappa\lambda\eta\tau o\varsigma$ (para'klētos) ہے۔ اسے لاطینی میں paracletus اور انگریزی میں paraclete لکھا گیا ہے۔ انگریزی بائبل میں اس کا ترجمہ counselor (صلاح کار)، helper (مددگار) یا comforter (ڈھارس بندھانے والا) کیا گیا ہے۔[1]

2 ''ابد تک تمھارے ساتھ رہے'': نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں اور آپ کی نبوت قیامت تک کے لیے ہے۔

3 ''جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے وہ سب تمھیں یاد دلائے گا'': نبی کریم ﷺ بار بار اہلِ کتاب کو یاد دلاتے رہے کہ یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کی تعلیمات کی بنیاد بھی عقیدۂ توحید ہی پر تھی۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾

''آپ کہہ دیجیے: اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔''[2]

بائبل میں عقیدۂ توحید

بائبل (عہد نامہ قدیم) میں بھی توحید کی تلقین کی گئی ہے:

- ''میں ہی خداوند ہوں، میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ میں ہی روشنی کا موجد اور تاریکی کا خالق ہوں۔ میں سلامتی کا بانی اور بلا کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں۔''[3]
- ''سن اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔''[4]

عہد نامہ جدید میں بھی یہی تعلیمات نظر آتی ہیں:

''اے اسرائیل سن۔ خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ اور تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔''[5]

''نعمتیں تو طرح طرح کی ہیں مگر روح ایک ہی ہے۔ اور خدمتیں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خداوند ایک ہی ہے۔ اور تاثیریں بھی طرح طرح کی ہیں مگر خدا ایک ہی ہے جو سب میں ہر طرح کا اثر پیدا

1 وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا۔ 2 آل عمرٰن 3:64. 3 کتاب مقدس (یسعیاہ) 45:6،7. 4 کتاب مقدس (استثنا) 6:4،5. 5 کتاب مقدس (مرقس) 12:29،30.

6 ''وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا'': قرآن مجید میں بھی نبی کریم ﷺ کی ایک بڑی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے بلکہ وحی الٰہی کے مطابق کلام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ ﴾

''اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ تو صرف وحی ہے جو نازل کی جاتی ہے۔'' [1]

انجیل کی تیسری پیش گوئی

''یسوع نے اُن سے کہا کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے؟'' [2]

''کونے کے سرے کا پتھر'': اس سے مراد ختم نبوت ہے۔ کسی دوسرے نبی نے خاتم الانبیاء ہونے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا، لہٰذا یہ بات صرف امام الانبیاء نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ ہی کے لیے کہی گئی ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○ ﴾

''محمد (ﷺ) تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر شے کو خوب جاننے والا ہے۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے آج سے چودہ صدیاں پہلے اپنے بارے میں بعینہٖ یہی مثال دی تھی جو مذکورہ پیش گوئی میں موجود ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلَ الْأَنْبِيَاءِ مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنٰى بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِّنْ زَاوِيَةٍ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ وَيَعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ: هَلَّا وُضِعَتْ هٰذِهِ اللَّبِنَةُ؟ قَالَ: فَأَنَا اللَّبِنَةُ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ»

''میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا اور اس میں ہر طرح کی زینت پیدا کی لیکن ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ باقی رہ گئی۔ اب لوگ آتے ہیں، مکان کو چاروں طرف سے گھوم پھر کر دیکھتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں لیکن وہ یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ یہاں ایک اینٹ

[1] النّجم 53:3، 4۔ [2] کتاب مقدس (متی) 21:42۔ [3] الأحزاب 33:40۔

کیوں نہ رکھی گئی؟ تو (سن لو!) میں ہی وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔'' [1]

ایک اور حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

«فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ بِسِتٍّ: ...... وَخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّونَ»

''مجھے انبیاء علیہم السلام پر چھ باتوں کی وجہ سے فضیلت دی گئی:...... (ان میں سے چھٹی بات یہ ہے کہ) میرے بعد نبیوں (کے سلسلے) کو ختم کر دیا گیا۔'' [2]

اسی طرح جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ لِي أَسْمَاءً: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُواللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ أَحَدٌ»

''بے شک میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹا دے گا، میں حاشر ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا اور میں عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔'' [3]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی سنت متواترہ میں یہ خبر دی ہے کہ آپ کے بعد قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ کذاب، افترا پرداز، دجال، خود گمراہ اور دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہے، چاہے وہ کیسے ہی خرق عادت امور اور کیسی ہی شعبدہ بازیاں دکھائے اور مختلف انواع و اقسام کے جادو اور طلسمات کا مظاہرہ کرے۔ اہل عقل کے نزدیک یہ سب گمراہی کی باتیں ہیں جیسا کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب کی زبان پر ایسے فاسد احوال اور بے کار اقوال جاری فرما دیے تھے جن سے ہر عقل مند اور صاحب فہم و بصیرت نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے یہ دونوں شخص پرلے درجے کے جھوٹے اور گمراہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت فرمائے، ایسے جھوٹے مدعیان نبوت میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے امور پیدا فرما دیتا ہے جس سے علماء اور مومن فوراً معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ شخص نبوت کا جھوٹا دعوے دار ہے۔ اس کے برعکس حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے علم و فہم کا مرکز براہِ راست اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی ذات ہوتی ہے، ان کے اقوال و افعال اللہ جل جلالہ کے

[1] صحيح البخاري: 3535. [2] صحيح مسلم: 523. [3] صحيح البخاري: 4896، صحيح مسلم: 2354، واللفظ له.

حکم اور منشا کے مطابق ہوتے ہیں، ان کی زندگی کی ہر ادا اپنے پروردگار کی عبادت میں خلوص سے ممیز ہوتی ہے اور ان کا کردار انتہائی نیکی، راست بازی، رشد و فلاح اور عدل و استقامت پر مبنی ہوتا ہے۔ بہر حال انجیل کی مذکورہ پیش گوئی کے مصداق خاتم الانبیاء، سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کی ذاتِ گرامی ہے، آپ کے سوا اس کا مصداق اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

انجیل کی چوتھی پیش گوئی

''خدا کی بادشاہی'': بائبل میں مذکور انبیاء کی تعلیمات میں ''خدا کی بادشاہی'' یا ''آسمان کی بادشاہی'' کا بار بار ذکر ملتا ہے بلکہ اُن کی دعوت کا بڑا مقصد ہی خدا کی بادشاہی کا اعلان کرنا تھا۔ خدا کی بادشاہی سے مراد نبوت ہے، جس کے بارے میں خداوند نے موسیٰ (علیہ السلام) کے ذریعے سے کہا کہ یہ بنی اسرائیل سے لے کر اُن کے بھائیوں بنی اسماعیل کو دے دی جائے گی۔ انجیل میں لکھا ہے:

''اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اُس قوم کو جو اُس کے پھل لائے دے دی جائے گی اور جو اس پتھر پر گرے گا ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گا لیکن جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالے گا۔'' [1]

''خدا کی بادشاہی تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے دے دی جائیگی'': یہی بات زبور میں کہی گئی ہے: ''صادق زمین کے وارث ہوں گے۔'' [2]

قرآن مجید بھی اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴾

''اور بلاشبہ ہم زبور میں نصیحت کے بعد یہ لکھ چکے ہیں کہ بے شک میرے نیک بندے زمین کے وارث ہوں گے۔'' [3]

مفسرین کے ایک قول کے مطابق ﴿الْأَرْضَ﴾ ''زمین'' کے یہ معنی ہوسکتے ہیں کہ ہم نے کتاب زبور (صحیفۂ داود نبی) میں نصیحت کے بعد یہ لکھ رکھا ہے کہ ''زمین کے مالک میرے نیک بندے ہوں گے......'' اس صورت میں یہ آیت مؤمنین کے حق میں ایک بشارتِ دنیوی نعمت، یعنی زمینی بادشاہت کی ہوگی اور اگر ﴿الْأَرْضَ﴾ سے مراد ارض موعود لی جائے، یعنی ملک شام (جیسا کہ بہت سے اہل تفسیر نے یہ مراد سمجھی ہے)، تب تو یہ پیش گوئی عہدِ صحابہ میں پوری طرح پوری ہوکر رہی۔ [4]

[1] کتاب مقدس (متی) 21:43،44۔ [2] کتاب مقدس (زبور) 37:29۔ [3] الأنبیآء 21:105۔ [4] تفسیر ماجدي، الأنبیآء 21:105۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾

''تم میں سے جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں ضرور خلافت دے گا، جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلافت دی تھی اور ان کے لیے ضرور ان کا وہ دین محکم و پائیدار کردے گا جو اس نے ان کے لیے چنا اور یقیناً وہ ان کی حالتِ خوف بدل کر انھیں ضرور امن دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے، میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں۔'' [1]

علاوہ ازیں خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ، فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا، وَ إِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَازُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ»

''بے شک اللہ نے میرے لیے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عنقریب میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین سمیٹی گئی اور مجھے دو خزانے دیے گئے ہیں: سرخ (سونا) اور سفید (چاندی)۔'' [2]

جب عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:
«أَتَعْرِفُ الْحِيرَةَ؟» ''کیا تم حیرہ کو جانتے ہو؟'' انھوں نے عرض کی کہ میں اسے جانتا تو نہیں لیکن اس کے بارے میں سن رکھا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! لَيُتِمَّنَّ اللّٰهُ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى تَخْرُجَ الظَّعِينَةُ مِنَ الْحِيرَةِ حَتّٰى تَطُوفَ بِالْبَيْتِ فِي غَيْرِ جِوَارِ أَحَدٍ وَّلَتُفْتَحَنَّ كُنُوزَ كِسْرَى ابْنِ هُرْمُزَ»

''اس ذاتِ اقدس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ اس دین کو ضرور مکمل فرمائے گا حتی کہ ہودج میں سوار ایک عورت حیرہ سے سفر کرتی ہوئی آئے گی اور کسی کی پناہ لیے بغیر وہ بیت اللہ کا طواف

[1] النور 24:55. [2] صحیح مسلم: 2889.

کرے گی اور تم کسریٰ بن ہرمز کے خزانے ضرور فتح کر لو گے۔''

میں نے وضاحت چاہی: کسریٰ (خسرو پرویز) بن ہرمز؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! کسریٰ بن ہرمز! اور مال کی اس قدر فراوانی ہو جائے گی کہ اسے کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا......'' [1]

مختلف انبیاء ''خدا کی بادشاہی'' کی بشارت دیتے رہے:

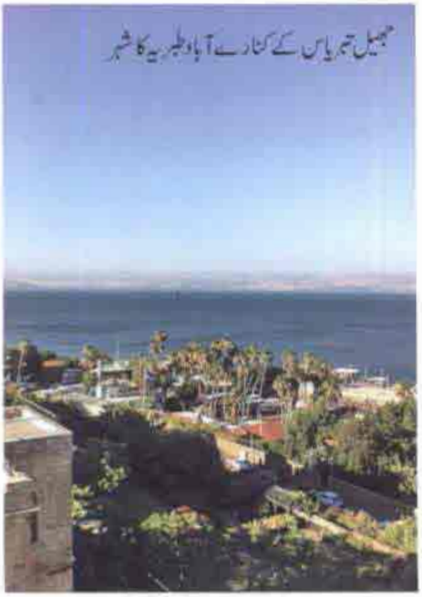
''شریعت اور انبیاء یوحنا تک رہے۔ اُس وقت سے خدا کی بادشاہی کی خوشخبری دی جاتی ہے اور ہر ایک زور مار کر اُس میں داخل ہوتا ہے۔'' [2]

یحییٰ اور عیسیٰ ﷩ کا اعلان

یوحنا نبی نے یہودیہ کے بیابان میں منادی کی:

''توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔'' [3]

یہودیہ (یہوداہ) کا پس منظر یہ ہے کہ جب سلیمان بادشاہ (علیہ السلام) کے عہد کے بعد بنی اسرائیل دو سلطنتوں میں بٹ گئے تو عبرانی قبیلے یہوداہ نے بن یمین کے قبیلے سے مل کر جنوبی سلطنت قائم کی جس کا رومی اور یونانی نام یہودیہ (Judaea) ہے۔ رومی فتوحات (63 ق م) کے بعد یہ نام زیادہ وسیع معنوں میں فلسطین بشمول گلیل اور سامریہ کے لیے استعمال ہونے لگا۔ گلیل یا جلیل (Galilee) کے عبرانی معنی ''حلقہ'' کے ہیں۔ یہ علاقہ فلسطین کے شمال میں اور یردن دریا کے مغرب میں واقع تھا۔ اس پر ہیرودیس انتپاس 4 ق م سے 39ء تک حاکم رہا۔ مسیح (علیہ السلام) کی خدمت (نبوت) کا بیشتر حصہ یہیں گزرا، اس لیے انھیں گلیلی بھی کہا گیا ہے۔ اسی علاقے سے انھوں نے اپنے شاگرد چنے۔ گلیل کی نسبت سے گلیل یا تبریاس کی جھیل مشہور ہے۔ [4] جھیل تبریاس یا طبریہ (Sea of Galilee) کے مغربی کنارے پر طبریہ (Tiberias) نامی شہر آباد ہے۔ [5] یہیں 583ھ/1187ء



جھیل تبریاس کے کنارے آباد طبریہ کا شہر

[1] صحیح البخاري :3595، مسند أحمد :257/4، واللفظ له. [2] کتاب مقدس (لوقا) 16:16. [3] کتاب مقدس (متی) 2:3.
[4] قاموس الکتاب، ص 836،835.
[5] NIV Study bible: Map 2.

میں جنگ حطین (جنگ طبریہ) میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے صلیبیوں کو تاریخی شکست دی جس کے بعد جلد ہی بیت المقدس صلیبیوں سے آزاد کرا لیا گیا۔ ہیرودیس کی یہودیہ کی سلطنت (37 تا 4 ق م) میں تمام فلسطین کا علاقہ اور یردن (دریائے اردن) کے مشرق کے کچھ علاقے بھی شامل تھے۔[1]

یوحنا (یحیٰی علیہ السلام) کی وفات کے بعد بھی یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) آسمان کی بادشاہی کے قریب آنے کا اعلان کرتے رہے:

''اُس وقت سے یسوع نے منادی کرنا اور یہ کہنا شروع کیا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔''[2]

''اور یسوع تمام گلیل میں پھرتا رہا اور اُن کے عبادت خانوں میں تعلیم دیتا اور بادشاہی کی خوشخبری کی منادی کرتا اور لوگوں کی ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دُور کرتا رہا۔''[3]

''تھوڑے عرصہ کے بعد یوں ہوا کہ وہ منادی کرتا اور خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سناتا ہوا شہر شہر اور گاؤں گاؤں پھرنے لگا اور وہ بارہ (حواری) اُس کے ساتھ تھے۔''[4]

''اُس نے اُن سے کہا مجھے اور شہروں میں بھی خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنانا ضرور ہے کیونکہ میں اسی لیے بھیجا گیا ہوں۔''[5]

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا۔ بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔ اور چلتے چلتے یہ منادی کرنا کہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔''[6]

''آسمان کی بادشاہی'' کس کے لیے؟

عیسائی علماء ''خدا کی بادشاہی'' یا ''آسمان کی بادشاہی'' کی مختلف وضاحتیں کرتے ہیں، مثلاً:

1. عیسائیت کا پھیلنا اور نزول مسیح کے بعد اس کا ساری دُنیا میں پھیل جانا۔
2. کنیسہ (کلیسا) کا ملحدین پر غلبہ۔
3. یسوع کے خون کی وجہ سے نجات۔

عیسائی علماء کا یہ کہنا کہ ''آسمان کی بادشاہی'' سے مراد ''عیسائیت کا پھیلنا اور نزول مسیح کے بعد اس کا ساری دنیا میں پھیل جانا'' ہے تو یہ محض ان کا اپنا مفروضہ ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ اپنی اس توجیہ کے حق میں

---

[1] قاموس الکتاب، ص: 1185-1188۔ [2] کتاب مقدس (متی) 17:4۔ [3] کتاب مقدس (متی) 23:4۔ [4] کتاب مقدس (لوقا) 1:8۔
[5] کتاب مقدس (لوقا) 43:4۔ [6] کتاب مقدس (متی) 10:5-7۔

دلیل کے پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ اس طرح کی توجیہات باعثِ تعجب ہیں۔ یورپ میں عرصۂ دراز تک کلیسا کا غلبہ رہا لیکن ''خدا کی بادشاہی'' کا مقصد حاصل نہ ہو سکا۔ کلیسا تو ملحدین پر غلبہ نہیں پا سکا، البتہ ملحدین نے اسے زندگی کے دھارے سے نکال کر دیوار سے ضرور لگا دیا ہے۔

''یسوع کے خون کی وجہ سے'' ان کے پیروکاروں کی نجات ایسی توجیہ ہے کہ یسوع نے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا۔ یسوع کے قریب ترین ساتھی بھی نہیں جانتے تھے کہ ''خدا کی بادشاہی'' سے مراد سولی پر جان دے کر انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا ہے۔ وہ تو مسیح کی مبینہ موت پر اس لیے غمگین تھے کہ اُن کے لیے مخلصی اور نجات کا موقع باقی نہیں رہا۔ [1]

انجیل کی رو سے ''آسمان کی بادشاہی'' سے یسوع کا سولی پر جان دینا مراد نہیں۔ [2] صلیب پر چڑھنے کا واقعہ تو بائبل میں بڑے ذلت آمیز طریقے سے بیان کیا گیا ہے:

> ''مسیح جو ہمارے لیے لعنتی بنا اُس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے کہ جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔'' [3]

اگر ''آسمان کی بادشاہی'' سے مراد سولی پر چڑھنا ہی ہے تو یسوع کو خوشی خوشی یہ کام کرنا چاہیے تھا مگر وہ تو انجیل کے مطابق بادلِ ناخواستہ بھی اس کے لیے تیار نہیں تھے بلکہ اس پر انتہائی مایوس اور غمگین تھے اور اسے ٹالنے کے آرزومند تھے:

> ''اُس وقت اس (یسوع) نے اُن سے کہا: میری جان نہایت غمگین ہے۔ یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے۔ تم یہاں ٹھہرو اور میرے ساتھ جاگتے رہو۔ پھر ذرا آگے بڑھا اور منہ کے بل گر کر یوں دعا کی کہ اے میرے باپ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔'' [4]

انجیل برناباس کے مطابق یہودا اسخریوطی (چاروں انجیلوں کے مطابق ''یسوع مسیح'') کے صلیب پر چڑھائے جانے کی المناک تفصیلات کسی طرح ''آسمانی بادشاہی'' سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ متی (Matthew) نے سولی چڑھانے کے آخری لمحات کی تفصیل یوں رقم کی ہے:

ایلی، ایلی، لما شبقتنی؟

''اور تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی، ایلی، لَما شَبقتَنی؟ یعنی اے میرے

[1] دیکھیے: کتاب مقدس (لوقا) 24:17-21 و 23:48،49۔ [2] دیکھیے: کتاب مقدس (لوقا) 21:6-31۔ [3] کتاب مقدس (گلتیوں کے نام......) 3:13۔ [4] کتاب مقدس (متی) 26:38، 39۔



گلگتا (آرامی زبان میں ''کھوپڑی'') نامی چٹان جس کے پاس عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر چڑھایا گیا

خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟ جو وہاں کھڑے تھے اُن میں سے بعض نے سن کر کہا یہ ایلیاہ کو پکارتا ہے۔ اور فوراً اُن میں سے ایک شخص دوڑا اور سپنج لے کر سرکہ میں ڈبویا اور سرکنڈے پر رکھ کر اُسے چُسایا۔ مگر باقیوں نے کہا ٹھہر جاؤ۔ دیکھیں تو ایلیاہ اُسے بچانے آتا ہے یا نہیں۔ یسوع نے پھر بڑی آواز سے چلا کر جان دے دی۔'' [1]

انجیل کے اس اقتباس سے اندازہ کیجیے کہ یسوع (دراصل یہودا اِسکریوتی) کس قدر بے بسی کی تصویر بنے ہوئے ہیں اور کتنی حسرت سے پکارتے ہیں: ''اے میرے خدا! اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا ہے؟'' اگر یسوع کے بھیجے جانے کا مقصد ہی اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے بنو آدم کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنا تھا تو وہ اتنے مایوس کیوں تھے؟ کسی عظیم مقصد کی خاطر جان دینے والے تو ہنسی خوشی برضا و رغبت جان جان آفریں کے سپرد کر دیتے ہیں اور ان کی حالت یہ ہوتی ہے ؎

[1] کتاب مقدس (متی) 27:46-50.

سب کچھ لٹا کے راہِ صداقت میں اہل دل　　یوں خوش ہیں جیسے دولتِ کونین پا گئے

یہودا اسخریوطی کو طرح طرح کے نام دیے گئے ہیں۔ اس کے نام یہوداہ اسکریوتی، یہودہ اسخریوطی، یہودا اسخریوطی اور Judas Iscariot بتائے گئے ہیں۔ قاموس الکتاب میں لکھا ہے: ''یہوداہ اسکریوتی یسوع مسیح کا شاگرد اور شمعون اسکریوتی کا بیٹا تھا۔ عبرانی میں ایش قریتی (اسکریوتی) کے معنی ہیں ''قریت کا آدمی'' ...... ''قریت'' جنوبی یہوداہ (Judaea) میں ایک مقام تھا۔ بارہ شاگردوں میں سے یہ واحد شاگرد تھا جو گلیلی نہ تھا۔ اس نے تیس روپے (اشرفیاں) لے کر مسیح کو سردار کاہنوں کے حوالے کرا دیا۔ بعد میں جب اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ سردار کاہنوں کے پاس گیا اور اقرار کیا کہ ''میں نے ایک بے قصور شخص کو قتل کے لیے پکڑوایا ہے۔'' انھوں نے پیسے واپس لینے سے انکار کیا تو وہ انھیں مقدِس میں پھینک کر چلا گیا اور جا کر اپنے آپ کو پھانسی دے دی۔''[1] جہاں اناجیل اربعہ یسوع مسیح (علیہ السلام) کو صلیب پر چڑھانے کا قصہ بیان کرتی ہیں، وہاں انجیل برناباس کہتی ہے کہ یسوع کے حواری یہودا نے سونے کے تیس ٹکڑے رشوت لے کر ان کی مخبری کر دی مگر جب رومی گورنر کے حکم پر سپاہی یہودا کے ساتھ اس جگہ کے نزدیک پہنچے جہاں یسوع اور ان کے گیارہ شاگرد سو رہے تھے تو جبریل، میخائیل، رفائیل اور اوریل فرشتے حکم الٰہی سے آئے اور یسوع کو اٹھا کر آسمان پر لے گئے۔ اور جب یہودا کمرے میں داخل ہوا تو وہ بولی (لب ولہجہ) اور چہرے میں بدل کر یسوع کے مشابہ ہو گیا۔ پھر سپاہی اسی کو پکڑ کر اورشلیم (یروشلیم) لے گئے۔ وہ چیختا رہ گیا کہ وہ یہودا اسخریوطی ہے مگر اس کی کسی نے نہیں سُنی۔ آخر کار یہودی فریسیوں اور کاہنوں کے اصرار پر اسے سولی پر چڑھا دیا گیا۔[2] یہ بیان اس قرآنی تصریح کے عین مطابق ہے:

﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ﴾

''اور انھوں نے نہ انھیں (عیسیٰ علیہ السلام کو) قتل کیا اور نہ سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں، سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھا لیا۔''[3]

اناجیل کے برعکس ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں یہوداہ اسکریوتی کے پاکیزہ کردار پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس

[1] قاموس الکتاب، ص: 1186۔ [2] انجیل برناباس، فصل 214 تا 217۔ [3] النسآء 4:157، 158۔

نے ہرگز غداری نہیں کی تھی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حسب خواہش صلیب پر جان دی جبکہ اس کی شکل تبدیل ہوگئی تھی۔ [1]

''خدا کی بادشاہی'' کے اصل مصداق: محمد ﷺ

حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی منادی کے بعد ''خدا کی بادشاہی'' یا ''آسمان کی بادشاہی'' کے متعلق مسیحی علماء کے دعوے جب بے بنیاد ٹھہرتے ہیں تو اس کا ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ''خدا کی بادشاہی'' سے مراد آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی نبوت ہے جبکہ بائبل میں واضح طور پر ذکر ہے کہ ''خدا کی بادشاہی'' بنی اسرائیل سے لے کر ایک اور قوم کو دے دی جائے گی۔'' اس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے کہ وہ دوسری قوم بنی اسماعیل ہے جن میں ان پیش گوئیوں کے بعد پیغمبر آخرالزمان محمد ﷺ کا ظہور ہوا۔

انجیل کی پانچویں پیش گوئی

آخری نبی کی آمد کی بشارت: انجیل متی میں آسمان کی بادشاہی کو ایک تاکستان (انگوروں کے باغ) کے مالک سے تشبیہ دی گئی ہے کہ وہ شام کو طے شدہ مزدوری دینے لگا تو اُس نے سارا دن یا آدھا دن کام کرنے والوں اور آخری ایک گھنٹہ کام کرنے والوں کو برابر مزدوری دینا چاہی تو پہلوں نے اعتراض کیا۔ اس پر مالک نے کہا کہ میں اپنے مال سے جو چاہوں سو کروں۔ یہ مثال دے کر انجیل میں کہا گیا ہے:

''اسی طرح آخر اوّل ہو جائیں گے اور اوّل آخر۔'' [2]

اس مثال میں آسمان کی بادشاہی، یعنی نبوت کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا گیا ہے کہ آخر میں آنے والے نبی کو مرتبے کے لحاظ سے اولیت حاصل ہوگی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«نَحْنُ الْآخِرُونَ السَّابِقُونَ»

''ہم آخر میں آنے والے، سبقت لے جانے والے ہیں۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ کے ایک اور فرمان سے اس کی مزید وضاحت ہوتی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِّنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ،

[1] تفسير ابن أبي حاتم، النسآء 157:4، تفصیل کے لیے دیکھیے: جلد اول، باب: ''عیسیٰ اور عیسائیت'' [2] دیکھیے: کتاب مقدس (متی) 20:1-16۔ [3] صحيح البخاري: 238۔

أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا بِهَا حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَ أَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ»

’’تم سے پہلی اُمتوں کے مقابلے میں تمھارے لیے باقی ماندہ وقت اتنا ہی ہے جتنا نمازِ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی، انھوں نے اس پر عمل شروع کیا۔ جب آدھا دن گزر گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر اہل انجیل کو انجیل ملی، اُنھوں نے نصف النہار سے عصر تک عمل کیا، پھر وہ بھی عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر ہمیں قرآن مجید عطا کیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ ہمیں دو دو قیراط اجرت دی گئی۔ اہلِ تورات و انجیل کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’کیا میں نے تمھیں اُجرت دینے میں کوئی ظلم کیا ہے؟‘‘ وہ کہنے لگے: ’’نہیں!‘‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔‘‘ [1]

انجیل کی چھٹی پیش گوئی

’’اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ ...... پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زورآور ہے۔ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اُس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اُس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔‘‘ [2]

[1] صحيح البخاري: 557. [2] کتاب مقدس (متی) 3:1 - 12.

أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا بِهَا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَ أَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ»

’’تم سے پہلی اُمتوں کے مقابلے میں تمھارے لیے باقی ماندہ وقت اتنا ہی ہے جتنا نمازِ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی، انھوں نے اس پر عمل شروع کیا۔ جب آدھا دن گزر گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر اہل انجیل کو انجیل ملی، اُنھوں نے نصف النہار سے عصر تک عمل کیا، پھر وہ بھی عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر ہمیں قرآن مجید عطا کیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ ہمیں دو دو قیراط اجرت دی گئی۔ اہل تورات و انجیل کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’کیا میں نے تمھیں اُجرت دینے میں کوئی ظلم کیا ہے؟‘‘ وہ کہنے لگے: ’’نہیں!‘‘ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ’’یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔‘‘ [1]

انجیل کی چھٹی پیش گوئی

’’اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ ...... پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زور آور ہے۔ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اُس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اُس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔‘‘ [2]

[1] صحیح البخاري: 557. [2] کتاب مقدس (متی) 3:1 - 12.

أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ، فَعَمِلُوا بِهَا حَتّٰى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا، فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ، فَعَمِلُوا إِلٰى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلٰى غُرُوبِ الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ، فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا! أَعْطَيْتَ هٰؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَ أَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا، قَالَ اللّٰهُ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِّنْ أَجْرِكُمْ مِّنْ شَيْءٍ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ»

''تم سے پہلی اُمتوں کے مقابلے میں تمھارے لیے باقی ماندہ وقت اتنا ہی ہے جتنا نمازِ عصر سے لے کر غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت ہے۔ اہل تورات کو تورات دی گئی، انھوں نے اس پر عمل شروع کیا۔ جب آدھا دن گزر گیا تو وہ عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر اہل انجیل کو انجیل ملی، اُنھوں نے نصف النہار سے عصر تک عمل کیا، پھر وہ بھی عاجز آ گئے۔ اُنھیں ایک ایک قیراط اُجرت دے دی گئی۔ پھر ہمیں قرآن مجید عطا کیا گیا۔ ہم نے غروب آفتاب تک عمل کیا۔ ہمیں دو دو قیراط اجرت دی گئی۔ اہل تورات و انجیل کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار! تو نے ان لوگوں کو دو دو قیراط دیے اور ہمیں ایک ایک قیراط دیا، حالانکہ ہم نے زیادہ کام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''کیا میں نے تمھیں اُجرت دینے میں کوئی ظلم کیا ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''نہیں!'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''یہ میرا فضل ہے، میں جسے چاہتا ہوں عطا کرتا ہوں۔'' [1]

انجیل کی چھٹی پیش گوئی

''اُن دنوں میں یوحنا بپتسمہ دینے والا آیا اور یہودیہ کے بیابان میں یہ منادی کرنے لگا کہ توبہ کرو کیونکہ آسمان کی بادشاہی نزدیک آ گئی ہے۔ ...... پس جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تم کو توبہ کے لیے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن جو میرے بعد آتا ہے وہ مجھ سے زورآور ہے۔ میں اُس کی جوتیاں اُٹھانے کے لائق نہیں۔ وہ تم کو روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا۔ اُس کا چھاج اُس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیہان کو خوب صاف کرے گا اور اپنے گیہوں کو تو کھتے میں جمع کرے گا مگر بھوسی کو اُس آگ میں جلائے گا جو بجھنے کی نہیں۔'' [2]

[1] صحيح البخاري: 557. [2] کتاب مقدس (متی) 3:1 - 12.

یوحنا اصطباغی (John the Baptist) (یحییٰ علیہ السلام) کے باپ زکریاہ (علیہ السلام) کاہنوں کے خاندان سے تھے۔ ان کی ماں ہارون (علیہ السلام) کے خاندان سے تھی۔ وہ اپنے پیروکاروں کو پانی کا جو بپتسمہ (اصطباغ) دیتے تھے، وہ گناہ سے علیحدگی اور صفائی کو ظاہر کرتا تھا۔ انھوں نے یسوع مسیح کی خواہش پر ان کو بھی بپتسمہ دیا۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو دعائیں سکھائیں اور اکثر روزے رکھنے کو کہا۔ یوحنا اصطباغی مسیح (علیہ السلام) کی پیدائش سے چھ ماہ پہلے جنوبی یہودیہ میں پیدا ہوئے۔ 26ء یا 27ء کا واقعہ ہے جب یوحنا نے اپنی خدمت (نبوت) یہودیہ اور یردن (اردن) کی وادی سے شروع کی۔ مسیح یسوع (علیہ السلام) نے اپنی کُھلی خدمت (تبلیغ) یوحنا کے قید میں ڈالے جانے کے بعد شروع کی۔ اناجیل، یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کی موت کا سبب ہیرودیاس (ہیرودیس اعظم کی بدکار پوتی) کی کینہ وری بتاتی ہیں کیونکہ وہ ہیرودیس انتپاس کی غیر منکوحہ بیوی تھی اور یوحنا (علیہ السلام) نے اس کی مذمت کی تھی۔ یوحنا اصطباغی کے قتل کے بعد ان کے شاگردوں نے احترام سے انھیں دفن کیا حتی کہ 20 سال بعد بھی اِفسُس میں ان کے شاگرد پائے جاتے تھے جن میں اپلوس جیسا یہودی عالم بھی شامل تھا۔[1] حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق مزید معلومات اطلس القرآن اردو (ص: 199 تا 203) میں ملاحظہ کیجیے۔

1 **"جو درخت اچھا پھل نہیں لاتا وہ کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے":** انجیل کی تصریح کے مطابق اچھا پھل نہ لانے والا درخت کاٹ دیا جاتا ہے، چنانچہ یہودی اپنی نافرمانیوں اور بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ کے غیظ وغضب کا شکار ہوئے۔ وہ حق کو جھٹلانے کی وجہ سے اللہ کی رحمت و برکت سے محروم ہو گئے تھے، لہٰذا آسمان کی بادشاہی، یعنی نبوت بنواسماعیل کو دے دی گئی۔

2 **"وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کرے گا":** آخری نبی حضرت محمد ﷺ نے عرب کے جاہلی معاشرے کی تربیت اور تزکیہ کر کے اسے دنیا کی امامت کے لیے تیار کر دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝﴾

"وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا۔ وہ اس کی آیات انھیں پڑھ کر سُناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے تو وہ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔"[2]

1 قاموس الکتاب، ص: 1161، 1162. 2 الجمعۃ 62:2.

رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ''گیہوں'' کو ''بھوسے'' سے الگ اور حق کو باطل سے علیحدہ کر کے اس کے غلبے کی بنیاد رکھی، اس کی انسانی معاشروں میں کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ ایسی حقیقت ہے جس کا مشرق و مغرب کے بڑے بڑے اہل علم نے اعتراف کیا ہے۔ ایک ہندو شاعر نبی ﷺ کی شان میں کہتا ہے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے　　　کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

انجیل کی ساتویں پیش گوئی

متی کی انجیل میں ''آسمان کی بادشاہی'' کو چھپے خزانے اور ایک نایاب بیش قیمت موتی ملنے سے تشبیہ دی گئی ہے:

''آسمان کی بادشاہی کھیت میں چھپے خزانہ کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے پا کر چھپا دیا اور خوشی کے مارے جا کر جو کچھ اُس کا تھا بیچ ڈالا اور اُس کھیت کو مول لے لیا۔ پھر آسمان کی بادشاہی اُس سوداگر کی مانند ہے جو عمدہ موتیوں کی تلاش میں تھا۔ جب اُسے ایک بیش قیمت موتی ملا تو اُس نے جا کر جو کچھ اُس کا تھا سب بیچ ڈالا اور اُسے مول لے لیا۔''[1]

1 ''بیش قیمت موتی ملا تو ...... اسے مول لے لیا'': چھپا خزانہ اور نایاب بیش قیمت موتی ملنے سے پہلی شریعتوں کی تنسیخ اور نئی شریعت کے نفاذ کا اشارہ ملتا ہے اور یہ شرف صرف اسلام اور شریعت محمدی ہی کو حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ذریعے سے دین کی تکمیل ہوگئی اور پرانی شریعتوں کی جو باتیں اور حکمتیں اللہ تعالیٰ کو باقی رکھنا تھیں، وہ اس شریعت میں شامل کر دی گئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَیْمِنًا عَلَیْهِ ﴾

''اور (اے نبی!) ہم نے آپ پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل کی، یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے تھی اور اس پر نگہبان ہے۔''[2]

﴿ اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا ہے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند کر لیا۔''[3]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک یہودی نے کہا:

''اے امیر المؤمنین! آپ کی کتاب (قرآن مجید) میں ایک ایسی آیت ہے جسے آپ پڑھتے رہتے ہیں۔

1 کتاب مقدس (متی) 13:44-46. 2 المآئدۃ 5:48. 3 المآئدۃ 5:3.

اگر وہ آیت ہم یہودیوں کی جماعت پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید کا دن بنا لیتے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: "وہ کون سی آیت ہے؟" یہودی نے کہا کہ یہ آیت:

﴿ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم اس دن اور اس مقام کو جانتے ہیں جس میں یہ آیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ یہ آیت جمعے کے دن اُس وقت اتری جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عرفات میں کھڑے تھے۔ [1]

بائبل کی رو سے عیسیٰ علیہ السلام اس پیش گوئی کے مصداق نہیں کیونکہ اُن کی شریعت پہلی شریعتوں کی ناسخ نہیں تھی جیسا کہ یسوع (علیہ السلام) نے فرمایا ہے:

"یہ نہ سمجھو کہ میں توریت یا نبیوں کی کتابوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔" [2]

[1] صحيح البخاري: 45. [2] کتاب مقدس (متی) 17:5.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ

مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ

قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي

قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ

اور (یاد کرو) جب اللہ نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا کہ جب میں تمھیں کتاب اور حکمت عطا کروں، پھر تمھارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تمھیں اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنی ہوگی۔ اللہ نے فرمایا: کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ انھوں نے کہا: ہم نے اقرار کیا۔ اللہ نے فرمایا: تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمھارے ساتھ گواہ ہوں۔"

(آل عمرٰن 3:81)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

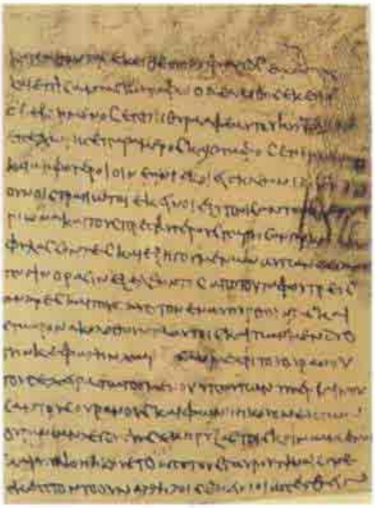
وَيُرْسِلَ يَسُوعَ ٱلْمَسِيحَ ٱلْمُبَشَّرَ بِهِ لَكُمْ قَبْلُ. ٱلَّذِي يَنْبَغِي
أَنَّ ٱلسَّمَاءَ تَقْبَلُهُ إِلَى أَزْمِنَةِ رَدِّ كُلِّ شَيْءٍ ٱلَّتِي تَكَلَّمَ عَنْهَا ٱللهُ
بِفَمِ جَمِيعِ أَنْبِيَائِهِ ٱلْقِدِّيسِينَ مُنْذُ ٱلدَّهْرِ.

''اور وہ اُس مسیح کو جو تمھارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔''

کتاب مقدس (اعمال) 3:20,21

پطرس کی بشارت

عہد نامہ جدید میں مسیحی جماعتوں کے نام پطرس کے دو خطوط شامل ہیں۔ پطرس (Peter) حواری اندریاس کا بھائی اور مسیح (علیہ السلام) کا سب سے مشہور شاگرد تھا۔ اس کا اصل نام شمعون تھا۔ وہ بیت صیدا نزد گلیل کا ماہی گیر تھا۔ اس کے باپ کا نام یوحنا (غالباً ''یوناہ'' کا مخفف) تھا۔ مسیح (علیہ السلام) نے اس کا نام کیفا (بمعنی ''پتھر'') رکھا جبکہ انجیل نویس یوحنا نے آرامی لفظ ''کیفا'' کا ترجمہ یونانی میں ''پطرس'' (Petros) کیا۔ اس سے پہلے پطرس اپنے بھائی اندریاس کی طرح یوحنا اصطباغی کی منادی سُن کر اس کا شاگرد بن گیا تھا۔ 44ء میں جب اگرپا اول نے کلیسیا (مسیحی برادری) کو ستانا شروع کیا تو پطرس قید سے معجزانہ رہائی پا کر بچ گیا۔ اس نے اپنی بیوی کے ساتھ یہودیوں میں منادی (تبلیغ) کرنے کے لیے بہت سفر کیا۔ آخر کار وہ رومہ گیا اور وہیں نیرو کے عہد میں اسے شہید کر دیا گیا۔[1]



کتاب پطرس (عہد نامہ جدید)

پطرس نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''پس توبہ کرو اور رجوع لاؤ تاکہ تمھارے گناہ مٹائے جائیں اور اس طرح خداوند کے حضور سے تازگی کے دن آئیں۔ اور وہ اُس مسیح کو جو تمھارے واسطے مقرر ہوا ہے یعنی یسوع کو بھیجے۔ ضرور ہے کہ وہ آسمان میں اُس وقت تک رہے جب تک کہ وہ سب چیزیں بحال نہ کی جائیں جن کا ذکر خدا نے اپنے پاک نبیوں کی زبانی کیا ہے جو دُنیا کے شروع سے ہوتے آئے ہیں۔ چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمھارے بھائیوں میں سے تمھارے لیے مجھ سا ایک نبی پیدا کرے گا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اُس کی سننا۔ اور یوں ہوگا کہ جو شخص اُس نبی کی نہ سنے گا وہ اُمت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ بلکہ

[1] قاموس الکتاب، ص: 190-193.

سموئیل سے لے کر پچھلوں تک جتنے نبیوں نے کلام کیا اُن سب نے اِن دنوں کی خبر دی ہے۔ تم نبیوں کی اولاد اور اُس عہد کے شریک ہو جو خدا نے تمھارے باپ دادا سے باندھا جب ابرہام سے کہا کہ تیری اولاد سے دنیا کے سب گھرانے برکت پائیں گے۔'' [1]

پطرس کے خطاب سے ماخوذ امور

پطرس کے مندرجہ بالا خطاب میں چند امور کی طرف اشارہ ہے:

(ا) یہ پیش گوئی یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) کے سوا کسی اور نبی کے لیے ہے۔ اُس نبی کے ظہور کے وقت تک عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں قیام پذیر رہیں گے۔

(ب) اس کا تعلق بنی اسرائیل سے نہیں بلکہ اُن کے بھائیوں بنی اسماعیل سے ہوگا۔

(ج) اُس نبی اور موسیٰ علیہ السلام میں بہت سی باتوں میں مشابہت ہوگی۔

یہ ساری باتیں جو تورات کی پہلی پیش گوئی میں گزر چکی ہیں، صرف نبی کریم ﷺ ہی کی ذات بابرکات میں پائی جاتی ہیں۔

(د) ''جو شخص اُس نبی کی نہ سنے گا وہ اُمت میں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی بات فرمائی ہے:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ! لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِّنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَّلَا نَصْرَانِيٌّ، ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ، إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ»

''اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد کی جان ہے! اس اُمت کا کوئی بھی یہودی یا عیسائی فرد میرے بارے میں سنتا ہے، پھر جو کچھ مجھے دے کر مبعوث کیا گیا ہے، اُس پر ایمان لائے بغیر مر جاتا ہے تو وہ جہنمیوں میں سے ہوگا۔'' [2]

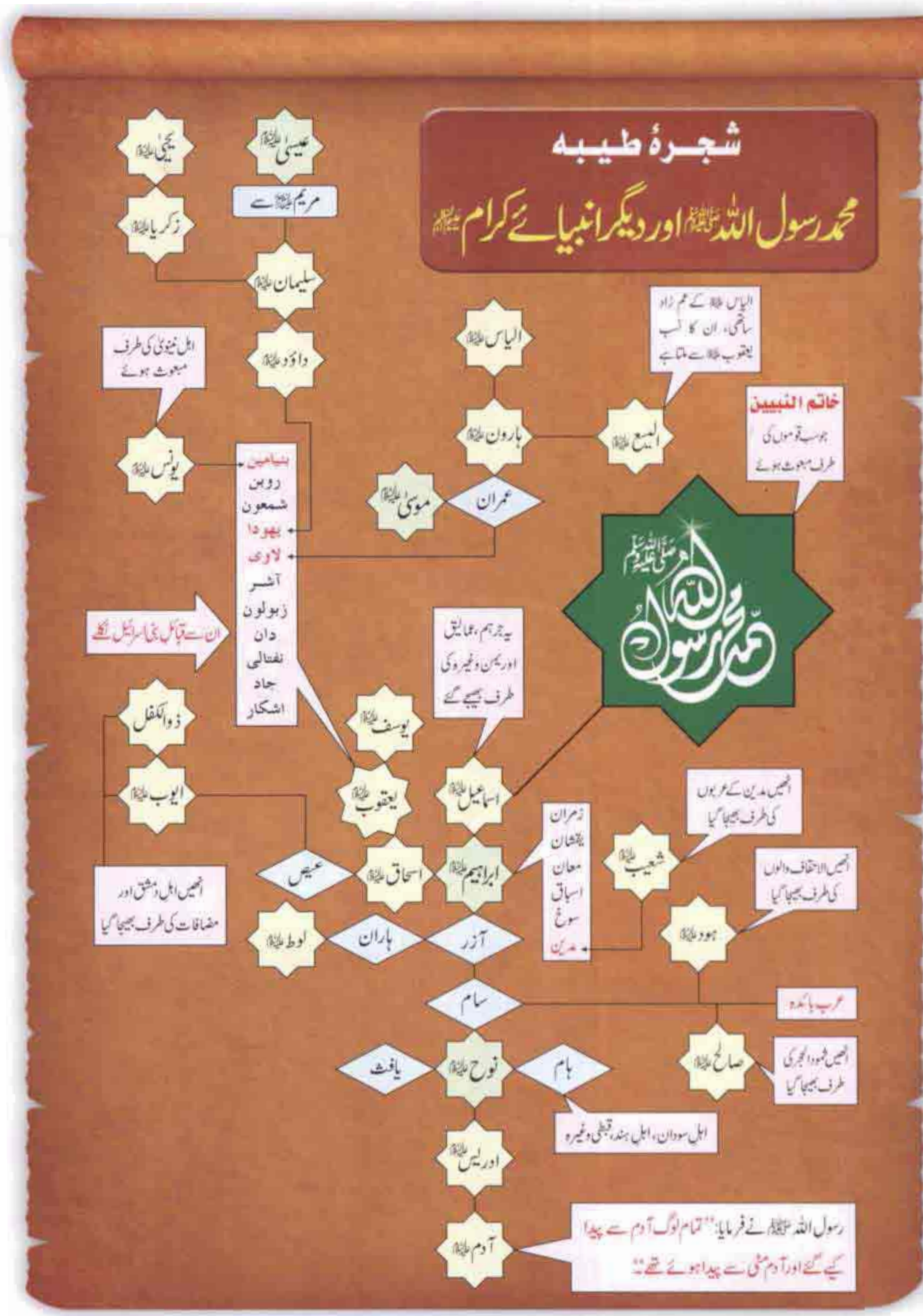
گویا فرمان نبوی یہ ہے کہ جو لوگ اس وقت میرے زمانے میں موجود ہیں یا قیامت تک اس دنیا میں آئیں گے، ان سب کے لیے مجھ پر ایمان لانا اور میری اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا واجب ہے۔ یہود و نصاریٰ کا بطور خاص اس لیے ذکر کیا کہ وہ اہل کتاب ہیں۔ اگر ان کے لیے ایمان لانا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرماں برداری اختیار کرنا واجب ہے تو دوسروں کے لیے یہ بالاولیٰ واجب ہوگا اور جو شخص ایسا نہیں کرے گا، وہ

[1] کتاب مقدس (اعمال) 3:19-25. [2] صحیح مسلم: 153.

بلاشبہ جہنم رسید ہوگا۔

(۶) اس پیش گوئی کے مطابق سموئیل (شمویل علیہ السلام) سے لے کر پچھلوں تک تمام نبیوں نے آنے والے نبی کی خبر دی تھی۔

اس پیش گوئی کے مصداق نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جن کی آمد کی پیش گوئی حضرت موسیٰ، حضرت شمویل، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے کی تھی۔



شجرۂ طیبہ
محمد رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام
یحییٰ علیہ السلام
عیسیٰ علیہ السلام
مریم علیہا السلام سے
زکریا علیہ السلام
سلیمان علیہ السلام
داؤد علیہ السلام
اہل نینویٰ کی طرف مبعوث ہوئے
یونس علیہ السلام
بنیامین
روبن
شمعون
یہودا
لاوی
آشر
زبولون
دان
نفتالی
جاد
اشکار
ان سے قبائل بنی اسرائیل نکلے
الیاس علیہ السلام
الیاس علیہ السلام کے عم زاد ساتھی، ان کا نسب یعقوب علیہ السلام سے ملتا ہے
ہارون علیہ السلام
الیسع علیہ السلام
خاتم النبیین
جو سب قوموں کی طرف مبعوث ہوئے
موسیٰ علیہ السلام
عمران
محمد رسول اللہ ﷺ
یہ جرہم، عمالیق اور یمن وغیرہ کی طرف بھیجے گئے
ذوالکفل
یوسف علیہ السلام
ایوب علیہ السلام
یعقوب علیہ السلام
اسماعیل علیہ السلام
زمران
یقشان
معان
اسباق
سوخ
مدین
انھیں مدین کے عربوں کی طرف بھیجا گیا
شعیب علیہ السلام
انھیں الاحقاف والوں کی طرف بھیجا گیا
ہود علیہ السلام
عیص
اسحاق علیہ السلام
ابراہیم علیہ السلام
انھیں اہل دمشق اور مضافات کی طرف بھیجا گیا
لوط علیہ السلام
ہاران
آزر
سام
عرب بائدہ
صالح علیہ السلام
انھیں ثمود الحجر کی طرف بھیجا گیا
یافث
نوح علیہ السلام
حام
اہل سودان، اہل ہند، قبطی وغیرہ
ادریس علیہ السلام
آدم علیہ السلام
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تمام لوگ آدم سے پیدا کیے گئے اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔“

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت و صداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

''پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تب بھی وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ ان کے مابین کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔''

(المآئدة 5:42)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

ثُمَّ رَأَيْتُ السَّمَاءَ مَفْتُوحَةً وَإِذَا فَرَسٌ
أَبْيَضُ وَالْجَالِسُ عَلَيْهِ يُدْعَى أَمِينًا
وَصَادِقًا وَبِالْعَدْلِ يَحْكُمُ وَيُحَارِبُ

''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے اور وہ راستی کے ساتھ انصاف کرتا ہے۔''

کتاب مقدس (مکاشفہ یوحنا) 11:19

مکاشفہ یوحنا کی بشارات

یوحنا کی پہلی پیش گوئی

عہد نامہ جدید کی آخری کتاب میں لکھا ہے کہ یوحنا عارف نے بتایا:

''پھر میں نے آسمان کو کھلا ہوا دیکھا اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سفید گھوڑا ہے اور اُس پر ایک سوار ہے جو سچا اور برحق کہلاتا ہے اور وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔ اور اُس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں اور اُس کے سر پر بہت سے تاج ہیں اور اُس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اُس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور وہ خون کی چھڑکی ہوئی پوشاک پہنے ہوئے ہے اور اُس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔ اور آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے ہوئے اُس کے پیچھے پیچھے ہیں۔ اور قوموں کے مارنے کے لیے اُس کے منہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے اور وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا۔''[1]



کتاب یوحنا (عہد نامہ جدید)

بائبل کے شارحین کا خیال ہے کہ یوحنا عارف کا متذکرہ بالا مکاشفہ یسوع علیہ السلام کے لیے ہے۔ لیکن یسوع علیہ السلام اس کی ایک شق پر بھی پورے نہیں اُترتے۔ یہ خواب یقیناً کئی وجوہ کی بنا پر پیغمبر آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے بارے میں ہے۔

1 ''جو سچا اور برحق کہلاتا ہے'': رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے پہلے بھی صادق و امین کے لقب سے معروف تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ القاب آپ کے لیے مستعمل رہے۔

2 ''وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے'': نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انصاف اتنا دوٹوک، بے لاگ، معروف اور

[1] کتاب مقدس (یوحنا عارف کا مکاشفہ) 19:11-15.

مسلمہ تھا کہ مسلمانوں کے بدترین دشمن یہودی بھی اپنے فیصلے رسول اللہ ﷺ سے کرایا کرتے تھے۔ سچائی اور عدل آپ ﷺ کی شخصیت کی پہچان تھی۔ آپ نے انھی اوصاف کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ فَإِنْ جَآءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ﴾

''پھر اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (کو اختیار ہے کہ) ان کے مابین فیصلہ کر دیں یا ان سے اعراض کریں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں گے تب بھی وہ آپ کو قطعاً کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ اور اگر آپ ان کے مابین کوئی فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ کریں۔'' [1]

مزید فرمایا:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ﴾

''بے شک اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کر دو۔ اور جب تم لوگوں کے مابین فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔'' [2]

دشمنوں سے برتاؤ کی اسلامی اقدار

نبی کریم ﷺ کے جہادی معرکوں میں بھی رحم و کرم اور انتہائی عدل کی شان ہوتی تھی۔ سیدنا شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَ إِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ......»

''بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر شے پر احسان لکھ دیا ہے۔ جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب تم ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح کرو۔'' [3]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوے میں رسول اللہ ﷺ نے کسی عورت کی لاش دیکھی تو آپ ﷺ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ [4]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر یا سَرِیّے کا امیر بناتے تو اسے بالخصوص اپنی ذات کے بارے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے اور اپنے ساتھیوں کے بارے میں بھلائی اور خیر خواہی کی

[1] المآئدة 5:42. [2] النسآء 4:58. [3] صحيح مسلم: 1955. [4] صحيح البخاري: 3014، 3015.

وصیت کرتے، پھر فرماتے:

«اُغْزُوا بِاسْمِ اللّٰهِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ، اُغْزُوا فَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا ......»

''اللہ کے نام سے اللہ کی راہ میں نکلو۔ ان سے لڑو جنھوں نے اللہ کا انکار کیا۔ جہاد کرو، (مالِ غنیمت میں) خیانت نہ کرو، دھوکہ نہ دو، لاشوں کا مثلہ نہ کرو اور کسی بچے کو قتل مت کرو......۔'' [1]

نبیِ کریم ﷺ معاہدوں کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی معاہدے پورے کرنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! معاہدے پورے کیا کرو۔'' [2]

اسی طرح مسلمانوں کو معاہدۂ امن کی پابندی کا بھی حکم دیا گیا:

﴿ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ﴾

''پس جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی ان کے ساتھ سیدھے رہو۔'' [3]

مسلمانوں کو دشمنوں کے معاملے میں بھی یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ان سے جتنی تکلیف پہنچی ہو، اس سے زیادہ بدلہ لینے کی اجازت نہیں:

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۭ وَلَىِٕنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝ ﴾

''اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی ہو اور اگر تم صبر کرو تو وہ صابرین کے لیے بہت بہتر ہے۔'' [4]

عین لڑائی کی حالت میں بھی اس سے بڑھ کر راستبازی کی راہ اور کیا ہو سکتی ہے؟

3 ''اور اُس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں'': نبیِ کریم ﷺ کی آنکھوں میں سرخی تھی اور یہ سرخی ہمیشہ برقرار رہتی تھی۔ [5] اس کی تائید ابن اسحاق کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ شام کے شہر بُصریٰ پہنچ کر مقامی بازار میں واقع ایک راہب کے گرجے کے پاس درخت کے سائے میں تشریف فرما ہوئے۔ اس راہب کا نام نسطورا یا بعض روایات کے مطابق نسطور تھا۔ نسطورا کی سیدہ خدیجہ کے غلام میسرہ سے پہلے ہی جان پہچان تھی۔

[1] صحیح مسلم: 1731. [2] المآئدۃ 5:1. [3] التوبۃ 9:7. [4] النحل 16:126. [5] مسند أحمد: 1/89.

یہ راہب محمد ﷺ کو دیکھ کر چونک پڑا۔ اُس نے پوچھا: ''میسرہ! اس درخت کے نیچے جو صاحب تشریف فرما ہیں، وہ کون ہیں؟'' میسرہ نے جواب دیا: ''یہ صاحب قریش کے ایک فرد اور اہل حرم سے ہیں۔''

نسطورا کہنے لگا: ''اس درخت کے نیچے تو نبی کے سوا کبھی کوئی فرد نہیں ٹھہرا۔'' پھر پوچھنے لگا: ''کیا ان کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہیں؟'' میسرہ بولا: ''جی ہاں! سرخ ڈورے تو ان کی آنکھوں میں ہر وقت جلوہ نما رہتے ہیں۔'' نسطورا کہنے لگا: ''یہ وہی ہیں، یہ اس امت کے آخری نبی ہوں گے۔'' [1]

4 ''اُس کے سر پر بہت سے تاج ہیں'': نبی کریم ﷺ کے پیروکاروں نے قیصر روم، کسرائے فارس اور دوسرے بہت سے بادشاہوں کو شکست دی۔ اُن کے تاج اور خزانے مسلمانوں کے قبضے میں آئے۔ دوسرے مجازی معنوں میں لیں تو نبی کریم ﷺ کے سر پر نبوت، عدالت اور حکومت کے کئی تاج جگمگا رہے تھے۔

قیصر روم کا مطلب ہے روم کا بادشاہ۔ قیصر دراصل سلطنتِ روم کے بادشاہوں کا لقب ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کے ہم عصر قیصر کا نام ہرقل (Hercules) تھا۔ تاریخ میں یہ ہرقل اول (610ء-641ء) کہلایا۔ اس کا تعلق یونانی خاندان سے تھا، چنانچہ اس سے قسطنطنیہ (استنبول) میں یونانی بادشاہت کا دور شروع ہوا جسے عموماً بازنطینی سلطنت کہا جاتا ہے۔ [2]

5 ''آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار...... اُس کے پیچھے پیچھے ہیں'': جنگِ بدر اور دوسری کئی جنگوں میں نبیِ کریم ﷺ کی نصرت کے لیے آسمان سے فرشتے اُترتے رہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۝﴾

''(یاد کرو) جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمھاری فریاد قبول کر لی (اور کہا) کہ بے شک میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ایک ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد کروں گا۔'' [3]

علی بن ابی طلحہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنوں کی ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ مدد فرمائی جن میں سے پانچ سو فرشتوں کی قیادت حضرت جبریل علیہ السلام کر رہے تھے اور پانچ سو کی قیادت حضرت میکائیل علیہ السلام کے پاس تھی۔ [4]

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک روایت میں ہے کہ ایک مسلمان ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس

---

[1] السيرة لابن إسحاق :129,128/1، دلائل النبوة لأبي نعيم :173/1. [2] فتح الباري :46/1، تاج العروس، مادة : قصر، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم:174,173/2. [3] الأنفال 9:8. [4] تفسير الطبري:259/9.



میدان بدر

نے فضا میں اپنے اوپر کوڑے کی ضرب اور ایک شہسوار کی آواز سنی، وہ اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا: حَيْزُوم آگے بڑھو، پھر اچانک اس نے دیکھا کہ وہ مشرک چاروں شانے چت ہوکر گر پڑا، اس کی ناک اور اس کا چہرہ زخموں سے اس طرح چور چور تھا جیسے اس پر کوڑے برسائے گئے ہوں حتی کہ اس کے سارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ اس انصاری مسلمان نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سُنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«صَدَقْتَ، ذٰلِكَ مِنْ مَّدَدِ السَّمَاءِ الثَّالِثَةِ»

''تم سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان سے مدد تھی۔'' [1]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ۝ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ۝﴾

[1] صحیح مسلم: 1763.

''(اے نبی!) جب آپ مومنوں سے کہہ رہے تھے: کیا تمھارے لیے کافی نہ ہوگا کہ تمھارا رب (آسمان سے) تین ہزار فرشتے اتار کر تمھاری مدد کرے؟ ہاں! اگر تم ثابت قدم رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور دشمن تم پر آ دھمکے تو اسی لمحے تمھارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد فرمائے گا جو اپنے خاص نشان لگائے ہوئے ہوں گے۔'' [1]

یوحنا کی دوسری پیش گوئی

یوحنا عارف نے اپنے مکاشفے میں بتایا:

''جو غالب آئے اور جو میرے کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے میں اُسے قوموں پر اختیار دوں گا۔ اور وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا۔'' [2]

1 ''وہ لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا'': بائبل کے شارحین اس پیش گوئی کا مصداق عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیتے ہیں لیکن یہ بات محل نظر ہے۔ اس پیش گوئی میں ہے کہ وہ غالب آ کر لوہے کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بائبل میں مذکور ہے:

''یسوع نے جواب دیا کہ میری بادشاہی اس دنیا کی نہیں۔ اگر میری بادشاہی دنیا کی ہوتی تو میرے خادم لڑتے تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا۔ مگر اب میری بادشاہی یہاں کی نہیں۔'' [3]

بلکہ یسوع تو اس سے بھاگتے پھرتے تھے:

''پس یسوع یہ معلوم کر کے کہ وہ آ کر مجھے بادشاہ بنانے کے لیے پکڑا چاہتے ہیں پھر پہاڑ پر اکیلا چلا گیا۔'' [4]

جبکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں فرمایا:

﴿ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ۝ ﴾

''اور (تاکہ) اللہ آپ کی مدد کرے، زبردست مدد۔'' [5]

نبی کریم ﷺ کو نبوت کے ساتھ ساتھ حکومت بھی عطا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ ﴾

[1] آل عمرٰن 3:124،125. [2] کتاب مقدس (مکاشفہ) 2:26، 27. [3] کتاب مقدس (یوحنا) 18:36. [4] کتاب مقدس (یوحنا) 6:15.
[5] الفتح 48:3.

”چنانچہ (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! وہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلے پر ان کے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے پائے اور وہ اسے دل وجان سے مان لیں۔“ [1]



رسول اللہ ﷺ کی حکومت نہایت مضبوط بنیادوں پر استوار تھی اور آپ کے دور میں جزیرہ نمائے عرب کے دس لاکھ مربع میل پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی۔ یوں مکاشفہ یوحنا کی یہ پیش گوئی آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی بعثت کے بارے میں ہے۔

یوحنا کی تیسری پیش گوئی

یوحنا عارف نے اپنے مکاشفے میں بتایا:

[1] النسآء 65:4.

''پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ بّرہ صِیُّون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اُس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں جن کے ماتھے پر اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے۔ اور مجھے آسمان پر سے ایک ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی اور جو آواز میں نے سنی وہ ایسی تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں۔ وہ تخت کے سامنے اور چاروں جانداروں اور بزرگوں کے آگے گویا ایک نیا گیت گا رہے تھے اور اُن ایک لاکھ چوالیس ہزار شخصوں کے سوا جو دنیا میں سے خرید لیے گئے تھے کوئی اُس گیت کو نہ سیکھ سکا۔ یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں۔ یہ وہ ہیں جو بّرہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے۔ یہ خدا اور بّرہ کے لیے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں۔ اور اُن کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں۔'' [1]

1 ''وہ بّرہ صِیُّون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اُس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار شخص ہیں'': بائبل کے شارحین کہتے ہیں کہ یہ پیش گوئی عیسیٰ علیہ السلام کے لیے ہے اور بّرہ سے مراد یسوع (عیسیٰ علیہ السلام) ہیں۔ [2] لیکن اگر اس پیش گوئی کا جائزہ لیا جائے تو یسوع اس کی ایک بات پر بھی پورے نہیں اُترتے۔

مکاشفات کی اصطلاح میں بّرہ سے مراد وہ برگزیدہ ہستی ہے جو رب کے بعد سب سے برتر ہو۔ بائبل کے شارحین کے نزدیک صِیُّون (صِہیَون) سے مقدس پہاڑ یا مقام مراد ہوتا ہے۔ اس بشارت سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر صحابہ کی کثیر تعداد کی طرف اشارہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ سے زائد جاں نثار صحابہ موجود تھے جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو متبعین کی اتنی کثیر تعداد میسر نہ تھی، لہٰذا اس پیش گوئی سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہو سکتے، اس کا مصداق نبیِ آخر الزماں ہی ہیں جن کے کوہ فاران (مکہ مکرمہ) سے جلوہ گر ہونے کی خبر تورات کی کتاب استثناء (2,1:33) میں دی گئی تھی مگر تحریف کرنے والوں نے فاران کی جائے وقوع فلسطین میں جا پہنچائی اور یوحنا عارف کے مکاشفے میں کوہ فاران کے بجائے صِہیَون کا پہاڑ بنا دیا گیا۔

یاد رہے فاران مکہ مکرمہ ہی کے ایک پہاڑ کا نام ہے (جیسا کہ صحیفۂ حبقوق کی بشارت کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے) اور فتح مکہ کے دن دس ہزار قدسی صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھے۔

2 ''جن کے ماتھے پر اُس کا اور اُس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے'': بائبل کی اصطلاح میں باپ سے مراد رب ہوتا

[1] کتاب مقدس (مکاشفہ) 14:1-5.

[2] Life Application Study Bible, P: 2058

ہے جیسا کہ بائبل کی عبارت ہے:

''مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے۔'' [1]

''پس تم اس طرح دعا کیا کرو کہ اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک مانا جائے۔ تیری بادشاہی آئے۔'' [2]

ماتھے پر اُس کا اور باپ کا نام ہونے سے مراد اللہ اور رسول کی فرمانبرداری ہے جو اُن کے چہروں سے جھلک رہی ہوگی۔ اسی انداز میں ان کی صفات قرآن مجید میں بھی بیان کی گئی ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ۚ ذَٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ ﴾

''ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ مثال تورات میں ہے۔'' [3]

3 ''ایک ایسی آواز سنائی دی جو زور کے پانی اور بڑی گرج کی سی آواز تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں...... گویا ایک نیا گیت گا رہے تھے'': اس سے تلبیہ اور تکبیر و تہلیل مراد ہے جسے بربط نواز کے بربط بجانے سے تشبیہ دی گئی

[1] کتاب مقدس (متی) 9:5۔ [2] کتاب مقدس (متی) 10,9:6۔ [3] الفتح 29:48۔



میدان عرفات میں حجاج تلبیہ پڑھتے ہوئے

ہے۔ بنی اسرائیل بربط اور باجے کے ساتھ دعائیں پڑھا کرتے ہیں۔ اس پیش گوئی میں بیان کردہ لوگ بربط کے ساتھ دعائیں نہیں پڑھتے بلکہ اُن کی آوازوں کا حسن ہی ان میں بربط جیسی دلکشی پیدا کر دیتا ہے۔

حج کے موقع پر کہے جانے والے تلبیہ کے مسنون الفاظ یہ ہیں:

«لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ»

"میں بار بار حاضر ہوں اے اللہ! میں بار بار حاضر ہوں، میں بار بار حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں بار بار حاضر ہوں، بلاشبہ ہر طرح کی حمد و ثنا تیرے ہی لائق ہے اور سب نعمتیں تیری طرف سے ہیں اور بادشاہت تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔" [1]

4 **"اُن ایک لاکھ چوالیس ہزار شخصوں کے سوا جو دنیا میں سے خرید لیے گئے تھے کوئی اُس گیت کو نہ سیکھ سکا":** حجۃ الوداع کے موقع پر تاریخی روایات کے مطابق ایک لاکھ سے زائد افراد تھے۔ یہ سب لوگ تسبیح وتہلیل اور تلبیہ پڑھتے ہوئے فریضۂ حج ادا کر رہے تھے۔

یہ بات ہمیشہ یاد رہنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کی جانیں جنت کے عوض خرید چکا ہے۔ یہ سودا دوامی ہے جو ہمیشہ کے لیے انجام پا چکا ہے۔ مومنوں کی جانیں خریدنے کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ ﴾

"بے شک اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے اموال خرید لیے ہیں، اس کے بدلے کہ یقیناً ان کے لیے جنت ہے۔ وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں۔ پس وہ قتل کرتے ہیں اور قتل کیے جاتے ہیں۔ یہ تورات، انجیل اور قرآن میں اس کے ذمے پکا وعدہ ہے اور اللہ سے زیادہ اپنا وعدہ پورا کرنے والا کون ہے؟" [2]

تحریف کے باوجود تورات میں بھی اس مضمون کی بہت سی آیات ابھی تک موجود ہیں، مثلاً:

"سن اے اسرائیل خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔ تو اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے خداوند اپنے خدا سے محبت رکھ۔" [3]

1 صحيح البخاري: 1549 - صحيح مسلم: 1218. 2 التوبة 9:111. 3 کتاب مقدس (استثنا) 6:4، 5.

''اور خداوند تیرا خدا تیرے اور تیری اولاد کے دل کا ختنہ کرے گا تا کہ تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان سے محبت رکھے۔'' [1]

اور انجیل میں بھی ہے:

''اور جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا۔'' [2]

5 ''یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں'': عورتوں کے ساتھ آلودہ نہ ہونے سے مراد اُن کا پاک دامن ہونا ہے۔ قرآن مجید نے بھی کامیاب مومنین کے متعلق یہی گواہی دی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ ﴾

''اور (کامیاب مومن) وہی ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔'' [3]

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عفت و پاکدامنی اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ ﴾

''مومن مردوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں، اللہ ان سے خبردار ہے۔'' [4]

انجیل کی مذکورہ عبارت میں ''کنوارے ہیں'' بعد کی تحریف ہے جو پادریوں اور ننوں کے ''کنوارے'' رہنے کے عقیدے کی تائید کے لیے کی گئی ہے اور اس کی کوئی دلیل نہیں دی گئی۔

6 ''یہ وہ ہیں جو بّرہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ جہاں کہیں وہ جاتا ہے'': یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی ہے جو قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ ﴾

''وہ جو اس رسول کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں جو امی نبی ہے، جسے وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' [5]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اتباع رسول کے واقعات سے سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور غیروں نے بھی اس کی

[1] کتاب مقدس (استثنا) 6:30. [2] کتاب مقدس (متی) 29:19. [3] المؤمنون 5:23. [4] النور 30:24. [5] الأعراف 157:7.

گواہی دی ہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر انھوں نے اتباع رسول کے جس جذبے کا مظاہرہ کیا، اس کی تاریخِ عالم میں مثال نہیں ملتی اور اللہ تعالیٰ کی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی جائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾

''آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

7 ''یہ خدا اور برّہ کے لیے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں'': قرآن مجید مومنین کی یہ صفت ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾

''اور مہاجرین اور انصار میں سے (قبولِ اسلام میں) سبقت کرنے والے اور وہ لوگ جنھوں نے احسان کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے۔''[2]

قرآن کریم میں ایک اور مقام پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا تذکرہ اس طرح کیا گیا ہے:

﴿لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾

''(اے نبی!) آپ (ایسی) کوئی قوم نہیں پائیں گے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہو، کہ وہ دوستی رکھے اُن سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہوں، اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کا کنبہ قبیلہ ہوں۔ یہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی طرف سے ایک خصوصی فیضان سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انھیں ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں، جان لو! بے شک (جو) اللہ کا گروہ ہے، وہی فلاح پانے والا ہے۔''[3]

[1] آل عمرٰن 31:3. [2] التوبة 100:9. [3] المجادلة 22:58.

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اصحابِ محمد کی صفات ان الفاظ میں بیان کی ہیں:

أُولٰئِكَ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ، كَانُوا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ: أَبَرَّهَا قُلُوبًا، وَأَعْمَقَهَا عِلْمًا، وَ أَقَلَّهَا تَكَلُّفًا، اِخْتَارَهُمُ اللّٰهُ لِصُحْبَةِ نَبِيِّهِ وَ لِإِقَامَةِ دِينِهِ.

''اصحابِ محمد (ﷺ) اس اُمت کے سب سے افضل لوگ ہیں۔ دلوں کے اعتبار سے سب سے پاکیزہ، علم میں سب سے زیادہ گہرائی والے اور سب سے کم تکلفات میں پڑنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کی صحبت اور اقامتِ دین کے لیے چن لیا ہے۔'' [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی سادگی، پاکیزگی، بے غرضی اور دنیاوی تکلفات اور تعیشات سے بے رغبتی کا بے مثال نمونہ تھی۔

8 ''اُن کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔ وہ بے عیب ہیں'': قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی سچائی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

﴿أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝﴾

''یہی لوگ سچے ہیں۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان کو سچے لوگوں ہی کی رفاقت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝﴾

''اے اہل ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور راست بازوں کے ساتھ رہو۔'' [3]

یعنی سچ بولو اور سچ کو اختیار کرو تاکہ تم بھی اہل صدق میں سے ہو جاؤ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ ، فَإِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ وَ إِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَ يَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ صِدِّيقًا، وَ إِيَّاكُمْ وَالْكَذِبَ، فَإِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِي إِلَى الْفُجُورِ، وَ إِنَّ الْفُجُورَ يَهْدِي إِلَى النَّارِ، وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَ يَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا»

1 جامع الأصول: 199/1. 2 الحجرٰت 15:49، الحشر 8:59. 3 التوبة 119:9.

”سچ کو اختیار کرو، بے شک سچ نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے اور آدمی ہمیشہ سچ بولتا اور سچ تلاش کرتا رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ عالی میں بہت سچا انسان لکھا جاتا ہے اور جھوٹ سے بچو کیونکہ جھوٹ بدی کی راہ دکھاتا ہے اور بے شک بدی جہنم کی راہ دکھاتی ہے اور آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا اور جھوٹ کی تلاش میں رہتا ہے حتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا جھوٹا شخص لکھ دیا جاتا ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے اس طرح کے ارشادات پر عمل پیرا ہو کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ سچ اختیار کیا۔ وہ بڑے سچے اور راستباز لوگ تھے۔ ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہ نکلا تھا۔

تاریخ اسلام صحابہ کی راست بازی اور تقویٰ کی مثالوں سے بھری پڑی ہے اور اُمت کا صحابہ کے عادل اور سچے ہونے پر اجماع ہے۔[2]

[1] صحيح البخاري: 6094، صحيح مسلم: (105)-2607، مسند أحمد: 384/1، واللفظ له. [2] الاستيعاب، ص: 46، تدريب الراوي: 190/2، الإصابة: 162/1.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالی نے فرمایا:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ

عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ

مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا

بَل رَّفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا

"اور (ان پر لعنت کی گئی) ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا، حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ بڑا زبردست، بہت حکمت والا ہے۔"

(النسآء 4: 157، 158)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

وعليه فاني على يقين من أن من يبيعني يقتل باسمي، لان الله سيصعدني من الارض وسيغير منظر الخائن حتى يظنه كل أحد اياي، ومع ذلك فانه لما يموت شر ميتة أمكث في ذلك العار زمنا طويلا في العالم، ولكن متى جاء محمد رسول الله المقدس تزال عني هذه الوصمة.

''جس پر مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہ میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اٹھا لے گا، اور اُس غدّار کی شکل بدل دے گا کہ ہر کوئی اُسے سمجھے گا کہ میں ہوں؛ پھر بھی، جب وہ بری موت مرے گا تو میں دنیا میں لمبی مدت تک اسی ذلت میں رہوں گا۔ پر جب محمد، خدا کا مقدس رسول، آئے گا تو یہ بدنامی دور ہو جائے گی۔''

(برناباس کی انجیل: 112)

نبی آخرالزماں ﷺ کا ذکر مبارک انجیل برناباس میں

اناجیل اربعہ اور انجیل برناباس

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں گواہی دیتا ہے کہ وہ صاحبِ کتاب پیغمبر تھے مگر عیسائیوں کی اپنی روایات حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا ان کے حواریوں کے پاس کسی الگ کتاب کا کوئی ذکر نہیں کرتیں۔ کولیئرز انسائیکلوپیڈیا (Collier's Encyclopedia) کے مطابق ''یہودی نوشتے ہی ابتدائی کلیسا کی بائبل بن گئے۔''[1] تاہم بعض محققین کہتے ہیں کہ اناجیل اربعہ سے پہلے کچھ اناجیل اور دستاویزات موجود تھیں جو ضائع ہوگئیں۔[2] اور یہ بات ناممکن نہیں کہ ان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ملنے والی اصل انجیل بھی موجود ہو۔ انجیل برناباس انھی ''ضائع شدہ اناجیل'' میں شمار ہوتی ہے۔



اقوال مسیح (Logia) کا قدیم نسخہ

30 عیسوی کے لگ بھگ مسیح علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد گزرنے والے ابتدائی برسوں میں ان کی زندگی اور تعلیمات کا کوئی تحریری ریکارڈ تیار نہیں کیا گیا تھا کیونکہ ان کے پیروکاران کی آسمان سے آمد ثانی کے منتظر رہتے تھے، جب آمدِ ثانی سے مایوسی ہوتی گئی تو لوگوں نے اپنے طور پر فرموداتِ مسیح کے کچھ مجموعے مرتب کر لیے جنھیں اقوال (Logia) کہا جاتا تھا، پھر انھی زبانی روایات اور مجموعاتِ کلام کو سامنے رکھ کر انجیل نگاروں نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق اناجیل لکھیں جن میں مرقس کی انجیل اولین تھی (گو عہد نامہ جدید میں شامل پولس کے خطوط پہلے لکھے جا چکے تھے) اور یہ انجیل بھی 65ء سے پہلے نہیں لکھی گئی۔ اس انجیل کے کم از کم آخری حصے کا محرف ہونا ثابت ہو چکا ہے۔ اسی طرح انجیل متی حواری متی کی تالیف نہیں بلکہ

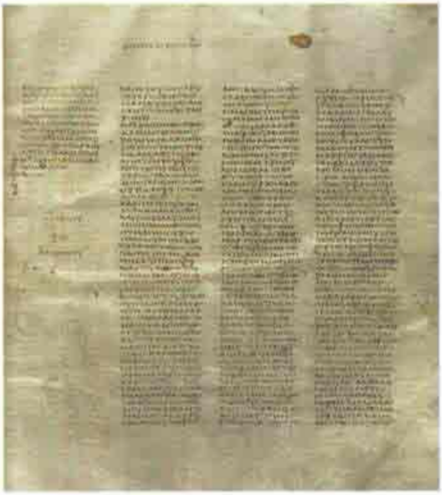
[1] Collier's Encyclopedia: 3/395. [2] Irene Allen, The Early Church and the new Testament, London 1951, pp: 133,134. H.A. Guy, A Cirtical Introduction to the Gospels, London 1973, P: 54.

کولیئرز انسائیکلو پیڈیا کے مطابق ''اس میں زیادہ سے زیادہ متی سے منسوب ومروی فرموداتِ مسیح کے لیے کسی غیر مستند مجموعے کو استعمال کیا گیا ہے اور مختلف ذرائع سے اکٹھی ہونے والی یہ انجیل 85ء سے پہلے مرتب نہیں ہوئی تھی۔'' [1]

یہی 75ء سے 85ء تک مرتب ہونے والی انجیل لوقا کا معاملہ ہے۔ کم از کم سات مختلف افراد ہیں جن پر لوقا صاحبِ انجیل ہونے کا لیبل چسپاں کیا گیا ہے۔ چوتھی انجیل یوحنا ہے۔ اس کا معاملہ یہ ہے کہ انیسویں صدی اور بعد کے غیر جانبدار نقادوں نے اس کے یوحنا کی تصنیف ہونے سے انکار کیا ہے۔ اس میں یونانی افکار کی بھرمار ہے اور یہ باقی تمام اناجیل سے بہت نمایاں اختلافات اور تضادات رکھتی ہے۔ [2]

رومی عقائد پر مبنی عیسائیت میں انجیل برناباس پر پابندی

پہلا رومی حکمران جس نے عیسائیت قبول کی، وہ قسطنطین اعظم تھا۔ اس کے زیر اہتمام نیقیہ کی کونسل منعقدہ 325ء میں سرکاری طور پر تمام دوسرے عقائد غیر مسیحی قرار پائے اور عیسائیت کا رومی عقائد پر مشتمل ایک ایڈیشن (Romanized Edition) تیار ہوا جس میں رومیوں کے عقائد تثلیث، عقیدۂ کفارہ اور سورج دیوتا کی پیدائش کے جشن کو عیسائیت کا حصہ بنا دیا گیا۔



قیصر قسطنطین اول کے دور کا بائبل کا نسخہ

بُت پرست رومیوں میں 25 دسمبر سورج کی پیدائش کا دن تصور کیا جاتا تھا۔ [3] اس دن کو قیصر قسطنطین (Constantinus) نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی پیدائش کا دن قرار دیا اور سورج دیوتا کی پیدائش کے جشن کو ''کرسمس'' کے نام سے موسوم کیا۔ موسم سرما کے اس رومن جشن کو، عیسائیت سے پہلے، فیسٹیول آف دی سیٹرنابیا (Festival of the Saturnabia) کہا جاتا تھا۔ [4]

قیصر قسطنطین (280-337ء) قسطنطین اول (Coustantine I) قیصر قسطنتیوس کلورس (305-6ء) کی محبوبہ ہیلینا کے بطن سے پیدا ہوا۔ دقلد یانوس (Diocletian) (284ء-305ء)

[1] قاموس الکتاب، ص: 902. [2] عیسائیت از پروفیسر ساجد میر، دارالسلام، ص: 242-248.

[3] Earnest Barker; Legacy of Rome: 'The Conception of Empire' P: 77. [4] Cyril Bailey; Legacy of Rome, Early Religion and Philosophy.

کے دربار میں تربیت حاصل کی۔ پھر وہ اپنے والد کے پاس یارک (برطانیہ) چلا گیا۔ والد کی وفات (306ء) پر قسطنطین کے بادشاہ (Emperor) ہونے کا اعلان ہوا مگر اس نے لقب قیصر ہی پر اکتفا کیا حتی کہ قسطنطین اور لیکینوس نے 312ء میں روم کے دروازے پر اپنے حریفوں مکسنتیوس اور مکسمین کو شکست دی۔ قسطنطین مشرقی سلطنت کا اور لیکینوس مغربی سلطنت کا حکمران بنا۔ 324ء کے تنازع میں لیکینوس مارا گیا اور قسطنطین پوری رومی سلطنت کا حکمران بن گیا۔ قسطنطین اور لیکینوس نے 313ء میں سلطنتِ روم میں عیسائیوں کو آزادی دے دی تھی اور ان کے قیدی رہا کر دیے تھے۔ 325ء میں قسطنطین نے نیقیہ (ترکی) کی کونسل منعقد کی جس میں عیسائیت کا موجودہ ایڈیشن تیار ہوا۔ وہ پہلا رومی حکمران تھا جس نے عیسائیت قبول کی۔ تاریخ میں یہی قسطنطین اعظم کہلاتا ہے۔ اس نے 324ء میں بیزنطیم کے مقام پر قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی جو 330ء سے اگلی گیارہ صدیوں تک سلطنت روم کا دارالحکومت رہا۔ قسطنطین کے عہد میں عیسائیت سلطنت روم کا سرکاری مذہب قرار پائی۔ اس کی ماں ہیلینا نے یروشلیم میں قبر مسیح پر کنیسۃ القیامہ (Holy Sepulhre) تعمیر کرایا۔ مسیحیت کا اس قدر حامی ہونے کے باوجود اس نے بستر مرگ پر بپتسمہ لیا۔[1]

جب عیسائیوں میں عقیدۂ تثلیث، عقیدۂ کفارہ اور سورج دیوتا کا جشنِ پیدائش یعنی کرسمس رائج ہو گئے تو 496ء میں وہ وقت بھی آیا جب پاپائے روم گلاسیس اول نے ایک فتوے کے ذریعے سے بہت سی دیگر کتابوں کی طرح ''انجیل برناباس'' کو بھی گمراہ کن قرار دے دیا اور عیسائیوں کا اسے اپنے پاس رکھنا جرم ٹھہرا۔

حواری برناباس کا درجہ

انجیل برناباس کو پاپائی حکم سے مسیحی مذہبی کتب سے خارج کر دینے کا اقدام اس لیے حیرت انگیز ہے کہ برناباس یسوع کے شاگردوں کے ہاں بڑا اہم مقام رکھتا تھا جیسا کہ ''رسولوں کے اعمال'' میں لکھا ہے:

''اور یوسف نام ایک لاوی (عالم) تھا جس کا لقب رسولوں نے برنباس یعنی نصیحت کا بیٹا رکھا تھا اور جس کی پیدائش کپرُس (قبرص) کی تھی۔ اُس کا ایک کھیت تھا جسے اُس نے بیچا اور قیمت لا کر رسولوں کے پاؤں میں رکھ دی۔''[2]

اس دور کے سب لوگ برنباس کی نیکی و تقویٰ کے قائل تھے:

''اُن لوگوں کی خبر یروشلیم کی کلیسیا کے کانوں تک پہنچی اور اُنھوں نے برنباس کو انطاکیہ تک بھیجا۔ وہ پہنچ کر

[1] المنجد في الأعلام، ص: 438، الموسوعة العربية الميسرة: 2/80-1379، 1380، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، Encyclopedia of World Religions, p: 95. [2] کتاب مقدس (اعمال) 4:36، 37.

اور خدا کا فضل دیکھ کر خوش ہوا اور اُن سب کو نصیحت کی کہ دلی ارادہ سے خداوند سے لپٹے رہو۔ کیونکہ وہ نیک مرد اور روح القدس اور ایمان سے معمور تھا اور بہت سے لوگ خداوند کی کلیسیا میں آ ملے۔'' [1]

بلکہ بائبل کی رو سے روح القدس نے برناباس کو اپنے لیے مخصوص کرلیا تھا:

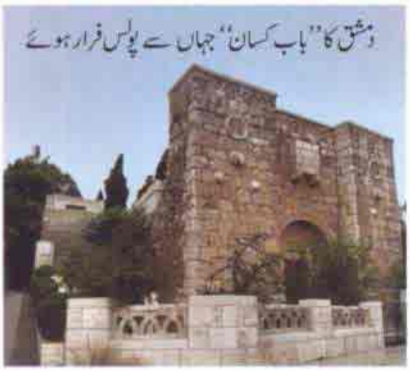
''جب وہ خداوند کی عبادت کر رہے اور روزے رکھ رہے تھے تو روح القدس نے کہا میرے لیے برناباس اور ساؤل کو اُس کام کے واسطے مخصوص کر دو جس کے واسطے میں نے اُن کو بلایا ہے۔'' [2]

برناباس وہ شخص ہے جس کی تعلیم وتبلیغ کو نہ ماننے والے کو ابلیس کا فرزند، مکار، شرارت سے بھرا ہوا، نیکی کا دشمن، خداوند کی سیدھی راہوں کو بگاڑنے والا، خدا کا مغضوب اور اندھا قرار دیا گیا۔ [3]



پولس کی مہر

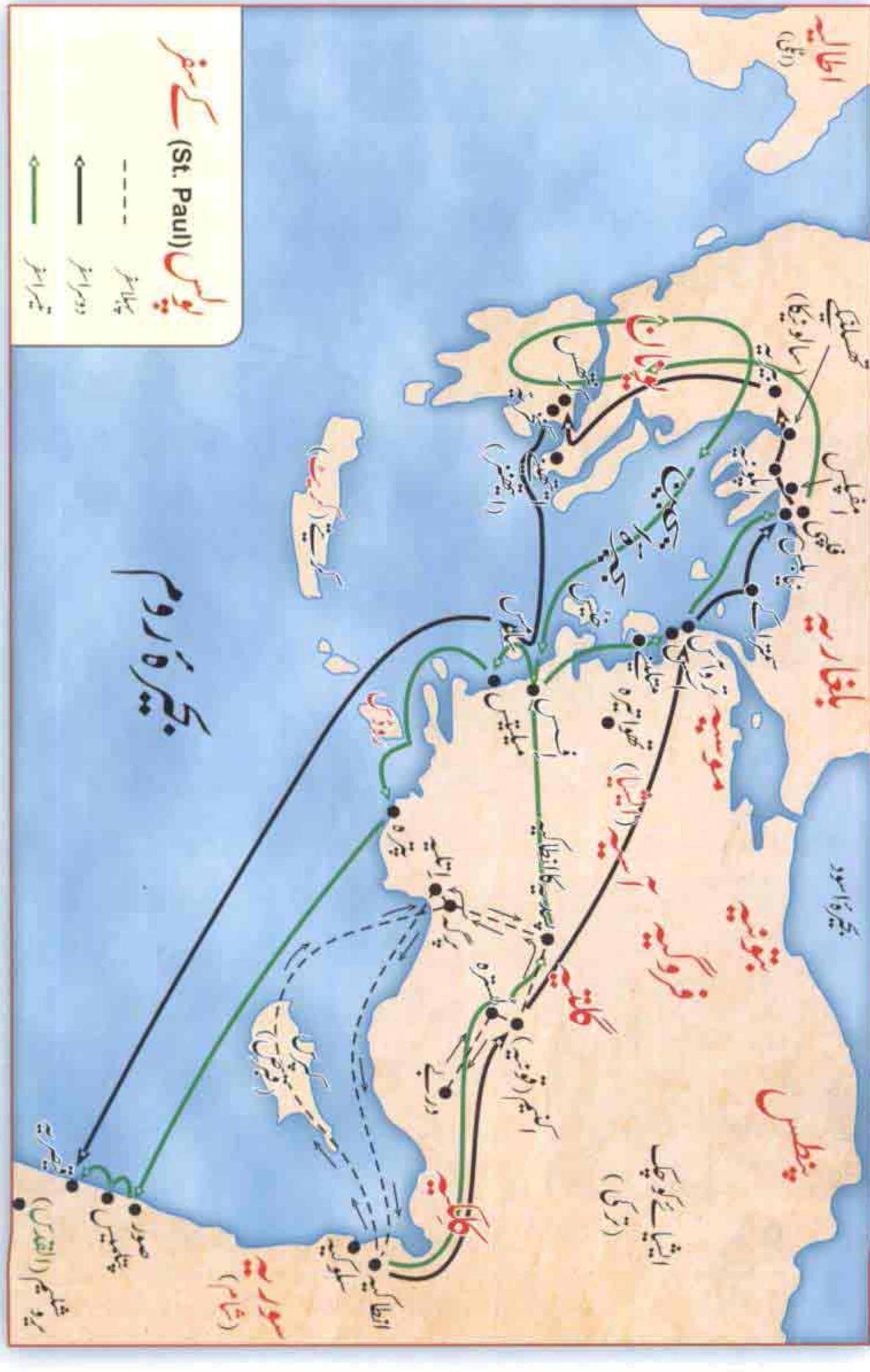
ساؤل یا شاؤل [1] شمویل نبی سے بنی اسرائیل کی درخواست پر اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ساؤل (طالوت) کو بادشاہ مقرر کیا تھا جس نے جالوت کے لشکر کو شکست دی اور جالوت حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھوں مارا گیا (البقرۃ 2:246-251)۔ [2] یہاں مذکور ساؤل یا شاؤل پولس رسول (St. Paul) کا عبرانی نام ہے۔ ''ساؤل'' کے معنی ہیں ''مانگا ہوا۔'' اس کے یونانی الاصل رومی نام پولوس (Paulus) کے معنی ہیں ''چھوٹا۔'' شاید یہ نام اسے قبرص کے گورنر پولوس (Paulus) کو کامیاب تبلیغ کے باعث دیا گیا ہو۔ [4] پولس ترسُس (طرسوس، ترکی) میں پیدا ہوا۔ وہ خالص یہودی نسل کا تھا اور اس بات کا قائل تھا کہ مسیحی بدعتی اور کافر ہیں۔ سینٹ سٹیفن کی شہادت اور

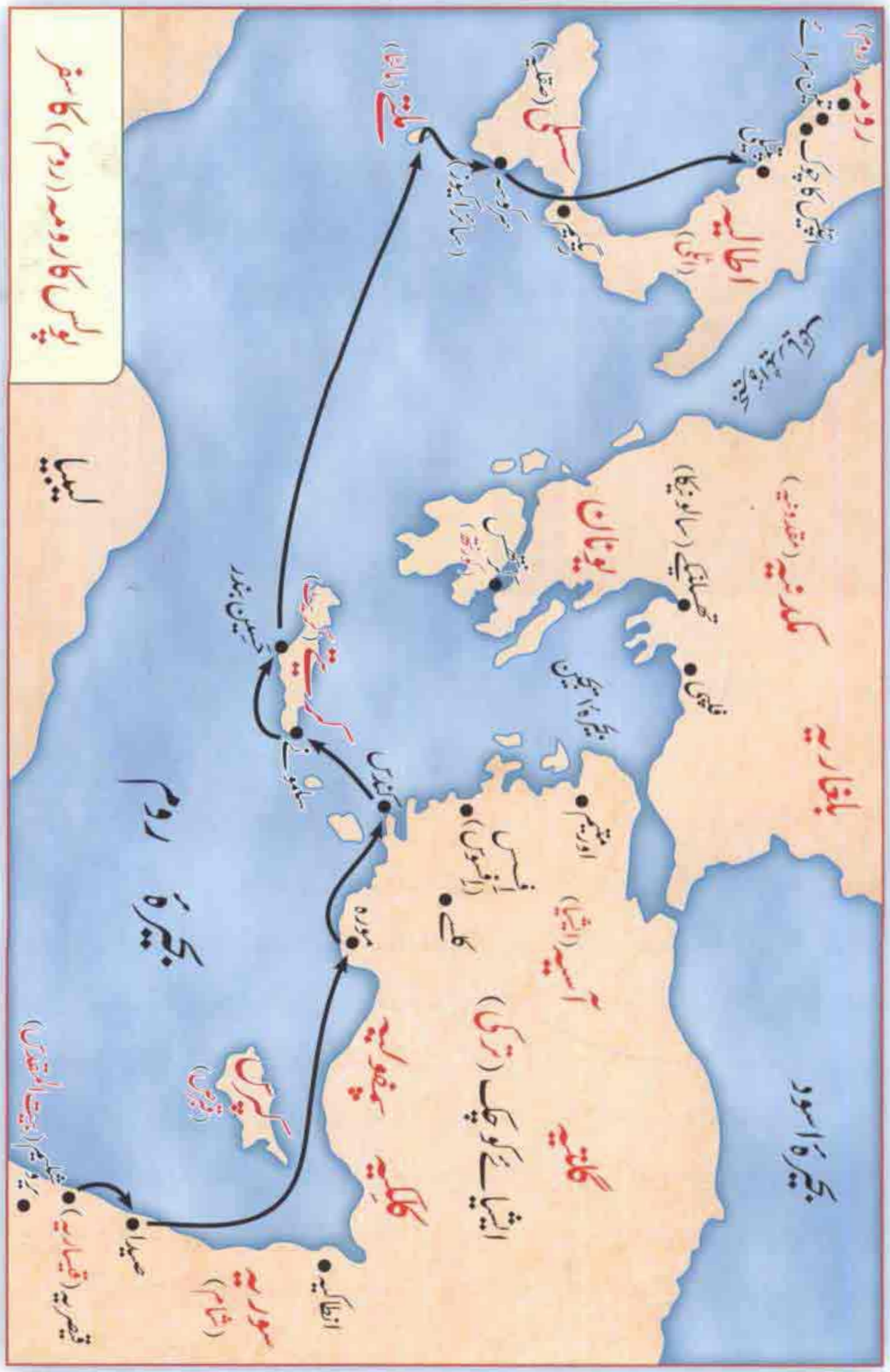


دمشق کا ''باب کسان'' جہاں سے پولس فرار ہوئے

کلیسا پر ایذا رسانی کا جو سیلاب ٹوٹا اس میں پولس ملوث تھا، تاہم دمشق شہر کی طرف جاتے ہوئے ایک ''معجزانہ واقعے'' نے اسے مسیح کا رسول بنا دیا۔ پھر وہ دمشق کے عبادت خانوں میں یسوع کی الوہیت اور ان کے مسیح ہونے کا اعلان کرنے لگا۔ گلتیوں کے خط (1:17) میں اس کے عرب جانے کا بھی ذکر ہے۔ یہودیوں کی مخالفت کے باعث اسے پہلے دمشق اور پھر یروشلیم چھوڑنا پڑا۔ پھر اس نے کئی سال ترسُس (Tarsus) میں گزارے۔ پھر برناباس نے اسے انطاکیہ بلالیا جہاں غیر قوم کی پہلی مسیحی کلیسیا

[1] کتاب مقدس (اعمال) 11:22-24. [2] کتاب مقدس (اعمال) 13:2. [3] دیکھیے: کتاب مقدس (اعمال) 13:7-12.
[4] NIV Study Bible, P: 1710.


پولس (St. Paul) کے سفر
پہلا سفر
دوسرا سفر
تیسرا سفر
بحیرۂ روم


بحیرۂ روم
بحیرۂ اسود
یونان
اطالیہ
لیبیا
کریت
سسلی
مالٹا
قبرص
ایشیائے کوچک (ترکی)
گلتیہ
کلکیہ
پمفولیہ
آسیہ
مکدنیہ
بلغاریہ

قائم ہوئی۔ اسی جگہ پہلے پہل ''شاگرد'' مسیحی کہلائے۔ یہیں سے پولس اور برنباس بشارتی سفر پر روانہ ہوئے۔ کُپرس (قبرص) کا رومی گورنر سرگیس پولس اس کے خوشخبری سنانے پر ایمان لے آیا۔ پسدیہ کے انطاکیہ (ترکی) میں یہودیوں نے پولس رسول کو سنگسار کیا، تاہم اس کی جان بچ گئی۔ دوسرے بشارتی سفر میں پولس نے یونان کے شہروں فلپی، تھسلنیکے (سالونیکا)، ایتھنز اور کرنتھس کا دورہ کیا اور پھر اِفسُس کے راستے یروشلیم چلا آیا۔ وہاں اسے گرفتار کر لیا گیا اور وہ دو سال قیصریہ (قیساریہ) میں قید رہا۔ 60ء میں اسے قیصر کے سامنے پیش کرنے کے لیے


رومیوں کو لکھے گئے پولس کے خط کا عکس

رومہ (Rome) روانہ کیا گیا۔ لوقا بھی اس کے ہمراہ تھا۔ بحری طوفان سے ان کا جہاز تباہ ہو گیا تو انھیں تین ماہ جزیرہ ملتے (مالٹا) میں گزارنے پڑے۔ رومہ میں پولس کو قید خانے کے بجائے ایک مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ اسی جگہ سے اس نے کلسیوں، فلیمون، افسیوں اور فلپیوں کے نام خطوط لکھے۔ 63ء میں اسے رہا کر دیا گیا تو وہ اِفسُس، مکدنیہ (Macedonia) اور یونان میں تبلیغ کرتا رہا حتیٰ کہ قیصر نیرو کے حکم پر اسے گرفتار کر کے 66ء یا 67ء میں رومہ میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔[1]

انجیل برناباس تاریخِ عیسائیت میں

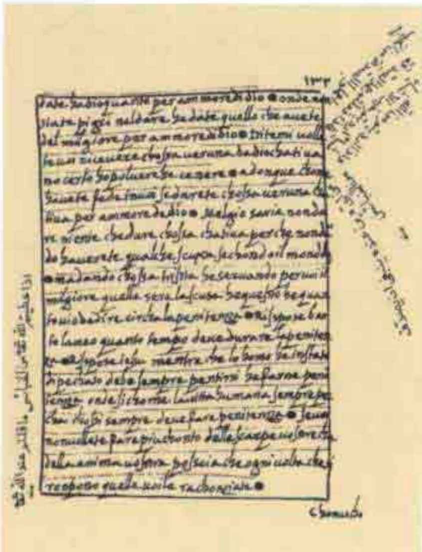
پاپائے روم گلاسیس اول کے فتوے کے بعد جب انجیل برنباس کو پاس رکھنا جرم ٹھہرا تو رفتہ رفتہ یہ کتاب ایسی غائب ہوئی کہ عام عیسائی دنیا اس سے بالکل بے خبر ہو گئی لیکن گم شدہ کتابوں میں اس کا ذکر آیا کرتا تھا۔ 1709ء میں پروشیا (جرمنی) کے بادشاہ کے ایک مشیر کو، جس کا نام کریمر تھا، ایمسٹرڈم (ہالینڈ) کے مقام پر کسی کتاب خانے سے یہ کتاب ہاتھ لگی جو اطالوی زبان میں تھی۔

اس پر لکھا ہوا تھا کہ یہ برناباس کی انجیل ہے۔ اس کتاب میں حضرت مسیح علیہ السلام کے حالات درج تھے۔ کریمر نے یہ نسخہ یوجین سافوی کو تحفے کے طور پر دے دیا۔ اس کے بعد 1738ء میں یہ آسٹریا کے پایۂ تخت وی آنا کے شاہی کتب خانے میں منتقل ہو گیا اور اب تک وہیں ہے۔

پروشیا (Prussia) جرمنی کی ایک سابق بادشاہت تھی جس کا آغاز بحیرۂ بالٹک کے جنوب مشرقی ساحل پر ایک

[1] قاموس الکتاب، ص: 199-208، NIV Study Bible, p.1710

چھوٹی سی ریاست سے ہوا تھا جو بتدریج شمال مشرقی جرمنی اور پولینڈ کے بیشتر حصے پر محیط ہوگئی۔1701ء میں سلطنت پروشیا کا دارالحکومت برلن قرار پایا اور اس صدی میں فریڈرک اعظم نے اسے ایک بڑی یورپی طاقت بنا دیا۔ 1870-71ء کی فرانکو پروشین جنگ میں فرانس کی شکست کے بعد پروشیا شاہ ولیم اول اور چانسلر (وزیراعظم) بسمارک کے زیرِ قیادت نئی جرمن سلطنت میں ڈھل گیا۔ پہلی جنگ عظیم میں جرمنی کی شکست پر پروشین سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔[1] پروشیا (Prussia) اور پرشیا (Persia) یعنی فارس یا ایران میں فرق ملحوظ رہنا چاہیے۔


برناباس کے اطالوی نسخے کا ایک ورق

اس کے بعد اُنیسویں صدی کے اوائل میں ہڈلی کے مقام پر ڈاکٹر ہلمن کو انجیل برناباس کا ایک اور نسخہ دستیاب ہوا جو ہسپانوی زبان میں تھا۔ یہی نسخہ مشہور مستشرق جارج سیل کو ملا تھا۔ اس نے اپنے ترجمۂ قرآن میں اس کے مختلف اقتباسات نقل کیے ہیں۔ جارج سیل نے اس ہسپانوی نسخے پر جو نوٹ لکھا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ اطالوی نسخے کا ہسپانوی ترجمہ ہے جو مصطفیٰ عرندی نامی شخص نے کیا ہے۔ مصطفیٰ عرندی نے اس کے شروع میں ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جس میں اطالوی نسخے کی دریافت کا پورا حال درج ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سولھویں صدی کے اختتام پر ایک لاطینی راہب فرامرینو کو آریوس بشپ کے کچھ خطوط دستیاب ہوئے۔ ان خطوط میں سے ایک خط میں آریوس نے پولس (ساؤل یا سینٹ پال) کی خوب قلعی کھولی تھی اور یہ بھی لکھا تھا کہ انجیل برناباس میں پولس کی حقیقت پوری طرح واضح کی گئی ہے۔ اس وقت سے فرامرینو انجیل برناباس کی تلاش میں تھا۔ اتفاق سے اسے اس زمانے میں پوپ سکسٹس پنجم کا تقرب حاصل ہوگیا۔ ایک دن وہ پوپ کے ساتھ اُس کے کتب خانے میں تھا۔ پوپ کچھ دیر بعد سوگیا۔ اس دوران میں فرامرینو نے وقت گزاری کے لیے کتابیں دیکھنی شروع کر دیں۔ حسنِ اتفاق سے انجیل برناباس کا اطالوی نسخہ اُس کے ہاتھ لگ گیا۔ فرامرینو اسے پاکر بہت خوش ہوا اور آستین میں چھپا کر لے آیا۔

یہ ہسپانوی نسخہ جارج سیل کے پاس تھا۔ اب گم ہو چکا ہے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ سیل کے پاس سے یہ نسخہ 1784ء

[1] Oxford English Reference Dic, p: 1164.

میں ڈاکٹر ہیوٹ کے پاس آ گیا تھا۔ اس نے اپنے لیکچروں میں بتایا ہے کہ دو جگہ معمولی اختلاف کے علاوہ اطالوی اور ہسپانوی نسخوں میں کوئی فرق نہیں۔ خلاصہ یہ کہ اب دنیا میں صرف قدیم اطالوی نسخہ موجود ہے۔ ڈاکٹر منکہوس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا۔ پھر مصر کے ایک مسیحی عالم ڈاکٹر خلیل سعادت نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا جسے علامہ رشید رضا مصری نے 1908ء میں اپنے ایک مقدمے کے ساتھ شائع کر دیا۔ یہ عربی ترجمہ ہندوستان پہنچا تو مولوی محمد حلیم انصاری رحمہ اللہ نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا جو 1916ء میں لاہور سے شائع ہوا۔

انجیل برناباس پر اعتراضات اور ان کا جواب

مسیحی لٹریچر میں اس انجیل کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے، اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے کہ یہ ایک جعلی انجیل ہے جسے شاید کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برناباس کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ یہ سفید جھوٹ ہے اور صرف اس لیے بولا گیا ہے کہ اس میں جگہ جگہ نبی ﷺ کے بارے میں بڑی واضح پیش گوئیاں ملتی ہیں۔

اول تو اس انجیل کو پڑھتے ہی صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کسی مسلمان کی تصنیف کردہ نہیں ہو سکتی۔ دوسرے، اگر یہ کسی مسلمان نے لکھی ہوتی تو یقیناً یہ مسلمانوں میں عام پائی جاتی اور علمائے اسلام کی تصنیفات میں اس کا ذکر پایا جاتا۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ جارج سیل کے انگریزی مقدمۂ ترجمۂ قرآن سے پہلے مسلمانوں کو اس کا مطلق علم نہ تھا۔ امام طبری، یعقوبی، مسعودی، امام ابن تیمیہ، ابن القیم، البیرونی، ابن حزم اور دوسرے مصنفین جو مسلمانوں میں مسیحی لٹریچر پر گہری نظر رکھتے تھے، ان میں سے کسی کے ہاں بھی مسیحی مذہب پر بحث کرتے ہوئے انجیل برناباس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ دنیائے اسلام کے کتب خانوں میں جو کتابیں پائی جاتی تھیں، اُن کی بہترین فہرستیں ابن الندیم کی ''الفہرست'' اور حاجی خلیفہ کی ''کشف الظنون'' ہیں۔ وہ بھی اس کے ذکر سے خالی ہیں۔ اُنیسویں صدی سے پہلے کسی مسلمان عالم نے انجیل برناباس کا نام تک نہیں لیا۔

اس بات کے جھوٹ ہونے کی تیسری اور سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی ﷺ کی پیدائش سے بھی 75 سال پہلے پوپ گلاسیس اول (Gelasius) کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی اور ایک پاپائی فتوے کے ذریعے سے جن کا پڑھنا ممنوع قرار دیا گیا تھا، اُن میں انجیل برناباس بھی شامل تھی۔

ان کے علاوہ دو اور ثبوت اس قدر ٹھوس اور واضح ہیں جن کی رو سے پوری طرح یقین آ جاتا ہے کہ اس کتاب کے لکھنے والے کو قرآن کا مطلق علم نہ تھا۔ یہ ثبوت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے وہ معجزے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید کرتا ہے مگر برناباس اُور باقی چاروں انجیلیں ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

1 حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابھی گہوارے ہی میں تھے کہ آپ نے اپنے نبی ہونے کا اعلان کیا اور ہزاروں لوگ اس کے گواہ تھے۔ فرمانِ باری ہے:

﴿ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ○ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۖۚ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِى الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّىْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِىَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِىْ نَبِيًّا ○ وَّجَعَلَنِىْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِىْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۖۚ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِىْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِىْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○ وَالسَّلٰمُ عَلَىَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِىْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ○﴾

''پھر وہ (مریم) اس (بچے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد اس) کو اٹھا کر اپنی قوم کے پاس آئی تو وہ (قوم کے لوگ) کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ چنانچہ اس (مریم) نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا تو وہ کہنے لگے: جو بچہ گود میں ہے، ہم اس سے کیسے کلام کریں؟ وہ (بچہ) بول اُٹھا: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے برکت والا بنایا جہاں بھی میں ہوں اور مجھے نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ (کرکے) اٹھایا جاؤں گا۔ یہ عیسیٰ ابن مریم ہے، (یہی ہے) حق کی بات جس میں وہ لوگ شک کرتے ہیں۔'' [1]

2 عیسیٰ علیہ السلام مٹی کا پرندہ بنا کر اُس پر پھونک مارتے تھے اور وہ اللہ کے حکم سے جیتا جاگتا پرندہ بن جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت ان سے کہے گا:

﴿ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِىْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِىْ ﴾

''اور (اے عیسیٰ!) جب تو میرے حکم سے گارے سے پرندے کی سی مورت بناتا تھا، پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔'' [2]

[1] مریم 19:27-34. [2] المآئدة 5:110.

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:



”محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔“

(الفتح 48:29)

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت وصداقت قران کی مذکورہ آیت کی صداقت بائبل سے ہوتی ہے:

أجاب التلاميذ: يا معلم من عسى ان يكون ذلك الرجل الذي تتكلم عنه الذي سيأتي الى العالم؟ أجاب يسوع بابتهاج قلب: انه محمد رسول الله.

''شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا۔ جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ بے شک وہ محمد رسول اللہ ہے۔''

(انجیل برنباباس 8,7:163)

انجیل برناباس کی واضح بشارات

حوارئ مسیح برناباس کی انجیل میں خاتم النبیین محمد ﷺ کے بارے میں جگہ جگہ بشارات ملتی ہیں حتی کہ آپ کا نام نامی ''محمد'' (ﷺ) ''رسول اللہ'' کے منصب کے ساتھ مذکور ہوا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

1 ''بے شک وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہے۔''

''شاگردوں نے جواب میں کہا اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا۔ جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟ یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا۔ بے شک وہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہے۔'' [1]

2 ''میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں''

''اور جبکہ میں نے اس کو دیکھا میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا: اے محمد اللہ تیرے ساتھ ہو۔ اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ (شرف) حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا قدوس ہوجاؤں گا۔ اور جبکہ یسوع نے اس بات کو کہا اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔'' [2]

3 ''تمام نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی''

''لیکن عنقریب میرے بعد تمام نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی آئے گا تب وہ تمام نبیوں کے اقوال کی تاریکی پرنور چمکائے گا۔ کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔'' [3]

4 ''وہ بہت جلد کلام حق کے ساتھ آئے گا''

''یسوع نے جواب دیا...... میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسول اللہ کے جوتے کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مَسِیّا کہتے ہو۔ وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور اب میرے بعد آئے

[1] انجیل برناباس 8,7:163۔ [2] انجیل برناباس 32-30:44۔ [3] انجیل برناباس 23,22:17۔

گا۔ اور وہ بہت جلد کلام حق کے ساتھ آئے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔'' [1]

''وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا اور اب میرے بعد آئے گا'' کی وضاحت بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمادی ہے:

«إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ فِي أُمِّ الْكِتَابِ لَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ وَإِنَّ آدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِي طِينَتِهِ، وَسَأُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِ ذٰلِكَ، دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ، وَبِشَارَةُ عِيسٰى قَوْمَهُ، وَرُؤْيَا أُمِّي الَّتِي رَأَتْ أَنَّهُ خَرَجَ مِنْهَا نُورٌ أَضَاءَتْ لَهُ قُصُورُ الشَّامِ، وَكَذٰلِكَ تَرٰى أُمَّهَاتُ النَّبِيِّينَ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ»

''میں اللہ کا بندہ ہوں۔ آدم علیہ السلام جب مٹی کے ڈھانچے تھے، اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں مجھے خاتم النبیین لکھ دیا تھا۔ میں تمھیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں۔ میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دُعا، عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو بشارت اور اپنی ماں کے خواب کی تعبیر ہوں۔ میری والدہ نے خواب میں دیکھا کہ ان کے وجود سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محلات روشن ہو گئے۔ انبیاء علیہم السلام کی مائیں اسی طرح کے خواب دیکھا کرتی تھیں۔'' [2]

5 ''وہ زمین کی ان تمام قوموں کے لیے خلاص اور رحمت لائے گا۔''

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک نبی جب وہ آتا ہے تو وہ فقط ایک ہی قوم کے لیے اللہ کی رحمت کی نشانی اٹھا کر لاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان انبیاء کا کلام اس قوم سے آگے نہیں بڑھا۔ جس کی جانب وہ بھیجے گئے تھے۔ لیکن رسول اللہ جب آئے گا اللہ اس کو وہ چیز عطا کرے گا جو کہ اس کے ہاتھ کی انگشتری کی مانند ہے۔ پس وہ زمین کی ان تمام قوموں کے لیے خلاص (نجات) اور رحمت لائے گا۔ جو کہ اس کی تعلیم کو قبول کریں گی۔ اور عنقریب وہ ظالموں پر ایک زور کے ساتھ آئے گا۔ اور بتوں کی عبادت کو مٹا دے گا کہ شیطان ذلیل وخوار ہوگا۔ کیونکہ اللہ نے ابراہیم (علیہ السلام) سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے اور کہا ہے: ''تو دیکھ کہ میں تیری نسل سے تمام زمین کے قبیلوں کو برکت دوں گا اور جس طرح کہ تو نے اے ابراہیم بتوں کو توڑ کر پارہ پارہ کر دیا ہے ویسے ہی تیری نسل کرے گی۔''

یعقوب نے جواب دیا: ''اے استاد! ہم کو بتا کہ یہ عہد کس سے کیا گیا ہے؟'' اس لیے کہ یہود کہتے ہیں کہ (یہ عہد) اسحٰق سے ہوا ہے۔ اور اسمٰعیلی کہتے ہیں کہ اسمٰعیل سے۔'' یسوع نے جواب دیا: ...... تم

[1] انجیل برناباس 42:11-15۔ [2] مسند أحمد: 128/4۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آخری جملے کے علاوہ یہ روایت صحیح ہے۔ (السلسلة الضعيفة: 104/5)

مجھے سچا مانو کیونکہ میں تم سے کہتا ہوں کہ ''تحقیق عہد اسماعیل کے ساتھ کیا گیا ہے، نہ کہ اسحٰق (اضحاق) کے ساتھ۔'' [1]

اس پر شاگردوں نے کہا: ''اے اُستاد، موسیٰ کی کتاب میں یوں لکھا ہے کہ یہ وعدہ اضحاق میں کیا گیا تھا۔'' یسوع نے کراہ کر جواب دیا: ''ایسا ہی لکھا ہے، مگر موسیٰ نے نہیں لکھا، نہ یشوع [2] نے لکھا، بلکہ ہمارے ربّیوں نے، جو خدا سے نہیں ڈرتے۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم فرشتے جبرئیل کے الفاظ پر غور کرو تو تم ہمارے فقیہوں اور عالموں کا بغض جان لو گے۔'' ......

تب خدا نے ابرہام سے فرمایا: ''اپنا بیٹا، اپنا پہلوٹھا، اسمٰعیل لے، اور پہاڑ پر آ کر اُس کی قربانی دے۔ سو اضحاق پہلوٹھا کیونکر ہوا، کہ جب اضحاق پیدا ہوا تو اسمٰعیل سات سال کا تھا؟ تب شاگردوں نے کہا: ''ہمارے عالموں کا فریب ظاہر ہے۔'' [3]

مندرجہ بالا اقتباس میں یسوع کے شاگرد یعقوب کا تذکرہ ہوا ہے۔ یعقوب (حواریِ مسیح) غالبًا زبدی کا بیٹا تھا جو اپنے بھائی یوحنا (عارف) اور پطرس کے ساتھ مسیح (علیہ السلام) کے تین خاص شاگردوں میں شمار ہوتا ہے۔ وہ یائیر کی بیٹی کو زندہ کرنے کے وقت موجود تھا (اسے مسیح علیہ السلام نے زندہ کیا تھا)۔ ہیرودیس اگرپا اول نے 44ء میں اسے تلوار سے قتل کیا۔ [4] سیدنا اسحٰق علیہ السلام کے بارے میں قاموس الکتاب میں یوں بیان کیا گیا ہے: اسحٰق (اضحاق) علیہ السلام کے عبرانی میں معنی ''ہنسی، خوشی'' کے ہیں۔ یہ ابرہام (ابراہیم علیہ السلام) اور سارہ کے اکلوتے بیٹے تھے جو ان کے ہاں بڑی عمر میں غالبًا بئرسبع میں پیدا ہوئے۔ خدا نے ان کا وعدہ ابرہام اور سارہ سے کیا تھا۔ اضحاق (علیہ السلام) نے چالیس سال کی عمر میں اپنی رشتہ دار ربقہ سے شادی کی۔ ان کے دو بیٹے تھے: عیسو اور یعقوب (علیہ السلام)۔ اضحاق (علیہ السلام) 80 سال کے ہو کر فوت ہوئے اور قریت اربع (حبرون) میں دفن ہوئے۔ [5]

6 ''بت پرستی کو نیست کر دے گا۔''

یسوع نے جواب دیا: ''......رہا میں، تو میں اب دنیا میں خدا کے رسول کے لیے راہ تیار کرنے آیا ہوں، جو دُنیا کے لیے نجات لائے گا۔ پر خبردار، دھوکا نہ کھانا، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے جو میرا کلام لیں گے اور میری انجیل کو ناپاک کریں گے۔''

[1] انجیل برناباس 43:13-23 و 31. [2] یشوع سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع بن نون ہیں۔ عَلَيْهِ وَعَلَى نَبِيِّنَا الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ.
[3] برناباس کی انجیل: 44. [4] قاموس الکتاب، ص: 1150. [5] قاموس الکتاب، ص: 65.

تب اندریاس نے کہا: ''استاد، ہمیں کوئی نشان بتا، کہ ہم اُسے جان لیں۔'' یسوع نے جواب دیا: ''وہ تمھارے وقت میں نہ آئے گا، بلکہ تمھارے چند سال بعد آئے گا، جب میری انجیل کالعدم کر دی جائے گی، یہاں تک کہ بمشکل تیس ایمان دار رہ جائیں گے۔ اُس وقت خدا دنیا پر رحم فرمائے گا، سو وہ اپنا رسول بھیجے گا، جس کے سر کے اُوپر ایک سفید بادل چھایا رہے گا، جس سے وہ خدا کا برگزیدہ جان لیا جائے گا...... وہ بے دینوں پر بڑی طاقت کے ساتھ آئے گا، اور زمین پر بت پرستی کو نیست کر دے گا۔ اور اس سے مجھے مسرت ہے، کیونکہ اُسی کے ذریعے ہمارے خدا کی معرفت اور تمجید ہوگی، اور میرا سچا ہونا معلوم ہوگا؛ اور وہ اُن سے انتقام لے گا جو مجھے بشر سے کچھ بڑھ کر بتائیں گے...... سو جب بت پرستی خاک میں ملتی نظر آئے اور مجھے دوسرے انسانوں کی طرح انسان مانا جائے، تب میں تم سے سچ کہتا ہوں، خدا کا رسول آ گیا ہوگا۔'' [1]

قاموس الکتاب کے مطابق یونانی میں اندریاس کے معنی ''جوانمرد اور بہادر'' ہیں۔ یہ شمعون پطرس کا سگا بھائی تھا۔ یہ شمعون ہی کی طرح کفرنحوم کا رہنے والا ماہی گیر تھا۔ یہی شمعون کو مسیح (علیہ السلام) کے پاس لایا تھا۔ اس سے پہلے یہ یوحنا (یحییٰ علیہ السلام) کا شاگرد تھا۔ مسیح (علیہ السلام) نے دونوں بھائیوں کو ماہی گیری چھوڑنے اور آدم گیری، یعنی شاگرد بنانے کے کام کے لیے مستقل طور پر بلا لیا۔ بعد ازاں انھیں ''رسول'' مقرر کیا۔ کلیسیا اندریاس کو اولین مشنری (مبلغ) کا خطاب دیتی ہے۔ وہی یونانیوں کو مسیح کے پاس لایا۔ [2]

7 ''جو دھن سے طاقت کے ساتھ آئے گا۔''

''جب خدا مجھے دنیا سے اُٹھا لے گا تو ابلیس ناپرہیز گاروں کو یہ یقین دلا کر، کہ میں خدا اور خدا کا بیٹا ہوں، پھر یہ ملعون فتنہ اُٹھائے گا، جس سے میرا کلام اور میری تعلیم ناپاک ہو جائے گی، یہاں تک کہ بمشکل تیس ایک صاحب ایمان رہ جائیں گے: جس پر خدا دنیا پر رحم فرمائے گا، اور اپنا رسول بھیجے گا...... جو دھن سے طاقت کے ساتھ آئے گا، اور بتوں کو بت پرستوں سمیت برباد کر دے گا؛ جو ابلیس سے وہ غلبہ چھین لے گا جو اُسے انسانوں پر ہے۔ وہ اپنے ساتھ خدا کی رحمت اُن کی نجات کے لیے لائے گا جو اُس پر ایمان لائیں گے، اور مبارک ہے وہ جو اُس کے کلام پر ایمان لائے گا۔'' [3]

[1] برناباس کی انجیل :72. [2] قاموس الکتاب، ص:94,93. [3] برناباس کی انجیل :96.

8 ''رسولِ نجات بنا کر بھیجوں گا''

کاہن (Priest) نے جواب میں کہا: ''کیا خدا کے رسول کے آنے کے بعد اور نبی آئیں گے؟'' یسوع نے جواب دیا: ''اُس کے بعد خدا کے بھیجے ہوئے سچے نبی نہ آئیں گے، مگر جھوٹے نبیوں کی بڑی تعداد آئے گی، ...... ''اُس مسیح کا نام قابل تعریف ہے، کیونکہ خود خدا نے اُس کا یہ نام رکھا جب اُس نے اُس کی روح پیدا کی، اور اُسے ملکوتی شان میں رکھا۔ خدا نے کہا: ''محمد'' انتظار کر...... یہاں تک کہ جو تجھے مبارک کہے گا مبارک ہوگا، اور جو تجھے کوسے گا لعنتی ہوگا۔ جب میں تجھے دنیا میں بھیجوں گا تو اپنا رسولِ نجات بنا کر بھیجوں گا، اور تیرا کلام سچا ہوگا، یہاں تک کہ آسمان اور زمین ٹل جائیں گے، پر تیرا دین نہ ٹلے گا، سواُس کا پاک نام محمد ہے۔''

تب بھیڑ نے اپنی آوازیں بلند کر کے کہا: ''اے خدا، ہمیں (ہم میں) اپنا رسول بھیج؛ اے محمد، دنیا کی نجات کے لیے جلد آ۔'' [1]

9 بعثتِ محمد سے سولی چڑھائے جانے کی بدنامی دور ہوگی

''اے برناباس، جان لے کہ اس کی بدولت میں بڑی اذیت میں مبتلا ہوں گا، اور اپنے ایک شاگرد کے ہاتھوں تیس روپوں کے عوض بیچا جاؤں گا۔ جس پر مجھے یقین ہے کہ جو مجھے بیچے گا وہ میرے نام سے مارا جائے گا، کیونکہ خدا مجھے زمین سے اُٹھا لے گا، اور اُس غدار کی شکل بدل دے گا کہ ہر کوئی اُسے سمجھے گا کہ میں ہوں؟ پھر بھی، جب وہ بری موت مرے گا تو میں دنیا میں لمبی مدت تک اسی ذلت میں رہوں گا۔ پر جب محمدؐ خدا کا مقدس رسولؐ آئے گا تو یہ بدنامی دور ہوجائے گی۔ اور خدا یہ کرے گا، کیوں کہ میں نے مسیح کی سچائی کا اقرار کیا ہے؛ جو مجھے یہ انعام دے گا کہ مجھے زندہ، اور بدنامی کی موت سے اجنبی، جان لیا جائے گا۔'' [2]

عیسائی دنیا سمجھتی رہی کہ یسوع نے انتہائی بے بسی کے عالم میں سولی پر جان دی۔ نبی کریم ﷺ نے اُن کی یہ غلط فہمی دور کی۔ اس بارے میں آپ پر نازل ہونے والی آیات درج ذیل ہیں:

﴿ وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝

[1] برناباس کی انجیل: 97. [2] برناباس کی انجیل: 112.

﴿بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

''اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا (ہم نے ان پر لعنت کی)، حالانکہ انھوں نے نہ انھیں قتل کیا اور نہ انھیں سولی پر چڑھایا بلکہ انھیں شبہے میں ڈال دیا گیا۔ اور بے شک جنھوں نے عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کیا، وہ ضرور ان کے متعلق شک میں ہیں۔ ان لوگوں کے پاس ان کے بارے میں کوئی علم نہیں سوائے گمان کی پیروی کے، اور انھوں نے یقیناً انھیں قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے انھیں اپنی طرف اٹھالیا، اور اللہ بڑا زبردست بہت حکمت والا ہے۔''[1]

10 خدا کا رسول انجیل کی ناپاکی (تحریف) دور کرے گا۔

''میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر موسیٰ کی کتاب سے سچائی نہ مٹادی گئی ہوتی تو خدا داؤد ہمارے باپ کو دوسری کتاب نہ دیتا۔ اور اگر داؤد کی کتاب آلودہ نہ کردی گئی ہوتی تو خدا مجھے انجیل نہ عطا کرتا؛ کیونکہ خداوند ہمارا خدا غیر متبدل ہے، اور تمام انسانوں کو ایک ہی پیغام دیتا آیا ہے۔ سو جب خدا کا رسول آئے گا تو وہ سب پاک کرنے آئے گا جس سے بدکاروں نے میری کتاب ناپاک کردی ہوگی۔''[2]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیش گوئی کے مطابق پیغمبر آخر الزمان محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں اور عیسائیوں کی تحریفات کا پردہ چاک کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی اصل تعلیمات کے متعلق لوگوں کو آگاہ کیا۔

11 ''نبیوں کے سرتاج''

''مبارک ہو خدا کا پاک نام جس نے تمام قُدّوسوں (قدوسیوں) اور نبیوں کے سرتاج کو تمام مخلوق سے پہلے پیدا فرمایا تاکہ اُسے دنیا کی نجات کے لیے بھیجے۔''[3]

12 نبیوں اور قدوسوں کا سرتاج پردے کی باتوں کو واضح کرے گا۔

''یسوع نے جواب دیا: ''نبیوں کے ہاں بہت سی تمثیلیں لکھی ہیں، سو تو لفظ پر نہ جا بلکہ مفہوم پر دھیان کر۔ کیونکہ تمام نبیوں نے، جو ایک لاکھ چوالیس ہزار ہوئے ہیں، جنھیں خدا نے دنیا میں بھیجا، پردے میں بات کی ہے۔ مگر میرے بعد تمام نبیوں اور قُدّوسوں (قدوسیوں) کا سرتاج آئے گا اور تمام پردے کی باتوں کو، جو نبیوں نے کیں، واضح کرے گا، کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے۔''[4]

[1] النسآء 4:157،158۔ [2] برناباس کی انجیل:124۔ [3] برناباس کی انجیل:12۔ [4] برناباس کی انجیل:17۔



یہی بات قرآن مجید میں بھی رسول اللہ ﷺ سے کہی گئی ہے:

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

''اور ہم نے آپ کی طرف یہ نصیحت اتاری تا کہ آپ لوگوں کے لیے اسے کھول کر بیان کر دیں جو کچھ ان کی طرف اتارا گیا ہے تا کہ وہ غور وفکر کریں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر جو کچھ نازل فرمایا تھا، آپ اس کے معنی خوب جانتے تھے، وحیِ الٰہی کے مشتاق تھے اور اس کا اتباع کرنے والے بھی، اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی معلوم تھا کہ آپ اس کی ساری مخلوق میں سب سے افضل اور تمام اولادِ آدم کے سردار ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن مجید نازل فرمایا اور حکم دیا کہ آپ قرآن مجید کے اجمال کی تفصیل اور قرآن مجید کے مشکل مقامات کی شرح وتفسیر بیان فرما دیں تا کہ لوگ غور کریں، اپنا جائزہ لیں، ہدایت اختیار کریں اور دنیا و آخرت میں نجات حاصل کر کے کامیاب ہو جائیں۔ [2]

13 ''میں خدا کا خادم ہوں اور خدا کے رسول کی ..... خدمت کرنے کا خواہاں ہوں۔''

''جب دن نکلا تو یسوع لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ ہیکل کو گیا۔ جس پر سردار کاہن نے نزدیک آ کر کہا: ''اے یسوع، بتا، کیا تو وہ سب بھول گیا جس کا تو نے اقرار کیا تھا، کہ تو نہ خدا ہے، نہ خدا کا بیٹا، اور نہ مسیح؟'' یسوع نے جواب دیا: ''ہرگز نہیں، میں نہیں بھولا؛ یہ تو میرا وہ اقرار ہے جو میں عدالت کے دن خدا کے تختِ عدالت کے روبرو لے جاؤں گا۔ کیونکہ جو کچھ بھی موسیٰ کی کتاب میں لکھا ہے بالکل سچ ہے، یعنی خدا ہمارا خالق ہی تنہا (خدا) ہے۔ اور میں خدا کا خادم ہوں، اور خدا کے رسول کی، جسے تم مسیح کہتے ہو، خدمت کرنے کا خواہاں ہوں۔'' [3]

اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو قیامت سے پہلے دوبارہ اس دنیا میں بھیجے گا۔ اُس وقت وہ نبیِ کریم ﷺ کی شریعت کے پیروکار اور داعی ہوں گے۔ اس طرح ان کی متذکرہ بالا خواہش پوری ہو جائے گی۔

[1] النحل 16:44. [2] تفسیر ابن کثیر، النحل 16:44. [3] برناباس کی انجیل 206.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! لَيَنْزِلَنَّ ابْنُ مَرْيَمَ حَكَمًا عَادِلًا فَلَيَكْسِرَنَّ الصَّلِيبَ وَلَيَقْتُلَنَّ الْخِنْزِيرَ وَلَيَضَعَنَّ الْجِزْيَةَ وَلَيَتْرُكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا وَلَتَذْهَبَنَّ الشَّحْنَاءُ وَالتَّبَاغُضُ وَالتَّحَاسُدُ وَلَيَدْعُوَنَّ إِلَى الْمَالِ فَلَا يَقْبَلُهُ أَحَدٌ»

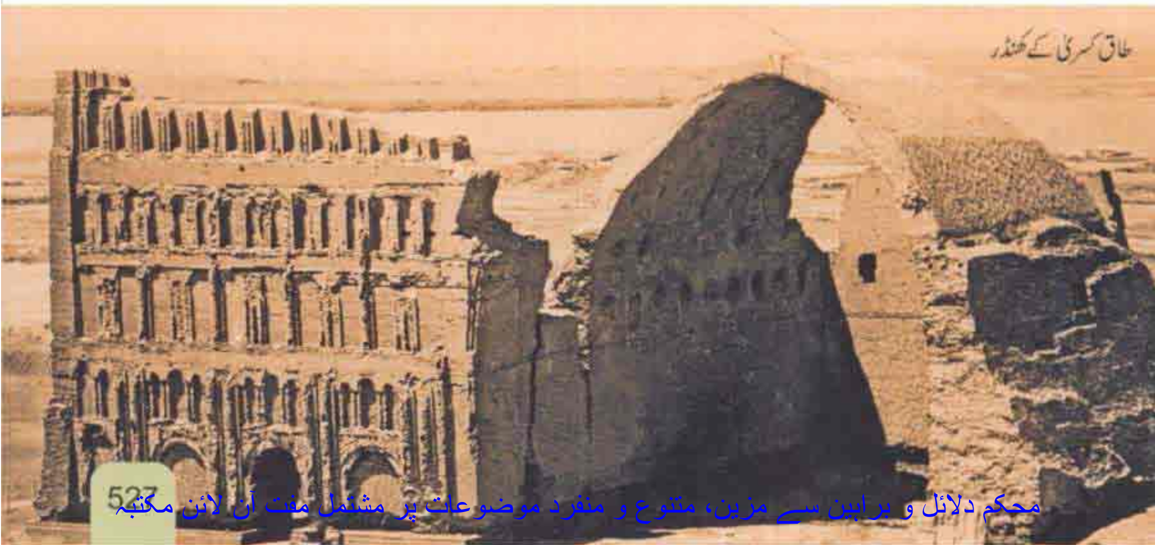
''اللہ کی قسم! یہ ہو کے رہے گا کہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام (آسمان سے) عادل حکمران بن کر اتریں گے۔ وہ صلیب کو توڑ دیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے۔ جزیہ ختم کردیں گے۔ جوان اونٹنیاں بے کار چھوڑ دی جائیں گی، پس انھیں حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی جائے گی۔ (لوگوں کے دلوں سے) کینہ، بغض اور حسد جاتا رہے گا۔ لوگوں کو مال دینے کے لیے بلایا جائے گا لیکن کوئی بھی مال لینے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔'' [1]

14 ''دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج۔''

''خداوند خدا، جو اپنے فضل سے اپنی قوم اسرائیل کو تمام ضروری چیزوں سے نوازتا ہے، زمین کے تمام قبیلوں کا خیال رکھیو، جنھیں تو نے اپنے اُس رسول کی معرفت برکت دینے کا وعدہ فرمایا ہے...... دنیا پر رحم فرما اور اپنا رسول جلد بھیج تاکہ ابلیس، تیرے دشمن، کی سلطنت چھن جائے۔'' اور یہ کہہ کر یسوع نے تین بار کہا: ''ایسا ہی ہو، خداوند عظیم ورحیم!'' [2]

حضرت مسیح علیہ السلام کی یہ دعا پونے چھ سو برس بعد سرزمین حجاز میں پوری ہوئی جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام ابنائے آدم کی رہبری کے لیے مبعوث ہوئے اور آپ کے دین اسلام کو غلبہ ملا تو اللہ کے دشمنوں کی سلطنتیں نیست و نابود ہوگئیں۔

[1] صحیح مسلم: (243)-155. [2] برناباس کی انجیل: 212.



طاق کسریٰ کے کھنڈر

نبیِ کریم ﷺ کی نبوت پر علمائے اہلِ کتاب کی شہادتیں

رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اہلِ کتاب کے کئی علماء نے اپنی کتابوں میں بیان کی گئی پیش گوئیوں کے ذریعے سے آپ کی ذات عالی میں نبوت کی واضح علامات کو پہچانا اور اُن میں سے کئی حضرات اسلام کی سعادت سے بہرہ مند بھی ہوئے۔ قرآن مجید کا بیان ہے:

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا ۚ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝﴾

''اور کافر کہتے ہیں: تم رسول نہیں ہو۔ آپ کہہ دیجیے: میرے اور تمھارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے اور وہ شخص (بھی) جس کے پاس کتاب کا علم ہے۔''[1]

یہ آیت کریمہ ان علمائے اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کی بشارتوں کی روشنی میں سابقہ آسمانی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ پاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾

''اور میری رحمت ہر چیز پر محیط ہے، چنانچہ جلد ہی میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکاۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں، وہ جو (محمد) رسول (اللہ) کی، جو نبی امی ہیں، پیروی کرتے ہیں، جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔''[2]

اور فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةً أَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝﴾

''کیا ان کے لیے (یہ) ایک نشانی کافی نہیں کہ علمائے بنی اسرائیل اس (قرآن یا صاحبِ قرآن) کو

[1] الرّعد 43:13. [2] الأعراف 157,156:7.

جانتے ہیں۔"[1]

اس مفہوم کی اور بھی کئی آیات کریمہ ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اپنی آسمانی کتابوں کی روشنی میں یہ جانتے ہیں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں۔

یہ علامات اس قدر روشن اور واضح تھیں کہ وہ نبیِ کریم ﷺ کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح وہ اپنی اولاد کو پہچانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی، وہ اس (رسول) کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔"[2]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ حضرت محمد ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹے کو؟ انھوں نے کہا: بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ آسمان سے ایک امین (جبریل) زمین کے ایک امین حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا اور اس نے آپ ﷺ کی شان بتلائی جس کی وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا، حالانکہ آپ کی والدہ کے بارے میں مجھے کوئی علم نہیں۔[3]

پھر اسی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آگے یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی کتابوں میں نبی اکرم ﷺ کی جو صفات لکھی ہوئی ہیں، وہ صفات ان میں سے کچھ لوگ چھپاتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے اہل ایمان بندوں کو ثابت قدم رکھنے کے لیے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جس دین و شریعت کو لائے ہیں: "وہ بلاشک وشبہ حق اور سچ ہے، لہٰذا تم ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔"[4]

ذیل میں چند علمائے اہلِ کتاب کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنھوں نے تورات وانجیل میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پائی جانے والی مختلف صفات سے آپ کو پہچانا، پھر بعض نے اسلام قبول کرلیا اور بعض نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

یہودی عالم زید بن سُعنہ کی تصدیق

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے زید بن سعنہ کو ہدایت دینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے اپنے دل میں کہا: "میں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ساری نشانیاں اُسی وقت پہچان لی تھیں جب میں نے آپ ﷺ کا چہرہ مبارک دیکھا تھا۔ مگر دو نشانیاں ایسی ہیں جن کی پہچان کا موقع ابھی تک نہیں ملا۔ پہلی یہ کہ کیا آپ ﷺ کا حلم آپ کے غضب سے بڑھا ہوا ہے؟ دوم یہ کہ کیا دوسروں کا انتہائی جاہلانہ رویہ آپ کے حلم اور

[1] الشعرآء 197:26. [2] البقرة 146:2. [3] تفسير القرطبي، البقرة 146:2. [4] البقرة 147:2.

بردباری میں مزید اضافے کا باعث بنتا ہے؟

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: میں محمد (ﷺ) سے بڑی نرمی سے پیش آتا تھا تاکہ میں آپ سے میل جول رکھ کر آپ کے حلم اور غصے کو جانچ پرکھ لوں۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ گھر سے نکلے۔ آپ کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ ایک بدو نما آدمی اپنی سواری پر آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''اے اللہ کے رسول! بنوفلاں کی بستی کے لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے ہیں۔ میں نے انھیں بتایا تھا کہ اگر تم اسلام قبول کرلو تو اللہ تعالیٰ تمھیں وافر رزق عطا فرمائے گا۔ اب وہ قحط، سختی اور خشک سالی کی زد میں ہیں۔ اللہ کے رسول! مجھے ڈر ہے مبادا وہ لالچ کرتے ہوئے اسلام سے اسی طرح نکل جائیں جس طرح وہ طمع کے مارے اس میں داخل ہوئے تھے۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو ان کی امداد کی خاطر ان لوگوں کو کوئی چیز بھیجیں (یہ اقدام بہتر ہوگا۔)'' رسول اللہ ﷺ نے (سوالیہ نظروں سے) ایک شخص (علی رضی اللہ عنہ) کی طرف دیکھا تو انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! اس (مال) میں سے کچھ باقی نہیں بچا۔''

زید بن سعنہ کہتے ہیں: (میں تو موقع کی تاک میں بیٹھا تھا) میں کھسک کر آپ ﷺ کے قریب ہوگیا اور کہا: ''اے محمد! کیا آپ میرے ہاتھ اتنی اتنی مدت کے لیے بنوفلاں کے باغ میں سے معلوم مقدار میں کھجوریں فروخت کرنا چاہتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا، يَا يَهُودِيُّ! وَلٰكِنْ أَبِيعُكَ تَمْرًا مَّعْلُومًا إِلٰى أَجَلِ كَذَا وَكَذَا وَلَا أُسَمِّي حَائِطَ بَنِي فُلَانٍ»

''اے یہودی! نہیں، البتہ میں تیرے ہاتھ اتنی اتنی مدت تک کے لیے معلومہ کھجوریں بیچوں گا اور بنوفلاں کے باغ کا نام نہیں لوں گا۔''

میں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' آپ نے میرے ساتھ سودا طے کرلیا۔ میں نے اپنی تھیلی کھولی اور طے شدہ مدت تک کے لیے معلومہ کھجوروں کے بدلے میں سونے کے اسّی (80) مثقال [1] دیے۔ نبی کریم ﷺ نے وہ مثقال اُس شخص کو دے دیے اور فرمایا:

«أَعْجِلْ عَلَيْهِمْ وَأَغِثْهُمْ بِهَا»

''یہ رقم جلدی سے انھیں پہنچا دو اور اس کے ذریعے سے ان کی مدد کرو۔''

[1] مثقال وزن کا ایک پیمانہ ہے۔ مثقال کی مقدار $1\frac{3}{7}$ درہم ہے۔ سونا تولنے کا مثقال 72 جو کے دانے یا 4.24 گرام کے برابر ہے۔ باقی اشیاء تولنے کا مثقال 80 جو کے دانے یا 4.5 گرام کے برابر ہے۔ (تاج العروس، مادة: ثقل، المعجم الوسيط، مادة: ثقل، معجم لغة الفقهاء، ص: 449)

زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ ابھی معینہ مدت کے ختم ہونے میں دو تین دن کی مہلت باقی تھی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کسی انصاری کے جنازے میں تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ ابوبکر، عمر، عثمان اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ آپ نے نماز جنازہ ادا کر لی اور ایک دیوار کے سہارے بیٹھنے کے لیے اس کے قریب ہوئے تو میں نے ایک دم آپ کا گریبان پکڑ لیا، غصے سے آپ کی طرف دیکھا اور کہا: ''اے محمد! کیا آپ میرا حق ادا نہیں کریں گے؟ اللہ کی قسم! اے بنوعبدالمطلب! مجھے تو تم لوگ ٹال مٹول کرنے والے معلوم ہوتے ہو۔ مجھے تمھارے لین دین کا پہلے ہی علم تھا۔'' اس موقع پر عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے شدید غصے سے مجھے گھورا اور کہا: ''اے اللہ کے دشمن! تم رسول اللہ ﷺ سے یہ کیا بات کہہ رہے ہو جو میں سن رہا ہوں اور ان سے یہ کیا برتاؤ کر رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ اُس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! اگر مجھے اپنے وار کے خطا ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اپنی تلوار سے تمھارا سر قلم کر دیتا۔''

اس وقت رسول اللہ ﷺ انتہائی اطمینان و سکون سے تشریف فرما تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کی طرف مسکرا کر دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَهُوَ كُنَّا أَحْوَجَ إِلَى غَيْرِ هٰذَا مِنْكَ يَا عُمَرُ! أَنْ تَأْمُرَنِي بِحُسْنِ الْأَدَاءِ وَ تَأْمُرَهُ بِحُسْنِ التِّبَاعَةِ، اذْهَبْ بِهِ يَا عُمَرُ! فَاقْضِهِ حَقَّهُ وَزِدْهُ عِشْرِينَ صَاعًا مَكَانَ مَا رُعْتَهُ»

''اے عمر! میں اور یہ شخص، دونوں تمھاری طرف سے اس سے مختلف ردعمل کے مستحق تھے، یعنی تم مجھے حسنِ ادا کی تلقین کرتے اور اسے طریقۂ طلب کا بہتر انداز اختیار کرنے کا حکم دیتے۔ اے عمر! جاؤ، اسے اس کا حق ادا کرو اور اپنی طرف سے اسے ڈرانے (دھمکانے) کی تلافی کے طور پر بیس صاع [1] زیادہ ادا کرو۔''

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمر (رضی اللہ عنہ) مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور میرا حق ادا کر دیا۔ مزید برآں اُنھوں نے مجھے بیس صاع اضافی کھجوریں بھی دیں۔ میں نے پوچھا: ''یہ اضافہ کس لیے ہے؟'' وہ کہنے لگے: ''اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں نے جو تمھیں ڈرایا دھمکایا ہے، اس کے بدلے میں تمھیں بیس صاع اضافی کھجوریں بھی دوں۔''

میں نے پوچھا: ''اے عمر! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟'' وہ بولے: ''نہیں، میں نہیں جانتا کہ تم کون ہو؟'' میں نے بتایا:

[1] صاع 4 مد کے برابر ہے جبکہ ایک مد 5.33 رطل کا ہے۔ ایک رطل 12 اوقیہ کا ہے جبکہ ایک اوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے ایک صاع کے 2173.36 گرام بنتے ہیں۔ (معجم لغة الفقهاء، ص: 270 و 450،449)

''میں زید بن سعنہ ہوں۔'' انھوں نے پوچھا: ''یہودیوں کا عالم؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' عمر رضی اللہ عنہ نے جھٹ پوچھا: ''پھر تمھیں کس چیز نے اکسایا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے وہ کہو جو تم نے کہا اور ان کے ساتھ وہ جارحانہ برتاؤ کرو جو تم نے کیا؟'' میں نے کہا: ''اے عمر! جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تھا تو آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک میں نبوت کی ساری علامتیں پہچان لی تھیں مگر میں ابھی تک دو نشانیوں کا کھوج نہیں لگا سکا تھا، یعنی آپ کا حلم آپ کے غضب سے بڑھا ہوا ہے اور دوسروں کا انتہائی گھٹیا جاہلانہ رویہ آپ کے حلم میں مزید اضافہ کر دیتا ہے۔ اب میں نے یہ دونوں نشانیاں بھی خوب اچھی طرح جانچ پرکھ کر دیکھ لی ہیں۔ اے عمر! میں تمھیں گواہ بناتا ہوں اور اعلان کرتا ہوں:

قَدْ رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا.

''میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہو گیا۔''

میں اپنے علاقے میں سب سے زیادہ مالدار ہوں۔ میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میرا آدھا مال اُمت محمد کے لیے صدقہ ہے۔'' عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''تمھارا مال سب کے لیے کفایت نہیں کرے گا۔ اس لیے یہ کہو کہ میرا مال اُمت کے بعض افراد کے لیے صدقہ ہے۔'' میں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' پھر حضرت عمر اور زید بن سعنہ رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ زید نے وہاں پہنچتے ہی اعلان کیا:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور یقیناً محمد (ﷺ) اُس کے بندے اور رسول ہیں۔''

زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ آپ پر ایمان لے آئے، انھوں نے آپ کی تصدیق اور پیروی کی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت سے غزوات میں شریک ہوئے۔[1]

یہودی عالم مُخَیْرِیق کا ایثار

مُخَیْرِیق یہودیوں کے بہت بڑے عالم اور بہت مالدار آدمی تھے۔ اُن کے کھجوروں کے بہت سے باغات تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کی ان صفات کے ذریعے سے پہچانتے تھے جو ان کے علم میں تھیں مگر ان پر اپنے دین کی محبت غالب آ گئی۔ وہ یہودیت ہی پر قائم رہے یہاں تک کہ جب اُحد کا دن آیا تو یہ سبت (ہفتہ) کا دن تھا۔

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/91-93.


مدینہ میں یہودی عالم مخیریق کا باغ

وہ (یہودیوں سے مخاطب ہو کر) کہنے لگے: ''اے یہودیوں کی جماعت! تم جانتے ہو کہ محمد (ﷺ) کی مدد کرنا تم پر لازم ہے۔'' یہودی کہنے لگے: ''آج تو یوم سبت (ہفتہ) ہے۔'' مُخَیْرِیق نے کہا: ''آج کے بعد کوئی سبت نہیں۔'' پھر اُنھوں نے اپنے ہتھیار اُٹھائے اور نکل پڑے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کے پاس میدان احد میں آ گئے۔

مُخَیْرِیق نے اپنے پیچھے موجود اپنی قوم کے لوگوں کو یہ وصیت کی: ''اگر میں اس دن قتل ہو جاؤں تو میرا مال محمد (ﷺ) کے لیے ہوگا، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔'' لڑائی شروع ہوئی تو مُخَیْرِیق نے بھی لڑائی میں بھرپور شرکت کی، بالآخر قتل ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: «مُخَيْرِيقٌ خَيْرُ يَهُودٍ» ''مُخَیْرِیق یہودیوں میں سے بہترین آدمی تھا۔'' پھر آپ نے (ان کی آرزو کے مطابق) اُن کا مال اپنی نگرانی میں لے لیا۔ مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کے عام صدقات و خیرات اسی مال سے ادا ہوتے تھے۔[1]

سردارِ یہود حُیَیّ بن اَخطب کی تصدیق اور حسد

ام المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق یہودیوں کے نامور قبیلے بنونضیر سے تھا۔ وہ قبیلے کے سردار حُیَیّ کی صاحب زادی تھیں۔ آپ بیان کرتی ہیں کہ میں اپنے والد کی بڑی لاڈلی اور چچا ابو یاسر کی بہت چہیتی تھی۔ میں جب بھی اپنے والد اور اپنے چچا کے بچوں کے ساتھ ان سے ملتی تو وہ سب بچوں کو چھوڑ کر مجھی کو گود میں اٹھا لیتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اور قباء میں بنوعمرو بن عوف کے ہاں ٹھہرے تو میرے والد حیی بن اخطب اور چچا ابو یاسر بن اخطب صبح سویرے ہی ان کی خدمت میں چلے گئے۔ وہ غروب آفتاب کے وقت واپس آئے۔ صفیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ تھکے ماندے تھے۔ دائیں بائیں ڈول رہے تھے، گرتے پڑتے آ رہے تھے۔ آہستہ آہستہ قدم اُٹھا رہے تھے۔ میں معمول کے مطابق خوشی خوشی لپک کر اُن کے پاس گئی جس طرح پہلے جایا کرتی تھی۔ اللہ کی قسم! وہ جس صدمے سے دوچار تھے، اُس کی وجہ سے ان میں سے کسی نے میری طرف توجہ ہی نہیں دی۔ میں نے اپنے

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/79,78.



مدینہ میں قبیلہ بنونضیر کے آثار

چچا ابویاسر کو اپنے والد سے یہ کہتے ہوئے سنا: ''کیا یہ وہی ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''ہاں، اللہ کی قسم! (یہ وہی ہیں)۔'' چچا نے پوچھا: ''کیا تم اُنھیں (اُن کی علامات سے) پہچانتے ہو اور اُن کی تصدیق کرتے ہو؟'' میرے والد نے کہا: ''ہاں!'' چچا نے پھر پوچھا: ''اُن کے متعلق تمھارے دل میں کیا بات آتی ہے؟'' میرے والد نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! جب تک میں زندہ ہوں، میرے دل میں اُن کے لیے دشمنی ہی رہے گی۔'' [1]

ابونملہ عمار بن معاذ انصاری اوسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنوقریظہ کے یہودی اپنی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ پڑھا کرتے تھے۔ وہ اپنے بچوں کو آپ کی صفات، نام اور مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کے بارے میں بتایا کرتے تھے۔ جب آپ ﷺ کا ظہور ہوا تو وہ حسد میں مبتلا ہو گئے۔ اُنھوں نے بغاوت کی اور آپ (کی رسالت) کا انکار کر دیا۔ [2]

جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، یہودی مشرکینِ عرب کے خلاف محمد ﷺ کی آمد کا واسطہ دے کر فتح کی دعا مانگتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! اس نبی کو اب مبعوث فرما دے جن کے بارے میں ہم اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تاکہ وہ مشرکوں کو (ان کی حرکات کا) مزہ چکھائیں اور انھیں قتل کر دیں، مگر جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور یہودیوں نے دیکھا کہ آپ کا تعلق ان کے طبقے سے نہیں ہے تو انھوں نے عربوں سے حسد کرتے ہوئے آپ کے ساتھ کفر کیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اسی کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝ ﴾

''پھر جب ان کے پاس (وہ ہستی) آ پہنچی جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 78,77/1. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 79/1.

کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔" [1]

شام کے یہودی عالم ابن الہَیَّبان کی وصیت

ابوعمر عاصم بن عمرو بن قتادہ بن نعمان مدنی رحمۃ اللہ بنوقریظہ کے ایک شیخ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: "کیا آپ کو پتا ہے ثعلبہ بن سُعنہ، اُسید بن سعنہ اور اسد بن عبید کیسے مسلمان ہوئے؟ یہ بنو ذہل کے لوگ تھے (ذہل کا نام وائل بن مزیقیا قحطانی تھا یہ لوگ نجران میں رہتے تھے۔ بنو ذہل، بنوقریظہ اور بنونضیر سے نہیں تھے۔) یہ بنوقریظہ کے پاس (یثرب) آئے اور ان کے زمانۂ جاہلیت میں اُن کے ساتھ تھے، پھر اسلام قبول کرنے کے بعد اُن کے سردار بن گئے تھے۔"

راوی عاصم کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا: جی نہیں۔ میں ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ تب وہ شیخ کہنے لگے کہ اہلِ شام کے یہودیوں میں سے ابن الہَیَّبان نامی ایک شخص دعوتِ اسلام سے کئی سال پہلے ہمارے پاس آیا اور ہمارے پاس رہنے لگا۔ اللہ کی قسم! ہم نے کبھی ایسا شخص نہیں دیکھا جو پانچ وقت کی نماز اس سے اچھی پڑھتا ہو۔ جب بھی خشک سالی ہوتی، ہم اُس کے پاس جاتے اور درخواست کرتے: "ابن الہَیَّبان! اٹھو اور ہمارے لیے بارش کی دُعا کرو۔" یہ سُن کر وہ ہم سے کہتا: "اللہ کی قسم! جب تک تم دعا کے لیے نکلنے سے پہلے صدقہ نہیں کرو گے، میں دُعا نہیں کروں گا۔" لوگ پوچھتے: کتنا صدقہ کریں؟ وہ کہتا: ہر انسان کی طرف سے ایک صاع کھجور اور ایک مد جو۔

چنانچہ ہم صدقہ کرتے، پھر وہ ہمیں لے کر حرّہ کی طرف نکل جاتا اور بارش کے لیے دُعا مانگتا۔ اللہ کی قسم! ابھی وہ اپنی نشست سے نہیں ہٹتا تھا کہ ایک تیز بادل تیرتا ہوا گزرتا اور اس کی دعا کے ذریعے سے ہم پر بارش برسنے لگتی تھی۔ ایسا کئی مرتبہ ہوا۔ پھر اس کی وفات کا وقت آ گیا، وہ جان گیا کہ اب وہ مرنے والا ہے تو اس نے کہا: "اے یہودیوں کی جماعت! کیا تمھیں معلوم ہے میں شراب اور خمیری روٹی والی سرزمین (شام کا علاقہ) چھوڑ کر یہاں بھوک اور تنگ دستی والی زمین (یثرب) میں کیوں آیا ہوں؟" ہم نے کہا: "اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔" وہ کہنے لگا: "سنو! میں اس شہر میں اس لیے آیا ہوں تاکہ اُس نبی کے ظہور کا انتظار کروں جس کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ شہر اس کی ہجرت گاہ ہے۔ میں امید رکھتا تھا کہ وہ مبعوث ہوگا تو میں اس کی پیروی کروں گا۔ اُس کا زمانہ تمھارے قریب آ گیا ہے۔ اے یہودیو! اُس پر ایمان لانے میں جلدی کرنا مبادا کوئی تم سے سبقت لے جائے۔ وہ اپنے مخالفین کا خون بہانے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو قیدی بنانے کا حکم لے کر مبعوث ہوگا، لہٰذا یہ بات تمھیں اُس کا ساتھ دینے

[1] البقرۃ 2:89.



مسجد بنوقریظہ جس جگہ پر قبیلہ بنوقریظہ کے محاصرے کے دوران نبی ﷺ نے نماز ادا کی

سے نہ روک نہ پائے۔''

جب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے اور (ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے اور 5 ہجری میں) بنوقریظہ (کی بدعہدی کی بنا پر ان) کا محاصرہ کیا تو ان نوخیز نوجوانوں نے کہا: ''اے بنوقریظہ! اللہ کی قسم! یہ وہی نبی ہیں جن کے بارے میں ابن الھَیِّبان نے تمھیں وصیت کی تھی۔'' بنوقریظہ کے لوگ کہنے لگے: ''یہ وہ نبی نہیں۔'' وہ کہنے لگے: ''کیوں نہیں اللہ کی قسم! یہ اپنی صفات کے اعتبار سے وہی ہیں۔'' چنانچہ وہ لوگ قلعوں سے نیچے اُتر آئے اور مسلمان ہوگئے۔ یوں وہ اپنی جان، مال اور اہل وعیال سمیت محفوظ ہوگئے۔[1]

یہودی عالم عبداللہ بن صوریا کی تصدیق

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مدینہ میں یہودیوں کے بیت المدراس (Synagogue) میں گئے۔ آپ نے فرمایا: «أَخْرِجُوا إِلَيَّ أَعْلَمَكُمْ» ''تم اپنے سب سے بڑے عالم کو میرے پاس لاؤ۔'' وہ کہنے لگے: ''ہمارے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن صوریا ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ اُس سے تنہائی میں ملے۔ آپ نے اس کے دین کا اور جو اللہ تعالیٰ نے ان (یہودیوں) پر انعامات کیے، انھیں من وسلویٰ کھلایا اور ان پر بادلوں کا سایہ کیا، ان کا حوالہ دے کر پوچھا:

«أَتَعْلَمُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

''کیا تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟''

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/82,81.

وہ کہنے لگا: ''جی ہاں! اللہ گواہ ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ جو میں پہچانتا ہوں، اسے باقی یہودی بھی پہچانتے ہیں۔ بلاشبہ تورات میں آپ کی صفات اور علامات بہت واضح طور پر موجود ہیں۔ لیکن انھوں نے آپ سے حسد کیا ہے (اسی لیے یہ لوگ آپ کو رسول تسلیم نہیں کر رہے۔)'' نبی کریم ﷺ نے پوچھا:

«فَمَا يَمْنَعُكَ أَنْتَ؟»

''پھر تمھارے لیے (قبولِ حق میں) کیا رکاوٹ ہے؟''

وہ کہنے لگا: ''میں اپنی قوم کی مخالفت سے ڈرتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ آپ کی پیروی کرتے ہوئے مسلمان ہو جائیں، پھر میں بھی مسلمان ہو جاؤں گا۔'' [1]

عبداللہ بن صوریا کا مسلمان ہونا مختلف فیہ ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا رجحان یہی ہے کہ وہ مسلمان ہونے کے بعد مرتد ہوگیا تھا، البتہ اُس کی طرف سے نبیِ کریم ﷺ کی تصدیق کرنے کا ذکر صراحت سے موجود ہے۔ [2]

عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی گواہی

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کو رسول کریم ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کی خبر ملی تو وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: ''میں آپ سے تین چیزوں کے بارے میں پوچھوں گا کیونکہ انھیں نبی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا:

1 قیامت کی سب سے پہلی علامت کیا ہے؟

2 وہ کون سا کھانا ہے جو جنتیوں کو سب سے پہلے پیش کیا جائے گا؟

3 کس چیز کی وجہ سے بچہ اپنے باپ کے مشابہ ہوتا ہے اور کس چیز کی وجہ سے وہ اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَبَّرَنِي بِهِنَّ آنِفًا جِبْرِيلُ» ''مجھے جبریل نے ان کے بارے میں ابھی ابھی خبر دی ہے۔'' یہ ارشاد مبارک سُن کر عبداللہ بن سلام کہنے لگے: ''فرشتوں میں سے جبریل تو یہودیوں کے دشمن ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے (گفتگو جاری رکھی اور) فرمایا:

«أَمَّا أَوَّلُ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ، فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ إِلَى الْمَغْرِبِ، وَ أَمَّا أَوَّلُ طَعَامٍ يَأْكُلُهُ أَهْلُ الْجَنَّةِ فَزِيَادَةُ كَبِدِ حُوتٍ، وَأَمَّا الشَّبَهُ فِي الْوَلَدِ، فَإِنَّ الرَّجُلَ إِذَا غَشِيَ الْمَرْأَةَ

1 البداية والنهاية: 300/2. 2 دیکھیے: فتح الباري: 209/12، الإصابة: 116,115/4.

فَسَبَقَهَا مَاؤُهُ كَانَ الشَّبَهُ لَهُ، وَإِذَا سَبَقَ مَاؤُهَا كَانَ الشَّبَهُ لَهَا»

1 ''قیامت کی سب سے پہلی علامت ایک آگ (کی صورت میں ظاہر) ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کرے گی۔

2 سب سے پہلا کھانا جو اہلِ جنت کی ضیافت کے لیے پیش کیا جائے گا، وہ مچھلی کی کلیجی سے لگا اضافی ٹکڑا ہوگا۔

3 جہاں تک بچے کی مشابہت کا تعلق ہے، جب مرد عورت سے صحبت کرتا ہے، اس وقت مرد کا پانی (جوہرِ حیات) عورت سے سبقت لے جائے تو مرد کے ساتھ بچے کی مشابہت ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی سبقت لے جائے تو بچے کی مشابہت عورت کے ساتھ ہوتی ہے۔''

(یہ سن کر) عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر انھوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! یہودی انتہائی بہتان طراز قوم ہے۔ اگر آپ کے پوچھنے سے پہلے ہی انھیں میرے بارے میں یہ پتا چل گیا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے تو وہ آپ کے سامنے ہی مجھ پر طرح طرح کی تہمتیں دھرنی شروع کر دیں گے۔'' چنانچہ کچھ یہودی آئے تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (ان کی نظروں سے بچنے کے لیے) گھر میں داخل ہو کر چُھپ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا:

«أَيُّ رَجُلٍ فِيكُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ؟»

''تم لوگوں میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟''

یہودی کہنے لگے: ''وہ ہم میں سب سے بڑے عالم ہیں اور سب سے بڑے عالم کے بیٹے ہیں۔ وہ ہم میں سب سے بہتر ہیں اور سب سے بہتر کے صاحبزادے ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا:

«أَفَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْلَمَ عَبْدُاللّٰهِ؟»

''مجھے بتاؤ اگر عبداللہ بن سلام مسلمان ہو جائیں (تو کیا تم مسلمان ہو جاؤ گے)؟''

وہ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ انھیں اس سے محفوظ رکھے۔'' اتنے میں عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے آئے اور کہا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔'' یہ سُن کر وہ سب ان کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ ہم میں سے بدترین آدمی ہے اور سب سے بدتر شخص کا بیٹا ہے، پھر وہ ان کی برائی کرنے لگے۔[1]

[1] صحيح البخاري: 3329.

قیصرِ روم ہرقل کی تصدیق


قیصر روم کا سکہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ابو سفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انھیں بتایا کہ وہ قریش کے ایک تجارتی قافلے کے ساتھ شام گئے ہوئے تھے۔ یہ وہ مدت تھی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان اور کفارِ قریش سے وقتی عہد کیا ہوا تھا۔ (یہ صلح حدیبیہ سن 6 ہجری کے بعد کا واقعہ ہے)۔ ہرقل نے انھیں ان کے ساتھیوں سمیت اپنے دربار میں طلب کیا۔ یہ لوگ بیت المقدس میں اُس کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت اس کے آس پاس روم کے رؤساء بیٹھے ہوئے تھے۔ پس اس نے انھیں اور اپنے ترجمان کو بلایا، پھر پوچھا: ''جس شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، اُس کا سب سے قریبی رشتہ دار کون ہے؟'' ابوسفیان نے کہا: ''میں اُس کا سب سے قریب النسب ہوں۔'' ہرقل نے کہا: ''اسے اور اس کے ساتھیوں کو میرے قریب کرو، پھر اس شخص کے ساتھیوں کو اس کے پیچھے بٹھا دو۔''

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ''ابوسفیان کے ساتھیوں سے کہو کہ میں ابوسفیان سے اُس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں سوالات کروں گا، اگر یہ غلط بیانی کرے تو تم لوگ اسے جھٹلا دینا۔'' ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! اگر جھوٹ بولنے سے بدنامی کا خوف نہ ہوتا تو میں ہرقل سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارے میں یقیناً جھوٹ بولتا۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد ہرقل نے مجھ سے پہلا سوال یہ کیا: ''تم لوگوں میں اُس کا نسب کیسا ہے؟'' میں نے کہا: ''وہ ہم میں سب سے اعلیٰ نسب والا ہے۔'' پھر ہرقل نے پوچھا: ''کیا کبھی دعوائے نبوت کی بات اس سے پہلے بھی تم میں سے کسی نے کہی ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' اُس نے پوچھا: ''(اچھا بتاؤ) کیا اس کے بزرگوں میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' اُس نے پوچھا: ''(اچھا یہ بتاؤ کہ) کیا بڑے بڑے امیر لوگوں نے اُس کی پیروی کی ہے یا کمزور لوگوں نے؟'' میں نے کہا: ''کمزور لوگوں نے۔'' پھر اُس نے پوچھا: ''اس کے پیروکار بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟'' میں نے کہا: ''ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔'' پھر اُس نے پوچھا: ''کیا یہ دین قبول کرنے کے بعد کوئی شخص اس دین سے منحرف ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' پھر اُس نے پوچھا: ''کیا اُس کے دعوائے نبوت سے پہلے تم نے کبھی اُس پر جھوٹ کی تہمت بھی لگائی ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں!'' پھر اُس نے پوچھا: ''کیا وہ کبھی بدعہدی کرتا ہے؟'' میں نے کہا: ''نہیں! البتہ ہم لوگ اس

وقت اس کے ساتھ صلح کی ایک مدت گزار رہے ہیں، معلوم نہیں اس دوران وہ کیا کرے گا۔'' ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس فقرے کے سوا مجھے اپنے جوابات میں اپنی طرف سے کوئی بات جڑ دینے کا موقع ہی نہیں ملا، پھر ہرقل نے پوچھا: ''کیا تم لوگوں نے کبھی اُس سے جنگ لڑی ہے؟'' میں نے کہا: ''جی ہاں!'' اُس نے پوچھا: ''تمھاری اور اس کی جنگ کیسی رہی؟'' میں نے کہا: ''جنگ ہم دونوں فریقوں کے مابین برابر کی چوٹ ہے۔ کبھی وہ ہمیں زک پہنچاتا ہے، کبھی ہم اُسے نقصان سے دوچار کر دیتے ہیں۔'' پھر اُس نے دریافت کیا: ''وہ تمھیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟'' میں نے کہا: ''وہ کہتا ہے: صرف ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، جن (بتوں) کی تمھارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اُنھیں چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز قائم کرنے، سچ بولنے، پاکدامنی اختیار کرنے اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔''

اس کے بعد ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا: ''ان لوگوں کو بتادو: میں نے تم سے اُس شخص (نبی ﷺ) کے نسب کے متعلق پوچھا تو تم نے بتایا کہ وہ تم میں اعلیٰ نسب والا ہے، چنانچہ دستور یہی ہے کہ انبیاء (علیہم السلام) قوم کے اونچے نسب ہی میں سے بھیجے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کیا تم میں سے کسی نے پہلے بھی نبوت کا دعویٰ کیا؟ تم نے جواب دیا: نہیں۔ اگر یہ بات اس سے پہلے کسی اور نے کہی ہوتی تو میں سمجھتا کہ یہ شخص ایک ایسی بات کی نقالی کر رہا ہے جو اس سے پہلے بھی کہی جا چکی ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا اُس کے آباء و اجداد میں سے کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ تم نے کہا: نہیں۔ اگر اُس کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں کہتا کہ وہ اپنی آبائی بادشاہت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پھر میں نے تم سے پوچھا: کیا تم نے اس کے دعوائے نبوت سے پہلے کبھی اُس پر جھوٹ بولنے کا الزام بھی لگایا ہے؟ تم نے اعتراف کیا کہ نہیں۔ پس میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگوں کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتا، بھلا وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیسے جھوٹ بولے گا؟ پھر میں نے پوچھا کہ قوم کے بڑے بڑے لوگ اُس کی پیروی کر رہے ہیں یا کمزور لوگ تو تم نے بتایا: کمزور لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ اسی قسم کے لوگ انبیاء (علیہم السلام) کے پیروکار ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ وہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ تم نے بتایا کہ اُن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ درحقیقت ایمان کی یہی رفتار ہوتی ہے یہاں تک کہ وہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے، پھر میں نے پوچھا کہ کیا دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص منحرف ہو کر مرتد بھی ہوا ہے؟ تم نے کہا: نہیں۔ ایمان کا یہی حال ہے، جب اس کی چاشنی دل میں اُتر جاتی ہے تو پھر نہیں نکلتی۔ پھر میں نے پوچھا: کیا وہ دھوکا دیتا ہے؟ تم نے بتایا: وہ دھوکا نہیں دیتا۔ رسول ایسے ہی ہوتے ہیں، وہ کبھی دھوکا نہیں دیتے۔ پھر میں نے

پوچھا کہ وہ تمھیں کس چیز کا حکم دیتا ہے؟ تم نے بتایا: وہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، کسی چیز کو اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ، وہ تمھیں بت پرستی سے منع کرتا ہے اور تمھیں نماز پڑھنے، سچ بولنے، صلہ رحمی کرنے اور پاک دامن رہنے کا حکم دیتا ہے۔ جو کچھ تم نے بتایا ہے اگر وہ صحیح ہے تو (جان لو) یہ شخص بہت جلد اس جگہ کا مالک ہوگا جہاں اس وقت میرے یہ دونوں قدم ہیں۔ میں پہلے ہی جانتا تھا کہ یہ نبی آنے والا ہے لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس پہنچ سکوں گا تو اس سے ملاقات کے لیے ضرور جاتا۔ اگر میں اُس کے پاس ہوتا تو اُس کے قدم دھوتا۔''

اس کے بعد ہرقل نے رسول اللہ ﷺ کا وہ نامۂ مبارک منگوایا جو آپ نے دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ حاکم بُصریٰ کے پاس بھیجا تھا اور انھوں نے وہ خط ہرقل کو پہنچا دیا تھا۔ ہرقل نے اسے پڑھا، اس میں لکھا تھا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ. مِنْ مُّحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ إِلٰى هِرَقْلَ عَظِيمِ الرُّومِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي أَدْعُوكَ بِدِعَايَةِ الْإِسْلَامِ، أَسْلِمْ تَسْلَمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ أَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ، فَإِنْ تَوَلَّيْتَ فَإِنَّ عَلَيْكَ إِثْمَ الْأَرِيسِيِّينَ، وَ ﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴾» (آل عمرٰن 3:64)

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔

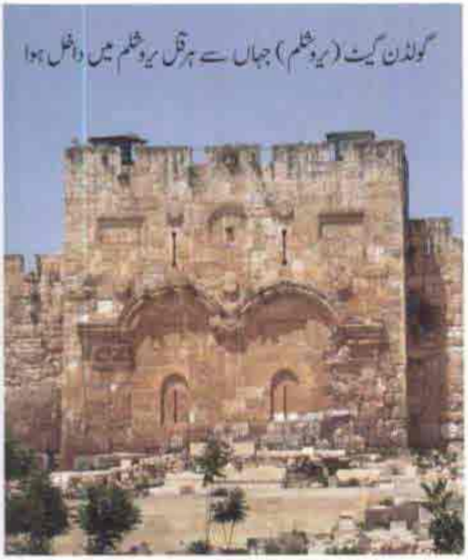
اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے قیصر روم ہرقل کے نام۔ اُس شخص پر سلامتی ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔ میں تمھیں اسلام کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ مسلمان ہو جاؤ، سلامتی نصیب ہوگی۔ اللہ تعالیٰ تمھیں دگنا اجر دے گا۔ اگر تم یہ بات نہیں مانو گے تو تم پر تمھاری رعایا کا گناہ بھی ہوگا اور ''اے اہل کتاب! ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ یہ کہ ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو رب نہ بنائے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو تم کہہ دو: اس بات کے گواہ رہو کہ بے شک ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔''

ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ہرقل جو کہنا چاہتا تھا، کہہ چکا اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو معاً وہاں بہت سی آوازیں بلند ہوئیں، شور مچ گیا اور ہمیں دربار سے باہر نکال دیا گیا۔ میں نے باہر آکر اپنے ساتھیوں سے کہا: ابوکبشہ کے بیٹے (محمد ﷺ) کا معاملہ بہت زور پکڑ گیا ہے۔ اُس سے تو رومیوں کا بادشاہ بھی ڈر رہا ہے۔ اس دن کے بعد مجھے برابر

یقین رہا کہ رسول اللہ ﷺ کا دین غالب آ کر رہے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی مشرف بہ اسلام کر دیا۔''

ختنہ کرنے والوں کے بادشاہ کے ظہور کا اعلان

ابن ناطور بیت المقدس کا گورنر، ہرقل کا مصاحب اور شام کے عیسائیوں کا پادری تھا۔ وہ بیان کرتا ہے: ''ہرقل جب بیت المقدس آیا تو ایک صبح وہ انتہائی رنجیدہ حالت میں بیدار ہوا۔ اس کے کچھ مصاحب اُس سے کہنے لگے: ہم دیکھتے ہیں کہ آپ کی طبیعت کچھ بجھی بجھی سی ہے۔'' ابن ناطور کہتا ہے کہ ہرقل ماہر نجومی اور ستارہ شناس بھی تھا۔ اس نے اپنے مصاحبوں کے سوال کے جواب میں بتایا: ''گزشتہ رات میں نے ستاروں کی چال کا جائزہ لیا تو مجھے پتا چلا کہ ختنہ کرنے والوں کے بادشاہ کا ظہور ہو چکا ہے۔ ذرا بتاؤ تو سہی کہ اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''صرف یہودی ختنہ کرتے ہیں لیکن ان سے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس آپ یہ کریں کہ اپنی مملکت کے شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجیں کہ وہاں جتنے بھی یہودی آباد ہیں، انھیں قتل کر دیا جائے۔''


گولڈن گیٹ (یروشلم) جہاں سے ہرقل یروشلم میں داخل ہوا

اس گفتگو کے دوران ہرقل کے سامنے ایک شخص پیش کیا گیا۔ اُسے شاہ غسان (حارث بن ابی شمر) نے بھیجا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کا حال بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے اس سے مطلوبہ معلومات حاصل کر لیں۔ پھر حکم دیا: ''اسے لے جاؤ اور دیکھو کہ اس کا ختنہ ہوا ہے یا نہیں؟'' لوگوں نے اسے دیکھا اور ہرقل کو بتایا کہ یہ ختنہ کیا ہوا آدمی ہے۔ ہرقل نے اس سے پوچھا: ''کیا عرب کے لوگ ختنہ کرتے ہیں؟'' وہ بولا: ''ہاں، وہ ختنہ کرتے ہیں۔'' ہرقل نے کہا: ''یہی (محمد ﷺ) اس امت کے بادشاہ ہیں۔ اُن کا ظہور ہو چکا ہے۔''

پھر ہرقل نے رومیہ (قسطنطنیہ) میں اپنے دوست (ضغاطر بن ابی کبشہ الرومی) کو ایک خط لکھا اور خود حمص روانہ ہوگیا۔ ہرقل کا دوست بھی علمی لحاظ سے اس کا ہم پلہ تھا۔ ابھی وہ حمص نہیں پہنچا تھا کہ اُس کے دوست کا جواب موصول ہوگیا۔ اس کی رائے بھی رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے سلسلے میں ہرقل کے مطابق تھی۔ اُس نے صاف لکھا کہ محمد ﷺ ہی نبی برحق ہیں۔

حمص پہنچ کر ہرقل نے روم کے رُؤساء کو اپنے محل میں دعوت دی۔ وہ آ گئے تو اُس نے حکم دیا کہ دروازے بند

کر دیے جائیں، پھر وہ بالا خانے پر گیا۔ انھیں دیکھا اور کہنے لگا: ''اے اہل روم! اگر تم اپنی کامیابی اور بھلائی چاہتے ہو اور اپنی بادشاہت کو باقی رکھنے کے آرزومند ہو تو اس نبی (محمد ﷺ) کی بیعت کرلو۔'' ہرقل کی یہ بات سن کر وہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح بدکے اور دروازوں کی طرف لپکے مگر انھیں بند پایا۔ ہرقل نے جب امراء و رؤساء کی یہ بیزاری دیکھی تو وہ ان کے ایمان سے مایوس ہوگیا۔ کہنے لگا: ''ان لوگوں کو میرے پاس لاؤ۔'' (جب وہ دوبارہ آئے تو) اس نے کہا: ''میں نے ابھی جو بات کہی تھی، وہ تمھاری اپنے دین پر پختگی کی آزمائش کے لیے تھی، سو وہ میں دیکھ چکا۔'' حاضرین یہ سن کر اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اُس سے راضی ہوگئے۔ ہرقل کا آخری معاملہ یہی تھا۔ وہ ایمان نہیں لایا۔ [1]

یہودی کا نیک بخت بیٹا

خادم رسول سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ وہ بیمار ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ اُس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ وہ موت و حیات کی کشمکش میں تھا۔ آپ نے اُس سے فرمایا: ''اسلام قبول کرلو۔'' لڑکے نے (سوالیہ نظروں سے) اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس وقت اس کے پاس ہی تھا۔ اُس کا باپ کہنے لگا: ''ابوالقاسم (ﷺ) کی بات مان لو۔'' لڑکا مسلمان ہوگیا۔ پھر (تھوڑی دیر بعد ہی) وہ فوت ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ جب باہر نکلے تو آپ فرما رہے تھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ بِي مِنَ النَّارِ»

''سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے اسے میرے ذریعے سے آگ سے بچا لیا۔'' [2]

ستر ہزار اُمتی بغیر حساب جنتی

عاصم بن کلیب اپنے والد کلیب بن شہاب جرمی سے روایت کرتے ہیں، وہ اپنے ماموں فلتان بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ فلتان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک آپ ﷺ کی نگاہ ایک یہودی پر پڑی۔ اُس نے شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ اُس کے پاؤں میں جوتے بھی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس سے گفتگو شروع کر دی۔ وہ گفتگو کے دوران آپ کو ''اے اللہ کے رسول!'' کہہ کر مخاطب کر رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا:

[1] صحيح البخاري: 7. [2] صحيح البخاري: 1356 و 5657، مسند أحمد: 280/3، واللفظ له.

«أَتَشْهَدُ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ؟»

”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں؟“

اُس نے جواب دیا: ”نہیں!“ آپ نے پوچھا:

«أَتَقْرَأُ التَّوْرَاةَ؟»

”کیا تم تورات پڑھتے ہو؟“ اُس نے جواب دیا: ”ہاں!“ پھر آپ نے پوچھا:

«أَتَقْرَأُ الْإِنْجِيلَ؟»

”کیا انجیل پڑھتے ہو؟“

اُس نے جواب دیا: ”جی ہاں!“ آپ نے پوچھا:

«وَالْقُرْآنَ؟»

”کیا قرآن بھی پڑھتے ہو؟“

وہ کہنے لگا: ”پڑھتا تو نہیں لیکن اگر آپ چاہیں تو پڑھ لوں گا۔“ نبی کریم ﷺ نے پوچھا:

«فَبِمَ تَقْرَأُ التَّوْرَاةَ وَ الْإِنْجِيلَ! أَتَجِدُنِي نَبِيًّا؟»

”تمھیں تورات اور انجیل پڑھنے کی قسم! کیا تم مجھے (ان میں) نبی پاتے ہو؟“

وہ کہنے لگا: ”اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم آپ کی صفات اور بعثت (کا تذکرہ) پاتے ہیں۔ جب آپ (ﷺ) کا ظہور ہوا تو ہمیں اُمید تھی کہ آپ ہم میں سے ہوں گے۔ لیکن جب ہم نے آپ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ آپ وہ نہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«وَلِمَ يَا يَهُودِيُّ؟»

”اے یہودی! کیوں؟“

وہ کہنے لگا: ”اُس نبی کے متعلق ہم یہ لکھا ہوا پاتے ہیں کہ اُس کی اُمت کے ستر ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے لیکن ہم آپ کے ساتھ تھوڑے سے لوگ دیکھتے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أُمَّتِي لَأَكْثَرُ مِنْ سَبْعِينَ أَلْفًا وَّ سَبْعِينَ أَلْفًا»

''بلاشبہ میری اُمت ستر ہزار اور مزید ستر ہزار سے بھی بہت زیادہ ہوگی۔'' [1]

اس کی تائید رسول اللہ ﷺ کے ایک اور فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«عُرِضَتْ عَلَيَّ الْأُمَمُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ وَالنَّبِيَّانِ يَمُرُّونَ مَعَهُمُ الرَّهْطُ، وَالنَّبِيُّ لَيْسَ مَعَهُ أَحَدٌ، حَتّٰى وَقَعَ فِي سَوَادٍ عَظِيمٍ، قُلْتُ: مَا هٰذَا؟ أُمَّتِي هٰذِهِ؟ قِيلَ: بَلْ هٰذَا مُوسٰى وَقَوْمُهُ، قِيلَ: انْظُرْ إِلَى الْأُفُقِ، فَإِذَا سَوَادٌ يَمْلَأُ الْأُفُقَ، ثُمَّ قِيلَ لِي: انْظُرْ هَاهُنَا وَهَاهُنَا ـ فِي آفَاقِ السَّمَاءِ ـ فَإِذَا سَوَادٌ قَدْ مَلَأَ الْأُفُقَ، قِيلَ: هٰذِهِ أُمَّتُكَ، وَيَدْخُلُ الْجَنَّةَ مِنْ هٰؤُلَاءِ سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ»

''میرے سامنے تمام امتیں پیش کی گئیں۔ ایک ایک دو دو نبی اور ان کے ساتھ ان کے ماننے والے (میرے روبرو) گزرتے رہے۔ بعض نبی ایسے بھی تھے کہ ان کے ساتھ ایک فرد بھی نہیں تھا۔ آخر میرے سامنے ایک بہت بڑی جماعت آئی۔ میں نے پوچھا: ''یہ کون ہیں؟ کیا یہ میری اُمت کے لوگ ہیں؟'' کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے، (پھر مجھ سے) کہا گیا کہ آسمان کے کنارے کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا، ایک بہت ہی بڑی جماعت ہے جس سے سارا کنارا بھرا ہوا تھا۔ پھر مجھ سے کہا گیا کہ اِدھر اور اُدھر آسمان کے مختلف کناروں کی طرف دیکھو۔ میں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی جماعت ہے جو تمام اُفق پر چھائی ہوئی ہے۔ کہا گیا کہ یہ آپ کی اُمت ہے۔ انھی لوگوں میں سے ستر ہزار افراد بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ (اپنے حجرے میں) تشریف لے گئے اور لوگوں کے سامنے کوئی تفصیل بیان نہیں فرمائی، پس لوگ (ان جنتیوں کے بارے میں) بحث کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم ہی ہیں جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کے رسول کی پیروی کی، اس لیے ہم (صحابہ) ہی وہ لوگ ہیں، یا (اس سے) ہماری وہ اولاد (مراد) ہے جو (زمانۂ) اسلام میں پیدا ہوئی، اس لیے کہ ہم تو (زمانۂ) جاہلیت میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ باتیں رسول اللہ ﷺ تک پہنچیں تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا:

«هُمُ الَّذِينَ لَا يَسْتَرْقُونَ وَلَا يَتَطَيَّرُونَ وَلَا يَكْتَوُونَ وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ»

[1] المعجم الكبير للطبراني: 334,333/18، المطالب العالية: 655/15، البداية والنهاية: 300/2، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 75,74.

”یہ وہ لوگ ہیں جو جھاڑ پھونک نہیں کراتے، بدشگونی نہیں لیتے اور داغ کر علاج نہیں کرتے اور اپنے رب ہی پر بھروسا کرتے ہیں۔“

اس پر عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں!“ اس کے بعد دوسرے صحابی کھڑے ہوئے اور عرض کی: ”اے اللہ کے رسول! کیا میں بھی ان میں سے ہوں؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «سَبَقَكَ بِهَا عُكَّاشَةُ» ”عکاشہ تجھ پر بازی لے گیا۔“ [1]

قیصر روم کے پاس انبیاء علیہم السلام کی تصویریں



ہرقل کا سکہ

ہشام بن عاص اُموی بیان کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک سریے (لشکر) کے ساتھ ہرقل کو دعوتِ اسلام دینے کے لیے بھیجا۔ قیصر روم نے ہمیں کپڑے کے ٹکڑے پر بنی ہوئی آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک انبیاء علیہم السلام کی تصویریں دکھائیں۔ یہ اُن صفات اور شکلوں کے مطابق تھیں جن پر وہ تھے۔ جب اُس نے رسول اللہ ﷺ کی تصویر نکالی تو وہ فوراً تعظیم کے لیے کھڑا ہوگیا، پھر بیٹھ کر اُس کی طرف دیکھنے اور غور کرنے لگا۔ ہم نے پوچھا: ”یہ تصاویر آپ کو کہاں سے ملیں؟“ ہرقل نے جواب دیا: ”آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھے میری اولاد میں سے انبیاء دکھائے جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کی صورتیں اُتار دیں، پھر یہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ کے پاس آدم علیہ السلام کے خزانے میں موجود تھیں، پھر ذوالقرنین نے یہ تصویریں نکالیں اور دانیال نبی کو دے دیں۔“ پھر قیصرِ روم کہنے لگا: ”اللہ کی قسم! میرا دل بادشاہت چھوڑنے پر راضی ہوگیا ہے۔ ہرچند میں ایسا آدمی ہوں جو مرتے دم تک اپنی بادشاہت چھوڑنا پسند نہیں کرتا۔“

قیصر نے ہمیں خوب تحفے تحائف دے کر اچھے طریقے سے رخصت کیا۔ جب ہم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس واپس آئے تو جو کچھ ہم نے دیکھا اور جو اس نے ہمیں تحفے تحائف دیے اور ہم سے کہا سنا، وہ سب کچھ ہم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کر دیا۔ وہ ہماری باتیں سن کر رو پڑے۔ فرمانے لگے: وہ مسکین آدمی ہے، اگر اللہ نے اس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہوتا تو وہ ایسا کر لیتا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ یہ عیسائی اور یہودی اپنی کتابوں میں واضح طور پر محمد ﷺ کی علامات اور صفات کا ذکر لکھا پاتے ہیں۔ [2]

[1] صحيح البخاري: 5705۔ [2] البداية والنهاية: 304/2، نیز دیکھیے: تفسير ابن كثير، الأعراف 157:7، دلائل النبوة للبيهقي: 386/1- 390، مطولاً.

یمنی یہودی عالم کی تصدیق اور کداء سے گھوڑوں کی آمد کی بشارت

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک تجارتی قافلے کے ساتھ یمن کی طرف نکلا۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں شامل تھے۔ میں یمن میں داخل ہوگیا۔ (ہمارا معمول یہ تھا کہ) ایک دن میں کھانا پکا کر ابوسفیان اور قافلے کے دیگر افراد کے پاس لے جاتا اور اُنھیں کھانا کھلاتا تھا اور ایک دن ابوسفیان کھانا پکاتے اور ساتھیوں کو کھلاتے تھے۔ یوں ہم باری باری یہ ذمہ داری نبھاتے تھے۔

جس دن میں کھانا تیار کر رہا تھا، اس دن ابوسفیان نے مجھ سے کہا: ''ابوالفضل! کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ میرے ڈیرے پر تشریف لائیں اور کھانا بھی وہیں بھیج دیں؟'' میں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' چنانچہ میں اپنے دیگر ساتھیوں کے ساتھ ابوسفیان کے ڈیرے پر پہنچا اور کھانے پینے کا سامان بھی انھیں وہیں دے دیا۔

جب سب لوگوں نے کھانا کھا لیا تو وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ ابوسفیان نے مجھے اپنے پاس ہی روک لیا اور کہنے لگے: ''اے ابوالفضل! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کا بھتیجا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کون سا بھتیجا؟'' ابوسفیان نے کہا: ''آپ مجھ سے بات چھپا رہے ہیں۔ بھلا آپ کے ایک بھتیجے کے سوا یہ بات کون کہہ سکتا ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کون سے بھتیجے نے دعویٰ کیا ہے۔ نشاندہی تو کریں؟'' ابوسفیان نے کہا کہ وہ (آپ کے بھائی) عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہے۔ میں نے پوچھا: ''کیا اُس نے ایسا (اعلان) کیا ہے؟'' ابوسفیان کہنے لگے: ''ہاں، اُس نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔'' پھر ابوسفیان نے اپنے نام اپنے بیٹے حنظلہ کا بھیجا ہوا خط مجھے نکال کر دکھایا جس کا مضمون یہ تھا:

''میں آپ کو خبر دیتا ہوں کہ محمد نے (مکہ کی) وادیِ ابطح میں کھڑے ہو کر اعلان کیا: «أَنَا رَسُولٌ أَدْعُوكُمْ



إِلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ» ”میں اللہ کا رسول ہوں اور تمھیں اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔“

میں نے کہا: ”اے ابو حنظلہ! میں اسے سچا پاتا ہوں۔“ ابوسفیان (جلدی سے) بولے: ”ٹھہریے ابوالفضل! اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا کہ آپ ایسی بات کہیں۔ بلاشبہ مجھے اس بات کی وجہ سے کسی نقصان کا اندیشہ نہیں۔ اے بنوعبدالمطلب! اللہ کی قسم! قریش ابھی تک یہ سمجھتے آ رہے ہیں کہ تمھیں سختیوں اور بڑے بڑے معاملات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اے ابوالفضل! میں آپ کو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ نے یہ بات سنی ہے؟“ میں نے کہا: ”ہاں، سنی تو ہے۔“ ابوسفیان نے کہا: ”اللہ کی قسم! یہ تمھاری نحوست ہے۔“ میں نے کہا: ”ممکن ہے ہماری برکت ہو۔“

اس کے بعد چند راتیں ہی گزری تھیں کہ حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ یہ خبر لے کر یمن پہنچ گئے (کہ واقعی محمد ﷺ نے مکہ میں نبوت کا اعلان کیا ہے) جبکہ وہ خود بھی ایمان لا چکے تھے۔ پھر تو یمن کی مجلسوں میں اس خبر کا چرچا ہو گیا۔

ابوسفیان یمن میں ایک مجلس میں بیٹھا کرتے تھے۔ اس میں یہودیوں کے علماء میں سے ایک عالم گفتگو کرتا تھا۔ اس یہودی نے ان سے پوچھا: ”یہ کیا خبر ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ جس آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اُس کا چچا تم میں موجود ہے۔“ ابوسفیان نے کہا: ”لوگ سچ کہتے ہیں۔ میں اُس کا چچا ہوں۔“ یہودی نے پوچھا: ”کیا تم اُس کے باپ کے بھائی ہو؟“ ابوسفیان نے کہا: ”ہاں!“ یہودی عالم نے کہا: ”مجھے اُس کے حالات سے آگاہ کرو۔“ ابوسفیان نے کہا: ”یہ سوال آپ مجھ سے نہ کریں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ وہ کبھی نبوت کا دعویٰ کرے لیکن مجھے اس کی عیب جوئی بھی گوارا نہیں جبکہ اس کے علاوہ دوسرے اُس سے بہتر ہیں۔“ یہودی عالم نے جب یہ دیکھا کہ ابوسفیان اُس کے بارے میں چشم پوشی بھی نہیں کر رہے اور اُس کی عیب جوئی بھی پسند نہیں کر رہے تو وہ کہنے لگا: ”اس سے یہودیت اور تورات کو کوئی خطرہ نہیں۔“

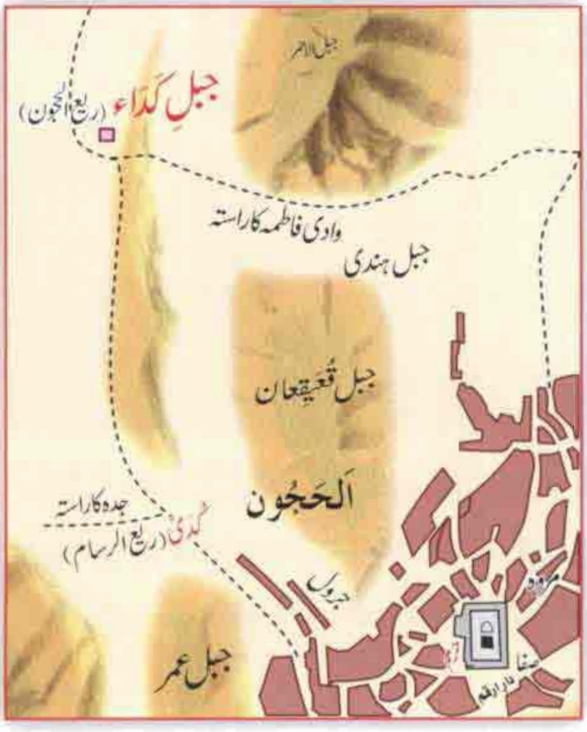
سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”یہودی عالم کے طلب کرنے پر اگلے دن میں اُس کی مجلس میں گیا۔ وہاں ابوسفیان اور یہودی عالم دونوں موجود تھے۔ میں نے یہودی عالم سے کہا: ”مجھے خبر ملی ہے کہ آپ نے میرے چچا زاد سے مدعیِ نبوت کے بارے میں پوچھا تو اس نے آپ سے کہا کہ میں اُس کا چچا ہوں جبکہ وہ اُس کے چچا نہیں بلکہ چچا زاد ہیں، البتہ میں ضرور اُس کا چچا اور اُس کے والد کا بھائی ہوں۔“ یہودی عالم نے دوبارہ پوچھا: ”کیا واقعی آپ مدعی نبوت کے والد کے بھائی ہیں؟“ میں نے کہا: ”جی ہاں! میں اُس کے والد کا بھائی ہوں۔“ پھر وہ تصدیق کے لیے ابوسفیان کی طرف متوجہ ہوا اور ان سے پوچھا: کیا انھوں نے سچ بولا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: ”ہاں، یہ سچ کہہ رہے ہیں۔“

پھر میں نے کہا: ''آپ مجھ سے میرے بھتیجے کے متعلق (جو کچھ پوچھنا چاہتے ہیں) پوچھیں۔ اگر میں اس کے بارے میں کچھ جھوٹ بولوں تو یہ (ابوسفیان) میری گرفت کریں۔'' اب یہودی عالم میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: ''میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، کیا آپ کا بھتیجا بچوں کی سی حرکتیں کرتا تھا یا نادان تھا؟'' میں نے کہا: ''عبدالمطلب کے الٰہ کی قسم! کبھی نہیں، اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ نہ کبھی خیانت کی ہے۔ قریش کے لوگ اُسے امین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔'' پھر اُس نے پوچھا: ''کبھی اس نے اپنے ہاتھ سے کوئی چیز لکھی ہے؟'' حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اپنے دل میں سوچا کہ میں کہہ دوں ہاں وہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، لیکن مجھے ابوسفیان کی موجودگی یاد آگئی کہ (اگر میں جھوٹ بولوں گا تو) وہ فوراً مجھے جھٹلا دیں گے اور میری تردید کریں گے، چنانچہ میں نے جواب دیا: ''(نہیں) اُسے لکھنا نہیں آتا۔'' یہ سننا تھا کہ یہودی عالم ایک دم اُٹھ کھڑا ہوا، اس نے اپنی چادر جھٹک دی اور کہنے لگا:

ذُبِحَتْ يَهُودُ، وَ قُتِلَتْ يَهُودُ.

''یہود ذبح کر دیے گئے۔ یہود قتل کر دیے گئے۔''

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب ہم اپنے ڈیرے پر واپس آئے تو ابوسفیان نے کہا: ''اے ابوالفضل! یہود آپ کے بھتیجے سے خوفزدہ ہو رہے ہیں۔'' میں نے کہا: ''آپ نے یہ سب کچھ دیکھ لیا ہے تو اے ابوسفیان! کیا آپ کو اس پر ایمان لانے کی رغبت ہے؟ اگر وہ برحق نبی ہوا تو آپ سبقت کرنے والوں میں سے ہوں گے۔ اگر وہ برحق نہیں ہوا تو آپ کے ہم پلہ لوگ بھی آپ کے ساتھ ہوں گے۔'' ابوسفیان نے کہا: ''میں اس وقت تک اس پر ایمان نہیں لاؤں گا جب تک کہ میں گھڑ سوار لشکر کو کداء (پہاڑ) میں نہ دیکھ لوں۔'' میں نے کہا: ''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' ابوسفیان بولا: ''یہ ایک کلمہ ہے جو برسبیل تذکرہ یکایک میری زبان



پر آ گیا ہے۔ میں نے قصداً ایسا نہیں کہا۔ البتہ مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ گھڑ سوار لشکر کو کداء سے نہیں آنے دے گا۔''

کداء لغوی لحاظ سے پتھریلی اور سنگلاخ زمین کو کہتے ہیں۔ یہ مکہ مکرمہ میں محصب کے قریب ایک پہاڑی علاقہ ہے جو معلاۃ کے دونوں قبرستانوں کے درمیان العتیبیہ اور جرول تک ہے۔[1]

عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کیا اور ہم نے گھوڑوں کو کداء سے آتے ہوئے دیکھا تو میں نے (ابوسفیان سے) کہا: ''اے ابوسفیان! کیا آپ کو وہ کلمہ یاد ہے (جو آپ نے مجھ سے کہا تھا؟)'' ابوسفیان نے کہا: ''ہاں، اللہ کی قسم! مجھے وہ کلمہ خوب یاد ہے۔ سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اسلام کی ہدایت دی۔''[2]

شام کے مسیحی عالم کی طرف سے ظہور مبارک کی پیش گوئی

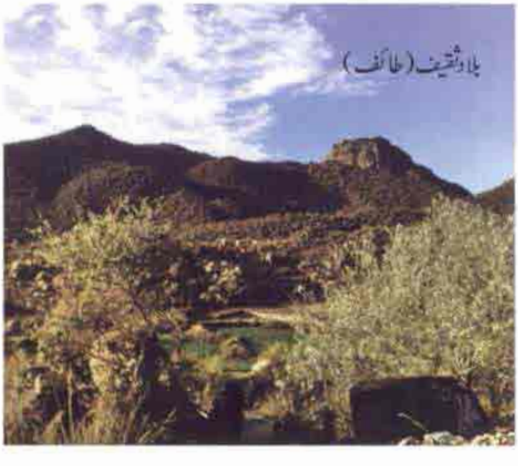
ابوسفیان بن حرب بیان کرتے ہیں کہ میں اور اُمیہ بن ابی الصلت ایک مرتبہ شام گئے۔ ہم شام کی بستیوں میں سے ایک بستی سے گزرے۔ وہاں عیسائی رہتے تھے۔ اُن لوگوں نے اُمیہ کو دیکھا تو انتہائی عزت و احترام سے پیش آئے۔ وہ چاہتے تھے کہ اُمیہ اُن کے ساتھ چلے۔ اُمیہ مجھ سے کہنے لگا: ''ابوسفیان! میرے ساتھ چلو، ہم عیسائیوں کے سب سے بڑے عالم سے مل کر آتے ہیں۔'' میں نے کہا: ''میں تمھارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔'' اُمیہ نے پوچھا: ''کیوں؟'' میں نے کہا: ''مجھے ڈر ہے مبادا وہ کوئی ایسی چیز بیان کردے جس سے میرے دل میں بگاڑ پیدا ہوجائے۔'' اُمیہ اُن (عیسائیوں) کے ساتھ چلا گیا۔ پھر واپس آیا۔ اُس نے اپنا لباس اُتارا، دو سیاہ کپڑے پہن لیے اور پھر چلا گیا۔ اللہ کی قسم! وہ میرے پاس نہیں آیا یہاں تک کہ رات کا کچھ حصہ گزر گیا، پھر وہ واپس آیا۔ (وہ انتہائی بے قرار تھا۔ اُس کا سکون برباد ہوگیا تھا۔) وہ (رات بھر) بستر پر انگڑائیاں لیتا رہا، سویا نہیں حتی کہ صبح ہوگئی۔ اس نے کہا: کیا تم ہمارے ساتھ نہیں چلو گے؟ اس سے پوچھا گیا: کیا تم روانہ ہونا چاہتے ہو؟ وہ بولا: ہاں۔ چنانچہ ہم روانہ ہو گئے۔

وہ مجھ سے کہنے لگا: ''قافلے سے ذرا آگے نکل آؤ (میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔)'' ہم قافلے سے آگے نکل آئے تو اُمیہ نے مجھ سے کہا: ''اے صخر!'' میں نے کہا: ''اے ابوعثمان! (جو کچھ کہنا ہے بلاتکلف کھل کر) کہو۔'' وہ پوچھنے لگا: ''اہلِ مکہ میں سب سے معزز آدمی کون ہے؟'' میں نے کہا: ''عتبہ بن ربیعہ۔'' پھر وہ پوچھنے لگا: ''اہلِ مکہ میں سب سے مالدار اور عمر رسیدہ کون ہے؟'' میں نے کہا: ''عتبہ بن ربیعہ۔'' پھر اس نے سوال کیا: ''کیا مال

[1] معجم البلدان، مادة: كداء، الإسلام ويب سائٹ. [2] البداية والنهاية: 2/295، 296.

اور شرف نے اس میں کوئی عیب بھی پیدا کیا ہے؟'' میں نے کہا: ''ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! بلکہ اسے شرف میں اور زیادہ بڑھا دیا ہے۔'' پھر وہ کہنے لگا: ''جو بات میں تمھیں بتاؤں، کیا تم اسے میری خاطر چھپاؤ گے؟'' میں نے کہا: ''ضرور (ایسا ہی ہوگا)۔'' پھر اُس نے بتایا: ''عیسائیوں کے سب سے بڑے عالم نے مجھے بتایا ہے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ نبی میں ہی ہوں۔ لیکن اُس (مسیحی عالم) نے (میری تردید کی اور) کہا کہ وہ تم میں سے نہیں (بلکہ) وہ اہلِ مکہ میں سے ہے۔'' میں نے کہا: ''اُس کا نسب بتاؤ۔'' اُس نے بتایا کہ وہ اپنی قوم کے لوگوں میں افضل ہوگا۔ بس میں اس نبوت سے محروم ہونے کی وجہ سے شدید صدمے سے دوچار ہوں۔ اُس (مسیحی عالم) نے مجھ سے کہا کہ اس کی نشانی یہ ہے کہ شام میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے بعد 80 مرتبہ زلزلہ آیا ہے۔ اب صرف ایک دفعہ زلزلہ آنا باقی ہے جس کی وجہ سے شام میں بڑی تباہی ہوگی۔

جب ہم (مدینہ منورہ میں جبل سلع کی مشرقی جانب ایک چوٹی) ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچے تو ہمیں ایک سوار نظر آیا۔ ہم نے پوچھا: ''کہاں سے آرہے ہو؟'' اُس نے جواب دیا کہ میں شام سے آرہا ہوں۔ ہم نے پوچھا: ''کوئی نئی خبر؟'' اُس نے بتایا: ہاں، شام میں شدید زلزلہ آیا ہے جس کی وجہ سے اہلِ شام بڑی مصیبت اور تباہی کا شکار ہوگئے ہیں۔[1]



امیہ بن ابی الصلت طائف کا رہنے والا تھا۔ اُس کا تعلق بنوثقیف سے تھا۔ اس کا شمار عہد جاہلیت کے شعراء اور داناؤں میں ہوتا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جنھوں نے جاہلیت ہی میں شراب نوشی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور بتوں کی عبادت ترک کر دی تھی۔ وہ بحرین چلا گیا۔ آٹھ سال وہاں رہا۔ اس دوران میں اسلام کا ظہور ہوگیا۔ وہ طائف لوٹا۔ اس نے محمد ﷺ کے ظہور کی خبر کے بارے میں دریافت کیا تو اسے بتایا گیا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی ہیں۔ وہ نکلا اور آپ ﷺ کے پاس مکہ آگیا، آپ سے قرآن مجید کی آیات سنیں اور قریش کے سامنے آپ ﷺ کے برحق ہونے کی گواہی دی لیکن آپ کی پیروی کو مؤخر کر دیا۔ اس کے بعد شام چلا گیا۔ پھر اسلام قبول کرنے کی نیت سے واپس آیا مگر جب اسے اہلِ بدر کے قتل ہونے کا پتہ چلا جن میں اس کے دو ماموں زاد بھی تھے تو وہ قبولِ اسلام

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 117,116/2.

سے رک گیا اور اپنی وفات تک طائف میں مقیم رہا۔ اسی نے سب سے پہلے خطوط میں بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھنا شروع کیا جس کی پیروی قریش نے کی۔ وہ اپنے اشعار میں اکثر آخرت کا ذکر کرتا تھا۔ [1] اسی کے متعلق نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا تھا: ''قریب تھا کہ اُمیہ بن ابی صَلْت مسلمان ہو جاتا۔'' [2]

مُقَوقِس والیِ مصر کی تصدیق اور مغیرہ بن شعبہ کا اسلام

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بنو مالک کے چند لوگوں کے ساتھ مُقَوقِس کے پاس (اسکندریہ) گئے۔ مقوقس پوچھنے لگا: ''ہمارے اور تمھارے درمیان تو محمد (ﷺ) اور اُس کے ساتھی حائل ہیں، پھر تم اپنے طلب گاروں سے بچ کر یہاں کیسے پہنچ گئے؟'' مغیرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: ''ہم ساحل سمندر کی جانب سے آئے ہیں۔ ہمیں اسی چیز کا خوف تھا۔'' مقوقس نے پوچھا: ''تم نے محمد (ﷺ) کی دعوتِ اسلام پر کیا ردعمل ظاہر کیا؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہم میں سے کسی آدمی نے اُس کی پیروی نہیں کی۔'' وہ پوچھنے لگا: ''کیوں؟'' ہم نے جواب دیا: ''وہ ہمارے پاس ایک نیا دین لایا ہے، اس دین پر نہ تو ہمارے آباء و اجداد عمل پیرا تھے نہ ہمارے حکمران۔ ہم تو اسی راہ پر ہیں جس پر ہمارے باپ دادا تھے۔'' مقوقس نے پوچھا: ''اُس کی قوم نے کیا ردعمل ظاہر کیا ہے؟'' ہم نے بتایا: ''قوم کے چند نوجوان اُس کے پیروکار بن گئے ہیں اور اس کی مخالفت کرنے والے اس کی قوم کے لوگوں اور عرب کے دوسرے قبائل نے مختلف محاذوں پر اس سے جنگ کی ہے۔ کبھی محمد (ﷺ) اور اُس کے ساتھی اُنھیں شکست دے دیتے ہیں اور کبھی مخالفین انھیں ہرا دیتے ہیں۔''



مقوقس نے پھر پوچھا: ''مجھے سچ سچ بتانا وہ کس بات کی دعوت دیتا ہے؟'' ہم نے بتایا: ''وہ یہ دعوت دیتا ہے کہ ہم ایک اللہ کی عبادت کریں جس کا کوئی شریک نہیں اور جن بتوں کی ہمارے آباء و اجداد پوجا کرتے تھے، اُنھیں چھوڑ دیں۔ وہ نماز اور زکاۃ کی طرف بلاتا ہے۔'' مقوقس نے پوچھا: ''نماز اور زکاۃ کیا ہے؟ کیا ان دونوں کا کوئی معروف وقت اور ایسی تعداد ہے جو ختم ہو جائے؟'' ہم نے بتایا: ''وہ دن اور رات میں پانچ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ہر نماز کا

[1] الأعلام: 23/2. [2] صحيح البخاري: 3841.

وقت اور رکعات کی تعداد مقرر ہے۔ (ہر نماز کا جدا جدا نام بھی ہے۔) وہ ہر مال سے جو بیس مثقال تک پہنچ جائے، ایک مثقال ادا کرتے ہیں اور پانچ اُونٹوں میں سے ایک بکری دیتے ہیں (حدیث کے مطابق بیس مثقال میں سے آدھا مثقال دیا جاتا ہے۔)'' اسی طرح انھوں نے اسے تمام قسم کے اموال کی زکاۃ کا نصاب بتایا۔ مقوقس نے پوچھا: ''یہ بتاؤ کہ وہ یہ مال لے کر کہاں خرچ کرتے ہیں؟'' ہم نے جواب دیا: ''وہ اسے (امیروں سے لے کر) اُنھی کے غریبوں کو دے دیتے ہیں۔ وہ صلہ رحمی اور وعدے پورے کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ سود، زنا اور شراب کو حرام قرار دیتے ہیں اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھاتے۔''

مقوقس یہ سن کر کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اگر قبطی اور رومی حق بجانب ہوں تو (ضرور) اُن کی اتباع کریں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی انھیں محمد (ﷺ) کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ یہ جو تم ان کے بارے میں بیان کر رہے تھے، ان سے پہلے انبیاء بھی ایسی ہی خصوصیات کے ساتھ مبعوث ہوئے۔ مستقبل اُسی کا ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی جھگڑنے والا باقی نہیں بچے گا۔ جہاں تک اُونٹ اور گھوڑے جاسکتے ہیں اور جہاں سمندر ختم ہوتے ہیں، وہاں تک اُس کا دین غالب آ کر رہے گا۔ اُس کے ماننے والے ساحلِ سمندر تک پہنچیں گے۔ عنقریب اُس کی قوم بھی نیزے لے کر اُس کے دفاع کے لیے اُٹھ کھڑی ہوگی۔'' ہم نے کہا: ''اگر سارے کے سارے لوگ بھی اس کے دین میں داخل ہو جائیں تب بھی ہم داخل نہیں ہوں گے۔'' مقوقس نے تعجب سے سر ہلایا اور کہنے لگا: ''تم تو کھیل کود کے مُوڈ میں ہو۔ بچوں جیسا طرزِ عمل اختیار کر کے ضد کر رہے ہو۔''

پھر مقوقس نے پوچھا: ''اپنی قوم میں اُس کا نسب کیسا ہے؟'' ہم نے بتایا کہ وہ نسب کے اعتبار سے ان میں سب سے افضل ہے۔ مقوقس کہنے لگا: ''عیسیٰ (علیہ السلام) اور دیگر انبیاء (علیہم السلام) بھی اسی طرح اپنی قوم کے اعلیٰ نسب میں مبعوث ہوئے تھے۔'' مقوقس نے پوچھا: ''گفتگو میں اس کی سچائی کیسی ہے؟'' ہم نے بتایا کہ لوگ ان (محمد ﷺ) کی سچائی (اور امانت) کی وجہ سے انھیں امین قرار دیتے ہیں۔ وہ کہنے لگا: ''تم اپنے معاملے پر غور کر لو، کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ اس بارے میں جو تمھارے اور اس کے مابین ہے، سچ بولے گا اور اللہ پر جھوٹ بولے گا؟''

پھر مقوقس نے پوچھا: ''اُس کے پیروکار کون ہیں؟'' ہم نے بتایا کہ نوجوان لوگ ہیں۔ وہ کہنے لگا: ''عیسیٰ کی قسم! اُن سے پہلے انبیاء کے پیروکار بھی نوجوان ہی تھے۔'' پھر پوچھا: ''یثرب کے یہودیوں نے اسلام کے بارے میں کیا ردعمل ظاہر کیا؟ وہ تو اہلِ تورات ہیں۔'' ہم نے بتایا کہ اُنھوں نے مخالفت کی ہے، چنانچہ اس نے ان کے ساتھ سخت جنگ کی، انھیں قتل کیا اور قیدی بنایا اور وہ ہر طرف بکھر گئے۔ مقوقس کہنے لگا: ''یہودی انتہائی حاسد ہیں۔

انھوں نے اس سے حسد کیا۔ حالانکہ جس طرح ہم محمد (ﷺ) کی نبوت کو پہچانتے ہیں، یہ لوگ بھی پہچانتے ہیں۔''

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''پس ہم اس کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ہم نے ایسی گفتگو سنی تھی جس سے ہمارے دل میں محمد ﷺ کے لیے نرم گوشہ پیدا ہو گیا۔ ہم نے آپس میں کہا: عجمی بادشاہ کی ان سے کوئی رشتے داری نہیں ہے۔ اس کے باوجود یہ ان کی تصدیق کر رہے اور ان سے ڈر رہے ہیں جبکہ ہم ان کے قریبی عزیز ہیں۔ پڑوسی ہیں۔ پھر بھی ان کے ساتھ شامل نہیں ہوئے! آپ ﷺ تو ہمیں دعوت دینے کے لیے ہمارے ڈیروں پر بھی تشریف لائے تھے۔'' مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں اسکندریہ میں رہا۔ تمام گرجوں میں گیا۔ وہاں کے قبطی اور رومی پادریوں سے نبی کریم ﷺ کی وہ صفات پُوچھتا رہا جو وہ (اپنی کتابوں میں لکھی) پاتے تھے۔

ایک قبطی پادری تھا۔ ابوغنی کے گرجے کا سربراہ تھا۔ لوگ اس کے پاس اپنے بیماروں کو لے جاتے تھے۔ وہ اُن کے لیے دُعا کرتا تھا۔ میں نے کبھی ایسا شخص نہیں دیکھا جو پانچ نمازیں پڑھنے میں اس سے زیادہ محنت کرتا ہو، چنانچہ میں نے اُس سے پوچھا: ''مجھے بتائیے کہ کیا انبیاء میں سے کوئی نبی باقی ہے؟'' اُس نے جواب دیا: ''ہاں، وہ آخری نبی ہے۔ عیسیٰ ابن مریم اور اُس کے مابین کوئی اور نبی نہیں۔ وہ ایسا نبی ہے جس کی پیروی کرنے کا حکم ہمیں عیسیٰ نے دیا ہے۔ وہ اُمی عربی نبی ہے، اُس کا نام احمد ہے۔ وہ زیادہ لمبا ہے نہ چھوٹا۔ اُس کی آنکھوں میں سرخی ہے۔ نہ وہ خالص سفید ہے نہ گندمی۔ اُس کے بال لمبے ہوں گے۔ وہ سادہ لباس پہنے گا۔ جو کھانا ملے گا، اُسی پر اکتفا کرے گا۔ اُس کی تلوار اُس کے کندھے پر ہوگی۔ اُسے اپنے حریفوں کی کوئی پروا نہیں ہوگی۔ وہ خود اور اُس کے ساتھی لڑائی میں حصہ لیں گے۔ اُس کے صحابہ اُس کے لیے جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں گے۔ وہ اُس سے اپنی اولاد اور باپ دادا سے زیادہ محبت رکھیں گے۔ قَرَظ (کیکر کے مشابہ درخت) کی سرزمین سے اُس کا ظہور ہوگا۔ وہ ایک حرم سے دوسرے حرم کی طرف پہنچے گا۔ وہ شوریلی اور کھجور کے درختوں والی زمین کی طرف ہجرت کرے گا۔ وہ دین ابراہیمی پر عمل پیرا ہوگا۔''


مدینہ منورہ میں کھجوروں کے باغ

مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: ''اُس کی کچھ اور صفات بتائیے۔'' وہ بولا: ''وہ اپنے (بدن کے) درمیانے حصے پر تہبند باندھے گا۔ اعضائے بدن کو دھوئے گا۔ اُسے کچھ ایسی خصوصیات عطا کی گئی ہیں جو اُس سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئیں۔ پہلے انبیاء صرف اپنی قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے۔ اس نبی کو تمام انسانوں کی طرف مبعوث کیا گیا ہے۔ اس کے لیے ساری زمین کو مسجد اور طہارت کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ جہاں بھی نماز کا وقت ہو جائے اور پانی میسر نہیں ہو تو وہ تیمم کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔ جو اس سے پہلے تھے، ان پر سختی کی گئی تھی۔ وہ صرف گرجوں اور معبد خانوں ہی میں نماز پڑھتے تھے۔'' مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اس پادری کی اور دوسرے عالموں کی یہ ساری باتیں اچھی طرح یاد کر لیں، پھر میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ مقوقس بادشاہ اور روم اور قبط کے بڑے بڑے پادریوں کی ساری باتیں، جن سے میں سوال کرتا اور ان کا جواب سنتا تھا، وہ سب کچھ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں بہت اچھی لگیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ یہ باتیں اپنے صحابہ کو بھی سنائیں، چنانچہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر) میں یہ واقعات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے دو تین دن تک بیان کرتا رہا۔'' [1]

خیبر کے یہودیوں کے نام مکتوب گرامی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے یہودیوں کے نام ایک خط تحریر کرایا:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَاحِبِ مُوسٰى، وَأَخِيهِ، وَ الْمُصَدِّقِ بِمَا جَاءَ بِهِ مُوسٰى، أَلَا إِنَّ اللّٰهَ قَالَ لَكُمْ: يَامَعْشَرَ يَهُودَ وَ أَهْلَ التَّوْرَاةِ! إِنَّكُمْ تَجِدُونَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِكُمْ: إِنَّ مُحَمَّدًا ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۛۚ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۛ۫ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ؕ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۝﴾ وَ إِنِّي أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ وَ بِالَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ وَ أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي أَطْعَمَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِّنْ أَسْلَافِكُمْ وَ أَسْبَاطِكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى، وَ أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي أَيْبَسَ الْبَحْرَ لِآبَائِكُمْ حَتّٰى أَنْجَاكُمْ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ إِلَّا أَخْبَرْتُمُونَا هَلْ

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/85-89.

تَجِدُونَ فِيمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُؤْمِنُوا بِمُحَمَّدٍ؟ فَإِنْ كُنْتُمْ لَا تَجِدُونَ ذٰلِكَ فِي كِتَابِكُمْ فَلَا كُرْهَ عَلَيْكُمْ، قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ. وَ أَدْعُوكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلٰى نَبِيِّهِ ﷺ»

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی، بھائی اور جو کچھ وہ لائے، اس کی تصدیق کرنے والے محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے (خیبر کے یہودیوں کے نام:)

اے یہودیوں کی جماعت اور اہل تورات! خبردار! اللہ نے تم سے فرمایا ہے کہ بے شک تم اپنی کتابوں میں یہ (لکھا ہوا) پاتے ہو کہ محمد (ﷺ) ''اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت ہیں، آپس میں نہایت مہربان ہیں، آپ انھیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور (اس کی) رضامندی تلاش کرتے ہیں۔ ان کی خصوصی پہچان ان کے چہروں پر سجدوں کا نشان ہے۔ ان کی یہ صفت تورات میں ہے اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ (پودا) موٹا ہو گیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہو گیا، یہ کسانوں کو خوش کرتا ہے، (اللہ نے یہ اس لیے کیا) تاکہ ان (صحابۂ کرام) کی وجہ سے کفار کو خوب غصہ دلائے۔ اللہ نے ان لوگوں سے جو ان میں سے ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، مغفرت اور بہت بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے۔''

میں تمھیں اللہ تعالیٰ کا اور جو اُس نے تم پر نازل کیا، اس کا واسطہ دیتا ہوں اور جس ذات نے تمھارے اسلاف اور اسباط (نسلوں) کو، جو تم سے پہلے تھے، من و سلویٰ کھلایا، اس کا واسطہ دیتا ہوں اور جس ذات نے تمھارے آباء و اجداد کے لیے سمندر کو خشک کیا حتی کہ تمھیں فرعون اور اُس کے ظلم و ستم سے نجات دی، اُس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم پر نازل کیا، کیا تم اُس میں یہ حکم پاتے ہو کہ محمد پر ایمان لاؤ؟ اگر تم اپنی کتاب میں یہ حکم نہیں پاتے تو تم پر کوئی جبر نہیں۔ ہدایت گمراہی سے الگ ہو کر نمایاں ہو گئی ہے۔ میں تمھیں اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی (ﷺ) کی طرف دعوت دیتا ہوں۔''[1]

نبی ﷺ کے مذکورہ بالا مکتوب گرامی میں درج آیت کریمہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو صفات بیان کی گئی ہیں، ہزاروں تحریفات کے باوجود موجودہ تورات و انجیل میں بھی بالکل اُسی طرح کی کچھ چیزیں موجود ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، مثلاً: تورات میں ہے:

''وہ کوہِ فاران سے جلوہ گر ہوا۔ اور لاکھوں قدسیوں میں سے آیا۔''[2]

[1] البداية والنهاية: 301/2. [2] کتاب مقدس (استثنا) 2:33.

''اس کے داہنے ہاتھ پر ان کے لیے آتشی شریعت تھی۔''[1]

''وہ بے شک قوموں سے محبت رکھتا ہے۔''[2]

''اس کے سب مقدس لوگ تیرے ہاتھ میں ہیں اور وہ تیرے قدموں میں بیٹھے ایک ایک تیری باتوں سے مستفیض ہوگا۔''[3]

اسی طرح انجیل میں ہے:

''آسمان کی بادشاہی اس رائی کے دانے کی مانند ہے جسے کسی آدمی نے لے کر اپنے کھیت میں بو دیا۔ وہ سب بیجوں سے چھوٹا تو ہے مگر جب بڑھتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا اور ایسا درخت ہو جاتا ہے کہ ہوا کے پرندے آکر اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں۔''[4]

''پھر اسی نے کہا کہ ہم خدا کی بادشاہی کو کس سے تشبیہ دیں اور کس تمثیل میں اسے بیان کریں؟ وہ رائی کے دانے کی مانند ہے کہ جب زمین میں بویا جاتا ہے تو زمین کے سب بیجوں سے چھوٹا ہوتا ہے مگر جب بو دیا گیا تو اگ کر سب ترکاریوں سے بڑا ہو جاتا ہے اور ایسی بڑی ڈالیاں نکالتا ہے کہ ہوا کے پرندے اس کے سائے میں بسیرا کر سکتے ہیں۔''[5]

اور انجیل کی یہ عبارت تو قرآن مجید کے الفاظ کے بہت ہی قریب ہے:

''اور اس نے کہا کہ خدا کی بادشاہی ایسی ہے جیسے کوئی آدمی زمین میں بیج ڈالے اور رات کو سوئے اور دن کو جاگے اور وہ بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے۔ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے پتی۔ پھر بالیں پھر بالوں میں تیار دانے۔ پھر جب اناج پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا۔''[6]

یاد رہے ''خدا کی بادشاہی'' سے مراد خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی نبوت ہے جیسا کہ انجیل کے متعدد مقامات سے واضح ہے۔

یہودیوں کا انکارِ حق

1 سلمہ بن سلامہ انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''نبی کریم ﷺ کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے۔ بنوعبدالاشہل

[1] کتاب مقدس (استثنا) 2:33. [2] کتاب مقدس (استثنا) 3:33. [3] کتاب مقدس (استثنا) 3:33. [4] کتاب مقدس (متی) 32,31:13.
[5] کتاب مقدس (مرقس) 4:30-32، کتاب مقدس (لوقا) 19,18:13. [6] کتاب مقدس (مرقس) 4:26-29.

کے علاقے میں ہمارا پڑوسی ایک یہودی تھا۔ ایک دن وہ اپنے گھر سے نکلا۔ ہمارے پاس بنوعبدالاشہل کی مجلس میں آیا۔ میں اُس وقت وہاں موجود لوگوں میں نو عمر تھا۔ اپنے گھر کے صحن میں چادر اوڑھے لیٹا ہوا تھا۔ اُس یہودی نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے، قیامت، حساب، میزان، جنت اور دوزخ کا ذکر کیا۔ وہ یہ باتیں ایسے لوگوں کے سامنے بیان کر رہا تھا جو مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیے جانے کے منکر تھے۔ وہ کہنے لگے: ''ارے! تیرا ستیاناس! بھلا کیا آخرت کا گھر ہوگا؟ کیا وہاں جنت اور دوزخ ہوگی؟ جس میں لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا؟'' اُس نے جواب دیا: ''ہاں! ایسا ہی ہوگا'' پھر اُس نے کہا: ''میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں آخرت کی آگ سے بچنے کے لیے اس امر کا خواہشمند ہوں کہ تم لوگ اپنے گھر میں بہت بڑا تنور روشن کرو۔ اسے خوب تپاؤ، پھر مجھے اس میں پھینک دو۔ پھر مجھے اس میں بند کر کے تنور پر ڈھکنا رکھو، پھر خوب گارا مل کر ڈھکنا بھی بند کر دو۔ اگر میں اس طرح کل آخرت کی آگ سے بچ جاؤں تو یہ میرے لیے بڑے نفع کی بات ہوگی۔''

لوگوں نے پھر کہا: ''ارے! تیرا ستیاناس! تو جو کچھ کہہ رہا ہے، ذرا ہمیں اُس کی سچائی کی نشانی تو بتا؟'' اُس نے مکہ اور یمن کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''ان شہروں میں سے کسی ایک شہر میں ایک نبی کا ظہور ہوگا۔'' لوگوں نے پوچھا: ''اُس کا ظہور کب ہوگا؟'' اُس نے میری طرف دیکھ کر کہا: ''اگر یہ لڑکا اپنی عمر کی پختگی تک پہنچ گیا تو یہ اسے پالے گا۔''

سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''اللہ کی قسم! رات اور دن کی گردش ختم نہیں ہوئی حتی کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مبعوث فرما دیا۔ اس وقت وہ یہودی ہمارے درمیان زندہ تھا۔ ہم نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے۔ مگر اُس نے سرکشی کی اور حسد کرتے ہوئے ان کا انکار کیا (اور آپ ﷺ کی رسالت پر ایمان نہیں لایا۔) ہم نے اُس سے کہا: ''ارے! تیرا ستیاناس! کیا تو وہی نہیں ہے جس نے ہمیں یہ بات بتائی تھی؟'' وہ بولا: ''بتائی تو تھی لیکن یہ وہ نبی نہیں۔'' اُس یہودی کا نام یوشع تھا۔''[1]

2 حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے مدینہ کے یہودی قبائل اوس اور خزرج پر نبی کریم ﷺ کے وسیلے سے فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربوں میں مبعوث فرما دیا تو یہودیوں نے آپ کو نہ مانا۔ وہ آپ ﷺ کے بارے میں اپنی سابقہ باتوں سے مکر گئے اور آپ ﷺ کا انکار کرنا شروع کر دیا۔

3 معاذ بن جبل، بشر بن براء بن معرور اور داود بن سلمہ رضی اللہ عنہم نے یہود سے کہا: ''اے یہودیوں کی جماعت! اللہ سے

[1] مسند أحمد: 3/467، المستدرك للحاكم: 3/418,417، دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/75,74

ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ ہم جب مشرک تھے تو تم محمد ﷺ کے وسیلے سے ہم پر فتح مانگا کرتے تھے اور ہمیں بتایا کرتے تھے کہ وہ نبی مبعوث ہونے والا ہے۔ تم ہمیں اُس کی صفات بھی بتایا کرتے تھے۔'' سلام بن مشکم کہنے لگا: ''یہ وہ نبی نہیں جس کا ہم تم سے تذکرہ کرتے تھے، نہ یہ ہمارے پاس ایسی کوئی چیز لایا ہے جسے ہم پہچانتے ہوں۔''

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس بات کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝﴾ (البقرة 2:89)

''اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے وہ کتاب آگئی جو اس (کتاب) کی تصدیق کرتی ہے جو ان کے پاس ہے اور اس سے پہلے وہ ان لوگوں کے خلاف فتح مانگتے تھے جنھوں نے کفر کیا تھا، پھر جب ان کے پاس وہ (حق) آگیا جسے انھوں نے پہچان لیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لہٰذا کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔''[1]

4 رسول اللہ ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو وہاں ابو عامر عبد عمرو بن صَیفی بن نعمان بن ضُبَیعہ بن زید نے رہبانیت اختیار کر لی۔ وہ ٹاٹ کا لباس پہنتا تھا۔ اسے راہب کہا جاتا تھا۔ اس نے نبیِ اکرم ﷺ کا زمانہ پایا اور آپ ﷺ کی گفتگو بھی سنی۔ عمرو بن محمد کی روایت میں ہے کہ اوس اور خزرج میں کوئی بھی اس سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے اوصاف نہیں جانتا تھا۔ یہ یہودیوں سے بڑا مانوس تھا اور اُن سے ان کے دین کے بارے میں معلومات حاصل کرتا تھا۔ یہودی اسے رسول اللہ ﷺ کی صفات کے بارے میں بتاتے تھے، پھر یہ شام چلا گیا۔ وہاں عیسائیوں سے نبیِ کریم ﷺ کے بارے میں باتیں دریافت کرتا رہا۔ اُنھوں نے بھی اسے نبیِ کریم ﷺ کی صفات سے آگاہ کیا۔ ابو عامر یہ کہتا ہوا واپس آگیا کہ میں ابراہیمی حنیفیت والے دین پر ہوں۔ وہ راہب بنا رہا۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ میں آنے والے نبی کے ظہور کا منتظر ہوں۔ جب مکہ میں رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہو گیا تو یہ شخص بدستور اپنی حالت پر قائم رہا۔ نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔

جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو یہ نبیِ کریم ﷺ سے ملا اور پوچھنے لگا: ''یہ کون سا دین ہے جو آپ لائے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں دینِ ابراہیمی لایا ہوں۔''

ابو عامر کہنے لگا: ''میں بھی دینِ ابراہیمی کا پیروکار ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تم دینِ ابراہیمی پر عمل پیرا نہیں ہو۔'' وہ بولا: ''کیوں نہیں! آپ نے تو دینِ ابراہیمی میں ایسی باتیں داخل کر دی ہیں جو اس میں نہیں تھیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے ایسا نہیں کیا بلکہ میں روشن اور خالص دینِ ابراہیمی لے کر آیا ہوں۔'' ابو عامر

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 83,82/1.

کہنے لگا: ''ہم میں سے جو بھی جھوٹا ہو، وہ دھتکارا ہوا، پردیس میں تنہائی اور کسمپرسی کے عالم میں ہلاک ہو (اس کا اشارہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تھا)، آپ اسی طرح آئے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں، جس نے جھوٹ بولا، اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہی سلوک کرے۔'' پس اللہ کا یہ دشمن مکہ چلا گیا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو طائف بھاگ گیا۔ جب اہلِ طائف مسلمان ہو گئے تو یہ شام چلا گیا۔ وہاں یہ پردیس میں دھتکاری ہوئی حالت میں اس طرح تنہا مر گیا کہ اس کا کوئی پرسانِ حال نہ تھا۔ [1]

بدبخت یہودی کا سعادت مند بیٹا

ایک دیہی تاجر بیان کرتا ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سامانِ تجارت لے کر مدینہ منورہ آیا۔ جب میں خرید و فروخت سے فارغ ہوا تو میں نے کہا کہ میں اس شخص (محمد ﷺ) سے ملوں گا اور ان کی بات ضرور سنوں گا، پس میری نبیِ کریم ﷺ سے اس وقت ملاقات ہوئی جب آپ ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ میں ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ یہ حضرات ایک یہودی کے پاس پہنچ گئے۔ وہ یہودی اس وقت تورات پڑھ رہا تھا اور اس کے ذریعے سے اپنے آپ کو اپنے بیٹے کے بارے میں، تسلی دے رہا تھا جو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ وہ لڑکا انتہائی حسین و جمیل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہودی سے فرمایا:

«أَنْشُدُكَ بِالَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ، هَلْ تَجِدُ فِي كِتَابِكَ ذَا صِفَتِي وَمَخْرَجِي؟»

''میں تمھیں اُس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس نے تورات اُتاری ہے، کیا تم تورات میں میری صفات اور بعثت کا ذکر پاتے ہو؟''

یہودی نے انکار میں سر ہلا دیا لیکن اُس کا بیٹا معاً بول پڑا۔ کہنے لگا: ''کیوں نہیں! اُس ذات کی قسم جس نے تورات اُتاری! بلاشبہ ہم اپنی کتاب میں آپ کی صفات اور بعثت کا (واضح) تذکرہ پاتے ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔'' پھر وہ لڑکا فوت ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَقِيمُوا الْيَهُودَ عَنْ أَخِيكُمْ»

''یہودیوں کو اپنے (مسلمان) بھائی کے پاس سے اُٹھا دو۔''

پھر آپ ﷺ نے اس کے کفن دفن اور اُس کی نماز جنازہ کا خود اہتمام فرمایا۔ [2]

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 81,80/1. [2] مسند أحمد: 411/5، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 73.

ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں حضرت محمد ﷺ کا تذکرہ

ہندومت کا تعارف

ہندومت ہندوستان کا قدیم ترین مذہب ہے۔ یہ 2000 اور 1500 ق م کے مابین ہندوستان میں آریاؤں کی آمد کے ساتھ رائج ہوا۔ ہندوؤں کا عقیدہ یہ ہے کہ مخصوص دیوتاؤں کو ازلی اور ابدی اقتدار حاصل ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے، انھی کے ارادے سے ہوتا ہے۔ اسی لیے ہندو دیوتاؤں کو پوجتے ہیں۔ ذات پات کے نہایت شدت سے قائل ہیں۔ برہمن، کھشتری، ویش اور شودر ان کی چار مشہور ذاتیں ہیں۔ شودروں کو اچھوت سمجھا جاتا ہے۔ مہابھارت اور رامائن ان کی مقدس کتابیں ہیں۔ برہمنوں کے نزدیک پُران یا پوران بہت مقدس ہیں۔ یہ منظوم کتابیں ہیں۔ ان کی تعداد 18 ہے۔ بہت سے پرانوں کو بیاس جی نے لکھا یا جمع کیا۔ ان میں 3,83,100 اشلوک، یعنی شعر ہیں۔ [1] ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بعض اوقات خدا انسان یا حیوان کی صورت میں جنم لیتا ہے۔ ہندو ایسے فرد کو اوتار کہتے ہیں، چنانچہ



ہندومت کی علامت

وہ لوگ فرقہ وشنو کے چوبیس اوتار مانتے ہیں جن میں سے یہ دس نہایت مشہور ہیں: مچھ، کچھ، باراہ، نرسنگھ، بونا یا بامن، پرسرام، رام، کرشن، بُدھ، نس کلنک۔ [2] وہ زمانے کو ”جگ“ کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک زمانے کی چار قسمیں ہیں۔ ست جگ، ترتیا جگ، دوآپر جگ اور کل جگ۔ چوتھے جگ، یعنی کل جگ کو وہ دنگے فساد کے نام سے موسوم کرتے ہیں جو چار لاکھ بیس ہزار برس کا ہے۔ [3] ہندو عقیدے کی ”تری مورتی“ یا تثلیث وشنو، شیو اور برہما پر مشتمل ہے۔ ان میں وشنو سلامتی اور تحفظ کی علامت ہے۔ شیو تباہی کا دیوتا ہے جبکہ برہما کائنات کا خالق ہے، تاہم برہما کی شاذ و نادر ہی پوجا ہوتی ہے اور عملاً ہندو وشنو اور شیو کے علاوہ دُرگا دیوی کے پجاری ہیں۔ گویا تری مورتی میں دُرگا برہما کی جگہ لے

[1] فرہنگ آصفیہ: 511/1. [2] فرہنگ آصفیہ: 308/1. [3] فرہنگ آصفیہ: 541/3.

لیتی ہے۔ ویشنو کے متعلق ہندوؤں کا تصور یہ ہے کہ تمام مخلوقات اس کے تین قدموں (تری وکرموں) میں بستی ہیں، وہ کائنات کا ستون ہے۔ جب دھرم (مذہب) خطرے میں ہو تو وہ اپنے بہشت ''بیکنٹھ'' سے باہر آتا ہے اور کوئی زمینی روپ دھار کر امن قائم کر دیتا ہے۔ ہندو کرشن اور رام کو ویشنو کے اوتار (روپ) خیال کر کے ان کی پوجا کرتے ہیں۔[1] ہندو روح کو مانتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ تناسخ کے عقیدے پر گہرا یقین رکھتے ہیں۔

کلکی اوتار

ہندو کتب میں ایک کلکی اوتار (رسول) کی آمد کی پیش گوئی موجود ہے۔ یہ ہندوؤں کے نزدیک ایک عظیم الشان پیش گوئی ہے جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ ہندو اس کلکی اوتار کا اب تک انتظار کر رہے ہیں۔

ہندو کہتے ہیں کہ پہلے تین دور گزر چکے ہیں۔ اب ہم چوتھے اور آخری جگ، یعنی کل جگ سے گزر رہے ہیں۔ یہ دور طوفانِ نوح سے شروع ہوا ہے اور قیامت پر ختم ہوگا۔ چونکہ مذکورہ بالا رسول اسی دور میں آئے گا اور اس دور کا سب سے بڑا اور آخری رسول ہوگا، اس لیے اسے کلکی اوتار کہا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ہندوؤں کی بعض کتابوں میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ تیئیس بڑے بڑے رسول گزر چکے ہیں اور اب صرف اسی آخری رسول کلکی اوتار کی آمد باقی ہے۔

کلکی اوتار نام رکھنے کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ جس وقت یہ رسول آئے گا، اُس وقت ہر طرف گمراہی، ظلم اور فساد کے غلبے کی وجہ سے فضا تاریک ہوگی۔ یہ رسول انسان کو تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لے آئے گا اور فضا میں چھائی ہوئی سیاہی (کالک) کو دھو کر انسانی معاشرے کو پاک اور روشن کر دے گا۔

کلکی اوتار کا تعارف اور خصوصیات

پُران یا پوران ہندو دھرم کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان میں سے ایک کتاب بھوشیا پُران ہے۔ بھوشیا کے معنی پیش گوئی کے ہیں۔ چونکہ اس میں آیندہ پیش آنے والی باتوں کا ذکر ہے، اس لیے اس کا نام بھوشیا پُران ہے۔

کلکی اوتار: ''سروانما'' یا ''محمد''

مذکورہ بھوشیا پران کی ایک فصل کا عنوان پرتی سرگ ہے۔ اس فصل میں بتایا گیا ہے کہ جو رسول ''کل جگ'' میں پیدا ہوگا، اس کا نام ''سروانما'' ہوگا۔ ''انما'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کی تعریف کی جائے اور ''سرو'' کے معنی ہیں سب سے زیادہ۔ لہٰذا ''سروانما'' کے معنی ہیں: وہ انسان جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے۔ عربی کے لفظ مُحَمَّد کے بھی ٹھیک یہی معنی ہیں۔

[1] Encyclopedia of World Religions, pp: 437,446.

سومتی (آمنہ) اور ویشنوویش (عبداللہ)

کتاب کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک11 میں یہ عبارت درج ہے:

'सुमत्यां विष्णुयशसा गर्भमाधत्त वैष्णवम्' ।

—कल्कि पुराण, अध्याय २, श्लोक ११

''کلکی اوتار ''سومتی'' سے پیدا ہوگا اور اس کے باپ کا نام ''ویشنوویش'' ہوگا۔'' ''سومتی'' کا لفظی ترجمہ وہی ہے جو ''آمنہ'' کا ہے (امن پانے والی)۔ ''ویشنوویش'' کے معنی ہیں: اللہ کا بندہ (عبداللہ)۔

''ویشنو'' اصلاً اللہ کا نام ہے۔ جب ہندوؤں میں شرک کی وبا پھیلی تو اُنھوں نے اس نام کا ایک دیوتا بھی بنا لیا۔ کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 4 میں اور بھاگوت پوران، سرگ12، ادھیائے 2، اشلوک 18 میں بھی آپ ﷺ کے والد کا نام ''ویشنوویش'' (عبداللہ) بتایا گیا ہے۔

''شنبل گرام'' یا بلدالامین

بھاگوت پُران، اسکنذ 12، ادھیائے 2، اشلوک[1] 18 اور کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 4 بالترتیب یہ ہیں:

'शम्भलग्राममुख्यस्य ब्राह्मणस्य महात्मनः ।
भवने विष्णुयशसः कल्किः प्रादुर्भविष्यति ॥'

—भागवत पु० १२. २. १८,

'शम्भले विष्णुयशसो गृहे प्रादुर्भवाम्यहम्' ।

—कल्कि० अध्याय २, श्लोक ४

''کلکی اوتار ''شنبل گرام'' میں ''ویشنوویش'' کے ہاں ان کے برہمن مہنت (دینی پیشوا) کے گھر پیدا ہوگا۔''

اب ان اشلوکوں کے الفاظ پر غور کیجیے، ''شنبل'' کے معنی ہیں: امن والا اور ''گرام'' کے معنی ہیں: شہر یا گاؤں۔ اس طرح ''شنبل گرام'' کے معنی ہیں: امن والا شہر۔ اور دنیا بھر میں یہ نام اور صفت صرف مکہ ہی کی ہے۔ قرآن مجید میں اسے ﴿الْبَلَدِ الْأَمِيْنِ﴾ یعنی امن والا شہر کہا گیا ہے۔

کلکی اوتار (آخری رسول) کی تاریخ پیدائش

کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 15 میں ہے:

[1] زبان زدعوام و خواص اشلوک، شلوک یا شَلوک ہے۔ اس کے معنی نظم، شعر، بیت، فرد، شبد، قول، بچن وغیرہ ہیں۔ (فرہنگ آصفیہ: 174/1)

द्वादश्यां शुक्लपक्षस्य माधवे माधवे मासि माधवम् : ।
जातो ददृशतु: पुत्रं पितरौ हृष्टमानसौ ।।'

—कल्कि पुराण, द्वितीय अध्याय, १५वां श्लोक ।

''کلکی اوتار بیساکھ مہینے کی 12 تاریخ کو پیدا ہوگا۔'' بیساکھ ہندی کا مشہور مہینہ ہے جواب بھی ہندی کیلنڈروں میں اسی نام سے لکھا جاتا ہے۔ ہندی کیلنڈر کے مطابق نبی ﷺ 12 بیساکھ 628 بکرمی کو پیدا ہوئے۔ اس دن عربی کیلنڈر کے حساب سے ماہ ربیع الاول سال عام الفیل (1) کا دوسرا سوموار تھا اور ہندو کیلنڈر اور عقیدے کے مطابق یہ نہایت مقدس دن تھا۔

کلکی اوتار کے والد اور والدہ کی وفات

کلکی پوران اور بھاگوت پُران اسکنڈ 12 میں مذکور ہے کہ کلکی اوتار کے والد اس کی پیدائش سے پہلے ہی انتقال کر جائیں گے اور والدہ اس کی پیدائش کے تھوڑے عرصہ بعد وفات پا جائیں گی۔

یہ دونوں باتیں محمد رسول اللہ ﷺ پر پوری طرح صادق آتی ہیں۔ آپ کے والد آپ کی پیدائش سے پہلے فوت ہو گئے اور والدہ آپ کی پیدائش کے چھ سال بعد وفات پا گئیں۔

''سالمل دیپ'' کی سیدہ سے شادی

مذکورہ دونوں کتابوں میں بتایا گیا ہے:

''کلکی اوتار ''سالمل دیپ'' کی سیدہ سے شادی کرے گا اور شادی کا یہ کام اس کے چچا اور تین بھائی انجام دیں گے۔''

قدیم ہندوؤں کے نزدیک ''سالمل دیپ'' جزیرہ نمائے عرب اور سرزمین کنعان (فلسطین) کا نام تھا۔ سرزمین کنعان میں کلکی اوتار کی صفات والا کوئی انسان کبھی نہیں پایا گیا، اس لیے لامحالہ اس سے جزیرہ نمائے عرب ہی مراد ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا قریش کی سیدہ تھیں۔ پھر آپ ﷺ کی شادی کا کام آپ کے چچا ابوطالب نے انجام دیا اور ان کے تینوں بیٹوں جعفر، طالب اور عقیل نے تقریب عروسی کے انتظامات کیے اور یہ تینوں محمد ﷺ کے چچیرے بھائی تھے۔

پہاڑی غار میں ''پرشورام'' (روح القدس) کی آمد

کلکی پوران یہ بھی بتاتا ہے:

''کلکی اوتار ایک پہاڑ کی گھپا (غار) میں جائے گا اور وہاں پرشورام سے علم حاصل کرے گا۔''

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ محمد ﷺ غار حرا، میں تشریف لے جاتے تھے اور عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ یہی غار حرا، تھا جہاں ایک رات جبریل علیہ السلام وحی لے کر آئے تھے۔

پرشورام، ہندوؤں کے نزدیک ایک فرشتے کا نام ہے جس کا ایک خاص کام یہ ہے کہ وہ دین کے دشمن کفار و ملحدین پر عذاب لاتا ہے۔ یہ بات محتاجِ وضاحت نہیں کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی زبان میں بعینہ اس فرشتے کو جبریل کہا جاتا ہے۔ جبریل علیہ السلام کا ایک نام روح القدس بھی ہے اور سنسکرت کے الفاظ پرشورام کے معنی بھی یہی ہیں۔

''شنبل گرام'' میں دعوت، ہجرت اور فتح

اس کے بعد کلکی پوران میں بتایا گیا ہے کہ کلکی اوتار اپنے دین کی دعوت اپنے شہر ''شنبل گرام'' (شہر امن، یعنی مکہ) میں شروع کرے گا جو سالمل دیپ (جزیرہ نمائے عرب) میں واقع ہے۔ مگر اس شہر کے لوگ اس کی مخالفت کریں گے اور اسے تکالیف پہنچائیں گے، چنانچہ وہ یہ شہر چھوڑ کر شمال کی طرف ایک دوسرے شہر کی طرف، جو چٹانوں اور پہاڑوں سے گھرا ہوگا، ہجرت کر جائے گا۔ پھر ایک عرصے کے بعد تلوار لیے ہوئے اپنے شہر کو واپس آئے گا اور اسے فتح کرے گا اور اس کے بعد سارا ملک فتح ہوجائے گا۔ چٹانوں اور پہاڑوں سے گھرا شہر مدینہ منورہ ہے۔


پہاڑوں کے دامن میں شہر مدینہ

اُڑن گھوڑا (براق) اور معراج

بھاگوت پوران اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 20،19 اور دوسرے اشلوکوں میں بتایا گیا ہے:

''کلکی اوتار کو ایک اڑنے والا گھوڑا دیا جائے گا جو بجلی سے بھی تیز ہوگا۔ اور یہ اس پر سوار ہوکر زمین اور ساتوں آسمانوں کی سیر کرے گا۔''

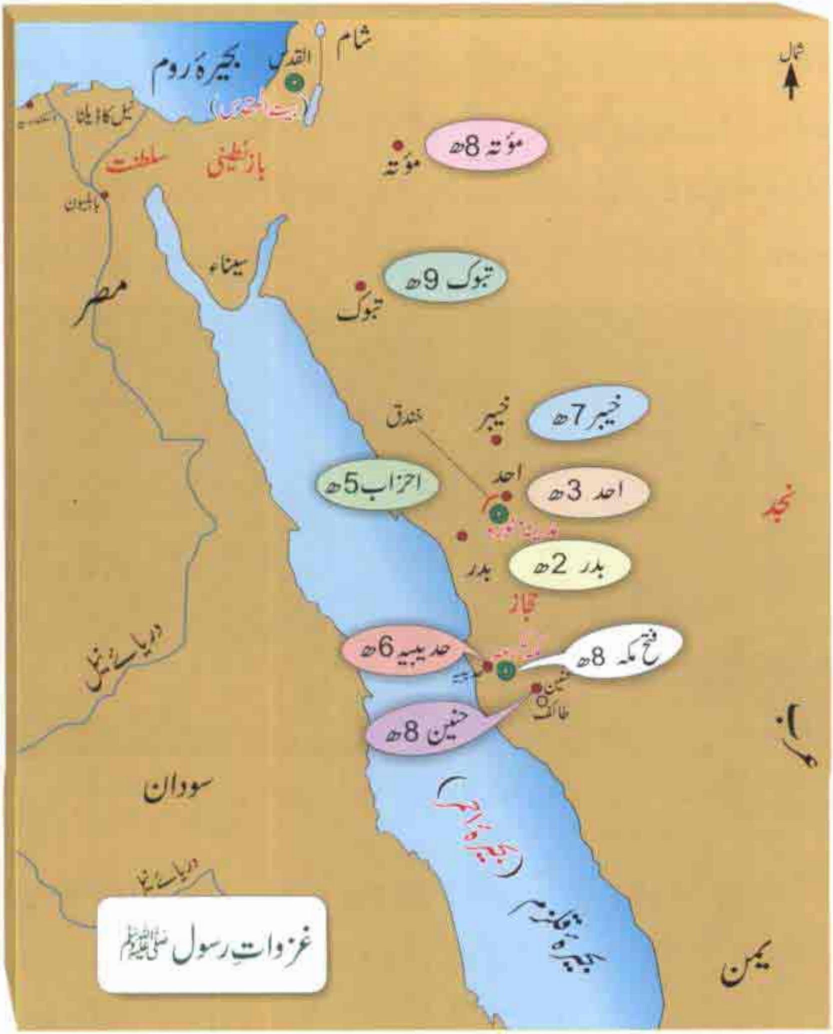
یہ جُملہ محتاجِ وضاحت نہیں۔ صاف ظاہر ہے اس سے نبی ﷺ کا اسراء و معراج مراد ہے۔

دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد

بھاگوت پوران کے اسی مقام پر مذکور ہے:

”کلکی اوتار دین کے دشمنوں سے تلوار کے ذریعے جنگ کرے گا اور بادشاہوں اور حکمرانوں کے بھیس میں چھپے ہوئے شریروں اور بدمعاشوں کو کچلے گا۔“

یہ سعادت بھی محمد ﷺ ہی کو نصیب ہوئی۔



فرشتوں کے ذریعے کلکی اوتار کی مدد

کلکی پوران ادھیائے 2، اشلوک 7 میں ہے:

यात यूयं भुवं देवा: स्वांशावतरणे रत: ।

—कल्कि पुराण, अध्याय २ श्लोक ७ ।

''جنگ کے اندر فرشتوں کے ذریعے کلکی اوتار کی مدد کی جائے گی۔''

یہ بات بھی محمد ﷺ ہی کے لیے معروف ہے جس پر قرآن گواہ ہے۔ قرآن کریم بتاتا ہے کہ غزوۂ بدر میں فرشتوں کی جماعت نے آکر مسلمانوں کی مدد کی۔[1]



مقام بدر میں مسجد العریش جہاں رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے مدد مانگی اور اللہ تعالی نے دس ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی نصرت فرمائی

چار خلفاء سے تائید

کلکی پوران، ادھیائے 2، اشلوک 5 میں ہے:

'चतुर्भिर्भ्रातृभिर्देव करिष्यामि कलिक्षयम् ।

—कल्कि पुराण, अध्याय २, श्लोक ५ ।

''کلکی اوتار اپنے چاروں مددگاروں کے ذریعے شیطانوں کو کچلے گا۔''

یہ بات واضح ہے کہ محمد ﷺ نے دعوت و جہاد کا جو کام کیا، اس میں آپ کے چاروں خلفائے راشدین آپ کے مددگار رہے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد انھوں نے دعوتِ دین کے فروغ اور باطل کے خلاف جہاد کا سلسلہ

[1] آل عمرٰن 3:124، 125۔

جاری رکھا۔

''جگت پتی'' یا دنیا کا سردار

بھاگوت پوران، اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 19 میں کلکی اوتار کو جگت پتی کہا گیا ہے جس کے معنی ہیں: ''دنیا کا سردار۔'' ساری دنیا کا سردار ہونے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اسے (محمد ﷺ کو) ساری دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔

کلکی اوتار پر نبوت کا خاتمہ

بھاگوت پوران، پرتھم اسکنڈ، ادھیائے 3، اشلوک 25 میں ہے:

''بڑے بڑے پیغمبر چوبیس ہیں۔ کلکی اوتار آخری پیغمبر ہوگا جو سارے پیغمبروں کا خاتم ہوگا۔''

پیغمبرِ اسلام حضرت محمد ﷺ کے سوا کوئی نبی ایسا نہیں جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو کہ وہ خاتم النبیین ہے۔

حسن و جمال کی اعلیٰ مثال

بھاگوت پوران، اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 20 میں ہے:

''وہ ایسا خوبصورت ہوگا کہ اُس کے حسن و جمال کی مثال نہ ہوگی۔''

یہ حضرت محمد ﷺ کے شخصی شمائل کا بڑا معروف اور نمایاں پہلو ہے۔

مہکتا ہوا (معطر) رسول

بھاگوت پوران، اسکنڈ 12، ادھیائے 2، اشلوک 21 میں ہے:

'अथ तेषां भविष्यन्ति मनांसि विशदानि वै ।
वासुदेवाङ्गरागातिपुण्यगन्धानिलस्पृशाम् ।'

भागवतपुराण, द्वादश स्कन्ध, द्वितीय अध्याय, २१ वां श्लोक ।

''کلکی اوتار کے جسم سے نہایت عمدہ خوشبو پھوٹتی ہوگی جو فضا کو معطر کرے گی۔ اور طبیعتوں میں انتہائی فرحت لائے گی۔''

صحیح احادیث میں ہے کہ محمد ﷺ کے جسمِ اطہر اور پسینے سے نہایت فرحت بخش اور دلنواز خوشبو آتی تھی۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی، پھر آپ اپنے گھر کی طرف تشریف لے گئے۔ میں بھی آپ کے ساتھ نکلا تو بچوں نے آپ کا استقبال کیا۔ آپ نہایت شفقت اور پیار سے ہر بچے کے رخساروں پر ہاتھ

پھیرنے لگے۔ اسی دوران آپ ﷺ نے میرے بھی رخساروں پر ہاتھ پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک میں ایسی ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی جیسے آپ نے اپنا ہاتھ ابھی عطردان سے نکالا ہے۔ [1]

اسی طرح سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے اور ہمارے ہاں ہی قیلولہ کیا۔ آپ ﷺ کو پسینہ آیا، میری والدہ (ام سلیم رضی اللہ عنہا) ایک شیشی لائیں اور آپ ﷺ کے بدنِ اقدس سے پسینہ پونچھ پونچھ کر اس میں ڈالنے لگیں۔ نبی اکرم ﷺ بیدار ہو گئے اور دریافت فرمایا:

«يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! مَا هٰذَا الَّذِي تَصْنَعِينَ؟»

''ام سلیم! یہ کیا کر رہی ہو؟''

انھوں نے عرض کیا: یہ آپ ﷺ کا (مبارک) پسینہ ہے۔ یہ بہترین خوشبو ہے۔ ہم اسے اپنی خوشبو میں ڈالیں گے۔ [2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کی دس سال خدمت کی، اس عرصے میں آپ نے مجھے کبھی اف تک نہ کہا۔ میں نے اگر کوئی کام کیا تو آپ نے یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور اگر میں نے کوئی کام چھوڑ دیا تو آپ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ تو نے یہ کام کیوں چھوڑا ہے:

وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَلَا مَسِسْتُ خَزًّا قَطُّ وَلَا حَرِيرًا وَّلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ ﷺ.

''رسول اللہ ﷺ حسن اخلاق میں سب لوگوں سے بڑھ کر تھے، میں نے اون، ریشم یا ایسی کسی چیز کو کبھی نہیں چھوا جو رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک سے زیادہ ملائم ہو۔ نہ میں نے کبھی کوئی ایسی کستوری یا عطر سونگھا جو نبی اکرم ﷺ کے پسینے سے زیادہ معطر ہو۔'' [3]

جن گلیوں اور بازاروں سے نبی ﷺ کا گزر ہوتا، وہ آپ ﷺ کی بوئے عطر بیز سے مہک اٹھتے تھے۔

کلکی اوتار کی آٹھ ربانی صفات

کلکی اوتار کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اُس میں آٹھ مقدس ربانی صفات پائی جاتی ہیں۔ یہ صفات ''مہابھارت''

[1] صحيح مسلم :2329. [2] صحيح مسلم :2331. [3] صحيح البخاري :3561، صحيح مسلم :2330، جامع الترمذي: 2015.

نامی کتاب میں اس طرح آئی ہیں:

'अष्टौ गुणा: पुरुषं दीपयन्ति
प्रज्ञा च कौल्यं च दम: श्रुतं च ।
पराक्रमश्चबहुभाषिता च'
दानं यथाशक्ति कृतंज्ञता च' ॥

—महाभारत

1 پرگیا: غیب کی باتوں کی اطلاع پانا اوران کی خبر دینا۔

2 کلینتا: عالی نسب ہونا۔

3 اندریا دمن: اپنے نفس پر قابو رکھنا۔

4 رشوتگیان: وحی ونبوت پانا۔

5 پراکرام: طاقتور جسم کا حامل ہونا۔

6 بھوبھاشتا: کم بولنا۔

7 دان: جود وسخاوت والا ہونا۔

8 کرتگتا: صاحبِ حکمت اور دور اندیش ہونا۔

ہندو عقیدے کے مطابق یہ آٹھوں ربانی صفات کلکی اوتار میں اکٹھی موجود ہوں گی۔ سیرتِ مقدسہ سے ادنیٰ سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ نبیِ کریم ﷺ میں یہ صفات بدرجۂ اتم پائی جاتی تھیں۔

اتھروید اور رگ وید میں محمد (ﷺ) کا نام

ہندو دھرم کی سب سے زیادہ مشہور کتابیں وید ہیں۔ وید چار ہیں: 1 رگ وید 2 یجر وید 3 سام وید 4 اتھروید۔ ان ویدوں بالخصوص رگ وید کا انداز یہ ہے کہ کسی مقدس اور منتخب شخصیت کا ذکر کبھی بہت لمبا اور منتروں کے پورے مجموعے پر مشتمل ہوتا ہے اور کبھی اتنا مختصر کہ ایک دو منتر پر ختم ہوجاتا ہے۔ نراشنس (Narashansa) کا ذکر چاروں ویدوں میں ہے۔ لیکن اس کا تفصیلی ذکر اتھروید میں ہے۔

इदं जना उप श्रुत नराशंस स्तविष्यते ।

षष्टिं सहस्रा नवतिं च कौरम आ रुशमेषु दद्महे ॥ १ ॥

उष्ट्रा यस्य प्रवाहिणो वधूमन्तो द्विर्दश ।

वर्ष्मा रथस्य नि जिहीडते दिव ईषमाणा उपस्पृशः ॥ २ ॥

एष इषाय मामहे शतं निष्कान् दश स्रजः ।

त्रीणि शतान्यर्वतां सहस्रा दश गोनाम् ॥ ३ ॥

वच्यस्व रेभ वच्यस्व वृक्षे न पक्वे शकुनः ।

ओष्ठे जिह्वा चर्चरीति क्षुरो न भुरिजोरिव ॥ ४ ॥

प्र रेभासो मनीषा वृषा गाव इवेरते ।

अमोतपुत्रका एषाममोत गा इवासते ॥ ५ ॥

प्र रेभ धियं भरस्व गोविदं वसुविदम् ।

देवत्रेमां वाचं कृणीषु न वीरो अस्ता ॥ ६ ॥

राज्ञो विश्वजनीनस्य यो देवोमर्त्यां अति ।

वैश्वानरस्य सुष्टुतिमा सुनोता परिक्षितः ॥ ७ ॥

परिच्छिन्नः क्षेममकरोत्तम आसनमाचरन् ।

कुलायं कृण्वन् कौरव्यः पतिर्वदति जायया ॥ ८ ॥

कतरत त आ हराणि दधि मन्थां परिस्रुतम् ।

जाया पतिं वि पृच्छति राष्ट्रे राज्ञः परिक्षितः ॥ ९ ॥

अभीव स्वः प्रजिहीते यवः पक्वः परा बिलम् ।

जनः स भद्रमेधते राष्ट्रे राज्ञः परिक्षितः ॥ १० ॥

इन्द्रः कारुमबूबुधदुत्तिष्ठ वि चरा जनम् ।

ममेदुग्रस्य चर्कृधि सर्व इत ते परिशादरिः ॥.११ ॥
इह गावः प्रजायध्वमिहाश्वा इह पूरुषाः ।
इहो सहस्रदक्षिणोऽपि पूषा नि षीदति ॥ १२.॥

یہ کل چودہ منتر ہیں جو اتھروید، کانڈ 20، سوکت 127، منتر 1 تا 14 پر مشتمل ہیں۔ یہاں ضروری وضاحت کے ساتھ ان کا ترجمہ نمبروار دیا جا رہا ہے:

1 لوگو! احترام سے سنو! نراشنس کی تعریف کی جائے گی۔ ہم اس مہاجر یا امن کے علمبردار کو ساٹھ ہزار نوے دشمنوں کے درمیان محفوظ رکھیں گے۔

ا: ''نراشنس'' کا مطلب ہے وہ شخص جس کی کثرت سے تعریف کی جائے، لہٰذا نراشنس کے ٹھیک وہی معنی ہیں جو لفظ ''محمد (ﷺ)'' کے ہیں۔ اس منتر کے دوسرے مصرع میں نراشنس کو ''کورم'' کہا گیا ہے۔ لفظ ''کورم'' کے دو معنی ہیں: ایک ''مہاجر'' اور دوسرا ''امن کا علمبردار''۔ یہ دونوں اوصاف نبیِ کریم ﷺ کی معروف صفات ہیں۔

ب: ''ساٹھ ہزار نوے دشمن'' دشمنوں سے مراد وہ آمادۂ قتال لوگ ہیں جو تلوار لے کر آپ کے مقابل آئے یا جنھوں نے خفیہ طریقے سے آپ کو قتل کرنے کی مذموم کوشش کی۔ انھی سے آپ کی جان کو خطرہ تھا اور انھی کے حربوں سے آپ ﷺ کو محفوظ رکھا گیا۔ رسولِ اکرم ﷺ کے اس طرح کے دشمنوں کی کل تعداد ساٹھ ہزار نوے کے لگ بھگ تھی۔

2 اس کی سواری اونٹ ہوگا اور اس کی بارہ بیویاں ہوں گی۔ اس کا درجہ اتنا بلند اور اس کی سواری اتنی تیز ہوگی کہ وہ آسمان کو چھوئے گی اور پھر اُتر آئے گی۔

یہ منتر اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔ نبی ﷺ کی بارہ ازواج تھیں اور آپ معراج پر تشریف لے گئے۔

3 اللہ نے ''مامح''[1] رشی کو سو اشرفیاں، دس ہار، تین سو گھوڑے اور دس ہزار گائیں عطا کیں۔

ا: اس منتر کے مطابق اللہ نے مامح، ''رشی'' یعنی پیغمبر کو سونشک (اشرفیاں) عطا کیں۔ شت پتھ براہمن، کانڈ 12، پاٹھک 9، برہمن میں ہے کہ سونا انسان کی روحانی قوت کا استعارہ ہے، لہٰذا اس سے پیغمبر کے ایسے سو ساتھی مراد

[1] مامح کی معنویت کے بارے میں دو امکان ہیں: 1 یہ عربی زبان کے لفظ ''محمد'' (ﷺ) کا سنسکرت تلفظ ہوسکتا ہے۔ 2 ممکن ہے یہ خالص سنسکرت کا لفظ ہو۔ ایسی صورت میں یہ ''ما'' اور ''مح'' دو لفظوں کا مجموعہ ہوگا۔ ''ما'' اپنے بعد والے لفظ کے معنی کی بڑائی اور کثرت کو ظاہر کرتا ہے۔ یوں ''مامح'' کے معنی ہوں گے ''وہ شخص جس کی خوب تعریف کی جائے۔'' بعینہٖ یہی معنی لفظ ''محمد'' کے بھی ہیں۔ (محمد ﷺ: ہندو کتابوں میں، ابن اکبر الاعظمی، ص:30)

ہیں جو آزمائش کی آگ میں تپ کر بالکل کھرے ثابت ہوئے۔ یہ کیسی عجیب مطابقت ہے کہ مہاجرین حبشہ کی کل تعداد ایک سو ایک تھی جن میں سے ایک شخص عبیداللہ بن جحش حبشہ پہنچنے کے بعد مرتد ہوگیا۔ باقی سو افراد دین اسلام پر مرتے دم تک نہایت پختگی سے قائم رہے۔

ب: اُس کو دس ہار عطا کیے۔ اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اس رسول کو دس ایسے ساتھی عطا کیے جائیں گے جو اپنی خوبیوں میں سب سے ممتاز اور خود رسول کی نظر میں سب سے اچھے اور محبوب ہوں گے۔ اس سے عشرہ مبشرہ، یعنی دس صحابہ جن کے جنتی ہونے کی بشارت اسی دنیا میں دی گئی، مراد ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

1 ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
2 عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
3 عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
4 علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ
5 طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ
6 زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
7 سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
8 سعید بن زید رضی اللہ عنہ
9 عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
10 ابوعبیدہ عامر بن جراح رضی اللہ عنہ

ج: اللہ نے اس رسول کو تین سو تیز رو گھوڑے عطا کیے۔ گھوڑوں کے لیے لفظ ''ارون'' استعمال کیا گیا ہے۔ ''ارون'' ان تیز رفتار گھوڑوں کو کہا جاتا ہے جنھیں آریہ نہیں بلکہ دوسری قومیں بالخصوص عرب استعمال کرتے ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں جس پیغمبر کی پیش گوئی کا تذکرہ جاری ہے، وہ ہندوستان میں نہیں عرب میں ہوگا۔
بہر حال گھوڑے کا لفظ بہادری اور جوانمردی کی ترجمانی کرتا ہے۔ مراد یہ ہے کہ اس پیغمبر کو تین سو جوانمرد عطا کیے جائیں گے جو میدان جنگ میں لڑائی اور دفاع میں ایک امتیازی شان کے حامل ہوں گے۔ یوں جنگِ بدر میں شریک ہونے والوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

د: آخری بات اس منتر میں یہ کہی گئی ہے کہ اس پیغمبر کو دس ہزار گائیں عطا کی گئیں۔ ایسا جملہ سیدھے سادے، نہایت شریف، بھلے مانس اور ہر طرح کی چلتر بازیوں سے محفوظ لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس لیے ''دس ہزار گائیں'' سے مراد ایسے پاکیزہ صفات انسان ہیں جو ہر طرح کی ہیرا پھیری سے پاک تھے۔ ایسے قدسی صفت صحابہ فتح مکہ کے موقع پر دس ہزار کی تعداد میں آپ کے ساتھ موجود تھے۔

4 تبلیغ کر اے ربہھ (احمد)! تبلیغ کر جیسے چڑیاں پکے ہوئے پھل والے درخت پر چہچہاتی ہیں۔ تیری زبان اور تیرے دونوں ہونٹ قینچی کے دونوں پھلوں کی طرح چلتے ہیں۔
سنسکرت میں ربہھ کے بالکل وہی معنی ہیں جو عربی میں احمد کے ہیں، یعنی بہت کثرت سے یا سب سے بڑھ کر

اللہ کی حمد وثنا کرنے والا۔

5 حمد کرنے والے اپنی حمدوں کے ساتھ یا نمازی اپنی نمازوں کے ساتھ طاقتور سانڈ کی طرح جنگ میں جاتے ہیں اور ان کی اولاد اپنے گھروں میں یوں مامون رہتی ہے جیسے گائے اپنے ٹھکانوں میں۔

6 اے احمد! اس کلام حکیم کو مضبوطی سے پکڑ کہ یہ گایوں اور اموال کی اساس ہے اور اسے متقیوں تک پہنچا جیسے بہادر نشانے پر تیر مارتا ہے۔

7 وہ دنیا کا سردار جو دیوتا ہے، سب سے افضل انسان ہے۔ سب لوگوں کا رہنما ہے اور تمام قوموں میں معروف ہے۔ اس کی اعلیٰ ترین تعریف کرو۔

8 اس شہرت یافتہ شخص نے گھر کی تعمیر کے دوران حکومت یا عدالت ہاتھ میں لیتے ہی ہر جانب امن اور شانتی قائم کردی۔ یہ بات ہر شوہر اپنی بیوی کو بتا رہا تھا۔

9 اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں ایک بیوی اپنے شوہر سے پوچھتی ہے کہ میں آپ کے لیے کیا لاؤں؟ دہی، لسی یا کوئی اور نشاط انگیز مشروب؟

یہ اشارہ ہے کہ اس شخص کی حکومت میں ضروریاتِ زندگی کی فراوانی ہوگی اور واقعی محمد ﷺ نے جو حکومتِ الٰہیہ قائم کی، وہ ٹھیک ٹھیک اسی حالت کی آئینہ دار تھی۔ کہاں عرب کا یہ حال تھا کہ لوگ فقر و فاقہ کے خوف سے اپنے بچوں تک کو مار ڈالتے تھے اور کہاں یہ حال ہوا کہ صدی بھی نہ گزرنے پائی تھی کہ آدمی سونے کی خیرات لے کر نکلتا مگر اُسے کوئی قبول کرنے والا نہ ملتا۔

10 ایک پکا ہوا جو (barley) گڑھے سے نکل کر آسمان تک جاتا ہے۔ اس شہرت یافتہ شخص کی حکومت میں انسان تقویٰ اور خیر کے اعتبار سے ترقی کرتا ہے۔

بالکل یہی بات قرآن مجید میں بھی بیان فرمائی گئی:

﴿ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ ﴾

”(اے نبی!) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ (اسلام) کی کیسی مثال بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے، اس کی جڑ مضبوط ہے اور شاخیں آسمان میں ہیں۔ وہ ہر وقت اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل لاتا ہے۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔“ [1]

[1] إبرٰهيم 14:24،25.

یعنی مومن کی مثال ایک درخت کی سی ہے جو گرمی ہو یا سردی، رات ہو یا دن ہر وقت پھل لاتا رہتا ہے، اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ بھی ہر وقت دن رات آسمانوں کی طرف اُٹھائے جاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝﴾

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے زیادہ متقی ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔'' [1]

اسی طرح نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، وَ إِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ، أَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِأَحْمَرَ عَلٰى أَسْوَدَ، وَلَا لِأَسْوَدَ عَلٰى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى»

''اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ! بے شک تمھارا رب ایک ہے اور تمھارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو عربی پر، کسی سرخ کو سیاہ پر اور کسی سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔'' [2]

یعنی آپ ﷺ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمھیں فضیلت تقویٰ کی بنیاد پر حاصل ہے، حسب و نسب کی بنیاد پر نہیں جیسا کہ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی اور بھی بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں، مثلاً: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ لوگوں میں سب سے زیادہ معزز کون ہے۔ آپ نے فرمایا:

«أَكْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاهُمْ»

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے۔''

صحابہ نے عرض کی: ہم نے آپ ﷺ سے یہ بات نہیں پوچھی۔ آپ نے فرمایا:

«فَأَكْرَمُ النَّاسِ يُوسُفُ نَبِيُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ نَبِيِّ اللّٰهِ ابْنِ خَلِيلِ اللّٰهِ»

[1] الحجرٰت 13:49۔ [2] مسند أحمد: 411/5۔

''لوگوں میں سب سے زیادہ عزت والے یوسف (علیہ السلام) ہیں جو اللہ کے نبی ہیں، اللہ کے نبی (یعقوب علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے نبی (اسحاق علیہ السلام) کے بیٹے ہیں اور وہ اللہ کے خلیل (ابراہیم علیہ السلام) کے صاحبزادے ہیں۔''

صحابہ نے عرض کی: ہم نے آپ ﷺ سے یہ بات بھی نہیں پوچھی۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

«فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُونِّي؟»

''کیا تم مجھ سے قبائل عرب کے بارے میں پوچھتے ہو؟''

صحابہ نے عرض کی: جی ہاں، آپ نے فرمایا:

«فَخِيَارُكُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُكُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقُهُوا»

''تم میں سے جو لوگ جاہلیت میں اچھے تھے، وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں، بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرلیں۔''[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَ أَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَ أَعْمَالِكُمْ»

''بے شک اللہ تمھاری صورتیں اور تمھارے مال نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تمھارے دل اور تمھارے کام دیکھتا ہے۔''[2]

11 اللہ نے احمد کو جگایا کہ اٹھ! اور یہاں وہاں لوگوں کے پاس جا اور میری بڑائی کر، یقیناً میں ہی غالب ہوں۔ میں تجھے ساری نعمتیں دوں گا۔

12 یہاں اے گایو! یہاں اے گھوڑو! یہاں اے انسانو! ترقی کرو اور بڑھو کیونکہ فقیروں کا سہارا اور ہزاروں کی خیرات کرنے والا یہاں بیٹھا ہے۔

13 ایسا نہ ہو، اے غالب رب، کہ ان کے دشمن اور ڈاکو ان پر غلبہ پائیں۔

14 ہم تعریفی کلمات اور نہایت عمدہ کلام سے بڑے ادب کے ساتھ ایک بہادر کے گن گاتے ہیں۔ تو خوشی سے ہمارے گیت قبول فرما تاکہ ہم کبھی ہلاکت یا خسارے میں نہ رہیں۔

یہ سارے منتروں کا حُسنِ خاتمہ ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آپ کو ماننے اور آپ ہی کے گن گانے میں کامیابی اور نجات ہے۔ بصورت دیگر ناکامی اور گھاٹا ہے۔ یہی بات اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ارشاد فرمائی ہے:

[1] صحيح البخاري: 3383,3374,3353. [2] صحيح مسلم: (34)-2564.

﴿وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلٰمِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۝﴾

''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔''[1]

ہندو اتھروید کے ان چودہ منتروں کا بہت اہتمام کرتے ہیں۔ مذہبی اجتماعات اور تقریبات کے موقعوں پر 17 سادھومل کر اسے دیر تک پڑھتے اور دہراتے رہتے ہیں۔ انھیں حکم ہے کہ ان منتروں کو اچھی طرح یاد رکھیں اور ان سے کبھی غافل نہ ہوں۔

میٹھی زبان اور قربانیوں والا محبوب

رگ وید، منڈل ایک، سوکت 13، منتر 3 میں لکھا ہے:

'नराशंसमिहप्रियमस्मिन्यज्ञ उप ह्वये ।
मधुजिह्वं हविष्कृतम् ।।' —ऋग्वेदसंहिता १।१३।३।।

''اے محبوب نراشنس! میٹھی زبان اور قربانیوں والے! میں تیری قربانیوں کا وسیلہ پکڑتا ہوں۔''

یہ منتر ہندوؤں کے نزدیک بہت اہم منتروں میں سے ہے۔ اسے وہ پوجا کے دوران پڑھتے ہیں۔ ان میں نراشنس کی جو دو خصوصیات بیان کی گئی ہیں، محمد ﷺ میں یہ دونوں خصوصیات بدرجۂ اکمل موجود تھیں۔

''نراشنس'': بہت بڑا رہنما

رگ وید، منڈل ایک، سوکت 106، منتر 5 میں ہے:

'नराशंसं वाजिनं वाजयन्निह क्षयद्वीरं पूषणं सुम्नैरीमहे ।
रथं न दुर्गाद् वसवः सुदानवो विश्वस्मान्नो अंहसो निष्पिपर्तन ।।'
—ऋग्वेद १।१०६।४

''ہم عظیم نراشنس کی، جو بہت بڑا رہنما ہے، تعریف کرتے ہیں۔ اے کرم والے! تو ظاہر ہوتا کہ ہمیں گناہوں سے پاک کرے۔ اور کٹھن راستے سے ہمارا رتھ پار کردے۔''

''سورچی'' یا ''صاحبِ جمال''

رگ وید، منڈل 2، سوکت 3، منتر 2 میں ہے:

[1] آل عمرٰن 85:3.

'नराशंसः प्रतिधामान्यञ्जन् तिस्रो दिवः प्रति मह्ना स्वर्चिः ।'

—ऋग्वेद संहित, २।३।२।

اس میں نراشنس کو ''سورچی'' کہا گیا ہے۔ سورچی دولفظوں کا مجموعہ ہے۔ ایک ''سو'' جس کے معنی حسن وجمال کے ہیں۔ دوسرا ''ارچی'' جس کا مطلب ہے ایسا خوبصورت صاحبِ جمال جس کے چہرے سے نور کی شعاعیں پھوٹتی ہوں۔ محمد ﷺ کی بے مثل خوبصورتی کا یہی حال تھا۔ آپ ﷺ سب سے زیادہ خوبصورت انسان تھے۔ آپ کے چہرے سے نور کی کرنیں پھوٹتی تھیں۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے چاندنی رات میں نبیِ اکرم ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نے سُرخ جوڑا زیبِ تن فرما رکھا تھا۔ میں کبھی رسول اللہ ﷺ کے رُخِ زیبا کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی طرف۔ مجھے آپ ﷺ چاند سے بھی زیادہ حسین نظر آرہے تھے۔[1]

''کوی'' یا ''صاحبِ علم ومعرفت''

رگ وید، منڈل 5، سوکت 5، منتر 2 میں ہے:

'नराशंसः सुषूदतीमं यज्ञमदाभ्यः ।
कविर्हि मधुहस्त्यः ॥' —ऋग्वेद संहिता ५।५।२॥

اس منتر میں نراشنس کو ''کوی'' کہا گیا ہے۔ کوی دولفظوں کا مجموعہ ہے۔ ایک ''ک'' جو اللہ تعالیٰ کے لیے بولا جاتا ہے۔ دوسرا ''وی'' جو خصوصی رابطہ وتعلق کی نشاندہی کرتا ہے، لہٰذا ''کوی'' کے اشتقاقی معنی ہوں گے: ''ایسا شخص جس کا اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق ہو۔'' یعنی وہ اللہ کا خصوصی اور مقرب بندہ ہو۔ لیکن لغت اور ویدک محاورے میں یہ لفظ حسبِ ذیل لوگوں کے لیے بولا جاتا ہے:

1. جسے اللہ تعالیٰ کی بھرپور معرفت حاصل ہو۔
2. جسے اللہ تعالیٰ نے غیب کی باتیں بتائی ہوں اور اس نے وہ باتیں لوگوں کو بتائی ہوں۔
3. جسے اللہ نے ایسا علم دیا ہو کہ وہ سب پر یہاں تک کہ فرشتوں پر بھی فوقیت لے گیا ہو۔ گویا وہ روحانی دنیا کا بادشاہ ہو۔

نبی کریم ﷺ کی سیرتِ مقدسہ میں یہ صفات اپنے کامل معنوں میں جس طرح جگمگاتی ہیں، اُس کی مثال عالمِ انسانیت میں کبھی نظر نہیں آئی۔

[1] جامع الترمذي: 2811.

دس ہزار دشمنوں کی لڑائی کے بغیر شکست

اتھر وید، کانڈ 20، سوکت 21، منتر 7،6 اور 9 میں ہے:

ते त्वा मदा अमदन् तानि वृष्ण्या ते सोमासो वृत्रहत्येषु सत्पते ।
यत कारवे दश वृत्राण्यप्रति बर्हिष्मते नि सहस्त्रानि बर्हयः ॥ ६ ॥
युधा युधमुप घेदेषि धृष्णुया पुरा पुरं समिदं हंस्योजसा ।
नम्या यदिन्द्र सख्या परावति निबर्हयो नमुचिं नाम मायिनम ॥ ७ ॥
त्वमेताञ्जनराज्ञो द्विर्दशाबन्धुना सुश्रवसोपजग्मुषः । षष्टिं सहस्रा
नवतिं नव श्रुतो नि चक्रेण रथ्या दुष्पदावृणक् ॥ ९ ॥
अथर्व वेद काण्ड २० । २१ । ६-७, ९

''اے سچوں کے رب! دشمن کی جنگ میں بہادروں نے اپنی بہادری اور والہانہ نغموں سے تجھے خوش کر دیا۔ جب تو نے اپنے بندے احمد کے لیے دس ہزار دشمنوں کو لڑائی کے بغیر شکست دے دی۔''

''تو ایک جنگ سے دوسری جنگ کی طرف بہادری سے جاتا ہے اور بزور قوت قلعوں پر قلعے فتح کرتا ہے۔ تو نے اے غالب وقوی! اپنے رکوع کرنے والے حبیب کے ساتھ دھتکارے ہوئے، دھوکہ باز اور عہد شکن دشمن کو جو نموچی کے نام سے مشہور ہے قتل کیا۔''

''تو نے اے غالب وقوی! محمد (ﷺ) کے نام سے معروف یتیم کے ساتھ اپنے ناقابل شکست جنگی رتھ کے ذریعے بیس سرداروں اور ساٹھ ہزار ننانوے دشمنوں کو جھنجھوڑ کر اور الٹ پلٹ کر رکھ دیا۔''

یہ آخری منتر رگ وید، منڈل ایک، سوکت 53، منتر 9 میں بھی آیا ہے۔ ان تینوں منتروں میں غزوۂ احزاب کا ذکر ہے جس میں 10 ہزار کفار نے لڑائی کے بغیر شکست کھائی۔ ''ایک جنگ سے دوسری جنگ کی طرف'' سے بنوقریظہ



مدینہ منورہ میں وہ جگہ جہاں سے غزوۂ احزاب کے موقع پر خندق کھودی گئی

کے خلاف لڑائی مراد ہے۔ اس میں دشمن کی صفات بھی بتا دی گئی ہیں ...... دھوکہ باز، عہد شکن اور نموچی۔ ''نموچی'' کنجوس اور بخیل کو کہتے ہیں۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ یہود دغا باز اور عہد شکن ہیں اور دنیا بھر کے بخیلوں کے امام ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ○ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ○ ﴾

''کیا (وہ سمجھتے ہیں کہ) انھیں بادشاہی کا کچھ حصہ ملا ہے؟ پھر تو وہ اس میں سے لوگوں کو تل برابر بھی نہیں دیں گے۔ کیا وہ اس پر لوگوں سے حسد کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے، چنانچہ ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور بہت بڑی بادشاہی عطا کی۔''[1]

دس ہزار جانباز صحابیوں کے ساتھ ممتاز

رگ وید، کانڈ 5، منڈل 27، منتر 1 اس طرح ہے:

अनस्वन्ता सतपतिर्मामहे मे गावा चेतिष्ठो असुरो मघोनः ।
त्रैवृष्णो अग्ने दशभिः सहस्रैर्वैश्वानरः त्र्यरुणश्चिकेत ॥१॥
ऋग्वेदः म० ५ । सू० २७ । १ ॥

''عظمت اور حق والے باحکمت، طاقتور اور دریا دل ''ماح'' (محمد ﷺ) نے مجھے اپنے کلام سے مشرف کیا۔ یہ رحمۃ للعالمین (ﷺ) اپنے دس ہزار جانباز اور خوبیوں والے ساتھیوں کے ساتھ ممتاز ہوا۔''

یہ فتح مکہ کی طرف اشارہ ہے۔

عرب کا عظیم مقدس شخص اور راجہ بھوج

ہندوؤں کی کتاب بھوشیا پوران کی تیسری قسم کے تیسرے کانڈ کی تیسری سرگ میں، جسے پرتی سرگ کہتے ہیں، نبی ﷺ کے بارے میں بہت صاف اور صریح پیش گوئیاں ہیں جو ویدوں کے مصنف مہارشی ویاس کے ایک مکاشفے پر مبنی ہیں۔ اس مکاشفے میں انھوں نے کچھ دیکھا اور کچھ ہندو عقیدے کے مطابق فرشتوں سے بھی سنا۔ اس سرگ کے منتر 5 تا 8 یہ ہیں:

[1] النسآء 4:53، 54.

एतस्मिन्नन्तरे म्लेच्छ आचार्य्येण समन्वितः ।
महामद इति ख्यातः शिष्यशाखासमन्वितः ॥ ५ ॥
नृपश्चैव महादेवं मरुस्थलनिवासिनम् ।
गङ्गाजलैश्च संस्नाप्य पञ्चगव्यसमन्वितैः ।
चंदनादिभिरभ्यर्च्य तुष्टाव मनसा हरम् ॥ ६ ॥
भोजराज उवाच—नमस्ते गिरिजानाथ मरुस्थलनिवासिने ।
त्रिपुरासुरनाशाय बहुमायाप्रवर्त्तिने ॥ ७ ॥
म्लेच्छैर्गुप्ताय शुद्धाय सच्चिदानन्दरूपिणे ।
त्वं मां हि किङ्करं विद्धि शरणार्थमुपागतम् ॥ ८ ॥

"اچانک کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غیر آریہ روحانی معلم جو محامد (محمد ﷺ) کے نام سے معروف ہے، اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا۔"

"اس عرب کے رہنے والے عظیم مقدس شخص کی صمیم دل سے تعظیم کے لیے راجہ بھوج اٹھا اور گنگا کے پانی اور پانچوں پاک کرنے والی چیزوں سے اسے غسل دیا۔ اور اس کے آگے صندل وغیرہ کے ہدیے پیش کیے۔"

"اور اس سے راجہ بھوج نے کہا: آپ پر سلام، اے نسلِ انسانی کے فخر، اے سرزمینِ عرب کے رہنے والے اور اے شیطانوں کو مارنے کے لیے زبردست قوت دینے والے۔"

ان منتروں میں محمد ﷺ کے بارے میں بڑی روشن بشارت ہے۔ اس روحانی معلم کے ساتھ راجہ بھوج کا قصہ اس مکاشفے کے عجائبات میں سے ہے۔ بھوج ایک ہندوستانی راجہ کا نام ہے جس کے نام سے آج بھی کچھ (گجرات) کے علاقے میں بھوج نام کا ایک شہر موجود ہے۔ راجہ بھوج بھوشیا پوران کی تالیف کے صدیوں بعد حضرت محمد ﷺ کے زمانے میں ہوا۔ اس کا قصہ یہ بتایا جاتا ہے کہ وہ گجرات کے ساحلی علاقے کچھ کا حکمران تھا۔ ایک رات وہ کیا دیکھتا ہے کہ یکایک چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی۔ پنڈتوں سے پوچھا تو انھوں نے ویدوں اور پورانوں کو دیکھ کر بتایا کہ یہ آخری پیغمبر کا معجزہ ہے۔ اس نے پیغمبر کی نشانیاں پوچھیں تو انھوں نے بتایا کہ وہ "امن والے شہر" کی ایک گھاٹی میں دینی پیشوا کے گھر پیدا ہوگا۔ اس کا نام نراشنس (محمد) ہوگا۔ اس کے چار خلفاء اور بارہ بیویاں ہوں گی۔ اب اس نے نراشنس کا کھوج لگانا شروع کیا۔ بالآخر معلوم ہوا کہ وہ مکہ و مدینہ میں ظاہر ہوا ہے۔ وہ گھر پہنچا اور اعلان کیا کہ اس نے نراشنس (محمد) کا دین اختیار کر لیا ہے۔ گھر والے سخت ناراض ہوئے۔ انھوں نے اُسے راج پاٹ سے بے دخل کر کے اس کی رانی سمیت بن باس کر دیا۔ راجہ نے اسی حال میں نراشنس کو

یاد کرتے ہوئے اس کے رب کی پوجا کرتے کرتے پوری زندگی بتا دی۔ [1]

کافر دشمنوں کی ہدایت اور فلاح میں مشغول شخصیت

بھوشیا پوران کے مذکورہ بالا سرگ کے 10 سے 13 منتروں میں صاحبِ مکاشفہ نے ذکر کیا ہے:

म्लेच्छैरस्मदूषिता भूमिर्वाहीका नाम विश्रुता ।
आर्य्यधर्मो हि नैवात्र वाहीके देशदारुणे ।। १० ।।
बभूवात्र महामायी योऽसौ दग्धो मया पुरा ।
त्रिपुरो बलिदैत्येन प्रेषितः पुनरागतः ।। ११ ।।
अयोनिः स वरो मत्तः प्राप्तवान्दैत्यवर्द्धनः ।
महामद इति ख्यातः पैशाचकृतितत्परः ।। १२ ।।
नागन्तव्यं त्वया भूप पैशाचे देशधूर्तके ।
मत्प्रसादेन भूपाल तव शुद्धि प्रजायते ।। १३ ।।

”ناپاکوں نے عرب نامی زمین میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ وہاں آریوں کا دھرم نہ تھا۔“

”وہاں پہلے بھی ایک گمراہ کرنے والا شیطان تھا جسے میں نے ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اس طاقتور دشمن کا نمایندہ پھر آ دھمکا۔“

”مجھ سے جس نے برہما کا لقب حاصل کیا اور محمد (ﷺ) کے نام سے مشہور ہوا، وہ ان کافر دشمنوں کی اصلاح و ہدایت اور فلاح میں مشغول ہے۔“

”اے بادشاہ! احمق کافروں کے ملک نہ جا۔ میری بدولت تو یہیں پاک صاف کر دیا جائے گا۔“

محمد (ﷺ) کے بغیر کسی کی نجات نہیں ہوگی

ایک بہت بڑے ہندو گیانی (عالم) تلسی داس کی کتاب ”رامائن“ بہت مشہور ہے جس میں اصلاً رام کہانی درج کی گئی ہے اور ضمناً اور بھی بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ رامائن تو بہت سی لکھی گئیں لیکن بالمیکی کی رامائن (300 ق م) شہرت پا گئی۔ اس کی زبان ناقابل فہم تھی، لہٰذا تلسی داس (1532ء تا 1623ء) نے اسے اپنے دور کی ہندی زبان میں منتقل کر دیا اور ہندوؤں کی دوسری دھارمک کتابوں سے اس میں مفید اضافے کیے۔ ان کی کتاب کا اصلی نام ”رام چرت مانس“ ہے مگر وہ رامائن کے نام سے مشہور ہے۔

[1] کل جگ کے انتم رشی، ڈاکٹر کانت تیواری، ص:5۔ انتم ایشور دوت، پنڈت دھرم وید اپادھیائے، ص:97 مطبوعہ دریا گنج دہلی 1927ء۔

اس میں انھوں نے ''سنگرام پوران'' کے کھنڈ 12، ادھیائے 6 کی ایک پیش گوئی کا تذکرہ اور تجزیہ کیا ہے۔ یاد رہے کہ سنگرام پوران ویدوں کے مصنف ویدویاس کی تالیف بتائی جاتی ہے۔ تلسی داس، بالمیکی کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

यहाँ न पक्षपात कछु राखहुँ ।
वेद पुराण संत मत भाखहुँ ।।

संवत् विक्रम दोउ अनङ्गा ।
महाँकोक नस चतुर्पतङ्गा ।।
राजनीति भव प्रीति दिखावै
आपन मत सबका समझावै

सुरन चतुसुदर शतचारी
तिनको वंश भयो अतिभारी
तब तक सुंदरमाद्दिकोंया
बिना महामद पारन होए ।

तबसे मानहु जन्तु भिखारी
समरथ नाम एहि व्रत धारी

हर सुंदर निर्माण क होई
तुल्सी वचन सत्थ सच सोई

''یہاں میں کسی کی پاسداری نہ کروں گا، ویدوں اور پرانوں کی روشنی میں سادھوؤں، سنتوں نے جو کچھ کہا ہے، وہی کہوں گا۔''

''وہ ساتویں صدی بکرمی میں پیدا ہوگا اور گھپ اندھیرے میں اپنے چار سورجوں کی روشنی کے ساتھ ظاہر ہوگا۔''

''اور ہر ایک کو حکمت اور سیاست سے اپنے دین کی تبلیغ کرے گا، وہ حالات کے مطابق خوشخبری بھی دے گا اور ڈرائے گا بھی۔''

''اس کے چار مقدس خلیفہ ہوں گے۔ اور ان کی تائید و مدد سے اس پر ایمان لانے والوں کی تعداد بہت ہو جائے گی۔''

’’اور جب سے اس کا دین اور اس کی بات ظاہر ہوگی تب سے محمد (ﷺ) کے بغیر کسی کی نجات نہ ہوگی۔‘‘
’’پھر اس جیسا بے مثل انسان کبھی پیدا نہ ہوگا۔ تلسی داس جو کہہ رہا ہے، وہ حق ہے اور سچ ہے۔‘‘
بعض نسخوں میں تین مزید اشعار بھی درج ہیں:

वर्ष सहस्त्र दस सुन्द्रम होई ।
तेह् के बाद न पाये कोई ॥
देश अरब में भरकता सुहाई ।
सो थल भूमि गत् सुनो खकराई ।
शम्भु समत वाकर होई ।
सुन्द्रम देश थमंत सोई ॥

’’دس ہزار سال تک رسالت کا مرتبہ پورا ہوجائے گا، پھر یہ رسالت کسی کو نہیں ملے گی۔‘‘
’’ملک عرب میں ایک ستارہ چمکے گا اور اس سرزمین کی شان قابل رشک ہوگی۔‘‘
’’اس سے خرق عادت چیزیں اور معجزے ظاہر ہوں گے اور اسے اللہ کا دوست کہا جائے گا۔‘‘
ہم غیروں کی ان دلنشین گواہیوں کو اپنے قادر مطلق پروردگار کے اس حرف آخر پر ختم کرتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ○ ﴾

’’اے نبی! بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔‘‘[1]

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو:

1 Muhammad In the Hindu Scriptures, Dr. Ved Prakash Upadday.

2 Prophet Muhammad in Hindu Scriptures, Dr.Z. Haq.

3 محمد ﷺ ہندو کتابوں میں، ابن اکبر الاعظمی (الشیخ صفی الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ)۔

4 Sacred Books of the East.

5 Muhammad ﷺ In Hindu's Sacred Books, Anwar Husain & Waqar Azeem An-Nadvi.

6 محمد رشی، مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ۔

[1] الأحزاب 33:45، 46.

پارسیوں کے صحیفے میں محمد ﷺ کا تذکرہ

پارسی مذہب دنیا کے قدیم ترین مذاہب میں سے ایک ہے۔ اس کے دو مقدس صحیفے ہیں: (1) دساتیر (2) ژند اوستا۔

دساتیر میں سے 14 ویں دستور میں نبی کریم ﷺ کے بارے میں ایک واضح پیش گوئی ہے۔ یہ دستور ساسانل (Sasanil) کے نام سے موسوم ہے:

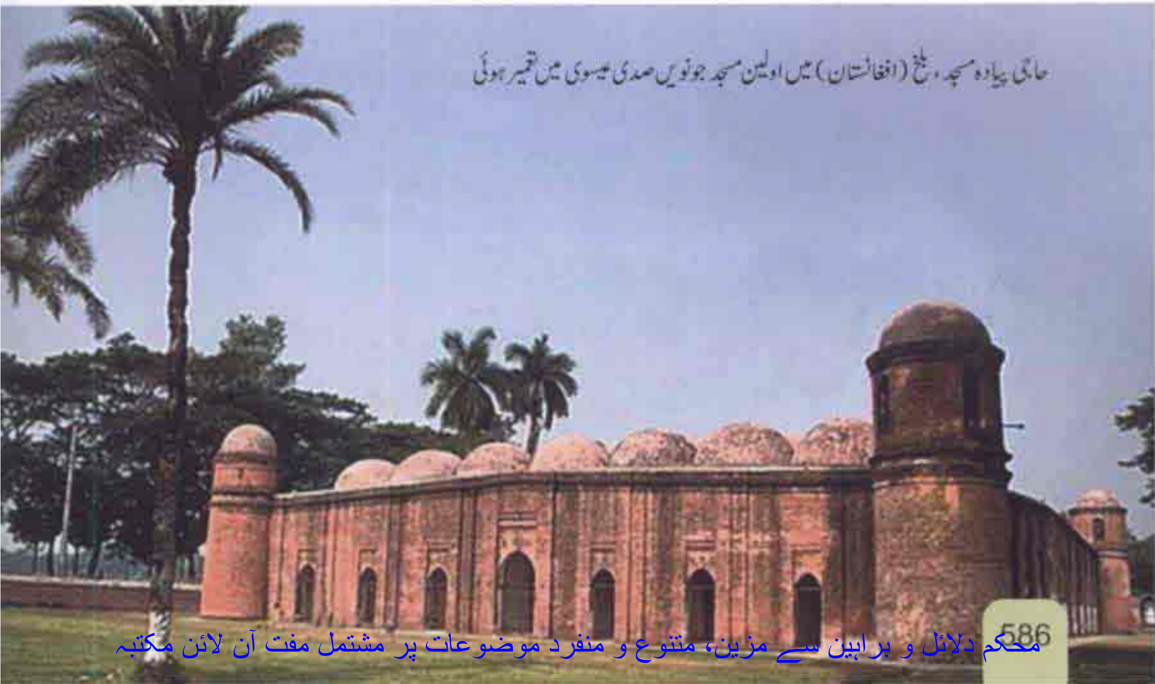
(۵۴) چم چیم کا جام کند ہزتوا۔ جیام ورتاہ ہیتال ہود
❀ چون چنین کار ہا کنند از تازیان مردی پیدا شود (۵۵) یوہزار
تسا مام ہو ہیز ناکت و نیز ناکت و سمیراکت و امیراکت
سرویم ارتد ❀ کہ از پیروان او دیہیم و تخت و کشور و دین ہمہ
راوتد (۵۶) وہوند ہرور کتام توداّم ❀ دشوند ہمہ
کسان زیر دستان (۵۷) بیرن فرشای نیمار و سیمار کسوار
آبادلی جوار ہدہ یوستا ❀ بینند بجای پیکرگاہ آذر
کدہ خانہ آبادلی پیکر شدہ نماز برون سو ❀ خانہ کہ در تازیان آن
را پیکرہا ور آن ساختہ آبادست و دران پیکرہای اختران بودہ گویند سود
خانہ نماز برون سو برداشتہ از و پیکرہا (۵۸) وہورد ہوش یا
شنشور ❀ و فرا آب شود (۵۹) وتدرا بند شای
سیمارام مدیردا نورام ہام ونیغود و نیواک و شایام
شمناد ❀ و بازستانند جای آتشکدہ ہای مداین و کردہای آن
دوس ... و جاہای بزرگ (۶۰) و ہایم ہارہیشام ورتاہ یا مد

مرتال وسمین ہودم ہن بلزیدہ ﷺ وآبین گزبنسان مردے
باشد سخوز وسخن اوذرہم بجیبدہ (۶۱)

"When the Persians should sink so low in morality, a man will be born in Arabia whose followers will upset their throne, religion and everything. The mighty stiff-necked ones of Persia will be overpowered. The house of the Arabs which was built in desert and in which many idols have been placed will be purged of idols, and people will say their prayers facing toward it. His followers will capture the towns of the Parsis, Tus and Balkh and other big places round about. People will embroil with one another. The wise men of Persia and others will join his followers.

''جب اہلِ فارس کی اخلاقی حالت انتہائی پست ہو جائے گی، تب عرب میں ایک شخص کا ظہور ہوگا، جس کے پیروکار پارسیوں کے تخت، مذہب بلکہ ہر چیز کو تہ و بالا کر دیں گے۔ پارس کے اکڑی گردنوں والے متکبر لوگ مغلوب ہو جائیں گے۔ وہ گھر جس میں بہت سے بت رکھ دیے گئے ہیں، اُسے بتوں سے پاک کر دیا جائے گا۔ لوگ اُس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کریں گے۔ اُس کے پیروکار پارسیوں کے شہروں طوس، بلخ اور دیگر بڑے مقامات کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ لوگ ایک دوسرے سے اختلاف کریں گے۔ فارس کے عقلمند اور دوسرے لوگ اُس کے پیروکاروں کے ساتھ مل جائیں گے۔''[1]

[1] The Religion of All Prophtets, Begum Aisha Bowany WAQF, Karachi (Pakistan).


حاجی پیادہ مسجد، بلخ (افغانستان) میں اولین مسجد جو نویں صدی عیسوی میں تعمیر ہوئی

ایرانی پیش گوئی اور دستورِ اعظم کا خواب

مولانا ظفر علی خان علامہ مسعودی کی التنبیہ والإشراف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''سن 226ء میں جب ساسانی سلطنت کی بنیاد رکھی گئی تو یہ پیش گوئی زبان زدِ خلائق تھی کہ زردشت سے ایک ہزار سال بعد دینِ زردشتی (مجوسیت) فنا ہو جائے گا اور اس کے ساتھ سلطنتِ ایران بھی مٹ جائے گی۔ اردشیر بابکان


اصطخر (فارس) میں اردشیر بابکان کے محل کے کھنڈر

نے یہ دیکھ کر کہ پیش گوئی کی میعاد پوری ہونے میں کم وبیش ڈیڑھ سو سال باقی رہ گئے ہیں، اصلی مُدّت میں سے تین صدیاں گھٹا دیں۔ یوں ظاہر بینوں کو نظر آنے لگا کہ زردشت کو گزرے 566 سال ہی ہوئے ہیں اور اردشیر نے یہ سمجھ کر دل خوش کر لیا کہ اس کے خاندان کی مدت حیات بقدر تین صدی کے بڑھ جائے گی۔ عجیب بات ہے کہ اردشیر کا یہ داؤ چل گیا اور حکومت اس کے خاندان میں 434 (دراصل 425) سال رہ کر بعہد خلافتِ عثمانی 652ء میں آخری ساسانی تاجدار یزدگرد [1] کے قتل پر ختم ہوگئی۔ [2]

حقائق غیبیہ کے مغربی منکرین تاریخی پیشین گوئیوں کو پورا ہوتے دیکھ کر ان کی ناقابلِ انکار ملہمانہ صداقتوں کی تاویل اپنی اس گھسی پٹی فلسفیانہ دلیل سے کرنے کے خوگر ہیں کہ ہر پیشین گوئی کے اندر، خواہ وہ کیسی ہی مہمل اور لغو کیوں نہ ہو، اپنی تکمیل کی طبعی استعداد موجود ہوتی ہے، اس لیے کہ خوش اعتقاد لوگ اپنی متفقہ مساعی سے اس کی

---

[1] یزدگرد 31ھ/651ء میں قتل ہوا جبکہ اس کی عمر انتالیس سال تھی۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص:464) [2] دیکھیے جلد 1، سلطنتِ ایران۔

تصدیق کے سامان خود پیدا کر دیتے ہیں لیکن جو لوگ معاملاتِ انسانی میں تصرفاتِ یزدانی کے قائل ہیں، خوب جانتے ہیں کہ خاصانِ خدا کی بشارتیں ازقبیلِ مقدرات ہیں جو کسی طرح ٹل نہیں سکتیں۔ کارفرمایانِ قضا و قدر انسانی جدوجہد کو ان کی تکمیل کا ذریعہ ضرور قرار دیتے ہیں لیکن یہ جدوجہد اپنی نوعیت کے اعتبار سے اضطراری ہوتی ہے اور صرف اسی حالت میں بروئے کار آتی ہے جبکہ پیشین گوئی الہامی الاصل ہو۔

''جس پیش گوئی کا حوالہ مسعودی نے دیا ہے، اس کی تاریخی اور الہامی حیثیت کے آگے ہمیں بے اختیار سرِ تسلیم جھکانا پڑتا ہے۔ اس کے تاریخی الاصل ہونے پر خود اردشیر کی تحریف گواہ ہے۔ رہا اس کے مآخذ کا الہامی ہونا، سو اس کا ثبوت اس کی حیرت انگیز تکمیل میں موجود ہے۔ سوال صرف اتنا رہ جاتا ہے کہ اس کی تصدیق کو اردشیر کے تصرف کی احتیاج کیوں ہوئی؟ اس کا جواب اس آسمانی فقرے میں موجود ہے:

﴿ وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾

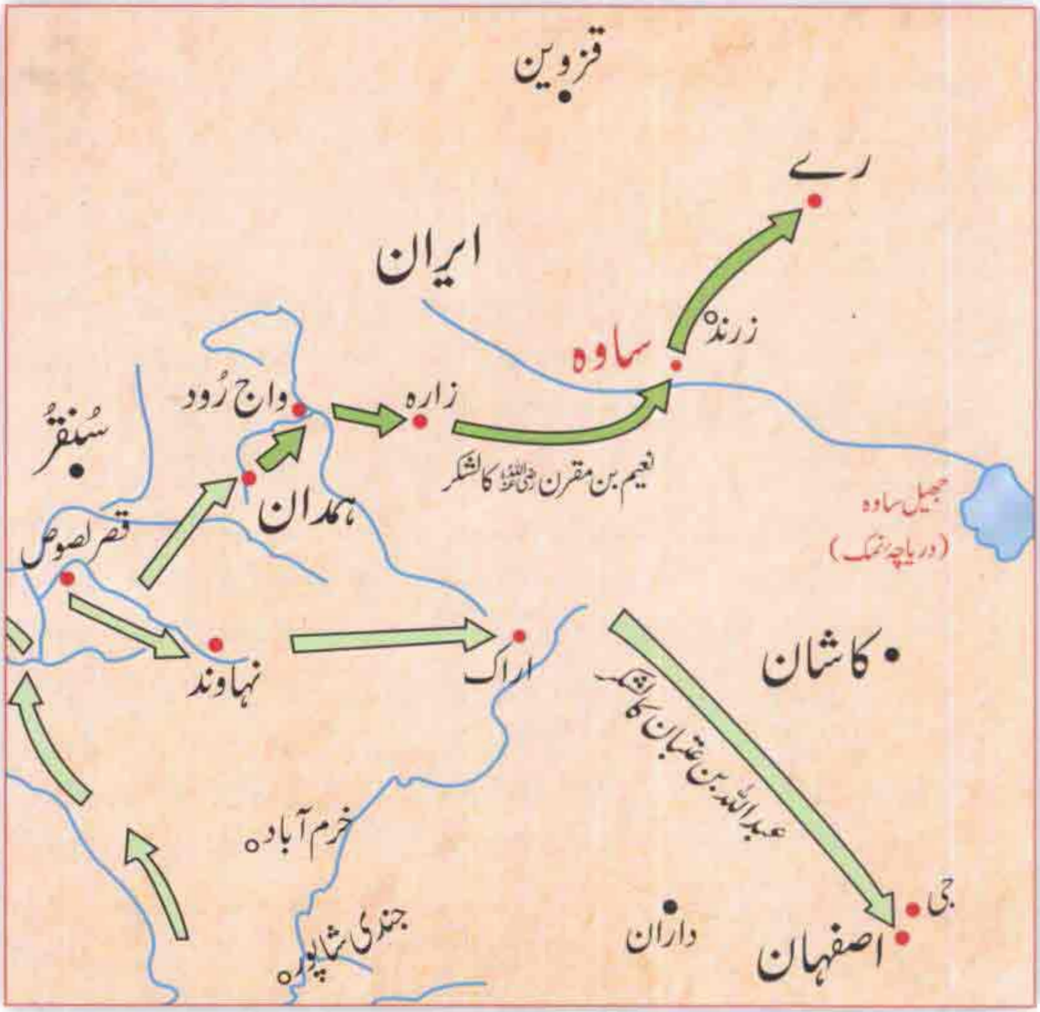
''اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔''[1]

ضرور ہے کہ اصل پیشین گوئی کا زمانہ ہزار سال کے بجائے وہی رہا ہو جس کے پورا ہونے پر اس کی تصدیق ہوئی لیکن مرورِ زمان سے لوگوں کی زبان پر آسانی کے خیال سے ہزار کا لفظ رہ گیا ہو اور اردشیر نے اس مدت میں قطع و برید کر کے نادانستہ طور پر منشائے آسمانی پورا کر دیا ہو۔

''حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ولادت باسعادت کی کیفیت سپردِ قلم کرتے ہوئے اسلامی سیرت نگاروں نے جن آسمانی نشانات کے ظہور کا ذکر کیا ہے، وہ بھی اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو اسی پرانی پیشین گوئی کے سلسلۂ دراز کے آخری حلقے ہیں۔ مشہور ہے کہ جس رات پہلوئے آمنہ سے وہ نورِ قدسی ہویدا ہوا جس کی عالم تاب تجلیاں عرب و عجم کی ظلمتوں کو بکھیرنے والی تھیں تو نوشیرواں کے محل کے چودہ کنگرے ایک زلزلے کے آنے سے گر پڑے۔ آتش کدۂ فارس جو برابر ایک ہزار سال سے روشن چلا آتا تھا، یک بیک بجھ گیا۔ ساوا کی جھیل جو رَے اور ہمدان کے درمیان واقع ہے، خود بخود خشک ہوگئی اور مجوسیوں کے دستورِ اعظم[2] نے خواب میں دیکھا کہ عربی اونٹ گھوڑے دجلہ کے پار اُتر اُتر کر ایران کی مغربی سرزمین کو اپنے سموں اور ٹاپوں سے پامال کر رہے ہیں۔ نوشیرواں نے ان فوق العادت نشانات سے خوفزدہ ہو کر جب ایک کہن سال مسیحی راہب سے جو بادیۂ شام کے کنارے رہتا تھا، ان کی تعبیر پوچھی تو اسے یہ پریشان کن جواب ملا کہ جب لکھے پڑھوں کی کثرت ہو جائے گی اور وہ شخص آجائے گا جس کے ہاتھ میں عصا ہوگا

[1] آل عمرٰن 3:54. [2] صاحب مسند، وزیر، مشیر۔ (فرہنگ فارسی عمید: 1128/2)

(حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مراد ہیں) تو وادیٔ ساوا میں حملہ آور افواج کا ہجوم ہوگا، دریائے ساوا [1] سوکھ جائے گا اور مقدس آتشِ بہرام بجھ جائے گی، البتہ ان کنگروں کی تعداد کے لحاظ سے جو کسریٰ کے محل سے گر پڑے ہیں، چودہ تاجدار ایران پر حکومت کریں گے جس کے بعد اس کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا۔'' [2]



عہد فاروقی میں وادی ساوہ اور بقیہ ایران کی فتوحات

[1] فارسی میں ''دریا'' کے معنی ہیں ''سمندر، بحیرہ (Sea)، بحر (Ocean)۔'' یہاں ''دریائے ساوا'' سے مراد جھیل ساوا ہے اگرچہ جدید فارسی میں ''جھیل'' (Lake) کے لیے لفظ ''دریاچہ'' استعمال ہوتا ہے۔ [2] ''غلبۂ روم''، ص:86-88 از مولانا ظفر علی خاں بحوالہ سیرۃ ابن ہشام۔

اعلام، اماکن، قبائل و اقوام اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

ابن ابی شیبہ (159-235ھ / 776-849ء): ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی کوفی امام احمد کے ہم عصر تھے۔ حافظ حدیث تھے۔ ان کی کتابوں میں المسند اور المصنف بہت مشہور ہوئیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ المصنف کے بارے میں کہتے ہیں: اس سے پہلے اور اس کے بعد کسی نے اس طرح کی کتاب نہیں لکھی۔ (سیر أعلام النبلاء: 122/11، البدایة والنهایة (محقق): 139/11، الأعلام: 118,117/4)

ابن اثیر (555-630ھ / 1160-1233ء): عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن محمد بن عبدالکریم جزری، معروف بہ ابن اثیر رحمہ اللہ مشہور اسلامی مؤرخ ہیں۔ ان کی کتاب الکامل في التاریخ اسلامی تاریخ میں ایک مستند مرجع کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپ کی ولادت جزیرۂ ابن عمر میں ہوئی جو آج کل ترکی کی حدود میں واقع ہے۔ آپ نے حصول علم کے لیے کوفہ، عراق، دمشق وغیرہ کا سفر کیا۔ الکامل کے علاوہ آپ کی مشہور تصانیف میں أسد الغابة في معرفة الصحابة اور اللباب في تهذیب الأنساب بھی شامل ہیں۔ آپ موصل میں فوت ہوئے۔ (سیر أعلام النبلاء: 353/22-356، معجم المؤلفین: 229,228/7)

ابن الندیم (438ھ / 1047ء): ابوالفرج محمد بن اسحاق بن محمد بن اسحاق بن ابی یعقوب الندیم بغدادی الوراق، کتابیں فروخت کرتے تھے۔ معتزلہ اور شیعہ کے افکار کے حامل تھے۔ یہ کتاب الفہرست کے مؤلف ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب جوانی کی عمر میں لکھی تھی۔ التشبیہات کے نام سے بھی ان کی ایک کتاب مشہور ہے، ابن حجر نے ان کے تشیع کی وجہ سے ضعیف راویوں کو قوی کرنے اور ثقہ راویوں کو ضعیف قرار دینے اور اہل سنت کو حشویہ کہنے کا حوالہ دیا ہے۔ (لسان المیزان: 80/5، الأعلام: 29/6)

ابن تیمیہ (661-728ھ / 1263-1328ء): شیخ الاسلام ابوالعباس تقی الدین احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام نمیری حرانی دمشقی رحمہ اللہ امام ابن تیمیہ کے نام سے مشہور ہیں۔ وہ حران میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کے ساتھ دمشق گئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ مصر کا سفر کیا۔ یہاں مخالفین کی سازشوں اور شرارتوں کی وجہ سے کچھ عرصہ قید رہے، پھر اسکندریہ چلے گئے۔ 717ھ میں واپس دمشق آئے، یہاں بھی دو مرتبہ قید و بند کا سامنا کرنا پڑا۔ قلعہ دمشق میں قید کی حالت میں وفات پائی۔ سارے اہل دمشق نے جنازے میں شرکت کی۔ ان کی ایک زندگی میں کئی زندگیاں جمع ہوگئی تھیں۔ وہ جامع جہات اور جامع حیثیات شخصیت تھے۔ مختلف علوم وفنون کے امام تھے۔ قلم کے ساتھ ساتھ تلوار کے بھی دھنی تھے۔ انھوں نے اعلیٰ پائے کی کتابیں لکھیں جن میں الفتاویٰ اور الإیمان بہت مشہور ہیں۔ ان کی کتابوں کی تعداد تین سو تک ہے۔ (الدرر الکامنة: 144/1، البدایة والنهایة (محقق): 210/16، الأعلام: 144/1)

ابن جوزی (508-597ھ/1114-1201ء): ابوالفرج جمال الدین عبدالرحمٰن بن علی بن محمد بن علی قرشی تیمی رحمہ اللہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نسل سے ہیں۔ آپ بغداد میں پیدا ہوئے۔ بغداد کے محلّہ جوز کی طرف نسبت کی وجہ سے جوزی کہلائے۔ ابن جوزی عظیم مؤرخ، مفسر، محدث، خطیب اور ادیب تھے۔ آپ کی تصنیفات میں تفسیر زادالمسیر، تلقیح فهوم أهل الأثر، تلبیس إبلیس، المنتظم اور صید الخاطر بہت مشہور ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 21/365-384، البدایة والنهایة: 13/31-33، وفیات الأعیان: 3/140)

ابن حبان (273-354ھ/886-965ء): ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد تمیمی دارمی رحمہ اللہ ابن حبان کے نام سے مشہور ہوئے۔ حدیث، تاریخ، جرح و تعدیل اور جغرافیہ میں مہارت رکھتے تھے۔ بُست (خراسان) میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے خراسان، شام، مصر، عراق اور الجزیرہ کا سفر کیا۔ آپ نے تقریباً دو ہزار علماء سے مختلف علوم سیکھے۔ آپ کی بہت سی تصنیفات ہیں جن میں صحیح ابن حبان اور روضة العقلاء بہت مشہور ہوئیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 16/92-104، الأعلام: 6/78)

ابن حبیب (174-238ھ/790-853ء): ابومروان عبدالملک بن حبیب بن سلیمان بن ہارون سلمی رحمہ اللہ اندلس کے شہر البیرہ میں پیدا ہوئے۔ بنوسلیم سے تعلق ہے۔ اندلس کے بہت بڑے عالم اور فقیہ ہیں۔ قرطبہ میں رہے، پھر مصر کا سفر کیا۔ کچھ عرصہ بعد قرطبہ واپس چلے گئے، پھر علم و ادب اور تاریخ کی نوشت و خواند میں مصروف رہے۔ آپ کی تصنیفات ایک ہزار سے زیادہ بیان کی جاتی ہیں۔ ان میں سے طبقات الفقهاء اور تفسیر الموطأ بہت مشہور ہیں۔ (میزان الاعتدال: 2/652,653، سیر أعلام النبلاء: 12/102-108)

ابن حزم (384-456ھ/994-1064ء): ابومحمد علی بن احمد بن سعید بن حزم شافعی اندلسی ظاہری رحمہ اللہ اندلس کے شہر قُرطبہ میں پیدا ہوئے اور ''لَبلَہ'' میں وفات پائی۔ حدیث، نسب اور ادبی علوم کے ساتھ ساتھ فنِ مناظرہ کے ماہر تھے۔ المحلّٰی، الإحکام في أصول الأحکام، جمهرة أنساب العرب اور الملل والنحل جیسی وقیع علمی کتابیں لکھیں۔ (معجم الأدباء: 3/546-556، وفیات الأعیان: 3/325-330، سیر أعلام النبلاء: 18/184-212)

ابن سیدالناس (671-734ھ/1273-1334ء): ابوالفتح فتح الدین محمد بن محمد بن محمد بن احمد بن سیدالناس یعمری ربعی رحمہ اللہ مشہور مؤرخ اور ادیب ہیں۔ ان کے والدین اشبیلیہ سے ترک وطن کر کے مصر آئے تھے۔ فتح الدین محمد کی ولادت اور وفات قاہرہ میں ہوئی۔ سیرت طیبہ کے موضوع پر ان کی کتاب عیون الأثر مشہور ہے۔ (البدایة و النهایة: 14/178، الأعلام: 7/34)

ابن عائذ (150-233ھ/767-847ء): ابوعبداللہ محمد بن عائذ بن عبدالرحمٰن قرشی دمشقی رحمہ اللہ قریش کے مولیٰ ہیں۔ خلیفہ مامون کے زمانے میں شام کے تحصیلدار برائے خراج تھے۔ ثقہ اور حافظ حدیث تھے۔ قدریہ کے افکار سے متاثر تھے۔ ان میں تشیع کا اثر بھی موجود تھا۔ ان کی کتابوں میں سے المغازي والسیر اور الصوائف بہت مشہور ہیں۔ زلزلے کی زد میں آ کر وفات پائی۔ (سیر أعلام النبلاء: 11/104-107، شذرات الذهب: 2/78، الأعلام: 6/179)

ابن عباس: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام لبابہ کبریٰ بنت حارث ہے۔ وہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی خالہ تھیں۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ ہجرت سے تین یا پانچ برس پہلے پیدا ہوئے۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کا خاندان شعب ابی طالب میں محصور تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں عبداللہ کو جنم گھٹی دی۔ عبداللہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے فقیہ بنے۔

نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر تیرہ یا پندرہ سال تھی۔ وہ آخری عمر میں نابینا ہوئے اور 68ھ میں 71 سال کی عمر پا کر طائف میں فوت ہوگئے۔(أسد الغابة: 3/8-10، الإصابة: 4/121-131)

ابن عساکر (499-571ھ/1105-1176ء): ابوالقاسم علی بن ابو محمد حسن بن ابوالحسن ہبۃ اللہ بن عبداللہ بن حسین دمشقی رحمہ اللہ ابن عساکر کے نام سے مشہور ہیں۔ دمشق میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے عراق، حجاز، خراسان اور آذر بائیجان کا سفر کیا۔ آپ کی ممتاز تالیف تاریخ دمشق الکبیر 80 جلدوں میں ہے۔(وفیات الأعیان: 3/309-311، البدایة و النهایة: 12/314)

ابن فارس (م: 289ھ/902ء): ابوالفضل جعفر بن احمد ابن فارس رحمہ اللہ عظیم محدث تھے۔ مکہ، بصرہ، رَے اور اصفہان میں رہے۔ کرخ (بغداد) میں وفات پائی، کئی کتابیں تحریر کیں۔ ان کی ایک کتاب بعنوان أحادیث و فوائد منتقاة من کتاب الذکر مشہور و معروف ہے۔(الأعلام: 2/121)

ابن ماکولا (421-475ھ/1030-1082ء): ابونصر علی بن ہبۃ اللہ بن علی بن جعفر رحمہ اللہ، ابودلف العجلی کی نسل سے تھے۔ سعد الملک کے لقب سے مشہور تھے۔ یہ دراصل اصفہان کے مضافات جرباذقان کے باشندے تھے، بغداد کے قریب عکبرا میں پیدا ہوئے۔ حصول علم کے لیے شام، مصر، جزیرہ عرب، ماوراء النہر اور خراسان کا سفر کیا۔ نسابوں اور مؤرخین میں شمار ہوئے۔ ان کی کتابوں میں سے الإکمال بہت مشہور ہوئی۔ انھیں ان کے غلام نے مال کی طمع کی بنا پر خوزستان میں قتل کر دیا۔(سیر أعلام النبلاء: 18/569، الأعلام: 5/30)

ابوالحسن علی ندوی: ابوالحسن علی بن عبدالحی بن فخر الدین حسنی ندوی رحمہ اللہ بریلی (بھارت) کے گاؤں تکیہ میں 1913ء میں پیدا ہوئے۔ ندوة العلماء اور دارالعلوم دیوبند سے تعلیم حاصل کی۔ انھیں عربی زبان و ادب میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ 1934ء میں ندوة العلماء میں مدرس مقرر ہوئے۔ مختلف تحریکوں اور اسلامی مراکز کی بنیاد رکھی۔ میڈیا میں بھی متحرک تھے۔ بھارتی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ مختلف ممالک کے سفر کیے اور سفرنامے لکھے۔ وہ اسلامی ممالک کے متعدد علمی مراکز کے رکن تھے۔ انھیں کئی ممالک کی طرف سے علمی خدمات پر ایوارڈ دیا گیا۔ 1999ء میں اپنے آبائی گاؤں میں وفات پائی۔ وہ اعلیٰ پائے کی بہت سی علمی کتابوں کے مصنف ہیں۔(وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ابوالحکم تنوخی: ابوالحکم تنوخی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ امام ابن ابی حاتم الرازی نے اپنی تصنیف ''الجرح والتعدیل'' میں اور امام ابن الاثیر نے ''اسد الغابۃ'' میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔(الجرح والتعدیل: 9/358، أسد الغابة: 5/182)

ابوالفتح ازدی (م: 367ھ/977ء): ابوالفتح محمد بن الحسین بن احمد بن عبداللہ بن بریدہ ازدی موصلی رحمہ اللہ حافظ حدیث تھے۔ ان کی بیان کردہ روایات میں غرائب اور مناکیر موجود ہیں۔ ان پر تشیع کا الزام بھی ہے۔ ان کی کتاب الضعفاء بہت مشہور ہے۔ ان کی پیدائش اور وفات موصل میں ہوئی۔(سیر أعلام النبلاء: 16/347-350، الأعلام: 6/98)

ابوبراء عامر بن مالک (م: 10ھ/631ء): ابوبراء عامر بن مالک بن جعفر بن کلاب بن ربیعہ بن صعصعہ قیسی مضری بنوقیس کا سردار تھا۔ اسے مُلاعِبُ الأسنّہ (نیزوں سے کھیلنے والا) کہتے تھے۔ یہ عرب کا نامور بہادر تھا۔ اس نے اسلام کا زمانہ پایا اور رسول اللہ ﷺ سے تبوک میں ملاقات بھی کی لیکن اس کے مسلمان ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔(الإصابة: 3/485-487،

أسد الغابة: 528,527/2، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 318، الجمهرة لابن حزم، ص: 285)

ابوحذیفہ بن مغیرہ: ولید بن مغیرہ کے بھائی ابوحذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم کا نام مہشم تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے: ہشام اور ابوامیہ (حذیفہ)۔ ہشام رضی اللہ عنہ مسلمان ہوگئے اور ہجرت حبشہ میں شرکت کی جبکہ ابوامیہ غزوۂ احد میں مارا گیا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 146، أنساب الأشراف: 110/1)

ابوسعد نیشاپوری (م 406ھ): ابوسعد امام عبدالملک بن ابوعثمان محمد بن ابراہیم خرکوشی نیشاپوری فقیہ، عابد و زاہد اور نیک لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنے والے تھے۔ انھوں نے عراق کا سفر کیا اور وہاں بہت سے مشائخ سے علم حاصل کیا، پھر حجاز کا بھی سفر کیا۔ بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں سے شرف المصطفیٰ مشہور ہے۔ (شرف المصطفى: 1/9-21)

ابوطفیل عامر بن واثلہ لیثی رضی اللہ عنہ (3-107ھ/625-725ء): یہ غزوہ احد کے دن پیدا ہوئے۔ بنوکنانہ کے شاعر اور شاہسوار تھے۔ آپ کا شمار معمر صحابہ میں ہوتا ہے۔ آپ نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانے میں مکہ میں وفات پائی۔ صحابہ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔ آپ سے 19 حدیثیں مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 19,18/5، الإصابة: 193/7، سير أعلام النبلاء: 467/4، الأعلام: 256,255/3)

ابوقتادہ انصاری (18 قبل ہجرت - 54ھ): ابوقتادہ حارث بن ربعی بن بلدمہ بن خناس خزرجی انصاری سلمی رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ وہ اپنی کنیت سے مشہور ہیں، انھیں فَارِسُ رَسُولِ اللّٰہ بھی کہا جاتا تھا۔ غزوۂ احد اور اس کے بعد سارے غزوات میں شریک رہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انھیں مکہ کا گورنر مقرر کیا۔ وہ سانحۂ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ (الاستيعاب، ص: 833، أسد الغابة: 373/5، الإصابة: 272/7، الأعلام: 154/2)

ابوموسیٰ (501-581ھ/1108-1185ء): ابوموسیٰ محمد بن ابوبکر عمر بن ابوعیسیٰ احمد بن عمر اصفہانی مدینی رحمہ اللہ اصفہان میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ ان کا شمار حفاظ محدثین میں ہوتا ہے۔ حصول علم کے لیے بغداد اور ہمدان کا سفر کیا۔ ان کی تصنیفات میں الطوالات اور عوالي مشہور ہیں۔ (سير أعلام النبلاء: 152/21-159، وفيات الأعيان: 286/4)

ابونُعیم اصفہانی (336-430ھ/948-1038ء): ابونُعیم احمد بن عبداللہ بن احمد الاصبہانی (اصفہانی) رحمہ اللہ حافظ حدیث، مؤرخ اور روایتِ حدیث میں ثقہ امام تھے۔ اصفہان میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ دلائل النبوة اور حلية الأولياء ان کی مشہور کتابوں میں سے ہیں۔ (وفيات الأعيان: 91/1، ميزان الاعتدال: 112,111/1)

ابووہب بن عمرو بن عائذ مخزومی: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ کے ماموں تھے۔ عبداللہ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت عمرو تھا جو ابووہب بن عمرو کی ہمشیرہ تھیں۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 141)

ابوہالہ بن زُرارہ بن نبّاش: ابوہالہ بن زرارہ بن نباش ابن عدی بن حبیب بن صُرد بن سلامہ بن جروہ ابن اسید بن عمرو بن تمیم تمیمی، خدیجہ رضی اللہ عنہا کے خاوند تھے۔ ان کا صحابی ہونا درست نہیں کیونکہ یہ بعثت نبوی سے پہلے ہی فوت ہوگئے تھے۔ (أسدالغابة: 260/5)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ: راجح قول کے مطابق آپ کا نام عبدالرحمٰن بن صخر دوسی اور کنیت ابوہُریرہ ہے۔ فتح خیبر کے سال محرم 7 ہجری میں مسلمان ہوئے۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تحصیل و تدریس کا اس قدر شوق تھا کہ اسی منزل تمنا کو مقصدِ حیات بنالیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحابہ و تابعین میں سے آٹھ سو سے زیادہ افراد نے احادیث روایت کیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ رضی اللہ عنہ ہی کو علی الاطلاق سب سے زیادہ حدیثیں حفظ تھیں۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد 5374 ہے۔ آپ عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بحرین کے گورنر رہے۔ مروان بن حکم کے دور میں مدینہ کے گورنر مقرر ہوئے۔ مدینہ منورہ ہی میں 57، 58 یا 59ھ میں 78 برس کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع الغرقد میں مدفون ہیں۔ (أسد الغابة: 5/119-121، الإصابة: 7/348-362، تاريخ دمشق الكبير: 71/275)

ابی بن کعب (م: 21ھ / 642ء): ابوالمنذر ابی بن کعب بن قیس بن عبید نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ یہود کے بڑے عالم دین (حبر) تھے۔ انھوں نے سابقہ ادیان کی کتابوں کا وسیع مطالعہ کیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کاتبینِ وحی میں شمار ہوئے۔ سارے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں فتویٰ دیتے تھے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جمع القرآن کی ٹیم میں انھیں بھی شامل کیا۔ کتب احادیث میں ان سے 164 احادیث مروی ہیں۔ مدینہ میں وفات پائی۔ (الاستيعاب، ص: 72، أسدالغابة: 1/57، الإصابة: 1/180، الأعلام: 1/82)

اخنس بن شَرِیق: ابوثعلبہ اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب بن علاج ثقفی رضی اللہ عنہ بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ اصل نام اُبَی تھا۔ یہ مؤلفة القلوب میں شمار ہوتے ہیں۔ جنگ حنین میں شریک ہوئے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کی ابتدا میں وفات پاگئے۔ ان کا اور ابوجہل کا قرآن سننے کا واقعہ مشہور ہے۔ ان کے مسلمان ہو کر مرتد ہونے اور پھر مسلمان ہو جانے سے ان کی صحابیت مجروح نہیں ہوتی۔ علماء کی بڑی تعداد نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (أسدالغابة: 1/55,56، الإصابة: 1/192)

ازرقی (م: 244ھ / 855ء): ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد بن محمد بن ولید بن عقبہ بن ازرق رحمہ اللہ یمانی الاصل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نسب عمالقہ سے ملتا ہے جو مکہ کے مشہور مؤرخ ہیں۔ تاریخ مکہ کے متعلق سب سے پہلی کتاب انھی کی ہے جس کا نام تاریخ مكة یا أخبار مكة ہے۔ (تاريخ مكة: 1/13-15)

الاعشیٰ (م: 7ھ / 629ء): ابوبصیر میمون بن قیس بن جندل قیسی وائلی کا تعلق بنوبکر بن وائل سے تھا۔ اسے اعشیٰ کبیر بھی کہا جاتا ہے۔ جاہلی شعراء کے طبقہ اولیٰ کا شاعر تھا۔ اس کا قصیدہ سبعہ معلقات میں شامل ہے۔ آنکھوں کی کمزوری کی وجہ سے اسے اعشیٰ کہتے تھے۔ وہ آخری عمر میں نابینا ہوگیا۔ منفوحہ (یمامہ) میں پیدا ہوا اور وہیں وفات پائی۔ اسلام کا زمانہ پایا مگر اسلام قبول نہیں کیا۔ اس کے شعر ایک دیوان میں جمع کیے گئے ہیں جو الصبح المنير في شعر أبي بصير کے نام سے معروف ہے۔ (الأعلام: 7/341، كتاب الأغاني: 8/74-84)

البیرونی: ابوالریحان محمد بن احمد البیرونی، 973ء میں خوارزم (ازبکستان) کی بستی بیرون میں پیدا ہوئے۔ یہ مشہور مؤرخ اور سائنس دان، فارسی الاصل تھے۔ ابن سینا کے دوست تھے۔ یہ محمود غزنوی کی دعوت پر خوارزم سے غزنی چلے آئے اور ہندوستان کی سیاحت کی۔ البیرونی نے متعدد کتابیں لکھیں جن میں سے الآثار الباقیہ عن القرون الخالیہ، کتاب الہند اور القانون المسعودی بہت مشہور ہوئیں۔ غزنی میں 1048ء کے بعد وفات پائی۔ (المنجد في الأعلام، ص: 159، معروف مسلم سائنسدان، ص: 567)

ام کرز رضی اللہ عنہا: یہ خزاعیہ کعبیہ مکیہ ہیں۔ ان کے خاوند کا نام بھی کرز تھا۔ صلح حدیبیہ کے دن مسلمان ہوئیں۔ عقیقے کے بارے میں ان کی

حدیث مشہور ہے جسے اصحاب سنن اربعہ نے نقل کیا ہے۔(أسد الغابة: 485/5، الإصابة: 458/8)

امام ابن ماجہ (209-273ھ /824-887ء): ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ربعی قزوینی رحمہ اللہ ابن ماجہ کے نام سے مشہور ہیں۔ فارسی النسل ہیں۔حصولِ علم کے لیے بصرہ، بغداد، شام، مصر، حجاز اور رَے کا سفر کیا۔ بہت بڑے محدث، مفسر اور مؤرخ تھے۔ ان کی کتاب السنن کتبِ ستہ میں شمار ہوتی ہے۔علم تفسیر اور تاریخ کے حوالے سے ان کی دیگر وقیع علمی کتابیں بھی موجود ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 277/13-281، وفيات الأعيان: 279/4)

امام ابوداود (202-275ھ /817-889ء): ابوداود سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر ازدی سجستانی رحمہ اللہ عظیم محدث تھے۔ سجستان (سیستان) میں پیدا ہوئے۔ بصرہ میں وفات پائی۔ وہیں مدفون ہیں۔حصولِ علم کی بڑی لگن تھی۔ اس مقصد کے لیے طویل سفر کیے۔ بڑے بڑے محدثین سے روایت کی۔ ان کی تصانیف میں السنن ، المراسيل، الزهد وغیرہ شامل ہیں۔ امام ترمذی اور نسائی رحمہما اللہ ان سے روایت کرتے تھے۔(سير أعلام النبلاء: 203/13-221، وفيات الأعيان: 404/2، 405)

امام ترمذی (209-279ھ /824-892ء): ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ سلمی ترمذی رحمہ اللہ دریائے جیحون (آمو دریا) پر واقع ترمذ کے گاؤں بوغ میں پیدا ہوئے۔حصولِ علم کے لیے خراسان، عراق اور حجاز کا سفر کیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے علم حاصل کیا۔علم حدیث کے حافظ اور جلیل القدر امام تھے۔ ان کی مشہور کتاب "الجامع" ہے جو سنن اربعہ میں سرفہرست ہے۔ بڑھاپے میں نابینا ہوگئے۔ اپنے آبائی گاؤں بوغ ہی میں وفات پائی۔ (سير أعلام النبلاء: 270/13-277، ميزان الاعتدال: 678/3، تهذيب الكمال: 133/17، 134)

امام ذہبی (683-748ھ /1284-1348ء): ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز ذہبی رحمہ اللہ دمشق میں پیدا ہوئے۔ اصل میں ترکمانی ہیں۔ سونے کا کام کرتے تھے، اس لیے ذہبی کا لقب ملا۔ حصولِ علم کے لیے حلب، حماۃ، طرابلس، کرک، نابلس، رملہ اور القدس کا سفر کیا۔ امام ابن تیمیہ اور یوسف بن عبدالرحمٰن مزی رحمہما اللہ کے شاگرد تھے۔علم حدیث، تاریخ اور علم رجال کے ماہر تھے۔ آپ نے بہت مستند اور ضخیم کتابیں لکھیں۔ ان میں سير أعلام النبلاء ، ميزان الاعتدال وغیرہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ دمشق میں وفات پائی۔ وہیں باب الصغیر کے پاس دفن ہوئے۔ (البداية والنهاية: 236/8، شذرات الذهب: 153/6، سير أعلام النبلاء: 12/1-90)

امام نووی (631-676ھ/1233-1277ء): ابویحییٰ محی الدین یحییٰ بن شرف بن مری بن حسن حزامی حورانی نووی رحمہ اللہ فقہ اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ حوران (شام) کی بستی نویٰ میں پیدا ہوئے۔ حصولِ علم کے لیے دمشق کا سفر کیا، پھر ساری زندگی تدریس وتصنیف میں بسر کر دی۔ دارالحدیث اشرفیہ کے شیخ الحدیث تھے۔ مدرسہ اقبالیہ میں ابن خلکان کی مسند پر فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ نے ضخیم اور مستند کتابیں لکھیں جن میں شرح صحيح مسلم، رياض الصالحين، المجموع شرح المهذب اور الأذكار بہت مقبول ہوئیں۔(البداية والنهاية: 294/13)

اساف یا نائلہ: یہ دو بتوں کا ایک جوڑا تھا۔ قریش کے ہاں مشہور تھا کہ یہ مرد اور عورت تھے۔ دونوں نے کعبہ کے اندر زنا کا ارتکاب کیا۔ دونوں مسخ ہوکر پتھر بن گئے۔ (السيرة لابن هشام: 82/1، 83) مشرکین نے اس جوڑے کے تانبے کے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کر دی۔

اَشَجّ عبدالقیس : ان کا نام منذر بن عائذ بن منذر بن حارث بن نعمان بن زیاد بن عصر العصری رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ اپنی قوم عبدالقیس کے سردار تھے۔ ان کے نام کے بارے میں کچھ اختلاف ہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ نے ان کا نام عبداللہ بن عوف الأشجّ بیان کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف میں فرمایا تھا: ''تجھ میں دو خصلتیں ایسی ہیں جنھیں اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں: بردباری اور وقار۔'' (سنن أبي داود: 5225، مسند أحمد: 432/3، الطبقات لابن سعد: 5/557-559، الاستیعاب، ص: 103)

آریوس (Arius): اسکندریہ کا پادری آریوس (250ء-336ء) مسیح کی الوہیت کا منکر مگر ابنیت مسیح کا قائل تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ ''بیٹے کو خدا نے پیدا کیا، لہٰذا بیٹا نہ تو ابدی ہے اور نہ وہ اس جیسا وجود رکھتا ہے۔'' نیقیہ (325ء) اور قسطنطنیہ (381ء) کی کونسلوں نے آریوسی عقیدہ مسترد کر دیا اور اسے رومی سلطنت سے خارج کر دیا گیا، تاہم یہ عقیدہ 491ء تک جرمانک اقوام میں مقبول رہا حتی کہ فرینکس (فرانسیسیوں) نے کیتھولک عقیدہ قبول کر لیا۔ (Oxford English Reference Dic, p: 71)

باقوم رومی : یہ اس رومی بحری جہاز پر سوار غلام تھا جو مکہ کے ساحلی مقام شعیبہ کے پاس سمندر میں غرق ہو گیا تھا۔ وہ بڑھئی اور ماہر تعمیر تھا۔ کہا جاتا ہے کہ باقوم نے اسلام قبول کر لیا تھا اور بنو امیہ کا غلام رہا۔ باقوم ہی نے مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تین سیڑھیوں والا منبر بنایا تھا۔ (أخبار مكة للأزرقي: 243/1، أسد الغابة: 190/1)

بُرَیدہ (م: 63ھ/683ء): ابوعبداللہ بریدہ بن حصیب بن عبداللہ بن حارث اسلمی رضی اللہ عنہ کبار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ ہجرت کرتے ہوئے ان کے قبیلے بنو اسلم کے پاس سے گزرے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں دعوت دی۔ آپ معاً مسلمان ہو گئے۔ غزوات بدر اور احد کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ خیبر اور فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنی قوم (بنو اسلم) کے صدقات جمع کرنے پر مامور فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جہاد کے لیے خراسان (مرو) گئے۔ یزید بن معاویہ کی خلافت میں فوت ہوئے اور مرو میں دفن کیے گئے۔ ان سے 167 احادیث مروی ہیں۔ (الطبقات لابن سعد: 241/4-243، الإصابة: 418/1)

ٹرٹلین (Tertullian): کیتھولیک مسیحی مفکر ٹرٹلین (150ء-250ء) قرطاجنہ (Corthage) میں پیدا ہوا۔ اس کے بعض اقوال ضرب الامثال بن گئے۔ اس نے بعض امور میں قدامت پسند کیتھولک کلیسا سے اختلاف کیا۔ اسے ''باہائے لاطینی عیسائیت'' کہا جاتا ہے۔ یہ پہلا شخص تھا جس نے تثلیث (Trinitas) کی اصطلاح استعمال کی (جسے انگریزی میں Trinity کہا جاتا ہے)۔ (الموسوعة العربية الميسرة: 504/1)

جارج سیل (1697ء-1736ء): یہ انگریز مستشرق اصلاً وکیل تھا۔ اس نے عربی سیکھ کر بڑے پیمانے پر عربی مخطوطات جمع کیے۔ اسلامی تاریخ کو بہت اہمیت دی۔ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ یہ آدھا مسلمان ہے۔ قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ سب سے پہلے اسی نے کیا۔ (المنجد في الأعلام، ص: 322، الأعلام: 145/2)

جبیر بن مطعم (م: 59ھ/679ء): ابوعدی جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف نوفلی قرشی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں۔ قریش کے سرداروں میں سے تھے۔ انساب کے ماہر تھے۔ یہ مؤلفة القلوب میں شمار ہوتے ہیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر کے قیدیوں کے بارے میں نرمی برتنے کی درخواست کی تھی۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں وفات پائی۔ ان سے 60 احادیث مروی ہیں۔

(أسدالغابة:1/310، الإصابة:1/570، الاستيعاب، ص: 143، الأعلام: 2/112)

جعفر بن محمد مستغفری (350-432 ھ/961-1041 ء): ابوعباس جعفر بن محمد بن معتز بن محمد بن مستغفر نسفی ؒ شیعہ مؤرخ اور فقیہ تھے۔ اکثر موضوع روایات بیان کرتے تھے۔ ان کی کتابوں میں دلائل النبوۃ اور فضائل القرآن مشہور ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 17/564،565، الأعلام: 2/128)

حاجی خلیفہ (1017-1067 ھ/1609-1657 ء): مصطفی آفندی بن عبداللہ آفندی کاتب چلپی مشہور بہ حاجی خلیفہ، استنبول میں پیدا ہوئے۔ ادھر ہی تربیت حاصل کی۔ عثمانی فوج میں محرر کے عہدے پر رہے۔ 1033 ھ میں اپنے والد کے ساتھ بغداد چلے گئے۔ اس سفر میں ان کے والد موصل میں وفات پا گئے۔ حاجی خلیفہ 1038 ھ میں استنبول واپس آئے اور 1043 ھ میں حج کیا اور مکہ میں لائبریریوں کا مشاہدہ کیا، پھر استنبول واپس جا کر درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ انھوں نے متعدد مفید کتابیں تحریر کیں۔ ان میں سے کشف الظنون بہت مشہور ہوئی۔ (مقدمة كشف الظنون، ص: 9، الأعلام: 7/236)

حارث بن ابی شمر: حارث بن ابی شمر غسانی، شام کا غسانی حکمران تھا، غوطہ دمشق میں رہتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف شجاع بن وہب ؓ کے ہاتھ دعوت اسلام کا پیغام بھیجا تھا۔ حارث فتح مکہ کے سال 8 ھ میں وفات پا گیا۔ (الأعلام: 1/155)

حارث بن عامر بن نوفل: حارث بن عامر بن نوفل بن عبدمناف بن قصی بن کلاب قرشی بدر کے دن مشرکین کی طرف سے لڑتا ہوا قتل ہوا۔ اسے خبیب بن اساف ؓ نے قتل کیا تھا۔ جنگ سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر تمھیں حارث مل جائے تو اسے بنو نوفل کے یتیموں کے لیے زندہ رکھنا، قتل نہ کرنا۔ اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَقَالُوٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا﴾ (القصص 28:57) ''اور انھوں نے کہا: اگر ہم تیرے ہمراہ اس ہدایت کی پیروی کریں تو ہم اپنی زمین سے اچک لیے جائیں گے۔'' (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 62، أنساب الأشراف: 1/356)

حارث بن عبداللہ (م: 80 ھ/700 ء): حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ مخزومی قرشی ؒ مکہ میں رہتے تھے۔ قریش کے مشہور شاعر اور خطیب تھے۔ عبداللہ بن زبیر ؓ کے دور میں ایک سال بصرہ کے گورنر رہے۔ القُباع کے لقب سے معروف تھے۔ (الإصابة: 1/668، أسدالغابة: 1/383، الأعلام: 2/156)

حارثہ بن شراحیل: ابوزید حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزّٰی بن امرؤالقیس کلبی ؓ زید ؓ کے والد تھے۔ ان کے مفصل حالات زندگی نہیں ملتے۔ (الإصابة: 1/705، أسد الغابة: 1/405)

حاطب بن ابی بلتعہ (35 قبل ہجرت-30 ھ/586-650 ء): حاطب بن عمرو (ابوبلتعہ) بن عمیر بن سلمہ لخمی ؓ بنو اسد کے حلیف تھے۔ وہ مشہور بدری صحابی ہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ان کے خط اور توبہ کا واقعہ بہت مشہور ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنا ایک مکتوب گرامی انھی کے ہاتھ مصر کے بادشاہ مقوقس کو بھیجا تھا۔ آپ قریش کے شہسواروں اور شعراء میں سے تھے۔ مدینہ میں فوت اور مدفون ہوئے۔ (الإصابة: 2/4، الأعلام: 2/159)

حاکم (321-405 ھ/933-1014 ء): ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حمدویہ بن نعیم نیشاپوری ؒ حاکم کے لقب سے مشہور ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کئی بار نیشاپور کے جج رہے۔ انھیں ابن البیّع بھی کہا جاتا ہے۔ ائمہ محدّثین میں شمار ہوتے ہیں۔ نیشاپور (ایران)

میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ حصول علم کے لیے عراق، خُراسان، حجاز اور جُرجان کا سفر کیا۔ ان کی تصنیفات میں سے المستدرك على الصحيحين بہت مشہور ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 17/162-177)

حضرمی (869-930ھ /1464-1524ء): محدث علامہ جمال الدین محمد بن عمر بن مبارک حمیری حضرمی شافعی بحرق کے نام سے مشہور ہیں۔ آپ سیئون (حضرموت) میں پیدا ہوئے۔ تعلیم کے لیے حجاز اور ہندوستان کا سفر کیا۔ آپ نے عقیدہ، سیرت، حدیث، نحو اور دیگر فنون پر بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ وقت کے بادشاہوں کے ہاں آپ کا بڑا مرتبہ تھا، اسی وجہ سے حاسدین نے آپ کو زہر دے کر قتل کیا۔ (حدائق الأنوار، ص: 21-26)

حلبی (975-1044ھ /1567-1634ء): علی بن برہان الدین حلبی شافعی مؤرخ قاہرہ (مصر) کے رہنے والے تھے، اصل میں حلب (شام) کے تھے۔ سیرت نبوی پر ان کی کتاب السيرة الحلبية کے نام سے مشہور ہے۔ اس کتاب کا نام إنسان العيون في سيرة الأمين المأمون ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 223)

حلیمہ سعدیہ (م: 8ھ/630ء): حلیمہ بنت ابی ذؤیب عبداللہ بن حارث بن شِجنَہ بن جابر بن رزام بن ناصرہ بن سعد بن بکر الہوازنی، یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں تھیں۔ ان کے خاوند کا نام حارث بن عبدالعُزّٰی بن رفاعہ بن مَلّان بن ناصرہ ہوازنی تھا۔ حلیمہ سعدیہ طائف میں بادیۂ بنوسعد میں رہتی تھیں۔ اسی بادیہ میں رسول اللہ ﷺ کی پرورش ہوئی۔ پہلی مرتبہ شق صدر کا واقعہ بھی یہیں ظہور میں آیا۔ جب خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی ہوگئی تو حلیمہ سعدیہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور قحط سالی کی شکایت کی۔ آپ نے اس سلسلے میں ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی تو انھوں نے بڑی فیاضی سے انھیں چالیس بکریاں اور سواری کے لیے ایک اونٹ دیا۔ (أسد الغابة: 5/251، الإصابة: 8/87، الأعلام: 2/271، الطبقات لابن سعد: 1/113,114)

حُصین بن نمیر (م: 67ھ /686ء): ابوعبدالرحمٰن حصین بن نمیر بن نائلکندی سکونی، امویوں کا ایک مشہور فوجی کمانڈر تھا۔ اس نے مروان بن حکم کو خلافت دلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ آخر میں یہ موصل میں عبیداللہ بن زیاد اور مختار ثقفی کے کمانڈر ابراہیم بن الاشتر کے درمیان ہونے والی لڑائی میں مارا گیا۔ (الأعلام: 2/262)

حُلَیس: حُلَیس بن علقمہ بن عمرو بن الاوقح حارثی کنانی غزوۂ احد میں قریش کے احابیش کا سردار تھا۔ اس کے نام میں اختلاف ہے۔ محمد بن حبیب نے اسے حلیس بن یزید لکھا ہے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 162، المحبر، ص: 170)

خطابی (319-388ھ /931-998ء): ابوسلیمان احمد بن محمد بن ابراہیم بن خطاب بُستی خطابی رحمہ اللہ اہل بست (افغانستان) سے ہیں۔ یہ زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بھائی) کی اولاد میں سے ہیں۔ بغداد، مصر اور نیشاپور میں علم حاصل کیا۔ معالم السنن شرح سنن أبي داود آپ کا علمی شہکار ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 17/23-28)

خلیفہ مراد خان (1032-1049ھ /1612-1623ء): مراد بن احمد بن محمد بن مراد بن سلیم، عثمانی سلاطین میں 17 ویں نمبر پر تھے۔ اپنے چچا مصطفیٰ اول کے بعد 1032ھ میں خلیفہ بنے، تب ان کی عمر 14 سال تھی۔ صفوی سلطنت کے خلاف جنگ لڑی اور 1045ھ میں تبریز اور ایران کا علاقہ اریوان جو آج کل آرمینیا کا دارالحکومت ہے، فتح کیا۔ صفویوں کے ساتھ 1049ھ میں صلح کی اور اسی سال وفات پاگئے۔ یہ عثمانیوں کے بہادر اور نامور خلفاء میں سے تھے۔ (الموسوعة العربية الميسرة: 2/1677، المنجد في الأعلام، ص: 527، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

خلیل سعادت (1273-1352ھ /1857-1934ء): لبنانی الاصل ہیں۔ بیروت میں امریکی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی۔ مجلہ الطبیب میں ان کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ مؤلف اور طبیب تھے۔ مصر کا سفر کیا، پھر برازیل کے شہر ساؤپالو میں رہائش پذیر ہوئے۔ سوریا (شام) کی قومی لیگ کے رکن رہے۔ متعدد کتابیں لکھیں۔ ان میں سب سے مشہور انجیل برناباس کا عربی ترجمہ ہے۔ (الأعلام: 318/2)

خیزران (م 173ھ/789ء): خیزران بنت عطاء رحمہا اللہ، عباسی خلیفہ مہدی کی بیوی اور ہادی اور ہارون الرشید کی والدہ تھیں۔ یہ لونڈی تھیں۔ یمن سے تعلق تھا۔ مہدی نے آزاد کر کے ان سے شادی کر لی۔ خیزران نے 171ھ/788ء میں حج کا سفر کیا۔ بغداد میں وفات پائی۔ (البداية والنهاية: 498/10، الأعلام: 328/2)

دارقطنی (306-385ھ /919-995ء): امام ابوالحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی دارقطنی بغدادی رحمہ اللہ علم حدیث، اسماء الرجال، فقہ اور نحو وصرف کے امام تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے علم قراءت کے قواعد لکھے۔ ان کی تالیفات میں سے سنن الدارقطني اور العلل کی شہرت ہے۔ (البداية والنهاية: 338/11، سير أعلام النبلاء: 449/16)

دارمی (181-255ھ /797-869ء): ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمن بن فضل بن بہرام تمیمی دارمی رحمہ اللہ عظیم محدث، مفسر اور فقیہ تھے۔ حصول علم کے لیے حجاز، شام، مصر، عراق اور خراسان کا سفر کیا اور بڑی تعداد میں محدثین سے سماع کیا۔ امام مسلم، ابوداود اور ترمذی رحمہم اللہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں۔ انھوں نے کئی کتابیں لکھیں جن میں سنن الدارمي مشہور ہے۔ (سير أعلام النبلاء: 224/12-232)

ڈاکٹر صلابی (پ 1382ھ/ 1963ء): علی محمد بن محمد الصلابی، لیبیا کے صوبے بنغازی میں پیدا ہوئے۔ وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی، پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے کلیۃ الدعوۃ واصول الدین سے 1992ء میں فرسٹ ڈویژن حاصل کی، بعد ازاں سوڈان سے اصول الدین میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی، پھر وہیں پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کے بارے میں کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے السيرة النبوية اور چار خلفائے راشدین کی سیرت پر کتابیں مشہور ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (1326-1423ھ/1908-2002ء): ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمہ اللہ حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے۔ آپ بہت بڑے عالم دین تھے۔ 22 زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ سب سے پہلے فرانسیسی زبان، پھر جرمن زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا۔ ان کے ہاتھ پر تقریباً 50000 افراد نے اسلام قبول کیا۔ 200 بلند پایہ تحقیقی مقالات لکھے۔ ان کا سلسلۂ مواثیق اور سیرت کی کتاب بہت مشہور ہیں۔ سیرت نبوی پر امتیازی کام کی بنا پر حکومت پاکستان نے انھیں قومی ایوارڈ ''نشان پاکستان'' سے نوازا۔ 1994ء میں انھیں ملک فیصل ایوارڈ کے لیے نامزد کیا گیا مگر انھوں نے ایوارڈ لینے سے معذرت کر لی۔ (ماہنامہ مجلّہ الداعی، دارالعلوم دیوبند، ذوالقعدہ 1430ھ/ نومبر 2009ء)

ڈریپر (1226-1299ھ/ 1811-1882ء): جون ولیم ڈریپر برطانیہ کے شہر ہیلن میں پیدا ہوا۔ اس کی مشہور کتب History of Intellectual Development of Europe (یورپ میں فکری ارتقاء کی تاریخ) اور The Conflict between Religion and Science ہیں۔ آخر الذکر کا ترجمہ مولانا ظفر علی خاں نے ''معرکۂ مذہب وسائنس'' کے نام سے کیا ہے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

رحمت اللہ عثمانی کیرانوی: رحمت اللہ بن خلیل الرحمن کیرانوی رحمہ اللہ بھارت کے ضلع مظفر نگر کے گاؤں کیرانوالہ میں پیدا ہوئے۔

اپنے گاؤں سے ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا، پھر دہلی چلے گئے۔ وہاں مختلف علماء سے فیض یاب ہوئے اور وہیں درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا۔ پادریوں سے مناظرے اور مباحثے کرتے تھے۔ برطانوی حکومت نے انھیں تنگ کرنا شروع کر دیا تو یہ مکہ ہجرت کر گئے اور مولانا امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے ساتھ مل کر علمی خدمات سرانجام دینے لگے۔ بیت اللہ ہی میں تدریس کرتے تھے، پھر مکہ میں المدرسة الصولتية کا آغاز کیا۔ ان کی تالیف إظهار الحق کو عالمی شہرت نصیب ہوئی۔ ان کی تصنیفات کی تعداد 16 ہے۔ 1891ء میں مکہ ہی میں وفات پائی اور المعلّٰی میں دفن ہوئے۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

رشید رضا (1282-1354ھ/1865-1935ء): محمد رشید بن علی رضا بن محمد القلمونی۔ یہ اصلاً بغداد کے تھے۔ لبنان کے علاقہ قلمون میں پیدا ہوئے اور ادھر ہی تعلیم حاصل کی۔ 1315ھ میں مصر کا سفر کیا۔ محمد عبدہ کے شاگرد رہے۔ مجلّہ المنار کا آغاز کیا۔ 1326ھ میں شام چلے آئے۔ جامع اموی (دمشق) میں خطیب رہے، پھر واپس مصر آکر مدرسہ ''الدعوۃ والارشاد'' قائم کیا۔ ہند، حجاز اور یورپ کا بھی سفر کیا۔ قاہرہ میں وفات پائی۔ ان کی متعدد کتابوں میں سے تفسیر اور مجلّہ المنار بہت مشہور ہوئے۔ (المنجد في الأعلام، ص: 264، الأعلام: 126/6)

زبیر بن بکار (172-256ھ/788-870ء): ابوعبداللہ زبیر بن بکار بن عبداللہ القرشی الاسدی المکی رحمہ اللہ، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ انساب اور اخبارِ عرب کے عالم تھے۔ مدینہ میں پیدا ہوئے، مکہ کے قاضی رہے اور وہیں وفات پائی۔ ان کی تصانیف میں أخبار العرب و أيامها اور نسب قريش و أخبارها مشہور ہیں۔ (الأعلام: 42/3)

زرقانی (1055-1122ھ/1645-1710ء): ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان زرقانی مصری رحمہ اللہ حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں بڑی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی ولادت اور وفات قاہرہ ہی میں ہوئی۔ آپ کی کتب میں شرح الزرقاني على المواهب اللدنية اور مختصر المقاصد الحسنة نے بڑی شہرت پائی۔ (معجم المؤلفين: 124/10، الأعلام: 184/6)

زمعہ بن اسود بن مطلب (م: 2ھ/624ء): زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزّٰی بن قصی بن کلاب اسدی قرشی، قریش کا سردار، بہت مالدار اور اسلام کا دشمن تھا۔ کثرتِ سخاوت کی وجہ سے ''زادالرکب'' (قافلے کا زادِ راہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں مرا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 118، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 72)

زُبیدہ (م: 216ھ/831ء): ام جعفر زبیدہ بنت جعفر بن منصور رحمہا اللہ، ہارون الرشید کی بیوی اور امین کی والدہ تھیں۔ اپنے زمانے کی ممتاز ترین خاتون تھیں۔ ان کا نام امۃ العزیز تھا۔ مکہ کی نہر زبیدہ انھی کے نام سے منسوب ہے۔ بہت مالدار اور دیندار خاتون تھیں۔ بغداد میں وفات پائی۔ (تاريخ بغداد: 433/14، الأعلام: 42/3)

سفیان: یہ سفیان بن امیہ اکبر بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی ہے۔ یہ ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کا چچا اور حرب کا بھائی تھا۔ سفیان کا والد امیہ اکبر جبکہ اس کا چچا امیہ اصغر کے نام سے مشہور تھا۔ یہ بہت لڑاکے لوگ تھے اور عنابس (شیر) کے لقب سے مشہور تھے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 38,37، الجمهرة لابن حزم، ص: 79,78)

سلمہ بن سلامہ: ابوعوف سلمہ بن سلامہ بن وقش بن زغبہ بن زعوراء اشہلی انصاری رضی اللہ عنہ، عقبہ کی دونوں بیعتوں میں شریک تھے۔ بعد میں سارے غزوات میں شریک رہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انھیں یمامہ کا گورنر بنا کر بھیجا تھا۔ 45ھ میں وفات پائی۔ (الاستيعاب،

ص :332، أسد الغابة: 357/2، الإصابة : 124/3)

سلمٰی بنت عمرو نجاریہ: سلمیٰ بنت عمرو بن زید بن لبید بن خداش بن عامر بن غنم بن عدی بن نجار خزرجیہ، عبدالمطلب کی ماں تھیں۔ ہاشم سے پہلے ان کی شادی اُحَیحہ بن جُلاح سے ہوئی تھی اور اس کے ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے تھے: عمرو اور معبد۔ یہ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ ان کا بیٹا شیبۃ الحمد (عبدالمطلب) بن ہاشم بھی ساتھ رہتا تھا، پھر شیبہ کے چچا مُطّلب اسے مکہ لے آئے۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 27)

سلیم ثانی: یہ دولت عثمانیہ کا گیارھواں سلطان اور تیسرا خلیفہ تھا۔ سلیم ثانی اپنے والد خلیفہ سلیمان قانونی کی وفات پر 15 جمادی الاولی 974ھ/30 ستمبر 1566ء کو تخت نشین ہوا۔ محرم 977ھ/ جولائی 1570ء میں اس کے امیر البحر پیالہ پاشا کے بحری بیڑے نے مسیحی ریاست قبرص پر دھاوا بول دیا اور 8 ربیع الآخر/ 9 ستمبر کو قبرص کے دارالحکومت لفکوسا (موجودہ نکوشیا) پر عثمانیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اگلے سال عثمانی فوج نے کریمیا کے گرائی خان کے ہمراہ ماسکو پر یلغار کی۔ 979ھ/1572ء میں گرائی خاں نے پھر ماسکو پر دھاوا بولا اور زار روس نے 60 ہزار طلائی لیرے سالانہ خراج پر صلح کرلی۔ اس دوران میں انڈونیشی جزیرہ سماٹرا کی ریاست آچے نے سلطنت عثمانیہ کی اطاعت قبول کرلی۔ 981ھ/1574ء میں خلیفہ سلیم ثانی نے وفات پائی۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ (دارالسلام)، ص: 383-386)

سمرہ بن جندب (م: 60ھ/679ء): ابوسلیمان سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری غطفانی رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں پرورش پائی، پھر بصرہ چلے گئے۔ سپہ سالار صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ بصرہ میں زیاد ابن ابیہ نے انھیں اپنا نائب مقرر کیا۔ بصرہ ہی میں وفات پائی۔ (أسدالغابة: 376/2، الإصابة: 150/3، الأعلام: 139/3)

سیوطی (849-911ھ/1445-1505ء): ابوالفضل جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر بن محمد بن سابق الدین خضیری سیوطی رحمہ اللہ کی نسبت اُسیوط کی طرف ہے۔ ان کی پیدائش اور وفات قاہرہ میں ہوئی۔ اپنے عہد کے بہت بڑے امام اور عالم تھے۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگئے تھے۔ حصول علم کے لیے حجاز، شام، یمن، ہند اور المغرب العربی (تیونس، الجزائر، مراکش وغیرہ) کا سفر کیا۔ مدرسہ شیخونیہ میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ چالیس سال کی عمر میں تصنیف و تالیف کے لیے گوشہ نشین ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصول، نحو، بلاغت، تاریخ، تصوف اور ادب جیسے موضوعات پر ان کی تالیفات و تصانیف 600 کے لگ بھگ ہیں۔ ان کی چند مشہور کتابیں یہ ہیں: الإتقان، الألفية، تاريخ الخلفاء، الدر المنثور، الديباج على صحيح مسلم، شرح سنن ابن ماجه و شرح سنن النسائي، اللآلي، المصنوعة وغیرہ۔ (شذرات الذهب: 51/8-55، الأعلام: 301/3)

سُوَید بن سعید (م 240ھ): ابومحمد سوید بن سعید بن سہل بن شہریار ہروی حدثانی انباری رحمہ اللہ اصلاً ہرات کے تھے۔ انبار (عراق) کے قریب حدیثہ میں رہائش پذیر تھے۔ بلادِ حرمین، شام، عراق اور مصر میں کبار محدثین سے علم حاصل کیا۔ صدوق درجے کے محدث تھے۔ ابن ماجہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کے استاد ہیں۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ (سير أعلام النبلاء: 410/11-420، ميزان الاعتدال: 248/2)

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ (م 58ھ/677ء): ابویعلیٰ شداد بن اوس بن ثابت بن منذر خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بھتیجے تھے۔ بڑے فصیح اللسان، عالم اور سخی تھے۔ رات کو لمبا قیام ان کا معمول تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں حمص کا گورنر مقرر کیا۔ بیت المقدس میں مقیم رہے اور وہیں وفات پائی۔ [illegible]

شعیب ارناؤط: آپ دمشق میں 1928ء میں پیدا ہوئے۔ البانی الاصل ہیں۔ آپ نے حدیث اور دیگر بہت سی کتابوں کی تحقیق و تخریج کی۔ ان میں سے مشہور جامع العلوم والحكم، رياض الصالحين اور زاد المعاد وغیرہ ہیں۔ آپ نے شیخ عبدالقادر ارناؤط رحمہ اللہ کی صحبت میں بھی علمی کام کیا۔ (انٹرنیٹ)

ضغاطر بن ابی کبشہ الرومی: ہرقل کے خاص ساتھی اور مشیر تھے۔ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ مسلمان ہو گئے تھے اور کفر کے کپڑوں کو پھینک کر سفید کپڑے پہنتے تھے اور حق کی گواہی دیتے تھے، اس وجہ سے ان کو کافروں نے مار مار کر شہید کر دیا۔ (فتح الباري: 59/1)

عاص بن وائل سہمی (م: 3 قبل ہجرت/620ء): دشمن اسلام عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعید بن سہم بن عمرو بن کعب بن لوی بن غالب قرشی سہمی سیدنا عمرو بن وائل رضی اللہ عنہ کا والد تھا۔ یہ جاہلیت کے زمانے میں قریش کا بڑا سردار تھا۔ ہشام بن مغیرہ سے اس کا دوستانہ تھا۔ اسلام کا زمانہ پالیا مگر زندیق ہی رہا۔ مستہزئین میں سے تھا۔ حرب الفجار میں بنوسہم کا لیڈر تھا۔ ابواء میں اُسے کسی موذی چیز نے ڈس لیا۔ چند دن زندہ رہا، پھر مر گیا۔ (الأعلام: 247/3، المحبر، ص: 133، 158 و 161)

عباس بن عبدالمطلب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالفضل تھی۔ اُن کی والدہ کا نام نُتیلہ بنت خباب ہے۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ عام الفیل سے تین سال پہلے پیدا ہوئے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں دو یا تین سال بڑے تھے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ایک قول کے مطابق ہجرت سے پہلے اور ایک قول کے مطابق بدر سے پہلے مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام کا اظہار کیا۔ آپ مکہ سے قریش کی خبریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارسال کیا کرتے تھے۔ جاہلیت میں قریش کے سردار تھے۔ مسجد الحرام کی دیکھ بھال اور حاجیوں کو پانی پلانے کی ذمہ داری بھی انھی کے سپرد تھی۔ ان سے 135 احادیث مروی ہیں۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ سے دو سال قبل جمعے کے دن، 13 رجب 32ھ کو، اٹھاسی برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ بَقیعُ الغرقَد میں آسودۂ خاک ہیں۔ (تاريخ دمشق الكبير: 28/191-265، الاستيعاب، ص: 405-408، أسد الغابة: 2/543-546، الأعلام: 262/3)

عبدالستار غوری: ماہر تعلیم عبدالستار غوری (ایم اے) 1935ء میں پٹیالہ بھارت میں پیدا ہوئے اور 1947ء میں ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ وہ جامعہ پنجاب سے فارغ التحصیل ہیں۔ وہ قومی نصابی ترقیاتی کمیٹی کے رکن رہے۔ ان کا بائبل کا تحقیقی مطالعہ 25 سال پر محیط ہے اور وہ ''بائبل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام کے ساتھ ذکر'' سمیت کئی کتب کے مصنف ہیں۔ وہ اسلامی علوم کے ادارہ المورد کے فیلو ہیں۔ (Muhammad Foretold in the Bible by Name)

عبدالقادر ارناؤط (1347-1425ھ/1928-2005ء): عبدالقادر ارناؤط رحمہ اللہ کوسوو (بلقان) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سمیت سوریا پہنچے۔ یہاں بڑے بڑے علماء سے کسب فیض کیا۔ بہت سی کتابوں کی تحقیق اور تخریج کی۔ دعوت و تدریس میں مشغول رہے۔ عقیدے کے لحاظ سے سلفی تھے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ سے خوب تعلق رہا۔ دمشق میں وفات پائی۔ (انٹرنیٹ)

عبداللہ بن زبیر (1-73ھ/622-692ء): ابوبکر عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اسدی قرشی رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کے سب سے پہلے نومولود تھے۔ قریش کے نامور شہسوار تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں افریقہ کی فتوحات میں شرکت کی۔ یزید بن معاویہ کی وفات کے بعد لوگوں نے ان کی بیعت کی۔ مصر، یمن، حجاز، خراسان، عراق اور شام پر

ان کی خلافت رہی۔ مکہ مکرمہ کو دارالخلافہ بنایا۔ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں لشکر حجاج کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے اور حجاج نے ان کی لاش سولی پر لٹکا دی۔ ان کی خلافت 9 سال تک رہی۔ ان سے 33 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 597/2، الإصابة: 78/4، الأعلام: 87/4)

عبداللہ بن سائب مخزومی رضی اللہ عنہ: ابوعبدالرحمن عبداللہ بن سائب بن صیفی مخزومی رضی اللہ عنہ مشہور قاری ہیں۔ اہل مکہ نے علم قراءت انھی سے حاصل کیا۔ آپ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کچھ عرصہ پہلے فوت ہوئے۔ (الإصابة: 89/4، أسدالغابة: 606/2)

عبداللہ بن عمرو (7 قبل ہجرت - 65ھ/615-684ء): ابومحمد عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم قرشی سہمی رضی اللہ عنہما اپنے والد سے پہلے مسلمان ہوئے۔ ان کا نام عاص تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبداللہ رکھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات قلم بند کرنے کے سب سے زیادہ شائق تھے۔ ان سے 700 احادیث مروی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اہل بیت میں شمار فرمایا۔ یہ تورات اور قرآن کے عالم تھے، سریانی زبان لکھتے تھے۔ ان کا مجموعۂ احادیث صحیفۂ صادقہ کے نام سے مشہور ہے۔ بہت بہادر تھے۔ بیک وقت دو تلواریں چلانے میں ماہر تھے۔ غزوۂ یرموک میں جھنڈا انھی کے ہاتھ میں تھا۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ (أسد الغابة: 49/3-51، الإصابة: 165/4، سير أعلام النبلاء: 79/3-94)

عبدالملک بن مروان (26-86ھ/646-705ء): ابوولید عبدالملک بن مروان بن حکم اموی قرشی رحمہ اللہ بڑے عالم اور فقیہ تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انھیں 16 برس کی عمر میں مدینے کا گورنر مقرر کیا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد 65ھ /685ء میں خلیفہ نامزد ہوئے۔ آپ نے فارسی اور یونانی کتابوں کے عربی میں ترجمے کرائے۔ (الأعلام: 165/4، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

عتبہ بن ربیعہ (م: 2ھ/624ء): عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قُصَی قریش کے بڑے سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ بڑا فاضل اور حلیم شخص تھا۔ اس کی رائے اور مشورے کو بڑا اہم مانا جاتا تھا۔ اسلام کا زمانہ پالیا مگر کفر پر ڈٹا رہا۔ غزوۂ بدر میں سخت لڑائی کے بعد سیدنا علی، حمزہ اور عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہم نے عتبہ اور اس کے بیٹے ولید اور بھائی شَیبہ کو قتل کر دیا۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 56، الجمهرة لابن حزم، ص: 76، الأعلام: 200/4)

عرجون (1321-1400ھ/1903-1980ء): محمد صادق عرجون رحمہ اللہ ازہری عالم ہیں۔ تاریخی روایات پر نقد کے ماہر تھے۔ جامعہ ازہر کے مختلف کلیات میں تدریس کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ دسوق کے معہد شرعی کے شیخ تھے۔ جامعہ ازہر کے کلیۃ الدعوۃ کے عمید (Dean) رہے۔ کویت، سوڈان، سعودی عرب اور دیگر اسلامی ملکوں میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے۔ ان کی مشہور تالیف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ (ذيل الأعلام، ص: 182,181)

عطاء بن یسار: ابومحمد عطاء بن یسار رحمہ اللہ ام المومنین میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ مشہور تابعی ہیں اور سلیمان بن یسار کے بھائی ہیں۔ ائمۂ جرح و تعدیل نے انھیں ثقہ قرار دیا ہے۔ حجاج کے دور میں مدینہ سے مکہ چلے گئے لیکن 103ھ میں حجاج نے انھیں پکڑ کر شہید کر دیا۔ اس وقت ان کی عمر 84 برس تھی۔ یہ اپنا زیادہ وقت مسجد نبوی میں گزارتے تھے۔ (تهذيب الكمال: 77/13، سير أعلام النبلاء: 448,449/4، البداية والنهاية: 232/9)

عقیل (م: 50ھ/670ء): ابویزید عقیل بن ابوطالب بن عبدالمطلب قرشی ہاشمی رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے اور آپ سے 20 سال بڑے تھے۔ جنگ بدر میں مجبوراً شریک ہوئے اور مسلمانوں کی گرفت میں آگئے۔ غزوۂ حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے۔

غزوۂ موتہ میں شرکت کی۔ قریش کے انساب اور جنگوں کی تاریخ کے ماہر تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں فوت ہوئے۔ بقیع میں مدفون ہیں۔ (أسد الغابة: 3/265-267، الاستيعاب، ص: 523,522)

عکاشہ بن محصن (م: 12ھ/633ء): ابومحصن عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس اسدی رضی اللہ عنہ، بنوعبدشمس کے حلیف تھے۔ سابقین اولین میں سے تھے۔ سب غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حساب و کتاب کے بغیر جنت جانے کی خوشخبری سنائی تھی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مرتدین کے خلاف جنگ بزاخہ میں شہید ہوئے۔ (الاستيعاب، ص: 523، أسد الغابة: 3/268، الإصابة: 4/440,439، الأعلام: 4/244)

عمار بن معاذ انصاری اوسی: ابونملہ عمار بن معاذ بن زرارہ ظفری اوسی انصاری رضی اللہ عنہ ممتاز صحابی ہیں۔ وہ اپنی کنیت سے مشہور تھے۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کہ عمار تھا یا عمارہ۔ جنگ بدر، احد اور خندق میں شریک تھے۔ ان کے دو بیٹے عہد یزید میں واقعۂ حرہ میں شہید ہوئے۔ اہل کتاب سے روایت کرنے کے بارے میں حدیث انھی سے مروی ہے۔ (الاستيعاب، ص: 547 و 850,849، أسد الغابة: 3/308، الإصابة: 4/473)

عمر بن سائب (م: 234ھ/848ء): ابوعمرو عمر بن سائب بن ابوراشد زہری مصری رحمہ اللہ بنوزہرہ کے حلیف تھے۔ یہ فقیہ تھے۔ امام ابوداود رحمہ اللہ نے ان سے ایک روایت نقل کی ہے۔ (تهذيب التهذيب: 7/395، الثقات لابن حبان: 7/175)

عمرو بن جفنہ غسانی: عمرو بن جفنہ بن عمرو مزیقیا ازدی غسانی، شام کے غسانی بادشاہوں میں وہ پہلا بادشاہ تھا جس نے سب سے پہلے تاج پہنا۔ اس نے بلقاء میں رومیوں سے جنگ کی اور فتح یاب رہا۔ بعد میں اس نے اپنی کمزوری کی وجہ سے خراج دینے کی شرط پر قیصر سے صلح کر لی مگر کچھ عرصہ بعد موقع پا کر قیصر سے پھر بغاوت کر دی۔ قیصر نے مصلحتاً بادیۃ الشام کی بادشاہت مستقل طور پر اُسی کو سونپ دی۔ وہ پندرہ سال تک برسر اقتدار رہا۔ وہ دوسری صدی عیسوی کا فرمانروا تھا۔ (الأعلام: 5/75)

فاکہی (217-285ھ/832-898ء): ابوعبداللہ محمد بن اسحاق بن عباس فاکہی مکی رحمہ اللہ کی نسبت، فاکہ بن عمرو بن حارث بن مالک بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ کی طرف ہے۔ آپ نے مکہ، کوفہ اور صنعاء کے 231 شیوخ سے علم حاصل کیا۔ بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں أخبار مكة زیادہ مشہور ہے۔ (أخبار مكة للفاكهي: 1/11-30، الأعلام: 6/28)

فرزدق (م: 110ھ/728ء): ابوفراس ہمام بن غالب بن صعصعہ بن ناجیہ بن عقال بن محمد بن سفیان دارمی تمیمی رحمہ اللہ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ اسلامی شعراء کے پہلے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی ترش روئی اور اکھڑ پن کی وجہ سے فرزدق کے لقب سے معروف ہوئے۔ بادشاہوں کے درباروں میں اپنا کلام بیٹھ کر سناتے تھے۔ سلیمان بن عبدالملک کا زمانہ آیا تو اس نے انھیں کھڑے ہو کر کلام سنانے کا حکم دیا۔ اس پر بنوتمیم کے لوگ طیش میں آگئے۔ فرزدق کا دیوان شعر و ادب کا شہ پارہ ہے۔ سو سال کی عمر میں بصرہ کے دیہی علاقے میں وفات پائی۔ (الأعلام: 8/93، معجم المؤلفين: 13/153,152)

قاسم بن ثابت (255-302ھ/869-915ء): ابومحمد قاسم بن ثابت بن حزم عوفی سرقسطی، علم حدیث اور لغت کے ماہر تھے۔ اپنے والد کے ساتھ مصر اور مکہ کا سفر کیا۔ انھوں نے کتاب العین کو سب سے پہلے سرقسطہ (اندلس) میں متعارف کروایا۔ سرقسطہ میں منصب قضا کی پیشکش کو مسترد کیا۔ ان کی کتاب الدلائل علی معاني الحديث بالشاهد والمثل مشہور ہے۔ سرقسطہ میں

وفات پائی۔(الأعلام: 174/5)

قضاعی (م 454ھ /1062ء): ابوعبداللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون القضاعی، فاطمیوں کے زمانے کے مشہور مؤرخ اور مفسر تھے۔ فقہ شافعی کے امام تھے۔ مصر میں نائب قاضی کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ کچھ عرصہ قسطنطنیہ میں سفیر بھی رہے۔ مصر ہی میں وفات پائی۔ ان کی قرآن کریم کی تفسیر اور الشهاب في المواعظ والآداب مشہور ہیں۔(الأعلام: 146/6)

قطب الدین (614-686ھ /1218-1287ء): ابوبکر قطب الدین محمد بن احمد بن علی بن محمد بن حسن قیسی قسطلانی شافعی رحمہ اللہ مصر میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور بعد ازاں شہاب الدین سہروردی سے حاصل کی۔ 649ھ /1251ء میں بغداد آئے۔ مصر، شام اور الجزیرہ میں بہت سے علماء سے استفادہ کیا۔ قاہرہ کے مدرسہ دارالحدیث کاملیہ میں شیخ الحدیث رہے۔ جید ادیب اور فقیہ تھے۔ آپ نے کچھ رسائل بھی لکھے۔ قاہرہ میں فوت ہوئے۔ (طبقات الشافعية: 43/8، البداية والنهاية: 328/13، شذرات الذهب: 397/5، الأعلام: 323/5)

قیس بن عدی: قیس بن عدی بن سعد بن سہم القرشی اپنے والد کے بعد قریش کا سردار تھا۔ قریش کے ہاں عزت اور عظمت میں ضرب المثل تھا۔ اس کے بیٹے حارث بن قیس کا شمار مستہزئین میں ہوتا تھا۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 101,100، الجمهرة لابن حزم، ص: 165)

قیصر ہیڈرین: ٹرایانس ہیڈریانس آگسٹس 76ء میں اٹالیکا (اسپین) میں پیدا ہوا۔ وہ قیصر ٹراجن کا بھتیجا تھا۔ 96ء میں اسے مقدونیہ کا ''ٹربیون'' مقرر کیا گیا۔ اس نے ڈاسیا (رومانیہ) کی جنگوں میں حصہ لیا۔ 114ء میں وہ شام کا گورنر مامور ہوا اور 117ء میں ٹراجن کی وفات پر تخت نشین ہوا۔ اس نے وسیع سلطنت کو مستحکم کیا اور شمالی برطانیہ میں ''ہیڈرین وال'' تعمیر کی تا کہ سرحدی حملہ آوروں سے بچاؤ ہو سکے، تاہم سلطنت کا غیر معمولی پھیلاؤ کم کرنے کے لیے وہ ٹراجن کے مفتوحہ بیشتر مشرقی علاقوں سے دستبردار ہو گیا۔ اس کا بیشتر وقت سلطنت کے اندر یونان سے برطانیہ اور شمالی افریقہ تک سفر اور استحکامات میں گزرا۔ اس کے عہد کی واحد جنگ یہودیوں کی بغاوت کچلنے کے سلسلے میں تھی۔ ہیڈرین 138ء میں بانیا نزد نیپلز (اٹلی) میں وفات پا گیا۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

کلیمنٹ اسکندرانی (Clement of Alexandria): یونانی مسیحی مفکر سینٹ کلیمنٹ (150ء - 215ء) اسکندریہ (مصر) کے یونانی مدرسے (Catechetical School) کا سربراہ تھا جو 202ء میں رومیوں کے عتاب سے بچنے کے لیے فرار ہو گیا۔ اس نے یونانی فلسفے کے افکار مسیحی عقیدے میں شامل کر دیے۔ (The Oxford English Reference Dic, pp: 271,272)

کندیر بن سعید: کندیر بن سعید بن حیدہ بن قشیر قشیری کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی تھی۔ ان کے والد سعید رضی اللہ عنہ بالاتفاق صحابی تھے۔ (الجرح والتعديل: 173/7، أسد الغابة: 547/3)

گائس جولیئس سیزر: گائس جولیئس سیزر 100 ق م میں پیدا ہوا۔ اس کا شمار روم کے مشہور جرنیلوں میں ہوتا ہے۔ اسی نے روم کو جمہوریت کی جگہ بادشاہت کی راہ دکھائی۔ 60 ق م میں وہ روم کی تین رُکنی حکمران مجلس کا رُکن بنا۔ اس نے پورا گال (فرانس) فتح کر لیا۔ برطانیہ پر بھی حملہ کیا اور 48 ق م میں مصر فتح کیا۔ تمام حریفوں کے خاتمے کے بعد 15 مارچ 44 ق م کو اُس کے سر پر تاج شاہی رکھا جانے والا تھا کہ تقریب شروع ہوتے ہی سازشیوں نے، جن میں اس کا دوست بروٹس بھی شامل تھا، خنجر مار کر اسے قتل کر دیا۔ تب

زخمی سیزر نے اپنے دوست سے یہ تاریخی جملہ کہا تھا: ''بروٹس، تم بھی!'' اس کے نام سے خفیہ پیغام رسانی کا نظام اور ایک نیا کیلنڈر مشہور ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا تاریخِ عالم: 119,118/2، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، آکسفورڈ ڈکشنری، ص: 766)

مارگولیتھ (1274-1359ھ / 1858-1940ء): ڈیوڈ سیموئیل مارگولیتھ ایک یہودی مستشرق ہے۔ اس کا والد یہودیت سے دستبردار ہو کر انجیلی عیسائی بن گیا تھا۔ اس نے یونانی اور لاطینی زبانیں سیکھیں، پھر سامی زبانوں خصوصاً عربی میں مہارت حاصل کی۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام لکھنے والوں میں شریک رہا۔ اس نے سیرت، تاریخ اسلام، تاریخ عرب اور تاریخ یہودیت پر بھی کتابیں لکھی ہیں۔ وہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں 50 برس تک استاد رہا۔ (الأعلام: 329/2، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

مجاہد بن جبر (21-104ھ / 642-722ء): ابوالحجاج مجاہد بن جبر مکی رحمہ اللہ بنومخزوم کے غلام تھے۔ شیخ القراء والمفسرین کے لقب سے مشہور ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد تھے۔ دنیا کے عجائبات کا مشاہدہ کرنے کے لیے کئی سفر کیے۔ ان کی تفسیر مشہور ہے لیکن مفسرین ان کی تفسیر سے اجتناب کرتے ہیں کیونکہ یہ اہل کتاب سے روایت کرتے تھے۔ محدثین کے ہاں یہ متکلم فیہ راوی ہیں۔ (سیر أعلام النبلاء: 449/4، الأعلام: 278/5، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

محمد الغزالی (1335-1416ھ / 1917-1996ء): محمد غزالی بن احمد السقا رحمہ اللہ مصر کے ضلع جیزہ میں پیدا ہوئے۔ جامعہ ازہر (قاہرہ) سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد جامعہ ازہر، ام القریٰ (مکہ مکرمہ)، جامعہ قطر اور الجزائر میں تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ مصر کی وزارت اوقاف میں وکیل کے منصب پر فائز رہے۔ ریاض میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئے۔ آپ کی تالیفات میں فقہ السیرۃ کی شہرت ہے۔ (ذیل الأعلام، ص: 193)

محمد بن جبیر بن مطعم (م: 101ھ / 719ء): ابوسعید محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف قرشی رحمہ اللہ مدینہ منورہ کے تابعین میں سے تھے، امام اور فقیہ تھے۔ بڑے صاحب علم اور صاحب قلم تھے۔ 93 سال کی عمر پا کر مدینہ میں فوت ہوئے۔ (المعرفۃ و التاریخ: 178,177/1، سیر أعلام النبلاء: 544,543/4، تہذیب التہذیب: 80/9)

محمد بن یوسف: حجاج بن یوسف کا بھائی محمد بن یوسف بن حکم بن ابوعقیل بن مسعود ثقفی یمن کا حاکم تھا۔ بنوامیہ کا احسان مند تھا۔ ایک موقع پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! ولید کی شام پر، حجاج کی عراق پر، محمد بن یوسف کی یمن پر، عثمان بن حیان کی حجاز پر اور قرہ بن شریک کی مصر پر حکمرانی کی وجہ سے زمین ظلم و جور سے بھر گئی ہے۔'' محمد بن یوسف نے 91ھ / 710ء میں یمن میں وفات پائی۔ (تاریخ دمشق الکبیر: 226-231/59)

محمد ناصر الدین البانی (1333-1420ھ / 1914-1999ء): ابوعبدالرحمٰن محمد ناصرالدین بن الحاج نوح بن نجاتی بن آدم اشقودری البانی رحمہ اللہ البانیا کے شہر اشقودرہ (Shkodra) میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد احناف کے بڑے عالم تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی، پھر علم حدیث کی طرف متوجہ ہوگئے اور محدثین کے منہج کے مطابق آخر عمر تک اسی مقدس علم کی تحصیل و تحقیق میں مشغول رہے۔ فن تخریج، علم الرجال اور علل الحدیث کے ماہر تھے۔ ان کی وفات اردن کے دارالحکومت عمان میں ہوئی۔ انھوں نے بہت سی کتابیں تحریر کیں جن میں صفۃ صلاۃ النبي، جلباب المرأۃ المسلمۃ، السلسلۃ الصحیحۃ اور السلسلۃ الضعیفۃ کو بڑی شہرت نصیب ہوئی۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

محمود پاشا فلکی (1230-1302ھ / 1815-1885ء): ان کا نام محمود احمد حمدی پاشا تھا۔ مصر کے قصبہ الحصہ (صوبہ الغربیہ) میں پیدا ہوئے اور قاہرہ میں فوت ہوئے۔ فلکیات میں ڈگری لینے کے بعد "فلکی" کا لقب پایا۔ اسکندریہ اور قاہرہ میں تعلیم حاصل کی۔ بولاق کے انجینئرنگ سکول میں مدرس رہے۔ ان کی مشہور تصانیف میں سے نتائج الإفهام في تقويم العرب قبل الإسلام و في تحقيق مولد النبي و عمره ﷺ ہے۔ (الأعلام: 164/7)

مراد ثالث: خلیفہ سلیم ثانی کا جانشین اس کا بیٹا مراد ثالث بنا۔ اس کے عہد میں ریاست فاس (مراکش)، وسطی افریقہ کی ریاست بورنو (نائجیریا)، مشرقی افریقہ کی ریاست ممباسہ (کینیا) اور پولینڈ عثمانی عملداری میں آگئے۔ یہ خلافت عثمانیہ کا انتہائی عروج کا زمانہ تھا۔ 1577ء سے 1590ء تک ایران سے ہونے والی جنگوں کے نتیجے میں گرجستان (جارجیا)، شروان اور قرہ باغ (آذربائیجان) اور تبریز اور لورستان (ایران) عثمانی سلطنت میں شامل ہو گئے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ (دارالسلام)، ص: 387-390، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 278,277/20)

مرثد بن شرحبیل: یہ مشہور راوی ہیں۔ ابن حبان رحمہ اللہ نے انھیں ثقات میں شمار کیا ہے۔ ابن عباس، ابن زبیر اور ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ امام عبدالرزاق رحمہ اللہ ان سے بیان کرتے ہیں۔ (التاريخ الكبير: 417/7، الثقات لابن حبان: 440/5)

مطرف بن مالک: ابوالرباب مطرف بن مالک بن قشیر بن کعب بن عامر بن ربیعہ بصری، بعض ان کی کنیت ابوالریان یا ابوالریاب بیان کرتے ہیں۔ خلافت عمر میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے ساتھ فتح تستر میں شریک ہوئے۔ (تاريخ دمشق الكبير: 246/61، أسد الغابة: 139/4)

معاویہ (20 قبل ہجرت-60ھ/603-680ء): ابوعبدالرحمٰن معاویہ بن (ابوسفیان) صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف قرشی اموی رضی اللہ عنہ بہت دور اندیش، باوقار اور فصیح اللسان شخصیت تھے۔ بعثت نبوی سے پانچ سال قبل پیدا ہوئے۔ عمرۂ قضا یا فتح مکہ کے دن اٹھارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے۔ عہد صدیقی میں مرتدین کے خلاف جہاد میں شریک تھے۔ 21ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں اردن کا گورنر بنایا، پھر دمشق بھی ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں پورے شام کا گورنر مقرر کیا۔ 35ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا مطالبہ کرتے ہوئے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے۔ پہلی اسلامی بحری فوج آپ ہی نے تیار کی۔ زندگی کے آخری دنوں میں آپ نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنا کر موروثی اموی حکومت کی داغ بیل ڈال دی۔ 60ھ/680ء میں دمشق میں وفات پائی۔ ضحاک بن قیس فہری نے نماز جنازہ پڑھائی۔ دمشق کے باب جابیہ اور باب صغیر کے مابین قبرستان میں سپرد خاک ہوئے۔ آپ 20 سال گورنر رہے اور 20 سال پانچ مہینے مسلمانوں کے خلیفہ رہے۔ آپ سے 130 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 154/4، الإصابة: 120/6، الأعلام: 261/7، تاريخ بغداد: 207/1-210، الاستيعاب، ص: 676-680، تاريخ الإسلام للذهبي (41-60ھ)، ص: 317)

مقدام (م: 87ھ/706ء): ابوکریمہ مقدام بن معدیکرب بن عمرو بن یزید کندی رضی اللہ عنہ یمن سے اپنی قوم کے وفد کے ساتھ مدینہ تشریف لائے۔ اس وقت آپ چھوٹے تھے۔ مقدام رضی اللہ عنہ بہت بہادر تھے۔ ان کی تلوار صمصامہ عربوں میں مشہور ہے۔ ابن عبدالبر نے

ان کا نام مقداد لکھا ہے۔ شام میں سکونت اختیار کی۔ حمص میں 91 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ان سے 40 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة : 186/4، الإصابة : 161/6، الاستيعاب، ص :707، سير أعلام النبلاء :427/3، الأعلام : 282/7)

منذری (581-656ھ /1185-1258ء): ذکی الدین ابو محمد عبدالعظیم بن عبدالقوی بن عبداللہ منذری مصری رحمہ اللہ اصلاً شامی ہیں۔ غزہ میں پیدا ہوئے اور حصول علم کے لیے شام، الجزیرہ اور حرمین کا سفر کیا۔ پھر مصر کے علماء سے علم حاصل کیا۔ حدیث، فقہ، لغت اور تاریخ میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کے علمی شہ پاروں میں الترغيب والترهيب، مختصر صحيح مسلم اور مختصر سنن أبي داود بہت مشہور ہیں۔ (سير أعلام النبلاء: 319/23-324، البداية والنهاية: 225,224/13)

موسیٰ بن عقبہ (م:141ھ /758ء): ابو محمد موسیٰ بن عقبہ بن ابی عیاش الاسدی رحمہ اللہ، آل زبیر کے غلام تھے۔ سیرت نبوی کی معلومات کے ماہر تھے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ روایت میں ثقہ تھے۔ سیرت و مغازی کے عنوان پر ان کی کتاب بہت مشہور اور معتبر ہے۔ (تهذيب التهذيب: 322,321/10، سير أعلام النبلاء: 114/6، الأعلام: 325/7)

مہدی رزق اللہ: ڈاکٹر مہدی رزق اللہ احمد حفظہ اللہ جامعۃ الامام محمد بن سعود الریاض میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہیں۔ تاریخ میں پی ایچ ڈی کی ہے۔ ان کی پی ایچ ڈی کے مقالے کا عنوان یہ ہے: السيرة النبوية في ضوء المصادر الأصلية. (السيرة النبوية للمهدي)

میسرہ: سارے سیرت نگار اور مؤرخین رسول اللہ ﷺ کے شام کی طرف تجارتی سفر میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ان کے قبول اسلام میں اختلاف ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان کے بعثت تک زندہ رہنے کی کوئی دلیل نہیں۔ میں نے ان کا تذکرہ بطور احتمال کیا ہے۔ (الإصابة : 189/6)

مِسوَر بن مخرمہ (2-64ھ /624-683ء): ابو عبدالرحمٰن مسور بن مخرمہ بن نوفل بن اہیب قرشی زہری رضی اللہ عنہما فقہاء صحابہ میں شمار ہوتے تھے۔ کم عمری میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھا اور احادیث سنیں۔ شہادت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت شوریٰ کے دنوں میں اپنے ماموں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ افریقہ کی فتح میں شریک رہے۔ (الإصابة: 94,93/6، أسد الغابة: 130/4، الأعلام: 225/7)

نبیہ بن حجاج سہمی (م:2ھ / 624ء): نبیہ بن حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سعد بن سہم قرشی دشمن اسلام نضر بن حارث کا ساتھی اور بہت اچھا شاعر تھا۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جنھوں نے مکہ کی گھاٹیاں آپس میں تقسیم کر رکھی تھیں تاکہ لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے سے روکیں۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 102، الجمهرة لابن حزم، ص: 165، الأعلام: 9,8/8)

نسائی (215-303ھ /830-915ء): ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان نسائی رحمہ اللہ خراسان کی بستی نسا میں پیدا ہوئے۔ اس بستی کے کھنڈر آج بھی موجودہ ترکمانستان کے دارالحکومت عشق آباد کے شمال مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ حصول علم کے لیے حجاز، عراق، الجزیرہ، شام اور مصر کا سفر کیا، زیادہ تر مصر ہی میں رہے، پھر فلسطین کے شہر رملہ چلے گئے۔ نقد الرجال اور علل الحدیث میں ماہر تھے۔ ان کی کتاب السنن الصغریٰ (المجتبیٰ) کتب ستہ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ فلسطین میں وفات پائی۔ بیت المقدس میں مدفون ہوئے۔ (سير أعلام النبلاء: 125/14-135)

ولید بن مغیرہ: ابو عبد شمس ولید بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمرو بن مخزوم قریش کا سردار اور عرب کا قاضی تھا، اس لیے اسے ''العدل'' بھی

کہا جاتا تھا۔ وہ بہت مالدار تھا اور بیت اللہ کو اکیلا اپنے مال سے غلاف چڑھاتا تھا۔ ولید نے جاہلیت میں شراب حرام قرار دی تھی اور شراب نوشی پر اپنے بیٹے ہشام کو مارا تھا۔ یہ اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا۔ ہجرت کے 3 ماہ بعد فوت ہوا اور الحجون میں دفن ہوا۔ سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسی کے بیٹے تھے۔ (الأعلام : 122/8، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ولیم میور (1234-1323ھ / 1819-1905ء): ولیم میور گلاسگو (سکاٹ لینڈ) میں پیدا ہوا۔ یہ مشہور مستشرق اور مشنری تھا۔ 1837ء سے 1876ء تک ہندوستان میں بڑے بڑے مناصب پر فائز رہا۔ اس دوران میں اس نے عربی اور اسلامی تاریخ میں تخصص کیا۔ The Life of Mohamet (حیات محمد)(صلی اللہ علیہ وسلم) اور "تاریخ اسلام" (History of Islam) اس کی مشہور کتابیں ہیں۔ (الأعلام: 124/8، موسوعة المستشرقین، ص: 578)

ہارون الرشید (149-193ھ / 766-809ء): ہارون (الرشید) بن محمد (مہدی) بن ابوجعفر منصور عباسی ہاشمی قرشی رحمہ اللہ پانچویں عباسی خلیفہ تھے۔ رَے میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں رہے۔ رومیوں کے خلاف قسطنطنیہ کے جہاد میں حصہ لیا۔ 170ھ / 786ء میں اپنے بھائی ہادی کی وفات کے بعد خلافت سنبھالی۔ فقہ اور تاریخ عرب کے ماہر تھے۔ ان کا معمول تھا کہ ایک سال حج کے لیے جاتے تھے اور دوسرے سال جہاد کرتے تھے۔ ایک دن میں سو رکعت نفل نماز پڑھتے تھے۔ سخی اور کریم النفس تھے۔ طوس میں وفات پائی۔ (البدایة والنهایة: 498/1، الأعلام: 62/8)

ہشام بن عاص اُموی (م:13ھ / 634ء): ابومطیع ہشام بن العاص بن وائل بن ہاشم سہمی قرشی رضی اللہ عنہ، سابقین الاولین میں سے تھے۔ حبشہ اور مدینہ کی طرف دونوں ہجرتوں میں شریک ہوئے۔ بڑے نیک اور صالح تھے۔ اجنادین کی لڑائی میں شہید ہوئے۔ (الاستیعاب، ص: 737,736، أسدالغابة: 284,283/4، الإصابة : 424,423/6، الأعلام : 86/8)

ہشام بن مغیرہ: ہشام بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مرہ بن کعب بن لؤی قرشی مخزومی عرب کے بڑے سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ قریش، کنانہ اور ان کے حلیف واقعۂ فیل، تعمیر کعبہ یا ہشام بن مغیرہ کی موت سے تاریخ کا آغاز کرتے تھے۔ ان کے بیٹے حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ (م:18ھ / 639ء) صحابی تھے۔ ہشام حرب فجار میں بنومخزوم کے رئیس تھے۔ (الجمهرة لابن الکلبي، ص: 85,84، الأعلام: 88/8)

یزید بن معاویہ (25-64ھ / 645-683ء): ابوخالد یزید بن معاویہ بن صخر بن حرب بن امیہ اموی قرشی دمشقی شام کے قصبہ ماطرون میں پیدا ہوا۔ عہد معاویہ میں قسطنطنیہ کی بحری مہم کا امیر تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد خلیفہ بنا۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ نے اس کی بیعت سے انکار کر دیا۔ محرم 61ھ میں سیدنا حسین بن علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کا سانحہ اسی کے عہد میں پیش آیا۔ یزید کے دور خلافت میں عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ نے مراکش فتح کیا۔ دمشق میں ایک نہر بھی یزید کی طرف منسوب ہے۔ لوگ اس کے متعلق افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ یزید نے 14 ربیع الاول 64ھ کو حوران میں وفات پائی۔ اس کی مدت خلافت تین سال نو ماہ ہے۔ (سیر أعلام النبلاء : 35/4، الأعلام : 189/8، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

یعقوبی (بعد 292ھ / 905ء): احمد بن اسحاق بن جعفر بن وہب بن واضح یعقوبی بغدادی مشہور مؤرخ اور جغرافیہ دان تھے۔ انھوں نے المغرب (تیونس، الجزائر، مراکش وغیرہ) اور ہندوستان کا سفر کیا۔ مذہبی طور پر شیعہ تھے۔ ان کے اجداد خلیفہ منصور عباسی کے

حامیوں میں سے تھے۔ یعقوبی نے متعدد کتابیں تحریر کیں۔ ان میں سے ''تاریخ الیعقوبی'' زیادہ مشہور ہے۔ (تاریخ الیعقوبي: 5/1، معجم المؤلفین: 161/1، الأعلام: 95/1، المنجد في الأعلام، ص: 620)

یونس بن بکیر (م: 199ھ / 815ء): ابوبکر یونس بن بکیر بن واصل الحمال شیبانی رحمہ اللہ اہل کوفہ میں سے تھے۔ حفاظ الحدیث میں شمار ہوتے تھے۔ امام ذہبی نے کتاب المغازي انھی کی طرف منسوب کی ہے۔ (سیر أعلام النبلاء: 245/9، الأعلام: 260/8)

اماکن

اجیاد: یہ کوہ صفا سے متصل مکہ کا ایک محلّہ ہے۔ بیت اللہ کے سب سے قریب یہی محلّہ ہے۔ مؤرخین نے اجیاد کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: اجیاد کبیر اور اجیاد صغیر جسے آج کل اجیاد السد کہتے ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اجیاد میں رہتے تھے۔ (معجم البلدان، مادة: أجیاد، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ادوم: وہ ملک اور وہ لوگ جو عیسو ادوم بن اسحٰق علیہ السلام کی اولاد تھے۔ اس علاقے کو شعیر کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا جہاں ادومی جا کر بسے تھے۔ یہ بحیرۂ مردار اور خلیج عقبہ کا درمیانی علاقہ تھا جو سو میل لمبا اور 40 میل چوڑا تھا۔ آثار قدیمہ کی کھدائی سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ادوم کی سلطنت تیرھویں صدی ق م میں قائم ہوئی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں ادوم کے بادشاہ نے بنی اسرائیل کو اپنے ملک سے گزرنے کی اجازت نہیں دی۔ پھر داود علیہ السلام نے ادوم کو مطیع کیا اور سلیمان علیہ السلام نے ادوم کے شہروں عصیون جابر (عقبہ) اور ایلوت (أیلہ یا ایلات) کو جو خلیج عقبہ پر واقع تھے، بندرگاہیں بنایا جہاں سے جہاز اوفیر جا کر سونا لاتے تھے۔ ایرانیوں کے عہد میں یہ صوبہ ادومیہ کہلاتا تھا۔ 70 عیسوی کی یروشلیم کی تباہی کے بعد تاریخ سے ادوم کا نام ونشان مٹ گیا۔ (قاموس الکتاب، ص: 38) آج کل ادوم کا علاقہ زیادہ تر اردن میں شامل ہے۔

الشّیح: یہ سرزمین یمامہ کا ایک قصبہ ہے۔ اس نام کا ایک قصبہ الجزیرہ میں بھی ہے۔ (معجم البلدان، مادة: الشیح)

القیصوم: یہ قصبہ الشیحہ کے بالمقابل فید کے مشرق میں واقع ہے جو مکہ سے بصرہ جانے والی شاہراہ پر ایک اہم مقام ہے۔ (معجم البلدان، مادة: القیصومة)

اوفیر: یقطان (قحطان) کے بیٹے اوفیر کے نام پر وہ علاقہ جو اس کی اولاد کے قبضے میں تھا، اوفیر کہلاتا تھا۔ یہاں بہت سونا ہوتا تھا۔ یہاں بڑے بڑے بحری جہاز ہندوستان سے ہاتھی دانت، بندر اور مور لاتے وقت ٹھہرا کرتے تھے۔ (قاموس الکتاب، ص: 105) اوفیر کی جائے وقوع جنوب مشرقی عرب (عمان)، جنوب مغربی عرب (یمن) یا شمال مشرقی افریقی ساحل (صومالیہ) بتائی جاتی ہے۔ (NIV Study Bible, p:492)

اَشور (Asshur): اسے عربی میں ''آشور'' کہتے ہیں۔ اشوریہ (Assyria)، یعنی اشوری سلطنت کے دارالحکومت اشور کے کھنڈر دجلہ کے مغربی کنارے پر ملتے ہیں۔ اشوری سلطنت اپنے عہد عروج (669-626 ق م) میں خلیج فارس سے بحیرۂ روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ (قاموس الکتاب، ص: 61)

آئی بیریا: موجودہ اسپین اور پرتگال پر مشتمل جزیرہ نما کا قدیم نام آئی بیریا ہے۔ جزیرہ نمائے آئی بیریا یورپ کے شمال مغرب میں

واقع ہے۔ اس کے شمال میں خلیج بسکے، مغرب میں بحراوقیانوس، جنوب میں آبنائے جبل الطارق (جبرالٹر) اور جنوب مشرق میں بحیرۂ روم ہے اور شمال مشرق میں کوہستان پرینیز اسے فرانس سے جدا کرتا ہے۔ عہدِ قبل مسیح میں کارتھیج (تیونس) والوں نے آئی بیریا کو اپنی نوآبادی بنا لیا تھا حتی کہ تیسری فنیقی جنگ (Punic War III 149 تا 146 ق م) میں رومی ان پر غالب آگئے۔ چوتھی پانچویں صدی میں فسیقوطی (Visigoths) آئی بیریا پر قابض ہو گئے حتی کہ آٹھویں صدی عیسوی میں مسلمانوں (Moors) نے اسے فتح کرلیا اور پھر یہ اندلس کہلانے لگا۔ (Oxford English Reference Dic. p: 699, map: 2)

بلدح: یہ مکہ کے مغرب میں ایک ندی (وادی) ہے۔ اس کا نام وادی مکہ، مکۃ السدر، وادی ام الدوداور وادی ام الجود بھی ہے۔ یہ جبل حراء سے شروع ہوتی ہے اور مرالظہران میں ختم ہوتی ہے۔ آج کل حی الزاہر کے نام سے مشہور ہے۔ یہ حدیبیہ (شمیسی) کے شمال سے گزرتی ہے۔ (معجم البلدان، مادة: بلدح، معجم المعالم الجغرافية، مادة: بلادح)

بوانہ: ینبع کے پیچھے ایک چوٹی ہے جو بحیرۂ احمر کے ساحل کے قریب ہے۔ اس کے قریب دو چشمے ہیں جن کا نام قصیبہ اور المجاز ہے۔ (معجم البلدان، مادة: بوانة)

بُصریٰ: یہ شام (سوریہ) کا تاریخی شہر ہے اور صوبہ درعا کے مرکز درعا سے 40 کلومیٹر اور دمشق سے 140 کلومیٹر دور ہے۔ یہ شہر تاریخ میں بہت اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہ ریشم کی تجارت کا مرکز تھا۔ رسول اللہ ﷺ اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ اور بعد کے تجارتی سفر میں ادھر بھی تشریف لائے تھے۔ بحیرا راہب سے یہیں ملاقات ہوئی تھی۔ یہاں یونانی، رومی اور اسلامی آثار اب بھی موجود ہیں۔ بائبل میں اسے بُصراہ (Bozrah) کہا گیا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: بصرىٰ، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، کتاب مقدس (یرمیاہ): 24/48)

تُستر (شوشتر): یہ قدیم زمانے سے اہواز (ایران) کا ایک شہر ہے۔ فارسی میں اسے شوش اور عربی میں تُستر یا سُوشتر کہتے ہیں۔ اس کے معنی ہیں ''بہت اچھا'' (شستہ)۔ شوش سے معرب ہو کر یہ شوشتر یا تستر ہے۔ (معجم ما استعجم: 767/3) شُستر یا شوشتر (عربوں کا تُستر) ایران کے صوبہ عربستان (قدیم خوزستان) کا ایک شہر ہے جس کے مغرب کی طرف دریائے کارون بہتا ہے۔ اس شہر کی بنیاد شوش (سوسہ Susa) کی طرز پر اُسطوری بادشاہ ہوشنگ نے رکھی تھی۔ (یاد رہے شوش یا سُوس دجلہ کی معاون ندی کرخہ کے مشرق میں واقع ہے۔ اور یہ ہخامنشی دور میں سلطنت فارس کا دارالحکومت رہا۔) عہد فاروقی میں براء بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے اسے فتح کیا اور یہیں ان کا مرقد بنا۔ اُموی دور میں باغی خارجی شبیب نے تُستر کو اپنا دارالحکومت بنایا تھا۔ اُس کی وفات کے بعد حجاج نے اس پر قبضہ کرلیا۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 11/723-725، اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 471)

ثنیۃ الوداع: یہ مدینہ منورہ میں جبل سلع کے مشرقی جانب واقع ایک چوٹی ہے۔ وداع رخصت کرنے کو کہتے ہیں۔ یہاں سے مسافروں کو الوداع کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی یہاں سے کئی اصحاب کو رخصت کیا۔ آج کل اس جگہ پر مجمع الداودیہ اور خالد ہسپتال تعمیر ہوئے ہیں، یہ شہدائے احد اور عیون کی طرف جانے والے راستے پر بسوں کے اڈے (سابتکو) کے سامنے ہے۔ (معجم البلدان، مادة: ثنية الوداع، الاسلام ویب سائٹ)

جُرش: ماضی قدیم کے یمن کا یہ شہر پانچویں چھٹی صدی ہجری تک آباد تھا۔ ان دنوں اس کے کھنڈر سعودی عرب کے صوبہ عسیر میں خمیس مشیط اور ابہاء کے مغرب میں پائے جاتے ہیں۔ ابتدائی عہد اسلام میں جرش یمن منجنیق اور دبابے کی صنعت کے لیے مشہور تھا، چنانچہ

نبی ﷺ کے حکم پر خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ جُرَش سے ایک دبابہ لائے تھے جسے محاصرۂ طائف میں استعمال کیا گیا۔ آنحضرت ﷺ کے آخری ایام میں جُرَش ایک صلح نامے کے ذریعے اسلامی مقبوضات میں شامل ہوا۔ یہ چمڑے (ادیم جُرَشی) اور ناقہ جُرَشیہ کے لیے مشہور تھا۔ نبی ﷺ نے ایک خط کے ذریعے اہل جرش کو زبیب وتمر کی آمیزش سے منع فرمایا۔ جرش اردن کا ایک شہر بھی ہے جو دارالحکومت عمان سے تقریباً 48 کلومیٹر شمال میں ہے۔ اس پر صدیوں یونانیوں اور رومیوں کا تسلط رہا۔ خلافت صدیقی میں جرش اسلام کے پرچم تلے آ گیا۔ (مسند أحمد: 224/1، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 168/7، معجم البلدان، مادة: جرش، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

حطیم: حطیم سے مراد بیت اللہ کا وہ حصہ ہے جو نصف دائرے میں چھوٹی دیوار کی شکل میں ہے۔ 605ء میں قریش نے بیت اللہ کی ازسرِنو تعمیر کے لیے جو خرچ اکٹھا کیا تھا، وہ کم پڑ گیا تو انھوں نے رکن شامی اور رکن عراقی والے حصے سے تقریباً چھ ہاتھ جگہ چھوڑ دی اور نشانی کے لیے ایک چھوٹی دیوار تعمیر کر دی۔ یہ جگہ حطیم یا حِجر کہلاتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے، نبی ﷺ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''حطیم میں نماز پڑھ لو۔ یہ بھی بیت اللہ کا حصہ ہے۔'' (سنن أبي داود: 2028، السيرة لابن كثير، ص: 58,57)

حوران: سطح مرتفع حوران شام (سوریہ) کے جنوب میں مضافاتِ دمشق میں واقع ہے۔ حوران رومی اور یونانی زمانے میں یورینس کے نام سے مشہور تھا۔ تورات میں اس کا نام باشان آیا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: حوران، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

حُبَاشہ: اس کے لفظی معنی ''جمع ہونا'' ہیں۔ یہ عرب کا مشہور بازار تھا جو تہامہ میں بنوبارق کے علاقہ وادی قنونا میں منعقد ہوتا تھا۔ یہ مکہ سے یمن جانے والے راستے پر رجب کے ابتدائی آٹھ دنوں میں لگتا تھا۔ 197ھ تک یہ بازار لگتا رہا۔ (معجم البلدان، مادة: حباشة، معجم ما استعجم: 418/2)

خَمیس مُشَیط: یہ سعودی عرب کے جنوب میں صوبہ عسیر کا مرکزی شہر ہے اور کوہ سراۃ کے مشرق میں واقع ہے۔ وادی عنود اور وادی بیشہ نامی ندیاں اسی جگہ آ کر ملتی ہیں۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی 1850 میٹر ہے۔ یہ بہت سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔ ان علاقوں میں بڑے پیمانے پر کاشتکاری ہوتی ہے۔ یہاں کے پھل مشہور ہیں۔ (وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 203)

سبا (Sheba): جنوبی عرب کا ایک خطہ جس کی حدود موجودہ یمن کے مطابق تھیں۔ (قاموس الکتاب، ص: 499) تفصیلات کے لیے دارالسلام سیرت انسائیکلوپیڈیا جلد اول ملاحظہ کیجیے۔

شعیر (سعیر): یہ بحیرۂ مردار کے جنوب میں ایک پہاڑی علاقہ ہے جس کے پہلے باشندے حوری تھے لیکن عیسو (پسر اسحاق علیہ السلام) پہلے باشندوں کو نکال کر خود یہاں بس گیا۔ نیز شعیر ایک پہاڑی کا نام ہے جو یہوداہ اور بن یمین کی سرحد پر تھی۔ یہ یروشلم سے 10 میل مغرب میں تھی۔ (قاموس الکتاب، ص: 576)

غزہ: فلسطین کے جنوب میں واقع غزہ 3000 ق م کا قدیم ترین تاریخی شہر ہے۔ یہ بحیرۂ روم متوسط کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے دارالحکومت ''القدس'' کے بعد دوسرا بڑا شہر ہے۔ سطح سمندر سے 45 میٹر بلند ہے۔ غزہ کی پٹی کا کل رقبہ 2128 مربع کلومیٹر ہے۔ یہاں سے زیوس کا مجسمہ دریافت ہوا۔ مسلمانوں نے خلافتِ فاروقی میں 635ء میں اسے فتح کر لیا۔ کہا جاتا ہے کہ غزہ ایک خاتون کا نام تھا۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کے جدامجد ہاشم کی قبر ہے، اس لیے یہ شہر غزۂ ہاشم کے نام سے بھی معروف ہے۔ (معجم

البلدان، مادة: غزة، المنجد في الأعلام، ص: 391، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

قیصریہ فلپی: (بانیاس) کوہ حرمون (فلسطین) کے دامن میں ایک خوبصورت مقام ہے جہاں سے دریائے یردن (اردن) کا بیشتر پانی آتا ہے۔ اسے پرانے عہدنامہ میں بعل جد کہا گیا ہے۔ یونانیوں نے اپنے دیوتا پان کے نام پر اس کا نام پانیاس (بانیاس) رکھا۔ رومی قیصر آگسٹس (Augustus) نے یہ شہر یہودی حکمران ہیرودیس اعظم کو انعام میں دے دیا۔ اس نے یہاں اپنے محسن کے نام پر ایک مندر بنوایا۔ پھر فلپس تترارخ نے بادشاہ کے اعزاز میں اسے قیصریہ کا نام دیا اور ساحلی قیصریہ (قیساریہ) سے امتیاز کے لیے اسے قیصریہ فلپی کہا جانے لگا۔ بانیاس (قیصریہ فلپی) کو صلیبی جنگوں میں تاریخی حیثیت حاصل رہی۔ (قاموس الکتاب، ص: 762) آج کل بانیاس سوریہ (شام) کے حدود میں واقع ہے۔ (أطلس العالم، ص: 47,43,39)

لکادیپ (Laccadive Isles): جزیروں کا یہ گروہ بحرِ ہند میں واقع بھارت کا علاقہ ہے جو ہندی میں لکشادیپ کہلاتا ہے۔ یہ جزائر بھارتی ریاست کیرالا کے مغرب میں اور مالدیپ کے شمال میں واقع ہیں۔ (Oxford English Reference Dic. p: 797, map: 9)

نیقیہ: ایک قدیم یونانی شہر ہے۔ یہ شہر اسی نام کی ایک جھیل کے کنارے واقع ہے اور قدیم عثمانی دارالحکومت بُرسہ سے تقریباً 80 کلومیٹر شمال مغرب میں ہے۔ آج کل اسے ازنیق کہتے ہیں۔ (أطلس فتوحات اسلامیہ، ص: 312)

وادیِ قناۃ: یہ وادی (ندی) مدینہ منورہ اور جبل احد کے درمیان بہتی ہے۔ آگے چل کر مجمع الاسیال میں وادیِ قناۃ، وادیِ بطحان اور وادیِ عقیق اکٹھی ہو جاتی ہیں۔ اس مقام پر اسے اضم کہا جاتا ہے۔ یہ الُوجہ کے علاقے سے گزرتی ہوئی بحیرۂ احمر میں ضم ہو جاتی ہے۔ (معجم البلدان، مادة: قناة، أطلس الحديث النبوي، ص: 310، المعالم الجغرافية الواردة في السيرة النبوية: 118/1)

قبائل

بنو اصفر: ان سے مراد رومی ہیں۔ یہ روم بن عیص بن اسحاق بن ابراہیم (علیہ السلام) کی نسل سے ہیں۔ لوگ اسے زرد رنگ کی وجہ سے اصفر (گورا) کہتے تھے اور اس کی طرف منسوب لوگوں کو بنو اصفر کہا جاتا تھا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 511، فتح الباري: 56/1)

بنو عبدالاشہل: یہ اوس قبیلے کے ذیلی قبیلے بنو عبیت کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب بنو عبدالاشہل بن جشم بن الحارث بن خزرج بن عبیت ہے۔ اشہل ایک بت کا نام تھا۔ (معجم قبائل العرب: 722/2)

بنو لہب: لہب بن احجن بن کعب، ازدشنوءہ قبیلے سے تھے۔ یہ لوگ قیافہ شناسی اور کہانت کا کام کرتے تھے۔ جب لہب مکہ آتا تو قریش اپنے بچوں کو اس کے پاس لے جاتے اور وہ ان کے بارے میں پیش گوئیاں کرتا تھا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 376، الأعلام: 244/5)

بنو مدلج: یہ مدلج بن مرہ بن عبد مناۃ بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ کی طرف منسوب ہیں۔ انھیں بنو کنانہ کی شاخ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ قیافہ شناس تھے۔ مدلجی صحابہ میں سراقہ بن مالک، معن بن حرملہ اور مجزز مدلجی رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔ یہ قبیلہ مصر اور شام میں رہائش پذیر ہوا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 187، نهاية الأرب، ص: 372)

بنو معن: ان کا نسب معن بن عمرو بن عنین بن سلامان بن عمرو بن الغوث بن طے ہے۔ یہ قحطانی قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ (نہایۃ

الأرب، ص : 249، الجمهرة لابن حزم، ص :401)

بنی عبید (297-567ھ/909-1171ء): عبیداللہ المہدی نے تیونس (تونس) میں ایک سلطنت کی بنیاد رکھی جسے سلطنت بنی عبید یا فاطمیون کہا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرت فاطمہ وعلی رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہونے کا دعویدار تھا۔ 969ء میں عبیدیوں نے مصر پر قبضہ کرکے قاہرہ بسایا اور اسے اپنا دارالخلافہ بنایا۔ بعد میں شام، لبنان، فلسطین (حجاز) بھی ان کے تسلط میں آ گئے۔ صلاح الدین ایوبی نے آخری عبیدی خلیفہ العاضد لدین اللہ کو برطرف کرکے مصر کو دوبارہ عباسی خلافت کے ماتحت کر دیا۔ عبیدی عہد کی اہم یادگار جامعہ ازہر (قاہرہ) ہے۔ (المنجد في الأعلام، ص :403)

زَبید: اس نام سے مختلف قبائل مشہور ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں زبید بن صعب مذحجی کہلانی کی نسل سے ہیں۔ زبید کا اصل نام منبہ بن صعب بن سعد العشیرہ ہے۔ یہ زبید اکبر کے نام سے معروف تھا۔ ان کا اصلی مقام یمن تھا، تاہم ان میں حجازی بھی تھے جو صفراء، جحفہ اور رابغ میں رہتے تھے۔ زبید بن معن بن عمرو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھے۔ (نهاية الأرب، ص: 248، معجم قبائل العرب: 465/2، الأعلام : 42/3)

عثمانی ترک: یہ ترکمان سلاطین کا خانوادہ تھا جس کی بنیاد اناطولیہ میں 1281ء میں عثمان اول نے رکھی۔ ایشیائے کوچک (اناطولیہ) کے آخری سلجوقی حکمران علاء الدین کیقباد ثالث کی وفات (699ھ /1299ء) پر سلجوقی ورثہ اس کے داماد عثمان کو منتقل ہوگیا اور پھر عثمانی سلطنت پھیل کر ایشیا، بلقان (یورپ) اور افریقہ کے بڑے حصے پر سوا چھ سو برس تک قائم رہی۔ سلطان محمد ثانی نے 857ھ/1453ء میں قسطنطنیہ فتح کرکے ڈیڑھ ہزار سالہ رومی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ سلطان سلیم اول نے ممالیک سے نہ صرف شام، مصر اور حجاز کی حکومت حاصل کی بلکہ آخری عباسی خلیفہ محمد متوکل علی اللہ سے خلافت کا منصب بھی لے لیا۔ دوسرا عثمانی خلیفہ سلطان سلیمان (اعظم) قانونی (926-974ھ /1520-1566ء) سلطنت عثمانیہ کا عظیم ترین حکمران تھا۔ اس کی سلطنت سوڈان اور الجزائر سے لے کر کریمیا (یوکرین) اور ہنگری تک وسیع تھی۔ سترھویں صدی عیسوی کے اواخر سے عثمانی سلطنت کمزور پڑنے لگی۔ انیسویں صدی میں مصر، یونان، رومانیہ سربیا اور بلغاریہ الگ ہوگئے۔ پہلی جنگ عظیم (1914-18ء) میں عثمانیوں نے جرمنی کا ساتھ دیا جس کے نتیجے میں عثمانی سلطنت بکھر گئی اور بچے کھچے علاقے (ترکی) میں 1341ھ /1923ء میں اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا نے جمہوریت قائم کرنے کا اعلان کیا اور اگلے سال رجب 1342ھ / مارچ 1924ء میں خلافت کا خاتمہ کر دیا۔ (المنجد في الأعلام، ص :372، أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص :237-240)

متفرقات

استلام: حجر اسود کے استلام سے مراد یہ ہے کہ اسے چھوا جائے اور بوسہ دیا جائے۔ (صحيح البخاري: 1611، صحيح مسلم: 1270) اگر بھیڑ ہو اور یہ ممکن نہ ہو تو اسے ہاتھ سے چھو کر ہاتھ کو بوسہ دیا جائے۔ (صحيح مسلم: (246)- 1268) اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کسی لاٹھی وغیرہ سے چھو کر اسے بوسہ دے دیا جائے۔ (صحيح البخاري: 1607، صحيح مسلم: 1275) اگر ایسا کرنا بھی ممکن نہ ہو تو محض اس کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔ (مزید دیکھیے: فتح الباري: 597/3)

اوقیہ: یہ جزیرہ نمائے عرب میں استعمال ہونے والا ایک وزن ہے۔ اس کی مقدار بالاتفاق 40 درہم (119 گرام) ہے۔ (المكاييل

والموازين الشرعية لعلي جمعة محمد، ص :20)

بخور: دھونی، لوبان وغیرہ جس سے دھونی دی جائے۔ (قاموس الوحید، مادۃ: بخر)

بلسان: عربی لفظ ''بلسم'' یا ''بلسان'' یونانی میں ''بلسم'' تھا جو عبرانی ''بعل شمین'' (بعل: آقا، سردار۔ شمین: تیل، یعنی تیلوں کا سردار) سے ماخوذ ہے۔ یہ جلعاد (اردن) کے علاقے میں کسی درخت کے روغن یا گوند سے تیار کیا جاتا تھا۔ یہ غالباً اس مسالہ کے اجزاء میں سے تھا جو مصری لاش کو محفوظ رکھنے کے لیے استعمال کرتے تھے۔ (قاموس الکتاب، ص:1006,1005)

مُرّ : ایک جھاڑی کا گوند تھا جو مسح کرنے کے تیل کا ایک جز تھا، نیز یہ ایک ہر دلعزیز خوشبو بھی تھی۔ (قاموس الکتاب، ص:1013)

سلجوقی ترک: ترکوں کے ترکمان خانوادے کے حکمران کا جدّ امجد سلجوق تھا۔ سلجوقیوں نے گیارھویں اور تیرھویں صدی کے درمیان ایران، ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی)، عراق اور شام پر حکومت کی۔ سلاجقہ کبار (1037ء - 1157ء) کی سلطنت کا بانی طغرل بیگ تھا جس نے ایران و عراق سے شیعہ آل بُویہ کے اقتدار کا خاتمہ کر کے عباسی خلافت میں اہل سنت کا کردار بحال کیا۔ سلطان الپ ارسلان، ملک شاہ اور سنجر اس خاندان کے مشہور حکمران تھے۔ انھی میں سے سلاجقۂ شام (1094 - 1117ء)، سلاجقۂ عراق (1117 - 1194ء) اور سلاجقۂ روم (1077-1300ء) حکمران رہے۔ (المنجد في الأعلام، ص :304,303)

شائیلاکی سودی نظام: یہود کی سودخوری کی ذہنیت کو مشہور انگریز ڈراما نویس ولیم شیکسپیئر (1564 - 1616ء) نے اپنے ڈرامے وینس کا سوداگر (Merchant of Venice) میں بڑی خوبی سے عیاں کیا ہے۔ شائیلاک نامی یہودی اس ڈرامے کا معروف کردار ہے جو انٹونیو کو قرض دیتے وقت یہ شرط رکھتا ہے کہ اگر تم معینہ وقت کے اندر قرض واپس نہ کر سکے تو تمھیں اپنے جسم کا ایک پونڈ گوشت مجھے دینا ہوگا۔ (Oxford English Reference Dictionary, P:1344)

شعریٰ: یہ ستارہ سہیل نامی ستارے کے ساتھ برج جوزاء کے بعد طلوع ہوتا ہے۔ شعریٰ اصل میں دو ستارے ہیں: شعریٰ شامیہ (غمیصاء) اور شعریٰ یمانیہ (عبور)۔ یہاں شعریٰ (SIRIUS) یمانیہ مراد ہے۔ اس کا ذکر سورۂ نجم (49:53) میں بھی آیا ہے۔ قبیلہ خزاعہ اور حمیر اس کی عبادت کرتے تھے۔ اسے کلب الجبار اور المرزم بھی کہتے ہیں۔ یہ شدید گرمی کے موسم میں نکلتا ہے۔ اور دوسرے ستاروں سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ صبح کے وقت طلوع فجر کے بعد بھی چمکتا رہتا ہے۔ (دیکھیے: تفسير القرطبي، تفسير نظم الدرر، تفسير البغوي، النجم 49:53)

قیراط: قیراط درہم کے بارھویں حصے کو کہتے ہیں۔ یہ جواہرات اور سونے کے لیے وزن کی اکائی ہے۔ یہ یونانی زبان کے لفظ keration (کیرائیون) سے مشتق ہے جو کہ carob (کیروب) نامی درخت کا بیج ہے۔ (Oxford English Reference Dictionary, p:218)

کاہن (Priest): کاہن انگریزی لفظ Priest (پادری) کا عربی مترادف ہے۔ یہ یونانی لفظ Presbyteros سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ''بزرگ'' ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں عبرانی لفظ کوہین Kohen یعنی کاہن کا مطلب تھا: ''غیب بین'' اور ''ایسا شخص جس کا تعلق الٰہی باتوں سے ہو۔'' لیکن بائبل میں یہ لفظ ''مذہب کا خادم'' کے معنوں میں مستعمل ہے۔ کاہنوں کے سلسلے کا آغاز ہارون (علیہ السلام) اور ان کے خاندان (بنولاوی) سے ہوا (خروج: 28)۔ پھر لاوی کے قبیلے کو کاہنوں کے قبیلے کے طور پر چنا گیا۔

(گنتی 8)۔ (قاموس الکتاب، ص:769)

عُود (Oud): ایک درخت کا نام ہے۔ اس کی لکڑی خوشبودار ہوتی ہے جس کا عطر بستر اور پوشاک کو معطر کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:1011) عربی اور اُردو بائبل میں عودُ ہی درج ہے مگر انگریزی بائبل (NIV Study Bible) میں عود کو Aloe (کنوارگندل) بنا دیا گیا ہے۔

عیفہ (Ephah): مدیان بن ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے کا نام ہے۔ (کتاب مقدس (پیدائش) 25:4-6) اس سے مراد بنو عیفہ یا مدین کا علاقہ ہے۔

لُبان یا لوبان (عبرانی لبونا، عربی اللُّبان، Incense): یہ ایک درخت کی خوشبودار گوند ہے۔ یہ اس پاک بخور کا ایک جزو تھا جو خیمۂ اجتماع میں استعمال کی جاتی تھی۔ لُبان کا درخت عرب، حبش اور ہندوستان میں کثرت سے پایا جاتا ہے۔ (قاموس الکتاب، ص:1013)

ممالیکِ مصر: یہ ترکوں کے غلام تھے جن میں قفقاز کے چرکسی اور منگول شامل تھے۔ ایوبی سلاطین نے انھیں عسکری خدمات سونپیں اور آخرکار وہ مصر و شام کے اقتدار پر قابض ہوگئے۔ ممالیکِ بحریہ (1253 - 1382ء) میں بیبرس الظاہر اور قلاوون المنصور صلیبیوں کا قلع قمع کرنے کے باعث مشہور ہوئے۔ بغداد میں عباسی خلافت کے خاتمے کے بعد بیبرس نے 659ھ /1261ء میں قاہرہ میں عباسی خلافت کا از سرِ نو اجرا کیا۔ ممالیک برجیہ (1382 - 1517ء) کا بانی سلطان برقوق تھا۔ بالآخر سلطان سلیم عثمانی نے 923ھ /1517ء میں ممالیک کو شکست دے کر شام و مصر اور حجاز پر قبضہ کر لیا اور خلافت عثمانیوں کی طرف منتقل ہوگئی۔ (المنجد في الأعلام، ص: 546، أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص:174,173)

موحّدین (515-668ھ /1169-1269ء): خاندان موحدین کی بنیاد بربروں کے مشہور بزرگ محمد (المہدی) ابن تومرت نے رکھی تھی۔ وہ توحید پر بہت زور دیتے تھے، اس لیے یہ لوگ موحدین کہلائے۔ عبدالمومن نے مرابطون کو شکست دے کر 1146ء میں ان کے دارالحکومت مراکش پر قبضہ کر لیا۔ 1145-50ء میں ہسپانیہ (اندلس)، 1152ء میں الجزائر اور 1158ء میں تیونس فتح کر لیا۔ ابویعقوب یوسف اور ابویوسف یعقوب المنصور موحدین کے باجبروت حکمران تھے۔ سپین کے مسیحی بادشاہوں نے جنگ تلسہ (عربوں کی جنگ عقاب 16 جولائی 1212ء) میں موحدین کے امیر المومنین ابوعبداللہ محمد الناصر کو فیصلہ کن شکست دی جس کے بعد 1236ء میں قرطبہ اور 1249ء میں اشبیلیہ مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گئے۔ محرم 868ھ/ ستمبر 1269ء میں بنومرین نے مراکش پر قبضہ کر کے موحدین کی سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ:21/732-738، انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم:1/37)



سیرت انسائیکلوپیڈیا ﷺ

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے "اسوۂ حسنہ" ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کے اس ہجوم نجوم میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا "اللؤلؤ المکنون" اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی دوسری جلد ہے۔ اس میں آپ کو رسالت مآب سیدنا محمد ﷺ کے حسب نسب اور اجداد کرام کے سلسلۃ الذہب کی پوری تفصیلات ملیں گی۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا سردار عبدالمطلب، والد ماجد عبداللہ اور والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہب کے حالات کے بعد آپ ﷺ کی ولادت باسعادت، رضاعت، ختنہ، لڑکپن، واقعۂ شق صدر کے ساتھ ساتھ بچپن ہی سے آپ ﷺ کی بتوں اور برائیوں سے نفرت کا حال پڑھیں گے۔ پھر آپ ﷺ کی دیانت، صداقت، سخاوت اور شجاعت کی بے مثل خوبیوں، پاکیزہ جوانی، تجارت، آپ ﷺ کی شخصیت کے بے مثل کرشموں اور سیدہ خدیجہ ؓ سے شادی کے حالات و واقعات سے آگاہ ہوں گے۔ بعد ازاں تورات، زبور، اناجیل اور دیگر صحائفِ سماوی کے علاوہ ایرانیوں، رومیوں، پارسیوں، مجوسیوں اور ہندوؤں کی مذہبی کتابوں میں موجود وہ عظیم بشارات پڑھیں گے جو نبی ﷺ کی بعثت کے متعلق وارد ہوئیں اور جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ہی عالم انسانیت کے رہبر اعظم ہیں اور اب آپ ﷺ ہی کی ذاتِ بابرکات اور فکر و عمل قیامت تک کے انسانوں کے لیے وثیقۂ سعادت و ہدایت رہے گا۔

دارُالسّلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9 786035 000956

اللؤلؤ المکنون

جلد سوم

سیرت انسائیکلوپیڈیا

- خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت اور دعوتِ اسلام
- نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وحشیانہ مظالم اور ہجرتِ حبشہ
- شعبِ ابی طالب کے صبر آزما ایام
- ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات حسرت آیات
- غلبہ اسلام کی پیش گوئی اور بیرون مکہ نورِ اسلام کی ضیا پاشیاں

دار السلام
ریسرچ سنٹر

DARUSSALAM

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

3

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے

اللؤلؤ المکنون

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

- خاتم النبیین محمد ﷺ کی بعثت اور دعوتِ اسلام
- نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر وحشیانہ مظالم اور ہجرتِ حبشہ
- شعبِ ابی طالب کے صبر آزما ایام
- ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور ابو طالب کی وفات حسرت آیات
- غلبہ اسلام کی پیش گوئی اور بیرون مکہ نورِ اسلام کی ضیاپاشیاں

3

نگران اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف وتالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی　　مولانا تنویر احمد

حافظ عبداللہ ناصر مدنی　　حافظ اقبال صدیق

تصحیح وتنقیح ونظرثانی

مولانا ارشاد الحق اثری　　جناب محسن فارانی　　مولانا محمد خالد سیف

دارالسلام
DARUSSALAM

اَللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْن

سیرتِ انسائیکلوپیڈیا

علی صاحبہا الصلاۃ والسلام

بعثتِ نبوی، اعلانِ حق
کی پاداش میں رسول اللہ ﷺ پر ظلم وستم،
فدویتِ حق پر صحابہ کرام پر مجنونانہ تعذیب وتشدد،
رنج والم کی گھٹائیں، ہجرت حبشہ اور
بیرونِ مکہ اسلام کا اُجالا

جلد 3

نگرانِ اعلیٰ: عبدالمالک مجاہد

تصنیف و تالیف

حافظ محمد ابراہیم طاہر کیلانی
(ایم اے اسلامیات، فاضل مدینہ یونیورسٹی)

مولانا تنویر احمد
(فاضل علوم اسلامیہ)

حافظ اقبال صدیق
(فاضل مدینہ یونیورسٹی)

حافظ عبداللہ ناصر مدنی
(فاضل علوم اسلامیہ)

تصحیح و تنقیح/نظر ثانی

مولانا ارشاد الحق اثری
(فاضل علوم اسلامیہ، معروف مؤلف و محقق)

جناب محسن فارانی
(ایم اے اردو، ماہر تاریخ، جغرافیہ ولسانیات)

مولانا محمد خالد سیف
(ر) ریسرچ سکالر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد

معاونت

جناب احمد کامران
(سینئر صحافی و ماہر اردو زبان و ادب)

ڈیزائننگ و کمپوزنگ

محمد صفت الٰہی
(آرٹ ڈائریکٹر)

ہارون الرشید
(گرافک ڈیزائنر)

زاہد محمود
(ڈیزائنر/السٹریٹر)

عبدالخالق
(کمپوزر)

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پرنس عبدالعزیز بن جلاوی سٹریٹ پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب
فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659 www.darussalamksa.com
Email: darussalam@awalnet.net.sa info@darussalamksa.com

الریاض • العلیا فون: 00966 1 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 00966 1 4735220 فیکس: 4735221
• سویدی فون: 00966 1 4286641 • سہلم فون/فیکس: 00966 1 2860422

جدہ فون: 00966 2 6879254 فیکس: 6336270 مدینہ منورہ فون: 00966 4 8234446,8230038 فیکس: 04 8151121

الخبر فون: 00966 3 8692900 فیکس: 00966 3 8691551 خمیس مشیط فون/فیکس: 00966 7 2207055

شیخ الخبر فون: 0500887341 فیکس: 8691551 قصیم (بریدہ) فون: 0503417156 فیکس: 00966 6 3696124

امریکہ • نیویارک فون: 001 718 625 5925 • ہیوسٹن: 001 713 722 0419 کینیڈا • نصیر الدین الخطاب فون: 001 416 4186619

لندن • دارالسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لمیٹڈ فون: 0044 20 77252246-0044 20 85394885 • دارالسلام برمنگھم: 0044 0121 7739309

متحدہ عرب امارات • شارجہ فون: 00971 6 5632623 فیکس: 5632624 فرانس فون: 0033 01 480 52928 فیکس: 0033 01 480 52997

انڈیا • دارالسلام انڈیا فون: 0091 44 45566249 موبائل: 0091 98841 12041 • اسلامک بکس انٹرنیشنل فون: 0091 22 2373 4180
• ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرز فون: 0091 40 2451 4892 موبائل: 0091 98493 30850 • ایم اے شریک انٹرپرائز فون: 0091 44 42157847

سری لنکا • دار الکتاب فون: 0094 115 358712 • دارالایمان ٹرسٹ فون: 0094 114 2669197

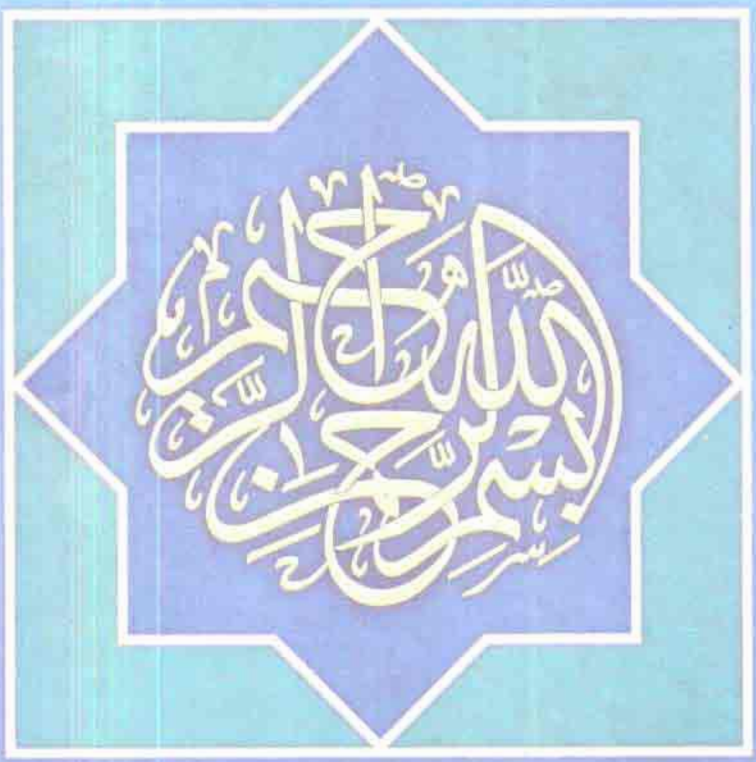
پاکستان ہیڈ آفس و مرکزی شوروم

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور فون: 00 4. 32 372 ,24 400 372 ,34 240 373 42 0092 فیکس: 042 373 540 72
• غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0092 42 371 200 54 فیکس: 042 373 207 03
• Y بلاک، گول کمرشل مارکیٹ، دکان: 2 (گراؤنڈ فلور) ڈیفنس، لاہور فون: 0092 42 356 926 10

کراچی مین طارق روڈ، ڈالمین مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی کراچی فون: 0092 21 343 939 36 فیکس: 0092 21 343 939 37

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 0092 51 22 815 13
info@darussalampk.com | www.darussalapk.com

ⓒ مكتبة دار السلام، ١٤٣٣ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
مكتبة دار السلام
موسوعة السيرة النبوية - الجزء الثالث / مكتبة دار السلام - الرياض، ١٤٣٣ هـ (النص باللغة الاردية)
ص: ٥١٨ مقاس: ١٧×٢٤ سم
ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-١٢١-٢
١. السيرة النبوية أ. العنوان
ديوي ٢٣٩ ١٤٣٣/٥٢٩٣
رقم الإيداع: ١٤٣٣/٥٢٩٣
ردمك: ٩٧٨-٦٠٣-٥٠٠-١٢١-٢



اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى

مُحَمَّدٍ

وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ

وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ

كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ

اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

صحيح البخاري : 3370 — صحيح مسلم : 405-407

مدحت النبی ﷺ

وَأَحْسَنُ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِي
وَأَجْمَلُ مِنْكَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيْبٍ
كَأَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَاءُ

اور آپ کی ذاتِ اقدس سے زیادہ حسین میری نگاہ نے کبھی کوئی دیکھا ہی نہیں
اور آپ سے زیادہ حسن و جمال والا کبھی کسی ماں نے جنا ہی نہیں
آپ ہر قسم کے عیب سے پاک صاف پیدا کیے گئے ہیں
گویا آپ کی ذاتِ اقدس کو آپ کے منشا کے عین مطابق بنایا گیا ہے

باب:1	بعثتِ نبوی	23
باب:2	علانیہ دعوت وتبلیغ	141
باب:3	تبلیغِ اسلام سے روکنے کے ناکام حربے	177
باب:4	رحمت للعالمین ﷺ پر مشرکین کے مظالم	229
باب:5	صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشرکینِ مکہ کی ستم رانیاں	271
باب:6	ہجرت حبشہ	309
باب:7	فروغِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیشگوئی	357
باب:8	غم والم کے گہرے سائے	395
باب:9	بیرونِ مکہ دعوتِ اسلام	433

فہرست

باب: 1

بعثت نبوی

ظلمت زار جہاں میں تجلیات نبوت 26

▪ بعثت نبوی کے لیے عرب کا انتخاب کیوں؟ 30

آفتاب نبوت کی ضیا باریاں 33

▪ غار حراء 33

▪ نبی ﷺ کی خلوت نشینی 33

▪ غار حراء میں عبادت کی کیفیت 34

▪ شجر و حجر کا سلام کرنا 37

▪ جنوں کے لیے آسمان کے دروازے مسدود 38

▪ تحقیقِ حال کو جانے والے جن مسلمان ہو گئے 41

▪ بعثتِ نبوی کا آوازہ 43

▪ نبی ﷺ کے سچے خواب 44

▪ بعثت کے وقت نبی ﷺ کی عمر اور تاریخ 46

▪ جبریل علیہ السلام کی آمد 47

▪ ① پہلی وحی کا نزول 49

▪ ② سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فراست 50

▪ ③ رسالت وہبی منصب ہے 50

▪ ④ **ما أنا بقارئ** 51

▪ ⑤ ناموسِ الٰہی 53

▪ ⑥ مکہ مکرمہ سے نبی ﷺ کی محبت 53

▪ ⑦ باطل پرستوں کی اہلِ حق سے دشمنی 54

▪ ⑧ ورقہ بن نوفل 55

وحی الٰہی کی معجز نمائیاں 56

▪ وحی کی بندش، پوشیدہ حکمتیں اور آغاز نو 56

▪ يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ — يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ 57

▪ نزولِ وحی کی کیفیات 60

▪ نماز: دینِ اسلام کا اساسی رکن 62

▪ نماز کی فرضیت اور اولین ہیئت 66

▪ آغازِ اسلام میں نمازوں کی تعداد 67

تبلیغ رسالت 69

- تبلیغِ رسالت کے مراتب و مراحل 69
  - پہلا مرحلہ 70
  - دوسرا مرحلہ 70
  - تیسرا مرحلہ 70
  - چوتھا مرحلہ 70
- دعوتِ دین کے مراحل موجودہ دور میں 70
- دعوت نبوی کے آغاز میں راز داری کا سبب 71
- خفیہ دعوت 72

اولین مسلمان 73

- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا 74
- بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم 74
- سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ 74
- سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ 79
- سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما 81
- سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ 81
- سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 85
- سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ 89
- ابتدائی مسلمانوں کی درسگاہ دارارقم 89
- دارارقم کو مرکز بنانے کے اسباب 90
- دارارقم بعد کے ادوار میں 90
- سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ 92
- سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ 94
- سیدنا سعید بن زید اور سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہما 95
- سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ 96
- سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ 98
- سیدنا ابوحُذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ 100
- سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ 100
- سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ 102
- سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ 103
- سیدنا قُدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ 105
- سیدنا عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ 105
- سیدنا سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ 106
- سیدنا سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما 106
- سیدنا عامر بن ربیعہ عنزی عدوی رضی اللہ عنہ 106
- سیدنا ابوسبرہ بن ابورُہم رضی اللہ عنہ 107
- سیدنا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ 107
- سیدنا جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ 108
- سیدنا عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ 108
- سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ 109

- سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ 110
- سیدنا مُطّلِب بن ازہر اور سیدنا طلیب بن ازہر رضی اللہ عنہما 112
- سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ 112
- سیدنا عیاش اور سیدہ اسماء بنت سلامہ رضی اللہ عنہما 115
- سیدنا خُنَیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ 116
- سیدنا حاطب اور سیدہ فاطمہ بنت مُجَلَّل رضی اللہ عنہما 116
- سیدنا حطاب اور سیدہ فُکَیْہَہ بنت یسار رضی اللہ عنہما 117
- سیدنا معمر بن حارث رضی اللہ عنہ 117
- سیدنا سَلِیط بن عمرو رضی اللہ عنہ 118
- سیدنا سَکْران بن عمرو رضی اللہ عنہ 118
- سیدنا عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ 119
- سیدنا مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ 119
- سیدنا واقِد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ 120
- سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ 120
- سیدنا عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ 122
- سیدنا عاقل، خالد، ایاس اور عامر رضی اللہ عنہم 123
- سیدنا یاسر بن عامر اور سیدہ سُمَیَّہ بنت خُبّاط رضی اللہ عنہما 124
- سیدنا عمّار بن یاسر رضی اللہ عنہ 125
- سیدنا صُہیب رومی رضی اللہ عنہ 126
- نقشہ: سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا اغوا اور مکہ آمد 127
- سیدنا عُمَیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ 128
- سیدنا خبّاب بن اَرَت رضی اللہ عنہ 129
- سیدنا عمرو بن عَبَسہ رضی اللہ عنہ 130
- عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمان نبوی 131
- سیدنا نُعیم بن عبداللہ نحام رضی اللہ عنہ 131
- سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا 132
- سیدہ اسماء بنت عُمَیس رضی اللہ عنہا 133
- سیدہ اُمّ ایمن رضی اللہ عنہا 134
- سیدہ لُبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا 135
- سیدہ زِنّیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا 136
- سیدہ نَہدیہ رضی اللہ عنہا 136
- سیدہ اُمّ عُبَیس رضی اللہ عنہا 136
- قریش کو تبلیغِ اسلام کی اجمالی خبر 137
- جنوں کا قبولِ اسلام 137
- نقشہ: جنوں کا سفر نصیبین (الجزیرہ) تا مکہ 140

باب: 2

علانیہ دعوت و تبلیغ

- سرِعام دعوتِ اسلام 144
- قریبی عزیزوں کو تبلیغ کا حکم 145
- اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے غور و فکر 146

- بنوعبدالمطلب کو دعوتِ حق دینے کے لیے ضیافت 146
- ابوطالب کی حوصلہ افزائی اور ابولہب کی ہرزہ سرائی 150
- دعوت عام کا حکم 151
- کوہِ صفا پر اسلام کی طرف پکار 151
- ابولہب کے لیے وعید 154
- لات وعزیٰ کے پرستار ابولہب کا مخالفانہ گھمنڈ 155
- دعوتِ اسلام پر مشرکینِ مکہ کا ردِ عمل 155
- میلوں اور منڈیوں میں تبلیغ و دعوت 158
- ابوطالب کا طرزِ عمل اور ابولہب کا کردار 160
- بت پرستی کی مذمت 161
- ابوطالب کے پاس وفدِ قریش کی آمد 161
- بارگاہِ الٰہی سے رسول اللہ ﷺ کو سلام 162
- عقبہ بن ابی مُعَیط کو دعوت اسلام 163
- ابوجہل کو اسلام کی دعوت 164
- محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ابوجہل کی حیرانی 165
- اسلام کے بارے میں مشرکینِ مکہ کا ردِ عمل 166
- اللہ عزوجل کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ 167
- رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشرکین کا موقف 168
- بشریتِ رسول ﷺ پر اعتراض 169
- محمد ﷺ کی رسالت پر دیگر اعتراضات 171
- آخرت کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ 174
- قرآن حکیم کے بارے میں مشرکین مکہ کا موقف 176
- نزولِ قرآن پر اعتراض 176

باب: 3

تبلیغِ اسلام سے روکنے کے ناکام حربے

قریشِ مکہ کی سازشیں 180

- ابو طالب کے پاس دوسرے قریشی وفد کی آمد 180
- نبی ﷺ کی حمایت میں ابوطالب کے اشعار 182
- ابوطالب کے پاس تیسرے قریشی وفد کی آمد 183
- مطعم بن عدی کا ابوطالب کو مشورہ 184
- ابوطالب کا اپنے حلیفوں سے گلہ 185
- عتبہ بن ربیعہ کی پُرکشش تجاویز 186
- کفارِ قریش کو عتبہ کی نصیحت 189
- عتبہ کو ابوجہل کے طعنے 190
- دشمنِ اسلام ولید بن مغیرہ 191
- ولید بن مغیرہ کا اعترافِ صداقت 192
- ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ پر ابوجہل کا احمقانہ تبصرہ 194
- کلدہ بن اسید کی جہالت 194
- حاجیوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کی سازش 195

نقشہ: حج کے راستے 197

- نبی ﷺ سے دور رکھنے کے لیے ابوجہل کا حربہ 199
- رؤسائے قریش کا قرآن سننا اور دوسروں کو روکنا 200
- اخنس کا قرآن کے بارے میں ابوسفیان سے سوال 201
- اخنس کا قرآن کے بارے میں ابوجہل سے استفسار 201
- معتدل آواز سے قرآن پڑھنے کی حکمت 202
- قرآن کی باآواز بلند تلاوت سے روکنا 204
- کفار کے باطل دعوے پر قرآن کا مسکت جواب 205
- کفار کو قرآن جیسا کلام پیش کرنے کا کھلا چیلنج 206
- نضر بن حارث کی اسلام دشمنی کے نت نئے طریقے 208
- نضر بن حارث کا دوسرا حربہ 209
- ولید بن مغیرہ کی حسرت 210
- کفار قریش کی طرف سے بے ادبی کا فیصلہ 211
- سودے بازی کی پیشکش 211
- نبی ﷺ کو لالچ دینے کے لیے کفار کا اجتماع 213
- عبداللہ بن ابی امیہ کی جاہلانہ تکرار 219
- کوہ صفا کو سونا بنانے کا مطالبہ 219
- کفار قریش کا یہود مدینہ سے صلاح مشورہ 220
- رسول اللہ ﷺ سے قریش کے سوالات 221
- مشرکین کے سوالات کا جواب 222
- کفار کو ترجیح دینے پر اللہ کی ناراضی 225
- سردارانِ قریش کا حقارت آمیز تبصرہ 226

باب: 4

رحمۃ للعالمین ﷺ پر مشرکین کے مظالم

مشرکین کی اسلام دشمنی کے اسباب 232
- رؤسائے مکہ 232
- اقتدار کا چراغ گل ہو جانے کا خطرہ 233
- آباء و اجداد کی تقلید 233
- باطل عقائد و نظریات کی تردید 234
- عقیدۂ آخرت 234
- جاہ و حشمت کے لیے خاندانی رقابت 235
- اسلام کا اعلیٰ اخلاقی نظام 235
- مساوات سے نفرت 235
- بشر کی نبوت سے انکار 235

دشمنانِ رسالت اور ان کے مذموم ہتھکنڈے 237
- رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین مخالفین 237
- اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی تلقین 239
- سب وشتم اور استہزا 240
- رسول اللہ ﷺ کے پڑوسیوں کی سفاکیاں 243
- رخ انور پر مٹی پھینکنے کی جسارت 244
- راستے میں کانٹے بچھا دیے گئے 245

- نبیِ اکرم ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق 247
- عتبہ کی گستاخی اور اس کا انجام 247
- ام جمیل کی ابوسفیان سے فریاد 248
- ابولہب کی گستاخانہ جسارت 249
- ام جمیل کا طعنہ 250
- زمعہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا 251
- ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا 251
- نبیہ اور منبہ کی واہیات باتیں 252
- حارث بن قیس سہمی کی بدگوئی 252
- امیہ بن خلف کی زیادتیاں 253
- اخنس بن شریق کے گھناؤنے خصائل 253
- عاص بن وائل کا استہزا 254
- نضر بن حارث اور عبداللہ بن زِبَعْرٰی کا جھگڑا 254
- رسول اللہ ﷺ سے ابوجہل کا مذاق 257
- نبیِ اکرم ﷺ کو لہولہان کر دیا 258
- نبی ﷺ پر حملہ اور اسلام کا پہلا شہید 259
- نبی ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ 259
- اجتماع قریش کے موقع پر جبریل امین کی آمد 260
- نماز سے روکنے کی جسارت 260
- نماز کے دوران حملہ آور ہونے کا انجام 261
- شانۂ مبارک پر غلاظت رکھ دی 262
- عقبہ بن ابی معیط کی گھناؤنی کارروائی 263
- پتھر مار کر ہلاک کرنے کی سازش 263
- رکیک جملوں پر رسول اللہ ﷺ کی بردباری 264
- عقبہ بن ابی معیط کی سفاکی 265
- ابوقیس بن فاکہ 266
- مالک بن طلاطلہ 266
- ابی بن خلف جمحی 266
- نبیِ اکرم ﷺ کے قتل کے لیے بنومخزوم کا اتفاق 267
- نبی ﷺ کو قتل کرنے کی ایک اور مذموم کوشش 268
- بنوامیہ کے ناپاک ارادے 269
- ابوجہل نے نبیِ اکرم ﷺ کو زخمی کر دیا 269
- ابوجہل کے خلاف حمزہ رضی اللہ عنہ کی انتقامی کارروائی 270

باب: 5

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر قریش مکہ کی ستم رانیاں

- صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر قریش مکہ کے لرزہ خیز مظالم 274
- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ تشدد 280
- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر عتبہ بن ربیعہ کا تشدد 280
- نبی ﷺ کا دفاع کرتے ہوئے ابوبکر رضی اللہ عنہ پر تشدد 283
- ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت علی رضی اللہ عنہ کی زبانی 283

- عثمان بن عفان ؓ پر ظلم 284
- امام المؤذنین بلال ؓ پر کفار مکہ کا تشدد 284
- بلال حبشی ؓ تپتے ہوئے سنگریزوں پر 285
- بلال ؓ کو بھوکا رکھا جاتا تھا 286
- تشدد کے باوجود بلال ؓ کی صدائے اَحد اَحد 286
- گلے میں رسی ڈال کر بلال ؓ کو گھسیٹا جاتا 286
- ابوبکر ؓ نے بلال ؓ کو آزاد کرایا 287
- بلال ؓ کے بارے میں عمر ؓ کا ارشاد 287
- آل یاسر ؓ پر قریش مکہ کے مظالم 287
- خاندانِ یاسر کی اسلام میں سبقت 288
- آلِ یاسر کو جنت کی خوشخبری 288
- یاسر اور سمیہ ؓ کی شہادت 289
- عمار بن یاسر ؓ کو آگ سے داغا گیا 289
- عمار ؓ کی کسمپرسی 289
- عمار ؓ کی پریشانی اور نبیِ مکرم ﷺ کا دلاسا 290
- مصعب بن عمیر ؓ کی آزمائش 290
- مصعب ؓ کو گھر سے نکال دیا گیا 291
- مصعب ؓ زندان میں 291
- مصعب ؓ کی کھال اُدھڑ گئی 291
- خباب بن اَرت ؓ پر تشدد 292
- خباب ؓ عمر ؓ کے سامنے 293
- عاص بن وائل کی زیادتی 293
- خباب ؓ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں 294
- خباب ؓ شدتِ الم میں 295
- علی ؓ کی گواہی 295
- صہیب رومی ؓ پر قریش مکہ کا تشدد 296
- ہجرت کرنے پر صہیب ؓ کا تعاقب 296
- عامر بن فہیرہ ؓ پر عتاب 296
- زبیر بن عوام ؓ پر ظلم 297
- سعد بن ابی وقاص ؓ کی انوکھی آزمائش 297
- بیٹے کو مرتد کرنے کے لیے ام سعد کی بھوک ہڑتال 297
- حکم الٰہی کے سامنے ماں کا حکم مسترد 298
- عبداللہ بن مسعود ؓ پر قریش مکہ کا تشدد 299
- مشرکینِ مکہ ابوذر غفاری ؓ پر ٹوٹ پڑے 300
- خالد بن سعید ؓ کی آزمائش 300
- عثمان بن مظعون ؓ پر امیہ بن خلف کا جبروستم 301
- عثمان بن مظعون ؓ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں 302
- مسلمانوں پر ظلم کی انتہا اور اللہ ہی کی پناہ پر اکتفا 302
- عثمان ؓ کی بزمِ لبید میں تشریف آوری 303
- عثمان ؓ کو اذیت رسانی اور ان کا صبر 303

- ولید بن مغیرہ کی دوبارہ پناہ دینے کی پیش کش 304
- سعد رضی اللہ عنہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا 304
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید کے مصرع کی تصدیق فرمائی 304
- ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ تشدد 305
- عمر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں لبینہ رضی اللہ عنہا کی پٹائی 306
- زنّیرہ رضی اللہ عنہا پر مصائب 306
- نہدیہ اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کی آزمائش 307
- حمامہ ام بلال رضی اللہ عنہا 307
- غلاموں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حسن سلوک 307

باب: 6

ہجرتِ حبشہ

پہلی ہجرتِ حبشہ 312

نقشہ: ہجرتِ حبشہ 314

- قرآن مجید میں ہجرت کے اشارات 315
- ہجرتِ حبشہ کے اسباب 316
- ہجرت کے لیے ملکِ حبشہ کا انتخاب کیوں؟ 317
- ہجرت حبشہ کی تاریخ 318
- مہاجرینِ حبشہ کے اسمائے گرامی 318
- مشرکینِ مکہ کی طرف سے مہاجرین کا تعاقب 320

نقشہ: شاہ حبشہ نجاشی کا دارالحکومت: اکسوم 321

- مہاجرین کی حبشہ میں پُرسکون زندگی 322
- مشرکین نے بھی سجدہ کر دیا 322
- قصۂ غرانیق 323
- قصۂ غرانیق کی روایات کی استنادی حیثیت 323
- قصۂ غرانیق متن کے اعتبار سے باطل ہے 325
- قصۂ غرانیق کا قرآن مجید سے تصادم 327
- زبان و بیان سے بھی قصۂ غرانیق کی تردید 329
- محدثینِ عظام کی قصۂ غرانیق پر تنقید 329
- مہاجرینِ حبشہ کی واپسی 331
- ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کی امان کا واقعہ 332

دوسری ہجرتِ حبشہ 334

- نجاشی کے نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی 335
- مہاجرینِ ہجرتِ حبشہ ثانی کے اسمائے گرامی 336
- ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہجرت 338
- ہجرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ابن دغنہ کی امان اور برک الغماد سے واپسی 339

نقشہ: سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حبشہ روانگی اور برک الغماد سے واپسی 341

- ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ کی پناہ ترک کر دی 342
- ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک احمق کی بدسلوکی 343

■ مہاجرینِ حبشہ کے خلاف قریش کی سازش 343
■ سفیرانِ قریش حبشہ میں 344
■ سفیرانِ قریش دربارِ نجاشی میں 345
■ مہاجرین کی طلبی 346
■ جعفر رضی اللہ عنہ کی انقلابی تقریر 346
■ قریش کے سفیروں کو نجاشی کا جواب 348
■ سفیرانِ قریش کی ایک اور کوشش 348
■ مسلمانوں کے لیے پروانۂ امن 349
■ عمرو بن عاص مکہ پہنچ کر گھر سے نہیں نکلے 350
■ نجاشی کے خلاف بغاوت 351
■ ایک حبشی کا نجاشی کے خلاف معرکہ 352
■ مہاجرین حبشہ کی مدینہ روانگی 353
■ عبیداللہ بن جحش مرتد ہوگیا 354
■ شوہر کے بارے میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا خواب 354
نقشہ: مہاجرین حبشہ کی اکسوم سے واپسی 355
■ مرتد عبیداللہ بن جحش کا مہاجرین کو طعنہ 356
■ کیا سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی مرتد ہوئے؟ 356

باب: 7

فروغِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 360
■ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کس طرح مسلمان ہوئے؟ 361
■ شیطان کی حمزہ رضی اللہ عنہ کو ورغلانے کی کوشش 362
■ قبولِ اسلام پر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اشعار 363
سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 365
■ عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا 365
■ اسلام کی طرف میلان 366
■ زبانِ نبوت سے قرآن سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی حیرت 367
■ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی روانگی 368
■ مسلمان ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی 371
■ ابوجہل کو عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع 372
■ عمر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ اسلام 372
■ عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر کفار کا ردعمل 373
■ عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا منصوبہ 373
■ عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے مسلمانوں کی عزت افزائی 374
نجران کے عیسائیوں کا قبولِ اسلام 376
نقشہ: نجران کے عیسائیوں کی مکہ آمد اور قبولِ اسلام 378
واقعۂ شقِ قمر 380
نقشہ: جبل ابی قبیس اور جبل قُعیقعان 381
■ کفارِ قریش کی ہٹ دھرمی 382

واقعۂ شق قمر پر اعتراضات اور ان کے جواب 383

غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی 385

قریش سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شرط 388

نقشہ: روم اور فارس کی سلطنتیں 389

نقشہ: روم اور فارس کی محاذ آرائی 391

نقشہ: ایشیائے کوچک یا اناطولیہ (ترکی) 393

باب: 8

غم والم کے گہرے سائے

پیہم رنج و ملال 398

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کا مذموم منصوبہ 398

بنو ہاشم اور بنو مطلب کو یکجا ہونے کا حکم 399

اسلام دشمنی پر ابولہب کا فخر 399

شعب ابی طالب میں داخلہ 400

بنو ہاشم اور بنو مطلب کا مکمل بائیکاٹ 400

بائیکاٹ کی دستاویز کس نے لکھی؟ 401

نقشہ: مصری محکمہ مساحت کا تیار کردہ مکہ مکرمہ کا خاکہ (1947ء) 402

بائیکاٹ کی دستاویز خانہ کعبہ میں 403

تین سال تک دردناک آزمائش 403

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ماجرا 404

ابوطالب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر 404

ابوطالب کا قصیدہ لامیہ 405

مسلمانوں کو گندم پہنچانے پر ابوجہل کی مزاحمت 406

ہشام بن عمرو کی طرف سے صلہ رحمی 407

دیمک نے بائیکاٹ کی دستاویز چاٹ لی 408

ابوطالب نے قریش کو حقیقتِ حال بتلادی 409

ہشام بن عمرو کی اشرافِ قریش کو ترغیب 410

دستاویز چاک کرنے کی مہم 412

اراشی اور ابوجہل کا قصہ 414

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوجہل کے گھر جانا 414

ابوجہل پر دہشت طاری ہوگئی 415

زبیدی اور ابوجہل کا واقعہ 416

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ابوجہل کو ڈانٹنا 417

رکانہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کشتی 417

ابوطالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد 419

ابوطالب کو قبول اسلام کی دعوت 422

ابوطالب کی بنوعبدالمطلب کو ایک نصیحت 423

ابوطالب کی اشرافِ قریش کو وصیت 423

ابوطالب کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت 424

ابوطالب کو مسلمان کرنے کی آخری کوشش 425

- ابوطالب کی وفات 427
- ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات 428
- سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام 429
- رنج وغم کی پرچھائیاں اور مشرکین کی جسارتیں 430
- ابولہب کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کرنا 430
- کفار قریش کا ابولہب کو بھڑکانا 431

باب: 9

بیرونِ مکہ دعوتِ اسلام

بیرونِ مکہ اسلام کی اُڑانیں 436
- طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی مکہ آمد 436
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات اور قبول اسلام 437
- طفیل رضی اللہ عنہ کا اپنی قوم کے لیے نشانی طلب کرنا 438
- باپ اور بیوی کو دعوتِ اسلام 438

نقشہ: طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کا سفر 440
- نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبیلہ دوس کے لیے دعا 441
- سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی جستجوئے حق 442
- ابوذر رضی اللہ عنہ کا انقلابی سفر 443
- ابوذر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 443
- مشرکین کا ابوذر رضی اللہ عنہ پر تشدد 444
- سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی فضیلت 444
- ضماد بن ثعلبہ ازدی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام 445
- سوید بن صامت 446
- ایاس بن معاذ 448
- قبیلہ ہمدان کا ایک شخص 449
- قیس بن خطیم 449

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 450

ام المومنین سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح 453
- سودہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر 454
- سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں 454

سفرِ طائف 456
- بیرونِ مکہ تبلیغ کے لیے طائف کا انتخاب 456

نقشہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر طائف 458
- بنوثقیف کے سرداروں کو دعوتِ اسلام 459
- نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کے بازار میں 460
- طائف میں قیام کی مدت 460
- اہلِ طائف کا وحشیانہ سلوک 461
- آلِ ربیعہ کے باغ میں 461
- زبردست صدمے کی حالت میں دعا 462
- عتبہ اور شیبہ نے خدمت نبوی میں انگور بھیجے 463
- عداس سے مکالمہ 464

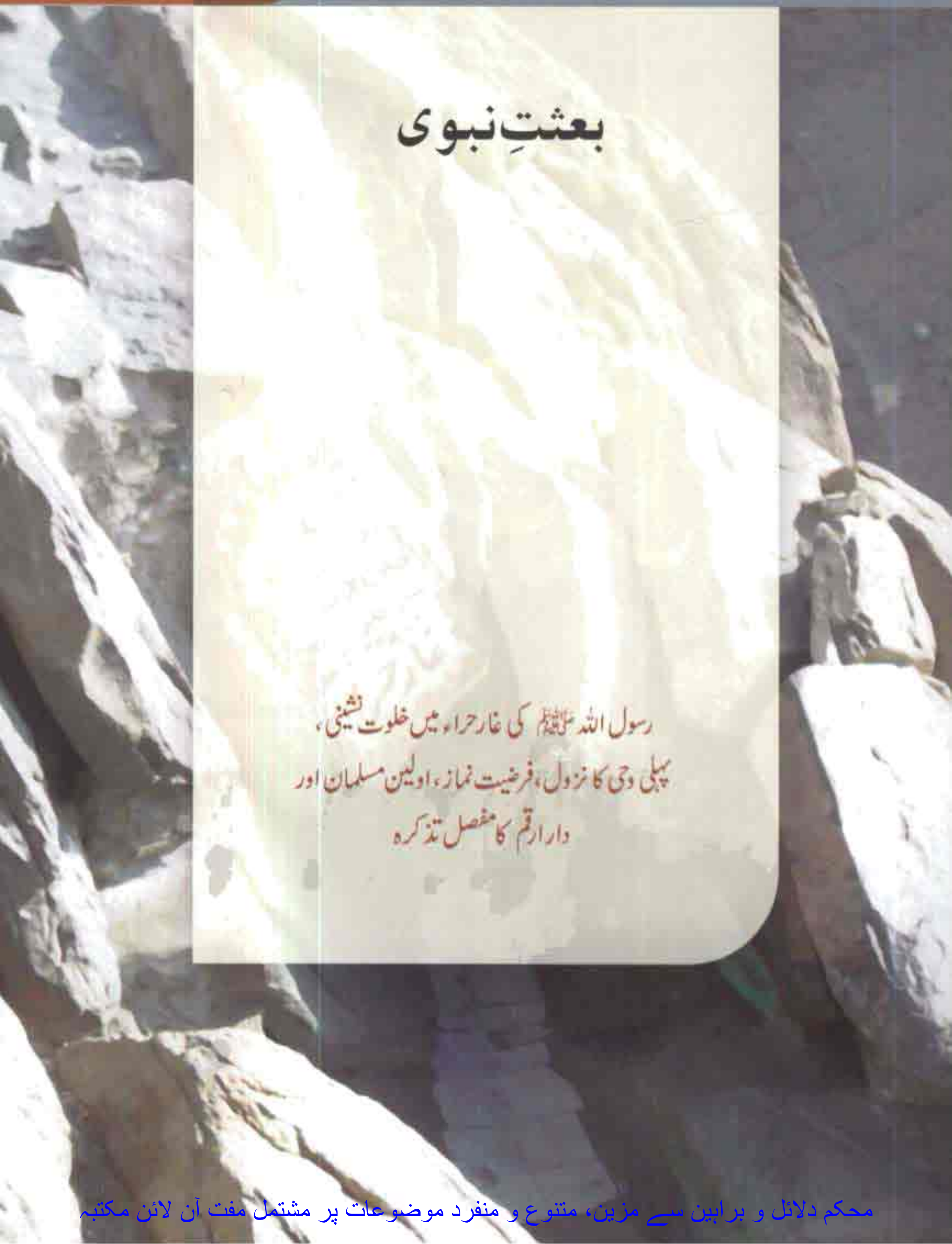
- عداس رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 465
- عتبہ اور شیبہ کی عداس کو تنبیہ 465
- طائف سے واپسی پر جبریل علیہ السلام کی آمد 467
- وادیٔ نخلہ میں جنوں کی آمد 470
- کوہِ حراء کے دامن میں قیام 473
- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ طلب فرمائی 473
- رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مطعم بن عدی کی پناہ میں 475
- مطعم کے حسنِ سلوک کی قدر شناسی 476
- عتبہ بن ربیعہ کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت 477
- قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت 478
- ہر قبیلے سے حمایت کا مطالبہ 478
- بنوکندہ کو تبلیغ 479

نقشہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حج کے موقع پر قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت 480

- بنوبکر بن وائل کو دعوتِ دین 483
- بنوشیبان بن ثعلبہ سے ملاقات 484
- مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکالمہ 487
- بنوعامر بن صعصعہ کو دین کی دعوت 490
- بنوکلب سے گفتگو 490
- بنوحنیفہ کی بدزبانی پر صبر و تحمل 491
- بنومحارب کے بڈھے کی ہٹ دھرمی 492
- میسرہ بن مسروق عبسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام 494
- بنوغسان کے ڈیروں میں 495

حواشی

- اعلام 497
- اماکن 513
- اقوام و قبائل 516
- متفرقات 518



بعثتِ نبوی

رسول اللہ ﷺ کی غارِ حراء میں خلوت نشینی،
پہلی وحی کا نزول، فرضیت نماز، اولین مسلمان اور
دارارقم کا مفصل تذکرہ

وما أرسلناك إلا كافة للناس بشيرا ونذيرا ولكن أكثر الناس لا يعلمون

''اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہی بنا کر بھیجا ہے،
لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔'' (سبا28:34)

اس باب میں




خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی غار حراء میں خلوت نشینی، جبرائیل علیہ السلام کی نبی کریم ﷺ کی طرف اولین آمد، پہلی وحی کے نزول، بعثت نبوی کے اظہار و اعلان کے بعد کفر و شرک کی ظلمتوں میں شمعِ ہدایت کی روشنی پھیلنے کا آغاز، فرضیت نماز، نبیِ اکرم ﷺ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کا واقعہ اور دعوتِ اسلام کے ابتدائی مراحل بیان کیے گئے ہیں۔ جن خوش بخت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور عالی قدر صحابیات رضی اللہ عنہن نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، ان کے اسمائے گرامی درج کیے گئے ہیں۔ دارارقم دعوتِ اسلام کا مرکز کیونکر بنا اور جنات کے گروہ نے کس طرح اسلام قبول کیا؟ اگلے اوراق میں یہ ساری تفصیلات جزئیات سمیت سمٹ آئی ہیں۔



ظلمت زار جہاں میں تجلیاتِ نبوت

چھٹی صدی عیسوی بالاتفاق تاریخ انسانی کا تاریک ترین دور تھا۔ صدیوں سے انسانیت جس پستی کی طرف جا رہی تھی، چھٹی صدی عیسوی میں وہ اس پستی کی انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ انسان اپنے رب کو مکمل طور پر فراموش کر چکا تھا۔ اپنے انجام سے بالکل بے فکر اور بے خبر تھا اور اچھے برے کی تمیز سے محروم ہو چکا تھا۔ جو چراغ پیغمبروں کی دعوت سے روشن ہوئے تھے، وہ حالات و حوادث کی زد میں آ کر یا تو بجھ چکے تھے یا گھٹا ٹوپ اندھیرے میں اس طرح ٹمٹما رہے تھے کہ ان سے چند معبود شناس دل ہی روشن تھے۔

دیندار اشخاص، ضعفاء اور تلاشِ حق کا جذبہ رکھنے والے زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو کر خانقاہوں اور غاروں کی تنہائیوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے اور جو باقی رہ گئے تھے، انھوں نے ملوک و امراء سے ساز باز کر لی تھی، وہ ان کی ناجائز خواہشات پر مہرِ تصویب لگاتے تھے اور ظالمانہ نظامِ سلطنت میں ان کے دستِ راست بن کر ان کی قوت و دولت سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں ان کے شریک بن گئے تھے۔

رومی اور ایرانی اس وقت مشرق و مغرب کے سیاہ و سفید کے مالک بنے بیٹھے تھے۔ وہ دنیا میں ہر قسم کی خرابی اور فساد کے علمبردار تھے۔ ان کے افراد عیش و عشرت میں غرق تھے جیسا کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں، انھوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنا لیا، آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطان ان پر غالب آ گیا تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش کے دن گزاریں، چنانچہ ان میں سے ہر شخص دادِ عشرت دینے لگا۔ ان کے اس طرزِ زندگی کو دیکھ کر دنیا کے ہر گوشے سے ''حکماء و دانا'' ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لیے سامانِ عیش مہیا کرنے کی غرض سے نئے نئے اسبابِ زینت کی ایجاد و اختراع میں مصروف ہو گئے۔ سرمایہ پرست امراء کا یہ حال ہو گیا تھا کہ جس کسی کے پاس ایک لاکھ کی کم مالیت کا پٹکا یا کلاہ ہوتا تھا، اسے بخیلی کا طعنہ دیا جاتا تھا۔ ایسے ہی جس کے پاس سر بفلک عالیشان محل، اعلیٰ درجے کے آبزن (نہانے کے ٹب)، نفیس حمام، نظر افروز پائیں باغ، سواری کے نمائشی جانور، خدمت کے لیے خوب صورت

غلام اور حسین باندیاں، طرح طرح کے کھانوں کے وسیع دسترخوان اور عمدہ لباس نہ ہوتے تو اسے بھی عار دلائی جاتی تھی۔

یہ سب باتیں ان کی زندگی کی لوازم بن چکی تھیں۔ بادشاہوں اور امیروں کی اس عیاشانہ زندگی سے بہت سے خطرناک معاشی اور سماجی امراض پیدا ہوگئے جو معاشرت کے ہر شعبے میں داخل ہوگئے۔ ان سے شہری محفوظ رہا نہ کوئی دیہی باشندہ، امیر نہ غریب۔ اس ہمہ گیر مصیبت کا سبب یہ تھا کہ سامانِ تعیش کثیر زر و مال صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ مال کثیر کاشتکاروں اور تاجروں پر نئے ٹیکس لگائے اور پہلے ٹیکسوں میں اضافہ کیے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا تھا، پھر مصیبت بالائے مصیبت یہ کہ گراں بار ٹیکس لوگوں کو طرح طرح سے تنگ کرکے وصول کیے جاتے تھے۔ اگر وہ ٹیکس ادا کرنے سے انکار کرتے تھے تو ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جاتی، انھیں سزائیں دی جاتیں۔ اگر وہ ان کی اطاعت کرتے تو ان سے گدھوں اور بیلوں جیسا سلوک کیا جاتا جنھیں کنویں پر اور ہل میں جوت کر کھیتی باڑی کی جاتی ہے۔ اس اقتصادی بدحالی میں لوگ ٹیکس ادا کرنے اور اپنے اہل و عیال کا پیٹ پالنے کے سوا کسی اور امر کی طرف متوجہ نہیں ہوسکتے چہ جائیکہ سعادتِ اخروی کے متعلق سوچ سکیں۔" [1]

دوسری طرف عرب تھے جنھیں اللہ تعالیٰ نے آزادی و خودداری، بلندئ نفس، سخاوت، حوصلہ مندی اور دیگر بے شمار خوبیوں سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ دور جس میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی، جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ کا تاریک ترین دور تھا۔ یہ ملک ظلمت و انحطاط کی اس آخری منزل پر تھا جہاں اصلاح کی امید ختم ہو جاتی ہے۔ حالات اس قدر بگڑ گئے تھے کہ ان کی اصلاح کسی مصلح یا معلم اخلاق کے بس کی بات نہ تھی۔

اہلِ عرب اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی حقیقی تعلیم اور توحید خالص سے بہت دور ہٹ چکے تھے۔ ہر قبیلے کا الگ الگ بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے، اس سے مرادیں مانگتے، ان کے سامنے جبینِ نیاز جُھکاتے اور ان کے نام کا چڑھاوا چڑھاتے۔ لوٹ مار، قتل و غارت عام تھی، نسلی اور علاقائی تفاخر ان کی گھٹی میں پڑا تھا اور اگر دو قبیلوں کے افراد کے درمیان کسی معمولی سی بات پر بھی جھگڑا ہو جاتا تو ہر کوئی اپنے قبیلے کی دہائی دیتا اور آن کی آن میں یہ جھگڑا قبائلی جنگ کی شکل اختیار کر لیتا۔

عرب میں عورت کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا اور اس کا وجود اس قدر باعثِ ننگ و عار سمجھا جاتا تھا کہ بیٹی کے پیدا ہوتے ہی اسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ شراب اور جُوا ان کی عادتِ ثانیہ بن گیا تھا۔

[1] حجة الله البالغة: 1/334-336.

مولانا حالی رحمہ اللہ نے جزیرہ نمائے عرب کے اس تاریک ترین دور کی اس طرح منظر کشی کی ہے۔

کہیں آگ پجتی تھی واں بے محابا   کہیں تھا کواکب پرستی کا چرچا

بہت سے تھے تثلیث پر دل سے شیدا   بتوں کا عمل سو بسو جا بجا تھا

کرشموں کا راہب کے تھا صید کوئی   طلسموں میں کاہن کے تھا قید کوئی

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا   خلیل ایک معمار تھا جس بنا کا

ازل میں مشیت نے تھا جس کو تاکا   کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہُدیٰ کا

وہ تیرتھ تھا اک بت پرستوں کا گویا   جہاں نامِ حق کا نہ تھا کوئی جویا

قبیلے قبیلے کا بت اک جدا تھا   کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا

یہ عُزّیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا   اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

نہاں ابرِ ظلمت میں تھا مہرِ انور   اندھیرا تھا فاران کی چوٹیوں پر

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ   ہر اک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ

فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ   نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

وہ تھے قتل و غارت میں چالاک ایسے   درندے ہوں جنگل میں بے باک جیسے

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اڑ بیٹھتے تھے   سلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے   تو صدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا   تو اس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی   صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی

قبیلوں کی کردی تھی جس نے صفائی   تھی اک آگ ہر سُو عرب میں لگائی

نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ   کرشمہ اک اُن کی جہالت کا تھا وہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا   کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا

لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا   کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا

یونہی روز ہوتی تھی تکرار ان میں   یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر   تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر

پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور　　کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اُس کو جاکر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی　　جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی
جُوا ان کی دن رات کی دل لگی تھی　　شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیّش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی　　غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی
بہت اس طرح ان کو گزری تھیں صدیاں　　کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں
یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت　　بڑھا جانبِ بُوقُبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت　　چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا　　دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا
ہوئے محو عالم سے آثارِ ظلمت　　کہ طالع ہوا ماہِ برجِ سعادت
نہ چٹکی مگر چاندنی ایک مدت　　کہ تھا ابر میں ماہتابِ رسالت
پہ چالیسویں سال لطفِ خدا سے　　کیا چاند نے کھیت غارِ حراء سے [1]

جب کفر و شرک اور فسق و فجور کا مرض ناسور کی شکل اختیار کر گیا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوئی کہ اس قدیم مرض کا مادہ ہی کاٹ دیا جائے۔ یوں ایک ہمہ گیر انقلاب اور انسانیت کی حیاتِ نو یا تعمیرِ نو کا عظیم الشان کام ایسی نئی رسالت کا طالب تھا جو تمام نبوتوں اور رسالتوں سے بڑھ کر ہو اور جو ہدایت اور دینِ حق کا پرچم آفاقِ عالم میں ہمیشہ کے لیے بلند کر دے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ○ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ○ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ○﴾

''اہل کتاب کے بعض کافر اور مشرکین (کفر سے) رکنے والے نہ تھے یہاں تک کہ ان کے پاس واضح دلیل آجائے۔ اللہ کی طرف سے ایک رسول جو پاکیزہ صحیفے پڑھے جن میں درست اور معتدل احکام ہیں۔'' [2]

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی جہاں شدید ضرورت تھی، وہاں یہ اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم الشان احسان بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت خوبصورت انداز میں اہلِ ایمان پر اپنا یہ احسان جتاتے ہوئے فرمایا:

[1] مسدس حالی، ص: 19-21. آخری شعر میں ''پہ'' کے معنی ہیں ''لیکن'' اور ''کھیت کرنا'' سے مراد ہے ''چاند کی روشنی کا پھیلنا'' [2] البینۃ 98:1-3.

﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝﴾

’’بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان کیا، جب ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا، وہ انھیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔‘‘ [1]

بعثت نبوی کے لیے عرب کا انتخاب کیوں؟

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾

’’اللہ زیادہ بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کا کام کس کو سونپے۔‘‘ [2]

تہذیب وتمدن کا عروج فرد اور سماج کے قوائے عمل بے کار کر دیتا ہے۔ چھٹی صدی عیسوی کی متمدن قوموں پر

[1] آل عمرٰن 164:3. [2] الأنعام 124:6.



اجنتا (مہاراشٹر، بھارت) کے غار

نظر ڈالیے۔آپ کو یہ نظارہ صاف دکھائی دے گا۔ ہندوستان میں اجنتا کے غار، دیوتاؤں کے مجسمے، چین میں گوتم بدھ کا چرچا اور اونچے اونچے پیگوڈے، مصر میں مومیا سازی، ابوالہول کا مجسمہ اور جادوگری کے کمالات، یونان میں علومِ فلسفہ کی گرم بازاری اور عیش کوشی کے ٹھکانے اور ایران کے آتشکدے ایک ایسی تہذیب کے آئینہ دار تھے جس پر تھکن، اضمحلال اور زوال کے آثار نظر آتے تھے۔ حکام دولت کی ریل پیل میں مست تھے۔عیش وعشرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔عوام کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔انھیں جہالت،فکری مغالطوں اور عملی گمراہیوں کے نتائج وعواقب نے گھیر لیا تھا۔


قدیم آئرلینڈ کے بت پرستوں کے حجری نشانات


مجوسی آتش کدہ (باکو، آذربائیجان)

اس تناظر میں جزیرہ نمائے عرب کو دیکھا جائے تو وہ تہذیب وتمدن کے منفی اور مہلک اثرات سے پاک نظر آتا ہے۔ یہ ایسی فضا تھی جس نے عربوں کے فضائل ومحاسن خوب نکھار دیے۔عربوں کا سارا تہذیبی سرمایہ بادیہ پیمائی، تلواروں کی جھنکار، تیروں کی سنسناہٹ اور معصوم بچیوں کے دف کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی ماحول کی بدولت عرب بہت سی خرابیوں سے محفوظ اور بہت سی خوبیوں سے متصف ہو گئے۔ وہ منافقت سے خالی تھے۔ سازش اور شرارت سے پرہیز کرتے تھے۔ بے جگری سے لڑتے تھے۔ان کی قوتِ برداشت غیر معمولی تھی۔ وہ سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ فنونِ سپہ گری کے ماہر تھے۔ گھڑ سواری میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کی سادگی، جفاکشی، استقامت اور جھپٹ کر پلٹنے، پلٹ کر جھپٹنے کا انداز ایسی نادر خوبیاں تھیں جو مقاصدِ عظیمہ کے لیے بروئے کار آتی ہیں۔ ہر چند وہ کفر وشرک کی نجاست سے آلودہ تھے لیکن ان کی یہ خوبی لاجواب تھی کہ جب حق بات ان کی سمجھ میں آجاتی تو پھر وہ اس کے لیے کٹ مرنے پر بھی تیار ہو جاتے تھے۔

ایک طرف یہ معاشرتی،تمدنی اور اخلاقی پس منظر تھا اور دوسری طرف جزیرہ نمائے عرب کا انتہائی رفیع الشان اعزاز یہ تھا کہ یہاں مکہ مکرمہ میں اللہ کا گھر تھا۔ اسے سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام نے اس لیے تعمیر کیا تھا کہ توحید کا

مرکز اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کی جلوہ گاہ بن جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اِسی سرزمینِ عرب کو دعوت الی اللہ کا منبع بنانے کے لیے مکہ مکرمہ میں حضرت محمد ﷺ کو پیدا فرمایا تاکہ آفتابِ رسالت کی کرنیں اسی سرزمین سے سارے عالم کو روشن کریں۔

علاوہ ازیں محلِ وقوع کے اعتبار سے بھی جزیرہ نمائے عرب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ اس وقت کی معلوم دنیا کے عین مرکز میں تھا جہاں سے اسلام کا پیغام ساری دنیا کو پہنچایا جا سکتا تھا۔ براعظم ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تمام تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے اور مختلف ممالک کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے اور تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس مقدس سرزمین کو تجلیاتِ اسلام پھیلانے کا مرکز بنا دیا۔

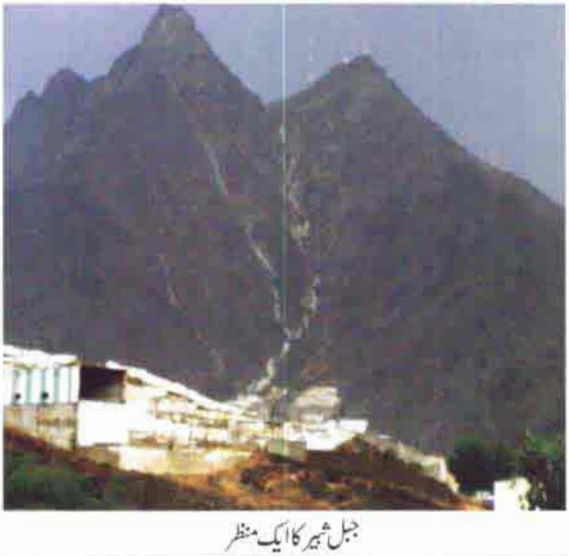
آفتاب نبوت کی ضیا باریاں

آفتاب نبوت غار حراء سے طلوع ہوا۔ جبرئیل علیہ السلام پہلی وحی لے کر غار حراء میں آئے۔

عام طور پر اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ رب العزت اپنے جن مقبول بندوں سے لوگوں کی ہدایت کا کام لینا چاہتا ہے، انھیں پہلے کچھ مدت کے لیے خلوت میں سوچنے کا موقع عطا فرماتا ہے۔ غارِ حراء وہ مقام ہے جسے اللہ کے آخری رسول حضرت محمد ﷺ نے اپنی خلوتوں سے مشرف فرمایا حتی کہ یہیں حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی وحی لے کر نازل ہوئے۔ یوں غارِ حراء جبریل و مصطفیٰ کی درسگاہ بن گیا۔

غار حراء

غار حراء مکہ مکرمہ کے شمال مشرق میں بیت اللہ سے تقریباً پانچ کلومیٹر کے فاصلے پر جبل النور (حراء پہاڑ) کی چوٹی پر واقع ہے۔ یہ ایک مختصر سا غار ہے۔ اس کا طول چار گز اور عرض پونے دو گز ہے۔ جب حاجی منیٰ جاتے ہیں تو راستے میں منیٰ سے پہلے تھوڑے فاصلے پر یہ پہاڑ ان کے بائیں ہاتھ نظر آتا ہے۔ اس کے بالمقابل ثبیر پہاڑ ہے۔ یہ دونوں پہاڑ بے آب و گیاہ ہیں۔ چند خار دار جھاڑیوں کے سوا وہاں کچھ نہیں اگتا۔[1]


جبل ثبیر کا ایک منظر

نبی ﷺ کی خلوت نشینی

مکہ مکرمہ میں عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرنے کی داغ بیل نبی ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ڈالی تھی۔ وہ رمضان کے مہینے میں خلوت اختیار کرتے تھے۔ رمضان کے آغاز میں غار حراء

[1] الرحیق المختوم، ص: 86، سیرت خیرالأنام، ص: 93، معجم البلدان، مادة: حراء.

میں چلے جاتے اور پورا مہینہ وہیں بسر کرتے تھے۔ اس دوران جو مساکین آتے، انھیں کھانا کھلاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی قریش کے دوسرے افراد بھی غار حراء میں عبادت کی نیت سے جانے لگے۔ ورقہ بن نوفل اس عمل کی خاص طور پر پابندی کرتے رہے۔[1] محمد رسول اللہ ﷺ بے حد حساس تھے۔ آپ اپنی بستی اور اپنے شہر میں پھیلی ہوئی شرک اور بت پرستی کی وبا دیکھتے تو بہت آزردہ اور بیزار ہو جاتے تھے۔ اپنے آس پاس خاص و عام لوگوں کی اخلاقی پستیاں دیکھ کر بڑی گرانی اور بے چینی محسوس فرماتے تھے اور دل ہی دل میں کڑھتے رہتے تھے۔ اس ماحول میں طبع مبارک خلوت نشینی کی طرف مائل ہوگئی۔ یوں آپ غار حراء میں جانے لگے۔ اس سلسلے میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ثُمَّ حُبِّبَ إِلَيْهِ الْخَلَاءُ، وَكَانَ يَخْلُو بِغَارِ حِرَاءٍ فَيَتَحَنَّثُ فِيهِ ــ وَهُوَ التَّعَبُّدُ ــ اللَّيَالِيَ ذَوَاتِ الْعَدَدِ.

''پھر آپ (ﷺ) کو تنہائی محبوب ہوگئی۔ آپ غار حراء میں خلوت نشین ہو جاتے اور مسلسل کئی کئی دن اور کئی راتیں عبادت میں مشغول رہتے۔''[2]

رسول اللہ ﷺ نبوت سے پہلے ہر رمضان کا مہینہ غار حراء میں گزارتے۔ اس دوران میں جو مسکین آجاتا، اُسے کھانا کھلاتے۔ جب غار سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے بیت اللہ میں حاضر ہوتے۔ بیت اللہ کا طواف کرتے، پھر اپنے گھر چلے جاتے تھے یہاں تک کہ وہ رمضان آگیا جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔[3]

غار حراء میں عبادت کی کیفیت

رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کے شرکیہ عقائد، بت پرستی اور باطل تصورات سے شروع ہی سے بہت بیزار تھے لیکن آپ کے سامنے ایسا کوئی واضح راستہ اور معیّن طریقہ بھی نہ تھا جس پر آپ مطمئن ہو کر عمل پیرا ہوسکیں۔ غار حراء میں نبی ﷺ کی عبادت کی کیفیت واضح طور پر معلوم نہیں ہوسکی۔ سیرت نگاروں نے اس کی مختلف حالتیں بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے مطابق عبادت کرتے تھے۔ بعض علماء نے یہ عبادت عیسیٰ علیہ السلام اور بعض نے نوح علیہ السلام کی شریعت کے مطابق بتائی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کی عبادت دین ابراہیمی کے مطابق تھی۔ یہی بات قرینِ حقیقت معلوم ہوتی

[1] أنساب الأشراف :93,92/1، السيرة الحلبية :382/1. [2] صحيح البخاري: 3، صحيح مسلم : 160. [3] السيرة لابن هشام :236/1، السيرة الحلبية :383,382/1، أنساب الأشراف : 116/1.

ہے۔ [1] بیت اللہ جو آل ابراہیم کا کعبہ ہے، اُس کے طواف کے التزام سے بھی اس بات کو تقویت ملتی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں مذکور لفظ) فَيَتَحَنَّثُ يَتَحَنَّفُ کے معنی میں ہے۔ مطلب یہ کہ آپ حنیفیت کی پیروی کرتے تھے جو دینِ ابراہیم ہے۔ اہل عرب اپنے کلام میں اکثر فاء کو ثاء سے بدل دیتے تھے۔ علاوہ ازیں ''السیرۃ'' میں ابن ہشام کی روایت میں فَيَتَحَنَّفُ آیا ہے۔ یا تَحَنُّث سے مراد گناہوں کو چھوڑنا اور ان سے دور رہنا ہے۔ [2]

مزید برآں قرآن مجید کے قرائن سے بھی آپ کے دینِ ابراہیم پر کاربند ہونے کی تائید ہوتی ہے جیسا کہ نزولِ وحی کے بعد آپ کو ملتِ ابراہیمی ہی کی پیروی کا حکم ملا۔ ارشاد باری ہے:

﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

''(اے نبی!) پھر ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم کی اتباع کریں جو (اللہ کی طرف) یکسو تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔'' [3]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: بے شک مجھے میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے، صحیح اعلیٰ اقدار کے حامل دین کی (ہدایت)، ایک رب کے پرستار ابراہیم کی ملت کی (ہدایت) اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔'' [4]

علامہ زرقانی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت نشینی اختیار کر لی۔ جمہور کا قول ہے کہ گوشہ نشین ہو کر تدبر و تفکر کرنا ہی عبادت کہلاتا تھا۔ [5] قرآن مجید میں بھی تفکر و تدبر کو ایک مستحسن عمل قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولوالالباب (عقل مند لوگوں) کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾

''اور وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں۔ (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے

[1] البداية والنهاية: 6/3. [2] فتح الباري: 31/1، السيرة لابن هشام: 236,235/1. [3] النحل 123:16. [4] الأنعام 161:6.
[5] شرح الزرقاني على المواهب: 392/1.

یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو (ہر عیب سے) پاک ہے، ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ [1]

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اسی طرح کے تفکر و تدبر سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی معرفت حاصل کی جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا ذکر ہے:

﴿ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ○ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ ﴾

”تو جب اس (ابراہیم علیہ السلام) پر رات چھا گئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا۔ اس نے کہا: یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ غروب ہوگیا تو کہا: میں غروب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پھر جب اس نے چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا: یہی میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہوگیا تو اس نے کہا: اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی تو یقیناً میں گمراہ قوم میں سے ہو جاؤں گا، چنانچہ جب اس نے سورج کو جگمگاتا ہوا دیکھا تو کہا: یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہوگیا تو اس نے کہا: اے میری قوم! بے شک جنھیں تم شریک ٹھہراتے ہو، میں ان سے بیزار ہوں۔ بے شک میں نے اپنا چہرہ اس ذات کی طرف مرکوز کرلیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، میں اسی (اللہ) کا پرستار ہوں اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔“ [2]

یہ خلوت کی حالت اور تدبر و تفکر کا معاملہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تدبیر کا ایک حصہ تھا۔ اللہ تعالیٰ جس عظیم الشان مقصد کے لیے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مامور فرمانا چاہتا تھا، یہ خلوت اُسی کی تیاری کا ایک مرحلہ تھا۔ درحقیقت جس شخصیت کے لیے بھی یہ مقدر ہو کہ وہ انسانی زندگی پر اثر انداز ہو کر اس کا رُخ بدل ڈالے، اس کے لیے ضروری ہے کہ اپنے ماحول کا جائزہ لے اور بے لاگ عقل کی روشنی میں غور کرے کہ اٹکل پچو سے فال نکالنے، ویرانوں میں پھرنے اور چلّہ کشی کرنے والے افراد، جہالت، توہمات اور فاسد عقیدوں کے مارے لوگوں کے قدم کس طرح راہِ راست پر آسکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی ذمہ دار شخصیت تھے۔ زندگی اور زمانے کے فرائض کو خوب پہچانتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کے کسی بھی شعبے میں ادائے فرض سے کبھی پہلوتہی نہیں کی۔ اس لیے آپ کا غارحراء کی سنسان تنہائی میں بیٹھنا زندگی سے فرار کا آئینہ دار نہ تھا۔ اس کے بالکل برعکس غار حراء میں آپ کی خلوت نشینی آپ کے دل کی دردمندی اور

[1] آل عمرٰن 3:191. [2] الأنعام 6:76-79.

بیدار مغزی کی خبر دیتی ہے۔ آپ تنہائی میں کیا سوچتے تھے؟ کن امور پر غور وفکر کرتے تھے؟ کون جانے! ہاں اتنا سب جانتے ہیں کہ آپ کو بتوں اور بت پرستی سے سخت نفرت تھی۔ آپ بے کس، غریب اور کسمپرس لوگوں کی حالت زار پر بہت کڑھتے تھے اور لہو ولعب کی پرچھائیں سے بھی دور بھاگتے تھے۔ عجب نہیں کہ خلوت نشینی میں آپ انھی امور پر غور فرماتے ہوں اور لوگوں کو بت پرستی اور توہمات سے نجات دلانے کے اقدامات کے لیے فکر و تدبر کرتے ہوں۔

شجر و حجر کا سلام کرنا

انسان جب خود کو قوانین فطرت سے مکمل طور پر ہم آہنگ کر لیتا ہے تو فطرت کے سارے عناصر اُس کے مدد و معاون بن جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتّٰى يُقَاتِلَ الْمُسْلِمُونَ الْيَهُودَ، فَيَقْتُلُهُمُ الْمُسْلِمُونَ حَتّٰى يَخْتَبِئَ الْيَهُودِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْحَجَرِ أَوِالشَّجَرِ، فَيَقُولُ الْحَجَرُ أَوِ الشَّجَرُ: يَامُسْلِمُ! يَا عَبْدَ اللّٰهِ! هٰذَا يَهُودِيٌّ خَلْفِي، فَتَعَالَ فَاقْتُلْهُ، إِلَّا الْغَرْقَدَ، فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرِ الْيَهُودِ»

''قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ مسلمان یہودیوں سے لڑیں گے۔ مسلمان اُنھیں قتل کریں گے یہاں تک کہ یہودی اگر کسی پتھر یا درخت کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر یا درخت خود بولے گا اور کہے گا: اے مسلم! اے اللہ کے بندے! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، آجا اور اسے قتل کر دے۔ صرف غرقد کا درخت ہوگا جو یہ بات نہیں بتائے گا کیونکہ یہ یہودیوں کا درخت ہے۔'' [1]

یہاں غرقد کے درخت کے بارے میں ضروری وضاحت پیش خدمت ہے۔ غرقد ایک کانٹے دار درخت ہے جو بیت المقدس کے علاقے میں معروف ہے۔ ذرائع ابلاغ کے مطابق آج کل یہودی فلسطین میں بڑے پیمانے پر غرقد کی شجرکاری کر رہے ہیں۔ گویا ان کا مذکورہ بالا حدیث پر ایمان ہے۔



غرقد کا درخت

[1] صحيح مسلم: 2922.

اسی طرح جب رسول اللہ ﷺ کو نبوت کے لیے تیار کیا جا رہا تھا تو شجر وحجر کا وہ کردار سامنے آیا جو صرف کسی نبی ہی کے لیے ہوسکتا تھا۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَأَعْرِفُ حَجَرًا بِمَكَّةَ كَانَ يُسَلِّمُ عَلَيَّ قَبْلَ أَنْ أُبْعَثَ، إِنِّي لَأَعْرِفُهُ الْآنَ»

''بے شک میں مکہ کے ایک پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ یقیناً میں اسے اب بھی پہچانتا ہوں۔'' [1]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں مکہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہم آپ کے ساتھ مکہ کے مضافات میں گئے تو ہم نے دیکھا کہ جو پہاڑ یا درخت راستے میں آتا، وہ آپ ﷺ سے کہتا تھا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔'' [2]

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ عبدالملک بن عبیداللہ ثقفی سے روایت کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو عزت بخشنے کا ارادہ فرمایا اور نبوت کا زمانہ قریب آیا تو اس دوران میں جب رسول اللہ ﷺ قضائے حاجت کے لیے مکہ کی وادیوں اور گھاٹیوں میں دور نکل جاتے یہاں تک کہ مکہ کے گھر نظروں سے اوجھل ہو جاتے تو آپ ﷺ جس پتھر یا درخت کے پاس سے گزرتے، وہ کہتا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر سلامتی ہو۔'' آپ دائیں بائیں، آگے پیچھے دیکھتے تو درختوں اور پتھروں کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ پھر جبریل امین آپ ﷺ پر وحی لے کر نازل ہوئے۔ [3]

جنوں کے لیے آسمان کے دروازے مسدود

جزیرہ نمائے عرب میں کہانت کا بڑا چرچا تھا۔ کاہنوں اور نجومیوں کا دعویٰ تھا کہ ان کے مؤکل جنات انھیں آسمان کی خبریں پہنچاتے ہیں۔ قرآن مجید اس بات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے:

﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۝ لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ جَانِبٍ ۝ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝﴾

''بے شک ہم نے آسمانِ دنیا کو ستاروں سے زینت دے کر سجایا ہے۔ اور ہر سرکش شیطان سے خوب حفاظت کرنے کے لیے۔ وہ عالم بالا کی طرف کان نہیں لگا سکتے اور انھیں مار بھگانے کے لیے ان پر ہر

[1] صحيح مسلم: 2277. [2] جامع الترمذي: 3626، سنن الدارمي: 15/1، حديث: 21، صحيح الترغيب والترهيب للألباني: 61،60/2. [3] السيرة لابن هشام: 235،234/1.

طرف سے (شہاب) پھینکے جاتے ہیں اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔ مگر جو کوئی (ایک آدھ بات) اچانک اچک کر لے جائے تو نہایت چمکتا ہوا شعلہ اس کے پیچھے لگ جاتا ہے۔"[1]

شہاب ثاقب کے معنی ہیں "تاریکی کو چھیدنے والا شعلہ" یا جدید اصطلاح میں Shooting Stars, Falling Stars or Bright Streak of Light Meteorites یہ کائنات میں انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں اور زمین پر ان کی بارش ہر وقت ہوتی رہتی ہے، وہ اس امر میں مانع ہیں کہ زمین سے شیاطین عالم بالا میں جاسکیں۔ اگر وہ اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ شہاب ثاقب انھیں مار بھگاتے ہیں۔ زمانۂ حال کے مشاہدات سے معلوم ہوا ہے کہ دور بین سے دکھائی دینے والے شہاب ثاقب جو فضائے بسیط سے زمین کی طرف آتے نظر آتے ہیں، ان کی تعداد کا اوسط روزانہ 10 کھرب ہے جن میں سے دو کروڑ کے قریب ہر روز زمین کے بالائی خطے میں داخل ہوتے ہیں اور بمشکل ایک زمین کی سطح تک پہنچتا ہے۔ بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ برہنہ آنکھوں نے بھی ٹوٹتے

[1] الصّٰفّٰت 37:6-10.



آسمان سے ٹوٹتا ستارہ (شہاب ثاقب)

والے تاروں کی غیر معمولی بارش دیکھی ہے۔[1]

امام سہیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: شہاب ثاقب پھینکے جانے کا سلسلہ قرنوں اور مدتوں سے جاری تھا جیسا کہ امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ کی تصنیف ''مشکل القرآن'' میں مذکور زمانۂ جاہلیت کے شعراء عوف بن اجرع، اوس بن حجر تمیمی، بشر بن ابی خازم اسدی کے کلام سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ امام عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ جب اُن سے پوچھا گیا: ''کیا شہاب ثاقب زمانۂ جاہلیت میں بھی پھینکے جاتے تھے؟'' اُنھوں نے جواب دیا: ''ہاں، لیکن جب اسلام آیا (نبی ﷺ کی بعثت ہوئی) تو اس نظام کو اور زیادہ سخت کر دیا گیا۔''

قرآن مجید اس صورت حال کو جنات کے الفاظ میں یوں بیان کرتا ہے:

﴿وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا ۝ وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝﴾ (الجن 72:8،9)

''اور بے شک ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہریداروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا۔ اور یقیناً ہم آسمان کے ٹھکانوں میں سن گن لینے کو بیٹھا کرتے تھے، چنانچہ اب جو سننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ ایک شہاب کو اپنی گھات میں پاتا ہے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

''جنات (آسمان کی طرف جاتے تھے اور) وحی کو سن لیا کرتے تھے۔ کوئی ایک کلمہ اُن کے کان میں پڑ جاتا تھا تو یہ دس باتیں اپنے پاس سے ملا لیتے تھے۔ جو بات انھوں نے آسمان سے سنی ہوتی، وہ تو سچ ہوتی تھی لیکن جو باتیں وہ خود شامل کرتے تھے، وہ سراسر باطل ہوتی تھیں۔ اس سے پہلے اُن پر ستارے (شہاب ثاقب) نہیں پھینکے جاتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی بعثت کے بعد یہ اپنی پرانی جگہوں پر بیٹھتے تو ان پر شہاب ثاقب کی ضرب پڑتی تھی۔ جہاں وہ شہاب ثاقب لگ جاتا، وہ حصہ جل جاتا۔ بالآخر جنات نے ابلیس سے شکایت کی۔ ابلیس کہنے لگا: زمین میں ضرور کوئی نیا واقعہ پیش آیا ہے (جس کی ہمیں ابھی تک خبر نہیں ملی)، چنانچہ اُس نے ہر طرف اپنے ہرکارے پھیلا دیے۔ اچانک انھوں نے نبیِ کریم ﷺ کو دیکھا۔ اس وقت آپ نخلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان نماز ادا کر رہے تھے۔ اُنھوں نے آ کر شیطان کو بتایا تو اس نے کہا: ''ارے ہاں! یہی وہ معاملہ ہے جو زمین میں تازہ تازہ پیش آیا ہے۔''[3]

[1] تفہیم القرآن، الحجر 15:18، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا 1946ء. [2] الروض الأنف: 1/355،356. [3] جامع الترمذي: 3324، مسند أحمد: 1/274، واللفظ له.

نخلہ دراصل مکہ سے طائف کے راستے میں ایک وادی کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جنوں کی ملاقات کا واقعہ اسی مقام پر پیش آیا۔ ابن ولّاد کہتے ہیں کہ یہ دو وادیاں ہیں: نخلہ شامیہ، نخلہ یمانیہ۔ بطن مر کے پاس یہ دونوں وادیاں جمع ہو جاتی ہیں۔[1]

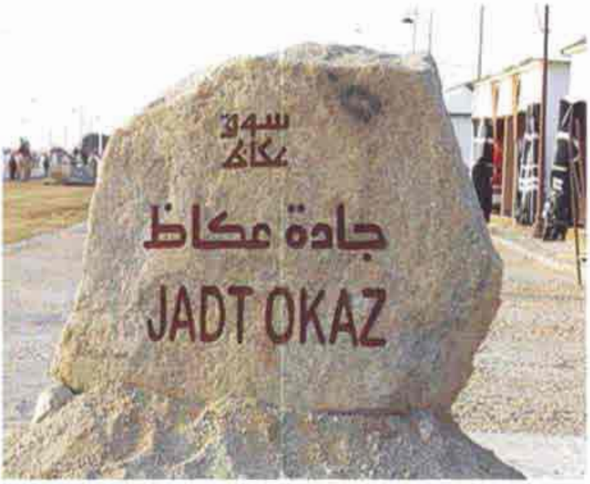
تحقیقِ حال کو جانے والے جن مسلمان ہو گئے

یہ تو وہ جنات تھے جنھوں نے واپس جا کر ابلیس کو رپورٹ پیش کی تھی۔ کچھ دوسرے جنات بھی تھے جو قرآن مجید سن کر ایمان کی دولت سے مالا مال ہو گئے تھے۔ قرآن مجید نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

﴿قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝﴾

"(اے نبی!) کہہ دیجیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (قرآن) غور سے سنا تو انھوں نے کہا: بے شک ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے، وہ رشد و ہدایت کی راہ دکھاتا ہے، لہٰذا ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم کسی کو بھی اپنے رب کا ہرگز شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔"[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ایک دوسری روایت میں اس کی تفصیل اس طرح ہے:



"رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے گئے۔ اس وقت شیاطین اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی، ٹوٹنے والے تارے ان پر بھیج دیے گئے۔ شیاطین (ناکام) لوٹے تو (ان کے ساتھی) پوچھنے لگے کہ تمھیں کیا ہوا ہے؟ انھوں نے کہا کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کھڑی کر دی گئی ہے، ہم پر تارے (شہاب ثاقب) بھیجے جا رہے ہیں۔ (ابلیس نے) کہا: تمھارے اور آسمانوں کی خبروں کے درمیان رکاوٹ کسی (زبردست) واقعے کی وجہ سے آئی ہے، لہٰذا زمین کی مشرقی اور مغربی سمتوں میں چل کر دیکھو کہ یہ کیا واقعہ رونما ہوا ہے؟ شیاطین

[1] معجم ما استعجم: 4/1304. [2] الجن 72:1، 2.

زمین کے مشرق اور مغرب میں چل پھر کر دیکھنے لگے کہ یہ کیا معاملہ ہے جو ان کے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ جو شیاطین تہامہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو مقام نخلہ میں اُس وقت دیکھا جب آپ کا ارادہ سوق عکاظ کی طرف تشریف لے جانے کا تھا، آپ وہاں اپنے صحابہ کو نمازِ فجر

جبالِ تہامہ کا ایک منظر



پڑھا رہے تھے۔ جب انھوں نے قرآن سنا تو پوری توجہ سے کان لگا دیے۔ (قرآن سن کر) وہ بول اٹھے: بس یہی ہے وہ چیز جو تمھارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان حائل ہوگئی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی قوم کے پاس جا کر کہا: اے ہماری قوم کے لوگو! ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے، سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر یہ وحی نازل فرما دی:

﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ﴾ (الجن 72:1)

''(اے پیغمبر! لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) غور سے سنا......۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کو جنوں کی بات بذریعہ وحی بتائی گئی تھی۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کا مفہوم یہ ہے کہ آپ پہلے اس بات کے قائل تھے کہ نبی کریم ﷺ کی جنوں کے ساتھ ملاقات نہیں ہوئی بلکہ آپ کو بذریعہ وحی یہ بتایا گیا کہ انھوں نے قرآن سنا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی بنیاد یہ تھی کہ قرآن مجید میں جنوں کے صرف قرآن مجید سننے کا ذکر ہے، آپ سے ملاقات کا ذکر نہیں ہے لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن سننے کے وقت جنوں سے ملاقات کا ذکر نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے بعد بھی آپ کی ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ [2]

بعثتِ نبوی کا آوازہ

کئی کاہنوں پر حقیقت حال روشن ہوگئی اور وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے۔ ایسے ہی ایک کاہن کی ملاقات سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ ایک مرتبہ وہ بیٹھے تھے کہ ایک خوبصورت شخص ان کے پاس سے گزرا۔ اس شخص کا نام سواد بن قارب تھا اور یہ سدوسی یا دوسی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''یا تو میرا اندازہ غلط ہے یا یہ شخص جاہلیت کے دین پر قائم ہے یا زمانۂ جاہلیت میں اپنی قوم کا کاہن رہا ہے۔ اِسے میرے پاس لاؤ۔'' اُس آدمی کو آپ کے پاس لایا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اُس کے سامنے یہی بات دہرائی۔ وہ کہنے لگا: ''میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی مسلمان کو جیسا معاملہ آج پیش آیا ہے، وہ پہلے کبھی پیش آیا ہو۔'' عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جب تک تم مجھے اس کے بارے میں بتا نہ دو گے، میں تمھیں جانے نہ دوں گا۔'' اس نے اعتراف کیا کہ میں زمانۂ جاہلیت میں اپنی قوم کا کاہن تھا۔

[1] صحيح البخاري: 4921. [2] فتح الباري: 8/861,860.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''تمھاری جنّی تمھارے پاس جو خبریں لاتی تھی، ان میں سے کوئی سب سے زیادہ حیرت انگیز بات سناؤ؟'' وہ شخص کہنے لگا: ''ایک دن میں بازار میں تھا۔ میری جنّی میرے پاس آئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ گھبرائی ہوئی ہے، پھر اُس نے کہا: کیا جنوں کے متعلق تمھیں معلوم نہیں کہ جب سے انھیں آسمانی خبروں سے روک دیا گیا ہے، وہ کس قدر حیران، دہشت زدہ، شکست خوردہ اور مایوس ہیں۔ اس مایوسی کے مارے وہ اونٹوں کے پالانوں کے ٹاٹوں اور دریوں سے جا ملے ہیں (عربوں کے ساتھ اسلام قبول کر رہے ہیں)۔''

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم نے سچ کہا۔ ایک مرتبہ میں بھی ان بتوں کے قریب سویا ہوا تھا۔ ایک شخص ایک بچھڑا لایا اور بت کے نام پر اسے ذبح کر ڈالا۔ اچانک ایک زوردار آواز نکلی۔ اس سے زیادہ سخت آواز میں نے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس نے کہا: ارے دشمن! تجھے ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے مراد مل جائے۔ ایک فصیح البیان شخص «لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ» ''(اے اللہ!) تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں'' کہہ رہا ہے۔ یہ سن کر سب لوگ چونک اُٹھے اور چل دیے۔ میں نے اپنے آپ سے کہا کہ جب تک یہ نہ دیکھ لوں کہ اس کے بعد کیا ہوتا ہے، میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ پھر وہی آواز آئی: ارے دشمن! تجھے ایک ایسی بات بتاتا ہوں جس سے مراد مل جائے۔ ایک فصیح البیان شخص «لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ» ''تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں'' کہہ رہا ہے۔ میں اُسی وقت اُٹھ کھڑا ہوا۔ پھر تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کسی کے یہ بول سنائی دیے: یہ (محمد ﷺ) اللہ کے نبی ہیں۔'' [1]

نبی ﷺ کے سچے خواب

انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ وہ اسے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دارِ ہجرت (مدینہ منورہ) دکھایا گیا اس بنا پر آپ نے ہجرت کی۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد مدینہ میں خواب میں دیکھا کہ آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ اسے اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا کرنے روانہ ہو گئے۔

بیداری میں وحی کے نزول سے پہلے وحی کی اس نوعیت کا آغاز کر دیا جاتا ہے تاکہ انبیاء کے لیے بیداری کے عالم میں وحی کا نزول قابل برداشت ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے معروف شاگرد علقمہ بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ''پہلے انبیاء کو نیند کے عالم میں وحی کی جاتی ہے۔ جب اُن کے دل مانوس ہو جاتے ہیں تو پھر بیداری کے عالم میں بھی وحی کا نزول ہونے لگتا ہے۔'' [2]

[1] صحيح البخاري: 3866. [2] فتح الباري: 12/1، البداية والنهاية: 4/3.

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وحی کے آغاز کے بارے میں بتاتی ہیں:

أَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ فِي النَّوْمِ، فَكَانَ لَا يَرٰى رُؤْيَا إِلَّا جَاءَتْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ.

''رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے اور نیک خوابوں سے ہوئی۔ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے، وہ طلوع سحر کی طرح (سچا) ثابت ہوتا تھا۔'' [1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا عرب کے فصیح ترین لوگوں میں سے تھیں۔ اُنھوں نے اپنے ارشاد مبارک میں طلوعِ سحر (فلق الصبح) کی نہایت خوبصورت تشبیہ دی ہے۔ جس طرح سپیدۂ سحر کے نمودار ہونے سے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، اُسی طرح آفتاب نبوت کے طلوع وظہور سے بھی جہالت، ضلالت، ظلم اور کفر کی تاریکیوں کے پردے چاک ہوجاتے ہیں۔ جس طرح صبح صادق کی روشنی طلوع آفتاب کی تمہید ہوتی ہے، اسی طرح رویائے صالحہ آفتاب نبوت و رسالت کے طلوع کی تمہید ہوتے ہیں۔ نبی ﷺ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحمت فرماتے ہوئے سچے خوابوں کا سلسلہ قیامت تک کے لیے باقی رکھا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ لوگ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پیچھے صفیں باندھے کھڑے تھے کہ رسول اللہ ﷺ نے پردہ ہٹا کر فرمایا:

«أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مُبَشِّرَاتِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تُرٰى لَهُ»

''اے لوگو! نبوت کی بشارات میں سے (اب) صرف سچے خواب ہی باقی ہیں جو مسلمان خود دیکھتا ہے یا اس کے لیے کسی کو دکھایا جاتا ہے۔'' [2]

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے مومنوں کے (سچے) خوابوں کو نبوت کا چھیالیسواں جز قرار دیا ہے، فرمایا:

«رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَّ أَرْبَعِينَ جُزْءًا مِّنَ النُّبُوَّةِ»

''مومن کا خواب نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔'' [3]

علماء اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وحی کے نزول کا دورانیہ تیئیس برس تھا۔ اس مدت میں سے پہلے چھ ماہ کے دوران وحی سچے خوابوں پر مشتمل تھی۔ یہ کل مدت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ [4]

خواب کے سچا ہونے میں آدمی کے بحالتِ بیداری سچا ہونے کا بھی بڑا عمل دخل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] صحيح البخاري: 3. [2] صحيح مسلم: 479، مسند أحمد: 219/1. [3] صحيح مسلم: 2264. [4] شرح النووي على صحيح مسلم: 31/15، زادالمعاد: 84/1.

«إِذَا قَرُبَ الزَّمَانُ لَمْ تَكَدْ رُؤْيَا الْمُؤْمِنِ تَكْذِبُ وَ أَصْدَقُهُمْ رُؤْيَا أَصْدَقُهُمْ حَدِيثًا»

''قیامت کے قریب مومنوں کے خواب جھوٹے نہیں ہوں گے۔ سب سے زیادہ سچے خواب دیکھنے والا وہ شخص ہوگا جو بات میں سب سے سچا ہوگا۔'' [1]

انبیائے کرام علیہم السلام سب سے زیادہ سچ بولنے والے ہوتے ہیں اور اُن کے خواب بھی بالکل حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں، اسی لیے یہ وحی کا درجہ رکھتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ تو أصدق الصادقین تھے۔ نبوت سے پہلے بھی آپ صادق و امین کے القاب سے معروف تھے۔ آپ پر بھی دیگر انبیاء کی طرح وحی کا نزول سچے خوابوں کے ذریعے سے کیا گیا اور یہ سلسلہ آپ کی وفات تک جاری رہا۔

بعثت کے وقت نبی ﷺ کی عمر اور تاریخ

بعثت کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی اور بعثت کس دن ہوئی؟ اس سلسلے میں دن کی تعیین رسول اللہ ﷺ نے خود فرمائی ہے۔ آپ ﷺ سے پیر کے دن روزہ رکھنے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا:

«فِيهِ وُلِدْتُ، وَفِيهِ أُنْزِلَ عَلَيَّ»

''میں اسی (پیر کے) دن پیدا ہوا اور اسی دن مجھ پر وحی کا نزول ہوا۔'' [2]

مہینے کے متعلق اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نزول وحی کا آغاز ربیع الاول کے مہینے میں ہوا۔ بعض کہتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ تھا۔ دوسرے قول والوں نے قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کیا ہے:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ﴾

''رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔'' [3]

پہلے موقف کے حاملین کہتے ہیں کہ مکمل قرآن مجید لیلۃ القدر میں بیت العزہ (آسمان دنیا) میں اُتارا گیا، پھر تیئیس سال کے عرصے میں حسب ضرورت (بتدریج) نبی کریم ﷺ پر اُترتا رہا۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وحی کا آغاز رجب کے مہینے میں ہوا تھا۔ [4]

رجب کے مہینے والے موقف کو عام علماء کے ہاں پذیرائی نہیں ملی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی بات سے ربیع الاول اور رمضان کے مہینے والے موقف میں بہترین مطابقت پیدا ہوجاتی ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سچے خوابوں

[1] صحيح البخاري، 7017، صحيح مسلم: 2263، سنن ابن ماجه: 3917، واللفظ له. [2] صحيح مسلم: (198)-1162.
[3] البقرة 2:185. [4] زادالمعاد: 1/78,77.

کی مدت چھ ماہ تھی۔ اس سے استدلال کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''سچے خوابوں کی صورت میں نبوت کی ابتدا ربیع الاول سے جبکہ بیداری کے عالم میں وحی کی ابتدا رمضان المبارک سے ہوئی۔''[1]

رمضان کی تاریخ کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ بعض سات تاریخ کہتے ہیں اور بعض سترہ۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔ بعض اٹھارہ رمضان اور بعض اکیس رمضان قرار دیتے ہیں۔ یہی بات درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ صحیح مسلم کی مذکورہ حدیث (1162) سے ثابت ہے کہ وہ پیر کا دن تھا۔ اس سال (610ء) رمضان میں پیر کا دن سات، چودہ، اکیس اور اٹھائیس تاریخ کو آیا تھا۔

صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ہوتی ہے۔ جب ہم آیت ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ''بے شک ہم نے اسے لیلۃ القدر میں نازل کیا۔''[2] اور پیر کے دن والی روایت کو ملا کر دیکھتے ہیں تو یہ 21 رمضان ہی کی رات بنتی ہے جو شمسی حساب سے 10 اگست 610ء تاریخ تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی عمر اُس وقت قمری حساب سے 40 سال، چھ ماہ اور بارہ دن تھی جبکہ شمسی حساب سے آپ کی عمر 39 سال، 3 ماہ اور بیس دن تھی۔[3]

جبریل علیہ السلام کی آمد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں کی صورت میں ہوئی۔ آپ جو بھی خواب دیکھتے، وہ سپیدۂ سحر کی طرح روشن ہو کر ظاہر ہو جاتا تھا، پھر آپ کو تنہائی محبوب کر دی گئی۔ آپ غار حراء میں خلوت نشین رہتے تھے۔ کئی کئی راتیں گھر تشریف نہ لاتے، عبادت ہی میں مصروف رہتے۔ آپ کھانے پینے کا سامان گھر سے ساتھ لے جاتے تھے۔ وہاں چند روز گزارتے، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس آتے اور تقریباً اتنے ہی دنوں کے لیے خورونوش کا مزید سامان ساتھ لے جاتے تھے۔

ایک دن نبی کریم ﷺ غار حراء میں تھے کہ اچانک فرشتہ (جبریل) نے آکر آپ سے کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ ''پڑھو!'' آپ نے فرمایا: ''میں پڑھا ہوا نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر خوب بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ ''پڑھو!'' میں نے پھر جواب دیا کہ میں پڑھا ہوا نہیں۔ اس نے مجھے دوبارہ پکڑ لیا اور بھینچا یہاں تک کہ میری قوت برداشت جواب دینے لگی، اس نے مجھے چھوڑ کر پھر کہا: ﴿اِقْرَاْ﴾ ''پڑھو!'' میں نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں، اس نے مجھے تیسری بار پکڑ کر خوب

[1] فتح الباري: 37/1. [2] القدر 1:97. [3] الرحیق المختوم، ص: 87،86، السیرۃ النبویۃ للمهدي: 164/1.

بھینچا، پھر چھوڑ دیا اور کہا:

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ ﴾ (العلق 96:1-3)

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمھارا رب تو نہایت کریم ہے۔"

رسول اللہ ﷺ یہ آیات لے کر واپس آ گئے۔ آپ گھبرائے ہوئے تھے۔ آپ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ ؓ کے پاس پہنچے اور فرمایا: "مجھے چادر اوڑھا دو، مجھے چادر اوڑھا دو۔" انھوں نے آپ کو چادر اوڑھا دی یہاں تک کہ آپ ﷺ کے خوف کی حالت دور ہو گئی۔ آپ نے حضرت خدیجہ ؓ کو ساری سرگزشت سنائی اور فرمایا: "مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔" حضرت خدیجہ ؓ نے آپ کو تسلی دی اور کہا: "ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔" پھر اس کی وجہ بتاتے ہوئے سیدہ خدیجہ ؓ نے کہا:

إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

"بے شک آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، درماندوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، فقیروں اور محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں اور راہِ حق میں پیش آنے والے مصائب میں مدد کرتے ہیں۔"

بعدازاں سیدہ خدیجہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کو ساتھ لیا اور اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) کے پاس تشریف لے گئیں۔ ورقہ (رضی اللہ عنہ) دور جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے۔ وہ عبرانی زبان بھی لکھنا جانتے تھے، چنانچہ وہ


ויהי אחרי מות משה עבד
יהוה ויאמר יהוה אל יהושע
בן נון משרת משה לאמר:

عبرانی بائبل کی ایک عبارت

عبرانی میں حسب توفیق انجیل لکھتے تھے۔ وہ اُس وقت سالخوردہ بوڑھے تھے۔ بینائی کھو چکے تھے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ورقہ (رضی اللہ عنہ) سے کہا: ''بھائی جان! اپنے بھتیجے کی بات سنیں۔'' ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے پوچھا: ''آپ نے کیا دیکھا ہے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان فرما دیا۔ اس پر ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''یہ تو وہی ناموس (وحی لانے والا فرشتہ) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔'' پھر ورقہ (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے: ''کاش! میں آپ کے زمانۂ نبوت میں توانا اور جوان ہوتا، کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا میری قوم مجھے نکال دے گی؟'' ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: ''جی ہاں! جب بھی کوئی بندہ اس طرح کا پیغام لایا جیسا آپ لائے ہیں تو اُس سے دشمنی ہی کی گئی۔ اگر مجھے آپ کا زمانہ نصیب ہوا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔'' اس کے بعد ورقہ جلد فوت ہو گئے اور ادھر وحی کا سلسلہ (وقتی طور پر) رُک گیا۔[1]

امام ابن ہشام رحمہ اللہ نے ابن اسحاق رحمہ اللہ سے ابتدائے وحی کی کیفیت کے بارے میں جو روایت بیان کی ہے، اُس کے الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں سویا ہوا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام ریشم کے کپڑے پر لکھی ہوئی ایک تحریر لائے اور مجھ سے کہا: ''اسے پڑھو......''[2]

یہ روایت بظاہر بخاری و مسلم کی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا والی حدیث کے خلاف ہے جس میں یہ صراحت ہے کہ نزولِ وحی کی ابتدا بیداری کی حالت میں ہوئی۔ خوابوں کے واقعات نزولِ وحی سے پہلے کے ہیں۔

امام سہیلی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں لکھا ہے: ''دونوں احادیث میں تطبیق یوں ممکن ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حالتِ بیداری میں آنے سے پہلے ایک دفعہ خواب میں بھی آئے ہوں گے تاکہ آپ کے لیے وحی کی جلالت کو برداشت کرنا آسان ہو جائے کیونکہ نبوت کا معاملہ بہت عظیم ہے اور اس کا بوجھ بہت بھاری ہے۔ انسان بہرحال کمزور ہے۔ گویا یہ نزولِ وحی کی تمہید اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی مہربانی تھی۔''[3]

ذیل میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے چند قابل غور نکات پیش کیے جاتے ہیں۔

① پہلی وحی کا نزول

صحیح بخاری کی اس حدیث میں سورۂ علق کی پہلی تین آیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بتانا مقصود نہیں تھا کہ سورۂ علق کی کتنی آیات نازل ہوئیں۔ اس روایت میں تو ان واقعات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جو اللہ

[1] صحيح البخاري :3. [2] السيرة لابن هشام :236/1. [3] الروض الأنف :403/1.

کے رسول ﷺ کو پیش آئے تھے، چنانچہ اس میں مختصر سا اشارہ کر دیا اور صرف تین آیات کا ذکر کیا۔ صحیح بخاری کی ایک روایت (4953) جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے، اُس میں پوری پانچ آیات کا ذکر ہے۔

② سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فراست

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کتنی زیرک اور صاحبِ فراست خاتون تھیں، اس کا کچھ اندازہ نزولِ وحی کے واقعے سے کیا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پہلی وحی کے نزول کی عظمت و جلالت سے ہیبت زدہ ہو گئے، گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بیک نظر اندازہ کر لیا کہ آج میرے شوہر عالی قدر کی طبع مبارک کچھ ناساز نظر آتی ہے۔ انھوں نے اس صورت حال کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی، نہ کوئی تفصیل پوچھی بلکہ آپ کو مکمل آرام و راحت کا موقع دیا۔ جب گھبراہٹ دور ہو گئی تو پھر تفصیلات معلوم کیں۔

ماہرینِ نفسیات (Psycologists) بڑی ریسرچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ گھبرائے ہوئے شخص کو پہلے پُرسکون ہونے کا پورا موقع دیا جائے، پھر اُس سے سوالات کیے جائیں۔ یہ بات بڑی تحقیق و جستجو کے بعد آج سامنے آئی ہے لیکن خدیجہ رضی اللہ عنہا ڈیڑھ ہزار سال پہلے انسانی نفسیات کی ان باریکیوں سے بخوبی آگاہ تھیں۔

③ رسالت وہبی منصب ہے

اس واقعے میں نبیِ کریم ﷺ پر خوف و ہراس طاری ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ رسالت کے طلب گار اور منتظر نہیں تھے بلکہ باری تعالیٰ نے اپنا پیغام دنیا میں پھیلانے کی ذمہ داری آپ کو وہبی طور پر سونپی تھی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ وحی سے آپ کے کسی اندرونی خیال یا باطنی منصوبے کی تکمیل نہیں ہوئی بلکہ یہ تو ایک ایسا بارِگراں تھا جو اچانک آپ پر ڈال دیا گیا۔ اس سے پہلے آپ کو اس معاملے کا سان گمان بھی نہ تھا۔ یہ حالت اس شخص کی نہیں ہو سکتی جو پہلے ہی سے اس قسم کی سوچ بچار اور امید و بیم میں مبتلا ہو اور تدریجی کشف کے ساتھ ساتھ اُس کا ایک عقیدہ بن جائے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دینے لگے۔ بعض مستشرقین نے آپ ﷺ کے بارے میں اسی قسم کے خود ساختہ خیالات ظاہر کیے ہیں۔ فرانسیسی مستشرق کارڈو اس طرح کے برخود غلط لوگوں میں بہت نمایاں ہے۔[1]

ان مستشرقین نے رسول اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی غرض سے اس قسم کے شوشے چھوڑے ہیں کہ اگر آپ پر غارِ حراء میں وحی نازل ہوئی ہوتی اور آپ کے پاس واقعی جبریل علیہ السلام آئے ہوتے تو آپ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے یہ کیوں فرماتے: «إِنِّي خَشِيتُ عَلَى نَفْسِي» ''مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔''

[1] حاضر العالم الإسلامي:39/1.

حالانکہ امرِ واقع یہ ہے کہ نزولِ وحی سے پہلے محمد رسول اللہ ﷺ نبوت و رسالت کے عظیم الشان منصب کی حقیقت سے بالکل نا آشنا تھے، اس لیے اس حیرت انگیز واقعے اور وحی الٰہی کی زبردست روحانی تاثیر کے باعث قلب اطہر میں تشویش اور گھبراہٹ کی لہر دوڑ جانا ایک فطری امر تھا۔ گھبراہٹ اور خوف اس بات کا تھا کہ آپ نبوت و رسالت کا بارِگراں برداشت کر سکیں گے یا نہیں؟ منصبِ رسالت کی نہایت اہم اور نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآں ہو سکیں گے یا نہیں؟ آپ ﷺ نے اپنے اسی تاثر کا ذکر اپنی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کیا اور انھوں نے آپ کے اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ چنیدہ کے حوالے سے آپ کو تسلی دی کہ اس طرح کے اخلاق و صفات کے حامل انسان زندگی میں کبھی ناکام نہیں ہوا کرتے، مزید تشفی کے لیے وہ آپ کو اپنے چچازاد ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) کے پاس لے گئیں۔

رسول اللہ ﷺ کا حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے بیداری کی حالت میں دیکھنا اس حقیقت کی قوی دلیل ہے کہ وحی انسان کا ذاتی اور داخلی معاملہ نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ ایک خارجی حقیقت کی جلوہ گری کا نام ہے۔ اس کا کسی طرح کی قلبی واردات سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ جبریل امین علیہ السلام کا آپ کو تین دفعہ دبانا، پھر چھوڑ دینا اور پھر ﴿اِقْرَاْ﴾ کہنا، اس خارجی حقیقت کو قبول کرنے کی تاکید و تائید ہے۔ اس سے اس خیال کی تردید ہو جاتی ہے کہ وحی داخلی (ذاتی، نفسی) خیالات کا ردعمل ہے بلکہ اس کا سرچشمہ خارجی ہے جس کا تعلق براہ راست اللہ رب العزت کی ذات عالی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (الشورٰی 52:42)

''اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم سے ایک روح (قرآن) کی وحی کی۔ آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟ لیکن ہم نے اسے نور بنا دیا۔ ہم اس کے ذریعے سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں ہدایت دیتے ہیں اور بلاشبہ آپ سیدھے راستے ہی کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔'' [1]

④ ما أنا بقارئ

اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے مطابق نبی ﷺ نے دنیاوی ذرائع سے کوئی تعلیم حاصل نہیں کی۔ یہی وجہ ہے کہ جبریل علیہ السلام کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: «مَا أَنَا بِقَارِئٍ» ''میں پڑھا ہوا نہیں۔'' قرآن مجید اس حکمت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

﴿وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝﴾

[1] السيرة النبوية للمهدي: 1/166،167.

''اور آپ اس (قرآن) سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے دائیں ہاتھ سے اسے لکھتے تھے، (اگر ایسا ہوتا) تو باطل پرست یقیناً شک کرتے۔''[1]

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے فرمایا ہے کہ اس قرآن کے نزول سے پہلے آپ نے اپنی قوم میں عمر کا ایک بڑا حصہ گزارا ہے، حالانکہ آپ نہ کتاب پڑھتے تھے، نہ لکھ سکتے تھے۔ آپ کی قوم کا ہر فرد اور دیگر لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ آپ اُمّی ہیں، لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔ سابقہ کتابوں میں بھی آپ کے بارے میں یہی بات بیان کی گئی ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْإِنْجِيْلِ يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (الأعراف 157:7)

''وہ لوگ جو (محمد) رسول اللہ کی، جو امی نبی ہیں، پیروی کرتے ہیں، جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ عمر بھر لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ آپ نے اپنے دستِ مبارک سے کبھی ایک حرف بھی نہیں لکھا...... آگے فرمایا کہ ''(اگر ایسا ہوتا) تو باطل پرست یقیناً شک کرتے۔'' یعنی اگر آپ لکھنا پڑھنا جانتے تو جاہل لوگ شک کرتے اور کہتے کہ آپ نے سابقہ انبیائے کرام کی کتابوں کی باتیں سیکھ لی ہیں۔ انھوں نے ایسا کہہ بھی دیا، حالانکہ انھیں اچھی طرح علم تھا کہ آپ اُمی نبی ہیں، آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے۔[2]

امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ﴾ میں یہ نکتہ مضمر ہے کہ تم اسے اپنی قوت، علم یا نفسی کیفیت کے زور پر نہیں پڑھ سکتے بلکہ اپنے رب کے کرم ہی سے پڑھ سکتے ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ کا پاک نام لے کر اسی کی مدد سے پڑھو۔ وہی تمھیں تعلیم دے گا جس طرح اُس نے تمھیں پیدا کیا، تمھارے دل سے جما ہوا خون اور شیطان کے وسوسے نکالے جو اس نے تمھارے اور ہر انسان کے دل میں پیدا کیے ہیں۔ سورۂ علق کی پہلی تین آیتیں رسولِ اکرم ﷺ کے لیے اور ان کے بعد کی دو آیتیں آپ کی امت کے لیے ہیں:

﴿الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝﴾ (العلق 5,4:96)

''اس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو وہ نہیں جانتا تھا۔''

[1] العنکبوت 48:29. [2] تفسیر ابن کثیر، العنکبوت 47:29-49.

نبیِ کریم ﷺ کی اُمت ناخواندہ تھی، لکھنا پڑھنا نہیں جانتی تھی مگر اب وہ اہلِ کتاب اور صاحبِ علم بن گئی، اس لیے کہ انھوں نے قلم کے ذریعے سے قرآن سیکھا۔ اُن کے نبی ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے سیکھا، انھوں نے اسے اللہ کے حکم سے نبیِ کریم ﷺ کے دل پر اُتارا۔ اس طرح آپ رسولوں کے زمرے میں شامل ہوگئے۔''[1]

حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ جنھوں نے سب سے پہلے اردو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ کیا اور ''موضح القرآن'' کے نام سے حواشی بھی لکھے، انھوں نے ان آیات کی تفسیر میں بہت لطیف بات ارشاد فرمائی ہے:

''اول جبریل وحی لائے تو یہی پانچ آیتیں، حضرت (محمد ﷺ) نے کبھی لکھا پڑھا نہ تھا (اسی لیے اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ قلم سے بس وہی علم دیتا ہے، یوں بھی (قلم کے بغیر) وہی دے گا۔''[2]

کچھ بعید نہیں کہ ان میں سے تیسری آیتِ کریمہ میں رب تعالیٰ نے اپنی صفت ﴿الْأَكْرَمُ﴾ ذکر کرکے اس طرف اشارہ فرمایا ہو کہ اپنے سارے بندوں کو اس نے ''قلم'' کے ذریعے سے علم سکھایا ہے مگر آپ کو وہ اپنے کرم سے علم عطا فرمائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

⑤ ناموسِ الٰہی

ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے فرشتے کے بارے میں تفصیلات سن کر کہا کہ یہ تو وہی ناموس (فرشتہ) ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آتا تھا۔ جبریل علیہ السلام وہ فرشتہ ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس وحی لے کر آتا تھا۔ ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے قریب کے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے بجائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے برعکس موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب (تورات) زیادہ تر احکام پر مشتمل تھی، اسی طرح نبی ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب (قرآن مجید) میں بھی زیادہ تر احکام بیان ہوئے ہیں۔[3] نبیِ کریم ﷺ کے متعلق بائبل کی سب سے مشہور پیش گوئی میں بنو اسمٰعیل سے موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی بھیجنے کا تذکرہ ہے۔ اسی مماثلت کی وجہ سے اُنھوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا۔[4]

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عیسیٰ (علیہ السلام) کا نام بھی مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ اشکال پیدا نہیں ہوتا۔[5]

⑥ مکہ مکرمہ سے نبی ﷺ کی محبت

امام سہیلی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے نبیِ کریم ﷺ کو بتادیا تھا: لَتُكَذَّبَنَّهْ ''البتہ آپ کی تکذیب ضرور کی جائے گی۔'' تو آپ نے کوئی ردِعمل ظاہر نہیں کیا۔ ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: وَلَتُؤْذَيَنَّهْ ''اور آپ کو ضرور

[1] الروض الأنف: 403/1. [2] موضح القرآن، العلق 5:96. [3] دیکھیے فتح الباري: 35/1. [4] کتاب مقدس (استثنا) 18:18، سیرت انسائیکلوپیڈیا (دارالسلام) 351,350/2. [5] شرح النووي علی صحیح مسلم: 266/2.

تکلیفیں پہنچائی جائیں گی۔'' اس پر بھی آپ خاموش رہے۔ لیکن جب ورقہ (رضی اللہ عنہ) نے کہا: وَلَتُخْرَجَنَّهْ ''اور آپ کو مکہ سے ضرور نکال دیا جائے گا۔'' تو یہ بات سُن کر آپ ﷺ فوراً بے چین ہوگئے۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: «أَوَ مُخْرِجِيَّ هُمْ؟» ''کیا وہ مجھے نکال دیں گے؟'' یعنی مکہ سے جدائی کی بات آپ پر بہت گراں گزری۔ ابن ہشام رحمہ اللہ نے لَتُخْرَجَنَّهْ کے بعد وَلَتُقَاتَلَنَّهْ ''اور آپ سے ضرور لڑائی کی جائے گی۔'' کا اضافہ بھی کیا ہے۔

جہاں انسان کے بچپن اور جوانی کے دن بیتے ہوں، اُس جگہ کی محبت فطری چیز ہے اور یہ محبت انسان کے دل میں بہت گہری ہوتی ہے۔ مکہ کا تو معاملہ ہی نہایت اہم تھا۔ یہ اللہ کا حرم تھا۔ یہاں بیت اللہ کی ہمسائیگی میسر تھی اور یہ نبی کریم ﷺ کے جد امجد اسمٰعیل علیہ السلام کا وطن تھا۔[1]

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ہجرت کے وقت مکہ سے نکلتے ہوئے فرمایا:

«وَاللّٰهِ! إِنَّكِ لَخَيْرُ أَرْضِ اللّٰهِ، وَ أَحَبُّ أَرْضِ اللّٰهِ إِلَى اللّٰهِ، وَلَوْلَا أَنِّي أُخْرِجْتُ مِنْكِ مَا خَرَجْتُ»

''اللہ کی قسم! تو اللہ تعالیٰ کی زمین میں بہترین مقام ہے اور اللہ کی زمین پر تو اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ جگہ ہے اور اگر مجھے تیری سرزمین سے نکالا نہ جاتا تو میں (کبھی) نہ نکلتا۔''[2]

⑦ باطل پرستوں کی اہلِ حق سے دشمنی

معاشرے کے باطل پرست عناصر اہلِ حق اور حق گوئی کو کبھی برداشت نہیں کرتے کیونکہ حق سے اُن کے مفادات پر زد پڑتی ہے۔ ایسا ازل سے ہوتا آیا ہے اور ابد تک ہوتا رہے گا۔ ہر نبی کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے:

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ﴾

''اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین کو دشمن بنایا، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتا رہتا ہے تاکہ اسے دھوکے میں رکھے۔''[3]

صحیح بخاری کی سابقہ روایت میں مذکور ہے کہ ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) نے نبی کریم ﷺ کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا کہ آپ کو بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ گویا تنبیہ تھی کہ حق کا دامن کبھی نہ چھوڑنا بلکہ تحمل سے دعوت کا سلسلہ

[1] الروض الأنف:414,413/1، سبل الهدٰى والرشاد:242/2، السيرة لابن هشام:238/1. [2] جامع الترمذي:3925، سنن ابن ماجه:3108. [3] الأنعام 6:112.

جاری رکھنا۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ انبیاء انتہائی متحمل مزاج اور صابر و شاکر ہوتے ہیں کیونکہ مخالفین کی جانب سے ایذا رسانی ناگزیر ہے۔[1]

ورقہ بن نوفل

جزیرہ نمائے عرب میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارک سے پہلے جس وسیع پیمانے پر کفر و شرک کی گمراہیاں پھیلی ہوئی تھیں، ان سے تاریخ کا کوئی طالب علم بے خبر نہیں۔ لیکن اس ظلمت کدے میں اللہ تعالیٰ کے چند ایسے نیک بندے بھی موجود تھے جو کفر اور شرک سے دور تھے اور بتوں کی پوجا سے سخت نفرت کرتے تھے، ان لوگوں میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا زاد ورقہ بن نوفل بہت ممتاز تھے۔

ورقہ بن نوفل بن اسد (رضی اللہ عنہ) کو امام طبری، بغوی، ابن قانع اور ابن السکن رحمہم اللہ وغیرہ نے صحابہ میں شمار کیا ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے انھیں خواب میں دیکھا۔ انھوں نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔ میرا خیال ہے اگر وہ جہنمی ہوتے تو سفید کپڑوں میں ملبوس نہ ہوتے۔''[3]

شیخ احمد ساعاتی نے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالے سے اس کی سند کو حسن قرار دیا ہے۔[4]

ایک دوسری روایت میں اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف الفاظ آئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے انھیں خواب میں دیکھا، وہ سفید لباس میں تھے۔ میں نے انھیں جنت میں دیکھا، انھوں نے ریشمی لباس پہن رکھا تھا۔''[5]

ایک اور مقام پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ورقہ (رضی اللہ عنہ) کو بُرا نہ کہو، میں نے خواب میں (جنت میں) ان کے ایک یا دو باغ دیکھے ہیں۔''[6]

مزید فرمایا: ''ورقہ بن نوفل (رضی اللہ عنہ) قیامت کے دن اکیلے ایک اُمت کی حیثیت سے اٹھائے جائیں گے۔''[7]

امام ہیثمی نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔[8]

---

[1] مجموع الفتاوٰی لابن تیمیة: 137,136/28. [2] أسد الغابة: 313/4، الإصابة: 474/6. [3] مسند أحمد: 65/6، صحیح السیرة النبویة للألباني، ص: 93. [4] الفتح الرباني: 449/22. [5] البدایة والنهایة: 9/3. ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ابویعلیٰ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور اسے حسن قرار دیا ہے۔ (صحیح السیرة النبویة للألباني، ص: 94,93) [6] البدایة والنهایة: 9/3. ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کو بزار اور ابن عساکر رحمہما اللہ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اُن سے اتفاق کیا ہے۔ (المستدرك للحاکم: 609/2، صحیح السیرة النبویة للألباني، ص: 94) [7] المعجم الکبیر للطبراني: 82/24. [8] مجمع الزوائد: 416/9.

وحی الٰہی کی معجز نمائیاں

وحیِ الٰہی کا نزول رسول اللہ ﷺ کے لیے بڑا مبارک اور تعجب انگیز تجربہ تھا۔ آپ ﷺ کو بذریعہ وحی آپ کے منصب سے آگاہ کر دیا گیا اور یہ فرض سونپا گیا کہ آپ ﷺ پورے عالم انسانیت کی آگہی کے لیے یہ اعلان فرما دیں کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لاؤ اور نیک اعمال کرو۔ نیکی کا نتیجہ اچھا اور برائی کا لازمی نتیجہ برا ہے۔ جو شخص رب ذوالجلال کی چوکھٹ چھوڑ کر غیروں کے در پر جھکے گا، وہ ہمیشہ خائب و خاسر رہے گا۔

وحی کی بندش، پوشیدہ حکمتیں اور آغازِ نو

رسول اللہ ﷺ منصب نبوت کے فرائض نبھانے کے لیے وحی کی روشنی کے منتظر رہتے تھے اور جب وحی کا سلسلہ منقطع ہو جاتا تھا تو ایسا وقت آپ ﷺ پر بہت گراں گزرتا تھا۔ آپ وحی کا پیغام وصول کیے بغیر کوئی بات نہیں کہتے تھے۔ پہلی وحی اترنے کے بعد کچھ عرصے کے لیے وحی کا سلسلہ رک گیا۔ وحی رُک جانے کے اس عرصے کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض کہتے ہیں: بندش کی مدت تین سال تھی اور بعض نے اڑھائی سال کہی ہے۔[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما نے چالیس دن کا ذکر کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بندش تھوڑے دن ہی رہی۔[2]

1 وحی کا تعلق اللہ رب العزت کی مرضی اور منشا سے ہے: وحی رُک جانے میں یہ سبق اور حکمت روشن ہے کہ یہ معاملہ ہر لحاظ سے پوری طرح صرف اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ شہنشاہ اعظم ہے، قادر مطلق ہے، جب چاہے وحی بھیجے، جب چاہے روک لے۔ رسول اللہ ﷺ اس معاملے میں اپنا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس بارے میں ارشاد باری ہے:

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّ ۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝﴾

کہہ دیجیے: مجھے اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری

1 الروض الأنف: 420/1. 2 فتح الباري: 37/1، شرح الزرقاني على المواهب: 441/1.

طرف وحی کی جاتی ہے۔ بے شک اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔"[1]

جب وحی کا سلسلہ رک جاتا تھا اور جبریل علیہ السلام کی معرفت آسمانی خبریں آنی بند ہو جاتی تھیں تو رسول اللہ ﷺ مضطرب ہو جاتے تھے اور آپ ﷺ کی خاموشی بڑھ جاتی تھی۔ مندرجہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بالکل صاف اور غیر مبہم الفاظ میں حکم دیا ہے کہ آپ وحی کے بارے میں لوگوں کو دوٹوک بات بتا دیں کہ میں صرف وحی کی روشنی میں عمل کرتا ہوں۔ مجھے اس باب میں کوئی اختیار نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی رد و بدل کروں ...... یہ معاملہ ایک بہت بڑی حقیقت کی خبر دیتا ہے۔ غور کا مقام ہے کہ جب خود سیدالانبیاء ﷺ پر وحی آنی بند ہو جاتی تھی اور آپ آسمانی احوال سے بالکل بے خبر اور لاعلم رہتے تھے تو پھر وہ لوگ کس منہ سے غیب بینی کا دعویٰ کرتے ہیں جو کالے علم، فال، ستاروں کی چال اور ہاتھوں پر پھیلی ہوئی لکیروں سے توہمات کا تانا بانا بنتے ہیں اور لوگوں کو ان کے مستقبل کے خود ساختہ من پسند احوال بتا کر ان کی جیب پر ڈاکہ ڈالتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے۔ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کو نہیں۔ خود محمد رسول اللہ ﷺ بھی اپنی آگہی کے لیے وحی کے محتاج تھے۔

2 مقصد حاصل کرنے کے لیے درجہ بدرجہ آگے بڑھنے کی اہمیت: نبوت کا آغاز بھی درجہ بدرجہ ہوا، پہلے خلوت کا مرحلہ آیا۔ پھر سچے خواب دکھائی دیے، پھر نبوت کا تاج پہنایا گیا۔ اسی طرح غیر مسلموں کو دعوت دینے کا اصول بھی یہی ہے جیسا کہ معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہے جب انھیں رسول اللہ ﷺ نے یمن میں دین حنیف کی دعوت وتبلیغ کے لیے بھیجا تو فرمایا:

"آپ ایسے لوگوں کے پاس جا رہے ہیں جو اہل کتاب ہیں۔ آپ سب سے پہلے اُنھیں اللہ کی عبادت (توحید) کی طرف بلائیں۔ جب وہ اللہ کی معرفت حاصل کر لیں تو انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ اس پر عمل کرنے لگیں تو آپ انھیں بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر زکاۃ فرض کی ہے جو اُن کے مال داروں سے لے کر انھی کے غرباء کو دی جائے گی۔ جب وہ یہ بات مان لیں تو آپ اُن سے زکاۃ لیں۔ لیکن زکاۃ میں لوگوں کے بہترین مال نہ لیے جائیں۔"[2]

يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ — يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ

جب وحی کی روک اُٹھ گئی تو سورۂ مدثر اور سورۂ مزمل یکے بعد دیگرے نازل ہوئیں۔ اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ

[1] يونس 15:10، [2] صحيح البخاري:1458.

نے فرمایا: ''میں نے غارحراء میں کچھ وقت گزارا۔ پھر جب میں نیچے اترا تو میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے دائیں طرف بھی دیکھا، بائیں طرف بھی دیکھا، آگے پیچھے (ہر طرف) نظر دوڑائی لیکن کچھ نظر نہ آیا، پھر آسمان کی طرف دیکھا تو مجھے ایک وجود (فرشتہ) نظر آیا۔ میں گھر خدیجہ کے پاس پہنچا اور ان سے کہا: «دَثِّرُونِي وَصُبُّوا عَلَيَّ مَاءً بَارِدًا» ''مجھے کمبل اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو۔'' چنانچہ انھوں نے مجھے کمبل اوڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾ (المدثر 74:1-3)

''اے چادر میں لپٹنے والے! اٹھیے اور ڈرایئے۔ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجیے۔''

اس کے بعد تسلسل سے وحی نازل ہونے لگی۔''[1] کچھ روایات میں ﴿ يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ ﴾ کے پہلے نازل ہونے کا ذکر ہے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جب وحی آنے کا سلسلہ رُک گیا اور آپ پر یہ مرحلہ شاق گزرنے لگا تو آپ نے خود کلامی کے انداز میں اپنے آپ سے کہا: ''مجھے خدشہ ہے کہ میرا ساتھی مجھ سے ناراض ہو گیا ہے یا اُس نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔'' پھر جبریل علیہ السلام سورۃ الضحیٰ لے کر آگئے۔[2]

اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تسلی دی اور ارشاد فرمایا:

﴿ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ ۝ ﴾

''(اے نبی!) آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا ہے نہ ناراض ہوا ہے۔''

پھر مزید تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَكَ مِنَ الْأُولَىٰ ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ ﴾

''اور یقیناً آپ کے لیے آخرت، دنیا سے بہت بہتر ہے۔ اور جلد ہی آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔''

پھر پچھلی نوازشوں اور مہربانیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ۝ ﴾

''کیا اس نے آپ کو یتیم نہ پایا، پھر ٹھکانا عطا کیا۔ اور آپ کو ناواقف راہ پایا، پھر ہدایت بخشی۔ اور آپ کو

[1] صحيح البخاري: 4922 و 4. [2] السيرة لابن إسحاق: 179/1.

تنگ دست پایا، پھر مالدار کر دیا۔''[1]

سورۃ الضحیٰ کی شانِ نزول کے بارے میں معتبر روایت وہی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے۔ جندب بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے۔ آپ دو یا تین رات قیام اللیل کے لیے نہیں اُٹھے۔ ایک عورت (ام جمیل) آئی اور کہنے لگی: ''اے محمد! مجھے لگتا ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے۔ وہ دو تین راتوں سے تمھارے پاس نہیں آیا۔'' تب اللہ عزوجل نے یہ سورت نازل کی:

﴿وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝﴾ (الضحیٰ 93:1-3)

''دھوپ چڑھنے کے وقت کی قسم! اور رات کی (قسم) جب وہ چھا جائے۔ (اے نبی!) آپ کے رب نے آپ کو چھوڑا نہ وہ آپ سے ناراض ہوا۔''[2]

یہ ایک اور طرح کی بندش ہے، اس سے وحی کی معروف بندش مراد نہیں۔ ٹھیک بات یہی ہے جو صحیح بخاری کی روایت میں بیان کی گئی ہے کہ وحی کی بندش کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جبکہ سورۂ مزمل کی ابتدائی آیات اور سورۃ الضحیٰ بھی بالکل ابتدائی دور کی سورتیں ہیں۔

وحی کی بندش ختم ہونے کے بعد جب دوبارہ نزولِ وحی کا سلسلہ شروع ہوا تو سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات میں پہلی مرتبہ آپ کو حکم دیا گیا کہ آپ اٹھیں اور انسانوں کو اُس گمراہی کے انجام سے ڈرائیں جس میں وہ مبتلا ہیں۔ اس دنیا میں جہاں غیروں کی بڑائی کے ڈنکے بج رہے ہیں، آپ اللہ کی بڑائی کا اعلان کریں۔

اللہ تعالیٰ نے جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا: ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ ۝﴾ ''کھڑے ہوجائیے اور لوگوں کو ڈرائیے۔'' تو آپ مسلسل تیئیس سال تک اس پر کاربند رہے اور اس حکم کی بجا آوری کا حق ادا کر دیا۔

سورۂ مدثر کی اگلی آیات میں فرمایا:

﴿وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝﴾

''اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔ اور ناپاکی سے دُور رہیے۔ اور زیادہ حاصل کرنے کے لیے احسان نہ کیجیے اور اپنے رب کی خاطر صبر کیجیے۔''[3]

ان آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی گئی کہ اب جو کام آپ کو کرنا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ ظاہری و باطنی پاکیزگی اور کامل اخلاص کے ساتھ مخلوق کی اصلاح کا فریضہ انجام دیں۔ آپ نہ صرف روحانی پاکیزگی کا خیال رکھیں بلکہ

---

[1] الضحیٰ 93:3-8. [2] صحیح البخاري: 4950. [3] المدثر 74:4-7.

لباس اور جسمانی پاکیزگی کا بھی خاص اہتمام کریں کیونکہ ظاہری حالت اور لباس اندرونی حالت کا عکاس ہوتا ہے۔
رسول اللہ ﷺ کو کسی پر احسان کر کے زیادہ پانے کی اُمید نہ رکھنے کی تلقین بھی کی گئی۔ اس میں اُمت کے لیے یہ سبق چمک رہا ہے کہ کسی پر احسان کر کے اسے اپنا غلام ہی نہ بنالیں اور احسان کی آڑ میں استحصال نہ کریں۔ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

﴿لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى﴾

''اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف دے کر ضائع مت کرو۔''[1]

فرمانِ الٰہی: ﴿وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝﴾ میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت کا کام شروع کرنے کے بعد مخالفین کی جانب سے مخالفت، استہزا اور مذاق سے لے کر آپ کو قتل کرنے تک کی سازشیں کی جائیں گی اور مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا جس پر آپ کو صبر کرنا ہوگا۔

نزولِ وحی کی کیفیات

نزولِ وحی کی مختلف کیفیتوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝﴾

''اور یہ کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر الہام (دل میں القاء) کر کے، یا پردے کے پیچھے سے، یا فرشتہ بھیج کر اور وہ (فرشتہ) اللہ کے حکم سے، جو اللہ چاہے، وحی کرتا ہے۔ بلاشبہ وہ بلند مرتبہ، خوب حکمت والا ہے۔''[2]

حافظ ابن قیم ؒ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر مختلف طریقوں سے وحی نازل فرمائی:

1. سچے خواب: انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔ نبیِ کریم ﷺ پر وحی کی ابتدا اسی طریقے سے ہوئی جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے۔
2. کبھی جبریل علیہ السلام ظاہر ہوئے بغیر ہی رسول اللہ ﷺ کے دل میں کوئی بات ڈال دیتے تھے۔ جب ایسا موقع آتا تو رسالت مآب ﷺ معاً سمجھ جاتے تھے کہ جبریل میرے دل میں بات ڈال رہے ہیں۔ جیسا کہ خود نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ کوئی شخص اُس وقت تک فوت نہیں ہوتا جب تک وہ اپنا

[1] البقرة 2:264. [2] الشورىٰ 42:51.

پورا رزق حاصل نہیں کر لیتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اچھے طریقے سے رزق طلب کرو۔"[1]

3 کبھی فرشتہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے کسی آدمی کی صورت میں ظاہر ہوتا۔ وہ آپ کو وحی سناتا اور آپ اس وحی کو یاد کر لیتے۔[2] اس صورت میں صحابۂ کرام بھی کبھی کبھی فرشتے کو دیکھ لیتے تھے۔[3]

4 کبھی رسول اللہ ﷺ پر وحی گھنٹی کی آواز کے مانند آتی تھی۔ یہ صورت آپ پر بہت گراں گزرتی تھی۔ وحی کی شدت کی وجہ سے آپ ﷺ کی پیشانی پر پسینہ چمک اُٹھتا تھا[4] اور کبھی ایسا ہوتا تھا کہ آپ کی اونٹنی بیٹھ جاتی تھی۔[5]

وحی کی اس شدت کو سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس طرح بیان کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: "ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے یہ آیت املا کرائی:

﴿لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾

(النسآء 4:95)

"ایمان والوں میں سے کسی عذر کے بغیر بیٹھ رہنے والے اور اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے برابر نہیں۔"

اسی دوران میں اچانک حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے۔ وہ نابینا تھے۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرنے لگے: "اگر میں جہاد کی طاقت رکھتا تو جہاد کرتا۔" عین اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ وحی نازل فرمائی۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ کی مبارک ٹانگ میری ران پر تھی۔ اس حالت میں مجھ پر اتنا زبردست بوجھ پڑا کہ مجھے اپنی ران کچلی جانے کا خوف پیدا ہو گیا۔"[6]

5 کبھی رسول اللہ ﷺ جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھتے اور وہ آپ پر اللہ کے حکم کے مطابق وحی کرتے جیسا کہ سورۂ نجم (53:13) میں اس کی وضاحت موجود ہے۔

6 کبھی اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے براہِ راست ہم کلام ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا فرشتے کے واسطے کے بغیر براہِ راست کلام فرمانا ایسے ہی تھا جیسے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو براہِ راست ہم کلامی کے شرف سے نوازا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ قدر و منزلت قرآن مجید کی اِس آیت سے ثابت ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ۝﴾

"اور اللہ نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کلام کیا۔"[7]

[1] السلسلة الصحيحة: 2866. [2] صحيح البخاري: 3215، صحيح مسلم: 2333. [3] المعجم الكبير للطبراني: 261,260/1. [4] صحيح البخاري: 3215. [5] المستدرك للحاكم: 505/2، حديث: 3865. [6] صحيح البخاري: 2832. [7] النسآء 4:164.

یہ فضیلت نبیِ کریم ﷺ کو معراج کی رات حاصل ہوئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مجھے اور زیادہ بلندی پر لے جایا گیا حتی کہ میں ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں مجھے قلموں کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔''

نمازوں کی تعداد کم کرانے کے لیے آپ ﷺ بار بار اوپر جاتے رہے، اُس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کلام کا شرف عطا فرمایا تھا۔[1]

نماز: دینِ اسلام کا اساسی رکن

اللہ تعالیٰ کی قدرت کائنات کے ذرے ذرے میں جلوہ گر ہے۔ آسمان پر نگاہ ڈالیے۔ چاند سورج کے طلوع و غروب کے مناظر، ستاروں کی چمک، قوس قزح کی دھنک، پھولوں کی مہک، کلیوں کی چٹک، پرندوں کی چہک، پہاڑوں کی بلند چوٹیاں، جھومتے ہوئے جنگل اور بہتے ہوئے آبشار دیکھ کر دل گواہی دیتا ہے کہ جس قادرِ مطلق ہستی نے یہ کارخانۂ زندگی بنایا ہے، اُس نے اپنی جمال آرائیوں سے انسان پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ پھر خود انسان کو کتنی احسن اور متوازن شکل وصورت میں پیدا کیا ہے اور کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے! کیا اتنے معظم ومکرم خالق و مالک کے لیے ہم پر لازم نہیں آتا کہ ہم اُس کی احسان شناسی کے لیے اُس کے حضور ادب و احترام سے سر جھکائیں؟ اللہ نے ہر چیز ہمارے لیے بنائی اور خود ہمیں اپنی بندگی کے لیے بنایا۔ ہم اللہ کی بندگی کا اعلان و اعتراف نماز پڑھ کر ہی کر سکتے ہیں۔ جونہی انسان کلمہ طیبہ لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله پڑھتا ہے، وہ اسلام کی چھاؤں میں آجاتا ہے اور اُس پر نماز فرض ہو جاتی ہے۔ یہ ایسا التزامی فرض ہے جو زندگی کے کسی موڑ پر کسی بھی حالت میں ساقط نہیں ہوسکتا۔

نماز ہمیشہ سے دینِ اسلام کا اساسی رُکن اور مسلمانوں کے لیے طاقت کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے۔ یہ صرف شریعت محمدی یا دین اسلام ہی کا رکن اعظم نہیں بلکہ تمام شرائع و ادیان میں ہمیشہ اہم ترین عبادت کی حیثیت سے شامل رہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ اور اپنی اولاد کو مکہ میں بسانے کا ایک بڑا مقصد نماز قائم کرنا قرار دیا تھا:

﴿رَبَّنَا إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجْعَلْ أَفْـِٔدَةً مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهْوِيٓ إِلَيْهِمْ وَٱرْزُقْهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝﴾

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی اولاد میں سے ایک کو بے زراعت وادی میں، تیرے محترم

[1] صحیح مسلم: 163، زادالمعاد: 80/1، شرح السنة للبغوي: 13/336-351.

گھر (کعبہ) کے پاس بسایا ہے۔ اے ہمارے رب! یہ اس لیے کیا ہے کہ (یہاں) وہ نماز قائم کریں، سو تو لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں۔" [1]

تعمیر کعبہ کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام سے عہد لیا تو انھیں حکم دیا کہ طواف، اعتکاف اور رکوع و سجود کرنے، یعنی نماز پڑھنے والوں کے لیے کعبۃ اللہ کو پاک صاف رکھا جائے:

﴿وَعَهِدْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِـۧمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِينَ وَٱلْعَـٰكِفِينَ وَٱلرُّكَّعِ ٱلسُّجُودِ ۝﴾

"اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل (علیہما السلام) کو حکم دیا کہ تم دونوں طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لیے میرا گھر پاک کرو۔" [2]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سب سے پہلے جو وحی نازل کی، اس میں بھی نماز کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّنِىٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَـٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِى وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِىٓ ۝﴾

"بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، چنانچہ میری عبادت کیا کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔" [3]

اسی طرح حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو جو وصیتیں کیں، ان میں ایک یہ بھی تھی:

﴿يَـٰبُنَىَّ أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ وَأْمُرْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَٱنْهَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَٱصْبِرْ عَلَىٰ مَآ أَصَابَكَ ۖ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ ٱلْأُمُورِ ۝﴾

"بیٹا! نماز کی پابندی رکھنا اور (لوگوں کو) اچھے کام کرنے کا حکم دینا اور بری باتوں سے منع کرتے رہنا اور جو مصیبت تم پر واقع ہو اس پر صبر کرنا، بے شک یہ بڑی ہمت کے کاموں سے ہے۔" [4]

الغرض سابقہ تمام ادیان و مذاہب میں بھی نماز کا تصور موجود تھا کیونکہ یہ عبادت کی ایک بہترین صورت ہے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں میں دین ابراہیمی کی جو چند باتیں باقی تھیں، ان میں نماز بھی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ اہل جاہلیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَكَانَتْ فِيهِمُ الصَّلَاةُ.

1 إبراهيم 14:37. 2 البقرة 2:125. 3 طٰهٰ 20:14. 4 لقمٰن 31:17.

''اُن میں نماز بھی تھی۔''[1]

ابن اثیر رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز حرم میں ادا کرتے تھے کیونکہ قریش اس نماز سے نا آشنا نہیں تھے۔[2]

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اولین ملاقات سے تین سال پہلے ہی میرا معمول تھا کہ میں نماز پڑھا کرتا تھا۔ اُن سے پوچھا گیا: ''آپ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟'' ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جس طرف میرا رب میرا رُخ کر دیتا تھا۔''[3]

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عم زاد جناب زید بن عمرو بن نفیل کے نماز پڑھنے کا بھی ذکر ملتا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے: ''میں اپنی قوم کی مخالفت کرتے ہوئے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کے دین کی پیروی کرتا ہوں۔ جس کی وہ دونوں عبادت کیا کرتے تھے، میں بھی اُسی کی عبادت کرتا ہوں۔ وہ اس قبلے (بیت اللہ) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔ اب میں بنواسمٰعیل سے ایک نبی کا منتظر ہوں، شاید میں اُن سے نہ مل سکوں۔ میں اُن پر ایمان رکھتا ہوں، اُن کی تصدیق کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ وہ نبی ہیں۔'' اُنھوں نے عامر بن ربیعہ سے کہا: ''اگر آپ اُس نبی سے ملیں تو اُن سے میرا اسلام کہنا۔'' عامر کہتے ہیں: ''جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زید بن عمرو بن نفیل کے احوال سے آگاہ کیا۔ آپ نے اُن کے سلام کا جواب دیا اور اُن کے لیے رحمت کی دُعا کی۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں نے اُسے جنت میں اپنا دامن گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے۔''[4]

ابن اسحٰق رحمہ اللہ نے لکھا ہے: زید بن عمرو بن نفیل کہا کرتے تھے: ''اے اللہ! اگر میں تیری عبادت کا کوئی بہتر طریقہ جانتا تو میں اُسی طرح عبادت کرتا لیکن مجھے اُس کا علم نہیں۔'' پھر وہ اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھ کر سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔[5]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا: ''یہ قیامت کے دن اکیلے مستقل امت کی شکل میں آئیں گے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نزولِ وحی کی ابتدا کے بعد جس چیز کی تعلیم دی گئی، وہ وضو اور نماز ہے۔ ابن اسحٰق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے بعض اہل علم نے بیان کیا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز فرض کی گئی تو جبریل علیہ السلام آپ کے پاس آئے۔ اُس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بالائی حصے میں تھے۔ جبریل علیہ السلام نے وادی کی ایک جانب ایڑی ماری تو وہاں سے

[1] حجة اللّٰه البالغة:396/1. [2] الكامل لابن الأثير:583/1، أنساب الأشراف:126/1. [3] صحيح مسلم:2473، فتح الباري:219/7. [4] فتح الباري: 181/7، الإصابة: 509/2. یہ روایت ضعیف ہے۔ دیکھیے حاشیہ: (سير أعلام النبلاء:131/1) [5] فتح الباري: 183/7، السيرة لابن إسحاق:163/1، الإصابة:508/2.

چشمہ پھوٹ پڑا۔ جبریل علیہ السلام نے نماز کے لیے وضو کیا۔ رسول اللہ ﷺ اُن کے وضو کا بغور جائزہ لیتے رہے، پھر آپ نے اُسی طرح وضو کیا جس طرح انھیں وضو کرتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد جبریل علیہ السلام نے آپ کو نماز پڑھائی اور واپس چلے گئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ آپ نے اُنھیں نماز کے لیے وضو کرنے کا طریقہ اُسی طرح سکھایا جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو سکھایا تھا۔ پھر آپ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو اُسی طرح نماز پڑھائی جس طرح جبریل علیہ السلام نے آپ کو نماز پڑھائی تھی۔[1]

ابن اسحاق لکھتے ہیں کہ بعض اہل علم نے بتایا ہے: جب نماز کا وقت ہوتا تو رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے۔ آپ کے ساتھ علی رضی اللہ عنہ بھی جاتے تھے۔ اس بات سے علی رضی اللہ عنہ کے باپ ابوطالب، چچا صاحبان اور قوم کے دیگر افراد بے خبر تھے۔ پچھلے پہر دونوں حضرات واپس آجاتے۔ جب تک اللہ نے چاہا، دونوں اسی طرح نماز پڑھتے رہے۔ ایک دن ابوطالب نے انھیں نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ''اے میرے بھتیجے! یہ کون سا دین ہے جس پر آپ عمل پیرا ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''چچا جان! یہ اللہ، فرشتوں، رسولوں اور ہمارے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے بندوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چچا جان! میری طرف سے خیر خواہی اور حق کی طرف رہبری کے سب سے زیادہ مستحق آپ ہیں۔ آپ کو میری دعوت قبول کرنی چاہیے اور اس کے پھیلانے میں میرے ساتھ تعاون کرنا چاہیے۔'' ابوطالب نے جواب دیا: ''بھتیجے! میں اپنے آباء و اجداد کا دین نہیں چھوڑ سکتا، البتہ اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں، کوئی مائی کا لال آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔''

پھر اُنھوں نے علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''اے میرے بیٹے! تم کس دین پر چل رہے ہو؟'' اُنھوں نے جواب دیا: ''ابا جان! میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہوں۔ جو کچھ وہ لے کر آئے ہیں، اُس کی تصدیق کرتا ہوں، اُن کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں اور اُن کی پیروی کرتا ہوں۔'' ابوطالب نے معاً کہا: ''میرے بیٹے! یقیناً تمھارے عم زاد (رسول اللہ ﷺ) تمھیں بھلائی ہی کا راستہ بتائیں گے۔ تم ہمیشہ ان کی بات مانتے رہنا۔''[2]

کچھ روایات میں نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نماز پڑھنے کا بھی ذکر ہے۔[3]

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو جب نماز پڑھنی ہوتی تو وہ گھاٹیوں کی طرف نکل جاتے

[1] السیرۃ لابن ہشام: 244/1. یہ روایت ضعیف ہے۔ [2] السیرۃ لابن ہشام: 247,246/1. [3] السیرۃ الحلبیۃ: 433/1.

تھے اور وہ لوگوں سے چھپ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک وہاں مشرکین آنکلے۔ انھیں یہ عمل بڑا عجیب لگا۔ انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو برا بھلا کہا حتی کہ اُن سے لڑنا شروع کر دیا۔ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مشرکین بلاوجہ مسلمانوں پر چڑھائی کرتے جا رہے ہیں تو اُنھوں نے ایک مشرک کے سر پر اُونٹ کے جبڑے کی ہڈی دے ماری۔ یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی راہ میں بہایا گیا۔[1]

ابن حزم نے بھی لکھا ہے: فَضَرَبَ سَعْدٌ رَجُلًا مِّنْهُمْ بِلَحْيِ جَمَلٍ فَشَجَّهُ ''حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک شخص کو اونٹ کے جبڑے کی ہڈی مار کر زخمی کر دیا۔''[2]

نماز کی فرضیت اور اولین ہیئت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ''پہلے پہل نماز کی صرف دو رکعتیں فرض کی گئی تھیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کی تو نماز چار رکعت ہوگئی لیکن سفر کی نماز بدستور دو رکعت ہی رہی۔''[3]

یاد رہے نماز شبِ معراج میں فرض ہوئی تھی۔ اس کی تفصیل آگے واقعۂ معراج میں آئے گی۔ محدثین رحمہم اللہ کی ایک بہت بڑی جماعت کا بھی یہی مذہب ہے کہ اسراء و معراج سے قبل نماز فرض نہ تھی، البتہ رات کو نماز پڑھنے کا حکم ضرور تھا مگر اس کی رکعتوں کی کوئی حد متعین نہ تھی۔ حربی کا قول ہے کہ پہلے صبح و شام دو دو رکعتیں فرض تھیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے بعض اہلِ علم سے ذکر کیا ہے کہ پہلے رات کی نماز فرض تھی لیکن پھر اسے باری تعالیٰ کے اس حکم: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ (المزمل 20:73) ''تو جتنا آسانی سے ہو سکے، اتنا پڑھ لیا کرو'' کے ذریعے منسوخ کر دیا گیا اور رات کے کچھ حصے کا قیام فرض ہوگیا اور جب پانچ نمازیں فرض ہوئیں تو رات کے قیام کی فرضیت منسوخ ہوگئی۔[4]

یہاں بعض ذہنوں میں یہ سوال اُبھرتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نماز کی تعلیم دی گئی تھی تو اس وقت سورۂ فاتحہ اور سورۂ علق کی پانچ آیات یا سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے سوا قرآن کریم کا اور کوئی حصہ نازل نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح تسبیحاتِ رکوع و سجود، تشہد اور درود وغیرہ کی تفصیلات بھی نہیں دی گئی تھیں۔ یہ بات اپنی جگہ یقیناً صحیح ہے کہ یہ تفصیلات اولین نمازوں میں موجود نہیں تھیں۔ لیکن بقول حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نماز کی اصل (بہرحال) موجود تھی۔[5]

---

[1] السيرة لابن إسحاق: 190/1، السيرة لابن هشام: 263/1. [2] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 51. [3] صحيح البخاري: 3935، صحيح مسلم: 685. [4] فتح الباري: 603/1. [5] البداية والنهاية: 23/3.

شروع میں صرف نماز کی ہیئت ہی سکھائی مقصود تھی۔ اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بندہ اپنے خالق کے حضور اپنی بندگی اور عبادت کا اظہار و اعلان اپنے اعضاء و جوارح سے کرے تاکہ قلب میں حضوری کی کیفیت پیدا ہو۔ تلاوتِ قرآن اور تسبیحات وغیرہ تو زبان سے اظہارِ عبودیت کی علامات ہیں اور ان کا درجہ اعضاء و جوارح کے کلی اظہارِ بندگی کے بعد ہی آتا ہے۔

آغازِ اسلام میں نمازوں کی تعداد

بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورۃ المزمّل میں نبیِ کریم ﷺ کو حکم دیا گیا:

﴿يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۝ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ۝ إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝﴾

''اے چادر میں لپٹنے والے! رات میں قیام کیجیے مگر تھوڑا سا۔ آدھی رات یا اس میں سے کچھ کم کر دیجیے۔ یا اس پر (کچھ) زیادہ کر لیجیے اور قرآن کی تلاوت ٹھہر ٹھہر کر کیجیے۔ ہم عنقریب آپ پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ بلاشبہ رات کو اٹھنا (نفس کو) کچلنے کے لیے زیادہ سخت اور دعا و ذکر کے لیے مناسب تر ہے۔''[1]

یعنی رات کو اُٹھنا دل جمعی اور فہم کلام کے لیے بہت خوب ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''اس سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے قیام اللیل فرض کیا تھا۔ نبیِ کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ ایک سال تک اتنا لمبا قیام کرتے رہے کہ اُن کے پاؤں پر ورم آجاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بارہ مہینے اس سورت کا بقیہ حصہ آسمان ہی میں روکے رکھا (اور اس کی فرضیت باقی رکھی)، پھر اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور رات کے قیام کو نفل قرار دے دیا گیا۔''[2]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یقیناً ابتدا میں رات کی نماز تھی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چاشت کی نماز بھی تھی۔[3] کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ فجر کی نماز بھی تھی۔ معروف فقیہ ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ مزنی شافعی بیان کرتے ہیں کہ معراج سے پہلے دو نمازیں پڑھی جاتی تھیں۔ ایک نماز طلوع آفتاب سے پہلے تھی اور دوسری نماز غروب آفتاب سے پہلے۔ وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ۝﴾ (المؤمن 55:40)

[1] المزمل 73:1-6. [2] مسند أحمد: 54/6. [3] الكامل لابن الأثير: 583/1، أنساب الأشراف: 126/1.

''اور پچھلے پہر اور پہلے پہر اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کیجیے۔'' [1]

بہر حال نماز شبِ معراج میں فرض ہوئی۔ پھر جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانچوں نمازیں ادا کیں اور نماز کی ہیئت و ساخت، کیفیت اور اوقات کی تعلیم دی۔ [2]

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ نماز پنجگانہ اپنے تمام ارکان اور تعداد رکعات کے ساتھ اُس وقت فرض ہوئی جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے۔

[1] الروض الأنف :423/1. علامہ سہیلی رحمہ اللہ نے اگرچہ یہ قول امام مزنی اور یحییٰ بن سلام سے نقل کیا ہے مگر فتح الباری (603/1) میں امام الحربی اور عمدۃ القاری (256/3) میں ابواسحاق الحربی اور یحییٰ بن سلام سے منقول ہے۔ کوئی بعید نہیں کہ الروض الانف میں المزنی، الحربی سے تصحیف ہو۔ [2] صحیح البخاري :521.

تبلیغِ رسالت

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی ان کے منصبِ جلیلہ سے آگاہ فرمایا۔ آپ اپنے رب کے بے حد شکر گزار بندے تھے۔ آپ رب العزت کے حضور عملاً اقرارِ بندگی کے لیے نماز پڑھتے تھے۔ آپ کے ساتھ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ بھی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیں۔ یہی اسلام کی تبلیغ کا نکتۂ آغاز تھا۔

تبلیغِ رسالت کے مراتب و مراحل

دعوت و تبلیغ ایک مقدس فریضہ ہے۔ اس کا مقصد حق و صداقت کو پھیلانا اور لوگوں کو اس کا قائل کرنا ہے۔ تبلیغِ دین کا پہلا تقاضا یہ ہے کہ مخاطب کو غور و فکر کی دعوت دی جائے اور اُسے تفکر و تدبر کی راہ پر ڈالا جائے۔ ارضی حقائق، عقلی دلائل اور مشاہداتی براہین سے تبلیغ کو مؤثر بنایا جائے۔ نبی کریم ﷺ نے محض حاکمانہ قانون اور آمرانہ احکام بروئے کار لانے کے بجائے عقل انسانی کو مخاطب کیا، علم و بصیرت اور غور و فکر کی دعوت دی اور فہم و تدبر کا مطالبہ کیا۔ قرآن مجید بار بار غور و فکر اور تدبر ہی کی دعوت دیتا ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ ﴾

”بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ جو لوگ کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں پر اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں سوچ بچار کرتے ہیں (وہ کہتے ہیں:) اے ہمارے رب! تو نے یہ سب کچھ بے فائدہ پیدا نہیں کیا، تو پاک ہے۔ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ [1]

[1] آل عمرٰن 3:190، 191۔

حکمتِ تبلیغ کے زمرے میں تدریج کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے یہ حقیقت اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دینِ حنیف کی تبلیغ و دعوت کا دائرہ رفتہ رفتہ وسیع کیا۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے دعوت کے مخاطبین کے حوالے سے ان کے پانچ مراتب بیان کیے ہیں:

1 نبوت و بعثت۔

2 قریبی رشتہ داروں کو دعوت۔

3 اپنی قوم کے لوگوں کو دعوت۔

4 اُن تمام اہل عرب کو دعوت جن کے پاس اس سے پہلے کوئی نبی نہیں آیا تھا۔

5 تمام جن و انس کو قیامت تک کے لیے دعوت۔ [1]

زمانی لحاظ سے دعوت نبوی کے مرحلے درج ذیل ہیں:

پہلا مرحلہ: خفیہ دعوت۔ یہ مرحلہ ابتدائی تین سال تک جاری رہا۔

دوسرا مرحلہ: علانیہ دعوت بغیر قتال کے، یہ مرحلہ ہجرت تک جاری رہا۔

تیسرا مرحلہ: علانیہ دعوت اور قتال کرنے والوں کے ساتھ قتال کرنا۔ یہ مرحلہ صلح حدیبیہ تک جاری رہا۔

چوتھا مرحلہ: علانیہ دعوت اور ہر اس گروہ کے خلاف قتال جو دعوتِ دین کی راہ میں حائل ہو۔ [2] یہ مرحلۂ جاریہ ہے۔ اس کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ امتِ مسلمہ کی تخلیق کا اصل مقصد ہی دعوت الی اللہ ہے۔ اس مقصد کے لیے کام کرنا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ دنیا بھر میں کسی بھی ملک اور کسی بھی مقام پر چاہے مسلمان اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں، انھیں موقع محل کی مناسبت سے پوری حکمت و بصیرت کے ساتھ کلمۂ توحید کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ بہر حال انجام دینا چاہیے۔

دعوت دین کے مراحل موجودہ دور میں

موجودہ دور کے داعیانِ اسلام کے لیے اُن مراتب و مراحل کی پابندی ضروری نہیں جن سے رسول اللہ ﷺ کو گزرنا پڑا کیونکہ اُن کی یہ ترتیب منجانب اللہ مقدر و مقرر تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ داعیانِ اسلام کو مختلف طریقے اختیار کرنے کی راہ دکھاتی ہے، بشرطیکہ وہ اس بے مثال دعوت سے ہم آہنگ ہوں۔ دعوت دینا، مدد طلب کرنا یا ہجرت کرنا وہ وسائل و ذرائع ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے لیے مخصوص حالات میں اختیار کیے، مثلاً: آج

1 زادالمعاد: 86/1، 2 فقه السيرة للبوطي، ص: 105، السيرة النبوية للمهدي: 172/1.

کے دور میں دنیا کے اکثر ممالک میں دین اور مذہب کے داعیوں کے لیے بظاہر کوئی رکاوٹ نہیں، اس لیے ان ممالک میں خفیہ دعوت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

جن ممالک میں اشتراکیت بطور نظام رائج ہے، وہاں کی حکومتیں مسلمانوں کو کسی تبلیغی، دعوتی یا سیاسی عمل کی اجازت نہیں دیتیں، لہٰذا ضروری ہے کہ ان ممالک میں دینِ حنیف کی تبلیغ و دعوت کا کام نہایت حکیمانہ طور پر خفیہ طریقے سے کیا جائے۔ مقامی احوال وظروف سازگار نہ ہوں تو مناسب قوت کے حصول تک دعوتِ دین کا واضح اظہار و اعلان نہ کیا جائے۔ نامساعد حالات میں خفیہ دعوت دینا ہی قرینِ مصلحت ہے۔ اسی طرح اگر حکمت کا تقاضا یہ ہو کہ دین کا کوئی کام خفیہ طور پر کیا جائے اور کوئی علانیہ تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں، مثلاً: اُن ممالک میں جہاں مسلمانوں کو محدود دائرے میں اپنا کردار ادا کرنے کی اجازت ہے، وہاں موقع کی مناسبت سے دعوت وتبلیغ کا فرض ادا کیا جائے۔ مسلمان کی زندگی کا مقصد ہی اعلائے کلمۃ الحق ہے۔ حالات نازک ہوں تو تبلیغِ دین کا فریضہ خفیہ طور پر ادا کیا جائے اور مناسب وقت کا انتظار کیا جائے۔ جب حالات سازگار ہوں تو دعوت وتبلیغ کا کام علانیہ کیا جائے۔ [1]

دعوت نبوی کے آغاز میں راز داری کا سبب

رسول اللہ ﷺ نے ابتدا میں جو دعوت کا کام خفیہ رکھا، اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ آپ کو اپنی جان کا خطرہ تھا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دعوت کا مکلف بنایا اور یہ وحی ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝﴾ نازل فرما کر آپ کو حکم دیا، اُسی وقت آپ کو معلوم ہوگیا تھا کہ آپ لوگوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ کو کامل یقین تھا کہ جس اللہ نے آپ کو مبعوث کیا ہے اور دعوت کی ذمہ داری سونپی ہے، وہ آپ کی حفاظت فرمائے گا اور لوگوں کے شر سے بچائے گا۔ اگر اللہ تعالیٰ پہلے ہی روز آپ کو حکم دیتا کہ لوگوں تک علانیہ دعوت پہنچایئے تو آپ اس حکم کی تعمیل میں ایک لمحہ بھی توقف نہ کرتے، چاہے اس کام میں آپ کو اپنی جان جانے کا کتنا ہی سنگین خطرہ نظر آتا۔

اللہ عزوجل نے آپ کو الہام کیا (رسول کا الہام بھی وحی ہوتا ہے) کہ ابتدائی مرحلے میں دعوت کا آغاز راز داری کے ساتھ خفیہ طریقے سے کیجیے اور یہ دعوت صرف انھی لوگوں کے سامنے پیش کیجیے جن کے بارے میں غالب گمان ہو کہ وہ آپ کی بات توجہ سے سنیں گے اور ایمان لے آئیں گے۔ اپنے اس عمل کے ذریعے سے نبیِ کریم ﷺ نے دعوت کا کام کرنے والوں کے لیے بڑی بصیرت افروز راہنمائی فراہم کی۔ آپ نے انھیں احتیاط کے تقاضے ملحوظ

[1] السيرة النبوية للمهدي: 1/172، 173، عثرات وسقطات في كتاب المنهج الحركي للسيرة النبوية لزهير سالم، ص: 28-35.

رکھنے اور ظاہری اسباب اختیار کرنے کی تلقین فرمائی اور واضح کیا کہ دعوت کے اہداف تک رسائی حاصل کرنے کے لیے مطلوبہ وسائل اختیار کرنا عقل سلیم کا تقاضا ہے لیکن یہ چیز اللہ رب العزت کی ذاتِ عالی پر اعتماد اور توکل پر غالب نہ آ جائے۔ انسان اسباب و وسائل اختیار کرنے میں اس حد تک آگے نہ بڑھ جائے کہ وہ اس کے اصل فکر اور تصور پر اثر انداز ہونے لگیں۔[1]

خفیہ دعوت

امام ابن اسحاق رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ تین سال تک خفیہ دعوت دیتے رہے۔ ابن سعد رحمہ اللہ بھی یہی بیان کرتے ہیں۔[2] علامہ بلاذری رحمہ اللہ نے تین اور چار سال والی دونوں روایات کا تذکرہ کیا ہے۔[3] تاہم تین سال والی بات ہی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اکثر سیرت نگاروں نے اسے ہی اختیار کیا ہے۔

ابوعبیدہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ خفیہ دعوت دیتے رہے حتی کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝﴾ (الحجر 94:15)

''پس جو حکم آپ کو (اللہ کی طرف سے) ملا ہے، وہ (لوگوں کو) سنا دیں اور مشرکوں سے بے رخی برتیں۔''

تو اس کے بعد آپ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سرعام کھلم کھلا دعوت کا کام شروع کر دیا۔[4]

امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ ابتدا میں پوشیدہ دعوت دیتے رہے۔ آپ بتوں سے یکسر بے گانہ اور قطعی لاتعلق تھے۔ چند نوجوانوں اور کمزور طبقوں کے بعض لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کر لی۔ آہستہ آہستہ آپ پر ایمان لانے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ اُس وقت تک کفار قریش آپ کی دعوت کا انکار نہیں کرتے تھے۔ جب نبی کریم ﷺ اُن کی مجالس کے پاس سے گزرتے تو وہ کہا کرتے تھے: ''بنو عبدالمطلب کے اس جوان کے پاس آسمان سے وحی آتی ہے۔'' یہ معاملہ اسی طرح چلتا رہا یہاں تک کہ نبی ﷺ نے اُن کے معبودانِ باطلہ کے عیب بتانے شروع کیے۔ آپ نے اُنھیں بتایا کہ اُن کے آباء و اجداد کفر اور گمراہی پر تھے۔ یہ بات سُن کر وہ طیش میں آ گئے اور آپ سے بغض رکھنے لگے اور ایذا رسانی پر اُتر آئے۔[5] اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

[1] فقه السيرة للبوطي، ص :107,106. [2] السيرة لابن إسحاق:188/1، السيرة لابن هشام:262/1، الطبقات لابن سعد: 199/1. [3] أنساب الأشراف:132,131/1. [4] تفسير ابن كثير، تفسير الدرالمنثور، الحجر 94:15. البتہ امام طبری رحمہ اللہ نے اسے موسیٰ بن عبیدہ اور اُنھوں نے اپنے بھائی عبداللہ بن عبیدہ سے نقل کیا ہے۔ (تفسير الطبري، الحجر 49:15). [5] أنساب الأشراف: 131/1، الطبقات لابن سعد:199/1.

اولین مسلمان

اچھے کام کرنے کے لیے سب سے آگے بڑھنا بہت بڑی فضیلت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دی تو اسے جلد از جلد قبول کرنے والے حضرات یقیناً بہت عظیم اور برگزیدہ انسان تھے۔ دعوتِ حق کی قبولیت میں اولیت کی فضیلت کس نے پائی اور سب سے پہلے کون مسلمان ہوا؟ اس کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے مسلمان ہوئیں، بعض کہتے ہیں: سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور کچھ لوگ کہتے ہیں: سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ۔ بہر حال اس حقیقت میں قطعاً کوئی شک نہیں ہونا چاہیے کہ سب سے پہلے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی مسلمان ہوئی تھیں۔ صحیح بخاری، سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام وغیرہ کی روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت علی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کے مابین اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے والد ابوطالب کے ڈر کی وجہ سے اپنے ایمان کو چھپاتے رہے جبکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی سے اپنا ایمان چھپانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ [1]

امام ابوحنیفہ، اسحاق بن راہویہ، ابن صلاح، نووی رحمہ اللہ اور دیگر کئی محققین کی محتاط رائے یہ ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، عورتوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ، آزاد کردہ غلاموں میں زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور غلاموں میں سب سے پہلے حضرت بلال رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے۔ [2]

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ سب سے پہلے ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ایمان لائیں، پھر بچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور مردوں میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، پھر سیدنا علی بن ابی طالب، سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہم نے اسلام قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے ان حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مختصر نسب کے ساتھ اسمائے گرامی درج کیے ہیں جنھیں سابقون الاولون میں ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ [3]

---

1 دلائل النبوة للبيهقي: 163/2. 2 فتح المغيث للسخاوي: 142/4، التقييد و الإيضاح شرح مقدمة ابن الصلاح، ص: 261، تدريب الراوي: 228/2. 3 جوامع السيرة لابن حزم، ص: 45-51.



سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا

عورتوں میں سب سے پہلے، بلکہ مطلقاً سب سے پہلے، سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں۔ وہی اولین خاتون تھیں جنھوں نے نبی کریم ﷺ سے وحی کی سرگزشت سنی۔ سب سے پہلے قرآن سننے کی سعادت بھی انھی کو حاصل ہوئی۔ سب سے پہلے انھی نے نماز سیکھی اور نبی کریم ﷺ کی اقتدا میں ادا کی۔ ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی حیثیت ایک ہمدرد وزیر کی سی تھی۔ جب لوگ آپ کو جھٹلاتے، ایذا پہنچاتے، آپ کی بات سننے سے انکار کرتے اور آپ غمگین ہو کر واپس گھر تشریف لاتے تو یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جو آپ کی دلجوئی کرتی اور آپ کو تسلی دیتی تھیں۔ آپ کا غم ہلکا کرتی، آپ کی ہمت بندھاتی اور حوصلہ بڑھاتی تھیں۔ [1]

بنات النبی ﷺ

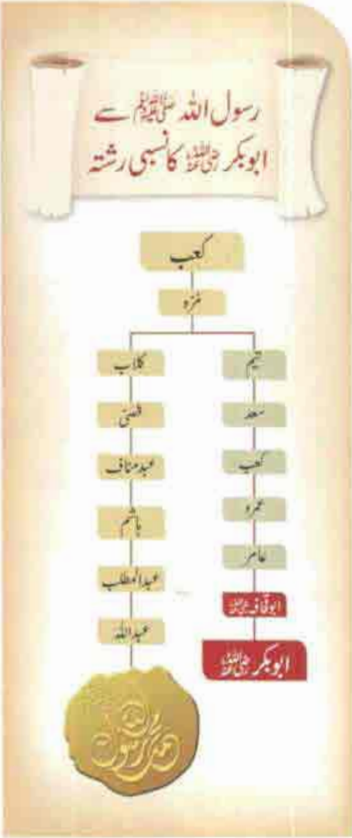
رسول اللہ ﷺ کی چاروں بیٹیوں سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن نے بھی فوراً اسلام قبول کر لیا۔ ان عظیم المرتبت صاحبزادیوں کے سامنے اپنے عالی قدر باپ ﷺ کی زندگی پوری طرح روشن تھی۔ وہ بعثت سے پہلے ہی آپ ﷺ کا عظیم الشان کردار، آپ کی مبارک عادات، بت پرستی سے نفرت اور جاہلیت کی خرافات سے کامل اجتناب کی حالت اچھی طرح دیکھ چکی تھیں۔ پھر انھوں نے یہ ایمان افروز منظر بھی دیکھا کہ ان کی عظیم ماں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ان کے والد گرامی ﷺ کے پیغام حق پر کس طرح بلا تأمل ایمان لے آئی ہیں۔ ان دستیاب حالات میں یہ جلیل القدر بیٹیاں اپنے بے مثل والدین کے نظریات و عقائد سے کیسے بیگانہ رہ سکتی تھیں؟ چنانچہ انھوں نے بلا تاخیر اسلام کی دعوت قبول کر لی۔ امام ابن اسحاق رحمہ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کے اسلام قبول کرنے کا صراحت سے ذکر کیا ہے۔ [2]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عبداللہ، کنیت ابوبکر اور لقب صدیق اور عتیق تھا۔ والد کا نام عثمان اور کنیت ابوقحافہ تھی، والدہ کا نام سلمٰی

---

1. ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے متعلق مزید تفصیل جاننے کے لیے دیکھیے: جلد 2، باب: 5 میں زیرِ عنوان ''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح۔''
2. السيرة لابن إسحاق: 130/1، دلائل النبوة للبيهقي: 69/2.



اور کنیت ام الخیر تھی۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام عبدالکعبہ تھا۔ نبیِ کریم ﷺ نے یہ نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھ دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کے گھر والوں ہی نے ان کا نام عبداللہ رکھا تھا۔ پہلی بات زیادہ قرینِ صحت معلوم ہوتی ہے۔ انھیں عتیق بھی کہا جاتا تھا۔ عتیق کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے حسن و جمال کی وجہ سے انھیں یہ نام دیا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے نسب کے بے عیب ہونے کی وجہ سے انھیں عتیق کا لقب دیا گیا۔ راجح بات یہ ہے کہ نبی ﷺ نے انھیں فرمایا تھا: «أَنْتَ عَتِيقُ اللّٰهِ مِنَ النَّارِ» ''آپ اللہ کی طرف سے آگ سے آزاد ہیں۔''[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تعلق قریش کی ایک شاخ تیم سے تھا۔ والد کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن غالب۔[2] یوں آپ کا نسب ساتویں پشت پر نبی ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یوں ہے: سلمٰی بنت صخر بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن غالب۔


مسجد نبوی کے پاس مسجد ابوبکر صدیق

آپ نبیِ اکرم ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کا لقب صدیق ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کی رات جبریل علیہ السلام سے کہا: ''میری قوم (واقعہ اسراء و معراج کے بارے میں) میری تصدیق نہیں کرے گی۔'' انھوں نے کہا: ''ابوبکر آپ کی تصدیق کریں گے کیونکہ وہ صدیق ہیں۔''[3] اسی تصدیق کی وجہ سے آپ کو دنیا اور آخرت میں ہمیشہ صدیق کے لقب سے یاد کیا جاتا رہے گا۔

عروہ بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابوجعفر محمد بن علی (امام باقر) رحمہ اللہ سے تلوار کو زیور سے آراستہ کرنے کے بارے

[1] جامع الترمذي: 3679، أسد الغابة: 21,20/3. [2] تاريخ الخلفاء، ص: 28. [3] الطبقات لابن سعد: 170,169/3.

میں مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا: ''اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی تلوار زیور سے آراستہ کی تھی۔'' عروہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ آپ بھی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو صدیق کہتے ہیں؟ یہ سن کر وہ یکلخت اٹھ بیٹھے اور قبلہ رخ ہو کر فرمانے لگے:

نَعَمْ، اَلصِّدِّيقُ، نَعَمْ، اَلصِّدِّيقُ، فَمَنْ لَّمْ يَقُلِ الصِّدِّيقَ، فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ لَهُ قَوْلًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.

''ہاں، وہ صدیق ہیں، ہاں، وہ صدیق ہیں۔ جو انھیں صدیق نہ مانے، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی بات کو کبھی سچا نہ کرے۔'' [1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ سے والہانہ محبت تھی، اسی بنا پر دوستی کا رشتہ قائم ہو گیا تھا۔ دیرینہ تعلقات کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ سے آپ کی قریب قریب روزانہ ملاقات ہوتی تھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جب رسول اللہ ﷺ صبح و شام ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں۔ [2] سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی پاکدامن تھے۔ نبیِ کریم ﷺ کی طرح آپ بھی دعوتِ اسلام سے پہلے شراب اور بت پرستی سے کنارہ کش رہتے تھے۔ [3]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انتہائی ملنسار، بلند اخلاق اور کامیاب تاجر تھے۔ لوگ ان کی اچھی عادتوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے تھے۔ علم الأنساب عربوں کے ہاں بڑا وقیع اور قابلِ قدر علم تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس علم کے ماہر تھے۔ لوگ آپ کے وسیع علم، حسن اخلاق، تجربے اور ذہانت کی وجہ سے آپ کی محفل میں حاضری کے آرزومند رہتے تھے۔ [4]

نبیِ کریم ﷺ اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار میں اس قدر مماثلت تھی کہ دو مختلف شخصیات نے مختلف مواقع پر دونوں صاحبان کے کردار کے بارے میں ایک ہی جیسے الفاظ کہے۔ وحی کی ابتدا کے موقع پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا نے نبیِ کریم ﷺ کو تسلی و تشفی دی کہ اللہ رب العزت آپ کو رسوا نہیں کرے گا۔ سیدہ کے الفاظ یہ تھے:

إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ.

''بلاشبہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں۔ تہی دستوں کا بندوبست کرتے ہیں۔ مہمان

[1] البداية والنهاية : 323/9. [2] صحيح البخاري : 476. [3] السيرة لابن إسحاق : 183/1، تاريخ الخلفاء، ص: 32.
[4] السيرة لابن هشام : 250/1.

کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے راستے میں آنے والے مصائب میں (اہلِ حق کی) اعانت کرتے ہیں۔'' [1]


مسجد ابوبکر، البرک (برک الغماد)

اسی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب اہلِ مکہ کے رویے سے دل برداشتہ ہو کر مکہ سے جانے لگے تو بنو قارہ کے سردار ابن الدَّغِنَہ نے انھیں برک الغماد پر روک لیا اور کہا: اے ابوبکر! تمھارے جیسا عظیم انسان نہ خود جا سکتا ہے نہ اسے نکالا جا سکتا ہے، پھر اس نے لوگوں سے مخاطب ہو کر کہا:

أَتُخْرِجُونَ رَجُلًا يَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَيَصِلُ الرَّحِمَ، وَيَحْمِلُ الْكَلَّ، وَيَقْرِي الضَّيْفَ، وَيُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ؟

''کیا تم ایک ایسے شخص کو نکالنا چاہتے ہو جو تہی دستوں کا بندوبست کرتا ہے۔ صلہ رحمی کرتا ہے۔ درماندوں کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ مہمانوں کی میزبانی کرتا ہے اور حق کی راہ میں آنے والے مصائب میں (اہلِ حق کی) اعانت کرتا ہے؟'' [2]

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ابوبکر! بے شک میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں۔ اس نے مجھے بھیجا ہے تاکہ میں اس کا پیغام پہنچاؤں۔ میں تمھیں حق کے ساتھ ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ اللہ کی قسم! یقیناً یہ حق ہے۔ ابوبکر! میں تمھیں ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہوسکتی۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے قرآن پڑھا تو وہ قرآن کی سچائی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً اسلام قبول کر لیا اور اپنے سابقہ دین کو خیر باد کہنے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگائی۔ [3] آزاد مردوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ [4]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے رشتہ داروں، حلیفوں، دوستوں اور قابلِ اعتماد لوگوں کے گھر جا کر ان پر خوب محنت کی۔ انھیں اسلام کی حقانیت سے روشناس کرایا اور دینِ حنیف کو قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس کے نتیجے میں معززین کی

[1] صحيح البخاري: 3. [2] صحيح البخاري: 3905. [3] السيرة لابن إسحاق: 183/1. [4] البداية والنهاية: 27/3.

ایک جماعت دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئی۔ زبیر بن عوام، عثمان بن عفان، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کی دعوت پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ [1]

ابتدا میں پیغمبر اسلام کی دعوت پر جن لوگوں نے لبیک کہا، ان میں اچھی خاصی تعداد غلاموں کی بھی تھی۔ ان میں سیدنا بلال، عامر بن فہیرہ، ابوفُکَیہہ، لبینہ، زِنّیرہ، نہدیہ اور ام عُبیس رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قریش نے ان پاکباز لوگوں پر خوفناک مظالم ڈھائے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں اپنے مال سے خرید کر آزاد کر دیا۔ یوں انھیں قریش کے ظلم وستم سے نجات ملی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا تھا:

«أَرْحَمُ أُمَّتِي بِأُمَّتِي أَبُوبَكْرٍ»

''میری امت میں میری امت پر سب سے زیادہ رحم کرنے والے ابوبکر ہیں۔'' [2]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ ممتاز ومحترم تھے جو اپنی تعریف کے کبھی آرزومند نہیں ہوئے۔ وہ دنیاوی جاہ وجلال سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ اُن کی تمنا صرف یہ تھی کہ رب ذوالجلال اُن سے راضی ہوجائے۔ ایک دن ان کے باپ نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! تو کمزور لوگوں کو آزادی دلاتا ہے۔ تجھے چاہیے کہ تو ایسے مضبوط اور طاقتور افراد کو آزادی دلا جو تیرے مددگار بن سکیں اور تیرے دفاع کے کام آسکیں۔ اس پر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: پدر محترم! میں تو یہ کام صرف اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد پیش نظر نہیں۔ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں:

﴿ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ۝ وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ۝ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ۝ لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ۝ ﴾ (الّیل 92:5-21)

''پھر جس نے (اللہ کی راہ میں) دیا اور ڈرتا رہا۔ اور اس نے نیک بات کی تصدیق کی۔ تو یقیناً عنقریب ہم اسے آسان (راہ) کی توفیق دیں گے۔ اور لیکن جس نے کنجوسی کی اور پروا نہ کی۔ اور اس نے نیک بات کو جھٹلایا۔ تو عنقریب ہم اسے تنگی کی (راہ کے لیے) ڈھیل دیں گے۔ اور جب وہ (دوزخ میں) گرے گا تو اسے اس کا مال کوئی فائدہ نہ دے گا۔ بے شک ہدایت دینا ہمارے ہی ذمے ہے۔ اور بے شک آخرت اور دنیا ہمارے ہی اختیار میں ہے۔ بالآخر میں نے تمھیں بھڑکتی آگ سے ڈرا دیا ہے۔ اس میں بڑا بد بخت ہی داخل

[1] السيرة لابن إسحاق: 184/1. [2] جامع الترمذي: 3790، 3791، السلسلة الصحيحة: 1224.

ہوگا۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔ اور بڑا متقی ضرور اس سے دور رکھا جائے گا۔ جو پاک ہونے کے لیے اپنا مال دیتا ہے۔ اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو مگر صرف اپنے رب برتر کا چہرہ چاہتے ہوئے (مال خرچ کرتا ہے)۔ اور یقیناً وہ (اللہ) جلد اس سے راضی ہوگا۔'' [1]

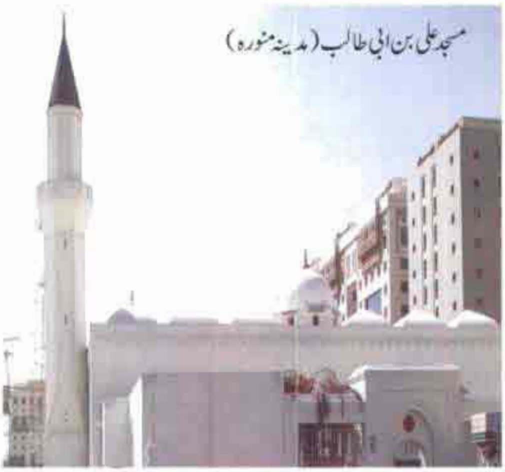
اسلام کے راستے میں آنے والی ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کے لیے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہمیشہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ہجرت میں بھی آپ کے شانہ بشانہ رہے۔ [2] تمام غزوات میں شرکت کی۔ 9 ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مسلمانوں کا پہلا امیرِ حج مقرر کیا۔ [3] ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی ہی میں آپ کے مصلے کے وارث قرار پائے۔ [4] آپ ہی مسلمانوں کے پہلے خلیفہ ہیں۔ [5]

12 ربیع الاول 11 ھ بمطابق 28 مئی 632ء بروز پیر مسجد نبوی میں آپ کی بیعت کی گئی۔ [6] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بعض قبائل مرتد ہوگئے تو آپ نے بڑی استقامت اور پامردی سے اس فتنے کی سرکوبی کی۔ [7]

ابوبکر رضی اللہ عنہ 7 جمادی الآخرہ 13 ھ/634ء کو بیمار ہوئے۔ آپ نے مسند خلافت پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فائز کرنے کی وصیت فرمائی اور 22 جمادی الآخرہ 13 ھ/634ء بروز پیر مغرب اور عشاء کے درمیان 63 سال کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آپ نے 2 سال، 3 ماہ اور 10 دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانشینی کا حق خوب ادا کیا۔ [8] رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ امتِ مسلمہ کی سب سے بڑی شخصیت تھے۔

سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ

آپ کا نام علی، کنیت ابوتراب اور ابوالحسن تھی۔ آپ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد تھے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زیرِ پرورش رہے۔ آپ بعثت نبوی سے دس برس پہلے پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: علی بن ابوطالب (عبدمناف) بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم (عمرو) بن عبدمناف (مغیرہ) بن قصی (زید) بن کلاب۔ آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف مسلمان ہوگئی


مسجد علی بن ابی طالب (مدینہ منورہ)

[1] المستدرك للحاكم: 526,525/2، الروض الأنف: 86/2. [2] الطبقات لابن سعد: 173,172/3. [3] صحيح البخاري: 4363، الطبقات لابن سعد: 177/3. [4] صحيح البخاري: 678. [5] الطبقات لابن سعد: 183/3. [6] الطبقات لابن سعد: 186/3. [7] تاريخ الخلفاء، ص: 62. [8] الطبقات لابن سعد: 202/3-209.

تھیں۔ انھوں نے نبی ﷺ کی زندگی ہی میں وفات پائی۔ [1]

آپ کا رنگ گندمی تھا۔ بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، قد قدرے چھوٹا اور پیٹ بڑا تھا، سر کے اگلے حصے پر بال نہیں تھے، بقیہ حصے پر گھنے بال تھے، ڈاڑھی چوڑی تھی، ڈاڑھی اور سر کے بال سفید تھے۔ [2]

بچوں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا۔ ان کے اسلام کا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک دن آپ آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دونوں نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا: اے محمد! یہ کیا عمل ہے؟ آپ ﷺ نے بتایا: "یہ اللہ کا منتخب کردہ دین ہے۔ یہی دین دے کر اس نے اپنے رسول کو بھیجا ہے۔ میں تمھیں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور لات اور عزیٰ کا انکار کردو۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: آپ نے یہ ایسی بات فرمائی ہے جو میں نے اب سے پہلے کبھی نہیں سنی۔ میں اس بارے میں اس وقت تک کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا جب تک اپنے اباجان سے مشورہ نہ کرلوں۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ آپ کا منصب اور دینِ اسلام کی دعوت سرعام واضح ہونے سے پہلے ہی آپ کا راز فاش نہ ہو، چنانچہ آپ نے تاکید فرمائی: "اے علی! اگر تم اسلام نہیں لاتے تو اس بات کو پوشیدہ ہی رکھو۔" علی رضی اللہ عنہ اس رات خاموش رہے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں اسلام کی حقانیت روشن کردی، وہ اگلے روز ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کرلیا۔ [3]

جب آپ نے اسلام قبول کیا تو اُس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں لیکن راجح قول یہی ہے کہ اُس وقت آپ کی عمر دس سال تھی۔ [4]

آپ چوتھے خلیفۂ راشد تھے۔ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو سبائیوں (خوارج) نے شہید کردیا۔ یہ نہایت بدطینت اور بدقماش لوگ تھے۔ مختلف علاقوں سے آئے تھے۔ ان کی آمد نے دینِ اسلام کے اُجلے دامن کو خون کے چھینٹوں سے رنگین کردیا۔ انھوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بغاوت اور ظلم و زیادتی کے انتہائی سفاکانہ حربے بروئے کار لاکر شہید کردیا۔ یوں تیسرے خلیفۂ برحق کی شہادت سے مسندِ خلافت خالی ہوگئی۔ اس موقع پر مدینہ میں جتنے بھی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے، انھوں نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر 25 ذوالحجہ 35ھ/655ء کو بیعت کرلی۔ بیعت میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ میں پیش پیش تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے چنداں خواہش مند نہیں تھے اور خلافت کی پیش کش کو بار بار مسترد کررہے تھے لیکن عالی قدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مسلسل اصرار کی وجہ سے آپ

[1] تاریخ الخلفاء، ص: 128، فتح الباري: 91/7. [2] تلقیح فهوم أهل الأثر، ص: 111. [3] السیرة لابن إسحاق: 181/1.
[4] فتح الباري: 92,91/7، السیرة لابن هشام: 245/1.

یہ عظیم ذمہ داری قبول کرنے پر راضی ہو گئے۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی انتہائی دردناک شہادت کی وجہ سے مدینہ کی فضا بے حد سوگوار، بہت کشیدہ اور پُرآشوب تھی۔ جوں جوں دن گزرتے گئے، شورش میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ کی خلافت کے دوران جنگِ جمل اور جنگِ صفین جیسے المناک معرکے برپا ہوئے۔ ان میں ہزاروں مسلمان شہید ہو گئے۔ آپ کے دور میں فرقۂ خوارج کا ظہور ہوا۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا علی، سیدنا معاویہ اور سیدنا عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہم) نے ملت اسلامیہ کا امن تباہ کر دیا ہے، لہٰذا انھوں نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ ان تینوں حضرات کو ختم کر دیا جائے۔

عبدالرحمٰن بن ملجم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو، بُرَک بن عبداللہ نے سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کو اور عمرو بن بکر نے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ 17 رمضان المبارک کو ان تینوں حضرات پر قاتلانہ حملہ ہوا۔ حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بوجوہ بچ گئے لیکن سیدنا علی رضی اللہ عنہ فجر کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لائے تو عبدالرحمٰن بن ملجم آپ کی گھات میں چُھپا بیٹھا تھا۔ اس بدبخت نے آپ پر زہرآلود خنجر کے پے در پے کئی وار کیے جن سے آپ محفوظ نہ رہ سکے۔ زخم کاری تھا، خنجر بھی زہرآلود تھا، جانبر ہونے کی امید کم تھی۔ زہر لحظہ بہ لحظہ اثر دکھا رہا تھا، چنانچہ آپ تین روز موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا رہ کر 20 رمضان المبارک 40ھ/661ء کو انتقال فرما گئے۔ آپ کی مدت خلافت 4 سال 9 ماہ تھی۔[2]

سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما

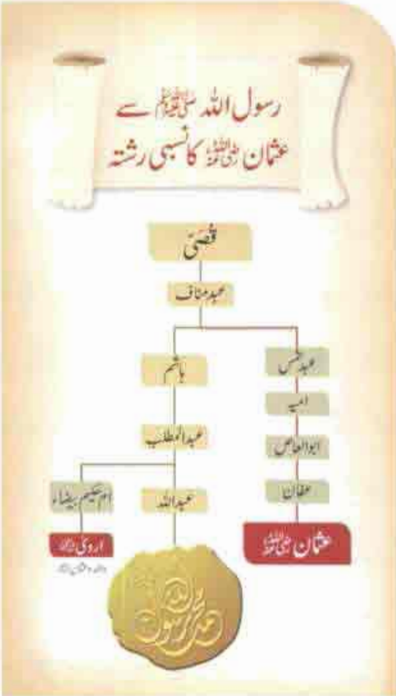
سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے: زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبدالعزیٰ بن امرؤالقیس کلبی رضی اللہ عنہ۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے، آپ کے آزاد کردہ غلام اور ابتدائے اسلام میں منہ بولے بیٹے تھے۔ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد، چچا اور اہل قبیلہ پر ترجیح دے کر آپ ہی کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ دنیا و آخرت میں آپ کی کامیابی اور سرخروئی کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ تیسرے شخص تھے۔[3]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

آپ کا نام عثمان، والد کا نام عفان اور والدہ کا نام اروىٰ تھا۔ زمانۂ جاہلیت میں آپ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ جب

---

[1] سيرة علي بن أبي طالب للصلابي، ص :235. [2] تاريخ الطبري : 110/4، البداية والنهاية: 339/7. [3] المستدرك للحاكم:214,213/3، السيرة لابن هشام:248,247/1، أسدالغابة:238/2. سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما کے متعلق مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: جلد 2، باب:5 بعنوان ''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے نکاح''



سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے آپ کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا تو آپ نے ابوعبداللہ کی کنیت اختیار کر لی۔ [1] نبی ﷺ کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں، لہٰذا ان کا لقب ذوالنورین (دونوروں والا) پڑ گیا۔

والد کی طرف سے آپ کا نسب اس طرح ہے: عثمان بن عفان بن ابوالعاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب قرشی اموی رضی اللہ عنہ۔ [2] گویا آپ کا نسب پانچویں پشت میں نبی اکرم ﷺ کے جدامجد عبدمناف سے جا ملتا ہے۔

والدہ کی طرف سے سلسلۂ نسب یہ ہے: اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبدمناف۔ یوں ماں کی طرف سے آپ کا نسب چھٹی پشت میں نبی ﷺ کے جدامجد عبدمناف سے جا ملتا ہے۔ آپ کی والدہ ماجدہ مسلمان ہوگئی تھیں۔ [3]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی نانی ام حکیم بیضاء بنت عبدالمطلب رسول اکرم ﷺ کی حقیقی پھوپھی تھیں۔ [4] آپ واقعۂ فیل کے چھ سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ بہت خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ سرخی مائل سفید رنگ، نرم جلد، خوبصورت چہرہ، مضبوط جوڑوں والے کندھے، چوڑا سینہ، گھنے بال، لمبی ڈاڑھی اور قد درمیانہ تھا۔ [5] آپ عشرہ مبشرہ میں شامل ہیں۔ آپ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی۔ آپ کا بہت بڑا شرف اور امتیاز یہ ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ کی دو بیٹیاں یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں۔ اہلِ علم فرماتے ہیں: ''عثمان رضی اللہ عنہ کے علاوہ پوری انسانی تاریخ میں کوئی ایسا خوش نصیب فرد نہیں جس کے عقد میں کسی نبی کی یکے بعد دیگرے دو بیٹیاں آئی ہوں۔'' [6]



عثمان رضی اللہ عنہ کا مرقد (البقیع)

[1] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 109. [2] تاريخ الخلفاء للسيوطي، ص: 115. [3] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 109. [4] أسد الغابة: 215/3. [5] صفة الصفوة لابن الجوزي: 295/1، تاريخ الخلفاء، ص: 116. [6] تاريخ الخلفاء، ص: 115.

عثمان رضی اللہ عنہ اپنی زوجۂ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کی بیماری کی وجہ سے غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ»

''بلاشبہ تمھارے لیے بدر میں شریک ہونے والے آدمی کے برابر اجر اور مالِ غنیمت کا حصہ ہے۔''

بیعتِ رضوان بھی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں کفارِ قریش کی طرف بطورِ سفیر مکہ روانہ کیا، انھیں واپس آنے میں کچھ دیر ہوگئی تو یہ افواہ پھیل گئی کہ عثمان رضی اللہ عنہ قتل کر دیے گئے ہیں، چنانچہ آپ کفارِ قریش سے انتقام لینے کے لیے تیار ہوگئے۔ آپ نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور فرمایا: «هٰذِهِ يَدُ عُثْمَانَ» ''یہ عثمان کا ہاتھ ہے۔'' پھر آپ نے اس پر اپنا بایاں ہاتھ مارا اور فرمایا: «هٰذِهِ لِعُثْمَانَ» ''یہ (بیعت) عثمان کی طرف سے ہے۔'' پھر باقی مسلمانوں نے بھی آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔[1]

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت میں بھی اپنی قوم کی انتہائی ممتاز شخصیت تھے۔ وہ بے حد صاحبِ حیا، فصیح اللسان، شیریں مقال اور مالدار فرد تھے۔ عام لوگ ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔[2]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے آپ کو دینِ اسلام کی دعوت دی۔

ایک دن سیدنا عثمان اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہما سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے پیچھے پیچھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبیِ کریم ﷺ نے انھیں قرآن پڑھ کر سنایا، اسلام کے حقوق بتلائے اور اللہ کی طرف سے کیے گئے وعدے بتائے تو ان دونوں بزرگوں نے اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو آپ کے چچا حکم بن ابوالعاص کو بڑا غصہ آیا۔ اُس نے آپ کو باندھ دیا اور کہا: ''اللہ کی قسم! میں تمھیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اس نئے دین کو نہیں چھوڑو گے۔'' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں اسلام سے ہرگز دستبردار نہیں ہوسکتا۔'' حکم بن ابوالعاص نے آپ کی اسلام پر یہ استقامت دیکھی تو آپ کو چھوڑ دیا۔ وہ خود فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے۔[3] قبولِ اسلام کے وقت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی عمر 34 سال تھی۔[4]

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوامیہ سے تھا۔ بنوامیہ اور بنو ہاشم کے درمیان پرانی عداوت چلی آرہی تھی۔ وہ بنوامیہ

[1] صحيح البخاري: 3699، فتح الباري: 76/7. [2] عثمان بن عفان للصلابي، ص: 19,18، موسوعة التاريخ الإسلامي: 618/1. [3] الطبقات لابن سعد: 55/3. [4] عثمان بن عفان للصلابي، ص: 19.

کے پہلے فرد تھے جنھوں نے اسلام قبول کیا۔ جب عثمان رضی اللہ عنہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خوب عزت افزائی کی۔ آپ نے اپنی بیٹی رقیہ رضی اللہ عنہا کی شادی ان سے کردی، اس طرح بنوامیہ اور بنوہاشم کے مابین صدیوں سے جو عداوت چلی آرہی تھی، وہ قریبی رشتہ داری میں بدل گئی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرح عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بھی زمانۂ جاہلیت میں کسی بت کو کبھی سجدہ نہیں کیا، نہ کبھی شراب پی۔ عثمان رضی اللہ عنہ اپنے بارے میں خود بتاتے ہیں:

مَا زَنَيْتُ وَلَا سَرَقْتُ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَّلَا إِسْلَامٍ، وَلَا تَغَنَّيْتُ وَلَا تَمَنَّيْتُ مُنْذُ أَسْلَمْتُ، وَلَا مَسِسْتُ فَرْجِي بِيَمِينِي مُنْذُ بَايَعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ.

''میں نے زمانۂ جاہلیت اور اسلام دونوں میں کبھی زنا کیا نہ چوری کی۔ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، میں نے کبھی کوئی گیت نہیں گایا، نہ میں نے کبھی کوئی بری تمنا کی۔ جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے، میں نے اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے نہیں چھوا۔''[1]

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفۂ راشد ہیں۔ اسلام کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے کی وجہ سے آپ کا ایک لقب غنی بھی ہے۔ آپ 23ھ/644ء میں ذوالحجہ کی آخری شب بروز پیر خلیفہ منتخب ہوئے اور یکم محرم الحرام 24ھ/644ء کو باقاعدہ مسندِ خلافت سنبھالی۔ آپ کی خلافت 12 سال تک جاری رہی۔[2]

35ھ/655ء میں باغیوں نے آپ کے گھر کا محاصرہ کرلیا۔ کئی روز آپ بے یارو مددگار گھر میں بند رہے حتی کہ بلوائیوں نے آپ کے گھر کا پانی بھی بند کر دیا۔ آپ نماز کے لیے مسجد میں بھی نہ جاسکتے تھے۔ آپ کو 13 ذوالحجہ اور ایک قول کے مطابق 18 ذوالحجہ 35ھ/655ء کو بڑی بے دردی سے شہید کیا گیا۔ جب بلوائیوں نے آپ پر حملہ کیا تو آپ روزے کی حالت میں تھے اور قرآن پڑھ رہے تھے۔ آپ کے خون کے چھینٹے سورۂ بقرہ کی اِس آیت ﴿ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ ..... ﴾ (البقرة 2:137) ''پس عنقریب اللہ تعالیٰ تمھیں ان سے کافی ہو جائے گا......'' پر پڑے، آپ نے مصحف بند کر دیا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔



خونِ عثمان رضی اللہ عنہ سے منسوب قرآنی ورق

[1] تاریخ دمشق الكبير: 20/41، حلية الأولياء: 99/1. [2] الطبقات لابن سعد: 63/3، صفة الصفوة لابن الجوزي: 304/1.

آپ کو ہفتے کی رات مغرب اور عشاء کے درمیان مدینہ طیبہ کے قبرستان بقیع غرقد میں دفن کیا گیا۔ آپ کی نماز جنازہ زبیر بن عوام ؓ نے پڑھائی۔ ایک قول کے مطابق حکیم بن حزام ؓ اور ایک قول کے مطابق جبیر بن مطعم ؓ نے پڑھائی۔ [1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ

سیدنا سعد ؓ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: سعد بن ابی وقاص (مالک) بن اہیب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ ؓ۔ [2] ان کا نسب پانچویں پشت پر نبی کریم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ آپ رشتے میں نبی کریم ﷺ کے ماموں لگتے تھے کیونکہ نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ آمنہ بنت وہیب بنوزہرہ سے تھیں اور حضرت سعد ؓ بھی بنوزہرہ سے تھے۔ [3] نبی ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا:

«هٰذَا خَالِي، فَلْيُرِنِي امْرُؤٌ خَالَهُ»

''یہ میرے ماموں ہیں، کوئی آدمی مجھے (ان جیسا) اپنا ماموں تو دکھائے۔'' [4]



سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ اُن دس خوش قسمت افراد میں سے ایک ہیں جنھیں اللہ کے نبی ﷺ نے اس دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی۔ یہ اُن چھ افراد میں بھی شامل تھے جنھیں سیدنا عمر ؓ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لیے نامزد کیا اور بتایا کہ رسول اللہ ﷺ فوت ہوتے وقت اُن سے راضی تھے۔ سیدنا سعد ؓ چار یا چھ افراد کے بعد مسلمان ہوئے۔ [5]

سعد بن ابی وقاص ؓ کا بیان ہے: ''جس دن میں مسلمان ہوا، اُس دن کوئی اور فرد مسلمان نہیں ہوا۔ سات دن تک میں ہی تیسرا مسلمان تھا۔'' [6] یہ بیان سیدنا سعد بن ابی وقاص ؓ کی اپنی معلومات کے مطابق ہے کیونکہ ابتدا میں لوگ اپنے اسلام کو خفیہ رکھتے تھے۔ یقیناً سعد ؓ سے پہلے حضرت خدیجہ، ابوبکر صدیق، علی اور زید بن حارثہ ؓ اسلام قبول کر چکے تھے۔ [7]

---

1 الطبقات لابن سعد: 31/3 و 64-75، تاريخ الخلفاء، ص: 121-125، تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 125. 2 الطبقات لابن سعد: 137/3، السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص: 107. 3 فتح الباري: 107/7. 4 جامع الترمذي: 3752. 5 أسد الغابة: 307/2، سير أعلام النبلاء: 93/1. 6 صحيح البخاري: 3727. 7 فتح الباري: 107/7.



مسجد ابی وقاص (چین)

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ یہ بھی کہتے ہیں کہ میں نماز کے فرض ہونے سے پہلے مسلمان ہوا تھا۔ [1]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اسلام قبول کرنے سے تین دن پہلے ایک خواب دیکھا کہ میں ایک انتہائی تاریک جگہ پر ہوں، کچھ نظر نہیں آ رہا، اچانک ایک ماہتاب طلوع ہوا، میں اس کے پیچھے چل پڑا، میں نے دیکھا زید بن حارثہ، علی اور ابوبکر رضی اللہ عنہم پہلے ہی اُس کے نور تک پہنچ چکے ہیں۔ میں نے پوچھا: ''آپ لوگ کب آئے؟'' انھوں نے بتایا: ''تھوڑی دیر پہلے۔'' پھر مجھے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ طور پر اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ میں آپ سے اجیاد کی گھاٹیوں میں ملا۔ میں نے پوچھا: ''آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔'' میں نے فوراً گواہی دے دی۔ [2]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے جب اسلام قبول کیا، اس وقت اُن کی عمر 17 سال تھی۔ [3]

اللہ کے رستے میں سب سے پہلے تیر چلانے والے شخص سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ آپ کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش کے سارے تیر آپ کے سامنے بکھیر دیے اور فرمایا:

«اِرْمِ فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ نثار۔'' [4]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ مقدس تاریخی جملہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے سب سے بڑا اعزاز تھا۔ اسی لیے انھیں بھی اپنی

[1] أسد الغابة: 307/2. [2] الخصائص الكبرٰى للسيوطي: 205/1، تاريخ دمشق الكبير: 205/22. [3] أسد الغابة: 307/2.
[4] صحيح البخاري: 4055.

اس خوبیٔ قسمت پر بڑا ناز تھا۔ سعید بن مسیب رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے مجھ سے بیان کیا:

جَمَعَ لِي رَسُولُ اللهِ ﷺ يَوْمَ أُحُدٍ أَبَوَيْهِ كِلَيْهِمَا.

''رسول اللہ ﷺ نے احد کے دن اپنے ماں باپ دونوں ہی کی ذاتِ گرامی کو میرے لیے جمع فرما دیا تھا۔''

راوی کہتے ہیں: آپ کا اشارہ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کی طرف تھا:

«فِدَاكَ أَبِي وَ أُمِّي»

''تم پر میرے ماں باپ نثار۔''

آپ ﷺ نے ان کے لیے یہ الفاظ اس وقت استعمال فرمائے جب انھیں (شجاعت و بسالت کے ساتھ) لڑتے ہوئے دیکھا تھا۔

جب انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو ان کا بھائی قرار دیا۔[1] سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر اور فتح مکہ سمیت تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ رہے۔[2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ مستجاب الدعوات تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے دعا فرمائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! اسْتَجِبْ لِسَعْدٍ إِذَا دَعَاكَ»

''اے اللہ! سعد جب بھی تجھے پکارے، اس کی دعا قبول فرما۔''[3]

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ ہی نے فتح ایران (قادسیہ) کے بعد 638ء میں آباد کیا تھا۔ اہل کوفہ کے شکوے پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں معزول کر دیا۔[4] یاد رہے کہ جب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات سے پہلے حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کی کہ امیرالمؤمنین! آپ وصیت فرما دیں کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ اس امر کا میں ان لوگوں سے زیادہ اور کسی کو مستحق نہیں سمجھتا جن سے رسول اللہ ﷺ تاحیات خوش تھے، پھر آپ نے اس سلسلے میں سیدنا علی، سیدنا عثمان، سیدنا زبیر، سیدنا طلحہ، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کا نام لیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ اگر سعد کو امارت مل جائے تو وہ اس کے حق دار ہیں ورنہ جو بھی امیر بن جائے، وہ

[1] الطبقات لابن سعد: 140/3. [2] الطبقات لابن سعد: 142/3. [3] جامع الترمذي: 3751. [4] صحيح البخاري: 755، صحيح مسلم: 453.



دریائے دجلہ، بغداد (عراق)

ان سے مدد ضرور لے۔ میں نے انھیں ان کے عجز و ناتوانی یا کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں کیا تھا (بلکہ ان کی معزولی مصلحت کی وجہ سے تھی)۔ [1]

جنگ قادسیہ تاریخ اسلام میں بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ ایرانیوں سے یہ جنگ شعبان 15ھ بمطابق ستمبر 636ء کو ہوئی۔ اس میں لشکر اسلام کی قیادت سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی نے کی۔ مادی اور عسکری قوت کے لحاظ سے ایرانی سپاہ لشکر اسلام سے بہت آگے تھی۔ ایرانی سپاہ دو لاکھ نفر پر مبنی تھی۔ ان میں 60 ہزار فوجی گھڑ سوار اور 60 ہزار پیادہ پا تھے۔ یہ بھاری اسلحہ سے لیس تھے۔ ان کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کی کل تعداد 33 ہزار نفر تھی۔ ان کے پاس اسلحہ بھی تھوڑا تھا، کھانے پینے کا سامان بھی کم تھا، تاہم ان کے سینوں میں اللہ رب العزت پر ایمان اور حسنِ عمل کا ناقابلِ تسخیر جذبہ موجزن تھا اور ان کی جنگی تربیت بے مثال تھی۔

معرکہ قادسیہ میں چار دن تک گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر ایرانی سپاہ مسلمانوں کے سامنے نہ ٹھہر سکی۔ مسلمان اس دلیری سے لڑے کہ ایرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اُنھوں نے کلمۂ فرار پڑھا اور میدان جنگ سے نکل بھاگے۔ اس طرح قادسیہ فتح ہوگیا۔ معرکہ جلولا کے دوران دجلہ کی موجوں میں بے خطر گھوڑے دوڑانے والے اسلام کے بطل جلیل حضرت سعد بن ابی وقاص 55 ہجری میں مدینہ منورہ سے سات میل دور عقیق کے علاقے میں رحلت فرما گئے۔ ان کی نماز جنازہ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے پڑھائی۔ [2]

[1] صحیح البخاري: 3700. [2] سیر أعلام النبلاء: 115/1، الطبقات لابن سعد: 149,148/3.

سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ

سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کے والد ابوارقم کا نام عبد مناف بن اسد بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی مخزومی تھا۔ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ بھی دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مسلمان ہو جانے والے جلیل القدر افراد میں شامل تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے یہ بارہویں شخص تھے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ مواخات میں ابوطلحہ زید بن سہل رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔ آپ نے بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں حصہ لیا۔

حضرت ارقم بن ابوارقم رضی اللہ عنہ 55ھ/675ء میں مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپ نے وصیت کی کہ ان کی نماز جنازہ سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ پڑھائیں۔ ان دنوں مروان بن حکم، معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کا گورنر تھا۔ جب سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ اللہ کو پیارے ہوئے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ مسجد نبوی سے سات کلومیٹر دور وادی عقیق میں تھے۔ مروان نے نماز جنازہ پڑھانی چاہی اور کہا کہ ہم ایک غائب آدمی کی وجہ سے صحابیِ رسول کو روک نہیں سکتے۔ سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبیداللہ نے مروان کو منع کر دیا جس سے ان کے درمیان تلخ کلامی ہوگئی، پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے اور انھوں نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔[2]


وادی عقیق (مدینہ منورہ)

ابتدائی مسلمانوں کی درسگاہ دارارقم

مکان کا اصلی شرف اس کے مکین سے ہوتا ہے۔ یہ مکین ہی کی نسبت ہوتی ہے جو مکان کو معظم اور گراں مایہ بنا دیتی ہے۔ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نسبت نہ ہو تو کوہِ طور کیا ہے؟ محض مٹی کا تودہ ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کوہِ طور پر اللہ رب العزت سے کلام کیا تھا، اس لیے اُسے ایسی عزت نصیب ہوئی جو قیامت تک ماند نہیں پڑے گی۔ یہی معاملہ دارارقم کا ہے۔ اِسے عالم انسانیت کی سب سے بڑی شخصیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ اِسی لیے تاریخ اسلام میں دارارقم کا نام ہمیشہ جگمگاتا رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِسے دین حق کی تعلیم اور تبلیغ کا

[1] أسد الغابة: 70/1. [2] الطبقات لابن سعد: 244/3.

اولین مرکز بنایا اور یہیں وہ تاریخی واقعہ پیش آیا کہ جناب عمر یہاں ندامت سے سر جھکا کر حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر کے تحریک دعوت و اسلام کے نئے باب کے آغاز کا موجب بن گئے۔ یہاں صحابہ اکٹھے ہوتے تھے اور نبی کریم ﷺ سے اسلامی تعلیمات و اخلاقیات سیکھتے تھے۔ یہ مرکز بیک وقت مسلمانوں کی درسگاہ اور عبادت گاہ ہونے کے علاوہ ان کا کمیونٹی سنٹر بھی تھا۔ بعد میں دارارقم کو ''دارالاسلام'' کہا جانے لگا۔ یہ گھر کوہ صفا کے پاس تھا۔ [1]



کوہ صفا (مکہ مکرمہ)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں ایک گھر عطا فرمایا۔ [2] ہوسکتا ہے آپ ﷺ کا یہ عطیہ مکہ میں ان کے گھر کو بطور مرکز برتنے کا صلہ ہو۔ [3]

دارارقم کو مرکز بنانے کے اسباب

1. سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا کسی کافر یا مشرک کو کوئی علم ہی نہیں تھا، اس لیے یہ بات لوگوں کے گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ محمد ﷺ اور اُن کے ساتھی باہم ملاقات کے لیے ان کے گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں۔
2. ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کا تعلق بنومخزوم سے تھا جو بنوہاشم کا مخالف قبیلہ تھا۔ مشرکین مکہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اپنے دشمن قبیلے کے فرد کے گھر کو دینِ حنیف کی تعلیم کا مرکز بنالیں گے۔
3. ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ کی عمر اُس وقت بمشکل سولہ سال تھی۔ قریش مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ اور کبار صحابہ کے گھروں میں ڈھونڈتے رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان بنوہاشم کے کسی گھر یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے گھر میں اکٹھے ہو سکتے ہیں۔ دار ارقم کو مرکز بنانا نہایت سوچا سمجھا حکیمانہ اقدام تھا۔ اسی حکمت کے باعث کسی مشرک کو اس مرکز کی ہوا بھی نہ لگنے پائی اور یہاں قریش کے اچانک جا دھمکنے کی کبھی نوبت نہیں آئی۔ [4]

دارارقم بعد کے ادوار میں

سیدنا ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ نے دارارقم کو اپنی اولاد کے لیے وقف کرتے وقت یہ شرط لازم ٹھہرائی کہ اسے نہ بیچا جا سکتا ہے نہ وراثت کے طور پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ورثاء نسل در نسل اس میں رہائش پذیر رہے۔ وہ جب چاہتے

1 الطبقات لابن سعد:3/243,242، أسدالغابة:1/70. 2 الطبقات لابن سعد :3/244. 3 السيرة النبوية لأبي شهبة : 1/289. 4 المنهاج الحركي لغضبان:1/49، السيرة النبوية للصلابي:1/138,137.

تھے، اسے کرائے پر دے دیتے تھے۔ یہ صورت حال اسی طرح برقرار رہی حتی کہ ابوجعفر منصور کی خلافت کا زمانہ آ گیا۔

محمد بن عمران بن ہند بیان کرتے ہیں کہ مجھے اُس دن کا پتا ہے جس دن عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور کے دل میں یہ گھر خریدنے کا خیال پیدا ہوا۔ ایک مرتبہ ابوجعفر حج کے لیے آیا۔ وہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا۔ ہم اپنے گھر کی چھت پر ایک خیمے میں بیٹھے تھے۔ ابوجعفر عین ہمارے نیچے سے گزرتا تھا۔ اس کی پگڑی اس حد تک میری دسترس میں تھی کہ اگر میں چاہتا تو ہاتھ بڑھا کر اس کی پگڑی بھی پکڑ سکتا تھا۔ جب وہ وادی میں اُترتا تو صفا پر چڑھنے تک اُس کی نظریں ہماری طرف ہی لگی رہتیں۔ جب مدینہ میں محمد نفس زکیہ بن عبداللہ بن حسن نے ابوجعفر کے خلاف بغاوت کی تو عبداللہ بن عثمان بن ارقم رضی اللہ عنہ بھی اُن کے پیروکاروں میں شامل تھے لیکن انھوں نے خروج میں حصہ نہیں لیا۔ ابوجعفر کے دل میں اُن کے خلاف کدورت بھر گئی۔ اُس نے مدینہ کے گورنر کو لکھا کہ انھیں قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ پھر اُس نے کوفہ کے ایک شخص شہاب بن عبدرب کو بھیجا اور ساتھ ہی مدینہ کے گورنر کے نام ایک حکم نامہ بھی ارسال کیا کہ یہ شخص جو کچھ کرنا چاہے، اسے کرنے دیا جائے۔

شہاب کوفی، عبداللہ بن عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس قید خانے میں گیا۔ اُن کی عمر اُس وقت اسی (80) سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ وہ اس قید و بند سے تنگ آ چکے تھے۔ شہاب نے اُن سے کہا: اگر آپ دارارقم بیچنے کے لیے تیار ہو جائیں تو میں آپ کو اس قید سے نجات دلا سکتا ہوں۔ امیر المؤمنین ابوجعفر اسے خریدنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ یہ گھر ان کے ہاتھ فروخت کرنے پر رضامند ہو جائیں تو میں اُن سے آپ کی معافی کے بارے میں بات چیت کروں گا۔ عبداللہ بن عثمان نے کہا کہ یہ گھر تو وقف ہے، اس میں میرے ساتھ اور بھی بہت سے ورثاء شریک ہیں۔ شہاب بولا: آپ اپنے حصے کا سودا کر کے بریُ الذمہ ہو جائیں، باقی لوگوں سے ہم خود بات کر لیں گے، چنانچہ عبداللہ بن عثمان بن ارقم کو اُن کے حصے کی رقم 17 ہزار دینار طے کر کے اُن کا حساب بے باق کر دیا گیا۔

پھر شہاب کوفی اُن کے بھائیوں کے پاس پہنچا اور انھیں زیادہ قیمت کا لالچ دے کر یہ مکان خرید لیا۔ یوں یہ گھر ابوجعفر اور اُس کے اقرباء کی ملکیت میں آ گیا، پھر خلیفہ مہدی نے یہ گھر اپنی بیوی خیزران کو دے دیا۔ اُس نے اسے نئے سرے سے تعمیر کرایا تو یہ اُسی کے نام سے منسوب اور معروف ہو گیا۔ بعد ازاں یہ موسیٰ ہادی بن محمد مہدی کے بیٹے جعفر کی ملکیت میں آ گیا۔ [1] آج کل دارِارقم مسجد الحرام کی توسیع کے بعد مَسْعٰی (سعی کرنے کی جگہ) میں شامل ہو گیا ہے۔



جدید مسعیٰ (سعی کرنے کی جگہ)، مکہ مکرمہ

[1] الطبقات لابن سعد: 3/244,243.

سیدنا طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ

طلحہ بن عبیداللہ، طلحۃ الخیر اور طلحۃ الفیاض کے نام سے معروف تھے۔ الخیر کے معنی ہیں کہ اُن میں بھلائی ہی بھلائی تھی۔ الفیاض کا مطلب یہ ہے کہ وہ بے حد سخی تھے۔ موسیٰ بن طلحہ اپنے باپ طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں، انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے اُحد والے دن مجھے ''الخیر''، غزوۂ تبوک کے موقع پر ''الفیاض'' اور حنین والے دن ''الجود'' کا لقب مرحمت فرمایا تھا۔[1] الجود کے معنی ہیں: انتہائی سخی۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابومحمد طلحہ بن عبیداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ رضی اللہ عنہ۔[2] طلحہ بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا نسب ساتویں پُشت پر سیدالبشر رحمۃ للعالمین ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور تیسری پشت پر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کپڑے کے تاجر تھے۔ وہ اپنے ایک سفر کے بارے میں بتاتے ہیں کہ میں ایک روز بُصریٰ کے بازار میں تھا۔ ایک راہب اپنے صومعہ (Church) میں کہہ رہا تھا کہ حرم میں رہنے والے کسی آدمی کا پتا کرو۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے اُسے بتایا کہ میں اہلِ حرم میں سے ہوں۔'' میری بات سن کر راہب نے پوچھا: ''کیا احمد (ﷺ) کا ظہور ہو چکا ہے؟'' میں نے پوچھا: ''کون احمد؟'' اُس نے کہا: ''احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (ﷺ)۔ اُن کا ظہور اسی مہینے میں ہوگا۔ وہ اللہ کے آخری نبی ہیں۔ وہ حرم سے ظاہر ہوں گے اور ایک پتھریلی اور نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔ اگر اُن کا ظہور ہو چکا ہے تو اُن پر بلا تاخیر ایمان لے آؤ۔''

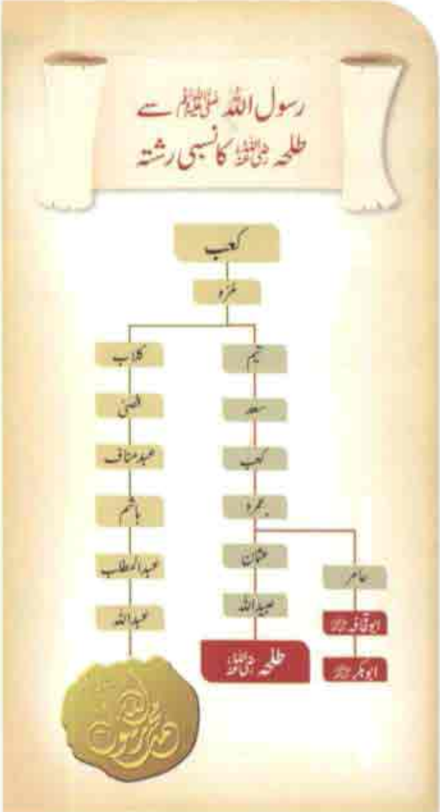
سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ میں جلدی سے مکہ واپس پہنچا۔ آتے ہی لوگوں

---

[1] المستدرك للحاكم :374/3، أسد الغابة : 491,490/2. [2] المستدرك للحاكم :368/3، السيرة لمحمود شاكر، ص: 103.



پہاڑ کے دامن میں کھجوروں کا باغ (مدینہ منورہ)



سے پوچھا: ''کیا میری عدم موجودگی میں کوئی نئی بات ہوئی ہے؟'' لوگوں نے بتایا: ''محمد (ﷺ) نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور ابن ابی قحافہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اُن کے اس دعوے کو صحیح تسلیم کرتے ہیں۔'' میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ اُن سے پوچھا: ''کیا آپ نے اس شخص (محمد ﷺ) کی پیروی اختیار کر لی ہے؟'' اُنھوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا: ''آپ بھی میرے ساتھ چلیں اور اُن کی پیروی اختیار کر لیں، وہ حق کی دعوت دیتے ہیں۔'' اسی دوران طلحہ رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو راہب والا قصہ سنایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ طلحہ رضی اللہ عنہ کو نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئے۔ سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بلاتردد اُسی وقت اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اُن کے قبولِ اسلام پر مسرت کا اظہار فرمایا۔[1]

جنگ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے انھیں اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام سے واپس آنے والے قریشی قافلے کے حالات معلوم کرنے کے لیے بھیجا تھا، اس لیے سیدنا طلحہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے بدر سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت سے ان کا حصہ دیا تھا اور انھیں بدر میں شرکت کے اجر کی نوید بھی سنائی تھی۔

غزوۂ احد میں انھوں نے خوب بہادری کے جوہر دکھائے۔ جب بعض مسلمان پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے تو یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان میں ثابت قدم رہے۔ اس دن مالک بن زہیر جشمی نے نبیِ اکرم ﷺ کو تیر مارا تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ہاتھ سے اس وار کو روکا تھا جس سے آپ کی انگلی شل ہو گئی۔ آپ ان دس خوش نصیب افراد میں سے ہیں جنھیں اس دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی اور ان چھ افراد میں سے ہیں جنھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شایانِ خلافت قرار دیا تھا۔[2]

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ ابن سعد رحمہ اللہ بسر بن سعید رحمہ اللہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ

[1] الطبقات لابن سعد: 215،214/3. [2] أسد الغابة: 491/2.

سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے انھیں کاتب وحی ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا تھا۔ [1] ابن اثیر رحمہ اللہ نے آپ کے اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات کا ذکر کیا ہے۔ [2]

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کو جنگ جمل میں مروان بن حکم نے تیر مارا تھا جس سے آپ شہید ہو گئے۔ بوقتِ وفات آپ کی عمر 62 برس تھی۔ [3] ابن سعد رحمہ اللہ نے آپ کی عمر 64 برس لکھی ہے۔ [4]

آپ نے ترکے میں 22 لاکھ درہم اور 2 لاکھ دینار نقدی اور تین کروڑ درہم مالیت کی جائیداد چھوڑی۔ [5]

سیدنا زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ



سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی پھوپھی سیدہ صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے بیٹے تھے۔ ان کے والد عوام بن خویلد ام المؤمنین حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے۔

زبیر رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزّٰی بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی قرشی اسدی رضی اللہ عنہ۔ ان کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ [6] آپ کا نسب پانچویں پشت پر پہنچ کر نبی کریم ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔

غزوۂ خندق کے موقع پر نبیِ اکرم ﷺ نے صحابہ کو (دشمن کی خبر لانے کے لیے) کہا تو سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ تیار ہو گئے۔

آپ نے تین مرتبہ صحابہ سے کہا۔ تینوں مرتبہ سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ ہی تیار ہوئے۔ آپ نے فرمایا: ''ہر نبی کا حواری (مددگار) ہوتا ہے۔ میرے حواری زبیر (رضی اللہ عنہ) ہیں۔'' [7]

بنو قریظہ کے محاصرے کے دن رسول اللہ ﷺ نے زبیر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «بِأَبِي وَ أُمِّي» ''آپ پر میرے ماں باپ قربان۔'' [8]

جب آپ نے اسلام قبول کیا، اس وقت آپ کی عمر 16 برس تھی۔ آپ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت میں

[1] الطبقات لابن سعد: 216/3. [2] أسد الغابة: 490/2. [3] المستدرك للحاكم: 370,369/3. [4] الطبقات لابن سعد: 224/3. [5] الطبقات لابن سعد: 222/3. [6] أسد الغابة: 209/2. [7] صحيح البخاري: 7261، صحيح مسلم: 2415. [8] صحيح البخاري: 3720.

شرکت کی اور پھر مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ نبیِ اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں جب مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو آپ ﷺ نے حضرت زبیر اور شاعر اسلام کعب بن مالک سلمی خزرجی رضی اللہ عنہما کو رشتۂ مواخات میں منسلک فرما دیا۔

سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق اور فتح مکہ سمیت تمام معرکوں میں نبی ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ ان دس سعادت مند افراد میں سے تھے جنھیں نبی ﷺ نے جنت کی بشارت دی اور ان چھ خوش نصیب افراد کی شوریٰ میں شامل تھے جنھیں عمر رضی اللہ عنہ نے شہادت کے وقت خلافت کے لیے نامزد کیا اور فرمایا کہ نبی ﷺ وفات تک ان سے راضی رہے۔

جنگ جمل میں آپ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں نکلے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں حدیثِ رسول سنائی تو آپ جنگ سے علیحدہ ہو گئے۔ آپ بصرہ کے جنوب مغربی جانب وادی سباع میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ابن جرموز نے حملہ کر کے آپ کو شہید کر دیا، پھر وہ اپنی تلوار لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچا اور کہا کہ میں نے زبیر رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا ہے۔ یہ بات سُن کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ صفیہ کے بیٹے (زبیر) کے قاتل کو دوزخ کی بشارت دے دینا۔'' شہادت کے وقت آپ کی عمر 66 یا 67 برس تھی۔ [1]

سیدنا سعید بن زید اور سیدہ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہما

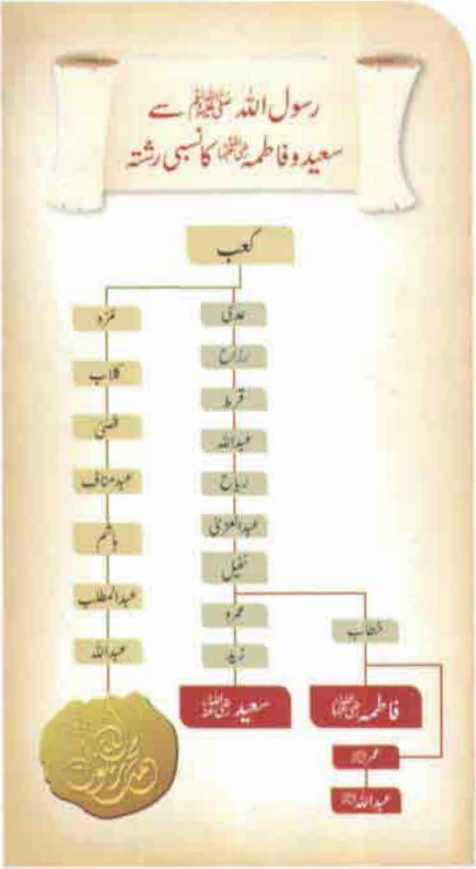
سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابو اعور تھی۔ آپ نے ہوش سنبھالتے ہی کلمۂ توحید سنا۔ بت پرستی سے بیزاری انھیں ورثے میں ملی تھی۔ ان کے والد زید بن عمرو بن نفیل پکے موحد اور دین ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ انھوں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں بت پرستی ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی توحید کو اختیار کر لیا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا:

«أَنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ أُمَّةً وَّاحِدَةً»

''انھیں روز قیامت ایک امت کی حیثیت سے اٹھایا جائے گا۔'' [2]

زید بن عمرو بعثت نبوی سے پانچ سال پہلے، جب اہل مکہ خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے، فوت ہوئے۔ اُن کے بیٹے سعید بن زید پر اُن کی جستجوئے حق کے گہرے اثرات تھے، اس لیے وہ دعوتِ اسلام کے ابتدائی دنوں ہی میں مسلمان

[1] مسند أحمد: 89/1، المستدرك للحاكم: 367/3، الطبقات لابن سعد: 100/3-112، أسد الغابة: 209/2-212.
[2] [ضعيف] مسند أحمد: 190/1.



ہو گئے۔ سیدنا سعید ؓ کی اہلیہ فاطمہ بنت خطاب ؓ جو عمر بن خطاب ؓ کی بہن تھیں، وہ بھی ان سے پیچھے نہ رہیں، انھوں نے بھی ان کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لیا۔ سیدنا عمر بن خطاب ؓ کو اسلام کی طرف راغب کرنے میں ان میاں بیوی کا بڑا اہم کردار تھا۔ سیدنا عمر ؓ سے سعید بن زید کی کئی حوالوں سے رشتے داری تھی۔ وہ عمر ؓ کے چچازاد تھے اور اُن کی بہن فاطمہ بنت خطاب ؓ کے شوہر بھی تھے۔ ان کی بہن عاتکہ بنت زید سیدنا عمر بن خطاب ؓ کی زوجیت میں تھیں۔ حضرت سعید بن زید ؓ کا قد لمبا، رنگ گندمی اور بال بہت گھنے تھے۔

حضرت سعید بن زید ؓ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے بنوخزرج میں سے اولین مسلمان رافع بن مالک ؓ کو آپ کا بھائی بنایا۔ حضرت سعید ؓ جنگ بدر میں شریک نہیں ہو سکے لیکن رسول اللہ ﷺ نے مالِ غنیمت میں انھیں حصہ دیا اور اجر کی خوشخبری بھی دی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے انھیں اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ ؓ کو شام کی طرف گئے ہوئے قریش کے قافلے کی اطلاع لانے کے لیے بھیجا تھا۔

آپ ان دس سعادت مند افراد میں سے ہیں جنھیں اس دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ آپ احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں نبیِ اکرم ﷺ کے ہمراہ رہے۔ آپ نے 51ھ/671ء میں عقیق نامی جگہ پر وفات پائی۔ آپ کو وہاں سے مدینہ منورہ لایا گیا اور مدینہ منورہ ہی میں دفن کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر 70 برس سے زیادہ تھی۔[1] آپ اڑتالیس (48) احادیث مبارکہ کے راوی ہیں۔[2]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف ؓ

عبدالرحمٰن بن عوف ؓ کا نام زمانۂ جاہلیت میں عبدعمرو یا عبدالکعبہ تھا۔ نبیِ کریم ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمٰن

[1] أسد الغابة: 326,325/2، الطبقات لابن سعد: 379/3-385. [2] أسماء الصحابة الرواة لابن حزم: 279.

رکھا۔[1] یہ اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ناموں میں سے ایک ہے۔[2]

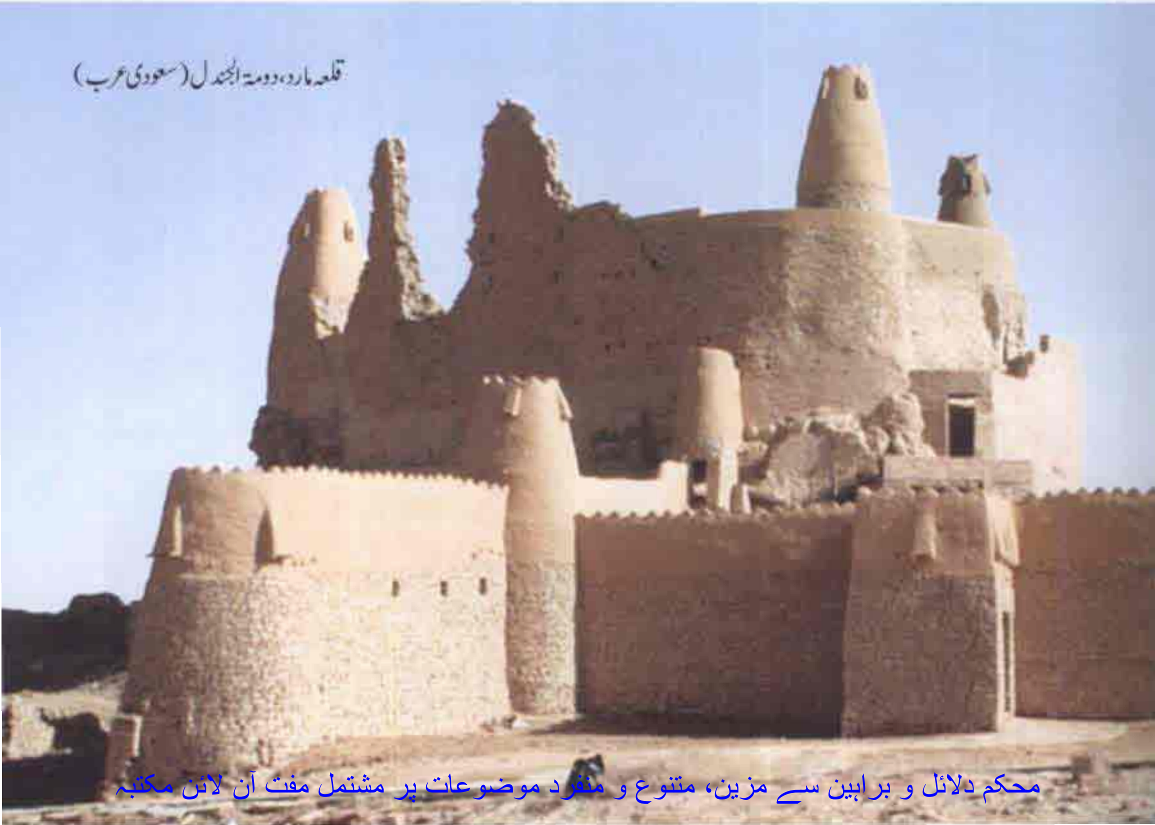
آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبدالرحمٰن بن عوف بن عبدعوف بن عبد بن حارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب قرشی زہری رضی اللہ عنہ۔ آپ کا نسب چھٹی پشت پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔[3]

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی اُن دس سعادت مند افراد میں شامل ہیں جنھیں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے خلیفہ کے انتخاب کے لیے چھ افراد پر مشتمل جو کمیٹی بنائی تھی، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اُس کے اہم رُکن تھے بلکہ انھیں متفقہ طور پر خلیفہ کے انتخاب کے لیے حَکَم (ثالث) مقرر کیا گیا تھا۔

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ عام الفیل کے دس سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ بھی دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ترغیب کے نتیجے میں مسلمان ہوئے۔ یہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دار ارقم میں تشریف لانے اور اسے دعوتِ دین کا اولین مرکز بنانے سے پہلے کی بات ہے۔[4]

آپ وہ بے حد خوش نصیب شخصیت ہیں جن کی امامت میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی۔[5] نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں بنوکلب کی جانب دومۃ الجندل بھیجا اور اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا، پھر فرمایا: ''اگر

[1] المستدرك للحاكم: 306/3، [2] جامع الترمذي: 2833، [3] أسد الغابة: 141/3، [4] أسد الغابة: 141/3، [5] مسند أحمد: 192/1.



قلعہ مارد، دومۃ الجندل (سعودی عرب)

تمھیں فتح نصیب ہو جائے تو وہاں کے حکمران کی بیٹی سے شادی کر لینا۔" [1]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ قریش کے نہایت مالدار فرد تھے۔ آپ نے ایک ہی دن میں تیس غلام آزاد کیے۔ [2] آپ اللہ کی راہ میں بہت زیادہ خرچ کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے اخراجات کی ذمہ داری آپ نے سنبھال رکھی تھی۔ جب آپ فوت ہوئے تو اپنا ایک باغ امہات المومنین کے لیے وقف کر گئے تھے جس کی مالیت چالیس ہزار دینار تھی۔ [3]

آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ احد کے دن آپ کو اکیس زخم آئے تھے۔ آپ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی، پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی بھی سعادت حاصل کی۔ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں مہاجرین و انصار کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا تو سیدنا سعد بن ربیع اور آپ کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں آپ کو اپنے مال کا آدھا حصہ دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں، میں ایک کو طلاق دے دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کر لیں۔" سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے اہل و عیال اور مال میں برکت دے۔ آپ مجھے بازار کا پتہ بتلا دیں۔ اگلے روز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بازار گئے اور گھی، پنیر اور چمڑا خرید کر فروخت کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو برکت دی اور آپ شام کو کچھ گھی اور پنیر لے کر گھر آئے۔ [4]



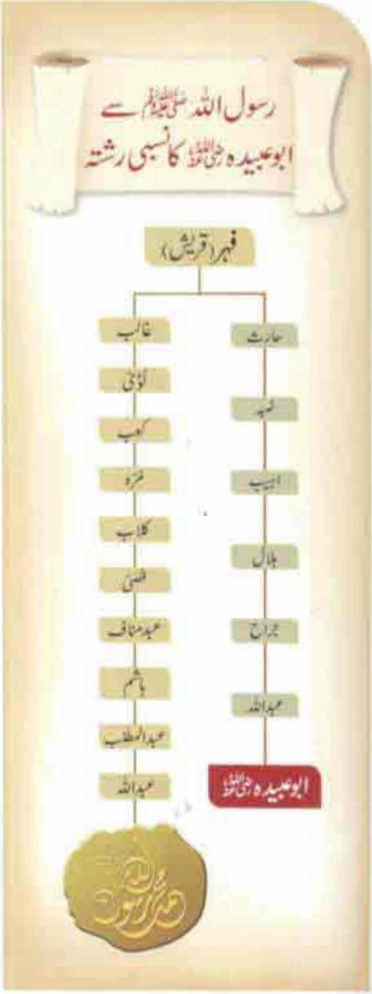
جبیہہ، عمان (اردن) میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا مرقد

آپ نے 32ھ/652ء میں 75 سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ [5] جب آپ فوت ہوئے تو اس وقت آپ کی چار بیویاں تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو آٹھویں حصے سے 80،80 ہزار دینار آئے۔ اس کے علاوہ آپ کا ترکہ ایک ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور ایک سو گھوڑے تھے۔ [6]

سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نسب یوں ہے: ابوعبیدہ عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اُہیب بن ضبّہ بن حارث بن

[1] الطبقات لابن سعد: 129/3. [2] أسد الغابة: 141/3. [3] المستدرك للحاكم: 312/3. [4] الطبقات لابن سعد: 126,125/3. [5] المستدرك للحاكم: 308/3. [6] الطبقات لابن سعد: 136/3.



فہر۔[1] ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نسب ساتویں پشت پر نبی کریم ﷺ کے نسب سے جاملتا ہے۔ یہ اپنی کنیت اور دادا کی طرف نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دراز قد اور دُبلے پتلے تھے۔ ان کی ڈاڑھی کے بال بھی بہت کم تھے۔[2] آپ انتہائی با اخلاق اور نرم مزاج تھے۔[3]

ان کی امتیازی شان یہ تھی کہ وہ ''امین الامت'' تھے۔ نبی کریم ﷺ نے اہل نجران سے فرمایا تھا: ''میں تمھاری طرف ایسا شخص بھیجوں گا جو امانت کا حق ادا کر دے گا۔'' آپ ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں بڑا تجسس پیدا ہوا کہ دیکھیں یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے۔ آپ نے ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا اور ارشاد فرمایا:

«إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَمِينًا وَّ إِنَّ أَمِينَنَا أَيَّتُهَا الْأُمَّةُ! أَبُو عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ»

''بے شک ہر اُمت کا ایک امین ہوتا ہے۔ اے اُمت! ہمارے امین ابوعبیدہ بن جراح (رضی اللہ عنہ) ہیں۔''[4]

ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف کی جانے والی دوسری ہجرت میں حصہ لیا، پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ اوسی رضی اللہ عنہ کو اور ایک قول کے مطابق سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہما کو آپ کا بھائی بنایا تھا۔ آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے

مسجد ابوعبیدہ بن الجراح (ینبع)



[1] الطبقات لابن سعد: 409/3، السيرة لمحمود شاكر، ص: 106. [2] الطبقات لابن سعد: 414/3. [3] سير أعلام النبلاء: 9/1. [4] صحيح البخاري: 3745،3744.

ساتھ رہے۔ [1] عمر ؓ کو جب خنجر لگا تھا تو اس وقت عمر ؓ نے فرمایا تھا: ''اگر ابوعبیدہ بن جراح زندہ ہوتے تو میں انھیں خلیفہ بناتا۔'' [2] آپ ان دس سعادت مند افراد میں سے ہیں جنھیں اسی دنیا میں جنت کی بشارت دی گئی تھی۔ [3] آپ خلافت عمر میں 18ھ/639ء کو طاعون کی وبا میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اس وقت آپ کی عمر 58 برس تھی۔ [4]

سیدنا ابوحُذیفہ بن عتبہ ؓ



ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبد مناف قرشی عبشمی ؓ کا نام مہشم، ہشیم یا ہاشم بیان کیا گیا ہے۔ آپ کا شمار جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ابھی رسول اللہ ﷺ دارِ ارقم میں دعوتِ دین کے لیے مقیم نہیں ہوئے تھے کہ آپ نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ آپ اولین مہاجرین میں سے ہیں۔ پہلے آپ نے حبشہ ہجرت کی، پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ بعدازاں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کی بیوی سہلہ بنت سہیل بن عمرو ہجرت حبشہ میں آپ کے ساتھ تھیں۔ وہاں آپ کا بیٹا محمد بن ابوحذیفہ پیدا ہوا۔

حضرت ابوحذیفہ ؓ بڑے خوبرو اور طویل قد و قامت والے تھے۔ آنکھ قدرے ترچھی تھی۔ آپ کا ایک دانت دوہرا تھا، یعنی ایک دانت کی جڑ ہی سے دوسرا دانت نکل کر پہلے دانت پر چڑھ آیا تھا۔ آپ نے بدر، احد، خندق اور حدیبیہ سمیت تمام معرکوں میں شرکت کی۔ جنگ یمامہ 12ھ/633ء میں، 53 یا 54 سال کی عمر میں شہادت پائی۔ [5]

سیدنا مصعب بن عمیر ؓ

مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی ؓ [6] کا نسب نبی ﷺ کے جدّ امجد قصی پر جا ملتا ہے۔ نوجوانانِ مکہ میں حضرت مصعب بن عمیر ؓ جوانی و رعنائی، خوش پوشی اور ناز ونعم کی آغوش میں پرورش کے اعتبار سے مشہور تھے۔ ماں باپ کے لاڈلے تھے۔ ماں کو ہمیشہ یہ دُھن لگی رہتی تھی کہ مکہ بھر میں ان کے بیٹے (مصعب) کا

[1] الطبقات لابن سعد: 410/3. [2] الكشاف للزمخشري، النحل 16:120، تاريخ دمشق: 297/61، الكامل لابن الأثير: 459/2.
[3] أسد الغابة: 518/2. [4] الطبقات لابن سعد: 414/3، 415. [5] الطبقات لابن سعد: 85/3. [6] تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 126.



لباس سب سے زیادہ قیمتی اور عطر سب سے زیادہ مہکنے والا ہو۔ نبی ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''میں نے مکہ میں کوئی ایسا نوجوان نہیں دیکھا جو لمبے بالوں، عمدہ اور باریک لباس اور ناز ونعم میں مصعب بن عمیر (رضی اللہ عنہ) سے بڑھ کر ہو۔'' [1]

یہ دارِ ارقم میں مسلمان ہوئے تھے۔ ماں باپ کے خوف سے قبولِ اسلام کا اظہار نہ کیا۔ ایک روز عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے انھیں نماز پڑھتے دیکھ لیا تو قوم کو ان کے اسلام کی خبر دے دی۔ ماں باپ اور قوم سب ان سے ناراض ہو گئے۔ انھیں قید کر دیا گیا۔ جونہی موقع ملا، قید سے نکل بھاگے اور حبشہ کی طرف جانے والے مہاجرین کے پہلے قافلے میں شامل ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد مکہ تشریف لائے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ کا یہ شہزادہ انتہائی زہد کی زندگی بسر کرنے لگا۔ [2]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ''ایک دفعہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ تشریف لائے۔ ان کے بدن پر چمڑے کے پیوند لگی ایک چادر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو ان کی ناز ونعم والی سابقہ زندگی اور موجودہ حالت کا احساس فرما کر آبدیدہ ہو گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تمھارا کیا حال ہوگا جب تم میں سے کوئی صبح ایک جوڑے میں کرے گا اور شام دوسرے کپڑوں میں کرے گا اور اس کے آگے ایک برتن رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا اور تم اپنے گھروں پر اس طرح پردے آویزاں کرو گے جس طرح کعبے کو غلاف پہنایا جاتا ہے!'' صحابہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! اس دن تو ہم بہت اچھی حالت میں ہوں گے۔ محنت ومشقت سے فارغ اور عبادت ہی کے لیے وقف ہوں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں، بلکہ اُن دنوں سے تم آج کے دن بہتر ہو۔'' [3]

بیعت اولیٰ کے بعد نبی ﷺ نے مصعب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مدینہ جا کر تعلیمِ قرآن اور تدریسِ دین کا فرض انجام دو، چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے۔ آپ نے اپنی ذمے داری خوب نبھائی۔ آپ لوگوں کے گھروں پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے۔ آپ کی دعوت پر مشرکوں کی کثیر تعداد نے اسلام قبول کیا۔ پھر سیدنا مصعب رضی اللہ عنہ ستر صحابہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جنھوں نے بیعت عقبہ ثانیہ کے موقع پر رسول اکرم ﷺ کے

[1] المستدرك للحاكم: 3/200. [2] صفة الصفوة لابن الجوزي: 1/390. [3] جامع الترمذي: 2476.


اذخرگھاس

ہاتھ پر بیعت کی۔ مکہ میں آپ تھوڑا عرصہ ٹھہرے۔[1] پھر نبی اکرم ﷺ سے 12 دن پہلے ربیع الاول میں مدینہ منورہ واپس چلے گئے۔[2] آپ نے غزوۂ احد 3ھ/625ء میں شہادت پائی۔

سیدنا خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''ہم نے نبیِ کریم ﷺ کے ساتھ صرف اللہ کے لیے ہجرت کی۔ اب ہمیں اللہ کی طرف سے اجر ملنا ہی تھا۔ ہمارے بعض ساتھی تو انتقال کر گئے اور (اس دنیا میں) انھوں نے اپنے اعمالِ حسنہ کا کوئی پھل نہیں چکھا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی انھی لوگوں میں سے تھے۔ تاہم ہمارے بعض ساتھیوں کا میوہ پک گیا اور وہ چن چن کر پھل کھاتے تھے۔ وہ (مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ) اُحد کی لڑائی میں شہید ہو گئے۔ انھیں کفن دینے کے لیے ایک چادر کے سوا کوئی چیز نہ ملی، وہ بھی ایسی کہ اگر ہم اس سے ان کا سر چھپاتے تو پاؤں ننگے ہو جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا، چنانچہ نبیِ اکرم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سر ڈھانپ دیں اور پاؤں پر اذخر گھاس ڈال دیں۔''[3]

سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم بن یقظہ بن مُرّہ۔[4]

ان کے والد کا تعلق بنو مخزوم سے تھا جبکہ ان کی والدہ برّہ سردار عبدالمطلب کی بیٹی اور نبیِ کریم ﷺ کی پھوپھی تھیں۔ حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نبیِ کریم ﷺ کے رضاعی بھائی بھی تھے۔[5] ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا نسب ساتویں پُشت پر نبیِ کریم ﷺ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

ابن اسحٰق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوعبیدہ بن حارث، ابوسلمہ، ارقم بن ابی ارقم اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم اللہ کے رسول ﷺ کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کی تلاوت فرمائی تو ان چاروں نے اسلام قبول کر لیا اور گواہی دی کہ آپ ہدایت اور روشن دین پر ہیں۔[6]

سیدنا ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف کی جانے والی دونوں ہجرتوں میں شرکت کی۔ بعدازاں آپ نے

1 تلقیح فہوم أهل الأثر، ص: 126. 2 الطبقات لابن سعد: 119/3. 3 صحیح البخاري: 1276، صحیح مسلم: 940.
4 الطبقات لابن سعد: 239/3، السیرة لمحمود شاكر، ص: 108. 5 أسد الغابة: 475/4. 6 السیرة لابن إسحاق: 186/1.

مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ ﷺ نے سعد بن خیثمہ اوسی رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا۔ سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ بدر اور احد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حاضر رہے۔ غزوۂ احد میں ابواسامہ جشمی نے آپ کا بازو زخمی کر دیا۔ ایک ماہ بعد زخم مندمل ہوگیا۔ محرم 4 ھ/625ء میں رسول اللہ ﷺ نے آپ کو ڈیڑھ سو آدمیوں کے دستے کی قیادت سونپ کر بنو اسد کی طرف بھیجا۔ واپسی پر آپ کا وہ زخم دوبارہ پھوٹ پڑا جو غزوۂ احد میں لگا تھا۔ کچھ دنوں بعد آپ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کی نماز جنازہ رسول اللہ ﷺ نے پڑھائی۔[1]

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہیب بن حذافہ بن جمح قرشی جمحی۔ آپ کی کنیت ابوسائب تھی۔ ابھی رسول اللہ ﷺ نے دارارقم کو اپنا مرکز نہیں بنایا تھا کہ یہ مسلمان ہو چکے تھے۔ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اُن پاک طینت افراد میں سے تھے جو زمانۂ جاہلیت میں بھی شراب کے قریب نہیں پھٹکتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ شراب آگ ہے۔ اس میں انسان کی عقل کوئلہ ہوجاتی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری حالت ایسی ہو کہ کوئی ادنیٰ آدمی بھی مجھ پر ہنسے۔ جب شراب کی حرمت کے بارے میں سورۂ مائدہ کی آیات نازل ہوئیں تو ایک شخص ان کے پاس سے گزرا، اُس نے انھیں بتایا کہ شراب کو حرام قرار دے دیا گیا ہے، پھر اس بارے میں انھیں سورۂ مائدہ کی آیات سنائیں تو یہ کہنے لگے: ''شراب کا ستیاناس ہو، میں تو اس کی خرابیوں سے پہلے ہی آگاہ ہوں۔''

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ گندمی رنگ اور درمیانے قد کے تھے۔ ان کی ڈاڑھی بہت بڑی تھی۔ وہ انتہائی حیادار اور پرہیز گار تھے۔ کبھی کبھی تو ان کی پرہیز گاری جائز نفسانی خواہشات سے بھی کنارہ کش ہو جاتی تھی۔

ایک مرتبہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عورتوں سے بالکل کنارہ کشی کا ارادہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ تک یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا: ''کیا تمھارے لیے میری ذات میں اُسوہ حسنہ نہیں؟ میری بیویاں بھی ہیں۔ میں گوشت بھی کھاتا ہوں۔ (نفلی) روزے بھی رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ اگر عورتوں کے ساتھ تعلق کو محدود کرنا چاہتے ہو تو نفلی روزے رکھو۔''

ایک مرتبہ عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی اُمہات المومنین رضی اللہ عنہن کی خدمت میں پہنچی، اُنھوں نے دیکھا کہ یہ خاتون انتہائی خستہ حالت میں ہے۔ ازواج النبی نے فرمایا: ''تمھارا خاوند تو قریش کے مالدار ترین لوگوں میں سے ہے (پھر تمھاری یہ حالت کیوں ہے؟)'' وہ بولی: ''میرے شوہر کو تو مجھ سے کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ وہ رات کو قیام کرتا

[1] الطبقات لابن سعد: 3/239-242، زاد المعاد: 3/243.

ہے اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔'' نبی ﷺ تشریف لائے تو اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہن نے یہ داستان آپ ﷺ کے گوش گزار کر دی۔

رسول اللہ ﷺ کی عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمھارے لیے میری ذات اُسوہ حسنہ نہیں؟'' سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، کیوں نہیں!'' آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تم دن کے وقت روزہ رکھتے اور رات کو قیام کرتے ہو؟'' عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''جی ہاں! میں ایسا ہی کرتا ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ایسا نہ کرو۔ تمھاری آنکھوں کا تم پر حق ہے۔ تمھارے جسم کا تم پر حق ہے۔ تمھارے گھر والوں کا تم پر حق ہے۔ نماز بھی پڑھو اور آرام بھی کرو۔ نفلی روزے رکھو بھی اور چھوڑو بھی۔'' اس کے بعد سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی اہلیہ پھر امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے پاس گئیں تو ان کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی۔ امہات المؤمنین نے پوچھا: ''یہ کیسی تبدیلی ہے؟'' انھوں نے جواب دیا: ''اب مجھے بھی وہی احوال نصیب ہو گئے ہیں جو دیگر عورتوں کو میسر ہیں۔''



عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر (البقیع)

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی۔ بعدازاں آپ مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان اور سیدنا ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔

آپ بدر میں شریکِ معرکہ رہے۔ ہجرت کے 30 ماہ بعد شعبان میں اللہ کو پیارے ہوگئے۔ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے پہلے شخص تھے جو مدینہ منورہ میں فوت ہوئے۔ مہاجرین میں سب سے پہلے آپ ہی کو بقیع میں دفن کیا گیا۔[1] حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے آپ کا شمار ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا ہے جن سے چار چار احادیث مروی ہیں۔[2]

سیدنا قُدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ

ابوعمرو قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی تھے۔ ان کی والدہ غزیہ بنت حویرث بن عنبس بن وہبان بن وہب تھیں۔[3]

چاروں بھائی عثمان، سائب، عبداللہ اور قدامہ رضی اللہ عنہم سابقون الاولون میں سے ہیں۔ چاروں نے ہجرت حبشہ، پھر ہجرت مدینہ میں شرکت کی۔ یہ ام المؤمنین حفصہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے ماموں بھی ہیں کیونکہ ان کی والدہ بنو جمح سے تھیں۔ بدر، احد اور جملہ معرکوں میں حاضر رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہن صفیہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا سیدنا قدامہ رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قدامہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا گورنر مقرر کیا۔ بعد ازاں انھیں معزول کر کے عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین بنایا۔ قدامہ رضی اللہ عنہ نے 36ھ/656ء میں 68 سال کی عمر میں وفات پائی۔[4]

سیدنا عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ

آپ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ سُخیلہ بنت عنبس بن وہبان بن وہب بن حذافہ بن جمح تھیں۔ سیدنا عبداللہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کی کنیت ابومحمد تھی۔ عبداللہ بن مظعون اور ان کے بھائی قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دارِارقم میں تشریف آوری سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ میں حصہ لیا۔

سلسلۂ مؤاخات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عبداللہ بن مظعون اور سہل[5] بن عبیداللہ بن معلّٰی انصاری رضی اللہ عنہما کے مابین

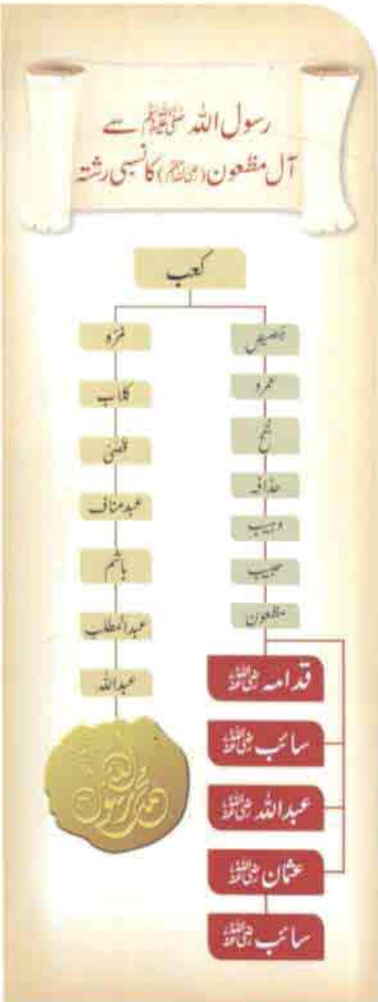
---

[1] الطبقات لابن سعد: 3/393-401. [2] أسماء الصحابة الرواة: 290. [3] الطبقات لابن سعد: 3/401. [4] الاستیعاب، ص: 610,609. [5] سہل بن عبیداللہ: ابن سعد نے سہل بن عبید اللہ بن معلّٰی انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کا تذکرہ کیا ہے۔ معاجم صحابہ میں سہل بن عبیداللہ رضی اللہ عنہ کا نام نہیں ملتا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے سہل بن عبید بن قیس کا تذکرہ کیا ہے۔ (الطبقات لابن سعد: 3/400، الإصابة: 3/168)

بھائی چارہ قائم کیا۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بدر، احد، خندق اور دیگر تمام معرکوں میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ 30ھ/650ء میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں 60 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔[1]

سیدنا سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ

سائب بن مظعون بن حبیب قرشی جمحی رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔ آپ اولین مہاجرین میں شمار ہوتے ہیں۔ پہلے حبشہ، پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ بدر میں بھی شامل ہوئے۔ ربیع الآخر 2ھ میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بواط کے لیے تشریف لے گئے تھے تو آپ نے مدینہ منورہ میں حضرت سائب بن مظعون رضی اللہ عنہ ہی کو اپنا قائم مقام بنایا تھا۔[2] آپ کی تاریخ وفات معلوم نہیں ہوسکی۔[3]



سیدنا سائب بن عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ

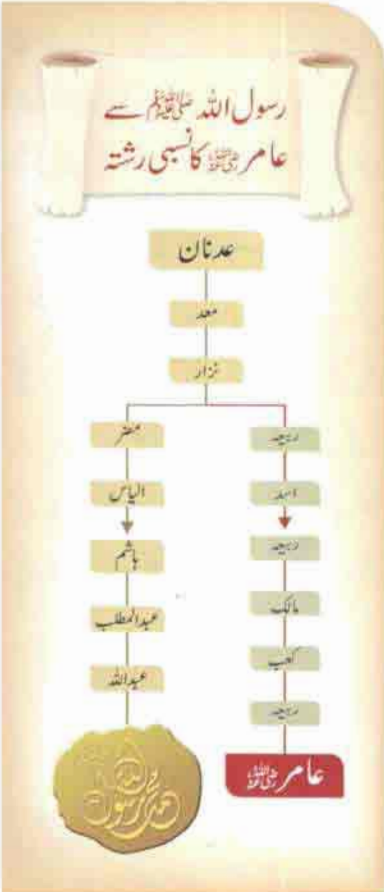
سیدنا سائب بن عثمان بن مظعون بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی جمحی رضی اللہ عنہ نے ابتدائی دنوں ہی میں اسلام قبول کر لیا تھا۔ جب مسلمان دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تو سیدنا سائب بن عثمان اپنے والد اور چچاؤں کے ساتھ ہجرت کر گئے، پھر انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہید بدر حارثہ بن سراقہ انصاری رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنا دیا۔ آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں حاضر ہوئے۔ 12ھ/633ء میں جنگ یمامہ میں شہید ہو گئے۔[4]

سیدنا عامر بن ربیعہ عنزی عدوی رضی اللہ عنہ

عدنانی قبیلہ بنو اسد بن ربیعہ بن نزار سے تعلق رکھنے والے سیدنا عامر بن ربیعہ بن کعب بن مالک بن ربیعہ کے سلسلۂ نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال ان کا نسب نزار بن معد بن عدنان تک پہنچتا ہے۔ عدوی انھیں اس

---

[1] الطبقات لابن سعد: 400/3. [2] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 102. [3] أسد الغابة: 272/2. [4] الطبقات لابن سعد: 401/3، 402، أسد الغابة: 270/2.



لیے کہا جاتا ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے والد خطاب بن نفیل عدوی نے انھیں اپنا لے پالک بنا لیا تھا۔ یہ بھی شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ آپ نے حبشہ اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ کی بیوی لیلیٰ بنت ابوحثمہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ عامر رضی اللہ عنہ بدر، احد اور دیگر تمام معرکوں میں شامل رہے۔

ان کے بیٹے سیدنا عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جس رات باغیوں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر حملہ کیا تھا، اس شب یہ مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اسی دوران میں انھیں نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے: اس فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو جس سے اس نے اپنے نیک بندوں کو بچایا۔ وہ کھڑے ہوئے، پھر نماز پڑھی اور دعا مانگی۔ گھر گئے تو بیمار ہو گئے۔ اس کے بعد ان کا جنازہ ہی گھر سے نکلا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی وفات شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے چند روز بعد ہوئی۔[1]

سیدنا ابوسبرہ بن ابورُہم رضی اللہ عنہ

ابوسبرہ بن ابورہم بن عبدالعزّیٰ بن ابوقیس بن عبدوُد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی رضی اللہ عنہ، ان کی والدہ ماجدہ رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی برہ بنت عبدالمطلب ہیں۔

ابوسبرہ رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف دونوں مرتبہ ہجرت کی۔ دوسری مرتبہ آپ کی بیوی ام کلثوم بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ اس کے بعد آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بدر و احد اور جملہ معرکوں میں آپ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔ ہجرت مدینہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ابوسبرہ اور سلمہ بن سلامہ بن وقش رضی اللہ عنہما کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔[2]

سیدنا حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ

سیدنا حاطب بن عمرو بن عبدشمس رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ سیدنا سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کے علاتی بھائی ہیں۔ ان

1 الاستیعاب، ص: 397، أسد الغابة: 2/513، 514. 2 الطبقات لابن سعد: 3/403.

کی والدہ اسماء بنت حارث بن نوفل بنو اشجع سے تھیں۔ سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے۔ آپ نے سرزمین حبش کی طرف کی جانے والی دونوں ہجرتوں کی سعادت حاصل کی۔ پھر آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کا شرف بھی حاصل کیا۔ غزوۂ بدر اور احد میں شامل ہوئے۔ [1]

سیدنا جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد اور حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی حضرت جعفر بن ابوطالب ہاشمی قرشی رضی اللہ عنہ بھی قافلۂ اسلام میں ابتدائی دنوں ہی میں شامل ہو گئے تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ابوطالب نے دیکھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ بھی آپ کی دائیں جانب نماز پڑھ رہے ہیں۔ ابوطالب نے سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم بھی جاؤ اور ان کے ساتھ دوسری جانب کھڑے ہو جاؤ۔'' [2] وہ شکل و شباہت اور اخلاق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت زیادہ مماثلت رکھتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

«أَشْبَهْتَ خَلْقِي وَخُلُقِي»

''تم شکل و شباہت اور اخلاق میں میرے مشابہ ہو۔'' [3]

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ مسکینوں سے بڑی محبت کرتے تھے، اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی کنیت ابوالمساکین رکھی تھی۔ [4]

آپ نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت فرمائی، پھر خیبر والے سال مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ حبشہ سے واپسی پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں فیصلہ نہیں کر پایا کہ مجھے جعفر سے ملنے کی زیادہ خوشی ہے یا فتحِ خیبر کی۔'' بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مؤتہ کی طرف لشکر کے نائب سپہ سالار کی حیثیت سے روانہ کیا۔ آپ نے جمادی اولیٰ 8ھ/629ء میں شہادت پائی۔ [5] اس وقت آپ کی عمر 41 برس تھی۔ [6]

سیدنا عمرو بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ

عمرو بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف قرشی اموی رضی اللہ عنہ ان جلیل القدر صحابہ میں سے ہیں جنھوں نے بعثت نبوی کے بعد پہلے تین برسوں کے دوران اسلام قبول کیا۔ یہ جلیل القدر صحابی خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں، البتہ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ آپ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے حبشہ کی طرف

[1] الطبقات لابن سعد: 405/3. [2] أسد الغابة: 328,327/1. [3] جامع الترمذي: 3765. [4] جامع الترمذي: 3766.
[5] المستدرك للحاكم: 209,208/3، أسد الغابة: 329,328/1. [6] أسد الغابة: 330/1.

دونوں دفعہ ہجرت کی۔

ام خالد بنت خالد بن سعید رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میرے چچا عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ میرے والد کے تھوڑے عرصے کے بعد سرزمین حبش تشریف لائے، پھر وہیں قیام پذیر ہوگئے حتی کہ 7ھ/628ء میں دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچے۔

عمرو بن سعید رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی معیت میں فتح مکہ، حنین، طائف اور تبوک کے معرکوں میں شرکت کی۔ جب مسلمانوں نے شام کا رخ کیا تو آپ بھی لشکر کے ساتھ نکلے۔ آپ 13ھ/634ء میں معرکۂ اجنادین میں شہید ہوگئے۔[1]

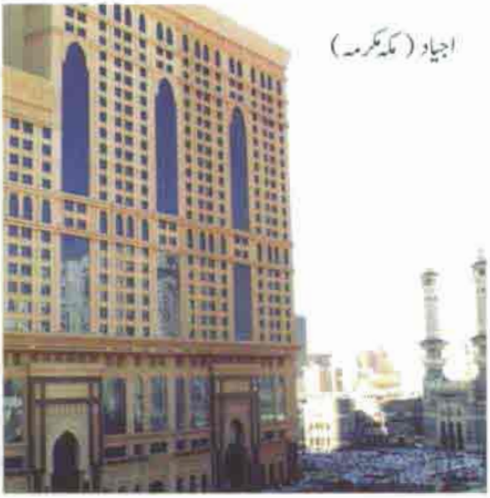
سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف۔

آپ کا نسب پانچویں پشت پر رسول اللہ ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ میں آگ کی ایک نہایت وسیع اور گہری خندق کے کنارے کھڑا ہوں۔ میرا باپ سعید بن عاص مجھے اس میں دھکیلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اچانک نبی ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے مجھے کمر سے پکڑ لیا اور مجھے آگ میں گرنے سے بچالیا۔ میں گھبرا کر اُٹھ بیٹھا۔ میں نے خود کلامی کے انداز میں کہا: ''اللہ کی قسم! یہ سچا خواب ہے۔'' میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا۔ انھیں اپنے خواب کا حال سنایا۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ تم اُن کی پیروی اختیار کرلو۔ اُن کی پیروی کرو گے تو جہنم میں گرنے سے بچ جاؤ گے۔ تمھارا باپ خود اُس میں گرنے والا ہے۔''



[1] الاستیعاب، ص: 568.



اجیاد (مکہ مکرمہ)

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صفا کے قریب اجیاد نامی جگہ پر ملے اور پوچھا: اے محمد! آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَدْعُو إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، وَتَخْلَعُ مَا أَنْتَ عَلَيْهِ مِنْ عِبَادَةِ حَجَرٍ لَّا يَسْمَعُ وَلَا يَبْصُرُ، لَا يَضُرُّ وَلَا يَنْفَعُ، وَلَا يَدْرِي مَنْ عَبَدَهُ مِمَّنْ لَّمْ يَعْبُدْهُ»

''میں ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ جن پتھروں کی تم پوجا کرتے ہو، ان کی پوجا چھوڑ دو جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں، نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ انھیں تو یہ بھی پتا نہیں چلتا کہ کون اُن کی عبادت کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔''

حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے فوراً اقرار کیا: ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اسلام قبول کرنے کی بہت خوشی ہوئی۔[1]

جب مسلمان دوسری مرتبہ ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تو خالد بن سعید رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ ہجرت کی، پھر 7ھ/628ء میں خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے۔ بعد ازاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت ہی میں مدینہ منورہ آئے۔ خالد بن سعید رضی اللہ عنہ محرم 13ھ/634ء میں خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ میں رومیوں کے خلاف معرکۂ مرج الصُّفر میں شہید ہوگئے۔[2] حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے آپ کا شمار ان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں کیا ہے جن سے صرف تین تین احادیث مروی ہیں۔[3]

سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ

سیدنا عبداللہ بن جحش بن رئاب بن یَعْمَر بن صبرہ بن مُرّہ رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ آپ کی کنیت ابومحمد اسدی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب تھیں۔

[1] المستدرك للحاكم: 248/3، الطبقات لابن سعد: 94/4. [2] أسد الغابة: 88/2. [3] أسماء الصحابة الرواة: 293.

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بنو عبد شمس کے حلیف تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دار ارقم میں دین حنیف کی خفیہ طور پر تعلیم کا آغاز کیا تو یہ اس سے پہلے ہی اسلام لا چکے تھے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ، ان کے بھائی ابواحمد عبد، عبیداللہ اور ان کی بہنیں زینب بنت جحش زوج النبی ﷺ، ام حبیبہ بنت جحش اور حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہم سبھی اسلام قبول کر کے ہجرت حبشہ میں دونوں مرتبہ شریک ہوئے۔ ان کا بھائی عبیداللہ بن جحش حبشہ پہنچ کر عیسائی ہوگیا اور عیسائیت ہی کی حالت میں مرا۔ عبیداللہ جب عیسائیت قبول کر کے مُرتد ہوگیا تو اس کی بیوی ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا نے اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ بعد ازاں ان سے رسول اللہ ﷺ نے شادی کر لی، پھر عبداللہ اور ان کے بھائی ابواحمد عبد بن جحش اپنے اہل و عیال سمیت مدینہ ہجرت کر گئے۔ وہاں جا کر عاصم بن ثابت بن ابی اقلح رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو بدر اولیٰ سے واپسی کے بعد ماہِ رجب میں ایک سریّے کا امیر بنا کر بھیجا تھا۔ یہ پہلے فرد تھے جنھیں امیر بنا کر کسی دستے کی قیادت سونپی گئی۔ حضرت عبداللہ بن جحش کی عظمت کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ یہ دستہ جس کی قیادت آپ کے سپرد کی گئی، درج ذیل آٹھ جلیل القدر مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر مشتمل تھا:

1 ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ	2 عکاشہ بن محصن	3 عتبہ بن غزوان
4 سعد بن ابی وقاص	5 عامر بن ربیعہ	6 واقد بن عبداللہ
7 خالد بن ابوبکیر	8 سہیل بن بیضاء [1]	

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کا لشکر مالِ غنیمت لے کر آیا تھا، یہ پہلی غنیمت تھی، اس میں سے خُمس نکالا گیا اور باقی مال تمام مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنھیں امیر المؤمنین کا لقب ملا۔ آپ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ احد میں شہادت کے بعد آپ کی میت کا مُثلہ کیا گیا۔[2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ کیا ہم اللہ سے دعا نہ کریں، پھر انھوں نے ایک طرف ہو کر تنہائی میں دعا کی: ''اے اللہ! کل میں دشمن سے ملوں تو اس عالم میں ملوں کہ میرا واسطہ سخت اور غضبناک جنگجو سے پڑے۔ میں تیرے راستے میں اس سے لڑوں اور وہ مجھ سے لڑے، پھر وہ مجھے پکڑے، میری ناک اور کان کاٹ دے۔ جب میں تیری بارگاہ میں پیش کیا جاؤں تو اے میرے

[1] جوامع السیرة لابن حزم، ص: 104، السیرة لابن ہشام: 252/2، الطبقات لابن سعد: 2/1-5، تاریخ الخمیس: 365/1، البدایة والنہایة: 248/3. [2] المعجم الوسیط، مادة: خمس، الموسوعة الفقہیة الکویتیة، مادة: خُمس، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا.

پروردگار! تو دریافت فرمائے: ''عبداللہ! تیری ناک اور کان کس نے کاٹے؟'' تو میں عرض کروں: یہ تیرے راستے میں کٹے۔ پھر تو فرمائے: صَدَقْتَ: ''تو نے سچ کہا۔'' سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''میں نے دن کے آخری حصے میں دیکھا کہ عبداللہ کی ناک اور کان ایک دھاگے میں لٹک رہے تھے۔''

واقدی کہتے ہیں: عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ احد کے دن شہید کر دیے گئے۔ آپ کو ابوالحکم بن اخنس بن شریق نے شہید کیا تھا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔[1]

سیدنا مُطَّلِب بن ازہر اور سیدنا طُلیب بن ازہر رضی اللہ عنہما

ان کے والد ازہر بن عبدعوف بن عبد حارث بن زہرہ بن کلاب رضی اللہ عنہ تھے اور والدہ نکیرہ بنت عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف بن قصی تھیں۔

مطلب رضی اللہ عنہ بھی شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے صحابی ہیں۔ انھوں نے اور ان کی بیوی رملہ بنت ابی عوف بن ضُبیرہ سہمیہ رضی اللہ عنہا نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔[2] ان کے بھائی طلیب بن ازہر رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین حبشہ میں سے تھے۔ دونوں بھائی حبشہ ہی میں فوت ہوئے۔[3] جب مطلب رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو طلیب رضی اللہ عنہ نے ان کی بیوی رملہ سے شادی کر لی جن سے ان کا بیٹا محمد پیدا ہوا۔[4]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

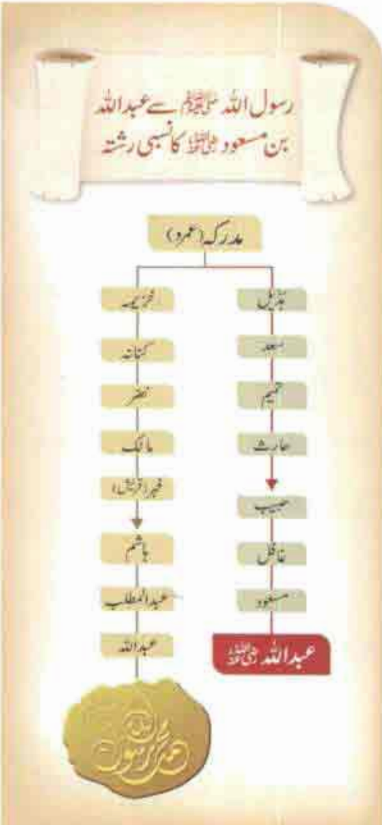
سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبداللہ بن مسعود بن غافل بن حبیب بن شمخ بن فار بن مخزوم بن صاہلہ بن کاہل بن حارث بن تمیم بن سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس بن مضر۔[5] آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق ہذیل قبیلے سے تھا۔ یہ ابن ام عبد کے نام سے معروف تھے۔ ام عبد ان کی والدہ کا نام تھا۔ یہ بڑے نحیف اور دبلے پتلے تھے۔ ایک مرتبہ درخت پر چڑھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی پتلی پتلی پنڈلیاں دیکھیں تو ہنسنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا تَضْحَكُونَ؟ لَرِجْلُ عَبْدِ اللّٰهِ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ أُحُدٍ»

''آپ لوگ کیوں ہنس رہے ہیں؟ قیامت کے دن عبداللہ بن مسعود کے پاؤں میزان میں اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہوں گے۔''[6]

ابتدا میں یہ عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔

[1] صفة الصفوة لابن الجوزي: 386/1. [2] الطبقات لابن سعد: 124/4. [3] الاستيعاب، ص: 670. [4] الطبقات لابن سعد: 125/4. [5] الطبقات لابن سعد: 150/3، أسد الغابة: 74/3. [6] مسند أحمد: 114/1.



عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مشرکین سے بچتے ہوئے اُس طرف آ نکلے جدھر میں بکریاں چرا رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''اے نوجوان! تمھارے پاس دودھ ہے تو ہمیں پلاؤ؟'' میں نے عرض کی: ''میں تو محض ایک چرواہا ہوں، مجھے دودھ دوہنے کا اختیار نہیں، یہ میرے پاس امانت ہے، اس لیے میں آپ کو دودھ نہیں پلا سکتا۔'' نبیِ کریم ﷺ نے پوچھا: ''کیا تمھارے پاس کوئی ایسی بکری ہے جو ابھی دودھ کی عمر کو نہ پہنچی ہو؟'' میں نے ریوڑ میں سے ایک بکری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کردی۔ آپ نے اسے باندھا اور اس کے تھن چھو کر کوئی دعا پڑھی۔ بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک گہرا پتھر لے آئے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اس میں دودھ دوہا۔ پہلے آپ ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''پیو۔'' انھوں نے پیا۔ پھر آپ ﷺ نے مجھے پینے کے لیے دیا۔ آخر میں آپ ﷺ نے خود نوش فرمایا، پھر تھنوں سے کہا: ''سکڑ جاؤ۔'' تو وہ تھن واپس پہلی حالت میں آ گئے۔ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: ''مجھے بھی یہ کلام سکھایئے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم ایک باصلاحیت نوجوان ہو۔'' عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (بعد میں) بتایا: میں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآنِ کریم کی ستر سورتیں سیکھیں۔ اس میں کوئی مجھ سے آگے نہ بڑھ سکا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے پہلے علی الاعلان قرآن مجید پڑھنے کی سعادت بھی عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہوئی۔ اس کی پاداش میں قریش نے آپ پر بڑے ظلم وستم کیے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا تھا: ''تمھارے لیے (میرے گھر میں آنے کی) یہی اجازت ہے کہ پردہ اٹھا ہوا ہو اور تم میری گفتگو سنو حتی کہ میں تمھیں منع کر دوں۔''[2]

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم ﷺ ہی کی خدمت میں حاضر رہتے۔ آپ کو جوتے

[1] الطبقات لابن سعد: 151,150/3، أسدالغابة: 74/3. [2] صحيح مسلم: 2169.

پہناتے، جب آپ چلتے تو آپ کے آگے آگے چلتے۔ جب آپ ﷺ غسل فرماتے تو آپ کے لیے پردے کا اہتمام کرتے۔ جب نبیِ اکرم ﷺ سو جاتے تو آپ کو بیدار کرتے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ صاحب السو اد والسواک، یعنی رسول اللہ ﷺ کے رازدار اور صاحبِ مسواک کے لقب سے معروف تھے۔[1] نبی کریم ﷺ نے اللہ کے حکم سے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے قرآن کی تلاوت بھی سنی تھی۔[2]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِقْرَأْ عَلَيَّ»، قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! آقْرَأُ وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: «نَعَمْ! فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي» فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتّٰى أَتَيْتُ عَلٰى هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۝﴾ (النسآء 41:4) قَالَ: «حَسْبُكَ الْآنَ» فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ.

”مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔“ میں نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! بھلا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں، حالانکہ قرآن تو آپ پر نازل کیا گیا ہے؟ آپ نے فرمایا: ”ہاں، میں پسند کرتا ہوں کہ کسی دوسرے سے بھی قرآن سنوں۔“ چنانچہ میں نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کر دی اور جب اس آیت تک پہنچا: ”پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ لائیں گے۔“ تو آپ نے فرمایا: ”اب بس کرو۔“ میں آپ کی طرف متوجہ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ کی آنکھیں اشکبار ہیں۔“[3]

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید کے نہ صرف بہت اچھے قاری تھے بلکہ بہت بڑے مفسر بھی تھے۔ مسروق رحمہ اللہ نے آپ سے روایت کیا ہے، آپ نے فرمایا کہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں کتاب اللہ میں نازل ہونے والی ہر آیت کی نسبت یہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی۔ اگر مجھے یہ علم ہو کہ کوئی شخص کتاب اللہ کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے تو میں اس کی خدمت میں ضرور پہنچوں گا، چاہے مجھے سواریاں بدل بدل کر اس کے پاس پہنچنا پڑے۔[4]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شامل تھے، پھر مدینہ منورہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ سلسلۂ مواخات میں نبیِ اکرم ﷺ نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔ آپ بدر، احد اور خندق

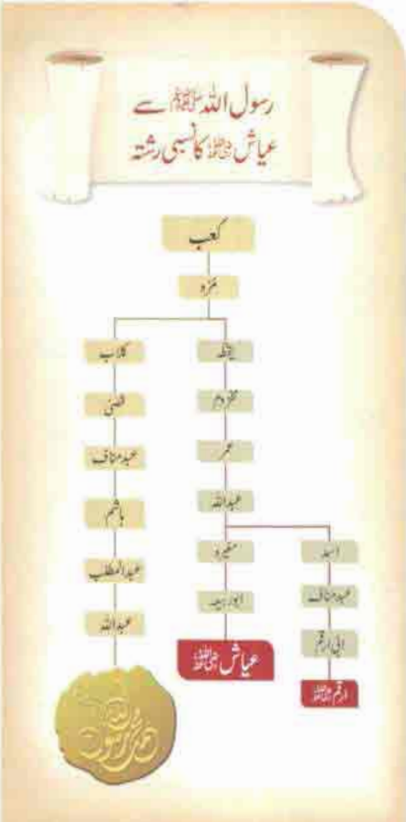
---

[1] أسد الغابة: 3/75,74. [2] مسند أحمد: 1/374. [3] صحيح البخاري: 4582 و 5050. [4] صحيح البخاري: 5002، صحيح مسلم: 2463,2462.

سمیت تمام معرکوں میں نبی اکرم ﷺ کے ہمرکاب رہے۔ جنگ بدر میں جب معاذ اور معوذ ابن عفراء رضی اللہ عنہما نے ابوجہل کو گرایا تھا تو ابوجہل کی گردن تن سے جدا کرنے والے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہی تھے۔[1] آپ نے 32ھ/653ء میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ آپ کی نماز جنازہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، ایک قول کے مطابق سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور آپ کی وصیت کے مطابق آپ کو رات کی تاریکی ہی میں بقیع میں دفن کیا گیا۔[2]

سیدنا عیاش بن ابوربیعہ اور سیدہ اسماء بنت سلامہ رضی اللہ عنہما

سیدنا عیاش بن ابوربیعہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر مخزومی رضی اللہ عنہ کی والدہ اسماء بنت مخربہ بن جندل بن اُبیر بنوتمیم سے تھیں۔ سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ ماں کی طرف سے ابوجہل کے بھائی تھے۔ سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ کی شادی ان کی ماموں زاد اسماء بنت سلامہ بن مخربہ بن جندل تمیمیہ دارمیہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ ابن اثیر رحمہ اللہ نے اسماء بنت سلامہ کے بجائے اسماء بنت سلمہ کا ذکر کیا ہے۔ ان کی کنیت ام الجلاس تھی۔



دونوں میاں بیوی رسول اللہ ﷺ کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے ہی اسلام لے آئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی اسماء بنت سلامہ (سلمہ) کے ساتھ حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی، پھر آپ مکہ تشریف لے آئے۔ جب نبی اکرم ﷺ کے صحابہ ہجرت کے لیے نکلے تو عیاش رضی اللہ عنہ بھی اس قافلے میں شریک ہوگئے۔ آپ نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی مصاحبت اختیار کی۔ ان کے پیچھے ان کے اخیافی بھائی ابوجہل اور حارث بن ہشام مدینہ آئے۔ وہ دونوں آپ کی واپسی کے درپے رہے حتی کہ انھیں مکہ واپس لے گئے، پھر انھیں باندھ کر قید کر دیا۔

کچھ عرصے کے بعد سیدنا عیاش رضی اللہ عنہ نے چھٹکارا پایا تو وہ دوبارہ مدینہ منورہ چلے آئے، پھر نبی ﷺ کی وفات تک مدینہ ہی میں رہے۔ اس کے بعد شام گئے اور جہاد کیا، واپس آئے تو تادمِ زیست مکہ ہی

1 الطبقات لابن سعد: 151/3 و 152. 2 الطبقات لابن سعد: 160/3، أسد الغابة: 78/3.

میں رہے۔[1] ایک قول کے مطابق آپ جنگ یرموک 15ھ/636ء میں شہید ہوئے۔[2]

سیدنا خُنَیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ



خُنَیس بن حذافہ بن قیس بن عدی بن سعد (سُعَید[3]) بن سہم بن عمرو بن ہصیص بن کعب بن لؤی قرشی سہمی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی رضی اللہ عنہ کے بھائی ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کسرائے ایران کے پاس لے کر گئے تھے۔

سیدنا خنیس رضی اللہ عنہ سابقون الاولون مسلمانوں میں سے ہیں۔ آپ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مدینہ آگئے۔ بدر اور احد کے معرکوں میں بڑی جوانمردی سے لڑے۔ غزوۂ احد میں زخمی ہوگئے اور زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ ام المؤمنین سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پہلے شوہر آپ ہی تھے۔ آپ کی وفات کے بعد سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حبالۂ عقد میں آئیں اور ام المؤمنین بننے کی سعادت نصیب ہوئی۔[4]

سیدنا حاطب بن حارث اور سیدہ فاطمہ بنت مُجَلَّل رضی اللہ عنہما

حاطب بن حارث بن معمر بن حبیب بن وہب بن حذافہ بن جُمَح قرشی جمحی[5] اور ان کی بیوی سیدہ فاطمہ بنت مجلل بن عبداللہ بن قیس بن عبدود بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی رضی اللہ عنہا[6] کا شمار ان جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جو بعثت کے بعد ابتدائی تین برسوں میں مسلمان ہوگئے تھے۔ کفار مکہ نے انھیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں بہت ستایا تو انھوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ اس سفر ہجرت میں ان کے بیٹے محمد بن حاطب اور حارث بن حاطب رضی اللہ عنہما بھی ان کے ساتھ تھے۔[7]

[1] الطبقات لابن سعد: 129/4و 301/8، أسد الغابة: 211,210/5. [2] أسد الغابة: 434/3. [3] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 48. [4] أسد الغابة: 130/2. [5] الإصابة: 6/2. [6] أسد الغابة: 372/5. [7] الطبقات لابن سعد: 272/8.

حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ حبشہ ہی میں فوت ہوگئے۔ ان کی بیوی اور بچے 7ھ/628ء میں دیگر مسلمانوں کے ساتھ مدینہ تشریف لے آئے۔[1] محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب (میرے باپ) حاطب رضی اللہ عنہ حبشہ میں وفات پاگئے تو میری والدہ مجھے واپس لے آئیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ میرا ایک ہاتھ آگ سے جل گیا تھا، میری والدہ نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! یہ محمد بن حاطب ہے۔ اس کا ہاتھ آگ سے جل گیا ہے۔''

محمد بن حاطب فرماتے ہیں: ''میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بارے میں ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا۔ معلوم نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا عمل کیا۔ مجھ پر دم کیا یا میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔ آپ نے میرے اور میری اولاد کے لیے برکت کی دعا کی۔''[2] حضرت فاطمہ بنت مجلل رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''میں اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نہیں اٹھی جب تک محمد بن حاطب کا ہاتھ ٹھیک نہ ہوگیا۔''[3]

سیدنا حطاب بن حارث اور سیدہ فُکَیْہَہ بنت یسار رضی اللہ عنہما

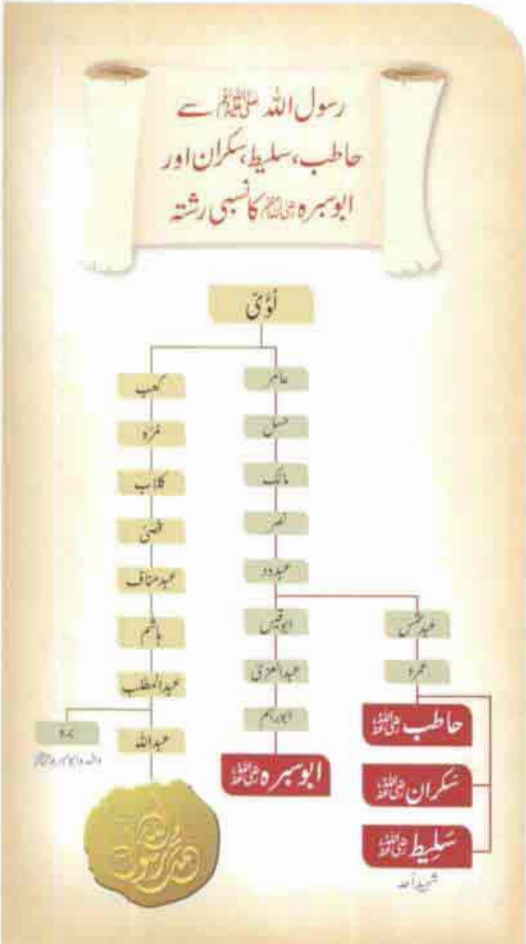
حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ کے بھائی حطاب بن حارث قرشی جمحی[4] اور ان کی بیوی فکیہہ بنت یسار رضی اللہ عنہا کا شمار بھی سابقون الاولون صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ دونوں میاں بیوی نے کفار کی سفاکیوں سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ میں شرکت کی[5] اور حبشہ کو اپنا وطن بنا لیا۔ ایک روایت کے مطابق حطاب رضی اللہ عنہ حبشہ کے راستے ہی میں وفات پاگئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انھوں نے وہاں سے واپسی پر دورانِ سفر میں وفات پائی۔[6] سیدہ فکیہہ رضی اللہ عنہا بیوگی کی حالت میں غزوۂ خیبر کے سال دوسرے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ پہنچی تھیں۔

سیدنا معمر بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت حاطب اور حطاب رضی اللہ عنہما کے بھائی معمر بن حارث رضی اللہ عنہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔[7] انھوں نے بدر واحد اور دیگر تمام غزوات میں شرکت کی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔ انھوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن عفراء اور معمر بن حارث رضی اللہ عنہم میں بھائی چارہ قائم کیا۔[8] حضرت معمر، حاطب اور حطاب رضی اللہ عنہم کی والدہ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن قُتَیلہ بنت مظعون تھیں۔[9]

---

[1] السيرة لابن إسحاق :256/1. [2] المعجم الكبير للطبراني :239/19. [3] دلائل النبوة لأبي نعيم :467/2. [4] الإصابة: 84/2. [5] الطبقات لابن سعد :246/8. [6] الاستيعاب، ص :211. [7] السيرة لابن هشام :285/1. [8] الاستيعاب، ص : 687. [9] أسدالغابة :172/4.



سیدنا سَلیط بن عمرو ؓ

حضرت سلیط بن عمرو بن عبدشمس بن عبدوُد بن نصر بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی ؓ کا شمار انتہائی جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے۔ ان کی والدہ خولہ بنت عمرو بن حارث بن عمرو بنوعبس سے تھیں۔ حضرت سلیط بن عمرو ؓ کا شجرۂ نسب لؤی پر پہنچ کر نبی کریم ﷺ کے نسب نامے میں شامل ہو جاتا ہے۔ صلح حدیبیہ میں قریش مکہ کے سفیر حضرت سہیل بن عمرو (ؓ) ان کے بھائی تھے۔

سلیط ؓ سابقون الاولون صحابۂ کرام اور اولین مہاجرین ؓ میں سے ہیں۔ آپ نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ آپ کی بیوی فاطمہ بنت علقمہ ؓ بھی آپ کے ہمراہ تھیں۔ اس کے بعد آپ مدینہ ہجرت کر گئے۔[1]

محمد بن اسحاق ؒ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے آپ کو ہوذہ بن علی حنفی اور ثمامہ بن اثال حنفی کی طرف سفیر بنا کر بھیجا تھا۔[2] آپ معرکۂ بدر و احد میں شامل ہوئے اور غزوۂ احد میں شہید ہوگئے۔[3] ایک روایت میں ہے کہ آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے۔[4]

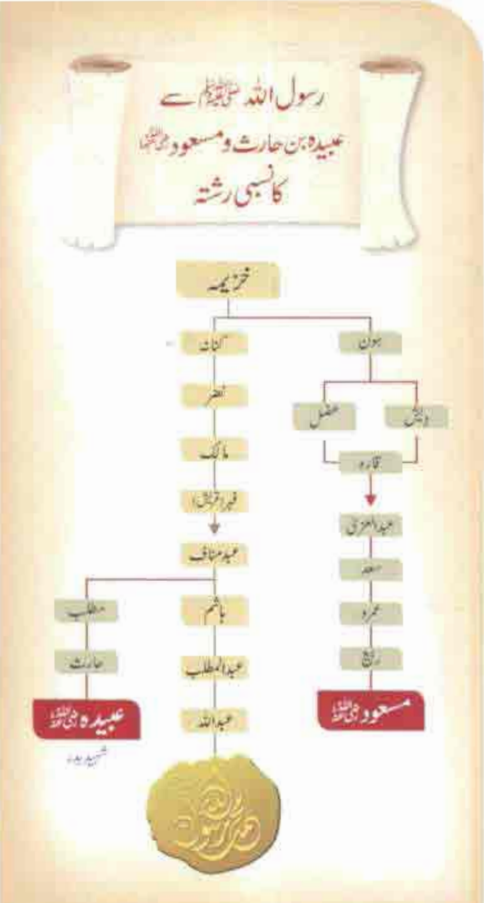
سیدنا سَکران بن عمرو ؓ

سکران بن عمرو بن عبدشمس ؓ حضرت سلیط بن عمرو ؓ کے علاتی بھائی ہیں۔ ان کی والدہ حُبّی بنت قیس بن ضُبیس بن ثعلبہ بنوخزاعہ سے تھیں۔ یہ ابتدائی عہد کے صحابۂ کرام ؓ میں سے ہیں۔ انھوں نے حبشہ کی طرف دوسری ہجرت میں شرکت کی۔ اس سفر ہجرت میں ان کی زوجہ محترمہ حضرت سودہ بنت زمعہ ؓ بھی ان کے ہمراہ تھیں۔

[1] الطبقات لابن سعد: 203/4. [2] السیرۃ لابن ہشام: 193/4. [3] الطبقات لابن سعد: 203/4. [4] الاستیعاب، ص: 333.

موسیٰ بن عقبہ اور ابومعشر نجیح سندھی فرماتے ہیں کہ سکران رضی اللہ عنہ سرزمین حبش ہی میں وفات پا گئے تھے جبکہ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی کے بقول سکران مکہ واپس آ گئے تھے اور ہجرت مدینہ سے پہلے مکہ ہی میں فوت ہوئے تھے۔

سکران رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی۔ سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی بیوی ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ [1]



سیدنا عبیدہ بن حارث بن مطلب رضی اللہ عنہ

سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف بن قصی قرشی مطلبی، ان کی کنیت ابوحارث یا ابومعاویہ تھی۔ ان کا نسب تیسری پشت پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دس سال بڑے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ یہ میانہ قد اور گندمی رنگ کے انتہائی خوبصورت شخص تھے۔

سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بھی ان خوش بخت صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جنھوں نے دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں اُس وقت اسلام قبول کر لیا تھا جبکہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دارارقم کو مرکزِ تعلیم نہیں بنایا تھا۔ [2] آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ آپ جنگ بدر میں زخمی ہوئے اور انھی زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے آپ نے مدینہ کے راستے میں 63 برس کی عمر پا کر شہادت پائی۔ [3]

سیدنا مسعود بن ربیع القاری رضی اللہ عنہ

سیدنا مسعود بن ربیع (ربیعہ) بن عمرو بن سعد بن عبدالعزیٰ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمیر تھی۔ یہ بنوعبدمناف کے حلیف تھے۔ انھیں القاری اس لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا تعلق بنوقارہ سے ہے۔ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت اسلام کے لیے دارارقم کو مرکز نہیں بنایا تھا کہ یہ اسلام لے آئے۔ سلسلۂ مواخات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسعود بن ربیع اور عبید بن تیہان رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم فرمایا۔

1 الطبقات لابن سعد: 4/204. 2 أسد الغابة: 3/193، الطبقات لابن سعد: 3/51. 3 الطبقات لابن سعد: 3/51،52.

مسعود رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکہ ہائے کارزار میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ 30ھ/650ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ [1]

سیدنا واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ

سیدنا واقد بن عبداللہ بن عبدمنات بن عزیز بن ثعلبہ بن یربوع بن حنظلہ بن مالک بن زید منات بن تمیم رضی اللہ عنہ خطاب بن نفیل کے حلیف تھے۔ ان کا شمار ان جلیل القدر صحابہ میں ہوتا ہے جو اولین فرزندانِ اسلام تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی دعوت دین کے لیے دارِارقم کا انتخاب نہیں کیا تھا کہ یہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

جب سیدنا واقد رضی اللہ عنہ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو وہاں رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہ کے ہاں ٹھہرے۔ سلسلۂ مواخات میں بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ آپ کے بھائی قرار پائے۔ واقد رضی اللہ عنہ اس سریّے میں بھی شریک تھے جس کی قیادت سیدنا عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کر رہے تھے۔ اس لشکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وادیِ نخلہ کی طرف بھیجا تھا۔ عمرو بن حضرمی کو انھی نے قتل کیا تھا اور یہود نے اس قتل پر بڑا شور مچایا تھا۔

واقد بن عبداللہ تمیمی رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں شریک رہے۔ انھوں نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اوائل میں وفات پائی۔ ان کا کوئی جانشین نہیں تھا۔ [2]

سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ

ابتدائی مسلمانوں میں سیدنا بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کا نام بھی نمایاں ہے۔ ان کی والدہ کا نام حمامہ رضی اللہ عنہا تھا جو کہ

[1] الطبقات لابن سعد: 169,168/3. [2] الطبقات لابن سعد: 390/3.

البیضاء (لیبیا) کی مسجد بلال



بنوجمح میں سے کسی کی لونڈی تھیں۔ مشہور ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ حبشی تھے۔ بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ وہ نوبی تھے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے جن سات افراد نے اپنا اسلام ظاہر کیا، اُن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر، عمار، سمیہ، صہیب، بلال اور مقداد رضی اللہ عنہم۔[2]

بلال رضی اللہ عنہ اُمیہ بن خلف جُمحی کے غلام تھے۔ اُس نے ان پر بے پناہ مظالم ڈھائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مکہ ہی میں پیدا ہوئے اور پیدائشی طور پر غلام تھے۔ یہ عبداللہ بن جدعان کے اُن سو غلاموں میں سے ایک تھے جو اُسی کی غلامی میں پیدا ہوئے۔ جب نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو ان غلاموں کو اس ڈر سے شہر سے باہر منتقل کر دیا گیا مبادا یہ اسلام کی طرف مائل ہو جائیں، تاہم بلال رضی اللہ عنہ کو بکریاں چرانے کے لیے مکہ ہی میں روک لیا گیا، پھر وہی ہوا جس کا اُنھیں ڈر تھا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ دعوتِ اسلام کے آغاز ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ پہلے تو انھوں نے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا لیکن بعد ازاں وہ اپنے جوشِ ایمانی کے آگے زیادہ دیر تک ضبط کا بند نہ باندھ سکے۔ ایک مرتبہ بلال رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کے پاس نصب شدہ ایک بت پر گندگی پھینک دی۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اُس پر تھوک دیا اور کہا: ''تمھاری عبادت کرنے والا ناکام و نامراد ہو۔'' قریش کو اس بات کی خبر مل گئی۔ وہ فوراً عبداللہ بن جدعان کے پاس گئے، کہنے لگے: ''کیا تم بے دین ہو گئے ہو؟'' وہ بولا: ''تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' اُنھوں نے بتایا: ''تمھارے سیاہ غلام نے اس طرح کی حرکت کی ہے۔'' عبداللہ بن جدعان نے اُنھیں سو اونٹ دیے کہ انھیں بتوں کے نام پر ذبح کر دو۔ اس کے علاوہ ابن جدعان نے انھیں بلال رضی اللہ عنہ پر تشدد کرنے کا بھی اختیار دے دیا۔ ممکن ہے ابن جدعان نے بلال رضی اللہ عنہ کو امیہ بن خلف کی ملکیت میں دے دیا ہو۔[3]

بعض مؤرخین نے کہا ہے کہ بلال رضی اللہ عنہ بنوجمح بن عمرو کی ایک لڑکی کے غلام تھے۔[4]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے امیہ بن خلف جُمحی سے 280 درہم کے عوض خرید کر آزاد کیا تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا رنگ سیاہ تھا۔ آپ دراز قد اور دبلے پتلے تھے۔ آپ کے گالوں پر گوشت بہت کم تھا اور بال انتہائی گھنے تھے۔[5]

[1] فتح الباري: 126/7، جوامع السيرة لابن حزم، ص: 45. [2] مسند أحمد: 404/1، المستدرك للحاكم: 349/3، حديث: 5487، صحيح ابن حبان: 558/15، حديث: 7083، دلائل النبوة للبيهقي: 170/2. [3] أنساب الأشراف: 209/1، الكامل لابن الأثير: 589,588، السيرة الحلبية: 479,478/1، السيرة لابن هشام: 318/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 128. [4] المنتظم: 373/2. [5] الطبقات لابن سعد: 232/3، السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص: 118.

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بڑے خوش الحان اور فصیح البیان شخص تھے۔ یہ بات غلط اور بے بنیاد ہے کہ وہ ''شین'' کا لفظ ادا کرنے سے معذور تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بلال کی ''سین'' اللہ کے ہاں ''شین'' ہے۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے کہا ہے: یہ روایت بالکل غلط، بے بنیاد (اور من گھڑت) ہے۔[1]

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور ابورُویحہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن خثعمی رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ قائم کر دیا۔[2]

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سید المرسلین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام معرکوں میں شریک رہے۔ آپ نے 20ھ/641ء میں دمشق میں وفات پائی۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو دمشق کے قبرستان کے چھوٹے دروازے کے پاس دفن کیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر 60 برس سے تجاوز کر چکی تھی۔ آپ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے مؤذن اور بیت المال کے خزانچی تھے۔[3]

سیدنا عامر بن فُہیرہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعمرو تھی۔ یہ طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ کے غلام تھے۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے ابتدائی ایام ہی میں انھیں دعوتِ اسلام دی تو انھوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ پھر دیگر کمزور مسلمانوں کی طرح انھیں بھی تشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا اور انھیں بطور منیحہ (تحفہ) کچھ بکریاں بھی دیں۔

منیحہ یا منحہ ایسے عطیے کو کہتے ہیں جس میں عطیہ لینے والا عطیے سے پوری طرح مستفید تو ہو سکتا ہے لیکن اس کا مالک نہیں ہوتا۔ امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مِنْحَةُ اللَّبَنِ: أَنْ يُّعْطِيَهُ نَاقَةً أَوْ شَاةً، يَنْتَفِعُ بِلَبَنِهَا وَ يُعِيدُهَا

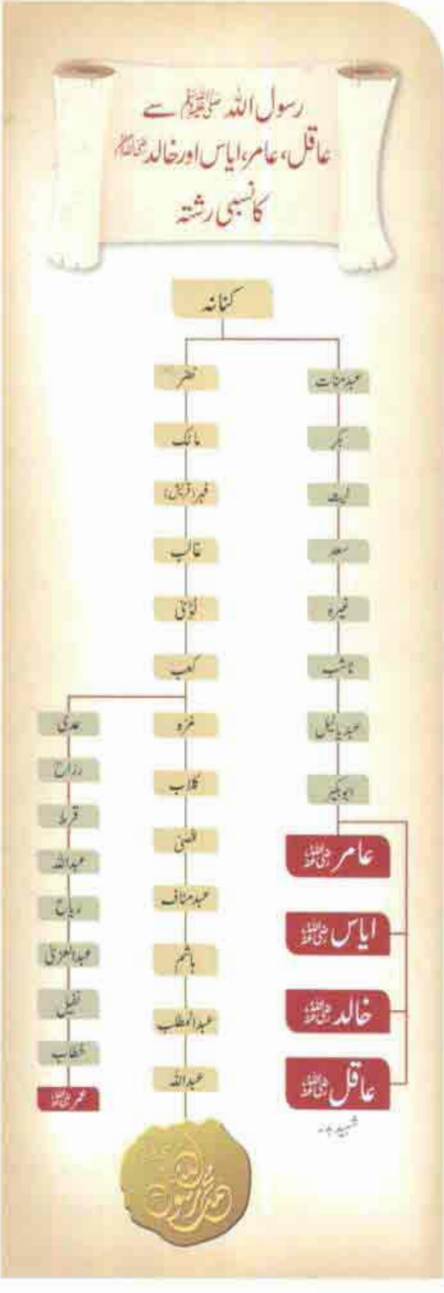
''دودھ کے عطیے سے مراد یہ ہے کہ کسی کو اونٹنی یا بکری دے دی جائے تاکہ وہ اس کے دودھ سے فائدہ اٹھائے اور پھر اسے واپس کر دے۔''[4]

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حارث بن اوس بن معاذ رضی اللہ عنہ

[1] البداية والنهاية :289/5، المقاصد الحسنة للسخاوي، ص :294. [2] السيرة لابن هشام :507,506/2، الطبقات لابن سعد:234,233/3. [3] الطبقات لابن سعد:239-234/3، السيرة النبوية لمحمود شاكر، ص : 118. [4] تفسير غريب ما في الصحيحين : 181/7.

اور آپ کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ نے بدر اور احد میں شرکت کی اور چالیس برس کی عمر میں 4ھ/625ء میں بئر معونہ کے معرکے میں شہادت پائی۔ [1]

سیدنا عاقل، خالد، ایاس اور عامر رضی اللہ عنہم



سیدنا عاقل، سیدنا عامر، سیدنا ایاس اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہم ابوبکیر بن عبد یالیل بن ناشب بن غیرہ بن سعد بن لیث بن بکر بن عبدمنات بن کنانہ کے بیٹے تھے۔ یہ چاروں بھائی شروع ہی میں اسلام قبول کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب دارِ ارقم میں پوشیدہ طور پر دین حنیف کی تعلیم دینی شروع کی تو سب سے پہلے ان چاروں بھائیوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اکرم ﷺ کی بیعت کی۔

ان کے والد ابوبکیر نے زمانۂ جاہلیت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے جد امجد نفیل بن عبدالعزیٰ کے ساتھ حلف اٹھایا تھا۔ اس معاہدے کی بنا پر ابوبکیر اپنی اولاد سمیت بنونفیل کے حلیف تھے۔ عاقل، خالد، عامر اور ایاس رضی اللہ عنہم نے اپنے اہل و عیال سمیت مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ عاقل رضی اللہ عنہ کا نام اسلام لانے سے پہلے غافل تھا۔ جب آپ نے اسلام قبول کیا تو نبی ﷺ نے آپ کا نام تبدیل کر کے عاقل رکھ دیا۔

سلسلۂ مواخات میں رسول اکرم ﷺ نے عاقل اور سیدنا مبشر بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم فرمایا۔ بعد ازاں یہ دونوں جلیل القدر صحابہ بدر کے میدان میں شہید ہو گئے۔ ایک قول کے مطابق بھائی چارہ عاقل بن ابوبکیر اور مجذر بن زیاد کے مابین قائم ہوا تھا۔ عاقل رضی اللہ عنہ بدر کے معرکے میں 34 سال کی عمر میں

[1] الطبقات لابن سعد: 3/230-234.

شہید ہوئے۔[1]

نبی ﷺ نے خالد بن ابوبکیر اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہما کے مابین بھائی چارہ قائم کیا۔ خالد رضی اللہ عنہ بدر اور احد میں شریک ہوئے۔ وہ صفر 4ھ/625ء میں 34 سال کی عمر پا کر سریۃ الرجیع میں شہید ہوئے۔ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ دردناک اشعار انھی کے لیے کہے تھے:

أَلَا لَيْتَنِي فِيهَا شَهِدْتُ ابْنَ طَارِقٍ وَزَيْدًا، وَمَا تُغْنِي الْأَمَانِيُّ، وَمَرْثَدَا

فَدَافَعْتُ عَنْ حِبِّي خُبَيْبٍ وَّ عَاصِمٍ وَكَانَ شِفَاءً لَّوْ تَدَارَكْتُ خَالِدَا

''کاش! میں بھی اس معرکے میں ابن طارق، زید اور مرثد کے ساتھ ہوتا، لیکن محض خواہشات کوئی فائدہ نہیں دیتیں۔ (اگر ایسا ہوسکتا) تو میں اپنے پیاروں خبیب اور عاصم کا دفاع کرتا اور اگر میں خالد (بن ابوبکیر) کو پالیتا تو میرے غموں کا مداوا ہو جاتا۔''[2]

سیدنا ایاس بن ابوبکیر کو حارث بن خزمہ (خزیمہ) رضی اللہ عنہ کا بھائی بنا دیا گیا۔ ایاس رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت تمام معرکوں میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔[3]

سیدنا عامر بن ابوبکیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ نے ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ کا بھائی بنایا۔ عامر رضی اللہ عنہ بدر، احد اور خندق سمیت ہر میدانِ کارزار میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔[4]

سیدنا یاسر بن عامر اور سیدہ سُمَیّہ بنت خُبّاط رضی اللہ عنہما

حضرت یاسر بن عامر عنسی رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: یاسر بن عامر بن مالک بن کنانہ بن قیس بن حصین بن ودیم بن ثعلبہ بن عوف بن حارثہ بن عامر اکبر بن یام بن عنس بن مالک بن ادد بن زید بن یشجب۔[5] آپ بنومخزوم کے حلیف تھے۔ آپ یمن سے آئے اور ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بن گئے۔ ابوحذیفہ نے اپنی لونڈی سُمَیّہ سے ان کی شادی کر دی۔ جب ان کے بیٹے عمار رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو ابوحذیفہ نے سمیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا۔

یہ دونوں میاں بیوی بھی دعوتِ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے۔[6] یاسر رضی اللہ عنہ کے مکہ آنے کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنے دو بھائیوں حارث اور مالک کے ساتھ اپنے چوتھے بھائی کی تلاش میں مکہ آ نکلے۔ باقی دو بھائی تو واپس چلے گئے لیکن یاسر مکہ ہی میں رہ گئے۔[7]

[1] الطبقات لابن سعد: 388/3. [2] الطبقات لابن سعد: 389/3. [3] الطبقات لابن سعد: 389/3. [4] الطبقات لابن سعد: 390,389/3. [5] الطبقات لابن سعد: 136/4، أسد الغابة: 308/3. [6] أسد الغابة: 325/4. [7] الطبقات لابن سعد: 136/4، أسد الغابة: 309/3.

حضرت سمیہ بنت خباط (خیاط) رضی اللہ عنہا کو ہجرت سے پہلے ہی ابوجہل نے شرمگاہ میں نیزہ مار کر شہید کر دیا تھا۔ آپ اسلام کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون تھیں۔ [1]

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما

سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما دار ارقم پہنچ کر مسلمان ہوئے۔ صہیب رومی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم دونوں نے بیک وقت اسلام قبول کیا۔ عمار رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے دار ارقم کے دروازے پر ملا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ میں نے صہیب سے پوچھا: ''آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟'' وہ بولے: ''پہلے آپ بتائیں کہ آپ کیوں آئے ہیں؟'' میں نے بتا دیا کہ میں محمد ﷺ سے ملنے اور آپ کا کلام سننے آیا ہوں۔ صہیب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''میں بھی اسی مقصد کے لیے آیا ہوں۔'' ہم دونوں اندر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، ہم اُسی وقت مسلمان ہو گئے۔ اُس وقت تک تقریباً تیس افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ [2]

معروف تابعی مجاہد رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلے ان سات حضرات نے اپنے اسلام کا اعلان و اظہار کیا: رسول اللہ ﷺ، ابوبکر، بلال، خباب، صہیب، عمار اور اُن کی والدہ محترمہ سمیہ رضی اللہ عنہم۔ [3]

رسول اللہ ﷺ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میرے اور عمار بن یاسر کے درمیان کسی بات پر تنازع ہو گیا۔ میں نے اُنھیں خاصی سخت باتیں کہہ دیں۔ عمار شکایت لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ میں نے آپ ﷺ کی موجودگی میں بھی اپنی تلخ کلامی جاری رکھی۔ نبی کریم ﷺ ہمیں خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ عمار نے رونا شروع کر دیا اور کہا: ''اے اللہ کے نبی! کیا آپ دیکھ نہیں رہے کہ خالد کیسا طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں؟'' رسول اللہ ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا:

«مَنْ عَادٰى عَمَّارًا عَادَاهُ اللّٰهُ، وَمَنْ أَبْغَضَ عَمَّارًا أَبْغَضَهُ اللّٰهُ»

''جس نے عمار سے دشمنی رکھی، اللہ تعالیٰ اُس سے دشمنی رکھے۔ جس نے عمار سے بغض رکھا، اللہ تعالیٰ اُس سے بغض رکھے۔''

سیدنا خالد کہتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اُٹھ کر آیا تو مجھے عمار کی رضامندی سے زیادہ کوئی چیز محبوب نہیں تھی، پھر میں عمار رضی اللہ عنہ سے ملا تو وہ راضی ہو گئے۔ [4]

---

1 المصنف لابن أبي شيبة :30/9، أسد الغابة :315/5، جوامع السيرة لابن حزم، ص :54. 2 أسد الغابة :309/3.
3 المصنف لابن أبي شيبة :337/7، أسد الغابة:309/3. 4 مسند أحمد :89/4.

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ [1] علامہ شعیب ارناؤوط رحمہ اللہ بھی اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ عمار رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا:

«اِئْذَنُوا لَهُ، مَرْحَبًا بِالطَّيِّبِ الْمُطَيَّبِ»

''انھیں اجازت دے دو۔ خوش آمدید اے پاکیزہ، مہکتے ہوئے انسان!'' [2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا خُيِّرَ عَمَّارٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَرْشَدَهُمَا»

''عمار کو جب بھی دو معاملوں میں اختیار دیا گیا، اُنھوں نے دونوں میں سے زیادہ ہدایت والا معاملہ ہی اختیار کیا۔'' [3]

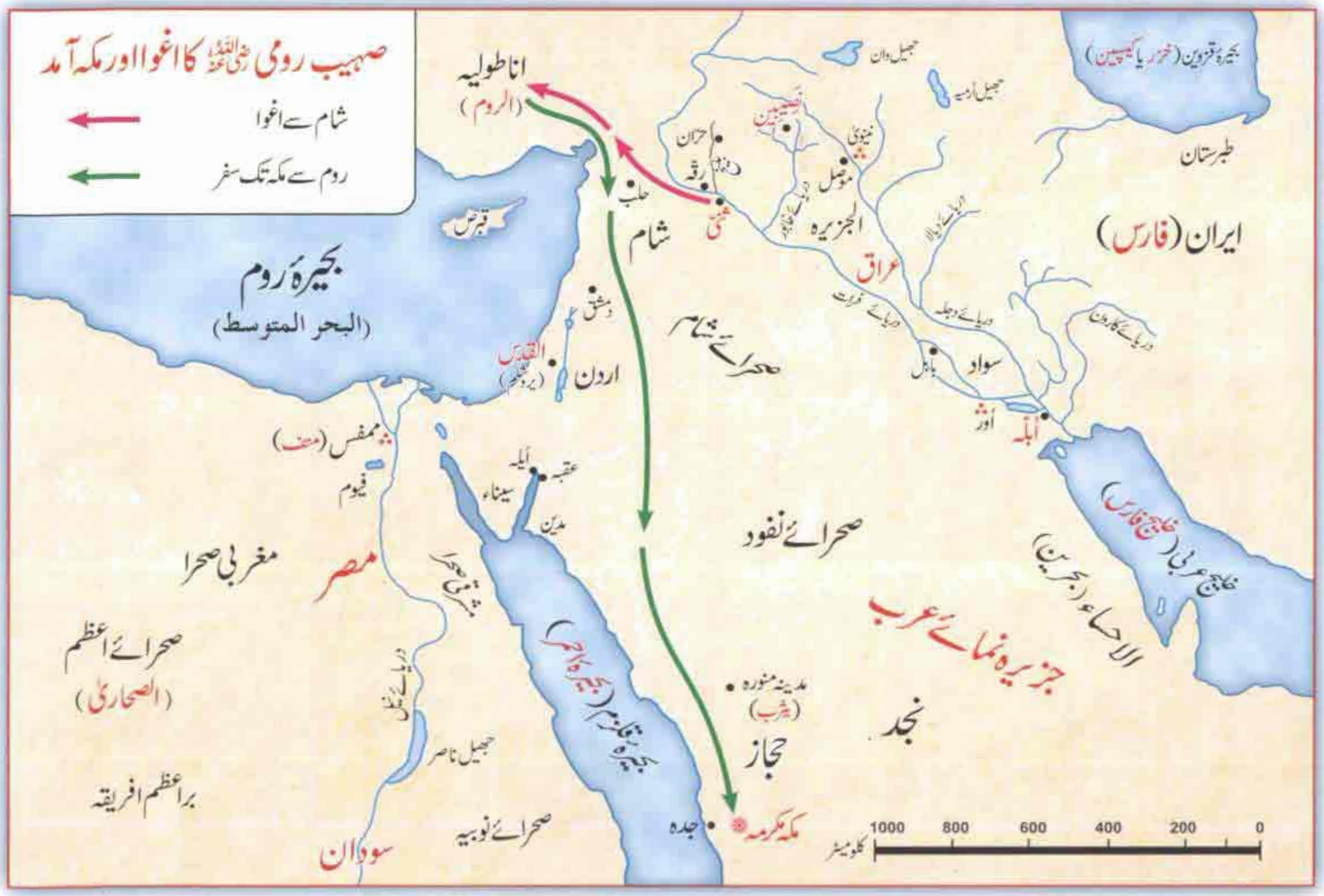
سیدنا عمار رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ مواخات میں سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی بنایا تھا۔ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ بدر اور احد سمیت تمام معرکوں میں شریک رہے۔ آپ 37ھ/657ء میں جنگ صفین میں شہید ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر 94 برس تھی۔ [4]

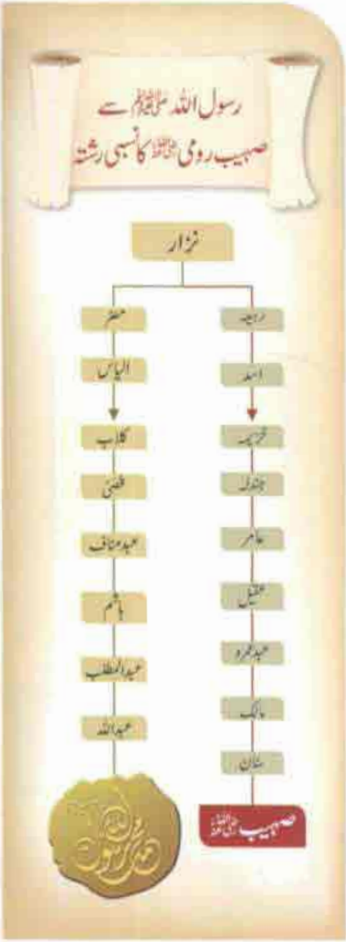
سیدنا صُہیب رومی رضی اللہ عنہ

ابن اسحاق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ عربی الاصل تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: صہیب

[1] صحيح ابن حبان (ابن بلبان): 15/557,556، حديث: 7081. [2] جامع الترمذي: 3798. [3] جامع الترمذي: 3799.
[4] الطبقات لابن سعد: 3/250-264.




صہیب رومی رضی اللہ عنہ کا اغوا اور مکہ آمد
شام سے اغوا
روم سے مکہ تک سفر
اناطولیہ
(الروم)
قبرص
بحیرۂ روم
(البحر المتوسط)
حلب
شام
دمشق
القدس
(یروشلم)
اردن
صحرائے شام
حران
رقہ
نصیبین
نینویٰ
موصل
الجزیرہ
عراق
دریائے فرات
دریائے دجلہ
بابل
سواد
اُور
اُبلہ
دریائے کارون
ایران (فارس)
طبرستان
بحیرۂ قزوین (خزر یا کیسپین)
جھیل وان
جھیل ارمیہ
خلیج عربی (خلیج فارس)
الاحساء (بحرین)
جزیرہ نمائے عرب
صحرائے نفود
نجد
مدینہ منورہ
(یثرب)
حجاز
مکہ مکرمہ
جدہ
عقبہ
ایلہ
سیناء
مدین
بحیرۂ قلزم (بحیرۂ احمر)
ممفس (منف)
فیوم
مصر
مغربی صحرا
مشرقی صحرا
صحرائے اعظم
(الصحارٰی)
جھیل ناصر
براعظم افریقہ
صحرائے نوبیہ
سوڈان
1000
800
600
400
200
0
کلومیٹر



بن سنان بن مالک بن عبدعمرو بن عقیل بن عامر بن جندلہ بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن اسلم بن اوس منات بن نمر بن قاسط بن ہنب بن افصیٰ بن دُعمی بن جدیلہ بن اسد بن ربیعہ بن نزار۔ ان کا خاندان دجلہ کے کنارے موصل کے پاس رہتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ الجزیرہ کے علاقے میں فرات کے کنارے رہتے تھے۔

صہیب رضی اللہ عنہ ابھی چھوٹے ہی تھے کہ رومیوں نے ان کے علاقے پر حملہ کر دیا اور انھیں پکڑ کر لے گئے۔ یوں سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ اُنھی کے ہاں پرورش پاتے رہے۔ اسی لیے انھیں عربی بولنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ بنوکلب انھیں خرید کر مکہ لے آئے۔

عبداللہ بن جُدعان نے انھیں بنوکلب سے خرید کر آزاد کر دیا، تاہم سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ عبداللہ بن جُدعان کی زندگی میں اُسی کے ساتھ مقیم رہے۔[1] سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کا رنگ انتہائی سرخ اور قد درمیانہ تھا۔ ان کے بال انتہائی گھنے تھے، وہ بالوں کو مہندی لگایا کرتے تھے۔

سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابویحییٰ تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا: ”آپ نے اپنی کنیت ابویحییٰ کیوں رکھی ہے، حالانکہ آپ کی تو کوئی اولاد ہی نہیں۔“ صہیب رضی اللہ عنہ نے بتایا: ”مجھے یہ کنیت رسول اللہ ﷺ نے عطا فرمائی تھی۔“

سیدنا صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو سلسلۂ مواخات میں نبی ﷺ نے حارث بن صِمہ رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔ آپ بدر، احد اور خندق سمیت تمام غزوات میں نبی ﷺ کے ہمرکاب رہے۔

صہیب رضی اللہ عنہ نے شوال 38ھ/659ء میں 70 برس کی عمر میں مدینہ میں وفات پائی۔ آپ کو بقیع میں دفن کیا گیا۔[2]

سیدنا عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

یہ سعد بن ابی وقاص مالک بن اہیب رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔ آپ کی والدہ حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن

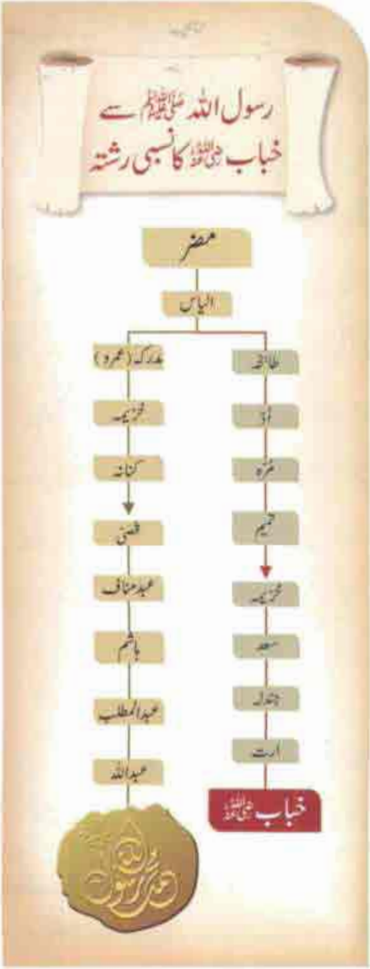
[1] الطبقات لابن سعد: 226/3، أسد الغابة: 461/2. [2] الطبقات لابن سعد: 3/226-230.

عبد شمس تھیں۔[1]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بدر کے معرکے میں جانے سے پہلے میں نے اپنے بھائی عمیر بن ابی وقاص کو دیکھا کہ وہ چھپنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ میں نے پوچھا: بھائی! کیا بات ہے؟ انھوں نے کہا کہ مجھے ڈر ہے کہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھ نہ لیں اور مجھے چھوٹا سمجھ کر واپس نہ بھیج دیں جبکہ میں اس لشکر میں شریک ہونا چاہتا ہوں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرما دے۔

سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عمیر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اسے کم سن سمجھتے ہوئے فرمایا کہ تم لوٹ جاؤ۔ عمیر رونے لگا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دے دی، پھر وہ معرکۂ بدر میں شریک ہوئے اور اسی غزوے میں عین عنفوانِ شباب، یعنی 16 سال کی عمر میں شہید ہو گئے۔[2]

سیدنا خباب بن اَرَت رضی اللہ عنہ



سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: خباب بن ارت بن جندلہ بن سعد بن خزیمہ بن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم رضی اللہ عنہ۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔ آپ عربی الاصل تھے اور بنو زہرہ کے حلیف تھے۔ انھیں بعض افراد نے اغوا کر کے مکہ میں فروخت کر دیا۔ ام انمار خزاعیہ نے انھیں خرید لیا اور آہن گری کے کام پر لگا دیا، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نسب کے لحاظ سے تمیمی اور ولاء[3] کے اعتبار سے خزاعی ہیں۔

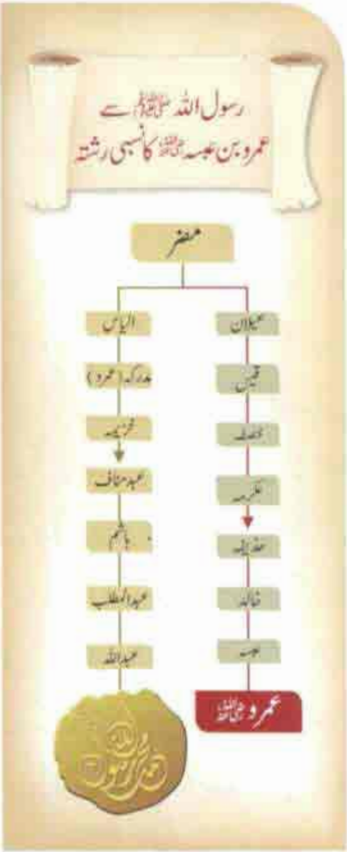
سیدنا خباب رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں میں سے ہیں۔ آپ ان سات عظیم افراد میں سے ہیں جنھوں نے سب سے پہلے اپنے اسلام کا اظہار کیا۔ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلسلۂ مواخات میں سیدنا جبیر بن عتیک رضی اللہ عنہ کو آپ کا بھائی قرار دیا۔

[1] أسد الغابة: 420/3. [2] صفة الصفوة لابن الجوزي: 394/1. [3] ولاء: آزاد کرنے والے مالک اور آزاد کیے جانے والے غلام کے درمیان نسبی تعلق اور حکمی قرابت کو ولاء کہا جاتا ہے۔ (معجم لغة الفقهاء، ص: 509)

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ 37ھ/657ء میں جنگ صفین کے لیے نکلے تو اس وقت حضرت خباب رضی اللہ عنہ کوفہ ہی میں تھے۔ وہ اسی دوران شدید بیماری کی وجہ سے اللہ کو پیارے ہو گئے اور انھیں ان کی وصیت کے مطابق کوفہ میں دفن کیا گیا۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے پہلے شخص تھے جنھیں سرزمین کوفہ میں دفن کیا گیا۔[1] آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتیس (32) احادیث مبارکہ مروی ہیں۔[2]

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ

سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: عمرو بن عبسہ بن خالد بن حذیفہ بن عمرو بن خلف بن مازن بن مالک بن ثعلبہ بن بُہثہ بن سلیم سلمی۔ آپ کی کنیت ابونجیح تھی۔[3]



عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: زمانۂ جاہلیت ہی میں میرا خیال تھا کہ لوگ گمراہی پر ہیں کیونکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اچانک ایک دن میں نے سنا کہ مکہ میں ایک شخص آسمان کی خبریں دیتا ہے۔ میں فوراً اپنی سواری پر بیٹھا اور مکہ جا پہنچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ انداز میں تبلیغ کر رہے تھے۔ اُن کی قوم کا تشدد جاری تھا۔ میں نے بڑی حکمت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور آپ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ میں نے پوچھا: ''آپ کیا ہیں؟'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نبی۔'' میں نے پوچھا: ''نبی کیا ہوتا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے۔'' میں نے پوچھا: ''کس امر کے لیے بھیجا ہے؟'' آپ نے فرمایا:

«أَرْسَلَنِي بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ وَكَسْرِ الْأَوْثَانِ وَأَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ لَا يُشْرَكُ بِهِ شَيْءٌ»

''اللہ نے مجھے صلہ رحمی کرنے، بتوں کو توڑنے اور اس پیغام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا ہے کہ اللہ کو ایک مانا جائے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔''

[1] الطبقات لابن سعد: 3/164-167، أسدالغابة: 2/102- 105. [2] أسماء الصحابة الرواة وما لكل واحد من العدد لابن حزم: 281. [3] الطبقات لابن سعد: 4/214.

میں نے پوچھا: ''اس معاملے میں آپ کے ساتھ اور کون کون ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''آزاد بھی ہیں اور غلام بھی۔'' اُس وقت ابوبکر اور بلال رضی اللہ عنہما نے اسلام قبول کیا تھا۔ میں نے عرض کی: ''میں آپ کی پیروی اختیار کرنا چاہتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''موجودہ حالات میں تم ایسا نہیں کر سکتے۔ اپنے لوگوں کے پاس (واپس) جاؤ۔ جب ہمارے غلبے کی اطلاع ملے تو پھر چلے آنا۔''[1]

عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمانِ نبوی

یہاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ''ان حالات میں تم ایسے نہیں کر سکتے''...... الخ۔ یہ ارشاد گرامی وضاحت طلب ہے۔ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر بَابُ إِسْلَامِ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قائم کیا ہے۔ اس کے علاوہ أسد الغابة میں یہ تصریحی الفاظ موجود ہیں: میں نے کہا: ''ہاتھ آگے بڑھائیے، میں بیعت کرنا چاہتا ہوں۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک بڑھایا تو میں نے اسلام کی بیعت کر لی۔[2]

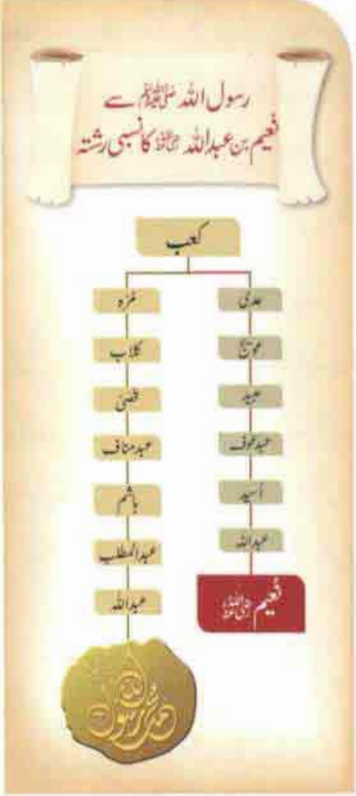
مزید برآں مسند احمد میں اس کی تفصیل اس طرح ہے: میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ قیام کرنا چاہتا ہوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''(اس وقت ہمارے ساتھ آپ کا قیام مناسب) نہیں، آپ اپنی قوم ہی کے ساتھ رہیں۔ جب ہمارے غلبے کی خبر سنیں تو پھر آجائیں۔'' میں اپنی قوم کے پاس چلا گیا اور عرصۂ دراز تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی خبر کا منتظر رہا یہاں تک کہ یثرب کے کچھ لوگ آئے۔ میں نے اُن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھا۔ اُنھوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا چکے ہیں۔ میں نے رختِ سفر باندھا اور آپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ میں نے پوچھا: ''اے اللہ کے نبی! کیا آپ مجھے پہچانتے ہیں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، تم مکہ میں ہمارے پاس آئے تھے۔''[3]

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے مدینہ آنے سے پہلے بدر، اُحد اور خندق کی جنگیں ہو چکی تھیں۔ انھوں نے مدینہ میں سکونت اختیار کر لی۔ بعد ازاں شام منتقل ہو گئے۔[4] آپ اڑتالیس (48) احادیث کے راوی ہیں۔[5]

سیدنا نُعیم بن عبداللہ نحام رضی اللہ عنہ

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے قبیلہ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے: نعیم بن عبداللہ

[1] صحيح مسلم: 832. [2] أسد الغابة: 389/3. [3] مسند أحمد: 112/4. [4] أسد الغابة: 389/3. [5] أسماء الصحابة الرواة: 281.



بن اسید بن عبدعوف بن عبید بن عویج بن عدی بن کعب رضی اللہ عنہ۔ آپ کی والدہ ابوحرب بن خلف بن صداد بن عبداللہ کی بیٹی تھیں۔

حضرت نعیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ابتدائی عہد کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ یہ دس افراد کے بعد مسلمان ہوئے اور اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ انھیں نحام (زیادہ کھانسنے والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''میں جنت میں داخل ہوا تو میں نے نعیم کے کھانسنے کی آواز سنی۔'' رسالت مآب ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہی اُن کی عرفیت کا ذریعہ بن گیا۔ انھیں نحام کہا جانے لگا۔ ان کے مجد و شرف کی بنا پر مشرکین انھیں تکلیفیں دینے سے باز رہے۔ جب مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو انھوں نے بھی ہجرت کا ارادہ کر لیا لیکن ان کا قبیلہ آڑے آ گیا، انھوں نے کہا: ''آپ جو دین اپنانا چاہتے ہیں، اپنا لیجیے لیکن ہمارے پاس رہیے۔'' اس کا سبب یہ تھا کہ آپ نہایت سخی تھے۔ آپ اپنی قوم بنو عدی کے فقراء، یتیموں اور بیواؤں کے اخراجات خود برداشت کرتے تھے۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے حدیبیہ والے سال ہجرت کی اور نبی ﷺ کی خدمت میں جا پہنچے۔ بعدازاں آپ نے مشرکین و کفار کے خلاف تمام معرکوں میں شرکت کی۔ آپ جنگ یرموک 15ھ/636ء میں شہید ہوئے۔[1]

سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا

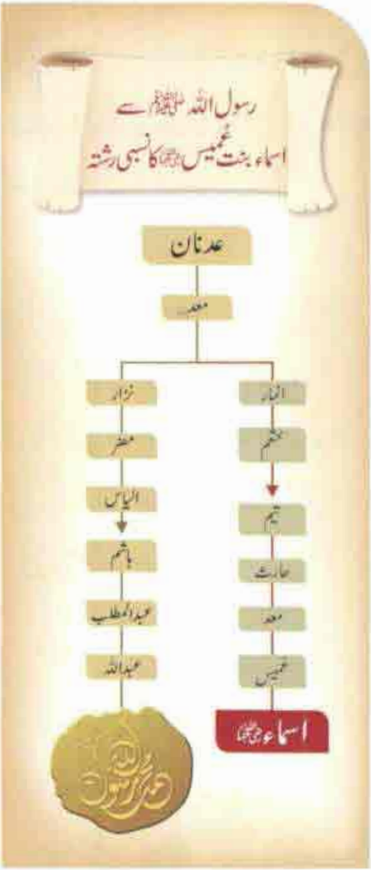
حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: اسماء بنت ابی بکر صدیق بن ابوقحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم۔ آپ کی والدہ قُتَیلہ بنت عبدالعزیٰ بن اسعد تھیں۔ ابتدائی دور میں اسلام قبول کرنے والوں میں سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا کا نام بھی شامل ہے۔

ابونعیم کہتے ہیں کہ اسماء رضی اللہ عنہا سترہ افراد کے بعد مسلمان ہوئیں۔ سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئی تھیں۔ ان کی شادی سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ سیدہ اسماء سے پیدا ہونے والے سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما مہاجرین مکہ کے پہلے مولود تھے۔ ہجرت کے وقت حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے

1 الطبقات لابن سعد: 4/139,138.

نہایت مستعدی سے رسالت مآب ﷺ اور اپنے والد گرامی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا زادِ سفر تیار کیا، پھر اپنے لباس کی ڈوری کے دو حصے کیے اور زادِراہ والے تھیلے کا منہ باندھا۔ اس وقت رسولِ اکرم ﷺ نے انھیں ذات النطاقین کا خطاب دیا۔ آپ کو اٹھاون (58) احادیث مبارکہ روایت کرنے کی سعادت حاصل ہے۔[1]

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے قتل ہونے کے چند دن بعد اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما 17 جمادی الاولی 73ھ/18 ستمبر 692ء کو شہید کیے گئے۔[2]



سیدہ اسماء بنت عُمیس رضی اللہ عنہا

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا قبیلہ خثعم[3] سے تھیں۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: اسماء بنت عُمیس بن مَعَد بن حارث بن تیم بن کعب بن مالک بن قُحافہ بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن معاویہ بن زید بن مالک بن بشر بن وہب اللہ بن شہران بن عِفرس بن خلف بن اُفتَل (خثعم)۔ آپ کی والدہ کا نام ہند بنت عوف بن زہیر بن حارث کنانیہ تھا۔[4] چونکہ ام المؤمنین سیدہ میمونہ بنت حارث اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہما ہند بنت عوف کی بیٹیاں تھیں، اس لحاظ سے یہ دونوں اخیافی بہنیں تھیں۔[5]

سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نبی اکرم ﷺ کے دارِ ارقم میں تشریف لانے سے پہلے ہی مسلمان ہوگئی تھیں۔ سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زمانے میں اسلام قبول کیا تھا۔ ان کی شادی حضرت جعفر بن ابوطالب رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔

اسماء رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی اور کئی سال تک وہیں مقیم رہیں۔ وہاں سیدنا جعفر کے تین بیٹے عبداللہ، محمد اور عون پیدا ہوئے۔ 7ھ/628ء میں خیبر والے سال آپ بھی مدینہ چلی آئیں۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچیں تو وہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آگئے۔ پوچھا:

[1] أسماء الصحابة الرواة لابن حزم: 279. [2] الطبقات لابن سعد: 8/249-255، أسد الغابة: 5/209. [3] یہ ایک پہاڑ کا نام ہے۔ وہاں کے رہنے والوں کو خثعمی کہا جاتا ہے۔ ایک قول کے مطابق خثعم اس اونٹ کا نام تھا جسے لوگوں نے نحر کیا اور اپنے ہاتھ اس کے خون میں ڈال کر آپس میں عہد باندھا تو انھیں خثعم کہا جانے لگا۔ (معجم ما استعجم: 2/489) [4] أسد الغابة: 5/212,213.
[5] جامع المسانید والسنن: 15/248.

''یہ کون ہے؟'' جواب ملا: اسماء۔ بولے: اَلْحَبَشِيَّةُ هٰذِهٖ، اَلْبَحْرِيَّةُ هٰذِهٖ؟ ''وہی حبش والی، وہی سمندر والی؟'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا: ''جی ہاں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: ''ہمیں آپ پر فضیلت حاصل ہے، اس لیے کہ ہم نے ہجرت میں آپ سے سبقت کی ہے۔'' حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کو یہ سن کر بہت غصہ آیا۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: ''اللہ کی قسم! ہرگز نہیں، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمھارے بھوکوں کو کھلاتے تھے، تمھارے جاہلوں کو پڑھاتے تھے، ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لیے بہت دور دراز مقام پر پڑے رہے۔ اللہ کی قسم! میں کھاؤں گی نہ پیوں گی حتی کہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کر دوں۔'' وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا: ''لوگوں کے لیے ایک ہجرت ہے اور تمھارے لیے دو ہجرتیں ہیں۔'' [1]

8ھ/630ء میں غزوۂ مؤتہ میں سیدنا جعفر رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ (تقریباً 6 مہینے بعد شوال 8ھ/630ء میں) نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پڑھا دیا۔[2] حجۃ الوداع کے موقع پر سیدہ اسماء کے ہاں محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے۔[3] 13ھ/634ء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی شادی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوگئی۔ ان کے بطن سے حضرت علی کا بیٹا یحییٰ پیدا ہوا۔[4] 40ھ/661ء میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شہادت پائی۔ بعدازاں سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کا بھی انتقال ہوگیا۔ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساٹھ (60) احادیث روایت کرنے کا شرف حاصل ہے۔[5]

سیدہ اُمِّ ایمن رضی اللہ عنہا

ان کا نام برکہ، کنیت ام ایمن اور ام الظباء ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے: برکہ بنت ثعلبہ بن عمرو بن حصن بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان رضی اللہ عنہا۔

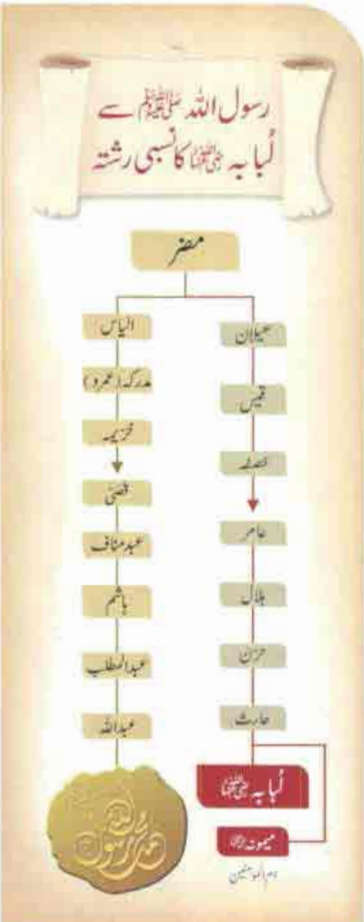
سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کا تعلق حبشہ سے تھا۔ یہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ گرامی جناب عبداللہ کی لونڈی تھیں۔ ان کی وفات کے بعد یہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں رہیں۔ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد انھوں نے خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حلقۂ فدویت و خدمت میں داخل ہونے کا شرف حاصل کیا۔ امِ ایمن ہی نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و پرداخت کی۔

[1] صحيح البخاري: 4230، [2] سير أعلام النبلاء: 283/2. [3] الإصابة: 15/8. [4] صحيح مسلم: 1209. جامع المسانيد والسنن: 248/15. [5] أسماء الصحابة الرواة: 279.

نبیِ کریم ﷺ نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو ام ایمن رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا اور بنوحارث بن خزرج سے تعلق رکھنے والے عبید بن یزید سے ان کی شادی کر دی۔ ان کے بطن سے ایمن رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے جو غزوۂ حنین میں شہید ہوگئے۔ عبید بن یزید خزرجی کے بعد نبی ﷺ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما سے کر دی۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما انھی کے صاحبزادے تھے۔[1]

ام ایمن نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں سے واپس آئیں اور غزوۂ احد میں شرکت کی۔ اس موقع پر وہ لوگوں کو پانی پلاتی اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئیں۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں وفات پائی۔[2] حافظ ابن حزم نے ان کا شمار ان صحابیات میں کیا ہے جن سے پانچ پانچ احادیث مروی ہیں۔[3]

سیدہ لُبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا



سیدہ لبابہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب یہ ہے: لبابہ بنت حارث بن حزن بن بُجَیر بن ہُرم بن رُویبہ بن عبداللہ بن ہلال بن عامر بن صعصعہ۔ ان کی کنیت ام الفضل تھی۔ یہ اپنی کنیت ہی سے زیادہ معروف تھیں۔ ان کی شادی رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔ گھریلو تعلق کی وجہ سے یہ دیگر خواتین کی نسبت نبیِ کریم ﷺ کو زیادہ جانتی تھیں۔ اسی لیے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والی خاتون یہی تھیں۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہن میمونہ بنت حارث سے شادی کر لی۔

ان کی والدہ ہند بنت عوف بن حارث کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جیسے عظیم داماد انھیں ملے ویسے عظیم داماد کسی اور خاتون کو میسر نہیں آئے۔ ان کے دامادوں میں نبی کریم ﷺ، عباس، جعفر، ابوبکر صدیق، علی اور حمزہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔[4]

[1] الطبقات لابن سعد: 223/8. [2] الطبقات لابن سعد: 226-223/8، الإصابة: 361/8، أسدالغابة: 424/5. [3] أسماء الصحابة الرواة: 289. [4] أسدالغابة: 389/5.

سیدہ زِنّیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا قریش کے خاندان بنومخزوم کی لونڈی تھیں۔ دعوتِ حق کے ابتدائی زمانے ہی میں اسلام کی دولت سے بہرہ یاب ہوئیں اور اسی پاداش میں مشرکین کے ظلم وستم کا نشانہ بن گئیں۔ ابوجہل ان پر نت نئے ظلم ڈھاتا تھا۔ یہ ان سات افراد میں سے ایک ہیں جنھیں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد کیا تھا۔

سیدہ زنیرہ رضی اللہ عنہا مسلمان ہوئیں تو نابینا ہوگئیں۔ مشرکین نے اس واقعے کو بہت اُچھالا اور زنیرہ رضی اللہ عنہا کو طعنہ دیا کہ اُس نے لات وعزّیٰ سے کفر کیا ہے، اسی لیے انھوں نے اسے اندھا کر دیا ہے۔ زنیرہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: ''لات وعزیٰ کیا جانیں کہ انھیں کون پوج رہا ہے؟ یقیناً یہ مصیبت آسمان (اللہ ہی کی طرف) سے آئی ہے۔ میرا رب میری بینائی لوٹانے پر قادر ہے۔'' چنانچہ اگلے دن جب وہ بیدار ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی ٹھیک کر دی۔ اس پر مشرکین نے کہا: ''اس کی بینائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جادو کی وجہ سے ٹھیک ہوئی ہے۔'' [1]

سیدہ نَہدیہ رضی اللہ عنہا

سیدہ نہدیہ رضی اللہ عنہا بنوعبدالدار کی ایک عورت کی لونڈی تھیں۔ یہ بھی بعثت کے ابتدائی ایام ہی میں اسلام لے آئی تھیں۔ ان کی مالکہ انھیں سخت تکلیفیں پہنچاتی اور کہتی: ''اللہ کی قسم! میں تجھے اُس وقت تک نہیں چھوڑوں گی جب تک تجھے وہ شخص آزاد نہ کرائے جو تیرے ساتھ بے دین ہوا ہے۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ جس دن سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انھیں آزاد کیا، اس دن نہدیہ رضی اللہ عنہا کے پاس اپنی مالکہ کا پیا ہوا غلہ تھا، انھوں نے وہ غلہ اسے واپس کر دیا۔ [2]

سیدہ اُمِّ عُبَیس رضی اللہ عنہا

آپ بھی دعوتِ حق پر لبیک کہنے والے ابتدائی مسلمانوں میں سے تھیں۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں مکہ کا مشہور مشرک اسود بن عبدیغوث انھیں سخت سزائیں دیتا تھا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سیدہ ام عبیس رضی اللہ عنہا سے پوچھا: ''کیا مشرکین مسلمانوں کو اس قدر سزائیں دیتے تھے جو ان کے ترکِ دین کا عذر بن جاتی تھیں؟'' انھوں نے جواب دیا: ''ہاں! بلاشبہ وہ اسلام قبول کرنے والے کو شدید تکلیفیں دیتے تھے اور اس قدر پٹائی کرتے تھے کہ اس میں اُٹھنے بیٹھنے کی سکت بھی نہیں رہتی تھی۔ مجبوراً وہ مسلمان ان تکلیفوں

[1] أسد الغابة: 293,292/5. [2] أنساب الأشراف: 222/1.

کی تاب نہ لاتے ہوئے بادلِ ناخواستہ وہی بات کہہ دیتا تھا جو تشدد کرنے والے مشرکین کہلوانا چاہتے تھے۔'' مشرک اس سے کہتے: ''کیا لات اور عزّیٰ اللہ کے سوا تیرے معبود ہیں؟'' وہ کہتا: ''ہاں!'' پھر جب وہ ہوش میں آتا تو پھر توحید کی طرف پلٹ آتا تھا۔[1]

علامہ بلاذری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ام عبیس رضی اللہ عنہا بنو زہرہ کی لونڈی تھیں مگر زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ام عبیس رضی اللہ عنہا بنو تیم بن مرہ کی لونڈی تھیں۔[2] ان کا شوہر کریز بن ربیعہ قرشی عبشمی تھا جس سے ان کا بیٹا عبیس پیدا ہوا۔ ام عبیس رضی اللہ عنہا کی کنیت اپنے اسی بیٹے کے نام پر ہے۔[3]

قریش کو تبلیغِ اسلام کی اجمالی خبر

مسلمانوں نے دینِ حنیف کی تبلیغ اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ پوری طرح صیغۂ راز میں رکھا۔ قریش کو اس معاملے کی موہوم سی خبر تو تھی لیکن انھوں نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی۔

محمد غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم و تبلیغ کے بارے میں اُڑتی اُڑتی خبریں قریش کو پہنچ چکی تھیں لیکن اُنھوں نے انھیں کوئی اہمیت نہ دی۔ غالباً انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح کی دینی شخصیت سمجھا جو الوہیت اور حقوق الوہیت کے موضوع پر گفتگو کرتے تھے جیسا کہ اُمیہ بن صلت، قُس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نُفَیل سے اس نوع کی باتیں منقول ہیں، البتہ قریش نے آپ کی خبر اور اثر کا دائرہ پھیلتا دیکھ کر کچھ اندیشے ضرور محسوس کیے، پھر ان کی نگاہیں رفتارِ زمانہ کے ساتھ آپ کے انجام اور آپ کی تعلیمات پر رہنے لگیں۔[4]

جنوں کا قبولِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں دونوں کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ جن اپنی اصل کے اعتبار سے انسان کی نظر سے پوشیدہ مخلوق ہیں۔ ہر چند انھیں مختلف شکلیں اختیار کر کے ظاہر ہونے کی قدرت بھی حاصل ہے۔ انسانوں کی طرح یہ بھی شرعی احکام کے مکلف ہیں۔ جنات مختلف مواقع پر نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔ قرآن مجید میں اُن کی آمد کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ۝ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا

[1] أنساب الأشراف:1/223,222. [2] أنساب الأشراف:1/222، الاستيعاب، ص:935. [3] الإصابة:8/434. [4] فقه السيرة للغزالي، ص:103.

بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَلَيْسَ لَهٗ مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءُ ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾

''اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا، جبکہ وہ قرآن سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے تو انھوں نے (ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، جب (تلاوت) ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر چلے گئے۔ انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی۔ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں، وہ حق کی طرف اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ، وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور وہ تمھیں نہایت دردناک عذاب سے پناہ دے گا۔ اور جو کوئی اللہ کے داعی کی بات قبول نہیں کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور اللہ کے سوا اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا، یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔''[1]

علقمہ بن قیس رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''جس رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کو اسلام کی دعوت دینے گئے تھے، کیا صحابہ میں سے کوئی اُن کے ساتھ تھا؟''

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہنے لگے: نہیں، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں بتائے بغیر چلے گئے۔ ہم نے اُنھیں وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہمیں خدشہ تھا کہیں کسی نے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔ فکر و اندیشے کی وجہ سے ہم نے انتہائی کرب میں رات گزاری۔ صبح کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غارِ حراء کی جانب سے تشریف لاتے نظر آئے۔ ہم نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو بہت تلاش کیا لیکن آپ کہیں نہیں ملے۔ آپ کی نایابی کی وجہ سے ہم نے انتہائی کرب میں رات بسر کی ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میرے پاس جنوں کا ایک نمائندہ آیا تھا۔ میں اُس کے ساتھ چلا گیا۔ میں نے اُنھیں قرآن سنایا۔'' پھر آپ نے فرمایا: ''میرے ساتھ چلو۔'' بعد ازاں آپ نے ہمیں جنات اور اُن کی آگ کے آثار دکھائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ جنوں نے مجھ سے اپنی غذا کے متعلق پوچھا۔ میں نے اُنھیں بتایا کہ ''تمھارے لیے ہر وہ ہڈی ہے جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہو، تمھارے ہاتھ لگتے ہی اس پر پورا گوشت ہوگا اور ہر مینگنی (یا گوبر) تمھارے چوپاؤں کی خوراک ہے۔'' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تاکید فرمائی:

«فَلَا تَسْتَنْجُوا بِهِمَا فَإِنَّهُمَا طَعَامُ إِخْوَانِكُمْ»

''ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمھارے بھائیوں (جنات اور ان کے جانوروں) کی خوراک ہے۔''[2]

[1] الأحقاف 46:29-32. [2] صحيح مسلم :450.

ایک روایت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے کا بھی ذکر ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا: ''تم میں سے جو جنات کے معاملات کا مشاہدہ کرنا چاہے، وہ آج رات میرے ساتھ چلے۔'' میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوگیا۔ ہم چلتے چلتے جب مکہ کے بالائی علاقے میں پہنچے تو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پائے مبارک سے ایک خط کھینچا اور مجھے حکم دیا کہ تم یہیں بیٹھو، پھر آپ آگے چلتے گئے۔ ایک جگہ کھڑے ہو کر آپ نے قرآن مجید کی تلاوت شروع کر دی۔ اُس وقت میرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان بے شمار پرچھائیاں حائل ہوگئیں حتی کہ مجھ تک آپ کی آواز بھی آنی بند ہوگئی۔ پھر وہ بادلوں کے ٹکڑوں کی طرح وہاں سے روانہ ہونے لگے یہاں تک کہ صرف ایک جماعت باقی رہ گئی۔ یہ سلسلہ صبح تک چلتا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے چلے گئے۔ جب آپ واپس آئے تو مجھ سے جنوں کی جماعت کے بارے میں دریافت فرمایا۔ میں نے بتایا کہ وہ موجود ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہڈی اور گوبر کو اُن کے لیے خوراک قرار دیا، پھر ہڈی اور گوبر سے استنجا کرنے کی ممانعت فرمائی۔[1] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے قضائے حاجت اور وضو کے واسطے پانی لے کر جایا کرتا تھا۔ ایک دن میں اسی مقصد کے لیے آپ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ آپ نے پوچھا: ''کون ہے؟'' میں نے عرض کی: ''ابوہریرہ۔'' آپ نے فرمایا: ''استنجے کے لیے پتھر لاؤ، ہڈی اور گوبر نہ لانا۔'' میں نے پتھر لا کر آپ کے پاس ایک جانب رکھ دیے، پھر میں وہاں سے ہٹ گیا۔ جب آپ فراغت پا کر تشریف لائے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل پڑا۔ چلتے چلتے میں نے آپ سے پوچھا: ''ہڈی اور گوبر کا کیا معاملہ ہے؟'' نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ جنوں کی خوراک ہے۔ میرے پاس نصیبین کے جنوں کا وفد آیا، یہ انتہائی اچھے جن تھے، اُنھوں نے مجھ سے زادِ راہ کا سوال کیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ جس ہڈی یا گوبر کے پاس سے گزریں، اُس میں اُن کے لیے خوراک (کا سامان مہیا) ہو جائے۔''[2] ایک روایت میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنات کے سامنے سورۂ رحمٰن کی تلاوت کی۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ رحمٰن کی تلاوت کر رہے تھے۔ لوگ خاموشی سے سن رہے تھے۔ اُنھوں نے جواب میں کچھ نہ کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جنات تم سے بہتر طریقے سے جواب دیتے تھے۔ جب میں پڑھتا تھا:

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 230/2. مگر سنداً یہ روایت ضعیف ہے۔ ابو صالح عبداللہ بن صالح کاتب الليث كثير الغلط والخطا ہیں اور ابو عثمان بن سنہ خزاعی مجہول ہے۔ (المستدرك للحاكم: 503/2) [2] صحيح البخاري: 3860.



﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ○﴾

''تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟''

تو وہ جواب میں کہتے تھے:

«وَلَا بِشَيْءٍ مِنْ آلَائِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ»

''اے ہمارے رب! ہم تیری کسی نعمت کو نہیں جھٹلائیں گے۔''[1]

[1] جامع الترمذي: 3291، المستدرك للحاكم: 473/2، سلسلة الأحاديث الصحيحة: 149/5، حديث: 2150، دلائل النبوة للبيهقي: 232/2.

باب 2

سیرت انسائیکلوپیڈیا

علانیہ دعوت و تبلیغ

رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام کا حکم، کوہ صفا، میلوں اور منڈیوں میں اشاعتِ دین۔ اللہ رب العزت، اس کے رسول، قرآن کریم اور آخرت کے بارے میں مشرکین کے اوہام و افکار

وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ
وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ
مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

''اور آپ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈرائیں۔ اور جو مومنوں میں سے آپ کی اتباع کریں،
ان کے لیے اپنے (شفیق) بازو جھکائے رکھیں۔'' (الشعراء 26:214،215)

اس باب میں





رسالت مآب ﷺ کو دینِ حنیف کی دعوت دینے کا حکم، بنوعبدالمطلب کو اسلام کی دعوت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت، ابولہب سے صفیہ رضی اللہ عنہا اور ابوطالب کے مکالمے، سرعام دعوتِ حق دینے کے حکم کی تفصیلات کے علاوہ سورۂ لہب کے نزول اور دعوت اسلام پر مشرکوں کے ردعمل کی سرگزشت۔ اس دوران ابوطالب سے وفد قریش کے مذاکرات کے ساتھ ساتھ مشرکوں کا وہ تاثر اور موقف بھی بیان کیا گیا ہے جو وہ دینِ اسلام کے بارے میں بار بار ظاہر کرتے تھے۔ نیز مشرکوں کی طرف سے محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن مجید پر کیے گئے اعتراضات کے علاوہ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے بارے میں کیسا من گھڑت اور گمراہ کن عقیدہ رکھتے تھے۔



سرِ عام دعوتِ اسلام

امتِ مسلمہ کی زندگی کا اصل مقصد ساری دنیا میں بے خبر اور بے طلب لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی بندگی کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس عظیم الشان فرض کی ادائیگی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نہایت بیش قیمت اصول اور حکیمانہ ہدایات بیان فرمائی ہیں اور ہمارے رہبر اعظم حضرت محمد ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے یہ حقیقت اُجاگر کی کہ دعوتِ الی اللہ کا عظیم الشان کام اخلاص، صبر، شوق اور حکمت سے انجام دینا چاہیے۔ اِس طرح آپ ﷺ نے دعوت و تبلیغ کے تمام اسالیب پوری طرح اُجاگر کر دیے۔ ان اسالیب کے مطالعے سے دعوت و تبلیغ کے بالترتیب پانچ مدارج سامنے آتے ہیں جو اس طرح ہیں:

1. قریبی رشتہ داروں اور خاص دوستوں کو دعوت۔
2. قوم اور شہر کے لوگوں کو دعوت۔
3. ان قبیلوں کو دعوت جو اطرافِ مکہ میں آباد تھے۔
4. پھر عرب کے تمام قبیلوں اور گروہوں کو دعوت۔
5. دنیا کی تمام قوموں اور جماعتوں کو دعوت۔

آیئے! اب نگاہِ تصور سے وادی غیر ذی زرع میں محمد رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ اسلام کے مناظر دیکھیے۔

نبی معظم ﷺ کو جب منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سب سے پہلے ان لوگوں کو اللہ رب العزت کی بندگی کا پیغام پہنچایا جن کا آپ سے قریبی تعلق اور رابطہ تھا۔ نبی ﷺ کو اپنے گھر والوں کی طرف سے حوصلہ افزا جواب ملا۔ چنانچہ سب سے پہلے آپ کے گھرانے کے تمام افراد مسلمان ہوئے۔ ان میں آپ ﷺ کی رفیقۂ حیات سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور آپ ﷺ کی صاحبزادیاں سرفہرست تھیں۔ غلاموں میں قبولِ اسلام میں سبقت لے جانے والے آپ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور بچوں میں سب سے پہلے اسلام لانے والے آپ کے زیر کفالت چچا زاد علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ اسی طرح آزاد آدمیوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے آپ ﷺ کے جاں نثار ہمدم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔[1]

[1] صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 119، مزید دیکھیے: دلائل النبوة للبيهقي: 165/2.

پھر دینِ حنیف کی تبلیغ کا سلسلہ آپ کے گھرانے سے آگے بڑھ کر آپ کے رفقاء اور ان کے قریبی حلقوں تک پھیلنے لگا۔ نبوت کے ابتدائی تین برسوں میں رسول اللہ ﷺ دعوت و تبلیغ کا فریضہ پوشیدہ طور پر انجام دیتے رہے۔ [1]
نبیِ اکرم ﷺ کی کوششیں بار آور ہونے لگیں۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ لوگ آپ ﷺ کی دعوتِ حق سے متاثر ہونے لگے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی مسلمان ہونے لگیں یہاں تک کہ اسلام مکہ میں مشہور ہوگیا اور لوگ جگہ جگہ اس دین کا تذکرہ کرنے لگے۔ [2]

یہ ایک عالم گیر رویہ ہے کہ بوڑھے لوگ اپنے فکر و اعتقاد میں پکے اور بے لچک ہوتے ہیں۔ کتنی ہی معقول بات ہو، ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر آتی بھی ہے تو بڑی دیر میں۔ اس کے برعکس نوجوانوں کا ذہن فطرتاً انقلاب پسند ہوتا ہے۔ وہ معقول بات جلدی سمجھ لیتے ہیں اور فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ لوگوں کی اس ذہنی حالت سے رسول اللہ ﷺ کو بھی سابقہ پیش آیا۔ آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ، صاحبزادیوں اور احباب کے بعد جن سعادت مند خواتین و حضرات نے اسلام قبول کیا، ان کی اکثریت جوان لوگوں کی تھی۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے احکامِ الٰہی سیکھ کر اپنے شب و روز اللہ تعالیٰ کی عبادت اور معرفت کے لیے مخصوص کر دیے۔ ان اولین مسلمانوں میں اکثریت کا تعلق قریش کے مختلف گھرانوں سے تھا۔ ان میں سے بہت سے افراد ایسے تھے جو قریش میں بڑا ممتاز مقام رکھتے تھے۔ ان کی وجہ سے اسلام کو بڑی تقویت نصیب ہوئی۔ [3]

نبیِ اکرم ﷺ کے پاس بے سر و سامان ارادوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ آپ کی سب سے بڑی متاع اللہ رب العزت پر غیر متزلزل بھروسا تھا۔ اسی بنیاد پر آپ نہایت خلوص اور استقلال سے لوگوں کو صراطِ مستقیم کی دعوت دیتے رہے۔ انھیں مسلسل اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی تلقین فرماتے رہے۔ آپ کی یہ دعوت خاص خاص افراد تک محدود تھی۔ آپ کی دعوت کا سلسلہ ابھی تک خفیہ ہی تھا۔ آپ نے اب تک سرِعام دعوتِ اسلام کا اظہار و اعلان نہیں کیا تھا۔ قریش کے ہاں اسلام کا چرچا تو ہونے لگا تھا لیکن ان کی طرف سے کھلی مخالفت شروع نہیں ہوئی تھی، البتہ جب رسول اللہ ﷺ قریش کی مجلسوں سے گزرتے تو وہ لوگ کہتے تھے کہ بنو عبدالمطلب کے لڑکے سے آسمانوں سے بات کی جاتی ہے۔ [4]

قریبی عزیزوں کو تبلیغ کا حکم

بعثت کو تین سال گزر گئے۔ اس عرصے میں اسلام نے اولوالعزم ہستیوں کو اپنے پرچم تلے جمع کر لیا۔ اب اتنی تعداد

[1] السيرة لابن هشام: 262/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 187/1. [3] التاريخ الإسلامي لمحمود شاكر: 2/54-56.
[4] أنساب الأشراف: 131/1، المنتظم لابن الجوزي: 364/2.

جمع ہوگئی تھی اور ایسا ماحول پیدا ہوگیا تھا کہ اسلام کی دعوت باقاعدہ پھیلائی جاسکتی تھی، چنانچہ جبریل امین علیہ السلام اللہ عزوجل کا یہ فرمان لے کر نازل ہوئے:

﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ۝ ﴾

''اور آپ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔ اور مومنوں میں سے جنھوں نے آپ کی پیروی اختیار کی ہے، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آئیں۔ پھر اگر وہ آپ کی نافرمانی کریں تو کہہ دیجیے: بلاشبہ جو تم عمل کرتے ہو، میں ان سے بری الذمہ ہوں۔ اور اس پر توکل کیجیے جو زبردست (اور) نہایت رحم کرنے والا ہے۔''[1]

اللہ کے حکم کی تعمیل کے لیے غور وفکر

جب رسول اللہ ﷺ کو اللہ عزوجل کی طرف سے اپنے اقرباء کو اسلام کی دعوت وتبلیغ کا حکم ملا تو آپ ﷺ دیر تک فکر مند رہے اور اس حکم کی تعمیل سے اپنے آپ کو عاجز خیال فرماتے رہے۔ آپ نے بیرونی نقل وحرکت موقوف کر دی اور تقریباً ایک مہینہ اپنے گھر ہی میں گوشہ نشین رہے۔

رسول اللہ ﷺ کی پھوپھیاں آپ کی یہ حالت دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔ وہ سمجھنے لگیں کہ شاید آپ بیمار ہیں، اس لیے وہ رسول اللہ ﷺ کی عیادت کے لیے آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بیمار نہیں۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو (اس کے عذاب سے) ڈراؤں، لہٰذا میں نے بنوعبدالمطلب کو جمع کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ میں انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاؤں۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر آپ کی پھوپھیوں نے کہا کہ آپ بنوعبدالمطلب کو ضرور بلائیے اور انھیں دعوت دیجیے لیکن ابولہب کو نہ بلائیے کیونکہ وہ آپ کی دعوت کبھی قبول نہیں کرے گا۔[2]

بنوعبدالمطلب کو دعوتِ حق دینے کے لیے ضیافت کا اہتمام

رسول اللہ ﷺ نے بنوعبدالمطلب کو دین اسلام کی دعوت پہنچانے کے لیے اپنے گھر مدعو کیا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بنوعبدالمطلب کے لیے کھانا تیار کرنے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انھیں جمع کرنے کی تاکید فرمائی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے چالیس آدمیوں کو بلایا تھا۔''[3]

ایک اور روایت میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب آیت: ﴿ وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ۝ ﴾ ''اور آپ اپنے

[1] الشعرآء 26:214-217. [2] سبل الهدٰى والرشاد 2:322. [3] الطبقات لابن سعد 1:187.

قریب ترین رشتہ داروں کو ڈرائیں۔'' نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''اے علی! بکری کی ایک ران اور ایک صاع غلے کا کھانا تیار کرو اور ایک بڑے پیالے میں دودھ تیار رکھو۔'' پھر فرمایا: ''بنوعبدالمطلب کو جمع کرو تاکہ میں ان سے بات کروں اور جس چیز کا مجھے حکم دیا گیا ہے، وہ اُنھیں پہنچا دوں۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی اور بنوعبدالمطلب کو بُلایا۔ کم و بیش چالیس افراد جمع ہو گئے۔ ان لوگوں میں آپ ﷺ کے چچا ابوطالب، حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما شریک تھے۔ ابولہب بھی موجود تھا۔ جب وہ اکٹھے ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے وہی کھانا لانے کا حکم دیا جو آپ کے حکم پر تیار کیا گیا تھا۔ ثرید کا پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بکری کی ران کے گوشت کے کچھ حصے کو اپنے دانتوں سے الگ کیا اور پھر اسے برتن کے اطراف میں رکھ کر حاضرین کے سامنے پیش کیا اور فرمایا: «كُلُوا بِسْمِ اللّٰهِ» ''اللہ کے نام سے کھائیے۔'' لوگوں نے کھانا تناول کرنا شروع کر دیا یہاں تک کہ تمام لوگ سیر ہو گئے اور مزید کھانے کی حاجت نہ رہی۔[1]

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! انھیں (دودھ) پلایئے۔'' میں دودھ کا بڑا پیالہ لایا۔ لوگوں نے اس سے پیا یہاں تک کہ تمام لوگ سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم! جتنا کھانا انھیں پیش کیا گیا تھا، اتنا کھانا ان میں سے ایک آدمی ہی کھا جاتا تھا، اسی طرح جو دودھ انھیں پیش کیا گیا، اتنا دودھ ایک آدمی ہی پی جاتا تھا۔ جب تمام افراد کھانے پینے سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے بات کرنے کا ارادہ فرمایا لیکن ابولہب نے اچانک باتیں بنانی شروع کر دیں، وہ حاضرین سے کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) نے (نعوذ باللہ) تم پر جادو کر دیا ہے۔'' پھر نبیِ معظم ﷺ کو مخاطب کر کے کہنے لگا: ''یہ تمھارے چچے اور ان کی اولاد موجود ہے، تم جو بات کرنا چاہتے ہو، کرو، نماز (یا نئے دین کی باتیں) چھوڑ دو اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ تمھارا قبیلہ پورے عرب پر قدرت نہیں رکھتا۔'' پھر کہنے لگا: ''اگر تم اپنے معاملے پر قائم رہے تو تمھارا خاندان اور تمھارے آباء و اجداد کی اولاد تمھیں روکنے کا زیادہ حق رکھتی ہے۔ یہ ان کے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ قریش کی باقی شاخیں تم پر چڑھ دوڑیں اور عرب بھی ان کے حمایتی اور معاون بن جائیں۔ اے میرے بھتیجے! میں نے کبھی کسی کو نہیں دیکھا کہ وہ اپنی قوم کے پاس اس سے بڑا شر لایا ہو جو تم ان کے پاس لائے ہو۔''[2] لوگ مجلس سے چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ ابولہب کی بیہودہ باتوں کی وجہ سے گفتگو نہ فرما سکے۔

[1] الطبقات لابن سعد:187/1، المنتظم :367,366/2. [2] أنساب الأشراف:134/1، المنتظم :367/2.

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ دوسرا دن آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! تمھیں معلوم ہے کہ اس شخص (ابولہب) نے بات کرنے میں پہل کی اور لوگ میری بات سننے سے پہلے ہی چلے گئے۔ آج دوبارہ اسی طرح کا کھانا تیار کرو جس طرح گزشتہ روز تیار کیا تھا اور لوگوں کو بھی دوبارہ جمع کرو۔'' میں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسی طرح حاضرین کو ضیافت دی جس طرح گزشتہ روز دی تھی۔ لوگوں نے کھانا تناول کیا یہاں تک کہ سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم! اتنا کھانا تو ان میں سے ایک آدمی ہی کھا جاتا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے علی! انھیں دودھ پلاؤ۔'' لوگوں نے دودھ پیا یہاں تک کہ وہ سیر ہو گئے۔ اللہ کی قسم! اتنا دودھ تو ان میں سے ایک آدمی ہی پی جاتا تھا۔

جونہی رسول اللہ ﷺ نے بات کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب بات کرنے میں پھر پہل کر گیا اور حاضرین سے کہنے لگا: ''محمد (ﷺ) نے (نعوذ باللہ) تم پر جادو کر دیا ہے۔'' لوگ مجلس سے اُٹھ کر چلے گئے اور رسول اللہ ﷺ بات نہ کر سکے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تیسرے دن پھر رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا: ''اے علی! گزشتہ روز کی طرح آج پھر کھانا تیار کرو اور لوگوں کو بھی جمع کرو۔ اس آدمی نے پھر مجھے بات نہیں کرنے دی جیسا کہ تم نے سنا ہے۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''میں نے حکم کی تعمیل کی اور لوگوں کو جمع کیا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو پھر اسی طرح کھانے کی دعوت دی جس طرح گزشتہ روز دی تھی۔ لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور پیا۔ اللہ کی قسم! اس طرح کا کھانا اور دودھ ان میں سے ایک آدمی ہی کھا پی جاتا تھا۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَمْدُلِلّٰهِ أَحْمَدُهُ، وَأَسْتَعِينُهُ وَ أُؤْمِنُ بِهِ وَأَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ. إِنَّ الرَّائِدَ لَا يَكْذِبُ أَهْلَهُ، وَاللّٰهِ! لَوْ كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَّا كَذَبْتُكُمْ، وَلَوْ غَرَرْتُ النَّاسَ جَمِيعًا مَّا غَرَرْتُكُمْ، وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ! إِنِّي لَرَسُولُ اللّٰهِ إِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَّإِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَاللّٰهِ! لَتَمُوتُنَّ كَمَا تَنَامُونَ، وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُونَ، وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُونَ، وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْإِحْسَانِ إِحْسَانًا وَّ بِالسُّوءِ سُوءًا، وَإِنَّهَا لَجَنَّةٌ أَبَدًا أَوْلَنَارٌ أَبَدًا. يَابَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ! إِنِّي وَاللّٰهِ! مَا أَعْلَمُ شَابًّا فِي الْعَرَبِ جَاءَ قَوْمَهُ بِأَفْضَلَ مِمَّا قَدْ جِئْتُكُمْ بِهِ، إِنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِخَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَقَدْ أَمَرَنِيَ اللّٰهُ تَعَالَى أَنْ أَدْعُوَكُمْ إِلَيْهِ، فَأَيُّكُمْ

يُؤَازِرُنِي عَلٰى هٰذَا الْأَمْرِ عَلٰى أَنْ يَكُونَ أَخِي؟»

''اللہ جل شانہ ہی کے لیے تمام تعریفات ہیں۔ میں اسی کی تعریف کرتا ہوں، اسی سے مدد طلب کرتا ہوں، اسی پر ایمان لاتا ہوں اور اسی پر بھروسا رکھتا ہوں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ ایک ہی ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ بلاشبہ رہنما اپنے کنبے سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم! اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں، تب بھی میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا اور اگر میں تمام لوگوں کو دھوکا دوں، تب بھی تمھیں دھوکا نہیں دوں گا۔ میں اللہ وحدہ لاشریک کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں تمھارے لیے خصوصی طور پر اور تمام انسانوں کے لیے عمومی طور پر اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی قسم! تم لوگ اسی طرح مر جاؤ گے جس طرح تم سوتے ہو، پھر اسی طرح اٹھائے جاؤ گے جس طرح تم جاگتے ہو۔ اس کے بعد تم سے تمھارے اعمال کا حساب لیا جائے گا اور تمھیں بھلائی کا بدلہ بھلائی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا، پھر یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہوگی یا ہمیشہ کے لیے دوزخ کی آگ۔ اے بنوعبدالمطلب! اللہ کی قسم! میں عرب میں کسی نوجوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس اس سے افضل چیز لایا ہو جو میں تمھارے پاس لایا ہوں۔ بلاشبہ میں تمھارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لایا ہوں اور بلاشبہ اللہ عزوجل نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھیں اس کی دعوت دوں۔ اس کام پر تم میں سے کون میری حمایت اور مدد کرے گا کہ وہ میرا بھائی بن جائے؟'' [1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ان تمام سامعین میں سب سے چھوٹا تھا۔ میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کی مدد اور حمایت کروں گا۔ جب میں نے یہ کہا تو تمام لوگ ہنسنے لگے۔ [2]

مسند احمد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی سے مختصراً یہ روایت منقول ہے۔ اس میں ہے کہ لوگوں نے خوب سیر ہو کر کھایا پیا۔ پھر بھی کھانا اور دودھ اس طرح بچ رہا گویا کسی نے اسے ہاتھ ہی نہیں لگایا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے بنوعبدالمطلب! میں خاص تمھاری طرف اور تمام بنی نوع انسان کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ اس (کھانے اور دودھ) میں برکت کی نشانی تم دیکھ ہی چکے ہو۔ تم میں سے کون اس بات پر میری بیعت کرے گا کہ وہ میرا بھائی اور دوست بن جائے؟'' علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ''کوئی بھی آپ کی طرف نہ اٹھا تو میں کھڑا ہو گیا۔ میں لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بیٹھ جاؤ۔'' تین مرتبہ اسی طرح ہوا۔ ہر دفعہ میں ہی کھڑا ہو جاتا تھا تو آپ فرماتے: ''بیٹھ جاؤ۔'' تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دیا۔ [3]

[1] المنتظم:2/367,366، الكامل لابن الأثير:1/586,585، دلائل النبوة للبيهقي:2/179، 180، البداية والنهاية:3/38,37، السيرة الحلبية:1/459، أنساب الأشراف:1/135,134. [2] البداية والنهاية:3/38. [3] مسند أحمد:1/159.

ابوطالب کی حوصلہ افزائی اور ابولہب کی ہرزہ سرائی

رسول اللہ ﷺ نے اپنی برادری کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم پیش کر دیا تو سردارِ قبیلہ ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر کہا:

مَا أَحَبَّ إِلَيْنَا مُعَاوَنَتَكَ وَمُرَافَدَتَكَ، وَأَقْبَلَنَا لِنَصِيحَتِكَ، وَأَشَدَّ تَصْدِيقَنَا لِحَدِيثِكَ! وَهٰؤُلَاءِ بَنُو أَبِيكَ مُجْتَمِعُونَ وَإِنَّمَا أَنَا أَحَدُهُمْ، غَيْرَ أَنِّي وَاللّٰهِ! أَسْرَعُهُمْ إِلٰى مَا تُحِبُّ، فَامْضِ لِمَا أُمِرْتَ بِهِ، فَوَاللّٰهِ! لَا أَزَالُ أَحُوطُكَ وَأَمْنَعُكَ غَيْرَ أَنِّي لَا أَجِدُ نَفْسِي تَطُوعُ لِي فِرَاقَ دِينِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ حَتّٰى أَمُوتَ عَلٰى مَا مَاتَ عَلَيْهِ.

’’(اے محمد!) ہمارے نزدیک آپ سے تعاون اور آپ کی مدد کتنی پسندیدہ بات ہے! ہم آپ کی نصیحت کس قدر زیادہ قبول کرنے والے ہیں اور ہم آپ کی بات کی کس قدر بڑھ چڑھ کر تصدیق کرنے والے ہیں! یہ آپ کے خاندان والے جمع ہیں، میں بھی انھی میں سے ایک فرد ہوں، البتہ اللہ کی قسم! میں ان میں سے آپ کی پسندیدہ بات بہت جلد قبول کرنے والا ہوں۔ آپ جس ذمہ داری پر مامور کیے گئے ہیں، اسے جاری رکھیے۔ اللہ کی قسم! میں ہمیشہ آپ کی حفاظت اور دفاع کروں گا، البتہ میں دین عبدالمطلب کو چھوڑنے پر اپنے نفس کو راضی نہیں پاتا، میں اسی دین پر مرنا چاہتا ہوں جس پر وہ فوت ہوئے تھے۔‘‘

ابوطالب کے علاوہ دیگر افرادِ برادری نے بھی بھلے طریقے سے گفتگو کی لیکن ابولہب آپ ﷺ کی مخالفت پر اتر آیا۔ وہ کہنے لگا: ’’اے بنوعبدالمطلب! اللہ کی قسم! یہ بہت بری بات ہے۔ محمد (ﷺ) کو اپنے ہاتھوں خود ہی روک لو، اس سے پہلے کہ تمھارے سوا دوسرے لوگ انھیں روکیں۔ اگر اس وقت تم نے محمد (ﷺ) کو ان لوگوں کے حوالے کیا تو تم ذلیل و خوار ہو جاؤ گے اور اگر تم نے ان لوگوں کی مخالفت مول لے لی تو مارے جاؤ گے۔‘‘

یہ سن کر ابوطالب نے حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنایا:

وَاللّٰهِ! لَنَمْنَعَنَّهُ مَا بَقِينَا.

’’واللہ! جب تک ہم زندہ ہیں، محمد (ﷺ) کی لازماً حفاظت اور دفاع کریں گے۔‘‘

ابولہب کی بہن، نبی ﷺ کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ابولہب سے فرمانے لگیں: ’’اے میرے بھائی! کیا تمھیں اپنے بھتیجے کی رسوائی اچھی لگے گی؟ اللہ کی قسم! علماء ہمیشہ اس بات کی خبر دیتے آئے ہیں کہ عبدالمطلب کی اولاد سے

ایک نبی آئے گا اور وہ نبی محمد (ﷺ) ہی ہیں۔"

ابولہب بولا: "یہ بات بالکل لغو اور خواہشات پر مبنی ہے۔ یہ بالکل عورتوں کی سی ہوائی بات ہے۔ جب قریش کی باقی شاخیں مخالفت میں اٹھ کھڑی ہوں گی اور عرب بھی ان کے ساتھ مل جائیں گے تو ہم مقابلے کی تاب نہ لاسکیں گے۔ اللہ کی قسم! ان کے مقابلے میں ہماری تعداد بہت کم ہے۔" [1]

یہاں دعوتِ دین کی راہ میں ہمیشہ پیش آنے والی اس تلخ حقیقت کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب بھی اور جہاں بھی صدائے حق بلند کی جاتی ہے، شیطان اور اس کے چیلے فوراً اس کی مخالفت پر تل جاتے ہیں اور دعوتِ حق کی راہ میں روڑے اٹکانے شروع کر دیتے ہیں۔ ابولہب نے شیطان کا یہی مذموم کردار ادا کیا۔ جب بھی رسول اللہ ﷺ نے دین حق کے لیے صدائے دعوت بلند کی، ابولہب نے اس کی فوراً مخالفت کی لیکن پیکر حلم رسول اللہ ﷺ نے ابولہب کے مکروہ عمل کو کبھی شایانِ توجہ نہیں سمجھا۔ آپ پورے صبر اور استقامت سے حق و صداقت کے چراغ روشن کرتے رہے۔ اس طرح آپ ﷺ نے سبق دیا کہ دعوتِ حق کی مخالفت کرنے والوں سے الجھ کر اپنا وقت ضائع اور اپنا مقصد عظیم فراموش نہ کیا جائے۔

دعوت عام کا حکم

رسول اللہ ﷺ جب بنو عبدالمطلب کو دعوت دے چکے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾

"جس چیز کا آپ کو حکم دیا جاتا ہے، اُسے کھول کر سنا دیجیے اور مشرکین سے بے رخی برتیے۔" [2]

اس آیت میں اللہ عزوجل نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ دعوت و تبلیغ کا فرض سرِ عام انجام دیں اور لوگوں کو علانیہ اسلام کی ترغیب دیں تاکہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ [3] آپ ﷺ کو ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا گیا کہ دعوتِ حق کی راہ میں صبر سے کام لیں اور جاہلوں، دشمنوں اور جھٹلانے والوں پر حجت قائم کرنے کے بعد ان سے چشم پوشی کریں۔ [4]

کوہِ صفا پر اسلام کی طرف پکار

رسول اللہ ﷺ اس فرمان الٰہی کی تعمیل کے لیے کمربستہ ہو گئے اور دین اسلام کے اعلان و اظہار کے لیے کوہ صفا

---

[1] أنساب الأشراف: 135/1، سبل الهدٰى والرشاد: 323/2. [2] الحجر 15:94. [3] السيرة لابن إسحاق: 188/1، السيرة لابن هشام: 262/1. [4] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 114.

پر تشریف لے گئے۔ آپ نے باآوازِ بلند لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا: «یَاصَبَاحَاهُ!» ''لوگو! صبح کی پکار سنو!''[1] یہ پکار اس بات کی نشانی سمجھی جاتی تھی کہ دشمن نے حملہ کر دیا ہے یا کوئی اہم واقعہ پیش آیا ہے، چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے پہلے اس مروجہ طریقے سے لوگوں کو پکارا، پھر قریش کے ذیلی قبیلوں کے نام لے لے کر انھیں صدا دی:

«یَابَنِي فِهْرٍ! یَابَنِي عَدِيٍّ! یَابَنِي فُلَانٍ! یَابَنِي عَبْدِمَنَافٍ! یَابَنِي عَبْدِالْمُطَّلِبِ!»

''اے بنوفہر! اے بنوعدی![2] اے بنوفلاں! اے بنوعبدمناف! اے بنوعبدالمطلب!''

جب لوگوں نے یہ آواز سنی تو کہا: یہ کون پکار رہا ہے؟ کچھ لوگوں نے بتایا: محمد (ﷺ) پکار رہے ہیں۔[3] سب لوگ فوراً اکٹھے ہوگئے یہاں تک کہ جو شخص خود نہیں آسکتا تھا، اس نے اپنا نمایندہ بھیج دیا کہ جاؤ محمد (ﷺ) کی بات سُن کر آؤ۔ ابولہب بھی آ گیا اور قریش بھی جمع ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مجمع پر نگاہ ڈالی اور سب سے پہلے اپنی سچائی کی گواہی طلب فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَرَأَیْتَكُمْ! لَوْ أَخْبَرْتُكُمْ أَنَّ خَیْلًا بِالْوَادِي، تُرِیدُ أَنْ تُغِیرَ عَلَیْكُمْ أَكُنْتُمْ مُصَدِّقِيَّ؟»

''یہ بتاؤ! اگر میں تم سے کہوں کہ اس وادی میں گھڑسواروں کا ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مجھے سچا مانو گے؟''

لوگوں نے کہا: نَعَمْ! مَا جَرَّبْنَا عَلَیْكَ إِلَّا صِدْقًا ''جی ہاں! ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا ہی پایا ہے۔''[4]

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلٰی أَنْ تَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِیكَ لَهُ، وَ أَنِّي عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ»

''میں تمھیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور بلاشبہ میں اس کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ (اگر تم اس بات کا اقرار کرلو تو) میں تمھیں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''[5]

پھر فرمایا:

«فَإِنِّي نَذِیرٌ لَّكُمْ بَیْنَ یَدَيْ عَذَابٍ شَدِیدٍ»

[1] صحیح البخاري:4971، صحیح مسلم: 208. [2] صحیح البخاري: 3525. [3] صحیح مسلم: 208. [4] صحیح البخاري:4770. [5] أنساب الأشراف:136/1.

''میں تمھیں ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔''[1]

نیز فرمایا:

«إِنَّمَا مَثَلِي وَ مَثَلُكُمْ كَمَثَلِ رَجُلٍ رَأَى الْعَدُوَّ فَانْطَلَقَ يَرْبَأُ أَهْلَهُ، فَخَشِيَ أَنْ يَسْبِقُوهُ فَجَعَلَ يَهْتِفُ: يَاصَبَاحَاهُ!»

''میری اور تمھاری مثال ایسی ہے جیسے کسی آدمی نے دشمن کو دیکھ لیا اور فوراً دوڑ پڑا تاکہ گھر والوں کو خبردار کرے، پھر اسے خدشہ ہوا کہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن انھیں آ دبوچے گا، لہٰذا وہ چیخ چیخ کر پکارنے لگا: «يَا صَبَاحَاهُ» ''لوگو! صبح کی پکار سنو!''[2]

دنیا وآخرت میں صرف دین اسلام ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ اپنے عزیز واقارب کو اس حقیقتِ عظمیٰ سے آگاہ کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَنْ أُنْذِرَ عَشِيرَتِي الْأَقْرَبِينَ، وَ أَنْتُمْ هُمْ، وَ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ الدُّنْيَا مَنْفَعَةً وَّلَا مِنَ الْآخِرَةِ نَصِيبًا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''بلاشبہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈراؤں۔ اور وہ تم ہی ہو۔ یقیناً میں تم لوگوں کے لیے دنیاوی منفعت کا مالک ہوں نہ آخرت کے حصے کا مگر یہ کہ تم لوگ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرلو۔''[3]

اس کے بعد آپ ﷺ نے مختلف قریشیوں کو نام بنام پکار کر اسلام کی دعوت دی اور بالکل صاف صاف لفظوں میں خبردار فرمایا:

«يَا بَنِي كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي هَاشِمٍ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، يَا فَاطِمَةُ! أَنْقِذِي نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا»

[1] صحيح البخاري: 4770، صحيح مسلم: 208. [2] صحيح مسلم: 207. [3] أنساب الأشراف: 137/1، السيرة الحلبية: 459,458/1.

''اے کعب بن لؤی کے بیٹو! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچا لو۔ اے مرہ بن کعب کے بیٹو! اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچالو۔ اے بنو عبد شمس! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے عبد مناف کی اولاد! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے بنو ہاشم! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے عبدالمطلب کے بیٹو! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالو۔ اے فاطمہ! تم بھی اپنے آپ کو آگ کے عذاب سے بچا لو کیونکہ میں تم سب کو اللہ (کے غضب) سے بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ ہاں، تم لوگوں سے میرا نسب وقرابت کا تعلق ضرور ہے، میں اسے (بہر حال) قائم رکھوں گا۔''[1]

«يَا مَعْشَرَ بَنِي قُصَيٍّ! أَنْقِذُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ النَّارِ، فَإِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا»

''اے بنو قصی کی جماعت! اپنے آپ کو جہنم کے عذاب سے بچالو کیونکہ میں تمھارے لیے نفع یا نقصان کا کچھ اختیار نہیں رکھتا، یعنی تمھیں اللہ کے عذاب سے بچانے کی ہرگز طاقت نہیں رکھتا۔''[2]

«يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے قریش کے لوگو! اللہ (کے عذاب) سے (نجات کے بدلے میں) اپنی جانوں کا سودا کرلو، میں تمھیں اللہ (کے غضب) سے بچانے کے لیے قطعاً تمھارے کام نہیں آ سکتا۔''

«يَا عَبَّاسُ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے عباس بن عبدالمطلب! میں تمھیں اللہ (کے غضب) سے بچانے کے لیے ہرگز تمھارے کام نہیں آ سکتا۔''

«يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللّٰهِ! لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ! سَلِينِي مَا شِئْتِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا»

''اے رسول اللہ کی پھوپھی صفیہ! میں تمھیں اللہ (کی پکڑ) سے بچانے کے لیے تمھارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے رسول اللہ کی بیٹی فاطمہ! مجھ سے (دنیا کا مال) جتنا چاہے مانگ لو مگر میں تمھیں بھی اللہ (کی پکڑ) سے بچا نہیں سکوں گا۔''[3]

ابولہب کے لیے وعید

جب رسول اللہ ﷺ نے حاضرین کو خبردار کرنے کے لیے دعوت وارشاد کی یہ پکار لگادی تو سامعین نے آپ ﷺ

[1] صحيح مسلم: 204. [2] جامع الترمذي: 3185. [3] صحيح البخاري: 4771، صحيح مسلم: 206، واللفظ له.

کی اس دعوت پر فوری طور پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا، وہ خاموش رہے۔ بس ایک بدبخت ابولہب ہی تھا جو فوراً بول اُٹھا اور کہنے لگا: ''تو دن بھر غارت ہو، کیا تو نے ہمیں اسی لیے اکٹھا کیا تھا؟'' اس کے جواب میں اللہ عزوجل نے سورت ﴿ تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ ﴾ نازل فرمائی اور خبردار کر دیا کہ ابولہب، اس کی بیوی اور اس کا مال و متاع سب غارت ہو جائیں گے اور جہنم کا ایندھن بنیں گے۔[1]

لات و عزّیٰ کے پرستار ابولہب کا مخالفانہ گھمنڈ

بُری بات کا ایک درجہ تو یہ ہے کہ کوئی شخص کوئی غلط کام کرے تو دل ہی دل میں شرمندہ رہے اور اپنے غلط کام کو بُرا جانے لیکن بُرائی کا مرتکب وہ بدترین شخص ہے جو بُرائی کرکے نہ صرف اُسے بُرا نہ جانے بلکہ اُس پر اترائے اور گھمنڈ بھی کرے۔ ابولہب اسی قبیل کا فرد تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کی شدید مخالفت کرنے اور اس پر وعیدِ ربانی کے نزول کے باوجود ابولہب اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہ آیا۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سن کر اپنے انتہائی گستاخانہ ردعمل والے واقعے کے بعد ابولہب کی ملاقات عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی ہند سے ہوئی۔ ابولہب غرور سے تن کر بولا: ''اے بنت عتبہ! میں نے محمد (ﷺ) کی مخالفت کر دی ہے۔ جو دین (اسلام) وہ لایا ہے، میں نے اس کا انکار کر دیا ہے اور لات و عزّیٰ کی طرف داری کی ہے اور انھی دونوں (بتوں) کی خاطر میں غضبناک ہوا۔'' ہند بنت عتبہ کہنے لگی: ''اے ابوعتبہ! (بہت خوب! تو نے بہت اچھا کیا) تجھے بہتر بدلہ ملے۔''[2]

دعوتِ اسلام پر مشرکینِ مکہ کا ردِعمل

دینِ اسلام کی برملا دعوت پر قریش کی مجلسوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ان کے ہاں شام و سحر دینِ حنیف اور رسول اللہ ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔ ابولہب نے جس طرح آپ ﷺ کی مخالفت پر کمر باندھ لی تھی، اُس سے دوسرے لوگوں کو بھی شہ ملی۔ یوں محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف جگہ جگہ باتیں ہونے لگیں۔

انبیاء و رسل علیہم السلام کی دعوتِ اسلام کے خلاف طاغوتی قوتوں کا سب سے بڑا حربہ تقلیدِ آباء کا حوالہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جس حقیقتِ عظمیٰ کا اعلان فرمایا تھا، وہ اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت تھی، یہ انسانی فطرت کا بھی تقاضا تھا۔ اسی اہم ترین تقاضے کو تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے مقام پر اپنی اپنی امتوں کے سامنے رکھا۔ توحیدِ الٰہی کا لازمی نتیجہ لوگوں کے معبودانِ باطلہ کی کھلی نفی ہے۔ یہی چیز طاغوتی قوتوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ جب مکہ کو بسانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دی تو

---

[1] صحيح البخاري: 4770، صحيح مسلم: 208. [2] أنساب الأشراف: 138/1.

انھوں نے یہ جواب دیا تھا:

﴿قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝﴾

''انھوں نے کہا: (نہیں!) بلکہ ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔'' [1]

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید کرتے ہوئے صرف ایک معبود ''اللہ'' کی عبادت کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، اسی طرح قریش اور دیگر اہل مکہ نے بھی صدیاں گزر جانے کے بعد ابراہیم علیہ السلام کے بسائے ہوئے شہر اور انھی کے تعمیر کردہ اللہ کے گھر کے سامنے رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ توحید کو قبول کرنے سے انکار کر دیا:

﴿قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾

''انھوں نے کہا: (نہیں!) بلکہ ہم نے جس راستے پر اپنے باپ دادا کو پایا، ہم تو اسی کی پیروی کریں گے۔'' [2]

اپنے آباء و اجداد کی اندھی تقلید نے ان کی عقل کو اس قدر ماؤف کر دیا کہ نہ صرف انھوں نے دین اسلام کی حقانیت کو ماننے سے انکار کر دیا بلکہ وہ تکبر میں مبتلا ہو کر اسلام کے پیش کردہ حقائق کو جھٹلانے اور آخرت کی وعیدوں کا مذاق اُڑانے لگے۔ وہ جب غریب مسلمانوں کو دیکھتے تو اُن کا مذاق اُڑاتے اور کہتے:

قَدْ جَاءَكُمْ مُلُوكُ الْأَرْضِ الَّذِينَ سَيَغْلِبُونَ غَدًا عَلٰى مُلْكِ كِسْرٰى وَقَيْصَرَ.

[1] الشعرآء 74:26. [2] لقمٰن 21:31.



یزد (ایران) کے نزدیک خرانق کے آثار

”تمھارے پاس زمین کے بادشاہ آئے ہیں۔ وہ کل کسرائے ایران اور قیصر روم کے تخت پر قبضہ کریں گے۔“ [1]

رسول اللہ ﷺ نے ایسی بیہودہ باتوں کی کوئی پروا نہ کی۔ آپ ﷺ پوری استقامت کے ساتھ ڈٹ کر شام و سحر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی دعوت دیتے رہے اور اہل مکہ کی اکثریت مخالفت پر ڈٹی رہی۔ اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کی تکذیب پر رسول اللہ ﷺ کی تالیفِ قلب کے لیے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝﴾

”(اے نبی!) بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، پس بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“ [2]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی تسلی، تائید اور تحفظ کے لیے وقتاً فوقتاً اور بھی آیات نازل ہوئیں۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ آپ دعوت و تبلیغ کا فریضہ ادا کرنے کے لیے بالکل یکسو ہو جائیں اور شب و روز، خفیہ و برملا، سب لوگوں تک بے دریغ اللہ تعالیٰ کا دین پہنچائیں۔ کوئی سا موقع ہو، کیسے ہی حالات ہوں، کتنی ہی دُشواریاں ہوں، کیسی ہی ناساز کیفیات اور کٹھن مرحلے ہوں، ہر نشیب و فراز سے گزرتے ہوئے ہر طرح کے خاص و عام لوگوں کو ہر حال میں پوری بے باکی اور دلیری سے اسلام کا پیغام پہنچائیں اور دعوت و تبلیغ کی راہ میں کسی کے ناپاک ارادے کو خاطر میں لائیں نہ

[1] أنساب الأشراف: 149/1، الكامل لابن الأثير: 595/1، فقه السيرة للغزالي، ص: 113، واللفظ له. [2] الأنعام 33:6.

روم میں رومی فورم کا منظر



کسی کے مذموم قول وفعل کی کوئی پروا کریں۔

میلوں اور منڈیوں میں تبلیغ و دعوت

دعوتِ اسلام کے اعلان عام کے بعد نبی مکرم ﷺ کا طریقۂ تبلیغ یہ تھا کہ جہاں بھی کچھ لوگ نظر آتے، آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے، انھیں مخاطب کرتے، قرآن کی کچھ آیتیں پڑھتے اور دل آویز انداز سے اسلام کی دعوت دیتے۔ کچھ سعادت مند لوگ آپ ﷺ کی دعوت اسلام کو بڑے غور سے سنتے اور لبیک کہتے تھے لیکن کچھ نامراد لوگ ایسے بھی تھے جو رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا مذاق اڑاتے تھے۔ جوں جوں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی، کفار کی دشمنی بھی بڑھتی چلی گئی اور آپ ﷺ کا چچا ابولہب دشمنی کی تمام حدود پار کر گیا۔

حضرت ربیعہ بن عباد دِیلی رضی اللہ عنہ اپنے اسلام لانے سے پہلے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ذوالمجاز نامی بازار میں یہ اعلان فرما رہے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! قُولُوا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، تُفْلِحُوا»

''اے لوگو! لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہہ دو، فلاح پا جاؤ گے۔''

سوق ذوالمجاز کے آثار



اس موقع پر نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک گورے چہرے والا بھینگا شخص بھی چلا آ رہا تھا۔ اس کی دو چوٹیاں اور زلفیں تھیں۔ وہ آپ ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا: ''لوگو! یہ بے دین ہے، جھوٹا ہے۔ اس کی بات نہ مانو، مبادا یہ تمھیں تمھارے آباء کے دین سے برگشتہ کر دے۔'' رسول اللہ ﷺ آگے آگے چل رہے تھے اور وہ مسلسل آپ ﷺ کا تعاقب کرتا چلا آ رہا تھا۔ میں نے (لوگوں سے) پوچھا: ''یہ کون ہیں؟'' وہ کہنے لگے: ''یہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہیں۔ یہ اپنی نبوت کا اعلان و اظہار کر رہے ہیں۔'' پھر میں نے ابولہب کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا کہ یہ ان کی تکذیب کرنے والا کون ہے؟ انھوں نے کہا: ''یہ ان کا چچا ابولہب ہے۔'' راوی پوچھتے ہیں کہ کیا آپ اس وقت چھوٹے تھے؟ ربیعہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: نہیں، میں اُس وقت کافی سمجھدار ہو چکا تھا۔ [1]

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہجرتِ مدینہ سے پہلے منیٰ تشریف لے جاتے تھے۔ لوگوں کے ٹھکانوں پر پہنچتے تھے۔ اُن سے ملاقات کرتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے:

«يَا أَيُّهَا النَّاسُ! إِنَّ اللّٰهَ ۔ عَزَّوَجَلَّ ۔ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَعْبُدُوهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا»

[1] مسند أحمد: 492/3، دلائل النبوة للبيهقي: 186,185/2.



منیٰ: خیموں کا شہر

”اے لوگو! بلاشبہ اللہ عزوجل تمھیں حکم دیتا ہے کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔“
ایک طرف تو آپ ﷺ یہ دعوت دیتے جاتے تھے اور دوسری طرف آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک آدمی یہ کہتا چلا آتا تھا: ”لوگو! یہ تم سے کہہ رہا ہے کہ اپنے آباء کا دین چھوڑ دو۔“ ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا: ”یہ کون ہے؟“ تو بتایا گیا: ”یہ ابولہب ہے۔“ [1]

ابوطالب کا طرزِ عمل اور ابولہب کا کردار

رسول اللہ ﷺ نے اپنے بچپن اور جوانی کے دن ابوطالب کے سایۂ عاطفت میں بسر کیے تھے، اس لیے آپ کو ابوطالب سے گہرا لگاؤ اور بدرجۂ غایت محبت تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے دوسرے چچاؤں کے مقابلے میں ابوطالب کی طرف زیادہ میلان ایک فطری تقاضا تھا جو اللہ عزوجل نے ہر انسان کے دل میں رکھا ہے۔ آپ ﷺ دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے تھے مگر ابوطالب سے آپ کا برتاؤ بڑی محبت سے لبریز تھا۔ آپ ان کی حمایت اور دفاع کے لیے ہر وقت کمربستہ رہتے تھے۔

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ ابوطالب اور ابولہب میں کشتی ہوگئی۔ ابولہب نے ابوطالب کو پچھاڑ دیا اور ان کے سینے پر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت چھوٹی عمر کے تھے۔ آپ ﷺ نے ابولہب کے بالوں کی لٹ پکڑ کر اسے نیچے دھکیل دیا۔ ابولہب کہنے لگا: ”اے محمد! میں بھی تمھارا چچا ہوں اور ابوطالب بھی تمھارا چچا ہے۔ تم نے میرے خلاف اُس کی مدد کیوں کی؟“ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اس لیے کہ وہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہیں۔“ یہ بات ابولہب نے دل میں بٹھا لی اور وہ نبیِ اکرم ﷺ کا دشمن بن گیا۔ [2]

ابوطالب نے اپنے دین پر رہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی اعانت، دفاع اور حفاظت کی ذمہ داری خوب نبھائی۔ ابوطالب کا اپنے دین پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کے تحت تھا۔ وہ اپنے رشتے کی بنیاد پر، جسے رسول اللہ ﷺ کے اعلیٰ محاسن نے انتہائی مضبوط بنا دیا تھا، بڑی جرأت سے آپ ﷺ کی مدافعت کا فریضہ انجام دیتے رہے۔ اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو ہوسکتا تھا کہ کفار قریش کے نزدیک ابوطالب کی کوئی اہمیت اور وقعت ہی باقی نہ رہتی جو قریش کے سردار کی حیثیت سے موجود تھی۔ اس طرح وہ اتنی دلیری سے رسول اللہ ﷺ کی حمایت نہ کر سکتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا کہ کفار و مشرکین بے باک ہوکر آپ ﷺ پر چڑھ دوڑتے اور اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کر لیتے۔

دوسری طرف ابولہب اور اس کی بیوی تھی۔ یہ دونوں باقی تمام مشرکین سے کہیں بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت

[1] مسند أحمد: 492/3. [2] الخصائص الكبرى للسيوطي: 147/1، فتح الباري: 942/8.

کرتے تھے۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل نے کئی موقعوں پر رسولِ اکرم ﷺ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی اور تبلیغِ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کیں۔

ابوطالب اور ابولہب دونوں ہی آپ ﷺ کے چچا تھے اور دونوں ہی ایمان نہیں لائے لیکن ایک چچا نے ہر موقع پر اپنی شریفانہ صلاحیتیں بروئے کار لا کر رسول اللہ ﷺ کے دفاع کا حق ادا کیا اور دوسرے چچا نے آپ ﷺ کی شدید مخالفت کی۔ اسلام قبول نہ کرنے کی وجہ سے دونوں جہنم میں جائیں گے، البتہ جہنم میں دونوں کے عذاب کے درجے الگ الگ ہیں۔ ابوطالب پر جہنم میں بہت ہلکا عذاب ہوگا۔ وہ دوزخ کی کم گہری جگہ میں رکھے جائیں گے لیکن ابولہب جہنم کے سب سے نچلے درجے کے بے حد خوفناک عذاب میں مبتلا ہوگا اور اُس کے بارے میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان قیامت تک مسلسل پڑھا جائے گا:

﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ﴾ (اللھب111:4,3)

''وہ (ابولہب) ضرور بھڑکتی آگ میں داخل ہوگا اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے۔'' [1]

بت پرستی کی مذمت

رسول اللہ ﷺ دن رات دینِ قیم کی اشاعت میں مصروف تھے۔ اسلام کا نور لوگوں کو روز بروز اپنی طرف مائل کرتا جا رہا تھا۔ اسی دوران یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۭ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝﴾

''بلاشبہ تم اور وہ (بت) جن کی تم اللہ کے علاوہ پوجا کرتے ہو، سب دوزخ کا ایندھن ہیں، تم (سب) اس پر وارد ہونے والے ہو۔'' [2]

اس آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کو وعید سنائی ہے۔ یہ وعید کفار ومشرکین پر بڑی گراں گزری، چنانچہ انھوں نے مسلمانوں کو تنگ کرنا شروع کر دیا اور غریب، کمزور اور بے یار و مددگار مسلمانوں کو انتہائی سفاکی سے تشدد کا نشانہ بنایا جانے لگا۔ [3]

ابوطالب کے پاس وفدِ قریش کی آمد

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کے معبودانِ باطلہ کو ذلیل کر دیا اور ان سب کا ٹھکانا جہنم بتایا تو کفار پر شدید

[1] البداية والنهاية: 39/3، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 142. [2] الأنبيآء 21:98. [3] الطبقات لابن سعد: 199/1، سیرت خیر الانام، ص: 100.

غیظ و غضب کا دورہ پڑا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو براہِ راست روکنے کے بجائے سردار قبیلہ ابوطالب سے بات کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ چند صاحبِ حیثیت لوگ ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں ربیعہ کے بیٹے عتبہ اور شیبہ، ابوسفیان بن حرب، ابوالبختری بن ہشام، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل اور حجاج بن عامر کے دو بیٹے نُبیہ اور منبّہ وغیرہ شامل تھے۔ انھوں نے کہا: ''اے ابوطالب! تمھارا بھتیجا ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے، ہمارے دین کے عیوب گنواتا ہے، ہمارے داناؤں کو بیوقوف ٹھہراتا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو گمراہ کہتا ہے۔ اسے ہمارے سامنے سے ہٹا دو یا خود تم ہمارے اور اس کے بیچ سے ہٹ جاؤ کیونکہ آپ بھی ہماری طرح اس کے مخالف دین پر ہیں۔ ہم اسے آپ کی طرف سے کافی ہو جائیں گے۔''

ابوطالب نے ان سے خوش اسلوبی سے بات کی اور انھیں خوبصورت طریقے سے رخصت کر دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی مخالفت کی ذرہ بھر بھی پروانہیں کی۔ آپ ﷺ بدستور دین اسلام کی اشاعت میں مصروف رہے اور لوگوں کو اللہ کی بندگی کی ترغیب دیتے رہے۔[1]

بارگاہِ الٰہی سے رسول اللہ ﷺ کو سلام

رسول اللہ ﷺ جس انہماک سے لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کی دعوت دے رہے تھے، اس عظیم الشان دعوت کے نتیجے میں مسلمانوں کی دینی، سماجی اور اخلاقی اقدار بلند سے بلند تر ہو رہی تھیں۔ اسی دوران میں جبریل امین انتہائی خوبصورت شکل میں، خوشبو سے معطر ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: ''اے محمد! اللہ عزوجل آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ آپ کو جن و انس کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔ آپ انھیں ایک کلمہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی دعوت دیتے رہیے۔''[2]

آپ ﷺ نے اس حکم ربانی کی جس خلوص و استقامت سے تعمیل کی اور جس تندہی اور حکمت سے لوگوں کو اللہ رب العزت کی بندگی کی دعوت دی، وہ دعوت و تبلیغ کا ایک معیاری اور مثالی طریقہ بن گیا جیسا کہ گزشتہ اوراق میں بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے، آپ ﷺ نے دعوت کے لیے سب سے پہلے اپنے محترم اہل خانہ کو شایان خطاب سمجھا۔ پھر آپ نے اپنے خصوصی احباب کو دعوتِ اسلام دی۔ بعد ازاں ہر خاص و عام کے لیے آپ ﷺ کی دعوت حق صدائے عام کی حیثیت اختیار کر گئی۔ غور کیا جائے تو پیام حق پہنچانے کا صحیح طریق کار یہی ہے جسے ہر داعی الی اللہ کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

[1] السيرة لابن إسحاق: 191,190/1، السيرة لابن هشام: 265,264/1، الكامل لابن الأثير: 587,586/1. [2] السيرة الحلبية: 462/1.

اب رسول اللہ ﷺ کا اسلوب دعوت دیکھیے۔ آپ نے عقبہ بن ابی معیط کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی کس طرح کوشش فرمائی۔

عقبہ بن ابی مُعَیط کو دعوت اسلام

عقبہ بن ابی معیط ایک دفعہ سفر سے لوٹا۔ اُس نے قریش کے چند اشراف کو کھانے کی دعوت دی۔ ان میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل تھے۔ مقررہ وقت پر جب تمام افراد اکٹھے ہوگئے اور کھانا چن دیا گیا تو رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط کو دعوت اسلام دی اور فرمایا:

«مَا أَنَا بِآكِلٍ طَعَامَكَ حَتّٰى تَشْهَدَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''جب تک تم لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کا اقرار و اعلان نہیں کرو گے، میں تمھارا کھانا تناول نہیں کروں گا۔''

عقبہ فوراً بول پڑا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ. ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ اقرار کرتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس اقرار و اعلان کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حسب ارشاد اس کی دعوت قبول فرمائی اور کھانا تناول فرمایا، پھر لوگ واپس چلے گئے۔ اس واقعے کی خبر عقبہ کے گہرے دوست اُبَیّ بن خلف جمحی کو ملی تو وہ لپک کر عقبہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: ''اے عقبہ! مجھے خبر پہنچی ہے کہ تو صابی ہوگیا ہے۔''

عقبہ نے جواب دیا: ''اللہ کی قسم! میں صابی نہیں ہوا۔ ہاں! میرے گھر میں ایک معزز شخص کی تشریف آوری ہوئی، اُس نے میرے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہے بغیر کھانا کھانے سے انکار کر دیا تھا۔ مجھے اس بات پر بڑی ندامت محسوس ہوئی کہ گھر آیا معزز مہمان کھانا تناول کیے بغیر ہی لوٹ جائے، پس میں نے اُس کا کہنا مان لیا اور اس کی فرمائش پوری کر دی۔ اس طرح وہ معزز شخص میرا پیش کردہ کھانا کھا کر واپس چلا گیا۔ میں نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہا ضرور تھا لیکن یہ تو محض میری زبان کا بول تھا، میں نے اپنے دل سے اس کلمے کی تصدیق نہیں کی۔''

اُبَیّ کہنے لگا: ''بس! ہماری تمھاری دوستی ختم۔ ہم ایک دوسرے کو نہیں دیکھ پائیں گے یہاں تک کہ تو محمد (ﷺ) کو نیچا دکھائے، ان کے چہرے پر تھوک دے اور تھپڑ مارے۔'' عقبہ کہنے لگا: ''اگر تو یہ کہتا ہے تو میں ایسا کرنے کو تیار ہوں۔''

جب عقبہ رسول اللہ ﷺ سے ملا تو اس نے رسالت مآب ﷺ سے وہی گستاخانہ سلوک کیا جس کا اس نے اُبَیّ سے وعدہ کیا تھا لیکن چاند پر کون تھوک سکتا ہے؟

ضحاک کہتے ہیں: ''یہ تھوک رسول اللہ ﷺ تک پہنچ ہی نہیں پایا بلکہ یہ تھوک لوٹ کر عقبہ ہی کے چہرے پر اس طرح آپڑا جس طرح آگ کا شعلہ لپک پڑتا ہے۔ اس شعلے کی تمازت نے عقبہ کا چہرہ جلا ڈالا اور موت تک اس کے چہرے پر برص کی طرح کا نشان ثبت رہا۔''

اس موقع پر اللہ جل شانہ نے عقبہ کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ○ يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا ○ لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۗ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنسَانِ خَذُولًا ○﴾

(الفرقان 25:27-29)

''اور جس دن (ہر) ظالم اپنے ہاتھ دانتوں سے کاٹ کھائے گا (اور) کہے گا: اے کاش! میں رسول کی راہ اختیار کرتا۔ ہائے میری کمبختی! کاش! میں فلاں (شخص) کو دوست نہ بناتا۔ بلاشبہ اس نے میرے پاس ذکر (قرآن) آجانے کے بعد مجھے (اس سے) بہکا دیا اور شیطان انسان کو (مصیبت میں) بے یار و مددگار چھوڑ دینے والا ہے۔'' [1]

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی بن خلف کو دعوت اسلام دی تھی اور اسی نے آپ علیہ السلام کو کھانے کی دعوت دی تھی اور عقبہ بن ابی معیط نے ابی بن خلف کو رسول اللہ ﷺ سے دشمنی پر اُکسایا تھا۔ [2]

ابوجہل کو اسلام کی دعوت

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور ابوجہل مکہ کی بعض گلیوں سے گزرتے چلے جا رہے تھے۔ اسی موقع پر میری رسول اللہ ﷺ سے پہلی دفعہ جان پہچان ہوئی تھی۔ بس یونہی سرِراہ چلتے چلتے اچانک رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے ابوجہل سے فرمایا: ''اے ابوالحکم! اللہ اور اس کے رسول کی طرف چلے آؤ۔ میں تمھیں اللہ کی بندگی اختیار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔''

ابوجہل کہنے لگا: ''اے محمد! کیا آپ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے باز آئیں گے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم یہ گواہی دیں کہ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے ہمیں دعوتِ اسلام پہنچا دی ہے؟ پس ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ آپ نے جو بات کی ہے، وہ برحق ہے تو میں آپ کی بات مانتے ہوئے آپ کی پیروی کرتا۔''

یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ لوٹ گئے، پھر ابوجہل میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا: ''اللہ کی قسم! مجھے اچھی

[1] السيرة الحلبية: 509,508/1، الكامل لابن الأثير: 593/1. [2] أنساب الأشراف: 156/1.

طرح معلوم ہے کہ جو بات یہ کہہ رہے ہیں، وہ بالکل برحق ہے۔ صرف ایک بات ہے جس نے مجھے ان کی اتباع سے روک رکھا ہے۔ بنوقصی نے دعویٰ کیا کہ بیت اللہ کی نگہبانی اور دربانی ہمارا حق ہے۔ ہم نے ان کی یہ بات مان لی، پھر کہنے لگے: حجاج کو پانی پلانا ہمارا حق ہے۔ ہم نے یہ بات بھی مان لی، پھر کہنے لگے: مجلس شوریٰ (دارالندوہ) کی سرپرستی ہمارا حق ہے۔ ہم نے ان کا یہ حق بھی مان لیا، پھر کہنے لگے: عسکری سربراہی کا جھنڈا ہمارے پاس ہوگا۔ ہم نے یہ بھی مان لیا، پھر وہ لوگوں کی ضیافتیں کرنے لگے۔ ہم نے بھی ضیافتیں شروع کیں حتی کہ جب ہم اور وہ برابر ہوگئے تو وہ کہنے لگے: ہم میں سے ایک شخص اللہ کا رسول ہے۔ اللہ کی قسم! اب میں یہ بات کبھی نہ مانوں گا۔''[1]

محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر ابوجہل کی حیرانی

ایک موقع پر ابوسفیان اور ابوجہل آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ ان کے قریب سے گزرے۔ ابوجہل نبی ﷺ کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا: ''اے بنوعبدشمس! کیا یہی تم لوگوں میں نبی ہیں؟''

ابوسفیان نے تیزی سے کہا: ''اگر ہم میں نبی ہوں تو تمھیں اس پر تعجب (کیوں) ہے؟ نبی تو ایسے ایسے لوگوں میں بھی آئے ہیں جو شرف و مجد کے اعتبار سے ہم سے کہیں کم تر تھے۔''

ابوجہل بولا: ''مجھے حیرت اس بات پر ہے کہ ہم جیسے پختہ عمر اور سنجیدہ لوگوں کے ہوتے ہوئے اس نوجوان کو نبوت کس طرح مل گئی؟''

یہ بات رسول اللہ ﷺ نے بھی سن لی۔ آپ ﷺ قریب آگئے۔ پہلے آپ ﷺ ابوسفیان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا: ''تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے طیش میں نہیں آئے بلکہ تم نے اپنے خاندان ہی کی حمایت کی ہے۔'' پھر آپ ﷺ ابوجہل کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: ''اللہ کی قسم! تو کم ہنسے گا اور زیادہ روئے گا۔''

ابوجہل بولا: ''اے بھتیجے! یہ بڑی بری بات ہے کہ تو اپنی نبوت کی بنا پر مجھے دھمکی دیتا ہے۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے ابوجہل لعین اور اس جیسے معاندین کا قول قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿وَإِذَا رَأَوْكَ إِنْ يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا أَهَٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللَّهُ رَسُولًا ۝ إِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ آلِهَتِنَا لَوْلَا أَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۚ وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِينَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ أَضَلُّ سَبِيلًا ۝﴾

''اور (اے نبی!) جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کو ہنسی مذاق کا نشانہ بناتے ہیں (اور کہتے ہیں:) کیا یہی ہے وہ جسے اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ بے شک وہ تو ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکانے ہی لگا تھا اگر

---

1. دلائل النبوة للبيهقي: 207/2، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 162، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 136,135.
2. دلائل النبوة للبيهقي: 284/2، البداية والنهاية: 63/3.

ہم ان (معبودوں کی عقیدت) پر جمے نہ رہتے۔ اور جلد وہ جان لیں گے، جب عذاب دیکھیں گے، کہ سب سے زیادہ بے راہ کون ہے؟''[1]

اسلام کے بارے میں مشرکینِ مکہ کا ردِ عمل

نبیِ اکرم ﷺ اسلام کی دعوت دینے کے لیے ہر فرد اور ہر قبیلے کے لوگوں سے ملاقاتیں کرتے تھے۔ مختلف محفلوں اور اجتماعات میں تشریف لے جاتے تھے۔ ہر موسم کے تہواروں کے مواقع پر دور و نزدیک کے علاقوں میں جا کر اللہ تعالیٰ کا فرمان سناتے تھے۔ مالدار، طاقتور، امیر، فقیر، نوجوان، بچے اور بوڑھے، مرد و زن سب کو حسبِ حال مناسب طریقوں سے اسلام کی طرف مائل کرتے تھے۔ طریق کار یہ تھا کہ آپ ﷺ سب سے پہلے قرآن کریم کی آیات تلاوت فرماتے۔ یہ آیات اللہ عزوجل پر ایمان، آخرت پر ایمان، رسولوں پر ایمان، شرک کی بیخ کنی، درسِ اخلاقیات اور تطہیر نفس کے مضامین پر مشتمل ہوتی تھیں۔ آپ ﷺ قرآنی آیات کی تشریح و توضیح بہت میٹھے اور آسان الفاظ میں فرماتے تھے، پھر مخاطبین کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔

اس دعوت کے نتائج مختلف لوگوں پر مختلف مرتب ہوئے۔ کچھ لوگوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا۔ بعض لوگوں نے کوئی ردِعمل ظاہر نہ کیا۔ انھوں نے اسلام قبول کیا نہ دعوتِ اسلام کی مخالفت کی، نہ مسلمانوں سے کوئی تعرض کیا۔ کچھ لوگ دعوتِ اسلام کا مذاق اڑاتے تھے۔ کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے جبکہ با اثر مشرکین مسلمانوں کو شدید اذیتیں دے کر اسلام دشمنی کا سفاکانہ مظاہرہ کرتے تھے۔

مسلمانوں کو ایذا رسانی کے باعث مسلمانوں اور مشرکوں کے مابین اختلاف بڑھ گیا۔ چونکہ مسلمانوں کا تعلق کسی مخصوص گروہ یا قبیلے سے نہیں تھا، ہر قبیلے اور ہر طبقے سے طرح طرح کے لوگ دمبدم مسلمان ہو رہے تھے، اس لیے مشرکین کی مخالفت کا اسلام کو یہ فائدہ پہنچا کہ اسلام مکہ سے باہر کے علاقے میں دُور دُور تک مشہور ہو گیا اور مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی چلی گئی۔

اسلام کا نور پھیلنے سے مشرکین کی عداوت، ظلم و ستم اور سختیاں اور زیادہ بڑھ گئیں۔ انھوں نے اسلام پر اعتراض کرنے شروع کر دیے۔ مشرکین کے بڑے بڑے اعتراضات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، آخرت پر ایمان، نبی ﷺ کی رسالت اور قرآن کے نزول کے بارے میں تھے۔ ان میں سے چند اعتراضات اور ان کے جوابات یہاں بیان کیے جاتے ہیں:

[1] تفسیر الخازن، الفرقان 25:41، 42۔

اللہ عزوجل کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ

مشرکین اللہ عزوجل کا انکار نہیں کرتے تھے۔ اسے خالق و مالک مانتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ذکر ہے:

﴿وَلَئِنْ سَأَلْتَهُم مَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (لقمٰن 31:25)

''اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا؟ تو وہ ضرور کہیں گے: اللہ نے!''

لیکن ساتھ ہی وہ بتوں کو بھی پوجتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ بت اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ یہ عقیدہ ان کے آباء واجداد نے اپنے اردگرد کے علاقوں کے لوگوں سے متاثر ہو کر اختیار کیا تھا۔ قرآن مجید نے ان کے اس عقیدے کا اس طرح تذکرہ فرمایا ہے:

﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ (الزمر 39:3)

''اور جن لوگوں نے اس (اللہ) کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب تر کر دیں۔''

مشرکین مکہ کے نزدیک صرف ایک الٰہ کی عبادت بڑے تعجب کی بات تھی، چنانچہ ان کا یہ اعتراض اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نقل فرمایا:

﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾ (صٓ 38:5)

''کیا اس (نبی) نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا؟ بے شک یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہے۔''

اللہ عزوجل کے بارے میں ان کا یہ خیال بھی تھا کہ جن اور فرشتے اس کے شریک کار ہیں۔ بعض گمراہ کہتے تھے کہ یہ اس کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ان لغو اعتقادات کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَلَا إِنَّهُم مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ ۝ وَلَدَ اللَّهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝﴾ (الصّٰفّٰت 37:151,152)

''خبردار! بلاشبہ یہ لوگ اپنی طرف سے من گھڑت بات کہتے ہیں کہ اللہ نے اولاد جنی۔ یقیناً یہ جھوٹے ہیں۔''

ان لوگوں کے بے بنیاد اور من گھڑت اعتقاد پر مبنی اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَصِفُونَ ۝﴾

(الأنعام 6:100)

''اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا، حالانکہ اللہ ہی نے تو انھیں پیدا کیا ہے اور انھوں نے بغیر کسی علم کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ وہ پاک ہے اور ان باتوں سے بلند تر ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔''

﴿اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۝﴾

(بنيٓ إسرآءيل 40:17)

”کیا تمھارے رب نے تمھیں بیٹوں کے لیے چن لیا اور اپنے لیے فرشتوں میں سے بیٹیاں بنا لیں؟ بلاشبہ تم ایک بڑی (نازیبا اور سنگین) بات کہتے ہو۔“

﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيُسْـَٔلُوْنَ ۝﴾

(الزخرف 19:43)

”اور انھوں نے فرشتوں کو جو رحمٰن کے بندے ہیں، (رحمٰن کی) بیٹیاں ٹھہرا دیا ہے۔ کیا وہ ان کی پیدائش کے وقت موجود تھے؟ ان کی یہ گواہی ضرور لکھی جائے گی اور ان سے (اس کی) پوچھ گچھ ہوگی۔“ [1]

مشرکین مکہ کا اللہ عزوجل کے بارے میں یہ عقیدہ صریحاً شرک پر مبنی تھا جو ناقابل معافی جرم ہے لیکن وہ شرک چھوڑنے پر اس لیے تیار نہیں تھے کہ ان کے آباء و اجداد یہی کچھ کرتے آئے تھے، اس لیے وہ اپنے من گھڑت عقیدے ہی کو صحیح سمجھتے تھے۔ قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا.....﴾

”اور جب ان سے کہا جائے کہ تم اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو وہ کہتے ہیں: ہم تو اسی (طریقے) کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا......۔“ [2]

ذوالمجاز نامی بازار میں ابولہب رسول اللہ ﷺ کی دعوت اسلام پر یہی کہتا تھا کہ لوگو! ان کی باتیں نہ سنو ورنہ تم اپنے آباء و اجداد کے دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشرکین کا موقف

رسول اللہ ﷺ اور آپ پر ایمان لانے والوں کے بارے میں مشرکین کے خیالات آہستہ آہستہ سخت مخالفانہ ہوتے گئے۔ آپ ﷺ پر طعن و تشنیع کے چھینٹے پھینکنا مشرکین کا وتیرہ بن گیا۔ وہ آپ ﷺ کو جھٹلاتے تھے۔ شاعر، کاہن، جادوگر اور مجنون جیسے گھٹیا القابات سے پکار کر آپ کو اذیت دیتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان لوگوں سے قطعاً مرعوب نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کا حکم علی الاعلان سناتے اور بت پرستی کے گھناؤنے عمل اور اس کے سنگین نتائج و عواقب سرعام پوری وضاحت سے بیان فرماتے تھے۔ [4]

[1] السيرة النبوية للصلابي: 228,227/1. [2] لقمٰن 21:31. [3] مسند أحمد: 492/3. [4] السيرة لابن هشام: 289/1.

بشریت رسول ﷺ پر اعتراض

انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے دور میں ہمیشہ اپنی اپنی قوموں کو توحید ہی کی دعوت دیتے رہے اور اللہ عزوجل کا پیغام پہنچاتے رہے۔

جاہل افراد، قوموں اور قبیلوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی مخالفت میں نبیوں پر جو اعتراضات کیے، ان میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ رسالت کا دعویدار تو ہمارے جیسا ہی ایک بشر ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا پیغمبر ایک بشر ہو؟ اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اس اعتراض کا ذکر فرمایا ہے۔

قومِ نوح نے حضرت نوح علیہ السلام پر یہی اعتراض کیا، اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً﴾

”چنانچہ اس (نوح) کی قوم کے سردار، جنھوں نے کفر کیا، کہنے لگے: یہ تو بس تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہے، وہ تم پر اپنی برتری جمانا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو (آسمان سے) فرشتوں کو (رسول بنا کر) نازل کرتا۔“ [1]

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے انھیں کہا:

﴿وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ﴾

”اور تو ہماری طرح کا بشر ہی تو ہے اور ہم تجھے بلاشبہ جھوٹوں ہی میں سے سمجھتے ہیں۔“ [2]

حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی قوم نے بھی انھیں یہی کہا:

﴿فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ﴾

”چنانچہ وہ کہنے لگے: کیا ہم اپنی ہی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لے آئیں جبکہ ان کی قوم کے لوگ ہمارے غلام (ماتحت) ہیں۔“ [3]

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء کی قوموں کے اپنے اپنے نبیوں پر اعتراض کا تذکرہ اس طرح فرمایا:

﴿فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا

[1] المؤمنون 24:23. [2] الشعرآء 186:26. [3] المؤمنون 47:23.

﴿تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝﴾

''چنانچہ ہم نے ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیجا (اس نے انھیں اس بات کی دعوت دی) کہ تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں، پھر کیا تم (اس سے) ڈرتے نہیں؟ اور اس کی قوم کے سرداروں نے جنھوں نے کفر کیا اور (ہم سے) آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا اور ہم نے انھیں دنیاوی زندگی میں خوشحالی دی تھی، کہا کہ یہ تو بس تم جیسا ہی ایک بشر ہے، وہ اس میں سے کھاتا ہے جس میں سے تم کھاتے ہو اور وہ اس میں سے پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے بشر کی اطاعت کی تو بلاشبہ تم اس وقت خسارہ پانے والے ہو گے۔'' [1]

ایک اور جگہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسولوں سے مخاصمت کا حوالہ دے کر ان کے اعتراض کا اس طرح تذکرہ فرمایا:

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾

''یہ اس لیے کہ بے شک ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں لاتے تو وہ کہتے: کیا بشر ہماری رہنمائی کریں گے؟ پھر انھوں نے کفر کیا اور (حق سے) منہ موڑا تو اللہ (ان سے) بے پروا ہو گیا اور اللہ بے پروا (اور) بے حد قابل تعریف ہے۔'' [2]

پہلے انبیاء علیہم السلام کی نافرمان قوموں کی طرح مشرکین مکہ کا بھی یہ خیال تھا کہ رسول ان کی طرح انسان نہیں ہو سکتا، یہ بات قرآن نے اس طرح بیان فرمائی ہے:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَاۗءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝﴾

''اور لوگوں کے پاس ہدایت آ جانے کے بعد انھیں ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے ایک بشر کو رسول (بنا کر) بھیجا ہے؟'' [3]

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشرکین کا جواب اس سے بعد والی آیت میں اس طرح دیا:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰۗىِٕكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَىِٕنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝﴾

''کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو یہاں اطمینان سے چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل کرتے۔'' [4]

[1] المؤمنون 23:32-34. [2] التغابن 64:6. [3] بنيٓ إسرآءيل 17:94. [4] بنيٓ إسرآءيل 17:95.

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ انبیاء میں معترضین کا اعتراض ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ ﴾

''(اے نبی!) آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے، وہ سب مرد ہی تھے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔'' [1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ پہلے جتنے انبیاء گزرے ہیں، وہ سب کے سب بشر تھے، ان میں کوئی فرشتہ نہیں تھا۔ [2]

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ نبی اکرم ﷺ کی بشریت ہی کے حوالے سے فرمایا:

﴿ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۝ ﴾

''اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے بھی کسی بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہیں دی، پھر اگر آپ فوت ہو جائیں تو کیا وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں؟'' [3]

ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی زبان اقدس سے یہ کہلوایا اور اسے قرآن کی زینت بنا دیا:

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ ﴾

''کہہ دیجیے: بس میں تو تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود بس ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی طرف یکسوئی سے متوجہ رہو اور اسی سے بخشش مانگو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے۔'' [4]

محمد ﷺ کی رسالت پر دیگر اعتراضات

مشرکینِ مکہ کا یہ اعتراض بھی تھا کہ اگر انسان ہی رسول ہو تو اس کے ساتھ ایک فرشتہ بھی ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اعتراض کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ ﴾

''اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ (آگے اس اعتراض کے جواب میں فرمایا) اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو سارا معاملہ ہی ختم ہو جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم

[1] الأنبیآء 7:21. [2] تفسیر ابن کثیر، الأنبیآء 7:21. [3] الأنبیآء 34:21. [4] حٰمٓ السجدة 6:41.

اس نبی کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تب بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور ہم انھیں اس شبہے میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔" [1]

ان مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ کوئی انسان جو کھاتا پیتا ہو اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہو، وہ اللہ تعالیٰ کا رسول نہیں ہوسکتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یوں بیان فرمائی ہے:

﴿وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ط لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ط وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝﴾

"اور انھوں نے کہا: یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے؟ اس پر فرشتہ کیوں نہ نازل ہوا جو اس کے ساتھ (لوگوں کو) ڈرانے والا ہوتا! یا اس پر کوئی خزانہ اتارا جاتا، یا اس کا کوئی باغ ہوتا جس سے وہ (پھل) کھاتا۔ اور ظالموں نے (مومنوں سے) کہا: تم تو بس ایک جادو کے مارے شخص کے پیچھے چل رہے ہو۔" [2]

اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کا بڑا مسکت جواب دیا:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ط وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ط اَتَصْبِرُوْنَ ج وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝﴾

"اور (اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جتنے بھی رسول بھیجے، بلاشبہ وہ کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے بھی تھے اور ہم نے تمھیں ایک دوسرے کے لیے آزمائش بنایا تو کیا تم صبر کرو گے؟ اور آپ کا رب (سب کچھ) خوب دیکھ رہا ہے۔" [3]

نبی ﷺ اپنی ذات بابرکات پر کفار و مشرکین کی افترا پردازی کا کوئی جواب نہیں دیتے تھے۔ خود اللہ عزوجل نے قرآن حکیم میں ان کی افترا پردازی کا ذکر کیا، اس کا جواب دیا اور آپ ﷺ کی عصمت وفضیلت اُجاگر کی۔ مشرکین رسول اللہ ﷺ کے بارے میں نہایت غلط اور جاہلانہ باتیں کہتے تھے جیسا کہ ارشاد باری ہے:

﴿وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ز وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝﴾

"اور انھوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا آگیا اور کافروں نے

[1] الأنعام 6:8،9. [2] الفرقان 25:7،8. [3] الفرقان 25:20.

کہا: یہ تو ایک جادوگر (اور) بڑا جھوٹا ہے۔'' [1]

ان کے علاوہ مشرکین رسول اللہ ﷺ کو براہِ راست، کاہن اور مجنون جیسے برے القابات سے پکار کر اذیت دیتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝﴾

''اور انھوں نے کہا: اے وہ شخص جس پر یہ ذکر (قرآن) نازل کیا گیا ہے! یقیناً تو ایک خبطی ہے۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا:

﴿فَذَكِّرْ فَمَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝﴾

''(اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں۔ آپ اپنے رب کے فضل سے نہ تو کاہن ہیں اور نہ دیوانے ہیں۔'' [3]

مشرکین جب بھی رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کوئی غلط بات کرتے اور انھیں تکلیف دینے کی کوشش کرتے تو اللہ تبارک و تعالیٰ آپ ﷺ کا خود دفاع کرتا اور انھیں جواب دیتا۔ یوں اس نصرتِ ربانی کی برکت سے نبی ﷺ کی ہمت اور حوصلے کو توانائی ملتی رہی۔ آپ ﷺ نے دعوتِ حق کی راہ میں کٹھن مشکلات کی ذرہ بھر پروا نہیں کی بلکہ نصرت ربانی سے آپ کی دعوت و تبلیغ میں مزید قوت پیدا ہوتی چلی گئی۔

کفار رسول اللہ ﷺ کو اس وجہ سے نہیں جھٹلاتے تھے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ میں کوئی عیب تھا بلکہ وہ خوب جانتے تھے اور پورا یقین رکھتے تھے کہ یہ نبی اور رسولِ برحق ہیں۔ اس یقین کے باوجود اُن کا محمد ﷺ کو نبی نہ ماننا محض عصبیت اور جہالت کی بنا پر تھا جیسا کہ ابوجہل نے خود تسلیم کیا ہے کہ اللہ کی قسم! بلاشبہ میں جانتا ہوں کہ محمد (رسول اللہ ﷺ) جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ بالکل برحق ہے لیکن بنو قصی کا معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے بہت سی باتوں کا دعویٰ کیا، ہم نے وہ سب مان لیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں سے ایک نبی ہے۔ اللہ کی قسم! میں ان کی یہ بات کبھی نہیں مانوں گا۔ [4]

رسول اللہ ﷺ ایک دفعہ ابوجہل اور اس کے ٹولے کے پاس سے گزرے۔ (جب رسول اللہ ﷺ نے انھیں دعوت دی تو) ابوجہل کہنے لگا:

يَا مُحَمَّدُ! وَاللّٰهِ! مَا نُكَذِّبُكَ، وَإِنَّكَ عِنْدَنَا لَصَادِقٌ، وَلٰكِنْ نُكَذِّبُ مَا جِئْتَ بِهِ.

''اے محمد! اللہ کی قسم! ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے۔ بلا شک و شبہ آپ ہمارے نزدیک نہایت سچے ہیں لیکن

[1] صٓ 4:38. [2] الحجر 6:15. [3] الطور 29:52. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 207/2.

آپ جو دعوت ہمارے پاس لے کر آئے ہیں، ہم اسے جھٹلاتے ہیں۔" [1]

اس جیسے واقعات سے آپ ﷺ بڑے غمگین ہوتے کیونکہ اس سے وحیِ الٰہی کی تکذیب ہوتی تھی۔ اللہ عزوجل نے مشرکین کے طعن و تشنیع پر ان الفاظ میں گرفت فرمائی:

﴿قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝﴾

"(اے نبی!) ہم جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو وہ بات غمگین کرتی ہے جو وہ کہتے ہیں، بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ دراصل یہ ظالم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔" [2]

آخرت کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ

مشرکین موت کے بعد آخرت کی زندگی کے منکر تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جو کچھ اس دنیا میں ہے، بس یہی سب کچھ ہے۔ آخرت میں دوبارہ زندہ ہو جانے کا کوئی امکان نہیں۔ اللہ عزوجل نے ان کے اس عقیدے کو اس طرح مسترد فرمایا ہے:

﴿وَ قَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۚ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا بِاٰبَآئِنَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

"اور انھوں نے کہا: بس یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے اور زندہ ہوتے ہیں اور ہمیں بس زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے اور انھیں اس کا کوئی علم نہیں، وہ تو بس گمان کرتے ہیں۔ اور جب انھیں ہماری آیات کی تلاوت سُنائی جاتی ہے جو بالکل واضح اور روشن ہوتی ہیں تو ان کی حجت بس یہی ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں: اگر تم سچے ہو تو ہمارے آباء و اجداد کو (زندہ کر کے ہمارے پاس) لاؤ۔ (اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اللہ ہی تمھیں زندہ کرتا ہے، پھر وہی تمھیں مارتا ہے، پھر وہی تمھیں روز قیامت جمع کرے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ (اس حقیقت کو) نہیں جانتے۔" [3]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ عاص بن وائل نے بطحاء کے ایک مقام سے ایک بوسیدہ ہڈی اُٹھائی اور اپنے ہاتھ میں مسل مسل کر اسے چورا چورا کرنے لگا، پھر اُس نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: "کیا اللہ تعالیٰ

[1] تفسیر القرطبي، الأنعام 33:6، الشفا للقاضي عیاض: 39/1. [2] الأنعام 33:6. [3] الجاثیة 45:24-26.

اس کو اس حالت کے بعد بھی زندہ کر دے گا؟'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ! يَبْعَثُ اللّٰهُ هٰذَا، ثُمَّ يُمِيتُكَ، ثُمَّ يُحْيِيكَ، ثُمَّ يُدْخِلُكَ نَارَ جَهَنَّمَ»

''ہاں، اللہ اس کو زندہ کرے گا، پھر وہ تجھے موت دے گا، پھر تجھے (دوبارہ) زندہ کر دے گا، بعد ازاں تجھے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا۔''

بعض روایات میں اس واقعے میں عاص بن وائل کے بجائے ابیّ بن خلف کا تذکرہ ہے۔[1] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے عاص بن وائل اور ابیّ بن خلف دونوں کے عمل پر سورۂ یٰسٓ کی آخری آیات نازل ہوئی ہوں۔ واللہ اعلم۔[2]

یہ آیات درج ذیل ہیں:

﴿اَوَ لَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝ اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰي وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَـيْـــــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝﴾

''کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ بے شک ہم نے اسے نطفے سے پیدا کیا ہے؟ پھر یکایک وہ کھلا جھگڑالو ہو گیا۔ اور اس نے ہمارے لیے ایک مثال بیان کی اور وہ اپنی پیدائش کو بھول گیا۔ اس نے کہا: ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا جبکہ وہ گلی سڑی ہوں گی؟ آپ کہہ دیجیے: انھیں وہی (اللہ) زندہ کرے گا جس نے انھیں پہلی بار پیدا کیا اور وہ ہر طرح کے پیدا کرنے کو خوب جانتا ہے۔ وہ (اللہ) جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ بنا دی، پھر یکایک تم اس سے آگ سلگا لیتے ہو۔ کیا وہ (اللہ) جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان جیسے (انسان) پیدا کر دے؟ کیوں نہیں! وہی تو (سب کچھ) پیدا کرنے والا، خوب جاننے والا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس اس کا حکم صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہتا ہے: ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے، چنانچہ پاک ہے وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''[3]

[1] تفسير ابن أبي حاتم؛ تفسير القرطبي، يٰسٓ 77:36، الكامل لابن الأثير: 593/1. [2] تفسير ابن كثير، يٰسٓ 77:36.
[3] تفسير ابن كثير، يٰسٓ 36:77-83، المستدرك للحاكم: 429/2.

قرآن حکیم کے بارے میں مشرکینِ مکہ کا موقف

کفار مکہ قرآن مجید کو اللہ تبارک وتعالیٰ کا کلام ہی نہیں مانتے تھے۔ وہ قرآن کریم کو شعراء اور کاہنوں کی باتوں سے تشبیہ دیتے تھے۔ اللہ عزوجل نے ان کی اس بات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۝ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝﴾

''بلاشبہ یہ (قرآن) رسول کریم کا قول ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔ اور نہ (یہ) کسی کاہن کا قول ہے، تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔ (یہ تو) رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے۔''[1]

نزولِ قرآن پر اعتراض

قرآن کریم پر اعتراض کرتے ہوئے مشرکین مکہ کہتے تھے کہ یہ (وقفے وقفے سے) تھوڑا تھوڑا ہو کر کیوں نازل ہوتا ہے۔ (تورات، انجیل اور زبور وغیرہ کی طرح) بیک وقت کیوں نہیں نازل ہوتا؟ اللہ تعالیٰ نے ان کا اعتراض اور اس کا جواب نقل کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً ۚ كَذَٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝﴾

''اور کافروں نے کہا: اس پر یہ قرآن ایک ہی بار اکٹھا کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس سے آپ کا دل مضبوط کریں اور ہم نے اسے ٹھہر ٹھہر کر تدریج واہتمام کے ساتھ اُتارا ہے۔''

اللہ عزوجل نے کفار و مشرکین کے اس سوال کا جواب یہ دیا کہ ہم نے قرآن کریم کو تیئیس برسوں میں حالات، واقعات اور حادثات کے مطابق نازل کیا ہے تاکہ یہ رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے دلوں میں اُتر جائے اور مومنوں کے دل اس پر مضبوطی سے جم جائیں۔[2]

---

[1] الحآقّة 69:40-43. [2] تفسیر ابن کثیر، الفرقان 25:32.

باب 3

تبلیغِ اسلام سے روکنے کے ناکام حربے

رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے روکنے کے لیے مشرکین مکہ کی پُرکشش پیش کش، اسلام سے محبت رکھنے والوں کو دھمکیاں اور حجاج کرام کو نبی ﷺ سے دور رکھنے کے ناکام ہتھکنڈے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ

لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ

وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ

وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ

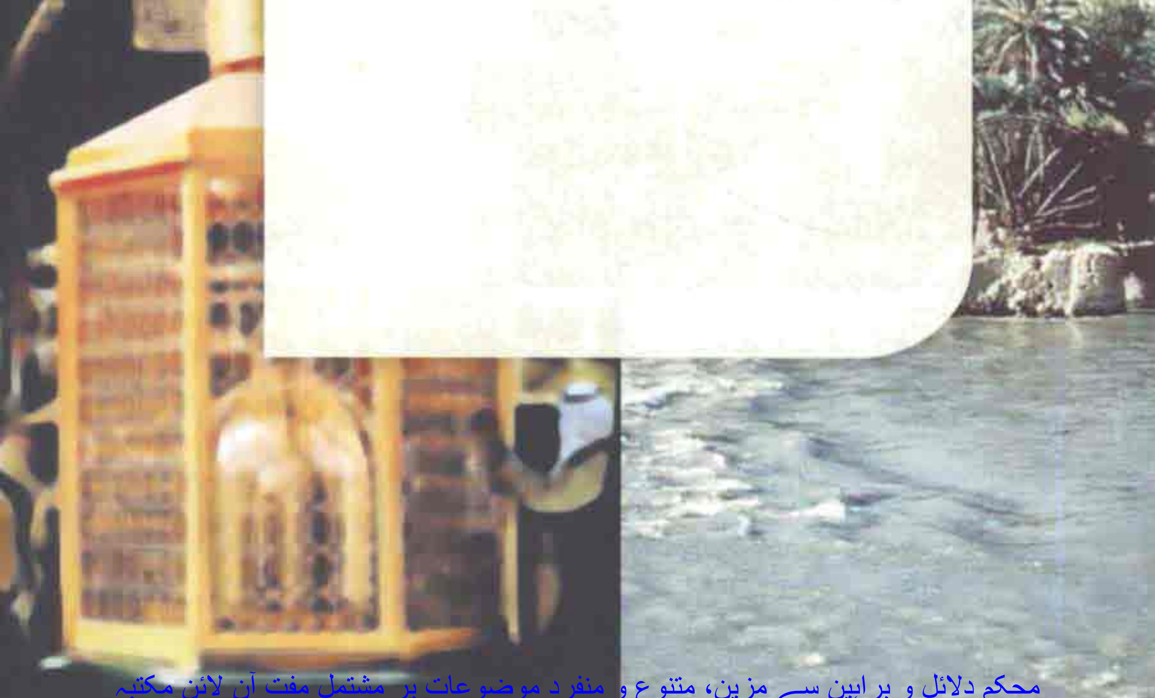
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ

”اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔
(اے نبی!) آپ کہہ دیجیے: اے کافرو! میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔
اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں ان کی عبادت کرنے والا ہوں
جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔“ (الکٰفرون 109:1-6)

اس باب میں

رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے باز رکھنے کے لیے اہل قریش کے دوسرے وفد کی ابوطالب سے ملاقات، کفار مکہ کی جتھا بندی، رسول اللہ ﷺ سے عتبہ بن ربیعہ کا مکالمہ، قریش کو عتبہ کی نصیحت، ولید بن مغیرہ کی طرف سے سچائی کا اعتراف، کفار کو قرآن کریم کی نظیر پیش کرنے کا چیلنج، رؤسائے قریش کا چھپ چھپ کر قرآن سننا، نضر بن حارث کی اسلام دشمنی، کفار کی بدزبانی، باآواز بلند قرآن پڑھنے کی ممانعت کا اصل سبب، رسول اللہ ﷺ کو دین حق کی تبلیغ و دعوت سے روکنے کے لیے کفار کی مکرر پیش کش، کوہِ صفا کو سونے کا پہاڑ بنا دینے کی فرمائش اور متعدد ضمنی و ذیلی موضوعات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قریش کے سوالات کا مسکت جواب شامل ہے۔ اس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ مادی منفعت و مفادات کے لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے بلکہ اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی سکھانے کے لیے تشریف لائے تھے۔



قریشِ مکہ کی سازشیں

جوں جوں آفتابِ اسلام کی شعاعیں پھیل رہی تھیں، مشرکین مکہ کی پریشانی اور بدحواسی بھی بڑھتی جا رہی تھی، چنانچہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دعوتِ اسلام سے روکنے کے لیے دوبارہ آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس جانے کا فیصلہ کیا۔

ابوطالب کے پاس دوسرے قریشی وفد کی آمد

یہ بات شروع ہی میں عرض کی جا چکی ہے کہ ہرچند سردار ابوطالب ایمان نہیں لائے تھے مگر اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کے دفاع اور حمایت میں ہمیشہ بڑے مستعد رہتے تھے۔ یوں رسول اللہ ﷺ کو تبلیغ دین میں کسی دشواری کا سامنا نہیں تھا۔ یہ بات قریش کو بہت ناگوار گزرتی تھی۔ اس صورتحال کے باعث مسلمانوں اور بت پرستوں کے درمیان کھچاؤ بڑھنے لگا۔ قرابتیں عداوتوں میں اور محبتیں کدورتوں میں بدلنے لگیں۔ بعض کفار تو رسول اللہ ﷺ سے لڑائی جھگڑے اور مقاطعے پر بھی اتر آئے۔ اس صورتحال کے پیش نظر قریش نے آپس میں پھر مشورہ کیا۔ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہا:

''اے ابوطالب! یقیناً آپ ہم میں عمر رسیدہ ہیں۔ بڑے شرف و منزلت والے ہیں۔ ہم نے آپ سے پہلے بھی درخواست کی تھی کہ اپنے بھتیجے کو روکیں لیکن آپ نے اسے ہمارے عقائد کی مخالفت سے نہیں روکا۔ اللہ کی قسم! ہم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے کہ ہمارے آباء و اجداد کو برا کہا جائے، ہمارے داناؤں کو بیوقوف ٹھہرایا جائے اور ہمارے معبودوں پر عیب لگائے جائیں۔ آپ اسے روک لیں، بصورتِ دیگر مقابلے کے لیے تیار ہو جائیں، ہم اس کے اور آپ کے خلاف اعلان جنگ کرتے ہیں یہاں تک کہ ایک گروہ ہلاک و ناکام ہو جائے۔''

وہ اسی طرح کی دھمکی آمیز باتیں کرتے ہوئے واپس چلے گئے۔ ابوطالب کو اپنی قوم کی دشمنی اور درشتی گراں گزری۔ وہ تمام قریشیوں کی مخالفت کے باوجود رسول اللہ ﷺ کو ان کے حوالے کرنے اور آپ کو بے یار و مددگار

چھوڑنے پر کسی طور آمادہ نہ ہوئے۔[1]

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: قریش کے لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''آپ کے بھتیجے نے تو اب حد کر دی ہے۔ ہمیں ہماری ہی مجلسوں اور عبادت گاہوں میں تکلیف دینی شروع کر دی ہے، لہٰذا اسے روکیے۔'' ابوطالب نے مجھ سے کہا: ''اے عقیل! جاؤ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میرے پاس بلا لاؤ۔'' چنانچہ عقیل رضی اللہ عنہ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ آپ کو آپ کے چچا جان نے بلایا ہے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا۔ شدید گرمی پڑ رہی تھی۔ چچا جان کے بُلاوے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گرمی کی شدت کے باوجود تشریف لائے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے پاس آئے تو ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ''اے میرے پیارے بھتیجے! تمھاری قوم کے یہ لوگ میرے پاس آئے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ تم ان کی مجلسوں اور عبادت گاہوں میں انھیں برا بھلا کہتے ہو، چنانچہ تم انھیں تکلیف دینے سے رک جاؤ۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمان کی طرف نگاہ دوڑائی اور فرمایا: ''کیا تم یہ سورج دیکھ رہے ہو؟'' انھوں نے کہا: ''ہاں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«فَمَا أَنَا بِأَقْدَرَ أَنْ أَدَعَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ عَلٰى أَنْ تَشْتَعِلُوا مِنْهَا بِشُعْلَةٍ»

''اگر تم اس (سورج) کا ایک شعلہ بھی لے آؤ، تب بھی میں تمھیں دعوت دینا نہیں چھوڑ سکتا۔''[2]

ابوطالب نے سردارانِ قریش سے کہا: ''میرے بھتیجے نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی، لہٰذا تم لوگ واپس چلے جاؤ۔''

امام ابن ہشام، ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ قریش نے جب ابوطالب سے اپنی باتیں کر لیں تو ابوطالب نے اپنے بھتیجے کو بلایا اور کہا: ''اے میرے بھتیجے! تمھاری قوم میرے پاس آئی ہے اور انھوں نے یہ یہ باتیں کہی ہیں ...... جو قوم نے کہا تھا وہ بتلایا ...... لہٰذا مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور مجھ پر میری طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ تمھاری قوم تمھاری جن باتوں کو ناپسند کرتی ہے، ان سے رک جاؤ۔ ان باتوں سے ہمارے اور ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی ہے۔ (ابوطالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کمزوری، معذوری اور مجبوری بتائی تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گمان گزرا کہ شاید چچا ابوطالب نے اپنے طور پر کوئی فیصلہ کر لیا ہے اور وہ میرے لیے اپنی حمایت اور دفاع سے دستبردار ہو گئے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] السيرة لابن هشام: 266,265/1، البداية والنهاية: 46,45/3. [2] دلائل النبوة للبيهقي: 187,186/2، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 144، واللفظ له.

«يَا عَمِّ! وَاللّٰهِ! لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِي يَمِينِي وَالْقَمَرَ فِي يَسَارِي عَلٰى أَنْ أَتْرُكَ هٰذَا الْأَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ، أَوْ أَهْلِكَ فِيهِ، مَا تَرَكْتُهُ»

''چچا جان! اللہ کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند (بھی) رکھ دیں کہ میں یہ کام چھوڑ دوں، تب بھی میں دعوتِ دین سے باز نہیں آؤں گا یہاں تک کہ اللہ اس دین کو غالب کر دے یا میں اسی راہ میں ہلاک ہو جاؤں۔''

یہ فرما کر رسول اللہ ﷺ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ پھر آپ ﷺ اٹھے اور چل دیے۔ جناب ابوطالب نے جب آپ ﷺ کو جاتے دیکھا تو آپ کو آواز دے کر واپس بلایا۔ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو انھوں نے کہا:

اِذْهَبْ يَابْنَ أَخِي! فَقُلْ مَا أَحْبَبْتَ، فَوَاللّٰهِ! لَا أُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ أَبَدًا.

''اے بھتیجے! جاؤ جو جی میں آئے کہو، اللہ کی قسم! میں تمھیں کبھی کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔''[1]

نبی ﷺ کی حمایت میں ابوطالب کے اشعار

قریش جب ابوطالب سے مایوس ہو کر لوٹے اور ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو کفار کے مقابلے میں دفاع کرنے کا یقین دلایا تو ان پُر خطر حالات میں انھوں نے آپ ﷺ کے تحفظ و دفاع کا عزم دہرایا اور آپ ﷺ کی دعوتِ حق کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے یہ شعر کہے:

وَاللّٰهِ! لَنْ يَّصِلُوا إِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ   حَتّٰى أُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِينَا

''اللہ کی قسم! یہ سب مل کر بھی تمھیں کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتے یہاں تک کہ میری لاش دفن ہو جائے اور مٹی میرا بچھونا بن جائے۔''

فَامْضِ لِأَمْرِكَ مَا عَلَيْكَ غَضَاضَةٌ   أَبْشِرْ وَقَرَّ بِذَاكَ مِنْكَ عُيُونَا

''(اے محمد!) تم اپنا مشن جاری رکھو، تم پر ہرگز کوئی ملامت نہیں۔ خوش رہو اور اس معاملے سے تمھاری آنکھیں ٹھنڈی اور پر سکون رہیں۔''

وَدَعَوْتَنِي وَزَعَمْتَ أَنَّكَ نَاصِحِي   فَلَقَدْ صَدَقْتَ وَكُنْتَ ثَمَّ أَمِينَا

[1] السيرة لابن إسحاق:1/196، السيرة لابن هشام:1/266، البداية والنهاية:3/46.

''تم نے مجھے دعوت دی ہے اور تم بجا طور پر باور کرتے ہو کہ تم میرے ناصح اور خیر خواہ ہو۔ یقیناً تم بالکل سچ کہتے ہو اور تم امین ہو۔''

لَوْلَا الْمَلَامَةُ أَوْ حَذَارِي سُبَّةً لَوَجَدْتَنِي سَمْحًا بِذَاكَ مُبِينَا

''اگر مجھے ملامت اور عار کا خوف نہ ہوتا تو تم مجھے یقیناً اپنا کھلا ہم نوا اور تابع فرمان پاتے۔''[1]

ان اشعار میں ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو اپنی حمایت کا پورا پورا یقین دلا دیا۔ اسلام کی دعوت و تبلیغ جاری رکھنے میں آپ کی بھر پور حوصلہ افزائی کی اور خود اسلام قبول نہ کرنے کے سلسلے میں اپنی معذوری اور مجبوری بھی بیان کر دی۔

ابوطالب کے پاس تیسرے قریشی وفد کی آمد

جب مشرکین مکہ کو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے روکنے کی دوسری کوشش بھی ناکام ہوگئی ہے اور ہماری کسی دھمکی اور درشتی کا ابوطالب پر کوئی اثر نہیں ہوا، نہ ابوطالب نے محمد (ﷺ) کے دفاع سے کنارہ کشی اختیار کی ہے، نہ وہ انھیں ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہیں بلکہ اُن کو پہلے سے بھی زیادہ پشت پناہی کا یقین دلا دیا ہے تو قریش نے تیسری بار کوشش کرنے کی ٹھانی۔ اس مرتبہ انھوں نے ابوطالب کو لالچ دینے کے لیے اپنے وفد میں ولید بن مغیرہ کے جواں سال خوبرو اور توانا بیٹے عُمارہ کو بھی شامل کر لیا۔

قریش اس بار ابوطالب کی خدمت میں پہنچے تو کہنے لگے: ''اے ابوطالب! ہم آپ کے پاس قریش کے نوجوان عمارہ بن ولید کو لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ یہ نوجوان حسن و جمال، عنفوان شباب اور قوت و توانائی کے اعتبار سے مکہ بھر میں ضرب المثل ہے۔ ہم اسے آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ اسے اپنا فرزند بنا لیجیے۔ یہ ہر میدان اور ہر معرکے میں آپ کا دست و بازو ہوگا۔ اگر اسے قتل کیا گیا تو ساری دیت پر صرف آپ ہی کا حق ہوگا، ہمارا اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا، بس اس کے بدلے میں یہ کیجیے کہ اپنے بھتیجے اور ہمارے درمیان سے ہٹ جائیے اور اسے ہمارے حوالے کر دیجیے۔ اس نے آپ کے اور آپ کے بزرگوں کے دین سے دشمنی باندھ رکھی ہے۔ قوم کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ وہ قوم کے بہترین اور عقلمند لوگوں کو احمق کہتا ہے۔ ہم آپ کو ایک آدمی کے بدلے دوسرا آدمی دے رہے ہیں۔ آپ محمد (ﷺ) کو ہمارے سپرد کر دیجیے تاکہ ہم اسے ٹھکانے لگا کر اس سے چھٹکارا حاصل

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 2/188، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 118.

کرلیں۔ ایسا کرنا قوم کی وحدت کے لیے ضروری اور ان معاملات کو انجام تک پہنچانے کا مناسب حل اور بہترین اختتام ہے۔"

ابوطالب نے یہ پیش کش حقارت سے مسترد کردی۔ انھوں نے سردارانِ قریش کو دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا:

وَاللّٰهِ! مَا أَنْصَفْتُمُونِي، تُعْطُونِي ابْنَكُمْ أَغْذُوهُ لَكُمْ، وَأُعْطِيكُمُ ابْنَ أَخِي تَقْتُلُونَهُ، هٰذَا وَاللّٰهِ! لَا يَكُونُ أَبَدًا، أَفَلَا تَعْلَمُونَ أَنَّ النَّاقَةَ إِذْ فَقَدَتْ وَلَدَهَا لَمْ تَحِنَّ إِلٰى غَيْرِهِ.

"اللہ کی قسم! تم نے یہ پیش کش کر کے مجھ سے انصاف نہیں کیا۔ تم مجھے اپنا بیٹا اس لیے دے رہے ہوتا کہ میں تمھاری خاطر اس کی پرورش کروں اور اس کے بدلے اپنا بھتیجا تمھارے حوالے کردوں تاکہ تم اسے قتل کرڈالو۔ واللہ! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جب اونٹنی اپنا بچہ کھو دیتی ہے تو کسی دوسرے بچے سے پیار نہیں کرتی۔"

مطعم بن عدی کا ابوطالب کو مشورہ

جب ابوطالب نے وفدِ قریش کو کھرا کھرا جواب دیا اور ان کی خوش نما پیش کش ٹھکرادی تو بنونوفل کا سردار مطعم بن عدی کہنے لگا: "اے ابوطالب! اللہ کی قسم! تمھاری قوم نے تو تم سے کمال انصاف کیا ہے اور حتی المقدور کوشش کی ہے کہ تمھیں اس الجھن سے نکالا جائے جو خود تمھیں بھی ناپسند ہے مگر تم نے یہ منصفانہ پیش کش ٹھکرا کر ثابت کر دیا ہے کہ



عمِ نبی ابوطالب سے منسوب گھر (مکہ مکرمہ)

تم مفاہمت نہیں چاہتے۔‘‘

ابوطالب نے مطعم سے کہا: تم لوگوں نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ تم نے مجھے بے یارو مددگار چھوڑ دینے اور میرے خلاف قوم کی مدد کرنے کا عزم کر لیا ہے تو یہ بڑی زیادتی کی بات ہے۔ جاؤ! اب جو کرنا چاہتے ہو، کر دیکھو۔

ان حالات میں یہ معاملہ پیچیدہ بلکہ سنگین ترین ہو گیا۔ لڑائی جھگڑوں کے شعلے بھڑک اٹھے۔ دشمنی کی لہروں میں تیزی آ گئی اور ایک دوسرے کی کھل کر مخالفت ہونے لگی۔[1]

ابوطالب کا اپنے حلیفوں سے گلہ

اس موقع پر مطعم بن عدی اور اس کے ہم نواؤں کے بارے میں ابوطالب نے جو اشعار کہے، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

أَلَا قُلْ لِعَمْرٍو وَّالْوَلِيدِ وَمُطْعِمٍ　　أَلَا لَيْتَ حَظِّي مِنْ حِيَاطَتِكُمْ بَكْرُ

’’جاؤ! عمرو، ولید اور مطعم کو بتا دو کہ کاش! تمھارے نسب اور قرابت کے بدلے میں جوان اونٹ میرے نصیب میں ہوتا۔‘‘

مِنَ الْخُورِ حَبْحَابٌ كَثِيرٌ رُّغَاؤُهُ　　يُرَشُّ عَلَى السَّاقَيْنِ مِنْ بَوْلِهِ قَطْرُ

’’(ایسا اونٹ) جو کمزور اور ٹھگنا ہو اور اس کی بلبلاہٹ کا شور برپا ہوتا ہو اور (بیماری کی وجہ سے) اس کے پیشاب کے قطرے اس کی پنڈلیوں پر پڑتے ہوں۔‘‘

تَخَلَّفَ خَلْفَ الْوِرْدِ لَيْسَ بِلَاحِقٍ　　إِذَا مَا عَلَا الْفَيْفَاءَ قِيلَ لَهُ وَبْرُ

’’جو پانی کے گھاٹ پر بھی بہت پیچھے رہتا ہو۔ جب وہ (پہاڑی کی) چوٹی پر چڑھے تو اس کے بارے میں کہا جائے کہ یہ تو وبر (نیولے اور خرگوش سے ملتا جلتا چھوٹا سا جانور) ہے۔‘‘

أَرٰى أَخَوَيْنَا مِنْ أَبِينَا وَأُمِّنَا　　إِذَا سُئِلَا قَالَا إِلٰى غَيْرِنَا الْأَمْرُ

’’میں اپنے ماں باپ جائے بھائیوں کو دیکھتا ہوں کہ جب ان دونوں سے پوچھا گیا تو کہنے لگے: یہ معاملہ ہمارے بجائے دوسروں کا ہے۔‘‘

بَلٰى لَهُمَا أَمْرٌ وَّلٰكِنْ تَجَرْجَمَا　　كَمَا جُرْجِمَتْ مِنْ رَّأْسِ ذِي عَلَقٍ صَخْرُ

[1] السيرة لابن إسحاق:1/194,195، السيرة لابن هشام:1/266,267، البداية والنهاية:3/46.

"کیوں نہیں! بلکہ یہ معاملہ ان دونوں کا بھی تھا لیکن وہ (اپنی سطح سے) یوں لڑھک گئے جیسے ذی علق پہاڑ کی چوٹی سے پتھر لڑھک جاتا ہے۔"[1]

دراصل ان اشعار میں ابوطالب نے اپنے حلیفوں سے گلہ کیا ہے کہ تمھیں تو میرا ساتھ دینا چاہیے تھا لیکن تم اُلٹے میرے ہی خلاف ہو گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی میری مخالفت پر اُکسا رہے ہو۔ یہ اقدام انصاف اور تمھارے وقار کے منافی ہے۔

عتبہ بن ربیعہ کی پُرکشش تجاویز

کفار مکہ کے سرداروں کے جتنے بھی وفود ابوطالب کے پاس گئے، وہ سب اپنے مقصد میں ناکام و نامراد ہی لوٹے۔ رسول اللہ ﷺ کی مقدس دعوتی جدوجہد میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ آپ ﷺ دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ دل و دماغ کی گہرائیوں کے ساتھ تن من دھن سے بدستور ادا کرتے رہے۔ جوں جوں اسلام اور اس کی حقانیت کا نور پھیلتا جا رہا تھا، مشرکین کے دلوں میں مسلمانوں سے نفرت اور دشمنی بڑھتی جا رہی تھی۔

ابوطالب سے مایوس ہونے کے بعد بت پرستوں نے آپس میں مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست مذاکرات کیے جائیں اور انھیں پرکشش ترغیبات دے کر اشاعتِ اسلام سے روکا جائے۔

عتبہ بن ربیعہ رؤسائے قریش میں بڑا ممتاز رئیس تھا۔ ایک دن حرمِ مکی میں محفل جمی ہوئی تھی۔ اُس میں یہ بھی موجود تھا۔ اُدھر رسول اللہ ﷺ بھی ایک گوشے میں تشریف فرما تھے اور یادِ الٰہی میں مشغول تھے۔ عتبہ کہنے لگا: اے گروہ قریش! کیا میں محمد (ﷺ) کی طرف نہ جاؤں، ان سے بات کروں، انھیں چند تجاویز پیش کروں، شاید وہ کوئی تجویز قبول کرلیں اور ہم اسے پورا کر دیں، یوں وہ اپنے دین کی اشاعت سے باز آ جائیں۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ قریش ایک دن جمع ہوئے اور کہنے لگے: غور کرو! ایسا کون شخص ہے جو سب سے زیادہ جادو، کہانت اور شعر و شاعری جانتا ہو تا کہ وہ اس شخص (محمد ﷺ) سے بات کرے جس نے ہماری وحدت پارہ پارہ کر دی ہے، ہمارے معاملات تلپٹ کر دیے ہیں اور ہمارے دین کو عیب دار بنا دیا ہے، کسی ماہر شخص ہی کو محمد (ﷺ) کا محاسبہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے کہا: "یہ کام عتبہ بن ربیعہ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔" چنانچہ لوگوں نے عتبہ بن ربیعہ کو رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کا اختیار دے دیا۔

[1] السيرة لابن إسحاق: 195/1، السيرة لابن هشام: 268,267/1، البداية والنهاية: 46/3. [2] السيرة لابن إسحاق: 242/1، السيرة لابن هشام: 293/1.

عتبہ اٹھ کھڑا ہوا۔ سیدھا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا اور خاموشی سے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد رسول اللہ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس نے سوال کیا: اے محمد (ﷺ)! آپ بہتر ہیں یا عبداللہ بہتر تھے؟ رسول اللہ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی۔ عتبہ نے دوبارہ آپ ﷺ کو مخاطب کیا اور پوچھا: کیا آپ بہتر ہیں یا عبدالمطلب؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے۔ ایک روایت کے مطابق عتبہ نے پھر پوچھا: آپ بہتر ہیں یا ہاشم بہتر تھے؟ اس سوال پر بھی رسول اللہ ﷺ بدستور خاموش رہے۔ عتبہ بولا: اگر آپ کا خیال ہے کہ یہ لوگ آپ سے بہتر تھے تو وہ انھی معبودوں کی پوجا کرتے تھے جن کی آپ عیب جوئی کرتے ہیں اور اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ ان سے بہتر ہیں تو اپنی بات اچھی طرح اُجاگر کریں تاکہ ہمیں بھی پتہ چلے کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔[1]

عتبہ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: اے بھتیجے! آپ جانتے ہیں کہ آپ اپنے قبیلے میں ہم سب سے زیادہ صاحب شرف و منزلت ہیں۔ بہترین نسب والے ہیں۔ آپ اتنا بڑا معاملہ لائے ہیں کہ اس کی وجہ سے آپ نے بزرگوں کے دین سے انکار کر دیا ہے۔ آپ کی قوم میں سے کوئی بھی اس طرح کی چیز لے کر نہیں آیا۔ اے بھتیجے! اب میں چند تجاویز پیش کرتا ہوں، ان پر غور فرمائیں۔ شاید آپ ان میں سے کوئی تجویز قبول کر لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اے ابوالولید! کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں تمھاری بات سننے کے لیے تیار ہوں۔''

عتبہ کہنے لگا: اے میرے بھتیجے! جو چیز آپ پیش کر رہے ہیں اگر اس سے آپ کا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم آپ کے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ امیر ہو جائیں گے۔ اگر آپ کا مقصد جاہ و منزلت ہے تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں یہاں تک کہ آپ کے علاوہ ہمارا کوئی فیصل نہ ہوگا۔ اگر آپ بادشاہی چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں۔ اگر آپ کسی ایسے جن کو دیکھتے ہیں جو آپ کے پاس یہ چیز لے کر آتا ہے اور آپ اسے دور کرنے سے قاصر ہیں تو ہم خود اپنے خرچ پر آپ کے علاج معالجہ کا اہتمام کریں گے تاکہ آپ اس سے نجات پا جائیں کیونکہ بعض دفعہ جن آدمی پر غلبہ پا لیتا ہے، پھر اس کا علاج ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک روایت کے مطابق عتبہ نے پیش کش کی کہ اگر آپ شادی کرنے کے خواہش مند ہیں تو ہم دس لڑکیوں سے آپ کی شادی کرانے کو تیار ہیں۔ قریش کی جس خوبرو دوشیزہ کو آپ اپنانا چاہیں گے، ہم بخوشی اس سے آپ کی شادی کر دیں گے۔[2]

---

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/230. [2] السيرة لابن إسحاق :1/242، السيرة لابن هشام :1/294,293، دلائل النبوة لأبي نعيم :1/231.

دولت، حکومت اور عورت یہ وہ تین چیزیں ہیں جن کے پیچھے ہر دور کے انسان دیوانہ وار بھاگتے ہیں مگر چشمِ تاریخ نے یہ منظر جزیرہ نمائے عرب ہی میں دیکھا کہ مشرکین مکہ ان تینوں چیزوں کی پیش کش لے کر رسول اللہ ﷺ کی چوکھٹ پر پہنچے مگر آپ ﷺ نے ان تینوں چیزوں کو پوری شانِ بے نیازی سے نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا۔

مشرکین یہ ساری پیش کشیں کر چکے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوالولید عتبہ سے دریافت فرمایا: ''اے ابوالولید! کیا تم اپنی بات پوری کر چکے؟'' ابوالولید نے کہا: جی ہاں! میں نے اپنی بات مکمل کر لی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «فَاسْمَعْ مِنِّي» ''اب تم مجھ سے سنو!'' عتبہ کہنے لگا: فرمائیے میں سننے کے لیے تیار ہوں۔

اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سورۂ فُصِّلَت (حٰمٓ السجدة) کی تلاوت فرمائی:

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ حٰمٓ ۚ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۚ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۙ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ○ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْۤ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَيْهِ وَ فِيْۤ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ○ قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْۤا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ؕ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ○ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ○ قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۚ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَ بٰرَكَ فِيْهَا وَ قَدَّرَ فِيْهَاۤ اَقْوَاتَهَا فِيْۤ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ؕ سَوَآءً لِّلسَّآىِٕلِيْنَ ○ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآىِٕعِيْنَ ○ فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَ اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ ○﴾ (حٰمٓ السجدة 41:1-13)

''شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ حٰمٓ۔ (یہ قرآن) رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ اس حال میں کہ (یہ) قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ جو بشارت دینے والا اور ڈرانے والا ہے، پھر ان میں سے اکثر نے (اس سے) منہ موڑ لیا تو وہ سنتے ہی نہیں۔ اور انھوں نے کہا: جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے، اس سے ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں ڈاٹ لگے ہوئے ہیں اور ہمارے اور

تیرے درمیان ایک پردہ ہے، لہٰذا تو (اپنا) کام کر، بلاشبہ ہم اپنا کام کرنے والے ہیں۔ کہہ دیجیے: بس میں تو تمھارے جیسا ہی ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے، یہ کہ تمھارا معبود صرف ایک ہی ہے، لہٰذا اس کی طرف یکسوئی سے متوجہ رہو اور اسی سے بخشش مانگو اور مشرکین کے لیے ہلاکت ہے، جو زکاۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے۔ آپ کہہ دیجیے: کیا تم واقعی اس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دنوں میں پیدا کیا اور تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ تو جہانوں کا رب ہے۔ اور اس نے اس (زمین) میں اس کے اوپر مضبوط پہاڑ بنائے اور اس میں برکتیں رکھیں اور اس میں غذاؤں کا (ٹھیک) اندازہ رکھا، یہ (کام) چار دنوں میں (ہوا)، پوچھنے والوں کے لیے ٹھیک (جواب) ہوگیا۔ پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ دھواں تھا۔ تب اللہ نے اس سے اور زمین سے کہا: تم دونوں خوشی سے یا ناخوشی سے آؤ، تو ان دونوں نے کہا: ہم دونوں بخوشی حاضر ہیں۔ پھر اس نے انھیں دو روز میں سات آسمان بنادیے اور ہر آسمان میں اس کے کام کی وحی فرمادی اور ہم نے آسمانِ دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے زینت بخشی اور (اس کی خوب) حفاظت کی۔ یہ نہایت غالب، خوب جاننے والے کی تدبیر ہے۔ پھر اگر وہ منہ موڑیں تو کہہ دیجیے: میں نے تمھیں ایسی کڑک (آسمانی عذاب) سے ڈرا دیا ہے جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔''

ان آیات کا سننا تھا کہ عتبہ سخت خوفزدہ ہوگیا۔ وہ رحم کی التجا کرنے لگا اور کہنے لگا: بس کیجیے۔ ایک روایت کے مطابق عتبہ نے پوچھا: کیا آپ کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے پھر کلامِ الٰہی پڑھنا شروع کیا۔ عتبہ اس قدر خوفزدہ ہوا کہ اس نے اپنے بازو پیٹھ کے پیچھے زمین پر ٹیک دیے اور دم بخود ہو کر سنتا رہا۔ نبیِ اکرم ﷺ نے سورۂ فُصِّلَتْ کی آیات سجدے تک تلاوت فرمائیں، پھر خود سجدہ کیا۔ بعد ازاں عتبہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

«قَدْ سَمِعْتَ يَا أَبَا الْوَلِيدِ! مَا سَمِعْتَ فَأَنْتَ وَ ذَاكَ»

''اے ابوالولید! تمھیں جو سننا تھا، وہ تم نے سن لیا۔ اب تم جانو اور یہ (قرآن) جانے۔''

کفارِ قریش کو عتبہ کی نصیحت

عتبہ رسول اللہ ﷺ سے کلامِ الٰہی سن کر پلٹا تو قریش اُسے واپس آتے دیکھ کر چونک اُٹھے۔ وہ آپس میں قیاس آرائی کرنے لگے۔ بعض کہنے لگے: اللہ کی قسم! عتبہ جو آرہا ہے، یہ وہ عتبہ نہیں جو گیا تھا اس کا تو چہرہ ہی بدلا ہوا ہے۔

عتبہ ان کے پاس آکر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ لوگ پوچھنے لگے: اے ابوالولید! کیا خبر ہے؟ عتبہ بولا: اللہ کی قسم! میں نے ایسا کلام سنا ہے کہ اس جیسا کلام زندگی بھر نہیں سنا۔ واللہ! نہ تو وہ شعر ہے، نہ جادو ہے اور نہ کہانت ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ عتبہ کہنے لگا: کعبہ کے رب کی قسم! میری سمجھ میں اس کے سوا کچھ نہیں آیا، اس نے کہا: ''میں تمھیں ایسی کڑک سے ڈراتا ہوں جو عاد اور ثمود کی کڑک کے مانند ہوگی۔'' بس اتنی ہی بات میری سمجھ میں آئی ہے۔ قریشیوں نے کہا: تو برباد ہو! محمد (ﷺ) تجھ سے عربی میں ہم کلام ہوئے ہیں، پھر بھی تجھے پتہ نہیں چلا کہ انھوں نے کیا کہا۔ عتبہ نے کہا: واللہ! میں کچھ نہیں سمجھ سکا، سوائے آسمانی کڑک کے ذکر کے۔

پھر عتبہ بن ربیعہ نے ناصحانہ انداز میں کہا: اے قریش! میری بات سنو اور اس پر عمل کرو۔ محمد (ﷺ) کو ان کے حال پر چھوڑ دو اور جو کچھ وہ لائے ہیں، اس کی راہ سے ہٹ کر کنارہ کشی اختیار کرلو۔ اللہ کی قسم! جو کلام میں نے سنا ہے، یقیناً اس کا بہت عظیم نتیجہ نکلنے والا ہے۔ اگر عرب کے دیگر قبائل ان سے جنگ کر کے ان کا خاتمہ کر دیں تو تمھارا مطلب خود بخود کوئی تکلیف اُٹھائے بغیر ہی پورا ہوجائے گا اور اگر انھوں نے سارے عرب پر غلبہ پالیا اور ان پر اپنی حکومت قائم کر لی تو وہ سراسر تمھاری ہی حکومت ہوگی۔ وہ عزت جو اس وقت انھیں نصیب ہوگی، وہ لامحالہ تمھارے حصے میں بھی آئے گی۔ اگر ایسا ہوا تو تم ان کی وجہ سے سب لوگوں سے زیادہ خوش نصیب ٹھہرو گے۔

یہ بات سن کر کفار طیش میں آگئے اور کہنے لگے: اے ابوالولید! محمد (ﷺ) نے اپنی چرب زبانی سے جادو کر کے تمھیں اپنا فریفتہ بنالیا ہے۔ عتبہ بولا: میں نے تمھیں تمھارے ہی فائدے کے لیے مشورہ دیا ہے، اب تم جو چاہو کرو۔

عتبہ کو ابوجہل کے طعنے

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے بعد عتبہ سیدھا اپنے گھر چلا گیا اور کئی دن تک قریشیوں سے ملنے نہ آیا۔ ابوجہل کہنے لگا: اے گروہ قریش! میرا خیال ہے کہ عتبہ بے دین ہوکر محمد (ﷺ) کی طرف مائل ہوگیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے لذیذ کھانوں نے عتبہ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے، یا وہ کسی ایسی ضرورت سے دوچار ہے جو محمد (ﷺ) کے بغیر پوری نہیں ہوسکتی۔ اے گروہ قریش! چلو عتبہ کے پاس چلتے ہیں۔

جب یہ لوگ عتبہ کے پاس پہنچے تو ابوجہل کہنے لگا: اے عتبہ! واللہ! ہمارا خیال ہے کہ تو صابی ہوگیا ہے اور محمد (ﷺ) کے دین اور ان کے معاملے نے تجھے اپنا گرویدہ بنالیا ہے۔ اگر تیری کوئی ضرورت ہے تو بتا، ہم تیرے لیے مال جمع کرتے ہیں۔ ہمارا مال تجھے محمد (ﷺ) کے کھانے سے بے نیاز کر دے گا۔

عتبہ یہ باتیں سن کر بھڑک اُٹھا، کہنے لگا کہ آج کے بعد میں محمد (ﷺ) سے قطعاً کلام نہیں کروں گا۔ تمھیں اچھی

طرح معلوم ہے کہ میں قریش میں سب سے زیادہ مالدار آدمی ہوں۔ میں نے محمد (ﷺ) کو ایک قصہ سنایا تھا مگر انھوں نے مجھے ایسی باتوں سے لاجواب کردیا کہ اللہ کی قسم! وہ جادو ہیں نہ شعر اور نہ کہانت!

انھوں نے یہ آیات تلاوت کیں: ﴿ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ حٰمٓ ۚ ○ تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○ کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُهٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ○ ﴾ (حٰمٓ السجدة 41:1-3) ”شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان (اور) بہت رحم فرمانے والا ہے۔ حٰمٓ۔ (یہ قرآن) رحمٰن اور رحیم کی طرف سے نازل کیا ہوا ہے۔ (یہ) ایسی کتاب ہے جس کی آیات کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ اس حال میں کہ یہ قرآن عربی ہے، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔“ پھر انھوں نے عاد اور ثمود پر عذاب جیسی کڑک سے ڈرایا۔ اس موقع پر میں نے ان کے لب پر ہاتھ رکھ کر رحم کی درخواست کی کہ بس اب رک جائیے۔ یقیناً تم لوگ خوب جانتے ہو کہ بلاشبہ محمد (ﷺ) جب بھی کوئی بات کرتے ہیں، وہ کبھی جھوٹی ثابت نہیں ہوتی، چنانچہ میں ڈر گیا مبادا تم پر عذاب نازل ہو جائے۔[1]

دشمن اسلام ولید بن مغیرہ

مسلمانوں کا ایک اور بڑا حریف ولید بن مغیرہ تھا۔ یہ ابوجہل کا حقیقی چچا اور قریش کا انتہائی زیرک آدمی تھا۔ پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سُلجھانے کے لیے قریش اسی سے رجوع کرتے تھے۔[2]

اللہ جل شانہ نے اسے بڑی نعمتوں اور شان و شوکت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کے پاس ایک لاکھ دینار نقد موجود تھے۔[3] اس کے علاوہ بھی اس کے پاس بڑا قیمتی تجارتی مال و متاع موجود تھا۔ اس کی دولت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ مجموعی طور پر تمام قریش کے پاس جتنی دولت تھی، اُتنی ہی دولت تنہا ولید بن مغیرہ کے پاس تھی۔ قریش اکٹھے مل کر ایک سال بیت اللہ پر غلاف چڑھاتے تھے تو اگلے سال ولید بن مغیرہ اکیلا ہی غلاف چڑھاتا تھا۔[4] اس کے دس بیٹے تھے۔ ایک اور روایت میں اس کے تیرہ بیٹے بتائے گئے ہیں۔ یہ سب بیٹے اس کے آس پاس حاضر رہتے تھے۔ مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے



غلاف کعبہ کی تبدیلی کا منظر

[1] السيرة لابن إسحاق: 243/1، السيرة لابن هشام: 294/1، دلائل النبوة للبيهقي: 202/2-206، دلائل النبوة لأبي نعيم: 231/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 133-135، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 159-162. [2] أنساب الأشراف: 150/1، الأعلام للزركلي: 122/8. [3] تفسير ابن كثير، المدثر 12:74. [4] الكامل لابن الأثير: 592/1، أنساب الأشراف: 150/1.

اس کے بیٹوں کو تجارت کی غرض سے دوسرے علاقوں میں جانے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی تھی۔ ولید بن مغیرہ اپنا مال اپنے غلاموں اور نوکروں چاکروں کے ذریعے سے بغرضِ تجارت دوسرے علاقوں میں بھیجتا تھا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان عظیم احسانات کا شکر ادا کرنے کے لیے اس پر لازم تھا کہ وہ اسلام قبول کر لیتا مگر یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا دشمن بن گیا اور مسلمانوں سے معاندانہ رویہ اپنا کر اسلام کی توہین کرنے لگا۔ [1] یہ بدبخت آپ کو پریشان کرنے کے لیے ہر وقت طرح طرح کے حربے سوچتا رہتا تھا۔

ولید بن مغیرہ کا اعترافِ صداقت

ولید بن مغیرہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: اے محمد! مجھے قرآن سنائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے رُو برو اس آیتِ مقدسہ کی تلاوت فرمائی:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝﴾ (النحل 90:16)

”بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابتداروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔“

ولید کہنے لگا: ذرا دوبارہ پڑھیے! رسول اللہ ﷺ نے اسی آیت کی دوبارہ تلاوت فرمائی۔ [2] ایک روایت کے مطابق جب سورۂ غافر (المؤمن) نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسجد الحرام میں اس کی تلاوت فرمائی۔ [3] بعد ازاں ولید بن مغیرہ یہ آیات سن کر بنو مخزوم کی مجلس کی طرف لوٹ گیا اور اہلِ مجلس سے کہنے لگا: اللہ کی قسم! میں ابھی ابھی محمد (ﷺ) سے ایسا کلام سن کر آرہا ہوں جو کسی انسان کا کلام ہو سکتا ہے نہ کسی جن کا۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) کے کلام (قرآن) میں بڑی شیرینی ہے۔ اس کی بنیاد بڑی پائیدار ہے۔ اس کی ٹہنیاں بڑی ثمر آور ہیں۔ اس کلام میں بڑی قبولیت اور جاذبیت موجود ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ پھر ولید بن مغیرہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور قرآن کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے قرآن کی عظمت و صداقت واضح کی تو وہ پھر قریش کی مجلس میں گیا اور کہنے لگا: اللہ اللہ! وہ کتنی انوکھی اور کیسی حیرت انگیز بات ہے جو ابن ابی کبشہ (ابن عبدالمطلب) کہتا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ شاعر ہے نہ مجنون ہے، نہ جادوگر ہے۔ اس کی زبان سے جو صادر ہو رہا ہے، وہ اللہ کا کلام ہے۔ [4] یہ بات کہہ کر وہ اپنے گھر چلا گیا۔

قریش کہنے لگے: ولید صابی ہو گیا ہے، واللہ! اگر ولید صابی ہو گیا تو تمام قریش صابی ہو جائیں گے کیونکہ ولید بن

[1] تفسیر ابن أبي حاتم، المدثر 74:11-17، تفسیر ابن کثیر، المدثر 74:11-30. [2] دلائل النبوة للبیهقي: 2/199. [3] سبل الهدٰی والرشاد: 2/354. [4] دلائل النبوة لأبي نعیم: 1/233.

مغیرہ کو قریش میں ریحان (خوشبو) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔

ابوجہل بولا: اے قریش! حوصلہ رکھو، میں تم سب کی نمائندگی کرتے ہوئے اس کے پاس جاتا ہوں اور اصل صورتحال معلوم کرتا ہوں۔ چنانچہ ابوجہل پریشانی کی حالت میں ولید کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: اے چچا جان! تمھاری قوم تمھارے لیے مال جمع کرنا چاہتی ہے کیونکہ تم محمد (ﷺ) کے پاس جا کر اس چیز کے پیچھے پڑ گئے ہو جو اُن کے پاس ہے۔[1]

ولید نے کہا: یقیناً قریش کو معلوم ہے کہ میں سب لوگوں سے بڑھ کر مالدار ہوں۔ ابوجہل بولا: پھر ایسی بات کہو جس سے قریش کو پتہ چل جائے کہ تم محمد (ﷺ) کو ناپسند کرتے اور اس کا انکار کرتے ہو۔ ولید نے بے بسی سے کہا: میں تمھیں کیا بتاؤں۔ اللہ کی قسم! تمام لوگوں میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بھی شاعری، ہجو اور قصیدہ گوئی کا ماہر نہیں، نہ کوئی مجھ سے زیادہ جنوں کے شعر جاننے والا ہے۔ لیکن اللہ کی قسم! جس طرح کا کلام محمد (ﷺ) پڑھتے ہیں، وہ کوئی اور ہی چیز ہے۔ وہ کلام ان باتوں میں سے کسی سے بھی مشابہت نہیں رکھتا۔ اللہ کی قسم! جو کلام محمد (ﷺ) پڑھتے ہیں، اس میں بڑی دل کشی اور خوبصورتی ہے، اس کی بنیاد بڑی پائیدار ہے، اس کی ٹہنیاں بڑی ثمر بار ہیں اور اس کے قبول کرنے میں بڑی کشش و جاذبیت ہے۔ اس کلام کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ بڑا بلند پایہ اور اعلیٰ و ارفع کلام ہے۔ یہ کلام مقابلہ کرنے والے کو توڑ کر رکھ دے گا۔

ابوجہل کہنے لگا: تمھاری قوم تم سے اس وقت تک راضی نہیں ہوگی جب تک تم اس کے بارے میں کوئی عندیہ ظاہر نہ کرو۔

ولید کہنے لگا: مجھے تنہا چھوڑ دو اور موقع دو تا کہ میں کچھ سوچ سکوں، پھر بڑی سوچ بچار کے بعد وہ بولا:

هٰذَا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ، يَأْثِرُهُ عَنْ غَيْرِهِ.

''یہ (قرآن) تو ایک نقل شدہ جادو ہے جو آپ (ﷺ) کسی دوسرے سے نقل کرتے ہیں۔''

اللہ عزوجل نے سورۂ مدثر میں یہ سارا ماجرا بیان فرمادیا۔ ولید بن مغیرہ کو زجر و توبیخ کی اور عذاب شدید سے ڈرایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۝ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۝ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۝ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ۝ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ۝ ثُمَّ نَظَرَ ۝ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ۝ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ۝ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ۝ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ۝ سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ

[1] سبل الهدٰی والرشاد :2/354.

﴿وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝﴾ (المدثر 74:11-30)

”مجھے اور اُسے تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا۔ اور اسے وافر مال دیا۔ اور حاضر باش بیٹے (دیے)۔ اور اس کے لیے خوب فراخی کا سامان کیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے مزید دوں۔ ہرگز نہیں! بلاشبہ وہ ہماری آیات سے سخت عناد رکھتا ہے۔ میں اسے جلد مشکل چڑھائی چڑھاؤں گا۔ بے شک اس نے غور و فکر کیا اور اندازہ لگایا۔ سو وہ مارا جائے! کیسا اندازہ لگایا؟ پھر وہ مارا جائے کیسا اندازہ لگایا؟ پھر اس نے دیکھا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بسورا۔ پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔ پھر اس نے کہا: یہ (قرآن) تو صرف جادو ہے جو پہلے سے چلا آرہا ہے۔ یہ تو صرف ایک بشر کا قول ہے۔ میں جلد اسے سقر (جہنم) میں ڈالوں گا۔ اور آپ کیا سمجھتے ہیں، سقر کیا ہے؟ وہ باقی رکھے گی نہ چھوڑے گی۔ (وہ) چمڑا جھلسا دینے والی ہے۔ اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں۔“ [1]

﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ﴾ پر ابوجہل کا احمقانہ تبصرہ

قرآن حکیم نے ولید بن مغیرہ کا سارا ماجرا بیان کیا اور اس کی پاداش میں اس کا ٹھکانا جہنم میں بتایا اور اس (جہنم) کے انیس کوتوالوں کا ذکر کیا تو بعض مفسرین کے مطابق ابوجہل کہنے لگا: اے گروہ قریش! تم اتنی بڑی تعداد میں ہو، کیا تمھارے دس افراد ان کوتوالوں میں سے ایک پر بھی قابو نہیں پاسکیں گے تاکہ تم اس پر غالب آجاؤ؟ ابوجہل کے اس احمقانہ تبصرے پر اللہ ذوالجلال نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً ......﴾ (المدثر 74:31)

”اور ہم نے فرشتے ہی دوزخ کے نگران بنائے ہیں......“

یعنی ان فرشتوں پر قابو پانا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔ [2]

کلدہ بن اسید کی جہالت

ابوالاشُدّین (ابوالاسدین) کلدہ بن اسید بن خلف جُمحی وہ شخص تھا جس نے استہزا کی صورت میں اسلام کی دعوت میں روڑے اٹکانے کی کوشش کی یہاں تک کہ اسے کفر ہی کی حالت میں موت آئی۔ [3] جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝﴾ [4] تو اس پر کلدہ جمحی نے بڑی ڈینگ ماری۔ وہ بڑا طاقتور تھا اور اپنی طاقت پر

[1] المستدرك للحاكم: 507,506/2، دلائل النبوة للبيهقي: 199,198/2، صحيح السيرة النبوية للألباني، ص: 159,158.
[2] تفسير الطبري، المدثر 31,30:74. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 161، الروض الأنف: 79/2. [4] المدثر 30:74.

اسے بڑا ناز تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ گائے کے چمڑے پر کھڑا ہو جاتا تھا اور دس آدمی اس کے قدموں کے نیچے سے چمڑا کھینچ کر نکالنے کے لیے پورا زور لگاتے تھے، اس کے باوجود چمڑا پھٹ جاتا لیکن کلدہ بن اسید کو ہلایا نہیں جاسکتا تھا۔ اس موقع پر وہ متکبر کہنے لگا: اے گروہ قریش! تم دو کوتوالوں کو پکڑ کر قابو کر لینا اور باقی سترہ پر میں قابو پالوں گا۔[1] ایک روایت کے مطابق کلدہ بن اسید نے قریش سے کہا: میں دوزخ کے انیس کوتوالوں میں سے پانچ کو اپنی پشت پر اور چار کو دونوں ہاتھوں سے دبوچ کر تمھیں ان سے نجات دلا دوں گا اور باقی دس پر تم غلبہ پالینا۔[2]

اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً .....﴾

''اور ہم نے فرشتے ہی دوزخ کے نگران بنائے ہیں......''[3]

حاجیوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کی سازش

اسلام کی روشنی مسلسل پھیل رہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کے حلقۂ احباب میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے بڑے بڑے تیز طرار اور دراک مشرک بے بس اور درماندہ ہو گئے تھے۔ ناکامی اور نامرادی قریش کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے تھی اور کسی کی کوئی پیش نہیں جا رہی تھی۔ اس صورتحال میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے والد ولید بن مغیرہ نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک سازش کی۔

ولید بن مغیرہ نے کفار قریش کے اصحاب الرائے کو دارالندوہ میں جمع کیا۔ وہ اپنے معزز مقام، بڑی عمر اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے اس اجتماع کی صدارت کر رہا تھا۔

سب لوگ حاضر ہو گئے تو ولید کہنے لگا: اے قریش کی جماعت! بلاشبہ حج کا موسم قریب ہے۔ عربوں کے وفود عنقریب تمھارے پاس پہنچ جائیں گے۔ تمھیں اپنے ساتھی (محمد ﷺ) کے معاملے کا بھی علم ہے۔ عرب تمھارے پاس محمد (ﷺ) کے بارے میں پوچھ گچھ کے لیے ضرور آئیں گے، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ کسی ایک موقف پر اتفاق کر لو مبادا تم ایک دوسرے کی تکذیب و تردید کرو اور اختلاف کا شکار ہو جاؤ۔

قریش کہنے لگے: اے ابوعبد شمس! آپ ہی کچھ کہیے اور ہمارے لیے کوئی ایک رائے تجویز کر دیجیے تاکہ ہم سب اس پر متفق ہو کر عربوں کو جواب دیں۔

[1] تفسیر ابن کثیر، المدثر 31:74. [2] أنساب الأشراف: 151/1. [3] المدثر 31:74.

ولید بولا: تم پہلے اپنی تجاویز دو، میں سنتا ہوں، جو تجویز سب سے بہتر ہوگی، اسے اختیار کرلیں گے۔ حاضرین تجاویز دینے لگے۔

چند لوگ بولے: ہم عربوں سے کہیں گے کہ یہ کاہن ہے۔ ولید نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور کہا: واللہ! وہ کاہن نہیں ہیں۔ میں نے کاہنوں کو دیکھا ہے۔ ان کے کلام میں کاہنوں جیسی گنگناہٹ ہے نہ تجع ہے۔

بعض افراد کہنے لگے: ہم انھیں مجنون کہیں گے۔ ولید بولا: یہ بات بھی غلط ہے۔ وہ ہرگز مجنون نہیں، ہم نے مجنون دیکھے ہیں اور ان کے احوال و کیفیات ہمارے ہاں معروف ہیں۔ اُن میں پاگلوں جیسی دم گھٹنے (بے ہوشی) کی کوئی کیفیت نہیں، نہ ان کے اعضائے بدن از خود کپکپاتے ہیں۔ وہ دیوانوں جیسی بہکی بہکی بے معنی باتیں بھی نہیں کرتے۔

چند مشرکین بولے: ہم انھیں شاعر کہیں گے۔ ولید نے اس تجویز کو بھی مسترد کر دیا اور کہا: وہ شاعر نہیں کیونکہ ان کی بات اشعار کی کسی بھی صنف سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ ہم شعری اصناف و اوزان سے خوب واقف ہیں۔ ہمیں رجز، ہزج، قریض اور مقبوض سارے ہی اصنافِ سخن خوب معلوم ہیں۔ وہ ہرگز شاعر نہیں۔

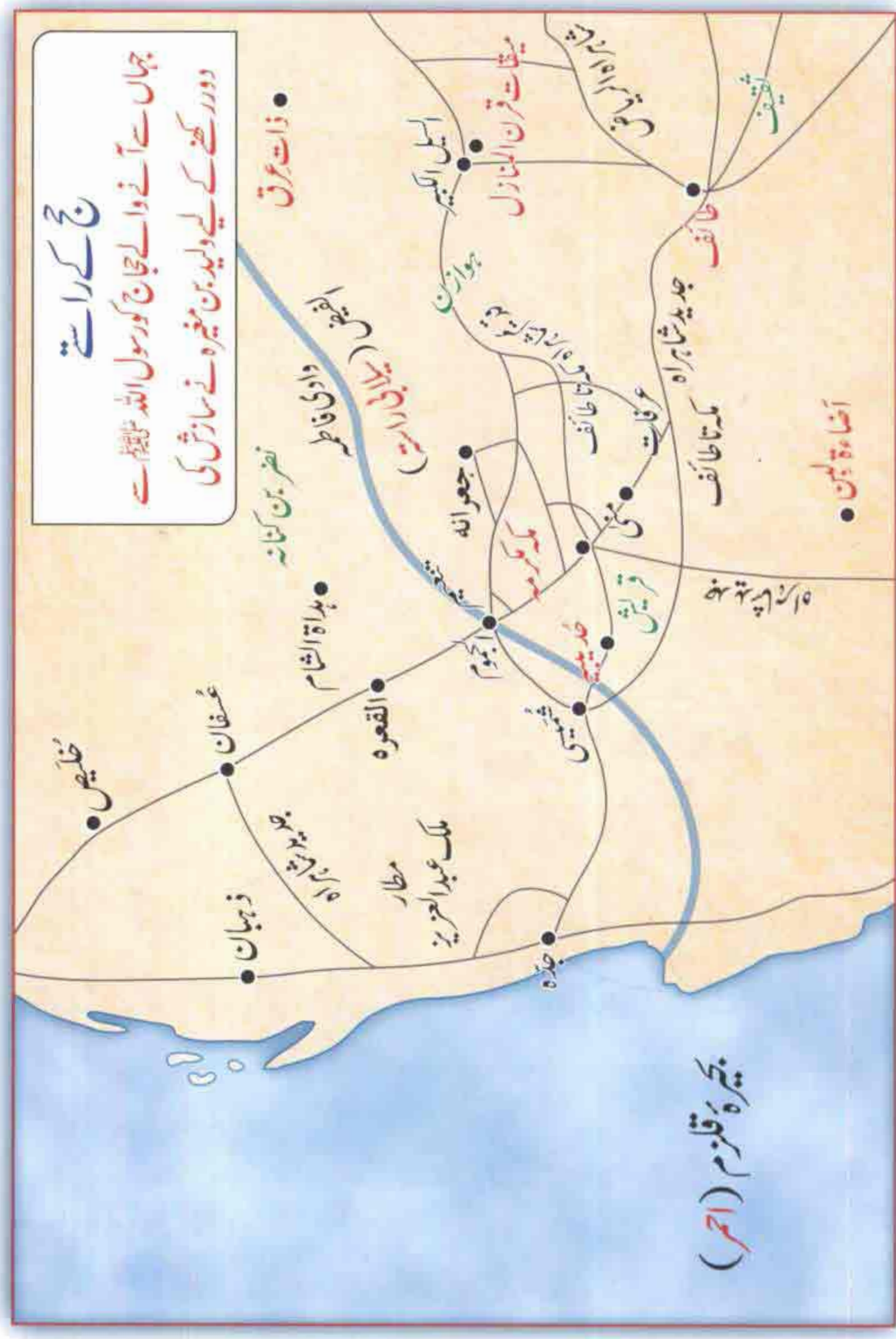
بعض لوگوں نے کہا: ہم کہیں گے کہ یہ جادوگر ہے۔ ولید نے کہا: وہ جادوگر بھی نہیں۔ وہ ان کی طرح جھاڑ پھونک کرتے ہیں نہ گرہ لگاتے ہیں۔

لوگوں نے کہا: اے ابوعبدشمس! آپ نے تو ہماری تمام تجاویز مسترد کر دی ہیں۔ اب آپ خود ہی کوئی تدبیر بتائیے۔

ولید کہنے لگا: اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) کے کلام میں بڑی دلکشی ہے۔ اس کی بنیاد بڑی پائیدار ہے۔ اس کی ٹہنیاں پھلوں سے لدی پھندی ہیں۔ تم نے جتنی بھی تجاویز پیش کی ہیں، انھیں سُن کر لوگ فوراً سمجھ جائیں گے کہ یہ صریح بہتان اور جھوٹ ہے، بہترین تجویز یہ ہے کہ تم یہ بات کہو کہ یہ شخص ایسا کلام پیش کرتا ہے جو اپنی نوعیت کا انوکھا جادو ہے۔ اس سے بھائی بھائی سے، باپ بیٹے سے، شوہر بیوی سے جدا ہو جاتا ہے اور کنبے قبیلے میں پھوٹ پڑ جاتی ہے۔

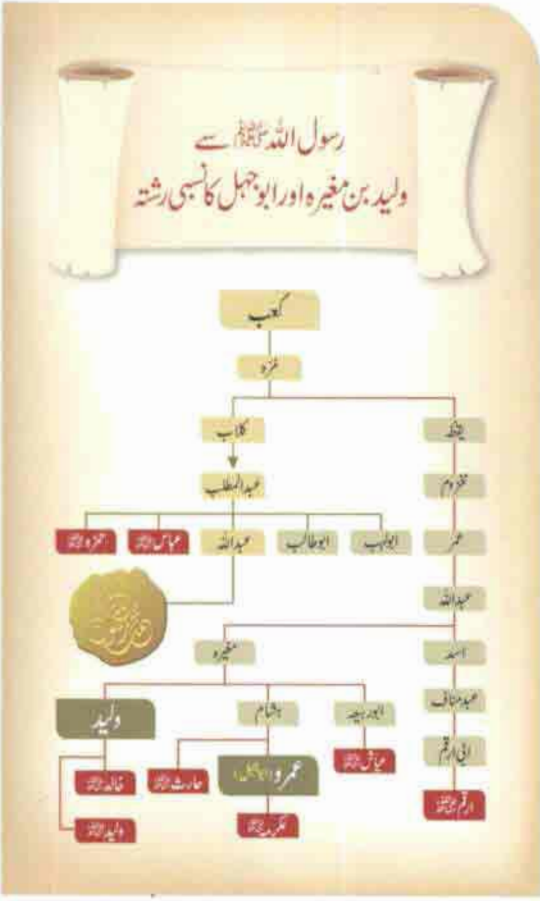
اس تجویز پر سب متفق ہو گئے اور اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

جب ایام حج میں حجاج کے قافلے مختلف سمتوں سے آنے شروع ہوئے تو یہ لوگ مختلف راستوں پر گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ جو شخص ان کے قریب سے گزرتا، یہ اسے روک لیتے اور طے شدہ منصوبے کے مطابق محمد ﷺ کے بارے میں بہکانے کی بات کرنے لگتے، پھر اُسے آپ ﷺ سے بچنے کی تلقین کرتے اور کہتے کہ اس نے اپنے جادو کے زور سے مکہ کے پُرامن معاشرے میں فساد برپا کر دیا ہے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے ولید بن مغیرہ کے بارے میں یہ آیات


حج کے راستے
جہاں سے آنے والے حجاج حج اور رسول اللہ ﷺ سے دور رکھنے کے لیے ولید بن مغیرہ نے سازش کی
ذات عرق
قرن المنازل
الطائف
السیل الکبیر
ہوازن
جعرانہ
مکہ مکرمہ
منیٰ
عرفات
قریش
حدیبیہ
جدہ
عسفان
خلیص
ذہبان
القعرہ
بحر قلزم (الاحمر)

نازل فرمائیں:

﴿ ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ۙ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ۙ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ۙ ﴾ (المدثر 74:11-15)



”مجھے اور اس کو تنہا چھوڑ دیجیے جسے میں نے اکیلا ہی پیدا کیا۔ اور اسے وافر مال دیا۔ اور حاضر باش بیٹے دیے۔ اور اس کے لیے خوب فراخی کا سامان کیا۔ پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں (اسے) مزید دوں۔“

جو لوگ ولید بن مغیرہ کے ساتھی تھے اور جنھوں نے رسول اللہ ﷺ پر کاہن، مجنون، شاعر اور ساحر کے القابات چسپاں کرنے کی مذموم تجاویز پیش کی تھیں، اللہ جل جلالہ نے انھیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ○ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ○ ﴾
(الحجر 15:90-92)

”(کہہ دیجیے: میں تو واضح ڈرانے والا ہوں ایسے ہی عذاب سے) جیسا کہ ہم نے تقسیم کرنے والوں پر نازل کیا تھا۔ جنھوں نے (اپنے) قرآن (تورات) کو پارہ پارہ کر دیا۔ چنانچہ آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے ضرور باز پرس کریں گے۔“

کفار قریش کے بہتان کی تردید میں اللہ جل شانہ نے یہ آیات بھی نازل فرمائیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی عصمت و ناموس کا تذکرہ فرمایا:

﴿ فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۗ اَمْ یَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَیْبَ الْمَنُوْنِ ○ قُلْ

﴿ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ۝ اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝ ﴾

(الطور 52:29-32)

''تو (اے نبی!) آپ نصیحت کرتے رہیں کہ آپ اپنے رب کے فضل سے کاہن ہیں نہ دیوانے۔ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ (یہ نبی) شاعر ہے اور ہم اس کے بارے میں حوادث زمانہ (موت) کا انتظار کر رہے ہیں؟ کہہ دیجیے: تم انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔ کیا ان کی عقلیں انھیں یہ سبق دیتی ہیں یا پھر وہ لوگ ہی سرکش ہیں؟''

جب کفار قریش نے حج کے لیے آنے والوں کو رسول اللہ ﷺ سے دور رہنے کی تلقین کی تو اس کا اُلٹا اثر ہوا اور لوگوں میں آپ ﷺ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا زبردست تجسس پیدا ہو گیا اور وہ پورے اشتیاق و انہماک سے آپ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یوں آپ ﷺ کا شہرہ پورے عرب میں ہر طرف پھیل گیا۔[1]

اس واقعے سے صاف ظاہر ہے کہ کفار قریش یہ حقیقت اچھی طرح جانتے تھے کہ رسول اکرم ﷺ کاہن ہیں نہ مجنون، شاعر ہیں نہ جادوگر۔ قرآن کریم کے بارے میں بھی ان کا یقین تھا کہ یہ اللہ رب العزت ہی کا کلام ہے۔ یہ سب کچھ جاننے اور ماننے کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لیے تیار نہ تھے۔ یہ ان کی سب سے بڑی بدنصیبی تھی جس کا سبب محض ان کا اندھا تعصب تھا۔

نبی ﷺ سے دور رکھنے کے لیے ابوجہل کا حربہ

لوگوں کو جب نبی اکرم ﷺ کے بارے میں پتہ چلتا اور وہ آپ ﷺ سے ملنے کی غرض سے آتے تو راستے میں ابوجہل اور دیگر رؤسائے قریش ان سے ملتے اور کہتے: ''یہ شخص شراب اور زنا کو حرام کہتا ہے اور جو عرب کی روایات ہیں، انھیں بھی حرام قرار دیتا ہے۔ تم لوگ پلٹ جاؤ، ہم تمھارے گناہوں کے بوجھ اٹھا لیں گے۔'' ان کے اس طرزِ عمل پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿ وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ﴾ (العنکبوت 29:13)

''اور یقیناً وہ اپنے بوجھ اور اپنے بوجھوں کے ساتھ کئی اور بوجھ ضرور اٹھائیں گے۔''[2]

---

[1] تفسير الطبري، الحجر 15:90، 91، تفسير ابن كثير، الحجر 15:90-93 و المدثر 74:11-30، السيرة لابن إسحاق: 1/193، 194، السيرة لابن هشام: 1/270-272، دلائل النبوة للبيهقي: 2/200، 201. [2] المصنف لابن أبي شيبة: 7/333.

رؤسائے قریش کا قرآن سننا اور دوسروں کو روکنا

قرآن حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس کی اٹل سچائی، دل رُبا جاذبیت اور قبولیت ہر قسم کے لوگوں کو اپنا گرویدہ بنالیتی ہے۔ قریش مکہ بھی جب رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کلام اللہ کی تلاوت سنتے تھے تو اس کی بے داغ سچائی اور زبردست کشش کی وجہ سے چونک پڑتے اور بے چین ہو جاتے تھے۔ قریش عربی زبان پر عبور رکھتے تھے، اس لیے وہ قرآن کریم کی دل کش عربی پر فدا رہتے تھے اور برملا اعتراف کرتے تھے کہ یہ کلام ہرگز جن یا انسان کا نہیں کیونکہ یہ نہایت دل آویز اور گرویدہ کرنے والا ہے، بہت مضبوط بنیاد اور ثمر آور ڈالیوں والا کلام ہے۔ اس کے بے مثل حسن اور کشش و جذب کے کیا کہنے! اس کا کوئی جواب ہی نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد سعادت میں جو بھی قرآن کریم کی تلاوت سن لیتا تھا، وہ اس کی کشش و انجذاب سے مجبور ہوکر قرآن کی طرف کھنچا چلا آتا تھا۔ کلامِ الٰہی کی جاذبیت اس قدر زبردست تھی کہ کفارِ قریش کے سردار بھی اپنے تعصب اور ہٹ دھرمی کے باوجود قرآن کریم کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ قرآن کریم کی بے مثل کشش انھیں اپنی طرف یوں کھینچ لاتی تھی جس طرح بنات البحر مچھلیوں کو گھیر لاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں رات کو تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ کفار قریش کے ممتاز ترین سردار ابوسفیان بن حرب، ابوجہل بن ہشام اور اخنس بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی رسول اللہ ﷺ کی تلاوت سننے کے لیے بے تاب ہوگئے۔ وہ رات کی تاریکی میں چوری چھپے اپنے عشرت کدوں سے نکل آئے، پھر تینوں الگ الگ، محتاط اور چوکنے ہوکر رسول اللہ ﷺ کے کاشانۂ مبارک کی طرف چل دیے۔

تینوں ایک دوسرے کے بارے میں بے خبر تھے۔ جب یہ رسول اللہ ﷺ کے گھر کے نزدیک پہنچے تو ان تینوں نے اپنے لیے الگ الگ جگہ منتخب کی اور ساری رات قرآن مجید کی تلاوت سنتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی۔ یہ تینوں جب اپنے اپنے گھروں کو واپس روانہ ہوئے تو راستے میں ان تینوں کی اچانک ملاقات ہوگئی۔ یہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ٹھٹھک گئے، بہت شرمندہ ہوئے، باہم ملامت کرنے لگے اور پھر ایک دوسرے کو تلاوت سننے سے پرہیز کی تاکید کرتے ہوئے بولے: اگر سادہ لوح لوگوں کو پتہ چل گیا کہ ہم لوگ بھی راتوں کو چھپ چھپ کر قرآن سنتے ہیں تو ان کا عقیدہ بھی بدل جائے گا۔ وہ ایک دوسرے کو دوبارہ ایسا نہ کرنے کی تلقین کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

دوسری رات آئی تو تینوں سے نہ رہا گیا۔ تلاوت سننے کی لگن اور بے قراری انھیں پھر نبی ﷺ کے کاشانۂ مبارک کے قریب کھینچ لائی۔ تینوں کے تینوں گزشتہ رات والی مقررہ جگہوں پر پہنچے اور تلاوت سننے کے لیے جم کر بیٹھ گئے، پھر

رات بھر قرآن سنتے رہے۔ جب رات کا اندھیرا چھٹنے اور سپیدۂ سحر نمودار ہونے لگا تو سب چپکے سے اٹھے اور اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ راستے میں تینوں کی پھر مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ ایک دوسرے سے باز پرس کرنے لگے اور گزشتہ رات والی باتوں کی تلقین و تائید کرتے ہوئے اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔

تیسری رات آئی تو تلاوت سننے کے لیے ان کی بے تابی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ تینوں کے تینوں بے اختیار اُٹھے اور کشاں کشاں اپنی اپنی مخصوص نشستوں پر آ بیٹھے۔ ساری رات قرآن کریم کی تلاوت سنتے رہے۔ صبح ہوئی تو حسب معمول یہ لوگ اُٹھے اور اپنے گھروں کو چل دیے۔ رستے میں پھر تینوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ اب یہ فرط خجالت سے ایک دوسرے سے نظریں چرانے لگے۔ بالآخر کہنے لگے: اب ہم یہاں سے اس وقت تک نہیں ہلیں گے جب تک دوبارہ قرآن نہ سننے کا پکا پیمان نہ باندھ لیں۔ پھر انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ آئندہ ہرگز ایسا نہیں کریں گے، پھر وہ حسب معمول لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے واپس چلے گئے۔

اخنس کا قرآن کے بارے میں ابوسفیان سے سوال

صبح ہوئی تو ابوثعلبہ اخنس بن شریق لاٹھی ٹیکتا ہوا ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) کے گھر آیا اور اُس سے پوچھا: اے ابوحنظلہ! یہ تو بتاؤ کہ جو کلام تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے، اس کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا:

يَا أَبَا ثَعْلَبَةَ! وَاللّٰهِ! لَقَدْ سَمِعْتُ أَشْيَاءَ أَعْرِفُهَا وَأَعْرِفُ مَا يُرَادُ بِهَا، وَسَمِعْتُ أَشْيَاءَ مَا عَرَفْتُ مَعْنَاهَا وَمَا يُرَادُ بِهَا.

”اے ابوثعلبہ! واللہ! بعض چیزیں جو میں نے سنی ہیں، انھیں میں جانتا ہوں اور ان کا مقصود بھی سمجھتا ہوں لیکن بعض چیزیں میں نے ایسی سنی ہیں جن کے معنی میں نہیں جانتا اور نہ مجھے ان کا مقصود معلوم ہے۔“

اخنس کہنے لگا: اللہ کی قسم! میرا بھی یہی حال ہے۔

اخنس کا قرآن کے بارے میں ابوجہل سے استفسار

اخنس، ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کے بعد ابوجہل کے پاس پہنچا اور اس سے بھی یہی سوال کیا: اے ابوالحکم! تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جو کچھ سنا ہے، اس کے بارے میں تمھارا موقف کیا ہے؟

ابوجہل کہنے لگا:

مَاذَا سَمِعْتُ؟ تَنَازَعْنَا نَحْنُ وَبَنُو عَبْدِ مَنَافٍ الشَّرَفَ، أَطْعَمُوا فَأَطْعَمْنَا، وَحَمَلُوا فَحَمَلْنَا، وَأَعْطَوْا فَأَعْطَيْنَا، حَتَّى إِذَا تَجَاذَيْنَا عَلَى الرُّكَبِ، وَكُنَّا كَفَرَسَيْ رِهَانٍ، قَالُوا: مِنَّا نَبِيٌّ يَأْتِيهِ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ، فَمَتَى نُدْرِكُ مِثْلَ هٰذِهِ، وَاللّٰهِ! لَا نُؤْمِنُ بِهِ أَبَدًا وَلَا نُصَدِّقُهُ.

”مجھے کیا سننا سنانا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا اور بنوعبدمناف کا سرداری کے معاملے پر جھگڑا تھا۔ انھوں نے لوگوں کی ضیافتیں کیں، ہم نے بھی ضیافتیں کیں۔ انھوں نے لوگوں کے بوجھ اٹھائے، ہم نے بھی بوجھ اُٹھائے۔ انھوں نے سخاوت کی، ہم نے بھی سخاوت کی حتی کہ دوڑ کا مقابلہ کرنے والے دو گھوڑوں کی طرح ہمارا بھی آپس میں سخت مقابلہ جاری تھا کہ بنوعبدمناف نے اچانک اعلان کر دیا کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوئے ہیں جن پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ بھلا ان کی اس بات کا ہم کس طرح مقابلہ کر سکتے ہیں؟ اللہ کی قسم! ہم اس نبی پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔“

اخنس ابوجہل کی یہ بات سن کر اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے اپنے گھر کی راہ لی۔ [1]

اس واقعے سے صاف عیاں ہے کہ رؤسائے قریش یہ بات خوب اچھی طرح سمجھتے تھے کہ محمد ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں اور جس کلام کی یہ تلاوت فرماتے ہیں، یہ جن و انس کا کلام نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا کلام ہے لیکن اس کے باوجود وہ آپس میں اور دوسروں کو بھی قرآن نہ سننے کی تلقین کرتے۔ ان لوگوں کو محض ان کے جاہ وحشم نے ہلاک کیا۔ انھوں نے صرف اس لیے اسلام قبول نہیں کیا کہ اگر ہم اسلام قبول کر لیں گے تو لوگوں میں ہماری عزت اور سرداری جاتی رہے گی اور وہ کہیں گے کہ اب یہ لوگ دوسرے قبیلے کے فرد محمد (رسول اللہ ﷺ) کو اپنا سردار بنانے چلے ہیں۔ اس سے ان کی شان گھٹ جائے گی اور ان کے قبیلے کی بھی رسوائی ہوگی، حالانکہ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا اور اولین مرحلے ہی میں رسول اللہ ﷺ کے فدائی بن گئے، وہ دوسروں کے مقابلے میں معزز تر ٹھہرے اور بڑے عالی مرتبے تک پہنچے اور جنھوں نے اسلام قبول نہ کیا اور معاندانہ روش اپنائی، وہ دنیا میں بھی اتنے رُسوا ہوئے کہ قیامت تک ملعون قرار پائیں گے اور آخرت میں لامتناہی عذاب کے شکنجے میں کس دیے جائیں گے۔

معتدل آواز سے قرآن پڑھنے کی حکمت

نبیِ اکرم ﷺ نے مشرکین مکہ کے رُوبرو دین حق پیش کیا تو اُن پر آپ کی صداقت وحقانیت آشکارا ہوگئی۔ لیکن کفار قریش نے حسد اور غرور کی وجہ سے نہ صرف اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی

[1] السيرة لابن إسحاق: 227,226/1، السيرة لابن هشام: 316,315/1، دلائل النبوة للبيهقي: 207,206/2.

میں وہ پہلے سے بھی زیادہ سرکش اور دلیر ہوگئے اور اللہ کے احکام ماننے کے بجائے کفر وشرک پر اصرار کرنے لگے۔

جب رسول اللہ ﷺ کو طرح طرح کی ترغیبات سے دعوت اسلام پھیلانے سے باز نہ رکھا جا سکا تو انھوں نے لوگوں کو قرآن کی کشش اور تاثیر سے محروم رکھنے کے لیے شور برپا کرنے کی منصوبہ بندی کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ پول کھول دیا:

﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ۝ ﴾

''اور ان لوگوں نے کہا جنھوں نے کفر کیا: تم اس قرآن کو مت سنو اور (جب پڑھا جائے تو) شور مچاؤ تاکہ تم غالب آجاؤ۔'' [1]

کفار قریش نے آپس میں طے کیا کہ لوگوں تک قرآن کریم کی صدائیں پہنچنے ہی نہ دو۔ (نعوذ باللہ) قرآن کو لغو اور باطل سمجھو، اس کا مذاق اڑاؤ اور خوب شور وغل کرو، شاید ہم اس طریقے سے غالب آجائیں۔ بصورتِ دیگر اگر ہم نے مناظرہ بازی اور مخاصمت کی راہ اختیار کی تو ہم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکیں گے، چنانچہ بت پرستوں نے اپنے پروگرام کے مطابق قرآن حکیم کی تلاوت سننے سے انکار کر دیا۔ جب اور جہاں تلاوت شروع ہوتی، یہ لوگ تتر بتر ہوجاتے۔ اگر کوئی شخص تلاوت سننے کا خواہشمند ہوتا تو وہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو کر سنتا تھا تاکہ کوئی دوسرا کافر دیکھ کر اسے ملامت نہ کرے یا اذیت نہ پہنچائے۔ کفار کے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ نے یہ حکم نازل فرمایا:

﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ ﴾

''اور آپ اپنی نماز نہ زیادہ بلند آواز سے پڑھیں نہ پست آواز سے بلکہ اس کے بین بین رستہ اختیار کریں۔'' [2]

ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اس آیت میں نبی ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اتنی بلند آواز سے قرآن نہ پڑھو کہ لوگ منتشر ہوجائیں نہ اتنی آہستہ آواز سے پڑھو کہ جو شخص مارے ڈر کے چوری چھپے سننا چاہے، وہ سن ہی نہ پائے کیونکہ شاید اس کے دل میں قرآنِ کریم کی کوئی بات اتر جائے اور اس سے وہ نفع حاصل کرلے، اس لیے درمیانی رستہ اختیار کرتے ہوئے تلاوت کی جائے۔ [3]

صحیحین اور مسند احمد میں اس آیت کی شان نزول کے بارے میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ مکہ میں چھپ کر زندگی بسر فرما رہے تھے۔ اس وقت آپ صحابۂ کرام کو نماز پڑھاتے وقت بلند آواز سے

[1] حٰمٓ السجدة 26:41. [2] بنيٓ إسرآءيل 110:17. [3] السيرة لابن إسحاق: 242,241/1.

قراءت کرتے تھے۔ مشرکین آپ کی تلاوت سنتے تو قرآن، اس کو اتارنے والے اور پڑھنے والے کو گالیاں دیتے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا: ﴿ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ ﴾ یعنی اپنی نماز میں بلند آواز سے قرآن کریم نہ پڑھیں، مبادا مشرک سن کر گالیاں دیں۔ ﴿ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا ﴾ اور اس قدر آہستہ بھی نہ پڑھیں کہ آپ کے ساتھی بھی قرآن نہ سن پائیں۔ ﴿ وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ۝ ﴾ یعنی قراءت کی صدا بلندی اور پستی کے بین بین رکھیں۔ [1]

قرآن کی باآواز بلند تلاوت سے روکنا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قریش کے حلیف تھے۔ ان کا اپنا قبیلہ مکہ میں مقیم نہیں تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی سعادت انھی کے حصے میں آئی۔

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کے اصحابِ گرامی رضی اللہ عنہم اکٹھے ہوئے تو کہنے لگے: ”قریش نے تو قرآن کریم کی تلاوت ہی نہیں سنی۔ قریش کو تلاوت کون سنائے گا؟“ حضرت عبداللہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: ”یہ کام میں کروں گا۔“ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے: ”ہمیں آپ کی جان کا خطرہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام کوئی ایسا شخص کرے کہ اگر قریش اسے مارنا چاہیں تو اس کا قبیلہ فوراً اس کی مدافعت کے لیے آجائے۔“ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”میری فکر مت کیجیے۔ اللہ جل شانہ میری حفاظت فرمائے گا۔“

دوسرے دن سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم کے پاس چاشت کے وقت تشریف لائے۔ قریش اپنی اپنی مجلسوں میں بڑے طمطراق سے بیٹھے ہوئے تھے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مقام ابراہیم کے پاس بلند آواز سے تلاوت کرنے لگے: ﴿ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ۝ الرَّحْمَٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:1،2) ”شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (اللہ) رحمٰن۔ اسی نے قرآن سکھایا۔“ انھوں نے اس کے بعد بھی کچھ آیات تلاوت کیں۔ ان کی آواز سن کر قریش فوراً متوجہ ہوئے اور پوچھنے لگے: ام عبد کے بیٹے نے کیا کہا ہے؟ چند لوگ بولے: جو محمد (ﷺ) لے کر آئے ہیں، یہ اس کی تلاوت کر رہا ہے۔ چنانچہ کفار و مشرکین ان پر جھپٹ پڑے اور ان کے چہرے پر طمانچے مارنے لگے لیکن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ذرا بھی نہ رُکے جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، وہ مسلسل قرآن مجید پڑھتے گئے۔ جب قریش نے مار پیٹ ختم کی اور انھیں چھوڑا تو وہ مسلمانوں کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کا چہرہ شدید زخمی تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے انھیں دیکھا تو کہا: ”ہم اسی بات سے ڈرتے تھے کہ مشرکین آپ کو تشدد کا نشانہ بنائیں گے۔“

[1] صحيح البخاري: 4722,7490، صحيح مسلم: 446، مسند أحمد: 215/1.

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اب تو اللہ تعالیٰ کے دشمن میرے نزدیک پہلے سے بھی زیادہ حقیر ہوگئے ہیں۔ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں صبح پھر اسی طرح تلاوت کروں گا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ''آپ کا اتنا کام ہی کافی ہے کیونکہ جس چیز کو وہ ناپسند کرتے تھے، وہ انھیں سنادی گئی ہے۔'' [1]

کفار کے باطل دعوے پر قرآن کا مسکت جواب

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مروہ پہاڑی کے قریب بنوحضرمی کے عیسائی غلام جبر کی دکان پر بیٹھا کرتے تھے۔ مشرکین میں سے حجاج کے دونوں بیٹے منبہ اور نبیہ [2] ایک روایت کے مطابق ابن الاصداء ہذلی اور اس کے ساتھی کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ ہمیں بتاتے ہیں، اس کا بیشتر حصہ انھیں بنوحضرمی کا یہ غلام جبر، جو اہل کتاب سے ہے، سکھاتا ہے اور پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ قصے کہانیاں سنانے لگتے ہیں۔ اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۝﴾ (النحل 16:103)

''اور ہمیں بخوبی علم ہے کہ وہ کہتے ہیں: یقیناً اس (نبی) کو ایک آدمی (رومی غلام) سکھاتا ہے۔ اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں عجمی ہے جبکہ یہ (قرآن) تو فصیح عربی ہے۔'' [3]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بیان فرمایا ہے کہ وہ ازراہِ کذب و افترا اور بہتان بازی کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں جو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں، انھیں ایک شخص یہ قرآن سکھاتا ہے اور اس سلسلے میں وہ ایک عجمی شخص کا نام لیا کرتے تھے جو کسی قریشی خاندان کا غلام تھا اور وہ کوہ صفا کے نزدیک اپنا سودا سلف بیچا کرتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اس کے پاس بیٹھ جاتے اور اس سے گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس شخص کی زبان عجمی تھی اور وہ عربی نہیں جانتا تھا یا بقدر ضرورت بہت معمولی جانتا تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اس افترا پردازی کا جواب دیتے ہوئے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی اور بتایا کہ قرآن کی زبان تو فصیح و بلیغ عربی ہے اور جو شخص فصاحت و بلاغت کے اس بلند پایہ شاہکار اور معانی و مطالب کے اعتبار سے ایسی جامع اور روشن کتاب کہ اس طرح کی کتاب کسی بھی نبی پر نازل نہیں ہوئی، لے کر آیا ہے، وہ اسے کسی عجمی شخص سے کیسے سیکھ سکتا ہے! جس شخص میں ذرہ برابر بھی عقل ہو، وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتا۔

[1] السيرة لابن هشام: 315,314/1، السيرة لابن إسحاق: 225/1، سبل الهدٰى والرشاد: 351/2. [2] أنساب الأشراف: 163/1 و 170. [3] السيرة لابن هشام: 393/2.

ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک لوہار کو جانتے تھے جس کا نام بَلعام تھا اور اس کی زبان عجمی تھی، مشرکین نے جب یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس آتے جاتے ہیں تو انھوں نے کہنا شروع کر دیا کہ بلعام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھاتا ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت کریمہ نازل فرما دی۔ [1]

کفار کو قرآن جیسا کلام پیش کرنے کا کھلا چیلنج

اس واقعے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ کفارِ قریش نے اللہ جل شانہ کے احسانات نظر انداز کر دیے، انھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی روا رکھی اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ کلام جن و انس کا نہیں بلکہ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور مقابل کو تہس نہس کر کے رکھ دے گا، تکبر کی روش اختیار کر لی اور عصبیت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لیے قرآن کریم کے بارے میں طرح طرح کی الزام تراشی شروع کر دی، حالانکہ اللہ جل شانہ نے کفار و مشرکین کو کھلا چیلنج دے رکھا ہے کہ اگر تم اس قرآن کے مانند کوئی کلام لا سکتے ہو تو لے آؤ۔ فرمان الٰہی ہے:

﴿قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝﴾

’’کہہ دیجیے: اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔‘‘ [2]

اس آیت میں جن و انس کو کھلا چیلنج ہے کہ تم سب مل کر اپنے من مانے اسباب اختیار کر لو۔ ذرا اس قرآن کریم جیسا کوئی کلام تو لا کر دکھاؤ۔ ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

﴿اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝﴾

’’کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے یہ (قرآن) خود گھڑ لیا ہے؟ کہہ دیجیے: پھر تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ لاؤ اور اللہ کے سوا جنھیں تم (اپنی مدد کے لیے) بلا سکتے ہو بُلا لو، اگر تم سچے ہو۔‘‘ [3]

[1] تفسير الطبري، تفسير ابن كثير، النحل 103:16، السيرة لابن هشام :393/2. [2] بنيٓ إسرآءيل 88:17. [3] هود 13:11.

یعنی اگر تم اس کلام الٰہی جیسا پورا قرآن نہیں لا سکتے تو چلو پھر دس سورتیں ہی لے آؤ۔ تم ساری دنیا کو بھی اپنے ساتھ ملا لوگے تب بھی اس قرآن جیسی کوئی نظیر نہ لا سکو گے، پھر فرمایا:

﴿وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

”اور یہ قرآن (ایسا) نہیں کہ غیر اللہ کی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے کی ہیں اور تمام کتابوں کی تفصیل (بیان کرتا) ہے، اس میں کوئی شک نہیں، یہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ کیا وہ (کافر) کہتے ہیں کہ اس (رسول) نے اسے گھڑ لیا ہے؟ (اے نبی! ان لوگوں سے) کہہ دیجیے: کہ تم اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ اور (اس میں مدد کے لیے) اللہ کے سوا جن کو بلا سکتے ہو اُنھیں بھی بلا لو، اگر تم سچے ہو۔“ [1]

یعنی اگر دس سورتیں لانے سے قاصر ہو تو چلو کم سے کم ایک سورت ہی ایسی لا کر دکھا دو جو قرآن کریم کی سورتوں جیسی ہو۔ یہ بات یکسر ناممکن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے کلام کے مانند کوئی کلام پیش کیا جا سکے۔ یہ کھلا چیلنج ہے اور کفار کی بے بسی اس بات کی روشن دلیل ہے کہ قرآن حکیم اللہ جل جلالہ ہی کا معجز کلام ہے۔ کوئی بھی ذاتی، صفاتی، فعلی اور قولی کسی بھی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے مانند ہو ہی نہیں سکتا اور مخلوق کے کلام کی اللہ تعالیٰ کے کلام سے رائی کے دانے کے برابر مشابہت بھی محال ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا:

﴿فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾

”تو تم اس جیسی ایک سورت (ہی) لے آؤ۔“

اس کے فوراً بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ بھی فرما دیا:

﴿فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۝﴾

”پس اگر تم نے (یہ کام) نہ کیا اور تم کر بھی نہیں سکو گے تو اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ [2]

[1] یونس 10:37، 38. [2] البقرۃ 2:23، 24.

نضر بن حارث کی اسلام دشمنی کے نت نئے طریقے

نبیِ اکرم ﷺ کو دین اسلام کی اشاعت و ترویج سے روکنے کے لیے مشرکین مکہ مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے۔ ان ہتھکنڈوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ یہ لوگ پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے واقعات اور انسانوں کے معاملات سے قرآن حکیم کا مقابلہ کرتے تھے اور لوگوں کو یہ باور کراتے تھے کہ یہ واقعات، افسانے اور کہانیاں (نعوذ باللہ) قرآن سے بدرجہا بہتر ہیں۔ نضر بن حارث بن کلدہ بن عبدمناف قریش کے شیطانوں میں سے نہایت شریر شیطان تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا خالہ زاد تھا۔ جب اسلام کا ظہور ہوا تو وہ اپنے جاہلی عقیدے پر اڑا رہا۔ رسول اللہ ﷺ کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ غزوۂ بدر میں قریش کا علم بردار تھا۔ اسی غزوے میں مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہوا۔ اسے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا۔[1]

ایک دن وہ قریش سے کہنے لگا: اے قریش کے لوگو! اللہ کی قسم! تم پر ایسی افتاد آن پڑی ہے کہ تم لوگ اب تک اس کا کوئی توڑ نہیں لا سکے۔ محمد (ﷺ) جوان تھے تو تمھارے سب سے پسندیدہ آدمی تھے۔ سب سے زیادہ سچے اور سب سے بڑھ کر امانت دار تھے۔ اب جبکہ ان کی کنپٹیوں پر سفیدی چمکنے والی ہے اور وہ عمر رسیدہ ہونے کو ہیں، وہ تمھارے پاس کچھ باتیں لے کر آئے ہیں تو تم کہتے ہو کہ وہ جادوگر ہیں! نہیں، اللہ کی قسم! وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر دیکھے ہیں۔ ان کی جھاڑ پھونک اور گرہ بندی بھی دیکھی ہے۔ تم کہتے ہو: وہ کاہن ہیں۔ نہیں، اللہ کی قسم! وہ کاہن بھی نہیں۔ ہم نے کاہن بھی دیکھے ہیں، ان کی الٹی سیدھی حرکتیں بھی دیکھی ہیں اور ان کی فقرہ بندیاں بھی سنی ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو: وہ شاعر ہیں۔ ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! وہ شاعر بھی نہیں۔ ہم شاعری کو اچھی طرح سمجھتے ہیں اور اس کی اصناف سے بھی بخوبی واقف ہیں۔ تم لوگ کہتے ہو: وہ پاگل ہیں۔ ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! وہ پاگل بھی نہیں، نہ ان میں پاگلوں جیسی کوئی گھٹن ہے، نہ ویسی بہکی بہکی باتیں ہیں، نہ ان جیسی فریب کارانہ گفتگو۔ قریش کے لوگو! سوچو! غور کرو! اللہ کی قسم! تم پر زبردست افتاد آن پڑی ہے۔ تمھیں اس افتاد کا کوئی معقول حل ڈھونڈنا چاہیے۔

نضر بن حارث حیرہ چلا گیا اور وہاں اس نے یہود و نصاریٰ کی مخلوط معاشرت دیکھی، ان کی کتب کا جائزہ لیا، بادشاہوں کے واقعات اور رستم و اسفندیار کے قصے سیکھے۔ اب اُس نے گمراہی پھیلانے کا نرالا طریقہ اختیار کیا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی تاک میں رہنے لگا۔ رسول اللہ ﷺ جہاں بھی تشریف لے جاتے اور جس جگہ بیٹھ کر اللہ کے دین کی باتیں بتاتے اور نافرمانی کی پاداش میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈراتے تو رسول اللہ ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد یہ شخص وہاں جا دھمکتا اور کہتا کہ اللہ کی قسم! محمد کی باتیں میری باتوں سے بہتر نہیں۔ اس کے بعد وہ فارس

[1] الأعلام: 33/8، البداية والنهاية (محقق): 108/4.

کے بادشاہوں رستم واسفندیار کے قصے کہانیاں سناتا، پھر کہتا: آخر کس بنا پر محمد (ﷺ) کی بات مجھ سے بہتر ہے؟ اس صورتحال پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَٰذَا ۙ إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ ﴾ (الأنفال 31:8)

''اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں: یقیناً ہم نے سن لیں، اگر ہم چاہیں تو اس طرح (کا کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں، یہ تو اگلے لوگوں ہی کی داستانیں ہیں۔''

یہ آیت اور اس کی ہم معنی مزید سات آیتیں اللہ تعالیٰ نے نضر بن حارث کے بارے میں نازل فرمائیں۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے کفر، سرکشی، دشمنی اور عناد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات سنتے تو باطل دعوے کرتے ہوئے کہتے: ''یقیناً (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو اس طرح کا (کلام) ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔'' یہ ان کا ایسا دعویٰ تھا جسے وہ پورا نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں تو قرآن نے کئی بار چیلنج کیا تھا کہ وہ اس جیسی ایک ہی سورت بنا کر دکھا دیں مگر وہ قرآنِ مجید کے اس چیلنج کا جواب نہ دے سکے، اس لیے ان کی یہ بات اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو محض دھوکا دینے کے مترادف تھی۔

کہا گیا ہے کہ یہ بات نضر بن حارث لعنہ اللہ نے کہی تھی جیسا کہ سعید بن جبیر، سعدی اور ابن جریج وغیرہ نے بتایا ہے۔ نضر بن حارث ملعون بلادِ فارس میں گیا۔ وہاں ان کے بادشاہوں رستم اور اسفندیار کے قصے معلوم کیے اور جب واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبوت سے سرفراز فرما دیا ہے اور آپ لوگوں کو قرآن پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب کسی مجلس سے اٹھتے تو نضر وہاں بیٹھ جاتا اور لوگوں کو رستم اور اسفندیار کے قصے سنانے لگتا، پھر کہتا: اے اللہ! تو ہی بتا ہم میں سے کس کے قصے اچھے ہیں، میرے یا محمد (ﷺ) کے؟ نَعُوذُ بِاللّٰهِ.

یہی وجہ ہے کہ جب یہ فتنہ پرور شخص غزوۂ بدر میں قیدی بن کر آیا تو رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ اس کی گردن میرے سامنے اڑا دی جائے، چنانچہ آپ کے اس ارشاد کے مطابق اس کی گردن اڑا دی گئی۔[2]

نضر بن حارث کا دوسرا حربہ

جب نضر بن حارث حیرہ سے واپس آیا تو وہاں کے لوگوں کے قصے کہانیوں کے علاوہ وہاں کے طرح طرح کے گیت بھی سیکھ آیا، چنانچہ اس نے اہل مکہ کو حیرہ کے گانے سُنانے شروع کر دیے۔ اس سے پہلے اہل مکہ سیدھی سادی عربی موسیقی ہی جانتے تھے، پھر نضر بن حارث نے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے اور انھیں لہو ولعب میں مشغول کرنے

[1] السيرة لابن إسحاق:238,237/1، تاريخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 157، السيرة لابن هشام:300,299/1، دلائل النبوة للبيهقي:202,201/2. [2] تفسير الطبري و تفسير ابن كثير و تفسير الخازن، الأنفال31:8-33.

کے لیے دو رقاصائیں خریدیں۔ اس بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ (لقمٰن 31:6)

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو لغو باتیں خریدتے ہیں تاکہ وہ علم کے بغیر اللہ کی راہ (دین) سے (لوگوں کو) گمراہ کریں اور اس کا مذاق اڑائیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔''[1]

ولید بن مغیرہ کی حسرت

قرآن مجید کے اعجاز اور اثر انگیز دلکشی کے آگے تمام قریش بے بس ہو گئے۔ وہ قرآن کریم کی دل رُبا تاثیر اور اس کے کشش و انجذاب کے معترف تھے اور اس کی فصاحت و بلاغت پر جھومتے تھے لیکن عصبیت کی وجہ سے قرآن مجید کی حقانیت کا انکار کرتے تھے اور اپنی شکست خوردگی چھپاتے تھے۔

ولید بن مغیرہ اسی مایوس گروہ میں سے تھا۔ ایک دن کہنے لگا: جو بات محمد (ﷺ) کہہ رہے ہیں، اگر یہ حق ہوتی تو قرآن مجھ پر نازل ہوتا یا ابومسعود ثقفی پر اُترتا کیونکہ وہ اہلِ طائف کا سردار ہے۔ درحقیقت ہم ہی اس شرف و مجد کے زیادہ حقدار تھے، اس لیے کہ میں مکہ میں سب سے زیادہ محترم قبیلے قریش کا سردار ہوں اور طائف میں سب سے اونچے مرتبے والا ابومسعود ہے جو ثقیف کا فرمانروا ہے۔ یوں ہم دونوں اپنی اپنی جگہ عظیم الشان شہروں مکہ اور

[1] أنساب الأشراف: 159/1.



طائف کی ایک خوبصورت وادی

طائف کے سردار ہیں۔ اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ○ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا ؕ وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ○﴾ (الزخرف 32,31:43)

''اور انھوں نے کہا: یہ قرآن ان دونوں شہروں میں سے کسی بڑے آدمی پر نازل کیوں نہیں کیا گیا؟ کیا وہ آپ کے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم ہی نے دنیاوی زندگی میں ان کے درمیان ان کی روزی تقسیم کی ہے اور ہم ہی نے درجات میں انھیں ایک دوسرے پر برتری دی ہے تاکہ وہ ایک دوسرے کو خدمت گار بنائیں اور آپ کے رب کی رحمت اس سے بہت بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔''[1]

کفارِ قریش کی طرف سے بے ادبی کا فیصلہ

نبی ﷺ مشرکین کے باطل افکار و عقائد کے نقائص لوگوں کے سامنے برملا واضح فرماتے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ مسلمان بتوں کو بڑے طعنے دیتے تھے۔[2] چنانچہ رؤسائے قریش میں سے ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور اسود بن عبدیغوث اس مسئلے کا حل سوچنے کے لیے اکٹھے ہوئے۔ ولید بن مغیرہ کہنے لگا: اگر محمد (ﷺ) ہمارے معبودوں پر طعن و تشنیع سے باز نہیں آتے تو ہم بھی اس کے معبود کو برا بھلا کہیں گے۔ ابوجہل بولا: یہ تجویز بہت اچھی ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہیے۔ اسود بن عبدیغوث نے بھی تائید کرتے ہوئے اس کی موافقت کی تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ (الأنعام 108:6)

''اور تم انھیں گالی نہ دو جنھیں یہ لوگ (مشرکین) اللہ کے سوا پکارتے ہیں ورنہ وہ بھی جہالت میں حد سے گزرتے ہوئے اللہ کو برا بھلا کہیں گے۔''

اس آیت کے نزول پر تمام مسلمان معبودانِ باطلہ کو برا بھلا کہنے سے رک گئے تاکہ کفار و مشرکین جوابی طور پر اپنی جہالت کے باعث اللہ تعالیٰ کی شانِ اقدس میں بے ادبی نہ کریں۔[3]

سودے بازی کی پیشکش

مشرکینِ مکہ نے پہلے ابوطالب کے ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کو ان کے مشن سے دستبردار کرنے کی کوشش کی۔

[1] السيرة لابن هشام: 361/1، تفسير عبدالرزاق: 168/3، أنساب الأشراف: 152/1، فتح الباري: 379/6. [2] تفسير الطبري، الأنعام 108:6. [3] أنساب الأشراف: 151/1، الكامل لابن الأثير: 593/1.

اس میں ناکامی پر انھوں نے براہِ راست نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر طرح طرح کی نہایت پرکشش ترغیبات دینی شروع کر دیں۔ لیکن وہ ان تمام انفرادی اور اجتماعی کوششوں میں بری طرح ناکام اور نامراد رہے۔

مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پہاڑوں جیسے مضبوط ارادوں کے آگے مشرکین کی ساری امیدیں دم توڑ گئیں۔ قریش افہام و تفہیم سے اسلام کی تحریک ختم کرانے میں ناکام ہو گئے تو اب انھوں نے سودے بازی شروع کر دی۔ اب یہ لوگ اسلام اور جاہلیت کو ملا جُلا کر ایک مشترکہ درمیانی رستہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر اپنی بعض باتیں مشرکین چھوڑ دیں اور بعض باتوں سے نبیِ اکرم ﷺ دستبردار ہو جائیں۔ اس کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ ﴾ (القلم 68:9)

''وہ چاہتے ہیں کہ آپ (کچھ) نرم پڑیں تو وہ بھی نرم پڑ جائیں۔''

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کا طواف فرما رہے تھے کہ اکابر قریش اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سہمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ گئے اور کہنے لگے: اے محمد! آؤ، جسے آپ پوجتے ہیں، اسے ہم بھی پوجیں اور جسے ہم پوجتے ہیں، آپ بھی اس کی پوجا کریں۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں گے۔ اگر تمھارا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہے تو ہم اس کی نوازشات کے حقدار ٹھہریں گے اور اگر ہمارا معبود تمھارے معبود سے بہتر نکلا تو تم اُس کی نوازشات کے مستحق ٹھہرو گے۔

رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا: ''(معاذ اللہ!) میں اپنے رب کی طرف سے صحیح رہنمائی کا منتظر ہوں۔'' اس پر یہ سورت نازل ہوئی:

﴿ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝ ﴾ (الكٰفرون 109:1-6)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: اے کافرو! میں ان (بتوں) کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ تمھارے لیے تمھارا دین اور میرے لیے میرا دین۔''[1]

[1] فتح الباري: 937/8، السيرة لابن هشام: 362/1، أنساب الأشراف: 151/1، تفسير ابن أبي حاتم، الكٰفرون 109:1-6.

ایک روایت میں ہے، قریش نے نبیِ اکرم ﷺ سے کہا: ہم آپ کو ایک تجویز پیش کرتے ہیں۔ اس میں سراسر آپ ہی کی بھلائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''وہ کیا تجویز ہے؟'' انھوں نے کہا کہ ایک سال آپ لات و عزّیٰ کی عبادت کریں اور ایک سال ہم آپ کے اللہ کی عبادت کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس فاسد پیش کش پر فرمایا: ''(معاذ اللہ!) میں اپنے رب کے فیصلے کا منتظر ہوں۔'' اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىِٕنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝﴾ (الزمر 39:64-66)

''کہہ دیجیے: اے جاہلو! کیا تم مجھے غیر اللہ کے بارے میں حکم دیتے ہو کہ میں (ان کی) عبادت کروں؟ اور بلاشبہ آپ کی طرف اور ان لوگوں (نبیوں) کی طرف جو آپ سے پہلے ہوئے، (یہ) وحی کی گئی کہ اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضرور ضائع ہو جائیں گے اور آپ ضرور خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ بلکہ آپ اللہ ہی کی عبادت کریں اور شکر گزاروں میں سے ہو جائیں۔''[1]

نبی ﷺ کو لالچ دینے کے لیے کفار کا اجتماع

دینِ حنیف کے فروغ سے کفارِ قریش حواس باختہ ہوگئے تھے۔ حالات اُن کے قابو سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کی تعداد ہی میں اضافہ نہیں ہو رہا تھا بلکہ ان کی عزیمت و استقامت کا آفتاب بھی پوری طرح چمک رہا تھا۔ یہ ایسی انقلابی صورتِ حال تھی جس کی وجہ سے مسلمانوں کے بارے میں لوگوں کے تأثرات میں بڑی تیزی سے تبدیلی آ رہی تھی اور بہت سے لوگ ان کے ہمنوا ہوتے جا رہے تھے۔

قریش اپنے کفریہ عقائد اور مذموم ارادوں کے لیے تمام ابلیسی ہتھکنڈے استعمال کر رہے تھے، انھوں نے دینِ حق کی مزاحمت کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، انھوں نے اپنے ہی خاندان کے مسلمان ہو جانے والے راست گو افراد سے قطع تعلق کیا، استہزا کیا، بدکلامی کی، ظلم و زیادتی اور اذیت و تشدد کے ہولناک ترین حربے آزمائے۔ لیکن ان حشر بداماں فتنوں کے باوجود مسلمانوں کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہیں آئی۔

سب سے پہلے عتبہ نے رسول اللہ ﷺ سے مذاکرات کیے۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ کو مختلف پیش کشیں کیں اور آپ ﷺ سے درخواست کی کہ آپ اشاعتِ دین کے کام سے باز آ جائیے۔ یہ کوشش ناکام ہوئی تو کفار و مشرکین کے

[1] المعجم الصغير للطبراني: 2/44، حديث: 751.

سردار اسلام کی تبلیغ و اشاعت روکنے کے لیے سر جوڑ کر بیٹھے اور طرح طرح کے متبادل طریقے سوچنے لگے۔

ان میں قریش کے بڑے بڑے سردار موجود تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن مغیرہ، ابوسفیان بن حرب، نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری عاص بن ہشام، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود، ابوجہل بن ہشام، عبداللہ بن ابی امیہ، عاص بن وائل، نُبیہ اور منبہ ابنائے حجاج سہمی اور امیہ بن خلف۔

رؤسائے قریش کا یہ اجتماع خانہ کعبہ کے نزدیک غروب آفتاب کے بعد ہوا۔ جب یہ تمام سردار کعبہ کے قریب اکٹھے ہو گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے: اب محمد (ﷺ) کو بلاؤ۔ آج ان سے فیصلہ کن بات کر لو اور ان کا عذر ہمیشہ کے لیے دور کر دو، چنانچہ انھوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ کی قوم کے سردار آپ سے بات چیت کے لیے جمع ہوئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے خیال فرمایا کہ شاید قوم کا ذہن بدل گیا ہے اور یہ لوگ اسلام کے قریب آگئے ہیں، اس لیے آپ ﷺ ان لوگوں کا پیغام پاتے ہی فوراً تشریف لے آئے۔ رسولِ اکرم ﷺ کو اس امر کی بڑی طلب اور تڑپ تھی کہ کسی طرح سب سے پہلے میری قوم مسلمان ہو جائے اور ہدایت پا جائے۔ قوم کا کسی طرح کے نقصان یا کسی طرح کی مصیبت میں مبتلا ہونا آپ پر نہایت شاق گزرتا تھا۔

رسول اکرم ﷺ جب رؤسائے قریش کے روبرو بیٹھ گئے تو وہ کہنے لگے:

يَا مُحَمَّدُ! إِنَّا قَدْ بَعَثْنَا إِلَيْكَ، لِنُكَلِّمَكَ، وَإِنَّا وَاللّٰهِ! مَا نَعْلَمُ رَجُلًا مِّنَ الْعَرَبِ أَدْخَلَ عَلٰى قَوْمِهِ مِثْلَ مَا أَدْخَلْتَ عَلٰى قَوْمِكَ، لَقَدْ شَتَمْتَ الْآبَاءَ وَعِبْتَ الدِّينَ وَشَتَمْتَ الْآلِهَةَ وَسَفَّهْتَ الْأَحْلَامَ وَفَرَّقْتَ الْجَمَاعَةَ فَمَا بَقِيَ أَمْرٌ قَبِيحٌ إِلَّا قَدْ جِئْتَهُ فِيمَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ، فَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا جِئْتَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ تَطْلُبُ بِهِ مَالًا جَمَعْنَا لَكَ مِنْ أَمْوَالِنَا حَتّٰى تَكُونَ أَكْثَرَنَا مَالًا، وَإِنْ كُنْتَ إِنَّمَا تَطْلُبُ بِهِ الشَّرَفَ فِينَا، فَنَحْنُ نُسَوِّدُكَ عَلَيْنَا، وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ بِهِ مُلْكًا مَلَّكْنَاكَ عَلَيْنَا، وَإِنْ كَانَ هٰذَا الَّذِي يَأْتِيكَ رَئِيًّا تَرَاهُ قَدْ غَلَبَ عَلَيْكَ بَذَلْنَا لَكَ أَمْوَالَنَا فِي طَلَبِ الطِّبِّ لَكَ حَتّٰى نُبْرِئَكَ مِنْهُ.

”اے محمد! ہم نے تمھیں اس لیے بلایا ہے کہ آج تم سے حتمی بات کر لیں۔ ہم نے آج تک کسی عربی نوجوان کو نہیں دیکھا جس نے اپنی قوم کو تباہی میں اس طرح مبتلا کر دیا ہو جس طرح تم نے اپنی قوم کو مبتلا کر دیا ہے، تم نے ہمارے اسلاف کو گالیاں دیں، ہمارے دین میں عیب جوئی کی، ہمارے بتوں کو برا کہا،

ہمیں بیوقوف ٹھہرایا اور ہمارے اتحاد میں تفریق ڈالی۔ بھلا کون سی قباحت باقی ہے جو تم نے ہمارے ما بین پیدا نہیں کی؟ اے محمد! سچ سچ بتا دو! اگر اس ڈھونگ سے تمھارا مقصد مال جمع کرنا ہے تو ہم چندہ کر کے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ گے۔ اگر تم شرف و منزلت چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا سردار تسلیم کر لیتے ہیں۔ اگر بادشاہی چاہتے ہو تو ہم تمھیں ابھی اپنا بادشاہ بنانے پر تیار ہیں۔ اگر تم پر کسی جن یا پری کا سایہ پڑ گیا ہے جس نے تمھیں پریشان کر دیا ہے تو ہم اپنا سرمایہ خرچ کرتے ہیں اور تمھارا علاج کرا دیتے ہیں حتی کہ تم تندرست ہو جاؤ۔‘‘

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«مَا بِي مَا تَقُولُونَ، مَا جِئْتُ بِمَا جِئْتُكُمْ بِهِ أَطْلُبُ أَمْوَالَكُمْ، وَلَا الشَّرَفَ فِيكُمْ، وَلَا الْمُلْكَ عَلَيْكُمْ، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي إِلَيْكُمْ رَسُولًا، وَ أَنْزَلَ عَلَيَّ كِتَابًا، وَ أَمَرَنِي أَنْ أَكُونَ لَكُمْ بَشِيرًا وَّنَذِيرًا، فَبَلَّغْتُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي، وَنَصَحْتُ لَكُمْ، فَإِنْ تَقْبَلُوا مِنِّي مَا جِئْتُكُمْ بِهِ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَ إِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرُ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ»

’’تم لوگ جو کچھ کہہ رہے ہو، مجھے اس میں سے کچھ بھی (مطلوب) نہیں۔ میں جو کچھ تمھارے پاس لے کر آیا ہوں، اس کا مقصد تمھارے مال لینا، تم میں شرف و فضیلت حاصل کرنا یا تمھارا بادشاہ بن جانا ہرگز نہیں۔ ہاں، مجھے اللہ جل شانہ نے تمھاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے، مجھ پر اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم میں سے اس پر ایمان لانے والوں کو خوشخبریاں سناؤں اور انکار کرنے والوں کو اللہ رب العزت کے عذاب سے ڈراؤں۔ یقیناً میں نے اپنے رب کے پیغامات تم لوگوں تک پہنچا دیے ہیں اور تمھاری ہر طرح کی (بھلائی اور) خیر خواہی کر دی ہے۔ اگر تم مجھ سے وہ بات قبول کر لو گے جو میں تمھارے پاس لایا ہوں تو یقیناً دنیا و آخرت میں خوش قسمتی (تمھارا مقدر) ہے اور اگر تم میری دعوت رد کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے لیے صبر کروں گا یہاں تک کہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے۔‘‘

یہ ارشادات سن کر قریش کہنے لگے: اے محمد! اگر آپ کو ہماری پیش کردہ کوئی تجویز بھی قبول نہیں تو پھر اس معاملے پر اس انداز سے غور کیجیے کہ ہمارا علاقہ تمام علاقوں سے زیادہ تنگ ہے، سب سے زیادہ ہمارے ہاں پانی کی کمی ہے، ضروریاتِ زندگی کی جس قدر قلت ہمیں لاحق ہے، اتنی کسی کو بھی نہیں، لہٰذا جس رب نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے اور جس کا آپ دعویٰ کرتے ہیں، اس سے دعا کیجیے کہ وہ ان پہاڑوں کو ہمارے پاس سے ہٹا کر دور کر دے۔ ان

پہاڑوں نے ہمارے شہر کو تنگ کر دیا ہے۔ اپنے رب سے کہیے کہ ہمارے شہر کے نشیب و فراز ختم کر کے اسے ہموار اور کشادہ کر دے۔ جس طرح شام اور عراق میں دریا بہہ رہے ہیں، اسی طرح ہمارے لیے بھی دریا بہا دے۔ ہمارے مرے ہوئے آباء و اجداد کو زندہ کر دے۔ ان میں سے قصی بن کلاب کو زندہ کرنا بہت ضروری ہے کیونکہ وہ سب سے زیادہ راست گو اور سچا انسان تھا، پھر ہم اس سے آپ کے بارے میں پوچھیں گے کہ آپ سچے ہیں یا جھوٹے؟ اگر آپ نے ہمارا مطالبہ پورا کر دیا اور ہمارے بزرگوں نے بھی آپ کی تصدیق کر دی تو ہم آپ کو سچا مان لیں گے اور اللہ کے نزدیک آپ کا مرتبہ بھی جان جائیں گے اور تسلیم کر لیں گے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے۔

ایک روایت کے مطابق قریش کہنے لگے: ہمیں شام، یمن یا حیرہ لانے اور لے جانے کا ایسا بندوبست کر دیجیے کہ ہم ایک ہی رات میں وہاں آ جا سکیں کیونکہ آپ کا اپنے بارے میں یہی دعویٰ ہے کہ آپ آ جا سکتے ہیں۔

اللہ جل شانہ نے ان کی اس بات پر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى﴾ (الرعد 31:13)

''اور اگر بلاشبہ قرآن ایسا ہوتا کہ اس کے ذریعے سے پہاڑ چلائے جاتے یا اس سے زمین قطع کی جاتی یا اس سے مُردے بلوا لیے جاتے (تب بھی کفار ایمان نہ لاتے)۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی ہرزہ سرائی سن کر فرمایا:

[1] المصنف لابن أبي شيبة: 334/7.

دریائے دجلہ کی سرسبز وادی



عانہ (عراق) کے نزدیک بہتا دریائے فرات



«مَا بِهٰذَا بُعِثْتُ إِلَيْكُمْ، إِنَّمَا جِئْتُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ بِمَا بَعَثَنِي بِهِ، وَقَدْ بَلَّغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ، فَإِنْ تَقْبَلُوهُ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَ بَيْنَكُمْ»

''اللہ جل جلالہ نے مجھے ان کاموں کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ میں تو اس کا پیغام لے کر تمھارے پاس آیا ہوں اور میں نے وہ پیغام تمھیں پہنچا دیا ہے۔ اگر تم اسے قبول کر لو تو یہ تمھارے لیے دنیا و آخرت کی خوش نصیبی ہے اور اگر تم اسے مسترد کر دو تو پھر بھی میں حکم الٰہی کے لیے صبر کروں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور تمھارے درمیان فیصلہ فرما دے۔''

یہ سن کر قریش نے کہا: اگر آپ ہمارے بھلے کے لیے کچھ نہیں کرتے تو نہ کریں، ہمیں کوئی اصرار نہیں۔ چلیے کم سے کم اپنے لیے ہی کچھ مانگ لیں۔ زیادہ نہیں تو کم از کم آپ کا اللہ آپ کے لیے ایک فرشتہ ہی مقرر کر دے جو آپ کے ساتھ رہے اور آپ کی ہر بات کی تصدیق کرے اور ہمیں آپ سے دور رکھے۔ آپ اپنے رب سے یہ سوال بھی کریں کہ وہ صحراؤں میں باغات لہلہا دے، محلات تعمیر کر دے، زر و سیم کے خزانوں کے ڈھیر لگا دے تاکہ آپ کو موجودہ افلاس اور تنگ دستی سے نجات مل جائے اور آپ کسب معاش کی تکلیف سے بچ جائیں۔ ہم تو یہی دیکھتے ہیں کہ ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لیے ہماری طرح آپ بھی بازاروں اور منڈیوں میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اگر آپ واقعی اپنے دعوے کے مطابق اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ سے یہ مطالبات پورے کرا کے دکھایئے، پھر ہم مان لیں گے کہ آپ سچ مچ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے ہاں آپ کا بڑا مرتبہ ہے۔ قریش کے یہ مطالبات سُن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَنَا بِفَاعِلٍ، وَمَا أَنَا بِالَّذِي يَسْأَلُ رَبَّهُ هٰذَا، وَمَا بُعِثْتُ إِلَيْكُمْ بِهٰذَا، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ بَعَثَنِي بَشِيرًا وَّ نَذِيرًا، فَإِنْ تَقْبَلُوا مَا جِئْتُكُمْ بِهِ فَهُوَ حَظُّكُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَإِنْ تَرُدُّوهُ عَلَيَّ أَصْبِرْ لِأَمْرِ اللّٰهِ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ»

''میں یہ کام کرنے والا نہیں، میں ایسا شخص نہیں ہوں کہ اپنے پروردگار سے ان چیزوں کا سوال کروں، نہ میں تمھارے ایسے مطالبات پورے کرانے کے لیے مبعوث کیا گیا ہوں، مجھے تو اللہ جل جلالہ نے (ایمان لانے والوں کو) خوشخبریاں دینے والا اور (کفر کرنے والوں کو اس کے عذاب سے) ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا ہے، جو دین میں لایا ہوں اگر تم اسے قبول کر لو تو دنیا و آخرت میں خوش رہو گے اور اگر اسے مسترد کرو گے تو

میں اللہ کے حکم کے لیے صبر کروں گا تا آنکہ میرے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ فیصلہ صادر فرما دے۔''

کفار قریش نے کہا: پھر آپ اپنے رب سے کہیے کہ ہم پر آسمان کے ٹکڑے ہی برسا دے جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ اگر وہ ذاتِ عالی تمھارے ساتھ ایسا کرنا چاہے تو اس کے ہاں کوئی دیر نہیں۔''

مشرکین کے ان مطالبات کا قرآن کریم میں جابجا ذکر کیا گیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی مندرجہ ذیل آیات میں تقریباً یہ سارے مطالبات یکجا کر دیے گئے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ ﴾

''اور وہ بولے: ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حتی کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری کر دے۔ یا تیرے لیے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو، پھر تو اس (باغ) کے درمیان (جابجا) نہریں جاری کر دے۔ یا تو آسمان ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر گرا دے جیسا کہ تو کہا کرتا ہے، یا اللہ کو اور فرشتوں کو سامنے لے آ۔ یا تیرے لیے سونے کا گھر ہو۔ یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ ہم تیرے آسمان پر چڑھنے پر (بھی) ایمان نہ لائیں گے حتی کہ تو ہم پر ایک کتاب اتار لائے جسے ہم پڑھیں، (اے پیغمبر! ان لوگوں سے) کہہ دیجیے: میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔''[1]

کفار نے کہا: اے محمد! اگر آپ کا پروردگار جانتا تھا کہ ہم آپ سے ایک مجلس میں یہ سوالات کریں گے اور یہ مطالبات پیش کریں گے تو اس نے پہلے ہی سے آپ کو ہمارے سوالات کے صحیح صحیح جواب کیوں نہ بتا دیے جن سے ہم مطمئن ہو جاتے؟ اُسے اس بات سے بھی خبردار کر دینا چاہیے تھا کہ اگر ہم آپ کا دین نہیں مانیں گے تو ہمارا انجام کیا ہوگا۔ ہمیں تو آپ کے بارے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کو یمامہ کا رحمٰن نامی ایک آدمی یہ سب کچھ سکھاتا ہے۔ اللہ کی قسم! ہم رحمٰن الیمامہ پر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اے محمد! ہم نے آپ کے سب عذر ختم کر دیے ہیں اور آپ کو ہر طرح سے لاجواب کر دیا ہے۔ واللہ! اب ہم ہرگز یہ موقع نہیں دیں گے کہ آپ ہمیں مزید پریشان کرتے رہیں۔ اب تو صرف یہی صورت باقی رہ گئی ہے کہ ہم آپ کو ہلاک کر دیں یا آپ ہمیں موت کے گھاٹ اتار دیں۔ بعض مشرکین نے کہا: ہم تو

[1] بنیٓ إسرآءیل 17:90-93.

فرشتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض نے کہا: ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ اللہ اور فرشتوں کو صف در صف ہمارے سامنے نہ لے آئیں۔

جب کفار و مشرکین اس قسم کی لغو اور بیہودہ باتیں کرتے رہے تو نبی کریم ﷺ اس مجلس سے اُٹھ گئے اور واپس تشریف لے آئے۔ اس موقع پر آپ کے پیچھے پیچھے آپ کی پھوپھی عاتکہ بنت عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ بن ابی امیہ مخزومی بھی چل پڑا۔

عبداللہ بن ابی امیہ کی جاہلانہ تکرار

عبداللہ بن ابی امیہ نے آپ ﷺ کو مخاطب کیا اور کہا: اے محمد! آپ کی قوم نے آپ کے سامنے کئی تجویزیں رکھیں مگر آپ نے ان کی ایک بات بھی نہیں مانی، پھر انھوں نے آپ سے چند باتیں عرض کیں تاکہ ان کے پورے ہوجانے سے اللہ کے نزدیک آپ کے مرتبے کا پتہ چل جاتا، اس طرح وہ آپ کی تصدیق کرتے اور آپ کے تابع ہو جاتے لیکن آپ یہ بھی نہ کر سکے، پھر انھوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے خود اپنے لیے ہی کچھ مراعات حاصل کرلیں۔ اس سے ان پر آپ کی حقیقت ظاہر ہو جاتی اور اللہ کے ہاں آپ کے مرتبے کا بھی پتہ چل جاتا۔ آپ نے یہ بھی نہ کیا۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ اگر آپ اور کچھ نہیں کر سکتے تو ہم پر وہ عذاب ہی لے آئیے جس سے آپ انھیں روزانہ ڈراتے رہتے ہیں۔

اللہ کی قسم! میں آپ پر قطعاً ایمان نہیں لاؤں گا، چاہے آپ میرے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جائیں اور وہاں سے اپنے لیے اپنے رب سے چٹھی لکھوا لائیں اور ساتھ چار فرشتے بھی اُتر آئیں جو شہادت دیں کہ واقعی آپ اللہ کے رسول ہیں۔ واللہ! اگر آپ یہ سب کچھ کر گزریں، تب بھی میں آپ کی تصدیق کروں گا نہ آپ کو اللہ کا رسول مانوں گا۔ وہ یہ جاہلانہ باتیں کر کے چلا گیا۔ ادھر آپ ﷺ انتہائی مغموم ہوکر اپنے گھر واپس تشریف لے آئے۔ آپ ان لوگوں کے بلاوے پر ان کے ایمان لانے کی جو آرزو لے کر گئے تھے، وہ پوری نہیں ہوئی۔[1]

کوہ صفا کو سونا بنانے کا مطالبہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قریش ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: اے محمد! اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمارے لیے کوہِ صفا کو سونے کا بنا دے۔ اگر یہ پہاڑ سونے کا بن گیا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمائی۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہنے لگے: (اے اللہ کے رسول!) اللہ تبارک وتعالیٰ

[1] السيرة لابن إسحاق: 1/234-236، السيرة لابن هشام: 1/295-298.

نے آپ پر سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے تو بنا دیا جائے گا، پھر اس کے بعد اگر کسی نے کفر کیا تو اسے لازماً ایسا عذاب دیا جائے گا کہ ویسا عذاب دنیا بھر میں کسی کو نہیں دیا گیا۔ اور اگر آپ چاہتے ہیں تو ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”ہاں! میں رحمت اور توبہ کے دروازے ہی کا طلبگار ہوں۔“[1]

کفار قریش کا یہود مدینہ سے صلاح مشورہ

جیسا کہ سابقہ اوراق میں بتایا گیا ہے کہ نضر بن حارث قریش مکہ کا ایک سرکردہ شخص تھا۔ وہ اسلام دشمنی میں یگانہ تھا۔ وہ حیرہ (فارس) میں جو کہانیاں سن کر آتا تھا، وہ انھیں لوگوں کے سامنے قرآن مجید کے مقابلے میں بیان کرتا تھا۔

رسول اللہ ﷺ اور اسلام سے اس کی دشمنی کے پیش نظر قریش مکہ نے نضر بن حارث کو عقبہ بن ابی معیط کے ساتھ یثرب (مدینہ منورہ) بھیجا۔ یثرب میں یہودی آبادکار موجود تھے۔ قریش نے ان دونوں کو احبارِ یہود کے پاس اس لیے بھیجا کہ ان سے محمد ﷺ کے بارے میں دریافت کیا جائے، انھیں یہ تاکید کی گئی کہ وہ یہودیوں کے سامنے محمد ﷺ کی صفات بیان کریں اور وہ جو نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، اس کا حال سنائیں کیونکہ یہودی اہل کتاب ہیں اور انبیاء ﷺ کے بارے میں جو علم انھیں حاصل ہے، وہ ہمیں نہیں ہے۔

نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط مدینہ منورہ پہنچے، انھوں نے احبار یہود سے محمد ﷺ کے بارے میں سوالات کیے، آپ ﷺ کی صفات بتائیں، نبوت کے دعوے کا حال سنایا اور تعلیمات نبوی سے آگاہ کیا۔ پھر کہا: اے علمائے یہود! آپ اہل تورات ہیں، ہم آپ سے اس مدعیِ نبوت کے بارے میں پوچھنے آئے ہیں۔ یہ بتائیے کہ ہم اس کے سچ یا جھوٹ کا فیصلہ کس طرح کریں؟

علمائے یہود نے اپنی کتاب کے علم کی روشنی میں کہا: اے اہل مکہ! تم ان سے تین سوالات کرو۔ اگر انھوں نے ان سوالوں کے صحیح صحیح جوابات دے دیے تو یقین کر لینا کہ وہ اللہ جل شانہ کے بھیجے ہوئے نبی اور رسول ہیں۔ اگر وہ ان سوالات کا صحیح جواب نہ دے سکیں تو لامحالہ جھوٹے ہیں، اس کے بعد تم جو چاہو فیصلہ کر لینا۔

اولاً: اس سے ان نوجوانوں (اصحابِ کہف) کے بارے میں دریافت کرنا جو قرونِ اولیٰ میں ظلم سے بچنے کے لیے اپنے شہر سے دور نکل گئے تھے، ان کی سرگزشت بڑی عجیب ہے۔

پھر اس سے اس شخص (ذوالقرنین) کے بارے میں پوچھنا جس نے زمین کے تمام مشرقی اور مغربی ممالک زیرنگیں کر لیے۔ اُس کے بارے میں معلوم کرنا کہ وہ کون تھا؟ اور اس کا کیا حشر ہوا؟

[1] مسند أحمد: 242/1، المستدرك للحاكم: 54,53/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 127,126.

تیسرا سوال روح کے بارے میں کرنا کہ یہ کیا چیز ہے؟

اگر انھوں نے ان تینوں سوالات کا صحیح جواب دے دیا تو ان کا اتباع کرو کیونکہ بلاشبہ وہ نبی برحق ہیں اور اگر وہ ان کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ جھوٹے ہیں، پھر تم ان کے بارے میں فیصلہ کرنے میں آزاد ہو۔

یہ سن کر نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط مکہ لوٹ آئے۔ انھوں نے قریش کو جمع کیا اور کہنے لگے: اے جماعت قریش! ہم علمائے یہود سے تمھارے اور محمد (ﷺ) کے بارے میں فیصلہ کن باتیں پوچھ آئے ہیں۔ علمائے یہود نے اُن سے تین باتیں پوچھنے کے لیے کہا ہے۔ اگر انھوں نے ان کا صحیح جواب دے دیا تو وہ یقیناً نبی برحق ہیں ورنہ جھوٹے ہیں، پھر تم ان کے بارے میں جو جی چاہے فیصلہ کرلو۔

رسول اللہ ﷺ سے قریش کے سوالات

یہ سن کر قریش اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے سوالات کرنے شروع کر دیے:

اے محمد! بتایئے وہ نوجوان کون تھے جو قرونِ ماضیہ میں ظلم و ستم سے بچنے کے لیے اپنے گھر سے نکل گئے؟ ہمیں ان کی عجیب و غریب سرگزشت سنایئے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ آدمی کون تھا جس نے زمین کے مشرقی اور مغربی کنارے چھان مارے اور ان پر غلبہ پالیا؟ نیز یہ بتایئے کہ روح کیا چیز ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں ان سوالات کا جواب کل دوں گا۔'' یہ ارشاد فرما کر آپ ﷺ ''ان شاء اللہ'' کہنا بھول گئے۔ قریش آپ سے وعدہ لے کر واپس چلے گئے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ پر پندرہ دن تک کوئی وحی آئی نہ جبریل علیہ السلام تشریف لائے۔ قریش اور اہل مکہ کو دوسرے دن کوئی جواب نہ ملا تو انھوں نے پراپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) نے ہم سے ایک دن کا وعدہ کیا تھا لیکن آج پندرہ روز گزر چکے ہیں مگر انھوں نے ہمارے سوالات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ دوسری طرف رسول اکرم ﷺ وحی رک جانے کی وجہ سے بہت غمگین ہو گئے اور آپ ﷺ پر اہل مکہ کا پراپیگنڈہ بڑا گراں گزرا۔

پندرہ دن کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی۔ اس وحی میں اللہ جل شانہ نے مشرکین کے سوالات کا جواب عطا فرمایا۔ آپ سے فرمایا گیا کہ مُشرکوں کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کیوں ہلکان اور پریشان ہوتے ہیں؟ ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ سے آپ کو ہرگز پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

ابن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جبریل امین علیہ السلام سے دریافت فرمایا: ''آپ اتنی دیر تک کیوں رکے رہے؟ آپ کے نہ آنے کی وجہ سے میرے دل میں بدگمانی پیدا ہونے لگی تھی۔'' یہ سُن کر جبریل علیہ السلام نے یہ

آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا ۝ ﴾

(مریم 19:64)

''اور ہم (فرشتے) آپ کے رب ہی کے حکم سے نازل ہوتے ہیں، اسی کے لیے ہے جو کچھ ہمارے آگے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو کچھ اس کے درمیان ہے اور آپ کا رب بھولنے والا نہیں۔''

سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے آپ کی نبوت کی تصدیق فرمائی:

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۝ وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ ..... ﴾ (الکہف 18:1-4)

''ساری حمد اللہ ہی کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور اس میں کوئی ٹیڑھ نہیں رکھی۔ ٹھیک اور سیدھی (کتاب کسی افراط وتفریط کے بغیر اتاری) تاکہ وہ اس (اللہ) کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے اور مومنوں کو بشارت دے جو نیک عمل کرتے ہیں کہ بے شک ان کے لیے اچھا اجر ہے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔ اور تاکہ ان لوگوں کو ڈرائے ......۔''

مشرکین کے سوالات کا جواب

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے سوالات کے جواب کے ضمن میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ ارشاد بھی فرمایا:

﴿ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰٓی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۝ ﴾ (الکہف 18:23،24)

''اور آپ کسی شے کے متعلق یہ نہ کہیں: بے شک میں اسے کل کردوں گا۔ (لیکن ساتھ یہ ضرور کہیں) مگر یہ کہ اللہ چاہے۔ اور جب آپ بھول جائیں تو اپنے رب کو یاد کیجیے اور کہہ دیجیے: امید ہے کہ میرا رب میری اس سے قریب تر بھلائی کی طرف رہنمائی فرمائے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں مشرکین کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

﴿ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِیْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا ۝ اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝ فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ

عَدَدًا ۝ ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ۝﴾ (الکہف 18:9-12)

”کیا آپ نے سمجھا کہ غار اور کتبے والے ہماری نشانیوں میں سے ایک عجیب نشانی تھے؟ جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو انھوں نے کہا: اے ہمارے رب! ہمیں اپنے پاس سے رحمت دے اور ہمارے لیے ہمارے معاملے میں صحیح رہنمائی فرما۔ پھر ہم نے غار میں ان کے کانوں پر کئی برس کے لیے پردہ ڈال دیا۔ پھر ہم نے انھیں اُٹھایا تاکہ ہم معلوم کریں کہ دو گروہوں میں سے کون اس مدت کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے، جو انھوں نے گزاری۔“

اور پھر اس کے بعد اصحاب کہف کا واقعہ بیان فرمایا۔



سے10 کلومیٹر مشرق میں اصحاب کہف کا مبینہ غار

دوسرے سوال کے جواب میں اللہ جل شانہ نے ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا:

﴿وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۝ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۝﴾ (الکہف 18:83،84)

”اور یہ لوگ آپ سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے: عنقریب میں اس کا کچھ ذکر

تمھارے سامنے تلاوت کروں گا۔ بے شک ہم نے اسے زمین میں اقتدار دیا تھا اور اسے ہر چیز کے اسباب دیے تھے۔''

تیسرے سوال روح کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا:

﴿وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (بني إسرآء يل 85:17)

''اور وہ آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں تو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے۔''

اس آیت کے بارے میں احبارِ یہود نے نبی ﷺ کی ہجرت کے بعد آپ سے پوچھا کہ کیا یہ آیت آپ کی امت کے بارے میں نازل ہوئی ہے یا یہ خطاب ہمارے لیے ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ خطاب سب کے لیے ہے۔'' یہودی کہنے لگے: آپ تو خود اپنی کتاب میں پڑھتے ہیں کہ ہمیں تورات ملی ہے، اس میں ہر چیز کا بیان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''تورات بھی اللہ کے علم کے مقابلے میں کم ہے۔ ہاں، اگر تم تحریف نہ کرو تو تمھارے لیے اس کا علم بھی کافی ہے۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ﴾ (لقمٰن 27:31)

''اور اگر زمین میں جتنے درخت ہیں، وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر (روشنائی بن جائے) اور اس کے بعد سات سمندر اس میں مزید روشنائی شامل کردیں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے مشرکین مکہ کے روبرو دین اسلام نہایت وضاحت سے پیش کردیا۔ آپ ﷺ نے وحی کے ذریعے سے حاصل ہونے والے ان کے سوالوں کے جواب بھی دے دیے۔ اُن پر آپ کی صداقت بھی اچھی طرح روشن ہوگئی لیکن غرور اور حسد کی بنا پر وہ آپ ﷺ کی تصدیق اور اتباع پر آمادہ نہ ہوئے بلکہ سرکشی اور نافرمانی میں پہلے سے بھی زیادہ آگے بڑھ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے مقاصدِ جلیلہ کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے اختیار کرنے لگے۔

نبیِ اکرم ﷺ کو اسلام کی دعوت دینے پر کفار و مشرکین کی طرف سے شدید مصائب کا شکار ہونا پڑا لیکن آپ نے

[1] صحيح البخاري: 7297، صحيح مسلم: 2794، السيرة لابن إسحاق: 1/238-241، السيرة لابن هشام: 1/300-308، دلائل النبوة للبيهقي: 2/269-271، سبل الهدٰى والرشاد: 2/345-350.

ان تمام حربوں کا نہایت پامردی سے مقابلہ کیا۔ آیئے ذرا اس ایمان افروز انقلابی جدوجہد کا جائزہ لیں۔

کفار کو ترجیح دینے پر اللہ کی ناراضی

دین اسلام بنی نوع انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام واحسان ہے لیکن یہ متاعِ رفیعہ انھی خوش نصیب لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جنھیں اللہ تعالیٰ فضل خاص سے نوازنا چاہے۔ مکہ کے غریب، نادار، بے نوا اور کسمپرس لوگوں میں سچائی کی طلب تھی، اللہ نے انھیں دولت اسلام عطا کر دی۔ کفار ومشرکین کے بڑے بڑے سرداروں کے سر غرور وتمکنت کے نشے سے لبریز تھے، اللہ نے انھیں نورِ اسلام سے محروم رکھا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے غربائے مکہ کو ان سرداروں کے مقابلے میں فضیلت بخشی۔ رسول اللہ ﷺ سردارانِ مکہ کے قبول اسلام کے آرزومند رہتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ پر واضح فرما دیا کہ جسے میں چاہتا ہوں، اُسی کو ہدایت دیتا ہوں اور کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکال کر اسلام کے اُجالے میں لا کھڑا کرتا ہوں۔

ایک موقع پر نبیِ مکرم ﷺ کفار مکہ کے بعض سرداروں سے محوِ گفتگو تھے۔[1] یہ سردار کون لوگ تھے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض نے عتبہ بن ربیعہ، بعض نے ولید بن مغیرہ اور بعض نے دوسروں کا ذکر کیا ہے لیکن بہرحال وہ سردارانِ قریش ہی تھے۔

رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو دعوت اسلام دے رہے تھے۔ آپ اللہ جل جلالہ کے مبارک دین کے جوہر اُجاگر فرماتے جاتے تھے اور ساتھ ہی پوچھتے بھی جاتے تھے کہ میں جو مبارک دین لے کر آیا ہوں، کیا یہ سب سے اچھا نہیں؟ جواباً سامعین بولتے جاتے تھے: کیوں نہیں! یہ تو بہت اچھا دین ہے۔ آپ ﷺ نے ایک شخص کو مخاطب کر کے پوچھا: ''اے فلاں! جو کچھ میں تم لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہوں، کیا اس میں کوئی بری بات ہے؟'' وہ بولا: نہیں، ہرگز نہیں۔[2]

اسی اثنا میں نابینا صحابی ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ آ گئے۔ وہ یہ ادراک واحساس نہ کر سکے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کسی اہم کام میں مصروف ہیں۔ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آتے ہی فوراً سوال کر دیا: اے اللہ کے رسول! مجھے قرآن پڑھایئے اور اللہ جل شانہ نے آپ کو جو علم عطا فرمایا ہے، اُس سے مجھے بھی روشناس فرمایئے۔ نبیِ اکرم ﷺ کو ان کی یہ اچانک مداخلت گراں گزری کیونکہ اس وقت آپ کی بھرپور توجہ سردارانِ قریش ہی کی طرف تھی اور آپ انھیں دعوتِ اسلام دینے میں محو تھے اور آپ کے دل میں یہ تمنا مچل رہی تھی کہ کاش یہ لوگ اسلام قبول کر لیں۔

[1] المستدرك للحاكم: 514/2. [2] صحیح ابن حبان: 294,293/2، حدیث: 535.

جب سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک شکن آلود ہوگئی اور آپ ﷺ پریشانی کی حالت میں انھیں وہاں چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورۂ عبس کی یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰٓى ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰٓى ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝﴾

(عبس 80:1-14)

''اس نے ماتھے پہ شکن ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ (اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت سنتا تو اسے نصیحت نفع دیتی۔ لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا، آپ اس کی فکر میں ہیں۔ حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا چلا آیا۔ اور وہ ڈرتا بھی ہے۔ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ہرگز نہیں! بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے۔ چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے۔ (وہ ان) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔''[1]

سردارانِ قریش کا حقارت آمیز تبصرہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے احباب حضرت خباب، صہیب، بلال اور عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اسی دوران قریش کے چند سرداروں کا آپ ﷺ کے قریب سے گزر ہوا تو وہ کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ ان جیسے لوگوں کی قربت پر راضی ہوگئے ہیں۔[2]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (قبول اسلام سے پہلے) سیدنا اقرع بن حابس تمیمی اور سیدنا عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہما آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا صہیب، سیدنا بلال، سیدنا عمار اور سیدنا خباب رضی اللہ عنہم اور انھی جیسے کچھ دوسرے غریب، کمزور اور نادار مومنوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جب انھوں نے ان نادار حضرات کو نبی ﷺ کے اردگرد بیٹھے دیکھا تو انھیں حقیر جانا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے تنہائی میں بات کی اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ الگ تشریف رکھیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری فضیلت (اور بلند مقامی) کا پتہ چلے۔ آپ کے پاس عرب

[1] السیرۃ لابن إسحاق: 263,262/1، السیرۃ لابن هشام: 364,363/1، سبل الهدٰی والرشاد: 423/2. [2] مسند أحمد: 420/1.

کے مختلف علاقوں کے وفد آتے ہیں اور ہمیں اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں، اس لیے جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ انھیں اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں، جب ہم فارغ ہو جائیں تو پھر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ بھی تشریف رکھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' انھوں نے کہا: ہمیں (اس معاہدے کی) ایک تحریر لکھ دیجیے۔ نبی ﷺ نے لکھنے کا سامان طلب فرمایا اور لکھنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ ہم (غریب مسلمان) ایک طرف بیٹھے تھے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آ گئے اور انھوں نے وحی کی یہ آیات سنائیں:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّ مَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 52:6)

''اور ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کیجیے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے (اور اس کی عبادت کرتے) ہیں۔ وہ اپنے رب کا چہرہ (رضا مندی) چاہتے ہیں۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ آپ پر نہیں اور آپ کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ ان پر نہیں، پھر اگر آپ انھیں اپنے سے دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا (جو اس وقت غیر مسلم تھے) اور فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام 53:6)

''اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ لوگ (انھیں دیکھ کر) کہیں: کیا ہم میں سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا؟''

اور پھر فرمایا:

﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾

(الأنعام 54:6)

''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو۔ تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے ذمے لازم کر لیا ہے۔''

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی ﷺ کے قریب آ گئے حتی کہ ہم نے آپ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے

ملا دیے۔ پھر (یہ کیفیت ہوگئی کہ) رسول اللہ ﷺ ہمارے ساتھ خاصی دیر تک بیٹھے رہتے۔ پھر جب آپ اٹھنا چاہتے تو تشریف لے جاتے اور ہمیں بدستور بیٹھا رہنے دیتے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا﴾ (الکہف 28:18)

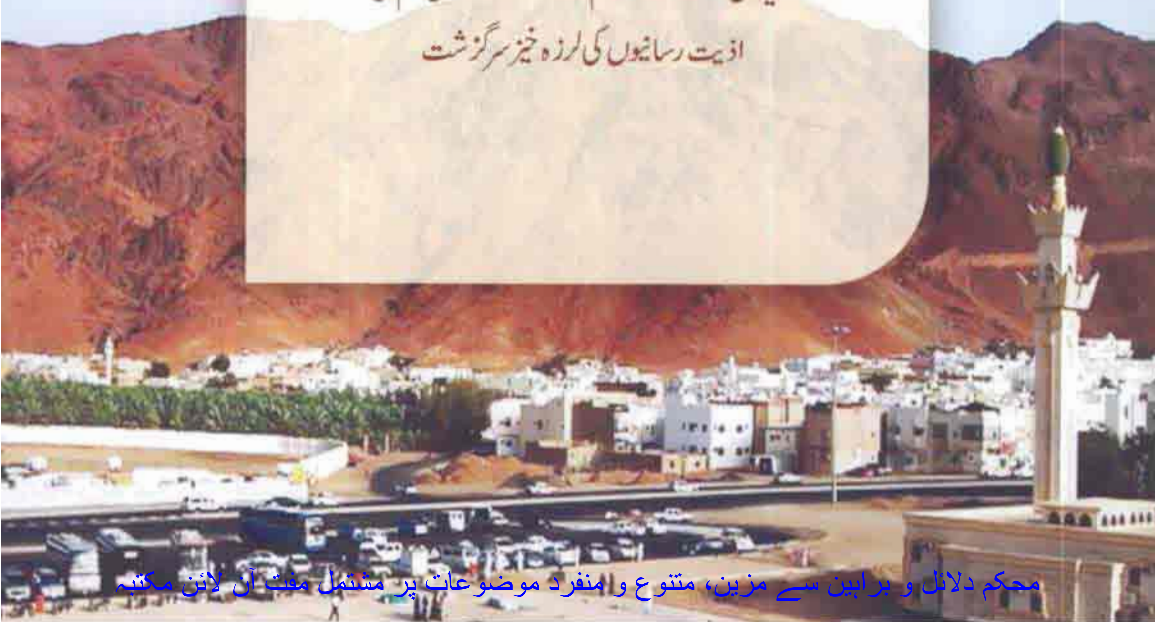
"اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روکے رکھیے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ وہ اس کی رضا کے طالب ہیں۔ اور آپ کی نظریں انھیں چھوڑ کر دوسرے لوگوں کی طرف نہ جائیں (ان سرداروں کے ساتھ نہ بیٹھیں) کہ آپ دنیا کی زندگی کی زینت چاہنے لگیں۔ اور آپ اس شخص (عیینہ اور اقرع) کی بات نہ مانیں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے اور اس کا معاملہ حد اعتدال سے ہٹا ہوا ہے (ایسا شخص ہلاکت کا باعث ہے۔)"

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: اس سے مراد عیینہ اور اقرع کا معاملہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دو آدمیوں کا واقعہ بیان فرمایا اور دنیا کی زندگی کی مثال بیان فرمائی۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا: (اس کے بعد) ہم نبی ﷺ کے ساتھ بیٹھتے تھے لیکن جب وہ وقت آتا جو نبی ﷺ کے اٹھنے کا ہوتا تھا تو ہم خود ہی نبی ﷺ کو چھوڑ کر اٹھ جاتے تھے تاکہ آپ بھی سہولت کے ساتھ تشریف لے جائیں۔[1]

[1] سنن ابن ماجہ: 4127.

رحمۃ للعالمین ﷺ پر مشرکین کے مظالم

ابولہب کی گستاخانہ جسارتوں، ابوجہل کی سفاکیوں اور
امیہ بن خلف کے مظالم کے علاوہ دیگر اہل ستم کی
اذیت رسانیوں کی لرزہ خیز سرگزشت



وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔''

(المآئدۃ 5:67)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ

''بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔''

(الحجر 15:95)

اس باب میں





آپ پر یہ حقیقت اُجاگر ہوگی کہ سچائی کے اعلان واظہار کا راستہ طرح طرح کے آلام ومصائب سے اٹا ہوا ہے۔ آشوب وآلام کے نشیب و فراز رسالت مآب ﷺ پر بھی گزرے۔ مشرکینِ مکہ کی آنکھوں میں جہالت کی دُھول پڑی ہوئی تھی، انھوں نے آپ ﷺ کو نہیں پہچانا۔ وہ آپ کی مخالفت کرتے رہے ان کے حلق سب وشتم اُگلتے رہے، ام جمیل طعنہ دیتی رہی۔ ابولہب محسنِ انسانیت ﷺ سے گستاخیاں کرتا رہا۔ نبیہ، منبہ، حارث سہمی، نضر بن حارث اور عبداللہ بن زبعری واہیات باتیں کرتے رہے۔ امیہ بن خلف نے زیادتیاں کیں، چچی نے ایذا دی، ابوجہل نے ہولناک مذاق کیا۔ حمزہ اُس پر انتقام لینے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ پڑوسیوں نے سفاکیاں کیں۔ پھولوں سے زیادہ پاکیزہ دختران رسول ﷺ کو صرف اس لیے طلاق دے دی گئی کہ یہ اس غمگسار انسانیت ﷺ کی صاحبزادیاں ہیں جو ناآشنائے حقیقت جاہلوں کو رہ رہ کر اور تڑپ تڑپ کر صراط مستقیم کی طرف بلا رہا ہے......

یہ ساری چشم کشا حقیقتیں آپ اگلے اوراق میں جزئیات سمیت پڑھیں گے۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ ان تمام حالات وحوادث میں جو چیز رحمت اللعالمین کے لیے ہمیشہ پشتیبان بنی رہی وہ اللہ رب العزت کا کلامِ عظیم قرآن کریم تھا، جو آپ ﷺ پر ہر مرحلے میں بارانِ رحمت کی طرح اترتا رہا۔



مشرکین کی اسلام دشمنی کے اسباب

مکہ مکرمہ کی عزت کعبہ شریف کی وجہ سے ہے۔ قریش کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے۔ مذہبی تہواروں کی قیادت کرتے تھے۔ ہر طرح کے سماجی، سیاسی اور صلح و جنگ کے فیصلے بھی انھی کے ہاتھ میں تھے۔ ادائے حج اور عمرے کے مراسم بھی وہی ادا کراتے تھے۔ اسی بنا پر وہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوتِ اسلام کا آغاز کیا تو ان لوگوں نے فوراً محسوس کیا کہ محمد ﷺ کا لایا ہوا دین تو ہماری قیادت و سیادت کے لیے خطرہ ہے۔

رؤسائے مکہ

آغاز اسلام کے وقت مکہ میں جن لوگوں کا بڑا رتبہ مانا جاتا تھا، ان میں یہ لوگ نمایاں تھے: ولید بن مغیرہ، ابوجہل عمرو بن ہشام، ابوسفیان بن حرب، ابولہب، عاص بن وائل سہمی، عتبہ بن ربیعہ، اسود بن مطلب، اسود بن عبدیغوث، نضر بن حارث، اخنس بن شریق، ابیّ بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط۔ ان سب کا قریش میں نمایاں مقام



ترکوں کے دور کی کلید کعبہ

تھا اور زیادہ تر انھی لوگوں نے بڑھ چڑھ کر اسلام کی مخالفت کی۔

اقتدار کا چراغ گل ہو جانے کا خطرہ

قریش کے سردار و رؤساء اسلام اور داعیِ اسلام ﷺ کے اس قدر شدید دشمن کیوں بن گئے؟ اس کی اصل وجہ محض یہ ہے کہ رؤسائے قریش اسلام کو اپنے اقتدار و اختیار کے لیے بہت بڑا چیلنج سمجھتے تھے۔ انھیں خوف تھا کہ معاشرے میں اسلام کی بابرکت تعلیمات پھیل گئیں تو ان کی سرداری کا چراغ گل ہو جائے گا اور اسلامی مساوات کی وجہ سے ان کے تمام امتیازات اور شان و شوکت جاتی رہے گی۔

یوں ان کی مذہبی اجارہ داری کا قلع قمع ہو جائے گا اور کسی کے دل میں ان کی کوئی وقعت باقی نہیں رہے گی۔ اسلام بت پرستی سمیت تمام شرکیہ رسوم و رواج کا خاتمہ کرنے آیا تھا جبکہ مشرکین کی حکومت انھی باطل عقائد پر قائم تھی۔ اس بنا پر قریش کو پکا یقین تھا کہ اسلام کی تبلیغ و اشاعت سے ان کی عظمت و اقتدار کا سورج غروب ہو جائے گا۔ جس شخص کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، وہ اسلام کی مخالفت میں اُتنا ہی زیادہ سرگرمِ عمل تھا۔ قریش کی عنانِ حکومت بھی انھی مخالفین رؤساء کے ہاتھ میں تھی، چنانچہ ان لوگوں نے اسلام کی مخالفت میں سر دھڑ کی بازی لگا دی۔

آباء و اجداد کی تقلید

اسلام وہ واحد دین ہے جس نے یہ سوال ہمیشہ کے لیے حل کر دیا کہ انسان کے فکر و عمل کی بنیاد علم و بصیرت پر ہونی چاہیے یا دوسروں کی تقلید اور نقالی پر؟ اسلام کہتا ہے کہ انسان کو سننے کے لیے کان، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور غور و فکر کے لیے دل و دماغ دیا گیا ہے۔ انسان کو آباء و اجداد کی تقلید کی زنجیریں توڑ دینی چاہئیں اور اپنے آس پاس پھیلے ہوئے کارخانۂ زندگی کے حقائق پر خود غور کرنا چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ یہاں دن اور رات کا الٹ پھیر، گرمی سردی، خزاں اور بہار کی آمد و رفت مقررہ وقت کی کتنی زبردست پابندی کے ساتھ ہو رہی ہے۔ کیا اتنا بڑا منظم اور حکیمانہ نظامِ کائنات آپ ہی آپ چل رہا ہے یا کوئی قادرِ مطلق ہستی ہے جو اپنی قدرت کاملہ سے اسے چلا رہی ہے؟ اگر یہاں ایک نظم موجود ہے تو ضروری ہے کہ کوئی ناظم بھی ہو۔ یہاں حکمت ہے تو لامحالہ یہاں حکیم بھی ہونا چاہیے۔ اگر یہاں طرح طرح کی بنی ہوئی چیزیں ہیں تو لازم ہے کہ کوئی ان کا بنانے والا بھی ہو۔ اسلام کہتا ہے کہ تمام موجودات کو بنانے والا ہی تمھارا خالق و مالک ہے۔ وہی تمھارا پالنے والا ہے۔ وہی تمھارا حاجت روا ہے۔ وہی تمھارا مشکل کشا ہے۔ تنہا وہی ہے جو تمھاری بندگی کا مستحق ہے۔ تمھیں اسی سے محبت کرنی چاہیے۔ اُسی سے امید رکھنی چاہیے۔ مٹی کے بُت تمھارے کسی کام نہیں آ سکتے۔ تمھارا یہ رویہ انتہائی نامعقول ہے کہ چونکہ تمھارے آباء و اجداد

بتوں کو پوجتے تھے، اس لیے تم بھی اپنے آباء و اجداد کی تقلید میں بت پوجتے رہو گے۔

اہل مکہ کے پاؤں کی سب سے بھاری زنجیر تقلید آباء تھی جو انھیں راہِ حق پر قدم بڑھانے سے روکتی تھی۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں، حالانکہ ابراہیم علیہ السلام بت شکن تھے۔ حالات و حوادث کی کروٹوں اور شیطان کے جھانسوں کے باعث اہل مکہ بتوں کو پوجنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کی دعوت دی تو وہ چونک پڑے، کہنے لگے: بھلا آپ کی دعوت کے مقابلے میں ہم اپنے آباء و اجداد کے دین اور رسوم و رواج کو کیسے چھوڑ دیں؟ تقلید کی یہی بندش تھی جس نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کا مخالف بنا دیا۔

باطل عقائد و نظریات کی تردید

مشرکین کی طرف سے اسلام کی مخالفت کی وجوہ میں سب سے بڑی وجہ بت پرستی تھی۔ عرب مدت سے بت پرستی میں مبتلا چلے آرہے تھے۔ بیت اللہ کی مقدس دیواریں تین سو ساٹھ (360) بتوں کے وجودِ نامسعود کی پرچھائیوں میں چھپ گئی تھیں۔ ان بتوں میں ''ہبل'' کو خدائے اعظم کا درجہ دیا گیا تھا۔ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بجائے قریش انھی باطل خداؤں کی عبادت کرتے اور انھی کو خیر و شر کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ اپنے باطل عقائد اور مکروہ رسوم و رواج میں وہ اتنے پختہ اور بے لچک تھے کہ ان عقائد میں کسی کی دخل اندازی کو ناقابل معافی جرم سمجھتے تھے۔ اس اعتبار سے وہ بڑے سخت توہم پرست تھے۔ کوئی کام شروع کرنے لگتے تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ سفر پر روانہ ہوتے تب بھی تیروں کی رہنمائی کے طلب گار ہوتے، وہ اپنے چھوٹے بڑے ہر کام میں کاہنوں کی مدد کے خواستگار بھی رہتے تھے۔ وہ اپنی مرادیں برآنے کے لیے لات و عزیٰ کے آگے سر جھکاتے تھے۔ اس ذہنی گمراہی کے علاوہ وہ معاشرتی لحاظ سے بھی بڑے گھٹیا تھے۔ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادیاں کر لیتے تھے۔ محض اس خیال سے کہ کل کوئی ہمارا داماد نہ کہلائے، نومولود بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسلام انھی باطل عقائد و اعمال کا قلع قمع کرتا تھا، اس لیے مشرکین اسے اپنے لیے یکسر ناقابل قبول سمجھتے تھے۔

عقیدۂ آخرت

مشرکین مکہ جزا و سزا کے تصور ہی سے بے نیاز تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ بس موت ہی زندگی کی انتہا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو جانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے برعکس اسلام یوم حساب کو ایمان کی اساس قرار دیتا ہے۔ مشرکین اپنے جاہلانہ عقیدے کی بنا پر اسلام کا مذاق اُڑاتے تھے اور اِسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

جاہ و حشمت کے لیے خاندانی رقابت

بنو ہاشم اور بنو امیہ ہم پلہ تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے زور بازو سے بنو ہاشم کا پلڑا بھاری کر دیا۔ اس کے بعد اس خاندان میں اُن جیسا کوئی صاحب اثر پیدا نہ ہوا۔ جونہی نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی نبوت کا اظہار و اعلان کیا تو خاندانِ بنو امیہ چونک پڑا اور رسول اللہ ﷺ کے منصبِ نبوت کو اپنے رقیب بنو ہاشم کی ابدی فتح اور بالادستی کا مؤثر ترین عامل سمجھنے لگا، اسی لیے آپ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت اسی قبیلے نے کی۔

ولید بن مغیرہ بنو مخزوم کا نہایت سرکردہ لیڈر تھا۔ باقی خاندانوں میں اس کا ہم پلہ کوئی نہ تھا، چنانچہ بنو مخزوم نے بھی دعوتِ اسلام کی مخالفت کی۔

اسلام کا اعلیٰ اخلاقی نظام

قریش کے اکثر سرداروں میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت شرمناک اشغال و افعال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ابولہب بنو ہاشم میں ممتاز تھا۔ وہ حرم کے خزانے سے غزالِ زریں چرانے والے مشکوک افراد میں شامل تھا۔ اخنس بن شریق چغل خور اور کذاب تھا۔ نضر بن حارث جھوٹا اور مکار تھا۔ علیٰ ہٰذا القیاس ان میں مالی و معاشرتی برائیاں اور اخلاقی گراوٹیں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اسلام ان تمام برائیوں کو نیست و نابود کرنے آیا تھا اور کفار کو یہ بات کسی صورت گوارا نہ تھی۔ وہ اپنے رہنماؤں کی تذلیل اور پسپائی سے بدکتے تھے، اسی لیے اسلام قبول کرنے سے گھبراتے تھے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے آپ کی شدید مخالفت اور اذیت رسانی پر کمر باندھ لی۔

مساوات سے نفرت

مشرکین کی ہٹ دھرمی اور اسلام قبول نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ حسب و نسب پر بڑا گھمنڈ کرتے تھے۔ کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اپنی معمولی سی بھی جود و سخا کو اُچھال اُچھال کر جتلاتے تھے اور ریاکاری کے ذریعے سے اپنی انا کو پروان چڑھاتے تھے۔ اسلام ان تمام برائیوں کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ عالمگیر انسانی مساوات کا علمبردار ہے جبکہ اس کے برعکس رؤسائے مشرکین غریبوں، ناداروں اور کسمپرس لوگوں کو کوئی اہمیت دینا اپنی توہین سمجھتے تھے، اس لیے وہ اسلام کی مخالفت میں اندھے ہو کر آپ ﷺ کو اذیتیں دینے پر تُل گئے۔

بشر کی نبوت سے انکار

بت پرستوں کا خیال تھا کہ کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ بشری تقاضے رسالت کے

فرائضِ منصبی کے منافی ہیں۔ اس کے علاوہ بت پرستوں کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ بالفرض کسی انسان ہی کو رسول بننا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ کسی سردار کو رسول بناتا، بھلا ایک غریب اور تہی دامن انسان کیونکر رسول ہوسکتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر مشرکین مکہ نے نبی ﷺ کی زبردست مخالفت کی اور فیصلہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کو دعوت وتبلیغ سے زبردستی روکا جائے اور اس سلسلے میں ہر طرح کے گھٹیا سے گھٹیا ہتھکنڈے بے دریغ بروئے کار لائے جائیں۔

دشمنانِ رسالت اور ان کے مذموم ہتھکنڈے

رسول اللہ ﷺ کی شدید مخالفت کا جب فیصلہ ہو چکا تو قریشِ مکہ ابولہب کی قیادت میں جمع ہوئے۔ جو قائدین اس مجلس میں موجود تھے، ان سب نے متفقہ فیصلہ کیا کہ ایسی خصوصی ٹولیاں بنائی جائیں جو مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے اتنا ستائیں کہ ان کی زندگی اجیرن کر دیں۔ [1]

رسول اللہ ﷺ کے شدید ترین مخالفین

نبیِ مکرم ﷺ نے دین اسلام کی دعوت دی تو آپ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت و مزاحمت جن بڑے بڑے سرکردہ لوگوں نے کی، ان میں ابولہب، اس کی بیوی ام جمیل اور ابوجہل سرفہرست تھے۔ ان لوگوں نے آپ کو ہر طرح کی تکلیف پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی۔ یہ لوگ ہمیشہ آپ ﷺ کو ستانے اور نقصان پہنچانے کے درپے رہتے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، اخنس بن شریق اور ابیّ بن خلف رسول اللہ ﷺ کے کُھلے دشمن تھے۔ [2]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ افراد ایسے تھے جنھوں نے آپ ﷺ سے بدسلوکی اور طنز و استہزا کی حد کر دی۔ ان پانچوں افراد کے نام یہ ہیں: اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل اور حارث بن طلاطلہ۔ [3] ان کے علاوہ جن بدبختوں نے رسول اللہ ﷺ کو وقتاً فوقتاً ستایا اور اذیت دی، ان میں ابوقیس بن فاکہ، حجاج سہمی کے بیٹے منبہ اور نبیہ، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن ابی سائب، اسود بن عبدالاسد مخزومی، عاص بن سعید بن عاص، عدی بن حمراء خزاعی، عاص بن ہاشم (ہشام) اور ابن الاصداء ہذلی شامل تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے رہ رہ کر رسول اللہ ﷺ کے لیے ایسے مصائب پیدا کیے جن کے باعث آپ کو شدید ذہنی و جسمانی تکالیف برداشت کرنی پڑیں۔ ابوسفیان بن حرب، عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ بھی آپ ﷺ سے کھلی دشمنی کا برتاؤ کرتے رہے، تاہم ان تینوں نے آپ ﷺ کو ایسا نقصان نہیں پہنچایا جس طرح کا شدید نقصان ان تینوں کے علاوہ دیگر مذکور لوگوں نے

[1] دیکھیے: رحمۃ للعالمین: 61/1، سیرۃ النبی ﷺ: 1/148-151. [2] السیرۃ لابن ہشام: 1/354-362. [3] السیرۃ لابن إسحاق: 1/291.

پہنچایا۔[1] یہ لوگ اللہ کے دین کے دشمن تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو محض اس لیے مدت مدید تک مبتلائے محن رکھا کہ آپ اسلام کی دعوت کیوں دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں کی ایک فہرست حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی مرتب کی تھی جو حسب ذیل ہے:

آپ کی قوم میں سرفہرست اور شدید ترین دشمن آپ کا چچا ابولہب تھا۔ اُس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا چچا زاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔

بنوعبدشمس بن عبدمناف میں سے عُتبہ اور شیبہ جو ربیعہ بن عبدشمس کے بیٹے تھے۔

عقبہ بن ابی مُعَیط بن ابی عمرو بن ربیعہ بن امیہ بن عبدشمس، ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس، حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس، معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس۔

بنوعبدالدار بن قصی میں سے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ۔ بنوعبدالعزیٰ بن قصی میں سے اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ اور اس کا بیٹا ربیعہ بن اسود۔

ابوالبختری عاصی بن ہشام بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ بنوزہرہ بن کلاب میں سے اسد بن عبدیغوث بن وہب بن عبدمناف بن زُہرہ بن کلاب۔ بنومخزوم میں سے ابوجہل عمرو بن ہشام (ہاشم) بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، اس کا بھائی عاصی بن ہشام (ہاشم)، ان کا چچا ولید بن مغیرہ (والدِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)، ولید کا بیٹا ابوقیس، اس کا چچا زاد قیس بن فاکہ بن مغیرہ، ان کا چچا زاد زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ (ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی) اور اسود بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

صیفی بن سائب جس کا تعلق بنوعابد (عائذ) بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے تھا۔ خاندانِ سہم بن ہصیص بن کعب بن لؤی میں سے عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید بن سہم بن ہصیص (والدِ عمرو رضی اللہ عنہ)، حارث بن عدی بن سُعَید بن سہم بن ہصیص، مُنَبِّہ اور نُبَیْہ جو حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سُعَید بن سہم بن ہصیص کے بیٹے تھے۔

بنوجمح میں سے اُمیہ اور اُبَیّ جو خلف بن وہب بن حُذافہ بن جمح بن ہصیص بن کعب بن لؤی کے بیٹے تھے۔ اُنیس بن مِعْیَر بن لوذان بن سعد بن جمح (ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا بھائی) اور حارث بن طُلاطِلَہ خزاعی اور عدی بن حمراء ثقفی۔

ان لوگوں نے اور دیگر تمام قبائل قریش کے سرداروں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، وہ ان میں سے بے یار و مددگار مسلمانوں کو آلام و مصائب کا تختۂ مشق بناتے اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے تھے

[1] أنساب الأشراف: 141,140/1.

مگر ان تمام آلام و مصائب کے باوجود اسلام مردوں اور عورتوں میں مسلسل پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا۔ کفار و مشرکین کی طرف سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس قدر شدید تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان شدائد کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور انھوں نے زبردست صبر کا مظاہرہ فرمایا، وہ ایمان کی حلاوت اور اللہ رب العزت کی محبت میں گم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں بے پناہ اجر و ثواب تیار فرما رکھا تھا۔ [1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی تلقین

اللہ جل شانہ نے نبیِ اکرم ﷺ کو مشرکین کی تکالیف پر صبر کی تلقین فرمائی:

﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ۝﴾

''اور جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس پر صبر کیجیے اور انھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیجیے۔'' [2]

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝﴾

''چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کیجیے اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے۔'' [3]

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۝﴾

''اور (اے نبی!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ ان (کفار) پر غم نہ کریں اور نہ آپ اس پر تنگی محسوس کریں جو وہ مکر (سازشیں) کر رہے ہیں۔'' [4]

﴿مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۝﴾

''آپ سے بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا، بے شک آپ کا رب معاف کر دینے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔'' [5]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝﴾

1 جوامع السيرة لابن حزم، ص: 52-54، نیز ملاحظہ فرمائیں: المحبر لابن حبيب، ص: 157، أنساب الأشراف: 1/50-70.
2 المزمل 73:10. 3 الدهر 76:24. 4 النحل 16:127. 5 حمٓ السجدة 41:43.

"آپ اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ اور آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کو موت آ جائے۔" [1]

رسول اللہ ﷺ اپنے بدترین دشمنوں کی انتہائی دلخراش اذیتوں پر بھی کامل صبر کرتے رہے اور انھیں انتہائی نرمی، نوازش اور بردباری سے توحید و رسالت کا پیغام پہنچاتے رہے۔ جس نسبت سے دشمنوں کا ظلم بڑھتا جاتا تھا، اُسی نسبت سے آپ کے صبر و استقامت کی شان بھی بلند سے بلندتر ہوتی جاتی تھی۔

سب وشتم اور استہزا

نبیِ مکرم ﷺ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں دن رات مصروف تھے۔ اُدھر دشمنانِ اسلام بھی آپ ﷺ کی تاک میں لگے رہتے اور آپ کو پریشان کرنے کے لیے نت نئے طریقے اختیار کرتے تھے۔ آپ ﷺ جس جگہ بھی دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے جاتے، مشرکین آپ کے پیچھے پیچھے جاتے اور اُسی جگہ جا پہنچتے۔ وہ آپ کو (معاذ اللہ) تلمیذِ شیطان کہہ کر مخاطب کرتے، پھر وہ آپ پر ہنستے، آنکھیں مٹکاتے، اشارے کرتے، پھر بڑی حقارت سے آپ ﷺ کی طرف انگشت نُمائی کرکے کہتے: "یہی ہے وہ شخص جو تمھارے خداؤں پر انگلی اٹھاتا ہے۔" اسود بن عبدیغوث بھی انھی ظالم لوگوں میں سے تھا، وہ کہتا تھا: اے محمد! کیا آج تمھیں آسمان سے مخاطب نہیں کیا گیا؟ قرآن کریم نے ان لوگوں کا حال اس طرح بیان فرمایا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۝ وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ۝ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمُ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۝ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ۝﴾ (المطففین 83:29-32)

"بلاشبہ مجرم لوگ (دنیا میں) مومنوں پر ہنستے تھے۔ اور جب وہ ان (مسلمانوں) کے پاس سے گزرتے تو آپس میں آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔ اور جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹتے تو دل لگی کرتے لوٹتے اور جب وہ (کافر) ان (مسلمانوں) کو دیکھتے تو کہتے تھے: بلاشبہ یہ لوگ یقیناً گمراہ ہیں۔" [2]

حقیقت یہ ہے کہ ہادیِ عالم ﷺ کے مخالفین نے آپ کے خلاف جو معاندانہ کوششیں کیں، وہ اتنی اذیت ناک تھیں کہ اگر کسی اور کے خلاف کی جاتیں تو وہ کبھی کا میدان چھوڑ کر بھاگ چکا ہوتا۔ ارشادِ باری ہے:

﴿وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝﴾

(ابرٰهیم 14:46)

[1] الحجر 15:98، 99. [2] الکامل لابن الأثیر: 592/1، أنساب الأشراف: 149/1.

''اور یقیناً وہ اپنی چالیں چل چکے اور ان کی (سب) تدبیریں اللہ کی نظر میں ہیں اور ان کی چالیں ایسی تھیں کہ ان کی وجہ سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔''

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ لَمْ يُؤْذَ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبْطُ بِلَالٍ»

''بلاشبہ اللہ جل شانہ کے رستے میں جتنا مجھے خوفزدہ کیا گیا ہے، کسی اور کو نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جتنی تکلیفیں مجھے دی گئی ہیں، کسی اور کو نہیں دی گئیں، مجھ پر مسلسل تیس دن اور راتیں ایسی بھی گزریں کہ میرے اور بلال کے پاس کوئی ایسا کھانا بھی نہیں تھا جسے کوئی جاندار کھا سکے، سوائے اس تھوڑی سی چیز کے جسے بلال اپنی بغل میں چھپا سکتا تھا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کو بڑی کڑی آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ مختلف مواقع پر آپ ﷺ کو جس طرح کے مصائب نے آگھیرا، یہ آپ ہی کا حوصلہ تھا کہ آپ نے انھیں صبر وسکون سے نہایت وقار کے ساتھ برداشت کیا، اسی لیے آپ ﷺ مقام محمود کے مستحق ٹھہرے اور اللہ جل جلالہ کے نزدیک سب سے عالی مرتبے پر فائز ہوئے۔

مصعب بن سعد نے اپنے والد گرامی سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ ''وہ کون لوگ ہیں جو سب سے زیادہ آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَ إِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ حَسَبَ دِينِهِ، فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيئَةٌ»

''سب سے زیادہ آزمائشوں میں مبتلا ہونے والے انبیائے کرام (علیہم السلام) ہیں، پھر ان کے مثل (قدم بقدم چلنے والے)، پھر ان کے مانند۔ آدمی کو اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے، اگر اس کا دین قوی ہو تو اس کی آزمائش بھی سخت ہوتی ہے اور اگر اس کے دین میں کمزوری ہو تو اسے اس کے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ وہ آزمائش بندے پر طاری رہتی ہے یہاں تک کہ اسے اس طرح چھوڑ دیتی ہے کہ وہ زمین پر

[1] جامع الترمذي: 2472، سنن ابن ماجه: 151، مسند أحمد: 120/3.

چلتا ہے اور اُس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔''[1]

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انھیں تو امتحانوں اور آزمائشوں کی انتہائی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر تسلیم و رضا اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ سابق انبیائے کرام علیہم السلام کو جب تکالیف پہنچیں تو انھوں نے ان پر ممکن حد تک صبر کیا لیکن جب ظلم و ستم حد سے گزر گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اپنی قوموں کے ظالم افراد کے خلاف فریاد کی، پھر اللہ جل شانہ نے ان کی قوموں کو دنیاوی عذاب سے دوچار کر دیا۔ حضرت محمد ﷺ نے بھی ہر قسم کی تکالیف نہایت صبر و استقامت سے برداشت کیں۔ سفرِ طائف میں مشرکین کا ظلم سہ کر آپ کی زبان مبارک سے یہی جملہ نکلا: ''اے اللہ! یہ نادان لوگ ہیں، انھیں ہدایت عطا کر۔'' یہاں تک کہ مشرکین نے آپ ﷺ سے معجزات دکھانے کے مطالبے کیے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیتا ہوں، پھر اس کے بعد اگر کسی

[1] جامع الترمذي: 2398، مسند أحمد: 180/1

نواحِ طائف کا سرسبز منظر



نے کفر کیا تو اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ ویسا عذاب دنیا میں کسی اور کو نہیں دیا جائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''ہاں! میں رحمت اور توبہ کے دروازے ہی کا طلب گار ہوں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کے پڑوسیوں کی سفاکیاں

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چند بدبخت لوگ ایسے بھی تھے جو نبیِ اکرم ﷺ کو خود انھی کے کاشانۂ مبارک میں اذیت پہنچاتے تھے۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء ثقفی اور ابن الاصداء ہذلی یہ سب رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے تھے۔

سیدنا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی پڑوسی مسلمان نہیں ہوا۔ ان پڑوسیوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے کا معمول یہ تھا کہ جب نبیِ اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو ان میں سے ایک شخص بکری کی بچہ دانی اُٹھا کر نشانہ باندھتا تھا اور آپ ﷺ کے وجودِ گرامی پر دے مارتا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ اس غلاظت کو ایک لکڑی پر اُٹھا کر دروازے سے باہر تشریف لاتے اور فرماتے:

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَيُّ جِوَارٍ هٰذَا؟»

''اے بنو عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟''

پھر آپ ﷺ اس گندگی کو دروازے سے باہر پھینک دیتے تھے۔ [2]

وہ شقی القلب لوگ نبیِ اکرم ﷺ کو مسلسل اسی طرح اذیت دیتے رہے۔ آپ نے ان ناآشنائے انسانیت پڑوسیوں کی رکیک حرکتوں پر بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا اور احتیاطی تدبیر کے طور پر اپنے گھر کے اندر ایک محفوظ گھروندا بنا لیا تا کہ آپ نماز پڑھتے ہوئے ان لوگوں کی خباثتوں سے محفوظ رہیں۔

ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط بے حیائی اور اذیت رسانی میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کو نہایت گھناؤنے انداز سے بے حد تکلیف پہنچاتے تھے۔ دونوں غلاظت اکٹھی کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے دروازے پر پھینک دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

«كُنْتُ بَيْنَ شَرِّ جَارَيْنِ أَبِي لَهَبٍ وَّ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ إِنْ كَانَا لَيَأْتِيَانِ بِالْفُرُوثِ فَيَطْرَحَانِهَا عَلٰى بَابِي»

[1] المستدرك للحاكم: 54,53/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 127,126. [2] السيرة لابن هشام: 416/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 178.

''میں دو بدترین پڑوسیوں، یعنی ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط کے درمیان گھرا ہوا تھا۔ وہ دونوں گوبر اور لید اکٹھی کر کے لے آتے تھے اور یہ گندگی میرے دروازے پر پھینک دیا کرتے تھے۔''[1]

ایک مرتبہ ابولہب آپ ﷺ کے دروازے پر غلاظت پھینک رہا تھا۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے اس کی یہ گھناؤنی حرکت دیکھ لی۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بقیہ گندگی فوراً ابولہب کے سر پر انڈیل دی۔ ابولہب اپنا سر جھٹکنے لگا تاکہ اس کے سر سے گندگی گر جائے۔ پھر وہ کہنے لگا: بیوقوف، بے دین اور گمراہ، اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر خود تو غلاظت پھینکنے سے باز آ گیا لیکن جو شخص بھی آپ کے دروازے پر غلاظت پھینکتا، وہ چُھپ چُھپ کر اس کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔[2]

اسی طرح عقبہ بن ابی معیط ایک مرتبہ گوبر سے بھرا ہوا ٹوکرا لایا اور رسول اللہ ﷺ کے دروازے کے سامنے اُلٹ دیا۔ طلیب بن عمیر بن وہب نے عقبہ بن ابی معیط کو دیکھ لیا۔ طلیب، اروٰی بنت عبدالمطلب کے بطن سے تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے پھوپھی زاد طلیب نے عقبہ بن ابی معیط سے ٹوکرا چھین لیا اور اسے اسی کے سر پر دے مارا، پھر اس کے کان بھی کھینچے۔ عقبہ بن ابی معیط نے طلیب کی والدہ اروٰی سے شکایت کی کہ تمھارا بیٹا محمد (ﷺ) کی مدد کرتا ہے۔ اروٰی نے جواب دیا: محمد (ﷺ) سے بہتر ہم میں کون ہوسکتا ہے؟ ہمارے اموال اور ہماری جانیں سب کچھ محمد (ﷺ) پر قربان ہیں۔ یہ سن کر عقبہ بے بسی کی حالت میں واپس چلا گیا۔[3]

رخِ انور پر مٹی پھینکنے کی جسارت

نبیِ اکرم ﷺ کو کڑی آزمائشوں کا مسلسل سامنا رہا۔ آپ ﷺ کے اذیت ناک مصائب میں اس وقت بڑی شدت پیدا ہوگئی جب ابوطالب وفات پا گئے۔ ایک دفعہ مکہ کے احمقوں میں سے ایک احمق نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ انور پر مٹی پھینک دی۔ رسول اللہ ﷺ اسی حالت میں گھر تشریف لائے تو آپ کی بیٹیوں میں سے ایک بیٹی آپ ﷺ کے چہرے سے مٹی صاف کرتے ہوئے رونے لگی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی لختِ جگر سے فرمایا:

«أَيْ بُنَيَّةُ! لَا تَبْكِينَّ فَإِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ مَانِعٌ أَبَاكِ»

''اے میری بیٹی! مت رو کیونکہ اللہ جل جلالہ تیرے باپ کی حفاظت فرمانے والا ہے۔''[4]

[1] الطبقات لابن سعد: 201/1، السلسلة الضعيفة: 4151، أنساب الأشراف: 148/1. [2] أنساب الأشراف: 148،147/1.
[3] الكامل لابن الأثير: 595/1. [4] السيرة لابن هشام: 416/2، دلائل النبوة للبيهقي: 350/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 172.

راستے میں کانٹے بچھا دیے گئے

ام جمیل بنت حرب بن امیہ نبیِ اکرم ﷺ کو اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتی تھی۔ بنوامیہ اپنے رقیب بنو ہاشم سے بوجۂ رقابت شدید عداوت رکھتے تھے۔ ابولہب بنو ہاشم میں بڑا سربرآوردہ شخص تھا لیکن ابولہب کی بیوی ام جمیل بنوامیہ میں سے تھی، اس لیے ابولہب عبدالعزیٰ اپنے خاندان بنو ہاشم کی حمایت کرنے کے بجائے اپنے سسرالیوں کی طرف داری کرتا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی مُسلسل مخالفت کرتا چلا آرہا تھا۔ آپ ﷺ نے بارہا کوشش کی کہ چچا ابولہب مسلمان ہوجائے لیکن وہ مخالفت سے باز نہ آیا۔

ام جمیل اور ابولہب دونوں ہر وقت آپ ﷺ کی تضحیک اور تکلیف رسانی میں لگے رہتے تھے اور آپ کو ستانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ ایک طرف ابولہب آپ ﷺ کے گھر میں غلاظت پھینکتا تھا تو دوسری طرف اس کی بیوی ام جمیل خاردار جھاڑیاں اٹھالاتی اور جس راہ سے آپ ﷺ گزرتے تھے، اس رستے میں ڈال دیتی تھی۔ اللہ جل جلالہ نے ان دونوں کے بارے میں سورۂ لہب نازل فرمائی:

﴿ تَبَّتْ يَدَآ أَبِى لَهَبٍ وَتَبَّ ۝ مَآ أَغْنَىٰ عَنْهُ مَالُهُۥ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَٱمْرَأَتُهُۥ حَمَّالَةَ ٱلْحَطَبِ ۝ فِى جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍۭ ۝ ﴾

"ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور وہ ہلاک ہوگیا۔ نہ اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ پہنچایا اور نہ اس کی کمائی نے۔ وہ ضرور بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوگا۔ اور اس کی بیوی بھی جو لکڑیاں ڈھونے والی ہے۔ اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔"[1]

جب ام جمیل کو معلوم ہوا کہ قرآن حکیم میں اس کی اور اس کے خاوند کی مذمت میں سورت نازل ہوئی ہے تو وہ طیش میں آگئی اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑی۔ آپ اس وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ خانہ کعبہ میں تشریف فرما تھے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ام جمیل کو دیکھا تو فوراً سمجھ گئے کہ وہ ناپاک ارادے سے آرہی ہے۔ انھوں نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کی: اے اللہ کے رسول! ام جمیل آرہی ہے۔ مجھے آپ کے بارے میں خوف لاحق ہے مبادا وہ آپ کو نقصان پہنچائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ وَإِذَا قَرَأْتَ ٱلْقُرْءَانَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِٱلْءَاخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا ۝ ﴾

1 اللھب 111: 1-5.

’’اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں۔‘‘ [1]

ام جمیل قریب پہنچی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی: اے ابن ابو قحافہ! تمھارے ساتھی کا کیا معاملہ ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے اور میرے بارے میں شعر کہے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس پتھر سے اس کا منہ کچل دوں گی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے ساتھی شاعر ہیں نہ شعروں کی کوئی سُدھ بدھ رکھتے ہیں، نہ انھوں نے تیری کوئی ہجو کی ہے۔ ام جمیل بولی: کیا اس نے یہ نہیں کہا: ﴿فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝﴾ ’’اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔‘‘ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ جملہ انھوں نے نہیں کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ’’اس سے پوچھو، کیا اسے تمھارے علاوہ کوئی اور شخص نظر آ رہا ہے؟ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ جل جلالہ نے میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے۔‘‘

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ام جمیل سے پوچھی تو وہ بولی: اے ابن ابوقحافہ! کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! یہاں میں تمھارے علاوہ کسی کو موجود نہیں پاتی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میری ہجو کون کر سکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں قریش کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کے بعد وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چلی گئی:

مُذَمَّمًا عَصَیْنَا　　وَ أَمْرَهُ أَبَیْنَا　　وَ دِینَهُ قَلَیْنَا

’’ہم نے مذمم کی نافرمانی کی ہے، اس کی بات کا انکار کیا ہے اور اس کے دین سے بغض رکھا ہے۔‘‘

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ کَیْفَ یَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَیْشٍ وَ لَعْنَهُمْ، یَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَیَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَ أَنَا مُحَمَّدٌ»

’’کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ جل شانہ نے مجھے قریش کی بدزبانی اور لعن طعن سے محفوظ فرما دیا ہے۔ قریش مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔‘‘ [2]

[1] بنیٓ إسرآءیل 45:17. [2] صحیح البخاري:3533، السیرة لابن ھشام:356/1، دلائل النبوة للبیھقي:195/2-197، سبل الھدٰی والرشاد:464/2 و 256/10، فتح الباري:941/8-944.

نبیِ اکرم ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق

سورۂ لہب کے نزول پر ابولہب بہت مشتعل ہوگیا۔ وہ اپنا غصہ نکالنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی دو صاحبزادیوں کو طلاق دلانے پر تُل گیا۔ ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنے بڑے بیٹے عتبہ سے کہا: اگر مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ اس طرح اس بدبخت نے آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوادی۔

عتبہ کی گستاخی اور اس کا انجام

بدبخت عتبہ نے بڑی بے ہودگی، شقاوت اور گستاخی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں تیرے دین سے انکار کرتا ہوں۔ مزید برآں میں انکار کرتا ہوں اس کا جو (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا، پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا، پھر وہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہوگیا، یعنی میں جبرائیل کا انکار کرتا ہوں اور ستارہ جو گرتا ہے، اس کے رب کا انکار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس ملعون نے آپ ﷺ کا کرتا پھاڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے رخِ انور پر تھوکا مگر یہ تھوک زمین پر گرگیا اور نبیِ اکرم ﷺ اس سے محفوظ رہے۔ بعدازاں اس نے آپ ﷺ کی بیٹی کو طلاق دے دی۔ یہ انتہائی دلخراش اور روح فرسا بدسلوکی تھی جو عتبہ جیسے گھٹیا، خبیث اور شقی القلب شخص نے روا رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں بددعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِنْ كِلَابِكَ»

''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کردے۔''

ابولہب ملکِ شام میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے اپنے کارندوں اور غلاموں کے ساتھ عتبہ کو بھی شام بھیجا اور اپنے کارندوں سے کہا: تم یقیناً میری بزرگی سے باخبر ہو اور میرا حق پہچانتے ہو۔ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کو بددعا دی ہے۔ اب مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی کا یقین نہیں رہا۔ یہ بات کہنے کے بعد ابولہب نے سب لوگوں سے اپنے بیٹے کی حفاظت کے لیے عہد و پیمان لیے، پھر یہ قافلہ چل دیا۔

اثنائے راہ میں جہاں بھی یہ قافلہ پڑاؤ ڈالتا، اہل قافلہ عتبہ کی حفاظت کے لیے زبردست انتظام کرتے، اُسے بیچ میں رکھتے اور خود اس کے اردگرد رہتے تھے۔ وہ اسے کپڑوں اور جملہ سامان کے پیچھے چھپا دیتے تھے۔ ایک رات قافلے

نے شام (اردن) کے علاقے زرقاء میں پڑاؤ ڈالا۔ اچانک وہاں ایک شیر آ دھمکا۔ وہ ان لوگوں کے گرد چکر لگانے لگا۔ عتبہ فوراً چلایا: ہائے میری ماں کی ہلاکت! یہ شیر مجھے چبا جائے گا جیسا کہ محمد (ﷺ) نے کہا تھا۔ محمد (ﷺ) نے مجھے قتل کر دیا۔ (حالانکہ) وہ مکہ میں ہیں اور میں شام میں۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) سے زیادہ سچا انسان اس پوری کائنات


زرقاء (اردن) کی خوبصورت وادی

میں کوئی نہیں۔ عتبہ اپنی زندگی سے اس قدر مایوس ہوگیا کہ جب رات کا کھانا چنا گیا تو اُس نے کھانا بھی نہ کھایا۔ پھر قافلے والوں نے اپنے بستر بچھانے اور سونے کی تیاری کی۔ سب لوگوں نے اپنا اپنا سامان یک جا کر کے اس کی باڑھ بنائی اور عتبہ کو پوری حفاظت سے باڑھ کے بیچ میں لٹا دیا۔ اس قدر زبردست احتیاطی اہتمام کے بعد سب لوگ سو گئے۔ جب رات ڈھلنے لگی تو اچانک شیر آ گیا۔ وہ قافلے والوں کے درمیان گھومنے لگا، اُس نے ہر آدمی کا سر سونگھا۔ جونہی وہ عتبہ کے پاس پہنچا تو اس نے ایک لمحے کی بھی دیر نہ لگائی، یک دم عتبہ پر ٹوٹ پڑا اور اُس کا سر چبا ڈالا۔ عتبہ تڑپنے لگا، اس میں ابھی زندگی کی رمق باقی تھی۔ وہ سسک کر بولا: کیا میں نہ کہتا تھا کہ محمد (ﷺ) سب سے زیادہ سچے ہیں؟ پھر وہ مر گیا۔ ابولہب کو بیٹے کی موت کی اطلاع ملی تو وہ بھی بول اُٹھا: کیا میں نے تمھیں خبردار نہیں کیا تھا کہ مجھے محمد (ﷺ) کی بدعا سے خوف لاحق ہے۔ اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ محمد (ﷺ) کی دعا کبھی رد نہیں ہوئی۔ [1]

ام جمیل کی ابوسفیان سے فریاد

سورۂ لہب نازل ہوئی تو ام جمیل غصے سے بے قابو ہوگئی۔ وہ فوراً اپنے بھائی ابوسفیان کے گھر گئی اور بولی: اے

[1] المستدرك للحاكم: 539/2، السنن الكبرٰى للبيهقي: 211/5، دلائل النبوة للبيهقي: 338/2، 339، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 743، أنساب الأشراف: 139/1، سبل الهدٰى والرشاد: 216/10.

میرے بہادر بھائی! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ محمد (ﷺ) نے میری ہجو کی ہے۔ ابوسفیان اپنی بہن کی بات سن کر بولا: میں ابھی اس کا بدلہ لے لیتا ہوں۔ اس نے اُسی وقت تلوار اُٹھائی اور گھر سے چل دیا مگر وہ تھوڑی ہی دیر کے بعد بڑی بدحواسی کے عالم میں تیزی سے بھاگتا ہوا واپس آ گیا۔ ام جمیل نے پوچھا: کیا اسے قتل کر آئے؟ ابوسفیان نے بڑی شرمندگی سے کہا: اے میری بہن! کیا تجھے یہ بات اچھی لگے گی کہ تیرے بھائی کا سر کسی اژدھے کے منہ میں جا پھنسے؟ ام جمیل نے کہا: ہرگز نہیں! ابوسفیان بولا: بس وہ قیامت ہی کی گھڑیاں تھیں۔ [1]

ابولہب کی گستاخانہ جسارت

رسول اللہ ﷺ کے بڑے بیٹے کا نام قاسم رضی اللہ عنہ تھا۔ اُسی کے نام پر آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ نبیِ اکرم ﷺ کی اولاد میں فوت ہونے والا یہ پہلا بیٹا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ کا دوسرا بیٹا عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی وفات پا گیا۔ جب ابولہب کو معلوم ہوا کہ محمد ﷺ کا دوسرا فرزند بھی فوت ہو گیا ہے تو وہ بہت خوش ہوا۔ بھاگا بھاگا مشرکین کے پاس گیا اور کہنے لگا: محمد (ﷺ) لاوارث ہو گئے ہیں۔ اُن کا کوئی بیٹا زندہ نہیں رہا۔ [2] اس کے بعد جب بھی رسول اللہ ﷺ کا ذکر ہوتا تو عاص بن وائل سہمی کہتا: اس کا قصہ چھوڑ دو کیونکہ اب اس کی نسل چلانے والا ہی کوئی نہیں۔ یہ مرے گا تو اس کا تذکرہ ہی ختم ہو جائے گا۔ اس پر اللہ جل شانہ نے یہ سورت نازل فرمائی:

﴿ إِنَّآ أَعْطَيْنَٰكَ ٱلْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَٱنْحَرْ ۝ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ ٱلْأَبْتَرُ ۝ ﴾ (الکوثر 108:1-3)

''(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔ تو آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔'' [3]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ''کیا تمھیں معلوم ہے کہ کوثر کیا ہے؟'' ہم نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی زیادہ جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّهُ نَهْرٌ وَّعَدَنِيهِ رَبِّي عَزَّوَجَلَّ، عَلَيْهِ خَيْرٌ كَثِيرٌ، وَهُوَ حَوْضٌ تَرِدُ عَلَيْهِ أُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، آنِيَتُهُ عَدَدَ النُّجُومِ»

''یقیناً وہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب عزوجل نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ اُس میں بہت بڑی بھلائی ہے۔ وہ ایسا حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے دن آئے گی (اور) اس کے برتن ستاروں کی تعداد

[1] السيرة الحلبية: 468/1. [2] المعجم الكبير للطبراني: 179/4، الروض الأنف: 181/2، تفسير ابن كثير، الكوثر 3:108.
[3] السيرة لابن إسحاق: 289/1، الروض الأنف: 181/2.

کے برابر ہوں گے۔"[1]

دعوتِ الی اللہ میں کتنی لذت ہے؟ اس کا ذائقہ شناس صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو داعیان الی اللہ کے رہبر اعظم تھے۔ آپ ﷺ کا پیغام بڑا سچا تھا۔ دعوت کے بول اتنے میٹھے تھے کہ دل میں سرایت کر جاتے تھے۔ آپ اللہ کی وحدانیت بیان فرماتے تھے۔ لوگوں سے مخاطبت کی غایت صرف یہ ہوتی تھی کہ اللہ کا پیغام سن لو، سمجھ لو اور مان لو۔ یہ صرف سمجھنے اور مان لینے کا معاملہ ہے، زور اور زبردستی کی چیز نہیں ہے۔ جو مان لے گا، فلاح پائے گا۔ جو نہیں مانے گا، اپنا ہی نقصان کرے گا۔ آپ ﷺ کی دعوت کا عمومی انداز یہی تھا۔ کیا دوست، کیا دشمن، آپ سبھی کے پاس تشریف لے جاتے اور دعوت حق دیتے۔ اس راہ میں آپ ﷺ کو بے حد ستایا گیا، نالائقیوں، بدتمیزیوں اور ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے گئے لیکن آپ اپنے مقدس پروردگار کی اشد محبت میں اتنے گم تھے کہ آپ شدائد روزگار سے متأثر ہی نہیں ہوئے۔

اُدھر اللہ تعالیٰ کو بھی خوب معلوم تھا کہ آپ کو قرآن کریم سے کتنی تسکین ملتی ہے، چنانچہ جونہی ظالم اور ناشناس لوگ آپ ﷺ کو ستاتے اور آزمائش میں ڈالتے، اللہ تعالیٰ آپ کی تسکین قلب کے لیے قرآن کریم کی کوئی آیت نازل فرما دیتا تھا اور آپ کی خدمت میں جبریل علیہ السلام کو بھیج دیتا تھا۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں آپ ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش رہتے تھے لیکن ان کی اذیت رسانیوں سے بچاؤ اور تسکین و تقویت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر فوراً وحی نازل فرمائی۔ آزمائشوں میں آپ کو تسلی دینا اور آپ کے لیے آیات نازل فرمانا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لطف و کرم تھا۔

ام جمیل کا طعنہ

ابولہب کی بیوی ام جمیل ایک ظالم مشرکہ عورت تھی وہ رسول اللہ ﷺ کو طعنے دیتی تھی۔ اس کے ایک طعنے کا حال جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بتلایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اِشْتَكٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالضُّحٰى ○ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○﴾ (الضحٰی 93:1-3)

[1] صحيح مسلم: 400، فتح الباري: 8/936.

''رسول اللہ ﷺ بیمار ہوگئے۔ اس وجہ سے آپ (ﷺ) دو یا تین راتیں قیام نہ فرما سکے۔ ایک عورت (ام جمیل زوجۂ ابولہب) آئی اور کہنے لگی: ''اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسے میں نے دو یا تین راتوں سے نہیں دیکھا کہ وہ تمھارے پاس آیا ہو۔'' اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ ضحیٰ نازل فرمادی: ''قسم ہے چاشت کے وقت کی! اور رات کی جب وہ چھا جائے! نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔'' [1]

زمعہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں زمعہ بن اسود، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عاص بن وائل یکبارگی آدھمکے اور کہنے لگے: اے محمد! کاش تمھارے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا جو تمھاری طرف داری میں بات کرتا جسے لوگ براہ راست سنتے اور دیکھتے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ○ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ○﴾ (الأنعام 6:8، 9)

''اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو سارا معاملہ ہی ختم ہو جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس (نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو پھر بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شبہے میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔'' [2]

ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوجہل کے قریب سے گزرے تو انھوں نے آپ ﷺ کو برے القابات سے پکارا اور آپ سے استہزا کیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے پریشان ہوئے تو ظالموں کے اس قبیح فعل پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ○﴾

(الأنعام 6:10)

[1] صحيح البخاري: 4950، صحيح مسلم: 1797، مسند أحمد: 312/4، فتح الباري: 907/8. [2] السيرة لابن هشام: 395/2.

''اور (اے نبی!) یقیناً آپ سے پہلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا تھا۔ پھر ان میں سے جن لوگوں نے مذاق کیا تھا، انھیں اس عذاب نے آگھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔''[1]

کفارمکہ کی بے ہودگی اور تکذیب پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ تسلی دی ہے اور مومنوں کے لیے فتح و نصرت اور دنیا و آخرت میں اچھے انجام کا وعدہ فرمایا۔ بعد ازاں ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ (الأنعام 11:6)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے: تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔''

یعنی سوچو اور غور کرو کہ گزشتہ صدیوں میں اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کرنے والوں کا کیا انجام ہوا، دنیا میں انھیں کس قدر عبرت ناک سزا دی گئی اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے جبکہ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں اور اہلِ ایمان بندوں کو دنیا و آخرت کی کیسی کیسی کامرانیوں اور سعادتوں سے نوازا۔[2]

نبیہ اور منبہ کی واہیات باتیں

نبیہ اور منبہ یہ دونوں حجاج سہمی کے فرزند تھے اور نبیِ اکرم ﷺ کے شدید مخالف تھے۔ آپ ﷺ کو برا بھلا کہنا اور آپ ﷺ پر آوازے کسنا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ ایک دن رسول اللہ ﷺ سے کہنے لگے: ''کیا اللہ تعالیٰ کو تمھارے علاوہ اور کوئی نہیں ملا جسے وہ رسالت سے سرفراز کرتا۔ تمھارے علاوہ بہت سے تجربہ کار، پختہ عمر والے اور خوشحال لوگ بھی تھے، انھیں کیوں نہ مبعوث کیا گیا؟ اگر تم سچے ہو تو ایک فرشتہ لاؤ جو تمھاری تصدیق کرے اور ہر موقع پر تمھارے ساتھ رہے۔'' جب ان دونوں کو نصیحت کی جاتی کہ تم رسول اللہ ﷺ سے اس طرح کی گستاخانہ باتیں نہ کرو اور سچائی قبول کرلو تو اس پر یہ کہتے: یہ کسی مجنون کا شاگرد ہے جو اسے اہل کتاب کے قصے کہانیاں بتاتا ہے اور پھر یہ ہمیں سنا دیتا ہے۔[3]

حارث بن قیس سہمی کی بدگوئی

ابن عیطلہ حارث بن قیس رسول اللہ ﷺ پر طعن و تشنیع کرتا، آپ کا مذاق اڑاتا اور خوبصورت پتھروں کی عبادت کرتا تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ایک خوبصورت پتھر کی عبادت کرتا اور جب اُسے اس سے زیادہ خوبصورت

[1] السيرة لابن هشام: 396/2. [2] تفسير ابن كثير، الأنعام 6:7-11. [3] الكامل لابن الأثير: 594/1، أنساب الأشراف: 163/1، السيرة الحلبية: 515/1.

پتھر مل جاتا تو وہ پہلے پتھر کو چھوڑ دیتا اور دوسرے پتھر کی پوجا شروع کر دیتا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہتا: محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو دھوکا دے رکھا ہے کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اللہ کی قسم! ہمیں صرف موجودہ زمانہ ہی ہلاک کرنے والا ہے۔ دوبارہ زندگی کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ أَفَأَنتَ تَكُونُ عَلَيْهِ وَكِيلًا ۝ ﴾ (الفرقان 43:25)

”کیا آپ نے اسے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے؟ پھر آپ اس کے ذمہ دار ہیں؟“[1]

امیہ بن خلف کی زیادتیاں

امیہ بن خلف بن وہب جمحی رسول اللہ ﷺ سے انتہائی گستاخانہ سلوک کرتا تھا۔ وہ آپ سے مذاق کرتا، آپ کو بڑے برے القابات سے پکارتا، پھر آنکھیں میچ میچ کر اشارے کرتا اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ ﷺ سے بدسلوکی پر اُکساتا تھا۔ اس فعلِ قبیح پر اللہ جل جلالہ نے یہ سورت نازل فرمادی:

﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ۝ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۝ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۝ كَلَّا لَيُنبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللَّهِ الْمُوقَدَةُ ۝ الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ۝ إِنَّهَا عَلَيْهِم مُّؤْصَدَةٌ ۝ فِي عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ ﴾ (الھمزۃ 104:1-9)

”ہر طعنہ زن، عیب جو کے لیے ہلاکت ہے۔ جس نے مال جمع کیا اور اسے گن گن کر رکھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ زندہ رکھے گا۔ ہرگز نہیں! اسے ضرور حُطمہ میں پھینکا جائے گا۔ اور آپ کو کیا معلوم حُطمہ کیا ہے۔ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے۔ جو دلوں تک پہنچے گی۔ بے شک وہ (آگ) ان پر (ہر طرف سے) بند کر دی جائے گی۔ لمبے لمبے ستونوں میں۔“[2]

اخنس بن شریق کے گھناؤنے خصائل

ابوثعلبہ اُبَیّ بن شریق بن عمرو بن وہب ثقفی، اخنس کے نام سے معروف تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے خلاف باتیں کرنا اس کی عادت بن گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے کفر اور نو (9) خصائلِ مذمومہ کو واضح کرتے ہوئے یہ آیات نازل فرمائیں:

---

[1] الکامل لابن الأثیر: 592/1، أنساب الأشراف: 150,149/1، سبل الهدٰی والرشاد: 461/2۔ [2] السیرۃ لابن هشام: 356/1۔

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ ﴾ (القلم 68:10-13)

”اور آپ ہر جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل آدمی کی بات نہ مانیں۔ جو طعنے دینے والا، انتہائی چغل خور ہے۔ بھلائی سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار اور اجڈ ہے۔ مزید برآں حرام زادہ ہے۔“ [1]

عاص بن وائل کا استہزا

نبی اکرم ﷺ کے صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ عاص بن وائل کے پاس اپنی تلواروں کی اجرت لینے گئے تو اس نے آپ سے ٹھٹھا کیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! قیامت کے دن اللہ کے ہاں تمھارا اور تمھارے نبی (ﷺ) کا درجہ مجھ سے بڑا نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ ﴾ (مریم 19:77-80)

”پھر آپ اس شخص کے بارے میں بتلائیے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پالی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے۔ اور ہم ان چیزوں کے وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے۔ اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔“ [2]

نضر بن حارث اور عبداللہ بن زِبَعْریٰ کا جھگڑا

محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے کتاب ”السیرۃ“ میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد میں ولید بن مغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران نضر بن حارث آیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اس وقت مسجد میں قریش کے اور بھی کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی تو نضر بن حارث نے آپ کی گفتگو میں دخل اندازی کی، آپ ﷺ نے اس سے مخاطب ہوکر بات چیت کی حتی کہ اسے لاجواب کر دیا۔ پھر آپ نے ان تمام قریشیوں کے سامنے یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں:

[1] السيرة لابن هشام: 1/360، 361، أسد الغابة: 1/55، تفسير ابن أبي حاتم، القلم 68:10-13. [2] صحيح البخاري: 2091، صحيح مسلم: 2795، السيرة لابن هشام: 1/357.

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ○ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ○ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ○﴾

(الأنبیآء 21:98-100)

''بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، سب جہنم کا ایندھن بنو گے، تم لازماً اس میں داخل ہو کر رہو گے۔ اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو اس میں نہ پڑتے اور اب سب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اس میں ان کے لیے چیخنا چلانا ہوگا اور وہ اس میں کچھ نہ سن پائیں گے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ ادھر عبداللہ بن زِبَعریٰ سہمی آ گیا، وہ بھی قریشیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعریٰ سے کہا: اللہ کی قسم! نضر بن حارث آیا۔ وہ ابھی ابن عبدالمطلب کے ساتھ کھڑا تھا اور بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ محمد (ﷺ) نے اُس سے کہا ہے کہ ہم اور ہمارے یہ تمام معبود جن کی ہم عبادت کرتے ہیں، جہنم کا ایندھن ہیں۔ ابن زبعریٰ نے یہ سن کر کہا کہ اگر میری محمد (ﷺ) سے ملاقات ہو جاتی تو میں ان سے اس موضوع پر بحث کرتا۔ جاؤ محمد (ﷺ) سے یہ پوچھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو ہم تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر (علیہ السلام) کی عبادت کرتے ہیں اور نصرانی مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کی پوجا کرتے ہیں۔ کیا فرشتے، عزیر اور مسیح بھی جہنم میں جائیں گے۔ ولید اور اس کے ساتھ مجلس میں موجود دیگر لوگوں کو ابن زِبَعریٰ کی یہ بات بہت اچھی لگی اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ اپنی اس دلیل کے ساتھ یہ غالب آ گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُعْبَدَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ، إِنَّهُمْ إِنَّمَا يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِينَ، وَمَنْ أَمَرَتْهُمْ بِعِبَادَتِهِ»

''ہر وہ معبود جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی بھی عبادت کی جائے تو وہ اپنے عابد کے ساتھ ہوگا، یہ لوگ شیاطین کی اور جس کی عبادت کا شیاطین نے انھیں حکم دیا، اس کی عبادت کرتے ہیں۔''

بہر حال ان کے اس اعتراض کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ○ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ○﴾ (الأنبیآء 21:101، 102)

''بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے، وہ اس سے دور رکھے

جائیں گے۔ وہ اس کی آہٹ بھی نہیں سنیں گے اور جس چیز کو ان کا جی چاہے گا، وہ اس میں ہر طرح کے عیش اور لطف کے ساتھ ہمیشہ رہیں گے۔''

یعنی عیسیٰ ابن مریم، عزیر علیہما السلام اور وہ علماء و مشائخ جن کی انھوں نے عبادت کی اور جو اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار و فرماں بردار تھے، وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی فہرست میں ہیں مگر گمراہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے بجائے انھیں اپنا معبود بنا لیا تھا، لہٰذا گمراہ لوگ اپنے کرتوت کی سزا ضرور بھگتیں گے، نیز اس بارے میں بھی آیات نازل ہوئیں کہ مشرکین جو یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں اور وہ ان کے بقول اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ وَ قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۝ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ۝ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْۤ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنبياء 21:26-29)

''اور انھوں نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنا رکھی ہے (حالانکہ) وہ پاک ہے (اس کی کوئی اولاد نہیں) بلکہ (جن کو یہ لوگ اس کے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں) وہ اس کے عزت والے بندے ہیں، وہ اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو پیچھے ہے، وہ سب جانتا ہے اور وہ اس کے پاس (کسی کی) سفارش نہیں کر سکتے مگر اس شخص کی جسے وہ پسند کرے اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے، ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں۔''

عبداللہ بن زِبَعریٰ نے جو یہ ذکر کیا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بھی پوجا کی جاتی ہے اور ولید اور اس کے ساتھیوں نے اس کی اس بات کی خوب داد دی تھی تو اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ۝ وَقَالُوْۤا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ۝ وَلَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ ۝ وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوْنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ ﴾ (الزخرف 43:57-61)

''اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کی مثال بیان کی گئی تو آپ کی قوم کے لوگ اسی پر چلا اٹھے اور کہنے لگے

کہ بھلا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ (عیسیٰ۔) انھوں نے تو اس (عیسیٰ) کی مثال صرف آپ سے جھگڑنے کے لیے بیان کی ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو، وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے انعام کیا اور بنی اسرائیل کے لیے ان کو مثال (اور اپنی قدرت کا نمونہ) بنا دیا اور اگر ہم چاہتے تو تم میں سے فرشتے بنا دیتے جو تمھاری جگہ زمین میں رہتے اور وہ (عیسیٰ) تو قیامت کی نشانی ہیں، پس اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو، یہ سیدھا رستہ ہے۔''

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں مُردوں کے زندہ کرنے اور بیماروں کے صحت یاب کرنے کے جن معجزات کا ظہور ہوا، وہ قیامت کے یقینی ہونے پر بطور دلیل کافی ہیں، اس لیے فرمایا:

﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾ (الزخرف 61:43)

''پس تم اس (قیامت کے آنے) میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو، یہ سیدھا رستہ ہے۔''

اور ابن زِبَعریٰ نے جو بات کی ہے، وہ بالکل غلط بات ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ تو اہل مکہ سے ان کی بے جان بتوں کی عبادت کے تناظر میں خطاب کے طور پر نازل ہوئی ہے اور بتوں کے پجاریوں سے زجر و توبیخ کے طور پر کہا جا رہا ہے کہ اس روز تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، دوزخ کا ایندھن بنو گے، مسیح و عزیر اور ان جیسے دیگر لوگوں پر اس آیت کو چسپاں نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے نیک عمل کیے اور جو اس بات کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔[1]

رسول اللہ ﷺ سے ابوجہل کا مذاق

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابوجہل اور دیگر کفار کو ڈرانے کے لیے زقوم (تھوہر) کے درخت کا ذکر فرمایا:

﴿ثُمَّ إِنَّكُمْ أَيُّهَا الضَّالُّونَ الْمُكَذِّبُونَ ۝ لَآكِلُونَ مِن شَجَرٍ مِّن زَقُّومٍ﴾ (الواقعة 52,51:56)

''پھر یقیناً تم اے گمراہو! جھٹلانے والو! (تم) تھوہر کے درخت سے ضرور کھاؤ گے۔''[2]

اس پر ابوجہل بن ہشام کہنے لگا: اے گروہ قریش! کیا تم جانتے ہو کہ وہ زقوم نامی درخت کیا ہے جس کے بارے میں محمد (ﷺ) تمھیں ڈراتا ہے؟ قریش نے جواب دیا: ہمیں تو زقّوم کا کوئی علم نہیں۔

ابوجہل بولا: وہ مکھن لگی ہوئی یثرب (مدینہ منورہ) کی عجوہ کھجوریں ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر ہمیں مل جائے تو ہم یہ زقوم

[1] السيرة لابن هشام: 360,359/1، تفسير الطبري، الأنبياء 21: 102,101. [2] أنساب الأشراف: 144/1.

جب سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو آپ ﷺ کی پیشانی مبارک شکن آلود ہوگئی اور آپ ﷺ پریشانی کی حالت میں انھیں وہاں چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورۂ عبس کی یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ ۝ اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَمَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَهُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝﴾

(عبس 80:1-14)

"اس نے ماتھے پہ شکن ڈالی اور منہ پھیر لیا۔ (اس لیے) کہ اس کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور (اے نبی!) آپ کو کیا خبر شاید وہ پاکیزگی حاصل کرتا۔ یا نصیحت سنتا تو اسے نصیحت نفع دیتی۔ لیکن جو شخص پروا نہیں کرتا، آپ اس کی فکر میں ہیں۔ حالانکہ اگر وہ نہیں سنورتا تو آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اور جو شخص آپ کے پاس دوڑتا چلا آیا۔ اور وہ ڈرتا بھی ہے۔ تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں۔ ہرگز نہیں! بے شک یہ (صحیفہ) تو ایک نصیحت ہے۔ چنانچہ جو چاہے اسے یاد کرے۔ (وہ ان) قابل احترام صحیفوں میں (محفوظ) ہے جو بلند و بالا اور پاکیزہ ہیں۔"[1]

سردارانِ قریش کا حقارت آمیز تبصرہ

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنے احباب حضرت خباب، صہیب، بلال اور عمار رضی اللہ عنہم کے ساتھ تشریف فرما تھے۔ اسی دوران قریش کے چند سرداروں کا آپ ﷺ کے قریب سے گزر ہوا تو وہ کہنے لگے: اے محمد! کیا آپ ان جیسے لوگوں کی قربت پر راضی ہوگئے ہیں۔[2]

حضرت خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: (قبول اسلام سے پہلے) سیدنا اقرع بن حابس تمیمی اور سیدنا عیینہ بن حصن فزاری رضی اللہ عنہما آئے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سیدنا صہیب، سیدنا بلال، سیدنا عمار اور سیدنا خباب رضی اللہ عنہم اور انھی جیسے کچھ دوسرے غریب، کمزور اور نادار مومنوں کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جب انھوں نے ان نادار حضرات کو نبی ﷺ کے اردگرد بیٹھے دیکھا تو انھیں حقیر جانا۔ انھوں نے نبی ﷺ سے تنہائی میں بات کی اور کہا: ہم چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ الگ تشریف رکھیں تاکہ اہلِ عرب کو ہماری فضیلت (اور بلند مقامی) کا پتہ چلے۔ آپ کے پاس عرب

[1] السيرة لابن إسحاق:1/263,262، السيرة لابن هشام:1/364,363، سبل الهدٰى والرشاد:2/423. [2] مسند أحمد: 1/420.

کے مختلف علاقوں کے وفد آتے ہیں اور ہمیں اس بات سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ عرب کے لوگ ہمیں ان غلاموں کے ساتھ بیٹھا دیکھیں، اس لیے جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو آپ انھیں اپنے پاس سے اٹھا دیا کریں، جب ہم فارغ ہو جائیں تو پھر آپ چاہیں تو ان کے ساتھ بھی تشریف رکھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے۔'' انھوں نے کہا: ہمیں (اس معاہدے کی) ایک تحریر لکھ دیجیے۔ نبی ﷺ نے لکھنے کا سامان طلب فرمایا اور لکھنے کے لیے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بلا لیا۔ ہم (غریب مسلمان) ایک طرف بیٹھے تھے۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آگئے اور انھوں نے وحی کی یہ آیات سُنائیں:

﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ۭ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام6:52)

''اور ان لوگوں کو اپنے سے دور مت کیجیے جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے (اور اس کی عبادت کرتے) ہیں۔ وہ اپنے رب کا چہرہ (رضا مندی) چاہتے ہیں۔ ان کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ آپ پر نہیں اور آپ کے حساب میں سے کسی چیز کا بوجھ ان پر نہیں، پھر اگر آپ انھیں اپنے سے دور کریں گے تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔''

پھر اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن رضی اللہ عنہما کا ذکر کیا (جو اس وقت غیر مسلم تھے) اور فرمایا:

﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ۭ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ۝ ﴾ (الأنعام6:53)

''اور اسی طرح ہم نے بعض کو بعض کے ذریعے سے آزمائش میں ڈالا ہے تاکہ وہ لوگ (انھیں دیکھ کر) کہیں: کیا ہم میں سے یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہے؟ کیا اللہ اپنے شکر گزار بندوں کو (ان سے) زیادہ نہیں جانتا؟''

اور پھر فرمایا:

﴿ وَاِذَا جَاۗءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾

(الأنعام6:54)

''اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو کہہ دیجیے: تم پر سلام ہو۔ تمھارے رب نے مہربانی کو اپنے ذمے لازم کر لیا ہے۔''

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ نبی ﷺ کے قریب آگئے حتی کہ ہم نے آپ کے گھٹنوں سے اپنے گھٹنے

پر اتفاق کیا کہ جوں ہی محمد (ﷺ) نظر آئیں، اسی وقت سب لوگ یکدم اٹھ کھڑے ہوں اور فوراً ان پر ٹوٹ پڑیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اس وقت تک پیچھے نہ ہٹے جب تک کہ ہم انھیں قتل نہ کر ڈالیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس گھناؤنے ارادے کا پتا چل گیا، وہ روتی ہوئی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئیں اور عرض کی: قریش کے سرداروں نے آپ کے خلاف یہ معاہدہ کیا ہے کہ جوں ہی وہ آپ کو دیکھیں، آپ پر پل پڑیں اور قتل کر دیں، ایک آدمی بھی ایسا نہیں جو آپ کے خون سے ہاتھ رنگنے کے لیے بے تاب نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے پورے وقار اور اطمینان سے فرمایا: میری بیٹی! مجھے وضو کراؤ۔ آپ ﷺ نے وضو کیا اور ان لوگوں کے پاس حرم تشریف لے گئے۔ جب اُن سنگ دل لوگوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو فوراً چلائے: لو، وہ آ گیا۔ لیکن یہ کہتے ہی ان کی آنکھیں جھک گئیں اور گردنیں لٹک کر سینوں سے لگ گئیں۔ وہ مبہوت ہو کر بیٹھے رہے۔ کسی کو آپ ﷺ کی طرف آنکھ اٹھانے کی بھی جرأت نہ ہوئی اور کوئی بھی اپنے فاسد ارادے کے لیے نہ اٹھ سکا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کے سر پر کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے مٹھی بھر مٹی لی اور فرمایا: «شَاهَتِ الْوُجُوهُ» ”چہرے بگڑ جائیں۔“ پھر آپ ﷺ نے وہ مٹھی بھر مٹی ان لوگوں کی طرف اُچھال دی۔ جس جس پر بھی وہ مٹی پڑی، اُس کا حشر یہ ہوا کہ وہ بدر کے دن کفر کی حالت میں جہنم رسید ہو گیا۔ [1]

اجتماعِ قریش کے موقع پر جبریل امین کی آمد

جب رسول اللہ ﷺ کو بتایا گیا کہ قریش مکہ نے آپ کو قتل کرنے کا عہد و پیمان کر لیا ہے تو آپ ﷺ صفا کی جانب دروازے سے نکل گئے۔ اس موقع پر جبرائیل آ گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے عرض کی: اے محمد! اللہ جل شانہ نے آسمانوں کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کریں، زمین کو حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کرے اور پہاڑوں کو بھی حکم دیا ہے کہ آپ کی اطاعت کریں۔ اگر آپ پسند فرمائیں تو آسمان کو حکم دیجیے، وہ ان پر عذاب نازل کرے، چاہیں تو زمین کو حکم دیجیے کہ وہ انھیں نگل جائے، پہاڑوں کو حکم دیجیے کہ وہ ان پر گر کر انھیں مسل ڈالیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ میری امت پر اس (عذاب) کو مؤخر رکھے، شاید اللہ تعالیٰ انھیں توبہ و استغفار کا موقع نصیب فرمائے۔“ [2]

نماز سے روکنے کی جسارت

ابوجہل کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آ بیٹھتا تھا۔ قرآن حکیم کی تلاوت بھی سنتا تھا لیکن اس کی تصدیق کرتا

[1] مسند أحمد: 303/1. [2] السيرة لابن إسحاق: 245،244/1.

نہ ایمان لاتا اور نہ نماز ادا کرتا تھا بلکہ الٹا رسول اللہ ﷺ کو بھی نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ اللہ جل شانہ نے اس کے بارے میں فرمایا:

﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ۝ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۝﴾ (القیٰمۃ 75:31,32)

''نہ تو اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور منہ موڑا۔''[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ بیت اللہ کے صحن میں نماز پڑھتے تھے تو ابوجہل آپ کو نماز پڑھنے سے روکتا تھا۔ ایک دن آپ ﷺ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آیا اور دیکھتے ہی بولا: اے محمد! کیا میں نے تمھیں نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ ساتھ ہی وہ نبیِ اکرم ﷺ کو دھمکیاں دینے لگا۔ آپ ﷺ نے جواباً اُسے ڈانٹا۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا گریبان پکڑ لیا اور جھنجھوڑ کر فرمایا:

﴿اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ۝﴾ (القیٰمۃ 75:34,35)

''تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے، پھر تیرے لیے ہلاکت پر ہلاکت ہے۔''

اس پر ابوجہل بولا: اے محمد! مجھے دھمکی دیتے ہو؟ تم اور تمھارا الٰہ دونوں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میں مکہ کے دونوں پہاڑوں کے مابین چلنے پھرنے والوں میں سب سے زیادہ معزز ہوں۔ میری محفل سب سے بڑی ہے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝﴾ (العلق 96:17,18)

''چنانچہ اسے چاہیے اپنی مجلس والوں کو بلائے، یقیناً ہم بھی عذاب کے فرشتوں کو بلالیں گے۔''[2]

نماز کے دوران حملہ آور ہونے کا انجام

ایک دفعہ ابوجہل نے سرداران قریش سے پوچھا: محمد (ﷺ) آپ لوگوں کے سامنے اپنا چہرہ خاک آلود کرتا ہے؟ یعنی بیت اللہ میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کرتا ہے؟ لوگوں نے کہا: ہاں! بے شک ایسا ہی ہے۔ ابوجہل نے کہا: لات وعزّیٰ کی قسم! اگر میں نے اسے سجدے کی حالت میں دیکھ لیا تو اس کی گردن روند ڈالوں گا۔ تھوڑی ہی دیر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے اور نماز پڑھنے لگے۔ ابوجہل اپنا مذموم ارادہ پورا کرنے کے لیے فوراً اٹھا اور آپ ﷺ کی طرف

[1] تفسیر القرطبي، القیٰمۃ 75:31,32. [2] جامع الترمذي: 3349، صحیح السیرۃ النبویۃ للألباني، ص: 144,145، تفسیر ابن أبي حاتم، تفسیر ابن کثیر، القیٰمۃ 75:34,35.

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

''اور اللہ آپ کو لوگوں (کے شر) سے بچائے گا۔''

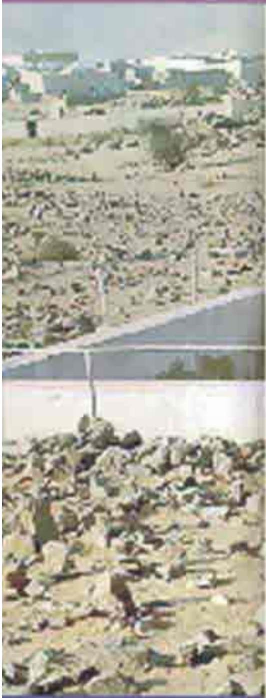
(المائدة 5:67)

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ

''بلاشبہ ہم ٹھٹھا کرنے والوں کے مقابل آپ کو کافی ہیں۔''

(الحجر 15:95)

اس باب میں





آپ پر یہ حقیقت اُجاگر ہوگی کہ سچائی کے اعلان واظہار کا راستہ طرح طرح کے آلام و مصائب سے اٹا ہوا ہے۔ آشوب و آلام کے نشیب و فراز رسالت مآب ﷺ پر بھی گزرے۔ مشرکینِ مکہ کی آنکھوں میں جہالت کی ڈھول پڑی ہوئی تھی، انھوں نے آپ ﷺ کو نہیں پہچانا۔ وہ آپ کی مخالفت کرتے رہے ان کے حلق سب وشتم اُگلتے رہے، ام جمیل طعنہ دیتی رہی۔ ابولہب محسنِ انسانیت ﷺ سے گستاخیاں کرتا رہا۔ نبیہ، منبہ، حارث سہمی، نضر بن حارث اور عبداللہ بن زبعری واہیات باتیں کرتے رہے۔ امیہ بن خلف نے زیادتیاں کیں، چچی نے ایذا دی، ابوجہل نے ہولناک مذاق کیا۔ حمزہ اُس پر انتقام لینے کے لیے ٹوٹ پڑے۔ پڑوسیوں نے سفاکیاں کیں۔ پھولوں سے زیادہ پاکیزہ دختران رسول ﷺ کو صرف اس لیے طلاق دے دی گئی کہ یہ اس غمگسار انسانیت ﷺ کی صاحبزادیاں ہیں جو ناآشنائے حقیقت جاہلوں کو رہ رہ کر اور تڑپ تڑپ کر صراط مستقیم کی طرف بلا رہا ہے......

یہ ساری چشم کشا حقیقتیں آپ اگلے اوراق میں جزئیات سمیت پڑھیں گے۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ ان تمام حالات و حوادث میں جو چیز رحمت اللعالمین کے لیے ہمیشہ پشتیبان بنی رہی وہ اللہ رب العزت کا کلامِ عظیم قرآن کریم تھا، جو آپ ﷺ پر ہر مرحلے میں بارانِ رحمت کی طرح اترتا رہا۔



رسول اللہ ﷺ کسی قیمت پر تبلیغ دین سے دستبردار نہیں ہوں گے تو انھوں نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ابوجہل نے قریش سے کہا: اے گروہ قریش! تم نے دیکھ لیا ہے کہ محمد (ﷺ) ہمارے دین کے عیوب بیان کرنے، ہمارے بزرگوں کو گالیاں دینے اور ہمارے دانشوروں کو بیوقوف کہنے سے باز نہیں آئے۔ اب میں نے اللہ کی قسم کھائی ہے اور اس سے وعدہ کیا ہے کہ میں صبح اتنا بھاری پتھر اٹھاؤں گا جتنا کہ میں اٹھانے کی طاقت رکھتا ہوں، پھر جس وقت محمد (ﷺ) سجدے کی حالت میں ہوں گے، میں اس پتھر سے اُن کا سر کچل دوں گا۔ اے گروہ قریش! پھر یہ تمھارے رحم و کرم پر موقوف ہوگا کہ تم میری مدافعت کرو یا اس کے بدلے میں مجھے اس کے وارثوں کے حوالے کر دو، پھر بنو عبد مناف میرے ساتھ جو جی چاہے کر لیں، مجھے کوئی پروا نہیں۔ قریش نے کہا: اللہ کی قسم! ہم ہرگز تمھیں ان کے حوالے نہیں کریں گے، تم اپنا ارادہ پورا کرو۔

صبح ہوئی۔ ابوجہل نے ایک بھاری پتھر اٹھا لیا اور رسول اللہ ﷺ کا انتظار کرنے لگا۔ آپ ﷺ حسب معمول علی الصباح گھر سے نکلے۔ یہ واقعہ تحویل قبلہ سے پہلے کا ہے۔ اس وقت بیت المقدس قبلہ تھا، آپ بیت اللہ کے پاس رکن یمانی اور حجر اسود کی جہت میں جہاں کعبہ اور شام (بیت المقدس) دونوں سامنے کے رُخ پر ہوتے تھے، کھڑے ہو گئے اور نماز پڑھنے لگے۔ اِدھر قریش اپنی اپنی مجلسوں میں چوکس ہو کر بیٹھ گئے اور ابوجہل کی کارروائی کا انتظار کرنے لگے۔ جونہی آپ ﷺ سجدے میں گئے، ابوجہل نے پتھر اٹھا لیا اور آپ ﷺ کی طرف لپکا۔ لیکن جیسے ہی وہ آپ ﷺ کے قریب پہنچا، بُری طرح بدحواس ہو کر پلٹ آیا۔ اس کا رنگ پیلا ہو گیا تھا۔ چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کا خون خشک ہو گیا ہے۔ دہشت کے مارے اس کے ہاتھ سے پتھر بھی چھوٹ گیا۔

قریش کے سرکردہ افراد اس کی طرف لپکے اور پوچھنے لگے: اے ابوالحکم! تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ ابوجہل بولا: میں تو وہی کام کرنے گیا تھا جو میں نے تمھیں رات کو بتایا تھا۔ لیکن جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا، میرے اور اس کے درمیان ایک اونٹ حائل ہو گیا۔ اللہ کی قسم! اس جیسی بڑی کھوپڑی، اس جیسی لمبی گردن اور اس جیسے بڑے بڑے خوفناک دانتوں والا اونٹ میں نے کبھی نہیں دیکھا، وہ اونٹ مجھے نگل جانا چاہتا تھا۔[1]

رکیک جملوں پر رسول اللہ ﷺ کی بردباری

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ مشرکین مکہ نے

[1] السیرۃ لابن إسحاق: 237,236/1، السیرۃ لابن ہشام: 299/1.

رسول اللہ ﷺ کو جو سب سے زیادہ روح فرسا تکلیف پہنچائی، وہ کیا تھی؟

انھوں نے بتایا: ایک دن مشرکین کے سرکردہ لوگ حطیم میں جمع تھے۔ اس محفل میں اللہ کے رسول ﷺ کا ذکر شروع ہوگیا۔ مشرکین کہنے لگے: ''جتنا صبر ہم نے اس شخص کی وجہ سے کیا ہے، اتنا صبر کبھی کسی اور کی وجہ سے نہیں کیا۔ یہ ہمارے بہترین لوگوں کو بیوقوف کہتا ہے، ہمارے آباء و اجداد کو گالیاں دیتا ہے، ہمارے دین کے عیوب گنواتا ہے، ہمارے اتحاد کو تہس نہس کرتا ہے، ہمارے خداؤں کو گالیاں دیتا ہے۔ ان تمام باتوں پر ہم نے صبر سے کام لیا۔''

ابھی یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے آتے ہی حجر اسود کو بوسہ دیا اور طواف شروع کر دیا۔ مشرکین نے آپ ﷺ کی شان کے منافی چند نازیبا کلمات کہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ان گستاخانہ کلمات کا ناگوار ردِعمل نمایاں ہو رہا تھا لیکن آپ ﷺ نے کامل وقار اور خاموشی سے طواف جاری رکھا۔ جب طواف کے دوسرے چکر کا مرحلہ آیا تو مشرکین نے حسب سابق پھر رکیک کلمات کہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر پہلے کی طرح کے پھر ناگوار اثرات محسوس کیے لیکن آپ ﷺ نے طواف جاری رکھا۔ جب تیسرے چکر میں مشرکین نے پھر مغلظات بکیں تو آپ ﷺ رک گئے اور فرمانے لگے: ''اے گروہ قریش! کیا تم سن رہے ہو؟ اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں تمھارے لیے ذبح (کا حکم) لایا ہوں۔''

قریش آپ کی یہ بات سن کر ڈر گئے۔ اب ان میں سے ہر شخص پریشانی کی حالت میں اس قدر حیران اور دم بخود تھا جیسے اُس کے سر پر موت منڈلا رہی ہو۔ اب حالت یہ تھی کہ جو شخص پہلے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر بے ہودہ باتیں کر رہا تھا، وہی اب سب سے اچھی باتیں کرنے لگا اور کہنے لگا: اے ابوالقاسم! آپ ہدایت یافتہ ہیں، واپس تشریف لے جائیے، اللہ کی قسم! آپ ہرگز گمراہ نہیں۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے گئے۔

عقبہ بن ابی معیط کی سفاکی

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ قریش دوسرے روز پھر حطیم میں جمع ہوئے، میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ قریش ایک دوسرے سے کہنے لگے: گزشتہ روز جو تکلیف تم نے انھیں پہنچائی اور ان کی طرف سے جو ردِعمل ہوا، تم نے وہ تو بتا دیا لیکن جب انھوں نے تمھارا ایسی بات سے مقابلہ کیا جسے تم پسند نہیں کرتے تو تم نے انھیں چھوڑ دیا۔ بھلا یہ کیا بات ہوئی؟

ابھی وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ اب تمام مشرکین اکٹھے ہو کر آپ کی

بتوں کو پوجتے تھے، اس لیے تم بھی اپنے آباء واجداد کی تقلید میں بت پوجتے رہو گے۔

اہل مکہ کے پاؤں کی سب سے بھاری زنجیر تقلید آباء تھی جو انھیں راہِ حق پر قدم بڑھانے سے روکتی تھی۔ وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم دینِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں، حالانکہ ابراہیم علیہ السلام بت شکن تھے۔ حالات و حوادث کی کروٹوں اور شیطان کے جھانسوں کے باعث اہل مکہ بتوں کو پوجنے لگے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی کی دعوت دی تو وہ چونک پڑے، کہنے لگے: بھلا آپ کی دعوت کے مقابلے میں ہم اپنے آباء و اجداد کے دین اور رسوم و رواج کو کیسے چھوڑ دیں؟ تقلید کی یہی بندش تھی جس نے انھیں رسول اللہ ﷺ کی دعوتِ حق کا مخالف بنا دیا۔

باطل عقائد ونظریات کی تردید

مشرکین کی طرف سے اسلام کی مخالفت کی وجوہ میں سب سے بڑی وجہ بت پرستی تھی۔ عرب مدت سے بت پرستی میں مبتلا چلے آرہے تھے۔ بیت اللہ کی مقدس دیواریں تین سو ساٹھ (360) بتوں کے وجودِ نامسعود کی پرچھائیوں میں چھپ گئی تھیں۔ ان بتوں میں ''ہبل'' کو خدائے اعظم کا درجہ دیا گیا تھا۔ اللہ جل شانہ کی عبادت کے بجائے قریش انھی باطل خداؤں کی عبادت کرتے اور انھی کو خیر وشر کا سرچشمہ سمجھتے تھے۔ اپنے باطل عقائد اور مکروہ رسوم و رواج میں وہ اتنے پختہ اور بے لچک تھے کہ ان عقائد میں کسی کی دخل اندازی کو ناقابل معافی جرم سمجھتے تھے۔ اس اعتبار سے وہ بڑے سخت توہم پرست تھے۔ کوئی کام شروع کرنے لگتے تو تیروں کے ذریعے فال نکالتے تھے کہ یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ سفر پر روانہ ہوتے تب بھی تیروں کی رہنمائی کے طلب گار ہوتے، وہ اپنے چھوٹے بڑے ہر کام میں کاہنوں کی مدد کے خواستگار بھی رہتے تھے۔ وہ اپنی مرادیں برآنے کے لیے لات وعزیٰ کے آگے سر جھکاتے تھے۔ اس ذہنی گمراہی کے علاوہ وہ معاشرتی لحاظ سے بھی بڑے گھٹیا تھے۔ اپنی سوتیلی ماؤں سے شادیاں کر لیتے تھے۔ محض اس خیال سے کہ کل کوئی ہمارا داماد نہ کہلائے، نومولود بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ اسلام انھی باطل عقائد و اعمال کا قلع قمع کرتا تھا، اس لیے مشرکین اسے اپنے لیے یکسر ناقابل قبول سمجھتے تھے۔

عقیدۂ آخرت

مشرکین مکہ جزا وسزا کے تصور ہی سے بے نیاز تھے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ بس موت ہی زندگی کی انتہا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوجانے کا کوئی امکان نہیں۔ اس کے برعکس اسلام یومِ حساب کو ایمان کی اساس قرار دیتا ہے۔ مشرکین اپنے جاہلانہ عقیدے کی بنا پر اسلام کا مذاق اُڑاتے تھے اور اسے قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔

جاہ وحشمت کے لیے خاندانی رقابت

بنو ہاشم اور بنو امیہ ہم پلہ تھے۔ عبدالمطلب نے اپنے زور بازو سے بنو ہاشم کا پلڑا بھاری کر دیا۔ اس کے بعد اس خاندان میں اُن جیسا کوئی صاحب اثر پیدا نہ ہوا۔ جونہی نبیِ اکرم ﷺ نے اپنی نبوت کا اظہار و اعلان کیا تو خاندانِ بنو امیہ چونک پڑا اور رسول اللہ ﷺ کے منصبِ نبوت کو اپنے رقیب بنو ہاشم کی ابدی فتح اور بالادستی کا مؤثر ترین عامل سمجھنے لگا، اسی لیے آپ ﷺ کی سب سے زیادہ مخالفت اسی قبیلے نے کی۔

ولید بن مغیرہ بنومخزوم کا نہایت سرکردہ لیڈر تھا۔ باقی خاندانوں میں اس کا ہم پلہ کوئی نہ تھا، چنانچہ بنومخزوم نے بھی دعوتِ اسلام کی مخالفت کی۔

اسلام کا اعلیٰ اخلاقی نظام

قریش کے اکثر سرداروں میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ بڑے بڑے اربابِ اقتدار نہایت شرمناک اشغال و افعال میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ابولہب بنو ہاشم میں ممتاز تھا۔ وہ حرم کے خزانے سے غزالِ زریں چرانے والے مشکوک افراد میں شامل تھا۔ اخنس بن شریق چغل خور اور کذاب تھا۔ نضر بن حارث جھوٹا اور مکار تھا۔ علیٰ ہذا القیاس ان میں مالی و معاشرتی برائیاں اور اخلاقی گراوٹیں انتہا کو پہنچی ہوئی تھیں۔ اسلام ان تمام برائیوں کو نیست و نابود کرنے آیا تھا اور کفار کو یہ بات کسی صورت گوارا نہ تھی۔ وہ اپنے رہنماؤں کی تذلیل اور پسپائی سے بدکتے تھے، اسی لیے اسلام قبول کرنے سے گھبراتے تھے، چنانچہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دشمن بن گئے۔ انھوں نے آپ کی دعوت کو ناکام بنانے کے لیے آپ کی شدید مخالفت اور اذیت رسانی پر کمر باندھ لی۔

مساوات سے نفرت

مشرکین کی ہٹ دھرمی اور اسلام قبول نہ کرنے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ حسب ونسب پر بڑا گھمنڈ کرتے تھے۔ کم ظرفی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ اپنی معمولی سی بھی جود و سخا کو اُچھال اُچھال کر جتلاتے تھے اور ریاکاری کے ذریعے سے اپنی انا کو پروان چڑھاتے تھے۔ اسلام ان تمام برائیوں کا قلع قمع کرنے کے ساتھ ساتھ عالمگیر انسانی مساوات کا علمبردار ہے جبکہ اس کے برعکس رؤسائے مشرکین غریبوں، ناداروں اور کسمپرس لوگوں کو کوئی اہمیت دینا اپنی توہین سمجھتے تھے، اس لیے وہ اسلام کی مخالفت میں اندھے ہوکر آپ ﷺ کو اذیتیں دینے پر تُل گئے۔

بشر کی نبوت سے انکار

بت پرستوں کا خیال تھا کہ کوئی انسان اللہ کا رسول نہیں ہوسکتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ بشری تقاضے رسالت کے

کے آگے ایک دیوار بنا دی۔'' کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کفار قریش ڈھانک دیے گئے: ﴿فَاَغْشَيْنٰهُمْ﴾ ''چنانچہ ہم نے ان کی آنکھیں ڈھانپ دیں۔'' ﴿فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ ''لہٰذا وہ (نبی اکرم ﷺ کو) دیکھ نہیں سکتے تھے۔'' کہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچا سکیں۔ ...... پھر اس واقعے کا پس منظر بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنومخزوم کے چند افراد نے نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو تلقین کی کہ وہ ہر حال میں آپ ﷺ کو قتل کرے۔ اس منصوبے میں ولید بن مغیرہ اور ابوجہل پیش پیش تھے۔ چنانچہ بنومخزوم اس ناپاک پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے موقع کی تاک میں گھات لگا کر بیٹھ گئے۔

ایک دن نبی اکرم ﷺ نماز پڑھتے ہوئے بآواز بلند تلاوت فرما رہے تھے۔ بنومخزوم نے جونہی آپ ﷺ کی تلاوت سنی تو ولید کو بھیجا تاکہ وہ آپ ﷺ کو قتل کر دے۔ ولید اس مکان پر پہنچا جہاں نبی اکرم ﷺ نماز میں مصروف تھے اور بآواز بلند تلاوت فرما رہے تھے۔ ولید نبی اکرم ﷺ کو تلاش کرنے لگا۔ وہ آپ ﷺ کی تلاوت تو واضح طور پر سن رہا تھا لیکن وہ آپ کی ذاتِ گرامی کو پوری کوشش کے باوجود نہ دیکھ پایا۔ وہ حیران ہوکر واپس چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو اس عجیب و غریب صورتحال سے آگاہ کیا۔ اس کے بعد ابوجہل، ولید اور بنومخزوم کے چند دیگر افراد اسی مکان میں پہنچے جہاں نبی اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ بھی کان لگا کر قراءت سننے اور غور کرنے لگے کہ یہ آواز کس طرف سے آ رہی ہے؟ انھیں یوں محسوس ہوا جیسے یہ آواز ان کے عقب سے آ رہی ہے، لہٰذا وہ پیچھے مُڑ گئے۔ جب وہاں دیکھا اور کان لگا کر آواز کی جہت تلاش کرنے لگے تو انھیں تلاوت کی آواز پھر اپنے پیچھے سے آتی سنائی دی، وہ اسی کشمکش میں خوار ہوئے اور واپس چلے گئے۔ وہ نبی اکرم ﷺ کو دیکھ سکے نہ ان کے خلاف کچھ کر سکے۔ بالآخر ان کے ناپاک عزائم خاک میں مل گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت مقدسہ کا مطلب یہی ہے:

﴿وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ۝﴾ (یٰس 9:36)

''اور ہم نے ان کے آگے ایک دیوار بنا دی اور ان کے پیچھے بھی ایک دیوار، پھر ہم نے ان (کی آنکھوں) کو ڈھانپ دیا، لہٰذا وہ دیکھ نہیں سکتے۔''[1]

نبی اکرم ﷺ کو قتل کرنے کی ایک اور مذموم کوشش

نضر بن حارث رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔ متعدد مواقع پر آپ کو تکالیف پہنچانے

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 197,196/2، الخصائص الكبرٰى: 214/1.

میں اس نے بڑی تیزی اور دلیری دکھائی لیکن ہمیشہ حسرت و یاس کے ساتھ نامرادی ہی اس کا مقدر بنی۔ شدید گرمی کا موسم تھا۔ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت رفع حاجت کے لیے گھر سے نکلے اور الحجون کی گہری گھاٹی میں پہنچے۔ نضر بن حارث نے آپ کو دیکھ لیا۔ وہ کہنے لگا: میں نے آپ (ﷺ) کو کبھی تنہا نہیں پایا۔ یہ بہترین موقع ہے کہ میں چپکے سے بے خبری کے عالم میں انھیں قتل کر دوں۔ یہ سوچ کر وہ نبیِ اکرم ﷺ کے پیچھے چل دیا، پھر اچانک خوفزدہ ہو کر اپنے گھر پلٹ آیا۔ رستے میں ابوجہل سے ملاقات ہوئی۔ وہ پوچھنے لگا: کہاں سے آ رہے ہو؟ نضر بولا: میں محمد (ﷺ) کا پیچھا کر رہا تھا تاکہ میں انھیں تنہائی میں دھوکے سے قتل کر دوں۔ اچانک میں نے ایک کالا زہریلا ناگ دیکھا۔ وہ میرے سر کے اوپر اپنا جبڑا پھاڑ کر پھنکار رہا تھا۔ میں بُری طرح گھبرا گیا اور لوٹ آیا۔ ابوجہل کہنے لگا: یہ واقعہ اس کے جادو کی وجہ سے پیش آیا ہے۔[1]

بنوامیہ کے ناپاک ارادے

حکم بن ابی الحکم اموی کی بیٹی اپنے باپ سے کہنے لگی: اے بنوامیہ! تم سے زیادہ بری قوم میں نے کبھی نہیں دیکھی جو رسول اللہ (ﷺ) کے آگے عاجز تھی اور ان کے بارے میں بری رائے رکھتی تھی۔ حکم کہنے لگے: اے میری بیٹی! ہمیں ملامت نہ کر، میری بات سن، میں صرف وہی بات بتاتا ہوں جو میں نے دیکھی ہے۔[2] ہم نے ایک دن عہد کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا کام تمام کر دیں گے۔ ہم اس ارادے سے نکلے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف چل پڑے۔ اچانک ہم نے بڑی خوفناک آواز سنی۔ ہمارا خیال ہے تہامہ کے پہاڑ بھی اس آواز کی شدت سے لرز گئے ہوں گے۔ اسی اثنا میں ہم پر غشی طاری ہوگئی۔ جب تک رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ کر اپنے اہل وعیال کی طرف واپس نہیں آ گئے، ہم بے ہوش ہی پڑے رہے۔ ایک دن ہم نے پھر اسی طرح کے عہد و پیمان باندھے اور رسول اکرم ﷺ کو قتل کرنے کے لیے ایک رات مقرر کرلی، جیسے ہی مقررہ وقت آیا، ہم فوراً رسول اللہ ﷺ کی طرف لپکے لیکن عین اُسی وقت صفا اور مروہ دونوں پہاڑ اوپر تلے ہو کر ہمارے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان حائل ہوگئے۔ اللہ کی قسم! ہمارے ارادوں سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا یہاں تک کہ اللہ جل جلالہ نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نواز دیا۔[3]

ابوجہل نے نبیِ اکرم ﷺ کو زخمی کر دیا

ایک دفعہ ابوجہل کوہ صفا کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کے پاس سے گزرا۔ ابوجہل نے نبی ﷺ سے دشنام طرازی

---

1 الخصائص الكبرىٰ: 215/1، سبل الهدىٰ والرشاد: 258/10، السيرة الحلبية: 518/1. 2 الإصابة: 87/2.
3 الخصائص الكبرىٰ: 215/1.

پہنچایا۔[1] یہ لوگ اللہ کے دین کے دشمن تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو محض اس لیے مدت مدید تک مبتلائے محن رکھا کہ آپ اسلام کی دعوت کیوں دیتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بدترین دشمنوں کی ایک فہرست حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے بھی مرتب کی تھی جو حسب ذیل ہے:

آپ کی قوم میں سرفہرست اور شدید ترین دشمن آپ کا چچا ابولہب تھا۔ اُس کا نام عبدالعزیٰ بن عبدالمطلب تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا چچا زاد ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب۔

بنوعبدشمس بن عبدمناف میں سے عُتبہ اور شیبہ جو ربیعہ بن عبدشمس کے بیٹے تھے۔

عقبہ بن ابی مُعَیط بن ابی عمرو بن ربیعہ بن امیہ بن عبدشمس، ابوسفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبدشمس، حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس، معاویہ بن مغیرہ بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس۔

بنوعبدالدار بن قصی میں سے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ۔ بنوعبدالعزیٰ بن قصی میں سے اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ اور اس کا بیٹا ربیعہ بن اسود۔

ابوالبختری عاصی بن ہشام بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی۔ بنوزہرہ بن کلاب میں سے اسد بن عبدیغوث بن وہب بن عبدمناف بن زُہرہ بن کلاب۔ بنومخزوم میں سے ابوجہل عمرو بن ہشام (ہاشم) بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم، اس کا بھائی عاصی بن ہشام (ہاشم)، ان کا چچا ولید بن مغیرہ (والدِ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ)، ولید کا بیٹا ابوقیس، اس کا چچا زاد قیس بن فاکہ بن مغیرہ، ان کا چچا زاد زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ (ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا بھائی) اور اسود بن عبدالاسد بن ہلال بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم۔

صیفی بن سائب جس کا تعلق بنوعابد (عائذ) بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم سے تھا۔ خاندانِ سہم بن ہصیص بن کعب بن لؤی میں سے عاص بن وائل بن ہاشم بن سُعَید بن سہم بن ہصیص (والدِ عمرو رضی اللہ عنہ)، حارث بن عدی بن سُعَید بن سہم بن ہصیص، مُنَبِّہ اور نُبَیْہ جو حجاج بن عامر بن حذیفہ بن سُعَید بن سہم بن ہصیص کے بیٹے تھے۔

بنوجمح میں سے اُمیہ اور اُبَیّ جو خلف بن وہب بن حُذافہ بن جمح بن ہصیص بن کعب بن لؤی کے بیٹے تھے۔ اُنَیس بن مِعْیَر بن لوذان بن سعد بن جمح (ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کا بھائی) اور حارث بن طُلاطِلَہ خُزاعی اور عدی بن حمراء ثقفی۔

ان لوگوں نے اور دیگر تمام قبائل قریش کے سرداروں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا، وہ ان میں سے بے یار و مددگار مسلمانوں کو آلام و مصائب کا تختۂ مشق بناتے اور ان کی ایذا رسانی میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑتے تھے

[1] أنساب الأشراف: 141,140/1.

مگر ان تمام آلام و مصائب کے باوجود اسلام مردوں اور عورتوں میں مسلسل پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا۔ کفار و مشرکین کی طرف سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس قدر شدید تکلیفیں پہنچائی گئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر ان شدائد کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی اور انھوں نے زبردست صبر کا مظاہرہ فرمایا، وہ ایمان کی حلاوت اور اللہ رب العزت کی محبت میں گم تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں بے پناہ اجر و ثواب تیار فرما رکھا تھا۔[1]

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر کی تلقین

اللہ جل شانہ نے نبیِ اکرم ﷺ کو مشرکین کی تکالیف پر صبر کی تلقین فرمائی:

﴿وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِیْلًا ○﴾

”اور جو کچھ وہ کہتے ہیں، اس پر صبر کیجیے اور انھیں اچھے طریقے سے چھوڑ دیجیے۔“[2]

﴿فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ○﴾

”چنانچہ آپ اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کیجیے اور ان میں سے کسی گناہ گار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے۔“[3]

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ○﴾

”اور (اے نبی!) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ ان (کفار) پر غم نہ کریں اور نہ آپ اس پر تنگی محسوس کریں جو وہ مکر (سازشیں) کر رہے ہیں۔“[4]

﴿مَا یُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِیْمٍ ○﴾

”آپ سے بھی وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو آپ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا، بے شک آپ کا رب معاف کر دینے والا بھی ہے اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔“[5]

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو صبر کی تلقین کے ساتھ ساتھ یہ تاکید بھی فرمائی:

﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ○ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ○﴾

[1] جوامع السیرة لابن حزم، ص: 52-54، نیز ملاحظہ فرمائیں: المحبر لابن حبیب، ص: 157، أنساب الأشراف: 1/50-70.
[2] المزمل 73:10. [3] الدھر 76:24. [4] النحل 16:127. [5] حمٓ السجدة 41:43.

الٓمّٓ احسب الناس ان يتركوا

ان يقولوا امنا وهم لا يفتنون

ولقد فتنا الذين من قبلهم

فليعلمن الله الذين صدقوا

وليعلمن الكذبين

”الٓمّٓ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا؟ اور ہم نے ان لوگوں کو آزمایا ہے جو ان سے پہلے تھے، چنانچہ اللہ ان لوگوں کو ضرور ظاہر کرے گا جنھوں نے سچ بولا اور وہ انھیں بھی ضرور ظاہر کرے گا جو جھوٹے ہیں۔“

(العنکبوت 29:1-3)

اس باب میں





آپ اسلام کے ناتواں اور نادار فدائیوں پر مشرکین مکہ کی دل خراش مشق ستم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فدویت و استقامت ملاحظہ فرمائیں گے۔ اسلام دشمنی میں آپ کو ابوجہل کا ہاتھ بہت تیز دکھائی دے گا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اللہ کی توحید اور کبریائی کا نعرہ بلند کیا تو ان پر مشرکین کے ہاتھوں کیا گزری؟ اس ہولناک واقعے کی تفصیلات پڑھنے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ان کے چچا کے مظالم سامنے آئیں گے، پھر آپ کو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر تشدد کا لرزہ خیز منظر دکھائی دے گا، پھر آل یاسر پر ہولناک تشدد اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان مبارک سے جنت کی بشارت کے بعد آپ صہیب رومی، عامر بن فہیرہ، زبیر، ابوذر غفاری، خالد بن سعید اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر مشرکین کی ستم رانی کا حال پڑھیں گے۔ آخر میں آپ کی نظر سے یہ ایمان افروز واقعہ گزرے گا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کس طرح اپنا مال بے دریغ خرچ کیا اور مظلوم غلاموں کو خرید کر آزاد کر دیا۔



چلتا ہے اور اُس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔'' [1]

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وہ معاملہ نہیں ہوتا جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ انھیں تو امتحانوں اور آزمائشوں کی انتہائی کٹھن منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے اور قدم قدم پر تسلیم و رضا اور صبر و ثبات کا مظاہرہ کرنا ہوتا ہے۔ سابق انبیائے کرام علیہم السلام کو جب تکالیف پہنچیں تو انھوں نے ان پر ممکن حد تک صبر کیا لیکن جب ظلم و ستم حد سے گزر گیا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ کی خدمت میں اپنی قوموں کے ظالم افراد کے خلاف فریاد کی، پھر اللہ جل شانہ نے ان کی قوموں کو دنیاوی عذاب سے دوچار کر دیا۔ حضرت محمد ﷺ نے بھی ہر قسم کی تکالیف نہایت صبر و استقامت سے برداشت کیں۔ سفرِ طائف میں مشرکین کا ظلم سہ کر آپ کی زبان مبارک سے یہی جملہ نکلا: ''اے اللہ! یہ نادان لوگ ہیں، انھیں ہدایت عطا کر۔'' یہاں تک کہ مشرکین نے آپ ﷺ سے معجزات دکھانے کے مطالبے کیے تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا کہ اگر آپ چاہیں تو میں ان کے مطلوبہ معجزات دکھا دیتا ہوں، پھر اس کے بعد اگر کسی

[1] جامع الترمذي:2398، مسند أحمد:180/1

نواحِ طائف کا سرسبز منظر



نے کفر کیا تو اسے ایسا عذاب دیا جائے گا کہ ویسا عذاب دنیا میں کسی اور کو نہیں دیا جائے گا۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو ان کے لیے رحمت اور توبہ کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے کہا: ''ہاں! میں رحمت اور توبہ کے دروازے ہی کا طلب گار ہوں۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کے پڑوسیوں کی سفاکیاں

ابن اسحاق رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ چند بدبخت لوگ ایسے بھی تھے جو نبیِ اکرم ﷺ کو خود انھی کے کاشانۂ مبارک میں اذیت پہنچاتے تھے۔ ابولہب، حکم بن ابی العاص بن امیہ، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن حمراء ثقفی اور ابن الاصداء ہذلی یہ سب رسول اللہ ﷺ کے ہمسائے تھے۔

سیدنا حکم بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کے علاوہ آپ ﷺ کا کوئی پڑوسی مسلمان نہیں ہوا۔ ان پڑوسیوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کو اذیت دینے کا معمول یہ تھا کہ جب نبیِ اکرم ﷺ نماز پڑھ رہے ہوتے تو ان میں سے ایک شخص بکری کی بچہ دانی اُٹھا کر نشانہ باندھتا تھا اور آپ ﷺ کے وجودِ گرامی پر دے مارتا تھا۔ نبیِ اکرم ﷺ اس غلاظت کو ایک لکڑی پر اُٹھا کر دروازے سے باہر تشریف لاتے اور فرماتے:

«يَا بَنِي عَبْدِ مَنَافٍ! أَيُّ جِوَارٍ هٰذَا؟»

''اے بنو عبد مناف! یہ کیسی ہمسائیگی ہے؟''

پھر آپ ﷺ اس گندگی کو دروازے سے باہر پھینک دیتے تھے۔ [2]

وہ شقی القلب لوگ نبیِ اکرم ﷺ کو مسلسل اسی طرح اذیت دیتے رہے۔ آپ نے ان ناآشنائے انسانیت پڑوسیوں کی رکیک حرکتوں پر بڑے صبر و تحمل کا مظاہرہ فرمایا اور احتیاطی تدبیر کے طور پر اپنے گھر کے اندر ایک محفوظ گھروندا بنا لیا تاکہ آپ نماز پڑھتے ہوئے ان لوگوں کی خباثتوں سے محفوظ رہیں۔

ابولہب اور عقبہ بن ابی معیط بے حیائی اور اذیت رسانی میں سب سے آگے بڑھ گئے۔ یہ دونوں رسول اللہ ﷺ کو نہایت گھناؤنے انداز سے بے حد تکالیف پہنچاتے تھے۔ دونوں غلاظت اکٹھی کرتے اور نبی اکرم ﷺ کے دروازے پر پھینک دیتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ ان دونوں کے بارے میں فرمایا کرتے تھے:

«كُنْتُ بَيْنَ شَرِّ جَارَيْنِ أَبِي لَهَبٍ وَّ عُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ إِنْ كَانَا لَيَأْتِيَانِ بِالْفُرُوثِ فَيَطْرَحَانِهَا عَلٰى بَابِي»

[1] المستدرك للحاكم: 54,53/1، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 127,126. [2] السيرة لابن هشام: 416/2، السيرة النبوية لابن كثير، ص: 178.

کے دین کو چھوڑ دیا ہے، حالانکہ وہ تم سے بہتر تھے۔ اگر تم اسلام سے باز نہ آئے تو پھر ہم تمھیں بیوقوف سمجھیں گے، تمھاری بات مسترد کریں گے اور تمھاری قدر و منزلت گھٹا دیں گے۔

اگر مسلمان ہونے والا شخص تاجر ہوتا تو ابوجہل اسے دھمکی دیتا: اللہ کی قسم! ہم تیری تجارت کے تمام راستے مسدود کر دیں گے اور تیرا مال اُجاڑ دیں گے۔ اور اگر اسلام قبول کرنے والا شخص کمزور ہوتا تو ابوجہل اسے دھمکاتا اور پھر اس کی پٹائی کرتا تھا۔[1]

بعض مواقع پر مسلمانوں پر اتنا سنگین تشدد کیا گیا کہ وہ بالکل عاجز آ گئے اور کفار و مشرکین انھیں حواس باختہ کر کے ان کی زبانوں سے اپنے مطلب کی بات کہلوانے لگے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو گائے اور اونٹ کی کھال میں لپیٹ کر دھوپ میں پھینک دیا جاتا تھا۔ بعض کو لوہے کی تپتی ہوئی زرہ پہنا کر جلتے پتھروں پر گرا دیا جاتا تھا۔[2] یہاں تک کہ خود مسلمان ہونے والے کا اپنا قبیلہ ہی اس کے درپے ہو جاتا اور وہ ظالم بڑی سی کھال کے خول میں پانی بھر کر اس میں اسلام قبول کرنے والے شخص کو بند کر دیتے تھے۔ اس طرح اُس بیچارے کا دم گھٹنے لگتا اور سانس میں گرہیں پڑنے لگتی تھیں تو وہ ستم زدہ مجبور ہو کر ان ظالموں کا کہنا مان لیتا۔ ایسے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ مستثنیٰ ہیں۔ اُنھوں نے ہر قسم کی تکلیف میں صبر کیا اور ان کے پائے ثبات میں لمحہ بھر بھی لغزش نہ آئی۔[3]

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں: میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا: کیا مشرکین مسلمانوں پر اتنا زیادہ تشدد کرتے تھے کہ وہ دین کی زبانی کلامی نفی کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے اور اس کے لیے وہ معذور تھے؟ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمانے لگے: ہاں! اللہ کی قسم! کفار مسلمانوں پر نہایت المناک تشدد کرتے تھے۔ انھیں بُری طرح ستایا جاتا تھا، بھوکا پیاسا رکھا جاتا تھا۔ انھیں اتنا مارا جاتا تھا کہ وہ شدت الم کی وجہ سے نڈھال ہو جاتے تھے۔ بیٹھنے کے قابل بھی نہ رہتے تھے۔ یوں بعض انتہائی مظلوم مسلمان اس مصیبت سے چھٹکارا پانے کے لیے ان کے مطلوبہ کلمات بول دینے پر بادلِ ناخواستہ مجبور ہو جاتے تھے۔

مشرکین پوچھتے: کیا اللہ کے علاوہ لات و عزّیٰ بھی تمھارے الٰہ ہیں؟ تو تشدد کا مارا زخموں سے چُور مسلمان کہہ دیتا: ہاں۔ اسی مشقِ ستم کے دوران اگر ایک گندہ سیاہ کیڑا پاس سے گزرتا تو وہ پوچھتے: کیا یہ سیاہ کیڑا تمھارا الٰہ ہے؟ وہ بے چارہ کہہ دیتا: ہاں۔ لیکن اس کا دل اللہ رب العزت پر ایمان سے لبریز ہوتا تھا اور وہ صرف اذیت سے چھٹکارا پانے کے لیے ان کے مطلوبہ بول کہہ دیتا تھا۔[4]

[1] السيرة النبوية لابن كثير، ص: 130. [2] رحمة للعالمين: 63/1. [3] الروض الأنف: 88,87/2. [4] السيرة لابن إسحاق: 229/1، السنن الكبرى للبيهقي: 209/8.

حافظ ابن کثیر ؒ فرماتے ہیں: اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی طرح کے معاملے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْۢ بَعْدِ إِيمَانِهِۦٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُۥ مُطْمَئِنٌّۢ بِٱلْإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝﴾ (النحل 106:16)

”جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا، لیکن جس نے کفر کے لیے (اپنا) سینہ کھول دیا (بخوشی کفر کیا) تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“ [1]

عبداللہ بن عباس ؓ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: جس شخص نے ایمان کے بعد کفر کیا، اس پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا غضب ہوگا اور اس کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ لیکن جو آدمی کفر سے دلی نفرت کرتا ہو، اس کا دل ایمان سے لبریز ہو اور وہ دشمن کے ظلم وستم سے خلاصی پانے کے لیے مجبوراً کفریہ کلمہ کہہ دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ بندوں سے ان کے قلبی خیالات وعقائد پر مؤاخذہ فرماتا ہے۔ [2]

مسلمانوں پر یہ تکالیف اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت تامہ کے تحت آئی تھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتْرَكُوٓا۟ أَن يَقُولُوٓا۟ ءَامَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۝﴾ (العنکبوت 2:29)

”کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائے گا۔“

اس آیت کریمہ میں استفہام انکاری ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں: ”یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ مومنین کو اُن کے ایمان کے مرتبے کے مطابق آزمائے گا۔“ [3]

یہی بات حدیث میں بھی فرمائی گئی ہے، حضرت ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: أَيُّ النَّاسِ أَشَدُّ بَلَاءً؟ ”وہ کون لوگ ہیں جو سب سے زیادہ سخت آزمائشوں سے دوچار ہوتے ہیں؟“

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْأَنْبِيَاءُ، ثُمَّ الْأَمْثَلُ فَالْأَمْثَلُ، يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ، فَإِنْ كَانَ دِينُهُ صُلْبًا اشْتَدَّ بَلَاؤُهُ، وَ إِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتُلِيَ حَسَبَ دِينِهِ فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتَّى يَتْرُكَهُ يَمْشِي

1 تفسير ابن كثير، النحل 106:16. 2 السنن الكبرى للبيهقي: 209/8. 3 تفسير ابن كثير، العنكبوت 2:29.

''اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ایک مخفی پردہ ڈال دیتے ہیں۔''[1]

ام جمیل قریب پہنچی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی: اے ابن ابو قحافہ! تمھارے ساتھی کا کیا معاملہ ہے؟ مجھے پتہ چلا ہے کہ اس نے میری ہجو کی ہے اور میرے بارے میں شعر کہے ہیں۔ اللہ کی قسم! اگر وہ مجھے مل جائے تو میں اس پتھر سے اس کا منہ کچل دوں گی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! میرے ساتھی شاعر ہیں نہ شعروں کی کوئی سُدھ بدھ رکھتے ہیں، نہ انھوں نے تیری کوئی ہجو کی ہے۔ ام جمیل بولی: کیا اس نے یہ نہیں کہا: ﴿فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝﴾ ''اس کی گردن میں چھال کی بٹی ہوئی رسی ہوگی۔'' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہ جملہ انھوں نے نہیں کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اس سے پوچھو، کیا اسے تمھارے علاوہ کوئی اور شخص نظر آرہا ہے؟ وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ جل جلالہ نے میرے اور اس کے درمیان پردہ حائل کر دیا ہے۔''

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات ام جمیل سے پوچھی تو وہ بولی: اے ابن ابوقحافہ! کیا تم مجھ سے مذاق کرتے ہو؟ اللہ کی قسم! یہاں میں تمھارے علاوہ کسی کو موجود نہیں پاتی۔ پھر کہنے لگی: بھلا میری ہجو کون کر سکتا ہے۔ سب کو معلوم ہے کہ میں قریش کے سردار کی بیٹی ہوں۔ اس کے بعد وہ یہ شعر پڑھتی ہوئی چلی گئی:

مُذَمَّمًا عَصَيْنَا وَ أَمْرَهُ أَبَيْنَا وَ دِينَهُ قَلَيْنَا

''ہم نے مذمم کی نافرمانی کی ہے، اس کی بات کا انکار کیا ہے اور اس کے دین سے بغض رکھا ہے۔''

بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَعْجَبُونَ كَيْفَ يَصْرِفُ اللّٰهُ عَنِّي شَتْمَ قُرَيْشٍ وَ لَعْنَهُمْ، يَشْتِمُونَ مُذَمَّمًا وَّيَلْعَنُونَ مُذَمَّمًا وَّ أَنَا مُحَمَّدٌ»

''کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ کس طرح اللہ جل شانہ نے مجھے قریش کی بدزبانی اور لعن طعن سے محفوظ فرما دیا ہے۔ قریش مذمم کو گالیاں دیتے اور مذمم کی ہجو کرتے ہیں اور میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔''[2]

---

[1] بنيٓ إسرآءيل 45:17. [2] صحيح البخاري: 3533، السيرة لابن هشام: 356/1، دلائل النبوة للبيهقي: 195/2-197، سبل الهدٰى والرشاد: 464/2 و 256/10، فتح الباري: 941/8-944.

نبیِ اکرم ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق

سورۂ لہب کے نزول پر ابولہب بہت مشتعل ہوگیا۔ وہ اپنا غصہ نکالنے کے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی دو صاحبزادیوں کو طلاق دلانے پر تُل گیا۔ ان دونوں صاحبزادیوں کا نکاح ابولہب کے دو بیٹوں سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عتیبہ سے ہوا تھا اور سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کا نکاح عتبہ بن ابولہب سے ہوا تھا۔ ابولہب نے اپنے بڑے بیٹے عتبہ سے کہا: اگر مجھ سے تعلق رکھنا چاہتے ہو تو محمد (ﷺ) کی بیٹی کو طلاق دے دو۔ اس طرح اس بدبخت نے آپ ﷺ کی دونوں بیٹیوں کو رخصتی سے پہلے ہی طلاق دلوادی۔

عتبہ کی گستاخی اور اس کا انجام

بدبخت عتبہ نے بڑی بے ہودگی، شقاوت اور گستاخی کا مظاہرہ کیا۔ اُس نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں تیرے دین سے انکار کرتا ہوں۔ مزید برآں میں انکار کرتا ہوں اس کا جو (آسمان کے) بلند کنارے پر تھا، پھر وہ قریب ہوا اور اتر آیا، پھر وہ دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی قریب تر ہوگیا، یعنی میں جبرائیل کا انکار کرتا ہوں اور ستارہ جو گرتا ہے، اس کے رب کا انکار کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس ملعون نے آپ ﷺ کا کرتا پھاڑ دیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے رخ انور پر تھوکا مگر یہ تھوک زمین پر گرگیا اور نبیِ اکرم ﷺ اس سے محفوظ رہے۔ بعدازاں اس نے آپ ﷺ کی بیٹی کو طلاق دے دی۔ یہ انتہائی دلخراش اور روح فرسا بدسلوکی تھی جو عتبہ جیسے گھٹیا، خبیث اور شقی القلب شخص نے روا رکھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں بددعا کی:

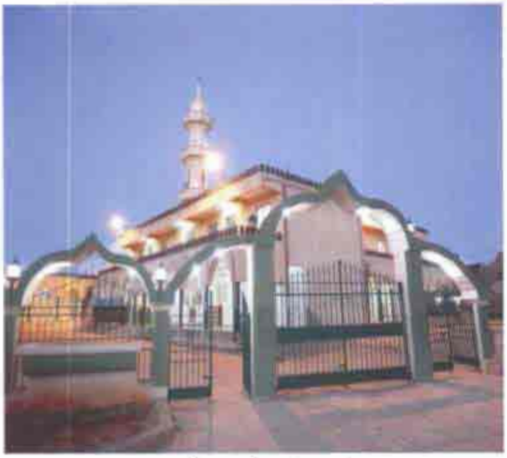
«اَللّٰهُمَّ! سَلِّطْ عَلَيْهِ كَلْبًا مِّنْ كِلَابِكَ»

''اے اللہ! اس پر اپنے کتوں میں سے کوئی کتا مسلط کر دے۔''

ابولہب ملکِ شام میں کپڑے کی تجارت کرتا تھا۔ اس نے اپنے کارندوں اور غلاموں کے ساتھ عتبہ کو بھی شام بھیجا اور اپنے کارندوں سے کہا: تم یقیناً میری بزرگی سے باخبر ہو اور میرا حق پہچانتے ہو۔ محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کو بددعا دی ہے۔ اب مجھے اپنے بیٹے کی سلامتی کا یقین نہیں رہا۔ یہ بات کہنے کے بعد ابولہب نے سب لوگوں سے اپنے بیٹے کی حفاظت کے لیے عہد و پیمان لیے، پھر یہ قافلہ چل دیا۔

اثنائے راہ میں جہاں بھی یہ قافلہ پڑاؤ ڈالتا، اہل قافلہ عتبہ کی حفاظت کے لیے زبردست انتظام کرتے، اُسے بیچ میں رکھتے اور خود اس کے ارد گرد رہتے تھے۔ وہ اسے کپڑوں اور جملہ سامان کے پیچھے چھپا دیتے تھے۔ ایک رات قافلے

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ تشدد



شحات (لیبیا) کی مسجد ابوبکر

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے رستے میں بہت زیادہ اذیتوں سے دوچار کیا گیا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو انھیں رسی سے باندھ دیا گیا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جب بُصریٰ سے واپس آکر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے راہب کی بات کی تصدیق کی تو ابوبکر رضی اللہ عنہ انھیں ساتھ لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔[1]

نوفل بن خویلد بن اسد قرشی کو، جو اسد قریش کے لقب سے مشہور تھا، حضرت ابوبکر صدیق اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہما کے اسلام لانے کی اطلاع ملی تو اس نے ان دونوں کو پکڑ لیا، پھر دونوں کو اکٹھا کر کے ایک ہی رسی سے باندھ دیا۔ اس موقع پر بنوتیم نے سیدنا ابوبکر صدیق تیمی اور سیدنا طلحہ بن عبیداللہ تیمی رضی اللہ عنہما کا بالکل دفاع نہ کیا۔ ان دونوں حضرات کو ایک ہی رسی سے باندھے جانے کی بنا پر قرینین (دو ساتھی) کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نوفل بن خویلد بن عدویہ کے شر سے بچنے کے لیے دعا کی: «اَللّٰهُمَّ! اكْفِنَا شَرَّ ابْنِ الْعَدَوِيَّةِ» ''اے اللہ! ہمیں ابن عدویہ کے شر سے کافی ہو جا۔''[2]

نوفل بن خویلد بن اسد غزوہ بدر (2ھ/624ء) میں مارا گیا۔ ایک قول کے مطابق اسے اس کے برادر زادے سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ اور دوسرے قول کے مطابق اسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔[3]

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر عتبہ بن ربیعہ کا تشدد

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی تعداد اڑتیس (38) تک پہنچ گئی تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی کہ اب برملا اسلام کی دعوت دیجیے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «يَا أَبَا بَكْرٍ! إِنَّا قَلِيلٌ» ''ابوبکر! ہم اقلیت میں ہیں۔'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کرتے رہے۔ اسی اثنا میں اللہ تعالیٰ نے بھی علانیہ دعوت کا حکم دے دیا تو نبیِ اکرم ﷺ نے دعوتِ اسلام کا سرعام اعلان کر دیا۔ بعد ازاں تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ دیکھیے: بعثت نبوی کے تحت ''سیدنا طلحہ بن عبیداللہ۔'' [2] دلائل النبوة للبيهقي: 167,166/2، البداية والنهاية: 29,28/3. [3] جوامع السيرة لابن حزم، ص: 148.

اپنے اپنے رشتہ داروں کی ٹولیوں میں شامل ہو کر چلے گئے۔ نبیِ اکرم ﷺ بیت اللہ کے صحن میں بیٹھ گئے اور سیدنا ابوبکر ؓ کھڑے ہو کر خطبہ دینے لگے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی خطیب لوگوں کو علی الاعلان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی والہانہ دعوت دے رہا تھا۔

مشرکین سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی اس جرأت رندانہ پر بُری طرح سٹپٹائے اور غضبناک ہو گئے۔ وہ مسلمانوں پر چڑھ دوڑے۔ اس دوران انھوں نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بڑی بے رحمی سے پیٹا۔

عتبہ بن ربیعہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو دو پیوند لگے جوتوں سے مارنے لگا۔ عتبہ نے ان کے مبارک چہرے کو بطور خاص نشانہ بنایا۔ پھر وہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کے پیٹ پر چڑھ بیٹھا اور مسلسل ضربیں لگا لگا کر ان کے چہرے کو اتنا زخمی کر دیا کہ ناک اور چہرے کی پہچان ہی مشکل ہو گئی۔

بنوتیم کو اس صورتحال کی خبر ملی تو وہ سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو مشرکین کے نرغے سے چھڑانے کے لیے سرپٹ دوڑے۔ مشرکین نے بنوتیم کو آتے دیکھا تو سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کو چھوڑ دیا۔ وہ شدید زخمی ہو چکے تھے۔ بنوتیم نے انھیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور اٹھا کر گھر لے گئے۔ زخموں سے چور ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکر ؓ کی حالت اس قدر نڈھال تھی کہ بنوتیم کو جلد ہی ان کی موت واقع ہونے کا یقین ہو گیا۔ وہ فوراً حرم میں گئے اور اعلان کیا: اللہ کی قسم! اگر ابوبکر وفات پا گئے تو ہم عتبہ بن ربیعہ کو قتل کر دیں گے۔ اس کے بعد وہ حضرت ابوبکر ؓ کے پاس واپس آ گئے۔ ابوبکر صدیق ؓ کے والد گرامی ابوقحافہ ؓ اپنے قبیلے بنوتیم کے ساتھ مل کر حضرت ابوبکر ؓ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی کاوشیں کارآمد ثابت ہوئیں اور دن کے آخری حصے میں حضرت ابوبکر ؓ کو ہوش آ گیا۔

جونہی ابوبکر ؓ کو ہوش آیا، انھوں نے سب سے پہلا سوال یہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے؟ اس سوال پر بنوتیم بڑے ناراض ہوئے۔ انھوں نے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ سے بات چیت بند کر دی اور دامن جھاڑ کر الگ ہو گئے۔ وہ جاتے جاتے سیدنا ابوبکر صدیق ؓ کی والدہ ماجدہ ام خیر (ؓ) سے کہہ گئے: انھیں کچھ کھلائیے پلائیے۔ ام خیر (ؓ) سیدنا ابوبکر ؓ کی طرف متوجہ ہوئیں تو سیدنا ابوبکر ؓ نے دوبارہ نبیِ اکرم ﷺ کا حال دریافت کیا۔ ام خیر (ؓ) کہنے لگیں: مجھے تمھارے ساتھی کا مطلق علم نہیں۔ سیدنا ابوبکر ؓ نے اپنی والدہ ماجدہ سے درخواست کی کہ ام جمیل بنت خطاب ؓ کے پاس جائیے اور رسول اللہ ﷺ کا حال معلوم کیجیے؟ ام خیر (ؓ) وہاں سے نکلیں۔ ام جمیل ؓ کے پاس پہنچیں۔ ان سے نبیِ اکرم ﷺ کا حال پوچھا۔ ام جمیل ؓ کہنے لگیں: اگر آپ پسند کریں تو میں آپ

کے برابر ہوں گے۔''[1]

دعوتِ الی اللہ میں کتنی لذت ہے؟ اس کا ذائقہ شناس صرف وہی شخص ہوسکتا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی بندگی کی دعوت دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ تو داعیان الی اللہ کے رہبر اعظم تھے۔ آپ ﷺ کا پیغام بڑا سچا تھا۔ دعوت کے بول اتنے میٹھے تھے کہ دل میں سرایت کر جاتے تھے۔ آپ اللہ کی وحدانیت بیان فرماتے تھے۔ لوگوں سے مخاطبت کی غایت صرف یہ ہوتی تھی کہ اللہ کا پیغام سن لو، سمجھ لو اور مان لو۔ یہ صرف سمجھنے اور مان لینے کا معاملہ ہے، زور اور زبردستی کی چیز نہیں ہے۔ جو مان لے گا، فلاح پائے گا۔ جو نہیں مانے گا، اپنا ہی نقصان کرے گا۔ آپ ﷺ کی دعوت کا عمومی انداز یہی تھا۔ کیا دوست، کیا دشمن، آپ سبھی کے پاس تشریف لے جاتے اور دعوت حق دیتے۔ اس راہ میں آپ ﷺ کو بے حد ستایا گیا، نالائقیوں، بدتمیزیوں اور ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑے گئے لیکن آپ اپنے مقدس پروردگار کی اشد محبت میں اتنے گم تھے کہ آپ شدائد روزگار سے متاثر ہی نہیں ہوئے۔

اُدھر اللہ تعالیٰ کو بھی خوب معلوم تھا کہ آپ کو قرآن کریم سے کتنی تسکین ملتی ہے، چنانچہ جونہی ظالم اور ناشناس لوگ آپ ﷺ کو ستاتے اور آزمائش میں ڈالتے، اللہ تعالیٰ آپ کی تسکین قلب کے لیے قرآن کریم کی کوئی آیت نازل فرما دیتا تھا اور آپ کی خدمت میں جبریل علیہ السلام کو بھیج دیتا تھا۔ ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل دونوں آپ ﷺ کو اذیت دینے میں پیش پیش رہتے تھے لیکن ان کی اذیت رسانیوں سے بچاؤ اور تسکین وتقویت کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ پر فوراً وحی نازل فرمائی۔ آزمائشوں میں آپ کو تسلی دینا اور آپ کے لیے آیات نازل فرمانا آپ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا لطف وکرم تھا۔

ام جمیل کا طعنہ

ابولہب کی بیوی ام جمیل ایک ظالم مشرکہ عورت تھی وہ رسول اللہ ﷺ کو طعنے دیتی تھی۔ اس کے ایک طعنے کا حال جندب بن سفیان رضی اللہ عنہ نے بتلایا ہے، وہ فرماتے ہیں:

اِشْتَكٰى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ فَلَمْ يَقُمْ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَجَاءَتِ امْرَأَةٌ، فَقَالَتْ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي لَأَرْجُو أَنْ يَكُونَ شَيْطَانُكَ قَدْ تَرَكَكَ، لَمْ أَرَهُ قَرِبَكَ مُنْذُ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَالضُّحٰى ○ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجٰى ○ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ○﴾ (الضحى 93:1-3)

[1] صحيح مسلم:400، فتح الباري:936/8.

’’رسول اللہ ﷺ بیمار ہو گئے۔ اس وجہ سے آپ (ﷺ) دو یا تین راتیں قیام نہ فرما سکے۔ ایک عورت (ام جمیل زوجۂ ابولہب) آئی اور کہنے لگی: ’’اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمھارے شیطان نے تمھیں چھوڑ دیا ہے کیونکہ اسے میں نے دو یا تین راتوں سے نہیں دیکھا کہ وہ تمھارے پاس آیا ہو۔‘‘ اس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۂ ضحیٰ نازل فرمادی: ’’قسم ہے چاشت کے وقت کی! اور رات کی جب وہ چھا جائے! نہ تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا ہے۔‘‘ [1]

زمعہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ اسی اثنا میں زمعہ بن اسود، نضر بن حارث، اسود بن عبد یغوث، ابی بن خلف اور عاص بن وائل یکبارگی آدھمکے اور کہنے لگے: اے محمد! کاش تمھارے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا جو تمھاری طرف داری میں بات کرتا جسے لوگ براہ راست سنتے اور دیکھتے۔ اس پر اللہ جل شانہ نے ان کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿وَقَالُوا لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَٰهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ۝﴾ (الأنعام 6:8، 9)

’’اور ان (کافر) لوگوں نے کہا کہ اس نبی پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اور اگر ہم کوئی فرشتہ اتارتے تو سارا معاملہ ہی ختم ہو جاتا، پھر ان کو ذرا مہلت نہ دی جاتی۔ اور اگر ہم اس (نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو پھر بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شبہے میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔‘‘ [2]

ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھیوں کا استہزا

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف اور ابوجہل کے قریب سے گزرے تو انھوں نے آپ ﷺ کو برے القابات سے پکارا اور آپ سے استہزا کیا۔ رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے پریشان ہوئے تو ظالموں کے اس قبیح فعل پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝﴾

(الأنعام 6:10)

[1] صحيح البخاري: 4950، صحيح مسلم: 1797، مسند أحمد: 312/4، فتح الباري: 907/8. [2] السيرة لابن هشام: 395/2.

آلِ فرعون کا مومن افضل تھا یا ابوبکر؟ لوگ خاموش رہے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی قسم! ابوبکر کی زندگی کا ایک لمحہ اس کی پوری عمر سے افضل ہے۔ آلِ فرعون کا مومن اپنے ایمان کو چھپاتا تھا لیکن ابوبکر اپنے ایمان کا ڈٹ کر اظہار و اعلان کرتے تھے۔[1]

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ پر ظلم



البیضاء (لیبیا) کی مسجد عثمان

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب اسلام کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے تو وہ بنو امیہ کے پہلے فرد فرید تھے جنھوں نے بنو ہاشم کے سپوت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی قبول کر کے اپنے قبیلے میں سبقت کا اعزاز حاصل کیا۔ بنو امیہ ان کی اس جرأت پر غضب ناک ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بدبخت چچا نے انھیں کھجور کی صف میں لپیٹ کر باندھ دیا اور نیچے سے دھواں دینے لگا، وہ اس عمل کو بار بار دہراتا لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ایمان اور استقلال میں ذرہ بھر فرق نہ آیا۔[2]

دوسری طرف نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو امیہ کے اس فرزند کو اپنے سینے سے لگایا، ان کی عزت افزائی کی، بنو امیہ کی تمام کدورتوں اور نفرتوں کو نظر انداز کر کے انھیں اپنے قریبی رفقاء میں بلند مقام سے نوازا۔ ان کی دلجوئی کی تاکہ انھیں اپنے قبیلے کی عصبیت سے محفوظ رکھا جا سکے اور پھر انھیں اپنی فرزندی میں لے کر ان سے اپنی بیٹی بھی بیاہ دی۔ یہ یگانہ اعزاز صرف سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ہی کو نصیب ہوا کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیوں کی شادی اُنھی سے کی۔ نبیِ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو جو بلند مرتبہ مرحمت فرمایا، اسے دیکھ کر بنو امیہ کے دوسرے افراد نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ گویا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام اور نبیِ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ کردار اور فقید المثال حسن سلوک کی بدولت بنو امیہ کے دلوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اسلام کی محبت پیدا ہونے لگی۔

امام المؤذنین بلال رضی اللہ عنہ پر کفار مکہ کا تشدد

مشرکین مکہ انسانیت کے ادنیٰ ترین تقاضوں سے بھی بے خبر تھے۔ اُن کی سنگ دلی کا یہ عالم تھا کہ وہ کمزور اور بے سہارا مسلمانوں کو مار مار کر لہولہان کر دیتے تھے تاکہ ان مظلوموں کا بہتا ہوا خون دیکھ کر عام لوگ ڈر جائیں اور اسلام

[1] مسند البزار: 15,14/3، حدیث: 761، فتح الباري: 214,213/7. [2] رحمة للعالمین: 62/1.

قبول کرنے کی جرأت نہ کریں۔ اس مقصد کے علاوہ یہ درندے بے نوا مسلمانوں کو اس لیے بھی ستاتے تھے کہ اس طرح انھیں اپنے انتقامی جذبات کی تسکین کا سامان بھی میسر آتا تھا۔ جوں جوں اسلام کا نور پھیلتا جا رہا تھا، مشرکینِ مکہ کا غیظ وغضب بھی بھڑکتا جا رہا تھا۔ ان کے انتقامی جذبوں کا سب سے بڑا ہدف سیدنا بلال رضی اللہ عنہ تھے۔

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بالکل نہتے اور بے سہارا تھے۔ اُن کا کوئی مددگار تھا نہ کوئی قبیلہ جو ان کا دفاع کرتا۔ بلال رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس قدر راسخ الایمان ہوگئے کہ ایمان کے مطالب ومقاصد ان کے دل ودماغ میں اتر گئے۔ ایمان کی بشاشت ان کے رگ وپے میں سما گئی۔ وہ اٹل ارادے کے مالک تھے۔ اپنے اسلام میں انتہائی سچے اور دل کے نہایت پاکیزہ تھے۔ اسلام پر ثابت قدمی کی بنا پر وہ بدترین تکالیف پر بھی صبر واستقلال کا مظاہرہ فرماتے تھے۔

بلال حبشی رضی اللہ عنہ تپتے ہوئے سنگریزوں پر

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام سے دستبردار کرانے اور مرتد بنانے کے لیے بڑے ہولناک حربے اختیار کیے گئے۔ جب دوپہر کی بھرپور گرمی اپنے عروج پر ہوتی تو امیہ بن خلف جمحی بلال رضی اللہ عنہ کو مکہ کی وادی میں سنگریزوں پر لٹا دیتا، پھر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیتا۔ اس کے بعد وہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہتا: تو اسی طرح تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ اگر اپنی جان کی خیر چاہتا ہے تو محمد (ﷺ) کا انکار اور لات وعزّیٰ کے معبود ہونے کا اقرار کرلے۔ لیکن حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس شدید ترین اذیت پر بھی اَحد اَحد، یعنی ''ایک ہی الٰہ ہے، ایک ہی الٰہ ہے'' کی صدا بلند کرتے رہتے تھے۔[1]

ابن اسحاق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہماری تعداد میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اگر آپ حکم دیں تو ہم میں دس لوگوں کی ایک جماعت قریش کے سرداروں میں سے کسی سردار کو پکڑ کر قتل کر دے تاکہ یہ شہر ہمارے حق میں سازگار ہوجائے۔ یہ تجویز سن کر نبیِ اکرم ﷺ بہت خوش ہوئے۔ آپ کی خوشی آپ کے مبارک چہرے سے عیاں ہو رہی تھی۔ اس موقع پر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوگئے اور عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس شہر میں ہمارے بچے بھی ہیں، ہمارے والدین اور ہمارے بھائی بھی موجود ہیں۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ یہی جملے بار بار دہراتے رہے۔ نبیِ اکرم ﷺ عثمان رضی اللہ عنہ کا مطلب سمجھ گئے۔ آپ نے ان کا موقف قبول فرمایا اور پہلی تجویز ترک کر دی۔

جب شام کا وقت ہوا تو مشرکین نے ہمیں پکڑ لیا اور ہم پر اتنا تشدد کیا کہ ہم مجبور ہوکر بادلِ ناخواستہ فتنہ کفر میں

[1] السیرۃ لابن ہشام: 318/1.

﴿ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ ﴾ (القلم 68:10-13)

''اور آپ ہر جھوٹی قسمیں کھانے والے ذلیل آدمی کی بات نہ مانیں۔ جو طعنے دینے والا، انتہائی چغل خور ہے۔ بھلائی سے روکنے والا، حد سے گزرنے والا، سخت گناہ گار اور اجڈ ہے۔ مزید برآں حرام زادہ ہے۔''[1]

عاص بن وائل کا استہزا

نبی اکرم ﷺ کے صحابی خباب بن ارت رضی اللہ عنہ عاص بن وائل کے پاس اپنی تلواروں کی اجرت لینے گئے تو اس نے آپ سے ٹھٹھا کیا اور کہنے لگا: اللہ کی قسم! قیامت کے دن اللہ کے ہاں تمھارا اور تمھارے نبی (ﷺ) کا درجہ مجھ سے بڑا نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿ أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ ﴾
(مریم 19:77-80)

''پھر آپ اس شخص کے بارے میں بتلائیے جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد دی جائے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پا لی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے۔ اور ہم ان چیزوں کے وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے۔ اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔''[2]

نضر بن حارث اور عبداللہ بن زِبَعریٰ کا جھگڑا

محمد بن اسحاق بن یسار رحمہ اللہ نے کتاب ''السیرۃ'' میں لکھا ہے کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن مسجد میں ولید بن مغیرہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسی دوران نضر بن حارث آیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گیا، اس وقت مسجد میں قریش کے اور بھی کئی آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے گفتگو فرمائی تو نضر بن حارث نے آپ کی گفتگو میں دخل اندازی کی، آپ ﷺ نے اس سے مخاطب ہو کر بات چیت کی حتی کہ اسے لاجواب کر دیا۔ پھر آپ نے ان تمام قریشیوں کے سامنے یہ آیات کریمہ تلاوت فرمائیں:

[1] السيرة لابن هشام :361,360/1، أسد الغابة :55/1، تفسير ابن أبي حاتم، القلم 68:10-13. [2] صحيح البخاري:2091، صحيح مسلم:2795، السيرة لابن هشام :357/1.

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ۝ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَا وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ۝﴾

(الأنبیآء 21:98-100)

”بے شک تم اور جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، سب جہنم کا ایندھن بنو گے، تم لازماً اس میں داخل ہو کر رہو گے۔ اگر یہ (واقعی) معبود ہوتے تو اس میں نہ پڑتے اور اب سب ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ اس میں ان کے لیے چیخنا چلّانا ہوگا اور وہ اس میں کچھ نہ سن پائیں گے۔“

پھر رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے۔ ادھر عبداللہ بن زِبَعریٰ سہمی آ گیا، وہ بھی قریشیوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ ولید بن مغیرہ نے عبداللہ بن زبعریٰ سے کہا: اللہ کی قسم! نضر بن حارث آیا۔ وہ ابھی ابن عبدالمطلب کے ساتھ کھڑا تھا اور بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ محمد (ﷺ) نے اُس سے کہا ہے کہ ہم اور ہمارے یہ تمام معبود جن کی ہم عبادت کرتے ہیں، جہنم کا ایندھن ہیں۔ ابن زبعریٰ نے یہ سن کر کہا کہ اگر میری محمد (ﷺ) سے ملاقات ہو جاتی تو میں ان سے اس موضوع پر بحث کرتا۔ جاؤ محمد (ﷺ) سے یہ پوچھو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن کی عبادت کی جاتی ہے اگر وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے تو ہم تو فرشتوں کی بھی عبادت کرتے ہیں، یہودی عزیر (علیہ السلام) کی عبادت کرتے ہیں اور نصرانی مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) کی پوجا کرتے ہیں۔ کیا فرشتے، عزیر اور مسیح بھی جہنم میں جائیں گے۔ ولید اور اس کے ساتھ مجلس میں موجود دیگر لوگوں کو ابن زِبَعریٰ کی یہ بات بہت اچھی لگی اور انھوں نے یہ خیال کیا کہ اپنی اس دلیل کے ساتھ یہ غالب آ گیا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کو اس کی یہ بات بتائی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُعْبَدَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَهُوَ مَعَ مَنْ عَبَدَهُ، إِنَّهُمْ إِنَّمَا يَعْبُدُونَ الشَّيَاطِينَ، وَمَنْ أَمَرَتْهُمْ بِعِبَادَتِهِ»

”ہر وہ معبود جو یہ پسند کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کی بھی عبادت کی جائے تو وہ اپنے عابد کے ساتھ ہوگا، یہ لوگ شیاطین کی اور جس کی عبادت کا شیاطین نے انھیں حکم دیا، اس کی عبادت کرتے ہیں۔“

بہرحال ان کے اس اعتراض کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرما دیں:

﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ۝ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ ۝﴾ (الأنبیآء 21:101،102)

”بے شک جن لوگوں کے لیے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی مقدر ہو چکی ہے، وہ اس سے دور رکھے

بھائی کی تلاش میں مکہ آئے۔ مالک اور حارث واپس چلے گئے۔ یاسر رضی اللہ عنہ ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی کے حلیف بن گئے۔ ابوحذیفہ مخزومی نے یاسر رضی اللہ عنہ کی شادی اپنی ایک لونڈی سے کر دی۔ اس لونڈی کا نام سمیہ بنت خیاط تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان میاں بیوی کو بیٹا عطا فرمایا۔ اُس کا نام انھوں نے عمار رکھا۔ اس موقع پر ابوحذیفہ نے سمیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر دیا۔[1]

خاندانِ یاسر کی اسلام میں سبقت

جب دعوتِ اسلام کی صدا بلند ہوئی تو اولین مسلمانوں کے ساتھ یاسر، سمیہ اور عمار رضی اللہ عنہم بھی مسلمان ہو گئے۔[2]

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات دار ارقم کے دروازے پر ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دار ارقم میں تشریف فرما تھے۔ میں نے صہیب رضی اللہ عنہ سے پوچھا: تم یہاں کیسے؟ صہیب رضی اللہ عنہ نے اُلٹا مجھ سے سوال کر دیا: تم بتاؤ، تم یہاں کیا لینے آئے ہو؟ میں نے جواب دیا: میں چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاؤں اور ان کا کلام سنوں۔ صہیب رضی اللہ عنہ نے کہا: میرا بھی یہی مقصد ہے۔ چنانچہ ہم دونوں نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہمیں اسلام کی تبلیغ فرمائی اور ہم دونوں مسلمان ہو گئے۔[3]

آلِ یاسر کو جنت کی خوشخبری

ایک موقع پر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ عمار، ان کے والد یاسر اور والدہ سمیہ رضی اللہ عنہم پر وادی بطحاء میں تشدد کیا جا رہا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَبْشِرُوا يَا آلَ عَمَّارٍ! فَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْجَنَّةُ»

''خوش ہو جاؤ اے خاندانِ عمار! بلاشبہ تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔''[4]

ابن اسحاق بیان کرتے ہیں: بنومخزوم عمار بن یاسر، ان کے والد اور والدہ کو مکہ سے باہر لے گئے۔ یہ ایک مسلمان گھرانہ تھا۔ عین دوپہر کے وقت جب شدید گرمی پڑتی تو انھیں مکہ مکرمہ کے تپتے ہوئے پتھروں پر لٹا کر ہولناک عذاب دیا جاتا۔ اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«صَبْرًا آلَ يَاسِرٍ! مَوْعِدُكُمُ الْجَنَّةُ»

''اے خانوادۂ یاسر! صبر سے کام لو۔ تمھارا ٹھکانا جنت ہے۔''[5]

[1] الطبقات لابن سعد: 246/3، أنساب الأشراف: 178/1. [2] أنساب الأشراف: 179/1. [3] الطبقات لابن سعد: 248,247/3، أسد الغابة: 309/3. [4] الطبقات لابن سعد: 249/3. [5] السيرة لابن إسحاق: 229/1، السيرة لابن هشام: 320,319/1.

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ تھام رکھا تھا اور ہم مکہ کی وادیوں میں گھوم رہے تھے۔ اسی دوران ہمارا سامنا عمار، ابوعمار اور ام عمار رضی اللہ عنہم سے ہوا۔ مشرکین انھیں بڑی سفا کی سے پیٹ رہے تھے۔ یاسر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا حالات ایسے ہی رہیں گے؟ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «اِصْبِرْ» ''صبر کرو!'' پھر دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! اغْفِرْ لِآلِ يَاسِرٍ وَّقَدْ فَعَلْتَ»

''اے اللہ! خاندانِ یاسر کو معاف فرما دے اور یقیناً تو نے معاف فرما دیا ہے۔'' [1]

یاسر اور سمیہ رضی اللہ عنہما کی شہادت

ابوجہل سمیہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہنے لگا: تو محمد (ﷺ) پر صرف اس لیے ایمان لے آئی ہے کہ تو اس کے جمال پر فریفتہ ہوگئی ہے۔ یہ سن کر سمیہ رضی اللہ عنہا نے اسے سخت جواب دیا تو اس درندے نے سمیہ رضی اللہ عنہا کی اندام نہانی میں نیزہ مار کر انھیں شہید کر دیا۔ سمیہ رضی اللہ عنہا دین حق کی راہ میں شہید ہونے والی پہلی خاتون ہیں۔

بعد ازاں چند ہی دنوں کے بعد یاسر رضی اللہ عنہ بھی ظلم سہتے سہتے خالق حقیقی سے جا ملے۔ [2]

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو آگ سے داغا گیا

ایک مرتبہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو مشرکین نے آگ سے داغا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے قریب سے گزرے تو آپ نے ان کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ آپ ﷺ ان کے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرما رہے تھے: «يَا نَارُ! كُونِي بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰى عَمَّارٍ كَمَا كُنْتِ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ» ''اے آگ! عمار پر اس طرح ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا جس طرح تو ابراہیم علیہ السلام پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوگئی تھی۔'' [3] نبیِ اکرم ﷺ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے مزید فرمایا: «تَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ» ''تمھیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔'' [4]

عمار رضی اللہ عنہ کی کسمپرسی

عمار رضی اللہ عنہ اپنے ماں باپ کے بعد کفار کی طرف سے مدتوں طرح طرح کے عذاب سہتے رہے۔ وہ مکہ کے ان کمزور اور کسمپرس لوگوں میں سے تھے جن کا وہاں کوئی قبیلہ نہ تھا جو ان کی حفاظت کرتا۔ نہ خود ان کے پاس کوئی ذاتی دفاعی

[1] الطبقات لابن سعد:3/249,248، أنساب الأشراف:1/184,183، صفة الصفوة:1/443. [2] السيرة النبوية للصلابي: 1/274، أنساب الأشراف:1/182، الإصابة:6/500. [3] الطبقات لابن سعد:3/248، صفة الصفوة:1/443. [4] صحيح البخاري:2812، صحيح مسلم:2916، واللفظ له.

صلاحیت تھی۔ قریش انھیں دوپہر کے وقت خوفناک گرمی میں تپتی ریت پر لٹا دیتے تھے تاکہ وہ عاجز آکر مرتد ہو جائیں۔ ان پر پیہم ظلم و ستم کی انتہا یہ تھی کہ بسا اوقات سیدنا عمار رضی اللہ عنہ تشدد کی شدت کی وجہ سے ہوش و حواس ہی کھو بیٹھتے تھے اور انھیں یہ بھی معلوم نہ ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔[1]

عمار رضی اللہ عنہ کی پریشانی اور نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دلاسا

ایک دفعہ مشرکین نے سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو شدید تکلیف دینے کے بعد کہا: ہم تمھیں اسی طرح اذیت دیتے رہیں گے۔ اپنی خیریت چاہتے ہو تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برا بھلا کہو اور لات و عزّیٰ کو محمد کے دین سے بہتر قرار دو۔ عمار رضی اللہ عنہ شدت تشدد کی تاب نہ لا سکے۔ انھوں نے مجبوراً سفاکوں کے مطلوبہ بول، بول دیے۔ مشرکین نے انھیں چھوڑ دیا۔ بعدازاں عمار رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کیا تم کامیاب ہو گئے؟'' عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کی: میں ہرگز کامیاب نہیں ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''کیوں؟'' اس پر انھوں نے سارا ماجرا بیان کیا کہ معذوری کی حالت میں بہت مجبور کیے جانے پر میں نے آپ کے بارے میں غلط بات کہہ دی اور لات و عزّیٰ کو آپ کے دین پر ترجیح دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''(اُس وقت) تم نے اپنے دل کی کیفیت کو کیسا پایا؟'' انھوں نے جواب دیا: میں نے اپنے دل کو ایمان ہی سے لبریز پایا۔ میرا دل دین اسلام پر لوہے کی طرح سختی سے قائم ہے۔ آپ نے فرمایا: ''تم پر کوئی عار نہیں۔ اگر وہ لوگ تمھیں اس طرح کے ظلم کرکے پھر ستائیں تو تم انھیں دوبارہ وہی جواب دے سکتے ہو۔'' چنانچہ عمار رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ﴾

(النحل 106:16)

''جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، سوائے اس کے جس پر جبر کیا گیا اور اس کا دل ایمان پر مطمئن تھا۔''[2]

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی آزمائش

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ناز و نعمت میں پلنے والے انتہائی خوش پوش نوجوان تھے۔ ان کے والدین ان سے بے حد محبت کرتے تھے۔ والدہ مالدار خاتون تھیں۔ وہ بڑے چاؤ سے مصعب رضی اللہ عنہ کو سب سے اعلیٰ اور خوبصورت کپڑے

[1] الطبقات لابن سعد:3/248، أنساب الأشراف:1/180، السيرة النبوية للصلابي:1/274، 275. [2] المستدرك للحاكم: 2/357، أنساب الأشراف:1/181,182.

پہناتی تھیں۔ مزید برآں مصعب رضی اللہ عنہ مکہ میں سب سے اچھی اور سب سے زیادہ خوشبو استعمال کرنے والے تھے۔ وہ بہترین حضرمی جوتے پہنا کرتے تھے۔[1] بوقت صبح بیدار ہونے سے پہلے ہی ان کی والدہ کھجور، گھی اور پنیر کا بہت لذیذ حلوہ تیار کر کے ان کے سرہانے رکھ دیتی تھیں۔ گویا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی صبح کا آغاز ہی ناز و نعمت سے ہوتا تھا۔[2]

مصعب رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکال دیا گیا

جب والدین کو مصعب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا پتہ چلا تو انھوں نے مصعب رضی اللہ عنہ کو گھر سے نکال دیا اور ان کا کھانا پینا بند کر دیا۔[3] ان کی والدہ نے قسم کھالی کہ جتنی دیر تک مصعب اسلام ترک کر کے اپنے دین پر واپس نہیں آئے گا، کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی اور نہ سائے میں رہوں گی، چنانچہ وہ دھوپ میں کھڑی ہو جاتی اور نڈھال ہو کر غشی کی حالت میں گر پڑتی۔ وہ اتنی لاغر ہوگئی کہ اسے کھلانے پلانے کے لیے اس کے بیٹے اپنی والدہ کا منہ ایک چھوٹی سی لکڑی کی مدد سے کھولتے تھے اور اسے وقفے وقفے سے حیس (حلوہ) کھلاتے تھے تاکہ وہ مر نہ جائے۔[4]

مصعب رضی اللہ عنہ زندان میں

جب قوم کو حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے اسلام کی خبر ہوئی تو اُن لوگوں نے حضرت مصعب کو قید خانے میں ڈال دیا۔ والدہ کی پریشان کن حالت دیکھ کر اور قوم کی طرف سے قید و بند کی صعوبت اُٹھا کر بھی حضرت مصعب رضی اللہ عنہ اسلام سے منحرف نہ ہوئے۔ مشرکین اپنی پوری کوشش کے باوجود انھیں اسلام سے ہٹا کر مرتد نہ کر سکے بلکہ وہ اپنے اسلامی عقائد پر انتہائی مضبوطی اور استقامت سے ثابت قدم رہے اور قید و بند کی صعوبتوں اور اذیتوں کی مطلق پروا نہ کی۔[5]

مصعب رضی اللہ عنہ کی کھال اُدھڑ گئی

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم لوگ مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہ رہے تھے۔ مشرکین نے مکہ میں ہماری گزر بسر انتہائی دشوار کر دی۔ جب ہمیں طرح طرح کی ابتلا و آزمائش میں ڈالا گیا تو ہم نے صبر سے کام لیا۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آسائشوں کی آغوش میں پلنے والے نوجوان تھے۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ انتہائی خوشحالی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ پھر میں نے دیکھا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے جس کی پاداش میں انھیں دردناک

[1] الطبقات لابن سعد: 116/3. [2] الروض الأنف: 252/2. [3] الرحيق المختوم، ص: 106. [4] الروض الأنف: 252/2.
[5] الطبقات لابن سعد: 116/3.

عذاب دیا جا رہا ہے۔ مشرکین کا ظلم سہتے سہتے ان کی حالت یہ ہوگئی کہ ان کی کھال اس طرح ادھڑ گئی جس طرح سانپ کی کینچلی بدل جاتی ہے۔[1]

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے جب دین اسلام اختیار کر لیا تو اپنے ماضی کے عیش و آرام اور لذت و حلاوت والے مرغوب و محبوب حالات کو یکسر خیر باد کہہ دیا، پھر انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ انھوں نے ٹھیک اسلامی تعلیمات ہی کے مطابق پوری استقامت سے زندگی بسر کی۔ راہ حق میں انھیں کڑی آزمائش اور آشوب سے گزرنا پڑا۔ انھیں اعلیٰ مرتبے سے محروم کر دیا گیا، پھر ان پر فقر و فاقہ مسلط کر دیا گیا۔ ان کے گھر والوں، قریبی عزیزوں، رشتہ داروں اور پورے خاندان کی طرف سے ان کی شدید مخالفت کی گئی، بھوک اور ظلم کے علاوہ انھیں وطن سے دوری جیسی کٹھن صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑا جن میں وہ اپنے محکم دین و ایمان کی بدولت کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ وہ اسلام کی حقانیت پر دل و دماغ کی گہرائیوں تک مطمئن، پہاڑوں کی طرح مضبوط اور غیر متزلزل مردِ مومن تھے۔


مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور دیگر شہدائے اُحد کی قبریں

خباب بن اَرَتّ رضی اللہ عنہ پر تشدد

خباب رضی اللہ عنہ کی مالکہ ام انمار خزاعیہ کو ان کے اسلام قبول کرنے کی خبر ملی تو اس نے لوہے کا ایک ٹکڑا تپایا اور خباب رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھ دیا۔ خباب رضی اللہ عنہ نے اس ظلم کی شکایت نبی ﷺ سے کی تو آپ نے دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! انْصُرْ خَبَّابًا»

''اے اللہ! خباب کی مدد فرما۔''

اس کے بعد یہ ہُوا کہ خود ام انمار ہی کے سر میں تکلیف ہوگئی اور وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگی۔ اُس سے کہا گیا: اپنے سر پر داغ لگواؤ۔ وہ خباب رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا کہ میرے سر پر داغ لگا دو، پھر خباب رضی اللہ عنہ لوہے کا ٹکڑا گرم کر کے ام انمار کے سر پر لگایا کرتے تھے۔[2]

مشرکین نے خباب رضی اللہ عنہ کو مختلف طریقوں سے تکلیفیں دیں، کبھی مالی تکلیف دیتے تھے، کبھی جسمانی۔ ان کے سر

[1] أسد الغابة: 135/4، تلقیح فهوم أهل الأثر، ص: 126. [2] أسد الغابة: 103/2.

سے بال نوچے جاتے تھے، گردن مروڑی جاتی تھی۔ انھیں بارہا تپتے ہوئے پتھروں پر لٹایا گیا۔ پتھروں پر لٹا کر ان کے سینے پر بھی بھاری پتھر رکھ دیے جاتے تھے تاکہ وہ اٹھ بھی نہ سکیں۔ [1]

خباب رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں خباب رضی اللہ عنہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں پہنچنے والی تکالیف کے بارے میں پوچھا تو خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی کمر سے کپڑا اٹھا دیا جو مسلسل تشدد سہنے کی وجہ سے پھلبہری کی طرح ہو چکی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے آج جیسی تشدد زدہ کمر کبھی نہیں دیکھی۔ خباب رضی اللہ عنہ نے بتایا: اے امیر المؤمنین! انھوں نے میرے سامنے آگ جلائی، پھر مجھے اس میں جھونک دیا اور ایک آدمی نے اپنا پاؤں میرے سینے پر رکھ دیا۔ یہ آگ میری چربی سے بجھی اور زمین میری پشت کی مسلسل ٹپکتی ہوئی چربی کی وجہ سے ٹھنڈی ہوئی۔ [2]

عاص بن وائل کی زیادتی

سیدنا خباب رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں لوہار کا کام کرتے تھے۔ انھوں نے ایک مرتبہ عاص بن وائل کے لیے تلواریں بنائیں مگر عاص بن وائل نے ان تلواروں کی مزدوری ادا نہیں کی۔ خباب بن ارت رضی اللہ عنہ اپنی اجرت کی وصولی کے لیے اس کے پاس گئے۔ عاص کہنے لگا: خباب! تم نے جس نبی کا دین قبول کیا ہے، کیا اُس نے یہ نہیں کہا کہ جنت میں جانے والے لوگ جس قدر سونا، چاندی، کپڑے اور غلام چاہیں گے، حاصل کر لیں گے؟ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ بولے: کیوں نہیں! (یہ بات بالکل سچ ہے) اس پر عاص نے بڑی ڈھٹائی سے کہا: پھر مجھے قیامت تک مہلت دو، میں تمھارا حق وہیں ادا کروں گا۔ اللہ کی قسم! اللہ کے ہاں تمھارا اور تمھارے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا درجہ مجھ سے بڑا نہیں ہوگا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں:

﴿ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۝ وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ۝ ﴾

(مریم 19:77-80)

”کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پالی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے لیا ہے؟ ہرگز نہیں! ہم ضرور لکھیں گے جو کچھ وہ کہتا ہے اور ہم اس کے لیے عذاب بہت بڑھا دیں گے۔ اور ان چیزوں کے ہم وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے

[1] الرحيق المختوم، ص: 107، السيرة النبوية للمهدي: 213/1 [2] الروض الأنف: 122/2، أسد الغابة: 103/2، السيرة النبوية للصلابي: 281/1.

اور وہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔“ [1]

صحیحین میں ہے، سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: ”میں زمانۂ جاہلیت میں لوہار تھا۔ میرے کچھ درہم عاص بن وائل کے ذمے واجب الادا تھے۔ میں اس کے پاس پہنچا اور درہموں کا تقاضا کیا۔ وہ کہنے لگا: میں اُس وقت تک تمھارا قرض ادا نہیں کروں گا جب تک تم محمد (ﷺ) کی نبوت کا انکار نہیں کرو گے؟ میں نے کہا: ہرگز نہیں! اللہ کی قسم! میں محمد ﷺ کی صداقت وحقانیت کا کبھی انکار نہیں کروں گا حتی کہ اللہ تعالیٰ تمھیں مار دے اور پھر زندہ کر دے۔ عاص بن وائل کہنے لگا: اچھا! پھر مجھے مہلت دو یہاں تک کہ میں مر جاؤں، پھر زندہ ہو جاؤں، پھر مجھے مال اور اولاد دی جائے گی تو میں تمھارا مال ادا کر دوں گا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ۝ أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ۝ ﴾ (مریم 19:77، 78)

”کیا پھر آپ نے اسے دیکھا جس نے ہماری آیات کا انکار کیا اور کہا: مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی۔ کیا اس نے غیب کی اطلاع پالی یا رحمٰن کے ہاں کوئی عہد لے رکھا ہے؟“ [2]

خباب رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں

جب کمزور مسلمانوں پر مشرکین کا ظلم وستم انتہا کو پہنچ گیا اور انھیں سخت ترین آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا تو وہ نبیِ اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ اس وقت چادر اوڑھ کر کعبہ کے سائے میں آرام فرما رہے تھے۔ حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! کیا آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب نہیں کریں گے؟ کیا آپ ہمارے حق میں دعا نہیں فرمائیں گے؟ سیدنا خباب رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے، اس وقت آپ کا چہرہ اقدس سرخ ہو رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

«كَانَ الرَّجُلُ فِيمَنْ قَبْلَكُمْ يُحْفَرُ لَهُ فِي الْأَرْضِ فَيُجْعَلُ فِيهِ، فَيُجَاءُ بِالْمِنْشَارِ فَيُوضَعُ عَلٰى رَأْسِهِ فَيُشَقُّ بِاثْنَتَيْنِ، وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَيُمْشَطُ بِأَمْشَاطِ الْحَدِيدِ مَا دُونَ لَحْمِهِ مِنْ عَظْمٍ أَوْ عَصَبٍ، وَمَا يَصُدُّهُ ذٰلِكَ عَنْ دِينِهِ، وَاللّٰهِ! لَيُتِمَّنَّ هٰذَا الْأَمْرُ حَتّٰى يَسِيرَ الرَّاكِبُ مِنْ صَنْعَاءَ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ لَا يَخَافُ إِلَّا اللّٰهَ، أَوِالذِّئْبَ عَلٰى غَنَمِهِ، وَلٰكِنَّكُمْ تَسْتَعْجِلُونَ»

”تم سے پہلے ایک آدمی کو لایا جاتا تھا، اس کے لیے زمین میں گڑھا کھودا جاتا اور اس کو اس گڑھے میں ڈال

[1] السيرة لابن هشام: 357/1، مسند أحمد: 111/5. [2] صحيح البخاري: 2091، صحيح مسلم: 2795.

دیا جاتا تھا، پھر آرا لایا جاتا اور اس شخص کے سر پر رکھ دیا جاتا تھا، اُس کے دو ٹکڑے کر دیے جاتے تھے۔ یہ سارا ظلم بھی اسے اس کے دین سے روک نہ سکتا تھا۔ اسی طرح لوہے کی کنگھیوں سے ہڈیوں اور پٹھوں تک گوشت نوچ لیا جاتا تھا اور یہ (ظلم) بھی اسے اس کے دین سے روک نہ سکتا تھا۔ اللہ کی قسم! دین کا یہ معاملہ ضرور مکمل ہوگا یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک کی مسافت اس طرح طے کرے گا کہ



وادی حضر موت کا ایک منظر



مسجد صالح (صنعاء)

وہ صرف اللہ سے ڈرے گا یا صرف بھیڑیے سے تاکہ وہ اس کی بکری نہ پھاڑ کھائے لیکن تم جلد بازی سے کام لے رہے ہو۔''[1]

خباب رضی اللہ عنہ شدتِ الم میں

صحابی رسول خباب بن ارت رضی اللہ عنہ خود اپنے متعلق بیان کرتے ہیں:

مَا أَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ لَقِيَ مِنَ الْبَلَاءِ مَالَقِيتُ.

''میں نبی ﷺ کے صحابہ میں سے کسی ایک کو بھی نہیں جانتا کہ اسے اتنی تکلیفیں پہنچی ہوں جتنی مجھے پہنچی ہیں۔''[2]

علی رضی اللہ عنہ کی گواہی

سیدنا علی رضی اللہ عنہ جب صفین کی لڑائی سے واپس آئے تو خباب رضی اللہ عنہ کی قبر سے ان کا گزر ہوا۔ کہنے لگے: اللہ تعالیٰ خباب رضی اللہ عنہ پر رحم فرمائے۔ انھوں نے رغبت کے ساتھ اسلام قبول کیا، اطاعت کے ساتھ ہجرت کی، مجاہدانہ زندگی گزاری اور ان کے جسم کو مختلف طریقوں سے (تکلیفیں دے کر) آزمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع نہیں فرمائے گا۔[3]

[1] صحيح البخاري: 3612 و3852 و6943. [2] جامع الترمذي: 970. [3] الإصابة: 221/2.

صہیب رومی رضی اللہ عنہ پر قریش مکہ کا تشدد

قریش مکہ صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ پر اس قدر تشدد کرتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہوجاتے اور وہ جو کچھ کہہ رہے ہوتے تھے، اُسے خود بھی نہیں سمجھ پاتے تھے۔ ان کے اور ظلم وستم کا نشانہ بننے والے دیگر غریب اور کمزور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (النحل 110:16)

''پھر بے شک آپ کا رب ان لوگوں کے لیے (مہربان ہے) جنھوں نے آزمائش میں پڑنے کے بعد ہجرت کی، پھر جہاد کیا اور صبر کیا، بے شک آپ کا رب ان (آزمائشوں) کے بعد (ان لوگوں کے لیے) البتہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔''[1]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صہیب بن سنان ان بے بس لوگوں میں سے تھے جن پر مشرکین مکہ نے ظلم و زیادتی کی انتہا کر دی۔[2]

ہجرت کرنے پر صہیب رضی اللہ عنہ کا تعاقب

سعید بن مسیب رحمہ اللہ صہیب رضی اللہ عنہ کی ہجرت کا واقعہ اس طرح بیان کرتے ہیں: صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کے لیے نکلے۔ قریش کے چند افراد نے ان کا پیچھا کیا۔ وہ اپنی سواری سے اترے اور قریشیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگے: تم لوگ اُس وقت تک میرے نزدیک نہیں پہنچ سکتے جب تک میرے ترکش میں تیر موجود ہیں۔ میں یہ تیر تم پر آزماؤں گا، اگر تم پھر بھی باز نہ آئے تو میں تمھیں اپنی تلوار سے اس وقت تک تہ تیغ کرتا رہوں گا جب تک میرے ہاتھوں میں طاقت ہے۔ تم جو کچھ کرنا چاہتے ہو، اگر طاقت رکھتے ہو تو کر دیکھو۔ لیکن اگر تم مصالحت کرنا چاہو تو میرا سارا مال لے لو اور میرا راستہ چھوڑ دو۔ قریش نے ان کا مال غصب کر کے انھیں مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔[3]

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ پر عتاب

سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ طفیل بن حارث کے غلام تھے۔ طفیل سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے (ماں جائے) بھائی تھے۔[4] عامر رضی اللہ عنہ نے اپنی غلامی کے دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دار ارقم میں اسلام کی تعلیم و تبلیغ سے پہلے ہی اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ نہایت راسخ الایمان تھے۔ اسلامی تعلیمات پر پوری استقامت سے عمل پیرا رہتے تھے۔ انھیں اسلام قبول

[1] الإصابة:365/3. [2] الطبقات لابن سعد:227/3. [3] الطبقات لابن سعد:228/3. [4] الطبقات لابن سعد:230/3.

کرنے پر ہولناک تشدد کا نشانہ بنایا گیا لیکن وہ انتہائی مضبوط اور بلند حوصلے والے مرد مومن ثابت ہوئے۔ [1]

عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ مؤمنین میں انتہائی کمزور اور بڑے بے بس شخص تھے۔ مشرکین مکہ نے ان پر بے پناہ جبر کیا۔ انھیں شدید اذیت دی گئی تا کہ وہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جائیں۔ [2] ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب انھیں اسلام کی وجہ سے ظلم وتشدد کا نشانہ بنتے دیکھا تو انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ [3]

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ پر ظلم

زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے تھے۔ انھوں نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا۔ ان کے چچا کو پتہ چلا تو اس نے انھیں بہت بُری طرح زدوکوب کیا۔ بدبخت چچا نے انھیں گھسیٹا اور ایک چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیا۔ پھر وہ نیچے سے انھیں آگ کی دھونی دیتا رہا۔ اس طرح وہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر مسلسل دباؤ ڈالتا رہا۔ وہ کہتا تھا: اسلام سے دستبردار ہو جاؤ اور کفر کی طرف لوٹ آؤ۔ لیکن حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نہایت جرأت سے یہی جواب دیتے رہے کہ اب میں ہرگز کفر نہیں کروں گا۔ [4]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی انوکھی آزمائش

سعد بن ابی وقاص مالک بن وہیب رضی اللہ عنہ سترہ (17) سال کی عمر میں دعوتِ اسلام کی ابتدا ہی میں مسلمان ہو گئے تھے۔ [5]

سعد رضی اللہ عنہ اپنی والدہ کی طرف سے شدید آزمائش میں مبتلا ہوئے۔ ان کی والدہ نے ان سے کہا: میں اُس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں پیوں گی جب تک تو اپنے نئے دین کو چھوڑ کر پرانے دین پر واپس نہ آئے گا۔

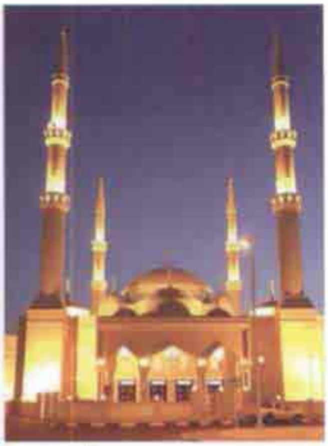
بیٹے کو مرتد کرنے کے لیے ام سعد کی بھوک ہڑتال

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ میرے بارے میں نازل ہوئی:

﴿وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا﴾ (لقمٰن 15:31)

”اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی

[1] أسد الغابة:525/2. [2] الطبقات لابن سعد:230/3. [3] الكامل لابن الأثير:590/1. [4] المستدرك للحاكم:360/3، حلية الأولياء:131/1. [5] صفة الصفوة:356/1.


مسجد سعد بن ابی وقاص (ابوظبی)

اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں بھلے طریقے سے ان دونوں سے اچھا سلوک کرنا۔"

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس آیت مقدسہ کا پس منظر بتاتے ہوئے کہا: میں اپنی والدہ سے بڑی نیکی سے پیش آتا اور بہت اچھا برتاؤ کرتا تھا لیکن جب میں مسلمان ہوا تو وہ کہنے لگیں: اے سعد! یہ کیسا دین ہے جو تو نے اختیار کر لیا ہے اور اس پر کاربند ہے۔ اس دین کو چھوڑ دے ورنہ میں کچھ کھاؤں گی نہ پیوں گی یہاں تک کہ میں مرجاؤں گی، پھر تجھے میری موت کی بنا پر عار دلائی جائے گی۔ میں نے کہا: اے میری پیاری والدہ! اس طرح کا طرز عمل اختیار نہ کیجیے کیونکہ میں اپنا دین ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری ماں نے ایک دن اور ایک رات نہ کچھ کھایا، نہ کچھ پیا۔ دوسرا دن آیا تو ان پر نقاہت طاری ہوگئی۔ وہ پھر ایک دن اور رات فاقے سے رہیں جس کی وجہ سے انھیں اور زیادہ اذیت سے دوچار ہونا پڑا لیکن وہ اپنی ضد سے باز نہ آئیں۔ وہ تیسرے دن اور رات کو بھی فاقے سے رہیں، کچھ کھایا نہ پیا۔ یوں متواتر فاقہ کشی کی وجہ سے وہ انتہائی لاغر ہوگئیں۔ میں نے یہ حالت دیکھی تو کہا: اے میری والدہ محترمہ! اللہ کی قسم! آپ جان لیں کہ اگر آپ کی سو (100) جانیں بھی ہوں اور وہ یکے بعد دیگرے ایک ایک کر کے آپ کے جسم سے نکل جائیں، تب بھی میں اپنا دین ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔ اب یہ آپ کی مرضی ہے کہ کچھ کھانا چاہیں تو کھا پی لیں، نہ کھانا چاہیں تو نہ کھائیں مگر میں دین اسلام سے ذرہ بھر ہلنے والا نہیں۔ جب والدہ نے اسلام پر میری یہ استقامت دیکھی تو انھوں نے کھانا کھا لیا۔ اس پر مندرجہ بالا آیت کریمہ نازل ہوئی۔[1]

حکم الٰہی کے سامنے ماں کا حکم مسترد

امام مسلم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں: ام سعد نے قسم کھائی کہ جب تک سعد اسلام ترک نہیں کرے گا، وہ کھائے گی نہ پیے گی اور نہ سعد (رضی اللہ عنہ) سے کلام کرے گی۔ پھر وہ سعد رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی: تو کہتا ہے کہ اللہ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، میں تیری والدہ ہوں، میں حکم دیتی ہوں کہ اسلام کو چھوڑ دے۔ پھر تین دن تک اس نے کچھ کھایا نہ پیا، اس وجہ سے اسے غشی کے دورے پڑنے لگے۔ یہ حالت دیکھ کر اس کا ایک بیٹا جس کا نام عُمارہ تھا، کھڑا ہوگیا، اُس نے اپنی والدہ کو پانی پلایا، ہوش میں آنے کے بعد والدہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے لگی۔

[1] أسد الغابة: 309/2، تفسير ابن كثير، لقمٰن 31: 15.

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾ (العنکبوت 8:29)

''اور ہم نے انسان کو وصیت کی ہے کہ وہ اپنے والدین سے حسن سلوک کرے۔''

﴿ وَإِن جَاهَدَاكَ عَلَىٰ أَن تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۖ وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا ﴾ (لقمٰن 15:31)

''اور اگر وہ دونوں تجھ پر زور ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کر جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی اطاعت نہ کرنا اور دنیا میں ان دونوں سے بھلے طریقے سے اچھا سلوک کرنا۔''[1]

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر قریش مکہ کا تشدد

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے انتہائی جاں نثار ساتھی تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں آپ صَاحِبُ السَّوَادِ وَالسِّوَاكِ (رسول اللہ ﷺ کے رازدار اور صاحبِ مسواک) کے لقب سے معروف تھے۔[2]

ایک مرتبہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ وہ دورانِ گفتگو کہنے لگے: قریش نے کبھی قرآن مجید نہیں سنا، اُنھیں قرآن مجید کون سنائے گا؟ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا: یہ کام میں کروں گا۔ صحابہ نے کہا: ہمیں آپ کے بارے میں ڈر ہے کہ وہ لوگ آپ کو نقصان پہنچائیں گے۔ اس کام کے لیے کوئی ایسا شخص درکار ہے جس کے قبیلے والے اُس کا تحفظ کر سکیں۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بولے: مجھے یہ کام کرنے دو۔ اللہ تعالیٰ میری حفاظت فرمائے گا۔

اگلے دن چاشت کے وقت جب قریش اپنی مجلسوں میں گپ شپ میں مشغول تھے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مقام ابراہیم کے پاس بلند آواز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا: بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿ الرَّحْمَٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۝ ﴾ (الرحمٰن 55:1,2) مشرکین پوچھنے لگے: ابن ام عبد کیا پڑھ رہا ہے؟ کسی نے بتایا: محمد (ﷺ) جو کلام لے کر آئے ہیں، وہ پڑھ رہا ہے۔ یہ سننا تھا کہ وہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن انھوں نے تلاوت جاری رکھی۔ جتنا کلام پاک پڑھنا تھا، وہ پڑھ کر ہی دم لیا۔

جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اُن کے چہرے پر ظالم مشرکوں کی ضربوں کے نشانات تھے۔ صحابہ کہنے لگے: ہمیں یہی خدشہ تھا۔ اسی وجہ سے ہم آپ کو منع کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اب

[1] صحیح مسلم: 1748، بعد الحدیث: 2412. [2] أسد الغابة: 75/3، تلقیح فهوم أهل الأثر، ص: 127,126.

اللہ کے دشمن میری نظر میں پہلے سے زیادہ حقیر ہو گئے ہیں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کل دوبارہ اُنھیں قرآن سنایا جائے تو میں کل بھی یہ کام کرنے کے لیے تیار ہوں۔ صحابہ کہنے لگے: نہیں، بس ایک مرتبہ ہی کافی ہے۔ [1]

مشرکینِ مکہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ پر ٹوٹ پڑے

معتبر قول کے مطابق ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادہ تھا۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی پکے موحد تھے اور بت پرستی سے بہت بیزار تھے۔ مکہ میں ان کی آمد کا مقصد اور اسلام لانے کا واقعہ نویں باب ''بیرون مکہ دعوتِ اسلام'' کے تحت بیان ہوگا۔ جب انھوں نے اسلام قبول کر لیا تو نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: ''آپ اپنی قوم غفار میں واپس چلے جائیں۔ انھیں میرے بارے میں آگاہ کریں، پھر جب آپ کو ہمارے غلبے کا علم ہو جائے تو ہمارے پاس آ جائیں۔''

ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ عرض کرنے لگے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان مکہ والوں کے سامنے کلمۂ توحید کا اعلان ضرور کروں گا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے، مسجد الحرام میں آئے اور بلند آواز سے اعلان کیا: أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ. ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔'' یہ سنتے ہی مشرکین کا مجمع ان پر ٹوٹ پڑا اور مار مار کر زمین پر گرا دیا۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کے چچا عباس رضی اللہ عنہ آ گئے۔ انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بچانے کے لیے خود اپنے آپ کو ان پر ڈال دیا اور قریش سے کہا: افسوس! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہ شخص غفار قبیلے کا ہے اور تمھارے شام جانے والے تاجروں کا راستہ ادھر ہی سے نکلتا ہے۔ اگر تم اسے مار دو گے تو تمھاری تجارت کا راستہ بند ہو جائے گا۔ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر مشرکین نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو چھوڑ دیا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ دوسرے دن پھر مسجد الحرام آئے اور پہلے دن کی طرح اپنے اسلام کا بانگ دہل اعلان کیا۔ مشرکین پھر ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے۔ اس دن بھی سیدنا عباس رضی اللہ عنہ ہی نے انھیں مشرکین کے ستم سے بچایا۔ [2]

خالد بن سعید رضی اللہ عنہ کی آزمائش

ابتدا ہی میں اسلام لانے والوں میں خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔ [3] ان کے والد کا مکہ میں بڑا مقام تھا۔ وہ مسلمانوں پر جبر و تشدد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا تھا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو اپنے اسلام کو اپنے خاندان سے چھپایا۔ جب ان کے والد کو ان کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو وہ بڑا سیخ پا ہوا۔ اس نے اپنے دوسرے بیٹوں کو جو اپنے باپ کی طرح اسلام سے محروم تھے، خالد رضی اللہ عنہ کی تلاش میں بھیجا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ

[1] أسد الغابة: 74/3، [2] صحيح البخاري: 3522 و 3861، [3] الإصابة: 202/2.

بیان کرتے ہیں کہ جب میرے بھائی مجھے پکڑ کر لائے تو میرا باپ غصے کے مارے آپے سے باہر ہوگیا، وہ مجھے دیکھتے ہی گالیاں دینے لگا، اُس کے ہاتھ میں لاٹھی تھی، اس نے اُسی لاٹھی سے میری پٹائی شروع کر دی یہاں تک کہ میرے سر پر لاٹھی ماری تو لاٹھی ٹوٹ گئی۔ اس نے کہا: تم محمد (ﷺ) کی پیروی کرتے ہو، کیا تم دیکھتے نہیں کہ وہ اپنی قوم کے خلاف چل رہا ہے، ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو جاہل بتاتا ہے۔ میں نے اپنے باپ سے کہا: ''واللہ! وہ بالکل سچ فرماتے ہیں اور میں ان کی ان باتوں کی صداقت پر پورا یقین رکھتا ہوں۔'' یہ سن کر میرے باپ کا غصہ انتہا کو پہنچ گیا، اس نے کہا: ''کمینے! جہاں چاہو دفع ہوجاؤ۔ واللہ! میں تمھارا کھانا پینا بند کر دوں گا۔'' میں نے کہا: ''اگر آپ کھانا بند کریں گے تو اللہ تعالیٰ مجھے رزق عطا فرمائے گا۔'' یہ سن کر باپ نے مجھے گھر سے نکال دیا اور اپنے دیگر بیٹوں سے کہا: اس سے ہرگز کلام نہ کرنا۔ جو اس سے بولے گا، اُس کے ساتھ بھی وہی سلوک کروں گا جو میں نے اِس سے کیا ہے۔ سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے باپ کا گھر چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔

سیدنا خالد بن سعید رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے چھپ کر مکہ کے نواحی علاقے ہی میں وقت گزارتے رہے۔ جب مسلمان دوسری ہجرت حبشہ کے لیے روانہ ہوئے تو اُن کے ساتھ یہ بھی ہجرت کر گئے۔ ان کا باپ مسلمانوں کے معاملے میں بہت سخت تھا۔ ایک موقع ایسا آیا کہ وہ بیمار پڑ گیا۔ کہنے لگا: اگر میں اپنی اس بیماری سے صحت یاب ہوگیا تو مکہ میں ابن ابی کبشہ (نبی ﷺ) کے معبود کی عبادت نہیں ہونے دوں گا۔ حضرت خالد بن سعید رضی اللہ عنہ تک یہ بات پہنچی تو انھوں نے دعا کی: ''اے اللہ! یہ صحت یاب ہی نہ ہونے پائے اور اسی بیماری میں مرجائے۔''[1]

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ پر امیہ بن خلف کا جبر و ستم

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ دائرہ اسلام میں آگئے تو ان کے قبیلے بنو جمح نے انھیں اذیتیں دینی شروع کر دیں۔ سب سے بڑھ کر امیہ بن خلف ان کے درپے تھا اور انھیں اذیتیں دینے میں پیش پیش رہتا تھا۔

عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے قبیلے کی جانب سے شدید مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ انھوں نے ہجرت ہی میں عافیت جانی اور حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس موقع پر انھوں نے اپنے قبیلہ بنو جمح کے لیے افسوس کا اظہار کیا اور امیہ بن خلف کو خبردار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

أَأَخْرَجْتَنِي مِنْ بَطْنِ مَكَّةَ آمِنًا ... وَأَسْكَنْتَنِي فِي صَرْحِ بَيْضَاءَ تَقْذَعُ

تَرِيشُ نِبَالًا لَا يُوَاتِيكَ رِيشُهَا ... وَتَبْرِي نِبَالًا رِيشُهَا لَكَ أَجْمَعُ

[1] المستدرك للحاكم: 249/3، الطبقات لابن سعد: 95,94/4، أسد الغابة: 88,87/2، الإصابة: 202/2.

''کیا تو نے مجھے بے خوف و خطر ہو کر وادیِ مکہ سے نکال دیا ہے اور بدکلامی کرتے ہوئے مجھے سفید محل میں رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔ تو تیروں کو پر لگاتا ہے مگر ان سے تجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اور تو تیر تراشتا ہے، ان کے سارے پر تیرے لیے اکٹھے کیے جائیں گے۔'' [1]

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ کی پناہ میں

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کچھ دیر حبشہ میں مقیم رہے۔ پھر ان لوگوں کے ساتھ واپس تشریف لے آئے جو پہلی ہجرت حبشہ کے بعد واپس آ گئے تھے۔ مکہ میں مسلمانوں پر ظلم و تشدد کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ یہ ظلم و ستم دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ وہ کسی کی پناہ حاصل کیے بغیر مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ ولید بن مغیرہ مکہ کا انتہائی با اثر شخص تھا۔ اُس نے انھیں پناہ دی اور عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں داخل ہو کر پُر امن زندگی بسر کرنے لگے۔

مسلمانوں پر ظلم کی انتہا اور اللہ ہی کی پناہ پر اکتفا

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ہولناک مظلومیت دیکھی تو ان کا دل سخت مضطرب ہوا۔ انھوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کے ساتھ انتہائی ظالمانہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ کسی کو آگ میں جھونکا جا رہا ہے، کسی کو کوڑوں سے پیٹا جا رہا ہے اور کسی کو کڑی دھوپ میں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان تمام آلام و مصائب سے ولید بن مغیرہ کی پناہ کی وجہ سے محفوظ تھے۔ ان کی حساس طبیعت پر یہ بات انتہائی ناگوار گزری کہ دیگر مسلمان تو طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں اور وہ خود آرام سے رہیں۔ انھوں نے اپنے دل میں کہا: میرے شام و سحر ایک مشرک کی وجہ سے پر امن طور پر بسر ہو رہے ہیں جبکہ میرے دوست اللہ تعالیٰ کے رستے میں آزمائشوں میں گھرے ہوئے ہیں اور انھیں وہ مصیبتیں پیش آ رہی ہیں جن سے کبھی مجھے واسطہ ہی نہیں پڑا۔ عثمان رضی اللہ عنہ یہ واضح فرق دیکھ کر بڑے ذہنی کرب میں مبتلا ہو گئے۔ وہ فوراً ولید بن مغیرہ کے پاس پہنچے جو اس وقت بیت اللہ کے قریب بیٹھا تھا۔

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے ولید بن مغیرہ سے کہا: اے ابوعبد شمس! تو نے پناہ دینے کا عہد خوب نبھایا۔ میں اب تک تیری پناہ میں تھا لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ تیری پناہ تجھے لوٹا دوں۔ میرے لیے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہی کے عمل میں پیروی کا بہترین نمونہ موجود ہے۔

ولید کہنے لگا: اے میرے بھتیجے! شاید تمھیں کسی نے تکلیف دی ہے یا تمھاری عزت پامال کی گئی ہے؟ عثمان رضی اللہ عنہ

[1] السيرة لابن هشام :332/1.

فرمانے لگے: ہرگز نہیں! بس میں اللہ کی پناہ میں خوش ہوں اور اس کے بعد مجھے کسی اور کی پناہ گوارا نہیں۔
ولید کہنے لگا: بیت اللہ میں (لوگوں کے اکٹھے ہونے کی جگہ) چلو، جس طرح میں نے تمھیں سب کے سامنے علی الاعلان پناہ دی تھی، تم بھی اسی طرح برملا میری پناہ لوٹاؤ۔ وہ دونوں بیت اللہ میں آ گئے۔ ولید لوگوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگا: یہ عثمان بن مظعون ہے۔ یہ مجھے میری پناہ لوٹانا چاہتا ہے۔ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں! یہ سچ کہتا ہے۔ میں نے اسے خوب پناہ دینے والا پایا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ کے سوا کسی اور کی پناہ کا محتاج نہ رکھوں، اس لیے میں اس کی پناہ لوٹا رہا ہوں۔

عثمان رضی اللہ عنہ کی بزمِ لبید میں تشریف آوری

لبید بن ربیعہ قریش کی مجلس میں بیٹھا تھا اور اپنے اشعار سے انھیں محظوظ کر رہا تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ پناہ لوٹانے کے بعد اس محفل میں جا بیٹھے۔ لبید کہنے لگا:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

”خبردار رہو! اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے۔“
عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو نے بالکل سچ کہا۔ لبید اپنا کلام سناتا رہا۔ بالآخر اس نے مقطع پڑھا:

وَ كُلُّ نَعِيمٍ لَّا مَحَالَةَ زَائِلُ

”اور ہر نعمت آخر کار ختم ہونے والی ہے۔“
یہ سن کر عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو جھوٹ کہتا ہے۔ جنت کی نعمتیں لامتناہی ہیں، وہ کبھی ختم نہ ہوں گی۔ قریش عثمان رضی اللہ عنہ کے اس جملے کا صحیح مطلب نہ سمجھ سکے، اس لیے انھوں نے لبید سے کہا: مکرر پڑھیے۔ لبید نے دوبارہ پورا شعر پڑھا۔ اس کے پہلے مصرعے کی عثمان رضی اللہ عنہ نے تصدیق اور دوسرے مصرعے کی تکذیب کی۔

عثمان رضی اللہ عنہ کو اذیت رسانی اور ان کا صبر

لبید کہنے لگا: اے قریشیو! تمھارا ساتھی اس طرح تو کبھی ذلیل نہ ہوا تھا، اب یہ کیسے ہونے لگا؟ قریش میں سے ایک آدمی کہنے لگا: اسے قابلِ توجہ نہ جانو، یہ ایک بے وقوف آدمی ہے اور ان بے وقوف لوگوں کا ساتھی ہے جنھوں نے ہمارا دین چھوڑ دیا ہے۔ تم اس کی وجہ سے ملال نہ کرو۔ اس کے بعد قریشیوں کا ایک انتہائی احمق شخص عثمان بن عبداللہ بن ابوامیہ کھڑا ہوگیا۔ اس نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو اتنے زور سے تھپڑ مارا کہ اُن کی آنکھ پر ورم آ گیا۔

ولید بن مغیرہ اور اس کے ساتھی کہنے لگے: اے عثمان! پہلے تو ایسی پناہ میں تھا جو تجھے رُسوا کن سلوک سے محفوظ رکھتی تھی، اب تیری آنکھ کو جو تکلیف پہنچی ہے، پہلے تو اس سے محفوظ تھا۔ عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اللہ کی پناہ تمھاری پناہ سے زیادہ امن اور اکرام والی ہے۔ اب تو میری دوسری آنکھ بھی اللہ کے راستے میں آزمائش کے لیے تیار ہے۔ مجھے تم سے یہی امید ہے اور میرے لیے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم ہی بہترین نمونۂ عمل ہیں۔

ولید بن مغیرہ کی دوبارہ پناہ دینے کی پیش کش

ولید نے اس موقع پر عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو یہ پیش کش کی: اگر تو دوبارہ میری پناہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو میں حاضر ہوں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ کی پناہ کے بعد مجھے کسی کی پناہ کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

لَا إِرْبَ لِي يَابْنَ الْمُغِيرَةِ فِي الَّذِي تَقُولُ وَلٰكِنِّي بِأَحْمَدَ وَاثِقُ
رَسُولٌ عَظِيمُ الشَّانِ يَتْلُو كِتَابَهُ لَهُ كُلُّ مَنْ يَبْغِي التِّلَاوَةَ وَامِقُ

"اے مغیرہ کے بیٹے! تم جو پیش کش کر رہے ہو، مجھے اس کی قطعی ضرورت نہیں۔ میں تو احمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وفا کرنے کا عہد کرتا ہوں، وہ عظیم الشان رسول ہیں، وہ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور جو اس کی تلاوت کا ارادہ کرتا ہے، وہ اس کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔"[1]

سعد رضی اللہ عنہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقام لیا

جب عثمان بن عبداللہ بن ابی امیہ نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی آنکھ پر تھپڑ مارا تو اس وقت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی وہاں موجود تھے اور یہ سارا ماجرا دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑے بہادر انسان تھے۔ وہ اپنے مسلمان بھائی پر جارحیت کا یہ منظر دیکھ کر رہ نہ سکے اور عثمان بن عبداللہ پر چڑھ دوڑے۔ انھوں نے جوشِ غضب میں اس کی ناک توڑ ڈالی جس سے اس کا خون بہنے لگا۔ یہ راہِ اسلام میں دشمن کے بہائے جانے والے اولین خونوں میں سے ایک تھا۔[2]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لبید کے مصرع کی تصدیق فرمائی

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے لبید بن ربیعہ کے جس مصرع کی تصدیق کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے سچا قرار دیا اور اس کی تحسین فرمائی جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

[1] السيرة لابن إسحاق: 219/1، دلائل النبوة للبيهقي: 2/291-293. [2] أنساب الأشراف: 262/1.

«أَصْدَقُ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَّا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ»

''سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی ہے، وہ لبید کی یہ بات ہے: خبردار! اللہ کے سوا ہر چیز ختم ہو جانے والی ہے۔''[1]

ابوفُکیہہ رضی اللہ عنہ پر وحشیانہ تشدد

ابوفُکیہہ رضی اللہ عنہ کا اصل نام یسار تھا۔ یہ بلال رضی اللہ عنہ کے ساتھ ابتدا ہی میں اسلام لے آئے تھے۔ بنوعبدالدار انھیں شدید تکلیفیں دیتے۔ انھیں شدید گرمی کے دنوں میں دوپہر کے وقت تپتے ہوئے سنگلاخ پتھروں پر لٹایا جاتا، سینے پر وزنی پتھر رکھ دیا جاتا، اس کربناک حالت میں ان کی زبان باہر نکل آتی اور ان پر بے ہوشی طاری ہو جاتی۔ مشرکین گمان کرتے کہ یہ مر چکے ہیں لیکن ان میں زندگی کی حرارت موجود ہوتی تھی۔[2]

یسار رضی اللہ عنہ صفوان بن امیہ بن خلف جمحی کے غلام تھے۔ امیہ کو ان کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو وہ ان پر ظلم ڈھانے لگا۔ ان کے پاؤں میں رسی باندھ دی جاتی اور لوگوں سے کہا جاتا: انھیں گھسیٹ کر لے جاؤ اور تپتی ہوئی زمین پر لٹاؤ۔ لوگوں نے انھیں اسی طرح تکلیفیں دینی شروع کر دیں۔ ایک مرتبہ انھیں پیٹا جا رہا تھا کہ ان کے قریب سے ایک گندہ سیاہ کیڑا گزرا۔ امیہ، ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگا: کیا یہ کیڑا تمھارا رب نہیں؟ انھوں نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ ہی میرا، تمھارا اور اس کیڑے کا پروردگار ہے۔ اس جواب پر وہ اور زیادہ مشتعل ہو گیا اور ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کا گلا گھونٹنے لگا۔ اس مشقِ ستم میں امیہ بن خلف کا بھائی ابی بن خلف بھی شریک تھا۔ ابی کہنے لگا: اس کی اور پٹائی کرو یہاں تک کہ محمد (ﷺ) آئے اور اسے اپنے جادو کے ذریعے سے نجات دے۔

ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو بدستور اسی طرح تکلیفیں دی گئیں یہاں تک کہ ظالموں نے یقین کر لیا کہ اب یہ مر چکے ہیں لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی زندگی کا رشتہ سلامت رکھا، افاقہ ہوا اور وہ ہوش میں آ گئے۔ ابھی اسی کیفیت میں تھے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ان کے قریب سے گزر ہوا۔ انھیں ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کی حالت زار دیکھ کر بڑا ملال ہوا، چنانچہ انھوں نے ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ کو خریدا اور آزاد کر دیا۔[3]

ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ نادار اور ناتواں لوگوں میں سے تھے، نبی ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ مسجد میں آپ ﷺ کے پاس اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ قریش کے سرداروں نے نبی ﷺ کو ان کی طرف انگشت نمائی

[1] صحيح البخاري: 3841، صحيح مسلم: 2256. [2] أنساب الأشراف: 221,220/1. [3] الكامل لابن الأثير: 591,590/1، سبل الهدى والرشاد: 360/2.

کر کے عار دلائی۔ اس صورتِ حال پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ﴾ (الأنعام6:52)

''اور ان لوگوں کو اپنے سے دور نہ کیجیے جو اپنے رب کو صبح اور شام پکارتے ہیں۔'' [1]

عمر (رضی اللہ عنہ) کے ہاتھوں لُبینہ رضی اللہ عنہا کی پٹائی

قبیلۂ بنو عدی کے خانوادے بنو مؤمل کی ایک لونڈی لبینہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہو گئی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس بنا پر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو لبینہ رضی اللہ عنہا پر بڑا غصہ تھا۔ وہ انھیں اسلام سے منحرف کرنے کے لیے مارتے اور جب مارتے مارتے تھک جاتے تو رُک جاتے اور لبینہ رضی اللہ عنہا سے کہتے: یہ مت سمجھنا کہ میں نے تمھیں مروت کی وجہ سے چھوڑا ہے، دراصل میں تھک گیا ہوں اور اسی تھکاوٹ کی وجہ سے تمھیں چھوڑ رہا ہوں۔

لبینہ رضی اللہ عنہا جواب میں فرماتیں: اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ تم سے میرا بدلہ ضرور لے گا۔ [2]

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں عمرے کی غرض سے مکہ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو مختلف طریقوں سے اذیتیں دی جا رہی تھیں۔ میں عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے ان کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ بنو عمرو بن مؤمل کی لونڈی کو پیٹ رہے ہیں، اس کا گلا دبا رہے ہیں یہاں تک کہ وہ لونڈی ان کے تشدد کی تاب نہ لا کر بے ہوش ہو گئی۔ میں نے کہا: ''یہ مر گئی ہے۔'' انھوں نے اسے چھوڑ دیا، پھر عمر رضی اللہ عنہ زنیرہ رضی اللہ عنہا کی طرف متوجہ ہو گئے اور اس کی پٹائی کرنے لگے۔ [3]

زنیرہ رضی اللہ عنہا پر مصائب

زنیرہ رومیہ رضی اللہ عنہا بنو عدی کی لونڈی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ بنو مخزوم یا بنو عبدالدار کی لونڈی تھیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اسلام لانے سے پہلے ان کی پٹائی کرتے تھے۔ ابوجہل بھی ان پر بڑا ظلم کرتا تھا۔ اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان پر اتنا تشدد کیا گیا کہ ان کی بصارت جاتی رہی۔ ابوجہل نے ان سے کہا: تمھیں لات وعزیٰ نے اندھا کیا ہے۔ زنیرہ رضی اللہ عنہا نہایت استقلال سے جواب دیتیں: ''لات وعزیٰ کی کیا مجال ہے۔ انھیں تو یہ بھی پتہ نہیں کہ کون ان کی عبادت کر رہا ہے؟ میرے اندھے پن کا حکم آسمان سے آیا ہے اور میرا رب پوری طرح قادر ہے کہ

[1] أسد الغابة:4/357، الإصابة:6/536. [2] السيرة لابن هشام:1/319، الكامل لابن الأثير:1/591، الطبقات لابن سعد: 8/256. [3] أنساب الأشراف:1/221.

میری بصارت لوٹا دے۔'' دوسرے دن صبح زنیرہ رضی اللہ عنہا جب بیدار ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بصارت بحال کر دی اور وہ پہلے کی طرح صحت یاب ہوگئیں۔ قریش نے یہ ماجرا دیکھ کر کہا: یہ محمد (ﷺ) کے جادو کا اثر ہے۔ [1]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لبینہ اور زنیرہ رضی اللہ عنہا پر قریش کے مظالم کی وجہ سے انھیں خرید کر آزاد کر دیا۔ [2]

نہدیہ اور ان کی صاحبزادی رضی اللہ عنہا کی آزمائش

یہ دونوں بنوعبدالدار کی ایک عورت کی لونڈیاں تھیں۔ وہ انھیں بے حد پریشان کرتی اور طرح طرح کی تکلیفیں دیتی رہتی تھی۔ ایک دن کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں اس وقت تک تمھیں تکلیف دینے سے باز نہیں آؤں گی جب تک تمھیں وہ آزاد نہ کرائے جس نے تمھیں پرانے دین سے ہٹا دیا ہے۔ اس عورت نے نہدیہ اور ان کی بیٹی کو آٹا گوندھنے کے لیے دیا۔ اسی دوران سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کے قریب سے گزرے تو وہ اپنی مظلوم لونڈیوں سے کہنے لگی: اللہ کی قسم! میں تمھیں آزاد نہیں کروں گی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے ام فلاں! انھیں آزاد کردو۔ وہ کہنے لگی: تمھی انھیں آزاد کراؤ کیونکہ تمھی نے انھیں خراب کیا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ان دونوں کو کتنے داموں میں فروخت کرو گی؟ اس نے قیمت بتائی۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: بس میں نے اس قیمت کے بدلے تم سے ان دونوں کو خریدا۔ پھر فرمایا کہ یہ دونوں آزاد ہیں۔ پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہدیہ اور ان کی بیٹی سے کہا: اس کا آٹا واپس کردو۔ وہ کہنے لگیں: کیا ہم اس کام سے فارغ نہ ہوجائیں، پھر اسے لوٹا دیں گی۔ [3]

حمامہ ام بلال رضی اللہ عنہا

سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی والدہ حمامہ رضی اللہ عنہا کو بھی اسلام لانے کی پاداش میں بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ انھیں بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی نے خرید کر آزاد کیا۔ [4]

غلاموں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حُسنِ سلوک

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد امت مسلمہ کی سب سے بڑی شخصیت تھے۔ وہ اپنی قوم میں بھی بڑی حیثیت رکھنے والے نہایت اہم فرد تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مفلسوں کی خبر گیری کرتے تھے، صلہ رحمی ان کا شعار تھا، راہ حق میں مصیبتیں برداشت کرنے والے لوگوں کی مدد کرنا ان کا شیوہ تھا۔ ان کا دل غریبوں، معذوروں، کمزوروں

[1] أسد الغابة:5/293,292. [2] الكامل لابن الأثير:1/591، أنساب الأشراف:1/222,221، سبل الهدٰى والرشاد:2/361.
[3] السيرة لابن هشام:1/319,318، سبل الهدٰى والرشاد:2/361. [4] سبل الهدٰى والرشاد:2/361.

اور غلاموں کے لیے بڑا نرم اور باعثِ رحمت تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دین حق قبول کرنے والے غلاموں کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خریدا اور ان کی آزادی کے لیے بہت بڑی قیمت ادا کی، حالانکہ ابھی غلاموں کو آزادی دلانے اور اس پر زبردست اجر وثواب والے احکام بھی نازل نہ ہوئے تھے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جن صحابہ اور صحابیات کو غلامی سے نجات دلا کر آزادی بخشی، ان میں حضرت بلال اور ان کی والدہ حمامہ، عامر بن فہیرہ، ابوفُکَیہہ، لبینہ، نہدیہ، ان کی صاحبزادی اور زنیرہ رضی اللہ عنہم شامل ہیں۔[1]

[1] السيرة لابن هشام :1/319,318، سبل الهدیٰ والرشاد :2/361.

باب 6

ہجرت حبشہ

اللہ کی راہ میں وطن سے بے وطن ہونے والے اولین
محبانِ حق کا سوئے حبشہ سفرِ ہجرت اور اُس کی تفصیلات

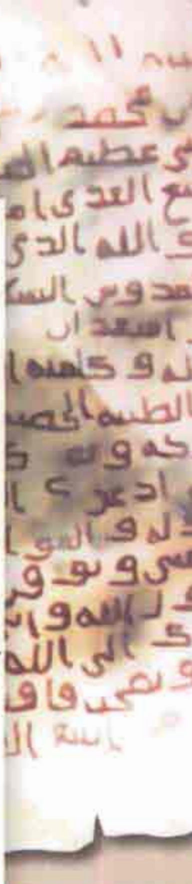
وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً
وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا
إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ
فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

''اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے، وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور گنجائش پائے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرنے کی خاطر اپنے گھر سے نکلے، پھر اسے راستے میں موت آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے واجب ہوگیا۔''

(النسآء 4:100)

اس باب میں





رسول اللہ ﷺ دعوتِ اسلام کے کام میں شام و سحر مصروف تھے۔ سعادت مند قلوب پر آپ ﷺ کی مقدس دعوت اثر انداز ہوکر ہر طرف پھیل رہی تھی۔ اس صورتِ حال پر کفار و مشرکین بڑے مشتعل تھے۔ انھیں اسلام کی محکم و منور تعلیمات میں اپنے توہماتی عقائد کی عمارت لرزتی نظر آرہی تھی۔ اس لیے انھوں نے کمزور اور کسمپرس مسلمانوں پر زبردست تشدد شروع کر دیا۔ یہ تشدد ایک دو دن کی بات نہیں تھی یہ تو ظلم و ستم کا ایک لامتناہی سلسلہ تھا جو ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ چنانچہ مظلوم مسلمانوں نے دن رات کی مسلسل اذیت رسانی سے محفوظ رہنے کے لیے ہجرت کی اور حبشہ چلے گئے۔ اگلے اوراق میں آپ ہجرت کرنے والوں کے اسمائے گرامی کے علاوہ قصۂ غرانیق کی حقیقت اور محدثین کرام کی اس واقعے پر تنقید پڑھیں گے۔ پھر مہاجرین حبشہ کی واپسی، دوسری ہجرت حبشہ اور نجاشی کے نام رسول اللہ ﷺ کے مکتوب گرامی کا مطالعہ کریں گے۔ اسی دوران ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہجرت، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ابن دغنہ کی پناہ قبول کرنا اور پھر لوٹا دینا، قریش کے وفد کا دربارِ نجاشی میں پہنچنا اور خوار ہوکر ناکام لوٹ آنا اور دیگر متعلقہ مضامین ملاحظہ فرمائیں گے۔



پہلی ہجرتِ حبشہ

اسلام عالم انسانیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے۔ اس کی خاطر ہر قسم کی مشقت و تکلیف سہی جا سکتی ہے۔ ہر چیز کو اسلام پر قربان کیا جا سکتا ہے لیکن اسلام کو کسی چیز پر قربان کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ ہجرتِ حبشہ مسلمانوں کے اسلام پر ثابت قدم رہنے اور اس راہ میں زبردست تکالیف و مشکلات برداشت کرنے اور بڑی سے بڑی قربانیاں دینے کی نہایت روشن دلیل ہے۔

ہجرتِ حبشہ اسلام میں پہلی ہجرت ہے۔ مسلمان اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت آدیس آبابا کا خوبصورت منظر



گھر بار، مال و دولت اور وطن کو خیر باد کہہ کر حبشہ چلے گئے تا کہ وہاں امن و سکون سے رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں۔

اس ہجرت کا ایک فائدہ تو یہ ہوا کہ مسلمانوں کو ایک پناہ گاہ میسر آ گئی اور اُنھیں کفار و مشرکین کے ظلم و ستم سے نجات مل گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ دین حق کے ان پیروکاروں کے حبشہ جانے سے وہاں دعوت و تبلیغ کے دروازے کھل گئے اور ماحول میں اسلام کی روشنی پھیلنے لگی۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اسلام کی زبانی دعوت دینے کے ساتھ ساتھ بذاتِ خود بھی ایمان اور حُسنِ عمل کا مجسم نمونہ تھے اور ان کے بلند کردار اور اعلیٰ اخلاق کی بدولت دین حنیف کی دعوت پھیلنے کے امکانات روشن سے روشن تر ہوتے جا رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ہجرت کرنے والے مسلمانوں کی مدح و توصیف فرمائی اور اُنھیں بشارتیں بھی دیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

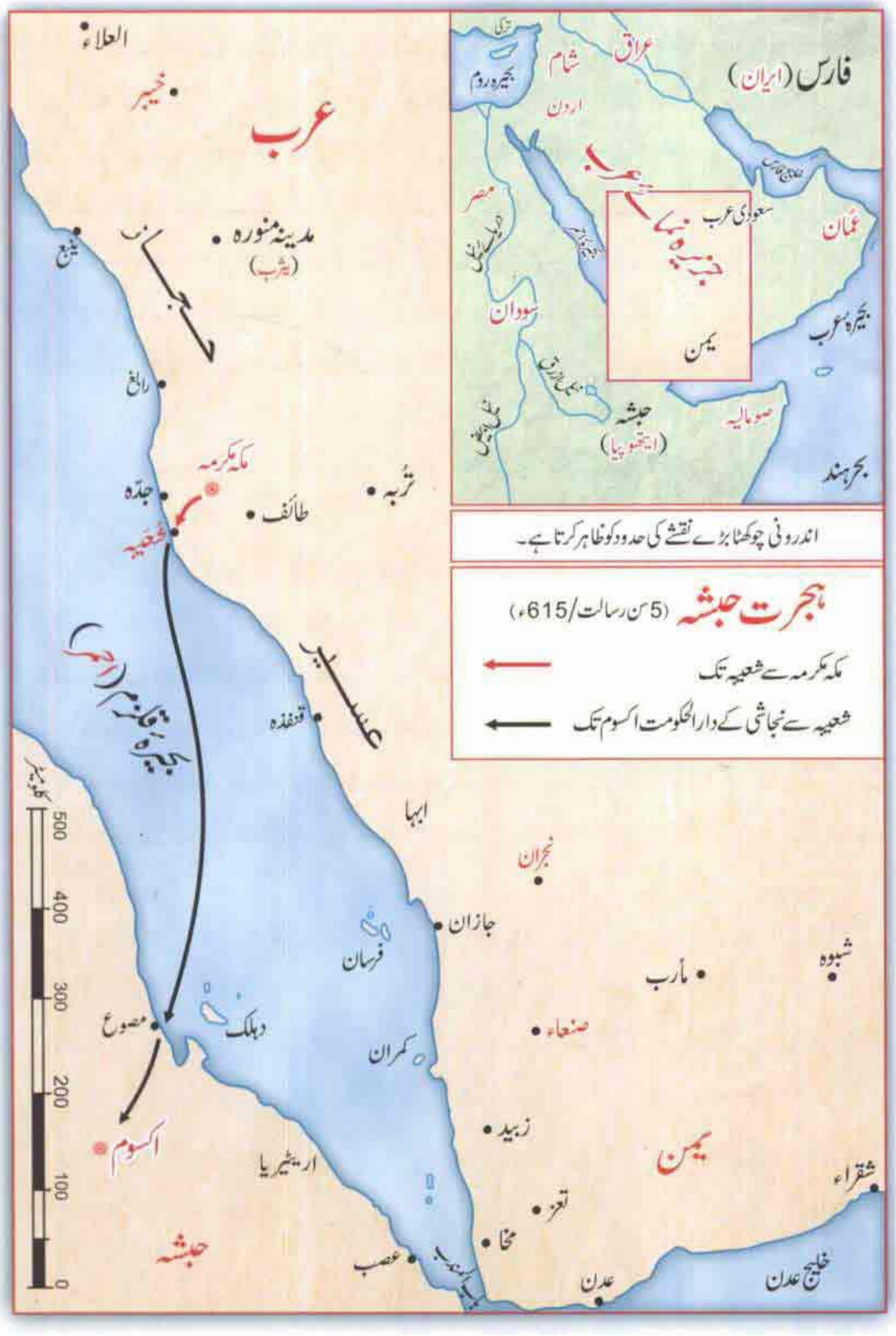
﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اور جن لوگوں نے ظلم کیے جانے کے بعد اللہ (کی راہ) میں ہجرت کی، البتہ ہم انھیں دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے اور یقیناً آخرت کا اجر بہت بڑا ہے، اگر وہ جانتے ہوتے۔''[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کی جزا بیان فرمائی ہے جنھوں نے اس کی رضا کے حصول کے لیے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ سے ثواب اور جزا کی امید میں اپنے گھروں، بھائیوں اور دوستوں کو چھوڑ دیا۔ ممکن ہے کہ یہ آیتِ کریمہ ان مہاجرین حبشہ کے بارے میں نازل ہوئی ہو جن پر جب مکہ میں اپنی قوم کی ایذا رسانیاں نہایت شدت اختیار کر گئی تھیں تو انھوں نے مکہ سے بلادِ حبشہ کی طرف ہجرت کر لی تھی تا کہ وہاں اپنے رب کی عبادت کر سکیں۔

ان مقدس مہاجرین کے گروہ میں سیدنا عثمان بن عفان، آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ، رسول اللہ ﷺ کے عم زاد جعفر بن ابوطالب اور ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہم سرفہرست تھے۔ جبکہ اہل اللہ کا یہ سارا گروہ اَسّی (80) کے قریب پاکباز مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ انھیں دنیا و آخرت میں اچھی جزا عطا فرمائے گا۔ ﴿لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ (النحل 16:41) ''ہم ان کو دنیا میں ضرور اچھا ٹھکانا دیں گے۔'' سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، شعبی اور قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس اچھے ٹھکانے سے مراد مدینہ ہے۔ مجاہد کا قول ہے کہ اس سے مراد پاکیزہ رزق ہے۔[2] اور ان دونوں اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ ان مہاجرین

[1] النحل 16:41. [2] تفسیر الطبري، النحل 16:41.


العلاء
خیبر
عرب
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
حجاز
رابغ
مکہ مکرمہ
جدّہ
شعیبہ
طائف
تربہ
عسیر
قنفذہ
بحیرہ قلزم (احمر)
ابہا
نجران
جازان
فرسان
مأرب
شبوہ
صنعاء
مصوع
دہلک
کمران
زبید
یمن
اکسوم
اریٹیریا
تعز
مخا
شقراء
حبشہ
عصب
عدن
خلیج عدن
کلومیٹر
500
400
300
200
100
0
فارس (ایران)
عراق
شام
بحیرہ روم
اردن
مصر
سعودی عرب
عمان
سوڈان
یمن
بحیرہ عرب
حبشہ
(ایتھوپیا)
صومالیہ
بحر ہند
اندرونی چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔
ہجرت حبشہ (5 سن رسالت/615ء)
مکہ مکرمہ سے شعیبہ تک
شعیبہ سے نجاشی کے دارالحکومت اکسوم تک

نے اپنے گھروں اور مالوں کو ترک کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان سے بہتر گھر اور مال عطا فرما دیے کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے کسی بھی چیز کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ یقیناً اس کے بدلے میں اس سے بہتر چیز عطا فرما دیتا ہے۔ ان مہاجرین کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا، اللہ تعالیٰ نے انھیں علاقے بھی عطا فرما دیے اور لوگوں کی گردنوں کا مالک بھی بنا دیا جس کی وجہ سے یہ امراء و حکام بن گئے، پھر لطف یہ کہ ان میں سے ہر ایک پرہیز گاروں کا امام تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان مہاجرین کو دنیا میں جو عطا فرمائے گا، آخرت کا ثواب اس سے بدرجہا بڑھ کر ہوگا۔[1]

قرآن مجید میں ہجرت کے اشارات

جب کفار و مشرکین مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنا رہے تھے اور طرح طرح کی اذیتیں دے رہے تھے، اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے سورۂ کہف نازل فرمائی۔ اس میں جو تین (اصحاب کہف، موسیٰ و خضر علیہما السلام اور ذوالقرنین کے) واقعات بتائے گئے ہیں، ان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں کچھ اشارات بھی تھے۔



دریائے نیگرو اور دریائے سولم کے دھاروں کا سنگم



اصحاب کہف کے غار کے اوپر بنی مسجد کے آثار (اردن)

چنانچہ اصحابِ کہف کے واقعے کا تذکرہ کر کے یہ سبق دیا گیا ہے کہ جب دین و ایمان کو خطرہ لاحق ہو تو کفر و شرک کے مراکز سے ہجرت کر جانا چاہیے۔ موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعے میں یہ حقیقت اُجاگر کی گئی ہے کہ نتائج ہمیشہ ظاہری حالات کے مطابق ہی برآمد نہیں ہوتے بلکہ ان کے بالکل برعکس بھی ہوتے ہیں، لہٰذا اس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ اس وقت مسلمانوں پر جو ظلم و تشدد ہو رہا ہے، اس کے نتائج یکسر مختلف اور برعکس ہوں گے۔ اگر یہ کفار و مشرکین ایمان نہ لائے تو آگے چل کر یہ انھی مظلوم مسلمانوں کے سامنے اپنی قسمت کے فیصلے کے لیے پیش ہوں گے۔

اسی طرح ذوالقرنین کے واقعے میں یہ اشارات دیے گئے کہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے

[1] تفسیر ابن کثیر، النحل 41:16۔

جسے چاہتا ہے، اس کا وارث بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے مومن اور نیک بندے ہی زمین کی وراثت کے سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ کامیابی صرف ایمان ہی میں ہے۔ کفر وشرک میں کامیابی کا ہرگز کوئی امکان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ اپنے بندوں میں سے حسب منشا ایسے لوگ کھڑے کرتا رہتا ہے جو مجبور و مقہور انسانوں کو اس دور کے بالادست اور سفاک طبقات سے نجات دلاتے ہیں۔

علاوہ ازیں سورۂ زمر بھی اسی وقت نازل ہوئی، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کے لیے ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا اور انھیں اس امر سے آگاہ کیا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین تنگ نہیں بلکہ بہت کشادہ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَاَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ؕ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝﴾ (الزمر 39:10)

”(اے محمد!) کہہ دیجیے: اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! تم اپنے رب سے ڈرو۔ جنھوں نے اس دنیا میں اچھے عمل کیے، ان کے لیے بھلائی ہے اور اللہ کی زمین کشادہ ہے۔ بلاشبہ صبر کرنے والوں کو ان کا پورا اجر بے حساب دیا جائے گا۔“ [1]

ہجرتِ حبشہ کے اسباب

مکہ میں ہر طرف اسلام پھیلتا جا رہا تھا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ہر جگہ لوگ اسلام ہی کے متعلق گفتگو کرتے دکھائی دیتے تھے۔ یہ ساری باتیں مشرکینِ مکہ کے لیے ناقابلِ برداشت تھیں، لہٰذا انھوں نے اسلام کے فروغ کو روکنے اور مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیرنے کے لیے قید و بند کا سلسلہ شروع کر دیا، وہ مسلمانوں کے جانی دشمن بن گئے اور ظلم وستم کا بازار ایسا گرم کیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

نبیِ اکرم ﷺ اس وقت مسلمانوں کا دفاع کرنے اور انھیں کفار کے ظلم وستم سے محفوظ رکھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ خود آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی خاص نصرت و تائید حاصل تھی۔ ابوطالب آپ ﷺ کی زبردست حمایت کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ ﷺ کفار کی ایذا رسانیوں سے ایک حد تک محفوظ تھے۔ کفار کا آپ ﷺ پر کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ ان حالات میں ایک ہی راستہ تھا کہ مسلمان دین کی خاطر اپنے اعزہ واقارب، مال اور وطن کی قربانی دے دیں اور ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں وہ امن وسکون سے رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور دینِ اسلام کے مطابق

[1] الرحیق المختوم، ص: 92.

زندگی بسر کریں، چنانچہ کفارِ مکہ کے ظلم وستم سے نجات پانے اور دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کیے جانے کے خوف سے ہجرت کی راہ اختیار کی گئی۔ نبیِ اکرم ﷺ نے اہلِ ایمان کو ہجرت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا:

«تَفَرَّقُوا فِي الْأَرْضِ»

''زمین میں پھیل جاؤ۔''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہم کہاں جائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے حبشہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''وہاں چلے جاؤ۔'' [1]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

«إِنَّ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ مَلِكًا لَا يُظْلَمُ أَحَدٌ عِنْدَهُ، فَالْحَقُوا بِبِلَادِهِ حَتّٰى يَجْعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا مِّمَّا أَنْتُمْ فِيهِ»

''بلاشبہ حبشہ کی زمین میں ایک بادشاہ ہے۔ اُس کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا، تم اس کے ملک میں چلے جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے اس حالت (تنگی) سے جس میں تم ہو، نکلنے کا کوئی راستہ اور فراخی پیدا فرما دے۔'' [2]

ہجرت کے لیے ملکِ حبشہ کا انتخاب کیوں؟

نبی کریم ﷺ کے نزدیک ہجرت کے لیے زیادہ پسندیدہ جگہ حبشہ کی سرزمین تھی۔ [3] اس پسندیدگی کی بظاہر کئی وجوہ تھیں:

- ایک وجہ تو یہ تھی کہ وہاں کا بادشاہ أَصْحَمَة بڑا عادل، نیک اور عالم آدمی تھا۔ [4] نجاشی اس کا لقب اور عربی میں

1 المصنف لعبد الرزاق: 384/5، حديث: 9743. 2 السيرة لابن إسحاق: 247/1، السنن الكبرى للبيهقي: 203/13، حديث: 18232. 3 المصنف لعبدالرزاق: 384/5، حديث: 9743. 4 الإصابة: 347/1.



نجاشی ٹاؤن (اکسوم) کا تاریخی مقام

اس کا نام عطیہ تھا۔ اس کی سلطنت میں کسی پر کوئی ظلم و زیادتی نہیں ہوتی تھی۔ تمام باشندگانِ سلطنت بلا امتیاز امن و سکون سے رہتے تھے۔

- دوسری وجہ یہ تھی کہ حبشہ قریش کی قدیم تجارت گاہ تھی۔ وہ جب بھی وہاں تجارت کے لیے جاتے تو مکمل امن و امان سے فیض یاب ہوتے اور وافر رزق پاتے تھے۔ اس بنا پر وہ حبشہ کی خوب تعریف کرتے تھے۔[1]
- تیسری وجہ یہ تھی کہ نجاشی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھا۔ عیسائی دیگر اہلِ مذاہب کی نسبت مسلمانوں کے زیادہ قریب ہیں، اس لیے کہ عیسائیوں میں عباد و زہاد بھی پائے جاتے ہیں اور ان میں نرمی اور تواضع بھی زیادہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝﴾

''یقیناً آپ اہلِ ایمان کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود اور مشرکوں کو پائیں گے اور یقیناً آپ اہلِ ایمان کے لیے دوستی میں سب سے قریب انھیں پائیں گے جنھوں نے کہا: بے شک ہم نصاریٰ ہیں۔ یہ اس لیے کہ بے شک ان میں عبادت گزار علماء اور تارک الدنیا فقیر پائے جاتے ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔''[2]

ہجرت حبشہ کی تاریخ

حبشہ کی طرف پہلی ہجرت نبیِ اکرم ﷺ کی بعثت کے پانچویں سال (تقریباً 615ء) رجب کے مہینے میں ہوئی۔[3] یہ علانیہ دعوت کا دوسرا سال تھا۔

مہاجرینِ حبشہ کے اسمائے گرامی

پہلی ہجرتِ حبشہ میں دس آدمی اور پانچ عورتیں شامل تھیں۔ ان کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

- سیدنا عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ۔ ان کے ساتھ ان کی زوجۂ محترمہ دخترِ رسول اللہ ﷺ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔ ہجرتِ حبشہ کے لیے سب سے پہلے یہی نکلے۔ انھی کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ عُثْمَانَ لَأَوَّلُ مَنْ هَاجَرَ بِأَهْلِهِ بَعْدَ لُوطٍ»

[1] تاريخ الطبري: 68/2، السيرة النبوية لابن خلدون، ص: 93. [2] المآئدة 82:5. [3] الطبقات لابن سعد: 204/1، المواهب اللدنية: 240/1.

''بے شک عثمان پہلے شخص ہیں جنھوں نے لوط علیہ السلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی۔''[1]

سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی تھیں جنھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی تھی۔[2]

- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس رضی اللہ عنہ۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ سہلہ بنت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔
- زبیر بن عوام بن خویلد رضی اللہ عنہ جن کا تعلق بنو اسد بن عبد العزی بن قصی سے تھا۔
- مصعب بن عمیر بن ہاشم رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو عبد الدار بن قصی سے تھا۔
- عبد الرحمٰن بن عوف بن عبد عوف رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو زہرہ بن کلاب سے تھا۔
- ابو سلمہ بن عبد الاسد بنو مخزوم بن یقظہ سے تھے اور ان کے ساتھ ان کی زوجۂ محترمہ حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں جنھیں بعد میں ام المؤمنین ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔
- عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو جمح بن عمرو سے تھا۔
- حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ۔ یہ آل خطاب کے حلیف تھے اور قبیلہ عنز بن وائل (یا عنزہ بن اسد بن ربیعہ) سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔
- ابو سبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ یا ابو حاطب (یا حاطب) بن عمرو رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو عامر بن لؤی سے تھا۔
- سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو حارث بن فہر سے تھا۔[3]

یہ حضرات چھپ کر مکہ مکرمہ سے نکلے تاکہ مشرکین مکہ کو ان کی روانگی کا علم نہ ہو سکے۔ ان میں سے کچھ سوار تھے اور کچھ پیدل۔ یہ لوگ حجاز میں شعیبہ بندرگاہ پر پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ جس وقت یہ وہاں پہنچے، اسی وقت

[1] دلائل النبوة للبيهقي: 297/2، فتح الباري: 237/7، نیز دیکھیے: السلسلة الضعيفة: 164/7، حديث: 1381. [2] السيرة الحلبية: 4/2، أسد الغابة: 424/5. [3] السيرة لابن هشام: 323,322/1.

بندرگاہ شعیبہ (سعودی عرب)





تاجروں کی دو کشتیاں لنگر انداز ہوئیں۔ ان تاجروں نے مسلمان مہاجرین کو دونوں کشتیوں میں سوار کر کے حبشہ کی بندرگاہ مصوع (موجودہ اریٹریا میں واقع) پہنچا دیا اور فی کس نصف دینار کرایہ وصول کیا۔[1] مصوع سے مہاجرین اندرونِ ملک اکسوم چلے گئے۔

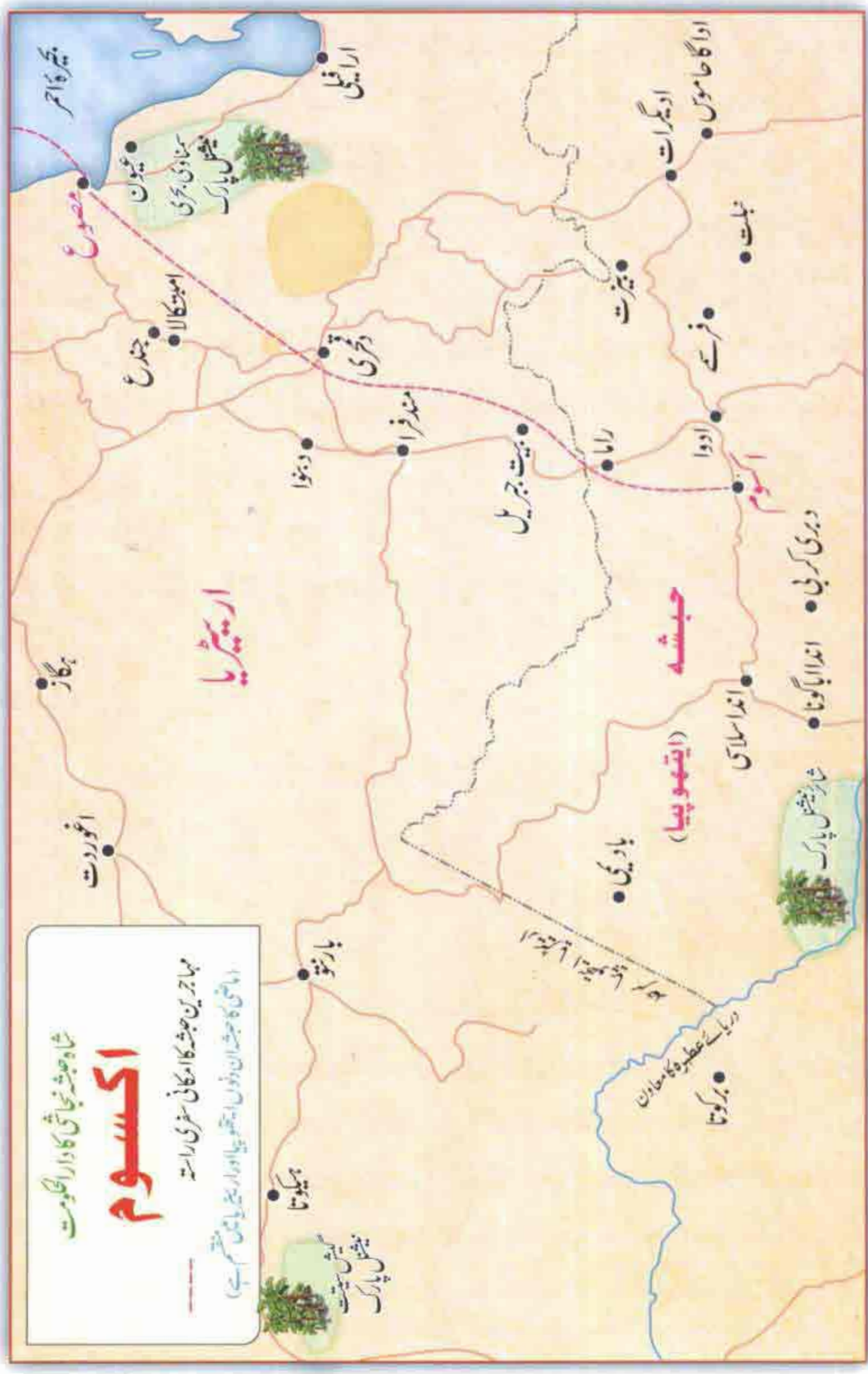
مشرکینِ مکہ کی طرف سے مہاجرین کا تعاقب

جب کفارِ قریش کو مذکورہ مسلمانوں کے نکلنے کا علم ہوا تو وہ فوراً ان کے تعاقب میں نکل پڑے۔ وہ ان کے نشانات قدم دیکھتے گئے اور آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ سمندر تک پہنچ گئے جہاں سے مسلمان کشتیوں میں سوار ہو کر حبشہ روانہ ہوئے

1 الطبقات لابن سعد: 204/1.

بندرگاہ مصوع (اریٹریا)




شاہ حبشہ نجاشی کا دارالحکومت
اکسوم
مہاجرین حبشہ کا امکانی سفری راستہ
اریٹیریا
حبشہ
(ایتھوپیا)
مصوع
اکسوم

تھے۔ مسلمان ان کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی روانہ ہو چکے تھے، اس لیے ایک مسلمان بھی قریش کے ہاتھ نہ آیا۔ اس طرح کفارِ قریش ناکام و نامراد لوٹ آئے۔[1]

مہاجرین کی حبشہ میں پُرسکون زندگی

مہاجرین حبشہ میں پُرسکون زندگی بسر کرنے لگے۔ انھیں اپنے دین کے بارے میں کسی طرح کا کوئی خوف اور خطرہ نہیں تھا۔ وہ آزادی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارتے تھے۔ انھیں کسی قسم کی کوئی ایذا نہیں پہنچی حتی کہ انھیں وہاں کوئی ایسی معمولی سی بات بھی نہیں سنائی دی جو انھیں ناگوار گزرتی۔[2]

دراصل اللہ تعالیٰ نے اپنے ان مومن بندوں سے جو اس کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں، یہی وعدہ کر رکھا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً﴾

''اور جو شخص اللہ کے راستے میں ہجرت کرے تو وہ زمین میں پناہ لینے کے لیے بہت جگہ اور فراوانی پائے گا۔''[3]

مشرکین نے بھی سجدہ کر دیا

مسلمانوں کے حبشہ ہجرت کر جانے کے کچھ عرصہ بعد رمضان کے مہینے میں مکہ میں مشرکین کے سجدہ کرنے کا واقعہ پیش آیا۔[4] ہوا یہ کہ نبیِ اکرم ﷺ نے لوگوں کے سامنے سورۂ نجم تلاوت فرمائی اور سجدہ کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ان تمام جنوں، انسانوں، مسلمانوں اور مشرکوں نے بھی سجدہ کیا جو وہاں موجود تھے، سوائے ایک بوڑھے شخص امیہ بن خلف کے، اس نے مٹھی بھر کنکریاں یا مٹی لی، اسے اپنی پیشانی کے قریب لے گیا اور کہنے لگا: بس میرے لیے یہی کافی ہے۔ اس کے بعد وہ غزوۂ بدر کے موقع پر کفر کی حالت میں مارا گیا۔[5]

کفار و مشرکین کے سجدہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ وہ نبیِ اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سورۂ نجم کی تلاوت سن کر اس قدر متاثر ہوئے کہ اس سورت کے جلال و جمال، مفہوم و معنی اور فصاحت و بلاغت نے انھیں دم بخود کر دیا۔ انھوں نے ایسا کلام کبھی سنا ہی نہیں تھا۔ توحید باری تعالیٰ کے دلائل اور سابقہ اقوام کی ہلاکت و بربادی کا تذکرہ سن کر ان پر دہشت طاری ہوگئی۔ خاص طور پر اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیات تو دل ہلا دیتی اور رونگٹے کھڑے کر دیتی

[1] الطبقات لابن سعد:1/204. [2] مسند أحمد:1/202,201. [3] النسآء 4:100. [4] الطبقات لابن سعد:1/206، فتح الباري: 8/782. [5] صحيح البخاري: 1067 و3972 و4862، صحيح مسلم: 576.

ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیات تلاوت فرمائیں اور اس آخری آیت پر پہنچے:

﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا۝﴾

''اب تم (باز آ جاؤ اور) اللہ کے لیے سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔'' [1]

تو کفار و مشرکین کلامِ ربانی کی زبردست تاثیر، رعنائی اور زیبائی کے آگے اس قدر عاجز، بے خود اور بے بس ہو گئے کہ بے اختیار اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

قصۂ غرانیق

مشرکین مکہ کے سجدہ کرنے کے بارے میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ نبیِ اکرم ﷺ نے مشرکین کے سامنے سورۂ نجم کی تلاوت شروع کی اور جب آپ ان آیات پر پہنچے:

﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى۝﴾

''تم مجھے لات اور عُزّٰی کی خبر دو اور تیسری ایک اور (دیوی) منات کی۔'' [2]

تو شیطان نے آپ کی زبان پر یہ کلمات بھی جاری کر دیے:

تِلْكَ الْغَرَانِيقُ الْعُلٰى وَإِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

''یہ بلند مرتبہ مورتیاں ہیں اور بلاشبہ ان کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔''

نبیِ اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے یہ کلمات سن کر مشرکین بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے: ''محمد (ﷺ) نے تو اس سے پہلے ہمارے معبودوں کا خیر کے ساتھ کبھی تذکرہ نہیں کیا۔'' نبی ﷺ نے جب یہ سورت مکمل کی اور سجدہ کیا تو مشرکین نے بھی آپ کے ساتھ سجدہ کر دیا۔ [3]

قصۂ غرانیق کی روایات کی استنادی حیثیت

قصۂ غرانیق کے متعلق مختلف روایات بیان ہوئی ہیں۔ ائمہ محدثین رحمہم اللہ نے اس قصے کی خوب تردید کی ہے۔ قرآن کریم کے دلائل سے اسے باطل ثابت کیا ہے اور اس قصے کی تمام روایات کو ضعیف اور باطل قرار دیا ہے۔ ہم ذیل میں ان تمام روایات کی استنادی حیثیت بیان کریں گے اور ہر روایت اور اس کی سند ذکر کرنے کے بجائے صرف اس مقام کا حوالہ دینے پر اکتفا کریں گے جہاں وہ روایت بیان ہوئی ہے:

---

[1] النجم 62:53. [2] النجم 20,19:53. [3] الطبقات لابن سعد: 205/1، تفسير الطبري، الحج 52:22، المعجم الكبير للطبراني: 53/12، حديث: 12450، دلائل النبوة للبيهقي: 287,286/2.

1 سعید بن جبیر کی روایت مرسل ہے۔[1]

یہ مسند بزار میں ان سے موصولاً بھی مروی ہے لیکن راوی کو اس کے موصول ہونے میں شک ہے۔[2] اسی طرح علامہ مقدسی نے بھی اسے بطریق ابن مردویہ موصولاً روایت کیا ہے۔[3] اس کی سند میں ابوبکر محمد بن علی المقرئ مجہول الحال ہے، لہٰذا سعید بن جبیر سے یہ روایت کسی بھی طرح موصولاً صحیح نہیں ہے۔

2 ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث کی روایت بطریق ابن شہاب مرسل ہے۔[4]

ابن ابی حاتم نے اسے ابن شہاب سے نقل کیا ہے اور ابوبکر بن عبدالرحمٰن کا تذکرہ نہیں کیا۔[5] یہ مرسل بلکہ معضل ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے اسے موسیٰ بن عقبہ سے نقل کیا ہے اور ابن شہاب کا تذکرہ نہیں کیا۔[6] یہ بھی معضل ہے۔

3 ابوالعالیہ کی روایت مرسل ہے۔[7]

4 محمد بن کعب قرظی اور محمد بن قیس کی روایت میں راوی ابومعشر ضعیف ہے۔[8]

امام ابن جریر نے ابن اسحاق کے طریق سے اکیلے محمد بن کعب قرظی سے بھی اسے روایت کیا ہے لیکن ابن اسحاق مدلس ہیں اور اسے انھوں نے عنعنہ سے بھی روایت کیا ہے۔

5 قتادہ کی روایت مرسل یا معضل ہے۔[9]

6 عروہ کی روایت مرسل ہے[10] اور اس کی سند میں ایک راوی ابن لہیعہ ضعیف ہے۔

7 ابوصالح کی روایت بطریق سدی مرسل ہے۔[11]

ابن ابی حاتم نے اسے سدی سے نقل کیا ہے اور ابوصالح کا تذکرہ نہیں کیا،[12] لہٰذا یہ معضل ہے۔ یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بطریق کلبی موصولاً بھی روایت کی گئی ہے لیکن کلبی کذاب ہے۔

8 ضحاک کی روایت ضعیف، منقطع اور مرسل ہے۔[13]

ضحاک بہت زیادہ مرسل روایتیں بیان کرتے ہیں حتی کہ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کا کسی ایک صحابی سے بھی سماع ثابت نہیں۔ اسی طرح اس کی سند میں ابومعاذ فضل بن خالد نحوی مجہول الحال ہے اور حسین متروک ہے۔ اس کے علاوہ امام طبری کے شیخ مجہول ہیں۔

[1] تفسير الطبري، الحج 52:22. [2] تفسير ابن كثير، الحج 52:22. [3] الأحاديث المختارة: 235,234/10. [4] تفسير الطبري، الحج 52:22. [5] تفسير ابن أبي حاتم، الحج 52:22. [6] دلائل النبوة للبيهقي: 2/285-287. [7] تفسير الطبري، الحج 52:22. [8] تفسير الطبري، الحج 52:22. [9] تفسير الطبري، الحج 52:22. [10] المعجم الكبير للطبراني: 9/21-24، حديث: 8316. [11] الدر المنثور، الحج 52:22. [12] تفسير ابن أبي حاتم، الحج 52:22. [13] تفسير الطبري، الحج 52:22.

9 محمد بن فضالہ ظفری اور مطلب بن عبداللہ بن حنطب کی روایت ضعیف جدًا ہے۔ [1]
اس میں محمد بن عمر واقدی متروک ہیں۔ انھوں نے اسے دو سندوں سے روایت کیا ہے۔ پہلی سند میں یونس بن محمد سے اور انھوں نے اپنے والد محمد بن فضالہ سے روایت کیا ہے، یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ دوسری سند میں کثیر بن زید سے روایت کیا ہے، یہ مختلف فیہ ہیں۔ اس کے علاوہ یہ روایت مرسل ہے۔ مطلب بن عبداللہ بن حنطب بہت تدلیس کرتے اور مرسل روایتیں بیان کرتے ہیں۔

10 ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت چار طرق سے مروی ہے۔ [2]
پہلے طریق میں کلبی ہے جو کذاب ہے۔ دوسرے میں ایک مجہول راوی ہے۔ تیسرے میں ابوبکر ہذلی ہے جو متروک ہے۔ چوتھے میں محمد بن سعد، ان کے والد سعد بن محمد، ان کے چچا حسین بن حسن، ان کے والد حسن بن عطیہ، ان کے والد عطیہ سب ضعیف ہیں۔

قصۂ غرانیق متن کے اعتبار سے باطل ہے

قصۂ غرانیق کے باطل ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کی روایات میں شدید اضطراب ہے اور اس میں ایسی باتیں ہیں جو مقامِ نبوت و رسالت کے لائق نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ نماز کی حالت میں تھے جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نماز سے باہر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ الفاظ بھول چوک سے آپ کی زبان سے نکل گئے تھے۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ کو اونگھ آئی تو شیطان نے آپ ﷺ کی زبان پر یہ کلمات ڈال دیے۔ تیسری روایت میں ہے کہ شیطان نے کفارِ قریش کو یہ معلوم کرایا کہ نبیِ اکرم ﷺ نے یہ کلمات پڑھے ہیں۔

ایک روایت میں ہے: ''نبیِ اکرم ﷺ اپنے پروردگار کی طرف سے جو کچھ لائے تھے، اہلِ ایمان اس کی تصدیق کرتے تھے۔ وہ آپ ﷺ پر کسی غلطی، وہم اور لغزش کا ہرگز کوئی شک نہیں کرتے تھے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان نے وہ کلمات سنے۔ انھیں بالکل یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ شیطان کے ڈالے ہوئے کلمات ہیں بلکہ انھوں نے یہ سمجھا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی وحی کا حصہ ہیں۔ اس کے بالکل برعکس ایک اور روایت میں ہے: ''مسلمانوں نے شیطان کے ڈالے ہوئے ان کلمات کو نہیں سنا۔''

اس قصے کی بعض روایات میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ تمنا کی کہ آپ پر وحی میں کوئی ایسی بات نازل نہ ہو

[1] الطبقات لابن سعد: 205/1. [2] الدر المنثور، الحج 52:22، تفسير الطبري، الحج 52:22.

جو مشرکین کے معبودوں کی مذمت کرے تا کہ وہ آپ سے دور نہ بھاگیں۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ معلوم نہ ہوا کہ یہ کلمات شیطان کی طرف سے ہیں یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام نے آ کر آپ ﷺ سے کہا: ''اللہ کی پناہ! میں تو یہ کلمات آپ کے پاس نہیں لایا، یہ تو شیطان کی طرف سے ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے اللہ پر افترا پردازی کی اور ایسی بات اللہ تعالیٰ کے ذمے لگائی جو اس نے نہیں کہی۔ میں نے شیطان کی بات مانی، وہ اللہ تعالیٰ کے امر میں میرے ساتھ شریک ہو گیا۔''

یہ سب ایسی باتیں ہیں جو سراسر قرآن مجید سے متصادم ہیں اور مقامِ نبوت و رسالت کے خلاف ہیں۔ اس قسم کی باتوں سے نبیِ اکرم ﷺ کو بری قرار دینا اور منزہ سمجھنا واجب ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس بات پر قطعی حجت قائم ہو چکی اور امت کا اجماع بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس جیسی گھٹیا خصلت سے محفوظ ہیں کہ آپ یہ تمنا کریں کہ آپ پر اس طرح کی کوئی چیز نازل ہو جس میں اللہ تعالیٰ کے سوا باطل معبودوں کی مدح ہو جبکہ یہ تمنا کرنا کفر ہے، یا شیطان آپ ﷺ پر مسلط ہو جائے اور آپ کے آگے قرآن مجید کو خلط ملط کر دے حتی کہ اس میں ایسی بات شامل کر دے جو اس میں سے نہیں یہاں تک کہ جبریل علیہ السلام آ کر آپ کو متنبہ کریں۔ یہ سب کچھ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ناممکن ہے، یا نبی ﷺ اپنے پاس سے جانے بوجھے یہ بات کہیں اور یہ کفر ہے، یا بھول کر کہیں، آپ ﷺ ان تمام چیزوں سے محفوظ ہیں۔

ہم واضح دلائل اور امت کے اجماع سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس بات سے محفوظ ہیں کہ آپ سے دل یا زبان سے، جان بوجھ کر یا بھول چوک کر کوئی کلمۂ کفر صادر ہو، یا فرشتہ جو وحی لے کر آپ کے پاس آئے، وہ شیطان کی ڈالی ہوئی بات کے ساتھ خلط ملط ہو جائے، یا شیطان کا آپ ﷺ پر کوئی زور ہو، یا جو بات آپ پر نازل نہ ہوئی ہو، آپ اسے جان بوجھ کر یا بھول کر اللہ تعالیٰ کے ذمے لگائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ○ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ○ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ○ ﴾

(الحآقة 69:44-46)

اور اگر یہ (محمد ﷺ) ہم پر کوئی بات گھڑ کر لگاتے تو یقیناً ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر البتہ ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔'' [1]

[1] الشفا للقاضي عياض: 2/753,752.

قصہ غرانیق کا قرآن مجید سے تصادم

قصہ غرانیق کے باطل ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ قرآن مجید سے متصادم ہے۔ قرآن مجید میں یہ وضاحت موجود ہے کہ شیطان کا اہل ایمان پر کوئی زور نہیں چلتا، نہ وہ ان پر غلبہ حاصل کر سکتا ہے، چہ جائیکہ انبیائے کرام علیہم السلام بالخصوص رسول اللہ ﷺ پر اس کا کوئی زور چلے، اللہ تعالیٰ نے شیطان سے یہ فرمایا تھا:

﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴾

''بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی زور نہیں، تیرا زور صرف ان گمراہوں پر چلے گا جنھوں نے تیری پیروی کی۔'' [1]

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ﴾

''بے شک ان لوگوں پر اس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا جو ایمان لائے اور وہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔'' [2]

اس کے علاوہ شیطان نے خود بھی بارگاہِ الٰہی میں اس بات کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قَالَ فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴾

''شیطان نے کہا: تیری عزت کی قسم! البتہ میں ان سب کو ضرور گمراہ کروں گا۔ سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص و برگزیدہ ہوں۔'' [3]

نبی اکرم ﷺ سے بڑھ کر صادق اور خالص و مخلص، مومن اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟ قرآن مجید نے اس چیز کی بھی خوب وضاحت کر دی ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ کر اللہ تعالیٰ کے ذمے نہیں لگا سکتے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِیْلِ ۙ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِیْنِ ۙ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِیْنَ ۖ فَمَا مِنْکُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِیْنَ ﴾

''اور اگر یہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لگاتے تو یقیناً ہم ان کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے، پھر ہم ان کی شہ رگ کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی ایک بھی (ہمیں) ان سے روکنے والا نہ ہوتا۔'' [4]

[1] الحجر 42:15. [2] النحل 99:16. [3] صٓ 83,82:38. [4] الحاقۃ 69:44-47.

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے۔ اس مقدس کتاب میں کوئی کمی کی جا سکتی ہے نہ زیادتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ۝﴾

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' [1]

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿لَا يَاۡتِيۡهِ الۡبَاطِلُ مِنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ وَلَا مِنۡ خَلۡفِهٖ‌ؕ تَنۡزِيۡلٌ مِّنۡ حَكِيۡمٍ حَمِيۡدٍ۝﴾

''باطل اس کے پاس پھٹک بھی نہیں سکتا اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ بڑی حکمت والی اور قابلِ تعریف ہستی کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔'' [2]

قصۂ غرانیق کی بعض روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ اسی بارے میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں:

﴿وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَفۡتِنُوۡنَكَ عَنِ الَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ لِتَفۡتَرِىَ عَلَيۡنَا غَيۡرَهٗ‌ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوۡكَ خَلِيۡلًا۝ وَلَوۡلَاۤ اَنۡ ثَبَّتۡنٰكَ لَقَدۡ كِدْتَّ تَرۡكَنُ اِلَيۡهِمۡ شَيۡـًٔـا قَلِيۡلًا۝﴾

''اور بلاشبہ قریب تھا کہ ہم نے آپ کی طرف جو وحی کی ہے، کافر آپ کو اس سے پھسلا دیتے تاکہ آپ ہم پر اس کے علاوہ کچھ اور گھڑ لیں اور تب وہ ضرور آپ کو اپنا دلی دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو بلاشبہ قریب تھا کہ آپ ان کی طرف تھوڑا سا جھک جاتے۔'' [3]

یہ دونوں آیتیں اس واقعے کی تردید کرتی ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ ذکر فرمایا ہے کہ قریب تھا کہ کفار و مشرکین رسول اللہ ﷺ کو پھسلا دیتے تاکہ آپ اپنے پاس سے کچھ گھڑ لیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہوا، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کچھ گھڑ لینے سے محفوظ اور ثابت قدم رکھا یہاں تک کہ آپ ﷺ ذرا بھی کفار و مشرکین کی طرف مائل نہیں ہوئے۔ قصۂ غرانیق میں ان آیات کے بالکل برعکس یہ بیان ہوا ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف ان کی طرف مائل ہوئے بلکہ آپ ﷺ نے الفاظ گھڑ کر ان کے باطل معبودوں کی مدح بھی کی، پھر فرمایا:

''میں نے اللہ پر افترا پردازی کی تھی، ایسی بات اللہ کے ذمے لگائی جو اس نے نہیں کہی۔'' [4]

قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تب بھی یہ آیات اسے ضعیف کر دیتیں، پھر یہ کیسے قابلِ قبول ہو سکتی ہے جبکہ یہ صحیح نہیں۔ [5]

[1] الحجر 9:15. [2] حمٓ السجدة 42:41. [3] بنيٓ إسرآءيل 74,73:17. [4] تفسير الطبري، الحج 52:22. [5] الشفا للقاضي عياض: 756/2.

زبان و بیان سے بھی قصۂ غرانیق کی تردید

سورۂ نجم کا سیاق و سباق خود اس من گھڑت قصے کی تردید کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں پہلے یہ خبر دی:

﴿ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوْحٰى ۝ ﴾

''اور وہ (محمد ﷺ اپنی) خواہش سے نہیں بولتے۔ وہ وحی ہی تو ہے جو (ان کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔'' [1]

اس کے بعد بتوں کی شدید مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى ۝ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرٰى ۝ أَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْأُنْثٰى ۝ تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۝ إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوْهَا أَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۚ إِنْ يَّتَّبِعُوْنَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ۝ ﴾

''تم مجھے لات اور عزیٰ کی خبر دو۔ اور تیسری ایک اور (دیوی) منات کی۔ کیا تمھارے لیے بیٹے ہیں اور اللہ کے لیے بیٹیاں۔ یہ تو پھر بڑی ہی بے انصافی کی تقسیم ہے۔ یہ تو محض چند نام ہی ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں، اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں کی، وہ لوگ تو گمان ہی کی پیروی کرتے ہیں اور اس چیز کی جو ان کے دل چاہتے ہیں، حالانکہ ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس یقیناً ہدایت آچکی ہے۔'' [2]

قصۂ غرانیق میں بیان ہوا ہے کہ یہ کلمات تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى ...... آیت انیس اور بیس کے بعد کہے گئے۔ اگر ہم غور کریں تو ہمیں ان کلمات کی ان آیات کے ساتھ کوئی مناسبت نظر نہیں آتی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ پہلے رسول اللہ ﷺ کی اپنی خواہش سے بات کرنے کی نفی کی گئی ہو، اس کے بعد بتوں کی مذمت ہو، پھر ان کی تعریف ہو، اس کے بعد پھر مذمت ہو؟ کوئی معمولی عقل و دانش رکھنے والا انسان بھی یہ اندازِ گفتگو اختیار نہیں کرتا چہ جائیکہ قرآن مجید میں ایسا کوئی تناقض ہو۔ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو کم از کم ماقبل اور مابعد کے ساتھ اس کی کچھ تو مناسبت ہوتی اور نظم میں خرابی اور کلام میں تناقض نہ ہوتا۔

محدثینِ عظام کی قصۂ غرانیق پر تنقید

امام بیہقی ؒ کہتے ہیں: یہ قصہ سنداً ثابت نہیں، پھر انھوں نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس قصے کے

[1] النجم 53:3،4۔ [2] النجم 53:19-23۔

راویوں پر طعن کیا گیا ہے۔ محمد بن اسحاق بن خزیمہ سے اس قصے کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ اسے زنادقہ نے گھڑا ہے۔ انھوں نے اس کے بارے میں ایک کتاب بھی تصنیف کی ہے۔ [1]

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی اسے موضوع قرار دیا ہے۔ [2]

ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس قصے کی تمام روایات باطل ہیں۔ ان کی کوئی اصل نہیں۔ [3]

امام ابن حزم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قصۂ غرانیق سفید جھوٹ اور موضوع (من گھڑت) ہے، اس لیے کہ اس کی کوئی صحیح سند نہیں۔ [4]

قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ صحت کا التزام کرنے والوں میں سے کسی نے اسے بیان نہیں کیا، نہ اسے کسی ثقہ راوی نے درست اور متصل سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اس اور اس جیسی احادیث میں وہی مفسرین اور مؤرخین دلچسپی رکھتے ہیں جو ہر عجیب وغریب روایت بیان کرنے کے شوقین ہیں اور کتابوں سے ہر صحیح وضعیف روایت فوراً نقل کر لیتے ہیں۔ [5]

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کی تمام سندیں مرسل ہیں۔ مجھے اس کی کوئی صحیح سند دکھائی نہیں دی۔ [6]

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ اس قصے میں سے کوئی چیز بھی صحیح نہیں اور یہ کسی بھی سند سے ثابت نہیں۔ اس کے صحیح نہ ہونے بلکہ باطل ہونے کے باوجود محققین نے کتاب اللہ کے ساتھ اس کا رد کیا ہے۔ مزید لکھتے ہیں کہ اس قصے کی تمام روایات مرسل ہیں یا منقطع، ان میں سے کسی روایت سے کوئی حجت قائم نہیں ہوتی۔ [7]

امام قرطبی، نواب صدیق حسن اور کئی دیگر ائمۂ کرام رحمہم اللہ نے بھی اس قصے کی تردید کی ہے۔ بعض لوگوں نے قصۂ غرانیق کی تاویل کر کے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امام قرطبی فرماتے ہیں کہ ضعیف حدیث کی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں۔ [8]

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ نے قصۂ غرانیق کے رد میں ایک کتاب نَصْبُ الْمَجَانِيقِ لِنَسْفِ قِصَّةِ الْغَرَانِيقِ کے عنوان سے تحریر کی ہے اور اس قصے کا ہر لحاظ سے رد کیا ہے اور ان لوگوں کا بھی تعاقب کیا ہے جنھوں نے تاویل کر کے اسے ثابت کرنا چاہا ہے۔ فَجَزَاهُ اللّٰهُ عَنَّا وَعَنِ الْمُسْلِمِينَ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ.

[1] التفسير الكبير للرازي، الحج 52:22. [2] التفسير الكبير للرازي، الحج 52:22. [3] أحكام القرآن لابن العربي، الحج 52:22. [4] الفصل في الملل والأهواء والنحل: 23/4. [5] الشفا للقاضي عياض: 750/2. [6] تفسير ابن كثير، الحج 52:22. [7] فتح القدير، الحج 52:22. [8] تفسير القرطبي، فتح البيان، الحج 52:22.

بہر حال محدثین کرام رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق یہ قصۂ غرانیق بالکل بے اصل اور من گھڑت ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن مفسرین نے اس کا تذکرہ کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی اسے مسند یا مرفوع بیان نہیں کیا، البتہ بزار کی روایت مرفوع ہے۔ لیکن وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس روایت کی کوئی ایسی سند معلوم نہیں جو صحیح ہو۔ اب رہ گئی یہ بات کہ مشرکین نے سجدہ کیوں کیا تھا تو جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ انھوں نے قرآن مجید کی عظمت، فصاحت و بلاغت، قوتِ اسلوب، عظمت آیات، حلاوت الفاظ اور جلالتِ شان سے مسحور ہو کر بے اختیار سجدہ کیا تھا، خصوصاً اس وقت قرآن مجید کی شدتِ تاثیر کا کیا عالم ہوگا جب خود سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تلاوت فرمائی!

مہاجرین حبشہ کی واپسی

مشرکین کے سجدہ کرنے کی وجہ سے جگہ جگہ یہ افواہ پھیل گئی کہ مشرکین نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ مہاجرین حبشہ نے جب یہ بات سُنی تو وہ کہنے لگے: اگر اہلِ مکہ ایمان لے آئے ہیں تو اب ہمیں بھی اپنے قبیلوں میں لوٹ جانا چاہیے، چنانچہ ان میں سے کچھ مہاجرین وہیں مقیم رہے اور باقی واپس آگئے۔ ان کی واپسی اسی سال شوال کے مہینے میں ہوئی۔ جب وہ اس قدر قریب آگئے کہ مکہ ایک دن کی مسافت سے بھی کم فاصلے پر رہ گیا تو انھیں پتہ چلا کہ یہ خبر تو جھوٹی ہے۔ کفار و مشرکین نے نہ صرف اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ تو مسلمانوں پر پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر ظلم ڈھا رہے ہیں اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گھناؤنی سازشیں کر رہے ہیں، اس لیے مہاجرین حبشہ میں سے جو بھی مکہ میں داخل ہوا، اس نے قریش کے کسی شخص کی پناہ لی یا وہ چھپ کر داخل ہوا۔[1]

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ابو احیحہ سعید بن عاص بن امیہ کی پناہ لے کر داخل ہوئے۔ ابو احیحہ کے منادی نے بانگ دہل یہ اعلان کیا: ''اے قریش کی جماعت! ابو احیحہ نے عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) کو پناہ دے دی ہے، لہٰذا تم ان

[1] السيرة لابن هشام: 364/1، الطبقات لابن سعد: 206/1، إمتاع الأسماع: 38,37/1.

ایتھوپیا (حبشہ) کا دارالحکومت ادیس ابابا

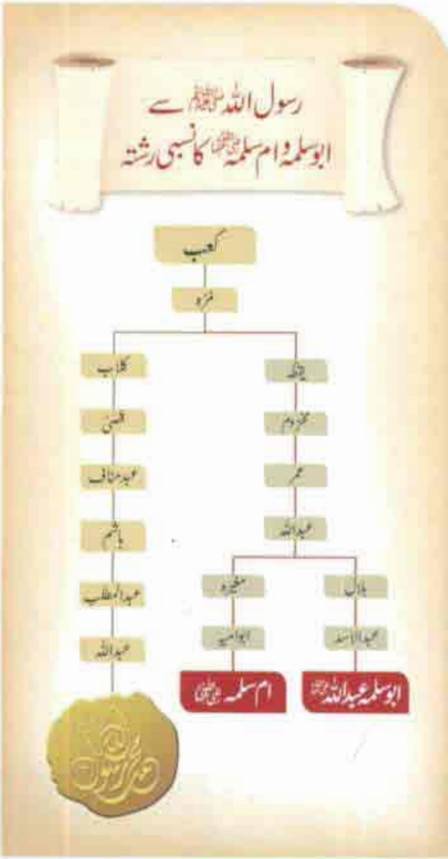




حرم مکہ کا فضائی منظر

کے لیے رکاوٹ نہ بنو۔“

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں امن سے رہنے لگے۔ وہ صبح و شام رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کرنے جایا کرتے تھے۔ ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ رضی اللہ عنہ امیہ کی پناہ میں، مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نضر بن حارث بن کلدہ یا اپنے بھائی ابوعزیز بن عمیر کی پناہ میں، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ زمعہ بن اسود کی پناہ میں، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اسود بن عبدیغوث کی پناہ میں، عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ ولید بن مغیرہ مخزومی کی پناہ میں، عامر بن ربیعہ عنزی رضی اللہ عنہ، جو خطاب بن نفیل کے حلیف تھے، عاص بن وائل سہمی کی پناہ میں داخل ہوئے اور ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی، جو نبی اکرم ﷺ کے پھوپھی زاد تھے، اپنے ماموں ابوطالب کی پناہ میں مکہ آئے۔[1]



ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ کی امان کا واقعہ

ابن اسحاق اپنے والد اسحاق بن یسار سے سلمہ بن عبداللہ بن عمر بن ابی سلمہ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ سلمہ بن عبداللہ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ابوطالب کی پناہ لی تو بنومخزوم کے کچھ لوگ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے: ابوطالب! تم نے ہم سے اپنے بھتیجے محمد (ﷺ) کو بچایا اور محفوظ رکھا۔ اب تمھیں ہمارے آدمی ابوسلمہ سے کیا سروکار؟ تم اسے پناہ دے کر ہم سے بچا رہے ہو؟ ان کی یہ بات سن کر ابوطالب نے کہا: بلاشبہ اس نے مجھ سے پناہ طلب کی ہے۔ وہ میرا بھانجا ہے۔ اگر میں اپنے بھانجے کی حفاظت نہ کروں تو اپنے بھتیجے کی بھی حفاظت نہیں کرسکوں گا۔

اس موقع پر ابولہب اُٹھ کھڑا ہوا اور ابوطالب کی حمایت کرتے ہوئے بولا: اے قریش کی جماعت! اللہ کی قسم! تم نے اس بوڑھے شخص (ابوطالب) کو بہت تکلیف پہنچائی ہے۔ یہ اپنی قوم کے لوگوں کو جو پناہ دیتے ہیں، تم اس سلسلے میں مسلسل دخل اندازی کر رہے ہو۔ اللہ کی قسم! تم اپنی

[1] السیرة لابن هشام :365/1، أنساب الأشراف :262,261/1، السیرة الحلبیة :12/2.

اس حرکت سے باز آجاؤ ورنہ ہم اس کے ہر کام میں اس وقت تک اس کا ساتھ دیتے رہیں گے جب تک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے۔ ابولہب کی یہ بات سن کر بنومخزوم کے لوگ کہنے لگے: اے ابوعتبہ! جو کام تمھیں پسند نہیں، ہم بھی اس کام سے دستبردار ہو جاتے ہیں۔ ابولہب رسول اللہ ﷺ کے خلاف قریش کا حامی و مددگار تھا۔ وہ لوگ اپنی اس مخالفت و دشمنی پر قائم رہے۔ ابوطالب نے جو اپنی حمایت میں ابولہب کی باتیں سنیں تو ان کے دل میں ابولہب کے بارے میں یہ امید پیدا ہوئی کہ شاید وہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں بھی ان کا ساتھ دے، انھوں نے ابولہب کو اپنی اور رسول اللہ ﷺ کی مدد کی ترغیب دینے کے لیے کچھ اشعار بھی کہے لیکن ابولہب اس پر آمادہ نہ ہوا۔[1]

[1] السيرة لابن هشام: 372,371/1.

دوسری ہجرتِ حبشہ

جب مسلمان کافروں کے اسلام قبول کرنے کی افواہ پھیلنے کی وجہ سے حبشہ سے واپس مکہ آئے تو کفار ومشرکین نے ان پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم وتشدد شروع کر دیا۔ مشرکینِ مکہ مسلمانوں کی پہلی ہجرتِ حبشہ کے موقع پر بچ نکلنے اور حبشہ میں امن وسکون سے رہنے پر پہلے ہی غصے سے بھرے بیٹھے تھے، اس لیے انھوں نے اپنی ایذا رسانیوں میں اس قدر اضافہ کر دیا کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا محال ہوگیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت مرحمت فرما دی۔ مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ایک بار پھر رسول اللہ ﷺ کی جدائی کا غم برداشت کرنا پڑا۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی اپنی اہلیۂ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دوسری بار حبشہ ہجرت کر رہے تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی:

''اللہ کے رسول! پہلی ہجرت کے بعد نجاشی کی طرف ہماری یہ دوسری ہجرت ہے اور آپ ہمارے ساتھ نہیں۔''

ان کی یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنْتُمْ مُهَاجِرُونَ إِلَى اللّٰهِ وَ إِلَيَّ، لَكُمْ هَاتَانِ الْهِجْرَتَانِ جَمِيعًا»

''تم اللہ کی طرف اور میری طرف ہجرت کرنے والے ہو۔ تمھارے لیے ان دونوں ہجرتوں کا اجر ہے۔''

اس پر عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ کے رسول! پھر ہمیں یہی بات کافی ہے۔

دوسری ہجرتِ حبشہ کے موقع پر قریش کی طرف سے مسلمان مہاجرین کو مکہ سے نکلنے میں پہلے سے کہیں زیادہ مشقت اٹھانی پڑی۔ قریش نے مسلمانوں پر ظلم وتشدد کی انتہا کر دی۔ [1] مشرکین کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ مسلمان مکہ سے نکل کر کسی اور جگہ امن وسکون سے رہیں، لہٰذا انھوں نے مسلمانوں کو روکنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ان کے تمام تر حربوں کے باوجود مسلمان نکلنے میں کامیاب ہوگئے اور کفار ومشرکین ہاتھ ملتے رہ گئے۔ یہ ہجرت بھی بعثت کے پانچویں سال ہی میں ہوئی۔ [2]

[1] الطبقات لابن سعد: 207/1. [2] تاریخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 191.

نجاشی کے نام رسول اللہ ﷺ کا مکتوب گرامی

اس دوسری ہجرتِ حبشہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشی کو ایک خط ارسال فرمایا۔ اس میں آپ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور مہاجرین کا خیال رکھنے کی تاکید فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ خط جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو دیا کہ وہ حبشہ پہنچ کر اسے نجاشی کے حوالے کر دیں۔ اس خط کا متن یہ ہے:

«بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ إِلَى النَّجَاشِيِّ الْأَصْحَمِ مَلِكِ الْحَبَشَةِ، سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَإِنِّي أَحْمَدُ إِلَيْكَ اللّٰهَ الْمَلِكَ الْقُدُّوسَ الْمُؤْمِنَ الْمُهَيْمِنَ، وَأَشْهَدُ أَنَّ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رُوحُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ الْبَتُولِ الطَّيِّبَةِ الْحَصِينَةِ، فَحَمَلَتْ بِعِيسَى، فَخَلَقَهُ مِنْ رُوحِهِ وَنَفْخِهِ كَمَا خَلَقَ آدَمَ بِيَدِهِ وَنَفْخِهِ، وَ إِنِّي أَدْعُوكَ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَالْمُوَالَاةِ عَلَى طَاعَتِهِ، وَ أَنْ تَتْبَعَنِي وَتُؤْمِنَ بِي وَ بِالَّذِي جَاءَنِي فَإِنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَقَدْ بَعَثْتُ إِلَيْكُمُ ابْنَ عَمِّي جَعْفَرًا وَ مَنْ مَعَهُ نَفَرٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، فَإِذَا جَاءَكَ فَأَقْرِهِمْ وَدَعِ التَّجَبُّرَ، فَإِنِّي أَدْعُوكَ وَجُنُودَكَ إِلَى اللّٰهِ، وَقَدْ بَلَّغْتُ وَنَصَحْتُ فَاقْبَلُوا نَصِيحَتِي، وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى»

''اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی جانب سے نجاشی اصحم (اصحمہ) شاہِ حبشہ کی طرف، تم پر سلامتی ہو۔ بلاشبہ میں تمھیں مخاطب کرتے ہوئے اللہ کی حمد کرتا ہوں جو (قادر مطلق) بادشاہ، نہایت پاک، امن دینے والا اور نگہبان ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم اللہ کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے کنواری، پاکیزہ اور پاک دامن مریم کی طرف ڈالا اور انھیں عیسیٰ (علیہ السلام)



شاہِ حبشہ نجاشی کے نام مکتوب نبوی

کا حمل ٹھہر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنی طرف سے روح پھونک کر انھیں پیدا فرمایا جس طرح اس نے آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا تھا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی تھی۔ بلاشبہ میں تمھیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور تمھیں اسی کی اطاعت کی بنیاد پر دوستی کی دعوت دیتا ہوں۔ میں تمھیں دعوت دیتا ہوں کہ میری پیروی کرو، مجھ پر اور جو کچھ میرے پاس آیا ہے، اس پر ایمان لاؤ۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں نے اپنے چچازاد جعفر اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک جماعت تمھاری طرف روانہ کی ہے۔ جب وہ تمھارے پاس پہنچ جائیں تو انھیں اپنے ہاں ٹھہرانا اور تکبر چھوڑ دو۔ بلاشبہ میں تمھیں اور تمھارے لشکر کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے (تمھیں) تبلیغ اور نصیحت کر دی۔ میری نصیحت قبول کرو۔ سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔''[1]

خط کا متن دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اس وقت ارسال فرمایا تھا جب دوسری ہجرتِ حبشہ عمل میں آئی جیسا کہ مکتوب گرامی سے ظاہر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو تاکید فرمائی کہ وہ مسلمانوں کو اپنے ملک میں ٹھہرائے اور ان کا خیال رکھے۔ دلائل النبوۃ بیہقی میں عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کے خط لے جانے کا ذکر ہے لیکن واضح رہے کہ وہ غزوۂ احد کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری کے آخر میں ام المؤمنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے نکاح اور مہاجرین کی واپسی کے سلسلے میں اصحمہ نجاشی کی طرف روانہ فرمایا تھا۔[2]

مہاجرینِ ہجرتِ حبشہ ثانی کے اسمائے گرامی

اس مرتبہ بیاسی مرد اور انیس عورتوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان میں سے بعض مہاجرین کے ساتھ ان کی اولاد بھی تھی۔ اگر عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو بھی ہجرت کرنے والوں میں شمار کیا جائے تو مردوں کی تعداد تراسی (83) بنتی ہے۔[3] امام ابن عبدالبر اور بلاذری رحمہما اللہ نے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی ہجرت کا ذکر کیا ہے[4] لیکن امام سہیلی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ واقدی اور ابن عقبہ وغیرہ کے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ وہ ہجرت کرنے والوں میں شامل نہیں تھے۔[5]

دوسری ہجرتِ حبشہ کے مہاجرین کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

[1] زادالمعاد :3/689,688، دلائل النبوۃ للبیہقي :2/309، واللفظ لہ. [2] أسد الغابة :3/351-352، الإصابة :4/496. مزید دیکھیے: البدایة والنھایة :3/81,80، عالمیة الإسلام، ص :107,106، الرحیق المختوم، ص :350-352. [3] السیرۃ لابن ھشام :1/330، سیرۃ خیر العباد لابن القیم، ص :36. [4] الاستیعاب، ص :547-549، أنساب الأشراف :1/242.
[5] الروض الأنف :2/99.

- جعفر بن ابی طالب اور ان کی اہلیہ محترمہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سیدنا جعفر بن ابی طالب کا تعلق بنو ہاشم سے تھا۔
- سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور ان کی زوجۂ محترمہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت عثمان کا تعلق بنو امیہ بن عبدشمس سے تھا۔ سیدنا عمرو بن سعید بن عاص اور ان کی اہلیہ محترمہ فاطمہ بنت صفوان۔ عمرو کے بھائی خالد بن سعید بن عاص اور ان کی اہلیہ محترمہ امینہ بنت خلف رضی اللہ عنہم۔ انھیں ہمینہ بھی کہا جاتا تھا۔
- عبداللہ بن جحش، ان کے بھائی عبیداللہ بن جحش اور ان کی اہلیہ محترمہ ام حبیبہ رملہ بنت ابی سفیان، قیس بن عبداللہ، ان کی اہلیہ محترمہ برکہ بنت یسار اور مُعَیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو اسد بن خزیمہ سے تھا۔
- ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ اور ان کی اہلیہ محترمہ سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہم۔ ابو حذیفہ کا تعلق بنو عبد شمس سے تھا۔
- عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ۔ یہ بنو مازن بن منصور میں سے تھے اور بنو نوفل کے حلیف تھے۔
- زبیر بن عوام، اسود بن نوفل، یزید بن زمعہ اور عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو اسد بن عبدالعزّٰی سے تھا۔
- طلیب بن عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ ان کا تعلق بنو عبد بن قصی سے تھا۔
- سیدنا مصعب بن عمیر بن ہاشم، سُوَیبط بن سعد، جہم بن قیس مع اہلیہ محترمہ ام حرملہ بنت عبدالاسود، ابوالروم بن عمیر بن ہاشم اور فراس بن نضر رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو عبدالدار بن قصی سے تھا۔



- عبدالرحمٰن بن عوف، عامر بن ابی وقاص، مُطّلِب بن ازہر مع اہلیہ رَملَہ بنت ابی عوف، مطلب کے بھائی سیدنا طلیب بن ازہر اور عبداللہ بن شہاب رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنو زہرہ بن کلاب سے تھا۔[1]
- سیدنا عبداللہ بن مسعود اور ان کے بھائی عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہما ان کا تعلق بنو ہذیل سے تھا۔
- سیدنا مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ، یہ بنو زہرہ کے حلیف تھے اور ان کا تعلق بنو قُضاعہ سے تھا۔
- سیدنا حارث بن خالد مع اہلیہ سیدہ ریطہ بنت حارث اور عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہم، ان کا تعلق بنو تیم سے تھا۔
- ابو سلمہ بن عبدالاسد مع زوجۂ محترمہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، شماس بن عثمان

[1] السیرۃ لابن ہشام:1/324، الجمہرۃ لابن الکلبي، ص:79,78، أنساب الأشراف:1/225، 226 و 233۔

مع اہلیہ محترمہ ام حبیب بنت سعید، ہبار بن سفیان اور ان کے بھائی عبداللہ بن سفیان، سیدنا ہشام بن ابی حذیفہ، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ابی ربیعہ اور ان کے حلیف مُعَتِّب بن عوف رضی اللہ عنہم ۔ یہ بنوخزاعہ میں سے تھے۔

- عثمان بن مظعون، ان کے بھائی قدامہ بن مظعون اور عبداللہ بن مظعون، حاطب بن حارث مع اہلیہ محترمہ فاطمہ بنت مجلّل، حاطب کے بھائی حطاب بن حارث مع اہلیہ محترمہ فُکَیہہ بنت یسار، سفیان بن معمر مع اہلیہ محترمہ حسنہ اور عثمان بن ربیعہ رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنوجمح سے تھا۔
- خنیس بن حذافہ، ان کے بھائی قیس بن حذافہ اور عبداللہ بن حذافہ۔ ابوقیس بن حارث، ان کے بھائی عبداللہ بن حارث، حارث بن حارث، معمر بن حارث، بِشر بن حارث، سعید بن حارث، سائب بن حارث اور ان کے علاتی بھائی سعید بن عمرو، ہشام بن عاص، عمیر بن رئاب اور ان کے حلیف مَحمِیہ بن جزء رضی اللہ عنہم ۔ یہ بنوزبید سے تھے۔
- معمر بن عبداللہ بن نضلہ، عروہ بن عبدالعزیٰ، عدی بن نضلہ اور عامر بن ربیعہ یہ بنوعدی سے تھے اور یہ آل خطاب، جو عنز بن وائل سے تھے، کے حلیف تھے۔ ان کے ساتھ ان کی اہلیہ محترمہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ بھی تھیں رضی اللہ عنہم ۔
- ابوسبرہ بن ابی رہم مع اہلیہ محترمہ ام کلثوم بنت سہیل۔ عبداللہ بن مخرمہ، عبداللہ بن سہیل، سَلِیط بن عمرو، ان کے بھائی حاطب بن عمرو اور سکران بن عمرو مع اہلیہ محترمہ سودہ بنت زمعہ، مالک بن زمعہ مع اہلیہ محترمہ عمرہ بنت سعدیؓ بن وقدان رضی اللہ عنہم یہ بنوعامر سے تھے۔ بنوعامر کے حلیف سعد بن خولہ رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ تھے۔ ان کا تعلق یمن سے تھا۔
- ابوعبیدہ بن جراح، سہیل بن بیضاء، عمرو بن ابی سرح، عیاض بن زہیر، عمرو بن حارث، عثمان بن عبدغنم، سعد بن عبدقیس اور حارث بن عبدقیس رضی اللہ عنہم ان کا تعلق بنوحارث بن فہر سے تھا۔ [1]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہجرت

امام محمد بن اسحاق رحمہ اللہ نے دوسری ہجرتِ حبشہ میں ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ [2] لیکن محمد بن عمر واقدی وغیرہ نے اسے تسلیم نہیں کیا۔ [3] تاہم سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بارے میں صحیح بات وہی ہے جو خود انھوں نے بیان فرمائی ہے کہ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مدینہ ہجرت کرنے کی اطلاع ملی، اُس وقت ہم یمن میں تھے۔ میں اپنے دو بڑے بھائیوں ابوبُردہ اور ابورُہم سمیت اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ نکل پڑا۔ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر کے جا رہے تھے، ہم کشتی میں سوار ہوئے تو تیز ہوا کی وجہ سے ہماری کشتی بہک

[1] السيرة لابن هشام:1/323-330، أنساب الأشراف:1/225-261، المنتظم لابن الجوزي:2/375-377. [2] السيرة لابن هشام:1/324. [3] أنساب الأشراف :1/229، سيرة خير العباد لابن القيم، ص: 38.

کر نجاشی کے ملک حبشہ جا پہنچی، وہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ہوئی (جو مکہ سے ہجرت کر کے وہاں آئے ہوئے تھے)۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے ہم سے کہا: بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور یہاں رہنے کا حکم دیا ہے، تم بھی ہمارے ساتھ رہو، چنانچہ ہم انھی کے ساتھ ٹھہر گئے یہاں تک کہ وہ موقع آ گیا کہ ہم سب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری ملاقات اس وقت ہوئی جب آپ خیبر فتح کر چکے تھے۔[1]

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں سمیت ناسازگار تیز ہوا کے باعث غیر ارادی طور پر مکہ کے بجائے یمن سے حبشہ جا پہنچے ورنہ ان کا ارادہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ جانے کا تھا۔ اس سے پہلے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ یمن سے مکہ آ کر اسلام قبول کر چکے تھے اور واپس یمن روانہ ہو گئے تھے۔[2]

ہجرتِ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ابن دغنہ کی امان اور برک الغماد سے واپسی

مسلمانوں پر مشرکینِ مکہ کے ظلم و تشدد میں کمی آنے کے بجائے دن بدن اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ کفار و مشرکین نے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو اذیت رسانی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں شدائد و مصائب کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ ان حالات میں دوسرے مسلمانوں کی طرح سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہجرت کی اجازت طلب کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] صحيح البخاري: 3136. [2] دیکھیے: فتح الباري: 238,237/7، الدرر في اختصار المغازي والسير، ص: 37.

برک الغماد (عسیر، سعودی عرب) میں قدیم مسجد ابوبکر کے آثار



انھیں اجازت مرحمت فرما دی۔[1]

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسری ہجرتِ حبشہ کے موقع پر اپنے ماموں زاد حارث بن خالد کے ساتھ ہجرت کے لیے مکہ سے نکل پڑے۔[2] جب بِرْكُ الْغِمَاد (موجودہ اَلْبِرْك) پہنچے، جو مکہ سے یمن کی طرف تقریباً 600 میل دُور ساحل پر واقع ہے،[3] تو وہاں ابن دغنہ سے ملاقات ہوئی۔ وہ بنو قارہ کا سردار تھا، یہ قبیلہ قریش کے ایک خاندان بنوزہرہ کا حلیف تھا۔[4] ابن دغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ کہاں جا رہے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: مجھے میری قوم نے نکال دیا ہے۔ اب چاہتا ہوں کہ سیاحت کروں اور اپنے رب کی عبادت کروں۔

یہ بات سن کر ابن دغنہ بولا:

فَإِنَّ مِثْلَكَ يَا أَبَابَكْرٍ! لَا يَخْرُجُ وَلَا يُخْرَجُ، إِنَّكَ تَكْسِبُ الْمَعْدُومَ، وَتَصِلُ الرَّحِمَ، وَتَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَ تُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ، فَأَنَا لَكَ جَارٌ، اِرْجِعْ وَاعْبُدْ رَبَّكَ بِبَلَدِكَ.

”اے ابوبکر! بلاشبہ آپ جیسا انسان (اہل مکہ کے ظلم وستم سے عاجز آ کر) خود نکل سکتا ہے نہ اسے نکالا جا سکتا ہے۔ آپ تو فقیروں اور محتاجوں کو کما کر دیتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں، مجبوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، مہمانوں کی میزبانی کرتے ہیں اور راہِ حق میں پیش آنے والی مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ میں آپ کو امان دیتا ہوں۔ آئیے! واپس چلیے اور اپنے شہر میں رہ کر اپنے رب (اللہ تبارک وتعالیٰ) کی عبادت کیجیے۔“[5]

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ سے کہا: ”میرے ساتھ مکہ سے نکلنے والا میرے خاندان کا ایک اور شخص بھی ہے۔“ آپ کی مراد آپ کے ماموں زاد سیدنا حارث بن خالد رضی اللہ عنہ تھے۔

ابن دغنہ کہنے لگا: انھیں رہنے دیں۔ یہ اپنی راہ لیں۔ آپ اپنے اہل و عیال کی طرف واپس چلیں۔ حارث بن خالد رضی اللہ عنہ یہ گفتگو سن رہے تھے۔ انھوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ کو اجازت ہے۔ آپ بخوشی واپس چلے جائیں۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی راہ لوں گا۔

حارث بن خالد رضی اللہ عنہ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے اور سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ابن دغنہ کی ترغیب پر اس کی معیت

[1] السيرة لابن هشام: 372/1. [2] أنساب الأشراف: 235,234/1. [3] فتح الباري: 289/7، معجم المعالم الجغرافية في السيرة النبوية، ص: 42. [4] فتح الباري: 290/7. [5] صحيح البخاري: 3905.

میں واپس مکہ آ گئے۔ [1] ابن دغنہ شام کے وقت قریش کے سرداروں کے پاس گیا اور اُن سے کہا:

''بے شک ابوبکر جیسا شخص خود نکل سکتا ہے نہ اسے نکالا جا سکتا ہے۔ کیا تم ایسے شخص کو نکال رہے ہو جو فقیروں اور محتاجوں کو کما کر دیتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، مجبوروں کا بوجھ اٹھاتا ہے، مہمانوں کی میزبانی کرتا ہے اور حق کی راہ میں پیش آنے والی مصیبتوں میں لوگوں کی مدد کرتا ہے۔ میں نے ابن ابی قحافہ کو پناہ دے دی ہے۔ اب تم میں سے ہر شخص ان کے ساتھ بھلائی سے پیش آئے اور انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچائے۔''

قریش کے سرداروں نے ابن دغنہ کی پناہ کا انکار تو نہ کیا، البتہ انھوں نے کہا: ابوبکر سے کہہ دو کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر ہی میں کیا کریں، وہیں نماز ادا کریں اور جو چاہیں پڑھیں، ان چیزوں سے وہ ہمیں تکلیف دیں نہ ان کا اظہار و اعلان کریں۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ ہماری عورتوں اور بیٹوں کو فتنے میں مبتلا کر دیں گے۔ ابن دغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قریش کی ان باتوں سے آگاہ کر دیا۔



ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حبشہ روانگی اور برک الغماد سے واپسی

[1] أنساب الأشراف :236,235/1.

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ابن دغنہ کی پناہ ترک کر دی

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کچھ عرصہ قریش کی مذکورہ شرائط پر عمل پیرا رہے۔ وہ اپنے گھر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرتے، اپنی نماز ظاہر نہ کرتے، گھر کے اندر ہی قرآن مجید کی تلاوت کرتے، پھر اچانک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذہن میں ایک بات آئی جس کے مطابق عمل کرتے ہوئے انھوں نے اپنے گھر کے آگے ایک مسجد بنالی، وہ اس مسجد میں نماز پڑھنے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں مشرکین کی عورتوں اور بچوں کا ہجوم ہونے لگا۔ وہ سب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھتے اور تعجب کرتے۔ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بے حد نرم دل اور انتہائی گریہ وزاری کرنے والے تھے۔ وہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے تو بے قابو ہو جاتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی تھی۔

مشرکینِ قریش کے سرداروں پر اس صورتِ حال سے گھبراہٹ طاری ہوگئی، انھوں نے ابن دغنہ کو بلا بھیجا۔ وہ آگیا تو انھوں نے کہا: ہم نے ابوبکر کے لیے تمھاری پناہ اس شرط پر منظور کی تھی کہ وہ اپنے گھر میں محدود رہ کر اپنے رب کی عبادت کریں گے لیکن وہ اس سے تجاوز کر گئے ہیں، انھوں نے اپنے گھر کے آگے مسجد بنالی ہے۔ یہاں وہ علانیہ نماز پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے ہیں۔ ہمیں یہ خوف لاحق ہوگیا ہے کہ وہ ہماری عورتوں اور بچوں کو فتنے میں مبتلا کر دیں گے، تم انھیں روکو۔ اگر وہ یہ پسند کریں کہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر ہی میں محدود رہ کر کریں گے تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ یہ شرط تسلیم نہ کریں اور علانیہ عبادت پر اصرار کریں تو انھیں کہہ دو کہ وہ تمھاری امان واپس کر دیں۔ ہمیں پسند نہیں کہ ہم تمھارے ساتھ عہد شکنی کریں۔ ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ ہمیں ابوبکر کا علانیہ عبادت کرنا کسی صورت قبول نہیں۔

قریش کے سرداروں کی یہ باتیں سن کر ابن دغنہ سیدھا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا: جس شرط پر میں نے آپ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، وہ آپ کو معلوم ہے، یا تو آپ اس شرط پر قائم رہیں یا میری پناہ واپس کر دیں۔ میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ عرب کے لوگ یہ سنیں کہ میرے ساتھ ایک ایسے شخص کے معاملے میں عہد شکنی کی گئی ہے جسے میں نے پناہ دی تھی۔ ابن دغنہ کی بات سن کر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جرأتِ ایمانی سے کہا:

فَإِنِّي أَرُدُّ إِلَيْكَ جِوَارَكَ، وَ أَرْضٰى بِجِوَارِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

"بلاشبہ میں تجھے تیری پناہ واپس کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی پناہ پر راضی ہوں۔"[1]

[1] صحيح البخاري: 3905، السيرة لابن هشام: 374,373/1.

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک احمق کی بدسلوکی

ابن دغنہ کی پناہ ترک کرنے کے بعد ایک مرتبہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیت اللہ کی طرف متوجہ تھے کہ قریش کے بیوقوفوں میں سے ایک احمق نے ان کے سر پر مٹی ڈال دی۔ اسی لمحے ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: یہ بیوقوف جو کچھ کر رہا ہے، کیا تم اسے نہیں دیکھ رہے؟ وہ کہنے لگا: آپ نے اپنے لیے یہ مصیبت خود ہی مول لی ہے۔ اس کی یہ بات سن کر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور کہنے لگے:

أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ، أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ، أَيْ رَبِّ! مَا أَحْلَمَكَ.

''میرے پروردگار! تو کس قدر بردبار ہے۔ میرے پروردگار! تو کس قدر بردبار ہے۔ میرے پروردگار! تو کس قدر بردبار ہے۔''[1]

مہاجرینِ حبشہ کے خلاف قریش کی سازش

کفارِ قریش نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان اپنی جان اور دین بچا کر حبشہ ہجرت کر گئے ہیں، وہاں امن و سکون سے رہ رہے ہیں اور انھیں بہترین ٹھکانا میسر آ گیا ہے تو وہ طیش میں آ گئے۔ انھیں یہ ہرگز گوارا نہ تھا کہ مسلمانوں کو کوئی جائے پناہ میسر آ جائے اور وہ وہاں امن و امان سے رہیں۔ انھیں مسلمانوں کے مضبوط و مستحکم ہونے اور ان کی دعوت کے ہر طرف پھیل جانے کا بڑا خطرہ محسوس ہو رہا تھا، لہٰذا وہ بڑے مضطرب ہو کر پیچ و تاب کھانے لگے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے یہ منصوبہ بنایا کہ ہم اپنے دو مضبوط افراد کو سفیر بنا کر اور بہترین تحائف دے کر شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجیں تاکہ یہ وہاں جا کر ہر ممکن کوشش کریں کہ نجاشی مسلمانوں کو حبشہ سے نکال کر واپس مکہ بھیج دے۔

مکہ سے جو بہترین چیز نجاشی کے پاس جاتی تھی، وہ چمڑا تھا، لہٰذا کفارِ قریش نے نجاشی کے لیے بڑی مقدار میں چمڑا جمع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے بڑے بڑے پادریوں کے لیے بھی تحفے تیار کیے۔ اس مہم کے لیے اُنھوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ بن مغیرہ مخزومی اور عمرو بن عاص بن وائل سہمی کا انتخاب کیا۔ انھوں نے تمام تحفے ان کے حوالے کیے اور کہا:

''نجاشی سے مسلمانوں کے بارے میں بات چیت کرنے سے پہلے ہر بڑے پادری کو تحفہ پیش کرنا۔ اس کے بعد نجاشی کی خدمت میں تحائف پیش کرنا، پھر اس سے درخواست کرنا کہ وہ مسلمانوں سے کوئی بات چیت

[1] السیرۃ لابن ہشام: 374/1، سبل الهدیٰ والرشاد: 411/2.

کیے بغیر انھیں تمھارے حوالے کر دے۔‘‘

کفار و مشرکین کے اس طریق کار کا مقصد یہ تھا کہ پہلے تمام پادریوں کی پرزور حمایت و تائید حاصل کی جائے اور انھیں اپنا ہم خیال بنایا جائے، پھر ان کے ذریعے سے بادشاہ کو قائل کیا جائے۔[1]

کفارِ مکہ کی طرف سے مسلمانوں کا تعاقب یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں کر دیتا ہے کہ ان کے اور مسلمانوں کے مابین کوئی شخصی دشمنی نہیں تھی بلکہ دینی عداوت تھی۔ اگر یہ شخصی عداوت ہوتی تو کفار تو مسلمانوں کے مکہ سے چلے جانے پر بہت ہی خوش ہوتے اور ان کا ہرگز تعاقب نہ کرتے۔ دینی عداوت ہونے کی وجہ سے کافر چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو کہیں بھی چین میسر نہ آئے تاکہ ان کا دین پھیلنے نہ پائے۔ یہ ان کی اسلام دشمنی ہی تھی جو حبشہ تک مسلمانوں کا پیچھا کرتی چلی گئی۔

ابوطالب کو جب مشرکین مکہ کی اس گھناؤنی سازش کا علم ہوا تو انھوں نے نجاشی کے لیے کچھ اشعار کہے اور ان اشعار میں اسے مسلمانوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی نصرت و حمایت کرنے کی ترغیب دی۔[2]

سفیرانِ قریش حبشہ میں

کفارِ قریش کے یہ دونوں سفیر عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص اپنی مہم پر روانہ ہو کر اکسوم (حبشہ) پہنچ گئے۔ انھوں نے اپنے منصوبے کے مطابق شاہِ حبشہ نجاشی سے گفتگو کرنے سے پہلے اس کے ہر پادری کو تحفہ پیش کیا اور کہا:

’’ہم میں کچھ بیوقوف نوجوان تھے، وہ ہمارے ہاں سے نکل کر آپ کے وطن میں آ گئے ہیں۔ انھوں نے اپنی قوم کے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے اور یہ لوگ تمھارے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے۔ یہ ایک نیا دین لے کر آئے ہیں جس سے ہم واقف ہیں نہ تم۔ ہمیں ان کی قوم کے سرداروں نے ان کے بارے میں بات چیت کے لیے بادشاہ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ ہم ان کی بازیابی کے بعد انھیں ان کی قوم کے سرداروں کے حوالے کر دیں۔ پس جب ہم بادشاہ سے ان کے بارے میں بات چیت کریں تو تم بادشاہ کو مشورہ دینا کہ وہ انھیں ہمارے حوالے کر دے اور ان سے کوئی گفتگو نہ کرے۔ بے شک ان کی قوم ان پر خوب نظر رکھے ہوئے ہے اور ان کے عیب اچھی طرح جانتی ہے۔‘‘

ان کی بات سن کر تمام پادریوں نے انھیں مکمل تعاون کا یقین دلایا اور کہا کہ جو کچھ تم لوگوں نے کہا ہے، ہم تمھاری تائید کرتے ہوئے ایسا ہی کریں گے۔

[1] مسند أحمد: 1/201-203. [2] السيرة لابن هشام: 1/333،334.

سفیرانِ قریش دربار نجاشی میں

قریش کے دونوں سفیر پادریوں سے معاملہ طے کر کے نجاشی کے دربار میں حاضر ہوئے، انھوں نے اسے قیمتی تحائف پیش کیے، نجاشی نے یہ تحائف قبول کر لیے۔ بعدازاں انھوں نے نجاشی سے کہا:

''اے بادشاہ! ہمارے کچھ بیوقوف نوجوان ہیں، وہ فرار ہو کر آپ کے ملک میں آپہنچے ہیں، انھوں نے اپنی قوم کے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ انھوں نے آپ کا دین بھی قبول نہیں کیا۔ وہ ایسا نرالا دین لے کر آئے ہیں جسے ہم پہچانتے ہیں نہ آپ۔ ہمیں ان کی قوم کے سرداروں نے، جو ان کے باپ، چچا اور قریبی رشتہ دار ہیں، ان کے بارے میں بات چیت کے لیے آپ کے پاس بھیجا ہے تا کہ آپ ان نوجوانوں کو پکڑ کر ان کے پاس واپس بھیج دیں۔ وہ ان پر کڑی نظر رکھے ہوئے ہیں اور ان کے عیبوں کو خوب جانتے ہیں۔ انھوں نے اسی وجہ سے انھیں سرزنش بھی کی ہے۔''

قریش کے سفیروں کو یہ بات ہرگز گوارا نہ تھی کہ نجاشی مسلمانوں کا موقف بھی سنے۔ وہ چاہتے تھے کہ نجاشی مسلمانوں سے پوچھ گچھ کیے بغیر ان کا موقف معلوم کرنے سے پہلے ہی انھیں ہمارے حوالے کر دے کیونکہ انھیں شدید خطرہ تھا کہ اگر نجاشی نے مسلمانوں سے بات چیت کی اور ان کا موقف معلوم کر لیا تو شاید وہ ان سے متاثر ہو جائے اور انھیں ہمارے حوالے نہ کرے اور یوں ہمارا سارا منصوبہ ناکام ہو جائے۔

جب دونوں سفیر اپنی گزارشات کے بعد اپنی آمد کا مقصد بیان کر چکے تو طے شدہ منصوبے کے مطابق نجاشی کے اردگرد موجود پادریوں نے ان کی تائید کرتے ہوئے کہا: اے بادشاہ! انھوں نے سچ کہا ہے۔ ان کی قوم ان (مسلمانوں) پر خوب نظر رکھے ہوئے ہے اور ان کے عیبوں کو اچھی طرح جانتی ہے۔ اُن لوگوں کو ان دونوں سفیروں کے سپرد کر دیجیے تا کہ وہ انھیں اپنے وطن اور قوم کی طرف واپس لے جائیں۔

پادریوں کی یہ بات سن کر نجاشی غضبناک ہو گیا، اس نے صاف کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اللہ کی قسم! میں ان لوگوں کو ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھے ایسے لوگوں کے بارے میں کوئی فریب نہیں دیا جا سکتا جنھوں نے میری ہمسائیگی اختیار کی ہے، جو میرے ملک میں آئے اور جنھوں نے مجھے دوسروں پر ترجیح دی۔ میں انھیں بلاؤں گا اور ان دونوں سفیروں نے ان کے بارے میں جو کچھ کہا ہے، اُس کے بارے میں ان سے پوچھ گچھ کروں گا۔ اگر وہ ایسے ہی نکلے جیسا کہ ان سفیروں نے بتایا ہے، تب میں انھیں ان کے سپرد کر دوں گا اور ان کی قوم کی طرف واپس بھیج دوں گا لیکن اگر وہ ایسے ثابت نہ ہوئے تو میں انھیں ان کے حوالے نہیں کروں گا اور جب تک وہ میری

ہمسائیگی میں رہیں گے، میں ان سے حسن سلوک کرتا رہوں گا۔

مہاجرین کی طلبی

نجاشی نے اپنا قاصد روانہ کیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بُلا بھیجا۔ جب قاصد ان کے پاس پہنچا اور انھیں بادشاہ کا پیغام دیا تو وہ سب اکٹھے ہوگئے۔ بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: ''تم نجاشی کے پاس جاؤ گے تو کیا کہو گے؟''

انھوں نے کہا: ''اللہ کی قسم! ہم وہی بات کہیں گے جس کا ہمیں علم ہے اور جس کا ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے، چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔'' یہ عزم کرنے کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے۔ نجاشی نے عیسائیوں کے بڑے بڑے عالموں کو بلا رکھا تھا اور وہ اس کے اردگرد اپنی کتابیں کھول کر بیٹھے ہوئے تھے۔ نجاشی نے مسلمانوں سے پوچھا:

''یہ کون سا دین ہے جس کی وجہ سے تم اپنی قوم کے دین سے علیحدہ ہوگئے ہو؟ پھر نہ تم میرے دین میں داخل ہوئے ہو اور نہ دوسری امتوں میں سے کسی کے دین میں؟''

جعفر رضی اللہ عنہ کی انقلابی تقریر

نجاشی کے سوال پر سیدنا جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ترجمانی کا اہم فریضہ بڑی جرأت اور قابلیت سے انجام دیا۔ انھوں نے نجاشی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے بڑی جامع اور جچی تلی تقریر کی۔ انھوں نے اس تقریر میں اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی نہایت خوبصورت تصویر کھینچ دی۔ اسلام کی تعریف میں کی گئی یہ تقریر ہر مسلمان کو بڑی توجہ اور احترام سے پڑھنی چاہیے۔ فرمایا:

أَيُّهَا الْمَلِكُ! كُنَّا قَوْمًا أَهْلَ جَاهِلِيَّةٍ، نَعْبُدُ الْأَصْنَامَ، وَنَأْكُلُ الْمَيْتَةَ، وَنَأْتِي الْفَوَاحِشَ، وَنَقْطَعُ الْأَرْحَامَ، وَنُسِيءُ الْجِوَارَ، يَأْكُلُ الْقَوِيُّ مِنَّا الضَّعِيفَ، فَكُنَّا عَلٰى ذٰلِكَ حَتّٰى بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْنَا رَسُولًا مِّنَّا، نَعْرِفُ نَسَبَهُ وَصِدْقَهُ، وَأَمَانَتَهُ وَعَفَافَهُ، فَدَعَانَا إِلَى اللّٰهِ لِنُوَحِّدَهُ وَنَعْبُدَهُ، وَنَخْلَعَ مَا كُنَّا نَعْبُدُ نَحْنُ وَ آبَاؤُنَا مِنْ دُونِهِ مِنَ الْحِجَارَةِ وَالْأَوْثَانِ، وَأَمَرَنَا بِصِدْقِ الْحَدِيثِ وَأَدَاءِ الْأَمَانَةِ وَصِلَةِ الرَّحِمِ وَحُسْنِ الْجِوَارِ وَالْكَفِّ عَنِ الْمَحَارِمِ وَالدِّمَاءِ، وَنَهَانَا عَنِ الْفَوَاحِشِ وَقَوْلِ الزُّورِ، وَ أَكْلِ مَالِ الْيَتِيمِ، وَقَذْفِ الْمُحْصَنَةِ، وَ أَمَرَنَا أَنْ نَّعْبُدَ

اللّٰهَ وَحْدَهُ لَانُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَ أَمَرَنَا بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَالصِّيَامِ. قَالَ: فَعَدَّدَ عَلَيْهِ أُمُورَ الْإِسْلَامِ، فَصَدَّقْنَاهُ، وَآمَنَّا بِهِ، وَاتَّبَعْنَاهُ عَلٰى مَا جَاءَ بِهِ، فَعَبَدْنَا اللّٰهَ وَحْدَهُ، فَلَمْ نُشْرِكْ بِهِ شَيْئًا، وَ حَرَّمْنَا مَا حَرَّمَ عَلَيْنَا، وَ أَحْلَلْنَا مَا أَحَلَّ لَنَا، فَعَدَا عَلَيْنَا قَوْمُنَا، فَعَذَّبُونَا وَفَتَنُونَا عَنْ دِينِنَا لِيَرُدُّونَا إِلٰى عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ مِنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ، وَ أَنْ نَسْتَحِلَّ مَا كُنَّا نَسْتَحِلُّ مِنَ الْخَبَائِثِ، فَلَمَّا قَهَرُونَا وَظَلَمُونَا، وَشَقُّوا عَلَيْنَا، وَحَالُوا بَيْنَنَا وَبَيْنَ دِينِنَا، خَرَجْنَا إِلٰى بَلَدِكَ، وَاخْتَرْنَاكَ عَلٰى مَنْ سِوَاكَ، وَ رَغِبْنَا فِي جِوَارِكَ، وَرَجَوْنَا أَنْ لَّا نُظْلَمَ عِنْدَكَ أَيُّهَا الْمَلِكُ!

’’اے بادشاہ! ہم لوگ جاہلیت میں مبتلا تھے۔ ہم بتوں کی عبادت کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، قطع رحمی کرتے تھے اور ہمسایوں سے برا سلوک کرتے تھے۔ ہم میں سے طاقتور کمزور کو کھا رہا تھا۔ ہم اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول (محمد ﷺ) کو مبعوث فرمایا۔ ہم ان کے عالی نسب، سچائی، امانت داری اور پاکدامنی سے خوب واقف ہیں۔ انھوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اللہ کو تنِ تنہا ایک مانیں، اسی کی عبادت کریں اور ہم اور ہمارے باپ دادا اللہ کے سوا جن پتھروں اور بتوں کو پوجتے تھے، انھیں چھوڑ دیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں سچی بات کرنے، امانت ادا کرنے، صلہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے، حرام کاموں سے پرہیز اور خونریزی سے گریز کا حکم دیا۔ بے حیائی کے کام کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھانے اور پاکدامن عورت پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ آپ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ آپ نے ہمیں نماز، روزے اور زکاۃ کا حکم دیا۔ اس موقع پر جعفر رضی اللہ عنہ نے اسلام کے امور گنوائے، پھر نجاشی سے کہا: ہم نے اللہ کے رسول ﷺ کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور جو وہ لائے تھے، ہم نے اس میں ان کی پیروی کی۔ ہم نے ایک اللہ کی عبادت کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔ جس چیز کو اللہ نے ہم پر حرام کر دیا، ہم نے اسے حرام جانا اور جسے ہمارے لیے حلال کیا، ہم نے اسے حلال مانا۔ ہمارے اس طرزِ عمل کی پاداش میں ہماری قوم نے ہم پر ظلم کیا، ہمیں سخت سزائیں دیں اور ہمیں ہمارے دین کے بارے میں فتنے میں مبتلا کیا تاکہ وہ ہمیں اللہ کی عبادت سے ہٹائیں اور دوبارہ بتوں کی پرستش پر لگا دیں اور ہم ناپاک چیزوں میں سے جنھیں حلال سمجھتے تھے، انھیں دوبارہ حلال سمجھنے لگیں۔ جب انھوں نے ہمیں مجبور کیا، ہم پر ظلم کیا، ہمیں مشقت میں ڈالا اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان حائل ہو گئے تو اے بادشاہ! ہم

آپ کے ملک میں آ گئے۔ ہم نے اوروں پر آپ کو ترجیح دی، آپ کی امان میں رہنا پسند کیا اور یہ امید رکھی کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔‘‘

نجاشی نے جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی یہ صداقت سے لبریز اور اثر انگیز تقریر سنی تو حیران رہ گیا۔ اس نے پوچھا: وہ پیغمبر اللہ کی طرف سے جو کچھ لائے ہیں، کیا اس میں سے کچھ تمھارے پاس ہے؟ جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا: ہاں۔ نجاشی نے کہا: وہ مجھے پڑھ کر سناؤ۔ جعفر رضی اللہ عنہ نے اس کے سامنے سورۂ مریم کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ ان آیات کی تلاوت سن کر نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ عیسائیوں کے بڑے بڑے عالم بھی رو پڑے۔ وہ اس قدر روئے کہ ان کے مصاحف آنسوؤں سے تر ہو گئے۔ پھر نجاشی نے کہا:

إِنَّ هٰذَا وَاللّٰهِ! وَالَّذِي جَاءَ بِهٖ مُوسٰى لَيَخْرُجُ مِنْ مِّشْكَاةٍ وَّاحِدَةٍ.

’’اللہ کی قسم! بلاشبہ یہ کلام اور جو کچھ موسیٰ علیہ السلام [1] لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی طاق سے نکلے ہیں۔‘‘

قریش کے سفیروں کو نجاشی کا جواب

اس کے بعد نجاشی نے قریش کے سفیروں سے مخاطب ہو کر کہا:

’’تم دونوں چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان لوگوں کو کبھی تمھارے حوالے نہیں کروں گا۔ مجھ سے کوئی چال نہیں چلی جا سکتی۔‘‘

دونوں سفیر مایوسی کے عالم میں نجاشی کے دربار سے نکل گئے۔

سفیرانِ قریش کی ایک اور کوشش

دربارِ نجاشی سے نکلنے کے بعد عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) کہنے لگے: ’’اللہ کی قسم! میں کل ضرور نجاشی کے پاس جاؤں گا اور اس کے روبرو ان (مسلمانوں) کا ایک ایسا عیب نکالوں گا جس سے میں ان کی جڑیں اکھیڑ کر رکھ دوں گا۔‘‘ عبداللہ بن ابی ربیعہ، عمرو بن عاص کی نسبت زیادہ محتاط تھے۔ انھوں نے عمرو بن عاص سے کہا: ایسا نہ کرو۔ ہر چند ان لوگوں نے ہماری مخالفت کی ہے لیکن ہیں تو یہ ہمارے ہی رشتہ دار۔ عمرو بن عاص نے ان کی نہ مانی، اپنی بات پر اڑے رہے اور کہنے لگے: اللہ کی قسم! میں نجاشی کو اس بات سے ضرور آگاہ کروں گا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں یہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے ہیں۔

اگلے دن عمرو بن عاص (رضی اللہ عنہ) دوبارہ نجاشی کے پاس گئے اور اس سے کہا: اے بادشاہ! یہ لوگ عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام)

[1] بعض روایات میں یہاں موسیٰ علیہ السلام کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ ہے۔ دیکھیے: دلائل النبوة للبيهقي: 303/2.

کے متعلق بہت بڑی بات کہتے ہیں۔ آپ انھیں قاصد بھیج کر بلوائیے اور ان سے وہ بات پوچھیے جو وہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہتے ہیں۔ نجاشی نے یہ بات سُنی تو مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ وہ ان سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں سوالات دریافت کرنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں پر اس سے پہلے ایسا کڑا مرحلہ نہیں آیا تھا، وہ سب اکٹھے ہوکر باہم مشورہ کرنے لگے۔ انھوں نے ایک دوسرے سے پوچھا:

نجاشی تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟

وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! ہم ان کے بارے میں وہی کہیں گے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس لے کر آئے ہیں، چاہے اس کا نتیجہ کچھ بھی نکلے۔

یہ عزم کر کے مہاجرین نجاشی کے دربار میں پہنچ گئے۔ نجاشی نے ان سے پوچھا: تم لوگ عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) کے متعلق کیا کہتے ہو؟ اس بار بھی جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہی نے مسلمانوں کی ترجمانی کی۔ انھوں نے جواب دیا:

نَقُولُ فِيهِ الَّذِي جَاءَ بِهِ نَبِيُّنَا: هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَ رَسُولُهُ وَ رُوحُهُ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُولِ.

”ہم ان کے بارے میں وہی کچھ کہتے ہیں جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی طرف سے روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جسے اس نے کنواری پاکدامن مریم کی طرف القا کیا تھا۔“

جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ جواب سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا:

مَاعَدَا عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ مَا قُلْتَ هٰذَا الْعُودَ.

”تم نے جو کچھ کہا ہے، عیسیٰ ابن مریم (علیہما السلام) اُس سے اِس تنکے کے بقدر بھی زیادہ نہیں۔“

نجاشی کی یہ بات سن کر اس کے بڑے بڑے پادریوں نے شدید غصے اور نفرت کا اظہار کیا اور ”اُونہہ“ کی آواز نکالی، اس لیے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ یہ تھا کہ (نعوذ باللہ) وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ نجاشی نے کہا: اللہ کی قسم! چاہے تم ”اُونہہ“ ہی کہتے رہو (مگر اصل سچائی وہی ہے جو مسلمانوں کے ترجمان نے بیان کر دی ہے)۔

مسلمانوں کے لیے پروانۂ امن

اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں کو پروانۂ امن دیتے ہوئے کہا:

”جاؤ، تم میرے ملک میں بحفاظت امن و امان سے ہو، جو تمھیں برا کہے گا، اس پر تاوان عائد کیا جائے گا۔ جو

تمھیں برا بھلا کہے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ جو تمھیں برا کہے گا، اس پر تاوان لگایا جائے گا۔ (نجاشی نے نہایت تاکید سے یہ بات تین بار دہرائی۔ اس نے مزید کہا:) مجھے گوارا نہیں کہ میں تم میں سے کسی شخص کو تکلیف دوں، چاہے اس کے بدلے میں مجھے سونے کا پہاڑ ملے۔ (پھر اپنے درباریوں سے کہا:) ان دونوں (قریش کے سفیروں) کو ان کے تحائف واپس کر دو۔ ہمیں ان کی کوئی ضرورت نہیں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے جب مجھے میری بادشاہت لوٹائی تھی، اس وقت مجھ سے رشوت نہیں لی تھی کہ میں اس کے بارے میں رشوت لوں، نہ اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات مانی تھی کہ میں اس کے بارے میں لوگوں کی بات مانوں۔''

قریش کے دونوں سفیر اپنے تحائف لے کر ناکام و نامُراد واپس چلے گئے۔ [1]

کچھ دیگر روایات میں عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید کے نجاشی کے پاس جانے کا ذکر ہے۔ بعض مؤرخین نے تینوں کو جمع کر دیا ہے کہ عمرو بن عاص، عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمارہ بن ولید تینوں ہی اکٹھے گئے تھے۔ [2] اس کے برعکس بعض مؤرخین نے یہ کہا ہے کہ قریش نے نجاشی کے پاس دو مرتبہ اپنے سفیر روانہ کیے۔ اوّلاً دوسری ہجرتِ حبشہ کے بعد عمرو بن عاص اور عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو روانہ کیا۔ جب وہ دونوں ناکام ہوکر واپس آئے تو دوسری مرتبہ غزوۂ بدر کے بعد عمرو بن عاص اور عبداللہ بن ابی ربیعہ کو روانہ کیا۔ [3] وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ.

بہرحال اللہ تعالیٰ نے کفار و مشرکین کی سازش کو ناکام بنا دیا۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے ان کے مطالبات پورے نہیں کیے۔ وہ نجاشی کی نظروں میں گر گئے۔ دوسری طرف مسلمانوں کی عزت و عظمت میں مزید اضافہ ہوا۔ انھیں شاہِ حبشہ نجاشی کی طرف سے پروانۂ امن مل گیا اور وہ حبشہ میں امن و سکون سے رہنے لگے۔ [4]

عمرو بن عاص مکہ پہنچ کر گھر سے نہیں نکلے

سفیرِ قریش عمرو بن عاص جب نجاشی کے پاس سے ناکام لوٹے اور انھوں نے نجاشی کو صریحاً مسلمانوں کا ساتھ دیتے دیکھا تو انھیں بہت رنج ہوا۔ وہ خفت زدہ ہوکر اپنے گھر ہی میں بیٹھ رہے، باہر نہیں نکلے۔ مشرکینِ مکہ نے یہ عالم دیکھا تو پوچھنے لگے کہ انھیں کیا ہوگیا ہے؟ وہ گھر سے باہر کیوں نہیں نکلتے؟ اس پر عمرو بن عاص نے انھیں اپنے نہ نکلنے کی وجہ بتاتے ہوئے کہا کہ اصحمہ نجاشی یہ سمجھتا ہے کہ تمھارا ساتھی نبی ہے۔ [5]

[1] مسند أحمد:1/201-203 و5/290-292، دلائل النبوة لأبي نعيم:1/246-250، دلائل النبوة للبيهقي:2/301-304. [2] المواهب اللدنية:1/241، الروض الأنف:2/109. [3] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/253، السيرة النبوية لابن كثير، ص:142، سبل الهدٰى والرشاد:2/395. [4] جوامع السيرة لابن حزم، ص:63. [5] دلائل النبوة للبيهقي:2/307.

نجاشی کے خلاف بغاوت

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ نجاشی مسلمان ہوگیا تھا، البتہ اہلِ حبشہ کے خوف سے وہ اس کا اظہار نہ کر سکا۔ نجاشی نے جب عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ کا بندہ ہونے کو برحق قرار دیا تو حبشہ کے عیسائی اس کے مخالف ہوگئے۔ انھوں نے نجاشی سے کہا کہ تم نے ہمارے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ وہ لوگ نجاشی کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر نجاشی نے جعفر رضی اللہ عنہ اور دیگر مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف اپنا قاصد بھیجا، انھیں کشتیاں فراہم کیں اور یہ پیغام بھجوایا:

''تم لوگ ان کشتیوں میں سوار ہو جاؤ اور اپنے دین پر قائم رہو۔ اگر مجھے شکست ہو جائے تو تم لوگ چلے جانا اور جہاں مناسب سمجھنا، وہاں قیام کر لینا اور اگر مجھے فتح نصیب ہو تو تم بدستور یہیں ٹھہرے رہنا۔''

اس کے بعد نجاشی نے ایک تحریر لکھی جس میں اس نے اپنے متعلق لکھا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی طرف سے روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جو اس نے مریم علیہا السلام کی طرف القا کیا تھا، پھر اس نے یہ تحریر اپنے چوغے کے اندر دائیں کندھے کی طرف رکھ لی اور حبشہ کے لوگوں کے سامنے آگیا۔ وہ سب اس کے لیے قطار بنائے کھڑے تھے۔ نجاشی نے کہا: کیا میں سب لوگوں سے بڑھ کر تم پر حقدار نہیں ہوں؟

انھوں نے کہا: کیوں نہیں!

نجاشی نے پوچھا: تم نے اپنے بارے میں میرا سلوک کیسا پایا؟

انھوں نے کہا: بہترین۔

نجاشی نے پوچھا: پھر تمھیں کیا ہوا ہے؟

انھوں نے کہا: آپ نے ہمارے دین سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔

نجاشی نے پوچھا: تم عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

انھوں نے کہا: ہم کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

ان کی یہ بات سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ اپنے چغہ پوش سینے پر رکھا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ نجاشی کا مطلب یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس تحریر سے بڑھ کر نہیں ہیں جس پر اس نے ہاتھ رکھا ہے۔ حبشہ کے لوگوں نے جب یہ بات سُنی تو وہ نجاشی سے راضی ہوگئے اور اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔[1] اس

[1] السیرۃ لابن ھشام: 341,340/1.

کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حبشہ ہی میں نہایت امن و اطمینان سے مقیم رہے۔

ایک حبشی کا نجاشی کے خلاف معرکہ

بعد ازاں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ حبشہ کا ایک شخص نجاشی سے اس کی بادشاہت کے معاملے میں جھگڑنے لگا۔ وہ نجاشی سے بادشاہت چھیننا چاہتا تھا۔ مہاجر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ صورت حال دیکھ کر غمزدہ ہوئے۔ انھیں خطرہ تھا، مبادا وہ شخص نجاشی پر غالب آجائے اور ہمارا وہ حق نہ پہچانے جو نجاشی پہچانتا ہے اور ہمارا خیال رکھتا ہے۔

نجاشی نے اس حبشی کی طرف پیش قدمی کی۔ نجاشی اور اس کے درمیان دریائے نیل حائل تھا۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہم میں سے کون ہے جو میدان جنگ کی طرف جائے اور ہمیں وہاں کے حالات سے آگاہ کرے؟ سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ ان سب میں نوعمر تھے، وہ کہنے لگے: ''میں جاؤں گا۔'' صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' انھوں نے ایک مشک میں ہوا بھر کر زبیر رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ زبیر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے سینے کے نیچے رکھا اور اس پر تیرتے ہوئے دریائے نیل کے دوسرے کنارے پر میدان جنگ تک جا پہنچے۔ انھوں نے وہاں کی صورت حال کا

دریائے نیل اور قاہرہ (مصر)



اچھی طرح جائزہ لیا، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف واپس آ گئے۔ ادھر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اللہ تعالیٰ سے نجاشی کے غلبے اور اقتدار پر قائم رہنے کی دعا کی۔ وہ میدانِ جنگ کی صورتحال جاننے کے منتظر تھے کہ اچانک زبیر رضی اللہ عنہ نمودار ہوئے، وہ دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ اپنے کپڑے ہوا میں لہرا رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

''خوش ہو جاؤ، نجاشی کو فتح نصیب ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے۔ اور نجاشی کے اقتدار کو مضبوط کر دیا ہے۔''

یہ خبر سن کر مہاجرین رضی اللہ عنہم میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ [1]

مہاجرین حبشہ کی مدینہ روانگی

مہاجرین حبشہ میں ہنسی خوشی رہنے لگے، ان میں سے سات مرد اور چند عورتیں حبشہ ہی میں فوت ہو گئیں۔ [2] جب مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدینہ تشریف لے گئے تو مہاجرینِ حبشہ میں سے تینتیس مرد

[1] مسند أحمد: 292/5، السيرة لابن هشام: 338/1. [2] السيرة لابن هشام: 10/4.



اور آٹھ عورتیں جنگ بدر سے پہلے ہی مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ [1]

اُن کے علاوہ ستائیس مرد اور متعدد عورتیں غزوۂ بدر کے بعد مدینہ روانہ ہوئے۔ باقی مہاجرین عمرو بن امیہ ضمری کے ساتھ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے جب آپ ﷺ خیبر فتح کر چکے تھے۔ ان میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ [2] یہ سات ہجری کا واقعہ ہے۔ [3]

عبید اللہ بن جحش مرتد ہو گیا

حبشہ کے لوگ عیسائی تھے لیکن مہاجرین حبشہ میں اسلام پر قائم رہے۔ عیسائیت کی طرف ذرا بھی مائل نہ ہوئے، البتہ عبید اللہ بن جحش کو شیطان نے بہکایا اور اس کے آگے عیسائیت کو مزین کر کے پیش کیا۔ یوں اس نے اسلام کو ترک کر کے عیسائیت اختیار کر لی۔ اسلام کی دعوت کے آغاز سے پہلے بھی یہ شخص عیسائیت کو بہتر اور حق کے قریب تر سمجھ کر عیسائی [4] ہو گیا تھا، پھر جب دعوتِ اسلام کا ظہور ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہ مسلمان ہو گیا اور حبشہ ہجرت کر گیا لیکن وہاں جا کر یہ دوبارہ مرتد ہو گیا۔ [5]

شوہر کے بارے میں ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا خواب

عبید اللہ بن جحش کی اہلیہ ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: ”ایک دن میں نے خواب میں اپنے خاوند عبید اللہ بن جحش کو نہایت بری اور بھدی صورت میں دیکھا، میں گھبرا گئی تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! اس کی حالت بدل چکی ہے۔ صبح ہوئی تو عبید اللہ بن جحش نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

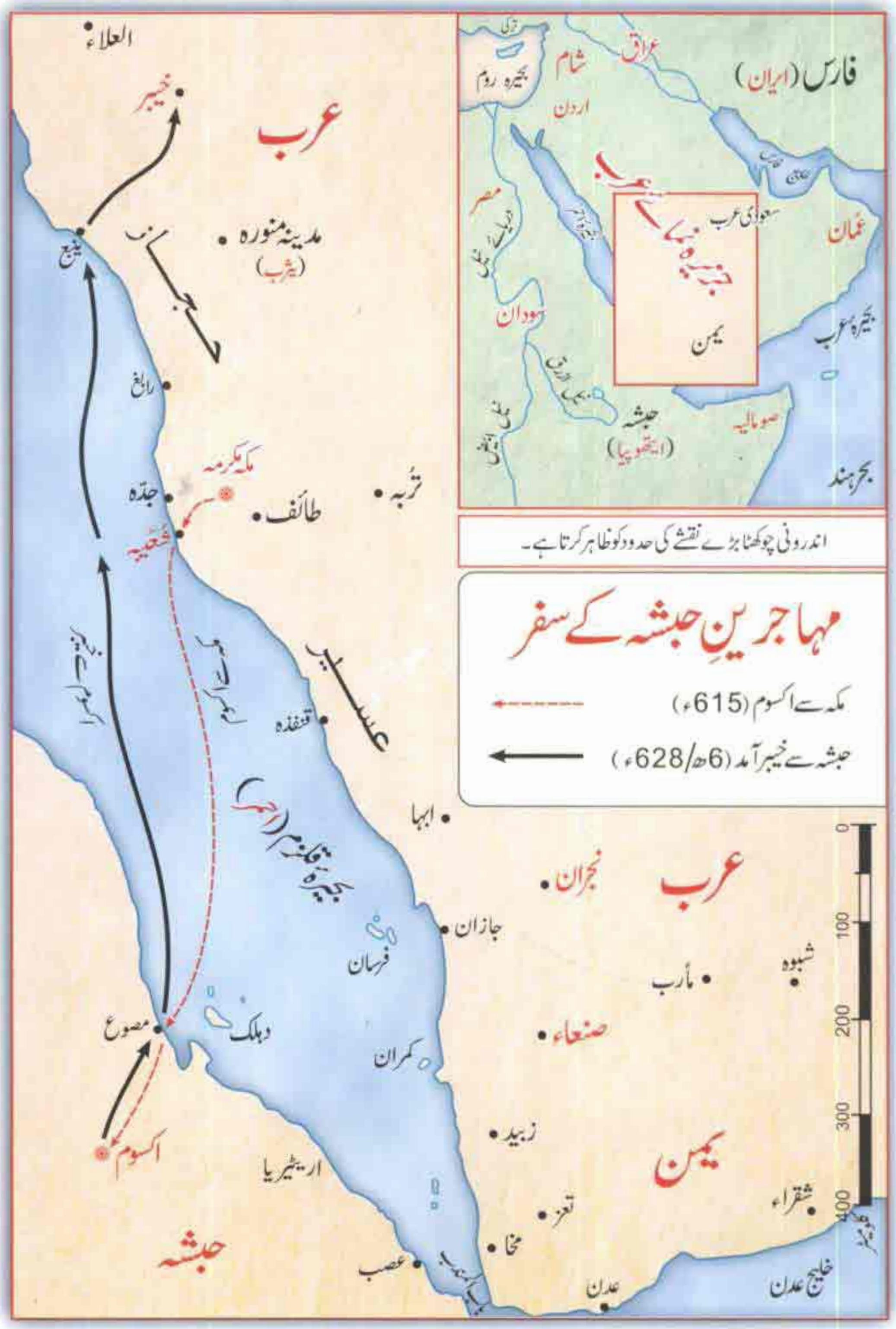
”ام حبیبہ! میں نے دین کے معاملے میں غور و فکر کیا تو میں نے عیسائیت سے بہتر کوئی دین نہیں پایا، میں نے عیسائیت پہلے بھی اختیار کی تھی، پھر میں نے محمد (ﷺ) کا دین قبول کر لیا، اب میں پھر عیسائی ہو گیا ہوں۔“

ام حبیبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا: اللہ کی قسم! یہ فعل تمھارے لیے بہتر نہیں ہے، میں نے اسے اپنے خواب سے بھی آگاہ کیا لیکن اس نے کوئی توجہ ہی نہ دی اور وہ شراب کے نشے میں مست ہو گیا حتیٰ کہ اسے (عیسائیت ہی کی حالت میں) موت آگئی۔ [6]

عبید اللہ بن جحش کے مرتد ہو جانے کی وجہ سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اس سے علیحدہ ہو گئیں اور اسلام پر پوری مضبوطی سے

---

[1] صحيح البخاري: 3905، الطبقات لابن سعد: 207/1. [2] السيرة لابن هشام: 3/4-10، فتح الباري: 607/7. [3] المنتظم لابن الجوزي: 298/3. [4] ابن ہشام کے بیان کے مطابق یہ عیسائی نہیں ہوا تھا بلکہ دین حنیف کی تلاش میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکلا تھا اور گومگو کی کیفیت میں رہا۔ (السيرة لابن هشام: 223/1) [5] السيرة لابن هشام: 10/4، البداية والنهاية: 8/3. [6] الطبقات لابن سعد: 97,96/8.



مہاجرینِ حبشہ کے سفر
مکہ سے اکسوم (615ء)
حبشہ سے خیبر آمد (6ھ/628ء)
اندرونی چوکھٹا بڑے نقشے کی حدود کو ظاہر کرتا ہے۔
فارس (ایران)
عراق
شام
اردن
مصر
سوڈان
جزیرہ نمائے عرب
سعودی عرب
یمن
عُمان
حبشہ
(ایتھوپیا)
صومالیہ
بحرہند
بحیرۂ روم
عرب
العلاء
خیبر
مدینہ منورہ
(یثرب)
ینبع
حجاز
رابغ
مکہ مکرمہ
جدہ
شعیبہ
طائف
تربہ
عسیر
قنفذہ
ابہا
نجران
جازان
فرسان
دہلک
مصوع
اکسوم
اریٹیریا
حبشہ
کمران
زبید
صنعاء
مأرب
شبوہ
یمن
تعز
مخا
عصب
عدن
شقراء
خلیج عدن
0
100
200
300
400

ثابت قدم رہیں، بعد ازاں سات ہجری میں نبیِ اکرم ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا۔[1] اس طرح انھیں ام المؤمنین بننے کا اعزاز نصیب ہوا۔

مرتد عبیداللہ بن جحش کا مہاجرین کو طعنہ

عبیداللہ بن جحش مرتد ہو جانے کے بعد حبشہ میں جب بھی مہاجرین کے پاس سے گزرتا تو انھیں طعنے دیتا اور کہتا: ہم نے تو سب کچھ کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا اور تم آنکھیں ہی جھپکاتے رہ گئے۔

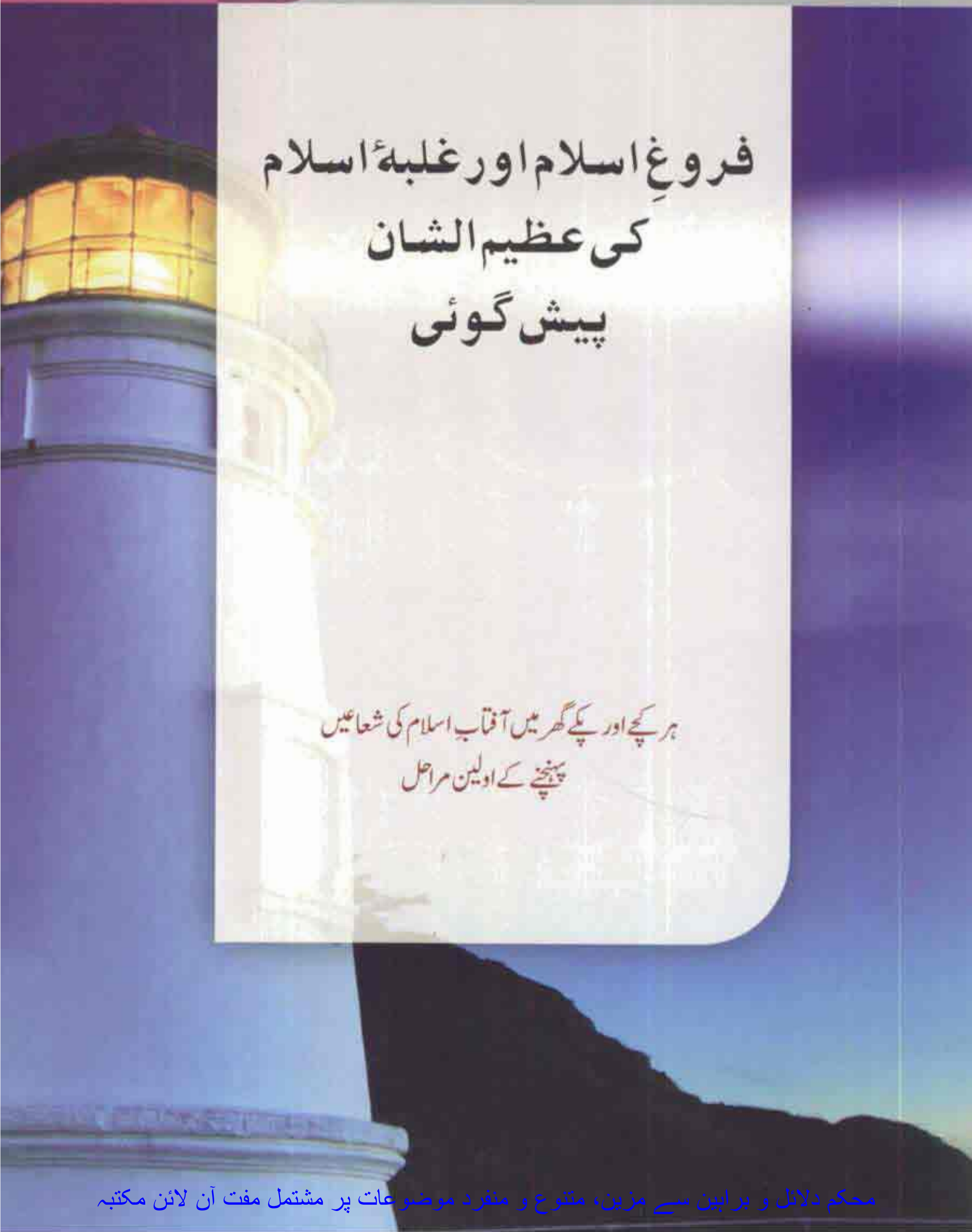
یہ مثال یوں ہے کہ کتے کا بچہ اپنی پیدائش کے بعد جب دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولنے کی کوشش کرتا ہے تو پہلے انھیں اچھی طرح جھپکاتا ہے تاکہ وہ دیکھنے کے قابل ہو سکے، اس نے یہ مثال اپنے اور مسلمانوں کے بارے میں بیان کی۔[2]

کیا سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی مرتد ہوئے؟

بعض مؤرخین اور سیرت نگاروں نے سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی یہ بات لکھی ہے کہ وہ عیسائی ہو گئے تھے اور حبشہ ہی میں وفات پا گئے۔[3] لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ امر واقع یہ ہے کہ وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہے اور حالتِ اسلام ہی میں مکہ میں فوت ہوئے جیسا کہ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر واقدی نے لکھا ہے۔[4] علامہ ابن عبدالبر، امام نووی، حافظ ابن کثیر اور ابن جوزی رحمہم اللہ نے بھی یہی بات کہی ہے۔[5] امام بلاذری نے بھی اسی قول کو صحیح ترین قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی تدفین فرمائی تھی۔[6] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی امام بلاذری کی تصحیح کو اختیار کیا ہے۔[7]

---

[1] الطبقات لابن سعد: 99/8، الاستيعاب، ص: 441، الإصابة: 141,140/8. [2] السيرة لابن هشام: 224,223/1 و 6/4. [3] تاريخ الطبري: 411/2. [4] السيرة لابن إسحاق: 279/1، الطبقات لابن سعد: 53/8. [5] الدرر في اختصار المغازي والسير، ص: 45,44، تهذيب الأسماء واللغات للنووي: 613/2، البداية والنهاية: 131/3، تلقيح فهوم أهل الأثر، ص: 20. [6] أنساب الأشراف: 252,251/1 و 13/11. [7] الإصابة: 113/3.



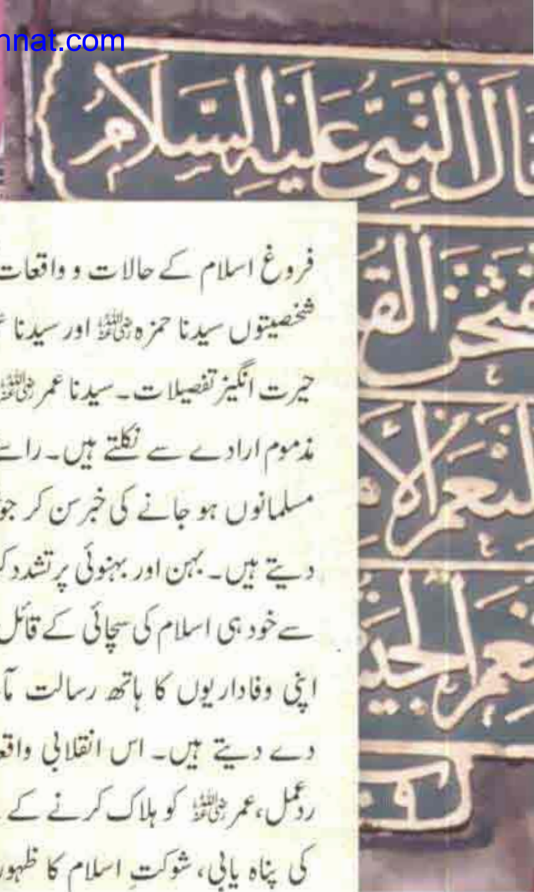
فروغِ اسلام اور غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی

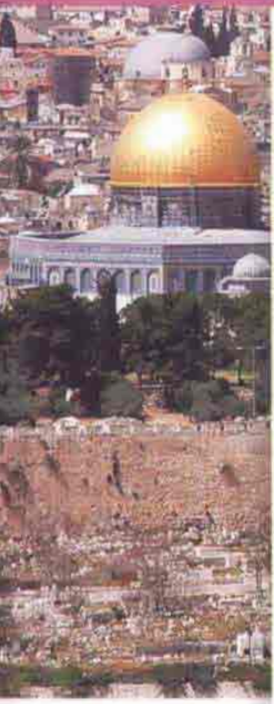
ہر کچے اور پکے گھر میں آفتابِ اسلام کی شعاعیں پہنچنے کے اولین مراحل

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ

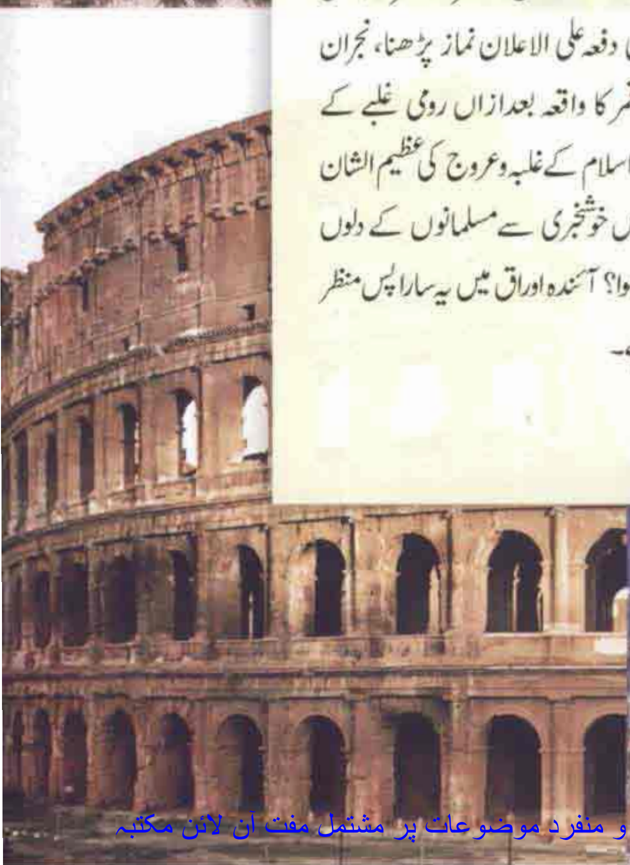
”اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور غالب آئیں گے،
بے شک اللہ قوی، بڑا زبردست ہے۔“
(المجادلة 21:58)

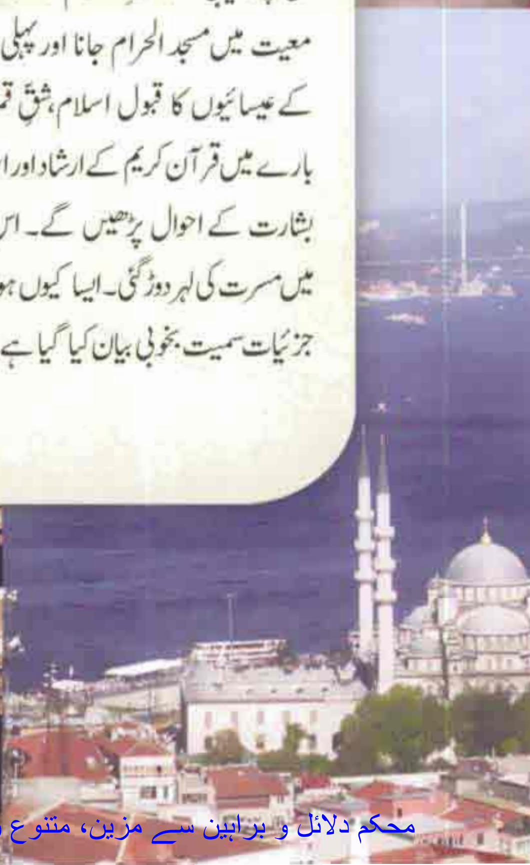
اس باب میں





فروغ اسلام کے حالات و واقعات کی تفصیل جمیل میں دو اہم ترین شخصیتوں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی حیرت انگیز تفصیلات۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے مذموم ارادے سے نکلتے ہیں۔ راستے میں اپنی ہی بہن اور بہنوئی کے مسلمانوں ہو جانے کی خبر سن کر جوشِ غضب میں اُن کی طرف چل دیتے ہیں۔ بہن اور بہنوئی پر تشدد کرتے ہیں لیکن قرآن کے مطالعے سے خود ہی اسلام کی سچائی کے قائل ہو جاتے ہیں اور کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنی وفاداریوں کا ہاتھ رسالت مآب ﷺ کے دستِ مبارک میں دے دیتے ہیں۔ اس انقلابی واقعہ کے بعد آپ کفار و مشرکین کا ردِعمل، عمر رضی اللہ عنہ کو ہلاک کرنے کے لیے کفار کا ہجوم اور عاص بن وائل کی پناہ یابی، شوکتِ اسلام کا ظہور، مسلمانوں کا حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کی معیت میں مسجد الحرام جانا اور پہلی دفعہ علی الاعلان نماز پڑھنا، نجران کے عیسائیوں کا قبول اسلام، شق قمر کا واقعہ بعدازاں رومی غلبے کے بارے میں قرآن کریم کے ارشاد اور اسلام کے غلبہ وعروج کی عظیم الشان بشارت کے احوال پڑھیں گے۔ اس خوشخبری سے مسلمانوں کے دلوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ ایسا کیوں ہوا؟ آئندہ اوراق میں یہ سارا پس منظر جزئیات سمیت بخوبی بیان کیا گیا ہے۔





سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

کفار و مشرکین کی اسلام کے خلاف سازشوں اور مسلمانوں پر ظلم و ستم کے باوجود اسلام پھیلتا جا رہا تھا۔ سلیم الفطرت لوگ اسلام کی حقانیت اور صداقت سے متاثر ہو کر اس کی طرف کھنچے چلے آ رہے تھے۔ بڑی بڑی نامور اور دلیر شخصیتیں اسلام جیسی عظیم نعمتِ الٰہی سے بہرہ ور ہو رہی تھیں۔ ایسے ہی خوش نصیب لوگوں کی فہرست میں ایک بڑا نام اللہ کے رسول ﷺ کے چچا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا بھی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے چھٹے سال مسلمان ہوئے۔ بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ پانچویں سال مسلمان ہو گئے تھے۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 9/3، المنتظم لابن الجوزي: 384/2.



میدانِ اُحد میں شہداء کا قبرستان

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کس طرح مسلمان ہوئے؟

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل صفا پہاڑی کے قریب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی، برا بھلا کہا اور ایسی مذموم باتیں بھی کہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عیب جوئی کی اور اپنی سرداری کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمزوری ایسے توہین آمیز لہجے میں بیان کی جس سے آپ کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ساری نازیبا باتیں صبر اور وقار کے ساتھ برداشت فرماتے رہے، آپ نے ابوجہل کی گھٹیا باتوں کا کوئی جواب ہی نہیں دیا۔

عبداللہ بن جدعان کی ایک لونڈی اپنے مکان میں بیٹھی تھی۔ وہ یہ سب کچھ سن رہی تھی۔ ابوجہل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے کے بعد وہاں سے چلا گیا اور کعبہ کے قریب قریش کی ایک مجلس میں پہنچ کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے گھر تشریف لے گئے۔ اسی لمحے حمزہ رضی اللہ عنہ گلے میں کمان لٹکائے شکار سے واپس آئے۔ وہ بہت اچھے شکاری تھے اور اکثر شکار کے لیے جایا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ جب شکار سے واپس تشریف لاتے تو اس وقت تک اپنے گھر نہیں جاتے تھے جب تک کعبہ کا طواف نہ کر لیتے۔ وہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے قریش کی جس مجلس کے قریب سے گزرتے وہاں ٹھہرتے، شرکائے مجلس کو سلام کرتے، پھر ان سے گفتگو کرتے تھے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کے سب سے زیادہ طاقتور، معزز، نہایت غیرت مند اور خوددار نوجوان تھے۔ جب وہ ابن جدعان کی لونڈی کے پاس سے گزرے تو اس نے انھیں پکارا اور کہا:

> ''ابوعمارہ! ابھی ابھی آپ کے بھتیجے کو ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام کی طرف سے جس بدسلوکی اور بدزبانی کا سامنا کرنا پڑا ہے، کاش! آپ اسے دیکھ لیتے۔ ابوالحکم نے آپ کے بھتیجے کو یہاں بیٹھے دیکھا تو انھیں شدید اذیت پہنچائی، برا بھلا کہا اور ایسی مذموم باتیں کہیں جنھیں وہ ناپسند کرتے تھے۔ آپ کے بھتیجے کو سخت اذیت دے کر وہ چلا گیا لیکن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔''

اللہ تعالیٰ نے حمزہ رضی اللہ عنہ کی عزت افزائی کا ارادہ فرما رکھا تھا۔ انھوں نے یہ ماجرا سُنا تو طیش میں آگئے۔ ان کی رگوں میں غیرت وحمیت کی بجلیاں کوندنے لگیں، آؤ دیکھا نہ تاؤ، وہ تیزی سے لپکے، کسی کے پاس نہ رکے۔ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ جونہی ابوجہل ملے گا، میں اسے مزہ چکھادوں گا۔ وہ حرم میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ابوجہل اپنی قوم کے لوگوں میں بیٹھا ہوا ہے، وہ اس کی طرف بڑھے اور اس کے سر پر جا پہنچے۔ انھوں نے اپنی کمان پوری قوت سے اس کے سر پر دے ماری، ابوجہل کو بڑا کاری زخم لگا، سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے اُسے مخاطب کیا اور کہا:

''کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو برا بھلا کہتا ہے جبکہ میں بھی ان کے دین پر ہوں۔ میں بھی وہی کہتا ہوں جو وہ کہتے ہیں۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو جوابی کارروائی کر کے دکھا!''

ابوجہل کے قبیلے بنومخزوم کے لوگ اس کی مدد کے لیے سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف لپکے۔ ابوجہل نے انھیں روکتے ہوئے کہا: ''ابوعمارہ کو چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے بھتیجے کو فی الواقع بہت بری گالی دی تھی۔'' وہ لوگ پیچھے ہٹ گئے اور حمزہ رضی اللہ عنہ کو کچھ نہیں کہا۔[1]

شیطان کی حمزہ رضی اللہ عنہ کو ورغلانے کی کوشش

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے جوشِ غیرت وحمیت میں ابوجہل سے اپنے بھتیجے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقام تو لے لیا اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کر دیا لیکن بعد ازاں جب وہ اپنے گھر پہنچے تو شیطان ان کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''تم تو قریش کے سردار ہو۔ تم نے بھی اس صابی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی کر لی اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا ہے۔ تم نے جو کچھ کیا ہے، اس سے تو تمھارے لیے مرجانا ہی اچھا تھا۔''

اب سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ سخت شش و پنج اور ذہنی اضطراب میں مبتلا ہو گئے اور خود کلامی کرتے ہوئے کہنے لگے کہ میں یہ کیا اقدام کر بیٹھا ہوں؟ اسی لمحے انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی:

اَللّٰهُمَّ! إِنْ كَانَ رُشْدًا فَاجْعَلْ تَصْدِيقَهُ فِي قَلْبِي، وَ إِلَّا فَاجْعَلْ لِي مِمَّا وَقَعْتُ فِيهِ مَخْرَجًا.

''اے اللہ! اگر یہ ہدایت ہے تو میرے دل میں اس کی تصدیق اُجاگر کر دے ورنہ میں جس حالت میں مبتلا ہو گیا ہوں، اس سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا فرما دے۔''

حمزہ رضی اللہ عنہ رات بھر شیطان کے وسوسوں میں مبتلا رہے۔ انھوں نے ایسی اضطراب انگیز اور پریشان کن رات پہلے کبھی نہیں گزاری تھی۔ صبح ہوتے ہی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

''بھتیجے! میں ایک ایسے کام میں پڑ گیا ہوں جس سے نکلنے کا راستہ مجھے معلوم نہیں۔ میرے جیسے آدمی کا ایسے معاملے میں مبتلا ہو جانا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہی نہیں کہ وہ ہدایت ہے یا گمراہی، بہت مشکل اور خلجان والی بات ہے۔ آپ مجھے کوئی بات بتائیں۔ میرے بھتیجے! میری بڑی تمنا ہے کہ اب آپ ہی مجھے کچھ بتائیں۔''

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں وعظ و نصیحت فرمائی اور اسلام کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ

[1] السيرة لابن هشام: 292،291/1، المنتظم لابن الجوزي: 385،384/2، الطبقات لابن سعد: 9/3.

کے عذاب سے خوف دلایا اور اس کے انعامات کی خوشخبری سنائی۔ رسول اللہ ﷺ کے ارشادات سننے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ایمان کا نور ڈال دیا، ان کا سینہ کھول دیا اور انھیں شک اور تردد و تذبذب سے نجات عطا فرمائی۔ وہ فوراً بول اٹھے:

أَشْهَدُ أَنَّكَ الصَّادِقُ شَهَادَةَ الصِّدْقِ الْعَارِفِ، فَأَظْهِرْ يَا ابْنَ أَخِي! دِينَكَ، فَوَاللّٰهِ! مَا أُحِبُّ أَنَّ لِي مَا أَظَلَّتْهُ السَّمَاءُ وَأَنِّي عَلٰى دِينِي الْأَوَّلِ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے ہیں، یہ ایسی گواہی ہے جو سچی ہے اور ایک صاحبِ معرفت کی گواہی ہے۔ بھتیجے! اپنے دین کا اظہار و اعلان کرتے رہیے۔ اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے لیے وہ سب کچھ ہو جس پر آسمان سایہ فگن ہے اور میں اپنے پہلے ہی دین پر قائم رہوں۔''

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی ان عظیم لوگوں میں سے تھے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطا فرمائی۔ [1] ان کے اسلام قبول کرنے پر قریش کو شدید دھچکا لگا اور وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ اب رسول اللہ ﷺ کو قوت اور حمایت حاصل ہو گئی ہے۔ اب حمزہ رضی اللہ عنہ ضرور ان کی حفاظت کریں گے۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو جو تکلیفیں دیتے تھے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشرف بہ اسلام ہونے سے ان میں کمی آ گئی۔ [2]

قبولِ اسلام پر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اشعار

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی شان میں نہایت بلند پایہ اشعار کہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

حَمِدْتُّ اللّٰهَ حِينَ هَدٰى فُؤَادِي ... إِلَى الْإِسْلَامِ وَالدِّينِ الْحَنِيفِ

''جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل کو اسلام اور دینِ حنیف کی طرف ہدایت عطا فرمائی تو میں نے اللہ کی حمد کی۔''

لِدِينٍ جَاءَ مِنْ رَّبٍّ عَزِيزٍ ... خَبِيرٍ بِالْعِبَادِ بِهِمْ لَطِيفِ

''مجھے اس دین کی توفیق عطا فرمائی جو ایسے پروردگار کی طرف سے آیا ہے جو غالب ہے، اپنے بندوں کے حالات سے باخبر ہے اور ان پر بڑا مہربان ہے۔''

[1] السيرة لابن إسحاق :1/213، دلائل النبوة للبيهقي :2/213,214، المستدرك للحاكم :3/192,193. [2] السيرة لابن هشام:1/292.

إِذَا تُلِيَتْ رَسَائِلُهُ عَلَيْنَا تَحَدَّرَ دَمْعُ ذِي اللُّبِّ الْحَصِيفِ

''جب اس کے پیغامات ہم پر پڑھے جاتے ہیں تو عقلمند انسان کے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔''

رَسَائِلُ جَاءَ أَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا بِآيَاتٍ مُّبَيِّنَاتِ الْحُرُوفِ

''وہ پیغامات جو ہدایت ہیں، احمد ﷺ انھیں ایسی آیات کے ساتھ لے کر آئے ہیں جن کے حروف بڑے روشن ہیں۔''

وَأَحْمَدُ مُصْطَفًى فِينَا مُطَاعٌ فَلَا تَغْشُوهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيفِ

''اور ہم میں احمد مصطفیٰ ﷺ واجب الاطاعت ہیں، تم انھیں سخت بات کے ذریعے سے مخاطب نہ کرو۔''

فَلَا وَاللّٰهِ! نُسْلِمُهُ لِقَوْمٍ وَلَمَّا نَقْضِ فِيهِمْ بِالسُّيُوفِ

''اللہ کی قسم! ہم انھیں لوگوں کے حوالے نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے ابھی تک ان لوگوں کے بارے میں اپنی تلواروں سے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔'' [1]

[1] السيرة لابن إسحاق :1/213.

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے تین روز بعد قریش کی ایک اور نڈر، جرأت مند اور بہادر شخصیت اسلام جیسی عظیم نعمت سے سرفراز ہوئی۔ یہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تھے [1] جو اسلام کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے اور مسلمانوں پر خوب ظلم وستم کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی کایا پلٹ دی اور انھیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ بعثت نبوی کے چھٹے سال مسلمان ہوئے، اس وقت ان کی عمر چھبیس سال تھی۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعا

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام قبول کرنا دراصل رسول اللہ ﷺ کی دعا کا نتیجہ تھا۔ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی تھی:

«اَللّٰهُمَّ! أَعِزَّ الْإِسْلَامَ بِأَحَبِّ هٰذَيْنِ الرَّجُلَيْنِ إِلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

”اے اللہ! ابوجہل اور عمر بن خطاب دونوں میں سے جو تجھے زیادہ محبوب ہے، اس کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرما۔“

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم:241/1. [2] الطبقات لابن سعد:270,269/3.



سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منسوب تلواریں

راویِ حدیث سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو دونوں میں سے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ زیادہ محبوب تھے۔[1] اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اپنے دین کے لیے چن لیا۔

اسلام کی طرف میلان

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رفتہ رفتہ اسلام کی طرف مائل ہوئے۔ پہلی مرتبہ جب انھوں نے اپنے قبیلے بنوعدی بن کعب کے بعض افراد کو جو مسلمان ہو چکے تھے، ہجرت کے لیے نکلتے دیکھا تو وہ ان کے جانے پر غمزدہ ہوئے اور ان کا دل پسیج گیا۔

ام عبداللہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ رضی اللہ عنہا، جو عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں، وہ فرماتی ہیں: ''اللہ کی قسم! ہم حبشہ کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ میرا خاوند کچھ ضرورتوں کے لیے باہر نکلا تھا، میں اکیلی تھی کہ اتنے میں عمر آ گئے۔ اس وقت وہ اپنے شرک پر قائم تھے۔ ہمیں ان کی طرف سے تکلیفیں پہنچتی رہتی تھیں۔ انھوں نے مجھ سے پوچھا: ''ام عبداللہ! کہاں جا رہی ہو؟''

میں نے کہا: ''ہاں، اللہ کی قسم! ہم اللہ کی زمین میں ضرور کہیں نہ کہیں جا نکلیں گے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے لیے مشکلات سے نکلنے کی کوئی راہ پیدا فرما دے۔'' یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے:

صَحِبَكُمُ اللّٰهُ. ''اللہ تمھاری نصرت وحفاظت فرمائے۔''

اُس وقت میں نے ان میں ایسی نرمی دیکھی جو پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ وہ چلے گئے، میرا خیال ہے کہ وہ ہمارے نکلنے کی وجہ سے غمزدہ ہو گئے تھے۔ اس کے بعد میرے خاوند عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بھی اپنے کام سے فارغ ہو کر آ گئے، میں نے ان سے کہا:

''ابوعبداللہ! کاش! آپ ابھی تھوڑی دیر پہلے آ جاتے تو عمر کو، ان کی نرمی کو اور ان کے ہم پر غمگین ہونے کو دیکھ لیتے۔''

یہ سن کر عامر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا: ''کیا تمھیں توقع ہے کہ وہ مسلمان ہو جائیں گے؟''

میں نے کہا: ''جی ہاں۔''

وہ فرمانے لگے: ''اللہ کی قسم! عمر اس وقت تک مسلمان نہیں ہوں گے جب تک (ان کے والد) خطاب کا گدھا

[1] جامع الترمذي: 3681. یہ روایت متعدد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے کئی طرق سے مروی ہے۔

مسلمان نہ ہو جائے۔"

عامر رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے کہی کہ انھیں عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی قطعاً کوئی اُمید نہیں تھی کیونکہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی اسلام کے خلاف سختی اور سنگ دلی کے مظاہرے دیکھ چکے تھے۔ [1]

زبانِ نبوت سے قرآن سن کر عمر رضی اللہ عنہ کی حیرت

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کا پیچھا کیا۔ انھوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ حرم پہنچ گئے ہیں اور آپ ﷺ نے نماز پڑھنی شروع کر دی ہے، عمر رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔ آپ ﷺ نے سورۃ الحاقہ کی تلاوت شروع کر دی، عمر رضی اللہ عنہ قرآن مجید سننے لگے اور اس کے بے نظیر نظم و اسلوب پر تعجب کرنے لگے۔ انھوں نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا: "اللہ کی قسم! یہ تو شاعر ہیں جیسا کہ قریش کہتے ہیں۔"

اتنے میں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں:

﴿ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۚ قَلِيلًا مَا تُؤْمِنُونَ ۝ ﴾

"بلاشبہ یہ (قرآن) رسولِ کریم کا قول ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں، تم کم ہی ایمان لاتے ہو۔"

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ بولے: "(ارے یہ شاعر نہیں بلکہ یہ تو) کاہن ہیں۔"

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:

﴿ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۚ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۝ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۝ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۝ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۝ ﴾ (الحآقة 69 :40-47)

"اور نہ (قرآن) کسی کاہن کا قول ہے، تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔ (یہ تو) تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ اور اگر یہ ہم پر کوئی بات گھڑ کر لگاتا۔ تو یقیناً ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ لیتے۔ پھر ہم اس کی شہ رگ کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں کوئی ایک بھی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کی آخر تک تلاوت فرمائی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی زبانِ اطہر سے قرآن مجید کی تلاوت سن کر بے حد متأثر ہوئے، وہ فرماتے ہیں:

فَوَقَعَ الْإِسْلَامُ فِي قَلْبِي كُلَّ مَوْقِعٍ.

[1] السيرة لابن إسحاق: 220/1، السيرة لابن هشام: 343/1، البداية والنهاية: 77/3.

''(یہ تلاوتِ کلام پاک سن کر) اسلام میرے دل میں پوری طرح جاگزیں ہوگیا۔''[1]

تاہم عمر رضی اللہ عنہ نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا، وہ اپنی پرانی روش پر بدستور قائم تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے عمر رضی اللہ عنہ کی روانگی

ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت سخت گرمی میں گلے میں تلوار لٹکا کر نکل پڑے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف جانا چاہتے تھے۔ انھیں بتایا گیا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ صفا پہاڑی کے قریب ایک گھر میں جمع ہوئے ہیں۔ راستے میں عمر رضی اللہ عنہ کی نُعَیم بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ یہ مسلمان ہو چکے تھے لیکن انھوں نے اپنی قوم کے ڈر سے اپنا اسلام چھپا رکھا تھا۔ انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کہاں کا ارادہ ہے؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''میں اس صابی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے جا رہا ہوں جس نے قریش کے معاملے کو جدا جدا کر دیا، ان کے عقلمندوں کو بیوقوف بنا دیا، ان کے دین کو عیب دار کر دیا اور ان کے معبودوں کو برا بھلا کہا ہے۔''

عمر رضی اللہ عنہ کا یہ خطرناک ارادہ سن کر نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''عمر! اللہ کی قسم! تمھارے نفس نے تمھیں اپنے بارے میں دھوکے میں مبتلا کر دیا ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے بعد بنوعبد مناف تمھیں زمین پر یونہی چلتا پھرتا چھوڑ دیں گے! تم واپس اپنے گھر والوں کے پاس کیوں نہیں جاتے اور ان کا معاملہ سیدھا کیوں نہیں کرتے؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے حیرت سے پوچھا: ''میرے کون سے گھر والے؟''

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اللہ کی قسم! تمھارے بہنوئی سعید بن زید بن عمرو اور تمھاری بہن فاطمہ بنت خطاب (رضی اللہ عنہا) دونوں مسلمان ہوگئے ہیں، انھوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے، تم ان کی خبر لو۔''

نعیم رضی اللہ عنہ کی یہ بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ غصے سے بھڑک اُٹھے۔ پھر وہ اپنی بہن اور بہنوئی کی طرف چل دیے۔ ان دونوں کے پاس اس وقت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ یہ انھیں قرآن مجید پڑھانے کے لیے تشریف لاتے تھے۔ ان کے پاس ایک صحیفہ بھی تھا جس میں سورۂ طٰہٰ تحریر تھی۔ خباب رضی اللہ عنہ ان دونوں کو یہ سورت پڑھا رہے تھے۔ اچانک جب انھوں نے عمر رضی اللہ عنہ کی آہٹ سنی تو خباب رضی اللہ عنہ فوراً گھر میں چھپ گئے اور عمر رضی اللہ عنہ کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صحیفہ چھپا دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ گھر کے قریب پہنچ کر خباب رضی اللہ عنہ کی قراءت سن چکے تھے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوئے تو انھوں نے پوچھا: ''یہ دھیمی دھیمی سی آواز کیا تھی جو میں نے ابھی سنی ہے؟''

[1] مسند أحمد: 17/1، السلسلة الضعيفة: 74/14. یہ روایت ہیثمی نے بھی ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں مگر شریح نے عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ نہیں پایا۔ (مجمع الزوائد: 56/9، حدیث: 14407)

انھوں نے کہا: ''تم نے کچھ نہیں سنا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: ''اللہ کی قسم! ضرور سنا ہے۔ مجھے پتہ چلا ہے کہ تم دونوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی پیروی اختیار کر لی ہے۔''

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بہنوئی سعید بن زید رضی اللہ عنہ پر تشدد شروع کر دیا۔ فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کو بچانے کے لیے آگے بڑھیں تو عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی مارا اور ان کا سر زخمی کر دیا۔ جب عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں کی پٹائی کر چکے تو وہ بولے:

''ہاں ہاں، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے ہیں، اب آپ جو چاہیں کر لیں۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن کا بہتا ہوا خون دیکھا تو انھیں اپنے فعل پر شرمندگی محسوس ہوئی۔ وہ پیچھے ہٹ گئے، پھر انھوں نے اپنی بہن سے کہا: ''مجھے وہ صحیفہ دو جسے میں نے کچھ دیر پہلے تمھیں پڑھتے سنا ہے، میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ کیا چیز ہے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ جب انھوں نے صحیفہ دیکھنے کا مطالبہ کیا تو ان کی بہن کہنے لگیں: ''ہم اس صحیفے کے بارے میں آپ سے ڈرتے ہیں (مبادا آپ اسے کوئی نقصان پہنچائیں)۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: مت ڈرو، پھر یقین دہانی کے لیے اپنے معبودوں کی قسم کھا کر کہا کہ میں پڑھنے کے بعد یہ صحیفہ تمھیں واپس دے دوں گا۔

یہ بات سن کر ان کی بہن فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے اسلام لانے کی امید پیدا ہوگئی، وہ کہنے لگیں: ''بھائی جان! تم شرک پر ہونے کی وجہ سے پلید ہو، اس صحیفے کو تو صرف پاک لوگ ہی چھوتے ہیں، اٹھو اور غسل کرو۔''

عمر رضی اللہ عنہ اٹھے اور غسل کیا۔ بعد ازاں ان کی بہن نے انھیں وہ صحیفہ دے دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے سورۂ طٰہٰ پڑھنی شروع کی اور اس آیتِ مبارکہ تک قراءت کی:

﴿إِنَّنِيٓ أَنَا ٱللَّهُ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَٱعْبُدْنِي وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكْرِيٓ ۝ إِنَّ ٱلسَّاعَةَ ءَاتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعَىٰ ۝ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَن لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَٱتَّبَعَ هَوَىٰهُ فَتَرْدَىٰ ۝﴾

''بے شک میں ہی اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، چنانچہ تو میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم کر۔ بے شک قیامت آنے والی ہے، میں اس کا وقت مخفی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ ہر نفس کو (اس

کی) کوشش کا بدلہ دیا جائے۔ لہٰذا اس (فکرِ آخرت) سے تجھے وہ شخص روکنے نہ پائے جو اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے ورنہ تو (بھی) ہلاک ہو جائے گا۔“ [1]

یہ آیات مقدسہ پڑھتے ہی عمر ﷛ بول اٹھے:

مَا أَحْسَنَ هٰذَا الْكَلَامَ وَ أَكْرَمَهُ!

”یہ کتنا اچھا اور کس قدر معزز کلام ہے!“

سیدنا خباب ﷛ چھپے ہوئے تھے۔ جب انھوں نے عمر بن خطاب ﷛ کی زبان سے یہ کلمات سنے تو فوراً باہر نکل آئے اور کہنے لگے: ”عمر! اللہ کی قسم! میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں اپنے نبی ﷺ کی دعا کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ میں نے گزشتہ روز ہی نبیِ اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے:

«اَللّٰهُمَّ! أَيِّدِ الْإِسْلَامَ بِأَبِي الْحَكَمِ بْنِ هِشَامٍ أَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ»

”اے اللہ! اسلام کو ابوالحکم (ابوجہل) بن ہشام یا عمر بن خطاب کے ذریعے سے مضبوط فرما۔“

عمر! اب تم اللہ کے دین کی خاطر جلدی کرو۔“

سیدنا خباب ﷛ کی یہ بات سن کر عمر ﷛ نے کہا: ”خباب! مجھے محمد (ﷺ) کا پتا بتاؤ تاکہ میں ان کے پاس جاؤں اور اسلام قبول کر لوں۔“

سیدنا خباب ﷛ نے کہا: ”رسول اللہ ﷺ صفا پہاڑی کے قریب ایک گھر میں تشریف فرما ہیں، آپ کے ساتھ صحابۂ کرام ﷡ کی ایک جماعت بھی ہے۔“

عمر ﷛ اپنی تلوار گلے میں ڈال کر رسول اللہ ﷺ کی طرف روانہ ہوئے، وہ اس وقت آپ ﷺ سے فوراً ملاقات کے آرزومند تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ عمر ﷛ آپ ﷺ کو قتل کرنے کے درپے ہیں اور آپ کو تلاش کر رہے ہیں لیکن آپ ﷺ کو یہ معلوم نہیں ہوا تھا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ عمر ﷛ نے گھر کے پاس پہنچ کر دروازے پر دستک دی۔ صحابۂ کرام ﷡ نے عمر ﷛ کی آواز سن لی۔ ایک صحابی نے دروازے کے سوراخ سے جھانک کر دیکھا کہ عمر ﷛ گلے میں تلوار لٹکائے کھڑے ہیں، وہ صحابی گھبرا گئے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آئے اور بولے: ”اللہ کے رسول! عمر بن خطاب گلے میں تلوار لٹکا کر آئے ہیں۔“

دیگر صحابۂ کرام ﷡ بھی ڈر گئے۔ انھیں خطرہ تھا، مبادا عمر کسی برے ارادے سے آئے ہوں۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب ﷛ بھی وہاں موجود تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی: ”آپ انھیں اندر آنے کی اجازت

[1] طٰهٰ 20:14-16۔

دے دیجیے۔ اگر وہ بھلائی کے ارادے سے آئے ہیں تو ہم بھی انھیں بھلائی عطا کریں گے اور اگر برے ارادے سے آئے ہیں تو ہم انھیں انھی کی تلوار سے قتل کر ڈالیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''انھیں اندر آنے کی اجازت دے دو۔''

عمر رضی اللہ عنہ کو باریابی کی اجازت دے دی گئی۔ رسول اللہ ﷺ تیزی سے ان کی طرف بڑھے۔ آپ ﷺ نے ان سے حجرے میں ملاقات کی۔ ان کا دامن پکڑ کر سختی سے کھینچا اور فرمایا:

«مَا جَاءَ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ مَا أَرَاكَ مُنْتَهِيًا يَا عُمَرُ! حَتّٰى يُنْزِلَ اللّٰهُ بِكَ مِنَ الرِّجْزِ مَا أَنْزَلَ بِالْوَلِيدِ بْنِ الْمُغِيرَةِ»

''خطاب کے بیٹے! تمھیں کون سی چیز یہاں لے آئی؟ عمر! میرا خیال ہے تم اس وقت تک باز نہیں آؤ گے جب تک اللہ تم پر ویسا ہی عذاب نازل نہ کرے جیسا اس نے ولید بن مغیرہ پر نازل کیا تھا۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! اهْدِ عُمَرَ» ''اے اللہ! عمر کو ہدایت عطا فرما۔''

عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی: ''اللہ کے رسول! میں تو آپ کی خدمت میں اس لیے آیا ہوں کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤں اور اس چیز پر بھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ہے۔'' اس کے ساتھ ہی عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہوئے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ.

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے «اَللّٰهُ أَكْبَرُ» کہا۔ اس طرح گھر میں موجود تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو گیا کہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، چنانچہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی بڑے زور سے اَللّٰهُ أَكْبَرُ کہا۔ ان کی تکبیر کی گونج گھر سے باہر بھی سنائی دی۔ [1]

مسلمان ہونے پر عمر رضی اللہ عنہ کے لیے دعائے نبوی

جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں درج ذیل دعا دیتے ہوئے اپنا دست مبارک تین بار

[1] السيرة لابن إسحاق: 220/1-223، السيرة لابن هشام: 343/1-346، فتح الباري: 61/7.

ان کے سینے پر مارا:

«اَللّٰهُمَّ! أَخْرِجْ مَا فِي صَدْرِهِ مِنْ غِلٍّ وَّ أَبْدِلْهُ إِيمَانًا»

''اے اللہ! اس کے سینے میں موجود کینہ نکال دے اور اسے ایمان سے بدل دے۔''

آپ ﷺ نے تین بار یہی دعا فرمائی۔[1]

علامہ ہیثمی نے اس حدیث کے راویوں کو ثقہ قرار دیا ہے۔[2]

ابوجہل کو عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی اطلاع

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نہایت جرأت مند، نڈر اور دلیر تھے۔ جس رات انھوں نے اسلام قبول کیا، اسی شب وہ غور کرنے لگے کہ اہل مکہ میں رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ سخت دشمن کون ہے تاکہ وہ اُسے بتا دیں کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ انھیں یاد آیا کہ ابوجہل رسول اللہ ﷺ کا سب سے سخت دشمن ہے۔ ابوجہل عمر رضی اللہ عنہ کا قریبی رشتہ دار تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ کی والدہ حنتمہ بنت ہاشم بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام بن مغیرہ کی چچا زاد بہن تھیں۔[3]

صبح ہوتے ہی عمر رضی اللہ عنہ ابوجہل کے گھر گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ ابوجہل باہر نکلا اور انھیں دیکھ کر کہنے لگا:

''میرے بھانجے! خوش آمدید، کہو کیسے آئے؟''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تجھے یہ بتانے آیا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ پر ایمان لے آیا ہوں اور جو وہ لائے ہیں، میں نے اس کی تصدیق کر دی ہے۔''

ابوجہل نے یہ سن کر زور سے دروازہ بند کر دیا اور کہنے لگا: ''اللہ تیرا برا کرے اور جو کچھ تو لے کر آیا ہے، اس کا بھی برا کرے۔''[4]

عمر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ اسلام

اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ قریش میں سب سے زیادہ بات پھیلانے والا کون ہے؟ انھیں بتایا گیا کہ یہ کام جمیل بن معمر جمحی کرتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ اس کے پاس گئے اور اسے کہنے لگے:

''جمیل! کیا تجھے معلوم ہے کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کا لایا ہوا دین قبول کرلیا ہے۔''

جمیل بن معمر نے یہ بات سن کر عمر رضی اللہ عنہ سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ فوراً اپنی چادر گھسیٹتا ہوا سیدھا مسجد الحرام کی طرف بھاگا۔ عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ جمیل بن معمر مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوگیا اور نہایت بلند آواز

[1] المعجم الأوسط للطبراني: 308/1، حديث: 1096. [2] مجمع الزوائد: 62/9، حديث: 14417. [3] الاستيعاب، ص: 551. [4] السيرة لابن هشام: 350/1.

سے چیخ کر بولا: ''اے قریش کی جماعت! آگاہ ہو جاؤ، خطاب کا بیٹا عمر صابی ہو گیا ہے۔''

قریش کے لوگ اس وقت کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جمیل بن معمر جب مذکورہ بات کہہ رہا تھا تو عمر رضی اللہ عنہ اس کے پیچھے کھڑے یہ اعلان کر رہے تھے: ''اس نے جھوٹ بولا ہے، (میں صابی نہیں ہوا) بلکہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور یہ گواہی دی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے پر کفار کا ردعمل

کفارِ قریش عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر سنتے ہی ان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں مارنا شروع کر دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ ان کو مارتے رہے اور وہ عمر رضی اللہ عنہ کو مارتے رہے یہاں تک کہ سورج سر پر آ گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ تھک کر بیٹھ گئے، کفارِ قریش ان کے سر پر کھڑے تھے اور عمر رضی اللہ عنہ ان سے کہہ رہے تھے: ''جو چاہو کر لو، میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم تین سو آدمی ہوتے تو ہم تمھارے لیے مکہ کو چھوڑ جاتے یا تم ہمارے لیے اسے چھوڑ دیتے۔''[1]

عمر رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا منصوبہ

کفارِ قریش کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا نہایت دیدہ دلیری سے اپنے اسلام کا اعلان کرنا بہت گراں گزرا، اس لیے انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جان سے مار ڈالنے کا فیصلہ کر لیا اور باہم مل کر ان کے گھر پر ہلہ بول دیا۔ ان کے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب عمر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو لوگ ان کے گھر کے پاس جمع ہو گئے اور کہنے لگے: صَبَأَ عُمَرُ ''عمر صابی ہو گئے ہیں۔''

میں اس وقت بچہ تھا۔ اپنے گھر کی چھت پر کھڑا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ خوف کی حالت میں گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ان کے پاس ابو عمرو عاص بن وائل سہمی آ گیا۔ اس نے ایک دھاری دار یمنی چادر اور ریشمی گوٹے سے آراستہ کرتا زیب تن کیا ہوا تھا۔ وہ بنو سہم میں سے تھا اور یہ قبیلہ زمانۂ جاہلیت میں ہمارا حلیف تھا۔

عاص بن وائل نے عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ''کیا بات ہے؟''

عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں مسلمان ہو گیا ہوں، اس لیے تمھاری قوم مجھے قتل کرنا چاہتی ہے۔

یہ سن کر عاص بن وائل نے کہا: ''تمھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔''

عمر رضی اللہ عنہ کو عاص بن وائل کی یہ بات سن کر اطمینان ہو گیا۔ اس کے بعد عاص بن وائل باہر نکلا۔ وہ لوگوں سے ملا۔

[1] السیرة لابن إسحاق :1/224، السیرة لابن هشام: 1/349,348.

لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا کہ پوری وادی ان سے بھر گئی تھی۔ عاص نے لوگوں سے پوچھا: ''تمھارا کہاں کا ارادہ ہے؟''

لوگوں نے کہا: ''ہم خطاب کے اس بیٹے کے پاس جانا چاہتے ہیں جو صابی ہو گیا ہے۔''

عاص بن وائل نے کہا: ''عمر صابی ہو گئے ہیں تو کوئی حرج نہیں۔ میں انھیں پناہ دیتا ہوں۔ (اب) ان کی طرف جانے کی کوئی راہ نہیں۔''

اس کی یہ بات سنتے ہی لوگ بکھر گئے اور واپس چلے گئے۔ [1]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں عاص بن وائل کی عزت اور شان وشوکت پر حیران ہوا کہ لوگ اس کے کہنے پر بلا چون و چرا واپس چلے گئے۔ [2]

عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام سے مسلمانوں کی عزت افزائی

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے سے اسلام اور مسلمان پہلے سے زیادہ مضبوط ہو گئے اور انھیں بہت عزت حاصل ہو گئی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَازِلْنَا أَعِزَّةً مُنْذُ أَسْلَمَ عُمَرُ.

''جب سے عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے، ہم باعزت رہے۔'' [3]

دراصل نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی دعا فرمائی تھی کہ اللہ تعالیٰ عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعے سے اسلام کو عزت عطا فرمائے جیسا کہ قبل ازیں گزر چکا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جس طرح کفر میں سخت تھے، اسی طرح اب اسلام میں بھی بہت سخت اور پختہ ہو گئے۔ انھوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: ''اللہ کے رسول! ہم مر جائیں یا زندہ رہیں، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

«بَلٰی۔ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! ۔ إِنَّكُمْ لَعَلَى الْحَقِّ إِنْ مُتُّمْ وَ إِنْ حَيِيتُمْ»

''کیوں نہیں! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! بلاشبہ تم حق پر ہو، چاہے تم مر جاؤ یا زندہ رہو۔''

یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''پھر چھپنا کس لیے؟ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے! آپ ضرور باہر نکلیں۔''

[1] صحيح البخاري: 3865,3864. [2] فتح الباري: 225/7. [3] صحيح البخاري: 3684.

وہ رسول اللہ ﷺ کو دو صفوں کے ساتھ لے کر باہر نکلے۔ ایک صف میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری میں عمر رضی اللہ عنہ۔ ان کے قدموں کی رفتار سے چکی کے آٹے کی طرح ہلکا ہلکا غبار اڑ رہا تھا، چلتے چلتے وہ مسجد الحرام میں داخل ہو گئے، کفارِ قریش نے عمر اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا تو انھیں اس قدر حزن و ملال ہوا کہ اس سے پہلے انھیں ایسا صدمہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو فاروق کا لقب عطا فرمایا، اس لیے کہ انھوں نے حق اور باطل کے درمیان فرق قائم کر دیا تھا۔[1]



سیدنا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''جب عمر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو اسلام ظاہر اور غالب ہو گیا اور اسلام کی طرف علانیہ دعوت دی جانے لگی۔ ہم بیت اللہ کے اردگرد حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے، پھر ہم نے بیت اللہ کا طواف کیا۔ جس نے ہم پر سختی کی، ہم نے بھی اس سے انتقام لیا اور اس کی بعض اذیت رسانیوں کا جواب دیا۔''[2]

اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''بلاشبہ عمر رضی اللہ عنہ کا اسلام ایک فتح تھی، ان کی ہجرت مدد تھی اور ان کی امارت رحمت تھی۔ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جب وہ اسلام لائے تو انھوں نے کفارِ قریش سے لڑائی کی حتی کہ انھوں نے کعبہ کے پاس نماز پڑھی اور ہم نے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھی۔''[3]

[1] دلائل النبوۃ لأبي نعیم: 243,242/1. [2] الطبقات لابن سعد: 269/3. [3] المعجم الکبیر للطبراني: 165/9، السیرۃ لابن هشام: 342/1، الطبقات لابن سعد: 270/3.

نجران کے عیسائیوں کا قبولِ اسلام

مہاجرین کے حبشہ میں مقیم ہونے کی وجہ سے حبشہ اور اس کے گرد ونواح میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کا خوب چرچا ہوا۔ یہ خبر نجران کے عیسائیوں کو بھی پہنچی۔ ان کا تقریباً بیس افراد پر مشتمل ایک وفد مکہ میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے، وہ آپ کی خدمت میں پہنچ کر بیٹھ گئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے گفتگو کی اور مختلف سوالات پوچھے۔ اس وقت کفارِ قریش کعبہ کے اردگرد اپنی مجلسوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ جب نجران کے یہ عیسائی اپنی مرضی کے مطابق سب سوالات پوچھ چکے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں اللہ عزوجل کی بندگی کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ تلاوتِ قرآن سن کر ان کی آنکھوں



سے آنسو بہنے لگے۔ انھوں نے اسی وقت رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ وہ ایمان لے آئے اور آپ ﷺ کی تصدیق کی، وہ اچھی طرح پہچان گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کے اوصاف ہماری آسمانی کتاب میں درج ہیں۔

جب یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اٹھے تو ابو جہل کفارِ قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر ان کے پاس آ گیا۔ انھوں نے نجران کے ان لوگوں سے کہا: ''اللہ تمھارے قافلے کو خائب و خاسر کرے، تمھیں تمھارے ہم مذہب لوگوں نے بھیجا ہے جو تمھارے پیچھے ہیں (وہ چاہتے ہیں) کہ تم ان کے لیے اس شخص (محمد ﷺ) کی خبر معلوم کرو، ہم ابھی ان کے پاس تمھارے بیٹھنے سے مطمئن بھی نہیں ہو پائے تھے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور ان کی باتوں کی تصدیق کر دی۔ ہم نے تم سے زیادہ بے وقوف قافلہ کبھی نہیں دیکھا۔''

نجران کے وفد نے کفارِ قریش کی باتوں کا جواب دیتے ہوئے کہا: ''تم پر سلام ہو، ہم تمھارے ساتھ جہالت و نادانی سے پیش نہیں آتے، ہمارے لیے وہ ہے جس پر ہم ہیں اور تمھارے لیے وہ ہے جس پر تم ہو۔ ہم اپنی بھلائی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔'' [1]

[1] تفسير القرطبي، القصص 28:52-55.

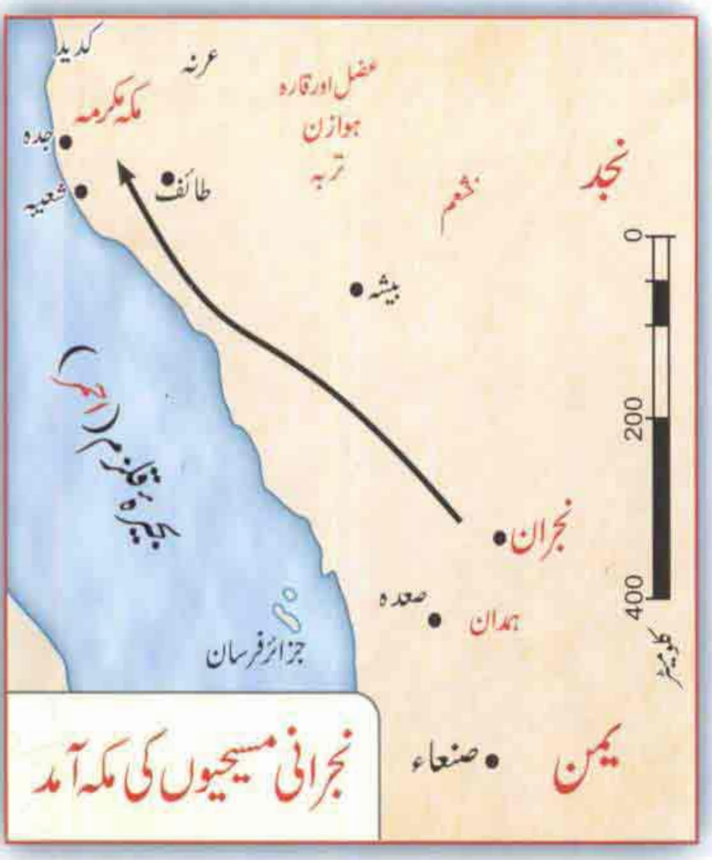


شہر نجران (سعودی عرب)

وہ لوگ کفارِ قریش کی باتوں میں نہیں آئے اور اسلام پر قائم رہے۔ کہا جاتا ہے کہ انھی لوگوں کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ○ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ○ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ○ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۡ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ○ ﴾ (القصص 28:52-55)

”وہ لوگ جنھیں ہم نے اس (قرآن) سے پہلے کتاب دی تھی، وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور جب وہ (قرآن مجید) ان پر تلاوت کیا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائے۔ بے شک یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے، بلاشبہ ہم تو اس سے پہلے ہی مسلمان تھے۔ یہ لوگ اپنا اجر دوبار دیے جائیں گے، اس وجہ سے کہ انھوں نے صبر کیا اور وہ بھلائی کے ساتھ برائی کو دور کرتے ہیں اور جو رزق ہم نے انھیں دیا ہے، اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں اور جب وہ لغو بات سنتے ہیں تو اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں: ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں۔ تم پر سلام ہو۔ ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔“ [1]



نجرانی مسیحیوں کی مکہ آمد

[1] السيرة لابن إسحاق: 252/1، دلائل النبوة للبيهقي: 307,306/2، السيرة لابن هشام: 391/2، 392.

سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ آیات کریمہ ان ستر (عیسائی) علماء کے بارے میں نازل ہوئیں جنھیں نجاشی نے بھیجا تھا، جب وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انھیں سورۂ یٰسٓ پڑھ کر سنائی۔ آپ ﷺ نے جب یہ سورۂ مبارکہ ختم کی تو ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ وہ بہت روئے اور سب مسلمان ہو گئے۔[1]

[1] تفسیر ابن کثیر، القصص 28:52-55.

واقعۂ شقِ قمر

مشرکینِ مکہ اسلام کی دعوت کو روکنے اور اسے دبانے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کر رہے تھے۔ وہ جس قدر اسلام کو دبانے کی کوشش کر رہے تھے، یہ اسی نسبت سے اور زیادہ پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ کفارِ مکہ نے ایک ترکیب یہ سوچی کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی خرقِ عادت (انہونی) چیز اور انسان کی امکانی استعداد سے ماورا کوئی کمال دکھانے کا مطالبہ کیا جائے تا کہ آپ کو عاجز اور خاموش کر دیا جائے اور اس طرح لوگوں کو آپ ﷺ سے دور رکھا جائے، ان کے دلوں میں آپ کے خلاف نفرت پیدا کی جائے اور آپ کو جھٹلانے کا کوئی بہانہ ہاتھ آ جائے۔

اس مقصد کے لیے مشرکین مکہ اکٹھے ہو کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے۔ ان میں ان کے سرکردہ لوگ ولید بن مغیرہ، ابوجہل بن ہشام، عاص بن وائل، عاص بن ہشام، اسود بن عبدیغوث، اسود بن مطلب بن اسد، زمعہ بن اسود اورنضر بن حارث کے علاوہ ان جیسے اور بھی بہت سے لوگ شامل تھے۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر آپ سچے ہیں تو ہمیں اس طرح چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھائیں کہ آدھا چاند جبل ابی قبیس پر ہو اور آدھا چاند جبل قُعَیقِعَان پر دکھائی دے۔

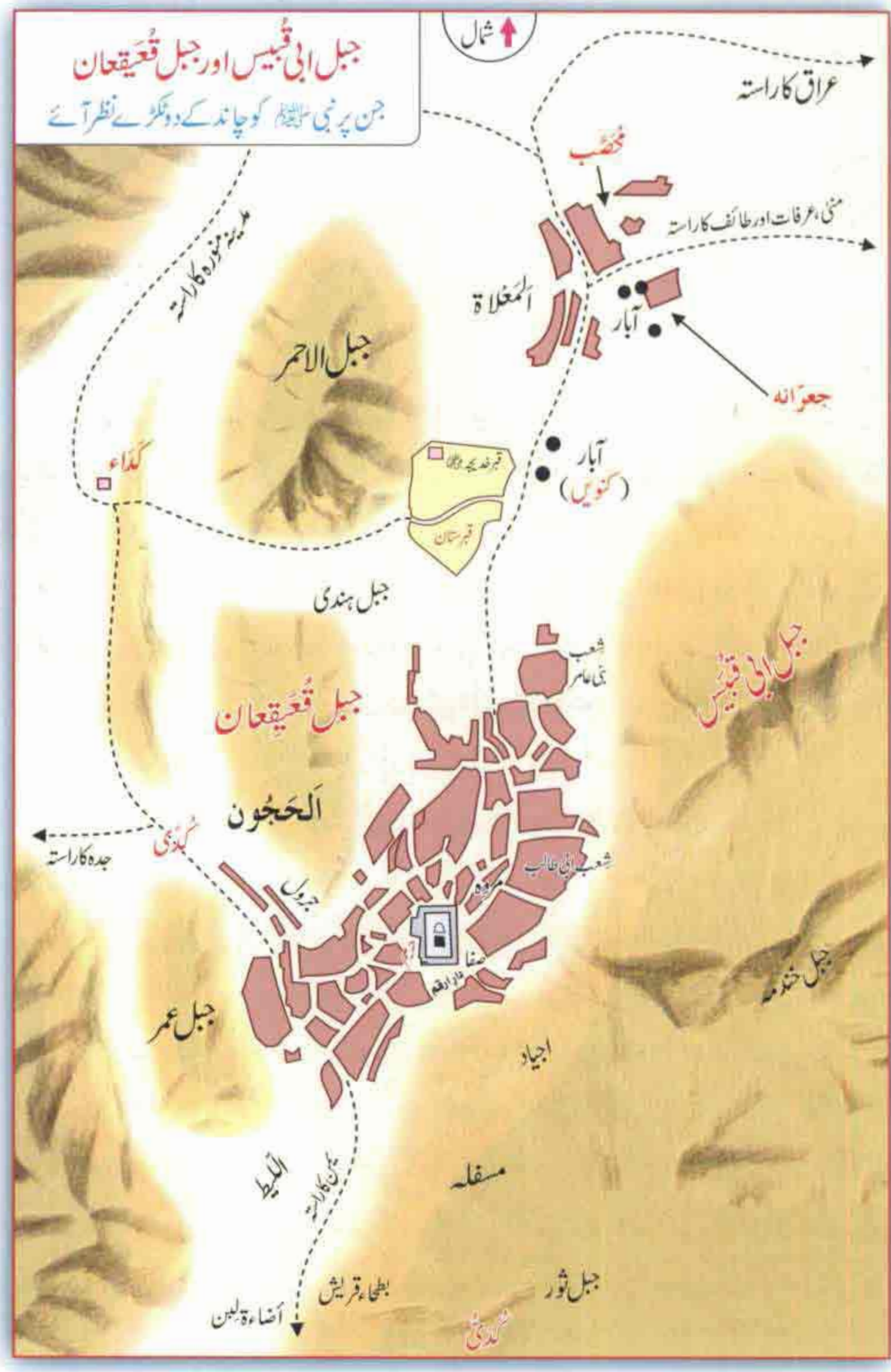
رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: «إِنْ فَعَلْتُ تُؤْمِنُوا؟»

''اگر میں ایسا کر دکھاؤں تو کیا تم ایمان لے آؤ گے؟''

ان سب نے کہا: ''ہاں۔''

وہ چودھویں کی رات تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ پھیلا دیے اور درخواست کی کہ آپ کو وہ چیز عطا فرمائی جائے جس کا مشرکین نے سوال کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی یہ درخواست قبول فرمائی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ آدھا چاند جبل ابی قبیس پر رونما ہوا اور آدھا جبل قُعَیقِعَان پر چمکنے لگا۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ یہ اعلان فرما رہے تھے:

«يَا أَبَا سَلَمَةَ بْنَ عَبْدِ الْأَسَدِ وَ الْأَرْقَمَ بْنَ أَبِي الْأَرْقَمِ! اِشْهَدُوا»


جبل ابی قُبیس اور جبل قُعَیقعان
جن پر نبی ﷺ کو چاند کے دو ٹکڑے نظر آئے
شمال
عراق کا راستہ
مُحَصَّب
منیٰ، عرفات اور طائف کا راستہ
المَعْلاۃ
آبار
جعرانہ
مدینہ منورہ کا راستہ
جبل الاحمر
کداء
قبر خدیجہ ؓ
قبرستان
آبار
(کنویں)
جبل ہندی
شعب بنی عامر
جبل ابی قبیس
جبل قُعَیقعان
الحَجُون
شعب ابی طالب
مروہ
جدہ کا راستہ
کُدیٰ
جرول
صفا
دار ارقم
جبل خندمہ
جبل عمر
اجیاد
اللیط
یمن کا راستہ
مسفلہ
بطحاء قریش
جبل ثور
اضاءۃ لبن
کُدَیّ

''اے ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم! تم سب گواہ ہو جاؤ۔'' [1]

نبی ﷺ نے اس معاملے پر لوگوں کو گواہ بنانے کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو بھی گواہ بنایا اور بارگاہِ ربانی میں عرض کی:

«اَللّٰھُمَّ! اشْھَدْ» ''اے اللہ! تو گواہ رہنا۔'' [2]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ مکہ والوں نے نبیِ کریم ﷺ سے معجزہ دکھانے کو کہا تو نبیِ کریم ﷺ نے انھیں چاند کے پھٹ جانے کا معجزہ دکھایا۔ [3]

کفارِ قریش کی ہٹ دھرمی

مشرکین مکہ نے جب اپنا یہ مطالبہ پورا ہوتے دیکھ لیا کہ چاند پھٹ گیا ہے اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے ہیں تو وہ ہکا بکا رہ گئے۔ انھیں سان گمان بھی نہ تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ یہ معجزہ دیکھ لینے کے باوجود وہ ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگے: ''ارے! یہ تو ابن ابی کبشہ کا جادو ہے۔ تم ذرا انتظار کرو اور دیکھو کہ مسافر لوگ کیا بتاتے ہیں۔ محمد (ﷺ) سب لوگوں پر جادو نہیں کر سکتے۔ اگر مسافروں نے یہ خبر دی کہ انھوں نے بھی چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے جیسے کہ تم نے دیکھا ہے تو پھر محمد (ﷺ) سچے ہیں۔''

اس کے بعد کفارِ قریش کے پاس جس جانب سے بھی کوئی مسافر آیا، اس نے یہی خبر دی کہ اس نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا ہے۔ [4]

اس دوٹوک گواہی کے باوجود بھی کفارِ قریش نہ مانے اور ایمان نہ لائے۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○﴾

(القمر 54:1,2)

''قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔ اور اگر وہ (مشرک) کوئی معجزہ دیکھیں تو منہ موڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (یہ) جادو تو ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔'' [5]

ایک اور روایت میں کفارِ مکہ کے علاوہ یہود کے علماء کا بھی ذکر ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ سے کوئی نشانی دکھانے کا مطالبہ کیا تھا جس پر انھیں چاند کے دو ٹکڑے کر کے دکھا دیے گئے لیکن انھوں نے بھی یہی کہا کہ یہ تو بڑا

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/279,280. [2] صحيح مسلم:2800. [3] صحيح البخاري:4867. [4] دلائل النبوة لأبي نعيم:1/281. [5] أسباب نزول القرآن للواحدي، ص:418,419، رقم:774، دلائل النبوة للبيهقي:2/265.

پکا جادو ہے۔[1] ممکن ہے کہ علمائے یہود نے بھی یہ مطالبہ اسی وقت کیا ہو جب کفارِ قریش یہ مطالبہ کر رہے تھے۔

شقِ قمر کا یہ واقعہ متعدد طرق سے مروی متواتر احادیث سے ثابت ہے جو قطعیت کا فائدہ دیتی ہیں۔ اس واقعے کے راوی انس بن مالک، جبیر بن مطعم، حذیفہ، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔[2] یہ معجزہ ہجرتِ مدینہ سے تقریباً پانچ برس پہلے رونما ہوا۔[3] اس کے بارے میں صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ ایسا معاملہ ایک مرتبہ رونما ہوا تھا۔[4] اور یہ اتنی دیر تک برقرار رہا جتنی عصر سے رات تک کی درمیانی مدت ہوتی ہے۔[5]

واقعۂ شقِ قمر پر اعتراضات اور ان کا جواب

اس واقعے پر منکرینِ معجزات کئی طرح کے اعتراضات کرتے ہیں۔ پہلا اعتراض سورۂ قمر کی پہلی آیت کے معنی کی تاویل سے تعلق رکھتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں صیغہ ماضی کا معنی استقبال میں لیا جائے گا اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ''جب قیامت قریب آجائے گی اور چاند پھٹ جائے گا۔'' جیسا کہ ﴿ إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴾ اور اس جیسی دوسری آیات کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ تاویل اور دلیل اس لیے غلط ہے کہ جہاں قیامت کے حوادث کا ذکر آیا ہے، مثلاً: آسمان پھٹ جائے گا۔ ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جھڑنے لگیں گے۔ زمین پر سخت زلزلے آئیں گے۔ پہاڑ اڑتے پھریں گے وغیرہ، وہاں ان باتوں کو کفار کی طرف سے سحر کہنے کا کوئی تعلق نہیں، نہ قرآن میں ایسی آیات کے ساتھ سحر کا ذکر آیا ہے۔ کافروں کا چاند کے پھٹنے کو جادو کہنا اور اس پر کفار کی تکرار اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ ایک حسّی معجزہ تھا جو وقوع پذیر ہو چکا۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ واقعہ فی الواقع ظہور میں آچکا ہے تو لوگوں کی ایک کثیر تعداد کو اس کا علم ہونا چاہیے تھا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واقعہ دن کا نہیں رات کا ہے جب کہ اکثر لوگ سوئے ہوئے ہوتے ہیں۔ پھر اس وقت آدھی دنیا میں تو سورج نکلا ہوا تھا جہاں یہ واقعہ نظر آنے کا سوال ہی نہ تھا اور باقی آدھی دنیا میں سے بھی صرف ان مقامات پر نظر آسکتا تھا جو منیٰ کے مشرق میں واقع تھے۔ پھر اس واقعے کا کوئی اعلان بھی نہیں ہوا تھا جیسے آج کل جنتریوں اور اخباروں سے معلوم ہو جاتا ہے یا رصد گاہوں کی طرف سے اعلان کیا جاتا ہے، اس لیے کوئی منتظر بھی نہ تھا کہ چاند پھٹے تو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

---

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم :280/1. [2] البداية والنهاية : 116/3. [3] فتح الباري : 771/6. [4] فتح الباري :231,230/7، البداية والنهاية :120/3. [5] دلائل النبوة لأبي نعيم :280/1.

علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ چاند گرہن کئی گھنٹوں تک لگا رہتا ہے۔ لوگوں کو پہلے سے خبر بھی دی جا چکی ہوتی ہے، پھر بھی لوگوں کی اکثریت چاند گرہن سے غافل ہوتی ہے اور یہ انشقاق قمر تو صرف تھوڑی دیر کے لیے واقع ہوا تھا۔ اسے کون دیکھتا؟ اور آس پاس کے لوگوں نے شہادت دے ہی دی تھی۔

تیسرا اعتراض یہ ہے کہ ایسے اہم واقعے کا تاریخ میں بھی ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اس اعتراض کے کئی جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ سب سے زیادہ مستند تاریخ احادیث کی کتابوں ہی سے دستیاب ہوسکتی ہے اور ان میں یہ واقعہ موجود ہے۔ دوسرا یہ کہ اس دور میں تاریخ نگاری کا ذوق اور فن اتنا ترقی یافتہ نہ تھا کہ کسی مؤرخ کے پاس اتنی شہادتیں جمع ہوتیں اور وہ تاریخ کی کتاب میں اسے درج کر لیتا۔ تیسرا یہ کہ تاریخ بھی اس واقعے کے اندراج سے یکسر خالی نہیں۔ ہندوستان کی مشہور اور مستند ''تاریخ فرشتہ'' میں مذکور ہے کہ مالا بار کے مہاراجہ نے یہ واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور بالآخر یہ واقعہ اس کے اسلام لانے کا سبب بنا تھا۔

چوتھا اعتراض یہ ہے کہ ہیئت دانوں اور ماہرین علم نجوم نے بھی اس واقعے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چاند پھٹنے سے اس کی رفتار میں فرق آتا یا وہ اپنا مدار بدل لیتا اور مدار سے ہٹ کر چلنے لگتا تو یہ باتیں اس قابل تھیں کہ ہیئت دان ان کا ذکر کرتے۔ لیکن جب ان میں سے کوئی چیز بھی واقع نہیں ہوئی تو پھر وہ کیا لکھیں؟

پانچواں اعتراض یہ ہے کہ یہ واقعہ خرق عادت ہے اور منکرین کی طرف سے سب سے اہم یہی اعتراض ہے جو انھیں اس واقعے کو تسلیم کرنے سے روکتا ہے اور وہ ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہیں اور طرح طرح کے شکوک پیدا کرتے ہیں اور حقیقتاً ان کا یہ انکار اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا انکار ہے۔ بہر حال یہ بات بھی آج بعید از عقل نہیں رہی۔ ہر سیارے کے مرکز میں آتشیں مادے یا پگھلی اور کھولتی ہوئی دھاتیں موجود ہیں جن کا درجہ حرارت ہزار ہا سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ ان کے اندر موجود لاوا ان عظیم الجثہ کُرّوں کو کسی وقت بھی دولخت کر دیتا ہے، پھر ان کے مرکز کی مقناطیسی قوت، جسے آج کی زبان میں قوت ثقل کہتے ہیں، ان جدا شدہ ٹکڑوں کو ملا کر جوڑ بھی دیتی ہے۔ ایسا عمل فضائے بسیط میں ہوتا رہتا ہے۔ یہ کہکشائیں اسی طرح وجود میں آئی ہیں۔ آج بھی یہ عمل بند نہیں ہوا بلکہ بدستور جاری ہے۔ علاوہ ازیں شہاب ثاقب بھی کسی سیارے کے اس طرح سے جدا ہونے والے ٹکڑے کا نام ہے جو کبھی علیحدہ ہو کر پھر جُڑ جاتا ہے، کبھی فضا ہی میں جل کر نابود ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار زمین پر بھی آ گرتا ہے۔ فضائے بسیط میں جو کچھ ہو رہا ہے، اگر انسان کو اس کا صحیح طور پر علم ہو جائے تو وہ انشقاق قمر کے اس واقعے پر کبھی تعجب نہ کرے۔ انسان کو کیا معلوم کہ اللہ کی قدرتوں کا دائرہ کتنا وسیع ہے اور وہ کس قدر زبردست حکمتِ بالغہ سے اس نظام کائنات کو چلا رہا ہے۔ [1]

[1] تیسیر القرآن، تفہیم القرآن، القمر 1:54 ، معارف القرآن: 227/8۔

غلبۂ اسلام کی عظیم الشان پیش گوئی

فارس اور روم اس وقت کی دو بڑی سلطنتیں تھیں۔ روم کے لوگ عیسائی تھے۔ اہلِ فارس مجوسی مشرک تھے۔ ان دونوں



شاہ فارس کوروش کبیر کا مقبرہ



رومی کولوسیم (روم، اٹلی)

کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ فارسی رومیوں پر غالب آ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو فارسیوں کے غلبے کی خبر ملی تو ان پر یہ بات بہت گراں گزری۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ مکہ ہی میں تھے۔ آپ ﷺ کو پسند نہ تھا کہ فارس کے مجوسی جو اہلِ کتاب نہیں تھے، وہ روم کے اہلِ کتاب پر غالب آ جائیں۔ کفارِ مکہ کو فارس کی فتح پر بہت مسرت ہوئی، وہ مسلمانوں کی ناگواری پر بھی بہت خوش ہوئے، انھوں نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی اور کہا: ''تم اہلِ کتاب ہو اور عیسائی بھی اہلِ کتاب ہیں۔ ہم اہل کتاب نہیں ہیں۔ ہمارے فارسی بھائی تمھارے اہلِ کتاب بھائیوں پر غالب آ گئے ہیں۔ اسی طرح جب تم ہم سے لڑو گے تو ہم بھی تم پر غالب آ جائیں گے۔''

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَيَوْمَىِٕذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝﴾ (الروم30:1-7)

دمشق کے پس منظر میں جبل قاسیون



’’الم۔ رومی مغلوب ہو گئے۔ قریب ترین سرزمین (شام کے علاقے اذرعات) میں اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے چند برسوں میں، اقتدار اللہ ہی کے لیے ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی۔ اور اس (غلبے والے) دن مومن بھی (اپنی فتح پر) خوش ہوں گے اللہ کی مدد سے، وہ جس کی چاہتا ہے، مدد کرتا ہے اور وہ نہایت غالب، بہت رحم کرنے والا ہے۔ (یہ) اللہ کا وعدہ ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ وہ دنیا کی زندگی کا ظاہری پہلو جانتے ہیں اور وہ آخرت سے تو بالکل غافل ہیں۔‘‘ [1]

ان آیات میں دو پیش گوئیاں تھیں۔ ایک رومیوں کے غلبے کی پیش گوئی اور دوسری ان کے غلبے کے زمانے میں

[1] تفسیر الطبري، الروم30:1-5، الدر المنثور، الروم30:1-6، تاریخ الطبري: 594/1.



قسطنطنیہ اور اس کی فصیل



مسلمانوں کی فتح کی خوشخبری۔ ان آیاتِ مبارکہ کے نزول کے وقت دور دور تک ایسے کوئی آثار نہیں تھے کہ ان دونوں پیش گوئیوں میں سے کوئی ایک محض چند سال ہی میں پوری ہوجائے گی۔ ایک طرف مٹھی بھر مسلمان تھے جو مکہ میں کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ دوسری طرف رومی عیسائیوں کی پسپائی اور مغلوبیت روز بروز بڑھتی چلی جارہی تھی۔ ایرانی فوجوں نے 613ء میں دمشق فتح کیا۔ پھر 614ء میں بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد ایک سال کے اندر اندر وہ اردن، فلسطین اور جزیرہ نمائے سینا کے پورے علاقے پر قابض ہوکر حدودِ مصر تک پہنچ گئے۔ ایشیائے کوچک (ترکی) میں ایرانی فوجیں رومیوں کو مارتی اور مسخر کرتی آبنائے باسفورس کے کنارے تک جا پہنچیں اور 617ء میں انھوں نے عین قسطنطنیہ (استنبول) کے سامنے خلقدون (قاضی کوئی) پر قبضہ کرلیا۔ قیصر روم ہرقل نے

بیت المقدس (یروشلم) کا وسیع منظر



شاہِ ایران خسرو پرویز سے صلح کی عاجزانہ درخواست کی جسے اس نے مسترد کر دیا۔ قیصر اس حد تک شکست خوردہ ہوگیا کہ اس نے قسطنطنیہ (استنبول) چھوڑ کر قرطاجنہ (تیونس) منتقل ہوجانے کا ارادہ کرلیا۔ 619ء تک پورا مصر ایران کے قبضے میں چلا گیا اور مجوسی فوجوں نے طرابلس (لیبیا) کے قریب پہنچ کر اپنے جھنڈے گاڑ دیے۔ [1]

قریش سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شرط

جب سورت الروم کی آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گھر سے نکلے اور مکہ کے گرد و نواح میں بلند آواز سے یہ آیات تلاوت کرنے لگے:

[1] مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: تفہیم القرآن: 724/3-728.



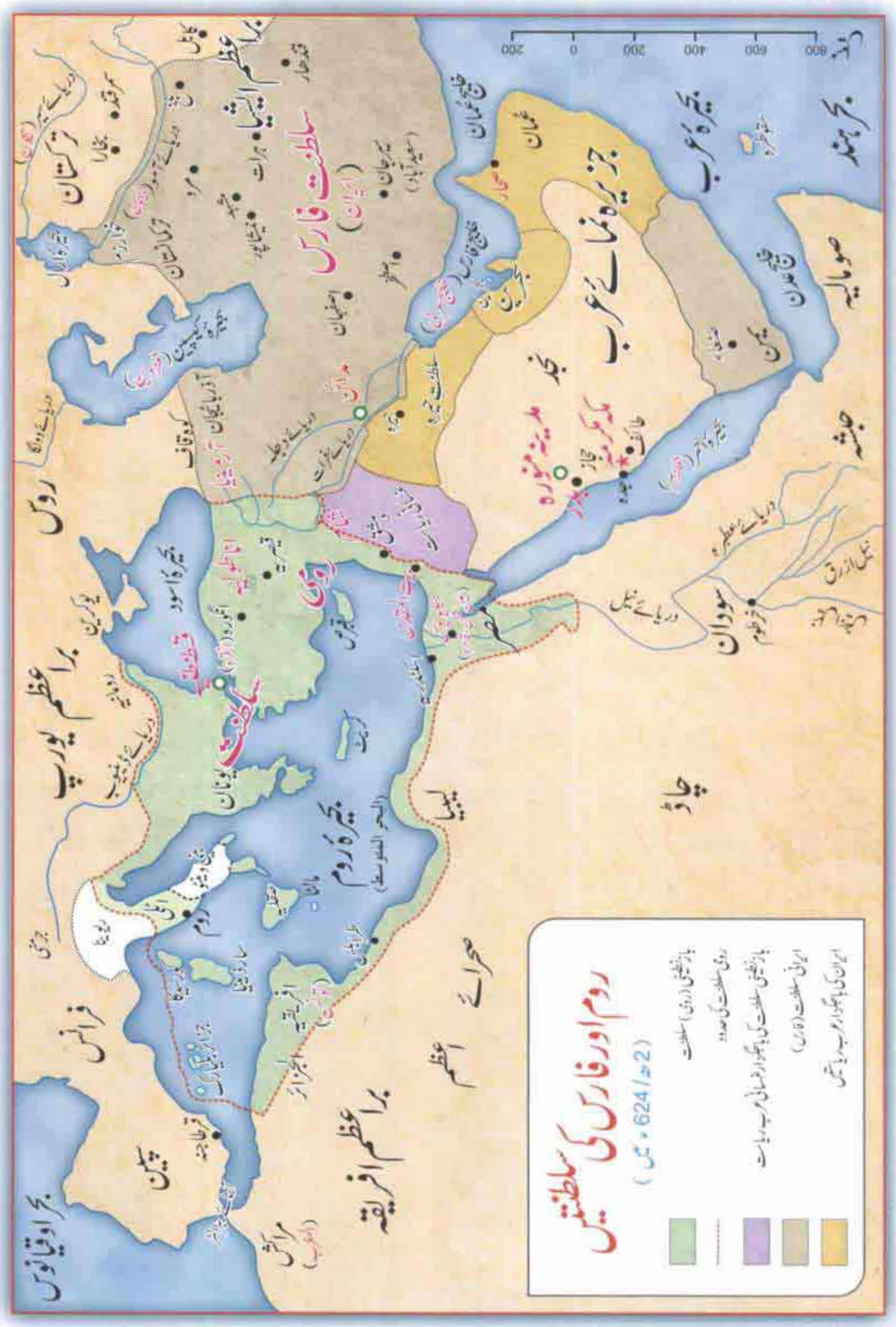
آبنائے باسفورس اور قصر دولمہ باشی (استنبول)



قرطاجہ یا قرطاجنہ (تیونس) کے آثار



طرابلس (لیبیا) کا ساحل


روم اور فارس کی سلطنتیں
(624ء)
بازنطینی (رومی) سلطنت
رومی سلطنت کی حدود
ایرانی سلطنت (فارس)
سلطنت فارس (ایران)
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ روم
براعظم یورپ
براعظم افریقہ
بحیرۂ عرب

﴿الٓمّٓ ۝ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۝ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ﴾

قریش کے کچھ لوگ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: ''یہ ہمارے اور تمھارے درمیان ہے۔ تمھارے ساتھی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا خیال ہے کہ چند برسوں میں رومی فارسیوں پر غلبہ پالیں گے۔ کیوں نہ ہم تم سے اس بات پر شرط لگالیں؟''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیوں نہیں!''

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مشرکین نے شرط لگالی اور کچھ مال گروی رکھ لیا۔ مشرکین مکہ کا خیال تھا کہ مغلوب رومی فارسیوں پر غالب نہیں آسکتے جبکہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو پورا یقین تھا کہ ایسا ضرور ہوکر رہے گا، اس لیے کہ اس کی خبر خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔

مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: ''﴿بِضْع﴾ تین سال سے لے کر نو سال تک کی مدت کا وقت ہوتا ہے، اب تم ہمارے اور اپنے مابین ایک ایسی موزوں مدت طے کرلو جو تمھارے نزدیک انتہائی مدت ہو۔''

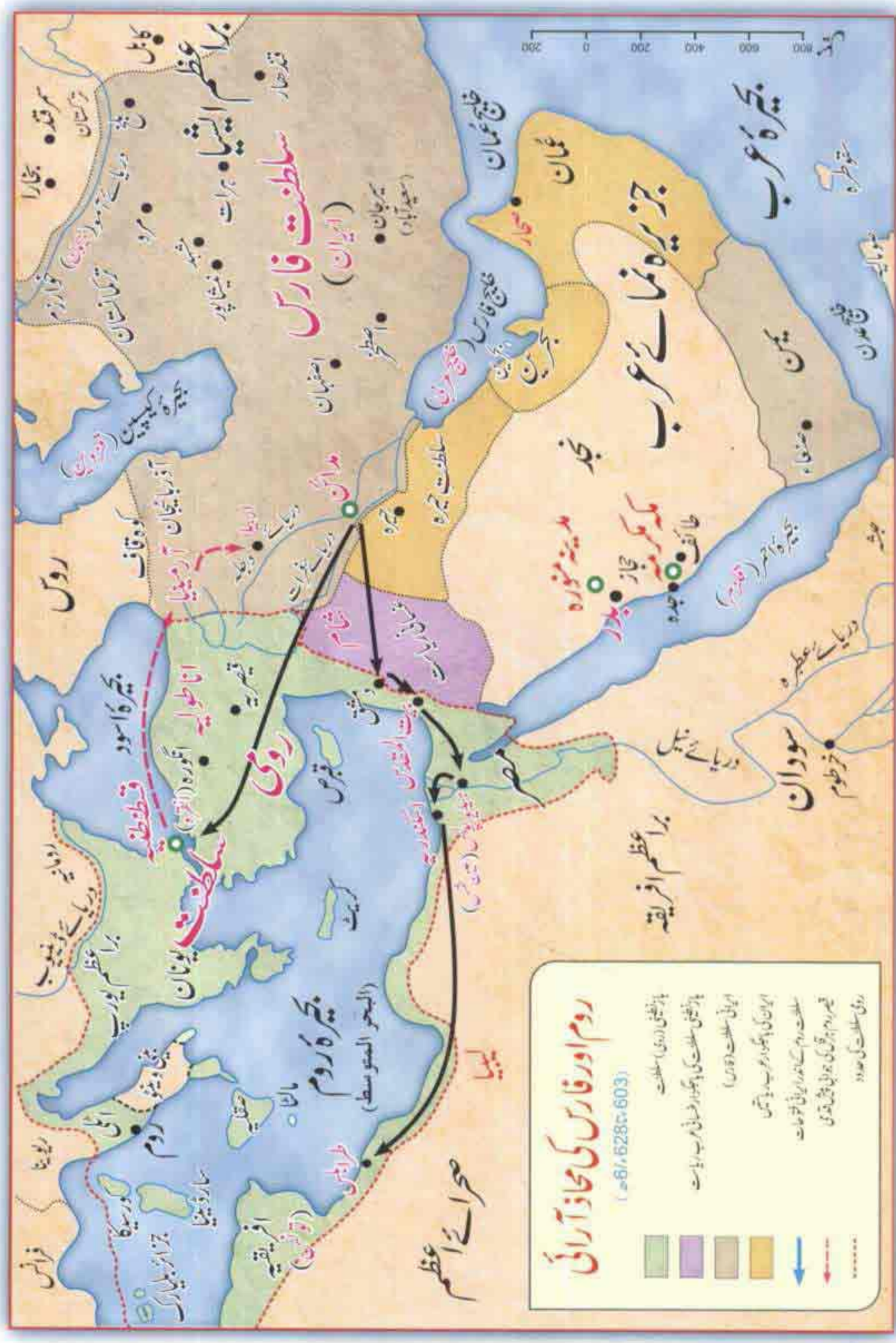
انھوں نے آپس میں چھ سال کی مدت مقرر کرلی۔ پھر چھ سال گزر گئے لیکن رومی فارسیوں پر غالب نہ آئے۔ اس صورت حال میں مشرکین نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گروی رکھا ہوا مال اپنے تصرف میں لے لیا۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس معاملے کا ذکر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا جَعَلْتَهُ إِلٰى دُونٍ» قَالَ: أُرَاهُ: «الْعَشْرِ»

''تم نے دس سے کم مدت (نو سال) مقرر کیوں نہ کی! (راوی کہتے ہیں: میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے



طرابلس (لبنان) کی ایک خوبصورت مسجد


روم اور فارس کی محاذ آرائی
(603ء تا 628ء)
سلطنت فارس
(ایران)
سلطنت روم
جزیرہ نمائے عرب
بحیرۂ روم
(البحر المتوسط)
بحیرۂ عرب
بحیرۂ اسود
مکہ مکرمہ
مدینہ منورہ
مدائن
قسطنطنیہ
دمشق
سوڈان
یونان
روس
لیبیا
نجد
یمن
عمان
خلیج عمان
خلیج فارس
بحیرۂ کیسپین
براعظم افریقہ
براعظم ایشیا
براعظم یورپ

''دس'' کا عدد ہی فرمایا تھا۔)''

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے چھ سال کی مدت پر اتفاق نہیں کیا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ﴿فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ﴾ فرمایا تھا اور ﴿بِضْعِ﴾ تین سال سے لے کر نو سال تک ہوتا ہے۔ جب ساتواں سال شروع ہوا تو رومی فارسیوں پر غالب آگئے۔ اس طرح قرآن مجید کی یہ پیش گوئی پوری ہوگئی۔ اس پر بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا۔ [1]

رومیوں کا یہ غلبہ بدر کے دن ہوا جب مسلمانوں کو مشرکین پر فتح حاصل ہوئی۔ [2] چنانچہ مسلمان دو کافر قوموں کو بیک وقت شکست فاش ہونے پر بہت خوش ہوئے۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے شرط لگانے کا درج بالا واقعہ شرط حرام قرار پانے سے پہلے کا ہے۔ اسلام نے ہر قسم کی شرط حرام قرار نہیں دی بلکہ صرف اس شرط کو حرام قرار دیا ہے جو کتاب و سنت کے خلاف ہو۔ جہاں تک جائز شرط کا تعلق ہے تو اسلام نے اس کی پابندی ضروری قرار دی ہے۔ امام دارقطنی اور حاکم رحمہ اللہ نے حضرت عمرو بن عوف مزنی رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

«اَلْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ إِلَّا شَرْطًا حَرَّمَ حَلَالًا أَوْ أَحَلَّ حَرَامًا»

''مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں، سوائے اس شرط کے جو کسی حلال کام کو حرام یا کسی حرام کام کو حلال کر دے۔'' [3]

امام بخاری نے اس حدیث کا پہلا حصہ «اَلْمُسْلِمُونَ عِنْدَ شُرُوطِهِمْ» صیغۂ جزم (قَالَ) کے ساتھ معلقاً ذکر کیا ہے۔ [4]

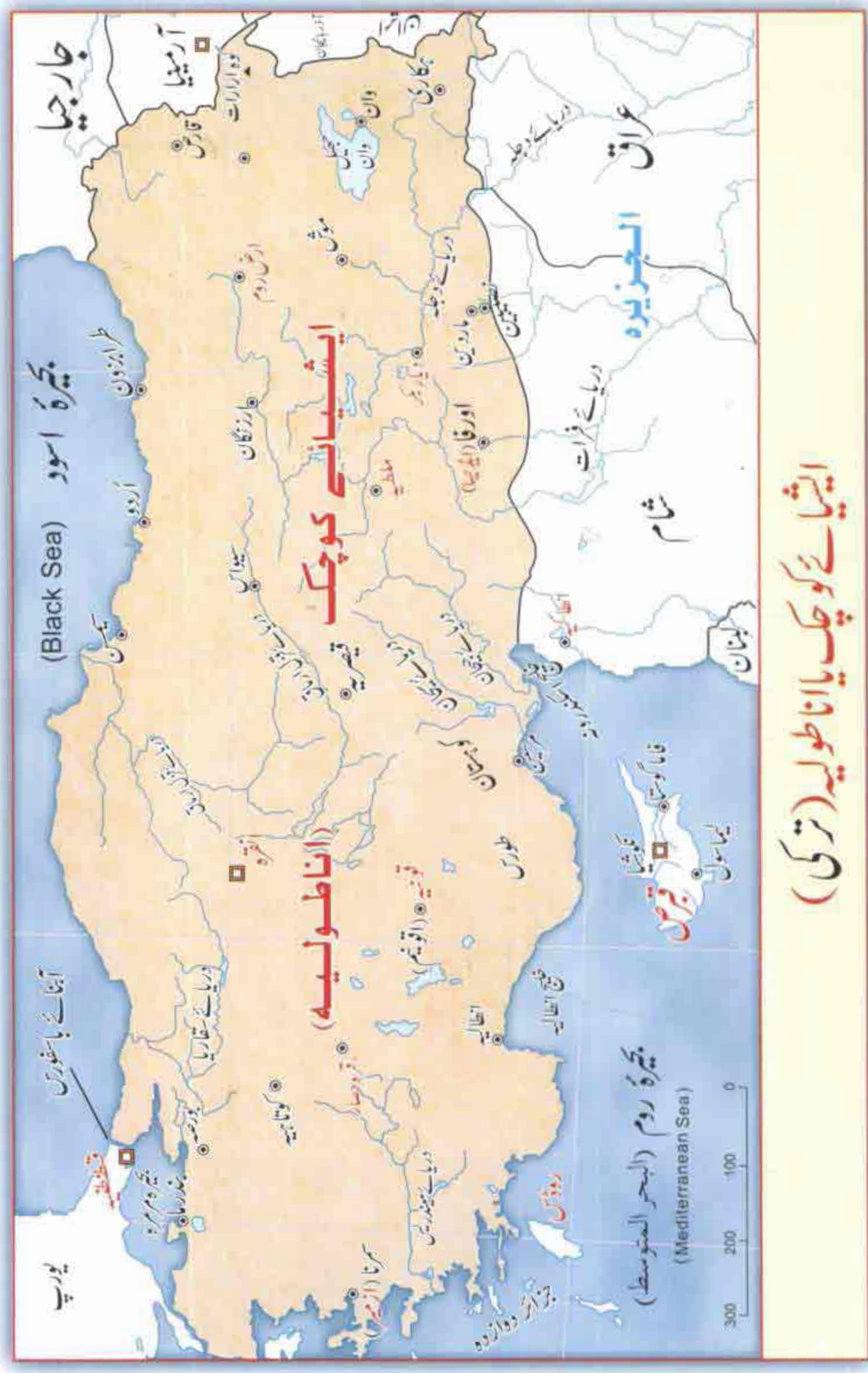
اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی کتاب الشروط میں انیس ابواب قائم کر کے مختلف احادیث مبارکہ کی روشنی میں شرط کے احکام و مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب بریرہ رضی اللہ عنہا کو خرید کر آزاد کرنا چاہا تو اس کے مالکوں نے یہ شرط عائد کر دی کہ حق ولاء انھی کو حاصل رہے گا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی تو آپ نے فرمایا: ''اسے خرید کر آزاد کر دو، حق ولاء اسی کو حاصل ہے جو آزاد کرے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر مزید ارشاد فرمایا:

«مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ

---

[1] جامع الترمذي: 3193,3194. [2] جامع الترمذي: 3192. [3] المستدرك للحاكم: 101/4، سنن الدار قطني: 27/3.
[4] صحيح البخاري، قبل حديث: 2274.


ایشیائے کوچک یا اناطولیہ (ترکی)
ایشیائے کوچک
(اناطولیہ)
بحیرۂ اسود
(Black Sea)
بحیرۂ روم (البحر المتوسط)
(Mediterranean Sea)
جارجیا
آرمینیا
عراق
الجزیرہ
شام
لبنان
قبرص
یورپ
0
100
200
300

فَلَيْسَ لَهُ وَ إِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ شَرْطٍ»

”ان لوگوں کا کیا حال ہے جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ جس نے کوئی ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے تو اسے اس کا کوئی حق حاصل نہیں، خواہ اس نے سو (100) شرطیں ہی کیوں نہ لگائی ہوں۔“ [1]

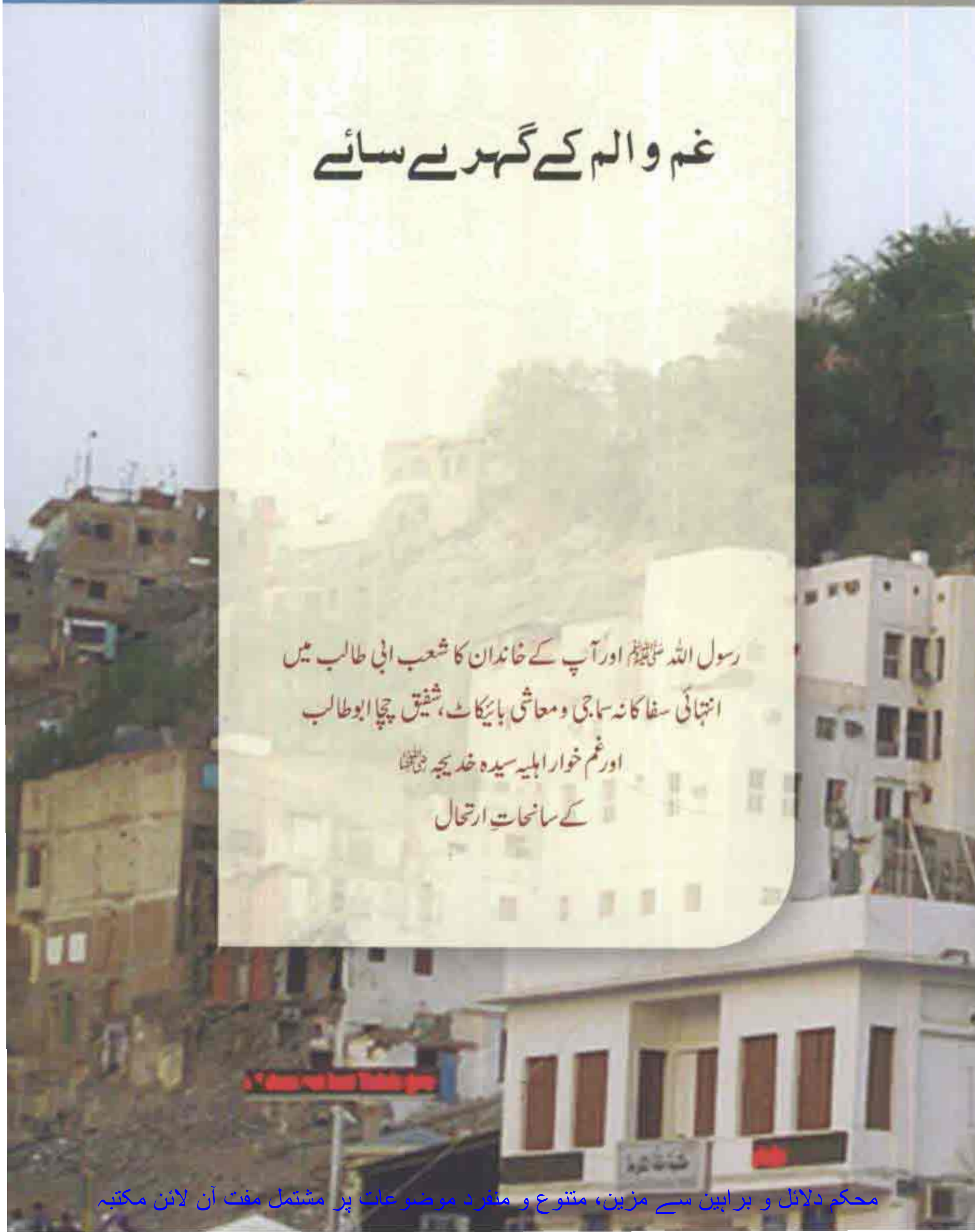
امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کا صحیح بخاری میں چوبیس مقامات پر حوالہ دیا ہے اور اس سے بہت سے احکام و مسائل کا استدلال کیا ہے۔ بہر حال ہر شرط حرام نہیں ہے۔ جو کتاب و سنت کے مطابق ہے، وہ حلال ہے اور جو کتاب و سنت کے منافی ہے، وہ حرام ہے۔ واللہ اعلم.

[1] صحيح البخاري: 2155.

باب 8

غم و الم کے گھیرے سائے

رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خاندان کا شعب ابی طالب میں
انتہائی سفاکانہ سماجی و معاشی بائیکاٹ، شفیق چچا ابوطالب
اور غم خوار اہلیہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا
کے سانحاتِ ارتحال



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ
فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ

"اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے۔"

"(اے نبی!) یقیناً ہم نے آپ کو کوثر عطا کی۔ تو آپ اپنے رب ہی کے لیے نماز پڑھیں
اور قربانی کریں۔ بے شک آپ کا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔"

(الکوثر 108:1-3)

اس باب میں





نبیِ مکرم ﷺ پوری قوت اور پامردی سے لگاتار دعوتِ حق دے رہے تھے۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مشرکین نے آپ کو قتل کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ انھوں نے آپ ﷺ کو اور آپ کے سارے خاندان کو پورے تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رکھا اور آپ کا ہر اعتبار سے مکمل بائیکاٹ کیا۔ یہ انتہائی اذیت ناک اور رُوح فرسا دن تھے جو رسول اللہ ﷺ نے کمال ضبط وصبر سے بسر فرمائے۔ اس واقعے کے علاوہ اس باب میں زبیدی اور ابوجہل کا معاملہ اور ابوجہل پر رسول اللہ ﷺ کی ہیبت کا تذکرہ بھی ہے۔ بعدازاں آپ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے اپنے چچا ابوطالب کو اسلام قبول کرنے کی دعوت ملاحظہ فرمائیں گے۔ پھر ابوطالب کے انتقال پُرملال، خدیجہ رضی اللہ عنہا کی الم انگیز رحلت اور کفار کی ایذا رسانیوں کا حال پڑھیں گے۔



پیہم رنج و ملال

راہِ حق کے مرحلے آشوب و آزمائش سے کبھی خالی نہیں رہے۔ اِس مقدس راستے میں جا بجا بڑے سخت مقام آتے ہیں۔ کبھی سچائی کا اظہار و اعلان کرنے والی زبان طوفان بدتمیزی سے بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کبھی سودے بازی کی جاتی ہے۔ کبھی لالچ دیا جاتا ہے۔ کبھی جان لینے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ والا صفات پر گزرنے والے جانکاہ مصائب و مکروہات صرف ایک یا دو دن کی بات نہیں تھی۔ آپ ﷺ پر شدائد و مصائب کے ریلے پورے 13 برس گزرتے رہے۔ ایک موقع ایسا بھی آجاتا ہے کہ حق کی صدائیں دبانے کے لیے علمبردارِ حق کا سماجی بائیکاٹ کر دیا جاتا ہے۔ سچائی کے کانٹوں بھرے راستے کی یہ منزل سب سے زیادہ سخت اور صبر آزما ہوتی ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ اور ان کے محترم خاندان کو اِس ہولناک آزمائش سے بھی گزرنا پڑا اور وہ پورے صبر اور وقار سے اِس مرحلے سے بخیر و خوبی گزر گئے۔ آئیے اس ظالمانہ سماجی بائیکاٹ کے واقعات کا جائزہ لیجیے اور اندازہ لگائیے کہ اعلانِ حق کی پاداش میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے اہل خاندان کو کتنی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔

رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا مذموم منصوبہ

اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کفارِ قریش کے تمام ہتھکنڈے یکے بعد دیگرے بری طرح ناکام ہو رہے تھے، اسلام کی روشنی ہر طرف پھیلتی جا رہی تھی، مسلمانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ مہاجرین حبشہ میں امن و امان سے رہ رہے تھے۔ شاہِ حبشہ نجاشی نے انھیں کفارِ قریش کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا اور انھیں اپنے ملک میں رہنے کے لیے پروانۂ امن عطا کر دیا تھا۔ سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی مسلمان ہو چکے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کی یہ آئے دن ارتقائی صورتحال کفارِ قریش کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگئی۔

کفارِ قریش کی اسلام دشمنی پہلے سے بہت زیادہ بڑھ گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر بڑے غضبناک تھے۔ انھوں نے باہم مل بیٹھ کر یہ گھناؤنا منصوبہ بنایا کہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیا جائے۔ وہ ابوطالب کے پاس آئے اور انھیں فیصلہ کن انداز میں خبردار کیا کہ اگر تم نے اب بھی رسول اللہ ﷺ کو نہ روکا تو ہم انھیں

دھوکے سے قتل کر ڈالیں گے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اب ہم نے حجت تمام کر دی اور تمھارے لیے کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا۔ [1]

کفارِ قریش چاہتے تھے کہ یہ مذموم اور گھناؤنا کام قریش کے علاوہ کوئی اور آدمی کرے۔ انھوں نے اس ناپاک منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے خاندان بنو ہاشم سے رابطہ کیا اور انھیں یہ پیشکش کی: ''ہم سے دگنی چوگنی دیت لے لو۔ قریش کے علاوہ کوئی اور شخص ہونا چاہیے جو رسول اللہ ﷺ کو قتل کر کے ہمیں راحت پہنچائے اور تم بھی اپنے آپ کو راحت پہنچاؤ۔'' بنو ہاشم نے ان کی یہ پیشکش ٹھکرا دی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں کسی قسم کی سودے بازی کے روادار نہ ہوئے اور بنو مطلب نے بھی بنو ہاشم کا ساتھ دیا۔ [2]

بنو ہاشم اور بنو مطلب کو یکجا ہونے کا حکم

ابوطالب نے جب یہ دیکھا کہ کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے پر تلے بیٹھے ہیں تو انھوں نے بنو ہاشم اور بنو مطلب کو جمع کیا اور ان سب کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو اپنی گھاٹی میں داخل کر لیں اور آپ ﷺ کو ان لوگوں سے محفوظ رکھیں جو آپ کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ ابوطالب کی تاکید پر دونوں خاندانوں کے سارے مسلمان اور کافر افراد اس کام کے لیے اکٹھے ہو گئے۔ ان میں سے جو کافر تھے، انھوں نے خاندانی حمیت کی وجہ سے رسول اکرم ﷺ کی حفاظت کی اور جو مسلمان تھے، انھوں نے ایمان و یقین سے سرشار ہو کر یہ فریضہ سرانجام دیا۔ بنو ہاشم میں سے واحد شخص ابولہب تھا جو علیحدہ ہو گیا اور اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف کفارِ قریش کا ساتھ دیا۔

اسلام دشمنی پر ابولہب کا فخر

ابولہب کو رسول اللہ ﷺ اور اپنی قوم کا ساتھ چھوڑنے اور ان کی مخالفت کرنے پر کوئی ندامت یا افسوس نہیں تھا بلکہ وہ ایسا کر کے فخر محسوس کرتا تھا۔ اپنی قوم سے علیحدہ ہونے کے بعد ایک مرتبہ اس کی ملاقات ہند بنت عتبہ بن ربیعہ سے ہوئی تو اس نے پوچھا: اے عتبہ کی بیٹی! بتا کیا میں نے لات اور عزّیٰ کی مدد نہیں کی؟ میں تو ان لوگوں سے علیحدہ ہو گیا جو ان دونوں سے الگ ہوئے اور جنھوں نے ان کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کی۔ ہند نے کہا: اے ابوعتبہ! ہاں، اللہ تجھے جزائے خیر دے۔ [3]

[1] أنساب الأشراف: 268/1. [2] سبل الهدٰی والرشاد: 377/2. [3] السيرة لابن هشام: 351/1، أنساب الأشراف: 267,266/1.

شعب ابی طالب میں داخلہ

ابوطالب رسول اللہ ﷺ، بنو ہاشم اور بنومطلب کو ساتھ لے کر شعب ابی طالب میں داخل ہو گئے۔ شعب دو پہاڑیوں کے درمیان کھلی جگہ (گھاٹی) کو کہتے ہیں۔ شعب ابی طالب میں بنو ہاشم کی قیام گاہیں تھیں۔ اسے شعب بنی ہاشم اور شعب ابن یوسف بھی کہا جاتا ہے۔[1] آج کل اسے شعبِ علی کہتے ہیں۔ یہ بیت اللہ سے تقریباً ایک کلومیٹر کے فاصلے پر شمال مشرق میں شارع غزّہ کے دائیں جانب واقع ہے۔[2] بنو ہاشم اور بنومطلب کے سب لوگوں نے یہ عزم کر رکھا تھا کہ جب تک ہم میں سے ایک آدمی بھی زندہ ہے، ہم کفار و مشرکین کو رسول اللہ ﷺ کے قریب نہیں پھٹکنے دیں گے۔

بنو ہاشم اور بنو مطلب کا مکمل بائیکاٹ

جب کفارِ قریش کو معلوم ہوا کہ بنو ہاشم اور بنومطلب متحد ہو کر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لیے ڈٹ گئے ہیں اور ان سب نے بلا امتیاز، چاہے وہ مسلمان ہیں یا کافر، رسول اللہ ﷺ کے تحفظ کا عہد و پیمان کر لیا ہے تو وہ حیران رہ گئے، اس لیے کہ انھیں ایسے اقدام کی ہرگز توقع نہیں تھی، چنانچہ وہ سب خیف بنی کنانہ میں اکٹھے ہوئے جیسا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے وادی حنین کی طرف چلنے کا ارادہ کیا تو فرمایا:

«مَنْزِلُنَا غَدًا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِخَيْفِ بَنِي كِنَانَةَ حَيْثُ تَقَاسَمُوا عَلَى الْكُفْرِ»

''ان شاء اللہ ہم کل خیف بنی کنانہ میں ٹھہریں گے جہاں انھوں (کفارِ قریش) نے کفر پر معاہدہ کیا تھا۔''[3]

ایک قول کے مطابق خیف بنی کنانہ وادی محصب کا دوسرا نام ہے۔ یہیں مسجد الخیف قائم ہے۔ یہیں حجاج کرام 8 ذوالحجہ کو پہنچ کر ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں ادا کر کے 9 ذوالحجہ کی صبح کو میدان عرفات کی طرف روانہ

[1] سبل الهدى والرشاد: 382/2. [2] أطلس العالم، ص: 19. [3] صحيح البخاري: 3882.



مسجد الخیف (منیٰ)



ہوتے ہیں۔[1]

اب کفارِ قریش نے قتل کا منصوبہ ترک کر دیا اور ایک خوفناک سازش تیار کی جس کے تحت انھوں نے بنو ہاشم اور بنومطلب کا مکمل طور پر بائیکاٹ کر دیا۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بنو ہاشم اور بنومطلب کے خلاف ایک دستاویز تیار کی جائے۔ اس میں ان کے خلاف یہ عہد و پیمان ہو کہ ان سے رشتہ لیں گے نہ انھیں رشتہ دیں گے، ان سے خرید و فروخت کریں گے نہ ان کے ساتھ بیٹھیں گے، ان کے گھروں میں جائیں گے نہ ان سے کوئی میل جول رکھیں گے، ان سے صلح کی پیشکش قبول کریں گے نہ ان پر ترس کھائیں گے۔ یہ بائیکاٹ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کر دیں۔

جب سب کفارِ قریش ان باتوں پر متفق ہو گئے تو انھوں نے ان باتوں کی ایک دستاویز لکھوائی، اس پر تین مہریں لگائیں، پھر آپس میں ان باتوں پر عمل کرنے کا عہد و پیمان کیا۔[2]

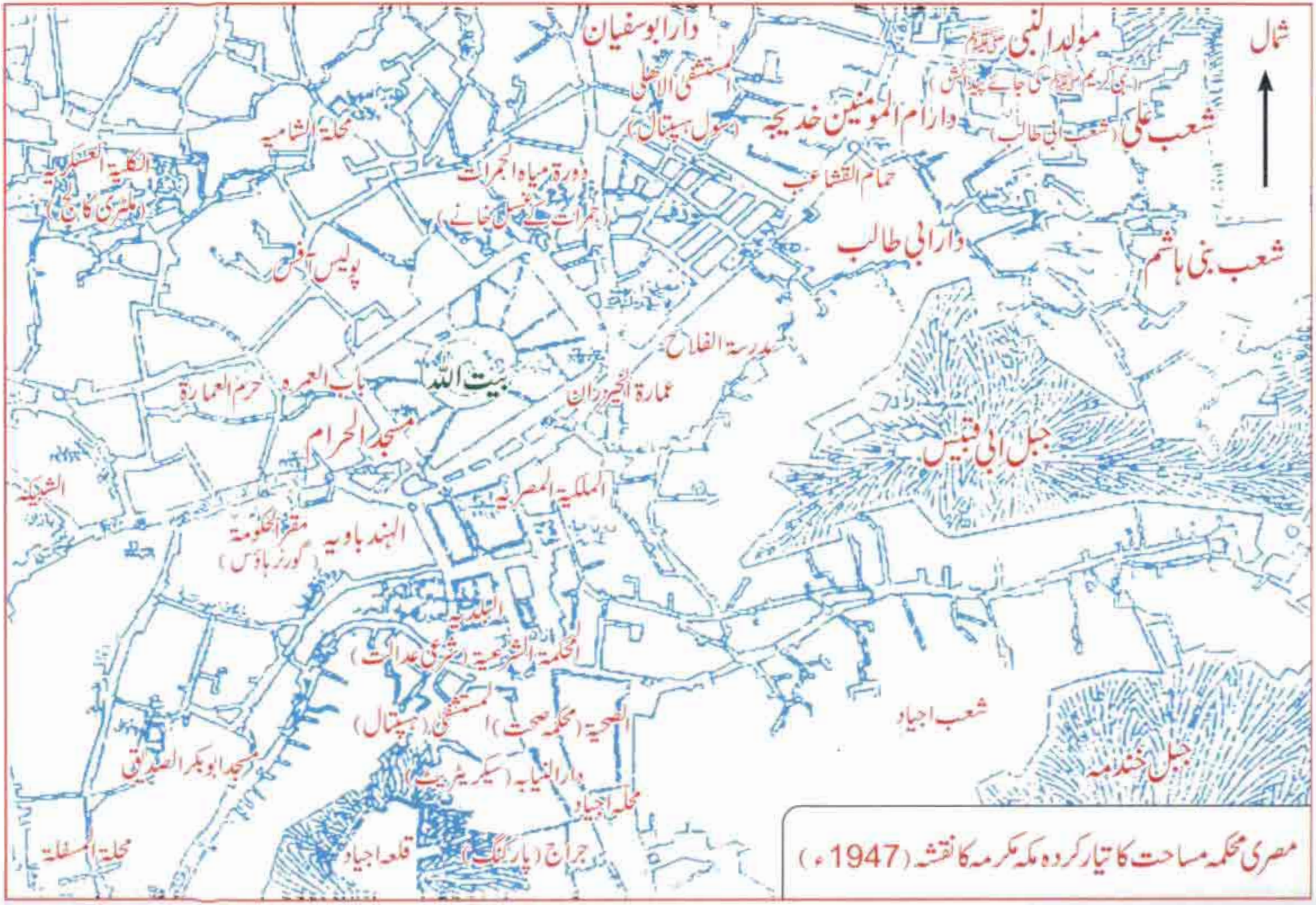
بائیکاٹ کی دستاویز کس نے لکھی؟

اس میں اختلاف ہے کہ یہ ظالمانہ پیمان کس نے لکھا تھا۔ محمد بن اسحاق اور ابن سعد کا بیان ہے کہ یہ دستاویز منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے لکھی۔[3] واقدی نے طلحہ بن ابی طلحہ عبدری کو کاتب قرار دیا ہے۔[4] ابن ہشام نے لکھا ہے: کہا جاتا ہے کہ کاتب نضر بن حارث تھا۔[5] امام سہیلی کہتے ہیں کہ قریش میں سے جو افرادِ نسب بیان کرنے والے ہیں، انھوں نے اس کاتب کے بارے میں دو نام بتائے ہیں:

① بغیض بن عامر بن ہاشم۔ ② منصور بن عبد شرحبیل بن ہاشم۔

زبیر نے دستاویز لکھنے والے کے بارے میں ان کے علاوہ اور کسی کا ذکر نہیں کیا۔ زبیری لوگ اپنی قوم (قریش) کا نسب زیادہ جانتے ہیں۔[6] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ابن اسحاق کے قول کی تائید کرتے ہوئے منصور بن عکرمہ ہی کو مشہور کاتب قرار دیا ہے۔[7] ہشام بن محمد کلبی نے بغیض بن عامر بن ہاشم کو کاتب ٹھہرایا ہے۔[8] امام بلاذری اور امام ابن قیم نے بھی اسی بات کو زیادہ پختہ اور صحیح قرار دیا ہے۔[9] لہٰذا یہی بات صحیح معلوم ہوتی ہے کہ دستاویز لکھنے والا شخص بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا فرمائی تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا۔[10]

[1] معجم البلدان، مادة: المحصب، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 273,272/1، دلائل النبوة للبيهقي: 312,311/2، الطبقات لابن سعد: 209,208/1، السيرة لابن هشام: 350/1. [3] السيرة لابن هشام: 350/1، الطبقات لابن سعد: 209/1. [4] البداية والنهاية: 84/3. [5] السيرة لابن هشام: 350/1. [6] الروض الأنف: 160/2. [7] البداية والنهاية: 84/3. [8] الجمهرة لابن الكلبي، ص: 66. [9] أنساب الأشراف: 412/9، سيرة خير العباد، ص: 40. [10] الجمهرة لابن الكلبي، ص: 66.



مصری محکمہ مساحت کا تیار کردہ مکہ مکرمہ کا نقشہ (1947ء)

بائیکاٹ کی دستاویز خانہ کعبہ میں

کفارِ قریش نے اپنے آپ کو اس عہد و پیمان پر مضبوطی سے قائم رکھنے کے لیے یہ ظالمانہ دستاویز کعبہ کے اندر لٹکا دی۔ بعض مؤرخین کا کہنا ہے کہ یہ دستاویز ابوجہل کی خالہ ام جُلاس بنت مُخَرِّبہ حنظلیہ کے پاس رکھوائی گئی تھی۔ کفارِ قریش نے شعب ابی طالب میں بنو ہاشم اور بنومطلب کا محاصرہ کرلیا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال (617ء میں) محرم کے آغاز میں پیش آیا۔ [1]

تین سال تک دردناک آزمائش

رسول اللہ ﷺ، ابوطالب، بنو ہاشم اور بنومطلب کے مسلمانوں اور کافروں سمیت تمام افراد تین سال تک شعب ابی طالب میں محصور رہے۔ [2] انھوں نے یہ وقت سخت آزمائش اور زبردست مشقت و اذیت میں گزارا۔ وہ صرف حج کے موسم میں باہر نکلا کرتے تھے۔ [3] ان کے لیے بازار یکسر بند کر دیے گئے۔ کھانے پینے کی چیزیں اور دیگر ضروری سامان باہر سے خرید وفروخت کے لیے مکہ آتا تھا اور جونہی آتا تھا، کفارِ قریش فوراً اس پر جھپٹ پڑتے تھے اور سارا سودا خود خرید کر لے جاتے تھے۔ اس طرح ان سفاکوں کا مقصد یہ تھا کہ محصورین کوئی چیز نہ خرید نے پائیں اور بھوکے ہی مرجائیں۔ [4]

ولید بن مغیرہ نے کفارِ قریش کے درمیان یہ اعلان کرا دیا کہ محصورین میں سے تم جسے بھی کھانے پینے کی کوئی چیز خریدتے دیکھو تو فوراً قیمت بڑھا چڑھا کر خرید لو اور اسے وہ چیز لینے کا موقع ہی نہ دو۔ اگر تم میں سے کسی کے پاس وہ شے خریدنے کے لیے رقم نہ ہو تب بھی وہ چیز خرید لے، اس کی نقد قیمت میں ادا کر دوں گا۔ [5]

ستم بالائے ستم یہ کہ جونہی باہر سے کوئی تجارتی قافلہ مکہ آتا اور محصورین میں سے کوئی اپنے بچوں کے لیے کھانے پینے کی کوئی چیز خریدنے بازار آ جاتا تو ابولہب فوراً اس قافلے کے پاس جا پہنچتا اور تاجروں سے کہتا: ”اے تاجروں کی جماعت! محمد (ﷺ) کے ساتھیوں کے لیے اپنے سامان کی قیمت اتنی بڑھا دو کہ وہ تم سے کچھ خرید ہی نہ سکیں۔ تمھیں میری تونگری اور وعدہ پورا کرنے کا بخوبی علم ہے، میں ضمانت دیتا ہوں کہ تمھیں کوئی خسارہ نہیں ہوگا۔“

ابولہب کے کہنے پر وہ تاجر اس قدر قیمت بڑھا دیتے تھے کہ محصورین کا کوئی شخص کچھ بھی نہ خرید پاتا اور خالی ہاتھ واپس چلا جاتا تھا۔ اس کے بچے بھوک کے مارے بلکتے تھے لیکن اس کے پاس انھیں کھلانے کی کوئی چیز نہیں

[1] الطبقات لابن سعد: 209/1. [2] الطبقات لابن سعد: 209/1، دلائل النبوة للبيهقي: 312/2، أنساب الأشراف: 270/1، فتح الباري: 242/7. [3] الطبقات لابن سعد: 209/1. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 312/2، دلائل النبوة لأبي نعيم: 273/1. [5] السيرة لابن إسحاق: 201/1.

ہوتی تھی۔ بعد میں یہ تاجر ابولہب کے پاس جاتے۔ وہ انھیں بھاری منافع دے کر ان کا مال خرید لیتا تھا۔[1]

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے چچا عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہ) کھانے پینے کی کوئی چیز خریدنے نکلے تو ابوجہل نے ان پر حملہ کر دیا لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اس کے شر سے محفوظ رکھا۔ ام المومنین خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا نے زمعہ بن اسود کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم جو چیز خریدنا چاہتے ہیں، ابوجہل ہمیں وہ خریدنے ہی نہیں دیتا، تم اسے ڈانٹو۔ ان کے کہنے پر زمعہ بن اسود نے ابوجہل کو ڈانٹا تو وہ باز آ گیا۔[2]

شعب ابی طالب میں محصور لوگوں کو انتہائی سخت مصائب و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ کیکر اور دوسرے درختوں کے پتے کھا کر گزارا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ ان کی رفعِ حاجت بکری کی مینگنیوں کی شکل میں ہوتی تھی۔[3]

بھوک سے بلکتے بچوں کی دلخراش صدائیں شعب ابی طالب سے باہر دور تک سنائی دیتی تھیں۔ کفارِ قریش میں سے بعض سنگدل یہ آوازیں سن کر خوش ہوتے تھے، تاہم بعض لوگوں پر یہ فریادیں گراں بھی گزرتی تھیں۔[4] کچھ محصورین اسی محاصرے کے دوران بھوک اور تکلیف کی وجہ سے فوت ہو گئے۔[5] سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اسی محاصرے کے دوران شعب ابی طالب ہی میں ہجرت سے تین سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔[6]

سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ماجرا

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی شعب ابی طالب کے محصور لوگوں میں شامل تھے۔ وہ فرماتے ہیں: ''ایک مرتبہ مجھے بہت بھوک لگی۔ اس رات میرے پاؤں تلے کوئی چیز آ گئی، میں نے اسے اٹھا کر منہ میں ڈال لیا اور نگل گیا۔ میں ابھی تک نہیں جان سکا کہ وہ چیز کیا تھی۔''

اس کے علاوہ ایک اور روایت میں ہے کہ وہ فرماتے ہیں: ''ایک رات میں پیشاب کرنے باہر گیا۔ میں نے اپنے پیشاب تلے کسی چیز کی آواز سنی۔ میں نے دیکھا تو وہ اونٹ کے چمڑے کا ایک خشک ٹکڑا تھا۔ میں نے اسے اُٹھا لیا اور دھویا، پھر اسے آگ میں بھون کر پیس لیا، پھر اس سفوف کو پانی کے ساتھ پھانک لیا، میں نے تین دن تک اسی پر گزارا کیا۔[7]

ابوطالب کو رسول اللہ ﷺ کی فکر

ابوطالب کو برابر یہ خوف لاحق رہتا تھا مبادا کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کو رات کے وقت یا چھپ کر دھوکے سے

[1] الروض الأنف: 161/2. [2] أنساب الأشراف: 272,271/1. [3] الروض الأنف: 161/2. [4] الطبقات لابن سعد: 209/1.
[5] دلائل النبوة لأبي نعيم: 279/1، أنساب الأشراف: 270/1. [6] الإصابة: 122/4. [7] الروض الأنف: 161/2.

قتل کردیں، چنانچہ جب لوگ اپنے اپنے بستروں پر جاتے تو ابوطالب رسول اللہ ﷺ سے کہتے کہ آپ اپنے بستر پر چلے جائیں تاکہ جو بھی آپ کو قتل کرنا چاہتا ہے، وہ دیکھ لے کہ آپ کہاں سو رہے ہیں۔ جب کچھ رات گزرتی اور لوگ سو جاتے تو ابوطالب اپنے کسی بیٹے، بھائی یا بھتیجے کو حکم دیتے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بستر پر سو جائے، پھر وہ آپ ﷺ کو دوسری جگہ کسی اور بستر پر سلا دیتے۔ [1]

ابوطالب کا قصیدہ لامیہ

ابوطالب کا جو مشہور قصیدہ لامیہ ہے، ابن ہشام نے اس کا تذکرہ اپنی سیرت کی کتاب میں ابن اسحاق کے حوالے سے کیا ہے اور اسے شعب ابی طالب میں داخلے سے بہت پہلے لکھا ہے۔ [2] لیکن حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ابوطالب نے شعب ابی طالب میں محصوری کے موقع پر قصیدہ لامیہ تیار کیا تھا۔ [3] حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ابوطالب نے قصیدہ لامیہ شعب میں داخل ہونے کے بعد ہی کہا تھا۔ واللہ اعلم۔ [4]

سردار ابوطالب کا یہ قصیدہ چورانوے (94) اشعار پر مشتمل ہے۔ مفتی بلاد ہرسک شیخ علی فہمی رحمہ اللہ نے ابوطالب کے اس قصیدے کی طلبة الطالب في شرح لامية أبي طالب کے نام سے بہترین شرح لکھی ہے جو 1327ھ میں مطبع روشن ہرسک کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔

اس قصیدے میں ابوطالب نے اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ کسی قیمت پر رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے اور انھیں کفار قریش کے حوالے نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ انھوں نے لوگوں کو حق کی حمایت کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب بھی دی۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس قصیدے کے متعلق فرماتے ہیں: ''یہ بہت عظیم اور فصیح و بلیغ قصیدہ ہے۔ ابوطالب کے علاوہ کوئی اور ایسا قصیدہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس کا درجہ معلقاتِ سبعہ سے کہیں زیادہ بلند اور برتر ہے۔ ابلاغ اور ادائے معنی میں بھی یہ ان سب سے زیادہ بلیغ ہے۔''

اس قصیدے کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ! نَتْرُكُ مَكَّةَ ۔۔۔ وَنَظْعَنُ إِلَّا أَمْرُكُمْ فِي بَلَابِلِ

كَذَبْتُمْ وَبَيْتِ اللّٰهِ! نُبْزَى مُحَمَّدًا ۔۔۔ وَلَمَّا نُطَاعِنْ دُونَهُ وَنُنَاضِلِ

وَنُسْلِمُهُ حَتّٰى نُصَرَّعَ حَوْلَهُ ۔۔۔ وَنَذْهَلَ عَنْ أَبْنَاءِنَا وَالْحَلَائِلِ

---

[1] السيرة لابن إسحاق:202/1، دلائل النبوة للبيهقي:312/2. [2] السيرة لابن هشام:272/1-280. [3] سيرة خير العباد، ص:40. [4] البداية والنهاية:83/3.

''بیت اللہ کی قسم! تم جھوٹ بولتے ہو کہ ہم مکہ چھوڑ دیں گے اور یہاں سے چلے جائیں گے۔ فرض کرو ہم چلے بھی گئے تو تم سخت پریشان ہو جاؤ گے۔ بیت اللہ کی قسم! تم نے غلط کہا ہے کہ محمد (ﷺ) ہم سے چھین لیے جائیں گے، ابھی تو ہم نے ان کے دفاع کے لیے تیروں اور نیزوں سے مقابلہ ہی نہیں کیا۔ یہ سفید جھوٹ ہے کہ ہم انھیں تمھارے حوالے کر دیں گے یہاں تک کہ ہم سب نثار ہو کر ان کے اردگرد قتل کر دیے جائیں اور اپنے بیٹوں اور بیویوں کی بھی پروا نہ کریں۔''

وَمَا تَرْكَ قَوْمٌ لَا أَبَا لَكَ! سَيِّدًا   يَحُوطُ الذِّمَارَ غَيْرَ ذَرْبٍ مُوَاكِلِ

وَأَبْيَضَ يُسْتَسْقَى الْغَمَامُ بِوَجْهِهِ   ثِمَالَ الْيَتَامَى عِصْمَةً لِلْأَرَامِلِ

يَلُوذُ بِهِ الْهُلَّاكُ مِنْ آلِ هَاشِمٍ   فَهُمْ عِنْدَهُ فِي رَحْمَةٍ وَفَوَاضِلِ

''کسی قوم نے آپ (ﷺ) جیسے سردار کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا جو تحفظ کی چیزوں کی حفاظت کرتا ہے۔ وہ بدزبان اور کمزور نہیں۔ وہ بدرجۂ غایت خوبصورت ہے۔ اس کے چہرے کی وساطت (دعا) سے بارش طلب کی جاتی ہے۔ وہ یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کا محافظ ہے۔ آلِ ہاشم کے فقراء و مساکین اس کی پناہ میں آتے ہیں تو وہ سب اس کے جود و کرم سے فیض یاب ہوتے ہیں۔''

لَقَدْ عَلِمُوا أَنَّ ابْنَنَا لَا مُكَذَّبٌ   لَدَيْنَا وَلَا يُعْنِي بِقَوْلِ الْأَبَاطِلِ

''یقیناً انھوں نے جان لیا ہے کہ ہمارا بیٹا ہمارے نزدیک جھٹلایا ہوا نہیں اور وہ کسی باطل قول کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔''

حَدِبْتُ بِنَفْسِي دُونَهُ وَحَمَيْتُهُ   وَدَافَعْتُ عَنْهُ بِالذُّرَا وَالْكَلَاكِلِ

''میں نے اپنے آپ کو پیش پیش رکھ کر انھیں (محمد ﷺ کو) تکلیفوں سے بچایا ہے اور اونٹوں کے کوہانوں اور سینوں کے ساتھ (تمام تر قوتوں کی بازی لگا کر) ان کی حمایت اور حفاظت کی ہے۔''[1]

مسلمانوں کو گندم پہنچانے پر ابوجہل کی مزاحمت

قریش میں سے کچھ لوگ محصورین کے ساتھ شعب ابی طالب میں صلہ رحمی کرنا چاہتے تھے۔ وہ خفیہ طور پر انھیں کھانے پینے کی چیزیں پہنچا دیتے تھے۔ انھی میں ایک فرد ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ

[1] البداية والنهاية :3/52-55

ایک مرتبہ اپنی پھوپھی خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں گندم پیش کرنے کے لیے شعب ابی طالب کی طرف جا رہے تھے، ان کے ساتھ ان کا ایک غلام بھی تھا جس نے گندم اٹھا رکھی تھی، انھیں راستے میں ابوجہل مل گیا، اس نے انھیں گندم لے جانے سے روکا اور کہنے لگا: تم یہ گندم بنو ہاشم کے پاس لے جا رہے ہو؟ اللہ کی قسم! تم اسے اُس وقت تک نہیں لے جا سکتے جب تک کہ میں تمھیں مکہ میں رسوا نہ کر دوں۔

اتنے میں وہاں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار ابوالبختری بن ہاشم آ گیا، اس نے ابوجہل سے کہا: تجھے ان سے کیا سروکار؟ ابوجہل نے کہا: یہ بنو ہاشم کے لیے گندم لے جا رہے ہیں۔ ابوالبختری نے اس سے کہا: ان کی پھوپھی (ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا) نے ان کے پاس گندم رکھوائی تھی۔ تجھے کیا حق ہے کہ انھیں اپنی پھوپھی کے پاس وہ گندم لے جانے سے روکے۔ چل دُور ہو جا اور ان کا راستہ چھوڑ دے۔ ابوجہل نے اس کی بات ماننے سے انکار کر دیا، اس طرح بات بڑھ گئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے۔ اسی دوران ابوالبختری کو غصہ آیا، اس نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اُٹھا کر ابوجہل کو دے ماری اور اسے زخمی کر دیا، پھر اسے اپنے پاؤں تلے خوب روندا۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ بھی قریب کھڑے تھے اور یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مشرکین کو اتنا بھی گوارا نہ تھا کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو معلوم ہو کیونکہ انھیں یہ واقعہ جان کر خوشی ہوگی۔ [1]

ہشام بن عمرو کی طرف سے صلہ رحمی

ہشام بن عمرو بنو ہاشم سے صلہ رحمی کیا کرتے تھے، اس لیے کہ ان کے والد عمرو بن ربیعہ بن حارث بن حُبیب بن نصر بن جذیمہ، نضلہ بن ہاشم بن عبدمناف کے اخیافی (ماں جائے) بھائی تھے۔ ہشام بن عمرو اپنی قوم میں بلند مرتبے والے تھے، وہ اونٹ پر کھانے پینے کی چیزیں لاد کر شعب ابی طالب کی طرف لے آتے تھے۔ جب شعب ابی طالب کے دہانے پر پہنچ جاتے تو اونٹ کے سر سے نکیل اتار دیتے، پھر اس کے پہلو پر ضرب لگاتے تو وہ فوراً شعب ابی طالب میں داخل ہو جاتا تھا۔ [2]

ایک رات ہشام بن عمرو کھانے پینے کی چیزوں سے لدے ہوئے تین اونٹ شعب ابی طالب لے گئے۔ کفارِ قریش کو اس کا علم ہو گیا۔ صبح کے وقت وہ سب ان کے پاس جا پہنچے اور ان سے اس بارے میں پوچھ گچھ کرنے لگے، انھوں نے کہا: میں آئندہ ایسا کام نہیں کروں گا جس سے تمھاری مخالفت ہو۔

یہ سن کر وہ سب واپس چلے گئے۔ ہشام بن عمرو موقع پا کر دوبارہ سامانِ خوراک سے لدے ہوئے ایک دو اونٹ

[1] السیرۃ لابن إسحاق: 203,202/1، السیرۃ لابن ہشام: 354,353/1. [2] السیرۃ لابن إسحاق: 206/1، أنساب الأشراف: 271/1، السیرۃ لابن ہشام: 374/1-377.

شعب ابی طالب لے گئے۔ اس پر کفارِ قریش ان سے بہت سختی سے پیش آئے اور انھیں مارنے کا ارادہ کیا لیکن ابوسفیان بن حرب نے کفارِ قریش سے کہا: انھیں چھوڑ دو، انھوں نے اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی کی ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم بھی ایسا ہی سلوک کرتے جیسا انھوں نے کیا ہے تو یہ زیادہ اچھا ہوتا۔ قریش نے محصورین کے ساتھ جو برتاؤ کیا ہے، میں اسے پسند نہیں کرتا۔ دشمنی اس سے بہتر انداز میں بھی ہو سکتی ہے۔ ابوسفیان کی یہ بات سن کر لوگ خاموش ہو گئے اور واپس چلے گئے۔ [1]

بنو ہاشم اور بنو مطلب زبردست مصائب، تکلیفوں اور مشقتوں کے باوجود رسول اللہ ﷺ کو کفار کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے پوری ثابت قدمی کا مظاہرہ کیا۔ انھوں نے ہر مصیبت نہایت خندہ پیشانی سے برداشت کی۔ کسی قسم کی کمزوری اور لچک کا مظاہرہ نہیں کیا۔ ان پُر آشوب حالات کے باوجود رسول اللہ ﷺ پر دین حنیف کی دعوت و تبلیغ کا اس قدر غلبہ تھا کہ آپ یہ اہم ترین فرض ادا کرنے سے ایک لمحے کے لیے بھی نہ رُکے۔ دن رات خفیہ اور علانیہ لوگوں کو برابر اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ [2]

دیمک نے بائیکاٹ کی دستاویز چاٹ لی

بعد ازاں ایسا ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سماجی و اقتصادی بائیکاٹ کی اس ظالمانہ تحریر پر دیمک کو مسلط کر دیا۔ دیمک نے اس تحریر میں موجود ظلم اور قطع رحمی کی ساری باتوں کا صفایا کر دیا اور صرف بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ''اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ'' کے الفاظ باقی رہنے دیے۔ یہ عکرمہ اور بعض دیگر اہلِ علم کا قول ہے۔ [3] موسیٰ بن عقبہ نے اس کے برعکس یہ کہا ہے کہ دیمک نے اللہ تعالیٰ کے نام کو چاٹ لیا اور ظلم و شرک اور قطع رحمی کی عبارتوں کو باقی رہنے دیا۔ [4] ابن اسحاق نے دونوں باتیں لکھ دی ہیں۔ [5] حلبی نے پہلی روایت کو زیادہ پختہ قرار دیا ہے۔ [6] بہرحال مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ظلم اور قطع رحمی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو اس واقعے کی بذریعۂ وحی خبر دے دی۔ آپ ﷺ نے ابوطالب کو دستاویز کی ساری صورتحال سے آگاہ کیا۔ ابوطالب کو یہ سن کر حیرت ہوئی۔ انھوں نے پوچھا: بھتیجے! تمھیں یہ بات کس نے بتائی ہے؟ یہاں ہمارے پاس تو کوئی آتا ہی نہیں۔ تم بھی کسی کے پاس نہیں جاتے اور میں تمھیں خوب جانتا ہوں، تم جھوٹی بات کہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

---

[1] سبل الهدى والرشاد: 413/2، دلائل النبوة لإسماعيل الأصبهاني، ص: 198، الجزء المتمم للطبقات لابن سعد: 306/1. [2] السيرة لابن هشام: 354/1. [3] الطبقات لابن سعد: 209/1، 210، السيرة لابن هشام: 377،376/1. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 315/2. [5] السيرة لابن إسحاق: 203/1 و 208. [6] السيرة الحلبية: 34/2.

رسول اللہ ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا:

«أَخْبَرَنِي رَبِّي هٰذَا»

''میرے پروردگار نے مجھے اس کی خبر دی ہے۔''

یہ سن کر ابوطالب نے کہا: ''اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا پروردگار حق ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً آپ سچے ہیں۔''

ابوطالب نے قریش کو حقیقتِ حال بتلا دی

اس کے بعد ابوطالب نے اپنے قبیلے کے لوگوں کو اکٹھا کیا۔ انھوں نے ان لوگوں کو اس ڈر سے یہ بات نہیں بتائی مبادا یہ خبر پھیل جائے اور مشرکین کو اس کا علم ہو جائے اور وہ اس تحریر کے بارے میں کوئی سازش کریں۔ ابوطالب اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر نکلے اور مسجد الحرام میں آگئے۔ کفارِ قریش اس وقت کعبہ کے سائے تلے بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے ابوطالب کو آتے دیکھا تو ایک دوسرے کو ان کے آنے کی خوشخبری دی۔ وہ یہ سمجھے کہ یہ لوگ محاصرے اور مصیبت سے تنگ آکر رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے کرنے آئے ہیں۔ جب ابوطالب اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر کفارِ قریش کے پاس پہنچے تو انھوں نے ابوطالب کو خوش آمدید کہا اور کہنے لگے: ''تمھارے لیے اب وہ وقت آگیا ہے کہ تم ایسے شخص کے قتل پر راضی ہو جاؤ جس کے قتل میں تمھاری بہتری اور اتحاد ہے اور اس کے زندہ رہنے میں تمھارے لیے اختلاف اور بگاڑ ہے۔''

ان کی یہ بات سن کر ابوطالب نے کہا: ''میں تم سے ایک ایسے معاملے کے بارے میں بات چیت کرنے آیا ہوں جس سے امید ہے کہ اصلاح اور اتحاد ہو جائے گا، تم ہمارا یہ معاملہ قبول کرلو۔''[1] اس کے بعد ابوطالب نے انھیں تحریری دستاویز کے ساتھ پیش آنے والے واقعے سے آگاہ کیا اور کہا کہ مجھے یہ بات میرے بھتیجے (محمد ﷺ) نے بتائی ہے اور انھوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، لہٰذا تم تحریر منگوا کر دیکھ لو۔ اگر وہ اُسی حالت میں ہو جیسا کہ میرے بھتیجے نے بتایا ہے تو پھر تم ہمارے بائیکاٹ سے باز آجاؤ اور اس تحریر سے دستبردار ہو جاؤ اور اگر ایسا نہ ہو تو میں اپنے بھتیجے کو تمھارے حوالے کر دوں گا، پھر تمھاری مرضی کہ انھیں قتل کر دو یا زندہ چھوڑ دو۔ یہ بات سن کر کفارِ قریش نے کہا: ''آپ نے ہمارے ساتھ انصاف کیا ہے۔ ہم اس پر راضی ہیں۔''

انھوں نے آپس میں اس پر معاہدہ کیا، پھر تحریر منگوا کر دیکھی تو وہ ٹھیک اُسی طرح نکلی جیسے کہ صادق و مصدوق

[1] السيرة لابن إسحاق: 1/203، 204.

رسول اللہ ﷺ نے اس کے بارے میں خبر دی تھی۔ [1] کفارِ قریش اسے دیکھتے ہی اپنی بات سے پھر گئے، انھوں نے حسبِ عادت اسے ماننے سے انکار کر دیا اور اسے جادو قرار دیتے ہوئے کہا: اللہ کی قسم! یہ تو تمھارے ساتھی (محمد ﷺ) کے جادو کے سوا اور کچھ نہیں۔ وہ پلٹ گئے اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں پر سختی کرنے اور اس ظالمانہ عہد و پیمان پر عمل کرنے میں پہلے سے زیادہ آگے بڑھ گئے۔ اس موقع پر ابوطالب اور ان کے ساتھیوں نے کہا:

ہمارے علاوہ اور لوگ جھوٹ اور جادو کے زیادہ قریب ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم جو ہمارے بائیکاٹ پر اکٹھے ہوئے ہو تو تمھارا یہ اقدام منتر اور جادو کا نتیجہ ہے۔ اگر تم جادو پر اکٹھے نہ ہوتے تو تمھاری یہ تحریر تمھارے ہی ہاتھوں میں ہوتے ہوئے خراب نہ ہوتی۔ اب بولو ہم جادوگر ہیں یا تم؟

یہ سن کر کفارِ قریش بڑے شرمندہ ہوئے اور ان کے سر جھک گئے۔ [2] ابوطالب کہنے لگے: ''اب تم ہمیں کس وجہ سے محبوس اور محصور رکھو گے، اب تو معاملہ واضح ہو چکا!'' اس کے بعد ابوطالب اپنے قبیلے کے لوگوں کو لے کر کعبہ اور اس کے پردوں کے درمیان چلے گئے، وہاں انھوں نے بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی:

اَللّٰهُمَّ! انْصُرْنَا مِمَّنْ ظَلَمَنَا وَ قَطَعَ أَرْحَامَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا يَحْرُمُ عَلَيْهِ مِنَّا.

''اے اللہ! ان لوگوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما جنھوں نے ہم پر ظلم کیا، قطع رحمی کی اور ہمارے بارے میں اس (ظلم) کو حلال سمجھا جو ان پر حرام تھا۔''

پھر ابوطالب اپنے ساتھیوں کو لے کر شعب میں واپس آ گئے۔ [3]

ہشام بن عمرو کی اشرافِ قریش کو ترغیب

دوسری طرف قریش کے پانچ معزز لوگ اس ظالمانہ تحریر کو پھاڑنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، ان کے نام یہ ہیں:
1 ہشام بن عمرو بن ربیعہ۔ 2 زہیر بن ابی امیہ بن مغیرہ۔ 3 مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف۔ 4 ابوالبختری عاص بن ہشام بن حارث بن عبدالعزّٰی۔ 5 زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد۔

ان میں بنیادی کردار ہشام بن عمرو نے ادا کیا۔ انھی نے باقی اشرافِ قریش کو بھی دستاویز چاک کرنے پر اُکسایا۔ ہشام بن عمرو سب سے پہلے زہیر بن ابی امیہ کے پاس گئے۔ زہیر کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب نبی اکرم ﷺ کی پھوپھی تھی۔ ہشام بن عمرو نے زہیر سے کہا: ''زہیر! کیا تم اس بات پر خوش ہو کہ تم کھانا کھاؤ، کپڑے پہنو اور شادی

[1] الطبقات لابن سعد: 210/1، السيرة لابن هشام: 377/1. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 275,274/1، دلائل النبوة للبيهقي: 314,313/2. [3] الطبقات لابن سعد: 210/1.

کرو جبکہ تمھارے ماموں کس حالت میں کہاں پڑے ہوئے ہیں، وہ تمھیں معلوم ہے۔ ان کا مکمل بائیکاٹ ہو رہا ہے۔ نہ کوئی ان سے کچھ خریدتا ہے، نہ اُن کے ہاتھ کچھ بیچتا ہے۔ انھیں رشتہ دیا جاتا ہے نہ ان سے رشتہ لیا جاتا ہے۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر وہ ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) کے ماموں ہوتے، پھر تم اسے ان سے قطع تعلق پر زور دیتے تو وہ کبھی تمھاری بات قبول نہ کرتا۔''

یہ سن کر زہیر نے کہا: اے ہشام! تم پر افسوس! بھلا میں کیا کروں؟ میں تو اکیلا آدمی ہوں۔ اللہ کی قسم! اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا آدمی ہوتو میں اس دستاویز کو پھاڑنے کے لیے ابھی اٹھ کھڑا ہوں گا۔

ہشام نے کہا: ایک آدمی تو تمھیں مل گیا ہے۔

زہیر نے پوچھا: وہ کون ہے؟

ہشام نے کہا: میں ہوں۔

زہیر نے کہا: تیسرا آدمی بھی تلاش کرو۔

ہشام بن عمرو، مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ان سے کہا: اے مطعم! کیا تم اس پر راضی ہو کہ بنوعبدمناف کی دو شاخیں ہلاک ہو جائیں جبکہ تم خود ان کی حالتِ زار دیکھ رہے ہو اور اس ظلم میں قریش کے ہمنوا بنے ہوئے ہو۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے قریش کو اس تباہ کاری کا موقع دیا تو تم انھیں اس تباہی کی طرف اپنے سے بھی زیادہ تیز پاؤ گے۔

مطعم بولا: تم پر افسوس! میں کیا کروں؟ میں تو اکیلا ہوں۔

ہشام نے کہا: تمھیں دوسرا آدمی مل گیا ہے۔

مطعم نے پوچھا: وہ کون ہے؟

ہشام نے کہا: میں ہوں۔

مطعم نے کہا: اب تیسرا آدمی تلاش کرو۔

ہشام نے کہا: میں نے تیسرا آدمی بھی ڈھونڈ لیا ہے۔

مطعم نے پوچھا: وہ کون ہے؟

ہشام نے کہا: زہیر بن ابی امیہ۔

مطعم نے کہا: اچھا! پھر چوتھا آدمی تلاش کرو۔

اب ہشام بن عمرو، ابوالبختری کے پاس گئے اور اس سے بھی وہی گفتگو کی جو مطعم سے کی تھی۔ انھوں نے اسے بنوہاشم اور بنومطلب کی قرابت اور ان کا حق یاد دلایا۔ ابوالبختری نے پوچھا: کیا کوئی ان کے معاملے کی تائید کرنے

والا بھی ہے؟

ہشام نے کہا: ہاں!

ابوالبختری نے پوچھا: کون ہے؟

ہشام نے کہا: زہیر بن ابی امیہ، مطعم بن عدی اور میں۔

اس پر ابوالبختری نے کہا: اب پانچواں آدمی تلاش کرو۔

اس کے بعد ہشام بن عمرو، زمعہ بن اسود کے پاس گئے۔ انھوں نے ان سے بات چیت کی اور محصورین کی قرابت اور ان کا حق یاد دلایا۔ زمعہ نے پوچھا: تم مجھے جس کام کا احساس دلا رہے ہو، کیا کوئی اور بھی اس پر متفق ہے؟

ہشام نے کہا: ہاں، پھر انھیں ان سب کے نام بتائے۔

دستاویز چاک کرنے کی مہم

ان پانچوں افراد نے طے کیا کہ رات کو مکہ کے بالائی حصے الحجون کے شروع میں اکٹھے ہوں گے۔ پروگرام کے

الحجون (مکہ مکرمہ)



مطابق وہ سب رات کو وہاں جمع ہوئے۔ انھوں نے آپس میں عہد کیا کہ ہم اس دستاویز کو چاک کر کے رہیں گے۔ زہیر بن ابی امیہ نے کہا: میں اس کام کی ابتدا کروں گا اور سب سے پہلے بات کروں گا۔

صبح ہوئی تو سب لوگ اپنی اپنی مجلسوں میں جا کر بیٹھ گئے۔ زہیر بن ابی امیہ بھی عمدہ پوشاک میں ملبوس ہو کر بیت اللہ میں داخل ہوئے، انھوں نے کعبہ کے سات چکر لگائے، پھر لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اے مکہ کے باسیو! کیا ہم کھائیں پئیں اور کپڑے پہنیں جبکہ بنو ہاشم اور بنو مطلب ہلاک ہوتے رہیں۔ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچی جائے نہ ان سے کچھ خریدا جائے، انھیں رشتہ دیا جائے نہ ان سے رشتہ لیا جائے۔ اللہ کی قسم! یہ بہت بڑا ظلم ہے جب تک یہ ظالمانہ قرابت شکن تحریر پھاڑی نہیں جائے گی، اس وقت تک میں کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا اور نہ آرام سے بیٹھوں گا۔ اس وقت ابوجہل بھی مسجد الحرام میں موجود تھا، وہ کہنے لگا: تم نے جھوٹ کہا ہے۔ اللہ کی قسم! یہ دستاویز چاک نہیں کی جائے گی۔

اس پر زمعہ بن اسود نے زہیر کی تائید کرتے ہوئے ابوجہل کو جواب دیا: اللہ کی قسم! تو سب سے بڑا جھوٹا ہے، جب یہ دستاویز لکھی گئی تھی، اس وقت بھی ہم اس پر راضی نہیں تھے اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

ادھر ابوالبختری بھی بول پڑا: زمعہ نے سچ کہا ہے۔ اس دستاویز میں جو کچھ لکھا گیا ہے، ہم اس پر راضی نہیں، نہ ہم اسے مانتے ہیں۔

اس کے بعد مطعم بن عدی نے کہا: تم دونوں نے سچ کہا۔ جو شخص اس کے علاوہ کوئی بات کہتا ہے، وہ جھوٹ بولتا ہے۔ ہم اس دستاویز سے اور جو کچھ اس میں لکھا گیا ہے، اس سے اللہ کے حضور بری ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔

پھر ہشام بن عمرو نے بھی اسی طرح کی بات کہی۔ یہ صورتحال دیکھ کر ابوجہل کہنے لگا: یہ تو سوچا سمجھا معاملہ لگتا ہے اور گزشتہ رات ہی کو طے کیا گیا ہے اور اس بارے میں مشورہ اس جگہ کے علاوہ کسی اور مقام پر کیا گیا ہے۔

اس وقت ابوطالب بھی مسجد الحرام ہی کے ایک کونے میں موجود تھے، وہ یہ سارا منظر دیکھ رہے تھے۔ مطعم بن عدی دستاویز چاک کرنے کے لیے اٹھا تو اس نے دیکھا کہ دیمک نے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کے الفاظ چھوڑ کر باقی ساری دستاویز ہڑپ کر لی ہے۔[1]

ابن سعد نے اس ظلم اور بائیکاٹ کے خلاف آواز اٹھانے والوں میں عدی بن قیس کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا ہے کہ یہ لوگ مسلح ہو کر بنو ہاشم اور بنو مطلب کے پاس گئے اور انھیں کہا کہ تم اپنے گھروں میں

[1] السيرة لابن إسحاق:1/206-208، السيرة لابن هشام:1/374-376.

واپس آ جاؤ، چنانچہ بنو ہاشم اور بنو مطلب شعب ابی طالب سے نکل کر اپنے گھروں میں واپس آ گئے۔ کفارِ قریش نے یہ منظر دیکھا تو وہ شرمندہ ہو گئے اور سمجھ گئے کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو ہمارے حوالے نہیں کریں گے۔ یہ محاصرہ اور بائیکاٹ بعثت کے دسویں سال ختم ہوا۔[1] ابو طالب نے اس موقع پر قصیدہ دالیہ کے اشعار کہے جن میں انھوں نے ان لوگوں کی مدح کی جنھوں نے اس ظالمانہ دستاویز کو چاک کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا۔[2] حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اشعار میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے۔

اراشی اور ابوجہل کا قصہ

اراش یا اراشہ کا ایک شخص اپنے اونٹ لے کر مکہ آیا۔ اراش کی نسبت علاقے اور خاندان دونوں کی طرف ہوتی ہے۔ یہ علاقہ شام میں ہے اور خاندان عمالیق کی طرف منسوب ہے، عربوں میں اس نسب کے حامل بہت سے لوگ ہیں۔[3] ابوجہل نے اراشی سے اونٹ خرید لیے لیکن ان کی قیمت ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔ اراشی قریش کی ایک مجلس میں آیا، رسول اللہ ﷺ اس وقت مسجد الحرام ہی میں تشریف فرما تھے، اراشی نے کہا: اے قریش کی جماعت! تم میں سے کون ہے جو ابوالحکم بن ہشام (ابوجہل) سے میرا حق لینے میں میری مدد کرے؟ میں ایک پردیسی ہوں، مسافر ہوں۔ ابوالحکم نے میرا حق مار لیا ہے۔

اس مجلس میں موجود قریش کے لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ کر دیا اور اراشی سے کہا: کیا تو اس بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھ رہا ہے؟ جا اس کے پاس چلا جا، وہ تیری مدد کرے گا اور تجھے تیرا حق لے دے گا۔

کفارِ قریش نے اُس غریب پردیسی کو ٹھٹھا مذاق کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا تھا، حالانکہ ابوجہل کو رسول اللہ ﷺ سے جو عداوت تھی، وہ اسے خوب جانتے تھے۔ بے چارا اراشی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا: اے اللہ کے بندے! ابوالحکم بن ہشام نے میرا حق مار لیا ہے۔ میں ایک پردیسی ہوں۔ مسافر ہوں۔ میں نے قریش کے لوگوں کو اپنی مدد کے لیے پکارا اور اپنا حق لے کر دینے کو کہا تو انھوں نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ اب آپ مجھے اس سے میرا حق لے کر دیں، اللہ آپ پر رحم فرمائے!

رسول اللہ ﷺ کا ابوجہل کے گھر جانا

رسول اللہ ﷺ تو مظلوموں کی مدد کیا کرتے تھے۔ اگر کوئی کسی کا حق مار لیتا تو اس سے صاحبِ حق کو اس کا حق

[1] الطبقات لابن سعد: 210/1، أنساب الأشراف: 273/1. [2] السيرة لابن هشام: 1/377-380. [3] معجم البلدان، مادة: أراش و عجب، تاج العروس، مادة: أراش.

لے کر دیتے تھے۔ جب اس اراشی نے آپ ﷺ سے کہا کہ چلیے ابوجہل سے میرا حق دلوایئے تو رسول اللہ ﷺ فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کے ساتھ ابوجہل کی طرف تشریف لے گئے۔ کفارِ قریش نے جب یہ دیکھا کہ آپ اس اراشی کا حق دلانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں تو انھوں نے فوراً اپنے میں سے ایک شخص سے کہا: اٹھو! محمد (ﷺ) کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کرتے ہیں۔

وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پیچھے پیچھے آ گیا۔ آپ ﷺ نے ابوجہل کے دروازے پر پہنچ کر دستک دی، ابوجہل گھر میں موجود تھا، اس نے پوچھا: ''کون ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں محمد بن عبداللہ ہوں، باہر آؤ۔''

ابوجہل پر دہشت طاری ہوگئی

ابوجہل فوراً دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ دہشت کے مارے اس کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے بغض و عداوت رکھنے کے باوجود جب بھی آپ کو دیکھتا تھا، مرعوب ہو جاتا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«أَعْطِ هٰذَا الرَّجُلَ حَقَّهُ» ''اس شخص کو اس کا حق دو۔''

ابوجہل کہنے لگا: اچھا، آپ یہیں ٹھہریے، میں ابھی اس کا حق لا کر دیتا ہوں۔ ابوجہل فوراً اندر گیا اور اونٹوں کی رقم لا کر اراشی کے حوالے کر دی، پھر رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے اراشی کو رخصت کیا اور فرمایا:

«اِلْحَقْ بِشَأْنِكَ» ''اب جا کر اپنا کام کرو۔''

وہ اراشی قریش کی اسی مجلس کی طرف واپس آیا جس سے اس نے فریاد کی تھی۔ اس نے وہاں کھڑے ہو کر کہا: اللہ انھیں (محمد ﷺ کو) جزائے خیر عطا فرمائے۔ اللہ کی قسم! انھوں نے مجھے بڑی آسانی سے میرا حق لے دیا ہے۔ یہ کہہ کر اراشی چلا گیا۔ اتنے میں وہ شخص بھی واپس آ گیا جسے کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کا تعاقب کرنے بھیجا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا: تجھ پر افسوس! تو نے کیا دیکھا؟

اس شخص نے کہا: میں نے بڑا عجیب و غریب منظر دیکھا ہے۔ اللہ کی قسم! محمد (ﷺ) نے ابوجہل کا دروازہ کھٹکھٹایا تو وہ فوراً باہر نکل آیا۔ یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم میں جان ہی نہیں ہے۔ محمد (ﷺ) نے اس سے کہا کہ اس شخص کو اس کا حق ادا کرو۔ وہ کہنے لگا کہ آپ یہیں ٹھہریے، میں ابھی لا کر دیتا ہوں۔ پھر وہ اندر گیا اور رقم لا کر اس کے حوالے کر دی۔

ادھر ابوجہل بھی وہاں پہنچ گیا۔ کفارِ قریش نے اس سے کہا: تجھ پر افسوس! تجھے کیا ہوگیا؟ اللہ کی قسم! ہم نے تو تجھے کبھی اس طرح کرتے نہیں دیکھا۔ ہم نے تو اس شخص کو محمد (ﷺ) کے پاس بغرضِ مذاق بھیجا تھا۔

ابوجہل کہنے لگا: تم پر افسوس! مجھے چھوڑ دو۔ اللہ کی قسم! جب انھوں (محمد ﷺ) نے میرا دروازہ کھٹکھٹایا اور میں نے ان کی آواز سنی تو میں شدید مرعوب ہوگیا، پھر میں باہر نکلا تو میں نے دیکھا کہ ان کے سر کے اوپر ایک طاقتور اونٹ تھا۔ میں نے اس جیسی کھوپڑی، موٹی گردن اور کچلیاں کبھی کسی اونٹ کی نہیں دیکھیں۔ اس نے اپنا جبڑا کھول رکھا تھا۔ اللہ کی قسم! اگر میں انکار کر دیتا تو وہ اونٹ مجھے چبا لیتا، اس لیے میں نے اس شخص کو اس کا حق دے دیا۔

یہ سن کر کفارِ قریش نے حسبِ عادت کہا: ''یہ تو بس ان کے جادو ہی کا کچھ حصہ ہے۔''[1]

زبیدی اور ابوجہل کا واقعہ

ابوجہل نے اراشی کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، اسی طرح کا معاملہ اس نے بنو زبید کے ایک شخص کے ساتھ بھی کیا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ مسجد الحرام میں تشریف فرما تھے۔ آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ بنو زبید کا ایک شخص وہاں آیا اور اس نے کہا: اے قریش کی جماعت! بھلا تمھارے پاس مال کیسے آئے گا؟ تجارتی قافلے تمھاری طرف کیسے آئیں گے؟ کوئی تاجر تمھارے پاس کیسے مقیم ہوگا جبکہ تم اس پر ظلم کرتے ہو جو تمھارے پاس حرم میں آجاتا ہے۔

وہ شخص باری باری مسجد الحرام میں موجود تمام حلقوں میں کھڑے ہو کر یہی بات کہہ رہا تھا۔ بالآخر وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«مَنْ ظَلَمَكَ؟» ''تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟''

اس پر اس شخص نے اپنی ساری روداد رسول اللہ ﷺ کے گوش گزار کر دی اور کہا: ''مجھ پر ابوالحکم (ابوجہل) نے ظلم کیا ہے۔ میں اپنے تین بہترین اونٹ لے کر آیا۔ ابوجہل نے مجھ سے وہ اونٹ اصل قیمت کے تیسرے حصے کے عوض خریدنے چاہے۔ میں نے اپنے اونٹ گھاٹے میں بیچنے سے انکار کر دیا۔ اب اس کی ناراضی کے ڈر سے کوئی مجھ سے اونٹ نہیں خرید رہا۔ اس نے میرے اونٹوں کو ناقابلِ فروخت بنا دیا ہے اور مجھ پر ظلم کیا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «وَأَيْنَ أَجْمَالُكَ؟» ''تیرے اونٹ کہاں ہیں؟''

اس نے بتایا کہ وہ حزورہ میں ہیں۔ یہ مکہ کے بازاروں میں سے ایک بازار تھا۔[2] رسول اللہ ﷺ اپنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

[1] السیرة لابن هشام: 1/390,389، أنساب الأشراف: 1/146,145، دلائل النبوة للبیهقي: 2/194,193. [2] معجم البلدان، مادة: حزورة.

کے ساتھ ان اونٹوں کی طرف گئے۔ آپ نے انھیں دیکھا تو وہ واقعی بڑے اچھے اور حسین و جمیل اونٹ تھے۔ آپ نے اس شخص سے ان اونٹوں کا اس کی منہ مانگی قیمت پر سودا کر لیا۔ پھر آپ نے وہ اونٹ لے کر ان میں سے دو اونٹوں کو اس قیمت پر فروخت کر دیا جتنی قیمت اس زبیدی نے تینوں اونٹوں کی مانگی تھی۔ آپ نے اسے وہ قیمت ادا کر دی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے تیسرا اونٹ بھی بیچ ڈالا اور اس کی رقم بنو عبدالمطلب کی بیواؤں کو دے دی۔

رسول اللہ ﷺ کا ابوجہل کو ڈانٹنا

اس وقت ابوجہل بازار کی ایک جانب چپ چاپ بیٹھا تھا، وہ کسی سے کوئی بات نہیں کر رہا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور اسے ڈانٹتے ہوئے خبردار فرمایا:

«يَا عَمْرُو! إِيَّاكَ أَنْ تَعُودَ لِمِثْلِ مَا صَنَعْتَ بِهٰذَا الْأَعْرَابِيِّ فَتَرٰى مِنِّي مَاتَكْرَهُ»

''اے عمرو! دوبارہ اس طرح نہ کرنا جس طرح تم نے اس دیہی شخص کے ساتھ کیا ہے ورنہ تم میری طرف سے وہ کچھ دیکھو گے جسے تم ناپسند کرتے ہو۔''

ابوجہل آپ ﷺ کو دیکھ کر شدید مرعوب ہوگیا۔ اس میں ہمت ہی نہ رہی کہ وہ آپ کے سامنے کوئی بات کرے۔ جب آپ ﷺ نے اُسے انتباہ کیا تو وہ فوراً کہنے لگا: ''اے محمد! میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔ اے محمد! میں دوبارہ ایسا نہیں کروں گا۔''

جب رسول اللہ ﷺ وہاں سے واپس تشریف لے گئے تو امیہ بن خلف اور وہ مشرکین جو اس وقت وہاں موجود تھے، ابوجہل کے پاس آئے اور کہنے لگے: تم محمد (ﷺ) کے سامنے جھک گئے تھے، تم ان کی پیروی کرنا چاہتے ہو یا ان کا رعب و دبدبہ تم پر طاری ہوگیا تھا؟

یہ بات سن کر ابوجہل نے کہا: اللہ کی قسم! میں کبھی ان کی پیروی نہیں کروں گا۔ ان کے رُوبرُو میری عاجزی اس وجہ سے تھی کہ میں نے ان کا جادو دیکھ لیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں کچھ آدمی ہیں جن کے پاس نیزے ہیں۔ انھوں نے وہ نیزے مجھ پر تان لیے تھے۔ اگر میں محمد (ﷺ) کی مخالفت کرتا تو وہ نیزے میرے بدن میں گھونپ دیتے۔[1]

رکانہ کی رسول اللہ ﷺ سے کشتی

رکانہ بن عبدیزید بن ہاشم بن مطلب بن عبدمناف قریش کے بہت مضبوط اور طاقتور شخص تھے۔ ان کا نسب

[1] أنساب الأشراف: 147,146/1، سبل الهدٰى والرشاد: 420/2.

چوتھی پشت میں عبد مناف پر نبی کریم ﷺ سے ملتا ہے۔ ان کی ملاقات مکہ کی کسی گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ سے ہوئی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«يَا رُكَانَةُ! أَلَا تَتَّقِي اللّٰهَ وَتَقْبَلُ مَا أَدْعُوكَ إِلَيْهِ؟»

''اے رکانہ! تم اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے اور جس چیز کی طرف میں تمھیں دعوت دے رہا ہوں، اسے قبول کیوں نہیں کرتے؟''

آپ ﷺ کی یہ بات سن کر رکانہ نے کہا: اگر میں یہ جان لیتا کہ آپ جو کہتے ہیں، وہ حق ہے تو میں آپ کی پیروی کر لیتا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَرَءَيْتَ إِنْ صَرَعْتُكَ، أَتَعْلَمُ أَنَّ مَا أَقُولُ حَقٌّ؟»

''بھلا بتاؤ اگر میں تمھیں پچھاڑ دوں تو کیا تم یقین کر لو گے کہ میں جو کہتا ہوں، وہ حق ہے؟''

رکانہ نے کہا: ''ہاں!'' ان کا خیال تھا کہ میں ایک مضبوط اور طاقتور پہلوان ہوں۔ بھلا محمد (ﷺ) میرا مقابلہ کیسے کر پائیں گے، آج تک تو مجھے کوئی پچھاڑ نہیں سکا! رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«فَقُمْ حَتّٰى أُصَارِعَكَ» ''اٹھو تاکہ میں تم سے کشتی لڑوں۔''

رکانہ کشتی کرنے کے لیے اٹھے تو رسول اللہ ﷺ نے انھیں پکڑتے ہی زمین پر چت لٹا دیا۔ رکانہ اپنے آپ پر قابو ہی نہ رکھ سکے، انھوں نے ہارنے کے بعد پھر کہا: ''اے محمد! دوبارہ کشتی کیجیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے دوبارہ کشتی کی اور انھیں پھر پچھاڑ دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر رکانہ حیران ہو گئے، انھیں اپنے ہار جانے کی ہرگز توقع نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! اے محمد! یہ بہت عجیب بات ہے کہ آپ نے مجھے پچھاڑ کر رکھ دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَأَعْجَبُ مِنْ ذٰلِكَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُرِيَكَهُ إِنِ اتَّقَيْتَ اللّٰهَ وَاتَّبَعْتَ أَمْرِي»

''اگر تم چاہو تو میں تمھیں اس سے بھی زیادہ عجیب چیز دکھاؤں بشرطیکہ تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔''

رکانہ نے پوچھا: ''وہ کیا ہے؟''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُو لَكَ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ الَّتِي تَرٰى فَتَأْتِينِي»

’’میں اس درخت کو جسے تم دیکھ رہے ہو، تمھاری خاطر بلاؤں گا تو وہ میرے پاس آجائے گا۔‘‘

رکانہ نے کہا: درخت کو بلائیے۔

رسول اللہ ﷺ نے درخت کو بلایا تو وہ آپ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ پھر آپ نے اس درخت سے فرمایا:

«ارْجِعِي إِلَى مَكَانِكِ»

’’اپنی جگہ واپس چلا جا۔‘‘

وہ درخت فوراً اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ اس کے بعد رکانہ بن عبد یزید اپنے قبیلے کے پاس گئے اور کہنے لگے: اے بنو عبد مناف! اپنے صاحب (محمد ﷺ) کا روئے زمین کے جادوگروں سے مقابلہ کراؤ، اللہ کی قسم! میں نے ان سے بڑا جادوگر کبھی نہیں دیکھا، پھر رکانہ نے جو کچھ کیا اور دیکھا تھا، وہ سب کچھ انھیں بتایا۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ رکانہ نے رسول اللہ ﷺ سے تین بار کشتی لڑی۔ آپ ﷺ نے تینوں بار انھیں پچھاڑ دیا اور ہر مرتبہ جیتنے پر سو بکریاں وصول کیں۔ تیسری بار جب آپ نے انھیں گرا دیا تو وہ کہنے لگے: اے محمد! آپ سے پہلے کسی نے میری کمر زمین سے نہیں لگائی۔ میں آپ سے زیادہ کسی اور سے بیزار نہیں تھا مگر اب:

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَنَّكَ رَسُولُ اللّٰهِ.

’’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔‘‘

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی بکریاں واپس کر دیں۔[2]

اس کے برعکس ایک اور روایت میں ہے کہ انھوں نے اس وقت اسلام قبول نہیں کیا بلکہ وہ بعد میں مسلمان ہوئے۔ علامہ ابن عبدالبر، ابن اثیر اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے کہ وہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔[3]

ابوطالب کی خدمت میں قریش کا آخری وفد

شعب ابی طالب سے نکلنے کے کچھ ہی عرصہ بعد ابوطالب سخت بیمار ہوگئے۔ وہ خاصے بوڑھے ہو چکے تھے۔ جب کفارِ قریش کو ان کی بیماری کا علم ہوا تو ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عاصی (عاص) بن سعید اور امیہ بن خلف قریش کے لوگوں سے کہنے لگے: حمزہ اور عمر (رضی اللہ عنہما) مسلمان ہو چکے ہیں۔ محمد (ﷺ) کا دین سارے قبائل میں پھیل چکا ہے۔ ابوطالب دانش مند، معزز اور بزرگ شخص ہیں اور تمھارے ہی دین پر ہیں۔ وہ بیمار ہیں، آؤ ان کے ہاں چلو۔ ہم ان سے

[1] السيرة لابن هشام: 391,390/1. [2] البداية والنهاية: 102/3. [3] الاستيعاب، ص: 269، أسد الغابة: 200,199/2، الإصابة: 414,413/2.

مفاہمت کریں۔ وہ ہماری کچھ باتیں اپنے بھتیجے سے منوائیں اور کچھ ہم ان کی مان لیں۔ اگر تم نے عمر بن خطاب اور حمزہ بن عبدالمطلب سے رجوع کیا تو یہ بے فائدہ ہوگا کیونکہ وہ تو پہلے ہی تمھارے دین کی مخالفت کر چکے ہیں، پھر لازماً تمھارے اور تمھاری قوم (قریش) کے مابین جنگ ہوگی۔ اللہ کی قسم! ہمیں ڈر ہے کہ وہ لوگ ہم پر غالب آ جائیں گے۔

اس کے بعد قریش کے معزز ترین افراد اکٹھے ہو کر ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ابوجہل بن ہشام، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب اور دیگر اشرافِ قریش شامل تھے۔ انھوں نے ابوطالب سے کہا: ہمارے نزدیک آپ کا جو مقام اور مرتبہ ہے، وہ آپ خوب جانتے ہیں۔ جو بیماری آپ کو لاحق ہو چکی ہے، اس سے بھی آپ بے خبر نہیں۔ ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں یہ آپ کے آخری ایام نہ ہوں۔ ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو معاملہ چل رہا ہے، وہ آپ کو معلوم ہے۔ آپ اپنے بھتیجے کو بلائیں اور ان کے بارے میں کچھ عہد و پیمان ہم سے لیں اور ہمارے بارے میں کچھ عہد و پیمان ان سے لے دیں تاکہ وہ ہم سے اور ہم ان سے باز رہیں۔ وہ ہمیں اور ہمارے دین کو ہمارے حال پر چھوڑ دیں اور ہم انھیں اور ان کے دین کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

ان کی یہ بات سن کر ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ کو بلا بھیجا۔ آپ ﷺ تشریف لے آئے۔ ابوطالب کے پاس ایک شخص کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ابوجہل کو یہ خطرہ ہوا مبادا رسول اللہ ﷺ ابوطالب کے قریب بیٹھ جائیں جس کی وجہ سے ابوطالب کا دل آپ ﷺ کے بارے میں نرم ہو جائے۔ یہ سوچ کر ابوجہل خود اس جگہ بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا ابوطالب کے قریب کوئی جگہ نہ ملی تو آپ دروازے کے پاس بیٹھ گئے۔ ابوطالب نے آپ ﷺ سے کہا: بھتیجے! یہ تمھاری قوم کے معزز لوگ ہیں۔ یہ تم سے مفاہمت کی بات کرنے آئے ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ کچھ عہد و پیمان تمھیں دیں اور کچھ عہد و پیمان تم سے لیں۔ تم ان کی طرف پوری طرح مائل نہ ہونا۔

ابوطالب کی بات سن کر رسول اللہ ﷺ نے کفارِ قریش سے فرمایا:

«قُولُوا أَسْمَعْ قَوْلَكُمْ» ”کہو، میں تمھاری بات سنوں گا۔“

کفارِ قریش میں سے ابوجہل نے بات شروع کی۔ اس نے کہا: آپ ہمارا تذکرہ کرنا چھوڑ دیں، ہم پر اور ہمارے معبودوں پر الزام تراشی نہ کریں، ہم بھی آپ کو اور آپ کے پروردگار کو کچھ نہیں کہیں گے۔

ان کا یہ مطالبہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنْ أَعْطَيْتُكُمْ مَا سَأَلْتُمْ، أَمُعْطِيَّ أَنْتُمْ كَلِمَةً وَّاحِدَةً لَّكُمْ فِيهَا خَيْرٌ، تَمْلِكُونَ بِهَا الْعَرَبَ وَتَدِينُ لَكُمْ بِهَا الْعَجَمُ»

”تم نے جو مطالبہ کیا ہے، اگر میں اسے مان لوں تو کیا تم ایک کلمہ مان لو گے؟ تمھارے لیے اس میں بھلائی ہے۔ اس کی وجہ سے تم عرب کے بادشاہ بن جاؤ گے اور عجم تمھاری فرماں برداری کریں گے۔“

ابوجہل نے ٹھٹھا مذاق کرتے ہوئے کہا: ہاں، تمھارے باپ کی قسم! ہم تو ایسے دس کلمے ماننے کو تیار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تَقُولُونَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَتَخْلَعُونَ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ»

”تم کہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کے علاوہ تم جن کی عبادت کرتے ہو، ان سب کو چھوڑ دو۔“

یہ سن کر کفارِ قریش نے تالیاں بجائیں، پھر بولے: اے محمد! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دو، یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔

اس کے بعد کفارِ قریش ایک دوسرے سے کہنے لگے: اللہ کی قسم! تم جو کچھ چاہتے ہو، یہ صاحب اس میں سے کوئی بات نہیں مانیں گے، لہٰذا چلو اور اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہو یہاں تک کہ اللہ تمھارے اور ان کے درمیان فیصلہ کر دے۔ پھر وہ سب وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیاتِ مبارکہ نازل فرمائیں:

﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝ وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۝ اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ۝ وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ يُّرَادُ ۝ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِی الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝﴾ (صٓ 38:1-7)

”صٓ۔ قسم ہے نصیحت والے قرآن کی! بلکہ جن لوگوں نے کفر کیا، وہ تکبر اور مخالفت میں (پڑے) ہیں۔ ہم نے ان سے پہلے کتنی ہی قومیں ہلاک کر دیں تو (عذاب آنے پر) انھوں نے (مدد کو) پکارا جبکہ وہ خلاصی کا وقت نہ تھا۔ اور انھوں نے اس بات پر تعجب کیا کہ ان کے پاس انھی میں سے ایک ڈرانے والا آ گیا اور کافروں نے کہا: یہ تو ایک جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔ کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک ہی معبود کر دیا؟ بے شک یہ تو یقیناً ایک بڑی عجیب چیز ہے۔ اور ان کے سردار (آوازِ حق سن کر یہ کہتے ہوئے) چل دیے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ بے شک یہ چیز ہے جو (خاص) ارادے سے پیش کی جا رہی ہے۔ ہم نے یہ بات پچھلے دین میں نہیں سنی۔ یہ تو بس گھڑی ہوئی بات ہے۔“

ابوطالب کو قبولِ اسلام کی دعوت

جب رسول اللہ ﷺ نے کفارِ قریش کو حق کو جھٹلاتے دیکھا تو فرمایا:

«لَقَدْ دَعَوْتُ قَوْمِي إِلٰى أَمْرٍ، مَا اشْتَطَطْتُ فِي الْقَوْلِ»

''میں نے اپنی قوم کو ایک حقیقت کی طرف دعوت دی ہے، کوئی ظلم و زیادتی کی بات تو نہیں کی۔''

رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر ابوطالب نے کہا: ہاں، بھتیجے! اللہ کی قسم! تم نے کسی حد سے بڑھی ہوئی بات کا مطالبہ نہیں کیا۔

ابوطالب کی یہ بات رسول اللہ ﷺ کو اچھی لگی۔ آپ ﷺ کے دل میں یہ تمنا انگڑائی لینے لگی کہ ابوطالب اسلام قبول کر لیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَمِّ! بِكَ عَلَيَّ كَرَامَةٌ، وَيَدُكَ عِنْدِي حَسَنَةٌ، وَلَسْتُ أَجِدُ الْيَوْمَ مَا أُجْزِيكَ بِهِ، غَيْرَ أَنِّي أَسْأَلُكَ كَلِمَةً وَّاحِدَةً تَحِلُّ لِي بِهَا الشَّفَاعَةُ عِنْدَ رَبِّي أَنْ تَقُولَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، تُصِيبُ بِهَا الْكَرَامَةَ عِنْدَ الْمَمَاتِ، فَقَدْ حِيلَ بَيْنَكَ وَ بَيْنَ الدُّنْيَا، وَ تَنْزِلُ بِكَلِمَتِكَ هٰذِهِ الشَّرَفَ الْأَعْلٰى فِي الْآخِرَةِ»

''چچا جان! میرے دل میں آپ کی عزت ہے۔ آپ کے مجھ پر بہت احسانات ہیں۔ آج میں آپ کا بدلہ اتارنے کے لیے کوئی چیز نہیں پاتا سوائے اس کے کہ میں آپ سے ایک کلمے کا مطالبہ کروں۔ اس کی وجہ سے میرے لیے اپنے رب کے حضور آپ کی سفارش کرنا حلال ہو جائے گا۔ بس آپ یہ اقرار کر لیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کلمے کی وجہ سے موت کے وقت آپ کو عزت حاصل ہوگی۔ اب آپ کے اور دنیا کے درمیان موت حائل ہو رہی ہے۔ آپ اس کلمے کی وجہ سے آخرت میں بلند مرتبے پر فائز ہوں گے۔''

ابوطالب نے اپنے بارے میں رسول اللہ ﷺ کی یہ خواہش دیکھی تو کہا: بھتیجے! اللہ کی قسم! اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ میرے بعد تمھیں اور بنوعبدالمطلب کو برا بھلا کہا جائے گا اور قریش یہ گمان کریں گے کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے تو میں تمھیں خوش کرنے کے لیے یہ کلمہ ضرور پڑھ لیتا۔ [1]

[1] السيرة لابن إسحاق: 267,266/1، السيرة لابن هشام: 419-417/2.

ابوطالب کی بنوعبدالمطلب کو ایک نصیحت

ابوطالب بیمار ہوئے تو انھوں نے بنوعبدالمطلب کو بلایا اور کہا: ”تم جب تک محمد (ﷺ) کی بات سنو گے اور ان کی پیروی کرو گے، بھلائی میں رہو گے، لہٰذا ان کی پیروی اور تصدیق کرو، تم ہدایت پا جاؤ گے۔“ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا:

«تَأْمُرُهُمْ بِالنَّصِيحَةِ وَ تَدَعُهَا لِنَفْسِكَ»

”آپ انھیں تو اس بات کی نصیحت فرما رہے ہیں مگر اپنے لیے اسے اختیار نہیں کر رہے۔“

نبیِ کریم ﷺ کی یہ بات سن کر سردار ابوطالب نے کہا: ہاں، اگر تم مجھ سے اس کلمے کا مطالبہ اس وقت کرتے جب میں تندرست تھا تو میں تمھاری بات (دعوتِ توحید) مان لیتا۔ اب موت کے وقت مجھے گھبراہٹ پسند نہیں۔ قریش کے لوگ سمجھیں گے کہ میں نے موت کے وقت تو یہ کلمہ قبول کر لیا اور جب تندرست تھا، اس وقت اسے چھوڑے رکھا۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ﴾ (الأنعام 26:6) ”اور وہ دوسروں کو اس سے روکتے ہیں اور خود اس سے دور رہتے ہیں۔“ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوطالب کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ وہ دوسروں کو محمد ﷺ کو تکلیف پہنچانے سے روکتے تھے لیکن جو چیز آپ ﷺ لائے تھے، خود اپنے آپ کو اس کی پیروی سے دور رکھتے تھے۔[2]

ابوطالب کی اشرافِ قریش کو وصیت

ابوطالب نے مرض الموت میں قریش کے سردار اور معزز لوگ جمع کیے اور انھیں انتہائی فصیح و بلیغ انداز میں وصیت کی:

اے قریش کی جماعت! تم اللہ کی مخلوق میں سے اس کے منتخب و چنیدہ لوگ ہو۔ تم سارے عرب کا دل ہو۔ جان لو کہ تم نے عرب کی تمام فضیلتوں اور شرف و عزت کو حاصل کر لیا ہے۔ انھی کی وجہ سے تمھیں لوگوں پر برتری ملی ہے اور لوگ انھیں حاصل کرنے کے لیے تمھیں وسیلہ بناتے ہیں۔ تمام لوگ تمھارے دشمن ہیں اور تمھارے خلاف جنگ پر متحد ہیں۔ میں تمھیں کعبہ کی تعظیم کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ بلاشبہ اس میں رب کی رضامندی، معیشت کی اصلاح اور تمھاری ثابت قدمی ہے۔ صلہ رحمی کرو اور قطع رحمی سے باز رہو کیونکہ صلہ رحمی

1 السيرة لابن إسحاق:268/1. 2 السيرة لابن إسحاق:269/1.

سے عمر میں اضافہ اور (رشتہ داروں کی) تعداد میں زیادتی ہوتی ہے۔ بغاوت، سرکشی اور قطع تعلقی چھوڑ دو۔ انھی وجوہ سے سابقہ قومیں تباہ و برباد ہوئیں۔ پکارنے والے کی پکار قبول کرو، مانگنے والے کو عطا کرو۔ بے شک اس میں زندگی اور موت کا شرف ہے۔ سچی بات کرو اور امانت ادا کرو۔ بلاشبہ اس سے خواص میں محبت اور عوام میں عزت پیدا ہوتی ہے۔

میں تمھیں محمد (ﷺ) کے بارے میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ بلاشبہ وہ قریش میں امین اور عرب میں سچے ہیں۔ میں تمھیں جن باتوں کی وصیت کر رہا ہوں، یہ سب خوبیاں ان میں موجود ہیں۔ اللہ کی قسم! میں تو عرب کے فقیروں، اردگرد کے صحرائی باشندوں اور پسماندہ لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے اس کی دعوت قبول کر لی، اس کے کلمے کی تصدیق کی اور اس کے دین کی تعظیم کی، پھر وہ انھیں موت کے میدانوں میں لے گئے تو قریش کے سردار اور بہادر لوگ گھٹیا اور حقیر ہو گئے۔ ان کے گھر ویران ہو گئے۔ ان کے کمزور لوگ بادشاہ بن گئے۔ قریش میں سے جو ان (محمد ﷺ) کا زیادہ بڑا مخالف تھا، وہ اتنا ہی زیادہ ان کا محتاج ہو گیا اور جو ان سے زیادہ دور تھا، وہ ان کے نزدیک آ کر زیادہ خوش نصیب ہو گیا۔ عرب کے لوگوں نے اپنی الفت و محبت کو ان کے لیے خالص کر دیا، اپنے دلوں کو ان کے بارے میں صاف کر لیا اور اپنی قیادت انھیں سونپ دی۔

اے قریش کی جماعت! اپنے خاندان کے آدمی (محمد ﷺ) کی پیروی کرو، ان کے مددگار ہو جاؤ۔ جنگ میں ان کے حمایتی بنو۔ اللہ کی قسم! تم میں سے جو بھی ان کی راہ اختیار کرے گا، وہ ہدایت یافتہ ہو جائے گا اور جو بھی ان کا طریقہ اختیار کرے گا، وہ سعادت مند بن جائے گا۔ اگر مجھے کچھ مدت مل جاتی اور میری موت میں کچھ تاخیر ہو جاتی تو میں پُر آشوب حالات میں ان کے لیے کافی ہو جاتا اور مصیبتوں کو ان کے قریب بھی نہ پھٹکنے دیتا۔[1]

ابوطالب کی رسول اللہ ﷺ کو وصیت

ابوطالب زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کی حفاظت اور حمایت کرتے رہے۔ انھوں نے قریش کی مخالفت اور عداوت مول لے لی لیکن رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ وہ مسلسل آپ ﷺ کا دفاع کرتے رہے۔ اپنی موت کے وقت بھی انھیں آپ ﷺ کی حفاظت کی فکر لاحق تھی۔ انھوں نے مرض الموت میں رسول اللہ ﷺ کو بلایا اور وصیت کرتے ہوئے کہا:

بھتیجے! جب میں مر جاؤں تو تم بنونجار میں اپنے (دادا عبدالمطلب کے) ماموؤں کے پاس چلے جانا۔ وہ اپنے گھروں

[1] سبل الهدیٰ والرشاد: 429/2، شرح الزرقاني علی المواهب: 46/2-48.

میں موجود چیزوں کی سب لوگوں سے زیادہ حفاظت کرتے ہیں۔ [1] چنانچہ جب نبی ﷺ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے لیے نکلے تو مدینہ کے قریب وادیِ قبا میں پہنچ کر آپ ﷺ نے اپنے دادا عبدالمطلب کی ننھیال بنونجار کے سرداروں کو پیغام بھیجا تو وہ مسلح ہو کر آپ ﷺ کی حفاظت کے لیے آ گئے۔ آپ ان کے حصار میں مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ [2] مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ نے انھی کے ہاں قیام فرمایا۔ [3] علاوہ ازیں بنونجار کے لوگ باری باری نبی ﷺ کی خدمت میں کھانا پہنچایا کرتے تھے۔ [4] نبی ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا:

«خَيْرُ دُورِ الْأَنْصَارِ بَنُو النَّجَّارِ، ثُمَّ بَنُو عَبْدِ الْأَشْهَلِ، ثُمَّ بَنُو الْحَارِثِ ابْنِ الْخَزْرَجِ، ثُمَّ بَنُو سَاعِدَةَ، وَفِي كُلِّ دُورِ الْأَنْصَارِ خَيْرٌ»

''انصار کے گھرانوں میں بہترین گھرانہ بنونجار کا ہے، پھر بنوعبدالاشہل کا، پھر بنوحارث بن خزرج کا، پھر بنوساعدہ کا اور انصار کے ہر گھرانے میں خیر ہے۔'' [5]

ابوطالب کو مسلمان کرنے کی آخری کوشش

رسول اللہ ﷺ کی دلی تمنا تھی کہ ابوطالب اسلام قبول کر لیں۔ آپ ﷺ انھیں موقع بموقع مسلمان ہونے کی

[1] تاریخ الإسلام للذهبي (السيرة)، ص: 233. [2] الطبقات لابن سعد: 235/1. [3] فتح الباري: 147/7. [4] أنساب الأشراف: 314/1. [5] صحيح البخاري: 3789-3791.



مسجد قبا (مدینہ منورہ)

دعوت دیتے رہتے تھے۔ جب ابوطالب کی وفات کا وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ بھی وہاں موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا:

«يَا عَمِّ! قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، كَلِمَةً أَشْهَدُ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ»

''اے چچا! کہہ دیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، ایک ایسا کلمہ جس کے ذریعے سے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کے لیے گواہی دوں گا۔''

اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟

ایک اور روایت میں یہ بھی ہے کہ خود ابوطالب نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ قریش کے لوگ مجھے طعنہ دیں گے کہ اس نے موت کی گھبراہٹ کی وجہ سے کلمہ پڑھا ہے تو میں یہ کلمہ پڑھ کر آپ کی آنکھیں ضرور ٹھنڈی کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ ابوطالب کو کلمہ طیبہ کا اقرار کرنے کی دعوت دیتے رہے اور ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ دونوں اپنی بات دہراتے رہے حتی کہ ابوطالب نے جو آخری بات کی، وہ یہ تھی: میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں۔

ابوطالب نے لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کہنے سے انکار کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ! لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْكَ»

''اللہ کی قسم! میں آپ کے لیے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے آپ کے بارے میں روک نہیں دیا جاتا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی:

﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝﴾ (التوبة 113:9)

''نبی کے اور ایمان والوں کے لائق نہیں کہ وہ مشرکین کے لیے بخشش کی دعا کریں، چاہے وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی ہوں، ان پر یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ بلاشبہ وہ دوزخی ہیں۔''

اور اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی:

﴿اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝﴾

(القصص 56:28)

''(اے نبی!) بلاشبہ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت

پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔“ [1]

ابوطالب کی وفات

ابوطالب کی وفات کب ہوئی؟ اس بارے میں سیرت نگاروں میں اختلاف ہے۔ اکثر سیرت نگار اس بات کے قائل ہیں کہ وہ بعثت نبوی کے دسویں سال شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد فوت ہوئے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ شعب ابی طالب سے نکلنے کے چھ ماہ بعد وفات پا گئے۔ [2] حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ [3] اس حساب سے ان کی وفات کا مہینہ رجب بنتا ہے۔ [4] امام ابن حزم اور ابن جوزی رحمہما اللہ نے نصف شوال کا ذکر کیا ہے۔ [5] علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ دس نبوی میں رمضان کی بارہ تاریخ کو فوت ہوئے۔ [6] ان کے علاوہ اور اقوال بھی ہیں۔ امام قسطلانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک 49 سال، آٹھ مہینے اور گیارہ دن ہوئی تو آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہو گیا جبکہ ان کی عمر ستاسی سال تھی۔ [7]

ابوطالب اپنے آباء و اجداد ہی کے دین پر فوت ہوئے۔ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ وہ تمام روایات جن میں ابوطالب کے اسلام قبول کرنے کا تذکرہ ہے، ان میں سے کوئی روایت بھی ثابت نہیں۔ [8] ابوطالب کے فوت ہو جانے کے بعد ان کے بیٹے سیدنا علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: آپ کے بوڑھے گمراہ چچا فوت ہو گئے ہیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«اذْهَبْ فَوَارِ أَبَاكَ، ثُمَّ لَا تُحْدِثَنَّ شَيْئًا حَتَّى تَأْتِيَنِي»

”جاؤ، اپنے والد کو زمین میں دفنا دو، پھر تم اس وقت تک کچھ بھی نہ کرنا جب تک کہ میرے پاس نہ آ جاؤ۔“

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں گیا اور اپنے باپ کو دفن کر کے رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے مجھے غسل کا حکم دیا۔ میں نے غسل کیا۔ آپ نے میرے لیے دعا فرمائی۔ [9]

ابوطالب کی تدفین مکہ ہی میں مقام الحجون میں ہوئی۔ [10] عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے نبیِ اکرم ﷺ سے پوچھا: آپ اپنے چچا (ابوطالب) کے کیا کام آئے؟ اللہ کی قسم! وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے اور آپ کے لیے

[1] صحيح البخاري: 1360، صحيح مسلم: 24، واللفظ له. [2] الاستيعاب، ص: 57. [3] سيرة خير العباد، ص: 41. [4] شرح الزرقاني على المواهب: 38/2. [5] سبل الهدٰى والرشاد: 428/2، المنتظم: 7/3. [6] شرح الزرقاني على المواهب: 38/2. [7] المواهب اللدنية: 262/1. [8] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ابوطالب کے اسلام قبول کرنے والی روایات کی تردید کی ہے اور ان لوگوں کا بھی بھرپور جواب دیا ہے جو ابوطالب کو مسلمان قرار دیتے ہیں۔ دیکھیے: الإصابة: 7/197-203، مزید ملاحظہ فرمائیں: البداية والنهاية: 3/121-124. [9] سنن أبي داود: 3214. [10] أنساب الأشراف: 289/2.

لوگوں پہ غضبناک ہو جاتے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِّنْ نَّارٍ، وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ»

''وہ جہنم کی اُتھلی جگہ میں ہیں۔ اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتے۔'' [1]

اسی طرح عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَهْوَنُ أَهْلِ النَّارِ عَذَابًا أَبُو طَالِبٍ، وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِي مِنْهُمَا دِمَاغُهُ»

''جہنمیوں میں سب سے ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا۔ انھوں نے دو جوتے پہنے ہوئے ہوں گے، ان کی وجہ سے ان کا دماغ کھول رہا ہوگا۔'' [2]

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بعثت کے دسویں سال اور ہجرتِ مدینہ سے تین سال پہلے اس دنیائے فانی کو خیر باد

[1] صحيح البخاري: 3883 و6208 و6572، صحيح مسلم: 209. [2] صحيح مسلم: 212.



قبرستان معلاۃ (مکہ) جہاں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا دفن ہیں

کہہ گئیں۔ [1] ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ابوطالب کی وفات کے تھوڑے ہی دنوں بعد فوت ہوئیں۔ بعض نے تین دن، بعض نے سات دن اور بعض نے لکھا ہے کہ پینتیس دن بعد فوت ہوئیں۔ [2] ابن سعد نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات رمضان المبارک کی گیارہ تاریخ کو ہوئی۔ [3] ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا چونسٹھ سال اور چھ ماہ کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مثالی رفاقت کے چوبیس برس گزارے۔ [4] انھیں مکہ کے معروف قبرستان معلاۃ میں دفنایا گیا۔ ان کی تدفین کے وقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر میں اترے۔ ان کی وفات کے وقت تک نمازِ جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ [5]

ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا وفا شعار، خدمت گزار اور نہایت پرہیز گار خاتون تھیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کے کاموں میں انتہائی خلوص سے مدد کیا کرتی تھیں۔ مشکل حالات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیتی اور غمگساری کرتی تھیں۔ انھوں نے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا:

«مَا أَبْدَلَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ خَيْرًا مِّنْهَا، قَدْ آمَنَتْ بِي إِذْ كَفَرَ بِيَ النَّاسُ، وَصَدَّقَتْنِي إِذْ كَذَّبَنِي النَّاسُ، وَوَاسَتْنِي بِمَالِهَا إِذْ حَرَمَنِيَ النَّاسُ، وَرَزَقَنِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ وَلَدَهَا إِذْ حَرَمَنِي أَوْلَادَ النِّسَاءِ»

”اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بہتر بیوی عطا نہیں فرمائی۔ جب لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا، یہ اس وقت مجھ پر ایمان لائیں۔ جب لوگوں نے مجھے جھٹلایا، اس وقت انھوں نے میری تصدیق کی۔ جب لوگوں نے مجھے محروم کیا، اس وقت انھوں نے اپنے مال سے میری ہمدردی کی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا فرمائی جبکہ دوسری بیویوں سے کوئی اولاد نہ دی۔“ [6]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات تک کسی اور عورت سے نکاح نہیں کیا۔ [7]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مقام

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«يَا رَسُولَ اللّٰهِ! هٰذِهِ خَدِيجَةُ قَدْ أَتَتْ، مَعَهَا إِنَاءٌ فِيهِ إِدَامٌ أَوْ طَعَامٌ أَوْ شَرَابٌ، فَإِذَا هِيَ أَتَتْكَ فَاقْرَأْ عَلَيْهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَمِنِّي، وَبَشِّرْهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ لَا صَخَبَ

[1] صحيح البخاري: 3896. [2] الاستيعاب، ص: 57. [3] الطبقات لابن سعد: 217/8. [4] الاستيعاب، ص: 874-878.
[5] أنساب الأشراف: 273/1 و 35/2، الإصابة: 103/8. [6] مسند أحمد: 118/6. [7] صحيح مسلم: 2436.

فِيهِ وَلَا نَصَبَ»

''اے اللہ کے رسول! یہ خدیجہ (رضی اللہ عنہا) آرہی ہیں۔ ان کے پاس ایک برتن ہے۔ اس میں سالن، کھانا یا کوئی مشروب ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آجائیں تو انھیں ان کے رب کی جانب سے اور میری طرف سے سلام کہیں اور جنت میں موتی کے ایک گھر کی بشارت دیں جس میں نہ کوئی شور ہوگا نہ کوئی تکان۔'' [1]

رنج و غم کی پرچھائیاں اور مشرکین کی جسارتیں

رسول اللہ ﷺ کے لیے ابوطالب جیسے ہمدرد اور حمایتی چچا کی وفات اور ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا جیسی مومنہ اور غمگسار رفیقۂ حیات کی جدائی بڑی آزمائش تھی۔ ان کے یکے بعد دیگرے فوت ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور آپ ﷺ بے حد غمزدہ ہوئے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ ہوگیا کہ آپ گھر ہی میں رہتے اور بہت کم باہر نکلتے تھے۔ [2]

ابوطالب کی وفات کے بعد کفارِ قریش کی جسارت بڑھ گئی۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو ایسی شدید اذیتیں دینے لگے جن کی انھیں اس سے پہلے جرأت نہیں ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَانَالَتْ مِنِّي قُرَيْشٌ شَيْئًا أَكْرَهُهُ حَتّٰى مَاتَ أَبُوطَالِبٍ»

''ابوطالب کی وفات تک قریش نے مجھے ایسی کوئی تکلیف نہیں پہنچائی جو میرے لیے بارِ خاطر ہوتی۔'' [3]

ابوطالب کی وفات کے بعد جب کفارِ قریش نے آپ ﷺ کو بے حد تکلیفیں پہنچائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَسْرَعَ مَا وَجَدْتُ فَقْدَكَ يَا عَمِّ!»

''چچا جان! آپ کے بچھڑ جانے کو میں نے کتنی جلد محسوس کرلیا ہے۔'' [4]

تمام تر نامساعد حالات، تکلیفوں اور سختیوں کے باوجود آپ ﷺ پوری مستعدی سے لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ دعوت و تبلیغ کی راہ میں آپ نے کبھی کسی لچک اور کمزوری کا مظاہرہ نہیں فرمایا۔

ابولہب کا نبی ﷺ کی حفاظت کرنا

رسول اللہ ﷺ کا چچا ابولہب آپ ﷺ کا شدید مخالف تھا۔ اس نے آپ سے دشمنی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی

[1] صحيح البخاري: 3820و7497. [2] الطبقات لابن سعد: 211/1. [3] السيرة لابن هشام: 416/2. [4] تاريخ دمشق: 251/70، المعجم الأوسط للطبراني: 45/3.

تھی۔ اسے جب یہ صورت حال معلوم ہوئی کہ قریش نے ابوطالب کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو شدید اذیتیں دینی شروع کر دی ہیں تو اس کی خاندانی غیرت وحمیت نے جوش مارا، وہ آپ ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا:

''اے محمد (ﷺ)! آپ نے جس کام کا ارادہ کیا ہے، اسے جاری رکھیں۔ ابوطالب کی زندگی میں آپ جو کچھ کرتے تھے، اب بھی وہی کریں۔ لات کی قسم! اس وقت تک کوئی شخص آپ کے قریب نہیں پھٹک سکتا جب تک کہ میں مر نہ جاؤں۔''

اس کے بعد جب ابن عیطلہ نے نبی اکرم ﷺ کو برا بھلا کہا تو ابولہب اس کے پاس جا پہنچا اور اسے سرزنش کی۔ ابن عیطلہ چیخ کر یہ کہتے ہوئے پیچھے کو مڑا: اے قریش کی جماعت! ابوعتبہ (ابولہب) صابی ہوگیا ہے۔

قریش کے لوگوں نے یہ بات سنی تو وہ ابولہب کے پاس پہنچ گئے۔ ابولہب نے ان سے کہا: میں عبدالمطلب کے دین سے علیحدہ نہیں ہوا۔ میں نے تو اپنے بھتیجے کو ظلم سے پناہ دی ہے تا کہ جو کام وہ کرنا چاہتے ہیں، اسے جاری رکھیں۔ یہ سن کر کفار قریش نے کہا: آپ نے بہت اچھا کیا ہے۔ آپ نے صلہ رحمی کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کچھ دن اسی طرح رہے۔ آپ ﷺ باہر آتے جاتے تھے۔ قریش کا کوئی شخص آپ کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ وہ سب ابولہب سے خوفزدہ تھے۔

کفارِ قریش کا ابولہب کو بھڑکانا

کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کے لیے ابولہب کی پناہ ختم کرانے کی سازش شروع کر دی۔ عقبہ بن ابومعیط اور ابوجہل ابولہب کے پاس آئے۔ ان دونوں نے اس سے کہا: کیا تمھارے بھتیجے نے تمھیں بتایا ہے کہ تمھارے باپ کا ٹھکانا کہاں ہے؟

ان کا یہ سوال سن کر ابولہب نبی ﷺ کے پاس آیا اور آپ سے پوچھا: اے محمد! عبدالمطلب کا ٹھکانا کہاں ہے؟

آپ ﷺ نے جواب دیا: «مَعَ قَوْمِهِ» ''ان کا ٹھکانا ان کی قوم کے ساتھ ہے۔''

ابولہب نے واپس آکر ان دونوں کو آپ ﷺ کا یہ جواب بتایا تو وہ کہنے لگے کہ محمد یہ سمجھتے ہیں کہ عبدالمطلب آگ میں جائیں گے۔ ابولہب پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا: اے محمد! کیا عبدالمطلب آگ میں جائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«نَعَمْ، وَمَنْ مَاتَ عَلٰى مِثْلِ مَا مَاتَ عَلَيْهِ عَبْدُالْمُطَّلِبِ دَخَلَ النَّارَ»

”ہاں، جو بھی اس جیسے دین پر فوت ہوگا جس پر عبدالمطلب فوت ہوئے، وہ آگ میں جائے گا۔“

نبیِ اکرم ﷺ کا یہ جواب سنتے ہی ابولہب طیش میں آ گیا اور اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں ہمیشہ آپ کا دشمن ہی رہوں گا۔ آپ سمجھتے ہیں کہ عبدالمطلب آگ میں جائیں گے!

اس واقعے کے بعد ابولہب اور دیگر کفارِ قریش رسول اللہ ﷺ کے خلاف پہلے سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔ [1]

[1] الطبقات لابن سعد: 211/1.

باب
9

بیرونِ مکہ دعوت اسلام

طائف میں اسلام کی دعوت و تبلیغ، اہلِ طائف کی
رسول اللہ ﷺ پر وحشیانہ سنگ باری، سوید بن صامت
کی حق شناسی اور دیگر واقعات

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ

"چنانچہ آپ کو جو حکم دیا جاتا ہے، کھول کر سنا دیں اور مشرکین سے بے رخی برتیں"

(الحجر 15:94)

اس باب میں

طفیل دوسی رضی اللہ عنہ مکہ آئے، مشرکین نے استقبال کیا، ساتھ ہی کہا: یہاں ایک شخص محمد (ﷺ) رہتے ہیں۔ انھوں نے گھر گھر پھوٹ ڈلوا دی ہے، ان کی باتیں نہ سننا۔ مگر انھوں نے اچانک کعبہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو کلام الٰہی پڑھتے سنا تو بہت متاثر ہوئے۔ وہ نبی ﷺ سے ملے اور مسلمان ہوگئے۔ اس دلربا واقعے کے بعد آپ سیدہ عائشہ اور سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی شادی کا حال پڑھیں گے۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ کے سفر طائف کے دردناک مناظر دیکھیں گے۔ طائف کے ناآشنائے انسانیت سرداروں نے رحمت للعالمین ﷺ پر اس قدر سنگ باری کی کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک خون سے رنگین ہوگئے۔ جبرائیل نے رسول اللہ ﷺ کو پیش کش کی کہ آپ چاہیں تو میں پہاڑوں کو ملا کر اہلِ طائف کو پیس ڈالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ایسا نہ کرنا۔ مجھے امید ہے کہ ان لوگوں کی آنے والی نسلیں اسلام قبول کرلیں گی۔ یہ جواب ہر داعیِ دین کے لیے مینارۂ نور ہے۔



بیرونِ مکہ اسلام کی اُڑانیں

اسلام کی مقبولیت روز بروز بڑھتی جارہی تھی۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکلنے اور اسلام و ایمان کے نور سے آراستہ ہونے کی دعوت دے رہے تھے۔ آپ ﷺ کی یہ اثر انگیز دعوت مسلسل کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہورہی تھی۔ جو بھی آپ ﷺ کی بات سنتا، وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ اسلام کی پیش رفت روکنے میں جب کفارِ قریش کے تمام حربے ناکام رہے تو وہ لوگوں کو نبی ﷺ سے ڈرانے لگے۔ عرب کا جو بھی شخص ان کے پاس آتا، وہ اُسے بہکاتے تھے اور رسول اللہ ﷺ سے ڈرا کر اُسے آپ سے دور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کی مکہ آمد

حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ ایک شریف شاعر، مالدار، بہت مہمان نواز اور نہایت سوجھ بوجھ رکھنے والے آدمی



جبالِ السراۃ میں قبیلہ دوس (بنی فہم) کی بستی

تھے۔ وہ مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ قریش کے کچھ لوگ ان کے پاس گئے اور ان سے کہا: ''اے طفیل! تم ہمارے شہر میں تشریف لائے ہو۔ یہ شخص (محمد ﷺ) جو ہمارے درمیان موجود ہیں، انھوں نے ہمیں بڑی پریشانی میں ڈال رکھا ہے، ہماری جماعت کو منتشر کر دیا ہے اور ہمارا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ ان کی بات جادو جیسا اثر رکھتی ہے۔ وہ باپ بیٹے، بھائی بہن اور میاں بیوی کے مابین پھوٹ ڈال دیتے ہیں۔ جو مصیبت ہم پر آپڑی ہے، اس سلسلے میں ہم تمھاری اور تمھاری قوم کی طرف سے بہت فکر مند ہیں مبادا وہ مصیبت تم پر بھی آپڑے اور تم لوگ اس کا شکار ہو جاؤ، لہٰذا خبردار رہنا، ان سے بالکل بات نہ کرنا، نہ ان کی کوئی بات سننا۔''

نبی ﷺ سے ملاقات اور قبول اسلام

طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! وہ لوگ مجھے برابر یہی سمجھاتے رہے حتی کہ میں نے عزم کر لیا کہ میں آپ ﷺ کی کوئی بات سنوں گا نہ آپ سے کوئی بات کروں گا یہاں تک کہ جب میں صبح کے وقت مسجد الحرام گیا تو میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ آپ کی کوئی بات میرے کانوں تک نہ پہنچ سکے۔ میں مسجد الحرام میں داخل ہوا۔ دیکھا کہ نبی ﷺ کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ ﷺ کی بعض باتیں سنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا، میں نے بہت اچھا کلام سنا اور اپنے جی میں کہا:

''ہائے میری ماں مجھے گم پائے! اللہ کی قسم! بلاشبہ میں ایک شاعر ہوں اور صاحبِ شعور آدمی ہوں۔ مجھ پر اچھا یا برا کچھ چھپا نہیں رہ سکتا، بھلا میرے لیے اس شخص (محمد ﷺ) کی بات سننے میں کیا حرج ہے؟ اگر ان کی بات اچھی ہوئی تو میں اسے قبول کر لوں گا اور بری ہوئی تو چھوڑ دوں گا۔''

میں وہیں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کی طرف تشریف لے جانے لگے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ جب آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے تو میں بھی داخل ہو گیا، میں نے عرض کی: اے محمد! آپ کی قوم نے مجھ سے اس طرح کی باتیں کی ہیں، پھر جو کچھ انھوں نے کہا تھا، میں نے وہ سب کچھ آپ کو بتا دیا اور عرض کیا: اللہ کی قسم! وہ لوگ مجھے مسلسل آپ کے دین سے ڈراتے رہے حتی کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی تاکہ میں آپ کی بات نہ سن سکوں لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی بات سنانے کا فیصلہ کر رکھا تھا، اس لیے میں نے آپ کی صدا سُنی۔ وہ بہت اچھی بات تھی۔ اب آپ اپنا دین پیش فرمائیں۔

امام صالحی رحمہ اللہ نے طفیل رضی اللہ عنہ کی زبانی یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں ایک شاعر ہوں، میں جو کہوں گا، آپ اسے سنیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «هَاتِ» ''تم پیش کرو۔''

میں نے آپ ﷺ کو اشعار سنائے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَأَنَا أَقُولُ فَاسْمَعْ» ''اب میں کہوں گا، تم سنو۔'' پھر آپ ﷺ نے تعوذ اور بسملہ پڑھ کر سورۂ اخلاص، سورۂ فلق اور سورۂ ناس کی تلاوت فرمائی۔[1]

طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! میں نے اس سے زیادہ اچھا کلام کبھی نہیں سنا، نہ کبھی اس سے زیادہ عدل و انصاف والے دین سے آگاہ ہوا، اس لیے میں نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور حق کی شہادت دی۔

طفیل رضی اللہ عنہ کا اپنی قوم کے لیے نشانی طلب کرنا

سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! میری قوم میں میری بات مانی جاتی ہے۔ میں ان کی طرف واپس جا رہا ہوں۔ میں انھیں اسلام کی دعوت دوں گا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ وہ میرے لیے کوئی ایسی نشانی مہیا کر دے جو ان سے وہ حقیقت قبول کرانے میں میری مددگار ثابت ہو جس کی میں انھیں دعوت دوں گا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا فرمائی:

«اَللّٰهُمَّ! اجْعَلْ لَهُ آيَةً»

''اے اللہ! ان کے لیے کوئی نشانی پیدا فرما دے۔''

میں اپنی قوم کی طرف موسلا دھار بارش والی سیاہ رات میں نکلا۔ جب میں گھاٹی کی اُس بلندی تک پہنچا جہاں سے لوگ مجھے دیکھ سکتے تھے تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ جیسی روشنی پیدا ہوگئی، میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ''اے اللہ! یہ روشنی چہرے کے بجائے کہیں اور ظاہر فرما دے۔ مجھے ڈر ہے کہ لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ان کے دین سے جدا ہونے کی وجہ سے میرے چہرے میں (عبرتناک سزا کے طور پر) مثلہ ہوگیا ہے۔''

یہ دعا کرتے ہی وہ روشنی چہرے سے ہٹ کر میرے کوڑے کے بالائی حصے پر آگئی۔ جب میں گھاٹی سے نیچے اتر رہا تھا تو لوگ اس روشنی کو میرے کوڑے پر لٹکی ہوئی قندیل کی طرح دیکھنے لگے، پھر میں اپنی قوم کے پاس پہنچ گیا۔

باپ اور بیوی کو دعوتِ اسلام

سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں وہاں پہنچا تو میرے والد میرے پاس آئے، وہ بہت بوڑھے تھے۔ میں نے کہا: ابا جان! آپ مجھ سے دور رہیں، آپ کا مجھ سے اور میرا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ سن کر انھوں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا: پیارے بیٹے! کیوں؟

[1] سبل الهدى والرشاد: 417/2.

میں نے جواب دیا: میں مسلمان ہوگیا ہوں اور میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی کر لی ہے۔

انھوں نے کہا: پیارے بیٹے! میرا دین بھی وہی ہے جو تمھارا ہے۔

میں نے کہا: آپ جائیں، غسل کریں اور پاک کپڑے پہنیں، پھر میرے پاس آئیں تا کہ میں آپ کو وہ کچھ سکھاؤں جو مجھے سکھایا گیا ہے۔ میرے والد گئے، انھوں نے غسل کیا اور پاک کپڑے پہنے، پھر میرے پاس آ گئے۔ میں نے ان کے روبرو اسلام پیش کیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد میری بیوی میرے پاس آئی، میں نے کہا: مجھ سے دور رہو، میرا تم سے اور تمھارا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے حیرانی کے عالم میں پوچھا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! آخر کیوں؟

میں نے جواب دیا: میرے اور تمھارے درمیان اسلام نے جدائی ڈال دی ہے۔ میں نے محمد ﷺ کے دین کی پیروی کر لی ہے۔ یہ سن کر اس نے کہا: میرا دین بھی وہی ہے جو آپ کا دین ہے۔

میں نے کہا: تم ذوالشریٰ کے استھان کی طرف جاؤ اور وہاں چشمے پر غسل کرو۔

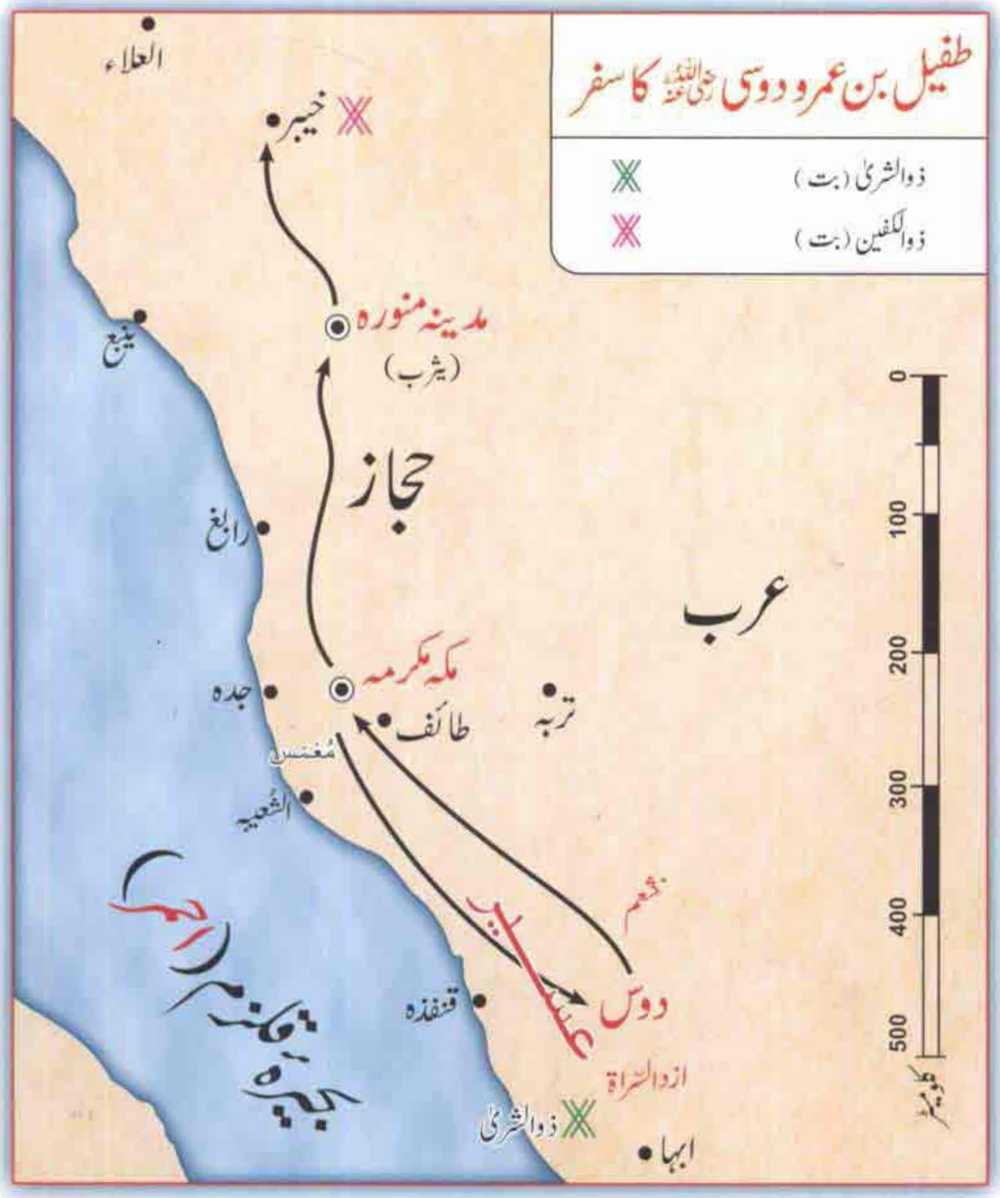
یہ دوسی قبیلے کا بت تھا۔ ذوالشریٰ کے لغوی معنی ہیں ''سورج کا خدا۔'' یہ دوس قبیلے کا بت تھا۔ بنو زہران کے علاقے میں نصب تھا۔ آج کل اس کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ نبطیوں کے ہاں بھی اس نام کا بت موجود تھا۔ البتراء

البتراء (اردن) کا ایک منظر



(اردن) میں اس کی عبادت کی جاتی تھی۔ آج کل یہ بُت دمشق، سوریہ (شام) کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔[1] قبیلۂ دوس نے اس کا استھان بنا رکھا تھا۔ وہاں پہاڑ سے ایک چھوٹا سا چشمہ بہتا تھا۔ طفیل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیوی نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا آپ کو ذوالشریٰ کی طرف سے بچوں کو کوئی نقصان پہنچنے

[1] معجم البلدان، مادة: الشرى، معجم المعالم الجغرافية، ص: 167، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا۔



کا خوف ہے؟

میں نے کہا: نہیں، میں اس کا ضامن ہوں۔ پھر وہ چلی گئی اور غسل کرکے میرے پاس آئی۔ میں نے اس کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی تو وہ مسلمان ہوگئی۔[1]

امام صالحی رحمہ اللہ نے طفیل رضی اللہ عنہ کی والدہ کے ذکر میں لکھا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئی تھی۔[2]

نبیِ اکرم ﷺ کی قبیلہ دوس کے لیے دعا

سیدنا طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ نے قبیلہ دوس کو اسلام کی طرف دعوت دی تو انھوں نے اسے قبول کرنے میں تاخیر کی اور فسق و فجور میں لگے رہے، صرف چند لوگ مسلمان ہوئے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انھوں نے گزارش کی: اللہ کے رسول! قبیلۂ دوس نے نافرمانی کی اور انکار کیا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے بددعا فرمائیں۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ قبلہ رخ ہوگئے، پھر آپ نے دونوں ہاتھ اٹھالیے۔ یہ منظر دیکھ کر لوگ کہنے لگے: دوس کے لوگ ہلاک ہوگئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آپ ﷺ قبیلۂ دوس کے لیے بددعا فرمائیں گے لیکن رحمتِ عالم ﷺ نے بددعا کرنے کے بجائے ان کے لیے ہدایت کی دعا کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا:

«اَللّٰهُمَّ! اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ، اَللّٰهُمَّ! اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ، اَللّٰهُمَّ! اهْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِهِمْ»

”اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت نصیب فرما اور انھیں یہاں لے آ۔ اے اللہ! قبیلۂ دوس کو ہدایت عطا فرما اور انھیں یہاں لے آ۔“[3]

پھر رسول اللہ ﷺ نے طفیل بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«اِرْجِعْ إِلٰى قَوْمِكَ فَادْعُهُمْ وَارْفُقْ بِهِمْ»

”اپنی قوم کی طرف واپس جاؤ، انھیں دعوت دو اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ۔“

حضرت طفیل رضی اللہ عنہ واپس آگئے اور اپنی قوم کو اسلام کی دعوت دیتے رہے۔ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر گئے اور غزوۂ بدر، احد اور خندق بھی گزر گئے تو وہ قبیلۂ دوس کے ستر یا اسّی گھرانوں کو، جو مسلمان ہوگئے تھے، لے کر رسول اللہ ﷺ سے سرزمین خیبر میں جا کر ملے۔ آپ ﷺ نے دوسرے مسلمانوں کے ساتھ انھیں بھی مالِ غنیمت

[1] السيرة لابن هشام: 382/1-384، الطبقات لابن سعد: 237/4-239. [2] سبل الهدى والرشاد: 418/2. [3] صحيح البخاري: 6397,4392,2937، صحيح مسلم: 2524، مسند أحمد: 243/2، السيرة لابن هشام: 384/1.

میں سے حصہ دیا۔ [1]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی جستجوئے حق

معتبر قول کے مطابق سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا نام جندب بن جنادہ تھا۔ آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے: جُندب بن جنادہ بن قیس بن عمرو بن مُلیل بن صُعَیر بن حرام بن غِفار۔ [2] ان کا قد لمبا تھا۔ رنگ گندمی تھا۔ ان کے بال انتہائی گھنے تھے۔ وہ زمانۂ جاہلیت میں بھی پکے موحد تھے اور بت پرستی سے بہت بیزار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ کا ایک شخص سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے ملا۔ اُس نے انھیں بتایا: ''مکہ میں ایک شخص ہے۔ وہ بھی تمھاری طرح کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں......۔''

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جب ادھر اُدھر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خبریں ملیں تو انھوں نے اپنے بھائی انیس سے کہا: مکہ جاؤ اور ان صاحب کے بارے میں معلومات لے کر آؤ جو نبی ہونے کے مدعی ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ ان کی باتیں پوری توجہ سے سننا، پھر مجھے آکر بتانا۔ ان کے بھائی مکہ گئے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنے، پھر واپس آکر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ میں نے انھیں دیکھا

[1] السيرة لابن هشام: 1/385,384. [2] أسد الغابة: 4/436.


قصر البخاری (الجزائر) میں ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے منسوب مسجد

ہے۔ وہ لوگوں کو اخلاقیات کی تعلیم دیتے ہیں۔ میں نے اُن سے جو کلام سنا، وہ شاعری نہیں۔ یہ بات سن کر ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: جس مقصد کے لیے میں نے تمھیں بھیجا تھا، اس کے بارے میں میری پوری تشفی نہیں ہوئی۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کا انقلابی سفر

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے زادِ سفر باندھا، پانی سے بھرا ہوا ایک مشکیزہ لیا۔ مکہ جا پہنچے۔ مسجد الحرام میں حاضری دی اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتے نہیں تھے۔ رات کا کچھ حصہ بیت گیا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: میرے گھر پر چل کر آرام کیجیے۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ دونوں میں سے کسی نے بھی باہم جان پہچان کے لیے کوئی بات نہیں کی۔

صبح ہوئی تو ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے اپنا مشکیزہ اور توشہ اٹھایا اور خاموشی سے مسجد الحرام میں آ گئے۔ یہ دن بھی حسبِ سابق گزر گیا۔ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھ پائے۔ شام ہوئی تو سونے کی تیاری کرنے لگے۔ علی رضی اللہ عنہ پھر وہاں سے گزرے اور سمجھ گئے کہ یہ شخص ابھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکا۔ وہ انھیں پھر ساتھ لے آئے۔ آج بھی دونوں نے باہم کوئی بات چیت نہ کی۔ نہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں کون ہوں اور مکہ کیوں آیا ہوں اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تمھارے یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

تیسرے دن بھی یہی ہوا۔ علی رضی اللہ عنہ انھیں اپنے ساتھ لے کر چل پڑے۔ چلتے چلتے انھوں نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: آپ یہاں کس کام کے لیے آئے ہیں؟ ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا: اگر آپ میری راہ نمائی کا وعدہ کریں تو میں سب کچھ بتا دوں گا۔ علی رضی اللہ عنہ نے وعدہ کر لیا تو اُنھوں نے اپنی آمد کا سبب بتایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: بلاشبہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں۔ آپ صبح میرے پیچھے پیچھے چلے آئیں۔ اگر راستے میں کوئی خطرے والی بات پیش آئی تو میں پیشاب کرنے کے حیلے سے ٹھہر جاؤں گا۔ تم میرا انتظار نہ کرنا، چلتے رہنا۔ جب میں پھر چلنے لگوں تو میرے پیچھے پیچھے آنا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ سکے کہ ہم دونوں ساتھ ساتھ ہیں۔ اس طرح میں جس گھر میں قدم رکھوں، وہاں تم بھی داخل ہو جانا۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

ابوذر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ان کے پیچھے پیچھے چل دیے حتی کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور اسلام قبول کر لیا۔

رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: ”آپ اپنی قوم غفار میں واپس چلے جائیں۔ اُنھیں میرے بارے میں آگاہ کریں۔ جب آپ کو ہمارے غلبے کا علم ہو جائے تو ہمارے پاس آ جائیں۔“ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے عرض کی: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میں ان مکہ والوں کے سامنے کلمۂ توحید کا اعلان کروں گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے اُٹھے، مسجد الحرام میں آئے اور بلند آواز سے اعلان کیا: ”میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔“

مشرکین کا ابوذر رضی اللہ عنہ پر تشدد

سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کا اعلانِ حق سنتے ہی مشرکین کا مجمع اُن پر ٹوٹ پڑا اور انھیں مار مار کر زمین پر گرا دیا۔ اتنے میں نبی کریم ﷺ کے چچا عباس آ گئے۔ انھوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ کو بچانے کے لیے خود اپنے آپ کو اُن کے اوپر ڈال دیا اور قریش سے کہا: افسوس! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ یہ شخص غفار قبیلے کا ہے۔ تمھارے شام جانے والے تاجروں کا راستہ ادھر ہی سے نکلتا ہے۔ انھوں نے اس طرح انھیں مشرکوں کی زد سے بچایا۔ ابوذر رضی اللہ عنہ دوسرے دن پھر مسجد الحرام میں آئے اور اپنے اسلام کا بانگ دہل اعلان کیا۔ مشرکین پھر ان پر ٹوٹ پڑے اور مارنے لگے۔ اس دن بھی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے انھیں بچایا۔[1]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی فضیلت

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی نمایاں خصوصیات ان کی حق گوئی، بے باکی اور راست بازی تھیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَظَلَّتِ الْخَضْرَاءُ وَلَا أَقَلَّتِ الْغَبْرَاءُ أَصْدَقَ مِنْ أَبِي ذَرٍّ»



”کسی (ایسے) شخص پر آسمان سایہ فگن ہوا نہ زمین اس کے لیے فرشِ راہ بنی جو ابوذر رضی اللہ عنہ سے زیادہ سچا ہو۔“[2]

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مدینہ سے مشرق کی طرف 175 کلومیٹر کے فاصلے پر ربذہ نامی جگہ پر 31ھ/652ء یا 32ھ/653ء میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ کی نماز جنازہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔[3]

[1] صحيح البخاري:3861. [2] جامع الترمذي:3801. [3] أسد الغابة:4/437.

ایک روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران میں ابو ذر رضی اللہ عنہ کا اونٹ سست پڑ گیا۔ انھوں نے اپنا سامان اتارا، پشت پر لادا اور پیدل ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چل دیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کسی منزل پر ٹھہرے تو ایک مسلمان نے دور سے دیکھا کہ ایک شخص اکیلا پیدل چلا آرہا ہے۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُنْ أَبَا ذَرٍّ» ''اللہ کرے! ابوذر ہو۔''

جب وہ قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ابو ذر ہی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا ذَرٍّ! يَمْشِي وَحْدَهُ وَ يَمُوتُ وَحْدَهُ وَ يُبْعَثُ وَحْدَهُ»

''اللہ ابوذر پر رحم کرے! یہ اکیلا چلتا ہے، اکیلا ہی فوت ہوگا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔''

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابو ذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں ربذہ میں مقیم تھے۔ وہاں ان کے ساتھ ان کی بیوی اور غلام کے سوا کوئی نہیں تھا۔ انھوں نے وصیت کی کہ جب میں فوت ہوجاؤں تو غسل وکفن کے بعد میری میت راستے پر رکھ دینا اور جو قافلہ سب سے پہلے گزرے، اس سے درخواست کرنا کہ انھیں دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔ جب وہ اللہ کو پیارے ہوئے تو بیوی اور غلام نے اسی طرح کیا۔ اسی دن اس راستے پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ اپنے رفقاء کے ساتھ عراق سے آرہے تھے اور عمرہ ادا کرنے مکہ مکرمہ جارہے تھے۔ جنازہ راستے میں پڑا تھا۔ قریب تھا کہ قافلے کے اونٹ جنازہ پاؤں تلے روند دیتے کہ اچانک ابوذر رضی اللہ عنہ کا غلام اٹھ کھڑا ہوا اور بلند آہنگی سے بولا: ''یہ صحابیِ رسول سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں۔ انھیں دفن کرنے میں ہماری مدد کرو۔'' یہ سن کر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بے اختیار رو پڑے اور کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا: ''تو اکیلا چلتا ہے۔ اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا۔'' پھر وہ اور ان کے ساتھی اونٹوں سے اترے۔ ان کا جنازہ پڑھا اور انھیں دفن کر دیا، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پورا واقعہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ تبوک کے سفر میں کہے تھے۔[1]

ضماد بن ثعلبہ ازدی رضی اللہ عنہ کا قبول اسلام

ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ کا تعلق ازدشنوءہ قبیلے سے تھا۔ یہ زمانۂ جاہلیت ہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست تھے۔ یہ طب اور دم کے ذریعے سے لوگوں کا علاج کرتے تھے۔ یہ بھی ابتدائی دور ہی میں مسلمان ہوئے۔[2]

ہوا یوں کہ ایک مرتبہ ضماد رضی اللہ عنہ مکہ آئے۔ مکہ کے چند احمق لوگ ان سے ملے اور کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جنون کا مرض لاحق ہے۔ ضماد رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا کہ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ضرور ملنا چاہیے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ انھیں میرے

[1] المستدرك للحاكم: 80/3، السيرة لابن هشام: 168,167/4. [2] أسد الغابة: 472/2.

ہاتھوں شفا عطا کر دے۔ ضماد رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئے اور کہا: اے محمد! میں دم کے ذریعے سے جنون کا علاج کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو شفا دی ہے۔ کیا آپ اس طریقۂ علاج سے کوئی دلچسپی رکھتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَ نَسْتَعِينُهُ، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ رَسُولُهُ، أَمَّا بَعْدُ!»

''بے شک تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ ہم اُس کی تعریف کرتے اور اُسی سے مدد مانگتے ہیں۔ جسے اللہ ہدایت دے، اُسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جسے وہ گمراہ کر دے، اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ یکتا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حمد و ثنا کے بعد!''

ضماد ازدی یہ مبارک کلمات سن کر کہنے لگے: ذرا یہ کلمات پھر دہرائیے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اُن کی درخواست پر یہ کلمات تین مرتبہ دہرائے۔ ضماد بے حد متأثر ہوئے۔ کہنے لگے: اے محمد! میں نے کاہنوں، جادوگروں اور شعراء کا کلام سنا ہے لیکن ایسے کلمات کبھی نہیں سنے۔ ان الفاظ میں سمندر کی سی گہرائی پائی جاتی ہے۔ آپ ہاتھ بڑھائیے، میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے ہاتھ بڑھایا اور ضماد ازدی رضی اللہ عنہ نے بیعت کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی قوم کی جانب سے بھی بیعت کر لو۔'' ضماد رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کی طرف سے بھی بیعت کر لی۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا جو ضماد کی قوم کے علاقے سے گزرا۔ لشکر کے امیر نے اہل لشکر سے پوچھا: کیا ان لوگوں سے آپ نے کچھ لیا ہے؟ ایک آدمی نے کہا: میں نے لوٹا لیا ہے۔ امیر نے کہا: اسے واپس کر دو۔ یہ ضماد رضی اللہ عنہ کی قوم ہے۔[1]

سوید بن صامت

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر جن اشخاص کو اسلام کی دعوت دی، اُن میں سے ایک سوید بن صامت بھی ہیں، ان کا تعلق اوس قبیلے سے تھا۔ ان کی والدہ لیلیٰ بنت عمرو نجاریہ ہیں۔ لیلیٰ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی ماں سلمیٰ بنت عمرو کی بہن ہیں۔ اس لحاظ سے سوید بن صامت، عبدالمطلب کے خالہ زاد ہیں۔[2] ان کی پختگی، شعر گوئی، شرف اور نسب کی وجہ سے ان کی قوم نے انھیں ''کامل'' کے خطاب سے نواز رکھا تھا۔ یہ حج یا عمرہ کرنے کے

[1] صحيح مسلم: 868. [2] البداية والنهاية: 3/144,145.

لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آمد پر انھیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف دعوت دی۔ اس پر سوید نے آپ سے کہا: آپ کے پاس جو کچھ ہے، شاید یہ بھی اسی جیسا ہے جو میرے پاس ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اُن سے پوچھا:

«وَمَا الَّذِي مَعَكَ؟»

''تمھارے پاس کیا ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: لقمان رحمہ اللہ (کی حکمت) کا صحیفہ۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِعْرِضْهَا عَلَيَّ»

''اسے میرے سامنے پیش کرو۔''

انھوں نے وہ صحیفہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذَا لَكَلَامٌ حَسَنٌ، وَالَّذِي مَعِيَ أَفْضَلُ مِنْ هٰذَا، قُرْآنٌ أَنْزَلَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيَّ، هُوَ هُدًى وَّنُورٌ»

''اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اچھا کلام ہے لیکن جو میرے پاس ہے، وہ اس سے افضل ہے۔ وہ قرآن ہے جو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر نازل کیا۔ وہ ہدایت اور نور ہے۔''

پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور انھیں اسلام کی دعوت دی، انھوں نے اعتراف کیا: بلاشبہ یہ اچھا کلام ہے۔

پھر وہ آپ ﷺ کے پاس سے اُٹھے اور واپس چلے گئے۔ پھر اپنی قوم کے پاس مدینہ پہنچے۔ وہاں پہنچتے ہی انھیں خزرج نے قتل کر دیا۔ ان کی قوم کے لوگ کہا کرتے تھے: ہم سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کی حالت میں مارے گئے۔ ان کا قتل جنگ بُعاث سے پہلے ہوا تھا۔[1] امام بلاذری نے لکھا ہے کہ ان کا قتل جنگ بُعاث کے شعلے بھڑکانے کا باعث بنا۔[2]

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے سوید بن صامت کے اسلام قبول کرنے میں شک ہے جیسا کہ میرے علاوہ ان لوگوں نے بھی شک کیا ہے جنھوں نے اس بارے میں مجھ سے پہلے بھی کتب لکھی ہیں۔[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ

[1] السيرة لابن هشام:427/2. [2] أنساب الأشراف:274/1. [3] الاستيعاب، ص:347.

لکھتے ہیں: ان کی قوم نے جو کہا ہے (کہ ہم انھیں مسلمان سمجھتے ہیں) اگر ان کی یہ بات صحیح ثابت ہو جائے، تب بھی سوید کو صحابہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا، اس لیے کہ انھوں نے ایمان کی حالت میں نبی ﷺ سے ملاقات نہیں کی تھی۔ [1]

ایاس بن معاذ

ابوالحیسر انس بن رافع مکہ مکرمہ آیا۔ اس کے ساتھ بنو عبدالاشہل کے کچھ نوجوان تھے۔ ان میں ایاس بن معاذ بھی تھے۔ یہ لوگ اپنی قوم خزرج کے خلاف قریش سے باہمی تعاون کا معاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی آمد کی خبر سُنی تو آپ تشریف لائے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا:

«هَلْ لَّكُمْ فِي خَيْرٍ مِّمَّا جِئْتُمْ لَهُ؟»

''تم لوگ جس مقصد کے لیے آئے ہو، کیا اس سے بہتر چیز کی تمھیں رغبت ہے؟''

انھوں نے کہا: وہ کیا ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ، بَعَثَنِي إِلَى الْعِبَادِ، أَدْعُوهُمْ إِلٰى أَنْ يَّعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا يُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا، وَ أَنْزَلَ عَلَيَّ الْكِتَابَ»

''میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے مجھے اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا ہے۔ میں انھیں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اللہ نے مجھ پر کتاب (قرآن مجید) نازل کی ہے۔''

پھر آپ نے ان کے سامنے اسلام کا تذکرہ فرمایا اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ ایاس بن معاذ بالکل نوجوان تھے، وہ بولے: اے میری قوم! اللہ کی قسم! جس مقصد کے لیے تم آئے ہو، یہ چیز اس سے بہتر ہے۔

ان کی یہ بات سن کر ابوالحیسر انس بن رافع نے بطحاء کی مٹی سے ایک مٹھی لے کر ایاس بن معاذ کے چہرے پر دے ماری، پھر کہنے لگا: یہ بات چھوڑو۔ میری عمر کی قسم! ہم اس کے علاوہ کسی اور مقصد کے لیے آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہو گئے۔ نبی ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ وہ لوگ مدینہ واپس آ گئے۔ پھر تھوڑے ہی عرصے بعد ایاس بن معاذ کی وفات ہو گئی۔ ان کی قوم کے لوگوں نے سنا کہ وہ عالم نزع میں اللہ تعالیٰ کی تہلیل، تکبیر، تحمید اور تسبیح کرتے رہے یہاں تک کہ فوت ہو گئے۔ لوگ اس میں شک نہیں کرتے تھے کہ وہ اسلام کی حالت میں فوت ہوئے

[1] الإصابة: 247/3.

ہیں۔ ایاس رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام اسی مجلس میں سما گیا تھا جب انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنی تھی۔ [1]

قبیلہ ہمدان کا ایک شخص

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میدانِ عرفات میں لوگوں سے ملاقات کرتے اور فرماتے تھے:

«هَلْ مِنْ رَجُلٍ يَحْمِلُنِي إِلٰى قَوْمِهِ؟ فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ مَنَعُونِي أَنْ أُبَلِّغَ كَلَامَ رَبِّي»

''کیا کوئی شخص ہے جو مجھے اپنی قوم کی طرف لے جائے؟ بلاشبہ قریش نے مجھے اپنے رب کا کلام پہنچانے سے روک دیا ہے۔''

ہمدان کا ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

«مِمَّنْ أَنْتَ؟» ''تم کن لوگوں میں سے ہو؟''

اس نے جواب دیا: میں ہمدان قبیلے سے ہوں۔

آپ نے پوچھا: «فَهَلْ عِنْدَ قَوْمِكَ مِنْ مَنَعَةٍ؟»

''کیا تمھاری قوم کے پاس دفاعی قوت ہے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ پھر وہ شخص ڈر گیا مبادا اس کی قوم اس کی پناہ کی حمایت نہ کرے۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی: میں اپنی قوم کے پاس جاؤں گا اور انھیں بتاؤں گا، پھر میں اگلے سال آپ کے پاس آؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «نَعَمْ» ''ٹھیک ہے۔'' چنانچہ وہ شخص چلا گیا، پھر رجب میں انصارِ مدینہ کا وفد حاضر ہوا۔ [2]

قیس بن خطیم

ابویزید قیس بن خطیم بن عدی اوس قبیلے کا سردار تھا اور زمانۂ جاہلیت میں اوس قبیلے کا مشہور شاعر تھا۔ جنگِ بُعاث کے متعلق اس سے بہت سے اشعار منقول ہیں۔ یہ مکہ آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اس کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی۔ اس نے کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایک عجیب کلام سن رہا ہوں۔ آپ مجھے چھوڑیے تاکہ میں اس سال اپنے معاملے میں غور وفکر کروں، پھر میں دوبارہ آؤں گا۔ لیکن قیس بن خطیم سال پورا ہونے سے پہلے ہی 2 قبل ہجرت/620ء میں فوت ہوگیا۔ [3]

---

[1] السيرة لابن هشام: 428,427/2. [2] مسند أحمد: 390/3. [3] الإصابة: 417/5، أنساب الأشراف: 275/1، الأعلام: 205/5.

رسول اللہ ﷺ کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

ام المؤمنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا نکاح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لخت جگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب آٹھویں پشت مرہ بن کعب پر جا کر نبی اکرم ﷺ کے نسب سے جا ملتا ہے۔ آپ ﷺ کو نکاح سے پہلے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خواب میں دکھائی گئی تھیں جیسا کہ خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أُرِيتُكِ قَبْلَ أَنْ أَتَزَوَّجَكِ مَرَّتَيْنِ، رَأَيْتُ الْمَلَكَ يَحْمِلُكِ فِي سَرَقَةٍ مِّنْ حَرِيرٍ، فَقُلْتُ لَهُ: اِكْشِفْ، فَكَشَفَ فَإِذَا هِيَ أَنْتِ، فَقُلْتُ: إِنْ يَّكُنْ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ يُمْضِهِ ......»

''تم مجھے شادی سے پہلے دو مرتبہ (خواب میں) دکھائی گئی ہو۔ میں نے فرشتے کو دیکھا کہ وہ تمھیں عمدہ ریشم کے ایک کپڑے میں اٹھائے ہوئے تھا۔ میں نے فرشتے سے کہا کہ کپڑا ہٹاؤ۔ اس نے ہٹایا تو وہ تم تھیں۔ میں نے کہا: اگر یہ اللہ کی جانب سے ہے تو وہ اسے پورا فرمائے گا......۔'' [1]

صحیح مسلم کی روایت میں تین مرتبہ خواب میں دکھائے جانے کا ذکر ہے۔ [2]

[1] صحيح البخاري: 7012. [2] صحيح مسلم: 2438.

مسجد عائشہ (تنعیم) کی پرانی عمارت



ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی بات چیت کا آغاز اس طرح ہوا کہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا جو عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ تھیں، وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت فرمایا: اللہ کے رسول! کیا آپ شادی نہیں کریں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: «مَنْ؟» ''کون ہے؟''

انھوں نے کہا: اگر آپ چاہیں تو کنواری سے اور اگر چاہیں تو بیوہ سے شادی کریں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: «فَمَنِ الْبِكْرُ؟» کنواری کون ہے؟''

انھوں نے کہا: اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں آپ کو جو زیادہ محبوب ہیں (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)، ان کی بیٹی عائشہ ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید استفسار فرمایا: «وَمَنِ الثَّيِّبُ؟» ''اور بیوہ کون ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا۔ وہ آپ پر ایمان لائی ہیں اور انھوں نے آپ کے ارشادات کا اتباع کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «فَاذْهَبِي فَاذْكُرِيهِمَا عَلَيَّ»

''تم جاؤ اور ان دونوں کو مجھ سے نکاح کا پیغام دو۔''

خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لائیں اور ان کی اہلیہ ام رومان سے کہا: اے ام رومان! کیا ہی خوب اللہ تعالیٰ نے تم پر خیر و برکت فرمائی ہے! یہ سن کر ام رومان نے دریافت کیا: وہ کیا ہے؟ خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کا پیغام لے کر آئی ہوں۔ ام رومان نے کہا: ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے آنے کا انتظار کرو۔

اتنے میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے۔ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے ان سے بھی وہی کچھ کہا جو ام رومان سے کہا تھا۔ ان کی بات سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا عائشہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مناسب ہے؟ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھتیجی ہے۔

یہ سن کر خولہ رضی اللہ عنہا واپس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو یہ بات بتائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«ارْجِعِي إِلَيْهِ فَقُولِي لَهُ: أَنَا أَخُوكَ وَأَنْتَ أَخِي فِي الْإِسْلَامِ، وَابْنَتُكَ تَصْلُحُ لِي»

''تم ان کی طرف واپس جاؤ اور کہو: میں اسلام میں تمھارا بھائی اور تم میرے بھائی ہو، تمھاری بیٹی میرے لیے صحیح ہے۔''

خولہ رضی اللہ عنہا واپس ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے آگاہ کیا، انھوں نے کہا:

تم انتظار کرو۔

پھر وہ باہر نکل گئے۔ ام رومان نے کہا: مطعم بن عدی نے اپنے بیٹے (جبیر) کے لیے عائشہ (رضی اللہ عنہا) کے نکاح کا پیغام دیا تھا، اللہ کی قسم! اس نے ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کبھی ایسا وعدہ نہیں کیا جس کی خلاف ورزی کی ہو۔ ادھر ابوبکر رضی اللہ عنہ مطعم بن عدی کے پاس گئے۔ مطعم کے پاس اس کی بیوی بھی موجود تھی۔ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہنے لگی: اے ابوقحافہ کے بیٹے! اگر میں نے تمھارے ہاں اپنے بیٹے کی شادی کی تو شاید تم ہمارے بیٹے کو بھی صابی بنادو گے اور اپنے اس دین میں داخل کرلو گے جس میں تم خود ہو۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطعم بن عدی سے پوچھا: جو بات اس نے کہی ہے کیا تم بھی وہی کہتے ہو؟ مطعم نے کہا: یہ میری بات ہی کہہ رہی ہے۔

اس کے بعد ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس سے چلے آئے، ان کے دل میں مطعم سے کیے ہوئے وعدے کے بارے میں جو کھٹک موجود تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا۔ انھوں نے واپس آکر خولہ رضی اللہ عنہا سے کہا: رسول اللہ ﷺ کو میرے پاس لے آؤ۔ خولہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کو بلا لیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح اللہ کے رسول ﷺ سے کر دیا۔ اس وقت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال تھی۔[1]

ایک اور روایت میں ہے کہ نکاح کے وقت ان کی عمر سات سال تھی۔[2] ابن حجر رحمہ اللہ نے ان روایات کے درمیان جمع وتطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عمر کا چھٹا سال مکمل کرلیا تھا اور وہ ساتویں سال میں داخل ہوگئی تھیں۔[3] یہ نکاح بعثت کے دسویں سال شوال کے مہینے میں ہوا تھا، پھر ہجرت کے پہلے سال شوال ہی کے مہینے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔[4] نبی اکرم ﷺ نے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوا کسی کنواری عورت سے شادی نہیں کی۔[5] آپ ﷺ نے انھیں رخصتی کے وقت ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (تقریباً 500 درہم) حق مہر دیا تھا۔[6]

[1] مسند أحمد: 211،210/6. [2] صحيح مسلم: (71)-1422. [3] الإصابة: 232/8. [4] صحيح مسلم: 1423، الطبقات لابن سعد: 58/8، الإصابة: 232/8، شرح الزرقاني على المواهب: 382/4. [5] صحيح البخاري: 5077. [6] صحيح مسلم: 1426، أنساب الأشراف: 44/2، شرح الزرقاني على المواهب: 382/4.

ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا سے نکاح

ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد بعثت کے دسویں سال ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوئے۔[1] علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام قتادہ اور ابوعبیدہ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح سے پہلے ہوئی تھی۔ اور لکھا ہے کہ عقیل نے ابنِ شہاب زہری رحمہ اللہ سے اسی طرح نقل کیا ہے۔ اس کے برعکس عبداللہ بن محمد بن عقیل اور بہ طریق یونس، امام زہری سے یہ منقول ہے کہ سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد ہوئی تھی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ شادی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ہی ہوئی تھی۔[2] امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے دوسرے قول کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ مسند احمد کی روایت سے بھی یہی واضح ہے۔[3] امام ماوردی نے جمع کی یہ صورت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے نکاح تو کر لیا لیکن ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی بلکہ رخصتی مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد عمل میں آئی جبکہ سودہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی نکاح کے فوراً بعد ہوگئی تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا والی روایت کا ذکر کرکے کہا ہے کہ یہ روایت اشکال دور کر دیتی ہے اور جمع کی مذکورہ صورت کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔[4]

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا سلسلۂ نسب نویں پشت میں لؤی بن غالب پر جا کر نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے جا ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح سے پہلے یہ سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں۔ یہ ان کے والد کے چچازاد تھے۔[5] ابن حزم رحمہ اللہ نے سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کو حضرت سودہ کے والد کے چچا زاد کے بجائے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد قرار دیا ہے۔[6] حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور ان کے خاوند پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور انھوں نے دوسری ہجرت حبشہ کے موقع پر ہجرت بھی کی تھی۔ جب یہ واپس مکہ آئے تو یہاں ان کے خاوند سکران رضی اللہ عنہ فوت ہوگئے۔[7]

[1] دیکھیے: الطبقات لابن سعد: 53/8 و 57، البداية والنهاية: 131-128/3. [2] الاستیعاب، ص: 897. [3] البداية والنهاية: 131-128/3. [4] فتح الباري: 281/7. [5] الجمهرة لابن حزم، ص: 167,166. [6] جوامع السيرة، ص: 32. [7] الطبقات لابن سعد: 53,52/8، السيرة لابن كثير، ص: 177.

سودہ رضی اللہ عنہا کے خواب کی تعبیر

سودہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند کی وفات سے پہلے ایک خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اور آپ نے ان کی گردن پر اپنا پاؤں مبارک رکھا۔ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس خواب کا تذکرہ اپنے خاوند سے کیا تو انھوں نے قسم کھا کر اس کی یہ تعبیر بیان کی کہ اگر تمھارا خواب سچا ہے تو میں ضرور فوت ہو جاؤں گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے شادی کریں گے۔ سودہ رضی اللہ عنہا نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا اور اپنا خواب چھپائے رکھا، پھر انھوں نے ایک اور رات یہ خواب دیکھا کہ آسمان سے چاند ٹکڑے ہو کر ان پر گرا جبکہ وہ لیٹی ہوئی تھیں۔ انھوں نے یہ خواب بھی اپنے خاوند کو بتایا تو انھوں نے قسم کھا کر یہی کہا: اگر تمھارا خواب سچا ہے تو میں تھوڑی دیر ہی زندہ رہوں گا، پھر فوت ہو جاؤں گا اور تم میرے بعد شادی کر لو گی۔

سکران رضی اللہ عنہ اسی دن بیمار ہو گئے، پھر تھوڑے دنوں بعد وفات پا گئے۔[1] علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ کا سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے ایک ہی بیٹا عبدالرحمٰن تھا۔[2] لیکن امام ابن قتیبہ رحمہ اللہ اور سمعانی نے کہا ہے کہ سکران رضی اللہ عنہ کی کوئی اولاد نہیں تھی۔[3]

سودہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں

سکران رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب سودہ رضی اللہ عنہا کی عدت ختم ہو گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔[4]

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عائشہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کی بات چیت کی اور یہ نکاح ہو گیا تو اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نکاح کا پیغام لے کر سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئیں اور ان سے کہا: ''اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا خوب خیر و برکت فرمائی ہے!''

سودہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا: وہ کیا ہے؟

خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے۔ میں ان کی طرف سے نکاح کا پیغام لائی ہوں۔

یہ سن کر سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: مجھے یہ پسند ہے۔ تم میرے والد کے پاس جاؤ اور ان کے سامنے اس پیغام کا تذکرہ کرو۔

سودہ رضی اللہ عنہا کے والد بوڑھے تھے۔ حج پر جانے سے معذور تھے۔ خولہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئیں۔ انھیں اس وقت کے

---

[1] الطبقات لابن سعد: 57,56/8. [2] شرح الزرقاني على المواهب: 377/4. [3] تهذيب الأسماء للنووي: 613/2، الأنساب للسمعاني: 94/4. [4] الطبقات لابن سعد: 53/8.

مروجہ طریقے کے مطابق سلام کہا، انھوں نے دریافت کیا: کون ہے؟

خولہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: میں خولہ بنت حکیم ہوں۔

انھوں نے پوچھا: کس کام سے آئی ہو؟

وہ کہنے لگیں: مجھے محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھیجا ہے۔ میں ان کی طرف سے سودہ کے لیے نکاح کا پیغام لے کر آئی ہوں۔

یہ سن کر انھوں نے کہا: وہ ہم پلہ ہیں اور نہایت ہی معزز شخصیت ہیں۔ اس بارے میں تمھاری سہیلی سودہ رضی اللہ عنہا کیا کہتی ہیں؟

خولہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ انھیں پسند کرتی ہیں۔

انھوں نے کہا: اسے میرے پاس بلا لاؤ۔

خولہ رضی اللہ عنہا نے سودہ رضی اللہ عنہا کو بلا لیا۔ ان کے والد نے ان سے کہا: بیٹی یہ (خولہ رضی اللہ عنہا) کہتی ہیں کہ انھیں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب نے تم سے نکاح کا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ وہ ہم پلہ ہیں اور نہایت باوقار انسان ہیں۔ کیا تم پسند کرتی ہو کہ میں ان سے تمھاری شادی کر دوں؟

سودہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا: جی ہاں!

ان کے والد نے کہا: انھیں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) میرے پاس لے آؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو ان کے والد نے سودہ رضی اللہ عنہا کی شادی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دی۔ [1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ساڑھے بارہ اوقیہ چاندی (500 درہم) حق مہر عطا فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اتنا ہی حق مہر عطا فرمایا تھا۔ [2] اس کے بعد جب سودہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبد بن زمعہ حج کر کے ان کے پاس واپس آئے اور انھیں اس بات کا علم ہوا تو وہ اپنے سر پر مٹی ڈالنے لگے، پھر جب عبد بن زمعہ مسلمان ہو گئے تو انھوں نے قسم کھا کر کہا: بلاشبہ میں اس دن سخت نادان تھا جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سودہ رضی اللہ عنہا سے شادی کرنے پر اپنے سر میں مٹی ڈال رہا تھا۔ [3]

[1] مسند أحمد: 211/6. [2] صحيح مسلم: 1426. [3] مسند أحمد: 211/6.

سفرِ طائف

رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب اور آپ کی رفیقۂ حیات ام المؤمنین خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں میں بہت شدت آگئی۔ رسول اللہ ﷺ بہت طویل عرصے سے مکہ میں رہ کر لوگوں کو پوری تندہی سے اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ کفارِ قریش آپ کی دعوت قبول نہیں کر رہے اور ظلم و سرکشی کی راہ میں بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں تو آپ بالکل مایوس اور نا امید نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ مشرکینِ مکہ کے دباؤ میں آئے نہ ان سے کسی قسم کی کوئی مفاہمت کی بلکہ آپ نے مکہ مکرمہ کو خیر باد کہہ کر کسی دوسرے مقام کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنانے کا پروگرام بنایا۔

بیرونِ مکہ تبلیغ کے لیے طائف کا انتخاب

بیرون مکہ تبلیغِ دین کے لیے رسول اللہ ﷺ کی نظرِ انتخاب طائف شہر پر پڑی۔ طائف، مکہ کے جنوب مشرق میں



شہر طائف (سعودی عرب) کا ایک دلکش منظر

تقریباً پینسٹھ کلومیٹر (تقریباً چالیس میل) کے فاصلے پر ہے۔ یہ فاصلہ براہِ راست سڑک بننے کی وجہ سے مختصر ہو گیا ہے ورنہ پہلے یہ مسافت ایک سو بیس کلومیٹر (تقریباً پچھتر میل کے برابر) تھی۔[1] طائف پُر فضا پہاڑی سلسلے میں واقع ہے اور اچھی آب و ہوا اور زرخیزی و شادابی کے حوالے سے مشہور ہے۔ اس شہر کی اہمیت کا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ کفارِ قریش نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا تھا:

﴿ لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ ﴾ (الزخرف 43:31)

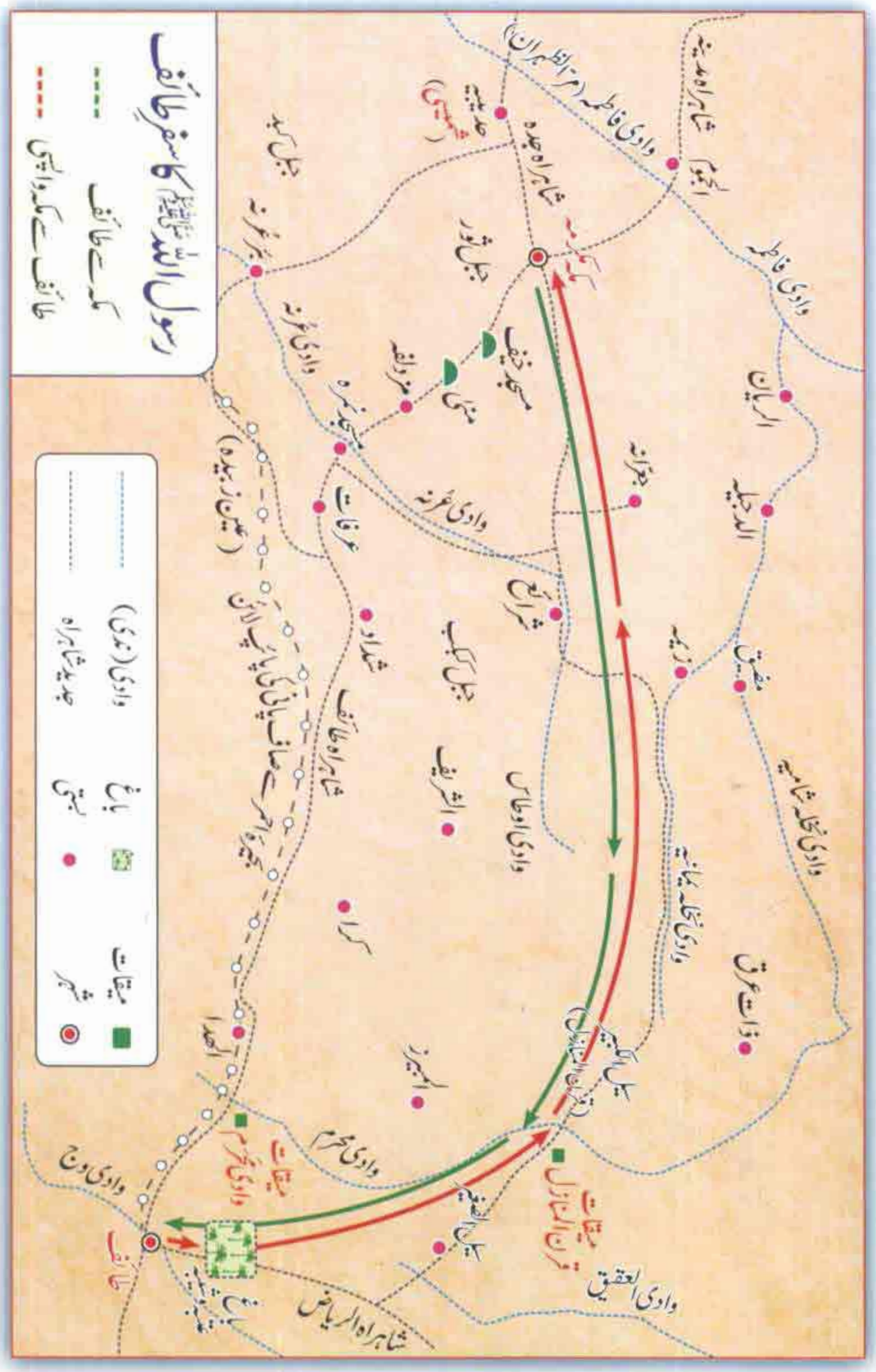
''یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟''

ان دو بستیوں سے ان کی مراد مکہ اور طائف تھی جیسا کہ مفسرین کرام نے بیان کیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، عکرمہ، محمد بن کعب قُرظی، قتادہ، سُدّی اور ابن زید رحمہم اللہ کا یہی قول ہے کہ ان دو بستیوں سے ان کی مراد مکہ مکرمہ اور طائف تھی۔[2]

طائف میں بنو ثقیف آباد تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے پردادا ہاشم بن عبد مناف کی والدہ عاتکہ بنت مرہ بن ہلال، بنو سلیم بن منصور سے تھی۔ بنو سلیم بن منصور اور بنو ثقیف قیس عیلان کی اولاد میں سے ہیں۔[3] اس کے علاوہ بنو ثقیف رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں سیدہ حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا (بنو سعد) کے چچا زاد بھی ہیں۔ اس طرح بنو ثقیف

[1] سفرنامہ ارض القرآن، ص:135. [2] تفسیر الطبري، الزخرف 43:31. [3] الجمهرة لابن حزم، ص:263-266.


طائف میں بنو ثقیف کے آثار


رسول اللہ ﷺ کا سفر طائف
مکہ سے طائف
طائف سے مکہ واپسی
میقات
شہر
باغ
بستی
وادی (نہر)
جدید شاہراہ
مکہ مکرمہ
طائف
عرفات
منیٰ
مزدلفہ
جعرانہ
وادی العقیق
شاہراہ الریاض

رسول اللہ ﷺ کے رضاعی ماموں تھے جیسا کہ امام مقریزی نے بھی انھیں آپ ﷺ کے اخوال (ماموں) قرار دیا ہے۔[1]

ثقیف عرب کا ایک مشہور قبیلہ تھا۔ یہ دلیر، غیرت مند، وفادار اور معزز لوگ تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمنا تھی کہ بنوثقیف آپ کی مدد کریں اور آپ کو قریش کی زیادتیوں اور ایذاؤں سے بچائیں۔ آپ ﷺ کو یہ امید بھی تھی کہ آپ اللہ عزوجل کی طرف سے جو دینِ حنیف لائے ہیں، وہ اسے قبول کرلیں گے۔[2]

بنوثقیف کے سرداروں کو دعوتِ اسلام

رسول اللہ ﷺ بعثت کے دسویں سال شوال کے آخر میں طائف کی طرف پیدل تشریف لے گئے۔[3] محمد بن اسحاق نے کہا ہے کہ آپ ﷺ تن تنہا نکلے تھے۔[4] ابنِ سعد نے محمد بن جبیر بن مطعم سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔[5] امام بلاذری اور ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی یہی ذکر کیا ہے۔[6] رسول اللہ ﷺ طائف پہنچے تو بنوثقیف کے تین سرداروں کے پاس تشریف لے گئے۔ یہ تینوں بھائی تھے۔ ان کے نام یہ ہیں: 1 عبدیالیل بن عمرو۔ 2 مسعود بن عمرو۔ 3 حبیب بن عمرو۔

ان میں سے ایک نے قریش کی ایک شاخ بنوجمح کی عورت سے شادی کی ہوئی تھی۔ امام صالحی نے اس عورت کا نام صفیہ بنت معمر نقل کیا ہے۔[7] رسول اللہ ﷺ ان کے پاس بیٹھے، انھیں اللہ کی طرف دعوت دی اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اسلام کے لیے آپ ﷺ کی مدد کریں اور آپ کی قوم کے ان لوگوں کے خلاف آپ کا ساتھ دیں جنھوں نے آپ کی مخالفت کی ہے۔ آپ ﷺ نے ان سے اپنی مصیبت کا اور کفارِ قریش نے آپ پر جو ظلم ڈھائے، اُن کا تذکرہ کیا۔ ان تینوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول نہیں کی اور آپ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا۔

ان میں سے ایک نے کہا: اگر اللہ نے آپ کو رسول بنایا تو میں کعبے کا غلاف پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔

دوسرے نے کہا: کیا اللہ کو آپ کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا جسے وہ رسول بناتا؟

تیسرا بولا: اللہ کی قسم! میں کبھی آپ سے بات نہیں کروں گا۔ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں جیسا کہ آپ فرما رہے ہیں تو آپ کا مقام و مرتبہ اور حق اس سے کہیں بڑا ہے کہ میں آپ سے ہم کلامی کروں اور اگر آپ اللہ کے بارے میں جھوٹ بول رہے ہیں تو مجھے زیب نہیں دیتا کہ میں آپ سے بات کروں۔

---

1 إمتاع الأسماع: 45/1. 2 السيرة لابن هشام: 419/2. 3 الطبقات لابن سعد: 211/1، سبل الهدٰى والرشاد: 438/2.
4 السيرة لابن هشام: 419/2. 5 الطبقات لابن سعد: 211/1. 6 أنساب الأشراف: 273/1، الكامل لابن الأثير: 607/1.
7 سبل الهدٰى والرشاد: 438/2.

ان تینوں کے یہ جواب سن کر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ بنوثقیف کی بھلائی سے مایوس ہوگئے۔ آپ نے ان تینوں سے یہ فرمایا:

«إِذَا فَعَلْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ فَاكْتُمُوا عَنِّي»

''تمھیں جو کرنا تھا، تم کر چکے، اب میرے بارے میں کسی کو نہ بتانا۔''

نبی ﷺ یہ ناپسند کرتے تھے کہ آپ کی قوم (قریش) کو آپ کے بارے میں خبر پہنچے، اس لیے کہ وہ یہ خبر پا کر آپ کے خلاف اور زیادہ بھڑک اٹھیں گے لیکن بنوثقیف کے سرداروں نے آپ کی یہ بات بھی نہ مانی، انھوں نے آپ ﷺ کا مذاق اڑایا اور آپ نے ان سے جو کچھ فرمایا تھا، انھوں نے اسے ثقیف کے لوگوں میں پھیلا دیا۔ [1]

نبی ﷺ طائف کے بازار میں

عبدالرحمٰن بن خالد عدوانی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ بنوثقیف کے پاس مدد طلب کرنے کے لیے تشریف لائے تو میں نے آپ کو ثقیف کے مُشَرَّق بازار میں دیکھا۔ آپ ﷺ اپنی کمان یا لاٹھی پر ٹیک لگائے کھڑے تھے، میں نے سنا کہ آپ سورۂ ﴿وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ﴾ کی تلاوت فرما رہے ہیں۔ آپ نے اس سورت کی تلاوت پوری کرلی۔ میں نے زمانۂ جاہلیت ہی میں اس سورت کو اچھی طرح ذہن نشین کرلیا تھا، حالانکہ میں مشرک تھا، پھر میں نے مسلمان ہونے کے بعد اس کی تلاوت کی۔ مجھے ثقیف کے لوگوں نے بلایا اور پوچھا: ''تم نے اس شخص سے کیا سنا ہے؟''

میں نے انھیں سورۂ طارق پڑھ کر سنا دی۔ ان کے ساتھ قریش کے جو لوگ موجود تھے، انھوں نے کہا: ہم اپنے صاحب کو زیادہ جانتے ہیں۔ اگر ہم جان لیتے کہ جو وہ کہتے ہیں، وہ حق ہے تو ہم ان کی پیروی کرنے لگتے۔ [2]

طائف میں قیام کی مدت

ابن سعد نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس دن طائف میں ٹھہرے۔ [3] لیکن امام قسطلانی نے لکھا ہے کہ آپ ﷺ وہاں ایک مہینہ رہے۔ [4] علامہ زرقانی نے ان دونوں اقوال کے درمیان جمع و تطبیق کی یہ صورت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس دن طائف میں رہے اور باقی بیس دن طائف کے قرب و جوار اور راستے میں نقل و حرکت فرماتے رہے۔ [5]

[1] السيرة لابن هشام: 420,419/2، دلائل النبوة للبيهقي: 415/2، دلائل النبوة لأبي نعيم: 295/1. [2] مسند أحمد: 335/4.
[3] الطبقات لابن سعد: 212/1. [4] المواهب اللدنية: 267/1. [5] شرح الزرقاني على المواهب: 50/2.

اہلِ طائف کا وحشیانہ سلوک

رسول اللہ ﷺ طائف میں قیام کے دوران وہاں کے ہر بڑے آدمی کے پاس تشریف لے گئے اور اللہ کی بندگی کی دعوت دی لیکن کسی نے بھی آپ کی بات نہیں مانی۔ انھیں (آپ ﷺ کی طرف سے) اپنے نوجوانوں کے بارے میں یہ خدشہ لاحق ہوگیا، مبادا وہ آپ کی دعوت قبول کر کے آپ کا ساتھ دینا شروع کر دیں۔ انھوں نے کہا: اے محمد! آپ ہمارے شہر سے نکل جائیں اور اس جگہ چلے جائیں جہاں آپ کو پذیرائی ملتی ہے۔[1] انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ کو آپ کے شہر والوں نے اور آپ کی قوم نے پسند نہیں کیا اور آپ کی دعوت قبول نہیں کی تو آپ ہمارے پاس چلے آئے۔ اللہ کی قسم! ہم آپ کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے، آپ کی بات رد کرنے اور آپ سے برا سلوک کرنے میں (آپ کی قوم سے بھی) زیادہ سخت ہیں۔[2]

اس کے ساتھ ہی انھوں نے اپنے بیوقوفوں، شریروں اور غلاموں کو نبی ﷺ کے پیچھے لگا دیا۔ وہ آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور آپ پر آوازیں کسنے لگے۔[3] وہ آپ ﷺ کے راستے میں دو صفیں بنا کر بیٹھ گئے، انھوں نے ہاتھوں میں پتھر پکڑ لیے۔ جب آپ ان کی صفوں کے درمیان سے گزرے تو انھوں نے سنگ باری شروع کر دی۔ آپ جونہی ایک قدم اُٹھاتے اور دوسرا قدم آگے رکھتے تو وہ آپ پر پتھر برساتے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ آپ کا مذاق بھی اڑا رہے تھے۔[4]

آلِ ربیعہ کے باغ میں

سلیمان تیمی رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کو پتھر لگنے سے شدید درد اور تکلیف ہوتی تو آپ زمین پر بیٹھ جاتے، وہ لوگ آپ کو دونوں بازوؤں سے پکڑ کر دوبارہ کھڑا کر دیتے، آپ چلتے تو وہ دوبارہ آپ پر پتھروں کی بارش کر دیتے۔ وہ آپ کی تکلیف دیکھ کر خوب ہنستے تھے۔[5] پتھروں کی لگاتار ضرب سے رسول اللہ ﷺ کی دونوں ٹانگیں لہولہان ہوگئیں، آپ کے پائے مبارک خون سے رنگین اور جوتے خون آلود ہوگئے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو آگے کر کے رسول اللہ ﷺ کو پتھروں سے بچاتے تھے۔ اس طرح ان کے سر پر کئی زخم لگے۔[6]

طائف کے لوگ مسلسل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے لگے رہے یہاں تک کہ انھوں نے آپ کو ایک باغ میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ یہ باغ ربیعہ کے دو بیٹوں عتبہ اور شیبہ کا تھا۔ طائف سے اس باغ کا فاصلہ تین میل (تقریباً پانچ

[1] الطبقات لابن سعد: 212/1. [2] أنساب الأشراف: 273/1. [3] السيرة لابن هشام: 420/2. [4] دلائل النبوة للبيهقي: 415/2، دلائل النبوة لأبي نعيم: 296/1. [5] سبل الهدٰى والرشاد: 438/2. [6] الطبقات لابن سعد: 212/1، المواهب اللدنية: 267/1.

کلومیٹر) تھا۔[1] عتبہ اور شیبہ دونوں اس وقت باغ میں موجود تھے۔ وہاں سے بنوثقیف کے وہ بیوقوف لوگ جو آپ کا پیچھا کر رہے تھے، واپس چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ انگور کی ایک بیل کے سائے تلے بیٹھ گئے۔ ربیعہ کے دونوں بیٹے آپ کو دیکھ رہے تھے۔ اہل طائف کے بیوقوفوں اور شریروں سے آپ کو جو تکلیف پہنچی، وہ اس کا بھی مشاہدہ کر رہے تھے۔[2] آپ ﷺ بے حد غمگین، پریشان اور درد میں مبتلا تھے۔ آپ کی دونوں ٹانگوں سے خون بہ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے باغ میں عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو ان کے پاس تشریف لے جانا پسند نہ فرمایا کیونکہ انھیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جو عداوت تھی، آپ اسے جانتے تھے۔[3]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنوجمح (قریش کی ایک شاخ) کی عورت سے ملے۔ وہ بنوثقیف کے تین سردار بھائیوں میں سے ایک کی زوجیت میں تھی، آپ ﷺ نے اس سے فرمایا:

«مَاذَا لَقِينَا مِنْ أَحْمَائِكَ»

''(دیکھو) ہمیں تمھارے دیوروں سے کس قدر تکلیف پہنچی ہے۔''

طائف کے کسی ایک مرد یا عورت نے بھی آپ کی دعوت پر لبیک نہ کہا۔[4] اہلِ طائف نے آپ کو جتنا ستایا اور جس قدر ایذائیں پہنچائیں، وہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے کہیں زیادہ تھیں۔ اسی مقام پر ایک دفعہ وعظ کرتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کو اتنی چوٹیں لگیں کہ آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے، زید رضی اللہ عنہ نے آپ کو اپنی پیٹھ پر اٹھایا اور آبادی سے باہر لے گئے، پانی کے چھینٹے دیے گئے تو آپ ﷺ کو ہوش آیا۔[5]

زبردست صدمے کی حالت میں دعا

طائف میں پیش آنے والی ان شدید تکلیفوں، بے پناہ ایذاؤں اور ایک بھی شخص کے مسلمان نہ ہونے کے صدمے کے باعث سخت دل گرفتگی کے عالم میں بھی رسول اللہ ﷺ کا قلب اطہر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس ذات اقدس سے شدید محبت کے جذبات سے لبریز تھا۔ اس وقت آپ ﷺ کے یہ جذبات درج ذیل دعائیہ الفاظ میں ڈھل گئے:

«اَللّٰهُمَّ! إِلَيْكَ أَشْكُو ضَعْفَ قُوَّتِي وَقِلَّةَ حِيلَتِي وَهَوَانِي عَلَى النَّاسِ، يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ! أَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِينَ وَ أَنْتَ رَبِّي، إِلٰى مَنْ تَكِلُنِي؟ إِلٰى بَعِيدٍ يَتَجَهَّمُنِي؟ أَمْ إِلٰى عَدُوٍّ مَلَّكْتَهُ أَمْرِي؟ إِنْ لَّمْ يَكُنْ بِكَ عَلَيَّ غَضَبٌ فَلَا أُبَالِي، وَلٰكِنْ عَافِيَتُكَ هِيَ أَوْسَعُ لِي، أَعُوذُ

[1] الرحیق المختوم، ص: 125. [2] السيرة لابن هشام: 420/2. [3] دلائل النبوة لأبي نعيم: 296/1، دلائل النبوة للبيهقي: 415/2. [4] الطبقات لابن سعد: 212/1. [5] رحمۃ للعالمین: 93/1.

بِنُورِ وَجْهِكَ الَّذِي أَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ، وَصَلُحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ مِنْ أَنْ تُنْزِلَ بِي غَضَبَكَ، أَوْ يَحِلَّ عَلَيَّ سَخَطُكَ، لَكَ الْعُتْبَى حَتَّى تَرْضَى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

''اے اللہ! میں تجھ سے اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے وقعتی کی شکایت کرتا ہوں۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! تو کمزوروں کا رب ہے، تو ہی میرا رب ہے۔ تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے؟ کسی اجنبی کے جو میرے ساتھ ترش روئی سے پیش آئے یا کسی دشمن کے جسے تو میرے معاملے کا مالک بنائے؟ اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے بہت وسیع ہے۔ میں تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوئیں اور جس سے دنیا و آخرت کا معاملہ درست ہوا کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیری ناراضی مجھ پر اترے۔ مجھے تیری ہی رضا مطلوب ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے۔ تیری ہی بخشی ہوئی توفیق سے نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت نصیب ہوتی ہے۔''[1]

عتبہ اور شیبہ نے خدمت نبوی میں انگور بھیجے

ربیعہ کے دونوں بیٹوں عتبہ اور شیبہ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اہلِ طائف کے اس وحشیانہ سلوک کو دیکھا تو ان کے خونِ قرابت نے جوش مارا، انھوں نے اپنے ایک عیسائی غلام کو بلایا، اس کا نام عَدّاس تھا۔ یہ نینویٰ کا رہنے

[1] السيرة لابن هشام: 420/2، المعجم الكبير للطبراني: 346/25.



قلعہ باشطابیا، موصل (عراق)

والا تھا۔ انھوں نے اس سے کہا: اس انگور (کی بیل) سے ایک خوشہ لے کر اس طباق میں رکھو، پھر اسے اس شخص (محمد ﷺ) کی خدمت میں لے جاؤ اور انھیں کہو کہ اسے تناول فرمائیں۔

عدّاس نے انگور کا خوشہ لے جا کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے رکھ دیا اور آپ سے کہا کہ کھائیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب انگور کھانے شروع کیے تو پہلے بسم اللہ پڑھی، پھر کھائے۔

عداس سے مکالمہ

عداس نے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے بِسْمِ اللّٰہ سنی تو بڑے غور سے آپ کے چہرۂ انور کی طرف دیکھا، پھر کہا: اللہ کی قسم! اس شہر کے رہنے والے تو یہ کلام نہیں کہتے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

«وَمِنْ أَهْلِ أَيِّ الْبِلَادِ أَنْتَ يَا عَدَّاسُ! وَمَا دِينُكَ؟»

''اے عداس! تم کون سے شہر کے رہنے والے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟''

عداس نے کہا: میں عیسائی ہوں اور نینویٰ کا باشندہ ہوں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

«مِنْ قَرْيَةِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ يُونُسَ بْنِ مَتّٰى»

''(اچھا! تو تم) نیک آدمی یونس بن متی علیہ السلام کی بستی کے باشندے ہو۔''

عداس آپ ﷺ کی یہ بات سن کر بہت حیران ہوا اور اس نے پوچھا: آپ کو کس نے بتایا کہ یونس بن متی کون ہیں؟

سلیمان تیمی نے یہ اضافہ کیا ہے کہ عداس نے یہ بھی کہا: اللہ کی قسم! میں نینویٰ سے نکلا تھا تو وہاں دس افراد بھی ایسے نہیں تھے جو یہ جانتے ہوں کہ (یونس بن) متی کون ہیں، پھر آپ کو ان کے بارے میں کیسے علم ہوا جبکہ آپ اُمّی ہیں اور اُمّی امت میں رہ رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:



حضرت یونس علیہ السلام سے منسوب مسجد (موصل)

«ذَاكَ أَخِي، كَانَ نَبِيًّا وَّ أَنَا نَبِيٌّ»

''وہ میرے بھائی ہیں۔ وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔''[1]

عداس رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پروردگار کا پیغام پہنچانے کے معاملے میں کسی کو بھی حقیر نہیں سمجھتے تھے۔ آپ بلاامتیاز ہر ایک کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ آپ کی طرف وحی کیا تھا، آپ نے عداس کو اس سے آگاہ کیا تو وہ فوراً آپ کے سامنے سجدہ ریز ہوگیا اور آپ کے دونوں قدموں کو چومنے لگا، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سے خون بہ رہا تھا۔[2]

گزشتہ شریعتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا جیسے کہ قرآن میں ہے کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں نے انھیں سجدہ کیا تھا۔ (یوسف 12:100) مگر شریعتِ اسلامیہ میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

«لَا يَصْلُحُ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ، وَلَوْ صَلُحَ لِبَشَرٍ أَنْ يَّسْجُدَ لِبَشَرٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

''کسی انسان کے لائق نہیں کہ وہ کسی انسان کو سجدہ کرے۔ اگر کسی انسان کے لیے کسی انسان کو سجدہ کرنا ٹھیک ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے، اس لیے کہ خاوند کا اس پر بہت بڑا حق ہے۔''[3]

ابن ہشام نے یہ نقل کیا ہے کہ عداس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر جھک گیا اور آپ کے سر، ہاتھوں اور قدموں کو چومنے لگا۔[4]

عتبہ اور شیبہ کی عداس کو تنبیہ

عتبہ اور اس کے بھائی شیبہ نے اپنے غلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تعظیم و تکریم کرتے دیکھا تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: انھوں نے تمھارے غلام کو خراب کر دیا ہے۔

[1] السيرة لابن هشام :421/2، الروض الأنف:234/2. [2] دلائل النبوة للبيهقي :416/2. [3] مسند أحمد :159,158/3.
[4] السيرة لابن هشام:421/2.

امام زہری رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ یہ دیکھ کر دونوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ جب عداس رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے تو ان دونوں نے کہا: عداس! تمھارا ستیاناس ہو! تمھیں کیا ہوا؟ تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سجدہ کیا اور ان کے سر، ہاتھوں اور قدموں کو بوسہ دیا ہے۔ ہم نے تو تمھیں اپنے میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی ایسا سلوک کرتے نہیں دیکھا۔

یہ سن کر عداس رضی اللہ عنہ بولے: یہ ایک نیک آدمی ہیں۔ روئے زمین پر کوئی چیز ان سے بہتر نہیں، انھوں نے مجھے ایک رسول کے بارے میں ایسی بات کی خبر دی ہے جس سے میں واقف تھا۔ اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف مبعوث فرمایا تھا اور اس کا نام یونس بن متی (علیہ السلام) ہے۔

عتبہ اور شیبہ ان کی یہ بات سن کر ہنسے اور ان سے کہا: دیکھو! کہیں یہ تمھیں تمھاری عیسائیت سے نہ پھیر دے کیونکہ یہ آدمی دھوکے باز ہے (نعوذ باللہ)۔ تمھارا دین ان کے دین سے بہتر ہے۔[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عداس کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے اور کہا ہے کہ سلیمان تیمی نے اپنی سیرت کی کتاب میں لکھا ہے کہ عداس نے نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

«أَشْهَدُ أَنَّكَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُولُهُ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔''[2]

ابن اثیر رحمہ اللہ نے بھی انھیں صحابہ کی فہرست میں شمار کیا ہے۔[3] امام قسطلانی اور یعقوبی وغیرہ نے بھی یہی صراحت کی ہے کہ عداس مسلمان ہو گئے تھے۔[4]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے واقدی سے حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ (غزوۂ بدر کے موقع پر) عداس رضی اللہ عنہ ثنیۂ بیضاء (مکہ کے قریب ایک گھاٹی)[5] پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ لوگ اس جگہ سے گزر رہے تھے۔ جب عداس رضی اللہ عنہ نے عتبہ اور شیبہ کو دیکھا تو جست لگا کر ان کی طرف بڑھے اور ان دونوں کی ٹانگیں پکڑ کر کہنے لگے: ''میرے ماں باپ تم پر قربان! اللہ کی قسم! اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، اب تم دونوں اپنے مقتل کی طرف ہانکے جا رہے ہو۔''

عاص بن ربیعہ عداس رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا، اس نے عداس کو روتے دیکھا تو پوچھا: تمھیں کیا ہوا؟ عداس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنے اور اس وادی کے دو سرداروں کی وجہ سے رو رہا ہوں۔ وہ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

[1] دلائل النبوة للبيهقي :416/2، السيرة لابن هشام :421/2. [2] الإصابة :386,385/4. [3] أسدالغابة:230/3. [4] المواهب اللدنية :269/1، تاريخ اليعقوبي :24/2، الإكمال (حاشية) :193/6. [5] معجم البلدان :85/2.

سے قتال کرنے کے لیے نکل رہے ہیں۔

عاص نے پوچھا: کیا واقعی وہ اللہ کے رسول ہیں؟

یہ سوال سُن کر عداس رضی اللہ عنہ کو شدید جھٹکا لگا، ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے، انھوں نے روتے ہوئے کہا: ہاں، اللہ کی قسم! بلاشبہ وہ تمام انسانوں کی طرف اللہ کے رسول ہیں۔ [1]

واقدی نے ایک دوسری سند سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ عداس رضی اللہ عنہ نے عتبہ اور شیبہ کو مکہ سے نکلنے سے روکا لیکن انھوں نے عداس رضی اللہ عنہ کی بات نہ مانی۔ عداس رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ نکلے اور بدر میں قتل کر دیے گئے۔ واقدی نے کہا ہے کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ بدر میں قتل نہیں ہوئے بلکہ واپس مکہ آئے اور وہاں فوت ہوئے۔ [2] مسعودی نے لکھا ہے کہ وہ بدر کے دن عیسائیت ہی پر قتل ہوئے۔ [3] لیکن زیادہ معروف اور معتبر بات یہی ہے کہ عداس رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے تھے۔ واللّٰہ أعلم بالصواب.

طائف سے واپسی پر جبریل علیہ السلام کی آمد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عتبہ و شیبہ کے باغ سے نکل کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ [4] چلتے چلتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرن ثعالب پہنچے، یہ اہلِ نجد کی میقات ہے۔ اسے قرن المنازل بھی کہا جاتا ہے۔ یہ مکہ سے 80 کلومیٹر اور طائف سے

[1] الإصابة:386/4. [2] المغازي للواقدي:48/1. [3] مروج الذهب:71/1. [4] دلائل النبوة للبیهقي:416/2.



مسجد میقات قرن المنازل (السیل الکبیر)

53 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔[1] یہاں جو واقعہ پیش آیا، وہ حدیث میں اس طرح بیان ہوا ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: کیا آپ پر کوئی ایسا دن بھی آیا جو احد کے دن سے بھی زیادہ سخت تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: تمھاری قوم کی طرف سے مجھے بہت تکلیفیں پہنچی ہیں، ان سب سے سخت تکلیف مجھے عَقَبَہ کے دن پہنچی تھی جب میں عبد یالیل بن عبدکُلال کے بیٹے کے پاس گیا اور اسے دعوتِ اسلام دی مگر اس نے اسے قبول نہیں کیا۔ میں رنج وغم کی حالت میں اپنے رخ پر چل پڑا۔ مجھے قرنِ ثعالب پہنچ کر افاقہ ہوا۔ میں نے اپنا سر اٹھایا تو دیکھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا مجھ پر سایہ فگن ہے۔ میں نے غور سے دیکھا تو اس میں جبریل علیہ السلام تھے۔ انھوں نے مجھے آواز دی اور کہا:

«إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا عَلَيْكَ، وَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ»

”آپ کی قوم نے آپ سے جو کہا ہے اور آپ کو جو جواب دیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ نے سن لیا ہے۔ اب اس نے آپ کے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے تاکہ آپ اسے ان کے بارے میں جو چاہیں حکم دیں۔“

پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتے نے آواز دی، سلام کیا اور کہا:

«يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ، وَ أَنَا مَلَكُ الْجِبَالِ، وَقَدْ بَعَثَنِي رَبُّكَ إِلَيْكَ لِتَأْمُرَنِي بِأَمْرِكَ، فَمَا شِئْتَ، إِنْ شِئْتَ أَطْبَقْتُ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ»

”اے محمد! آپ کی قوم نے آپ کو جو کچھ کہا ہے، وہ یقیناً اللہ نے سن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں، مجھے آپ کے پروردگار نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے اپنا حکم دیں۔ اب آپ جو چاہیں گے (میں وہی کروں گا)۔ اگر آپ چاہیں تو میں ان (گستاخ) لوگوں کو دو سنگین پہاڑوں کے درمیان کچل ڈالوں گا۔“

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس فرشتے سے فرمایا:

«بَلْ أَرْجُو أَنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَّنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ لَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا»

”بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو ایک اللہ ہی کی عبادت کریں

[1] معجم المعالم الجغرافية، ص:254.

گے۔ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کریں گے۔‘‘ [1]

امام ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول اس حدیث میں أَخْشَبَيْنِ سے مراد مکہ مکرمہ کے دو پہاڑ ابوقبیس اور اس کے بالمقابل قعیقعان ہیں۔ انھیں ان کی مضبوطی اور پتھروں کے سخت ہونے کی وجہ سے اخشبین کا نام دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اس حدیث میں ابن عبد یالیل بن عبد کُلال کا تذکرہ ہوا ہے۔ عبد کلال کا نام کنانہ تھا اور عبد یالیل کا نام مسعود بتایا جاتا ہے۔ ابن عبد یالیل بنو ثقیف کے سرداروں میں سے تھا۔ اہلِ مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس سے گفتگو فرمائی تھی، وہ خود عبد یالیل تھا۔ اہلِ نسب کے نزدیک عبد کُلال، عبد یالیل کا بھائی ہے، نہ کہ اس کا والد اور عبد یالیل، عمرو بن عمیر بن عوف کا بیٹا ہے۔ [2]

امام بلاذری نے عبد یالیل بن عمرو بن عمیر بن عوف بن عقبہ کے تین بیٹوں: کنانہ، حبیب اور عمرو کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف پہنچ کر ان تینوں سے گفتگو کی تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی آپ کا ساتھ نہیں دیا۔ [3]

امام ابن ابی حاتم نے عکرمہ سے ایک مرسل روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور انھوں نے مجھ سے کہا:

«يَا مُحَمَّدُ! إِنَّ رَبَّكَ يَقْرِئُكَ السَّلَامَ وَهٰذَا مَلَكُ الْجِبَالِ قَدْ أَرْسَلَهُ إِلَيْكَ وَ أَمَرَهُ أَلَّا يَفْعَلَ شَيْئًا إِلَّا بِأَمْرِكَ»

’’اے محمد! بے شک آپ کا پروردگار آپ کو سلام کہتا ہے۔ یہ (میرے ساتھ) پہاڑوں کا فرشتہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے آپ کی طرف بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ یہ آپ کے حکم کے بغیر کچھ نہ کرے۔‘‘

[1] صحيح البخاري: 7389,3231، صحيح مسلم: 1795 واللفظ له. [2] فتح الباري: 6/379، 380، شرح الزرقاني على المواهب: 2/51. [3] أنساب الأشراف: 13/441,440.





پھر پہاڑوں کے فرشتے نے آپ ﷺ سے کہا:

«إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي أَلَّا أَفْعَلَ شَيْئًا إِلَّا بِأَمْرِكَ، إِنْ شِئْتَ دَمْدَمْتُ عَلَيْهِمُ الْجِبَالَ، وَ إِنْ شِئْتَ رَمَيْتُهُمْ بِالْحَصْبَاءِ، وَ إِنْ شِئْتَ خَسَفْتُ بِهِمُ الْأَرْضَ»

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں آپ کے امر کے بغیر کچھ نہ کروں۔ اگر آپ چاہیں تو میں (آپ کو ستانے والے) لوگوں کو پہاڑوں کے درمیان پیس ڈالوں۔ اگر چاہیں تو میں ان پر سنگ ریزوں کی بارش کر دوں اور اگر چاہیں تو انھیں زمین میں دھنسا دوں۔''

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَامَلَكَ الْجِبَالِ! فَإِنِّي آتِي بِهِمْ، لَعَلَّهُمْ أَنْ تَخْرُجَ ذُرِّيَّةٌ يَقُولُوا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»

''اے پہاڑوں کے فرشتے! یقیناً میں ان کے پاس جاؤں گا (اور انھیں دعوت دوں گا) شاید ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کریں۔''

آپ ﷺ کا یہ جواب سن کر اس فرشتے نے عرض کی:

«أَنْتَ كَمَا سَمَّاكَ رَبُّكَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ»

''آپ نہایت شفیق اور بہت مہربان ہیں جیسا کہ آپ کے پروردگار نے آپ کا نام رکھا ہے۔'' [1]

جبریل علیہ السلام اور پہاڑوں کے فرشتے کی آمد میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم، نصرت اور بڑی تسلی کا سامان تھا۔ آپ ﷺ نے فرشتے کو جو جواب دیا، اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ آپ ﷺ اپنے مخالفین سے بھی نہایت صبر و تحمل کا مظاہرہ فرماتے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کو شدید اذیتیں پہنچائیں اور آپ کے ساتھ وحشیانہ سلوک کی انتہا کر دی، پھر بھی آپ نے ان کے لیے عذاب کو پسند نہیں فرمایا بلکہ یہ امید ظاہر فرمائی کہ اگر یہ لوگ توحید باری تعالیٰ کا اقرار نہیں کر رہے تو ان کی اولاد کو اس کی توفیق مل جائے گی، اس لیے کہ آپ ﷺ کا نصب العین صرف یہی تھا کہ لوگ کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر نورِ توحید کی طرف آئیں اور صراطِ مستقیم پر گامزن ہو جائیں۔

وادیِ نخلہ میں جنوں کی آمد

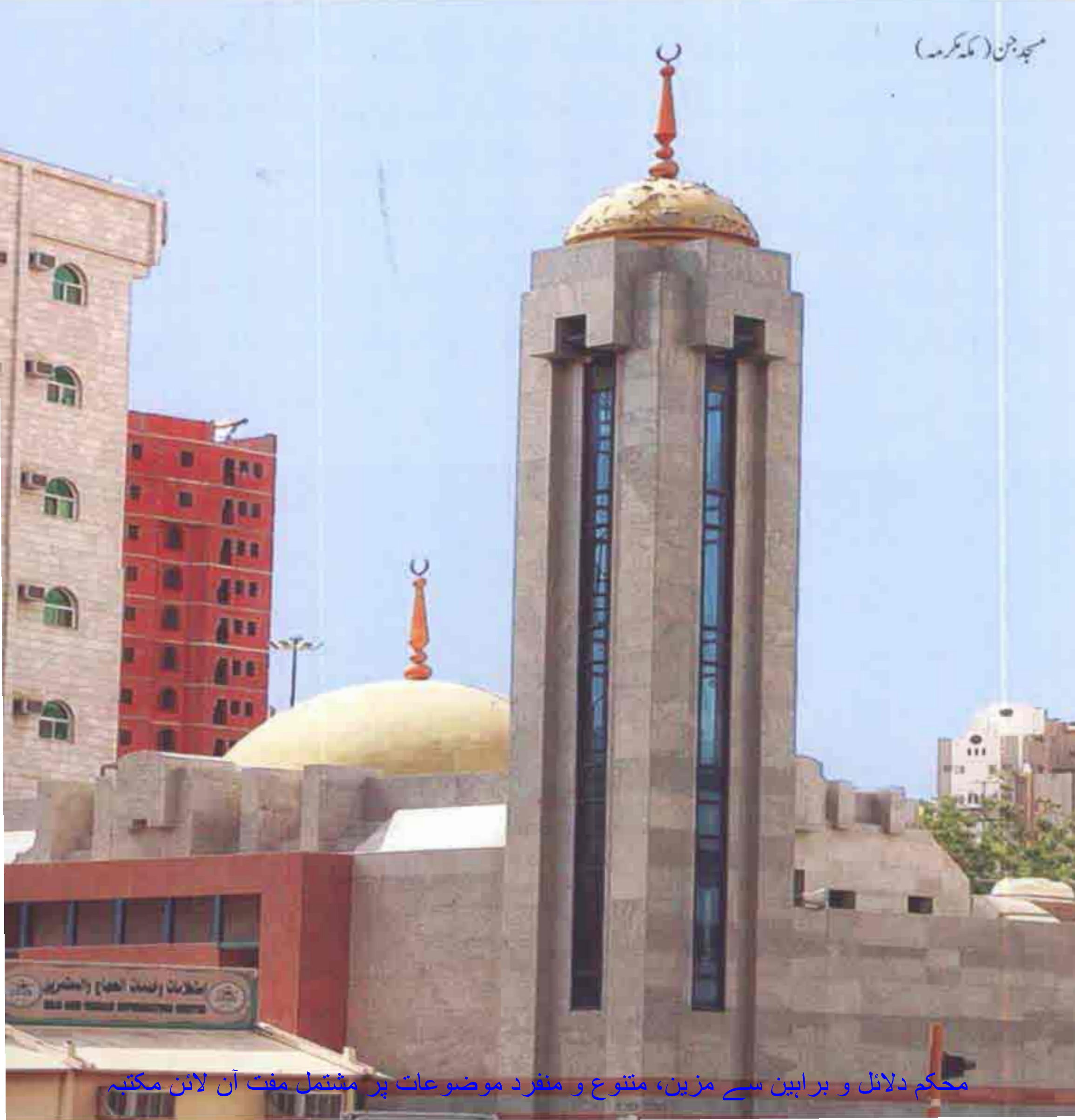
طائف سے واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے وادیِ نخلہ میں پہنچ کر وہاں پڑاؤ ڈالا، آپ یہاں کئی دن مقیم رہے۔ [2]

[1] تفسير ابن أبي حاتم، التوبة 9: 128 [2] الطبقات لابن سعد: 212/1.

وادیِ نخلہ مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ یہ مکہ سے ایک رات کی مسافت پر ہے۔ [1] رسول اللہ ﷺ اس وادی میں رات کو کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے نصیبین کے سات جنوں کو وہاں بھیج دیا۔ آپ ﷺ سورۂ جن کی تلاوت فرما رہے تھے۔ انھوں نے آپ ﷺ کی تلاوت غور سے سنی۔ جب آپ نماز سے فارغ ہو گئے تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹ گئے، وہ ایمان لے آئے تھے اور انھوں نے جو سنا، اسے قبول کر لیا

[1] فتح الباري: 8/860.

مسجد جن (مکہ مکرمہ)



تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو ان کی آمد کا بالکل پتہ نہیں چلا حتی کہ آپ پر یہ آیاتِ مبارکہ نازل ہوئیں:

﴿ وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ ﴾ (الأحقاف 46:29-31)

”اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنوں کی ایک جماعت آپ کی طرف پھیر دی جبکہ وہ قرآن غور سے سنتے تھے، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے تو (ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، چنانچہ جب (تلاوت) ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔ انھوں نے کہا: اے ہماری قوم! بے شک ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد نازل کی گئی ہے۔ وہ ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں۔ وہ حق کی طرف اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ اے ہماری قوم! تم اللہ کے داعی کی بات قبول کرلو اور اس پر ایمان لے آؤ، وہ تمھارے لیے تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں نہایت دردناک عذاب سے بچالے گا۔“ [1]

ابن ہشام نے اس روایت میں رسول اللہ ﷺ کے سورۂ جن کی تلاوت فرمانے کا تذکرہ نہیں کیا بلکہ آخر میں

[1] الطبقات لابن سعد: 212/1، الكامل لابن الأثير: 608/1.



نصیبین (ترکی) میں کلیسا سینٹ جیکب کے آثار

سورۂ احقاف کی مذکورہ آیاتِ مبارکہ کے ساتھ سورۂ جن کا تذکرہ کیا ہے۔ مطلب یہ کہ ان کے نزدیک اس واقعے کے بعد سورۂ جن کا نزول ہوا۔ جنوں کے قرآنِ مجید سننے کا واقعہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے اور اس میں اس موقع پر سورۂ جن کے نازل ہونے کا بھی ذکر ہے۔ [1] لیکن اس روایت میں یہ صراحت نہیں کہ وہ طائف سے واپسی پر پیش آیا تھا۔ علامہ زرقانی نے اس میں جمع و تطبیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ صحیح بخاری والا واقعہ بعثت کے بعد پہلی مرتبہ (جنوں کے قرآن سننے) کا واقعہ تھا جیسا کہ اس روایت کے الفاظ سے واضح ہے (سورۂ جن اسی موقع پر نازل ہوئی تھی) اور یہ (نبی ﷺ کی طائف سے واپسی پر جنوں کا قرآن سننا) کچھ مدت بعد کا واقعہ ہے۔ [2]

جنوں کا آکر قرآنِ مجید کی تلاوت سننا اور ایمان لے آنا دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی عظیم نصرت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعے سے آپ ﷺ کی ہمت بندھائی۔ جنوں کے اس واقعے میں ان لوگوں کے لیے بھی عبرت و نصیحت ہے جنھوں نے قرآن مجید سن کر بھی اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہا۔ جنوں کی یہ جماعت قرآن مجید کی تلاوت سن کر نہ صرف ایمان لے آئی بلکہ اپنی قوم کو بھی دینِ حق کی دعوت دینے لگی۔

کوہِ حراء کے دامن میں قیام

رسول اللہ ﷺ نے واپس مکہ تشریف لے جانے کا پختہ ارادہ فرما لیا تھا تاکہ آپ وہاں جا کر پھر سے دعوت و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیں۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ انھوں نے عرض کی: آپ قریش کے پاس کیسے جائیں گے۔ انھوں نے تو آپ کو نکال دیا ہے؟

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«يَا زَيْدُ! إِنَّ اللّٰهَ جَاعِلٌ لِّمَا تَرٰى فَرَجًا وَّمَخْرَجًا، وَ إِنَّ اللّٰهَ نَاصِرُ دِينِهِ وَ مُظْهِرُ نَبِيِّهِ»

''اے زید! تم جو حالت دیکھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ اس سے کشادگی اور نکلنے کی کوئی راہ ضرور پیدا کرے گا۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی مدد کرنے والا اور اپنے نبی کو غالب کرنے والا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ وادیِ نخلہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور مکہ کے قریب حراء پہاڑ تک پہنچ کر رک گئے۔ [3]

رسول اللہ ﷺ نے پناہ طلب فرمائی

نبی ﷺ کو مکہ کے قریب پہنچ کر اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ کفارِ قریش آپ کے خلاف پہلے سے بھی زیادہ سخت

---

[1] صحيح البخاري: 4921، 773، صحيح مسلم: 449. مزید دیکھیے باب بعثت نبوی کے تحت عنوان ''تحقیق حال کو جانے والے جن مسلمان ہو گئے۔'' [2] شرح الزرقاني على المواهب: 157/2، مزید دیکھیے: السيرة الحلبية: 58/2-68. [3] الطبقات لابن سعد: 212/1.

ہو گئے ہیں، اس لیے کہ یہ بات یقینی تھی کہ کفارِ قریش کو آپ کے طائف جانے کا اور اہلِ طائف کے آپ سے ظالمانہ سلوک کا علم ہو چکا تھا، لہٰذا اس بات کا شدید خطرہ تھا کہ مشرکین مکہ آپ کو کوئی نقصان پہنچائیں گے۔ اس صورتحال کے پیشِ نظر رسول اللہ ﷺ نے یہ مناسب سمجھا کہ آپ کسی کی پناہ حاصل کر کے مکہ میں داخل ہوں۔

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے پناہ حاصل کرنے کے سلسلے میں خزاعہ کے ایک شخص کو قاصد بنایا۔[1] امام ابن کثیر نے (سعید بن یحییٰ بن سعید) اموی کی کتاب مغازی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عبداللہ بن اریقط کو قاصد بنایا۔[2] لیکن امام طبری نے محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ اہلِ مکہ کے ایک شخص کا آپ ﷺ کے پاس سے گزر ہوا تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا:

«هَلْ أَنْتَ مُبَلِّغٌ عَنِّي رِسَالَةً أُرْسِلُكَ بِهَا؟»

''میں تمھیں ایک پیغام دے کر بھیجوں تو کیا تم میری طرف سے وہ پیغام پہنچا دو گے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِ الْأَخْنَسَ بْنَ شَرِيقٍ فَقُلْ لَهُ: يَقُولُ لَكَ مُحَمَّدٌ: هَلْ أَنْتَ مُجِيرِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَةَ رَبِّي؟»

''اخنس بن شریق کے پاس جاؤ اور اسے کہو کہ محمد (ﷺ) تم سے پوچھتے ہیں: کیا تم مجھے پناہ دو گے یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں؟''

وہ شخص اخنس کے پاس آیا اور اسے یہ پیغام دیا تو اس نے جواب دیا کہ میں تو حلیف ہوں اور حلیف کسی قریشی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

اس شخص نے واپس آ کر آپ ﷺ کو ساری بات بتا دی۔ آپ نے اس سے پوچھا:

«تَعُودُ؟» ''تم دوبارہ جاؤ گے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِئْتِ سُهَيْلَ بْنَ عَمْرٍو فَقُلْ لَهُ: إِنَّ مُحَمَّدًا يَقُولُ لَكَ: هَلْ أَنْتَ مُجِيرِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي؟»

''سہیل بن عمرو کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ محمد (ﷺ) تم سے یہ کہتے ہیں: کیا تم مجھے پناہ دو گے یہاں تک کہ میں اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دوں؟''

وہ سہیل کے پاس گیا اور اسے یہ پیغام پہنچایا۔ سہیل بن عمرو، بنو عامر بن لؤی میں سے تھا۔[3] اس نے جواب

[1] الطبقات لابن سعد: 212/1. [2] البداية والنهاية: 135/3. [3] الجمهرة لابن حزم، ص: 166.

دیا: بنو عامر بن لؤیّ، بنوکعب کے خلاف پناہ نہیں دے سکتے۔

اس شخص نے واپس آکر آپ ﷺ کو اس کے جواب سے آگاہ کیا۔

رسولِ اکرم ﷺ مطعم بن عدی کی پناہ میں

رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے پھر دریافت فرمایا:

«تَعُودُ؟» ''کیا تم واپس جاؤ گے؟''

اس نے کہا: جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«ائْتِ الْمُطْعِمَ بْنَ عَدِيٍّ فَقُلْ لَهُ: إِنَّ مُحَمَّدًا يَقُولُ لَكَ: هَلْ أَنْتَ مُجِيرِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي؟»

''مطعم بن عدی کے پاس جاؤ۔ اس سے کہو کہ محمد (ﷺ) تم سے کہتے ہیں: کیا تم مجھے پناہ دو گے حتی کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دوں؟''

مطعم نے جواب دیا: ٹھیک ہے۔ وہ تشریف لے آئیں۔

اس شخص نے رسول اللہ ﷺ کے پاس واپس آکر آپ کو اس معاملے کی خبر دی۔[1] نبی ﷺ نے یہ رات مطعم کے ہاں بسر کی۔

ابن سعد نے لکھا ہے کہ مطعم بن عدی نے اپنے بیٹوں اور قوم کو بلایا اور کہا: ''تم ہتھیار پہن لو اور بیت اللہ کے ارکان (کناروں) کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔ بلاشبہ میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے۔''

رسول اللہ ﷺ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے یہاں تک کہ مسجد الحرام میں پہنچ گئے۔ مطعم بن عدی اپنے سواری کے اونٹ پر کھڑا ہو گیا اور بلند آہنگی سے یہ اعلان کیا: ''اے قریش کی جماعت! یقیناً میں نے محمد (ﷺ) کو پناہ دے دی ہے، لہٰذا تم میں سے کوئی ان کی ہجو نہ کرے۔''

رسول اللہ ﷺ حجرِ اسود کے پاس تشریف لائے، اسے بوسہ دیا اور دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر اپنے گھر تشریف لے آئے، اس دوران مطعم بن عدی اور اس کے بیٹوں نے رسول اللہ ﷺ کو چاروں طرف سے حفاظتی گھیرے میں گھیر رکھا تھا۔[2]

امام ابن کثیر نے سعید بن یحییٰ اموی سے نقل کیا ہے کہ مطعم بن عدی کے پناہ دینے کے بعد رسول اللہ ﷺ اس

[1] البداية والنهاية: 135/3، تاريخ الطبري: 82/2. [2] الطبقات لابن سعد: 212/1.

کے پاس تشریف لے گئے اور وہ رات اسی کے ہاں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو مطعم اور اس کے چھ یا سات بیٹے اپنی گردنوں میں تلواریں لٹکائے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور مسجد الحرام میں داخل ہوئے۔ انھوں نے آپ ﷺ سے کہا: آپ طواف کیجیے! وہ اپنی تلواروں کے پٹے لپیٹ کر اور خوب چاق چوبند ہو کر مطاف میں بیٹھ گئے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوسفیان مطعم کے پاس آیا اور دریافت کیا: تم نے انھیں پناہ دی ہے یا ان کے پیروکار بن گئے ہو؟

مطعم نے جواب دیا: صرف پناہ دی ہے۔

ابوسفیان بولا: پھر تم سے بے وفائی نہیں کی جائے گی۔

ابوسفیان مطعم کے پاس بیٹھ گیا یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے طواف مکمل کر لیا۔ جب آپ واپس تشریف لے جانے لگے تو وہ سبھی آپ کے ساتھ واپس آئے اور ابوسفیان واپس اپنی مجلس کی طرف چلا گیا۔[1] امام طبری نے ابن اسحاق کے حوالے سے، نیز ابن اثیر اور ابن جوزی نے یہاں ابوسفیان کے بجائے ابوجہل کا تذکرہ کیا ہے کہ اس نے مطعم سے یہ ساری گفتگو کی تھی۔[2]

امام بلاذری نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ منگل کے دن تیئیس (23) ذوالقعدہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے تھے۔[3]

مطعم کے حسنِ سلوک کی قدر شناسی

رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جانے کے کچھ ہی عرصہ بعد مطعم بن عدی کا انتقال ہو گیا۔ مطعم نے رسول اللہ ﷺ کو طائف سے واپسی پر پناہ دینے کے علاوہ بائیکاٹ کی ظالمانہ دستاویز کو چاک کرنے میں بھی اہم کردار ادا کیا تھا جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا جا چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ فوت ہوا تو سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اس کا مرثیہ پڑھا۔[4] رسول اللہ ﷺ تو ویسے ہی بہت قدر دان تھے۔ آپ نے مطعم بن عدی کے ان احسانات کو اچھی طرح یاد رکھا۔ غزوۂ بدر میں جب کفار و مشرکین قید ہو کر آئے تو آپ ﷺ نے ان قیدیوں کے بارے میں فرمایا:

«لَوْ كَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِيٍّ حَيًّا، ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰى لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ»

''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اس کی خاطر انھیں چھوڑ دیتا۔''[5]

[1] البداية والنهاية: 135/3. [2] تاريخ الطبري: 82/2، الكامل لابن الأثير: 608/1، المنتظم: 15/3. [3] أنساب الأشراف: 274/1. [4] البداية والنهاية: 136,135/3. [5] صحيح البخاري: 3139 و4024.

عتبہ بن ربیعہ کی طرف سے نبی ﷺ کی حمایت

رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں اقامت پذیر ہونے کے بعد ایک روز مسجد الحرام میں تشریف لائے۔ مشرکین کعبہ کے پاس موجود تھے۔ ابوجہل نے آپ ﷺ کو دیکھا تو بولا: ''اے بنوعبدمناف! یہ تمھارے نبی ہیں!'' اس کی یہ بات سن کر عتبہ بن ربیعہ نے کہا: تم اس چیز کا انکار نہیں کر سکتے کہ ہم میں سے نبی یا بادشاہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی گئی یا آپ نے یہ سنا تو آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا:

«أَمَّا أَنْتَ يَا عُتْبَةُ بْنَ رَبِيعَةَ! فَوَاللّٰهِ! مَا حَمَيْتَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلٰكِنْ حَمَيْتَ لِأَنْفِكَ، وَ أَمَّا أَنْتَ يَا أَبَا جَهْلِ بْنَ هِشَامٍ! فَوَاللّٰهِ! لَا يَأْتِي عَلَيْكَ غَيْرُ كَبِيرٍ مِّنَ الدَّهْرِ حَتّٰى تَضْحَكَ قَلِيلًا وَّتَبْكِي كَثِيرًا، وَ أَمَّا أَنْتُمْ يَا مَعْشَرَ الْمَلَإِ مِنْ قُرَيْشٍ! فَوَاللّٰهِ! لَا يَأْتِي عَلَيْكُمْ غَيْرُ كَبِيرٍ مِّنَ الدَّهْرِ حَتّٰى تَدْخُلُوا فِي مَا تُنْكِرُونَ وَ أَنْتُمْ كَارِهُونَ»

''اے عتبہ بن ربیعہ! اللہ کی قسم! تو نے اللہ اور اس کے رسول کے لیے حمایت نہیں کی بلکہ اپنی ناک کے لیے حمایت کی ہے۔ اے ابوجہل بن ہشام! اللہ کی قسم! تجھ پر زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ تو تھوڑا ہنسے گا اور زیادہ روئے گا۔ اے قریش کے سرداروں کی جماعت! اللہ کی قسم! تم پر زیادہ مدت نہیں گزرے گی کہ تم اس (اسلام) میں داخل ہو جاؤ گے جس کا تم انکار کرتے ہو جبکہ تم ناپسند کرنے والے ہو گے۔''

چنانچہ تھوڑی ہی مدت گزری تھی کہ ٹھیک وہی حالات پیش آ گئے جو آپ ﷺ نے بیان فرمائے تھے۔[1]

[1] تاریخ الطبري: 83,82/2، الکامل لابن الأثیر: 608/1.

قبائل اور افراد کو اسلام کی دعوت

رسول اللہ ﷺ نے مکہ مکرمہ واپس تشریف لانے کے بعد پورے زور شور سے دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینا شروع کر دیا۔ حج کے موسم کی آمد آمد تھی۔ فریضۂ حج ادا کرنے کے لیے دور و نزدیک ہر جگہ سے لوگ پیدل اور سوار ہو کر آ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اس سے بھر پور فائدہ اٹھایا۔ ابنِ اسحاق نے کہا ہے کہ لوگ جب بھی حج کے موسم میں اکٹھے ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے، انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے۔ آپ ان کے سامنے اپنی منصبی حیثیت واضح فرماتے اور جو ہدایت و رحمت آپ اللہ کے پاس سے لائے تھے، اسے پیش فرماتے۔ آپ ﷺ عرب کے کسی نامی گرامی شخص کی مکہ آمد کی خبر سنتے تو اس کے پاس تشریف لے جاتے۔ اسے اللہ کی طرف بلاتے اور جو کچھ آپ کے پاس تھا، اس کے سامنے پیش فرماتے۔ [1]

حج کے موسم میں دعوت دینے کا یہ سلسلہ آپ ﷺ نے بعثت کے چوتھے سال ہی سے شروع فرما دیا تھا۔ [2]

ہر قبیلے سے حمایت کا مطالبہ

نبی ﷺ قبائلِ عرب کو اپنی دعوت قبول کرنے کی ترغیب دیتے اور اپنی حفاظت کے سلسلے میں فرماتے تھے:

«لَا أُكْرِهُ مِنْكُمْ أَحَدًا عَلٰى شَيْءٍ، مَنْ رَضِيَ الَّذِي أَدْعُوهُ إِلَيْهِ قَبِلَهُ، وَمَنْ كَرِهَهُ لَمْ أُكْرِهْهُ، إِنَّمَا أُرِيدُ أَنْ تَحُوزُونِي مِمَّا يُرَادُ بِي مِنَ الْقَتْلِ فَتَحُوزُونِي حَتّٰى أُبَلِّغَ رِسَالَاتِ رَبِّي وَ يَقْضِيَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ لِي وَلِمَنْ صَحِبَنِي بِمَا شَاءَ»

''میں تم میں سے کسی کو بھی کسی چیز پر مجبور نہیں کرتا۔ جو اس چیز کو پسند کرے جس کی طرف میں اسے دعوت دیتا ہوں، وہ اسے قبول کر لے اور جو اسے ناپسند کرے، میں اسے مجبور نہیں کروں گا۔ بلاشبہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرے قتل کا جو ارادہ کیا جا رہا ہے، تم اس صورتِ حال کے پیشِ نظر میری حفاظت کرو یہاں تک کہ میں

[1] السيرة لابن هشام: 425/2. [2] دلائل النبوة لأبي نعيم: 292/1.

اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دوں اور اللہ عزوجل میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے جو چاہے، فیصلہ صادر فرما دے۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے جن قبائل اور افراد کو دینِ حق کی دعوت دی، ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

بنو کندہ کو تبلیغ

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«لَا أَرٰی لِي عِنْدَكَ وَلَا عِنْدَ أَخِيكَ مَنَعَةً، فَهَلْ أَنْتَ مُخْرِجِي إِلَى السُّوقِ غَدًا حَتّٰى تُعَرِّفَنِي مَنَازِلَ قَبَائِلِ النَّاسِ؟»

''میں آپ اور آپ کے بھائی (ابولہب) کے پاس اپنے دفاع کی قوت نہیں پاتا۔ کیا آپ کل مجھے بازار کی طرف لے چلیں گے تاکہ آپ مجھے لوگوں کے قبیلوں کی جائے قیام بتا دیں؟''

یہ جائے قیام ہی عرب کی اجتماع گاہیں تھیں۔ میں نے (اگلے روز رسول اللہ ﷺ کو مختلف قبیلوں کی قیام گاہیں بتاتے ہوئے) کہا: یہ کندہ اور ان کی جماعت ہے، یہ یمن سے حجِ بیت اللہ کے لیے آنے والوں میں افضل ترین لوگ ہیں۔ یہ بکر بن وائل کی قیام گاہیں ہیں، یہ بنو عامر بن صعصعہ کے ڈیرے ہیں۔ آپ اپنے لیے کسی کو بھی منتخب کر لیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے کندہ سے آغاز فرمایا۔[2] ابنِ اسحاق نے امام زہری سے نقل کیا ہے کہ کندہ میں ان کا سردار مُلَیح بھی موجود تھا۔[3] عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور دریافت فرمایا:

«مِمَّنِ الْقَوْمُ؟» ''تم لوگوں کا تعلق کن سے ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: اہلِ یمن سے۔

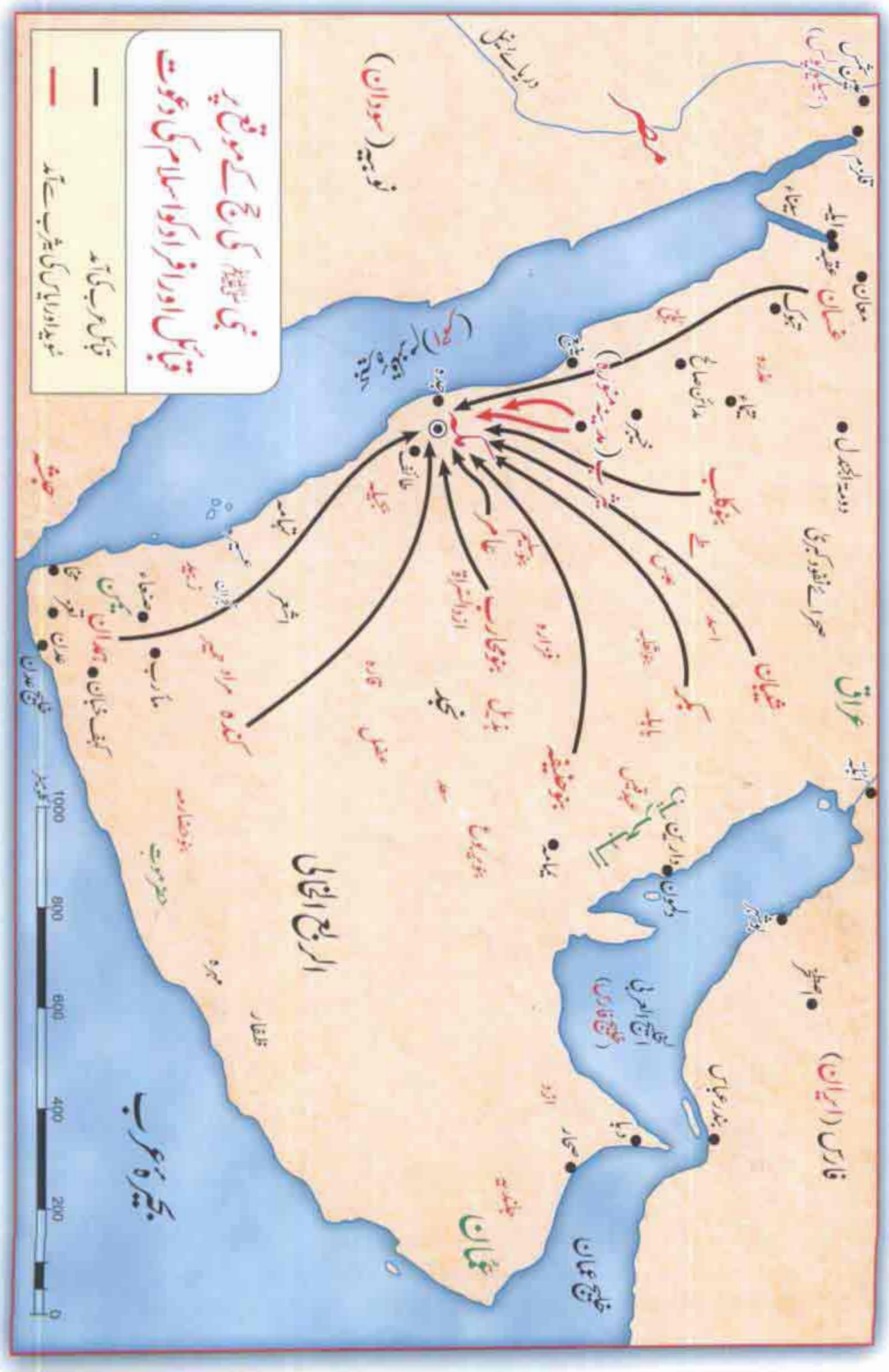
آپ نے پوچھا: «مِنْ أَيِّ الْيَمَنِ؟»

''یمن کے کس قبیلے سے؟''

انھوں نے کہا: ''کندہ سے۔''

آپ نے پوچھا: «مِنْ أَيِّ كِنْدَةَ؟»

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 295/1. [2] البداية والنهاية (محقق): 387/3. [3] السيرة لابن هشام: 424/2.



نبی ﷺ کی حج کے موقع پر
قبائل اورافراد کو اسلام کی دعوت
قبائل عرب کی آمد
سُوید اور ایاس کی یثرب سے آمد
مکہ
یثرب (مدینہ منورہ)
جدہ
طائف
خیبر
تبوک
تیماء
مدائن صالح
ینبع
غسان
معان
عقبہ
ایلہ
سیناء
قلزم
عین شمس
(ہیلیوپولس)
مصر
دریائے نیل
نوبیہ (سودان)
حبشہ
دومۃ الجندل
صحرائے نفود کبریٰ
عراق
ابلہ
فارس (ایران)
اصطخر
بوشہر
بندر عباس
دارین
دلمون
الخلیج العربی
(خلیج فارس)
دبا
صحار
خلیج عمان
عُمان
شیبان
بنوکلب
بکر
بنوحنیفہ
یمامہ
عامر
بنومحارب
نجد
الربع الخالی
کندہ
اشعر
تہامہ
صنعاء
مأرب
یمن
ہمدان
کہف خبان
عدن
تعز
مخا
خلیج عدن
ظفار
مہرہ
حضرموت
بحیرۂ عرب
کلومیٹر
0
200
400
600
800
1000

”کندہ کی کس شاخ سے؟“

انھوں نے کہا: بنو عمرو بن معاویہ سے۔

آپ نے دریافت فرمایا: «فَهَلْ لَّكُمْ إِلٰى خَيْرٍ؟»

”کیا تمھیں بھلائی کی کوئی رغبت ہے؟“

انھوں نے پوچھا: وہ (بھلائی) کیا ہے؟

آپ ﷺ نے جواب دیا:

«تَشْهَدُونَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَ تُقِيمُونَ الصَّلَاةَ، وَ تُؤْمِنُونَ بِمَا جَاءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ»

”تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرو اور جو کچھ اللہ کے پاس سے آیا ہے، اس پر ایمان لاؤ۔“

راوی عبداللہ بن اجلح کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے والد نے اپنی قوم کے بعض عمر رسیدہ لوگوں کی یہ روایت بیان کی کہ بنو کندہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: اگر آپ غالب آجائیں تو کیا ہمیں بادشاہت دیں گے؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْمُلْكَ لِلّٰهِ يَجْعَلُهُ حَيْثُ يَشَاءُ»

”بے شک بادشاہت اللہ کے لیے ہے، وہ جہاں چاہتا ہے، اسے رکھتا ہے۔“

یہ سن کر انھوں نے کہا: آپ جو لائے ہیں، ہمیں اس کی حاجت نہیں۔ کلبی کا کہنا ہے کہ ان لوگوں نے کہا: کیا آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں ہمارے معبودوں (کی پوجا) سے روک دیں اور ہم عرب سے قطع تعلق کر لیں۔ آپ اپنی قوم کے پاس واپس چلے جائیں، ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں۔[1]

ایک اور روایت میں محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے کندہ کے ایک شخص یوسف نے اپنی قوم کے عمر رسیدہ لوگوں کے حوالے سے یہ بات بیان کی کہ انھوں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے خواب میں دیکھا کہ کچی آبادیوں اور کھجور کے درختوں کی سرزمین کے رہنے والے لوگ آپ کی مدد کریں گے۔ آپ بنو کندہ کے پاس آئے اور ان سے فرمایا:

«إِنِّي قَدْ رَأَيْتُ فِي مَنَامِي أَنَّهُ يَنْصُرُنِي أَهْلُ مَدَرٍ وَّ نَخْلٍ، فَأَنْتُمْ أَهْلُ مَدَرٍ وَّنَخْلٍ، فَهَلْ لَّكُمْ فِي ذٰلِكَ؟»

[1] البداية والنهاية: 138/3۔

''بلاشبہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کچی آبادی اور کھجور کے درختوں کی سرزمین کے رہنے والے میری مدد کریں گے۔ تم ایسی ہی سرزمین کے رہنے والے ہو۔ کیا تمھیں اس میں کوئی رغبت ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہاں، اگر آپ اپنے بعد ہمارے لیے اقتدار مختص کر دیں تو ہم آپ کی مدد کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَسْتُ فَاعِلَهُ»

''میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

یہ سن کر وہ آپ سے پیٹھ پھیر کر چلے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وُجُوهُ مُلُوكٍ وَّ أَعْقَابُ غَدَرَةٍ»

''چہرے بادشاہوں جیسے ہیں اور ایڑیاں دھوکے بازوں جیسی۔'' [1]

محمد بن عمر واقدی کی ایک اور روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ عکاظ کی منڈی میں بنو کندہ کے ڈیروں میں تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ عرب کے کسی ایسے قبیلے کے پاس نہیں گئے جو ان لوگوں سے زیادہ نرم ہو۔ جب آپ نے اپنے لیے ان کی نرمی اور نوازش دیکھی تو ان سے بات چیت کرتے ہوئے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلَى اللّٰهِ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَ أَنْ تَمْنَعُونِي مِمَّا تَمْنَعُونَ مِنْهُ أَنْفُسَكُمْ، فَإِنْ أَظْهَرْ فَأَنْتُمْ بِالْخِيَارِ»

''میں تمھیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ تم میری ان چیزوں کے ساتھ حفاظت کرو جن سے تم اپنے نفسوں کی حفاظت کرتے ہو۔ اگر میں غالب آ جاؤں تو تمھیں اختیار ہے۔''

یہ سن کر ان کے عام لوگوں نے کہا: یہ کتنی اچھی بات ہے! لیکن ہم انھی کی عبادت کرتے رہیں گے جن کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔

قوم کے سب سے چھوٹے آدمی نے کہا: اے میری قوم! اس سے پہلے کہ کوئی تم سے سبقت لے جائے، تم اس شخص کی طرف سبقت لے جاؤ، اللہ کی قسم! اہل کتاب بیان کرتے ہیں کہ ایک نبی حرم سے نکلے گا اور اس کا زمانہ آ چکا ہے۔

ان لوگوں میں ایک شخص کانا بھی تھا، وہ بولا: میری یہ بات پلے باندھ لو۔ انھیں ان کی قوم نے نکال دیا ہے اور تم انھیں پناہ دے رہے ہو۔ تم سارے عرب کی جنگ اپنے سر لے رہے ہو۔ نہیں، ایسا ہرگز نہ ہوگا۔

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم :291/1.

رسول اللہ ﷺ غمزدہ ہو کر ان کے پاس سے واپس آ گئے۔ وہ لوگ اپنی قوم کے پاس گئے اور انھیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خبر دی تو ایک یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! تم لوگوں نے اپنا نصیب ضائع کر دیا ہے۔ اگر تم اس شخص (محمد ﷺ) کی طرف سبقت لے جاتے تو عرب کی سرداری کرتے۔ ہم اپنی کتاب (تورات) میں ان کے اوصاف پاتے ہیں۔ اس یہودی نے ان لوگوں کو آپ ﷺ کے اوصاف بتائے جنھوں نے آپ کو دیکھا تھا۔ وہ اس یہودی کی بیان کردہ ہر صفت کی تصدیق کرتے رہے، پھر اس یہودی نے کہا: ''ہمارے نزدیک ان کے ظہور کی جگہ مکہ اور ان کی ہجرت گاہ یثرب (مدینہ) ہے۔''

یہ سن کر ان لوگوں نے اتفاق کیا کہ وہ اگلے حج کے موسم میں آپ ﷺ سے ملیں گے لیکن ان کے سردار نے انھیں اس سال جانے سے روک دیا، لہٰذا ان میں سے کوئی بھی حج کے لیے نہ جا سکا، پھر وہ یہودی فوت ہو گیا، اس کی موت کے وقت سنا گیا کہ وہ محمد ﷺ کی تصدیق کرتا تھا اور آپ پر ایمان لے آیا تھا۔ [1]

بنو بکر بن وائل کو دعوتِ دین

کندہ کے بعد رسول اللہ ﷺ بکر بن وائل کے پاس تشریف لائے۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

«مِمَّنِ الْقَوْمُ؟» ''تم لوگوں کا تعلق کن سے ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: بکر بن وائل سے۔

رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: «مِنْ أَيِّ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ؟»

''بکر بن وائل کی کس شاخ سے؟''

انھوں نے کہا: بنو قیس بن ثعلبہ سے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: «كَيْفَ الْعَدَدُ؟» ''تمھاری تعداد کتنی ہے؟''

انھوں نے کہا: نمناک مٹی سے زیادہ ہے۔

آپ ﷺ نے پوچھا: «فَكَيْفَ الْمَنَعَةُ؟» ''تمھاری دفاعی قوت کیسی ہے؟''

انھوں نے جواب دیا: ہماری دفاعی قوت نہیں ہے۔ ہم فارس کے پڑوس میں رہتے ہیں۔ ہم ان سے محفوظ نہیں رہتے اور ان کے خلاف کسی کو پناہ نہیں دیتے۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 297/1.

«فَتَجْعَلُونَ لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ إِنْ هُوَ أَبْقَاكُمْ حَتّٰى تَنْزِلُوا مَنَازِلَهُمْ وَ تَنْكِحُوا نِسَاءَهُمْ وَتَسْتَعْبِدُوا أَبْنَاءَهُمْ، أَنْ تُسَبِّحُوا اللّٰهَ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِينَ وَ تَحْمَدُوهُ ثَلَاثًا وَّ ثَلَاثِينَ وَتُكَبِّرُوهُ أَرْبَعًا وَّثَلَاثِينَ»

''اگر اللہ تمھیں باقی رکھے حتی کہ تم ان (فارسیوں) کے گھروں میں مقیم ہو جاؤ، ان کی عورتوں سے نکاح کرو اور ان کے بیٹوں کو غلام بناؤ تو تم اللہ کے لیے اپنے اوپر یہ لازم کرلو کہ تم تینتیس مرتبہ سبحان اللّٰہ (اللہ پاک ہے)، تینتیس مرتبہ الحمدللّٰہ (سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں) اور چونتیس بار اللّٰہ أکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہو گے۔''

وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات سن کر سناٹے میں آگئے۔ انھوں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا: آپ کون ہیں؟
آپ ﷺ نے فرمایا: «أَنَا رَسُولُ اللّٰهِ» ''میں اللہ کا رسول ہوں۔''

پھر آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ ابولہب آپ کے پیچھے لگا رہتا تھا، وہ لوگوں سے کہتا تھا: ان کی بات نہ مانو، چنانچہ ابولہب ان لوگوں (بنوبکر) کے پاس سے گزرا تو انھوں نے اس سے پوچھا: کیا تم اس شخص (محمد ﷺ) کو پہچانتے ہو؟

اس نے کہا: ہاں، یہ ہم میں اعلیٰ نسب والے ہیں۔ تم ان کی کون سی بات پوچھ رہے ہو؟

انھوں نے ابولہب کو وہ بات بتادی جس کی طرف آپ ﷺ نے انھیں دعوت دی تھی، انھوں نے کہا: وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ابولہب نے کہا: خبردار! تم ان کی بات پر نہ جانا، وہ دیوانے ہیں، بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں۔ (والعیاذ باللہ) یہ سن کر وہ بولے: یہ بات تو ہم ابھی اُس وقت دیکھ چکے ہیں جب انھوں نے فارس کے معاملے کا تذکرہ کیا تھا۔[1]

بنوشیبان بن ثعلبہ سے ملاقات

رسول اللہ ﷺ ابوبکر صدیق اور علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ بنو شیبان بن ثعلبہ کے پاس تشریف لائے۔ ان میں مفروق بن عمرو، ہانئ بن قبیصہ، مثنیٰ بن حارثہ اور نعمان بن شریک موجود تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: تمھیں اللہ کے رسول ﷺ کی آمد کی خبر پہنچ چکی ہے، یہ وہی ہیں۔

مفروق نے کہا: ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ یہ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: اے قریشی! آپ کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟

[1] البداية والنهاية: 138/3.

رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ کر بیٹھ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اپنے کپڑے سے آپ پر سایہ کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَدْعُوكُمْ إِلٰى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، وَ أَنْ تُؤْوُونِي وَ تَمْنَعُونِي وَ تَنْصُرُونِي حَتّٰى أُؤَدِّيَ عَنِ اللّٰهِ تَعَالٰى مَا أَمَرَنِي بِهِ، فَإِنَّ قُرَيْشًا قَدْ تَظَاهَرَتْ عَلٰى أَمْرِ اللّٰهِ وَكَذَّبَتْ رَسُولَهُ وَ اسْتَغْنَتْ بِالْبَاطِلِ عَنِ الْحَقِّ، وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ»

''میں تمھیں یہ گواہی دینے کی دعوت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ میں دعوت دیتا ہوں کہ تم مجھے پناہ دو، میری حفاظت کرو اور میری مدد کرو تاکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جس چیز کا حکم دیا ہے، میں اس کی طرف سے اسے پہنچانے کا فرض ادا کردوں۔ بلاشبہ قریش نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ایک دوسرے سے تعاون کیا، اس کے رسول کو جھٹلایا اور باطل کے ذریعے حق سے بے نیاز ہوگئے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز، لائق حمد وثنا ہے۔''

مفروق نے پوچھا: اے قریشی! کیا آپ کسی اور چیز کی طرف بھی دعوت دیتے ہیں؟

اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیاتِ مبارکہ تلاوت فرمائیں:

﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ○ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ○﴾ (الأنعام 6:151-153)

''آپ کہہ دیجیے: آؤ میں پڑھ کر سناتا ہوں جو کچھ تمھارے رب نے تم پر لازم کیا ہے یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور اپنی اولاد کو تنگ دستی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ہم تمھیں بھی اور انھیں بھی رزق دیتے ہیں۔ اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ، خواہ وہ ظاہر ہوں یا چھپے ہوئے ہوں اور کسی ایسی جان کو قتل مت کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہو سوائے اس کے جس کا قتل برحق ہو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ اور تم یتیم کے مال کے قریب نہ

جاؤ مگر اس طریقے سے جو سب سے اچھا ہو یہاں تک کہ وہ پختگی کی عمر کو پہنچ جائے اور تم ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا دو۔ ہم کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتے اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف سے کام لو اگرچہ (معاملہ تمھارے) قریبی رشتہ دار (کا) ہو اور تم اللہ کا عہد پورا کرو۔ ان ساری باتوں کی اللہ نے تمھیں تاکید کی ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور یقیناً یہ میرا راستہ سیدھا ہے، لہٰذا تم اس کی پیروی کرو اور تم دوسرے راستوں کی پیروی مت کرو، وہ تمھیں اللہ کے راستے سے الگ کر دیں گے۔ اللہ نے تمھیں اس کی تاکید کی ہے تاکہ تم پرہیزگاری اختیار کرو۔''

یہ سن کر مفروق نے پھر پوچھا: اے قریشی! آپ اور کس چیز کی طرف دعوت دیتے ہیں؟ اللہ کی قسم! یہ اہل زمین کا کلام نہیں، اگر ان کا کلام ہوتا تو ہم اسے پہچان لیتے۔

اب رسول اللہ ﷺ نے یہ آیتِ مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ ﴾ (النحل 16: 90)

''بے شک اللہ عدل اور احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم و زیادتی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمھیں وعظ کرتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔''

مفروق یہ سن کر بول اٹھا: اے قریشی! اللہ کی قسم! آپ نے اخلاق کی بلندیوں اور اعمال کی خوبیوں کی طرف دعوت دی ہے۔ یقیناً وہ قوم حق سے ہٹ گئی ہے جس نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کے خلاف ایک دوسرے سے تعاون کیا۔ اس موقع پر مفروق نے چاہا کہ ہانی بن قبیصہ بھی اس کے ساتھ بات چیت میں شریک ہو جائے، لہٰذا اس نے کہا: یہ ہانی بن قبیصہ ہیں، ہمارے بزرگ اور ہم مذہب ہیں۔

ہانی نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے قریشی! میں نے آپ کی بات سنی ہے اور آپ کے قول کی تصدیق کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارا اسی مجلس میں جس میں آپ ہمارے ساتھ بیٹھے ہیں، اپنے مذہب کو چھوڑ دینا اور آپ کے دین میں آپ کی پیروی کر لینا، ایسا عمل ہوگا جس کی ابتدا اور انتہا کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اگر ہم آپ کے دین کے بارے میں غور و فکر نہ کریں اور جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں، اس کے انجام کو نہ دیکھیں تو یہ رائے کی غلطی، عقل کی جلد بازی اور انجام کار میں نظر کی کوتاہی ہوگی۔ ٹھوکر جلد بازی ہی سے لگتی ہے۔ ہمارے پیچھے ایک قوم ہے۔ ہم پسند نہیں کرتے کہ ان کے خلاف کوئی معاہدہ کریں۔ آپ لوٹ جائیں، ہم بھی واپس چلتے ہیں، پھر ہم معاملے کو دیکھتے ہیں اور آپ بھی دیکھیں۔

مثنّٰی بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے نبی اکرم ﷺ کا مکالمہ

ہانئ بن قبیصہ نے چاہا کہ مثنیٰ بن حارثہ بھی اس کے ساتھ گفتگو میں شریک ہوجائیں، لہٰذا اس نے کہا: یہ مثنیٰ ہیں، ہمارے بزرگ اور کمانڈر ہیں۔

مثنیٰ نے کہا: اے قریشی! میں نے آپ کی گفتگو سنی ہے۔ آپ کی بات مجھے بہت اچھی لگی ہے۔ آپ کی بات نے مجھے حیران کر دیا ہے۔ میرا جواب وہی ہے جو ہانئ بن قبیصہ کا ہے۔ ہم دو پانیوں کے درمیان مقیم ہیں۔ ان میں ایک یمامہ ہے اور دوسرا سماوہ۔ رسول اللہ ﷺ نے مثنیٰ سے دریافت فرمایا:

«وَمَا هٰذَانِ الصَّيْرَانِ؟» ”یہ دو پانی کیا ہیں؟“

مثنیٰ نے جواب دیا: ان میں سے ایک (بحرین کا) ساحل اور عرب کی سرزمین ہے اور دوسرا فارس (عراق) کی سرزمین اور کسریٰ کے دریا ہیں۔ ہم ایک عہد پر وہاں مقیم ہوئے ہیں۔ یہ عہد ہم سے کسریٰ نے لیا تھا کہ ہم کوئی نئی چیز ایجاد نہ کریں، نہ کسی نئی چیز ایجاد کرنے والے کو پناہ دیں۔ یہ دین جس کی طرف آپ دعوت دے رہے ہیں، ممکن ہے کہ بادشاہ اسے ناپسند کرتے ہوں۔ جو بلادِ عرب سے ملی ہوئی سرزمین ہے، اس کے رہنے والے کا گناہ معاف اور عذر مقبول ہوتا ہے اور جو بلادِ فارس سے ملی ہوئی سرزمین ہے، اس کے رہنے والے کا گناہ معاف نہیں ہوتا اور عذر بھی قبول نہیں ہوتا۔ اگر آپ چاہیں کہ ہم آپ کی عرب سے ملی ہوئی سرزمین سے مدد کریں تو ہم ایسا کرلیں گے۔


دمام (سعودی عرب) کو بحرین سے ملانے والا شاہ فہد پل

دریائے زاب الکبیر (عراق)



رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَسَأْتُمُ الرَّدَّ إِذْ أَفْصَحْتُمْ بِالصِّدْقِ، إِنَّهُ لَا يَقُومُ بِدِينِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ حَاطَهُ مِنْ جَمِيعِ جَوَانِبِهِ»

''جب تم نے سچ بیان کر دیا ہے تو کوئی برا جواب نہیں دیا۔ اللہ کے دین پر وہی قائم ہو سکتا ہے جو اس کے تمام پہلوؤں سے اس کا احاطہ کرے۔''

امام بیہقی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«أَرَأَيْتُمْ إِنْ لَمْ تَلْبَثُوا إِلَّا قَلِيلًا حَتّٰى يُوَرِّثَكُمُ اللّٰهُ أَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَيُفْرِشَكُمْ نِسَاءَهُمْ، أَتُسَبِّحُونَ اللّٰهَ وَ تُقَدِّسُونَهُ؟»

''مجھے بتاؤ اگر تھوڑی ہی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ تمھیں ان کی سرزمین، گھروں اور اموال کا وارث اور ان کی عورتوں کو تمھاری لونڈیاں بنا دے تو کیا تم اللہ کی تسبیح و تقدیس کرو گے؟''

یہ سن کر نعمان بن شریک بولا: اللہ گواہ ہے، یہ غلبہ آپ ہی کے لیے ہوگا۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شٰهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ۝ وَّدَاعِيًا إِلَى اللّٰهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۝ ﴾

(الأحزاب 46,45:33)

''بلاشبہ ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ (بنا کر بھیجا ہے)۔''

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما اور وہاں سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آپ ﷺ ان کے اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے فرما رہے تھے:

«يَا أَبَا بَكْرٍ! أَيَّةُ أَخْلَاقٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَا أَشْرَفَهَا! بِهَا يَدْفَعُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ بَأْسَ بَعْضِهِمْ عَنْ بَعْضٍ وَبِهَا يَتَحَاجَزُونَ فِي مَا بَيْنَهُمْ»

''ابوبکر! جاہلیت کے (کچھ) اخلاق کس قدر بلند ہیں! ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کی آپس کی لڑائی کو روکتا ہے اور انھی کے ذریعے سے یہ آپس میں ایک دوسرے (کے شر) سے محفوظ رہتے ہیں۔''[1]

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 1/286-288، دلائل النبوة للبيهقي: 2/424-426.

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے صحابہ کی طرف نکلے اور فرمایا:

«اُدْعُوا لِإِخْوَانِكُمْ مِّنْ رَّبِيعَةَ، فَقَدْ أَحَاطَتْ بِهِمُ الْيَوْمَ أَبْنَاءُ فَارِسَ»

''اپنے بھائیوں آل ربیعہ کے لیے دعا کرو، آج فارسیوں نے ان کا گھیراؤ کر لیا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے، پھر تھوڑی ہی دیر بعد اپنے صحابہ کی طرف دوبارہ تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

«إِحْمَدُوا اللّٰهَ كَثِيرًا، فَقَدْ ظَفِرَتِ الْيَوْمَ أَبْنَاءُ رَبِيعَةَ بِأَهْلِ فَارِسَ، قَتَلُوا مُلُوكَهُمْ وَاسْتَبَاحُوا عَسْكَرَهُمْ وَبِي نُصِرُوا»

''کثرت سے اللہ کی تعریف کرو۔ آج ربیعہ کے بیٹے ایرانیوں پر غالب آ گئے۔ انھوں نے ان کے بادشاہوں کو قتل کر دیا اور ان کے لشکر کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ ان کی یہ مدد میری وجہ سے کی گئی ہے۔''

یہ لڑائی ذی قار کے پہلو میں قُراقِر کے مقام پر ہوئی تھی۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ روایت ایک دوسرے طریق سے بھی وارد ہوئی ہے اور اس میں ہے کہ جب وہ اور ایرانی برسرِپیکار ہوئے۔ قراقر (فرات کے قریب ایک جگہ) پر ان کا آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے محمد ﷺ کے اسم گرامی کو اپنا شعار (کوڈ ورڈ) بنایا، اس کی وجہ سے ایرانیوں


دریائے فرات (عراق)

کے خلاف ان کی مدد کی گئی۔ اس کے بعد وہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ [1]

بنو عامر بن صعصعہ کو دین کی دعوت

امام زہری نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ بنو عامر بن صعصعہ کے پاس تشریف لے گئے۔ انھیں اللہ عزوجل کی طرف دعوت دی اور اپنی منصبی حیثیت واضح فرمائی۔ ان میں سے ایک شخص بیحرہ بن فراس نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں قریش سے اس نوجوان کو لے لوں تو اس کے ذریعے سے سارے عرب کو کھا جاؤں، پھر وہ بولا: آپ بتائیے، اگر ہم آپ کے دین پر آپ کی بیعت کریں اور اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کے مخالفین پر غالب کر دے تو کیا آپ کے بعد ہمیں حکومت ملے گی؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَلْأَمْرُ إِلَى اللّٰهِ يَضَعُهُ حَيْثُ يَشَاءُ»

''اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ جہاں چاہے گا، وہیں اسے رکھے گا۔''

یہ سن کر اس نے کہا: اچھا! آپ کی حفاظت کی خاطر ہم اپنی گردنوں کو عربوں کا نشانہ بنائیں اور جب اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کر دے تو حکومت ہمارے سوا کسی اور کو ملے؟ ہمیں آپ کے دین کی کوئی ضرورت نہیں۔

اس طرح انھوں نے آپ ﷺ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جب لوگ حج کر کے واپس گئے تو بنو عامر اپنے ایک بزرگ کے پاس گئے۔ وہ بہت بوڑھا ہو چکا تھا، وہ ان کے ساتھ حج کے لیے جانے سے بھی معذور تھا۔ وہ حج سے واپس اس کے پاس آتے تو اسے وہ سب کچھ بتاتے جو دورانِ حج ہوتا تھا۔ اس سال جب وہ حج کر کے اس کے پاس آئے تو اس نے ان سے حج میں رُونما ہونے والے واقعات پوچھے۔ انھوں نے بتایا: ہمارے پاس ایک قریشی نوجوان آیا، اس کا تعلق بنو عبدالمطلب سے تھا، وہ سمجھتا تھا کہ وہ نبی ہے۔ وہ ہمیں اس بات کی دعوت دیتا تھا کہ ہم اس کی حفاظت کریں، اس کے ساتھ کھڑے ہو جائیں اور اسے اپنے ملک لے جائیں۔

یہ سن کر اس بزرگ نے اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے اور کہا: اے بنو عامر! کیا اس کی تلافی ممکن ہے؟ کیا یہ موقع دوبارہ ہاتھ آ سکتا ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کسی اسماعیلی نے کبھی ایسا جھوٹ نہیں گھڑا، اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حق ہے، اس وقت تم لوگوں کی عقل کہاں چلی گئی تھی؟ [2]

بنو کلب سے گفتگو

رسول اللہ ﷺ بنو کلب کی جائے قیام پر ان کی ایک شاخ بنو عبداللہ کے پاس تشریف لے گئے۔ آپ نے انھیں

[1] البداية والنهاية :143/3. [2] السيرة لابن هشام :425،424/2.

اللہ کی طرف دعوت دی اور اللہ کے رسول کی حیثیت سے اپنا تعارف کرایا۔ آپ ﷺ ان سے فرماتے تھے:

«يَا بَنِي عَبْدِ اللّٰهِ! إِنَّ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ قَدْ أَحْسَنَ اسْمَ أَبِيكُمْ»

''اے بنوعبداللہ! بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے باپ کا نام بہت خوبصورت رکھا ہے۔''

رسول اللہ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ تم اپنے باپ کے نام کی لاج رکھو۔ معبودانِ باطلہ کی بندگی چھوڑ دو۔ صرف ایک اللہ کی بندگی کرو۔ لیکن آپ ﷺ نے جو دینِ حق ان کے سامنے پیش کیا، اسے انھوں نے قبول نہ کیا۔ [1]

امام بلاذری نے لکھا ہے کہ بنوکلب کے ایک بزرگ نے کہا: یہ نوجوان (محمد ﷺ) جس چیز کی طرف دعوت دے رہے ہیں، وہ بہت اچھی ہے مگر ان کی قوم نے انھیں دور کر دیا ہے۔ اگر یہ اپنی قوم سے مصالحت کر لیتے تو سارا عرب ان کی پیروی کرتا۔ [2]

بنوحنیفہ کی بدزبانی پر صبر وتحمل

نبیِ اکرم ﷺ بنوحنیفہ کے ڈیروں پر تشریف لے گئے۔ آپ نے انھیں بھی اللہ کی طرف دعوت دی اور بحیثیت پیغمبر اپنے منصب کی صراحت فرمائی۔ لیکن انھوں نے بہت برا جواب دیا، اتنا بُرا جواب اہل عرب میں سے کبھی کسی نے نہیں دیا۔ [3]

حضرت عامر بن سلمہ رضی اللہ عنہ بنوحنیفہ میں سے ہیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کے آخری دور میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ تین سال تک عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز کے بازار میں ہمارے پاس تشریف لاتے رہے۔ آپ ہمیں اللہ عزوجل کی بندگی کی طرف بلاتے تھے اور یہ دعوت بھی دیتے کہ ہم آپ کی اس حد تک حفاظت کریں کہ آپ اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچا دیں۔ آپ (اس کے بدلے) ہمیں جنت کی پیش کش فرماتے تھے۔ ہم نے آپ کی دعوت قبول کی نہ کوئی اچھا جواب دیا۔ ہم نے آپ کے خلاف بدزبانی کی مگر آپ نے ہمارے ساتھ بڑی بردباری کا مظاہرہ فرمایا۔ میں سال کے آغاز میں حَجْر واپس آیا تو ہوذہ بن علی نے مجھ سے پوچھا: کیا تمھارے پاس اس موسمِ حج کی کوئی خبر ہے؟

میں نے جواب دیا: قریش کا ایک شخص قبیلوں کا چکر لگاتا تھا، وہ انھیں ایک اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہا تھا اور دعوت دے رہا تھا کہ قبائل اس کی حفاظت کریں حتی کہ وہ اپنے رب کا پیغام پہنچا دے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کے لیے جنت ہے۔

[1] السيرة لابن هشام: 424/2. [2] أنساب الأشراف: 274/1. [3] السيرة لابن هشام: 424/2.

ہوذہ نے پوچھا: وہ قریش کے کون سے گھرانے سے ہے؟

میں نے کہا: وہ ان کے افضل نسب بنوعبدالمطلب میں سے ہے۔

ہوذہ نے پوچھا: کیا وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہے؟

میں نے کہا: ہاں ہاں، وہی!

ہوذہ نے کہا: بلاشبہ اس کا دین جلد ہی ان لوگوں پر غالب آجائے گا جو یہاں موجود ہیں۔

میں نے پوچھا: دوسرے ملکوں کے بجائے صرف یہیں غالب آئے گا؟

ہوذہ نے کہا: یہاں کے علاوہ اوروں پر بھی غالب آئے گا۔

پھر میں دوسرے سال حج کر کے حجر آیا تو ہوذہ نے پوچھا: اس شخص نے کیا کیا؟

میں نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے انھیں پھر گزشتہ سال والی حالت میں دیکھا ہے۔ پھر میں نے تیسرے سال حج کیا۔ یہ میرا آخری موقع تھا کہ میں نے انھیں دیکھا۔ اب کی بار ان کا دین پھیل چکا تھا۔ لوگوں میں ان کا بہت چرچا تھا۔ میں سنتا تھا کہ خزرج نے ان کی پیروی کر لی ہے۔ میں حجر آیا۔ ہوذہ نے مجھ سے پوچھا: اس شخص نے کیا کیا؟

میں نے جواب دیا: میں نے دیکھا کہ اس کا دین پھیل چکا ہے اور اس کی قوم بڑی سختی سے اس کے خلاف ہے۔

یہ سن کر ہوذہ نے کہا: یہی بات تھی جو میں نے تم سے کہی تھی۔ اگر ہم ان کی پیروی کر لیتے تو یہ ہمارے لیے بہتر ہوتا۔ اس صورت میں ہم اپنی بادشاہت پر جمے رہتے۔

یاد رہے کہ ہوذہ کی قوم نے ہوذہ کو اپنا سردار اور بادشاہ بنا رکھا تھا۔[1]

بنومحارب کے بڈھے کی ہٹ دھرمی

رسول اکرم ﷺ بنومحارب بن خصفہ کے پاس تشریف لائے۔ آپ نے ان میں ایک بزرگ پایا۔ اس کی عمر 120 سال تھی۔ آپ نے اس سے گفتگو فرمائی، اسے اسلام کی دعوت دی اور فرمایا: میری حفاظت کرو یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام پہنچا دوں۔

اس بزرگ نے کہا: آپ کی قوم آپ کے احوال زیادہ جانتی ہے۔ اللہ کی قسم! جو شخص آپ کے ساتھ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹے گا، وہ ان سب چیزوں سے زیادہ بری چیز لے کر لوٹے گا جو حاجی اپنے ساتھ لے کر واپس جاتے ہیں۔ آپ ہم سے بے نیاز ہو جائیں۔

[1] الاکتفاء :302/1.

یہاں ابولہب بھی کھڑا تھا۔ وہ اس محاربی کی بات سن رہا تھا۔ ابولہب محاربی کے سر پر جا کھڑا ہوا اور بولا: اگر سارے حاجی تیرے جیسے ہو جاتے تو وہ (محمد ﷺ) یہ دین چھوڑ دیتے جس پر وہ ہیں۔ بلاشبہ وہ صابی ہے اور بہت جھوٹا ہے۔ (العیاذ باللہ)

محاربی نے کہا: اے ابوعتبہ! شاید اسے کوئی دیوانگی چمٹ گئی ہے۔ ہمارے ساتھ ہمارے قبیلے کا ایک آدمی ہے، وہ ان کے علاج کی تدبیر کرے گا۔

ابولہب جب رسول اللہ ﷺ کو عرب کے قبیلوں میں سے کسی قبیلے کے پاس دیکھتا تو آپ ﷺ کے بارے میں چیخ چیخ کر کہتا تھا: یہ صابی ہے اور بڑا جھوٹا ہے۔[1]

امام کلاعی نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ بنومحارب کے مذکورہ بوڑھے نے رسول اکرم ﷺ کی دعوت کا بدترین جواب دیا، اُس نے کہا: تم پر تعجب ہے! تمھاری قوم تو تمھاری پیروی سے انکار کرتی ہے اور تم محارب کے پاس آ کر انھیں اس چیز کو چھوڑنے کی دعوت دیتے ہو جس پر ان کے باپ دادا قائم تھے۔ جاؤ! چلے جاؤ، محارب کا کوئی شخص کبھی تمھاری پیروی نہیں کرے گا۔

ان میں سے ایک بیوقوف آدمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا اور بولا: اے محمد! اگر آپ سچے ہیں تو بتائیں کہ میری اس اونٹنی کے پیٹ میں کیا ہے؟ میری زندگی کی قسم! میں نے جو بات پوچھی ہے، آپ تو اس سے بھی بڑے علم کا دعویٰ کرتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ اللہ آپ کی طرف وحی کرتا ہے اور آپ سے کلام کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ اس کی بات سن کر خاموش رہے، پھر ان میں سے ایک اور شخص سلمہ بن قیس آپ ﷺ کے سامنے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے ڈیروں کے قریب بیٹھے تھے۔ اس شخص نے آپ ﷺ کو کنویں میں پھینکنا چاہا تو آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور کنویں سے ایک طرف ہٹ گئے۔ اس پر سلمہ کہنے لگا: اگر تم کنویں میں گر جاتے تو حاجی تم سے نجات پا جاتے۔ (والعیاذ باللہ)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے سواری کے اونٹ کی لگام پکڑی اور آگے بڑھ گئے۔ آپ اونٹ لے کر آگے آگے چل رہے تھے اور وہ لوگ آپ پر پتھر برسا رہے تھے حتی کہ آپ ان کی طرف سے اوٹ میں ہو گئے، آپ فرما رہے تھے:

«اَللّٰهُمَّ! إِنَّكَ لَوْشِئْتَ لَمْ يَكُونُوا هٰكَذَا، وَإِنَّ قُلُوبَهُمْ بِيَدِكَ، وَ أَنْتَ أَعْلَمُ بِهِمْ، فَإِنْ كَانَ هٰذَا عَنْ سَخَطٍ بِكَ عَلَيَّ فَلَكَ الْعُتْبٰى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ»

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم: 293/1.

''اے اللہ! اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر تو چاہتا تو یہ لوگ اس طرح نہ ہوتے۔ ان کے دل تیرے ہی ہاتھ میں ہیں۔ تو انھیں خوب جانتا ہے۔ اگر یہ برتاؤ مجھ پر تیری ناراضی کی وجہ سے ہوا تھا تو مجھے تیری رضا مطلوب ہے۔ تیری توفیق کے بغیر کوئی نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت نصیب نہیں ہوتی۔'' [1]

میسرہ بن مسروق عبسی رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

عبداللہ بن وابصہ عبسی اپنے باپ سے اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا: نبی ﷺ منیٰ میں ہمارے (بنوعبس کے) ڈیروں پر تشریف لائے۔ ہم نے جمرۂ اولیٰ کے پاس پڑاؤ ڈال رکھا تھا، آپ اپنی سواری پر تھے۔ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے پیچھے سوار تھے۔ آپ نے ہمیں دعوت دی۔ اللہ کی قسم! ہم نے آپ کی دعوت قبول نہیں کی۔ ہمارے لیے اس میں کوئی خیر نہیں تھی۔ ہم نے آپ کے متعلق اور موسم حج میں آپ کے دعوت دینے کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور ہمیں دعوت دینے لگے لیکن ہم نے آپ کی بات نہ مانی۔ ہمارے ساتھ میسرہ بن مسروق عبسی بھی تھے، وہ بولے: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اگر ہم اس شخص کی تصدیق کرتے اور اپنی جائے قیام پر ٹھہرانے کے لیے انھیں ساتھ لے جاتے تو یہ عقل مندی کی بات ہوتی۔ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ان کا دین غالب آکر رہے گا حتی کہ دور تک ہر جگہ پھیل جائے گا۔ اس کی قوم نے کہا: تم ہمیں آزمائش میں ڈالنے سے باز رہو۔ ہمیں ایسے کام میں نہ ڈالو جسے کرنے کی ہم میں طاقت نہیں۔

رسول اللہ ﷺ میسرہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ نے اس سے گفتگو فرمائی۔ میسرہ نے کہا: آپ کی بات کتنی اچھی اور کتنی روشن ہے! لیکن اگر میں نے آپ کی بات مان لی تو میری قوم میری مخالفت کرے گی۔ آدمی کی قدر و قیمت تو اپنی قوم کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔ اگر وہ اس کی مدد نہ کرے تو پھر کون کرے۔ اجنبی تو کہیں دور ہوتا ہے۔

نبی ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے اور وہ لوگ اپنے گھروں کی طرف چل دیے۔ میسرہ نے ان سے کہا: ہمارے قافلے کا رخ فدک کی طرف کرو۔ وہاں یہودی رہتے ہیں۔ ہم ان سے اس (محمد ﷺ) کے بارے میں پوچھیں گے۔

انھوں نے یہودیوں کی طرف رخ کیا۔ یہودیوں نے ان کے لیے تورات کا ایک جز نکال کر رکھا، پھر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا تذکرۂ مبارک پڑھ کر سنایا:

''وہ امی اور عربی نبی ہوگا۔ اونٹ پر سوار ہوگا۔ ٹکڑوں پر اکتفا کرے گا۔ لمبا ہوگا نہ پستہ قد۔ اس کے بال گھنگریالے ہوں گے نہ بالکل سیدھے۔ اس کی دونوں آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے۔ وہ ملے جلے سرخ و سفید رنگ کا ہوگا۔ اگر وہ تمھیں دعوت دے تو اس کی بات قبول کرو اور اس کے دین میں داخل ہو

[1] الاکتفاء: 306/1.

جاؤ۔ ہم (یہود) اس سے حسد کرتے ہیں، اسی لیے اس کی پیروی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی طرف سے کئی جگہ بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ عرب کا ہر شخص ان کی پیروی کرے گا یا ان سے قتال کرے گا۔ تم ان کی پیروی کرنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔''

یہ سب کچھ سن کر میسرہ بول اٹھے: اے میری قوم! بلاشبہ یہ معاملہ تو بالکل واضح ہے۔

قوم کے لوگوں نے کہا: ہم حج کے موسم میں دوبارہ جائیں گے تو ان سے ملاقات کریں گے۔ وہ اپنے علاقے میں آئے تو ان کے آدمیوں نے ان کی یہ بات نہیں مانی، چنانچہ ان میں سے کسی نے بھی آپ ﷺ کی پیروی نہیں کی۔

رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ آپ نے (10 ھ میں) حجۃ الوداع ادا کیا تو میسرہ نے آپ ﷺ سے ملاقات کی، انھوں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا اور عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ کی قسم! میں اسی دن سے آپ کی پیروی کا حریص ہوں جب آپ نے اپنی اونٹنی ہمارے ڈیروں کے پاس بٹھائی تھی اور دعوتِ حق دی تھی۔ آپ مجھے تاخیر سے اسلام قبول کرتے دیکھ رہے ہیں، اللہ کا یہی فیصلہ تھا۔ جو جماعت میرے ساتھ تھی، ان میں سے اکثر لوگ فوت ہو چکے ہیں۔ اے اللہ کے نبی! ان کا ٹھکانا کہاں ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا:

«كُلُّ مَنْ مَّاتَ عَلٰى غَيْرِ دِيْنِ الْإِسْلَامِ فَهُوَ فِي النَّارِ»

''جو شخص بھی اسلام کے علاوہ (کسی دوسرے) دین پر مرے گا، وہ جہنم میں ہوگا۔''

یہ سن کر میسرہ نے کہا: سب تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے (جہنم سے) بچا لیا۔ میسرہ نے اسلام قبول کر لیا۔ وہ بہت اچھے مسلمان بن گئے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کی بڑی قدر و منزلت فرماتے تھے۔[1]

بنوغسان کے ڈیروں میں

رسول اللہ ﷺ عکاظ میں بنوغسان کے ڈیروں میں تشریف لائے۔ وہ بڑی تعداد میں تھے۔ آپ ﷺ نے انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی، فرمایا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ آپ ﷺ نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ تم میری حفاظت کرو حتی کہ میں اپنے رب کے پیغامات پہنچا دوں۔ (اس کے بدلے میں) تمھارے لیے جنت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ گفتگو سن کر ان میں سے ایک شخص بولا: اے میری قوم! اللہ کی قسم! یہ وہی ہیں جن کا عیسائی

[1] دلائل النبوة لأبي نعيم :294/1.

اپنی کتابوں میں تذکرہ کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام میں سے صرف ایک نبی آنا باقی رہ گیا ہے، اس کا نام احمد (ﷺ) ہے۔ آؤ ہم ان پر ایمان لائیں اور ان کی پیروی کریں۔ اس طرح ہم ان کے مددگار اور حمایتی ہو جائیں گے۔ عیسائی سمجھتے ہیں کہ وہ (نبی) وہاں تک غالب آئیں گے جہاں جہاں سواریاں پہنچ سکتی ہیں۔ ہم ان کی پیروی اختیار کرلیں گے تو ہمیں نہ صرف موت کے بعد بلکہ اس دنیا میں بھی شرف نصیب ہوگا۔

قوم کے دوسرے افراد کہنے لگے: اس طرح تو ہم عرب میں سے اس دین میں داخل ہونے والے پہلے لوگ ہوں گے۔ تمام عرب ہمارے دشمن ہو جائیں گے۔ بنو الاصفر (رومیوں) کے بادشاہوں کو اس کی خبر پہنچے گی تو وہ ہمیں اپنے علاقوں سے نکال دیں گے۔ فی الحال ہم اس دین کو قبول نہیں کرتے، بس یہ جائزہ لیتے ہیں کہ عرب کے لوگوں کا ردعمل کیا ہے، پھر جس دین میں لوگ داخل ہوں گے، ہم بھی اس میں داخل ہو جائیں گے۔

پہلے شخص نے کہا: اے محمد! میرا قبیلہ آپ کے بارے میں میری بات ماننے سے انکار کرتا ہے۔ اگر یہ میری بات مان لیتے تو ہدایت پا جاتے۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ هٰذِهِ الْقُلُوبَ بِيَدِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ»

”بلاشبہ یہ دل اللہ عزوجل ہی کے ہاتھ میں ہیں۔“

یہ کہہ کر آپ ﷺ ان کے پاس سے واپس تشریف لے آئے۔ اس کے بعد آپ ﷺ ان کے ہاں دوبارہ تشریف لے گئے اور انھیں اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے کہا: ہمارے پیچھے جو لوگ موجود ہیں، ہم ان کے پاس واپس جائیں گے، پھر آیندہ سال آپ سے ملاقات کریں گے۔

وہ لوگ واپس آئے تو ان میں سے ایک جماعت حارث بن ابی شمر کے پاس آئی۔ انھوں نے اسے رسول اللہ ﷺ کے بارے میں بتایا تو اس نے کہا: تم میں سے ہر شخص کو ان کی پیروی سے بچنا چاہیے۔ اگر تم نے ان کی پیروی کی تو ملکِ شام سے میری بادشاہت ختم ہو جائے گی اور ہرقل مجھے موردِ الزام ٹھہرائے گا۔

اس کی یہ بات سن کر انھوں نے رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ کرنا ہی چھوڑ دیا۔[1]

ان کے علاوہ نبی ﷺ نے بنو فزارہ، بنو مرہ، بنو سلیم، بنو عبس، بنو نضر، بنو بکاء، بنو حارث بن کعب، بنو عذرہ اور بنو حضارمہ کو بھی دعوت دی لیکن ان میں سے کسی نے بھی آپ کی بات نہیں مانی اور دعوتِ اسلام قبول نہیں کی۔[2]

[1] الاکتفاء: 306,305/1۔ [2] الطبقات لابن سعد: 217,216/1۔

تفصیل حواشی سیرت انسائیکلوپیڈیا (جلد سوم)

اعلام، اماکن، قبائل اور متفرق مضامین

(بہ اعتبار حروف تہجی)

اعلام

ابن الاصداء ہذلی: یہ رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور آپ ﷺ کو مخاطب کر کے کہتا تھا: اہل کتاب آپ کو اپنے پرانے قصے اور کہانیاں سناتے سکھاتے ہیں۔ وہ لوگوں سے آپ کے بارے میں کہتا: یہ تو (نعوذ باللہ) دیوانہ ہے۔ اسے خوب سکھایا پڑھایا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے بددعا کی، چنانچہ ایک دن جبکہ وہ ایک پہاڑ پر چڑھا ہوا تھا، پہاڑی بکریوں نے اسے گھیر لیا اور سینگ مار مار کر ہلاک کر دیا۔ (أنساب الأشراف: 170/1)

ابن الدُّغُنَّۃ: اس کے نام اور کنیت میں اختلاف ہے۔ بعض اس کا نام حارث بن یزید اور بعض مالک لکھتے ہیں۔ اسی طرح بعض اس کی کنیت ابن الدغینة اور بعض ابن الدُّغُنَّۃ بتاتے ہیں۔ یہ قبیلہ القارہ کا سردار تھا اور بنو ہُون میں سے تھا۔ اس کا قبیلہ وادیِ احبش میں رہنے کی وجہ سے احابیش کے نام سے بھی مشہور تھا۔ یہ برک الغماد میں رہتا تھا۔ برک الغماد یا البرک بحیرہ احمر کے ساحل پر سعودی صوبہ عسیر کے دارالحکومت ابہا سے تقریباً 100 کلومیٹر مغرب میں قنفذہ جازان شاہراہ پر واقع ہے۔ (أنساب الأشراف: 236,235/1، فتح الباري: 290/7، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 203)

ابن السکن (294-353ھ/907-964ء): ابوعلی سعید بن عثمان بن سعید بن سکن بغدادی رحمہ اللہ حافظِ حدیث تھے۔ مصر میں رہے۔ وہیں فوت ہوئے۔ ان کی تالیف الصحيح المنتقٰى مشہور ہے۔ (الأعلام: 98/3)

ابن العربی (468-543ھ/1076-1148ء): ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد معافری اشبیلی رحمہ اللہ ابن العربی کے نام سے مشہور تھے۔ قاضی، حافظِ حدیث، ادب اور علومِ دینیہ کے ماہر اور بڑے مجتہد تھے۔ طلبِ علم کے لیے مشرق کی طرف سفر کیا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، ادب اور تاریخ میں بے مثال کتابیں تحریر کیں۔ اشبیلیہ میں قاضی رہے۔ فاس (مراکش) میں فوت ہوئے اور وہیں دفنائے گئے۔ ان کی لاتعداد تصانیف میں سے العواصم من القواصم، أحكام القرآن اور عارضة الأحوذي في شرح الترمذي بہت مشہور ہوئیں۔ یہ مشہور صوفی ابن عربی محی الدین محمد بن علی سے مختلف شخصیت ہیں۔ (الأعلام: 230/6)

ابن ام مکتوم: عمرو بن قیس بن زائدہ بن الاصم عامری قرشی رضی اللہ عنہ ابتدائی مسلمانوں میں سے تھے۔ ان کا نام عبداللہ یا عمرو بتایا گیا ہے۔ ان کی والدہ ام مکتوم کا نام عاتکہ تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے مؤذن تھے۔ ان کے بارے میں سورۂ عبس کی ابتدائی چند آیات نازل

ہوئیں۔ کئی بار رسول اللہ ﷺ نے انھیں مدینہ منورہ میں اپنا نائب بنایا تھا۔ اس موقع پر یہ مسجد نبوی میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی امامت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔(الإصابة: 494/4، أسد الغابة :372,371/3)

ابن صلاح (577-643ھ/1181-1245ء): ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن (صلاح الدین) بن عثمان بن موسیٰ کردی شہرزوری شرخانی، ابن صلاح کے نام سے مشہور ہوئے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور اسماء الرجال کے ماہر تھے۔ شہرزور (عراق کا موجودہ قصبہ حلبچہ) کے قریب شرخان میں پیدا ہوئے، پھر موصل اور خراسان کا سفر کیا۔ بیت المقدس جانے کے بعد مدرسۃ الصلاحیہ میں صدر المدرسین بنے، پھر دمشق آئے اور وہاں دارالحدیث میں تدریسی فرائض انجام دیے، بالآخر وہیں وفات پا گئے۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں۔ ان میں معرفة علوم الحديث نمایاں ہے جو مقدمة ابن الصلاح کے نام سے معروف ہے۔ (الأعلام: 207/4، سير أعلام النبلاء: 140/23)

ابن قانع (266-351ھ/880-962ء): ابوالحسین عبدالباقی بن قانع بن مرزوق بن واثق بغدادی رحمہ اللہ امویوں کے مولیٰ (غلام)، قاضی اور حافظِ حدیث تھے۔ ان کا شمار اصحاب الرائے میں ہوتا تھا۔ روایت کرنے میں غلطی کر جاتے تھے۔ ان کی تالیفات میں معجم الصحابة مشہور ہے۔ (الأعلام: 272/3، لسان الميزان: 440/3)

ابن مردویہ (323-410ھ/935-1019ء): ابوبکر احمد بن موسیٰ بن مردویہ اصفہانی جو ابن مردویہ کبیر کے نام سے مشہور ہیں، مشہور حافظ حدیث، مفسر اور مؤرخ تھے۔ یہ اصفہان کے رہنے والے تھے۔ ان کی تالیفات میں سے التاریخ، تفسیر القرآن اور المسند مشہور ہیں۔ (الأعلام: 261/1، شذرات الذهب: 190/3)

ابواسامہ جشمی: اس کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کہ یہ ابوامامہ ہے یا ابواسامہ۔ یہ سائب بن عائذ مخزومی کا حلیف تھا۔ غزوۂ خندق میں اسی کا تیر لگنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے اور ایک مہینے بعد اسی زخم کی وجہ سے شہادت کے رتبے پر فائز ہوگئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انھیں حبان بن عرقہ نے تیر مارا تھا۔ (الإصابة: 70/3، أسد الغابة: 314/2، المنمق في أخبار قريش: 247/1)

ابوجعفر منصور (95-158ھ/714-775ء): عبداللہ منصور بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب، بنوعباس کے دوسرے خلیفہ تھے۔ یہ ابوالعباس عبداللہ سفاح سے چھ سال چھوٹے تھے۔ سفاح کی وفات کے بعد خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔ اردن کی بستی حُمیمہ میں پیدا ہوئے اور سفرِ حج کے دوران میں بیمار ہوکر مکہ کے قریب فوت ہوگئے۔ (تاریخ اسلام، اکبر شاہ نجیب آبادی: 847/1، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ابوطلحہ زید بن سہل (36 قبل ہجرت-34ھ/585-654ء): ابوطلحہ زید بن سہل بن اسود بن حرام نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ بہادر اور ماہر تیر انداز تھے۔ بیعت عقبہ میں شریک تھے۔ خزرج کے سرداروں میں سے ایک تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مواخات قائم فرمائی۔ ان کی شادی ام سلیم رضی اللہ عنہا سے ہوئی تھی۔ بیر حاء باغ کے مالک اور بہت صدقہ کرنے والے تھے۔ تمام غزوات میں شریک رہے۔ ان کی آواز بہت بلند تھی۔ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ کے پیچھے سواری پر سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد بہت روزے رکھنے لگے۔ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ (أسد الغابة:

246/2، الإصابة : 502/2، الأعلام : 58/3)

ابوالہیثم بن تیہان: سیدنا ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کا نام مالک بن بلی بن عمر بن الحاف بن قضاعہ تھا۔ یہ بنو عبدالاشہل کے حلیف تھے۔ کہا گیا ہے کہ ابوالہیثم بن تیہان اور اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہما نے انصاریوں میں سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔ بیعت عقبہ کے موقع پر بارہ نقیبوں میں یہ دونوں بھی نقیب تھے۔ ابو الہیثم رضی اللہ عنہ تمام غزوات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ (المستدرك للحاكم : 286/3)

ابوایوب انصاری (م: 52ھ/672ء): ابوایوب خالد بن زید بن کلیب بن ثعلبہ نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ سابقین اولین انصار میں سے تھے۔ بیعت عقبہ، غزوۂ بدر، احد، خندق اور اس کے بعد والے غزوات میں شریک رہے۔ بڑے بہادر، ثابت قدم، متقی اور جہاد کے متوالے تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ یزید کے ساتھ قسطنطنیہ کے معرکے میں شریک تھے۔ اسی جنگ میں بیمار ہوئے۔ انھوں نے وصیت کی کہ اسلامی لشکر دشمن کی سرزمین میں جہاں تک جائے، مجھے بھی ساتھ لے جائے۔ وہ فوت ہوگئے تو انھیں قسطنطنیہ کے قلعے کی دیوار کے قریب دفن کیا گیا۔ کتب احادیث میں ان سے 55 احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام : 295/2، الإصابة : 200,199/2)

ابوبکر محمد بن علی المقری (304-388ھ/916-998ء): ابوبکر محمد بن علی بن احمد الادفوی المقری مشہور ادیب اور مفسر تھے۔ یہ صعید مصر کے قصبے کے رہنے والے تھے۔ قاہرہ میں لکڑیاں بیچتے تھے اور وہیں وفات پائی۔ ان کی بیشتر تالیفات علوم القرآن کے متعلق ہیں۔ ان میں سے الاستغناء سو (100) جلدوں پر مشتمل کتاب ہے۔ انھوں نے عربی ادب پر بھی کتابیں لکھیں۔ (الأعلام : 274/6، معجم البلدان، مادة: أدفو)

ابوحذیفہ بن مغیرہ مخزومی: ابوحذیفہ مُہَشِّم بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم مخزومی قرشی۔ (المحبر، ص : 457، الجمهرة لابن حزم، ص : 144)

ابوقیس بن فاکہ: ابوقیس بن فاکہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی اپنے والد کا اکلوتا بیٹا تھا۔ جنگِ بدر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں پہنچاتا تھا اور اس کام میں ابوجہل کی معاونت بھی کرتا تھا۔ (الكامل لابن الأثير : 593/1، الجمهرة لابن حزم، ص: 144)

ابومسعود ثقفی (م: 9ھ/630ء): ابومسعود عروہ بن مسعود بن معتب بن مالک ثقفی رضی اللہ عنہ طائف میں اپنی قوم کے بڑے سردار تھے۔ قریش نے صلح حدیبیہ کے دن انھی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا تھا۔ طائف کی فتح کے بعد مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر اپنی قوم کو دینِ حنیف کی دعوت دینے گئے تو قوم نے انھیں قتل کر دیا۔ یہ شکل وصورت میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ تھے۔ ان کا ایک بیٹا ابوالملیح بھی مسلمان ہو گیا تھا۔ (أسد الغابة : 247/3، الإصابة : 406/4، الأعلام : 227/4)

ابومعشر: ابومعشر نجیح بن عبدالرحمٰن سندھی، سندھ میں پیدا ہوئے۔ مشہور فقیہ اور تاریخ دان تھے۔ ان کی زبان میں لکنت تھی۔ اسی وجہ سے یہ کاف کو قاف پڑھتے تھے۔ مدینہ میں رہتے تھے۔ 160ھ میں عباسی خلیفہ مہدی انھیں اپنے ساتھ بغداد لے گیا۔ آخری عمر میں حافظے کے اختلاط کا شکار ہوگئے تھے۔ بغداد میں فوت ہوئے۔ ہارون الرشید نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ واقدی اور ابنِ سعد ان

سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی ایک کتاب المغازی بھی ہے۔ (الأعلام: 14/8)

ابی بن کعب (م:21ھ/642ء): سید القراء ابومنذر ابی بن کعب بن قیس بن عبید نجاری خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ مسلمان ہونے سے پہلے یہودیت کے حلقہ بگوش اور عالم تھے۔ قدیم آسمانی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے۔ لکھنا پڑھنا مشغلہ تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد کاتب وحی کے منصب پر فائز ہوئے۔ غزوہ بدر، احد، خندق اور باقی سارے غزوات میں شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں فتویٰ دیتے تھے۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قرآن مجید کو ایک قراءت پر جمع کرنے کے عمل میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے قرآن مجید سننا پسند فرماتے تھے۔ دبلے پتلے اور چھوٹے قد والے تھے۔ کتب احادیث میں ان سے 64 احادیث مروی ہیں۔ انھوں نے مدینہ میں وفات پائی۔ (أسد الغابة: 57/1، الإصابة: 180/1، الأعلام: 82/1)

اسماعیل بن یحییٰ مزنی (175-264ھ/791-878ء): ابوابراہیم اسماعیل بن یحییٰ بن اسماعیل مزنی، مصر کے باشندے تھے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دوست اور شافعی فقہ کے سب سے مشہور امام تھے۔ بڑے عالم، مجتہد اور زاہد تھے۔ مناظرہ کرنے کے ماہر تھے۔ ان کی کتابوں میں سے الجامع الکبیر، الجامع الصغیر اور المختصر بہت مشہور ہوئیں۔ (وفيات الأعيان: 217/1، الأعلام: 329/1)

اسود بن عبد یغوث: اسود بن عبد یغوث بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب زہری قرشی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے استہزا کرنے والوں میں سے تھا۔ کفر کی حالت میں مرا۔ اس کے مرنے کا واقعہ بڑا عبرتناک ہے۔ وہ ایک مرتبہ اپنے گھر سے نکلا تو کسی زہریلے جانور نے اس کے چہرے کو سیاہ کر دیا۔ یہ لوٹ کر اپنے گھر آیا تو گھر والوں نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا اور اندر ہی نہیں آنے دیا، چنانچہ یہ باہر ہی قَتَلَنِي رَبُّ مُحَمَّدٍ "مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب نے قتل کر دیا۔" کہتے کہتے مر گیا۔ (المحبر، ص: 160,159، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 76، الجمهرة لابن حزم، ص: 129)

اصحمہ نجاشی: اصحمہ بن ابحر نجاشی، حبشہ کے حاکم تھے۔ نجاشی کے لقب سے معروف ہیں۔ عربی میں ان کا نام عطیہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہیں ہوئی، اس لیے بعض علماء نے ایک لحاظ سے انھیں تابعین میں شمار کیا ہے۔ مہاجرین حبشہ کے ساتھ انھوں نے بہت اچھا سلوک کیا۔ فتح مکہ سے پہلے حبشہ میں فوت ہوئے۔ ان کی نماز جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غائبانہ پڑھائی۔ بہت نیک، عادل، عالم اور ہوشیار آدمی تھے۔ (الإصابة: 347/1، أسد الغابة: 117/1)

ام انمار خزاعیہ: ام انمار قیلہ بنت سباع خزاعیہ، سباع بن عبد العزیٰ کی ماں تھی۔ مکہ میں ختنے کیا کرتی تھی۔ اس نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو آزاد کیا تھا۔ (الاستيعاب، ص: 235 و 915، أسد الغابة: 103/2 و 382/5، الإصابة: 221/2 و 291/8، الكامل لابن الأثير: 50/2)

ام جلاس بنت مخربہ حنظلیہ: ام جلاس اسماء بنت مخربہ بن جندل بن ابیر (ابی ابیر) بن نہشل بن دارم حنظلیہ، ابوجہل بن ہشام، حارث بن ہشام اور ابو ربیعہ کے دونوں بیٹوں عبداللہ اور عیاش کی ماں تھی۔ وہ عطر فروش تھی۔ اس نام کی اس سے مختلف ایک اور عورت بھی ہے۔ اہل سیر ان دونوں کے ناموں کو خلط ملط کر دیتے ہیں۔ (أسد الغابة: 213/5، الإصابة: 17,16/8)

ام جمیل: ام جمیل اروی بنت حرب بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب، ابولہب عبد العزیٰ کی بیوی تھی۔ اس کے تین بیٹے

تھے: عتبہ، معتّب اور عتیبہ۔ عتبہ اور عتیبہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہما کے شوہر تھے۔ ام جمیل رسول اللہ ﷺ کو اذیتیں پہنچانے میں مشہور تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جب یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿وَامْرَأَتُهُ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ○ فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ○﴾ تو اس نے اپنے بیٹوں کو مجبور کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی بیٹیوں کو طلاق دے دیں۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 72، المحبر، ص: 53، تفسير ابن كثير، اللهب 5,4:111)

ام جمیل بنت خطاب: ام جمیل فاطمہ بنت خطاب بن نفیل بن عبدالعزیٰ قرشیہ عدویہ رضی اللہ عنہا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی بہن اور سعید بن زید عدوی رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ سابقین اولین میں سے تھیں۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب یہی بنیں۔ اصحابِ سنن نے ان سے روایت کی ہے۔ (أسد الغابة: 363/5، الإصابة: 271/8)

ام خیر: ام خیر سلمیٰ بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ تمیمیہ قرشیہ، ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ تھیں۔ قدیم مسلمانوں میں سے تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کے بعد مسلمان ہوئیں اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت بھی کی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد فوت ہوئیں۔ (أسد الغابة: 442/5، الإصابة: 386/8، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 127)

ام عبد: ام عبد بنت سود (سواء) بن قریم (قویم) بن صاہلہ ہذلیہ رضی اللہ عنہا، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی والدہ اور قدیم مسلمانوں میں سے تھیں۔ ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ یہ بنو قریم بن صاہلہ بن کاہل سے تھیں۔ رکوع سے پہلے قنوت وتر کی دعا انھی سے مروی ہے۔ (الاستيعاب، ص: 934، أسد الغابة: 470/5، الإصابة: 433/8، الجمهرة لابن حزم، ص: 197)

ام کلثوم (م: 9ھ/630ء): یہ رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی ہیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پہلے پیدا ہوئیں۔ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔ ان کی والدہ ام المومنین خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ (الاستيعاب، ص: 938,937)

امام رازی (455-606ھ/1150-1210ء): ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسن بن حسین تیمی بکری رحمہ اللہ فخرالدین رازی کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت بڑے مفسر تھے۔ علوم منقول و معقول میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی پیدائش رَے (ایران) میں ہوئی۔ ماوراء النہر، خوارزم اور خراسان کے سفر کیے۔ انھیں فارسی و عربی پر بڑی قدرت حاصل تھی۔ آخری عمر میں کلامی و فلسفی مذہب کو چھوڑ کر طریقِ سلف پر گامزن ہو گئے تھے۔ ہرات میں فوت ہوئے۔ ان کی تالیفات دو سو کے لگ بھگ ہیں۔ ان میں سے التفسير الكبير، معالم أصول الدين، شرح أسماء الله الحسنى وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ (الأعلام: 313/6، البداية والنهاية (محقق): 34/15)

امام ماوردی (364-450ھ/974-1058ء): ابوالحسن علی بن محمد بن حبیب ماوردی، بصرہ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم، قاضی اور صاحبِ تصانیف کثیرہ تھے۔ بغداد کا سفر کیا۔ معتزلی مذہب کی طرف رجحان تھا۔ عرق گلاب فروخت کرنے کی وجہ سے انھیں ماوردی کہا جاتا ہے۔ بغداد میں فوت ہوئے۔ ان کے علمی ورثے میں سے النكت والعيون، جو تفسير الماوردي کے نام سے معروف ہے، أدب الدنيا والدين اور أعلام النبوة مشہور ہیں۔ (الأعلام: 327/4)

امام مقریزی (766-845ھ/1365-1441ء): ابوالعباس تقی الدین احمد بن علی بن عبدالقادر حسینی عبیدی، مقریزی کے لقب سے مشہور ہیں۔ مصر کے مشہور مؤرخین میں سے ہیں۔ ان کا آبائی وطن بعلبک (شام) ہے۔ ان کی ولادت اور پرورش قاہرہ (مصر) میں ہوئی۔ انھیں منصب قضا پر کام کرنے کی دعوت دی گئی لیکن انھوں نے اس منصب پر فائز ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ قاہرہ ہی میں فوت

ہوئے۔ ان کے علمی ورثے میں سے إمتاع الأسماع بما للنبي ﷺ من الأحوال والأموال والحفدة والمتاع مشہور ہے۔(الأعلام :177/1، إمتاع الأسماع :4/1)

امیہ بن خلف (م:2ھ/624ء): امیہ بن خلف بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی، غطریف کے لقب سے مشہور تھا۔قریش کے جابر لوگوں میں سے تھا۔اسلام کا زمانہ پایا لیکن مسلمان نہیں ہوا۔اسی نے سیدنا بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو دعوتِ اسلام کے آغاز کے وقت تعذیب سے دوچار کیا تھا۔غزوۂ بدر میں شریک تھا۔اسی غزوے میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے قید کیا تو بلال رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھ لیا، انھوں نے بلند آہنگی سے اپنے ساتھیوں کو بلایا اور اسے قتل کر دیا۔(الجمهرة لابن الكلبي، ص: 95، الجمهرة لابن حزم، ص: 159، الأعلام: 22/2)

انس بن رافع: أبوالحيسر انس بن رافع بن امرؤالقیس بن زید بن عبدالاشہل اوسی کے بیٹے حارث رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے۔ ان کی بیٹی عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ انصار میں سے سب سے پہلے انھی نے رسول اللہ ﷺ سے ذوالمجاز میں ملاقات کا شرف حاصل کیا تھا۔(الجمهرة لابن حزم، ص :131و 339، الإصابة : 658/1، الطبقات لابن سعد:437/3)

اوس بن حجر (98 - 2 قبل ہجرت/530-620ء): ابوشریح اوس بن حجر بن مالک تمیمی، بنوتمیم کے سب سے بڑے شاعر تھے، مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمٰی کی ماں کے دوسرے شوہر تھے، سفر کرنے میں مشہور تھے۔لمبی عمر پائی۔ بنوتمیم انھیں سارے شعراء پر فوقیت دیتے تھے، ان کے اشعار حکمت سے بھرے ہوئے ہیں۔عراق میں رہنا پسند کرتے تھے۔(الأعلام: 31/2، الشعر والشعراء، ص: 66، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

ایمن: ان کا نسب ایمن بن عبید بن عمرو بن بلال بن ابی الجرباء بن قیس بن مالک بن سالم بن غنم بن عوف بن الخزرج رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے اخیافی بھائی تھے۔رسول اللہ ﷺ کا سامانِ طہارت ان کی تحویل میں رہتا تھا۔ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ اس کا نام حجاج تھا۔(أسد الغابة:187/1)

بسر بن سعید (م:100ھ/720ء): بسر بن سعید مدنی رحمہ اللہ حضرمیوں کے مولیٰ (غلام) اور مشہور تابعی تھے۔مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔انھوں نے اکابر صحابہ سے روایت کی ہے۔ بڑے زاہد، عبادت گزار، دین دار اور مستجاب الدعوات تھے۔حدیث میں ثقہ تھے۔ مدینہ میں فوت ہوئے۔(الطبقات لابن سعد : 281/5، سير أعلام النبلاء : 594/4)

بشر بن ابی خازم: ابونوفل بشر بن ابی خازم (عمرو) بن عوف اسدی، زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعر تھے۔ یہ بنو اسد کی طرف منسوب ہیں۔ نجد کے رہنے والے تھے۔قبیلہ طے کے ساتھ لڑائیاں لڑیں۔ بڑے بہادر تھے۔فخر اور بہادری کے بارے میں ان کے قصائد مشہور ہیں، قبائل کی باہمی لڑائی میں قتل ہوئے۔ان کا ایک شعری مجموعہ چھپ چکا ہے۔(الأعلام : 54/2، الشعر والشعراء، ص: 96)

بشر بن براء بن معرور (م:7ھ/628ء): بشر بن براء بن معرور بن صخر بن خنساء سلمی خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ بیعت عقبہ میں اپنے والد سمیت شریک تھے۔غزوۂ بدر اور اس کے بعد ہونے والے غزوات میں بھی شریک رہے۔غزوۂ خیبر کے دن یہودی عورت کی ضیافت کا زہر آلود کھانا کھا کر شہید ہوئے۔رسول اللہ ﷺ نے انھیں سید کے لقب سے نوازا۔(أسد الغابة : 211/1، الإصابة : 426/1)

بغوی (436-510ھ/1044-1117ء): ابومحمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء بغوی رحمہ اللہ محی السنہ اور شیخ الاسلام کے لقب سے مشہور

تھے۔علم حدیث، فقہ اور تفسیر کے ماہر تھے۔ یہ خراسان کے گاؤں بغا کی طرف منسوب ہیں۔ یہ گاؤں ہرات اور مرو کے درمیان ہے۔ انھوں نے مرو میں وفات پائی۔ ان کی متعدد تالیفات میں سے شرح السنة بہت مشہور ہوئی۔ (وفیات الأعیان: 136/2، الأعلام: 259/2)

بُرَک بن عبداللہ (م: 40ھ/660ء): حجاج (بُرَک) بن عبداللہ تمیمی، بنو سعد بن زید مناۃ میں سے تھا۔ خارجی تھا۔ بصرہ میں رہتا تھا۔ سیدنا علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان تحکیم کا سب سے پہلا مخالف یہی شخص تھا۔ اسی نے لَا حُكْمَ إِلَّا لِلّٰهِ کی صدا بلند کی تھی۔ یہ اُن تین بدبختوں میں سے ایک تھا جنھوں نے سیدنا علی، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کو ایک ہی رات میں قتل کرنے کی سازش کی تھی۔ یہ شخص سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لیے دروازے کی اوٹ میں چھپ گیا۔ جب وہ نکلے تو اس نے حملہ کر کے انھیں زخمی کر دیا لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے دبوچ کر قتل کر ڈالا۔ (الکامل لابن الأثیر: 258/3، الأعلام: 168/2، الجمهرة لابن الکلبي، ص: 236، الجمهرة لابن حزم، ص: 218)

جبر: ان کا دوسرا نام یحنس تھا۔ جبر رضی اللہ عنہ دراصل یہودی تھے۔ عامر بن حضرمی کے غلام تھے۔ صقلیہ کے رہنے والے تھے۔ انھیں مرتد ہونے پر مجبور کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت ﴿إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ (النّحل 106:16) نازل فرمائی۔ (الإصابة: 562/1)

جبیر بن عتیک (م: 71ھ/690ء): بنو اوس سے تعلق رکھنے والے سیدنا جبیر بن عتیک بن قیس بن حارث بن ہیشہ بن حارث انصاری رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے کہ ان کا نام جابر تھا، جبیر تھا یا جبر تھا، لیکن اکثر علماء نے جبر لکھا ہے۔ یہ بدر اور اس کے بعد والے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہے۔ (الإصابة: 561-548/1، الجمهرة لابن الکلبي، ص: 626، الجمهرة لابن حزم، ص: 335)

جعفر: یہ خلیفہ موسیٰ ہادی بن محمد مہدی بن ابی جعفر عبداللہ منصور کا بیٹا تھا۔ اسے سات سال کی عمر میں ولی عہد کا عہدہ مل گیا، لیکن خلافت پر فائز ہونا نصیب میں نہیں تھا۔ موسیٰ ہادی، ہارون الرشید کا سگا بھائی تھا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 20-23)

جمیل بن معمر جمحی: حضرت جمیل بن معمر بن وہب بن حذافہ بن جمح قرشی رضی اللہ عنہ کا صحابی ہونا ثابت ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے خاص دوست تھے۔ باتیں پھیلانے میں مشہور تھے۔ مکہ میں عمر رضی اللہ عنہ کے مسلمان ہونے کی خبر انھی نے نشر کی تھی۔ ان کے بارے میں خیال تھا کہ یہ دو دل رکھتے ہیں، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِي جَوْفِهِ﴾ "اللہ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں رکھے۔" (الأحزاب 4:33) کے ارشاد عالی سے رد کر دیا۔ ان کا حافظہ بہت قوی تھا۔ خلافت عمر کے دوران میں وفات پا گئے۔ کئی صحابہ نے ان کی وفات پر مرثیہ کہا۔ (الاستیعاب، ص: 149، الإصابة: 605/1، الجمهرة لابن حزم، ص: 161)

جندب بن سفیان: ابوعبداللہ جندب بن عبداللہ بن سفیان بجلی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں۔ کوفہ میں رہتے تھے، پھر مصعب بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ بصرہ منتقل ہوئے۔ انھیں جندب الخیر بھی کہا جاتا ہے۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی لڑائیوں میں شرکت سے انکار کرتے تھے۔ (أسد الغابة: 346/1، الإصابة: 613/1)

حارث بن اوس بن معاذ: حضرت حارث بن اوس بن معاذ بن نعمان اوسی انصاری رضی اللہ عنہ، اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے بھتیجے

تھے۔ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ ان کی وفات کے بارے میں اختلاف ہے۔ ابن عبدالبر کہتے ہیں کہ غزوۂ احد (شوال 3ھ) میں 28 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ کعب بن اشرف کے قتل (ربیع الاول 3ھ) میں شریک تھے۔ (الاستیعاب، ص: 166، الإصابة: 659/1 و337/7، أسد الغابة: 363,362/1)

حارث بن خزمہ (م: 40ھ/660ء): ابوبشیر حارث بن خزمہ (خزیمہ) بن عدی بن أبی بن غنم خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ سارے غزوات میں شریک تھے۔ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہو گئی تو اسے یہی ڈھونڈ کر لائے۔ جمع القرآن میں ان کی روایات مشہور ہیں۔ انھوں نے مدینہ منورہ میں علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ (الاستیعاب، ص: 167، أسد الغابة: 371/1، الإصابة: 666/1)

حارث بن صمہ: ابوسعد حارث بن صمہ خزرجی نجاری رضی اللہ عنہ کا صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھائی چارہ قائم کیا گیا۔ حارث رضی اللہ عنہ بدر کے لیے نکلے تو روحاء کے مقام پر پاؤں ٹوٹ گیا جس کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ احد میں شریک تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی کے نیزے سے اُبَی بن خلف کو زخمی کیا تھا۔ یہ غزوۂ بئر معونہ کے بعد سرح کے مقام پر مشرکین سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ (الإصابة: 673/1، أسد الغابة: 379/1، الاستیعاب، ص: 175)

حارثہ بن سراقہ: حضرت حارثہ بن سراقہ بن حارث بن عدی بن مالک خزرجی انصاری رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں حبان بن عرقہ کا تیر لگنے سے شہید ہوئے۔ یہ بدر میں انصار کے سب سے پہلے شہید تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی کہ وہ جنت الفردوس میں ہیں۔ (الاستیعاب، ص: 176، أسد الغابة: 403/1، الإصابة: 704/1)

حکم بن ابوالعاص (م: 32ھ/652ء): ابومروان حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف قرشی اموی رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے۔ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز افشا کرنے کی پاداش میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں طائف کی طرف جلاوطن کیا۔ بعد میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ انھیں واپس لے آئے۔ آخری عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ یہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے چچا اور مروان کے والد تھے۔ ان کے بارے میں بہت سی من گھڑت باتیں مشہور ہیں۔ (أسد الغابة: 37/2، الإصابة: 91/2، الأعلام: 266/2)

خضر: یہ وہ اللہ کے نیک اور صالح بندے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے خاص علم سے نوازا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے انھی کی طرف سفر کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ واقعہ سورۂ کہف کی آیات 60-82 میں بیان فرمایا ہے۔ کتب احادیث میں ان کے بارے میں متعدد احادیث موجود ہیں۔ ان کے بارے میں رافضہ اور صوفیاء نے بہت سے غلط عقیدے گھڑ لیے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر، الکهف 60:18-82، صحیح البخاري: 3401)

خولہ بنت حکیم: ام شریک خولہ بنت حکیم بن امیہ بن حارثہ بن اوقص سلمیہ رضی اللہ عنہا، سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں۔ بہت عابدہ و زاہدہ تھیں۔ المرأة الصالحة کے لقب سے مشہور تھیں۔ انھوں نے عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کے مرنے کے بعد غم زدہ ہو کر ان کا مرثیہ کہا۔ (أسد الغابة: 270/5، الإصابة: 116/8، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

رافع بن مالک رضی اللہ عنہ: ابومالک رافع بن مالک بن عجلان بن عمرو بن عامر بن زریق انصاری رضی اللہ عنہ خزرج کے نقباء میں سے تھے۔ بیعتِ عقبہ میں شریک تھے۔ غزوۂ بدر میں ان کی شرکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بنوخزرج میں سب سے پہلے یہی مسلمان ہوئے۔ ان سے کئی روایات منقول ہیں۔ (أسد الغابة: 167/2، الإصابة: 369/2)

رحمٰن الیمامہ (م: 12ھ/633ء): ابوثمامہ مسیلمہ بن ثمامہ بن کبیر بن حبیب حنفی وائلی نبوت کا مدعی تھا۔ لمبی عمر زندہ رہا۔ زمانۂ جاہلیت میں رحمٰن الیمامہ کے لقب سے مشہور ہوا۔ فتح مکہ کے بعد آنے والے بنوحنیفہ کے وفد میں شریک تھا۔ اس کی رسول اللہ ﷺ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس نے یمامہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کو خط بھیجا جس میں نبوت کے دعوے کے ساتھ سرزمین عرب کو آدھا آدھا تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں اسے کذاب کہا۔ یہ شخص قرآن کے مقابلے میں مختلف قسم کے مسجع اقوال گھڑ لیتا تھا۔ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں اسے قتل کر دیا گیا۔ اس کا بدن بہت کمزور اور قد چھوٹا سا تھا۔ (الأعلام: 226/7)

رفاعہ بن عبدالمنذر: ابولبابہ رفاعہ بن عبدالمنذر بن زبیر انصاری اوسی مدنی رضی اللہ عنہ کو بشیر بن عبدالمنذر بھی کہا گیا ہے۔ یہ بدر میں شریک ہوئے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے انھیں بدر کے راستے میں روحاء کے مقام سے مدینہ واپس روانہ کر دیا تھا۔ آپ نے ان ایام میں انھیں مدینہ کا امیر مقرر کرنے کے باعث مالِ غنیمت میں حصہ دار ٹھہرایا۔ رفاعہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد فوت ہوئے۔ (أسد الغابة: 81/5، الإصابة: 289/7، رجال مسلم: 89/1 و 209)

زرقانی (1055-1122ھ/1645-1710ء): ابوعبداللہ محمد بن عبدالباقی بن یوسف بن احمد بن علوان زرقانی مصری رحمہ اللہ حدیث، فقہ اور اصول فقہ میں دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی ولادت اور وفات قاہرہ ہی میں ہوئی۔ آپ کی کتب میں شرح الزرقاني على المواهب اللدنية اور مختصر المقاصد الحسنة نے بہت شہرت حاصل کی۔ (معجم المؤلفين: 124/10، الأعلام: 184/6)

زمعہ بن اسود (م: 2ھ/624ء): زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی اسدی قرشی اسلام کا سخت دشمن تھا۔ کثرتِ سخاوت کی وجہ سے ''زادالرکب'' (قافلے کے لیے زادِ راہ) کے لقب سے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں قتل ہوا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 118، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 72)

زید بن دثنہ: حضرت زید بن دثنہ بن معاویہ بن عبید بن عامر بن بیاضہ انصاری خزرجی زرقی رضی اللہ عنہ بدر اور احد کے غزوات میں شریک تھے۔ سریہ عاصم بن ثابت (سرية الرجيع) میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی روانہ فرمایا جس میں انھیں قیدی بنا لیا گیا، بعد ازاں قریش نے انھیں تنعیم کے مقام پر شہید کر دیا۔ (أسد الغابة: 243/2، الإصابة: 500/2، الجمهرة لابن حزم، ص: 357)

زید بن عمرو بن نفیل: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے عم زاد زید بن عمرو بن نُفَیل بن عبدالعزیٰ قرشی عدوی ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم تھے۔ بتوں کی عبادت کے منکر تھے۔ عورتوں پر ظلم و ستم کی شدید مخالفت کرتے تھے۔ بعثت سے پانچ سال پہلے فوت ہوئے۔ دین کی تعلیمات حاصل کرنے کے لیے شام کا سفر کیا مگر یہود اور نصاریٰ انھیں کوئی تعلیم نہ دے سکے۔ یہ واپس مکہ آ گئے۔ اہل مکہ نے انھیں مکہ سے نکال دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ''یہ قیامت کے دن اکیلے مستقل امت کی شکل میں آئیں گے۔'' (أسد الغابة: 251/2، الإصابة: 507/2، الأعلام: 60/3)

ساعاتی (1301-1378ھ/1881-1958ء): احمد بن عبدالرحمٰن البنا ساعاتی رحمہ اللہ مصر کے صوبہ الغربیہ کے گاؤں شمشیرہ میں پیدا ہوئے۔ یہ گاؤں دریائے نیل پر واقع ہے۔ ان کی ماں نے ان کو گاؤں کے دارالحفاظ میں داخل کرا دیا۔ حفظِ قرآن کے بعد اسکندریہ کا

سفر کیا جہاں علومِ دینیہ حاصل کیے، ساتھ ہی گھڑی سازی کا کام بھی سیکھ لیا۔ قاہرہ میں بیمار ہو کر رحلت فرما گئے۔ (مقدمة الفتح الرباني (بيت الأفكار) : 23,22/1)

سالم مولی ابی حذیفہ: ابوعبداللہ سالم بن عبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ، ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ عبشمی قرشی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے۔ یہ فارسی الاصل تھے اور اصطخر سے تعلق رکھتے تھے۔ انھیں مہاجرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ یہ مشہور قراء میں سے تھے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان کی بہت مدح کیا کرتے تھے۔ سارے غزوات میں شریک رہے۔ معرکہ یمامہ میں شہید ہوئے۔ (أسد الغابة : 260/2، الإصابة : 11/3)

سائب بن ابی سائب: سائب بن ابی سائب (صیفی) بن عائذ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم قرشی مخزومی، یہ بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ کے شریک تجارت تھے۔ ان کے اسلام کے بارے میں اختلاف ہے لیکن راجح یہ ہے کہ یہ مسلمان ہیں۔ امام ابوداود، ترمذی اور نسائی نے ان کی روایات بیان کی ہیں۔ (الإصابة : 18/3، أسد الغابة : 268/2)

سعد بن خیثمہ: ابوخیثمہ سعد بن خیثمہ بن حارث بن مالک بن کعب بن نحاط انصاری اوسی رضی اللہ عنہ بنوعمرو بن عوف کے نقیب تھے۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوئے۔ یہ اپنے والد کے ساتھ قرعہ اندازی کر کے غزوۂ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ ان کا گھر بَیْتُ الْعُزَّاب، یعنی غیر شادی شدہ لوگوں کے گھر کے نام سے مشہور تھا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے گھر کے قریب بیٹھ کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے تھے۔ (أسد الغابة : 291/2، الإصابة : 46/3)

سعد بن ربیع (م: 3ھ/625ء): سیدنا سعد بن ربیع بن عمرو بن ابی زہیر بن مالک بن امرؤ القیس خزرجی رضی اللہ عنہ انصار کے نقباء میں سے تھے اور بنوخزرج کے سردار تھے۔ بیعتِ عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ احد میں شہادت پائی۔ (أسد الغابة : 293/2، الإصابة : 49/3، الأعلام : 85/3)

سعید بن عاص (م: 3ھ/624ء): ابواُحیحہ سعید بن عاص بن امیہ بن عبدشمس، بنوامیہ کے سرداروں میں سے تھا۔ اس نے عہد اسلام پایا لیکن اسلام قبول نہیں کیا۔ اپنے جاہلی عقیدے ہی پر فوت ہوا۔ اس کے ایک نواسے کا بھی یہی نام تھا جو معروف صحابی ہیں۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص: 44، الأعلام: 96/3)

سلیمان تیمی (م: 143ھ): ابومعتمر سلیمان بن طرخان تیمی بصری، بنوتیم کے ہاں رہنے کی وجہ سے ان کو تیمی کہا جاتا ہے۔ بہت اچھے انسان تھے۔ حدیث بیان کرتے تھے تو چہرے کا رنگ بدل جاتا تھا۔ یہ ثقہ راوی تھے۔ بصرہ کے بہترین لوگوں میں سے تھے۔ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی طرف مائل تھے۔ بڑے عابد اور زاہد تھے۔ (سير أعلام النبلاء : 195/6)

سمعانی (506-562ھ/1113-1167ء): ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور تمیمی سمعانی مروزی رحمہ اللہ مؤرخ، نسب دان اور سفرنامہ نگار تھے۔ حافظِ حدیث تھے۔ انھوں نے حصولِ علم کے لیے بہت لمبے سفر کیے۔ یہ بنوتمیم کے ذیلی قبیلے سمعان کی طرف منسوب تھے۔ مرو میں پیدا ہوئے۔ وہیں وفات پائی۔ ان کی متعدد تالیفات میں سے الأنساب بہت مشہور ہوئی۔ (الأعلام : 55/4)

سہیل بن عمرو (م: 18ھ/639ء): سہیل بن عمرو بن عبدشمس قرشی عامری رضی اللہ عنہ قریش کے خطیب تھے۔ بدر کے دن مسلمانوں نے انھیں قید کر لیا۔ بعدازاں یہ فدیہ دے کر آزاد ہو گئے۔ فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کر لیا اور وہیں مقیم رہے، پھر مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کر لی۔ صلح حدیبیہ میں قریش کی طرف سے معاہدے کے سربراہ آپ ہی تھے۔ آپ طاعون عمواس کے سبب شام میں فوت

ہوئے۔(الإصابۃ:3/177,178، الأعلام: 3/144)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1110-1176ھ /1699-1762ء): ابوعبدالعزیز احمد بن عبدالرحیم فاروقی دہلوی رحمہ اللہ شاہ ولی اللہ کے لقب سے مشہور ہیں۔ یہ پھلت ضلع مظفر نگر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ حجاز کا سفر کیا۔ ان کی دو بیویاں تھیں۔ پہلی بیوی سے شاہ محمد اور دوسری بیوی سے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی پیدا ہوئے۔علم حدیث سے خصوصی شغف تھا، اسی لیے انھیں محدث دہلوی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ بارھویں صدی ہجری کے حفاظ میں شمار ہوتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے سے برصغیر پاک و ہند میں قرآن و حدیث کے علوم خوب اجاگر کیے۔سب سے پہلے فارسی میں قرآن مجید کا ترجمہ انھی نے کیا۔ ان کی بہت سی کتابیں ہیں جن میں حجة الله البالغة اور الفوز الكبير في أصول التفسير بہت مشہور ہیں۔ یہ دہلی میں فوت ہوئے۔ (الأعلام : 1/149، حجة الله البالغة : 1/10-14، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 23/39-46)

شوکانی (1173-1250ھ/1760-1834ء): ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد بن عبداللہ شوکانی، یمن کے کبار علماء اور فقہاء میں سے ہیں۔ ان کی پیدائش شوکان نامی بستی میں اور پرورش صنعاء میں ہوئی۔ یہ 1229ھ میں صنعاء کے قاضی مقرر ہوئے۔ ان کی 114 تالیفات ہیں۔ان میں سے نیل الأوطار اور فتح القدیر بہت مشہور ہوئیں۔انھوں نے 78 سال کی عمر میں صنعاء ہی میں وفات پائی۔(الأعلام: 6/298، فتح القدير : 1/12)

صالحی (م: 942ھ/1536ء): شمس الدین محمد بن یوسف بن علی بن یوسف شامی صالحی شافعی رحمہ اللہ دمشق کے شہر صالحیہ میں پیدا ہوئے۔محدث اور مؤرخ تھے۔آپ نے قاہرہ کے صحراء برقوقیہ میں زندگی گزاری اور وہیں وفات پائی۔آپ نے مختلف موضوعات پر بے شمار کتابیں لکھیں جن میں سبل الهدى والرشاد، الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة اور عين الإصابة في معرفة الصحابة زیادہ مشہور ہیں۔(شذرات الذهب: 8/25، الأعلام: 7/155)

صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا (م: 20ھ/641ء): صفیہ بنت عبدالمطلب بن ہاشم رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی پھوپھی، زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ اور حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن ہیں۔ ہجرت مدینہ سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت وہب ہے جو رسول اللہ ﷺ کی خالہ ہیں۔ ان کے پہلے خاوند کا نام حارث بن حرب بن امیہ ہے جو ابوسفیان کا بھائی تھا اور دوسرے کا نام عوام بن خویلد ہے۔ انھوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ وہیں عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں 73 سال کی عمر میں وفات پائی اور بقیع میں دفن ہوئیں۔ (الأعلام: 3/206، أسد الغابة : 5/329)

طفیل بن عبداللہ بن سخبرہ: طفیل بن عبداللہ بن حارث بن سخبرہ ازدی کی والدہ کا نام ام رومان زینب بنت عامر ہے۔ یہ سیدہ عائشہ صدیقہ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کے اخیافی بھائی تھے۔ امام ابن اثیر اور حافظ ابن حجر رحمہما اللہ نے انھیں صحابہ میں شمار کیا ہے۔ (الإصابة : 3/421، أسد الغابة: 2/485، الروض الأنف : 4/25)

طلحہ بن ابی طلحہ: طلحہ بن ابی طلحہ عبدری غزوۂ احد میں مشرکین کا علمبردار تھا۔ اسی نے مسلمانوں کو دعوتِ مبارزت دی تھی۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے حملہ کر کے اسے اونٹ سے گرایا اور تلوار سے ذبح کر دیا۔ (البداية والنهاية (محقق) : 4/187)

طلیب بن عمیر بن وہب (22 قبل ہجرت - 13ھ/600-634ء): یہ قدیم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں۔ دوسری ہجرت حبشہ میں شریک ہوئے۔ مدینہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ ان کا شمار شہسوار صحابہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ بدر سمیت اکثر غزوات میں شامل ہوئے۔ معرکۂ اجنادین میں شہید ہوئے۔ (البداية والنهاية: 126/7، الإصابة: 439/3، الأعلام: 230/3)

عاص بن ہاشم (2ھ/624ء): عاص (عاصی) بن ہاشم (ہشام) بن مغیرہ مخزومی، ابوجہل کا بھائی اور عاص بن سعید اموی کا دوست تھا۔ قریش کے ہاں احمق کے لقب سے مشہور تھا۔ غزوۂ بدر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس کو ہلاک کر ڈالا۔ (المحبر، ص: 175، الأعلام: 247/3)

عاصم بن ثابت بن ابی افلح (م: 4ھ/625ء): ان کی کنیت ابوسلمان انصاری ہے۔ اولین مسلمانوں میں سے ہیں۔ غزوۂ بدر اور احد میں شریک رہے۔ معرکۂ رجیع کے امیر تھے۔ اسی سانحے میں شہید ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی لاش پر بھڑوں کا جھنڈ بھیج کر کفار قریش سے ان کی لاش کی حفاظت فرمائی۔ (صحيح البخاري: 4086، الأعلام: 248/3، الإصابة: 460/3)

عبد بن زمعہ: حضرت عبد بن زمعہ بن قیس بن عبدشمس قُرشی عامری رضی اللہ عنہ فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ یہ بہت شریف النفس تھے۔ سردار صحابہ میں سے تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ان کے درمیان زمعہ کی لونڈی کے بیٹے کے بارے میں جھگڑا ہوا۔ اس کا فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد بن زمعہ کے حق میں کیا۔ اس بچے کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ (الروض الأنف: 181/3، صحيح البخاري: 4303، أسد الغابة: 167/3، الإصابة: 322/4)

عبدالرحمٰن بن ملجم (م: 40ھ/660ء): عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی حمیری مشہور شہسوار تھا۔ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پڑھتا رہا۔ واقعۂ صفین میں علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے شریک تھا، پھر اس نے علی رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کر دی اور انھیں شہید کر دیا۔ اس جرمِ عظیم کی پاداش میں اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ (الأعلام: 339/3)

عبداللہ بن ابی امیہ: عبداللہ بن ابی امیہ حذیفہ بن مغیرہ بن عبداللہ بن عمر بن مخزوم مخزومی قرشی، یہ قریش کے مشہور شاعر تھے۔ ان کی ماں عاتکہ بنت عبدالمطلب تھیں۔ (المحبر، ص: 274، الجمهرة لابن حزم، ص: 146، الجمهرة لابن الكلبي، ص: 87)

عبداللہ بن جُدعان: عبداللہ بن جدعان بن عمرو بن کعب تیمی قرشی دور جاہلیت کا مشہور ترین سخی تھا۔ نبوت سے پہلے اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی۔ یہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد کا چچا زاد تھا۔ اپنی ابتدائی زندگی میں بہت فقیر و تنگ دست اور شریر و بدبخت تھا۔ جب اس کو خزانے مل گئے تو یکدم جود و سخا کی طرف مائل ہو گیا۔ یوں اس کی برائی اچھائی میں تبدیل ہو گئی۔ (الأعلام: 76/4، البداية والنهاية (محقق): 505/2)

عبید بن تیہان: حضرت عبید بن تیہان بن مالک انصاری اوسی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں شریک تھے۔ غزوۂ احد میں عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کے وار سے، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، شہید ہوئے۔ ان کا شمار ان ستر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جنھوں نے دوسری بیعت عقبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی۔ (أسد الغابة: 180/3)

عثمان بن طلحہ (م: 42ھ/662ء): سیدنا عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ عبداللہ قرشی عبدری رضی اللہ عنہ کا تعلق بنوعبدالدار سے ہے۔ یہ خانہ کعبہ کے دربان بھی رہے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کے بعد 7ھ میں مسلمان ہوئے۔ فتح مکہ میں شریک رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فتح مکہ کے موقع پر کعبہ کی چابی ان کو اور ان کے چچا زاد شیبہ کو دی تھی۔ 42 ھ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مکہ میں فوت ہوئے۔ ان سے پانچ احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام : 207/4، السيرة لابن هشام : 54/4، سير أعلام النبلاء : 11/3)

عقبہ بن ابی معیط: ابو الولید عقبہ بن ابی معیط ابان بن ذکوان بن امیہ بن عبدشمس کفار قریش کے مشہور لوگوں میں سے تھا۔ اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ بدر کے موقع پر اسے مسلمانوں نے گرفتار کر کے قتل کر دیا، پھر سولی پر لٹکا دیا۔ یہ پہلا کافر ہے جسے سولی پر لٹکایا گیا۔ (الأعلام : 240/4)

عقیل بن ابی طالب (م: 50 ھ/670 ء): ابو یزید عقیل بن ابی طالب بن عبدالمطلب قرشی ہاشمی مطلبی، نبی ﷺ کے چچا زاد اور علی رضی اللہ عنہ کے حقیقی بھائی تھے۔ علی رضی اللہ عنہ سے 3 سال بڑے تھے۔ کفار مکہ کی طرف سے جنگ بدر میں مجبوراً شریک ہوئے اور مسلمانوں کے قیدی بنے۔ غزوۂ حدیبیہ سے پہلے مسلمان ہوئے، غزوۂ مؤتہ میں شرکت کی۔ قریش کے انساب اور جنگوں کی تاریخ میں ماہر تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ادائے قرض میں ان سے تعاون کیا تو وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے گئے، انھی کی خلافت میں 50 ھ کو فوت ہوئے، بقیع میں مدفون ہیں۔ (أسد الغابة: 265/3، الاستيعاب، ص : 522)

علقمہ بن قیس (م: 62 ھ/662 ء): ابو شبل علقمہ بن قیس بن عبداللہ بن مالک نخعی ہمدانی کا شمار عراق کے فقیہ تابعین اور مخضرمین میں ہوتا ہے۔ یہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد خاص ہیں۔ ان سے مشابہت بھی رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ بانجھ ہونے کی وجہ سے ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ واقعۂ صفین اور فتح خراسان میں شریک رہے۔ کوفہ میں فوت ہوئے۔ (الأعلام : 248/4)

عمرو بن امیہ ضمری (م: 55 ھ/675 ء تقریباً): ابو امیہ عمرو بن امیہ بن خویلد بن عبداللہ بن ایاس ضمری رضی اللہ عنہ بنو ضمرہ میں سے مشہور بہادر صحابی تھے۔ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کو اجرت پر قتل کرتے تھے۔ بدر اور احد میں مشرکین مکہ کی طرف سے لڑے۔ رسول اللہ ﷺ کے قتل کے ارادے سے مدینہ پہنچے اور وہیں مسلمان ہو گئے۔ سریۂ بئر معونہ میں قیدی ہوئے تو عامر بن طفیل نے انھیں آزاد کر دیا۔ خلفائے راشدین کے زمانے میں زندہ تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران میں مدینہ میں وفات پا گئے۔ کتب حدیث میں ان سے 20 احادیث مروی ہیں۔ (أسد الغابة: 351/3، الاستيعاب، ص: 562، الأعلام: 73/5)

عمرو بن بکر: عمرو بن بکر بن حبیب بن عمرو بن غنم بن تغلب تمیمی خارجی، اس نے گورنر مصر سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا لیکن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیماری کی وجہ سے گھر ہی رہے، مسجد نہ آسکے۔ یوں ان کے نائب خارجہ بن ابی حبیبہ قتل ہو گئے۔ بعد ازاں یہ مقولہ مشہور ہوا کہ أَرَدْتُ عَمْرًا وَّأَرَادَ اللّٰهُ خَارِجَةَ ''میں نے عمرو کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے خارجہ کا ارادہ کیا۔'' اسی عمرو بن بکر کی نسل سے بعد میں ولید بن طریف پیدا ہوا۔ (الجمهرة لابن حزم، ص :306، البداية والنهاية (محقق) : 544/7و548)

عمرو بن عاص (50 قبل ہجرت-43 ھ/574-664 ء): ابو عبداللہ عمرو بن عاص بن وائل سہمی قرشی رضی اللہ عنہ دور جاہلیت میں اسلام کے سخت دشمن تھے۔ عرب کے سرداروں اور اصحاب الرائے میں سے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ غزوۂ ذات السلاسل کے امیر رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں عمان اور فلسطین کے گورنر رہے۔ مصر اور قنسرین کو فتح کیا۔ قاہرہ میں فوت ہوئے۔ ان سے 39 احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام : 79/5)

قاضی عیاض (476-544ھ/1083-1149ء): ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرون یحصبی اندلس میں اپنے دور کے بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ علمِ نسب اور کلام عرب کے ماہر تھے۔ سبتہ (اندلس) میں پیدا ہوئے۔ سبتہ اور غرناطہ کے قاضی رہے۔ مراکش میں زہر کھانے کی وجہ سے فوت ہوگئے۔ ان کی تصنیفات میں سے الشفابتعریف حقوق المصطفیٰ، شرح صحیح مسلم اور مشارق الأنوار بہت مشہور ہیں۔ (الأعلام: 99/5)

قرطبی (م:671ھ/1273ء): ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح انصاری خزرجی اندلسی قرطبی کا شمار کبار مفسرین میں ہوتا ہے۔ بہت نیک، عبادت گزار اور متواضع آدمی تھے۔ انھوں نے مشرق کی طرف سفر کیا۔ اسیوط، مصر کے شمال میں فوت ہوئے۔ ان کے علمی ورثے میں سے الجامع لأحکام القرآن (تفسیر قرطبی) اور قمع الحرص بالزھد و القناعۃ بہت مشہور ہیں۔ (الأعلام: 322/5)

قس بن ساعدہ: قس بن ساعدہ عمرو بن عدی بن مالک، بنوایاد میں سے تھے۔ جاہلیت میں عرب کے بہت بڑے اور مشہور خطیب تھے۔ نجران کے پادری تھے۔ یہ سب سے پہلے عربی تھے جنھوں نے عصا (لاٹھی) پر ٹیک لگا کر خطبہ دیا اور لفظ أما بعد کو استعمال کیا، قیصر روم سے تحفے تحائف وصول کرتے رہے۔ لمبی عمر تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا زمانہ پایا لیکن آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ہی یہ فوت ہوگئے۔ ان کے اشعار میں توحید و آخرت کا کثرت سے ذکر ہے۔ (الأعلام: 196/5، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

قسطلانی (614-686ھ/1218-1251ء): ابوبکر قطب الدین محمد بن احمد بن علی بن محمد بن حسن قیسی شافعی رحمہ اللہ مصر میں پیدا ہوئے۔ مکہ میں پرورش پائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد اور شہاب الدین سہروردی سے حاصل کی۔ 649ھ/1251ء میں بغداد آئے۔ مصر، شام اور الجزیرہ میں بہت سے علماء سے استفادہ کیا۔ قاہرہ کے مدرسہ دارالحدیث کاملیہ میں شیخ الحدیث رہے۔ جید ادیب اور فقیہ تھے۔ آپ نے کچھ رسائل بھی لکھے۔ مصر میں فوت ہوئے۔ (طبقات الشافعیۃ: 44،43/8، البدایۃ والنھایۃ (محقق): 525/15، شذرات الذھب: 397/5)

کعب بن مالک (م:50ھ/670ء): کعب بن مالک بن عمرو بن قین انصاری سلمی خزرجی رضی اللہ عنہ بہت مشہور صحابی ہیں۔ دور جاہلیت کے مشہور شعراء میں سے ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے شاعر رہے۔ انھوں نے اکثر غزوات میں شرکت کی۔ یہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہنے والے ان تین اشخاص میں سے ایک ہیں جن کی توبہ پچاس دن کے بعد قبول ہوئی۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ہونے والے قاتلانہ حملے میں ان کا دفاع کیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد کسی جنگ میں شرکت نہیں کی۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے تھے۔ 77 سال کی عمر پا کر فوت ہوئے۔ ان سے 180 احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام: 228/5)

لبید بن ربیعہ (م:41ھ/661ء): ابوعقیل لبید بن ربیعہ بن مالک عامری رضی اللہ عنہ کا شمار دور جاہلیت کے کبار شعراء میں ہوتا ہے۔ نجد کے رہنے والے تھے۔ دعوتِ اسلام کا زمانہ پایا۔ اپنی قوم بنوجعفر بن کلاب کے ساتھ وفد کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئے۔ ان کا شمار صحابہ اور مؤلفۃ القلوب میں ہوتا ہے۔ کوفہ میں زندگی بسر کی۔ سات معلقات لکھنے والوں میں سے ایک ہیں۔ لمبی عمر پائی اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں 145، 157 یا 110 سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ (الأعلام: 240/5، دیوان لبید، ص: 23،22)

لیلیٰ بنت ابی حثمہ: ام عبداللہ لیلیٰ بنت ابی حثمہ (خیثمہ) بن حذیفہ بن غانم بن عامر قرشیہ عدویہ رضی اللہ عنہا اولین مسلمانوں میں سے تھیں۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی۔ حبشہ اور مدینے کی طرف ہجرت کی۔ ان کے خاوند کا نام عامر بن ربیعہ ہے۔ انھوں نے دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی۔ (الإصابة: 303/8، الاستیعاب، ص: 917)

مالک بن زہیر جشمی: یہ مشرکین مکہ کے ماہر تیراندازوں میں سے تھا۔ غزوۂ احد میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسے نشانہ بنایا۔ ان کا تیر اس کی آنکھ میں لگا اور وہ مر گیا۔ (المغازي للواقدي، ص: 194 و 202)

مبشر بن عبدالمنذر: مبشر بن عبدالمنذر بن زنبر بن زید بن امیہ بن زید انصاری اوسی رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں اپنے دونوں بھائیوں ابولبابہ اور رفاعہ کے ساتھ شریک تھے۔ مبشر رضی اللہ عنہ جنگ بدر ہی میں شہید ہوئے۔ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ (أسد الغابة: 43/4، الاستیعاب، ص: 694)

مجذر بن زیاد (م: 3ھ/625ء): حضرت مجذر بن زیاد بن عمرو بن اخرم بلوی رضی اللہ عنہ بہت اچھے شہسوار تھے۔ شاعر بھی تھے۔ انھوں نے سوید بن صامت کو دور جاہلیت میں قتل کیا تو اسی وجہ سے جنگ بعاث برپا ہوئی۔ بنوخزرج کے ساتھ مسلمان ہوئے۔ مجذر ان کا لقب تھا۔ انھیں غزوۂ احد میں حارث بن سوید بن صامت نے اپنے باپ کے بدلے میں شہید کیا۔ (الأعلام: 279/5)

محمد بن اسحاق بن خزیمہ (223-311ھ/838-924ء): ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ سلمی نیشاپوری رحمہ اللہ مشہور محدث اور فقیہ ہیں۔ نیشاپور میں پیدا ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ اپنے زمانے میں نیشاپور کے امام تھے۔ حصول علم کے لیے عراق، شام، الجزیرہ اور مصر کا سفر کیا۔ ان کی تالیفات و تصانیف کی تعداد 140 کے قریب ہے۔ ان میں الصحیح بہت مشہور ہے۔ (سیر أعلام النبلاء: 365/14، الأعلام: 29/6)

محمد بن کعب قرظی (40-120ھ/661-737ء): ابوحمزہ محمد بن کعب بن سلیم قرظی مدنی کے والد بنی قریظہ کے قیدیوں میں سے تھے اور کم عمری کی بنا پر زندہ رہ گئے تھے۔ محمد القرظی کوفہ میں رہتے تھے، پھر مدینہ منورہ رہائش پذیر ہوئے۔ علم تفسیر میں بہت ماہر تھے، مستجاب الدعوات تھے۔ (سیر أعلام النبلاء: 65/5)

محمد بن مسلمہ (35 قبل ہجرت-43ھ/589-663ء): ابوعبدالرحمٰن محمد بن مسلمہ بن سلمہ بن خالد بن عدی بن مجدعہ اوسی انصاری رضی اللہ عنہ ان اشخاص میں سے ہیں جن کا نام زمانۂ جاہلیت میں محمد رکھا گیا تھا۔ بدری صحابی ہیں۔ ان کا شمار اکابر صحابہ میں ہوتا ہے۔ غزوۂ تبوک کے سوا دیگر غزوات میں شریک رہے۔ بعض غزوات کے موقع پر مدینے کے والی بھی رہے۔ واقعۂ جمل اور صفین میں شریک نہیں ہوئے۔ مدینہ میں فوت ہوئے۔ (الأعلام: 97/7، الإصابة: 28/6، اٹلس سیرت نبوی، ص: 235)

محمد نفس زکیہ (93-145ھ/712-762ء): ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب، ارقط، مہدی اور النفس الزکیہ کے لقب سے معروف ہیں۔ ان کی ولادت اور پرورش مدینے میں ہوئی۔ بہت بڑے عالم، دلیر اور سخی تھے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے انھیں قتل کر کے ان کا سر خلیفہ منصور عباسی کو ارسال کیا۔ النفس الزکیہ بہت سرخ و سفید اور تنومند پہلوان تھے۔ لوگ انھیں قتال کرنے میں حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔ (الأعلام: 220/6)

مروان بن حکم (2-65ھ/623-685ء): ابوعبدالملک مروان بن حکم بن ابی العاص بن امیہ بن عبدشمس بن عبدمناف بنی امیہ کے

خلفاء میں سے تھے۔ یہ بنوحکم بن ابی العاص میں سے سب سے پہلے خلیفہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ مکہ میں پیدا ہوئے۔ طائف میں پرورش پائی اور مدینے میں رہے۔ واقعۂ جمل میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف سے اور واقعۂ صفین میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے شامل تھے۔ 42 تا 49 ھ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کے گورنر رہے۔ دمشق میں طاعون کی بیماری کی وجہ سے فوت ہوئے۔ ان کی مدتِ حکومت 9 مہینے اور 18 دن ہے۔ یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے شامی سکے ڈھالے اور ان پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ لکھا۔ ان کی انگوٹھی کے نشان میں العزة لله (ساری عزت اللہ کے لیے ہے) درج تھا۔ (الأعلام: 207/7)

مطعم بن عدی (م: 2ھ/623ء): مطعم بن عدی بن نوفل بن عبدمناف بن قصی قرشی زمانۂ جاہلیت میں بنونوفل کے سردار اور جنگ فجار میں ان کے سربراہ تھے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طائف سے واپسی کے موقع پر مکہ میں پناہ دی۔ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنھوں نے صحیفۂ قریش کو چاک کیا تھا۔ آخری عمر میں نابینا ہوگئے اور غزوۂ بدر سے پہلے فوت ہوگئے تھے۔ ان ہی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ بدر کے موقع پر فرمایا تھا: ''اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتے اور مجھ سے ان بدبودار لوگوں کے بارے میں بات کرتے تو میں ان کی خاطر انھیں چھوڑ دیتا۔'' (صحیح البخاري: 3139، الأعلام: 252/7)

معاذ: معاذ بن حارث بن رفاعہ بن حارث بن سواد بن مالک انصاری خزرجی نجاری رضی اللہ عنہ، ابن عفراء کے نام سے مشہور ہیں۔ عفراء بنت عبید بن ثعلبہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ معاذ اور ان کے دونوں بھائی عوف اور معوذ رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ یہ دونوں بھائی اس غزوے میں جام شہادت نوش کر گئے اور معاذ رضی اللہ عنہ باقی تمام غزوات میں شریک رہے۔ ان کا شمار انصار میں سب سے پہلے مسلمان ہونے والوں میں ہوتا ہے۔ (أسد الغابة: 147,146/4)

معوذ: معوذ بن حارث بن رفاعہ رضی اللہ عنہ ابن عفراء کے نام سے مشہور تھے اور معاذ رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ عفراء بنت عبید بن ثعلبہ ان کی والدہ کا نام تھا۔ بیعت عقبہ اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے۔ غزوۂ بدر میں شہید ہوگئے۔ (الإصابة: 152/6)

منصور بن عبد شرحبیل: ابوالروم منصور بن عبد شرحبیل بن ہاشم بن عبدمناف بن عبدالدار بن قصی۔ بنوہاشم اور بنومطلب سے قریش کے بائیکاٹ کی دستاویز لکھنے والوں میں اس کا نام بھی شامل ہے جس کے نتیجے میں بنوہاشم اور بنومطلب شعب ابی طالب میں محصور ہوگئے۔ (الجمهرة لابن حزم، ص: 127)

موسیٰ بن طلحہ (م: 106ھ/724ء): تابعی ابوعیسیٰ موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ تیمی اپنے زمانے کے فصیح ترین آدمی تھے۔ مہدی کے لقب سے مشہور تھے۔ کوفہ میں رہتے تھے۔ وہاں سے بصرہ چلے گئے۔ ان سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ (الأعلام: 323/7)

موسیٰ بن عقبہ (م: 141ھ/758ء): ابومحمد موسیٰ بن عقبہ بن ابوعیاش اسدی رحمہ اللہ آل زبیر کے غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ماہر تھے۔ مدینہ کے رہنے والے تھے۔ روایت میں ثقہ تھے۔ سیرت و مغازی کے عنوان سے ان کی کتاب مشہور اور معتبر ہے۔ (تهذيب التهذيب: 360/1، سير أعلام النبلاء: 114/6، الأعلام: 325/7)

موسیٰ ہادی (144-170ھ/761-786ء): موسیٰ ہادی بن محمد مہدی بن ابوجعفر عبداللہ منصور خراسان کے شہر ''رے'' میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ محمد مہدی کی وفات کے بعد چوتھا عباسی خلیفہ (169-170ھ/785-786ء) منتخب ہوا۔ اس نے اپنا ولی عہد اپنے بیٹے جعفر کو بنا دیا لیکن اس کی والدہ خیزران نے موسیٰ کو قتل کروا کر اس کے چھوٹے بھائی ہارون الرشید کو خلعتِ خلافت پہنائی۔ (الدولة العباسية،

ص : 84، الأعلام : 327/7)

مہدی (127-169ھ/744-785ء): ابوعبداللہ مہدی محمد بن عبداللہ المنصور بن محمد بن علی بن عبداللہ عباسی رضی اللہ عنہ اہواز میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد 158-169ھ/775-785ء میں خلیفہ رہے۔ بڑے سخی اور بہادر تھے۔ بغداد کی جامع مسجد الرصافہ انھی نے تعمیر کرائی تھی۔ (مروج الذهب: 377/4، الكامل لابن الأثير: 259/5، الأعلام: 221/6)

نواب صدیق حسن (1248-1307ھ/1832-1890ء): ابوالطیب محمد صدیق خان بن حسن بن علی بن لطف اللہ حسینی بخاری قنوجی کی پیدائش اور پرورش قنوج میں ہوئی۔ نواب کے لقب سے مشہور ہیں۔ دہلی میں علم حاصل کیا۔ بھوپال کی طرف بغرضِ معیشت سفر کیا۔ ان کی شادی بھوپال کی حکمران ملکہ شاہجہان بیگم سے ہوئی۔ ان کے علمی ورثے میں سے فتح البيان في مقاصد القرآن اور الروضة الندية بہت مشہور ہیں۔ (الأعلام : 167/6)

ہشام بن عمرو: ہشام بن عمرو بن ربیعہ بن حارث بن حبیب بن جذیمہ بن مالک بن حسل بن عامر بن لؤی، اس نے شعب میں مسلمانوں کو مدد بہم پہنچائی اور قریش کی بائیکاٹ والی دستاویز پھاڑ ڈالی۔ (الجمهرة لابن الكلبي، ص : 111، الجمهرة لابن حزم، ص : 170)

ہند بنت عتبہ (م : 14ھ/635ء): ہند بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبدشمس بن عبدمناف قرشیہ ہاشمیہ رضی اللہ عنہا، اموی خلیفہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی والدہ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے بہت شعروشاعری کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب مخالفت کرتی رہیں۔ فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کے ایک رات بعد یہ بھی مسلمان ہوگئیں۔ ان کا شمار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرنے والی عورتوں میں ہوتا ہے۔ (الأعلام : 98/8، أسدالغابة : 416/5)

ہیثمی (735-807ھ/1335-1405ء): ابوالحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان ہیثمی مصری قاہری اپنے دور کے بہت بڑے عالم ومحدث تھے۔ ان کے علمی ورثے میں مجمع الزوائد و منبع الفوائد اور موارد الظمآن مشہور ہے۔ (الأعلام : 266/4)

اماکن

اجیاد: یہ جِیدٌ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ''گردن'' ہیں۔ اصیل گھوڑے کو بھی جید یا جواد کہا جاتا ہے۔ اجیاد مکہ مکرمہ کے دو مشہور پہاڑ ہیں جن پر گاؤں کی شکل میں آبادی ہے۔ یہ دونوں صفا کی مغربی جانب سب سے قریب واقع ہیں۔ ایک اجیاد کبیر اور دوسرا اجیاد صغیر کہلاتا ہے۔ اجیاد صغیر کو اجیاد السد بھی کہا جاتا ہے۔ اس علاقے میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی رہائش تھی۔ (معجم البلدان، مادة: أجياد، معجم المعالم الجغرافية، ص : 19، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

بَرْکُ الْغِمادیا البرک: یہ سعودی عرب کے صوبہ عسیر میں بحر احمر کے ساحل پر واقع ایک شہر ہے۔ یہ مکہ سے تقریباً 600 میل دور قنفذہ جازان شاہراہ پر آباد ہے۔ صوبہ عسیر کے دارالحکومت ابہا سے اس کا فاصلہ تقریباً 100 کلومیٹر مغربی جانب ہے۔ اس نام کی وہاں ایک وادی بھی مشہور ہے۔ برک ایک خوشبودار پودے کا نام ہے جو حجاز میں بُعَیثِران کے نام سے معروف ہے۔ اسی جگہ عبداللہ بن جدعان مدفون ہے۔ آج کل یہاں بندرگاہ ہے۔ اس علاقے کا تذکرہ قدیم نصوص اور اقوالِ صحابہ میں ملتا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: برك

الغماد، معجم المعالم الجغرافية، ص: 42، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، أطلس المملكة العربية السعودية، ص: 203)

تہامہ: بلادِ حجاز میں ہر اس جگہ کو تہامہ کہا جاتا ہے جو اونچی نہ ہو۔ بکری نے اس کے حدود کا تعین کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مشرق کی طرف "ذات عرق" اور حجاز کی طرف السّرج تک ہے۔ السّرج، الفُرع کے نواح میں ایک بستی کا نام ہے۔ اس کے اور مدینہ منورہ کے مابین 72 میل کی مسافت ہے۔ (فتح الباري: 860/8) عام جغرافیائی اصطلاح میں تہامہ شمالاً جنوباً حجاز اور بحیرۂ احمر کے درمیان پھیلا ہوا ہے۔

ثبیر: مکہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے۔ ثبیر نام کے کئی پہاڑ مشہور ہیں۔ مکہ میں اس نام کے چار پہاڑ ہیں۔ جو زیادہ مشہور ہے، وہ عرفات اور مکہ کے درمیان ہے۔ اس کو ثبیر الاعرج کہتے ہیں۔ ثبیر دراصل بنو ہذیل کے ایک آدمی کے نام سے مشہور ہوا جو یہاں وفات پا گیا تھا۔ (معجم البلدان، تاج العروس، مادة: ثبر)

ثنیۂ بیضاء: یہ پہاڑ مکہ کے شمال مغرب میں مسجد تنعیم (مسجد عائشہ ؓ) کے پاس ہے جو بیت اللہ سے تقریباً 6 کلومیٹر دور واقع ہے۔ اس کے دامن میں وادی الفخ ہے۔ مدینہ منورہ سے مکہ آتے ہوئے یہاں پولیس کی چیک پوسٹ ہے جو اسی پہاڑ کے دامن میں ہے۔ (معجم البلدان، مادة: البيضاء، معجم المعالم الجغرافية، ص: 54، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

جبل قعیقعان: یہ مکہ مکرمہ کے مغرب میں واقع ہے۔ اس کی اونچائی 430 میٹر ہے۔ آج کل اس کا نام جبل قرن ہے اور یہ حارۃ الباب سے القرارہ تک پھیلا ہوا ہے۔ (معجم البلدان، مادة: قعيقعان، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا، بوابة الحرمين)

حجر: یہ یمامہ کا مرکزی شہر تھا۔ یہاں بنو حنیفہ آباد تھے۔ یہیں 12 ھ میں مرتدین کے خلاف خونریز معرکہ برپا ہوا جس میں مسیلمہ کذاب مارا گیا۔ حجر کی جائے وقوع جدید شہر الریاض (سعودی دارالحکومت) کے قریب ہے۔ (أطلس الحديث النبوي، ص: 139)

دومۃ الجندل: یہ سعودی عرب کے شمالی صوبہ الجوف کا ایک تاریخی شہر ہے جو صوبائی دارالحکومت سکاکا کے جنوب مغرب میں 40 کلومیٹر دور ہے۔ اشوریوں نے اس کو ادوماتو یا ادموکا نام دیا۔ اس علاقے میں مشہور بُت وَدّ نصب تھا۔ یہ شہر 9ھ میں خالد بن ولید ؓ کے ہاتھوں فتح ہوا۔ یہاں حصن مارد بھی واقع ہے۔ یہ خاصا سرسبز اور شاداب علاقہ ہے۔ (معجم البلدان، مادة: دومة الجندل، معجم المعالم الجغرافية، ص: 128، وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

ذوالمجاز: یہ بازار، سوقِ عکاظ کے بعد عرفہ کے قریب کبکب پہاڑ کے مغربی طرف لگتا تھا۔ اس بازار کا دورانیہ آٹھ دن تھا۔ ذوالمجاز عرفات سے دائیں طرف ایک فرسخ کے فاصلے پر ہے۔ (معجم البلدان، مادة: المجاز، معجم المعالم الجغرافية، ص: 278)

ذی قار: یاقوت حموی کہتے ہیں: یہ سرزمین عراق میں کوفہ اور واسط کے درمیان بکر بن وائل کی ایک وادی ہے۔ یہاں پانی بہتا ہے۔ اس علاقے میں شاہِ حیرہ نعمان بن منذر اور اہلِ فارس کے درمیان مشہور لڑائی ہوئی تھی جس میں عرب فتح یاب ہوئے تھے۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر کے کچھ عرصہ بعد رونما ہوا تھا۔ ان دنوں ذی قار عراق کا ایک صوبہ ہے جس کا دارالحکومت الناصریہ دریائے فرات پر واقع ہے۔ (معجم البلدان، مادة: قار، أطلس العالم، ص: 37)

ربذہ: یہ مدینہ سے مشرق کی طرف 175 کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ایک مقام ہے۔ یہاں قدیم ربذہ کے آثار بھی ہیں۔ (أطلس المملكة العربية، ص: 189)

سوق عکاظ: سوق عکاظ زمانہ جاہلیت میں عربوں کا سب سے بڑا میلہ تھا۔ عکاظ مکہ اور طائف کے درمیان وادی میں ایک نخلستان کا نام تھا۔ یہ وادی مکہ کی نسبت طائف کے زیادہ قریب تھی کیونکہ اس کے اور طائف کے درمیان صرف دس میل کا فاصلہ تھا۔ یہ وادی صنعاء یمن کے راستے پر وادی ''قرن المنازل'' سے ایک مرحلہ پیچھے تھی۔ بکری کے قول کے مطابق یہ میلہ واقعہ فیل سے پندرہ سال پہلے شروع ہوا اور 129 ھ تک ہر سال لگتا رہا حتی کہ ایک دن یہ میلہ خارجیوں نے لوٹ لیا۔ اس وقت سے لے کر یہ اب تک بند ہے۔ یہ میلہ شوال میں پورا مہینہ جاری رہتا تھا۔ لوگ اس میلے میں خرید وفروخت کرتے، شعراء اپنے اشعار کا جادو جگاتے تھے، خطیب خطابت کے جوہر دکھاتے تھے اور ایک دوسرے پر فخر ومباہات کا اظہار کرتے تھے۔ عرب شعراء کے کلام میں اس کا کثرت سے تذکرہ ہے، مثلاً: حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

سَأَنْشُرُ إِنْ حَيِيتُ لَكُمْ كَلَامًا   يُنَشَّرُ فِي الْمَجَامِعِ مِنْ عُكَاظِ

''اگر میں زندہ رہا تو تمھیں اپنا کلام سناؤں گا، یہ کلام عکاظ کی محفلوں میں بھی سنایا جاتا رہے گا۔''

عکاظ میں لوگ جس جگہ ڈیرے ڈالتے تھے، اسے ''ابتداء'' کہا جاتا تھا۔ وہاں بڑی بڑی چٹانیں تھیں جن کے گرد وہ طواف کرتے، پھر وہ مجنہ میں آجاتے اور 20 ذی القعدہ تک وہاں قیام کرتے تھے۔ (فتح الباري: 8/856,855)

شُعیبہ: یہ بحیرۂ احمر کے ساحل پر حجاز کے علاقے میں ایک بستی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ یمن کے سمندری راستے پر واقع ایک بستی کا نام ہے۔ مہاجرین حبشہ یہیں سے کشتی میں سوار ہوکر حبشہ کی بندرگاہ مصوع پہنچے تھے۔ (معجم البلدان، مادة: شعيبة)

قرن المنازل: اسے وادی حرم بھی کہتے ہیں۔ غزوۂ طائف سے مکہ آتے ہوئے نبی ﷺ نے یہیں سے عمرے کے لیے احرام باندھا تھا۔ (اٹلس سیرت نبوی، ص: 113)

قراقر: یہ بادیۂ سماوہ (عراق) میں بنوکلب کی ایک وادی ہے۔ (معجم البلدان: 4/317) یہ دریائے فرات کے جنوب میں ذوقار سے کچھ فاصلے پر واقع ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، (نقشہ)، ص: 87)

کوفہ: یہ عراق کے دارالحکومت بغداد کے جنوب کی طرف 170 کلومیٹر دور اور صوبہ نجف کے شمال مشرق کی طرف 10 کلومیٹر دور دریائے فرات کے کنارے واقع ہے۔ اس شہر کو سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فتح ایران (القادسیہ) کے بعد 638ء میں آباد کیا تھا۔ اس نے اموی خلافت میں ترقی پائی، پھر عباسیوں نے 749ء میں اپنا دارالحکومت بنایا۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے بھی اس کو اپنا دارالخلافہ بنایا تھا۔ یہ بصرہ سمیت علم کا مرکز رہا۔ اس کی طرف بہت سے علماء منسوب ہیں۔ (معجم البلدان، مادة: الكوفة، المنجد في الأعلام، ص: 475، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

موصل: دیار ربیعہ کا صدر مقام موصل شمالی عراق میں دریائے دجلہ پر واقع ہے۔ یہ تاریخی شہر اموی اور عباسی خلافتوں میں صوبہ الجزیرہ کا دارالحکومت رہا۔ چوتھی صدی ہجری میں یہاں بنوحمدان کی حکومت رہی۔ 521ھ/1127ء میں موصل میں اتابک عماد الدین زنگی کی حکومت قائم ہوئی۔ اس کے جانشین یہاں 631ھ/1233ء تک حکمران رہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں امیر تیمور نے موصل فتح کرکے حضرت یونس اور حضرت جرجیس علیہ السلام کے مقابر کے لیے قیمتی اوقاف مقرر کیے۔ سولھویں صدی عیسوی میں آق قویونلو ترکمان اور پھر صفوی اور عثمانی موصل پر حکمران رہے۔ موصل کی آبادی چھ سات لاکھ ہے۔ اس کے قریب وادیٔ دجلہ وفرات (میسوپوٹیمیا)

کے قدیم شہر نینوئ کے کھنڈر ملتے ہیں۔ (اٹلس سیرت نبوی، ص: 178، أطلس التاريخ العربي الإسلامي، ص: 197-203، اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 7/819)

نصیبین: الجزیرہ (دجلہ و فرات کا درمیانی علاقہ) کا تاریخی شہر نصیبین جنوبی ترکی میں شامی سرحد پر واقع ہے۔ اس کے بالمقابل سرحد پار شام کا شہر القامشلی ہے۔ شمالی عراق کے شہر موصل اور نصیبین کا درمیانی فاصلہ تقریباً اڑھائی سو کلومیٹر ہے۔ ماضی میں موصل سے شام جانے والے قافلے نصیبین سے گزرتے تھے۔ نصیبین اور اس کی نواحی بستیوں میں 40 ہزار باغات تھے۔ شہنشاہ فارس نوشیروان ساسانی (م: 579ء) نے جب اس کا محاصرہ کیا تو شہر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے طیرانشاہ سے بڑی تعداد میں بچھو منگوائے اور انھیں شیشے کی بوتلوں میں بھر بھر کر عرادہ (منجنیق جیسی مشین) کے ذریعے شہر میں پھینکا تو اہل شہر ان بوتل بموں کی تاب نہ لا سکے اور شہر فتح ہو گیا۔ (معجم البلدان، مادة: نصيبين، اٹلس سیرت نبوی، ص: 133,134)

وادیِ حنین: یہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک تنگ اور دشوار گزار گھاٹی تھی۔ یہ گھاٹی مکے سے تین میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ بظاہر یہ محض ایک غیر آباد اور بے آب و گیاہ مقام تھا جو 8ھ میں غزوۂ حنین کے باعث تاریخ اسلام میں شہرت پا گیا اور بعد میں کبھی آباد نہ ہوا۔ (اٹلس سیرت نبوی، ص: 409)

وادیِ سباع: یہ وادی بصرہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے اور بصرہ کے درمیان پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ آج کل بصرہ کے مغرب میں یہاں الزبیر نامی شہر آباد ہے جو ضلعی صدر مقام اور سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی جائے شہادت ہے۔ (معجم البلدان، مادة: وادي السباع، المنجد في الأعلام، ص: MiddleEast Travel Map 278)

وادیِ نخلہ: یہ مکہ سے طائف کے راستے میں ایک وادی کا نام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے جنوں کی ملاقات کا واقعہ بھی اسی مقام پر پیش آیا۔ ابن ولاّد کہتے ہیں کہ یہ دو وادیاں ہیں: نخلہ شامیہ، نخلہ یمانیہ۔ بطن مر کے پاس یہ دونوں وادیاں جمع ہو جاتی ہیں۔ (معجم ما استعجم: 4/1304)

اقوام و قبائل

بنو بکاء: یہ عدنانی قبیلہ ہے جس کا تعلق بنو عامر بن صعصعہ سے ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: بکاء، عمرو بن عامر بن ربیعہ بن عامر بن صعصعہ بن معاویہ بن بکر بن ہوازن۔ ان کا نسب قیس عیلان اور پھر عدنان تک پہنچتا ہے۔ یہ قبیلہ بصرہ سے مکہ کے راستے پر فلجہ کے مقام پر رہتا تھا۔ کوفہ کا محلّہ دار الحکیم اسی کی طرف منسوب ہے۔ (معجم قبائل العرب: 1/90)

بنو حارث: یہ عدنانی قبیلہ بنو تمیم کی شاخ ہیں۔ ان کا نسب یوں ہے: حارث الاعرج ابن کعب بن سعد بن زید مناۃ بن تمیم۔ (معجم قبائل العرب: 1/231)

بنو حارث بن خزرج: یہ قحطانی ازدی قبیلہ بنو خزرج کی ایک شاخ ہے۔ یہ لوگ مدینہ منورہ کے قریب علاقہ السُّنح میں رہتے تھے۔ ان کا نسب یوں ہے: حارث بن خزرج بن حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو مزیقیا۔ (معجم قبائل العرب: 1/228)

بنو حضارمہ: مشرقی یمن میں واقع صوبہ حضرموت کی طرف منسوب لوگوں کو حضارمہ یا حضارم کہا جاتا ہے۔ کچھ اہلِ انساب انھیں بنو حضرموت

سے بھی موسوم کرتے ہیں۔ ان کا علاقہ بُحیرۂ عرب پر واقع تھا۔ یہ لوگ قحطانی تھے۔ 9 ھ میں مسلمان ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف کئی خطوط بھیجے۔ ملوکِ حضرموت بہت مشہور رہے۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 218، معجم قبائل العرب: 282/1، وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا)

بنوساعدہ: یہ بنوخزرج کی ایک شاخ ہیں۔ مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ ان کا نسب یوں ہے: ساعدہ بن کعب بن خزرج۔ سقیفہ بنوساعدہ انھی کی طرف منسوب ہے۔ اسی سقیفہ (سائبان) میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت ہوئی۔ (معجم قبائل العرب: 495/2)

بنو عامر بن لؤیّ: یہ عدنانی قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: عامر بن لؤیّ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ۔ اس کی نسل میں سے عمرو بن ودعامری بہت مشہور ہوا۔ (معجم قبائل العرب: 713/2، الأعلام: 254/3)

بنوعبس: عبس بن بغیض بن ریث بن غطفان۔ یہ عدنانی قبیلہ بنوقیس عیلان سے ہے۔ یہ لوگ نجد، کوفہ اور شام میں رہتے تھے۔ ان سے بہت سے پہاڑ، وادیاں، چشمے اور جنگیں منسوب ہیں۔ (معجم قبائل العرب: 738/3، نهاية الأرب، ص: 213، المنجد في الأعلام، ص: 369)

بنوفزارہ: یہ عدنانی قبیلہ بنوغطفان کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: فزارہ بن ذبیان بن بغیض بن ریث بن غطفان۔ فزارہ کے پانچ بیٹے تھے: عدی، سعد، شمخ، مازن اور ظالم۔ یہ لوگ نجد اور وادی القریٰ میں رہتے تھے۔ بنوفزارہ کا ایک وفد 9 ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہوا۔ اوائلِ اسلام میں انھوں نے مصر کی طرف ہجرت کی۔ وہاں قاہرہ اور صعید مصر میں سکونت اختیار کی۔ ان میں سے کچھ مغرب عربی کے علاقے طرابلس اور برقہ کے درمیان رہتے تھے۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 352، معجم قبائل العرب: 918/3، الأعلام: 145/5)

بنو قارہ (عضل): عضل بن ہون بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس مضری قبیلے بنوکنانہ کی شاخ بنوعضل کا جد امجد ہے۔ اس کی اولاد اس کے بھائی الدیش کی اولاد کے ساتھ گھل مل گئی تھی اور وہ اپنی دادی قارہ کے نام کی مناسبت سے بنوقارہ مشہور تھے۔ یہ لوگ تیر اندازی کے ماہر تھے۔ (نهاية الأرب، ص: 329، معجم قبائل العرب: 787/2، الأعلام: 235,234/4)

بنوکعب: یہ عدنانی قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ ان کا نسب یوں ہے: کعب بن لؤی بن غالب بن فہر بن مالک۔ نبی ﷺ کے جدِّ امجد کعب کی کنیت ابوہُصیص ہے۔ یہ خطیب بھی تھے۔ عرب کے ہاں ان کا بہت بڑا مقام تھا۔ عام الفیل سے پہلے سارے عرب ان کی وفات سے تاریخ لکھتے تھے۔ انھوں نے سب سے پہلے جمعے کے دن اجتماع کا طریقہ جاری کیا۔ یہ جمعے کو قریش کو جمع کر کے وعظ کرتے تھے۔ قُصیّ ان کے پرپوتے تھے۔ (نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 364، معجم قبائل العرب: 987/3، الأعلام: 228/5)

بنوکلب: یہ کلب بن وبرہ بن تغلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ سے منسوب ہے۔ اس نام کے اور بھی قبائل موجود ہیں لیکن یہ زیادہ مشہور ہوا۔ ان کی بستیاں دومۃ الجندل، کوفہ اور دمشق کے درمیان السماوہ میں تھیں۔ دومۃ الجندل میں انھوں نے ''وُدّ'' بت نصب کر رکھا تھا۔ یہ بنوامیہ کے ساتھی تھے۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے بنوکلب کی ایک خاتون میسون سے شادی کی تھی۔ (نهاية الأرب، ص: 365، معجم قبائل العرب: 991/3، الجمهرة لابن حزم، ص: 455)

بنومحارب: ان کا نسب یوں ہے: محارب بن خصفہ بن قیس بن عیلان ابن مضر بن نزار بن معد بن عدنان، یہ قبیلہ آل عدنان کی

مشہور شاخ ہے۔ان کے مساکن میں سے وادی ذوجوفر بہت مشہور ہے۔(معجم قبائل العرب : 1042/3)

بنومُرَّہ: یہ عدنانی قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے۔ان کا نسب یوں ہے: مرہ بن کعب بن لؤی بن غالب۔مرہ بن کعب رسول اللہ ﷺ کے اجداد میں سے تھے۔نسب نبوی میں ان کا سلسلہ نمبر ساتواں ہے۔9ھ میں بنومُرہ کے 13 آدمی وفد کی شکل میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔انھوں نے چند دن مدینہ میں قیام کیا، پھر اپنے علاقے کی طرف لوٹ گئے۔
(الجمهرة لابن الكلبي، ص:25، نهاية الأرب للقلقشندي، ص:374، معجم قبائل العرب :1073/3)

بنونجار: یہ بنوخزرج کی ایک شاخ ہے۔بنونجار کا نسب یوں ہے: تیم اللہ النجار بن ثعلبہ بن عمرو بن خزرج بن حارثہ بن عمرو مزیقیا۔رسول اللہ ﷺ کی ننھیال انھی میں سے تھی۔مدینہ میں ان کی گڑھی (قلعہ) العریان بہت مشہور تھی۔خادم رسول ﷺ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بھی انھی میں سے تھے۔(نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 79، معجم قبائل العرب :1173/3)

بنونضر: یہ عدنانی قبیلہ ہے۔ایک قول کے مطابق نضر ہی کو قریش کہا گیا ہے۔اس کا صحیح نسب اس طرح بیان ہوا ہے: نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔(نهاية الأرب للقلقشندي، ص: 80، معجم قبائل العرب: 1183/3، الأعلام: 33/8)

قبیلۂ دوس: بنوزہران کی شاخ قبیلہ دوس، عسیر کے بڑے قبائل میں سے ایک تھا۔اس کی دو شاخیں بنومنہب اور بنوفہم تھیں۔بنوفہم کا علاقہ الباحہ کے شمال مغرب میں واقع ہے۔اس کے شمال میں بنومالک، جنوب میں بنومنہب کا علاقہ اور وادی ام عمر، مشرق میں وادی تربہ اور مغرب میں تہامہ اور جبل ظہر الغدا ہیں۔اس کی مساحت تقریباً 300 مربع کلومیٹر ہے۔یہاں کی آبادی تقریباً 7000 نفوس پر مشتمل ہے۔(معجم قبائل العرب :394/1، منتديات قبيلة دوس بني فهم، انٹرنیٹ)

ہمدان: یہ یمنی قبیلہ کہلان کی ایک شاخ ہے۔ان کے دیار یمن کے دارالحکومت صنعاء کے شمال میں واقع تھے۔ان کا نسب بنوہمدان بن مالک بن زید بن اوسلہ بن ربیعہ بن خیار بن مالک بن زید بن کہلان ہے۔عہد جاہلیت میں سواع اور یعوق ان کے بت تھے۔9ھ میں ہمدان کا ایک وفد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔آپ نے ان کو امان نامہ لکھ دیا اور عطیے سے بھی نوازا۔(معجم قبائل العرب: 1225،1224/3) یاد رہے ہمدان نام کا ایک شہر بھی ہے جو ایران کے صوبہ ہَمَدان کا دارالحکومت ہے۔

متفرقات

آبنائے باسفورس: یہ ایک آبنائے (Strait) ہے جو ترکی کے یورپی حصے (رومیلیا) کو ایشیائی حصے (اناطولیہ) سے جدا کرتی اور یورپ اور ایشیا کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔اسے آبنائے استنبول بھی کہا جاتا ہے۔یہ تنگ آبنائے بحیرۂ اسود کو بحیرۂ مرمرہ سے ملاتی ہے۔باسفورس (Bosporus) تیس کلومیٹر لمبی ہے۔اس آبنائے کے اوپر دو پل ہیں: ایک باسفورس پل اور دوسرا فاتح سلطان محمد پل۔یہ پل استنبول شہر کے یورپی حصے کو ایشیائی حصے سے ملاتے ہیں۔(وکی پیڈیا انسائیکلوپیڈیا، المنجد في الأعلام، ص: 147)

اشتراکیت (Socialism): اشتراکیت ایک سیاسی فکر (یا نظام) ہے جس کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ پیدائش و تقسیم دولت کے ذرائع نجی سرمایہ داروں کے ہاتھ سے لے کر پورے سماج (معاشرے) کے حوالے کر دیے جائیں۔چونکہ حکومت و قوم کے پاس منافع کا محرک نہ

ہوگا، اس لیے مزدوروں اور کارخانوں میں کام کرنے والوں کو بہتر معاوضہ مل سکے گا، دولت کی مساویانہ تقسیم ممکن ہوگی اور مزدوروں کا استحصال ختم کیا جا سکے گا۔ اشتراکی تحریک کو (اشتمالیت یا Communism کی شکل میں) ایک نیا موڑ دینے اور اسے سائنسی بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش مشہور جرمن یہودی مفکر کارل مارکس Karl Marks (1818-1883ء) اور اس کے ساتھی فریڈرک انگلس Fredrick Engeles (1820-1895ء) نے کی۔ مارکس اشتمالی فلسفے اور اشتمالی تحریک کا بانی و پیام بر ہے۔ اس کی مشہور و معروف کتاب ''سرمایہ'' (Das Capital) اشتمالی دنیا کے لیے انجیل کا درجہ رکھتی ہے۔ مارکس کے بقول طبقہ واریت، یعنی مزدور اور سرمایہ دار کی کشمکش اس وقت ختم ہوگی جب پرولتاری (Prolitarian) طبقہ انقلاب کے ذریعے اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لے گا اور اشتراکی اصولوں کو سماج میں جاری کر دے گا، پھر مملکت کی ضرورت ہی نہ رہے گی اور ایک غیر طبقاتی اور غیر سیاسی سماج ظہور میں آئے گا۔

زارانِ رُوس کے آخری دور میں اشتمالیت (کمونزم) کے افکار کو روس میں بڑی پذیرائی ملی۔ 1917ء کے روسی کمونسٹ انقلاب کی رہنمائی یہودی نژاد لینن (1872-1924ء) نے کی۔ اس نے سرمایہ داری ختم کرنے کے لیے پرولتاری انقلاب، یعنی عوام اور مزدوروں کے انقلاب کو ضروری بتایا۔ لینن عالمگیر انقلاب کا داعی تھا لیکن جب روسی کمونسٹوں نے اقتدار سنبھالا تو انھوں نے روس میں بدترین کمونسٹ آمریت قائم کر دی۔ یاد رہے اشتراکیت کمونزم کی پہلی منزل تھی۔ دوسری طرف چینی اشتمالی تحریک کے قائد ماؤزے تنگ (1893-1976ء) نے مارکسیّت لینینیّت (Marxism-Leninism) کو چینی یا ایشیائی روپ دینے میں رول ادا کیا۔ اس نے اشتمالیت کے حصول کے لیے گوریلا جنگ کی تکنیک اپنائی اور کسان اور مختلف طبقات کے لوگ اکٹھے کر کے اکتوبر 1949ء کا کمونسٹ انقلاب برپا کیا۔ (اردو انسائیکلو پیڈیا، نئی دہلی: 364,363/2) 1991ء میں سوویت رُوس کی شکست و ریخت کے نتیجے میں مشرقی یورپ سے اشتراکیت (سوشلزم) یا کمونزم کا صفایا ہوگیا۔ اب عوامی جمہوریہ چین، شمالی کوریا، ویت نام، لاؤس، کمبوڈیا، کیوبا وغیرہ چند ممالک ہی میں کمونسٹ حکومتیں برسرِ اقتدار ہیں مگر وہاں بھی پہلے کی سی سختی باقی نہیں رہی اور سرمایہ دارانہ پالیسیاں بروئے کار لائی جا رہی ہیں۔

جنگِ جمل: جنگِ جمل اس مشہور اور الم انگیز واقعے کا نام ہے جو جمادی الآخرہ 36ھ بمطابق دسمبر 656ء میں بصرہ کے قریب سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا بدلہ لینے کے مسئلے پر رونما ہوا۔ اس میں ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہما تھے۔ اسے جنگِ جمل اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میدانِ جنگ میں عسکر نام کے ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ: 422/7)

جنگِ صفین: جنگِ صفین کا سانحہ شیعانِ علی اور شیعانِ معاویہ کے درمیان 37 ہجری میں مقام صفین میں ہوا۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب قتلِ عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے کے لیے نکلے۔ ان کا خیال تھا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین کو جگہ دی ہے۔ دوسری طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین کا دعویٰ تھا کہ ہم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلین میں سے ہیں نہ ہم نے ان کو کوئی جگہ دی ہے۔ (البداية والنهاية (محقق): 436/7، تاريخ الإسلام لحسن إبراهيم حسن: 300/1)

خُمس: اس سے مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ مراد ہے۔ خمس کی صراحت اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اس طرح فرمائی ہے: ﴿ وَاعْلَمُوٓا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَىْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُۥ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِى ٱلْقُرْبَىٰ وَٱلْيَتَـٰمَىٰ وَٱلْمَسَـٰكِينِ وَٱبْنِ ٱلسَّبِيلِ ﴾ ''اور (اے مسلمانو!) جان لو کہ تم جو کچھ بھی مالِ غنیمت حاصل کرو، اس میں سے پانچواں حصہ یقیناً اللہ کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور (اس کے) رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔'' (الأنفال 41:8) اس مال کا اختیار وقت کے اسلامی حکمران کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اجناس کی

زکاۃ میں بھی یہ اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ (جامع المسانید والسنن لابن کثیر: 372/7، الاستیعاب، ص : 442,441)

دجلہ: یہ تاریخی دریا مشرقی ترکی کے پہاڑوں سے نکل کر عراق کے میدان کو سیراب کرتا ہوا دریائے فرات کے ساتھ آملتا ہے۔ ان دونوں دریاؤں کے مجموعی دھارے کو شط العرب کہتے ہیں۔ دجلہ کے کنارے بہت سے شہر آباد ہیں، مثلاً: بغداد، سامراء اور موصل وغیرہ۔ (وکی پیڈیا انسائیکلو پیڈیا)

سبائی: عبداللہ بن سبا یہودی (م:40ھ/660ء) کے پیروکاروں کو سبائی کہا جاتا ہے۔ ابن سبا نے مسلمانوں کی صفیں منتشر کرنے کے لیے اسلام قبول کرنے کا ناٹک کھیلا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا۔ یہ لوگ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے۔ عبداللہ بن سبا یمن کا رہنے والا تھا۔ اس نے حجاز، بصرہ اور کوفہ کا سفر کیا، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں دمشق آیا تو لوگوں نے اسے نکال دیا، وہ مصر چلا گیا۔ وہاں اس نے سبائیت کی دعوت پھیلائی۔ اس کا لقب ابن السوداء تھا۔ یہ اپنے عہد کا سب سے بڑا زندیق تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے آگ میں جلا دیا۔ (الأعلام : 88/4، لسان المیزان : 289/3)

فرقۂ خوارج: خوارج وہ لوگ تھے جو علی بن ابی طالب اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم کی اطاعت سے نکل گئے، پھر انھوں نے ایک مستقل فرقے کی شکل اختیار کر لی اور ان کے عقائد اہل سنت والجماعت کے عقائد سے بالکل مختلف ہو گئے، پھر یہ گروہ بھی مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ یہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کو کافر قرار دیتے ہیں اور ان کا خون بہانا حلال سمجھتے ہیں۔ فاسق حکمرانوں سے بغاوت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ بعض صحابہ کو بھی معاذ اللہ کافر قرار دیتے ہیں۔ (معجم لغة الفقهاء، ص: 201، الموسوعة الميسرة في الأديان والمذاهب والأحزاب المعاصرة: 1054,1053/2)

معرکۂ اجنادین: اجنادین فلسطین میں راستوں کا سنگم تھا جہاں رومی فوج سے 13ھ/634ء میں جنگ ہوئی جو مسلمانوں نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی قیادت میں جیت لی۔ اس لڑائی میں 3 ہزار رومی قتل ہوئے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 193)

معرکۂ جلولاء: یہ جنگ مسلمانوں نے ایرانیوں کے خلاف ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لڑی جس میں ایک لاکھ ایرانی ہلاک ہوئے۔ جلولاء فتح مدائن کے آٹھ ماہ بعد اول ذی قعدہ 16ھ/24 نومبر 637ء کو مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا۔ دریائے دیالا پر واقع جلولاء ان دنوں قزل رباط کہلاتا ہے۔ (اٹلس فتوحات اسلامیہ، ص: 127,126)



سیرت انسائیکلوپیڈیا

رہبرِ انسانیت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے ''اسوۂ حسنہ'' ہیں۔ آپ ﷺ کی اتباع کیے بغیر دنیا و آخرت میں کوئی کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکات اور عظیم کارناموں پر سب سے زیادہ کتابیں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ سیرت کے اس ہجوم نجوم میں دارالسلام کا زیرِ نظر سیرت انسائیکلوپیڈیا ''اللؤلؤ المکنون'' اپنی نوعیت کا نہایت منور، منفرد اور ممتاز علمی و تحقیقی ارمغانِ عقیدت ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کے مطالعے سے رسالت مآب ﷺ کی مقدس زندگی کے ہر گوشے کے بارے میں علم و بصیرت کی بھرپور روشنی ملے گی۔

یہ سیرت انسائیکلوپیڈیا کی تیسری جلد ہے۔ اس میں آپ بعثتِ نبوی کا وہ انقلاب آفرین واقعہ پڑھیں گے جب غارِ حراء کی بلندیوں پر قائد انسانیت حضرت محمد ﷺ کے سر پر ختم نبوت کا تاج رکھا گیا۔ پھر آپ ﷺ نے اللہ رب العزت کے حکم پر دین حنیف کی دعوت کا عَلَم بلند کیا۔ اسلام کا آفتابِ عالم تاب چمکا تو مشرکین مکہ چونک پڑے۔ انھیں اپنے توہماتی عقیدوں اور اپنی قیادت و سیادت کے محل ڈولتے اور ڈوبتے نظر آئے، چنانچہ انھوں نے رسالت مآب ﷺ کو دین حنیف کی تبلیغ و دعوت سے روکا مگر حضرت محمد ﷺ اعلان حق سے پیچھے نہیں ہٹے۔ کفار و مشرکین نے مفلوک الحال مسلمانوں پر ہولناک تشدد شروع کردیا۔ چنانچہ ہجرتِ حبشہ ہوئی۔ حالات و حوادث کے اس پس منظر میں آپ غلبۂ اسلام کی پیش گوئیاں پڑھیں گے۔ آخر میں آپ کو خورشیدِ اسلام کی کرنیں مکہ مکرمہ سے باہر نکل کر دور تک ضیا پاشیاں کرتی نظر آئیں گی۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
9786035001212